بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوٹ!

اس کہانی کے کردار، واقعات، نام، اور مقامات فرضی ہیں۔

کسی بھی شخص سے مطابقت (خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ) محض اتفاقیہ ہو گی۔

انتساب!

بسمل کا ہر لفظ، اللہ کے نام۔

وہ جس نے لکھوایا، اور وہی جو لکھوا رہا ہے۔

پیش لفظ!

تمام عزتیں، کامیابیاں، پذیرائی، محبتیں اور ستائش اللہ کے نام۔

سرما کی دھند دیکھی ہے؟ اس دھند میں سفر نہیں رکتے، ایک لمبا راستہ ہوتا ہے جسے طے کرنا ہوتا ہے۔ ہاتھ سردی سے منجمند ہو رہے ہوتے ہیں، ناک سرخ پڑتی ہے، سرد ہوا کے تھپیڑے جسم پہ بڑی بری طرح اثر کرتے ہیں لیکن سفر نہیں رکتا۔ اور جو سفر روک دیں انکی منزل دور رہ جاتی ہے۔

بسمل میرے لیے دھند کے پار کا سفر رہا ہے۔ دھند میں ہمیں معلوم نہیں ہوتا ہمارے سامنے کیا آئے گا۔ کوئی ٹرک، کوئی گاڑی، کوئی جانور کچھ بھی۔ لیکن ہم سفر شروع کر دیں تو دھند چھٹتی جاتی ہے۔ راستہ صاف ہوتا جاتا ہے اور ہم جو خوف لے کر نکلے ہوتے ہیں کہ سفر میں نہ جانے کسی کس شے، کس مصیبت اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا منزل تک پہنچتے ہوئے ہر وہ خوف زائل ہو جاتا ہے۔ ہر وہ تنگی، مشکل، دھندلاہٹ سب پیچھے رہتا ہے۔ ایک آپ ہوتے ہیں، ایک آپ کی منزل۔ اور سفر کی سختی؟ وہ کوئی نہیں پوچھتا۔ بسمل میرے لئے یہی سفر رہا ہے۔ سرما کی دھند سا سفر۔ ایک رسکی سفر جہاں مجھے نہیں پتہ تھا دھند چھٹ جانے کے بعد مجھے کیا ملے گا، راستے میں کس کس شے سے لڑنا ہو گا، کہاں ہمت ٹوٹے گی، کہاں اعضاء جامد ہوں گے، کہاں یہ دل کہے گا بس اب نہیں آگے جاتے جب یہاں اس قدر سردی اور سختی ہے ہے تو آگے کیسی راحت ملے گی؟ مگر ایک جنون اور شوق سفر تھا جس نے مجھے راستہ دکھایا۔

اور مجھے اعتراف کر لینے دیں کہ کم و بیش دو سال کے اس سفر نے مجھے بالکل نیا انسان بنا دیا۔ صبر، تحمل میں نے یہ دونوں سیکھے۔ ہر پچھلی تنقید پہ دل کو مضبوط کیا اور خود سے کہا کہ بسمل تمھیں منوائے گا۔ اور اسکے اختتام پہ مجھے واقعی ایسا لگا کہ بطور لکھاری ذرا برابر ہی سہی میں نے خود کو منوایا۔

بسمل مجھ سے اللہ نے لکھوایا ہے ہر اس روح کے لئے جو گھائل ہے۔ ہر اس بچے کے لئے جس کا بچپن برا تھا۔ ہر اس ماں کے لئے جسے نہیں پتہ کہ جو تکالیف اس نے دیکھی ہیں اپنی اولاد کو اس سب سے کیسے بچائے؟ ہر اس لڑکی کے لئے جو کام کرنا چاہتی ہے مگر اسے نہیں پتہ جب وہ باہر نکلے گی تو اس نے کیا سوچ کر نکلنا ہے اور کس سمت قدم اٹھانے ہیں۔ بسمل ہر اس مرد کے لئے لکھوایا گیا ہے جو چند گنے چنے برے مردوں کے درمیان حق اور عورت کے حقوق بھول گیا ہے۔ ہر اس باپ کے لئے جسے سیکھنا ہو گا اولاد کی پہلی درسگاہ اگر ماں کی گود ہے تو اسی بچے کا پہلا معلم اسکا باپ ہے۔ بسمل ہر اس انسان کے نام ہے جو سب کو معاف کر دیتا ہے اور ہر اس انسان کے نام بھی جو کسی کو معاف نہیں کرتا۔ بسمل ان لوگوں کے لیے لکھوایا گیا ہے جو زندگی میں تھک کر ایک جگہ بیٹھ چکے ہیں یہ کہانی انہیں ہاتھ سے پکڑ کر اٹھائے گی اور کہے گی "زیادہ سے زیادہ کیا؟"

میں کیوں اتنے یقین سے یہ کہہ رہی ہوں؟ اس لیے کیونکہ یہ میں نہیں تھی جس نے اس کہانی کو لکھ لیا یہ میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر بسمل لکھا گیا ہے تو اللہ اسے لکھوانا چاہتا تھا۔ آپ کے لیے، میرے لیے۔ ہر زخمی روح کے لیے۔

بسمل کیا ہے؟ ایک اچھوتی کہانی؟ ایسے کردار جو آپ نے دیکھے نہ پڑھے ہوں، یا پھر کوئی شاہکار؟ میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتی۔ میں بطور لکھاری صرف ایک چیز کہوں گی کہ بسمل "مختلف" ہے۔ ہمیں بچپن سے دکھایا اور پڑھایا گیا کہ مرد آئے گا محبت دے گا، خیال رکھے گا، دنیا یہاں سے وہاں کر دے گا۔ بالکل درست اچھا مرد ہمارے لئے بالکل یہی کرے گا۔ لیکن اگر کسی مرد کو اس کام میں ہماری ضرورت پڑی تو ہم کیا کریں گی یہ کسی نے کیوں نہیں بتایا؟

محبت کی سب قربانیاں، مشقت، سختی سب مرد پہ کیوں؟ دنیا میں سارے مرد بے حد مضبوط نہیں ہیں اور انہیں مضبوط بنانے کے لئے ہمیں کس طرح انکے ساتھ ٹھہرنا ہے یہ تو بتایا ہی نہیں گیا۔ بسمل مختلف ہے وہ آپ کو یہی بتائے گا۔

نیز بسمل میں چند فرسودہ جابر روایات کا ذکر ہے جو کہ محض کہانی کا "تڑکہ" برقرار رکھتے ہوئے لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ جن کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کسی صوبے، شہر، یا ملک کا پورا امیج اس ایک رسم، روایت یا بُرے رواج کے تحت بنالیں۔ ہر خطے میں کچھ اچھے اور کچھ برے لوگ ہوتے ہیں، کچھ درست اور کچھ غلط رواج رائج ہوتے ہیں جس سے آپ یہ اخذ نہیں کر سکتے کہ اس خطے کے تمام لوگ اسی دائرے کے گرد گھومتے ہیں۔

بسمل کسی دوسرے کی کہانی نہیں ہے۔اس میں آپ کرداروں کی نفسیات کو پرکھیں گے اور تب آپ کو علم ہو گا کہ کس طرح کچھ لوگوں کے قفس نے ہمیں جکڑ رکھا ہے اور ہمیں علم ہی نہیں۔کیسے ہم لوگوں کا قالین بنتے رہے ہیں،اور کس طرح ہمیں مضبوط ہونے کے غلط مطلب بتائے گئے۔اور کس طرح کچھ سرخ جھنڈے ہمیں اپنے خوبصورت گلاب کے سرخ رنگ میں جکڑ لیتے ہیں مگر در حقیقت وہ خون کا رنگ ہوتا ہے۔

قیس کمبیر،زینیا حاکم،مہدی کمبیر،براق حنیف،کونج حاکم،شیزل سیمسن،بشر حاکم اور حاکم نواب کی یہ کہانی کہیں نہ کہیں ہماری کہانی ہے۔انکے پچھتاوے ہمارے پچھتاوے ہیں۔انکی کامیابی ہماری کامیابی ہے۔اور انکے توڑے ہوئے پیٹرن ہمیں اپنا پیٹرن بنانا سکھائیں گے۔مختصر یہ کہ بسمل مختلف ہوتے ہوئے بھی ہماری کہانی ہے۔

اس کہانی نے میرے تقریباً دو سال لے لیے۔ان دو سالوں کے لئے مجھے پہاڑوں جیسا حوصلہ چاہیے تھا اور یہ دو سال میرا حوصلہ اللہ کے بعد میری بڑی بہن اور میری دو بہترین دوستوں نے برقرار رکھا۔مریم مظفر....ایک خیال کو ایک مکمل کہانی بنانے کے سفر میں میری مدد کرنے کے لئے شکریہ۔ہر قسط کے بعد ''مجھ سے لکھا نہیں جا رہا'' کی گردان برداشت کرنے کے لئے شکریہ۔میری بے وقت کی کالز اور میسجز کا جواب تحمل سے دینے کے لئے شکریہ۔اگر تم نہ ہوتیں تو بسمل نہ ہوتا۔اس سے زیادہ میں کیا لکھوں؟

گل جان،بسمل کو ایک تنقیدی نظر سے دیکھنا،اسے پرکھنا،اور میرے ساتھ مل کر اسے جینا یہ یقیناً ایک کٹھن عمل تھا اور تم نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔بسمل کا سفر تمہارے اور میرے لئے کئی اور زاویوں سے بھی خاص ہے اور رہے گا۔

میرے ٹوٹے حوصلے دوبارہ جوڑنے کے لئے،برے وقت میں میری ''ٹیک'' بنے رہنے کے لئے میں ساری زندگی تم دونوں کی شکر گزار رہوں گی۔

اسکے علاوہ میں چند اور لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔عائشہ بلوچ،صالحہ ایمان،زہرہ بتول،آمنہ مناہل،اور میری تمام دوستوں کا دل سے شکریہ۔میں زویا طالب کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے ''ناولز کی دنیا'' نامی ویب سائٹ پہ میرے کام کی تشہیر کی،اور ایڈٹنگ کے مراحل میں میری بہت مدد کی۔

اور جن لوگوں کا شکریہ میں چاہ کر بھی ادا نہیں کر سکتی وہ میرے آنلائن قارئین ہیں۔آپ لوگوں کا ساتھ، حوصلہ، سپورٹ میرے پاس وہ لفظ نہیں جن میں، میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔آپ سب میرا سپورٹ سسٹم ہیں۔

آخر میں بس اتنا کہ "بسمل" آپ کے لئے بہتری کا سفر ہو۔آمین۔آپ سب کی دعاؤں کی طلبگار۔

مہرالنساء شاہ میر۔

بسمل

از قلم

مہرالنساء شاہمیر

”باب اول: باب اول، تاثر“

اور کبھی نہ کرنا اعتبار

کسی شخص کے پہلے تاثر پہ۔

کیونکہ انسان کبھی وہ نہیں ہوتے

جو تاثر دیں وہ پہلی ملاقات میں۔

انسان ہوتا ہے سرمئی سیاہ اور سفید

دکھاتا ہے وہ اپنے رنگ وہ یک بہ یک۔

ہے منحصر اسکا تاثر تم پہ تم ہو کون؟

ہے تمہاری اہمیت تمہاری ذات کون؟

ایک بار جو ہو جائے تعین تمہاری ذات کا

پھر دیکھو گے کس طرح ہوتے ہیں تحلیل پہلے تاثر



یونان۔

رات کا آخری پہر تھا۔آسمان سیاہ سے سرمئی ہو رہا تھا۔آہستہ آہستہ نیلا ہونے کے لئے۔ٹھنڈی ہوائیں اس وقت وجود کو بھلی معلوم ہوتی تھیں۔سارے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔یوں کہ اگر تم قدم بھی زمین پہ دھر دو تو آواز میلوں تک جائے گی۔کہانی ایک لمبی سفید گلی سے شروع ہوتی ہے۔اندھیرا گھپ اندھیرا۔جس نے سارے میں راج کر رکھا تھا۔

گلی کا سرمئی اینٹوں والا فرش اطراف کے گھروں کی زرد بلکل ہلکی زرد روشنی میں سرمئی دکھائی پڑتا تھا۔یہ وہ وقت تھا جب ہر زی روح خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔لیکن یہی وہ وقت بھی تھا۔جس وقت آدھی دنیا کے جرائم ہوتے تھے۔یہی وہ وقت تھا جب آدھی دنیا گناہ کرتی تھی۔اور یہی وہ وقت تھا جب ہمارا اللہ ہماری دعاؤں پہ فوراً کن کہتا ہے۔

یہ ایک سفید لمبی گلی جس کے دونوں اطراف میں گھر بنے تھے۔اجلے سفید، گھر جن کے گنبد نیلے تھے۔بالکنیوں سے رنگیں پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔گلی اس وقت خالی تھی۔کوئی زی روح نظر نہ آتا تھا۔کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ہر طرف گہرا سکوت تھا۔ایسے میں ہمسائیہ گلی کے ایک کونے سے ایک اونچا لمبا آدمی اس گلی میں داخل ہوا تھا۔اسکے سفید بوٹ سرمئی فرش پہ پڑے۔کسی گھر کی زرد بتی میں اسکا چہرہ ہلکا سا واضح ہوا تھا۔کائی جیسی سبز آنکھیں۔دبتا رنگ۔مناسب نقوش۔وہ متناسب چال چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔کانوں میں سفید رنگ کے ایئر پوڈز لگے تھے، جنکی سرخ بتی جل بجھ رہی تھی۔

یہ گلی آگے جا کر ساحل کی جانب مڑتی تھی۔ شاید وہ مرد صبح ہونے سے پہلے ساحل جانا چاہتا تھا۔ یونان اپنے طلوع اور غروب آفتاب کے دلکش مناظر کے لئے بہت مشہور ہے۔ ساحل سمندر سے سورج کو طلوع ہوتے دیکھنا یقیناً یہ ایک دلفریب منظر ہوتا۔ سمندر کی نم ہوائیں جب سیاحوں کے بدن چھوتی تھیں تو دل میں انوکھی راحت دوڑ جاتی تھی۔ نیلے پانی کے سامنے بیٹھ کر دور دور سے نظر آتے اجلے سفید گھروں کو دیکھنا یہ زندگی کا بونس گفٹ تھا۔

اس پہر اس گلی میں داخل ہونے والا وہ واحد انسان نہیں تھا۔ کوئی تھا جو چند قدم کے فاصلے سے اسی گلی میں داخل ہوا تھا۔ اسکا لباس سفید تھا۔ لمبا سفید کافتان۔ یوں کہ اگر وہ گھر کی دیوار کے ساتھ ٹھہر کر اونچے مرد کا تعاقب کرے۔ تو دیوار کا حصہ معلوم ہو۔ دھیمی چال چلتا مرد یکدم رکا تھا۔ اسکی سبز آنکھیں تفکر سے سکڑی تھیں۔ سفید گھر۔ نیلا گنبد سب ٹھہر کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی نظریں محسوس ہوئی تھیں۔ شاید قدموں کی آہٹ بھی۔ ایک طائرانہ نظر اپنے اطراف میں ڈال کر چند لمحے ٹھہر کر وہ کندھے جھٹک کر ایک بار پھر چلنے لگا تھا۔ شاید وہم ہو شاید غلط فہمی خیر اسے کیا۔

وہ مسرور تھا۔ مسکراتا ہوا۔ بے پرواہ سا۔

چند قدم۔ چند مزید قدم۔ مزید چند قدم۔ اور وہ ایک بار پھر ٹھہر گیا۔ اب کی بار اسکی آنکھوں میں ہلکا سا خوف تھا۔ چہرہ فکرمند۔ وہ دیار غیر میں تھا۔ اور پچھلے ایک ہفتے سے اسے کوئی اپنے قریب محسوس ہوتا تھا۔ کوئی تھا جو اس پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ کوئی اسکے ساتھ قدم اٹھاتا تھا۔ اسکا تعاقب کرتا تھا۔ وہ محسوس ہوتا تھا نظر نہیں آتا تھا۔ اور اسکی یہی خصلت خوف زدہ کرتی تھی۔ بے چین کرتی تھی۔

سبز آنکھوں والے مرد کو یکدم جان کا خوف لاحق ہوا تھا۔ وہ اب تیز تیز قدم اٹھانے لگا تھا۔ چال کی مسروری دم توڑ گئی تھی۔ اب محض جلدی تھی۔ اس نہ ختم ہونے والی سفید گلی سے نکلنے کی جلدی۔ نم ہوائیں اب سازش کی بو سے بھر رہی تھیں۔ دم گھٹ رہا تھا۔

ہر چند لمحہ بعد اسے اپنی عقب سے آتی آہٹ مزید تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں اپنے تعاقب کار کا خوف اسکے دل کو برف کئے جا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے جونہی پیچھے دیکھتا گلی میں کوئی نظر نہ آتا۔ خوف سے اسکے سارے جسم میں ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ ریڑھ کی ہڈی سنسنا جاتی۔

اسکے قدموں کی تیزی کے ساتھ تعاقب کار کی نظروں کی تیزی بھی بڑھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک پل کے لئے بھی اس سبز آنکھوں والے مرد کو آنکھ سے اوجھل ہونے نہیں دے سکتا تھا۔

کلک کی آواز کے ساتھ سبز آنکھوں والے مرد کا دل ایک پل کو رک گیا تھا۔ اسے یقین آنے لگا اس کے عقب میں کوئی ہے۔ اور جو ہے اس نے ابھی ابھی اپنی گن لوڈ کی تھی۔ جان کا خوف بڑے بڑے سورماؤں کی حکمت عملی کو ردی کا ٹوکرا بنا دیتا ہے۔ اسی لمحے اونچے لمبے مرد کو احساس ہوا تھا۔

وہ محض تعاقب کار نہیں تھا۔ وہ جان لینے آیا تھا۔ تیز تیز چلتے قدم اب دوڑنے لگے تھے۔ اسے موت کا خوف تھا۔ یا شاید نہیں تھا۔ اسے بس یہ خوف تھا کہ یوں دیار غیر میں۔ یوں غیر مذہبیوں کے درمیان اسے نہ مارا جائے۔ کم از کم جینے تلک تو نہ مارا جائے۔

گلی کے عین بیچ و بیچ سبز آنکھوں والا مرد ٹھہر گیا تھا۔ اسکے چہرے پہ ہلکا ہلکا خوف تھا۔ گلی کی زرد بتیوں میں اسکے چہرے پہ پسینے کی بوندیں نظر آتی تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر رکا تھا۔ بھاگنا حل نہیں تھا۔

لمبی سفید گلی یوں تھی جیسے بھول بھلیاں ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ تعاقب کار اب دیوار کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

سبز آنکھوں والے مرد نے جھک کر گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے چند گہرے سانس لئے۔ اسکے سیاہ بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ وہ چند پل یونہی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا رہا۔ سانس بحال ہوا۔ خوف زائل ہوا۔ تعاقب کار نظر نہیں آیا۔ مرد سیدھا ہوا اب وہ الٹے قدم چلنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ بلی کی چال ہو جیسے۔ آنکھیں عقاب جیسی، بدن چوکنا۔ شاید اس نے کوئی حکمت عملی تیار کر لی تھی۔ الٹے قدم لیتے ہوئے وہ چند قدم ہی چلا ہو گا۔ جب اسکا تعاقب کار اس کے قدموں کی آہٹ سن باہر نکل آیا۔

اور اسے بغیر ایک لمحے کا وقت دیئے سبز آنکھوں والے مرد نے ہاتھ میں پکڑی ایئرپوڈ کی ڈبی اچھال کر اس کے عین سر کے مقام پہ دے ماری۔ آہ اسکا نشانہ اچھا تھا۔

سفید کافتان والا آدمی گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا تھا۔ درد کی ایک لہر تھی جو اسکے سر میں اٹھی تھی۔ اونچا لمبا آدمی اب تیز تیز قدم اٹھاتا گلی میں ایک جانب کو مڑ گیا تھا۔ جب تک اسکا تعاقب کار اٹھا۔ دکھتے سر کو انگلیوں سے مسلا۔ تب تک وہ اپنے ہدف کو کھو چکا تھا۔

پیر پٹختے ہوئے وہ واپس گلی میں چلا گیا۔ یہاں سے چند قدم دور ایک سفید گھر کی اوٹ میں وہ شخص بیٹھا تھا۔ وہ جس کی آنکھیں سبز تھیں۔ گھر کی بالکنی سے لٹکتی گلابی پھولوں کی لڑی اسکے بالوں کو چھو رہی تھی۔ اسکی آنکھیں اب چمک رہی تھیں۔ خوف زائل ہو چکا تھا۔

''مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔'' وہ زیرلب بڑبڑایا۔اوراٹھ کھڑا ہوا۔اسکی آنکھوں میں عجیب چمک تھی۔ مرنے سے بچ کر زندگی کی جانب آنے والی چمک۔چند لمحہ بعد اس نے اپنا موبائل نکالا۔اور مزید چند لمحوں بعد گلی میں اسکے موبائل سے نکلتی اونچی اونچی آواز گونج رہی تھی۔

''یہ راتیں، یہ موسم، ندی کا کنارہ، یہ چنچل ہوا۔''

وہ مسرور سا سر دھنتے ہوئے جارہا تھا۔ساحل سمندر۔طلوع آفتاب۔پرانے گانے۔کوئی ہے تو روک کر دکھائے اسے۔

****

بلوچستان، گوادر۔

اللہ اکبر اللہ اکبر

اللہ اکبر اللہ اکبر

بلوچستان کے شہر گوادر کے قریب ایک گاؤں میں فجر کی اذانیں بلند ہوئیں۔تو زمانے کی ساری کثافت دھلنے لگی۔چھوٹے سے گاؤں کی مسجد کی اذان سارے گاؤں کے گلی کوچوں میں دوڑتی چلی گئی۔آسمان سیاہ تھا۔یہ فجر کی پہلی اذان تھی۔کچھ لوگوں نے سن کر لبیک پڑھا۔اور کچھ تھے جو سن کر بھی سوتے بنے۔اس بات سے انجان کہ جس ہستی کو نیند میں ہونے کا دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس نیند اور سکوں کو بنانے والا بھی وہ خود ہے۔

الصلوت خیر من النوم

الصلوت خیر من النوم

موزن نے اپنی آخری سی کوشش بھی کر کے دیکھ لی تھی۔ لیکن کچھ تھے جنھوں نے نیند کو ترجیح دی اور کان لپیٹ کے سوتے پڑے رہے۔ موزن خاموش ہوا۔ تو سارے میں جیسے خاموشی پھیل گئی ہو۔ سارا گاؤں ساکن ہو گیا۔ اسی پہر ایک چھوٹے سے گھر میں موبائل کے الارم کی چیختی چنگھاڑتی ہوئی آواز نے کسی کی نیند میں خلل پیدا کیا تھا۔ جسے نظر انداز کیا گیا۔ لیکن زیادہ دیر تک نہیں۔ چھوٹے سے کمرے میں گونجنے والی آواز سر پہ ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی۔ لکڑی کے درمیانے سائز کے پلنگ پہ لیٹی دو لڑکیوں کی نیند بہت بری طرح خراب ہوئی تھی۔ کمرہ نہ زیادہ چھوٹا تھا نہ بڑا۔ بس درمیانہ تھا۔ کمرے کے عین بیچ میں لکڑی کا پلنگ تھا۔ دائیں جانب والی دیوار میں دیوار گیر الماریاں تھیں۔ جامنی رنگ کی الماریاں۔

''زینی بند کرو اس منحوس کو۔'' نیند میں ڈوبی ہوئی آواز۔ اور اس آواز کے ساتھ ہی موبائل کی آواز دم توڑ گئی تھی۔ دوسری لڑکی نے تکیے کے نیچے سے موبائل کھینچ نکالا تھا۔ اور الارم بند کر دیا۔ سکون سا تھا۔ جو اس چھوٹے کمرے میں ایک بار پھر پھیل گیا۔ چند لمحے موبائل بند کرنے والی لڑکی یونہی پڑی رہی۔ آنکھیں نیند سے بھری بھری تھیں۔ کچھ کچھ سرخ بھی۔ لیکن وہ انہیں با مشکل کھولے ہوئے تھی۔

''کاش فجر فرض نہ ہوتی۔'' وہ روزانہ دہرائے جانے والی سطر دہراتی اٹھ بیٹھی۔ مندی مندی آنکھوں کو مسلتی وہ کلسمندی سے چند منٹ بستر پہ بیٹھی رہی۔ نیم اندھیرے میں اسکا چہرہ واضح نہیں تھا۔ لیکن وہ کافی دراز قد معلوم ہوتی تھی۔ چند پل بعد اس نے پیر بستر سے نیچے اتارے۔ دوسری لڑکی دوبارہ سو چکی تھی۔ وہی جو الارم کی آواز سے بے زار ہوئی تھی۔ اور وہ جو اٹھ بیٹھی تھی وہ اب اپنے

موبائل کی ٹارچ لائٹ جلاتی کمرے کا دروازہ پار کرتی باہر نکل آئی تھی۔ اسے وضو جو کرنا تھا۔ چند پل بعد وہ واپس لوٹی تو آدھی بھیگی بھاگی سی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ وضو کرتے وقت خود کو اتنا بھگا دیتی تھی۔ واپس آکر اس نے کمرے میں موجود واحد سوئچ بٹن پہ ہاتھ مارا۔ تو سارا کمرہ پیلی زرد روشنی میں ڈوب گیا۔ اور اسی لمحے اسکے نقوش واضح ہوئے تھے۔

دراز قد سراپا، دبلی پتلی جسامت، بیضوی چہرہ جو کہ شفاف تھا۔ آنکھیں سنہری تھیں۔ زیادہ بڑی نہیں بس درمیانی۔ رنگت صاف تھی گوری گلابی سی۔ اسکا شمار خوبصورت لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ اسکا قد، یہ اس کا قد تھا جو اسے ممتاز کرتا تھا، یا پھر چہرے کی سنجیدگی اور رعب؟ وہ اپنے دیکھتے والوں کو چند پل کے لئے ٹھٹھکا سکتی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے جائے نماز نکالتے ہوئے اسکے ہاتھوں کی انگلیاں واضح ہوئیں۔ پتلی لمبی انگلیاں۔ جن کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے سر پہ ریشمی دوپٹہ ٹکا تھا۔ جسے وہ اب اتار رہی تھی۔ زرد بلب کی روشنی اب کے اسکے بالوں پہ پڑی تھی۔ اسکے بال بے حد خوبصورت تھے۔ شہد رنگ کمر سے ذرا اوپر تک آتے بال۔ جو کہ نہ ریشمی تھے نہ بے حد کھردرے اور سخت۔ اسکے بالوں کو دیکھ کر تم ضرور ایک بار انہیں چھو کر دیکھنے کی خواہش کرو گے۔ اس نے بالوں کو چٹیا کی طرح باندھ لیا اور اب کے اس نے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ سنہری آنکھیں اب بیدار تھیں۔ چند پل بعد وہ جائے نماز پہ بیٹھی سلام پھیرتی نظر آرہی تھی۔ اسی لمحے بیڈ پہ لیٹی لڑکی نے اپنا سر لحاف سے باہر نکالا تھا۔

''زینیا اللہ کا واسطہ ہے لائٹ بند کر دو۔'' وہ مقامی زبان بلوچی میں بڑبڑائی۔ اسکی آواز اب تک خمار آلود تھی۔ زینیا نامی لڑکی دعا مانگ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اندھیرا ہلکا ہلکا چھٹ رہا تھا۔ ہلکی سی سفیدی سارے میں اپنے پر پھیلانے کو تیار تھی۔

''کونج اب اٹھ بھی جاؤ ورنہ ابا کی پھٹکار سنو گی۔''زینیا اسے تنبیہ کرتی الماری کی جانب بڑھ آئی تھی۔نفاست سے ٹنگے جوڑے۔ سلیقے سے جوڑ کر رکھی ہر ایک چیز۔یہ الماری اس انسان کی تھی جسے خاندان میں perfectionist کہا جاتا تھا۔مجال ہے جو زینیا حاکم کی کوئی بھی چیز یہاں سے وہاں ہو جائے۔ذرا سا ہاتھ مار کر بلا خراس نے اپنی مطلوبہ شے نکال لی تھی۔اسکا کیمرہ۔اسکی متاع حیات۔اور اسکی فوٹو گرافی کے چند مزید سامان۔

''کونج میں چھت پہ جا رہی ہوں۔واپس آؤں تو تم مجھے جگی ہوئی چاہیے ہو۔''اب وہ دراز کھولے کھڑی تھی۔جس میں میں مختلف رنگز پڑی تھیں۔ایک گول ایک چکور اور ایک تکون۔پتلی تاروں سے بنی رنگز یہ شاید اسکی فوٹو گرافی کا سامان تھا۔انہیں وہ انگلیوں میں فٹ کر کے کیمرہ سیٹ کر کے یوں تصاویر کھینچا کرتی کہ لگتا تھا کسی دائرے کے درمیان سے تصویر لی گئی ہو۔کبھی کسی تکون کے درمیان سے تو کبھی چوکور۔

''زینی لائٹ بند کرتی ہوئی جانا....''ایک اور ہانک جسے وہ نظر انداز کر کے کمرے کی چوکھٹ پار کرتی چلی گئی تھی۔وہ مصروف لگتی تھی۔کچھ کچھ بے زار بھی۔بلکہ اسکے تو ماتھے پہ لکھا ہوتا تھا وہ ساری دنیا سے ناراض ہے۔

''اس گھر میں کوئی میری سنتا کیوں نہیں ہے۔لائٹ بند کروووو۔''وہ چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔بے زارا کھڑا،اکھڑا چہرہ۔پلنگ سے اترتے ہوئے اسکے انداز میں جارحیت تھی۔وہ اس گھر کا چھوٹا بچہ تھی۔اور گھر کے چھوٹے بچے کے دکھ سے بھلا کون ناواقف ہو گا۔

وہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی تھی۔ سیاہ بالوں اور درمیانے قد والی۔ اسکا رنگ سانولا تھا پکا سانولا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بھنویں جڑی۔ اسکے ہوئی۔ چہرے پہ جا بجا چکے دانوں کے ہلکے ہلکے داغ باقی تھے۔ وہ خوب صورت تھی۔ نقش پیارے تھے۔ لیکن کیا تھا جو اسے عام بناتا تھا؟

اس کا روکھا خشک اور بے جان چہرہ۔ جس پہ خشکی کی وجہ سے خشکی کے سفیدی کے چھلکے سے بن گئے تھے۔ سیاہ کندھے سے نیچے تک آتے بالوں کو گول مول باندھے وہ بے زاری سے باہر نکل گئی تھی۔

یہاں سے چند قدم چل کر سیڑھیاں چڑھ کر گھر کی چھت پہ آؤ تو بلوچی گگھا پہنے ہوئی دراز قد لڑکی ایک اسٹول پہ چڑھی کھڑی تھی ۔ دیواریں اونچی تھیں جسکی وجہ سے اسے مناظر قید کرتے ہوئے دقت ہوتی تھی۔ لیکن وہ زینیا تھی۔ مسائل سے پہلے اسکے پاس حل آیا کرتے تھے۔

اب وہ گردن ڈھلکائے بادلوں سے ڈھکے آسمان کی تصاویر لے رہی تھی۔ دفعتاً اسکے گگھے کی جیب میں پڑا موبائل تھر تھر آیا۔ نیم اندھیرا اور ابھرتی ہوئی روشنی میں اس کا دراز قد سراپا بارعب لگ رہا تھا۔ وہ اسٹول سے نیچے اتر آئی۔ گگھے کی جیب سے اپنا موبائل باہر نکالا۔ گگھا ایک طرح کا قبائلی لباس ہوتا ہے۔ جو کہ گول فراک کی طرح ہوتا ہے لیکن یوں کے اس میں گھیر نہیں ہوتا۔ بازو سینے اور دامن پہ مختلف قسم کے روایتی کشیدہ کاری کی ہوتی ہے۔ کبھی یہ گگھے شیشوں کے کام والے ہوتے ہیں۔ تو کئی بار سوئی یا پھر کنڈی کے کام والے بھی۔ اس وقت جو گگھا زینیا نے پہن رکھا تھا۔ اس پہ شیشوں کا کام ہوا تھا۔ موبائل ہاتھ میں لئے کیمرے کو کندھے سے لٹکائے وہ مصروف سی نوٹیفکیشن کھول رہی تھی۔

اسکے چہرے پہ نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔اسی نیلی روشنی میں اسکی فیروزے کی لونگ نظر آئی تھی۔یوں لگتا تھا جیسے اسکی ناک کے لئے ہی بنی ہو۔ کبھی کبھی کسی انسان کے ہاتھ، گلے، یا تن پہ پہنی چیز اتنی سج رہی ہوتی ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے یہ اسی کے لئے بنی ہو۔ زبردست۔

''آپ کے لئے ایک کام ہے، مس حاکم چند دن بعد ایک ٹریول گروپ آپ کے علاقے آرہا ہے۔ کیا آپ انکے لئے فوٹو گرافی کر سکتی ہیں۔۔۔؟''

انگریزی میں لکھا ایک تفصیلی پیغام۔اسکی سنہری آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔لبوں پہ ہلکی سی مسکان تھی۔اسی لمحے چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے کونج آتی دکھائی دی۔زینیا نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔وہ جب مسکراتی تھی تو آنکھیں چھوٹی ہو جایا کرتی تھیں۔چہرہ چمکنے لگتا تھا۔گال سرخ ہونے لگتے تھے۔

''تمھیں پتہ ہے کیا؟ مجھے ہمارے ہی شہر میں فوٹو گرافی کے لئے بلایا گیا ہے۔'' وہ خوشی سے بتا رہی تھی کونج کے تاثرات البتہ خشک ہی رہے۔

''نیچے جا کر ابا کو بتاؤ۔وہ ایک منٹ نہیں لگائیں گے اور تمہاری خوشی غارت۔'' بے زارا کھڑا لہجہ۔زینیا کے چہرے کی جوت بجھ گئی تھی۔اسکی آنکھیں واضح طور پہ اداس ہوئی تھیں۔البتہ کونج اب بھی بے نیازی سے ٹہل رہی تھی۔زینیا چند لمحے بے مقصد وہیں کھڑی رہی۔اور پھر وہاں سے ہٹ گئی۔ابھی اس نے نیچے جانے کو پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا ہی ہو گا۔جب کونج کی آواز پہ ٹھہر گئی۔

''اب جا کر ابا سے اپنی ناکام خواہشات کا بدلہ لو گی ناں؟ کیونکہ زینیا نے معاف کرنا تو سیکھا ہی نہیں۔''

اسکا لہجہ عام تھا۔ زینیا جانتی تھی اسے اپنی بہن سے مسئلہ نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت زینیا سے زیادہ اسکا اپنا دل جل رہا ہوگا۔ لیکن وہ ابا کے خلاف زہر اگلنا نہیں چھوڑے گی یہ طے تھا۔

سنہری آنکھیں ویسی نہیں گئیں۔ جیسی یہاں آتے وقت تھیں۔ ان میں بدلہ تھا، انتقام تھا۔ وہ ایک سازشی لڑکی تھی۔ جسے اپنی محرومیوں کا بدلہ لینا آتا تھا۔

سیڑھیوں پہ پڑتے اسکے قدموں کی آواز کسی سازش کا نگارہ بجا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

یونان

Greece

یونان جنوبی مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے۔ جو کہ سیاحت اور اپنے دلکش نظاروں کے لئے مشہور ہے۔ یونان کا دارالحکومت ''**ایتھنز**'' کہلاتا ہے۔ یہ ملک اپنے حیرت انگیز ساحلوں اور شفاف نیلے پانی کے لئے مشہور ہے۔ اسکے علاوہ سائیکلیڈک فن تعمیر کی خوبصورتی، غروب آفتاب کے دلکش مناظر، اور بے شمار سیاحتی مقامات بھی۔ یونان اپنے آپ میں ایک دل پہ سحر کر دینے والا ملک ہے۔ خوبصورتی، ثقافت کھانے، اور سیاحت۔ دنیا میں جب کہیں ان چیزوں کا ذکر ہوگا۔ وہیں یونان کا ذکر ضرور ہوگا۔ ہماری کہانی کا حصہ اس وقت یونان کا ایک جزیرہ ہے ''سینٹورنی'' نیلے اور سفید رنگ کا آمیزہ۔

سینٹورنی بے شک دنیا کے سب سے خوبصورت جزائر میں سے ایک ہے۔ یہ جذیرہ اپنی تاریخ، ساحل، کھانے اور سمندر کے کنارے بنے اپنے حیرت انگیز سفید گاؤں کے لئے بے حد مشہور ہے۔

سینٹورینی کا دارالحکومت گوکہ فیرا ہے۔ جسے یونان میں تھیرا یا تھیرااوں پا بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت ہم اوٗیا نامی ایک جادوئی شہر کی سیر کو نکلے ہیں۔ یہ شہر ایک کھری چٹان کی چوٹی پہ واقع ہے۔ اور اپنے سفید اور نیلے معکب شکل کے گھروں کے لئے مشہور ہے۔ اگر تم اویا کی سیر کو نکلو۔ تو تمھیں یوں لگے گا جیسے تمہاری زندگی میں بس دو رنگ ہیں۔

گھروں کے اوپر ہوا سفید رنگ۔ اور انکے گنبد پہ رنگا ہوا نیلا رنگ۔ یہ شہر بلکہ پورا کا پورا یونان اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں سیاح یہاں ہر سال آتے ہیں۔ زندگی میں اگر یونان کی سیر نہیں کی تو سیاحت ادھوری ہے۔

اویا شہر میں واقع ایک نیلا سفید کیفے اس وقت لوگوں سے کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ دنیا بھر سے آئے سیاح اور کئی مقامی لوگ اس وقت اسی کیفے میں جمع تھے۔ یہ ایک اوپن ایئر کیفے تھا۔ جہاں دیواریں سفید پینٹ میں ڈوبی تھیں۔ اور کرسیوں کو نیلے رنگ میں رنگ دیا گیا تھا۔ نرم گرم دم توڑتی دھوپ کرسیوں پہ بیٹھے لوگوں پہ پڑ رہی تھی۔ جہاں کرسیاں ختم ہوتی تھیں۔ وہیں اسی اختتام پہ ایک اسٹیج نما جگہ بنائی گئی تھی۔ شاید لوگ کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ کوئی تھا جو یہاں آکر ان سے مخاطب ہونے والا تھا۔

اسٹیج کی ایک جانب ایک لمبا چوڑا پوسٹر لگا تھا۔ جس پہ اس انسان کی تصویر لگی تھی ہاں اسی کی جس نے ابھی کچھ میں یہاں آکر ان تمام لوگوں کو اپنی بات سنانی تھی۔ کیونکہ اسے باتیں ہی آتی تھیں۔

انتظار کرتے کوفت زدہ چہروں، اشتیاق میں ڈوبے اپنی کافی ٹھنڈی کرواتے لوگوں کو چھوڑ بیک اسٹیج کی جانب آؤ تو۔ یہاں کھڑا تھا وہ آدمی۔ وہی جسکا چہرہ پوسٹر پہ لگا تھا۔ یہاں کافی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کپڑے، جوتے، لوگ، شاید یہ شو بے حد جلدی میں ارینج کروایا گیا تھا۔ دراز قد مرد سیدھا کھڑا تھا اسکے آس پاس دو لوگ تھے۔ ایک اسکا مائیک اسکی کمر پہ فٹ کر رہا تھا۔ دوسرا اسے بار بار ایک ورق پہ لکھے الفاظ دہرانے میں مدد دے رہا تھا۔ یہ زبان اسکے لئے انجان تھی۔ اسے الفاظ رٹنے میں دقت ہو رہی تھی۔ وہ سخت بے زار نظر آتا تھا۔

اسکے قد کے علاوہ ایسا کچھ نہیں تھا جو اسے قابل غور بناتا۔ سانولی رنگت رکھنے والا عام شکل مرد۔ جس کے بال سیدھے تھے۔ لیکن بے حد اسٹائلش انداز میں کٹے ہوئے۔ ناک کھڑی تھی۔ نقوش عام سے۔ ایک عام پاکستانی نقوش۔

وہ خوبصورت نہیں تھا۔ پر کشش بھی نہیں۔ اسکے چہرے پہ بس ایک چیز تھی جو چند پل کے لئے اسے دیکھنے کو مجبور کر دے گی۔ اسکی سبز کائی جیسی آنکھیں۔ وہ جو اسے مشرقی ہوتے ہوئے مغربی بناتی تھیں۔

اسکی کمر پہ مائیک کی تار فٹ کرتے ہوئے لڑکے نے شاید کوئی غلطی کر دی تھی۔ تار ٹوٹ کر نیچے گر گئی۔ مائیک کا کنکشن بھی ٹوٹ گیا۔ اب کے اس سبز آنکھوں والے مرد کی بس ہو چکی تھی۔ اسکی کوفت غصے میں بدل چکی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو مروڑ کر دور پھینکا۔ اور مائیک لگاتے لڑکے کو دھکا دے کر خود سے دور ہٹایا۔ اسکا چہرہ دہک رہا تھا۔ جبڑے بھینچ گئے تھے۔

"پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے تم لوگوں نے مجھے یہاں ذلیل کر رکھا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں غرایا تھا۔

''میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ میں مہدی کمبیر ہوں۔ میں نے اپنے مصروف ترین شیڈول میں تم لوگوں کے لئے وقت اس لئے نہیں نکالا۔ تاکہ مجھے یہاں ذلیل ہونا پڑے۔ا'' سکی آواز بلند نہیں تھی لیکن اس میں واضح ہتک تھی۔ ٹیم کے لوگ اسے رام کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

''میں مائیک لگا دیتا ہوں سر آپ...''

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا مائیک۔'' اس نے نوچ کر اپنے کانوں سے ایک ننھا آلہ اتارا تھا۔ جاتے جاتے ہاتھ میں پکڑا مائیک زور سے پرے اچھالا۔ جو کہ سیدھا ساتھ بیٹھے لڑکے کے ماتھے پہ آ کر لگا تھا۔

''بھک منگوں کے بھی کام کرنے پڑیں گے اب۔'' وہ اردو میں بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے اس لڑکے کے ماتھے سے سرخ پتلا خون بہنے لگا تھا۔ وہ اٹھارہ سالہ لڑکا نم آنکھوں سے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ پبلک اسپیکر جس کے لاکھوں لوگ مداح تھے ۔ وہ جو نرم خوش گفتار تھا۔ اسکا اصل یہ تھا؟ وہ خود کو کیا دکھاتا تھا اور تھا کیا۔؟

یونانی لڑکا روتے ہوئے اسکی پشت کو دیکھتا رہا۔ وہ چہرے پہ مکھٹ اوڑھے گھومتا تھا۔ باتیں جھوٹ تھیں۔ اور آنکھوں کی معصومیت فریب۔ وہ ایسا بلکل نہیں تھا جیسا مشہور تھا۔

سچا۔ معصوم۔ نرم گو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد

اسلام آباد اپنے آپ میں مگن خاموش پر سکون سا شہر ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ شہر بورنگ لگتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کے لئے اس شہر کا سکون انکی متاع حیات ہوتا ہے۔ ہماری کہانی کا حصہ ایک شیشے کی عمارت ہے۔ آسمان کی بلندیوں کو دیکھتے ہوئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھوتے ہوئے۔ اور سر سبز لہلہاتے درختوں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہوئے دور کہیں درمیان میں وہ شیشے کی عمارت بنی تھی۔ پہاڑ کی چوٹیوں جیسی آسمان کی بلندوں اور درختوں کی ٹھنڈک جیسی عمارت۔ جس کے ماتھے پہ لکھا تھا۔

"قیسم۔۔"

یہ ملک کے سب سے مشہور فیشن ہاؤس کا مرکزی دفتر تھا۔ کچھ عرصہ ہوا تھا کہ اس برانڈ کے کپڑے پہننا لوگ اپنی خوش قسمتی گردانتے تھے۔ شیشے کی چوکور عمارت اپنی تمام تر شان سے کھڑی تھی۔ نیلے بادل اس وقت آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے عمارت کو دھوپ سے بچا رہے تھے۔ صبح تازہ تھی۔ سڑکوں پہ زیادہ رش نہیں تھا۔

عمارت کا داخلی دروازہ پار کرتے ہوئے اندر آؤ گے تو تمھیں مختلف کیبنز دکھائی دیں گے۔ جن کے گرد شیشے کی ہی سرحد سی قائم ہو گی۔ نہ زیادہ لمبی نہ زیادہ چھوٹی۔ بس اسکا مقصد ایک کیبن کو دوسرے سے الگ دکھانا تھا۔ کچھ لوگ سر جھکائے ہاتھ میں مختلف پنسلز لئے اپنی اسکیچ بک کے پنے کالے کرتے نظر آرہے تھے کچھ لوگ یہاں سے وہاں بھاگتے ہوئے اپنے کام کرتے نظر آرہے تھے ۔ کسی کے ہاتھ میں گرافک ٹیبلٹ تھا۔ تو کسی کے ہاتھ میں کاغذ پنسل۔ کوئی اپنے کیبن میں بیٹھا گنگناتے ہوئے کوئی نیا ڈیزائن تیار کر رہا تھا تو کوئی اپنے پرانے بنائے ڈیزائن کو آخری ٹچ دے رہا تھا۔ یہ عمارت کا گراؤنڈ فلور تھا۔ یہاں وہ ڈیزائنرز بیٹھتے تھے جنکو ابھی

بہت سارا کام کرنا تھا تاکہ دوسری منزل پہ جا کر ملک کے نامور ڈیزائنرز کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ قیسم کی دوسری منزل پہ بیٹھ کر کام کرنا پاکستان کے ہر دوسرے ڈیزائنر کی آخری منزل تھی۔

دوسری منزل کے دورے کو فلحال ملتوی کر ہم تیسری اور آخری منزل پہ جائیں گے۔ یہاں مختلف آفس بنے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کوزی آفس رومز۔ جنکی دیواریں شیشے کی بنی تھیں۔ یوں جیسے گلاس والز۔ مرمریں راہداریوں میں بھورے سنگ مرمر کے فرش پہ قدم رکھتے ہوئے یہاں سے وہاں آتے جاتے ڈیزائنرز۔ انکی جھب ہی نرالی تھی۔ نچلی منزل کے برعکس یہاں کام کرتے لوگوں کی ناک ذرا اونچی تھی۔ وہ تم سے بات کریں گے تو گویا احسان کریں گے۔ تمھیں وقت دیں گے تو گویا جنت کا اعلان کریں گے۔

راہداریوں کے اختتام پہ ایک ہی آفس تھا۔ جہاں سے آگے جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اگر تمھیں آفس کا نقشہ سمجھنے میں دقت ہو رہی ہو تو یوں سمجھو جیسے ایک گلی میں سڑک کے دونوں اطراف بنے گھر۔ اور گلی کے اختتام پہ تمام راستوں کو بند کرتا ایک آخری گھر۔ ایک شاہی گھر۔ اسی شاہی گھر نما دفتر کا دروازہ کھول کر اس وقت ایک آدمی باہر نکلا تھا۔ اسکی چال بادشاہوں جسی تھی اسکا قد اسکا سراپا یوں تھا جیسے موت کے آخری لمحے تمھیں بچانے والا کوئی عظیم فرشتہ۔

فرشتے نما انسان کے سامنے ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ جو اسکے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔ اسکے چہرے پہ خوف تھا پیشمانی تھی۔ وہ کوئی پینتیس چھتیس برس کا عام صورت مرد تھا۔ اسکا نام ولید تھا۔ وہ قیسم کا سب سے ہائی کوالیفائیڈ ڈیزائنر تھا۔ اسکے بنائے ڈیزائن کئی سالوں یاد رکھے جاتے تھے۔ اسکے ہاتھوں میں جادو تھا۔

''تم وہ آدمی ہو جس نے قیس کمبیر کو دھوکہ دیا۔''ششنشاہ نما آدمی کی آواز راہداری میں گونجی تو سارے لوگ ٹھہر سے گئے۔ کچھ کی انگلیاں فوراً حرکت میں آئیں۔ دھڑادھڑ میسجز کئے گئے نچلی اور درمیانی منزل کے ملازمین کو بلایا جانے لگا۔

قیس آج پھر فارم میں آیا تھا۔ قیس آج بولنے والا تھا۔ سارے آفس بلکہ ساری دنیا پہ فرض تھا کہ اسے سنا جائے۔ وہ اتنا کم بولتا تھا کہ کئی لوگ اسکی آواز سننے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے۔

''تم نے ہمارے سمر کلیکشن(Summer collection)کے Visual ,sketch art ,inspiration story ہماری سال بھر کی محنت بیچ دی۔''اسکی بھاری آواز سارے میں ارتعاش سا پیدا کر رہی تھی۔ وہ جہاں کھڑا تھا اس جگہ ہلکا اندھیرا تھا۔ اسکا چہرہ واضح نہیں تھا۔ لیکن اسکی آواز کافی۔ اچھی تھی۔ جیسے خمار زدہ سی۔ نیند میں ڈوبی ہوئی۔

''آئی ایم سوری قیس... میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا... میں مجبور تھا قیس..... میری بیٹی بہت بیمار تھی اسے علاج کی ضرورت تھی۔ آپ سے ملنے والی تنخواہ بے حد کم تھی میں......''ولید ہکلا رہا تھا۔

''دھوکہ کبھی مجبوری نہیں ہوتا۔ یہ چوائس ہوتا ہے۔''

''تم نے اسے چنا ہے۔۔۔''فرشتہ صفت انسان نے اسکی بات کاٹی تھی۔ آس پاس کھڑے لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے تھے۔ اب کے نچلی اور درمیانی منزل کے ملازمین بھی یہیں جمع ہونے لگے تھے۔ لمبی چوڑی گلی نما راہداری اب کھچا کھچ بھر چکی تھی۔

''میں شرمندہ ہوں قیس...''آدمی ندامت سے سر جھکا کر بولا تھا۔ اسکی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ گردن جھک گئی تھی۔ غلط کام یونہی گردن جھکا دیتے ہیں۔

''کیا تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تم نے مجھے دھوکہ دینا کیوں ضروری سمجھا۔۔؟''

قیس نامی آدمی آگے بڑھ آیا تھا۔اب کے راہداریاں روشن ہو گئی تھیں۔شاید کوئی مسئلہ تھا جو حل ہو گیا تھا۔اس آدمی کے ارد گرد بھلا اتنے مسائل کیوں رہتے تھے۔؟

''میں مجبور تھا قیس۔...مجھے زیادہ پیسے چاہیے تھے۔میں نے دوسرے برانڈ سے بات کی۔ان لوگوں نے مجھے ایک آرٹیکل اسکیچ کرنے کو کہا۔''آدمی رک رک کر ندامت سے کہہ رہا تھا۔کچھ لوگ اسے تاسف سے دیکھ رہے تھے،کچھ تمسخر سے،کچھ حسد سے۔

''میں نے حامی بھر لی۔میں کام پہ لگ گیا حالانکہ یہ میرے معاہدے کے خلاف تھا۔میں آپ کے علاوہ کسی کے لئے کام نہیں کر سکتا تھا۔لیکن میں نے کیا۔'' اسکی آواز میں نمی گھل گئی۔فرشتہ صفت انسان بس اسکے چہرے کو دیکھتا رہا۔

''لیکن میں کام نہیں کر پایا میرا بلاک شروع ہو گیا تھا۔اور میں نے وہ visuals اٹھا کر دے دیے جو قیسم کے لئے تھے۔آئی ایم سوری، قیس آئی ایم سوری۔مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو گئی آئی ایم سوری۔''آدمی کے بس میں نہ تھا کہ قیس کے پیروں میں گر پڑتا۔وہ مرد ہو کر اس طرح رو رہا تھا۔

''آپ مجھے نوکری سے نکال سکتے ہیں۔لیکن میں التجا کروں گا کہ مجھے ایک چانس دیا جائے۔میں نے قیسم کو اپنے چھ سال دیئے ہیں ۔میری ایک غلطی کی وجہ سے میری نوکری ختم مت کریں۔''

ملازمین اب اسے ترحم سے دیکھ رہے تھے۔کچھ حسد سے۔کاش اسے نکالا نہ جائے پہلے گروہ نے سوچا۔خدا اسے جہنم واصل کرے دوسرے گروہ نے سوچا تھا۔

اب راہداریوں میں بس آدمی کے رونے کی آواز آتی تھی۔ وہ دھوکے باز بعد میں تھا۔ باپ پہلے تھا۔

قیس دو قدم آگے آیا۔ اسکا چہرہ اب سب کے سامنے تھا۔ ہر اندھیرے سے پاک۔ روشنیوں میں نہایا ہوا۔ اسکی رنگت گندمی مائل سی تھی۔ نقش خوبصورت تھے، آنکھیں سیاہ تھیں۔ ناک اٹھی ہوئی، بال ہلکے گھنگریالے تھے۔ یوں کہ اس کی شخصیت پہ بے حد خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ اگر اسکے بال گھنگریالے نہ ہوتے تو وہ کچھ بھی لگ سکتا تھا سوائے وجیہہ کے۔ چہرے پہ ہلکی بڑھی شیو تھی۔ جو اسکی کشش میں مزید اضافہ کرتی تھی۔ اس نے سرمئی تھری پیس پہن رکھا تھا۔ کلائی میں برانڈڈ گھڑی۔ پیروں میں لاکھوں روپے کے جوتے۔ وہ اس سلطنت کا بادشاہ تھا۔

"قیس کمبیر۔۔۔"

"تم نادم ہو؟" وہ اس ملازم کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ ولید نامی ملازم کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں، قیس۔ خدا کی قسم میں بے حد شرمندہ ہوں۔ مجھے خدا کے لئے معاف کر دیں۔ آپ چاہے مجھے نوکری سے نکال دو لیکن مجھے معاف کر دو۔" راہداری میں اب بس اسکے سسکنے کی آواز آتی تھی۔ سارے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔

"قیس کسی کی نوکریاں نہیں کھاتا۔" وہ فرشتے جیسا آدمی بولا تو چند ملازمین نے اسے فخر سے دیکھا۔ چند کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ چند نے اس فرشتے کو ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

''تم ہمارے ساتھ کام کروگے۔'' قیس کے الفاظ اسے روتے ہوئے آدمی کے اندر روح پھونک رہے تھے۔اسکے بس میں نہ تھا ورنہ اس فرشتے کے قدموں میں بیٹھ جاتا۔وہ تشکر اور ممنونیت سے قیس کا چہرہ تک رہا تھا۔

''اب کوئی کوتاہی مت کرنا ورنہ ذمہ دار تم خود ہوگے۔'' قیس کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔ابھی وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا کہ ایک آواز پہ رک گیا۔

''آپ کو چاہیے تھا کہ اسے نوکری سے نکال دیتے۔'' کسی ڈیزائنر کی ناپسندیدگی میں ڈوبی آواز۔

''قیس کسی کی نوکریاں نہیں کھاتا۔'' اس نے ایک ہی سطر کہی تھی اور اور پھر وہ آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

پیچھے راہداریوں میں لوگ اسکی پشت کو دیکھتے رہے۔فرشتہ صفت آدمی روشنیوں اور لوگوں کے درمیان سے نکلتا ہوا جا رہا تھا۔ اسکے لب مسکرا رہے تھے۔

کسی انسان کو معاف کر دینے والی مسکراہٹ۔

بلوچستان:

سیاہ لوہے کے گیٹ والا گھر اس وقت خاموشی میں ڈوبا تھا۔یہ گھر ایک چھوٹے سے محلے میں واقع تھا۔جہاں اسی طرح کے بے شمار گھر قطاروں میں تھے۔سیاہ بڑا سا دروازہ پار کرتے ہوئے اندر آؤ تو ایک بڑا سا درخت دروازے کے دائیں طرف لگا تھا۔جسکا سایہ اور شاخیں لوہے کے گیٹ پہ پڑتی تھیں۔

گھر رقبے میں کافی بڑا تھا۔اور محلے کے باقی گھروں کی نسبت اچھی حالت میں تھا۔دروازے کے بعد ایک بڑا سا صاف ستھرا صحن تھا ۔جہاں ایک کونے میں چارپائیاں کھڑی کی گئی تھیں۔ذرا آگے جاؤ تو دائیں طرف ایک ہینڈ پمپ لگا تھا۔جس کے عین نیچے برتن دھونے کے لئے سیمنٹ کی بنائی گئی پکی جگہ تھی۔گاؤں میں لوگ ایسے ہی صحن میں برتن دھونے کی جگہ بنایا کرتے ہیں۔صحن میں ایک طرف دو کمرے بنے تھے۔جو شاید استعمال نہیں ہوتے تھے۔کمروں کی سیدھ میں دو باتھروم بنے ہوئے تھے پکے سیمنٹ والے۔جنکا تازہ رنگ وروغن گواہ تھا کہ انہیں بنے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔صحن کے بیچوں بیچ ایک اور درخت تھا۔جسکا سایہ دوپہر کے وقت کافی گہرا ہوا کرتا تھا۔صحن کے اختتام پہ برامدے کا لکڑی کا بڑا سا دروازہ تھا۔دروازہ کھول کر اندر آؤ تو برامدے میں نرم قالین بچھے تھے۔برامدا یوں تھا جیسے امیروں کے گھروں کے ٹی وی لاؤنج۔برامدے میں پانچ کمرے بنے تھے ایک بلکل سیدھ میں سربراہی کمرہ۔دائیں طرف دو کمرے تھے۔اسکے سامنے ہی دو اور کمرے اور بس یہ تھی اس گھر کی کل متاع۔یہ تھا زینیا حاکم کا گھر۔

صحن کے ایک کونے میں واقع کچن سے اس وقت کھٹر پٹر کی آوازیں آتی تھیں۔سربراہی کمرے سے اس وقت کسی مرد کے زور زور سے چیخنے کی آواز آرہی تھی۔

"کوئی یہاں آئے گا یا سارے کے سارے جہنم واصل ہو گئے ہو؟" ادھیڑ عمر مرد چلا رہا تھا۔اسکے انداز میں ناگواری تھی۔چڑ تھی۔

''اللہ نے مجھے ہی ایسی بے غیرت اولاد دینی تھی۔ نا بیوی فرماں بردار اور نہ ہی اولاد۔ کمبختوں کوئی سن رہا ہے؟'' اب کے وہ حلق کے بل چیخے تھے۔ باہر پانی کی موٹر چل رہی تھی۔ جسکی وجہ سے صحن میں اس آدمی کی آواز نہیں جاتی تھی۔ لیکن سربراہی کمرے کے ساتھ والے کمرے میں یہ آوازیں بخوبی جارہی تھیں۔ اور انہی آوازوں کو سنتے ہوئے زینیا نے بستر سے اپنے قدم اتارے تھے۔ اسکی بہن ساتھ سوئی پڑی تھی۔ زینیا اچھے سے جانتی تھی اسکی بہن سو نہیں رہی۔ اسے ابا کی صور پھونکتی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ بس مکر کر رہی تھی۔ سونے کا مکر۔ لیکن ایسی چنگھاڑتی آوازوں میں کسی کا سونا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ دروازہ دھکیلتی باہر نکل آئی۔ ابا کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسکے ذہن میں اپنے انسٹا گرام کے ڈی ایم تھے۔

''کچھ چاہیے ابا۔؟'' نرم مدبر لہجہ۔

''اولادیں تم جیسی ہوں تو بس زہر کی کمی رہ جاتی ہے لادو۔'' حقارت اور طنز میں ڈوبے تیر۔ ''جاؤ اپنے بھائی صاحب کو اٹھا کر لاؤ۔ اس سے کہو مجھے گھر کا ناشتہ نہیں کرنا۔ تمہاری اس غیر ذمہ دار اور پھوہڑ ماں کو آج تک پراٹھے بنانے نہیں آئے۔ بازار جائے اور میرے لئے ناشتہ لائے۔''

کمرے کے پلنگ پہ بیٹھے ادھیڑ عمر مرد کا رنگ صاف تھا۔ بے حد صاف۔ نقوش آج بھی وجیہہ تھے۔ جوانی میں تو پھر کیا ہی بات رہی ہو گی۔ تنومند سا جسم۔ اور بھورے بال آج بھی یوں تھے۔ گویا پچیس کی جوانی۔ یقیناً حاکم نواب کا شمار وجیہہ مردوں میں ہوتا ہو گا۔ اگر وہ یہ غصہ اور طنز نہ کریں تو دنیا کے سب سے حسین انسان لگیں۔

''بشر سو رہا ہے ابا۔'' نپے تلے الفاظ۔ اٹھی ہوئی آنکھیں سیدھی گردن۔ آہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنا کوئی زینیا حاکم سے سیکھے۔

''سویا ہے تو کیا اٹھ نہیں سکتا؟ نواب صاحب ہے وہ۔ ؟ جاؤ ابھی کے ابھی اٹھا کر لاؤ اسے۔'' وہ سختی سے بولے تھے۔ زینیا کے قدم یونہی جمے رہے۔

''اٹھانے گئی تھی۔ آپ کا بھی کہا لیکن بشر نے کہا ہے وہ ساری رات کا جاگا ہوا ہے۔ سونے دو۔'' وہ جھوٹ پہ جھوٹ گڑھ رہی تھی ۔ بلا تامل کے۔ بنا جھجھک کے۔ اسکا انداز روبوٹک تھا۔ جذبے تو اسے چھو کر نہیں گزرتے تھے۔

''تم اولاد نہیں ہو عذاب ہو عذاب۔'' وہ برہمی سے کہتے ہوئے بستر سے اترنے لگے تھے۔ ''بیٹے باپ کا بازو ہوتے ہیں اور ایک ہماری اولاد ہے۔ باپ کو منہ پہ جواب دیتی ہے۔''

انہوں نے پیروں میں چپل ڈالے۔ میز پہ دھری مہران کی چابی جھپٹ کر اٹھائی۔

''گاڑی خراب ہے ابا۔ کل سے اسکے انجن میں مسئلہ ہے۔ آپ کو پیدل جانا ہو گا۔'' مہذب اور شائستہ لہجے میں دی گئی ایک اور اطلاع۔

اب کی بار حاکم تلملا اٹھے تھے۔ چابی کو زور سے چیس کے فرش پہ پٹخا۔ اپنی اولاد اور بیوی کی شان میں مزید چند القابات کا اضافہ کیا۔ اور باہر کی راہ لی۔ جاتے جاتے دروازہ زور سے مار کر گئے تھے۔ اسی دروازے کی آواز سن ایک فربہ سی عورت تیز تیز قدم اٹھاتی برامدے میں داخل ہوئی تھیں۔ انکا وزن بڑھا ہوا تھا۔ رنگت وہی کونج کی جیسی پکی سانولی۔ گال بھرے بھرے۔ آنکھیں

خوبصورت۔ مقامی لباس میں انکا سراپا بس ایک ماں جیسا لگتا تھا۔ سادہ ،خوبصورت۔اور معصوم۔ کبھی ماؤں سے زیادہ حسین انسان دیکھا ہے۔؟

''کیا ہوا ہے آپ کہاں جارہے ہیں۔؟''انہوں نے برامدے کا دروازہ پار کرتے اپنے شوہر سے پوچھا تھا۔وہ جو غصے میں بھرے ہوئے باہر جارہے تھے۔ برامدے کے دروازے پہ رک گئے۔

''تمہاری بے غیرت اولاد کے کرتوت برداشت نہ کرتے ہوئے جہنم واصل ہورہا ہوں۔ویسے کوئی خاص قصوراولاد کا بھی نہیں ہے۔جب ماں ایسی کم نسلی ہوگی پھر یہ سب تو ہونا ہے۔''وہ حقارت سے کہتے باہر نکل گئے تھے۔جاتے جاتے دروازہ ایسے زور سے مارا کہ انکی بیوی امینہ حاکم کے بازو سے لگا تھا۔

زینیا نے اپنے پہلو میں گری مٹھی بھینچ لی تھی۔امینہ بیگم خفت چھپانے کو یہاں وہاں دیکھنے لگی تھیں۔زینیا کی آنکھوں میں ڈھیر سارا اشتعال عود کر آیا تھا۔لیکن وہ ضبط کئے کھڑی رہی۔ابنارمل گھرانے کی ایک ابنارمل صبح کا آغاز ہوچکا تھا۔

''غصے میں بس ذرا سے چڑ چڑے ہوجاتے ہیں۔''وہ اپنی اس بیٹی کو صفائی دے رہی تھیں جسے ضرورت نہیں تھی۔زینیا کچھ نہیں بولی۔وہ کچھ بولتی ہی نہیں تھی۔وہ کونج نہیں تھی ناں۔اپنے کمرے کے پلنگ پہ لیٹی کونج کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہہ رہے تھے۔اسے رونا بہت آتا تھا۔روز ابا کی دل دکھانے والی باتیں سن سن کر وہ اسی طرح چپ چاپ رویا کرتی تھی۔

''تم اپنا بدلہ لے چکیں ناں زینی۔''وہ ہچکیوں کے درمیان بڑبڑائی تھی۔اور یہاں سے دورا گر باہر برامدہ اور صحن پار کرکے سیڑھیاں چڑھ کر چھت پہ آؤ تو کانوں میں ایئر پوڈز لگائے پانی کی نیلی ٹینکی کے پاس ایک ستائیس اٹھائیس برس کا مرد بیٹھا تھا۔وہ

پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ پائپ کی فٹنگ کو چیک کرتا ہوا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ حاکم نواب کا پرتو۔ وہی رنگت، وہی قد کاٹھ، وہی نقوش، اسکا نام **بشر حاکم** تھا۔ یعنی کونج کے اندازے درست تھے۔؟

☆☆☆☆☆

"سینٹوریني کا قصبہ اویا۔"

سبز آنکھوں والا مرد اس وقت اسٹیج پہ کھڑا تھا۔ مغرب کا وقت تھا۔ سورج کی الوداع کہتی کرنیں اسکی سبز آنکھوں پہ پڑتی تھیں۔ سانولا چہرہ دھوپ لگنے پہ دمکتا تھا۔ ایک مقامی لڑکا ہاتھ میں مائیک تھامے مسکراتے ہوئے مقامی زبان میں سب سامنے بیٹھے لوگوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

"جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں۔ آج ہمارے ساتھ مہدی کمبیر ہیں۔ پچپن ملکوں کا سفر کرنے والے والے سیاح ،اور انٹر نیشنل اسپیکر، جنکی باتوں میں جادو ہے۔ جو زندگی کو ایک الگ ہی نظریے سے دیکھتے ہیں۔ مہدی ایک لائف کوچ بھی ہیں۔ ایک سیاح ،اسپیکر ،اور لائف کوچ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کا تجربہ کیسا ہے دوستوں؟" لڑکے نے کہتے ہوئے مائیک کا رخ لوگوں کی جانب کر دیا تھا۔ بلند آوازیں، شور، جملے ،اشتیاق سب گڈمڈ ہونے لگے۔

سبز آنکھوں والے لڑکے نے ایک ہاتھ کمر پہ باندھ کر دوسرے ہاتھ کو خوش آمدید کے انداز میں سامنے پھیلا دیا۔ یہ اسکا شکریہ کہنے کا انداز تھا۔ مسکراہٹ تو اسکے ہونٹوں سے جدا نہیں ہوتی تھی۔ سبز آنکھیں اسکے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ کون کہہ سکتا تھا یہ وہی مہدی ہے جس نے کچھ دیر قبل اپنے ایک ساتھی کو زخمی کیا تھا۔ دوغلا۔ مکر باز۔

مقامی لڑکا اب بھی کچھ کہہ رہا تھا۔

''جب مجھے اور میری ٹیم کو پتہ لگا کہ آج کل مہدی کمبیر ہمارے شہر آئے ہوئے ہیں تب ہم نے بنا کوئی وقت ضائع کئے انہیں یہاں آنے کی دعوت دے ڈالی۔ گو کہ یوٹیوب پہ ہماری فالو نگ بہت کم ہے۔ لیکن پھر بھی مہدی کمبیر ہمارے ساتھ ہماری گزارش پہ یہاں ہیں۔

Put your hands together for mehdi kambeer...''

لوگ تالیاں پیٹنے لگے تھے۔ شور بڑھ گیا تھا۔ سبز آنکھوں والا لڑکا اسٹیج کے ایک کونے سے قدم اٹھاتا ہوا آرہا تھا۔ اس نے سفید گول گلے والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کے اوپر اسٹائلش جیکٹ تھا۔ قوس قزاح کے تمام رنگوں سے مزین جیکٹ۔ جس کے اوپر مختلف سکے لگے تھے۔ بٹن یا زپ کی جگہ چین نما لمبی زنجیر تھی۔ سیاہ سلیکس اور بغیر جرابوں والے اسنیکرز میں وہ اچھا یا برا نہیں لگ رہا تھا۔ اسکا حلیہ بس یہ بتاتا تھا کہ وہ free soul ہے۔ آزاد، بے پرواہ۔

''کچھ لوگوں کو بھیڑ غیر آرام دہ کرتی ہو گی۔ مجھے فیسینیٹ کرتی ہے۔'' سبز آنکھوں والا لڑکا ہاتھ میں مائیک تھامے اپنے سامنے بیٹھے لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ اسکا لہجہ بھاری تھا۔ انداز میں لاپرواہی تھی۔ لوگ توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ **(گوروں کو ایسی محفلیں بورنگ نہیں لگا کرتیں۔)**

''میں اتنے لوگوں سے ملا ہوں۔ اتنے ملک گھوما ہوں۔ لوگ اب میرے لئے مشکل نہیں رہے۔ اگر میں کہوں مہدی کمبیر لوگوں کے معملے میں اچھا ہے تو یہ غلط نہیں ہو گا۔'' وہ اپنے سامنے بیٹھے لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''خیر تمہید کو چھوڑ کر ہم آج کے ٹاپک کی طرف آتے ہیں۔'' وہ چلتے چلتے اسٹیج کے بیچوں بیچ رکھے اسٹول پہ آبیٹھا تھا۔ یوں کہ ایک پیر زمین کو چھوتا تھا۔ اور دوسرا اسٹول کے اسٹینڈ پہ رکھا تھا۔ بالوں کی چند لٹیں ماتھے کو چھو رہی تھیں۔ آنکھیں سنجیدگی سے لوگوں پہ جما رکھی تھیں۔

''سیلف ہارم، یہ لفظ آپ سب کے لئے یا پھر میرے لئے نیا نہیں ہو گا۔ ہم سب نے یہ لفظ سن رکھا ہو گا۔ بلکہ ہم نے اپنے ارد گرد ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے۔ جنکی کلائیاں زخمی، سیگرٹ سے داغی ہوئی ہوں گی۔ جن کے بازو سینے یا گردن پہ مختلف قسم کے ٹارچر کے آثار ہوں گے۔'' اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

لوگ پہلو بدلنے لگے تھے۔ اوں ہوں انہیں سیلف ہارم کے بارے میں نہیں سننا تھا۔ آہ وہ تو مہذب قسم کے لوگ تھے۔ انکا بھلا ایسے جاہل خود کو نقصان پہنچانے والوں سے کیا لینا دینا۔؟ یہاں سے دور کچھ فاصلے پہ کسی بوڑھے جوڑے کی گانا گانے کی آواز آتی تھی ۔ ضعیف آواز۔ لڑکھڑاتے سر۔ اور انکے درمیان بات کرتا سبز آنکھوں والا لڑکا۔

''سیلف ہارم کیا ہے۔؟ کیا آپ جانتے ہیں؟'' اس نے مائیک کا رخ لوگوں کی جانب کر دیا نیلی کرسیوں پہ بیٹھے لوگوں نے یک زبان ہو کر انگریزی میں جواب دیا تھا۔

''ہر انسان جانتا ہے۔'' مجمعے کی آواز بے زار سی تھی۔ ''سیلف ہارم مطلب خود کو نقصان پہنچانا۔'' مجمعے میں سے کوئی پچیس برس کا لڑکا کہنے لگا تھا۔ ''اپنے جسم کو جلانا خود کو مارنا پیٹنا، اپنے جسم پہ کٹ مارنا، یہ تو بچے بھی جانتے ہیں۔'' آخر میں اسکا لہجہ استہزائیہ تھا۔ اسٹیج پہ کھڑا مہدی مسکرایا تھا۔ جاتے سورج کی کرنیں اسکے چہرے پہ نارنجی تاثر چھوڑ رہی تھیں۔

''آپ مجھے کینسر کا لاسٹ اسٹیج بتا رہے ہیں۔ آپ نے بیماری کی علامت اور شروعات مس کر دی ہے۔''

اب کے لوگوں میں تجسس ابھرا تھا۔ بات اتنی سادہ نہیں تھی۔ جتنی وہ سمجھے بیٹھے تھے۔ مہدی گھما پھرا کر بات کرتا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے سیلف ہارم والے لوگ جاہل خود سے بے زار۔ یا پھر ڈرپوک قسم کے لوگ ہیں۔ ؟ایسے لوگ جن کے اعصاب کمزور ہیں۔ یا پھر جو ذہنی مریض ہیں۔ آپ کو لگتا ہے۔ سیلف ہارم پہنچانے والے لوگ بس اپنے جسم پہ کٹس لگانے، اپنا جسم جلانے ، یا پھر خود کو اذیت دینے تک محدود ہیں ؟''

بوڑھے جوڑے کی لڑکھڑاتی آواز اب بھی آرہی تھی۔ پرانا گیت کسی نوحے کی مانند سماعتوں کا حصہ بن رہا تھا۔ وائلن کی آواز تیز ہوتی جارہی تھی۔ ان سب کے درمیان سبز آنکھوں والے مرد کی آواز دب نہیں رہی تھی۔

''خود کو جلانا، مارنا، کاٹنا ہاں یہ سب بھی سیلف ہارم ہے۔ ہماری نظر میں وہ لوگ جاہل ہیں جو یہ سب کرتے ہیں۔ لیکن کیا ہم سیلف ہارم کے شکار نہیں ہیں۔ ؟خود پہ غور کریں۔ ہم سب یہاں بیٹھا ہر انسان کسی نہ کسی طریقے سے خود کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ کیا میں غلط ہوں ؟''

لوگ حیران تھے۔ ساتھ ساتھ پر تجسس بھی۔ لیکن انکی زبانیں مقفل تھیں۔ جواب بنتا ہی نہیں تھا۔ کیا وہ لوگ واقعی خود کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ ؟

''ہم سب نے کسی نہ کسی حادثے کے بعد لوگوں پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم اپنے مسائل اپنی باتیں دل میں رکھ رہے ہیں۔ ہم نے اپنے دل کو تھکا دیا ہے۔ دل بھی تو جسم کا حصہ ہے۔ کیا اسے تکلیف دینا جرم نہیں۔ کیا یہ سیلف ہارم نہیں ہے۔ ؟''

یکدم سارے میں پن ڈراپ سائلنس پھیل گیا تھا۔ بوڑھے جوڑے نے گیت آدھے میں چھوڑ دیا تھا۔ لوگوں کو انکی چائے کافی بھول گئی تھی۔ لوگ ساکن ہو کر اسے سن رہے تھے۔

''ہم سب نے ایک بریک اپ کے بعد نئے تعلق کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی۔ ہم ہر محبت کی دستک کو ناں کہہ رہے ہیں۔ ہم خود سے محبت کرنے والوں کو خود سے دور کر کے۔ اپنے دل کو اپنی روح کو اذیت دے رہے ہیں۔ کیا یہ سیلف ہارم نہیں ہے۔؟'' مائیک تھامے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کرتا لڑکا۔ وہ چند پل میں دنیا کے مختلف کونوں سے آئے امراء کی سانسیں تک روک گیا تھا۔ چند پڑھے لکھوں نے تو باقاعدہ منہ ڈھانپ لینا تھا۔

''ہم نے دوستوں سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے تقاریب، شادیوں میں جانا چھوڑ دیا ہے۔ ہم لوگوں سے نہ مل کر اپنے اندر کے سوشل انسان کو جلا رہے ہیں اور ہمیں بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ غلط ہے۔ ہم ہر وقت اپنے سابقہ محبوب کو انسٹا گرام اور فیسبک پہ سرچ کر کے اسے کسی اور انسان کے ساتھ خوش دیکھ کر رو رہے ہوتے ہیں۔ کیا یہ سیلف ہارم نہیں ہے۔؟''

بوڑھے جوڑے کا دم سادھے ہوئے وائلن ایک بار پھر حرکت میں آیا تھا۔ سورج نارنجی سے اپنا رنگ بدل کر اب الوداع کہہ گیا تھا۔ اپنے پیچھے سیاہی چھوڑ کر۔ اور شاید کچھ لوگوں کے ذہن میں نئے سوالات چھوڑ کر۔

''**سیلف ہارم** ۔۔۔ یہ لفظ بہت بڑا ہے۔ اسکے معنی بے حد وسیع ہیں۔ ہم نے لفظوں کا تعاقب کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ ہم نے لفظوں پہ غور کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ کیونکہ ہم سنی سنائی باتوں کو مان لیتے ہیں۔ کسی نے کہا خود کو جلانا سیلف ہارم ہے ہم نے مان لیا۔ لیکن آج جو معنی میں آپ کے سامنے لایا ہوں۔ کیا آپ کو اس سے انکار ہے۔؟''

تمام لوگوں نے یک زبان ہو کر " !! **بلکل نہیں** " کہا تھا۔ غور سے سنو تو یوں لگے گا کہ بوڑھے جوڑے کے لڑکھڑاتے سروں اور ضعیف کانپتی آوازوں نے بھی لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ مہدی کمبیر کے چہرے پہ اب کیفے کی بتیوں کی روشنی پڑ رہی تھی۔

''ہم سب "**اپنے**" وکٹمز ہیں۔ ہم سب سے زیادہ ظالم خود اپنے ساتھ ہوتے ہیں۔ دوست چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم نے خود پہ محفلیں حرام کر لیں۔ بریک اپ ہو گیا۔ ہم نے خود پہ نئے تعلق حرام کر لئے۔''

وہ اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسکا اونچا سراپا چھایا ہوا سا تھا۔ اسکا چہرہ سادہ تھا۔ لیکن کیا کوئی اسکی پچھلی حرکت بھول سکتا تھا۔؟ وہ اس وقت اسٹیج پہ کھڑا سیلف ہارم کی بات کرتا شخص، یہ بس ایک اداکار تھا۔ ایک جھوٹا، فریب کار۔

''ہم فیل ہو جاتے ہیں تو خود پہ دوبارہ پاس ہو پانے کی امید حرام کر لیتے ہیں۔ لیکن کیا اب وقت نہیں آیا کہ ان سب سے نکلا جائے۔ ؟ کیا وقت نہیں آیا کہ اب جا چکے لوگوں کے غم دور کئے جائیں۔ خود کے ساتھ ظالم بننا چھوڑ کر ہم آگے بڑھیں۔ سیلف ہارم کی ابتداء ہی غیر سوشل ہونا ہے۔ خود کو کوسنا اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے خود کو اذیت دے کر خوش ہونا۔ یا پھر شاید ہم خوش بھی نہیں ہوتے۔''

بیرے اب لوگوں کی سفید میزوں کے اوپر نیلے کافی کے مگ رکھ رہے تھے۔ ہلکی مدھم روشنی میں مختلف ثقافتوں سے آئے لوگ ، نیلی کرسیاں سفید عمارتیں، سب کچھ خواب جیسا تھا۔

''لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ کچھ اپنے پیچھے یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور کچھ پچھتاوے۔ اداس رہیں لیکن ایک مدت تک۔ روئیں لیکن چند دنوں تک۔ غیر سوشل رہیں بریکس لیں۔ لیکن ایک وقت واپسی کا بھی ہونا چاہیے۔ خود کو لوگوں سے کاٹ کر رکھنا

اپنی روح جلانا ہے۔ خود کو نئے تعلق میں نہ ڈالنا اپنے جسم کو کٹس لگانے جیسا ہے۔ ہم سب لوگ پڑھے لکھے یا شاید کسی اونچے مقام والے لوگ ہیں۔ لوگ ہمیں دیکھتے ہیں۔ ہم سے متاثر ہوتے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم خود ترسی کی مثال بننا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں۔"

گرم کافی کے گھونٹ، پرانے گیتوں کی دم توڑتی آواز، براونیز اور چاکلیٹ بار کی نتھنوں میں گھستی ہوئی خوشبو، اور سامنے کھڑا زندگی کے اہم پہلوؤں پہ روشنی ڈالتا وہ شخص۔ آہ سکون۔

"آج یہاں سے جاتے ہوئے اپنے ذہن میں ایک چیز رکھ لیں۔ سیلف ہارم کے اصل معنی۔ خود کو اذیت دینے کے اصل معنی۔ ہم سب لوگ بسمل ہیں۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔

"بسمل۔؟" اس لفظ پہ لوگوں کے چہروں پہ استعجاب ابھرا تھا۔ مہدی ہلکا سا مسکرایا۔ "میرے کہنے کا مطلب تھا۔ ہم سب زخم خوردہ ہیں۔

Wounded, بسمل۔۔۔"

اس نے انگریزی اور اردو میں دہرایا۔ لوگوں کے چہرے شانت ہو گئے۔

"کچھ بسمل اپنے زخموں پہ مرہم رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ انہیں ادھیڑے ہوئے رکھتے ہیں۔ کچھ بسمل ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے کوئی مسیحا آتا ہے۔ لیکن ان سب میں بسمل کی سب سے بری قسم جانتے ہیں کونسی ہوتی ہے۔؟ ایک ایسا بسمل جو اپنے زخموں کو کھرچتا رہتا ہے۔ ایسا بسمل اپنے جسم اور روح کے لئے ایک عذاب ہوتا ہے۔ کوشش کریں کہ ہم بسمل کی اس صف میں

شامل نہ ہوں۔ آج کے لئے اتنا ہی۔ میری باتوں پہ عمل کر کے مجھے ای میل یا ڈی ایم ضرور کیجئے گا۔ ے نہ ہو کہ یہاں سے جاتے ہوئے آپ یہ سوچیں کہ دفع کرو اسے کیا کیا بول رہا تھا۔"

اسکی آخری بات پہ سب ہنس پڑے تھے۔ مہدی نے ہاتھ سینے پہ رکھتے ہوئے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ تالیوں کی گونج، نم مسکراتے چہروں کی چمک، نیلی سفید عمارت، کافی بینز کی خوشبو، کچھ وقت کے لئے ان سب کو الوداع۔ سبز آنکھیں مسکراتی ہوئی اب اسٹیج سے پلٹ رہی تھیں۔ کاش وہ اتنا اچھا ہوتا۔ جتنا اچھا بولتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"اسلام آباد"

شام سات بجے۔

اسلام آباد کا ایک پوش علاقہ جہاں رہنے والے ملک کے امراء میں شمار ہوتے ہیں، اس وقت اپنے منظر پہ لگی بتیوں کی وجہ سے روشن تھا۔ یہ علاقہ باقی علاقوں کی نسبت زیادہ خاموش تھا۔ صاف ستھرا، پر سکون علاقہ جہاں قطار در قطار ایک سے بڑھ کر ایک بڑا گھر تھا۔ درختوں کی فصیل تا حد نگاہ نظر آتی تھی۔ انہی گھروں کے درمیان ایک محل بھی تھا۔

"کمبیر محل۔"

ایک اونچی لمبی عمارت۔ نہ صرف اونچی بلکہ چوڑی بھی۔ اسکا رنگ سیاہ و سفید تھا۔ دیواریں ایک قلعے کا پتہ دیتی تھیں۔ اور شان و شوکت ایک محل کے جیسی۔ دروازے پہ ٹھہرے باوردی ملازم، دیواروں کے اوپر لگی تاریں، اور محل کے اندر سے جھانکتے اونچے درخت، یہ سب کچھ چند لمحوں کے لئے تمھیں ٹرانس میں دھکیل دے گا۔

محل کا شاہی دروازہ کھلا تو قیس کی سیاہ لمبی، چمکدار گاڑی اندر داخل ہوئی۔ گیلے پاتھ وے پہ اسکی گاڑی ہولے ہولے چلتے ہوئے پورچ میں جاکر ٹھہری۔ پاتھ وے کے دونوں اطراف میں سبز گھاس تھی۔ جس کی کیاریوں میں مختلف قسم کے پودے سجے تھے۔ توجہ اور وقت پہ ہونے والی کٹائی کے باعث پودے بہت اچھی حالت میں تھے۔

پورچ میں ٹھہری گاڑی کا دروازہ شوفر نے فوراً کھولا۔ قیس کے تاثرات سنجیدگی کی حد تک سپاٹ تھے۔ چہرہ تکان زدہ۔ نہ جانے کیوں اس محل میں داخل ہوتے ہی اسکے اعصاب پہ تھکن سوار ہونے لگتی تھی۔ یہ محل یہ شان و شوکت باہر سے جتنی آرام دہ، جتنی نرم لگتی تھی۔ قیس کے لئے اتنی ہی غیر آرام دہ تھی۔ ہر انسان کے لئے اسکا گھر اسکی کمفرٹ زون ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ہوتے ہیں۔ جن کے لئے انکا گھر ہی ایک عذاب ہوتا ہے۔ قیس ان لوگوں میں سے ایک تھا۔

گھر کے اندر جانے کی بجائے وہ لان کی جانب چلا آیا تھا۔ وہاں کوئی بیٹھا تھا۔ جس کے نقوش کافی حد تک قیس جیسے تھے۔ یا پھر قیس کے نقوش اسکے جیسے۔؟

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس آدمی کے قریب چلا آیا تھا۔ ڈھلتی عمر کا ایک تنومند آدمی۔ جس نے سادہ سے سیاہ کرتے کے اوپر بھوری شال اوڑھ رکھی تھی۔ آنکھیں اداس سی تھیں۔ جسم تھکاوٹ زدہ۔ کندھے ڈھلکے ہوئے۔ شاید وہ بیمار رہا کرتا تھا۔

''کیسے ہیں چچا؟'' بھاری گمبھیر لہجے میں بس یہی پوچھا تھا اس نے۔ کرسی کھینچ کر وہ انکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''جب تک تمہیں دیکھتا رہوں گا تب تک زندہ رہوں گا۔ بعد کا کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' بختیار کمبیر کی آواز میں خود ترسی تھی۔ قیس گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''مقصود چچا کہاں ہیں۔؟ انہوں نے دوائی لی۔؟ تھیراپی کروائی؟'' وہ کافی دیر بعد پھر سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے وہ بھی۔ کھانا کھا کر سو گیا تھا۔'' لاپرواہ سا جواب۔ قیس انہیں دیکھتا رہا۔ اسکی آنکھوں میں بے پناہ تھکن تھی۔

''مہدی سے بات ہوئی؟ اور انیسہ کہاں ہے؟'' ایک اور استفسار۔

''مہدی فون نہیں اٹھا رہا۔ اور انیسہ اپنے دوستوں کے ساتھ گئی ہے۔ واپس نہیں آئی۔''

قیس اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسکی آنکھیں اب کے فکرمند تھیں۔ اسکا خاندان وہ اپنے خاندان کو ذرا سا بھی بکھرنے یا نظروں سے دور ہونے نہیں دے سکتا تھا۔ ہر انسان کا خاندان اسکی کمزوری یا طاقت ہوتا ہے۔ قیس کمبیر کا خاندان اسکا خوف تھا۔ اسکا خاندان اسے ہانٹ کرتا تھا۔ اپنے خاندان کے لئے وہ سوتے ہوئے بھی فکرمند رہتا تھا۔

''میں انیسہ کو لینے جا رہا ہوں۔ یہ وقت نہیں شریف لڑکیوں کے باہر رہنے کا۔ مہدی کو بھی دیکھ لوں گا۔ آپ پلیز کھانا کھا لیجئے گا۔ میں واپس آ کر آپ کو دوائی کھلا دوں گا اوکے؟''

بختیار نے اسکی باتیں شاید سنی شاید نہیں۔ وہ بس اسے کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں فکر تھی۔

''تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ قیس۔ کھڑے ہو کر تھک جاؤ گے۔ذمہ داریوں کو کندھے کا بوجھ مت بناؤ۔''نرم سی تنبیہ یا فکر مندی تھی۔

قیس تلخی سے مسکرایا تھا۔اسکی آنکھیں زخمی سی تھیں۔

''میں اس محل کا سب سے مضبوط ستون ہوں۔ میں بیٹھ گیا تو محل ڈھے جائے گا۔ کھڑے رہنا میری چوائس نہیں مجبوری ہے۔

جلدی آؤں گا۔''

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا پورچ کی جانب بڑھ گیا۔بختیار اسے آزردگی سے دیکھتے رہے۔اگر آج اسکا باپ زندہ ہوتا تو حالات مختلف ہوتے۔جس انسان نے اپنے آدھے خاندان کو اپنی آنکھوں کے آگے مرتے ہوئے دیکھا ہو وہ پھر انسان نہیں رہتا قیس بن جاتا ہے۔

محل کا سب سے مضبوط اور مجبور ستون۔

☆☆☆☆☆☆

''بلوچستان گوادر''

حاکم نواب کا گھر صبح کے برعکس اس وقت ذرا پرسکون تھا۔ابا اپنے دوستوں کے ساتھ جا چکے تھے۔بشر کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا کرتا تھا ۔وہ اپنے آپ میں گم رہنے والا انسان تھا۔صبح سویرے اٹھ جاتا۔ناشتہ دو گے تو کر لیا ورنہ یونہی بیٹھا رہے گا۔اماں نے اسکا نام بے زبان جانور رکھ چھوڑا تھا۔وہ جس سے اپنے ہی گھر میں بھوک لگنے پہ کھانا بھی نہیں مانگا جاتا تھا۔اسکا بھلا اس سے بہتر اور کیا نام ہو سکتا ہے؟

اسکے دو کام تھے۔ اپنی آٹے کی دکان جس پہ وہ ہول سیل ریٹ میں آٹا لیا کرتا تھا۔ اور پھر شہر کے ہوٹل اور دکاندار آٹے کے لئے اس سے رابطہ کرتے تھے۔ دوسرا کام گھر پہ بالی ووڈ موویز۔ وہ ایک بالی وڈ فین تھا۔ کوئی ویب سیریز، کوئی فلم کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ جگجیت سنگھ سے لے کر ارجیت سنگھ تک۔ اسے ہر گانے کا دورانیہ تک یاد رہتا تھا۔ وہ ابا کی طرح غصیل نہیں تھا، تو پھر زینیا کی طرح عجیب بھی نہیں تھا۔ وہ الگ تھا۔ اس گھر کا باسی ہو کر بھی سب سے الگ۔

شام کے اس پہر ماسی زوبی آئی بیٹھی تھیں۔ وہ کپڑے بیچتی تھی۔ صبح کی نکلی شام کو گھر لوٹا کرتی تھی۔ لیکن حاکم نواب کے گھر وہ شام کے اسی پہر آیا کرتی تھی۔ وجہ وہی اس گھر کے مالک کا غصہ۔

”کونج اماں (**بلوچی اور سندھی زبان میں بیٹیوں کو پیار سے اماں بلایا جاتا ہے**) ظلم تو مت کرو یہ جوڑا ڈھائی سو روپے میٹر ہے۔ ایسے کیسے تمھیں ایک ہزار کا پورا جوڑا دے دوں؟“ صحن سے ماسی کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

صحن میں رکھی چارپائی پہ اس وقت چار لوگ بیٹھے تھے۔ زینیا، اماں، کونج اور ماسی۔

”ماسی دینا ہے تو دے دو، ورنہ بشر سے کہہ کر بازار سے منگوالوں گی۔ جیسے میں تو کچھ جانتی نہیں ناں۔ یہ لوٹ مار کہیں اور کرنا۔“ کونج بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ کہاں باز آنے والی تھی۔ اماں نے اسکی قینچی جیسی زبان پہ باقاعدہ سر پیٹ لینا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی خالی برتن کی طرح بس آواز کرتی تھی۔ وہ بھی اس وقت جب زینیا ساتھ ہو۔

''رہنے دو گودی (**گودی محبت کا ایک طرز تخاطب ہے**) تم اس جوڑے سے ہاتھ نکالو۔ ہزار کا لینا ہے۔ تو تمھیں کچھ اور دکھاتی ہوں۔'' ماسی نے کہتے ساتھ اپنی ایک اور گٹھڑی کھولنے لگی تھی۔ زینیا ہاتھ میں چائے کا پیالہ لئے بیٹھی تھی۔ مسکراتی ہوئی، کونج کی بے صبری دیکھتی ہوئی۔

''ہاں اب یہ ہوئی ناں بات۔'' ماسی کے ہاتھ سے مخمل کا نیلا جوڑا لیتے ہوئے کونج کے لہجے میں ستائش تھی۔

''چلو اب دو جوڑے نکالو ایک میرا ایک زینی کا۔ اور ہاں ایک ہزار نہیں نو سو روپے دوں گی۔'' وہ انگلی اٹھا کر وارن کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ادی امینہ (بہن امینہ) دیکھو اب اپنی لڑکی کو۔ اپنی زبان سے مکر رہی ہے۔ بھلا مجھ غریب کے پیسے کھا کر اسے کیا ملے گا؟''

''وہی جو تمھیں اس پٹھان کی بیوی کو جوڑے دگنی قیمت پہ دے کر ملتا ہے۔ کھولوں اب تمہارے پول۔؟'' کونج تڑخ کر بولی تو ماسی کھسیانی سی ہو گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ لے لو۔ نو سو کا ہی لے لو۔'' اس نے نیلا مخمل کا جوڑا کونج کی گود میں ڈالا تھا۔ ساتھ ہی ایک سبز زمرد کے رنگ والا جوڑا بھی نکالا۔

''یہ زینی کے لئے۔'' ماسی نے سبز جوڑا آگے کیا۔ ''ویسے کونج یہ نیلا جوڑا زینی پہ زیادہ اچھا لگے گا۔ اسکا رنگ دیکھو چمک رہی ہے۔ تم اس رنگ میں سانولی لگو گی۔'' اماں کی بات پہ کونج نے دونوں جوڑوں کو ہاتھ میں لیا۔ زینیا تب تک اپنا پیالہ لے کر اٹھ گئی تھی۔ اسکا موبائل بج رہا تھا۔ جواب مانگا جا رہا تھا۔

''سہی کہہ رہی ہو امینہ ادی۔ کونج کو ہلکے رنگ لے کر دیا کرو۔ دبتی رنگت کی ہے ناں۔''

''اچھا ٹھیک ہے یہ والا زینی رکھ لے اور یہ والا میں۔'' کونج خوش دلی سے بولی تھی۔

''ویسے بھی ہم دونوں ایک دوسرے کے کپڑے پہنتی ہیں۔'' اس نے پیر چارپائی سے نیچے اتارے۔ دونوں جوڑے ہاتھ میں لئے وہ اندر کی طرف جا رہی تھی۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ برامدے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسکے ہاتھ ایک لمحے کو رکے تھے۔ آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ دل میں گدگدی سی ہوئی۔ اس نے پلٹ کر چارپائی پہ بیٹھی اپنی اماں اور ماسی کو دیکھا۔

''ویسے ماسی اب تمھیں آٹھ سو ملیں گے۔ ہمارے گھر کے معملے میں مشورہ دینے کے لیے ایک سو روپیہ کٹ گیا۔'' اس نے اعلان کیا اور اندر چلی گئی۔ پیچھے ماسی ہیں ہیں کرتی رہ گئی تھیں۔

کونج حاکم اپنے نام کے جیسی تھی۔ پرندے جیسی، آزاد، بے پرواہ، اسے لوگوں کی باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنے پسندیدہ جوڑے اپنی بہن کے لئے چھوڑ سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

''سینٹوری نی کا قصبہ اویا''

وہ کیفے جہاں کچھ دیر قبل لوگ تھے۔ کافی بینز کی مہک تھی۔ چاکلیٹ بار تھے۔ مہدی کمبیر تھا اور لوگ تھے۔ اب وہ کیفے خالی ہو چکا تھا۔ لوگ جا چکے تھے۔ کافی بننا بند ہو چکی تھی۔ اور مہدی کمبیر وہ ابھی جانے ہی لگا تھا۔ یہ کیفے کا خارجی دروازہ تھا۔ جہاں کھڑے ہو کر وہ کیفے کی مالکن سے بات کر رہا تھا۔ خوبصورت سی دبلی پتلی یونانی عورت، جو اپنے شوہر کے بعد اکیلی رہتی تھی۔ اس وقت وہ

مہدی کے ساتھ کافی پینا چاہتی تھی۔ لیکن وہ شائستگی سے معذرت کر کے جانا چاہتا تھا۔اور تقریباً کامیاب بھی ہو چکا تھا۔خاتون سے الوداع کہنے کے بعد وہ مقامی یوٹیوبر لڑکے کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔لڑکے کا نام تھامس تھا۔

''تم اکیلے گھر جاؤ گے تھامس؟ تمہارا دوست کہاں گیا۔؟'' سفید نیلی گلیوں میں چلتے ہوئے مہدی پوچھ رہا تھا۔

لڑکے نے سر جھٹکا تھا۔ ''میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے چینل کے لئے وقت دیا، توانائی دی، الفاظ دیے، لیکن بطور انسان تم نے میرے دوست کے ساتھ جو کچھ کیا۔ میں شاید اب کبھی تمھیں معاف نہیں کر پاؤں۔''

''تمھارے دوست کے ساتھ؟ کیا میں نے کیا کیا؟'' مہدی یکدم پریشان ہوا اٹھا تھا۔اسکے چہرے پہ حیرت تھی۔

''بنومت۔'' تھامس نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔ ''تم نے شام جب مائیک اسکے سر پہ مارا جانتے بھی ہو دو ٹانکے لگے ہیں اسے۔ بیچارہ میرا دوست۔'' وہ ایک بار پھر افسردہ ہوا تھا۔

مہدی کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔وہ سفید گلی کے سرمئی اینٹوں والے فرش پہ ٹھہر گیا تھا۔

''میں نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا؟'' اسکی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ چہرے پہ ڈھیر ساری بے یقینی کے ساتھ گلٹ بھی تھا۔

''خدا کی قسم میں نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا ہے۔'' اسکے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے تھے۔ ''میں تو بس... میں تو۔'' اس نے پریشانی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ پھر ایک امید سے تھامس کو دیکھا۔جو عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں اسکے گھر جانا چاہتا ہوں۔ معذرت، معاوضہ میں سب کرنے کو تیار ہوں۔'' اوہ خدایا میں نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ ''پلیز مجھے اسکے گھر لے جاؤ پلیز۔'' وہ منت کرنے کے انداز میں بولا تھا۔ تھامس نے گہری سانس لی۔

کچھ دیر بعد وہ اس زخمی لڑکے کے گھر میں تھا۔ گھر کے چھوٹے سے لان نما جگہ پہ سفید سنگی بینچ تھی۔ جس کے درمیان نیلی میز رکھی تھی۔ زخمی لڑکا ولیم مہدی کے ساتھ سفید بینچ پہ بیٹھا تھا۔

''کیا تم نے مجھے معاف کیا۔؟ دیکھو میں بس غصے میں تھا۔ ہاں میرا چیخنا چلانا ناجائز تھا۔ لیکن یہ۔۔''اس نے انگلی سے لڑکے کے ماتھے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ ایک انسان کا خون میری وجہ سے بہے۔ میں خود کو اسکے لئے کبھی معاف نہیں کرسکتا۔'' وہ واقعی نادم تھا۔ اسکا لہجہ اسکی جھکی گردن آنکھوں کا گلٹ سب چیخ چیخ کر گواہی دیتے تھے۔ وہ رحم دل، اور دل انسانیت کا درد رکھنے والا انسان تھا۔

''میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔ اور ویسے بھی تم نے یہ سب جان بوجھ کر تو نہیں کیا۔'' ولیم نے مسکرا کر تسلی دی تھی۔ مہدی مسکرا بھی نہ سکا۔

''تم اس وقت بس غصیل لگے تھے۔ میں جانتا تھا۔ تمھیں اندازہ ضرور ہوگا، اور اب بار بار معافی مانگ کر مجھے خدا کے سامنے بھی شرمندہ مت کرو۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تو مہدی کو ڈھیر سارا بوجھ اپنے کندھوں سے سرکتا محسوس ہوا۔

''یہ لو اسی بات پہ کافی پیو۔'' تھامس نے سفید چھوٹے کپ جن پہ نیلے نقش و نگار بنے تھے۔ مہدی اور ولیم کے آگے پیش کئے۔ آخر اس شہر میں سب کچھ نیلا اور سفید کیوں تھا؟

یوں لگتا تھا جیسے ایک بھول بھلیاں سی ہو۔ جس میں بس نیلا اور سفید رنگ ہو۔ لیکن یہ بھول بھلیاں بے حد خوبصورت تھی۔ اتنی کہ اس میں کھو جانے کا دل کرے۔

''گو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ لیکن پھر بھی میں ازالے کے طور پہ تمہارے ساتھ ایک اور جگہ سپیچ دوں گا۔ صرف اور صرف تمہارے یوٹیوب چینل کے لئے۔۔'' گرم کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے مہدی نے ایک اعلان کیا تھا۔

تھامس اور ولیم کی خوشی کا مانو کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اور انکو اس طرح خوش دیکھ مہدی کے دل کا بوجھ ہٹتا چلا گیا۔

''اچھا مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ ہمارے یہاں ہاتھ پڑھے جاتے ہیں۔ میں تمھیں بتاؤں گا تمہارا اگلا سفر کیا ہے۔'' ولیم کی بات پہ مہدی نے مسکراتے ہوئے کپ میز پہ رکھا۔ اور اپنا ہاتھ اسکے آگے کیا۔

ولیم نے اسکی ہتھیلی پہ انگلی سے انگریزی حروف ایم لکھا اور مٹھی بند کر دی۔ چند لمحے بعد اس نے مہدی کی مٹھی کھولی۔ وہ ہلکا سا پریشان ہوا تھا۔

''تمھیں پیدا ہونے پہ کوئی اور نام دیا گیا تھا۔؟ یہ نام تمہارا بخت نہیں بتا رہا۔ سب گڈ مڈ ہے۔'' **(یوں جیسے اسے بخت کا کوئی علم ہو)**

مہدی ایک بار پھر مسکرایا تھا۔ ''میرا پہلا نام انگریزی کے حرف اے سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اب وہ میرا نام نہیں ہے۔'' اس نے زور دیا۔

ولیم کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ اس نے اب انگلی سے مہدی کی ہتھیلی پہ اے لکھا۔

''تمہارا اگلا سفر محبت ہے۔''

مہدی اسکی بات پہ زور سے ہنسا تھا۔ وہ دونوں یونانی بھی ہنسے تھے۔ اب وہ اسے کچھ اور بھی بتا رہا تھا مہدی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

اسکا پہلا تاثر ایک بدمزاج مغرور، اور ظالم انسان کا تھا۔ لیکن اسکا اصل ایک نرم گفتار، ہمدرد، اور رحم دل تھا۔ کہا تھا ناں پہلے تاثر کبھی سچ نہیں ہوتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"گوادر، بلوچستان"

یہ ایک چھوٹے سے کچن کا منظر ہے۔ جہاں سنک پہ ایک طرف چولہا رکھا تھا۔ اور دوسرے کونے میں مرچ مصالحوں کے ڈبے۔ کچن کا فرش چپس کا تھا۔ اور دیوار میں بس تین دراز لگے تھے۔ فرش پہ رکھی چوکی پہ اس وقت اماں بیٹھی تھیں۔

"زینی آخر تم ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہو۔؟ کیوں تم دونوں بہنیں مجھے عاجز کئے ہوئے ہو؟"

سبزی بناتی امینہ بی بی اس وقت واقعی اپنی اولاد سے عاجز لگتی تھیں۔ زینی چپ چاپ چولہے پہ رکھی چائے کو ابلتا دیکھتی رہی۔ اس نے اماں کو نہیں دیکھا تھا۔

"بشر جاگ رہا تھا اور تم نے اپنے ابا سے کہہ دیا وہ سو رہا ہے۔؟ ایک کو نج کم تھی۔ اسکی کم عقلی کو روؤں یا تمھیں روؤں؟ جانتی ہو ناں صبح کا بگڑا مزاج ہے۔ اور اب تک ٹھیک ہو کر نہیں دے رہا۔"

اس نے چائے نیچے اتار کر کپ میں ڈالی۔ تھوڑی سی چھلک کر پیر پہ گری تھی۔ لیکن پرواہ سے تھی۔؟ وہ تو گویا بت تھی۔ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

''اب جواب دو ناں؟ یا پھر کوئی جواب ہے ہی نہیں۔''اماں کو غصہ ہی آگیا تھا۔'' بلکل اپنے باپ پہ گئی ہو۔انتقام لینے میں تو ایک منٹ نہیں لگاتیں اللہ سمجھے تمھیں۔''

وہ بے زاری سے کہتی سبزی کا ٹوکرا وہیں چھوڑے باہر نکل گئی تھیں۔زینیا کپ تھامے وہیں کھڑی رہی۔اسکی سنہری آنکھیں خاموش تھیں۔ہاتھ میں پکڑا گرم بھاپ اڑاتا مگ تھا۔اس وقت اسے کچھ فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

وہ انتقام لے کر بھی خوش کیوں نہیں تھی۔؟

وہ اپنے خیالوں میں تھی جب بشر کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔زینیا یونہی کھڑی رہی۔وہ اندر آیا۔اسکے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا۔

''آدھے گھنٹے سے چائے کا کہا ہے زینی۔کہاں غائب ہو؟''اسکا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔بشر کو غصہ بہت کم آتا تھا۔اور اگر آتا بھی تھا تو بہنوں پہ نہیں اتارا کرتا تھا۔

"اماں کو بتا کیوں نہیں دیتیں۔''وہ اسکے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔نظریں زینیا کے چہرے پہ جما دیں۔وہ سنجیدہ تھا۔زینیا تھکی ہوئی۔

''بتانے کو کیا ہے؟''

''یہی کہ تم نے ابا سے کوئی انتقام نہیں لیا۔بلکہ تم نے تو جو کچھ کیا انکی بھلائی کے لئے کیا۔''

زینیا اسے چپ کروانا چاہتی تھی لیکن چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔؟

''میں جانتا ہوں ابّا کو ڈاکٹر نے واک بتائی ہے۔ ورنہ انکا شو گر اسی طرح ہائی رہے گا۔ اور اگر شوگ ہائی رہا تو انکی ٹانگ پہ کچھ عرصہ قبل لگنے والے زخم ناسور بن سکتے ہیں۔ اب ابا واک تو کرتے نہیں ہیں۔۔ پھیکی چائے ان سے پی نہیں جاتی۔ ایسے میں تم نے ان بے دخل ہوئے نواب صاحب کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا ناں؟''

وہ آخر میں اس طرح سے بولا تھا کہ زینیا ہنس پڑی تھی بشر حاکم بہنوں کو ہنسانے کے لئے کافی کچھ سہہ جاتا اور کر جاتا تھا۔

''ابا سے اتنا پیار کیوں کرتی ہو زینی؟'' وہ چائے کو ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا تھا۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

''کیونکہ وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے۔'' اسکے لبوں سے چند الفاظ آزاد نہ ہو سکے۔ ''انسان کی فطرت ہوتی ہے ادا۔ جو چیز اسکے لئے نہیں ہوتی اسی کی خواہش میں خود کو تھکا کر رکھ دیتا ہے۔ اگر ابا مجھ سے پیار کرتے ہوتے تو میں ان سے اتنی محبت نہ کرتی۔'' اس نے کہا نہیں بس سوچ کر رہ گئی۔

''ابا سے کون محبت نہیں کرتا؟'' سوال کے بدلے سوال۔ بشر گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

''جانے دو میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میرے پاس اتنا دماغ نہیں ہے۔'' وہ باہر نکل گیا تھا۔ یہ اسکا بالی وڈ ٹائم تھا۔

پیچھے زینیا اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔ بے چینی ایک بار پھر حد سے سوا ہونے لگی تھی۔ ابا نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ غصے میں تھے۔

سازشی، انتقامی، اور چالباز لڑکی کا تاثر تحلیل ہو چکا تھا۔ یہ لڑکی بس ایک عام سی بیٹی تھی۔ اپنے ابا کی محبت کے لئے کسی بھی حد تک جانے والی۔ لیکن اسکے ارد گرد اتنے دکھ کیوں رہتے تھے؟

☆☆☆☆☆☆

"اسلام آباد"

کمبیر محل پہ رات کا سناٹا گہرا تھا۔ خاموش اور خوف زدہ کرتا ہوا۔ قیس اس محل کے تمام باشندوں کو اکھٹا کر چکا تھا۔ اب وہ سکون سے سو سکتا تھا۔ وہ بالکنی میں کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں سگار پکڑے اور دوسرے ہاتھ میں موبائل۔ وہ بار بار موبائل کو دیکھتا تھا۔ شاید اسے کسی کال کا انتظار تھا۔

شب خوابی کے لباس میں ملبوس اسکی سیاہ اداس آنکھیں دور کسی عمارت پہ جمی تھیں۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ یہی ماتھے پہ گرتے بال اس بتیس سال کے مرد کو ایک نو عمر لڑکے کا تاثر دیتے تھے۔

بالکنی کی ریلنگ سفید رنگ کی تھی۔ جس پہ مختلف نقش و نگار بنے تھے۔ کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ سلائیڈنگ ڈور دھکیلتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ یہ کمرہ کم اور سلطنت زیادہ لگتا تھا۔

دو دیواریں سرمئی اور دو گہری سیاہ۔ کمرے کے عین بیچ میں رکھا کنگ سائز بیڈ۔ جسکا تاج کسی بادشاہ کے تاج سے بھی زیادہ پر تعیش تھا۔ بائیں جانب والی دیوار میں ایک دیوار گیر کتابوں کا ریک لگا تھا۔ جس میں صرف کتابیں نہ تھیں۔ ٹرافیز اور میڈلز کا ایک انبار تھا۔ کئی ایوارڈز۔ جو شاید اسے عالمی سطح پہ موصول ہوئے تھے۔ سرمئی دیوار میں باتھ روم اور ڈریسنگ روم کا دروازہ نصب تھا۔ دائیں جانب والی دیوار پہ چند تصاویر ٹنگی تھیں۔ قیس ان تصاویر کے سامنے آکر ٹھہر گیا تھا۔ اداس آنکھوں میں مزید کرب آن ٹھہرا۔

وہ پرانی تصاویر تھیں۔ان تصاویر میں ایک آدمی تھا۔ ہو بہو قیس جیسا۔ وہی اٹھان، وہی رنگت، وہی نقوش لیکن اسکی آنکھیں مختلف تھیں۔ان میں چمک اور زعم تھا۔ تھوڑا بہت غرور بھی۔

"ماتھر ابازیاد کھناں غا۔۔"**(میں آپ کو یاد کرتا ہوں)**

وہ مرد کی تصویر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے یاسیت سے بولا تھا۔ وہ اسکا باپ تھا۔زمان کمبیر۔چند لمحہ اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے بعد قیس نے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔ بہت کچھ تھا جو یاد آیا تھا۔اور اسکا چہرہ دیکھ کر کوئی بھی بتا سکتا تھا۔ یہ یادیں خوشگوار نہیں تھیں۔

اب وہ دوسری تصویر کو دیکھ رہا تھا۔اس میں پانچ لوگ تھے۔زمان انکی بیوی اور تین بچے۔

سب سے بڑے لڑکے کے بال گھنگریالے تھے۔ دوسرا لڑکا سیدھے بالوں والا معصوم سا تھا۔اور تیسری لڑکی تھی۔ جسے گھنگریالے بالوں والے لڑکے نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا۔

''اگر آج تم زندہ ہوتے تو مہدی کی عمر کے ہوتے۔'' وہ سیدھے بالوں والے لڑکے سے کہہ رہا تھا۔اداس مغموم مسکراہٹ۔

''تم میرے بھائی تھے۔ میرا بازو، میری طاقت۔ تم نے دنیا سے جانے میں بہت جلدی کر دی۔'' قیس کی سیاہ آنکھیں اس وقت سرخ ہونے لگی تھیں۔ کئی سال پرانا واقعہ یاد کر کے آج بھی دل دکھتا تھا۔روح زخم زخم ہوتی تھی۔اگلے کئی لمحات وہ کسی بسمل کی مانند ان تصاویروں کو دیکھ دیکھ کر اپنا دل زخمی کرتا رہا۔

اسی لمحے اسکا موبائل تھر تھرایا تھا۔زوں زوں کی چنگھاڑتی آواز اسے اپنے حواسوں میں لائی تھی۔اس نے موبائل ہاتھ میں لے کر اونچا کیا۔

"Prisoner to be"کالنگ کے الفاظ جگمائے۔

قیس نے موبائل کان سے لگایا۔آگے سے کچھ کہا گیا تھا۔اس نے آنکھیں بند کرلیں۔یوں گویا الفاظ کو روح تک اتار رہا ہو۔اس نے بات سنی کال کاٹی اور پھر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔اب کے انداز میں عجب سرشاری تھی۔

کچھ وقت بعد وہ باہر نکلا تو سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا۔بال سلیقے سے جمار کھے تھے۔آئینے کے سامنے ٹھہر کر اس نے پرفیوم کی شیشی اٹھائی یکدم فضا معطر ہوگئی۔آئینے میں دیکھتے ہوئے خود پر ایک تنقیدی نظر ڈال کر وہ باہر نکل گیا تھا۔اسکی چال مسرور تھی۔کندھے ہلکے ہر بوجھ سے خالی۔

قیسم کی شیشوں والی عمارت کے اندر اس وقت ایک ہجوم سا تھا۔اپنے آفس کا دروازہ کھولتے ہوئے قیس اندر آیا۔اندر کا منظر روح کھینچنے والا تھا۔

اسکی سیکریٹری،اور آفس کے چند ڈیزائنرز کونے میں کھڑے تھے۔

ولید کو چار گارڈز نے تھام رکھا تھا۔وہ چلا رہا تھا۔اپنے حق میں صفائی دے رہا تھا۔اسکا چہرہ سرخ تھا۔ہتک سے۔غصے سے۔قیس کو آتے دیکھ اسکا سانس بحال ہوا تھا۔ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کرواتے وہ آگے آیا تھا۔دھواں دھواں ہوتے چہرے سے قیس کے قریب آکر رکا۔

''قیس.. انکو بتاؤ انہیں بتاؤ کہ مجھے یہاں تم نے بھیجا تھا۔ تمہیں سمر کلیکشن کے visuals چاہیے تھے۔ ہے ناں؟ قیس بتاؤ۔ یہ لوگ مجھے چور سمجھ رہے ہیں۔ بولو قیس بتاؤ کچھ۔''

(قیسم ملک کا بہت بڑا فیشن ہاؤس تھا۔ یہاں کام کرنے والے کی جتنی عزت تھی، نکالے جانے والے کی اتنی بے عزتی ہوتی تھی۔ ہاں یہ خوابوں کی عمارت تھی لیکن اسے چھوڑ کر انسان کی زندگی ایک برا خواب بن سکتی تھی۔)

(کمبیر محل میں اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑے قیس کے ہاتھ میں اسکا موبائل تھا۔ کانوں میں ایئر پیس لگا رکھے تھے۔ آنکھیں دور آسمان کو تکتی تھیں۔

''اپنے شیطانی دماغ سے کوئی آئیڈیا نکالو براق۔'' وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔ دوسری جانب کسی کو سخت طیش آیا تھا۔

''کیوں تمہارا ابلیسی دماغ جہنم کے گورگن کے پاس گروی ہے۔؟'' جلی کٹی مردانہ آواز۔

''میں اپنا عظیم دماغ اس معملے میں استعمال کر کے ساری زندگی اپنے دماغ کی لعنت برداشت نہیں کر سکتا۔'' ٹھنڈہ لہجہ۔

''اور میں اپنے معظم دماغ سے لعنت کھاتا رہوں۔؟'' فون کے اس پار براق کا بس نہیں چلتا تھا کہ قیس کو کچا چبا لے۔

''تم لعنتوں کے لئے پیدا ہوئے ہو۔'' یاد دہانی کروا کر فون کاٹ دیا گیا۔)

''میں نے تمھیں معافی دی۔ میں نے تمھیں چانس دیا اور تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟'' قیس کے لہجے میں ڈھونڈنے سے بھی دکھ نہیں ملتا تھا۔ بس ایک ٹھنڈی تپش تھی۔ جس نے ولید کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا دی۔ وہ گیلی آنکھوں سے پیچھے ہو رہا تھا۔ شاک بے یقینی۔ اعتماد کی کرچیاں۔ آہ وہ کیا کچھ سمیٹے۔

دوسری منزل سے بھاری بوٹوں کی دھمک یہاں تک آتی تھی۔ ہر دھمک کے ساتھ ولید کا دل ڈوب ڈوب جاتا تھا۔

''میں اپنے آفس میں اپنے باپ کو آنے کی اجازت نہیں دیتا۔اور تم کہتے ہو میں نے تمھیں آنے دیا؟''

''آپ نے مجھے کال کی تھی۔ قیس۔آپ نے کہا تھا آپ کو میری ضرورت ہے۔''ولید بس شاک کے مارے یہی کہہ سکا۔اسکی آواز میں لرزش تھی۔

''میں نے تمھیں کوئی کال نہیں کی۔''اور قیس نے سچ ہی تو کہا تھا۔

(''چند منٹ قبل''

وہ گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا تھا۔موبائل بھی وہیں پہ دھرا تھا۔اور گاڑی میں براق نامی شخص کی آواز گونج رہی تھی۔

''کام ہو گیا قیس۔''وہ پرجوش تھا۔

''کام کی بات پہ آؤ براق۔تمہاری بھدی آواز میں بس اپنے فائدے کی خاطر سن سکتا ہوں۔''قدرے بے زار لاتعلق لہجہ۔براق نے دل ہی دل میں سو گالیاں دی ہوں گی اسے۔

"ہاں تو میں نے یہ کیا کہ جب ولید کام چھوڑ ریسٹ روم گیا۔تو میرے آدمی نے اسکے موبائل میں اسکے ڈرائیور کے نمبر کو قیس کے نمبر سے سیو کیا۔اور پھر اسی نمبر سے اسے کال کی۔بات میں نے کی۔اسے تمھارے آفس آنے کا کہا۔''

''بک بھی چکو۔''قیس نے اکتاہٹ سے ٹوکا۔

''اچھا سنو۔ تو جب وہ تمہارے آفس گیا۔ تو اسی وقت میں نے تمھیں کچھ visuals بھیجنے کا کہا۔ تم نے بھیج دیں۔ لیکن لیکن لیکن۔...... '' لہک لہک کر بات کرتا وہ اس وقت زہر سے بھی بد تر لگ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں ڈیزائن تم نے بھیجے، تم جانتے ہو ڈیزائن تم نے بھیجے۔ کمیو نٹی تو نہیں جانتی ناں۔ میں نے ٹویٹ کر دی ہے۔

''ہیش ٹیگ, فراڈ کے ساتھ ساتھ ولید کے تمھارے آفس میں داخل ہونے کی سی سی ٹی وی بھی لگا دی ہے۔اب کم از کم اس پورے ملک میں تو اسے کوئی اپنے ساتھ نہیں رکھے گا۔'' وہ اپنی ہی بات پہ قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔

قیس نے با قاعدہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔ ''میں نے اتنا گھٹیا پلان اپنی زندگی میں نہیں سنا ہے۔ میں اپنے کانوں سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر کال کاٹ دی۔

اب کے براق نے اسے دو سو گالیاں دی تھیں۔ اور وہ بھی دل میں نہیں۔)

بوٹوں کی دھمک تھم گئی تھی۔ پولیس اہلکار اب قیس کے آفس کا دروازہ کھول اندر آئے تھے۔ قیس نے ایک نظر آفیسرز کو دیکھا۔ اور پھر سہمے ہوئے ولید کو۔ اسکی آنکھوں میں التجا تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب فرشتہ اسے بچا سکتا تھا۔ اگر وہ واقعی کوئی فرشتہ ہوتا۔

''شام تک میڈیا میں اس کے فراڈ اور چور ہونے کی خبر آگ کی طرح پھیل جانی چاہیے۔'' قیس بے تاثر لہجے میں افسر سے کہہ رہا تھا۔

''سر لیکن یہ آدمی کیس کر سکتا ہے۔ ثبوت بے حد پختہ نہیں ہیں۔'' ایس ایچ او نے اپنی رائے پیش کی۔

قیس مسکرایا تھا۔ ''ایف آئی آر میں لکھو کہ میرے آفس سے لاکھوں کا کیش غائب ہے، دو ہیرے کی انگوٹھیاں اور ایک گھڑی بھی۔ اسکی بے وقوف بیوی بینک سے ساری جمع پونجی لا کر تمھارے ہاتھ پہ رکھ دے گی۔ اور کوئی وکیل کسی کنگلے کا کیس نہیں لڑتا۔'' دھیمی سرگوشی۔ افسر نے خوشی خوشی سر ہلایا تھا۔

''قیس مجھے بچالو۔ خدا کا واسطہ ہے مجھے بچالو۔'' ولید کو گویا اب ہوش آیا تھا۔ ''میرے خاندان میں میرے کیس کی پیروی کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ اللہ کا واسطہ ہے بچالو قیس۔'' وہ افسروں کے نرغے میں چلا رہا تھا۔ اہلکار اسے گھسیٹ کر ساتھ لے جا رہے تھے۔

''قیس خدا کے لئے بچالو۔ میری بیوی ان پڑھ ہے۔ میرا کوئی نہیں ہے۔ میرے بچوں کا کوئی نہیں ہے۔ خدا کے لئے مجھے بچالو۔'' ولید کو آفس کے باہر لے جایا جا رہا تھا۔

اسکی آوازیں اسکی دہائیاں کسی بھی انسان کا دل پگھلا سکتی تھیں۔ لیکن قیس شاید انسان نہیں تھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ کسی کی نوکری نہیں کھاتے۔'' قیس کے عقب میں کھڑی اسکی سیکریٹری تاسف سے کہہ رہی تھی۔

وہ پلٹا نہیں۔

''قیس نوکریاں نہیں کھاتا، قیس کیریئر کھاتا ہے۔'' دھیمی آواز میں کی گئی یاد دہانی۔ حدیبیہ نواز کو اس سے خوف آیا تھا۔

ولید کی مدھم چیخیں آہ موسیقی ہی تو تھیں۔ قیس آنکھیں موندے سکون سے ان آوازوں کو سنے گیا۔ اسکا پہلا تاثر ایک فرشتے کا تھا۔ اور تم نے فرشتوں کو کبھی زمین پہ نہیں دیکھا ہو گا۔

☆☆☆☆☆

"گوادر بلوچستان"

گوادر صوبہ بلوچستان کا ایک اہم تجارتی شہر ہے۔ سی پیک منصوبے کی وجہ سے گوادر کی اہمیت مزید بڑھ چکی ہے۔ یہ شہر اپنے طلوع وغروب آفتاب کے مناظر، شفاف سمندر اور مچھلیوں کی ایک وافر مقدار کی فراہمی کے لئے مشہور ہے۔ گوادر کئی برس قبل اومان نامی ملک کا حصہ رہا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں یہ پاکستان کا "گولڈن بوائے" ہے۔

بلوچی زبان میں "**گوا**" ساحلی ہوا کو کہتے ہیں۔ اور "**در**" کے معنی دروازے کے ہیں۔ اس لحاظ سے گوادر کے لفظی معنی

"ساحلی ہوا کا دروازہ کے ہیں۔"

حاکم نواب کے گھر میں رات کا سناٹا اتر آیا تھا۔ گردونواح کے گھروں سے اس پہر کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ گاؤں کے لوگ جلدی سو جایا کرتے ہیں۔ لیکن اب کچھ گاؤں ایسے تھے۔ جن میں نوجوانوں کو موبائل فونز کی لت پڑ چکی تھی۔ ایسے میں گاؤں کے چند گھروں میں بھی آدھی رات جاگتی تھی۔ اور دن چڑھے تک سویا جاتا تھا۔

کہانی اس وقت '**دادی**' کے کمرے میں چل رہی ہے۔ دادی، جو کہ عام دادی ہرگز نہیں۔ جنکا کام بہوؤں پہ تنقید کرنا اور اپنے پرانے زمانے کو یاد کر کر کے آہیں بھرنا ہوتا تھا۔ دادی گنج بخت مختلف تھیں۔ انکو لالی وڈ کے ہر ہیرو ہیروئن کے بیوی بچوں سے لے کر انکے چکر تک کا حساب رکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ لیکن شومئی قسمت کہ دادی یوٹیوب کے چند جھوٹے بلاگرز پہ اندھا یقین کرتی تھیں۔ اگر انہوں نے تھمب نیل پہ لکھ دیا کہ۔

"دیکھئے فلاں اداکارہ کی شرمناک حرکتیں۔" تو دادی مان لیتی تھیں کہ ویڈیو میں کوئی نہ کوئی شرمناک منظر ضرور ہوگا۔

اگر ویڈیو میں لکھا ہوتا۔ کہ "دیکھئے کس طرح شاہین شاہ نے ہندوستانی اداکارہ کو محبت کا جواب محبت سے دیا۔" تو دادی مان لیتی تھیں

۔(اب یہ بات الگ ہے کہ شاہین شاہ اس اداکارہ کو جانتا تک نہیں ہوگا۔)

اس وقت دادی اپنے پلنگ پہ بیٹھی تھیں۔ نماز پڑھ کر ابھی تو فارغ ہوئی تھیں۔ دوپٹہ ابھی تک نماز کے انداز میں اوڑھ رکھا تھا۔ ہاتھ میں کونج کا موبائل تھا۔ اور انگلیاں یوٹیوب پہ آتی ویڈیوز آگے پیچھے کر رہی تھیں۔ دفعتاً وہ ایک جگہ رکی تھیں۔

ہمایوں سعید کی خون سے لت پت تصاویر۔ اور ویڈیو کا تھمب نیل تھا۔

ہمایوں سعید اپنی اہلیہ سمیت جان بحق۔ دادی کے مانو ہول پڑ گئے تھے۔ انہیں پڑھنا نہیں آتا تھا۔ بس تصاویر سے اندازہ لگا لیتی تھیں

۔

"کونجاں.. ارے او کونجاں ادھر آ ذرا میری گودی.... کونجاں . . "وہ زور زور سے اسے آوازیں دینے لگی تھیں۔ کونج بھی فوراً آدھمکی تھی۔ ہاتھ میں وہی زمرد اور نیلے رنگ کے جوڑے تھے۔ دادی کو بھی تو دکھانے تھے ناں۔

"کیا ہے یار دادی؟ آہستہ بولا کریں آپ کے ہٹلر بیٹے نے سن لیا ناں۔ یہی کہیں گے۔ میں نے انکی اماں کو خراب کیا ہے۔"وہ بولنے پہ آتی تھی تو کہاں رکتی تھی۔

"اے چھوڑو ذرا اپنے پاگل باپ کو۔ یہ دیکھو یہ بیچارہ دل لگی والا ہیرو خون میں لت پت ہوا پڑا ہے۔ ارے بیچارہ۔ لا پڑھ تو سہی لکھا کیا ہے؟"

''بلا گر ہوں گے دادی جھوٹ بول رہا ہے۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔ آواز نہ جانے کیوں ہلکی ہو گئی تھی

۔

''تم جھوٹی ہو گی۔ یہ بچہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ شکل سے ہی دیکھو معصوم لگتا ہے۔ تمہاری تو شکل پہ لکھا ہے جھوٹی۔'' وہ یوٹیوب کے چینل کے مالک کو اپنی پوتی پہ ترجیح دے رہی تھیں۔ یعنی اولاد سے زیادہ یوٹیوب پہ بھروسہ تھا۔

دادی اپنی رو میں کہہ گئیں۔ اس بات سے انجان کے کونج کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی کسی غیر مرئی نقطے پہ نظر جمائے ہوئے تھی۔ دادی نے بلا خر ویڈیو کھول لی تھی۔ ذرا دیکھیں تو حادثہ ہوا کیسے؟

کونج نے دوپٹہ اتار کر سنگھار میز پہ رکھا۔ اور بال کھول دیے۔ اسکے بال اچھے تھے۔ نہ زیادہ گھنے نہ زیادہ پتلے بس کندھوں سے ذرا نیچے تک آتے سیدھے ریشمی بال۔

اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ عام سانولا رنگ۔ پتلی ناک۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ جنکی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔ بھنویں موٹی تھیں۔ غور سے دیکھنے پہ جڑی ہوئی لگتی تھیں۔ لیکن تھیں نہیں۔ لمبی گردن۔ نقش اچھے تھے خوبصورت لیکن پھر بھی وہ خوبصورت کیوں نہیں لگتی تھی؟

اس نے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ خشک چہرہ، اگر یہی ہاتھ وہ زینیا کے چہرے پہ پھیرتی تو یوں لگتا انگلیاں گویا کسی ملائم روئی سے ٹکرائی ہوں۔ چہرے پہ ہلکے ہلکے سے دانے تھے۔ نظر نہیں آتے تھے۔ لیکن ہاتھ پھیرو تو محسوس ہوتے تھے۔

''لو دیکھو بھلا پچھلی بیوی نے حملہ کروایا ہے بیچارے پہ۔'' دادی تاسف سے بول رہی تھیں۔ کونج نہیں سن رہی تھی۔ اسے اس وقت کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے میز پہ دھرے دونوں جوڑوں کو ہاتھ میں بھرا۔

اور پھر ایک جوڑے کو اپنے بائیں کندھے پہ ڈالا۔ وہ نیلا جوڑا تھا۔ دبتی رنگت مزید دب گئی۔ اسکے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ آنکھیں نم ہوئیں۔

زمرد رنگ کا جوڑا بائیں کندھے پہ رکھا۔ اور ایک بار پھر شیشے میں خود کو دیکھا۔ رنگت میں البتہ کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ یہ جوڑا پہن کر بھی وہ اچھی نہیں لگے گی۔

وہ یاسیت سے خود کو آئینے میں تکتی گئی۔

دبلی پتلی لڑکی، دبتا رنگ، ڈھلکے ہوئے کندھے۔ اسی لمحے اسکا وجود آئینے سے ہٹ گیا۔ وہاں زینیا آگئی۔

اونچا قد، صاف رنگت، شہد رنگ لمبے بال، چوڑے کندھے، وہ عام جوڑے میں بھی حسین لگتی تھی۔ اسے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

''آپ سہی کہتی ہیں دادی، میں جھوٹی ہوں۔'' ہلکی شکستہ آواز۔ ''میں جھوٹ بول کر بھرم رکھتی ہوں۔ میں نیلے جوڑے کو چھوڑ کر زمرد رنگ رکھ لیتی ہوں۔ اس لئے نہیں کیونکہ مجھے قربانی دینے کی عادت ہے۔ بلکہ اس لئے کیونکہ میں جھوٹی ہوں۔ اگر میرا رنگ صاف ہوتا تو میں بھی اپنی پسند کے جوڑے پہنتی۔''

ایک آخری نظر نیلے جوڑے پہ حسرت سے ڈالتے ہوئے اس نے جوڑا کندھے سے اتار دیا تھا۔ آنکھوں میں چمک واپس آگئی تھی۔

لیکن دل کے بجھ جانا؟ کوئی اس دل کے بجھ جانے کا کیا کرے؟

"ارے، کونج آجا ادھر دل لگی والے ہیرو کا السٹا گرم **(انسٹا گرام)** دیکھ دے ذرا۔"

دادی کی پکار پہ وہ پلٹ آئی تھی۔ دوپٹہ کندھوں پہ دوبارہ اوڑھ لیا۔ جوڑے یونہی میز پہ دھرے چھوڑ وہ اب دادی کے ساتھ پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ سے چھیلی ہوئی مونگ پھلیاں پھانکتی اسکی انگلیاں موبائل پہ تیز تیز حرکت کر رہی تھیں۔

صد شکر کہ ہمایوں سعید نے آخری اسٹوری چند منٹ قبل ہی اپلوڈ کی تھی۔ ورنہ دادی ضرور کل تک کراچی جا کر ہمایوں کے گھر پرسا دے آتیں۔

اسکے سانولے چہرے پہ اب موبائل کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اسکا پہلا تاثر ایک بھولی بھالی، قربانیاں دینے والی، اور اپنی پسند کے جوڑے سے دستبرداری دینے والی لڑکی کا تھا۔ لیکن اسکا اصل کمپلیکسڈ، دل مارنے والی لڑکی اور لوگوں کی باتیں دل پہ لے لینے والی لڑکی کا تھا۔

پہلا یا آخری تاثر چاہے جیسا بھی ہو۔ انسان کا اصل ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"چند دن بعد۔"

اسلام آباد کی یہ شام تازہ دل فریب تھی۔ آسمان پہ سرمئی بادلوں کی ٹولیاں اٹھکھیلیاں کرتی پھرتی تھیں۔ کمبیر محل پہ گویا آج رونق اتری تھی۔ اس محل کا زندہ دل شخص لوٹ آیا تھا۔ وہ جو اس محل میں مسکرانے والا واحد آدمی تھا۔ وہ جو ماضی کے غموں سے نکل کر حال میں جینے والا اس گھر کا پہلا مرد تھا۔

لان میں بچھی کرسیوں پہ اس وقت چار لوگ بیٹھے تھے۔ مہدی کمبیر، بختیار کمبیر، انیسہ کمبیر، اور مقصود کمبیر۔

انیسہ صاف رنگت، ماڈلز جیسی جسامت اور خوبصورت لمبے بالوں والی لڑکی تھی۔ آنکھیں سیاہ تھیں، بھرے بھرے گال، وہ کافی خوبصورت تھی۔ انیسہ بختیار کمبیر۔

مقصود کمبیر ٹانگوں سے معذور تھے۔ انکے چہرے پہ ہمہ وقت سختی کے آثار رہتے تھے۔ آنکھیں برف جیسی۔ چہرے پہ ایسی سختی ہوتی کہ بات کرنے والا ہر دم گھبرائے۔ اپنے وقت کے عظیم سیاست دان تھے۔ لیکن اب دونوں ٹانگیں اور ایک ہاتھ معذور ہونے کے باعث گھر بیٹھنا انکی مجبوری تھی۔ مجبوریاں کبھی کبھی آپ کو چڑچڑا اور بدمزاج کر دیتی ہیں۔ انکے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

بختیار البتہ مختلف تھے۔ قیس اور وہ کتابوں پہ ایک لمبی گفتگو کرتے تھے۔ کئی کئی گھنٹے ساتھ بیٹھے ماضی کو یاد کرتے تھے۔ گزرے دنوں کے قصے۔ وہ خون کی ہولی۔ جسے آج تک قیس ایک پسندیدہ فلم کی مانند یاد کئے ہوئے تھا۔ وہ روز دہرائی جاتی تھی۔ قیس تھک جاتا، بختیار نہ تھکتے۔

"ٹرپ کیسا رہا؟" بختیار مہدی کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"نہ پوچھیں چچا۔ یہ ایک بہترین ٹرپ رہا۔ میں نے تین نئے ملک دیکھے اور آٹھ نئے شہر دیکھے۔ اب مکمل ہوئے پچپن ملک۔ ایک دو دن بعد بلوچستان جا رہا ہوں۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے۔ انیسہ کو دیکھا۔

"تم کیسی ہو کزن؟" انیسہ نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں، تمھیں مس کیا۔" نپے تلے ریکارڈڈ الفاظ۔ مہدی خوش ہوا تھا۔

"میں تمہارے لئے بہت کچھ لایا ہوں۔ باقی سب کے گفٹس دے دیے تمہارے رہتے ہیں۔ مرے کمرے میں آؤ دکھاتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

انیسہ بے دلی سے اٹھی تھی۔ اسکے ذہن میں انتشار سا تھا۔ ابھی وہ دونوں یہاں سے جاتے کہ کسی آواز پہ رک گئے۔ یہ قیس کی گاڑی کی آواز تھی۔ مہدی کے لب اپنے آپ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ انیسہ نے کوفت سے سر جھٹکا۔ اسے اب مزید اس محفل میں بیٹھنا پڑتا۔ اوہ نہیں۔

مقصود نے اپنے عقب میں کھڑی کیئر ٹیکر کو اشارہ کیا۔ وہ انکی کرسی دھکیلنے لگی تھی۔ بختیار آپ ہی کھڑے ہو گئے۔ یکدم تناؤ بڑھنے لگا تھا۔ انیسہ بھی اب الٹے قدم پلٹ رہی تھی۔ گاڑی گیلے پاتھ وے سے گزر کر آئی۔ پورچ میں آ کر رکی۔ ایک لمحے صرف ایک لمحے کے لئے بھی مہدی کی مسکراہٹ اور جوش ختم نہیں ہوا تھا۔ قیس کے لئے دروازہ کھولا گیا۔ وہ باہر آیا تو نظروں کی سیدھ میں کھڑے مہدی کو دیکھا۔

آنکھوں میں بہت کچھ در آیا۔ماضی ایک بار پھر فلم کی طرح یاد آیا۔وہ دونوں عام کزنز نہیں تھے۔جن کے درمیان کبھی جھگڑا ہوتا تو کبھی صلح،انکے درمیان نفرت تھی۔صرف نفرت لیکن قیس کی جانب سے،وہ مہدی سے نفرت کرتا تھا۔یہ شخص اسکے ماں باپ اسکے سارے خاندان کی موت کا ذمہ دار تھا۔

وہ اپنی جگہ سے نہیں بڑھا۔مہدی کو دیکھ کر اسکا دل دکھتا تھا۔روح تک بلبلا جاتی تھی۔لیکن وہ اسے خود سے دور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ اپنے خاندان کے ایک اور فرد کو مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔اسکے ابا نے اس سے کہا تھا۔

''میں اپنا خاندان تمہارے حوالے کررہا ہوں۔تم بازو،زمین،اور سہارا بننا۔خاندان جوڑنا بیٹے۔کسی ایک کو بھی مرنے مت دینا۔''

یہ الفاظ،یہ باتیں یہ سب آج بھی پہلے دن کی طرح یاد تھا۔

''کیسے ہو بھائی؟''وہ اسکے قریب چلا آیا تھا۔مسکراتے ہوئے اسے گلے لگانا چاہا۔قیس نے اسکے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے روکا تھا۔

''کاش تم جہاز سے گر کر مر آتے،کاش تم کسی ساحل میں ڈوب جاتے،یا پھر کاش کوئی تمھیں گولیوں سے بھون جاتا۔اللہ مجھے وہ دن دکھائے۔''وہ حقارت سے کہتا آگے بڑھ گیا تھا۔مہدی اپنی جگہ کھڑا رہا۔ہل بھی نہ سکا۔یہ الفاظ نئے نہیں تھے۔لیکن دل آج بھی پہلے کی طرح دکھتا تھا۔

اسکے لبوں پہ ایک اداس مسکراہٹ بکھر گئی۔زخمی تاثر جس نے دل کو اندر تک چیر دیا تھا۔گلٹ،ٹراما،بے بسی سب ایک ساتھ وارد ہوا تھا۔صرف قیس نہیں مہدی کے لئے بھی اسکا گھر بے سکونی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

''بلوچستان، گوادر''

حاکم نواب کے گھر پہ اتری شام باسی ہو کر رات میں بدل رہی تھی۔ آسمان پہ ستاروں کا غول سمٹ آیا تھا۔ گھر کے عقبی صحن میں بیٹھی زینیا دواز نو ہو کر زمین پہ بیٹھی تھی۔ اسکے سامنے سیاہ رنگ کا ایک کتا بیٹھا تھا۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکے آگے ڈالتی وہ کسی اور ہی جہاں میں تھی۔ جب کسی انسانی قدموں کی آہٹ اسے اپنے قریب محسوس ہوئی۔ یکدم دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ وہ اس آہٹ کو پہچانتی تھی۔ مسئلہ اس آہٹ سے نہیں تھا۔ مسئلہ اس سے جڑی باتوں سے تھا۔

''تم مجھے سلام کرنے نہیں آئیں؟'' پر کشش مردانہ آواز اسے اپنے بے حد قریب محسوس ہوئی۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔ سنہری آنکھوں میں بے زاری سی تھی۔

''میں نے آپ کو آتے نہیں دیکھا۔'' نپے تلے الفاظ۔ خالی لہجہ۔

''لیکن میں نے تو تمھیں مجھے دیکھتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔''

"تم مجھے نظر انداز کر رہی ہو؟'' ترکی با ترکی پوچھا گیا۔

''مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت بھلا؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے سامنے کھڑے بالاج میر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسکا لہجہ ذرا سا بھی نہیں گڑ بڑایا۔ بالاج مسکرا دیا اسکی مسکراہٹ دلکش تھی۔ خاندان کے وجیہہ مردوں میں سے ایک۔ صاف رنگت لمبا

چوڑا قد مضبوط جسامت، پڑھا لکھا مرد۔ وہ اگر خاندان کی کسی لڑکی سے ٹھہر کر بات بھی کر لے تو لڑکیاں اسے خوش قسمتی گردانتی تھیں۔

''تمھیں کتے پسند ہیں؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''مجھے کتوں سے نفرت ہے۔'' وہ زمین کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''پھر اسے کھانا دینے کا مقصد؟'' وہ مسلسل مسکراتے ہوئے زینیا کو دیکھ رہا تھا۔ اسکی نظر آہ اسکی نظر کسی بھی لڑکی کو غیر آرام دہ کر سکتی تھی۔ زینیا نے اعتراف کیا۔

''ہر بات کے پیچھے مقاصد نہیں ہوتے، بالاج بھائی۔''

''زبان قابو کرو لڑکی بھائی نہیں ہوں تمہارا۔'' اسکی آواز میں ناگواری تھی۔

"آنکھیں قابو میں رکھیں اپنی۔ میراث نہیں ہوں آپ کی۔'' زینیا کی دھیمی آواز ہی بالاج کو بہت کچھ سمجھا اور بتا گئی تھی۔ اور کون کہتا ہے کہ حدود قائم کرنے کے لئے اونچی آواز یا جھگڑا ضروری ہوتا ہے۔

بالاج نے گہری سانس بھری۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ ''کیا ہو گیا ہے زینی؟ اچھا آئی ایم سوری آؤ بیٹھ کر بات کریں۔'' اس نے قریب رکھی چارپائی کی جانب اشارہ کیا۔ زینیا نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اور دوسری نظر اس نے ذرا فاصلے پہ بظاہر کال پہ بات کرتے ابا کو دیکھا۔ وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے کال بس ایک بہانہ تھا۔

انکے خاندان میں یوں کزنز سے بات چیت کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ابا برا کیوں نہیں منا رہے تھے؟ اسے تعجب نہیں ہوا۔

''آپ بیٹھیں مہمان ہیں، میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ دھیمی پڑ گئی تھی۔ ابا کے خاندان میں صرف چند گھر ہی تھے۔ جو ان سے ملنے آتے تھے۔ بالاج انکا بھتیجا تھا۔ انکی بہن کا بیٹا۔ وہ بہن جو کئی سال بعد اب دوبارہ تعلق جوڑنے آئی تھی۔ وہ بیٹا جس میں داماد نظر آتا تھا۔ اسے ناراض کرنا مطلب ابا کو ناراض کرنا۔ اور زینیا حاکم ابا کو کم از کم اس زندگی میں ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد بالاج چارپائی پہ بیٹھا تھا۔ اور زینیا سامنے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ بالاج اپنی یونیورسٹی کا کوئی قصہ سنا رہا تھا۔ زینیا سن رہی تھی۔

وہ برا نہیں تھا بس اسے اچھا بننا نہیں آتا تھا۔

''تمھیں پتہ ہے، زینی میں کچھ عرصہ بعد سعودی عرب جا رہا ہوں۔ ایک کمپنی ہے اس میں جاب کے لئے اپلائی کیا ہے۔ بہت جلد جواب آنے والا ہے۔''

زینیا اسکی بات سنتے ہوئے ساتھ والے گھر کے درخت کو دیکھ رہی تھی۔ جسکی آدھی شاخیں انکے گھر میں آتی تھیں۔ اس درخت پہ ایک گھونسلہ تھا۔ کوئی سانپ تھا شاید جسے دیکھ کر چڑیوں نے شور مچا دیا تھا۔

''اور اگر جواب نہ آیا تو؟ میرا مطلب ہے آپشنز تو ہوں گے ناں؟'' بالاج کی مسکراہٹ اس بات پہ غائب ہوئی تھی۔ اب وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ زینیا سمجھ گئی کہ اسے کچھ برا لگا ہے۔

''برا مت مناؤ، بالاج ہم بچے نہیں ہیں جو ایک دوسرے کو تسلیاں دیں۔ انسان کے پاس سیکنڈ آپشن ہمیشہ ہونا چاہیے۔ آپ کو سوچنا چاہیے اگر جاب نہ ہو سکی تب آپ کیا کریں گے؟''

بالاج کے تاثرات اب کے نرم پڑے تھے۔ ''اصل میں، میں نے سوچ رکھا ہے۔'' بالاج اب کہنے لگا تھا۔ ''میرا ایک دوست ہے ۔ میرے ساتھ لاہور میں پڑھتا تھا۔ دو سال پہلے وہ سعودی چلا گیا تھا۔ اچھا خاصا کاروبار ہے اسکا، وہ مجھے اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔ لیکن اس نے مجھے سے دس لاکھ کا کہا ہے۔'' وہ بولتے بولتے رکا تھا۔ ایک نظر غور سے اسکو دیکھتی زینیا کو دیکھا۔

''تم تو جانتی ہو ابا نے ہماری ساری جائیداد اڑا دی۔ نشے اور جوے کی لت، اماں اپنا حصہ بھائیوں سے پہلے ہی لے چکی ہیں۔ ایسے میں ، بہت پریشان ہوں میں۔''

اور یہاں اس مقام پہ زینیا حاکم کو کڑیاں ملانے میں ایک منٹ نہیں لگا تھا۔ ابا کے بیس لاکھ۔ دونوں بہنوں کا جہیز۔ اوہ خدایا وہ اتنی چالاک کیوں تھی؟ کیوں اسکا دماغ اتنا تیز کام کرتا تھا؟ کیوں اس نے دھوکہ کھانا نہیں سیکھا تھا؟ وہ ان لوگوں میں سے تھی جنکو دھوکہ ملنے سے پہلے ہی وجدان ملا کرتا تھا۔ وہ جن کے لئے انکی عقل بعض دفع عذاب تھی۔

یکدم چڑیوں کا شور اس حد تک بڑھ گیا کہ زینیا کو اپنے دماغ کی رگیں دکھتی محسوس ہوئیں۔

''تم کچھ کہو گی نہیں؟''

بالاج نے امید سے اسے دیکھا۔ زینیا کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ چڑیوں کا شور کانوں میں بے سرے ساز کی طرح بج رہا تھا۔

''جو آپ چاہتے ہیں، اور جو آپ کی اماں چاہتی ہیں وہ ہوگا نہیں۔ کبھی بھی نہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسکے لہجے میں تپش در آئی تھی۔ بالاج کو کوئی فرق نہیں پڑا وہ مسکرایا تھا۔

''زینیا میں تو تمہاری مشکلات آسان کر رہا ہوں۔ ہماری شادی تمہارے ابا کی مصیبت ختم کر دے گی۔اور جسکا انتظار تم کر رہی ہو وہ نہیں آئے گا۔''

اسکی آخری بات، اسکی آخری بات پہ زینیا کے دل کو دھکا لگا تھا۔دل کے زخم تازہ ہوئے تھے۔اسے بے اختیار ہتک محسوس ہوئی تھی۔یا پھر شاید دل دکھا تھا۔اور اگر دل دکھا تھا تو بہت بری طرح دکھا تھا۔

دیوار سے لگی کمر دکھ رہی تھی۔ تھک رہی تھی۔ شدت سے جی چاہا تھا بیٹھ جائے۔ گر جائے۔ بالاج کہہ رہا تھا۔

''ہم بچے نہیں ہیں زینیا جو ایک دوسرے کو تسلی دیں۔انسان کے پاس ہمیشہ دوسرا آپشن ہونا چاہیے۔'' وہ کہاں کس انداز میں زینیا کو اسکے الفاظ لوٹا رہا تھا۔کاش وہ اسکا منہ نوچ لیتی۔

''عبداللہ نہیں آئے گا۔۔'' بالاج کی ایک بات اور زینیا کو اپنا دل خالی ہوتا محسوس ہوا۔درخت پہ بیٹھی چڑیں خاموش ہو گئی تھیں۔ شانت بلکل چپ شاید ماتم کرنے کا کوئی الگ انداز۔ سکوت سا سکوت تھا۔

دیوار سے لگی کمر بے حد تھک رہی تھی۔ عبداللہ اسے تھکا رہا تھا۔

''عبداللہ آئے گا۔۔۔'' اسکے لبوں سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔آنکھیں بری طرح جلنے لگی تھیں۔وہ نہیں روئے گی یہ تو طے تھا ۔لیکن اسے رونا آئے گا یہ بھی قدرت تھا۔

''وہ نہیں آئے گا، زینیا اور میں تمہارا دل نہیں دکھا رہا۔ میں جانتا ہوں تم اس حقیقت کو تسلیم کر لو گی۔تم بہت مضبوط ہو۔'' تسلی دینے کے انداز میں کہتا وہ چند پل اسکے سامنے کھڑا رہا پھر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

''میں مضبوط ہوں۔''اس دہرایا۔زبان کہہ رہی تھی۔دل ساتھ نہیں دیتا تھا۔

''میں مضبوط ہوں''اس نے ایک نار پھر دہرایا۔اور بلکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔بغیر کسی دیوار کے سہارے کے۔آنکھیں سرخ تھیں۔دل زخمی۔لیکن وہ کھڑی تھی مضبوطی سے۔

''میں مضبوط ہوں۔''اب کی بار دہراتے ہوئے بے بسی سی تھی۔وہ اتنی مضبوط تھی کہ اسے دیکھ کر ترس آتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''اسلام آباد۔''

"ہیلو نائٹ میئر۔۔ (night mare)" قیس کے کمرے کے دروازے پہ کھڑا مہدی مسکرا کر کہہ رہا تھا۔بیڈ پہ نیم دراز قیس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب ایک طرف رکھی۔سیاہ آنکھیں اب نہ غصے میں تھی نہ تکلیف زدہ۔وہ نارمل تھا۔ٹی شرٹ کے ساتھ آرام دہ ٹراؤزر پہنے وہ رف سے حلیے میں تھا۔لیکن اچھا لگ رہا تھا۔

''میں نے سوچا اب تک تم میری یہاں موجودگی کو قبول کر چکے ہو گے۔اس لئے میں ایک بار پھر چلا آیا۔''

ہاتھ میں مختلف شاپنگ بیگز تھامے وہ اندر آ رہا تھا۔سبز آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔قیس اسے خاموشی سے اپنے قریب آتا دیکھتا رہا۔اب کے وہ واقعی اسکی موجودگی قبول کر چکا تھا۔مہدی انکا پلنگ کے ایک کونے پہ ٹک گیا۔ہاتھ کی بند مٹھی قیس کی جانب بڑھائی۔قیس سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''ہیلو نائٹ میئر۔''

''ہیلوgreen wound ۔''

دونوں کی مٹھی ایک ساتھ ٹکرائی تھی۔ قیس سیدھا ہو کر بیٹھا۔نرم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کچھ دیر قبل جو کچھ تم نے کہا میں اسے تمہارا ذہنی عارضہ سمجھوں گا۔'' مہدی نے اسکی بات کو ہوا میں اڑایا۔

''حالانکہ تمھیں مان لینا چاہیے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ تم ایک سبز قدم انسان ہو۔ میرے خاندان کے قاتل اور مجھے اس حال تک پہنچانے والے۔'' ٹھنڈہ برف جیسا لہجہ تھا اسکا۔

''ہر چار گھنٹے میں ایک کال اور ہر دو گھنٹے میں ایک میسج کر کے یہ معلوم کرنا کہ مہدی زندہ تو ہے ناں اسے پھر کیا سمجھوں میں؟'' مہدی سنجیدہ تھا۔

''غلط فہمی۔'' قیس نے دو لفظی جواب دیا۔ مہدی نے خود کو پھینکنے کے انداز میں بیڈ پہ گرا دیا۔

''میں نے تمھیں بہت مس کیا، نائٹ میئر۔'' اب کے اسکی آواز ہلکی تھی۔ آنکھیں چھت پہ ٹکی تھیں۔

''یقین کرو میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' قیس نے کندھے اچکائے۔ ''بلکہ کیا پتہ میں نے تمھیں مارنے کو آدمی بھی بھیجے ہوں ۔ لیکن تمہاری سبز قدمی انکو کھا گئی ہو۔''

ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔

مہدی کے ذہن میں یکدم ایک جھماکا سا ہوا تھا۔ رات کا آخری پہر، سفید گھر، معکب عمارتیں، زرد بتیاں، اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

''تم مجھے مار نہیں سکتے۔ تم اپنے خاندان میں کسی کو بھی نہیں مار سکتے، نائٹ میئر۔'' مہدی کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، میں مار نہیں سکتا۔ لیکن میں مروا تو سکتا ہوں ناں۔'' جانے وہ کیوں بضد تھا۔

مہدی کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ دل بھاری سا ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک نظر قیس کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے مہدی نے سر جھٹکا تھا۔

''تم مجھے مار نہیں سکتے۔'' اس نے گویا یقین دلوایا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے سامنے رکھے شاپنگ بیگز قیس کے سامنے اٹھا کر رکھے۔

'' یہ تمھارے لئے لایا ہوں۔''

قیس نے ایک نظر بیگز کو دیکھا پھر اسے اور پھر بیگ میں ہاتھ ڈال کر سامان باہر نکالا۔

کف لنکس، ایک اور کف لنکس اور پھر ایک اور کف لنکس۔ تینوں چھوٹے چھوٹے شاپنگ بیگز میں لاکھوں کی مالیت والے کف لنکس تھے۔ قیس کو کف لنکس پسند تھے۔ حد سے زیادہ پسند۔ اسے یہ کف لنکس لگانا پسند نہیں تھا۔ وہ بس انہیں جمع کرنے کا شوقین تھا۔

اب کے مہدی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چند سکے بر آمد کئے تھے۔ مختلف ملکوں کے سکے۔ قیس اب مسکرایا تھا۔ یہ اسکا دوسرا شوق تھا۔ مختلف ممالک کی کرنسیز جمع کرنا۔ مہدی جب بھی کسی نئے ملک جاتا وہاں کی کرنسی ضرور ساتھ لاتا۔ قیس کی ہتھیلی پہ سکے

رکھتے ہوئے اسکا ہاتھ قیس کے ساتھ سے ٹکرایا تھا۔ قیس کو یوں لگا جیسے کسی انگارے نے اسے چھولیا ہو۔ مہدی کا جسم تپ رہا تھا۔ سکے چھوڑ چھاڑ قیس فوراً سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''کیا تم بیمار ہو؟ بخار ہے تمھیں؟'' وہ پریشانی سے اسکی پیشانی چھو کر دیکھ رہا تھا۔ ''اوہ خدایا مہدی تم نے بتایا کیوں نہیں؟'' وہ مہدی کا ماتھا چھو کر دیکھ رہا تھا، تو کبھی گردن۔ یکدم اسکا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ یہ قیس کا خاندان تھا۔ اور یہاں ہلکا بخار اور زکام بھی نہ قابل قبول تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں مہدی کے کمرے میں تھے۔ یہ کمرہ قیس کے کمرے سے مختلف تھا۔ بے حد مختلف۔ ابھری اینٹوں والی دیواریں۔ جن پہ گہرے رنگ کا پینٹ تھا۔ دائیں جانب والی دیوار پہ مہدی کی تصاویر ٹنگی تھیں۔ پچپن ملکوں کی مختلف جگہوں پہ سیاحت کے مزے لوٹتا مہدی۔

بائیں جانب والی دیوار کے ساتھ ایک اسٹائلش ریک تھا۔ جن پہ چند میڈلز، فریم شدہ تصاویر یا پھر مختلف ملکوں سے لائی جانے والی نوادرات رکھی تھیں۔ اسی دیوار کے اختتام پہ کلازٹ کا دروازہ تھا۔ جسکا دورہ ہم فلحال ملتوی کیے دیتے ہیں۔ کمرے کے بیچ و بیچ زمین کی طرف جھکا ہوا بیڈ تھا۔ جس کے تاج کے اوپر مختلف پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ سامنے والی دیوار پہ دیوار گیر ٹی وی۔ اور ٹی وی کے عین سامنے اخباروں کے کور والا صوفہ۔ کمرے کی سیلنگ پہ چاروں اور فیری لائٹس لگی تھیں۔ جنکی ہلکی نیلی روشنی کمرے کی رونق بڑھائے ہوئے تھی۔

مہدی اپنے بیڈ پہ لیٹا تھا۔ لحاف سینے تک اوڑھ رکھا تھا۔ گال بخار کی حدت سے تپ رہے تھے۔ قیس اسکے سامنے کھڑا تھا۔ تفشیشی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا۔

"تمہارا بخار کتنا پرانا ہے؟"

"شاید ایک ڈیڑھ ہفتہ ہوا ہے۔ سینٹوریِنی میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ موسمی زکام بخار سب کو ہی تھا۔"

قیس نے ہاتھ میں پکڑی چند رنگین گولیوں کے پتے کو ایک نظر دیکھا۔ اور پھر پھینکنے کے انداز میں اسکے سینے پہ دے ماریں۔ مہدی نے نقاہت سے آنکھیں بند کیں۔

"انہیں کھالو، صبح تک تم مجھے تندرست چاہیے ہو۔ آئی سمجھ؟ مر نہیں سکتے تم۔" تو ثابت ہوا کہ خاندان میں کسی کی موت قیس کا خوف تھا۔ وہ جتنا خود کو بے زار ظاہر کر رہا تھا۔ اتنا تھا نہیں۔

مہدی نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔

"میں ایک ہفتے سے دوائی کھا رہا ہوں کوئی اثر نہیں ہو رہا، شاید ملیریا ہے۔" کہتے ساتھ وہ کراہا تھا۔ بخار سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ کندھے بھاری ہو رہے تھے۔ اسکی سرخ آنکھیں اب جل رہی تھیں۔ قیس یونہی کھڑا رہا۔ بے تاثر سرد چہرہ لئے۔ البتہ دل ایک ہزار بار ڈوب ڈوب رہا تھا۔

"اگلے چھ ماہ تک تم ملک سے باہر نہیں جا رہے۔" قیس کے اعلان پہ مہدی بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت آڑے آگئی۔

مہدی کا سفری بستہ بیڈ کے ایک کونے پہ کھلا پڑا تھا۔ قیس اب اسکے سامان الٹ پلٹ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ کچھ تھا۔ غیر آرام دہ سا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے، قیس۔ پاگل ہو گئے ہو کیا۔ میں ٹریولر آدمی ہوں۔ گھر میں کیسے رہ سکتا ہوں۔'' حیرانی سی حیرانی تھی۔ یہ الفاظ ہضم کرنا مشکل تھا۔

''میرے ایئرپوڈز کہاں ہیں؟'' قیس اسکی سنے بغیر بولا تھا۔ مہدی کے کپڑے مختلف سامان اب فرش پہ بکھرا پڑا تھا۔ سامان میں آدھے سے زیادہ گھڑیاں تھیں۔ مختلف برانڈز کی مہنگی مہنگی گھڑیاں۔

''مس پلیس ہو گئے ہوں گے۔'' صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹال رہا ہے۔ ایئرپوڈز کے نام پہ مہدی کو وہ سیاہ رات یاد آگئی تھی۔

''تم کب سے چیزیں مس پلیس کرنے لگے؟ صاف صاف بتاؤ گرین وونڈ تم کیا چھپا رہے ہو؟ اگر میں نے پتہ لگا لیا تو تم جانتے ہو میں کیا کروں گا؟''

مہدی نے گہری سانس بھری۔

''ہاں مان لیا تم 155+ آئی کیو کے مالک ہو۔ مانا تمہاری میموری فوٹو گرافک ہے۔ تم دنیا کے ذہین انسانوں میں سے ہو۔ لیکن، مسٹر قیس کمبیر صاحب ہر بات میں شک اور ہر معملے میں ٹیڑھ ڈھونڈنا چھوڑ دو پلیز۔ میں سونا چاہتا ہوں جاؤ پلیز۔''

لحاف اپنے اوپر ڈالتے ہوئے اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسکے سامنے قیس تھا۔ وہ آدمی نہیں تھا۔ ایکسرے مشین تھا۔ وہ آپ کا چہرہ دیکھ کر کئی منٹ قبل ہونے والا واقعہ بھی بتا سکتا تھا۔ اسے ڈاج دینا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔

مہدی لحاف اوڑھے لیٹ گیا تھا۔ آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ قیس چند لمحے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کچھ ہے جو چھپایا جا رہا ہے۔

لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کم از کم مہدی اسے یہ بات نہیں بتائے گا۔

''میں جانتا ہوں تم سوئے نہیں۔'' قیس نے ہانک لگائی۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا تم کہاں تھے کیا کیا کیوں کیا۔ میں تمھیں کسی بھی ملک بھیجتا ہوں تو زندہ بھیجتا ہوں۔ تم مجھے واپسی پہ بھی زندہ چاہیے ہو۔ اگر تم مرے تو میں تمھیں مار دوں گا مہدی۔'' آخری لفظوں میں ایسی سفاکی تھی کہ لمحے بھر کو کوئی بھی کانپ جائے۔

وہ کہہ کر رکا نہیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ پیچھے مہدی نے دھیرے سے لحاف سرکایا تھا۔

اسکی آنکھوں میں وہ سیاہ رات ایک بار پھر گھوم گئی۔ اگر وہ صرف ایک رات ہوتی تو فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن وہ تعاقب کر ایک بار پھر آیا تھا۔ اور مہدی اب یاد نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ کب کب آیا تھا۔ لحاف واپس اوڑھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے سونا تھا۔ لمبی گہری نیند سونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

''بلوچستان''

شام کے نیلے سائے پھیل کر سیاہ ہونے لگے تھے۔ حاکم نواب کے گھر میں اپنے کمرے میں موجود زینیا بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔ چند دن بس چند دن بعد ہی تو اسلام آباد سے ایک سیاحتی گروپ اسکے شہر آرہا تھا۔ اسے ابا کی اجازت نہیں چاہیے تھی۔ اسے بس کسی طرح اس گھر سے نکلنا تھا۔ زینیا کے پاس ہمیشہ چور دروازے ہوتے ہیں۔ پلنگ پہ نیم دراز کونج اپنے موبائل پہ کچھ

دیکھ رہی تھی۔ یہ موبائل ہی تو اسکی کل متاع تھا۔اور یہ پلنگ اسکا سگنل زون۔ ہر گھر میں ایک ایسا کونہ ضرور ہوتا ہے۔ جہاں آپ کا انٹرنیٹ تیز چلتا ہے۔ پلنگ کا دایاں حصہ اس گھر کا وہی کونہ تھا۔اسپیکر سے کسی کی بھاری مردانہ آواز گونج رہی تھی۔

"قیس آپ اس ملک کے مشہور ڈیزائنر ہیں۔ عورتیں آپ کے بنائے کپڑوں کو پہننا اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہیں۔ مرد آپ کے برانڈ کو ایک لیول سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ خود صرف اور صرف مردوں کے کپڑے ڈیزائن کرتے ہیں۔آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ایک misogynist ,self centered ,anti feminist

آدمی ہیں۔آپ کے پاس کوئی وضاحت ہے؟ کیوں آپ عورتوں کو اتنا کمتر سمجھتے ہیں کہ آپ انکے کپڑے تک ڈیزائن نہیں کرتے؟"

اگر کونج کے موبائل میں جھانک کر دیکھو تو گھنگریالے بالوں والا قیس ایک سٹوڈیو میں بیٹھا تھا۔ سفید ریکلائنز اور درمیان میں رکھی شیشے کی میز۔آس پاس کی دیواریں سبز تھیں۔ میزبان کی بات پہ اس نے گہری سانس لی تھی۔

"لوگوں کا کام تو کہنا ہے میں انکی باتیں نہیں سنتا۔رہی بات عورتوں کو کمتر سمجھنے کی۔تو شاید ایسا ہو کہ میں عورتوں کو کمتر نہیں بلکہ اتنا قابل احترام، مقدس، اور نفیس سمجھتا ہوں؟ کیا پتہ میں انکے کپڑے اس لئے ڈیزائن نہیں کرتا کیونکہ مجھے نہیں لگتا میں اس لائق ہوں؟ وہ میزبان کی آنکھوں میں دیکھتا کس خوداعتمادی سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھا زینی خوامخواہ لوگ اس بیچارے کے پیچھے پڑے تھے۔" کونج نے اسکی بات پہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ "بیچارے کو پتہ نہیں کیا کیا کہہ ڈالا۔ کیسا جواب دیا اس نے۔ لوگوں کی بولتی بند ہو جائے گی اب۔" وہ چہک رہی تھی۔

''اس نے جواب نہیں دیا کونج اس نے سوال کے بدلے سوال کیا ہے۔اس نے تردید نہیں کی۔ لیکن اس نے تائید بھی نہیں کی، بے وقوف لڑکی وہ بات کو اپنے کورٹ میں کر گیا اور تم لوگ سمجھے ہی نہیں۔'' زینیا کے لمبے تبصرے پہ کونج کا چہرہ بجھ گیا۔ سر جھٹک کر وہ ایک بار پھر موبائل کی طرف چہرہ موڑ گئی۔

زینیا بھی اپنے موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ مثبت جواب دے رہی تھی۔ اسے اب کسی سوچ و بچار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جائے گی۔ ضرور جائے گی۔

''پورے ملک میں شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو جہاں آپ کے بوتیک چین نہ پھیلی ہو۔ جہاں آپ کا فیشن ہاؤس نہ ہو۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری میں آپ کا ایک نام ہے۔ برانڈ ہے۔ ناظرین شاید جانتے نہیں اس لئے ہم بتادیں۔ قیس کمبیر دو عدد ٹیکسٹائل ملز کے مالک بھی ہیں۔ اور انکے شراکت دار ہیں، براق حنیف۔ بیز کلیکشن کے مالک۔''

سوال کی طرف آئیں میزبان صاحب۔ قیس کے شائستگی سے ٹوکنے پہ ہوسٹ کی چلتی زبان رکی تھی۔

"سوال یہ ہے قیس کہ آپ کی ٹیکسٹائل ملز اور آپ کے باقی سارے فیشن ہاؤسز میں عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن قیسم کی مین برانچ میں چند گنی چنی خواتین کے علاوہ کیوں کوئی عورت کام نہیں کرتی؟ اس بات سے ہی آپ پہ ایک Misogynist ہونے کا الزام لگتا ہے۔ کیا آپ کلئیر کریں گے۔؟''

قیس مسکرایا تھا۔ ''میں اسے شاید ایک اتفاق کہوں۔ ایک بے حد برا اتفاق۔''

زینیا نے اس ابھرتی آواز پہ سر کو استہزائیہ انداز میں جھٹکا تھا۔

''اب یہ آدمی تین چار مزید باتوں کا جواب اسی طرح گھما پھرا کر دے گا۔ تا کہ لوگ یقین کر لیں کہ وہ باتیں گھما نہیں رہا بلکہ یہی اسکا پیٹرن ہے۔ وہ ایک بار پھر موبائل پہ تیز تیز ٹائپ کرنے لگی تھی۔''

کوفت زدہ بے زار چہرہ۔ آدم بے زار۔

کونج نے اب کے زینیا کو نہیں دیکھا وہ سکرین کو تکے گئی۔ چند مزید باتوں کے جواب بھی وہ اسی طرح دیتا رہا۔ گھما پھرا کر۔ الفاظوں کو جیسا چاہا موڑ دیا۔ جہاں چاہا چند ہیرے موتی لگا کر مزید خوبصورت پیش کر دیا۔ جہاں چاہا کپڑے کی مانند کتر دیا۔

''قیس کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی۔ وہ بس باتوں کو اپنی مرضی کا مطلب دیتا تھا۔''

''اگلے چند سال بعد آپ خود کو کہاں دیکھتے ہیں؟'' میزبان کے سوال پہ وہ چند پل کے لئے کچھ نہیں کہہ سکا۔ زینیا کے ٹائپ کرتے ہاتھ بھی تھم گئے تھے۔ یہ ایک عجیب لمحہ تھا۔ یہ لمحہ قیس کے لئے نہیں تھا۔ یہ لمحہ زینیا کے لئے بھی تھا۔ اگر سننا چاہو تو یہ لمحہ تمھارے لئے بھی ہے۔

چند پل خاموشی، قیس نے مسکرا کر کیمرے کو دیکھا، زینیا نے آسودگی سے آنکھیں موند لیں، چند لمحے بیتے، چند ساعتیں گزریں اور پھر دونوں نے بیک وقت، ایک ہی طرح کی توانائی سے ایک ہی جیسا جواب دیا تھا۔

''بلندیوں کی سمت، کیونکہ مجھے اسی لئے بنایا گیا ہے۔''

یہ جواب صرف قیس کی جانب سے نہیں تھا۔ زینیا بھی آنکھیں بند کر کے یہی بڑبڑائی تھی۔ کیا تم نے یہ نہیں دہرایا؟

کونج بے اختیار چونکی تھی۔ اور پلنگ پہ سیدھی ہو بیٹھی۔ چونکی تو زینیا خود بھی تھی۔

''زینی تم نے یہ انٹرویو دیکھ رکھا تھا؟ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔''

زینیا نے ایک نظر کونج کو دیکھا۔اور پھر انسٹا گرام پہ اپنے بائیو کے آپشن کو۔ وہ اپنے اکاؤنٹ کی سیٹنگ کر رہی تھی۔اسے بے اختیار خفت محسوس ہوئی۔

''میں نے نہیں سن رکھا۔ میں تو اس آدمی کو بھی نہیں جانتی۔'' وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی۔اسکے چہرے پہ ہلکی سی حیرانی بھی تھی۔

''تو پھر تمھیں کیسے پتہ یہ کیا کہنے والا تھا؟'' کونج بات کی تہہ تک پہنچے بغیر کیسے خاموش ہو جاتی۔زینیا بار بار کچھ ٹائپ کرتی اور پھر الجھ کر مٹا دیتی۔ لمبی سفید انگلیاں بے چین تھیں۔

''آئی ڈونٹ نو It just happened ''

کونج خاموش ہو گئی تھی۔زینیا کی انگلیاں حرکت میں آ گئیں۔نہ جانے کیوں کس خیال کے تحت اس نے بائیو میں لکھ ڈالا۔

' بلندیوں کی سمت، کیونکہ مجھے اسی لئے بنایا گیا ہے۔'

☆☆☆☆☆☆☆

''اسلام آباد۔''

کمبیر محل میں سناٹا تھا۔ سارے لوگ شاید سونے چلے گئے تھے۔ایسے میں دوسری منزل کی راہ داریوں میں کوئی ہیولہ ساچلتادکھائی دے رہاتھا۔ سلک کے نیلے شب خوابی کے لباس میں ملبوس گھنگریالے بالوں والے مرد نے فون کان سے لگار کھا تھا۔دوسری جانب اسکی سیکریٹری تھی۔

"حدیبیہ نواز۔۔"

''میں نے پوراانٹرویوسنا ہے سر۔مجھے نہیں لگتا کہ اس میں کوئیcontroversial بات ہے۔بلکہ میں توبے حد خوش ہوں عورتوں کے متعلق آپ کی رائے اتنی اچھی؟''

''میری رائے عورتوں کے بارے میں آج بھی وہی ہے۔عورتیں ایک نخرے باز، کم عقل،اورڈرامے باز مخلوق ہوتی ہیں۔جنکو اگرکام پہ رکھوتوآئے دن نئے بہانے ساتھ لاتی ہیں۔ان پہ لگا"نازک"کااسٹیکرانھیں کام کرنے نہیں دیتا۔'' وہ کہتے ہوئے راہداریوں میں مڑتا جارہاتھا۔سلک کالباس ساتھ ساتھ لہرارہاتھا۔ماتھے پہ شکن۔انداز میں ناگواری تھی۔

''پھرآپ نے انٹرویومیں جوکچھ کہا کیاوہ جھوٹ تھا۔'' حدیبیہ کو صدمہ ہی تولگا تھا۔

''بوجھوتوجانیں۔'' حدیبیہ نہیں جانتی تھی کہ قیس کبھی جھوٹ نہیں بولتا،وہ بس باتوں کواپنی مرضی کے رنگ دیتاہے۔

''اگرآپ کوعورتوں سے اتنی نفرت ہے توپھرآپ نے مجھے نوکری پہ کیوں رکھا؟'' حدیبیہ خفاتھی۔

''تمھیں تمہارے مردانہ نقوش کی وجہ سے رکھاہے۔حدیبیہ کم حبیب زیادہ لگتی ہو۔''اس نے کہتے ساتھ کال کاٹ دی تھی۔

یقیناًحدیبیہ اب اگلے چارروزایک ایک کوپکڑپکڑکراپنی خوب صورتی کے چرچے کروائے گی۔راہداریوں میں گزرتے ہوئے قیس

ایک جگہ رکا تھا۔ وہ مہدی کے کمرے کا دروازہ تھا۔ ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے اس نے لکڑی کا بھاری دروازہ دھکیلا تھا۔

کمرہ اے سی کی ٹھنڈک سے یخ ہو رہا تھا۔ قیس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔ نیلی روشنی میں اس نے پلنگ کی سمت دیکھا۔ مہدی اوندھے منہ لیٹا تھا۔ قیس قدم قدم چلتا آگے آیا تھا۔ پلنگ کے قریب پہنچ کر اس نے سائیڈ میز پہ رکھا اے سی کا ریموٹ اٹھایا۔ بٹن دبا کر ٹھنڈک کم کی۔ اب کے اس نے پلنگ پہ پڑی دوائیاں دیکھیں۔ وہ ثابت تھیں۔ ان میں سے ایک گولی بھی نہیں کھائی گئی تھی۔ یکدم قیس نے اپنے ماتھے کو چھوا۔ پھر جھک کر نیلی روشنی میں نیلے پڑتے مہدی کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر دیکھا۔

اسکا ماتھا ٹھنڈہ تھا۔ برف جیسا۔ قیس نے اسے سیدھا کر کے لٹایا۔ پھر گھٹنے کے بل اسکا قریب آکر بیٹھا۔ اور ایک بار پھر اسکا ماتھا چھو کر دیکھا۔ ساتھ گردن۔ وہ ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ برف جیسا ٹھنڈا۔

قیس نے اپنا کانپتا ہاتھ اسکے سینے کے مقام پہ رکھا۔ اور پھر وہ اپنا ہاتھ کھینچ نہیں سکا۔ اسکے دل کی دھڑکن ساکن تھی۔ خاموش۔ نل۔ کوئی شور نہیں کوئی آواز نہیں۔ اسکا دل بند ہو چکا تھا۔ جسم ٹھنڈہ پڑ چکا تھا۔ آنکھیں ایسے بند تھیں جیسے کوئی مردہ۔

قیس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ آنکھیں نیم مردہ ہو گئی تھیں۔ ایک پل کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔ آہستگی سے پیچھے ہوتے ہوئے وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ لگ چکا تھا۔ آنکھیں اب بھی مہدی کے وجود پہ جمی تھیں۔ اسکے جسم میں کوئی جنبش نہیں ہوتی تھی۔ قیس نے دونوں ٹانگیں اوپر کر کے گھٹنے سینے سے لگا لئے۔ گھنگریالے بال بکھر گئے تھے۔

''مہدی مر گیا۔..... بابا مہدی مر گیا۔'' وہ آہستہ آہستہ دہرا رہا تھا۔ بتیس سالہ مرد تین سالہ بچے کی مانند دہرا رہا تھا۔ خوف سے۔ بے یقینی سے۔ بے بسی سے۔

''مہدی مر گیا۔''

''تم مر نہیں سکتے مہدی۔ میں تمھیں مرنے نہیں دے سکتا۔'' یکدم اسے جیسے ہوش آیا تھا۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن اسی لمحے پلنگ کے اوپر رکھا شیشے کا گلاس زمین پہ گر کر چھناکے سے ٹوٹا۔ اور اسی لمحے قیس ساکت ہو گیا۔ ساری دنیا کی آوازیں بند ہو گئیں سارے مناظر دھندلے ہو گئے۔

آوازیں، ایسی ہی آوازیں اسے حال سے ماضی میں لے جایا کرتی تھیں۔ اور قیس کا ماضی بہت برا تھا۔

لاشیں، خون، چیخیں، پھیلتی دور تک جاتی آگ، اسکے ابا، اماں، وہ مر رہے تھے۔ قیس انھیں بچانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ساکن تھا۔ اسکا وجود جمود کا شکار تھا۔ قیس نے اپنے خاندان کے ایک اور فرد کو کھو دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

''بلوچستان گوادر''

سمندر کی نم ہواؤں نے سارے میں اپنی چھایا بچھا رکھی تھی۔ حاکم نواب کے گھر میں اس وقت زینیا باورچی خانے میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ اس نے گہرے نارنجی رنگ کا گھاگھرا پہن رکھا تھا۔ بھاری کام والا۔ بال لمبی چٹیا میں کس کے باندھے ہوئے۔ سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چائے ابل ابل کر ختم ہونے کو تھی جب اس نے ساس پین نیچے اتارا۔

وہ دنیا جہاں کے کھانے بنا سکتی تھی لیکن چائے نہیں۔ وہ اتنی بری چائے بناتی تھی جسے پی کر خود ہی تھوک دے۔ یہ کونج کا ٹیلنٹ تھا ۔ جسکی چائے ہر آنے جانے والے کو پسند تھی۔ لیکن بشر کی چائے کی دیوانگی اور اپنا کام کروانے کے لئے آج زینیا کو یہ کام بھی اپنے سر لینا پڑا۔

چائے بنا کر طشت میں رکھی۔ سر پہ دوپٹہ اچھے سے جمایا۔ اب وہ تیار تھی۔ پر اعتماد قدم اٹھاتی وہ بشر کے کمرے کی طرف جا رہی تھی ۔ دروازے کے باہر رک کر اس نے دستک دی۔ اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر اندر چلی آئی۔

یہ کمرہ کافی بڑا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ڈبل بیڈ تھا۔ اور اسکے سامنے والی دیوار کے ساتھ الماری رکھی تھی۔ ایک جانب لمبے بڑے بڑے اسپیکر رکھے تھے۔ جو شاید کسی دور میں چلائے گئے ہوں۔ کمرے کے ایک کونے میں میز اور کرسی رکھی تھی۔ جس پہ بیٹھ کر بشر اپنا کام کیا کرتا تھا۔

زینیا کو کمرے میں دیکھ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ شاذ و نادر ہی اپنی آواز سناتا۔ زینیا نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ چائے کا کپ رکھا۔ اور خود بشر کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پہ کوئی خوف پریشانی کچھ نہیں تھا۔ بشر اپنے لیپ ٹاپ پہ فلم دیکھتا رہا۔ زینیا خاموشی سے بیٹھی اسکا چہرہ تکتی رہی۔

آہ کوئی اس آدمی کو بتائے کہ بولنے سے سیل ضائع نہیں ہوتے۔

''ادا (بھائی) مجھے ایک بات کرنی تھی۔'' بشر نے اب کے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ بولا اب بھی کچھ نہیں۔ اسکی آنکھیں کونج جیسی تھیں۔ پلکیں مڑی ہوئی۔

''انسٹا گرام پہ میری فوٹو گرافی دیکھ کر ایک ٹریول گروپ کے مینیجر نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی

۔بشر فوراً سے پہلے سیدھا ہوا تھا۔ وہ اپنے "بھائی" موڈ میں اگیا تھا۔

''مینیجر، یہ کون ہے لڑکا ہے؟ مجھے دو موبائل دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ فوراً سیدھا ہوا۔ بس آگیا وہ مشرقی مردوں والی جلد بازی پہ۔

"ادا پوری بات تو سن لو۔ لڑکی ہے مینیجر۔ بات ہوئی ہماری۔ انکا گروپ تین دن بعد گوادر آرہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں میں انکے لئے

فوٹو گرافی کروں۔ چالیس ہزار دیں گے۔ تم ابا سے بات کرلو بس تین دن کا کام ہے اور......''

''ناں بول دو فوراً۔ بلکہ یہاں دو اپنا موبائل میں خود ناں بول رہا ہوں۔'' بشر دوٹوک انداز میں بولا تھا۔ اسکا چہرہ بے حد سنجیدہ ہو گیا

تھا۔ ''مجھے فرق نہیں پڑتا چالیس ہزار دیں یا چالیس لاکھ۔ لیکن ابھی میں اتنا بے غیرت نہیں ہوا کہ تم غیر مردوں کی تصاویر کھینچو۔

ابا سے پہلے تو میں منع کر رہا ہوں۔'' اسکا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ کاش ہمارے مرد غیرت کا اصل مفہوم سمجھ لیں۔

''تم میرے ساتھ چلنا ادا۔ بس ہر روز دو گھنٹے کا کام ہو گا اور بس۔ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے ادا بات کو سمجھو۔'' زینیا اب زور

دے کر کہہ رہی تھی۔

''زینیا میں ناں کہہ چکا ہوں ناں سمجھ نہیں آرہی؟'' اب کے بشر ذرا سختی سے بولا تھا۔ یہاں کوئی ہوتی تو اسکی جان ہوا ہو جاتی۔

لیکن زینیا ڈھیٹ تھی۔ پتھر اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا لیکن وہ نہیں۔ سو ڈٹی رہی۔

''غضب خدا کا اب تم میرے سامنے غیر مردوں کی تصویریں کھینچو گی اور میں بے غیرتوں کی طرح کھڑا رہوں۔ پتہ نہیں کیسے کیسے

لوفر لڑکے آرہے ہوں گ۔'' اس نے ہاتھ جھلایا۔ غصہ سخت غصہ آرہا تھا اسے۔

''تمھیں مجھ پہ اعتبار ہے کہ نہیں؟ آج تو اپنا شہر ہے ادا کل میں کسی اور شہر پڑھنے جاؤں گی۔ تم نے کہا تھا تم مجھے افسر بناؤ گے۔ تم تو ابھی سے منع کر رہے ہو۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''زینی میں نے ناں بول دیا مطلب ناں ہو گیا اب جاؤ یہاں سے تنگ مت کرو۔'' بشر نے گویا بات ختم کر دی ہو۔ چہرہ اب بھی سرخ تھا۔ زینیا کو انسٹا گرام کی اجازت دے کر ہی غلط کر دیا تھا۔

زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اسکا ذہن ایک چلتی پھرتی مشین تھا۔ وہ اٹھی ایک اچٹتی سی نگاہ بشر پہ ڈالی۔

''اب تمہارا رشتہ طے کر رہے ہیں۔ بدلے میں، کون وہاں جائے گا تم جانتے ہو۔'' الفاظ سیسے کی مانند چبھے تھے بشر کو۔ وہ اپنی جگہ شل رہ گیا۔ لب ہلکے وا تھے۔

''ایک وقت وہ تھا جب تم نے لالہ رخ کے لئے اسٹینڈ نہیں لیا۔ اور آج تم میرے لئے اسٹینڈ نہیں لے رہے۔ تم صرف محبت میں ناکام مرد نہیں ہو ادا۔ تم ہر تعلق میں ناکام ہو۔''

بشر کے دل پہ گویا کسی نے انگارے ڈال دیئے ہوں۔ وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔ آنکھیں ضبط سے سرخ ہوئیں۔ ناکام ادھوری محبت نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔ دل زخم زخم ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے دانت بھینچ لئے تھے۔

''جب جانا ہو بتا دینا میں ساتھ آؤں گا۔''

چوکھٹ پہ زینیا تھم گئی تھی۔ لب تلخی سے مسکرائے تھے۔ ایسے تو پھر ایسے ہی سہی۔ اسکے گھر کے مردوں کو اسکے دل کی پرواہ نہیں تھی تو وہ کیوں کرے؟

اس نے بھی وہیں وار کیا تھا جہاں سب سے زیادہ چبھن ہو۔ کسی کی ادھوری محبت۔ اگلے چند لمحات میں وہ چوکھٹ پار کر گئی تھی۔

اسکے پیچھے بشر نے خود سے ایک بار وہی عہد دہرایا تھا۔

''ہزار بار موقع آئے گا۔ تو میں ہزار بار اسکے لئے اسٹینڈ نہیں لوں گا۔ اگر میں اسکے لئے کھڑا ہو جاتا تو وہ ڈھے جاتی۔''اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

شاید اسے ڈھیر سارا رونا تھا۔ شاید ضبط کرنا تھا۔ وہ کہاں کچھ بتاتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆

''اسلام آباد''

پلنگ کے تاج کے ساتھ جڑ کر بیٹھا قیس تہی دامن تھا۔ وہ اب تک متعجب تھا۔ اب تک ماضی میں تھا۔ آگ کے بھڑکتے گولے ،لاشیں، خون، اسکا خاندان، سب آنکھوں کے سامنے گھوم گھوم رہا تھا۔ گھٹنے سینے سے لگائے بیٹھا وہ الگ دنیا میں تھا۔

اسی لمحے عین اسی لمحے مہدی کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس نے کلسمندی سے کروٹ بدلی تھی۔ قیس اب بھی اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ وہ حال میں نہیں تھا۔ ماضی وہ ظالم ماضی کے گرداب میں چکر کاٹ رہا تھا۔ آگ، خون، لاشوں سے بھرا ماضی۔

مہدی نے ہلکی سی آنکھیں کھولیں۔ اس نے قیس کو اپنے سامنے بیٹھے دیکھا۔ مندی مندی آنکھیں لئے وہ صورتحال سمجھنا چاہ رہا تھا ۔ قیس اس وقت اسکے کمرے میں اسکے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ کیوں۔؟ اسکا دماغ اب بھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔

آگ، خون، لاشوں کے ماضی میں کبھی آگ سبقت لے جاتی۔ کبھی لاشوں کی تعداد۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے بیٹھا تھا۔ ہر حرکت سے عاری بے جان بے سانس۔ عقل اور یادداشت ہر انسان کے لئے نعمت نہیں ہوتی۔ کچھ کے لئے عذاب بھی ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے تو قیس کو دیکھو۔ وہ جسے آج بھی اپنے خاندان کی موت ایک فلم کی مانند یاد تھی۔ ایک ہزار دفع دیکھی ہوئی فلم کی مانند۔

”قیس تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا ہے قیس؟“ مہدی اب کے اٹھ بیٹھا تھا۔ وہ قیس کا کندھا ہلاتے ہوئے اس سے سوال کر رہا تھا۔ ماضی سچ دکھاتا آئینہ چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ قیس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔ اسے حال میں واپس لایا جا چکا تھا۔ اسکے چہرے پہ ڈھیر ساری وحشت تھی۔ وہ شاکڈ تھا۔

"قیس ادھر دیکھو کیا ہوا ہے... بھائی مجھے بتاؤ ادھر دیکھو۔“

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ دہشت تھی۔ وہ ڈرا سہما ہوا تھا۔

”تم مر گئے تھے۔ میں نے تمھیں دیکھا تھا۔ تم سانس نہیں لے رہے تھے۔“ وہ بامشکل بول رہا تھا۔ یوں جیسے مہدی کو زندہ دیکھ کر بھی یقین نہ آیا ہو۔ یوں جیسے اسے سمجھنے میں دقت ہو رہی ہو۔ کئی بار ٹراما اسے بہت بری طرح ٹرگر کرتا تھا۔

مہدی اسے ترحم سے دیکھ رہا تھا۔ دل کا گلٹ مزید گہرا ہونے لگا۔ وہی تو تھا قیس کی اس حالت کا ذمہ دار۔

”میں زندہ ہوں قیس۔ بلکل ٹھیک تمہارے سامنے ہوں۔ ادھر دیکھو مجھے دیکھو۔ ہاتھ لگا کر دیکھو۔“

قیس پیچھے ہونے لگا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے۔ ''میں نے محسوس کیا تھا گرین وونڈ تمہارا دل بند تھا۔ خاموش۔'' اب کے مہدی نے گہری سانس بھری۔ ایک کوفت زدہ بے زار سانس وہ معملہ سمجھ گیا تھا۔ اس نے قیس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے دل کے مقام پہ رکھا۔

کوئی شور نہیں۔ ساکن۔ خاموش۔ کوئی آواز نہیں۔ قیس نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا جسے مہدی نے ناکام بناتے ہوئے اب اسکا ہاتھ اپنے سینے پہ دائیں جانب رکھا۔

دھڑکن زور و شور سے چل رہی تھی۔ دھک دھک کی آواز قیس کو اپنے ہاتھ پہ محسوس ہوئی۔ اور اب کے اس نے بھی کراہ کر آنکھیں میچ لیں تھیں۔ کندھے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

''Dextrocardia'' مہدی نے زور دے کر یہ لفظ ادا کیا۔ **(ایک طبّی حالت جس میں انسان کا دل اسکے سینے میں بائیں کی بجائے دائیں جانب ہوتا ہے۔ دنیا میں ایک فیصد سے بھی کم انسان ہوتے ہیں جنکا دل انکے سینے میں بائیں کی بجائے دائیں جانب ہوتا ہے۔)**

قیس ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھتا رہا۔ البتہ اب وہ سنبھل چکا تھا۔ چند گہری سانسیں لے کر خود کو پر سکون کیا۔ مہدی نے پانی کی بوتل اسے تھمائی۔ وہ غٹا غٹ سارا پانی پی گیا۔ اندر کی آگ ذرا تھم سی گئی۔ جلتی روح کو قرار آنے لگا تھا۔ البتہ مہدی جانتا تھا۔ اب اگلے کئی دن قیس غائب دماغ رہے گا۔ اگلے کئی دن وہ مہدی کے ساتھ اپنا رویہ مزید برار کھے گا۔

چندپل بعد قیس وہاں سے جا چکا تھا۔ نیلی روشنیوں والا کمرہ اندھیرا کر کے۔ اپنے پلنگ پہ سیدھے لیٹے مہدی کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اسکا شوخ کمرہ اسکی اداسی سے اداس تھا۔ چندپل یونہی لیٹے رہنے کے بعد اس نے اپنا موبائل اٹھالیا تھا۔ فرار کا وقت آچکا تھا۔ قیس گھر سے نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن مہدی کے پاس فرار کے کئی راستے تھے۔ اگلے ہی لمحے اسکی انگلیاں اپنے مینیجر کو میسج لکھ رہی تھیں۔

''فوراً بندوبست کرو۔ ہم ایک ہفتہ بعد نہیں تین دن بعد بلوچستان جا رہے ہیں۔'' میسج لکھ کر اس نے موبائل سینے پہ ڈال دیا۔ کوفت ایک بار پھر سر چڑھ رہی تھی۔ زوں زوں کی آواز سے اسکا موبائل تھرتھرایا تھا۔ مہدی نے اب کے بے زاری سے موبائل اٹھایا۔ سفید روشنی چہرے پہ پڑنے لگی۔ اسے کچھ انسٹاگرام اکاؤنٹس کے لنک بھیجے گئے تھے۔ وہ کسی صورت انہیں چیک نہ کرتا۔ لیکن بے کلی ایسی تھی کہ اس نے اپنی ٹیم کے اکاؤنٹ باری باری چیک کرنا شروع کئے۔ فوٹوگرافر کے لئے کسی Skies aren't _the_limits_ " کا اکاؤنٹ مینشن تھا۔ مہدی نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا تھا۔ جو کوئی بھی تھا اس نے اچھے خاصے quote کو اپنے رنگ میں ڈھال دیا تھا۔ اس نے اکاؤنٹ کھولا۔ بائیو میں چھوٹا سا۔ زینیا حاکم لکھا تھا۔

''نائس نیم۔'' وہ سراہتے ہوئے اب اسکی فیڈ چیک کرنے لگا تھا۔ آسمان، پرندے، درخت، چھوٹے معصوم بچے، گرتا ہوا پانی، کڑھتی ہوئی چائے، کتابیں، لائٹس، بلاشبہ اس نے ہر ایک چیز کی ایک بے مثال تصویر اتاری تھی۔ چند ایک منٹ میں وہ سارے کا سارا اکاؤنٹ اسکرول کر چکا تھا۔ چلو وقت ضائع نہیں ہوا۔ تصاویر ختم ہو گئیں تو اب اس نے موبائل ایک طرف رکھا۔ اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

''زینیا حاکم نائس نیم۔''ایک بار پھر اعتراف کر کے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔وہ سونا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆

اگلا دن۔

قیسم کی شیشوں والی عمارت اپنی شان سے کھڑی تھی۔ بادلوں کا نیلا سایہ جب شیشوں پہ پڑتا تو شیشے نیلے ہونے لگتے۔پہلی منزل ویسی ہی تھی۔پر شور، مصروف، بے صبر۔البتہ دوسری منزل آج قدرے پر سکون تھی۔گنگناتے، مسرور ایمپلائیز۔

تیسری منزل پہ قیس کا آفس تھا۔ سرمئی اور نیلی دیواریں قیس کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔اسکا آفس صاف اور کشادہ تھا۔ نیلی دیواریں جن پہ مختلف شاہکار مصوری ٹنگی تھیں۔ایک جانب کتابوں کا ریک۔ قیس کے دائیں طرف والی دیوار پہ گلاس وال تھا۔ یہاں سے سارا شہر نظر آتا تھا۔یہ قیس کی پسندیدہ جگہ تھی۔

وہ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا۔کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکا رکھا تھا۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔گندمی رنگت شیشوں سے آتی دھوپ کو وجہ سے دمک رہی تھی۔اسکے ہاتھ میں پینسل تھی۔سامنے ڈھیر سارے پنے جن پہ اس نے شاید کوئی خاکہ بنایا تھا۔ لیکن پسند نہیں آیا۔ایسے ہی کچھ کاغذات زمین کی نظر ہوئے پڑے تھے۔''انتشار''لفظ اسکی اس حالت کے لئے چھوٹا تھا۔

دفتعاً دروازے پہ دستک ہوئی۔صاف ستھری رنگت اور زنانہ ٹو پیس میں ملبوس حدیبیہ اندر آئی۔اس نے بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔کس کے باندھا گیا جوڑا۔ پیروں میں سیاہ ہیلز تھیں۔چہرہ پر سکون سا تھا۔وہ اچھی دکھتی تھی۔

''براق سر آئے ہیں باس۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' حدیبیہ اور قیس کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان بہت کچھ ہے۔ کوئی رومانوی تعلق نہیں، کچھ مشکوک، عجیب سا۔

''اگر وہ اندر آیا تو تم برخاست ہو۔'' قیس نے سر نہیں اٹھایا۔

''اگر آپ مجھے برخاست کر دیں تو میری زندگی کے آدھے غم ختم ہو جائیں گے۔ پلیز یہ نیک کام ضرور کیجئے گا۔'' وہ بول کر باادب سی ہٹ گئی۔

قیسم میں آپ قیس سے کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ قیس، باس، بڈی، جو آپ کا دل چاہے۔ لیکن اگر قیسم میں آپ نے قیس کی مرضی کا کام نہیں کیا۔ تو پھر جو قیس کا دل چاہے۔

''مرحبا حبیبی۔'' ایک چہکتی خوشگوار آواز پہ قیس نے کوفت سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن نوارد کو جیسے فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ مسکراتے ہوئے اس نے قدم اندر رکھا۔ بغیر جرابوں کے سفید اسنیکر۔ دھاری دار سلیکس۔ اب نظر اٹھا کر دیکھو تو اس نے سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر دھاری دار کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ مناسب قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ رنگت سانولی تھی۔ گہری سانولی۔ بال سیاہ سیدھے۔ اسکی آنکھیں عربی تھیں۔ وہ آدھا عرب تھا۔ اسکی ماں عرب تھی اور باپ پاکستانی۔

''تم سے ملے صدیاں بیت گئی تھیں۔ سو میں نے سوچا ملاقات کا سدباب کیا جائے۔'' اسکے لہجے میں عربی عنصر آتا تھا۔ شاید اس نے زندگی کا زیادہ حصہ ماں کے ساتھ گزارا تھا۔

قیس نے گہری سانس خارج کی۔ پنسل کو میز پہ رکھا۔ اور آنکھیں براق کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''روسی کہاوت ہے۔ ملاقات کی دو ہی شرطیں ہوتی ہیں۔ خون ملتا ہو یا پھر خیالات۔''

''کیا پتہ ہمارا خون ملتا ہو۔'' براق جان بوجھ کا پر سرار ہوا۔ قیس مسکرا کر میز پہ آگے کو ہوا۔

''میرے خاندان میں تمھیں پیدا کرنے جیسی غلطی کوئی نہیں کر سکتا۔یقین ہے مجھے۔'' براق نے اسکی بات کا برا نہیں منایا۔وہ میز کے پار دوسری کرسی پہ آکر بیٹھا۔چہرہ ہتھیلی پہ گرایا۔

''اگر تم مجھ سے ایسی دل دکھانے والی باتیں کروگے۔ تو میرا دل زخمی ہو جائے گا۔اور پھر میری دس گرل فرینڈز مل کر میری چارہ جوئی نہیں کر سکیں گی۔'' وہ آدھا عرب، آدھا پاکستانی تھا۔لیکن لڑکیوں کے معملے میں وہ پورا انگریز تھا۔

''چند دن قبل تک تو تمہاری گیارہ گرل فرینڈز تھیں۔'' قیس کاغذ سمیٹتے ہوئے بولا تھا۔ براق نے کندھے جھٹکے۔

''ایک سے بریک ہو گیا۔اس نے میرے بلوور ہیش ٹیگ کو جوائن نہیں کیا۔تب ہی،اسی لمحے مجھے الہام ہو گیا۔جو عورت آپ کا ہیش ٹیگ آگے نہیں بڑھا سکتی۔وہ آپ کے ساتھ آگے کیسے بڑھے گی؟''

"بریک اپ کی یہ وجہ خاصی فالتو اور بے کار ہے تمہاری طرح۔'' قیس اب لیپ ٹاپ کو اپنے سامنے کر چکا تھا۔صاف اشارہ تھا کہ وہ مصروف ہے۔

''یہ فالتو اور بے کار نہیں بلکہ جدید اور بہترین وجہ ہے۔ بلکل میری طرح۔''

''صبح صبح قیسم میں اپنے منحوس قدم رکھنے کی وجہ بتاؤ، براق حنیف۔'' قیس نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔لیپ ٹاپ کی سکرین پہ چند تصاویر ابھر ابھر رہی تھی۔ مہدی کے یونان کی سیاحت کی تصاویر۔جانے وہ کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

''چند دن قبل تم نے مجھ سے ایک فیور لی تھی۔ یقیناً تمہارا جوڑ جوڑ میرے احسان میں ڈوبا ہو گا۔ کندھے اس بوجھ سے تھک رہے ہوں گے۔ سو اب میں تمہارے کندھوں سے بوجھ کم کرنے آیا ہوں۔ کتنا خیال ہے نہ مجھے لوگوں کا؟'' اسکا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی تعریف کرتے کرتے یہیں دم توڑ دے۔

''کام بولو؟'' قیس تصاویر کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔ مہدی کے آس پاس بس اسکے دوست تھے۔ اسکی ٹیم تھی۔ اور چند سیاح۔ کہیں بھی کچھ بھی قابل غور نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہاری ملازم ماریہ ظفر وہ BQ پراجیکٹ میں ہمارے ساتھ کام کرے گی۔" **(BQ پراجیکٹ قیس اور براق کے درمیان طے پایا تھا۔ جس میں قیسم اور بیز کلیکشن کے ڈیزائنرز مل کر کام کرنے والے تھے۔ یہ اگلے سال عید الفطر کا تحفہ تھا۔)**

قیس کی انگلیاں لیپ ٹاپ پہ تھم گئی تھیں۔ اس نے چہرہ اٹھا کر براق کو دیکھا۔ جو اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ماریہ تو تمہاری اس گیارہویں گرل فرینڈ کی کزن ہے ناں؟ یعنی تمہاری اس گرل فرینڈ کو تم نے نہیں بلکہ اس نے تمھیں چھوڑا ہے۔ اور اب تم ٹاسک ایکس بنتے ہوئے اس سے بدلہ لینا چاہتے ہو۔'' قیس اسکا پلان ڈی کوڈ کر رہا تھا اور براق کو ذرا برابر حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''تم ماریہ کے ساتھ تعلقات بڑھاؤ گے۔ اسے جاب آفر کرو گے، مراعات دو گے۔ صرف اور صرف اس لئے کہ تمہاری ایکس اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہے۔ آہ براق لعنت ہو تم پہ۔'' براق نے سر کو خم دیا تھا۔ گویا لعنت وصول کی ہو۔

''جتنی تیزی سے تمہارا دماغ چلتا ہے میرا دل چاہتا ہے۔ کمبیر محل میں گھس کر رات کے سناٹے میں تمہارا دماغ چرا لوں۔''

قیس نے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

""افسوس کہ تم ایسا نہیں کر سکتے کمبیر محل میں کتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔""

اب بس براق اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ قیس کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

""آج کے دن کے لئے اتنا ڈوز کافی ہے۔ تمھارے لئے بھی۔اور میرے لئے بھی۔اگلی بار مل کر مزید خون جلائیں گے۔انشااللہ۔""

اس نے دو انگلیاں ماتھے تک لے جا کر سلام کیا۔اور پلٹ گیا۔دروازے کے ہینڈل پہ اسکا ہاتھ رکا تھا۔آنکھوں میں چمک ابھری۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے مڑا تھا۔ ""تمھیں کبھی محبت نہیں ہوئی،لوسفر؟""

(لوسفر عیسائیت میں جہنم کے سب سے بڑے شیطان کو کہا جاتا ہے۔)

براق کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ قیس ٹھٹھکا تھا۔آنکھوں میں حیرت لئے اس نے اس آدھے عرب کو دیکھا۔

""اونچائیوں تک جانے کے لئے تمھارے پیروں کو بیڑیوں سے آزاد ہونا چاہیے۔ محبت چار انچ موٹی لوہے کی زنجیر ہے۔ تمھیں لگتا ہے میں خود کو قید کرواؤں گا؟""

براق مسکرایا تھا۔ گردن جھکا کر، محظوظ سا۔

""آسمان کی بلندیوں تک جانے کے لئے ایک زینہ ہوتا ہے۔اور محبت اس زینے پہ لگا دیمک۔ تمھیں لگتا ہے میں ایک دیمک زدہ سیڑھی چڑھوں گا؟""

براق کی آنکھوں میں اس پل عجیب سا تاثر تھا۔ وہ قیس کو بولتے ہوئے سنے گیا۔

''مر دیا تو کامیاب ہو سکتا ہے۔ یا پھر محبت کر سکتا ہے۔ دونوں کرے گا تو ہاتھ سے کچھ نہ کچھ پھسل جائے گا۔'' آخر میں اسکا لہجہ بے زار ہو گیا تھا۔ براق نے لمبی گہری سانس لی۔

''اگر تم نے محبت کی ہوتی تو تم جانتے کہ مرد کا کسی عورت کے پاس بار بار جانا اور اچھے برے طریقے اپنا کر اسے حاصل کرنا ٹا کسٹی نہیں، محبت ہے۔''

بول کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ قیس نے استہزاہ سے سر جھٹکا۔

''محبت مائی فٹ۔''

نیلی دیواروں نے اسکے ساتھ سر جھٹکا تھا۔ ہنہہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بھوری دیواروں والے سٹوڈیو میں پاڈ کاسٹ ختم ہو چکی تھی۔ جذباتی باتوں کا دور اختتام پذیر ہوا تھا۔ سرمئی رنگ کی ہینلی کے ساتھ سرمئی ہی سویٹ پینٹ والے سیاح کی کمر سے مائیک اتارا جا رہا تھا۔ یہ پیک اپ کی نشان دہی تھی۔ اسکے عین سامنے صوفے پہ پیر پسارے دانیہ بیٹھی تھی۔ مہدی کمبیر کی اسکول کی دوست، اور ایک پاڈ کاسٹر۔ آس پاس ٹیم کے کچھ افراد کام سمیٹتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"شو ختم ہو گیا چلو اب لائن پہ آؤ۔" وہ صوفے پہ نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔ مہدی نے اچھنبے سے اسے دیکھا تو اس نے اضافہ کیا۔ "تم نے کہا اگلے دس سال تک تم شادی نہیں کرنا چاہتے، کسی کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دینا چاہتے اسکا کیا مطلب ہوا؟" دانیہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میں بتا چکا ہوں فلحال اپنی بکٹ لسٹ دیکھنی ہے۔ پھر اس بارے میں بھی سوچ لیں گے۔" مائیک ہٹ گیا تو وہ بھی آرام دہ انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا۔ چہرے پہ البتہ تھکاوٹ کے آثار تھے۔

"وہ تو دنیا کو بتایا ہے ناں، مجھے سچ جاننا ہے۔ کمیٹڈ ہوتے ہوئے تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟" وہ اپنے بال اونچی پونی سے آزاد کر رہی تھی۔

مہدی ہلکا سا مسکرایا۔ "مجھے ذمہ داریاں نہیں پسند۔ تم سوچو صرف ایک لڑکی ہر وقت میرے ساتھ میرے کمرے میں ہو گی۔ وارڈروب میں اسکا حصہ ہو گا، اسکے لئے پلان کینسل کرنے پڑیں گے، اسکی پسند سے بھی کھانا کھانا ہو گا، وہ ناراض ہو تو منانے کے لئے جتن کرنے پڑیں گے۔ اور کسی کے نخرے بھی برداشت کرنے ہوں گے؟ مجھے نہیں لگتا میں یہ کر سکتا ہوں۔"

"لیکن مجھے لگتا ہے تم یہ کر سکتے ہو۔" وہ بضد ہوئی۔

"تمھارے خوابوں میں۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔

"اوہ پلیز......" وہ جھلائی۔ "تم یہ سب نہیں کرنا چاہتے کیونکہ تم ڈرتے ہو کہ اچھے سے کر سکو گے یا نہیں۔ خود تو دنیا اور مسائل سے بھاگتے رہتے ہو اسکی صورت ایک بیگ پیک کا اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھو ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی کچھ لڑکیاں بوجھ بانٹ لیتی ہیں۔ کیا پتہ وہ تمھیں اسپیس دے، جو حصہ تم اس پہ کھولنا نہیں چاہتے وہ اس کے متعلق بات ہی نہ کرے؟"

مہدی کمبیر نے جھرجھری لی۔

"جس سے میں کمیٹڈ ہوں کم از کم وہ ایسی نہیں ہو گی۔ اس لئے مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ ایک لڑکی کو دیکھ دیکھ کر بور ہو جاؤں گا۔"

''پھر بچے پیدا کر لینا۔ نئے چہروں کا اضافہ۔ انہیں دیکھ کر اچھا لگتا رہے گا۔''

''بچے اور میں؟ صاف صاف کہوا اپنے پیر میں بیڑی باندھ لوں۔ اور ان نئے چہروں کو دیکھ کر مجھے اچھا لگے گا یہ تو ناممکنات میں سے ہے۔ میرا گھر ''دنیا'' ہے لوگ نہیں۔''

''پھر تم صحیح انسان سے نہیں ملے۔'' بے لاگ تبصرہ۔ ''کسی دن صحیح عورت سے مل گئے ناں پھر پتہ چلے گا ذمہ داری سے پیار کیسا ہے، ایک عورت کو ساری زندگی دیکھنا کیسا ہے اور اپنی اولاد کو دیکھ کر خوش ہونا کیسا۔''

دانیہ دیکھ نہیں سکی مگر مہدی کی رنگت واضح طور پہ تاریک پڑی تھی۔ وہ جبراً مسکراتا رہا۔ ''مجھے شادی نہیں کرنی۔ (کیونکہ مجھے خوف آتا ہے) بچے تو بالکل نہیں۔ (کیونکہ مجھے نہیں لگتا میں انہیں زمانے کے سرد گرم سے بچا سکتا ہوں۔) ذمہ داریاں آہ ہرگز نہیں۔ (کیونکہ میں بس فرار چاہتا ہوں۔) ایک گھر اور ایک نارمل فیملی نیور۔ (کیونکہ میں نارمل نہیں ہوں۔) اور اب پاڈکاسٹ ختم ہوا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھا۔ دانیہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

الوداعی کلمات کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ سفید رنگ کی لمبی گاڑی میں پچھلی نشست پہ بیٹھے ہوئے اسکا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ جن سوالوں پہ ہی مرنے والا ہوا تھا اگر وہ حقیقت بن گئے تو؟

بلوچستان

یہ ایک سرکاری کالج کا منظر تھا۔ آدھی چھٹی کا وقت تھا۔ میدان میں بچھی گھاس پہ لڑکیاں ٹولیاں بنائے بیٹھی تھیں۔ کوئی کتاب میں سر دیئے ہوئے تھی۔ کوئی محفل لگا رہی تھی۔ کوئی ہاتھ میں کھانے پینے کے سامان لئے بیٹھی تھی۔ ایک ایسی ہی ٹولی میں کونج بھی بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں چپس کا پیکٹ تھامے اور ایک ہاتھ میں اپنا پریکٹیکل لئے۔ اسکے ساتھ تین لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اسکی بچپن کی دوستیں۔

''کونج..''

اپنے نام کی پکار پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فریحہ اور فرحین اسکے سامنے کھڑی تھیں۔ یہ دونوں آپس میں کزنز تھیں۔ کالج کی سب سے امیر اور ماڈرن لڑکیاں۔ انہوں نے کونج کو پکارا اوہ خدایا انہوں نے کونج کو پکارا؟ اسکا دل حلق میں آ گیا تھا۔ جب فریحہ نے اسے ایک بار پھر پکارا۔

''کونج کیا تم آج ہمارے ساتھ وقت گزارو گی؟ اصل میں ہم اس ماحول کے عادی نہیں ہیں۔ اگر تمھیں برا نہ لگے پلیز۔۔۔''وہ شستہ انگریزی میں بات کر رہی تھی۔ بلوچستان کا تعلیمی میعار اتنا اونچا نہیں کہ بچوں کو فر فر انگریزی بولنی آتی ہو۔ لیکن نجی اسکولز کے بچے یا پھر اکیڈمی جا کر انگریزی کی کلاسز لینے والے بچے بہت اچھی انگریزی بول لیتے ہیں۔ وہ بھی بے حد روانی سے۔

کونج نے ایک نظر اپنی دوستوں کو دیکھا۔ انہوں نے کسی قسم کا ردعمل نہیں دیا۔ ظاہر ہے وہ اتنی گری پڑی نہیں تھیں کہ اسے روکتیں۔ اپنی دوستوں کے درمیان سے یوں اٹھ کر جانا اسے برا لگا تھا۔ لیکن وہ ایک سادہ **''ناں''** نہیں کہہ سکی تھی۔ وہ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ کم از کم یہ کہنے کے لئے اسے نئی زندگی چاہیے تھی۔ دھڑکتے دل کو بامشکل سنبھالتے اس نے اپنے سامنے کھڑی لڑکیوں کو دیکھا۔

''ہاں ٹھیک ہے میں تمھارے ساتھ چل سکتی ہوں۔۔''وہ بھی انگریزی میں بولتی ہوئی اٹھی تھی۔ وہ زینیا حاکم سے ٹیوشن لیتی تھی ۔اس لڑکی سے جسے آئے دن نت نئی زبانیں سیکھنے کا شوق تھا۔ بھلا اسے انگریزی بولنے میں کیا دقت ہو گی؟

فریحہ اور فرحین اسے کینٹین لے آئیں تھیں۔ پلاسٹک کی کرسیاں اور بنچ رکھ کر بیٹھی ہوئی لڑکیاں۔ اور بھاگ بھاگ کر چاٹ سموسے لاتا عدیل بھائی۔ وہ کالج میں ہی چاٹ اور سموسے بناتا تھا۔ تیس پینتیس برس کا مسیح نوجوان۔

ایسی ہی ایک میز اور کرسیوں پہ وہ تینوں بھی آکر بیٹھیں تھیں۔ کونج کو بے اختیار اپنا آپ چھوٹا لگنے لگا تھا۔ فریحہ جب ہاتھ ہلا ہلا کر بات کرتی تھی تو اسکے سفید خوب صورت ہاتھ دیکھ کونج کا جی چاہتا تھا اپنے ہاتھوں کو کہیں چھپا دے۔ سرخ نیل پالش والی اسکی لمبی سفید انگلیاں انکے بڑھے ہوئے ناخن۔ وہ کسی ٹی وی کی اداکارہ جیسی تھی۔ ٹپ ٹاپ۔

جب فرحین اپنے سرخ انار جیسے گالوں پہ ہاتھ رکھتی تھی۔ تو کونج خوامخواہ یہاں وہاں دیکھنے لگتی تھی۔ اسکے پھٹے ہوئے خشک گال اسے شرمندہ کرر ہے تھے۔ آہ کاش وہ زمین میں گڑ جاتی۔ کاش وہ کچھ دیر قبل ان کو بس ایک،، ناں،، بول دیتی۔

''اچھا کونج تمہارا نام بہت یونیک ہے۔ اسکا بھلا کیا مطلب ہوا؟'' آخر یہ انگریزی کے علاوہ کیوں بات نہیں کرتی تھیں؟ فریحہ کی بات سن کر اسے کوفت ہوئی۔

کونج نے گہری سانس بھری۔ چلو آخر کار اسکے پاس کچھ تو نیا تھا۔

''میرا نام ایک پرندے کے نام پہ رکھا گیا ہے۔ یہ پرندہ سائیبریائی ہوتا ہے۔ یخ موسم کی وجہ سے پاکستان آتا ہے۔ اسکا قیام بلوچستان اور سندھ میں ہوتا ہے۔ محبت اور وفا کا پرندہ۔''

''کیا وہ کالا بھی ہوتا ہے؟ اس لئے پوچھ رہی ہوں کیونکہ تمہارا رنگ تھوڑا بلیک سا ہے ناں؟'' فریحہ نے اب کی بار اردو میں پوچھا تھا۔

کونج کو لگا تھا اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔ اسکے کان سن ہو گئے تھے۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ کیا یہ اتنا ذاتی حملہ اتنا براہ راست اسی پہ کیا گیا تھا؟ اور اگر کیا گیا تھا تو اسکے الفاظ حلق میں کیوں اٹکے تھے، اس نے کچھ کہا کیوں نہیں؟

آس پاس بیٹھی ساری لڑکیوں نے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔ فریحہ کی آواز نہ جانے کیوں بلند ہوئی تھی۔ کونج جیسے اب تک متعجب ہو۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ کہ بھری محفل میں اسے اسکے رنگ کا طعنہ دیا گیا ہے۔ آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ حلق میں پھنس گئے۔ ذرا فاصلے پہ ایک میز کے گرد بیٹھی لڑکی سخت طیش سے یہ سارا معملہ دیکھ رہی تھی۔ اسکا قد چھوٹا تھا۔ نقوش مناسب۔

واپس کونج کی طرف آؤ تو وہ اب تک شل سی تھی۔

''وہ.. بے.. حد خوبصورت پرندہ ہوتا ہے۔۔۔''اس نے بھری بھری آنکھوں سے اٹک اٹک کر بلا خر جواب دیا۔ کئ لڑکیوں نے اسے ترحم سے دیکھا تھا۔ کئ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی بیوٹی کریم کا مشورہ دے ڈالا۔ اب کونج کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ فریحہ اور فرحین کی آنکھوں میں صاف استہزاہ تھا۔ یہ اس روز کلاس میں انہیں نوٹس نہ دینے کا نتیجہ تھا۔

''اوہ اچھا، لیکن پھر تو یہ نام تمھارے ساتھ میچ نہیں کیا۔ وہ خوبصورت اور تم۔۔۔.....آئی مین تمہارا رنگ تھوڑا۔۔''فریحہ کی بات کسی نے بیچ میں اچک لی تھی۔

اب بس اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

"فریحہ تم نے کہا تھا وہ سرخ اسکارف تم نے لاہور سے لیا ہے ہے ناں؟'' کوئی تھی جو چھوٹے قد مناسب نقوش والی لڑکی جو بازو سینے پہ باندھے۔ معصومیت سے فریحہ کو دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کہا تھا کیا مطلب۔؟ میں نے وہیں سے لیا ہے۔'' فریحہ نے اپنی بات پہ زور دیا۔ پستہ قد لڑکی نے سر ہلایا۔ اور اپنے بستے کو کندھے سے اتار کر اپنا موبائل باہر نکالا۔ چند انگلیاں دبا کر اس نے ایک تصویر کھولی۔ کسی چھوٹے سے ٹھیلے کی تصویر تھی۔ جہاں سرخ اسکارفس کا ڈھیر سجا تھا۔

ساری لڑکیاں اب انہیں دیکھ رہی تھیں۔ کونسا سموسہ، کونسی چاٹ، سب کو سب کچھ بھول گیا تھا۔

''کل لنڈے بازار گئی تھی میں، ایسے ڈھیر سارے اسکارف تھے۔ سیم ٹو سیم۔ ویسے یار اب تم بھی کیا کرتی ہو۔ باتیں اتنی بڑی بڑی ۔ اور تمہارا اسٹائل تو لنڈے جیسا ہے۔ ایسے چار اور اسکارف لائی ہوں۔ پچاس پچاس کے ایک۔ جسکو چاہیے پیسے ساتھ لائے۔ اب سے ہم بھی فریحہ اور فرحین جیسی ڈریسنگ کریں گے۔'' وہ بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی۔

''آجاؤ کونج ایک تمہارے لئے بھی ہے۔'' اس نے کونج کو دیکھا ایک جتاتی نگاہ مجمعے اور ان دو رئیس زادیوں پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی ۔ فریحہ اور فرحین تو اب تک اسی شاک میں تھیں کہ انکے ساتھ ہوا کیا ہے؟

انہوں نے تو کونج کو اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے بلایا تھا۔ آخر یہ لڑکی کون تھی!؟ کونج اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس پستہ قد لڑکی کے پیچھے نہیں گئی۔ اسے نہیں جانا تھا۔ وہ کس حق سے جاتی؟ نہ وہ دوست تھی نہ دشمن۔

وہ دونوں بس ایک دوسرے کو غیر مشروط فیورز دینے کی عادی تھیں۔پستہ قد لڑکی وہی دینے آئی تھی۔کرسی سے اٹھتے وقت کونج کے قدم لڑکھڑائے تھے۔لیکن وہ رکی نہیں۔ہاں اسے اپنے رنگ کی وجہ سے سبکی محسوس ہوتی تھی۔لیکن کسی نے آج تک محسوس کروائی نہیں تھی۔

ہاں اسکا رنگ سانولا تھا۔اسکی جلد کھردری تھی۔لیکن کیا وہ یہ ڈیزرو کرتی تھی کہ یوں بیچ محفل میں اسے ذلیل کیا جائے۔؟

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے جا رہی تھی۔

اسکا رخ باتھ روم کی جانب تھا۔ہر مڈل کلاس لڑکی کی طرح اسے بھی وہیں جا کر رونا تھا۔ڈھیر سارے آنسو بہانے تھے۔وہ بھی خوامخواہ۔

☆☆☆☆☆☆

شام کے سائے حاکم نواب کے گھر پہ پھیلے تو روشنیوں نے اپنا دم گھونٹ لیا۔زینیا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔پلنگ سے ٹیک لگائے پیر اوپر کئے۔شہد رنگ بال ہمیشہ کی طرح سختی سے جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔یوں کہ ماتھے کی نسیں تک کھنچتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔اسکا کیمرہ گود میں پڑا تھا وہ لینز ہاتھ میں لئے اسے صاف کر رہی تھی۔مصروف سی بے پرواہ سی۔

اسی لمحے کونج حاکم بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ڈھیلے ڈھالے قمیض شلوار میں ملبوس سیاہ بالوں کو چوٹی میں گوندھے۔ننگے پیر چلتی وہ بیڈ پہ آکر بیٹھی۔زینیا نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''ہنہہ گندے پیر۔''

''تم تو اماں سے جوڑا لینے گئی تھیں۔ کیا ہوا نہیں ملا؟'' زینیا مصروف سی پوچھ رہی تھی۔ کونج نے گہری سانس لی اور خود کو بیڈ پہ گرا دیا۔

"بڑے بے آبرو ہو کر انکے کوچے سے ہم نکلے۔"

اس نے آہ بھری تھی۔ پھر ایک ملامتی نظر زینیا کو دیکھا۔ گویا اس پہ افسوس کر رہی ہو۔

''جب میرے جیسی عظیم شاعرہ کوئی شعر سناتی ہے تو بدلے میں داد و تحسین دی جاتی ہے۔ تمہارے منہ میں زنگ تو نہیں لگا ہوا؟''

زینیا نے لینز پہ پھونک مار کر اسے آنکھوں کے سامنے کیا۔ صاف شفاف، زبردست۔

''داد ان لوگوں کو ملتی ہے جنہوں نے شعر خود لکھا ہو۔ تم جیسی نیم شاعرہ کو برداشت کر رہی ہوں یہی بڑی بات ہے۔'' وہ اٹھ کر اب الماری کی طرف جا رہی تھی۔ کونج نے آنکھیں گھمائیں تھیں۔

''یہ نیم شاعرہ ابھی ابھی ابا کے کمرے سے ایک عظیم خبر لے کر آئی ہے۔ میں تو وہاں رک کر مزید سن گن لینا چاہتی تھی۔ لیکن ہائے رے نصیب۔''

''کیا بکواس ہے کونج جلدی بولو۔'' زینیا بے زار ہوئی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ خبر کا سن کر پیٹ میں مروڑ اٹھے تھے۔ الماری کے پٹ کھولتے ہوئے وہ مصروف تھی۔

''قاصدوں کی عزت کیا کرو زینیا جالب ورنہ وہ کیا کہا ہے کسی شاعر نے۔''اس نے ہاتھ اٹھا کر شعر پڑھنے کا سماں باندھا ہی تھا کہ زینیا کی گھورتی نظروں پہ دونوں ہاتھ ہتھیار گرانے کے انداز میں اٹھائے۔

''گو کہ میرے اندر کی شاعرہ کو تمہاری یہ بداخلاقی پسند نہیں آئی۔ لیکن پھر بھی بتائے دیتی ہوں۔

عبداللہ کا پیغام آیا تھا۔''

ایک لمحے کے لئے زینیا سانس نہیں لے سکی۔ دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ کانوں تک آواز آئی تھی۔ اسکے حرکت کرتے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ ایک لمحے کے لئے اسکے آس پاس دنیا بے حرکت ہوئی تھی۔ کیا ڈھونڈ رہی تھی، کیا ملا تھا کچھ یاد نہیں رہا۔ سارا وجود کان بن گیا۔ رواں رواں سننے کو بے تاب ہوا۔

''وہ کہتا ہے وہ نہیں آئے گا۔۔۔''زینیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ کونج کہے گئی۔ ''وہ کہتا ہے کہ انتظار میں بیٹھی رہے پھر چاہے بال سفید ہو جائیں، اور دانت جھڑ کر گریں۔" **(سندھی اور بلوچ قوم میں میں جب کسی وجہ سے کوئی مرد اپنی منگ سے شادی نہ کرتا ہو۔ تو اسکا رشتہ کہیں اور نہیں کیا جاتا۔ اسکا منگیتر اسکے بارے میں اسی طرح کے الفاظ کہتا ہے۔)**

اس نے کہا ہے کہ اگر تمہارے بارے میں کسی اور کا سوچا بھی تو وہ چھوڑے گا نہیں۔ چاہے تم اسکے نام پہ مر جاؤ لیکن بیٹھی رہو۔ ۔۔''زینیا کے پیر تھک رہے تھے۔ شدت سے دل چاہا تھا ایک پل کو بیٹھ جائے گر جائے۔

عبداللہ اسکی توانائی سلب کر رہا تھا۔

''عبداللہ نہیں آئے گا زینی۔۔۔''اب کے کونج کا لہجہ مختلف تھا۔اسکے لہجے میں یاسیت تھی۔زینیا چپ رہی خاموش۔ایک آنسو بھی اسکی آنکھ سے نہیں گرا۔سارے دل پہ جو گرے تھے۔

''ابا نے اسکے بڑوں سے بات کی ہے۔زینی ابا بہت منت کر رہے تھے۔مجھے ابا کے لئے دکھ ہوا۔''وہ اپنی رو میں کہے جا رہی تھی جبکہ ابا کے نام پہ زینیا کو لگا تھا جیسے کسی نے اسکے جسم میں برچھی گھسیڑ دی ہو۔بس کوئی اسکے ابا کو کچھ نہ کہے۔

''عبداللہ نے کیا کہا؟''

اسکی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی۔وہ اب بھی کمر سیدھی کئے کھڑی تھی۔گردن سیدھی تان رکھی تھی۔بس ایک دل تھا جو ایک ایک ہزار بار ٹوٹ کر جڑا تھا۔

''اس نے کیا کہنا ہے۔بس یہی کہا جو ابھی بتایا۔اور تو کوئی بات نہیں کی۔ابا رو رہے تھے زینی۔مجھے ابا کے لئے دکھ ہوا ہے۔۔۔''اسکی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی تھی۔

اور یہاں زینیا حاکم کو لگا تھا جیسے اسکا دل سینے میں ہی پھٹ گیا ہو۔ابا روئے تھے۔؟اسکے ابا روئے تھے؟

''تم اب خود کو تیار کر لو زینی۔ابا تمہارا رشتہ بالاج سے کر دیں گے۔عبداللہ اب نہیں آئے گا۔اسکا انتظار بے کار ہے۔''

زینیا چند لمحے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔جی میں تو آیا تھا کہ اپنی ہی بہن کا منہ نوچ لے۔لیکن وہ بس چبا چبا کر چند لفظ ہی کہہ سکی تھی۔اسکی آواز میں غراہٹ تھی۔کاٹ تھی۔

''عبداللہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔۔۔''

☆☆☆☆☆☆

''اسلام آباد''

''میں جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا۔''

مہدی کی آواز پہ کمبیر محل کے ڈائننگ ہال میں خاموشی چھاگئی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا قیس اور اسکے دائیں طرف بیٹھے اسکے دونوں چچا خاموش ہو بیٹھے تھے۔ شاہانہ طرز کے ڈائننگ ہال میں دو ہی رنگ استعمال ہوئے تھے۔ سفید، سنہری، رنگوں کا یہ امتزاج ایک شاہی تاثر دیتا تھا۔ کرسیاں سفید تھیں۔ توان پہ ہوا کام سنہری، برتن سفید تھے توان پہ بنے نقش نگار سنہری۔ چھت سے لٹکتا جھومر کورا سفید تھا۔ اور اس سے لٹکتے کرسٹل بالز سنہری۔ جن پہ سفید روشنی بھی پڑتی تو وہ اپنا رنگ نہیں بدلتے تھے۔ اور اس وقت انکا سنہری رنگ مہدی کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔

''آخر گوادر ہی کیوں؟ رکھا کیا ہے وہاں ایسے بھی کوئی سیاحتی مقام نہیں ہیں وہاں؟''بختیار کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔ انیسہ خاموشی سے اپنی پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی۔

''بات سیاحتی مقامات کی نہیں ہے۔ بس شوق ہے میرا میں وہاں کا سمندر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یا پھر تم انتقام لینے جارہے ہو؟'' قیس کی ٹھنڈی آواز پہ مہدی کا دل سن ہو گیا تھا۔ ایسے جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ پلیٹ میں چلتا کانٹا چمچ تیزی سے چلنے لگا۔

''اس سے بڑا انتقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ ساری زندگی اگلا انسان گلٹ میں رہے کہ اس نے ایک ایسے شخص کا دل دکھایا جو اسے کنفرنٹ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تم کتنے horrible ہو مہدی؟'' قیس تاسف سے بولا تھا۔ مہدی نے سر جھٹکا۔

''میں لوگوں سے لڑ جھگڑ کر وقت اور تعلق کی عزت برباد نہیں کرتا۔ کسی وقت میں ہم ساتھ تھے دوست تھے۔ اور اب کیا کروں اگلے انسان کو زلیل؟'' وہ پلیٹ میں جلدی جلدی چمچ چلا رہا تھا۔ اسے یہاں سے جانا تھا۔ فوراً جانا تھا۔

وہ دونوں بول رہے تھے۔ اور گھر کے بڑے بس منہ سیئے انہیں دیکھ رہے تھے۔ کون کچھ کہے اور اگر کہے بھی تو کون کچھ سن لے؟

''ذلیل کرو کیونکہ وہ اس لائق ہے۔ جو کچھ اس نے کبھی تمھارے ساتھ کیا۔ وہ غلط تھا۔ اور تم اسکے ساتھ ویسا ہی کرو۔ لیکن تم، تم ایسا نہیں کرتے۔'' قیس سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

''تم اگر سامنے والے کو کنفرنٹ کرو گے تو جانتے ہو حساب برابر ہو جائے گا۔ تم گلٹی ہو اور چاہتے ہو کہ لوگ بھی تمھارے سامنے گلٹی رہیں۔ قاتل۔''

آخری لفظ میں حقارت تھی۔ مہدی کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ وہ ضبط کئے بیٹھا رہا۔ قیس نے رومال سے اپنے ہاتھ صاف کئے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمھاری وجہ سے آج ایک بار پھر میرا کھانا حرام ہوا، مبارک ہو۔'' طنز، استہزاہ، حقارت۔ جب قیس مہدی سے بات کرتا تھا۔ یہ سب لفظوں میں خود ہی گھل جاتے تھے۔ وہ پلٹ گیا تو انیسہ نے بھی اپنا چمچ پلیٹ میں پٹخا۔ آنکھوں میں تنفر تھا۔ اس نے اپنے باپ کو ایک نظر دیکھا۔

''یہ ہے آپ کا عظیم محل جہاں آنے سے میرے اندر تھکن اتر جاتی ہے۔ تھینکیو سوچ ابا۔ میری ایک اور رات خراب کرنے کے لئے۔'' بے زار، اکھڑ لہجہ۔

مقصود اپنی وہیل چیئر کا بٹن دباتے ہوئے چلے گئے تھے۔ اب پیچھے بس دو لوگ رہ گئے تھے بختیار اور مہدی۔

''کیوں مہدی؟ تم آخر کیوں ایسا کرتے ہو؟ تمہیں قیس پہ ترس نہیں آتا۔؟ اب کیا بچا ہے جو اس سے چھین لو گے؟''

مہدی کمبیر نے زخمی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ بچا تو اسکے پاس بھی کچھ نہیں۔ قیس کے پاس آپ ہیں میرے پاس تو آپ بھی نہیں۔ لیکن کہنا اتنا آسان کہاں ہوتا ہے۔ اس نے بچپن سے چپ رہنا سیکھا تھا۔

''اگلی بار ایسا کچھ نہیں ہو گا۔'' اس نے بامشکل کہا۔ اسے عادت تھی ہر الزام اپنے سر لے لینے کی۔ اسی لمحے اسکا فون بجا تھا۔ غیر شناسا نمبر۔ خیر یہ اسکے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ کال اٹینڈ کرتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

سفید سنہری ڈائننگ ہال اپنی ناقادری پہ ماتم کناں تھا۔

☆☆☆☆☆

''بلوچستان گوادر''

زینیا اپنے کمرے سے ننگے پیر باہر آئی تھی۔ اسکے چہرے پہ وحشت سی تھی۔ آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ گردن کی نسیں تک باہر کو ابھر رہی تھیں۔ دل گویا سینے میں ہی زخم زخم ہوا تھا۔ عبداللہ کو کھونے کا خیال بھی اسے جامد کر دیتا تھا۔ برامدے میں ہی واقع ابا کے

کے کمرے سے چند آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ دبی دبی آواز میں غرا رہے تھے۔ زینیا بغیر دیکھے بھی جانتی تھی اسکی اماں خوف اور ادب سے منہ سیئے کھڑی ہوں گی۔ ابا کی بلند آواز زینیا کو باہر تک آ رہی تھی۔

''تیئیس سال کی ہو گئی ہے، زینیا۔ اب تک گھر پہ بٹھا رکھا ہے میں نے، صرف اس آسرے میں کہ ایک دن وہ آئے گا اور اپنی منگ سے شادی ضرور کرے گا۔ اب کیا کروں ہاں بتاؤ مجھے؟ کیا کوئی طریقہ بچا ہے۔؟ کیا ہے کوئی آسرا؟'' انکا لہجہ بے حد سخت تھا۔

''کیا پتہ وہ آجائے تھوڑا انتظار کر لیتے ہیں'' اماں کی ہلکی آواز آئی تھی۔ **(بلوچستان میں منگنیاں ہونا اور ٹوٹ جانا ملک کے باقی صوبوں کی طرح کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ کچھ علاقوں میں اسے بے حد برا مانا جاتا ہے، ہر گھر میں بچپن سے کسی کی منگنی طے نہیں ہوتی۔ ہاں مگر کچھ گھروں میں اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ ان واقعات کی تعداد تین فیصد ہے، لیکن یہ ''ہے۔'' چھوٹے خاندان ان مسائل سے جلدی نکل آتے ہیں لیکن بڑے خاندان چونکہ طاقتور ہوتے ہیں لہٰذا وہاں ان مسائل کو بہت بڑا سمجھا جاتا ہے۔ کہانیاں یوں بھی معاشرے کے ان مسائل پہ لکھی جاتی ہیں جو کہ خواہ کم تعداد میں ہوں لیکن مصالحہ ایسا ہو کہ لوگ اپنی بے ذائقہ زندگی میں اسے مکمل طور پہ محسوس کریں۔ کہانی میں جن رسم و رواج اور روایات کا ذکر ہے وہ معاشرے کی قلیل سی تعداد کی کہانی ہے، اسے کہانی ہی سمجھا جائے۔ اس کے ذریعے تمام صوبے کو جج نہ کیا جائے۔)**

''جہنم میں گیا انتظار۔'' وہ پوری قوت سے دھاڑے تھے۔ دروازے کے پر کھڑی زینیا بھی سہم گئی تھی۔ ''اب میری بیٹی کی شادی وہیں ہو گی جہاں میں چاہوں گا، بالاچ سے ہو گی اسکی شادی۔''

الفاظ زہر کی طرح زینیا کے سارے جسم میں اتر رہے تھے۔ وہ سبز پڑ رہی تھی۔ سانس قطرہ قطرہ باہر نکل رہی تھی۔ کون کہتا ہے سانسوں کی ڈور کا ٹوٹ جانا ہی موت ہوتی ہے؟ زینیا حاکم کا سفید پڑتا چہرہ نری موت تھا۔

عبداللہ اسے موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔

''اگلے ماہ آئے گی میری بہن اور نکاح پڑھوا کر جائے گی۔ اسکے اگلے دن ہم وہاں جائیں گے اور بشر کا نکاح ہو گا۔ اب بس، میری اولاد ہیں وہ دونوں باپ میں ہوں۔ سارے فیصلے میرے ہوں گے۔ جا کر بتا دو اپنی اس بیٹی اور عاشقی کے غم میں ڈوبے بیٹے کو۔''

''بشر نہیں مانے گا۔ آپ ایک بار۔ . . . . .''

''نہیں مانے گا تو مناؤ۔ اٹھائیس سالہ بیٹے کو لڑکی کے جوگ میں بیٹھے رہنے نہیں دوں گا اب۔۔۔'' انکا لہجہ اب بھی سخت تھا اور حتمی بھی۔

''اور عبداللہ اسکا کیا؟ برادری کا کیا؟ زینیا منگ ہے کسی کی آپ ایسے کیسے اسکی شادی کریں گے؟'' صاف ظاہر تھا کہ اماں عبداللہ کے حق میں ہیں۔ باہر کھڑی زینیا پل پل مر رہی تھی۔ کاش عبداللہ یوں اسکو موضوع نہ بناتا۔ کاش وہ آ جاتا۔

''سب کو دیکھ لوں گا میں، عبداللہ کو بتائے گا کون۔ اور ویسے بھی، عبداللہ نہیں آئے گا۔''

''عبداللہ آئے گا۔۔۔'' دروازے کے باہر کھڑی زینیا حاکم زیر لب بڑبڑائی تھی۔ اب وہ الٹے قدم یہاں سے ہٹ رہی تھی۔ اسکا رخ بیٹھک کی جانب تھا۔ چند پل بعد وہ زمینی نشستوں سے سجی بیٹھک میں کھڑی تھی ننگے پیر برہنہ سر۔ شہد رنگ بال پشت پہ بکھرے ہوئے۔ سفید چہرہ، عجیب تاثرات لئے۔

ساری بیٹھک اندھیرے میں ڈوبی تھی۔زینیا کے چہرے پہ کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی پڑ رہی تھی۔یہ کمرے میں واحد روشنی تھی۔چھوٹی سی میز پہ ٹیلی فون رکھا تھا۔یہ پہلی بار تھا جب وہ اس ٹیلی فون کے قریب آئی تھی۔یہ ابا کی ملکیت تھی۔یہاں بس عبداللہ کی طرف سے پیغام آیا کرتا تھا۔یہاں ابا کے بھائیوں کے پیغام آیا کرتے تھے۔یہ کونہ گھر کا حصہ تھا۔لیکن آج تک خطہ غیر تھا۔آج تک وہ اونچے قد والی لڑکی یہاں آنے کی جرات نہیں کر سکی تھی اسکے قدم آج تک اس طرف نہیں اٹھے تھے یا پھر شاید آج تک وہ خود کو اتنا گرا نہ سکی تھی۔

گہری گمبھیر خاموشی،چاند کی ذرا سی روشنی اور گہرا اندھیرا۔ان سب کے درمیان اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر کریڈل پہ پڑا فون اٹھایا تھا۔ریل گھمائی۔دل دھڑکا تھا۔ہاتھ لرزے تھے،امیدوں کا دیا نئے سرے سے پھڑ پھڑایا،گھنٹی جا رہی تھی۔اس پہر،اس لمحے زینیا حاکم کے لئے ساری دنیا سن ہو گئی تھی۔

کال مل گئی تھی۔ایک بھاری مردانہ آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔زینیا نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا تھا۔وہ عبداللہ کو سن رہی تھی؟

اس نے کئی سال اس آواز کو سننے کے لئے اپنی سماعتیں بے قرار رکھی تھیں۔

وہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی۔دوسری طرف کوئی مرد تھا۔جو اس سے بلوچی زبان میں سوال کر رہا تھا۔زینیا کی زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں ہو سکا۔وہ کئی لمحے ساکن کھڑی رہی۔الفاظ اس وقت کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔اسے سمجھ نہیں آیا اس پہر اس لمحے

کونسا معتبر لفظ کہے۔ یہ گفتگو ایک عرصے سے ٹالی گئی تھی۔ نہ جانے مزید کتنا عرصہ ٹالی جائے گی۔ یہ گفتگو روح کو چاشنی بخشے گی، یا حلق میں زہر انڈیلے گی؟ کافی دیر بعد بڑی دقت اور مشکل سے چند الفاظ اسکی زبان سے پھسلے تھے۔

''عبداللہ..... '' یہ محض نام نہیں تھا۔ یہ ایک پکار تھی۔ جس میں صدیوں کی پیاس تھی۔ ''عبداللہ۔۔۔۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر پکارا۔ کئی لمحے، کئی ساعتیں وہ بس اس لمحے کو محسوس کیے گئی۔ وہ اس احساس کو جذب کرنا چاہتی تھی کہ زینیا حاکم، عبداللہ سے مخاطب ہے۔

''کئی سالوں سے تمہارا انتظار کیا ہے۔'' اسکی آواز میں لرزش تھی۔ دوسری جانب مرد نے کچھ کہنا چاہا۔

''ششش کچھ مت بولنا آج بس سنو، عبداللہ۔'' وہ بھاری ہوتے گلے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ یہ گفتگو اسکی روح تھکا رہی تھی۔ اسکے قدم لرز رہے تھے۔

''جب سے ہوش سنبھالا تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ سنا، اتنی عادت ہو گئی کہ اب چھوٹ نہیں رہی۔'' اسکے لہجے میں روانی آرہی تھی۔

چاند کی روشنی میں اسکی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ فون ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔ دوسری جانب خاموشی تھی۔

''میرا قد خاندان کی ساری لڑکیوں سے اونچا ہے۔ لیکن اماں کہتی ہیں جب عبداللہ میرے ساتھ ٹھہرے گا، تو وہ زیادہ اونچا لگے گا۔ میں نے تمھارے ساتھ کھڑے ہونے کا انتظار کیا ہے، عبداللہ۔''

اسکی آواز میں نمی گھل رہی تھی۔ دل بھاری ہو رہا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔ دوسری طرف موجود مرد خاموش رہا۔

''میں بہت خوبصورت ہوں سب کہتے ہیں۔ لیکن سب کہتے ہیں عبداللہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں نے تمھارے ساتھ کھڑے ہو کر خود کو دیکھنے کا انتظار کیا ہے۔ میں نے انتظار کیا کہ تم خود اعتراف کرو گے کہ تمہاری عورت زیادہ خوبصورت ہے۔''

ایک بار پھر سامنے سے کچھ کہا جانے لگا جب زینیا نے درشتی سے اسے ٹوکا۔

''چپ رہو کہاناں، اتنے سال میں نے سنا ہے اب تم سنو گے۔'' دوسری طرف وہ چپ رہا۔

''میں تمھارے نام کے ساتھ used to ہو گئی ہوں۔ میرا نام آئے گا تو عبداللہ ساتھ ضرور آئے گا۔ یہ یقین رکھا ہے۔ تم میرا کمفرٹ بن گئے ہو۔ میں تمھارے بغیر کسی کا سوچوں کو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی غیر ضروری شے دائرے میں آ گئی ہو۔۔'' وہ رکی تھی۔ ایک پل کے لئے۔ آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔

''میں نے تمہارے ساتھ وفاداری نبھائی ہے۔ اتنے سال۔ اب تمھیں چاہیے کہ تم میرا مان رکھو۔''

چند پل کے لئے دونوں طرف خاموشی چھاگئی۔ چاند کی گرتی ہوئی روشنی گھروں کا سکوت ان دونوں کے بولنے کا منتظر رہا۔ اور پھر اسکے لبوں سے بے حد آزردگی سے چند الفاظ نکلے تھے۔

''آجاؤ عبداللہ۔۔'' اس نے گویا اپنی انا پہ پیر رکھ کر کہا تھا۔

''مجھے تمہارا انتظار ہے۔۔۔'' اب کی بار دوسری طرف بھی خاموشی چھاگئی تھی۔ چاند کی روشنی میں نہائی کھڑی لڑکی اسکے بولنے کی منتظر رہی۔

''تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔'' وہ بڑے مزے سے بولا تھا۔ زینیا خاموش رہی۔

''تم کون ہو؟''مرد نے سوال کیا تھا۔

''جسے تم اپنے نام پہ بٹھا کر گئے ہو،اور جس نے تمہارے نام کے ساتھ وفاداری کی ہے۔''اسکا لہجہ اسکا اعتماد۔وہ کسی بھی مرد کو اپنا بسمل کر سکتی تھی۔

چند پل دوبارہ خاموشی چھا گئی۔شاید وہ مرد زینیا کے الفاظ جذب نہیں کر پا رہا تھا۔

''میں نے سنا تھا خاندان کی لڑکیاں بہت حیا والی ہوتی ہیں بلا ضرورت مردوں سے بات نہیں کرتیں۔''اس نے چوٹ لگائی تھی۔

"میں نے سنا تھا خاندان کے مرد بہت غیرت والے ہوتے ہیں۔اپنے نام سے جڑی لڑکی کا نام کسی اور کے ساتھ نہیں سن سکتے۔کہا سنا سچ کہاں ہوتا ہے عبداللہ۔''اس نے استہزاہ سے سر جھٹکا تھا۔

اسے یہ نام لینا بہت پسند تھا۔نہ جانے کیوں مانوسیت سی محسوس ہوتی تھی۔دوسری جانب ایک بار پھر خاموشی شاید وہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتا تھا۔

''کیا تم نے واقعی میرا انتظار کیا ہے؟''وہ نہ جانے کیا سننا چاہتا تھا۔

''نہیں۔۔۔''اس نے یک لفظی جواب دیا۔''میں نے کبھی تمہارا انتظار نہیں کیا، میں نے تمہارے آنے کا یقین رکھا ہے۔تمھیں آنا چاہیے، عبداللہ۔''آخر میں وہ جانے کیا جتا رہی تھی۔

چاند کی روشنی ٹھہر ٹھہر کر اسے دیکھ رہی تھی۔وہ خاموش ہوتی تو اندھیرے کو بے چینی ہونے لگتی۔

''میں کیوں آؤں کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟''

''مجھے تم سے ضد ہے۔۔۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

''اگر تم کہتیں تمھیں مجھ سے محبت ہے تو شاید مجھے زیادہ مزہ آتا۔۔'' وہ جیسے مایوس ہوا تھا۔

زینیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو اسکی آنکھوں سے نکلنا چاہتے تھے۔ فون کی دوسری طرف موجود انسان اسکے بس میں تھا کہ ان آنسوؤں کو خوشی کے آنسوؤں میں بدلے۔

"آجاؤ عبداللہ۔۔۔" اس نے انا پہ پیر رکھ کر ایک بار پھر پکارا تھا۔

''میرے انتظار میں بیٹھ کر بوڑھی ہو جاؤ تب بھی نہیں آؤں گا۔''

اب کے وہ آنسوؤں پہ بند نہیں باندھ سکی۔ گرم گرم مائع اسکے گالوں پہ بہہ گیا۔ لوگ کہتا تھے وہ نہیں آئے گا۔ وہ جواب دے دیتی تھی۔ اب تو وہ خود جواب دے رہا تھا۔ لوگوں سے کیا کہے؟

انتظار دیمک بن کر تمہیں کھا جائے تب بھی ''نہیں آؤں گا۔''

آہستگی بے حد آہستگی سے وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ کمر تھک کر ٹوٹ چکی تھی۔ ہمت ختم، حوصلہ زائل، اعصاب کمزور۔ اب مزید وہ کھڑے نہیں ہو سکتی تھی۔ عبداللہ صرف عبداللہ اسے توڑ دیتا تھا۔

عبداللہ اسے رلا رہا تھا، بس وہی رلا سکتا تھا۔

''تمھیں مجھ سے ضد ہے۔ تو اسی ضد میں جل کر مرو۔ عبداللہ تمہارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔''

وہ رو رہی تھی، بری طرح رو رہی تھی۔ عبداللہ اسے اسی طرح رلاتا تھا۔ صرف وہی اسکی باتیں اسکا انتظار ہی رلاتا تھا۔

زینیا نے فون کو ہاتھ میں اونچا پکڑ کر ہوا میں بلند کیا۔ اور ایک ہاتھ منہ پہ رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں فون کے اس پار اس مرد کو سنائی دے رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں اسے تسکین نہ ملی۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح خاموش آنسو بہاتی رہی۔ کافی دیر تک وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتی رہی۔ وہ عبداللہ کے علاوہ کسے دیکھنے کی خواہش کرے گی؟ کوئی اسے دیکھے گا تب وہ کیا کرے گی، کوئی اسے سننے کا حق نہیں رکھتا وہ کسی اور کو سننا نہیں چاہتی تھی، عبداللہ کہاں آکر اسے توڑ رہا تھا؟ کئی لمحوں بعد اس نے اپنی نم آنکھیں رگڑ کر صاف کی تھیں۔

چند پل بعد اس نے ٹیلی فون ایک بار پھر کان پہ رکھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ متورم، سوجی ہوئی۔

''میں نے اپنی انا پہ پیر رکھ کر تمھیں بلایا تھا۔'' اب کے اسکی آواز میں نہ دکھ تھا۔ نہ لرزش۔ بس آنکھیں سرخ تھیں روئی روئی سی۔

''میں نے ساری زندگی تم سے وفاداری نبھائی۔ تمہارا نام سنا، اپنا سمجھا۔'' وہ بول رہی تھی اور فون کے دوسرے پار کوئی بڑی ہی دلجمعی سے اسے سن رہا تھا۔

''تمھیں نہیں دیکھا تو کسی کو نہیں دیکھا، تمہیں نہیں سنا تو کسی کو نہیں سنا۔ لیکن تم، تم نے مجھے عرش سے اٹھا کر فرش پہ پھینکا ہے۔ لیکن میں دوبارہ تم سے آنے کے لئے نہیں کہوں گی، ٹھیک ہے، درست۔ میں بس تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

''تم اتنی مضبوط نہیں ہو جتنی بنتی ہو۔'' سفاک ظالم تبصرہ۔

''میں ذرا بھی مضبوط نہیں ہوں۔ میں ڈھیٹ ہوں، عبداللہ۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو ایک مرد کے آسرے پہ بیٹھے بیٹھے خود کو تباہ کرلیں گی۔ مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔ میں اب کبھی تمہاراانتظار نہیں کروں گی۔ اب آؤ گے تب بھی میں تمہارے لئے نہیں ہوں گی۔'' وہ اسے جتا چکی تھی۔ دل کو کون بتائے؟

''تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔ تم۔۔۔''بسس مزید کچھ بھی سنے بغیر زینیا نے کال کاٹ دی تھی۔ دل یکدم خالی ہو گیا تھا۔ روح پہ گہرے زخم لگے تھے۔ اسکی ساری دنیا کھنکتا برتن بن گئی۔

''عبداللہ نہیں آئے گا۔''

اس نے خود سے دہرایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ جسم نقاہت زدہ۔ دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا تھا۔ لیکن وہ اب نارمل تھی۔ اسے نارمل رہنا تھا۔ اسے کمرے میں جا کر اپنی بہن کا سامنا جو کرنا تھا۔ اپنا زعم وہ توڑ نہیں سکتی تھی۔

"عبداللہ اب نہیں آئے گا۔'' وہ خود سے دہراتی ہوئی باہر جارہی تھی۔ اجلی چاندنی خالی بیٹھک یاسیت سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔

کاش وہ اتنی ہی مضبوط ہوتی جتنی نظر آتی تھی۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسکا ٹوٹا دل، نم آنکھیں اور لرزتا لہجہ بس ایک ہی سطر دہرا رہے تھے۔

''عبداللہ نہیں آئے گا۔''

☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد

یہ چند دن بعد کا ذکر ہے۔ مہدی کمبیر کا نیلی روشنی والا کمرہ بکھرا ہوا تھا۔ بیڈ کے اوپر دو بیگ کھلے پڑے تھے۔ دونوں سرمئی تھے۔ دو ملازم اسکی کلازٹ سے کپڑے، جوتے، سامان لا لا کر رکھ رہے تھے۔ وہ بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ ہر دوسری چیز کو سرخ جھنڈی دکھاتا ہوا۔ اسے کوئی چیز اپنے مطلب کی لگ ہی نہیں رہی تھی۔ اوور سائزڈ سیاہ گول گلے والی شرٹ کے نیچے بھورا سلیکس پہن رکھا تھا۔ بال بے ترتیب تھے۔ سبز آنکھیں اس وقت بے زار معلوم ہوتی تھیں۔ وہ ایک ہفتے سے گھر پہ تھا اور اب اسکی بس ہو چکی تھی۔ گھر اسے یونہی بے زار کیا کرتے تھے۔

دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی ہلکی باوقار دستک مہدی کے موبائل پہ ٹائپنگ کرتے ہاتھ ایک پل کو رک گئے تھے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ سامنے سے آرہا تھا۔ سرمئی ڈنر سوٹ، سیاہ چمکدار بوٹ اچھے سے جمے ہوئے بال۔ اسکی گندمی رنگت کمرے کی مدھم روشنیوں میں ہلکی سانولی لگ رہی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا ہوا آیا اور مہدی کو ایک بھرپور نظر دیکھا۔ دوسری نظر ہاتھ میں سامان پکڑے ملازمین کو دیکھا۔

وہ اسکا اشارہ سمجھتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ کپڑے بیڈ پہ چھوڑ گئے۔ قیس نے دو قدم مزید لئے اور پھر بیڈ پہ آ بیٹھا۔ زمین کی طرف جھکا ہوا بیڈ اسے خاص پسند نہیں تھا۔

''تو تم ایک بار پھر جا رہے ہو؟ حالانکہ میں نے تمھیں منع کیا ہے۔'' وہ بولتے ساتھ اسکی شرٹ سلیقے سے تہہ کر کے بیگ میں رکھ چکا تھا۔ مہدی اب خوامخواہ موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا وہ مضطرب ہے۔ یا پھر نظر انداز کر رہا تھا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم میرے منہ پہ تھپڑ مار کر جا رہے ہو؟''

اسکی سیاہ آنکھیں بعض دفع کسی سیریل کلر کے جیسی لگتی تھیں۔ اسکے ہاتھ میں جینز کا بیلٹ تھا۔ وہ اسے اس انداز میں گھما رہا تھا۔ جیسے ابھی کے ابھی مہدی کی گردن میں ڈال دے گا۔

''تم زیادہ سوچ رہے ہو، نائٹ میئر۔ میں بس کچھ دن کے لئے ملک میں ہی ٹریول کرتے رہنا چاہتا ہوں۔ میں گھر پہ نہیں رہ سکتا۔'' مہدی نے گردن جھکا کر جواب دیا تھا۔ قیس اسے دیکھتا رہا۔

''دنیا کو لگتا ہے تم ٹریول کے شوقین ہو لیکن کیا میں انہیں حقیقت بتاؤں؟'' اسکی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ مہدی کی رنگت واضح طور پہ سفید پڑی تھی۔

''تم ایک گلٹی انسان ہو۔'' بتایا گیا۔

''تم ایک ڈرے ہوئے، ٹراماز کے مارے ہوئے لو سیلف اسٹیم کے آدمی ہو۔ ٹریول تمھیں excite نہیں کرتا۔ ٹریول تمھیں escape دیتا ہے۔ تم بھاگ رہے ہو خود سے۔ کیونکہ تم ناسور ہو۔ کیونکہ تم زخم ہو۔''

ایک ایک لفظ پہ مہدی کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ وہ گردن نہیں اٹھا سکا۔

بیلٹ قیس کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن مہدی کو لگ رہا تھا۔ وہ زور زور سے اسکے گلے پہ باندھا جا رہا ہے اسکا دم گھٹ رہا تھا۔

''تمہاری سبز آنکھیں منحوسیت کی علامت ہیں۔اسی لئے تم شیشہ تک نہیں دیکھتے۔ لیکن میں، میں تمہارا آئینہ ہوں۔'' قیس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ بس مہدی سن سکے لیکن اسکا دل بھی سن رہا تھا۔اور نئے نئے زخم خود پہ نقش کر رہا تھا۔

''میں نے اس رات تمھیں تمہاری منگیتر سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔''اب کی بار یہ وار کاری تھا۔مہدی نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھائی تھی۔ ششدر ہی تو رہ گیا تھا وہ۔ گردن کا پھندہ اتنی زور سے کسا گیا تھا کہ مہدی کو اپنی گردن ٹوٹتی محسوس ہوئی۔

''میں نے سن لیا تھا، تم نے اسے جو کچھ کہا وہ جھوٹ تھا، تمہارا اصل کچھ اور ہے۔ تمھارے دل میں کچھ اور ہے۔'' قیس ایک پل کے لئے بھی گویا خاموش نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''تم کتنے horrible ہو، مہدی؟''تاسف سے کہا گیا۔ ''تم ساری دنیا کے سامنے کتنے نرم الفاظ استعمال کرتے ہو اور اس بیچاری لڑکی کو کیا کچھ نہیں کہا تم نے، صرف اس لئے کیونکہ تم اپنا بدلہ لینا چاہتے ہو؟''

مہدی یوں تھا جیسے نمک کا مجسمہ جو ابھی کے ابھی ڈھے جائے گا۔

''ہمارے خاندان میں آج تک کسی مرد نے اپنی عورت پہ گوِاپ نہیں کیا، یہ لعنت بھی تمھارے حصے میں آئی مبارک ہو۔۔۔''وہ اب اٹھا تھا۔

''تم بلوچستان جاؤ، یا پھر جہنم میں۔ لیکن واپسی پہ تمھیں زندہ آنا ہو گا۔ تم اگر مرے تو میں تمھیں مار ڈالوں گا۔''

ایک آخری تنبیہ کرتے اپنا کوٹ جھاڑتے وہ باہر نکل گیا تھا۔اسکے عقب میں سبز آنکھوں والے مرد نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

دل کے زخم مزید گہرے ہو گئے۔ لیکن آج صرف کوئی زخم نہیں تھا۔ کہیں دور کسی کونے میں محبت بھی تھی۔ ہاں اسے محبت بھی تھی۔ وہ اسے ناں نہیں کہنا چاہتا تھا۔ کاش سب کچھ ویسا ہوتا جیسا اسکا دل چاہتا تھا۔ لیکن دل جو چاہے وہ کہاں ہوتا ہے؟

اس نے خود کو پلنگ پہ پھینک سا دیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل دکھ رہا تھا۔ یہ گھر اس گھر میں وہ بسمل تھا، یہ گھر اسکا زخم تھا۔ اسے یہاں سے جانا تھا۔ فوراً جانا تھا۔

کوئی اسے یہاں سے آزاد کروائے۔

☆☆☆☆☆

کچھ دن بعد

بلوچستان، گوادر۔

آج صبح ہی سے حاکم نواب کے گھر میں افرا تفری کا عالم تھا۔ کونج بھاگ بھاگ کر اپنے کالج کی تیاری کرتی نظر آرہی تھی۔ زینیا اپنا سامان سنبھالے تیار تھی۔ بس ابھی بشر آئے گا اور ابھی وہ دونوں سمندر کے لئے نکل جائیں گے۔ حاکم اس وقت اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہو رہے تھے۔ سفید کاٹن کے بے شکن سوٹ میں ملبوس۔ بالوں کو اچھے سے جمائے وہ اپنے اوپر خوشبو چھڑک رہے تھے۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ بھی انکی خود سے محبت کو کم نہیں کر پائے تھے۔ اسی لمحے ان کے کمرے کے دروازے پہ ہلکی دستک ہوئی۔ سیاہ رنگ کے گگھے میں ملبوس زینیا حاکم دروازے پہ کھڑی تھی۔ بال پھر سے جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ سخت

سے۔ پیروں میں کولا پوری چپل۔ وہ گاؤں کی کسی الہڑ دوشیزہ جیسی لگتی تھی۔ لیکن اسکی آنکھوں کی سنجیدگی اسے بیک وقت سخت بھی بناتی تھی۔

''بااستری خراب ہوگئی ہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی استری ہوا میں بلند کی۔

وہ اور ابا مشین buddies تھے۔ گھر کی جو مشین خراب ہوتی وہ دونوں مل کر جوڑ لیتے تھے۔ مشینیں، زینیا کو مشینوں سے عشق تھا۔ جو مشین ملی کھول لی۔ جڑی تو جڑ گئی نہ جڑی تو پھر دنیا کا کوئی مستری اسے جوڑ نہیں سکتا تھا۔

''تم لوگوں کو یہ وقت ملتا ہے استری کا؟ اب میں دکان جاؤں یا بیٹھ کر استریاں ٹھیک کروں؟'' وہ بگڑ کر بولے تھے۔ زینیا خاموش کھڑی رہی۔ جیسے دکان جا کر سابق نواب نے کام کر لینے تھے۔

ابا نے ایک بے زار نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر پلنگ پہ آ کر بیٹھے۔

''جاؤ سامان لے آؤ۔ تم لوگوں کو میرا سکون برداشت کہاں ہے۔ اب انکی استری ٹھیک کروں میں۔'' کلائی سے گھڑی اتارتے وہ بڑبڑائے تھے۔

زینیا اپنے کمرے میں گئی اور کچھ ہی دیر میں سارے اوزار لے کر پلٹ آئی تھی۔ ابا کے سامنے سامان رکھ کر وہ جانے لگی تھی۔

''اب تم کہاں چلی؟ کام کون کرے گا میرے ساتھ؟''

زینیا نے سادگی سے انہیں دیکھا۔ ''میں تو پھپھو کے گھر جا رہی تھی، بشر کے ساتھ۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں جاتی۔'' ابا کے اوپر گویا ٹھنڈی برف پڑ گئی تھی۔ دل میں جیسے ٹھنڈی پھوار پڑی ہو۔

''اصل میں ابا پھپھو نے کہا تھا کہ آج دوپہر تک انکے گھر رہیں ہم۔ دادالوگ اسی طرف آرہے ہیں۔ آپ کہیں تو۔۔''

''ارے نہیں جاؤ جاؤ تم دونوں۔۔'' وہ یکدم خوشی سے بولے تھے'' تمہارے دادا وہاں ہیں ضرور جاؤ۔ یااللہ شکر ہے میرے بچوں کو عقل آئی۔ ابا سے بہت اچھے سے ملنا۔ اپنے سارے چچاؤں سے بھی اور.....''

''جی ابا۔۔'' اس نے ادب سے کہا۔ اگر کونج ہوتی تو صاف کہتی۔

"نہ آپ کے ابا کو پہچانتی ہوں نہ بھائیوں کو۔ اور نہ ان سے رشتے داری گانٹھنے کا شوق ہے۔"

وہ کونج تھی۔ ابا کا دل دکھا کر اپنا دل بھی دکھا دیتی تھی۔ یہ زینیا تھی۔ اسکے دل پہ چاہے قیامت ٹوٹے بس ابا ٹھیک رہیں۔

چند مزید ہدایات کے بعد وہ باہر نکل آئی تھی۔ دروازے پہ کھڑا بشر اسکا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ چھوٹی گاڑی میں آبیٹھا ۔ زینیا نے اب لمبی چوڑی چادر پہن رکھی تھی۔ کندھے پہ بیگ تھا۔ جس میں اسکا سامان تھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ آبیٹھی۔ گاڑی تھوڑی دور گئی تھی جب بشر نے اسے مخاطب کر لیا۔

''اگر ابا دکان چلے گئے اور انکو پتہ لگ گیا میں دکان پہ نہیں ہوں۔ تو جانتی ہو کیا ہو گا؟'' عام لہجے میں سوال کیا گیا۔

''اب جب تک استری ٹھیک نہیں ہوتی ابا اپنی جگہ سے ہلیں گے بھی نہیں۔ دو تین گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔ اسکے بعد ابا کا پسندیدہ کھانا ''مغز'' بن رہا ہے۔ چند گھنٹے ابا کو بھول جاؤ۔''

''اور اگر ابا نے مشین بنالی تو؟ پھر کیا ہو گا ؟''

زینیا مسکرائی تھی۔اسکی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔چہرہ تمتمارہا تھا۔

''زینیا کی کھولی ہوئی مشین کو زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔''

اسکی بات پہ بشر مسکرایا تھا۔زینیا بھی مسکرارہی تھی۔وہ آج واقعی خوش تھی۔بشر نے ہاتھ بڑھا کر میوزک سسٹم آن کر دیا۔اب گاڑی میں ارجیت سنگھ کے گانے بج رہے تھے۔

منزل قریب تھی سفر حسین تھا۔

''سمندر''

گوادر کا سمندر ایک انتہائی حسین نظارہ ہے۔جس جگہ اس وقت مہدی کمبیر کا گروپ کھڑا تھا۔یہ جگہ ڈھلوان سے اترنے کے بعد نظر آتی تھی۔عقب میں پہاڑ اور سامنے سمندر کا ٹھاٹھیں مارتا پانی۔زندگی سے اور کیا چاہیے کسی کو؟

کل ملا کر سات لوگ تھے۔تین لڑکیاں چار لڑکے۔مہدی ان سب کو لیڈ کر رہا تھا۔ذرا سے فاصلے پہ انہوں نے آگ جلا رکھی تھی ۔جس کے اوپر چھوٹی سی چینک رکھی تھی۔چائے ابل ابل رہی تھی۔مہدی ہاتھ میں موبائل اونچا کئے انسٹا گرام پہ براہ راست تھا۔اسکی فالونگ دیکھنا چاہتی تھی آج وہ کہاں،دنیا کے کس کونے میں ہے۔

زینیا بشر کے ساتھ کچھ فاصلے پہ کھڑی تھی۔بشر ہر مشرقی بھائی کی طرح شارٹس میں کھڑے گروپ کے لڑکوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں کلس رہا تھا۔کاش اس نے جذباتی ہو کر حامی نہ بھری ہوتی۔وہ ڈھیر سارا پچھتایا تھا۔

اس وقت وہ گروپ کے مینیجر کو زینیا سے بات کرتا دیکھ رہا تھا۔ نا محسوس انداز میں وہ زینیا کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں مینیجر کے اوپر گاڑ سی دیں۔ زینیا نے نوٹ کیا تھا۔ مگر خاموش رہی۔ چند ہدایات کے بعد مینیجر پلٹ گیا تھا۔ زینیا نے اب گردن موڑ کر بشر کو دیکھا۔

''چہرہ دوسری طرف کر لو ادا۔ ورنہ آج شام تک اپنا سارا خون جلا بیٹھو گے۔'' بے حد مخلصانہ مشورہ تھا۔

''آئندہ میں مر کر بھی جذباتی نہیں ہوں گا۔'' اس نے دانت پیسے تھے۔ زینیا مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ بشر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ البتہ اسکی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایک ایک لڑکے کا اسکین کر رہی تھیں۔ اسکی بہن یہاں تھی۔ وہ تو بہتے پانی پہ بھی شک کرے گا۔

''ہیئے کیا تم میری ایک تصویر لے سکتی ہو؟'' شستہ انگریزی میں اسے مخاطب کرنے والی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ جو کیتلی میں چیچ چلا رہی تھی۔ سر پہ روایتی ماتھا پٹی اور روایتی لباس بھی۔

زینیا اسکے قریب چلی آئی کندھے سے بیگ اتارا اور کیمرہ نکال لیا۔ ساری چیزیں فکس کرنے کے بعد وہ نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ لڑکی مسکراتے ہوئے چائے کو اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اور اسی لمحے مہارت سے زینیا نے اس لمحے کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں قید کیا تھا۔

چند ایک مزید تصاویر کے بعد وہ آگے جانے لگی جب سبز آنکھوں والے لڑکے نے اسے پکارا تھا۔

''ہیلو زینیا حاکم۔۔'' ہشاش بشاش خوبصورت لہجہ۔ زینیا تھم گئی۔

''کیا آپ میری کوئی تصویر نہیں لیں گی؟ یقین کریں میں کیمرے میں بہت ہینڈسم لگتا ہوں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پہاڑ اپنی جگہ کھڑے محویت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ابلتی چائے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اور اسی پل زینیا پلٹی تھی۔ مہدی ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''پچھلی بات کے لئے معذرت، بس ایک مذاق تھا۔ اب ہم کئی دنوں تک ساتھ کام کریں گے۔ اس لیے ایک مرتبہ پھر ہیلو، زینیا حاکم۔'' اس نے بازو سینے پہ باندھے تفصیل سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ زینیا نے ہلکے سے سر کو خم دیا۔ اور بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسی لمحے مہدی کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے کال اٹھانے سے پہلے ایک نظر اسے دوبارہ دیکھا تھا۔

''تعارف قرض رہا۔''

وہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔ زینیا نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔ جاتے جاتے اسے ایک لقب ضرور دیا تھا۔

“Weirdo”

....

”باب دوئم: قبولیت“

ابن آدم سے ایک دن پوچھا ابلیس نے،

کیا چیز ہے وہ جس نے رکھا تمھیں ہمیشہ پر سکون؟

اور کیا شے ہے وہ جس نے کیا مجھے بے سکون،

ابن آدم مسکرایا اور کیا ابلیس کے گوش گزار

قبولیت لفظ ہے راز تیری میری کہانی کا

اے ابلیس تو نے جھیلی عرش بدری کیونکہ تو تھا زعم بردار

ہوا نہ تجھ سے قبول کہ اللہؐ نے کی تخلیق

تجھ سے افضل تجھ سے بہتر ذات

جھیلی تو نے لعنت ہوا تو عذاب کا حقدار

میں نے کی قبول بھوک، پیاس، غربت بے مثال

کبھی ملی بیماری، ٹوٹا دل، ہوئی جوانی بے حال

جھیلی تن پہ سختی من پہ زخم بے شمار

میں رویا، میں چیخا، میں دھاڑا، میں سسکا

مگر ایک روز تھا قبولیت کا وہی روز تھا مسروریت کا

تجھ کو لگتا ہے تو واحد ہے جو ہوا بے سکون سا؟

اے ابلیس نہ فرمان دیکھ رکھے ہیں تجھ سے کم ذات کئی

جنہوں نے نہ کیا قبول اللہ کا فیصلہ سہی

ہوئے ابلیس صفت رہی انکی صحبت وہی

ابلیس جو اپنی فتح پہ مسکرا آیا یوں ابن آدم نے اسکی ہنسی روکی

اے ابلیس تو رہے گا نامراد روز حشر تلک

کیونکہ ہے بشر کو مہلت برزخ کے فیصلے تلک

سنو اے انسان اے جنوں اے چرند پرند کے گروہ

قبولیت ہے تمہاری بقا تمہاری ذات کا راز

☆☆☆

مہدی کمبیر کے بلوچستان جانے سے ایک رات قبل:

قیسم کی چوکور عمارت تمام تر جلال کے ساتھ اسلام آباد کے سینے پہ کھڑی تھی۔اس پہر سارے میں ٹھنڈی ہواؤں کا راج تھا۔ستمبر کے اوئلی دن تھے،دن میں نمی اور حبس اور رات کے وقت ٹھنڈی دل کو بھاتی ہوا۔

قیسم کی ساری بتیاں گل تھیں۔بس دوسری منزل کا ایک شیشے کا سٹوڈیو اس پہر روشن تھا زرد بتیوں والا روشن سٹوڈیو باہر کھڑے ہونے والے کر دیکھنے کو ایک ٹرانس میں دھکیل دیتا تھا۔یقین نہیں آیا؟

ایک پل کو آنکھیں موندو ایک اونچی عمارت ذہن کے پردے پہ لاؤ، پھر اسکی ساری بتیاں بجھاؤ،اب بس ایک کونے والی زرد بتی جلتی ہوئی دیکھو،اندھیرے میں ڈوبی ایک عمارت کی زرد جلتی ہوئی بتی۔ہے ناں دلفریب؟

ٹھنڈی ہوا،عمارت کی زرد جلتی بتی کے تعاقب میں آؤ تو شیشے کا سٹوڈیو اندھیرے میں ڈوبا تھا۔کہیں کاٹن کھلے پڑے تھے تو کہیں کپڑے کے ٹکڑے پڑے تھے۔کہیں چھوٹے چھوٹے بیٹس بکھرے ہوئے تھے۔ایسے جیسے ہیرے ہوں۔تو کہیں سنگی مجسمے کھڑے تھے۔جن کے اوپر برانڈڈ لباس چڑھے تھے۔

سٹوڈیو کے عین بیچ میں ایک سنگی مجسمہ تھا۔ جس کے اوپر زرد روشنی پڑ رہی تھی۔ مجسمے کے اوپر اس لمحے ایک گہرے سرخ رنگ کا لمبا گاؤن ٹنگا تھا۔ سادہ لمبا سلک گاؤن۔ اسکے بازو پہ ننھے ننھے بیڈس لگے تھے۔ گلہ خالی تھا۔ کمر کی جگہ پہ ایک سنہری بیلٹ تھا۔ وہ سادہ سا سرخ گاؤن اتنا خوبصورت تھا کہ کوئی حد نہیں۔

ایک بازو پہ سنہری بیڈس لگ چکے تھے۔ مجسمے کا دوسرا سنگی بازو جس کے اوپر گاؤن تھا۔ وہ اب تیر کی مانند سیدھا تھا۔ نیم اندھیرے میں ایک شخص کھڑا تھا۔ اسکے بال گھنگریالے تھے۔ ہلکی ہلکی داڑھی پہ زرد روشنی پڑتی تھی تو وہ مزید جاذب نظر لگتا تھا۔ اسکی گندمی انگلیاں اس وقت ایک ننھا سا بیڈ بازو کے کنارے پہ لگا رہی تھیں۔ وہ اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ حد نہیں۔

اسکے ہاتھ کسی ماہر مصور کے ہاتھوں جیسے تھے۔ شاید وہ انکا بے حد خیال رکھا کرتا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی کہیں سے بھول بھٹک کر اسکے پیروں پہ پڑ رہی تھی۔ وہ نرم آرام دہ سلیپر پہنے ہوئے تھا۔ سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ نیلی اور سفید دھاری دار پینٹ۔ شرٹ کے دو اوپری بٹن کھلے تھے۔ شاید اسے گرمی لگ رہی تھی۔ یا شاید وہ آرام دہ محسوس کرنا چاہتا تھا۔

''تم نے تو کہا تھا تم عورتوں کے کپڑے نہیں بناتے۔'' یہ آواز دروازے پہ کھڑے کسی مرد کی تھی۔ قیس سے اس ٹون میں بات کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے؟

ہاں تم سہی سمجھے براق حنیف وہ آدھا عرب، آدھا پاکستانی دروازے پہ کھڑا طنزیہ انداز میں اسکی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اندھیرے میں تھا۔ چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ قیس نے اب کے گردن ایک جانب ڈھلکا دی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس سرخ گاؤن کو دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ اتنا اچھا لگا تھا۔ نظر کو اتنا بھایا تھا۔ اندھیرے میں کھڑے آدمی کی زبان کو ایک بار پھر کھجلی ہوئی۔

''تو اب ایک زن بیزار آدمی سرخ زنانہ گاؤن تیار کر رہا ہے؟''

قیس نے گردن سیدھی کرلی۔ وہ اب جھک کر کمر پہ لگے بیلٹ کو دیکھ رہا تھا۔ یکدم اسکی آنکھوں میں ناپسندیدگی اتری۔ وہ غیر آرام دہ ہوا تھا۔ کچھ تھا جو برا لگا تھا۔ کچھ تھا جو کاملیت کے آڑے آرہا تھا۔

"وہ آدمی جسے عورت لفظ سے سخت نفرت ہے۔ وہ اب عورتوں کے کپڑوں پہ ستارے موتی لگائے گا، یا اللہ، یا میرے مولا ایسا دن دکھانے سے پہلے میری دس گرل فرینڈز مرکیوں نہیں گئیں؟'' دروازے کا ساتھ ٹیک لگائے نیم اندھیرے میں کھڑے شخص نے ایک اور ڈرامائی ہانک لگائی۔

قیس اب بھی نہیں مڑا تھا۔ اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔ ماتھے پہ گرتے بال اس نے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہنوز جھکا ہوا تھا ۔یونہی جھکی جھکے اس نے کہنا شروع کیا۔

''میرے عظیم ابا کہا کرتے تھے کہ انکے گاؤں میں پورے چاند کی رات چند آوارہ کتے گلی میں کھڑے ہو کر بھونکا کرتے تھے۔'' خاموش سٹوڈیو میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔ براق سنے گیا۔

''ان کتوں کو نہ کھانا چاہیے ہوتا تھا نہ پانی اور نہ ہی سر چھپانے کو جگہ۔'' وہ اب کمر کے بیلٹ کو اپنی انگلیوں سے چھو رہا تھا۔

''سب کچھ موجود ہوتے ہوئے بھی وہ کتے بھونکے جاتے تھے، بھونکے جاتے تھے۔ جانتے ہو کیوں؟'' بھاری لہجہ سارے میں ارتعاش سا پیدا کر رہا تھا۔

''کیوں؟'' قیس کمبیر نے نوچنے کے انداز میں مجسمے کی کمر پہ لگا بیلٹ اتار لیا تھا۔ اسکے انداز میں جتنی جارحیت تھی۔ چہرہ پر سکون اتنا ہی۔

''کتے پورا چاند دیکھ کے پاگل ہوتے تھے، عام دنوں میں کوئی انہیں نوٹ نہیں کرتا تھا اسی لیے پورے چاند کی رات وہ بھونک بھونک کر لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے تھے۔ آج پورا چاند ہے اور تم کون ہو کیا اب مجھے بتانے کی ضرورت ہے؟'' اسی لمحے وہ آدمی ہلکا سا ہنسا تھا۔ روشنی میں کھڑا شخص کہہ رہا تھا۔

''ویسے میرے بابا مزاج کے سخت تھے۔ ایک دن ان کتوں کے بھونکنے کی وجہ سے انکا وی سی آر سہی آواز نہیں دے رہا تھا۔ بابا نے اپنی بندوق اٹھائی اور اس رات گاؤں میں آٹھ کتوں کی لاشیں گری تھیں۔ سب کہتے ہیں میں بھی اپنے بابا کی طرح گرم دماغ کا آدمی ہوں۔'' اس نے بات ختم کر کے رخ براق کی جانب موڑا۔ براق اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

قیس اب سیدھا کھڑا تھا۔ براق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ وہ اگر سنجیدہ آنکھوں سے بھی تمھیں دیکھے تو تمہیں اس سے خوف آئے۔

براق چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اسکے قریب آنے لگا۔ اسکے بوٹ زمین پہ بکھرے گتوں پہ لگتے تو چر چر کی آواز آتی تھی۔

''میری ممی مجھے بتایا کرتی تھیں کہ جب میرا پاکستانی باپ ہمیں اپنے گاؤں لے کر گیا تو ایک رات کو کتے بھونک رہے تھے۔'' اسکی آواز گتوں کی چر چر میں بھی صاف سنائی دیتی تھی۔ وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آ رہا تھا۔

''ایک آدمی کو ان کتوں کی آواز اسی طرح ناگوار تھی لگتی جیسے تمھارے بابا کو، اس آدمی کو بھی ویسا غصہ آیا جیسا تمھارے ابا کو، وہ بھی گھر سے بندوق لے کر باہر آیا جیسے تمھارے بابا آئے تھے۔'' وہ اب قیس کے بلکل سامنے کھڑا تھا۔ کتوں کی بد نما آواز رک گئی ۔سٹوڈیو میں گونجتا اسکا لہجہ پل بھر کو تھم گیا۔

''لیکن چالیں پلٹ گئیں، تدبیریں الٹ ہو گئیں۔ ان کتوں میں ایک بھیڑیا بھی تھا، قیس۔ بھیڑیے نے اس آدمی کو چیر دیا۔ پورے چاند کی رات صرف کتے نہیں بھیڑیے بھی نکلتے ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ ہوشیار رہو۔'' اس کی آنکھیں اس وقت عجیب تھیں۔ وہ شاید تنبیہہ کر رہا تھا۔ قیس اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ براق اسکا کندھا تھپک کر ایک بار پھر اندھیرے کی اور بڑھ گیا۔ ابھی اس نے دروازہ پار نہیں کیا تھا۔

''جو بھیڑیا کتوں کے جھرمٹ میں شکار کرنے نکلے وہ کتوں سے بھی بڑا کتا ہے۔'' قیس کی دھیمی آواز کچھ جتا رہی تھی۔ وہ کم بولتا تھا ۔لیکن جب بولتا تھا۔ تو سامنے والا کچھ بول نہیں پاتا تھا۔ براق چند لمحے دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا، اسکی رنگت عجیب سی ہو رہی تھی۔ یونہی چند پل بعد وہ باہر نکل گیا۔

کچھ منٹ بعد قیس اس سرخ گاؤن کی کمر والی جگہ کو کسی بھی قسم کی آرائش سے پاک کر چکا تھا۔ بس بازو پہ لگے ننھے بیٹس اور سلک کا لمبا گاؤن۔ وہ ستائش سے اس گاؤن کو دیکھے گیا۔ جب اسے اپنے ساتھ والے سٹوڈیو سے ہلکا سا کھٹکا محسوس ہوا۔ قیس چونکا تھا۔ اب کے ڈبے اور مجسمے گرنے کی آوازیں آئی تھیں۔ کوئی تھا جو آفس میں گھس آیا تھا۔ لیکن نہ وہ ڈرا نہ جھجھکا۔ یہ اسکی سلطنت تھی ۔وہ یہاں کا سلطان تھا۔ اسکے کمفرٹ زون میں بھلا کون داخل ہوا تھا۔

قیس نے زرد بتیوں تلے کھڑے اس سرخ گاؤن کو وہیں رہنے دیا اور خود بغیر چاپ پیدا کئے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

ہر قدم کے ساتھ کھٹکا بھی بڑھتا جاتا تھا۔ وہ محتاط قدم دھرتا ساتھ والے سٹوڈیو کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ یکدم تین چار ڈبے ایک ساتھ گرے تھے۔ قیس دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ پھر آہستہ سے جھک کر اس نے اپنی پنڈلی کے ساتھ بندھی چھوٹی سی پسٹل باہر نکالی۔ وہ جونہی سیدھا ہوا اسکے عین سامنے کوئی تھا۔

وہی جس نے ڈبے گرائے تھے۔ وہی جس نے مجسمے توڑے تھے۔ اور وہی جو رات کے اندھیرے میں کسی کے آفس کا دروازہ دھکیل کر اندر آیا تھا۔ کون بھلا؟

☆☆☆

"موجودہ دن۔"

سیاحوں کے گروپ نے ٹولی بنا رکھی تھی۔ مہدی کمبیر اپنے لوگوں کے ساتھ ساحل سمندر کے پاس کھڑا تھا۔ یہ کبی سی(turtle beach)کا ساحل تھا۔ گوادر کے دو ساحل سب سے مشہور تھے۔ پدی زر ساحل، کبی سی ساحل۔

Turtle beach یہ نام ایک خاص وجہ سے پڑا تھا۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ کئی برس قبل اس ساحل پہ لاتعداد کچھوے ہوتے تھے۔ جسکی وجہ سے اس ساحل کا نام ٹرٹل بیچ پڑ گیا۔ مقامی زبان بلوچی میں اس بیچ کو کبی سی بیچ کہا جاتا ہے۔

اس ساحل کا پانی کرسٹل کلئیر تھا۔ وجہ یہاں لوگوں کا بہت کم آنا تھا۔ یہاں بس چند مقامی و غیر مقامی بلا گر آیا کرتے تھے۔ یا پھر وہ لوگ جو سکون سے چند گھڑی اپنے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ مہدی اس وقت اسی ساحل کی لہروں پہ اپنے پیر دھرے ہوئے تھا۔

اس نے موبائل کان کے ساتھ لگا رکھا تھا۔نیٹ ورک کے مسائل کی وجہ سے وہ ذرا فاصلے پہ کھڑے ہو کر بات کر رہا تھا۔لیکن کافی فاصلے کے باوجود نائٹ میئر، نائٹ میئر کی آوازیں کانوں میں پڑتی تھیں۔شاید وہ اس نام کے کسی شخص سے مخاطب تھا۔

وہ ہاتھ اٹھا کر بات کرتے ہوئے کافی جھنجھلایا ہوا تھا۔سانولے عام سے چہرے پہ دباد باغصہ تھا۔شاید سامنے والے کی کوئی بات بری لگی تھی۔اسکے ساتھی سمندر کنارے کھڑے تھے۔کوئی ویڈیو بنا رہا تھا۔کوئی تصاویر کھینچ رہا تھا۔ابھی تھوڑی ہی دیر بعد انکو یہاں سے اپنے ہوٹل جانا تھا۔زینیا نے لڑکیوں کے لئے چند تصاویر اتار لیں۔اب بس یہ مہدی کمبیر رہ گیا تھا۔یہ آخر اپنی بات کب ختم کرے گا؟

وہ بات کرتے ہوئے سمندر کے کنارے چل رہا تھا۔اسی لمحے اس نے سلیکس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی یو ایس بی نکالی تھی۔جس کے ساتھ اسکا بٹوہ بھی گرا تھا۔زینیا نے ذرا سے فاصلے سے اسکا بٹوہ گرتے ہوئے دیکھا۔وہ قریب ہی تھی۔اس نے آس پاس دیکھا بشر ذرا فاصلے پہ کھڑا تھا۔فون کان سے لگا رکھا تھا۔اسکے اپنے جھمیلے تھے۔وہ کاروباری آدمی تھا۔

اسکا کام ہی ایسا تھا فون ہر وقت بجتا رہتا تھا۔چند لمحہ وہ اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہی اور پھر آگے بڑھ آئی۔سیاہ گھگھے والی لڑکی لہروں کے ساتھ قدم ملاتے مرد کے پیچھے چل رہی تھی۔سنہری آنکھوں پہ پڑتی دھوپ اسکی چھوٹی آنکھوں کو بند کیے دے رہی تھی۔

ٹرٹل بیچ کے عقب میں کھڑے مٹیالے پہاڑوں کے پیچھے سورج تھا۔جسکی روشنی چھن کر سیاحوں کے چہرے پہ لگ کر پلٹ رہی تھی۔ایک جگہ رک کر وہ نیچے جھکی یہاں بس ذرا سا پانی تھا۔زینیا نے جھک کر پانی کے نیچے پڑا بٹوہ اٹھایا۔

''آپ کا والٹ گر گیا ہے۔'' اس نے ہانک لگائی۔ مہدی نہیں مڑا۔ وہ اب بھی اپنی جگہ کھڑا بات کر رہا تھا۔ اب کے اسکے چہرے پہ سخت غصہ تھا۔ سرخ چہرہ بھینچا ہوا چہرہ۔ زینیا کو اس لمحے اسکے قریب جانے سے دقت ہوئی۔

اسے ابا کا چہرہ یاد آرہا تھا۔ وہ غصے میں ہوتے تھے تو جھڑک دیتے تھے۔ نہ سامنے لوگ دیکھتے تھے نہ محفل۔ زینیا ایک ہزار بار اپنے سارے خاندان کے سامنے جھڑکی گئی تھی۔ اسے ابا سے خاندان سے خوف نہیں آتا تھا۔ اسے بے عزتی سے خوف آتا تھا۔ اسے آدھے خاندان کے سامنے سبکی اٹھانے سے خوف آتا تھا۔ اسے اب کسی بھی مرد سے بات کرتے ہوئے خوف آتا تھا۔ اسے مردوں کے غصے سے خوف آتا تھا۔

بٹوہ ہاتھ میں لیے کئی پل وہ کھڑی رہی۔ پھر نہ جانے کیوں اس نے لہروں کے درمیان کھڑے شخص کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ ہر قدم پہ اسے اپنے خاندان کے سامنے ہونے والی ذلت یاد آتی تھی۔ وہ بھولتی ہی کہاں تھی؟

مہدی سے چند قدم کے فاصلے پہ اس نے اپنے قدم روکے۔ پنڈلیاں پانی میں گیلی ہو رہی تھیں۔ کولاپوری چپل پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ نم ہوا اسکے سختی سے بندھے بالوں کو ڈھیلا کر چکی تھی۔

''آپ کا والٹ گر گیا تھا۔'' اس نے بٹوہ مہدی کی طرف بڑھایا۔ وہ جو غصے میں سامنے والے کو سخت سست کہنے لگا تھا یکدم ٹھہر گیا۔ اپنے دائیں طرف کھڑی لڑکی کو ایک نظر دیکھا۔ فون کے اس پار شخص نے اس لڑکی کی آواز باخوبی سنی تھی۔

مہدی نے فون کان سے ہٹایا اور اپنے سامنے کھڑی سنہری آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا۔ زینیا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کچھ تھا جو مسنگ تھا۔ جیسے کیوں وہ ابا کی طرح چیخا نہیں؟

"تھینکیو سو مچ، یہ پتہ نہیں کیسے گر گیا۔" وہ ماتھے کو چھوتے ہوئے ممنونیت سے کہہ رہا تھا۔ آواز بجھی ہوئی تھی۔ جیسے بے وقت نرمی دکھا رہا ہو۔

زینیا نے ہاتھ آگے بڑھا کر بٹوہ اسے تھما دیا۔ لہروں اور پہاڑوں نے پھر اسے مڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپس پلٹ رہی تھی۔ مہدی چند لمحے اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر موبائل دوبارہ کان سے لگا لیا۔

وہ اب پاؤں سے لہروں کو ٹھوکر مار رہا تھا پانی اچھل اچھل رہا تھا۔ اسی لمحے زینیا اپنی جگہ رک گئی تھی۔ اس نے مڑ کر ایک نظر مہدی کو دیکھا۔ وہ ہنوز پانی کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ زینیا نے کندھے پہ لٹکا اپنا کیمرہ اتارا ہاتھ میں پکڑ کر اسے آنکھوں کے سامنے کیا۔

یہاں مہدی نے پانی کو ایک ٹھوکر ماری اور یہاں کیمرے کی آنکھ نے یہ منظر اپنے اندر قید کر لیا۔ پانی کے چھینٹے یونہی فضا میں بلند رہے۔ مہدی فون کان سے لگائے کھڑا رہا۔ اور تصویر بن گئی۔ عقب میں کھڑے پہاڑوں نے بھی ستائش سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

اب وہ چلتے پھرتے اسکی مزید تصاویر بنا رہی تھی۔ وہ غصہ چھوڑ کسی بات پہ ہنس رہا تھا۔ اسکی سبز آنکھیں چھوٹی ہو گئی تھیں۔ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا تھا۔ زینیا نے ایک لمحے کے لئے بھی کیمرہ آنکھ سے ہٹایا نہیں تھا۔ وہ ہنس رہا تھا اور وہ اسکی ہنسی کو آنے والے وقتوں کے لیے سنبھال کر رکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اب وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان تصاویر کے بننے سے انجان نہیں تھا۔ وہ دن رات کیمرے کے آگے رہنے والا آدمی تھا۔ کیمرے سے انجان نہیں تھا۔

یکدم وہ پانی کے درمیان بیٹھ گیا تھا۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ سے ہٹا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ مہدی مسکرایا تھا۔ صاف ظاہر تھا وہ کہہ رہا ہے کم آن زینیا حاکم تصاویر اتارو۔

اس نے سر جھٹکا اور کیمرہ واپس آنکھ کے آگے کر لیا۔ اس آدمی کے پاس کچھ بھی اچھا نہیں تھا، کچھ یادگار نہیں تھا، ہاں مگر آنکھیں، اسکی آنکھیں خوب صورت تھیں۔ کوئی اسکی آنکھوں کو دیکھ کر چند لمحوں کے لئے ٹھٹھک سکتا تھا۔ وہ یہاں کا ہو کر بھی دیار غیر کا معلوم ہوتا تھا۔ پانی کے بیچ و بیچ بیٹھا وہ مسکرا رہا تھا۔

Weirdo

زینیا نے اسکی آنکھوں کو کیمرے میں قید کرتے ایک بار پھر دہرایا۔

☆☆☆

کالج کی عمارت اس پہر تازہ دم سی تھی۔ نئے رنگ و روغن نے کیا تازگی بخشی تھی۔ پودوں اور درختوں کی کانٹ چھانٹ نے یکدم سارا ماحول ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ آج گھاس خالی تھی۔ لڑکیوں کی کوئی ٹولی یہاں نہ تھی۔ وجہ آج کی ایکسٹرا کلاسز تھیں۔ فرسٹ ائیر پری میڈیکل کی طالبہ کونج حاکم کے کمرہ جماعت میں داخل ہوں تو وہ سانولی رنگت والی لڑکی کھڑکی کے ساتھ والے ڈیسک پہ بیٹھی تھی۔

کلاس خاصی بڑی اور ہوادار تھی۔ چھت سے لٹکتے پنکھوں کی ہوا فرحت بخش رہی تھی۔ دیواروں پہ مختلف چارٹس لگے تھے۔ کالج گھر سے کافی دور تھا لیکن کونج کو زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا کہ کالج کی بس سہولت کا منبع تھی۔

اس وقت کلاس میں میڈم امامہ کی آواز گونج رہی تھی۔ فزکس کی استانی صاحبہ خاصی سخت تھیں۔ صاف ستھرے نقوش والی میڈم امامہ کی ایکسرے کرتی نظریں اس پہر ساری کلاس میں دوڑ رہی تھیں۔

"کل میں نے آپ سب کو ایک numerical دیا تھا۔ اور میں نے یاد دہانی کروائی تھی کہ کل تک تمام بچیاں وہ numerical مجھے جمع کروائیں گی۔ کیا آپ سب نے کام کر لیا؟"

انکا لہجہ سخت نہ تھا تو نرم بھی نہ تھا۔ میڈم سے خوف صرف اس لیے آتا تھا کہ وہ کام نہ کرنے پہ خود کچھ نہیں کہتی تھیں۔ یہ بچی کا بازو پکڑا اور یہ لے گئیں پرنسپل صاحبہ کے پاس۔ اور پرنسپل جیسی بے عزتی کرتی تھیں اسے تم سالوں نہ بھول پاؤ۔

میڈم کے سوال پہ اگلی نشستوں پہ بیٹھی چند بچیوں نے لہک لہک کرہاں میں جواب دیا تھا۔ چند نے فوراً لکھنا شروع کیا تھا، اور باقی خاموشی سے اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔ اپنی باری کا انتظار کرنے والوں میں کونج بھی تھی۔ اور اضطراب زدہ چہروں میں وہ بھی تھی۔ وہ کون؟

وہی پستہ قد مناسب نقوش والی لڑکی۔ وہ جو فیور دینے آئی تھی، لیکن اسکے بعد دلاسا نہیں دیا۔ وہ عشرت منصور تھی۔ کونج کا اس سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ بس ایک ہلکی سی مسکراہٹ آتے جاتے ایک دوسرے کو دیتے رہنا۔ اور چند غیر مشروط فیورز۔ جنکا مظاہرہ تم ایک بار دیکھ چکے ہو۔

عشرت اس وقت سخت اضطراب کا شکار تھی۔ ناخن چباتے ہوئے وہ یہاں سے وہاں دیکھ رہی تھی۔ کھڑکی کے ساتھ جڑ کر بیٹھی کونج نے اتفاقاً اسے دیکھا تھا۔ اور پھر ٹھٹھکی۔ عشرت اسے پریشان لگی تھی۔ کونج نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

''کیا ہوا؟''

''Numerical نہیں کیا۔'' وہ بغیر آواز کے بولی۔ میڈم بس دو ڈیسک دور تھیں۔ آہ بے عزتی۔

کونج کو اب کے واقعی تشویش ہوئی تھی۔ اس نے اپنی رف کاپی اپنے سامنے کی اور اس پہ چند الفاظ گھسیٹے

''فضول عورت کیوں نہیں لکھا؟'' کاپی ہوا میں بلند کی تا کہ تحریر عشرت کو نظر آ جائے۔ وہ پڑھ چکی تو اپنی کاپی پہ چند الفاظ گھسیٹے۔

''بھائی کی منگنی کی شاپنگ کرنی تھی۔ اب میں کیا کروں گی؟'' وہ رو دینے کو تھی۔ اللہ اللہ اسے بے عزت نہیں ہونا تھا۔

اب میڈم کونج کے سامنے کھڑی تھیں۔ اسکے ساتھ بیٹھی لڑکی رجسٹر پہ لکھا سوال دکھا رہی تھی۔ چند غلطیاں تھیں شاید۔ کونج نے عشرت کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

''دکھائیں کونج آپ نے کیسے حل کیا ہے۔'' میڈم کی بھاری آواز پہ کونج اپنی ڈیسک پہ کھڑی ہوئی۔ رجسٹر اسکے ہاتھ میں تھا دو گھنٹوں کی محنت سے لکھا numerical اس کے بیچ والے صفحوں پہ درج تھا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا چند پل ٹکر ٹکر میڈم کا چہرہ دیکھتی رہی۔ دل میں ایک ہزار بار خود کو ملامت کی۔ اور دس ہزار گالیاں عشرت کو دیں۔ اور پھر اس نے سر جھکا دیا۔

''آئی ایم سوری، میڈم میں نے کام نہیں کیا۔'' اس نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے کہا تھا۔ اسکی بات پہ کلاس کی آدھی لڑکیوں نے اسے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ کونج حاکم تھی۔ مڈل بینچر۔

وہ پڑھتی فرسٹ بینچرز کی طرح تھی۔اور اسکے کام بیک بینچرز والے تھے۔آج پہلی بار تھا جب میڈم امامہ کی فیورٹ سٹوڈنٹ نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔چند سخت سست سنا کر میڈم ہٹ گئی تھیں۔کونج جانتی تھی اب اس کلاس سے کوئی بھی پرنسپل کے آفس نہیں جائے گا۔وہ میڈم کی فیورٹ تھی۔اگر باقی کلاس جائے گی تو اسے بھی جانا پڑے گا۔اور میڈم امامہ کو یہ ہرگز منظور نہ ہوتا۔

''آہ یہ ٹیچرز کا فیورٹزم۔''

''آج آپ سب کو معاف کر رہی ہوں لیکن کل کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔'' میڈم واپس بورڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ کونج نے ایک ہزار دفع خود پہ لعنت بھیجی تھی۔ساتھ ہی مڑ کر اپنے دائیں جانب والی ڈیسک کی طرف دیکھا۔

عشرت ممنونیت سے مسکرا رہی تھی۔اسکی آنکھوں کے آنسو غائب تھے۔ہنہہ اداکارہ نہ ہو تو۔میڈم اب کچھ اور کہہ رہی تھیں کونج بے دلی سے انکی بات سنے گئی۔

بے زاری سی بے زاری تھی۔خیر فیور تو دیا ناں۔یہی کافی ہے۔اسکا دل ہلکا پھلکا ہونے لگا۔

☆☆☆

اسلام آباد کی ایک چوڑی سڑک پہ اس وقت قیس کمبیر کی سیاہ مرسڈیز اپنے ٹائر دھرتی ہوئی جا رہی تھی۔شام کا وقت تھا۔اندھیرا سارے میں پر پھیلانے کو بے تاب تھا۔چوڑی سڑک کے دونوں اطراف میں گھنے درخت تھے۔خاموشی خوبصورتی اور aesthetic vibes کے لئے اسلام آباد سے بہتر کوئی شہر ہو ہی نہیں سکتا۔

مغرب کی اذانیں بلند ہوئیں اور اسی لمحے قیس کی گاڑی ایک پینٹ ہاؤس کے سامنے آ کر رکی۔اندر سے میوزک کی چنگھاڑتی آواز آ رہی تھی۔شوفر نے دروازہ کھولا تو قیس نے قدم باہر نکالے۔ گردن اٹھا کر عمارت کو دیکھا۔

کچھ وقت بعد وہ پینٹ ہاؤس کے اندر تھا۔نیلی سرخ جھلملاتی لائٹس کے درمیان ناچتے گاتے لڑکے لڑکیاں۔ایلیٹ کلاس کے جوان بچوں کے چونچلے تھے۔ قیس ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے کھڑا تھا۔اسکی نظریں متلاشی تھیں۔اور اسی پل ایک کونے میں اسے وہ نظر آئی۔

ماڈلز جیسی جسامت والی دبلی پتلی لڑکی۔ جس کے بال لمبے اور خوبصورت تھے۔وہ کسی لڑکے کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی تھی۔ہاتھ میں گلاس تھام رکھا تھا۔اس نے سفید گاؤن پہن رکھا تھا۔جس سے پنڈلیوں کے اوپر تک ٹانگیں نظر آتی تھیں۔سرخ ہیلز کے ساتھ سرخ ہی بیگ جھولی میں ڈالے بیٹھی انیسہ بختیار کمبیر۔

قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ آیا۔انیسہ کے قریب رک کر اس نے سامنے بیٹھے لڑکے کو دیکھا۔انیسہ اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔ قیس آج اسے زندہ نہیں چھوڑے گا یہ تو طے تھا۔اسکا سانس جہاں تھا،وہیں تھم گیا۔

قیس نے ایک نظر سارے لڑکے لڑکیوں کو دیکھا پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''میں اپنی بہن کو یہاں سے لے جانا چاہ رہا ہوں،کچھ وقت ساتھ گزارنا ہے۔آپ اسے پھر کبھی جوائن کر سکتے ہیں۔'' اسکی بات سنتے ہی سب نے مختلف الفاظ منہ سے نکالے تھے۔

شائستہ، سوبر، سلیقہ دار۔

اس نے شل کھڑی انیسہ کا ہاتھ اپنے بازو میں ڈالا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ کئی لڑکیوں نے اسے رشک سے دیکھا تھا۔

باہر آکر وہ انیسہ کے ساتھ پچھلی نشست پہ آکر بیٹھا تھا۔ نہ کچھ بولا نہ سنا بس خاموشی سی خاموشی تھی۔ انیسہ بار بار پہلو بدل رہی تھی ۔ گاؤن کو کھینچ کھینچ کر پنڈلیاں اور ٹانگیں ڈھکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ قیس سے اسے ڈر نہیں لگتا تھا۔ لیکن وہ اسکے سامنے جس طرح بیٹھی تھی وہ ناراض ہو سکتا تھا۔ اسکی جدوجہد دیکھ قیس نے اپنا کوٹ اتار کر اسکے گھٹنوں پہ ڈال دیا۔

چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر رخ باہر دوڑتی گاڑیوں کی طرف موڑ لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ گھر پہنچ گئے تھے، انیسہ کا کمرہ۔ بیڈ پہ بیٹھی وہ اور باہر سے ڈریس شرٹ میں ملبوس کمرے میں داخل ہوتا قیس۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے قریب آکر بیٹھا۔

"کیا وہ جگہ تمھارے جانے کے لائق ہے؟"

انیسہ کے ساتھ جڑ کر بیٹھا وہ نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ بس گردن جھکا دی۔

"کیا وہ لوگ، وہ ایلیٹ کلاس کے آوارہ لڑکے تمھارے لائق ہیں، کیا وہ اس لائق ہیں کہ انیسہ بختیار کمبیر انکے پہلو میں بیٹھے؟ یہ تو ایک آنر ہے ناں؟"

انیسہ نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکے چہرے پہ ڈھیر سارا کرب آن ٹھہرا تھا۔ قیس کہے گیا۔

’’انیسہ، تم اتنی نوبل ہو اتنی قیمتی ہو کہ میں تمہیں لفظوں میں تمہاری قدر نہیں بتا سکتا۔ کیا تم اس طرح اپنی ذات کو بے قدر کرنا چاہتی ہو؟‘‘ اب کے وہ نرمی سے اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔ انیسہ سر جھکائے روئے گئی۔

"یہ کلبز، یہ پارٹیز، یہ بوائے فرینڈز یہ وقتی تسلیاں اور دلاسے ہیں۔ یہ تمہارا escape mode ہیں۔ تمھیں قبولیت کے درجے پہ آنا ہے بیٹا۔ تمھیں نہیں لگتا یہ صحیح وقت ہے؟‘‘ وہ کب سخت چٹان سے موم بن جاتا تھا۔ پتہ کب چلتا تھا۔

اب کے انیسہ اسکے کندھے سے لگ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی۔ ڈھیر سارے آنسو بلند سسکیاں، کب سے جو ڈھیر سارا دکھ اندر سنبھال رکھا تھا وہ اب آنسوؤں کی صورت باہر نکل رہا تھا۔ قیس خاموشی اور نرمی سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ جیسے وہ کوئی دو سالہ بچی ہو۔ اسکی چھوٹی چچازاد اسکے لئے وہ آج بھی چھوٹی بچی تھی۔

’’مجھ سے نہیں ہوتا بھائی اب یہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ یہ گھر ابا چچا یہاں ان سب کے ساتھ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ ہر وقت کے مسائل میں نہیں دیکھ سکتی۔‘‘ وہ اسکے بازو سے لگی زور زور سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

’’چچا خود معذور ہیں، وہ میری ٹانگیں کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ ابا lounge lizard بن گئے ہیں۔ اور اب وہ مجھ سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ اس گھر میں کوئی قبول کرتا ہی نہیں کہ چند سال پہلے ایک طوفان آیا تھا اور ہمارا سب کچھ بہا کر لے گیا۔ کوئی ماننے کو تیار ہی نہیں کہ وہ کٹے ہوئے دھڑ اب جڑ کر سالم انسان نہیں بنیں گے۔‘‘

وہ اپنی رو میں کہے گئی۔ جبکہ قیس کے دل کو یہاں دھکا سا لگا تھا۔ اسکے بابا اسکے عظیم بابا اب کبھی اسکے سامنے کھڑے نہیں ہوں گے۔ اس کا دل ایک پل کو رکا تھا۔

"چچا چاہتے ہیں کہ وہ مجھے انکی پسند کے لڑکے سے باندھ دیں۔انکو قبول کرنا چاہیے کہ اب وہ ایک معذور مرد ہیں اور میں ٹانگوں پہ کھڑی لڑکی۔انکا مستقبل وہیل چیئر ہے اور میرا مستقبل ریس۔کیوں وہ میرے پیروں میں زنجیر باندھ رہے ہیں؟ کیوں وہ قبول نہیں کر لیتے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی۔اپنی مرضی کے گھر میں رہوں گی۔کیوں، قیس کیوں؟"

وہ ہچکیاں لینے لگی تھی۔اسکا سارا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔چیخ چیخ کر گلہ بیٹھ رہا تھا۔

"آپ مجھے سمجھیں، بھائی آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔میں ابا اور چچا کی مرضی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔میں سرے سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔مجھے بس یہاں سے اس گھر سے دور بھیج دیں کسی نئے ملک کسی نئی جگہ خدا کے لئے مجھے اس haunted house سے باہر نکالیں۔جہاں ہر ایک، ایک سے بڑھ کر ایک بڑی بلا ہے۔میں ان سب کے درمیان نہیں رہ سکتی میں مر جاؤں گی بھائی۔"

اسکے آنسو متواتر بہے گئے لیکن اب وہ خاموش ہو چکی تھی شاید گلا تھک گیا تھا۔یا پھر شاید گلہ کرتے کرتے تھک گئی تھی۔قیس چند پل خاموشی سے اسکے پاس بیٹھا رہا۔انیسہ بس سسک رہی تھی۔چند لمحہ بعد وہ خاموش ہو گئی تھی۔قیس نے نرمی سے اسے اپنے سے جدا کیا۔

انیسہ اب اپنی سرخ گیلی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔قیس بیڈ پہ سیدھا ہو بیٹھا۔یوں کہ ایک ٹانگ موڑ لی اور ایک بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی۔انیسہ اب کے پلنگ کے تاج سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔گھٹنے موڑ کے سینے سے لگا لئے تھے۔اسکی آنکھیں ویران تھیں، چہرہ کھنڈر۔

قیس نے نرمی سے اسکے دونوں ہاتھ تھام لئے۔اسی نے توان ہاتھوں سے پکڑ کر اسے چلنا سکھایا تھا۔وہ اس گھر میں ہر فرد کا باپ اور ماں تھا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟''نرم سا استفسار۔

''قبولیت۔''انیسہ نے کہا۔''میں قبولیت چاہتی ہوں، قیس۔آپ سب سے،آپ سب کو قبول کرنا ہو گا کہ میں کٹھ پتلی نہیں ہوں ۔آپ سب مجھے کھونٹے سے نہیں باندھ سکتے۔ابا مجھ پہ اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتے۔اور چچا میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ اور آپ، بھائی آپ اس ٹریجڈی کو قبول کریں جو برسوں پہلے ہمارا سب کچھ نگل گئی تھی۔''وہ جو غور سے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

آخری بات کرتے ہوئے انیسہ نے نظریں چرائیں تھیں۔قیس یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔یہ بچی تھی جسے ہاتھوں سے پالا تھا۔یہ اتنی بڑی کب ہو گئی؟

''اگر میں تمھیں وہ سب دے دوں جو تم چاہتی ہو تو تم مجھے کیا دو گی؟''قیس نے اسکے ہاتھ چھوڑے اور بازو سینے پہ لپیٹ لئے۔

''جو آپ مانگیں۔''

''میں تم سے وہی مانگوں گا جو تم نے مجھ سے مانگا ہے۔''

"کیسی قبولیت؟''وہ حیران ہوئی۔

قیس کی آنکھیں اب کے مختلف ہوئی تھیں۔سفاک اور سرد۔

''تمھیں قبول کرنا ہو گا کہ وہ lounge lizard تمہارا باپ ہے اور اب وہ ساری زندگی اسی طرح رہے گا۔ حاکم اور دقیانوس۔'' اسکی آواز میں کچھ تھا کہ انیسہ ٹھہر گئی۔

''وہ معذور آدمی ہمارے گھر کا بڑا ہے۔ میں بتیس سال کا ہو کر بھی اس معذور انسان کے سامنے مکمل طور پہ کھڑا نہیں ہوتا۔ تمھیں بھی نہیں ہونے دوں گا۔ یاد رکھنا۔'' اس نے جتایا۔

''میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ کوئی وہ معذور آدمی تمہاری ٹانگیں مفلوج نہ کرے لیکن تم یاد رکھنا میں تمھیں اسکی آنکھیں اندھی کرنے نہیں دوں گا۔''

انیسہ کا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ یہ وہ قیس نہیں تھا جس کے کندھے پہ سر رکھ کر وہ روئی تھی۔ یہ تو کندھے کاٹ کر پھینک دینے والا لگتا تھا۔

''میرے لیے میرا سارا خاندان اہم ہے انیسہ۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ ''نہ کوئی تمھارے ساتھ کچھ غلط کرے گا نہ تمھیں کسی کے ساتھ غلط کرنے دوں گا۔ آج کے بعد تم اس مسیح لڑکے سے نہیں ملو گی۔''

انیسہ ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکی۔ اسکی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''آپ۔۔ آپ کو۔ کیسے پتہ؟'' کئی لمحے بعد اسکے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

قیس اپنے سابقہ سنجیدہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"تمھارے ابا lounge lizard ہو سکتے ہیں۔ چچا معذور ہو سکتے ہیں۔ میں قیس ہوں اپنے خاندان کی باری آجائے تو میری چار آنکھیں اور دس ٹانگیں ہو جاتی ہیں۔ تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ قیس نے اپنی زندگی میں کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔" آنے والے وقتوں میں اسکی لفاظی خاک ہونے والی تھی۔

"جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ گھومنا چاہتی ہو گھومو۔ پیسہ اڑانا ہے اڑاؤ لیکن واپس اس گھر میں آنا ہو گا تمھیں۔"

"میں یہاں ایک بسمل ہوں، بھائی۔" انیسہ کی آواز زخمی لگتی تھی۔

"اس دنیا میں کون بسمل نہیں ہے؟" وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔ اس میں لوگوں کو لاجواب کرنے کا ہنر تھا۔

چند لمحہ اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ کمرے سے چلا گیا تھا۔ انیسہ نے تھک کر پلنگ کی پشت سی ٹیک لگالی۔ وہ اس گھر کی سب سے بے بس بسمل تھی۔



دن اپنی تمام تر روشنی کو کندھے پہ ٹنگی بوری میں سمیٹے ذات پہ چڑھے سارے اندھیرے آسمان پہ پھیلائے رخصت ہو چکا تھا۔ گوادر شہر پہ پچھلی رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ حاکم نواب کے گھر میں آج سناٹا تھا۔ ابا آج بشر کو لے کر کسی دوست کے یہاں گئے تھے۔ اماں ساتھ والے گھر گئی تھیں۔ اور دادی اس وقت اپنا ڈرامہ دیکھ کر رہی تھیں۔

جو واحد آوازیں آتی تھیں وہ گھر کی چھت سے آتی تھیں۔ کونج کی جوش سے بھری آواز اور تحمل سے اسکو جواب دیتی زینیا حاکم۔

"اچھا، زینی یہ بتاؤ وہاں سب سے ہینڈسم لڑکا کونسا تھا؟"

اسکی بات پہ تار سے کپڑے اتارتی زینیا کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ بے اختیاری سی کیفیت میں اسے وہ سبز آنکھیں یاد آئیں۔

اگلے ہی لمحے اس نے سر جھٹکا تھا۔

''ہینڈ سم تو نہیں لیکن ایک لڑکا تھا جسکی آنکھیں سبز تھیں۔ میں نے آج تک اتنی خوبصورت آنکھیں نہیں دیکھیں۔ اس آدمی کے پاس اگر یہ آنکھیں نہ ہوں تو وہ ادھورا لگے گا۔'' لہجہ عام تھا۔ بے حد عام۔ اسے اس مرد سے کسی قسم کی کشش نہیں محسوس ہوئی تھی۔ لیکن بس اسکی آنکھیں ذہن میں اٹک کر رہ گئی تھیں۔ ایسے جیسے کوئی تشنہ سی طلب۔

''Weirdo''اس نے ایک بار پھر خود کلامی کی۔

''کیا تمھیں وہ لڑکا پسند آگیا؟ کیا وہ اتنا خوبصورت تھا؟ تم نے اس سے بات کی کیا کہہ رہا تھا؟'' چارپائی پہ بیٹھی کونج کا بس نہیں چلتا تھا کہ زینیا کے حلق میں انگلی ڈال کر ساری بات اگلوا لے۔ اپنے جسم سے بڑے جوڑے میں ملبوس وہ کوئی کارٹون لگ رہی تھی۔

''بکومت۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے اچھا لگا، ہاں لیکن اسکی آنکھیں اچھی تھیں۔ میں ایک فوٹو گرافر ہوں میں چیزوں سے انکی خوبصورتی سے بہت جلد بور ہو جاتی ہوں۔ لیکن میں اسکی آنکھوں کی تصویر ایک ہزار بار لے سکتی ہوں۔ اللہ کی قدرت ہے بس۔''

وہ سرے کپڑے اتار کر کندھے پہ ڈالتی ہوئی چارپائی کی طرف آرہی تھی۔ کونج اسکی بات پہ سخت بدمزہ ہوئی تھی۔ چہرے کا زاویے بگاڑ لیے۔

''مطلب تمھیں وہ لڑکا نہیں بس اسکی آنکھیں اچھی لگیں وہ بھی اپنی فوٹو گرافی کے لئے؟''

''جی بلکل آپ کا خیال درست ہے۔'' زینیا مسکرائی۔

"اچھا زینی ایک بات پوچھوں ؟" کونج سنجیدہ ہوگئی تھی۔ زینیا کے ذہن میں فوراًالارم بجا تھا۔ وہ جانتی تھی اب کس کی بات ہو گی ۔اس نے کپڑے الگ الگ کرنا شروع کئے۔

"پوچھو؟" وہ چارپائی پہ رکھے کپڑے تہہ کرنے لگی تھی، گردن جھک گئی۔آنکھیں سخت ہوگئی تھیں۔ کونج نے ایک محتاط نظر اسکو دیکھا۔ گلہ تر کیا۔ وہ زینیا حاکم تھی اس سے بات کرنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑتا تھا۔

"کیا تم عبداللہ سے محبت کرتی ہو؟ کیا اس نے تمہارا دل توڑا ہے؟ کیا اب تم اسکا انتظار نہیں کرتی؟" اس نے ایک ہی سانس میں سارے سوال پوچھ لئے تھے۔ اور اب زرا ذرا خفت سے اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

زینیا کے دل پہ جیسے کچھ نوکیلا آ کر لگا ہو۔ چند روز قبل ہونے والی فون کال پھر سے یاد آ گئی۔

"مڈل کلاس لڑکیوں کو محبتیں نہیں مسائل ہوتے ہیں۔ اور ان سب مسائل کے درمیان، عبداللہ میرا کمفرٹ تھا۔" اسکی آنکھیں چارپائی پہ رکھے کپڑوں پہ ٹکی تھیں۔

"مجھے عبداللہ سے کبھی محبت نہیں رہی۔" وہ بے حد ہلکی شکستہ آواز میں بولی تھی۔

"عبداللہ میرا کمفرٹ زون تھا۔ میں اسکے نام کے ساتھ used to ہو گئی تھی۔ زینیا کا نام آئے گا تو عبداللہ کا نام ضرور آئے گا یہ یقین تھا۔"

وہ ایک پل کو رکی تھی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔ عبداللہ اسے رلاتا تھا۔

''اس نے میرا دل نہیں توڑا کونج اس نے بس مجھے ڈسٹرب کر دیا ہے۔اس نے مجھے غیر آرام دہ کیا ہے۔ شاید یہ دل ٹوٹنے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے جیسے وہ ہر بوجھ سے خالی ہوں۔ لیکن دل کا کیا؟ جس پہ منوں کے حساب سے بوجھ لدا تھا۔

''آدھی زندگی اس جھوٹ کے ساتھ گزر گئی کہ عبداللہ آئے گا۔اب باقی کی آدھی زندگی کا سچ قبول نہیں ہو رہا۔''

وہ اب بھی کپڑے تہہ کر رہی تھی انداز میں سستی تھی۔ یا شاید اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

کونج آزردگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔'' کیا تمھیں اب اسکا انتظار نہیں ہے؟''

اور اس بات پہ زینیا کے دل کو دھکا لگا تھا۔اس نے دانتوں پہ زور دے کر خود کو رونے سے باز رکھا۔ عبداللہ اسے کمزور کر دیتا تھا۔

کئی پل خاموشی کھا گئی۔ کئی لمحے چپ کی نذر ہوئے۔

''میری خواہش ہے کہ وہ پلٹ آئے۔''

''تاکہ تم اسے معاف کر سکو؟''

''تاکہ میری ناک اونچی ہو سکے۔'' وہ مشینی انداز میں بولی۔'' میں چاہتی ہوں وہ واپس آئے کوئی ایسا وقت آئے جب وہ مجھے پکارے اور میں نہ جاؤں۔ وہ مجھ سے التجا کرے اور میں رد کروں، مجھے دیکھنا چاہے میں اسے دکھائی نہ دوں، مجھے سننے کی آس رکھے اور میں اسے سنائی نہ دوں۔ میں نے کہا ناں مجھے اس سے محبت نہیں ضد ہے۔''

کونج اسے دیکھ کر رہ گئی۔ بولی کچھ بھی نہیں۔

''اگر کبھی عبداللہ تمھارے سامنے آ گیا تو کیا تم اسے پہچان لو گی۔؟ آفٹر آل تم نے اسکی آواز سن رکھی ہے۔''

''میں اسے نہیں پہچان سکتی۔ عبداللہ اور میری بات کے وقت اس نے انکرپٹڈ وائس استعمال کی تھی۔ اسے لگا تھا مجھے دھوکہ دے دے گا۔ لیکن زینیا حاکم کو دھوکے نہیں وجدان ملا کرتے ہیں۔''

''تمھیں کیسے معلوم اس نے انکرپٹڈ وائس استعمال کی تھی؟''

زینیا نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اپنی منگیتر سے بات کرتے ہوئے اسکا لہجہ جتنا مشینی تھا۔ اس سے اندازہ لگایا۔''

''پھر تم اگر، عبداللہ سے کبھی ملی تو اسے کیسے پہچانو گی؟'' اسے تجسس ہوا۔

''اسکی vibe سے۔''

''اور اسکی vibe کیسی ہے؟'' ترنت سوال ہوا۔

''عبداللہ کی وائبز انتقامی ہیں۔ میں اسے اسکے انتقام سے پہچان لوں گی۔ اس نے دعوی کیا۔''

''تم اس سے ملنا چاہتی ہو؟ اگر ہاں تو کیوں؟'' یہ چھوٹی بہنیں اتنے سوال کیوں کرتی ہیں؟

ایک لمحے کے لئے زینیا تھم گئی۔ عبداللہ کی آبائی حویلی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اس نے لاکھوں مرتبہ عبداللہ کو اپنے ساتھ اس حویلی میں تصور کیا تھا۔ اس حویلی میں عبداللہ کے ساتھ سفید چاند دیکھتے ہوئے چائے پینے کی خواہش کی تھی، آئینے میں اسکے ساتھ کھڑے ہونے کی تمنا کی تھی لیکن ان سب تمناؤں پہ وہ تیل چھڑک کر آگ لگا چکا تھا۔

''میں اس سے ملنا چاہتی ہوں تا کہ میں اس سے اپنی ناقدری انتقام لے سکوں۔'' زینیا نے کپڑے ہاتھ میں اٹھائے اور نیچے جانے کو قدم موڑے اس نے ابھی نیچے جاتے پہلے ذینے پہ قدم رکھا تھا جب عقب سے کونج کی آواز آئی۔

"اور معافی؟ کیا تم اسے معاف نہیں کرو گی۔"

زینیا ایک پل کو رکی۔ کپڑوں پہ گرفت سخت ہوئی۔ دل میں جھکڑ چلنے لگے۔

''زینیا مر جاتی ہے معاف نہیں کرتی۔''

اسکے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ وہ چلی گئی تو کونج نے گہری سانس لی۔ وہ بھی اپنی بہن سے کیا امیدیں لگا رہی تھی محبت، شادی ، گھر بار، یہ عام لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہیں۔ وہ تو زینیا حاکم تھی۔ ان سب چیزوں سے دور ایک کیریئر فوکسڈ، embitiousاور سخت محنت کرنے والی۔

وہ مختلف تھی۔ اسی لے تو کونج کی آئیڈیل تھی۔ اسے اس وقت اپنی بہن پہ فخر محسوس ہوا۔ کاش وہ اسکے جیسی بن پاتی۔ دل میں لاکھوں بار دہرائی جانے والی خواہش ایک بار پھر دہرائی۔

☆☆☆

شیشے کی چوکور عمارت قیسم میں آج معمول سے ہٹ کر ہنگامہ آرائی تھی۔ یوں لگتا تھا یہاں ملک کے نامور فیشن ڈیزائنرز نہیں بلکہ چھوٹے چوٹھے بازاروں کے دکاندار آ گئے ہوں۔ شور، الزام تراشی، بے بسی، بے یقینی، یوں لگتا تھا جیسے کسی کی متاع حیات لوٹ لی گئی ہو۔ ایک ڈیزائنر کے لیے اسکا کام متاع حیات ہی تو ہوتا ہے۔

دوسری منزل پہ واقع سٹوڈیو جہاں کئی سارے مجسمے تھے۔ جہاں ہر ڈیزائنر اپنے کام کو آخری ٹچ دیتا تھا۔ وہ سٹوڈیو اس وقت صدمے کی زد میں تھا۔ وجہ؟ کیا ہو سکتی ہے بھلا؟

ایک رات قبل واصف منیر کی چوری ہو جانے والی اسکیچ بک۔ سٹوڈیو سے ملحقہ واصف کے چھوٹے کوزی آفس میں اس وقت ہر جگہ کاغذات بکھرے تھے۔ دراز کھلے ہوئے تھے۔ ڈبے پھاڑ کر یہاں وہاں پھینک رکھے تھے۔ پینٹنگز، پودے، آرائشی سامان ہر شے فرش نشین ہو رکھی تھی۔ واصف اس وقت اپنے آفس میں نہیں تھا وہ ساتھ والے سٹوڈیو میں تھا۔ چلا چلا کر اسکا گلا بیٹھا جاتا تھا۔

''تم لوگوں نے ہی اٹھایا ہوگا۔۔ تم لوگوں نے برباد کیا ہے مجھے۔۔ وہ میری زندگی بھر کی کمائی تھی۔۔ چار سال لگے ہیں مجھے اس ایک اسکیچ بک پہ شاہکار بنانے میں۔'' وہ کوئی اٹھائیس انتیس برس کا خوبرو مرد تھا۔ اسکا چہرہ سرخ تھا آنکھیں بے رونق۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی مر جائے گا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا مر جائے۔

چند لوگ اسے سنبھال رہے تھے چند چڑھ دوڑے تھے۔ وہ ملک کے نامور ڈیزائنرز تھے کوئی گرے پڑے نہیں۔ جو چوریاں کرتے پھریں۔

"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ میں ایک ایک پہ ایف آئی آر کروں گا۔ تم لوگ ابھی مجھے جانتے نہیں ہو۔ واصف منیر ہوں میں۔'' وہ ایک بار پھر بھرے ہوئے سٹوڈیو میں غرایا تھا۔ انگلی اٹھا کر ایک ایک کو وارن کرتا وہ کوئی جنونی لگ رہا تھا۔

''اس ملک میں اس انڈسٹری میں میرا ایک نام ہے۔ میں برباد ہوا تو تم سب کو برباد کروں گا۔''

''قیسم میں کسے آباد کرنا ہے اور کسے برباد یہ میں طے کرتا ہوں۔''

اس بھاری رعب دار آواز پہ سارا شور تھم گیا تھا۔ نظریں اٹھیں تو وہ نظر آیا۔ نیوی بلیو سوٹ میں ملبوس بالوں کو اچھے سے سیٹ کیے وہ نک سے سے تیار چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ آنکھیں سنجیدہ، چہرہ سپاٹ۔

''یہاں بلند آواز صرف میری ہو گی، کسی اور کی ہوئی تو اسے دبانا آتا ہے مجھے۔''

وہ آرہا تھا سنجیدہ چہرے اور سپاٹ تاثرات کے ساتھ۔ اسکے قدم کبھی عتاب ہوتے تھے تو کبھی کذاب۔ وہ اپنے ساتھ طوفان بھی لاتا اور انکو روکنے کے اسباب بھی۔ کبھی وہ سمندر کی مانند پر سکون ہوتا تھا اور کبھی اندھیرے کی بارش کی مانند کڑک دار۔ وہ ایک شخص تھا چہرے پہ کئی مکھٹ سجا رکھے تھے۔ ہر مکھٹ کے پیچھے ایک نیا چہرہ۔ لیکن کیوں اسکے کسی انداز سے نفرت نہیں ہوتی تھی؟

''باس میری اسکیچ بک، وہ میرا کیریئر تھی۔ میری زندگی۔''

واصف منیر بے قراری سے آگے آیا تھا۔ اسکی آنکھیں کسی بھی پل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے کو تیار تھیں۔ وہ بے چین تھا۔

''میں برباد ہو سکتا ہوں۔ تین سو ڈیزائن میرے تین سو ڈیزائن۔ میرے شاہکار۔ اوہ خدایا یہ کیا ہو گیا۔ باس پلیز باس کچھ کریں۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔'' اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ سخت مضطرب تھا۔ اسکی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

قیس نے ایک طائرانہ نگاہ سارے لوگوں کو دیکھا۔ اسکی آنکھیں اسکین کر رہی تھیں۔

''تین سو ڈیزائن؟ لیکن میں نے تو تمھیں ایسا کوئی کام دیا ہی نہیں۔''

وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اسکی اس بات پہ واصف کی رنگت سفید پڑی تھی۔ قیس ایک لڑکی کو دیکھ رہا تھا ۔وہ قیس کو سننے کی بجائے تیز تیز موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔

''تم میری طرف سے ان دنوں بی قیو پراجیکٹ پہ کام کر رہے تھے۔ جس میں تمھیں صرف اور صرف پندرہ ڈیزائن دینے تھے۔ جو کہ تم دو دن پہلے دے چکے ہو۔'' اس نے اشارے کے ساتھ پاس کھڑی ایک لڑکی کو بلایا۔ لڑکی اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"''میں۔؟'' وہ اچھنبا لئے آگے آرہی تھی۔ اور قیس اب بول رہا تھا۔

''میرے پاس تمہارے وہ پندرہ ڈیزائن باحفاظت موجود ہیں پھر تم کن ڈیزائنز کی بات کر رہے ہو؟'' وہ اسکی طرف نہیں مڑا۔

''اپنی لپسٹک کم کر آیا کرو اتنے گہرے رنگ میرا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔'' آخری بات اس نے اسی لڑکی سے کہی تھی۔ اسکا چہرہ ہتک سے سرخ ہوا تھا۔ ساتھ کھڑے واصف کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔

''مم۔۔ میں آپ کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔ میں نے بس۔۔۔''

''کیا تمھیں کسی پہ شک ہے؟'' قیس اب کے مکمل طور پہ اسکی جانب متوجہ تھا۔ اسکے لہجے میں کوئی پر اسراریت نہیں تھی۔

واصف نے تھوک نگلا۔ چہرے پہ بہ دقت نارمل تاثرات رکھے۔

''مجھے کسی پہ شک نہیں۔ بس اگر آپ میرے لئے سی سی ٹی وی اور سیکورٹی کے دروازے کھول دیں تو۔۔''

''کیا تمھیں واقعی کسی پہ شک نہیں؟'' قیس نے اسکی بات کاٹی تھی۔اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں بغیر کسی رعایت کے بغیر کسی لچک کے۔

''آپ کل رات وہاں جاتے دکھائی دیے تھے۔''

وہ بامشکل بول سکا۔'' آپ محتاط تھے اور آپ کے ہاتھ میں گن بھی تھی میں بس یہ کہنا چاہ رہا ہوں۔۔۔۔''

''کیا تمھیں مجھ پہ شک ہے؟'' اس نے واصف کی بات کاٹی۔

''ننہ۔نہیں سر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔میں بس آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا وہاں کوئی تھا؟ کیونکہ وہاں کوئی سی سی ٹی وی نہیں ہے۔میں انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیج چیک کرنا چاہتا ہوں۔شاید کوئی سراغ مل جائے۔میری محنت ہے باس میں نے کئی سال لگائے ہیں اس ایک اسکیچ بک پہ۔''

قیس اسکے قریب آکر رکا۔سیاہ سنجیدہ آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''ایک ہفتہ ہے تمھارے پاس ڈھونڈ لو تو جو تمہارا دل چاہے۔اور اگر نہیں ڈھونڈ سکے تو جو قیس کا دل چاہے۔مجھ سے لے کر میرے مرے ہوئے باپ تک شک کرو۔مجھ تک بندہ لاؤ۔اور پھر جو تمہارا دل چاہے۔'' وہ کہہ کر مڑا تھا۔واصف کی جان میں جان آئی۔قیس ابھی دروازے پہ تھا جب واصف کی آواز پہ رکا۔

''کل رات جب آپ وہاں گئے تو کون تھا؟''

وہ ایک بلی تھی۔ وہ ترنت بولا۔ قیس نے واقعی سچ کہا تھا۔ چند پل دروازے پہ جمے رہنے کے بعد وہ مڑ گیا تھا۔ اسکے جاتے ہی ایک بار پھر ہڑ بڑی مچ گئی۔

اسے جلد از جلد اپنا کام کرنا تھا۔ کیونکہ اگر نہیں کر سکا تو جو قیس کا دل چاہے۔



☆☆☆

گوادر پورٹ پاکستان کا بہت بڑا تجارتی پورٹ ہے۔ یہاں سے کئی ملکوں کے ساتھ تجارت کی جاتی ہے۔ گوادر پورٹ پاکستان کے تجارتی کام کے لئے سونے کا انڈا تھا۔ یہاں ہر دن کئی بحری جہاز آ کر رکتے اور کئی کسی دوسرے ملک نئی ہواؤں میں بھیجے جاتے۔

نیلے سمندر کے سینے پہ اس وقت کئی بڑے بڑے بحری جہاز کھڑے تھے۔ سمندر تک جانے کے لیے کئی جگہ راستے بنائے گئے تھے ۔ گوادر کے نوے فیصد سے زیادہ لوگوں کا پیشہ ماہی گیری ہوتا ہے۔ اس وقت بھی کئی ماہی گیر اپنے اپنے جال سمیٹے اپنے کام کو جارہے تھے۔ ایسا ہی ایک بحری جہاز اس پہر سمندر کا سفر کرنے کو تیار تھا۔

مہدی کمبیر کا گروپ سمندر کی ریت پہ قدم دھرے ہوئے تھا۔ بس تھوڑی ہی دیر میں اس جہاز کا کپتان آ جاتا اور پھر شروع ہوتا سمندر کا سفر، نیلا پانی، لہریں، موجیں اور آس پاس کے پہاڑ ایسا نظارہ کسی انسان کو اگر مل جائے تو دنیا جنت ہے۔

زینیا حاکم نے آج کاسنی رنگ کا لگھا پہن رکھا تھا۔ یہاں مرد زیادہ تھے سو اس نے دوپٹے سے ہی نقاب کر رکھا تھا۔ بلوچستان کے چھوٹے گاؤں اور چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ اپنے رسم و رواج کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ مہمان نواز اور ملنسار لوگ۔

یہاں کے گاؤں دیہات میں عورتوں کو بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بلکہ کچھ برس پہلے تک تو لوگ اپنی بچیوں کو پانچویں یا آٹھویں تک پڑھانے کے بعد یا تو گھر بٹھا لیتے تھے۔ یا پھر شادی کرادیتے تھے۔ بلوچستان میں آج بھی چائلڈ میرجز کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ وجہ یہاں کے لوگوں کی تعلیم و شعور سے دوری ہو سکتی ہے۔ لیکن جدید دور اور تعلیم کا بڑھتا رجحان لوگوں کی سوچ تبدیل کر رہا ہے۔ اب والدین اپنے بچوں کو اچھے مستقبل کی خاطر بڑے شہر بھی بھیج دیتے ہیں، اور شہر، قصبوں بلکہ گاؤں کی عورتیں بھی زندگی کی ریس میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ پڑھائی کے مواقع، اور بہتر مستقبل کی کوشش میں جتی ہیں۔ بلوچستان واقعی بدل رہا ہے۔

زینیا اس وقت گروپ کے تمام لوگوں کی اکھٹی تصاویر اتار رہی تھی۔ ذرا فاصلے پہ کھڑے بحری جہازوں کے ساتھ لڑکے لڑکیاں یوں پوز بنا رہے تھے جیسے وہ گر رہے ہوں اور جہاز نے سہارا دے دیا ہو۔

کسی نے یوں پوز بنایا تھا کہ جہاز کو ایک انگلی اور انگوٹھے کے درمیان سے پکڑ کر سمندر کی سطح پہ رکھ رہا ہو۔ مہدی ان لوگوں سے ذرا الگ تھلگ کھڑا تھا۔ ریت کے اوپر بچھی ہوئی دری کے اوپر چائے اور تھرماس رکھا تھا۔ اور یہ آدمی آدھا تھرماس خالی کر چکا تھا۔ پس منظر میں کلاسک موسیقی بج رہی تھی۔

''سب کچھ سیکھا ہم نے نہ سیکھی ہوشیاری۔'' راج کپور کی فلم کے پرانے گانے۔

باقی لوگوں نے اب تصاویر کے لیے بس کہہ دی تو زینیا نے ایک بار پھر مہدی کو دیکھا۔ کیا کرے وہ اس آدمی کا ہر دن یہ ٹف ٹائم دیتا تھا۔ کیا ہوا گر تصاویر کھنچوا لے اور اسکے بعد چاہے جو مرضی کرے۔ لیکن زینیا یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زچ نہیں کر رہا اس نے دنیا کے ایسے ایسے نظارے دیکھے تھے کہ اب وہ ہر چھوٹی چھوٹی جگہ تصاویر کھنچوانا بورنگ سمجھتا تھا۔

بشر زینیا کے عقب میں کھڑا تھا۔ اسے فون پہ فون آئے جا رہے تھے۔ اسکا کام بھی تو ایسا تھا۔ ہول سیل ریٹ میں آنے والا آٹا اسکے گودام میں آتا تھا۔ اور پھر یہاں سے شہر کے چھوٹے بڑے دکانوں اور ڈھابوں پہ جاتا تھا۔ ہر بوری پہ بیس تیس روپے کا فائدہ ہوتا تھا۔ لیکن اصل کام وصولی کا تھا۔ ہوٹل مالکین اور دکاندار وقت پہ پیسے نہیں دیتے تھے۔ اور بشر کا کام مزید بڑھ جاتا تھا جیسے اس وقت بڑھا ہوا تھا۔ وہ فون پہ بکتے جھکتے فاصلے پہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں BTS شوٹ کرنے لگا ہوں۔ مس، زینیا آپ اب مہدی کی پکچرز لیں گی۔'' یہ آواز سعد کی تھی۔ مہدی کے گروپ کا پچیس سالہ امیر باپ کا لڑکا۔ فاصلے پہ ہونے کے باوجود بشر نے اسکی آواز باخوبی سنی تھی۔ مٹھیاں بھینچ گئیں۔ گردن کی نسیں ابھر کر واضح ہوئیں۔

''آپ BTS شوٹ نہیں کر سکتے۔ یہ میرے معاہدے میں نہیں ہے۔'' زینیا متانت سے بولی تھی۔ اب کے مہدی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا تھا۔ چائے کا مگ ہاتھ میں ہی تھا۔ بشر بھی کال کاٹتے ہوئے اسی جانب آ رہا تھا۔

''یہ کیسا معاہدہ ہے؟ میں ہر دفع ہر ٹرپ پہ BTS شوٹ کرتا ہوں۔ انسٹا پہ میرے ڈیڑھ لاکھ فالوورز ہیں ان سب کو میری ویڈیوز کا انتظار ہے۔ تم اگر شوٹ نہیں بھی کروانا چاہتی تو میں کروں گا۔'' وہ گویا ضد پہ اڑ گیا تھا۔

مہدی اور باقی سب اب زینیا اور سعد کو دیکھ رہے تھے۔ ایک پل کے لیے بشر کے جی میں آیا تھا کہ ابھی دو ہاتھ کر کے اس لڑکے کو سیدھا کر دے لیکن پھر وہ رک گیا۔ زینیا اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنے بھائی کی موجودگی میں کیا کہتی؟ اسے بس اپنے بھائی کی موجودگی خاموش کیے ہوئے تھی۔

گروپ کے لوگ اب سعد سے بات کر رہے تھے۔ بس ایک مہدی تھا جو چپ چاپ سب کو دیکھے گیا۔

بشر آگے آیا زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ سنہری بااعتماد آنکھیں۔ کیا وہ اس لڑکی کو دوسرے شہر بھیجنے جیسی جرات کر سکتا تھا؟ کیا یہ لڑکی اسکے لائق ہے؟ گروپ کی باتیں سعد کو سمجھاتے اور کچھ بھڑکاتے ہوئے لوگ۔ ان سب کے درمیان دو بہن بھائی تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بہن کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

“Let me handle this...”

نہ کسی نے سوال کیا نہ کچھ بات کی۔ بھائی نے محض ایک بار اپنی آنکھیں جھپکیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔

”بولو زینیا حاکم۔“

وہ ٹھہر گئی۔ یقین نہیں آتا تھا۔ اس نے سینے پہ انگلی رکھ کر ایک بار پھر یقین دہانی چاہی۔ ”واقعی؟“

بشر اب بھی کچھ نہیں بولا ایک بار پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔ اب کے وہ مڑی تھی۔ ان لوگوں کی جانب جو اسے گرا رہے تھے۔ اسکے عقب میں بشر کھڑا تھا۔ آپ کے گھر کا مرد اگر آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو غیر مرد کبھی گرا نہیں سکتے۔

"bTS شوٹ نہیں ہو گا۔ہاں اگر آپ کو مسئلہ ہے تو آپ اپنے لئے کوئی دوسرا فوٹو گرافر ارینج کر سکتے ہیں۔" وہ بازو سینے پہ لپیٹے ہوئے تھی۔آنکھوں میں مان تحفظ جیسا جذبہ نہیں تھا۔آنکھیں کسی ملکہ بد کی آنکھیں لگتی تھیں۔

"ہاو ڈیئر یو، تم مجھے ناں کہہ رہی ہو۔تم کہہ رہی ہو تم میری تصویریں نہیں لو گی؟" وہ بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے ناں کہو اس سے پہلے میں تمھیں یہاں سے نکالتا ہوں۔آج اور ابھی سے تم ہماری فوٹو گرافر نہیں ہو۔اپنا سامان اٹھاؤ اور جاؤ یہاں سے۔گاؤ دی۔۔۔" آخری لفظ میں حقارت تھی۔

زینیا مسکرائی تھی۔"یہاں سے تو مجھے "میں" بھی نہیں نکال سکتی۔ہمارے معاہدے کی شق نمبر تیئیس میں صاف صاف لکھا ہے کہ ان تین دنوں کے لیے آپ میرے علاوہ کسی اور فوٹو گرافر کو نہیں بلا سکتے۔شق نمبر بائیس میں، میں نے اپنے بیس ہزار قربان کر کے صرف اور صرف چالیس ہزار پہ معاہدہ کیا ہے۔کیونکہ میں bts نہیں شوٹ کروا سکتی۔میں یہاں آنے کی قیمت ادا کر کے آئی ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں جتا رہی تھی۔مہدی اسے بولتے دیکھ مسکرایا تھا۔چائے کے سامنے اسے دنیا نہیں دکھتی تھی۔لیکن یہ لڑکی اور اسکی باتیں، چلو چائے کو ٹال دیا جائے۔

"تم مجھے جانتی ہو میرے باپ کو جانتی ہو؟"

"میں اپنے باپ کو جانتی ہوں۔" زینیا نے اسکی بات کاٹی۔"اور میرا باپ کہتا ہے۔مجھ جیسی ڈھیٹ اس دنیا میں، میں ہی ہوں۔آپ مجھے نہیں نکال سکتے۔ہاں آپ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے لیے اس بیابان میں نیا فوٹو گرافر ڈھونڈ لیں یا پھر اپنے پاپا کو کال کر لیں۔"اس نے پاپا پہ زور دیا تھا۔

''جو جو مجھ سے تصاویر نہیں کھنچوانا چاہتا۔ وہ انکے ساتھ یہیں کھڑا رہے باقی میرے ساتھ جہاز تک آئیں۔ زیادہ وقت نہیں ہے سورج غروب ہو جائے گا۔'' وہ بول کر مڑ گئی تھی۔ مہدی نے دلچسپی سے اسے جاتے دیکھا۔ بشر نے سکون سے۔

وہ یہاں نمٹ سکتی تھی۔ وہ کہیں بھی نمٹ سکتی تھی۔ اسکا دل ہلکا پھلکا ہونے لگا۔

☆☆☆

''اچھا آج آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ کا آئیڈیل کون ہے اور کیوں ہے؟''

فرسٹ ائیر کی کلاس میں آج میڈم بشری نے ایک نیا موضوع ڈھونڈ نکالا تھا۔ سفید وردی اور گلابی دوپٹوں والی لڑکیاں یکدم پرجوش ہو گئی تھیں۔ میڈم بشری صاف ستھری رنگت اور فربہہ جسم والی عورت تھیں۔ کرسی پہ بیٹھی وہ مسکراتے ہوئے ایک ایک لڑکی سے انکا آئیڈیل جاننا چاہتی تھیں۔

''آپ بتائیں مسکان آپ کا آئیڈیل کون ہے اور کیوں؟''

دبلی پتلی مسکان اپنی جگہ پہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میم میرے آئیڈیل علامہ اقبال ہیں۔ جس طرح انہوں نے مسلمان قوم کے اندر شعور جگایا، انہیں بتایا کہ کیسے اور کس طرح سے وہ ایک غلام قوم بنتے جا رہے ہیں۔ میں بھی اپنی زندگی میں انکے جیسا بڑا کام کرنا چاہتی ہوں۔''

''شاباش بچے اللہ آپ کو ہمت دے۔'' میڈم نے حوصلہ افزائی کی تھی۔

"کونج حاکم آپ بتائیں آپ کا آئیڈیل کون ہے اور کیوں ہے؟"

سانولی رنگت اور مڑی ہوئی پلکوں والی کونج اٹھی تھی۔ ساری کلاس اسے دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں بھاری بھاری تقریریں تھیں۔ لیکن زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔ آہ یہ دیسی لڑکیوں کا کم اعتماد ہونا۔ کیا کر لیں گے لوگ، کیا انکے سامنے بولنے سے ہم کسی اور دنیا کے انسان ہو جائیں گے؟

"کونج بیٹا کیا ہوا؟ کیا آپ کا کوئی آئیڈیل نہیں ہے؟" میڈم نے ایک بار پھر نرمی سے پکارا۔ کونج نے بہت سارا تھوک نگلا، الفاظ مجتمع کیئے۔

"میری آئیڈیل میری بہن ہے۔" وہ ہلکی آواز میں بولی۔ "زینیا حاکم۔" اس نے اضافہ کیا۔ "مجھے اگر کبھی زندگی میں کچھ بننے کا موقع ملا تو میں اسکے جیسی بننا چاہوں گی۔ میں اسے فالو کروں گی۔ اسی کی طرح زندگی کے فیصلے کروں گی۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی ۔الفاظ بے ترتیب تھے۔ اسے پسینہ آ رہا تھا یوں لگا تھا لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔

اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ گلہ خشک ہو رہا تھا۔ ساری کلاس کی نظریں اپنے اوپر پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کاش وہ زینیا سے اسکے کپڑوں، جوتوں کو چھوڑ ذرا سا اعتماد لے سکتی۔

"آپ کی بہن، زینیا حاکم؟ آپ انکے جیسی کیوں بننا چاہتی ہیں۔ انکے پاس ایسا کیا ہے؟"

کونج نے اس وقت خود کو ڈھیروں ڈھیر گالیاں دے دی تھیں۔ آخر اس نے منہ کھولا ہی کیوں؟ اب کیا بتائے گی؟ اسکے پاس سمجھانے کو الفاظ کہاں تھے رو دینے جیسی آنکھوں اور تالو سے چپکی زبان کو کھول کر اس نے کہنا شروع کیا۔

"میری بہن بہت الگ ہے میم۔ ساری دنیا سے الگ۔ وہ لوگوں کو اپنا فائدہ اٹھانے نہیں دیتی۔"

("تم نے ایک بار پھر اس لڑکی کو اپنے نوٹس دے دیے کونج؟ تم جانتی ہو ناں وہ بس تمہارے ناں نہیں بول پانے کا فائدہ اٹھا رہی ہے؟" زینیا اس سے سختی سے استفسار کر رہی تھی۔ کونج نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"میں کیا کروں زینی؟ اس نے مجھ سے میرے نوٹس مانگے اور میں منع نہیں کر سکی۔ اس نے کہا تھا وہ جلدی واپس کر دے گی۔ اور میرے نوٹس پہ بس غلطی سے چائے گری تھی۔" زینیا نے ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"دنیا میں اگر بے وقوفوں کے نام کا کوئی تمغہ ہوتا۔ تو اسے کونج حاکم کے حوالے کیا جاتا۔" وہ تاسف سے بولی۔)

"وہ لوگوں کی چالوں میں نہیں آتی۔ اور اگر آجائے تو اسکے بعد چالیں انہی لوگوں پہ الٹ دیتی ہے۔"

("تو تم مجھے یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ تمہاری کلاس فیلوز نے اپنے لیے بات کرنے کو تمھیں آگے کیا۔ لیکن اسکے بعد وہ سب پیچھے ہٹ گئیں؟ اور تم اکیلی میڈم کے آفس تک گئیں۔؟ براوو کونج براوو۔" زینیا کا بس نہیں چلتا تھا اسکا گلہ گھونٹ دے۔ اسکا چہرہ تپ رہا تھا۔ تنفس تیز ہو رہا تھا۔

"زینیا تم آخر سمجھ کیوں نہیں رہیں؟ ہاں میں جانتی ہوں ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا، لیکن میں اب کیا جاہلوں کی طرح ان سے لڑنے لگ جاتی؟ اور ویسے بھی میں نے انکو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ سب سمجھ گئیں۔ کہ مجھے انکی حرکت بری لگی ہے۔"

زینیا نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"لفظوں کا مقابلہ تاثرات نہیں کر سکتے۔ تمھیں انکو کنفرنٹ کرنا چاہیے تھا۔نہ کہ خاموشی سے واپس آجانا چاہیے تھا۔کوئی تمھارے ساتھ غلط کرے تو اپنے منہ سے بتاؤ کہ اس نے غلط کیا ہے۔"

"...it's embarrassing" وہ ہلکی آواز میں بولی۔

"...No it's confronting" اسکی آواز مستحکم تھی۔)

"وہ خاندان میں پر فیکشنسٹ مشہور ہے۔عام لڑکیوں کی طرح اسکا دن ڈرامے اور میک اپ ویڈیوز دیکھتے ہوئے نہیں گزرتا۔بلکہ اسکا سارا دن نت نئی زبانیں سیکھنے اور مشینیں جوڑنے میں گزرتا ہے۔وہ الگ ہے بے حد الگ۔"

("زینی اکبر چچا چائنہ سے تمہاری آٹو میٹک ہیٹ گن لے آئے ہیں۔اماں کے پاس رکھی ہے لے لو۔"کمرے کے پلنگ پہ بیٹھی کونج الماری میں منہ دیئے کھڑی زینیا سے کہہ رہی تھی۔

"ویسے عجیب ہو تم۔لڑکیاں دوسرے ملکوں سے میک اپ منگواتی ہیں اور تم جدید مشینری سامان۔"کونج نے کہتے ساتھ برا منہ بنایا۔زینیا نہیں پلٹی الماری میں کپڑے جوڑ جوڑ کر رکھتی وہ مصروف تھی۔

"پچھلی بار میک اپ ہی منگوایا تھا۔اس بار ان چیزوں کی ضرورت تھی۔نہ وہ لڑکیاں بری ہیں جنہیں میک اپ پسند ہے۔اور نہ وہ لڑکیاں نیک ہیں جنہیں میک اپ نہیں کرنا آتا۔"

"ایک لفظ ہے "مختلف" ہر لڑکی بس وہی ہے۔"وہ اب پیچھے ہٹ کر ٹھہر گئی تھی۔ستائش سے اپنے رکھے کپڑے اور سامان کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ملتا ہے تمھیں یہ ساری چیزیں جوڑ جوڑ کر رکھنے سے؟"

"مجھے میری چیزیں وقت پہ ملتی ہیں۔"اس نے جتایا۔

"میں تو خوف سے تمہاری سائیڈ کی الماری بھی نہیں کھولتی۔ کہیں میرے کھولنے سے ہی خراب نہ ہو جائے۔"

"اماں کہتی ہیں جانور بھی اپنی جگہ صاف کر کے بیٹھتا ہے۔" زینیا اسکی الماری کا دروازہ کھول کر کچھ جتا رہی تھی۔

"شکر ہے میں انسان ہوں۔"کونج نے سکھ کا سانس لیا۔)

"وہ جب بات کرتی ہے تو سب سنتے ہیں۔اسے بات کرتے ہوئے دس بار دل پہ ہاتھ رکھ کر دھڑکن برابر نہیں کرنی پڑتی۔وہ آنکھیں چرا کر نہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔میری طرح نہیں ہے وہ جو آدھی بات کہے اور آدھی کسی کی ناراضگی کے خوف سے دل کے اندر رکھ لے۔وہ کسی کے خوف سے اپنی رائے نہیں دباتی۔وہ people pleasure نہیں ہے ۔میری طرح۔" آخری دو لفظ اس نے دل میں کہے تھے۔

(وہ دونوں بشر کے ساتھ ایک بڑے ریستوران میں بیٹھی تھی۔آج بشر کو اچھا خاصا فائدہ ہوا تھا۔جسکی خوشی میں آج وہ بہنوں کو کھانا کھلا رہا تھا۔انکی دائیں جانب والی میز پہ ایک چائنیز جوڑا بیٹھا تھا۔کافی دیر سے وہ جوڑا بیرے کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن وہ سمجھ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

"کیا میں آپ کی مدد کروں؟"شستہ انگریزی میں پوچھنے والی زینیا تھی۔کونج دل مسوس کر رہ گئی۔انگریزی تو اسے بھی آتی تھی۔ بس اگر تھوڑی ہمت کر لیتی۔تھوڑی دیر میں وہ اس جوڑے سے بات کر کے بیرے کو انکا آرڈر سمجھا چکی تھی۔

''اس ریستوران کے مالک کو چاہیے کہ ان کم عقل بیروں کو نکال کر آپ جیسے انگریزی سمجھنے اور بولنے والوں کو رکھا جائے۔

'' چینی عورت کی بات کونج کو بری لگی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ اسے خوف تھا کہ کہیں جھگڑا ہی نہ ہو جائے۔ زینیا نے پر سکون نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔ کونج کا شدت سے دل چاہا تھا کہ اسے روک لے۔ ہر جگہ آپ کی رائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے۔'' وہ نرمی سے بولی۔ "اگر اس بیرے کو انگریزی نہیں آتی۔ تو آپ کو بلوچی اور اردو نہیں آتی۔ کیا بہتر نہیں تھا آپ کی کمپنی کسی اور کو بھیج دیتی۔ جسے مختلف زبانیں آتی ہوتیں؟''

وہ کسی کی ناراضگی کے خوف سے اپنی رائے دل میں رکھتی تھی۔)

''اسے اپنے فیصلوں پہ اعتماد ہوتا ہے۔ اسے اپنی پسند پہ اعتماد ہوتا ہے۔ وہ جانتی ہے جو چیز جو کام اس نے کیا ہے وہ درست ہے۔ اپنے ہی فیصلوں پہ ایک ہزار بار بیٹھ کر سوچنا یہ اسکا کام نہیں ہے۔''

(شاپنگ سے آنے کے بعد حسب معمول کونج سارے تھیلے کھولے بیٹھی تھی۔ اپنی پسند کے جوڑے، جوتے، جیولری اسے سب بے کار لگ رہا تھا۔

وہیں دوسری جانب زینیا حاکم کی چیزیں تھیں۔ جنہیں وہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ زینیا اسکے قریب ہی بیٹھی تھی۔ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی۔

''جب تمھیں یہ جوڑے پسند نہیں تھے تو لیے کیوں۔؟ اور اگر لے لیے ہیں تو کسی کی وجہ سے دل کیوں خراب کر رہی ہو؟'' زینیا سنجیدہ تھی۔ کونج نے منہ بسورا۔

''مجھے تو اچھے لگ رہے تھے۔ بلکہ اب بھی اچھے لگ رہے ہیں۔ لیکن نبیلہ باجی کہتی ہیں یہ رنگ اچھا نہیں۔''

''تو کیا تم دوسرے لوگوں کی باتوں سے اپنے فیصلوں پہ شک کرو گی۔''

''شک کیا کرنا ہے میرے فیصلے ہوتے ہی غلط ہیں۔'' وہ اداسی سے بڑبڑائی۔)

"اسکے ارادے اونچے ہیں۔ اسکی اڑان بلند ہے۔ عام لڑکیوں کی طرح اسکا خواب صرف ایک کامیاب شادی اور بچے نہیں ہیں۔ اسے اونچا گھرانہ اور امارات ایک مرد سے نہیں چاہیے۔ اسے کم چاہیے لیکن اپنا چاہیے۔ جس دن میں اسکے جیسی بن گئی میری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔'' کونج اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ ساری کلاس میں جیسے ایک سحر سا طاری ہوا تھا۔

"آپ کی بہن واقعی بہت اچھی سوچ اور مزاج رکھتی ہیں لیکن آپ ان جیسی نہیں بن سکتیں بچے، اپنے جیسی بننے کی کوشش کریں۔'' میڈم کی بات اس وقت اسے سمجھ نہیں آئی تھی لیکن وقت میں آگے جا کر اسے سب سمجھ آجانا تھا۔

☆☆☆

جہاز نیلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ سمندر کی تیز نم ہوائیں سیاحوں کے وجود سے ٹکرا ٹکرا کر پلٹ جاتی تھیں۔ شاید کچھ دیر اور رہنے کی منت کرتی تھیں۔ یا شاید احوال پوچھنے آتی تھیں۔ جہاز کے دہانے پہ کھڑا مہدی آنکھیں موندے ان ہواؤں کو خود سے ٹکرانے دیتا تھا۔

اس نے سیاہ گول شرٹ کے اوپر نیلا جیکٹ پہن رکھا تھا۔ ساتھ بیگی ٹراؤزر۔ وہ اتنے ہلکے پھلکے حلیے میں رہتا تھا کہ اسے دیکھ کر رشک آتا تھا۔ کافی دیر اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ جہاز کے عرشے کی دائیں طرف وہ کھڑی تھی۔

وہی جس کی آنکھیں سنہری تھیں۔ جسکا قد اونچا تھا۔ سمندر کی طرف چہرہ کیے وہ محظوظ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بس غور سے پانی کی لہریں بنتی دیکھ رہی تھی۔ اطراف میں کھڑے اونچی مٹیالے پہاڑ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا تمھیں سمندر پسند ہے؟'' مہدی دھیرے دھیرے چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

''کچھ خاص نہیں۔''

''تم اس طرح سے دیکھ رہی تھی مجھے لگا تمھیں سمندر بے حد پسند ہے۔'' اب وہ اس سے ذرا فاصلے پہ آکر کھڑا ہوا تھا۔ زینیا اب بھی بھاگتے ہوئے جہاز کی رفتار دیکھ رہی تھی۔

"میری زندگی میں سمندر کی محبت کے علاوہ بھی بہت کام ہیں۔ میں مشینوں کی رفتار دیکھ رہی ہوں۔'' آخر میں اسکا لہجہ لیا دیا تھا۔ مہدی کو یہ لڑکی پر سرار لگتی تھی۔ کچھ گہرا تھا اسکے اندر۔

''تم زندگی کو اتنا مشکل کیوں بناتی ہو؟'' وہ جاننا چاہتا تھا۔

''کیونکہ میں اسے اتنا آسان نہیں بنا سکتی جتنا آپ سمجھتے ہیں۔'' اب کے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ اپنے سے ذرا فاصلے پہ کھڑے سبز آنکھوں والے مرد کو دیکھا۔ سورج زینیا کے پیچھے تھا۔ مہدی اسکے عقب میں ڈوبتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں زندگی کو مشکل بنا رہی ہوں؟''

مہدی نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''سمندر، پہاڑ، ٹھنڈی ہوا، لوگ، کھانا، ان سب کے درمیان تم مشینوں کی رفتار دیکھ رہی ہو۔ زندگی کو انجوائے کرنے والے لمحوں میں تم زندگی کو دوڑا رہی ہو۔ شاید تمھیں مشکل رہنے کا شوق ہے۔''

مہدی نے قیاس لگایا تھا۔ جہاز کے عرشے سے ٹیک لگائے کھڑے شخص کو اس نے نظر بھر کر دیکھا۔

''سمندر، پہاڑ، ہوائیں، کھانا، لوگ ہر کوئی اپنے اندر ایک جہنم ایک دروغا ہیں۔ ان سب سے بچانے کے لئے مشینیں کام آتی ہیں ۔ میں انکی خوبصورتی میں کھو کر انکے اندر کی جہنم نہیں بھولنا چاہتی۔ زندگی اتنی آسان نہیں ہوتی جتنی آپ کو لگتی ہے۔''

''اتنی مشکل بھی نہیں جتنی تم بنا کر رہی ہو؟'' آہ یہ شخص اتنا کیوں بولتا تھا؟

اب کی بار زینیا خاموش رہی۔ مہدی بھی چپ ہو گیا۔ کافی دیر بعد زینیا نے نظر موڑ کر دیکھا تو وہ پاور بینک کے ساتھ کنیکٹڈ چارجر کو اپنے موبائل کے ساتھ جوڑ رہا تھا۔ موبائل تھا کہ چارج ہو کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ مہدی کے عمل میں اب کے سختی تھی۔ اس نے جارحانہ انداز میں چارجنگ کیبل اندر گھسانے کی کوشش کی۔ اب بس زینیا سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

''مشین اپنے ساتھ سختی کرنے والوں کے ساتھ سخت ہو جاتی ہے۔'' اس کے اندز میں وارننگ تھی۔ مہدی جھنجھلایا۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ تھا۔ اس نے موبائل زینیا کی طرف بڑھایا۔

''کل رات سے یہ موبائل عذاب بن گیا ہے۔ بند پڑا ہے اور اوپر سے چارج بھی نہیں ہو رہا۔ پتہ نہیں کیا مصیبت ہے۔ میرا دوسرا موبائل بھی خراب ہے۔ اسکے ساتھ گزارا کر رہا ہوں۔ شاید گوادر راس نہیں آیا۔'' وہ بول رہا تھا اور زینیا موبائل کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہاتھ بڑھا کر مہدی سے چارجنگ پن مانگی۔

''کل سے میرا اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی رابطہ نہیں۔''اس نے چارجنگ پن زینیا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔''آج ہی نیا موبائل لے لوں گا اس عذاب سے تو جان چھوٹے۔''

''آپ کو چیزوں اور لوگوں سے فرار کیوں چاہیے ہوتا ہے؟''وہ بغیر اسکی طرف دیکھے مصروف سی بولی لیکن مہدی ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکا۔پلک تک نہ جھپک سکا۔

(ٹریول تمھیں excite نہیں کرتا۔ٹریول تمھیں escape دیتا ہے۔تم چیزوں اور لوگوں سے بھاگنے کے عادی ہو مہدی۔)

اسکے ذہن میں قیس کی باتیں گونج رہی تھیں۔زینیا اب نیچے بیٹھ چکی تھی مہدی دھیرے سے اسکے قریب بیٹھ گیا۔ذرا سے فاصلے پہ۔ عین اسکے سامنے۔

''میں ذرا اسکو چیک کر لوں۔''وہ اپنے بڑے سے تھیلے سے اوزاروں کی وہ کٹ نکال رہی تھی جو اسے ابھی تھوڑی دیر قبل بشر نے خرید کر دی تھی۔

''تمہیں یہ کام آتا ہے؟''وہ اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

زینیا نے چپ چاپ اسکے موبائل کو کھولا اسکا کور اتارا اور اب موبائل کی بیٹری اسکے سامنے تھی۔ connecter دیکھ کر اسے اندازہ ہوا یہ بیٹری اب کام کی نہیں رہی۔

"آپ نے جارحانہ انداز میں بار بار پن اندر ڈالی ہے۔ جسکی وجہ سے اندر سے پن اپنی جگہ سے خراب ہو گئی ہے۔ دوسرا یہ بیٹری اب کسی کام کی نہیں رہی۔ غریب ہوتے تو بیٹری بدلوانے کا مشورہ دیتی، امیر ہیں تو موبائل بدلیں۔'' وہ موبائل کے پرزے کھولتے ہوئے لاشعوری طور پہ بولے جا رہی تھی۔

مہدی اچھنبے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ پہلی لڑکی تھی جو بغیر اپنے نئے کپڑوں کی پرواہ کیے نیچے بیٹھ گئی تھی۔ جسے نازک بننے کا شوق نہیں تھا۔ جسے ہر بات پہ **"لڑکی ہوں"** کارڈ نہیں کھیلنا آتا تھا۔ یہ کیا تھی؟

حقیقی دنیا میں ایک الوژن جیسی۔

''تم باقی لڑکیوں سے بہت مختلف ہو، مطلب مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کہوں۔'' ایک انٹرنیشنل اسپیکر لاجواب ہو گیا تھا۔ وہ واقعی لاجواب ہوا تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا کیا کہنا چاہیے۔

''ان لڑکیوں کے اوپر fragile stickers لگے ہیں۔'' اس نے موبائل جس طرح کھولا تھا اب اسی طرح بند کر رہی تھی۔ صد شکر یہ android تھا، اور سونے پہ سہاگہ آج اسکے پاس اپنا ٹول باکس تھا۔

''کیا تم پہ نہیں لگے؟''

''لگے تھے۔ لیکن ایک عرصہ پہلے میں نے پھاڑ کر پھینک دیے۔ یہ اسٹیکرز بلندیوں کی طرف جانے میں رکاوٹ تھے۔''

''تم ایسی کیوں ہو؟'' وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔

''ایسی کیسی؟'' اس نے نئی پن فٹ ٹھہرا دی۔

''عجیب۔'' وہ ایک لفظ بولا۔ زینیا نے موبائل بند کرتے ہوئے پاور بینک کی پن جوڑی، چارجنگ کا نقطہ نہیں آیا۔ اس نے پن ٹیڑھی کر کر موبائل کے گرد لپیٹ دی۔

''آپ ایسے کیوں ہیں۔''

''کیسا؟''

...Weirdo۔'''' اس نے ایک لفظ گنوایا مہدی ہنس پڑا۔۔

پن ٹیڑھی ہونے کی وجہ سے موبائل پہ چارجنگ والی ڈبیا روشن ہوئی۔ زیرو کا ہندسہ چمکا۔ اور ایک سبز سی روشنی اوپر سے نیچے سفر کرنے لگی۔ موبائل چارج ہو رہا تھا۔ زینیا مسکرائی تھی۔ اسکے گال سرخ ہونے لگے۔ وہ خوش ہوئی تھی پر جوش ہوئی تھی۔ اور اسی طرح مسکراتے ہوئے موبائل مہدی کے آگے کیا۔ وہ متعجب سا موبائل کو چارج ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ستائش تھی، ممنونیت تھی۔

زینیا نے رک کر ٹھہر کر اسکی آنکھوں کو دیکھا۔ آج تک اسکے گھر، خاندان کے کسی مرد نے اپنا موبائل، گھر کو بیٹری پنکھا ٹھیک کروانے کے بعد اسے ایسی ستائش سے نہیں دیکھا تھا۔ ہر کوئی بس لیا دیا رہا تھا۔ کوئی ایک عورت کی برتری قبول نہیں کر سکا تھا۔ ہر ایک نے گردن اونچی رکھی تھی۔ ''یہ وقتی ہے ٹھیک نہیں ہوا موبائل بس تھوڑا وقت چلے گا مجھے لگتا ہے بیٹری تبدیل ہو گی۔''

'' تھینکیو سوچ تم، تم تو بہت ٹیلنٹڈ ہو۔'' وہ واقعی متاثر ہوا تھا۔ زینیا پلک تک نہیں جھپک سکی۔ اسے اس لمحے اس شخص سے خوف آیا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جو دکھتا تھا۔ یا پھر یہ وہ تھا جو زینیا کو نہیں دیکھنا تھا۔

Weirdo۔۔"'' وہ بلند عجیب آواز میں کہتی تیز تیز قدم لیتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ مہدی نے ایک نظر اپنا چارج ہوتا موبائل دیکھا۔اور پھر سر جھٹک کر بڑبڑایا۔

''عجیب مگر ٹیلنٹڈ۔'' وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔



شام کا نیلگوں اندھیرا معدوم ہو چکا تھا۔رات کے آٹھ بج چکے تھے۔زینیا کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ایک تو اسکی چائے اتنی بد مزہ ہوتی تھی۔اور دوسرا اسے چائے سے محبت بھی تھی۔لیکن اس وقت وہ اپنی محبت کے تحت چائے نہیں بنا رہی تھی۔اس پہر کام مختلف تھا۔اس نے چائے ٹرے میں سجائی اور بشر کے کمرے کی راہ لی۔

اس نے سفید سادہ جوڑے کے ساتھ گلابی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔وہ سامنے ہی پلنگ پہ بیٹھا تھا۔لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھا تھا۔کانوں میں ایئرپوڈز لگا رکھے تھے۔غور سے سکرین کو دیکھتا وہ فلم سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"خدا کا واسطہ ہے زینی چائے مت بنایا کرو۔اس سے اچھا ہے زہر لے آؤ۔کم از کم تھوک تو سکتا ہوں۔''اس نے زینیا کے ہاتھ میں طشت دیکھ کر برا سا منہ بنایا تھا۔

"اماں کے ایک ہی بیٹے،اور دادا کی کروڑوں کی جائیداد کے اکیلے وارث ہو ادا۔کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟''اس نے قریب آ کر طشت میز پہ رکھا۔اور خود آلتی پالتی مارے اسکے قریب بیٹھ گئی۔بشر نے لیپ ٹاپ گود سے اتارا اور مشکوک نظروں سے زینیا کو دیکھا۔

''اب کیاکام ہے ؟خدا کی قسم زینی میں اب مزید کوئی کام نہیں کروگا۔ ویسے بھی آج اس لڑکے کی وجہ سے مجھے غصہ آیا ہوا ہے۔'' وہ بہت کم بولتا تھا۔ لیکن زینیا کے ساتھ وہ اچھا تعلق تھا۔ سو چند الفاظ منہ سے نکال کر احسان عظیم کر رہی دیتا تھا۔

''تم شادی سے انکار کیوں کر رہے ہو؟'' اسکی بات پہ بشر کا چہرہ مختلف ہو گیا تھا۔ کئی سارے رنگ ایک ساتھ آ کر گزر گئے۔ وہ بولا کچھ بھی نہیں۔ دھیرے سے لیپ ٹاپ گود سے نکال کر پلنگ پہ رکھا۔

"کیالالہ رخ کا جوگ لے کر بیٹھے ہو؟یوں لگتا ہے جیسے تم نے اسکا سوگ لے لیا ہو۔ جانتے ہو ناں زیادہ دیر تک جن کا سوگ منایا جائے۔ نہ وہ خود خوش رہتے ہیں نہ سوگ منانے والا۔''

بشر کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔ آنکھوں میں ڈھیر ساری سوگواریت یکدم آن وارد ہوئی تھی۔ چند پل کے لئے وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

''تم نے اسکے لیے اسٹینڈ کیوں نہیں لیا، ادا؟'' اسے لگتا تھا یہ سوال وہ بشر سے کر رہی ہے۔ لیکن دور کہیں وہ یہی سوال عبداللہ سے بھی کر رہی تھی۔ شاید بشر کے جواب میں عبداللہ کا جواب بھی ہو؟

"وہ بہت اچھی تھی زینی۔'' کئی لمحے بعد جب وہ بولا تو اسکی آواز شکستہ تھی۔

''معصوم اور بہت اچھی۔ جب کبھی بھی میں اسکے سامنے چیختا تھا وہ بہت ڈر جاتی تھی۔ اس نے اپنے گھر میں ہمیشہ محبت دیکھی تھی۔ پیار اور نرمی۔ تم تو جانتی ہو ہمارا ان چیزوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔'' وہ تلخی سے ہنسا تھا۔ گویا اپنا مذاق اڑایا ہو۔ زینیا اسے غور سے دیکھے گئی۔

''میں اسے یہاں لے آتا ابا اسے کبھی قبول نہ کرتے۔ جیسا کہ ابا نے کہہ دیا تھا۔ میں چاہتا تو اسکے لیے اسٹینڈ لے سکتا تھا۔ لیکن میں نے نہیں لیا۔''

بشر کو لگا تھا جیسے کوئی اسکا دل جکڑ رہا ہو۔ وہ بس گردن جھکائے کہتا رہا۔

''میں اسے ابا کی مرضی کے خلاف یہاں لا سکتا تھا۔ میں اپنی خوشی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن میں نے لالہ رخ کی خوشی چنی۔ وہ یہاں آتی تو ہمارا تعلق ہماری شادی بے کار ہو جاتی۔ میں کمزور مرد نہیں تھا۔ میں اسے کمزور نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ سے نہیں ہوا۔ میں اسکے لیے اسٹینڈ لیتا تو وہ ڈھے جاتی۔ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، ہوا ہی نہیں۔''

کافی دیر کے لئے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''قبول کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ اب نہیں آئے گی۔ کچھ انسان ہماری زندگی سے چلے جاتے ہیں کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔ لالہ رخ بھی نہیں آئے گی۔ قبول کر لو ادا۔ کب تک اسکا سوگ مناؤ گے؟''

"میں نے اسے اللہ کے حوالے ہے، زینی۔ اور جنہیں اللہ کے حوالے کر دو انکا سوگ نہیں منایا جاتا۔ قبول کر چکا ہوں میں کہ، لالہ رخ اب میرے لئے نہیں ہے۔'' آخری بات کہتے ہوئے اسکا دل خالی ہو گیا تھا۔

''تو پھر تم ابا کی پسند سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ کیا ان سے بدلہ لے رہے؟''

بشر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں شادی ابا کی پسند ہی سے کروں گا۔ لیکن بالاج کی بہن سے نہیں۔''

''کیوں نہیں؟'' وہ بضد ہوئی۔

''کیونکہ وہاں اگر رشتہ جائے گا تو آئے گا بھی سہی۔'' بشر نے جتایا۔

ایک پل کے لئے زینیا کے دل کو کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔ وہ بات اتنی واضح تھی کہ اسے سمجھ نہیں آئی کیا کہے۔ ان کے خاندان میں بہن سے اسکے رشتے کی بات نہیں کہی جاتی تھی۔ وہ کہہ تو چکا تھا لیکن اب نظر نہیں ملا رہا تھا۔ چند لمحے بعد زینیا کی کھوکھلی آواز کمرے میں گونجی۔

"رشتہ آنے دو دادا مسئلہ کیا ہے؟''نہ کوئی جذبہ نہ کوئی تاثر بے حد روبوٹک سا انداز تھا اسکا۔ بشر نے بے یقینی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ اسکی بہن تھی وہ جانتا تھا اسکی زندگی کا محور عبداللہ اور اسکا انتظار ہے۔ یوں دستبرداری؟

''عبداللہ آجائے گا، زینی۔''بشر کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''عبداللہ اب نہیں آئے گا۔'' یہ الفاظ اسکے منہ سے جس تیزی سے ادا ہوئے تھے دل اتنی تیزی سے کرچی کرچی ہوا تھا۔ وہ فون کال، وہ انکار، وہ روندے جذبات، وہ دامن میں سمیٹے تو کیا سمیٹے؟

''میں نے اسکا نہ آنا قبول کر لیا ہے تم بھی کر لو۔ ابا جو کہیں گے میں مان لوں گی، تم بھی مان لو۔''اس نے کہتے ہوئے آہستگی سے پیر بستر سے نیچے اتارے۔ پیروں میں جوتے ڈال کر وہ اب کھڑی تھی۔

بشر اب تک سخت بے یقین تھا۔ کیا اس نے واقعی قبول کر لیا تھا؟ اسے خوف لاحق ہوا۔ وہ چند پل بے مقصد کھڑی رہی۔ پھر اپنے قدم دروازے کی جانب موڑے۔ وہ چوکھٹ پہ تھی جب بشر کی کھوکھلی آواز پہ رک گئی۔

''تم کیا کر رہی ہو زینی؟''

''میں قبول کر رہی ہوں، ادا۔'' اس نے ترنت جواب دیا تھا۔

''تم نے اپنے اور لالہ رخ کے درمیان اسے چنا تھا، میں خود کو چن رہی ہوں۔ میرے لیے میری ذات بہت اہم ہے۔ ابا کے بھتیجے یا اماں کے بھانجے کی خاطر ضائع نہیں کر سکتی۔ میں نے قبول کر لیا ہے کہ مجھ پہ سب زیادہ حق میرا ہے۔'' اس نے یہ بس سوچا کہہ نہ سکی۔ وہ چلی گئی تو اسکے پیچھے بشراب تک بے یقین تھا۔

کیا اس نے واقعی قبول کر لیا تھا؟

☆☆☆

کوہ باطل پہ واقع پی سی pearl continental ہوٹل گوادر خوبصورتی کی ایک مثال ہے۔ مٹیالے رنگ کی یہ عمارت کافی پر تعیش تھی۔ سی پیک منصوبے کے بعد سے سیاحوں نے گوادر کو جانا اور اسے کھوجنا شروع کیا تو پی سی کی قدر و قیمت بڑھتی چلی گئی۔ ملکی و غیر ملکی سیاحوں کے رہنے کے لئے پی سی ایک بہترین جگہ ہے۔ اسکے علاوہ پی سی کے کمروں سے گوادر شہر کا جو نظارہ دکھتا ہے، وہ کہیں اور نہیں دیکھا جا سکتا۔ چونکہ پی سی ہوٹل کوہ باطل نامی پہاڑ پہ واقع ہے۔ اسی لیے اونچائیوں سے کھڑے ہو کر سمندر اور روشنیاں دیکھنا انتہائی دلکش نظارہ ہے۔

پی سی کے ایک پر تعیش سویٹ کی بالکنی میں کھڑے مہدی کی انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا۔ جسے وہ بار بار لبوں تک لے جاتا چند گہرے کش لیتا اور پھر دھواں فضا میں تحلیل ہوتا نظر آتا۔ کئی بار تو اس نے منہ سے دھواں بھی نہیں نکالا تھا۔ بس خود کو اذیت دیتے رہنے کی خاطر ساری راکھ اندر نگل لی۔ بالکنی کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے وہ گہری سوچوں میں تھا۔ کچھ تھا اس میں جو غیر آرام دہ کرتا تھا۔

پہلا تاثر تحلیل ہونے پہ دوسرا تاثر اسکی جگہ لے لیتا ہے۔ لیکن وہ دائمی نہیں ہوتا۔ انسان مختلف جگہوں پہ مختلف تاثر دیا کرتے ہیں

۔ اسکا آخری تاثر کونسا تھا؟

گوادر شہر کی روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھیں۔ لیکن مہدی کو جیسے ان سب چیزوں سے فرق نہ پڑتا ہو۔ اسکی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ اسی لمحے اسکا موبائل تھر تھرایا۔ مشینی انداز میں ریلنگ سے نیچے رکھا فون جھک کر اٹھایا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے اسکے لبوں سے ڈھیر سارا دھواں آزاد ہوا تھا۔ اندھیری بالکنی میں کھڑا وہ پر سرار شخص۔ یہ آخر اپنا آخری اور اصلی تاثر کب دکھائے گا ؟

''ہیلو نائٹ میئر۔'' اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ دوسری جانب اسلام آباد میں اپنے گھر میں موجود قیس بیڈ کے ایک کونے پہ بیٹھا تھا۔ بیڈ پہ ڈھیر سارے کاغذات پڑے تھے۔ اس نے شاید کام کے دوران کال ملائی تھی۔

''کب واپس آرہے ہو مہدی؟'' اسکی آواز نرم تھی۔ جیسے کوئی باپ اپنے بچے سے بات کر رہا ہو۔

مہدی نے سوگواریت سے سر جھٹکا۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا کرب آن ٹھہرا۔ سگریٹ لبوں میں دبائے اس نے ایک اور گہرا کش لیا ۔

''میں انتقام لینے آیا ہوں انتقام لے کر جاؤں گا، قیس۔ تمھیں اگر لگتا ہے تمہاری نرم پکار مجھے روک لے گی۔ تو تم غلط ہو۔ میں اس عورت کو ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔'' اسکے لہجے میں بے بسی بھری سختی تھی۔

''تم اسے معاف کر چکے ہو؟''اس نے پلنگ سے ٹیک لگائی۔ ''تم اس سے بہت محبت کرتے ہو، مہدی۔ اس نے تمھیں پکارا اور تم میلوں دور اسکی پکار پہ آ گئے ہو۔ تم اس سے محبت کرتے ہو بے حد محبت۔ کیا نہیں کرتے؟''سکون سے پوچھا گیا۔

''نہیں کرتا میں اس سے محبت۔''وہ اپنی پوری قوت سے چلایا تھا۔ قیس پر سکون رہا۔''میں اس عورت سے نفرت کرتا ہوں۔ مجھے اسکی آواز سے بھی نفرت ہے۔'' اس نے انگلیوں میں دبا سگریٹ ہتھیلی میں مسل دیا۔

''کیا اسی لیے تم پچھلے کئی دنوں سے اسکی ریکارڈڈ آواز سن رہے ہو؟''وہ اسے لاجواب کر رہا تھا۔ مہدی تلملا کر رہ گیا۔ ہتھیلی میں واضح جلن ہونے لگی۔

''میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ پل پل روئے۔ میں اسے روتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسکے سارے خاندان کو رلاؤں گا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں بخشوں گا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔''وہ چیخ چیخ کر کہتا اب زمین پہ بیٹھ گیا تھا۔ ہتھیلی میں ایسی جلن ہوئی کہ الامان۔

''تم نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا، مہدی۔ وہ تمھیں اس نام سے بلاتی رہی۔ جو تمہارا فیورٹ ہے۔ لیکن تم نے اسکی نہیں سنی۔ وہ ایک فون کال اس لڑکی کو جیتے جی مار گئی ہے تم مزید کیا چاہتے ہو؟''وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے تکلیف ہوئی تھی۔

''میں اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ برباد ہو جائے۔''

"حالانکہ تم ایسا نہیں چاہتے۔'' قیس نے آئینہ دکھایا"تم اس رات بھی اسے روتے ہوئے دیکھ کر خوش نہیں تھے۔'' قیس کی بات پہ اس نے آنکھیں بند کر لیں ذہن میں ایک بار پھر وہی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں۔ جلتی ہتھیلی کا درد دور کہیں جا سویا۔ دل کا درد زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''تم اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔'' یقین سے کہا گیا۔

''ہاں میں نہیں دیکھ سکتا۔''مہدی نے سر گرل کے ساتھ ٹکا کر شکستگی سے اعتراف کیا۔ ساری ضد، سارا تنتنا، سارا تنفر دور جا سویا ۔بس ایک عام مرد اعتراف کے مرحلے میں تھا۔

"تم اسے خوش دیکھنا چاہتے ہو۔ آباد۔ پر سکون۔''

''ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔'' اسکی آنکھوں پہ ہنوز پردہ تھا۔ قیس کسی ساحر کی طرح اس سے اپنی بات منوا رہا تھا۔

''تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو۔ تم اسی کی خاطر گوادر گئے ہو۔"بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے شخص جتا رہا تھا۔

''میں اس عورت سے ساری دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔''اب کے چند آنسو اسکے گال پہ لڑھک گئے۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یہ اس انتقامی مرد سے مختلف تھا۔ یہ کوئی اور تھا۔ ہارا ہوا۔ شکستہ۔

''اس نے تمھیں بلایا ہے، مہدی۔ تمھیں چاہیے کہ اسکی پکار پہ جاؤ۔ اپنے سے جڑی عورتوں پہ گو اپ نہیں کرتے۔ تب تو بلکل بھی نہیں جب آپ کو اس سے محبت ہو۔''مہدی نے اسکی بات پہ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''اسکی زندگی میں بہت مسائل ہیں، نائٹ میئر۔ میں بڑھانا نہیں چاہتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن دور کہیں میں اس سے انتقام بھی لینا چاہتا ہوں۔ اگر وہ میرے سامنے آئی تو عین ممکن ہے میں ہرٹ کر دوں۔'' اسکی آخری بات میں ایسی سفاکی تھی کہ پل بھر کو کسی کا بھی دل رک جائے۔

"میں اسے ساری زندگی خوش اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے دور مسائل سے دور، وہ میرے ساتھ رہی تو مسائل میں رہے گی۔ اسے میرے بغیر رہنا ہے۔ وہ مضبوط ہے شاید رہ لے۔'' ایک پل کو وہ رکا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔

''کیا تم اسکے بغیر رہ لو گے؟'' قیس نے جملہ پورا کیا۔

"اتنے سالوں سے رہ ہی تو رہا ہوں۔ ہاں لیکن اب یہ ہوا ہے کہ اسکے آنے کی امید بھی نہیں رہے گی۔ پچھلے چند سال اچھے تھے۔ میں چاہے اس سے جتنی نفرت کرتا تھا دور کہیں محبت بھی تھی۔ دور کہیں امید بھی تھی کہ ایک دن ہم ساتھ ہوں گے۔ ابا نے جو ذمہ داری مجھے دی تھی میں اسے نبھالوں گا۔۔'' وہ ایک پل کو رکا تھا۔

''امید ختم ہو گئی قیس، اور مجھے بھی ختم کر گئی۔ مجھے اب ساری زندگی اسکے بغیر رہنا ہو گا ایسا بسمل بن کر جس نے اپنے آپ کو خود بسمل کیا۔''

''اس پہ گواپ مت کرو، مہدی۔''

''میں کر چکا ہوں۔۔۔۔ کیونکہ میں چاہے اس سے جتنی محبت کر لوں نفرت بھی ضرور کروں گا۔''

''کیا اب تم ٹھیک ہو؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

مہدی زمین پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے نہیں پتہ میں ٹھیک ہوں یا نہیں۔ مجھے نہیں پتہ میں خوش ہوں یا افسردہ۔ میں بس قبولیت کے مرحلے میں ہوں۔ قبولیت خوشی یا غم کی ضمانت ساتھ نہیں لاتی۔ لیکن یہ آپ کے اندر کا شور تھما دیتی ہے۔ شاید وقتی طور پہ ہی سہی۔ میں قبول کرچکا ہوں کہ اب میرا اس عورت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے مجھے بلایا یہاں تک آگیا لیکن اب میں اس سے ملے بغیر واپس جاؤں گا۔ کیونکہ اگر اسے مجھ سے ضد ہے تو مجھے اس سے بڑھ کر ہے۔"

اس نے سختی سے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ اب ایک بار پھر بالکنی میں آن ٹھہرا تھا۔ جیب سے سگریٹ نکالتے ہوئے اسکا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔ اپنا موبائل نکال کر اس نے ایک بار پھر پرانے گانے چلا دیئے۔

"سنسان نگر، انجان ڈگر کا پیارا ہوں

آوارہ ہوں۔۔۔

یا گردش میں ہوں، آسمان کا تارہ ہوں۔۔۔"

مدھم موسیقی، پی سی ہوٹل سے نظر آتا دل فریب گوادر۔ سیگریٹ کا دھواں۔ اور جلتا دل۔

☆☆☆

گوادر کرکٹ اسٹیڈیم دنیا بھر میں اپنے قیام کے دو ماہ میں ہی اتنی شہرت حاصل کر چکا ہے کہ اب یہاں آکر اپنے قدم دھرنا ہر کرکٹر کی خواہش ہو گی۔ یہاں آکر سمندر کی نم ہواؤں اور پہاڑوں کی پیٹھ کے دلاسے لے کر میچ دیکھنا ہر کرکٹ فین کی دلی آرزو ہو گی۔ گو

کہ تعمیراتی کام اب تک تکمیل کو نہیں پہنچ پایا۔ لیکن چند ہی ماہ میں یہ اسٹیڈیم اپنا نام خوبصورت ترین کرکٹ اسٹیڈیمز کی فہرست میں شامل کروالے گا۔

میدان کی سبز گھاس پہ اس وقت مقامی لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے۔یوں نہیں تھا کہ ہر آتا جاتا یہاں آکر کھیل سکتا تھا۔ یہاں کھیلنے والے وہ لڑکے تھے جنکو باقاعدہ تربیت دی جارہی تھی۔ یہ وہ بچے تھے جنہوں نے مستقبل بننا تھا۔

سبز گھاس کو پار کرتے ہوئے آگے آؤ تو پویلین کے آگے بنے سنگی زینوں پہ اس وقت مہدی اور اسکے گروپ کے دو لوگ بیٹھے تھے۔ زینیا ان سے فاصلے پہ کھڑی باقی لوگوں کی تصاویر بنا رہی تھی۔ چند تصاویر کے بعد سارے لڑکے لڑکیاں اٹھ کے دوسری جانب آکھڑے ہوئے تھے۔ صرف مہدی تھا جو اپنی جگہ پہ بیٹھا رہا۔

جہاں باقی لوگ کھڑے تھے یہ اس اسٹیڈیم کی شہ رگ جیسا تھا۔ یہ نظارہ اسی نظارے کے لئے تو اس اسٹیڈیم کے چرچے تھے۔ منظر کچھ یوں تھا کہ چند اونچے لمبے سانس روک دینے جیسی خوبصورتی رکھنے والے پہاڑ اس اسٹیڈیم کے عقب میں کھڑے تھے۔ یوں جیسے اسٹیڈیم کے گرد گھیرا بنا رکھا ہو۔ چند لمحوں کے لئے یہ سبز گھاس اور اونچے پہاڑوں کے مناظر والا اسٹیڈیم تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر سکتا تھا۔

زینیا حاکم اپنا کیمرہ سنبھالے بڑی مہارت سے تصاویر اتارتی نظر آرہی تھی۔ اس نے گہرے نیلے گھٹے جس پہ سفید سوئی کا کام ہوا تھا۔ پہن رکھا تھا۔ شہد رنگ بال سختی سے چٹیا میں گوندھے تھے۔

سنگی زینوں پہ بیٹھا مرد کسی سوچ میں تھا۔ بالوں کے اسپائکس آج بکھرے ہوئے تھے۔

بھوری بٹنوں والی شرٹ سے سفید گول گلے والی شرٹ جھانک رہی تھی۔ مہدی کمبیر کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔ وہ اس سنہری آنکھوں والی لڑکی کا نیم رخ یہاں سے دیکھ سکتا تھا۔ چند لمحوں کے لئے اونچے پہاڑ روئی کے ذرے بن کر غائب ہوئے۔ آسمان سے گرتی پیلی چمکتی دھوپ تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ اور اب آسمان ہلکا نارنجی پڑ گیا۔ مہدی کمبیر نے خود کو پچھلی شام کے منظر میں غرق کر لیا۔

مغرب کی اذان کا سمے تھا۔ یہ وقت یہی لمحہ اور یہی غروب آفتاب کا منظر دیکھنے لوگ گوادر آتے تھے۔ جہاز سے اتر کر سارا گروپ موبائلوں پہ چہرہ جھکائے آگے بڑھ رہا تھا۔ جہاز تک لے جانے والی لمبی راہداری میں اس وقت دو لوگ تھے جو ذرا سے فاصلے پہ چل رہے تھے۔ زینیا حاکم اور مہدی کمبیر۔ بشر اب اسکے ساتھ نہیں آتا تھا۔ اسکے اپنے ہزار کام تھے۔ بس محلے کا ایک سولہ سالہ لڑکا اسکے ساتھ آتا تھا۔ جو اس وقت اس سے آگے چلا گیا تھا۔

جہازوں سے دور جاتی دھوپ زینیا کی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھی۔ اسکے عقب میں سورج تھا۔ اسی لمحے اسکے قدم تھم گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا پھر اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ کیا تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔ اسے کل سے اپنے اوپر کسی کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ کل سے کوئی بار بار کسی چھلاوے کی طرح اسکے پیچھے آتا تھا۔ اور جب وہ مڑ کر دیکھتی تو کوئی نہیں ہوتا تھا۔ کسی کی نظریں ہمہ وقت خود پہ محسوس ہوتیں۔ چند لمحے یونہی سورج کی طرف پشت کیے وہ کھڑی رہی۔ اندازہ لگاتی رہی۔ اور پھر یکدم اسکے ذہن بجلی کے کوندے کی طرح ایکخیال لپکا۔ اپنے سے چند قدم کے فاصلے پہ چلتے مہدی کو اب وہ مختلف نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ نہیں تھی۔ یہ نظریں اسکے لیے نہیں تھیں۔ اسی لمحے اس نے اونچی آواز میں اس مرد کو پکار لیا تھا۔

''آپ اتنے پرابلمیٹک کیوں ہیں؟'' اسکی آواز اتنی اونچی تھی کہ مہدی اپنی جگہ رک گیا۔

''کیا کوئی ہے جو آپ کا پیچھا کر رہا ہے؟ وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔؟''

ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔ دھیرے سے اسکی جانب پلٹتے ہوئے وہ شل سا تھا۔ اسکی نظروں کے عین سامنے ڈوبتا سورج تھا۔ اور اسی سورج کے آگے دیوار بنی وہ کھڑی تھی۔ وہ جو چاند جیسی تھی۔ لیکن کبھی کبھی سورج کی طرح جھلسا بھی دیتی تھی۔ مہدی یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ زینیا حاکم اب چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے قریب آرہی تھی۔ آس پاس گزرتے لوگ رش، شور سب تھم گیا۔ مہدی ساکن سا اسے اپنی جانب آتے دیکھتا رہا۔ کیا کوئی اور بھی وہ خوف محسوس کر سکتا تھا جو مہدی محسوس کرتا تھا؟

''کل سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی مجھ پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔ کوئی ہے جو میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ آواز چبھتے ہوئے اسکے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ ''میرے آس پاس کوئی محسوس ہوتا ہے۔ کوئی سایہ، کوئی انسان میں جیسے ہی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں وہ غائب ہو جاتا ہے۔ کل تک مجھے لگتا تھا مسئلہ میں ہوں۔''

وہ اب اسکے عین سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ مہدی کے دراز سراپے کے آگے وہ چند انچ ہی چھوٹی لگ رہی تھی۔ وہ دھوپ جو مہدی کی آنکھوں کو چندھیائے ہوئے تھی۔ زینیا نے وہی دھوپ اپنی پشت پہ سجائی ہوئی تھی۔

''میں غلط تھی، پرابلم آپ ہیں، مسٹر کبیر۔'' وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

''کل سے زینیا حاکم کا دماغ خراب ہو رکھا تھا۔ اور اب جا کر مجھے سرا ملا ہے۔'' اسکا چہرہ ایک بار پھر چمک رہا تھا۔ بلکل ایسے جیسے کوئی الہڑ لڑکی بلش کر رہی ہو۔ گال گلابی ہو رہے تھے۔ پر جوش، وہ پر جوش ہو رہی تھی شاید۔

''کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا، تمہارا کام فوٹو گرافی ہے وہی کرو۔ میرے پرسنلز میں دخل مت دو۔''

یکدم وہ ایسے دوٹوک لہجے میں بولا تھا کہ زینیا ٹھہر گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔ اس نے زینیا کو ٹوکا تھا۔ اسکی بات کاٹی تھی۔ اسکی یہ مجال؟

''کیا پتہ تمہارے اس شکی مزاج بھائی نے ہی کسی کو تمہاری حفاظت کے لئے رکھا ہو؟ مس زینیا حاکم پرابلم آپ کا دماغ ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔'' وہ اونچا نہیں بول رہا تھا۔ بس دھیمی آواز میں تنبیہ کر رہا تھا، تیز تیز بولتے ہوئے جان چھڑواتے ہوئے۔

وہ آگے بڑھ گیا۔ لیکن زینیا وہیں کھڑی رہی۔ اسکی آنکھیں اب بھی ویسی تھیں۔ مجھے سب پتہ ہے۔ کہتی ہوئی۔

''مجھے زندگی میں غلط فہمیاں کبھی نہیں ہوئیں۔'' اس نے عقب میں کھڑے ہو کر کہا۔ مہدی کی پیٹھ پہ اسکی چبھتی ہوئی نظریں پڑ رہی تھیں ایسے جیسے وہ بتانا چاہتی ہو کہ زینیا کو دھوکے نہیں وجدان ملا کرتے ہیں۔

مہدی اسکی آواز نہیں سننا چاہتا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا فوراً وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ایک اور فرار۔

"یہ آدمی اتنا پرابلمیٹک کیوں ہے؟''اس نے خود سے پوچھا۔ چند لمحے وہ وہیں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر خیر مجھے کیا۔ وہ سر جھٹک کر بڑبڑائی۔

مناظر بدلے ماہی گیروں کی آواز معدوم ہو گئی۔ یہاں تک کہ اب مہدی کمبیر کے دوستوں کے بولنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ آس پاس سمندر، پہاڑ بھر بھری ریت کی طرح پھسل کر گرے۔ اب اسکی جگہ اونچی کھری چٹانوں نے لی لی۔ مہدی کمبیر اب حال میں تھا۔

وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے قریب آنے لگا تھا کوئی کشش تھی، جو اسے زینیا کی جانب کھینچتی تھی، کوئی ڈور تھی۔، جسکا سرا گم شدہ تھا۔ کوئی تعلق تھا، جسکا نام اسے نہیں پتہ تھا، لیکن جو بھی تھا، اس لڑکی سے اسکا تعلق گہرا ہونے والا تھا یہ اسے وجدان ہوا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اسکے دائیں طرف رک کر بولا تھا۔ چٹانیں زینیا کے عقب میں تھیں۔

زینیا جو شاہ فیصل کی تصویر لے رہی تھی۔ اپنا کام کرتی رہی۔ البتہ باقی لوگ رک گئے تھے۔

"کریں بات میں سن رہی ہوں۔'' مصروف جواب۔

مہدی نے اپنی کنپٹی سہلائی سانولہ چہرہ جھنجھلایا ہوا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہاں سے شروع کرے۔

''یہاں نہیں اکیلے میں بات کرنی ہے۔'' اس نے آواز دھیمی رکھی۔ زینیا نے ایک آخری تصویر اتاری اور پیچھے ہوئی۔ کیمرہ ہاتھ میں پکڑے اب اسکی نظریں بھوری شرٹ والے مرد پہ تھیں۔

"مجھے نہیں لگتا آپ کو اور مجھے اکیلے میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا کام فوٹو گرافی ہے۔ کسی کے پرسنلز میں دخل دینا نہیں۔'' وہ آپ کے الفاظ آپ کے ہی منہ پہ مرنے میں ماہر تھی۔

''تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے میں پرابلم ہوں؟ غلط فہمی بھی تو ہوسکتی ہے؟'' وہ بس جاننا چاہتا تھا۔

''میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔ اور اگلی بار مجھے "آپ" کہیئے گا۔ نہ مجھے آپ پسند ہیں نہ آپ کا تم کہنا۔'' وہ ہلکی آواز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان پہلے دن سے ایک تلخ فضا قائم تھی۔ وہ دونوں مقناطیس کی طرح ایک دوسرے کو قریب کھینچ رہے تھے زینیا کو جاتے دیکھ مہدی ایک بار پھر نئے سرے سے بے چین ہوا تھا۔ کچھ تھا جو شاید اس سے ہوا تھا۔ اور اب اسکا سرا نہیں مل رہا تھا۔ کیا وہ کسی کے سامنے اعتراف کر سکتا تھا؟

☆☆☆

قیسم کی چوکور عمارت میں آج کافی ہلچل تھی۔ ملازمین یہاں سے وہاں بھاگتے چہ میگوئیاں کرتے نظر آرہے تھے۔ موضوع تھا واصف منیر کی ''**اسکیچ بک**'' کوئی کسی ایک کو مشکوک نظر سے دیکھتا تو کوئی کسی ایک کو۔ سب کے چہروں پہ کمینہ اشتیاق تھا۔ آخر کون ہے وہ چور؟ کچھ لوگ چاہتے تھے یہ چور کبھی نہ ملے۔ کیونکہ انہیں دیکھنا تھا۔

"جو قیس کا دل چاہے۔۔" اسی لمحے عمارت کے گراؤنڈ فلور پہ قدم رکھتا وہ آتا دکھائی دیا۔ راکھ جیسے سرمئی ٹوپیس سوٹ میں ملبوس ۔گھنگریالے بالوں کو جیل سے جمائے۔ گندمی چہرے پہ سنجیدگی لئے وہ سلطانوں جیسی چال چلتا ہوا آرہا تھا۔ چلتے چلتے ایک ڈیسک پہ وہ رکا تھا۔ آنکھیں مسکرائیں۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ یہ وہی لڑکی تھی۔ وہ جسے لپسٹک کم کرنے کا کہا گیا تھا۔ قیس اسکے ڈیسک کے پاس آکر رکا۔

دونوں ہاتھ ڈیسک پہ جمائے وہ اسکی جانب جھکا۔ آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔

''میک اپ تیز کرواپنا، کافی ڈل لگ رہی ہو اس طرح۔'' وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ قہقہے مار کر ہنس رہا ہو۔

ٹی شرٹ اور جینز پہنے زارا اڈار تردد کا شکار تھی۔

''لیکن اس دن آپ نے۔۔''

''بکواس کی تھی میں نے۔ دیکھو زارا جب میں بولتا ہوں ناں تو قیسم کو چاہیے کہ مجھے سنیں۔ تم مجھے نظرانداز کر رہی تھیں۔ اور پھر میں نے ہر نظر تم پہ ٹکا دی۔ کیا میں نے کچھ غلط کیا؟'' وہ کیسی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

زارا سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ خود ہی آگے آیا۔ اسکے ڈیسک کا دراز کھولا اور ایک گہری جامنی لپسٹک اٹھا کر اسکے سامنے رکھی۔ سارے ملازمین مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ کئی نے تو اپنی گردنیں ڈیسک سے نکال کر انہیں دیکھا تھا۔

''چند گنی چنی ہی تو عورتیں ہیں میرے آفس میں۔ تم سب بھی ناراض ہو جاؤ گی تو لوگوں کو میں واقعی زن بیزار لگوں گا۔ کیا تم ایسا چاہتی ہو؟'' ایک بار پھر وہی معصومیت۔

زارا نے بدقت نفی میں سر ہلایا۔ کیا کرے وہ اس آدمی کا۔ اس عمارت میں جنس، قد، عمر، ذات معنی نہیں رکھتی تھی، یہاں ہر ملازم قیس کے لئے اولاد جیسا تھا۔

وہ چند پل وہیں رکا پھر آگے بڑھ گیا۔ چہ میگوئیاں ایک بار پھر ہونے لگیں۔

اپنے آفس میں بیٹھے کام کرتے ہوئے اسے تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی۔ قیس اس دستک کو پہچانتا تھا۔ گرافک ٹیبلیٹ اور میز پہ بکھرے باقی سامان ہٹا کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ دروازہ کھول کر دو لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔

حدیبیہ، براق حنیف۔

''امید ہے تمھیں میرا یہاں آنا بہت زیادہ برا لگا ہو گا۔'' براق مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ آج اس نے ہلکے آسمانی رنگ کا دھاری دار سوٹ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں بغیر جرابوں والے جوتے تھے۔ بالوں کو اچھے سے سیٹ کیے۔ وہ گہری سانولی رنگت کا مرد اچھا لگ رہا تھا۔

''اُونہوں مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے۔ ایک ساتھ دو دو کرخت شکلوں والے مرد بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔'' آج قیس موڈ میں تھا۔

''یہ آپ نے دوسرا مرد کسے کہا؟'' حدیبیہ صدمے سے کہتی آگے آئی تھی۔ براق تب تک اپنی جگہ سنبھال چکا تھا۔

''وہی جو حدیبیہ کم حبیب زیادہ لگتی ہے۔''

''امی کہتی ہیں جو کہتا ہے وہ خود ہوتا ہے۔'' اس نے کہتے ساتھ فائلز کا پلندہ دھپ سے میز پہ رکھا۔ اور خفا خفا چہرہ لئے باہر نکل گئی۔ اسکے جاتے ہی قیس نے اپنے سامنے بیٹھے دوسرے مرد کو دیکھا تھا۔ اوہ یعنی واحد مرد کو۔

''صبح صبح یہاں آنے کا مقصد؟ تم جانتے ہو ناں مجھ تمہاری شکل کتنی ناپسند ہے؟''

براق مسکرایا۔ اسکی رنگت چمک رہی تھی۔ شاید اس نے کوئی نیا ٹریٹمنٹ کروایا تھا۔

''بس ایک فیور۔۔۔'' اس نے شہادت کی انگلی دکھائی۔ ''اور پھر میں اپنے قدم یہاں سے موڑ لوں گا۔ ایسے جیسے کبھی اس راستے کا راہی رہا ہی نہیں۔'' اسے اتنی سخت اردو سکھانے والے کو دس درے لگنے چاہئیں۔

''میں ایک فیور کے بدلے دو فیورز نہیں دیتا ٹریجڈی۔۔۔'' قیس سنجیدہ تھا۔ براق اور قیس کالج کے زمانے سے ساتھ تھے، اکھٹے بڑے ہوئے، کاروبار کیا لیکن پچھلے ڈیڑھ سال سے جس بلندی پہ قیسم تھا وہ ان دونوں کے درمیان ایک رنجش لے آیا تھا۔ وہ کہتا نہیں تھا لیکن قیس جانتا تھا براق اسے گرانے کے لئے کچھ کرے گا۔

''سوچو ذرا تم کسے انکار کر رہے ہو؟ میں وہی شخص ہوں جس نے قیسم کو کھڑا کرنے پہ انویسٹ کیا تھا، میں تمہارا مسیحا ہوں۔ کیا تم مجھے انکار کرو گے؟'' اسکے لہجے میں چیلنج تھا۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ لیکن ان میں تپش تھی۔

''مجھ پہ جتنا انویسٹ کیا تھا اس سے پچاس گنا زیادہ لوٹا چکا ہوں میں اور اب قیسم پہ صرف میرا حق ہے۔ ہر آتا جاتا میری سلطنت پہ انگلی اٹھائے گا تو میں شاید برداشت نہ کر پاؤں۔''

براق مسکراتی آنکھوں میں تپش لئے آگے کو ہوا۔ ''پہلی اینٹ رکھنے والوں کو یاد رکھا جاتا ہے لوسفر۔''

''عمارت کے معمار تک بھلا دیے جاتے ہیں۔ تم کس دور کی باتیں کر رہے ہو، ٹریجڈی۔''

''تو اسکا مطلب ہے تم مجھے فیور نہیں دو گے؟ سوچ لو میں چاہوں تو لوگوں کو بتا سکتا ہوں ولید کے جیل جانے کے پیچھے کی حقیقت کیا ہے؟''

''میں جانتا ہوں اس راز کی حفاظت اب تم مجھ سے زیادہ کرو گے، کیونکہ فردِ جرم اگر مجھ پہ ہے تو شاملِ جرم تم بھی ہو۔'' وہ دل کو جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہا تھا۔

براق کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا۔ اس نے بہ دقت اپنی مسکراہٹ قائم رکھی۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنے خبیث کیوں ہو؟''

قیس دونوں بازو میز پہ رکھے آگے کو ہوا۔

''جب میں اس شہر میں نیا آیا تھا تب ایسا نہیں تھا۔بس یہاں کی سنگتوں کا اثر ہے۔ویسے تم اس شہر میں میرے واحد دوست ہو۔''

براق اسی طرح مسکراتے ہوئے اٹھا تھا۔

''یعنی تم مجھے انکار کر رہے ہو؟''

''آدھے گھنٹے سے میں اس انکار تو تمھارے منہ پہ جوتے کی طرح مار رہا ہوں۔ لیکن میں سنا ہے تم سخت چمڑی کے مالک ہو۔'' اسے کس نے حق دیا تھا۔ایسے تضحیک بھرے جملے کہنے کی؟

''یاد رکھنا،لوسفر میں صرف اس جرم میں شامل نہیں ہوں۔ تمھارے سیاہ اعمال نامے میرے سامنے کھلے پڑے ہیں۔اب دیکھنا یہ ٹریجڈی تمھارے ساتھ کیسی ٹریجڈی کرتا ہے۔''

قیس چند لمحے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر سر کو خم دیتے ہوئے بس ایک لفظ کہا۔''اوکے''

براق پلٹ گیا۔ قیس دوبارہ اپنا کام کرنے لگا۔

کیا اسے واقعی برباد ہونے سے ڈر نہیں لگا کرتا تھا؟

☆☆☆

کم از کم کھانا تو کھا لینے دیا کرو جاہل عورت۔'' نبیلہ باجی (پڑوسن) کے گھر سے انکے شوہر کی تیز آواز یہاں تک آ رہی تھی۔ ''یہاں میں گھر پہنچا ہوں اور یہاں تم نے لڑنا شروع کر دیا ہے کیوں مجھے سکون کی سانس نہیں لینے دیتیں؟'' وہ مشتعل اور عاجز لگ رہے تھے۔ چھت پہ بچھی چٹائی پہ لیٹی دونوں بہنیں آسمان کو تکتے ہوئے ان آوازوں کو سن رہی تھیں۔

''تمھیں پتہ ہے، کونج مرد شادی کیوں کرتا ہے؟'' بالوں کی لٹ انگلی پہ لپیٹتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ نگاہیں ستاروں کی چال پہ جمی تھیں۔

''ہاں بس میں چپ ہو جایا کروں تم خود کو نہیں دیکھتے سارا سارا دن تمھارے بچوں اور گھر کو دیکھوں رات میں تم مجھ سے بات کرنے کے روادار نہیں ہو میں کہاں جاؤں؟''

''مرد سکون کے لئے شادی کرتا ہے۔'' کونج سے پہلے زینیا خود بول پڑی۔ بلند آوازیں کانوں میں چبھ رہی تھیں۔ ''وہ سارا سارا دن باہر کام کرتا ہے۔ مختلف جھمیلے دیکھتا ہے، کاروبار کے مسائل دیکھتا ہے۔ باتیں سنتا ہے اور بے سکون رہتا ہے پھر جب گھر آتا ہے تب وہ چاہتا ہے کوئی اسے pamper کرے۔ دیکھا جائے تو یہ کچھ غلط بھی نہیں ہے۔''

''میں تمھارے سارے مسئلے سن لوں گا حل بھی کر دوں گا مجھے فلحال بھوک لگی ہے کھانا تو دے دو پھر لڑ لینا۔'' اب کے اسکی آواز میں طیش بڑھ رہا تھا۔

''کیا عورت کی وجہ سے گھر کا سکون برباد ہوتا ہے؟'' کونج نے پوچھا۔

''نہیں.. کوئی بھی برا یا اچھا عمل مرد اور عورت سے منسوب نہیں ہوتا لیکن دونوں کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس معاملے میں عورت کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ نبیلہ باجی نے کبھی اپنے شوہر کو سکون نہیں دیا۔'' وہ بالوں سے کھیلنا چھوڑ چکی تھی۔

''میری طرف سے زہر کھا کر مر جاؤ گھٹیا آدمی تم سے شادی کر کے میری زندگی عذاب ہو گئی ہے۔'' نبیلہ اب چیخ رہی تھیں۔ باہر سے آئے تھکے ہارے مرد میں اب مزید لڑنے کی سکت نہیں تھی۔

''عورتیں جلد باز ہوتی ہیں لیکن انکو خیال رکھنا چاہیے کہ جو سارا دن باہر سے مسائل بھگتا کر آیا ہے اسے فوراً اپنے مسئلے نہ سنانے بیٹھ جاؤ۔ سکون اور آرام پہ کچھ وقت اسکا بھی ہے۔ لیکن یہاں اصول ہی نرالے ہیں کچھ عورتیں رومانوی ڈرامے اور ناول پڑھ کر

سوچتی ہیں ساری محنت تو شوہر کو کرنی ہے۔ تعلق میں ہم اپنی طرف سے بس نخرے اور جھگڑا دیں گے۔ عورتوں کو بیلنس سیکھنا ہو گا، مرد کے آگے جھک کے گر نہیں جانا اور مرد کے سامنے تن کر کھڑے بھی نہیں ہونا۔''

صحن میں کھڑی بائیک سٹارٹ ہونے کی آواز آئی بچے رو رہے تھے نبیلہ بک جھک رہی تھیں۔اور انکے شوہر باہر جا رہے تھے۔ کم از کم اس عذاب سے تو جان چھوٹ جانی تھی۔

''عورت کو بیلنس کون سکھاتا ہے، زینی؟''

''اسکی تربیت۔ ساری کہانی پیرنٹنگ کی ہے۔ یہ سب ماں سکھاتی ہے اور اس پہ ڈٹے رہنے کا حوصلہ باپ دیتا ہے۔ کاش نبیلہ باجی نے بھی اماں باوا سے کچھ سیکھ لیا ہوتا تو کم از کم انکی شادی آج اس حالت میں نہ ہوتی۔ بیچارے انکے بچے اور شوہر۔'' زینیا کو ان پہ ترس آیا۔

کونج نے کروٹ کے بل لیٹ کر زینیا کا نیم رخ دیکھا۔ ''ایسے فل پیکج پیرنٹس کہاں ملتے ہیں؟''

''نہیں ملتے تو خود بنو۔ تم دیکھنا کونج میرے بچے کیسے ہوں گے میں انہیں کیسی تربیت دوں گی۔ ساری دنیا دیکھے گی انہیں۔ وہ ہر جگہ نمایاں ہوں گے۔ عبداللہ اور زینیا کی اولاد۔'' بے دھیانی میں اس نے عبداللہ کو کب اپنے ساتھ جوڑا پتہ نہیں چلا۔

کونج نے اسکی تصیح نہیں کی۔ وہ لاشعور میں بھی آسیب کی طرح چمٹا ہوا تھا۔

گوادر شہر کئی برس قبل اومان کا حصہ رہا تھا۔ لیکن پھر یہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔ اومانی حکومت کے بنائے چند قلعے اب بھی گوادر کے سینے پہ پیر جمائے کھڑے تھے۔ان قلعوں کی حالت خستہ حال تھی۔ نہ گزرے وقتوں میں انہیں کوئی جدید ٹچ دیا گیا۔ اور نہ ہی ان

قلعوں کی دیکھ ریکھ کی گئی۔ جسکی وجہ سے یہ قلعے یوں تو سیاحوں کی نظر میں نہیں آتے۔ لیکن چند مقامی لوگ اگر اپنے کسی مہمان کو گوادر بلائیں تو وہی مقامی لوگ اپنے مہمانوں کو اس قلعے تک ضرور لے کر جاتے تھے۔ گو کہ انکی حالت اب ایسی نہیں تھی کہ انکا دورہ کیا جاتا۔

ان خستہ حال قلعوں کے علاوہ۔ اومانی دور کا ایک خاصی اچھی حالت کا قلعہ بھی گوادر میں موجود ہے۔ جسے میوزیم کی شکل دے دی گئی ہے۔ لیکن اس وقت ہم تنگ گلیوں کے درمیان ایک خستہ حال قلعے کے سامنے ہیں۔

اونچا سفید قلعہ جسے وقت کی گرد اور دیکھ رکھ نہ ہونے کی وجہ نے مٹیالہ کر دیا تھا۔ یہ قلعہ خستہ حالی کی مثال نظر آتا تھا۔ سفید رنگ اب ختم ہو رہا تھا۔ شان و شوکت اب نہیں رہی تھی۔ ڈیڑھ سو سال پرانہ قلعہ اب اپنے اختتامی ایام گزار رہا تھا۔

''یار، مہدی یہ کیسی جگہ ہے؟ کچھ خاص نہیں یہاں۔'' صاف ستھری رنگت اور اسٹیپس میں کٹے ہوئے بالوں والی اقراہ نے اس قلعے کو ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔

''چند سالوں میں گوادر کی شکل بلکل بدل جائے گی۔ نئے پراجیکٹس، حکومت کی نئی حکمت عملی ان قدیم آثاروں کو دفنا دے گی۔ میں اس سے پہلے یہاں قدم رکھنا چاہتا ہوں۔ جدید ہاتھ اس قلعے کو جعلی بنا دے گا۔ اور مجھے یہ اصلی چاہیے۔'' وہ قلعے کی اونچائی کو دیکھتے ہوئے گویا خود سے کہہ رہا ہو۔

"حکومت کے پاس ان کھنڈروں پہ ضائع کرنے کے لئے وقت اور پیسہ نہیں ہے۔" عقب میں کھڑی زینیا حاکم خود کو باز نہیں رکھ پائی تھی۔" ہاں اگلے چند سالوں میں گوادر کا ایک نیا چہرہ ہو گا۔ لیکن مجھ سے لکھوا کر رکھیں یہ کھنڈرا گلے سو سال بھی اسی طرح رہیں گے ،انشااللہ۔" وہ بھی اونچے قلعے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

مہدی اور باقی لوگوں نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ باقی سب نے تائید کی۔ جبکہ سیاح کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔

"تم ہر وقت اتنی منفی کیوں رہتی ہو؟"

"میں منفی نہیں حقیقت پسند ہوں۔ آپ کچھ زیادہ ہی فینٹسی میں رہتے ہیں۔"

"کم از کم فینٹسی کسی کو ہرٹ نہیں کرتی۔ کسی کا دل نہیں توڑتی۔ حقیقت پسند ہونا اچھی بات ہے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ کسی کو آپ کے لفظوں سے تکلیف ہو۔" وہ بھلا کہاں باز آتا۔

زینیا نے تلخی سے سر جھٹکا۔"اگر آپ اتنے نازک ہیں کہ کسی کے الفاظ آپ کا دل توڑ دیتے ہیں تو معذرت آپ کو دنیا میں نہیں بلکہ میوزیم کے کسی حساس خانے میں رہنا چاہیے۔ دنیا حقیقت کا تھپڑ ہے۔ سہہ لیا تو جی لیں گے ورنہ۔۔"

"کیا تم دونوں لڑنا بند کرو گے؟" حسام کی آواز پہ زینیا خاموش ہو گئی تھی۔"ایسا لگتا ہے جیسے دو سال کے بچے ہو دونوں، مس زینیا آپ مہدی کی تصاویر لے لیں۔ ہم پدی زر پہنچ جائیں گے۔ آپ دوبارہ ہمیں وہیں جوائن کیجیے گا اوکے؟" وہ اس گروپ کا سب سے سمجھدار آدمی لگا تھا۔ زینیا نے سر ہلا دیا۔

اقراہ، مہدی، گروپ مینیجر اور زینیا یہیں رک گئے باقی سب چلے گئے تھے۔ قلعے کا کوئی داخلی دروازہ سرے سے تھا ہی نہیں۔ بس ایک اونچی کھڑکی تھی جس سے گزر کر اندر جانا تھا۔ شاید کبھی کسی دور میں یہاں دروازہ رہا بھی ہو۔ جسے وقت کی دھول نے گرد زدہ کر دیا ہو یا وہ زمین میں دھنس گیا ہو۔

''تم تو اس کھڑکی کو فوراً پار کر لو گی تمھارے اندر تو ڈبل سیل ڈالے گئے ہیں ہے ناں؟'' قلعے کی طرف جاتے ہوئے مہدی نے ہلکی سرگوشی کی تھی۔ جانے کیوں وہ اس سے بحث کرنا چاہتا تھا۔

''میری فکر چھوڑ دیں۔ یہ قلعہ اور یہاں کے راستے میرے لیے مشکل نہیں۔ آپ اس کھڑکی کو پار کر لیں گے یا میوزیم سے کوئی حساس سواری منگواؤں؟''

مہدی کا جی چاہا تھا اس لڑکی کو گوادر کے سمندر میں پھینک دے۔ اؤنہوں یہ کھارا پانی اسے مزید کڑوا کر دے گا۔ پی سی کی چھت سے نیچے پھینک دوں؟ اس نے ایک اور بار ترکیب لڑائی۔

قلعے کی کھڑکی کے آگے زینیا رک گئی تھی۔ شعلہ برساتی نظروں سے مہدی کو دیکھا۔

''مجھے قتل کرنے کے منصوبے بے کار ہیں۔ میں زینیا ہوں، لکڑ ہضم، پتھر ہضم۔'' آج اس پہر گوادر کے اس قلعے کے سامنے مہدی نے اعتراف کیا تھا کہ لڑکی اس سیارے کی نہیں۔

دس منٹ بعد وہ تمام لوگ کھڑکی سے کود کر اندر آ گئے تھے۔ اندر اندھیرا تھا۔ گھپ اندھیرا۔ بس دیواروں میں بنے چوکور سوراخوں سے آتی روشنی تھی۔ جس نے اس قلعے کو دیکھنے کے قابل رکھا ہوا تھا۔ زمین مٹی سے اٹی پڑی تھی۔ پیروں میں گویا من من بھر مٹی بھر گئی ہو۔

''یہ کیسی جگہ ہے؟'' قلعے کے فرش پہ ایک جگہ بڑا سا سوراخ بنا تھا۔ جہاں سے نیچے کو جاتے زینے نظر آتے تھے۔ مہدی ان زینوں کو دیکھتے ہوئے رکا تھا۔ مہدی کی آنکھوں میں ڈھیر سارا تجسس بھر گیا۔ اقراہ، نجیب (مینیجر) اور زینیا بھی اسکے ساتھ ہی رکے تھے۔

''بچپن میں کئی بار دیکھی ہے یہ جگہ۔ میرے حساب سے یہ قلعے کے مالک کا پرسنل ٹارچر سیل تھا۔'' زینیا دیوار میں بنے ایک سوراخ میں کیمرہ فٹ کئے کھڑی تھی۔ اسکی آواز قلعے میں گونج رہی تھی۔

''تمھیں کیسے پتہ یہ جگہ ایک ٹارچر سیل ہے؟'' اقرا کو جاننا تھا۔ زینیا نے ایک آنکھ ہلکی سی چندھیائی اور ایک آنکھ کھلی رکھے ہوئے کیمرے کے قریب ہلکی سی جھکی۔

''دیواروں پہ خون کے چھینٹے کسی تازہ پینٹنگ کی مانند زندہ ہیں۔ کیلوں میں اٹکی زنجیریں اور انسانی ہڈیوں کی بدبو۔ جو کسی زمانے میں آیا کرتی تھی۔ اسی سے اندازہ لگایا۔ البتہ کئی سال ہوئے ہیں یہاں کوئی گیا نہیں۔ یہاں جانے میں خطرہ ہے۔'' اس نے یہاں سے نظر آتے نیلے سمندر کی ایک پرفیکٹ تصویر اتاری تھی۔

''تمھیں دھوکہ بھی ہو سکتا ہے مس حاکم۔'' اقرا نے زور دے کر کہا۔

''زینیا کو دھوکے نہیں وجدان ملا کرتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی دھوکہ نہیں کھایا، میڈم۔''اس نے آخر میں میڈم پہ زور دیا تھا۔ اسکے لہجے میں علاقائی تاثر آتا تھا۔ صاف ظاہر تھا جیسے کوئی بلوچ یا پختون اردو بول رہا ہو۔

"میں تو یہاں نہیں جا رہی۔'' اقرا نے سب سے پہلے منع کیا تھا۔ مینیجر صاحب نے اسکی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ جبکہ مہدی کے قدم اب پہلے زینے پہ تھے۔ موبائل ٹارچ جلائے ہوئے وہ زینے اتر رہا تھا۔ زینیا نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔ اور اسکے پیچھے نہیں گئی۔

''بھاڑ میں جائے یہ فینٹسی میں ڈوبا آدمی۔''



زینے زیادہ چوڑے نہیں تھے۔ یوں کہ اگر دو لوگ ایک ساتھ چلیں تو مشکل ہو۔ بلکہ یوں سمجھیں کوئی زینے تھے ہی نہیں۔ یوں لگتا تھا بھر بھری مٹی سے بنے ٹیلے ہوں۔ اب گرے کہ تب گرے۔

آخری زینے پہ پہنچ کے اس نے ایک طائرانہ نگاہ سارے میں ڈالی۔ دیواروں میں کیلیں نصب تھیں۔ اور ان کیلوں میں موٹی موٹی زنجیریں۔ یہاں کوئی روشنی نہیں تھی سوائے ایک روشن دان کے۔ مہدی نیچے پنجوں کے بل بیٹھا زنجیروں کو چھو کر محسوس کر رہا تھا۔ جب اسے اپنے عقب سے کوئی آواز آئی۔ یوں لگا تھا جیسے کسی نے زنجیر ہلائی ہو۔ وہ کرنٹ کھا کر مڑا تھا۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ یا شاید گھپ اندھیرے کے باعث اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن پیٹھ پہ لگنے والے ایک بھاری بوٹ کی ضرب سے وہ اوندھے منہ گر پڑا تھا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کرتا کہ ایک اور ضرب اسکے حواس خطا کر گئی تھی۔ کوئی تھا جو عین اسکے سر کے مقام

پہ کھڑا تھا۔ اسکی پیٹھ پہ ایک بھاری بوٹ رکھے وہ کوئی اونچا لمبا آدمی تھا۔ جس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔ سر پہ سیاہ ہیٹ تھی۔ یوں لگتا تھا کسی قدیم زمانے کا جلاد ہو۔ وہ اپنے بھاری بوٹ کی ٹھوکریں مہدی کے سینے، کمر اور ٹانگوں پہ مارے ہی گیا۔

''تم کون ہو؟'' مہدی گہرے سانس لیتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں تمہارا اعمال نامہ ہوں۔ میری سیاہی دیکھو کیا اب بھی یقین نہیں آیا؟'' وہ لمبا چوڑا سراپا آج پہلی مرتبہ بولا تھا۔ اسکا ایک بوٹ اب بھی مہدی کی کمر پہ تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر بوٹ والے شخص نے ایک ضرب رسید کی تھی۔ مہدی بلبلا کر رہ گیا۔ اسکی ضرب کاری تھی۔ وہ فرش پہ پڑا بری طرح کراہ رہا تھا۔

''میرے اعمال ناموں میں کوئی سیاہی نہیں ہے۔'' گہرے تکلیف دہ سانسوں کے درمیان وہ بامشکل بولا تھا۔ ''تم نے غلط آدمی چن لیا ہے۔'' وہ تکلیف سے بہ دقت بول پا رہا تھا۔

''کورے پنے تو بس فرشتوں کے اعمالوں میں ہوتے ہیں، مہدی کمبیر۔ کیا تم خود کو فرشتہ سمجھ رہے ہو؟'' اسکی آواز میں سفاکی تھی۔ مہدی کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ چند لمحے وہ یونہی پڑے پڑے گہری سانسیں لیتا رہا۔ اسکے سر پہ کھڑے شخص نے اب کے شاید پستول لوڈ کی تھی۔ کلک کی آواز۔

جس طرح قیس کمبیر کے لیے آوازیں خوف تھیں۔ اسی طرح مہدی کے لیے آوازیں ٹریگر تھیں۔ اسے آوازیں حال میں لے آتی تھیں۔ بجلی کی رفتار سے اس نے اپنے اوپر کھڑے سراپے کی ٹانگ کو کھینچ کر اسے نیچے گرایا تھا۔ اور اس سے دگنی رفتار سے خود اٹھ کھڑا ہوا۔ سیاہ لباس والا آدمی اس سے زیادہ تیز تھا۔ وہ گرتے ساتھ ہی اٹھ بھی کھڑا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی ایتھلیٹ ہو۔

اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ سیاہی میں ڈوبے آدمی کے ہاتھ میں گن تھی۔ جسکی نال سیدھا مہدی کے دل کا نشانہ لیے ہوئے تھی۔ مہدی بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ زندگی پہ یوں ہار نہیں مانے گا۔

اسی لمحے ایک زوردار لات مہدی کے سینے کی ساری ہڈیوں کو گویا چورا کر گئی۔ زمین پہ گرا وہ مارے تکلیف کے وہ کراہ رہا تھا۔

''تمھیں اگر کبھی مجھ سے مسئلہ رہا بھی ہو تو یقین کرو اب میں بدل چکا ہوں۔''فرش پہ گرے گہری سانسیں لیتے ہوئے مہدی نے کہا۔

''جو انسان اپنی اصلاح کر کے درست راستے پہ آ جائیں۔ انکے اعمال نامے بھی کورا کاغذ بن جاتے ہیں۔ میں ان انسانوں میں سے ہوں مجھے بتاؤ تم کون ہو؟''مہدی کی نظریں محتاط تھیں۔ اسکے ہاتھ خالی تھے۔ دماغ نہیں۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور سامنے کھڑے آدمی نے اسے اٹھنے دیا۔

''جب انسان خطاکار بن جائے اور پھر معافی مانگ لے تو خدا معاف کر دیتا ہے، بندے نہیں۔ میں آج بھی تمھیں اتنا ہی گناہ گار سمجھتا ہوں۔"اس نے کہتے ساتھ ایک زوردار لات مہدی کے سینے پہ رسید کی تھی۔ وہ مضبوط جسامت کا مرد گرا نہیں لیکن دوہرا ضرور ہو گیا۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ درد کی شدت سے نیچے جھکا تھا۔ جب اسے اپنی گردن پہ پستول کی ٹھنڈی نال محسوس ہوئی۔ اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا تھا۔ اس گھپ اندھیرے میں موٹی موٹی زنجیروں اور تاریک قلعے میں اسے مار دیا جائے گا، کیا واقعی؟

لمحے بھاری سانسوں کی طرح بیتے۔ اور اسی پہر، اسی لمحے، اسی پل اس پھاڑ کھانے والے اندھیرے میں کوئی آیا تھا۔ بغیر چاپ پیدا کیے، بغیر سانس لیے، اس نے ہاتھ میں پکڑا کیمرہ اس سیاہی میں ڈوبے شخص کے ماتھے پہ دے مارا تھا۔ پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑی

۔اور اسکے عقب میں کھڑی زینیا حاکم نے ایک بار پھر اسی قوت سے کیمرہ اسکے منہ پہ دے مارا تھا۔درد، تکلیف، زخم۔آدمی بلبلا اٹھا تھا۔اب کے زینیا نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر کیمرہ اسکی پیٹھ پہ دے مارا تھا۔مہدی اب بھی متعجب تھا۔زمین پہ بیٹھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زینیا کو کسی وحشی جانور کی طرح کیمرہ اٹھا اٹھا کر مارتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔وہ ساکن تھا۔پستول کی ٹھنڈی نال اب بھی اسے اپنی گردن پہ محسوس ہو رہی تھی۔

آدمی اب نیچے گر پڑا تھا۔اسکے سر سے خون بہہ نکلا تھا۔لیکن وہ اب بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ دھڑا دھڑ کیمرے کا وار کیے جا رہی تھی۔وہ مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔یا شاید موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

''بس کرو وہ مر جائے گا۔'' مہدی کی ہلکی آواز کیمرے کی ضرب کی آواز میں دب گئی۔

''مہمان پہ ہاتھ اٹھایا، ہاں ہمارے مہمان پہ ہاتھ اٹھایا؟''

وہ پہلی بار غرائی تھی۔اسکی آواز اسکے لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ پل بھر کو کوئی بھی تھم جائے وہ انسان تھی، ایسی انسان جو جانوروں کو بھی پھاڑ کھائے۔اسکے وار، وہ بجلی کی تیزی اسے باقی لڑکیوں سے مختلف بنا رہی تھی۔

''بس کرو مر جائے گا وہ بس کرو اب۔'' اسکی آواز زینیا کے کانوں تک جا رہی تھی۔لیکن اسکے ہاتھ مشین کی طرح چل رہے تھے۔لڑائی کا سب سے پہلا اور سنہری اصول ہے۔اگلے پہ کاری وار کرنے کی بجائے مسلسل وار کرو۔

نیچے مٹی پہ گرے آدمی نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر زینیا کے اوپر اچھالی تھی۔ کچھ مٹی اسکی آنکھوں میں گئی تھی۔ جسکی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ آدمی برق رفتاری سے اٹھا اور باہر کی جانب بھاگا تھا۔ جب تک وہ آنکھیں صاف کرتی وہ کسی چھلاوے کی طرح وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ یعنی وہ جان بوجھ کر مزاحمت نہیں کر رہا تھا؟

چند پل وہ اسی طرح اپنی آنکھیں صاف کرتی رہی۔ اور مہدی یونہی فرش پہ بیٹھا رہا۔ ان دونوں کے کپڑے گرد میں اٹے تھے۔ زینیا کا تو خیر چہرہ بھی مٹی مٹی تھا۔ مہدی متعجب تھا یا شاید کچھ سوچ رہا تھا۔ اسکی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ چہرہ سفید۔ کئی لمحے وہ دونوں چپ چاپ گہرے سانس لیتے رہے۔

"تم اوپر کھڑی تھیں، تمھیں میری آوازیں آرہی تھیں ہے ناں۔؟" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بس اندھیرے میں کہیں دور دیکھ رہا تھا۔ وہ موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔ یہ حالت بنتی تھی۔

زینیا ایک لمحے کو تھم گئی تھی۔ لیکن بس ایک ہی لمحے کو۔ اگلے لمحے اسکے لہجے میں کاٹ تھی۔

" آپ نے کہا تھا میں فوٹو گرافر ہوں، اپنے کام سے کام رکھوں۔ یہاں کسی تیسرے کا ہونا میرا کام نہیں تھا۔"

مہدی نے شاکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"تمھارے اندر کتنا زہر ہے، زینیا۔ میں نے کل ایک بات کہی اور تم اب تک اسکا بدلہ لے رہی ہو۔؟"

"آپ کے اندر ضرورت سے زیادہ اچھائی ہے۔ اس آدمی کو کنفرنٹ کرنے کی بجائے اپنے جیکٹ کی جیب میں رکھی گن سے مار دینا چاہیے تھا۔" وہ ایسے تنفر سے بولی جیسے اگر وہ آدمی اس وقت اسکے سامنے ہوتا تو شاید مار بھی دیتی۔

مہدی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اوپر سے اب آوازیں آرہی تھیں۔اقراہ اور مینیجر انہیں پکار رہے تھے۔مہدی ہر آواز کو ان سنا کرتا اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔سبز آنکھیں مختلف تھیں نہ کوئی خوف، نہ ڈر۔وہ براہ راست سنہری آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میں ٹریولر اور لائف کوچ ہوں میرا کام انسان ہیں، میرا کام لوگ ہیں تم، تمھارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔تم ساری دنیا سے ناراض ہو۔کچھ ہے جس نے تمہارے اندر آگ لگا رکھی ہے جس سے تم سب کو جلانا چاہتی ہو۔''

زینیا چند لمحہ اسکی سبز آنکھوں کو دیکھتی رہی۔بے تاثر برف تاثرات کے ساتھ۔

''میں فوٹو گرافر ہوں۔لوگوں کے چہرے، انکی مسکراہٹ، انکے دکھ اور انکی آنکھیں میرا کام ہیں۔انسانوں کے تاثرات میری جاب ہیں۔آپ پرابلم ہیں۔یا پھر آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہے۔''

یہ تھا وہ سرا یہی تھی وہ مقناطیسی کشش اور یہی تھی وہ ڈور جو انہیں باندھ رہی تھی۔لڑوا رہی تھی۔وہ دونوں انسانوں کے معملے میں اچھے تھے، بہت اچھے۔

مہدی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''میں پرابلم ہوں، بلکل ویسے جیسے تم ٹریجڈی ہو؟ یا پھر تمھارے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہے؟'' اس نے زینیا کو دیکھا اور پھر ذرا نرم پڑا

۔

''تمھارے ساتھ واقعی کوئی ٹریجڈی ہے۔مجھے سننے دو۔''

''آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہے مجھے سمجھنے دیں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولی تھی۔

اندھیرے قلعے میں ہلکی سی روشنی کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

ابھی مہدی کچھ اور کہتا کہ اقراہ اور مینیجر کی آوازیں ایک بار پھر آنے لگیں۔ مہدی نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا ۔اور پھر ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ جو اندھیرے میں روشنیوں جیسی تھی۔

''ہم اوپر جارہے ہیں اور تم اپنا منہ بند رکھو گی۔ آئی سمجھ؟''

''اپنے باپ کے علاوہ زینیا کسی کے باپ کی بھی نہیں مانتی۔ مجھے بولنا ہے یا چپ رہنا ہے۔ یہ میں طے کرتی ہوں۔'' وہ جتا کر آگے بڑھ گئی۔ مہدی نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

اس نے آدھی دنیا گھومی تھی لیکن اس نے آج تک زینیا جیسی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔

☆☆☆

مغرب کے سائے اسلام آباد پہ اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے۔ دور کہیں سے غروب ہوتا سورج آخری الوداع کہتا گھر کو لوٹ رہا تھا۔ لمبی چوڑی سڑکوں، لہلہاتے درختوں، اور اسلام آباد کی رونقوں کو خیر آباد کہتے ہوئے اگر تم کمبیر محل میں داخل ہو تو اداسی اور ویرانی آج بھی ویسی ہی تھی۔

دل کو بوجھل کر دینے جیسا سناٹا اور روح کو چبھتی ہوئی اداسی۔ ایسے میں اگر دوسری منزل پہ واقع اسٹڈی روم میں آؤ تو پل بھر کو بھاری بوسیدہ کتابوں کو مہک تمہاری ناک کے نتھنوں کو سن کر دے گی۔

چھت سے لگتے لمبے اور چوڑے کتابوں کے ریک۔ جو کہ تین دیواروں کو بھرے ہوئے تھے۔ چوتھی دیوار پہ پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ یہ کوئی خوش آئند پینٹنگز نہیں تھیں۔ ان کے اندر تو گھر کے مکینوں سے زیادہ اداسی بھری تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو اسٹڈی کے عین وسط میں دو لمبے سیاہ صوفے رکھے تھے۔ بیچ میں ایک کرسٹل میز۔

ایک صوفے پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ آرام دہ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس۔ بال ماتھے پہ بکھیرے۔ وہ توجہ سے بختیار کمبیر کو بولتے ہوئے سن رہا تھا۔ انہوں نے کوئی نئی کتاب پڑھی تھی۔ اسی کی کہانی وہ اسے سنا رہے تھے۔ سرمئی شلوار قمیص میں ملبوس سیاہ شال کندھوں پہ اوڑھے وہ کافی باوقار لگ رہے تھے۔

بختیار کچھ بتاتے بتاتے رک گئے تھے۔ انکی آنکھوں میں یکدم کچھ در آیا تھا۔

''پھر کیا ہوا چچا؟'' بختیار کو خاموش دیکھ وہ اس سارے میں پہلی بار بولا۔

''تم نے یہ کتاب پڑھ رکھی ہے۔ ہے ناں؟'' انکے لہجے میں کچھ تھا کہ قیس انکار نہیں کر سکا۔ یوں بھی وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ بس باتوں کو اپنی مرضی کے مطلب دے دیتا تھا۔

''میں نے اگر پڑھ بھی رکھی ہے تو کیا ہوا، آپ سنائیں میں سن رہا ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ وقت گزارنا ہے چچا۔ میں آپ کی سنائی گئی کتاب ایک ہزار بار سن سکتا ہوں۔'' وہ لمبے لمبے مکالمے ان لوگوں کے سامنے بولتا تھا۔ جن کے ساتھ آرام دہ ہوتا تھا۔

بختیار کے چہرے پہ یکدم افسردگی چھا گئی۔

''ہم تم پہ بوجھ بن بیٹھے ہیں، قیس۔ تم ہمارے لیے کام کرتے ہو، ہمارے لئے جیتے ہو، خود کو مشین بنا چکے ہو تم۔ مجھے تم پہ ترس آتا ہے۔اور خود پہ غصہ۔ ہمیں تم پہ بوجھ نہیں بننا تھا۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہے تھے۔آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ قیس بے تاثر چہرے کے ساتھ سن رہا تھا۔

''کاش اس دن تمہارا باپ نہ مرا ہوتا۔کاش اس دن تمہارا خاندان اس طرح در گور نہ ہوا ہوتا۔ تم انہیں یاد کرتے ہو ناں ، قیس؟'' انہوں نے قیس کو دیکھا تھا۔ اسکی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ان آنکھوں میں تکلیف تھی۔ وہ جھوٹ بول سکتا تھا، اسکی آنکھیں نہیں۔

''میں ہر سانس کے ساتھ اپنے خاندان کو یاد کرتا ہوں۔'' اسکی آواز کھوکھلی تھی۔''ہاں انہوں نے میرا ساتھ بہت جلدی چھوڑ دیا ۔مجھے زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر میرے بابا مر گئے۔۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ زخمی آنکھیں اٹھا کر بختیار کمبیر کو دیکھا۔

''میں نے اپنے خاندان کو اپنی آنکھوں کے آگے دم توڑتے دیکھا ہے۔لوگ کہتے ہیں میری عقل نعمت ہے، میں کہتا ہوں میرے لیے میرا ذہن سب سے بڑا عذاب ہے۔ میں لوگوں کو کیا بتاؤں کہ میری فوٹو گرافک میموری میں میرے باپ کا قتل آج بھی ایک فلم کی مانند چلتا ہے۔۔۔'' اسکی یہ بے بسی کسی کا بھی دل زخم زخم کر سکتی تھی۔

''مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ مرے باپ کے سینے پہ کتنے زخم تھے، چہرے پہ کتنے، اور پشت پہ کتنے۔'' اس نے گردن جھکا لی۔ آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ بختیار آزردگی سے اسے دیکھتے رہے۔ان دونوں کے درمیان ہونے والی ہر بات میں مرے ہوئے خاندان کا ذکر ضرور آتا تھا۔

''میرے پاس غم منانے کو کئی درد ہیں۔ کئی تکالیف ہیں چچا۔''اس نے گردن اٹھائی۔ سرخ آنکھیں اب بھی کرب زدہ تھیں۔''میرے پاس یادیں بہت ہیں۔ خود کو زخمی کرنے کے لیے۔ کونے میں بیٹھ کر رونے لیے، غم بھی ہیں۔ لیکن مجھے دیکھیں میں دنیا کا مقابلہ کر رہا ہوں۔ چیل جیسی دنیا کے منہ سے نوالے نوچ کر اپنے خاندان کو کھلا رہا ہوں۔ میں کھڑا ہوں تو آپ سب کو کھڑا ہونا پڑے گا۔''

وہ جتا رہا تھا۔ سختی سے، محبت اور منت سے۔

''جس دن میں بیٹھ گیا آپ سب ڈھے جائیں گے۔ میں اگر آپ کے ساتھ خوش رہنا چاہتا ہوں تو پلیز آپ خوش رہیں۔ آپ میرے ابا کا خاندان ہیں۔ میری ذمہ داری۔ مجھے میری ذمہ داری نبھانے دیں۔'' اس نے جیسے نرمی سے تنبیہ کی تھی۔

بختیار چند لمحہ اسے دیکھتے رہے۔

"انیسہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ میں نے تم سے ایک کام کہا تھا، قیس۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا مجھے اس لڑکے سے انیسہ کی دوری چاہیے۔ کیا ہوا کیا تم ہار گئے؟''

''قیس کبھی ہارتا نہیں ہے، حکمت عملی بدل لیتا ہے۔ عورت کو دلاسے اور کھوکھلے لفظ فیسینیٹ کرتے ہیں۔ ایک بار اسے لفظوں کے سہارے کھڑا کر دو۔ پھر چاہے دونوں ہاتھوں سے قبر میں دھکا دے دو۔ وہ کچھ نہیں کہتی۔ میں نے اسے الفاظ دیئے ہیں۔ اسے کھڑا ہونے دیں۔ میں اپنے ہاتھوں سے گراؤں گا اسے۔''

کس مان اور یقین سے کہہ رہا تھا وہ۔ بختیار کو اس پہ یقین آنے لگا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دیئے قیس بھی ہلکا سا مسکرایا۔

"میں آج صبح گوادر جا رہا ہوں۔ مہدی کو ساتھ لاؤں گا۔" قیس نے کہا۔

بختیار آگے کو ہوئے، آنکھوں میں تفکر در آیا۔

"لیکن مہدی تو کل آ رہا ہے ناں؟ میری اس سے بات ہوئی تھی۔"

قیس نے گہری سانس لی۔ "میں اسکی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ اس عورت کے لیے وہاں گیا ہے۔ اسے لگتا ہے وہ اس سے انتقام لے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ انتقام لے، یا شاید اسے ہرٹ کرے مجھے وہاں جانا ہوگا۔ میں اس عورت کو ہرٹ نہیں ہونے دینا چاہتا۔"

"اس عورت کے لیے تمھارے دل میں نرم گوشہ کیوں ہے، قیس؟" دبیز کتاب ہاتھ میں لیے سوال کیا گیا۔

"وہ بہت معصوم ہے، اسے ہرٹ ہوتا ہے تو مجھے برا لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ خوش رہے، ہمیشہ۔" قیس نے کندھے اچکائے۔ جیسے اس سے زیادہ الفاظ نہ مل سکے ہو۔

"ایک زن بیزار آدمی کو ایک عورت معصوم لگتی ہے؟" طنز تھا یہ۔

"کہانی سنائیں چچا کہانی بنائیں مت۔" قیس نے مسکرا کر ٹوکا تو وہ بھی ساتھ مسکرائے۔

کہانی جہاں رکی تھی وہیں سے دوبارہ شروع کی گئی۔ انٹر کام اٹھا کر نئی کافی لانے کا حکم دیا گیا۔ اسٹڈی ایک بار پھر دو لوگوں کی موجودگی سے بھر گئی۔

لیکن ایک زن بیزار کو کوئی عورت معصوم کیوں لگ رہی تھی؟

☆☆☆

یہ مغرب سے کچھ وقت قبل کا پہر تھا۔ سمندر سے ذرا فاصلے پہ بنی ایک کنٹینر لائبریری اس وقت ہماری کہانی کا مرکز ہے۔ یہ لائبری سرخ رنگ کے ایک لمبے کنٹینر پہ مشتمل تھی۔ گوادر بیچ لائبرری پاکستان کی واحد کنٹینر لائبریری ہے۔ یہ لائبریری اپنی جیو گرافی کی وجہ سے کافی خوبصورت ہے۔ تصور کریں سمندر کی جسم کو چھوتی نم ہوائیں۔ گرم گرم چائے۔ اور کتابوں کی خوشبو۔ زندگی سے اور کیا چاہیے؟

اس لائبریری میں تقریباً دو ہزار کتابیں ہیں۔ کئی مطالعے کے شوقین افراد شام ڈھلے یہاں آتے ہیں۔ لائبریری سے ایک کتاب لے کر لائبریری سے باہر رکھی بینچ پہ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خوبصورت غروب آفتاب کا منظر، چائے، سمندر اور ایک کتاب۔ یقیناً یہ زندگی کا اضافی تحفہ ہو گا۔

آج مہدی کے گروپ کا اس شہر میں تیسرا اور آخری دن تھا۔ یہاں سے کچھ لوگ اسلام آباد واپس روانہ ہونے والے تھے۔ اور کچھ کسی اور شہر۔ لائبریری کی دائیں جانب اس وقت سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پہ جب یہ نارنجی روشنی پڑتی تھی تو سمندر کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ یہاں سے گوادر کا سب سے حسین غروب آفتاب کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ لہروں کے عقب میں ڈوبتا ہوا سورج۔

زینیا حاکم اس وقت اپنا تمام کام کر چکی تھی۔ یہ اسکی روانگی کا وقت تھا۔ آج کے بعد وہ ان لوگوں سے نہیں ملے گی۔ آج کے بعد یہ سبز آنکھیں، یہ بد تمیز بگڑے امیر بچے وہ انکو نہیں دیکھے گی۔ بس یہ بشر آ جائے تو وہ یہاں سے نکلے۔ وہ لائبریری سے ذرا فاصلے پہ بنی ایک سنگی بینچ پہ بیٹھی تھی۔ جس کے اوپر جھونپڑی نما سنگی سایہ بنا تھا۔ پورے گوادر میں یہ جگہ بے حد پر سکون اور صاف ستھری ہے۔

بنچ پہ بیٹھی چند پل بیٹھی وہ اپنے کیمرے سے لی گئی تصاویر دیکھتی رہی۔ اسی لمحے اسے محسوس ہوا کوئی اسکے سامنے آکر بیٹھا ہے۔ وہ جانتی تھی یہ شائستہ انسان کون ہو گا۔ وہ جس نے اسکے ساتھ بیٹھنے کی بجائے سامنے والی جگہ منتخب کی تھی۔ زینیا گردن جھکائے اپنا کام کرتی رہی۔

''میں نے اس دن جو کچھ کہا اسکے لئے مجھے معاف کر دو۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' اس نے بغیر تمہید کے بات کہہ دی۔

''میں نے اپنے اندر سے برا ماننے والا سیل نکال دیا ہے۔ آپ کو معذرت کی ضرورت نہیں۔'' یوں لگتا تھا وہ ایک روبوٹ ہو۔ بے تاثر لہجہ اگلے انسان کا خون کھولا سکتا تھا۔ سورج آج بھی زینیا کے عقب میں تھا۔ اور مہدی آج بھی اسکی آنکھوں کے عقب میں ڈوبتا سورج دیکھ رہا تھا۔

''تم اسلام آباد آ جاؤ۔'' اس نے گلا تر کر کے کہا تھا۔ اسکی پیش کش پہ چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکی۔

''اور میں وہاں آکر کیا کروں گی؟'' اس نے گردن نہیں اٹھائی۔ شاک ہاں اسے شاک لگا تھا۔

''پڑھنا، اپنی تعلیم مکمل کرنا۔ زندگی میں کچھ بن کر دکھانا۔ کیا ساری زندگی یہاں تصاویر کھینچتے ہوئے گزار دو گی؟''

زینیا نے آہستگی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اسکی آنکھیں سوال کرتی تھیں۔ بولنے کی اسے بہت کم ضرورت پیش آتی تھی۔

مہدی نے کہنا جاری رکھا۔

"میری ایک دوست ہیں۔ خیر دوست تو نہیں کہہ سکتے۔ پچپن سال کی عورت ہیں۔ اسلام آباد میں انکی ایک اکیڈمی ہے۔ ہر سال کئی لڑکے لڑکیوں کو سی ایس ایس، اور پی سی ایس کی تیاری کرواتی ہیں۔ اس سال کسی امیر بوڑھے نے انہیں دس وظیفے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی کہ۔۔"

"یعنی کہ اکیڈمی آپ کی دوست کی اور ان دس بچوں کو فنڈ کرنے والا وہ امیر بوڑھا ہو گا آگے۔۔۔" زینیا نے فوراً سے پہلے اسکی بات کاٹی تھی۔ آنکھوں میں ڈھیر ساری امیدیں روشن ہوئی تھیں۔ مہدی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تو یہ کہ وہ ان وظائف کو ایسے بچوں کو دینا چاہتی ہیں جو بے حد غریب اور قابل ہوں، جنہیں مواقع نہ مل رہے ہوں۔ آٹھ وظیفے حقداروں کو مل گئے ہیں بقیہ دو کا فیصلہ باقی ہے۔ تمھیں ایک آنلائن ٹیسٹ دینا ہو گا۔ اور اسکے بعد تمھیں وہ وظیفہ مل سکتا ہے۔ میں تمھارے لیے ان سے بس اتنی بات کر سکتا ہوں کہ وہ ایک بار تمہارا ٹیسٹ لے لیں۔ اگر تم کہو تو بات کروں؟"

"آپ میرے لئے اتنا سب کیوں کریں گے؟ اور آپ کو کیا پتہ میں حقدار ہوں بھی کہ نہیں؟"

اب کے مہدی مسکرایا تھا۔

"مینیجر سے پتہ چلا ہے کہ تمہارا آئی کیو غیر معمولی ہے۔ آج تک تم ہر کلاس میں ٹاپ کرتی رہی ہو۔ اور تمہارا خواب ہے۔ ایک اعلیٰ عہدہ۔ میں تمھیں بس ایک فیور دے رہا ہوں۔ کل تم نے میری جان بچائی تھی۔"

''میں نے آپ کی جان نہیں بچائی وہ آپ کو مارنے نہیں آیا تھا۔'' زینیا نے فوراً ً سے پہلے اسکی بات کاٹی تھی۔ مہدی کی آنکھوں میں تھکن اتری۔

''پھر وہ کیوں آتا ہے؟''

زینیا نے اسے غور سے دیکھا۔

''آتا ہے؟ اسکا مطلب ہے، وہ کئی بار آچکا ہے۔ اسکا مطلب ہے آپ واقعی پرابلم ہیں؟''

''یا پھر میں پرابلم **''میں''** ہوں؟'' مہدی نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔ ''خیر تمہارا نمبر میرے پاس ہے۔ آج رات میری دوست تمھیں کال کریں گی۔ بات کرلینا۔ ٹیسٹ بھی دے دینا۔ اور پھر اسلام آباد آنا۔ تمھارے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے میرے شہر کو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زینیا کے چہرے سے نظر ہٹالی۔ اب اسکے عقب میں کوئی سورج نہیں تھا۔ ہر سو اندھیرا چھانے لگا تھا۔ بس ایک وہ فیروزے کی لونگ تھی جو چمک رہی تھی۔

مہدی نے جانے کو قدم موڑے پھر ایک پل کو رکا۔ اسے دیکھا۔ یونہی ایک خیال سا آیا کہ کیا وہ اسلام آباد آئے گی، یا آج سے وہ بس کوئی فوٹوگرافر ہوگی جس سے وہ کبھی ملا تھا؟ ڈور کا وہ سرا تو اب بھی الجھا تھا، کیا اسے سلجھانے کے لئے وقت انہیں ملائے گا؟ اس نے سر جھٹکا۔ اور اسے پکارا۔

''ویسے تم اتنی زہریلی نہیں ہو جتنی لگتی تھیں۔''

"لیکن آپ مجھے آج بھی اتنے ہی wierdo لگتے ہیں۔" وہ کچھ نہیں بولا بس مسکراتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔ زینیا کئی لمحے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ کچھ تھا جو ادھورا رہ گیا تھا، شاید یہ ملاقات آخری نہیں تھی۔ زینیا کو وجدان ہوا۔

کیا وہ دونوں دوبارہ ملیں گے؟

☆☆☆

زینیا جب بشر کے ساتھ گھر پہنچی تو رات اتر آئی تھی۔ وہ کچھ الجھی ہوئی سی تھی۔ بشر اندر جاتے ہوئے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ اور وہ بے دھیانی میں جواب دے رہی تھی۔ ابھی وہ دونوں صحن کے بیچ میں تھے۔ جب حاکم نواب کی سنجیدہ آواز پہ ٹھہر گئے۔

"کہاں سے آرہی ہو؟" یہ انداز یہ لہجہ سب معمول سے مختلف تھا۔ زینیا نے غور سے انکی آنکھیں دیکھیں۔ اگلے ہی سیکنڈ اسے پتہ لگ گیا تھا کہ ابا کو سب پتہ لگ چکا ہے۔ وہ لوگوں کے چہرے پڑھ لیتی تھی۔ بشر نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر ہلکے پھلکے لہجے میں جواب دیا۔

"پھپھو کے گھر گئے تھے ابا۔ بتایا تو تھا۔ دادا لوگ آج واپس گاؤں چلے جائیں گے۔ ملنے گئے تھے۔" بشر نے کہا۔

ابا آگے بڑھ آئے عین ان دونوں کے سامنے زینیا بغیر پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ انکے عقب میں کونج، اور اماں بھی تھیں۔

"میں نے زینیا سے پوچھا ہے، کہاں تھی تم زینی؟" انکا لہجہ ہنوز سخت تھا۔

"پھپھو کے گھر نہیں تھی، بلکہ پچھلے تین دنوں سے میں پھپھو کے گھر گئی ہی نہیں۔ میں اپنا کام کر رہی تھی ابا۔ میں فوٹو گرافی کرنے گئی تھی۔" وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے حد احترام سے بولی تھی۔ ساری الجھنیں ختم ہو گئی تھیں۔ پھپھو کے گھر کو چھوڑ

کراس نے فوٹو گرافی چن لی تھی۔ اسی لمحے حاکم نواب کا بھاری ہاتھ اٹھا تھا۔ اس سے پہلے وہ زینیا کے چہرے کو چھو پاتا بشر اس ہاتھ کو روک چکا تھا۔

''جرات کیسے ہوئی تمہاری میرا ہاتھ روکنے کی؟'' وہ پوری قوت سے دھاڑے تھے۔ بشر نے اب بھی انکا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ دوسرے سے زینیا کو اپنے عقب میں کیا۔

''جھوٹ بول بول کر جاتی رہی ہے یہ، شرم نہیں آئی باپ سے جھوٹ بولتے ہوئے؟'' وہ غرا رہے تھے۔ اماں اور کونج نے بے اختیار اپنے منہ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''مجھ سے کہتی ہے اپنے دادا سے ملنے گئی ہے۔ آج فون آیا تھا ادا کا ایک بار بھی تم لوگ وہاں نہیں گئے ایک بار بھی نہیں۔'' انکی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔

زینیا بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔ بغیر پلک جھپکے۔ بغیر کسی افسوس کے۔

"میری بہن میرے ساتھ جاتی ہے، ابا۔ اگر آپ کو مسئلہ ہے تو مجھ سے بات کریں۔ کیا میں اتنا بے غیرت ہوں؟ اپنی بہن کو کہاں لے کر جانا ہے کیا مجھے نہیں پتہ؟'' اسکا لہجہ دھیما ہی تھا۔ لیکن اس میں سختی واضح تھی۔

"آپ کی بہن، آپ کے ابا ضروری ہیں لیکن میری بہن میری اماں بھی ضروری ہیں۔ آپ اس طرح مار نہیں سکتے یار۔'' بشر نے اب کے آہستگی سے انکا ہاتھ چھوڑا۔

حاکم نواب تلملا کر رہ گئے۔ لیکن اب کے دھیمے بھی ہوئے تھے۔ جوان اولاد وہ بھی بیٹا اسکے سامنے ماں باپ یونہی دھیمے پڑ جایا کرتے ہیں۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ کو بتانا چاہیے تھا نہیں بتا سکا۔ لیکن آپ کو مجھ پہ یقین ہونا چاہیے۔ میں اپنی بہن کو اگر کہیں لے کر جا رہا ہوں تو اتنا یاد رکھیں کہ میں بے غیرت نہیں ہوں۔"

"بس اب بکواس بند کرو اپنی۔" ابا نے سختی سے جھاڑا تھا۔ "تم کونسا کوئی اچھی اولاد ثابت ہوئے ہو۔ تمہاری عمر میں دو بچے تھے میرے اور تم اب تک باپ کے سینے پہ مونگ دل رہے ہو۔ ناکام عاشق۔ شہر بھیج کر بگاڑا ہے میں نے تمھیں۔ لیکن اب بس۔" وہ جیسے فیصلہ کر چکے تھے۔

"آج ابا نے اور میرے بھائیوں نے طے کر دیا ہے۔ تمہاری شادی عروج سے ہی ہو گی۔ اور کل تم دونوں کی منگنی ہے۔ تیار رہنا۔ اور تم۔۔۔" انہوں نے زینیا کو دیکھا۔ "تمہارا رشتہ بالاج سے طے کر آیا ہوں۔" وہ چبا چبا کر کہتے آگے بڑھ گئے تھے۔ زینیا اب بھی بت بنی کھڑی تھی۔ اماں نے قریب آ کر اسکا بازو پکڑا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جانے لگیں۔ لیکن پھر وہ ہوا جو کسی نے اپنے گمان میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"بالاج سے شادی کرنے کی ایک شرط ہے ابا۔" وہ جو برامدے کا دروازہ پار کر ہی رہے تھے۔ ایک پل کے لئے ٹھہر گئے۔ یوں اپنی شادی کی بات تو اس خاندان کے لڑکے بھی نہیں کرتے تھے۔ ابا کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ جبکہ زینیا اسی طرح گردن اٹھائے بول رہی تھی۔

''میری اسکالرشپ آئی ہے۔اسلام آباد میں پڑھنے بلایا ہے۔اور میں جاؤں گی ابا۔''

''میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔''وہ ایک بار پھر غرائے تھے۔

''توڑ دیجئے اسکے بعد تو آپ کا بھتیجا ویسے ہی شادی سے انکار کردے گا۔''

بشر نے سختی سے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔یہ زیادہ ہو رہا تھا۔

"آپ جس سے چاہیں گے میں شادی کرلوں گی لیکن مجھے دو سال میرے لیے چاہیے،ابا۔میں پڑھنا چاہتی ہوں،کچھ بننا چاہتی ہوں ۔اسکے بعد آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔'' نہ بلند آواز نہ غصہ وہ بات کر کے کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

"میں اسکا ساتھ دوں گا۔اسکی پڑھائی سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' بشر نے اپنا اعلان کیا اور باہر کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

پیچھے ابا تھے۔جو اب تک اپنی بیٹی کے الفاظ جذب نہیں کر سکے تھے۔

کچھ وقت بعد باہر آ کر دیکھو تو بشر گلی میں بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔اسکے ہاتھ ایک نیا نمبر ڈائل کر رہے تھے۔نمبر کی شناسائی عبداللہ نام سے ہوئی۔وہ بے قراری سے کال پہ کال ملائے جا رہا تھا۔آج اس اٹھائیس سالہ مرد کی انگلیاں کانپ رہی تھیں ۔گھنٹیاں پلٹ پلٹ کر واپس آ رہی تھیں۔کال اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔بشر بار بار اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون کرتا تھا ۔اسے سخت پسینہ آ رہا تھا۔

تقریباً انتیسویں بیل پہ کال اٹھالی گئی تھی۔ بشر نے ڈھیر سارا غصہ، ملامت، غیرت اندر اتاری۔ کئی لمحوں بعد وہ بولا تو اسکی آواز ہلکی تھی۔

"آجاؤ، عبداللہ ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔" اسکی آواز اتنی ہلکی تھی کہ آس پاس بہتی ہوا نے بھی یہ راز نہ سن پانے کا گریہ کیا تھا۔ آگے سے کچھ کہا گیا تھا۔ بشر نے ہاتھ کی مٹھی ایک بار پھر بھینچ لی۔

"میں غیرت مند ہوں تب ہی تم سے کہہ رہا ہوں اپنی امانت لے جاؤ۔ اسکا دل مت دکھاؤ پلیز۔ تم چاہے ساری زندگی اسے ہم سے نہ ملنے دینا۔ چاہے ساری زندگی اسکی شکل نہ دکھانا لیکن اسکا دل مت توڑو۔ وہ میری بہن ہے پلیز اسے ہرٹ مت کرو۔" وہ منت کرنے کے انداز میں بولا تھا۔ اس نے آج تک کسی کی منت نہیں کی تھی۔ باورچی خانے کی کھڑکی سے اسکی آواز اندر جا رہی تھی اور زینیا جیسے شل رہ گئی تھی۔

ایک بار سامنے والے نے کچھ کہا تھا۔ بشر کی ساری امیدیں ٹوٹ کر کرچی ہو گئیں۔ اسے زندگی میں اتنا غصہ پہلی بار آیا تھا۔ اتنی بے بسی پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔ اور شاید اتنی ذلت بھی پہلی بار ہوئی تھی۔

"یعنی تم نہیں آؤ گے؟ پھر تیار رہنا میں اسکے نام کے ساتھ عبداللہ ہٹا رہا ہوں۔"

"اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری لاش کے ٹکڑے سمندر میں بہاؤں گا۔ رہتی دنیا تک اگر اس پہ کسی کا اختیار ہے تو وہ میں ہوں۔" دوسری جانب اتنی سختی سے کہا گیا تھا کہ بشر طنزیہ مسکرایا۔

"اب اگر تم آئے تو تمہاری موت بھی میرے ہاتھوں ہو گی، عبداللہ۔" اس نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ اسکا بار بار کا انکار بشر نہیں سہہ سکا۔ اندر کھڑی زینیا حاکم کتنے لمحے سانس نہیں لے سکی تھی۔

بشر نے ایک نظر اپنے گھر کو دیکھا اسکے چہرے پہ ایک بار پھر کرب تھا۔ یہ گھر شاید منحوس تھا۔ یہاں کبھی کسی کو کسی کو محبت نہیں ملی تھی۔

☆☆☆

ساحلی پٹی سے ملحقہ گوادر میرین ڈرائیو marine drive رات کے پہر ایک انتہائی دلکش منظر ہے۔ لمبے لمبے پول پہ لگی سفید بتیوں کی روشنی میں نظر آتا سمندر، ٹھنڈی ہوا۔ اور گاڑی میں بیٹھا کوئی شخص۔ سست رفتاری سے چلتی گاڑی سے اگر کسی منظر سے محظوظ ہونا ہو تو یہی وہ منظر ہے۔ رات کے کسی بھی پہر یہ سمندر اپنے سیاحوں کے دل کو چھو لینے کی جرات رکھتا تھا۔

اس وقت سبز آنکھوں والا مرد میرین ڈرائیو پہ نکلا تھا۔ لیکن جس رفتار سے یہ گاڑی چل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی انتقامی جذبے کے تحت اسے چلا رہا ہو۔ اسکا فون بج بج کر خاموش ہوا جا رہا تھا۔ چہرے پہ جنون سا سوار تھا۔ آنکھیں وحشت زدہ تھیں۔ اسکے موبائل پہ ایک کال بج بج کر ختم ہوتی تو دوسری شروع ہو جاتی۔ ہر بار کال کرنے والے کا نام نائٹ میئر ہی ہوتا۔ اسی لمحے اسکی گاڑی جیسی ہی رفتار والی گاڑی اس سڑک پہ اسکے ہم قدم ہوئی۔

سیاہ رینج روور۔ قیس کی گاڑی۔ وہ آ گیا تھا۔ اسے آنا ہی تھا۔ اپنے خاندان کے لیے وہ ہر دفع آ جایا کرتا تھا۔ گاڑی کا شیشہ کھولے وہ مہدی کو پکار رہا تھا۔

"گاڑی روکو مہدی۔" اسکی آواز بلند تھی۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے وہ مسلسل کال پہ کال ملا رہا تھا۔ مہدی کی گاڑی کے شیشے کھلے تھے۔ آواز بخوبی اسکے کانوں تک جا رہی تھی۔ لیکن وہ گاڑی نہیں روک رہا تھا۔

"مہدی گاڑی روکو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ گاڑی روکو، خبیث انسان۔" وہ گاڑی کے شیشے کے بلکل قریب ہو کر غرایا تھا

۔

مہدی کی آنکھیں جنونی تھیں۔ کان یوں لپیٹ رکھے تھے گویا اب کوئی بات سننی ہی نہیں۔ سڑک پہ دوڑتی ان دونوں کی گاڑیاں ایک دوسرے کی گاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ قیس کی مہارت تھی۔ کہ وہ ہر بار گاڑی موڑ کر دور لے جاتا تھا۔ سڑک پہ گزرتی کئی گاڑیوں کے ڈرائیورز نے ان دونوں جنونیوں کو درجن بھر گالیاں دے ڈالی تھیں۔

مہدی کی گاڑی فراٹے بھرتی گزر رہی تھی۔ اب کے قیس اسے روک نہیں رہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ تیز رفتار میں گاڑی چلاتے ہوئے آگے جا رہا تھا۔ اس سڑک پہ دوڑتی اسکی گاڑی میزائل کی رفتار سے نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔ اور اسی لمحے عین اسی پل تمہاری آنکھیں یہ منظر دیکھیں گی۔ کہ قیس کی گاڑی سڑک کے بیچ و بیچ کھڑی ہو گئی تھی۔ فاصلے سے اپنی گاڑی کو دوڑاتے مہدی نے فوراً سے پہلے گاڑی کی رفتار کم کی تھی۔

قیس گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ سڑک کے اطراف میں لگے پول اور کھجور کے لہلہاتے درختوں نے سانس روک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کس دلیری سے سڑک کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔ مہدی کی گاڑی اسکی موت تھی۔ جو کسی بھی پل اسے کچل کر آگے بڑھ سکتی تھی۔

گاڑی ابھی اس سے ٹکراتی کہ اسی پل چلتے ٹائر تھم گئے۔ بریک لگ گئی تھی۔ سکوت، سناٹا، گہری سانسیں۔ماحول میں سب کچھ ایک ساتھ پھیل گیا۔ کھجور کے درخت اور لائٹنگ پولز نے اب تک دم سادھ رکھا تھا۔نہ بتی جل بجھ ہوئی۔نہ درخت کی شاخیں ہلیں۔ ان دونوں نے اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھا تھا۔ایک ایسا شخص جو ابھی ابھی موت کے منہ سے باہر نکل آیا تھا۔نہ اسکے چہرے پہ خوف تھا۔نہ گھبراہٹ۔وہ اب بھی پرسکون تھا۔یوں جیسے اسے موت سے خوف آیا ہی نہ ہو۔

اسی لمحے قیس آگے بڑھتا دکھائی دیا۔لوگ اسے پکار رہے تھے گاڑی ہٹانے کو کہہ رہے تھے۔لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔بات جب اسکے خاندان پہ آجائے تو وہ نہیں سنا کرتا تھا۔مہدی بے دھم سا ہو کر نشست کے ساتھ لگ گیا تھا۔اسے لگا تھا وہ سانس بھی نہیں لے پارہا۔ قیس اسکی وجہ سے مرنے تک کو تیار تھا۔دل کے اضطراب مزید گہرے ہونے لگے۔وہ آیا مہدی کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا۔مہدی بغیر مزاحمت کے باہر نکل آیا۔اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔لوگوں کی بولیاں سڑیٹ پولز کی روشنیاں اور اسے ان سب کے درمیان سے نکال کر لے جاتا قیس۔

کچھ بھی کسی بھی طرح اسکی یادداشت کا حصہ نہیں بن پارہا تھا۔وہ ساکت تھا سن اور شل۔

☆☆☆

زینیا حاکم کے کمرے میں زرد بلب کی روشنی تھی۔وہ ایئر پوڈ کانوں میں لگائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا۔وہ سنجیدگی سے کسی سے بات کر رہی تھی۔کسی ادھیڑ عمر عورت سے۔کسی اکیڈمی کی بات، رہائش اور ضروریات کی بات۔اسکے چہرے

پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔ سنجید گی تھی۔ آنکھوں میں ان دیکھا انتقام سا تھا۔ یوں کہ اسکے قریب دوسری جانب بیڈ پہ بیٹھی کونج اس سے بات کرتے ہوئے بھی سوچ رہی تھی۔

''تھینکیو سوچ۔ میں اگلے ہفتے اسلام آباد آجاؤں گی۔'' زینیا کی بات پہ کونج نے ہول کر دیکھا تھا اسے۔

''نہیں اس سے پہلے نہیں آسکتی۔ میرا نکاح ہے اس جمعے۔ نکاح کے فوراً بعد آجاؤں گی۔ انشااللہ۔ آپ کا شکریہ۔۔'' اس نے الوداعی کلمات کہہ کر کال کاٹ دی۔ اب کے اس نے ٹھہر کر کونج کو دیکھا۔ وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔ لو جی انکے آنسو ایک بار پھر بہنے کو تیار تھے۔

''یہ رشتہ مت قبول کرو پلیز تمھارے لئے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے، زینی۔''

زینیا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''جن لڑکیوں کے منگیتر انہیں ڈس اون کر دیں، انکے لئے رشتے نہیں سمجھوتے آتے ہیں، بالاج سے بہتر سمجھوتہ کون ہو گا؟ وہ خاندان کا سب سے بہترین مرد ہے۔'' وہ بس کہہ ہی پائی تھی ورنہ دل کی جس اونچی مسند پہ عبداللہ تیئیس سال رہا تھا آج بھی تھا۔ کاش وہ پلٹ آئے۔

''ہک ہاہ۔۔'' کونج نے طنزیہ سر جھٹکا۔ ''تمھیں کیا لگتا ہے اگر وہ بڑے شہر سے پڑھ کر آیا ہے تو تمھیں سمجھ جائے گا؟ تمھیں اسلام آباد لے جائے گا؟ تم سے نوکری کروائے گا وہ مر کر بھی نہیں مانے گا۔ خاندان کے باقی مردوں جیسی غیرت ہے اسکی بھی۔''

"اسے بشر منائے گا۔ وٹے سٹے کی شادیوں میں دونوں طرف کی شرطیں مانی جاتی ہیں۔''

ابھی کونج کوئی جواب دیتی کہ کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا تھا۔ سرخ آنکھیں لئے بشر اندر آیا۔ زینیا کو اس پہ غصہ تھا۔ وہ کیوں عبداللہ سے بھیک مانگ رہا تھا؟

''یہ ابا سے کیا بکواس کی ہے تم نے؟ کونسی اسکالرشپ اور کونسا اسلام آباد؟ شرم نہیں آئی تمھیں بکواس کرتے ہوئے؟'' وہ چبا چبا کر سخت غصے سے کہہ رہا تھا۔ زینیا نے اسے دیکھتے ہوئے پیر آہستگی سے نیچے اتارے۔ اب وہ قدم قدم چلتی ہوئی بشر کی طرف آرہی تھی۔

"میں نے اگر ابا کے سامنے تمہاری وکالت کر دی ہے۔ تو اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ مجھے برا نہیں لگا۔ میں تمہاری ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا اگر تم اس ٹریول گروپ کے کسی آدمی کی باتوں میں آئیں۔ بیچ کھائیں گے یہ لوگ ہمیں۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا۔

''تو کیا کروں میں؟ شادی کر کے اماں جیسی زندگی گزار دوں۔ میں ٹاپر ہوں بشر کیا میں اس لئے پیدا ہوئی تھی؟'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ بشر نے کوفت سے اسے دیکھا۔

"میں نے ایسا کب کہا ہے؟ میں تمھیں شہر بھیجوں گا۔ اپنے پیسوں پہ، تم ایم فل کرو سی ایس ایس کرو، یا پھر کوئی نوکری۔ لیکن تم ان وظیفوں پہ کہیں نہیں جا رہیں۔ ابا کبھی نہیں مانیں گے۔''

''جانتے ہو ادا ابا کیوں نہیں مانیں گے؟ تم وجہ تم ہو صرف تم۔'' اسکے لہجے میں الزام تھا۔

"اگر تم نے ابا کی امیدیں پوری کی ہوتیں اگر تم شہر جا کر محبت میں پڑنے کو بجائے کچھ بن کر آئے ہوتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔" بشر نے بے یقینی سے اسے بولتے ہوئے دیکھا۔ کیا یہ اسکی بہن تھی؟

انکے عقب میں پلنگ پہ بیٹھی کونج نے بھی زینیا کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔ یہ تنفر یہ الزام تراشی یہ سب کیا تھا؟

زینیا سرخ نم ہوتی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں شہر پڑھنے بھیجا تھا۔ ابا نے سوچا تھا بیٹا افسر لگے گا۔ لیکن تم محبت کی ناکام ڈگریاں لے کر واپس آئے ہو۔"

"میں، اماں، کونج آج اس حالت میں تمہاری وجہ سے ہیں۔ ابا کے طعنوں میں ایک طعنے کا اضافہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" بشر کچھ نہیں بولا۔ وہ بس ساکن سا اسے سنے گیا۔ یہ اتنی بڑی کب ہو گئی؟ وہ جس ہاتھ سے انگلی پکڑ کر ساتھ قدم اٹھانا سکھایا تھا۔ وہی آج انگلی اٹھا کر بات کر رہی تھی۔

"میں اگر آج شادی کر کے ایک جاہل کے پلے باندھ دی جاؤں گی تو اسکی وجہ بھی تم ہو گے۔ اگر تمھیں لگتا ہے تم مجھے پڑھا سکتے ہو تو تم غلط ہو بشر۔" اسکی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارا سارا پیسہ ابا کے شوق پورے کرنے میں جائے گا، وہ ابا جن کو لگتا ہے وہ آج بھی نواب ہیں۔ نہ تم مجھے کچھ دے سکے اور نہ دے سکو گے۔ لالہ رخ کو در گور کیا اب مجھے بھی کرو گے۔ اگر تم نے میرے ساتھ ایسا کچھ کیا تو خدا کی قسم ساری زندگی میرے دل سے کوئی اچھی دعا نہیں نکلے گی تمھارے لئے۔" وہ بول بول کر تھک چکی تھی۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔ لیکن لہجے کی بغاوت کم نہ ہوئی۔

بشر چند لمحہ اسے بے یقینی سے دیکھتا رہا۔ اور پھر دھیرے سے چند لفظ بول سکا۔ حالانکی وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

"میں نے ساری زندگی تم لوگوں کے لئے قربانی دی ہے، زینی۔ تم میری بہنیں نہیں میرے بچے ہو۔ تمھیں لگتا ہے میں نے تمھارے ساتھ ظلم کیا ہے؟"

"تو اور کیا کہوں میں ادا؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔ "اور کیا کہوں میں؟ تھک گئی ہوں اس طرح مر، مر کے جیتے ہوئے۔ دوپہر میں کھاتے ہیں تو رات کا سوچنے لگ جاتے ہیں۔ اچھا کھانا کھاتے ہوئے مہینے گزر جاتے ہیں۔ کپڑے، جیولری میک اپ ہر ایک چیز کے لیے ترسنا پڑتا ہے۔"

"تم مجھ سے کہہ دیتیں، زینی۔" بشر کی آواز ہلکی تھی۔ منت زدہ۔

"میں کیوں کہوں، بشر تم میرے باپ نہیں ہو۔ اور میرے باپ کو میری فکر نہیں ہے۔ مجھے اچھا کپڑا چاہیے مہنگے برانڈڈ جوتے چاہیے۔ اچھے لذیذ کھانے چاہیے۔ تم نہیں دے سکتے، عبداللہ نہیں دے سکتا، بالاج بھی نہیں دے سکتا۔ مجھے سب کچھ اپنے دم پہ چاہیے۔ یہ سب کچھ مل جاتا اگر تم نے ابا کی خواہش پوری کی ہوتی۔ اگر عبداللہ آیا ہوتا۔ لیکن دونوں نہیں ہو سکے۔ تم نے بشر تم نے میری زندگی برباد کی ہے۔ اور میں تمھیں ساری زندگی اسکے لئے معاف نہیں کروں گی۔ یاد رکھنا۔" وہ بول کر ہٹ گئی تھی۔ بشر چند لمحے چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ اور پھر پلٹ گیا۔

یہ وہ بچی نہیں تھی جسے ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ اس کے دل میں ڈھیر سارا غصہ تھا۔ یہ بشر کی زینی نہیں تھی۔ وہ مایوس تھکے تھکے قدم لیتا جا رہا تھا۔ کونج نے افسردگی سے اسے جاتے دیکھا۔ اور پھر الماری سے ٹیک لگائے کھڑی زینیا کو۔ اسکے چہرے پہ کرب تھا۔ اسے اداس کر کے خوش وہ بھی نہیں تھی۔ سرخ آنکھیں، مضمحل چہرہ اور یہ رہی دی ڈھیٹ زینیا حاکم۔

"تم کیا کر رہی ہو زینی؟"

زینیا نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں دنیا سے اپنا حق لے رہی ہوں۔ چھین کر، جھپٹ کر، مار کر یا پھر مر کر۔"

"کیا تمھیں یہ حق ہے کہ تم اپنے بڑے بھائی سے اس طرح بات کرو۔؟ کیا اسکا کوئی حق نہیں تم پہ؟"

"مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔ میں دوسری امینہ بیگم نہیں بنوں گی سب یاد رکھو۔"

سختی، ضد، ڈھیٹ پنا کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں؟

☆☆☆

رات کے سماں وہ دونوں سمندر کنارے رکھے بڑے بڑے پتھروں پہ بیٹھے تھے۔ دور پار سے کہیں ذرا سی روشنی بھٹک کر یہاں بھی آجاتی تھی۔ اس وقت ساری روشنی قیس کے چہرے پہ تھی۔ اسکا گندمی چہرہ روشنی پڑنے سے واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مہدی اندھیروں میں تھا۔ اس نے اپنی ذات کے لئے ہمیشہ اندھیرے کیوں چنے تھے۔؟ اسکے ہاتھ میں گن تھی۔ جسے وہ اپنی انگلیوں میں گھما رہا تھا۔

وہ کہانی کا وکٹم نہیں ولن لگتا تھا۔ قیس سکون سے چند پل اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر اٹھ کر اسکے قریب آ کر رکا۔ مہدی کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا کیا۔ اب اسکی سیاہ آنکھیں مہدی کی سبز آنکھوں میں گڑھ رہی تھیں۔

''تم کیا کرنے والے تھے؟'' چبا چبا کر بس یہی پوچھا گیا۔ مہدی نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک جنونی سیریل کلر جیسی سپاٹ نظریں۔

''میں کرنے والا تھا نہیں۔ میں کرنے والا ہوں۔ میں اس آدمی کو جان سے مارنے والا ہوں۔ اور میں یہ کر کے رہوں گا۔ اسکی ہمت کیسے ہوئی مجھے کال کرنے کی۔'' آخر میں وہ ہلکی آواز میں بڑبڑایا تھا۔ قیس نے ایک جھٹکے سے اسکا چہرہ چھوڑا۔

''ایک لڑکی جسکا پہلا کمفرٹ تم تھے۔ اسے ذلیل کیا۔ اسے چھوڑا، اب اسی لڑکی کا دوسرا اور آخری کمفرٹ اسکا، واحد سہارا۔ اسکے قریب موجود واحد مرد بھی اس سے چھین لوگے۔؟ تم کتنے horrible ہو، مہدی؟'' آخر میں وہ ملامت کر رہا تھا۔

مہدی نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔ اسکے انداز میں اب بھی بے چینی تھی۔

''مہدی، تم اس لڑکی کے ساتھ اب مزید کچھ برا نہیں کروگے۔ اس سے اپنا آپ چھینا ہے لیکن اب اسکا دوسرا کمفرٹ میں تمھیں چھیننے نہیں دوں گا۔''

''تمھیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ اسکے نام کے ساتھ میرا نام آتا ہے تمہارا نہیں۔ آخر کیوں قیس؟ اسکے ہرٹ ہونے سے تمھیں کیوں ہرٹ ہوتا ہے؟'' مہدی اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ قیس کا رنگ فق ہوا تھا۔ اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ سمندر کی لہریں اسکے پیروں کو چھو کر پلٹ رہی تھیں۔ وہ بھی جواب مانگ رہی تھیں۔

چند پل خاموشی میں بیت گئے۔ قیس نے پلکیں جھپکا کر مہدی کو دیکھنے کی کوشش کی۔

''اسے ہرٹ ہوتا ہے۔ تو مجھے بھی ہرٹ ہوتا ہے۔۔۔'' دھیرے سے کیے گئے اعتراف پہ چند پل کے لئے سارا گوادر ساکن ہو گیا۔

”وہ، قیس کی واحد دوست تھی۔ میں نے اسکے بعد کبھی دوست نہیں بنائے، مہدی۔“ اسکی آواز اتنی ہلکی تھی کہ مہدی بامشکل سن سکا۔ ”میرے لیے وہ اہم ہے۔ ہمیشہ رہے گی۔ قیس کی واحد دوست۔ وہ میرے دل کے بہت قریب رہی ہے۔“

"اسکے بارے میں بکواس مت کرو۔“ مہدی غرایا تھا۔ چہرہ سرخ ہونے لگا۔ قیس نے ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔

”وہ میرے دل کے بہت قریب رہی ہے۔“ الفاظ ایک بار پھر دہرائے۔ "اسے ہرٹ ہوتا ہے تو مجھے برا لگتا ہے۔ جو لوگ قیس کے دل کے قریب ہوں۔ انہیں کوئی ہرٹ نہیں کر سکتا۔“ ایک پل کو رکا۔ ”قیس خود بھی نہیں۔“ چبا چبا کر باور کرایا۔

مہدی نے اسکی بات گویا سنی ہی نہیں۔

” میں آج، ابھی اور اسی وقت اس آدمی کو جان سے مار دوں گا قیس۔ تم مجھے آج روکو گے۔ لیکن میں کل پھر آؤں گا۔ تم مجھے تب روکو گے۔ میں ایک بار پھر آؤں گا۔ جب تک میں اسے مار نہیں دیتا مروں گا نہیں۔“

اس نے گن لوڈ کی۔ قیس پہ ایک جتاتی نظر ڈالی اور آگے بڑھنے لگا۔ قیس پر سکون سا اسے جاتا ہوئے دیکھتا رہا۔ چند قدم دور گیا ہی ہوگا۔ جب قیس نے اپنے قدم اسکی جانب بڑھائے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

”تم کب قبول کرو گے مہدی؟“ سبز آنکھوں والے مرد کے قدم رکے۔ "میں تمھیں بچپن سے جانتا ہوں۔ میں نے تمہارا ہر رنگ دیکھا ہے۔ میں تمہاری ہر خصلت سے واقف ہوں۔“ سیاہ آنکھوں والے مرد کے قدم بھیگی چاندنی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ سمندر کا ٹھاٹھیں مارتا شور بھی اسکی آواز کم نہیں کر پا رہا تھا۔

''تم نے آج تک کسی انسان کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں دی۔ تمہارا دل کرسٹل کلئیر ہے۔ تم خون نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ اسی خون نے ہم سے ہمارے اپنے دور کئے تھے۔'' ایک پل کے لیے مہدی کے دل پہ قیامت آکر گزر گئی تھی۔ پستول والا ہاتھ بے دھم ہو کر پہلو میں گرا۔

قیس اسکے عقب میں بلکل قریب آکر رکا۔

"تم اسکے کمفرٹ کو مارنے نہیں جارہے۔ تم بس ایک نظر اسے دیکھ کر آنا چاہتے ہو۔ کیونکہ تم اس سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتے ہو کہ اسکے لیے مر جاؤ۔ یا مار دو۔''

مہدی کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گری۔ اسکا جسم سارا کا سارا ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ساکت شل۔ سبز آنکھیں سچ کی طاقت نہ سہتے ہوئے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''وہ بھی ہمارے خاندان کا حصہ تھی، مہدی۔ لیکن اب ہم سے دور ہے۔ ہم سب سیاہ بن گئے ہیں۔ وہ اب بھی اچھی ہے۔ اسکے اندر اب بھی خوشی ہے۔ وہ بسمل نہیں ہے۔ یا شاید وہ خود کو بننے نہیں دے گی۔'' اب کے قیس کا لہجہ مختلف تھا۔ ہارا ہوا سا۔ "اسے بہت آگے جانا ہے۔ اسکا مستقبل بلندیاں ہیں۔ کیوں اسکی راہ کا پتھر بننا چاہتے ہو؟''

مہدی کچھ نہیں بول سکا۔ الفاظ گوادر کے ساحل میں بہہ گئے تھے۔ لہروں نے چند پل کے لئے سوگ کا اعلان کیا۔ قیس کہے گیا۔

"ہم نے اپنی زندگی برباد کی۔ وہ نہیں کر رہی۔ آج بھی اپنے لیے لڑ رہی ہے۔ اور اس لڑائی میں اسکا ساتھ دینے کے لیے ایک ہی مرد ہے۔ تم اسے مارنا چاہتے ہو۔؟ تمھیں کیا لگتا ہے وہ اسے ہرٹ کرے گا؟''

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں میں ایک پل کے لیے سفاکی اتر آئی۔

''جس نے بھی اسے ہرٹ کرنے کی کوشش کی میں اسے اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔ سوائے تمہارے۔'' مہدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسکا چہرہ اپنی جانب موڑا۔ وہ ہنوز گردن جھکائے ہوئے تھا۔ شرمندگی سے ٹھوڑی سینے سے آن لگی تھی۔

''لیکن اگر تم اب بھی چاہتے ہو کہ میں اسکا کمفرٹ چھین لوں۔ تو میں اپنے گھر کے مرد کو ایک عورت پہ ترجیح نہیں دوں گا۔'' نیچے جھک کر ریت پہ پڑی پستول اٹھالی۔

''ہر خاندان میں ایک ابلیس ہوتا ہے۔ اور ایک عزازیل۔ ہمارے خاندان میں ابلیس میں بنوں گا۔ کسی کے ہاتھ اگر خون سے رنگے جائیں گے تو وہ قیس ہے۔ کسی کو قبر کے بچھو نوچیں گے تو وہ قیس ہو گا۔ اپنے خاندان کو جو چاہیے میں گدھ کی طرح لا کر دوں گا۔ نوچ کر، جھپٹ کر۔'' لیکن میں اس نے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔

''میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو ابلیس بننے نہیں دوں گا۔'' لوڈ گن سے ریت پہ ایک فائر کیا۔ لوہے کا ذرا چنگاری چھوڑ کر ریت میں دب گیا۔ قیس نے ایک بار پھر گن لوڈ کی۔ مہدی نے اسکے ہاتھ پکڑ لیا۔ جھکی ہوئی گردن اٹھائی۔ گیلی آنکھوں سے اسکا چہرہ دیکھا۔ آنکھیں رنجیدہ تھیں۔

''میں کچھ نہیں چاہتا اب۔ میں بس قبول کر چکا۔ اب میں اسے نہیں دیکھوں گا۔ نہیں سنوں گا۔ اسکی پکار پہ اب کبھی گوادر کے ساحل نہیں آؤں گا۔''

''میں قبول کر چکا، قیس۔ میں قبول کر چکا۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔ ''مجھے بس یہاں سے جانا ہے۔ پلیز میرے ساتھ چلو۔ کچھ وقت کے لیے اپنی نفرت چھوڑ دو۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تم میرا خاندان ہو۔ میرے بھائی ہو۔ مجھے یہاں سے لے جاؤ۔ میں نے یہاں آکر غلط کیا۔'' ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں بھاری آواز۔ اسکے بس میں نہیں تھا کہ چیخ چیخ کر رو پڑتا۔ قیس نے پستول کو اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالا۔ بے تاثر چہرے سے مہدی کو دیکھا۔

چند پل بعد وہ دونوں مرین ڈرائیو پہ تھے۔ دونوں کے دل بھاری تھے۔ چہرے بے تاثر۔ سانسیں بوجھل۔ کم از کم یہ سفر مہدی کے لیے محبت نہیں تھا۔

☆☆☆

بوجھل خاموشی ٹوٹی تو ایک بار پھر ایک نیا قہر برپا ہونا شروع ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں پلنگ پہ لیٹی زینیا کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ جب تھوڑی دیر بعد اسے اپنے قریب کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔ شیشوں کے بھاری کام والے لگھے کے بازو نے اسکا سارا چہرہ ڈھانپ دیا۔ زینیا اس آہٹ کو پہچانتی تھی۔ یہ اسکی اماں تھیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا تھا۔

"کیا اپنے ابا کی بات مان لوگی، زینی؟ بالاج کی ماں کو جانتی ہو ناں؟ وہ تمھارے ساتھ کیسا سلوک رکھے گی؟''

''اگر عبداللہ کی ماں زندہ ہوتی تو پھولوں کے ہار نہ ڈالتی۔'' آج کل وہ بڑی نڈر ہو گئی تھی۔ اپنے منگیتر کا نام سرعام لینے لگی تھی۔ اماں اسکے قریب بیٹھی تھیں۔ زینیا ہنوز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹی رہی۔

''تم میں اب ذرا سی بھی لاج نہیں رہی کیا؟ یوں اپنی شادی کی بات کرو گی اپنے ابا سے؟'' تاسف سے کہا گیا۔ زینیا نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

''آپ کی لاج رکھنی چاہی تھی۔ آپ لوگوں نے لاش سمجھ لیا اماں۔ اندھیری قبر میں دفنا رہے ہیں آپ۔ لیکن میں بھی زینیا ہوں ابھی میری ہٹ دھرمی نہیں دیکھی آپ نے۔ ابھی شرم کر کے اپنی شادی اور اپنی ترجیحات نہ بتاؤں اور شادی کے بعد اب کیا ہو سکتا ہے سوچ کر چپ رہوں؟ معذرت اماں یہ اگر معاشرے کے اقدار ہیں تو میں ان سے باغی ہوں۔''

اماں نے گہری سانس لی۔ آزردگی سے اسکا چہرہ دیکھا۔ ''عبداللہ آجائے گا، زینی۔ اسکا انتظار کرو۔'' الفاظ برچھی کی مانند چبھے تھے اسے۔ روح اندر سے زخمی ہوئی۔ اس فون کال کو صدیاں بیت گئیں تھیں۔ لیکن دل تھا کہ آج بھی کٹتا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔

''عبداللہ نہیں آئے گا اماں۔''

اسکی آواز دھیمی ہو گئی۔ سارا غصہ اکڑ جھاگ بن گئی۔ ماؤں کے سامنے بچے اپنا بھرم کہاں رکھ پاتے ہیں؟

''میں نے اسے بلایا ہے، اماں۔ اس نے مجھے انکار کیا۔ آپ کے عبداللہ نے مجھے انکار کیا ہے۔ آپ کا بھتیجا آپ کی بیٹی کی ناقدری کرتا ہے۔'' آنسو اسکی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ دل کو مٹھی میں کوئی دبا رہا تھا۔

''میں نے اسکی بہت منت کی، بلایا۔ لیکن وہ بھی میرے جیسا ڈھیٹ ہے۔ نہیں آیا۔ نہ کوئی وعدہ دیا۔ نہ تسلی۔ اسے دینی چاہیے تھی ناں؟'' اسکے پوچھنے پہ اب اماں کی آنکھیں بھی نیر بہا رہی تھیں۔ بیٹیوں کا دکھ ماؤں کو جلدی بوڑھا کر دیتا ہے۔

''میری خاطر اسکا مزید انتظار کر لو، زینی۔'' وہ التجا کرنے لگیں۔ زینیا اب کے اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں سختی سے رگڑیں۔ چہرہ ویسا ہی ہو گیا بے تاثر۔ آنکھیں البتہ گلابی تھیں۔ گال سرخ۔

''آپ کو کیا لگتا ہے اتنے سال اسکا انتظار اپنے لیے کیا تھا؟'' اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔ ''ساری زندگی آپ کو ابا سے کم نسلی کا طعنہ سنتے دیکھا ہے۔ ساری زندگی رنگ کا پھوہڑ پن کا طعنہ سنا آپ نے۔ ہر بات آکر شروع جہاں سے بھی ہو۔ ختم آپ کے خاندان پہ ہوتی تھی۔ عبداللہ بھی آپ کا خاندان ہے اماں۔ آپ کے بھائی کی اولاد۔''

اماں نے گردن جھکا لی آنسو تواتر سے بہنے لگے۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا۔

''میں نے بہت کوشش کی عبداللہ آجائے تاکہ آپ کے طعنوں میں ایک کا اضافہ نہ ہو۔'' آخر میں اسکے دل سے ٹیسیں اٹھی تھیں۔

''وہ نہیں آیا، اماں۔ اس نے مجھے نہیں آپ کو بھی ڈس اون کیا۔ ساری زندگی اب آپ ابا کے طعنوں میں ایک مزید طعنے کا اضافہ پائیں گی۔ اور یہی دکھ ساری زندگی میرے ساتھ رہے گا۔ میں عبداللہ کو مر کر بھی معاف نہیں کروں گی۔ وہ مجھے ایسے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟'' اماں نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمھیں کیا لگتا ہے بالاج تمھیں خوشی خوشی قبول کرے گا؟ یا پھر تمھارے ابا بالاج سے تمہاری شادی کروا دیں گے تو تم خوش ہو جاؤ گی؟ ابا کا پیار مل جائے گا ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تم اپنے باپ سے تب بھی اتنی ہی دور رہو گی جتنی زمین آسمان سے۔ عبداللہ کی منگ

ہونے کی وجہ سے وہ تمھیں اپنے نہیں میرے خاندان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ تم کبھی انکی نظروں میں نہیں آؤ گی۔ زینی انکے لئے قربانی مت دو۔"

زینیا نے گلابی ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ ان میں آج بغاوت تھی۔

"قربانی کون دے رہا ہے، اماں؟" زینیا کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ "ساری زندگی آپ کے اور ابا کے لیے قربانیاں دے دے کر تھک گئی ہوں۔" گہری سانس لی۔ اماں کی آنکھیں اسی پہ ٹکی تھیں۔

"زندگی میں کبھی نہ کبھی اپنا ریموٹ کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے کر" می موڈ" لگانا ہوتا ہے۔ میرا وقت آگیا ہے۔ عبداللہ بالاج دونوں مرد بھاڑ میں گئے۔ زینیا حاکم اب خود کو چنے گی۔ مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔"

اماں چند لمحے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔ آج انکی نگاہیں عجیب تھیں۔ بے حد عجیب۔ یوں جیسے زینی کو پہلی بار دیکھا ہو۔

"آج تک تمھارے ابا کو لگتا تھا تم میرے خاندان جیسی ہو۔ لیکن آج آکر انکو دیکھنا چاہیے کہ تم انکا سایہ ہو۔ انکے جیسی بلکل انکے جیسی۔ مضبوط نہیں ڈھیٹ۔ ضدی نہیں ہٹ دھرم۔ محبت والی نہیں، انتقامی اور سازشی۔"

زینیا نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ "اب ساری رات آپ ایک بار پھر سکون سے نہیں سو سکیں گی۔ اپنے شوہر کے بارے میں نامناسب الفاظ کیوں کہہ دیئے؟"

امینہ بیگم نے اب کے اسے ترس کھا کر دیکھا تھا۔ کاش وہ اتنی مضبوط ہوتی جتنی نظر آتی تھی۔

☆☆☆

اگلا سارا دن حاکم نواب کے گھر میں بوجھل سناٹا رہا۔ کسی نے کسی فرد سے بات نہیں کی۔ ہر ایک، ایک دوسرے سے منہ چھپائے گھومتا رہا۔ فجر کے بعد کا وقت تھا۔ صبح سارے میں پھیلنے کو تیار تھی۔ زینیا حاکم اس وقت گھر کی چھت پہ موجود تھی۔ سادہ سے سیاہ شلوار قمیض میں اسکا سراپا دمک رہا تھا۔ شہد رنگ بال سختی سے باندھ رکھے تھے۔ پنجوں کے بل بیٹھی وہ مٹی کے برتنوں میں مختلف دانے ڈال رہی تھی۔ کونج اس سے ذرا فاصلے پہ کھڑی تھی۔

''آج تمہاری منگنی ہے جانتی ہو ناں؟'' وہ یاسیت سے پوچھ رہی تھی۔ زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا اپنا صدقہ دے رہی ہو؟ یا پھر یونہی پرندوں کا خیال آیا ہے؟'' اسکا اشارہ ان برتنوں کی جانب تھا۔ زینیا نے اپنی لمبی انگلیوں سے دانہ پھیلا دیا۔ سر اب بھی نہیں اٹھایا۔

"نہ نیکی کا خیال آیا ہے۔ نہ اپنا صدقہ دے رہی ہوں۔ پرندوں کی تصاویر کھینچوں گی۔ نیکی کے لئے دنیا میں بہت لوگ ہیں۔ کچھ کو کام بھی کرنا چاہیے۔''

"تم کیوں اتنی خود غرض ہو رہی ہو، زینی؟ نہ تم اماں کا سوچ رہی ہو۔ نہ ابا کا۔ کل رات بشر سے بھی بدتمیزی کی تم نے۔ ہاں ٹھیک ہے اگر بشر بزدل نکلا لالہ رخ کو نہیں لا سکا لیکن۔۔''

''بشر بزدل نہیں تھا۔'' زینی نے اسکی بات کاٹی۔'' بشر نے اسکو محبت کی خاطر چھوڑا۔ اگر وہ خود کو چن لیتا تو خود غرض ہوتا۔ بشر نے لالہ رخ کو چنا یہ محبت تھی۔ زینیا نے زینیا کو چنا یہ۔۔۔۔۔۔۔''

''خود غرضی تھی۔۔۔''کونج نے اسکی بات مکمل کی۔زینیا نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔

''زینیا نے زینیا کو چنا یہ بھی محبت تھی۔اپنی محبت۔نہ بشر غلط ہے نہ میں۔ایک لفظ ہے حالات بس ہمارے درمیان یہی فرق ہے۔

میرے حالات میں اپنے آپ کو چننا محبت تھی۔انسان ہر دفع صرف صحیح یا غلط نہیں ہوتا۔کئی بار وہ **"مختلف"** بھی ہوتا ہے۔''

کونج نے اسکی باتوں کے جواب میں کوفت سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ،زینی لیکن آخر تمھیں کیا مسئلہ ہے؟ساری ضروریات پوری ہو تو رہی ہیں۔''

''مسئلہ یہی ہے،کونج کہ بس ضروریات پوری ہورہی ہیں۔خواہشوں کا کیا؟''نیلگوں اندھیرا چھٹ رہا تھا۔ہلکی ہلکی روشنی پھیل

رہی تھی۔

"ساری زندگی یہاں نہیں گزارنا چاہتی میں۔مجھے سونا چاہیے،مہنگے جوتے،کپڑے چاہیے۔مجھے ڈھیر ساری دولت چاہیے۔میں

چاہتی ہوں میرا نام ہو۔لوگ مجھے دیکھیں مجھے سنیں۔کیا یہ مانگنا زیادہ ہے؟کیا میں کسی سے کچھ چھین رہی ہوں مجھے ساری دنیا سے

بس تھوڑا بہت اپنے لئے چاہیے۔''

کونج اسے تاسف سے دیکھتی رہی۔سیاہ آنکھوں میں تنفر تھا۔

"تم لالچی ہوتی جارہی ہو۔پیسہ،شہرت،سونا اسکے علاوہ بھی دنیا ہے۔یہ سب ضروری تو نہیں۔انکے پیچھے جانا لالچ ہے۔''زینیا نے

گہری سانس لی۔اپنے سامنے کھڑی اپنی بہن کو دیکھا۔

"کچھ بھی لالچ نہیں ہے، کونج۔ سب خواہشات ہیں۔ ہم سب کو خواہش رکھنے کا حق ہے۔ اللہ نے ہمیں غریب پیدا کیا۔ لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ اب تم اس غربت سے مت نکلنا۔ ساری زندگی یونہی سڑو۔ اس نے ہاتھ پیر دیئے عقل وشعور دیا۔ اب یہ ہم پہ ہے کہ ہم اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ آئی۔ عین کونج کے سامنے۔

"خواہشات کبھی بری نہیں ہوتیں انکے حصول کے لئے اپنایا جانے والا راستہ اچھا یا برا ہوتا ہے۔"

کونج اب بھی نیم رضامند تھی۔ تذبذب سے لب کاٹتے ہوئے وہ چند لمحہ اسے دیکھتی رہی۔ پھر یکدم دماغ میں کوئی جھماکا ہوا۔

"ڈراموں اور فلموں میں تو ہمیشہ یہی دکھایا جاتا ہے۔ جس بھی لڑکی کو پیسے اور امارات کو خواہش ہو۔ وہ ہمیشہ ذلیل ہوتی ہے۔ لالچی اور خود غرض ہوتی ہے۔ آخر میں انکا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔" لو جی انکی اپنی دلیلیں تھیں۔ زنیا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"یہی تو المیہ ہے ڈرامے اور فلموں میں پیسے اور امارات کی خواہش رکھنے والی لڑکی کو ہمیشہ براد کھایا جاتا ہے۔ اور اگر مرد یہ خواہش رکھے۔ تو وہ جسٹیفائیڈ۔"

کونج غور سے اسکو بولتے ہوئے سنتی رہی۔

"پیسہ، دولت، ہیرے جواہرات انکی خواہش بری نہیں ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ حرام کمانے لگ جاؤ۔ اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ کسی مرد کو پھانس لو۔ کسی کے حق پہ ڈاکہ مارو۔ اگر کوئی لڑکی اپنے دم پہ۔ اپنی محنت پہ۔ بغیر کسی امیر مرد کو پھانسے اگر کوئی لڑکی پیسے سے محبت کرتی ہے۔ تو اسے حق ہے۔ اگر اسے اپنے لیے ہیرے جواہرات چاہیے لیکن اسکے لئے وہ کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتی تو یہ اسکا حق ہے۔"

اب کے کونج کو اسکی باتیں سمجھ آنے لگی تھیں۔تاثرات نارمل ہونے لگے۔

’’کیا تم بالاج کے ساتھ خوش رہ سکو گی۔؟ تمھیں نہیں لگتا تم دونوں مس میچ ہو؟‘‘ زینیا نے سرد سانس باہر خارج کی۔اور واپس اپنے برتنوں تک آئی۔

’’میں ماضی کو یہیں دفن کر کے جا رہی ہوں۔ہمیشہ کے لیے۔میں اپنی پوری کوشش کروں گی بالاج میرے ساتھ اور میں اسکے ساتھ خوش رہوں۔عبداللہ کے بعد مجھے شادی نہیں کرنی سمجھوتہ کرنا ہے۔اسکے لیے بالاج سے بہتر کون ہو گا؟‘‘

اس نے دونوں برتن اٹھا کر دیوار پہ رکھے۔

"تم اس سے شادی کیوں کر رہی ہو؟ کوئی ایک وجہ؟‘‘

’’میرا مستقبل بن جائے گا۔وہ مجھے یہاں سے نکال لے جائے گا۔وہ اس خاندان کا سب سے مختلف مرد ہے۔کنویں کا مینڈک نہیں بننا چاہتا۔اسے اپنے کنویں سے باہر آنا ہے۔میں لا سکتی ہوں۔مجھے اونچائیوں پہ جانا ہے۔وہ میری سیڑھی بنے گا۔‘‘

اسی لمحے زینیا کو اپنے عقب سے ایک بھاری مردانہ آواز آئی۔وہ ٹھٹھکی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ شادی کیوں کی جاتی ہے۔لیکن اتنا جانتا ہوں کہ محبت، امارات یا پھر کسی بھی قسم کے ذاتی مفاد کی خاطر نہیں کی جاتیں۔‘‘ بشر سنجیدہ تھا۔

زینیا نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔سورج کی ہلکی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

" سمجھوتے ؟ وہ تو ذاتی مفاد کی بنا پہ کر سکتے ہیں ناں ؟"

" سمجھوتے زیادہ دیر نہیں چلتے ؟"

"میں ڈھیٹ ہوں، چلالوں گی۔" بات ہوا میں اڑادی گئی۔ بشر نے گہری سانس لی۔ اپنی دونوں بہنوں کو دیکھا۔

"اگر تم دونوں اس شادی کی خوشی بھرے غم سے نکل آؤ تو نیچے آجانا۔ نان چنے لایا ہوں۔" اسکی بات پہ کونج کی بھوک چمک اٹھی ۔کونسی بہن، کونسی شادی؟ وہ فورا نیچے کی طرف بھاگی تھی۔ زینیا ویسے ہی کھڑی رہی۔ بشر نے اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"چھوٹی چھوٹی چیزوں پہ خوش ہونا سیکھو زینی۔ ورنہ اندر سے خوشی کے جراثیم ختم ہو جائیں گے۔"

زینیا ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"اگر تم چاہتے ہو میں نان چنے دیکھ کر منہ سے رال ٹپکاؤں گی تو ایسا نہیں ہو گا۔ خوشی ایک جذبہ ہے۔ اور میرے جذبات اتنے قیمتی ہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ضائع نہیں کر سکتی۔" کندھے اچکائے نپا تلا جواب دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحہ وہ اسے ہی دیکھتی رہا۔ ابھی وہ سیڑھیاں اتر جاتی جب بشر نے پکارا۔

"تمھیں خود پہ بہت غرور ہے ناں۔؟ ایسی عقل ایسا دماغ۔ ایسا شعور ؟"

''ہونا بھی چاہیے۔ مجھ پہ یہ غرور سوٹ کرتا ہے؟'' وہ کہہ کر نہیں رکی آگے بڑھ گئی۔ بشر گہری سوچوں میں گم ہو گیا۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔

☆☆☆

یہ گزر چکی رات کا ذکر ہے۔ گوادر پی سی ہوٹل کے سوئمنگ پول کی طرف پیٹھ کئے مہدی کمبیر اپنے کیمرے میں ویڈیو ریکارڈ کر رہا تھا۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرہ بے تاثر۔ بھوری بیگی شرٹ کے ساتھ سفید سلیکس پہنے وہ کیمرے میں دیکھ کر بات کر رہا تھا۔

"قبولیت"(acceptance)

''ہر حادثے کے بعد ہمیں یہی لفظ سننے کو ملتا ہے۔ کبھی جاننے کی کوشش کی اس لفظ کے معنی کیا ہیں۔ یا پھر یہ لفظ کتنا گہرا ہے؟ ہم سب کو لگتا ہے۔ ایک دن جب ہم پہ قبولیت کا وقت آئے گا تو ہم بلکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہمارے سارے دکھ درد دور ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ قبولیت آپ کو خوش نہیں کرتی، آپ کے غم معدوم نہیں کرتی۔ قبولیت بس آپ کی ذات میں ایک ٹھہراو لاتی ہے۔ آپ کا دماغ پر سکون کر دیتی ہے۔ آپ کے دل کو سوچنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ قبولیت آپ سے درست فیصلہ کرواتی ہے۔''

(سنگھار میز کے سامنے زینیا بیٹھی تھی۔ گلابی رنگ کے کامدار جوڑے میں ملبوس۔ اسکے شہد رنگ بال کھلے تھے۔ اتنے خوبصورت بال تم نے شاید کبھی دیکھے ہوں۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے چہرے پہ میک اپ مل رہی تھی۔ ہونٹوں پہ گہری سرخ لپسٹک لگاتے ہوئے وہ بلاخر مسکرائی تھی۔ گلے میں ہس (ایک روایتی زیور جو کہ ہاتھ میں پہنے جانے والے کڑے جیسا ہوتا ہے۔ لیکن

اسکے عین بیچ میں ایک گول یا چوکور سونے ہی کی ڈبیا سی بنی ہوتی ہے۔ کئی بلوچ عورتوں کے لئے ہس انکی گردن کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔)

کانوں میں جھمکے ڈالے۔ ایک لڑکی نے آگے بڑھ کر اسکے ہاتھوں میں چوڑیاں ڈالنی چاہیں لیکن زہنیا نے اسے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"چوڑیاں میری کلائیوں کو قید کر دیتی ہیں۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ لڑکی اب اسکے بال گوندھنے لگی تھی۔ آئینے میں اسکا عکس نظر آ رہا تھا۔ گلابی جوڑا۔ ہلکا میک اپ۔ سرخ لپسٹک۔ بالوں کی گندھی ہوئی چٹیا۔ اور سر پہ رکھا کامدار دوپٹہ۔ جس سے اب اسکا گھونگھٹ بنایا جا رہا تھا۔

وہ کمر اور گردن سیدھی کیے بیٹھی رہی۔ دل پہ ایک سو ایک قیامت آ کر گزر گئیں تھی۔ لیکن وہ تو قبول کر چکی تھی ناں؟ عبداللہ اب کون؟)

پول کے پانی پہ مصنوعی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔ وہی روشنی منعکس ہو کر مہدی کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ کیمرے کو دیکھتا وہ سنجیدہ تھا۔

"قبولیت ہمیشہ خوشیوں کی ضمانت ساتھ نہیں لاتی۔ قبولیت کبھی زبردستی اپنی زندگی میں داخل نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ اپنے دوستوں، بہن بھائیوں کی نصیحتوں سے تھک کر خود کو زبردستی یہ باور کروانا چاہتے ہیں۔ کہ آپ اب قبولیت کے مرحلے میں ہیں۔ تو یہ کام نہیں کرے گا۔ ہرگز نہیں کرے گا۔ قبولیت آپ کا دل دماغ کا فیصلہ ہے۔ یہ آپ کے اعصاب کا فیصلہ ہے۔ ایک وقت آتا

ہے جب آپ کے اعصاب آپ سے کہہ دیتے ہیں۔اب تیار ہیں۔ہاں اب ہم تیار ہیں۔ماضی کے ٹراما کو سہنے کے لئے۔وہ آئے اور گزر چکے۔اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔

''اب ہم تیار ہیں حال کے رنج قبول کرنے کو۔کیونکہ مستقبل سنوارنا ہمارے اختیار میں ہے۔دوستوں کے مشورے سنیں۔لیکن دل کی آواز بھی سنیں۔بہن بھائی کی ہمت دلانے پہ اٹھ کھڑے ہوں۔لیکن اپنے زخمی پیروں کا بھی سوچیں۔آپ کے دل کا پتہ بس آپ جانتے ہیں۔اس پہ بیتی قیامت سے آپ واقف ہیں۔'' وہ ایک پل کو رکا لمبی گہری سانس لی۔

"اگر ایک لنگڑے آدمی سے بے ساکھی چھین کر اسے زبردستی اپنے قدموں پہ کھڑا کیا جائے گا۔تو شاید وہ چند قدم چل سکے۔لیکن پھر اگلے چند قدم کے بعد وہ بری طرح گرے گا۔اور یہاں چوٹ صرف اسے نہیں آئے گی۔اسکی روح کو بھی آئے گی۔اپنے پیروں پہ کھڑے ہونا اچھا ہے۔لیکن علاج اور وقت لینا بھی اچھا ہے۔قبولیت وقت لیتی ہے۔اسے تھوپا نہیں جا سکتا۔اسے خود پہ مسلط مت کریں۔''

(فجر کا وقت تھا۔آسمان اب بھی سیاہ تھا۔پو پھوٹنے میں ابھی وقت تھا۔دو مردوں کے ہیولے اس پہر مسجد کی اور جاتے دکھائی دے رہے تھے۔دفعتاً گلی کے نکڑ کے قریب ایک مرد ٹھہر گیا تھا۔صاف رنگت اور سیاہ آنکھوں والا بشر حاکم۔اسکے ساتھ چلتا بالاج میر بھی رکا تھا۔

"بشر دیکھو میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ بالاج کہتے ہوئے آگے آیا۔ آج منگنی ہے۔ اور آج ہی تم میرے پاس شرط لے کر آئے ہو۔ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں اپنی عورت کو نوکری کرنے دوں۔ میں اتنا بے غیرت نہیں ہوا جو اسے مردوں کے بیچ اٹھنے بیٹھنے دوں۔"

اسکی رنگت سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ بشر نے سکون سے اسے دیکھا۔

"منگنی آج شام میں ہے۔ میری بہن کی ایک ٹوٹ چکی ہے۔ دوسری میں توڑوں گا۔ لیکن تمہاری بہن اسکا کیا؟ لوگ جب آکر اس سے پوچھیں گے۔ خاندان کے سب سے شاندار مرد نے تمھیں کیوں چھوڑا تو وہ کیا کہے گی۔؟ سوچو بالاج۔ اپنی بہن کا سوچو۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، بشر؟"

"میں حقیقت بتا رہا ہوں۔ میں وہی ہوں۔ جس نے اپنے ابا کی خاطر اپنے دادا کی کروڑوں کی جائیداد کو ٹھوکر ماری ہے۔ تمھیں کیا لگتا ہے۔ میں اپنے خاندان پہ ایک غیر لڑکی کو فوقیت دوں گا؟"

بالاج نے بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کرے۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور تحمل سے کہنا شروع کیا۔

"دیکھو بشر۔ جو تم کہہ رہے ہو۔ وہ میں نہیں کر سکتا۔ لیکن میں تمہاری بہن کو ساری خوشی دوں گا۔ تم۔۔"

"میری بہن کی خوشی میری شرط قبول کر لینے میں ہے۔ ابھی کے ابھی میرے ابا کو فون کرو۔ اور کہو تمھیں زینیا کی پڑھائی سے کوئی مسئلہ نہیں۔ ورنہ یہ رشتہ ابھی کے ابھی ختم سمجھو۔" وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔ بالاج چند لمحہ بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جی میں آیا تھا۔ کہ ابھی اور اسی وقت اسے شوٹ کر دے۔ لیکن دل کی باتیں سب کہاں مانی جاتی ہیں۔

"قبول ہے۔۔۔" بالاج کی آواز شکستہ تھی۔ لہجہ ہارا ہوا۔ یہ ایک زبردستی کی قبولیت تھی۔)

کیمرے کے سامنے بیٹھا مرد آنکھوں میں ڈھیر سارا علم لئے ہوئے تھا۔ رک رک کر بولتا۔ وہ ساری دنیا کو اپنی بات کا باور کروا رہا تھا

۔

"ہم نے قبولیت کو بس ماضی کے غم اور حال کے زخموں سے جوڑا ہوا ہے۔ لیکن اصل میں قبولیت ہمارا حال بھی ہے۔" وہ ٹھہرا، الفاظ مجتمع کیے۔

"ہمارے ساتھ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا۔ برے دوست ملے۔ تعلق ٹوٹے۔ دھوکہ ہوا۔ کاروبار ڈوبا۔ ہم فیل ہوئے۔ اکیڈمک ریکارڈ برا رہا۔ ہم اسکو سروائیو کر کے آگے نکل آئے۔ اس وقت شاید ہم اچھے مقام پہ ہیں۔ دوست ہیں۔ اچھا پارٹنر ہے۔ بزنس پھر سے چل پڑا ہے۔ دل جڑ گیا۔ لیکن ہم اب بھی ماضی میں ہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا۔؟ سمجھتا ہوں۔" وہ آگے کو ہو کر بیٹھا۔

"ہم آج بھی مکمل اعتبار نہیں کرتے، ہم آج بھی خوف زدہ ہیں۔ نئے تعلقات سے۔ نئے لوگوں کو قبول کرنے سے۔ نئے دوستوں کو خوش آمدید کہنے سے۔ ہم اب تک قبولیت کے مرحلے میں نہیں آئے۔ خوشیاں قبول کرنے کا مرحلہ۔ اعتبار کرنے کا مرحلہ۔ زندگی میں آپ کو ہمیشہ سب کچھ برا نہیں ملے گا۔ یہ قبول کریں۔ زندگی آپ کے ساتھ ہمیشہ ناانصاف نہیں رہے گی قبول کریں۔

آپ کی زندگی میں آنے والا ہر دوست برا نہیں ہوگا۔ یاد رکھیں۔ زندگی آپ کے ساتھ اتنی بے رحم نہیں ہوتی جتنے آپ خود ہوتے ہیں۔"

(پی سی ہوٹل گوادر کے ایک سویٹ میں اپنے پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھا قیس رنجیدہ تھا۔ موبائل پہ اپنے خاندان کی تصاویر دیکھتے ہوئے اسکے چہرے پہ ایک مغموم مسکراہٹ تھی۔

اسکا موبائل ہر دوسرے منٹ تھر تھرا رہا تھا۔ ایک نیا پیغام ایک نئی، مبارک باد۔ آج اسکی سالگرہ تھی۔ وہ اپنے دوستوں سے فرار حاصل کر کے یہاں آیا تھا۔ اسے جس شخص کی مبارک چاہیے تھی۔ اسکا عظیم باپ۔ وہ مر چکا تھا۔ اب وہاں سے کوئی پیغام نہیں آنا تھا۔

اسے ایک دوسرے شخص کی مبارک باد بھی چاہیے تھی۔ اسکی واحد دوست۔ اس سے تو کئی برس ہوئے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ دوستوں سے رابطہ ٹوٹ جانا دل توڑ دیتا ہے۔ قیس کا دل بھی ٹوٹا تھا۔ اتنے برے طریقے سے ٹوٹا تھا کہ اسے کرچیاں سمیٹنے میں وقت لگنا تھا۔

انسٹا گرام کے بجتے ڈی ایمز، واٹس ایپ کے شور مچاتے پیغامات، دوستوں کی ہر دو منٹ بعد کی جانے والی کال، ورکرز اور کولیگز کے میسجز۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ دل کو بھا نہیں رہا تھا۔

اپنے موبائل کی سکرین پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے اسکی سیاہ آنکھیں افسردہ تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں موبائل دور اٹھا کر پھینکا۔

نہ یہ دوست چاہیے تھے، نہ یہ تعلقات، نہ یہ محفلیں چاہیے تھیں، نہ قہقہے۔نہ خوشیاں۔ قیس کا ان سب پہ کوئی حق نہیں۔ وہ خود کو باور کروا رہا تھا۔اسکا دوست چھوٹا تھا۔اور اس نے خود پہ نئی دوستیاں حرام کر لی تھیں۔ اسکا خاندان مرا تھا۔اس نے باقی آدھے کو بھی مرا ہوا سمجھ لیا تھا۔

"زندگی اوُ زندگی۔کاش میں تمھیں ختم کر پاتا۔" وہ بس بڑبڑایا تھا۔!)

"قبولیت صرف خوشی یا غم کی نہیں ہوتی۔ قبولیت آپ کی اپنی ذات کی بھی ہوتی ہے۔اپنے رنگ، چہرے، قد، سب کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ یہ آپ کے ذہنی سکون کے لئے ضروری ہے۔خود کو گروم کرنا اچھی بات ہوتی ہے۔ ہر دور میں اچھی بات ہے۔ لیکن آپ کا رنگ یہ بدل نہیں سکتا۔ چاہے آپ جتنے مرضی پراڈکٹس استعمال کر لیں۔ آپ کا قد یہی رہے گا۔ آپ کی جسامت پہ آپ کام کر سکتے ہیں۔لوگوں کے لئے نہیں۔اپنے لئے۔

کسی بہن بھائی، کسی ماں باپ، کسی دوست کزن کو بھری محفل میں آپ کے رنگ، قد، وزن کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ ایک پل کو رکا۔ سنجیدہ ہوا۔ معلم ہوا۔ پھر کہنا جاری رکھا۔

(کزنز کے جھرمٹ میں بیٹھی سانولے چہرے والی کونج اپنے سامنے فاؤنڈیشن کی ڈبیا کھولے بیٹھی تھی۔اسکا چہرہ خشک رہا کرتا تھا۔ یوں وہ جب بھی میک اپ لگایا کرتی تو چند گھنٹے بعد ہی خشکی کے ٹکرے کی مانند اسکے چہرے سے جگہ جگہ سے میک اپ اتر جایا کرتا تھا ۔اسے میک اپ کا شوق تھا۔ لیکن وہ اپنی بے عزتی ہونے سے بھی ڈرتی تھی۔

"کونج تمہاری اسکن ٹون ایسی ہے کہ میک اپ جذب نہیں کرپاتی۔" اسکے پاس بیٹھی اسکی ایک کزن کہہ رہی تھی۔ "تم میک اپ مت کیا کرو۔ یا پھر بہت زیادہ گہرا کیا کرو۔ تاکہ تمہارا چہرے پہ میک اپ کی تہہ گہری ہو جائے۔"

اسکی بات پہ کونج کو بے اختیار سبکی محسوس ہوئی تھی۔ کمرے میں بیٹھی سب کزنز کی نگاہوں کا مرکز وہی تھی۔

"زیادہ گہری تہہ عجیب لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ میرا چہرہ ہے ہی نہیں۔" اسکے گلے سے چند الفاظ نکلے تھے۔ نظریں بے اختیار جھک گئیں۔

زرینہ آگے کو ہو بیٹھی۔ کونج کے ہاتھ سے فاؤنڈیشن کی ڈبیا اور برش لے لیا۔

"ادھر دو میں تمھیں بتاتی ہوں۔ میک اپ ہوتا کیا ہے۔ جیسی تمہاری اسکن ہے ناں اس پہ یہ تمہارا ہلکا میک اپ سوٹ نہیں کرے گا۔ بھر بھر کے لگاؤ تب گوری لگو گی۔ اور اچھی بھی۔"

کونج پھیکا سا مسکرائی۔ اس نے قبول کر لیا کہ وہ گوری لگے بغیر اچھی نہیں لگ سکتی۔)

"قبولیت ہمیشہ وقت لیتی ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کل آپ کے ساتھ حادثہ ہوا اور آج آپ ٹھیک ہو گئے تو ایسا نہیں ہو گا۔ آپ اب سوچیں گے کچھ انسان تو مضبوط ہوتے ہیں۔ جلدی ری کور کر جاتے ہیں۔" مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔

"مضبوط سے مضبوط انسان کے پاس بھی دل ایک ہی ہوتا ہے۔ درد اسے بھی ہوتا ہے۔ زخم اسکے بھی ہوتے ہیں۔ مضبوط انسان بھی ایک،، انسان،، ہوتا ہے۔ اور انسانوں کے غم جلدی کہاں ختم ہوتے ہیں؟"

(حاکم نواب کے گھر میں ایک اؤدھم مچا تھا۔پیلے سونے میں لدی عورتیں یہاں سے وہاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔زینیا حاکم کے چہرے پہ گھونگھٹ ڈال کر اسے کمرے کے ایک کونے میں بٹھایا گیا تھا۔یہاں منگنیاں ایسے ہی ہوا کرتی ہیں۔دلہن کو کمرے کے ایک کونے میں بٹھا دیا جاتا ہے۔اور دولہے کی ماں یا گھر کی بڑی عورت سرخ دوپٹہ اسکے سر پہ ڈالتی ہے۔پلو میں چند نوٹ باندھ دیتی ہے۔اور ہاتھ میں پیلی سونے کی انگوٹھی۔یہ تو جدید دور تھا جس میں چند گنے چنے خاندان منگنی کی رسم ادا کرتے تھے۔ورنہ کئی خاندانوں میں تو اب بھی بس مردوں کے درمیان بات طے ہو جایا کرتی،اور گھر کی کوئی بڑی بوڑھی لڑکی کر سر پہ سرخ چادر ڈال آتی تھی۔البتہ شہروں میں لڑکا لڑکی کو ساتھ بٹھایا جاتا اور انگوٹھیوں کے تبادلے بھی جوڑے کے درمیان ہوتے۔

زینیا کو اپنے قریب عورتوں کے قہقہے لگانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ڈھول کی تھاپ کانوں کے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔دلہے کی بہنیں اور ماں آچکی تھی۔

اور زینیا حاکم نے اپنے دل کو بند ہوتا محسوس کیا۔کچھ تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔بے اختیاری سے کیفیت میں اسکا ہاتھ اسکے دل کے مقام پہ گیا۔سارے کے سارے جسم پہ لرزا طاری ہوا۔

ایک لمحے کے لئے زینیا نے اپنے دل کو بند ہوتا محسوس کیا۔)

"اگر آپ کو لگتا ہے آپ غم کو پراسیس کئے بغیر اس سے نکل آئیں گے۔تو آپ غلط ہیں۔اگر آپ کو لگتا ہے روئے بغیر۔چند دن مایوس،پریشان اور افسردہ ہوئے بغیر آپ خوش ہو جائیں گے تو آپ غلط ہیں۔اس طرح سے آپ صرف اور صرف مسئلے سے بھاگ

سکتے ہیں۔ زخم کو اگنور کر سکتے ہیں۔ کیا کبھی زخم اگنور ہونے سے ٹھیک ہوئے ہیں۔ ؟ایسے زخم ناسور بن جاتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان میں ایسی ٹیسیں اٹھتی ہیں کہ آپ کی روح تک کانپ جاتی ہے۔''

(وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دولہا کے گھر کی عورتیں صحن میں تھیں۔ شادی کے گیت گانے کی آواز یہاں تک آتی تھی۔ بس کچھ دیر اور ایک سرخ دوپٹہ، پیلی انگوٹھی۔ اور پھر وہ ساری زندگی کے لئے عبداللہ کا نام نہیں لے سکتی۔

کوئی اس سے اسکا کمفرٹ چھین رہا تھا۔ کاش اسکے بس میں ہوتا کہ کچھ کر پاتی۔ اپنی جگہ پہ کھڑی وہ عجیب وحشت بھری نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ غلط تھا۔ یہ اسکی مرضی نہیں تھی۔ کئی لڑکیاں اسکے آس پاس بیٹھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔ بے اختیار کئی لڑکیوں نے باقاعدہ منہ پہ ہاتھ رکھ لئے تھے۔ یہاں دلہن کا یوں گھومنا پھرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

باہر نکل کر عورتوں سے بھرے صحن میں کسی کو دیکھے بغیر وہ بیٹھک کی جانب بڑھ رہی تھی۔ چہرہ ڈھک رکھا تھا۔ رش اتنا تھا کہ کسی نے اس پہ غور نہیں کیا۔ بیٹھک میں آکر اس نے فوراً سے پہلے دروازہ بند کیا۔ باہر کا شور ذرا سا تھم گیا۔

وہ اسٹول پہ رکھے ٹیلی فون کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سانس قبض ہو رہی تھی۔ دل جل رہا تھا۔ بشر کو ٹھیک لگتا تھا۔ وہ قبولیت کے مرحلے میں نہیں آئی تھی۔ کونج کو غلط لگتا تھا۔ اسکی بہن مضبوط نہیں ڈھیٹ تھی۔)

''قبولیت سب سے پہلے آپ کے دل پہ اترتی ہے۔ اسے پر سکون کرتی ہے۔ اور زبردستی کی قبولیت بھی سیدھی آپ کے دل پہ اترتی ہے۔ یہ آپ کے دل کو اتنا برا توڑتی ہے کہ پھر وہ جڑ نہیں پاتا۔''

(اس نے ریل گھمائی۔ عبداللہ کو کال جارہی تھی۔ بے چینی سے اسکا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔ دل اتنی بری طرح جل رہا تھا کہ حد نہیں۔ عبداللہ اسکا کمفرٹ تھا۔ یہ سارے لوگ اسے ان کمفرٹیبل کر رہے تھے۔ عبداللہ تو دنیا تھا، وہ اسے دنیا کی خاطر کیسے چھوڑ دیتی؟

سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ نہیں کیا اس نے قبول نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔ کال مل گئی تھی۔ ایئرپورٹ پہ کھڑا کندھے پہ بیگ ڈالے ہوئے مہدی کا موبائل بجا تھا۔ اس نے نمبر آنکھوں کے آگے کیا۔

ایک لمحے کے لیے اسکے آگے ساری دنیا رک گئی۔ مہدی کمبیر ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکا۔)

''قبولیت کے ساتھ ضد نہیں لگاتے۔ قبولیت کے ساتھ ڈھیٹ نہیں بنتے۔ اسے وقت دیتے ہیں اپنا وقت لیتے ہیں۔''

"یہ میں نے کیا کر دیا۔ اوہ خدایا یہ کیا ہو گیا۔'' وہ لرزتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ زبان بڑبڑا رہی تھی۔ دل میں زخم پڑ رہے تھے۔ بلاخر کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ زنیا کے لیے ساری دنیا کی گردش رک گئی۔)

"قبولیت رفتہ رفتہ آپ کو ہیل کرتی ہے۔ قبولیت آپ کے زخم بھرتی ہے۔ آپ کے دل کو تندرستی دیتی ہے۔ لیکن اگر آپ نے اسکے ساتھ ضد لگالی۔ تب ہو گا صرف یہ کہ آپ کا نقصان۔ صرف اور صرف آپ کا نقصان۔''

("عبداللہ، پلیز آجاؤ۔'' وہ بھل بھل بہتے آنسوؤں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ آواز بامشکل نکل رہی تھی۔ بس ہچکیاں تھیں جو ابھر رہی تھیں۔ ضبط، ضد ٹوٹ چکا تھا۔

وہ مضبوط ہوتی تو کھڑی رہتی۔ وہ ڈھیٹ تھی۔ تب ہی ٹوٹ رہی تھی۔)

''کیونکہ جن زخموں کو وقت نہیں دیا جاتا۔ وہ ناسور بن جاتے ہیں۔ اور ناسور میں جو درد اٹھتا ہے وہ آپ کا دل چیر بھی سکتا ہے۔ آپ کی کھڑی ہوئی ٹانگیں لڑکھڑا بھی سکتا ہے۔''

("میں نے غلط فیصلہ کیا، عبداللہ۔ تم میرا کمفرٹ ہو۔ باقی ساری دنیا مجھے غیر آرام دہ کرتی ہے۔ تمھارے ساتھ ہوں۔ کوئی اور میرے لیے کبھی عبداللہ نہیں بن سکتا۔ پلیز آجاؤ۔ کوئی وعدہ۔ کوئی پیغام بھیجو۔ میں نے تیئس سال تمہاراانتظار کیا ہے اگلے تیئس سال بھی کروں گی۔ تم کہو عبداللہ صرف ایک بار مجھ سے کچھ کہ۔

تم میرے لیے آؤ عبداللہ۔ میں اس قابل ہوں کہ میرے لیے آیا جائے۔ آجاؤ، عبداللہ۔ پلیز آجاؤ۔ میں تمھارے بغیر خاک ہوں۔''

آنسو، جلتا دل، قبض ہوتی سانسیں اور شل ہوتا دل۔ ان سب کے درمیان وہ اسے پکار رہی تھی۔

''میں تمھارے شہر آیا تھا۔ تمھارے لیے۔ تمہاری پکار پہ، میں نے کبھی تمھیں ڈس اون نہیں کیا۔ تم میری ہو۔ ہمیشہ میری رہو گی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔۔ وہ اس آواز کو دوبارہ سننے کے لیے ساری زندگی انتظار کر سکتی تھی۔

''میں تمھیں کوئی وعدہ کوئی پیغام دیے بغیر جا رہا ہوں۔ کیونکہ تم سے جو تعلق ہے۔ اس میں محبت کی جگہ نفرت ہے۔ میرے الفاظ تمھیں زندگی دیں گے۔ لیکن میں چاہتا ہوں تم مرو۔ عبداللہ تمھارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔''

فون بند ہو گیا تھا۔ زینیا کا دل اسکے ساتھ بند ہوا تھا۔ اسے لگا تھا اب وہ کبھی سانس نہیں لے سکی گی۔ ٹانگوں کی سکت ختم ہوئی، دل کا درد اتنا بڑھا کہ زینیا حاکم نے اپنے دل کو سن ہوتا محسوس کیا۔

اس نے آہستگی سے فون کریڈل پہ رکھا۔ بہتی آنکھیں صاف کیں۔ دیوار کے ساتھ لگتی وہ دھیرے دھیرے سے نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اسکا دل ٹوٹا تھا۔ اور زینیا حاکم کو لگا تھا اب وہ ساری زندگی اسے جوڑ نہیں پائے گی۔ اسکے پاس اب جانے کو کوئی راہ نہیں بچی تھی۔ بلانے کو کوئی شخص نہیں بچا تھا۔ وہ ایک بھر بھری دیوار کی مانند ڈھے گئی تھی۔)



رات کتنے پہر بیتی کتنی باقی رہی۔ کچھ پتہ نہیں تھا۔ مہمان جا چکے تو گو ادر سونا سونا ہو گیا۔ کالی سیاہ رات میں چند ستارے اپنے کندھوں پہ سارا بوجھ لادے روشنی کا ٹھیکا لئے ہوئے تھے۔ چاند آج شرمایا شرمایا سا تھا۔ بادلوں کی اوٹ میں کسی نو بیاہتا دلہن کی طرح۔ گھر کے پچھلے صحن میں اس وقت خاموشی تھی۔

کسی پڑوسی گھر سے ذرا سی روشنی صحن میں دو زانو بیٹھی زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ اسکے سامنے وہی سیاہ کتا ایک بار پھر بیٹھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑے کتے کے آگے پڑے تھے۔ لیکن وہ کھا نہیں رہا تھا۔ اداس آنکھوں سے زینیا کو بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

زینیا نے ابھی بھی وہی گلابی جوڑا پہن رکھا تھا۔ بس ہاتھ کی انگلی میں ایک پیلی انگوٹھی کا اضافہ تھا۔ کبھی وہ اس انگوٹھی کو دیکھتی تھی۔ اور کبھی اپنے سامنے بیٹھے سیاہ کتے کو۔

ایک شخص تھا، جس نے بس اپنا نام دیا تھا۔ کوئی زرد سونا نہیں۔ کوئی چمک دار ہیرا نہیں۔ وہ شخص دل کا قرار تھا۔ اور ایک یہ شخص تھا۔ جس نے سرخ چادر دی۔ سونا دیا۔ چار لوگوں کے درمیان نام دیا۔ لیکن یہی وہ شخص تھا۔ جس کے ساتھ بے چینی ہوتی تھی۔

یہاں سے میلوں دور اسلام آباد میں واقع کمبیر محل کے لان میں مہدی کرسی پہ بیٹھا تھا۔اسکے ہاتھ میں چائے کا بھاپ اڑاتا مگ تھا۔ اسی ہاتھ کی کلائی میں ایک برانڈڈ گھڑی۔

نظریں کسی غیر مرئی نکتے پہ جمی تھیں۔دفعتاً اسکی نظر میز پہ رکھے اپنے موبائل پہ پڑی۔بحری جہاز والا سفر ایک جھماکے سے آنکھوں کے سامنے آیا۔وہ چٹانوں جیسی سخت لڑکی یاد آئی۔اسکے لفظ اسکی باتیں یاد آئیں۔یقیناً وہ ایسے لوگوں میں سے تھی۔جنہیں آپ فوراً اپنے دماغ سے نہیں نکال سکتے۔وہ دل پہ اپنا اثر چھوڑ جاتی تھی۔

مہدی چند لمحے یونہی بیٹھا رہا۔اور پھر موبائل اٹھالیا۔نہ جانے کیوں کس خیال کے تحت اسکی انگلیاں **"عجیب لڑکی"** کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔یہ ایک غیر مہذب حرکت تھی۔لیکن وہ جاننا چاہتا تھا۔اس لڑکی کی اکیڈمی کے بارے میں کیا طے ہوا۔یا پھر یہ شاید بہانہ تھا۔

بیل جارہی تھی۔لیکن پہلی گھنٹی بھی ابھی پوری نہیں بجی ہوگی۔جب مہدی نے کال کاٹ دی۔اسے یاد آیا کہ اس وقت ایک چھوٹے علاقے کی لڑکی کو کال کرنا کس قدر غیر مہذب حرکت ہوسکتی ہے۔اب کے اسکی انگلیاں کوئی پیغام ٹائپ کر رہی تھیں۔

یہاں سے دور کئی میل دور زینیا حاکم کا موبائل کسی پیغام کی نوید کے ساتھ تھرتھرایا۔وہ جو کتے کے سامنے دوزانو بیٹھی تھی۔ایک گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔پاس رکھی چارپائی سے اپنے موبائل اٹھا کر پیغام کھولا۔

"کیا تمہاری،افروزہ سے بات ہوگئی؟

مہدی"

انگریزی میں لکھا پیغام۔ زینیا نے مشینی انداز میں واپس لکھ کر بھیجا۔

"ہو گئی۔"

"کیا کہا انہوں نے؟" فوراً پوچھا گیا۔

"کوئی زینیا کو ناں نہیں کہتا۔ میرے نام ایک اور کامیابی۔"

مہدی کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔ وہ تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

"کیوں؟ کوئی تمھیں ناں کیوں نہیں کہہ سکتا؟ کیا تم کسی اور سیارے سے آئی ہو؟"

پیغام آیا سکرین روشن ہوئی۔ لیکن مسکراہٹ اُونہوں اسکا بھلا یہاں کیا کام۔

"میں اسی سیارے کا سب سے rare اور قیمتی اثاثہ ہوں۔"

"اتنا غرور کس بات کا؟"

"مجھے لگتا ہے آپ خود شناسی ٹائپ کرنا چاہتے تھے، اٹس اوکے میں سمجھ گئی۔ شکریہ۔" کھڑے کھڑے یونہی جواب دیتی وہ روبوٹ لگ رہی تھی۔ دوسری جانب مہدی زور سے ہنستا چلا گیا۔

"میں سوچ رہا تھا۔ اس وقت کال نہ کروں برا لگتا ہے۔ لیکن تم سے بات کر کے اچھا لگا۔"

"آئندہ نہیں لگے گا کیونکہ میں آپ کو بلاک کر رہی ہوں۔ اپنے نازک دماغ پہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔"

اور اگلے ہی لمحے اس روبوٹ نما لڑکی نے بلاک کا بٹن دبا دیا تھا۔ مہدی نے اپنے موبائل کو ڈھیر ساری بے یقینی سے دیکھا۔ یعنی اس لڑکی نے اسے بلاک کر دیا؟ مہدی کمبیر کو بلاک کر دیا؟

کیا اسے ایسا کرنا چاہیے تھا؟

دوسری جانب اس نے موبائل ایک بار پھر چارپائی پہ اچھال دیا۔ اور واپس اس سیاہ کتے کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اسکے سامنے رکھی بڑی سی روٹی اٹھائی اور سست روی سے اسکے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکے آگے ڈالنے لگی۔ کتے نہ کھایا اب بھی نہیں۔ اگلی دو ٹانگیں فرش پہ بچھا کر وہ اداس سا اسکو تکنے گیا۔

اپنی مالکن کا غم میں وہ بھی غمزدہ تھا۔ رات آہستہ آہستہ اپنی سیاہی سمیٹے رخصت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

قیسم کا غیر معمولی شور آج تھم سا گیا تھا۔ صبح کی پیلی زرد روشنی نے عمارت کو جھلسا رکھا تھا۔ قیس اپنے آفس میں ڈھیر سارے کاغذات جمع کیے بیٹھا تھا۔ دفعتاً دروازہ بجا۔ قیس نے ابھی اجازت نہیں دی تھی کہ کوئی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔

وہ واصف منیر تھا۔ طیش سے اسکے کان سرخ پڑ رہے تھے۔ آنکھیں خون برسا رہی تھیں۔ وہ ملگجے سے لباس میں تھا۔ اسکا چہرہ غیض و غضب کا مارا تھا۔ قیس کو اپنے سامنے سکون سے بیٹھے دیکھ اسکا پارہ مزید ہائی ہونے لگا۔

''تمہاری جرات کیسے ہوئی، قیس کمبیر؟'' مارے طیش کے اسکی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ ''تمھیں کیا لگا تھا؟ تم میرے ڈیزائنز لے لو گے۔ اور مجھے پتہ بھی نہیں چلے گا؟ تمھیں کیا لگا تھا۔ تم مجھ سے کہو گے۔ اس رات میرے آفس میں داخل ہونے والے تم نہیں بلکہ ایک بلی تھی۔ تو کیا میں مان لوں گا؟''

''حالانکہ میں سچ کہہ رہا تھا وہ ایک بلی ہی تھی۔'' قیس سکون سے بولا۔ "کیا تمھیں یقین نہیں آیا؟ یقینا تمھیں چند راتیں پیچھے لے کر جانا ہو گا۔''

واصف منیر کے آفس میں کھڑے قیس نے اس رات اپنی پنڈلی سے بندھی پستول برامد کی تھی۔ جو نہی وہ سیدھا ہوا۔ اسکے سامنے کوئی تھا۔ وہی جس نے ڈبے گرائے تھے۔ وہی جس نے مجسمے توڑے تھے۔ وہی جو رات کی تاریکی میں دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔ کون تھا وہ بھلا؟

ایک بلی، ایک ماں بلی۔ جس کے منہ میں اپنا بچہ تھا۔ چھوٹا سا سفید رنگ اور سیاہ پٹیوں والا بچہ۔ شاید وہ اسکے لئے کسی محفوظ مقام کی تاک میں تھی۔ اپنے سامنے ایک دیوہیکل انسان کو دیکھ وہ ایک ہی جست میں باہر بھاگ گئی تھی۔ بیچاری معصوم بلی۔ قیس نے اسے جانے دیا۔ وہ جونہی پلٹ رہا تھا۔ اس کی نظر میز کے قریب فرش پہ گری ایک بھوری جلد کی اسکیچ بک پہ پڑی۔ خستہ حال سی جلد والی اس اسکیچ بک پہ کھڑکی سے آتی روشنی پڑ رہی تھی۔

قیس اچھنبے سے آگے بڑھ آیا۔ چند لمحے یونہی کھڑے رہنے کے بعد اس نے جھک کر وہ نوٹ بک اٹھالی تھی۔ اسکی خستہ حالی بتاتی تھی۔ اس پہ کئی عرصے سے کام کیا جا رہا ہے۔ لیکن قیسم کا کوئی ایسا پراجیکٹ تھا ہی نہیں۔ جسے ایک لمبا عرصہ ملتوی رکھا گیا ہو۔

اس نے کتاب کھولی۔اور اگلے ہی لمحے اسکے لب اوہ میں سکڑے تھے۔ابرو ستائش سے اوپر کو ہوئے۔چہرے پہ جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔ قیس کا کام قیس کا جنون تھا۔اور جو کام اس وقت اسکے ہاتھ میں تھا۔یہ کروڑوں کا فائدہ تھا۔ایک ایک ڈیزائن اتنا قیمتی اور اتنا نفیس تھا۔کہ لوگ اسکی کئی اسٹاکس ختم کرنے کو دیوانے ہو سکتے تھے۔اسی لمحے کسی بھاری بوٹوں کی چاپ قیس کو اپنے قریب آتی سنائی دی۔اس نے سر نہیں اٹھایا۔وہ یونہی صفحات پلٹتا رہا۔یہاں تک کہ آواز ساکن ہو گئی۔بوٹوں والا شخص ٹھہر گیا تھا۔قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔براق حنیف ایک بار پھر اسکے سامنے تھا۔

محظوظ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ قیس کو دیکھ رہا تھا۔

"ہر دوسرے انسان کی طرح مجھے بھی بحث کے دس منٹ بعد یاد آیا ارے یہ لائن تو میں نے بولی ہی نہیں۔آہ کاش میں اس وقت یہ لفظ کہہ دیتا۔" آدھا عرب ہلکے اندھیرے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

"اسی لیے میں نے سوچا واپس جایا جائے۔براق حنیف نے ہمیشہ دل کی سنی ہے۔اور دیکھو میں تمہارے سامنے ہوں۔تمہارے ہاتھ میں ایک اسکیچ بک دیکھ رہا ہوں۔یقیناً مجھے اپنا منہ بند رکھنا ہوگا۔ہے ناں پیارے دوست ؟"

قیس سرد سا مسکرایا۔

"تم اپنا منہ بند رکھو یا کھولو۔مجھے فرق نہیں پڑتا۔لیکن یہ چار فٹ چوڑا منہ میرے سامنے مت لایا کرو۔یوں لگتا ہے۔جیسے یہ تمہاری شکل نہیں۔بلکہ کسی قوم پہ عذاب آیا ہو۔"

"دوست میرے پاس تمہارا راز ہے۔کیا تمھیں مجھے عزت نہیں دینی چاہیے ؟" اسے افسوس ہوا تھا۔

''جس دن مجھ پہ تمھیں عزت دینے کا وقت آیا۔اس دن عزت بھی خودکشی کر لے گی کہ اسے کس بے عزت انسان کے پاس آنا پڑ رہا ہے،ٹریجڈی۔''

موجودہ دن میں ہمارے مسئلے زیادہ بڑے ہیں۔ قیس اب تک پر سکون نظروں سے اپنے سامنے کھڑے واصف منیر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو غصے سے مغلظات بکے جا رہا تھا۔

قیس اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے سامنے آیا۔

"میں تم پہ مقدمہ کروں گا، قیس۔ میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ میں کوئی ایرا غیرا نہیں ہوں۔ تم میرا حق نہیں مار سکتے۔ تم میری کمائی۔میری زندگی نہیں چھین سکتے۔'' اسکے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

قیس سکون سے اسکے سامنے آکر ٹھہرا۔

"واصف منیر احمد۔ تم بھی میرا حق نہیں مار سکتے۔ تم مجھ سے میری کمائی نہیں چھین سکتے۔ میں بھی کوئی ایرا غیرا نہیں ہوں۔ میں بھی کوئی اٹھائی گیر نہیں ہوں۔ ہم دونوں میں سب کامن ہے۔ سوائے ایک چیز کے۔''غور سے واصف کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تم پرولیجڈ ہو،اور میں سیلف میڈ۔'' اس نے کہہ ڈالا۔"میں نے گدھوں کی طرح کام کر کے اس عمارت کو بنایا ہے۔اور گِدھ بن کر اسکی حفاظت کی ہے۔ تمھیں کیا لگتا ہے۔ میں تم جیسوں کو اس عمارت کی بنیادیں نوچنے دوں گا؟''

''میں نے اس عمارت کو بنانے میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔'' واصف غرایا۔''میں اس عمارت کو کیوں نوچوں گا؟''

"دھوکہ جڑیں کھوکھلی کرتا ہے۔" قیس نے سرگوشی کی۔ واصف کی رنگت پھیکی پڑی۔ "تم جڑیں کھوکھلی کر کے ایک کانچ کی بے جان عمارت دو گے؟ تو میں اسکا کیا کروں گا؟"

واصف نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن سارے الفاظ حلق میں دب گئے۔

"یہ آفس میرا ہے۔ یہاں تمھیں تنخواہ میں دیتا ہوں۔ لوگ تمھیں قیسم کے نام سے جانتے ہیں۔" وہ ایک پل کو رکا۔ سنجیدگی سے اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھا۔

"یہ ایئر کنڈیشن آفس، یہ عمارت، یہ شہرت۔ تمھیں یہ سب میں نے دیا تھا۔ تمھیں یہاں بیٹھ کر میرے لیے کام کرنا تھا۔ لیکن تم نے کیا چنا؟ تم نے غداری چنی۔ اور ایک سلطان ہوتے ہوئے میرا فرض ہے کہ تمھیں سزا دی جائے۔" وہ سفاک ہوا تھا۔ سفاک بھی ایسا ویسا نہیں۔

"تم میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے، قیس۔ میں تمہاری نسلوں کو رلاؤں گا۔" وہ چبا چبا کر باور کروا رہا تھا۔

"میں تمھیں فائر کرتا ہوں، واصف منیر۔ کیونکہ مجھے یہ حق ہے۔" اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ "میں تمہاری تمام ڈیزائنز ضبط کرتا ہوں۔ کیونکہ تمھارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے، قیس۔ مم میرے پاس ثبوت ہے۔ براق۔۔ براق حنیف نے سب دیکھا ہے۔۔۔ وہ گواہی دے گا۔۔۔ میں تم پہ کیس کروں گا۔ میں تمھیں گھسیٹوں گا۔" وہ پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا اپنے بال نوچ ڈالے۔

''تم آج گرفتار ہو گے۔ مجھے جان کی دھمکی دینے کے لئے۔ کوئی تمھارے لئے گواہی دینے نہیں آئے گا۔ کوئی تمہیں بچائے گا نہیں۔'' وہ ایسے کہہ رہا تھا گویا کوئی خبرنامہ پڑھ رہا ہو۔

''تم میرے خلاف کورٹ میں نہیں جا سکتے۔ کیونکہ اگر تم وہاں گئے تو تمھیں ماننا ہو گا۔ کہ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔''

اب نے واصف کے پیروں سے صحیح معنوں میں زمین کھسکی تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، قیس۔'' اب کے اسکے لہجے میں شاک تھا۔ ''میں۔ میں نے تمھارے ساتھ کام کیا ہے۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''دھوکے کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ یہ پلٹ کر آپ ہی کے پاس آتا ہے۔ تمہاری باری آچکی واصف منیر۔''

''میں نے دھوکہ نہیں دیا، قیس۔ خدا کی قسم میں نے دھوکہ نہیں دیا۔'' وہ گھگیا رہا تھا۔ قیس اب پلٹ کر اپنی میز تک جا رہا تھا۔

''میں بس تمھیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا تمھارے لیے قیسم کے لیے کیا۔ مجھے معاف کرو۔ اچھا ایک منٹ ایک منٹ ہم بات کر لیتے ہیں۔'' اسکے الفاظ بے ربط تھے۔ باتوں کا کوئی جوڑ نہیں ملتا تھا۔

قیس انٹر کام اٹھائے سیکورٹی کو بلا رہا تھا۔ واصف منیر کا دل بند ہونے لگا۔

''قیس۔۔ قیس تم میری بات سنو۔ میرے ساتھ یوں نہ کرو۔ میں نے تمھیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ یہ سب قیسم کے لئے تھا۔ میرا یقین کرو۔''

قیس نے ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔

"" ایک مہینہ قبل فیصل آباد میں سائٹ دیکھنے گئے تھے تم؟ کیا اپنے زندہ باپ کی قبر کے لیے؟ یا پھر اپنی مردہ ماں کو اسلام آباد کے قبرستان سے کہیں اور شفٹ کرنا ہے؟""

واصف منیر کے منہ پہ جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔ وہ جل کر راکھ ہونے لگا۔

"تم ان ڈیزائنز کے سہارے اپنی کمپنی اپنا فیشن ہاؤس بنانا چاہتے ہو۔ تمھیں لگتا ہے میں نہیں جانتا تھا؟""

اسی لمحے کھلے دروازے سے دو سیکورٹی اہلکار اندر داخل ہوئے۔ جنہوں نے آتے ہی واصف منیر کو گردن سے دبوچا۔ ایک نے بازو پکڑا۔ قیس چند لمحے بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھا رہا۔ اور پھر آنکھ کے اشارے سے دفع ہونے کا اشارہ کیا۔

سیکورٹی اہلکار اسے لے کر جا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ساتھ جا رہا تھا۔ اس وقت اسکا دماغ خالی تھا۔ لیکن وہ بہت جلد ایک انتقامی کاروائی کے کے ساتھ لوٹنے والا تھا۔

قیس تیار تھا۔ وہ ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا۔

☆☆☆

حاکم نواب کے گھر پہ دوپہر کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ لمبا دستر خوان برآمدے میں بچھا تھا۔ زینیا سالن کے ڈونگے رکھتی نظر آ رہی تھی۔ کونج چاولوں کا ڈش بے ڈھنگے انداز میں بھرے ہوئے آتی دکھائی دے رہی تھی۔ بشر خاموشی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔ دادی اماں

سر براہی جگہ پہ بیٹھی تھیں۔انکی دائیں طرف ابا بیٹھے تھے۔اور بائیں جانب آکر کونج بیٹھی۔امینہ بیگم نے بشر کے ساتھ والی جگہ سنبھال لی۔اور زینی ابا کی لائن میں ذرا فاصلے پہ۔

ابا برے نہیں تھے،نہ وہ بری تھی۔بس ان دونوں کے درمیان فاصلے تھے۔جسے ان دونوں میں سے کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔زینیا نے اس فاصلے کو ضرورت سے زیادہ محسوس کیا تھا۔اور ابا نے شاید ساری زندگی ضروری محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

"ابا؟" کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھی زینیا نے پکارا۔

"ہمم کہو؟"

"اگلے ہفتے سے میری کلاسز ہیں مجھے جانا ہوگا،آپ کی اجازت چاہیے۔" وہ گردن ترچھی کیے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔بشر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔

"اگلے ہفتے نہیں،بیٹا دو دن بعد مایوں ہوگا۔پھر اگلے دو دن بعد نکاح اور رخصتی ہے۔بالاج نے اسلام آباد میں ایک چھوٹا سا فلیٹ دیکھا ہے۔تم اسکے ساتھ وہیں شفٹ ہوگی۔اس ہفتے نہیں،اگلے ہفتے دونوں ساتھ جانا۔" انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔لہجہ خوش گوار رہا۔زینیا بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"بالاج سعودی کب جا رہا ہے ابا؟" اب کے بشر نے سوال کیا تھا۔

"تین ماہ بعد کا کہہ رہا تھا۔وہ بھی میری وجہ سے،ورنہ اسے تو شادی کے اگلے روز جانا تھا۔لیکن میرا بھانجا ہے۔اپنی بیوی کو یوں چھوڑ کر تھوڑی جائے گا۔" انکا بس نہیں چلتا تھا۔بھانجے کی شان میں قصیدے پڑھنے لگیں۔

کونج نے ایک نظر زینیا کو دیکھا۔ پھر ابا کو۔ اور پھر دادی کے کان کے پاس جھکی۔

''یہ آپ کے بیٹے کو ہو کیا جاتا ہے؟ کبھی گڑ کی ڈلی کبھی زہریلی کلی؟'' اسکی آنکھوں میں شیطانی ناچ رہی تھی۔ دادی نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ پھر کونج کے کان میں سرگوشی کی۔

''جب بھی یہ آدمی تم لوگوں سے غصے میں بات کرے ناں۔ تو یہ سوچا کرو کہ اسکے سر پہ بھاری پتھر گرا ہے۔ بیچارہ پاگل ہو گیا ہے۔'' ابھی وہ دادی کی بات پہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ جب ابا کی بات پہ ٹھٹھک گئی۔

"یہ کھاؤ، کونج کتنی کمزور ہو گئی ہو بچہ۔'' انہوں نے محبت سے اپنے ہاتھوں سے بکرے کا سالن اسکی پلیٹ میں ڈالا۔ کونج کے تاثرات سپاٹ ہوتے گئے۔ اسے ابا کی ان محبتوں کی ضرورت تھی نہ عادت۔

ابا اور کونج تکون کے سرے تھے۔ ایک سرے پہ کونج تھی۔ ایک پہ ابا۔ آخری سرے پہ کون ہونا چاہیے۔ وہی جو انھیں جوڑ سکے۔

''بیٹا تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ اور تم نے مجھ سے پیسے مانگنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ کل تمہاری اماں کو دس ہزار دیے ہیں تمھارے لیے۔ شاپنگ کرنا۔'' وہ کس محبت سے کہہ رہے تھے۔ زینیا بس انہیں دیکھتی رہی۔ سنتی رہی۔ لیکن کونج سے سنا نہیں گیا۔ وہ ابا کی محبوب اولاد تھی۔ لیکن اسے ابا سے محبت نہیں تھی۔

''میری پڑھائی اور میری شاپنگ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ کہنا تو یہی چاہتی تھی لیکن۔

''پڑھائی ٹھیک ہے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔'' مناسب لہجہ، اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اب اسے اگلے ایک گھنٹے تک رونا تھا۔ ابا کے ماضی کے رویے پر۔ اور حال کے بدلتے رنگوں پر۔

زینیا اب بھی چپ چاپ ابا کو دیکھ رہی تھی۔ شادی اسکی تھی۔ اس سے پوچھا جانا چاہیے تھا۔ پڑھائی کے لیے دوسرے شہر وہ جا رہی تھی۔ اسے حوصلہ دینا چاہیے تھا۔ ابا اسکے فیورٹ تھے۔ لیکن وہ ابا کی فیورٹ کبھی نہیں بن سکتی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ زینیا اور ابا کے ستارے ایک دوسرے کے مدار میں نہیں گھوم سکتے تھے۔ ابا اسکے نہیں بن سکتے تھے۔

پھر چاہے بشر کے لیے دیکھے گئے خواب اپنے ذریعے پورے کرے، یا پھر ابا کے بھتیجے سے دل کو مار کر شادی کر لے۔

ابا چند لمحے آزردگی سے اپنی چھوٹی بیٹی کو جاتے دیکھتے رہے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سخت نظر زینیا پہ ڈالی۔

''اگر تم اسکی تربیت اچھے سے کرو۔ تو آج وہ اس طرح زبان نہ چلائے۔ لیکن تمھارے تو اپنے غم ختم نہیں ہوتے سارے عزاب مجھ پہ ہی آنے تھے۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ چلے گئے۔

زینیا یاسیت سے ابا کے لیے بنائے کھانے کو دیکھتی رہی۔ وہ ذہین تھی، خوش بخت تھی، خوبصورت تھی لیکن وہ اپنے باپ کی فیورٹ نہیں تھی۔ زندگی میں محبت کے علاوہ اگر کوئی غم ہوتا ہے تو وہ یہی ہے۔

☆☆☆

کمبیر محل میں اتری شام خوش گوار نہیں تھی۔ اس وقت سارے گھر کی آرائش وزیبائش کو چھوڑے ہم مقصود کمبیر کے کمرے کی طرف جائیں گے۔ جہاں سے مہدی کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔

دروازہ دھکیل کر اندر آؤ تو ایک صاف ستھرا کمرہ تمہارا منتظر ہے۔ چاروں دیواروں پہ ہوا سفید پینٹ۔ کمرے کے عین بیچ و بیچ رکھا سفید پلنگ۔ دیواروں پہ مختلف پینٹنگز تھیں۔ ایک جانب قدیم تاریخی کتابوں کا ریک۔ اسکے سامنے رکھا سیاہ ریکلائنر۔

مقصود کمبیر اپنی وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے۔ مہدی انکے سامنے کھڑا تھا۔ نیلی بیگی شرٹ۔ سفید سلیکس۔ گلے میں جھولتی موٹی چین۔ بالوں کے تازہ اسپائکس اور چہرے کا دبا دبا غصہ۔

''جو آپ چاہتے ہیں چچا وہ ہر گز نہیں ہو گا۔ وہ عورت اس گھر میں نہیں آئے گی۔ اگر وہ آئے گی تو میں یہاں سے جاؤں گا۔'' انگلی اٹھا کر کہتا وہ وارن کر رہا تھا۔ مقصود ٹھنڈے تاثرات لیے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اس عورت سے نفرت ہے مجھے۔ بے تحاشا نفرت۔ میں اسے اپنی زندگی سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں رکھ آیا ہوں۔'' وہ رکا۔ گہری سانس لی، تنفس پہ قابو پایا۔

''چچا میری بات سمجھیں۔ میں اسے اب قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے اس سے دوری چاہیے۔ ہاں اس سے میرا تعلق ہے لیکن،'' چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ خود کو کمپوز کیا۔

''مجھے وقت لگے گا تھوڑا اور وقت۔ میں نے اسے ڈس اؤن نہیں کیا۔ نہ کر سکتا ہوں۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے وقت لگے گا۔ اور تب تک آپ مجھے تنگ نہیں کریں گے۔'' اس نے آخری بات ذرا سختی سے کہی۔ چند لمحے اس برف نما انسان کے تاثرات دیکھتا رہا۔

''اس سے محبت مجھے بھی نہیں ہے لیکن اسے ایک سزا دینی ہے جس کے لئے اسکا یہاں آنا ضروری ہے اور تم لاؤ گے اسے۔''

مہدی چند لمحے سخت نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ گیا تو کوئی اندر آیا۔ نیلا سوٹ پہنے۔ کوٹ بازو پہ ڈالے۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ بکھر رہے تھے۔ وہ اپنے چمک دار بوٹ کمرے کے سفید فرش پہ دھرتا اندر آرہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں استہزاہ تھا۔

''کیا ہوا چچا؟ حکومت کا موقع ہاتھ سے چھن گیا ایک بار پھر آپ کا لوگوں پہ حکمرانی کا خواب ادھورا رہ گیا؟'' مقصود کمبیر اور قیس کا تعلق یہی تھا۔ طعنے، طنز، بدگمانی، نصیحت۔

وہ اپنے دور کے مایا ناز سیاست دان رہے تھے۔ انکے مشورے،، انکی اسٹریٹیجی، آج بھی کسی میوزیم کے خانے میں رکھے جائیں۔ قیس کی بات پہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آیا۔ اور نیلے رکلائنر پہ آکر بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔

"جانتے ہو، قیس چیتا شیر سے تیز دوڑتا ہے۔ لومڑی شیر سے زیادہ چالاک ہوتی ہے، زرافے کا قد شیر سے زیادہ اونچا ہوتا ہے، ہاتھی کی جسامت شیر سے دگنی ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی، پھر بھی، شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟'' نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا۔ وہ چپ تھا۔ مقصود کو اسکے بولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

''شیر بادشاہ ہوتا ہے کیونکہ شیر کو خود کے بادشاہ ہونے پہ یقین ہوتا ہے۔ شیر حکمران ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے وہی حکمران ہے۔''

قیس مرعوب نہیں ہوا۔ وہ اپنے چچا کی غیر معمولی باتوں کا عادی تھا۔ مقصود کہتے رہے۔

''باقی سارے جانور خود اعتماد کی کمی کا شکار ہیں۔ انہوں نے کبھی خود کو کھو جا ہی نہیں۔ مجھے لوگوں کو بلا بلا کر ان پہ حکمرانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے حکمرانی کا جنون، لالچ نہیں ہے۔ انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ ''حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔''

قیس نے رکلائنر سے ٹیک لگا لی۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر کے بے آواز تالی بجائی۔ گویا اپنے چچا کو سراہا ہو۔

''خیر مجھے بتاؤ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا آج اپنے دوسرے باپ سے فرصت ملی ہے؟'' انکا اشارہ بختیار کی جانب تھا۔

قیس مسکرایا۔ ''میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اب آپ میرے خاندان کے معملات میں دخل دینا چھوڑ دیں۔ آپ انیسہ کو زور زبردستی سے نہیں منوا سکتے۔ آپ مہدی کو اس عورت سے تعلق رکھنے یا نہ رکھنے پہ مجبور نہیں کر سکتے۔ آپ اب حکومت نہیں کر سکتے۔'' اس نے آخری لفظوں پہ زور دیا۔

مقصود برف تاثرات سجائے بیٹھے رہے۔ وہ قیس کے چہرے پہ کچھ کھوج رہے تھے۔

''میرا خاندان میرا مسئلہ ہے۔ میرا کاروبار میرا مسئلہ ہے۔ آپ لاؤنج لزرڈ بن چکے ہیں۔'' انگلی اٹھا کر انکی ذات کو نشانہ بنایا۔ لیکن وہ کوئی ہمدردیوں کے مارے معذور نہیں تھے۔ جو رو پڑتے یا جنکا دل ٹوٹ جاتا۔ وہ کمر سیدھی کیے گردن تانے بیٹھے رہے۔

''قبولیت کا وقت آ چکا ہے چچا۔ قبول کریں کہ اب سلطان میں ہوں۔''

''بات صرف یہ نہیں ہے، قیس کمبیر مدعے پہ آؤ۔ تم یہاں مجھے نیچا دکھانے آئے ہو۔ وہ کر و جو کرنے آئے ہو۔ مرد بنو مرد۔ عورتوں کی طرح تمہید باندھنا چھوڑ دو۔''

قیس گردن جھکا کر مسکرایا۔ ''کبھی کبھی شک ہوتا ہے لوگوں کو انکو لگتا ہے آپ میرے چچا نہیں ہیں۔ لیکن اگر آپ کی ایسی مکروہ باتیں سن لیں۔ تو یقین آجائے گا نہیں؟'' اس نے رائے مانگی۔

مقصود نے سر نفی میں ہلایا۔'' میں جتنا مرضی مکروہ ہو جاؤں۔ لیکن بختیار کے لیول تک نہیں جاسکوں گا۔ اسکے جیسی خباثت میرے اندر ڈھونڈے نہیں ملے گی۔''

اب کے قیس کی مسکراہٹ سمٹی۔ اسکی آنکھوں میں سختی در آئی۔ مقصود کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ اس سے یہاں آنے کا مقصد معلوم کرواہی لیں گے۔

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ کو بتاسکوں۔ کہ آپ اب کسی کام کے نہیں ہیں۔ قیس کو اپنے فیصلے خود کرنے آتے ہیں۔ آج میں اپنا فیصلہ کر کے آیا ہوں۔ مجھے میرا کاروبار سنبھالنا آگیا ہے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا انکے قریب آرہا تھا۔

"آپ گھر بیٹھیں کھانا کھائیں دوا لیں۔ عبادت کریں اور سو جائیں۔ حکمرانی کا جنون اب چھوڑ دیں۔'' وہ دھیرے سے انکے پاس پنجوں کے بل آکر بیٹھا۔

''آپ اب کچھ نہیں کر سکتے۔'' اس نے جتایا۔

مقصود تپش زدہ مسکرائے۔ ''میں اپنے وقت کا سیاست دان ہوں، قیس۔ میں حکمران ہوں۔'' اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ اور ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیا۔ ''میں آج بھی سب کر سکتا ہوں۔''

قیس نے سکون سے انہیں دیکھا۔ چند لمحے وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔ پھر یکدم اس کی آنکھوں میں سفاکی اتری۔ ابلیس نے گویا اس پہ سایہ کیا تھا۔ اور اسی لمحے وہ اپنے پیروں پہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''سب کر سکتے ہیں واقعی؟'' سرد سی سرگوشی، حقارت۔

وہ اپنی ٹانگوں پہ کھڑے ہونا کا زعم جتا رہا تھا۔ مقصود کمبیر کا چہرے مارے اہانت اور بے بسی کے سرخ پڑنے لگا۔

''قیییس۔۔'' وہ خون چھلکاتی آنکھوں سے غرائے تھے۔ انکی آواز لرز رہی تھی۔ سارا بدن کانپ رہا تھا۔ مارے غیض کے انکے الفاظ تک نہ نکل سکے۔ قیس یونہی کھڑا رہا۔ آنکھوں میں استہزاہ لئے۔ تاثرات میں حقارت لئے۔

''مرد جب معذور ہو جائے تو اپنے خاندان کے لیے مرحوم ہو جاتا ہے۔'' وہ سور پھونک رہا تھا۔ ''میں نے چچا۔۔'' انگلی سے سینے پہ دستک دی۔'' میں نے ایک لاش کو اپنے محل میں رکھا ہے۔ میں نے اس لاش کو اچھا پہنایا۔ اچھا کھلایا۔ اب وہ لاش اگر زندہ ہو کر میری جگہ لینا چاہے۔ تو میرے بس میں ہے کہ اسے مار دوں۔''

وہ آگے آیا۔ انکی کرسی پہ ایک ہاتھ رکھے انکی جانب جھکا۔ مقصود گہری سانسیں لے رہے تھے۔ سرخ چہرہ، اہانت، بے بسی۔

''بے روزگار مرد دنیا کا بوجھ ہے۔ میں نے یہ بوجھ اپنے کندھے پہ رکھا ہے۔ چچا خاموش رہیں نوالے توڑیں اور سو جائیں۔ میرے خاندان اور اسکے معملات سے دور رہیں۔''

مقصود کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔ وہ خون آشام نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انکا جی چاہا تھا وہ آج قیس کا گلہ گھونٹ ڈالیں۔

''قبولیت کا مرحلہ آگیا ہے قبول کریں چچا۔'' قیس انہیں چند پل دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے وہ ایک پل کو رکا تھا۔ مڑ کر اس لاش نما انسان کو دیکھا۔ سر سے پیر تک۔

''یاد رکھیے گا۔ آپ سب نہیں کر سکتے۔'' وہ جتا کر باہر نکل گیا تھا۔

یہ اسکی سلطنت تھی۔ یہاں کے لوگوں سے جیسے چاہے پیش آتا۔

☆☆☆

"باب سوئم: مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ!"

تم نے سنا ہوگا ہے دوستی گلاب

مگر کیوں کوئی بتائے گا یہ ہے بیک وقت عذاب

گر تم پوچھو تو سناؤں تفصیل میں

دوستی کی قربانیوں اور دوستی میں لگے خنجر کی تفسیر میں

لگا جو بخت تو یار بنائیں گے زندگی گلزار

مگر جو ہوئے کمبخت تو یار ہی بنیں گے کزاب

یہی دیں گے تم کو مرہم یہی لگائیں گے روح پہ چھالے

یہی بنیں گے آنسوؤں کا شانہ اور یہی بنیں گے جان کے لالے

اب تم پوچھو گے رہا جائے یاروں کے بغیر کیونکر

تو میں کہہ دوں تم سے تم ہی ہو اپنے سب سے بڑے یار

☆☆☆☆☆

صبح کی پیلی دھوپ نے گوادر کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ سمندر سے ٹکرا کر پلٹتی نم ہواؤں نے اہلیان گوادر کے بدن کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ پکی سڑک پہ اس وقت بشر حاکم کی چھوٹی گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پہ زینیا بیٹھی تھی۔ آتشی گلابی رنگ کے لگھے میں ملبوس بالوں کو چٹیا میں گوندھے اس نے چہرے پہ ہلکا میک اپ کر رکھا تھا۔ پیروں میں سیاہ کولاپوری چپل۔ وہ آج اپنی یونیورسٹی جارہی تھی۔ کچھ دستخط چاہیے تھے۔ کچھ رکاوٹیں دور کرنی تھیں۔ گاڑی یونیورسٹی کے باہر رکی تو بشر نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ سفید شلوار قمیض میں بال اچھے سے سیٹ کئے وہ کافی اچھا لگ رہا تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

اپنی جیب سے کچھ رقم نکال کر زینیا کے آگے کرتے ہوئے وہ کچھ نہیں بولا۔ بہن بھائیوں کو سوری تھینکیوز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس نارمل طریقے سے پیش آؤ اور سب ٹھیک۔ یہ بھائی بہن ہی تو ہوتے ہیں۔ جن کی جان کے دشمن بھی ہم ہوتے ہیں۔ اور جان بھی ہم۔

زینیا نے خاموشی سے رقم لے لی۔ اور سیٹ پہ دھرے اپنے سرمئی پرس میں رکھی۔ پھر اپنی طرف سے اتر آئی۔ بشر نے اسکے اندر جانے کا انتظار کیا۔ وہ پلٹ گئی تو اس نے گہری سانس لی اور گاڑی اپنی دکان کی جانب موڑ دی۔

وہ یونیورسٹی کی راہداریوں میں چلتی ہوئی پرنسپل کے آفس کی جانب جارہی تھی۔ راہداری کے دونوں اطراف میں سبز گھاس بچھی تھی۔ لڑکیاں ٹولیاں بنائے بیٹھی تھیں۔ چلتے چلتے ایک جگہ زینیا رکی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر آوازوں کے تعاقب میں دیکھا۔ دو لڑکیاں گھاس پہ بیٹھی تھیں۔ ایک لڑکی بری طرح روئے جارہی تھی۔ اسکی آواز یہاں تک آتی تھی۔ وہ زور زور سے روتی بس ایک ہی سطر دہرا رہی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کیسے؟" پاس بیٹھی دوسری لڑکی اسے دلاسا دے رہی تھی۔اسکی پیٹھ تھپک رہی تھی۔ساتھ ساتھ خود بھی بے بسی سے اسکے ساتھ رو رہی تھی۔زینیا کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ وہ بس انہیں دیکھے گئی۔وہ کبھی اس طرح کسی کے سامنے نہیں روئی تھی۔کسی نے اسے اس طرح تسلی نہیں دی تھی۔کئی لمحے عجیب انداز میں وہ بس انہیں دیکھتی رہی۔اسکی آنکھیں انہیں دیکھ کر پتھرا رہی تھیں کیوں کبھی کسی نے اسکا غم نہیں بانٹا تھا؟ کیوں کسی نے کبھی اسے دلاسے نہیں دیئے تھے۔یکدم اسکے ذہن میں جھماکا ہوا۔غم بانٹنے والے تو دوست ہوتے ہیں اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔زینیا نے کبھی دوست نہیں بنائے۔اسے یاد آ گیا۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑی ان دونوں لڑکیوں کو دیکھتی رہی۔رونے والی لڑکی اب دوست کی کسی باتوں پہ نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔زینیا سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد پرنسپل کے دفتر سے اپنے کاغذات دستخط کروانے کے بعد وہ باہر آ کر بنچ پہ بیٹھی تھی۔سنگی بنچ پہ بیٹھی اس وقت وہ اپنے کاغذات اکھٹے کر رہی تھی۔یونیورسٹی خالی خالی تھی۔یہ کلاسز کا وقت تھا۔بس کچھ طلباء تھے جو بنک مار کر باہر گھوم رہے تھے۔

"ارے، زینیا تم کب آئیں؟" مسکراتی خوشگوار آواز پہ زینیا نے سر اٹھا کر دیکھا۔اسکے سامنے پروفیسر سمعیہ نوید کھڑی تھیں۔زینیا انہیں دیکھتے ہوئے اٹھی تھی۔استاد چاہے کہیں بھی کسی بھی محفل میں ملیں چاہے آپ کو پڑھائے ہوئے کئی برس بیت چکے ہوں۔انکو دیکھ کر دل میں اٹھنے والا ادب ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ پروفیسر سمعیہ کے ساتھ اسی سنگی بنچ پہ بیٹھی اسلام آباد جانے کی تفصیل سنا رہی تھی۔وہ مسکراتے ہوئے سن رہی تھیں۔دنیا میں ماں باپ کے بعد صرف ایک اچھا استاد ہی چاہتا ہے کہ اسکا شاگرد آگے جائے۔کامیابی سمیٹے۔دنیا فتح کرے۔

چند غیر ضروری باتوں کے بعد پروفیسر سمعیہ بلاخر اس سوال پہ آئیں تھیں۔ جو وہ زینیا کو دیکھتے ہی پوچھنا چاہتی تھیں

''تم ٹھیک ہو زینیا؟ کیا کوئی مسئلہ ہے؟'' وہ غور سے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

زینیا کے چہرے پہ کئی رنگ آکر گزر گئے تھے۔ اس نے بدقت اپنی مسکراہٹ قائم رکھی۔ ''میں تو بلکل ٹھیک ہوں، کیوں کیا ہوا؟''

مجھے تم ذرا بھی ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ کوئی مسئلہ ہے؟

''مسائل کس کے ساتھ نہیں ہوتے، میڈم۔ انسان اپنے ساتھ مسائل ہمیشہ لاتا ہے۔''

''مسائل بوجھ جیسے ہوتے ہیں، زینیا۔ صحیح وقت پہ صحیح انسان کے ساتھ نہ بانٹے جائیں تو کمر توڑ دیتے ہیں۔ کیا تم نے بانٹے؟''

زینیا طنزیہ مسکرائی تھی۔ ''میں اپنا صحیح انسان ہوں، میڈم۔ مجھے بوجھ بانٹنے کے لئے کندھے نہیں چاہیے ہیں۔ مجھے پتہ ہوتا ہے کب کیا کرنا ہے۔'' اس نے دھیرے سے کندھے اچکائے۔ میڈم اب بھی اسے نرم نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ زینیا کو ایک لمبے عرصے سے جانتی اور سمجھتی تھیں۔

''ہر انسان اپنا صحیح انسان ہوتا ہے۔ ہر انسان کو اپنا بوجھ خود ڈھونا ہوتا ہے۔'' وہ رکیں زینیا کے چہرے کو دیکھا۔ ''ہر انسان مضبوط ہوتا ہے بیٹے۔ لیکن ایک وقت آتا ہے۔ جب انسان تھک جاتا ہے۔ اسکے کندھے بوجھ سے تھک جاتے ہیں، دل رازوں سے بھر جاتا ہے۔'' پیلی چمکیلی دھوپ میں بیٹھی وہ عورت بول رہی تھی۔

''ایک وقت آتا ہے جب آپ کے آئیڈیاز سڑنے لگتے ہیں۔ دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے۔ تب ایک انسان ہوتا ہے جس کے آئیڈیاز کام آتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب مضبوط سے مضبوط انسان بھی تھکنے لگتا ہے۔ اور تب اسکا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص اسے اپنے پاس بٹھالیتا ہے۔ ہر انسان کی ایک استطاعت ہوتی ہے۔ سوچنے کی سمجھنے کی حل نکالنے کی۔ بوجھ سہنے کی اس سے بڑھ کر بوجھ پڑنے لگے تو بانٹ لینے چاہیے۔'' وہ رسان سے بولیں۔

''کس سے ؟'' سنہری آنکھوں والی لڑکی نے پوچھا۔

''دوست سے، بوجھ دوستوں سے بانٹے جاتے ہیں بچے۔'' چند لمحے وہ تذبذب سے انکا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''زینیا نے کبھی دوست نہیں بنائے، میم۔ اور مجھے نہیں لگتا مجھے ضرورت ہے۔''

میڈم نے سنجیدگی سے اسکا چہرہ دیکھا۔ آس پاس اب طالبات کا شور بڑھ رہا تھا۔ کلاسز سے نکل نکل کر آتی طالبات، چمکدار دھوپ۔ ذرا فاصلے پہ بنی کینٹین سے آتی سموسے اور چاٹ کی خوشبو۔ اور ان سب کے درمیان سنگی بینچ پہ بیٹھی دو عورتیں۔ ہوائیں انہیں سن رہی تھیں۔

''اس دنیا کے سب سے مضبوط انسان کون تھے ؟''

''حضرت محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمؐ۔'' زینیا نے ترنت جواب دیا۔

''جانتی ہو انہوں نے طائف کے لوگوں سے اتنے پتھر کھائے کہ انکی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ انکے اپنے رشتے دار، شہر کے لوگوں نے ان سے منہ موڑ لیا۔ لوگ انہیں جادوگر (نعوذ باللہ) کہہ کر انکے سحر سے خوف کھانے لگے۔ اسلام کی خاطر انہوں نے

اتنی سختیاں جھیلیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ کیا انہیں ضرورت تھی حضرت ابو بکر صدیق کو اپنے ساتھ ہجرت پہ لے جانے کی؟" ایک لمحے کے لئے زینیا سانس نہیں لے سکی۔ ساری خوشبوئیں دم توڑ گئیں۔ آس پاس کی ساری آوازیں رک گئیں۔ وہ بس میڈم سمعیہ کو بولتے ہوئے سنتی رہی۔ یہ کوئی عام شخصیات، عام نام نہیں تھے۔

"نبی کریم دنیا کے سب سے مضبوط انسان تھے۔ لیکن پھر بھی اپنی باتیں اپنے دوستوں سے شیئر کرتے تھے۔ اپنا دکھ انہیں سناتے تھے۔ اور انکا سنتے تھے۔ اللہ نے رشتے دیئے ہیں۔ انکی ناقدری کرنا یا پھر انکے ساتھ مخلص نہ ہونا برا ہوتا ہے بیٹا۔" وہ بول کر خاموش ہوئیں تو زینیا کو دیکھا۔ وہ مرعوب نہیں ہوئی تھی۔ وہ بس الجھ گئی تھی۔ یا پھر وہ مزید الجھ گئی تھی۔

"مضبوط سے مضبوط انسان کے گرد بھی ایک باؤنڈری ہوتی ہے۔ وہ باؤنڈری جو اسکی کمزوری ہوتی ہے۔ اس جگہ آ کر انسان کو رک جانا چاہئے حدود کو پار کرنا ہر بار اچھا نہیں ہوتا۔" وہ شاید تنبیہ کر رہی تھیں۔

"ہر بار برا بھی نہیں ہوتا۔" اب کے زینیا کے بولنے کی باری تھی۔ آنکھیں چھوٹی کیے وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ خوشبوئیں ایک بار پھر انکے وجود کا محاصرہ کر رہی تھیں۔

"آپ نے ریس کا میدان دیکھا ہوگا میڈم؟ ریس ہوتے ہوئے بھی دیکھی ہوگی۔ ایک سرخ پٹی وہ جیت کی حد ہوتی ہے۔ لیکن کوئی اگر اسے پار کر دور تک دوڑتا ہوا بھی چلا جائے۔ تب بھی اسے روکا نہیں جاتا۔ وہ فاتح ہی رہتا ہے۔ حدودیں معنی نہیں رکھتی۔ جب مقصد اونچائیاں ہوں۔ تو باؤنڈریز نہیں دیکھی جاتیں۔" میڈم سمعیہ اسکی بات پہ مسکرائیں تھیں۔ لیکن ابھی وہ طالب علم پیدا نہیں ہوا جو اپنے ٹیچر کو لاجواب کر سکے۔

''فاتح اگر ریس جیت کر مزید دس کلو میٹر بھی دوڑ لے تو فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ جیت وہی رہتی ہے انعام وہی رہتا ہے۔ باؤنڈری کراس کر کے وہ بس خود کو مزید تھکاتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔'' اب کے وہ کچھ ہی نہ سکی۔ خفت سے گردن دائیں بائیں ہلاتے ہوئے وہ چپ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر مزید سمعیہ زینیا کے پاس بیٹھی رہیں۔ پھر اٹھ کر اپنی کلاس کی جانب چلی گئیں۔

زینیا نے پر سکون نظریں اٹھا کر گوادر کا آسمان دیکھا تھا۔ دھوپ اسکی آنکھوں کو چندھیائے دے رہی تھی۔

''بس کچھ دن اور۔ پھر میں اسلام آباد کی میٹھی دھوپ۔ اور بلندیاں۔''

وہ اپنے آپ سے بڑبڑائی تھی۔ موبائل بیگ سے نکال کر ہینڈ فری لگائے اب وہ گردو مافیہا سے بے خبر تھی۔ کانوں میں کسی انگریز گلوکارہ کی آواز گونج رہی تھی۔

Who says?

Who says you're not perfect?

Who says you're not worth it?

Who says you're not strong enough?

آخری سطر گانے کی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

براق حنیف کا پینٹ ہاؤس صبح کے اس پہر خاموش تھا۔اوپن کچن میں چولہے کے قریب کھڑا وہ بن چکی چائے کو کپ میں انڈیل رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کوئی عربی غزل گنگنا رہا تھا۔اس نے سرخ سلک کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ مزے سے گنگناتے ہوئے وہ چائے کو مگ میں انڈیل رہا تھا۔ سفید مگ کا پیندہ پیلی چائے سے بھرنے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ چائے مگ کے کناروں سے سفر کرتی اوپر آتی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ براق حنیف کی گنگنانے کی آواز بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً اس کا فون بجا تھا۔ سلیب پہ رکھے فون کو ایک ناگوار نظر دیکھتے ہوئے اس نے موبائل اٹھایا تھا۔ بھنویں سکیڑے وہ سامنے والے کی بات سن رہا تھا۔ پس منظر میں کسی کے بوٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ کوئی کچن کی جانب آ رہا تھا۔ کچن سے اب براق کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ا(ناممکن۔۔ نہیں۔۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟" وہ سخت بے یقین تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ مظہر کی نئی فلم کی وارڈروب ہم کرنے والے تھے۔ سب کچھ طے تھا۔ نہیں نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔ کیا بکواس ہے۔ نہیں، نہیں۔" وہ یہاں سے وہاں ٹہلتے ہوئے بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ اسکی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

"لیکن کس نے۔۔۔۔ کس نے بتایا انھیں؟ کہ ہم زرار کے لئے بھی وارڈروب کر رہے ہیں؟ کس نے کی یہ بکواس۔" وہ دھاڑ رہا تھا۔ "مجھے نام بتاؤ فوراً۔ کون ہے وہ کس نے کیا ہے یہ سب، بک بھی چکو۔"

"میں نے بتایا۔" آواز پہ براق منجمند ہو گیا۔ اسکے عقب میں کچن کی چوکھٹ پہ قیس کھڑا تھا۔ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس سیاہ کوٹ بازو پہ ڈالے۔ بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے۔ وہ محظوظ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم شاید بھول گئے تھے براق حنیف کہ قیس اگر ایک راز دیتا ہے، تو اگلے انسان کی سات نسلوں کے راز رکھتا بھی ہے۔ تمھیں لگا تھا تم مجھے ڈبل کراس کرو گے اور میں کونے میں بیٹھ کر روؤں گا؟''

براق نے مڑ کر اسے دیکھ۔ اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ غیض وغضب کا شکار لگ رہا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا قیس کا منہ نوچ ڈالے۔ اسکا کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔ اسکا تو دل بند ہو رہا تھا۔ قیس چوکھٹ کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، کندھے اٹھے ہوئے، بوٹ قینچی کی صورت، اور آنکھوں میں ترش سا تاثر۔

''تمھیں لگا تھا تم دو سوتیلے بھائیوں کی الگ الگ فلموں کا وارڈروب کرو گے۔ کیونکہ ان دونوں کی فلمیں آگے پیچھے آ رہی ہیں۔ اور کسی کو کچھ پتہ بھی نہیں لگے گا؟'' اسکی آنکھوں میں تپش تھی۔ براق ضبط سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم صحیح تھے براق۔'' قیس نے سراہا۔ ''تم بلکل صحیح تھے۔ ان دونوں نفرت میں ڈوبے بھائیوں کو بلکل بھی یہ بات پتہ نہ چلتی اگر میں نہ بتاتا۔ بلکل اسی طرح جس طرح واصف منیر کو اگر تم سچ نہ بتاتے۔''

''میرے بتانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔'' براق پوری قوت سے چلایا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا قیس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ دوستی ایک طرف کاروباری حریف اب سامنے تھے۔

قیس مسکرایا۔ ''تم صحیح کہہ رہے ہو۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ میں صرف گناہ نہیں کرتا میں اپنے گناہ کو اون بھی کرتا ہوں یہ تم ہو، براق جو چوری چھپے وار کرتا ہے۔'' براق نے سر جھٹکا۔ بہت سارا اشتعال اندر دبایا۔

''میں تمھیں معاف نہیں کروں گا، لوسفر۔ تمھیں حساب دینا ہوگا۔ میں حساب لوں گا تم سے۔ تم نے دوستی میں غداری کی ہے۔''

''تم شاید کبھی میرے دوست نہیں تھے۔'' قیس نے تصیح کرنا ضروری سمجھا۔ ''میں نے ساری زندگی میں صرف ایک ہی دوست بنایا تھا۔(**اسکی آنکھوں کے آگے ایک سنہری آنکھوں والی لڑکی کی جھلک آئی تھی۔**)، تم سب براق۔ ساری دنیا۔ تم سے یا تو میرا مقابلہ ہے۔ یا مجھ سے آگے ہو۔ یا پیچھے۔ تم میں سے کوئی بھی میرے برابر نہیں۔ میرے برابر صرف وہی تھی۔ میری دوست۔ اسے مجھے گرانا پسند نہیں تھا۔ وہ میرے آگے بڑھنے کے لئے دعائیں کرتی تھی۔ تم لوگوں کی طرح مجھے گراتی نہیں تھی۔'' اس لئے وہ آگے کو ہوا، براق کی خون چھلکاتی آنکھوں میں دیکھا۔ ''آئندہ مجھے اپنا دوست نہیں کہنا۔ کیونکہ قیس کو تم جیسے دوستوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر چند لمحے وہیں کھڑا اسکے تاثرات دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ براق نے اسکے جانے کے بعد چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ سخت مضطرب نظر آتا تھا۔ یہ ڈیل اسکی زندگی کی بہترین ڈیلز میں سے تھی۔

''آہ، قیس آہ تم نے کیا کر دیا۔'' وہ بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً وہ بلکل ٹھہر گیا۔ آنکھیں اب کے چمک اٹھی تھیں۔ لب شیطانی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ وہ واپس سلیب تک آیا۔ تیزی سے اپنا موبائل اٹھایا اور اب وہ کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔

ایک پیغام بھیج کر اس نے سکون سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ اندر تک شانت ہو گیا تھا وہ۔

''شیطان شیطانی سے پہلے مجھ سے اجازت نامہ سائن کرواتا ہے۔ تمھیں لگتا ہے میں تمھیں بخش دوں گا؟'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اب سکون سے دوسری چائے بنانے لگا تھا۔

''چائے کا بھی اپنا مزہ ہے۔ پہلے خوشی سے پی رہا تھا۔ اب غم میں پیوں گا۔''

کچھ دیر قبل کی ساری کلفت دور کرتے ہوئے وہ بلا خر مسکرایا تھا۔اسے بھلا کون اداس کرنا چاہے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک گالف کلب کا منظر تھا۔اسلام آباد کی چمکدار دھوپ میں،دور تک بچھی نرم گھاس پہ اس وقت فاصلے سے چند لوگ کھڑے تھے۔سفید پولوشرٹ اور جینز میں ملبوس مہدی کمبیر بھی ان لوگوں میں سے تھا۔آنکھوں پہ سیاہ گلاسز لگائے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ کھیل نہیں رہا تھا،کھیلنے والے لوگ کوئی اور تھے۔

اسکے ساتھ اسکا ایک دوست کھڑا تھا۔مختلف پریشانیاں بتاتے ہوئے وہ سخت پریشان تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کرنا کیا ہے۔مہدی اسے غور سے سن رہا تھا۔اسکا ہم عمر دوست ماتھے کو چھوتے ہوئے بے حد پریشانی کے عالم میں کچھ کہہ رہا تھا۔مہدی غائب دماغ ہونے لگا۔وہ اس وقت کسی کو سننے کی حالت میں نہیں لگتا تھا اسکے اپنے ایک ہزار مسائل تھے۔وہی مسائل سنانے کے لئے اس وقت وہ یہاں آیا تھا۔اپنے دوست کے پاس۔

بلکہ اپنے ڈھیر سارے دوستوں کے پاس۔ابھی دنیا کا ایسا کوئی ملک نہیں بنا ہوگا۔جہاں مہدی کے دوست نہ پھیلے ہوں۔اسکے گرد ہمیشہ لوگ رہتے تھے۔سننے والے سمجھانے والے۔لیکن شاید کوئی بھی اسکے لئے نہیں تھا۔ایسا اسے اب محسوس ہوتا تھا۔

"تم کوشش تو کر کے دیکھو اپنے ابا سے ایک بار بات کرو،دیکھنا وہ تمہاری سن لیں گے۔مجھے اتنے سخت نہیں لگتے وہ۔" بلا خر مہدی نے ایک حل پیش کیا تھا۔

''نہیں کر سکتا یار میں نہیں کر سکتا۔ کاش تم میرا مسئلہ سمجھ جاتے۔'' وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔ ''کاش تم سمجھ پاتے کہ ہم مڈل کلاس لوگ ہیں۔ ہمارے ساتھ مسائل نہیں ہوتے۔ مسائل کے ساتھ ہم ہوتے ہیں۔'' تھوڑی دیر کی مزید تقریر کے بعد وہ چلا گیا تھا۔ مہدی بھی ذرا فاصلے پہ بنے پول کی طرف آ گیا۔ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا انسٹا گرام کھول لیا۔

مسائل کے نام پہ اسے ایک لڑکی یاد آئی تھی۔ پھر اسکا بلاک کرنا یاد آیا۔ وہ بے اختیار مسکرایا تھا۔ اس لڑکی کو تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ لیکن اس سے ہونے والی آخری ملاقات وہ چاہ کر بھی نہیں بھول پا رہا تھا۔

اس روز جب شام کے وقت کنٹینر لائبریری کے قریب مہدی نے زینیا حاکم کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی تھی وہ انکی آخری ملاقات نہیں تھی۔ ہوٹل جانے سے کچھ سمے قبل لائبریری میں صفائی کرنے والا ایک چھوٹا لڑکا بھاگا بھاگا مہدی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ جو نجیب کے ساتھ نکلنے والا تھا لڑکے کے اپنے سامنے آنے پہ بالکل ٹھہر گیا۔

''کیا ہوا بیٹا، تم ٹھیک ہو؟'' اسے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے سانسیں برابر کرتے ہوئے دیکھ مہدی نے پوچھا۔

''یہ ...... یہ ... موبائل ..'' اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اسکی جانب بڑھایا۔ سانس ہنوز پھولا ہوا تھا۔ ''یہ آپ کی بیوی کا ہے۔ لائبریری میں چھوٹ گیا تھا۔'' بچہ ٹھیٹھ بلوچی میں بات کر رہا تھا نجیب کو اسکی بات کا سر پیر سمجھ نہیں آیا۔

''تم یہاں تک یہ موبائل دینے آئے ہو؟'' مہدی نے جواباً بلوچی میں ہی پوچھا۔ وہ لائبریری سے کافی آگے جو نکل آیا تھا۔

''مہمان لگتے ہو.... مہمانوں کا سامان گم ہو جائے تو ہمیں اچھا نہیں لگتا۔'' وہ سیدھا ہوا۔ پسینہ صاف کیا۔

مہدی نے اس سے موبائل لیا۔ ہاں ٹھیک ہے ہو گا یہ صوبہ پسماندہ، یہاں کے لوگ ہوں گے کچھ کم پڑھے، لیکن مہمان نوازی، ایثار کا یہاں جو عالم تھا اسکی مثال کہیں اور کہاں۔

''مہربانی۔'' مہدی نے اس سے فون لیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میرے ساتھ تین لڑکیاں تھیں یہ فون کس کا ہے؟'' وہ اب موبائل کو الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ کم از کم اسکے ساتھ آنے والی لڑکیوں کے پاس یہ سستا موبائل نہیں ہو گا۔

لڑکے کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''آپ کی بیوی کا ہے.... وہی جو آپ کو ڈانٹ رہی تھی۔.... بیوی ڈانٹ سکتی ہے، ہے ناں؟'' وہ ہنوز الجھن میں تھا۔ مہدی ہولے سے ہنس دیا۔

''کچھ عورتیں بیویاں نہ ہو کر بھی ڈانٹتی ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں میں یہ موبائل اپنی بیوی تک پہنچا دوں گا۔''

اس نے شکریہ کے ساتھ موبائل وصول کر لیا۔ پھر نجیب کو دیکھا۔

''یہ زینیا کا موبائل ہے، تم اسے دے آؤ گے؟''

''ساتھ چلتے ہیں اسکے گھر، بس دعا کرو دروازے پہ وہی آئے ورنہ یہاں موبائل کی یہ لین دین اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ بات ہی نہ بن جائے۔''

''ٹھیک ہے اگر دروازے پہ وہ نہیں آئی تو موبائل کا کوئی ذکر نہیں کرنا۔ خوامخواہ اسکے لئے مسائل نہ ہو جائیں۔'' مہدی نے اس سے کہا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد گوادر کی خستہ حال گلیوں میں چل رہے تھے۔ یہ گلیاں اور یہاں بنے ہوئے مکانات اومانی دور کا حصہ تھے۔ رات سر چڑھ آئی تھی اور روشنی کا کوئی خاص انتظام یہاں تھا نہیں۔ مہدی نے موبائل ہاتھ میں دبوچ رکھا تھا۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ موبائل نجیب کے ساتھ روانہ کر دے لیکن پھر نہ جانے کس خیال کے تحت وہ یہاں خود آیا تھا۔ کہیں نجیب اسکے مسائل ہی نہ بڑھا دے۔

سیاہ رنگ کے چھوٹے سے گیٹ کے سامنے آکر وہ دونوں رک گئے۔ نجیب کی بدولت وہ یہاں آسکے تھے۔ رات کے کوئی آٹھ، نو بجے کا وقت تھا گلی میں ہلکا اندھیرا تھا۔ آس پاس کچھ بچے تھے۔ شاید بتی نہیں تھی جب ہی اتنا اندھیرا تھا۔ اسی اندھیرے میں مہدی نے آگے بڑھ کر دروازہ بجایا۔

دوسری طرف وہ صحن میں ہی موجود تھی۔ سیاہ لباس میں الجھے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ مضمحل لگتی تھی۔ اسکے پیروں کے قریب وہی سیاہ رنگ کا کتا بیٹھا تھا۔

دروازہ بجنے کی آواز اس نے نظر انداز کر دی مگر چند لمحے بعد دروازہ پھر بجا تھا۔ ٹھہری ہوئی دستک۔ ابا اور بشر گھر میں نہیں تھے کو نج ہیڈ فون ٹھونسے کمرے میں پڑی ہو گی چار و ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ دوپٹہ سر پہ لئے چہرے کو آدھا ڈھک کر وہ دروازے تک آئی۔

''گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، بعد میں آیئے گا۔'' اس نے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔

''کیا تم دروازہ کھول سکتی ہو؟ میں تمہارا موبائل واپس کرنے آیا ہوں۔'' مہدی کی آواز پہ اسے جیسے کرنٹ لگا ہو یہ صرف آواز نہیں تھا یہ بلوچی زبان بھی تھی اسے آتی تھی؟۔ زینیا نے تیزی سے لاک کھولا، دروازہ نیم وا رکھا۔ مہدی نے پہلے آس پاس دیکھا، گلی کے کونے میں کوئی بچہ کھڑا تھا۔ کسی خیال کے تحت وہ جھکا اور دروازے کی ہلکی سے دراڑ سے موبائل گھر کے اندر کر دیا۔ وہ اسے کسی قسم کا موضوع بنانے سے جتنا بچ سکتا تھا اتنا بچ رہا تھا۔

وہ جونہی سیدھا ہوا، یکدم ٹھہر گیا۔ نیم وا دروازے سے جھانکتی سنہری آنکھیں، وہ آنکھیں اتنی روشن تھیں کہ مہدی ان میں آسمان کے چاند کا عکس دیکھ سکتا تھا۔ انکی سوگواریت، انکی سرخی وہ چند پل کے لئے باقاعدہ جامد ہوا تھا۔ اس نے پچپن ملک دیکھے تھے، کتنی ہنستی، اداس، مغموم آنکھیں دیکھی تھیں لیکن پہلی بار ان آنکھوں کو دیکھ اسکا دل کیا کہ وہ ٹھہر کر پوچھے۔

''کیا تم ٹھیک ہو؟''

لمحوں کا کھیل تھا، جس دروازے سے وہ نظر آئی تھی وہ اسی تیزی سے بند ہوا۔ اور وہ نظر آنا بند ہو گئی۔ وہ جیسے کسی خیال سے چونکا۔

''موبائل مل گیا اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اندر سے آواز ابھری۔ مہدی نے محض سر ہلا دیا۔ اور پلٹ گیا۔

ڈور میں ایک اور گانٹھ لگ گئی تھی۔ آخری ملاقات جانے کیوں آخری لگی ہی نہیں۔ اس رات وہاں سے پلٹتے وقت مہدی چاہتا تھا کہ یہ ملاقات آخری رہے۔ بس آخری۔ الجھے سرے الجھے رہیں مگر قسمت اسکے تابع کہاں تھی؟

موجودہ لمحے میں اس نے فوراً زینیا کا انسٹاگرام کھولا۔ اور میسج ٹائپ کیا۔

''امید ہے۔ تم نے صبح اٹھتے ہوئے زہر کے بجائے چائے پی ہو گی۔'' پیغام سفر کرتا ہوا گیا بلوچستان کی فضاؤں میں پہنچا اور پھر زینیا کے موبائل پہ جگمگایا۔ وہ بشر کے ساتھ گاڑی میں تھی، عقبی نشست پہ۔ پیغام کی ٹیون بجی۔ غیر شناسا اکاؤنٹ۔ لیکن جانا پہچانا انداز۔ پیغام کو پڑھتے ہوئے اسکی بھنویں سکڑ گئیں۔ انگلیاں حرکت میں آئیں۔

''چائے میں زہر ہمم آئیڈیا اچھا ہے۔ اگلی بار اگر کبھی آپ بلوچستان آئے تو ضرور آزماؤں گی۔'' دوسری جانب مہدی اسکا جواب دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''میری چائے میں زہر ڈالو گی؟ لڑکی میں مہمان ہوں۔''

''ہر مہمان کی ایکسپائری ڈیٹ ایک دن ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ رہنے والے بوجھ ہوتے ہیں، یا پھر ڈھیٹ۔'' زینیا کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ اب کے مہدی پھر سے ہنسا تھا۔ یہ لڑکی اسکا غم سے نکلنے کا زریعہ بن رہی تھی۔

''تم میرے شہر آ رہی ہو۔ کیا میں اس زہر والے آئیڈیا کو اپنے لئے استعمال کر سکتا ہوں؟''

''کوشش کر کے دیکھ لیں۔ میں زہر سے بڑی زہر ہوں۔ کہیں آپ کا زہر ہی سبز نہ پڑ جائے۔'' گالف کلب میں بیٹھا مہدی فوراً جواب لکھ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھی زینیا کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ اسلام آباد سے گوادر آنے والی ہواؤں نے نا سمجھی سے اس سنگم کو دیکھا تھا۔

چند پل مہدی نے کچھ نہیں لکھا۔ زینیا کی جانب سے بھی خاموشی رہی۔ پھر مہدی کی انگلیوں نے سست روی سے ٹائپ کیا۔

''کیا میں تمھیں کال کر سکتا ہوں؟ میرے سوالوں کے جواب تمہارے پاس ہوتے ہیں۔''

زینیا کے موبائل پہ میسج چمکا تو ایک پل کو وہ ٹھہر گئی۔ بشرا اسکی جانب متوجہ نہیں تھا۔ سو وہ آرام سے ٹائپ کر رہی تھی۔

''اگر ایک بار پھر بلاک ہونا ہے تو ضرور کریں۔'' مہدی ہولے سے ہنس دیا۔ ''آپ کے پاس ڈھیر سارے دوست ہیں۔ مجھ سے جواب کیوں چاہیے؟'' اب کے ٹھہر جانے کی باری مہدی کی تھی۔

''ڈھیر سارے دوستوں کا ہونا بھی ڈھیر سارا مسئلہ ہوتا ہے۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہا میں اس وقت کسے بلاؤں؟ میرے لئے کون آئے گا شاید کوئی نہیں۔'' وہ ٹوٹے پھوٹی سطریں لکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں آزردگی تھی۔ چہرہ پریشان۔

''جب آپ کے پاس ڈھیر سارے دوست ہوں۔ تب آپ کے پاس صرف ایک انسان ایسا ہونا چاہیے۔ جو آپ کا go person ہو۔ میرے پاس ایسا کوئی نہیں ہے۔'' اب کی بار اس نے ایک لمبا پیرا گراف لکھا تھا۔ زینیا کے موبائل پہ چمکتے الفاظ اسے کسی اور ہی جہان میں پہنچائے ہوئے تھے۔ چند پل پیغام کو تکتے رہنے کے بعد اب وہ دوبارہ لکھ رہی تھی۔

''میں نویں جماعت میں تھی۔ جب ہم نے ایک سبق پڑھا تھا۔ ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ''۔ سارا سبق پڑھ لیا۔ سبق بھول بھال گئی۔ لیکن نہیں بھولا تو یہ نام۔'' اسکی لمبے ناخنوں والی سفید انگلیاں پیغام لکھ رہی تھیں۔

''مجھے ہمیشہ سے لگتا تھا۔ کوئی انسان اپنے ہی دوستوں سے کیوں بچنا چاہے گا؟ دوست تو آپ کا گو پرسن ہوتے ہیں۔ جن کے پاس آپ ہر مصیبت اور خوشی میں جاتے ہیں۔ لیکن آج مجھے اس سبق کا مطلب پتہ چل گیا ہے۔'' اس نے پیغام بھیجا۔ مہدی بے قراری سے پڑھے گیا۔ آخری لفظ پہ وہ رکا۔ پیغام مکمل نہیں تھا۔

زینیا کی چیٹ میں اب تین نقطے نظر آ رہے تھے۔ یعنی وہ لکھ رہی تھی۔ اگلے منٹ سکرین ایک بار پھر روشن ہوئی۔

''ضرورت سے زیادہ چیزیں عذاب ہوتی ہیں۔ اور آپ نے ضرورت سے زیادہ دوست پال لئے ہیں۔ سونے پہ سہاگہ آپ ان کے الفا ہیں۔ میں شاید آپ کی حالت سمجھ سکتی ہوں۔'' آخر میں جیسے وہ اسکا حظ اٹھا رہی تھی۔ مہدی کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی۔ اسکی انگلیاں تیز تیز ٹائپ کرنے لگیں۔

''تمھیں بہت مزہ آتا ہے کسی کی حالت دیکھ کر خوش ہونے میں، کیسی انسان ہو تم۔ کوئی فیلنگز ہیں یا نہیں؟'' انگوٹھے کو زور سے سکرین پہ مار کر پیغام کو بلوچستان روانہ کیا۔ گویا اپنے غصے کا اعلان کیا ہو۔

اسلام آباد سے آئے پیغام کی تعظیم کی گئی۔ زینیا نے سنہری آنکھوں سے پیغام پڑھا۔

''مجھے بہت مزہ آتا ہے ان لوگوں کی حالت دیکھ کر جنہیں اللہ نے اپنا دماغ دیا، دل دیا، اعضاء دیئے، ٹانگیں اور ہاتھ دیئے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے دوست نامی بلا پہ انحصار کیا۔ اور پھر باقاعدہ خوار ہوئے۔ یہی ہونا چاہیے تھا۔'' پیغام بھیج کے زینیا نے نشست سے ٹیک لگا لی۔ بشر کسی سے فون پہ بات کرتے ہوئے گاڑی چلا رہا تھا۔ اسکا دھیان اب بھی یہاں نہیں تھا۔

''سوچو اگر یہی میسج میں تمہارے دوستوں کو بھیج دوں؟ تو تم کیا کرو گی؟ وہ تمہاری اپنے بارے میں رائے جان کر کیا کریں گے

؟''انگریزی میں لکھا پیغام، بلکہ دھمکی۔

''زینیا نے کبھی دوست نہیں بنائے۔''نپا تلا جواب۔ مہدی نے زینیا کا جواب دیکھا۔ ایک لمحے کو وہ سوچ میں پڑا۔ اب کے لکھتے وقت اسکا چہرہ مختلف تھا۔ سنجیدہ اور لائف کوچ والا۔

''اگر کوئی انسان کسی بات کا جواب صرف ایک سطر میں دے۔ تو یا تو اسکے لئے اس بات کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ یا پھر وہ اس ذکر سے بچنا چاہ رہا ہوتا ہے۔''اس نے پیغام بھیجا۔ ہر لفظ کے ساتھ زینیا کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ وہ بے چین ہو رہی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ انسان نے کبھی دوست نہ بنائے ہوں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ان دوستوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ یا پھر آپ نے انہیں چھوڑا۔''گالف کلب کی سبز گھاس، لوگ، باتیں سب دور چلا گیا۔ وہ منہمک سا ٹائپ کر رہا تھا۔

''کیا اس نے تمھیں چھوڑا ہے، زینیا حاکم؟''

سوال تھپڑ کی طرح زینیا کے گال پہ لگا تھا۔ موبائل پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔ اسکی آنکھوں کے آگے سیاہ آنکھیں آئیں۔ واحد دوست کی آنکھیں۔ وہ جسے وقت کی رفتار اس سے دور لے گئی۔ اسے اس دوست کی یاد اب بھی آتی تھی۔

''کسی نے مجھے نہیں چھوڑا۔ کوئی مجھے چھوڑ ہی نہیں سکتا۔'' آہ ڈھٹائی۔

''کیا تم اسے یاد کرتی ہو؟ یا تم چاہتی ہو وہ واپس آجائے؟''

''ہرگز نہیں۔ میں کسی کی واپسی کا انتظار نہیں کر رہی۔ میں کسی کو یاد نہیں کرتی۔ کوئی میرا دوست نہیں ہے۔'' مارے طیش کے اسکی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس سے بات ہی کیوں کر رہی تھی؟

''اس نے تمھیں چھوڑ دیا، زینیا۔ کیا تم اس سے ناراض ہو؟ تم صرف ناراض ہوا گر وہ واپس آجائے تو تم اسے معاف کر دو گی ہے ناں؟'' بیٹھ گیا وہ لوگوں کے مسئلے سلجھانے۔

''زینیا مر جاتی ہے معاف نہیں کرتی۔ جو زندگی سے چلا گیا، وہ مر گیا۔'' اسکا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ کوئی تھا جو یاد آیا تھا۔ اور اپنے ساتھ ڈھیر سارے غم لایا تھا۔

''تمہاری جھوٹی انا بیچ میں آگئی ہے ناں؟ اس نے تمھارے پاس آنے کی کوشش کی ہو گی۔ تمھیں اسے معاف کر دینا چاہیے تھا۔ دوستوں کو معاف کر دیتے ہیں۔'' آخری بات میں جیسے نرم تنبیہ تھی۔ اب کے زینیا کی بس ہو چکی تھی۔ اس نے بغیر کسی جواب کے بلاک کا بٹن دبا دیا۔ ٹائپنگ کے تین نقطے اب نظر نہیں آرہے تھے۔ میسجز کی زوں زوں سے تھر تھرانے والا موبائل خاموش ہو گیا تھا۔

ساکت، ساکن۔ وہ اب مزید اس شخص کو نہیں سننا چاہتی تھی۔ یہ آئینہ تھا۔ سچ دکھانے والا آئینہ۔ زینیا اسکے سامنے اپنا عکس نہیں لانا چاہتی تھی۔ الجھا سرا بس الجھا ہوا ہی ٹھیک تھا۔

دوسری جانب گالف کلب میں لمبی کرسی پہ بیٹھے مہدی نے ڈھیر سارے پیغام لکھنے سے اپنی انگلیوں کو روکا۔ اور ایک بار پھر۔

You can't reply to this conversation۔

والے میسج کو دیکھا۔ مہدی کمبیر آج زندگی میں دوسری بار بلاک ہوا تھا۔ لڑکی وہی پہلی تھی۔

☆☆☆☆☆

شیشے کی دیواروں والے آفس میں اپنی پاور چیئر پہ بیٹھے قیس نے سفید ڈریس شرٹ پہن رکھی تھی۔ کوٹ ہمیشہ کی طرح اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا۔ اسکے سامنے بلیک کافی کا بھرا ہوا مگ رکھا تھا۔ جس سے وہ وقتاً فوقتاً گھونٹ لے رہا تھا۔ لیپ ٹاپ پہ بے مقصد انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کسی اور جہاں میں تھا۔ یہ اسکا بلاک فیز تھا۔ اسکے پاس آئیڈیاز تھے۔ اسکے پاس وقت تھا، توانائی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کام نہیں کر رہا تھا۔ گھنٹوں بیٹھ کر سکرین کو تکنا اور کام نہ کر پانا۔ یہ دکھ یا تو ایک لکھاری سمجھ سکتا ہے۔ یا پھر ایک آرٹسٹ۔

دفعتاً آفس کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ یوں جیسے کسی نے انگلیوں کی مدد سے ٹک ٹک کی ہو۔ قیس نے بے دھم ہو کر سر کو نشست کی پشت پہ گرا دیا۔ اسے خود پہ غصہ آرہا تھا۔ اسے اپنے کام پہ غصہ آرہا تھا۔ دستک ایک مرتبہ پھر سے ہوئی۔

''آجاؤ حبیب۔'' وہ جھنجھلایا۔ چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ دروازہ اب کھلا تھا برا سامنہ بنائے سفید سیاہ زنانہ ٹو پیس میں ملبوس حدیبیہ آتی دکھائی دی۔

''یہ ہر بار آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے دروازے پہ میں ہوں؟'' خفا خفا سا سوال۔ قیس یونہی گردن گرائے پڑا رہا۔ انگلیوں سے کنپٹی کو مسلا۔

''تم ہر دفع لڑکیوں کی طرح نازک بننے کے لئے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی سے دستک دیتی ہو۔ لیکن چونکہ مردانہ نقوش کے ساتھ ساتھ۔ تمہارے انداز بھی مردانہ ہیں۔ تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔'' اس نے آنکھیں کھول کر حدیبیہ کو دیکھا۔ وہ تکان زدہ لگتا تھا ۔

''پھر آخر میں کس طرح کی دستک دوں؟ جو کہ آپ کے شایان شان ہو۔ آج بتادیں۔''

''میرے شایان شان وہ ہو گی جو بغیر دستک کے دروازہ پھاڑنے کے انداز میں اندر آئے۔ اور مجھے پھر بھی بری نہ لگے۔'' اسکا لہجہ بیٹھا ہوا تھا۔ شاید وہ کافی دقت سے نارمل دکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حدیبیہ نے برا منہ بنایا۔ ''صاف صاف کہیں ناں کہ اپنے جیسی مہذب عورت پسند آئے گی۔ **(اس نے اپنے پہ زور دیا تھا)** ویسے آپس کی بات ہے پوری کمیونٹی میں آپ کو حد سے زیادہ غیر مہذب سمجھا جاتا ہے۔، ویسے آپس کی بات یہ بھی ہے کیا ایسی لڑکی اس دنیا میں ہو گی؟'' وہ ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو جھکی۔ آنکھوں میں تجسس تھا۔

قیس بھی مسکراتے ہوئے آگے کو جھکا۔

''ہو گی ضرور ہو گی شرط یہ ہے کہ میں مردو کے جھمگٹ سے نکل کر ایک اصل لڑکی سے ملوں، حبیب۔'' آخر میں حبیب پہ زور دیا ۔

حدیبیہ دانت پہ دانت جمائے پیچھے کو ہوئی۔

''جانتے ہیں وہ کونسا دن ہو گا جب میں خود کو نجات زدہ سمجھوں گی؟''

''جس دن تم خودکشی کرو گی۔ میں عالم ارواح میں تمھیں اپنا سیکریٹری رکھوں گا۔'' قیس نے فیصلہ سنایا تھا۔ حدیبیہ نے ڈھیر سارا اشتعال اندر دبایا۔ جانتی تھی قیس اسے ''روسٹ'' تب کرتا ہے۔ جب وہ تھک رہا ہوتا ہے۔ اسے واقعتاً اپنے باس کی فکر ہوئی۔ آنکھیں بھر آئیں۔

''ساری کمیونٹی آپ کے خلاف ہے باس۔ واصف منیر کا سکہ بول رہا ہے۔ قیسم ڈھے جائے گا باس۔ کچھ کریں، پلیز۔'' سکی آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے۔ ''لوگ آپ کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ قیسم کے لوگوں کو دوسری جگہ سے آفرز آنے لگی ہیں ۔ یہ ایک دن میں نہیں ہوا باس۔ واصف منیر تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ لوگ چھوڑ جائیں گے۔ قیسم ڈھے جائے گا۔'' قیس نے تھکی تھکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کسی نے تمھیں تو آفر نہیں دے دی، تم مت جانا ورنہ قیس ڈھے جائے گا۔'' اس نے روتے روتے نفی میں سر ہلایا تھا۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ قیسم میں اس نے بھی اپنی زندگی لگائی تھی۔

''میں مذاق نہیں کر رہی باس۔ بیز کلیکشن واصف کا ساتھ دے رہی ہے۔ ایس جے والے آپ کے لوگوں کو آفرز دے رہے ہیں۔ جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔'' زکام زدہ رنج میں ڈوبی آواز۔

''آخر یہ ساری دنیا میرے خلاف کیوں ہونے لگی ہے، حدیبیہ؟'' یہ کوئی اور قیس تھا۔ حدیبیہ نے رک کر اسے دیکھا تھا۔ ''کوئی مجھے جینے کیوں نہیں دیتا۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ میں چپ چاپ ایک طرف بیٹھ کر اپنا کام کر رہا ہوں اور لوگ بس میرے پیچھے

پڑ گئے ہیں۔" وہ آنسو بھول کر اسے دیکھے گئی۔ یہ تکان زدہ سوال۔ یہ ہارا لہجہ۔ یہ بے رونق آنکھیں۔ یہ اس کا باس نہیں تھا۔ وہ لوگوں کے رویوں کو یوں دل سے نہیں لگاتا تھا۔

"آپ اپنے کسی دوست سے مدد مانگیں۔ کسی دوست کو بلا کر مشورہ کریں، کوئی ہو گا۔ کوئی تو ہو گا جو آپ کے ساتھ ٹھہر سکے۔ کوئی تو سہارا بنے۔" اسکا بس نہیں چلتا تھا ایک بار پھر رونے لگے۔

"جس دن قیس سہاروں پہ کھڑا ہونے لگا۔ اس دن وہ کھڑے ہونے پہ لعنت بھیجے گا۔ میرا دوست میں خود ہوں۔ کسی انسان کی اتنی اوقات نہیں کہ اسے قیس کا دوست بنایا جائے۔" گلاس وال سے آتی دھوپ اسکے چہرے پہ گر رہی تھی۔ سائے میں کھڑی حدیبیہ اسے بولتے ہوئے سنتی رہی۔

"لوگ میری جڑیں کھوکھلی نہیں کر سکتے۔ میں کرنے نہیں دوں گا۔ قیسم کو میرے ہاتھوں نے بنایا ہے۔ میرے کندھے اسکا بوجھ ساری زندگی ڈھو سکتے ہیں۔ میں اسے گرنے نہیں دوں گا تم فکر مت کرو۔" آخر میں بس آخر میں اسکا لہجہ ہلکا سا ڈھارس دینے والا ہوا تھا۔ حدیبیہ کو اس سے ہمدردی ہوئی۔ کہانی کو اسلام آباد میں روک کر ذرا دیر کے لئے ہم گوادر جائیں گے۔

(شیشے کے سامنے کھڑی زینیا حاکم اپنے شہد رنگ بالوں کو سنوار رہی تھی۔ برش ہاتھ میں تھا۔ اور وہ مختلف زاویوں سے اپنے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے کونج داخلی دروازے سے اندر آئی۔

"زینی تم تیار ہو جاؤ۔ ابا نے کہا ہے تم اپنی شادی کی شاپنگ خود کرو۔" وہ چہک رہی تھی۔ زینیا نے اسکو نہیں دیکھا۔

"کتنا مزہ آئے گا۔ ہم شاپنگ کرنے جائیں گے۔" وہ خوش تھی بے انتہا خوش۔

''مڈل کلاس لوگ شاپنگ کرنے نہیں ضروریات پوری کرنے جاتے ہیں۔'' ظالم سفاک تبصرہ۔ ''اور ابا سے کہو میری پسند کا نہ سوچیں۔ کیونکہ مڈل کلاس لوگ ضروریات پوری کرتے کرتے پسند اور خواہش کو شو کیس میں چھوڑ کر آتے ہیں۔ مجھے آج بھی وہی کرنا ہوگا۔'' وہ کونج کی جانب مڑی بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کیونکہ خواہشات ہمارے بجٹ سے ایک، دو ہزار زیادہ مہنگی ہوتی ہیں۔''

کونج نے بل کھا کر اسے دیکھا تھا۔ ''بھاڑ میں جائے تمہاری فلاسفی، تم جیسی ناگن کے ساتھ جانا ہی نہیں مجھے۔ اللہ جانے اتنا زہر کہاں سے لاتی ہو جاؤ اب اپنی کسی دوست کو لے جاؤ۔'' وہ جاتے جاتے مڑی۔

اسکی آخری بات پہ وہ دونوں بیک وقت چونکی تھیں۔ کونج بے خیالی سے۔ زینیا بھاری دل سے۔)

''کیا آپ نے کبھی دوست نہیں بنائے باس؟'' اگر قیس نارمل حالت میں ہوتا تو اس ابنارمل سوال کا اپنے حساب سے جواب دیتا۔ لیکن آج کل اسے وہ دوست بہت یاد آتی تھی۔ وہ سنہری آنکھیں وہ گزرا وقت۔ یاد کے پنے اس سنہری یادوں سے بھرے پڑے تھے۔

حدیبیہ کی بات پہ وہ ایک پل کو ٹھہر گیا۔ آس پاس یادیں اور ماضی بکھر گیا۔

''میری ایک دوست تھی۔ بہت اچھی، ملنسار، میرے جیسی نہیں تھی وہ۔'' قیس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ ''وہ اگر مجھے کسی کام سے روک دیتی تھی تو میں رک جاتا تھا۔ وہ اگر کوئی کام کروانا چاہتی تھی تو میں کر لیتا تھا۔'' سنہری آنکھیں اتنی شدت سے یاد آئیں کہ دل پسیجا تھا۔

(کونج شرمندگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا، زینی۔ میں تمھیں وہ سب کچھ یاد نہیں دلانا چاہتی تھی۔'' اس نے بے بسی سے لب کاٹے۔ ایک ڈری ڈری سی نظر زینیا پہ ڈالی۔

''اگر تم اسے موقع دیتی تو آج ایسا نہ ہوتا۔ اسکی غلطی اتنی بڑی نہیں تھی۔ جتنی تم نے سزا دے دی۔ تمھیں اس پہ اعتبار کرنہ چاہیے تھا۔'' اس نے کہہ کر زینیا کو دیکھا۔ وہ جسکا چہرہ اب بھی بے تاثر تھا۔ لیکن اسکی آنکھیں سارا حال کہہ رہی تھیں۔ وہ جھنجھلائی تھی۔

''دوست کو وہی راز پتہ چلنے چاہیے جو ہم سنائیں۔ وہ نہیں جو اس نے دوسروں کو سنانے ہوں۔'' زینیا کی آواز کمرے میں گونجی۔

''ہم دونوں میں سے کوئی غلط نہیں تھا۔ بس اسے ان رازوں کو نہیں کھوجنا چاہیے تھا۔ جو میں نے چھپالئے تھے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے جیسے دل کو توجیہ دی تھی۔)

''مجھ پہ اسکا ایک راز کھلا تھا۔ میری عقل نے اس راز کو کھوجا تھا۔ نہیں کھوجنا چاہیے تھا۔ غلطی ہو گئی۔ یا پھر شاید نہیں ہوئی۔ میں نے اسکی آنکھیں پڑھ لی تھیں، ہمارے درمیان نزدیکیاں تھیں، میں اسکے کہے کا منتظر نہیں تھا۔ مجھے اسکے بارے میں پتہ چل جایا کرتا تھا۔'' اس نے خالی خالی نظروں سے حدیبیہ کو دیکھا۔

وہ مضحمل تھا، الجھا ہوا۔

(''تمھیں اسے ایک موقع دینا چاہیے تھا، زینی۔ دوستوں کو معاف کر دینا چاہیے۔'' وہ تاسف سے بولی تھی۔

زینیا دھیرے سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھتی چلی گئی۔اسکی آنکھیں اب مختلف تھیں۔رنجیدہ۔گلٹی۔اسے بھی وہ وقت،وہ دوستی یاد تھی۔

’’میں اسکے لئے بہت خاص تھی۔میں جانتی تھی میرے راز استعمال نہیں کئے جائیں گے۔لیکن میرے دل کے ایک کونے میں شک تھا۔میں اسکے ساتھ ہمیشہ مخلص رہنا چاہتی تھی۔ہمارا تعلق کرسٹل کلئیر تھا۔میرے وہم نے اسے دھندلا کر دیا۔‘‘)

’’میرے لئے وہ بہت خاص تھی۔میں اسکے راز کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔میں اسے اس مصیبت سے نکال لانا چاہتا تھا۔لیکن وہ ایک شکی لڑکی تھی۔اس نے کبھی اعتبار کرنا نہیں سیکھا تھا۔میں اسکے ساتھ مخلص تھا۔اسے یہ سمجھنا چاہیے تھا۔‘‘

(’’میرے دل میں شک آگیا تھا۔میں نے کبھی اعتبار کرنا نہیں سیکھا۔اس نے مجھے بچانا چاہا تھا۔لیکن۔۔۔۔۔‘‘

’’تم نے اس سے خود کو بچالیا،ہے ناں۔‘‘کونج نے بات مکمل کی۔زینیا زمین کو گھورتی رہی۔اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھ۔حلق میں گرہیں اٹکی تھیں۔آنکھوں میں پانی بھر آیا،ہاں اسے تکلیف ہوئی تھی،دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔)

’’وہ بری نہیں تھی،حدیبیہ۔وہ بس مختلف تھی۔،میں نہیں جانتا اس نے مجھے کیوں چھوڑا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اسے آج بھی مس کرتا ہوں۔اسکے بغیر آج بھی ادھورا ہوں۔میں چاہتا ہوں وہ پلٹ آئے۔میں اسکے پلٹ آنے کا احترام کروں گا۔کاش وہ ایک بار پلٹ آئے،کاش وہ ایک بار میری نظروں میں اپنا مقام جان لے۔‘‘

(’’میں نے اسے دوستی کی sanity کی خاطر چھوڑا۔‘‘زینیا کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ وہ بامشکل خود سن سکے۔

''میں اسکے ساتھ رہتی، لیکن اس پہ یقین نہ کرتی تو یہ منافقت ہوتی۔ میں نے اسے چھوڑا کیونکہ میرے ساتھ مسائل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں آج بھی اسے مس کرتی ہوں۔ میں آج بھی اسکی طرف لوٹنا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں اس نے میری جگہ سنبھال کر رکھی ہوگی، میرا مقام معتبر ہوگا، کاش وہ ایک بار پہل کردے۔'')

''میں آج بھی اسکے پلٹ کر آنے کا منتظر ہوں۔'' اس نے دہرایا۔ سورج کی کرنوں نے اسکے چہرے سے پھسلنا شروع کیا تھا۔ چھاؤں پہ اس شخص کا بھی حق تھا۔

''مجھے یقین ہے وہ ایک دن واپس آئے گی۔ کیونکہ اسے مجھ پہ اعتبار ہوگا۔ وہ چاہتی ہوگی میں پہل کروں۔ لیکن میں نہیں کروں گا۔'' اسکا لہجہ اٹل تھا۔

''یہ نہیں ہے کہ مجھے اس سے ضد ہے۔ یا کوئی مقابلہ بازی۔ وہ میری دوست ہے۔ اسے میرا احترام کرنا ہوگا۔''

(''اسے آج بھی تمھارے پلٹ کر آنے کا انتظار ہوگا۔'' کونج اس سے کہہ رہی تھی۔ ''اسے آج بھی اپنی بر تھڈے پہ تمہارا انتظار ہوتا ہے، زینی۔'')

''تمھیں نہیں لگتا تمھیں اسکے پاس پلٹ کر جانا چاہیے؟'' زینیا نے چند لمحہ اداس آنکھوں سے اسے دیکھا۔)

''اگر وہ پلٹ آئی تو میری زندگی کے آدھے دکھ ختم ہو جائیں گے۔''

(''میں اسکے پاس لوٹ کر نہیں جا سکتی۔ اسکے مسائل بڑھ جائیں گے۔ میں اپنی آخری سانس تک اس سے دور رہنے کی کوشش کروں گی۔'')

''میں اپنی آخری سانس تک اسکی پکار کا انتظار کروں گا۔ اگر اس نے ایک بار بھی مجھے واپس بلایا تو میں چلا جاؤں گا۔''

دونوں بیک وقت خاموش ہوئے تھے۔ دونوں کے الفاظ بیک وقت ختم ہوئے تھے۔ قیس نے یاسیت سے اپنا رخ کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔ زینیا موڑھے پہ بیٹھی رہ گئی۔ جس طرح ٹانگیں شل ہو جایا کرتی ہیں۔ اسی طرح ٹوٹی ہوئی دوستیوں کا ذکر دل کو شل کر دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دل کا شل ہونا محسوس کیا ہے؟

☆☆☆☆☆

مہدی کمبیر بھی اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ بیڈ پہ آڑھا ترچھا لیٹے لیٹے وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ چھت کی سیلنگ سے لگی نیلی روشنیوں نے کمرے میں خوابناک منظر پیدا کر رکھا تھا۔ اسی لمحے اسکا فون بجا۔ واصف منیر کالنگ کے الفاظ جگمگائے۔ یہ تو قیسم کا ملازم تھا۔ وہ کمر سیدھی کیئے اٹھ بیٹھا۔ فون کان سے لگایا۔ اگلے ہی لمحے اس کے تاثرات بدلتے چلے گئے۔ اگلے دو منٹ کی کال میں وہ دو ہزار بار بل کھا چکا تھا۔ فون بند کر کے اس نے پیر بستر سے نیچے اتارے اور قیس کے کمرے کی راہ لی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ چہرے پہ دباد با غصہ تھا۔ قیس کے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔

قیس جو سادہ سے حلیے میں اپنے پلنگ کے ایک کونے پہ ٹکا بیٹھا تھا۔ سامنے کئی قسم کی گنز پھیلا رکھی تھیں۔ اس نے نظر اٹھا کر مہدی کو دیکھا تک نہیں۔ وہ بس ایک گن کھولے ہوئے تھا۔ اسکے پرزے بکھرے ہوئے تھے۔ مہدی سرخ چہرہ لئے آگے کو آیا۔

''تم یہ سب کیسے کر سکتے ہو، نائٹ میئر؟'' وہ غرایا تھا۔ ''تم نے ایک آدمی سے اسکا کیریئر چھین لیا۔ تم نے اسکی زندگی برباد کر دی ہے۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟''

قیس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اگر میں یہ سب نہ کرتا تو آج میری زندگی برباد ہو رہی ہوتی۔"

مہدی بھڑک ہی تو گیا تھا۔ "تمھارے اندر سے انسانیت نکلتی جا رہی ہے قیس۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وحشی جانور بنتے جا رہے ہو تم۔ مجھے نہیں سمجھ آتا آخر تم کیوں اتنے گھٹیا ہو۔۔" وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا۔ قیس گردن جھکائے ہاتھ میں پکڑی روئی کے گولے سے گن کو صاف کرتا رہا۔

"مجھے جواب دو، قیس کبیر۔" مہدی ایک بار پھر غرایا۔

"ادھر دیکھو مجھے، اس کمپنی میں میرا بھی حصہ ہے۔ تم اس طرح برباد نہیں کر سکتے۔ اس طرح لوگوں کی محنت نہیں لے سکتے۔ میں تمھیں یہ سب کرنے نہیں دوں گا۔" وہ چیخ چیخ کر تھک چکا تو قیس نے گنز کو ایک طرف رکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔ پیر بستر سے نیچے اتارے اب وہ اسکی طرف آ رہا تھا۔ مہدی جبڑے بھینچے اسے اپنی طرف آتا دیکھتا رہا۔

قیس اسکے سامنے آ کر ٹھہرا۔ سرد آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں سبز آنکھوں میں گڑھ سی گئیں۔

"پچھلی بار جب تم نیویارک گئے تھے تب پچپن لاکھ خرچہ ہوا تھا۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ "اس سے اگلی بار جب تم انگلینڈ گئے تھے۔ تب ستر لاکھ خرچہ ہوا تھا۔ کیونکہ تم ہوٹل کے کمروں میں نہیں سویٹ میں رہنا چاہتے ہو۔ کیونکہ تم عام کھانا نہیں، فائیو اسٹار ہوٹلز کے بعام کھانا چاہتے ہو، تم عام سٹورز کے کپڑے چھوڑ مہنگے مہنگے ڈیزائنر ویئرز پہننا چاہتے ہو، کیونکہ تم مہنگی

مہنگی برانڈڈ چیزیں لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو پیسہ کہاں سے آتا ہے؟" اس نے ایک ہاتھ مہدی کے کندھے پہ رکھا۔ نرمی سے سوال کیا۔

مہدی اب بھی لب بھینچے ہوئے تھا۔ اسے سخت غصہ آیا تھا۔

"جب میں گدھوں کی طرح کام کرتا ہوں ناں۔ تب آتا ہے پیسہ، وہ پیسہ جسے تم برباد کرتے ہو۔ اور اسی پیسے کا راستہ روکنے والا تھا واصف منیر اور اسکے جیسے چند اور کیڑے۔ سب کو مسلنا پڑا۔ ورنہ میں کچلا جاتا۔ اور اب یہ نہ کہنا کہ تم خود کماتے ہو تمہارا یوٹیوب تمہارا سوشل میڈیا، بکواس بکواس۔"

مہدی نے بے زاری سے پہلو بدلا۔ "مجھے مت بتاؤ تم نے کیا کیا کیوں کیا۔ میں سب جانتا ہوں، قیس۔ تم ہمیشہ اس راستے جاتے ہو جہاں تمہاری انا کی تسکین ہو سکے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تم اس معملے کو آرام سے حل نہیں کر سکتے تھے؟ بغیر دھمکیوں کے۔ بغیر ایک شیطان بنے۔"

قیس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں بلکل ایک فرشتہ بن سکتا تھا۔ اگر میرے پیچھے کوئی مجھے سنبھالنے والا ہوتا۔ میرے پاس ایک تھا۔ میرا باپ۔ لیکن وہ مر گیا۔ تھینکس ٹو یو۔" دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا اسے سراہا۔ اسکی آنکھوں میں استہزاہ تھا۔ مہدی کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ رنگت پھیکی پڑی، قیس کہے گیا۔

"میرا باپ اگر زندہ ہوتا تو یوں شیطان بننے کی ضرورت نہ پڑتی مجھے۔ یوں لوگوں کا کیریئر کھانے کی ضرورت نہ پڑتی مجھے۔ اور یوں گدھوں کی طرح کام کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔ میں برا نہیں بنتا اگر یہ دنیا میرے ساتھ اچھی رہتی۔"

''تم اب بھی اچھے بن سکتے ہو، قیس۔اب بھی واپسی ممکن ہے۔'' مہدی کا لہجہ فکر مند ہوا۔''تم ایک بار کوشش تو کرو۔ایک بار صرف ایک بار خود کو بدلنے کی کوشش کر کے دیکھو۔تم دیکھنا سب بدل جائے گا۔''

قیس اسکو دیکھتے ہوئے زور سے ہنسا تھا۔اور پھر وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ہنس ہنس کر دوہرا ہونے لگا۔مہدی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔قیس کے بلند قہقہے گونج رہے تھے۔یکدم وہ سیدھا ہوا۔جھکنے کی وجہ سے گھنگریالے بال ماتھے پہ بکھر گئے تھے۔اسکی مسکراتی آنکھوں میں ٹھنڈہ تاثر تھا۔

''تم تو اچھے ہو ناں، مہدی؟ تم تو نیک ہو، ایک دنیا ہے جو تمھارے جیسی بننا چاہتی ہے۔تمھیں فالو کرنا چاہتی ہے۔ایسا ہے ناں؟''

مہدی کچھ نہیں بولا۔بس خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔قیس دو قدم آگے آیا عین اسکے سامنے۔ہاتھ میں پکڑی گن اب اسکے اور اپنے چہرے کے درمیان میں لائی۔قریب، بلکل قریب۔یوں کہ گن مہدی کے چہرے کو چھو رہی تھی۔

''اس گن کو پہچانتے ہو ناں؟'' سبز آنکھوں میں ناسمجھی اتری۔''یہ وہی گن ہے۔جو گوادر کے ساحل پہ تم نے چھوڑی تھی۔یہ وہی گن ہے۔جسے تم کسی آدمی کو مارنے جا رہے تھے۔''

''لیکن میں نے مارا نہیں میں بس۔۔۔''

''یہ گن غیر قانونی ہے۔'' ٹھنڈی برف سرگوشی پہ مہدی برف ہو گیا۔''یہ گن اور اسکا مالک دو سال پہلے غائب ہوئے تھے۔آدمی کی لاش ٹکڑوں میں ملی۔گن کا سراغ آج تک نہیں مل سکا تھا۔لیکن آج یہ مجھے تم سے موصول ہوئی ہے۔میں اسکا مطلب کیا سمجھوں؟ تم عام قاتل ہو یا ایک ٹرافی کلیکٹر؟''

مہدی شل سا اسے دیکھے گیا۔اپنی صفائی میں کہنے کو الفاظ نہیں ملے۔

''کوئی یونان کی سفید گلیوں میں تمہارا پیچھا کرتا ہے۔کوئی گوادر کے کھنڈروں میں تم پہ حملے کرتا ہے۔کوئی تمھارے پیچھے کیوں آتا ہے مہدی؟تم تو اچھے ہو ناں؟''اسکی آخری بات میں ایسی کاٹ تھی کہ بدن چھلنی ہونے لگے۔

''تم مجھے نیک اور اچھا بننے کا درس دیتے ہو۔اور تم خود کیا کرتے ہو؟تم غیر قانونی بندوقیں ساتھ رکھتے ہو۔تم اپنی عورت کو ڈس اون کرتے ہو۔تمہارا پیچھا کرنے والا تم سے کوئی انتقام چاہتا ہے۔کچھ ہے جو تم نے ماضی میں کیا ہے۔اور تم چاہتے ہو میں اچھا بنوں؟''طنز،استہزاہ کیا نہیں تھا اسکی باتوں میں۔مہدی کے چہرے پہ گویا کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔

''تم لوگوں کو سادگی کے درس دیتے ہو۔اور خود شاہانہ ریزورٹس اور سویٹس میں راتیں گزارتے ہو۔مہنگے مہنگے ہوٹل سے کھانا کھاتے ہو۔اور تم چاہتے ہو میں دوسروں کا پیسہ کھانا چھوڑ دوں؟''

مہدی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔''میں اگر یہ سب کرتا ہوں تو اپنے باپ کی میراث پہ کرتا ہوں،قیس۔یہ پیسہ میں نے کمایا ہے۔میں نے کبھی کسی کا حق نہیں مارا۔''

''میرا حق تو مارا ہے۔''اس نے زخمی انداز میں شکایت کی۔''تم نے مجھ سے میرے ماں باپ چھین لئے۔تم نے مجھ سے میرا بچپن ،جوانی سب چھینا۔میرے خواب تھے۔میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا۔میں آرٹسٹ بننا چاہتا تھا۔سولہ سال،مہدی۔سولہ سال کی عمر میں ،میں نے جنگیں لڑی ہیں۔کیونکہ تم نے میرے باپ کو مروا دیا۔زندگی جینے کی عمر میں میں نے،آدھے خاندان کی لاشیں ڈھوئی ہیں۔''

سارے الفاظ مہدی کے حلق میں اٹک گئے۔ کچھ کہا ہی نہ گیا۔ کوئی تردید نہیں کوئی انکار نہیں۔ وہ مجرم تھا۔اور مجرموں کے سر جھکے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔

"جانتے ہو برے لوگ برے کیوں بنتے ہیں؟" مہدی نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"برے لوگ اس لئے برے بنتے ہیں۔ کیونکہ وہ تم جیسے اچھوں سے ملے ہوتے ہیں۔ تم لوگ تمھارے جیسے سو کالڈ اچھے ہمارا یقین اچھائی سے اٹھادیتے ہیں۔ اس دنیا میں اچھا بس وہی ہوتا ہے جسے برا بننے کا موقع نہیں ملتا۔ جسے مل جائے وہ غیر قانونی غیر لائسنس شدہ پستول بھی لے کر گھومتا ہے۔ اور جسے موقع نہ ملے وہ گوادر کی سڑکوں پہ ایک قتل ہونے سے بچا بھی لیتا ہے۔ اب بتاؤ مہدی ہم دونوں میں سے اچھا کون ہوا؟"

اس نے سینے پہ بازو لپیٹے۔ آنکھوں میں چیلنج اترا۔ "میں جس نے ایک قتل ہونے سے بچایا، یا تم جو قتل کرنے جارہے تھے؟"

مہدی نے ٹھہر کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت اسکے اندر آئی کہ اسکے منہ سے بے اختیار

"میں۔" نکلا۔ قیس نے ابرو اوپر کو اٹھا کر اسے ستائش سے دیکھا۔

"میں اچھا ہوں، قیس۔ کیونکہ میں اپنے گناہوں کو اون کرتا ہوں۔ میں اچھا ہوں کیونکہ میرے پاس جسٹیفکیشن نہیں ہے۔ کیونکہ میں بلیم گیم نہیں کھیلتا۔ تم سارے برے کسی اچھے کی وجہ سے برے نہیں بنتے۔ اپنے تمام گناہوں کی وجہ تم خود ہو۔" انگلی سے اسکے سینے پہ دستک دی۔ "اگر تمھیں لگتا ہے تم مجھے یا کسی اور کو الزام دے کر بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ تو ایسا نہیں ہو گا۔ تمھارے

بائیں کندھے والا فرشتہ برائی کو تمھارے ہی کھاتے میں لکھے گا۔ یہ نہیں لکھے گا کہ قیس زمان کمبیر نے مہدی سرور کمبیر کی وجہ سے گناہ کیا۔"

قیس اب بھی اسے انہی محظوظ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یوں گویا اسکی باتوں سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔ مہدی چند لمحے تپش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر پلٹ گیا۔ ابھی اسکا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پہ تھا۔ جب قیس قیس نے اسے پکارا۔

"تمھارے پیچھے کون آتا ہے؟" سوال کیا گیا۔

کئی لمحے اسے جواب نہ ملا۔

"اسے مارو ورنہ وہ تمھیں بھی مار سکتا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا میرے گھر سے سبز قدمی ختم ہو۔" مہدی کا وجود چند لمحے جامد رہا۔ پھر دھیرے سے چند الفاظ پھسلے۔

"میں اسکا سدباب کر آیا ہوں۔ وہ اگر سیاہ ہے۔ تو میں اسکے لئے سیاہ آندھی لا رہا ہوں۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ قیس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے تبدیل ہوئے۔ وہ واپس اپنے پلنگ تک آیا۔ جھک کر دراز پہ پڑا اپنے موبائل اٹھایا۔ اسکی انگلیوں نے ایک نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی۔ اگلے لمحے کال مل گئی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں صرف ڈرانے سے کچھ نہیں ہوگا۔، اب کی بار بس تعاقب نہ کرنا۔" ایک لمحے کی خاموشی۔ "بلکہ اب کی بار اسکے پیچھے میں خود جاؤں گا۔ میرے بابا کے قاتل کو میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

اسپیکر کے پار شخص ایک لمحے کو خاموش ہوا تھا۔ پھر اسکی ہلکی سی آواز قیس کے کانوں میں پڑی۔

''آپ اسے کیسے مار سکتے ہیں۔ وہ آپ کا خاندان ہے۔ یہ کام مجھے سونپ دیں، باس۔'' قیس کی گرفت موبائل پہ سخت ہو گئی۔ آدھے خاندان کی لاشیں آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔ رفتہ رفتہ آنکھوں سے ساری انسانیت رخصت ہوئی آنکھیں سرد، سفاک ہو گئیں۔

''خون کے جتنے قطرے میرے بابا کے جسم سے بہے تھے۔ اتنے اگر نہ بہائے۔ تو خود پہ مرد ہونا حرام سمجھوں گا۔''

کال کٹ گئی تھی۔ آنکھیں اب تک سرد تھیں۔ کئی سال پہلے کی آگ اب اسکے سینے میں جل رہی تھی۔ ہر دفع وہ نہیں جلے گا۔ اس دفع وہ جلائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بشر حاکم کی چھوٹی گاڑی گوادر کی سڑکوں پہ دوڑ رہی تھی۔ مغرب قریب تھی۔ سارے میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ کونج اور اماں بیٹھی تھیں۔ اگلی سیٹ پہ زینیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھو تو کونج حاکم ابھی سے شاپنگ کے تھیلے کھول کھول کر چیک کر رہی تھی۔ ابھی سے وہ زینیا کی پسند کے جوڑے ہتھیانے کا سوچ چکی تھی۔ اپنی پسند تو کبھی پسند آئی ہی نہیں تھی ناں۔ بشر کافی دیر سے تھیلیوں کا کھلنا بند ہونا نوٹ کر رہا تھا۔ بلآخر اب بول پڑا۔

''اماں اس بھوکی سے کہیں گھر جا کر سامان دیکھ لے۔ پتہ نہیں کہاں سے گلے پڑ گئی ہمارے۔''

''ہاں تو چیک کر رہی ہوں ناں۔ کہیں کچھ رہ تو نہیں گیا۔'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔

''چاہے تم جتنا مرضی چیک کر لو تمہاری اندھی آنکھیں کچھ نہ کچھ بھول کر آئی ہوں گی۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا تھا۔

کونج حسب توقع ہتھے سے اکھڑ گئی۔ "ہاں میں اندھی ہوں۔اور تم تو گوادر کے پہاڑوں پہ بیٹھی چیونٹیاں یہیں سے دیکھ لیتے ہو ہے ناں؟"

گوادر کے پہاڑوں والی بات پہ زینیا جیسے خواب سے جاگی تھی۔جس سڑک پہ اس وقت گاڑی رواں دواں تھی۔اسکے سامنے ہی کوہ باطل تھا۔گاڑی میں پھیلی اسپرے کی خوشبو تحلیل ہو گئی۔آس پاس تازہ تازہ بھٹوں (مکئی) کی خوشبو پھیل گئی۔زینیا حاکم نے خود کو اس گھٹن زدہ گاڑی کے باہر کوہ باطل کی بلندیوں میں محسوس کیا۔چند دن پیچھے۔کچھ وقت قبل۔

یہ صبح صادق کا وقت تھا۔ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔نیم اندھیرا گوادر پہ اپنی سیاہ چادر پھیلائے ہوئے تھا۔مہدی کمبیر اور اسکا گروپ آج کوہ باطل کی بلندیوں سے دنیا کا حسین ترین طلوع آفتاب کا منظر دیکھنے والے تھے۔گوادر کا سب سے خوبصورت اور دل موہ لینے والا نظارہ یہی تھا۔ابھرتا سورج، ڈھلتا سورج۔کوہ باطل سے نظر آتا سمندر اور اس پہ چلتے جہاز۔وہ جہاز جو اس بلندی سے انگوٹھے کے ناخن جتنے چھوٹے لگتے تھے۔گوادر شہر کا سب سے حسین نظارہ کوہ باطل سے کیا جا سکتا تھا۔

گھر میں بغیر بتائے صبح منہ اندھیرے بشرا اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔خود وہ اپنی دکان گیا تھا۔کل رات ہی اسکے ساتھ والی دکان میں چوری ہوئی تھی۔تالے توڑے گئے تھے۔اسے جانا تھا۔

''ابھی اور کتنا سفر باقی ہے؟'' یہ اقراء کی آواز تھی۔ جو کوہ باطل کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھ چڑھ کر تھک گئی تھی۔ مہدی اقراء اور زینیا ساتھ تھے۔ باقی لوگ ابھی بہت پیچھے تھے۔ زینیا نے چلتے چلتے مڑ کے اس ہانپتی کانپتی لڑکی کو دیکھا۔ پھر اسکے سامنے کھڑے مہدی کو۔ جو اسکا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ تو جیسے تھکا ہی نہیں تھا۔

''سات سو ستر سیڑھیاں ہیں۔ جن میں سے ابھی ڈھائی سو بھی مکمل نہیں ہوئیں۔'' چند زینوں کے فاصلے پہ کھڑی روبوٹ بول رہی تھی۔ مہدی نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر اقراء کو دیکھا۔

''تم ذرا آرام کر لو پھر آجانا اوکے؟'' وہ مہدی سے متفق تھی۔ جب ہی سیڑھیوں کے درمیان میں بیٹھ گئی۔ کندھے پہ ٹنگے بستے کو درست کرتا مہدی زینیا کے پیچھے لپکا۔

اس نے آف وہائٹ اوور سائز شرٹ کے ساتھ کارگو پینٹ پہنی تھی۔ بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے کندھے پہ چھوٹا بیگ پیک ڈالے وہ آگے آگے چل رہا تھا۔

اسی لمحے اس نے زینیا کو اپنے بیگ سے ایک تیز دھار چاقو نکالتے ہوئے دیکھا۔ وہ حیرانی سے اسکی طرف آیا۔ زینوں پہ اسکے ساتھ قدم دھرتے ہوئے وہ اسے تسلی دینے لگا۔

''تم ڈر رہی ہو؟ فکر مت کرو میں ہوں ناں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔''

''میں نے یہ چاقو آپ سے حفاظت کے لئے نکالا ہے۔ کیونکہ مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' نیم اندھیرے میں چلتی لڑکی اسے حسب معمول زہر ہی لگی۔

''میں تمھارے لئے اتنا نا قابل اعتبار کیوں ہوں؟ دیکھو میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اوہ خدایا تم مجھ پہ شک کر رہی ہو۔۔'' اسے صدمہ لگا تھا۔

''ہوں گے لیکن کم از کم میرے نزدیک نہیں۔ مرے نزدیک آپ دنیا کے سب سے مشکوک انسان ہیں۔''

اسکا سانس پھول رہا تھا۔ تیز تیز چلتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی تگ و دو میں تھے۔ ملگجے اندھیرے میں وہ دونوں بہ دقت ایک دوسرے دیکھ پا رہے تھے۔

''آخر اتنی بے اعتباری کیوں؟'' چلتے چلتے وہ عین اسکے سامنے آکر رکا تھا۔ آگے جانے کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔ زینیا نے ایک پل کو ٹھہر کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ اس سے دو زینے آگے تھا۔ لمبا چوڑا قد نیم اندھیرے میں سایہ سا لگتا تھا۔

''کوئی ہے جو آپ کا تعاقب کرتا ہے۔ کوئی ہے جو آپ کے سینے پہ بندوق رکھ دیتا ہے۔ کوئی ہے جو آپ سے کچھ لینا چاہتا ہے۔ جان ،مال، یا پھر کچھ اور۔''

مہدی ابرو سکیڑے اسے سن رہا تھا۔

''آپ کی پنڈلی میں چاقو بندھا ہے۔ جیکٹ کی جیب میں پستول ہے۔ ڈھیر ساری استعمال نہ ہونے والی سم کی ڈبیا ہیں۔ بیک وقت پہ تین موبائل فونز ہیں۔ آپ پرابلم ہیں مسٹر کمبیر۔ کیا مجھے اب بھی آپ سے مسئلہ نہیں ہونا چاہیے؟''

مہدی نے سر جھٹکا۔ ایک زینہ نیچے اترا۔ ''مجھے دو منٹ نہیں لگیں گے میں تمہارا یہی چاقو تمہاری گردن پہ رکھ کر جو چاہوں وہ کر سکتا ہوں۔ لیکن میں ایک شریف آدمی ہوں۔ صرف ایک سیاح۔'' اسکی نگاہوں کا رنگ بدلا۔ ''کل قلعے والی بات کو بھول جاؤ۔ وہ بس ایک حادثہ تھا۔''

''میں بھول جاؤں گی کیا آپ بھول سکتے ہیں؟'' وہ ترنت بولی۔ ''آپ کی آنکھیں دیکھ کر صاف لگتا ہے آپ ساری رات نہیں سوئے۔ جان کا خوف اچھے اچھوں کی نیند اڑا دیتا ہے۔''

''مجھے موت سے خوف نہیں آتا۔'' مہدی سنجیدہ تھا۔

''مجھے آتا ہے، کیونکہ موت کے بعد جنت دوزخ آتے ہیں۔ میں نے دونوں کی تیاری نہیں کی۔''

''تمھیں لگتا ہے وہ مجھے مار دے گا؟'' وہ نہ جانے کیا سننا چاہتا تھا۔

''میں چاہتی ہوں وہ آپ کو مار دے تاکہ آپ کو معلوم ہو انسانوں کی دنیا میں فرشتہ بننے کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

وہ دونوں ترکی بہ ترکی ایک دوسرے سے سوال جواب کر رہے تھے۔

''تم اتنی پتھر دل کیسے ہو سکتی ہو؟'' اسے تاسف ہوا۔

''تصیح کریں۔ میں صرف پتھر ہوں۔ دل نامی چیز بس میرے جسم کے لئے کام کرتی ہے۔ اسکے اندر جذبات بھرنا ایک عرصہ پہلے چھوڑ چکی ہوں۔'' نیم اندھیرا اب چھٹ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔

مہدی نے بے چارگی سے اسے دیکھا اور کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ سر کو زور زور سے نفی میں ہلایا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اب مجھے معاف کرو کہ میں نے تم سے بات کرنے کی کوشش کر دی۔ چلو آگے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

سورج طلوع ہونے ہی والا تھا۔ اور اب بھی کوہ باطل کی بلندیوں تک جانا بے کار نہیں تھا۔

''تم جانتی ہو اس پہاڑ کا نام کوہ باطل کیوں ہے؟'' مزید چند زینے چڑھنے کے بعد وہ خود پہ قابو نہیں رکھ پایا۔ وہ پبلک سپیکر تھا۔ بولتا نہیں تو کہاں جاتا۔ چاہے وہ زہر اگلتی تھی لیکن خیر ہے وہ تھی تو سہی۔

''میں آپ کی ٹریول گائیڈ نہیں ہوں جو آپ کی معلومات میں اضافہ کرتی رہوں۔'' مہدی نے ڈھیر سارا کلسنا ضبط کیا۔ اور چلتا رہا۔ ساتھ ساتھ اب وہ اپنے بستے سے نکالا ہوا بھٹا چھیل رہا تھا۔

''اچھا سنو تم بھٹا کھاؤ گی؟'' اس نے کھلے دل سے آفر کی۔

''یہ نرالے شوق آپ ہی کو مبارک ہوں۔ صبح صبح بھٹا کھالوں۔'' وہ بڑبڑائی۔ مہدی مسکرایا۔ یہ جلی کٹی لڑکی شاید زہر کھا کر پلتی تھی۔

چلتے چلتے وہ ایک بار پھر رک گیا۔ یوں کہ راہیں ایک بار پھر مسدود ہوئیں۔ گوادر کا سمندر اور کشتیاں یہاں سے بہت چھوٹی نظر آتی تھیں۔ مہدی کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ آس پاس کے نظارے دل کو خیرہ کئے دیتے تھے۔

''تمھیں بھوک لگی ہے ناں؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔ زینیا نے خفگی سے چہرہ گھمایا۔ صاف ظاہر تھا وہ بھوکی تھی۔ آہ، وہ واقعی بھوکی تھی۔ مہدی کو صحیح لگا تھا۔

''تم یہ بھٹا کھانا چاہتی ہو ہے ناں۔'' بد تمیز آدمی۔

''میں وہ چائے پینا چاہتی ہوں۔ جو آپ کے تھرماس میں ہے۔'' اب کے اس نے گردن کڑالی۔ ڈھٹائی تو اس پہ ختم ہوتی تھی۔ چائے کے عاشقوں کو اگر صبح صادق چائے نہ ملے تو انکا دماغ کام نہیں کرتا۔ مہدی کے ہاتھ میں مکئی کے دانے تھے۔ جسے وہ زینیا کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔ ابھرتا سورج، نم ہوائیں، بھٹے اور چائے کی خوشبو اور سمندر کا نظارہ۔ زندگی سے اور کیا چاہیے؟

''اگر تم یہ بتادو کہ اس پہاڑ کا نام کوہ باطل کیوں ہے تو مکئی تمہاری ہوئی۔''

ایک پل کو زینیا کہ جی میں آیا تھا کہ اسے یہیں سے دھکا دے دے۔ اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کیا۔ خود کو حد درجہ بے نیاز ظاہر کیا۔

''بلوچی زبان میں باطیل بہت بڑی کشتی کو کہتے ہیں۔ دور سے دیکھنے پہ یہ پہاڑ ایک کشتی جیسا لگتا ہے۔ اس لئے اسکا نام کوہ باطل ہے۔'' کہتے ساتھ اس نے ہتھیلی پھیلادی۔ گردن کڑائے رکھی۔ چہرہ سخت۔ مہدی نے سارے دانے اسکی ہتھیلی پہ پلٹ دیئے۔ اور مسکرا کر آگے بڑھا۔

''چند اور سوالوں کو جواب دے دو۔ پھر چائے بھی پلادوں گا۔'' وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ زینیا ڈھیر سارا غصہ ضبط کرتے ہوئے اسکے پیچھے گئی تھی۔

اس آدمی کی موت زینیا کے ہاتھوں لکھی تھی۔ کاش اس دن اس قلعے میں اسے بچایا نہ ہوتا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اسکی باتوں کا جواب دیتی جارہی تھی۔ واپس حال میں آؤ تو وہی چھوٹی گاڑی کی حبس وہی اسپرے کی خوشبو اور وہی کونج کی چنگھاڑ۔

Weirdo زینیا اپنے دھیان میں بڑبڑائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دادی کے کمرے میں آج ایک بار پھر رونق لگی تھی۔ پلنگ پہ کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ وہی جو زینیا کی شادی کے لئے لائے گئے تھے۔ سامنے ٹی وی چل رہی تھی۔ جس پہ اس وقت کسی ڈرامے کی آخری قسط چل رہی تھی۔

''یہ تو تھا ہی بے غیرت۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔'' ہیرو کے آخری کارنامے پہ دادی کا تبصرہ۔

''ذرا اسکی بیوی بچوں کی تصاویر دکھانا، کونج۔'' ٹی وی سے ذرا سی نظر نہ ہٹائی۔ انکے دائیں گھٹنے پہ زینیا سر رکھے ہوئے تھی۔ ٹانگیں سینے سے لگا رکھی تھیں۔ جبکہ کونج اب تک جوڑے الٹ پلٹ رہی تھی۔

''اللہ اللہ اس میں سے کونسا رکھوں؟'' اسکے نرالے غم تھے۔

''تمھیں کہہ رہی ہوں اسکے خاندان کی تصویر دکھاو۔ جوتا اٹھاؤں کیا؟'' دادی کا موڈ بری طرح خراب ہو رہا تھا۔ کونج نے کوفت سے اپنا موبائل اٹھایا۔ اسی لمحے ڈرامے کی قسط ختم ہوگئی۔ کونج نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر زینیا کو دیکھا۔ پھر ٹی وی کو۔ جہاں لڑکا لڑکی آخر میں شادی کر چکے تھے۔ زینیا خالی خالی نظروں سے ٹی وی کو دیکھ رہی تھی۔ کونج کو بے اختیار ملال سا ہوا۔ بے دلی سے موبائل واپس رکھا اور دادی کے کندھے پہ سر رکھ لیا۔ دونوں بازو دادی کے بازو سے جوڑ لئے۔ اور منہ بسور لیا۔

"کہانیاں کتنی اچھی ہوتی ہیں ناں دادی۔ آخر میں ولن سامنے آجاتا ہے۔ برائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اچھائی جیت جاتی ہے اور" وہ ایک پل کو رکی۔ ایک بے بسی بھری نظر اپنی بہن پہ ڈالی۔ "اور لڑکا لڑکی ہمیشہ مل جاتے ہیں۔" اسکا گلہ بھاری ہو رہا تھا۔ اسے ترس آرہا تھا۔ اسے زینیا پہ بہت سارا ترس آرہا تھا۔ وہ بیک وقت کتنے محاذوں پہ لڑ رہی تھی ناں؟

دادی نے گہری سانس بھری۔ اپنی گود میں لیٹی زینیا کو دیکھا۔ اب کے وہ بولیں تو انکا لہجہ گھر کے بڑوں جیسا تھا۔

"کہانیوں کے پاس ساری زندگی نہیں ہوتی، کونجاں۔ کہانیاں بس ایک محدود مدت کے لئے ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ انکا اصل ہمیں سبق دینا ہوتا ہے۔ انکو ختم ہونا ہوتا ہے۔ دنوں میں مہینوں یا گھنٹوں میں۔ تاکہ ایک نئی کہانی اور نیا سبق آپ کی زندگی میں جگہ بنا سکے۔"

کونج خاموش ہو گئی۔ لیکن زینیا نہیں۔ اسکی کھوکھلی آواز میں پوچھا سوال دادی کے کانوں میں گونجا۔

"اصل زندگی کہانیوں جیسی کیوں نہیں ہوتی اماں؟ محبتیں مل جائیں، سچائی سامنے آجائے۔ دوست ساتھ رہیں۔ غلط فہمی کسی روز ختم ہو جائے۔" ایک پل کو وہ ٹھہر گئی۔ "اور جسے پکارو وہ صحیح وقت پہ چلا آئے۔" اسکی آخری بات پہ ان تینوں کا دل ایک ساتھ دکھا تھا۔

"انسان اپنی زندگی میں بہت ساری غلطیاں کرتا ہے بچے۔ کئی بار اسے غلطیوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اسکے پاس ایک شکوہ ہوتا ہے کہ کاش کوئی ہوتا جو اسے سمجھاتا کہ فلاں وقت پہ فلاں طریقے سے فیصلہ لینا تھا۔" دادی ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔

''ہر انسان کے پاس انسان نہیں ہوتے۔ کچھ لوگوں کے پاس نصیحت دینے کو کہانیاں ہوتی ہیں۔ زندگی میں آگے بڑھنے اور فیصلہ لینے کو کچھ کردار ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ اپنے لئے ویسا فیصلہ لیتے ہیں۔ جن سے وہ سیکھ جاتے ہیں۔ کہانیوں کو انجام پہ جانا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ آپ کو کچھ اچھا سکھا سکیں۔ کہانیوں کا انجام آپ کو بتاتا ہے کہ آپ نے اپنا انجام کیسا رکھنا ہے۔ کیا چیز ہے جو آپ کو بچائے گی۔''

''کہانی کے انجام ہمیشہ اچھے کیوں ہوتے ہیں دادی؟ صرف اچھے انجام والی کہانیاں کیوں پسند کی جاتی ہیں؟'' کونج کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

دادی نے لمبی سانس لی۔ ''وہ لوگ اصل قاری ہوتے ہی نہیں۔ جنکو کہانی کا انجام خوشگوار چاہیے ہو۔ ایسے لوگ بس اپنی ناکام حسرتوں کو دو کرداروں کے درمیان پورا ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اصل قاری وہ ہوتا ہے جو برے انجام سے کچھ سیکھے۔ تمہاری پہلی بات سے اختلاف ہے مجھے۔ کہانیوں کے انجام ہمیشہ خوشگوار نہیں ہوتے۔ بلکہ ناخوشگوار انجام زیادہ بکتا ہے۔ سسی پنوں، ہیر رانجھا ، رومیو جیولیٹ، سوہنی مہیوال۔ ان سب کے انجام بھی تو برے تھے۔ لیکن کیا کوئی ہے جس نے یہ نام یہ کہانی نہ پڑھ رکھی ہو؟ کہانی کو اسکے انجام سے نہیں اسکے سبق سے پہچاننا چاہیے۔ اپنی ناکام حسرتوں کو دو کرداروں کے درمیان سوچنا چھوڑ کر آگے آنے والی زندگی کے مثبت فیصلے لینے چاہیے۔ یہی ہے اصل

کہانی۔ یہی ہے زندگی۔''

کافی دیر خاموشی رہی جسے اب کونج نے توڑا تھا۔

''اچھا دادی وہ بھیڑیے اور شہر بانو والی کہانی سنائیں ناں۔'' کونج لاڈ کر رہی تھی۔ابھی جو اگر دادی کا ڈرامہ چل رہا ہوتا تو وہ صحیح لاڈ پورے کرتیں لیکن خیر۔

''شہر بانو میرے بچپن کی دوست تھی۔ بڑی خوب صورت اور ذہین۔'' دادی نے کہنا شروع کیا۔''جو اسکو دیکھتا تھا بس دیکھتا رہ جاتا تھا۔اسکا چہرہ چمک دار تھا۔''

''دادی وہ ہائی لائیٹر لگاتی ہو گی۔'' کونج نے اپنی ٹانگ اڑائی۔زینیا مسکرائی تھی۔سنہری آنکھوں میں تکان تھی۔

''کمبخت ہمارے زمانے میں میک اپ نہیں ہوتا تھا۔ہمارا سنگھار کیا تھا بھلا؟ سرمہ لگا لیا۔ مسواک سے دانت صاف کئے۔دو چٹیا گوندھی۔اور یہ ہو گئے تیار۔''

کونج نے بھنویں سکیڑیں۔''ہاں اتنی آپ کترینہ کیف۔'' وہ بڑبڑائی۔دادی نے ضبط کیا اور کہانی جاری رکھی۔

''ہاں تو شہر بانو کی بہن کے یہاں بیٹا ہوا تھا۔ایک دن وہ اپنے بڑی بہن سے ملنے دوسرے گاؤں جا رہی تھی۔جب بھیڑیوں نے اسکا راستہ روک لیا۔بیچاری چھوٹی موئی سی تو تھی ڈر گئی۔ لیکن ہمت نہ ہاری۔''

زینیا نے پہلو بدلا۔یہ کہانی کا اصل نہیں تھا۔کونج دھیان سے سن رہی تھی۔

''بھیڑیا جیسے ہی اسے کھانے آیا شہر بانو نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔''

''بھیڑیا رک گیا ناں دادی؟'' کونج ایک بار پھر درمیان میں بولی تھی۔ہزار دفع سنی ہوئی کہانی تھی۔لیکن ہر دفع پہلے جیسی محظوظ کرتی تھی۔

''ہاں بھیڑیا رک گیا تھا۔ شہر بانو نے اس سے کہا کہ وہ اپنی بہن سے آنے کا وعدہ کر چکی ہے۔اسے جانے دے کیونکہ اگر وہ نہیں گئی تو وعدہ خلاف کہلائے گی۔اور اگر بھیڑیے نے اسے کھایا تو اللہ کے حضور اسکی شکایت دے گی۔''

زینیا اب کے اٹھ بیٹھی تھی۔دادی کو تادیبی نظروں سے دیکھا۔جیسے کہہ رہی ہو۔یہ اصل نہیں ہے دادی۔بوڑھی قصہ گو نے نظریں چرا لیں۔

''بھیڑیا ہٹ گیا اور شہر بانو کو جانے دیا۔شہر بانو نے وعدہ پورا کیا۔اور اپنے بھانجے کو دیکھ کر حسرت پوری کی۔'' کونج کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔زینیا کی آنکھوں میں استہزاء تھا۔

''شہر بانو واپس اسی راستے سے گئی۔لیکن بھیڑیے نے اسے نہ کھایا۔کیونکہ وہ اسے نہ کھانے کا وعدہ کر چکا تھا۔بغیر کوئی مدت طے کیے۔شہر بانو نے باقی ساری زندگی سکون سے گزاری۔شادی کی بچے ہوئے۔اور پھر زندگی بہت اچھی گزری۔'' کہانی ختم ہو گئی تھی۔اسی لمحے کونج کا موبائل بجا۔وہ کال سننے باہر چلی گئی تو زینیا نے دادی کو دیکھا۔

''اسے جھوٹی کہانیاں مت سنائیں دادی۔اسے بتائیں کہ اس دنیا میں ہر انسان بھیڑیا ہے۔اور بھیڑیے کسی انسان کو نہیں بخشتے۔اسے بتائیں کہ شہر بانو کا سارا حسن بھیڑیوں نے نوچ لیا تھا۔حسرتیں پوری نہ ہو سکیں۔اور وہ ایک ٹریجک اینڈنگ لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئی۔''

دادی نے مسکرا کر اس ضدی لڑکی کو دیکھا۔ذرا سا توقف کیا۔پھر کہنے لگیں۔

''جب تم بہت چھوٹی تھی ناں میں تمھیں بھی یہی کہانی سناتی تھی، تم کونج کی طرح سوال نہیں کرتی تھیں۔ لیکن تم اس کہانی سے خوش نہیں ہوتی تھیں۔ تم چودہ سال کی تھی زینی۔، جب وہاں اس دروازے کی چوکھٹ پہ۔'' انہوں نے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ آنکھیں زینیا کے چہرے پہ جمائے رکھیں۔

''تم نے وہاں کھڑے ہو کر عجیب سی آنکھوں کے ساتھ پوچھا تھا۔ بلکہ بتایا تھا۔ تم نے کہا تھا۔ شہر بانو کو بھیڑیا کھا گیا تھا ناں دادی ؟وہ کبھی اپنے بھانجے سے نہیں ملی تھی ناں ؟ دنیا میں ہر انسان بھیڑیا ہوتا ہے۔ اور بھیڑیے وعدے نہیں نبھاتے ہے ناں ؟'' زینیا پلک تک نہ جھپک سکی۔

''ہر انسان کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے۔ جب اسے قصہ خو سے سننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب وہ قصے بوجھ لیتا ہے۔ تمہارا وقت جلدی آگیا تھا۔ کونج کا وقت بھی آئے گا۔''

زینیا کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بستر سے پیر اتار رہی تھی۔

''میں نے کہانی کاروں سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں دیکھا۔''

''اگر کہانی کار جھوٹ نہ گڑھیں تو تم اپنی کہانی کا سچ نہ جان پاؤ۔'' دادی خفا ہی تو ہو گئیں تھیں۔ کہانی کار تھیں وہ بھئی۔



دادی کے کمرے سے واپسی پہ وہ تھکے تھکے قدموں سے بیٹھک چلی آئی تھی۔ ٹیلی فون کئی دنوں سے خراب پڑا تھا۔ ابا اور زینیا مشین بڈیز تھے۔ لیکن چند دنوں سے انہیں بھی کہاں وقت ملتا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ٹیلی فون کی جانب بڑھ آئی۔ عبداللہ سے

رابطے کا واحد ذریعہ۔ اسے اس ٹیلی فون سے بھی عقیدت تھی۔ اس نے اسٹول کی نیچے سے اپنا سامان نکالا اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کام میں مگن نظر آ رہی تھی۔ پرزے پرزے الگ کئے۔ سر جھکائے منہمک اور فیسینیٹ سی۔ یہ ٹیلی فون کئی بار اسکے پار سے عبداللہ کی آواز آئی ہوگی، یہ مشینی پرزہ نہیں تھا۔ یہ معتبر تھا، اسکی تعظیم فرض تھی۔ دفعتاً دروازے پہ کونج نمودار ہوئی۔ اسکے ہاتھ میں اسکی ڈائری تھی۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔ وہی مسکراہٹ جو ایک نیا شعر سنانے کے لئے آتی تھی۔

عرض کیا ہے۔

''وہ تیرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پہ برس گئیں۔

دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا، اسے بھول جا۔''

زینیا کی طرف سے جواب نہیں آیا۔

''وہ جو بساط جان ہی الٹ گیا، وہ جو بیچ راہ میں پلٹ گیا

اسے پھر بلانے سے حصول کیا، اسے مت بلا اسے بھول جا۔''

''کیسا تھا؟'' وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ زینیا نے سر نہیں اٹھایا۔

''بلاخر تمھارے اندر کی ناکام شاعرہ جاگ گئی۔ یہ معجزہ کیونکر ہوا؟'' اسکے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے، مشینیں اسکے لئے کبھی مشکل نہیں رہی تھیں۔

کونج گہری سانس لیتی آگے آئی۔ ''کئی دنوں سے میرے اندر کی شاعرہ کے مزاج خراب تھے۔نہ غزل کا وزن برابر ہو رہا تھا۔نہ قافیہ میل کھا رہا تھا۔'' وہ زینیا کے ساتھ نیچے آکر بیٹھی۔

''اور اس سب کی وجہ کیا تھی؟'' زینیا اب روئی کے گولے سے ٹیلیفون کے اندرونی پرزے صاف کر رہی تھی۔

''ہک ہاہ وجہ کیا ہونی تھی۔شاعرہ کو لگا تھا کہ انکی ہمشیرہ کی زبردستی نسبت طے کی جا رہی ہے۔اسی غم میں ہم نے اپنی ایک شاعری کی کتاب جلا دی۔''

''ہیں ہیں؟ تم نے میرے لئے کتاب کیوں جلالی؟'' زینیا نے حیرانی سے سر اٹھایا۔تیل میں ڈوبا روئی کا گولہ اب بھی ہاتھ میں تھا۔

''پانی سے گاڑھا خون۔'' یک سطری جواب۔آنکھیں سنجیدہ۔چہرہ مطمئن۔

''خیر ہم نے سوچا جب ہماری بہن کو ہی کوئی پرواہ نہیں۔پھر ہم کیوں قوم کو ایک اچھی شاعرہ سے محروم کریں؟ تو پھر عرض کیا ہے ''۔

زوں زوں۔۔۔۔موبائل کی چنگھاڑتی آواز پہ شاعرہ بدمزہ ہوئی تھیں۔لیکن زینیا کی آنکھیں سکڑی تھیں۔اس نے ایک نظر موبائل پہ آتی کالر آئی ڈی دیکھی پھر کونج کو دیکھا۔

''یہ تمھیں کیوں کال کر رہی ہے؟ تم نے تو اسے چھوڑ نہیں دیا تھا؟'' مشکوک تفشیشی لہجہ۔

''تصیح کرو میں نے اسے نہیں اس نے مجھے چھوڑا تھا۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل بند کر دیا۔ ''اور اس نے تمھیں کیوں چھوڑا ''؟

''شاعری کی زبان میں جواب عرض ہے:

خود بخود چھوڑ گئے تو چلو ٹھیک ہوا، اتنے احباب کہاں ہم سے سنبھالے جاتے

ہم بھی کوچہ جاناں سے غالب کی طرح، نہ نکلتے تو کسی روز نکالے جاتے۔''

''داد دوں یا لعنت؟'' اسکی بڑی بہن سنجیدہ تھی۔

''جو چاہے دے دیں ہم emerging شاعر ہیں سب دل سے قبول کر لیتے ہیں۔'' اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ زینیا نے ایک گہری سانس لی اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ مٹی، دھول صاف ہو چکی تھی، اب وہ اسکر وڈرائیور سے ٹیلیفون واپس جوڑ رہی تھی۔

''اچھا، زینی یہ بتاؤ۔ اگر عبداللہ آجاتا تو تمہاری ساری فکریں ختم ہو جاتیں ہے ناں؟''

''عبداللہ آجاتا تو میری ساری فکریں مزید بڑھ جاتیں۔'' مصروف لہجہ۔

''عبداللہ کے ساتھ مجھے آخری سانس تک بے یقینی رہتی۔ وہ مجھ سے شادی کی حامی بھرتا، تو نکاح والے دن نہ آنے کی بے یقینی۔ وہ گھر لے جاتا تو بیچ راستے میں مجھے چھوڑ دینے کی بے یقینی۔ اولاد ہو جاتی تو اولاد سمیت گھر سے باہر نکال دینے کی بے یقینی۔'' اس نے ایک پل کو آنکھیں اٹھا کر کونج کو دیکھا۔ ''عبداللہ میرے جنازے کو بھی ڈس اون کر سکتا تھا۔ اس سے کوئی بعید نہیں۔''

کونج نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ ''ایک طرف تم کہتی ہو عبداللہ تمھارا کمفرٹ ہے۔ دوسری طرف تم کہتی ہو عبداللہ کے ساتھ بے یقینی رہتی؟''

زینیا جھکے سر کے ساتھ مسکرائی۔

" it's complicated "

"جن لوگوں کی بچپن سے منگنی ہوچکی ہوتی ہے وہ ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ لڑکیاں۔ ہم خود کو کئی سال ایک گھر میں تصور کرتے آئے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ میں نے ایک لاکھ بار تصور کیا ہے عبداللہ میں اور اسکی آبائی حویلی۔ میرے ساتھ کھڑا ہوا وہ، عبداللہ کے ساتھ ایک چائے۔ جانتی ہوں میرے ہاتھ کی چائے بدمزہ ہوتی ہے لیکن عبداللہ میری خاطر پی لیتا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اگر وہ میرے ساتھ برا کرتا تو میں اسکے لئے تیار تھی۔ اگر وہ میرے ساتھ اچھا رہتا، ابا کا بدلہ مجھ سے لیتا یا پھر کچھ بھی ہو جاتا۔ میں نے تیئیس سالوں میں اسکے خیالوں کے ساتھ گزار دیئے۔ وہ اچھا یا برا نہیں لگتا تھا۔ عبداللہ مجھے میرا لگتا تھا۔ وہ میرا کمفرٹ تھا۔ کیونکہ میں اسکے ساتھ ان کمفرٹیبل ہونے کو تیار تھی۔ عبداللہ میرے لئے جو تھا وہ میں ساری زندگی کسی کو سمجھا نہیں سکوں گی۔"

"اور، عبداللہ؟ وہ تمھارے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟"

"اسے لگتا ہوگا میں اسکا انتظار کروں گی۔ ساری زندگی۔ یا پھر میں اسکے پیچھے آؤں گی سسی کی طرح۔ لیکن وہ شاید بھول گیا ہے۔ کہ نہ یہ کیچ مکران (**ایک علاقہ**) ہے نہ میں سسی اور نہ وہ پنہل۔" (**سسی پنوں ایک بلوچی لوک داستان ہے۔ کیچ مکران نامی علاقے کی ایک مشہور داستان جس میں پنہل یعنی سسی کے شوہر کو اسکے بھائی اغوا کر جاتے ہیں، اور سسی اسکے عشق میں خاک چھانتی ہے۔**)

مارے حیرت کے کونج کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''اس دن جب عبداللہ کا فون آیا تھا۔ تب میں نے اسے سنا تھا، زینی۔ اس نے ابا سے کہا تھا تم اسکے لئے اگلے سو سال بھی انتظار کر سکتی ہو۔ تم دونوں کیا ہو، زینی؟''

Soulmates

زینیا نے سرگوشی کی۔

کونج نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔ ''اللہ معاف کرے۔ تم لوگ اگر سول میٹ ہو تو میری توبہ۔ خیر مجھے یہ بتاؤ، عبداللہ تمہارا منگیتر ہونے کے ساتھ ساتھ اور کیا لگتا تھا؟ یعنی۔۔''

''وہ ہماری پھپھو کا بیٹا ہے۔'' زینیا نے اسکی بات کاٹی۔ ''وٹے سٹے کی شادیاں تھیں۔ یعنی ابا کی دو بہنوں کی شادی عبداللہ کے گھر ہونی تھی۔''

''زینی آہ مجھے صاف صاف سمجھاؤ الجھاؤ مت۔'' اسے کوفت ہوئی۔ زینیا نے گہری سانس لی۔

''اچھا ٹھیک ہے سنو۔ عبداللہ کے دادا اور ہمارے دادا نے اپنے بچوں کی رشتے آپس میں طے کر دیے۔ یعنی ہماری دو پھپھو انکے گھر جائیں گی۔ اور انکے گھر سے دو لڑکیاں ہمارے گھر آنی تھیں۔ دونوں عبداللہ کی پھپھو تھیں۔ سمجھ آئی؟''

''ہماری ایک پھپھو شادی کر کے اپنے گھر چلی گئیں۔ جو کہ عبداللہ کی اماں تھیں۔ ہماری دوسری پھپھو کی شادی نہیں ہو سکی۔ کیونکہ عبداللہ کے چچا نے کسی اور عورت سے شادی کرلی۔ اور ہماری پھپھو کو ڈس اون کر دیا۔ سمجھی؟'' اس نی رک کر تصدیق چاہی۔

''ہاں ہاں سمجھ گئی۔'' کونج نے جلدی جلدی سر ہلایا۔

''تو جب انہوں نے ہماری پھپھو سے شادی نہیں کی تو پھپھو نے صدمے سے خودکشی کرلی۔ عبداللہ کے چچا کی وجہ سے ہماری پھپھو نے خودکشی کرلی۔ اسکے بعد ابا کو طیش آگیا۔ یوں ابا نے اماں کو جو کہ انکی منگ تھیں۔ کافی عرصہ تک ڈس اؤن کر دیا۔ بلکہ شادی کے کچھ عرصہ بعد بشر کو ان سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا اور انہیں میکے چھوڑ دیا، یہ ایک سزا تھی۔ انکے خاندان کے لئے۔ عبداللہ بھی اپنی پھپھو کا بدلہ لے رہا ہے۔ یعنی ہماری اماں کا بدلہ۔ وہ بھی مجھ سے دیر شادی کرے گا۔ جیسے ابا نے اماں سے کی۔ وہ سارے خاندان میں ہمارا مذاق بنانا چاہتا ہے۔ جیسے ابا نے انکا بنایا تھا۔''

''اوہ اتنی بڑی تاریخ۔'' اسکے لب اوہ کی شکل میں گول ہوئے۔ ''ویسے یہ عبداللہ دکھتا کیسا ہے؟''

''مجھے نہیں پتہ۔'' زینیا ٹیلی فون جوڑ چکی تھی۔ اور اب اسے واپس جگہ پہ رکھ رہی تھی۔ ''نہ ابا کو پتہ ہے نہ بشر کو۔ کیونکہ جب عبداللہ کے چچا نے ہماری پھپھو کو ڈس اون کیا تھا۔ تب برادری نے انکو گاؤں سے چلے جانے کا فیصلہ سنایا تھا۔ عبداللہ اور اسکا سارا خاندان کسی بڑے شہر شفٹ ہو گیا تھا۔ عبداللہ کے دادا کو وعدہ خلافی، اور عورت کو ڈس اون کروانے کی سزا ملی تھی۔ اسکے بعد وہ لوگ ہمارے گھر کبھی نہیں آتے تھے۔ نہ ہم ان سے ملتے تھے۔ ہماری بڑی پھپھو یعنی عبداللہ کی ماں ہم سے نہیں ملی تھیں۔''

''ایک منٹ ایک منٹ۔'' کونج نے اسے ٹوکا۔ ''یہ سارے مسائل ابا کی شادی سے پہلے ہوئے تھے۔ یعنی تب تو تم پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ پھر تمہاری منگنی کیسے ہوئی؟''

''یہ مسائل ابا کی شادی سے بعد میں ہوئے تھے۔ ابا کا اماں سے شادی دیر سے کرنا انکا اپنا فیصلہ تھا۔ اور میری منگنی کبھی ہوئی ہی نہیں۔ ہمارے یہاں ایک رسم ہے۔ ''**پیٹ**'' اس رسم میں یوں ہوتا ہے کہ جب کسی لڑکی کی شادی کسی جگہ طے کی جاتی ہے تو اسکے سسرال سے ''پیٹ'' نامی معاہدہ طے ہوتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کی پہلی بیٹی کا رشتہ اسکے ماموں اور نانا طے کریں گے۔ اماں کا رشتہ طے کرتے وقت یہی معاہدہ ہوا تھا۔ اماں کی پہلی بیٹی یعنی میں، میرے معملے میں یہ فیصلہ عبداللہ کے ابا اور دادا نے کرنا تھا۔ اور یوں زینیا حاکم پیدا ہونے سے پہلے عبداللہ کے نام تھی۔'' (ایسی رسومات سندھ اور بلوچستان کے دیہی علاقوں میں بہت کم حد تک سہی لیکن آج بھی ''ہیں'' موجودہ دور میں البتہ ایسی رسومات کی شرح بتدریج کم ہوتے ہوئے اب ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہانی میں اس کا ذکر محض کہانی کا ''تڑکہ'' برقرار رکھنے کے لئے ہے)

کونج مرعوب نظر آتی تھی۔ زینیا نے اضافہ کیا۔

''ابا کی شادی ہوئی اور اسکے بعد بھی ہم سب کبھی نہیں ملے۔ گاؤں دیہاتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ لوگ دشمنی رکھ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی شکلیں بھول جاتے ہیں۔ لیکن انتقام اور اپنی عورت نہیں۔ عبداللہ بھی مجھے نہیں بھولا۔ نہ اپنا انتقام۔''

''جو بھی ہوا ہے، زینی، تم بالاج سے شادی کر کے خوش نہیں رہ سکتیں۔ ہم شاعر اور لکھاری چہرے پڑھ لیتے

ہیں، بالاج وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔وہ اپنے لئے تمھیں چھوڑ دے گا۔وہ ایسا مرد نہیں جو ساتھ دے، وہ مشکلات میں تمھیں چھوڑ آسانی کو چنے گا۔“

زنیا نے دیوار سے ٹیک لگالی۔”بالاج جیسا بھی ہے، عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے مرد کو جیسے مرضی اٹھائے بٹھائے، میں بالاج کو بدل سکتی ہوں۔ایک عورت مرد کو بدل سکتی ہے۔،اپنی مرضی کے فیصلے کرواسکتی ہے،اپنی باتیں منواسکتی ہے عورت کے اختیار میں سب ہوتا ہے،وہ مرد کو بدل سکتی ہے۔“

”مجھے تو اپنے خاندان کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔“ کونج ہلکان ہوگئی تھی۔”کہاں تم بالاج سے بے زار اور کہاں اسکو بدلنے کے دعوے ۔“

زنیا مسکرائی۔”کہاناں۔it's complicated“



امراء کی یہ کالونی اس پہر خاموش سی تھی۔درختوں سے گرتے پتوں نے سڑک کو ڈھک رکھا تھا۔اسلام آباد کی کوئی سڑک ایسی نہ ہوگی جہاں پتے نہ بکھرے ہوں۔کبھی خزاں کے تو کبھی بہار کے۔سڑک کے اطراف میں لگے پولز پہ روشنیاں آنکھوں کو چندھیاتی ہیں، ہوائیں بدن کا محاصرہ کرتی ہیں،اونچی نیچی صاف ستھری سڑکیں قدموں کو چلتے رہنے کا دعوت نامہ دیتی ہیں،اسلام آباد کے ذکر پہ ذہن میں بس ایک لفظ آتا ہے۔aestheticاور یہی ایک لفظ اسکے سارے حسن کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

دو ہیولے اس وقت ایک لمبی واک پہ نکلے ہوئے تھے۔ انکے قدم پتوں پہ پڑتے تو چرچراہٹ پیدا ہوتی تھی۔ جو اسلام آباد کے سکون میں ارتعاش پیدا کرتی تھی۔ دونوں ہیولوں میں ایک ڈھلتی عمر کا مرد تھا۔ اور ایک درمیانی عمر کا۔ پتوں کی چرچراہٹ کے درمیان تم ایک آواز سنو گے

”تم نے کیوں ساری دنیا اپنے خلاف کر لی ہے؟“ ایک مرد تاسف سے بولا تھا۔ دوسرے نے کندھے اچکائے۔

”پتہ نہیں کیوں ساری دنیا میرے پیچھے پڑ گئی ہے، میں کیا کرتا ہوں، سانس لیتا ہوں تو جینے کا الزام لگتا ہے۔“

”تم اتنے معصوم نہیں ہو، قیس جتنے بنتے ہو۔“ خفا خفا سا تبصرہ۔

”میں اتنا برا بھی نہیں ہوں جتنا برا میرے ساتھ کیا جاتا ہے۔“ چلتے چلتے وہ ٹھہر گیا تھا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں اسکا چہرہ صاف نظر آتا تھا۔ اسکے ساتھ چلتے بختیار اندھیرے میں تھے۔

”تم دنیا کو بتاؤ کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔“

”خدا کی قسم میں نہیں ہوں۔“ وہ مسکرا کر یاد دہانی کروا گیا۔

”تم اپنے گھر اپنے خاندان کے ساتھ نبھانا سیکھو۔ تم، مہدی کے ساتھ تعلقات درست کرو۔ اپنے دل سے اس کے لئے نفرت نکال دو۔“

''یہ نفرت اس دن نکلے گی جس دن میرے جسم سے سانس۔ میں اسکے ساتھ ایک گھر میں رہ رہا ہوں۔ اسے برداشت کر رہا ہوں۔ یہ کافی ہونا چاہیے۔ میں اسے کوئی نقصان نہیں دے رہا، چچا۔'' اسکی آنکھیں غیر آرام دہ ہو رہی تھیں۔ چہرے پہ اضطراب پھیل رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی بشاشت کلفت میں بدل رہی تھی۔

بختیار نے رنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''تم کسی کی موت کا پروانہ رواں کر چکے ہو، قیس۔ تمھیں کیا لگتا ہے، میں نہیں جانتا؟'' ایک لمحے کو قیس پلک نہیں جھپک سکا۔ البتہ چہرے کے تاثرات نارمل رہے۔ کئی پل وہ بس انہیں دیکھتا رہا، کئی لمحے بعد اسکی سنبھلی ہوئی آواز تمھیں سنائی دے گی۔

''میں نے اتنے سال اسے زندہ رہنے دیا ہے۔ اب لگتا ہے، اسکی موت کا وقت آگیا ہے۔،، وہ ایسا سفاک ہوا تھا کہ کسی کو بھی اس سے خوف آئے۔،، آپ سب کو مجھ پہ ترس نہیں آتا؟ میں بھی ایک انسان ہوں میری برداشت کی بھی حد ہوتی ہے؟''

''تو اسے مرد بن کر کیوں نہیں مارتے؟'' بختیار نے طنز کیا۔ ''اسکے سامنے جاؤ۔ سینہ ٹھوک کر کہو تم اسے مارنے آئے ہو۔ تم ہو وہ انسان جس نے ایک عرصے سے اسکی نیند اڑا رکھی ہے۔ تم نے اسکے پیچھے تعاقب کار بھیج رکھے ہیں۔ کہو جاؤ گے اسکے سامنے بولو گے یہ سب؟''

اندھیرے میں کھڑا شخص قیس کو گناہوں کی روشنی سے نکال لانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ روشنی اتنی چکا چوند کر دینے والی تھی کہ اس سے نکلنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

''میں یہی کرنے والا ہوں چچا۔ میں مردوں کی طرح اسکے سامنے جا کر عین اس مقام پہ گولی ماروں گا جہاں میرے باپ کو لگی تھی۔ انتقام لوں گا میں۔ مجھ پہ انتقام لازم ہے۔''

بختیار اسے بے بسی سے دیکھنے لگے۔ بیچ سڑک پہ سٹریٹ پولز کی روشنیوں میں وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے خاموشی کی نظر ہوئے۔ کئی ساعتیں چپ کھا گئی۔

''یہ تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟ یہ تم کیا بنتے جا رہے ہو۔'' انکے لہجے میں یاسیت گھل گئی۔ ''تمہارا حق ہے زندگی پہ، شادی کرو، بچے پیدا کرو، زندگی بناؤ۔ تم اتنے برے تو نہیں تھے۔''

''میں برا نہ بنتا اگر یہ دنیا میرے ساتھ اچھی رہتی۔ مجھے برا بنایا ہے۔ تو اب عذاب بھگتیں۔'' وہ ضدی بچے کی مانند کہتا آگے بڑھ گیا ۔ایک بار پھر ان دونوں کے قدموں تلے پتے روندے جا رہے تھے۔ وہ دونوں چند قدم ہی آگے گئے ہوں گے۔ جب بختیار نے ایک بار پھر پکارا۔

''شادی کر لو، قیس۔ تمہاری عمر میں سب کر لیتے ہیں۔'' یہ ایک تجویز نہیں تھی۔ قیس جانتا تھا وہ چلتا رہا کا نہیں۔

''آپ آج دس منٹ کے اندر دو بار مجھ سے شادی کا کہہ چکے ہیں۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے؟'' وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ جبکہ بختیار وہیں ٹھہر گئے تھے۔

''شادی کر لو، قیس۔ فیملی بناؤ۔ اب یہ خواہش نہیں ضرورت بن گئی ہے۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''اچھا پھر بتائیں کس سے شادی کروں؟'' وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے مڑا تھا۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وہ آج اچھے موڈ میں رہنا چاہتا تھا۔

''اسی لڑکی سے جسے مہدی کمبیر ڈس اون کر چکا ہے۔'' الفاظ نہیں تھے زنجیر تھے۔ قیس اپنی جگہ کھڑے کھڑے اسیر ہو گیا۔ آس پاس بہتی ہوا ساکت ہو گئی۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکا۔ ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا تھا۔ قیس کمبیر کو اپنی زندگی کی سب سے غیر متوقع بات سننے کو ملی تھی۔

''تم اسکا ساتھ نبھا سکتے ہو، وہ تمھارے قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہے۔ اسے ایک موقع دو۔ خود پہ ذرا مہربان بنو۔ وہ ایک وقت میں وہ تمھارے ساتھ اچھی رہ چکی ہے، قیس۔''

وہ اب بھی شل تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا اس سے کیا کہا گیا ہے۔ لیکن وہ بس سانس نہیں لے سکا تھا۔ لمحے بھر کے لئے اسکے کان سن ہوئے تھے۔ سارے جسم سے جیسے جان نکل گئی ہو۔ زبان حلق سے چپک گئی۔ کیا وہ کبھی ایسا کر سکتا تھا؟

''ہم اچھے ٹرمز پہ نہیں رہے۔'' اسکی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ ''وہ مجھ سے کئی سال چھوٹی ہے۔ میں۔ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ اوہ خدایا یہ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟'' وہ جیسے ابھی ابھی ہوش میں آیا تھا۔ اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ کان اب تک سائیں سائیں کر رہے تھے۔

''اس میں قباحت ہی کیا ہے؟'' وہ سرمئی بالوں والا مرد آگے بڑھ رہا تھا۔ ''وہ تمھیں جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو، اگر نہ بھی جانتے ہوتے تو تم مرد ہو۔ اسے جس طرح چاہو اٹھاؤ بٹھاو۔ جیسے چاہے رنگ میں ڈھال دو۔''

''وہ بہت چھوٹی ہے یار ہماری عمروں کا فرق دیکھیں۔ آپ کو ہو کیا گیا ہے۔'' قیس جیسے بے بس ہوا تھا۔ جھنجھلایا تھا۔ اس پائنٹ پہ اسے واقعی سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہے؟

''مہدی مجھے جان سے مار دے گا۔'' ایک اور بہانہ۔ بختیار مسکرائے اور اسکے عین سامنے آکر کھڑے ہوئے۔

''اگر مہدی میں اتنی غیرت ہوتی تو وہ اپنی عورت کو چھوڑتا ہی نہیں۔ جو مرد اپنی عورت کو ڈس اؤن کر سکتا ہے۔ وہ اسے کسی غیر مرد کے ساتھ بھی دیکھ سکتا ہے۔ تم اپنی بات کرو، قیس زمان۔۔'' قیس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر اپنے چچا کو دیکھا۔ عمر رسیدہ آنکھیں جواب چاہتی تھیں۔ مثبت جواب۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا۔'' اعتراض پیش کیا گیا۔

''مرد کی نظر کا کیا ہے۔ بدل ہی جاتی ہے۔'' اعتراض رد کیا گیا۔

''میں یہ نہیں کر سکتا، وہ مہدی کی امانت ہے۔ میں اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔ وہ بھائی ہے یار میرا؟'' کون تھا یہ شخص؟ کبھی سر راہ کسی کے قتل کا پروانہ سناتا تھا۔ اور اگلے ہی پل کسی کی زندگی کی پرواہ کرتا تھا۔

''تم مجھے انکار کر رہے ہو، قیس۔ کیا میں یہ ڈیزرو کرتا ہوں؟'' انگلی سینے پہ رکھے وہ بے یقینی سے کہہ رہے تھے۔

قیس کو ملال سا ہوا۔ ''آپ میرے لئے قابل عزت ہیں اور مہدی، میں اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اسکی منگیتر وہ آخری لڑکی بھی نہیں ہو گی۔ جسے قیس اپنائے گا۔'' اس نے اپنا ہاتھ بختیار کے کندھے پہ رکھا۔ ''مجھے سمجھیں، پلیز۔'' التجا سی تھی۔

''وہ تمھارے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار سکتی ہے۔''

''میں اسکے ساتھ کبھی زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔ میرے لئے وہ کچھ اور ہے۔ مجھے سمجھیں، پلیز۔'' اس نے بختیار کا شانہ تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔ اسکی رنگت متغیر ہو چکی تھی۔ بختیار خالی خالی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ وہ دونوں ان چہروں کے ساتھ نہیں گئے تھے، جن کے ساتھ آئے تھے۔



حاکم نواب کا چھوٹا گھر آج واقعتاً چھوٹا لگ رہا تھا۔ ان لوگوں کے لئے جو بڑی حویلیوں میں رہنے کے عادی تھے۔ جن کے پیروں کے نیچے مخملی قالین آتے تھے۔ اور جسم کو اے سی کی ہوا ٹھنڈک بخشتی تھی۔ حاکم نواب کے بھائی۔ اور ابا۔ انکے نواب بھائی۔ اور جاگیر دار ابا۔

بیٹھک میں اس وقت زینیا کے دو چچا اور دادا بیٹھے تھے۔ جن کے لئے کچن میں چائے تیار کی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ کئی اور لوازمات بھی۔

''زینی یہ ہمارے چچا لوگ آج پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں ناں؟'' ڈھیلے ڈھالے کرتا شلوار میں ملبوس کونج رازداری سے پوچھ رہی تھی۔ چائے بن کر تھرماس میں بھری جا چکی تھی۔ اب شامی کباب تلے جا رہے تھے۔ رات کے کھانے کے لئے تو بکرے کا گوشت آ چکا تھا۔

''اونہوں یہ دوسری بار ہے۔ پہلی بار اسد (**حاکم نواب کا سات سالہ بیٹا**) کی وفات پہ آئے تھے۔''

اسکے ہاتھ کسی مشین کی طرح چل رہے تھے۔ شڑ شڑ کی آوازیں سارے کچن میں پھیلتی جا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ زینیا کی آواز بھی

۔

''جب ہمیں حویلی سے نکالا گیا تھا۔ تب اسد کو بہت بُرا نمونیہ ہوا تھا۔ ابا کے پاس علاج تک کے پیسے نہیں تھے۔ جانتی ہو ہم اپنا گاؤں چھوڑ کر آخر گوادر ہی کیوں آئے تھے؟'' اسکی پشت کونج کی جانب تھی۔ لہجہ اور ہاتھ مصروف۔

''کیوں آئے تھے؟'' اس نے پلیٹ سے ڈھیر ساری نمکو مٹھی میں بھری۔

''کیونکہ ابا کے پاس کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ اسد کے علاج کا وعدہ کر کے ابا کو انکے دوست نے یہاں بلایا تھا۔ ہم یہاں آ گئے لیکن اسد کو نہیں بچا سکے۔ وہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے مر گیا۔'' آخری تبصرے میں استہزاء تھا۔

''یہ اسکی قسمت تھی، زینی۔ اس نے مرنا ہی تھا۔ چاہے حویلی کے پلنگ پہ چاہے اس گھر کے فرش پہ۔'' کونج کو اسکی بات واضح طور پہ بری لگی تھی۔

''ذرا ڈش پاس کرنا۔'' وہ کونج کی بات کو نظر انداز کر گئی۔ اور ویسے بھی جب زینیا کچن میں کام کرتی تھی۔ تب کونج صرف چیزیں ہی پکڑاتی تھی۔

''اچھا زینی یہ بتاؤ کیا ابا کے پاس بہت پیسہ ہے؟'' اسے ایک بار پھر تجسس ہوا۔ زینیا نے سر اثبات میں ہلایا۔ تلے ہوئے کباب ایک طرف رکھے۔

''دادا جاگیر دار ہیں۔ گاؤں میں انکی زمینیں ہیں۔ شہر میں فیکٹریاں۔ اگر ابا کو انکا حصہ ملتا تو ہم بیٹھ کر کھاتے۔ کام کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔''

''ہمیں حویلی میں کیوں نہیں رکھا جاتا؟ ہم بھی تو نواب ہیں۔ اور اگر ہمیں وہاں نہیں رکھتے تو خود یہاں کیوں آئے ہیں۔'' اسے ایک اور غم لگا تھا۔

''ہمیں ڈس اون کر دیا گیا ہے۔ لیکن بشر کو نہیں۔۔'' وہ پکوڑوں کے لئے بیسن نکال رہی تھی۔

''دادا کے چار بیٹے ہیں۔ دو بیویاں۔ لیکن انکے یہاں ایک ہی پوتا ہے، بشر۔ انکی کروڑوں کی جائیداد کا اکیلا وارث۔ دادا کی انیس پوتیاں ہیں۔ اگر انکے بس میں ہو تو ساری کی ساری بشر کے نکاح میں دے دیں۔ اور بس اسے حویلی لے جائیں۔'' برتن میں بیسن ڈال کر اب وہ پیاز کاٹ کاٹ کر ڈال رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''بشر دادا کے ساتھ کیوں نہیں رہتا پھر؟ جب وہ اتنا ہی امیر ہے۔'' زینیا کے ہاتھ اس سوال پہ ایک پل کو رکے سالوں پرانا بھولا بسرا واقعہ ذہن کے پردے پہ دوڑ گیا۔ کم عمر بشر۔ کسمپرسی کی حالت میں اسکے ابا۔ اور بشر کو اپنے ساتھ جانے کی آفر کرتے دادا۔

''تم میرے ساتھ رہو گے، بشر۔ یہ پیسہ، یہ دولت یہ جاگیر یہ سب تمھارے حصے میں آئے گی۔ تم میرے وارث بنو گے۔۔''

حویلی کے دروازے پہ کھڑے بشر نے ایک نظر اپنے ابا کو دیکھا۔ جلا وطن شہزادے کی زندگی کیسی ہو گی وہ جانتا تھا۔ اس نے اپنے ابا اپنے خاندان کو دیکھتے ہوئے وہ فیصلہ کیا تھا۔ جو اس عمر میں اسکے سارے خواب توڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے بخت میں خود ہی خواری لکھی۔

''میں اپنے ابا اور اپنی بہنوں کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے آپ کی زمینیں نہیں چاہیے دادا سائیں۔'' وہ حویلی کے ذینے اتر کر اپنے ابا کی طرف جا رہا تھا۔ یہ صرف اپنے خاندان کی طرف جانے والے زینے نہیں تھے۔ یہ عروج سے زوال کی طرف جانے والے زینے تھے۔ وہ ہر عمر میں اپنے خاندان کے لئے قربانی دیتا آیا تھا۔ کیا گھر کے مردوں کو ایسا ہی نہیں ہونا چاہیے؟ یہی تو انہیں افضل بناتا ہے۔

''زینی بتاؤ ناں؟'' کونج کی آواز اسے حال میں لے آئی۔ خالی خالی نظروں سے اپنی بہن کو دیکھتے ہوئے اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا ۔

''بشر نے ہمیں چنا۔ وہ ہر دفع اپنے سکون اور آرام پہ ہمیں ترجیح دیتا ہے۔ پھر چاہے وہ دادا کی حویلی ہو۔ یا لالہ رخ کو چھوڑنا۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ سست روی سے کام کرتے ہوئے اب وہ مسلسل سوچوں میں تھی۔ اسے اپنے بڑے بھائی، اپنے دوست کے ساتھ بد تمیزی کرنے کا ارمان تھا۔ جب ایک آواز پہ بری طرح چونکی۔

''زینیا، چائے تیار ہے؟'' وہ بالاج تھا۔ موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے وہ عجلت میں لگتا تھا۔ زینیا ایک لمحے کے لئے کچھ بول ہی نہ سکی۔ البتہ کونج وہاں سے ہٹ گئی۔ دھیرے سے آرام سے۔ زینیا اب بھی بغیر پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

بالاج اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ موبائل والا ہاتھ نیچے کر دیا۔ اور آہستگی سے اسکی طرف قدم بڑھائے۔ زینیا کو بے اختیار تشویش ہوئی۔ وہ عبداللہ کے علاوہ ہر مرد سے یونہی غیر آرام دہ ہوا کرتی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے بلکل قریب چلا آیا۔ آج پہلی بار زینیا کو اندازہ ہوا تھا، کچن کتنا چھوٹا ہے۔

''میں نے منگنی کی تصاویر دیکھی ہیں۔'' وہ اسکے قریب کھڑا کہہ رہا تھا۔ ''تم بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔'' اس نے زینیا کے چہرے کو دیکھا۔

''تم بچپن سے میری فیورٹ رہی ہو۔'' وہ خاندان کے وجیہہ مردوں میں سے تھا۔ لیکن مجال ہے جو ایک ذرا سی بھی کشش محسوس ہوئی ہو۔ ''تم بہت خوبصورت ہو، زینی۔''

''آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟'' زینیا نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ اسے یہ کرنے کے لئے گردن اونچی نہیں کرنی پڑی۔ عبداللہ ہوتا تو الگ بات تھی۔ لیکن سارا مسئلہ یہی تھا کہ عبداللہ نہیں تھا۔ بالاج نے اسکے بیسن والے ہاتھ دیکھے۔ پھر اسکا چہرہ دیکھا۔

''تم میری فیورٹ تھیں، زینیا۔ ہمیشہ سے خاص اور خوبصورت۔۔'' وہ دھیما دھیما بولتے ہوئے کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔

''تمھارے ساتھ عبداللہ کا نام سنتا تھا تو مجھے پتہ نہیں کیوں برا لگتا تھا۔ آج تمھارے نام کے ساتھ میرا نام ہے۔ اور میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ تم ہمیشہ سے میرے لئے ہی تھیں۔'' وہ مسکرایا۔ نرم نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم سے شادی کرنے کی وجہ محبت ہے۔'' زینیا کو سانس لینے میں مشکل سی ہوئی۔ وہ صحیح الفاظ غلط شخص سے سن رہی تھی۔ وہ ابھی کچھ اور کہتا جب کونج بھاگتی ہوئی آئی۔

''ادا بشر آرہے ہیں بالاج بھائی۔۔'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔ بالاج نے سکون سے زینیا کا چہرہ دیکھا۔

''میں تمھیں فون کروں گا، اٹھالینا۔'' تاکید کر کے وہ مڑ گیا تھا۔ زینیا کے دل نے نہ کوئی شور کیا۔ نہ چہرے کا رنگ

بدلا۔

ہاں اگر عبداللہ ہوتا تو اور بات تھی۔

☆☆☆☆☆☆

قیسم کی بلند عمارت خاموشی میں ڈوبی تھی۔ ملازمین ناراض بھی تھے اور باغی بھی۔ لیکن کیا قیسم کے مالک کو فرق پڑتا تھا؟

اپنے نیلی دیواروں والے آفس میں گلاس وال کے سامنے لمبے صوفے پہ نیم دراز وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کبھی وہ کتاب میں لکھے الفاظ پڑھتا۔ کبھی گردن ترچھی کیئے گلاس وال سے نظر آتا اسلام آباد دیکھتا۔ کونسا نظارہ زیادہ حسین تھا۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی چند لمحہ بعد کوئی آتا دکھائی دیا۔

نیلے اور سفید دھاری دار مردانہ ٹو پیس میں ملبوس سانولی رنگت اور سبز آنکھوں والا مہدی کمبیر۔

''ہیلو برادر'' اسکی کھنکتی آواز پہ قیس کو نہ جانے کیوں کل رات اپنی اور بختیار کی ہونے والی باتیں یاد آئیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دل بھاری ہونے لگا۔

''میں نے سوچا جب تک میں کسی دوسرے ملک نہیں جاتا۔ کیوں ناں اپنے بھائی کی مدد کر دوں؟'' وہ میز کی دوسری طرف رکھی پاور چیئر کو گھسیٹ کر گلاس وال کی جانب آ رہا تھا۔

''حالانکہ تمھیں اسکی ضرورت نہیں تھی، گرین وونڈ۔ اگر تم آج مجھے اپنا چہرہ نہ دکھاتے تو میرا دن اچھا گزر سکتا تھا۔'' اس نے کتاب سے سر نہیں اٹھایا۔ مہدی اب پاور چیئر پہ بیٹھا تھا۔ انداز میں تجسس بھرے۔

''کیا تم واقعی مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہو؟ یا بس میرے آگے بننے کی کوشش کرتے ہو؟''

''میں بہت جلد تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔اور پھر تمھیں یقین آجائے گا۔'' کتاب سے نظریں اٹھا کر مہدی کو تکا۔ ''آجائے گا ناں؟''

مہدی ہنوز مسکراتا رہا۔ ''ٹھیک ہے تم مجھے مار دو۔ میرے بھائی ہو تم۔ تم سے مر گیا تو جی جاؤں گا۔'' اس نے گویا قسم کھا رکھی تھی قیس کی کسی بات کا برا نہیں منانا۔ قیس نے اب کے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مہدی کو اگنور کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس سے شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ نظر چرا رہا تھا۔ کیا اسکے دل میں کوئی کھوٹ تھا؟

اس نے کتاب سینے پہ رکھی۔ ٹانگیں سمیٹ لیں۔ مہدی کے چہرے پہ نگاہیں جمائیں۔ دل پہ بے تحاشا بوجھ پڑا تھا۔ لیکن اسے یہ سوال کرنا ہی تھا۔

''اگر میں اس عورت سے شادی کر لوں؟ جسے تم نے ڈس اون کیا ہے۔'' مہدی کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں بدلی۔

''بکواس بند کرو، قیس۔'' وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ ''اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری جان اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے غرایا تھا۔

''لیکن تم اسے ڈس اون کر چکے ہو۔'' قیس کے اطمینان میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔ البتہ مہدی بے طرح بے چین ہوا تھا۔

''تمھیں شرم آنی چاہیے اب تم اپنے بھائی کی منگیتر کی طرف دیکھو گے؟ تمھیں غیرت نہیں آئے گی؟''

''اس سے پہلے مجھے واقعی غیرت آ جائے۔ بہتر ہو گا تم اس سے شادی کر لو۔''

''کیا تم واقعی اس بارے میں سوچ رہے ہو'' اسکا لہجہ بے یقین تھا۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

''اگر تم نہیں سوچو گے تو مجھے اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اور اس بار میں واقعی مذاق نہیں کر رہا۔''

''وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔'' مہدی نے ایک ایک لفظ پہ غور کیا۔

''قیس سے کون نفرت کر سکتا ہے؟'' وہ بازو سینے پہ باندھے گردن ترچھی کئے مسکرا کر بولا۔ کمبخت اتنا معصوم کیوں لگتا تھا؟

مہدی غصہ، اشتعال، اور ڈھیر ساری کوفت دبائے بیٹھا رہا۔ قیس نے دوبارہ اپنی کتاب اٹھالی تھی۔ کافی دیر بعد حدیبیہ کافی رکھ کر چلی گئی تھی۔ مہدی کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔ اور وہ بے تحاشا بور ہو رہا تھا۔ وہ ایکسٹروورٹ قسم کا آدمی تھا۔ ایسے انسان کے ساتھ کیا بیٹھے جو کتاب سے منہ نکالتا تھا تو زہر اگلتا تھا۔

''کیا پڑھ رہے ہو؟'' بلا آخر وہ اپنی غیرت کو ذرا دیر کو سلائے وہ ایک بار پھر بات شروع کر چکا تھا۔

قیس نے کتاب ایک طرف رکھی۔ پیر سمیٹ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ یہاں اس کونے میں سکون سے پریشان ہونے کے لئے بیٹھا تھا۔ اور اب یہ آدمی۔

''یہ کتاب رنگوں کے بارے میں ہے۔ جانتے ہو مہدی سبز رنگ کس چیز کی علامت ہے؟'' وہ ایک پل کو رکا۔ غور سے اپنے چہرے کو دیکھتے مہدی کو تکا۔

''سبز رنگ نحوست کی علامت ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب برے جادوگر مرتے ہیں۔ تو انکے جسم سے ایک سبز روشنی نکلتی ہے۔ جب جب کہیں نحوست پھیل رہی ہوتی ہے وہاں سبز رنگ کا ذکر ہوتا ہے۔ جب کوئی برا جادو کرتا ہے تب سبز روشنی پھیل جاتی ہے۔ جب کوئی زہر سے مر رہا ہوتا ہے تب اسکا جسم سبز پڑ جاتا ہے، جب تالاب جوہڑ بننے کے عمل میں ہوتے ہیں سب سے پہلے انکا رنگ سبز پڑتا ہے۔ ویسے تمہاری آنکھیں بھی سبز ہیں ناں؟'' یکدم فضاء میں تناؤ بھر گیا تھا۔ مہدی کی آنکھیں اور چہرے پہ ہتک تھی۔

قیس مزید چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ مہدی نہیں جا سکا۔ وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہیں بیٹھا رہا۔ کئی لمحے بعد وہ دھیرے سے اٹھا تھا۔ صوفے پہ دھری کتاب اٹھائی۔ سرورق پڑھتے ہوئے اسکے ہاتھوں سے کتاب چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔ وہ پندرہویں صدی کے کسی سائنسدان کی سوانح حیات تھی۔

مہدی کو اپنا آپ ہوا سے بھی ہلکا لگا۔ کیا قیس کو حق تھا وہ اٹھتے بیٹھتے ایسے کسی کا دل دکھائے؟

☆☆☆☆☆

حاکم نواب کے گھر کی چھوٹی بیٹھک کی فرشی نشست پہ اس وقت حاکم نواب کے بھائی اور ابا بیٹھے تھے۔ سفید کاٹن کے کلف والے جوڑے۔ کندھے اٹھے ہوئے۔ سپاٹ اور سرد چہرے لئے وہ تین مرد اپنے سامنے بیٹھے اپنے بھائی اور اکلوتے بھتیجے کو دیکھ رہے تھے
۔

"بسم اللہ تھئو آختاغیں سفر آحال دئیں۔، **(بسم اللہ آپ آئے ہیں۔ سفر کا حوال دیں۔)**۔" بشر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ بلوچ آج بھی اپنی روایتوں کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ لمبے سفر سے آنے والے سے یونہی احوال پوچھا جاتا تھا۔

"بس بچہ صبح نیرن (**ناشتے**) کے بعد گھر سے نکلے۔ زمینوں کا چکر لگایا۔ پھر اباسائیں کا حکم تھا۔ آج اپنے بھائی کے گھر آنا تھا۔ پھر بارہ بجے کے بعد گوادر کا سفر شروع ہوا۔ پانچ چھ گھنٹے سفر میں لگے۔"

"پندھ خرو آختاؤں نی تھرا مہمان آں۔ (**یہ تھا سفر۔ باقی اب تمھارے مہمان ہیں۔**)"

بشر نے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ جیسے انکی مہمان نوازی کا شرف قبول کیا ہو۔ سینے پہ ہاتھ رکھ کر کسی کا شکریہ ادا کرنا بلوچی رواج ہے۔

"ہاں پھر بشر کاروبار کیسا جا رہا ہے؟" وہ مقامی زبان بلوچی میں بات کر رہے تھے۔ بشر نے مختصر سا احوال کہہ سنایا۔ اسکے چچا حاتم نواب اسے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے چھ بیٹیوں کے باپ تھے۔ ان میں سے اگر ایک بھی بشر کے نکاح میں آجاتی تو وارے نیارے ہو جاتے۔

"حال حوال ختم ہو گیا ہے۔ پھر اب ہم مدعے پہ آتے ہیں۔" سرخ سپید چہرہ اور گھنی مونچھوں والے بشر کے دادا عالم نواب نے اب بات شروع کی تھی۔ اسی اثناء میں بالاج بھی اندر داخل ہوا تھا۔

''سب سے پہلے تو، حاکم تمھیں تیار رہنا ہو گا۔ ہم عبداللہ کی منگ کی شادی کسی اور سے کروا رہے ہیں۔'' دادا کہہ رہے تھے۔اور حاکم نواب ادب سے سن رہے تھے۔

''کسی بھی دن کسی پہر اسے پتہ چل جائے گا۔اور ساری برادری ہمارے خلاف ہو گی۔ کیونکہ ہم غلط ہیں۔ وہ صرف منگ ہی نہیں انکا پیٹ بھی ہے۔'' **(جب ایک لڑکی کا رشتہ کہیں کیا جاتا ہے تو بعض دفع،، پیٹ،، نامی شرط رکھی جاتی ہے۔یعنی اس لڑکی سے پیدا ہونے والی پہلی بیٹی کا رشتہ اسکی ماں کے بھائی یا باپ کہیں کریں گے۔چاہے پھر وہ اپنے گھر کے کسی لڑکے سے کریں چاہے باہر ۔لیکن منگ ہو کر بھی وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اگر مسائل کی وجہ سے لڑکا شادی سے انکاری ہو تو دو سے تین دفع اسے پیغام بھیجنے کے بعد اسکے نہ آنے کی صورت میں والد اپنی بیٹی کی شادی کہیں اور کر سکتا ہے۔لیکن یہ دو خاندانوں کا ٹکراؤ تھا جو طاقت میں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔)**

''عبداللہ دوسرے شہر رہ کر بھی روایات نہیں بھولا۔نہ وہ ہمیں بھولنے دے گا۔یاد رکھنا۔ہو سکتا ہے وہ اپنا مجرم اور لڑکی دونوں کو مار بھی دے۔اور ہم کچھ نہ کر سکیں۔ بالاج تم معملے کی نوعیت جانتے ہو ناں؟''انکی بھاری گمبھیر آواز پہ بالاج نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر گویا تسلی کروائی تھی۔

''زہنیا،اب میری عورت ہے۔عبداللہ کیا کسی کی جرات نہیں اسکی بات کرے۔'' سارے مرد اب اسے فخر سے دیکھ رہے تھے۔ سوائے بشر کے۔اسکی نظریں کھوکھلی تھیں۔

"ہاں، بشر اب تم بتاؤ۔ پہلے تمہاری شادی بالاج کی بہن سے ہو گی اسکے بعد میں چاہتا ہوں۔ تم حاتم کی بڑی بیٹی سے نکاح کرو۔ میرے واحد وارث ہو تم۔ تمہاری جگہ حویلی میں ہے۔" دادا کی تلوار کا رخ اب بالاج کا کندھا تھا۔ یہاں دوسری شادی کوئی بے حد بے ضرر سی بات تھی۔ بالاج اپنی بہن پہ سوتن پڑنے کی بات پہ ذرا بھی نہیں گھبرایا۔ یہ کوئی بڑی بات تھی ہی نہیں۔ ہاں اگر غیر خاندان کی لڑکی ہوتی تب بات مختلف ہوتی۔

بشر نے اپنے باپ کو دیکھا۔ وہ آدمی جو اپنے گھر میں دھاڑتا پھرتا تھا۔ اپنے بھائیوں کے سامنے کیسے خاموش بیٹھا تھا۔ خیر اسے حیرت نہیں ہوئی۔

"میں دوسری شادی نہیں کروں گا دادا۔" اسکا لہجہ ادب لئے ہوئے تھا۔ "نہ میں آپ کی حویلی کا وارث ہوں۔ بلکہ اب تو حویلی کے نرم قالین پیروں میں چبھیں گے۔ ایک عرصہ ہوا ہے عادت نہیں رہی۔" حاکم اسے تادیبی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ بشر ہی کون جو سن لے۔ "میں اپنے کاروبار کے ساتھ یہیں خوش ہوں۔"

دادا کا جلال ایک بار پھر عود کر آیا تھا۔ "یہاں کیا جھک مارو گے؟ رکھا ہی کیا ہے یہاں؟ باپ کو بھی ذلیل کر رکھا ہے۔ اور خود کو بھی۔ اب ضد چھوڑو اور حویلی چلو۔ یہاں کیا کرو گے؟ بازو ہو تم میرے۔"

بشر نے ادب سے انکی بات سنی۔ پھر استہزائیہ مسکرایا۔

"وہی کروں گا جو کر رہا ہوں۔ اور اگر نہیں کر سکا تو مر جاؤں گا اسد کی طرح۔" اسکی آخری بات حاکم نواب کے کلیجے پہ لگی تھی۔ انہوں نے زخمی نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔

''بلکہ میں نہیں مروں گا دادا جان۔ اسد نازک ہو گا بشر نہیں۔ میں نے جس دن آپ کی حویلی چھوڑی تھی۔ اس دن اپنے اندر کا نواب مار دیا تھا۔ اب میں بس بشر حاکم ہوں۔ اور میں آخری سانس تک اس حویلی میں قدم نہیں رکھوں گا۔ نہ آپ کی پوتیوں سے شادی کروں گا۔ میں آپ کا وہی بازو ہوں، جسے آپ نے بغیر کسی ناسور کے کاٹ پھینکا تھا۔''

وہ جوان خون تھا۔ وارث تھا۔ وہ زینیا نہیں تھا۔ جس پہ ابا ہاتھ اٹھا لیتے۔ وہ بشر تھا۔ گھر کا مرد۔ ہاتھ اٹھانے والی بات کرے تب بھی کوئی اس پہ انگلی نہیں اٹھائے گا۔

چند مزید باتوں اور پچھلی رنجشوں کے بعد اب گاؤں کی زمین کی باتیں ہو رہی تھیں۔ حاکم نواب دلچسپی سے سن رہے تھے۔ انکے اندر کا نواب آج بھی نہیں مرا تھا۔ وہ آج بھی اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ انکی بڑی بڑی گاڑیوں میں سفر کرتے تھے۔ آج بھی اپنے دوستوں، کھانے پینے اور ظاہری حلیے پہ پیسہ پانی کی طرح بہا دیتے تھے۔ بشر کی دکان کا آدھا منافعہ حاکم نواب کی تعاشی کھا جاتی تھی۔ اپنے بیٹے اور پوتے کو دیکھتے ہوئے دادا کہہ رہے تھے۔

''بختل کے ٹیوب ویل کے آگے نہیں لے گیا میں نواب صاحب کو۔ وہاں ہماری زمین ختم ہوتی تھی۔ اور بختل سے کہاں ہیں ہمارے اچھے تعلقات؟''

بشر نے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔ ''معذرت لیکن بختل کے ٹیوب ویل سے آگے کئی ایکڑ زمین ہے ہماری۔ میں خود ہی تو کھاد ڈلواتا تھا۔'' اسکی بات پہ اسکے چچاؤں کے رنگ واضح طور پہ بدلے تھے۔ یعنی وہ آج بھی جانتا تھا؟ یعنی وہ اتنا بے خبر نہیں تھا۔ رنگت تو

دادا کی بھی تاریک پڑی تھی۔آج کل انکی یادداشت اتنی اچھی نہیں تھی۔ لیکن انکے بیٹوں کی یادداشت اچھی تھی۔یعنی انکے بیٹے انہیں دھوکہ دے رہے تھے۔ہک ہاہ۔

حاکم نواب نے نظریں چرا لیں۔وہ ابا کے لائق بیٹے تھے۔انہیں نکال دیا گیا۔ حکومت نالائقوں اور غداروں کے ہاتھ آئی تھی۔اور زوال اسی دن شروع ہوتا ہے، جب حکمران نالائق ہوں۔

''داداجان زمینوں پہ نظر رکھا کریں۔ہمارے پیروں سے زمین کھینچی جا چکی ہے۔آپ کی کھینچی جا رہی ہے۔ ''

متغیر ہوتی رنگت والے دونوں چچاؤں نے پہلو بدلہ تھا۔دادا نے بدقت بات سنبھالنی چاہی۔

''ہاری لوگ **(کسان)** کہاں بھروسے کے قابل ہیں بچے۔اب جو بتایا ہم نے مان لیا۔'' بظاہر عام لہجہ تھا۔لیکن بشر اس بوڑھے قلعے کا ڈھے چکنا محسوس کر رہا تھا۔

''جو بھروسے کے قابل تھے۔انہیں آپ نے گھر سے نکال دیا دادا۔اب ہاری دھوکہ دیں یا بیٹے سہنا تو پڑے گا۔''کئی سال سے جمع شدہ غصہ، بے بسی اور انتقام آج حساب پورا ہو رہا تھا۔بشر کی آنکھیں زخمی تھیں۔لہجہ تیر کی مانند چبھ رہا تھا۔

''اسی لئے تو چاہتا ہوں کہ تم واپس آجاؤ۔لیکن تم۔۔۔تمہاری ضد ہی ختم نہیں ہوتی۔'' بڑے بوڑھوں کی بے بسی۔

''میں نکالی ہوئی جگہ پہ دوبارہ واپس نہیں جاؤں گا۔''اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔غیض و غضب کے شکار اپنے باپ کو دیکھا۔اور مسکرایا۔

''میں کھانا دیکھ کر آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ پیچھے سکوت چھوڑ گیا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا منہ تک رہا تھا۔ کس نے کہاں غلطی کی سارے کھاتے آج کھل جانے تھے۔

☆☆☆☆☆

دن ڈھلا تو شام نے اپنے پر اسلام آباد پہ پھیلا لئے۔ شام سے رات ہونے میں وقت کہاں لگتا ہے۔ کمبیر محل میں اس وقت رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ سنہری سفید ڈائننگ ہال میں اس وقت تمام ''**کمبیرز**'' جمع تھے۔ سوائے انیسہ کے۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا قیس۔ جس نے سادہ سفید کرتا پہن رکھا تھا۔ وہ شاید کسی جنازے سے لوٹا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھر رہے تھے۔ گندمی چہرہ سنجیدہ تھا۔ اسکی دائیں بائیں اسکے دونوں چچا بیٹھے تھے۔ اپنی اپنی پلیٹوں میں چمچ چلاتے۔ مہدی کمبیر نے مقصود کے ساتھ والی جگہ سنبھال لی تھی۔ وہ سبز ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ گیلے بال ہاتھ سے پیچھے کو کئے وہ خاموشی اور رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

''تم نے کیا سوچا ہے مہدی؟'' مقصود کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''کس بارے میں؟''

مقصود نے ہنکارہ بھرا۔ ''تمہاری منگیتر کے بارے میں۔ اب ہمارے گھر کے مرد اپنی عورت کو ڈس اون بھی کرنے لگے ہیں۔ ہک ہاہ۔ جیسا بادشاہ ویسی بادشاہی۔'' قیس پہ طنز کیا گیا۔ جسکی اسے پرواہ نہیں ہوئی۔

مہدی نے نوالا پورا چبایا۔ پھر سنجیدہ سبز آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''میں، میری منگیتر آپ سب کا مسئلہ نہیں ہیں۔ میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ لیکن (**ایک پل کو رکا۔ سبز آنکھیں قیس کے وجود میں گاڑ دیں۔**) قیس کے لئے نہیں۔ اور اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے ایسا سوچا بھی۔ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' آج پہلی بار اسکے لہجے میں تنبیہ تھی۔ اسکا لہجہ آج پہلی بار سخت تھا۔

'' (**سلادِ زیردے**) ذرا سلاد پاس کرنا۔'' ان سب سے بے نیاز قیس نے فرمائش کی تھی۔ نہیں مطلب بندہ اتنا بھی غیر فارمل نہ ہو۔

''تم خود شادی کرنا نہیں چاہتے۔ قیس کو کرنے نہیں دینا چاہتے۔ تم کیا چاہتے ہو؟ ایک باپ کے لئے گھر میں بیٹھی بیٹی کیا ہوتی ہے۔ جانتے ہو؟'' بختیار کی آواز شدت غیض سے کانپی تھی۔

مہدی نے چمچ پلیٹ میں پٹخا۔ قیس اب ہاتھ بڑھا کر اولیو آئل اٹھا رہا تھا۔ اسے سلاد پہ چھڑک کر کھاؤں گا۔ زبردست!

''آپ لوگوں کو آخر مسئلہ کیا ہے۔؟ مجھے جینے کیوں نہیں دے رہے۔؟'' مہدی پوری قوت سے غرایا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''میں جہاں جاؤں آپ کو مسئلہ ہے۔ میں جہاں بیٹھوں اٹھوں وہاں مسائل۔ آخر آپ لوگ مجھے سکون سے جینے کیوں نہیں دیتے؟'' اسکی آواز لحہ بالمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تنفس بگڑ رہا تھا۔ ''میری منگیتر نہیں ہے اب وہ۔ باپ کے گھر بیٹھے۔ یا دوسرا گھر بسائے۔'' دونوں ہاتھ میز پہ رکھے وہ قیس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''اس۔۔گھر۔۔میں۔۔وہ۔۔قیس۔۔کی بیوی۔۔نہیں بنے گی۔'' ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کرتا وہ کرسی کو ٹھوکر مارتا تن فن کرتا باہر نکل گیا تھا۔

پیچھے کسی پہ کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ایسے جھگڑے ایسے مسائل اس گھر کے مردوں کے لئے عام تھے۔سب اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔پھر سکون سے کھانا کھاتے قیس کو دیکھا۔وہ تو یوں بے نیاز تھا۔جیسے فرق ہی نہ پڑا ہو۔دونوں عمر رسیدہ مردوں نے اب اسکا سکون حرام کرنا اپنا فرض سمجھا۔

''یہ فش پاس کیجئے گا۔'' لو جی انکی نئی فرمائش۔

''تم کچھ کہو گے نہیں؟''بختیار اب اسے میدان میں اتار رہے تھے۔قیس نے آنکھیں گھما کر انہیں یوں دیکھا۔جیسے کوئی انہونی بات ہو گئی ہو۔

''میں؟میں کیا کہوں؟''ہاتھ میں پکڑے کانٹے سے اپنی اور اشارہ کیا۔

''آہ آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے؟مجھے اس طرح چیخنے چلانے کی ضرورت ہے۔میں ایک ہی دن بولوں گا۔اور جب بولوں گا ساری دنیا سنے گی۔''اس نے بے زاری سے آنکھیں گھمائیں۔

''کیا تم اسکی بات مان لو گے؟کیا تم واقعی اس سے شادی نہیں کرو گے؟''بختیار کو ایک بار پھر خوف لاحق ہوا۔

قیس نے سر جھٹکا۔''آپ کو لگتا ہے میں اسکی وجہ سے انکار کر رہا ہوں؟میرے انکار کی وجہ کوئی اور ہے۔قیس کو اسکے مشوروں کی عادت ہے۔'' آنکھوں کے سامنے سنہری آنکھیں چھا گئیں۔

''یوں بھی کسی کی منگیتر سے شادی کرنا ایک غیر مہذب حرکت ہے۔'' اس نے جھر جھری لی۔

'' I am not that mean''

مقصود نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ ''تمھارے قریب جو لوگ ہیں۔ وہ تم سے زیادہ meanاور horribleہیں۔ جاننا چاہو گے مہدی اس شادی سے انکار کیوں کر رہا ہے؟'' وہ سرد سی سرگوشی کر رہے تھے۔

قیس نے ٹھہر کر انہیں دیکھا۔ کانٹے والا ہاتھ پہلو میں گرا دیا۔

''اپنی بکواس بند رکھو۔'' بختیار نے جھڑکا تھا۔ انکی رنگت واضح طور پہ سفید پڑ رہی تھی۔ قیس کے سامنے انکا راز۔

نہیں۔ ہرگز نہیں۔

''اس سب کے پیچھے تمہارا دوسرا باپ ہے۔'' الفاظ سیسے کی طرح قیس کے کانوں میں پگھل گئے۔ اسکی آنکھیں شاکی انداز میں پھیلی تھیں۔

''بختیار کمبیر۔ یہ انسان نہیں چاہتا کہ مہدی کی شادی اسکی منگیتر سے ہو۔ یہ نہیں چاہتا کہ قیس کمبیر سے اپنی بات منوانا چھوڑ دی جائے۔ یہ تمھیں ایکسپلائٹ کر رہا ہے۔'' وہ پھنکارے تھے۔ بختیار شل مردہ آنکھوں سے قیس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انسانوں پہ اعتبار نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب کرتا تھا۔ تب بدلے میں اعتبار ہی کی توقع کرتا تھا۔

''آخر تم کب تک اپنے ڈیئرسٹ چچا سے ایکسپلائٹ ہوتے رہو گے؟'' یہ طنز تھا۔ زہر میں ڈوبا طنز۔ قیس نے بدقت اپنے تاثرات نارمل رکھے۔ اور نظریں اٹھا کر بختیار کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں کچھ تھا، کچھ ایسا کہ تمہارا دل اسکے لئے نرم پڑ جائے۔

''قیس انسانوں پہ اعتبار نہیں کرتا۔'' وہ رکا۔ایک سانس، دو سانسیں۔۔''آپ پہ کیا ہے۔'' الفاظ ادا ہوئے۔

''مجھے بدلے میں دھوکہ نہیں ملے گا، ہے ناں؟'' تسلی چاہی۔

آس، امید، مان۔ کیا کیا تھا جو ٹوٹنے والا تھا۔ بختیار نے گردن جھکا دی۔ شکستگی سے۔ شرمندگی سے۔ مقصود کی گردن اٹھی تھی۔ فتح کے خمار سے۔ جیت کے جنون سے۔

ان سب کے درمیان ایک قیس تھا۔ جسکی آنکھوں میں زخمی پن اترا تھا۔ کندھے تھکان سے ڈھیلے پڑے۔ چہرہ دھوکے کے زہر سے سبز پڑا۔ وہ زخمی ہوا تھا۔ شدید زخمی۔

''یہ ساری دنیا آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟'' تکان بس تکان تھی اسکے لہجے میں۔ آس ٹوٹ جانے کی۔ اعتبار کرچی کرچی ہونے کی۔

''قیس بچے میری بات سنو۔۔''بختیار بے قراری سے اپنی جگہ سے اٹھے۔''میں تمھیں سمجھاتا ہوں۔ میں۔۔۔''

''مجھے اکیلا رہنے دیں، پلیز۔''اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں آگے بڑھنے سے روکا۔ وہ بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گئے۔ مقصود مسرور سے اپنی وہیل چیئر کا بٹن دباتے باہر نکل گئے۔

''قیس میں۔۔۔۔۔''

''مجھے اکیلا رہنے دیں چچا۔''اس نے ایک بار پھر انکی بات کاٹی۔چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ سست قدم لیتے باہر جا رہے تھے۔انکے جانے کے بعد قیس نے سر کو کرسی کی پشت سے گرا دیا۔آنکھیں جلنے لگی تھیں۔دل میں ملال اترا تھا۔اسکی رنگت نچڑ چکی تھی۔وہ شدید انتشار میں تھا۔

''ساری دنیا آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟''

وہ ایک بار پھر بڑبڑایا۔کمبیر محل کی دیواروں نے یاسیت سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

زینیا حاکم کے کمرے میں جھانکو تو بیڈ پہ کئی سارے کپڑے بکھرے پڑے تھے۔کل مایوں تھا۔اور اب تک کو نج حاکم کے کپڑے نہیں بن سکے تھے۔وہ بیڈ پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔اوور سائز کرتا شلوار میں ملبوس بالوں کا گول مول جوڑا بنائے وہ از حد پریشان تھی۔ہر لڑکی کی طرح اسکی الماری سے کپڑے اگل کرتے کرنے کو تیار تھے۔لیکن اب بھی اسکے پاس ''کپڑے نہیں تھے۔'' کیا کوئی سمجھ سکتا ہے لڑکیوں کا دکھ؟

دفعتاً دروازے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔تیز تیز قدم۔

''کیا ہو رہا ہے؟ چھپکے چھپکے؟ کس کے کپڑے بنائے جا رہے ہیں؟''شوخ زنانہ لہجہ۔

''نبیلہ باجی، میرے پاس کپڑے نہیں ہیں۔''وہ اداس ہوئی۔نبیلہ باجی خیر سے باجی کم آنٹی زیادہ تھیں۔پینتیس چالیس کے ہندسے کو چھوتی چھوٹے قد اور بھاری جسامت والی عورت۔صاف رنگت۔چوڑا ماتھا۔نقوش پرکشش تھے۔لیکن اس عمر کی سو بر

عورتوں کے برعکس انکا ضرورت سے زیادہ شوخ ہونا۔ بس یہی تھا۔ جو آپ کو غیر آرام دہ کرے گا۔ وہ آئیں اور دھپ سے آکر پلنگ پہ کونج کے برابر بیٹھیں۔ ایک ایک جوڑے کو ہاتھ میں لے کر ستائش سے دیکھتے ہوئے انکی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ آخر کو زینیا حاکم کی کی زخیرہ اندوزی تھی۔

''لے کمبخت اس سے زیادہ اچھے جوڑے اور کون سے ہوں گے؟ بھیا ہم نے تو جو عیش کرنے تھے اماں باوا کے گھر کیئے۔ **(ناسٹیلیجیا)**۔ جب سے علیم سے شادی ہوئی۔ میں نے تو ریشم نہیں پہنا۔'' پکا ٹھیٹھ کراچی کے بِہاریوں جیسا لہجہ۔ انکی جو دوسری بات آپ کو غیر آرام دہ کرے گی۔ وہ انکی ناشکری تھی۔

''آپ اپنا رونا چھوڑیں باجی مجھے یہ بتائیں ان میں سے کل کیا پہنوں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تم ان دونوں کو چھوڑو میرے پاس ایک جوڑا ہے۔ ایسا لشکارے دار جوڑا ہے۔ سجے گا تم پہ۔ ذرا صبر رکھ میں ابھی لائی۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

نبیلہ باجی کراچی سے تھیں۔ علیم چچا دس سال پہلے نوکری کی تلاش میں کراچی گئے تھے۔ اور واپسی پہ تمغہ نبیلہ کے ساتھ واپس آئے۔ شروع شروع کے دن اچھے گزرے۔ لیکن بدزبان بیوی اور تشدد کرنے والا شوہر۔ دنیا کی دو ایسی مخلوقات ہیں۔ جو کبھی نہیں سدھر سکتیں۔ علیم چچا کو چرس کا چسکا تھا۔ اور نبیلہ باجی کو دوسروں کے امارات دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہنے کا۔ انکی لوِ میرج تھی۔ شادی کے دس سال بعد بس میرج رہی تھی۔ لو تو اللہ جانے کس کونے میں جا سویا

تھا۔ حاکم نواب کے گھر سے جڑا انکا گھر ایک ٹریجڈی ہاؤس تھا۔ جہاں کبھی نبیلہ باجی کی اپنے شوہر اور بچوں کو گالیاں دینے کی آواز آتی تھی۔ اور کبھی انکے شوہر کے چلتے ہاتھوں کی۔ زینیا حاکم کے نزدیک شادی کا ایک برا امیج بنانے میں یقیناً ان دونوں کا ہاتھ تھا۔

چند پل بعد وہ ہاتھ میں ایک نیا جوڑے لئے آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ساتھ دو بچے بھی تھے۔ آٹھ سالہ منی۔ اور پانچ سالہ گولو۔ اب کی بار وہ تینوں دھپ سے آکر پلنگ پہ بیٹھے تھے۔ دونوں بچوں کے مٹی والے پاؤں جب سفید چادر پہ پڑے کونج کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ **(زینی اسے زندہ جلائے گی۔)**

''یہ دیکھ یہ میرے باوا نے میرے جہیز میں دیا تھا۔'' انہوں نے ایک ستارے موتی والا نیلے رنگ کا جوڑا بیڈ پہ پھیلا دیا۔ ''بس ایک ہی ایک بار پہنا ہے۔ اسکے بعد تمھیں دے رہی ہوں۔ بس بدلے میں مجھے اپنا کوئی سادہ جوڑا دے دے۔'' وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تیز تیز بولتی تھیں۔ یوں کہ اگر تم ان سے پہلی بار ملو تو کوئی الفاظ سمجھ ہی نہ سکو۔

''یہ جوڑا اچھا ہے لیکن، زینیا آجائے ناں ایک بار۔'' وہ متذبذب ہوئی۔

''ارے چھوڑو زینیا کو۔'' انہوں نے ہاتھ جھلایا۔ ''اسکو تو ہر دم آگ لگی رہتی ہے۔ تو اپنا دیکھ۔ یہ جوڑا ایسا سجے گا کہ سب پوچھتے رہ جائیں گے۔'' وہ کہتے ساتھ اٹھی تھیں۔ پلنگ کی سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کر نیلیر کا پیکٹ اٹھالیا۔ اب کے کونج کی جان ایک بار پھر حلق تک آئی۔ کاش وہ اسے کسی چیز سے ''ناں'' کہہ پاتی۔

(زینیا اسکی لاش چیل کوؤں کو کھلائے گی۔)

لیز کا پیکٹ بچوں کو تھما کر اب وہ کھلی ہوئی الماری میں لٹکتے کپڑے دیکھ رہی تھیں۔ حسرت سے۔ چمکتی آنکھوں سے۔ کونج بس بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ خالی برتن ہنہہ۔

''لو جی بس طے ہوا۔ میں یہ جوڑا لے رہی ہوں۔۔'' نبیلہ باجی ہینگر میں ٹنگا جوڑا لئے اسکی طرف مڑیں۔ برانڈڈ لان کا جوڑا۔ کونج حق دق سی تھی۔

''یہ جوڑا نہیں باجی۔ یہ بشر لایا ہے کراچی سے۔ یہ برانڈڈ ہے۔ آپ۔۔۔۔ آپ کچھ اور دیکھیں۔'' وہ یکدم اٹھ کر انکے قریب آئی ۔پس منظر میں بچوں کی لیز کے پیکٹ پہ چھینا جھپٹی جاری تھی۔

''لو بھلا برانڈڈ ہے تو کیا ہم نے سستا جوڑا دیا ہے۔ دہلی سے لائے تھے میرے تایا دہلی سے۔ کونج میرے کو تجھ سے ایسی امید نہیں تھی۔'' انکے لہجے میں افسوس در آیا۔ ''میں کیا کوئی بری شے تھوپوں گی تمھیں؟ اللہ کی قسم میرے بچوں جیسی ہو تم دونوں۔'' وہ ایک پل کو رکی۔ متذبذب سی لب کاٹتی ہوئی کونج کو دیکھا۔ پھر اسکا ہاتھ پکڑ کر پلنگ تک چلی آئیں۔

مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمھیں زینی کا خوف ہے ناں؟ اسکے بولے بغیر تم جوڑا نہیں دے سکتیں ہے ناں؟'' وہ نرمی سے اسکے ہاتھ تھامے پوچھ رہی تھیں۔ کونج بلکل تھم سی گئی۔ جن بچوں نے اپنے گھر میں بس جھگڑا اور ذہنی ازیت دیکھی ہو۔ انہیں باہر سے اگر ذرا سا پیار مل جائے تو کوئی بھی ''ناں'' نہیں کہتا۔ وہ بھی نہیں کہہ سکی۔ بس گردن جھکا دی۔

''دیکھو کونج ایک کی دو لگانا میرے کو نہیں آتا۔ نہ اپنی ایسی عادت ہے۔ ہم تو بھیا دل کے سچے لوگ ہیں۔ جیسے تم دل کی سچی ہو۔''

(باہر سے آئے کسی بھی انسان نے اگر آپ کو باتوں میں لانا ہوا تو آپ کی خوش آمد کرے گا۔!)

''زینی تم سے مختلف ہے۔اسکو تو بستر کی ایک سلوٹ بھی نہیں پسند۔ تمھیں ہمیشہ جھکاتی ہے۔کیونکہ اسے خود ملکہ بننا ہے۔''

''وہ ملکہ ہے باجی۔اسے بننے کی کیا ضرورت ہے۔''کونج کی دلیل کمزور تھی۔ہاں وہ اپنی بہن کو defend کرنا چاہتی تھی۔لیکن وہ کسی غیر کے دل میں اپنے لئے آنے والا پیار میلا نہیں کر سکتی تھی۔اسے ان چند لمحات کی محبت، فکر،اور توجہ کی ضرورت تھی۔وہ ٹھکرا نہیں سکتی تھی۔

''دیکھ میں نے نوٹ کیا ہے۔'' وہ رازداری سے آگے کو ہوئیں۔''زینی کبھی تمھیں چارج سنبھالنے نہیں دیتی۔کچن میں بس وہ تم سے چیزیں اٹھواتی ہے۔ کبھی تمھیں سالن میں چیچ چلانے دیا؟''کونج سن سی ہوگئی۔کیا مطلب اسکی بہن اسکے ساتھ مخلص نہیں تھی؟

''کل میں نے دیکھا۔تم نے تار پہ کپڑے ڈالے لیکن زینی نے ان کپڑوں کو اتار کر دوبارہ ڈالا۔وہ تمھیں نیچے جھکانا چاہتی ہے۔''

''وہ ایسی نہیں ہے۔اسکو بس کام پرفیکٹ چاہیے ہوتا ہے۔'' کونج کی آواز دور سے آتی تھی۔

''رہنے دے کونج۔یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔سب جانتی ہوں میں۔تمہاری بہن تمھیں بس جھکا کر رکھنا چاہتی ہے۔تاکہ وہ سب کی فیورٹ بنے۔اسکی واہ واہ ہو۔اور تم تم سارے خاندان میں پھوہڑ مشہور رہو۔جانتی ہو وہ تم سے کوئی مکمل کام کیوں نہیں کرواتی؟''کونج نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کیونکہ وہ نہیں چاہتی تم کوئی فیصلہ کرو۔ بات یہ نہیں ہے کہ وہ تم سے جلتی ہے۔ بات بس یہ ہے کہ اسے خود پہ ضرورت سے زیادہ بھروسہ ہے۔ عقل کل سمجھتی ہے وہ خود کو۔ بھیاہمارا کام ہے۔ تم کو سمجھانا۔اب آگے جو تمھیں بہتر لگے۔'' وہ اٹھیں۔ لڑتے مرتے بچوں کو دیکھا۔اسی لمحے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی ہوئی کونج بھی اٹھی۔

''آپ یہ جوڑا لے لیں نبیلہ باجی۔ میں زینی سے بات کرلوں گی۔'' وہ فیصلہ کرچکی تھی۔ایک احمقانہ فیصلہ۔زندگی میں اپنے فیصلے خود کرتے رہنا چاہیے۔یہ آپ کو بااعتماد اور نڈر بناتے ہیں۔غلط یا صحیح ہونا بعد کی بات ہے۔انکو کرنے کی ہمت رکھنا۔ہمت کی بات ہے۔

نبیلہ باجی نے جوڑا اٹھایا۔دونوں بچوں کو ساتھ گھسیٹا۔اور خوشی خوشی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ پیچھے کونج کا گلٹ گہرا ہونے لگا۔

وہ اپنی بہن کی برائی سن رہی تھی۔وہ ایسا کیسے کرسکتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆

نیم اندھیرے میں ڈوبا چھوٹا سا ہوم سینیما ایک پل کو تمھیں ٹرانس میں دھکیل سکتا تھا۔ قطار در قطار لگی آرام دہ کرسیاں۔اے سی کی ٹھنڈک۔پاپ کارن کی خوشبو۔اور پردے پہ چلتی ہالی وڈ فلم۔اور اس فلم کو دیکھتے دو کزنز۔عام کزنز نہیں دنیا کے سب سے عجوبے کزنز۔

مہدی کمبیر اور قیس کمبیر۔ دونوں اپنی نشست کو لمبا کئے ہوئے تھے۔ سر نشست سے ٹکائے پیر لمبے کئے وقفے وقفے سے پاپ کارن پھانکتے ہوئے وہ دونوں آج کزنز کا دن منا رہے تھے۔ بلکہ آج تو شرٹس بھی ایک جیسی پہن رکھی تھیں۔ سرمئی اور سیاہ دھاری دار فلینل شرٹس، اور سفید سلیکس۔ بھائی بھائی کھیلا جا رہا تھا آج۔

''یہ آدمی ولن ہے۔ مجھے اس پہ شک ہے۔'' قیس نے پردے پہ ابھرتے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ مہدی نے باقاعدہ برا منایا۔

''یہ ولن نہیں ہو سکتا۔ تم نے دیکھا نہیں اس نے ابھی ابھی ہیرو کو اپنے دوست کا راز بتایا۔ وہی دوست جو ملک سے غداری کرنے والا ہے۔''

''جو اپنے دوست سے غداری کر سکتا ہے۔ وہ ساری دنیا سے غداری کر سکتا ہے۔'' سفاک تبصرہ۔ ''یہ آدمی ہیرو کو unconditional favours دے رہا ہے۔ یہ دوسروں کے راز بتا رہا ہے تاکہ اپنے چھپا سکے۔ جانتے ہو غیر مشروط فیورز کب دی جاتی ہیں؟''

مہدی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ اسکے تاثرات ایسے تھے۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ''آپ بتائیں سرکار''

''غیر مشروط فیورز دو وجوہات کی بنا پہ دی جاتی ہیں۔ پہلی (**اس نے ہاتھ بند مٹھی سے ایک انگلی نکالی۔**) آپ کو سامنے والے سے محبت ہو۔ جو کہ اس آدمی کو ہیرو سے نہیں ہے۔ دوسری آپ اسکا دھیان خود سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ تاکہ وہ آپ کو فرشتہ سمجھ کر

شیطان کی تلاش شروع کرے۔'' کہتے ساتھ اس نے پاپ کارن مہدی کی پہنچ سے دور کر لئے۔ وہ ایک مٹھی میں زیادہ پاپ کارن بھر رہا تھا۔ بے ایمان نہ ہو تو۔

اس نے ایک پل کو بھی پردے سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ مہدی گو کہ مرعوب نہیں ہوا۔ یہ اسکے لئے نئی بات تھی۔ قیس کو کہانیاں ، فلمیں، ڈرامے تھرل کرنا چھوڑ چکی تھیں۔ اسکی ذہانت سب کچھ بوجھ لیتی تھی۔ اور آخر میں وہ بس اپنا وقت ضائع ہونے پہ دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔

مہدی اسے جواب دیئے بغیر ایک بار پھر فلم کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔ ہاتھ مار کر پاپ کارن سے مٹھی بھرنی چاہی، لیکن افسوس صد افسوس اسکا بھائی نما کزن چال چل چکا تھا۔ دس منٹ کے بعد ولن کا راز آشکار ہو چکا تھا۔ اور قیس کے اندازے درست ثابت ہوئے ۔ مہدی اب بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ قیس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو۔

Told you

''بلکہ مجھ تو یہ عورت بھی ولن لگتی ہے۔ اچھی vibes نہیں آرہیں۔'' قیس کی تو پوں کا رخ ایک نئے کردار کی جانب ہوا۔

''اونہوں یہ ولن نہیں ہے۔'' وثوق سے کہا گیا۔

''مجھے برائی کی پہچان ہے۔'' جتایا گیا۔

''مجھے اچھائی کی پہچان ہے۔'' زور دیا گیا۔

''تم میری ذہانت کو چیلنج کر رہے ہو؟'' انا مجروح ہوئی تھی۔

''میں اچھائی کی ابدی زندگی کا بول بالا کر رہا ہوں۔'' نرمی سے تصیح کی گئی۔

''وہ فلمیں اور ڈرامے ہوتے ہیں جہاں آخر میں ہیرو کی اچھائی جیت جاتی ہے۔ اصل زندگی میں برائی کی سانسیں چلتی رہتی ہیں۔ برا آدمی اگر مر جاتا ہے تو اپنی برائی سے کہانی میں کچھ نہ کچھ مار کر ضرور جاتا ہے۔ برائی کی طاقت یو نو۔'' وہ آنکھوں میں استہزاہ لئے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔ مہدی نے سادگی سے اسے دیکھا۔

''کہانیوں میں اچھائی کو جیتنا ہوتا ہے تاکہ اصل زندگی میں لوگوں کو امید ملے۔ کہانیاں امید ہوتی ہیں، حقیقت سے نکل کر کچھ پل سکون کی زندگی میں سانس لینے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ کہانیاں سبق ہوتی ہیں۔ اگر کہانی میں ولن جیتنے لگ جائیں تو لوگ کہانیاں پڑھنا چھوڑ دیں گے۔''

قیس نے طنزیہ نظروں سے اسکا حظ اٹھایا۔

''ایک دن میں ایسی کہانی دکھاؤں گا تمھیں جہاں ولن کے ساتھ کہانی بھی مر گئی۔۔''

''اس کہانی کو پڑھنے والے پھر مصنف کو بھرے بازار میں گالیاں دیں گے۔'' مہدی نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''لوگ مصنف کو سراہیں گے۔ کیونکہ وہ روایت سے ہٹ کر کام کرے گا۔ تم دیکھنا ایک دن اس مصنف کی کتاب کے چرچے ہوں گے۔ جس نے کہانی کو ہیپی اینڈنگ کے بجائے بس اینڈنگ دی ہوگی۔ جس نے ہیرو نہیں ولن کو بچایا ہوگا۔'' قیس مسکراتے ہوئے جتا رہا تھا۔ مہدی نے اس سے رخ پھیر لیا۔ **(پاپ کارن دور ہونے کا غم الگ تھا۔)**

تھوڑی دیر بعد فلم ختم ہو چکی تھی۔اور قیس کے اندازے ایک بار پھر درست ہوئے۔مہدی بے یقینی سے آخری منظر کو دیکھ رہا تھا ۔وہ پلک تک نہ جھپک سکا۔ قیس اب اپنی لمبی نشست سے اٹھ رہا تھا۔اسکی آنکھیں محظوظ کن انداز میں پھیلی تھیں۔وہ مہدی کو بغیر شرمندہ کئے اٹھ کر جا رہا تھا۔ابھی وہ اس نیم اندھیرے منی سینیما سے نکلتا کہ مہدی کی پکار پہ ٹھہر گیا۔

"تمھیں بہت مزہ آیا ہو گا ناں؟اتنے عقلمند،اتنے ذہین ہو تم۔ تمھیں سب یاد رہتا ہے۔ تمھیں سب پتہ چل جاتا ہے۔تم بہت بہادر بھی ہو۔تم کتنے blessed ہو۔" وہ مرعوب ہوا تھا۔اسے ستائش محسوس ہوئی تھی۔

قیس کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔کئی پل تک وہ کچھ کہہ نہ سکا۔کافی دیر بعد نیم اندھیرے سینیما میں اسکی آواز گونجی تھی۔

"کم عقل اور کمزور لوگ بخت والے ہوتے ہیں۔بھول جانے والے ہمیشہ سکون سے رہتے ہیں۔مجھے میری عقل سے کوفت اور بہادری سے تھکن ہوتی ہے۔میں blessed نہیں cursed ہوں۔"

مہدی نے تاسف سے اسکی پشت کو دیکھا۔"تمھیں اللہ نے نوازا ہے،نائٹ میئر۔لوگ ایسی عقل ایسے دماغ کی دعائیں کرتے ہیں۔

"

"اللہ نے مجھے سزا دی ہے، گرین وونڈ۔" وہ سختی سے غرایا۔"میں کوئی ٹریجک اینڈ نگ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وہ ساری زندگی مجھے لفظ بالفظ یاد رہے گی۔اور میرا دل دکھے گا۔میں کوئی فلم کوئی ڈرامہ نہیں دیکھتا کیونکہ میرے اندازے درست ہو جاتے ہیں۔اور کہانی میرے لئے predictable ہو جاتی ہے۔میں آج تک اپنے بابا کی موت انکے سینے پہ لگے زخم کو ایک تازہ فلم کی طرح یاد

کئے ہوئے ہوں۔ میری ہر رات جہنم اور ہر دن برزخ ہے۔ وجہ میری عقل اور میرا دماغ ہے۔ تمھیں لگتا ہے میں blessed ہوں؟''

وہ ہانپ رہا تھا تنفس تیز ہو گیا تھا۔ چہرہ کرب سے سرخ پڑ رہا تھا۔ مہدی کی آنکھوں میں ڈھیر سارا تفکر تھا۔

''تم بسمل بن رہے ہو۔''

''مجھے بنایا گیا ہے۔ ورنہ میں بھی عام تھا۔ نارمل تھا۔ اور کسی زمانے میں خوش بھی۔'' آخر میں اسکا لہجہ لرز گیا تھا۔

''میرے اندر کا انسان، خوشی، اور کمفرٹ مارنے کے لئے میں تمھیں مرنے تک معاف نہیں کروں گا۔''

وہ یاد دہانی کروا کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔ مہدی نے بے دھم ہو کر سر کو نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔

آنکھیں جل رہی تھیں۔ خاندان کی موت کا بھولا بسرا منظر آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔ محض چند سین اور پھر جیسے تاریکی۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ مکمل طور پہ نہیں۔

کیا وہ واقعی blessed تھا؟ اور کیا واقعی قیس cursed تھا؟

☆☆☆☆☆

جامنی الماریوں والے کمرے میں جھانک کر دیکھو تو زینیا حاکم اپنے پلنگ پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ بال کھلے تھے۔ اور ڈھلک کر اسکے شانوں سے آگے گر رہے تھے۔ نارنجی سادہ لباس میں ملبوس وہ پلنگ پہ ڈھیر سارے کاغذات بکھیرے بیٹھی تھی۔ فیروزے کی

لونگ دمک رہی تھی۔ دوسری جانب کونج الماری میں منہ دیے کھڑی تھی۔ آج میڈم کو یاد آگیا تھا کہ صبح گھر میں فنکشن ہے۔ اور الماری کو صاف رہنا چاہیے۔ ماشاءاللہ۔

زینیا نے یونہی ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر الماری کی جانب دیکھا۔ اور اسی لمحے اسکی آنکھیں سکڑیں۔ یہاں سے کچھ غائب تھا۔ کیا تھا اسے یاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ اسی جگہ ایک نیا جوڑا ٹنگا تھا۔ کونج نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا اور جلدی سے الماری کے پٹ بند کیے۔ زینیا پھرتی سے اٹھ کر اسکے قریب آئی تھی۔ اور تیزی سے جامنی پٹ وا کیے۔

کونج کی رنگت زرد پڑنے لگی تھی۔ آہ نہیں اتنی جلدی نہیں۔

''یہاں سے جوڑا غائب ہے کونج۔ کیا مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے وہ کہاں ہے؟'' سرد تفشیشی لہجہ۔

''وہ۔۔۔ میں نے نبیلہ باجی کو دیا ہے۔'' اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔

''اور کس کی اجازت سے تم نے میرے بھائی کی حق حلال کی کمائی ضائع کی؟'' اسکا لہجہ بلند ہوا۔ آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔ چڑ سخت چڑ تھی اسے نبیلہ سے۔ اور کونج کی بے وقوفیوں سے۔

''یار وہ غریب عورت ہے۔'' کونج کا انداز دفاعیہ تھا۔

''وہ غریب نہیں ناشکری عورت ہے۔ اور تم دنیا کی سب سے بے وقوف عورت۔''

''چیخنے کی ضرورت نہیں ہے زینی۔ ان چیزوں پہ میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔ اب تم مزید مجھے استعمال نہیں کر سکتیں۔'' وہ یکدم حلق کے بل چیخی۔ زینیا ٹھہر گئی۔ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہر وقت مجھے اپنے پیچھے لگا کر رکھتی ہو۔ جو کام میں کروں اس سے تمھیں مسئلہ ہوتا ہے۔ تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں تیز تیز چلا رہی تھی۔

''میرا جوڑا میں جسے چاہے دوں۔ میری الماری میں جیسے چاہے رکھوں۔ میری دوستیں جس سے چاہے بنا کر رکھوں اور جسے چاہوں چھوڑ دوں۔ تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔'' اب کے اسکی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ زینیا اب بھی یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

بڑی بہن بھائیوں کو پتہ ہوتا ہے کونسے الفاظ انکے چھوٹے بہن بھائیوں کے اپنے ہیں۔ اور کون سے انکے منہ میں ٹھونسے گئے ہیں۔ چھوٹے بہن بھائی یونہی نہیں آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ کسی دوست کی بھری ہوئی چابی اور کسی رشتے دار کا دیا ہوا طعنہ یہ ہوتی ہے وجہ۔

''یہ سب تم سے کس نے کہا ہے؟'' وہ آگے کو ہوئی کونج کی بھری ہوئی آنکھوں میں دیکھا۔

''نبیلہ باجی آئی تھیں ناں؟ جوڑا انکے پاس ہے ناں؟ اس عورت نے تمھیں میرے خلاف کیا ہے؟'' کونج کو اب احساس ہوا تھا۔ اسکے سامنے کون تھی۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ زینیا اسکی آنکھوں سے سارا احوال پڑھ رہی تھی۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اور یہ جوڑا میں نے ان سے لیا ہے۔ مجھے یہ پسند تھا۔'' اسکا لہجہ اب دھیما تھا۔ نظریں چراتے ہوئے۔ وہ یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

''تمھیں یہ پسند نہیں تھا کونج۔ تم اسے ''ناں'' نہیں کہہ سکیں۔ تم کسی کو ناں کیوں نہیں کہتی ہو؟'' سوال تھا۔ سادہ سوال۔

''میں نے کہا ناں زینی یہ جوڑا میری پسند سے یہاں آیا ہے میں۔۔۔۔''

''میں ابھی اس عورت کے پاس جا رہی ہوں۔'' زینیا نے اسکی بات کاٹی۔ ''میں اسے اپنے بھائی کی حق حلال کی کمائی اور تمہاری بے وقوفی کا فائدہ اٹھانے نہیں دوں گی۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے رہی تھی۔ وہ جتا رہی تھی کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔

''گلٹ، ٹراما اور لو سیلف اسٹیم کی ماری تم ہو میں نہیں۔''

''اب کیا تم محلے کی آنٹیوں کی طرح جھگڑے کرو گی؟'' کونج کو کوفت ہوئی۔ آنسو، رونا سب بھول گیا۔

زینیا طنزیہ مسکرائی۔ ''جب بات میرے خاندان کی آئے تب تم دیکھو میں کیسے محلے کی فتنہ آنٹیوں سے بڑا فتنہ بنتی ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے پلنگ پہ پھیلا دوپٹہ اٹھایا۔ پھر باہر نکل گئی تھی۔ کونج بے چینی سے کمرے کے چکر کاٹنے لگی۔ آہ کل صبح وہ باجی نبیلہ کے سامنے کس منہ سے جائے گی۔ اللہ اللہ وہ کیا کرے کہاں جائے؟ اسکا سکون غارت ہونے لگا۔

انسان کو کم از کم اپنی زندگی میں لوگوں کی باتوں سے اتنا بے پرواہ تو ہونا ہی چاہیے کہ کسی کی ناراضگی کا خوف اسکا سکون غارت نہ کرے۔

تھوڑی دیر بعد زینیا اسے واپس آتی دکھائی دی۔ پر سکون چہرہ۔ ہاتھ میں جوڑا۔ الماری تک آ کر پٹ کھولے۔ جوڑا واپس جگہ پہ سیٹ کیا۔ اور دوبارہ پلنگ پہ جا کر بیٹھی۔ او سی ڈی کی مریضہ اب سکون سے اپنا کام کر سکتی تھی۔ کونج چند لمحے یونہی کھڑے اسے دیکھتی رہی۔

شرمندگی، غصہ، گلٹ، خوف سب کچھ یکدم ڈھیر ساری مقدار میں اسکے کندھوں پہ آن وارد ہوا تھا۔

''تمھیں یہ نیلا جوڑا واقعی پسند ہے؟'' کچھ دیر بعد زینیا کی آواز گونجی۔ سر کتابوں پہ جھکا رکھا تھا۔

''ہاں پسند ہے۔'' ہلکی پست آواز میں اعتراف کیا گیا۔

''میں خرید آئی ہوں۔ کل نبیلہ باجی کو ڈیڑھ ہزار دے دوں گی۔'' کہہ کر اس نے نظریں اٹھائیں۔ سنہری سنجیدہ نظریں۔ زمانہ شناس اور اپنی بہن کے لئے فکر مند۔

''تم معصوم ہو کونج۔ لیکن کسی کو تمہاری معصومیت سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔ ٹھیک۔؟''

کونج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زینیا ایک بار پھر کتابوں میں سر گھسا دیا۔

کونج تھوڑی دیر یونہی کھڑی رہی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتی پلنگ کی طرف بڑھ آئی۔ اوندھے منہ پلنگ پہ لیٹ کر بازو زینیا کی ٹانگوں کے گرد پھیلا دیا۔ تکیہ آنسوؤں سے تر پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی بہن سے شرمندہ تھی۔

زینیا نے آہستگی سے اسکا بازو تھپکا۔ سیاہ آنکھوں والی لڑکی ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی۔ زینیا یونہی کتابوں پہ سر جھکائے اپنے گرد حائل اسکا بازو تھپکتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بھاری بھاری سانسیں لینے لگی۔

وہ سو چکی تھی۔ چہرے پہ آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان تھے۔ زینیا نے آزردگی سے اسے دیکھا۔ اسکا پارہ ایک بار پھر ہائی ہونے لگا تھا ، پھر اس نے کونج کو دیکھا، وہ روتے روتے سو گئی تھی، اپنی سائز سے بڑے کپڑے، بکھرے بال، رو یا رو یا چہرہ، اور نیند۔ رونے کے بعد آنے والی نیند کا بھی اپنا مزہ ہوتا ہے۔

کونج کے سونے کے چند لمحے بعد اسکا موبائل تھر تھرایا۔ زوں زوں کی آواز نے خاموشی میں ارتعاش سا پیدا کیا۔ زینیا نے کوفت سے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔ کالر آئی ڈی دیکھ ایک لمحے کے لئے وہ اپنی جگہ جم گئی۔

''**بالاج کالنگ**'' کے الفاظ نے اسے ٹھہرنے پہ مجبور کر دیا۔ فون ہاتھ میں لئے وہ غائب دماغی سے اسے دیکھے گئی۔ عبداللہ وہ واحد مرد تھا جس سے اس نے کبھی فون پہ بات کی تھی۔ کاش عبداللہ ہی وہ آخری مرد بھی رہتا۔ سوچوں کو پرے جھٹکتے اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کال ریسیو کی۔ حالانکہ زینیا ایک کال پرسن نہیں تھی۔ وہ بولنے پہ لکھنے کو ترجیح دیتی تھی۔ لیکن خیر۔

''ہیلو کیسی ہو، تم ڈسٹرب تو نہیں ہوئیں؟'' بھاری خوبصورت لہجہ۔ لیکن عبداللہ زیادہ اچھا بولتا تھا۔ دل نے اعتراف کیا۔

''زینیا تم سن رہی ہو؟''

''جی میں سن رہی ہوں بولیں۔'' اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر تاثرات نارمل رکھنے چاہے۔ آنکھیں عجیب تاثر دے رہی تھیں۔

''تمھیں میرا فون کرنا برا تو نہیں لگا ناں؟'' آہ وہ کتنا شائستہ تھا۔

''سچ کہوں تو برا لگا ہے۔ (**زینیا کی صاف گوئی۔**) کیونکہ ہمارے یہاں اس طرح مردوں سے باتیں نہیں کی جاتیں۔'' اسکا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔

''اگر تم بھول چکی ہو تو اپنے ہاتھ میں میرے نام کی انگوٹھی دیکھو۔ میں کوئی عام مرد نہیں، تمہارا منگیتر ہوں۔ ہمارے یہاں منگیتر کا درجہ شوہر جتنا ہی ہے۔ یاد ہے ناں؟'' صاف ظاہر تھا اسے برا لگا ہے۔

''منگنیوں کا کیا ہے۔ انگوٹھی ٹوٹنے میں وقت تھوڑی لگتا ہے؟''

''جس لڑکی کی ایک منگنی ٹوٹ چکی ہو۔اسے دوسری منگنی کو بچانے کے لئے سوچ سمجھ کر چلنا چاہیے۔'' بالاج جتا رہا تھا۔زینیا نے سر جھٹکا۔

''یہاں سوچنے سمجھنے کی ضرورت دوسرے منگیتر کو ہے۔جو لڑکی ایک ٹوٹی منگنی سروائیو کر چکی ہو۔اسکے لئے دوسری منگنی سر وائیو کرنا مشکل نہیں ہوتا۔'' وہ یوں بات کر رہی تھی۔گویا کسی فلم کی سطور ہوں۔دوسری جانب چند پل کے لئے خاموشی چھا گئی۔یوں جیسے وہ سوچ سوچ کر بولنا چاہتا ہو۔

''اچھا یہ سب چھوڑو۔'' اب کے اسکا لہجہ مدافعانہ ہوا۔''مجھے یہ بتاؤ تمھیں اپنے ہونے والے شوہر سے کیا امیدیں ہیں؟''

''آپ کو اپنی بیوی سے کیا امیدیں ہیں؟''سوال پہ سوال۔دوسری جانب وہ مسکرایا تھا۔دلکش مسکراہٹ۔

''زیادہ کچھ نہیں۔بس وہ حسین ہو جیسے کہ تم۔میرے لئے اچھے اچھے کھانے بنایا کرے جیسے کہ تم۔میری سنے اور کبھی کبھی میں اسکی بھی۔''

''یہ تو میں بلکل بھی نہیں۔'' زینیا نے ٹوکا تو بالاج زور سے ہنسا۔زینیا ساتھ مسکرائی تھی۔ماحول ہلکا پھلکا ہونے لگا۔

''جانتا ہوں۔'' اگلی بات سنو۔''وہ اگر میری نہ بھی سنے تو بری نہ لگے جیسے کہ تم۔'' زینیا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''میرے کیریئر میں مجھے سپورٹ کرے۔اور خاندان ک باقی لڑکیوں کی طرح اسے ایک مرد کا سہارا نہیں چاہئے ہو۔بلکہ وہ میرے ساتھ کھڑی ہو تو میری پریشانیاں ختم ہو جاتی ہوں۔'' وہ ایک پل کو رکا۔"جیسے کہ تم زینی۔''

زینیا خاموش رہی۔ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ چندپل اسکی خاموشی کو محسوس کرتے رہنے کے بعد بالاج نے اسے دوبارہ مخاطب کیا تھا۔

"تمھیں اپنے شوہر سے کیا چاہیے ہے، فرمائش کرو۔" زینیا دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بیٹھی رہی۔ سونا چاندی، پیسہ ،گھر، مقام او نہوں یہ نہیں چاہیے تھا۔ اپنے شوہر سے نہیں چاہیے تھا۔

"اگر میں غلطی کروں تو میری تصیح کرے۔ تذلیل نہیں۔"

بارہ سالہ زینیا حاکم اپنے باپ کو چلاتے ہوئے سن رہی تھی۔ وہ بغیر گھر کے ملازمین، مکین اور اپنے بچوں کی پرواہ کئے اپنی بیوی پہ گرج برس رہے تھے۔ گالیاں دے رہے تھے۔ بھابھیاں دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔ دیوروں نے توجہ ہی نہ دی۔ ملازم کھسر پھسر کر رہے تھے۔ اور زینیا وہ نم ہوتی آنکھوں سے اپنی ماں کو آدھے خاندان کے سامنے ذلیل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ہاں اسکی ماں نے اسکے باپ کے کپڑے نہ استری کرکے غلطی کی تھی۔ حاکم نواب کو لگا تھا وہ بھری محفل میں انکی تصیح کر رہے ہیں۔ لیکن وہ تذلیل تھی۔ بچوں اور آدھے گھر کے سامنے شوہر سے گالیاں کھانا تذلیل ہی تو تھی۔

"میں اسکی خدمت کروں گی۔ میں اسکے حکم بھی مانوں گی۔ لیکن وہ بس میرے ساتھ رحم دل رہے۔ مجھے بیوی ہونے کے ساتھ انسان بھی سمجھے۔"

بخار میں جھلستی اسکی ماں حاکم نواب کے کپڑے بیگ میں ڈال رہی تھیں۔ انکے جسم میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی لیکن وہ بھاگ بھاگ کر اپنے شوہر کی ضرورت کے سامان لا رہی تھیں۔ کیا اس شوہر پہ لازم نہیں تھا اپنی بیوی کے ساتھ رحم کا معملہ کرے؟

اگلے منظر میں وہ رات کو دیر سے گھر لوٹے تھے۔ اپنی ماں کے ساتھ بیڈ پہ لیٹی زینیا نے اپنے باپ کو دیکھا۔ وہ اس بیمار عورت کو جھنجھوڑ کر نیند سے جگا رہے تھے۔ رات کے اس پہر سفر سے لوٹنے کے بعد انہیں کھانا چاہیے تھا۔ بیوی بیمار ہے؟ سو رہی ہے؟ لیکن کیا ہوا ہے تو بیوی ناں۔ انسان کے نام پہ مشین۔

''میں اسکی عزت کو اپنی عزت سمجھوں گی۔ لیکن بدلے میں اسے چاہیے مجھے بھی عزت دے۔''

امینہ بیگم کے میکے والوں کے یہاں کوئی شادی تھی۔ حاکم نواب داماد تھے۔ لیکن انکے شہر میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پڑھوا دیا گیا تھا۔ اب وہ واپس آئے تھے۔ اور ڈھیر سارے جمع ہوئے لوگوں میں اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ بھاڑ میں گئی شادی۔ بھاڑ میں گیا بیوی کا خاندان۔ حاکم میری بات سن لیں۔ مجھے بتائیں ہوا کیا ہے؟ وہ اپنے شوہر کے قدموں کا مقابلہ کرتے ہوئے بامشکل بولی تھیں۔ جس کے بدلے میں سارے خاندان کے سامنے انکے چہرے پہ طمانچہ پڑا تھا۔

وہ شوہر کی عزت رکھتے ہوئے اسکے ساتھ اپنا میکہ چھوڑ چھاڑ کر جا رہی تھیں۔ وہ عزت رکھ رہیں تھیں کیونکہ بیوی تھیں۔ کیا شوہر پہ لازم نہیں تھا وہ عزت کروائے کیونکہ وہ ''بیوی'' تھی؟

''میں اسکے خاندان کو اپنا خاندان سمجھوں گی۔ لیکن وہ میرے خاندان کو ''میرا'' خاندان سمجھ کر ہی عزت دے۔''

سولہ سالہ زینیا حاکم ایک بار پھر اپنے باپ کا ''طعنہ نامہ'' سن رہی تھیں۔ جس میں اسکی ماں کے والدین کو دنیا جہاں کی ہر گالی دی گئی۔ جس میں اسکے خاندان کی عزت کو کسی کوٹھے سے بھی کمتر کہا گیا۔ ہر طعنے ہر گالی پہ اسکی ماں کا چہرہ سرخ ہوتا تھا۔ اسے غصہ آرہا

تھا۔اسے رونا بھی آرہا تھا۔ لیکن وہ مجبور بیوی تھی۔ کچھ کہتی تو گھر سے جاتی۔ یا پھر چہرے پہ نشان پڑتے۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو اسکے شوہر کی دل کو مار دینے والی ناراضگی شروع ہو جاتی۔

آدھی مشرقی عورتوں کے منہ اس لئے سی دیئے جاتے ہیں کہ انکے گھر کے مرد کو ان کی دی ہوئی صفائی اپنی مردانگی پہ انا کا وار لگتی ہے۔

اگلے کسی منظر میں وہ اپنی بھابیوں اور بچوں کے سامنے اپنی بیوی کی رنگت پہ تبصرہ کر رہے تھے۔اسے جھڑک رہے تھے۔ بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود امینہ بیگم کو اس گھر میں آج تک کسی فرد سے وہ عزت نہیں ملی تھی جسکی وہ حقدار تھیں۔

جب عورت کا اپنا مرد اسکی عزت نہیں کرتا۔ پھر خاندان میں کوئی اور بھی یہ جوکھم نہیں اٹھاتا۔

''وہ میرے ساتھ بے وفائی نہ کرے۔''

اور یہاں زینیا حاکم کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔ لہجہ لرز گیا تھا۔ایک پل کے لئے وہ سانس تک نہ لے سکی۔

رات کی تاریکوں میں اسکے ابا گھر سے باہر نکل جاتے تھے۔ ٹیلی فون پہ آنے والی ہر کال کے منتظر رہنے لگے تھے۔ابا کو محبت ہوئی تھی لیکن شادی کے بعد۔ روایت کچھ یوں تھی کہ اگر وہ شادی کرتے تو وٹے سٹے میں دی جانے والی انکی بہن پہ بھی سوتن پڑتی۔

بعض دفع روایات محبتیں کھا جاتی ہیں۔ انکی محبت کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔اسکی ڈری سہمی رہنے والی ماں نے اس بات پہ خاموشی نہیں اختیار کی۔ وہ آنے والی فون چیخ چلا کر بند کروا دیتی تھیں۔ پیغام لانے والے قاصدوں کے منہ نوچ لیتی تھیں۔اور گھر سے باہر نکلتے اپنے شوہر کے قدم وہ روک لیتی تھیں چاہے مار کھانی پڑے۔ چاہے ناراضگی سہنی پڑے۔

بے وفائی اور شراکت وہ واحد چیز ہے جو عورت لاش بن کر بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ تو پھر زندہ تھیں۔

''وہ دنیا کے سامنے جس اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، میرے ساتھ بھی ویسا رہے، چاہے سارا کا سارا نہیں۔ لیکن میرے ساتھ بھی مروت کا تعلق تو رہے۔''

''تم ہو ہی پھوہڑ اور جاہل تمہارا سارا خاندان دو ٹکے کا ہے، گھٹیا عورت۔'' حاکم نواب اپنی بیوی پہ برس رہے تھے۔

''اللہ جانے وہ کونسا منحوس دن تھا، جب تم جیسی ذلیل عورت میرے پلے باندھ دی گئی۔ لعنت ہو اس دن پہ اور تم پہ۔'' نہ بچوں کا خیال نہ آس پاس کھڑے لوگوں کی پرواہ وہ اپنی بیوی کو اس سے بھی بدتر گالیوں سے نواز رہے تھے۔ امینہ بیگم منہ سیئے کھڑی تھیں۔ یہ صبر نہیں تھا۔ یہ طیش تھا، لاوا تھا جو انکے اندر بھر رہا تھا۔ زینیا ایک کونے میں کھڑی تھی اسے لگا تھا اسکی ماں کی غلطی ہے، نہ وہ ابا کے کاغذات مس پلیس کرتیں اور نہ یہ سب ہو رہا ہوتا۔ باپ ہر بیٹی کے لئے ہیرو ہوتا ہے، ساری دنیا کی غلطی ہو سکتی ہے لیکن باپ کی نہیں۔ اسی لمحے حاکم نواب کا فون بجنے لگا، وہ بکتے جھکتے خاموش ہو گئے۔ کال اٹینڈ کر لی، اور پھر زینیا نے اپنے باپ کو اداکار بنتے دیکھا۔

''جی جی نوید صاحب ارے آپ حکم کریں، ارے بلکل نہیں، آپ سے کیسی ناراضگی؟ جی جی آپ کا کام ہو جائے گا۔'' وہ مسکرا کر جواب دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اس دن اس پہر زینیا کے ابا ہیرو نہیں رہے تھے، وہ انہیں ولن بھی نہیں سمجھ سکی۔ وہ جو کوئی بھی تھا زینیا نے اس پل تہیہ کیا تھا کہ اسکی زندگی میں آنے والا مرد اسکے باپ جیسا نہیں ہو گا۔

اور یہ کتنا کٹھن، کتنا شرمندہ، اور کتنا بھاری فیصلہ تھا۔ یہ ہر لڑکی سمجھ سکتی ہے۔

چندپل بالاج خاموش رہا۔ وہ اسے سمجھ سکتا تھا۔ وہ اسی خاندان کا حصہ تھا۔ چندپل کی خاموشی جیسے پرسہ ہو۔ کافی دیر بعد اسکے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔

''میں حاکم نواب نہیں بنوں گا۔ تسلی دی گئی۔''

''بن جائیں تو مجھ سے امینہ بیگم بننے کی امید مت رکھئے گا۔ حدود قائم کی گئی۔'' اور کال کاٹ دی گئی۔ اس پہ عجیب بے کلی سی سوار ہونے لگی تھی۔

زینیا حاکم کے لئے اسکے ماں باپ کی شادی ایک ٹریجڈی تھی۔ جو اسے ہانٹ کرتی تھی۔ لیکن اب بس۔ ایک اور شادی کو ٹریجڈی میں نہیں بدلنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

حاکم نواب کا گھر اگلے دن اپنے منظر پہ لگی بتیوں کی وجہ سے روشن تھا۔ گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھر ہوا تھا۔ عورتوں اور مردوں کا گو کہ الگ الگ انتظام تھا۔ لیکن چند خاندان ہی کے لڑکے دیگیں اور پانی کے ڈرم اندر لا رہے تھے۔ مڈل کلاس لوگوں کی شادیاں یہی ہوتی ہیں۔ بھرا پورا گھر۔ پیلے چاول۔ ڈھول کی تھاپ اور دلہن کے گرد جمع ڈھیر ساری عورتیں۔ جنکے تبصرے کبھی رشتے کی تفصیل ہوتے تو کبھی جہیز اور کھانا۔ اندر کمرے میں بیٹھی زینیا کی مایوں کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔

پیلے زرد جوڑے میں ملبوس بالوں کو دو چٹیا گوندھے اسے پلنگ کے ایک کونے میں بٹھا رکھا تھا۔ میراثی عورت شادیانے گا رہی تھی ۔ اور اسی شادیانوں کی آواز میں باری باری آتی چند عورتیں زینیا کی چٹیا کے بل کھول رہی تھیں۔ یہ ایک رسم تھی۔ ایک بڑی بوڑھی

تیل میں ڈوبا ہاتھ اسکے بالوں پہ پھیر رہی تھی۔اور ایک نے گوندھی ہوئی مہندی اسکی ہتھیلی پہ پھیلائی اور پھر چند پل کے لئے اسکی مٹھی بند کر لی۔زینیا بس خاموشی سے بیٹھی رہی۔دلہن کو یونہی بیٹھنا ہوتا ہے۔خوش ہوئی تو بے حیا، اداس ہوئی تو روگی سمجھی جائے گی۔

اسکی مٹھی کھولی گئی اور اب ایک بغیر ڈیزائن والی مہندی اسکے ہاتھ پہ چھپ چکی تھی۔ہتھیلی مہندی سے بھر گئی۔پلنگ پہ خشک میوہ جات کے ٹوکرے، مکھن، اور باقی چند لوازمات کے ٹوکرے رکھے عورتیں اب گاتی، تالیاں پیٹتی واپس جا رہی تھیں۔

اسی لمحے زینیا نے محسوس کیا کوئی اسکے کندھے سے لگ کر رو رہا تھا۔وہ فربہ سا وجود اسکی ماں کا تھا۔دل کو دھکا لگا۔آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔وہ مڑی نہیں۔ماں جذباتی ہو رہی تھیں اسے نہیں ہونا تھا۔

زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو رہا تھا۔لیکن انداز وہی پرانے۔

اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا لبشر سپاٹ تاثرات کے ساتھ اپنا سراپا دیکھ رہا تھا۔اس نے کاٹن کا سفید سوٹ پہنا تھا۔آج اسکا بھی مایوں تھا۔لیکن دل میں کوئی خوشی کوئی رمق نہیں تھی۔

ماتھے پہ بکھرے گیلے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے اس کے انداز میں سست روی تھی۔چند پل یونہی کھڑے رہنے کے بعد بلاخر وہ مسکرایا تھا۔سنگھار میز سے اپنا موبائل اٹھایا اور روابط کی فہرست میں گیا۔انگوٹھے سے فہرست کو اوپر نیچے کرتے ہوئے وہ ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔

لالہ رخ۔

یہ لڑکی اب ماضی بن چکی تھی۔ وہ اپنی بہن کسی کے گھر بھیج رہا تھا تو کسی کی بہن اپنے گھر لا بھی رہا تھا۔ ہاں اس لڑکی کی محبت شاید ساری زندگی اسکے دل میں رہے۔ محبت کی ناکامی شاید ساری عمر ساتھ رہے۔ لیکن بشر حاکم اپنے ابا کی طرح بٹا ہوا مرد نہیں بنے گا۔

انگوٹھے سے نمبر کو ڈیلیٹ کرتے ہوئے اس نے دل اور کندھوں پہ لدا بوجھ خالی کیا۔ بشر حاکم اب اس آسیبی محبت سے آزاد تھا۔

کئی بار محبت آپ کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل جاتی ہے۔ اور واپس نہیں آتی۔ ریت کی مانند پھسلی محبت کا انتظار کرنا یا پھر خود کو زخم دینا اعلیٰ درجے کی بے وقوفی ہوتی ہے۔

بشر حاکم زندگی کے ایک نئے باب کے لیے تیار تھا۔ گردن اونچی کئے۔ دل صاف کئے۔ زندگی میں نہیں جگہیں بنائے۔

نیلے موتیوں والے لباس میں ملبوس کونج حاکم اس وقت اپنے گھر کے کچن میں منجھی پہ بیٹھی تھی۔ آس پاس اسکی کزنز بیٹھی تھیں۔ تقریب ختم ہو چکی تھی۔ کھانا بھی ختم ہی تھا۔ بس دیگچی کی تہہ میں ذرا سا سالن رہ گیا تھا۔ جسے وہ روٹی سے لگا لگا کر کھا رہی تھی۔ آہ من و سلویٰ۔

اسی لمحے دروازے کی چوکھٹ پہ کوئی مرد آکر کھڑا ہوا۔ صاف رنگت، اونچا قد، اچھی جسامت، سیاہ آنکھیں، اور خوبصورت نقوش۔ ضیغم یوسف میر۔ بالاج میر کا چھوٹا بھائی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کھاتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ باقی لڑکیوں نے اسے ذو معنی نظروں سے دیکھا تھا۔ کچھ تھا جو وہ جانتی تھیں۔ اور مڑی ہوئی پلکوں والی لڑکی نہیں جانتی تھی۔

لڑکے نے گلہ کھنکھارا۔ اور کونج کو مخاطب کیا۔

''دیگچی کی تہہ سے کھانے والوں کی شادی پہ بارش ہوتی ہے۔ خوار کرواؤ گی کیا؟'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ کونج نے گھوم کر اسے دیکھا ۔سخت تپ چڑھی تھی اسے۔

''اگر بارش ہوئی بھی تو میری شادی پہ ہو گی۔ تمھیں کیا مسئلہ ہے؟'' تیوری چڑھا کر استفسار کیا۔ جہاں باقی سب لڑکیاں قہقہے مار کر ہنسی تھیں۔ وہیں ضیغم مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

کونج حاکم ہونقوں کی طرح سب کے چہرے دیکھے گئی۔ وہ اپنی زندگی کے اس نئے باب سے انجان تھی۔ جانے یہ نیا باب اسکی زندگی میں کیا تبدیلیاں لانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپنے آفس میں کھڑا قیس اپنی چند چیزیں اٹھا رہا تھا۔ جب دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ اڑی ہوئی رنگت اور پیلے پھٹک چہرے والی حدیبیہ اندر داخل ہوئی۔

قیس نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ ''تم تمیز بھول گئی ہو، حبیب؟ تمہیں لگتا ہے اس طرح دروازہ کھول کر آؤ گی تو میری فیورٹ بن جاؤ گی؟'' گھنگریالے بالوں والا مرد میز سے ٹیک لگائے بازو سینے پہ باندھے فرصت سے طنز کر رہا تھا۔ حدیبیہ نے بغیر کچھ کہے اپنے ہاتھ میں پکڑا ٹیبلٹ اسکے آگے لہرایا۔ قیس نے اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی اور ٹیبلیٹ اسکے ہاتھ سے لیا۔ کوئی گلہ پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

''معروف فیشن برانڈ قیسم کے مالک قیس کمبیر کی ٹیکسٹائل فیکٹری میں ملازمین کا دھرنا۔ فیصل آباد میں موجود قیسم ٹیکسٹائل کے ملازمین کا کہنا ہے کہ انہیں باقی فیکٹری کے ملازمین کے حساب سے آدھے پیسے ملتے ہیں۔ جبکہ دگنی محنت کرنے پہ کوئی بونس یا پھر اضافی اجرت نہیں ملتی۔ قیسم کے ملازمین نے شاہراہ بند کر رکھی ہے۔ صبح سے شہریوں کو مشکلات کا سامنا۔ ابھی تک قیس کمبیر اور مہدی کمبیر کی جانب سے کوئی بیان سامنے نہیں آیا۔ مزید تفصیلات۔۔۔۔۔۔''

قیس نے بٹن دبا کر نمائندے کی آواز کا گلہ گھونٹ ڈالا تھا۔ سن چکا وہ سب۔ ایک نظر حدیبیہ کے پریشان چہرے پہ ڈالی پھر پلکیں جھپکا کر تسلی دی۔ اور باہر نکل گیا۔ اسکے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے تھے۔ پینٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا وہ تیز تیز کچھ لکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

راہداریوں میں چلتے ہوئے کئی لوگوں نے اسے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔ ہو گا وہ کہیں کا قیس کمبیر لیکن اسکے آفس میں بھی ''لوگ'' تھے ۔ فرشتے نہیں۔ اور لوگوں سے کیسے صلے، کیسی امیدیں؟

راہداری کا ایک موڑ مڑتے ہوئے اچانک اسکے سامنے کوئی آیا تھا۔ قیس ٹھٹھک کر رکا۔ سفید اسنیکرز سے اوپر سفید سلیکس، سیاہ بلیزر اور سفید کوٹ۔ گہرا سانولا رنگ۔ مسکراتا پر تپش چہرہ۔ براق حنیف تمھارے سامنے ہے۔

''شیطان شیطانی سے پہلے مجھ سے اجازت نامہ سائن کرواتا ہے، لوسفر۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ قیس جانتا تھا۔ اسکی فیکٹری میں جا کر کون اسکے ملازمین کی پشت پناہی کر سکتا ہے۔ کون انہیں اتنی ہمت دے سکتا ہے کہ وہ لوگ قیس کے سامنے کھڑے ہو سکیں۔

''ان دستخط کروائے اجازت ناموں پہ آخری دستخط میرے ہوتے ہیں، براق حنیف۔''

''قیسم ڈھے رہا ہے کندھے مضبوط رکھو۔'' کان کے قریب جھک کر طنز کیا۔

''قیسم اچھی نیتوں اور میرے خون پسینے سے کھڑا ہے۔اسے کندھے کے سہارے نہیں چاہیے ہیں۔''

''میرے دیئے عطیے پہ کھڑا ہے تمہارا قیسم۔ جس دن ہاتھ کھینچ لیا۔عمارت پہ لگے کانچ کے ٹکڑے چنتے نظر آؤ گے۔''آدھے عرب کی آنکھوں میں استہزاء تھا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہی کانچ کے ٹکڑوں کو میں تمہاری شہ رگ پہ پھیر دوں؟'' براق آگے آیا۔ قیس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا ۔

''گو کہ ابھی بھی تمہاری اس اڑی ہوئی رنگت کو دیکھنے اور آنکھیں سیکنے کا دل چاہ رہا ہے۔ لیکن۔'' ہر کا آنکھیں محظوظ انداز میں اٹھائیں۔''میرے پاس تمہاری ناکامیاں دیکھنے کے علاوہ بھی بہت کام ہیں۔''

''نہ میری رنگت اڑی ہوئی ہے۔نہ میں ناکام ہوا ہوں۔ میں حکمت عملی تیار کر رہا ہوں۔تم جیسے بے وقوف آدمی کے ساتھ وقت ضائع نہیں کر سکتا۔'' وہ آگے بڑھ گیا۔ براق اسے مسکراتے ہوئے جاتے دیکھتا رہا۔اسکے لب کوئی عربی غزل گنگنا رہے تھے۔

پارکنگ میں کھڑی سیاہ رینج روور میں بیٹھنے سے پہلے قیس کا موبائل بجنے لگا تھا۔گاڑی کی عقبی نشست پہ بیٹھتے ہوئے اس نے موبائل کان اور کندھے کے بیچ میں لگایا۔ہاتھ سے ڈرائیور کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا ہوا گر یہ مشتعل ملازمین تمہاری فیکٹری کو آگ لگا دیں؟'' واصف منیر کی آواز نے اسکے کانوں میں زہر گھولا۔ گاڑی چل رہی تھی۔

''ان ہزاروں افراد کے ہجوم میں کیا پتہ چلے گا؟ کس نے آگ لگائی؟ ہاں البتہ یہ ضرور ہو گا کہ اتنی بڑی فیکٹری کے جل جانے سے تمہارا کروڑوں کا نقصان ہو جائے،اور مزے کی بات یہ ہے کہ تمھارے پیچھے دعائیں اور سہارے دینے والے ہاتھ بھی نہیں ہیں۔''

ایک لمحے کے لئے قیس کی گرفت فون پہ ڈھیلی پڑی۔ اگلے پل اسکے تاثرات سپاٹ ہو گئے۔

''میرے پیچھے دعائیں ہوں یا ناں ہو بد دعاؤں کی ایک ریلی ہے۔ میں مہلت لے کر آیا شیطان ہوں۔ میرا زوال تمھارے بس کی بات نہیں۔ میرے حصے کی آگ ابھی ٹھنڈی ہے۔'' سامنے سے ہنکارہ بھرا گیا۔

''تمہارے لئے صور پھونکا جا چکا ہے، قیس۔ میں نے تم سے کہا تھا مجھ سے مت الجھنا۔ اب تم اس نری جہنم سے نکل کر دکھانا۔''

''جہنم میرے لئے نئی نہیں ہے۔'' جتاتے ہوئے کال کاٹ دی گئی۔ گاڑی اپنی رفتار سے اسلام آباد کی سڑکوں پہ دوڑ رہی تھی۔ فیصل آباد کی سب سے پہلی پرواز مختص ہو چکی تھی۔ قیس کے لئے ایک نیا مسئلہ تیار تھا۔

وہ اس وقت قیسم سے ایک روپیہ بھی کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے مارکیٹ سے قرض لے رکھا تھا۔ قیسم کی سب سے بڑی اور سب سے مہنگی کلیکشن اس وقت تکمیل کے مراحل میں تھی۔ اگر وہ ملازمین کی تنخواہ بڑھانے لگ گیا۔ پھر تو مکمل ہوا ہے یہ کلیکشن

۔

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ہر طرف شور تھا۔ نفرت تھی۔ اشتعال تھا۔ ہر شور میں قیس کے خلاف نعرے بلند ہوتے تھے۔ ہر نفرت میں بس وہی تھا۔ سارا اشتعال اس پہ نکالا جانا چاہتا تھا۔

آخر یہ ساری دنیا اس کے پیچھے کیوں پڑ گئی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کی نجی یونیورسٹی کے ذہنی صحت پہ مبنی سیمینار کا منظر کچھ یوں تھا۔ یونیورسٹی کے وسیع تاحد نگاہ پھیلے گراؤنڈ میں جا بجا طلباء تھے۔ جن کے لئے کرسیاں سجی تھیں۔ سفید پوش والی کرسیاں اور ان پہ بیٹھے بور ہوتے طالب علم۔ جہاں کرسیاں ختم ہوتی تھیں۔ وہیں سے چند زینے اوپر چبوترہ بنا تھا۔

اور اس چبوترے پہ کھڑا تھا وہ جسکا تمھیں کئی لمحوں سے انتظار تھا۔

سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر جینز جیکٹ پہنے، نیچے سیاہ سلیکس اور کلائی میں قیمتی گھڑی۔ بالوں کے اسپائکس اچھے سے سیٹ تھے۔ اسکی سبز آنکھیں لوگوں پہ جمی تھی۔ عام چہرے والا مرد کہہ رہا تھا۔

"مجھے یہاں ذہنی صحت پہ تقریر دینے کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں آئے دس سے زائد افراد آپ کو بتا چکے ہیں آپ نے اپنی ذہنی صحت کس طرح ٹھیک کروانی ہے۔" بھاری گمبھیر لہجے والا مرد ایک پل کو رکا۔

"یہاں آپ کو علاج بتایا گیا ہے۔ لیکن احتیاط کہاں ہے؟ ابتداء کہاں ہے؟ جانتے ہیں ذہنی صحت کب خراب ہونا شروع ہوتی ہے؟" سارے میں خاموشی تھی۔ لوگ اسے سن رہے تھے۔ دیکھ رہے تھے۔

"ذہنی صحت خراب ہونے کی شروعات آپ کی غلط سنگت سے ہوتی ہے۔" لوگ اچھنبے سے اسے دیکھ رہے تھے۔ مہدی نے اضافہ کیا۔

''ہم سب کے پاس دوست ہوتے ہیں۔ ہر مشکل ہر پریشانی اور ہر خوشی میں ہم انہی کے پاس جاتے ہیں۔ دوست ہی آپ کی ذہنی صحت خراب ہونے کے ذمہ دار ہیں۔'' کیا اسے حق تھا یوں دوستی جیسے رشتے کی تذلیل کرے؟

اسپاٹ لائٹ کی روشنی میں چبوترے پہ آگے سے پیچھے دائیں سے بائیں جاتے، کان میں لگے ننھے آلے کو سیٹ کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو میری بات سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن یقین کریں آپ کے دوست ہی وجہ ہیں۔ کہ آپ اوور تھنکنگ کر رہے ہیں۔ آپ ڈپریشن میں ہیں، آپ ایک زہریلے تعلق میں بندھے ہیں۔ جانتے ہیں کیسے؟''

مہدی نے ہاتھ میں پکڑا مائیک عوام کی طرف گھمایا۔ آوازیں بھنبھناہٹ کی صورت اس کے کانوں میں پڑنے لگیں۔

مائیک کا رخ اس نے اپنی جانب کر لیا۔

''میں یہاں بچپن کے ٹراما، ڈپریشن یا پھر سٹریس کی بات نہیں کر رہا وہ مختلف چیز ہے ہم وہاں نہیں جا رہے۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔

''آپ کے دوست آپ سے اچھا مشورہ ڈیزرو کرتے ہیں جو کہ آپ نہیں دیتے۔ اور آپ کا دوست ایک غلط شخص کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ آپ کا دوست اپنی پرابلمیٹک فیملی کو ڈیل کرنے کے لئے آپ سے بات کرتا ہے۔ اور آپ کی عدم توجہی اسے اپنے گھر کا بدتمیز انسان بنا سکتی ہے۔ آپ سب کے پاس ایسے دوست ہوں گے ہے ناں؟'' مائیک کا رخ ایک بار پھر عوام کی طرف تھا۔ اداس، مظلوم

چہرے بنا کر تائید کی گئی۔ ہر ایک کو اسکا غم یاد آیا۔ ہر ایک کو اپنے دوستوں کی بے وفائی بری صلاح مشورہ یاد آیا۔ پچھلی دفع آوازیں بھنبھناہٹ تھیں۔ اس بار خود ترسی تھیں۔

''آپ سب کو اپنے اپنے غم یاد آ گئے ہیں ناں؟ کئی دوستوں نے آپ کو غلط مشورہ دیا ہو گا۔ کئی نے آپ کی مینٹل ہیلتھ کل مذاق لیا ہو گا۔ یعنی کے دوست ہی سارا مسئلہ ہوئے ہے ناں؟'' وہ چلتے ہوئے آیا اسٹیج کے سرے پہ پہنچ کر نیچے بیٹھ گیا۔ ٹانگیں اب اسٹیج سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ غور سے لوگوں کو دیکھا۔ اور صور پھونکنے جیسے الفاظ ادا کئے۔

''لیکن وہ دوست آپ بھی تو ہو سکتے ہیں؟'' موت کا سناٹا کیا ہوتا ہے۔ اگر تم اس ہال میں بیٹھے ہوتے تو معلوم ہو جاتا۔ طلباہ کے رنگ واضح طور پہ سفید پڑے تھے۔

''آپ نے بھی تو غلط مشورے دیئے ہوں گے۔ آپ نے بھی کئی دوستوں کا مذاق اڑایا ہو گا۔ آپ کے خیال میں آپ نے بس مذاق کیا ہے لیکن ذہنی صحت مذاق نہیں ہوتی۔'' لوگ سن ہوئے اسے سن رہے تھے۔ وہ باتوں کو گھما کر کب آپ کے اوپر لے آئے پتہ کہاں چلتا تھا۔

''یہ زمانہ دوستوں کا ہے، مسائل کا ہے، اور خراب ہوتی ذہنی صحت کا ہے۔ سارے مسائل ساری خوشیاں بس دوستوں سے بانٹی ہوتی ہیں ایسا ہی ہے ناں؟'' اسپاٹ لائٹ میں نظر آتا شخص پوچھ رہا تھا۔ لوگ متفق تھے۔

''آپ کو چاہیے کہ اپنے مشورے مثبت رکھیں۔ دوستوں کا بریک اپ، گھریلو مسائل۔ ٹوٹی شادی، برا اکیڈمک ریکارڈ یہ آپ کے ہنسنے یا ہوا میں اڑا دینے والی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ سب ایک دن سیریس مسئلہ بن سکتے ہیں۔ خود پہ نظر ثانی کریں۔ اپنا رویہ بدلیں۔ کئی

بار آپ کہانی میں وکٹم نہیں ہوتے۔ بلکہ کئی لوگ آپ کے وکٹم ہوتے ہیں۔ایسے دوست نہ بنیں جن کے بارے میں کہا جائے، مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔۔''

لوگ قہقہہ مار کر ہنسے تھے۔ کئی لوگوں کو شرمندگی ہوئی تھی۔ کئی کو اپنے وکٹمز یاد آئے۔چبوترے پہ بیٹھا شخص اب بھی بول رہا تھا ۔

''کئی لوگوں کو لگتا ہے سارا ظلم انکے ساتھ ہوا ہے۔ کہ انہیں کبھی اچھا دوست نہیں مل سکا۔ جیسے قصے کہانیوں میں ہوتے ہیں۔ انکے لئے میں سب سے پہلے یہی کہوں گا۔اپنا دائرہ بدلیں۔ٹاکسک لوگوں سے باہر نکل آئیں آپ کے لئے اس اربوں کی آبادی میں دوست پیدا ہو ہی جائیں گے۔ خود کو بے مول کر کے اگر آپ چاہیں گے کہ کوئی آسمان سے اتر کر آئے گا۔اور آپ کو ان ٹاکسک دوستیوں سے نکال لے گا۔تو آپ غلط ہیں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دائرہ نما لائٹ اسکے پیچھے پیچھے تھی۔ ''اگر کوئی اور آپ کے لیے اچھا دوست نہیں بن رہا تو آپ کسی کے لئے ویسے بن جائیں۔سب کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی تھی۔''مہدی مسکرایا۔

''کیوں کیا ہوا؟ خود کو اچھا بنانے کی بات پہ منہ بن گئے ؟ یاد رکھیں جو جیسا ہوتا ہے اسے ویسے ہی لوگ ملتے ہیں۔ آپ اگر اس ساری دنیا میں کسی ایک شخص کے لئے برے دوست ہیں۔ تو آپ کے لئے بھی برے دوست رہیں گے۔ ناقدری کریں گے۔ تو ناقدر کئے جائیں گے۔ برے مشورے دیں گے، تو آپ کو بھی برے مشورے دیئے جائیں گے، قربانیاں نہیں دیں گے، تو آپ کے لئے بھی قربانی نہیں دی جائے گی۔''

تالیاں پیٹی گئیں۔ سراہا گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے ستائش کے درمیان گھرا کھڑا تھا۔ لوگ اسکا کمفرٹ تھے۔ لوگ اسکا دائرہ تھے۔ لوگ ہی اسکا علاج تھے۔

''اگر اچھا دوست چاہیے۔ تو سب سے پہلے آپ اچھے بنیں۔ قربانیاں چاہیے تو قربانی دینے والے بنیں۔ اپنے غم اپنی تکالیف پہ اچھے مشورے چاہیے تو دوسروں کے غموں کو غور سے سننا سیکھو۔ یاد رکھیں کوئی آسمان سے اتر کر، یا پھر دیو مالائی کہانیوں سے نکل کر آپ کا ہاتھ تھام کر آپ کو ایک برے دائرے سے نہیں نکالے گا۔ اپنے سب سے اچھے دوست آپ خود ہوتے ہیں۔'' چند مزید باتوں کے بعد اب وہ تمام لوگوں کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

چبوترے سے پلٹنے کے بعد اسے ایک فون کال موصول ہوئی تھی۔ جیکٹ کندھوں پہ ڈالے سیکورٹی کے درمیان وہ نکلتا جا رہا تھا۔ باؤنسرز اسے لوگوں کے ہجوم سے بچائے ہوئے تھے۔ لیکن موصول ہونے والی کال نے اسکے اوسان خطا کر دیے تھے۔ وہ شور سے بچتے بچاتے باہر نکل رہا تھا۔

قیسم ڈھے رہا تھا۔ وہ بس ایک عمارت ایک فیشن ہاؤس نہیں تھا۔ قیسم کمبیر خاندان کی میراث تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

لوگوں کے جم غفیر سے بھری سڑک پہ بھانت بھانت کی بولیاں کانوں میں پڑتی تھیں۔ ٹائر جلاتے نعرے بازیاں کرتے۔ اشتعال اور بھڑکائی گئی نفرت کے پوسٹر اٹھائے قیسم کے ملازمین اس وقت فیصل آباد کی سب سے بڑی شاہراہ پہ دھرنا دے رہے تھے۔ ان

لوگوں کے منہ میں زبانیں دینے والا براق حنیف تھا۔ان لوگوں کی ٹانگوں کو کھڑے ہونے کی سکت دینے والا واصف منیر تھا۔اور ان لوگوں کے لئے وقت کا فرعون بننے والا قیس کمبیر ہو گا۔

لمبی شاہراہ کے اختتام پہ سیاہ رینج روور آکر کھڑی ہوئی تھی۔تار کول کی سیاہ سڑک پہ ایک چمک دار بوٹ دھر ا گیا۔بوٹ سے نظر اٹھا کر اوپر دیکھو سفید ڈریس شرٹ اور سیاہ ویسٹ کوٹ میں ملبوس گھنگریالے بالوں والا مرد آنکھوں میں سنجیدگی لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اشتعال زدہ لوگوں کے قریب۔ نفرت کی بھڑکائی آگ کو چھو کر سرد کر دینے۔کیمروں کا رخ اسکی جانب ہوا تھا۔

اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں بیٹھے براق حنیف نے ڈھیر سارے پاپ کارن مزے سے منہ میں ڈالے۔ٹی وی کی آواز بڑھا دی۔ آج شیطان کو ایک بار پھر عرش سے پھینکا جائے گا۔

مشتعل لوگ غصے اور نفرت سے اسے اپنے قریب آتے دیکھ رہے تھے۔ سڑک کے اطراف میں ٹائر جل رہے تھے۔ بھڑکتی آگ ۔سیاہ دھواں۔ جلتے شعلے۔اور ان سب کے درمیان وہ سیاہ آنکھوں والا مرد۔

اپنے باپ کے پر تعیش آفس میں بیٹھا واصف منیر دیوار گیر ٹی وی پہ فیصل آباد کی شاہراہ کا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔اسکے دونوں بھائی اسکے ساتھ بیٹھے تھے اور اسکا اونچی اوقات اور ساکھ رکھنے والا باپ گردن تفاخر سے اکڑائے بیٹھا تھا۔آج کی قیامت میں اس فرعون کو غرق ہونا تھا۔وہ اس منظر کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔

سڑک پہ چلتے اسکے قدموں کے ساتھ کوئی اور قدم تھے جو ہم قدم ہوئے تھے۔سیاہ اونچی ہیلز کھلا سرخ ٹراؤزر اور اسکے اوپر سیاہ ٹاپ پہنے۔ماہ جبین مختار، قیس کے ہمقدم ہوئی تھی۔ قیس نے گردن ترچھی کئے مسکرا کر اسے دیکھا۔وہ بھی جواباً مسکرائی تھی۔

''ہیلو بیوٹی۔'' قیس نے سرگوشی کی۔

''ہیلو ہینڈسم۔'' وہ چہکی تھی۔

بیضوی چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ بھرے بھرے ہونٹ اور پتلی ناک والی عورت کے چہرے پہ رعونت تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ اور اپنے باپ کے آفس میں بیٹھے دونوں مردوں کی رنگت واضح طور پہ فق ہوئی تھی۔ براق اچھل کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہ فتنہ عورت یہاں کیا کر رہی تھی؟

پولیس اہلکاروں کی معیت میں قدم اٹھاتے اس مرد اور عورت نے اپنے ٹھہراؤ کا فیصلہ کیا۔ سڑک کے بیچ و بیچ ایک جلتی ہوئی گاڑی کے سامنے۔ اٹھتے ہوئے دھوئیں کے درمیان۔ اور جلتے ہوئے شعلوں کی بازگشت میں۔

''میں، ماہ جبین مختار یہاں آپ کا مسئلہ حل کرنے آئی ہوں۔ میں یہاں آپ کی صلح جو بن کر آئی ہوں۔'' اسکی آواز بلند تھی۔ پھر بھی اسے ایک بڑا سا مائیک دیا گیا۔

اپنے باپ کے آفس میں بیٹھا واصف منیر اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اسکا چہرہ غیر یقینی حد تک سفید پڑ رہا تھا۔ بازی یوں پلٹ جائے گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

(''کیا ہوا واصف کون ہے یہ عورت؟'' اسکا ایک بھائی حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔ باقی ساکت ہو گئے تھے۔ وہ جانتے تھے یہ کون ہے۔

''پاکستان کے سب سے بڑے صنعت کار کی بیٹی۔ وہ آدمی ٹیکسٹائل انڈسٹری کا بادشاہ ہے۔'' واصف کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔

""توڑنے کی کیا بات ہے؟""

""ٹیکسٹائل انڈسٹری ایک کور ہے۔ وہ انڈر ورلڈ کا بادشاہ ہے۔ اور اسکی سگی بیٹی اپنے باپ کے بے حد قریب ہے۔ یہ لوگ نہیں ہیں زمینی شیطان ہیں۔""

بازی اس طرح پلٹ جائے گی اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔)

""نسل در نسل ہمارا کاروبار چلا آرہا ہے۔ کپڑا ہم سے ہے اور ہم کپڑے سے۔"" وہ گردن اٹھائے کہہ رہی تھی۔ ""آپ سب کی تنخواہ، ماہانہ الاؤنس اور بونس یہ سب قیس نے میرے اور بابا کے باہمی مشورے کے بعد طے کیا تھا۔ کیا آپ کو واقعی اس پہ اعتراض ہے؟"" وہ گویا خفا ہوئی۔

مجمع دم سادھے اسے سن رہا تھا۔ اسکے یہاں ہونے کی توقع تو فرشتوں نے بھی نہیں کی ہوگی۔

(""سارا ملک جانتا ہے انکی فیکٹریوں میں ظلم و بربریت کی کیسی داستان رقم کی جاتی ہے۔ زیادہ تنخواہ، بونس یا الاؤنس مانگنے پہ ملازمین کی چمڑی تک ادھیڑ دی جاتی ہے۔ سیاسی پارٹیز کو فنڈ کرتے ہیں یہ۔ ہر آنے والی حکومت میں انکے لوگ ہوتے ہیں۔ زبانیں بند کرنا اور کھڑی ہوتی ٹانگیں کاٹنا انکو خوب آتا ہے۔"" واصف منیر سخت مضطرب تھا۔)

""ہمارے تمام سینئرز اور باقی صنعت کاروں کے باہمی مشوروں اور آپ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی اجرت طے کی جاتی ہے۔ گو کہ آپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اگر آپ قیس کے خلاف جانا چاہتے ہیں۔"" وہ رکی نرم نظروں سے قیس کو دیکھا۔ پھر مجمعے کو۔

''پھر میرے دوست کے عقب میں، میں کھڑی ہوں۔'' یہ سمجھداروں کے لئے اشارہ تھا۔اور باغیوں کے لئے دھمکی۔

''آپ سب کو بونس دیئے جائیں گے۔ لیکن آپ کی ضرورت اور قیسم کی استطاعت کے حساب سے۔''

(واصف منیر نچڑی ہوئی رنگت کے ساتھ یہاں سے وہاں چکر لگ رہا تھا۔اسے کسی پل چین نہیں آتا تھا۔

''یہ عورت سرِ راہ کھڑے ہو کر ہمیں دھمکا رہی ہے۔ہم کچھ نہیں کر سکتے۔سب برباد ہو گیا۔سب ختم ہو گیا۔وہ بتا رہی ہے کہ قیس کے پیچھے کون ہے۔وہ مجھے بتا رہی ہے۔وہ براق حنیف کو بھی بتا رہی ہے۔بابا مجھے بتائیں میں کیا کروں؟''اس نے مٹھی میں پکڑ کر اپنے بال نوچ لئے تھے۔

عنایت منیر ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''زندگی ہے تو کمپنی ہے۔ساکھ ہے۔یہ عورت چاہے تو ابھی تمہاری جان لے لے۔اور میں اپنا بیٹا ایک بے کار کمپنی کے چکر میں نہیں کھو سکتا۔'' یہ باپ کی محبت نہیں تھی۔یہ باپ کی دھمکی تھی۔)

مائیک اب قیس کے ہاتھ میں تھا۔اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔چہرہ سپاٹ۔

''میں نے آپ لوگوں کی ضروریات پوری کیں۔'' قیس کہہ رہا تھا۔''میں نے آپ لوگوں کو کوارٹر فراہم کئے۔میں نے آپ کی تنخواہ آپ کے کنبے کے حساب سے مقرر کی۔لیکن۔'' وہ رکا۔لوگ سہم کر اسے دیکھے گئے۔

''لیکن آج سے قیسم ٹیکسٹائل کا فنانس ڈپارٹمنٹ جبین ٹیکسٹائل کے سپرد ہو گا۔ایک تربیت یافتہ ٹیم اب قیسم کے لئے کام کرے گی۔آپ کو لگتا ہے میں نے آپ کے حق میں کوتاہی کی ہے؟میں حرجانہ ادا کر رہا ہوں۔''اعلان تھا کہ صور تھا۔لوگوں کے کانوں سے ان دیکھا خون رسنے لگا۔وہ جانتے تھے جبین ٹیکسٹائل بونس اور الاؤنس تو کیا اجرت بھی پوری نہیں دیتے۔

لاکھوں لوگوں نے براق حنیف کو اجتماعی بددعائیں دی تھیں۔پولیس افسر اب مجمع ہٹا رہے تھے۔پولیس کا بس نام تھا۔اصل مجمع ماہ جبین کے گارڈز کو دیکھتے ہوئے ہٹ رہا تھا۔قیس گردن اونچی کیے کھڑا تھا۔

قیسم کی بنیادیں آج مزید مضبوط ہو چکی تھیں۔

(اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں براق حنیف جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہا تھا۔میز پہ رکھے لیپ ٹاپ پہ ویڈیو کال چل رہی تھی۔واصف منیر سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ عورت وہاں کیا کر رہی ہے براق حنیف؟''ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔براق نے جواب نہیں دیا۔اسے بی قیو پراجیکٹ ڈوبتا نظر آ رہا تھا۔

''وہ جاہل عورت اتنا بڑا قدم کیوں اٹھا رہی ہے؟وہ مجھے کھلم کھلا چیلنج دے رہی ہے۔کیوں کیوں؟کیوں کر رہی ہے وہ ایسا؟''

''کیا اسکے اس اقدام کے پیچھے صرف اسکا''عورت''ہونا کافی نہیں ہے؟''براق پھنکارہ۔

''ایک fashion freak عورت ایک fashion enthusiast عورت۔واللہ میں نے عورتوں سے زیادہ بے وقوف مخلوق اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔''براق نے تبصرہ کیا۔

''اور میں نے عورتوں سے زیادہ logic less مخلوق اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔'' واصف منیر کا ہارا ہوا تبصرہ۔ اسکی زندگی برباد ہو چکی تھی۔

''اگر وہ میری گرل فرینڈ ہوتی تو اسے مارگلہ ہلز پہ سرعام پھانسی لگاتا اور۔۔۔۔'' باقی کی آوازیں واصف منیر تک نہیں پہنچ سکیں۔ اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین گرادی تھی۔ وہ اس جنگ کو پہلی ہی کوشش میں ہار چکا تھا۔)

وہ اپنی گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا۔ گردن اونچی کئے چال میں اعتماد لئے۔ اسکی اونچی گردن بتاتی تھی وہ اونچائیوں کے لئے بنا ہے۔ اسکی چال کا اعتماد بتا رہا تھا۔ اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی پلٹ رہا تھا۔ اسکے لئے لگائی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے عرش سے نہیں پھینکا گیا۔ اسکے لئے بجایا گیا صور کچھ وقت کے لئے رک گیا۔

وہ صحیح کہتا تھا۔ قیس مہلت لے کر آیا شیطان ہے۔ لیکن مہلتیں بلاخر ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ اور پھر کیا ہوتا ہے؟



صحن کے پچھلے حصے میں رکھی چارپائی ویسی ہی تھی۔ ہمسایہ گھر کی دیوار سے جھانکتی درخت کی شاخ اور زمین پہ دوزانو بیٹھا کتا بھی ویسا ہی تھا۔ کچھ بدلا تھا تو زینیا حاکم کا ظاہری حلیہ۔ زرد جوڑا، ہاتھوں پہ گہری مہندی۔ بال کھول چھوڑے تھے۔ دوپٹہ سر پہ ٹکا تھا۔ وہ اپنے مایوں کے کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر زمین پہ بیٹھی تھی۔ مہندی لگے ہاتھوں سے روٹی اس کتے کے آگے ڈالتی۔ اسکی نظریں کہیں دور تھیں۔ کہیں ماضی میں کہیں مستقبل میں۔ قدموں کی چاپ پہ بھی اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس بیٹھے بیٹھے ہاتھ اونچا کر کے ہتھیلی پھیلا دی۔ کونج نے روٹی اسکے ہاتھ پہ رکھی۔

''تم نے اسے بگاڑا ہوا ہے، زینی۔'' وہ خفا ہوئی۔ ''یہ بلکل بھک منگا ہو گیا ہے۔ بندہ محنت مزدوری کر کے کھائے۔ کسی کچرے دان میں منہ مارے۔ کسی کا بچا کچھا کھائے۔ لیکن نہیں یہ ہڈ حرام روز یہاں آجاتا ہے۔'' زینیا نے سر نہیں اٹھایا۔ کونج کو کوفت ہونے لگی۔

''یار اندر چلو، زینی۔ مایوں کی دلہن ہو تم۔ اس طرح باہر نہیں بیٹھتے چھلہ ہوتا ہے۔'' اس نے ایک کلستی نظر اپنی بڑی عرف ڈھیٹ بہن پہ ڈالی۔

''ابٹن کی خوشبو پہ جن بھوت چمٹ جاتے ہیں۔'' اس نے ایک آخری سی کوشش کی۔ ''آخر تمھیں کتوں سے اتنی محبت کیوں ہے؟'' وہ پھٹ پڑی۔ اور اسی لمحے زینیا حاکم نے نظریں اٹھا کر اپنی بہن کو دیکھا۔ چھوٹی سنہری آنکھیں جن میں سرد تاثر تھا۔

''مجھے کتوں سے نفرت ہے۔'' اسکے لہجے میں کچھ تھا کہ کونج نے بے اختیار قدم پیچھے کو موڑے۔ اسکی سر پھری بہن جو مرضی کرے اسے یہاں سے جانا چاہئے۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کتنے پل بیتے۔ کتنی گھڑیاں گزریں۔ کچھ علم نہ ہوا۔ کافی دیر بعد زینیا کی ہلکی آواز کانوں میں سنائی پڑتی تھی۔

''تم جانتے ہو۔ میں یہ شادی کیوں کر رہی ہوں؟ عبداللہ کے لئے تو میں ساری زندگی انتظار کر سکتی ہوں۔ لیکن پھر کیوں مجھ جیسی ڈھیٹ بالاج کے لئے مان گئی؟'' گھٹنے سینے سے لگائے چہرہ گرائے وہ اس سے پوچھ رہی تھی جو جواب نہیں دے سکتا تھا۔

''بشر کو لگتا ہے میں اپنا مستقبل سنوار رہی ہوں۔ کونج کو لگتا ہے میں انتقام لے رہی ہوں۔ بالاج کو لگتا ہے وہ میرا سہارا ہے۔ لیکن اصل بات پتہ ہے کیا؟'' وہ ایک لمحے کو رکی۔ گوادر کے ساحل سے پلٹتی ہوا بھی رک گئی۔

''میں سب کچھ ابا کے لئے کر رہی ہوں۔''اس نے دھیرے سے راز کہہ سنایا۔''میں چاہتی ہوں ابا مجھ سے خوش ہو جائیں۔ ساری زندگی انکی محبت کی نظر کے لئے ترسی ہوں۔ ایک بار صرف ایک بار انکو خود سے راضی ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اسکی آنکھیں جل رہی تھیں۔ اعتراف آسان نہیں ہوا کرتے۔

''ابا مجھ سے کبھی خوش نہیں ہوتے۔'' وہ ایک پل کو رکی۔ حلق میں گرہیں لگیں۔''کیوں نہیں ہوتے؟'' بے بس سا استسفار۔

(یہ حاکم نواب کے بھائیوں کے انکے گھر سے جانے کے کچھ دیر بعد کا منظر ہے۔ صحن میں کھڑے حاکم نواب بری طرح چیخ رہے تھے۔ اور انکے سامنے مجرم بنی کھڑی تھی۔ زینیا حاکم۔

''جب میرے ابا نے تمھیں تحفے کے طور پہ رقم دی تو تم نے انکار کیوں کیا؟'' وہ پوری قوت سے دھاڑے۔

زینیا نے خالی خالی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''میں اس آدمی سے پیسے نہیں لے سکتی تھی۔ جس نے میرے باپ کو اس وقت گھر سے نکالا جب اسکے جیب میں ایک سکہ تک نہیں تھا۔'' وہ بس سوچ سکی تھی۔ بولی تو بس اتنا۔

''میرے لئے آپ کے دیئے پیسے بہت تھے۔''اسکا باپ اب مزید تیز آواز میں چلانے لگا تھا۔ زینیا یاسیت سے انہیں دیکھے گئی۔ کاش یہ لہجہ اسکے لئے نرم ہوتا۔)

''تمھیں پتہ ہے میں پیرنٹس کے معملے میں لکی نہیں ہوں۔''اسکی آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل کر چہرے پہ پھسل رہے تھے۔

''ابا کو کبھی مجھ سے محبت نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے ہمیشہ مجھے وہ اولاد سمجھا جس نے اماں کے خاندان جانا تھا۔ یا شاید انکو مجھ سے محبت ہو بھی ظاہر ہے ہو گی۔ میں ان کی اولاد ہوں۔'' وہ خود ہی اندازے لگاتی خود ہی مسترد کرتی۔

''ابا اور میرے درمیان بس کچھ فاصلے ہیں۔ اور میں چاہ کر بھی انکو پر نہیں کروں گی۔ ابا کو پرواہ نہیں ہے۔ اور میں ٹھہری ڈھیٹ۔''

نیم اندھیری رات میں یوں زرد جوڑے میں ملبوس دلہن کوئی نیم دیوانی لگتی تھی۔

''تم جانتے ہو میری اماں کے بڑے دوہرے میعار ہیں۔ پہلے کہتی تھیں عبداللہ کا انتظار کرو۔ اب کہتی ہیں بالاج سے محبت کر لو۔ کیا میں کوئی کھلونا ہوں؟''

(زرد جوڑے والی لڑکی اپنی ماں کی گود میں لیٹی تھی۔ بھرے بھرے گالوں اور بیچ کی مانگ نکالے ہوئے اسکی ماں دنیا کی سب سے حسین عورت لگتی تھیں۔ ماؤں سے زیادہ حسین کوئی ہوا ہے؟

''اب تمہاری شادی ہو رہی ہے، زینی۔ بالاج کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنا۔ معافی مانگنے میں ہمیشہ پہل کرنا شوہر کی عزت کو ہر چیز سے مقدم سمجھنا۔ اسکی خدمت کرنا۔ اور صبر کرنا۔''

''میں تو صبر کر لوں گی اماں۔ اگر بالاج نے نہ کیا تو؟''

اماں چند پل خاموش رہیں۔ ''اسکے حصے کا صبر بھی تم کر لینا۔ گھر چلانے کے لئے عورتوں کو صبر اور قربانی سے کام لینا ہوتا ہے۔ بس شروع شروع میں مشکلات ہوتی ہیں بعد میں سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' زینیا نے کروٹ بدلی اب وہ چت لیٹی تھی۔ اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی۔

''عورت فطرتاً بے صبری ہوتی ہے، اماں۔ مرد کے مقابلے اسکی برداشت تھوڑی کم ہوتی ہے۔ جانتی ہیں اصل صبر کسے کرنا ہوتا ہے؟'' اماں نے نا سمجھی سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

''اصل صبر مرد کرتا ہے اماں۔ کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہے تو صبر کرے۔ بیوی کو نرمی یا غصے سے سمجھائے لیکن خاندان کے سامنے نہیں۔۔ بچے برے نمبر زلائیں، لڑ جھگڑ کر آئیں۔ یا پھر بیوی سے کسی قسم کی کوئی سنگین غلطی ہو۔ اگر وہ صبر کر لے تو گھر چل جائے گا۔ مرد افضل ہے۔ اسکے حصے میں صبر کا بڑا نوالا آتا ہے۔'' وہ ایک پل کو رکی۔ پلکیں جھپکا کر اپنی ماں کو دیکھا۔ جو ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کہتی ہیں چند سال بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کچھ ٹھیک نہیں ہوتا اماں۔ بس شوہر بیوی کی بدزبانی کا عادی ہو جاتا ہے۔ بیوی اپنے سسرال کے طعنوں اور شوہر کی مار کی عادی ہو جاتی ہے۔ یا پھر بچے کی صورت ایک طوق گلے میں لٹک جاتا ہے۔ ایک بری شادی دس سال بعد بھی اتنی ہی بری رہتی ہے۔ جتنی پہلے دن۔''

''پھر کیا چاہتی ہو تم؟ ہر عورت خلع لے لے؟ ہر مرد تین لفظ کہہ دے؟'' اماں کو برا ہی تو لگا تھا۔ زینیا نے تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔

''میں واقعی نہیں جانتی اماں۔ اس پائنٹ پہ کیا کرنا چاہئے۔ شاید اچھے بخت کی دعا۔'')

''تم کتنے ڈھیٹ ہو ناں؟ بلکل میری طرح۔'' وہ ہنس دی۔ ''تمھیں کیا لگتا ہے مجھے تم سے محبت ہے؟'' سیاہ کتے نے روٹی تک جاتا منہ روک لیا۔ اسے باتیں سمجھ آتی تھیں۔ زینیا آنکھوں میں سفا کی لئے کہہ رہی تھی۔

''تم میرا گلٹی پلیژر ہو۔ تم میرا ایزورژن ہو۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم زینیا ہو اور میں ابا۔ جتنا دھتکارو، گالیاں دو، ذلیل کرو۔ لیکن اینڈ آف دی ڈے تم میرے پاس آجاتے ہو۔ جیسے میں ابا کے پاس۔'' اسکی آواز سرگوشی جتنی ہلکی تھی۔ لیکن سماعتیں چیرنے جتنی بلند بھی۔

''مجھے تم سے نفرت ہے۔ بے تحاشا نفرت۔'' وہ پھنکاری۔ سیاہ کتا بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اسکے علاوہ کیا کر سکتا تھا؟

''میں کتنی دکھی ہوں جانتے ہو؟ میرے پاس کتنے غم ہیں ہیں جانتے ہو؟ لیکن پھر بھی،۔۔۔۔'' اسکے سارے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے تھے۔ سیاہ کتا آگے بڑھ کر اسکے گھٹنے سے ماتھا رگڑنے لگا تھا۔ زینیا جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھی۔ وہ ششدر رہ گئی، اپنی جگہ ساکت جامد۔

وہ اسے پرسہ دے رہا تھا؟ وہ جانور وہ۔۔۔ وہ باتیں سمجھ رہا تھا؟۔۔۔۔ کیا وہ آنسو سمجھ رہا تھا؟ ایک پل کے لئے زینیا سانس نہیں لے سکی۔

اور پھر سختی سے اسے دھکا دے کے خود سے دور ہٹایا۔ سیاہ کتا سہم گیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اسے دیکھے گیا یوں لگتا تھا وہ اپنی مالکن کے غم میں غمگیں تھا۔ زینیا تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے جا رہی تھی۔ آنکھیں اب تک بے یقین تھیں، چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ اور دل، دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

زینیا نے کبھی دوست نہیں بنائے۔ لیکن کیا ہوا اگر کوئی زینیا سے دوستی کرنا چاہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل پہ پہ اتری رات گہری تھی۔ مہدی کمبیر کا نیلی روشنیوں والا کمرہ آج ''آکورڈ'' تھا۔ زمین کی جانب جھکے ہوئے بیڈ پہ قیس آڑھا تر چھا لیٹا تھا۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے کے قریب ایک پلیٹ رکھی تھی۔ جس میں کٹے ہوئے سیب تھے۔ وہ بتیس سال کر مرد بے ترتیب حلیے اور انداز میں لیٹا سیب کی قاش منہ میں ڈال رہا تھا۔ ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا۔

''جو زر مانگو تو بے زر ہوں، جو سر مانگو تو حاضر ہوں

ارے لوگوں تمہارا کیا، میں جانوں میرا خدا جانے۔''

اسکے برعکس چھبیس سالہ مہدی بے چینی سے دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ تفکر تھا۔

''یہ کیا کیا ہے، قیس؟ مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ آخر یہ کیا بکواس ہے؟'' مہدی دبے دبے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''براق حنیف ،واصف منیر اور اب یہ کارخانے کے ملازمین؟ کیوں تم نے ساری دنیا اپنے خلاف کرلی ہے؟'' قیس سکون سے لیٹا رہا۔ سیب کی ایک قاش منہ میں رکھی۔

''میں جانوں میرا خدا جانے۔'' وہ پورے سر کے ساتھ گنگنایا۔ ساتھ ہاتھ لہرا لہرا کر گویا سر کے مزے لئے ہوں۔

''قیس میرا دماغ مت خراب کرو۔'' مہدی جھنجھلایا۔

''میں نے ساری دنیا اپنے خلاف نہیں کی۔ میں نے ساری دنیا کو بتایا ہے میرے خلاف جانے سے کیا ہوگا۔'' وہ مزے سے بولا۔

''ذرا روشنی ڈالنا پسند کروگے اپنے سیاہ کرناموں پہ؟'' مہدی نے چبا چبا کر پوچھا۔

''ایک لمبے عرصے سے فیکٹریوں کے مزدور میرے خلاف جانا چاہتے تھے۔ میں نے انکی آنکھوں میں بغاوت دیکھی تھی۔ ایک لمبا عرصہ میں نے حکمت عملی تیار کی ہے۔''

''تم ذرا سی تنخواہ بڑھا کر انکا منہ بند کر سکتے تھے۔'' مہدی نے ملامت کی۔ قیس اٹھ بیٹھا۔ پلیٹ اپنی گود میں رکھ لی۔

''غریب کے منہ میں ایک نوالا ڈالو تو اسے اگلے نوالے کا انتظار رہتا ہے۔ غریب کا منہ اتنی جلدی بند نہیں ہوتا۔'' اس نے تبصرہ کیا۔ ''میں لمبے وقت سے انکے اندر بھرتا ہوا زہر دیکھ رہا تھا۔ اور پھر میں نے تریاق بنایا۔''

مہدی نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اسے دیکھا۔ ''اور کیا ہے تمہارا فضول تریاق؟ جبین ٹیکسٹائل کے ساتھ فنانس میں شراکت؟ مت بھولو فنانس میرا ابھی ڈیپارٹمنٹ ہے۔ مت بھولو قیسم کا آخری 'م' میرے نام کا پہلا حرف ہے۔'' تیز تیز بولتے وہ ایک پل کو رکا۔ قیس یونہی پر سکون بیٹھا رہا۔

''کیا ہے تمہارا پلان؟'' ایک تھکا ہارا استفسار۔

قیس مسکرایا۔ ''جبین ٹیکسٹائل تنخواہ اور بونس کے معملے میں ملک کی بدنام ترین ٹیکسٹائل ہے۔ جب میری ڈھیر ساری فیکٹریوں کے ڈھیر سارے ورکرز کو پتہ چلے گا کہ آج سے انکا نان نفقہ جبین ٹیکسٹائل سے آئے گا۔ تو دو کام ہوں گے۔'' اس نے سیب کی قاش ہوا میں بلند کی۔ ''لوگ نوکریاں چھوڑ دیں گے۔'' قاش پلیٹ میں واپس رکھی۔ ''اور دوسرا۔'' ایک اور قاش انگلیوں کے درمیان اٹھالی۔ ''لوگ نوکری نہیں چھوڑیں گے۔ لوگ اسی پرانی تنخواہ اور الاؤنسز کے ساتھ رہیں گے۔ اور میں لکھ کر دے سکتا ہوں۔ کوئی پہلے والے راستے پہ نہیں جائے گا۔ ملک کی بڑھتی غربت

یو نو۔" اس نے تاسف سے کندھے اچکائے۔

"قیسم کتنے لوگوں کا پیٹ بھر رہا ہے۔ آہ اللہ میں آپ کا فیورٹ ہوں ناں؟" اس نے چہرہ چھت کی جانب اٹھا کر سوال کیا تھا۔

مہدی نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے آیا۔ بیڈ کی پائنتی کے بلکل قریب۔

"میں مان ہی نہیں سکتا اتنے بڑے قدم کے پیچھے تمہارا صرف یہی مکروہ عزم ہو۔ کوئی اور چال کوئی اور شیطانی ضرور ہو گی۔ ہے ناں میرے بھائی؟" آخری الفاظ میں تمسخر تھا۔ قیس نے ستائش سے ابرو اٹھائے۔

"تم مجھے کتنے اچھے سے جانتے ہو ناں؟ اور میں نے یونہی اتنے سال تم سے نفرت کی۔" اسے دکھ ہوا۔ مہدی نے طنزیہ سر جھٹکا۔" ظاہر ہے میں نے اتنا بڑا قدم کسی وجہ سے اٹھایا ہے۔ براق حنیف، واصف منیر اور کچھ اور لوگ ہیں جو میرے خلاف اٹھ رہے تھے۔ میں انکو جتا رہا تھا میرے خلاف جانے سے کیا ہو گا۔ یقین کرو انتقام تو کیا ان دونوں نے میرے سامنے آنے سے بھی ایک ہزار بار توبہ کی ہو گی۔" وہ محظوظ ہوا۔

مہدی سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا کچا چبا جانا چاہتا تھا۔

"اور تم نے اس سب کے لئے ایک عورت کا سہارا لیا؟ ایک misogynist آدمی ایک عورت کا سہارا لے کر چلے گا؟" یہ طنز تھا۔ اور یہ قیس کو چبھا بھی تھا۔

"یہ سہارا نہیں ڈیل ہے، مہدی کمبیر۔ میں نے اس عورت کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی۔ میں نے انہی اٹھے ہوئے کندھوں، پر اعتماد نظروں سے اسکے ساتھ ڈیل کی ہے۔ اور ویسے بھی مجھے ان عورتوں سے نفرت ہے۔ جنہوں نے اپنے اوپر fragile

stickers لگا رکھے ہیں۔ نہ کہ ماہ جبین مختار جیسی عورتوں سے۔، خیر مجھے اب جانا چاہیے۔" اس نے بستر سے پیر نیچے اتارے۔

کافی دنوں بعد اب قیس سکون کی نیند سوئے گا۔ دروازے کی جانب بڑھتے اسکے قدم سرشار تھے۔ ابھی وہ چوکھٹ پار نہ کر سکا تھا۔

جب مہدی نے اسے پکارا۔

"تم آج بھی سکون کی نیند نہیں سوگے ہے ناں؟" وہ تھم گیا۔ "تم عورتوں کے کپڑے ڈیزائن نہیں کرتے۔ تم ایک زن بیزار

آدمی ہو۔ قیسم کو بچانے کے لئے تم نے اپنے اصول بدلے ہیں۔ تم سکون سے کیسے سو سکتے ہو؟" اسے قیس سے ہمدردی ہوئی۔ لہجے

میں اسکے لئے تفکر تھا۔

"میں محل کا سب سے مضبوط ستون ہوں۔ کھڑے رہنا میری چوائس نہیں مجبوری ہے۔" خود ترسی سے پاک مضبوط لہجہ۔

"اس سے شادی مت کرنا، نائٹ میئر۔" وہ ملتجی ہوا۔ "پلیز اس سے شادی مت کرنا۔ کسی کے کہنے پہ نہیں۔ کسی کی منت مت ماننا

۔ کیونکہ میں اسے خود سے دور کر سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ نہیں دیکھ سکتا" قیس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"میں۔۔ میں کوشش کروں گا تمہارا دل نہ ٹوٹے۔"

اور پھر وہ چوکھٹ پار کر گیا۔ وہ جا رہا تھا۔ اور مہدی نے کئی لمحے اسکے راہداری میں اٹھتے قدم اپنے دل پہ پڑتے محسوس کئے۔ اسکے

گنگنانے کی مدھم سی آواز اب بھی آتی تھی۔

"ارے لوگوں تمہارا کیا۔۔۔۔۔ میں جانوں میرا خدا جانے۔۔۔۔۔"

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح گہما گہمی سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہوئی۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ رات نے اپنے آنے کی نوید سنائی تھی۔ حاکم نواب کے چھوٹے گھر میں کونج کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔ وہ گھر میں خیرات مانگنے آئی لڑکی سے بحث میں مصروف تھی۔ دروازے پہ لگے پردے کے ساتھ لگ کر کھڑی مفلس لڑکی کونج کو ترس سے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں مجھے یہ بتاؤ تم آخر آٹا مانگنے ہی کیوں آئی ہو؟'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا جوڑا، الجھی لٹیں اور بے زار چہرہ۔ خالی برتن کا بس صرف گھر میں کپڑا بیچنے آئی عورتوں اور خیرات مانگنے انے والی عورتوں پہ چلا کرتا تھا۔

''نہیں تم بتاؤ تمھیں کیا لگتا ہے؟ میرے بھائی کی اگر آٹے کی دکان ہے تو ہمارے پاس بہت پیسہ ہے؟ او بہن میں خود کچھ دنوں میں تمھارے جیسا بورا اٹھا کر گوادر کی گلیوں میں بھیک مانگتی نظر آؤں گی۔ مہنگائی یو نو۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ مفلس لڑکی اب کے جانے کو مڑی تھی جب کونج نے دس روپے کا نوٹ جو کہ ہتھیلی میں دبا رکھا تھا۔ نکال لیا۔ شاہانہ انداز میں نوٹ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے خود کو اصلی ملکہ برطانیہ محسوس کیا تھا۔

''کونج ادھر آؤ فورا۔''

زینیا کی گرجدار آواز آئی تو کونج کو اپنے سابقہ تمام گناہ یاد آنے لگے۔ اللہ جانے اسکی آدھی پاگل بہن کو اب کیا یاد آگیا۔ خیر زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا۔ وہ کندھے جھٹک کر اندر کی جانب بڑھنے آئی۔ کمرے میں تیسری جنگ عظیم کا منظر تھا۔ الماری کے سارے کپڑے باہر بیڈ پہ نکلے رکھے تھے۔ جوتے، میک اپ ہر چیز اپنی جگہ سے دیش نکالا کا پیام سن رہی تھی۔

زرد جوڑے میں ملبوس ڈھیلی چٹیا والی زینیا حاکم کی آنکھوں میں دباد باغصہ تھا۔ جسے وہ چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

''تم نے ہائی لائٹر کٹ کہاں رکھی ہے؟ وہ جو بشرا اسلام آباد سے لایا تھا۔'' اسکا لہجہ بلند نہیں تھا۔ تفشیشی بھی نہیں۔ خود پہ ضبط کئے وہ بس پوچھ رہی تھی۔

''تانیہ (**دوست**) کے بھائی کی شادی ہے۔ اس نے مانگا اور میں نے دے دیا۔'' ڈر جھجھک آج کچھ نہیں تھا۔ زینیا نے تھکی تھکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم لوگوں کو ناں کیوں نہیں کہتیں؟ اٹس سمپل۔''

''it's not that simple for me۔۔۔'' اس نے سادگی سے کندھے اچکائے۔

''لوگ تمہارا فائدہ اٹھائیں گے۔ تم کب تک استعمال ہوتی رہو گی؟، کب تک کسی کو یہ حق دو گی کہ وہ تمھارے ناں نہیں کہہ پانے کی وجہ سے تمہاری کمر پہ بوجھ ڈالتے جائیں؟'' خالص بڑی بہنوں والا لہجہ۔

کونج نے اپنی مڑی ہوئی پلکیں جھکا دیں۔ ''مجھے نہیں پتہ۔ مجھے واقعی نہیں پتہ۔''

زینیا اسے مزید کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن ان دونوں کو چھوڑ کر ہم اسلام جائیں گے۔ کمبیر محل کے لاؤنج میں مہدی کے ڈھیر سارے دوست اکٹھا ہو رکھے تھے۔ ایک صوفے پہ تین لڑکیاں، اور دوسرے پہ چار لڑکے۔ مہدی کے ہی ہم عمر۔ یا اس سے کم عمر۔ وہ غائب دماغی سے انکی باتیں سن رہا تھا۔ اسکے ہاتھوں کو سگریٹ پکڑنے کی طلب ہو رہی تھی۔ اسکے لبوں سے دھواں آزاد ہونا چاہتا تھا ۔ لیکن کم از کم مہدی کمبیر اتنا مینرڈ تو تھا ہی کہ لڑکیوں کے سامنے سگریٹ نہ پیتا۔

مہدی کمبیر کے نیلی روشنیوں والے کمرے میں کوئی داخل ہوا تھا۔سیاہ لمبا کافتان نما لباس۔چہرے پہ ماسک اور سر ڈھکا ہوا۔وہ بلی کی چال چلتا ہیولہ نما شخص کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

"گائز۔۔۔Exscuse me for a minute please "

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔کوئی برا نہیں مانا کسی نے وجہ نہیں پوچھی۔وہ مہدی کے دوست تھے اتنا تو جانتے ہی تھے۔ باہر جانے کی بجائے وہ گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔ساتھ ساتھ موبائل پہ کچھ تیز تیز ٹائپ بھی کر رہا تھا۔لاؤنج میں اب اسکے دوستوں نے اونچی آواز میں گانے لگا دیئے تھے۔پرانی فلموں کے کوئی گانے۔

کسی کی مسکراہٹوں پہ ہو نثار۔

سیاہ چغے میں ملبوس آدمی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کھول رہا تھا۔اسکے انداز میں مہارت کے ساتھ ساتھ جلدی بھی تھی۔بیڈ کے نیچے جھانکتے ہوئے۔الماری کے پٹ کھولتے ہوئے وہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے وہ ان رازوں کو پا لینا چاہتا تھا جو نہاں تھے۔

راہداریاں عبور کرتے ہوئے،گھر کے سفید ماربل پہ قدم رکھتے ہوئے مہدی مصروف لگتا تھا۔اسکا ہر بڑھتا قدم اپنے کمرے کی جانب تھا۔ڈینم جیکٹ کے اندر سے ڈنہل کا پیکٹ نکالتے ہوئے اس نے ایک سگریٹ باہر نکالا۔یکدم اسکے ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا۔بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال اسکے ذہن میں لپکا۔اس سے کچھ کھو گیا تھا۔اوہ خدایا وہ اسے کیسے کھو سکتا تھا؟اسکے دل میں جھکڑ سے چلنے لگے لبوں میں دبی سگریٹ اسے بھول بھال گئی۔

اس سے کچھ کھو گیا تھا۔ وہ کسی اور کو نہیں ملنا چاہیے کسی صورت نہیں۔

کسی کے واسطے ہو دل میں اپنے پیار۔

سارا کا سارا کمرہ چھان مار لیا۔ لیکن جو اسے چاہیے تھا وہ نہیں مل سکا ملتا بھی کیسے؟ عقاب جیسی آنکھیں سارے کمرے میں دوڑاتے ہوئے وہ شخص پریشان تھا۔ اسی لمحے اسکی نظر الماری کے کھلے پٹ پہ پڑی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا واپس الماری کی جانب آیا۔ کپڑے الٹ پلٹ کئے۔ اور یہاں اسے نظر آیا تھا ایک خفیہ لاکر۔ نقاب کے پار بھی صاف پتہ چل سکتا تھا اسے فتح مل چکی ہے۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر کوڈ لگانا چاہا عین اسی لمحے کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ چغے والا شخص بوکھلا کر الماری کی اوٹ میں ہو گیا۔

پریشان چہرے اور اڑی ہوئی رنگت والا مہدی کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اے سی کی ٹھنڈک سے یخ پڑتا کمرہ اسکے قدم برف کر رہا تھا۔ وہ آس پاس سے بے نیاز اپنے نجی انسٹا گرام اکاؤنٹ سے زینیا حاکم کو میسج کر رہا تھا۔ جواب ندارد۔ اس نے وائس نوٹ بھیجا۔ چند پل کا انتظار لیکن ایک بار پھر جواب ندارد۔ اب کے اس نے اپنے اوپر ایک ہزار مرتبہ لعنت بھیجتے ہوئے اسے کال ملالی تھی۔

ایک انسٹا گرام کال۔

زوں زوں کی آواز پہ تھر تھراتے موبائل نے زینیا حاکم کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔ کونج کو پڑتی پھٹکار ایک لمحے کو رک گئی۔ وہ دونوں جانتی تھیں۔ زینیا ایک کال پرسن نہیں۔

کوئی اسے کال کیوں کر رہا تھا؟ وہ جامنی الماریوں کو اپنی جگہ جامد چھوڑے موبائل کی جانب چلی آئی۔ انسٹا گرام پہ آتی کال۔ اکاؤنٹ کا نام دیکھ اسکا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں لیکن اس نے کال نہیں کاٹی بلکہ اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو؟''

کئی میلوں دور اڑتے بھاگتے ہوئے یہ آواز اسلام آباد میں بیٹھے مہدی کمبیر کے کانوں میں پڑی تو اسکے اندر ایسی تقویت اتری جسکا کوئی حساب نہیں تھا۔

''کال مت کاٹنا پلیز۔'' یہ وہ الفاظ تھے جو فون کان سے لگاتے ہوئے زینیا نے سنے۔ اسکے ابرو تفکر سے سکڑے۔ اپنے بیڈ پہ بیٹھے مہدی کی انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا۔ جلتا ہوا سگریٹ، چہرہ مضطرب تھا۔

''تمھیں یاد ہے جب ہم کوہ باطل کی طرف جا رہے تھے۔؟ ہم سب نے اپنے موبائل اور دوسرا سامان تمھارے بیگ میں رکھوایا تھا۔ تمھیں یاد ہے؟''

''مجھے سب یاد ہے کام کی بات کریں۔'' دو ٹوک لہجہ۔

مہدی نے سگریٹ والی انگلی سے کنپٹی کو مسلا۔ گلہ تر کیا۔ ''میرے والٹ کے ساتھ ایک یو ایس بی بھی تھی۔۔۔۔ وہ مجھ سے کھو گئی ہے۔ کیا وہ تمھارے پاس ہے؟'' اس نے جلدی جلدی الفاظ ادا کیے۔ ساتھ ساتھ کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ کہیں کوئی سن نہ لے۔ زینیا جواب دیئے بغیر وہ الماری کی طرف بڑھ آئی۔

''اس پن ڈرائیو میں میری بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ پلیز اگر وہ تمھارے پاس ہے تو بتاؤ۔'' الماری کے خانے سے سیاہ لیدر بیگ نکالتے ہوئے زینیا نے اسکی زپ کھولی۔ ہاتھ اندر ڈال کر باہر نکالا تو اسکے ہاتھ میں سیاہ پن ڈرائیو تھی۔ اسکی آنکھوں میں چمک در آئی۔ کونج اسے بے کار کام کرتے دیکھ کمرے سے نکل گئی تھی۔

''زینیا۔ کیا وہ تمھارے پاس ہے؟'' وہ اسکی موجودگی کو چیک کر رہا تھا۔ زینیا نے چند لمحے اس سیاہ یو ایس بی کو دیکھا۔ اور پھر۔

''میرے بیگ میں ایسا کوئی سامان نہیں ہے۔'' اس نے کہہ کر موبائل کان سے ہٹایا ابھی وہ کال کاٹتی کہ ایک بار پھر اسکی ابھرتی آواز پہ ٹھہر گئی۔

''تم نے کہا تھا وہ مجھے مارنے نہیں آیا۔ تم نے ایسا کیوں کہا تھا؟'' وہ ڈرا ہوا تھا۔ شاید الجھا ہوا بھی۔ ''وہ کوئی ہے۔۔۔ کوئی جو مجھ پہ نظر رکھ رہا ہے۔۔۔'' اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ ''کوئی جو میری غیر موجودگی میں میرے کمرے میں آتا ہے۔'' اس نے بے بسی سے اپنے کمرے کو دیکھا۔ (**یعنی وہ جانتا تھا۔**)

''وہ مجھے ذہنی مریض بنا رہا ہے۔ کیا تم مجھے بچا سکتی ہو؟''

''کوئی کسی کو نہیں بچاتا۔ ہر کوئی اپنا نجات دہندہ خود ہوتا ہے۔'' زینیا نے ناگواری سے ٹوکا۔

''آپ نے تو کہا تھا یہ سب بس میرے اندازے ہیں۔''

''تب میں تم پہ بھروسہ نہیں کرتا تھا۔'' تکان زدہ جواب۔

''اب اگر کر رہے ہیں تو یہ آپ کی سب سے بڑی غلطی ہو گی۔''

''وہ میرے پیچھے کیوں آتا ہے؟ جب اسے مجھے مارنا بھی نہیں۔'' ایک بے بس استفسار۔

''وہ آپ کو مارنا نہیں چاہتا۔ وہ کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ جو اسے آپ سے چاہیے۔ کچھ ہے جس سے آپ بے خبر ہیں لیکن وہ نہیں۔ اسے اگر آپ کو مارنا ہوتا تو اس قلعے کے تہہ خانے میں ہی مار دیتا۔ وہاں کھڑے ہو کر آپ کو کنفرنٹ نہ کرتا۔''

اس نے میرے سر پہ بندوق رکھی تھی، مس حاکم۔'' مہدی غرایا۔

''وہ آپ کو ڈرا رہا تھا۔ الجھا رہا تھا۔ آپ کے پاس کچھ ایسا ہے جسکا نام وہ خود بھی نہیں لینا چاہتا۔ وہ آپ کا تعاقب کرتا ہے تاکہ آپ شاید ڈر کر اس چیز کو چھپانے کی کوشش کریں۔ اور آپ کے تعاقب کار کو وہ چیز مل جائے۔ وہ آپ کو الجھا رہا ہے تاکہ آپ ذہنی غائب دماغی میں سب کچھ اگل دیں۔ آپ کے پاس ایسا کیا ہے مہدی؟'' زینیا کے ہاتھ میں وہ سیاہ چمکتی پن ڈرائیو تھی۔ آنکھوں میں عجیب سفاکیت۔ وہ آج پہلی بار اسکا نام لے رہی تھی۔

مہدی ایک لمحے کو تھم گیا۔ الماری کے عقب میں چھپا سیاہ چغے والا تعاقب کار بھی تھم گیا۔

''میرے پاس ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتا وہ کیوں ہے میرے پیچھے۔۔۔۔ کیا چاہتا ہے۔ کچھ نہیں پتہ مجھے۔'' اس نے تھک کر ادھ جلی سیگریٹ فرش پہ پھینک دی۔

''تم اسلام آباد کب آ رہی ہو؟'' سرسری لہجہ۔ وہ اٹھ کر الماری کی طرف جا رہا تھا۔

''دو دن بعد میری شادی ہے۔ بس اسکے فوراً بعد۔''

مہدی ایک پل کے لئے رک گیا۔ ''شادی؟ تم شادی کر رہی ہو؟ تم شادی کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ حیران تھا۔ یا شاید پریشان۔ یا شاید پتہ نہیں اسے کیا برا لگا تھا۔ یا پھر شاید عجیب لگا تھا۔

''کیا تم واقعی شادی کر رہی ہو؟'' الماری کے کھلے پٹ بند کرتے ہوئے اس نے ٹیک لگالی۔

''جی میں واقعی شادی کر رہی ہوں۔ اور آپ کو بلاک بھی۔ آئندہ کال مت کیجئے گا۔''

''ویٹ ویٹ۔۔۔۔۔'' وہ بدمزہ ہوا۔ ''آخر وہ کون معصوم ہے جسکی زندگی تم برباد کرنے جا رہی ہو؟ نہیں مطلب شادی واقعی ؟'' سچ میں مجھے یقین نہیں آ رہا۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''کیا میں شادی نہیں کر سکتی؟ کیا میں ایلین ہوں؟'' اسے واضح طور پہ برا لگا تھا۔

''ایلین کا نہیں پتہ۔ لیکن تمہاری شادی کا سن کر واقعی عجیب لگا ہے۔ ویٹ لیٹ می گیس۔ تم اپنی شادی پہ زیور کی جگہ مشین خرید کر لاؤ گی۔ اور کمرے میں پھولوں کی جگہ تاریں لٹکاؤ گی ہے ناں؟'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔ ساتھ ہی وہ مڑا تو اسکے دائیں جانب وہ سیاہ چغے والا شخص تھا۔

''آپ اس قابل ہیں کہ آپ کو بلاک رکھا جائے۔'' وہ کہہ کر کال بند کرنے لگی اسی لمحے اسکے کانوں میں ایک انسانی کراہ گونجی۔ سیاہ چغے والے شخص نے مہدی پہ وار کیا تھا۔ اپنی گن سے۔ وہ اسکے جسم میں لوہے کا ذرا داغ چکا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ چغے والا شخص الماری کی اوٹ سے نکل آیا۔ درد سے دوہرے ہوتے مہدی کے سینے پہ ایک لات دے ماری۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فرش پہ سرخ سیال کی ایک آبشار بنتی چلی گئی۔ فون سے اب بھی ہیلو ہیلو کی آواز آ رہی تھی۔ مہدی فرش پہ گر پڑا تھا، درد اسے درد ہو رہا تھا۔ جہنم جیسا

درد، بے انتہا درد۔

مہدی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اسکی بصارت دھندلی ہورہی تھی۔ سرخ سیاہ اسکے جسم سے گویا سوراخ کی صورت باہر نکل رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ منظر دھندلا ہی رہا۔ اس نے حلق سے آواز نکالنی چاہی۔ لیکن بے سد۔ اسے بے تحاشا سردی لگنے لگی۔ پھر بی تحاشا گرمی۔ سیاہ چغے والا شخص اسے بوٹ کی ٹھوکروں سے مار رہا تھا۔ مہدی نہیں جانتا تھا وہ اسے کیوں مار رہا ہے۔ اسے اپنا جسم جلتا محسوس ہورہا تھا۔ اسے اپنی آنکھیں بند ہوتی محسوس ہورہی تھیں۔ خون کا تالاب بھر چکا تھا۔ مہدی کے آدھے چہرے پہ خون تھا۔

دھندلی بصارت، گھٹی گھٹی ہیلو ہیلو کی آوازیں، درد بے تحاشا درد، آگ جلن، سردی، ٹھنڈہ پڑتا جسم۔ اور ان سب کے درمیان اسکی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ سماعتوں پہ پردے لگ گئے۔ اب سکون تھا۔ کوئی درد کوئی جلن کوئی ٹھنڈ کچھ نہیں۔ ساکت، نل، بے حس۔

زینیا کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ وہ محض تعاقب کار نہیں تھا۔ وہ جان لینے آیا تھا۔ اور لے کر جا چکا تھا۔ لاؤنج سے گانے کی آوازیں اب بھی آتی تھیں۔

"کہ مر کے بھی کسی کو یاد آئیں گے، کسی کے آنسوؤں میں مسکرائیں گے۔

کہے گا پھول ہر کلی سے بار بار، جینا اسی کا نام ہے۔۔۔"



اس سارے ہنگامے سے دور قیسم میں واقع قیس کمبیر کا نیلی دیواروں اور گلاس ونڈو والا آفس پر سکون تھا۔ وقفے وقفے سے دو نفوس کے بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔ ایک بوڑھی تکان زدہ آواز، ایک جوان ضدی ہٹ دھرم آواز۔

''یعنی تم باز نہیں آؤ گے؟ تم اسے قتل کرو گے؟'' بلا خر مقصود ہار مان چکے تھے۔ ان کے چہرے پہ تاسف تھا۔ قیس گلاس وال کے قریب کھڑا تھا۔ سیاہ ٹو پیس میں ملبوس پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے وہ باہر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں اداس تھیں۔

''میں اپنا دل مار رہا ہوں چچا۔ قتل آسان نہیں ہوتے۔ دل کا ایک حصہ مقتول کے ساتھ مر جاتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ میں مجبور ہوں۔ انتقام میری غیرت ہے۔'' وہ رکا۔ چہرہ اپنے چچا کی جانب موڑا۔

''میں انتقام نہ لے کر بے غیرت کہلاؤں گا۔''

''تم معاف کر کے اللہ کی سامنے عظیم بن سکتے ہو۔'' یاد دہانی۔

''ابھی اللہ کے حضور پیش ہونے میں وقت ہے۔ مجھے دنیا میں سر خرو ہو لینے دیں۔''

''تمہارا دل مر جائے گا۔۔۔'' انہیں دکھ ہوا۔

''جیسے کہ یہ میری زندگی کا پہلا قتل ہو۔'' اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ دل میں ڈھیر سارے کرب نے آکر ڈیرا ڈالا۔

''انتقام کے کئی اور طریقے بھی ہیں۔ دیت، اور (**وہ ایک لمحے کو رک کے گلہ تر کیا**) زن تم زن کے زریعے انتقام لے سکتے ہو۔''

''میں انتقام نہ لے کر ساری دنیا کی نظروں میں گروں گا۔ لیکن ایک عورت کے ذریعے انتقام لے کر اپنے نظروں میں گر جاؤں گا ۔میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اسکے انداز میں ناپسندیدگی تھی۔

مقصود نے گہری سانس لی۔ ''تم نے آدھی کمیونٹی اپنے خلاف کر لی ہے۔ تم نے ایسے لوگوں کے ساتھ تعلقات بنا لئے ہیں جن سے تعلق ٹوٹا مطلب سانس کی ڈور ٹوٹی۔ تم مارکیٹ سے کروڑوں روپے لئے بیٹھے ہو۔ تم کیا کر رہے ہو قیس؟ کیوں تم نے ساری دنیا اپنے خلاف کر لی ہے؟'' وہ فکر مند بھی تھے۔اور کچھ کچھ عاجز بھی۔ قیس آگے بڑھ آیا۔نرم نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا۔

''میرے گھر میں ایک مرد معذور ہے۔'' تبصرہ کیا۔ ''ایک ماضی کے غم میں ڈوبا ہے۔اور ایک اپنے آپ سے فرار چاہتا ہے۔ میرے گھر میں ایک لڑکی ہے۔ جسے محبت چاہیے۔ توجہ چاہیے۔ پیسہ چاہیے۔'' وہ بول رہا تھا اور مقصود اسے سنے گئے۔

''مجھے ان تینوں مردوں کے لئے بھی کمانا ہے اور اپنے لئے بھی۔ مجھے میرے بابا کی ساکھ کے لئے بھی کمانا ہے اور اپنی عیاشیوں کے لئے بھی۔'' وہ انکے قریب گھٹنوں کے بل آ کر بیٹھا۔

''میں اگر ساری دنیا کو اپنے خلاف نہیں کروں گا تو یہ لوگ میرے خلاف خود بخود ہو جائیں گے۔ اپنے ہاتھ سے لگائی آگ میں آپ کو معلوم ہوتا ہے پانی کہاں ڈالنا ہے۔ دوسروں کی لگائی آگ میں آپ خاکستر ہو سکتے ہیں۔'' پلکیں جھپکا کر تسلی دی۔

''اگر آپ کو میرے مرنے کی فکر ہے تو چھوڑ دیں۔ مجھے لگتا ہے اللہ نے مجھے اس دنیا میں سزا دینے بھیجا ہے۔ جو کہ پوری نہیں ہوئی ۔میں مہلت لے کر آیا شیطان ہوں۔ ابھی مہلت پوری نہیں ہوئی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

چند لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ باہر پھیلتی شام اداسی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے بیتے چند ساعتیں گزریں۔

اور پھر مقصود کمبیر کے حلق سے کچھ ایسے الفاظ برامد ہوئے تھے جو نہیں ہونے چاہیے تھے۔

''تم ایسے تو نہیں تھے، عبداللہ۔۔۔۔'' یہ نام۔ یہ طرز تخاطب۔ کیا ایک پل کے لئے تمہاری سانسیں نہیں رکیں؟ قیس جہاں تھا وہیں جم گیا۔ کئی پل تو وہ سانس بھی نہ لے سکا۔ زمانے کی ساری گردشیں رک گئیں۔

''تم ایسے نہیں تھے، عبداللہ۔۔۔۔'' وہ اب تک متحیر تھا۔ یوں جیسے یقین نہ آیا ہو۔

''تم رحمدل تھے۔۔ تم معصوم تھے۔ تم بہت اچھے تھے۔ تم ایسے تو نہیں تھے عبداللہ۔''افسوس تاسف رنج کیا تھا جو انکے لہجے میں نہیں تھا۔ قیس شا کی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔ اسکی آنکھیں گویا ابل رہی ہوں، دل نے دھڑکنے سے انکار کر دیا ہو۔

''تم لوگوں کے ساتھ رحم کا معملہ کیا کرتے تھے۔، تم بہت اچھے تھے عبداللہ۔''

''مجھے اس نام سے مت بلائیں۔'' اسکے لب دھیرے سے پھڑ پھڑائے۔

''تم دوستوں کے دوست تھے، عبداللہ۔''

''خاموش ہو جائیں۔۔۔۔ بس کر دیں۔''اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔ رنگت سفید پڑنے لگی، اسے بے اختیار سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔

"تم میرے عبداللہ تھے۔ تم مرے عبداللہ تھے۔اپنے ابا کے عبداللہ۔ تم اس لڑکی کے لئے آج بھی عبداللہ ہو۔ تم ایسے نہیں تھے عبداللہ۔"اسکی سماعتیں بند ہونے لگی تھیں۔ یہ نام یہ نام نہ لے کوئی۔

وہ دھیرے دھیرے سے فرش پہ بیٹھتا چلا گیا۔ یہ نام اسکا اصل تھا۔وہ کسی کو یہ نام لینے سے منع نہیں کر سکتا تھا۔ یہ نام اسکی پہچان تھا ۔یہ نام اسکا کمفرٹ تھا۔ کئی سال پہلے یہ نام بدل کے اسے بے سکون کیا گیا تھا۔ آج یے نام پھر سے بے سکونی دے رہا تھا۔

"تم ایسے تو نہیں تھے، عبداللہ۔۔"

"آجاؤ عبداللہ۔۔"

"تم ایسے۔۔آجاؤ، عبداللہ۔۔"

آوازیں گڈ مڈ ہونے لگی تھیں۔آوازیں قیس کو ٹر گر کرتی تھیں۔آوازیں اسے ماضی میں لے جاتی تھیں۔اور قیس کا ماضی خوشگوار کہاں تھا؟ وہ برانڈڈ کپڑوں اور مہنگے جوتوں سمیت فرش پہ بیٹھا تھا۔ سماعتیں بے قرار، آنکھیں شاکی، چہرہ کرب زدہ۔ آوازوں کو بازگشت نے اسکے کانوں کو سن کر دیا تھا۔

"آجاؤ عبداللہ۔"

کیا یہ نام سن کے ایک پل کو تمہاری سانسیں نہیں رکیں؟

"باب چہارم: حقیقت مختلف ہوتی ہے"

ایک وقت تھا جب تمہاری آنکھوں پہ ایک پٹی تھی۔

تمہاری دنیا اندھیری تھی، لیکن یہ جاچکی بینائی وقتی تھی۔

تم نے دیکھے خواب کئی، سجائے تھے ارمان کئی۔

بچپن تھا خواب سا جوانی رہی احترام کی ماری سی

پھر وقت نے یوں کھیل کھیلے، یوں بخت نے تم کو ناچ نچائے

چھینے تم سے رشتے کئی، لوٹے جو تھے خواب سجائے

پھر اک دن ہوئے تم باغی، تم نے کی جو دل نے کہی

بتلاؤں کیا؟ بے وقاری، بے قدری، بے حسی، بربادی۔ سب ہی

عین جوانی میں تم خالی ہاتھ ہوئے، بڑھاپے کے لئے بے ساتھ ہوئے

لیکن یہ تھا وجدان کا وقت، تمہارا کہانی کار جھوٹا تھا

اور جونہی تم نے یہ بھید جانا، تبدیل ہوئے کھیل، تم نے جانا مہرہ اندھا تھا

اب کھیل پھر بدلا ہے، اب کردار نئے انداز سے تم پہ وارد ہوئے

اب تم ہو اک بساط پہ، اب تمھارے آگے ہیں مہرے کئی

ان مہروں سے تم کھیلو، ان سکوں سے پہچان بناؤ

رونا نہیں ہے ماضی پہ کہ عقل پہ تمہاری پردے تھے

ہر دور میں، وقت میں، چند لمحے تھے، وہ لمحے جو نابینائی تھے

نہ تم تھے کم عقل، نہ تھے تم بے ذہن۔ سرگوشی کچھ ہے کہتی سنو

جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں جو اندازے ہوں وہ درست نہیں

آتی جاتی سانس، بہتی بھاگتی ہوا، بہتی بھرتی ندی سب تم کو ایک پیغام سنائیں

اتارو آنکھوں سے پٹی اور کہو ''حقیقت مختلف ہوتی ہے! ''



''میں نے تمھیں اس رات تمہاری منگیتر سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم کتنے horrible ہو، مہدی۔''

ڈائننگ ہال سے نکلتے ہوئے مہدی کمبیر کا موبائل تھر تھرایا تھا۔ غیر شناسا نمبر لیکن خیر یہ اسکے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے باہر نکلتا چلا گیا۔

اسکے کسی پرانے دوست کی کال کی تھی۔ وہ غائب دماغی سے چند پل بات کرتا رہا۔ پھر کال کاٹ دی۔ اسی لمحے اسکی نظر لان میں ذرا فاصلے پہ کھڑی انیسہ پہ پڑی۔ لمبے بالوں والی لڑکی افسردہ آنکھوں سے آسمان کو تک رہی تھی۔

مہدی چند پل یونہی کھڑا اسکی پشت کو دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کی منگیتر تھی۔ بچپن سے اسکا نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا۔ اچھا نہیں لگا تھا تو برا بھی نہیں لگتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ لاتعلقی انسیت میں بدلنے لگ گئی۔ مہدی کو انیسہ کے ساتھ وقت گزارنا باتیں کرنا پسند آنے لگا تھا۔ اسکے نام کے آخر میں اپنا نام لگانا بھی پسند تھا، اسے دیکھنا اور اسکی بات کرنا بھی۔ نئے ملک، نئے شہر جا کر اسکے لیے چیزیں لانا ، اسکی پسند ناپسند کا خیال رکھنا سب عادت بنتی چلی گئی۔ گزرے برسوں کو پیچھے چھوڑ کر اگر حال کی بات کرو تو مہدی کمبیر، انیسہ بختیار کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن انیسہ نہیں۔ اسکی بات کی اہمیت نہ ہوتی۔ لیکن بختیار کمبیر کے بچار بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

انہیں انیسہ کے لئے مہدی سے زیادہ قیس پسند تھا۔ ہونہار، لائق اور مضبوط سہارا۔ اپنی بیٹی کو ایسا مضبوط سہارا دینے کے لیے وہ مہدی کو مفلوج کر سکتے تھے۔ ہک ہاہ۔

The mean kambeers

تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکتا مہدی انیسہ کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا۔ چاند کی میٹھی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ اسے دل سے نکال رہا تھا۔ اسی کی خواہش پہ۔ اگر یہ آسان نہیں تھا تو اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" اسکے عقب میں ٹھہر کر نرمی سے استفسار کیا۔

انیسہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی۔ "اس گھر میں سوائے غم منانے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟" تھکا ہوا باغی لہجہ۔

"تم سے وعدہ کیا تھا تمھیں یہاں سے آزادی دلاؤں گا۔ پھر آخر کیا چیز ہے جو تمھیں اتنا ستا رہی ہے؟"

"مجھے یہاں سے نہیں تم سے آزادی چاہیے مہدی۔" انیسہ کا لہجہ تیز ہوا۔ "مجھے تمھارے نام سے آزادی چاہیے۔ بلکہ (**وہ ایک پل کو رکی**) مجھے اس سرنیم سے ہی آزادی چاہیے۔ نہیں رہنا مجھے تمھارے ساتھ نہ ہی قیس کے ساتھ۔ میں اپنے حساب سے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ جہاں تم لوگوں کا سایہ بھی نہ ہو۔"

مہدی نے تحمل سے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں کچھ تھا جو تمھیں مہدی کے لئے اداس کر دے۔ "میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا، انیسہ۔ میں تمھاری خوشی کی ضمانت نہیں دیتا۔ لیکن میری طرف سے تم آزاد ہو گی۔ انشااللہ بہت جلد۔"

اسکے سامنے کھڑی لڑکی کا سانس بحال ہوا۔اب کے اسکی نظریں نرم تھیں۔ ”کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟۔۔۔میرا مطلب ہے تم اتنی بڑی قربانی دے رہے ہو تو۔۔۔“

”ہاں مجھے تم سے محبت ہے۔“اس صاف گوئی پہ ایک پل کے انیسہ تھم گئی۔ ”مجھے تم بہت پسند ہو۔ تمھارے ساتھ اگر ساری زندگی گزارنے کا موقع ملے تو میں خود کو خوش قسمت سمجھوں گا۔لیکن۔۔۔۔“ اس نے نظریں انیسہ کے چہرے پہ گاڑ دیں۔ ”مجھے محبت سے زیادہ عزیز ہے اپنا ذہنی سکون۔جو کم از کم تم جیسی ٹراما کی ماری عورت نہیں دے سکتی۔“ایک کاری وار انیسہ کی روح پہ لگا تھا۔

اس کا چہرہ ہتک سے سرخ ہوا تھا۔مہدی نے اضافہ کیا۔ ”تمھارے ساتھ زندگی ایک عذاب بن کر گزرے گی۔میں تمھارے لئے قربانی نہیں دے رہا۔میں ایک سیاح ہوں۔ذہنی سکون اور میری خوشی مجھے تم سے بھی زیادہ عزیز ہے۔تم میری طرف سے آزاد ہو،انیسہ۔لیکن مجھ سے یہ توقع مت رکھنا کہ میں تمھارے حصے کی جنگ لڑوں گا۔اس مسیج لڑکے کے لئے تمھیں اپنے ابا سے خود بات کرنی ہو گی۔“وہ کانوں میں تیزاب ڈال کر دو قدم پیچھے ہوا۔

انیسہ نے سفید پڑتی رنگت سے اسے دیکھا۔اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا قیس انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔اسکے کندھے اور کان کے درمیان موبائل تھا۔جسے اب جدا کرتے ہوئے وہ نیچے کی جانب آ رہا تھا۔

”مہدی۔۔۔“ انیسہ کی پکار گویا کسی گہری کھائی سے آتی ہو۔

''میری مدد کر دو پلیز۔۔۔ تم، تم ابا سے میرے لئے بات کرو۔ تم اس گھر کے مرد ہو۔ تمہاری سنی جائے گی۔'' انیسہ رونے لگی تھی۔ قیس نیچے اتر آیا تھا لیکن اب بھی ان سے دور تھا۔ اسے آوازیں نہیں آتی تھیں۔ لیکن وہ تاثرات دیکھ سکتا تھا۔

''میں جوزف کے بغیر مر جاؤں گی۔ میں اسے بہت چاہتی ہوں۔ تم ایک بار پیچھے ہٹ چکے ہو۔ میں تمھارے اس عمل کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن پلیز میری زندگی یوں برباد نہ کرو۔'' انیسہ کی آخری بات قیس کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ قریب آچکا تھا۔ لیکن دونوں نفوس اسے دیکھ نہیں پائے۔ وہ لان میں لگے مصنوعی فوارے کی اوٹ میں تھا۔

''میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو ناں؟ تمھیں اس محبت کا واسطہ ہے۔ پلیز۔۔۔ میرے لئے یہ شادی ضروری ہے میں مر جاؤں گی مہدی پلیز۔'' اسکی آنکھیں روانی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ قیس شل رہ گیا۔ مہدی اپنی ہی منگیتر کو ڈس اون کر رہا تھا۔ اوہ خدایا وہ کتنا horrible تھا۔

''میں تم لوگوں کا پنچنگ بیگ نہیں ہوں انیسہ۔ میں تمھیں ناں کہہ رہا ہوں۔ ایک صاف سیدھا ناں۔ کیا تمھیں سمجھ نہیں آرہا۔ ؟'' اسکے چہرے پہ دباد با غصہ تھا۔

''تمھارے ابا تمہاری شادی چاہے گلی کے کسی شخص سے کریں۔ یا کسی رئیس زادے سے۔ میری بلا سے بھاڑ میں جاؤ۔ آئندہ میرے پیچھے آنے کی یا مجھ سے شادی کی بات کی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں تم مہدی کا وہ روپ دیکھو گی جس کی توقع بھی نہیں کی ہو گی۔'' وہ اس پہ ایک جتاتی نظر ڈال کر آگے بڑھنے لگا جب انیسہ نے اسکی کہنی پکڑ لی۔ آنسو اب بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، مہدی۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ پلیز مجھے اس طرح بیچ منجدھار میں مت چھوڑو۔ پلیز۔''

مہدی نے ایک جھٹکے سے اپنی کہنی آزاد کروائی اور آگے بڑھ گیا۔ اسکا غصیلہ چہرہ اب آہستہ آہستہ کرب زدہ ہو رہا تھا۔ قیس نے جو سنا تھا۔ وہ حقیقت تھی۔ لیکن ادھوری۔ مہدی نے جو کیا تھا۔ وہ خود غرضی نہیں تھی۔ اور انیسہ جو کر رہی تھی وہ محبت نہیں سودے بازی تھی۔

دور کہیں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ حقیقت مختلف ہوتی ہے۔



اپنے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتی زینیا حاکم شدید بے چین تھی۔ کیا وہ مر چکا ہو گا؟ کیا وہ واقعی مر گیا ہو گا؟ کسی نے اسکا فون بھی تو بند کر دیا تھا۔ وہ آخر کس سے پوچھے؟ کیا پوچھے؟

بالآخر اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔ سفید پڑتے چہرے کو ہاتھ پھیر کر کمپوز کیا۔ بلاک لسٹ سے ایک نمبر نکالا اور اب کے اسکی انگلیاں wierdo نامی شخص کو میسج کر رہی تھیں۔ یہاں سے کئی میل دور اسلام آباد کے ایک نجی ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر قیس کمبیر بنچ پہ بیٹھا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ پیلا پھٹک، آنکھیں مردہ۔ اسکا برانڈڈ کوٹ بنچ پہ پڑا اپنی ناقادری کو رو رہا تھا۔ شرٹ سلوٹ زدہ تھی۔ اور جگہ جگہ سرخ دھبے تھے۔ کچھ دھبے اسکے ہاتھوں پہ بھی تھے۔ آج وہ تھکا ہوا الگ رہا تھا۔ آج محل کا سب سے

مضبوط ستون بیٹھ رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں مہدی کا موبائل تھا۔ جسے یوں دبوچ رکھا تھا۔ جیسے جانے نہیں دے گا۔ دفعتاً پیغام کی ٹیون گونجی۔ قیس چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

''اگر زندہ ہیں تو یس لکھیں ورنہ میری فاتحہ راستے میں ہے۔'' بڑی تمیز سے ایک بد تمیزانہ سوال کیا گیا تھا۔ قیس نے غائب دماغی سے اس میسج کو دیکھا۔ کئی لمحے وہ سوچتا رہا، پھر اسکی انگلیوں نے کچھ لکھا تھا۔

''اگر وہ زندہ رہا تو بازو میں گولی لگنے کی وجہ سے لکھ نہیں سکتا۔ اگر مر گیا۔ تو تمہاری فاتحہ نہیں چاہیے اسے۔'' خون آلود ہاتھوں سے جواب لکھا۔

(اسکی آنکھوں کے آگے ابھی بھی وہی منظر تھا۔ وہ دفتر میں تھا۔ مقصود اسے ترحم سے دیکھ رہے تھے۔ عبد اللہ دور کہیں خلاؤں میں دیکھ رہا تھا۔ یکدم اسکے موبائل نے تھر تھرانا شروع کیا۔ بغیر دیکھے کال اٹینڈ کرتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔ آنکھیں گلابی پڑ چکی تھیں۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید۔

آگے سے جو کچھ کہا گیا تھا۔ قیس کے لئے ساری دنیا کی گردشیں رک گئیں۔ اسکا فون والا ہاتھ بے دھم ہو گیا تھا۔ کئی لمحات کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔)

دائیں بائیں چکر لگاتی زینیا کی پریڈ پیغام کی آواز کی وجہ سے تھمی تھی۔ پیلا اور ہرا دوپٹہ اسکے ساتھ لہرا رہا تھا۔ اگلے ہی پل اسکے ماتھے کے بل شدید ہوئے۔

''اگر اسے نہیں تو کیا آپ کو فاتحہ کی ضرورت ہے۔'' چند پل بعد سکرین پھر روشن ہوئی۔

''مجھے فاتحہ بھی نہیں بچاسکتی۔ میرا ٹھکانہ جہنم ہے، نری جہنم۔'' اضافہ کیا۔ زینیا نے ٹھہر کر اس میسج کو دیکھا۔ یہ مہدی نہیں تھا۔ یہ کون تھا؟ وہ ناسمجھی سے چند لمحے میسج دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ ٹائپ کرنے لگی۔

''جب تک سانس ہے جنت، جہنم کا فیصلہ تمھارے پاس ہے۔ سانس ٹوٹی، امید ٹوٹی۔'' پیغام سفر کرتا ہوا گیا۔ اور قیس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل میں ڈیرہ ڈالا۔ قیس نے تھکی تھکی آنکھوں سے پیغام پڑھا۔

''جنت مجھے غیر آرام دہ کرے گی، جہنم میرے لئے نئ نہیں ہے۔'' اس نے پیغام بھیج کر آنکھیں موند لیں۔ قرمزی سیال آنکھوں کے آگے بہہ رہا تھا۔ سب کچھ سرخ ہوتا چلا گیا۔

(مہدی کے کمرے کے دروازے پہ رک کر اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ اسکے سامنے اسکا کزن تھا، اسکا بھائی۔ نیلی روشنی میں خون کے دھبے اپنا رنگ نہیں دکھا رہے تھے۔ لیکن قیس کو یہی خون اپنے دل سے رستا محسوس ہوا۔ وہ کئی لمحے آگے نہیں بڑھ سکا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن اسے لگا یہ میلوں کی مسافت ہو جیسے۔

مہدی کے پاس اسکے دوست تھے، ملازم تھے۔ سب اسے راستہ دے رہے تھے۔ اسکے اندر اب مزید لاشیں اٹھانے کی سکت نہیں تھی۔ وہ دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی لمحے بعد اس نے گھٹنوں کے بل خود کو اسی سرخ سیال کے قریب بیٹھتا محسوس کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مہدی کے سینے پہ رکھا تھا۔

سانسیں چل رہی تھیں۔نہ جانے کتنی دیر مزید چل پاتی۔خون کے قطرے اسکے جسم سے اب بھی بہہ رہے تھے۔نہ جانے مزید کتنی دیر بہتے۔اسکا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔وہ خود کو مفلوج محسوس کر رہا تھا۔پھٹی پھٹی آنکھوں سے خون کے دھبے اور پھٹا ہوا جسم دیکھنا اسکی مجبوری تھی۔)

''اگر تم ایک منٹ کے لئے اپنی فلاسفی ایک جانب رکھ کر مجھے بتاؤ گے کہ مہدی مر گیا یا زندہ ہے تو تمہارا احسان ہو گا۔'' تھرتھراتا موبائل اسے ایک بار پھر حال میں کھینچ لایا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟ وہ مر جائے یا بچ جائے؟'' تھکے تھکے انداز میں پیغام بھیج کر قیس نے ایک گہری سانس خارج کی۔آس پاس کا رش ۔لوگوں کی بھانت بھانت کی بولیاں۔سفید کفن جیسا کوٹ پہنے آتے جاتے ڈاکٹرز۔دوائیوں کی بو۔اسے ان سب سے فرار چاہیے تھا۔کوئی ہو جو اس سے بات کرے،اسکے خیال بدل دے۔

زرد جوڑے والی لڑکی کا موبائل جگمگایا۔آنکھوں میں الجھن ابھری۔آخر یہ صاف صاف جواب کیوں نہیں دیتا؟

''میں چاہتی ہوں وہ مر جائے۔تاکہ اسے معلوم ہو انسانوں کی دنیا میں فرشتہ بننے کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

''اسے مرنے نہیں دوں گا میں زندگی اسکے لئے سزا ہے اور اسے جھیلنی چاہیے۔''

پیغام دیکھ کر وہ ایک پل کو رکی۔آنکھیں شیطانی انداز میں چمکیں۔''ویٹ، ویٹ، ویٹ۔۔۔کہیں تم اسکے اغوا کار تو نہیں ہو، یا تم نے ہی تو اسے نقصان نہیں پہنچایا؟ اگر تم نے ایسا کیا ہے۔تو یقین مانو جہنم واقعی تمھارے لئے بنی ہے۔'' قیس نے اچھنبے سے اتنا لمبا میسج پڑھا۔

''اس میں ایسا کیا خاص ہے؟ کیوں اسے مارا نہیں جا سکتا؟'' قیس واقعی جاننا چاہتا تھا۔

زینیا نے کندھے اچکاتے ہوئے ٹائپ کیا۔ ''کسی انسان کو زندہ چھوڑ دینے کے لئے ایک ہی وجہ کافی ہوتی ہے کہ وہ ''انسان'' ہے۔ اور مہدی کمبیر ایک اچھا انسان ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو اسے مت مارنا۔'' بس میسجز پہ اس لڑکی کی باتیں کروالو۔ دھڑا دھڑ ٹائپ کر دے گی۔

''وہ اتنا اچھا نہیں ہے جتنا بنتا ہے۔ بے زار جواب۔''

''تم شاید اتنے برے نہیں ہو جتنے بنتے ہو۔'' ترنت آئے جواب نے ایک پل کے لئے قیس کو ساکن کر دیا۔

(وہ خون سے لت پت شخص کو اٹھا رہا تھا۔ اسکی آنکھوں پہ پردہ تھا۔ وہ ان آنکھوں کو کھلے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ کیا کرنا چاہیے اسے علم نہیں تھا۔ لیکن وہ بس راہداریوں میں بھاگ رہا تھا۔ اسکی شرٹ خون آلود ہو رہی تھی۔ اسکے ہاتھ تھک رہے تھے۔ لیکن وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ اگلے مناظر ٹوٹے بکھرے تھے۔ اس نے اپنے بھائی کو ایمبولینس میں ڈالتے دیکھا۔

لوگ انکی تصاویر بنا رہے تھے۔ وہ شل تھا۔ کسی کو دیکھ نہیں رہا تھا۔ اسکا ہاتھ مہدی کے سینے پہ تھا۔ دھک دھک کی یہ آواز اسے سکون دے رہی تھی۔ امید، دلاسا دے رہی تھی۔ ہسپتال کی راہداریوں میں اسکے آگے پیچھے ڈاکٹرز تھے۔ اسٹریچر پہ لیٹا وجود، اسکے چہرے پہ نیل پڑ گئے تھے۔ کوئی کسی انسان کو ایسے کیسے مار سکتا ہے؟ اس نے ٹوٹے دل کے ساتھ سوچا؟

مہدی کے دوست پریشان تھے۔ کچھ لوگ تو ہسپتال ہی نہیں آئے۔ کہیں کوئی پولیس کیس نہ بن جائے ہر کوئی ڈھے رہا تھا۔ کھڑا تھا تو بس قیس کمبیر۔۔۔ لیکن کتنی دیر تک؟)

''تم کون ہو؟'' قیس نے سطری سوال کیا۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ مہدی زندہ ہے یا مر گیا؟ پھر تعارف۔''

''وہ زندہ ہے۔اب تعارف۔''

''مجھے نہیں لگتا اب اس کی ضرورت ہے۔''اس نے بلاک کا بٹن دباتے ہوئے موبائل بند کر دیا۔یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ قیس حق دق تھا۔ایک تو اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔پھر مجھے ہی بلاک کر دیا؟

وہ کئی لمحے واقعی حق دق رہا تھا۔یہ اسکے ساتھ کیا ہوا تھا۔وہ واقعی سمجھ نہ سکا۔ قیس کمبیر اپنی زندگی میں پہلی بار کسی کے ہاتھوں بلاک ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت میں کچھ پیچھے، عبداللہ زمان کو کی جانے والی پہلی کال کی طرف۔

(''اس نے اس آواز کو سننے کے لئے کئی سال اپنی سماعتیں بے قرار رکھی تھیں۔'')

کمبیر محل میں واقع قیس کمبیر کا شاہی کمرہ اس دن بھی ویسا تھا۔شاہانہ پر تعیش۔ بالکنی میں رکھے صوفے پہ بیٹھا قیس سگار کو لبوں میں دبائے ہوئے تھا۔آنکھیں دور کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔یہیں اسی بالکنی میں ایک طرف چھوٹی سی شیشے کی میز پہ ایک موبائل رکھا تھا۔یہ اسکا موبائل نہیں تھا۔روزمرہ کے استعمال والا نہیں۔اس موبائل پہ وہ انکرپٹڈ وائس استعمال کیا کرتا تھا۔کچھ دیر قبل ہی تو اس نے اپنی منگیتر کے باپ سے بات کی تھی۔وہ اسے بلا رہے تھے لیکن جو قیس نے کیا تھا، اسے برا لگا تھا۔لیکن اسے اپنی پھپھو یاد

تھیں۔ کس طرح وہ طعنے سہا کرتی تھیں۔ کس طرح حاکم نواب نے اپنی بہن کا بدلہ قیس کی سب سے اچھی پھپھو امینہ بیگم سے لیا تھا ۔ کس طرح انکو نکاح اور ایک بچے کے ساتھ میکے کے در پہ چھوڑا گیا تھا۔

فون کی چنگھاڑتی آواز اسے حال میں لے آئی۔ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھاتے ہوئے اسکے انداز میں رعونت تھی۔ ماتھے پہ بل۔ ابتداء قیس نے کی تھی۔ بلوچی زبان میں ایک ترش سوال۔

لیکن دوسری جانب سے ایک لڑکی کی آواز سن کر وہ تھم گیا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن خاموش کروادیا گیا۔ وہ مسلسل اسکا نام پکار رہی تھی۔ گویا یقین کر لینا چاہتی ہو۔ اتنے عرصے بعد اپنا اصل نام سن کر وہ حال میں نہیں تھا۔ عبداللہ نام کی پکار اسے ماضی میں لے جاتی تھی، کہیں حال، اور کبھی مستقبل۔ آوازیں قیس کا خوف تھیں۔ وہ ایک سو پچپن آئی کیو کا مالک آوازیں پہچاننے کے معملے میں دنیا کا کم عقل ترین انسان تھا۔

"کئی سالوں سے تمہارا انتظار کیا ہے۔" ایک نسوانی آواز۔ قیس پہ حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ اسکے خاندان میں یوں لڑکیاں کسی مرد کو کال نہیں کیا کرتیں۔

"تم۔۔۔" قیس نے کچھ کہنا چاہا جب وہ اسے ٹوک گئی۔ قیس کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔

"جب سے ہوش سنبھالا تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ سنا۔ اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اب چھوٹ نہیں رہی۔" اسکی آواز کتنی خوبصورت تھی۔ قیس نے بے اختیار ہو کر سکون سے آنکھیں موندلیں۔ دوسری جانب سے اب بھی وہ کہہ رہی تھی۔ کئی لمحہ وہ مزید کچھ کہتی رہی۔ قیس ہر ایک لفظ کو حفظ کر رہا تھا۔ نہ محبت نہ انسیت، نہ کسی قسم کی کشش یہ اسکا گلٹی پلیژر ثابت ہو رہا تھا۔

''میں بہت خوبصورت ہوں سب کہتے ہیں۔ لیکن سب کہتے ہیں عبداللہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں نے تمھارے ساتھ کھڑے ہو کر خود کو دیکھنے کا انتظار کیا ہے۔ میں نے انتظار کیا ہے کہ تم خود اعتراف کرو گے۔ کہ تمھاری عورت زیادہ خوبصورت ہے۔''

''کیا تم واقعی اتنی خوبصورت ہو؟'' قیس دلکشی سے مسکرایا آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ چاند کی مدھم روشنی اسکے چہرے پہ گر رہی تھی۔ اسکے سوال کے جواب میں اسے درشتی سے خاموش رہنے کا کہا گیا۔ وہ واقعی خاموش ہو بھی گیا۔ قیس اسے سننا چاہتا تھا۔ وہ اسے پتہ نہیں کیوں سننا چاہتا تھا۔ یہ محبت، انسیت، کشش او نہوں ایسا کچھ نہیں تھا۔ کئی برس بعد ایسی ہی بے سکونی، بے قراری اس نے کئی برس قبل اپنی پھپھو کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی۔ اسکے ابا جب اسے انتقام کے لئے تیار کرتے تھے، انکی آنکھوں کی تپش اسے سب یاد تھا۔

''میں تمھارے نام کے ساتھ used to ہو گئی ہوں۔ میں تمھارے علاوہ کسی اور کو سوچوں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی غیر ضروری شے دائرے میں آ گئی ہو۔''

قیس اب کے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ چاند کی روشنی اسکے ماتھے پہ پڑ رہی تھی۔ کئی پل گوادر کو نم ہوائیں اپنا پیغام اسلام آباد نہ لا سکیں۔ تو اسلام آباد کا سکون منتشر ہونے لگا۔

''آ جاؤ، عبداللہ۔'' کئی پل بعد بے حد آزردگی سے کہا گیا۔ عبداللہ کئی پل کے لیے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

''تمھاری آواز بہت خوبصورت ہے۔'' وہ مزے سے بولا۔ گویا اسکی تکلیف سے حظ اٹھا رہا ہو۔ ''تم کون ہو؟'' قیس نے اضافہ کیا۔

''وہی جسے تم اپنے نام پہ بٹھا کر گئے ہو، اور وہی جس نے تمھارے نام کے ساتھ وفاداری کی ہے۔'' وہ کس اعتماد سے بولتی تھی۔ وہ کس طرح جواب دے کر لاجواب کرتی تھی۔

''میں نے سنا تھا خاندان کی لڑکیاں بہت حیا والی ہوتی ہیں۔ بلا ضرورت مردوں سے بات نہیں کرتیں۔'' طنز کے تیر چلانے میں وہ ماہر تھا۔

''میں نے سنا تھا خاندان کے مرد بہت غیرت والے ہوتے ہیں۔ اپنے نام سے جڑی لڑکی کا نام کسی اور کے ساتھ نہیں سن سکتے۔ کہا سنا سچ کہاں ہوتا ہے، عبداللہ۔'' وہ کس حق سے یہ نام لے رہی تھی۔ اور کتنے عرصے بعد یوں اپنا نام سننا اچھا لگا تھا۔ کاش وہ اس پکار کو اپنی سماعتوں میں محفوظ کر پاتا۔ لیکن وہ جانتا تھا کال بند ہونے کے بعد اسکا دماغ کورا سلیٹ بن جائے گا۔

''کیا تم نے واقعی میرا انتظار کیا ہے؟''

''نہیں۔'' یک لفظی جواب پہ وہ تھم گیا۔ ''میں نے کبھی تمہارا انتظار نہیں کیا۔ میں نے تمھارے آنے کا یقین رکھا ہے۔ تمھیں آنا چاہیے، عبداللہ۔'' وہ جتا رہی تھی۔

اپنی بالکنی میں کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھے قیس کی آنکھیں یکدم چمکی تھیں۔ ''میں کیوں آؤں، کیا تمھیں مجھ سے محبت ہے؟''

''مجھے تم سے ضد ہے۔''

''اگر تم کہتی تمھیں مجھ سے محبت ہے تو مجھے زیادہ مزہ آتا۔'' انتقام نے اسکے لہجے میں سر اٹھایا تھا۔ اگلے کئی لمحے اس کی طرف سے خاموشی رہی۔ قیس بھی خاموشی سے اسکے بولنے کا منتظر رہا۔

''آجاؤ، عبداللہ۔''اس نے گویا اپنی انا پہ پیر رکھ کر کہا تھا۔الفاظ نہیں تھے ماضی کا فلیش بیک تھے۔

آگ، لاشیں، خون، نارنجی بھڑکتے شعلے۔ان سب کے درمیان قیس کا دماغ کوئی یادداشت نہیں بنا سکا۔سب گڈمڈ ہونے لگا۔

آوازیں قیس کا خوف تھیں۔آوازیں اسکا بُرا ماضی تھیں۔اگلے کئی لمحے قیس نے اسے بہت کچھ کہا۔شاید انکار، شاید انتقام۔وہ ماضی کے زیرِ اثر بہت کچھ کہہ گیا۔یادداشت کا حصہ البتہ کچھ نہیں بن سکا۔اب اگلے کئی لمحے اسے سسکیوں کی گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

''خدا کی قسم، عبداللہ میں تمھیں مر کر بھی معاف نہیں کروں گی۔''

''تم اتنی مضبوط نہیں ہو جتنی بنتی ہو۔''وہ الجھ کر سفاک تبصرہ کر گیا۔پچھلے چند لمحوں میں اس نے کیا کہا تھا اسے یاد نہیں تھا۔وہ ایک فوبک انسان تھا۔

''میں ذرا بھی مضبوط نہیں ہوں، میں ڈھیٹ ہوں، عبداللہ۔''یہ نام کاش وہ لڑکی یہ نام لینا چھوڑ دے۔یہ نام قیس کو ماضی اور حال کے درمیان ایک پھندے پہ لٹکا دیتا تھا۔اور پھر اگلے کئی لمحے اسکے ذہن میں کوئی آواز پراسیس نہیں ہوتی تھی۔کوئی یادداشت اسکے ذہن کا حصہ نہیں بنتی تھی۔تھیراپی، علاج، سیشن کچھ بھی اسے ان آوازوں کے خوف سے نہیں نکال سکا تھا۔

''میں اب مر کر بھی تمہارا انتظار نہیں کروں گی۔اب اگر آؤ گے تب بھی میں تمھارے لئے نہیں ہوں گی، عبداللہ۔''

''تمھاری آواز بہت خوبصورت ہے۔''وہ کسی طرح اس عبداللہ نام کی گردان کو ختم کروانا چاہتا تھا۔تاکہ اپنی منگیتر سے ہوئی پہلی بات کو اپنے ذہن کے پردوں میں محفوظ کر سکے۔لیکن بے سود۔

کال کٹ چکی تھی۔۔۔وہ بے اختیار پریشان ہو بیٹھا۔بے بسی بھرا غصہ اسکے دماغ پہ حاوی ہونے لگا۔اگلے کئی لمحے قیس سر کو ہاتھوں میں دیئے بیٹھا رہا۔کیوں آخر کیوں اسکا ماضی ایسا تھا؟کیوں اس نے حال اور ماضی کی گرداب میں پھنس کر ایک حسین یاد گنوادی؟

عقل ہر ایک لئے نعمت نہیں ہوتی۔



ہسپتال کی ٹھنڈی راہداریوں میں سکوت تھا۔موت سے پہلے والا سکوت۔

موت کے منہ سے بچ کر آنے جیسا سکوت،یا پھر قبر کی پہلی رات جیسا سکوت۔مہدی کی سرجری کو کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔شام سے صبح ہونے کو تھی۔اسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ہسپتال والے لباس میں اسکا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔خون کافی مقدار میں بہہ چکا تھا۔اسکے خاندان والے اسکے لئے پریشان تھے۔انیسہ اسکے پیروں کے قریب بیڈ پہ بیٹھی تھی۔روئی روئی سی آنکھوں میں اپنے کزن کے لئے فکر تھی۔اس محل میں وہی تو ایک تھا جو اس لڑکی کو انسان بھی سمجھتا تھا۔ہاں انکے کچھ اختلافات تھے ،لیکن پھر بھی وہ اسے بہترین انداز میں سمجھتا تھا۔

اسی پل دروازہ کھلا اور قیس کمبیر اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔کچھ دیر قبل کی زرد رنگت اب بدل چکی تھی۔تھکن کا نام ونشان تک نہیں تھا۔آنکھیں ایک بار پھر کسی کسی تاثر سے خالی ہو گئیں۔گردن اٹھی ہوئی،چال میں تمکنت۔

مہدی آنکھیں موندے لیٹا تھا۔قیس کے آتے ہی انیسہ اٹھ کھڑی ہوئی۔مہدی کو نرم نظروں سے دیکھا،اور پھر باہر چلی گئی۔وہ چند پل اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا مہدی کے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پہ آن بیٹھا۔بھاری سانسیں لیتا مہدی

سو رہا تھا۔ قیس گردن ڈھلکائے اسے کسی سائیکو پیتھ کی مانند دیکھے گیا۔ اسی لمحے اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر زخمی بازو کو بری طرح دبایا۔ آنکھیں سفاک، سرد تھیں۔ پلستر کے باعث اثر نہ ہوا۔ لیکن اس نے ہار نہ مانی۔ زخمی بازو کو اوپر اٹھا کر ہوا میں بلند کر کے نیچے چھوڑ دیا۔ بازو پلنگ سے ٹکرایا ایک دم بازو میں اتنا شدید درد اٹھا تھا کہ مہدی بلبلاتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا۔ اسکی روح تک زخمی ہو گئی تھی۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ بلند آواز میں چیخ چیخ کر۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے ٹانکے ادھڑ گئے ہوں۔ درد کی شدت سے وہ گہرے لمبے سانس لینے لگا تھا۔ قیس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

اس نے بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر اسکا بازو بلند کیا۔ مہدی اسے ہٹانا چاہتا تھا لیکن اسکے جسم میں ذرا برابر توانائی نہیں بچی تھی۔ ہوا میں بلند بازو کو ایک بار پھر یونہی نیچے چھوڑا گیا۔ تکلیف حد سے سوا ہوئی، تین گولیوں سے داغا گیا بازو درد سے سن ہو گیا۔

''وہ کون تھا، مہدی؟''

''تمہارا باپ تھا وہ خبیث انسان۔'' مہدی غرایا۔ پھر لبوں کو سختی سے جما کر درد کم کرنے کی کوشش کی۔ چند موٹے موٹے پانی کے قطرے بلا اجازت چہرے پہ پھسل گئے۔ درد پہ کسی کا اختیار تھوڑی ہوتا ہے۔

''میرا باپ ہوتا تو اس وقت تم قبر کا حساب دے رہے ہوتے، یوں میرے سامنے سانس نہ لے رہے ہوتے۔'' سبز آنکھوں میں مارے تکلیف کے بے بسی بھرنے لگی۔ لوہے کے زرے اسکے بازو کو چیر گئے تھے۔ درد تو ہونا تھا۔

''وہ کون تھا، مہدی۔ اس نے تمہاری جان کیوں لینی چاہی؟ اور اگر لینی چاہی تو لی کیوں نہیں؟'' وہ اب تک اپنی بات پہ اٹکا تھا۔

مہدی نے ضبط سے اسے دیکھا۔ ''میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا، قیس۔'' وہ قیس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کچھ جتا رہا تھا۔

قیس نے پہلو بدلا۔ ''کیا کوئی دشمنی، بغض، عناد؟'' ایک اور سوال۔

''تمھارے علاوہ یہ تعلق کسی سے بنا ہی نہیں۔'' اس نے اپنا ہی مذاق اڑایا۔

قیس اپنی جگہ سے اٹھا۔ قریب آکر اسکے تکیے برابر کئے۔ ''شاید تم نے اس آدمی کے کسی بے حد عزیز شخص کو اس سے دور کیا ہو؟'' مہدی کے سینے پہ دباؤ ڈال کر اسے لٹا دیا۔ ''شاید تم نے اسے اس لوہے کے ذرے سے زیادہ تکلیف دی ہو؟''

''کیا پتہ وہ کسی برسوں پرانے بغض کے چلتے تمھارے قریب آیا ہو؟'' سرگوشی میں سرقلمی کی بو آتی تھی۔ مہدی نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں ولن لگتا ہوں، لیکن میں وکٹم ہوں۔ میں پرابلم لگتا ہوں۔ لیکن میرے ساتھ کوئی پرابلم ہے۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ ''میں غیر لگتا ہوں لیکن میں تمہارا سب سے قریبی ہوں۔'' دوائیوں کا اثر، لوہے سے داغے جسم کا درد، اپنوں کی بے اعتنائی، یہ تھے وہ تمام جذبے جو ایک چھبیس سالہ مرد کو کمزور کر رہے تھے۔

''میں مہدی سرور کمبیر اپنے اللہ کو حاضر جان کر قسم کھاتا ہوں، میں نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو جان کر تکلیف نہیں دی۔ اور اگر دی ہے تو میرا معملہ اللہ کے حوالے۔''

قیس قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔ ''کیوں؟ اللہ کے حوالے کیوں؟ وہ تو رحیم ہے فوراً معاف کر دے گا۔ تمہارا معملہ اسکے حوالے جسے تم نے تکلیف دی۔ تمہارا معملہ انسان کے حوالے، اور یاد رکھنا انسان معاف نہیں کرتے۔''

مہدی غنودگی میں جاتے ہوئے بھاری ہوتی پلکوں کو بامشکل کھولے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی پلکوں پہ نمی ٹھہری تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے کسی عورت کی سبز آنکھیں ابھر رہی تھیں۔ اسکی ماں، اسکی خوبصورت ماں۔

''اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو، تو اپنے ہاتھوں سے مارنا۔ کسی اور کو بھیجا تو میں جینے کی خواہش کروں گا۔ اور جب میں جینے کی خواہش کروں گا، کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔'' اس نے ذہن پہ چھائی تصویر جھٹکی، قیس کے گلے میں گلٹی سی ابھری تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر دی۔

''میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے موت دوں گا، لیکن اگر کوئی اور تمھارے قریب بھی آیا تو اسکی موت بھی میرے ہاتھوں ہو گی۔'' وہ تیز تیز قدم لیتا باہر نکل گیا۔ سانس لینے میں دشواری سی ہونے لگی تھی۔ اندر نیم غنودہ مہدی کمبیر کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔

اگر آج اسکی ماں ہوتیں تو اپنے بیٹے سے دور نہ ہوتیں۔ باپ ہوتا تو محبت بھری جھاڑ پلا رہا ہوتا۔ لوہے سے داغا گیا جسم تکلیف نہیں تھا۔ اس پہ مرہم رکھنے کے لئے کسی ''اپنے'' کا نہ ہونا تکلیف تھی۔

آہستہ آہستہ اسکی پلکیں بھاری ہوتی گئیں، آوازوں کا راستہ رک گیا، پھر اندھیرا چھا گیا۔ آوازیں بند، چہرے غائب، اور دماغ تاریکی میں ڈوب گیا۔

یہاں سکون تھا، گہرا سکون۔

لیکن ہسپتال کے اس نجی کمرے کے باہر انتشار تھا۔ موبائل کان سے لگائے راہداریوں میں چلتے قیس کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''تمہاری جرات کیسے ہوئی اسے نقصان پہنچانے کی؟ میں نے کہا تھا ناں اسے میں ہی ماروں گا۔'' دوسری جانب کوئی صفائی دی جانے لگی تھی۔ جسے وہ رد کر رہا تھا۔ راہداریوں میں چلتا یہ شخص دھوپ چھاؤں جیسا تھا۔



''اگر تمھیں لگتا ہے تمہاری نرم پکار مجھے روک لے گی، تو تم غلط ہو۔ میں اس عورت کو ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔''

یہ انیسہ سے ہونے والی جھڑپ کے کچھ دیر بعد کا منظر ہے۔ نیلی روشنی والے کمرے میں مہدی اپنے پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چہرے پہ مضطرب سا تاثر تھا۔ انیسہ کو ہرٹ کر کے وہ خوش نہیں تھا۔ اسے محبت تھی اس لڑکی سے۔ لیکن جو وہ چاہتی تھی کم از کم اس زندگی میں ناممکن تھا۔ وہ اسے چھوڑ سکتا تھا، کسی اور کے ساتھ بھی دیکھ سکتا تھا، لیکن اس کسی اور کو اسکی زندگی میں لانے کے لئے اپنی قربانی؟ معذرت مگر انسان اتنے عظیم نہیں ہوتے، نہ ان کو ہونا چاہیے۔

دفعتاً اسکا موبائل زور زور سے بجنے لگا۔ مہدی نے ایک بے زار سی نگاہ اپنے موبائل پہ ڈالی۔ اور پھر اگلے کئی لمحوں کے لئے دنیا کی ساری گردشیں رک گئیں۔ مہدی کمبیر جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ کالر آئی ڈی پہ **''آپا''** لکھا تھا۔ ساتھ ایک لڑکی کی تصویر بھی نظر آتی تھی۔ یہ اسکے چہرے کا کلوز اپ تھا۔

سانولی رنگت ہو بہو مہدی جیسی، گردن کو چھوتے اسٹائلش بال، ناک میں سونے کی بالی اور خوبصورت پر کشش نقوش۔ اسکی سنہری آنکھیں چمکتی تھیں تو گویا زندگی کا گمان ہوتا تھا۔ مہدی دم سادھے سکرین پہ اسکی جلتی تصویر دیکھتا رہا۔ اسکی ہمت نہ ہوئی کہ ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا سکے۔ وہ اپنی جگہ جامد ہو گیا تھا۔

مہدی کمبیر کی بہن میرہ سرور کمبیر کئی سالوں بعد اسے کال کر رہی تھی۔ کال بج بج کر ختم ہو گئی تو دوبارہ سے ملائی گئی۔ اب کی بار مہدی نے مرے مرے ہاتھوں سے فون اٹھالیا۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ آنکھیں نیم مردہ۔

"انس۔؟" باریک نسوانی آواز نے اسکی موجودگی چاہی۔ مہدی کے حلق سے الفاظ بر آمد ہی نہ ہو سکے۔ "انس تم مجھے سن رہے ہو؟" ایک بار پھر پکارا گیا۔ ماؤں کی ممتا جیسی پکار تھی یہ۔ ماضی کے چکر، حال کے غم سب کچھ مہدی کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

"انس میں پاکستان آرہی ہوں۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں، کیا ہم مل سکتے ہیں؟" وہ آس لئے پوچھ رہی تھی۔ مہدی نے اپنے تاثرات پہ قابو پالیا۔ اب کے حیرت اور شاک کے بدلے تاثرات سپاٹ تھے۔

"تم پاکستان کیوں آرہی ہو؟" جذبات سے عاری لہجے میں پوچھا گیا۔ دوسری طرف اس لڑکی نے گہری سانس لی تھی۔

"محب کو ایک سرکاری میٹنگ کے لئے گوادر آنا ہے۔ میں بھی اسکے ساتھ آرہی ہوں اور ایزل بھی۔ گوادر آجاؤ انس آئی مسڈ یو آلاٹ۔"

مہدی نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ "یعنی تم اپنے شوہر کے ساتھ ایک میٹنگ کے لئے آرہی ہو، اور مجھے یہاں بھی استعمال کیا جارہا ہے؟ یعنی اب بھی تم صرف میرے لئے نہیں آرہیں؟" مارے کرب کے اسکا لہجہ زخمی ہوا۔

''ایسانہیں ہے۔'' میرہ نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''میں کافی عرصے سے تم سے ملنا چاہ رہی ہوں۔ میں صرف تمھارے لئے آرہی ہوں۔ ہوں دونوں کے درمیان فاصلے ہیں، انہیں کم کرنے کے لئے آؤ پلیز آجاؤ۔''

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ تم، تمہارا خاندان اور تمہاری پکار۔ میں تمھارے لئے نہیں آؤں گا۔''

''تم مجھے ڈس اون کر رہے ہو؟ میں تمہاری بہن ہوں؟'' فون کے اس پار اسکی سسکیاں گونجی۔ ''مجھ سے کچھ فیصلے ہوئے، درست غلط میں نہیں جانتی۔ لیکن میں تمہاری بہن ہوں، انس۔ تم مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ بلند آواز میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اگلی بار مجھے فون کرنے کی جرات بھی مت کرنا۔'' اس نے درشتی سے کال کاٹ دی۔

اگلے کئی لمحے وہ اپنے تیز ہوتے تنفس پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ اسے غصہ آرہا تھا، کبھی بے چینی ہو رہی تھی، کبھی سوچتا فون اٹھایا ہی کیوں، کبھی دل چاہتا چند اور باتیں سنا دوں۔ اسی لمحے دروازے کی طرف اسکی نظر اٹھی اور اسکا دل دھک سے رہ گیا۔ ہاتھ میں کافی کے دو مگ پکڑے قیس اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکے چہرے سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا آگے بڑھ آیا۔ مہدی کے قریب بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسکا دھیما لہجہ تنبیہ کرتا ہوا تھا۔

''آئندہ اس سے اس ٹون میں بات نہ کرنا۔''

''میں جانتا ہوں اس سے کس طرح بات کرنی ہے۔ ہمارے معملات میں نہ آؤ۔ اور وہ میری بہن ہے تم کیوں بیچ میں آرہے ہو۔'' قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ وہ قیس کی واحد دوست ہے۔ دوبارہ کال آئے تو بیہیو اوکے ؟" منظر تحلیل ہوا۔ اب کے کمبیر محل کے ڈائننگ کا منظر تھا

۔

"تم انتقام لینے جا رہے ہو میں جانتا ہوں۔"

پچھلی رات میرہ کی کال آنا، مہدی کا اسے جھڑکنا اور اگلے دن یوں گوادر جانے کی تیاری کرنا، قیس اتنا پاگل نہیں تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ پاتا۔ وہ جانتا تھا مہدی وہاں جائے گا۔ اسکی بہن اسے بلائے گی تو وہ ضرور جائے گا۔ وہ جب جب بلاتی تھی مہدی جاتا تھا۔

لیکن وہاں جا کر وہ اسکا دل دکھائے گا یہ بھی طے تھے۔ مہدی کمبیر انتقام نہیں بھولتا، اور قیس کو انتقام کے طریقے نہیں بھولتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی میں حاکم نواب کی گھر کی چھت سے دبی دبی آوازیں آ رہی تھیں۔ دو بہنیں آپس میں راز و نیاز کر رہی تھیں۔ بہنیں عجیب ہوتی ہیں ناں ؟ آپ کی جگہ برتن دھونے پہ سارا گھر سر پہ اٹھا لیتی ہیں۔ لیکن کہیں آپ کی جگہ لڑنے کی باری آئے تو ساری دنیا سر پہ اٹھا لیتی ہیں۔

چارپائی پہ چت لیٹی چھت کو تکتی دونوں بہنوں نے یکدم خاموشی اختیار کی تھی۔ کافی دیر بعد چھوٹی بہن کے بولنے کی آواز آئی۔

"تم کتنی خوش قسمت ہو ناں، زینی ؟" اسکے لہجے میں حسرت تھی۔ "کیا ہے جو تمھارے پاس نہیں ہے۔ غیر معمولی ذہانت، خوبصورتی، خوش بختی، تمھارے پاس سب کچھ ہے، زینی۔ میرے پاس کیا ہے۔"

"تمھارے پاس ابا ہیں، کونج۔" وہ بولی نہیں بس سوچ سکی۔ بولنے کے لئے اسکے پاس مختلف الفاظ تھے۔

''تمھارے پاس بھی بہت کچھ ہے۔ تم بے حد خوبصورت ہو، تمہارا اکیڈمک ریکارڈ اچھا ہے۔ اور سب سے بڑی بات تمہارا اچھا اخلاق ہے۔ میں دس ہزار بار پیدا ہو کر بھی آجاؤں تو تمھارے جیسا اچھا اخلاق نہیں لا سکتی۔ کوئی تمھیں گالی دے دے، تم اسے سمجھانے بیٹھ جاؤ گی۔ اور میں اسے چیر پھاڑ ڈالوں گی۔'' وہ کہنی کے بل دراز کونج کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

مڑی ہوئی پلکوں والی لڑکی نے یاسیت سے اسے دیکھا۔ اسے یوں زرد جوڑے میں دیکھ دل بھر آیا تھا۔

''اسلام آباد مت جاؤ ناں، زینی۔ میں بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔ میرے پاس تو کوئی بھی نہیں ہو گا۔'' آنسو ٹوٹ کے اسکے چہرے پہ پھسل گئے۔ ''میں۔۔۔ تمھیں نہیں جانے دینا چاہتی۔ پلیز رک جاؤ۔'' اس نے منت کی۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ یہ بہن نہیں تھی اسکے لئے اولاد جیسی تھی۔

''یہاں میرے لئے کچھ نہیں ہے، کونج۔ میں یہاں رہ کے بس ابا کے جوتے صاف اور بشر کے کپڑے استری نہیں کر سکتی۔ اور اب تو اضافہ ہونے لگا ہے بالاج کے لئے کھانے تیار کرو۔''

''لیکن اس میں مسئلہ ہی کیا ہے؟'' کونج روتے ہوئے بولی۔ ''ابا کے کپڑے استری کرنا، بشر کے جوتے صاف کرنا، اور بالاج کا کھانا تیار کرنا کیا یہ ایک عورت کا کام نہیں ہے؟'' اسکا لہجہ ترش تھا۔ زینیا سیدھی ہو بیٹھی شہد رنگ بال چاند کی روشنی پڑنے پہ مزید خوبصورت لگ رہے تھے۔ بے داغ اجلا چہرہ کسی اپسرا کی مانند لگتا تھا۔ قسمت واقعی کچھ لوگوں پہ حد سے زیادہ مہربان ہوتی ہے۔

"مجھے ابا کے کپڑے استری کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اسکے بعد مجھے اپنی جاب پہ جانے کے لئے چادر بھی تیار کرنی چاہیے۔ مجھے بشر کے جوتے صاف کرنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اسے کام پہ بھیج کر مجھے اپنی جاب پہ جانے کے لئے ہیل چمکانی ہیں۔"

وہ ایک پل کو رکی۔ "بالاج کے لئے کھانا بنانے سے مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اس کھانے کے بعد صبح کی پریزنٹیشن تیار کرنے کے لئے وقت چاہیے۔ کیا یہ زیادہ ہے، کونج؟ کیا میں زندگی سے کچھ زیادہ مانگ رہی ہوں؟" وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔ گھر والوں سے لڑ لڑ کر وہ تھک رہی تھی۔ اب اسے سپورٹ چاہیے تھی۔ ہر انسان کو چاہیے ہوتی ہے۔

کونج نے بے زاری سے کروٹ بدل لی۔ "مجھے نہیں پتہ زینی کیا صحیح ہے کیا غلط۔ لیکن ابا تمھارے فیصلے سے خوش نہیں ہیں۔ تمھارے فیصلے کبھی انکے فیورٹ نہیں رہے۔ ابا تمھیں پسند نہیں کرتے، لیکن تمھارے اس فیصلے کے بعد تو بلکل نہیں۔ انہیں اب تم سے ذرا بھی محبت نہیں ہوگی۔" اس نیم شاعرہ کو نہیں معلوم تھا، وہ الفاظوں کے معملے میں کتنی سفاک تھی۔

اگلے کئی لمحے زینیا خلا میں گھورتی رہی۔ "وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، کونج۔ بہت محبت کرتے ہیں۔ کونسا باپ اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا ہوگا؟" کونج نے دھیرے سے کروٹ بدلی۔ زینیا کا چہرہ رنجیدہ تھا۔

"ابا اور میرے درمیان بہت سارے فاصلے ہیں۔ جنہیں ہم نے کبھی پر نہیں کیا۔ انہوں نے ضروری نہیں سمجھا، اور میں نے ضرورت سے زیادہ سمجھ لیا۔" کئی لمحے وہ ایک بار پھر خاموش رہی۔ چہرہ گھٹنوں سے لگائے، بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹ لئے۔

''کچھ بچے ہوتے ہیں جو چاہے اچھے گریڈز لائیں، اخلاق کا مظاہرہ کریں، ماں باپ کا نام روشن کریں، یا پھر چاند سے تارے توڑ کر لے آئیں۔ وہ کبھی بھی اپنے والدین کے فیورٹ نہیں بنتے۔ زینیا حاکم انہی بچوں میں سے ہے۔ ابا کو مجھ سے نفرت نہیں ہے۔ ابا کے لئے بس میں انکی فیورٹ نہیں ہوں۔'' یاسیت، اداسی، کرب یکدم ان تینوں نے زینیا کے لہجے میں گھر کیا۔

کونج چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسے ایک اور خیال آیا۔ ہمت متجمع کرتے، خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے بلاخر اس نے پوچھ لیا۔

''میں نے۔۔۔ میں نے اس رات تمھیں، عبداللہ سے بات کرتے ہوئے سنا تھا۔۔۔ اس نے کیا کہا، زینی؟'' جھجھک کر پوچھا گیا۔

''اس نے انکار کردیا۔'' وہ ترنت بولی۔۔ ''وہ مجھ سے انتقام لے رہا ہے۔ میرے ابا کا انتقام۔ میرے خاندان کے باقی مردوں کا انتقام۔'' دھیمے لہجے میں بتایا گیا۔ کوئی اداسی، کوئی رنج کچھ نہیں۔

''اسے شرم آنی چاہیے۔ وہ کتنا برا ہے۔''

''وہ برا نہ بنتا۔ اگر یہ دنیا اسکے ساتھ اچھی رہتی۔'' عبداللہ کا دفاع کیا گیا۔

''تم تو آج بھی اسکے لئے کچھ برا نہیں سن سکتیں۔ تم آگے کیا کرو گی زینی۔؟''

''وہ اگر برا ہے تو میرے لئے، اچھا ہے تو میرے لئے، دنیا کو کیا حق ہے وہ عبداللہ کے لئے اپنی رائے دیتے رہیں؟''

کونج نے تاسف سے سر ہلایا۔ ''عبداللہ نے تمھیں کھو کر دنیا کھو دی۔'' زینیا نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

" I agree"

وہ دھیرے سے بولی،اور اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیں۔ ہنستے ہنستے انکی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ لیکن وہ بس پاگلوں کی طرح ہنستی رہیں۔ پیٹ پکڑے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے کافی دیر تک وہ بس ہنستی رہیں۔ کافی دیر بعد جب انکی ہنسی تھمی تو زینیا ایک بار پھر لیٹ گئی۔ اب کے بالوں کو چارپائی سے نیچے کھلا چھوڑ دیا۔ لیٹے لیٹے اسکے شہد رنگ بال زمین کی سطح کو چھو رہے تھے۔ کونج اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"تمھیں پتہ ہے اس رات ضیغم مجھے کہہ رہا تھا، دیگچی سے مت کھاؤ ورنہ شادی پہ بارش ہو گی۔ میں نے اس سے کہا شادی میری ہے تمھیں کیا تکلیف ہے؟ پھر پتہ نہیں کیوں عجیب طرح سے مسکرا رہا تھا۔"

"حلانکہ اسے تمہاری تصیح کرتے ہوئے کہنا چاہیے تھا، شادی ہماری ہے، کونج حاکم۔" زینیا نے لقمہ دیا۔ کونج پہ مانو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ حد نہیں۔

"ابا نے تمہارا اور ضیغم کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"یعنی واقعی؟۔۔۔رشتہ ہی طے کر دیا؟" وہ سخت حیران تھی۔ یا شاید نہیں تھی۔ اگر تھی تو یہ دل کو پریشان کرنے والی حیرانی نہیں تھی۔ آج پہلی بار یہ خوشی والی بے یقینی تھی۔

"ہاں واقعی۔" زینیا نے تائید کی۔ "مجھے تو یہ رشتہ ہر لحاظ سے مناسب لگتا ہے۔ ضیغم بہت اچھا لڑکا ہے، پڑھتا بھی اچھا ہے۔ اور مستقبل کے بارے میں خیالات بھی اچھے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

کونج کو کوفت ہوئی، شاید بے چینی بھی۔ ''مجھے نہیں پتہ، وہ تھوڑا عجیب نہیں ہے ؟یعنی مجھے بہت دیکھتا ہے۔''

''کیا اسکی نظر بری ہے ؟'' بڑی بہن کا الارم فوراً بجا تھا۔

''استغفر اللہ، زینی ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''بائے داوے وہ ہینڈسم ہے۔'' زینیا مسکرائی تھی۔

“ I agree”

کونج کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی، چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔اور پھر اسی لمحے دونوں بہنیں ایک بار پھر قہقہے مار کر ہنسی تھیں۔

''ہم دونوں ایک گھر میں جائیں گی کتنا مزہ آئے گا، زینی۔۔۔''

''ہم پھپھو کو دن میں تارے دکھادیں گے۔۔۔''

''اللہ اللہ ہمارے شوہر روتے رہیں گے اور ہم اپنے کاموں میں لگے رہیں گے۔۔۔''

مستقبل کے خواب، ہنسی، قہقہے، اور معصومیت سے بھرے انداز اسی طرح سے سیاہ رات اپنے اختتام کو پہنچنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح قیسم کے نیلے شیشے بارش کی بوندوں سے مزین تھے۔ موٹے موٹے قطرے شیشے کی عمارت کے سر کی اونچائی سے پھسل کر پستی کی طرف جارہے تھے۔ قریب آکر دیکھو تو بارش کے یہ موٹے موٹے قطرے عمارت کے شیشوں پہ ایک آرٹ کی مانند دکھتے تھے۔ ایک خوبصورت اور لاجواب آرٹ۔

قیس کمبیر اپنے آفس میں تھا۔ جی بلکل اپنے کزن کو تین عدد گولیاں لگنے کے بعد بھی وہ آفس میں تھا۔ قیس کا کام اسکا جنون تھا۔ اپنی میز پہ ڈھیر سارے پنے بکھیرے، شرٹ کے بازو فولڈ کئے وہ کام میں منہمک تھا۔ ایک نیا ڈیزائن، ایک نیا شاہکار۔ کہیں ہو ہی نہ جائے تیار۔ آرٹ بلاک بھئی۔

اسی پہر آفس کا دروازہ کھلا۔ دھیمی اور مرجھائی چال چلتا ایک شخص اندر داخل ہوا۔ سرمئی سیاہ دھاری دار سوٹ کے نیچے سیاہ گول گلے والی شرٹ جھلک رہی تھی۔ چہرے پہ ڈھیروں ڈھیر شرمندگی پھیلی تھی۔ اور چال کی مسروریت کہیں دور جاسوئی تھی۔ قیس نے سر نہیں اٹھایا، وہ اسے آنے دینا چاہتا تھا۔ وہ اندر آیا چند لمحے یونہی بے مقصد کھڑا رہا، پھر اسکی آواز بلند ہوئی۔

"میرے چچا کے ایک دوست نے انکا کروڑوں کا کاروبار ضبط کرلیا۔" آدھا عرب کہانی سناتے ہوئے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔ "چچا نے اپنے دوست کی بہت منت سماجت کی، غصہ دکھایا پیار سے سمجھایا۔ لیکن وہ ڈھیٹ آدمی نہیں سمجھا۔" قیس گردن جھکائے کام کرتا رہا۔ یا پھر کام کرنے کی کوشش۔

''چچا تہی دامن رہ گئے۔اور کئی سال معاشی تنگدستی میں گزار دیئے۔''اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔(**ڈرامہ بازنہ ہو تو**)''کئی ماہ و سال بعد وہ آدمی واپس لوٹ آیا اور میرے چچا کے پیروں میں گر کر معافی مانگی۔چچا نے اس پرانی دوستی کے صدقے معاف کر دیا ۔'' (**اس نے معافی پہ زور دیا**)

''چچا کہتے تھے دوست چاہے آپ کا سر قلم کر دے، لیکن جب وہ معافی مانگنے آئے تو معاف کر دو۔'' وہ جتا رہا تھا۔قیس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا البتہ رنگین پنسل اٹھا کر ڈیزائن میں رنگ بھرنا شروع کر دیا ایک ادھورا بے کار ڈیزائن۔منہمک، بے پرواہ، غیر مروت۔

براق اگلے کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔وہ مشین نما آدمی کچھ نہیں بولا تو اس نے گلہ کھنکارا اور ایک اور کہانی شروع کر دی۔

''میرے ماموں کے ایک دوست تھے۔بہت قریبی، عزیز من، حبیبی ٹائپ۔ماموں اور انکے دوست کی ایک دن کسی سیاسی مسئلے پہ بحث ہو گئی۔پھر پتہ ہے کیا ہوا؟(**ایک لمبا ڈرامائی وقفہ**)ماموں کے دوست نے ایک لمبا، تیز دھار چاقو انکی کمر میں گھسا دیا۔بس پھر کیا تھا۔ماموں بیچارے کے دونوں گردے فیل ہو گئے۔'' براق نے اپنے لہجے میں ساری دنیا کا دکھ سمو لیا۔لیکن مجال ہے جو قیس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا ہو۔ایک منٹ کے صدمے کے بعد براق ایک بار پھر بولنا شروع ہوا۔

''کئی سال ماموں نے آدھی ادھوری زندگی گزاری، نہ شادی کی نہ بچے کئے بس ایک لاش کی مانند جیتے رہے۔لیکن پھر ایک دن جانتے ہو کیا ہوا؟(**ڈرامائی تاثرات ایک بار پھر**)کڑکتی بجلی، برستی بارش، جان جوکھم میں ڈالتا طوفان اور ان سب کے بیچ ماموں کا دوست واپس آ گیا۔ماموں سے اپنے کئے کی معافی مانگی اور جانتے ہو ماموں نے کیا کیا؟'' یوں لگتا تھا وہ بتانے کے لئے بے چین تھا۔

''ماموں نے اسے معاف کر دیا۔'' براق حنیف نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا تھا۔ اب کے قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمھارے ابا نے کبھی تمھیں اور تمہاری ماں کو اپنے خاندان سے ملوایا ہی نہیں، پھر یہ چچا کہاں سے آگیا؟، تمہاری ماں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ پھر یہ ماموں کہاں سے آگیا؟ جس حساب سے تم جھوٹی کہانیاں گڑھتے ہو، شیطان نے اپنے سر کی دستار اتار کے تمھارے سر پہ باندھ دینی ہے۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ ''خبیث انسان۔'' سر جھٹک کر اضافہ کیا۔ ہاتھ میں پکڑے تمام سامان میز پہ رکھ کر پاور چیئر سے ٹیک لگاتے ہوئے قیس نے اب اسے تفصیل سے دیکھا۔

''اب اپنے آنے کا اصل مقصد بتاؤ، حرف با حرف سچ۔''

''چند دن قبل جو کچھ ہوا میں تہہ دل سے اس عمل پہ شرمندہ ہوں۔'' وہ کہتا ہوا آگے آیا۔

''میں اپنے اس عمل کی وجہ سے کئی روز سے شب خوابی کا شکار ہوں۔'' **(آہ یہ گاڑھی اردو)** تم میرے بہترین دوست ہو، **(کرسی کھینچ کر سامنے آکر بیٹھا)** ''کیا میں تم سے معافی کی درخواست کر سکتا ہوں؟''

''تم درخواست کر سکتے ہو، لیکن یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں تمھیں معاف کروں یا سزا دوں۔'' سلطان نے گردن کڑا لی۔

''میرا یقین کر لو سفر سو خنزیر مرے ہوں گے جب میں پیدا ہوا تھا میں۔۔۔''

" I agree"

قیس نے اسکی بات کاٹی۔ ''بلکہ سو خنزیروں نے خودکشی کی ہو گی، کہ اب تو ہمارا سربراہ چارج سنبھالنے آگیا ہے۔''

براق نے ایک ہزار موٹی موٹی گالیوں کو زبان پہ آنے سے روکا۔ چہرے پہ معصومیت طاری کرلی۔ ''مجھے معاف کردو حبیبی۔ آئندہ میں ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا۔ میں تمہارا دوست ہوں یار۔۔۔'' آخر میں اس نے دہائی دی تھی۔

قیس سیدھا ہو بیٹھا، دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر وہ آگے کو ہوا۔ سنجیدہ محظوظ آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑدیں۔ ''اس گھٹیا سے بھی نچلے درجے کی حرکت کی وجہ کیا تھی؟'' وہ جاننا چاہتا تھا۔

براق کے چہرے پہ تقریباً شرمندگی کا تاثر آیا۔ ''پاگل ہو گیا تھا میں، مجھے لگا تمھیں مسائل میں دھکیل دوں گا تو تم مجھے پکارو گے۔ اور پھر میں شان سے آؤں گا۔ تمہاری مدد کروں گا، اور اپنی ہی نظر میں عظیم بن جاؤں گا میں۔۔۔''

''لیکن مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم کسی ذاتی عناد کی وجہ سے یہ سب کر رہے تھے؟'' براق کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں سفید پڑی تھی۔ ''پتہ نہیں کیوں براق لیکن مجھے لگتا ہے میری طرف تمہارا کوئی انتقام باقی ہے۔ تمہاری vibes میں بے سکونی ہے۔ کہہ دو میں زیادہ سوچ رہا ہوں۔'' مردہ ہوتی آنکھوں اور سفید چہرے کے ساتھ براق نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''میں تم سے کسی قسم کا انتقام نہیں لینا چاہتا۔۔۔ یار یہ دوستی کا چارم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو تنگ کرنا، زچ کرنا، اور۔۔''

''برباد کرنا دوستی نہیں ہوتی، براق۔'' قیس نے ایک بار اسے ٹوکا تھا۔

براق اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''دیکھو قیس اب یہ زیادہ ہو رہا ہے۔ تم اپنے ابلیسی دماغ سے کچھ زیادہ سوچ رہے ہو۔ لگتا ہے تمہاری منگیتر کا عشق سر چڑھ کر بول رہا ہے۔''

''اپنی بکواس بند کرو اور آئندہ میری منگیتر کا ذکر یوں نہ کرنا۔'' سختی سے تنبیہ کی گئی۔اسی لمحے براق حنیف کی شیطانی آنکھوں میں شیطان سے بھی زیادہ گہری چمک در آئی۔خود کو معاف کروانے کا اس سے بہتر طریقہ اس کے پاس نہیں آسکتا تھا۔

''تمھیں اپنی منگیتر کی قسم ہے مجھے معاف کر دو،اللہ تم دونوں کو ساتھ رکھے خوش رکھے،تم دونوں ساری دنیا کا سفر ایک ساتھ کرو ،تم۔۔۔''

''معاف کیا۔'' سنجیدہ ٹھہری ہوئی آواز پہ براق کا دل بلیوں اچھلا تھا۔اسکا جی چاہا تھا قیس کا ماتھا چوم لے (**نہیں یہ آوٹ آف کریکٹر ہو جائے گا**)ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اس نے پر جوش قدم باہر کی جانب بڑھائے،دروازے سے آدھا باہر اور آدھا اندر رک کر اس نے قیس کو پکارا۔

''اللہ تم دونوں کو ایک دوسرے کے لئے نیک کرے۔۔۔'' چند لمحے دروازے پہ رک کر دعا کے ریپلائی کی امید کرتا رہا،چند پل بعد مایوس ہو کر پلٹ گیا۔

''آمین۔'' اسکے جانے کے بعد قیس کے لب دھیرے سے پھڑ پھڑائے۔سر جھٹک کر وہ دوبارہ کام پہ لگ گیا۔اب کی بار وہ مسکرا رہا تھا نہ جانے کیوں؟



(''میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔میں چاہتا ہوں وہ پل پل روئے،میں اسے روتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔'')

بیس سالہ مہدی اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ یہ کمرہ آج کے کمرے سے مختلف تھا۔ دیواروں پہ پینٹ مختلف تھا، نیلی روشنی ندارد، بیڈ گول ڈیزائن کا تھا، اور سب سے بڑی بات ابھی اسکے گھومے جانے والے ملکوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھے وہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دفتعاً اسکے کمرے کا دروازہ کھلا۔ سیاہ نائٹ سوٹ میں ملبوس بالوں کو گول مول باندھے، سنہری آنکھوں میں پریشانی لئے، میرہ سرور کمبیر اندر آتی دکھائی دی۔ مہدی اسے آتے دیکھ مسکرایا تھا۔ اور اپنے قریب اسکے لئے جگہ بنائی۔

''آجاؤ آپا آجاؤ۔ تم نے ڈگری کیا لے لی، بھائی کو ہی بھول گئی۔'' وہ ان گزرے وقتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔ سادہ، پر خلوص، محبت بانٹنے والا۔ میرہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے قریب چلی آئی۔ بیڈ کی پائنتی پہ غیر آرام دہ سی ہوئی وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ مہدی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آپا کیا ہوا ہے؟'' وہ متفکر ہوا۔

''میں تمھیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' اس نے تمہید باندھی۔ مہدی سنجیدہ ہو گیا۔ کئی لمحے خاموشی میں گزرے وہ الفاظ متجمع کرتی رہی۔ پھر دھیرے سے چند الفاظ اسکے لبوں سے ٹوٹ کر نکلے۔

''انس۔۔۔ میں۔۔ میں شادی کر رہی ہوں۔'' مہدی کو شاک سا لگا تھا۔ ''محب ملک، میرا یونیورسٹی فیلو ہے۔ وہ آج کل چائنا ہوتا ہے۔ اسے ایمبیسی میں بہت اچھی جاب ملی۔۔۔''

''فوراً انکار کر دو۔ تم اس سے شادی نہیں کر سکتیں۔'' وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ ''تم ایسے کیسے شادی کر سکتی

ہو۔۔اور شادی کر کے اتنی دور جاؤ گی؟ تم جانتی ہو اماں ابا کی موت کے بعد میرا خاندان تم ہو۔'' مہدی کو گویا اسکی بات سمجھنے میں دقت ہوئی ہو۔

میرہ نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ ''میں ناں نہیں کہہ سکتی، مہدی۔ ایک نہ ایک دن مجھے شادی کرنی تو ہے ناں۔ پھر آج کیوں نہیں؟''

''تم اس سے شادی اس لئے کر رہی ہو ناں تا کہ یہ ملک چھوڑ کا جاسکو؟ وہ آدمی مجھ سے ضد رکھتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا وہ تمہیں جیتے گا اور اب وہ وہی کر رہا ہے۔ تمھیں چناؤ کرنا ہوگا۔ میں یا محب۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔'' آخر میں وہ بڑبڑایا۔

میرہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اسے قیس یاد آیا تھا۔ اسے اپنے معذور چچا نظر آئے، اسے اس گھر کا ہر بسمل نظر آیا۔ اور پھر مہدی نے اسے کھڑے ہوتے دیکھا۔

''میں اس گھر میں ایک بسمل بن کر نہیں رہ سکتی۔ جلد یا بدیر مجھے فیصلہ لینا ہی تھا۔ میں یہاں سے جا رہی ہوں، مہدی۔'' **(وہ تو اسے انس کہتی تھی ناں؟)**

''تم مجھے چھوڑ رہی ہو؟'' اسکا لہجہ زخمی ہوا تھا۔

''میں خود کو چن رہی ہوں۔''

(''وہ ایک فون کال اس لڑکی جو جیتے جی مار گئی ہے۔'')

بیجنگ (**چائنا کا دار لحکومت**) کے ایک آرام دہ، اور شاہانہ فلیٹ کے لاؤنج میں اس وقت میرہ کمبیر ڈبل سیٹر صوفے پہ بیٹھی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں، چہرہ گیلا متواتر بہتے آنسوؤں نے اسکا گلا بھاری کرر کھا تھا۔ گزرے وقتوں نے اسکے خوبصورت چہرے کو بے کشش کرر کھا تھا۔

محب کے ساتھ گزرے چھ سالوں میں اس نے ایک دن بھی محبت یا آرام کا نہیں دیکھا تھا۔ وہ واقعی اس سے ضد کر کے لا یا تھا۔ یوں نہیں تھا کہ وہ اسے وقت نہیں دیتا تھا، محبت نہیں دیتا تھا۔ بات یہ تھی کہ اسکا شوہر اسکے میکے سے مقابلے بازی نہیں چھوڑتا تھا۔ اسے آئے دن پرستش چاہیے ہوتی تھی۔ وہ ناں نہیں سن سکتا تھا۔ اسے ہر وقت کی غلامی چاہیے تھی۔ خود اسکے باہر بھی تعلقات تھے جن کی نوعیت تم سمجھتے ہوگے مگر میرہ اگر کبھی اپنے خاندان کا ذکر بھی کر دے تو وہ مار پیٹ تک آجاتا تھا۔ وہ مردوں کی اس قسم میں سے تھا جنکو اپنے سسرال سے عظیم بننے کا جنون سوار ہوتا ہے۔ اور یقین جانیں یہ مردوں کی بدترین قسم ہوتی ہے۔

میرہ نے چھ سال اپنے خاندان کو یاد کیا تھا۔ اس نے چھ سال اپنے واحد دوست کو یاد کیا تھا۔ ان چھ سالوں میں وہ چھ لاکھ مرتبہ تڑپی تھی۔، پچھتائی تھی۔ لیکن واپسی کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ بسمل وہ آج بھی تھی۔ بس اسلام آباد کے محل سے بیجنگ کا فلیٹ بدلا تھا۔ پچھتاوے، تکلیف، رنج اور خاندان کی یادیں ان تمام جذبات میں گھرے آنسو بہاتے ہوئے آج ایک بار پھر اس کی رات جاگ کر گزر جانی تھی۔

"میں اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں وہ برباد ہو جائے۔"

ماضی میں کمرہ بدل چکا تھا۔ یہ میرہ سرور کا کمرہ تھا۔ وہ پلنگ سے پیر نیچے لٹکائے بیٹھی تھی۔ لباس شکن آلود، بال بکھرے ہوئے، چہرہ زرد۔ نظر گھما کر دیکھو اور مہدی گھٹنوں کے بل اسکے پیروں کے قریب بیٹھا دکھائی دے گا۔ ایک بھائی اپنی بہن کا بھلا چاہتا تھا۔

''دیکھو آپا پلیز یہ شادی مت کرو۔ وہ۔۔۔ وہ آدمی مجھ سے انتقام لے رہا ہے۔۔۔۔'' وہ سرخ گیلی آنکھیں لیئے ملتجی انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''جب اس نے تمھیں پہلی بار پرپوز کیا تھا۔ تب یاد ہے تم نے اسے میری وجہ سے منع کر دیا تھا۔ اور۔۔۔ اور جب تم دونوں کی پہلی لڑائی ہوئی تھی اسکی وجہ بھی میں تھا۔ وہ مجھ سے مقابلہ کرتا ہے۔ تم اسکی انا کا مسئلہ ہو۔ محبت نہیں۔''

میرہ نے دھیرے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔ سنجیدہ نظریں مہدی کی گیلی آنکھوں پہ گاڑ دیں۔ ''مہدی کبیر۔ **(اسکی آواز سرگوشی جیسی تھی۔)** میں نے تمھیں پالا ہے۔ تمہاری ماں بن کر۔ میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔ **(سفاکی اس خاندان پہ ختم ہوتی تھی۔)** میں یہاں سے جاؤں گی۔ اس خاندان سے دور، اس نحوست سے دور، یہاں کی تکالیف سے بہت دور۔''

''وہ تمھیں ہرٹ کرے گا۔'' زکام زدہ تنبیہہ۔ ''وہ تم سے مقابلے کرے گا۔ وہ ایک اچھا مرد نہیں ہے۔ اپنے ساتھ ظلم مت کرو۔ اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرو۔''

''نظر ثانی مشوروں پہ کی جاتی ہے۔ فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ ان میں پیچھے مڑ کر دیکھنا جائز نہیں ہوتا۔''

''میں تمھیں اس طرح دلدل میں گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، تم میرے ہوتے ہوئے یہ قدم نہیں اٹھا سکتی۔''

''کس نے کہا ہم ساتھ ہیں، مہدی۔ لو میں نے تمھیں چھوڑا۔۔'' لہجہ نہیں چابک تھا۔ بات نہیں سانس کی ڈور تھی، جو کٹ گئی۔

چند لمحے مہدی یونہی اسکے قدموں کے قریب بیٹھا رہا۔ کئی سانسیں بے یقینی میں لی گئیں۔ کئی لمحے سوگواری میں گزرے۔ فضاؤں میں ٹوٹے دل کا کرب رچ بس گیا۔ مہدی جسے کھو رہا تھا وہ بہن سے بہت بڑھ کر تھی۔

''آج حال میں تم مجھے ڈس اون کر رہی ہو، کبھی مستقبل میں، میں تمھیں ڈس اون کر دوں تو مجھے یقین ہے کوئی گلہ باقی نہیں ہو گا۔۔'' ہک ہاہ، آگیا تھا وہ اپنے The mean kambeers والے عمل پہ۔

ماضی چھ سال بعد ایک فون کال کی صورت سامنے آتا ہے۔ اور جو ہوا کیا مجھے تمھیں بتانے کی ضرورت ہے؟

(''اسے فون کال پہ روتے ہوئے دیکھ کر بھی تم خوش نہیں تھے۔'')

''آجاؤ انس۔۔۔ پلیز ایک بار مجھ سے ملنے آؤ۔ اپنی بھانجی سے ملنے آؤ۔ اسے تم سے بہت محبت ہے۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ پلیز انس آجاؤ۔۔'' وہ رو رہی تھی۔ ہچکیاں لے لے کر، ماضی کے غم، حال کا سوگ اسکا دل چیر رہے تھے۔

''تم کیوں نہیں آتیں؟ گوادر آرہی ہو ناں۔ اپنے شوہر کو چھوڑ کر اسلام آباد آؤ۔ تم نے چھوڑا تھا تو تم پہل کرو۔ میں تمھارے لئے نہیں آؤں گا۔''

''میں نہیں آسکتی انس میں نہیں آسکتی۔ مجھے تم سے کوئی انا نہیں کوئی ضد نہیں۔۔۔ لیکن۔۔''

''تمھارے شوہر کو ضد ہے۔'' مہدی نے اسکا جملہ مکمل کیا۔ ''وہ چاہتا ہے کہ میں وہاں آؤں تاکہ اسکی انا کو تسکین ملے، اور اگر تم اسلام آباد آئیں تو وہ تمھارے طعنوں میں مزید اضافہ کر دے گا۔ وہ مقابلے کرنے والا مرد ہے۔ میں نے تمھیں وارن کیا تھا، میرہ محب ملک۔''

''آپ کے گھر کی عورتیں جب غلطی کر گزریں تو مشورے نہیں حل دیتے ہیں، انس۔''

''لڑکیاں اگر غلطی کریں تو بعد میں یہ گٹس رکھیں کہ انکو اون بھی کر سکیں۔ اپنے گھر کے مردوں سے یہ امید نہ رکھیں کہ وہ ہمیشہ کندھے دے کر انکو کھڑا کریں گے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''مردوں کا دل بڑا ہوتا ہے۔''

''بڑا چھوٹا کہاں سے آ گیا دل تو دل ہوتا ہے ٹوٹ جائے تو پھر مشکل سے جڑتا ہے۔ ایک غلط مرد تمہاری غلطی تھی۔ میں تم اسے چھوڑ کر آؤ میں تمھیں پناہ دوں گا، لیکن اگر تم اسے خوش رکھنے کے چکر میں تم مجھے اسکے سامنے جھکانا چاہتی ہو تو ایسا نہیں ہو گا۔ اسے خوش رکھنا تمہارا مسئلہ ہے میرا نہیں۔''

میرہ کے دل پہ دھکا لگا تھا۔ اسکا بھائی اتنا خود غرض کب ہوا؟

''بھائی تو سسرال میں بہنوں کا مان رکھتے ہیں۔ انکی غلطیوں کو ڈھکتے ہیں۔ تم کون ہو؟ تم کیسے بھائی ہو؟'' وہ بلند آواز میں روتے ہوئے بامشکل بول رہی تھی۔

''تمہاری شادی میں تمھارے گھر سے شریک ہونے والا واحد مرد میں تھا۔ تمہاری بیٹی ہونے پہ مٹھائیاں بانٹنے والا سارے خاندان سے مبارک بعد وصول کرنے والا میں تھا۔ ہر عید، تہوار پہ کیکس اور فون کال میری طرف سے آتی ہے۔ تم اس سے زیادہ کیا چاہتی ہو؟'' وہ اس پائنٹ پہ واقعی بے بس ہوا تھا۔

''بھائی مان دیتے ہیں۔ لیکن بہنوں کو بھی چاہیے کہ اپنی عزت کے لئے بھائیوں کو مت جھکائیں۔اور یہ پلیز میرے سامنے رو یا مت کرو۔ برا لگتا ہے۔''اس نے کال کاٹ دی، لیکن بہن کی سسکیاں نہیں بھول سکا۔

اسے ہرٹ ہوتا تھا جب وہ روتی تھی۔

(''تم اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔''یقین سے کہا گیا۔

''ہاں میں نہیں دیکھ سکتا۔''ساری ضد، سارا تنتنا، سارا تنفر دور جا سویا۔ایک عام مرد اعتراف کے مرحلے میں تھا۔)

اسلام آباد کی فیصل مسجد کے وسیع رقبے پہ پھیلے میدان میں اس وقت کئی لوگ آ جا رہے تھے۔ نسبتاً کونے والے گوشے میں اس وقت ایک ٹولی سی جمع تھی۔ سفید چادریں بچھائے کچھ لوگ وہاں تقریب میں شامل ہونے آئے تھے۔

محب ملک اور میرہ سرور کے نکاح کی تقریب۔ وہ تقریب جس میں میرہ کے گھر کا کوئی فرد نہیں تھا۔میرہ سفید زردوسی کے کام والے جوڑے میں ملبوس احاطے میں یہاں سے وہاں گھوم رہی تھی۔خوبصورت چہرہ نوک پلک سنوار لینے سے مزید خوبصورت نظر آ رہا تھا۔لیکن آنکھیں اداس تھیں۔کال مل گئی تھی۔اور رکے ہوئے آنسو روانی سے بہہ نکلے۔ذرا فاصلے پہ اسکا ہونے والا شوہر اپنے دوستوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''مہدی، آ جاؤ پلیز۔مجھے اس ذلت سے بچا لو۔پلیز مہدی۔ میرے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے کے لئے میرے گھر کے کسی مرد کو آنا چاہیے۔پلیز۔''

اپنے بیڈ پہ لیٹے بکھری حالت والے مہدی کے دل پہ قیامت گزر گئی۔وہ اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''میں نے جو کچھ کیا ہے مجھے اسکے لئے معاف کر دو، تم چاہے مجھ سے تعلق نہ رکھنا لیکن بس آج آجاؤ۔''

اس نے کال کاٹی۔اور اٹھ بیٹھا۔ سرخ آنکھیں بکھرا حلیہ سب وا س سے سوال کرتے تھے۔وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں لگتا تھا۔اگلے ایک گھنٹے میں وہ اسی احاطے میں تھا۔اپنی بہن کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا تھا۔ہاں وہ اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

(''تم اسے خوش دیکھنا چاہتے ہو آباد پر سکون۔''

''ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔'' قیس کی ساحرانہ باتیں اس پہ جادو کر رہی تھیں۔)

میرہ کے یہاں بیٹی ہونے والی تھی۔ان دنوں وہ پاکستان میں تھی۔ محب کی اماں کے ساتھ۔لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز وہ پلیٹ سے فروٹس کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کھا رہی تھی۔ چہرے پہ زاری تھی۔ایک تو موڈ سوئنگس، دوسرا شوہر کی غیر موجودگی اور تیسرا ساس کی موجودگی۔

''ویسے کمال ہی ہے۔دو تین بعد تمھارے یہاں بیٹی ہونے والی ہے۔اور تمہارا خاندان ہے کہ آج تک مڑ کر پوچھا نہیں۔'' اسکی ٹپ ٹاپ رہنے والی ہارڈ کور فیمنیسٹ ساس عورتوں کے تمام حقوق بالائے طاق رکھتے ہوئے اس پہ چڑھ دوڑی تھیں ۔حقوق تو بس مردوں سے لینے ہوتے ہیں ناں۔

میرہ خاموش رہ گئی تھی۔دل خراب ہوا تھا۔بے کلی حد سے سوا ہونے لگی۔اسی لمحے میرہ کی ملازمہ خاص تمھیں مہدی کا نمبر ڈائل کرتی نظر آئے گی۔اگلے چند دنوں میں وہ ہسپتال میں تھا۔اسکے ہاتھوں میں گول مٹول سی بچی تھی۔وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ایک

اچھوتا احساس تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ایک صوفے پہ قیس بھی بیٹھا تھا۔صاف ظاہر تھا وہ یہاں لایا گیا ہے ۔آنکھوں میں ڈھیر ساری بے زاریت اور انداز میں بے پرواہی لئے وہ میرہ کے سسرال والوں کے ایک ایک عمل کو نوٹ کر رہا تھا۔ ۔میرہ آنکھوں میں ڈھیر ساری ممنونیت لئے اپنے دونوں بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔مہدی کمبیر اب بچی کے کانوں میں اذان دے رہا تھا۔

''نام کیا رکھنا ہے؟'' تھوڑی دیر بعد میرہ کی چھوٹی نند کے پوچھنے پہ سب سوچ میں پڑے تھے۔کچھ دیر خاموشی رہی۔

''ایزل، یعنی خدا کا تحفہ۔۔'' جواب قیس کی جانب سے آیا تھا۔اس جواب کے بعد وہ ایک بار پھر لاتعلق ہو گیا۔ایزل محب ملک۔ مہدی مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔دو مردوں کے آنے سے میرہ کے سسرال پہ مرعوبیت طاری ہوئی تھی۔وہ مسکرا رہی تھی خوش اور آباد تھی۔

مہدی اسے اسی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔

(''تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو۔'' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا شخص جتا رہا تھا۔)

پی سی گوادر کے سویٹ کی بالکنی سے سبز آنکھوں والا مرد باہر جھانک رہا تھا۔داخلی دروازے سے کوئی مرد اور اسکی فیملی آتی دکھائی دے رہی تھی۔سنہری آنکھوں والی میرہ اور اسکے ساتھ چلتا محب ملک جو کہ دو دنوں سے یہیں تھا۔بس اسکی بچی اور بیوی آج پاکستان آئے تھے۔میرہ نے اپنی پانچ سالہ بیٹی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔پھول دار فراک میں ملبوس ایزل کی سبز آنکھیں بلکل مہدی جیسی

تھیں۔ وہ بار بار اپنی ماں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مہدی نے اندازہ لگایا اسے نئی چیزیں دیکھنے کا شوق تھا۔ سیاح ماموں کی سیاح بھانجی۔

کئی معتبر شخصیات محب کے ارد گرد چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ گارڈز کا جال اطراف میں پھیلا تھا۔ وہ معتبر آدمی تھا، اسکے تعلقات تھے، معاشرے میں اسکا مقام تھا۔

اسی لمحے ایزل نے انگلی کے اشارے سے مہدی کو نشانہ بنایا۔ ''ماما وہ دیکھیں، مہدی ماموں۔'' میرہ نے تیزی سے گردن اٹھا کر دیکھا۔ لیکن خالی بالکنی اسکا منہ چڑا رہی تھی۔ محب کی تیوری چڑھ چکی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے کان کے پاس جھکا۔ ''نہیں آنے والے تمھارے بھائی صاحب۔ انتظار چھوڑ دو بی بی۔'' دنیا کی نظر میں شائستہ، نفیس انسان کا اصل یہ تھا۔

بالکنی سے اندر آتے مہدی نے اپنے اندر تقویت اترتی محسوس کی۔ سکون تھا، جو اسے دیکھ کر ملا تھا۔ محبت تھی جو کبھی کم ہوئی ہی نہیں تھی۔

(''میں اس عورت سے ساری دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔'' اب کے چند آنسو اسکے گال پہ لڑھک گئے۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔)

یہ مہدی کا اس سویٹ میں آخری دن تھا۔ میرہ ایزل کا ہاتھ پکڑے لابی سے باہر جاتی نظر آ رہی تھی۔ برانڈڈ لباس، پیروں میں اونچی ایڑھی کی جوتیاں، آنکھوں پہ سیاہ چشمہ وہ کافی عجلت میں لگتی تھی۔ مہدی کسی ستون کی اوٹ میں کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر بیرے کو اشارہ کیا ایسے جیسے کہا ہو۔ رول، کیمرہ، ایکشن۔

''میڈم آپ کے سویٹ میں آپ کچھ بھول گئی ہیں پلیز چل کر چیک کر لیں۔'' بیرے کے ادب سے کہنے پہ اسے کوفت ہوئی تھی ،البتہ ایزل کو وہیں بٹھا کر وہ ویٹر کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔اسی لمحے مہدی کمبیر ستون کی اوٹ سے باہر آیا۔ایزل نے اسے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا۔مہدی اسکے قریب نہیں جاسکا۔اسے اس بچی کی آنکھیں معتبر معلوم ہوئیں،اسے خون کی یہ کشش خوف زدہ کر گئی۔ایزل نے جو نہی اسے دیکھا،اسکی آنکھوں میں بے پناہ جذبات اُمڈ آئے،وہ چمکتے چہرے اور مسکراتی آنکھوں سے خود خود ہی بھاگتی ہوئی آئی اور اسکی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔کئی لمحے تو مہدی سانس بھی نہ لے سکا۔وہ اسے ویڈیو کالز پہ روزانہ دیکھا کرتا تھا۔بات کیا کرتا تھا۔لیکن وہ اسے چھو نہیں سکا تھا۔یہ کیسا لمس تھا؟ یہ کیسا تعلق تھا۔جو اسکے دل کو چند پل میں سحر زدہ کر گیا تھا۔ مہدی نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور پھر سینے سے لگالیا۔لمس ایک نری جنت جیسا تھا۔اس کے رگ وپے میں سکون دوڑ گیا۔ہاں اسے اپنی بہن سے محبت تھی۔اسی محبت کے تحت اسکی اولاد سے بھی محبت تھی۔وہ اسے سینے سے لگائے کئی لمحے اسے محسوس کرتا رہا۔وہ اپنے باپ کی پرتو تھی۔ماموں سے آنکھیں لی تھیں لیکن ماں سے بس خون۔اور اس خون کی تاثیر اتنی تھی کہ مہدی کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔کئی لمحے بعد وہ اسکے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔وہ آنکھوں میں چمک لئے اسے بہت کچھ بتا رہی تھی۔مہدی مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔

''ماموں آپ کی اور میری آنکھیں ایک جیسی ہیں سیم سیم۔۔'' وہ اپنی آنکھوں کو ضرورت سے زیادہ کھول کر دکھا رہی تھی۔مہدی مسکرایا۔

''تمہاری گھومنے اور ایک جگہ ٹک کر نہ بیٹھنے کی عادت بھی میرے جیسی ہے سیم سیم۔'' ایزل اسکی بات پہ کھلکھلادی۔

یوں تو ہم دن میں کئی بچوں کو دیکھتے ہیں، لیکن یہ جو ہمارے بہن بھائیوں کے بچے ہوتے ہیں ناں، انکو دیکھ دیکھ کر جی نہیں بھرتا۔ یہ خوبصورت ہوں یا نہیں دنیا کا سارا حسن ہمیں انہی بچوں میں نظر آتا ہے۔

''اوکے سو تم اپنی مام کو نہیں بتاؤ گی کہ میں تم سے ملنے آیا تھا۔''

''Top secret یونو؟'' ایزل مسکرائی تھی۔ اور اپنے ہونٹوں پہ انگلی پھیر کر گویا زپ لگالی ہو۔ مہدی مزید کافی دیر اس سے بات کرتے، اسے دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔ جب اسے دور سے میرہ آتی دکھائی دی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ جھک کر ایزل کے دونوں گال چومے۔

'' Until we meet again''

اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ ایزل بھی منہ بسورے اداس آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''آپ Lantern festival میں آؤ گے ناں؟ ممی ہر سال آپ کے آنے کی وش کرتی ہے۔'' وہ عجلت میں ''ہاں ہاں آؤں گا۔'' کہتا ہوا غائب ہو گیا۔ اس بات سے انجان کہ بچے وعدہ نہیں بھولتے۔ اور اس بات سے بھی انجان کے ہر بچے کے لئے اسکے والدین اور اساتذہ کمفرٹ ہوتے ہیں۔ اور بچے ٹاپ سیکرٹس اپنے کمفرٹ سے شیئر کر ہی لیتے ہیں۔

بہن اور بھانجی کی محبت نے اسے بہت کچھ بھلا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''نکاح آج ہوگا، زینی۔''

خبر ایک ہتھوڑے کی مانند اس کے سر پہ برسی تھی۔ چند پل کے لئے تو زینیا حاکم سانس بھی نہ لے سکی۔ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی کونج بھی اسکے جتنی ہی حیران تھی۔ لیکن نہیں اسکی سانس یوں نہیں رکی تھی۔ کسی نے اس سے عبداللہ تھوڑی چھینا تھا۔

''اماں یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' زینیا نے خالی خالی نظریں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا، وہ جو اس سے ذرا ہی فاصلے پہ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔

''بالاج کو کل صبح سویرے سعودی عرب نکلنا ہے۔ اسکے مالک نے اسکے لئے ٹکٹ بھیجی ہے۔ اور وہ بتا رہا تھا کہ اسکا مالک سخت بیماری میں بستر سے لگ چکا ہے۔ اگر بالاج کل تک نہ گیا تو اسکی جگہ کسی اور کو بھیج دیا جائے گا۔'' بولتے بولتے وہ رکیں زینیا کی زخمی نظروں میں دیکھا۔ پھر دھیرے سے اضافہ کیا۔

''یہ نکاح کی شرط بھی ہم نے رکھی ہے ورنہ وہ تو ابھی کے ابھی کراچی کے لئے نکل رہا تھا۔ جو نکاح چار دن بعد ہونا ہے، وہی اگر آج ہو جائے تو کیا حرج ہے گودی (**محبت کا طرز تخاطب**)۔؟''

''بات آج یا کل کی نہیں ہے اماں، بات میری ہے۔ عبداللہ سے میرا رشتہ بھی ایک معاہدہ تھا۔ اور بالاج سے شادی بھی ایک معاہدہ۔ میری قربانی کب تک دیتے رہیں گے آپ لوگ؟''

اسکا لہجہ بلند ہوا۔ ''بالاج کو چاہیے تھا ہر چیز سے اوپر مجھے رکھے، ہر کاروبار سے زیادہ ضروری مجھے رکھے اور وہ کیا کر رہا ہے اماں؟ وہ میرے ساتھ معاہدے کر رہا ہے۔'' نہ جانے کہاں سے چند آنسو اسکی آنکھوں میں بھر آئے۔ لیکن مجال ہے جو اس ڈھیٹ نے گرنے دیئے ہوں۔

''تمھیں مسئلہ کس بات سے ہے، زینی؟ عبداللہ والے معاہدے کے ٹوٹنے سے؟ یا پھر بالاج کے ساتھ معاہدہ برقرار رہنے سے؟ جانتی ہوں تکلیف کیوں ہو رہی ہے تمھیں۔ چار دن مزید عبداللہ کا سوگ نہیں منا سکتیں تم ہے ناں؟''ان کا لہجہ بلند نہیں تھا پھر بھی زینیا کو اپنے کان پھٹتے محسوس ہوئے۔ حقیقت کا تھپڑ بہت زور سے لگا تھا۔

''میں عبداللہ کو بھول چکی ہوں اماں۔۔۔''

''یعنی نہیں بھولی۔۔۔''طنز کیا گیا۔ زینیا بس لب بھینچے آنسو روکے انہیں دیکھتی رہی۔

''عورت یوں چلا چلا کر بتاتی نہیں ہے کہ وہ فلاں کو بھول گئی اور فلاں کو یاد رکھا ہے، عورت اپنے رویے سے جتا دیتی ہے۔ جسے بھلا دیتی ہے اسکا نام تک زبان پہ نہیں لاتی، یوں اسے نظر انداز کرتی ہے جیسے اسکا وجود ہی نہ ہو۔''انہوں نے چہرہ ساکن بیٹھی زینیا کے قریب کیا۔''اگر تم نے عبداللہ کو بھلا دیا ہوتا آج بالاج سے پہلے اسکا نام نہ لیتیں۔''

زینیا شل رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ اماں جس طرح آئیں تھیں اسی طرح چلی گئیں۔ زینیا حاکم ابھی تک ششدر تھی۔ کیا ماؤں کے پاس غیب کا علم ہوتا ہے؟

چند گھنٹے بعد

(میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھی زینیا کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ میز پہ دھری ڈائری میں الفاظ درج کرتے ہوئے وہ خوش تھی۔۔'' میں زینیا حاکم ہوں، میں گوادر سے اسلام آباد ذمہ داریاں لے کر جا رہی ہوں۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے ثابت قدم رکھے، زینیا کو سرخرو کرے۔۔'')

وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔ سرخ رنگ کا بھاری کامدار لگھا پہنے، بالوں کی ڈھیلی چٹیا بنائے، سر پہ ماتھاپٹی اور گلے میں دہری (**ایک قسم کا روایتی زیور جسے اردو میں نولکھا ہار کہا جاتا ہے۔**) ہاتھوں میں سونے ہی کے کنگن تھے۔ کانوں میں بھاری جھمکے، وہ آج حد سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ چہرے پہ ایک الگ سا نکھار تھا۔ سرخ رنگ زینیا حاکم کے لئے بنا تھا۔ لڑکیاں اسکے قریب جھرمٹ بنائے بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر میں اسکا نکاح تھا۔ لڑکیاں فرمائش کر رہی

تھیں۔ نکاح کے وقت لڑکی کی ہر دعا قبول ہوتی ہے، بڑی بوڑھیوں کے قول کو سچ کرتی ساری لڑکیاں اپنی فرمائش کروا رہی تھیں۔ زینیا مسکراتے ہوئے ان سب کی باتیں سن رہی تھیں۔

"تم بتاؤ بختو تمہاری کیا دعا ہے؟" اس نے نرمی سے ایک سولہ سترہ سالہ لڑکی کو مخاطب کیا۔ بختو نامی لڑکی نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "مجھے شادی یا منگنی نہیں چاہیے۔ تم بس اچھا پڑھ کر آنا، زینی باجی، تم ہمارے لئے راستے کھولو گی۔" اسکے چہرے پہ دبا دبا جوش تھا۔ "تم خاندان کی پہلی لڑکی ہو جو دوسرے شہر جا کر پڑھے گی، جب ابا نے یہ بات سنی تو مجھے کالج جانے کی اجازت دے دی۔ اب اگر تم کامیاب ہو کر آؤ گی۔ تو خاندان کی ساری لڑکیوں کے لئے کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔"

وہ چھوٹی سی لڑکی بہت بڑی بات کہہ رہی تھی۔ زینیا نے مسکرا کر آنکھیں جھپکائیں۔ گویا تسلی دی ہو، گویا خاندان کی ساری لڑکیوں کا بیڑہ اپنے سر پہ اٹھا لیا ہو۔

("میں نے ہر رشتے کے ساتھ وفاداری نبھائی ہے، چاہے وہ عبداللہ ہو، ابا ہو، بشر ہو یا پھر زینیا حاکم خود۔")

'' عبداللہ اگر اب کبھی واپس آئے گا۔ تو کم از کم میری گردن اسکے سامنے جھکی ہوئی نہ ہو گی۔ میں نے عبداللہ کے تمام فرائض ادا کئے۔ میں نے اس کے ساتھ وفاداری نبھائی۔ اس نے مجھے کھو کر اپنی ساری عمر کو خسارہ کیا۔ ہاں میرے دل میں ایک کسک ساری زندگی رہے گی، عبداللہ آجاتا تو میری فیری ٹیل بھی سچ ہوتی، پریوں کی کہانی پہ میرا یقین بڑھ جاتا۔ لیکن شاید کچھ لڑکیوں کے لئے ملکہ بد کی کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔ جہاں محبت، ہمسفر، امیدیں سب کچھ شہزادی خود ہوتی ہے۔ اسکے لئے کوئی شہزادہ نہیں ہوتا۔ آج میں، زنبیا حاکم اپنے دل سے عبداللہ کی تمام یادیں نکال رہی ہوں۔ میں بالاج میر کی زندگی میں pure ہو کر جاؤں گی۔

عبداللہ کا باب تمام ہوا۔'')

عورتوں کا جھرمٹ، ڈھول کی تھاپ اور ڈھیر سارے شور کے درمیان امینہ بیگم بیٹھک کی طرف جا رہی تھیں۔ کسی بچی نے بتایا تھا کہ انکے لئے فون آیا ہے۔ وہ عورتوں کے درمیان راستہ بناتی ہوئی بیٹھک چلی آئیں۔ فون کو کان سے لگاتے ہوئے وہ جتنی بے پرواہ تھیں۔ فون کے اس پار وہ نام سن کر وہ اتنی ہی بے چین ہوئیں تھیں۔

''عبداللہ بات کر رہا ہوں۔'' بلوچی زبان میں کہے گئے یہ الفاظ انکی جان نکال گئے تھے۔ کتنے سال، کتنا عرصہ، کتنی ساعتیں انہوں نے اپنے محبوب بھتیجے (**بھائی کے بیٹے**) کی آواز سننے کے انتظار میں گزار دیے تھے۔ کیا یہ وہی عبداللہ تھا جسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا ؟ جسے بولنا سکھایا؟

''میں نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ کہ میں دو ڈھائی سال تک شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر اضافہ کیا۔

امینہ بیگم سانس نہیں لے سکیں۔ وہ وعدہ دے رہا تھا۔ عبداللہ آنے کی نوید سنا رہا تھا۔ لیکن کیا دیر نہیں ہو چکی تھی؟ شہزادے نے گھوڑے کی لگامیں کس لی تھیں، اور شہزادی کسی اور دیس سدھار رہی تھی۔

''آواز آ رہی ہے؟'' اس نے کنفرم کرنا چاہا۔

''اب مت آنا عبداللہ۔'' تنبیہ، منت، سختی، التجا ان سب کو ملاؤ تو امینہ بیگم کا لہجہ بنتا تھا۔ فون واپس کریڈل پہ رکھتے ہوئے انکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ دل پسیج گیا تھا۔ کاش عبداللہ وقت پہ آ گیا ہوتا۔

(وہ وقت پہ آتا اگر کہانی کا شہزادہ ہوتا، لیکن یہ کہانی میری تھی۔

('' میں نے ساری زندگی ابا کی اچھی بیٹی بننے کی کوشش کی، ساری زندگی کامیاب ہو سکی یا نہیں۔ لیکن اب لگتا ہے ابا میری طرف قدم بڑھانے لگے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میں انکی فیورٹ نہ سہی بیٹی بننے لگی ہوں۔ میں ابا کی توجہ کے لئے desperate نہیں ہوں، نہ کبھی تھی۔ لیکن اچھا لگتا ہے جب آپ کا باپ آپ کے سر پہ شفقت کا ہاتھ رکھا ہے۔ اچھا لگتا ہے جب آپ کا باپ آپ کی محنت پہ داد دیتا ہے، اور آپ کو مسکرا کر دیکھتا ہے۔ اگر زینیا حاکم نے عبداللہ کو کھو کر ابا کو پا لیا ہے، تو مجھے نہیں لگتا یہ خسارے کا سودا ہے۔''))

بالاج اور اس کے نکاح کی خبر کو ذرا سی دیر گزری تھی جب زینیا حاکم کے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا۔ ہاتھ میں سرخ جیولری کا ڈبہ لئے حاکم نواب اندر آتے دکھائی دیئے۔ وہ مسکرا رہے تھے زینیا نے ٹھہر کر انہیں دیکھا۔ ڈھیر سارے جذبات تھے جو ایک ساتھ آن

وارد ہوئے تھے۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے آئے اور اسکے قریب آ کر بیٹھے۔زینیا بس انہیں دیکھے گئی۔ابا نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''میری اچھی بیٹی۔۔'' دھیرے سے چند الفاظ کہے گئے۔الفاظ تھے کہ امرت؟

''تمہاری شادی کی بہت خوشی ہے مجھے۔'' وہ مسکرا رہے تھے۔''میں نے بالاج کے اکاؤنٹ میں دس لاکھ جمع کروا دیئے ہیں۔تم دونوں جب ایک گھر میں رہو گے۔تب اپنا سامان خرید لینا ٹھیک ہے ناں؟''

زینیا کے حلق سے الفاظ نہیں نکلے۔وہ اب تک شل تھی۔ابا نے جیولری کے ڈبے کو کھولا اور اندر سے زیور نکالا۔وہ ہس تھی، چوکور ہس۔**(گلے میں پہنے جانے والا زیور۔)**

چوکور ڈیزائن کے ہس پہ ننھے ہیرے لگے تھے۔زینیا دم بخود رہ گئی۔کیا انکے معاشی حالات اس بات کی اجازت دیتے تھے؟ آہ ابا کو اب تک اپنا نوابی دور نہیں بھولا تھا۔

''میرے پاس ہس تھی ابا۔'' یہ مڈل کلاس لڑکیاں، ایک جیسی چیز کا ایک سے زائد ہونا فضول خرچی لگا کرتا تھا۔

''مجھے پتہ ہے تمھارے پاس ہس ہے۔لیکن وہ تمہاری اماں کی ہے۔میری طرف سے بھی تو کوئی تحفہ ہونا چاہیے ناں؟'' زینیا کچھ نہیں بولی بس دھیرے سے ہس کو ہاتھ میں لیا۔سچا، شفاف سونا، دس بارہ تولہ تو کہیں نہیں گئے۔اوپر سے ننھے ہیرے، وہ اتنی خوبصورت تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

ابا خوبصورت تھے۔ انکے تحفہ دینے کا انداز بھی اتنا ہی خوبصورت تھا۔ زینیا کئی لمحے اس پیلے سونے پہ لگے سفید ہیروں کو دیکھتی رہی۔ مبہوت، متحیر۔

(" میں اپنا شہر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔، میرا شوہر اگلے کئی ماہ دیار غیر میں ہوگا۔ میں اسکا انتظار کروں گی۔ زینیا حاکم ایک بار پھر اپنے سے جڑے مرد سے وفاداری نبھائے گی۔ کئی چیزیں ہیں جو آج سے بدلنے والی ہیں۔

میرا نام، میری فیروزے کی لونگ، میری ترجیحات، ان میں اب بالاج میر شامل ہونے والا ہے۔ لیکن میں باقی مشرقی لڑکیوں کی طرح خود کو پس پشت نہیں ڈالوں گی۔ جس طرح بالاج میرا فرض ہے۔ اسی طرح زینیا حاکم بھی میرا فرض ہے۔"

" مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔")

"زینیا حاکم ولد حاکم نواب کیا آپ کو بالاج میر ولد محمد یوسف میر باعوض دس لاکھ روپے حق مہر اپنے نکاح میں قبول ہیں؟" قاضی اس سے پوچھ رہا تھا۔ اپنے پلنگ پہ بیٹھی زینیا حاکم کے آگے اسکی ساری زندگی ایک فلم کی طرح دوڑ گئی۔ اسی لمحے اس نے جھکی گردن اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے بشر کو دیکھا، پھر ابا کو دیکھا۔ اسکے جالی دار دوپٹے سے ان دونوں کا چہرہ صاف نظر نہیں آتا تھا۔ اسکی سماعتوں میں ایک مشینی سی آواز بھی گونجی تھی۔

"میں تمھارے شہر آیا تھا۔ تمہاری پکار پہ۔" یہیں اسی جگہ باقی کی زندگی کے لئے ان آوازوں کا گلا گھونٹتے ہوئے زینیا

"قبول ہے۔۔" کہہ چکی تھی۔

چند لمحوں کا کھیل تھا۔اور زینیا حاکم زینیا بالاج بن چکی تھی۔دل میں جذبات شاید نہیں تھے، لیکن امیدیں تھیں۔بہتر مستقبل کی ،اچھی شادی کی۔

شام کے سات بجے کا وقت تھا۔زینیا حاکم اور بالاج میر کا نکاح ہو چکا تھا۔اب جو رسم ہو رہی تھی اسے " **لاواں** " کہتے ہیں۔لاواں کی رسم میں دولہا اور دلہن کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بٹھایا جاتا ہے۔اور انکے درمیان آئینہ رکھا جاتا ہے۔دولہا اپنی دلہن کو پہلی بار اسی آئینے میں دیکھتا ہے۔اور اسکے بعد خاندان کے شادی شدہ جوڑے باری باری آکر دولہا اور دلہن کے سر آپس میں ٹکراتے ہیں۔دھیمے سے اور نرمی سے۔کئی شوخ جوڑے دولہا دلہن کے سر کو زور سے ٹکرا دیتے تھے۔جس سے کبھی دلہن کی ماتھا پٹی سے دولہا کراہ کر رہ جاتا تھا۔

ہنسی خوشی رسموں کا اختتام ہوا تھا۔شادی اپنے انجام کو پہنچی۔

(" شادی جوا ہوتی ہے میں جانتی ہوں۔لیکن میرے لئے شادی صرف جوا نہیں ہے۔اور اگر ہے تو میں پہلے ہی اپنی متاع حیات گروی رکھوا چکی ہوں۔میرے دو عزیز رشتے۔میرا بڑا بھائی، جو میرے لئے باپ جیسا ہے۔اور میری انسکیورٹیز کی ماری بہن جو میرے لئے اولاد جیسی ہے۔جب تک میری شادی سانس لیتی رہے گی۔تب تک میرے بہن بھائی کی زندگی پر سکون رہے گی۔مجھے لگتا ہے یہ شادی بھی ایک معاہدہ ہے، ایک ایسا معاہدہ جس میں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔زینیا حاکم پہ واپسی کی تمام راہیں مسدود ہوئیں۔")

کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لے کر جاتی کونج یکدم کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔اس نے اپنے سامنے کھڑے دیو ہیکل نماانسان کو دیکھا۔ ضیغم میر اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ کونج بھی ساتھ مسکرائی تھی۔ پھر ساتھ سے گزر کر چلی گئی۔

یوں تو وہ کئی بار ملا تھا۔ لیکن جو دو روز سے نظر تبدیل ہوئی تھی۔ یہ تبدیلی اچھی تھی۔ کم از کم کونج کے لئے۔

("لیکن ایک بار پھر زینیا پہ سب سے زیادہ حق زینیا کا ہے۔"

" میں کسی بالاج میر کو اجازت نہیں دوں گی کہ وہ میرے لئے شادی کو سودا بنائے میری بہن کی خوشی، میرے بھائی کے سکون کے بدلے میرا سودا۔

بالاج میر ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔")

نکاح، لاواں کے بعد ایک چھوٹی سی رسم ہوئی۔ جس میں تمام گھر والے شریک رہے۔انگوٹھی دودھ اور گلاب کی پتیوں کے درمیان سے بالاج نے پہلے ڈھونڈ لی۔ اسکی بہنیں شور مچا رہی تھیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

پھر بالاج نے زینیا کے آگے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلائی۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی نے سر جھکائے رکھا۔ بشر نے اسکا ہاتھ بالاج کے ہاتھ میں دیا۔ بالاج نے سر کے خم سے گویا شرف قبول کیا ہو۔اس نے ایک زرد انگوٹھی زینیا کی انگلی میں پہنانی چاہی۔ زینیا کے لبوں سے کراہ نکلی جو شور میں دب کر رہ گئی۔۔انگوٹھی تنگ تھی۔ زینیا نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا، لیکن بالاج نے گرفت مضبوط کر دی۔اس نے ایک بار پھر انگوٹھی پہنانی چاہی، زینیا کو لگا تھا اسکی جلد چھل گئی ہو،اس نے ایک بار پھر ہاتھ پیچھے کرنا چاہا۔ لیکن بالاج نے اسکی

کوشش کو ناکام کرتے ہوئے جارحانہ انداز میں انگوٹھی اسکی انگلی میں پہنا ہی دی۔ کسی اور نے زیادہ غور نہیں کیا مگر زینیا کی انگلی کئی لمحے تک سن رہی۔ اسکی انگلی میں اس قدر جلن ہوئی تھی کہ الامان۔ کچھ دیر قبل امید سے بھری آنکھیں اب خالی خالی تھیں۔

“ This is not just a ring, this is commitment”

”اور کمٹمنٹ بعض دفع تکلیف دہ ہوتی ہیں ہے ناں؟“ وہ اسکی طرف جھک کر سرگوشی کر گیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آس پاس کھڑے سب لوگ اسے مبارک دے رہے تھ، زینیا مسکرا بھی نہ سکی۔

چند منٹ بعد باراتی واپس جا رہے تھے۔ بالاج اور زینیا حاکم کے درمیان کوئی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

”میں جلد واپس آؤں گا، زینیا بالاج میر۔“ رات کے کسی پہر یہ پیغام زینیا کو موصول ہوا تھا۔ زینیا ساری رات اسکے لمس کو محسوس کرتی رہی۔ نرم لمس نہیں، جلانے والا۔

عورت کو ذرا سی بات بھی کہاں بھولتی ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتہ بعد

ایک ہفتہ سکون کی علامت رہا تھا۔ زینیا کے نکاح کے چار دن بعد بشر حاکم کا نکاح ہوا تھا۔ حاکم نواب خوش تھے، بے حد خوش، زندگی سے جو کچھ انہوں نے چاہا تھا وہ سب مل رہا تھا۔ انکے دونوں بچے انکی مرضی کی شادیاں کر چکے تھے۔ یہ پورا ہفتہ زینیا کو بس ایک ہی بے چینی رہی۔ پرواز کی، بلندیوں کی۔

یہ پورا ہفتہ بشر حاکم کو بس ایک ہی بے چینی رہی۔ اپنے کمرے میں ایک نفس کے اضافے کی، اور اس سے بات کرنے کی۔ نہ جانے اس لڑکی کا کیا مسئلہ تھا۔ ہر کام میں گھسنے کی کوشش کرتی تھی۔ اور ایک تو بولتی بہت تھی۔

اس وقت بشر اپنے کمرے میں پلنگ پہ بیٹھا تھا۔ تاج سے ٹیک لگائے پیر لمبے کئے۔ گھٹنوں پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا اور کانوں میں ایئر پوڈز، کچھ ہی وقت میں وہ زینیا کو چھوڑنے اسلام آباد جانے والا تھا۔ بس ذرا یہ فلم دیکھ لے۔ سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں وہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگ رہا تھا۔

دفعتاً اسے اپنے پیروں کے قریب کچھ محسوس ہوا۔ لیپ ٹاپ سے نظر اٹھا کر اس نے سامنے دیکھا۔ اسکی نئی نویلی دلہن بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ صاف ستھری رنگت، بڑی بڑی آنکھیں اور خوبصورت نقوش والی عروج بشر۔ لیکن اسکے شوہر کے حیران ہونے کی وجہ اسکا یوں بیٹھنا نہیں تھا۔ بلکہ اسکا رونا تھا۔ وہ مگرمچھ کے آنسو رو رہی تھی۔ بشر بوکھلا ہی تو گیا۔

''عروج۔۔۔ ادھر دیکھو۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ تم رو کیوں رہی ہو؟'' وہ پریشانی سے اسکے قریب آ بیٹھا تھا۔ یکدم وہ مزید بلند آواز میں رونے لگی تھی۔ اب کے بشر کو واقعتاً تشویش لاحق ہوئی۔

''ادھر مجھے دیکھو۔۔ یہاں دیکھو ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی آخر کیا ہوا ہے؟'' وہ اسکے چہرے کو اپنی جانب موڑ رہا تھا۔ اسکے گال تھپتھپا رہا تھا۔ لیکن مجال ہے جو اس لڑکی نے منہ سے کچھ بولا ہو۔ وہ بس روئے گئی اور روئے گئی۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد بشر بھی ہلکان ہو چکا تو پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ بازو سینے پہ باندھ لئے۔ اور سکون سے اپنی تین دن کی بیوی کو رونے دیا۔ بشر کے یوں پیچھے

ہونے پہ وہ مزید دلگرفتہ ہوگئی تھی۔اب وہ اونچی سے زیادہ اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔ تقریباً دس منٹ کے اس رونا سیشن کے بعد وہ خود ہی خاموش ہوگئی تھی۔اب کے بشر دوبارہ اسکے سامنے آکر

بیٹھا۔ دھیرے سے اسکی گود میں پڑے دونوں ہاتھ تھام لئے، پھر اسکی نم آنکھوں میں دیکھا۔

''کیا ہوا ہے؟ایک ایک حرف سچ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ سنجیدہ تھا۔ عروج مغموم سی اسے دیکھتی

رہی۔ دل میں آتے خدشوں کو زبان پہ لانے کا فیصلہ کرتے ہوئے بلاخر اس نے کہہ ڈالا۔

''تم مجھ سے شادی کرکے خوش نہیں ہو؟'' بشر نے اسکی بات پہ کرنٹ کھایا تھا۔ ''سب کہتے ہیں تم دوسری شادی کرلو گے۔اپنی اس لاہور والی لڑکی سے۔یا پھر اپنے چچا کی بیٹی سے۔'' اسکے رکے ہوئے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔ ''تین دن سے تم نے مجھے ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہو؟ میں تمہاری بیوی ہوں، میرے کچھ حقوق ہیں، تم ایسے نکلو گے میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ بشر کا جی چاہا تھا زمین میں گڑ جائے۔ وہ اپنی تین دن کی بیوی کو اس طرح کیسے رلا سکتا تھا؟

''تم کیا چاہتی ہو؟ میں کس سے شادی کروں؟ لاہور والی سے۔یا پھر اپنی کزن سے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا تو عروج کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔اسکی ناک سرخ ہوچکی تھی۔آنکھیں سوجھ گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔ بشر کے لئے یہ نیا انکشاف تھا۔ وہ واقعی محظوظ ہوا تھا۔

''اچھا یہاں دیکھو۔ادھر دیکھو مجھے۔''اس نے عروج کے جھکے ہوئے سر کو اٹھایا۔آنکھیں سنجیدہ تھیں۔''بشر حاکم آج تم سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ، تمھارے بعد کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔میں۔۔۔دوسری۔۔۔شادی۔۔۔نہیں کروں گا اوکے؟''

عروج نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔''صرف شادی نہیں تمھیں وعدہ کرنا ہو گا کہ تم کوئی extra material affairs نہیں چلاؤ گے۔''اب کے حیران ہونے کی باری بشر کی تھی۔وہ اتنی سیدھی نہیں تھی جتنی دکھتی تھی۔

''تمھیں بہت پتہ ہے؟''وہ طنز کر گیا۔

''اگر تم نے بالی وڈ کھنگال لی ہے تو میں نے درجن بھر کورین ڈرامہ دیکھے ہیں۔مجھے کم عقل مت سمجھنا۔''سرخ سوجی ہوئی آنکھوں سے دھمکی دیتی وہ عجیب ہی لگی تھی۔بشر نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔پھر دھیرے سے اسکے ہاتھ چھوڑے۔لیکن جتنی نرمی سے اس نے ہاتھ چھوڑے تھے عروج نے اتنی ہی تیزی سے دوبارہ پکڑ لئے۔بشر پہ تو آج حیرت کے پہاڑ ہی گر رہے تھے۔یہ کون تھی؟

''کافی بے شرم واقع ہوئی ہو تم۔''کھلے دل سے تبصرہ کیا گیا۔

''جتنے خاموش تم رہتے ہو، مجھے ایسا بننا ہی ہو گا۔اچھا کیا میں تم سے کچھ مانگ سکتی ہوں؟''اسکے چہرے پہ اشتیاق تھا۔بس ذرا سی ڈھیل دینے کی دیر تھی۔اور چڑھ گئی یہ لڑکی سر پہ۔

''میں جانتا تھا یہ ڈیڑھ لیٹر آنسو تم کس لئے بہا رہی ہو۔بولو کیا چاہیے؟''اس نے خود کو بے زار ظاہر کرنے کی کوشش کی۔لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اسے واقعی مزہ آرہا تھا۔

''میں بھی اسلام آباد چلوں؟''اسکی فرمائش پہ بشر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سرخ متورم آنکھوں اور ڈھیر سارے اشتیاق کے ساتھ فرمائش کرتی وہ بشر کو حد درجہ زہر لگی تھی۔

''تم اسلام آباد جاکر کیا کرو گی؟اور ہم نے کونسا شہر میں رکنا ہے۔زینی کو چھوڑ کر واپس آجائیں گے۔''

''یہی تو۔۔''اسکی آنکھیں چمکیں۔''واپسی پہ صرف تم اور میں آئیں گے ناں۔اب کہیں اور تو تم لے کر جاؤ گے نہیں۔تو اسی ٹرپ کو اپنا ہنی مون سمجھوں گی۔''وہ رکی بشر کی متعجب آنکھوں میں دیکھا۔

''پھر میں تیار ہو جاؤں ناں؟''معصومیت کی انتہا تھی۔بشر ناں بولنا چاہتا تھا لیکن نہیں کہہ سکا۔بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔اسکے اجازت دینے کی دیر تھی۔عروج نے اسکے دونوں ہاتھوں کو چھوڑا اور فوراً بستر سے اتر آئی۔

بشر تو حق دق سا اسکے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ابا نے سہی بلا چپکا دی اسکے ساتھ۔وہ چلی گئی تو بشر کئی لمحے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔نہ جانے کیوں۔

چند گھنٹے بعد

دروازے پہ کھڑی بڑی گاڑی بشر کے دوست کی تھی۔جس میں اس وقت زینیا کے سامان سے زیادہ ایک دن کے لئے اسلام آباد جانے والی عروج کا سامان تھا۔دروازے کے اندر جھانک کر دیکھو تو حاکم نواب کے گھر میں الوداعی تقریب جاری تھی۔نم آنکھوں سے الوداع کہتی عورتیں۔سپاٹ چہروں کے ساتھ جذبات چھپائے ہوئے مرد۔زینیا کا ظاہری حلیہ تو اب جاکر بدلا تھا۔فیروزے کی لونگ جو اسی کے لئے بنی تھی آج اسکی جگہ ایک روایتی چنے کی دال کے زرے جتنی موٹی نوز پن تھی۔جس پہ نقش بنے تھے۔یہ

نوز پن ہر لڑکی کو شادی کے بعد پہننی ہوتی تھی (کوئی زور زبردستی نہیں، لڑکیوں کو یوں بھی اس کا شوق ہوتا ہے)۔ سادہ سے گھگھے اب بھاری کام والے گھگھوں میں بدل گئے تھے۔ خالی ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ اور گلا؟ وہ خالی تھا۔ ہاں وہ ہس کی شوقین تھی، دہری (ہار) سے اسے عشق تھا۔ لیکن یہ وہی زینیا حاکم تھی جسے ذرا سا زیور بھی پھندہ لگتا تھا۔

''میں تمھیں بہت یاد کروں گی۔'' کونج کے چہرے پہ رندھا ہوا تاثر تھا۔ اسکے ساتھ زینیا کی دو نندیں بھی کھڑی تھیں۔ ساس تو بلائیں لیتے نہیں تھک رہیں تھیں۔ وہ باری باری سب سے ملی۔ اماں، دادی، ساس، نندیں، کونج کو گلے لگاتے ہوئے بھی اسکا چہرہ بے تاثر رہا۔

''تم کتنی ڈھیٹ ہو، زینی۔ تمھیں ذرا بھی رونا نہیں آ رہا۔'' اسے گلے سے لگائے کونج نے شکوہ کیا۔

“ Goodbyes aren’t hard for me”

وہ نرمی سے کہتے ہوئے جدا ہوئی۔ کونج اب بھی رو رہی تھی۔ بار بار نم آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔ انہی آنسوؤں، دعاؤں، اور سلامتیوں کے درمیان زینیا حاکم باہر گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔ گوادر کی سڑکوں اور حسین سورج نے اسے الوداع کہا تھا۔ بلوچستان کی فضاؤں نے ایک مہمان اسلام آباد کی یخ بستہ ہواؤں کے سپرد کیا۔ سنہری آنکھیں ایک نئے سفر پہ روانہ تھیں۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دل دھڑک رہا تھا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔

''بلندیوں کی سمت کیونکہ مجھے اسی لئے بنایا گیا ہے۔۔'' اسکے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

(تقریباً تیتیسویں بیل پہ کال اٹھالی گئی۔ بشر نے ڈھیر سارا غصہ، ملامت، غیرت اندر اتاری کئی لمحوں بعد وہ بولا تو اسکی آواز ہلکی تھی ۔)

''آجاؤ، عبداللہ۔ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔'' اپنے آفس میں گلاس وال کے قریب صوفہ رکھے بیٹھا قیس باہر نظر آتے شہر کو دیکھ رہا تھا۔ لبوں میں سگار دبا تھا۔ آنکھیں پر سوچ تھیں۔ اپنے نام کی پکار پہ وہ چونکا نہیں۔ ''ویسے تو تم میرے کزن ہی ہو، لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ تم لوگوں نے غیرت بیچ کھائی ہے۔'' دوسری جانب بشر نے یقیناً ضبط کیا ہو گا۔

''میں غیرت مند ہوں۔ تب ہی تم سے کہہ رہا ہوں اپنی امانت لے جاؤ۔ اسکا دل مت دکھاؤ۔ تم چاہے اسے ساری زندگی ہم سے نہ ملنے دینا، ساری زندگی اسکی شکل نہ دکھانا۔ لیکن اسکا دل مت توڑو۔'' سامنے سے منت کی گئی۔ قیس نے آرام دہ ہو کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔ ڈھیر سارا دھواں لبوں سے آزاد کیا۔

''ایسی ہی منت سماجت، دلگرفتگی، بے قراری اور زلت تمہاری ماں یعنی میری عزیز پھپھو نے بھی دیکھی تھی۔ کئی بار تو میں نے خود انہیں تمہارے باپ کو پیغام بھیجتے دیکھا تھا۔ تمھارے باپ نے میری پھپھو کو رلایا تھا۔ اب مجھ پہ فرض ہے کہ میں تمہاری بہن کو رلاؤں۔ وٹے سٹے کی شادیوں میں تو ایسا ہوتا ہے ناں؟''

دوسری جانب بشر خاموش ہو گیا تھا۔ شاید اسے غصہ آیا تھا۔ شاید بے بسی محسوس ہوئی تھی۔ یا شاید غیرت۔ کئی لمحے بعد اسکی آواز مستحکم تھی۔ ''یعنی تم نہیں آؤ گے؟ پھر تیار رہنا میں اسکے نام سے عبداللہ ہٹا رہا ہوں۔''

قیس نے تیزی سے گردن اٹھائی۔آنکھوں میں ڈھیر ساری سختی اتر آئی۔ گردن کی نسیں تک ابھر آئیں۔ ''اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری لاش کے ٹکڑے سمندر میں بہاؤں گا۔'' وہ اتنی سختی سے بولا تھا کہ بشر طنزیہ مسکرایا۔

''اب اگر تم آئے تو تمہاری موت میرے ہاتھوں ہو گی عبداللہ۔'' اگلے ہی لمحے کال کٹ گئی تھی۔ قیس نے بے زاری سے موبائل کان سے ہٹایا۔آج کل یہ لوگ کچھ زیادہ سر چڑھ رہے تھے۔ کبھی یہ بشر تو کبھی اسکا باپ۔ لیکن اس نے خود بھی تو کال کی تھی۔اسکے بارے میں سوچ کر وہ مسکرایا۔ گو کہ اسکی آواز یادداشت کا حصہ نہیں بنی تھی،اسکا چہرہ،اسکی خوبصورتی،کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن وہ کال کرتی تو زیادہ اچھا لگتا۔

سگار کے دھوئیں اڑاتا،ماضی کے گرداب میں پھنسا شخص مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا۔



قیسم،خوابوں کی عمارت،بلندیوں کی عمارت اس عمارت کو بنانا قیس کا خواب تھا۔اور اب یہی عمارت کئی لوگوں کے خواب پورے کرتی تھی۔ شیشے کی یہ عمارت سانس جاری رکھنے کو کھانا دیتی تھی۔ ہوائیں اس عمارت کو ٹھنڈے جھونکے بخشتی تھیں اور سورج اس عمارت پہ تپش نہیں برساتا تھا۔ شام کا وقت تھا۔اسلام آباد کا آسمان آج ابر آلود تھا۔ٹھنڈی ہوائیں شہر کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ ایسے میں عمارت کے اندر قدم دھرتے ہوئے، سیڑھیاں چڑھ کر اپنی توانائی خرچ کرتے ہوئے، شیشے کے سٹوڈیو میں آؤ تو قیس کمبیر تمھیں پورے قد کے ساتھ صوفے پہ لیٹا نظر آئے گا۔اسکے سامنے ایک بار پھر وہی سرخ گاؤن تھا۔ وہ لمبے صوفے پہ نیم دراز تھا۔ سینے پہ اسکیچ بک رکھے،ساتھ رکھی چھوٹی سی میز پہ رنگین پینسل رکھے،اور کان کی اوپری طرف ایک پنسل اٹکا رکھی تھی۔

گھنگریالے بال آج ماتھے پہ گر رہے تھے۔ جاتے سورج کی چند نارنجی کرنیں اسکے چہرے پہ گر رہی تھیں۔ جس سے اسکی بڑھی ہوئی شیو چمک رہی تھی۔

دفعتاً راہداریوں میں ہیل کی مانوس سی ٹک ٹک گونجنے لگی، قیس مسکرایا تھا۔ شاید اسے اسی آمد کی توقع تھی۔ چند لمحے بعد شیشے کا دروازہ کھلتا محسوس ہوا۔ ڈیزائن میں رنگ بھرتے اسکے ہاتھ ایک پل کو تھم گئے تھے۔ کوئی عورت تھی جس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور نیلی آنکھوں میں چمک۔

''میں نے کئی دن انتظار کیا، کہ تم کب آؤ گی اپناانعام لینے۔'' قیس نے اسکیچ بک بند کر سینے پہ رکھ دی۔ آنکھیں موند لیں۔ جیسے کوئی کھیل چل رہاہو، جیسے وہ بتارہاہو، میں تمھیں دیکھے بغیر بھی پہچان سکتاہوں۔

نوار دراز قد تھی۔ خوبصورت نقوش، ٹپ ٹاپ حالت، سیاہ سفید دھاری دار لیڈیز ٹوپیس میں ملبوس اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ کانوں میں نیلے ہیرے، پیروں میں ڈیڑھ انچ کی سفید ہیلز، کلائی میں قیمتی گھڑی، وہ فیشن سے آبسیسڈ تھی۔ ماہ جبین مختار۔

''میں نے بھی تمھیں کئی دن کا وقت دیا تاکہ تم سوچ سکو میراانعام کیاہوناچاہیے۔'' وہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر سارے سٹوڈیو کا جائزہ لینے لگی۔ گلاس وال سے آتی دھوپ اب قیس کے چہرے کو چھوئے بغیر واپس جارہی تھی۔ ماہ جبین کی پشت نے دھوپ کا بیڑہ اپنے سرلیا۔

''تقریب سے پہلے انعام طے ہوتے ہیں۔'' قیس نے یاد دہانی کروائی۔

''میں نے تمھارے لئے کوئی تقریب نہیں اٹینڈ کی، میں نے تمھارے لئے جنگ لڑی ہے قیس۔اور جنگ کے انعام سپاہیوں کی جرات کے مطابق طے کئے جاتے ہیں۔میری جرات، ہمت اور طاقت کے حساب سے یہ سرخ گاؤن مجھے ملنا چاہیے۔''یکدم دھوپ کا راستہ کھل گیا۔اور قیس کا سارا جسم جھلس سا گیا۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں، اور ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ماہ جبین اسکی طرف پیٹھ کئے ہوئے تھی۔ گردن ڈھلکا رکھی تھی، جس سے اسکے بال پھسل کر ایک طرف ہو رہے تھے۔اسکی نظریں گاؤن پہ جمی تھیں۔ایک فیشن فریک عورت اپنا ہدف چن چکی تھی۔

''اسکے علاوہ کچھ بھی۔'' پیشکش دی گئی۔آنکھوں میں بے چینی تھی۔

''اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''پیشکش رد کی گئی۔آنکھوں میں فیصلہ تھا۔

''یہ طے نہیں ہوا تھا ماہ جبین۔''تنبیہ تھی یہ۔

''جنگ جیت کر آنے والوں کو منہ مانگے انعام دیئے جاتے ہیں۔''ضد تھی یہ۔

کئی لمحے قیس خاموش رہا۔گویا فیصلہ لینے کو وقت لیا ہو۔پھر جب وہ بولا تو اسکی آواز مستحکم تھی۔

''جنگ چاہے سپاہی کی محنت سے جیتی گئی ہو، چاہے افسر کے سینے پہ لگے تیروں سے۔کریڈٹس سپہ سالار کو ملتے ہیں۔اس جنگ کا سپہ سالار میں تھا۔''

ماہ جبین اسکی جانب مڑی۔قیس اب بھی کہہ رہا تھا۔

''سپاہیوں کے حق میں مال غنیمت، اور چند عنایات آتی ہیں۔ تمھارے حصے کی عنایات طے ہیں۔'' ماہ جبین مسکرا رہی تھی۔ سر سے پیر تک سجی ٹپ ٹاپ سی لڑکی کو بھلا عنایات کی کیا ضرورت؟

'' اگر یہ نہیں تو ساری دنیا نہیں۔'' آنکھیں کچھ جتا رہی تھیں، تنی ہوئی گردن میں زعم تھا۔

''اگر میں انکار کروں تو؟'' وہ صوفے سے اٹھ کر اسکے قریب آیا۔

''جیسے دو سال پہلے کیا تھا؟'' وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ پر تپش، سرد مسکراہٹ، وقت کے دریا میں بیٹھی کشتی کے چپو گھماؤ، لہروں کے دوش پہ تیرتے ہوئے پیچھے جاؤ تو دو سال پرانا منظر تمہاری آنکھوں کے آگے ہے۔

دو سال پہلے

منظر تھا قیس کا آفس، سرمئی سفید دیواروں والا آفس۔ پاور چیئر پہ بیٹھا قیس، میز پہ رکھے کافی کے بھاپ اڑاتے مگ، اور میز کے اس پار بیٹھی ماہ جبین مختار۔ ہمیشہ کی طرح ٹپ ٹاپ، اور تیار۔

''میں عورتوں کے کپڑے نہیں ڈیزائن کرتا میڈم۔'' اس نے احتراماً میڈم کا اضافہ کیا۔

''میں نے دنیا کے ہر برانڈ کو پہنا ہے، چاہے سستا ہو چاہے قیمتی، میں نے قیسم کے کپڑے بھی پہنے ہیں لیکن۔۔'' وہ آگے کو جھکی۔ ''میں نے قیس کے بنائے کپڑے نہیں پہنے، کیا تم چاہتے ہو میں اپنے سرکل میں آدھی ادھوری تصور کی جاؤں؟ اور ایک بات اور کیا تمھیں لگتا ہے میں تمھیں خرید نہیں سکتی؟''

"تم قیسم سے کچھ بھی خرید سکتی ہو۔ لیکن ماہ جبین مختار میں چاہتا ہوں تم قیسم سے کماؤ۔ یہاں خریدنے والے بہت آتے ہیں۔ جب تم قیسم پہنو تو خرید کر نہیں کما کر پہنو۔" وہ اگر فیشن فریک تھی، تو قیس فیشن شناس ڈیزائنر، ڈیزائنر بڑے mean ہوتے ہیں۔ جن کے لئے انکا دل نرم پڑا انکے لئے شاہکار بنا دیں گے، اور جن سے دل کھٹا ہوا، انکے لئے بنائے گئے شاہکار کو بھی ردی کا ٹوکرا بنا دیں گے۔

"اگر تم مجھ سے ضد کرو گی، میرے پاس بار بار آؤ گی تو شاید میں تمھارے لئے کچھ ڈیزائن کر بھی دوں۔ لیکن وہ محض ایک ڈیزائن ہو گا آرٹ نہیں۔ آرٹ بنتا ہے دل سے، یا پھر ٹوٹے دل سے۔"

"مجھے کس چیز کا انتظار کرنا ہو گا؟ دل ٹوٹنے کا؟ یا دل سے بنے آرٹ کا؟" نیلی آنکھوں میں تجسس تھا۔

"قیس کا دل کوئی نہیں توڑ سکتا، تمھیں دل سے بنے ڈیزائن کا انتظار کرنا ہو گا۔" ماہ جبین نے نزاکت سے ہاتھ جھلایا۔ مردوں کے دل سے بھلا کون ناواقف ہے۔ اسکی آنکھیں چمکیں۔ کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک اور سوال داغا۔

"میں قیسم کا ڈیزائن کیسے کما سکتی ہوں۔۔"

"کمانے کی صلاح دی جاتی ہے، طریقے بے وقوف بتاتے ہیں۔ کیا میں تمھیں بے وقوف دکھتا ہوں؟"

"انتظار کرو اس دن کا جب میرا دل تمھارے لئے کچھ تخلیق کرنے کو چاہے۔" مغرور ڈیزائنر نے کندھے اچکائے۔ فیشن فریک عورت نے کافی کا مگ دھپ سے میز پہ رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم جیسے مرد اس عورت کا دل رکھتے ہیں، جو انکا کاروبار رکھے، کبھی کسی جنگ میں ہتھیار کم پڑیں تو ماہ جبین کو بلا لینا۔'' اس نے پیشکش دی۔ قیس نے سر کے خم سے پیشکش وصول کی۔

''کسی دن اگر تم میرے لئے جنگ جیت گئیں، تو میرا دل بھی جیتو گی۔ تب میں تمھارے لئے ایک شاہکار بناؤں گا۔''

بھاپ اڑاتے کافی کے دھوئیں کے ساتھ تحلیل ہوتے ہوئے ہم ماضی سے حال میں آ گئے۔

حال

''دو سال پہلے تم نے مجھے امید دی تھی۔ اور اب دو سال بعد انکار کر رہے ہو۔''

''نہ میں نے تب انکار کیا تھا۔ نہ اب کر رہا ہوں۔ اپنی مرضی چھوڑ کر میری مرضی کرو، تمھیں بہت کچھ ملے گا۔'' وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے سنجیدہ تھا۔ ماہ جبین آگے کو ہوئی۔ ایک بازو بڑھا کر اسکے کندھے پہ رکھا۔ اور پھر اسکے کان کے پاس جھکی۔

''میں دو سال مزید انتظار کر سکتی ہوں، لیکن میں ڈیزائن نہیں آرٹ لوں گی قیس۔'' وہ بے باک عورت سرگوشی کرتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ قیس اونچے مجسمے کی مانند کھڑا رہا۔ ماہ جبین نے ایک نظر اس پہ ڈالی، پھر اس سرخ گاؤن کو دیکھا۔

" until we meet again, ba bye"

وہ ہاتھ کی تین انگلیاں پیانو بجانے کے انداز میں لہراتی باہر چلی گئی۔ اسکے جاتے ہی حدیبیہ اندر آئی۔ وہ کافی عجلت میں لگتی تھی۔ لیکن یہاں اس سٹوڈیو میں اس سرخ گاؤن کو دیکھ اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ آنکھیں ستائش سے پوری پھیل گئیں۔ لب اوہ کی شکل میں گول ہوئے۔ چند پل وہ ایک حصار میں قید سی اس گاؤن کو دیکھتی رہی۔ اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے آنکھیں جھپکا کر اپنے باس کو دیکھا۔

''اگر آپ یہ گاؤن مجھے دے دیں، تو روز قیامت میں آپ کے حق میں بیان دوں گی۔ میں اللہ کو ہر گز نہیں بتاؤں گی آپ اسکی عظیم تخلیق حدیبیہ کو حبیب کہتے تھے۔'' قیس نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ سودا برا نہیں تھا۔

''اگر تمھارے اندر ایک بھی عورتوں والی خوبی ہوتی، تو یہ گاؤن تمہارا ہوتا حبیب۔''

''آخر یہ گاؤن ہے کس کا؟'' مارے تجسس کے وہ حبیب کہنے پہ بھی خفا نہیں ہوئی۔

''میری منگیتر کا۔'' اعتراف کرتے ہوئے اسکے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ حدیبیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ یعنی باس نے منگنی کر لی؟

''آپ کی۔۔۔ آپ کی منگیتر بھی ہے؟'' حیرت کی زیادتی تھی۔ قیس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں میری منگیتر ہے۔ اور وہ کہتی ہے، وہ بہت خوبصورت ہے۔ لیکن لوگ اس سے کہتے ہیں میں زیادہ خوبصورت ہوں۔'' وہ رکا حدیبیہ کے چہرے کو دیکھا۔ ''اسکی خواہش ہے کہ میں اعتراف کروں کہ وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جس دن وہ یہ گاؤن پہنے گی، میں اعتراف کروں گا وہ واقعی خوبصورت ہے۔''

''اور اگر وہ خوبصورت نہ لگی تو؟''

''عورت کو خوبصورت اسکا وقار اور وفا بناتے ہیں۔اس عورت کے پاس دونوں ہیں۔میں جانتا ہوں وہ دنیا کی سب سے حسین عورت ہو گی۔''

''اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے ؟''طنز تھا۔ قیس نے گہری سانس لی۔

''میں نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے۔ لیکن میں مداوا کروں گا۔میری ساری وفائیں اس سے مشروط ہیں۔اسکے سارے گلے دور ہو جائیں گے،جب میں اسے تحفے میں وفا دوں گا۔''

''کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔''حدیبیہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی،لیکن اگلے ہی لمحے قیس کی ایک سخت نظر اسے ہوش میں لے آئی۔ کھسیانی بلی کی طرح وہ دھیرے سے منظر سے ہٹنے لگی،جب یکدم اسے کچھ یاد آیا۔

''آپ نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اپنے راز عورت سے شیئر نہیں کرنے چاہیے۔کیونکہ عورت نا قابل اعتبار ہوتی ہے۔پھر آپ نے اپنی منگنی کے بارے میں مجھے کیوں بتایا؟'' قیس نہیں مڑا وہ یونہی کھڑے کھڑے گاؤن کو دیکھے گیا۔

''میرا یہی عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمھیں حدیبیہ نہیں حبیب سمجھتا ہوں۔''

''خدا کی قسم میں قیامت کے دن آپ پہ ہتک عزت کا دعوی کروں گی۔''وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے قیس تھا اور وہ سرخ گاؤن۔

''عبداللہ ایک دن تمھارے لیے آئے گا۔''اس نے سرگوشی کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

(گوادر کے ساحل پہ کھڑے دو مرد ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ سبز آنکھیں سپاٹ تھیں۔اور سیاہ آنکھوں میں سختی تھی۔ ''تم کیا کرنے والے تھے مہدی؟'' چبا چبا کر بس یہی پوچھا گیا۔ مہدی نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں کرنے والا تھا نہیں، میں کرنے والا ہوں۔'')

پر تعیش سویٹ کے کمرے میں اپنے پلنگ پہ آڑھے ترچھے لیٹے مہدی کا فون بج بج کر تھک گیا تھا۔ لیکن اسکی نیند تھی کہ ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ چند لمحوں بعد فون کی زوں زوں ایک بار پھر سر اٹھانے لگی۔ اب کے مہدی نے کسی نابینا کی طرح اپنا ہاتھ یہاں سے وہاں مارا تھوڑی سی جدوجہد کے بعد، بلاخر فون اسکے ہاتھ میں تھا۔ غیر شناسا نمبر سے آنے والی کال اس نے یونہی پڑے پڑے اٹھالی تھی۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ ذہن غائب۔ ''ہیلو۔۔۔؟'' خمار زدہ آواز میں اس نے پوچھا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مجھے اتنی جلدی بھول جاؤ گے۔'' چار سو والٹ کا کرنٹ تھا جو مہدی کے جسم کو چھو گیا۔ محب ملک اس سے مخاطب تھا۔ وہی دلکش لہجہ، وہی طنز میں ڈوبے تیر۔ ایک مرد کی آواز امرت ہوتی ہے، جب تک اسکے لہجے میں طنز کے تیر شامل نہ ہو جائیں۔ مہدی کئی لمحے سانس نہیں لے سکا۔

''دیکھا مہدی تمہاری بہن اس ملک میں آکر بھی میرے اشاروں پہ چلتی ہے۔ ورنہ اسلام آباد اتنا دور تو نہیں تھا۔'' وہ ایک بار پھر زہر خند لہجے میں بولا۔ مہدی دھیرے سے لحاف اتارتا اٹھ بیٹھا۔ چہرہ اب تک بے یقین تھا۔ دوسری جانب پی سی کے ایک اور سویٹ کی بالکنی میں بیٹھا وہ خوبرو شخص مسکرا رہا تھا۔ طنز، حقارت، تنفر والی مسکراہٹ۔

''تمہاری بہن، میں نے جب اسے پہلی مرتبہ پرپوز کیا تھا جانتے ہو اس نے مجھے کیوں انکار کیا تھا۔ ''مہدی خاموش رہا وہ اسکے الفاظ پر اسیس کر رہا تھا۔

''اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنے بھائی سے پوچھ کر بتائے گی۔ اس نے مجھے تمھارے اپروول کے لئے چھوڑا مہدی۔ آدھی یونیورسٹی کے سامنے میں نے ذلت اٹھائی۔ صرف اور صرف وجہ تم تھے۔ شاید قیس بھی، محبت کرتی ہو گی ناں اس سے۔''

''تم اس لائق تھے کہ تمھیں انکار کیا جاتا۔'' مہدی حقارت سے بولا۔ ''تم اس لائق تھے کہ تمھارے چہرے پہ لعنت بھیجی جاتی۔ اور میری بہن نے بھیجی تھی۔'' اس نے جتایا۔

''کیا اسی وجہ سے آج تمہاری بہن میرے نکاح میں ہے؟ اور میری بیٹی کی ماں بھی ہے؟'' کاش کوئی اسکا منہ نوچ لے۔ مہدی نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ ''جانتے ہو تمہاری بہن کیا کیا برداشت کرتی ہے؟'' وہ پر اسرار ہوا۔

''میں نے ان چھ سالوں میں کئی بار اس پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ زبان بہت چلتی ہے یار اسکی۔''

''خدا کی قسم میں تمھارے ہاتھ جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔'' مہدی غرایا۔ دوسری جانب محب قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔ مارے بے بسی کے مہدی کے ہاتھ کی نسیں بھڑک گئیں۔

''کئی بار میں نے اس کی شکل، عقل کا مذاق اڑایا ہے۔ کئی بار میں نے اسکے کردار پہ انگلی اٹھائی ہے۔''

''لعنت ہو تم پہ ملعون انسان۔ خدا تمھیں غارت کرے۔'' مہدی کا بس نہیں چلتا تھا وہ فون کے اندر گھس کر اسکا گلا دبا دے۔ وہ اپنے بستر سے نیچے اتر آیا تھا۔ اور اب کمرے کے چکر لگا رہا تھا۔ محب اب تک اسکی سماعتوں میں زہر انڈیل رہا تھا۔

''یار ایسی بات نہیں ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔ ہاں شاید تھوڑی بہت محبت ہے۔ لیکن وہ جو مجھے ضد ہے ناں اسکے مقابلے یہ محبت کچھ نہیں، اسے میں چاہتا ہوں میرے برے سلوک کے بعد وہ تمھیں بلائے اپنے دوست کو بلائے۔ اور پھر جب تم دونوں نہ آسکو تب وہ میری برتری قبول کرے۔ ہاں تب تک کے لئے اسے یہ سب برداشت کرنا پڑے گا۔'' وہ گویا تمام فیصلے کر چکا تھا۔

''تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے محب۔ تم اس شہر آتو گئے ہو اب واپس نہیں جاسکو گے۔۔'' مہدی فیصلہ کر چکا تھا۔ اب کے اسکی آواز سرد سر گوشی جیسی تھی۔ ٹھنڈی، سفاک۔ ''میں جانتا ہوں اس وقت تم کہاں ہو، اور اب تم انتظار کرو اپنی موت کا۔''

''واؤ آئی ایم ایمپریسڈ یعنی مہدی کمبیر صاحب کو غیرت بھی آتی ہے؟ لیکن افسوس تم مجھے مار نہیں سکتے۔ ایزل اور تمہاری بہن مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مہدی۔ تمھارے ہاتھ بہت بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔'' وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ اسکی بے بسی سے، اپنی بے حسی سے۔

''تم اگر مجھے مارنے آرہے ہو تو آؤ میں تیار ہوں۔ لیکن یاد رکھنا تم ایسا کر نہیں سکتے۔۔'' مہدی کے بس میں ہوتا تو وہ اسے شوٹ کر دیتا، ضرور نہیں یقیناً۔

اگلے چند پل کے مناظر کچھ یوں تھے کہ مہدی کمبیر marine drive پہ تھا اور قیس کمبیر اسکے شانہ بشانہ۔ گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ لوگ انہیں گالیاں بک رہے تھے۔ اور مہدی کا جنون تھا کہ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وقت کے صفحے آگے پلٹے، گھڑی کی سوئیوں نے رفتار بڑھائی اور اب ہم ساحل پہ رکھے پتھروں کے پاس ہیں۔ قیس اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مہدی

گردن جھکائے چپ چاپ سب سنے گیا۔اور یہ وہ لمحہ تھا جب اس نے قبول کر لیا تھا۔اسکے دل پہ ایک الہام اترا تھا کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو نہیں بچا سکتا۔اسکی بہن اگر ایک برے مرد کے ساتھ رہ رہی تھی تو یہ اسکی چوائس تھی۔

کبھی کبھی لوگوں کو انکے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔شاید تب ہی وہ اپنا حال تبدیل کر سکیں۔۔۔



رات سر پہ آئی تو اسلام آباد نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔مہربان شہر کے مہربان موسم نے ہلکی پھوار برسائی۔بلوچستان سے آنے والے مہمانوں کی تعظیم کی گئی۔یہ ایک اپر کلاس کالونی کا منظر تھا۔بھورے پینٹ والا تین منزلا بنگلہ ایک شان سے کھڑا تھا۔اسی بنگلے کے باہر بشر حاکم کی گاڑی کھڑی تھی۔

زینیا گاڑی کے سامنے والے شیشے سے بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔جبکہ عروج تو باقاعدہ گردن باہر نکالے باہر دیکھ رہی تھی۔بشر نے مڑ کر ایک سنجیدہ نظر اپنی غیر سنجیدہ بیوی پہ ڈالی۔

"عروج۔۔۔؟اسلام آباد دیکھنا ہے ناں جاؤ باہر جا کر دیکھ لو۔"اس میٹھے لہجے پہ عروج غش کھاتے کھاتے بچی تھی۔وہ بچوں کے انداز میں خوش ہوتے ہوئے باہر نکل گئی۔اور اسی پل بشر سنجیدہ ہو گیا۔اسکا رخ اب زینیا کی جانب تھا۔وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی ۔بشر اگلی سیٹ پہ ترچھا ہو کر بیٹھا تھا۔یوں کہ وہ زینیا کو دیکھ سکتا تھا۔وہ اسے دیکھتا رہا تب ہی زینیا نے گاڑی سے باہر سیلفی لیتی عروج کو دیکھا۔

"عروج اچھی ہے، ہے ناں؟"وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''ہاں اچھی ہے۔ بالاج بھی اچھا ہے۔'' بشر نے تائید کی۔ ''اور جب تک اچھا ہے تم بھی اچھی رہنا۔ لیکن جب جانور بن جائے تو یاد رکھنا واپسی کے دروازے کھلے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میں وہ بھائی نہیں ہوں جو خوامخواہ تمہاری حمایت کرے گا۔ تمھارے لئے دروازے تب تک کھلے ہیں جب تک تم حق پہ ہو، جس دن مجھے بالاج حق پہ محسوس ہوا۔ اس دن فیصلہ اسکے حق میں ہوگا ٹھیک ؟'' زینیا نے محض اثبات میں سر ہلایا۔ بشر اب بھی سنجیدہ تھا۔

''شادی کے شروع شروع میں مسائل ہوتے ہیں، کچھ برداشت کرنا، کچھ پہ صابر رہنا، لیکن اپنے ساتھ ظالم مت بننا۔ یاد رکھنا تمہارا بھائی ہمیشہ تمھارے پیچھے ہے۔ بالاج کی کوئی ناجائز بات برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بشر۔۔۔ میں دیکھ لوں گی۔ فکر مت کرو۔ تم لوگوں کو میرے پیچھے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' زینیا تسلی دینے والے انداز میں بولی۔ بشر نے گہری سانس بھری۔

''جن لڑکیوں کے پیچھے انکے میکے والے نہیں ہوتے، سسرال والوں کے لئے وہ لاوارث لاش جیسی ہوتی ہیں۔ کبھی صبر کے نام پہ گردہ نکال لیا، کبھی قربانی کے نام پہ دل نکال لیا۔'' زینیا نے تھکی تھکی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اسے یہ سب کچھ کیوں سمجھا رہا تھا ؟ وہ زینیا حاکم تھی۔ مسائل سے پہلے اسکے پاس حل آیا کرتے تھے۔ بشر کے چہرے پہ کچھ تھا، بے چین سا، غیر آرام دہ سا۔ وہ یوں اپنی بہن کو اسلام آباد کے سپرد کر کے نہیں جانا چاہتا تھا۔ خاص طور پہ تب جب اسکی بہن خود کو عقل کل سمجھ رہی ہو۔

''زینی۔۔۔ بچے یہ بڑا شہر ہے۔ بڑے لوگ، بڑے کاروبار۔ یہ جنگل ہے لوگوں کا، طاقت کا۔ یہاں یہ مت بھولنا تمہارا اصل کیا ہے۔ تم کہاں سے آئی ہو۔ تمہارا خاندان کون ہے۔ یہاں کے جانور پھاڑ کھانے کو بیٹھے ہیں۔ تم انکا نوالا مت

بننا۔"

"شہر چھوٹا بڑا نہیں ہوتا ادا۔ جانور چھوٹے بڑے، خطرناک یا غیر خطرناک نہیں ہوتے۔ ہر انسان، جگہ، جانور کے اندر ایک جہنم ہوتی ہے۔ میرے اندر بھی ہے۔ اگر اس شہر کے جانوروں نے مجھے نوالا بنایا، تو میں انکو اپنا کھانا بناؤں گی۔

" I am not scared of monsters i am a monster myself!"

سنہری آنکھوں والی لڑکی نے جتایا۔ بشر ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔

"تم چیزوں کو اتنا آسان کیوں سمجھ لیتی ہو۔"

"کیونکہ اگر مشکل ہوئیں تب بھی میرے پاس حل موجود ہوگا۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔ بشر کچھ مزید کہنے لگا تھا کہ بنگلے کا دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت اور انکے ساتھ ایک لڑکی باہر آئی۔ بشر انہیں دیکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔ الوداع کہنے کا وقت آچکا تھا ۔ادھیڑ عمر خاتون انہیں اندر چلنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ اسی لمحے زینیا حاکم بھی گاڑی سے باہر نکلی۔ بنگلے سے آنے والی لڑکی نے اسے دیکھا اور آگے بڑھ آئی۔ عروج اب بھی بنگلے، ولا، اور اونچے قصر گردن اٹھائے دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو زینم۔۔ میں شیزل سیمسن ہوں۔" ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ آنے والی لڑکی زینیا کے سامنے کھڑی تھی۔ زینیا نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ کوئی ستائیس، اٹھائیس برس کی لڑکی تھی۔ سیاہ لمبے بالوں والی۔ اسکی رنگت زردی مائل تھی۔ آنکھیں نہ زیادہ چھوٹی نہ بڑی بس درمیانی اور سیاہ۔ کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگا تھا اور بینگز ماتھے پہ سیٹ تھے۔ **(شاید کسی نے بینگز کے نام پہ اسکے ساتھ ظلم کیا تھا۔)** پتلی سی ناک، جو کہ کسی زیور سے خالی تھی۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ کھلی سی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے ہوئے وہ اچھی لگ رہی

تھی۔ ہاتھ اس نے ہنوز آگے بڑھا رکھا تھا۔ زینیا کی نظر اسکے ہاتھوں تک گئی، اسکی ہر انگلی میں مختلف انگوٹھیاں اور چھلے تھے۔ کلائی میں تین سے چار چوڑیاں اور انکے ساتھ ایک موتیوں والا کڑا۔ اسکا مجموعی تاثر ایک پر کشش، آزاد، کری ایٹو، اور فریش سا آتا تھا۔

''ہیلو زینم۔'' اب کی بار اس نے ذرا جتا کر کہا۔ (ہنہہ **شیزل کو آج تک کسی نے اگنور نہیں کیا۔**) زینیا بغیر ہاتھ ملائے آگے بڑھنے لگی

۔

''میرا نام زینیا حاکم ہے۔ زینم نہیں۔'' وہ دروازے کے اندر جاتے ہوئے بولی۔

''ہاں تو زینیا کا ''زین'' اور حاکم کا ''م'' یہ ہو گیا زینم۔''

''مجھ سے پوچھے بغیر آپ میرے نام کے ساتھ اتنا بڑا چینج نہیں کر سکتیں۔'' وہ اب ادھیڑ عمر عورت کے پیچھے پیچھے تھے۔ ایک لاؤنج نما جگہ پہ آکر وہ رکی تھیں۔ اور اپنے مہمانوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''شیزل کی creativity شیزل کی بھی مرضی نہیں پوچھتی تم تو پھر تم ہو۔'' وہ تم کہہ رہی تھی۔ لیکن آپ والے انداز میں۔ شاید اس نے سب کی سننی، اور اپنی کرنی سیکھی تھی۔

زینیا سر جھٹکتی آگے بڑھ آئی۔ بشر کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ آرام دہ تھی۔ ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھو تو وہ کوئی پچپن چھپن برس کی کافی فربہہ عورت تھیں۔ سرخ و سپید رنگت، بھورے بال جو کہ جوڑے میں بند تھے۔ چہرے کے نقوش بس واجبی تھے، البتہ تاثرات میں سختی سی تھی۔ سیاہ چکن کاری کے سوٹ میں ملبوس دوپٹہ سر پہ اوڑھے افروزہ بیگم کافی باوقار معلوم

ہوتی تھیں۔ رسمی حال احوال کے بعد وہ اصل بات کی طرف آئی تھیں۔ بشر اور زینیا کے چہروں پہ نظر گاڑے ہوئے وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ عروج بے زاری سے سر یہاں سے وہاں گھما رہی تھی۔

''پندرہ سال پہلے میرے دونوں بیٹے امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ انکے بعد میں یہاں یہ پرائیویٹ ہاسٹل چلاتی ہوں۔ ہاسٹل بس ایک بہانہ ہے دراصل یہ میری تنہائی دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس شاہانہ اور بڑے گھر میں خرچے بھی بڑے ہیں لیکن میری تنہائی کی قیمت کے آگے یہ سب کچھ نہیں۔'' وہ ایک پل کو رکیں۔ ''یہاں رہنے والی تمام بچیاں میری دوستوں کی بیٹیاں، بھتیجیاں یا پھر رشتے دار ہیں۔ کسی غیر کو یہاں نہیں رکھتی میں، جوان لڑکیاں ذمہ داری ہوتی ہیں۔ زینیا حاکم تمھیں یہاں رکھنے کی وجہ، تمہاری ذہانت ہے۔ میں تمھیں ضائع نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔''

زینیا نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا۔ چند ایک مزید باتوں کے بات بشر جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گو کہ اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ لیکن کئی بار دل کو چپ کروانا پڑتا ہے۔ وہ افروزہ بیگم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ سنجیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں اللہ کے بعد اپنی بہن کو آپ کے آسرے چھوڑ رہا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے آپ کے ادارے یا آپ کے بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں لی تو یہ غلط ہو گا۔ میں نے آدھے اسلام آباد سے سوال کئے ہیں۔ لیکن میری تسلی نہیں ہوئی شاید کبھی ہو بھی نہ۔ ''اس نے کندھے اچکائے۔ ''میری بہن یہاں ہے میں تو چلتی ہوا پہ بھی شک کروں گا۔ لیکن مجھے امید ہے آپ اسکا دھیان رکھیں گی۔''

افروزہ بیگم کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ایسے غیر مطمئن چہرے،ایسے آدھے اعتبار والے لوگ وہ آئے دن دیکھتی تھیں۔

بشراب کے زینیا کی طرف مڑا اسے دیکھ کر وہ مسکرایا، زینیا بھی مسکرائی۔ بشر نے آگے بڑھ کر اسے کندھے سے لگایا۔عام بہنیں اس وقت اپنے بھائی کی آدھی شرٹ گیلی کر دیتیں۔ لیکن زینیا حاکم ڈھیٹوں کی طرح آنسوؤں پہ بند لگائے کھڑی رہی۔

وہ مڑ گیا، عروج اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ جاتے جاتے اس نے کئی بار پلٹ پلٹ کر اپنی بہن کو دیکھا تھا۔اور پھر بلا خر وہ چلا گیا۔

اسے جانا ہی تھا۔دروازے سے باہر نکلتے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے عروج نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔بشر چونک کر مڑا، وہ موبائل ہاتھ میں لئے کیمرہ آن کئے کھڑی تھی۔آنکھوں میں ملتجی سا تاثر تھا۔

''ایک چھوٹی سی ویڈیو بناؤں گی بس پلیز؟بس ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک چلنا ہو گا بس اتنا سا پلیز بشر۔'' وہ جواب دیئے بغیر سنجیدگی سے کھڑا رہا۔عروج نے چہرے پہ مذید مسکینیت طاری کر لی۔

''ایک ویڈیو سے کیا ہو جائے گا؟ چہرہ بھی نہیں آئے گا تمہارا بس ساتھ چلنا ہے،اسٹیٹس لگاؤں گی یار پلیز۔پلیز بشر مان جاؤ۔دیکھو شوہر نہیں ہو میرے؟''

بشر نے تھکی ہوئی سانس ہوا کے سپرد کی، عروج کے ہاتھ سمیت اپنا ہاتھ بلند کیا۔

''ہاتھ تو پکڑا ہوا ہے،اور آگے تم کھڑی ہو۔کیسے چلوں؟''یعنی وہ مان گیا تھا۔اوہ خدایا وہ مان گیا تھا۔

اگلے چند پلوں میں وہ چھ فٹ کا سنجیدہ، بردبار لڑکا اپنی بیوی کے اشارے پہ ٹک ٹاک بنا رہا تھا۔یہ عورتیں کیا کیا کام کروا لیتی ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن قبل

گوادر پورٹ پہ اس وقت لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ یہاں سے وہاں چکر لگاتے، اپنا سامان اٹھاتے اور اپنے کاموں کو جاتے ،اونچی بولیاں کہتے لوگ۔ اور ان سب کے درمیان دو مرد بھی تھے۔

''تمھیں کیا لگتا ہے وہ آجائے گی؟'' قیس کی سنجیدہ آواز پہ بھی مہدی نے اسکی طرف نہیں دیکھا۔ وہ دونوں بنچ پہ بیٹھے تھے آس پاس لوگوں کے بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔ یہاں سے کئی لوگوں نے بحری سفر کو روانہ ہونا تھا۔

''میں نے اسکی نینی کو خرید لیا ہے۔ وہ اسے گھمانے کے بہانے یہاں لے آئے گی۔ تم مل لینا۔''

''میں مزید پانچ منٹ سے زیادہ اسکا انتظار نہیں کرنے والا۔ اتنی اہم نہیں ہے وہ۔'' قیس نے گھڑی دیکھتے ہوئے اعلان کیا۔ مہدی نے البتہ دھیان نہیں دیا۔ ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے کہ لوگوں کے جم غفیر کے درمیان، بھانت بھانت کی بولیوں اور غیر شناسا لوگوں کے درمیان دو مردوں نے ایک شناسا چہرہ دیکھا، ایک جانی پہچانی آواز سنی، اور ایک اپنا اپنا سا چہرہ دیکھا۔ وہ کوئی پانچ چھ سالہ بچی تھی۔ لیکن اپنے قد اور وزن سے آٹھ سال سے کم کی نہیں لگتی تھی۔ اس کے بال پونی میں بندھے تھے، جن میں ڈھیر سارے رنگین کلپس لگے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر چینی نقوش والی عورت نے اسکا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ بچی زور زور سے سر ہلاتی ناخوشی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھول دار فراک یہاں سے وہاں لہرا رہی تھی۔ اسی لمحے اسکی نظر بنچ پہ بیٹھے دو لوگوں پہ پڑی۔ خفت سے وہ گردن دائیں بائیں موڑنے لگی **(اداکارہ نہ ہو تو۔)** ساتھ ساتھ اپنے بالوں کو نامحسوس انداز میں سنوارا۔ اس سارے وقت میں قیس بس سانس روکے یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ مہدی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔

ایزل کی آنکھیں شرارت سے چمکیں، وہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے دوڑتی ہوئی اسکے پاس آرہی تھی۔ مہدی مسکرا کر اسے دیکھتا رہا۔ وہ قریب آکر مہدی کے گلے سے لگ گئی۔ سکون، کاملیت، احساس محبت، مہدی کے خون میں دوڑ گیا۔ وہ ایک بار پھر کئی لمحے اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ قیس بس انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی چھوٹی بہن، اسے آج وہ بہت شدت سے یاد آئی۔ مہدی سے الگ ہوتے ہوئے وہ اب تیز تیز بول رہی تھی۔

''پتہ ہے میں کل رات کتنا ڈر گئی تھی؟ پتہ ہے میرے اسکول فرینڈز آپ کو کتنا پسند کرتے ہیں۔ ویٹ آپ کو پتہ ہے آپ کی اور میری آنکھیں ایک۔۔۔ جیسی ہیں۔ سیم سیم۔۔۔''

''اچھا اچھا ان سے تو ملو۔'' مہدی نے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اسکا رخ قیس کی جانب موڑا۔ ایزل نے بے یقینی سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اومائی گاڈ آپ قیس ماموں ہیں ناں؟'' وہ منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے کو ہوئی۔ قیس بے اختیار مسکرایا۔

''آئی نو آئی نو آپ کے اندر بہت ایٹیٹیوڈ ہے۔ آئی نو آپ لوگوں سے نہیں ملتے۔ لیکن میں تو آپ کی بھانجی ہوں ناں؟''

"No hugs for me?"

بلاشبہ وہ اپنے باپ کی طرح بہت بولتی تھی۔ قیس ایک بار پھر سے کھل کر مسکرانا چاہتا تھا۔ لیکن اونہوں وہ یوں جذبات کا اندھا تھوڑی تھا۔ وہ جب کچھ نہیں بولا تو ایزل نے مہدی کی طرف دیکھا۔ آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ دونوں ہاتھ مہدی کے کندھے پہ رکھے وہ اسکے کان کے قریب جھکی۔

''کہیں یہ گونگے تو نہیں؟'' اسے لگا تھا اس نے سر گوشی کی ہے، لیکن قیس نے باخوبی سنی تھی۔ وہ خود کو سنجیدہ ظاہر کئے گردن مزید تان کر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی، اور آنکھوں میں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا والا تاثر تھا۔ مہدی اور ایزل نے اب کے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھا۔

''تم اسکے لئے گفٹ لائی ہو ناں؟ اینگری برڈ گفٹ سے خوش ہو جاتا ہے۔'' اسکی بات پہ ایزل کا چہرہ کھل اٹھا۔ کندھے پہ لٹکا چھوٹا سا بیگ پیک اتار کر اب وہ اس میں ہاتھ مار رہی تھی۔ قیس یوں تو ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے گردن تان کر بیٹھا تھا۔ لیکن کن اکھیوں سے وہ اسکی ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ اور پھر بلاخر ایزل محب ملک نے اپنے بیگ سے چند سکے برامد کر لئے تھے۔ سرخ گالوں اور چمکتی آنکھوں سے اس نے وہ سکے قیس کی جانب بڑھائے۔ قیس نے اسکے ننھے ننھے بڑھے ہوئے ہاتھ دیکھے مگر رخ موڑ لیا۔ مہدی کلس کر رہ گیا۔ (**اتنی اداکاری کیوں کر رہا ہے۔**) ایزل نے ہار نہ مانی وہ آگے بڑھ آئی گھٹنے پہ رکھی اسکی بند مٹھی کھولی، اور پھر تین سکے اسکے ہاتھ پہ رکھے۔

''مجھے پتہ ہے آپ کو کرنسی جمع کرنے کا شوق ہے۔'' آنکھیں جھپکا کر تسلی دی گئی۔ قیس اسکی معصومیت پہ مبہوت رہ گیا۔

''still no hugs for me?'' وہ آنکھوں میں امید لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر گوادر پورٹ کے اونچے جہازوں، چلتے پھرتے لوگ اور سمندر کی ہواؤں نے قیس کمبیر کو اپنی جگہ سے اٹھتے، اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتے دیکھا۔

"no hugs for me?" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ایزل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ساتھ ہی فوراً اسکے گلے سے آ لگی۔ قیس نہیں جانتا تھا یہ کونسے احساسات ہیں۔ یہ لمس اتنا سکون بخش کیوں تھا۔ یہ چھوٹی سی بچی اسے گھٹنوں پہ کیوں لے آئی تھی۔ وہ بس یہ جانتا تھا کہ اسکا دل اس بچی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ خون کے رشتوں میں فاصلے اہمیت نہیں رکھتے۔ کئی سالوں بعد بھی ملاقات ہو جائے تو گلے لگاتے وقت دل کو میٹھی راحت اور روح کو ٹھنڈا سکون ملتا ہے۔ کوئی شخص یہ احساس صرف تب محسوس کر سکتا ہے جب وہ اپنے خون کے رشتوں سے کئی سال دور رہا ہو۔

''ماما آپ کو بہت مس کرتی ہیں۔'' ایزل نے اسکے کان میں سرگوشی کی۔ قیس تھم گیا۔ جھماکے سے سب یاد آیا۔ دل ایک نئے سرے سے دکھ گیا۔ وہ اگلے کئی لمحے اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ کبھی اسکے بال تھپکتا، کبھی کندھا چومتا۔ ان لمحوں کو ختم نہیں ہونا چاہیے تھا کبھی نہیں۔ اسی لمحے مہدی کا موبائل بجنے لگا۔ آپا کالنگ کے الفاظ جگمگائے۔ ایک لمحے کے لئے وہ بالکل ٹھہر گیا۔۔ کئی لمحے یونہی شل کھڑا رہا اور پھر وہ ان دونوں کو چھوڑ اب دوسری طرف چلا آیا۔

''آپ کو پتہ ہے میرے اسکول میں سب کو پتہ ہے کہ میرے دو ماموں ہیں۔ دونوں ہینڈسم، اور پاکستان میں ہمارا ایک بہت بڑا گھر ہے۔ اور میرے دونوں ماموں حد سے زیادہ ہینڈسم ہیں۔'' وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ قیس اسے اٹھائے بنچ پہ چلا آیا۔ اختلاف میرہ سے تھے ایزل سے تو نہیں۔

''اچھا یہ بتاؤ میں زیادہ ہینڈسم ہوں یا مہدی؟'' وہ اسے گود میں بٹھائے ہوئے تھا۔ ایزل نے چند لمحے سوچنے کی اداکاری کی۔

''مہدی کے پاس دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔اور آپ کے پاس دنیا کے سب سے خوبصورت بال۔'' وہ شستہ انگریزی میں بولی۔ قیس ہنس پڑا۔ وہ اکثر یہی سوال میرہ سے بھی کرتا تھا۔ جواب دونوں کا یہی ہوتا تھا۔ قیس نے نوٹ کیا وہ بہت بولتی تھی۔ بہت زیادہ۔ کسی اور کو بولنے کا موقع وہ بہت کم دیتی تھی۔

''تم نے مجھے کیسے پہچانا؟ ہم تو پہلے کبھی نہیں ملے۔''

''میں نے آپ کی تصویریں، انٹرویوز، ویڈیوز سب دیکھا ہے۔ آپ ہم سے ملنے کیوں نہیں آتے؟''

''تم نے کبھی بلایا ہی نہیں۔'' قیس نے آہستگی سے اسکے بال سنوارے۔ آواز بے حد ہلکی تھی۔

''میں نے تو آج بھی نہیں بلایا تھا۔ ماما کہتی ہیں آپ اپنی مرضی کرتے ہیں۔''

''اپنی ماما سے کہنا وہ نہیں کرتی کیا؟'' نہ جانے کیوں وہ ایک بچی کے سامنے شکوہ کر بیٹھا۔ یہاں سے ذرا فاصلے پہ کھڑے مہدی نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ آنکھیں نیم مردہ تھیں۔ وہ اسے بلا رہی تھی۔ مہدی کو چاہیے تھا کہ جائے۔

''میں جانتی ہوں تم ایزل سے ملے ہو، میں جانتی ہوں وہ اس وقت بھی تمھارے ساتھ ہے۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بامشکل بول رہی تھی۔ ''بس ایک بار مہدی بس ایک بار پہل کرو۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔ صرف ایک بار مہدی۔ مجھے تم سب بہت یاد آتے ہو۔''

''تمھیں مجھ سے ضد ہے۔ تو مجھے تم سے زیادہ ہے۔'' مہدی نے دھیرے سے سرگوشی کی۔ ''ہم ملیں گے یا تو اسلام آباد میں یا پھر عالم ارواح میں پہل تم نہیں کرو گی تو میں بھی نہیں کروں گا۔'' دوسری جانب موجود عورت کی ہچکیاں بلند ہونے لگیں۔ مہدی

فون کان سے اتار چکا تھا۔کال ختم کر کے اب وہ تیز تیز قدموں سے ایزل اور قیس کی جانب بڑھ رہا تھا۔بنچ کے قریب پہنچ کر اس نے ایزل کو قیس کی گود سے اٹھالیا۔

''یہ کیا بد تمیزی ہے۔اسے واپس بٹھاؤ۔'' قیس نے ناگواری سے ٹوکا۔مہدی نے غور نہیں کیا۔بس ایک بار سکون سے اسے گلے لگایا اور پھر نیچے اتار دیا۔

''ہماری بات چل رہی تھی مہدی،بد تمیزی کی انتہا ہو گئی ہے۔اسے واپس بٹھاؤ یہاں۔''مہدی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ایزل کو نیچے اتارا،جھک کر اسکے دونوں گال چومے۔

''ہم دوبارہ ملیں گے۔ابھی تم اپنی ماما کے پاس جا رہی ہو۔اوکے؟''ایزل نے برا سا منہ بنالیا تھا البتہ بولی کچھ نہیں۔مہدی پہ ایک خفا خفا سی نظر ڈال کر وہ قیس کی جانب بڑھی۔پھر انگلی کے اشارے سے اسے نیچے جھکنے کو کہا۔وہ جو تنتے ہوئے تاثرات لئے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔نا چاہتے ہوئے بھی چہرہ اسکی جانب جھکا دیا۔ایزل نے باری باری اسکے دونوں گال چومے۔قیس بے اختیار زور سے ہنسا تھا۔اس نے یہ نہیں سوچا تھا ہاتھ بڑھا کر قیس کے بالوں کو ہلکے سے بگاڑتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔جاتے جاتے ایک خفا نظر مہدی پہ ضرور ڈالی تھی ساتھ بے آواز بڑبڑائی تھی۔

''we are not done yet''مہدی تکان زدہ سا مسکرا دیا۔وہ چلی گئی تو قیس نے اسے دیکھا۔سخت جتاتی نظریں۔''ہم بات کر رہے تھے تم نے دیکھا نہیں؟''مہدی بنچ پہ اسکے ساتھ آ کر بیٹھا۔

''کیا ضرورت تھی بات کرنے کی، جب تمھیں اس سے کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔ وہ تمھیں اتنا اٹریکٹ کیوں کر رہی تھی۔'' اس نے تھکن سے گردن پیچھے پھینک دی۔ قیس لاجواب سا ہوا۔

''اسکی آنکھیں مجھ سے ملتی تھیں۔ بس اسی لئے۔''

''اسکی آنکھیں سبز ہیں نائٹ میئر۔ میرے جیسی سیم سیم۔'' جتایا گیا۔

''اسکے بال میرے جیسے تھے، ناک بھی، اور ہاتھ بھی۔'' قیس نے ایک اور تاویل پیش کی۔

مہدی دھیرے سے ہنس دیا۔ ''وہ ساری کی ساری اپنے باپ کے جیسی ہے نائٹ میئر۔''

''یعنی اسکے پاس کچھ بھی میرے جیسا نہیں ہے؟'' وہ خفا ہوا تھا۔ مہدی ایک بار پھر مسکرایا۔ قیس جنکو چاہتا تھا انکے اندر مماثلت ڈھونڈا کرتا تھا۔ اب جب تک نہیں ملتی اسے سکون کہاں آنا تھا؟

''اس نے اگر تم سے کچھ لیا ہے تو وہ ہے لمبی زبان، اور اپنی باتیں منوانا۔ اور شاید ذہانت بھی۔'' اس نے ایک ایک کر کے گنوایا۔ اب کے قیس کھل کر مسکرایا تھا۔ اسی لمحے عین اسی لمحے اسکا موبائل تھرتھرایا۔ قیس نے مسکراتے ہوئے ایک اچٹتی سی نگاہ کالر آئی ڈی پہ ڈالی۔ یہ اسکا دوسرا موبائل تھا۔ اور اگلے کئی لمحے وہ موبائل کی سکرین کو یک ٹک تکتا رہا۔ یہ وہی نمبر تھا۔ وہ اسے کال کر رہی تھی۔ وہ جس کے لئے قیس میلوں کا سفر کر کے یہاں آیا تھا۔

''یہاں سے چلو نائٹ میئر۔ پلیز یہاں سے چلو۔ یہ شہر میرا دم گھونٹ رہا ہے۔ کچھ دیر مزید یہاں رہا تو مجھے نہیں پتہ میں کیا کر گزروں گا۔ پلیز یہاں سے چلو۔'' مہدی سر ہاتھوں میں دیئے تکلیف سے بڑبڑا رہا تھا۔ قیس نے موبائل سے نگاہیں نہ اٹھائیں۔ وہ مثبت جواب دینا چاہتا تھا۔ وہ کم از کم اسے تسلی دے آنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید دیر ہو چکی تھی۔

''کیا ہم تھوڑی دیر رک نہیں سکتے۔ اپنے خاندان کی فکر میں، میرا ایک اہم کام رہ گیا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''یہاں گزرا ہر لمحہ محب کی موت اور میری پھانسی کے قریب آتا جائے گا۔ باقی جیسا تم کہو۔'' اس وقت مہدی جتنا سفاک تھا۔ شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ قیس نے اپنے خاندان کے ایک مرد کو ایک عورت پہ ترجیح دی۔

وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکا تھا۔ اور غلطیوں کے انجام بھگتنے پڑتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

افروزہ بیگم کے بنگلے میں واپس آؤ تو دو لڑکیاں ساتھ ساتھ چلتی نظر آئیں گی۔ لاؤنج سے نکل کر ایک بڑا سا ہال آتا تھا۔ جہاں اس وقت زینیا حاکم تھی۔ شیزل سیمسن اسکے آگے آگے چل رہی تھی۔ آنٹی نے اسے ذمہ داری دی تھی۔ اور ذمہ داریاں نبھانا تو اسکے لئے کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔

''یہ نچلا پورشن آنٹی کا ہے۔ یہاں وہ کسی کی تیری میری نہیں سنتیں۔ سو یہاں داخلہ ممنوع سمجھو۔'' وہ سمجھاتے ہوئے اب اندرونی زینوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زینوں کے ساتھ والی دیوار پہ مختلف پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ ''تم یہاں آنٹی کے ساتھ رہتی ہو؟'' زینیا حاکم کا پہلا سوال۔

''نہیں میں تو باہر سڑک پہ جھگی لگا کر رہتی ہوں۔''اس کی خوبیوں میں ایک اور خوبی وہ سیدھی بات کا سیدھا جواب نہیں دیتی۔

''میں یہاں چار سال سے رہ رہی ہوں۔شیزل یہاں سب کو جانتی ہے۔یہاں کے سارے لوگ میرے لئے آئینہ ہیں۔تمہیں یہاں کچھ بھی چاہیے تم مجھ سے مدد مانگ سکتی ہو۔''وہ اب بھی لکڑی کے نہ ختم ہونے والے زینوں پہ تھے۔

''کیوں کیا تم نے یہاں سب کی مسیحا بننے کی ٹھان رکھی ہے؟''اوپری منزل کے فرش کو چھوتی آخری سیڑھی پہ شیزل رک گئی۔گھوم کر اسکو دیکھا۔

''یہ مسیحا بننے کی لگن نہیں ہے،یہ خود شناسائی ہے۔مجھ سے بہتر تمہاری مدد کوئی کر نہیں سکتا۔گھوم پھر کر تمھیں میرے پاس ہی آنا ہے،تو اس لیے مس زینم (**وہ یہ نام لے کر جتا رہی تھی کہ کرنی اس نے اپنی ہے۔**) اگر کبھی تمھیں کوئی مدد چاہیے ہو تو تم مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔''شان نے نیازی سے آفر دی گئی۔

زینیا اس سے دو سیڑھیاں نیچے تھی۔اس نے یہ دو منزلیں بھی طے کیں اور عین اسکے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔دو دراز قد لڑکیاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھیں۔

''میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔کیا تم نے سب کی مسیحا بننے کی ٹھان رکھی ہے۔''

شیزل نے آنکھیں پٹپٹائیں۔''میں وائبز پہ یقین رکھتی ہوں۔اور تمہاری وائبز کہتی ہیں تمھیں شیزل کی ضرورت ہے۔مفت میں مدد نہیں کرتی میں ویسے۔''وہ ایک بار پھر گھوم کر آگے بڑھ گئی۔''میں دو صورتوں میں مدد کرتی ہوں۔پہلی کسی کو واقعی مدد کی ضرورت ہو۔دوسری میری بغیر زیور والی ناک اونچی رہے۔خیر یہ رہا تمہارا کمرہ۔''

اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔اوپری منزل پہ قطار میں کئی کمرے بنے تھے۔ بھوری لکڑی کے دروازے بند تھے۔ ''کیا تم میری روم میٹ ہو؟'' زینیا نے ٹھہر کر پوچھا۔

شیزل نے ایک ادا سے نفی میں سر ہلایا۔ ''شیزل سیمسن ایک تحفہ ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔'' وہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر چلی گئی۔ زینیا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ یہ کیا چیز تھی؟

اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی زینیا اندر آئی تو اس نے کمرے کی جو حالت دیکھی وہ کم از کم اس پرفیکشنسٹ عورت کے لئے ناقابل معافی تھا۔ دو سنگل بیڈ کمرے کے دونوں کونوں میں رکھے تھے۔ جن کے اوپر دنیا جہاں کا گند پڑا تھا۔ ایک طرف بڑا سا سپیکر رکھا تھا ،کیسٹس، آڈیو سی ڈیز،اور کئی قسم کے موسیقی آلے یہاں سے وہاں بکھرے پڑے تھے۔ شاید اسکی روم میٹ میوزک کی شوقین تھی۔ دیواروں پہ جابجا پوسٹرز لگے تھے، جن میں کوئی لڑکی گٹار لئے کھڑی تھی، تو کبھی مائیک۔ شاید وہ اسکی روم میٹ ہی تھی۔ کمرے کا تفصیلی جائزہ لیتے اسی لمحے اسکا موبائل تھرتھرایا۔ کہنی پہ ٹنگے بیگ سے فون نکال کر دیکھا۔ واٹس ایپ نوٹیفکیشن تھا۔ بالاج کی دس مسڈ کالز لگی تھیں۔ اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ خوش قسمتی سے وہ جس کمرے میں تھی اسکے ساتھ بالکنی کا دروازہ لگا کرتا تھا۔ لکڑی کا بھورا دروازہ پار کرتی وہ بالکنی میں چلی آئی۔ رات اتر آئی تھی۔ ہمسائیہ گھر کے منظر پہ لگی بتیاں اس وقت زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔

زینیا نے فوراً واٹس ایپ پہ بالاج کی چیٹ کھولی، اس کو کال ملانے لگی۔ پہلی بیل رد کی گئی، دوسری بیل بج بج تر تھک گئی۔ تیسری بیل پہ فون اٹھالیا گیا تھا۔ ایک ہفتے کی دلہن کو جن الفاظ کی توقع تھی۔ اسکے شوہر کے الفاظ اسکے بلکل برعکس تھے۔

''فائنلی تمھیں یاد آگیا کہ تمہارا ایک عدد شوہر بھی ہے۔اتنی بری یادداشت تو نہیں تھی تمہاری۔'' وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ایک لمحے کو زینیا حاکم کا دل کیا تھا کہ کھری کھری سنا دے۔لیکن وہ نہیں جانتی تھی کیوں اور کس لئے اس نے ''سچائی'' کی جگہ ''صفائی۔'' دینی چاہی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، بالاج۔۔۔میں ذرا مصروف تھی۔'' وہ ایک پل کو رکی، الفاظ متجمع کئے، ''راستے میں شاید سگنل بھی نہیں تھے۔'' اس نے اضافہ کیا۔

''کونسا راستہ؟'' بالاج فوراً الرٹ ہوا۔

''اسلام آباد کا راستہ اور کونسا خیر آپ یہ بتائیں آپ ٹھیک ہیں۔'' اس نے گردن پیچھے کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔وہ تھک چکی تھی۔ بالاج کئی لمحے خاموش رہا۔یوں جیسے اسکے الفاظ پر اسیس نہ کر پایا ہو۔

''تم۔۔میری اجازت۔۔۔۔کے بغیر۔۔۔۔اسلام آباد۔۔۔۔گئی کیسے۔جرات کیسے ہوئی تمہاری؟'' ایک ایک لفظ پہ زور دیا گیا۔

''آپ مجھ سے مشورہ کئے بغیر سعودی عرب کیسے چلے گئے؟'' وہ کہنا یہی چاہتی تھی لیکن، عورت چاہے امیر ہو چاہے غریب ، چاہے کیریئر وومن ہو، چاہے ہاؤس وائف شادی کے شروعاتی دنوں میں وہ ''باؤنڈری'' نہیں ''بنیادیں'' بناتی ہے۔اور بنیادیں کیسے بنتی ہیں؟ محنت سے، لگن سے، جل کر، سہہ کر۔

''مجھے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں بھول گئی۔'' اس نے ماتھے کو چھوا لہجے کو بہت کوشش سے نارمل رکھا۔ **(اماں نے کہا تھا عورت صبر کرتی ہے اسے صبر کرنا تھا۔)** بالاج مزید چند منٹ اس ہفتے میں زینیا کی تمام کوتاہیاں اسے یاد دلاتا رہا۔ چند میں اسکا شکوہ یہ تھا کہ زینیا اپنی ساس کے ساتھ زیادہ بولی کیوں نہیں۔ وہ شروع سے نہیں بولتی تھی۔ کیا شادی کے بعد اس کے اندر نئے سیل ڈلے تھے؟

جب بالاج کی بہن نے زینیا کے جوتوں کی تعریف کی تو زینیا نے وہ جوتے اسے کیوں نہیں دے دیئے۔ بالاج کی بہن نے دن میں اسکی دس چیزوں کی تعریف کی تھی کیا سب کچھ اتار کر دے دے؟ وہ مزید بولتا، اور اسکی غلطیاں گنوا تا رہتا اگر زینیا اسے ٹوکتی نہیں۔

''بالاج۔۔۔۔ میں تھکی ہوئی ہوں۔ آپ مجھے مزید تھکا رہے ہیں۔ کیا آپ کی بیوی ایسا لہجہ ڈیزرو کرتی ہے؟'' وہ زینیا حاکم تھی اسکا لہجہ، اسکا اعتماد وہ کسی بھی مرد کو اپنا بسمل کر سکتی تھی۔ بالاج بھی تھم گیا۔ چند پل زینیا اسے سفر کا احوال سناتی رہی، وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

''مجھے اپنی تصویریں بھیجو۔ تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ کافی دیر بعد بولا تو لہجہ دھیما اور خوبصورت تھا۔ زینیا نے گہری سانس لی۔ اور کال کے دوران ہی چند تصاویر اسے بھیج دیں۔ موبائل اسپیکر پہ ڈال دیا۔ بھیجی گئی تصاویر پہ نیلا ٹک لگا تھا۔ ساتھ ڈھیر سارے توصیفی کلمات۔ وہ مسکرائی تھی۔ دھیرے سے، نرمی سے۔ ساری تھکن اترنے لگی۔ شوہر کے کہے گئے چند توصیفی کلمات عورت کا موڈ اور زندگی دونوں بدل سکتے ہیں۔ چند مزید باتوں کے بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اسی لمحے زینیا نے مڑ کر دیکھا دروازے کی چوکھٹ پہ وہ کھڑی تھی۔ بازو سینے پہ باندھے، تیز نظروں سے زینیا کو دیکھتی ہوئی۔

''اگر بوائے فرینڈ ہے تو اوقات میں رکھو، اور اگر شوہر ہے تو باؤنڈری بناؤ۔'' زینیا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''اور بنیادوں کا کیا؟'' صد شکر کہ اس نے برا نہیں منایا۔

''بنیادیں بھی وہیں بنتی ہیں جہاں باؤنڈریز ہوں۔''

''وضاحت۔'' سینے پہ بازو باندھے ایک لفظ بول کر زینیا نے اسے بولنے پہ اکسایا۔ وہ تو تیار تھی۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بولتی وہ آگے آئی۔

''دیکھو ہم نے ایک پلاٹ خریدا ہے۔ وہ کیا ہوئی ہماری باؤنڈری۔ اب ہم گھر کی بنیاد بھی اسی باؤنڈری میں ڈالیں گے، یا پھر پاس والے کسی پلاٹ پہ قبضہ کرلیں گے؟ اسی لئے بنیادیں وہاں بنتی ہیں جہاں باؤنڈریز ہوں۔''

''ویسے میں نے اس سے زیادہ فضول وضاحت کبھی نہیں سنی۔'' زینیا نے نزاکت سے کندھے اچکائے۔ کسی کی برتری قبول کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''ایک انٹیریئر ڈیزائنر اپنی بات اس سے بہتر نہیں سمجھا سکتا۔'' اس نے بھی کندھوں سے بوجھ جھاڑا۔

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا تھا ویسے۔'' الماری کی طرف بڑھتی زینیا نے لاپرواہی سے کہا۔

''شیزل سانس لیتی ہے تو آئیڈیاز جھڑ کر گرتے ہیں۔ لے لو یا چھوڑ دو۔'' اسے گویا فرق ہی نہ پڑا۔ ''اور ہاں نیچے آجاؤ کھانا لگ گیا ہے۔'' وہ کہہ کر جانے لگی جب الماری کے پٹ وا کئے کھڑی زینیا نے اسے پکارا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی، تاثرات عجیب ہونے لگے۔

''اور اگر باؤنڈریز کام نہ کریں۔ اور اگر سب بے کار چلا جائے تو؟'' شیزل تھم گئی۔ دروازے کے ہینڈل پہ اسکا ہاتھ کی سست ہوئی۔

''اگر باؤنڈریز کام نہ کریں، اگر تعلق اس کے بعد بھی گرو نہ کرے تب بھی باؤنڈریز تمھیں پچھتاوے سے بچالیں گی۔تب صرف تعلق ٹوٹنے کا غم رہے گا۔کاش اس وقت یہ کر لیتے کاش یہاں یہ بولا ہوتا۔یہ غم آپ کے ساتھ نہیں رہتا۔تعلق میں کوشش اہمیت رکھتی ہے، نتائج نہیں۔''

وہ مڑے بغیر چلی گئی تھی۔اور زینیا حاکم کے پاس تمام سوالوں کے جواب آچکے تھے۔لیکن پہلی ملاقات میں اتنی زیادہ بات؟زینیا کے اندر کے گمنام عورت نے سختی سے اسے ڈپٹا تھا۔

اب یہ سامنے آئی تو بات نہیں کرنی ہاں یہی ٹھیک ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح آسمان پہ سرمئی بادلوں کی ٹولیاں تھیں۔اسلام آباد میں اکتوبر داخل ہو چکا تھا۔نم حبس زدہ ہواؤں کو الوداع اور جسم کو بھاتی پر سکون ٹھنڈی فضا کو خوش آمدید۔زینیا اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔اسکے عقب میں دو سنگل پلنگ تھے۔گہرے جامنی رنگ کا سادہ اور کم کام والا لگھا پہنے بالوں کی چٹیا بنالی۔فیروزے کی لونگ کی جگہ آج کسی اور زیور نے لے لی تھی۔صبح صادق سے اس وقت صبح کے نو بجے تک وہ اپنے تمام کام کر چکی تھی۔ناشتہ،اپنی الماری سیٹ،قریب ہی موجود تمام عمارات کا جائزہ،اور سب سے اہم اس گھر کی جائے فرار۔کوئی نہ کوئی چور راستہ۔جو کہ اسے کچن میں ملا تھا۔یہ کوئی مناسب کچن نہیں تھا۔بنگلے کی عقبی لمبی سے گیلری میں نفاست اور کم جگہ میں سیٹ کی گئی ایک جگہ تھی۔جہاں زیادہ سامان،لوگ،اور کھانا جمع ہو سکتا تھا۔اور خوش قسمتی سے شیف ایک مرد تھا۔جس کے آنے جانے کے لئے گھر کے عقبی حصے میں ایک دروازہ تھا۔اسکی روم

میٹ اس وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ عجیب لڑکی تھی۔ بس سونے کے لئے واپس آئی تھی۔ زینیا نے شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر لائٹ جلائے موبائل کی روشنی میں ہی سارے کام کئے تھے۔ سیڑھیوں سے اتر کے وہ نیچے آئی تو آنٹی اسے کہیں نظر نہ آئیں۔ لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ زینیا بھی اسی طرف چلی آئی۔ اور یہاں اسے دیکھنے کو ملا تھا وہ منظر جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ مہدی کمبیر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور وہ بڑی ہی سنجیدگی سے آنٹی کی باتیں سن رہا تھا۔ سبز رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ سفید رنگ کا سلیکس پہنے ہوئے اسکی گردن میں ایک چین لٹک رہی تھی۔ بازو پہ پلیستر چڑھا تھا۔ وہ کافی کمزور لگتا تھا۔ جس دوسری چیز نے زینیا کی توجہ گھیری تھی۔ وہ پھول تھے۔ سرخ رنگ کے پھولوں کا بکے جو آنٹی کی سامنے رکھا تھا۔ اور ایک کیکٹس کا گملہ جو مہدی نے اپنے ساتھ والی چھوٹی سی میز پہ رکھا ہوا تھا۔ زینیا چند لمحے یونہی چوکھٹ میں کھڑی رہی، یہاں تک کہ مہدی کی نظر اس پہ پڑی۔ وہ مسکرایا۔ سادہ پر خلوص مسکراہٹ۔ البتہ آنٹی کی موجودگی میں اسے مخاطب نہیں کیا۔ ہاں بس اسے دیکھ کر اچھا لگا تھا۔

''ہیلو زینیا حاکم۔'' وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے بے آواز بڑبڑایا۔

''ہیلو، weirdo۔'' اسکے لب بھی بے آواز تھے۔ لمحوں کا کھیل تھا اور بس۔ پھر وہ آنٹی کی طرف مڑی۔ ''آنٹی مجھے اکیڈمی جانا تھا۔ آپ مجھے راستہ بتا سکتی ہیں؟''

''مہدی وہیں جا رہا ہے جاؤ تمھیں چھوڑ دے گا۔ اور ایک بات تمہاری کلاسز شام میں ہوں گی۔ پانچ سے آٹھ۔ اس وقت تم بس ماحول اور جگہ دیکھ آؤ۔'' انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔ زینیا ابھی کہتی کہ ''میں مینیج کر لوں گی'' مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔

''آؤ زینیا میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' آنٹی کو کوئی کال آگئی تھی۔ وہ مہدی کو اپنائیت والی مسکراہٹ سے دیکھتی باہر نکل گئی تھیں۔ چارونا چار زینیا حاکم کو مہدی کے ساتھ جانا پڑا۔ گملہ بھی انکا ہمسفر رہا۔ گھر سے سڑک تک آتے ہوئے ان دونوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اپنی گاڑی کے قریب جاتے مہدی نے رک کر گملہ اسکی جانب بڑھایا۔

''تم جیسے کانٹے کے لئے ایک کانٹا، ویلکم ٹو اسلام آباد۔'' گیلی سڑک، اطراف کے گھروں سے جھانکتے درختوں کے سامنے مہدی نے اسے ایک تحفہ دینا چاہا۔

''کاش آپ کا تعاقب کار آپ کو مار دیتا اور میری جان چھوٹ جاتی۔'' وہ کوفت سے بڑبڑائی۔ ''میں یوں کسی سے تحفے نہیں لیتی۔ اور تحفے میں کانٹے تو ہر گز نہیں۔'' اس نے گویا جھر جھری لی۔

''پھول لاتا تو تم کہتی: ''آپ کب بڑے ہوں گے مسٹر کمبیر۔ میں زینیا حاکم ہوں مجھے تو کانٹے پسند ہیں''۔'' وہ ہو بہو اسکے انداز میں بولا تو زینیا کا دل کیا اسے مارگلہ کی پہاڑیوں سے نیچے پھینک دے۔ وہ ضبط کئے، کشادہ سڑک پہ چلتی رہی۔

''کاش وہ آپ کو واقعی مار دیتا۔'' اس نے گویا یہی جواب رٹ رکھا تھا۔ مہدی مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ ''آؤ میں تمھیں تمہاری منزل پہ چھوڑ آؤں۔'' وہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ گملہ اب کے گاڑی کے اوپر رکھ دیا تھا۔ بیچارے کے پاس کام کرنے کو اب ایک ہی ہاتھ جو تھا۔

''میں یوں چلتے پھرتے کسی کی گاڑی میں نہیں بیٹھ جاتی۔'' اس نے ٹکا سا جواب دیا۔ مہدی نے گہری سانس بھر کر گاڑی کا دروازہ بند کیا۔ اپنا پودا واپس اٹھالیا۔

''تم گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتیں، لیکن میں تمھارے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں۔ آؤ ویسے بھی اکیڈمی دور نہیں ہے۔''

اس نے زینیا کے ساتھ قدم بڑھائے گملہ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں لمبی گلی سے نکل رہے تھے۔ آگے مرکزی شاہراہ آتی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ اسلام آباد کیسا لگا؟''

''بہت خاموش۔'' دو لفظی جواب۔

''تم میرے شہر کے بارے میں صرف دو لفظ کہہ رہی ہو۔ یہ شہر ڈیزرو کرتا ہے کہ اسکی شان میں کتابیں لکھی جائیں۔''لو جی ہو گئی اسلام آبادی کی محبت ہرٹ۔ زینیا اطراف میں دیکھتی چلتی رہی۔ دماغ اب بھی الجھا ہوا تھا۔

''کم از کم میں نے دو لفظ تو کہے، آپ نے تو میرے شہر کے لئے کچھ نہیں کہا۔'' وہ آس پاس دیکھ رہی تھی۔ ایک ایک دکان، سائن بورڈز کو غور سے تک رہی تھی۔ ہر دفع اسے چھوڑنے کسی مہدی کمبیر نے نہیں

''مجھے تمھارے شہر کا سن سیٹ بہت پسند ہے۔'' مہدی نے تبصرہ کیا۔ بادل اب سیاہ سے سرمئی ہو رہے تھے۔ ہلکی ہلکی دھوپ اب بادلوں کو چیر کر باہر آنے لگی تھی۔ وہ دونوں اب مین روڈ کے اطراف میں چل رہے تھے۔ سڑکوں پہ زیادہ رش نہیں تھا۔ مہدی کے اندر کا سیاح اسے مختلف ہدایات دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔

''تمہاری شادی ہو گئی؟''

''ہمم ہو گئی۔'' اسکا انداز بوجھل تھا۔

''خوش ہو؟'' وہ دونوں ذرا ذرا سے فاصلے پہ چل رہے تھے۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان۔ سڑک پہ کوئی اکا دکا گاڑی گزر رہی تھی
۔

''خوشی کیا ہے؟''

''تم خود۔''

''میں کون ہوں؟'' الجھا ہوا سوال۔

''یہ تو تمھیں بتانا ہوگا۔ میں نے اس روز ساحل پہ کہا تھا۔ ''تعارف قرض رہا۔'' کیا تم میرا مطلب نہیں سمجھی تھیں؟''

زینیا نے کندھے اچکائے۔ ''میں جانتی تھی یہ کوئی عام تعارف نہیں ہے۔ موٹیویشنل اسپیکر کچھ کھوج چکے ہیں۔'' اسکی بات پہ مہدی دھیرے سے مسکرایا۔ وہ واقعی اسکی آنکھوں میں ایک ان کہی سوگواریت دیکھ چکا تھا۔

''تو پھر شروع کریں؟'' وہ چمکتی آنکھوں سے بولا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہے مجھے سمجھنے دیں، پھر کیا خیال ہے شروع کریں؟'' اب کے مہدی زور سے ہنسا تھا۔ زینیا بھی سر جھکا کر مسکرائی۔ ظاہر ہے راز دو گے، تو راز دیئے جائیں گے۔ پانچ منٹ میں ہی وہ دونوں اکیڈمی آ گئے تھے۔

مہدی نے گملہ ایک بار پھر اسکی جانب بڑھایا۔

''ایک کانٹے کے لئے دوسرا کانٹا، قبول کریں میڈم۔'' زینیا نے اسکے ہاتھ سے گملہ لے لیا۔

"میں تحفے نہیں لیتی مسٹر کمبیر، یہ صرف اس لئے رکھ رہی ہوں۔۔۔۔"

"کیونکہ یہ تمہارا ہمشکل ہے۔" مہدی نے غیر سنجیدگی سے جملہ مکمل کیا۔ زینیا البتہ سنجیدہ رہی۔

"کیونکہ آپ کا بازو زخمی ہے۔ اگلی بار آئیں گے تو واپس کر دوں گی۔" اس نے جملہ مکمل کیا۔ مہدی سر کو ہلکی سی جنبش دیتا اسکے ساتھ آگے بڑھنے لگا جب زینیا کی آواز پہ رک گیا۔

"آپ میرے ساتھ اندر نہیں جائیں گے۔ میں پہلے ہی دن خود کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتی۔ آئندہ بھی آپ میرے ساتھ، یا میرے آس پاس نہیں رہیں گے اوکے؟" وہ سنجیدہ تھی حد سے زیادہ سنجیدہ۔ غیر شہر کا پانی بھی غیر تھا۔ یہ تو پھر ایک مرد تھا۔ مہدی بغیر برا مانے الٹے قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کم از کم وہ ناں کو انا نہیں سمجھتا تھا۔ وہ بس اسے نئی نئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ سیاہ بڑے سے گیٹ کو پار کرتے ہوئے زینیا اندر گئی پھر رکی۔

"آئندہ آنٹی کے گھر بھی بہت کم چکر لگایئے گا، آج وہ اتفاق سمجھ رہی ہیں۔ کل وہ مجھے مشکوک سمجھیں گی۔ اور میں اپنی شادی شدہ زندگی میں یہ افورڈ نہیں کر سکتی۔ آپ کا اور میرا تعلق ایسا نہیں ہے کہ ہم ساتھ نظر آئیں۔"

"بے فکر رہو زینیا حاکم، میں اگر تمھارے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں، تو تمہاری خاطر کہیں سے بھی اپنے قدم روک سکتا ہوں۔ اس شہر میں اپنے قیام کے دوران یہ بات یاد رکھنا کہ مہدی کمبیر کی وجہ سے کبھی کوئی تم پہ بات نہیں کرے گا۔" وہ رکا سنجیدہ سبز آنکھوں نے سنہری آنکھوں کو دیکھا۔ وہ چند منٹ کے دوران تین دفع حدود قائم کر چکی تھی۔ یقیناً وہ بس مشق کر رہی تھی۔ عمل

کہیں اور کرنا تھا۔ادھ کھلے دروازے سے وہ دونوں چند پل ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، یہ لمحہ ایک ایک بار پہلے بھی آیا تھا وہ اس روز بھی ٹھٹھکا تھا اور آج بھی۔

''تعارف قرض رہا۔'' بے دھیانی سے کر وہ کہتے ہوئے پلٹ گیا۔زینیا بھی اندر کی اور بڑھ گئی۔آخر یہ تعارف کب ہونا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(''چچا چاہتے ہیں کہ وہ مجھے انکی پسند کے لڑکے سے باندھ دیں۔انکو قبول کرنا چاہیے کہ اب وہ ایک معذور مرد ہیں اور میں ٹانگوں پہ کھڑی لڑکی۔'')

مقصود کمبیر لان کی گھاس پہ سجی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔انکے سامنے سیاہ کرتا شلوار میں ملبوس انیسہ بیٹھی تھی۔انکی آنکھوں میں دیکھنے سے کتراتی ہوئی۔بار بار انگلیوں کو مروڑتی ہوئی۔مقصود غور سے اسے دیکھ رہے تھے، یک ٹک خاموش۔کافی دیر کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا۔

''سنا ہے تم نے مہدی کے لئے انکار کر دیا ہے؟''

انیسہ نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔''تصیح کریں چچا میں نے نہیں اس نے میرے لئے انکار کیا ہے۔میری بے عزتی کی ہے۔'' آنکھوں میں آئے نادیدہ آنسو پونچھے گئے۔

''یعنی اپنی اسٹڈی میں بلوا کر، اسکے گلٹس، ماضی اور اسکے باپ کی غلطیوں کے ہرجانے کے طور پہ اس سے انکار کروانا واقعی انکار ہوا؟'' انیسہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔یعنی وہ اتنے بے خبر نہیں تھے۔کئی لمحے وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔''میں نہیں جانتی آپ کو کس نے

کیا کہا ہے۔ لیکن وہ شخص مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر چکا ہے اور اب اگر اسکا انکار اقرار میں بدلا تب بھی میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی۔ مقصود اب تک سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''اس نے انکار کیا ہے۔ اب وہی اقرار بھی کرے گا۔ اور تم کیا چاہتی ہو اسکی اس گھر میں کسی ایک کو بھی پرواہ نہیں۔ شادی تمہاری وہیں ہو گی جہاں میں چاہوں گا۔'' انیسہ نے بھری بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ میرے باپ نہیں ہیں چچا۔ میرے لئے فیصلے لینے والا زندہ ہے۔''

''اسکا فیصلہ سن آؤ، پھر تمھیں میرا فیصلہ ہی مناسب لگے گا۔'' سازش کی بو ہر طرف پھیل رہی تھی۔ انیسہ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ اگلے چند پلوں میں وہ راہداری میں بھاگتی ہوئی اپنے باپ کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ دل کو کوئی زور سے جکڑ رہا تھا۔ بختیار کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسکے ہاتھ ذرا سے کانپ گئے۔ بس کوئی سازش نہ ہو۔

وہ اپنے پلنگ پہ نیم دراز آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ انیسہ کو دیکھ کر کتاب سینے پہ رکھ دی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی انکے قریب چلی آئی۔ پلنگ کی پائنتی پہ بیٹھ کر اپنے باپ کا ہاتھ تھام لیا۔

''ابا۔۔۔ جوزف کل آنا چاہتا ہے۔ اس نے اسلام قبول کر لینے کی حامی بھی بھری ہے۔'' وہ رکی سنجیدہ نظروں سے اپنی طرف دیکھتے مقصود کو دیکھا۔ ''وہ بہت اچھا ہے ابا۔ بہت زیادہ۔ مہدی اسکے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

''اور قیس؟'' دو لفظی استفسار پہ انیسہ کو اپنی دنیا برف ہوتی محسوس ہوئی۔ ''مہدی سے تمہارا پیچھا میں نے چھڑوا دیا ہے ناں۔ اب تمھارے لئے بہترین چنا ہے امید ہے تمھیں میرا فیصلہ پسند آئے گا۔'' انیسہ کئی لمحے کے لئے سانس تک نہیں لے سکی۔ وہ بے یقینی سے اپنے ابا کو دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں شاکی تھیں، دل زخمی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

''ابا آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' اسکی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر گرے۔ وہ تہی دامن تھی۔ مہدی تو اب ہر گز اسے آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہیں تھا اور قیس، وہ دیکھتا تھا تو جان جاتی تھی۔ وہ کہاں پھنس گئی تھی؟

''تمھارے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوا انیسہ۔ میں تمہارا باپ ہوں، تمھیں مہدی کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ میں نے مان لیا۔ اب تم ---''

''کیونکہ مجھے جوزف کے ساتھ رہنا تھا ابا۔'' وہ بلند آواز میں انہیں ٹوک گئی۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''میں تمہارا باپ ہوں تمھیں بہترین دوں گا۔'' سرد آنکھوں اور سفاک لہجے میں کہے ہوئے چند الفاظ انیسہ کو یاد دہانی کروا گئے کہ اب چیزیں اسکے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل چکی تھیں۔

محبت سے دیئے چند دلاسے عورت کی زندگی یونہی برباد کر دیتے ہیں۔



آج کونج کی دوست کالج نہیں آئی تھی۔اور جس دن کلاس میں آپ کی دوست نہ آئی ہو اس دن کلاس، کلاس کم ماتم گاہ زیادہ لگتی ہے۔وہ بے زاری سے چہرہ یہاں سے وہاں گھما رہی تھی۔دفعتاً اسکے ساتھ والے ڈیسک پہ فریحہ آکر بیٹھی۔آج اسکی بھی کزن نہیں آئی تھی۔اسکے ساتھ ایک اور لڑکی بھی ساتھ بیٹھی، سونیا بشیر۔کونج پر تکلف سا مسکرائی۔

''ہم تم سے معافی مانگنے آئے ہیں کونج۔'' اس نے آتے ہی بات کا آغاز کیا۔''فرحین تمہاری وجہ سے مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ وہ کہتی ہے میں جب تک تمھیں نہیں منالیتی وہ بھی مجھ سے بات نہیں کرے گی۔کیا تم اب بھی مجھے معاف نہیں کرو گی؟'' وہ ایسے انداز میں کہہ رہی تھی کہ کونج سے کوئی بات ہی نہ بن پڑی۔وہ ان لوگوں میں سے تھی جو فوراً معاف کر دیتے ہیں۔ہر زیادتی، ہر تذلیل۔

''دیکھو، کونج اب بس بات ختم بھی کرو۔'' سونیا نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔''فریحہ اور فرحین دل کی بری نہیں ہیں۔اس دن جب تم نے کیمسٹری کا پریکٹیکل نہیں کیا تھا، تمہاری دوستوں نے بھی جب تمہارا ساتھ چھوڑا تب یہی دونوں تمھارے ساتھ کھڑی تھیں۔ کیا ایک چھوٹی سی بات پہ تم ان دونوں کو معاف نہیں کر سکتیں؟'' معافی مانگنے اور معاف کروانے میں فرق ہوتا ہے۔کاش کوئی انہیں بتائے۔

''میں نے معاف کیا۔کوئی بات نہیں۔'' وہ خوش اسلوبی سے بولی تو فریحہ اور سونیا بھی ممنونیت سے اسے دیکھنے لگیں۔اسی لمحے فریحہ نے اپنا موبائل نکالا اور سیلفی کے لئے پوز بنایا۔''پوز کرو کونج، یہ تصویر میں فرحین کو بھیجوں گی۔'' وہ جس گھرانے سے تھی وہاں یوں اپنی تصاویر دوستوں کے ساتھ بانٹنے کا رواج نہیں تھا۔لیکن ابھی تک کونج حاکم کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ''**ناں**'' بول دینے

سے سانس کی ڈور نہیں ٹوٹ جاتی۔ چاروناچار اسے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کیمرے میں دیکھنا پڑا۔ چند ایک تصاویر لے کر ان دونوں نے گروپ میں بھیج دیں اور اب کے وہ ایک بار پھر کونج کی طرف متوجہ تھیں۔

''بور ہو رہی ہوناں؟'' فریحہ اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔ ''میں بھی بہت بور ہو رہی تھی۔ سوچا تمھارے ساتھ ہی بیٹھ جاؤں، باقی کلاس کا تو پتہ ہے تمھیں۔ بلکل بھی ہمارے معیار سے نہیں ملتی۔'' اس نے ہاتھ جھلایا۔ کونج کو برا لگا تھا۔ یوں کلاس کی لڑکیوں کے بارے میں چغلی کرنا کم از کم وہ ایسی نہیں تھی۔ لیکن وہ اسے چپ بھی نہ کروا سکی۔ بس سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ویسے، کونج تم فارغ وقت میں کیا کرتی ہو؟'' سونیا کے سوال پہ اس نے کندھے اچکائے۔

''میں یوٹیوب وغیرہ دیکھ لیتی ہوں۔ یا پھر شاعری لکھتی اور پڑھتی ہوں۔ تم کیا کرتی ہو؟'' سونیا اور فریحہ نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آگے کو ہوئیں۔

''ہم دنیا کا سب سے حسین کام کرتے ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔ کونج حاکم ناسمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔

''اور وہ کونسا کام ہے؟'' اسکے چہرے پہ ناسمجھی تھی۔

فریحہ اور سونیا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر رازداری سے آگے کو ہوئیں۔ ''ہم دونوں فیسبک پہ لڑکوں سے باتیں کرتے ہیں۔'' کونج ہول کر پیچھے ہوئی جب سونیا نے اسے کندھے سے پکڑ کر قریب کیا۔ ''وہ لڑکے ہم سے اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں، ہمیں گفٹس لا کر دیتے ہیں، ہماری تعریف کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان پہ ہمارا حکم چلتا ہے۔ وہ ہماری سنتے ہیں، ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تم جوائن کرنا چاہتی ہو؟''

''ہر گز نہیں۔'' وہ اٹل انداز میں بولی۔ ''غیر مرد کبھی بھی اچھا نہیں بن سکتا۔ اسکی باتیں اچھی ہوں نہ ہوں فریب ضرور ہوں گی۔ پلیز مجھ سے ایسی بات مت کیا کرو۔ یا اللہ تم لوگ ایسا کیسے کر سکتی ہو۔'' کونج کو ان سے خوف آیا۔ وہ بوکھلا ہی تو گئی تھی۔

''اوہ کونج تم آج بھی اسی دور میں رہتی ہو؟ گرو اپ ہنی۔ آج کل کونسا گناہ ہے جو نہیں ہو رہا؟ تم جس وین والے کے ساتھ آتی ہو، بات کرتی ہو وہ بھی تو گناہ ہے۔ تم اکیڈمی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہو، وہ تمھیں دیکھتے ہیں یہ بھی گناہ ہے۔ اور ویسے بھی اسلام اتنا سخت نہیں ہے جتنا ہم بنا لیتے ہیں۔ دل کی خوشی، روح کی آزادی یہ سب بھی تو ضروری ہے۔''

''لیکن میری دادی کہتی ہیں دل کی خوشی روح کی آزادی یہ سب اس دنیا کا ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو محدود عرصے کے لئے۔ لیکن اگر دل کو مار کر، روح کو قید کر کے اللہ کے بتائے راستے پہ چلو تو ابدی خوشی ہے۔ مجھے تو وہی چاہیے۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔

''واٹ ایور۔'' فریحہ نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔ اسی پل گھنٹی بجی آدھی چھٹی ختم ہو چکی تھی۔ لڑکیاں میدان سے کلاس میں واپس آنے لگی تھیں۔ کچھ ہی پل میں کلاس بھرنے لگی۔ قریباً دو گھنٹے بعد چھٹی کے وقت کونج دروازے سے باہر جا رہی تھی جب فریحہ ہانپتی ہوئی اسکے پاس آ کر رکی۔ اسکے چہرے پہ دبا دبا جوش تھا۔ کونج نے نا سمجھی سے اسے دیکھا، جبکہ وہ آنکھوں میں چمک لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ساتھ موبائل کی روشنی بڑھا کر چند پیغامات اسکی آنکھوں کے آگے کئے۔ کوئی انسٹا گرام گروپ تھا۔ جہاں کونج کی تصاویر پہ فصیح نامی لڑکے نے کچھ لکھا تھا۔

''کیا کبھی کسی نے تمھیں بتایا ہے تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں؟'' یکدم کونج کا دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ آواز کانوں تک سنائی دینے لگی۔ اگلا پیغام بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

''تم جب مسکراتی ہو تو تمہاری آنکھیں بھی مسکراتی ہیں۔ لڑکی تم تو ایک معجزہ ہو۔'' اب کے کونج کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔ اسے برا لگا تھا کہ اسکی تصاویر یوں گروپ میں بھیجی گئیں۔ لیکن اچھا لگا تھا یوں کسی نے توصیفی کلمات کہے۔ اسے برا کم اور اچھا زیادہ لگا تھا، عجیب احساس تھا، عجیب سرور تھا۔ اپنی تعریف بھلا کسے پسند نہیں ہوتی؟

''دیکھا کونج تم کتنی خوبصورت ہو تمھیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ اگر تم کہو تو میں اسے تمہارا نمبر دے دوں؟'' فریحہ نے اسکی سب سے بڑی ہمدرد بننے کی کوشش کی۔ کونج ان سے یہ بھی نہیں پوچھ سکی کہ ان دونوں نے بغیر اجازت کونج کی تصاویر کیوں اپلوڈ کیں؟ وہ بس سن تھی۔

''اگر اسکی زندگی پیاری نہیں ہے تو اسکا نمبر مجھے دے دو۔'' عشرت منصور کی آواز پہ فریحہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ انکے بلکل پاس کھڑی تھی۔ تیکھی نگاہوں سے کونج اور کبھی فریحہ کو دیکھتی ہوئی۔ ''میں اس لڑکے کا نمبر کونج کے منگیتر کو دے دوں گی۔ اور پھر تم سب اسکے سوئم کی تیاری کرنا۔'' وہ دھیمی آواز میں غرا رہی تھی۔ ''آئندہ تم لوگ مجھے کونج کے قریب نہ نظر آنا۔'' وہ انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔ ساتھ ہی بت بنی کونج کا ہاتھ پکڑا اور اسے بس کی جانب کھینچتی ہوئی لے کر جانے لگی۔

''ہر بار تمھیں فیور دینے کے لئے میں نہیں آؤں گی، اپنے لئے کھڑے ہونا سیکھو، اور خبر دار جو تم نے اس لڑکے سے راہ رسم بڑھانے کی کوشش کی۔'' نہ وہ دوست تھی نہ ساتھی لیکن وقت پڑنے پہ دونوں بن جایا کرتی تھی۔ کونج گم سم سی اسکے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ وہ حال میں نہیں لگتی تھی، اسے ماضی کا غم بھول رہا تھا۔ ذہن میں اب بھی ایک ہی سطر گونج رہی تھی۔

''کیا تمھیں کبھی کسی نے بتایا ہے، تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں؟''



رات اسلام آباد کے سر پہ سوار ہوئی تو دفاتر بند ہونے لگے کھانے کی جگہوں اور کیفیز کا رش بڑھنے لگا۔ سارے دن کی تھکن ایک کافی ہی اتار سکتی تھی۔ آفس کے بدمزہ کھانے کی کڑواہٹ سٹریٹ فوڈز ہی ختم کر سکتے تھے۔ سرسبز درختوں، اور بھری بھری گھاس والے ایک پارک کا رخ کرو تو چڑھتی ہوئی رات میں، بہتی ہوا کے درمیان ایک شخص متوازن چال چلتا دکھائی دے گا۔ اسکے ہاتھ میں سفید پھولوں کا بکے تھا۔ اور ایک ہاتھ میں گفٹ پیکٹ۔ تھوڑی دور پارک میں چلنے کے بعد وہ ایک سنگی بینچ پہ آبیٹھے۔ بال قلموں سے سفید، کندھے ڈھیلے چھوڑے بختیار کمبیر کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ شخص آتا دکھائی دیا جسکا انتظار تھا۔ بختیار نم آنکھوں سے اسے اپنے قریب آتے دیکھتے رہے۔ اس حادثے میں اپنا سارا خاندان کھو دینے کے بعد انکے پاس یہی تو چار بچے تھے۔ جنہیں وہ خود سے زیادہ چاہتے تھے۔۔ قیس، مہدی، انیسہ، میرہ۔ انہیں انیسہ سے بھی زیادہ محبت قیس سے تھی۔ وہ پر اعتماد چال چلتا ہوا انکے قریب آکر رکا۔ سرمئی ٹریک سوٹ، ہاتھ میں پانی کی بوتل، جاگنگ شوز، آرام دہ حلیہ۔ وہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔ آنکھیں سپاٹ تھیں، گویا جذبات کا گزر ہی نہ ہوا ہو۔

سفید پھولوں کا بکے ایک طرف کرتے ہوئے اس نے اپنے لئے جگہ بنائی، ساتھ ساتھ اپنی پانی کی بوتل کے لئے بھی۔ چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔ قیس چہل قدمی کرتے لوگوں کو دیکھتا رہا اور بختیار اسے۔ انکے عقب میں درخت لہلہا رہے تھے، ہلکی ہلکی روشنی بھی تھی۔

''تم سے کتنی محبت کرتا ہوں جانتے ہو ناں؟'' وہ دھیمی آواز میں اسے پکار بیٹھے۔

''ہمیں بات کرنی تھی تو گھر پہ بھی ہو سکتی تھی۔ یوں دس لوگوں کے درمیان بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور میں بچہ نہیں رہا۔ آپ کو مجھے ہیری پوٹر کی کتاب گفٹ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔'' اس نے گفٹ کھولا تک نہیں، پھر اسے کیسے معلوم ہوا؟

''گھر میں ایسے کئی لوگ ہیں جنکی باتوں پہ تمھیں مجھ سے زیادہ اعتبار ہے۔ ہم دونوں کے درمیان اتنے فاصلے کب آ گئے قیس؟'' وہ آزردہ لگتے تھے۔

''میں نے اعتبار کیا ہوتا تو یوں آپ کے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ مجھے اپنے حصے کی کہانی سنائیں۔ آپ کو کس نے حق دیا کہ آپ میرے خاندان کی جڑیں کھوکھلی کریں۔'' وہ اب بھی انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔ قصداً، شاید۔

بختیار نے گہری سانس لی۔ اور سب کہہ دینے کا فیصلہ کیا۔ پارک کی سفید لائٹس مدھم ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ اسٹڈی کی زرد بتیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ سنگی بینچ نرم صوفے میں تبدیل ہو گئی۔ گھنگریالے بالوں والے مرد کی جگہ اب سبز آنکھوں والا مرد بیٹھا تھا۔ آس پاس کھڑے درخت جھڑ کر گرے مضبوط دیواروں نے اپنی جگہ بنائی، اور اسی دوران بختیار اپنے سامنے بیٹھے مہدی کو گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مہدی بھی سنجیدہ تھا۔ کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگے۔

''جب انیسہ پیدا ہوئی تھی۔ تب تمھارے ابا نے اسے تمھارے لئے مانگ لیا تھا۔'' وہ متانت سے کہہ رہے تھے۔ ''گو کہ تمہاری غیر ملکی ماں اس رشتے پہ راضی نہیں تھیں۔ اسکے نزدیک یہ جہالت تھی، ہمارے نزدیک رسم، اس نے سخت مخالفت کی، لیکن پھر بھی یہ رشتہ قائم رہا۔ جانتے ہو کیوں؟''

مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ میں چاہتا تھا۔'' بختیار نے اضافہ کیا۔ ''اب مجھے بتاؤ مہدی تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں کیا چاہتا ہوں اسکا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے وہ میری منگیتر ہے۔ میری عورت ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ رکا ایک پل کو بختیار کی آنکھوں میں دیکھا۔ اب کے اسے بہت کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔ ہاں وہ اس خاندان کے باقی افراد جتنا ذہین، اعلی عقل کا مالک نہیں تھا۔ لیکن ایک مرد دوسرے کی نظر پہچان لیتا ہے۔

''مجھے لگتا ہے یہاں سوال میرے چاہنے کا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔؟'' بختیار آگے کو ہوئے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہر باپ کو اپنی بیٹی کے لئے بیسٹ چاہیے ہوتا ہے مہدی۔ تم میرے بھتیجے ہو، شریف، لائق، قابل لیکن تم بیسٹ نہیں ہو۔''

''کیونکہ بیسٹ تو قیس ہے ناں۔'' مہدی نے کہتے ہوئے استہزائیہ سر جھٹکا۔

''میں تو مر کر بھی اس پہ گواپ نہیں کرنے والا، اب بیسٹ ہوں یا پھر نالائق یہی ہوں۔ اور انیسہ میری منگیتر ہے۔ آپ کو اس کا رشتہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب اسکے بارے میں صرف میں سوچوں گا۔''

''لیکن میں نے اسکے بارے میں کچھ بہت مختلف سوچ رکھا ہے۔ یقیناً وہ تم نہیں ہو۔ خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ مہدی۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہو گا۔ ورنہ تم بھی اپنے باپ کی طرح family wrecker کہلاؤ گے۔'' اپنے باپ کے ذکر پہ مہدی کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔ دل میں ایسا کرب اٹھا تھا کہ الامان۔ لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ اسے عادت تھی تمام الزام اپنے سر لے لینے کی، چپ چاپ خاموشی سے سارے گلٹ اپنے دل میں رکھ لینے کی۔ بختیار اب بھی کہہ رہے تھے۔

''سرور نے اگر اپنی منگیتر کو چھوڑ تمہاری فرنگی ماں کو نہ بیاہیا ہوتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ اسکی وجہ سے ہماری بہن ہماری امینہ کو کئی سال تک ہمارے گھر میں رہنا پڑا۔ شوہر کے ہوتے ہوئے وہ ہمارے گھر میں پڑی رہی۔ کیونکہ اسکا شوہر اپنی بہن کا بدلہ لے رہا تھا۔ کیا تم نے میری بہن کی تکلیف دیکھی؟'' انکا لہجہ الزام دے رہا تھا۔ ''کیا تم نے وہ دن دیکھے جب میری بہن سے اسکا دو ماہ کا بیٹا چھین لیا گیا تھا۔ اور وہ ساری ساری رات روتی رہتی تھی۔؟'' اب کے انکا لہجہ بھاری ہوا تھا۔ لیکن وہ خاموش ہرگز نہ ہوئے۔ ''تمھارے باپ نے ہمارا گھر توڑا، ہماری بہن کو ذلیل کروایا صرف اور صرف ایک عورت کی خاطر، تمہاری سبز آنکھوں والی ماں کی خاطر۔ کیا اب تم بھی وہی کرنا چاہتے ہو؟'' مہدی نے گیلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ گردن اب بھی پوری طرح اٹھا نہیں سکا تھا۔

''ابا نے اپنی منگیتر کو چھوڑا نہیں تھا۔ ابا دوسری شادی کر رہے تھے لیکن وہ لوگ مانے ہی نہیں۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ میری ماں کو طلاق دی جائے۔ کیونکہ پہلی بیوی صرف اور صرف خاندان سے ہوتی ہے۔ ابا غلط نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو نہیں چھوڑا اچھا کیا۔ ابا نے گھر نہیں توڑا ابا نے بس محبت کی شادی کی تھی جو کہ انکا حق تھا۔ میرے ابا نے کبھی گھر نہیں توڑے۔'' وہ کہنا یہی چاہتا تھا لیکن الفاظ حلق سے باہر نہ نکل سکے۔ وہ خالی خالی نظروں سے اپنے چچا کو دیکھے گیا۔

''میں انیسہ کو خوش رکھوں گا۔مجھے ایک موقع دیں۔'' وہ بس یہی الفاظ گھسیٹ سکا۔

''اور اگر میں تمھارے ساتھ خوش نہ رہنا چاہوں تو؟'' اپنے عقب سے آتی اس آواز پہ مہدی تھم گیا۔اسے بے اختیار ہوا میں آکسیجن کی کمی محسوس ہوئی۔انیسہ بختیار کمبیر اسکی بچپن کی منگیتر اسے ڈس اون کر رہی تھی۔مہدی کا دل ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا ۔

''میں تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔مجھے تمھارے ساتھ زندگی نہیں گزارنی۔آزادی چاہیے مجھے، تم سے اور ہمارے اس سڑے ہوئے تعلق سے۔'' مہدی نے آہستگی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ چلتے ہوئے اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ہر بار جب وہ اسے دیکھتا تھا تو اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔یہ لڑکی اتنی غیر کب ہوگئی؟

''میں اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہوں پلیز مہدی میری جان چھوڑ دو۔ہمارے خاندان کو جتنا ڈیمج تمھارے ابا نے دیا ہے۔ اب تم اسکی بھرپائی کروگے۔والدین کے گناہوں کی سزا اولاد کو بھگتنی ہوتی ہے۔تیار رہو مہدی سرور کمبیر۔'' اس سارے وقت میں بختیار خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔مہدی انیسہ سے نظر نہیں ہٹا سکا۔وہ جانتا تھا اگر اس نے انیسہ پہ زبردستی کی تو اسکی زندگی جہنم بن جائے گی۔وہ اگر ناں کہہ رہی تھی۔تو مہدی ناں سمجھتا تھا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ایک نظر انیسہ کو دیکھا اور پھر بختیار کو۔

''تم صحیح کہتی ہو انیسہ، والدین کے گناہوں کی سزا اولاد کو بھگتنی ہوتی ہے۔ تمہارا وقت بھی جلد آئے گا انشااللہ۔ تم لوگوں نے میرا دل توڑا ہے میں معاف نہیں کروں گا۔ میری طرف سے آج سے تم آزاد ہو۔ لیکن یاد رکھنا تم آزاد نہیں ہو۔'' وارننگ، تنبیہہ کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔

وہ چلا گیا تو انیسہ نے بختیار کو دیکھا۔ وہ بھی سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ''میں آزاد ہوں ناں ابا؟ اب کوئی مہدی کمبیر نہیں ہوگا ہے ناں؟'' وہ تسلی چاہتی تھی۔

بختیار مسکرائے۔ ''اب کوئی مہدی کمبیر نہیں ہوگا۔'' انہوں نے دلاسا دیا۔ ''کیونکہ اب قیس کمبیر ہوگا۔'' آخری الفاظ انہوں نے بس دل میں کہے تھے۔ انیسہ کے دل کو تسلی سی ہونے لگی۔ اب اسکے اور جوزف کے بیچ میں کوئی نہیں آئے گا۔ آہ فیری ٹیل۔

ماضی کی کتاب بند کر کے حال میں آؤ تو قیس چہرے پہ سنجیدگی طاری کئے بختیار کی ساری روداد سن رہا تھا۔ بلکہ سن چکا تھا۔ اب تو بس وہ گردن جھکائے ہوئے تھے۔ قیس نے دھیرے سے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ غلط نہیں ہیں چچا۔'' الفاظ تھے کہ امرت؟ بختیار نے شاکی انداز میں گردن اٹھائی۔ ''ہر باپ اپنی بیٹی کے لئے بیسٹ سوچتا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں میں منگنی شدہ ہوں۔ اور میں اس لڑکی کو سوائے وفاداری کے اور کچھ نہیں دے سکتا۔ کیا آپ ایک واحد چیز بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں؟''

''مرد دو شادیاں کرتے ہیں قیس۔ مردوں کے لئے گنجائش نکل ہی آتی ہے۔'' انکا انداز ملتجی ہوا۔

''میں کوئی گنجائش نہیں نکالنا چاہتا۔اس عورت نے میرے نام کے ساتھ وفاداری نبھائی ہے۔میرا ابھی کچھ فرض ہے۔آپ لوگ میرا خاندان ہیں، لیکن کوئی بھی کبھی بھی اسے تکلیف دینے کا سوچے گا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔''اس کی آنکھوں میں سفاکیت تھی۔بختیار کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔امیدیں بہہ گئیں۔''وہ میری ریڈ لائن ہے۔''

''کیا ہم پہلے جیسے ہو سکتے ہیں؟میں نے تمہارا برا نہیں چاہا تھا قیس۔''

''قیس انسانوں پہ اعتبار نہیں کرتا تھا۔آپ پہ کیا تھا۔اب دوبارہ اسی اعتبار کے کرنے کو وقت لگے گا۔''

''قیس۔۔۔میں۔۔۔۔''

''گھر جائیں چچا بہت دیر ہو چکی ہے۔''وہ انکی بات کاٹ کر بولا۔بختیار بے بسی سے لب کاٹتے رہ گئے۔جانتے تھے اب کچھ بھی کہنا ،بولنا اور سننا بے کار تھا۔وہ بغیر انکی طرف دیکھے بس ٹریک پہ بھاگتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زنیا حاکم جس وقت ہاسٹل واپس آئی شام بیت چکی تھی۔رات اپنے پر پھیلانے کو تھی۔اپنے کمرے میں آکر وہ بیڈ پہ ڈھے سی گئی۔بشر کی کال لگی تھی، لیکن اس وقت وہ بات کرنے کے موڈ میں بلکل نہیں تھی۔رات کے آٹھ بجے کھانا کھایا جاتا تھا۔اور اس وقت کھانا کھایا جا چکا تھا۔اسکی روم میٹ اس وقت بھی کمرے میں نہیں تھی۔رات کے دس بجے تک ہر لڑکی کو ہاسٹل واپس آجانا ہوتا تھا ۔لیکن نین تارہ نامی اسکی روم میٹ شاید آزاد اور لاپرواہ واقع ہوئی تھی۔زنیا یہاں آتو گئی تھی لیکن یہاں دل گھبرا رہا تھا۔وہ کھلی چھت، بڑے ہوادار کمروں،اور سمندری علاقے سے آئی تھی۔وہ جہاں دل گھبراتا تھا تو پہاڑ دلاسا دیتے تھے۔جہاں آنکھ نم ہوتی

تھی تو سمندری ہوا ان قطروں کو جذب کر لیتی تھی۔ اسلام آباد کی خاموشی، اور یہ تنگ گھر یہ اسے غیر آرام دہ کر رہے تھے۔ وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن زینیا حاکم home sickness کا شکار ہو رہی تھی۔

کافی دیر یونہی پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آئینے میں کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھا وہ مرجھایا ہوا تھا، آنکھیں تھکی تھکی تھیں۔ وہ ایک برے فیز میں تھی۔ اور انسان کو اسکے برے فیز سے صرف ایک ہی چیز نکال سکتی ہے۔ اسکا محبوب شوق۔ اپنی سائیڈ کی الماری کے پٹ کھولتے ہوئے اسکی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کیمرہ ہاتھ میں لیتے ہوئے اسکے لب ہولے سے مسکرائے تھے۔ یہ کیمرہ اسے ابا نے دلایا تھا۔ اسکی متاع حیات۔ اس نے کیمرے کا اسٹرپ کندھے پہ ٹانگا، بیڈ پہ رکھا اپنا دوپٹہ اٹھایا۔ ابھی آٹھ بجے تھے لڑکیوں کو دس بجے ہاسٹل واپس آنا ہوتا تھا۔ اسکے پاس دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ نیچے لاؤنج میں آئی تو آنٹی اسے نہیں دکھیں، لڑکیاں سب اپنے کمروں میں تھیں۔ اطراف میں ایک چوکنا سی نظر دوڑاتے ہوئے وہ گھر کے عقبی حصے کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ جب ہلکا سا کھٹکا ہوا۔

''کوئی دیکھے نہ دیکھے شیزل تو دیکھے گی۔'' اپنے عقب سے آتی اس محظوظ سی پکار پہ زینیا نے دانت کچکچائے تھے۔ سیڑھیوں کے دہانے پہ وہ کھڑی تھی۔ آواز بلند تھی۔

''اردو ادب سے انگریزی ادب تک، شیزل نے ہر سسپینس اور کرائم تھرلر رٹ رکھا ہے۔ تم مجھے ڈاج نہیں دے سکتیں۔'' وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی فلم کا کلائیمکس چل رہا ہو۔ جس میں ہیروئن، ایک ولن کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔

''جن کرائم تھرلر کو تم نے رٹ رکھا ہے۔میں نے انکو پورا پڑھنے سے پہلے guess کرر کھا ہے۔ڈاج دینا میرے لئے مشکل نہیں ۔میرا وقت ابھی باقی ہے۔''زینیا نے مڑے بغیر جواب دیا تھا۔شیزل آخری زینہ اتر کر نیچے آئی تو اب وہ ذرا روشنی میں تھی۔بالوں کو فرنچ چوٹی میں گوندھے،سیاہ کرتے کے ساتھ سیاہ ہی جینز پہنے وہ آج بھی اپنے سگنیچر سٹائل میں تھی۔ہاں بس ہاتھ میں موجود کالڈ کافی کا اضافہ تھا۔جس کے کپ میں اسٹرا اڑا تھا۔اور وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔

''رات کے اس پہر کہاں چلی؟''

''قتل کرنے۔۔''زینیا پر سکون رہی۔

''میں مدد کروں؟یا کور اپ کروں؟''

''بس اپنا منہ بند رکھو۔۔''

''دوست بن کر یا کرائم پارٹنر بن کر؟''

''نہ دوست نہ پارٹنر،تم مجھے فیور دو وقت آنے پہ میں تمھیں فیور دوں گی۔''ڈیل پیش کی گئی۔اب کے وہ مڑ کر اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی،ملکہ بد موڈ آن ہو چکا تھا۔

''شیزل انسانوں سے مدد نہیں لیتی میرے لئے ٹیکنالوجی کافی ہے۔''زینیا نے پلکیں جھپکا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔کل رات سے اب تک کے واقعات ایک فلم کی طرح اسکی آنکھوں کے آگے گھوم گئے۔فوٹو گرافک میموری یو نو۔کل سے اب تک اس نے شیزل کے ہاتھ میں کئی بار اسٹرابیری ملک کا پیکٹ دیکھا تھا۔پس ثابت ہوا کہ وہ بس ایک ہی رشوت پہ بک سکتی ہے۔

''ایک اسٹرابیری ملک کا کین اور۔۔۔''

''منظور ہے۔''شیزل نے اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

''ابھی تو تم نے ڈیل پوری سنی ہی نہیں۔''

''اسٹرابیری ملک کے ایک قطرے کے لئے میں جان بھی دے سکتی ہوں۔''اور واللہ اسکی آنکھیں کہتی تھیں، ہاں وہ ایسا کر سکتی ہے

۔

زینیا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔''یعنی میں جا سکتی ہوں؟''

''جلدی آنا۔۔۔ نہیں ایسا نہیں ہے کہ تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ بس فری کا اسٹرابیری ملک یو نو۔''وہ باچھیں پھیلا کر کہتی ہوئی زینیا کو سخت زہر لگی۔ وہ مڑ گئی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی جانے لگی جب شیزل نے ایک بار پھر اسے پکارا۔''جاؤ گی کیسے؟ چوکیدار تمھیں جانے نہیں دے گا۔۔۔''

''زینیا کے پاس ہمیشہ چور دروازے ہوتے ہیں۔''وہ ہاتھ جھلا کر کہتی باہر نکل گئی۔ شیزل سیمسن آزردگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ تمھیں کیا لگتا ہے وہ اصول توڑنے کا گلٹ تھا؟ ہنہہ اس فراڈ سے پیسے لے کر اسٹرابیری ملک خود منگوا سکتی تھی۔ یہ رنج تھا۔ اب خوامخواہ اسکا انتظار کرنا ہو گا۔

وہ عقبی دروازے پہ لگے تالے کو پن سے کھولتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے ایک تھپیڑے نے اسکا استقبال کیا۔ یعنی اسلام آباد اپنے مہمانوں کے ساتھ اچھا تھا؟ گلی خالی تھی سنسان سی، ہوا کے دوش پہ جھولتے درختوں پہ گھروں سے باہر جھانکتی

روشنی پڑ رہی تھی۔ پکی صاف ستھری سڑک، گلی کے پولز پہ لگی سفید بتیاں، سرسبز درخت اور پرسکون ماحول اور اگر اسلام آبادیوں کو اپنے شہر پہ فخر ہے تو پھر یہ بنتا بھی ہے۔

زینیا نے کندھے سے لٹکا کیمرہ اتار لیا۔ سامنے موجود درخت پہ ایک چڑیا اپنے بچے کو چونچ سے دانہ کھلا رہی تھی۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔ ایک پل کو تو اس نے سانس بھی روک لی، اور اگلے ہی لمحے ایک شاندار کلک اسکے خزانے میں محفوظ ہو چکی تھی۔ وہ آگے بڑھ آئی۔ سڑک درختوں سے جھڑے پتوں سے بھری پڑی تھی۔ زینیا نے ٹھہر کا چند تصاویر اتاریں اور پھر آگے بڑھ گئی۔ ذرا سے فاصلے پہ ایک پارک نظر آرہا تھا۔ جہاں بتیاں روشن تھیں۔ اکا دکا لوگ اب بھی نظر آرہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پارک کے ایک سنگی بینچ پہ بیٹھی تھی۔ پارک تقریباً خالی ہونے لگا تھا۔ جس جگہ وہ بیٹھی تھی وہ ایک خاموش اور سنسان سا گوشہ تھا۔ یہاں سے ذرا سے فاصلے پہ جاگنگ ٹریک تھا۔ اسی لمحے زینیا کی آنکھوں نے ایک شخص کو جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ کوئی تیس بتیس کی عمر کا مرد تھا۔ نیم اندھیرے میں اسکا چہرہ واضح نظر نہیں آتا تھا، لیکن بھاگتے بھاگتے کئی بار پولز کی بتیوں سے پھوٹتی روشنی اسکے چہرے پہ پڑتی تب اسکا چہرہ واضح ہونے لگتا تھا۔ گندمی رنگت، پرکشش نقوش، گھنگریالے بال۔

زینیا بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔ اسکا چہرہ، بال پسینے سے تر تھے۔ تھکن سے اسکا بدن چور نظر آتا تھا لیکن وہ بھاگ رہا تھا۔ چند پلوں بعد ہی وہ زینیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ زینیا نے گردن موڑ کر دوسری جانب دیکھا۔ مرد اب دوسری جانب والی پٹی پہ دوڑ رہا تھا۔ چند پل بعد وہ دوبارہ زینیا کو اپنے سامنے دکھائی دیا۔ اب کے وہ رک گیا تھا۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر یونہی جھکے جھکے اس نے چند گہرے سانس لئے، اور پھر پنجوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ وہ اس سے نگاہ نہیں ہٹا سکی۔ یہ آدمی پکچر پرفیکٹ تھا۔ زینیا نے اپنا کیمرہ سیدھا کر لیا، لینز آنکھوں کے قریب کرتے ہوئے اس نے اس تھکے ہوئے آدمی کی ایک تصویر لے لی۔ وہ چند پل یونہی بیٹھے بیٹھے

سانس بحال کرتا رہا۔ پھر اٹھ کر بھاگنے لگا۔ زینیا نے ایک بار پھر گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ لیکن وہ کچھ منٹ کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ دوبارہ ٹریک پہ نظر آیا۔ وہ اب ٹریک سے اتر کر بنچ کی جانب آرہا تھا۔ ٹریک کے قریب ہی موجود سنگی بنچ سے اپنی پانی کو بوتل اٹھا کر بلند کی اور پھر سارا پانی یونہی بلندی سے اسکے چہرے پہ گرنے لگا۔ زینیا حاکم نے ایک پل کے لئے بھی کیمرہ آنکھ سے نہیں ہٹایا تھا۔ اس شخص کے ساتھ ساتھ اس نے پانی کے قطرے تک کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیے۔ اسکا چہرہ اور بال گیلے ہو چکے تھے۔ پیشانی پہ گرتے گھنگریالے بال گیلے ہو کر سیدھے لگ رہے تھے۔

وہ شخص اب بنچ پہ بیٹھا تھا۔ بال گیلے ہو کر ماتھے پہ چپک گئے تھے۔ جنہیں اب وہ انگلیوں کی مدد سے ہٹا رہا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر سفید پھولوں کا وہ بکے اٹھا لیا۔ چند پل پھولوں کو یونہی دیکھتے رہنے کے بعد اس نے گردن بینچ کی پشت پہ گرا دی۔ پھول سینے پہ رکھ لئے، اور بینچ پہ دھرے گفٹ پیکٹ کو کھول لیا، اندر ہیری پوٹر سیریز کی ساتویں کتاب تھی۔ قیس نے کتاب آنکھوں کے سامنے اٹھا لی۔ چند سطریں شروع سے پڑھیں مسکرایا، پھر چند سطور آخر سے پڑھیں، اب کے تاثرات سخت ہوئے، پھر رکا اور بیچ کے چند صفحات کھول لئے۔ اب کے وہ کھل کر ہنسا تھا۔ ایک ہیری پوٹر فین اپنی فینٹسی میں ڈوبی دنیا میں گم تھا۔ جہاں روحیں اڑتی تھیں ، تصویریں بولتی تھیں، سیڑھیاں اپنی جگہ تبدیل کر لیتی تھیں، دیواروں میں راستے بن جاتے تھے، آئینے آپ کو لالچ دیتے تھے، اور لوگ جادو پہ اندھا یقین رکھتے تھے۔ خیالی دنیا (no offense)۔ چند لمحے وہ یونہی مطالعے میں غرق رہا۔ کبھی مسکراتا، کبھی برا منہ بنا لیتا، کئی بار چہرے کے تاثرات سخت ہوئے تھے۔

زینیا نے اسکے ہر تاثر کو قید کیا تھا۔ مسکراہٹ، غصہ، سختی، کمفرٹ، فین مومنٹ اور سب کچھ۔ سینے پہ سفید پھولوں کا بکے رکھے ، بال ماتھے پہ بکھیرے، ہاتھ میں کتاب لئے وہ واقعی پکچر پرفیکٹ لگ رہا تھا۔ کئی لمحے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ جھک کر جوتے کے

تسمے باندھے، بنچ پہ پڑا اپنا موبائل، بوتل، چابیاں سب اٹھا لیا۔ زینیا انتظار کرتی رہی کہ وہ کتاب کب اٹھائے گا۔ اور زینیا حاکم کی حیرت، غصے اور صدمے کی انتہا تب نہ رہی جب اس گستاخ نے کتاب نہ اٹھائی اور آگے بڑھ گیا۔ یقیناً پوٹر سیریز کے ایک ایک فین نے سینہ کوبی کی ہوگی، کئی کا تو بس نہ چلا ہوگا کہ اس گستاخ کو جگہ بدلنے والی سیڑھیوں سے دھکا دے دیتے، لالچ دینے والے آئینے کے اندر قید کر دیتے، یا پھر اڑتی روحوں میں ایک اور روح کا اضافہ کر دیتے۔ **(جادوئی دنیا میں رہنے والے فینٹسی میں ڈوبے لوگ ہنہہ)** وہ چند پل اپنی جگہ پہ کھڑی اس صدمے کو جذب کرتی رہی، وہ اب نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور پھر وہ آگے بڑھ آئی۔ پوٹر ہیڈ اب مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ بنچ کے قریب رک کر جھکتے ہوئے اس نے کتاب اٹھا لی۔ کئی سال پہلے پڑھی گئی کتاب اسے ایک بار پھر پڑھنی تھی۔۔ ذرا دیکھے تو آخر یہ آدمی کیا دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

شروع کے چند صفحات کھولتے ہوئے اسکے چہرے پہ مسکراہٹ آئی۔ یہ عام مسکراہٹ نہیں تھی۔ اصل دنیا سے بلکل الگ تھلگ ایک جادوئی، غیر حقیقی مگر خوبصورت دنیا میں جانے والی مسکراہٹ تھی۔ ایک لمحے کو اسکے گرد اسلام آباد کے اونچے درخت غائب ہوئے، انکی جگہ قدیم عمارتوں نے لے لی، سفید بتیوں کی جگہ اب روشن مشعل تھیں۔ پیروں میں نرم گھاس کی جگہ ہوائی جھاڑو تھی۔ حقیقی لوگوں کے پریشان، خوش چہروں کی جگہ بولتی تصاویر، اور اڑتی روحیں تھیں۔ ایک پوٹر ہیڈ حقیقت فراموش کیئے غیر حقیقی مگر زیادہ خوش دنیا میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے آخری کے صفحات پلٹے۔ آنکھوں میں بے چینی اتر آئی۔ یکدم بہت کچھ برا لگنے لگا۔ وہ کافی منہمک سی اس مطالعے میں غرق تھی جب کتاب کا مالک اسکے عقب میں آ کر رکا۔ اپنی کتاب کسی غیر کے ہاتھوں میں دیکھ کر اسے برا نہیں لگا تھا۔ کتابیں پڑھنے والے لوگوں کے دل بڑے ہوتے ہیں۔ وہ یوں اپنی کتابیں کسی کے ہاتھ میں دیکھ برا نہیں مناتے **(اگر گھر لے جانے کی بات کی پھر کوئی ذمہ داری نہیں۔)**

''ہیری پوٹر پسند ہے؟''بھاری گمبھیر آواز زینیا کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسکے عقب میں ہی وہ مرد کھڑا تھا جسکی یہ کتاب تھی۔ قد میں اس سے اونچا، خوبصورتی میں شاید بہت کم۔

''ہیری پوٹر کسے پسند نہیں ہو گی؟''زینیا نے پہلو بدلا سنیپ **(ہیری پوٹر کے جادوئی اسکول ''ہاگورڈز"کا معلم)** کی موت کا سین چل رہا تھا۔ وہ فینٹسی میں اتنی ڈوبی تھی کہ حقیقت میں کھڑے مرد کو نظر انداز کر گئی۔ قیس کمبیر اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کتاب میں لکھے الفاظ پڑھ سکتا تھا۔ سنیپ کی موت۔۔۔ اس جادو گر کی موت نے بہت لوگوں کو رلایا ہو گا۔ لیکن قیس کو ہمیشہ تسکین ملی تھی۔

''تم اسکی موت پہ افسردہ کیوں ہو رہی ہو؟ یہ وہی گھٹیا انسان ہے جس نے ڈمبلڈور کو مارا تھا۔ the nicest human on the earth مجھے سنیپ سے نفرت ہے۔''پوٹر ہیڈ نے تبصرہ کیا۔

''ڈمبلڈور **(جادوئی اسکول ہارگوڈز کے پرنسپل)** ایک عظیم شخصیت تھے۔ ہر بچے کے فیورٹ، اور محبت والے، مضبوط انسان۔''زینیا کہہ رہی تھی۔''ایک عظیم شخص کی موت بھی اتنی ہی عظیم ہونی چاہیے تھی، جتنا وہ خود تھا۔ سنیپ اگر انہیں نہ مارتا تو وہ بوڑھا بدروح والڈر موٹ **(ہیری پوٹر کا ولن)** انہیں مار دیتا۔ ڈمبلڈور ایک عظیم موت مرنا چاہتے تھے۔ ایک ولن کی جگہ انہوں نے ایک سرمئی کردار سے مرنا پسند کیا، اپنے دوست، اپنے جاننے والے شخص سے۔ یہ ایک عظیم موت تھی۔''

''بہر حال یہ ایک موت تھی۔ کیا سنیپ کو یہ حق تھا کہ ایک عظیم انسان کو یوں مار دے؟''پوٹر ہیڈ سنجیدہ تھا۔ غصے میں بھی اور شاید انکار میں بھی۔

"He asked for it"

''ڈمبلڈور مرنا چاہتے تھے۔اور جو انسان مرنا چاہتا ہو اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔اور ویسے بھی میرے نزدیک وہ ایک اوور ریٹڈ کردار تھے۔''ڈمبلڈور کی شان میں گستاخی۔

''کیا تم نے یہ رائے کبھی کسی پوٹر ہیڈ کے سامنے پیش کی ہے؟''مرد نے سوال کیا۔

''میں اتنی پاگل نہیں ہوں۔کوئی بھی پوٹر ہیڈ ڈمبلڈور کے بارے میں میری رائے جان کر مجھے جان سے مارنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔''

''یعنی اگر میں ایک سچا پوٹر ہیڈ ہوں تو مجھے تمھیں مارنا ہو گا؟''زینیا یکدم چونکی تھی اسکی نگاہیں بے اختیار کتاب سے ہٹ گئیں۔

''مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ گستاخ۔''ساتھ زینیا نے اپنی گردن پہ پستول کی ٹھنڈی نال محسوس کی۔اسکا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔اسے لگا تھا اب وہ ساری زندگی سانس نہیں لے سکے گی۔پارک کی سفید روشنیوں، ٹھنڈی ہوا،اور لہلاتے درختوں کے درمیان وہ کھڑی تھی۔

ساکت، متحیر، شل۔

یہ کوئی جادوئی دنیا نہیں تھی، جہاں غائب ہوا جاتا، جہاں مرنے سے بچانے کوئی آجاتا۔موت مبارک ہو، زینیا حاکم۔

☆☆☆☆☆☆☆

براق حنیف کا پینٹ ہاؤس آج ویران سا تھا۔بتیاں بجھی ہوئی، شان و شوکت ماند پڑی ہوئی۔اور گھر کا مالک اس وقت سوئمنگ پول کے نیلے پانی کے اندر پیر ڈالے ہوئے افسردہ سا بیٹھا تھا۔ گردن ڈھلکا رکھی تھی۔چہرہ مایوس سا تھا۔اسکا سگنیچر ہیئر سٹائل دھاری دار ٹوپیس آج ندارد تھا۔آج اس نے لمبا سیاہ چغا پہن رکھا تھا۔ماتھے پہ عربی سٹائل کا رومال باندھے آج وہ مکمل عرب لگ رہا تھا۔

لیکن عرب تو سفید نہیں پہنتے؟

پول گھر کی اوپری منزل پہ بنا تھا۔یوں کہ یہاں سے شہر کی ساری روشنیاں نظر آتی تھیں۔روشنیوں کا کیا کرنا جب اسکی زندگی میں اندھیرا تھا۔

دفعتاً ایک آہٹ پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔مہدی کمبیر ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں دو مگ لئے اسی طرف آرہا تھا۔اسکے بازو پہ پلستر اب بھی تھا۔ گردن واپس ڈھلکا دی گئی۔اور مایوسیت کا دورہ ایک بار پھر پڑ گیا۔مہدی اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔اور پھر اسکے قریب بیٹھتے ہوئے، ٹرے کو زمین پہ رکھتے ہوئے اس نے بھی پیر پانی میں ڈال دیئے۔ٹھنڈا ایخ پانی ایک پل کو اسے ٹھٹھرنے پہ مجبور کر گیا۔اگلے چند پلوں میں وہ نارمل ہو گیا۔چائے کا بھرا ہوا مگ اس نے براق کی جانب بڑھایا۔

”اگر اس میں زہر نہیں ہے، تو مجھ سے توقع مت رکھنا کہ میں اسے پیوں گا۔“مایوس دہائی۔مہدی ہنس پڑا۔”مجھ معصوم کے ہاتھوں مر کر کیوں میری بقیہ زندگی جیل کی نظر کرنا چاہتے ہو؟“اس نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔

''تمہاری زندگی کا تو خیر ہے۔ کوئی مجھ سے میری زیست کا احوال پوچھے۔ایک آدھا عرب ان پورے پاکستانوں کے درمیان کس مشکل سے اپنی زندگی کے ایام گزار رہا ہے۔ کسی کو میرے چھلنی ہوئے کلیجے کی پرواہ نہیں۔ کوئی میری دادرسی نہیں کرتا۔'' یہ کچھ زیادہ غمگیں اور زیادہ لمبی دہائی تھی۔ مہدی نے گہری سانس بھری۔

''تم تو ہم پاکستانیوں سے بھی زیادہ مشکل اردو بولتے ہو۔ یار تمھارے ساتھ گزارا مشکل ہے۔'' ایک عام سا تبصرہ براق کے دل پہ لگا تھا۔

''میں تم لوگوں کے درمیان فٹ ہونے کی کتنی کوشش کر رہا ہوں، لیکن تم لوگ ہو کہ میرے ہوتے ہی نہیں۔'' آج براق واقعی اداس تھا۔ مہدی نے مگ نیچے رکھا۔اور اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا ہو گیا ہے بھائی؟ ہاتھ ہلکا رکھو۔ اچھا چھوڑو یہ سب یہ بتاؤ اپنی دس گرل فرینڈز ہونے کے باوجود، اس حسین شام میں میرے ساتھ کیا کر رہے ہو۔؟''

''ہاہ کیا بتاؤں۔'' اس نے اداس آہ بھری۔ ''بس آج کل میرا گرل فرینڈ بلاک چل رہا ہے۔ کسی سے ملنے اور بولنے کو جی ہی نہیں مانتا۔ میری زیست میرے لئے وبال بن گئی ہے۔'' افسردگی سے اپنا حال سنایا گیا۔

''لعنت ہو تم پہ یہ کیسا بلاک ہوا؟ اور ابھی صبح ہی میں نے تمھیں انوشہ کے ساتھ دیکھا تھا۔اسکے ساتھ میلاد پڑھنے تو نہیں گئے تھے ناں؟'' مہدی نے ملامت کی۔

براق نے اداس آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''آج صبح میں نے بھی تمھیں ایک خوبصورت، دراز قد حسین، سنہری آنکھوں والی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔ تبلیغ کرنے تو تم بھی نہیں جا رہے ہو گے؟''

''اپنی بکواس بند رکھو۔'' یکدم مہدی حد درجہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''اس لڑکی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں۔ بلکہ اسکی کوئی بات بھی نہیں ہو گی۔ اور تم آئندہ اسے اتنے غور سے نہیں دیکھو گے۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہ کی گئی۔ براق نے اسی انگلی کو اپنی انگلی سے پکڑ کے نیچے کیا۔

''میں تو بھابی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔'' اسکا انداز مدافعانہ ہوا۔

''دیور بھابی کے معاشقے کے قصے بھی بہت سنے ہیں میں نے، آئندہ اسے بہن کی نظر سے دیکھنا۔ بلکہ تم اسے نہیں دیکھو گے براق۔ وہ شادی شدہ ہے اور اپنے گھر میں خوش ہے۔'' نہ جانے کیوں وہ اتنا دفاعیہ انداز لئے ہوئے تھا۔ براق نے اپنے دونوں ہاتھ سرینڈر کرنے کے انداز میں اٹھا لئے۔

''اچھا اچھا نہیں دیکھتا۔ میری تو بس گاڑی سے باہر نظر پڑ گئی۔ ویسے اگر وہ شادی شدہ ہے یعنی تمہارا کوئی آسرا نہیں ہے ناں؟''

''ہرگز نہیں، مر کر بھی نہیں۔'' چبا چبا کر باور کروایا گیا۔ کچھ تھا جو اسے حد درجہ غیر آرام دہ کر گیا تھا۔

''اچھا تو پھر ٹھیک ہے تم میری کسی گرل فرینڈ سے شادی کر لو۔'' چائے کا گھونٹ مہدی کے منہ سے فوارے کی صورت باہر نکلا تھا اور پول کے نیلے پانی میں شامل ہو گیا۔ ''دیکھو میری ساری لڑکیاں خوبصورت، ذہین، قابل اور سگھڑ ہیں۔ تم ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔'' وہ جیسے بس فیصلہ سنا رہا تھا۔ مہدی کا جی چاہا تھا اسے اسی پول میں دھکا دے کر مار دے۔

''لعنت ہو تم پہ براق حنیف۔اب میں ان عورتوں سے شادی کروں گا جن کے بارے میں مجھے پتہ ہے کہ وہ کس کس کے ساتھ گھومتی ہیں؟''اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔''تمھیں شرم نہیں آرہی۔اپنی گرل فرینڈ کا رشتہ ایسے کروا رہے ہو جیسے وہ تمہاری بہن ہو۔''

''میری نہ سہی کسی نہ کسی کی بہن تو ہوں گی۔ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بہن بھائی ہوتا ہے۔اس ناطے میرا فرض ہے کہ میں اپنی گرل فرینڈز کی شادی کی فکر کروں۔انکے لئے اچھا گھر اور نیک بر تلاش کروں۔''آہ انسانیت تو براق حنیف پہ ختم ہوتی تھی۔

مہدی نے شعلہ باز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ کھٹ کی آواز سے نیچے رکھا۔

''یہ اچھا گھر،اور نیک بر صرف میری صورت میں میسر ہے؟تم خود کیوں نہیں کر لیتے شادی؟''

براق نے کندھے ایک بار پھر ڈھلکا دیئے۔''میں ایک بیڈ بوائے ہوں۔**(بوائے؟کیا واقعی؟)** میں نے ساری زندگی عیاشیوں میں گزاری ہے،گناہ کئے ہیں۔لیکن میں اب بھی سدھرا نہیں ہوں۔شادی ایک نیک کام ہے۔اور براق حنیف ابھی اپنے گناہوں کے ساتھ خوش ہے۔بلکہ خوش بھی کہاں۔''اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''میری تو ساری مسرتیں مجھ سے روٹھ گئی ہیں۔جب سے میرا دوست مجھ سے ناراض ہے۔ہاں وہ کہتا ہے اس نے مجھے معاف کیا ،لیکن مجھے میرا دوست پہلے جیسا چاہیے۔''

''اچھا بتاؤ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟کوئی طریقہ تو ہو گا ناں؟کچھ تو ہو گا جس سے ہم سب کچھ صحیح کر سکیں۔میں قیس کو منا لوں گا بس تم طریقہ بتاؤ۔''اسپیکر صاحب ہو گئے پر جوش۔

''طریقہ تو بس ایک ہی ہے۔ تم میری گرل فرینڈ سے شادی کرلو۔ ہم رشتے دار بن جائیں گے۔ اور رشتے دار چاہے زہر ہوں، حلق میں تو اتارنے پڑتے ہیں۔ پھر کب کا ارادہ ہے۔'' وہ آنکھوں میں آس لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ مہدی نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے لعنت دی تھی۔ **(زخمی بازو میں بلا کا درد اٹھا تھا۔)**

''یو نو واٹ نائٹ میئر نے تمھارے ساتھ جو کیا بہت اچھا کیا۔ تم اسی لائق ہو۔ جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری اسلامی بہنیں۔'' وہ دھیمی آواز میں غرا رہا تھا۔ ''بلکہ لعنت ہو مجھ پہ جو میں تمھارے بلانے پہ یہاں آگیا۔'' اس نے اپنے پیر پانی سے باہر نکالے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اندر کی طرف جاتے ہوئے اسکی سماعتوں میں ایک بار پھر براق کی آواز گونجی۔

''آج رات اگر میں نے ڈپریشن کی وجہ سے خودکشی کرلی، تو میری آخری وصیت میں، میں تمھیں اپنی تمام گرل فرینڈ کا سربراہ بنا کر جاؤں گا۔'' مہدی نے ضبط سے اسے دیکھا۔ اور براق نے ملتجی نظروں سے۔ ''دیکھو مہدی، پلیز ان کا خیال رکھنا، ساری کی ساری مجھے جان سے پیاری ہیں کمبخت۔''

اب بس مہدی کا صبر ٹوٹ چکا تھا۔ وہ ڈھیر ساری گالیوں سے اسے نوازتا باہر جا رہا تھا۔ براق حنیف سیاہ لباس میں اب بھی پول کے کنارے بیٹھا تھا۔ آنکھیں افسردہ، کندھے ڈھلکے ہوئے، دل بے چین۔

''یا اللہ میرے بعد میری گرل فرینڈز کا کیا ہوگا۔ میں دس لڑکیوں کی ذمہ داری سر پہ لے کر مر بھی تو نہیں سکتا؟'' اس کے غم میں رات بھی غمگیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پارک کی سفید بتیوں کے درمیان کھڑی زینیا حاکم سن تھی۔اسی لمحے اس شخص نے کلک کی آواز کے ساتھ گن لوڈ کی تھی۔زینیا کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، چہرہ سفید پڑنے لگا۔زبان تالو سے چپک گئی۔ ہو گی وہ کہیں کی زینیا حاکم لیکن جان کا خوف بڑے بڑے سورماؤں کی حکمت عملی کو ردی کاٹوکرا بنا دیتا ہے۔

''پلیز ٹریگر مت دبانا پلیز۔۔۔مجھے مرنا نہیں ہے پلیز۔'' وہ زور زور سے یہی الفاظ دہرانا چاہتی تھی۔لیکن الفاظ حلق سے نکلنے کو راضی نہیں تھے۔اسکا سارا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔

''کون ہو تم ؟اور میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو ؟'' قیس نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیئے۔زینیا کو اب بھی سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی ۔کافی دیر تک جب وہ ایک بار پھر خاموش رہی تو قیس کا لہجہ مزید سرد ہوا۔

''میں نے پوچھا کون ہو تم ؟اور میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو ؟'' وہ کافی دیر سے اسے اپنی تصویریں لیتے ہوئے دیکھتا رہا تھا یہاں تک کہ ٹریک سے ہٹ کر وہ گاڑی سے اپنی پستول لے آیا اور جب واپس ٹریک پہ آیا تو وہ ایک بار پھر اسے دیکھ رہی تھی۔

''می۔۔۔میں تمہارا۔۔۔پیچھا نہیں کر رہی۔'' بامشکل چند الفاظ گھسیٹ سکی۔سانس اب تک سینے میں اٹکا ہوا تھا۔کہیں سائیکوپیتھ نے گولی چلا دی تو؟وہ اسکی آواز ضرور پہچان لیتا اگر آوازیں اسکا خوف نہ ہوتیں۔قیس کمبیر ایک فوبک انسان تھا ۔آوازیں اسکا خوف تھیں۔

''تم کافی دیر سے مجھے دیکھ رہی ہو، میری تصاویر لے رہی ہو۔تم مجھے اسٹالک کر رہی ہو۔صاف صاف بتاؤ کون ہو تم ؟'' وہ دھیمی مگر سخت آواز میں غرا رہا تھا۔پستول اب بھی زینیا کی گردن پہ تھی۔وہ دونوں ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں کسی اور کو نظر نہ آتے۔

''میں۔۔۔۔میں اسٹالک نہیں کر رہی۔میں ایک فوٹو گرافر ہوں۔۔۔۔میں۔۔بس۔۔۔''

''میری اجازت کے بغیر میری تصویر لینے والی تم ہوتی کون ہو؟'' قیس نے اسکی بات کاٹی۔

''دیکھو ہم بات کر سکتے ہیں۔گن ہٹاؤ میں کوئی اسٹالکر نہیں ہوں۔میں بس ایک فوٹو گرافر ہوں۔غلطی ہو گئی تمہاری تصویر لے لی۔''آخر میں اس نے گویا خود پہ لعنت بھیجی ہو۔

''تم ایک انسان کی موت کو بھی جسٹیفائی کر رہی تھیں؟'' سفاک سرد آواز زینیا کے کانوں کہ بلکل قریب سے ٹکرائی۔

''وہ ایک افسانوی کردار تھا ڈیم اٹ۔میں جیتی جاگتی عورت ہوں گن ہٹاؤ۔'' وہ دھیمی آواز میں غرائی۔قیس نے اب کے پستول اسکی گردن پہ گھمائی۔جونہی ٹھنڈی نال اسکی گردن سے ٹکراتی،زینیا حاکم کو موت اپنے بلکل قریب تر نظر آنے لگتی تھی۔اسکے سارے جسم سے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ایک کلک اور اسکا کام ختم۔

''وہ افسانوی بعد میں انسان پہلے تھا۔''

''کیا تم پاگل ہو؟ایک افسانوی کردار کی خاطر تم ایک زندہ انسان کے اوپر گن تانے ہوئے ہو؟''

''سارے پوٹرہیڈ اتنے ہی پاگل ہوتے ہیں جتنا میں ہوں۔تمھیں کیا لگتا ہے ایک نارمل انسان اڑتی روحوں،چلتی پینٹنگز،جگہ تبدیل کرتی سیڑھیوں اور جادو سے بنی ایک دنیا کو بار بار دیکھ سکتا ہے؟''

''مجھے مارنے سے ڈمبلڈور واپس نہیں آئے گا البتہ یہ دنیا ایک اور پاگل پوٹرہیڈ کو کھو دے گی۔کیا یہ نقصان نہیں ہو گا۔'' وہ اسے الفاظوں کے جال میں پھنسا رہی تھی۔قیس کی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔

''کیا تم واقعی ایک پوٹر ہیڈ ہو؟''

''تمھیں کیا لگتا ہے ایک نارمل عورت، یوں پارک میں کسی مرد کی تصاویر لیتی پھرے گی؟ میں تمھارے ہاتھ میں موجود کتاب کی تصاویر لے رہی تھی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب گن ہٹاؤ۔'' قیس نے آہستگی سے گن ہٹالی۔ زینیا کی سانس بحال ہوئی۔ رنگت اب تک نچڑی ہوئی تھی۔

چند پل وہ یونہی کھڑی رہی۔ گہری لمبی سانسیں لیتی رہی۔ پچھلے چند منٹ کو اپنی یاداشت کے پردے پہ دہراتی رہی۔ اور پھر وہ مڑی تھی۔ اپنے سامنے کھڑے اس مرد کو دیکھا۔ جو نیم پاگل معلوم ہوتا تھا۔ کم از کم ایک نارمل انسان یوں کسی پہ گن نہیں تان لیتے۔ قیس نے پہلی بار اسکا مکمل رخ دیکھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے، بس ایک لمحے کے لئے ٹھٹھک گیا تھا پھر سر جھٹک کر اسی سختی سے اسے دیکھا۔

''تم نے میری تصاویر لی ہیں۔ میری اجازت کے بغیر۔ تمھیں مجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''تم نے مجھ پہ گن تانی ہے، تمھیں نہیں لگتا کہ معافی تمھیں مانگنی چاہیے؟''

''عجیب عورت ہو تم، پہلے میری تصاویر اتاریں، پھر میری کتاب چرانے کی کوشش کی اور اب ڈھٹائی بھی تم ہی دکھا رہی ہو؟''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کوئی کم عجیب تو تم بھی نہیں۔ ایک طرف تم ایک سچے پوٹر ہیڈ ہونے کا دعوی کرتے ہو۔ اور دوسری طرف تم نے یہ کتاب یہاں چھوڑ دی؟'' ابھی قیس کوئی جواب دیتا کہ اسکا فون بجنے لگا۔ ایک سخت نظر زینیا پہ ڈالتے ہوئے اس نے فون اٹھالیا۔

''کیا ہوا ہے بختیار چچا کو؟۔۔۔میں پہنچ رہا ہوں۔۔۔بس دس منٹ۔۔۔خیال رکھو میں آرہا ہوں۔'' وہ متفکر سا عجلت زدہ سا تھا

۔کال کاٹ کر اس نے زینیا کو دیکھا۔

"I am not done yet"

''تم نے میری تصاویر لی ہیں، مجھے اسٹالک کیا ہے۔ تمہیں جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

''جہنم میں گئے تم اور تمہارا جرمانہ۔'' زینیا پوری قوت سے چلائی۔

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' وہ پیچھے مڑ کر جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔

''دیکھ لینا روکا کس نے ہے۔'' وہ بھی تڑخ کر بولی۔اب کے قیس نہیں مڑا وہ تیز تیز قدم لیتا باہر جا رہا تھا۔چند لمحے زینیا وہیں کھڑی رہی، پھر آگے بڑھ کر کتاب اٹھائی اور پارک سے باہر نکل آئی۔

گردن پہ اب بھی پستول کی ٹھنڈی نال محسوس ہو رہی تھی۔اسلام آباد اچھا تھا، لوگ نہیں، شہر مہربان تھا، لوگ ظالم تھے۔آج کی پوری رات بے سکونی کے نام۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن صبح سات بجے کے قریب زینیا گھر سے نکل آئی۔اگلے دو گھنٹوں میں وہ **''نمل''** یونیورسٹی میں تھی۔اسلام آباد کی بہت بڑی یونیورسٹی، جہاں ہزاروں کی تعداد میں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔وسیع سبزہ زار کے عین بیچ میں کھڑی عمارت خوبصورتی کی مثال تھی۔تفصیلی دورے کو فلحال ملتوی کیے ہم کیفے ٹیریا کا رخ کرتے ہیں۔کیفے ٹیریا کے ایک بنچ پہ بیٹھی، وہ اپنے موبائل پہ کچھ

دیکھ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کے سادہ سے جوڑے میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔ سر پہ سرخ سیاہ چنزی پرنٹ کا دوپٹہ تھا۔ وہ آج معمول سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں سینڈوچ تھا اور ایک ہاتھ میں موبائل اونچا کر رکھا تھا۔ کانوں میں ایئرپوڈز لگے تھے، وہ کافی مصروف لگتی تھی۔ اور بے نیاز بھی۔ کشش تھی کہ کیا کئی لوگوں نے کئی بار اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ کئی لڑکوں نے اسکے ساتھ بیٹھنے کی اجازت چاہی تھی۔ خوبصورتی کئی بار وبال بن جاتی ہے۔

دفعتاً اپنی میز پہ ہونے والی ہلکی سی دستک پہ اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ آنکھوں میں خوش گوار حیرت لئے مہدی کمبیر اسکے سامنے تھا۔ زینیا کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔ جبکہ مہدی اب مسکراتے ہوئے اسکے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔ آس پاس بیٹھے سٹوڈنٹس کو حیرت کے شدید جھٹکے لگے تھے۔ وہ مہدی کمبیر جس کے پاس سلام کا جواب دینے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ وہ کس سکون سے اسکے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ لڑکی جس نے یونیورسٹی کے اچھے خاصے خوبصورت، امیر لڑکوں کو اپنے ساتھ بیٹھنے نہیں دیا، وہ اسے روک نہیں رہی تھی۔ حیرت بنتی تھی۔

سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر سبز اوور سائز شرٹ کے ساتھ سویٹ پینٹس پہنے وہ کافی اچھے سے تیار تھا۔ کلائی میں ہمیشہ کی طرح برانڈڈ گھڑی تھی۔ اور جوتے چمک رہے تھے۔ گھڑیوں کے معملے میں وہ شخص سمجھوتے نہیں کرتا تھا۔

''اگر تمھیں لگ رہا ہے میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں، تو تم بلکل غلط ہو۔ میں تو یہاں پڑھتا ہوں۔'' وہ اس کی نظریں بھانپ گیا تھا۔

''پڑھانے کی عمر میں پڑھ رہے ہیں کمال ہے۔''

''اوہ کم آن میں صرف چھبیس سال کا ہوں۔'' مہدی تو برا ہی مان گیا تھا۔

''آپ کے سبجیکٹس کیا ہیں؟''بس اب وہ فارسی کی کلاسز نہ لے رہا ہو۔

''فارسی سیکھ رہا ہوں۔''مسکرا کر جواب دیا۔ زینیا مسکرا بھی نہ سکی۔

''تین سال پہلے میری پڑھائی مکمل ہو گئی تھی۔ لیکن دو ماہ پہلے ہی مجھے نیا شوق چڑھا ہے۔ سو میں فارسی سیکھنے آ گیا۔ میری کلاسز کل سے سٹارٹ ہو رہی ہیں۔ تم کیا کر رہی ہو یہاں۔''زینیا نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

''فارسی۔''یک حرفی جواب کے بعد وہ دونوں ایسے چپ ہوئے گویا منہ میں زبان ہی نہیں۔ دونوں جانتے تھے، یہ ان دونوں کے لئے کتنا غیر متوقع اور کتنا زیادہ اتفاقی تھا۔

''تم کہتی ہو تو میں یونیورسٹی چھوڑ دیتا ہوں۔ ویسے بھی یہ میرا شوق ہے۔ دو ماہ سے زیادہ میں ملک میں نہیں رہتا۔''رسان سے آفر دی گئی۔ زینیا نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس یونیورسٹی میں ہزاروں لڑکے اور بھی ہیں۔ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ بس مجھ سے واسطہ کم سے کم رکھئے گا۔''

''جو حکم سرکار۔''وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔ زینیا نے رخ موڑ لیا اور اپنا سینڈوچ دانتوں سے کترنے لگی۔ مہدی اسے دیکھے گیا۔ زینیا نے انتظار کیا کہ وہ اب اٹھ جائے گا۔ لیکن جب وہ کافی دیر تک وہیں جما رہا تو بلا خر زینیا نے اس سے پوچھ ہی لیا۔''یعنی آپ یہاں سے نہیں جائیں گے؟''مہدی نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔''پوچھیں کیا پوچھنا ہے؟''

''تمہاری شادی کیسی ہے؟ بلکہ یہ بتاؤ شادی کیسی ہوتی ہے؟'' زینیا کی آنکھوں میں تھکن اتری۔ ہر کال پہ ہونے والا اپنا اور بالاج کا جھگڑا یاد آیا۔

''شادی ایک تجسس ہوتی ہے۔ چند ماہ میں تجسس ختم ہو جاتا ہے اور پھر شادی کمر پہ لدا بوجھ بن جاتی ہے۔''

''کیسا تجسس؟''

''ہر انسان کا تجسس مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو جاننا ہوتا ہے شادی کے بعد ایک کمرے میں ایک شخص کے ساتھ رہنا کیسا ہوتا ہے۔ کسی کو تجسس ہوتا ہے کہ اپنے گھر کو چھوڑ کر سسرال والوں کے ساتھ رہنا کیسا ہوتا ہے، محبت کیسی ہوتی ہے، لانگ والک کیسی ہوتی ہے ،ایک عورت کا آپ کے نام سے منسوب ہونا، اسکے تمام جملہ حقوق آپ کے پاس ہونا کیسا ہوتا ہے۔ ہر مشکل وقت میں ایک شخص آپ کی ساتھ کھڑا ہو گا، اسکا کھڑا ہونا کیسا ہوتا ہے۔ سارے زمانے کی ٹھوکروں کے بعد ایک سہارا کیسا ہوتا ہے، کبھی کوئی آپ کو سمجھ نہیں سکا لیکن ایک شخص شاید سمجھ لے وہ سمجھنا کیسا ہوتا ہے۔ بس اسی تجسس کا نام شادی ہے۔'' مہدی کی آنکھوں میں بے چینی اتری۔

''لیکن آفٹر آل تجسس ایک احساس ہی تو ہے کیا ہوا اگر یہ ختم ہو جائے۔ کیا تجسس ختم ہونے کے بعد شادی ختم ہو جاتی ہے؟''

''تجسس اگر ختم بھی ہو جائے تو تعلق بعض دفع ختم نہیں ہوتے۔ کیونکہ تب تک آپ اس تعلق میں بہت کچھ بھر چکے ہوتے ہیں۔ ہاتھ کھینچ لینا، قدم موڑ لینا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ متانت سے بولی۔ مہدی البتہ اب بھی غیر آرام دہ تھا۔

''یعنی ہر شادی ایک وقت کے بعد قید ہوئی؟'' وہ نتیجہ چاہتا تھا۔

''اؤنہوں ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔ کئی بار کچھ لوگوں کا تجسس ساری زندگی ختم نہیں ہوتا۔اور وہ خوش رہتے ہیں۔ ہر نئے دن انہیں اپنی شادی نئی لگتی ہے۔ کمٹمنٹ سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ جوڑے مرنے کے بعد جنت کے تجسس میں خوش رہتے ہیں ۔''

''اور اگر خوش نہ رہے تو؟''

''پھر آپ کا بخت۔ شادی ایک جوا ہوتی ہے۔ جیت گئے تو واہ واہ جو ہارے بھی تو بازی مات نہیں۔''

''ہارے بھی تو بازی مات نہیں یعنی؟'' اس نے ایک اور سوال کیا۔ زینیا مسکراتے ہوئے آگے کو جھکی۔

''یعنی ایک اور پارٹنر کا تجسس، ایک نئی شادی، نئے لوگ، نئی خوشیاں یا پھر اپنے ساتھ کا تجسس۔'' وہ آنکھوں میں چمک لئے بتا رہی تھی۔ مہدی نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''یعنی شادیاں اتنی ٹاکسک ہوتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے اگلے دس سالوں تک میرا کوئی ارادہ نہیں۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ سیاہ لباس والی لڑکی کو دیکھا۔ ''تمہاری شادی کیسی ہے؟ تمھارے تجسس کا سفر کیسا جا رہا ہے؟''

زینیا کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ لب البتہ مسکراتے رہے۔ ''میں نے اپنے شوہر سے کبھی کوئی امیدیں رکھی ہی نہیں تھیں۔ مجھے اسکی ذات کا کوئی تجسس سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس لئے میری شادی نارمل ہے۔''

''تمھیں اس سے کوئی امید نہیں؟ کیا وہ اتنا برا ہے؟''

''وہ برا نہیں بس ''جلدی'' تھا۔ مجھے کچھ سوچنے اور امید رکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''نارمل شادی کیسی ہوتی ہے؟''آخر اس آدمی کے سوال ختم کیوں نہیں ہوتے؟

''ہفتے میں چار دن صلح دو دن لڑائی۔اور ایک دن شادی کرنے کا پچھتاوا۔''وہ عام سے انداز میں بولی، مہدی زور سے ہنسا تھا۔آس پاس لوگ گردن اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے۔کئی لڑکیوں کو رقابت محسوس ہوئی تھی۔ہاں ٹھیک ہے یہ سنہری آنکھوں والی لڑکی خوبصورت تھی۔لیکن ایسا بھی کیا کہ اسکے پاس سے اٹھا ہی نہ جائے۔

''ایک آخری سوال پوچھ لوں؟''اسکے منت کرنے کے سے انداز میں زینیا نے تکان سے اسے دیکھا۔پھر بازو سینے پہ باندھے اور ہاتھ سے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔''تم کتنی بار پچھتائی ہو؟''

''ہر منٹ میں ساٹھ بار۔''اسکے برجستگی سے جواب دینے پہ مہدی ایک بار پھر ہنس پڑا۔زینیا بھی ساتھ مسکرائی تھی۔پھر اپنی ٹھنڈی ہو چکی چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔مہدی اب واقعی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ کا تجسس کیا ہے، مسٹر کمبیر؟''مہدی ٹھہر سا گیا۔آہستگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔کئی لمحے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''میرا تجسس ''**سکون**''ہے۔میں ایک ٹھہراؤ کی تلاش میں ہوں۔کوئی ایسا ساتھی جس کے ساتھ میں کئی کئی ماہ ایک شہر میں گزار دوں اور بور نہ ہوں، بے سکون نہ ہوں۔''انیسہ کا چہرہ اسکی نگاہوں کے آگے دھندلا تھا۔

''پھر کوئی ملی کیا؟''

''ملی تھی۔''اس نے دھیرے سے اعتراف کیا۔''لیکن وہ محبت نہیں تجسس تھی۔جان لیا تو ختم ہو گیا۔''وہ کہہ کر رکا نہیں شاید اپنی آنکھیں پڑھ لئے جانے کا خوف تھا۔زینیا کئی لمحے اسکی آنکھوں میں ابھرتا عکس نہ دیکھ پانے کے غم میں رہی۔

☆☆☆☆☆

شام کا نیلگوں اندھیرا سارے میں چھایا ہوا تھا۔ زینیا حاکم کے ہاسٹل کے کمرے میں افراتفری کا عالم تھا۔ وہ چادر سر تک تانے لیٹی ہوئی تھی۔ چائے، نیند، اور کاملیت زینیا انکے بغیر ادھوری تھی۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایک جانب رکھے پلنگ پہ زینیا سو رہی تھی۔ مگر دوسری جانب کا پلنگ خالی تھا۔ اونہوں مالکن ہمیشہ کی طرح گھر سے غائب نہیں تھی۔ بلکہ آج تو محترمہ الماری میں منہ دیئے کھڑی تھیں۔ چہرے اور انداز میں بے چینی تھی۔ وہ شاید کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ ماتھے پہ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں، اور آنکھیں ہر گزرتے پل گلابی پڑتی جا رہی تھیں۔ کھڑ پٹر کی آواز میں کم از کم زینیا اٹھنے والی نہیں تھی۔ بقول بشر کے زینیا دیو ملائی کتابوں کا وہ دیو ہے جو چھ ماہ سوتا ہے اور چھ ماہ جاگتا ہے۔ یہ وہی عورت تھی جسے سحری میں ڈھول والا بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

چند پل بعد کمرے کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ اسی لمحے زینیا کا موبائل زور زور سے تھرتھرایا۔ بالاج کی ناراضگی کے خوف سے وہ نیند میں بھی الرٹ رہنے لگی تھی۔ کال بج بج کر ختم ہو گئی تو دوبارہ سے موبائل تھرتھرانے لگا۔ چونکہ موبائل میں ہینڈ فری لگے تھے سو اسکی روم میٹ تک آواز نہ گئی۔ مسلسل بجتے فون نے اسکی نیند میں خلل ڈالا۔ اور پھر وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ چند پل سوئی سوئی آنکھوں سے اپنے اطراف میں دیکھتی رہی۔ لباس وہی صبح والا تھا۔ عین اسی لمحے اس نے کچھ ایسا منظر دیکھا کہ اسکی آنکھیں ابل کر باہر کو آنے لگیں۔ اسکی روم میٹ کے ہاتھوں میں سفید پاؤڈر کی پڑیاں تھیں۔ اور دور حاضر میں ہر انسان کو معلوم تھا، یہ سفید پڑیاں اپنے اندر کیسا سیاہ جہاں بسائے ہوئے تھیں۔ نین تارہ زینیا کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ اسکے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔ سفید پاؤڈر کی پڑیاں جلدی جلدی بیگ میں ڈالتے ہوئے وہ کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔ اسی لمحے اسکی اپنی طلب بھی شدید ہونے لگی، یا شاید اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانے کا ایک طریقہ تھا۔ اس نے ایک پڑیا کو ماتھے سے چاک کیا۔ ذرا سا چورا ہاتھ پہ گرایا، کسی جنونی کے

جیسی تر سی ہوئی مسکراہٹ اسکے لبوں پہ در آئی۔ آنکھیں بند کر کے ناک سے سفید پاؤڈر اندر کی جانب کھینچا۔ اگلے کئی لمحے اس نے خود کو ہلکا محسوس کیا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔ سرور سے زیادہ مسرور، خوش سے زیادہ خوش، وہ اس جہاں میں نہیں تھی۔ اسے لگا تھا کسی نے اسے ہواؤں میں اٹھالیا تھا۔ اسے لگا تھا کسی نے ساری دنیا کی خوشیاں اسے دے دی ہوں۔ آس پاس قہقہے بکھر گئے۔ وہ اس دنیا اس حال سے غافل تھی۔ اسکے پیر، جسم ہواؤں میں تھے، بے اختیار اسکا قہقہے مارنے کو جی چاہا۔ ایک ڈرگ ایڈیکٹ کو اسکا نشہ مل چکا تھا۔ اسکی ناک کے نتھنوں سے اب خون کی پتلی لکیر بہہ نکلی تھی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ بدن ڈھیلا۔ اسکا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اور وہ دنیا جہاں سے بے گانہ تھی۔ زینیا سن سی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ کہاں آگئی تھی؟ کبھی رات کے اندھیرے میں کوئی اسکی گردن پہ بندوق رکھ دیتا تھا۔ کبھی آتی ہوئی شام میں کوئی اسکے سامنے یوں جرم کر رہا تھا۔ گناہ کر رہا تھا۔ بڑا شہر اپنے اندر بڑے اژدھا سمیٹے ہوئے تھا۔ اس لمحے اس سمے اسے ساری دنیا سے خوف آیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہوتے ہوئے اپنے پلنگ سے جالگی۔ آنکھیں نامحسوس انداز میں بھر آئیں۔ زینیا حاکم ایک غلط ایکویشن میں پھنس چکی تھی۔ نین تارہ اب بھی مسرور سی تھی، ہواؤں کے دوش پہ، خلاؤں کے درمیان۔

کسی احساس کے تحت نین تارہ نے مڑ کر دیکھا۔ زینیا کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک لمحے کو وہ سن رہ گئی۔ ناک سے بہتی پتلی سرخ لکیر کو انگلی سے صاف کیا، گلابی آنکھوں میں جلال لئے وہ زینیا کی اور بڑھی بیڈ کے قریب پہنچ کر اس نے ایک جھٹکے سے زینیا کو پلنگ سے لگایا۔ اور اسکے گلے پہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گرفت جمائی۔ زینیا کی آنکھوں سے بہتا پانی اب اسکے ہاتھوں پہ بہہ رہا تھا۔ وہ دباؤ بڑھاتی جا رہی تھی۔ ساکن بیٹھی لڑکی کوئی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔

''اگر تم نے منہ کھولنے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ہماری پہنچ بہت اونچی ہے اپنے کام سے کام، اور منہ بند رکھو گی تو فائدے میں رہو گی ورنہ۔۔۔'' وہ آگے کو ہوئی۔ ''تمھارے ٹکڑے بھی تمھارے گھر والوں کو نصیب نہیں ہوں گے۔'' حقارت، سختی، اور تپش سے کہتے ہوئے اس نے زینیا کو جھٹکے سے چھوڑا۔ یہی جھٹکا زینیا حاکم کو ہوش میں لانے کے لئے کافی تھا۔

نین تارہ اب مڑ گئی وہ اپنا بیگ باندھ رہی تھی۔ کئی کلو منشیات کئی ہزار لوگوں کی زندگی خراب کرنے کو تیار تھی۔ ان بچوں کی جو شہر سے دور، ماں باپ بہن بھائیوں سے دور مستقبل سنوارنے آئے تھے۔ اور یہاں ذہنی صحت بگاڑ کر جانے والے تھے۔ زینیا نے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑ کر صاف کیں۔ اسی پل ہاسٹل کے باہر سے پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دینے لگا۔ زینیا حاکم کو ساری دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔ اس نے برق رفتاری سے پیر نیچے اتارے۔ نین تارہ بھی سہم چکی تھی۔ اسکے ہاتھ تیزی سے ایک نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ باہر سے اب آوازیں مزید قریب آتی جا رہی تھیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا پولیس کو پتہ چل گیا ہے۔ میں نے کہا تھا ہماری پرچی کٹ گئی ہے۔۔۔'' وہ فون کان سے لگائے غرا رہی تھی۔ اور زینیا آنکھیں صاف کیے مسائل کے حل کے لئے تیار تھی۔

''فورا یہاں پہنچو۔۔۔ بلکہ فورا سے پہلے۔۔۔ بیگ کسی صورت پولیس کے ہاتھوں نہیں لگنا چاہیے۔ جلدی آؤ خبیث انسان۔'' اسکے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ پھر اس نے مڑ کر زینیا پہ ایک بے زار نگاہ ڈالی۔

''یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔۔۔۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔'' اسکا بس نہیں چلتا تھا زینیا کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دے۔ سائرن کی آواز اب بے حد قریب آ گئی تھی۔ اسی لمحے زینیا نے فوراً الماری کے کھلے ہوئے پٹ سے اپنا چھوٹا سا بیگ پیک نکالا ،تکیے کے پاس رکھا فون اٹھایا۔ آنکھوں میں عزم اور چہرے پہ سختی۔ زینیا حاکم ایک فرار کے لئے تیار تھی۔

نین تارہ اب بھی فون پہ کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی۔ کبھی وہ گالیاں بکتی،اور کبھی تحمل سے سامنے والی کی بات سنتی ۔زینیا اسکے سامنے آ کر رکی۔ بھورے بیگ پہ ایک نظر ڈالی اور پھر نین تارہ کو دیکھا۔

''تم معصوم سٹوڈنٹس کی زندگی خراب نہیں کر سکتیں۔ میں کرنے نہیں دوں گی۔'' یہ کوئی اور لڑکی تھی، نین تارہ نے جسکا گلہ دبایا تھا یہ اس سے مختلف تھی۔ وہ کئی لمحے اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ اور نین تارہ زور سے ہنسی تھی۔

''اوہ تو اب تم مجھے درس دو گی؟ نیکی کی شہزادی؟''

''میں ملکہ بد ہوں حکم دوں گی۔'' کہتے ساتھ زینیا نے بیگ اٹھانا چاہا لیکن نین تارہ نے ایک زوردار لات اسکے پیٹ پہ دے ماری ،سنہری آنکھوں والی لڑکی درد سے دہری ہونے لگی، لیکن ہمت نہ ہارتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بیگ چھیننا چاہا اب کی بار نین تارہ نے اسے بالوں سے کھینچ کر پرے ہٹایا، زینیا فرش پہ گر پڑی، جسم سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ نین تارہ پاگلوں کی طرح اپنے اینکل بوٹ سے اسے مارتے چلی گئی۔ ہاتھ میں بیگ اب بھی پکڑ رکھا تھا۔ زینیا اپنا بچاؤ کرنے کی بجائے کسی طرح اس بیگ کو حاصل کرنا چاہتی تھی اور اسی لمحے اس نے اینکل بوٹ والی لڑکی کا بوٹ ہاتھ پہ روک لیا، اونچی ہیل گویا ہتھیلی میں گڑھ سی گئی۔ نین تارہ منہ کے بل فرش پہ آن گری، لیکن وہ ایک ماہر عورت تھی۔ جس تیزی سے گری تھی اسی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زینیا کو بغیر

کسی بچاؤ کا موقع دیئے بوٹ زور سے اسکے چہرے پہ مارا گال تک گوشت تک پھٹ گیا تھا۔ درد نے اسکے جسم کو سن کر دیا۔ اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک گئے۔ کتنے ہی لمحے اسے آنکھوں کے آگے صرف اندھیرا نظر آیا۔

دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ اس نے نین تارہ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا۔ چند آنسو اسکی آنکھوں سے نکل کر بے قیمت ہوئے۔ چند لمحے یونہی ساکن پڑے رہنے کے بعد اسکے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ پولیس کی گاڑی اب دروازے کے باہر تھی اور اسپیکر پہ کچھ کہا جا رہا تھا۔ زینیا تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ پل بعد وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔ گیلری میں واقع کچن کی طرف جاتے ہوئے اسکا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہراساں نظروں سے اطراف میں دیکھتی وہ بس جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ پولیس اب اندر آ چکی تھی۔ لیڈی اہلکاروں کی ایک بڑی تعداد گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ بھاری بوٹوں کی دھمک صور کی طرح کانوں میں چھید کئے دیتی تھی۔ کچن میں کھڑی زینیا حاکم کو اس وقت سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔۔۔ کہاں جائے۔ اس دروازے کے پار امراء کی کالونی تھی۔ وہ اپنی جگہ ساکن کھڑی تھی۔ اندر سے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں لڑکیوں کی چیخ و پکار، افروزہ بیگم کی کرخت بے یقینی میں ڈوبی آواز۔ اسی سمے اس نے دو لیڈی اہلکاروں کو کچن کی طرف آتے دیکھا۔ اسکا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ انکے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی، کسی صورت نہیں۔

یہ لوگ اسے یہاں سے لے جاتے، ایک ایسی عمارت میں ایک ایسی عمارت جہاں جاتے وقت آپ ملزم ہو سکتے ہیں، لیکن واپسی مجرم کے طور پہ ہوتی ہے۔ کم از اس معاشرے کا مجرم۔ لیڈی اہلکار بس ذرا ہی دور تھیں جب زینیا نے آگے بڑھ کر خود کو تالے کھولتے ہوئے دیکھا، اسکے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ لیکن عزم پختہ تھا۔ وہ دروازے سے باہر نکل آئی، نین تارہ بھی شاید اس دروازے کے بارے میں جانتی تھی۔ لیڈی اہلکاروں کی آمد سے قبل وہ بھی یہیں آگئی تھی۔ دروازے سے بھاگنے کا ارادہ کرتے ہوئے اس نے بیگ باہر پھینکا اور خود دیوار پہ چڑھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن بے سود، لیڈی اہلکار کے ہاتھ میں موجود پستول کے دستے نے اسکے سر کے پچھلے حصے پہ ایک ایسی ضرب ماری کہ اس نشے کی زیادتی میں ڈوبی لڑکی لڑکھڑا کر گری۔ زینیا حاکم جو بھاگ کر گلی کے دہانے پہ پہنچ چکی تھی۔ اس نے اس بھورے گرتے ہوئے بیگ کو دیکھا۔ یہاں واپس مڑنا خطرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سفید پڑیاں ہزاروں بچوں کی زندگی تباہ کر سکتی تھیں۔ گیلی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ واپس گیٹ تک آئی۔ بیگ سے لوہے کی تاریں نکالتے ہوئے اس نے دروازے کے سوراخ میں باندھ دیں۔ وہیں جہاں تالا لگا کرتا تھا۔ یہ وہی تاریں تھیں جنہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے استعمال کیا کرتی تھی۔ ہاتھ بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ لیکن بلاخر وہ کامیاب رہی۔ اندر سے شور و غل کی آوازیں آتی تھیں۔ اس بھورے بیگ کو اچک کر کندھے پہ ڈالا اور انہی گلیوں میں کہیں غائب ہوگئی۔ اسلام آباد کی اونچی نیچی ڈھلوانوں والی گلیاں، درختوں کے سائے اور سرمئی سڑکوں والی سیاہ گلیاں۔ رات کے اندھیرے میں اس گلی میں اس نے ایک محل نما گھر دیکھا۔ جسکا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زرد بتیاں سارے ماحول کو روشن کئے ہوئے تھیں۔ ملازمین کی فوج یہاں سے وہاں گزرتے ہوئے مختلف کام نبٹا رہی تھیں۔ سیاہ سلاخدار دروازہ کھلا تھا۔ اور ملازمین کام میں مصروف، زینیا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس اہلکار اس جانب آرہے تھے۔ اس نے بیگ سینے سے لگا لیا مختلف واہمے، خدشے، اور نہ جانے کتنے خوف وہراس نے اسکے اندر سر اٹھایا تھا۔ اس سے پہلے وہ نیلی وردی والے افسر

اسکے قریب آتے، پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ اس گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ پولیس نے اسے اندر جاتے دیکھا تھا۔ لیکن زینیا نے اندر جاتے ہوئے ایک چیز نہیں دیکھی تھی۔ اس محل کے باہر لگی تختی جس پہ بڑے بڑے الفاظ میں "**کمبیر محل**" لکھا تھا۔

کیا زندگی ایک نیا باب شروع کرنے والی تھی؟ کیا تم اس نئے آغاز کے لئے تیار ہو؟



(وہ لرزتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ زبان بڑبڑا رہی تھی۔ دل میں زخم پڑ رہے تھے۔ بلاخر کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ زینیا کے لئے ساری دنیا کی گردش رک گئی۔)

گوادر پورٹ کے شور و غل میں جہاز کی طرف جاتے قیس کا موبائل ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ مہدی اسکے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ پریشان چہرہ، زرد رنگت اور قبض ہوتی سانسیں، یہ شہر واقعی اسکے بھائی کو مار رہا تھا۔ چلتے ہوئے قیس ایک جگہ رک گیا۔ اسے یا تو جانا تھا یا پھر رک جانا تھا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ وہ رکنے کا فیصلہ لینے والا تھا۔ لیکن اسی لمحے اسے ایک جانب سے محب ملک آتا دکھائی دیا۔ مہدی چونکہ آگے تھا سو وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔ اسی لمحے سارے فیصلے ہو گئے۔ وہ یہاں رک کر اپنے خاندان کے ایک مرد کو کھو نہیں سکتا تھا۔

اسے جانا پڑا کیونکہ یہ ضروری تھا۔

''عبداللہ آجاؤ پلیز۔'' وہ بھل بھل بہتے آنسوؤں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''میں نے غلط فیصلہ کیا عبداللہ تم میرا کمفرٹ ہو باقی ساری دنیا مجھے غیر آرام دہ کرتی ہے۔ تمھارے ساتھ یوز ٹو ہو گئی ہوں۔ کوئی اور میرے لئے عبداللہ نہیں بن سکتا۔ پلیز آجاؤ کوئی وعدہ کوئی پیغام بھیجو۔''

''تم میرے لئے آؤ عبداللہ میں اس قابل ہوں کہ میرے لیے آیا جائے۔ آجاؤ عبداللہ پلیز آجاؤ۔'' آنسو، جلتا دل، قبض ہوتی سانسیں ان سب کے درمیان وہ اسے پکار رہی تھی۔

قیس فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ آنکھوں کے سامنے منظر بدل رہے تھے۔ وہ جونہی اسے عبداللہ کہتی تھی۔ وہ واقعی قیس سے عبداللہ بن جاتا اور ماضی کے گرداب میں پھنس جاتا۔ جہاں لاشیں تھیں۔ خون تھا۔ کٹے ہوئے اعضاء تھے۔ وہ ساکت اور شل تھا۔ اسی لمحے اس نے مہدی کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ محب کو دیکھ چکا تھا اور اب جارحانہ انداز میں اسکی طرف آرہا تھا۔ انداز میں جنون تھا اور آنکھوں میں خون سوار تھا۔ قیس کے ساتھ آئے سیکورٹی کے افراد اسے قیس کے اشارے پہ روکے ہوئے تھے۔

''میں تمھارے شہر آیا تھا۔ تمہاری پکار پہ۔ میں نے کبھی تمھیں ڈس اون نہیں کیا۔'' وہ رکا آنکھیں موند کر سکون کی سانس لی۔ ''تم میری ہو اور ہمیشہ میری رہو گی۔'' دوسری جانب کوئی روح میں گھلتی چاشنی کی طرح اسکے الفاظ کو جذب کر رہا تھا۔

''میں تمھیں کوئی وعدہ کوئی پیغام دیے بغیر جا رہا ہوں، کیونکہ تم سے جو تعلق ہے اس میں محبت کی جگہ نفرت ہے۔ میرے الفاظ تمھیں زندگی دیں گے لیکن میں چاہتا ہوں تم مرو۔ عبداللہ تمھارے لئے اب کبھی نہیں آئے گا۔'' اس نے کال بند کر دی لیکن دل دکھا تھا۔ وہ ان سسکیوں کو ساری زندگی نہیں بھولنے والا تھا۔ مہدی سیکورٹی کے افراد سے خود کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور

اب آنکھوں میں طیش لئے محب کی طرف آرہا تھا۔ وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنی اور آتے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے قیس آگے بڑھ آیا۔ زخمی شیر کی طرح آگے بڑھتے مہدی کے عین سامنے رک کر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

''اپنا بھائی یا ایک غیر انسان فیصلہ تمہارا ہے مہدی۔'' سبز آنکھوں والے مرد کے اوپر گویا کسی نے ٹھنڈا برف پانی ڈال دیا ہو۔ سارا غصہ، تنتنا، انتشار دور جا سویا۔ اس آدمی سے اسے محبت تھی۔ خون کا یہ تعلق اسے عزیز تھا۔ کئی لمحے بعد وہ دھیرے دھیرے قدم لیتا اپنے بھائی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تاثرات نرم پڑ گئے تھے کندھے ڈھیلے۔ وہ نرمی سے اپنے بھائی کے سینے سے لگ گیا۔ دونوں بازو کسی ننھے بچے کی طرح اس کے گرد باندھ لئے۔ شکستگی کا اعتراف تھا یہ۔

قیس نے نہ جانے کیوں اپنے دل کو جلتا محسوس کیا۔ محل کا مضبوط ستون بننا مشکل تھا۔ اسے دل مارنا پڑ رہا تھا۔ وہ اسے سمجھے گی جانے کیوں اسے خوش فہمی تھی۔



وہ گھر میں داخل ہوئی تو یوں لگا جیسے کسی اور ہی دنیا میں داخل ہو گئی ہو۔ سبزہ زار کے بیچ میں کھڑا عالیشان محل، شان و شوکت ، تمکنت اور غرور سے کھڑی کی گئی قلعے کی مانند دیواریں۔ وہ ضرور اس گھر کی خوبصورتی سے محظوظ ہوتی اگر وقت مختلف ہوتا، اس وقت اسے جان کے لالے پڑے تھے۔ عقبی سبزہ زار اس وقت خالی ہو گیا تھا۔ تمام ملازمین ایک پکار پہ دوڑے چلے گئے تھے۔ شاید انکا مالک غصے میں تھا۔ یہاں تک کہ وہ دروازہ تک بند کرنا بھول گئے تھے۔ پولیس اہلکار اب گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے اس سے پہلے کے زینیا کو دیکھ لیتے وہ فوراً اندر کی جانب بھاگی۔

لوگوں کی نظروں سے بچتی بچاتی بیگ کو متاع حیات کی طرح سینے سے لگاتی، زخمی چہرے والی زینیا حاکم گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی ۔زرد بتیوں میں ڈوبا پر تعیش گھر۔ مضبوط ستون واقعی کسی محل کا پتہ دیتے تھے۔ باہر سے کسی کے بلند آواز میں بات کرنے کی آواز اب تھم گئی تھی۔اب آواز تھی بھاری بوٹوں کی، پولیس کی نفری کے اندر آنے کی، سائرن کی وہ جو صور جیسا تھا۔ بڑے سے شاہی دربار نما ہال میں کھڑی زینیا ٹکر ٹکر اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ باہر سے ملازمین کی آوازیں آرہی تھیں۔گھر میں ایک الگ ہی ٹھنڈک اور مرعوبیت کا عالم تھا۔اسی لمحے کوئی تن فن کرتا اندر داخل ہوا۔ سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس،اونچا لمبا قد، چہرے پہ برہمی ،آنکھوں میں سختی، چال میں غرور مگر عین اسی لمحے اسکی آنکھیں سامنے کھڑی لڑکی پہ جا ٹکیں۔ سنہری آنکھیں خوف زدہ تھیں، سیاہ آنکھیں حیران، باہر سے اب پولیس افسر کے بولنے کی آواز آتی تھی۔ہال کی زرد بتیوں میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے وہ دونوں عجیب انداز میں ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔

’’مقصود صاحب پلیز کاپریٹ کریں، ہمیں گھر کی تلاشی لینے دیں۔ پولیس کو ایک اہم سراغ ملا ہے۔‘‘مقصود ان سے کچھ کہہ رہے تھے۔افسر تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ واپس اندر آؤ تو قیس کمبیر آنکھوں میں جتاتا ہوا سا تاثر لئے اپنے سامنے کھڑی زینیا حاکم کو دیکھ رہا تھا۔اسکے ابرو استہفامیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔’’سیریسلی ؟‘‘

“saverous please”

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتی، زیر لب بس یہی بڑبڑا سکی۔

(اپنی موت کے وقت ڈمبلڈور کے پروفیسر سنیپ سے کہے گئے آخری الفاظ۔ جنکی افادیت، جنکا کرب، صرف اور صرف ایک پوٹر ہیڈ سمجھ سکتا ہے۔)

بھاری بوٹوں کی دھمک اندر کی جانب آنے لگی، زینیا نے تھوک نگلا، بیگ کو سینے میں بھینچ لیا۔ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا اور اسکے لب ایک بار پھر پھڑ پھڑائے۔

"Saverous please"

اور بس اب کی بار سیاہ لباس والے شخص نے آگے بڑھ کر اسکی کلائی پکڑی، چند ایک لمحہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا، شاید وہ کچھ کھوج رہا تھا۔ زرد بتیوں کی روشنی، محل جیسا دربار اور زخمی لڑکی کی کلائی پکڑے کھڑا قیس کمبیر، اور اسکی آنکھوں میں جھانکتی زینیا حاکم۔ وقت اس وقت کو یاد رکھنے والا تھا۔ اگلے چند پلوں میں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اسے اپنے ساتھ لے کر چل رہا تھا۔ محل کی راہ داریوں میں وہ اسکا ہاتھ پکڑے ہوئے جانے کن بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ زینیا پھولتی سانسوں اور دھڑکتے دل سے اسکے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اسکے جسم میں اب جان باقی نہ رہی تھی، یوں لگتا تھا اگر قیس نے اسکی کلائی چھوڑ دی تو وہ ابھی کے ابھی گر جائے گی۔ ایک بڑے سے لکڑی کے نقش و نگار والے دروازے کے قریب رک کر اس نے دروازہ دھکیلا، بھورے بیگ والی لڑکی کو دروازہ پار کروایا، پولیس والے اب شاہی دربار نما ہال میں جمع تھے۔ قیس نے ہراساں سی زینیا پہ ایک نظر ڈالی۔

''ہیری پوٹر میں میرا سب سے پسندیدہ جادو جانتی ہو کونسا تھا؟'' زینیا کو اسکی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔ وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گئی۔

''دیواروں میں بنتے راستے مجھے فیسینیٹ کرتے تھے۔'' اس نے خود ہی اضافہ کیا، اسکی کلائی چھوڑی، اور واپس مڑ گیا۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ اور زینیا نے اپنے کندھے بھاری ہوتے محسوس کئے۔ اینکل بوٹ کی ضربیں اب جسم جلا رہی تھیں۔ اس نے اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھا۔ اسکا چہرہ گیلا تھا۔ ضرب نے اسکے گوشت تک کو چیر دیا تھا۔ درد اسے شدید درد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھرتے چلے گئے۔ وہ دروازے سے لگتے ہوئے دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ بھورے بیگ کو ہنوز سنبھال رکھا تھا آنسو، خون کے ساتھ شامل ہوتے گئے، چہرہ جلنے لگا اور وہ ضبط کئے بیٹھی رہی۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ غلط جگہ پھنس گئی ہے۔

ہال میں واپس آؤ تو ہلکے آسمانی رنگ کی وردی پہنے ہوئے پولیس افسر کے چہرے پہ بے بسی بھری برہمی تھی۔

سیاہ شلوار قمیض والا مرد تمکنت سے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ اسکی سنجیدہ آنکھیں سامنے بیٹھے افسر پہ جمی تھیں۔ ''یعنی آپ کہہ رہے ہیں کہ میرے گھر میں کوئی لڑکی ڈرگز کے ساتھ داخل ہوئی ہے؟ آپ کو کیا لگتا ہے میرا گھر مجرمین کی جاہ پناہ ہے؟''

''قیس سر۔۔۔ آپ ہماری بات سمجھنے کی کوشش کریں وہ لڑکی ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کے گھر میں داخل ہوئی ہے۔ بس آپ ایک دفع ہمیں تلاشی لینے دیں۔ سب کچھ آپ کے سامنے آجائے گا۔ ہم بس آپ کی وجہ سے خاموش ہیں ورنہ پولیس کو اختیار ہے کہ اس وقت آپ کے گھر کا چپا چپا چھان مارے۔'' قیس نے گہری سانس بھری۔ جواب دیئے بغیر وہ اب کال ملا رہا تھا۔ سامنے بیٹھا افسر اسکا بس نہیں چلتا تھا کہ اس رئیس زادے کا گلا دبا دے۔

''ایس پی صاحب آپ نے ہمارے گھر مہمان بھیج دیئے اور بتایا بھی نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے دوسری جانب مخاطب تھا۔

''ایسے کیسے آپ کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ آپ کے پیٹی بھائی ہیں آپ کی اجازت کے بغیر تو سانس بھی نہ لیں کجا کہ میرے گھر میں گھس آئیں۔'' وہ رکا سامنے سے کسی کی بات سنی۔ ''یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گھر تلاشی ہوگی؟ ٹھیک ہے پھر میں پولیس کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر تلاشی کے بعد کچھ نہ ملا، تو ڈی آئی جی صاحب میرے دوست کی بھائی ہیں آگے جو کچھ ہوا، پھر میں بھی آپ کی مدد نہیں کر سکوں گا۔" وہ صاف جتا رہا تھا کہ تلاشی کے بغیر جایا جائے، لیکن ابھی کسی ماں نے پولیس والوں سے زیادہ ڈھیٹ کوئی جنا نہیں تھا۔ یہ مخلوق نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنی مرضی کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

تلاشی شروع کی گئی، پولیس کی بھاری نفری یہاں سے وہاں پھیل گئی۔ مقصود بے چینی سے یہ ساری کاروائی دیکھ رہے تھے۔ البتہ قیس سکون سے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، موبائل پہ کینڈی کرش کھیل رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ رقصاں تھیں۔ اسے معلوم تھا تلاشی ہوگی، وہ بس اپنا وقت لے رہا تھا۔ اسی پل اس نے پولیس کی نفری کو اوپری منزل کی جانب جاتے دیکھا۔ ایک لمحے کو اسے بے چینی ہوئی تھی۔ ظاہر البتہ اب بھی نہیں کیا۔ اداکاری تو اس آدمی پہ ختم ہوتی تھی۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ وہی کمرہ تھا، وہی جہاں زینیا تھی۔ ابھی اس کمرے کا دروازہ کھلتا کہ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''یہ میری اسٹڈی ہے، یہاں کسی کا داخلہ مجھے پسند نہیں ہے۔'' وہ اپنی جگہ پہ کھڑا کہہ رہا تھا۔ افسر نے گردن موڑ کر سیڑھیوں کی ریلنگ کے پار اسکا چہرہ دیکھا۔

"آپ چاہیں تو ہمیں جوائن کر سکتے ہیں۔ ہم کتابیں چوری نہیں کر رہے۔" کھلے دل سے دی گئی آفر۔ یعنی یہ ڈھیٹ پولیس والا ماننے گا نہیں۔ قیس گہری سانس لیتا اوپر چلا آیا۔ بوٹوں کی دھمک، جسم میں اٹھتا درد اور گڈمڈ ہوتی آوازیں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی زینیا حاکم کوئی حرکت نہیں کر پا رہی تھی۔ مقفل دروازہ کھولنے کے لئے چابی لائی گئی، وقت سلو موشن میں گزر رہا تھا۔ آوازیں، چابی کا سوراخ میں جانا، زینیا کا ہتھیلی زمین پہ رکھ کر اٹھ کھڑے ہونا، قیس کا سنجیدہ چہرہ، پولیس افسران کے پر امید چہرے اور ان سب کی درمیان دروازہ کھل گیا۔ سامنے وہ منظر تھا جس کے بارے میں کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بھلا ایسا کیا؟

اسٹڈی خالی تھی۔ کوری صاف، صفاچٹ، بس ایک خون کا دھبہ تھا جس پہ پولیس کی نظر پڑنے سے پہلے قیس کا بوٹ پڑ گیا تھا۔ شاید وہ خون آلود ہتھیلی زمین پہ رکھ کر اٹھی تھی۔ آسمانی وردی والے افسران کے چہروں پہ برہمی سی اتری، ساتھ بے بسی، کچھ کچھ مایوسی بھی۔ قیس نے بے تاثر نگاہیں اٹھا کر ایس ایچ او کو دیکھا۔

"میرا سارا گھر پلٹ دینے کے بعد کیا اب آپ کو تسلی ہو گئی؟ یا پھر کچھ رہتا ہے؟" گو کہ افسران مطمئن نہیں تھے لیکن پھر بھی اسٹڈی چھان مار لینے کے بعد انکو پلٹنا پڑا۔ معذرت، شکریہ، شک، ان سب کے ساتھ نیلی وردی والے افسران کو الوداع۔

ملازمین میں سے ہی کوئی افسران کو نیچے چھوڑنے گیا تھا۔ قیس بازو پشت پہ باندھے اسٹڈی میں کھڑا تھا۔ وہ نیچے نہیں گیا، اسے یہاں دھبہ ڈھک لینے کو کھڑا ہونا پڑا۔ چند لمحے یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ کتابوں کے ریک کی جانب بڑھ آیا۔ کتابوں کے ریک کو ایک جانب گھمایا تو وہ کھلتا ہی چلا گیا۔ سامنے ہوم سینیما تمہارا منتظر تھا۔ نیلی روشنی میں ڈوبا سینیما، قطار در قطار لگی کرسیاں، انہی میں سے ایک پہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی زینیا حاکم۔ قیس مسکرایا۔ یعنی وہ چالاک

تھی۔

''تم نے میری باتیں ڈی کوڈ کر لیں، میں متاثر ہوا۔'' وہ ستائش سے کہتا ہوا آگے آیا۔

''حالانکہ یہ پہیلیاں بجھوانے کا سب سے فضول وقت تھا۔'' زینیا نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''کیا ہوتا اگر میں اس پہیلی کو سمجھ ہی نہ پاتی؟'' وہ اندر سے ڈری ہوئی تھی۔ ایک غیر مرد کے گھر میں یوں خفیہ کمرے میں بیٹھ کر اسے ڈرنا بھی چاہیے تھا۔ لیکن وہ اپنی باتوں سے دھاک بٹھانا چاہتی تھی۔

''تم ایک پوٹر ہیڈ ہو تم نے کہا تھا، اور اگر ایک پوٹر ہیڈ پہیلی نہ سلجھا سکے۔ تو اسے فینڈم میں رہنے کا حق نہیں۔ میں تمہارا ٹیسٹ لے رہا تھا۔'' زینیا کچھ نہیں بولی بس تنفر سے اسے دیکھتی رہی۔ قیس مسکراتے ہوئے اسکے قریب رکھی کرسی پہ آکر بیٹھا۔

''مجھے اپنے جیسے ذہین لوگ پسند ہیں۔'' ستائش سے کہا گیا۔

''میں اپنے ''**جیسی**'' ہوں۔'' جتاتا لہجہ۔

''خود پرست لوگ تو اور زیادہ پسند ہیں۔'' ڈھیٹ پن۔

''میں خود پرست نہیں خود شناس ہوں۔'' ضدی آواز۔

''حاضر جواب لوگ بہت زیادہ پسند ہیں۔'' ہار نہ ماننے کی جستجو۔

''وقت ذرا مختلف ہوتا تو میری حاضر جوابی تمھیں بدتمیزی لگ رہی ہوتی۔'' بلا کی بے پرواہی۔

"یعنی تم قبول کر رہی ہو تم بدتمیز ہو، اپنے negative traits کا ذکر خود کرنے والے لوگ بھی پسند ہیں۔" لاجواب کرنے کی صلاحیت۔

"کیا کسی نے تمھیں بتایا ہے کہ تم بحث کرتے ہوئے کتنے برے لگتے ہو۔"

قیس مسکرایا، پھر اسکے قریب آکر سرگوشی کی۔ "مجھے میرے منہ پہ برا کہنے والے لوگ حد سے زیادہ پسند ہیں۔" یہ تھی شہ مات۔

زینیا نے گہری سانس لی۔ اور چہرہ موڑ لیا۔ قیس اسکے قریب رکھی ایک کرسی پر سے اٹھا اور دوسری کرسی کھینچ کر اسکے سامنے آکر بیٹھا چہرہ ہتھیلی پہ گرا دیا صاف ظاہر تھا وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"دو دن پہلے تم میری کتاب چرا رہی تھیں، آج تم ڈر گز کے ایک بیگ کے ساتھ میرے گھر میں پناہ گزین ہو۔ اور پھر تم کہتی ہو تم میرا پیچھا نہیں کر رہیں۔ اور پھر تم کہتی ہو تم صرف ایک فوٹو گرافر ہو۔"

"دو دن پہلے تم پارک میں پستول سمیت آتے ہو، آج تمھارے گھر میں خفیہ دروازے نکل آتے ہیں۔ اور پھر تم کہتے ہو تم ایک اچھے انسان ہو؟ تم ایک عام آدمی ہو۔" حساب بے باک ہوا۔

"یہ باتیں منہ پہ مارنے کا ہنر کہاں سے سیکھا ہے؟" قیس کو تجسس ہوا۔

زینیا مسکرا کر آگے کو ہوئی، "اپنی پچھلی بات کا جواب گول کر گئے تم، یہ باتیں گھما دینے کا فن کہاں سے سیکھا؟"

اب کے قیس گردن پیچھے پھینک کر زور سے ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کوئی سائیکوپیتھ نہیں، بلکہ معصوم لگتا تھا۔ زینیا بے زاری سے اسے دیکھے گئی۔ یکدم وہ سیدھا ہوا۔ کچھ کہنے کو لب وا کئے لیکن اسی لمحے اسکی نظر زینیا کی ناک میں پہنی لونگ پہ گئی۔ وہ چونکا تھا۔ اس سارے میں یہ پہلی چیز تھی جو اسے بری لگی۔ جانے کیوں۔

''تم شادی شدہ ہو؟'' اسکی آنکھوں میں حیرت تھی۔

زینیا حیران ہوئی۔ ''ہاں لیکن تمھیں کیسے پتہ؟''

''تمہاری ناک میں پہنا زیور ساری کہانی سنا رہا ہے۔''

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آج کل ایسی لونگ فیشن میں ان ہے۔''

''اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تمھارے لہجے سے علاقائی عنصر صاف نمایاں ہے۔ اور علاقائی لوگ ایسے فیشن کو فحاشی سمجھتے ہیں۔'' جتایا گیا۔ البتہ اسکا لہجہ بے اختیار محتاط ہوا تھا۔

''اب تم چاہتے ہوگے میں تمہاری ذہانت سے مرعوب ہو کر تمھارے مداحوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں؟'' وہ تندہی سے بولی

۔

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے مداحوں کی فہرست میں معتبر اور معزز لوگ شامل ہوتے ہیں۔ چور اور اسمگلرز نہیں۔'' زینیا نے تکان زدہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟''

"دو چیزیں! پہلی میں تم سے بڑا ہوں مجھے آپ کہو۔ دوسرا سچ۔" قیس نے انگلیوں پہ گنوایا۔

"پہلے کی توقع چھوڑ دو، دوسرا کیا سچ تمھارے سامنے نہیں ہے؟" قیس کی نگاہوں میں سردپن اتر آیا۔ "تم کہانی گڑھ رہی ہو، اور کہانی کاروں سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں ہوتا۔ مجھے وہ حقیقت جاننی ہے جو تم چھپا رہی ہو۔"

"کہانی کار کبھی جھوٹ نہیں بولتے، وہ بس حالات کو اپنی مرضی کا رنگ دے دیتے ہیں۔" زینیا نے تصحیح کی تھی۔

"میں اس وقت کہانی کاروں کی تعظیم میں قصیدے لکھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"کہانی سننی ہے تو کہانی کار کی عزت کرنا سیکھو۔ ورنہ کسی کہانی کار نے تمھیں اپنی کہانی میں ڈال کر بہت بری موت دینی ہے۔" قیس نے ضبط سے گہری سانس لی۔

"کہانی شروع کریں۔۔۔ محترمہ۔" آخر میں ایک لفظ کا اضافہ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ رات زینیا کے اسلام میں قیام کی سب سے لمبی رات تھی۔ ہوم سینیما کی نیلی روشنی معدوم ہو چکی تھی۔ اب لان کی اجلی سفید بتیاں تھیں، لکڑی کے کام والی کرسیاں اور میز پہ رکھا فرسٹ ایڈ کا باکس، ساتھ ایک ملازمہ کھڑی تھی۔ جو زینیا کے چہرے کا زخم صاف کر رہی تھی۔ قیس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ گہری جانچتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا۔

"یعنی تم کہہ رہی ہو کہ اس رات پارک والا واقعہ اتفاق تھا۔ اور اسکے بعد آج میرے گھر داخل ہونا بھی ایک اتفاق ہے۔ یہ سارے اتفاق آخر تمھارے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں؟" وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی رکھے معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ زینیا نے پاس کھڑی ملازمہ

سے روئی کا گولہ لے لیا، قیس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے ''جاؤ'' کہا۔اوراب وہ دونوں ایک بار پھر روبرو تھے۔ محل میں چل رہی تفشیش، قیسم کی ایک اہم میٹنگ بھاڑ میں گئی یہ لڑکی زیادہ دلچسپ مسئلہ تھی۔

''میں نے ایک ایک حرف سچ کہا ہے۔میرے الفاظ سچے ہیں۔ تمھیں میرا اعتبار نہیں ہے تو مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''وہ تھکی ہوئی تھی اور کچھ کچھ بے زار بھی۔''میں اس دن بھی سچ کہہ رہی تھی اور آج بھی۔''اس کے چہرے پہ واضح درد کے آثار تھے۔

''یہ منشیات کا بیگ تمھارے پاس کیا کر رہا ہے؟''اس نے سوال بدلا۔

''میں نے نین کو کال پہ بات کرتے ہوئے سنا تھا۔وہ اس بیگ کو کسی یونیورسٹی اور کالج کے ٹرپ میں بھیجنے والی تھی۔ میں اسے ہزاروں بچوں کی زندگی تباہ کرنے نہیں دے سکتی تھی۔''

''ماشاءاللہ یعنی خدمت خلق کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔''

''یہ خدمت خلق نہیں ہے۔میں اگر اسے بیگ لے جانے دیتی تو خود کبھی سکون سے نہ رہ سکتی۔وہ یہی ڈرگز اکیڈمی اور یونیورسٹی کے بچوں کو دینے والی تھی۔اور میں اکیڈمی،یونیورسٹی دونوں جاتی ہوں۔''وہ بولتے ہوئے روئی کا گولہ رخسار پہ مل رہی تھی۔تکلیف سی تکلیف تھی۔

قیس سنجیدگی سے آگے کو ہوا۔''درد ہو رہا ہے؟''

زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔''مشکوک کام کرو گی پھر یہ تو ہو گا۔''یہ اسکی ہمدردی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا، کہاں سے ہو اور کرتی کیا ہو؟'' سینے پہ ہاتھ باندھ کر پوچھا گیا۔

''زینیا حاکم۔ اور میں سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہوں۔'' وہ یہاں اس شخص کے آسرے پہ تھی۔ بتاتی نہ تو کیا کرتی۔ جبکہ قیس اس نام پہ تھم گیا تھا۔ آس پاس ہوا بھی ساکن ہو گئی۔

''تم زینیا حاکم ہو؟''

''کیا تمھیں اونچا سنائی دیتا ہے؟'' وہ کوفت سے بولی۔ قیس اب بھی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ حلق میں دم توڑ گئے تھے۔ کیا یہ وہی عورت ہے؟ ایک لمحے کو اسکے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

''تم کہاں سے ہو؟'' وہ بہ دقت کہہ پایا۔ زینیا نے ایک لمحے کے لئے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''یونیورسٹی آف بلوچستان۔'' صاف نرا جھوٹ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا گیا۔

''تمھارے ابا کیا کرتے ہیں؟''

''اینٹوں کے بھٹے پہ مزدوری کرنے والوں کے جمعدار (یونین لیڈر) ہیں۔''

''گھر میں اور کتنے لوگ ہیں؟'' وہ نامحسوس انداز میں چہرے پہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''چار بہنیں اور ایک بھائی۔ دادا، دادی، اور ایک چچا۔'' وہ بغیر رکے بغیر جھجھکے جھوٹ پہ جھوٹ گڑھ رہی تھی۔ وہ کم از کم ایک انجان آدمی کو اپنی شناخت نہیں بتا سکتی تھی۔ بتا دیتی اگر وہ شخص مہدی کمبیر جیسا ہوتا۔ کرسٹل کلئیر۔ یہ شخص اس سے ابھرتی

شعائیں مشکوک تھیں۔ قیس کو گویا اب بھی یقین نہ آیا، وہ یقین کر بھی کیسے لیتا "**زینیا**" ایک عام نام تھا لیکن وہی سر نیم او نہوں اتفاق ہر دفع نہیں ہوتے۔

"تم یہیں بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ غائب دماغی سے کہتے ہوئے اٹھا اور اندر چلا گیا، کچھ وقت بعد وہ اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں وہی موبائل فون تھا اسکا راز دار۔ وہ جس پہ کئی وائس فلٹرز لگے تھے، لیکن اس بار وہ بغیر فلٹر کے کال ملا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بالکنی میں سے نظر آتی زینیا کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ روئی کو دوا میں ڈبو کر اپنے زخم صاف کر رہی تھی۔ چہرے پہ رندھا ہوا سا تاثر تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ آنکھیں بار بار نمکین پانی سے بھر رہی تھیں۔ کئی بار اس نے لبوں کو سختی سے میچ کر خود کو کراہنے سے روکا تھا۔

یہاں سے دور پہاڑوں کے شہر میں آؤ تو حاکم نواب کے گھر کی بیٹھک میں رکھا ٹیلی فون چنگھاڑتے ہوئے اپنی آواز آدھے گھر کو سنا رہا تھا۔ بشر کی شادی کی دعوت کے سلسلے میں ابا، دادی، بشرا اور عروج گھر پہ نہیں تھے۔ امینہ بیگم داڑھ کے درد کی وجہ سے رک گئیں تھیں۔ کونج انکے ساتھ رکی تھی۔ فون بجا تو امینہ بیگم نے اٹھایا، دوسری جانب سے عبداللہ کی آواز سن کر انہوں نے فون تیزی سے واپس رکھا تھا۔ کئی لمحے وہ ساکن رہیں۔ اس وقت اس بجتے ہوئے فون کے سامنے وہ دونوں بت بنی کھڑی تھیں۔

"فون اٹھاؤ کونج یہ، عبداللہ ہے۔" امینہ بیگم نے حکم دیا۔ کونج نے سہم کر انکو دیکھا تھا۔ چہرے پہ دہشت تھی۔

"خدا کا خوف کریں اماں میں کیا کہوں گی اس سے ؟اور عبداللہ مجھے ایک منٹ میں پہچان لے گا۔" وہ ہول کر پیچھے ہوئی۔ اماں اب بے چینی سے چکر کاٹنے لگی تھیں۔ فون مسلسل بج ہی رہا تھا۔

''اماں آپ کیوں پریڈ کر رہی ہیں بشر آجائے گا تو بات کر لے گا۔ بتائیں اس عبداللہ کو کہ اب شادی ہو گئی ہے زینی کی۔ جان چھوڑ دے وہ ہماری۔'' کونج کے نزدیک یہی سب سے بہتر حل تھا۔

''عبداللہ کو جس دن پتہ لگ گیا کہ زینی کی شادی ہو گئی ہے۔ اس دن دو لاشیں ضرور اٹھیں گی۔ ایک زینی کی دوسری اسکے شوہر کی۔ خدا کے لئے کونج جب تک سچ چھپا رہ سکتا ہے چھپا لو خدا کے لئے عبداللہ سے زینی بن کر بات کر لو۔''

انہوں نے باقاعدہ ہاتھ باندھ لئے تھے۔ کونج کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہوئی۔ شاکی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر اس بجتے فون کو ۔ وہ نیم رضامند تھی۔ خوف زدہ اور پریشان بھی۔ اسکار واں رواں کانپ رہا تھا۔

بالکنی میں کھڑے قیس کے لئے لائن دوبارہ مل گئی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا، زینیا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر رکھی تھی۔ اور آنکھیں موندی ہوئی۔ یعنی یہ وہ عورت نہیں تھی؟

''ہیلو۔۔۔ میں عبداللہ بات کر رہا ہوں۔'' بھاری گمبھیر آواز پہ کونج کے ہاتھوں سے فون گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ مر کر بھی زینیا نہیں بن سکتی تھی۔ ''ہیلو۔۔۔۔ کیا تمھیں میری آواز آرہی ہے؟''

''وہی آواز جسے اب میں سننا نہیں چاہتی۔'' قیس ٹھہر گیا۔ لان میں موجود لڑکی یہ کوئی اور تھی اسے یقین آنے لگا۔ کیا یہ وہی آواز تھی؟ خلش وہیں رہی۔

''تم چاہو یا نہ چاہو آواز تو تمھیں اب یہی سننی پڑے گی۔'' قیس کی سنجیدہ آواز دوسری طرف ابھری کونج نے شکوہ کناں نظروں سے اپنی اماں کو دیکھا۔ یہ کس کے ساتھ پھنسا دیا تھا؟

''میں اپنی مرضی کے خلاف نہیں جاتی عبداللہ۔۔۔میرے حوالے سے خوش فہمیاں نہ پالا کرو۔'' وہ بلکل اسی طرح جواب دے رہی تھی جیسے پہلی بار۔ قیس کے دل میں طمانیت سی اترنے لگی۔

''تمھارے حوالے سے بہت امیدیں ہیں مجھے بس انکا خیال رکھنا۔'' اسکی آواز ہی ایسی تھی کہ کونج کی ہتھیلیاں پسینے بھرنے لگیں۔ لیکن اداکارہ وہ بھی ٹاپ کی تھی۔

''جو دو گے وہی واپس آئے گا۔ تم نے امیدیں توڑ دی تھیں، عبداللہ۔'' رنج، ملال، کرب ان سب کو ملاؤ پھر یہ زینیا حاکم کی بہن کا لہجہ تھا۔

''تمھارے گلے سننے کے لئے کوئی اور دن طے کریں گے۔ فلحال وقت نہیں۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ دل میں سکون سا بھر گیا تھا۔ اسکی منگیتر اب بھی وہیں تھی جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔ نام مل جانے کے مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان مختلف نہیں ہو سکتے۔ وہ اب نیچے چلا آیا۔ رات گہری ہونے لگی تھی اب اس لڑکی کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔

واپس آکر زینیا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔ ''تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟'' بس ایک آخری پھانس دل سے نکل جائے۔

''تین سال ہو گئے۔''

''تمہارا شوہر کہاں ہے۔ اور تمہاری باقی فیملی؟ یعنی سسرال؟''

''سسرال والے ساتھ نہیں رہتے۔ میرے یہاں اولاد نہیں ہوئی، میرے شوہر کو دوسری شادی کا کہا گیا تو وہ نہیں مانا اسی لئے گھر سے نکال دیا۔ مجھے یہاں چھوڑا ہے اور شوہر سعودی عرب میں ہوتا ہے۔''اس آخری سطر کے علاوہ اس نے سب جھوٹ کہا تھا۔

قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آؤ تمھیں چھوڑ آؤں۔'' زینیا جانتی تھی وہ اسے چھوڑنے نہیں بلکہ کسی طرح سے اسکی کہی باتوں کی تصدیق کرنے جا رہا تھا۔ وہ اسکے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک ہی پل میں اسکا ذہن پلان بنا چکا تھا۔ آج کے بعد وہ کونسا اس سے ملنے والی تھی، اسے اپنی سچائی وہ کیوں بتائے؟

''کیا میں باتھ روم استعمال کر سکتی ہوں؟ مجھے چہرہ صاف کرنا ہے۔''شائستگی سے اجازت چاہی۔ قیس نے بغور اسے دیکھتے ہوئے۔ ''شیور یہ لے جائے گی۔'' کہا۔ اور پاس کھڑی باادب ملازمہ کو اشارہ کیا۔ زینیا اسکے ساتھ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹی تو چہرے سے پانی کے شفاف قطرے ٹپک رہے تھے۔ آستین گیلی ہو گئی تھیں۔ پلکوں پہ اب بھی پانی ٹھہرا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اتنی کہ اسے دیکھ کر دیکھتے رہنے کو جی چاہے۔ لیکن قیس اسے اس خوبصورتی کی وجہ سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ مماثلت ڈھونڈ رہا تھا۔ کچھ تھا اسکے اندر جو اپنا اپنا لگتا تھا۔ وہ آج بلکل ویسی تھی جیسے کئی سال قبل اس شہر میں آنے والا قیس۔۔۔۔

وہ اس کا lesser version تھی۔



چند منٹ بعد وہ لمبی، اونچی نیچی ڈھلوانوں والی گلی میں ساتھ چل رہے تھے۔ قیس کچھ کچھ خاموش تھا۔ گویا اس کے دل سے پھانس اب بھی نہیں نکلی تھی۔

''کیا مجھے وہاں جانا چاہیے؟ کیا پتہ پولیس اب بھی وہیں ہو؟'' زینیا کو خدشہ لاحق ہوا۔ قیس نے چلتے چلتے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

''بات ہو گئی ہے میری افروزہ میڈم سے، پولیس جا چکی ہے۔ نین تارہ پکڑی گئی ہے اور ہاسٹل کے باہر پولیس سیکورٹی کے طور پہ تعینات ہے۔'' وہ رکا گردن موڑ کر ساتھ چلتی لڑکی کو دیکھا۔ ''گھبراؤ مت تم نے بے وقوفی ضرور کی ہے۔ لیکن تم اس میس سے نکل آؤ گی۔'' وہ دلاسا دے رہا تھا یا طعنہ؟

''یہ بے وقوفی نہیں نیکی ہے۔''

''اکیسویں صدی میں نیکی نے اپنا نام بدل لیا ہے۔ وجہ تبدیلی نیکی کے نام پہ ہونے والے تمام فراڈ۔'' زینیا خاموش رہی۔ کندھے پہ ٹنگے بیگ کو مضبوطی سے چڑھایا۔ وہ گلی کے نکڑ سے اب ہاسٹل والی گلی میں مڑ رہے تھے۔ ''میری ڈی آئی جی صاحب سے بات ہوئی ہے تمہارا نام اس سب میں نہیں آئے گا۔''

زینیا نے اسے دیکھنا چاہا لیکن وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ جانے اسکے تاثرات کیا رہے ہوں گے؟

''اپنے شوہر کو نہیں بتاؤ گی؟ آج یہاں کیا کچھ ہوا ہے۔''

''ضرورت نہیں ہے۔ شک کرے گا۔'' زینیا کی آواز ہلکی تھی۔

''اور اس بیگ کا کیا؟ تمھارا گروہ کب آئے گا اسے لینے۔''

''میرا اگر کوئی گروہ ہوتا تو میں ان سے درخواست کرتی کہ تمھیں جان سے مار دیں۔'' وہ برہم ہوئی۔

''میں تمہارا محسن ہوں۔ کیا تمھیں زیب دیتا ہے میرے لئے ایسے الفاظ کہو۔'' اسے صدمہ لگا تھا۔

''کیا تم پلیز تھوڑی دیر کے لئے چپ نہیں ہو سکتے ؟ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''میں خاموش رہوں ؟ میرے گھر میں کئی کلو ڈر گز ہے اور تم کہہ رہی ہو میں خاموش رہوں ؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے یقینی سے بولا۔

''وہی ڈر گز پھانک کر مر جاؤ۔'' وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ جب بولی تو بس اتنا۔ ''میں ایک دو دن میں وہ بیگ لے جاؤں گی اور ساری ڈر گز جلا دوں گی۔''

''تمھیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈسپوز کر دوں گا۔ یہاں نئی ہو اپنے لئے مشکلات مت بڑھاؤ۔'' وہ دھوپ چھاؤں جیسا شخص تھا۔ کبھی جھلسا دیتا تھا، اور کبھی ٹھنڈی چھاؤں دیتا تھا۔

''اول تو مجھے تمہاری بات پہ اعتبار نہیں ہے۔ دوئم تم مجھے اتنی فیور کیوں دے رہے ہو؟'' ہاسٹل کے باہر وہ دونوں رک گئے۔ سیاہ شلوار قمیض والا مرد براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''یہ شہر۔۔۔ جب میں یہاں نیا تھا اس نے مجھ سے بہت کچھ چھینا ہے۔ یہاں کے لوگ مانسٹرز ہیں۔ تم یہاں نئی ہو۔ میرا عکس دکھتا ہے تم میں۔ ایک اور چھوٹے شہر سے آنے والے انسان کو علاقائی تعصب کا شکار نہیں بننا چاہیے۔ یہ شہر تمھیں بہت کچھ سکھائے گا، زینیا حاکم۔ تجربے کم، باتوں سے زیادہ سیکھو۔ اگلی بار کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہزار دفع سوچنا ہر کوئی قیس نہیں ہوتا۔''

اچانک سے وہ اتنا نرم ہو گیا تھا کہ یقین نہیں آتا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اس لڑکی میں اسے اپنا پچھلا ورژن نظر آیا تھا۔اور جن لوگوں نے اپنی زندگی میں برے تجربے کئے ہوں، وہ اپنے جیسوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔ایسے لوگ saviour ہوتے ہیں۔

اسی پل دروازے پہ افروزہ بیگم نمودار ہوئیں۔ سخت مضطرب چہرہ،اڑی اڑی سی رنگت زینیا کو دیکھتے ہی تاثرات میں سختی اتر آئی۔ دروازے پہ کھڑے کھڑے ہی اسے سخت سست سنائیں، جھڑکا، ڈپٹا اور پھر اندر دفعان ہو جانے کا اشارہ کیا۔ قیس وہیں کھڑا رہا۔وہ اندر چلی گئی تو افروزہ بیگم کا دھیان قیس پہ جا ٹکا۔

''یہ چھوٹے علاقوں کے غریب بچے، جانتے ہو انکو ڈیل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟'' وہ قیس کو اچھے سے جانتی تھی، مہدی کے توسط ،اسکے علاوہ کئی بار پارک میں ملاقات بھی ہو چکی تھی۔

''ہم چھوٹے علاقوں سے آنے والے اپنی مرضی سے نہیں آتے۔ کئی بار بھیجا جاتا ہے اور کئی بار لایا جاتا ہے۔ ہمیں ڈیل کرنے کی بجائے اگر قبول کر لیں تو مشکل نہیں ہوتی۔'' قیس ایسے انداز میں بولا کہ افروزہ نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ یہ شخص آج مختلف لگا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ماضی بول رہا تھا۔

''تمہارا شکریہ قیس۔۔۔ تم نے اپنی دوست کی خاطر ہی سہی ہماری بہت مدد کی ہے۔ پولیس یہاں سے صرف تمہارے تعلقات کی وجہ سے گئی ہے۔'' قیس نے سینے پہ ہاتھ رکھا، گویا شکریہ قبول کیا ہو۔

''وہ لڑکی میری دوست نہیں ہے۔ میں اسے جانتا تک نہیں۔ البتہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ آئی کہاں سے ہے۔ یوں نام نہ جوڑیں، افروزہ۔''

''لو تمھیں نہیں بتایا اس نے ؟ بلوچستان سے آئی ہے۔ تمھارے صوبے سے بلوچستان یونیورسٹی سے ٹاپ کیا ہے۔ ویسے **(وہ آگے کو ہوئیں شرارت سے اسے دیکھا)** تین سال سے شادی شدہ ہے۔ تمہارا کوئی چانس نہیں ہے۔ اوپر سے شوہر ایسا شکی مزاج ہے کہ اللہ معاف کرے۔ ؟'' وہ بولنے پہ آئیں تو بولتی چلی گئیں۔

قیس مسکرایا تھا۔ ''خدا کا خوف کریں میں منگنی شدہ ہوں۔ اور کسی عورت کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس ۔'' شانے اچکائے۔ ''خیر وہ میرے صوبے سے ہے۔ بس یوں سمجھ لیں اسی لئے مدد کی ہے۔''

چند لمحے مزید وہیں کھڑا رہا۔ مختلف معملات کے بارے میں بات کرتا ہوا۔ پھر اس نے جانے کو اپنے قدم موڑے۔ اسی لمحے اسے بالکنی میں کوئی نظر آیا۔ ساتھ ساتھ ہلکی آواز بھی آتی تھی۔

''میں کسی مسئلے میں پھنس گئی تھی ورنہ کیوں نہ اٹھاتی تمہارا فون ؟ تمھیں ہو کیا گیا ہے ؟ ہاں تو اگر شوہر ہو تو سر پہ چڑھ جاؤ گے ؟'' بالکنی میں کھڑی زینیا یہاں سے وہاں چکر لگاتے برہمی سے کہہ رہی تھی۔ قیس نے چند لمحے رک کر اسے دیکھا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ ناموں کے ایک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ایک ہی ہو۔ واپس گھر کی طرف جاتے ہوئے اسکا دل ہلکا تھا۔ ہوا سے بھی ہلکا ۔

یہاں سے دبے دبے قدم لیتے ہوئے بالکنی میں آؤ تو زینیا نے قیس کے جاتے ہی وہ جعلی کال بھی ختم کر دی تھی۔ تھکے تھکے قدم لیتی اب وہ بیڈ کی طرف چلی آئی اور پھر ڈھے سی گئی۔ سارا بدن تھکن سے چور تھا۔ کمرہ بکھرا ہوا۔ اپنی بربادی کی تمام داستان سناتا ہوا۔ اسی لمحے اسکے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ شیزل سیمسن تنے ہوئے تاثرات لیے اندر آئی۔ زینیا اسے دیکھتے ہوئے چند منٹ

پیچھے چلی گئی۔ سفید بتیوں والے محل کا باتھ روم۔ زخمی چہرے والی لڑکی نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ واش بیسن کا نل کھول کر اس نے پانی کی دھار بہنے دی۔ سلسلہ مل گیا تھا۔ سامنے سے کچھ کہا گیا، لیکن بغیر کچھ سنے اس نے اپنی کہی۔

''میں ایک آدمی کے ساتھ ہاسٹل واپس آؤں گی۔ وہ میری تفصیلات پوچھنے کی کوشش کرے گا۔ یاد رکھو میں پنجگور سے ہوں، اور میری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں۔ میرا شوہر شکی مزاج ہے۔ اور میں نے بلوچستان یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا ہے'' وہ چھوٹتے ہی بولی جبکہ دوسری جانب شیزل کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

''میں تم پہ یہ احسان کیوں کروں گی؟ مس زینم۔'' آخر الفاظ چبا چبا کر ادا کئے۔

''کیونکہ میں بھی وائب پہ یقین رکھتی ہوں، اور تمہاری وائب کہتی ہے کہ ایک دن تمھیں میری ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تم مجھے فیور دو میں احسان نہیں بھولوں گی۔'' اس نے کھٹ سے کال کاٹ دی۔ حال میں کھڑی شیزل تندہی سے اسے گھور رہی تھی۔

''یہ کیا حرکت تھی زینیا؟ تم نے مجھ سے جھوٹ بلوایا۔ آنٹی کو میں نے کس طرح سے منایا ہے تم جانتی ہو؟'' زینیا نے جواب نہیں دیا۔ بس یونہی پڑی رہی۔ بے خودی اور جذباتیت میں وہ جو کر چکی تھی اسے اب یاد آ رہا تھا۔

''تم نے نین تارہ سے جھگڑا کیا۔ مجھے لڑکیوں نے بتایا ہے۔ تم گھر سے بھاگ گئیں، تم نے زینیا تم نے وہ بیگ اب بھی اپنے پاس رکھا ہوا تم۔۔۔''

''پلیز میرا دماغ نہ خراب کرو۔ جو چاہیے وہ مانگو۔'' وہ بے زاری سے بڑبڑائی۔ اب کے شیزل کے صبر کی حد ہو چکی تھی۔ وہ بپھری شیرنی کی طرح اسکے قریب آئی اور بازو سے کھینچ کر سیدھا کر کے بٹھایا۔ زینیا کا بازو بری طرح جلنے لگا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' زینیا غرائی تھی۔ شیزل سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''تمھیں لگتا ہے میں ہر دفع تمہاری مدد صرف اس لئے کرتی ہوں کیونکہ مجھے تم سے کچھ چاہیے؟'' زینیا جواب دیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

''میں شیزل سیمسن صرف اپنے لئے جیتی ہوں، اپنی مدد کرتی ہوں، اپنے ساتھ خوش رہتی ہوں۔ لیکن اگر یہی سب میں کسی اور کے لئے کرنا چاہوں تو سمجھ جاؤ میں اسے بچانا چاہ رہی ہوں۔'' سرگوشی کر کے وہ پیچھے کو ہوئی۔ اسے غصہ آ رہا تھا حد سے زیادہ غصہ۔ میز پہ رکھے جگ سے پانی کا گلاس بھر کر اس نے غٹا غٹ پی لیا، پھر زینیا نے اسے بیڈ کی پائنتی کے قریب بیٹھتے دیکھا، آنکھیں بند کرتے ہوئے وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔

ایک سانس۔ ''کالم ڈاؤن شیزل۔''

دوسری سانس۔ ''تمھیں تمھارے اعصاب پہ قابو ہے۔''

تیسری سانس۔ ''تمھارے جذبات تم پہ حاوی نہیں ہو سکتے انکی اتنی جرات؟''

چوتھی سانس پہ اس نے آنکھیں پٹ سے کھول دیں۔ اب وہ پر سکون تھی۔ چہرہ شانت، آنکھیں شانت۔ زینیا بے تاثر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے ہم سے جھوٹ بلوایا زینیا۔ مجھے جاننے کا حق ہے۔ کیوں؟''

"مجھے نہیں پتہ۔ بس مجھے وہ شخص غیر آرام دہ کر رہا تھا۔ وہ کچھ مشکوک تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا شاید شناسائی کی کوئی رمق۔ مجھے اس سے پیچھا چھڑانا تھا۔ اور مجھے جو بہتر لگا وہ کر دیا۔ میں نے یہی بات آج یونیورسٹی میں بھی کئی لڑکوں سے کہی ہے۔ میرا چہرہ میرے لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔" اس نے تفصیلی جوب دیا۔ اور سچا جواب۔

"اور اب آنٹی کو کیا کہو گی؟"

"آنٹی سے صبح بات ہو گی، صبح ہونے میں چھ گھنٹے ہیں تب تک میں چھ ہزار جھوٹ تیار کر سکتی ہوں۔" وہ واپس لیٹ گئی تھی۔

شیزل کئی لمحات تک یونہی اسے دیکھتی رہی پھر جب بولی تو اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو زینیا؟" آواز میں ہلکا سا خوف تھا۔

"میرے بھائی نے کہا تھا یہ بڑا شہر ہے یہاں بڑے جانور ہیں۔ میں ان جانوروں سے لڑنے کے لئے اپنے ناخن تیز کر رہی ہوں۔ کوئی مجھے کھا جائے اس سے پہلے مجھے انکو نوچنا آنا چاہیے۔"

"ہم صبح بات کریں گے۔" شیزل کہتے ہوئے اٹھی اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ پٹ وا کئے، اسٹرابیری ملک کے کاٹن، کالڈ کافی ہاتھوں میں لی اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

"کوئی کچھ دیر قبل کہہ رہا تھا کہ اسے چیزوں سے غرض نہیں۔" زینیا نے طنز کیا۔

"چیزیں ہوتیں تو واقعی غرض نہ ہوتی اسٹرابیری ملک اور کافی تو سانس ہیں۔" وہ ہاتھ بھرے ہوئے نکل گئی۔ زینیا نے گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اسے سکون کی نیند چاہیے تھی۔اس سارے وقت میں کم از کم نیند پہ اسکا حق تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح

اگلے دن صبح بوجھل سی تھی۔زینیا حاکم صبح سویرے یونیورسٹی کے لئے نکل گئی تھی۔آنٹی نہ جانے کن کن لوگوں سے مل رہی تھیں۔انہیں جلد از جلد اس سارے میس سے نکلنا تھا۔خوف وہراس تھا کہ کیا کئی لڑکیاں منہ اندھیرے اپنے گھروں کو لوٹ گئیں۔یونیورسٹی کی بھیڑ آج معمول سے ہٹ کر تھی۔وہ سٹوڈنٹس جو سالہا سال شکل تک نہیں دکھاتے آج وہ بھی کتابیں سینے سے لگائے مٹر گشتی کرتے نظر آ رہے تھے۔سیمینار ہال کی جانب آؤ تو کھچا کھچ بھر ہوا تھا۔اور پھر یونہی چلتے پھرتے زینیا کے کانوں میں خبر پڑی کہ آج مہدی کمبیر تقریر کرنے والے ہیں۔لوگ اسکے الفاظ سننے کے لئے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔آج زینیا کی کلاس صبح کی تھی ۔وہ جس وقت پہلی کلاس لے کر باہر نکلی اسی وقت مہدی کمبیر چند لوگوں کے جھرمٹ میں اسے اپنے قریب آتا دکھائی دیا۔اس نے سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر ڈینم جیکٹ پہن رکھا تھا۔کارگو پینٹس کے ساتھ سفید اسنیکرز اور بال اچھے سے سیٹ کئے وہ معمولی چہرے والا مرد آج واقعتاً اچھا لگ رہا تھا۔وہ چار لوگوں کے درمیان اسکے قریب نہیں رک سکتا تھا۔سو موبائل نکال لیا، کھٹا کھٹ میسج ٹائپ کیا اور خود سے ذرا فاصلے پہ کھڑی لڑکی کے نمبر پہ روانہ کر دیا۔

"آج یقیناً تم میری تقریر سننے آئی ہو۔" زینیا نے میسج پڑھا لیکن جواب نہیں لکھا، وہ اسی طرح لوگوں کے جھرمٹ میں گھرا اسکے ساتھ سے گزر گیا۔اسی پل اسکی نظر زینیا کے چہرے کے زخم پہ پڑی۔اسکی آنکھیں تفکر سے سکڑیں لیکن وہ پھر بھی اسکے پاس نہیں

رکا۔ آج وہ موضوع محفل تھا، یعنی وہ جس کے ساتھ رکتا وہ بھی موضوع بنتا۔ کئی پل بعد آڈیٹوریم میں عقبی نشستوں میں سے ایک پہ بیٹھی زینیا حاکم۔ پروگرام کی ابتدا کسی نئے اسپیکر سے کروائی گئی تھی۔ مہدی اسٹیج کے سامنے والی کرسیوں پہ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک دو بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ پھر کچھ پل بعد زینیا نے اپنے موبائل کی سکرین جلتی بجھتی دیکھی۔ مہدی ایک نئے نمبر سے میسج کر رہا تھا وہ پیچھے جا کر بیٹھ سکتا تھا لیکن۔ ایک حد تھی جسے وہ قائم رکھے ہوئے تھا۔

''تمھارے چہرے پہ کیا ہوا ہے؟'' سکرین پہ لکھے الفاظ متفکر تھے۔

''حادثہ ہو گیا تھا۔ کیا آپ نہیں جانتے؟'' پیغام کی ٹون بجی تو مہدی نے فوراً موبائل دیکھا۔

''میں کل مری میں تھا آج صبح واپس آیا ہوں، کیا ہوا تھا؟ اب کیسی ہو؟''

''میں اتنی حساس نہیں ہوں جتنی آپ بنا رہے ہیں۔ خود کو دیکھیں بازو پہ پٹی بندھی ہے، گولی لگی ہے اور زخم ہرے ہیں ڈر نہیں لگتا اس ہجوم سے۔'' مہدی مسکرایا۔ آس پاس کے لوگوں اور شور کو چھوڑ کر وہ سر جھکائے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

''مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔'' یک سطری پیغام۔ زینیا ابھی کچھ لکھتی کہ رک گئی۔ اسٹیج پہ مہدی کے نام کی پکار ہوئی تھی۔ وہ اپنے ازلی اعتماد اور آنکھوں میں چمک کے ساتھ اسٹیج کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے یہی تو اسکا پسندیدہ کام ہو۔ جیسے وہ لوگوں کے لئے ہی بنا ہو۔

اسٹیج پہ کھڑے ہو کر اس نے مسکرا کر لوگوں کو دیکھا۔ اسکے اعزاز میں تالیاں پیٹی گئیں، زور زور سے اسکا نام چلایا گیا، کئی لوگ اسے عقیدت اور محبت سے دیکھ رہے تھے۔ زینیا کو اندازہ ہوا کہ وہ کافی مشہور تھا۔

''آج ہم بات کریں گے باؤنڈریز یعنی حدود پہ، حدود کیا ہوتی ہیں ہر رشتے میں کس حد تک ضروری ہوتی ہیں اور انکے فائدے کیا ہوتے ہیں۔ تو آپ سب مجھے سننے کو تیار ہیں؟'' سنجیدگی سے پوچھا، جوش، اشتیاق، والہانہ پن سب گڈ مڈ ہونے لگے۔

''سب سے پہلے میں آپ کو بتادوں کہ حدود کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ وہ اسٹیج پہ یہاں سے وہاں چلتے لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔''

''حدود کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو کسی انسان کی کوئی بات بری لگے، اسکی کسی عادت سے آپ بے زار ہوں، یا پھر اپنے بارے میں کی جانے والی کوئی بات پسند نہ ہو تو اس انسان کو روکا کیسے جائے؟ ہم سب سنتے ہیں کہ باؤنڈری بناؤ باؤنڈری بناؤ لیکن آخر یہ باؤنڈری ہے کیا چیز؟'' اس نے چہروں پہ ناسمجھی سجائے لوگوں کو دیکھا۔

(ہاسٹل کے کمرے میں بیٹھی زینیا حاکم کے لیپ ٹاپ کی سکرین پہ کونج کا بجھا بجھا سا چہرہ تھا۔ زینیا برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے فریحہ اور فرحین سے دوستی کرلی؟ اور ان دونوں نے تمہاری تصاویر گروپ میں بھیج دیں۔ اب مجھے بتاؤ اسلام آباد سے جوتوں کا ہار بھیجوں یا پھر یہاں بیٹھ کر میں اپنا سر پھاڑ دوں۔ تمھیں آخر ضرورت کیا تھی ان دونوں سے دوبارہ دوستی کرنے کی؟''

''یار زینی دوستی کرنا گناہ تو نہیں اور میں نے انکو معاف کر دیا۔۔۔ بات ختم ہو گئی اب بس بھی کر دو۔'' کونج نے بات ہوا میں اڑانی چاہی لیکن شاید زینیا ایسا نہیں چاہتی تھی۔ ''اچھا ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم بتاؤ میں کیا کرتی؟ معاف نہ کرتی اسے ہمارے نبی نے کیا سکھایا ہے؟ معافی در گزر کیا انکا پیغام چھوڑ دیں؟''

''میں دین کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی لیکن میں معافی اور حدود کا فرق جانتی ہوں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ معاف مت کرو میں نے یہ کہا ہے کہ معافی کے بعد پہلے والی جگہ نہ دو۔ یہ حدود ہوتی ہیں کونج ایک دفع ہرٹ کرنے والا بار بار کرے گا۔اس لئے ایک لکیر کھینچ کر اسے بتاؤ کہ اس کے پار آنا برا ہو گا۔''

''خدا کا واسطہ ہے زینی، میں کونج حاکم ہوں۔ میرے لئے کچھ بھی اتنا آسان نہیں جتنا تمھیں لگتا ہے۔'')

''حدود کیا ہوتی ہیں؟ کیا ایک لکیر؟ ایک جھگڑا؟ تیز ترش لہجے میں سمجھائی گئی ایک بات؟ اونہوں۔ حدود نرمی سے طے کی جاتی ہیں ۔آپ کو نہیں پسند آپ کے دوست آپ کے خاندان یا آپ کے کسی عزیز کے بارے میں غلط بات کہیں تو انہیں آرام اور تحمل سے بتائیں کہ آج کے بعد یہ بات نہ کی جائے، ورنہ وہ آپ کو کھو دیں گے۔ آپ کو نہیں پسند کوئی آپ کے قد، عمر، رنگت، بال یا پھر کسی انسکیورٹی کے بارے میں بات کریں، مذاق اڑائیں تو انہیں روکیں آج بھی دیر نہیں ہوئی۔ اپنے لئے ایک حد قائم کرنے میں کبھی دیر نہیں ہوتی۔''

(''اوہ۔۔۔یعنی بھابھی اپنا سارا کام تم سے کرواتی ہے۔ کیوں کیا تم اسکی نوکر لگی ہو؟ گھر اسکا ہے ناں، بشر شوہر اسکا ہے کام خود کیوں نہیں کرتی؟'' کونج ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے آہستہ بات کرنے کو کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ زینیا ہی کیا جو کسی کی سن لے۔

"آئندہ سے تم اسکے حصے کے کام نہیں کرو گی۔اسے میکے جانا ہے تو اپنا حصہ دے پھر جائے۔" زینیا کا لہجہ حتمی تھا۔ "اگر میں نے دوبارہ سنا کہ اس نے اپنے کام بھی تمھارے سر تھوپ دیئے ہیں تو خدا کی قسم مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

کونج کے چہرے پہ رندھا ہوا تاثر تھا۔ "وہ مجھ سے کام نہیں کرواتی۔ وہ بیچاری تو بس بیمار رہتی ہے اور اسی وجہ سے میں خود اسے آفر کر دیتی ہوں۔ تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی ہو؟"

زینیا نے سکرین کے پار اپنی بہن کو دیکھا۔ "عروج وہی لڑکی ہے جو اپنی ماں کے گھر میں سارے کام خود کرتی تھی۔ وہ بیمار نہیں ہے کونج مبارک ہو تمھیں استعمال کرنے والے لوگوں میں ایک اور اضافہ اور لعنت ہو کہ تم اب تک سمجھ نہیں سکیں۔" اسکا لہجہ سخت تھا۔ کونج آنکھوں میں نمی لئے چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر کھٹ سے سکرین گرا دی۔

زینیا کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔)

"ہم باؤنڈریز نہ بنا کر لوگوں کو اپنا فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔ جیسے کہ اب ایک لڑکی کی نئی نئی شادی ہوتی ہے تب وہ اپنی دیورانی، نند اور ساس کے کام بھی کبھی کبھار خود کرنے لگ جاتی ہے۔ اسکا یہ عمل اسکے سسرال والوں کی امیدیں بڑھا دیتا ہے۔ چند دن بعد وہ ان کاموں سے تھک جاتی ہے اور پھر اسکے سسرال والوں کو لگتا ہے کہ وہ بدل گئی ہے۔ یوں گھر کا ماحول خراب ہونا شروع ہوتا ہے۔ اسی لئے باؤنڈریز پہلے دن سے بنا لینی چاہیں۔ جب آپ کسی تعلق میں نئے نئے جاتے ہیں تو اگلے انسان کی ہر بات مانتے چلے جاتے ہیں۔ وہ آپ کو کہے گا فلاں کے گھر نہیں جانا آپ اسے پوزیسیونس سمجھ کہ مان لیں گی، کچھ عرصہ بعد یہی سب پابندی لگے گا۔ اور

تعلق میں دراڑ پڑنا شروع۔ اپنی حدود آپ کو ہمیشہ معلوم ہوتی ہیں آپ جانتے ہیں آپ نے کیا کرنا ہے، کیا چیز آپ کو تھکا رہی ہے اور کیا ہے جس کے ساتھ آپ آرام دہ رہ سکیں گے۔"

(کال بند کر کے وہ جونہی مڑی شیزل اسکے سامنے ہی کھڑی تھی۔ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی۔ ہاتھ میں کالڈ کافی کا کپ، بال آج بریڈ میں بندھے تھے۔ "اس طرح ڈیل کرو گی تو بچی باؤنڈری نہیں بنائے گی۔ بلکہ باغی بنے گی۔"

"تو پھر کیا کروں رہنمائی فرمائیں۔ اسے باؤنڈری بنانا سکھا رہی ہوں۔ آج سیکھ لے گی تو کل کام آئے گا۔"

"اسکے پہلے تمھیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھے لک مت دو۔ تمھیں باؤنڈری پتہ ہونی چاہیے کہ ایک سترہ سالہ لڑکی کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔ آج اگر اسے بتا رہی ہو کہ اس نے فلاں غلطی سے کتنا نقصان اٹھایا تو کل اسے یہ بتاؤ کہ فلاں قدم سے کتنا فائدہ اٹھایا۔ ڈانٹتی رہو گی تو ڈھیٹ بن جائے گی۔ بلیم کرو گی تو عادی ہو جائے گی۔ لیکن اگر واقعی سمجھاؤ سمجھاؤ گی تو سمجھ جائے گی۔"

"وہ میری بہن ہے میں جانتی ہوں اسکے لئے کیا غلط ہے کیا سہی۔ تم تو سیدھا چاہتی ہو کہ میں اسے کنویں میں دھکا دے دوں۔"

"بلکل میں یہی چاہتی ہوں۔"

"وہ میری بہن ہے میری اولاد جیسی۔ میں اسے گرنے دوں؟" طنز تھا یہ۔ یا شاید بے یقینی۔

"بلکل۔۔۔ اسے گرنے دو تاکہ اسے پتہ چلے اٹھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اسے کنویں میں چھلانگ لگانے دو تاکہ اسے پتہ چلے رسی کے زریعے اوپر آنے سے ہاتھوں میں کیسے زخم پڑتے ہیں۔"

"تم نے اسے خوف زدہ کیا ہوا ہے۔ مضبوط بننا اسکے لئے بلا بننے جیسا ہے۔ اور وہ خود کو پری سمجھتی ہے۔"

''مجھے پریوں سے نفرت ہے کیونکہ وہ غیر حقیقی، بے یقینی، اور ضرورت سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔''

ظاہر ہے اب ایک چڑیل تو یہی کہے گی۔ لبوں میں دبا اسٹرا، آنکھوں میں بے پرواہی اور شیزل سیمسن یہ جاوہ جا۔)

''باؤنڈری بنانے کا کوئی الگ سے وقت نہیں آتا۔ اگر آپ کو لگتا ہے شروعاتی وقتوں میں آپ حدود نہیں بنا سکے تو اب بنائیں۔ کچھ کام ابھی اور اسی وقت کئے جاتے ہیں۔ یہ باؤنڈریز سب سے پہلے تو سامنے والے کو حیرت زدہ کریں گی، پھر مشتعل اور اسکے بعد دو چیزیں ہوں گی۔ اگر سامنے والے کو آپ کی پرواہ ہو گی اور وہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہو گا تو اپنا رویہ بدل دے گا ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ برا پیش آنے لگے گا۔

لیکن کیا ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنے ساتھ موجود انسان کی حقیقت جان لیں۔۔۔ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہمارے لئے اسکے جذبات کیا ہیں، تعلق میں ہماری اہمیت کیا ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی آپ کی جان بخشی نہیں کرے گی۔ آنکھیں کھول کر سامنے دیکھیں، پھر اگر جان گئی بھی تو کیا پرواہ۔ کم از کم آپ نے کوشش تو کی۔۔۔''

(شیزل کے جانے کے بعد وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ جب تک وہ اپنی بہن کے ساتھ تھی۔ تب تک سب اچھا تھا۔ کم از کم اسکے سامنے تھا۔ اس وقت اسے واقعتاً اپنی چھوٹی بہن کی فکر ہوئی۔ فون کی آہٹ پہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بالاج کی واٹس ایپ کال آ رہی تھی۔ جلتی آنکھیں موندتے ہوئے خود کو بیڈ پہ گرا دیا۔ اور موبائل کان سے لگایا۔

''کیسی ہو؟ کیا کر رہی ہو؟'' دلکش لہجہ اسکی سماعتوں سے ٹکرایا، زینیا نے سکون محسوس کیا۔ کوئی تو ہو جو تپتی دھوپ میں سائبان بنے

۔

''میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ کام کیسا جا رہا ہے؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ اور تمھیں میرے سے زیادہ کام کی فکر نہیں ہے؟ کل رات بھی یہی پوچھا تھا اور اب بھی تمھیں کیا لگتا ہے میں یہاں فارغ بیٹھا ہوں؟'' وہ چڑھ ہی دوڑا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بالاج۔ بالاج بڑھائیں مت۔ آپ اپنی ورک پلیس کا غصہ مجھ پہ مت اتارا کریں۔'' حد قائم کی گئی ،چاہے کچھ دیر سے ہی سہی۔

چند لمحے وہ مذید بولتا رہا اور زینیا جواب دیتی رہی۔ کچھ وقت بعد وہ نرم پڑ چکا تھا۔ جب زینیا نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔ ''میں کل ایک پرائیویٹ ایجنسی میں انٹرویو دینے جا رہی ہوں، صرف شادیوں میں فوٹو گرافی کرنی ہو گی اور بس۔ میں آپ کو ڈیٹیلز بھیجتی ہوں۔''

''پڑھنے گئی ہو بس پڑھائی پہ دھیان دو ناں، ضرورت کیا ہے اس فوٹو گرافی کی؟ خوامخواہ مردوں کے بیچ اٹھنا بیٹھنا۔'' وہ واضح طور پہ غیر آرام دہ ہوا تھا۔

''آپ کو اگر شادی کرنی تھی تو خاندان میں دس اور لڑکیاں تھیں، جنکو کیریئر نہیں گھر بنانا تھا۔ ان کو کیوں نہیں منتخب کیا؟'' لہجہ دھیما تھا مگر مضبوط۔ ''میں ہر روز ایک ہی بات آپ کو بار بار نہیں سمجھا سکتی۔ اور نہ مجھ سے کہا کریں کہ میں کیریئر چھوڑ دوں۔ میں رشتہ نبھا رہی ہوں بالاج کوشش آپ بھی کریں۔ یک طرفہ کوششوں میں انسان رہ جاتے ہیں تعلق ختم ہو جاتے ہیں۔''

''تم نے آخر اسلام آباد ہی کیوں آنا تھا؟'' وہ ایک پل کو رکا فون پہ اسکی گرفت سخت ہوئی۔ ''کیا اس لئے کہ یہ عبداللہ کا شہر ہے۔'' زینیا کی گرفت اس رشتے پہ ڈھیلی پڑ گئی۔ دل پہ کسی نے کھینچ کر تھپڑ مارا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ بالاج اسے ماضی کے طعنے دے رہا تھا۔ کیا واقعی؟

''تم کہتی ہو میں انسکیور ہو رہا ہوں۔ لیکن کیا مجھے نہیں ہونا چاہیے؟ تمھارے دل میں آج بھی عبداللہ ہے، اسی لئے تو تم اسکے شہر آئی ہو۔ تم اسلام آباد عبداللہ کے لئے آئی ہوناں؟ میں۔۔۔'' وہ اگلا کوئی لفظ نہیں سن سکی، سماعتوں پہ پردے پڑ گئے۔ آنکھوں میں اب تک بے یقینی تھی، شاک تھا۔ رفتہ رفتہ کنارے نم ہونے لگے، پھر ایک سیل سارواں ہوا۔ لیکن وہ بالاج کو کچھ کہہ نہ سکی۔ پہلا طعنہ، پہلی گالی، پہلی تھپڑ عورت کے لئے ہمیشہ بے یقینی ہوتی ہے۔ بالاج وہ نہیں تھا جو دکھتا تھا۔ حقیقت مختلف تھی۔)

''باؤنڈریز اگر کام نہ بھی کریں تو آپ کو چاہئے کہ انہیں بناتے رہیں۔ ہر کوئی انکا احترام نہیں کرے گا، ہر کوئی انکو سراہے گا نہیں۔ لیکن اس ہر کوئی میں کوئی ایک ہوگا جو انکو سمجھے گا۔ جو آپ کے ساتھ کو ضروری سمجھے گا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی باؤنڈریز بنائیں کیونکہ یہ آپ کی sanity کے لئے ضروری ہیں، آپ کے وقار اور عزت کے لئے۔ باؤنڈری آپ کو مستقبل کے غم اور ماضی کے پچھتاؤں سے بچا لیتی ہے۔ حدود قائم کریں اور باوقار رہیں۔ حدود قائم کرنے کا اپنا سفر مجھ سے شیئر کریں۔ میری ای

میل یا انسٹا گرام پہ۔ ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔" اسکی آخری بات پہ آڈیٹوریم میں ہنسی گونجی تھی۔ سبز متلاشی آنکھوں نے عقبی نشستوں کی جانب دیکھا وہاں سے زینیا اٹھ کر جا رہی تھی۔ چہرے پہ ہلکی ہلکی فکر تھی۔

مہدی اچھنبے سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔



آڈیٹوریم سے نکل کر باہر کھلی فضاؤں میں آؤ تو زینیا حاکم کی متلاشی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بار بار اپنے موبائل پہ نظر ڈال کر ایک سطری پیغام پہ نظر دوڑاتی تھی۔ "یونیورسٹی کے گیٹ پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ بالاج"

وہ تو ملک میں نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو اب تک اس سے ملا کیوں نہیں؟ کیا سچ ہے کیا جھوٹ اسکی کھوج میں دیوانہ وار باہر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اسکا دل رک گیا۔ بالاج میر اسکے سامنے کھڑا تھا۔ ملگجے سے لباس میں، بال بکھیرے، چہرہ کھنڈر، آنکھوں تلے سیاہ حلقے وہ خاندان کا پرکشش مرد آج پر مثردہ لگ رہا تھا۔ زینیا کو دیکھتے اس کی آنکھیں ہلکی نم ہوئیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ آگے بڑھ کر اس سے کچھ کہنا خواب لگ رہا تھا۔ سماعتوں میں اب بھی اسکے فقرے گونج رہے تھے۔

(تم اس شہر، عبداللہ کے لئے آئی ہو ناں؟)

وہ اسکی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ پیشمانی تھی۔ ہر ہر قدم پہ زینیا کو اپنے دل میں جھکڑ چلتے محسوس ہوئے۔ وہ اسکے قریب کھڑے ہو کر آس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں نم پیشمان تھیں کندھے ڈھلکے ہوئے۔ زینیا کو یہ شخص اجنبی لگا۔ آس پاس کی بھیڑ میں یہ کوئی غیر ہی تھا۔

“They betrayed me!”

اسکے لبوں سے آزردگی سے چند الفاظ ادا ہوئے۔

(تم اس شہر، عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں۔)

''انہوں نے میرے ساتھ بہت غلط کیا، زینیا۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں برباد ہو گیا ہوں، میرے سارے خواب تباہ ہو گئے ہیں۔'' وہ نم آنکھیں لئے کہہ رہا تھا۔ اگر بڑھ کر زینیا کے ساکن ہاتھ تھام لئے اسکے وجود میں اب بھی کوئی جنبش نہ ہوئی۔

“ They betrayed me!”

وہ سر جھکائے روتے ہوئے بس اسی لفظ کی گردان کئے گیا۔

(تم اس شہر، عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں؟)

وہ اسکے ہاتھ جھٹک دینا چاہتی تھی، اسے جھٹکنے چاہیے تھے۔ وہ اس شخص کو اسی طرح ذلیل کر سکتی تھی جیسے وہ کرتا تھا۔ وہ یونہی طعنے دے سکتی تھی جیسے وہ دیتا تھا۔ وہ اسے بھی لفظوں کے تیر سے زخمی کر سکتی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اسکے کردار پہ انگلی اٹھائی تھی۔ اس کے ساتھ اسی کے جیسا سلوک کرنا غلط نہ ہوتا۔

(تم اس شہر، عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں۔)

''مجھ سے غلطی ہو گئی زینیا مجھے معاف کر دو۔۔۔میں کیا کروں؟ خدا کے لئے مجھے مت چھوڑو۔''زینیا نے اسکی سرخ آنکھیں اور ڈھلکے ہوئے کندھے دیکھے۔ سماعتوں میں گونجتی آواز دب گئی۔اس نے دونوں ہاتھوں سے اسکے کندھے سیدھے کئے۔ سنہری ساحر آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑ دیں۔اور اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''وہ بالاج نہیں بن سکی۔اسے بننا ہی نہیں آیا۔اسکا ظرف اونچا تھا زینیا حاکم نے اپنوں کو کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ عورت سب بھول کر ہر دفع مرد کی طرف پہل کر سکتی ہے۔یہ مرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ اسکے پلٹ آنے کی عزت کرے ۔وہ سخت ضدی ڈھیٹ اور انا پرست مشہور تھی۔ لیکن اسلام آباد سے گوادر جانے والی ہواؤں نے ایک سرگوشی کی تھی۔

حقیقت مختلف ہوتی ہے۔

"باب پنجم: انسان اور اسکا ماضی"

انسان اور اسکا ماضی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔

کئی باتیں، کئی لہجے ہیں، انسان اور اسکے ماضی کا عکس۔

وہ دور بیت چکا جب سیاہی تھی چھائی ہوئی

جب تم ہوئے تھے بے قدر، جب عقل تھی مرجھائی ہوئی۔

جب تم سے بچھڑے دوست کبھی، جب تم نے سہے درد کبھی۔

جب روٹھی خوشیاں، بکھرے تھے راز دار سب ہی۔

اک دن تھا پھر عین جوانی کا، بچپن کا یا پھر عمر رسیدائی کا۔

تم تھے سامنے اپنے، تم نے لیا عہد اپنی پزیرائی کا۔

پھر بیتے ماہ و سال کئی، بیتا دور جگ ہنسائی کا۔

ایک رات سیاہ کو پھر تمہاری آنکھ کھلی۔

یوں لگا جیسے ماضی کی ہر الٹ چکی بساط کھلی۔

آئینہ ایک بار پھر تمھارے سامنے ہے، ایک چہرہ ہے جو ماضی ہے۔

وہی چہرہ ہے جو حال بھی ہے۔اب پوچھو کیا یہ پہیلی ہے۔

اے انسان کیا تم کو واقعی لگا تھا کوئی ماضی ہے؟

اور اگر ہے تو کیا وہ دے گا حافظہ تم کو بھلانے؟

تمہارا ہر عمل ہے مشروط تمھارے ماضی سے۔

ہر اگلا قدم تمہارا محفوظ ہے تمھارے ماضی سے۔

تم ہو ابھی بھی سہمے ہوئے بچے، تم ہو اب بھی جھٹلائے گئے سچے۔

تمھارے خوف ہیں اب بھی راز دار تمھارے۔

تمھارے زخم ہیں اب بھی نہ لگے مرہم کے مارے

تمھیں لگا تھا چھوٹ گئے اندیشے تمھارے۔

لیکن وہ اب بھی ہیں اندر تمھارے۔نہ نہ نہ نہ

نہ ڈرو، نہ کھرچو زخم، نہ بیٹھو دبک کر۔

اچھا برا ماضی نہ تھا ہاتھ تمھارے، لیکن دو جہاں کا رب ہے ساتھ تمھارے۔

اس سہمی رات میں، دیکھو آئینے کی آنکھ میں۔

مٹاؤ خوف جو رہے ایک عرصہ ساتھ تمھارے۔

مسکراؤ، آنکھیں ملاؤ، سینہ تانو، کندھے اٹھاؤ

انسان اور اسکا ماضی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں دہراؤ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم یہاں کیا کر رہے ہو فضول انسان؟''

''سوال میرا بھی کچھ مختلف نہیں۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو، عظیم عورت؟''

دو لوگ ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ دو لوگ جو آگ اور پانی جیسے تھے۔ دو لوگ جنہوں نے اپنے ہونے سے، اپنی قدر و قیمت بڑھائی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ایسے دیکھ رہے تھے جسے کچا نگل لینا چاہتے ہوں۔ ان دونوں کی آنکھوں میں خون اترا تھا، نفرت، سخت نفرت کرتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے سے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ نفرت نہیں تھی۔ بھلا ایک فیشن ڈیزائنر ایک انٹیریئر ڈیزائنر سے ایسی نفرت کیوں کرے گا؟

یہ کوئی وقتی نفرت نہیں تھی۔اؤنہوں وقتی نفرت یوں آنکھوں میں نہیں اتر آتی۔یہ کئی برس پرانی،بغض وعناد سے بھری،دل کے نہاں خانوں سے جھانکتی برہنہ نفرت تھی۔جسکا اظہار برملا کیا جاتا تھا۔گھڑی کی سوئیوں کو پیچھے موڑا، وقت کے پانی میں چند منٹ قبل کے چپو گھمائے،آس پاس چلتے ورکرز کے ہاتھوں سے کافی کے کپ چھین لئے، آرٹ بناتے ڈیزائنرز کے دماغ سے نیا نیا آئیڈیا مسخ کیا اور یوں اب ہم وقت میں چند منٹ پیچھے آ گئے۔طوفان کے پہلے کی خاموشی،آئیڈیا کے لئے دماغ پہ زور دیتے ڈیزائنرز،اور کافی کے بھرے جانے والے مگ۔ان سب کے درمیان بیز کلیکشن کی عمارت کے باہر جھانک کر دیکھو تو اپنی لمبی گاڑی سے براق حنیف باہر آتا دکھائی دے گا۔

یہ قیس کے ساتھ موجود شوخ براق نہیں تھا،یہ مہدی کے سامنے بے وقوف بننے والا براق نہیں تھا۔یہ بیز کلیکشن کا مالک قیسم ٹیکسٹائل کا آدھا حصے دار،ملک کی سب سے بڑی ٹیکسٹائل انڈسٹری کا مالک تھا۔اسکی چال میں غرور تھا، گردن اٹھا رکھی تھی۔ آنکھیں عقاب کی مانند چاروں اطراف میں دیکھ رہی تھیں۔وہ خراماں خراماں چال چلتا بیز عمارت کے اندر داخل ہوا۔عمارت کا گراؤنڈ فلور آج روز کے حساب سے خالی تھا۔وہ لفٹ میں سوار ہوا،اور مطلوبہ فلور کا بٹن دبایا۔چند لمحہ بعد وہ اپنے مطلوبہ فلور پہ تھا۔ لفٹ کے آہنی دروازے آپس میں جدا ہوئے،اسی پل وہ باہر آیا مگر سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ ایک لمحے کے لئے اسکا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔براق حنیف پلک تک نہ جھپک سکا۔

سامنے سے شیزل سیمسن چلتی ہوئی آرہی تھی۔سفید کرتا،نیلی جینز بالوں کی پونی ٹیل،گلے میں مفلر کی مانند لیا گلابی دوپٹہ،پیروں میں سفید ہیلز اور آج آنکھوں پہ چشمہ بھی لگا تھا۔براق نے اسکے کندھے پہ ٹنگا بیگ دیکھا،ایک بے اختیار،شناسا مسکراہٹ اسکے

لبوں پہ آئی۔ جیسے وہ جانتا تھا اس بیگ سے سب نکلے گا، سوائے ایٹم بم کے نسخے کے، سوائے اگلے وزیر اعظم کی تقرری کے کاغذات کے۔

اسی لمحے ایک احساس، ایک شناسا، بے یقین سے احساس کے تحت شیزل نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا، اور اسکی آنکھیں پتھرا گئیں۔ لمبی راہداری میں وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ دونوں انجان نہیں تھے۔ لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے۔ شور، آواز قدموں کی چاپ سب کچھ مدھم ہوتا گیا۔ شیزل کئی سال پیچھے چلی گئی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے براق تھا، لیکن اسے جو آواز آتی تھی وہ کئی سال قبل والے براق کی آواز تھی۔

"تم اور میں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں براق، لیکن ہم دونوں نے کبھی ایک دوسرے کو گرایا نہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کے رازوں سے واقف تھے لیکن ہم نے کبھی انہیں لوگوں پہ ظاہر نہیں کیا۔" کالج کی راہداری، نم آنکھیں، تنی ہوئی گردن، ابھری ہوئی نسیں۔ شیزل سیمسن اسکے سامنے کھڑی تھی۔

"ہم دونوں دشمن ہیں شیزل، دشمنی میں حدود نہیں ہوتیں، دشمنی میں پردے نہیں ہوتے۔ تم نے ایک کمزور لمحے کی زد میں مجھ پہ بھروسہ کر لیا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" چشمے کے پار بھی وہ ان آنکھوں کا کرب دیکھ سکتا تھا، دشمن ہوتے ہوئے بھی وہ اس درد کو محسوس کر سکتا تھا۔ "کیا کبھی کسی دور میں مجھے یہ کہنے کی ضرورت تھی کہ ہاں براق مجھے تم پہ اعتبار ہے۔ کیا راز بتاتے وقت کہنا ہوتا ہے کہ انہیں آگے نہ بڑھایا جائے؟" وہ سوال کر رہی تھی کیونکہ اسے جواب چاہیے تھا۔ وہ تعلق توڑتے وقت یقین دہانی چاہتی ہے کہ اس تعلق میں کیا کیا سڑ چکا ہے۔ تاکہ مستقبل میں وہ آزاد رہے۔

براق نے کچھ کہنے کو لب کھولے لیکن حال کی شیزل نے لبوں کو سختی سے میچ کر، آنکھوں کو بند کر کے کھولا تو کالج کے درخت ، ٹھنڈی ہوا اور جھلسا دینے والا سچ سب غائب ہو گیا۔ اس کے سامنے کھڑا شخص اب غیر اہم تھا۔ اس نے اپنے بیگ کو کندھے پہ درست کیا، گردن کڑالی، اور آگے بڑھنے لگی۔ اسکے لب دھیرے دھیرے بڑبڑا رہے تھے۔

''تمھیں تمہارے اعصاب پہ قابو ہے شیزل۔'' وہ اس آدمی کے سامنے چلتی آ رہی تھی، وہ کبھی دوست نہیں رہا تھا، وہ جس کے ساتھ ہمیشہ نفرت رہی، لیکن ویسا تعلق بھی کبھی کسی اور کے ساتھ بھی نہ رہا تھا۔

''تمھارے جذبات تم پہ حاوی نہیں ہو سکتے۔ انکی اتنی جرات؟''

لوگوں کی آواز، راہداری میں خود پہ پڑتی براق کی یک ٹک نظر، ماضی میں ملے دھوکے وہ سب نظر انداز کر رہی تھی۔ براق اب بھی بے سانس ہوتے جسم کے ساتھ کھڑا تھا۔

''تمھیں تمھارے اعصاب پہ قابو ہے۔'' اور وہ اسکے سامنے سے گزر گئی، دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ حد نہیں۔ آنکھیں نم نہ ہوئیں، لیکن اسکے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ براق برق رفتاری سے اسکے پیچھے گیا۔ لفٹ بند ہونے والی تھی جب اس نے اپنے بوٹ کو بیچ میں پھنسا دیا۔ دروازے کے پٹ جدا ہوئے، شیزل اسے یوں نظر انداز کر رہی تھی جیسے جانتی ہی نہ ہو۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو شیزل؟'' لفٹ کے پٹ بند ہوئے تو وہ بے قراری سے اسکے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے جواب نہ دیا بس نظر انداز کیئے کھڑی رہی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو شیزل؟'' اس نے اب کے سختی سے پوچھا۔

''میں یہاں کام کرنے آئی تھی۔ لیکن اب نہیں کروں گی۔'' وہ خود کو نارمل رکھے گی جہاں تک جتنا بھی ہو سکتا تھا وہ خود کو نارمل رکھے گی۔

''تمھیں لگتا ہے، تمہاری اتنی اوقات اور قابلیت ہے کہ تم یہاں کام کرو۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو صاف صاف بتاؤ۔''

''فضول انسان تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ غرائی۔ **(حالانکہ سوال انتہائی فضول تھا)**

''سوال میرا ابھی کچھ مختلف نہیں ہے تم یہاں کیا کر رہی ہو عظیم عورت؟''" وہ عظیم عورت کہہ رہا تھا، لیکن اسکا انداز گھٹیا سے بھی گھٹیا تھا۔ شیزل اس وقت کوئی ڈرامہ نہیں چاہتی تھی، سو لفٹ میں خاموشی سے کھڑی رہی، ایسے جیسے سانس نے اسکے جسم کو چھوا بھی نہ ہو گا کبھی۔

''یہ میرا آفس ہے۔'' براق عین اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ شیزل کو بے اختیار کوفت ہوئی۔ ''تم یہاں کام کرنے کو اپنا خواب سمجھنا، بلکہ ویٹ لیٹ می گیس۔ تم جہاں بھی رہتی ہو، وہاں کے اگلے سو کلو میٹرز کی جانچ رکھتی ہو کیا تمھیں معلوم نہیں تھا یہ میرا آفس ہے؟'' وہ آنکھیں اسکے اوپر گاڑے ہوئے تھا۔ ''تم یہاں مجھے دیکھنے تو آئی نہیں ہو گی۔ صاف صاف بتاؤ یہاں آنے کا تمہارا مقصد کیا ہے؟'' وہ دھیمی آواز میں غرا رہا تھا۔

شیزل نے ٹھنڈی پر سکون نظروں سے اسے دیکھا، گو کہ دل میں آگ کے بھٹے جل رہے تھے، لیکن وہ توازن نہیں کھوئے گی۔

''تم میرے باپ نہیں ہو براق حنیف، میں تو اپنے باپ کو بھی جوابدہ نہیں ہوں۔'' غصے سے اسکی آواز دھیمی تھی۔ لفٹ اپنی مخصوص آواز سے کھلی، شیزل نے اپنے قدم باہر کی جانب موڑے جب براق نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اسکا بازو پکڑ کر

دوبارہ اندر کی جانب کھینچا، لفٹ کے بٹن دبائے، لفٹ دوبارہ چل پڑی، لمحوں کا کھیل تھا اور شیزل اس لمحے کو جذب نہ کر سکی۔ وہ شل رہ گئی۔

''مجھے بے وقوف مت بناؤ، میں پاگل نہیں ہوں، شیزل۔ تم یہاں اتفاقاً نہیں آسکتی۔ مجھے یہ کہانی مت سنانا کہ تمہارا یہاں آنا اتفاق ہے، اور میرا یہاں کا باس ہونا تمہارے علم میں نہیں۔'' وہ اسکے بازو کو اب بھی اپنی آہنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

شیزل نے ایک ہاتھ سے اسکے سینے پہ دھکا دیا اور دوسرے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے چھڑایا۔ ''میں یہاں کام کرنے آئی ہوں، براق حنیف۔ تمہارا یہاں کا باس ہونا تو چھوڑو یہاں کے گارڈ اور خاکروب تک کا علم ہے مجھے۔ میرا یہاں آنا کسی قسم کا اتفاق نہیں۔ میری موجودگی کی وجہ میرا پروفیشن ہے۔''

''اگر تم اتنی ہی پروفیشنل ہو تو مجھے یہاں دیکھ کر تم بھاگ کیوں رہی تھیں؟''

''کس نے کہا میں بھاگ رہی تھی، کس نے کہا میں تمہیں نظر انداز کر رہی تھی۔ میرا کام نچلی منزل پہ ہے میں اپنا کام کرنے جا رہی تھی۔'' لفٹ ایک بار پھر کھلی، براق اب کے خاموش سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کئی ملازمین لفٹ میں سوار ہوئے شیزل اس پہ ایک بے زار نگاہ ڈالتے ہوئے باہر نکل آئی، ابھی لفٹ کے دروازے بند ہوتے کہ براق نے ملازمین کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے پکارا۔

''جب مجھ سے اتنی نفرت ہے تو پھر یہاں کام کرنے کی وجہ؟'' شیزل ہیل کے بل گھومی آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا۔ اسکی آنکھیں بیک وقت سنجیدہ اور سفاک تھیں۔

''کس نے کہا مجھے تم سے نفرت ہے، براق حنیف؟'' اور یہاں اس جواب پہ براق نے اپنے دل کو خالی ہوتا محسوس کیا، دوستی، اعتبار، نفرت کچھ نہیں تھا۔ ان کے درمیان۔ چاہے نفرت ہی سہی کوئی جذبہ تو ہوتا۔

لفٹ کے جامد دروازے حرکت میں آئے اور ان دونوں کے چہرے اس لوہے کے گیٹ میں کہیں دور کھو گئے۔ وقت کی طرح، ریت کی طرح۔ لیکن دل میں اٹھتی ٹیس آہ کوئی اس کا کچھ کرے۔



قیس کمبیر کی گاڑی قیسم کو جانے والے راستے پہ دوڑ رہی تھی۔ لیکن آج وہ اکیلا نہیں تھا۔ اسکے ساتھ گاڑی کی پچھلی نشست پہ اسکا بھائی نما کزن، اسکا جگری دوست مہدی کمبیر بیٹھا تھا۔ قیس گاڑی سے باہر دیکھ رہا تھا، جبکہ مہدی کو رہ رہ کر یونیورسٹی کا وہ منظر یاد آتا تھا، جہاں زینیا نے اس آدمی کے ہاتھ پکڑے تھے، وہ اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا، نہ اسکا کوئی اور رخ اس نے بس زینیا کو دیکھا تھا اور اسکے ہاتھ میں ایک ہاتھ۔ شادی، تعلق، پارٹنر شپ اس معملے میں وہ ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔ زینیا وہ لڑکی تھی، جس نے ہمیشہ ہر مرد کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکا تھا، پھر بھلا اس آدمی پہ اتنی مہربان کیوں؟ اسے زینیا سے کسی قسم کا لوانٹرسٹ نہیں تھا۔ بس اسکی شادی مہدی کے لئے معمہ بن گئی تھی۔

''سنو، نائٹ میئر شادی کیا ہے۔'' اس نے بلا خر اسے مخاطب کر لیا۔

''جھک، جو کبھی انسان اپنی مرضی سے مارتا ہے۔ کبھی گھر والوں کی۔'' کیا جواب تھا ماشاءاللہ۔

''کیا تم نے کوئی ایسی عورت دیکھی ہے، جو بلکل پتھر کی طرح سخت ہو لیکن کسی ایک مرد کے لئے نرم پڑ جائے۔''

''ساری عورتیں ایک نمبر کی ڈرامہ باز ہوتی ہیں۔اپنی پسند کے مرد کے لئے فورا گزم پڑ جاتی ہیں۔عورتیں آخر پیدا کیوں ہوئیں۔آہ عجیب مخلوق۔''وہ آخر میں بڑبڑایا۔مہدی جو کہ الجھا ہوا تھا،ایسے عظیم جوابات پہ مزید الجھ گیا۔

''شادی کیوں کرنی چاہیئے؟''

''جسے خود کو ذلیل، کروانے کا شوق ہو اسے ضرور کرنی چاہیے۔''

''کیا ساری شادیاں ایک وقت کے بعد گل سڑ جاتی ہیں؟''

"ہاں۔اور کچھ شادیاں اتنی گلی سڑی ہوتی ہیں کہ انہیں چھپا کر رکھا جاتا ہے، تم نے کبھی وہ پھل دیکھا ہے جو ایک جانب سے سڑا ہوا ہو؟ سڑے ہوئے پھل کا دوسرا حصہ دنیا کو دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ خریدا جا سکے۔شادی بھی دنیا کی وہی پالیسی ہے۔سڑا ہوا حصہ چھپا کر ،لوگوں کو وہ دکھانا جو سچ ہے،نہ جھوٹ۔''

''تمھیں کیا لگتا ہے انسان کو شادی کیوں کرنی چاہیے۔''

''کر لینی چاہیے اچھی رہی تو زندگی سنور جائے گی،ورنہ سبق مل جائے گا۔''مہدی کی باتیں بے کار تھیں۔ہاں وہ باہر دیکھتا رہے گا زبردست۔

''کیا انسان اتنا بے کار ہے خود کو تجربے میں ضائع کر دے؟''اب کے قیس نے اسے مڑ کر دیکھا۔

''کیا تم شادی کر رہے ہو۔؟''وہ از حد سنجیدہ تھا۔مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔''لیکن مجھے جاننا ہے شادی کیا ہوتی ہے۔''

''کچھ نہیں ہوتی، جھک ہوتی ہے۔'' وہ بڑے سکون سے دہرا رہا تھا۔ مہدی کے چہرے پہ بے سکونی بڑھتی چلی گئی۔ قیس سکون سے کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔اسی لمحے گاڑی قیسم کی عمارت کے سامنے آکر رکی۔ قیس نے کھڑکی سے باہر دیکھا،اور پھر مسکراہٹ نے اسکے لبوں کو چھوا تھا۔ قیسم اسکا جنون تھا۔اسکی آدھی دنیا۔

کئی لمحے بعد وہ دونوں راہداریوں میں چلتے نظر آرہے تھے، پھر لفٹ اور پھر بلاخر قیس کمبیر کا گلاس وال والا آفس۔ پاور چیئر کو گلاس وال کے قریب رکھے،وہ گہری نظروں سے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔ مہدی اسکے سامنے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ بازو پہ اب بھی پلستر چڑھا تھا۔

''میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، مہدی اور جواب اگر سچ کے علاوہ کچھ ہوا تو تم مجھے جانتے ہو۔'' شاید اس آدمی کو دھمکی کے علاوہ کچھ آتا نہیں تھا۔

''میں نے گھر کے ایک ایک ملازم کی چمڑی ادھیڑی ہے، سی سی ٹی وی چیک کئے ہیں، جو کہ چند لمحوں کے لئے بند ہوئے تھے۔ آس پاس کے گھروں کی فوٹیج دیکھی ہے لیکن کمبیر محل میں سوائے تمھارے ان دوستوں کے کوئی اور داخل نہیں ہوا۔یعنی تمہارا پیچھا کرنے والا تمھارے دوستوں میں سے کوئی ایک ہے؟'' وہ ایک پل کو رکا۔ مہدی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن تمہارے سارے دوست ممی ڈیڈی بچے ہیں۔ گن چلانا تو دور اسکا خواب وخیال بھی انکے لئے خوف کا باعث ہے۔اس لئے ان میں سے کوئی تمھیں شوٹ نہیں کر سکتا، کسی کے پاس وجہ ہی نہیں ہے۔اور سی سی ٹی وی میں تمہارے سارے دوست کہیں گئے ہی نہیں، سو وہ سب بری الذمہ ٹھہرے۔'' وہ ذرا دیر کو خاموش ہوا تو مہدی نے ٹوکا۔

''جی جاسوس، قیس کمبیر صاحب آگے عرض کریں، میرے گناہوں میں مزید کیا کیا شامل کرنا ہے؟'' اسکا چہرہ مارے ہتک کے سرخ پڑ رہا تھا۔

''تو بات یہ ہے کہ میرے ملازم وفادار ہیں۔ سی سی ٹی وی کسی غیر کے کہنے پہ بند نہیں کیا گیا۔ تمہارے دوست سی سی ٹی وی کی موجودگی میں داخل ہوئے، حملہ آور کیسے آیا۔ جانتے ہو کیسے؟'' وہ اب پاور چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مہدی کی اور قدم بڑھاتے ہوئے وہ عجیب تاثرات لئے ہوئے تھا۔

'' حملہ آور کو گھر میں لانے والے تم تھے۔'' مہدی جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ ''تم ڈرامہ کرر ہے ہو، مہدی کہ کوئی تمہارے پیچھے آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارا ساتھی ہے۔ جسے تم سی سی ٹی وی بند کروا کر اپنے گھر لاتے ہو، جو راہداریوں میں چلتے ہوئے سیدھا تمہارے ہی کمرے میں آتا ہے، جو تین گولیاں تمہارے بازو پہ ضرور مارتا ہے لیکن ایک گولی تمھارے دل کے مقام پہ مار کر تمہارا کام ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ تمھیں مارنا ہی نہیں چاہتا۔'' مہدی کو سانس لینے میں دقت سی ہوئی۔ ''تم وکٹم بن رہے ہو، حالانکہ تم ولن ہو۔ میں تمہارا اصل چہرہ دنیا کے سامنے لے آؤں گا۔ میں دنیا کو دکھاؤں گا، قیس کے guesses کبھی غلط نہیں ہوتے۔ کہہ دو مہدی کہ تم ولن نہیں ہو۔''

مہدی چند لمحہ اسے دیکھتا رہا، اسکی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔ آنکھیں نیم مردہ سی نظر آرہی تھیں۔

''فرض کرو اگر میں نے ایسا کچھ کیا بھی ہے، تو اسکی وجہ کیا ہو گی؟''

قیس نے ہتھیلی کا مکا بنا کر جوش سے صوفے پہ دے مارا۔

''وہی تو، وہی تو سمجھ نہیں آرہا آخر وجہ کیا ہے۔ اگر شہرت تو میرا نہیں خیال تمھیں اسکی ضرورت ہے، پیسہ تمھارے پاس بہت ہے، لڑکی کا معملہ ہو نہیں سکتا۔

you're not that type''

یکدم وہ چکر کاٹتے کاٹتے رکا تھا۔

''ماضی۔۔۔۔۔ تمہارا ماضی۔ تم اپنے ماضی کو کور اپ کر رہے ہو، تم نے کچھ کیا ہے، مہدی، جسے اب تم چھپانا چاہتے ہو۔ تم اس وقت کہانی کے وکٹم ہو لیکن کوئی دور ایسا رہا ہو گا جب تم کہانی کے ولن تھے، تم ولن تھے ناں مہدی؟'' وہ اپنے اندازوں کی تصدیق چاہتا تھا۔ مہدی چند پل سانس روکے اسے دیکھے گیا، اور پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں آج آخری بار کہہ رہا ہوں مجھے اس بارے میں کچھ نہیں پتہ۔'' چبا چبا کے بس یہی الفاظ ادا کئے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا آفس سے باہر نکل گیا۔

قیس نے سر جھٹکا تھا۔ مر نہ جاتے خوشی سے گر اعتبار ہوتا۔

قیسم کی لمبی راہداریوں میں چپکے سے دبے پاؤں داخل ہو تو مہدی کمبیر تمھیں ایک پیغام لکھتا نظر آئے گا۔ ''میں اس کھیل سے تھک چکا ہوں۔ میں حقیقت بتانے کو تیار ہوں، ہاں میرا ماضی سیاہ تھا۔ کیا تم میری سیاہ کاری سننے کو تیار ہو؟''

الفاظ حیران و پریشان، کچھ کچھ پیشمان سے اپنے مطلوبہ شخص کی طرف جا رہے تھے۔ کہانی کا وکٹم ولن بن رہا تھا۔ کھیل اب شروع ہو رہا ہے۔ کیا تم تیار ہو؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کی شامیں کافی بوجھل اور خاموش ہوا کرتی ہیں۔اس کے بوجھل پن کو کم کرنے کے لئے گاڑھی چائے کا ایک کپ، بالکنی سے نظر آتا کوئی خوبصورت نظارہ، جھلملاتی روشنیوں کا آنکھ میں ٹھہر جانا، یا پھر کڑوی کافی کا ایک مگ بس یہی بس یہی کافی ہوتا ہے۔ یونہی اسی بوجھل ہوتی شام میں اسلام آباد کے ایک رنگین کیفے کا رخ کرو تو زرد بتیوں نے سارے میں خوابناک سا ماحول پیدا کر رکھا تھا۔آفس سے تھکے ہارے لوگ، پارٹنر اور دوست سے ملاقات کرتے لوگ، کافی یا پھر چائے سے اپنی تھکن اتارتے لوگ اس کیفے میں بہت تھے۔ لیکن دو لوگ تھے، جن کے پاس کافی سے زیادہ بڑے مسائل تھے۔ جن کی تھکن کم از کم یہ کڑوا مائع نہیں اتار سکتا تھا ۔انکی تھکن ابدی تھی۔ کیا تم ان دو لوگوں کے بارے میں مزید جاننا چاہو گے ؟

چہرے کا رخ موڑ کر، آنکھوں کو ایک مختلف زاویے پہ گھما کر دیکھو تو کیفے کی درمیانی میز کے گرد زینیا حاکم اور بالاج میر بیٹھے تھے۔ بالاج کا سر جھکا تھا۔ وہ از حد پشیمان تھا۔زینیا سنجیدہ تھی، نہ وہ پریشان تھی، نہ مایوس وہ حل ڈھونڈے بیٹھی تھی۔ لیکن مسائل کی تہہ تک جانا اسکا کام تھا۔

”مجھے سب سچ جاننا ہے، بالاج مجھ بتائیں کیا ہوا، کیسے ہوا، کب ہوا۔؟“اس نے بازو سینے پہ باندھ رکھے تھے۔ آنکھیں سچ جاننا چاہتی تھیں۔ بالاج نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔مایوس، پریشان۔

”سعودی عرب میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ ہم دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔“ اس نے کہنا شروع کیا۔”اس کے بھائی کا سعودی عرب میں بہت اچھا کاروبار تھا، اور وہ ہمیشہ مجھ سے کہتا رہتا تھا کہ اگر میں کچھ سرمایہ اکھٹا کر لوں تو وہ اپنے بھائی سے میرے لئے بات

کرے گا اور مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرلے گا۔ میں نے اسکی بات پہ غور کیا اور مجھے پتہ چلا کہ جن بلندیوں کی، جن آسائشات کی مجھے ضرورت ہے، وہ مجھے چند ٹکے کی نوکری میں نہیں مل سکتیں۔ نہ ہی کسی پاکستانی کاروبار میں جہاں آدھے خاندان کو مجھے پالنا پڑرہا ہو۔ مجھے پیسہ وہاں کمانا تھا، جہاں بس مجھے معلوم ہو کہ میں کتنا کمارہا ہوں۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ اپنی منکوحہ کو ایک نظر دیکھا۔ اسے لگا تھا وہ اسے سچ بتادے گا تو زینیا کے دل سے ہر بات نکل جائے گی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ زینیا حاکم باتیں یادرکھ لیتی ہے ،تاکہ آپ کی ایک امیج بنا سکے، پھر اس میں خود کو فٹ کرے، جو ظلم آپ نے کسی اور پہ کیا، زینیا اسے خود پہ تصور کرے، اور پھر ساری زندگی آپ کو اسی بات کا طعنہ دیتی رہے۔ جی ہاں ایسی تھی، زینیا حاکم۔ اسکی زندگی پہ ایک بہت بڑا منفی چارج تھا۔

''میں نے اپنی پڑھائی کے سالوں میں مختلف ملازم کی۔ تم تو جانتی ہو ہمارا حصہ جو ہمیں دادا کی طرف سے ملا تھا وہ سارے کا سارا ابا کے جوا، اور شراب کی نظر ہو گیا۔ اماں کا حصہ وہ جہیز کی صورت لے چکی تھیں۔'' **(زینیا کہنا چاہتی تھی کہ جہیز حصہ نہیں، لیکن یہ وقت مختلف تھا۔)** ''میں نے بہت محنت کی زینیا، دن رات گدھوں کی طرح کام کیا، اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ میں نے کئی کورسز کئے، پیسہ جمع کیا۔ اور پھر بلاخر میرے پاس پانچ لاکھ جمع ہو چکے تھے۔'' ویٹر نے بالاج کے سامنے کافی کا مگ رکھا، زینیا نے۔۔ ''ایک چائے۔'' کہہ کر اسکی لائی کافی کو منع کیا۔ مختصر وقفے کے بعد وہ پھر کہہ رہا تھا۔

''چند سالوں میں میرے پاس اچھی خاصی رقم جمع ہو چکی تھی۔ اور پھر چند ماہ پہلے جب تمھارے ابا ہمارے رشتے کی بات چلانا چاہتے تھے تب انہوں نے مجھے کاروبار، یا کسی نوکری کے لئے دس لاکھ دینے چاہے۔'' بالاج ایک پل کو رکا، زینیا کی بے تاثر آنکھوں میں دیکھا اور پھر میز پہ دھرا اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، زینیا نے نا محسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کیا۔ ''میرا یقین کرو، زینی تم سے شادی کی وجہ وہ رقم نہیں تھی تم سے شادی میری دل کی خواہش تھی، میں نے جب سے ہوش سنبھالا یہی خواہش کی تھی۔''

''آپ نے باقی کے پیسے کیسے پورے کیئے؟'' وہ اپنے مطلب کی بات پہ آئی۔ بالاج نے گہری سانس لی۔

''کچھ سیونگز، کچھ ادھار، اور تمھارے ابا کے دیئے دس لاکھ۔ میرے پاس تیس لاکھ تھے۔ میں خوش تھا۔ جس رات ہماری شادی تھی، اسی رات میری فلائٹ بھی تھی۔ میرے ساتھ میرا ایک اور دوست بھی جا رہا تھا، جس کے پاس بیس لاکھ تھے۔ ہم کراچی ایئر پورٹ کی طرف جا رہے تھے، اس نے مجھ سے میرے پیسوں کے بارے میں پوچھا میں نے بتا دیا، اور پھر مجھے یاد ہے میں نے پانی پیا تھا۔ اسکے بعد سے مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ میں اگر یاد کرنا بھی چاہوں تو کچھ دماغ میں نہیں آتا۔ ان لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا۔ میرے سارے پیسے لے کر بھاگ گئے۔'' اس نے ایک بار پھر سر جھکا دیا، اور بے حد دلگرفتگی سے کہنے لگا۔

''میرا سب کچھ تباہ برباد ہو گیا، زینی۔۔۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا۔ آئی ایم سوری، زینی۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ میں نے تمھارے پیسے، میرے پیسے، میں نے سب برباد کر دیا۔ سب ختم ہو گیا ہے۔'' وہ اگلے کئی منٹ یونہی سر جھکائے پیشمان رہا۔ خود کو الزام دیتا ہوا، خود کو کوستا ہوا۔ زینیا چاہ کر بھی اسکی چارہ جوئی نہ کر سکی۔ دل میں اس آدمی کے لیئے کوئی احساس تھا ہی نہیں۔ وہ پوچھ نہ سکی کہ بالاج کو کس نے حق دیا کہ وہ اس کے جہیز کے پیسے یوں خرچ کرے۔ لیکن بنیادیں اسے بنیادیں بنانی تھیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، بالاج۔ فکر مت کریں۔ میں حل نکال لوں گی۔ بالآخر وہ ایک مشینی انداز میں کہہ چکی، بالاج نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اسکی گیلی آنکھیں ممنون تھیں۔

''مجھے معاف کر دو، زینی۔۔۔۔ میں نے تمھارے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ ہماری شادی کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا، اور میں نے تمھارے لیئے اتنی ساری مصیبتیں کھڑی کر دیں۔'' وہ رکا، ایک خوف زدہ سی نظر زینیا کے چہرے پہ ڈالی۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو، زینیا؟'' وہ یونہی چند لمحہ اسے دیکھتی رہی۔ اس شخص سے جو تعلق تھا وہ دنیا کا سب سے مضبوط رشتہ تھا۔ لیکن یہی وہ رشتہ تھا جس سے زینیا کو کوئی امید کوئی خواہش نہیں تھی۔ کیا وہ ساری زندگی خواہش کرنے سے گھبرائے گی، امید رکھنے سے ہچکچائے گی، کیا اسکے گھر کا برا ماحول اسے یونہی کسی پہ اعتبار کرنے نہیں دے گا؟

''ہمارا مسئلہ ہے، بالاج۔۔۔۔ ہم مل کر فکس کر لیں گے۔ مجھ سے معافی مت مانگیں میں معاف نہیں کرتی۔'' زینیا حاکم نے خواہش کو چن لیا تھا۔ بالاج کے کندھوں سے ڈھیر سارا بوجھ سرکنے لگا۔

کیفے سے اٹھ کر وہ دونوں اب ہاسٹل کے راستے پہ تھے۔ بالاج اب ٹھیک تھا۔ اگر آپ کے ساتھ کھڑے لوگ مشکل میں کندھے مضبوط کر لیں، تو آپ کا جسم خود ہی توانا ہو جاتا ہے۔

''آپ کہاں رہ رہے ہیں، یعنی کوئی مستقل پتہ؟'' فٹ پاتھ پہ قدم رکھتے ہوئے، چلتی گاڑیوں کے بے تحاشا شور کے درمیان زینیا نے پوچھا۔

''میں ٹیکسلا میں اپنے دوست کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ تین لوگ کمرہ شیئر کر رہے ہیں۔ اب تو لگتا ہے ساری زندگی اسی جہنم میں گزر جائے گی۔'' اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

''جہنم، جنت کا فیصلہ تو انسان اپنے اعمال اور کوششوں سے طے کرتا ہے۔ آپ مایوس کیوں ہو رہے ہیں؟'' وہ دونوں اب ہاسٹل کی لمبی گلی کا موڑ مڑ رہے تھے۔

وہ ساتھ چلتے ہوئے گردن موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تم اتنی مثبت کیسے رہ لیتی ہو؟''

''منفی اثرات اپنے ساتھ مسائل لاتے ہیں۔اور میرے پاس مسائل سے پہلے حل آتے ہیں۔ہماری زیادہ بنتی ہے ویسے۔آئے دن کاٹا کرہ جو ہے۔ویسے اگر میں آپ کو مثبت لگتی ہوں، تو آپ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔'' بالاج ہنس پڑا، زینیا اسکے ساتھ مس کرائی تھی۔

''کیا تم منفی ہو؟''

''اؤنہوں میں over thinker ہوں۔میں چیزوں کو آسانی سے بھول نہیں سکتی۔چاہے کوئی کہانی ہو، واقعہ ہو، حادثہ ہو؟''

''یا پھر کوئی انسان ہو؟'' بالاج نے اسکی بات اچک لی۔دونوں جانتے تھے یہ انسان کون تھا۔زینیا نے برا نہیں منایا۔

''ہاں میں انسانوں کو بھی نہیں بھولتی۔مجھے سب یاد رہتا ہے، اور میں اسے مسلسل سوچتی رہتی ہوں۔ایک غیر حقیقی دنیا بنالیتی ہوں، جہاں کبھی خوش ہوتی ہوں، اور کبھی مسائل زدہ۔''

بالاج نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔وہ دونوں اب ہاسٹل کے گیٹ کے سامنے تھے۔زینیا یہاں تین مردوں کے ساتھ آئی تھی ،گئی تھی۔اس نے دو مردوں کو سرخ جھنڈی دکھائی تھی، انکے اور اپنے گرد ایک حدود بنالی تھی۔یہ آدمی، یہ مختلف تھا۔

''کیا تم انسانوں کو سوچنا چھوڑ نہیں سکتیں؟'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں over thinker شوق سے نہیں ہوں۔یہ میری مجبوری ہے۔لیکن۔۔'' وہ دو قدم آگے آئی عین بالاج کے سامنے۔''میں اس انسان کی سوچوں پہ بے حس ہو چکی ہوں۔اور آپ کی سوچیں، مجھ میں احساس واپس لا سکتی ہیں۔'' بالاج تھم گیا۔بالکل ساکت۔

''میں اس رشتے کو لے کر سیریس ہوں، بالاج۔ اوور تھنکرز کے ساتھ گزارا مشکل ہے، ناممکن تو نہیں۔'' وہ جیسے احساس دلا رہی تھی۔ کچھ جتا رہی تھی۔ بالاج ہلکا پھلکا ہو گیا۔

''ایک لٹے ہوئے، ناکام کاروباری، جاب لیس، اور خالی جیب والے مرد کے ساتھ گزارہ مشکل ہے ناممکن نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو زینیا مسکرائی۔ بالاج بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔ ماضی کو ایک طرف رکھ کر دو لوگ آگے بڑھ رہے تھے۔

خدشوں سے دور، فکروں سے پاک، ناکامیوں سے فاصلہ کناں ایک روشن مستقبل کی اور۔



گوادر زینیا حاکم کے بعد سونا سونا ہو گیا تھا۔ حاکم نواب کا گھر اب کونج کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ کھانا، کپڑے، دوست، شاعری، وہ سب کچھ زینیا ہی کے ساتھ تو بانٹتی تھی۔ اب وہی نہیں تھی تو کیا کیا جائے؟ رات کو اکیلے کمرے میں اسے ڈر لگتا تھا، کالج میں ہونے والے نئے واقعے اس نے دل میں دبا رکھے تھے۔ لیکن آخر کب تک؟ وہ بے حد حساس لڑکی آج تھک گئی تھی اور گھر کے پچھلے صحن میں بیٹھ کر اب بری طرح رو رہی تھی۔ منہ پہ ہاتھ رکھے ہچکیاں اس نے روک رکھی تھیں، لیکن پھر بھی اسکے سسکنے کی آواز کافی بلند تھی۔ یہی آواز سنتے ہوئے گھر کے اندر کی طرف جاتی ہوئی نبیلہ باجی نے ہول کر اپنے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا تھا، اور پھر فوراً سے پیشتر ادھر کا رخ کیا۔ کونج کو منہ چھپائے روتے دیکھ وہ فوراً اسکے قریب چلی آئیں۔

''آئے ہائے کیا ہو گیا؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھتی اسکے ساتھ چارپائی پہ بیٹھ گئیں۔ ''اے باؤلی ہو گئی ہے کیا، ارے کچھ منہ سے بول بھی بس روئے جا رہی ہے؟'' کونج مزید بلند آواز میں رونے لگی تو نبیلہ باجی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ''کیا ہو گیا ہے، کونج مجھے بھی نہیں

بتائے گی۔ دیکھ مجھے اپنی دوست ہی سمجھ اور بتادے کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے کونج کے آنسو صاف کئے لیکن وہ اب بھی مکمل طور پہ پر سکون نہ ہوئی تھی۔

''بس کر کونج ایسے نہیں روتے بچے۔ مجھے بتا ہوا کیا ہے۔ میں ہوں ناں میں دوست ہوں تیری۔ دیکھ میرے منہ سے بھاپ بھی نہیں نکلے گی بتا کیا ہوا ہے؟'' وہ اسے پچکار رہی تھیں۔ کونج نے بھیگی آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے صاف کیں۔

''مجھے زینی یاد آتی ہے۔ مجھے اسکی بہت یاد آتی ہے۔'' اسکے آنسو ایک بار پھر روانی سے بہنے لگے تھے۔

''اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے، وہ میری کالز وقت پہ نہیں اٹھاتی۔ میری پڑھائی متاثر ہو رہی ہے۔ زینی بس اپنا سوچتی ہے۔'' وہ یونہی جذبات میں گلہ کر بیٹھی۔ نبیلہ باجی ہنوز اسے سینے سے لگائے بیٹھی تھیں۔ ہولے ہولے اسکا سر بھی تھپک رہی تھیں۔ کافی ساری باتیں، گلہ کر لینے کے بعد بالآخر اسکا دل ہلکا ہو چکا تھا۔ نبیلہ باجی نے اسے نرمی خود سے الگ کیا۔

''دیکھ کونج زینیا اب اپنے گھر بار والی عورت ہے۔ اب اسکا بھرا پورا سسرال ہے، شوہر ہے، اسکی پڑھائی کے بھی جھمیلے ہیں۔ وہ اب تجھے ویسا وقت، ویسی توانائی نہیں دے سکے گی۔ حالانکہ وہ چاہتی ہو گی، لیکن پھر بھی اب یہ سب اسکے لئے ممکن نہیں ہے۔ تم سمجھ رہی ہو؟'' انہوں نے ٹھہر کر تصدیق چاہی، کونج نے بے اختیار گردن اثبات میں ہلا دی۔

''لیکن تو خود کو اکیلا کیوں سمجھ رہی ہے، ضیغم ہے ناں؟''

''خدا کا خوف کریں بھلا اس سے میرا کیا واسطہ؟'' کونج نے بے اختیار خوف کھایا تھا۔ نبیلہ باجی سر پیٹ کر رہ گئیں۔

''سارے واسطے اسی سے تو ہیں۔ پاگل لڑکی کیا تیرے اماں باوا باؤلے **(پاگل)** تھے، جو تیری منگنی زینیا کی شادی کے عین وقت پہ کروادی؟'' کونج انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''ماں باپ اولاد کو جانتے ہیں۔ اب تمھارے اماں ابا کو معلوم تھا کہ زینیا کے بعد تو اکیلی ہو جائے گی۔ دل کی بات کہنے کو، اپنی سنانے کو زینیا تو ہو گی نہیں۔ جب ہی تمہاری منگنی ضیغم سے کروادی، تاکہ کوئی ساتھی ہو جو دکھ سکھ بانٹے۔ بات کرے، دل بہلائے۔''

''لیکن ضیغم میرا منگیتر ہے شوہر نہیں۔ اس سے بات کرنا گناہ ہے۔'' کونج نے ایک بار پھر انکی بات کاٹی تھی۔

''آج کے زمانے میں شوہر منگیتر کچھ نہیں ہوتا، جو مرد آپ کے ساتھ منسوب ہے اسکی لگامیں کھینچ کر رکھو۔ دیکھ کونج کچھ لڑکیوں کے پاس، عقل سمجھ ہوتی ہے اور انکے مرد انکے قابو میں رہتے ہیں۔ تو انکے جیسی نہیں ہے۔ کچھ لڑکیاں خوبصورت ہوتی ہیں اور پھر انکے مرد انکے قابو میں رہتے ہیں۔ تیرے پاس دونوں نہیں ہیں۔" سفاکی کی حدوں کو چھونا کیا ہوتا ہے کوئی اس عورت سے سیکھے ۔ کونج اپنی جگہ سہم سی گئی۔ نبیلہ باجی شاید نہیں جانتی تھیں کہ لفظوں سے زخمی اگر آپ ہوئے ہیں تو کسی اور کے ساتھ ویسا نہیں کیا جاتا۔

''میں نے نوٹ کیا تھا شادی پہ بھی اس نے ایک بار تجھ سے بات نہیں کی، رک کر تیری تعریف نہیں کی۔ ارے منگیتر کا کچھ تو حق ادا کرتا وہ۔ پہلے مجھے لگا، اسے تجھ میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ لیکن معملہ اب مجھے سمجھ آیا ہے۔''

''کیوں نہیں دیکھتا وہ مجھے؟'' کونج نے خود کو کہتے سنا۔

"کیونکہ وہ تجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسکا رنگ، قد کاٹھ، اسکی ذہانت آدھے خاندان کی لڑکیاں اسکے آگے پیچھے منڈلاتی ہیں۔ ایسے میں وہ مغرور ہو گیا ہے۔ ایسے مرد چاہتے ہیں کہ انکی طرف پہل کی جائے اور اب جب تک تمہاری جانب سے پہل نہیں ہو گی وہ تمہارا نہیں ہو سکتا لکھوالو۔ اسکو قابو میں کرلے، کونج۔ خاندان میں ایک عبداللہ کافی تھا، اب دوسرا امت لا۔ وہ چھوڑ دے گا تو کیا کرے گی تو؟"

"وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔۔۔ ضیغم ایسا نہیں لگتا۔"

"اپنی اس کزن وریشہ کو دیکھا تھا کیسے اسکے آگے پیچھے گھوم رہی تھی۔؟ مرد برا نہیں ہوتا، یہ کمبخت تیسری عورت اسے اچھا رہنے نہیں دیتی۔ مرد کو قابو کر کے رکھنا ہوتا ہے، ورنہ وہ دسترس سے نکلنے میں دیر نہیں کرتا۔" کونج رونا بھول عجیب مخمصے میں پھنس گئی تھی۔ بچہ کبھی گند میں اپنی مرضی سے نہیں گرتا آس پاس کا ماحول اسے اچھا اور برا بناتا ہے کونج کے قریب آج کل گند بڑھ رہا تھا۔

"وہ کوئی پرندہ نہیں ہے جسے میں قید کر دوں۔ اور کیا میں اتنی بے مول ہوں جو یوں اسکے پیچھے بھاگوں۔" نبیلہ باجی نے اسے افسوس سے دیکھا تھا۔

"مرد کو ہمیشہ پرستش چاہیے ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے اس سے وابستہ عورت اسکے آگے، پیچھے رہے۔ ساری توجہ، سارا مرکز بس وہی رہے۔ بڑی ضدی، اور بچکانہ مخلوق ہیں مرد۔ یہ جتانا بھی نہیں چاہتے، اور پھر یہ ضد رکھتے ہیں کہ عورت بس ان سے جڑ کر رہے۔ کچھ مردوں کے لئے پہلا قدم آپ کو خود اٹھانا ہوتا ہے۔ ضیغم کے لئے پہلا قدم تمھیں لینا ہو گا۔ ورنہ خاندان ایک اور عبداللہ دیکھے گا۔ اور یاد رکھنا، ہر زینیا کے لئے بالاج نہیں آتا۔"

وہ بول چکیں تو خاموش ہو گئیں۔ کونج چپ چاپ بیٹھی رہ گئی۔ جن بچوں نے بری شادیاں دیکھی ہوں، وہ اچھی شادی کے خواب دیکھتے ہیں۔ جن بچوں نے گھر میں تشدد دیکھا ہو، مار پیٹ گالم گلوچ دیکھی ہو وہ باہر امن اور سکون کی خاطر people pleaser بن جاتے ہیں۔ جن بچوں نے تنگدستی، معاشی بدحالی دیکھی ہو وہ بڑے ہو کر اونچا گھر، اچھا کھانا چاہتے ہیں۔ انسان کا مستقبل اسکے ماضی سے جڑا ہوتا ہے۔ انسان کے اختیار میں ہوتا ہے کہ برے ماضی کو اچھے حال سے بدل لے، یا پھر حال کو ماضی سے بھی بدتر کر دے۔ تمھارے خیال میں کونج حاکم کیا کرے گی؟"

☆☆☆☆☆

قیسم کے ورکرز آج دھڑا دھڑ ڈیزائنز چھاپ رہے تھے۔ کافی کے بھاپ اڑاتے مگز آج ہر ڈیزائنر کے ہاتھ میں نظر آتے تھے۔ بی قیو پراجیکٹ کے ڈیزائن جلد آن ایئر ہونے تھے۔ پری بکنگ شروع ہونے میں بس کچھ دن باقی تھے۔ تقریباً ہر ڈیزائنر اپنے ڈیزائن کو ایک آخری ٹچ دیتا نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہاں ایک ایسا ڈیزائنر تھا جس سے اب تک کام نہیں ہو پا رہا تھا۔ اسکے ہاتھ جامد تھے، دماغ آئیڈیاز سے بھرا ہوا مگر سن۔ کچھ تھا جو پچھلے کئی ماہ سے اسے کوئی ڈیزائن بنانے نہیں دے رہا تھا۔ آرٹسٹ کا درد کاش کوئی سمجھ سکے۔

اپنے آفس میں گلاس وال کے سامنے رکھے صوفے کے آگے اس نے ایک چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی۔ آس پاس اسکیچ پنسلز، رنگ، ٹیبلیٹ، کاغذ اسکیچ بک اور کئی مڑے تڑے کاغذ پڑے تھے۔ اسکے گھنگریالے بال آج ماتھے پہ بکھرے تھے۔ آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں۔ اسی لمحے اسکے آفس کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا براق حنیف چہرے پہ غیض و غضب لئے اندر آتا دکھائی دیا۔

"میں اس لڑکی کو اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

(''اسکا قتل جس دن ہوا میرے ہاتھوں سے ہوگا۔'' کیفے کے پرسکون گوشے میں بیٹھی شیزل قطعاً پرسکون نہیں لگتی تھی۔اس وقت اسکا چہرہ غصے سے بھرا تھا۔

وہ واٹس ایپ پہ وائس نوٹ ریکارڈ کرتی، اپنی دوست کو آج کے rants بھیج رہی تھی۔ہر دومنٹ بعد وہ طنز و تمسخر سے اپنی بات بتاتے ہوئے رک جاتی اور ''لائک واؤ، لائک سیریسلی؟" جیسے جملوں کا اضافہ کرتی تھی۔بیز کلیکشن کے دفتر سے نکلنے کے بعد وہ سیدھا یہاں آئی تھی۔اسے اپنا غصہ جذب کرنا تھا۔وہ اگر بولتی نہ تو پھٹ پڑتی۔)

''کسے قتل کرنے نکلے ہو تم سنگل پسلی؟'' قیس نے گردن صوفے پہ گرادی۔ براق سرخ دہکتے ہوئے چہرے کے ساتھ آگے آیا اور گلاس وال کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''شیزل سیمسن واپس آچکی ہے۔'' اس نے چبا چبا کر اطلاع دی۔ قیس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''کیا مطلب وہ واپس آگئی ہے۔وہ گئی کہاں تھی؟'' وہ محظوظ ہوا۔ ''وہ تو روزِ اول سے وہاں ہے۔" **(اس نے براق کے دل کی جانب اشارہ کیا۔)** "اور وہاں بھی۔'' **(اب کے براق کے دماغ کی جانب اشارہ کیا۔)**

''بکومت، لوسفر میں سیریس ہوں۔ وہ آج میرے آفس آئی تھی۔اس نے میرے سامنے کھڑے ہو کہا کہ وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتی۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتی ہے؟''

''تمھیں اعتراض کس بات پہ ہے اسکے یہ کہنے پہ کہ اسے تم سے نفرت نہیں ہے۔یا پھر یہی بات تمہارے سامنے کھڑے ہو کر کہنے پہ؟'' اس نے بازو سینے پہ باندھے آنکھیں محظوظ کن انداز میں براق کے چہرے پہ گاڑ رکھی تھیں۔

براق نے ضبط کرنے کی کوشش کی۔

''جو کچھ بھی ماضی میں ہوا تھا، اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔'' کمال ڈھٹائی تھی۔

(''جو کچھ بھی ماضی میں ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔، میں ایک پھر کی ہوئی لڑکی تھی، شاید میں نے اسے وہ سب بتاتے ہوئے بھانگ پی لی تھی۔ میں اتنی پاگل کیسے ہو سکتی ہوں؟'' اس نے وائس نوٹ ریکارڈ کرتے ہوئے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ پھر بے زاری سے فون کو میز پہ دھر دیا۔ اور میز پہ رکھے کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

اسے کھانا چاہیے تھا۔ ڈھیر سارا کھانا۔ مشکل، مسائل، پریشانی انکے حل کے بعد اسے بس کھانا ہی چاہیے ہوتا تھا۔ کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا کھا لینے کے بعد اس نے موبائل اٹھایا۔ کھلی ہوئی چیٹ میں اب اسکی دوست کے میسجز چمک رہے تھے۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی ، شاید کالم ڈاؤن ہونے کو کہہ رہی تھی۔ لیکن شیزل فیصلہ کر چکی تھی۔

''میں کل صبح اپنا استعفی اسکے منہ پہ مار کر آؤں گی۔'')

''میں کل صبح اسے آدھے آفس کے سامنے فائر کروں گا۔'' وہ غصے سے بڑبڑایا۔ ساتھ آگے بڑھ کر میز پہ دھری کافی کا مگ اٹھالیا ، اور ایک ہی گھونٹ میں اپنا حلق جلالیا۔

''تم اسے فائر کرو یا نہ کرو، وہ خود کل صبح استعفی تمہارے منہ پہ جوتے کی طرح مارے گی۔ آہ کاش میں وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا۔'' اسے تاسف ہوا۔

''تم میرے دوست ہو یا پھر اس کے؟'' وہ دبا دبا غرایا۔

''میں تو سچائی کا علمبردار ہوں۔ جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا تھا، وہ انتہائی نازیبا تھا۔''

''تمھارے جیسے دوستوں پہ لکھا گیا ہے۔ 'مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔''

''اور تمھارے جیسے دشمنوں پہ لکھا گیا ہے۔ دشمن کم عقل ہو مگر کم نسل نہ ہو۔'' براق اب کے یہاں سے وہاں چکر لگانے لگا تھا۔ اسے کسی پل چین نہ آتا تھا۔

''اسے اپنے آفس میں رکھنے کی ایک وجہ بتاؤ مجھے۔'' بلاخر وہ رک گیا۔ خود کو ایک توجیہہ دینی چاہی۔

''وہ ٹیلنٹڈ ہے، اپنے کام کو جانتی ہے۔ اور پروفیشنل ہے۔ اور اگر کوئی اور وجہ نہ ملے تو اسے اپنے دل کی ملکہ سمجھ کر رکھ لو۔''

(''جاب چھوڑنے کی ایک وجہ بتاؤ مجھے۔ سوائے اس کے کہ وہ تمہارا دشمن رہ چکا ہے۔'' شیزل کی دوست کا دس سیکنڈ کا وائس نوٹ اسے الجھن میں ڈال گیا۔

''وہ کمینہ ہے۔ ذلیل ہے۔ اور غیر پروفیشنل ہے۔'' ایک ہاتھ میں کیک کا ٹکڑا اٹھائے۔ منہ کو اسی کیک سے بھرے وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

''پہلی دو وجوہات انتہائی فضول ہیں۔ اور تیسری کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ اب تک تم نے اسکے ساتھ کام نہیں کیا۔'' اب کے شیزل کو غصہ آیا تھا۔

''تمہاری کوئی دلیل کوئی بات میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ میں کل صبح استعفی اسکے منہ پہ ماروں گی۔'')

''تمہاری کوئی دلیل، کوئی بات میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ میں کل صبح ٹرمینیشن لیٹر اسکے منہ پہ ماروں گا۔''اس نے آخری فیصلہ کر لیا تھا۔

''اور جب وہ اسکے بدلے میں تمہارا سر دسویں دفع پھاڑے گی تب مجھے ویڈیو کال کر لینا،یقین مانو زندگی میں پہلی بار تمہیں دیکھ کر خوشی ہوگی۔''

براق نے دانت پہ دانت جما کر اسے دیکھا۔ پھر اپنا موبائل نکال کر ایک کال ملائی۔''ہاں شاکرہ میرے لئے ایک ہائیڈرائے فیشل کا اپائمنٹ لو، آج ایک بہت بڑے جراثیم سے واسطہ پڑ گیا ہے۔''

قیس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ جیسے تعریف وصول کی ہو۔ پھر اپنا موبائل نکالا۔ حدیبیہ کو کال ملائی۔اور براق کو اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو اب میری باری۔

''حبیب میرے لئے ایک کافی کا مگ لاؤ،اور یہ پچھلا والا ڈسپوز کر دینا۔ کسی کتے نے منہ مار لیا ہے۔''

یہ وار زیادہ کاری تھا۔ براق تلملاتا ہوا کافی کا مگ فرش نشین کرتا باہر نکل گیا۔ جاتے جاتے دروازہ ایک دھاڑ سے مارنا نہیں بھولا۔

اسکے دن تو گنے جا چکے۔اس نے سرگوشی کی۔اور دوبارہ اپنے کام پہ جھک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل کی اسٹڈی میں آج ایک الگ ماحول تھا۔ کتابوں کے ریک کے آگے صوفہ رکھے مہدی کمبیر آج ایک ویڈیو شوٹ کرنے لگا تھا۔ سامنے کیمرہ سیٹ تھا۔ میز پہ چائے کا مگ اور تھرماس رکھا تھا۔ یہ آدمی چائے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ کیمرہ سیٹ کر کے وہ سامنے آ کر بیٹھا۔ سیاہ بیگی شرٹ میں، کارگو پینٹ پہنے گلے میں لٹکتا لاکٹ۔ وہ کیمرہ پرفیکٹ تھا۔ سانولی رنگت آج کھلی کھلی تھی۔

''ہر دفع ویڈیو شروع کرنے سے پہلے میں آپ سب کو موضوع گفتگو بنالیتا ہوں۔ زہر تو لگتا ہوں گا؟'' وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لئے کہنے لگا تھا۔ ''کچھ واقعات جن پہ میں بات کرتا ہوں آپ کا ان سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا ہوتا، لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا، آپ اس سے گزر چکے ہیں۔ جانتے ہیں میں ایسا کیوں کہتا ہوں؟''

''جب تک میں آپ کو اپنے موضوع میں شامل نہیں کروں گا تب تک آپ کو یہی لگے گا کہ یہ کسی تیسرے شخص کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن جونہی میں آپ کو مخاطب کروں گا تب آپ میری بات میں انوالو ہو جائیں گے۔'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرا پھر رکا۔ ''کہاں ملے گا میرا جیسا آدمی؟ وہ جو اپنے بھید بھی کھول دیتا ہے۔؟'' ذرا دیر کو کیمرے میں دیکھتا رہا پھر۔۔۔

''آگے بات کرتے ہیں۔ آج کا موضوع ہے انسان کا ماضی۔ ہمارا پاسٹ۔ آپ کے، میرے اور میری بات سنتے تمام لوگوں کے ماضی میں کچھ نہ کچھ ایسا ہوا ہوگا جو بھلانے کے قابل نہیں ہے۔ جسے یاد کر کے آج بھی ہمارے زخم تازہ ہو جاتے ہیں۔

ماضی کو کبھی بھی کھرچ کر نہیں نکالا جا سکتا، ماضی سے لڑا نہیں جا سکتا، مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، ماضی کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ آپ جانتے ہیں آپ خوش کیوں نہیں ہیں۔؟ کیونکہ آپ غلط کوشش میں ہیں۔ آپ ماضی کو بھلانا چاہتے ہیں۔ جو کہ ناممکن ہے۔ آپ کو نئے تعلق میں پرانا تعلق نظر آتا ہے، جب نئے دوستوں کے ساتھ انہی جگہوں پہ جاتے ہیں جہاں کبھی پرانے دوستوں کے ساتھ گئے

تھے تو یوں لگتا ہے جیسے خود کو دھوکہ دے رہے ہوں۔ ان دوستوں، یا پھر پارٹنر کو دھوکہ دے رہے ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' وہ اب صوفے پہ آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔ گود میں کشن رکھ لیا۔

''انسان اپنی میموری نہیں بھلا سکتا۔ انسان ان واقعات کو نہیں بھول سکتا جو اس کے ساتھ ہوئے تھے۔ پھر آپ اپنے ساتھ ظالم کیوں بن رہے ہیں، خود کو ایذاہ دینا، خود کو ٹینشن دیئے رکھنا کیا یہ اپنے ساتھ ظلم نہیں ہے۔؟ ہاں آپ کو پرانا پارٹنر یاد آئے گا کیونکہ آپ نے اس کے ساتھ ایک عرصہ گزارا ہے۔ آپ کو چھوڑے ہوئے دوست یاد آئیں گے، کیونکہ وہ آپ کی زندگی میں "تھے"۔ آپ کا مووآن، آپ کی سیلف ریسپیکٹ یہ ہے کہ آپ اس کے پاس واپس جانے کا نہ سوچیں۔ اگر اس نے آپ کے ساتھ برا رویہ رکھا تھا، اس غم سے نکل کر موجودہ وقت میں خوش رہیں۔'' اس نے رک کر چائے کا گھونٹ لینا چاہا مگر مگ خالی ہو چکا تھا آگے بڑھ کر مگ کو بھرا۔ تھرماس سے نکلتی چائے کی دھار، دبیز کتابوں کی خوشبو، اور مہدی کمبیر کا نرم لہجہ۔ کیا زندگی تمھارے ساتھ اتنی مہربان بھی رہی ہے؟

''ماضی میں آپ کے پیرنٹس، بہن بھائی، دوست یار رشتے داروں کا رویہ آپ کے ساتھ برا رہا ہو گا۔ آپ کے برے تعلیمی ریکارڈ کی وجہ سے، آپ کے کردار کی خرابی کی وجہ سے، یا پھر اور بھی کئی قسم کے مسائل۔ لیکن اس وقت آپ ایک اچھی پوزیشن میں ہیں۔ وہی رشتے دار، دوست، ماں باپ اب آپ کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن آپ ماضی نہیں بھول پاتے۔ آپ کو لگتا ہے یہ سب دھوکہ ہے اور آپ تمام لوگوں سے بدظن ہو کر خود کو تنہا کئے بیٹھے ہیں یہ غلط ہے انتہائی غلط۔

آپ ان لوگوں کے ساتھ چاہے ایک پرفیکٹ زندگی نہ گزاریں، مگر آپ ان کے ساتھ ایک نارمل زندگی تو گزار سکتے ہیں ناں، لوگوں پہ انویسٹ کرنا ہمیشہ فائدہ مند ہی ہوتا ہے۔ کبھی آپ کو صلہ مل جاتا ہے اور کبھی سبق۔ ماضی کی ٹوٹی دوستیوں، تعلقات کو چاہے مت جوڑیں مگر یوں خود کو تکلیف کیوں دینی۔؟ مووآن کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ کو ماضی میں ہوئے واقعات سرے سے بھول جائیں گے۔ مووآن کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل سے ان لوگوں کی عزت نکال دی جو آپ کی عزت نہیں کرتے، آپ نے ساری ساری رات ان لوگوں کو اسٹالک کرنا چھوڑ دیا جنہوں نے آپ کو تکلیف دی تھی، آپ نے کسی اور سبجیکٹ میں داخلہ لینا چاہا، کوئی اور نوکری کرنی چاہی، کہیں اور شادی کرنی چاہی نہ ہو سکی اب آپ کا مووآن یہ ہے کہ آپ جہاں ہیں وہاں خوشی تلاش کریں۔ خوش نہیں رہ سکتے تو کوئی بات نہیں خوشی اور غم کے بیچ میں بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ آپ "**نارمل**" رہ سکتے ہیں۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ بھنویں سکیڑ کر کیمرے میں دیکھا۔

''ہر کلاس میں کچھ ٹاپرز ہوتے ہیں کچھ فیلیئرز۔ لیکن ہر کلاس میں کچھ "**مڈل بینچرز**" بھی ہوتے ہیں۔ نہ آپ ٹاپر بن سکے تو آپ فیلیئر بھی نہیں بنیں گے۔ ویسے آپس کی بات ہے کامیابی کے جو جھنڈے مڈل بینچرز گاڑتے ہیں وہ کسی نے نہیں گاڑے۔'' ساتھ ہی وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''ہر انسان کا ماضی برا نہیں ہوتا ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جن کا ماضی شاندار تھا۔ ہمارے پیرنٹس ہمارے ساتھ اچھے تھے، بہن بھائیوں کے ساتھ پیارا بانڈ تھا۔ دوست بھی اچھے تھے۔ لیکن ہم کہیں دور آ گئے، یا پھر وہ ہم سے کہیں دور چلے گئے۔'' مہدی کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔ اسے شدت سے اس کے ماں باپ یاد آئے تھے۔

''اچھا ماضی اب گزر چکا۔ زندگی میں انسان کو وہ سب نہیں ملتا جس کی اسے خواہش ہو۔ کچھ چیزیں، انسان طے ہوتے ہیں ان کا آپ کی زندگی میں آنا اور چلے جانا طے ہوتا ہے۔ غم اور خوشی ایک مدت تک کی ہوتی ہے۔ کوئی بھی چیز اگر اعتدال سے نکل جائے تو وبال بن جاتی ہے چاہے خوشی ہو چاہے غم۔ آپ جانتے ہیں سروائیور کون ہوتا ہے۔؟ ہمیں ہمیشہ سے بتایا گیا سروائیور وہ ہوتا ہے جو برے حالات سے صحیح سلامت نکل آئے۔ ہمیں غلط بتایا گیا۔'' یقینا یہاں کئی لوگوں کی سانسیں رکی ہوں گی۔ مہدی کہتا رہا۔

''میں نے ایک بار ایک فلم دیکھی تھی۔ ایک آدمی دو پہاڑیوں کے درمیان پھنس جاتا ہے۔ اور پھر نکل نہیں پاتا۔ اس کا ایک بازو پہاڑیوں کے درمیان پھنس جاتا ہے۔ اتنی بری طرح کہ اسے نکالنا ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔ کئی دنوں کی کوشش، محنت، بھوک پیاس۔ لیکن وہ انسان تھکتا نہیں ہے۔ کچھ دن بعد جب اسے یقین آجاتا ہے کہ یہاں سے وہ صحیح سلامت نہیں نکل سکتا۔ یا تو مر جائے یا پھر نکل جائے۔ یہ ایک کڑا وقت تھا وہ آدمی وہاں مر سکتا تھا مگر وہ سروائیور تھا۔ اس آدمی نے اپنے ہاتھوں سے اپنا بازو کاٹ دیا۔ کوئی اپنے جسم کو کیسے کاٹ سکتا ہے۔؟ کیا کوئی کاٹ سکتا ہے۔؟ یہ ایک انتہائی مشکل عمل ہے۔ مگر سروائیورز کے لئے یہی عمل زندگی ہے۔ اس آدمی نے اپنی بقیہ زندگی اسی ایک بازو کے ساتھ گزاری ہوگی۔ مگر اسکی ٹانگیں سلامت رہیں۔ اس کا چہرہ اسکی زندگی سلامت رہی کیا یہ کافی نہیں تھا؟ وہ بھوک پیاس، موت ہر چیز سے بچ کر نکل آیا تھا۔ صحیح سلامت نہیں ایک عضو گنوا کر مگر وہ آیا۔'' چند لمحے مہدی خاموش ہو گیا۔ گویا اپنی ہی بات پر اسپیس کرنا چاہتا ہو۔

''ماضی بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کئی بار آپ ڈیمج ہو جاتے ہیں، کئی بار آپ کو اپنے سے وہ رشتے دور کرنے پڑتے ہیں جو جسم جیسے ہوں۔ آپ کبھی دل کٹوا کر آتے ہیں، کبھی روح لیکن آپ واپس آتے ہیں حال میں کیونکہ آپ سروائیور ہیں۔ اس آدمی نے اپنے ہاتھ سے اپنے بازو کی رگیں کاٹیں، آدھا بازو لے کر لٹکتے ہوئے گوشت کے ساتھ واپس زندگی کی اور آیا کیونکہ وہ سروائیور تھا۔ ڈیمج

تھا مگر زندہ بھی۔آپ کا ماضی بھی اسی طرح کا ہے ساری زندگی اس کٹے ہوئے بازو کی طرح ساتھ رہے گا۔آپ نامکمل بھی رہیں گے۔ مگر آپ زندہ ہیں تو خود پہ جینے کی تمنا ترک نہیں کرنی۔انسان اور اس کا ماضی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں بس فرق یہ ہے کہ آپ کو اس ماضی اور حال کے درمیان ایک باؤنڈری بنانی آنی چاہیے۔

ایک بہتر مستقبل کے عزم کے ساتھ مہدی کمبیر کو الوداع۔''اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ سینے پہ رکھا، اور سر کو ہلکا سا جھکایا۔ویڈیو بند ہو گئی تھی اب وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔دبیز کتابیں اس کے پڑھائے سبق یاد کرتی رہیں۔



ہاسٹل آج آکورڈسی خاموشی میں ڈوبا تھا۔زنیا حاکم بالاج سے مل کر آنے کے بعد اب افروزہ بیگم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

وہی سیاہ لباس، چنری والا دوپٹہ، چہرہ زخم زدہ اور گردن کھڑی۔

اسکے دائیں طرف والے صوفے پہ شیزل سیمسن بیٹھی تھی۔ صبح والے لباس میں، بالوں کو گول مول باندھے، ایک ہاتھ میں کافی کا مگ، جسکا اسٹرا اسکے لبوں تک جاتا تھا۔اور دوسرے ہاتھ میں کوئی انگریزی ناول تھا۔چشمے کے پار شاطر آنکھیں کبھی زنیا کو دیکھتیں، کبھی افروزہ بیگم کو۔شیزل کو مسائل پسند تھے۔ مسائل اسکے دماغ کو تیز رکھتے تھے۔اور اسکے اندر کی sadist soul کو مطمئن۔نارمل اور پرسکون دن اسے غیر نارمل لگتے تھے۔

''تم اپنی صفائی میں خود کچھ کہنا چاہو گی، یا پھر میں اپنی طرف سے سوال کروں؟'' وہ سنجیدہ تھیں۔اور سخت بھی۔زنیا گہری سانس لیتے ہوئے آگے کو ہوئی۔

''آنٹی۔۔۔ میں اس وقت ٹراماٹائیز تھی۔ میں اس آدمی کو جانتی تک نہیں تھی، پھر میں اسے کیسے اپنے بارے میں سب سچ بتا دیتی۔ وہ آدمی ایک رات قبل مجھے پارک میں ملا تھا، اس نے میری گردن پہ بندوق رکھی، اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی وہ بھی صرف ایک فکشنل کردار کے لئے۔ کیا آپ یقین کر سکتی ہیں۔۔ میں۔۔۔''

''اخ تھوانتہائی بے کار۔۔'' زینیا کی بات کے درمیان میں ہی شیزل منہ بگاڑ کر بولی۔ اسکی کافی کا ذائقہ اچھا نہیں تھا۔ دو سنجیدہ عورتیں اب اس غیر سنجیدہ عورت نما بلا کو دیکھ رہی تھیں۔ شیزل نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا کر گویا ہتھیار ڈالے ہوں۔

''میں آپ کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی۔ میں اس مسئلے کو اسی طرح فکس کرنا چاہتی تھی جس سے آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہو، لیکن آئی ایم سوری مجھ سے یہ نہیں ہو سکا۔'' اس نے شاید زندگی میں پہلی بار سوری کہا تھا۔

''میں آپ سے درخواست کر رہی ہوں کہ پلیز آپ میرے گھر والوں سے اس بارے میں بات نہ کریں۔ میں''

''یہ کیا بکواس۔۔۔ ڈیڑھ ہزار کی لی تھی یہ کتاب، ایسے کیسے مرکزی کردار کو مار دیا۔'' ریڈنگ گلاسز والی لڑکی ایک بار پھر انکی گفتگو میں مخل ہوئی تھی۔ اب کے آنٹی اور زینیا نے ایک قہر آلود نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔ شیزل نے اپنی آنکھیں پینڈولم کی طرح یہاں سے وہاں گھمائیں، جیسے کہہ رہی ہو۔

Why so offended?

اور پھر دوبارہ گردن کتاب پہ جھکا لی۔ آنٹی کی فیورٹ نہ ہوتی تو اس وقت زینیا اسکا گلا دبا چکی ہوتی۔ کاش وہ یہ کر سکتی اے کاش۔

"دیکھو، زینیا۔۔۔میں نہیں جانتی تم اس ڈرگز کے بیگ کو لے کر اتنی جذباتی کیوں ہو گئی تھیں، میں نہیں جانتی کہ تم اگر مہدی کمبیر پہ یقین کر سکتی ہو تو اسکے بھائی قیس کمبیر پہ کیوں نہیں۔" زینیا کو چار سو والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔اس آدمی کا نام قیس کمبیر تھا؟اوہ خدایا وہ مہدی کا کزن تھا۔یعنی وہ محل، وہ پر تعیش جنت نما گھر مہدی کا تھا۔اور اسکا کزن وہ ایک دوسرے سے اتنے مختلف۔بے یقینی سے اسکے لب ہلکے سے وا رہ گئے۔

"میں یہاں رہنے والی ہر لڑکی کی ذمہ دار ہوں۔یعنی کہ میں تمہاری بھی ذمہ دار ہوں۔جو کچھ تم نے کیا ہے اسکے بعد میں تمھیں یہاں رکھ نہیں سکتی۔کل صبح تم یہاں سے جا سکتی ہو۔میں تمھارے گھر والوں کو کال نہیں کروں گی، لیکن میں چاہوں گی کہ تم خود انہیں کال کر لو۔" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔زینیا بس انہیں دیکھتی رہی، شیزل اب جلدی جلدی آخری صفحات پڑھ رہی تھی، ڈیڑھ ہزار ضائع ہوئے تو وہ اس انسٹا گرام رائیٹر کو ڈیڑھ سو گالیاں دے کے آئے گی۔

"آپ جانتی ہیں خوبصورت، بااعتماد، ذہین، اور خود شناس ہونا کتنا بڑا جرم ہے؟" زینیا کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی، اب وہ دونوں سنجیدہ عورتیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔آمنے سامنے، ایک دوسرے کے روبرو۔غیر سنجیدہ عورت نے بھی اب کے سر اٹھا لیا تھا۔کتاب بور لگی تھی۔

"میں نے اپنی کلاس میں جب قدم رکھا، تب وہاں مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں تھیں۔لیکن کوئی بھی زینیا حاکم نہیں تھی۔مجھے معلوم تھا مجھ پہ نظریں ہیں، لیکن میں بے نیاز تھی جیسے مجھے فرق ہی نہ پڑتا ہو۔میں کسی اور کو دیکھ کر دل میں چور خانے نہیں بنا سکتی تھی۔اسی لئے میں نے کلاس میٹ اپ میں جھوٹ کہا کہ میری شادی پسند کی تھی۔کیا غلط کیا؟"

''بلکل نہیں تم نے صحیح کیا۔''ایک ہاتھ میں کتاب،ایک ہاتھ میں کافی،اور جوش سے بلند آواز۔شیزل سیمسن ایک بار پھر سین میں اپنی جگہ بنا چکی تھی۔اسکی طرف کسی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''جب کلاس کے اس کوئیز میں جسکا نوٹس تک میرے پاس نہیں تھا۔میں اسکے سارے جواب آنکھ بند کئے سناتی گئی،تب میری کلاس کے لڑکے میری ذہانت سے مرعوب ہوئے۔میں نے کسی کو خوش فہمیاں نہ پال لینے،اور ایک خاردار راستے پہ چلنے سے روک دینے کے لئے اگر خود کو تین سال سے بے اولاد کہلوایا،خود کو کرسڈ ظاہر کرنے کی کوشش کی تو کیا غلط کیا؟''

''ہاں یہ غلط تھا۔کوئی تم سے مرعوب ہوتا ہے،تمہاری پرستش کرتا ہے تو کرنے دو،یہ تمہارا حق ہے وصول کرو۔'' اس نے کہتے ہوئے کافی کا ایک لمبا گھونٹ لیا،اتنی پریشان کن صورتحال میں وہ بھول گئی تھی کہ چند لمحہ قبل وہ اس کافی کی شان میں کیا کیا کہہ چکی ہے۔خیر اب آگے۔

''زینیا حاکم جھوٹی نہیں ہے آنٹی،ہاں زینیا موقع پرست،بازی پلٹ دینے والی ہے۔ہاں میں نے کہانی گڑھی کیونکہ کہانی نے مجھے بچا لیا۔میں نے خود کو آفت زدہ کہلوایا تاکہ لوگ مجھ سے دور رہیں۔میں مقابلہ بازی نہیں کرنے آئی۔میں یہاں لوگوں کی نظروں میں کھٹکنے نہیں آئی۔میں سیف گیم کھیلنے آئی ہوں۔کیونکہ اگر میں گری،تو میرے ساتھ گرنے والی کئی لڑکیاں ہوں گی۔میں واپس گئی تو اگلے کئی سال کوئی ماں باپ اپنی بیٹی کی تعلیم کے حق میں نہیں ہوگا۔میرے کندھوں پہ ڈھیر سارا بوجھ ہے آنٹی۔اس بڑے شہر کے monsters کا بھی۔اور اس چھوٹے شہر کی میری راہ تکتی innocents کا بھی۔"وہ سانس لینے کو رکی آنٹی قائل ہوگئی تھیں واللہ وہ قائل لگتی تھیں۔

"مجھے واپس بھیج دیں گی۔ میں ڈھیٹ ہوں ضدی ہوں دوبارہ کسی اور ہاسٹل آجاؤں گی۔ لیکن کیا آپ ان نہ آنے والی لڑکیوں کا بیڑا اٹھائیں گی۔ انکا حساب آپ کے گلے ہو گا۔"

"واؤ۔۔۔ یہ لائنز تمہاری اپنی ہیں۔؟ یا کسی ناول کی ہیں اصل میں مجھے ناولز کی لائن یاد نہیں رہتیں میں۔۔۔"

"شیزل اب اگر تمھارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو میں تمہاری کولڈ کافی کا ڈبہ کوڑے میں ڈال دوں گی۔ and i mean it"

زینیا نے پیچھے مڑ کر غراتے ہوئے کہا تو شیزل نے منہ پہ انگلی رکھ لی۔ لیکن یہاں سے اٹھ کر نہ گئی۔

(مسائل فیس کرنا، حل کرنا اور ان میں پھنسے لوگ دیکھنا اسکا محبوب مشغلہ تھا۔)

آنٹی واپس صوفے پہ ٹک کر بیٹھ گئیں۔ وہ نیم رضامند لگتی تھیں۔ "مجھے اب بھی سمجھ نہیں آرہی کہ تم نے اپنے شہر کے متعلق جھوٹ کیوں کہا۔ اسکی تو کوئی معقول وجہ بھی نہیں۔"

"جب چار از حد ضروری جھوٹ بولے جائیں، تب ایک غیر ضروری جھوٹ بول دینا چاہیے۔ میری کور سٹوری کے لئے ضروری تھا کہ میں خود کو ایک نئے ماحول میں ڈھال کر پیش کروں۔ میں نے بس وہی کیا ہے۔"

"مہدی سب سچ جانتا ہے اور اسکا کزن آدھا سچ، آدھا جھوٹ کیا یہ سب تمھارے لئے مسائل نہیں کھڑے کرے گا؟"

"مسائل سے پہلے میرے پاس حل آتے ہیں۔ میں دیکھ لوں گی۔ آپ اپنی بات کریں آنٹی۔ ان دونوں سے میرا کوئی واسطہ ہے ہی نہیں۔ میں دوبارہ کبھی قیس سے نہیں ملنے والی پھر کیا؟" اس نے بازو سینے پہ باندھ لئے تھے۔

"یہ آخری چانس ہو گا۔"

''قبول ہے۔''

''تمھیں سزا کے طور پہ تین دن کچن سنبھالنا ہو گا۔''

''قبول ہے۔''

''تم اپنے پکڑے گئے جھوٹ کی سزا بھگتنے میں اکیلی ہو گی۔ میں تمہاری پشت پناہی نہیں کروں گی۔''

''قبول ہے۔''

اس نے شان بے نیازی سے کہا۔ شیزل نے اسکو دیکھتے ہوئے بے زاری سے سر گھمایا۔

''ایڈی تو نیل آرم اسٹرانگ دی اولاد۔ "**(اتنی تم نیل آرم اسٹرانگ کی اولاد۔)** وہ زور سے بڑبڑائی۔ آنٹی اٹھ کر چلی گئیں۔ تو زینیا نے صوفے کے ہتھے سے ٹیک لگالی۔ پھر اپنی شیطانی نظریں شیزل کی جانب موڑیں۔ شیزل کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

''کافی بہت پسند ہے ناں تمھیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''میری کافی کو گندی نظر سے مت دیکھنا۔'' شیزل نے مگ سینے سے لگالیا۔

''کافی کے ساتھ ایک بہترین کرائم تھرلر، اور اپنے سامنے ہوتا فیملی ڈرامہ۔ آہ تمہاری ڈریم وشز۔ ہے ناں؟'' وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ شیزل نے فوراسے کتاب ہاتھ سے پیچھے کرلی۔ ''کتاب کا کوئی مذاق نہیں، زینیا۔'' اس نے وارن کیا۔

زینیا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی لاؤنج کے دروازے تک گئی، شیزل نے سکھ کا سانس لیا۔ (گئی ڈائن۔) یکدم وہ مڑی ۔ محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس کتاب کا مرکزی کردار مرا نہیں قتل ہوا ہے۔ وہ بھی اپنی بیوی کے ہاتھوں۔ قاتلہ آخر تک پولیس کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ یہ کتاب، ایک ہیرو کی نہیں ولن کی ہے۔ امید ہے تم ان اسپائلرز کے بعد بھی اپنی کافی انجوائے کرو گی۔ اور اپنی ریڈنگ سے پرسکون رہو گی۔''

شیزل آنکھیں، منہ، کھولے اسے دیکھتی رہی۔ اسکا ڈیڑھ ہزار ضائع ہو چکا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا اپنے نقصان پہ کفن لپیٹ کر سو جائے۔ شیزل سیمسن کی زندگی برباد ہو چکی تھی۔ اور وہ صدمے سے شل رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات نے منہ کھول کر شام کی نیلاہٹ کو اپنا شکار بنالیا۔ اور اسلام آباد پہ یوں تاریکی پھیلادی گویا یہاں کبھی کسی قسم کی روشنی آئی ہی نہ ہو۔ ایسے میں ہمارا رخ روشنیاں ہوں گی، ایک ہلکا پھلکا ماحول اور تروتازہ کر دینے والی گفتگو ہو گی۔ اور کہانی کا کونسا کردار، آپ کو ہلکا پھلکا کر سکتا ہے؟

براق حنیف کا پینٹ ہاؤس زرد بتیوں میں جگمگا رہا تھا۔ داخلی دروازہ پار کرتے، راہداریوں میں قدم دھرتے، پینٹ ہاؤس کی آرائش پہ اپنا دل لٹاتے پول سائیڈ پہ آؤ تو اس وقت وہاں تین لوگ موجود تھے۔ تینوں نے ایک جیسا لباس سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ ہی ٹراؤزر پہن رکھے تھے۔ جن کے سینے پہ انگریزی عبارت friends never lie لکھی تھی۔ یہ اس تین لوگی پارٹی کا ڈریس کوڈ تھا۔

پول سائیڈ کے سامنے گلاس وال تھی جہاں سے سارا شہر نظر آتا تھا۔امیر ہونے کا ایک فائدہ ہوتا ہے، آپ گھر کو ایک حسین نظارہ دینے کے لئے کروڑوں خرچ کر سکتے ہیں۔اب لوگ اسے چونچلہ کہیں، یا شوق انکی مرضی۔ایک طرف الیکٹرک انگیٹھی کے آگے کھڑا قیس باربی کیو بنا رہا تھا۔تو دوسری جانب اپنے ایک بازو سے کام کرتا مہدی کمبیر لمبی میز جو کہ عین پول کے سامنے تھی، اسے سجا رہا تھا۔براق حنیف پیروں کو پول کے پانی میں ڈبوئے عربی غزل گنگنا رہا تھا۔

''ویسے میری آخری اطلاعات کے مطابق میں تمہارے باپ کا زر خرید غلام نہیں ہوں۔'' قیس سیخ کو پلٹتے ہوئے مصروف انداز میں بولا تھا۔

''اور میری آخری اطلاعات کے مطابق میں تمہاری ماں کے جہیز میں آئی لونڈی نہیں ہوں۔''اٹالین ڈنر سیٹ کو میز پہ سجاتا مہدی بھی اپنا حصہ ڈال گیا۔

''لیکن میری آخری اطلاعات کے مطابق میں ایک حسین، معصوم، جانباز، دلگفتار شہزادہ ضرور ہوں۔جس کے ہاتھ کام کرنے سے تھک جائیں گے۔'' براق نے اپنی منطق پیش کی۔

''اور یہ اطلاع تم تک پہنچانے والا کون ہے؟'' قیس نے پلیٹ باربی کیو سے بھر دی۔

''میری ایک انتہائی حسین گرلفرینڈ اس نے مجھ سے کہا ہے بابو تمہارے ہاتھ بہت نازک ہیں۔۔۔۔''

''لڑکیوں کی بات کا متضاد مطلب لیتے ہیں۔جب وہ کہے تمہارے ہاتھ بہت نازک ہیں تب وہ کہنا چاہتی ہو گی۔بابو تمہاری چمڑی تو چمڑے سے بھی زیادہ سخت ہے۔'' قیس نے اسکی بات اچک لی۔

براق سوچ میں پڑ گیا۔ ''آج میری نویں نمبر والی گرلفرینڈ نے کہا کہ اسکے گھر والے مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ پھر اسکا مطلب کیا ہوا ۔''

''اسکا مطلب یہ ہوا کہ جان پہلے تو تمہارے کارڈ اور خون صرف میں چوس رہی تھی۔ اب حصے دار آنے والے ہیں تیار ہو جاؤ۔'' فرانسی گلاس لگاتا مہدی کیا تشریح کر رہا تھا۔ براق نے افسردہ ہو کر گردن ڈھلکا دی۔

''یعنی اگر کبھی کسی دور میں مجھ جیسا لاابالی، شوخ، زمانے کا بھٹکا یا ہوا مرد ایک عزت دار زندگی گزارنے کی آرزو کروں گا تو مجھے ایسی ہی ٹاکسک لڑکیاں ملیں گی۔؟ کیا میرے لئے نیکی کا کوئی راستہ نہیں؟''

قیس نے ایک سیخ ہاتھ میں بلند کی۔ اور دوسری کو اب بھی پلٹ رہا تھا۔

''راستہ ہے، ہر دفع ہوتا ہے لیکن تم اپنے راستے میں کھڑے شیطان خود ہو، براق۔ عورت بھی اس مرد کو برا بناتی ہے جس کے اپنے دل میں کھوٹ ہو۔'' بات میں دم تھا، یا پھر براق کی ڈھلکی گردن اب تھک چکی تھی کہ وہ کوئی جواب نہ دے پایا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں باربی کیو کی پلیٹس ہاتھ میں لئے، جوس کا گلاس ساتھ رکھے، پیر پول کے پانی میں ڈبوئے بیٹھے تھے۔ ساتھ ایک ٹرے رکھی تھی۔ جس میں باقی کے لوازمات تھے۔ پلیٹ میں مختلف ساسز بھی تھیں۔ اور ایک طرف رکھے ٹرے میں چاولوں کی پلیٹ تھی ۔ اس وقت وہ تینوں جگری یار لگ رہے تھے۔ لیکن سچ تم سے بہتر کون جانتا ہے؟

''ویسے ایک بات ہے۔'' براق سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ہم تینوں میں سب سے زیادہ خبیث کون ہے؟'' اسکی بات پہ باقی دو بھی سوچ میں پڑے۔ نوالہ چباتا منہ رک گیا۔ ہاتھ میں پکڑے مشروب نے ساکن ہو کر انہیں دیکھا۔ ''ایسا کرتے ہیں موازنہ کر لیتے ہیں۔ ہم تینوں اپنی اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا گناہ بتائیں گے، اور پھر ایک نیکی۔ جسکی نیکی بھاری پڑی وہ سکندر۔ کیا کہتے ہو؟''

''مجھے اس قسم کے فضول کھیل میں کوئی دلچسپی نہیں۔'' قیس نے ناگواری سے ٹوکا۔

''امی کہتی ہیں، جو ڈرتا ہے وہ چور ہوتا ہے۔'' براق نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ مہدی البتہ پر سوچ لگتا تھا۔ اسکے ایک ہاتھ میں پلیٹ تھی۔ اور دوسرا ہاتھ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بس پلیٹ پکڑے بیٹھا تھا، اسے کھلانے والا قیس تھا، جوس کا گلاس اسکے لبوں سے لگانے والا براق حنیف تھا۔ کیا تمھیں اب بھی انکے جگری یار ہونے پہ شک ہے؟

''سب سے پہلے میں سناؤں گا۔'' مہدی نے فیصلہ سنایا۔ ''میرا گناہ یہ ہے کہ کچھ وقت پہلے جب میں وینس گیا تھا، تو وہاں میرے ٹور گائیڈ نے اپنی بیوی کو میرے سامنے تھپڑ مارے، اور اسکا گلا دبایا۔ اسی وقت وہاں پولیس آگئی لڑکی نے مجھے چشم دید گواہ کے طور پہ متعارف کروایا لیکن میں مکر گیا۔ میں نے کہہ دیا میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ براق نے تاسف سے اسے دیکھا۔ اور جوس کا گلاس اسکے لبوں سے لگایا، زخمی اسپیکر نے دو گھونٹ بھرے، قیس نے کانٹے کی مدد سے اسے باربی کیو کا ایک ٹکڑا کھلایا۔ مہدی نے پوری طرح چبایا، نگلا اور اب وہ بولنے کو تیار تھا۔

''میں اپنی ٹریول لائف پہ تھانہ، چار جزاور ایک بار سوخ خاندان کے آدمی کا انتقام نہیں داغ سکتا تھا۔یہ تھا میر اگناہ۔'' کچھ پل کے لئے تینوں مرد خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ کانٹا بھی نہ اٹھایا، جوس کے گلاس کو ہوا میں معلق رہنے دیا۔یک منٹ کا سوگ بیتا تو مہدی نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

''میری نیکی یہ ہے کہ جب میں پچھلے سال کوریا گیا تھا۔تب ایک نسبتاً کم خوبصورت لڑکی کو چار سے پانچ لڑکیاں بُلی کر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے منی اسٹریٹنر سے اسکا بازو بھی جلادیااور تب میں وہاں ان سب سے لڑنے والا اکیلا آدمی تھا۔وہاں میں نے مار بھی کھائی، مجھے کافی گہری چوٹ بھی آئی اس بُلی لڑکی کے گارڈز مجھ سے زیادہ تگڑے تھے۔ لیکن میں نے اس لڑکی کو بچالیا تھا۔''

پلیٹ میں کانٹا بجابجا کر گویا تالی بجائی گئی۔اسکے دائیں بائیں بیٹھے مردوں نے اسکی حوصلہ افزائی کی تھی۔

''اب قیس کی باری۔'' براق کی توپوں کا رخ قیس کی جانب ہوا۔سیاہ آنکھوں والے مرد نے لمبی گہری سانس لی، کانٹے میں باربی کیو کا ذرا اٹکا کر مہدی کے منہ کے قریب لے گیا۔ساتھ ذرا سے چاول بھی اسے کھلائے۔

''میرا گناہ یہ ہے کہ جب میں دس سال کا تھا تو میرے بابا نے کچھ لوگوں کو ڈیرے پہ باندھ دیا تھا۔ان کا قصور یہ تھا کہ ابا نے ان دو آدمیوں کو منع کیا تھا کہ جب ڈیرے سے گزر رہے ہو تو ریڈیو پہ گانے نہ لگایا کرو۔ لیکن وہ آدمی باز نہ آئے۔ بابا نے ان کو درخت سے باندھ دیا، سخت سردی کا موسم تھااور بابا نے ان دونوں کو یہ سزا کے طور پہ دو ملازم انکے سر پہ کھڑے کر دیے جوان دونوں پہ ٹھنڈا برف پانی ڈالتے تھے،اور چار پنکھے انکے دائیں بائیں چلادیئے۔ بابا کسی کام سے چلے گئے اور مجھے میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ

وہیں چھوڑ گئے۔" وہ بولتے بولتے رکا، دونوں مرد محو سے اسے سن رہے تھے۔ قیس نے پلیٹ میں رکھے کھانے کا ایک اور نوالا مہدی کی جانب بڑھایا۔

"میرا بھائی مستقیم ان دونوں مردوں کو ٹھٹھرتے دیکھ تالیاں بجا رہا تھا، میں اس وقت بھی سمجھتا تھا کہ یہ ظلم ہے۔ لیکن اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ملازمین کو حکم دیا کہ انکے اوپر پانی ڈالتے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بے۔۔۔"

"رائتہ ڈالو۔۔"۔ بولتے ہوئے قیس کی بات مہدی کمبیر نے کاٹی۔ وہ سادے چاولوں کے اوپر رائتہ ڈالنے کی فرمائش کر رہا تھا۔ قیس نے رخ بدل کر چھوٹی باؤل سے رائتے کے دو چمچ چاولوں کے اوپر ڈالے، براق نے مشروب مہدی کے لبوں سے لگایا، گھونٹ بھرنے کے بعد اب وہ چاولوں کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا۔ انو کھالاڈلا۔

"دونوں آدمی اگلے دن تک سردی سے مر گئے تھے۔ اور مجھے آج بھی یہ گناہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا گناہ لگتا ہے۔" اس نے سست روی سے پلیٹ نیچے رکھ دی۔ مہدی اور براق اسے دیکھتے رہے، وہ ہرٹ تھا۔

"خیر میری نیکی یہ ہے کہ میں نے ایک لڑکی کو جیل جانے سے بچایا۔ میں نے اس کا کیریئر بھی بچایا، اسکی عزت بھی بچائی، اور اسکی ذہنی صحت بھی۔ تھانہ صرف عزت نہیں ذہنی صحت بھی برباد کر دیتا ہے۔ میں نے اسے بچایا ہے۔"

"تم نے واقعی ایک عظیم کام کیا ہے۔ لیکن تمھارے نزدیک ایک لڑکی۔۔ اور تمہارا اسکی مدد کرنا یہ بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔" براق اپنی زبان کی کھجلی نہ روک سکا۔

"وہ شادی شدہ اور مسائل زدہ ہے، بکواس نہ کرو۔" قیس نے ناگواری سے ٹوکا۔

''ایک تو آج کل شادی شدہ لڑکیوں کا سیزن ہی آگیا ہے۔ خیر میں براق حنیف ہوں تو انوکھا ہی کام کروں گا، تو میں نیکی سے شروع کرتا ہوں۔ میری نیکی یہ ہے کہ میں نے اپنی ایک گرل فرینڈ کے گھر میں چار سال تک راشن ڈالا۔''

اس نے اپنے دائیں بائیں بیٹھے بھائیوں کو دیکھا۔ کوئی ستائش نہیں۔

''میں نے اپنی ایک گرل فرینڈ کی بہن کی شادی کا سارا خرچہ اٹھایا، اسکے بھائی کا ایک اچھے کالج میں داخلہ کروایا۔'' گردن موڑی ،دائیں بائیں۔اؤنہوں اب بھی کوئی رد عمل نہیں۔

''میں نے اپنی ایک گرلفرینڈ جس سے میں قطعی محبت نہیں کرتا تھا، اس سے جھوٹ کہا کہ مجھے کینسر ہے۔ اور میں اس سے شادی نہیں کر سکتا، اور پھر اسکی شادی ایک اچھے خاندان میں کروادی۔ تاکہ اسے ایک قدر کرنے والا شوہر ملے۔''بس یہاں براق حنیف کی نیکیوں نے فل اسٹاپ لگایا۔ لیکن اسکے ساتھ بیٹھے ہوئے دونوں دوستوں نے اب بھی کوئی داد تحسین پیش نہ کی۔

''اب اپنا گناہ بتاؤ۔۔"مہدی نے فرمائش کی۔ براق نے گلا تر کیا، چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ آنکھوں کے آگے وہ گول چشمے والی لڑکی آئی، صرف وہی تھا جو ان آنکھوں میں چشمے کے باوجود خوشی، اور کرب کے رنگ دیکھ سکتا تھا۔''میرے ساتھ کالج میں ایک لڑکی پڑھتی تھی۔ ہم دونوں اسکول سے ساتھ تھے۔ ایک دوسرے سے انتہا کی نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کئی بار میرا سر بھی پھاڑ چکی تھی۔'' قیس جانتا تھا یہ کس کی بات ہو رہی ہے۔ اسے وہ لڑکی یاد تھی۔

''اسکے گھر میں کچھ مسائل تھے۔ وہ کور اپ بہت اچھا کرتی تھی۔ لیکن ایک دن ایک کمزور لمحے میں اس نے مجھے سب بتادیا۔ وہ بہت رو رہی تھی، وہ ہرٹ تھی۔ میں نے اسے دلاسا دیا، اور یہ بات اپنے تک محدود رکھنے کی تسلی کروائی۔ لفظوں سے نہیں آنکھوں اور اعتماد سے۔'' براق کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''اگلے دن ہمارا ایک اور جھگڑا ہوا اور میں نے اسکے سارے راز فاش کر دیے۔ اس دن اس لڑکی کو مجھ سے نفرت بھی نہیں رہی۔ وہ میرے معملے میں بے حس ہوگئی۔ میں نے اس لڑکی کا اعتماد مسخ کر دیا۔ میں نے اسکے ساتھ بہت غلط کیا۔ یہ غلطی نہیں گناہ تھا۔'' وہ خاموش ہوگیا۔ اسکے ساتھ بیٹھے مرد بھی خاموش ہوگئے تھے۔ یہ واقعی گناہ تھا۔

''پھر بتاؤ ہم میں سے سب سے زیادہ خبیث کون ہے۔'' اس نے ماحول ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔ قیس اور مہدی نے بس ایک خاموش اور ملامتی نظر اس پہ ڈالی تھی۔ اور پھر براق حنیف نے گردن جھکا دی۔

''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

تھکی ہاری زینیا حاکم اپنے کمرے میں آئی تو ایک نئی مصیبت منہ کھولے بیٹھی تھی۔ اسکی نئی روم میٹ آج اپنا بوریا بستر لئے کمرے میں آدھمکی تھی۔ اسکا سامان، سامان نہیں تھا مال غنیمت کا ٹوکرا تھا۔ یہاں سے وہاں بیگ بکھرے پڑے تھے، کپڑے جوتے، میک اپ کا سامان، سیلفی اسٹک، کیمرہ اسٹینڈ، کیمرہ لائٹ۔ یہ سب برداشت ہو سکتا تھا لیکن اسکے بیڈ پہ بیٹھی گپے لگاتی چار لڑکیاں نہیں۔ ہاسٹل ایسا ہی ہوتا ہے ہر کونے کھدرے، کمرے، کچن میں تین سے چار لڑکیاں جمع ہوتی ہیں۔ زینیا کی پچھلی روم میٹ اچھی تھی، ہاں

وہ ڈرگ ایڈیکٹ، کرمنل اچھی تھی۔ رات کے دس بجے آتی تھی، صبح کے دس بجے سے پہلے غائب ہو جاتی تھی۔ چوکھٹ پہ کھڑی زینیا بے بسی سے اپنے کمرے میں بیٹھی ان لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی، جو ہاتھ اٹھا اٹھا کر بول رہی تھیں۔

''ارے۔۔زینیا تم آؤ ناں۔'' مناہل نامی اس کی روم میٹ چہک رہی تھی۔ زینیا بدستور دروازے پہ جمی رہی۔ ''تمھیں میں یاد ہوں ناں۔ ارے جس دن تم آئی تھیں ناں ہم میس میں ملے تھے۔ اسکے بعد میرا ایک شوٹ تھا، لاہور میں تو میں بزی ہو گئی تھی۔ آجاؤ باتیں کرتے ہیں۔'' وہ زیادہ خوش اخلاق تھی یا پھر زینیا بد اخلاق؟

''یہ میرے پڑھنے کا وقت ہے کیا تم پلیز باہر جا کر پارٹی کر سکتے ہو؟'' لگی لپٹی اس نے پہلے کب رکھی تھی جواب رکھتی۔ مناہل نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔

''میں اس وقت اپنے شوٹ کا قصہ سنا رہی ہوں۔ وہ شوٹ جو ملک کے ایک بے حد مشہور فیشن برانڈ کے ساتھ ہوا تھا۔ کیا تم مجھے جانتی بھی ہو۔'' آخر میں اسے گمان ہوا کہ زینیا شاید اسکی مقبولیت سے واقف نہیں ہے۔

''مناہل شیخ، جسکا تعلق راولپنڈی سے ہے۔ جس کے ٹک ٹاک پہ نو لاکھ فالوورز ہیں، یوٹیوب پہ دو لاکھ اور انسٹا گرام پہ دس لاکھ فالوورز۔'' چوکھٹ پہ زینیا کے پیچھے کھڑی شیزل سیمسن مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ میں اسٹرابیری ملک کا کاٹن لئے وہ آگے بڑھ آئی۔ زینیا ٹھہر کر اسے دیکھتی رہی۔ مناہل کے کندھے چوڑے ہو گئے تھے۔

"میں نے تمہارا vlog دیکھا تھا۔ تمھیں جو ٹریٹمنٹ دیا گیا وہ تو کسی ملکہ جیسا تھا۔ تم مجھے شروع سے لے کر آخر تک سب بتاؤ۔ آج رات ہم یہی بات کریں گے۔" وہ بیڈ پہ آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ زینیا نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا تھا لیکن آج وہ اپنے ڈیڑھ ہزار کا انتقام لئے بغیر یہاں سے اٹھنے والی نہیں تھی۔ زینیا نے ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تیز تیز کچھ ٹائپ کیا۔

شیزل کے موبائل پہ زینیا کے ٹائپ شدہ الفاظ جگمگائے۔ **"میرے پڑھنے کا وقت ہے یہ تماشا بند کرواؤ۔"**

"تم جانتی ہو ناں یہ لڑکی کون ہے، اس سے لڑنا ہے کیا؟ میں اس تماشے میں ہی خوش ہوں۔" اسکی لمبے ناخنوں والی انگلیوں نے فوراً جواب لکھا۔

"یہ لڑکی اگلے تین گھنٹے خاموش نہیں ہو سکتی، تم اسے کیسے برداشت کرو گی؟"

"میں ایک extrovert ہوں یہ چاہے اگلی تین صدیاں بولتی رہے مجھے فرق نہیں پڑتا۔" زینیا نے موبائل سے نظریں اٹھا کر اس ڈھیٹ کو دیکھا، جو مناہل کی باتوں پہ مصنوعی مرعوب نظر آتی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" یک سطری میسج شیزل کے پاس اڑ کر پہنچا۔

"تم نے میری کہانی برباد کر دی میں آج رات تمہاری پڑھائی برباد کرنا چاہتی ہوں۔"

"اگر میں تمھیں اس سے زیادہ اعلیٰ اور سچی کہانی سناؤں تو؟" ان دونوں کی نظریں بیک وقت ایک دوسرے سے ملیں، زینیا مسکرا رہی تھی۔ شیزل اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''تم نے مجھ سے پوچھا نہیں کہ میں نے اس ڈر گز کے بیگ کو کیوں ساتھ رکھا۔'' کچھ دیر بعد وہ دونوں لان میں بیٹھی تھیں۔

لڑکیوں کا ایک ٹولہ ان سے ذرا فاصلے پہ تھا۔ کچھ کتابیں لئے بیٹھی تھیں، کچھ کے ہاتھوں میں موبائل فونز تھے۔

''انسان کا حال اسکے ماضی سے جڑا ہوتا ہے۔ وہ ایک عمل جو ہمیں غیر ضروری، عجیب یا پھر بہت برا لگتا ہے، وہ دراصل انسان اپنے ماضی سے خوفزدہ یا پھر انسپائرڈ ہو کر کرتا ہے۔ ماضی بیت جاتا ہے، لیکن وہ ہمارے اندر ایک ٹرگر بٹن چھوڑ جاتا ہے جب ہم اپنے حال میں اپنے ہی ماضی میں ہوئے کسی واقعے کا عکس دیکھتے ہیں۔ تو ہمارا ردعمل وہ ہوتا ہے جو ہم نے ماضی میں کیا ہو اور اس نے ہمیں بچا لیا ہو، یا پھر وہ جو ہم نے ماضی میں کیا ہو اور آج اسے آزما کر دیکھ لینا چاہتے ہوں۔ میں جانتی ہوں تم نے جو کچھ بھی کیا اسکے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ ہوگی۔'' تاریخ دانوں کو بلا کر آج لکھوانا چاہئے تھا کہ شیزل سیمسن نے اتنی لمبی بات کہی تھی۔

زینیا چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ شیزل نے کھنکھار کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''کہانی شروع کریں، زینیا حاکم۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل پہ آج تاریکی کا راج تھا۔ مقصود کمبیر کا سیاہ و سفید کمرہ آج اپنے سینے پہ دو نفوس کی موجودگی لئے ہوئے تھا۔ مقصود کمبیر بیڈ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ قیس انکے سامنے بیٹھا تھا، ذرا فاصلے پہ، اس سیاہ ریکلائنر پہ۔ اپنے چچا سے وہ آج اتنے دن بعد مل رہا تھا، انہوں نے قیس کو عبداللہ پکار کر اسکا دل دکھایا تھا۔ لیکن وہ اسکا خاندان تھے۔ قیس ان سے لڑ نہیں سکتا تھا، زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکتا تھا۔

''آپ دوائی نہیں لے رہے چچا، جانتے ہیں صحت کے لئے کتنا خطرناک ہے؟''

''اس طرح محبت سے بات مت کرو مجھ سے۔ وہی لہجہ، وہی طنز، وہی بدگمانی واپس لاؤ۔ جب اسے دل سے نہیں نکال سکتے، تو دل میں چھپاؤ بھی مت۔'' قیس نے گہری لمبی سانس لی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا اور انکی سائیڈ ٹیبل پہ رکھی دوائیوں کے پتے اٹھائے۔

''مجھے نہیں معلوم تم کیا کر رہے ہو، قیس، میں نہیں جانتا تم خود کو کہاں پھنسا رہے ہو، لیکن میں تمھارے لئے فکرمند ہوں۔'' اس نے چند رنگ برنگی گولیاں نکال کر انکے ہاتھ پہ رکھیں۔

''تم نے ایک لڑکی کو اپنے گھر کے خفیہ راستوں کے راز دیئے ہیں۔ تمھارے گھر میں منشیات کے تھیلے پڑے ہیں۔ تم پولیس سے فیورز لے رہے ہو تاکہ اس کا نام کہیں نہ آئے۔ تم نے صرف ایک ہاسٹل کی لڑکی کے مستقبل کے لئے اپنے حال میں مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔۔۔۔ تم۔۔''

''نہ اس لڑکی کا مستقبل نہ میرا حال میں نے جو کچھ بھی کیا اپنے ماضی کے زیر اثر آ کر کیا۔'' اس نے کھوکھلے لہجے میں انکی بات کاٹی۔

''انسان اور اسکا ماضی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ کبھی ماضی حاوی ہو جاتا ہے اور کبھی انسان۔ اس روز میرا ماضی مجھ پہ حاوی ہو گیا تھا۔ جن لوگوں نے مسائل دیکھے ہوں وہ اپنے جیسے لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔ میں بےوقوف نہیں مسیحا تھا۔ اس شہر نے مجھ سے بہت کچھ چھینا ہے۔ میں یہاں آتے وقت معصوم تھا۔ اس شہر نے مجھ سے میری معصومیت چھین لی، میں اسے کسی اور کی معصومیت چھیننے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ صرف ایک لڑکی نہیں ہے وہ میرے ماضی کا عکس تھی۔''

(کئی برس قبل کا ذکر ہے۔ ماضی کا قیس اٹھارہ برس کا تھا۔ اسکے باپ کے قتل، خاندان کی موت کو چند ماہ بیت چکے تھے۔ اسلام آباد آئے ہوئے اسے تین دن سے اوپر ہو چکے تھے۔ بختیار چچا زندگی اور موت سے لڑ رہے تھے۔ اور دوسرے بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے۔ ہسپتال کے بستر پہ پڑے اسکے چچا اسکی مدد کے منتظر تھے۔ وہ شہزادہ تھا۔ ساری زندگی آس پاس ملازم ،لوگ، چاکری، روپیہ پیسہ دیکھا تھا۔ آج حالات زندگی اسے عجب ڈگر پہ لے آئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے شراکت دار کے گھر میں بیٹھا تھا۔

اسکی حالت خراب تھی۔ کپڑے ملگجے سے، گھنگریالے بال بکھرے ہوئے، چہرہ ستا ہوا اور کئی دنوں کی تھکن کا مارا۔ اسکی آنکھوں کے نیچے حلقے تھے۔ آنکھیں بار بار گیلی ہو رہی تھیں جنہیں وہ بے دردی سے رگڑ رہا تھا۔ دائیں ٹانگ اضطرابی کیفیت میں جھلاتے ہوئے وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بلاخر اسکا انتظار ختم ہوا تھا۔ اسکے سامنے دو مرد آ کر بیٹھے انکی عمریں پینتالیس، چھیالیس کے ہندسے کو چھوتی تھیں۔ چہرے پہ فکرمندی اور ٹھاٹھ شہنشاہوں والے تھے۔ یہ اسکے بابا کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد قیس مدعے پہ آیا تھا۔

"خالق صاحب میں آپ سے اپنے بابا کے حصے سے کچھ رقم لینے آیا ہوں۔" اس نے صوفے پہ آگے کو ہو کر بات کا آغاز کیا۔

"دراصل میرے چچا بہت بیمار ہیں اور اس وقت ہم پہ ایک برا وقت آیا ہے۔ نہ چیک بک، نہ بینک بیلنس اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں آپ سمجھ رہے ہیں ناں؟" اس نے ٹھہر کر تائید چاہی۔ خالق صاحب نے سنجیدگی سے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے کو کہا اور اسکی حوصلہ افزائی کی۔ "بس ایک ڈیڑھ سال بعد میں اپنا کاروبار خود چلا سکوں گا، لیکن تب تک کے لئے وہ آپ کے پاس ہے۔ مجھے بس کچھ رقم چاہیے۔ کاروبار کے منافع سے ہمارے حصے کی رقم۔"

خالق صاحب مسکرا کر آگے کو ہوئے۔ قیس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ چند ماہ پہلے یتیم ہوا تھا۔ یوں کسی کی محبت ملنا، یوں اعتماد ملنا یہ سب نعمت لگ رہا تھا۔ چند پل بعد اس کے سامنے چائے اور ڈھیر سارے لوازمات رکھے تھے، چند کاغذ کے ٹکڑے بھی جن میں قیس کے باپ اور چچا کے ساتھ ہونے والے معاہدے تھے۔ وہاں ہر ہر صفحے پہ یہی لکھا تھا کہ عبداللہ زمان اپنے والد اور چچا کی غیر موجودگی میں سارے کاروبار کا وارث ہے۔ پھر چاہے اسکی عمر اٹھارہ برس ہو یا پھر اسی۔

ان دو مردوں نے اسکی حوصلہ افزائی کی، اسے اچھا کھانا کھلایا، پیسے دیئے، ساتھ کا یقین دلایا اور قیس ان وقتوں میں معصوم ہوا کرتا تھا۔ وہ ان دو لوگوں پہ بھروسہ کر گیا۔ اس پیدل چل کر آنے والے کو واپسی میں گاڑی میں سوار کر کے بھیجا گیا تھا۔ مارے تشکر کے احساس کے قیس کا دل بھاری ہونے لگا۔ وہ ان دنوں واقعی معصوم تھا۔)

ہاسٹل کے لان میں پلاسٹک کی کرسی پہ بیٹھی زینیا حاکم کی نظریں دور آسمان کو تکتی تھیں۔ سینے میں جلن کا احساس ہوتا تھا۔ وہ بہت بری طرح افسردہ نظر آتی تھی۔ ''میری ایک دوست تھی۔'' کافی وقت بعد وہ ہلکے لہجے میں بولنا شروع ہوئی۔ ''ہم دونوں کے درمیان کچھ ہوا تھا، جسکی وجہ سے ہم الگ ہو گئے۔ لیکن میں اسکی خبر رکھا کرتی تھی، اسکی سالگرہ پہ ہر دفع ایک غیر شناسا نمبر سے اسے میسج کرتی تھی۔ ہمارے درمیان فاصلے تھے، لیکن ہمارے درمیان نیک نیتی بھی تھی۔ بڑے شہر نے اسکے ساتھ بہت برا کیا تھا۔''

ماضی میں دور کہیں زینیا حاکم کے سنجیدہ چہرے پہ اس وقت جوش سا تھا۔ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی اپنا پسندیدہ شو دیکھ رہی تھی۔ وقفے کے دوران اس نے چینل بدلنا شروع کیا اور اس لمحے اسکی آنکھوں نے ایک منظر دیکھا۔ پولیس نے لاہور کے ایک نجی ہاسٹل

سے بہت بڑی تعداد میں منشیات برآمد کی تھی۔ زینیا کے لئے، یا پھر کسی بھی انسان کے لئے ایسی خبر نئی نہ تھی۔ لیکن جو چہرہ اسکے سامنے تھا، وہ باز وجنھیں لیڈی اہلکار اپنے بازوؤں کے نرغے میں لئے جا رہی تھیں زینیا اس منظر کو ساری زندگی نہیں بھول سکتی تھی۔

وہ روتی نہیں تھی، اسے رونا کمزوری لگا کرتا تھا لیکن اس روز ٹی وی پہ ان مناظر کو دیکھتے ہوئے اسکی آنکھیں کب نم ہوئیں اور کب ان سے آنسو رواں ہوئے، اسے معلوم نہ ہو سکا۔ رپورٹر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لیکن زینیا کے کان سن تھے۔

''دو دن قبل، لاہور کے نجی ہاسٹل میں رہنے والی حمنہ طاہر جو کہ بیرسٹر سمیع اللہ طاہر کی بیٹی تھیں، انکے جوس میں کسی نے منشیات ملا کر دے دیں، ڈوز انتہائی ہونے کے سبب حمنہ طاہر موقع پہ جان بحق ہو گئیں۔ تلاشی لینے اور تفصیلات لینے پہ معلوم ہوا ہے کہ حمنہ طاہر کی الماس گوہر سے چپقلش تھی۔ جس کی وجہ سے وہ دونوں کافی بار ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار کر چکی تھیں۔ لیکن کسی کی زندگی سے کھیل جانا، یہ کوئی معمولی جھگڑا نہیں بلکہ جرم ہے۔ بلوچستان کے شہر گوادر سے تعلق رکھنے والی الماس گوہر کے کمرے سے منشیات کی ایک بھاری مقدار برآمد ہوئی ہے۔ جوس کا ادھ کھلا پیکٹ اور ان دونوں چیزوں پہ الماس گوہر کے فنگر پرنٹس بھی مل چکے ہیں، پولیس کا کہنا ہے کہ۔۔۔''

''اس واقعے سے چند روز پہلے الماس نے مجھے کال کی تھی۔ اس کی عقل، ذہانت سے کئی سٹوڈنٹس اس کے ساتھ تعصب رکھنے لگے تھے۔ اس نی کہا تھا حل نکالو زینیا۔ کیونکہ تمہارے پاس مسائل سے پہلے حل آتے ہیں۔ میں نے اسے کہا تھا جہنم میں جاؤ الماس۔ میں

نے ماضی میں ایک الماس کی زندگی برباد کر دی،اور میں نے مستقبل میں کئی الماس بچالیں۔لیکن مجھے اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔جہنم میں جاؤ الماس۔‘‘اسکی نظریں خلا میں جمی تھیں۔آنکھیں خالی خالی تھیں۔

ان دنوں بشر لاہور میں ہی پڑھا کرتا تھا۔وہ ضد کر کے اسکے ساتھ لاہور چلی آئی تھی۔ابا نے لاکھ برا بھلا کہا،بشر نے لاکھ منع کیا لیکن وہ دل کے گلٹس کے ہاتھوں مجبور تھی۔جیل۔۔۔۔جیل ایک جگہ نہیں ہوتی جہنم ہوتا ہے۔زمینی جہنم۔یہاں جھلسنا ہوتا ہے۔

جالی دار دیوار کے پار زینیا حاکم اسے دیکھ سکتی تھی،وہ جو اسکی دوست تھی۔جسے زینیا نے خود چھوڑا تھا۔اسکی حالت بیان سے باہر تھی۔ایک ہائی پروفائل کیس میں اسے صرف اس لئے پھنسا دیا گیا تھا کہ،چند بگڑے امیر بچوں کے ہاتھوں بُلی ہونے کے بجائے اس نے اپنے لئے آواز اٹھائی تھی۔حمنہ طاہر قتل نہیں ہوئی تھی وہ "**ایڈوینچر**" نامی بلا کے منہ کا نوالہ بن گئی تھی۔اسے ڈرگز زبردستی نہیں دی گئی تھی،اس نے بہادری ثابت کرنے کو،چند لڑکے لڑکیوں کی شہہ پہ خود کو عظیم اور ناقابل تسخیر ثابت کرنے کو یہ سفید ذرات خود اپنے حلق میں انڈیلے تھے۔

’’تم یہاں سے نکل آؤ گی،الماس۔تم۔۔یہ جگہ تمھارے لئے نہیں ہے میں۔۔" وہ دلاسا دیتے دیتے خود ہی خاموش ہو گئی آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔الماس کے چہرے پہ ڈھیر سارے نیل تھے،آنکھیں خشک تھیں۔اس نے بے تاثر نگاہوں سے جالی کے پار زینیا کو دیکھا۔اسکے ہاتھ میں سرخ ٹیلی فون تھا۔زینیا کو اسکی آنکھیں اپنے اندر گڑتی محسوس ہوئیں۔

" تم ایک گھٹیا دوست ہو۔" الفاظ تھے کہ چابک زینیا کی روح پہ زخم پڑے۔ "تم نے مجھے چھوڑا تھا، کیونکہ تمھیں لگا مجھے تمھارے راز معلوم ہو گئے، اور میں ان رازوں سے پردہ اٹھادوں گی۔ لیکن شاید تم نہیں جانتی تھیں کہ تم سے دوستی سے پہلے میں تمھارے راز جانتی تھی۔" جالی کے پار اسکا چہرہ دھندلا ہونے لگا، زینیا کے آنکھیں بھر رہی تھیں، فون پہ گرفت ڈھیلی پڑی۔

"میں نے کئی بار تمھیں کالز کیں، میں نے کئی بار تم سے ملنا چاہا، کئی بار اپنی سچائی بتانی چاہی لیکن تم نے نہیں سنی، کیونکہ تم صرف اپنا سوچتی تھیں۔ تم خود غرض ہو زینیا۔ ایسے لوگ دوستی نہیں، ضرورت پوری کرتے ہیں۔" وہ بولتے بولتے ٹھہر گئی۔

"تم نے مجھے پہلے بھی اپنے لیے چھوڑا تھا۔ تم آج یہاں بھی اپنے لئے آئی ہو۔" زینیا کی آنکھیں شاکی انداز میں پھیلیں۔ "تم اپنے لئے آئی ہو، ہاں بس اپنے لئے۔ تاکہ تم گلٹ سے نکل سکو۔ تم اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہو زینی؟ یہ خود غرضی تمھیں لے نہ ڈوبے، یہ تمھیں اکیلا کر دے گی۔" جالی کے پار سرخ فون ہاتھ میں لئے، وہ کہہ رہی تھی لیکن زینیا کی سماعتوں پہ سچ کا تھپڑ اتنی زور سے لگا تھا کہ کئی پل وہ اپنی جگہ جامد رہی۔

سیاہ آنکھوں والا شخص بیڈ کے ایک کونے پہ بیٹھا تھا۔ اسکی آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔ وہ کہیں دور تھا بہت دور۔

"اس شہر نے، اس کے لوگوں نے میرے ساتھ دغا کیا۔ ہم چھوٹے علاقوں سے آئے لوگ یہاں مستقبل بنانے آتے ہیں اور زندگی خراب کروا کر چلے جاتے ہیں۔ جب انسان کے ساتھ دھوکا ہوتا ہے، تب وہ دو طرح کا ردعمل دیتا ہے۔ پہلا، وہ saint بن جاتا ہے۔ ساری عمر لوگوں کو دھوکہ کھانے سے بچاتا ہے۔ اور دوسرا۔" وہ ایک پل کو رکا، آنکھیں زخمی ہوئیں۔

''وہ سراپا دھوکہ بن جاتا ہے، بات جھوٹ، وعدہ فریب، عمل دغابازی، سنگت فریب کاری۔ میں ایسا بن گیا ہوں۔۔ مجھ دھوکہ ملا، اور میں دھوکے سے بڑا دھوکہ بن گیا۔ میں اس لڑکی کی sanity بچانا چاہتا تھا۔ جس طرح میری بچائی جانی چاہیے تھی، میرے لیے کوئی saviour نہیں آیا، کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ انہیں بچالیا جائے۔''

اٹھارہ برس کا وہ لڑکا گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا تھا۔ اسے ہسپتال سے کالز پہ کالز آرہی تھیں۔ اپنے چھوٹے موبائل پہ وہ ہر دو تین منٹ بعد اپنے چچا کا حال احوال پوچھ لیتا تھا۔ دفعتاً گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ پولیس کا چیک پائنٹ تھا۔ ڈرائیور اتر کر نیچے گیا۔ دونوں اطراف اونچے لمبے درخت تھے سڑک کشادہ تھی۔ پولیس کے افراد اب ڈرائیور سے بات کر رہے تھے۔ قیس بے صبری سے باہر دیکھ رہا تھا، اسے اس قصے کے ختم ہونے کا انتظار تھا۔ یکدم جیسے اسے ایک خطرے کی گھنٹی موصول ہوئی۔ پولیس گاڑی کی چیکنگ کرنے آنے لگی تھی۔ اسکی جانب سے دروازہ کھولا گیا، بازو سے پکڑ کر ایک تنومند سے پولیس والے نے اسے باہر نکالا۔ دو اہلکار اسے جکڑ چکے تھے۔ گاڑی کی ڈگی سے ایک بیگ نکالا جا چکا تھا۔ 'اسلحہ، غیر قانونی اسلحہ، جرم، سزا، تھانہ، ہتھکڑی، 'قیس سب کچھ سن رہا تھا، لیکن وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔ اسکے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔ بیگ میں پیسے نہیں اسلحہ تھا۔ پولیس والے اسے گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ اپنی صفائی دے رہا تھا، لیکن کوئی اسے نہیں سن رہا تھا۔

''سر پلیز سر میری بات سنیں سر، میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ سب میرا نہیں ہے۔ ان چیزوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے چچا ہسپتال میں ہیں، میرے گھر میں چھوٹے کزن ہیں پلیز مجھے جانے دیں۔'' وہ سلاخوں کے پار سے مسلسل چیخ رہا تھا۔ اسکا گلا دکھ رہا تھا، اسے شدت سے پیاس لگی تھی لیکن اس وقت اسے بس ہسپتال جانا تھا جہاں اسکے چچا تھے۔

''سر مجھے ٹریپ کیا گیا ہے۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے میری بات سنیں خدا کے لئے۔'' چیخ چلا کر بلا آخر وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ وہ تھک رہا تھا۔ اسے رونا آ رہا تھا۔ اٹھارہ سال وہ عمر نہیں ہوتی جس میں تھانے کے چکر کاٹے جائیں، جس میں آدھے خاندان کو بوجھ کی طرح اپنے کندھوں پہ لادا جائے، جہاں اپنی بھوک پیاس بھول کر گھر میں موجود اپنے سے چھوٹے چچازادوں کی فکر کی جائے۔ تھانے کی کوٹھڑی میں دیوار سے ٹیک لگائے وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ بال ماتھے پہ گرے تھے۔ نو عمر چہرے پہ پریشانی تھی، تھکن تھی۔ سخت گرمی کے دن تھے، اسکا جسم جھلس رہا تھا۔ کئی پل یونہی ہمت ہار کر بیٹھنے کے بعد وہ اٹھا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اس نے محل کا سب سے مضبوط ستون بننے کی ٹھان لی تھی۔

''سر پلیز مجھے یہاں سے نکالیں، پلیز سر میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ بیٹھی ہوئی آواز میں پولیس والوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔

اے ایس آئی کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ قیس جانتا تھا یہ احکام اسکے لئے لئے جا رہے ہیں۔ چند پل بعد کچھ پولیس والے اسے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے، قیس کا دل ایک لمحے کے لئے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب کیا ہونے والا تھا۔ وہ جہاں سے آیا تھا، وہاں اس نے سرداری دیکھی تھی۔ لوگ دیکھے تھے، سزائیں دیکھی تھی۔ لیکن اپنے لئے ہمیشہ تخت دیکھا تھا۔ پیروں سے زمین آج نکلی تھی۔

پولیس والے اسے جانوروں کی طرح مار رہے تھے۔ اسکی چیخیں دلدوز تھیں، کوئی کسی جانور کو بھی اس طرح سے نہیں مارتا ہوگا جس طرح وہ ایک نو عمر لڑکے کو مار رہے تھے۔ وہ مار کھا رہا تھا جانتا تھا قصور نہیں ہے لیکن وہ بس پٹ رہا تھا۔ جانوروں کی طرح مار

کھاتے ہوئے، وہ کتنا بڑا جانور بننے والا تھا یہ کسی کو علم نہیں تھا۔ کوئی اسے ٹھڈے مار رہا تھا تو کوئی بھاری ہاتھ کے تھپڑ۔ بس چلتا تھا تو بیلٹ سے مارتے تھے۔ وہ انسان تھا چاہے جتنا مضبوط سہی۔ زخم اسے کراہنے پہ مجبور کرتے تھے۔

اندھا سسٹم، کھوکھلا قانون، لمبے ہاتھ سب چپ چاپ بے بسی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسے مارتے ہوئے اسکی ویڈیو بنائی جا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا اسکا مقصد کیا ہے لیکن اسے درد ہو رہا تھا، الٹا لٹکا کر جب اسکی ٹانگوں پہ ڈنڈے مارے جاتے تھے تو اسکی روح تک تڑپ جاتی تھی۔ کچھ ہی پل میں اسکی پیٹھ پہ کبھی نہ مٹنے والے نشان تھے، صرف بدن پہ نہیں روح پہ بھی۔ وہ صرف ان سے اپنا قصور پوچھنا چاہتا تھا۔

رسی کھولی گئی وہ دھڑام سے فرش پہ گرا، اسکے چہرے پہ نیل تھے، تپتا فرش جسم پہ لگے زخم مذید جلا رہا تھا۔ وہ درد سے دوہرا ہو کر منہ سے خون تھوک رہا تھا۔ آنکھیں ادھ کھلی تھیں، لیکن ذہن مکمل بیدار۔ وہ ذہن جس میں آج شیطان بسیرا کر چکا تھا۔

''خدا کی قسم میں وقت کا فرعون بن کر واپس آؤں گا۔ خدا کی قسم میں تم سب کو زندہ جلاؤں گا۔'' دھیمی، ہلکی، مردہ آواز میں وہ بڑبڑا رہا تھا۔ درد شدید تھا۔ اس پہ غشی طاری ہونے لگی۔

''میرا انتظار کرنا، یعنی اپنے زوال کا انتظار کرنا۔''

باہر سے ایک بار پھر آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید ڈیل ہو گئی شاید نہ ہوئی۔ کچھ وقت بعد اس نے دو پولیس والوں کو واپس اندر آتے دیکھا۔ وہ اسے ٹھڈے مار رہے تھے، پھر انہوں نے قیس کو لکڑی کے تختے پہ الٹا لٹایا، اس میں مزاحمت کی سکت نہیں تھی۔ لیکن تھوڑے ہی لمحوں میں اسکی برہنہ پیٹھ پہ نمک مرچ سے ملا ہوا پانی ڈال رہے تھے۔ **(تفشیش کے دوران پولیس کے ایذا دینے کا ایک**

طریقہ۔)تازہ تازہ زخموں پہ جب نمک اور مرچ کا پانی لگا، قیس اس تختے پہ بے دھم ہو گیا۔اس کے حلق سے چیخ تک نہ نکل سکی ۔اسے لگا وہ مر گیا ہے۔وہ کوٹھڑی وہ جلن قیس اگلی سات زندگیوں تک نہیں بھول سکتا تھا۔وہ اگر کہتا تھا جہنم اسکے لئے نئی نہیں ہے تو سچ کہتا تھا۔اگلے کئی گھنٹے تک وہ درد سے کراہتا رہا،اسکے زخم جل رہے تھے،اسے پیاس لگ رہی تھی، بھوک اب مٹ چکی تھی۔دو مزید دن وہ اس جہنم میں رہا تھا۔اسی طرح کا ٹارچر اور ایذاہ سہنے کے لئے دو دن بعد وکیل اسکی ضمانت کروا کر لے گیا تھا۔قصور؟اسے بس اسکا قصور نہیں بتایا گیا۔

قیس ان تین دنوں کو تین زندگیوں تک نہیں بھولنے والا تھا۔

آسمان پہ ٹمٹماتے ستارے اب مدھم ہونے لگے تھے۔چاند کی روشنی زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''اس روز نین تارہ نے میرے younger self کو ٹرگر کیا تھا۔میں ایک بار پھر ماضی میں تھی۔انسان دو eras میں رہ کر فیصلہ کرتا ہے۔ایک مستقبل کا خوشنما خیال،دوسرا ماضی کا ٹراما، یا پھر ہیل ہو چکا زخم۔انسان کبھی بھی حال میں رہ کر فیصلہ نہیں کرتا ۔حال صرف عمل کرتا ہے، فیصلے کا اختیار اسے کبھی ملا ہی نہیں۔مجھے بھی نہیں ملا۔اس روز تم سب کو میں بے وقوف لگی ہوں گی ،لیکن میں نہیں تھی۔''

''میں تمھیں یہاں سے نکال لوں گی، تم تم میرا اعتبار کرو میں۔۔۔پلیز میرا اعتبار کرو۔''مارے بے بسی کے اسکے الفاظ اسکے حلق میں رہ گئے۔الماس اسے بے تاثر نظروں سے دیکھتی رہی۔

''مجھے یہاں سے میں خود بھی نہیں نکال سکتی۔ تم تو پھر تم ہو، زینیا۔ تم جانتی ہو تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتیں، تمھارے پاس مسائل سے پہلے حل آتے ہیں۔ لیکن مسائل کے بعد تمھارے پاس کچھ نہیں رہتا، تم نے کبھی مسائل کا سد باب نہیں کیا، تم نے ہمیشہ ان کے آنے پہ بند باندھا ہے۔ بند ٹوٹ چکا ہے۔'' اسکا لہجہ روبوٹک تھا۔ آنکھیں جذبات سے خالی۔

''ملاقات ختم ہونے والی ہے زینی جلدی کرو۔'' بشر نے اسکی کہنی ہلائی۔ زینیا سن کھڑی تھی۔

''تم نے میرے ساتھ ظلم کیا۔ میں نے خود اپنے ساتھ ظلم کیا۔ ہماری دوستی میں کھیل تم شروع کرتی تھی، بساط تم بچھاتی تھیں ،مہرے تم ترتیب دیتی تھیں۔ میں نے اس روز بھی تم سے کال کر کے کہا تھا بساط بچھانے کا وقت ہے لیکن تم نے کہا تھا۔ ''جہنم میں جاؤ الماس، جو انسان اپنے مسائل سے خود نہیں نکل سکتا، پھر مسائل کا فرض ہے کہ اسے نگل لیں۔ "تم نے سہی کہا تھا۔'' فون پکڑے ہوئے زینیا کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ وہ سانس روکے کھڑی تھی۔

''میرے مسائل نے مجھے نگل لیا۔ تم نے کہا تھا جہنم میں جاؤ، میں جا چکی۔ بس اب ایک کام کرنا، اگر کوئی اور الماس گوہر تم سے مدد مانگے تو اس سے یہ مت کہنا کہ **'جہنم میں جاؤ الماس۔'** ''

اس نے فون رکھا، اور بغیر کچھ کہے اسٹول سے اتر گئی۔ زینیا حاکم نے کئی سال اس ملاقات کو ایک ٹریجڈی اور نائٹ میئر کی طرح یاد رکھا تھا۔

''میں نے اس روز اس تھانے سے نکلتے ہوئے ایک عہد کیا تھا۔ کہ میں ایک مانسٹر بنوں گا۔''

اسکی ضمانت ہو گئی تھی۔اب وہ اپنی چیزیں واپس اٹھا رہا تھا۔وہی ملگجا لباس، جس پہ اب خون کے دھبوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔چہرے پہ سنجیدگی تھی۔آنکھیں خالی،البتہ گردن اب بھی اٹھی ہوئی۔ایس ایچ او کی میز پہ رکھے اسکے سامان میں ایک چیز غائب تھی۔اسکے باپ کی دی ہوئی گھڑی، قیس نے سپاٹ نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے حیدر نامی ایس ایچ او کو دیکھا، پھر اسکی کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھا۔چند پل وہ اسے دیکھتا رہا۔زخم اب بھی جل رہے تھے۔

''میں اپنی معصومیت آج،اس تھانے میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔آنے والے وقتوں میں تم ایک مانسٹر سے ملو گے۔میں وقت کا فرعون بن کر پلٹوں گا۔مجھے یاد رکھنا۔''

''ہر چور،ڈاکو، قاتل،اشتہاری یہاں سے جاتے وقت یہی کہتا ہے۔ہر ایک کی بات پہ کان دھرنے لگوں تو کل وردی اتار کر سڑک پہ بیٹھوں گا۔'' قیس نے دونوں ہاتھ میز پہ رکھے،اور اسکی جانب ہلکا سا جھکا۔

''بات یہی ہے کہ وہ تھے ہی چور، قاتل،اشتہاری، مجرم۔میں معصوم تھا۔میں عام تھا۔مجھے یاد رکھنا۔یہ گھڑی رکھو تم وقت گزرنے کا احساس ہوتا رہے گا۔'' اس نے دہرایا۔پھر اپنا سامان اٹھایا،اور پلٹ گیا۔افسر محظوظ سا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔یہاں سے قیس کمبیر کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا تھا۔

''اس روز میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں آگے جا کر کسی الماس گوہر کو نہیں بچاؤں گی۔'' شیزل نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں میں کسی الماس گوہر کو نہیں بچاؤں گی، کیونکہ اگر آپ مسائل سے نکل نہیں سکتے تو مسائل کا حق ہے کہ وہ آپ کو نگل لیں۔'' وہ پر یقین انداز میں بولی۔

وہ نین تارہ سے مار کھا رہی تھی، پھر وہ گھر سے بھاگ رہی تھی۔ اسکے چہرے پہ زخم تھے۔ وہ انجان شہر کی گلیوں میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ پولیس اسکا تعاقب کر رہی تھی لیکن وہ مر کر بھی اس بیگ کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں وہ الماس گوہر کو نہیں بچائے گی کیونکہ وہ ان مسائل سے نکلنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اس الماس کو بچائے گی، جو آنے والے طوفان سے بے خبر ہو گی۔ وہ زینیا حاکم تھی۔ اس روز تھانے سے نکل کر وہ معصوم نہ رہی تو مانسٹر بھی نہیں بنی تھی۔

''میں اس لڑکی کو ہر بار بچاؤں گا، میں اسے اپنے گھر کے خفیہ راستوں سے لے کر، راز بھی دوں گا۔ میں اس کے سامنے ڈھال بھی بنوں گا، اسکے لئے معصوم بھی اور مانسٹر بھی۔ کیونکہ وہ میرا lesser version ہے۔ میں برا نہیں تھا مجھے برا بنایا گیا۔ لیکن قیس وہ آخری برا ہو گا بس اب اور نہیں۔''

وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ مقصود اسے خاموشی سے دیکھتے رہے، وہ جانتے تھے اب اگر قیس اسکا مسیحا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس لڑکی کو گرنے نہیں دے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حاکم نواب کے گھر میں رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ لمبے دستر خوان پہ آج عروج کی اماں بھی آئی بیٹھی تھیں۔ حاکم نواب سر براہی نشست پہ بیٹھے تھے۔ انکی دائیں جانب کونج حاکم تھی، اور بائیں جانب ضیغم۔ یہاں منگیتر کے سامنے یوں بیٹھنے کو برا سمجھا جاتا تھا

، لیکن سلام ہو ابا کی عظمت کو جنہیں اپنی چھوٹی بیٹی کی محبت سب بھلائے ہوئے تھی۔ انہیں آج بھی کونج کوئی دس بارہ سال کی بچی لگا کرتی تھی۔ بشر کو سرے سے ان چیزوں سے فرق ہی نہیں پڑتا تھا، منگیتر ہے تو خیر ہے۔ کوئی اور ہوتا، پھر کبھی منگیتر بننے لائق بھی نہ رہتا۔

''اماں میری پلیٹ میں بوٹیاں کم ہیں، بشر کی پلیٹ دیکھیں۔'' کونج نے ہلکی آواز میں اپنے ساتھ بیٹھی اپنی ماں کو مخاطب کیا۔

''ندیدی بھائی سے حساب کرتی ہے؟ بھائی کے کھانے کو نظر لگائے گی کیا۔ وہ مرد ہے، اسے زیادہ کھانا ملنا چاہیے۔'' اماں نے بھی ہلکی آواز میں ڈپٹ دیا۔

''مرد ہے تو کیا اسکے اندر دوسری زبان، دوسرا معدہ لگا ہے؟ اماں آپ کا دو قومی نظریہ ختم نہیں ہو گا۔ آپ بشر کو جناح اور مجھے گاندھی ہی سمجھتی رہیں گی۔'' اسی لمحے بشر جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، اپنے سامنے سے سالن کا ڈونگہ اٹھا کر، تھوڑا سا گوشت نکال کر اسکی پلیٹ میں ڈالا۔ کونج تو کھل اٹھی، باقی سب نے اسے بھائی کا پیار سمجھا۔ البتہ ضیغم بس اپنی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔ عروج اسی طرف دیکھ رہی تھی، جب اماں نے اسے پکارا۔

''عروج بچے آج سالن میں نمک بہت کم ہے۔ تھوڑا احتیاط کیا کرو، اور ہاں یہ دیکھو بچے گھی بھی بہت زیادہ ہے۔ تم بہت اسراف کرتی ہو۔'' انکا لہجہ ماؤں جیسا تھا۔ جیسے ہماری مائیں بھری محفل میں ٹوک کر سوچتی ہیں بیٹی کی اصلاح ہو رہی ہے۔ مائیں اچھی یا بری نہیں ہوتیں مائیں بس معصوم ہوتی ہیں۔

''آپ کو میرے بنائے کھانے میں بہت کیڑے نظر آتے ہیں ناں، ظاہر ہے اب میں زینیا جیسی تو نہیں بن سکتی۔ اور ویسے بھی، میں ایسا ہی کھانا بنانا جانتی ہوں، آپ ایسا کریں کل سے خود بنالیں۔''

''ہاں امینہ اب تم میری بیٹی کے ساتھ یہ معملے کرنے لگی ہو۔ اپنا پھوہڑ پن بھول گئی ہو؟''

امینہ بیگم تو حق دق سی اسے دیکھے گئیں۔ حاکم نواب اب بھی نوالے توڑ رہے تھے۔ اس عورت کی عزت سارا خاندان نہیں کرتا، جسکی عزت اسکا اپنا شوہر نہ کرتا ہو۔

ضیغم چپ چاپ گردن جھکائے کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن بشر خاموش نہ رہ سکا۔

''اماں آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اور پھوپھی آپ ہمارے گھر کے معملات میں دخل نہ دیں۔'' ہ سنجیدگی سے ٹوک گیا۔

''میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ نمک تھوڑا زیادہ ہے۔ اپنی بچی سمجھ کر ہی کہتی ہوں، ورنہ میری بلا سے بناتی رہے برا کھانا۔ شوہر جانے بیوی جانے۔''

ساتھ بیٹھے بشر نے انکا ہاتھ دبایا۔ ''اماں آج میں نے اس کو کہا تھا کہ گھی زیادہ ڈالے، ورنہ مجھے سالن اچھا ہی نہیں لگتا۔ اسکی غلطی نہیں ہے۔'' اس نے رسان سے سمجھانا چاہا، عروج اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ کس طرح بھری محفل میں اسکا دفاع کر رہا تھا۔ کس طرح اسکی غلطی اپنے سر لے رہا تھا۔ اور اگر دین نے مرد کو افضل کہا ہے تو اسی لئے کہا ہے کہ وہ جذبات کے وقت خود پہ کنٹرول رکھے، باتیں درگزر کرے۔ اس لئے نہیں کہ وہ افضل مخلوق اپنے پیر دبوائے، ہاتھ اٹھائے، خود کو عقل کل سمجھے۔

''تم کس خوشی میں زیادہ گھی کھانے لگے ہو۔؟ دو جوتے ماروں گی اور سارا شوق نکل جائے گا۔ لاڈ صاحب کا معدہ تو چڑیا جیسا ہے شوق بازوں والا۔'' اماں کے اندر کی ماں جاگ گئی تھی۔

''باز نہیں اماں۔۔۔۔ جنگلی گدھ والے۔'' کونج کی سرگوشی اتنی اونچی تھی کہ بشر سن سکتا۔

''میں جنگلی گدھ ہی سہی کم از کم مجھے گوشت تو پورا ملتا ہے۔''

''بڑے بھائی سے بات کر رہی ہو کونج ذرا سی تمیز رکھو۔'' عروج برداشت نہیں کر پائی۔ کونج نے ہونقوں کی طرح سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر بشر کو وہ اسے نہ بولنے کی تنبیہ کر رہا تھا۔ آج اس دستر خوان پہ ایک نہ ایک زبردست جھگڑا تو ہونا ہی تھا۔ بشر شادی کر کے پچھتایا۔

''آپا اگر وہ مذاق کر رہی ہے، تو اسے اجازت ہو گی ناں۔ آپ بہن بھائی کے معملے میں نہ آئیں۔'' اگلا جھٹکا کونج کو ضیغم کی بات پہ لگا تھا، اس نے آج تک دیکھا تھا کہ اسکا باپ اسکی ماں کی ہر بات کو غلط کہنے کا عادی ہے، اگر کسی دن صحیح بھی ہوتی تو ماننے سے انکاری، وہ غلط فہمی کے دور کرنے کو بحث سمجھتا تھا۔ کھانا ایک آکورڈ سے ماحول میں کھایا گیا محفل برخاست ہوئی تو بشر اپنے کمرے میں آیا ، جہاں اسکی بیوی آئینے کے سامنے بیٹھی جارحانہ انداز میں چوڑیاں اتار رہی تھی۔ بشر نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر اپنا لیپ ٹاپ لے کر وہ بیڈ پہ آ بیٹھا۔ عروج کے تن بدن میں شرارے دوڑ گئے۔

''مجھے یہاں نوکرانی بنانے کے لئے لائے ہو کیا۔؟ پہلے تمہاری ماں مجھے طعنے دے رہی تھی، پھر تمہاری بہن میری برائی کر رہی تھی ،اسکے بعد وہ میرے شوہر سے فری ہو کر مجھے منظر سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔'' وہ تن فن کرتے ہوئے اٹھی اور بشر کے قریب بیڈ کی طرف آئی۔ ''اور میرا شوہر صاحب ابھی آیا کمرے میں پھر لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔ مجھے بتاؤ میں کروں تو کیا کروں؟''

بشر نے اسے پر سکون نظروں سے دیکھا۔ ''یہ سارے کا سارا تمہارے دماغ کا خناس ہے۔ سب سے پہلے آئندہ اپنی ماں کی باتوں میں آئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ جو تمھیں سکھا رہی ہیں ناں کہ کھانے میں نمک کم ڈالو، کپڑے کم صاف کرو تو گھر کے کاموں سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی، تو میری بات کان کھول کر سن لو ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ میکے بات سسرال، اور سسرال کی بات میکے اڑانے والی لڑکیوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔'' عروج تو شل ہی رہ گئی۔ بشر کو پتہ کیسے چلا۔

''دوسری بات کونج میری بیٹیوں جیسی ہے۔ اسکے سامنے میں نے تمہارا بھرم رکھا اسکا مطلب یہ نہیں کہ میں تمھیں صحیح سمجھتا ہوں۔ اپنا رویہ درست کرلو۔ وہ اماں سے تمہاری برائی نہیں، میرے زیادہ کھانے کی شکایات کر رہی تھی۔''

''تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو تم نے تو اسے سنا بھی نہیں۔'' وہ خفا ہوئی۔ بشر سیدھا ہو بیٹھا۔

''اس لئے کیونکہ وہ میری بہن ہے۔ میں اس کو جانتا ہوں۔ وہ تمہاری برائی نہیں کرے گی۔ اور میری اماں تمھیں طعنہ نہیں دے رہی تھیں، انکا طریقہ غلط تھا لیکن بات نہیں۔ کھانے میں واقعی مسئلہ تھا۔ وہی مسئلہ جو تم نے اپنی ماں کے کہنے پہ کیا۔'' عروج کی گردن شرمندگی سے جھکنے لگی۔ ''دیکھو عروج، یہاں تعلق نیا ہے، لوگ نئے ہیں اندازے لگا کر دل میں بغض پال لو گی، یا پھر اپنی ماں کے گھر سے کلاسز لے کر اپنے گھر میں عمل کرو گی تو یاد رکھنا پاس نہیں ہو سکو گی۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''میری ماں کی عزت کرو، اور اپنی ماں کو اپنے گھریلو معملات سے دور رکھو یہ دونوں چیزیں تمھیں میرے نزدیک معتبر بنا دیں گی ۔جب دنیا تم پہ بولے گی، تمھارے لئے میں بولوں گا۔ لیکن میں تمہاری تصیح بھی کروں گا اور مجھے یقین ہے، تم میری بات سمجھ لو گی ۔ہے ناں؟''

''بشر تم میری بات سمجھ نہیں رہے۔ کونج میری جگہ آنا چاہتی ہے۔ اسے تمہاری توجہ مجھ سے زیادہ چاہیے۔ میں حصے داری برداشت نہیں کروں گی۔'' بشر کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔

''کونج میری بہن ہے اور تم میری بیوی۔ یہ دونوں ایک انتہائی الگ الگ رشتے ہیں۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں پالا ہے۔ وہ ایسی نہیں ہے۔ اور اگر کبھی تمھیں لگے بھی کہ وہ ایسی ہے، تو یاد رکھنا بشر حاکم انصاف کرنا جانتا ہے۔ میں نے اگر آج اماں اور تمھارے معملے میں انصاف کیا ہے تو آگے بھی کروں گا۔ بس تم اب ذمہ داری سنبھالو اور دوسروں کی باتیں سننا چھوڑ کر گھر میں اپنا تعلق بناؤ ۔اب میرا دماغ مت چاٹو۔'' اس نے لیپ ٹاپ ایک بار پھر اٹھا لیا۔ عروج مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سنو ناں۔۔ بشر سنو۔۔۔ بات تو سن لو۔'' وہ اسکے پیر پہ انگلی مار کر اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔

''عروج تنگ مت کرو فلم دیکھنے دو۔'' وہ بے زار ہوا۔

''مجھ سے بڑی فلم کوئی اور ہو سکتی ہے۔'' وہ کیسے یقین سے کہہ رہی تھی۔ بشر چند لمحہ اسے دیکھا رہا، پھر گردن جھکا کر ہنس پڑا۔ عروج اسکے ساتھ مسکرائی تھی۔ لیپ ٹاپ گود سے نکال کر ایک طرف رکھتے ہوئے اب وہ پوری طرح اسکی جانب متوجہ تھا۔ کچھ

دیر بعد وہ دونوں مدھم آواز میں خاندان کے کسی معملے کو ڈسکس کر رہے تھے۔ بشر کی آنکھیں نیند سے بھر رہی تھی، لیکن وہ سن رہا تھا۔ اسے سننا اچھا لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زینیا اپنے بالوں میں جلدی جلدی برش کر رہی تھی۔ سرمئی رنگ کی لمبی قمیض کے ساتھ بڑے بڑے پائنچوں والا سرمئی ٹراؤزر، اور ہم رنگ دوپٹہ میز پہ دھرا تھا۔ شہد رنگ بالوں کی اب وہ چٹیا گوندھ رہی تھی۔ انہیں کھولنا، اسے بے زاری دیتا تھا۔ شفاف چہرے پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ مسکرائی، پھر لپ گلوز اٹھا کر ہونٹوں پہ ملا۔ بین کالر والے گلے کے آخری بٹن کو بند کرتے ہوئے وہ نیچے جھکی، پیروں میں کولاپوری چپل ڈالے، اسی لمحے اسے اپنا ہاتھ جلتا ہوا سا محسوس ہوا۔ ہلکی سی کراہ کے ساتھ اس نے اپنی انگلی دیکھی، اسکی شادی کی انگوٹھی نے اس کی انگلی زخمی کر دی تھی۔ اس نے انگوٹھی انگلی میں ذرا آگے کھسکائی۔

پھر اپنے بیڈ پہ بیٹھ گئی، انگوٹھی اتار کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھی۔ اب کے اس نے اپنی انگلی دیکھی تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی انگلی پہ زخم کا نشان تھا۔ گول دائرے میں بنا زخم۔ وہ چند پل اپنی زخمی انگوٹھی کو دیکھتی رہی پھر یونیورسٹی جانے کو اٹھی۔ اسی پل باتھروم کے دروازے سے مناہل باہر آتی دکھائی دی۔ اسکے بالوں میں زینیا کا تولیہ تھا۔ او سی ڈی کی مریضہ کے تن بدن میں آگ لگ چکی تھی۔

''میری چیزیں اٹھانے کی اجازت تمھیں کس نے دی ہے مناہل؟'' وہ تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مناہل نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''ہم دونوں روم میٹ ہیں، ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرلیں گے، تو کیا ہوگا۔

take a chill pill"

زینیا کا جی چاہا تھا کہ اسے زمین میں گاڑدے، مگر وہ آئے دن ہاسٹل میں نئے نئے مسائل پیدا نہیں کرسکتی تھی۔ سو خاموشی سے زہر کے گھونٹ پیتے باہر چلی گئی۔

یونیورسٹی میں آج اسکی لگاتار کلاسز تھیں۔ اس وقت وہ اپنی آخری اور سب سے اہم کلاس میں بیٹھی تھی جب مہدی اسکے پیچھے والی نشست پہ آکر بیٹھا۔ زینیا اسے بیٹھتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ ہاں البتہ ظاہر نہیں کیا۔ سامنے کھڑے پروفیسر کچھ کہہ رہے تھے۔ جب زینیا کی انگلیاں حرکت میں آئیں، اس نے ایک پیغام لکھا اور weirdo نامی نمبر پہ بھیجا۔

مہدی کے موبائل کی مخصوص ٹیون بجی تو اس نے ایک معذرت خواہ نظر اطراف میں ڈالی۔ اور پیغام پڑھنے لگا۔ **''اس رات شاید آپ نے اپنا ذہنی توازن کھو کر مجھے ایک میسج کیا تھا۔ کیا آپ اب بھی اس بات پہ قائم ہیں۔''**

مہدی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا، قیسم کی راہداریوں میں چلتے ہوئے جو میسج اس نے بھیجا تھا اسے فوراً یاد آیا۔

''میں اس کھیل کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

حال میں مہدی کمبیر شاید اس میسج کے بھیجنے پہ پچھتا رہا تھا۔ اس نے واپس کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ کلاس ختم ہونے کی بیل بجی، کچھ بعد دیگرے تمام طلباء کلاس سے باہر نکل گئے، اب وہاں کوئی تھا تو مہدی اور اپنی چیزیں سمیٹتی زینیا حاکم۔

مہدی اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا، اور اسکے سامنے والی سطر میں آکر بیٹھا۔ وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔ زینیا کے چہرے کے زخم کو دیکھ اسے بے طرح تاسف ہوا۔ ''تم نے مجھے بتایا نہیں تمھارے چہرے پہ یہ زخم کیسے لگے۔''

''جس طرح آپ نے نہیں بتایا کہ آپ کے بازو میں تین گولیاں کیسے لگیں؟''

''کیا تم میری مدد کر سکتی ہو؟''

''مجھے واقعے کی نوعیت پتہ ہونی چاہیے، تاکہ میں فیصلہ کر سکوں۔'' زینیا بیٹھ گئی۔ مہدی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ کیا وہ اس لڑکی پہ اعتبار کر سکتا تھا۔ کیا یہ اس قابل تھی کہ اس کو راز دیئے جائیں وہ چند لمحہ اسے دیکھتا رہا۔

''کوئی میرا تعاقب کرتا ہے۔'' تمام فیصلے ہو گئے تھے۔ ''یونان کی سفید گلیوں سے لے کر، بلوچستان کے پہاڑوں تک، اور پہاڑوں سے میرے کمرے تک۔ اسے ہر جگہ access ہے۔ مجھے لگتا تھا میں پاگل ہو رہا ہوں، لیکن اس روز سمندر پہ جب تم نے بلکل میری طرح کچھ محسوس کیا۔ تب میں جان گیا تھا کہ صرف تم ہو جو میری مدد کر سکتی ہے۔ وہ مجھے ذہنی مریض بنا رہا ہے۔ وہ مجھے خوف زدہ کرتا ہے، نہ مار رہا ہے، نہ مر رہا ہے۔'' وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں آزادی چاہتا ہوں۔ اس ذہنی مرض سے، اس تعاقب کار سے، اور اسکے دیئے زخموں سے۔ کیا تم مجھے بچا سکتی ہو؟''

''آپ کو صرف اور صرف آپ کا سچ بچا سکتا ہے۔ یا پھر آپ کا گواِپ۔ دونوں میں سے کسے چنیں گے کیا آپ نے اپنی زندگی میں کسی انسان کو مارا ہے۔؟ تکلیف دی ہے۔ جانے یا انجانے میں۔''

''میں نے آج تک کبھی کسی انسان کو جان کر تکلیف نہیں دی۔ میں نے کسی کو اگر انجانے میں بھی تکلیف دی ہے، تو اتنی بڑی نہیں ہو سکتی کہ کوئی مجھے جان سے مارنا چاہے۔''

''آپ کو کیوں لگتا ہے وہ آپ کو مارنا چاہتا ہے؟ کیا معلوم وہ آپ سے کوئی راز لینے آیا ہو یا پھر خوف زدہ کرنے۔'' زینیا نے قیاس لگایا۔

''تمھیں اتنا یقین کیوں ہے کہ وہ مجھے مارے گا نہیں۔''

''وہ آپ کو مار سکتا ہے، لیکن ایک وقت لگے گا۔ جب اس قلعے میں وہ آپ کے اوپر گن تان کر کھڑا تھا، تب کسی قسم کی ایکشن فلم نہیں چل رہی تھی۔ وہ آپ کو دو گولیاں مارتا اور چلا جاتا۔ وہ بار بار آتا ہے تاکہ آپ کو بتا سکے کہ اسے آپ سے کچھ چاہیے۔ اس روز اگر وہ تین گولیاں، بازو پہ مار سکتا تھا، تو دو دل پہ بھی مار دیتا۔ اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔'' زینیا سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

''اس نے گولی یونہی نہیں ماری، شاید وہ کسی بات سے ٹر گر ہوا تھا۔ آپ اس وقت کیا کر رہے تھے۔'' مہدی نے ذہن پہ زور دیا۔

''میں بس اپنے کمرے میں تھا، اور تم سے بات کر رہا تھا۔ میں نے تمہاری شادی کی بات کی۔۔۔۔۔''

''آپ نے یو ایس بی کی بات کی تھی۔'' زینیا جیسے ایک خواب سے جاگی۔ مہدی کی رنگت فق ہوئی۔

''اس یو ایس بی کا یہاں کیا قصہ۔۔۔ وہ کچھ اور معاملہ ہے، تم اس طرف مت جاؤ۔''

''میں اس طرف نہ جاؤں کیونکہ اس طرف سچائی ہے، ہے ناں؟ سوری بٹ نو سوری میں آپ کی مدد تب کر سکتی ہوں جب آپ مجھے پورا سچ بتائیں گے۔''اس نے بیگ کندھے پہ درست کیا۔اور گول دائرے میں لگی نشستوں سے آگے نکل آئی۔ مہدی یونہی تھکا تھکا سا وہیں بیٹھا رہا۔

''کل جو آدمی آیا تھا، وہ تمہارا شوہر تھا ناں۔''زینیا جاتے جاتے رک گئی۔''تم نے کہا تھا وہ اچھا یا برا نہیں ہے۔وہ بس، ''جلدی'' تھا۔اتنا جلدی کہ تمھیں اس سے کوئی امید رکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں سپیکر ہوں، لوگوں کے چہرے پڑھ لیتا ہوں۔اسکی تکلیف تمھیں بری لگ رہی تھی، اس نے شاید تم سے کوئی جھوٹ بولا تھا، یا شاید تمہارا دل توڑا تھا۔''

''اس نے مجھ پہ شک کیا تھا۔'' زینیا نے اسکی بات کو روانی دی۔

''تم نے اسے پھر بھی معاف کر دیا، حالانکہ تم اس سے محبت بھی نہیں کرتیں۔ایک لڑکی جو اپنے شوہر سے محبت بھی نہیں کرتی ، لیکن وہ اسے شکستہ نہیں دیکھ سکتی، ایسا کیوں کیا ساری شادیاں اتنی ہی دوغلی ہوتی ہیں؟''

'' جسے لگتا ہے شادیاں محبت کی وجہ سے چلتی ہیں، وہ دنیا کا سب سے بے وقوف انسان ہے۔"خالی کمرہ جماعت میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔

''شادیاں احساس سے چلتی ہیں۔شفقت، نرمی، انسانیت کا احساس۔ کئی بار محبت تو شادی کے پہلے مہینے میں ختم ہو جاتی ہے، لیکن وہ شادی سانس لیتی رہتی ہے کیونکہ اس میں احساس ہوتا ہے۔ایک دوسرے کی فکر ہوتی ہے۔ محبت ایک وقت بعد شفقت میں ڈھل جاتی ہے۔ آپ اپنے پارٹنر کے عادی ہو جاتے ہیں، اسے کمفرٹ دیتے ہیں۔اور خود بھی اسی کمفرٹ کے سہارے بیس، پچیس سال

گزار دیتے ہیں۔ محبت شادی کی بنیاد نہیں ہے۔ بس ایک حصہ ہے۔ شادی کی بنیاد احساس ہے۔" وہ بولتے ہوئے رکی مہدی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ "جانتے ہیں محبت کی اصل جگہ دل ہے۔ لیکن ہم نے اسے سر چڑھالیا ہے۔ اب اگر اپنی جگہ سے بے وجہ بلا محنت ترقی ملنے لگے گی، پھر کام تو خراب ہوں گے ہی۔"

"ہم نے محبت کو سر چڑھالیا ہے۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اسے الجھن ہوئی۔

"ہر دوسرا ڈرامہ، فلم، شو، انسان محبت کے بارے میں بات کرتا نظر آئے گا۔ ہم نے محبت کو overrated کر دیا ہے۔ ہاں ٹھیک ہے دنیا کی بنیاد محبت ہے۔ لیکن دنیا کی بقا اور ترقی کی بنیاد اعتدال ہے۔ جب چیزوں میں، جذبوں میں اعتدال نہیں رہے گا پھر مسائل پیدا ہوں گے۔ آج کل ہر لڑکی، لڑکے کا مقصد کیا ہے۔؟ ایک محبت کرنے، سرپرائز دینے، اور دنیا لٹا دینے والا پارٹنر۔ شادیوں کی ابتدا میں بتایا جاتا ہے کہ وہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری محبت اسے بدل دے گی۔ کیا اسکے علاوہ شادی میں کچھ نہیں ہے۔ موجودہ دور میں اگر شادی میں understanding ہے تو محبت ایک ثانوی چیز بن جاتی ہے۔"

"شادیاں کیوں ٹوٹتی ہیں؟" ایک اور سوال۔

"آپ ایک انٹرنیشنل اسپیکر ہیں، مجھ سے جواب کیوں چاہیے؟"

"میرے سوالوں کے جواب تمھارے پاس ہوتے ہیں۔ تمھارے نزدیک شادیاں کیوں ٹوٹتی ہیں۔"

"جن شادیوں سے احساس ختم ہو جاتا ہے، وہ شادیاں سڑ جاتی ہیں۔ اور پھر جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ جب شوہر ہر بات پہ بیوی پہ چیختا چلاتا ہے، کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہونے پہ ذلیل کرتا ہے، یا پھر باہر آنے جانے پہ پابندی لگاتا ہے۔ تب بیوی کو لگتا ہے شوہر کے

دل سے محبت ختم ہو گئی ہے، حالانکہ اسکے دل سے شفقت، نرمی، انسانیت ختم ہو گئی ہوتی ہے۔ بیوی کی بدزبانی، اگنوریئنس، نافرمانی پہ شوہر کو لگتا ہے اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے کیونکہ اب محبت نہیں رہی۔ حالانکہ شادی سے understanding ختم ہو جاتی ہے۔"

"پھر شادیوں کو چلانے کے لئے کیا کیا جائے؟"

"اس سوال کے جواب کے لئے آپ کو انتظار کرنا ہوگا، میری شادی کو پچیس سال گزر جانے کا انتظار۔ پھر میں آپ کو کوئی معقول جواب دے سکوں گی۔" مہدی مسکرایا، زینیا بھی ذرا ذرا سا مسکرائی۔

"کافی پیئیں ساتھ۔" مہدی کی پیشکش پہ وہ رکی۔

"ابھی میں آپ کے ساتھ اتنی فری نہیں ہوئی۔" مہدی زور سے ہنسا۔

"میں آج اپنے شوہر کے ساتھ کافی پینے جاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی، مہدی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حاکم نواب کے گھر میں آؤ تو آج حاکم نواب نے گھر سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک رسید تھمائی تھی، جو کہ اب ان کو مل نہیں رہی تھی۔ حاکم نواب مکمل غصے میں آچکے تھے۔ اپنی بیوی اور بیٹیوں کی شان میں گالیاں بکتے ہوئے انکو یہ اندازہ نہیں تھا کہ گالیوں کی نوعیت کیا ہے، وہ اپنی ہی بیٹیوں کو کن کن القابات سے نواز رہے ہیں۔ کیا ان کی زبان یہ اجازت دے رہی ہے۔؟ کیا دل ملامت نہیں کر رہا۔

جامنی الماریوں والے کمرے میں کونج کالج کی وردی میں ملبوس فرش پہ بیٹھی تھی۔ سیاہ بال چٹیا سے نکل کر چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھیں کسی غیر مرئی نکتے پہ جمی تھیں۔ ہر گالی پہ وہ آس پاس دیکھنے لگتی، کہیں بشر کی بیوی تو نہیں سن رہی، کہیں محلے سے کوئی آ نہ جائے، کہیں ساتھ والے گھر آواز نہ چلی جائے۔ اسی لمحے اس کی گود میں پڑا موبائل تھرتھرایا۔ شاید زینیا ہو۔ ایک آس کے تحت اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا، یہ وہی لڑکا تھا جس نے اسے کچھ روز قبل میسج کیا تھا۔ وہ آج ایک بار پھر میسج کر رہا تھا۔ اس بار وائس نوٹ بھیجا تھا۔ کونج نے مردہ، بے تاثر آنکھوں سے میسج دیکھا۔ ابا کی گالیاں یہاں تک سنائی دیتی تھیں۔

(''لعنت ہو تم پہ، لعنت ہو تمھارے سارے خاندان پہ پتہ نہیں کون سا گناہ کیا ہے جو تم گلے پڑ گئی ہو۔ میری ساری زندگی خراب کر دی، خدا تمھیں پوچھے گا ملعون عورت۔'')

اس نے اپنا کالج بیگ قریب کھسکا لیا۔ موبائل پہ گاڑی ہوئی نظریں اور بے تاثر مشینی انداز میں بیگ کے خانے ٹٹولتا اسکا ہاتھ۔ اسکے چہرے پہ اس وقت کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد بلا خر اس نے کھینچ کر سفید تار والے ہینڈ فری باہر نکالے۔ اس چھینا جھپٹی میں ایک کان کا ہینڈ فری تار سے جدا ہو چکا تھا۔ اس نے موبائل میں ہینڈ فری گھسیڑے، چیٹ کھولی اور نئے آئے ایک منٹ کے وائس نوٹ پہ پلے کا بٹن دبایا۔

''میں نہیں جانتا تمھارا نام کیا ہے۔ لیکن تمھاری آنکھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ اب ان کو نہ دیکھ سکا تو شاید مشکل ہو جائے۔ کیا کبھی کسی نے تمھیں واقعی نہیں بتایا تمھاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں؟'' وہ اتنا خوبصورت، اتنا ٹھہر ٹھہر کر بولتا تھا کہ اسے سنا جائے۔ بس اسی کو سنا جائے۔ وائس نوٹ ختم ہو گیا لیکن ابا کی آوازیں نہیں۔

(''ساری زندگی میں تم سے کوئی فیض نہیں پا سکا۔ گالی گالی گالی۔۔۔۔۔ساری زندگی تم میرے سر پہ عذاب کی طرح مسلط رہیں، تم ایک بوجھ ہو گھٹیا عورت ہو تم، تمھارے ماں باپ گھٹیا ہیں۔ تمھارے سارے گھر والے گھٹیا ہیں۔" کیا واقعی وہ ساری زندگی کوئی فیض نہیں اٹھا سکا۔؟ وہ گرمی میں جھلس کر بنائے گئے کھانے، وہ بیماری کے وقت کا خیال، وہ خدمت، وہ راتوں کو پاؤں دبانا۔ وہ غربت اور ہر قسم کی معاشی تنگی میں ساتھ دینا وہ سب کیا تھا؟)

ادھ ٹوٹے ہینڈ فری کو کانوں میں لگائے، سر کو بیڈ پہ گرائے، اسکی آنکھوں سے آنسو روانہ ہو چکے تھے۔ کوئی اتنا مردا تنا بد صورت کیسے بول سکتا ہے۔ کوئی باپ اتنا غیر کیسے ہو سکتا ہے۔ اسکے دل پہ اپنے باپ کے خلاف گرہیں لگنے لگیں۔ اس نے نیم مردہ ہوتی آنکھیں ہلکی سی کھولیں۔ ابا کا شور ابا کی گالیاں اسکے دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح بج رہی تھیں۔ اس نے موبائل ہاتھوں میں اٹھا لیا اور ایک میسج ٹائپ کیا۔

''**بولتے رہو۔۔۔یونہی اچھا اچھا بولتے رہو پلیز۔**'' میسج سفر کرتا مطلوبہ شخص تک پہنچا۔ فوراً نیلے ٹک لگے، آڈیو ریکارڈ ہونا شروع ہوئی اور پھر دھڑا دھڑ کئی سارے وائس نوٹ آنے کی نوید سنائی دینے لگی۔ ادھ ٹوٹے ہینڈ فری ایک بار پھر آواز سنا رہے تھے ۔آنکھوں سے بہہ چکے کاجل والی لڑکی بس اسے سن رہی تھی۔

(''جیسی تم بے حیا ہو، تم نے اپنی اولاد کی تربیت بھی ویسی کی ہو گی۔ جیسے تم نے مجھے زچ کیا ہے اسی طرح تمہاری اولاد اپنے شوہروں کو زچ کریں گی۔ تمہاری بیٹیاں طلاقیں لے کر آئیں گی۔''

"میری بیٹیاں آپ کی بھی بیٹیاں ہیں۔ اگر میری تربیت گندی تھی، تو شاید آپ کا اچھا خون اثر دکھا جائے۔" اسکی ماں شاید مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں، لیکن اب صرف ابا کی گالیوں کی آواز نہیں آتی تھی، اب مارنے کی آواز بھی آتی تھی۔ اس کا باپ اسکی ماں کو مار رہا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔)

"تم اتنی معصوم ہو، اتنی پیاری ہو کہ تمہارے ساتھ ساری زندگی اتنی خوبصورت گزر سکتی ہے جیسے جنت میں گزرے چند دن۔ کیا یہ رابطہ ہمیشہ رہے گا، میں یونہی بغیر کسی جواب کی توقع کئے بولتا رہوں گا۔ تمھیں پسند ہے ناں مجھے سننا؟ تم یقین کرو تم تعریفوں کے لئے بنی ہو، پرستش کے لئے بھیجی گئی ہو۔" آواز بند ہو گئی تو باہر کی آوازیں ایک بار پھر اسکے سر پہ لگنے لگیں، وہ ان آوازوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی، ان سے دور کہیں بہت دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ لیکن آوازیں تھیں کہ جان نہیں چھوڑتی تھیں۔ اسکی آنکھوں کے آگے بھولے بھٹکے منظر بکھرنے لگے۔ ماضی ٹکڑوں میں ایک پزل کی طرح بکھر رہا تھا۔

(وہ ابا کے دوست کے گھر کسی دعوت میں شرکت کرنے آئی تھی۔ زنیا اور اماں بھی اسکے ساتھ تھیں۔ میزبان گھر نہیں ایک کنبہ تھا۔ ڈھیر ساری عورتیں انکے گرد بیٹھی تھیں۔ ہر ایک کی آنکھوں کا مرکز زنیا حاکم تھی۔ اسکی خود اعتمادی، اسکا لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا، شفاف رنگت، اور ساحر آنکھیں۔ وہ سارے میں چھائی ہوئی تھی۔ کوئی کونج کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا، تعریفوں میں زنیا تھی۔ ستائش کی وہ حقدار تھی۔ توصیفی کلمات اسکی شان میں کہے جانے تھے۔

وہ منتظر رہی کہ کوئی اسکی آنکھوں کی تعریف کر دے، کوئی اسکے بالوں، اسکی معصوم مسکراہٹ کی تعریف کر دے۔ اسے بھی ستائش سے دیکھے۔ ہر انسان کو تعریف پسند ہوتی ہے۔ اسے اپنی بہن سے حسد، جلن نہیں تھا۔ ہاں یہ وہ دور تھا جب کونج نے زنیا کا

lesser version بننے کا سوچ لیا تھا۔اور پچھلے کئی سالوں سے وہ عمل کرتی آرہی تھی۔ لیکن زمین زادوں نے آسمان کہاں دیکھا ہے۔)

وائس نوٹ ایک بار پھر آچکے تھے۔ وہ لڑکا جو کوئی بھی تھا اسے بس کونج سے بات کرنی تھی۔ اسے بس مزید بس مزید اس چہرے کو دیکھنا تھا۔ باہر سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں اب بھی آتی تھیں۔ بشر گھر آچکا تھا، اور اب وہ ابا سے جھگڑ رہا تھا۔ کونج اسے بھی نہیں سننا چاہتی تھی۔۔ وہ تھک چکی تھی۔

اس نے ایک بار پھر وائس نوٹ پہ پلے کا بٹن دبا دیا۔ ایک مخمور، دل کو چھو لینے والی آواز ایک بار پھر اسکی سماعتوں کا حصہ بننے لگی۔

''کیا میں تمھیں روز کال کر لیا کروں، کیا یہ ٹھیک ہے کچھ بولو، کم از کم کچھ لکھ ہی دو۔ مجھے تمھارے جواب کا انتظار ہے۔ میں اب تک تمھاری آنکھوں کے سحر سے نہیں نکل سکا۔ کیا کسی نے تمھیں۔۔۔۔۔''

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' آواز صور کی مانند اسکے کانوں میں چبھی۔ کونج حاکم جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ دروازے کی چوکھٹ پہ ضیغم میر کھڑا تھا۔ اسکی آنکھیں فکر مند تھیں، انداز چوکنا۔ جھگڑے کی وجہ سے عروج نے اپنی ماں اور بھائی کو بلا لیا تھا۔ باقی گھر والے اب بیٹھک میں تھے جب ضیغم نظر بچا کر یہاں چلا آیا۔

''تم ٹھیک ہو ناں، کیا ماموں نے تمھیں مارا ہے؟'' وہ کتنی محبت، کتنی نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ کونج نے نفی میں سر ہلایا، اسی لمحے اسے احساس ہوا اسکا چہرہ گیلا ہے۔ موبائل اب بھی اسکی گود میں تھا سکرین بجھ چکی تھی۔

''کونج۔۔۔ کیا تم واقعی ٹھیک ہو۔ دیکھو مجھے فکر ہو رہی ہے ماموں نے تمہیں مارا تو نہیں؟''

اسکی آنکھیں مزید روانی سے بہنے لگیں۔ اب کے ضیغم آگے بڑھ آیا۔ فرش پہ پڑا اسکا بیگ اٹھایا، موبائل، اور باقی چیزیں اٹھا کر بیگ میں ٹھونس دیں۔ فرش کی نذر ہوا اسکا دوپٹہ اٹھا کر اسکی طرف بڑھایا۔ جسے کونج نے کندھوں پہ پھیلا دیا۔ سترہ سالہ زندگی میں آج اس نے پہلی بار بشر کے علاوہ کسی مرد کو نرم ہوتے دیکھا تھا۔ وہ پنجوں کے بل اسکے قریب بیٹھ گیا۔

''ہر گھر میں مسائل ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں، لیکن ان کو دل پہ مت لیا کرو۔ تم بہت قیمتی ہو۔ یوں خود کو بے قدر مت کیا کرو۔'' وہ گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی، اسے خود سے شرم آئی۔

وہ کس طرح ایک غیر، انجان مرد کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کتنی بری تھی۔ کتنی سیاہ تھی۔

''میں اندر کمرے میں ہوں، اپنا خیال رکھنا۔ پلیز۔'' وہ اسکے پاس سے اٹھا، اسکا بیگ اٹھا کر پلنگ پہ رکھا۔ دروازے تک جاتے جاتے وہ اسے نرم نظروں سے دیکھتا رہا۔ چوکھٹ پہ وہ رک گیا۔ قدرے شوخ انداز میں اسے دیکھا۔

''تم یہاں سے اٹھو گی نہیں تو میں جا نہیں سکوں گا۔ اور اگر بشر نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو میرا حشر نشر بگاڑ دے گا، اٹھ جاؤ پلیز۔'' کونج نم آنکھوں سے ہلکا سا ہنس دی۔ وہ چند لمحے اسے ہنستے ہوئے دیکھتا رہا پھر مڑ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی، بال ہاتھوں سے پیچھے کئے، آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ اور بیگ سے اپنا موبائل باہر نکالا۔ وہ بلاک کا بٹن دبا رہی تھی۔

دور کہیں اسکے اندر پچھتاوے کے ساتھ ایک خواہش بھی تھی۔ اگر اسے ماضی میں اپنے گھر سے تعریف، حوصلہ افزائی، توصیفی کلمات ملے ہوتے تو آج وہ ایسی نہ ہوتی۔ انسان کا ہر ایکشن اسکے ماضی میں ہوئے واقعے کا ری ایکشن ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رنگین دیواروں والا کیفے آج ایک بار پھر ملاقاتیوں کے آنے کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ بالاج آج قدرے بہتر تھا۔ زینیا سے چند ہلکی پھلکی باتیں کرنے کے بعد وہ اب اسکے زخم کے متعلق استفسار کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری کل میں پریشانی میں پوچھنا بھول گیا۔ تمھارے چہرے پہ کیا ہوا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں، بس چھوٹا سا حادثہ تھا۔ آپ بتائیں کہیں کھانا کھانے چلیں؟''

وہ آہستہ آہستہ آرام دہ ہونا چاہتی تھی۔ کھانے کی بات پہ بالاج کی آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی۔ اس نے نا محسوس انداز میں اپنی جیبیں تھپتھپائیں۔ زینیا غور سے اسکی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہی تھی۔

''کل چلیں؟ آج میرا موڈ نہیں ہے۔'' اسکی آواز ہلکی تھی۔ زینیا پر تکلف سا مسکرائی۔

''ایسا کرتے ہیں کل میں آپ کو اپنے ہاتھ سے کچھ بنا کر کھلاؤں گی۔ آپ بتائیں آپ کو کیا پسند ہے۔'' وہ آگے کو ہو کر بیٹھی، چہرہ پر جوش تھا اپنے اپنے شوہر کا بھرم وہ رکھ چکی تھی۔

''مجھے مٹن کڑاہی بہت پسند ہے۔ بیف کوفتے اور مٹن قورمہ تو میرا فیورٹ ہے۔ تم بتاؤ تم کل کیا بنا رہی ہو۔'' وہ بھی یکدم پر جوش ہو گیا تھا۔ زینیا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو چکن پسند نہیں ہے کیا؟''

''چکن میں کیا رکھا ہے نہ مزہ، نہ طاقت، نہ جان۔ مرد بیف اور مٹن سے نیچے بات نہیں کرتے۔'' بالاج بدمزہ ہوا۔

''اور مجھے چکن کے علاوہ کچھ پسند نہیں''

''جب ہی تو یہ حالت ہے۔'' بالاج دوبدو بولا۔ ''خود کو دیکھو وزن کتنا کم کر لیا ہے۔ سارا وقت پڑھائی کی ٹینشن، پھر کھانے میں یہ چکن اور ساری دنیا کا بوجھ اپنے کندھے پہ یہ حالت تو ہونی ہے۔ اب فکر نہ کرو، میرے ہاتھ آ گئی ہو اچھا خاصا کھلا پلا کر تمہارا وزن بڑھا دوں گا۔''

''ایسی بھی بات نہیں، اچھا خاصا وزن ہے میرا۔ آپ مردوں کو بس بیف اور مٹن کے شوق میں کچھ نہیں دکھتا۔ اچھا یہ بتائیں کل قورمہ بناؤں، یا پھر کوفتے؟'' بالاج آگے کو ہوا، مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''جو تم میرے ساتھ کھانا پسند کرو۔ چاہے پھر وہ بے جان مرغی ہی کیوں نہ ہو۔'' وہ مسکرایا تو زینیا اسکے ساتھ مسکرائی۔

''تم بہت اچھی ہو، زینی۔ باتیں مان جاتی ہو۔ بچپن میں ایسی نہیں تھی تم۔ اللہ معاف کرے گاؤں کے لڑکوں کو بھی مارتی تھی۔ اور بیچارہ بشر الزام اپنے سر لے لیتا تھا۔''

''آپ کون سا کم تھے۔ مجھے یاد ہے راجا چچا کا بیٹا آپ سے جھگڑا کر گیا تھا۔ آپ نے اسے ٹیوب ویل میں کتنی ڈبکیاں دلوائیں۔ بہت ظالم تھے آپ۔''

''شرم کرو وہ لڑکوں کا ٹیوب ویل تھا تم وہاں سے بھی باز نہیں آئیں۔'' بالاج نے اسے شرم دلانی چاہی۔

''لڑکوں کو ٹیوب ویل فصل کے پانی کے لئے دیا گیا تھا۔ اپنے ذاتی جھگڑے میں استعمال کرنے کے لئے نہیں۔'' وہ بھی بلا کی ڈھیٹ تھی۔ بالاج کے ہونٹوں سے آج مسکراہٹ جدا نہ ہوتی تھی۔

''تمھیں بچپن کتنے اچھے سے یاد ہے۔ میں کافی باتیں بھول گیا ہوں۔ میں۔۔۔۔''یکدم وہ بولتے بولتے رکا۔ آنکھوں میں پہلے حیرت، پھر شاک، پھر بے چینی، اور پھر زخمی پن اترا۔ چند لمحوں میں اسکی آنکھوں نے جذبات کے مختلف سمندر عبور کئے۔ زینیا جو مسکرا کر توجہ سے اسکی بات سن رہی تھی۔ اسکے خاموش ہونے پہ ٹھٹھکی، پھر اس نے بالاج کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ اسکی خالی انگلی کو دیکھ رہا تھا۔

''تمھیں بچپن بہت اچھے سے یاد ہے، صحیح کہتی ہو۔ یعنی پھر بچپن میں جڑے رشتے بھی یاد ہوں گے ہے ناں۔''زینیا نے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔ ''تم اسے بھولتی کیوں نہیں ہو زینیا۔ ؟نہ تم نے اسے دیکھا نہ سنا۔ اور ایک میں ہوں جو تمھارے لئے بولتا ہوں ، تمھیں سنتا ہوں، تمھیں دیکھتا ہوں۔ کیا میں یہ ڈیزرو کرتا ہوں کہ تم مجھے یوں دھوکہ دو؟''

''آپ نے کیوں عبداللہ کو اپنے حواسوں پہ سوار کر لیا ہے۔۔۔۔۔''

''کیونکہ تم نے اسے اپنے دل پہ سوار کر لیا ہے؟''زینیا کے دل میں پھانس سی چبھی۔ آنکھیں زخمی ہوئیں۔ ''وہ صرف ایک انگوٹھی تھی، بالاج۔''

''وہ صرف ایک انگوٹھی نہیں تھی وہ کمٹمنٹ تھی۔''یکدم وہ میز پہ ہاتھ مار کر چیخ کر بولا تو زینیا ٹھہر سی گئی۔ آس پاس لوگوں نے مڑ کر دیکھا۔

''لیکن تمھیں کیا معلوم انگوٹھی کیا ہوتی ہے۔ تمہاری انگلی تو تیئیس سال ایک رشتے کے باوجود خالی رہی ہے۔ تمھیں کیا معلوم کمٹمنٹ کیا ہے تمھیں تو فون کال کرنے پہ بھی رد کر دیا جاتا ہے۔'' اب کے زینیا کی آنکھیں شاک سے پھیلیں۔ وہ کیسے جانتا تھا۔ اسکی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔ لب ہلکے سے وارہ گئے۔

''وہ بس ایک انگوٹھی تھی۔'' زینیا کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ آنکھیں شاکی، چہرہ سفید۔ ''میرے ہاتھ میں چبھ رہی تھی، مجھے عادت نہیں ہے۔ میں۔۔۔'' وہ ہلکے کانپتے لہجے میں صفائی دے رہی تھی۔ لوگ انکی جانب متوجہ تھے۔ وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ میری تصیح کرے تذلیل نہیں۔''

''ظاہر ہے چبھے گی ہی تم تو عادی ہوناں منگنی کے باوجود خالی انگلی کی۔ تم تو عادی ہو ذلت کی۔'' زینیا کا چہرہ اب کے سرخ ہوا تھا۔ اس نے دانت پہ دانت جما کر صبر کیا۔ ''تم ایک رد کی ہوئی عورت ہو۔ کئی سال ایک بے جوڑ، بے نام، اور بے زیور رشتے میں رہنے والی لڑکی ہو۔ کمٹمنٹ، رشتہ، قید یہ سب تمھیں کیسے سمجھ آئے گا۔ تمھیں کسی کا حق جتانا، کسی کا پازیسو ہونا، اپنے نام کے ساتھ ایک محفوظ نام جوڑا جانا کیسے سمجھ آئے گا۔ تم تو وہی ہوناں جس نے عبداللہ کے لئے تیئیس سال خاندان کی باتیں سنی، انتظار کیا اور پھر نامراد ہوئیں۔'' یہ کون تھا، اختیارات ملتے ہی وہ کونسا رنگ دکھا رہا تھا؟

''وہ میری تصیح کرے تذلیل نہیں۔''

بالاج آگے کو ہوا، اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ کناروں سے گیلی تھیں، سرخ اور کرب زدہ بھی۔ ''تم اب تک اپنے عبداللہ فیز سے باہر نہیں آئیں ناں؟ تم اب تک خود کو ایک آزاد عورت سمجھتی ہو۔ تمہیں محبت اور شادی کی من پسند قید سمجھ نہیں آتی۔ تم ایسی کیوں ہو، زینیا؟'' زینیا کو اس کی آنکھوں میں ایسی حقارت نظر آئی جیسے کسی کوٹھے والی کے لئے بھی نہ ہوتی ہو۔

زینیا نے سارے کے سارے آنسو اندر اتارے۔ آنکھیں ایک بار پھر ملکہ بد کی آنکھیں ہوئیں۔

''نہ تم مجھے خرید کر لائے ہو، نہ میں تمہاری زر خرید غلام ہوں، اور نہ ہی تم وہ شوہر ہو جس کے لئے میں نے خواب دیکھے ہوں۔ ہم دونوں کی شادی معاہدہ ہے۔ میں یہاں تمہارے ساتھ ہوں، تو تمہاری بہن میرے بھائی کے ساتھ ہے بھولنا مت۔'' وہ انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔ لہجہ بلند نہیں تھا۔ مگر ہلکا بھی نہیں تھا۔

''وٹے سٹے کی شادیوں میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے تم بھی واقف ہو اور میں بھی۔ اس لئے ب، الاج یوسف میر۔'' وہ دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو جھکی۔

''میرے ساتھ تمیز سے پیش آؤ۔ مجھے طعنے مت دو۔ اور میری عزت کرو۔ ورنہ میری ایک فون کال تین گھر برباد کرے گی اور تم جانتے ہو میں ایسا کر سکتی ہوں۔''

''تم مجھے دھمکی دے رہی ہو، ڈرا رہی ہو مجھے؟'' اس نے بازو سینے پہ باندھے تندہی سے پوچھا۔ آس پاس سے بے نیاز وہ دوبدو تھے۔

''جو تم سمجھو۔ معاہدے کی شادی میں ڈر بھی رکھو، خوف زدہ بھی رہو، پابند بھی، اور تمیز دار بھی۔ ورنہ اگر یہی عمل وہاں گوادر میں دہرایا گیا تو تمہیں برا لگ جائے گا۔'' کہتے ہوئے اس نے جھپٹ کر بیگ اٹھایا، ایک سخت جتاتی نظر بالاج پہ ڈالی اور کیفے سے باہر نکل گئی۔

بالاج چاہے جو مرضی کرلیتا، حقیقت یہی تھی کہ اس ایک شادی سے کئی اور تعلق جڑے تھے۔ جن کو توڑنا فلحال اسکی جرات نہ تھی۔



سرخ بس میں سوار وہ افسردگی سے کھڑکی سے ماتھا ٹکائے ہوئے تھی۔ روشنیاں، کھانے کی خوشبو، کافی شاپس اور سڑک کے اطراف میں چلتے پھرتے لوگ آج بھی پہلے جیسے تھے۔ اگر کچھ بدلا تھا تو زینیا حاکم کا چہرہ۔ وہ بالاج سے ملنے خوشی خوشی گئی تھی، واپسی ویسی نہیں تھی جیسی اس نے چاہی تھی۔ کئی بار انسان اپنی بنائی فینٹسی میں اتنا آگے چلا جاتا ہے کہ حقیقت اسے غیر حقیقی لگنے لگ جاتی ہے۔

چلتی بس ایک جگہ رک گئی تھی۔ سامنے سڑک پہ کسی امیرزادے کی لمبی گاڑی خراب کھڑی تھی۔ کنڈیکٹر اب اسے بڑی شان سے اپنی بس میں بٹھا رہا تھا۔ زینیا یونہی ماتھا شیشے سے ٹکائے بیٹھی رہی۔ امیرزادے کے آنے سے بس میں دباد باجوش بڑھ گیا تھا۔ آوازیں اسکے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ وہ بے حس بیٹھی رہی۔ اسکے پاس اس اسپیکر سے زیادہ بڑے مسائل تھے۔ چند لمحوں بعد اسے

اپنے قریب حرکت محسوس ہوئی، کسی نے دو نشستوں کے درمیان ایک بیگ رکھا تھا، تا کہ فاصلہ ہو سکے۔اس کے آنے سے آس پاس مہنگی خوشبو پھیل گئی۔

'' سرکار شیشہ لگ جائے گا۔''سبز آنکھوں والے مرد کی ہلکی آواز پہ بھی وہ نہیں مڑی۔بس یونہی بے حس و حرکت شیشے پہ ماتھا گرائے، سیٹ پہ آگے کو ہوئی بیٹھی رہی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم ایک حلال ڈیٹ پہ گئی تھیں۔پھر ایسا کیا ہوا کہ یوں حرام شکل بنائے بیٹھی ہو۔''

وہ اپنے موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ایک دنیا تھی جسے مہدی کمبیر کو جاننا تھا، سننا تھا،اسکے مسائل حل کرنے تھے ،اپنے مسائل اسے سنانے تھے۔لیکن وہ یہاں اس بس میں بیٹھا اسکے مسئلہ جاننا چاہتا تھا، جو سیدھے منہ جواب بھی نہیں دیتی تھی ۔بیچارے مرد۔

''جھگڑا ہوا ہے؟وجہ کیا تھی، دوسری عورت، اسکی کنجوسی، یا پھر تمہارا ڈھیٹ پن؟''اس نے ایک بار پھر کریدا۔

''شک کرتا ہے مجھ پہ۔''اسکی آواز ہلکی تھی، بے حد ہلکی۔دور کہیں کرب زدہ بھی۔

''اسے لگتا ہے میں آج بھی اپنے ماضی کو یاد رکھے ہوئے ہوں۔حلانکہ میں ماضی بھلا نہیں سکی تو اس پہ بے حس ضرور ہو چکی ہوں ۔''زینیا حاکم وہ لڑکی نہیں تھی جو یوں بس میں بیٹھے اپنا حال سنا دے۔لیکن اس وقت اسکے جسم، دماغ، اور دل پہ بہت بوجھ تھا۔وہ اس سے چھٹکارہ چاہتی تھی۔انسان کئی دفع اپنی شخصیت کے برعکس بھی کام کر لیا کرتے ہیں۔

''میں اپنے ہر عمل سے اس کو خوش کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن وہ میرا ماضی نہیں بھولتا۔ میں چاہتی ہوں وہ بھول جائے، میں بھی بھول جاؤں۔ میرا اور میرے شوہر کا تعلق بچ جائے، باقی سب ختم ہو جائے۔'' وہ گویا اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

''تمہاری کوشش غلط ہے۔ تم ماضی کو اپنی زندگی سے نکالنے میں ہلکان ہوئی جا رہی ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ تم آج بھی اس سے نکل نہیں سکیں۔ کوئی انسان نہیں نکل سکتا۔" زینیا نے تھکن سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اتنا سچ کیوں بولتا تھا۔؟ کاش کوئی اس کا منہ بند کروا دے۔

''تمھیں آج بھی اپنا ماضی یاد ہے۔''

''مجھے وہ شخص از بر ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ آواز مہدی کے کانوں تک نہیں گئی۔

''تم گلٹی ہو، زینیا۔ تم کوشش کر رہی ہو کہ اپنے شوہر کے سامنے نارمل رہ سکو، ماضی سے بہت دور۔ تم اپنے تعلق میں کوشش کر رہی ہو، لیکن غلط۔ انسان اور اسکا ماضی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔'' الفاظ اسلام آباد کی ہواؤں میں امر ہو گئے۔

''take it easy، تم ماضی کو کھرچ نہیں سکتیں۔ شادی میں اگر تمھیں ماضی یاد آتا بھی ہے تو اس میں گلٹی ہونے کی ضرورت نہیں۔ سوچوں پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔''

''میرا ابھی نہیں ہے۔'' وہ کھڑکی سے ماتھا ٹکائے زیر لب بولی۔ اسکی آواز زکام زدہ تھی۔ زینیا حاکم ہرٹ ہوئی تھی۔ حد سے زیادہ ہرٹ۔

''کیا تم ماضی میں واپس جانا چاہتی ہو، یا اپنے حال میں خوش ہو؟''

''میں بالاج کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ واپسی کے خیال کو میرے دل نے ہمیشہ رد کیا ہے۔'' اب کے اسکی آواز مہدی کے کانوں میں پڑی۔ وہ ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ سکرین کی روشنی پڑ رہی تھی۔ بس میں چلتی سرخ بتی اور سکرین کی روشنی مل کر ایک الگ ہی دنیا بنا رہی تھیں۔

''تمہاری وفاداری یہیں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اب خود کو مزید مت تھکاؤ۔ تم غلط نہیں ہو، برا ماضی خوشحال مستقبل کی راہ میں ضرور آتا ہے۔ ٹاکسک ایکس یو نو۔'' زینیا خاموش ہو گئی۔ جیسے سارے جواب مل گئے ہوں۔ مہدی بھی چند پل خاموش رہا۔ پھر اسکی آواز ابھری۔

''تمھارے کس عمل نے اسے ٹرگر کیا؟'' زینیا نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اسکے آگے کیا۔ رنگ فنگر پہ زخم تھا۔ گول دائرے میں بنا زخم۔ کھال ادھڑ چکی تھی۔

''میں نے اس کی دی ہوئی انگوٹھی اتار دی۔''

''یہ تو پھر واقعی غلط کیا۔ لیکن اس نے تم سے زیادہ غلط کیا۔ اسے تصیح کرنی چاہیے تھی، تذلیل نہیں۔'' زینیا نے ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے آدمی کو دیکھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ زینیا کو لگا وہ شخص شاید اسے اندر تک جان گیا تھا۔ کئی لمحے وہ سانس لئے بغیر اسے دیکھے گئی۔ اسے اس شخص سے خوف آیا تھا۔

''شادی کے شروعاتی دنوں میں، چاہے شادی کے دس سال بعد تک مرد اپنے دیئے ہوئے تحائف کے معملے میں پازیسو ہوتا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی اسکے تحائف کی ناقدری کرے، گو کہ تم نے نہیں کی۔ لیکن میں نے کہاناں ماضی کئی بار خوشحال مستقبل کی راہ میں آجاتا ہے۔ کچھ چیزیں تم بدل لو، کچھ وہ، اچھی کٹ جائے گی۔'' سادہ، مخلص اور نرم لہجہ۔

''میں ہر بار اسکی برداشت کرتی رہوں گی تو اسکی امیدیں بڑھ جائیں گی، اور تعلق خراب ہوگا۔''

''تم اسکی نہ مان کر بھی تعلق خراب کرو گی۔ غصے میں، ضد میں نقصان بس تعلق کا ہوتا ہے، اسے سمجھاؤ، تسلی سے، نرمی سے، شادی کے شروع میں ایک دوسرے کو وقت دو، فاصلے نہیں۔''

زینیا نے اب کے جواب نہیں دیا۔ وہ اگلے انسان کو تب تک سن سکتی ہے، جب تک وہ اسکے حق میں بولے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے، اور اسے کڑواہٹ پسند نہیں تھی۔ بس اگلے اسٹاپ پہ آکر رکی۔ مہدی اسے دیکھے بغیر اتر گیا، آدھی سے زیادہ بس خالی ہو چکی تو زینیا بھی بیگ کو کندھے پہ ڈالے تھکے تھکے انداز میں باہر آئی۔ ہاسٹل کی گلی آج خالی خالی تھی۔ نہ جانے مہدی بھی اتنا جلدی کہاں غائب ہو گیا۔ وہ اس کے ساتھ جا سکتا تھا۔ لیکن وہ **"ناں"** کو سمجھتا تھا۔

ہاسٹل آکر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی۔ بیگ اتار کر فرش پہ پھینکا۔ اسی لمحے موبائل بجنے لگا۔ اسکی روم میٹ ذرا فاصلے پہ کھڑی ٹک ٹاک بنا رہی تھی۔ زینیا نے موبائل کان سے لگا لیا۔

''کونج فلحال بات نہیں کر سکتی میں۔'' اس نے پہلا جملہ یہی کہا تھا۔ آگے سے شاید پریشانی سے کچھ استفسار کیا گیا۔

''کچھ نہیں ہوا۔بس بالاج اور میرا چھوٹا سا جھگڑا ہو گیا ہے۔ نہیں اماں کو مت بتاؤ میں دیکھ لوں گی، ہاں اب فون رکھو۔'' بے زاری سے کہتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی۔ کچھ دیر یونہی پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھی۔ دراز سے وہی سونے کی انگوٹھی باہر نکالی ۔ پھر اپنا ہاتھ دیکھا۔ لمبی سفید انگلیاں، لمبے ناخن، اور نیلا نیل پینٹ۔ چند لمحے وہ یونہی اپنے خالی ہاتھ کو دیکھتی رہی، پھر اس نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی۔ ذرا سی جدوجہد، ذرا سی تکلیف۔ لیکن کمٹمنٹ بعض دفع تکلیف دہ ہوتی ہیں۔اس نے مان لیا تھا۔اس نے اپنا ہاتھ بلند کر کے دیکھا، کئی لمحے خالی خالی نظروں سے وہ اپنی انگلی کو دیکھتی رہی۔ پھر اپنا موبائل اٹھا کر ایک تصویر اتاری۔اب کے اس کے ہاتھ تیز تیز موبائل پہ انگلیاں چلا رہے تھے۔ واٹس ایپ سٹیٹس پہ اب اسکا انگوٹھی والا ہاتھ تھا۔

''کئی بار کمٹمنٹ تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ لیکن انسان انکا عادی بن جاتا ہے اگر وہ چاہے۔''اس نے خود کو ایک بار پھر پلنگ پہ گرا دیا ۔ تقریباً آدھا گھنٹہ بعد اسے کوئی لڑکی بلانے آئی تھی۔ باہر اس سے کوئی ملنے آیا تھا۔ زینیا حیرت سے باہر آئی۔ ہاسٹل کے گیٹ سے ذرا فاصلے پہ اسے حیرت کے شدید جھٹکے لگے تھے۔ بالاج گیٹ کے باہر یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔ زینیا کو دیکھ کر وہ رکا۔ رنگت ذرا سی بحال ہوئی۔ وہ بے چینی سے آگے بڑھ آیا۔

''میں تمھیں کیفے کے باہر ڈھونڈ رہا تھا، زینی تم کہاں چلی گئی تھیں۔ میں دو گھنٹے سے پاگلوں کی طرح تمھیں ڈھونڈ رہا ہوں۔'' وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں اس نے زینیا کا بے تاثر چہرہ دیکھا۔ پھر دھیرے سے پہلو میں گرا اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''تمھیں میرے لئے تکالیف جھیلنے نہیں دوں گا۔ کمٹمنٹ یہ انگوٹھی نہیں تمہارا ساتھ ہے۔آئی ایم سوری، زینی۔'' وہ واقعی پیشمان تھا۔اس نے ایک ہاتھ سے اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی اتاری اور پھر زینیا کی انگلی میں پہنا دی۔وہ زخمی کر دینے والی انگوٹھی اب ہاتھ سے اتر چکی تھی۔یہ انگوٹھی کھلی تھی، آزاد اور بس آزاد۔

''میں کچھ پریشان ہوں، زینی۔بس میری کچھ باتیں نظر انداز کر دیا کرو، یا پھر میری اصلاح کر دیا کرو۔میں تمھیں کھونا نہیں چاہتا کسی قیمت پہ نہیں۔تم اب ٹھیک ہو ناں؟'' وہ کہتے کہتے رکا۔متذبذب سی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی ، پھر مسکراہٹ دبائے اپنا ہاتھ اسکے سامنے کیا۔انگوٹھی اتنی کھلی تھی کہ انگلی سے نکل جانے کا خدشہ تھا۔بالاج نے بے بسی سے اسے دیکھا۔''میں اس وقت اتنا کنگال ہوں کہ نئی رنگ بھی نہیں دلا سکتا۔" اس نے زینیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔انگوٹھی واقعی کھلی تھی۔بے حد کھلی۔

''یہ تو واقعی مسئلہ ہو گیا ہے۔'' وہ فکر مند ہوا۔زینیا نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔پھر گلے میں پہنی چین اتاری۔انگوٹھی چین کے اندر ڈال کر اب وہ چین گلے میں پہن رہی تھی۔بالاج ہنستے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔انگوٹھی اب چین میں لپٹی اسکے گلے میں چمک رہی تھی۔

''مسائل سے پہلے میرے پاس حل آتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر جتا رہی تھی۔بالاج زور سے ہنسا۔وہ واقعی محظوظ ہوا تھا۔چند پل وہ یونہی کھڑا رہا، پھر زینیا نے اسے جانے کو کہا۔کچھ لمحہ بعد وہ پلٹ رہا تھا۔زینیا مسکراتے ہوئے اسے ہاتھ ہلا رہی تھی۔انگوٹھی اب بھی گلے میں پڑی چین میں دمک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل واپس آنے پہ اسے ایک بار پھر کوفت ہوئی۔ لڑکیوں کا ٹولہ یہاں سے وہاں گھوم رہا تھا۔ کچھ محفل لگائے بیٹھی تھیں، کچھ ساتھ بیٹھی کوئی فلم دیکھ رہی تھیں۔ ہاسٹل ہر وقت بھرا بھرا رہتا تھا۔ یہاں پرائیویسی بہت کم تھی۔ یا بس اپنے کمرے تک محدود تھی۔ وہ سیڑھیوں کی مدد لیتی اوپر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب اسے کسی نے پکارا۔

''تمہاری اور تمہارے شوہر کی صلح ہو گئی کیا۔؟'' زینیا کرنٹ کھا کر مڑی۔

اسکی روم میٹ سوال کرنے والی لڑکی کے عقب میں کھڑی تھی۔ تمام لڑکیاں اسی طرف متوجہ تھیں۔ تماشا کسے پسند نہیں ہوتا؟

''دیکھو زینیا شادی کے شروعات میں مسائل تو ہوتے ہی ہیں۔ ٹو بی آنسٹ تم ہماری دوست ہو اس لئے صبر اور تحمل سے کام لینا سیکھو۔'' اسے پکارنے والی لڑکی ماہم اب بھی مصنوعی فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔ زینیا کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا۔ اسے اپنے مسائل کا اشتہار لگایا جانا ہر گز پسند نہیں تھا۔ اور اس وقت وہ موضوع محفل تھی۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی۔ شیزل ہاتھ میں کالڈ کافی کا مگ لئے کھڑی تھی۔ آنکھیں محظوظ کن انداز میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ **''لڑو زینیا حاکم۔''**

''مجھے میرے پرسنلز میں دخل ہونے والے لوگ بلکل پسند نہیں۔ آئندہ خیال رکھئے گا۔'' بس اتنا صرف اتنا کہا تھا اس نے اور پھر واپس مڑ گئی۔ اور ہال میں کھڑی ساری کی ساری لڑکیوں کے چہرے پہ جو مایوسی آگئی تھی اسکے پھر کیا ہی کہنے۔ یہاں کھڑی ہر لڑکی ایک جھگڑے کے لئے تیار تھی۔ لیکن زینیا حاکم اس وقت کوئی جھگڑا افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔ کمرے

میں داخل ہو کر دروازہ آہستہ سے بند کیا۔ بند دروازے کے پار اب کے اس کے چہرہ مختلف تھا۔ آنکھیں خون چھلکا رہی تھیں۔ غصے سے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ اسے زور زور سے چیخنا تھا۔ وہ جب تک چیخے گی نہیں اسکا غصہ ختم نہیں ہو گا۔

باتھروم کی طرف جاتے ہوئے اس نے جبڑے بھینچ رکھے تھے۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کیا۔ شاور کھول دیا، واش بیسن کا نل کھولا۔ اور باقی بھی سارے نل کھول دیئے۔ چند لمحے وہ یونہی واش بیسن پہ جھکی رہی، اور پھر اتنی زور سے چیخی کہ گردن کی نسیں تک باہر آنے لگیں۔ دیوار پہ مکے مارتے ہوئے وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ وہ کوئی حاکم نہیں تھی، جو باتیں دل میں رکھ لے وہ زینیا حاکم تھی ایک کی دس سنانا اسکا محبوب پیشہ تھا۔ جب تک اپنے خلاف بولنے والوں کی وہ زبان نہ کھینچ لیتی سکون زینیا حاکم پہ حرام تھا۔

پانی کی بہتی دھار میں اسکی آواز دب رہی تھی۔ کوئی اس کے راز کیسے استعمال کر رہا تھا۔ کوئی کیسے اسے موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ کوئی کیسے اس پہ ہنس سکتا تھا۔ اور وہ واپس کیسے آ گئی وہ انکا منہ توڑے بغیر واپس کیسے آ گئی۔ بری طرح چیختے ہوئے اس کا حلق دکھ رہا تھا۔ پھر اگلے چند لمحوں میں وہ پر سکون ہونے لگی۔ ہتھیلیاں سرخ ہو گئی تھیں۔ جسم کا سارا خون چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔

وہ واش بیسن پہ جھکی بہتی دھار کے نیچے ہاتھ پیالے کی صورت پھیلا لئے۔ اب وہ پانی کے چھینٹے اپنے منہ پہ مار رہی تھی۔ زخم جل رہا تھا۔ تکلیف حد سے سوا تھی۔ وہ ضبط کرتے ہوئے باہر چلی آئی۔ شیزل اسکے کمرے میں غصے سے چکر کاٹ رہی تھی۔

''یہ کیا بکواس تھی ہاں۔ منہ کیوں نہیں توڑا اس کا؟ میری باری پہ تو پھاڑ کھانے کو آتی ہو ناں اسکی باری پہ کیوں زبان تالو سے چپک گئی تھی؟'' دبلی پتلی لڑکی سخت طیش زدہ تھی۔

زینیا گیلے چہرے اور نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''اس نے میرے بارے میں اور کیا کیا کہا ہے؟'' پر سکون لہجے میں کہتی وہ اپنے پلنگ پہ آ کر بیٹھی۔ شیزل نے ضبط کیا۔

''اس نے کہا کہ مس زینیا حاکم کا شوہر اس پہ شک کرتا ہے۔ اور آج یونیورسٹی میں اسے کسی لڑکے کے ساتھ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اور مزید یہ کہ تم دونوں کا ایک بہت بڑا جھگڑا ابھی ہوا ہے۔ اور بہت جلد وہ تمہیں چھوڑ رہا ہے، کیونکہ تم اسکی خاطر اپنے میل دوست کو نہیں چھوڑ سکیں۔'' بات پوری کر کے اب وہ زینیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یوں گویا کہہ رہی ہو۔ **"اس کا منہ توڑنا بنتا تھا ناں؟"**

''مہدی کمبیر اور قیس کمبیر بھائی ہیں۔ تم نے مجھے بتایا نہیں؟'' اس نے سوال بدل دیا۔ اب کے شیزل نے اپنی چھوٹی آنکھوں کو تھوڑا اور چھوٹا کیا۔

''میں نے تمھیں مہدی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ لیکن تم قیس کو کیسے جانتی ہو۔ ویٹ تم نے مجھے بتایا نہیں تم اس دن کس کے گھر گھس گئی تھیں؟'' وہ تجسس سے کہتی آگے آئی۔ زینیا کی پر سکون آنکھوں میں دیکھا۔ اور پھر چہرے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''مجھ سے ہر گز یہ مت کہنا کہ تم لوسفر سے ملی ہو۔ یعنی قیس۔۔ اوہ مائی گاڈ۔۔ لوسفر تمھیں گھر چھوڑنے آیا تھا۔ اس نے تمہاری مدد کی کانٹ بلیواٹ۔'' جوش اور بے یقینی سے اسکی آواز بدل رہی تھی۔

''تم اسکے ساتھ نک نیم ٹرمز پہ ہو۔ تم اسے جانتی ہو؟'' اسکی بات پہ شیزل ذرا دیر کو خاموش ہو گئی۔

''وہ میرے دشمن کا دوست ہے۔'' شیزل ہلکی آواز میں بولی۔ ''اور کالج میں میرا سینیئر تھا۔ شاید دوست جیسا یا شاید نہیں۔ میں اس سے کچھ بھی کہہ سکتی ہوں۔ وہ مجھ سے کچھ بھی مانگ سکتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو مصیبت میں کال کر لیتے ہیں۔ لیکن سالگرہ پہ نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے لڑ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہم سے لڑے تو اسے چیر پھاڑ سکتے ہیں۔ لوسفر، وائرس اور میں trio تھے۔ دنیا کا سب سے عجیب و غریب trio۔ ہم مہینوں بات نہیں کرتے۔ لیکن پھر جب ملتے ہیں تو ہماری انرجی سیم ہوتی ہے ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔ زینیا نے اسے پہلی بار یوں دل سے مسکراتے دیکھا تھا۔

''اس روز مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر کسی قیس کمبیر کا ہے۔ اور وہ قیس مہدی کا بھائی ہے۔ قیس کیسا آدمی ہے؟'' آخر میں زینیا واقعی جاننا چاہتی تھی۔

''جتنی مدد وہ تمہاری کر چکا ہے اتنی تو اپنے باپ کی بھی نہیں کرتا۔''

''شاید اسے اپنا کوئی فائدہ نظر آیا ہو۔'' زینیا نے اس کی بات اچک لی۔

شیزل نے سر کو نفی میں ہلایا۔ ''اس نے اپنے ماضی کے زیر اثر تمہاری مدد کی ہو گی۔ اسلام آباد اس کے ساتھ مہربان نہیں رہا، یہاں کے لوگ اس کے ساتھ مخلص نہیں رہے۔'' زینیا نے پہلی بار شیزل کو کسی کے لئے اداس دیکھا تھا۔

''اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا۔؟'' زینیا آگے کو ہو بیٹھی۔ شیزل مسکرا کر اسکی طرف جھکی۔

''ہماری خوبیوں میں ایک اور خوبی، ہم ایک دوسرے کے راز نہیں کھولتے۔''

''اور اگر کھول دو تو؟'' زینیا پر اسرار ہوئی۔ شیزل کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ مسکراہٹ البتہ برقرار رہی۔

''پھر ہم ایک دوسرے کو جان سے مار سکتے ہیں۔'' اسے اپنی ہی آواز کھوکھلی لگی۔

''تم کہتی ہو ماضی میں اس کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔ لیکن وہ اتنا evil ہے۔ کوئی اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔؟''

"evils isn't born it's made"

شیزل جتا کر بولی تو زینیا نے بات پلٹ دی۔

''قیس کرتا کیا ہے؟'' یوں اسے قیس پکارنا اسے عجیب لگ رہا تھا۔ لیکن معلومات اسکے لئے ضروری تھیں۔

''ملک کے بہت بڑے فیشن برانڈ "**قیسم**۔" کا مالک ہے وہ۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری میں اس کا سکہ بولتا ہے۔ یہ اس کا خاندانی کاروبار ہے ۔جسے کئی سالوں سے وہ خود سنبھال رہا ہے۔''

''ان دونوں بھائیوں کا تعلق کیسا ہے؟''

''قیس نفرت کرتا ہے مہدی سے۔ اور وہ دونوں بھائی نہیں کزنز ہیں۔ دنیا کے سب سے انوکھے کزنز۔'' زینیا سوچ میں پڑ گئی۔ اسی لمحے اسکی روم میٹ کمرے میں داخل ہوئی۔ زینیا کو دیکھ اسکی رنگت زرا سی اڑی تھی، لیکن وہ کمال ڈھٹائی سے آگے بڑھ آئی۔ اپنے بیڈ پہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اور موبائل سیٹ کر کے سامنے رکھا۔ وہ ویڈیو بنانے کو تیار تھی۔ زینیا غور سے اسے دیکھتی رہی۔

''یہ لڑکی، مجھے اپنے کمرے میں نہیں چاہیے کل سے تم میری روم میٹ ہو۔'' زینیا نے فیصلہ سنایا۔ سامنے کوئی کنیز تھوڑی تھی؟

''شیزل سیمسن ایک تحفہ ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتا۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتی گئی۔ پھر رک کر زینیا کو دیکھا۔ ''اس سے لڑو۔۔ میں تمھیں لڑتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

زینیا مسکرائی۔اور اپنے بستر پہ لیٹ گئی۔ ''زینیا ایسے نہیں لڑتی۔'' چادر سر تک تانتے ہوئے وہ پر سکون تھی۔

''میں نے تم جیسی بزدل عورت کہیں نہیں دیکھی۔ تمھیں چاہئے تھا اس سے لڑتیں اسکا منہ توڑ دیتیں۔ لیکن۔۔''

''زینیا ایسے نہیں لڑتی۔'' وہ دونوں بیک وقت بولی تھیں۔ شیزل منہ بگاڑ کر۔اور زینیا مسکرا کر۔ دراز قد لڑکی کلستی ہوئی باہر چلی گئی۔اور زینیا نے مسکرا کر چھت کو تکا۔ پھر دھیرے سے دہرایا۔

''زینیا ایسے نہیں لڑتی۔''



فجر کی اذانیں بلند ہوئیں تو سارے میں گویا نور پھیل گیا۔ہاسٹل کے کمرے میں زینیا اپنے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ گود میں لیپ ٹاپ تھا اور وہ اس وقت کوئی ہارر فلم دیکھ رہی تھی۔ہارر فلم اور زینیا buddies تھے۔لائٹس بند کر کے، پاپ کارن ساتھ رکھ کر آدھا کمبل خود پہ ڈالے اگر ہر ہفتے اس نے ہارر فلم نہ دیکھی، اور پھر دیکھ کر چار راتیں سکون سے سو نہ سکی۔ پھر وہ زینیا ہونے سے غداری کرے گی۔ فلم ختم ہو چکی تو اس نے کمبل پیروں سے ہٹایا، آج اتوار تھا اور اسکی چھٹی۔ وہ بالکنی میں چلی آئی۔ اکا دکا گھروں کی بتی جلی تھیں۔ ورنہ گلی سنسنان تھی۔ صبح کے وقت اچھی سردی ہو جاتی تھی، وہ اپنی شال اوڑھے نیچے چلی آئی۔ آنٹی نماز پڑھ کر اب فارغ ہوئی تھیں، اور اب پارک جا رہی تھیں۔ یہ انکا روز کا معمول تھا۔ فجر سے ذرا دیر بعد وہ قریبی پارک چلی جاتیں

۔واک اور کسرت کرتیں اور پھر روشنی ہونے سے پہلے واپس لوٹ آتیں۔ زینیا نے آنٹی سے کچھ تصاویر لینے کی اجازت لے کر انکے ساتھ چلنے کے لئے تیار تھی۔اب وہ گلی میں انکے ساتھ چل رہی تھی۔ کئی بار اس نے رک کر کچھ تصاویر بھی لی تھیں۔پارک آکر آنٹی اپنے کام میں لگ گئیں۔آس پاس کی چند اور عورتیں اور مرد بھی اسی طرف آنے لگے تھے۔آنٹی اب انکے ساتھ تھیں۔

زینیا ایک سنگی بنچ پہ آکر بیٹھ گئی۔ کسی خیال کے تحت اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو ٹھہر سی گئی۔وہ سامنے سے چلا آرہا تھا۔وہی جس نے اسکی گردن پہ پستول رکھی تھی۔اور وہی جس نے اسے اپنے گھر کے راز دیئے تھے۔اس کے کس تاثر پہ یقین کرے اسے سمجھ نہ آیا۔وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔او نہوں شناسائی، یا دوستی والی مسکراہٹ نہیں۔وہ طنزیہ مسکرایا تھا۔پھر آس پاس دیکھا اور پھر اپنے سینے پہ انگلی رکھی اور دوسرے ہاتھ سے بنچ کی طرف اشارہ کیا۔جیسے کہہ رہا ہو۔

”میں یہاں آجاؤں ؟“

زینیا نے نفی میں سر ہلایا اور یہی تو اسے چاہیے تھا۔وہ خراماں خراماں چال چلتا اسکے قریب بنچ پہ آکر بیٹھا۔زینیا نا محسوس انداز میں بینچ کے آخری سرے پہ ٹک گئی۔

”گڈ مارننگ اسمگلر امید ہے آپ کا کام اچھا جا رہا ہو گا۔“

”گڈ مارننگ saverus امید ہے تم اس وقت میرا موڈ خراب نہیں کرو گے۔“

زینیا نے آس پاس نظر دوڑائی۔کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔پھر بھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بات کرنی ہے میرے ساتھ چلو۔'' قیس اسے اٹھ کر آگے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ ذرا دور گئی تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکی تقلید میں قدم اٹھانے لگا۔ اب وہ دونوں جاگنگ ٹریک پہ تھے اطراف میں کھڑے اونچے درختوں نے انکی شناسائی کا راز چھپا لیا۔ زرد پتے ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ملگجا سا اندھیرا عجیب پر سراریت لئے ہوئے تھا۔

''تم نے اس روز مجھے بچایا کیوں؟'' وہ اسکے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میں تمھیں جواب دہ نہیں ہوں۔ ہاں البتہ اگر تمھیں پکڑے جانے کا شوق ہے تو میں پولیس کو کال کر دیتا ہوں۔''

''تم مسلسل مجھے بچا رہے تھے۔ مجھے جاننے کا حق ہے کیوں؟''

''فکر مت کرو اتنی خوبصورت نہیں ہو کہ پہلی نظر میں تمہاری محبت میں مبتلا ہو جاؤں اور پھر تمہاری مدد کرنے لگوں۔'' زینیا کے کان سرخ ہو گئے۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔ وہ اثر لئے بغیر اسے دیکھتا رہا، اسکا جھینپ جانا وہ نوٹ کر چکا تھا۔

''کسی نے تمھیں تمیز نہیں سکھائی؟ کسی شادی شدہ عورت سے اس طرح بات کرتے ہیں؟''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ کسی نے تمہیں نہیں سکھایا کہ کئی کلو منشیات لے کر ایک شریف انسان کے گھر نہیں گھس جاتے۔'' زینیا کا جی چاہا تھا کاش وہ اسکا منہ نوچ سکتی۔ مگر۔

''تم اور شریف دو الگ الگ باتیں ہیں۔ جس طرح سے تم نے اس ساری صورتحال کو ہینڈل کیا۔ یوں لگا تھا تم پیدائشی شیطان ہو۔'' قیس کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ دیو قامت درختوں اس کے دل کے بوجھل ہونے کا راز سینے میں رکھ لیا۔

ہلکی بے حد ہلکی آواز تھی اسکی۔ماضی فلیش بیکس کی صورت آنکھوں کے آگے چلنے لگا۔وہ سر جھٹک گیا۔

''تم نے اس روز مجھے بچایا اس کے لیے شکریہ۔کیا اب آگے کی بات کریں؟''اس نے بات پلٹ دی۔

''ہاں اس روز تم نے مجھے پھنسانے میں،اور ذلیل کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اسکے بعد مجھ سے بد تمیزی بھی کی،چار دن بعد شکریہ بھی یاد آگیا۔لیکن خیر اب آگے بات کریں؟''وہ بازو سینے پہ باندھے کس قدر تابعداری سے پوچھ رہا تھا۔زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔پھر دھیرے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے اس روز مجھے کیوں بچایا تھا؟''

''میں نے تمھیں نہیں خود کو بچایا تھا۔''اسکی آواز ہلکی تھی بے حد ہلکی۔

''تم اس روز میرا اینگر سیلف تھیں۔کئی سال پہلے اس شہر نے،یہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ بہت برا کیا تھا۔مجھے لگا تھا میرے لئے کوئی مسیحا آئے گا،نہیں آیا۔''اس نے گردن جھکا دی۔ماضی ایک جھماکے سے یاد آنے لگا۔کچھ بھی کہنا اب تکلیف دے رہا تھا۔''میری فیری ٹیل کبھی سچ نہیں ہو سکی۔لیکن کچھ انسانوں کی فیری ٹیل سچ ہو جانی چاہیے۔انکے لئے مسیحا آجانا چاہئے۔ورنہ دنیا جذبات سے خالی ہو جائے گی۔اور معصوم لوگ میری طرح مانسٹرز بن جائیں گے۔چودہ سال پہلے قیس کو بچانے کوئی نہیں آیا لیکن چودہ سال بعد اس نے کسی کو بچالیا۔''اس نے گردن اٹھائی۔اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔رنگت نچڑ چکی تھی۔مگر آنکھیں جذبات سے خالی تھیں۔

''تم نے مجھے مانسٹر بننے سے کیوں بچالیا۔ میری فیری ٹیل سچ کرنے والے تم ہوتے کون ہو؟'' جذبات کا اسکے ساتھ جیسے کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ قیس گردن جھکا کر ہنس پڑا۔

''اس سوال کا جواب فلحال میرے پاس نہیں ہے، لیکن کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ میں نے یہ سب انسانیت کے تحت کیا۔''

''غور سے میرے ماتھے پہ دیکھو کہیں بے وقوف لکھا نظر آ رہا ہے کیا۔؟'' قیس واقعی آگے کو ہوا، غور سے اسکا بے داغ ماتھا دیکھا۔

''بے وقوف نہیں لیکن ڈھیٹ لکھا ہے صاف صاف، جلی حروف میں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ابھی زینیا کچھ کہتی کہ اسکا موبائل بجنے لگا، اس نے قیس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بیگ سے فون نکالتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کر لی۔

قیس اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ اسکے چہرے پہ محتاط اور خوف زدہ تاثر دیکھ سکتا تھا۔

''آپ کون بات کر رہے ہیں؟''

''آپ کو کیا لگا تھا، مس زینیا حاکم ہمارے تعلقات اتنے کمزور ہیں کہ آپ ہمارا مال اڑا لے جائیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔'' آواز تھی کہ صور زینیا نے اپنے قدموں سے جان نکلتی محسوس کی۔ فون پہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ آواز قیس کے کانوں تک بھی گئی۔

۔

''دو دن کا وقت ہے تمہارے پاس ہمارا مال ہماری بتائی جگہ پہ چھوڑ کر چلی جاؤ، ورنہ ہاسٹل کا کمرہ، تمہارا کراچی سے آیا شوہر، اور تمہاری اکیڈمی ہم سب سے واقف ہیں۔'' وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ رنگت بری طرح نچڑ چکی تھی۔ قیس نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ زینیا مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

''اگر پولیس کو بتانے کی کوشش کی، یا پھر اگر کسی نے تمہاری پشت پناہی کرنے کی کوشش کی، تو تمھارے ساتھ اسے بھی مار دیں گے۔''

''اسکی پشت پناہی میں کر رہا ہوں۔اور مجھے مارنے کے لئے تمھیں خود دس دفع پیدا ہو کر آنا پڑے گا۔''اس کی آواز سخت تھی۔سامنے سے شاید کسی کو مرد کے بولنے کی توقع نہیں تھی۔ ''تمھیں صرف اور صرف ہاسٹل، روم نمبر، اور چند غیر ضروری چیزوں کا علم ہے۔لیکن میں۔۔۔میں تمہاری قبر تک کا حساب تمھارے سامنے لا سکتا ہوں۔''

''ہماری بات اس لڑکی سے ہے بیچ میں بولنے والے تم کون ہو۔''دوسری طرف سے ایک سخت کھردری آواز آئی۔

''میں تمھارے اور اس کے بیچ میں کھڑا پہاڑ ہوں۔ گراؤ مجھے پھر اس تک آجانا۔لیکن یاد رکھنا میں وہی ہوں جس کے گھر میں پولیس کو تلاشی کے بعد بھی کچھ نہیں ملا۔آئندہ اس نمبر پہ کال نہ کرنا آج شام تک میں اس معملے کا حل نکال لوں گا۔''

''ہمیں حل نہیں بھرپائی چاہیے ہمارا پیسہ۔وہ بھی اسی لڑکی سے۔''

''آج شام پانچ بجے میرا انتظار کرنا، اب سے اس لڑکی کا معملہ میرا معملہ ہے۔''چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی۔زینیا بے دھم سی سنگی بینچ پہ بیٹھی تھی۔فون بند کر کے اس نے زینیا کی طرف دیکھا۔وہ گردن جھکائے ہوئے تھی۔اسکے چہرے پہ پریشانی تھی۔قیس اسکی طرف بڑھا۔

''کب سے آرہی ہیں یہ کالز؟''

''اسی رات سے۔''

''تم نے کیا کیا؟''

''سارے نمبرز بلاک کیئے، لیکن کالز آتی رہتی ہیں۔''

وہ چند پل خاموش رہا۔ ذہن میں جمع تفریق کرتا رہا اور جب وہ بولا تو اسکا لہجہ مضبوط تھا۔

''میں یہ سب کچھ فکس کرلوں گا۔ میرا یقین کرو۔'' قیس نے آج تک کسی کو نہیں کہا تھا کہ اس کا یقین کرو۔

''مجھے یقین سے خوف آتا ہے۔''

''کچھ مسیحا سارے خوف ختم کر دیتے ہیں۔''

''تم مسیحا نہیں، موت کا فرشتہ لگتے ہو۔''

''ہر مسیحا کو موت کا فرشتہ بننا پڑتا ہے۔ جنہیں بچانا ہو ان کے لئے نہیں، جن سے بچانا ہو ان کے لئے۔''

''اصل زندگی میں کوئی مسیحا، کوئی saviour نہیں آتا۔'' زینیا کی آواز شکستہ ہونے لگی۔ بے چینی بڑھنے لگی۔

''ہمارا اصل زندگی سے کیا تعلق۔ ہم تو جادوئی دنیا پہ یقین رکھتے ہیں۔ وہاں تو مسیحا آجاتے ہیں ناں؟'' وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ یوں کہ تازہ دھوپ اسکی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھی۔

''میں تمہاری اصلیت جانتی ہوں اچھا بننے کی کوشش مت کرو۔'' وہ بے زار ہوئی۔

"کسی نے مجھ سے کہا تھا میں اتنا برا نہیں ہوں جتنا بنتا ہوں۔ شاید سچ کہا ہو۔" زینیا نے بے یقینی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا ۔یعنی وہ شخص یہ تھا؟ مہدی کے ہسپتال میں داخل ہوتے وقت وہ اس آدمی سے بات کرتی رہی تھی۔اسے سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔اس شخص سے کب کہاں کیسے تعلق نکل رہے تھے۔ کبھی وہ اس کے لفظوں جیسے الفاظ دہراتی تھی، کبھی وہ سارا زمانہ چھوڑ پناہ لینے اس کے گھر چلی جاتی تھی۔اور کبھی اسے دھڑا دھڑ میسج بھیجتی تھی۔اگر یہ اتفاق تھا، تو کچھ زیادہ ہی اتفاق تھا۔اور اگر یہ سازش تھی تو زینیا اس میں پھنسنا نہیں چاہتی تھی۔اس لمحے اسے قیس کمبیر سے خوف آیا۔

کئی لمحے وہ بس اسے دیکھتی رہی۔اسی لمحے اس کندھے کے عقب میں اسے آنٹی نظر آئیں۔وہ اپنی جاگنگ کر چکی تھیں۔اور اب باقی عورتوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ زینیا اس سنگی بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ قیس سے بغیر کچھ کہے اس نے اپنے قدم جانے کو موڑے ۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔زینیا ذرا سے فاصلے پہ جا کر رک گئی۔وہ دونوں ایک دوسرے کی سیدھ میں کھڑے تھے۔دائیں بائیں اونچے درخت، قدموں تلے پتوں سے بھری سڑک۔اور دور کہیں سے نکلتی سورج کی ذرا ذرا سی روشنی ۔جو قیس کی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھی۔دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پہ جمی تھیں،اور دونوں کی آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں ۔

"میری فیری ٹیل ہمیشہ ٹریجڈی میں بدل جاتی ہیں۔" زینیا کی آواز ہلکی تھی۔

''تم نے کہانی کی شہزادی بننے کی خواہش کی ہو گی۔ کچھ کہانیاں ملکہ بد کی بھی ہوتی ہیں۔ جہاں ٹریجڈی کہانی کو ایک نئی زندگی دیتی ہے۔'' وہ رکا، دو قدم آگے بڑھا۔ پتے چرچرائے، دھوپ نے راستہ بدلا۔ ''کچھ مسیحاؤں کی مسیحائی پہ یقین کر لینا چاہیے۔ کیونکہ کبھی کسی دور میں وہ بھی کہانی کا حصہ رہ چکے ہوتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر آج تاریخ میں پہلی بار ملکہ بد ایک مسیحا کا اعتبار کرتی ہے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔ اور قیس کئی لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اسے بچائے گا یہ طے تھا۔



گوادر آج تیز بارش میں بھیگ رہا تھا۔ تیز ہوا کے تھپیڑے، بدن کو راحت بخش رہے تھے۔ کونج حاکم گلابی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کرتے میں ملبوس، بڑے بڑے پائنچوں والا ٹراؤزر پہنے دادی کے پلنگ پہ آڑھی ترچھی لیٹی تھی۔ دادی کے ہاتھوں میں کونج کا موبائل تھا، کونج رسالے کے صفحے آگے پیچھے پلٹ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ دادی کی گوگل ٹرانسلیٹر بھی تھی۔ دادی کی اردو اچھی نہ تھی، انگلش کے تو پھر کیا ہی کہنے۔ جب وہ ڈرامہ دیکھتی تھیں، کونج انکے پاس بیٹھ کر انہیں ڈرامہ **"سمجھاتی"**۔۔ تھی۔

''میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں، علینا۔۔۔ تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب تک تم میری ماں کی عزت نہیں کر سکتیں، تب تک ہمارا تعلق آگے نہیں بڑھے گا۔'' ہیرو نے بڑے ہی جوش سے ڈائیلاگ مارا۔

''کہہ رہا ہے تمہیں پسند کرتا ہوں لیکن جب تک تم انسان کی بچی نہیں بنو گی تب تک مجھ سے واسطہ نہ رکھنا۔'' حیران نہ ہوں دیسی ورژن ایسا ہی ہوتا ہے۔

''میں نے ہر بار تمھیں معاف کیا۔ تمھارے منگیتر کے تمھیں چھوڑ دینے پہ بھی برا نہیں منایا، تمھارے ساتھ کھڑا رہا اور تم آج تک نہیں بدلیں۔'' ہیرو کے ڈائیلاگ اب کے انگریزی میں تھے۔ دادی نے رسالہ پڑھتی کونج کو پیر مارا۔ کونج پہلو بدل کر رہ گئی۔

''' کہہ رہا ہے میں نے تمہاری پچھلی عاشقی بھی بھلا دی۔ لیکن تم ہو ہی کتے کی دم۔'' دادی نے سر ہلایا۔ گویا کہہ رہی ہوں " صحیح کہہ رہا ہے۔" اسی پل کونج کے موبائل پہ زینیا کی کال آنے لگی۔ دادی اس سے ناراض تھیں سو موبائل کو پلنگ پہ ڈال دیا۔ کونج نے لپک کر موبائل اٹھایا اور ویڈیو کال کر دی۔ دادی اب پلنگ سے اٹھ کر واشروم کی طرف جا رہی تھیں۔

موبائل کے چوکھٹے پہ اب زینیا کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ کونج یونہی الٹی لیٹی رہی۔

''شرم نہیں آتی ناں؟ بڑی بہن نے دو لفظ کیا کہہ دیئے تم تو منہ پھلا کر ہی بیٹھ گئیں۔''

''میں ناراض نہیں تھی۔ بس تھوڑا مصروف تھی۔ میرے پیپرز ہو رہے ہیں۔'' وہ واقعی ناراض نہیں تھی۔ البتہ شرمندہ ضرور تھی۔

''یہ حالت کیا بنا کر رکھی ہے۔ انسان بن کر رہا کرو، کونج۔'' اس نے ناگواری سے اسکی حالت پہ چوٹ کی۔ کونج مسکرا دی۔

''آج سنڈے ہے، زینی۔ سنڈیز آر فن ڈیز۔''

''اسلام آباد میں بھی سنڈے ہی ہے۔ لیکن مجھے دیکھو۔'' وہ کرسی پہ بیٹھی تھی، پیر میز پہ رکھے کرسی پیچھے لے گئی۔ یہاں سے وہ ساری کی ساری نظر آتی تھی۔ وہ آج بھی اچھے سے تیار تھی۔ کونج کروٹ بدل کر چت لیٹ گئی۔ اور موبائل اونچا کر لیا۔

"تو ہے کہ آسمان ہوا جاتا ہے۔۔۔۔"

زینیا نے سر نفی میں ہلایا۔ جیسے اسکی عقل اور شاعری پہ ماتم کیا ہو۔

" بالاج کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے۔ بات ہوتی ہے ناں؟''

''ٹھیک جا رہی ہے۔ اسے چھوڑو نبیلہ باجی کو جو پیسے ادھار دیئے تھے وہ واپس لے لئے؟''

''ایک بار مانگے تھے۔ ان کے پاس تھے ہی نہیں دوبارہ مانگ نہیں سکی۔ شرم آتی ہے۔'' اس نے اپنا عذر پیش کیا۔

''تم نے پچھلی بار بھی اپنے پیسے نہیں لئے تھے کونج ہر دفع ایسا نہیں چلتا۔''

یاد ماضی شرمناک ہے یارب، چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اس نے ایک بار پھر لہک لہک کر شعر پڑھا۔ زینیا نے بے زاری سے آنکھیں گھمائیں۔

''کل تک اگر تم خود اس سے پیسے نہ لے کر آئیں تو وہ خود پیسے دے جائے گی مجھے اس کا فون نمبر معلوم ہے۔۔یقین رکھنا۔''

کونج سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی بہن سے ایک بار پھر مرعوب نظر آتی تھی۔

''میں بس اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جس دن میں تمھارے جیسی بن جاؤں گی۔ تم میری آئیڈیل ہو، زینیا۔ جو دل میں وہی زبان پہ۔ ہر لڑکی کو زینیا حاکم ہونا چاہئے۔'' آج ستائش اور محبت نہیں تھی اس کے لہجے میں۔ آج تھکن تھی۔ جیسے وہ بس تھک ہی گئی تھی ۔ تھوڑی دیر مزید بات کرتے رہنے کے بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ دادی اب ایک کونے میں نماز ادا کر رہی تھیں۔ کونج

آنکھیں چھت پہ ٹکائے ہوئے تھی۔ جب اسے نبیلہ باجی کا چھوٹا لڑکا بلانے آیا۔اس کا موڈ نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بستر سے اتری ۔ پیروں میں چپل ڈالے اور باہر کی راہ لی۔

نبیلہ باجی کا گھر ان کے گھر سے جڑا تھا۔ بیچ میں بس ایک دروازہ تھا جسے پار کر کے اندر چلے جاؤ۔ یہ دروازہ تب سے تھا جب تک حاکم نواب نے یہ گھر خرید نہ لیا۔ پھر جب اسے ہٹانے کا وقت آیا تو نبیلہ باجی نے رو رو کر ابا سے اجازت لے ہی لی کہ وہ اس دروازے کو نہیں ہٹائیں گے۔ کیونکہ نبیلہ باجی کا ان لوگوں کے سوا ہے ہی کون۔ قصہ مختصر وہ اس دروازے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر دوسرے تیسرے گھنٹے آدھمکتی تھیں۔

کونج گھر کے اندر آئی تو حسب معمول بچے نیم برہنہ اور میلی کچیلی حالت میں تھے۔ اگر نبیلہ باجی کو کہہ دیتی کہ انہیں صاف ستھرا رکھ لو تو۔ ''**بھیا ہم لوگوں کے پاس نئے جوڑے ہوں تو پہنائیں۔ ایک اتارو ایک پہناؤ۔**''

وہ برامدہ پار کرتے سیدھی اندر والے کمرے کی طرف چلی آئی۔ لیکن اندر آکر اس کے جسم سے جان نکل چکی تھی۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''دیکھو آگئی ناں کونج بھی۔ خوا مخواہ تم پریشان ہو رہے تھے۔'' نبیلہ باجی نے پلنگ کی تپائی پہ غیر آرام دہ سے ضیغم سے کہا۔ وہ سخت مضطرب تھا۔ اور کونج تو اب تک اسکی یہاں موجودگی کو بھی جذب نہیں کر سکی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔

"مجھے انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو۔ کیا ایسا ہی ہے؟" وہ مشکوک لگتا تھا۔ کونج کے منہ سے اب تک ایک لفظ نہ نکلا تھا۔ نبیلہ باجی مسکراتے ہوئے باہر نکل گئیں تو ضیغم آگے آیا۔ کونج سہم کر دروازے سے جا لگی۔ مگر وہ پھر بھی آگے آیا اور اسکا بازو پکڑ کر اندر کیا۔

" یہ کیا طریقہ ہے، کونج۔ تم اس طرح پیغام کیسے بھیج سکتی ہو۔ اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ۔"

"میں نے کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ نہ ہی نبیلہ باجی کے ساتھ نہ کسی اور کے ساتھ۔ تمہیں لگتا ہے میں تمھیں پیغام بھیجوں گی۔"

"تو پھر یہ کیا بکواس ہے۔ میں اپنے دوست کے ساتھ واپس گھر جا رہا تھا۔ اس عورت نے دروازہ کھولا اور مجھ سے میرے دوست کے سامنے کہا کہ میری منگیتر مجھ سے ملنا چاہ رہی ہے۔ اس عورت نے ایک غیر مرد کے سامنے تمہارا نام لیا ہے۔ تمھیں اندازہ ہے میری کتنی سبکی ہوئی ہے۔" کونج کے اندر نہ جانے اتنی ہمت کہاں سے آئی کہ وہ ضیغم کو یونہی دیکھتے ہوئے باہر گئی اور دروازے سے کان لگائے کھڑی نبیلہ باجی کو بازو سے پکڑ کر اندر لے آئی۔ وہ تو ہیں ہیں کرتی رہ گئیں۔

"یہ کھڑی ہیں تمھارے سامنے۔ پوچھو ان سے کیا میں نے کہا تھا کہ تمہیں بلائیں۔ یا پھر مجھے تم سے ملنا تھا۔؟ خوابوں سے نکل آؤ ضیغم۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

ضیغم نے ایک قہر آلود نگاہ نبیلہ باجی پہ ڈالی وہ جواب بھی اپنی ڈھٹائی پہ جمی تھیں۔

" اررے ارے میں تو تمہارا بھلا چاہتی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا تم دونوں مجھ پہ ہی چڑھ دوڑو گے۔ اور اگر دوست کے سامنے منگیتر کا نام لے بھی لیا تو ایسا کیا ہو گیا۔"

'' ہمارے معملات سے دور رہیں خاتون۔ آئندہ کونج سے ملنے اور بات کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو۔ اور ہمارے بارے میں سوچنے کی تو بلکل ہی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے اور پھر ایک سخت نظر کونج پہ ڈالی۔ وہ اس سے زیادہ سخت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یونہی اسے دیکھتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔ ضیغم اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔ ابھی وہ چھوٹا دروازہ پار کر کے اپنے گھر جاتی جب ضیغم کی آواز، اور اپنے ہاتھ میں پکڑے فون کی گھنٹی پہ رک گئی۔ وہ سنجیدہ چہرہ لئے اسکے سامنے کھڑا تھا۔

'' کال آ رہی ہے ناں۔؟ یہ میرا نمبر ہے سیو کر لو آئندہ کسی نبیلہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' عجیب سے لہجے میں کہتا وہ چلا گیا ۔ کونج کی آنکھیں بھر آئیں۔ لو جی کچھ ہوا نہیں اور لڑکیوں کا رونا شروع۔ اب وہ آدھا گھنٹہ پھوٹ پھوٹ کر رونے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام میں زینیا حاکم کی آنکھ بجتے ہوئے موبائل کی زوں زوں سے کھلی تھی۔ وہ پارک سے واپسی پہ جو سوئی تھی پھر اٹھنے کا نام نہ لیا ۔ مندی مندی آنکھوں سے ہاتھ یہاں وہاں مار کر موبائل تلاش کیا۔ جلد ہی اسکی تلاش کامیاب ہوئی۔ نیند سے بھری ہوئی آنکھوں سے نام پڑھا اور موبائل کان سے لگایا۔

'' کاش آپ کے تعاقب کار نے آپ کو واقعی مار دیا ہوتا۔'' وہ بڑبڑائی۔

'' وہ دوبارہ آ گیا ہے، زینیا۔ اس نے مجھ پہ حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔'' یہ شوخ مہدی نہیں تھا۔ یہ روبوٹک لہجہ کسی اور کا تھا۔ زینیا آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔ موبائل کان اور کندھے کے بیچ میں ٹکایا۔ اور ہاتھ سے بالوں کو پیچھے کرنے لگی ۔

"ہر انسان اپنا نجات دہندہ خود ہوتا ہے۔ میں آپ کو نہیں بچا سکتی۔ اور اگر بچا بھی سکتی ہوں تو بچانا نہیں چاہتی۔" اس بار دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ مہدی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ وقت بعد ایک غیر انسانی، کھوکھلی آواز زینیا کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہر انسان ایک دور میں اپنے ماضی کے گرداب میں پھنسا ہوتا ہے۔ اور اسے نکالنے، سنبھالنے یا پھر بچانے کوئی آتا ہے۔ کوئی معجزہ ،وسیلہ، کوئی انسان۔" وہ ایک پل کو رکا۔ آواز مزید سرد ہوئی۔ "گوادر کے تاریک پہاڑوں،اور ناامید زندگی سے تمھیں نکال کر اسلام آباد کی آزادی اور روشنیوں میں لانے والا میں تھا۔ اس وقت میرا ماضی میرے حال پہ اندھیرے کی طرح چھا رہا ہے۔ کیا تمھیں نہیں لگتا تمھیں میری مدد کرنی چاہئے؟"

زینیا کی جانب سے خاموشی رہی۔ وہ اس مہدی کو پراسیس نہیں کر پا رہی تھی۔

"اسکالرشپ جعلی تھی۔ کیا تمھیں واقعی لگا تھا اسلام آباد مسیحائی کی ان حدود کو چھونے لگا ہے کہ ذہانت کی بنا پہ تعلیم بانٹتا پھرے۔" وہ جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ زینیا بے تاثر سی بیٹھی رہی۔ اور اسے سنتی رہی۔ "یاد رکھنا جو اندھیروں سے نکال سکتا ہے۔ وہ واپس اندھیرے کی طرف دھکیل بھی سکتا ہے۔ اور تمہارا المیہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں روشنی کی عادی ہو چکی ہیں۔"

"آپ مجھے دھمکا رہے ہیں، مسٹر کمبیر؟"

"نہیں۔ میں تمھیں مستقبل بتا رہا ہوں۔ ممکنات میں سے کچھ نکات۔" سیگریٹ کا دھواں اس کے چہرے کے اصل نقوش تک رسائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ مہدی نہیں تھا۔ یہ سفاک، غیر انسان کوئی اور تھا۔

''اور اگر میں انکار کر دوں۔ تو کیا کریں گے آپ۔ مجھے دونوں ہاتھوں سے قبر میں دھکیلیں گے۔'' آواز اپنے کمرے میں بیٹھے سیگریٹ کے دھوئیں اڑاتے مہدی تک گئی۔

''میں تمھارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ تمھارے اندھیرے میں نے اپنے ہاتھوں سے ہٹائے ہیں۔ تمھیں چاہیے تم مجھ پہ گواپ مت کرو۔'' اب کی بار وہ پہلے والا مہدی بن گیا تھا۔ نرم، مخلص۔

''کہاں آنا ہے۔'' زینیا کا اگلا سوال بے حد روبوٹک تھا۔

کچھ وقت بعد۔۔

یوں تو اسلام آباد میں بے شمار themed کیفے، ریسٹورانز ہیں لیکن کہانی کا حصہ اس وقت ایک ایسا ریستوران ہے جو کہ غار کے طرز پہ بنا ہے۔ انٹیرئر پہاڑوں کی سرنگوں جیسا، کرسیاں اور میز قدیم دور کے محل جیسی، اور دیوار پہ لگی مشعلیں خوابناک، سا منظر پیش کرتی تھیں۔ یہاں آکر آپ کو یوں محسوس ہو گا جیسے آپ کسی قدیم غار میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ناسٹلیجیا کے ماروں کے لئے یہ ریستوران ایک تحفہ ہے۔ قدیم دور کے طرز پہ بنی ایک پتھر کی میز کے گرد اسی طرز کی کرسیاں رکھی تھیں۔ غار کے طرز پہ بنی سیلنگ سے جھانکتی زرد روشنی ان کرسیوں کے گرد بیٹھے دو لوگوں پہ پڑ رہی تھی۔ مہدی کبیر جس کا آدھا چہرہ روشنی میں، اور آدھا تاریکی میں۔ زینیا حاکم جس کا سارا چہرہ زرد روشنی پڑنے پہ دمک رہا تھا۔ تاثرات سپاٹ تھے، یوں گویا اس نے کچھ بھی ظاہر نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو۔

’’انسان اور اسکا ماضی ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ آپ نے اپنے ماضی میں ایسا کیا کیا تھا جس نے اس تعاقب کار کو آپ کے ساتھ جوڑ دیا؟‘‘ کافی دیر بعد وہ بولی تو اس غار میں اسکی آواز دب گئی۔ گونجتی اگر واقعی غار ہوتی۔ انسان بس **"انسپائر"** ہو سکتا ہے ۔ قدرت کے نظام سا دوسرا نظام بنانا اسکی اوقات نہیں۔ مہدی نے گردن جھکا دی۔ یوں گویا غار کا سارا بوجھ اس کی گردن پہ در آیا ہو۔

’’مجھے معاف کرنا۔ میں کچھ وقت پہلے تک خود غرض ہو گیا تھا۔ تم جا سکتی ہو۔ میں پرابلم ہوں۔ تمھیں میرے ساتھ اسے جھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ زینیا طنزیہ مسکرائی۔

’’آپ نے مجھے دھمکی دی ہے۔ اور اس وقت اگر آپ کو لگتا ہے میرے سامنے معصوم بننے سے آپ میرے ٹرسٹ ایشوز ختم کر سکتے ہیں، یا پھر اوور تھنکنگ سے میری جان چھڑوا سکتے ہیں تو آپ غلط ہیں۔ میں یہاں سے چلی گئی تو، بس یہی سوچتی رہوں گی کہ اب آخر ایسا کیا مقصد تھا جس کے تحت آپ نے معصوم بننے کا ناٹک کیا۔‘‘ وہ گردن تان کر بیٹھی تھی۔ لیکن جب مہدی نے گردن اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا، تو آج پہلی دفع سنہری آنکھیں ہرٹ لگیں۔ کچھ تھا ان میں نا قابل اعتبار سا مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

’’تم نے کہا تھا ہر انسان اپنا نجات دہندہ خود ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے تم نے صحیح کہا تھا۔‘‘

''میں اب بھی اپنی بات پہ قائم ہوں مسٹر کمبیر۔ لیکن کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کا intelligence level یہاں (ہاتھ موڑ کر یوں سر کے اوپر تک لائی گویا پیمائش کر رہی ہو۔) ہوتا ہے۔ ان کے مشورے پہ عمل کرنا آپ کو نجات دلا سکتا ہے۔ شاید میں وہی ہوں۔'' مہدی کی آنکھیں گلابی پڑنے لگی تھیں۔

''میں ماضی کی قید میں ہوں۔ مجھے نجات نہیں مل سکتی۔''

''آپ کی نجات آپ کا سچ ہے۔ کہہ دیں اور بس سچ ہی کہیں۔'' مہدی نے گردن جھکا دی۔ اور میز کی سطح کو ناخن سے کھرچنے لگا ۔ وہ خاموش رہا تو زینیا نے اضافہ کیا۔ ''یہ سب کب شروع ہوا تھا؟''

''یونان۔'' آواز ہلکی تھی بے حد ہلکی۔

''دو ماہ پہلے۔؟'' سوال ہوا۔

''دو سال پہلے۔'' اب کے بامشکل زینیا سن سکی۔

سینٹورینی؟'' سوال بدلا۔

''ایتھنز۔''

وہ اپنے آپ سے بولا۔ زینیا کی آنکھوں میں تاسف ابھرا۔ مہدی کمبیر کی زندگی کو اگر دو سال پیچھے لے جاؤ، پھر اسی رفتار سے دو سال آگے لاؤ تو یونان ٹریول کی صرف ایک ہی جھلک دیکھے گی۔ دو ماہ پہلے کی۔ وہ دو سال پہلے بھی یونان جا چکا ہے؟ یہ اطلاع نئی تھی

۔اور راز بھی۔ زینیا آگے کو ہوئی۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔غار کی روشنی جیسے ایک طرف ہوئی،اب اسکے چہرے پہ شیطانی کا اندھیرا تھا۔

''کیا ہم یونان کی تاریخ میں جانے کو تیار ہیں۔؟''

''ہمارا پہلا پڑاؤ کوئی اور جگہ ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔اور غار نما ریستوران سے نکل کر،وقت کے جنگل میں ذرا دیر کو راستہ تلاشتے ہوئے،ماضی کی طرف جانے والا دروازہ کھولو تو تم ایک نئے ملک میں ہو۔ کہانی تمھیں ایک اور سیر کو لے چلی ہے۔ کیا تم تیار ہو؟

''جکارتہ انڈونیشیا''

جکارتہ انڈونیشا کا دارالحکومت ہے۔اونچی روشن عمارات جو شہر کو زمین میں دھنسائے دیتی ہیں۔سیاحت کے لئے دلفریب مقامات اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیوں کا شہر جکارتہ۔ شہر دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ایک حصہ قدرے پسماندہ ہے یوں جیسے ہمارے کراچی کے پرانے محلے، سٹریٹ فوڈز،اور مارکیٹس۔ شہر کے اس حصے میں آپ کو ہر سڑک کے اطراف میں ٹھیلہ لگائے کھڑے لوگ ملیں گے۔ جہاں مقامی کھانے بنتے ہیں،لذیذ اور سادہ کھانے۔ جن کے لئے ہمہ وقت لوگوں کا رش لگا رہتا ہے اور رونق رہتی ہے۔ جکارتہ شہر کا یہ حصہ آپ کو کراچی کی یاد دلائے گا۔

دوسرا حصہ ہے "ماڈرن جکارتہ" گو کہ دونوں حصے ہی جڑے ہوئے ہیں اور کوئی ظاہری فاصلہ نہیں ہے مگر شہر کا یہ حصہ ایک الگ دنیا ہے۔ رنگوں،روشنیوں،اونچائیوں، رنگینیوں،اور تعاشی کی دنیا۔ یہاں بڑے بڑے مالز، ریستورانز،اور کاروباری عمارات ہیں

۔دنیا بھر سے سیاح جب جکارتہ explore کرنے آتے ہیں یہاں کی روشنیاں دیکھ یہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔اونچی عمارات کو گردن اٹھا کر دیکھو، شاہانہ مالز میں ٹنگے لباس پہ جی للچاؤ، چائیز اور امریکن کھانے دیکھ بھوک بڑھاؤ اور کہانی میں آگے سفر کرو تو ایک شناسا سا آدمی جکارتہ کی ایک خوبصورت پل پہ کھڑا نظر آئے گا۔

بھورے سلیکس کے اوپر سفید گول گلے والی شرٹ اور اس کے اوپر ڈینم جیکٹ۔ بالوں کے تازہ اسپائکس، بڑھی ہوئی شیو، گلے میں لٹکتی ایک لمبی چین جس میں ہمنگ برڈ کا لاکٹ تھا۔سبز آنکھوں میں الوہی تاثرات تھے۔سیاحت اسے پر جوش کرتی تھی۔لوگ اسے فیسینیٹ کرتے تھے۔یہ پل ایک مصروف سی شاہراہ کے اوپر بنا تھا۔بنیادی طور پہ اسے fly over کہنا چاہیے لیکن یہاں گاڑیوں،اور کسی بھی قسم کی سواری کا گزر نہیں ہوتا سو ہم اسے پل کہہ سکتے ہیں۔

فن تعمیر کی اعلیٰ مثال،اور ایک بھول بھلیاں جیسا یہ پل ہر دم زرد روشنی سے دمک رہا ہوتا ہے۔فرش پہ بھی اسی قسم کی روشنیاں ہیں یوں کہ اگر آپ پیر رکھیں،تو روشنی تیزی سے سفر کرتی آگے سے پیچھے کو جائے گی۔یہ ایک انتہائی خوبصورت واک ہے۔

”مہدی کمبیر تم؟“زرد روشنیوں والی پل پہ چلتا مہدی ایک آواز پہ مڑا تھا۔

”تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم جکارتہ آرہے ہو۔؟“وہ شخص شکوہ کرتے ہوئے آگے آیا۔مہدی بھی خوشگوار حیرت سے آگے بڑھا اور اس شخص سے بغلگیر ہوا۔

''ضوریز بن ریان تم یہاں؟'' وہ اس پاکستانی نژاد برطانوی شہری سے کہہ رہا تھا۔ وہ جس کا حسن مغربی تھا اور لہجہ مشرقی۔ مہدی کمبیر نے اس کے ساتھ ایک سال تک یورپ ٹور کیا تھا۔ دو سالوں سے وہ دونوں رابطے میں تھے۔ اور اب یوں اچانک یہاں مل رہے تھے۔ دونوں خوش تھے، حیران بھی۔ خوشی زیادہ تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی کے کپ لئے پل کی ریلنگ کے پاس کھڑے تھے۔ یہ جگہ کافی اونچائی پہ تھی۔ نیچے دوڑتی گاڑیاں، اور چلتے ہوئے لوگوں کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا اب کے ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔

''تمہارا اگلا سفر کیا ہے، مہدی؟'' اب کے ضوریز کے ساتھ کھڑی لڑکی نے پوچھا تھا۔ وہ افریقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اور سیاہ فام تھی۔ موٹے ہونٹ اور بالوں کی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں بنائے کھڑی اس لڑکی کی آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں تھیں ۔اسے اردو بولنا آتی تھی اور کافی شستہ آتی تھی۔

''میں دو دن بعد ایتھنز جا رہا ہوں، جاشیہ۔ وہاں ایک آرٹ ایگزیبیشن ہے۔ اور بہت بڑی تقریب بھی۔ یونان اپنی تاریخ کا ایک حصہ اپنے ساتھی ملک کو تحفے میں دے رہا ہے۔ ہر ملک سے کچھ لوگوں کو بلوایا گیا ہے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں۔'' لڑکی حیرت سے مسکرائی۔ ضوریز نے مہدی کا کندھا تھپکا۔ وہ اس کے لئے خوش تھا بے حد خوش۔ ضوریز مہدی کے بے لوث دوستوں میں سے تھا۔

''ہم بھی دو دن بعد ایتھنز جا رہے ہیں۔ مہدی کمبیر سیٹ بیلٹس باندھ لو۔ تمھیں ایک بار پھر ہمارے ساتھ کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔'' جاشیہ مسکرا کر بولی تو مہدی بھی حیرت سے ہنس پڑا۔ البتہ وہ مغربی آدمی واضح طور پہ غیر آرام دہ ہوا تھا۔ وہ آنکھوں ہی

آنکھوں میں اپنی منگیتر کو وارن کر رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو **"یہ آدمی نہیں جاشیہ، مہدی نہیں۔"** مضبوط جسامت اور چوڑے کندھوں والی جاشیہ نے اسکی نظروں کی پرواہ کئے بغیر سارا منصوبہ ترتیب دے دیا تھا۔

''ہمارا گروپ بہترین تھا میں ہمیں مس کرتا ہوں۔ اور اب ایتھنز کا یہ سفر ہماری زندگی میں بہت کچھ بدلے گا۔'' مہدی کی بات پہ لڑکا بے بس سا مسکرایا، جبکہ لڑکی کی مسکراہٹ پر تپش تھی۔ وہ کچھ طے کر چکی تھی۔ کچھ تھا جو ضوریز کو بے حد غیر آرام دہ کر گیا۔

اگلا سفر کیسا ہونے والا تھا، اسے نہیں پتہ تھا ہاں مگر مہدی کے ساتھ گزرے دو سال زندگی کے بہترین سال تھے۔

(ریستوران کی زرد روشنیوں اور غار جیسی خاموشی میں سنگی کرسی پہ بیٹھا مہدی کمبیر کہہ رہا تھا۔

''کچھ سفر اچھے ہوتے ہیں کچھ برے۔ لیکن کچھ سفر ٹریجڈی ہوتے ہیں۔ ایتھنز میری فینٹسی تھا۔ اور پھر وہ میرے لئے زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی بن گیا۔'')

ایکروپولس کا چوکور قلعہ ایتھنز کی شان مانا جاتا ہے۔ ایتھنز تاریخ کا امین اور گزر چکی اقوام کی شان و شوکت کا احوال سناتا زندہ و جاوید مجسمہ۔ دن میں یہ قلعہ دیکھنے والوں پہ اگر ہیبت طاری کرتا ہے تو رات میں اس کی زرد روشنی دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتی ہیں۔ کئی ہزار فٹ کی بلندی پہ پہاڑوں کے سینے پہ کھڑا یہ قلعہ قدیم فن تعمیر کی اعلیٰ مثال ہے۔ گو کہ قلعے کے کئی ستون ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے ہیں، لیکن یہ قلعہ اب بھی اپنے دیکھنے والوں کو ایک ٹرانس میں دھکیل دیتا ہے۔ قلعے کی روشنیوں میں چہرہ منور کرتے اگر سیاحوں کے ٹولے کی طرف نظر اٹھاؤ تو یہیں ایک بڑے سے پتھر پہ مہدی کمبیر بیٹھا نظر آئے گا۔ اطراف میں کئی اور بڑے بڑے مستطیل شکل کے پتھر رکھے تھے۔ ضوریز اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ اسکے دائیں بائیں گھومتے ہوئے ایک اچھا شاٹ لینے کی کوشش

کر رہا تھا۔ رات کا سمے تھا۔ زرد بتیاں روشن تھیں۔ اور کئی ملکوں سے آئے مختلف تہذیبوں کے لوگ انہیں اپنے سامنے دیکھنا کیسا انوکھا تجربہ ہوگا ناں؟

''کل تم میوزیم جا رہے ہو ناں؟''

ضوریز اب اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ قلعے کا تفصیلی دورہ وہ دونوں کر چکے تھے۔ آس پاس سیاحوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ زرد روشنیاں ایک خوابناک سا منظر طاری کئے ہوئے تھیں۔

''کل کے دن کے لئے ویسے میں بہت نروس ہوں۔ ہاں لوگ مجھے فیسینیٹ کرتے ہیں، بھیڑ مجھے غیر آرام دہ نہیں کرتی لیکن پھر بھی۔'' مہدی کہتے کہتے رکا۔ ضوریز نے ہاتھ میں پکڑا سافٹ ڈرنک کا کین اسکی جانب بڑھایا۔ دو گھونٹ بھر کر گویا گلا تر کیا۔

''اپنے ملک سے جو دو لوگ آ رہے ہیں میں نے بس انہیں ٹی وی میں دیکھا ہے۔ مجھے اس لئے بلایا جا رہا ہے کیونکہ دو ماہ قبل لندن کے ایک کیفے میں، میں نے سپیچ دی تھی اور وہ وائرل ہو گئی۔ اب میں بھی مشہور لوگوں میں سے ہوں۔'' وہ گردن جھکا کر مسکرایا ۔ضوریز نے اب کے گود میں رکھے پزا کے ڈبے سے ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے تھمایا۔

''تم جب بولتے ہو ناں مہدی دل کرتا ہے اچھائی پہ ایمان لایا جائے۔ ہر نفرت، انتقام ختم کر کے بس اپنی ذات پہ کام کیا جائے۔ اور دنیا کا سب سے اچھا انسان بن جایا جائے۔'' وہ گردن جھکائے اپنے کین کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہا تھا۔ ''لیکن کبھی کبھی بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ واپسی ممکن نہیں ہوتی ہے ناں۔؟'' سادگی سے آنکھیں جھپکا کر پوچھا۔ مہدی نے غور سے اسے دیکھا اگلے کئی پل وہ اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر جب بولا تو لہجہ سنبھل چکا تھا۔

''دو سال ۔۔۔ قبل تمھارے دو جڑواں بھائی یونان آئے تھے ناں ؟''مہدی کے اس اچانک سوال پہ ضوریز کے چہرے پہ کرب اترا۔

''کچھ وقت بعد ان دونوں کی لاش ملی تھی۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کیا ہوا تھا؟'' یہ ایک محتاط سوال تھا۔ ضوریزاب کے سیاحوں کو دیکھ رہا تھا۔ قلعے کی روشنی ہر پل بڑھتی جا رہی تھی۔ شان سے کھڑے ستون گویا پیٹھ کا دلاسا تھے۔ یہاں سے نظر آتا ایتھنز اور گھروں کی جلتی بتیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

''ان دونوں پہ الیگل ہونے کا الزام تھا۔ حالانکہ وہ نہیں تھے۔ گریس ان دونوں کا ڈریم تھا۔ کچھ سفر اچھے ہوتے ہیں، کچھ برے ۔لیکن کچھ سفر ٹریجڈی ہوتے ہیں۔ اور ٹریجڈیز کی ایک ٹریجڈی ہوتی ہے کہ آپ انہیں فینٹسی میں بدل نہیں کر سکتے۔'' اسکی آواز ہلکی تھی، گردن جھکی ہوئی اور آواز گیلی۔

(''کئی بار کچھ چیزیں آپ کی قریب ہوتی ہیں اتنی کہ ہاتھ بڑھا کر چھو سکیں۔ اتنی کی انکی رگ رگ سے واقف ہو جائیں۔ لیکن وقت بتاتا ہے کہ وہی چیزیں آپ سے کتنی دور تھیں۔ اتنی کہ اس کو پانے کی مسافت میں پیر چھالے چھالے ہو جائیں۔ روح نوحہ سنائے۔ اور آنکھ دھوکہ کھا جائے۔ ہمیں لگتا ہے ہم بے وقوف تھے کہ ان رازوں کو نہ پا سکے۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''لیکن کیا۔؟''سنہری آنکھوں نے بے چینی سے سوال کیا۔ سبز آنکھیں خالی خالی تھیں۔

''وقت بتاتا ہے کہ وہ وہ چیزیں، وقت اور راز ایک سراب تھے۔ ایک دھوکہ، illusion اور بس۔ آنکھیں جب تک کھلتی ہیں ۔تب تک فریب کی سیاہ کاری پھیل چکی ہوتی ہے۔'')

ایتھنز یونان کا تاریخی ورثہ اپنے بلند و بالا، بلا کی شان و شوکت رکھنے والے میوزیم میں چھپائے بیٹھا ہے۔ دنیا بھر سے سیاح جب ان میوزیمز کا رخ کرتے ہیں۔ تب ایتھنز کے یہ عجائب گھر اپنا سینہ کھول دیتے ہیں۔ اور تاریخ میں ہو چکی کئی سازشیں، قربانیوں، اور ثقافت کا راز کہہ سناتے ہیں۔ ایسے ہی ایک میوزیم میں اس وقت دنیا بھر سے آئے معتبر افراد جمع تھے۔ یونانی، یہودی، ہندوستانی، پاکستانی، امریکی اور کئی اور اقوام کے لوگ۔

ایکروپولس میوزیم کی عمارت اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ اندر آؤ تو سفید رنگ ہر جگہ چھایا ہوا ہے۔ سنگ مرمر کے چھوٹے، بڑے ستونوں پہ مختلف عجائب ترتیب سے رکھے گئے تھے۔ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے شہر کی روشنیاں نظر آتی تھیں۔

''ان گوروں کو یہ ہلکی بات، مدھم میوزک اور جنازے جیسی تقریبات میں کیا انٹرسٹ ہے؟'' بیگی شرٹ اور کارگو پینٹ والا ضوریز بے زاری سے میوزیم میں یہاں سے وہاں نظر گھما رہا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو، اور اچھے سے تیار ہو کر آیا وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ وہ مہدی کے مہمان ہونے کے ناطے یہاں آیا تھا۔ ورنہ آج کسی بھی فرد کا داخلہ ممنوع تھا۔

''تم ان گوروں کو چھوڑ کر اس میوزیم کو دیکھو۔ تاریخ کا یہ ورثہ دیکھو اور آرکیٹیکچر دیکھو۔'' مہدی غور سے گردن اٹھائے فیسینیٹ سا میوزیم کی ایک ایک چیز دیکھ رہا تھا۔

''اتنا برا وقت نہیں آیا کہ یونانیوں کی گلی سڑی ہڈیاں دیکھوں۔ یہ شوق تمہیں مبارک۔'' وہ نخرے باز آدمی بے زاری سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ اس کی اردو میں برطانوی جھلک تھی۔

یہ میوزیم ایک اونچے قلعے کی مانند تھا۔ مگر ایک جدید ٹچ لئے ہوئے۔ یوں لگتا تھا جیسے آثار قدیمہ کے اوپر ہی ایک عمارت کھڑی کر دی گئی ہو۔ کئی جگہوں پہ شیشے کی دیوار نما جگہ تھی۔ جہاں سے نیچے جھانکو تو قدیم یونانی قلعوں کے ڈیزائن، مختلف تاریخی ورثے اور قدیم دور کے جنگ کے میدان کو اس خوبصورتی سے اس ذرا سی جگہ پہ فٹ کیا گیا تھا کہ دیکھنے والے مسمرائز ہو جائیں۔۔ ستون اور فرش بلکل سفید تھا۔ کورا سفید۔ قدم دھرتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ کہیں میلا نہ پڑ جائے۔ باہر سے چھن کر آتی دھوپ ستون کے سائے کو لمبا کر رہی تھی۔ مہدی اس وقت شیشے کی ریلنگ پہ ہاتھ جمائے نیچے دیکھ رہا تھا۔ ایک جنگی میدان کی شبیہہ، گھوڑے، فوج ، ہتھیار، سپاہی۔ یوں اونچائی پہ کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے والے کو واقعی یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے سے ذرا فاصلے پہ جنگ ہوتے دیکھ رہا ہو ۔اس کے عقب میں کسی نے اس کے کندھے پہ دستک دی تو وہ ٹرانس سے باہر آیا۔

"یہ سب کتنا خوبصورت ہے ناں؟" مہدی کی آنکھیں اب بھی مڑ مڑ کر اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ "یہ سب کتنا حقیقی ہے ناں ۔جی چاہتا ہے آگے بڑھ کر چھو لوں۔"

"تم اسے آگے بڑھ کر چھوو گے اور یہ تحلیل ہو جائے گا اگر نہ ہوا تو غیر حقیقی ہو جائے گا بلکل ایک سراب کی مانند۔ ایک illusion جیسے۔"

"ہر وقت ایک ڈارک سائیکالوجی ساتھ رکھتے ہو۔ تھک نہیں جاتے؟" ضوریز مسکرایا۔ مگر اسکی آنکھیں نہ مسکرا سکیں۔

''میرے بھائیوں کو قتل کیا گیا تھا، مہدی۔ان دونوں نے دو پولیس والوں کو ایک لڑکی کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ عینی شاہد تھے۔اپنی ٹرویل میٹ کے ساتھ ہوئی زیادتی کے شاہد۔انہیں الیگل قرار دے کر جیل لے جایا گیا۔ہماری حکومت نے انکی دادرسی نہیں کی۔صرف اس لئے کیونکہ ہم ہیکرز تھے۔'' مہدی بھونچکا سارہ گیا۔اس وقت ضوریز بول رہا تھا اور مہدی ساکن تھا۔

''ہاں ہم ہیکرز تھے۔ہم کئی ملکوں کا کانفیڈینشل ڈیٹا چوری کر کے دوسرے ملک کو بیچتے تھے۔لیکن ہم نے کبھی اپنے ملک سے غداری نہیں کی تھی۔ہم نے کسی کو مارا نہیں تھا۔پھر ہمیں کیوں مارا گیا۔؟صرف اس لئے کیونکہ ہمارا تعلق اس ملک سے تھا، جہاں دہشت گردی عام تھی۔لیکن کیا ہم وکٹمز نہیں تھے؟دہشت گردی بھی ہمارے ملک میں ہو۔اور ذلت بھی ہم اٹھائیں؟'' وہ رک گیا۔کہتے کہتے تھم گیا۔

''سب کہتے ہیں کہ ان دونوں نے جیل سے بھاگنے اور پولیس والے کو مارنے کی کوشش کی تھی۔''ہنس جیسے سفید میوزیم میں کھڑے مہدی نے چند الفاظ کہے۔

"وقت بتاتا ہے کہ وہ وہ چیزیں، وقت اور راز ایک سراب تھے۔ایک دھوکہ، dillusion اور بس۔آنکھیں جب تک کھلتی ہیں۔تب تک فریب کی سیاہ کاری پھیل چکی ہوتی ہے۔'' ضوریز تلخی سے بولا تھا۔

کئی سارے اعلیٰ افسران کی معیت میں وہ خاص تاریخی ورثہ بلاخر دنیا کے سامنے لایا جارہا تھا۔پہیوں والے ماربل کے ٹکڑے پہ رکھا چوکور شیشہ اور اس شیشے کے اندر رکھا وہ ورثہ۔سیاہ کپڑے سے شیشے کو ڈھک دیا گیا تھا۔اونچے ستون اور ماربل پہ رکھے عجائب راز داری سے گردن موڑے اس ورثے کو دیکھنا چاہتے تھے۔اور عین اسی لمحے ایک اعلیٰ شخصیت نے کپڑا اٹھایا۔

''جانتے ہو مہدی ایک کامیاب Heist کیسی ہوتی ہے۔اور کسی بھی ہائسٹ کے لئے سب سے ضروری چیز کیا ہے؟''میوزیم کے سفید احاطے میں کھڑا ضوریز نظریں دور تقریب پہ جمائے کہہ رہا تھا۔اسکی بھوری بڑھی ہوئی شیو دھوپ پڑنے پہ چمک رہی تھی ۔کانچ جیسی نیلی آنکھوں میں تپش تھی۔

اندر ایک سنہری بروج تھا۔جس کے اوپر سرخ اور نیلے ہیرے لگے تھے۔اور ان ہیروں کے اطراف میں عبارت کنندہ تھی۔دیکھنے والے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔یہ ایک قدیم تاریخی ورثہ تھا۔جسے یونان اپنے ایک دوست ملک کے اعلیٰ حکام کو تحفتاً دے رہا تھا ۔لوگ دم سادھے کھڑے تھے۔بروج کو باہر نکالا گیا۔ہاتھ میں لے کر اسے بلند کیا گیا۔اس سفید میوزیم کا سب سے رنگین ٹکڑا۔

''ایک کامیاب ہائسٹ کے لئے ٹیم ورک کی ضرورت ہوتی ہے۔پلان کی اور ہر پلان کے تین بیک اپ پلانز کی بھی۔لوگ کہتے ہیں فلاں ملک میں کرائم نہیں، فلاں جگہ قتل،ڈاکہ ممکن نہیں۔جھوٹ کہتے ہیں۔کرائم ہر جگہ ہر ملک میں ہوتا ہے۔بس آپ کے پاس ایک پلان ہونا چاہیے۔ہر جھول سے پاک آزاد پلان۔''

بروج نکالا گیا۔اور اب یونان کا ایک اعلیٰ عہدیدار اپنے دوست ملک کے ساتھی کے کوٹ کی جیب پہ وہی بروج لگا رہا تھا۔دفعتاً وہ شخص ٹھہرا۔اپنے کوٹ پہ ہاتھ چلاتے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔اور یونہی کھڑے کھڑے اس کا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔اسکی آنکھیں تفشیش سے سکڑیں تھیں۔اور پھر یکدم اسکی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی۔وہ آرٹ کلیکٹر تھا۔انکی آنکھیں ایکسرے ہوتی ہیں۔

(''اور سب سے اہم اور رسکی چیز ہوتی ہے چوری کی جگہ سے کسی کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ جس دن کسی ملک، جگہ، علاقے سے ایک غدار آپ کے ساتھ مل جائے۔ اس دن وزیر اعظم ہاؤس میں بھی ہائسٹ ممکن ہے۔ اور وائٹ ہاؤس میں بھی۔'' مہدی نے سنہرے بروج سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

''چوری کیا ہوتی ہے؟''

ضوریز مسکرایا۔ اور مہدی کے کان کے پاس جھکا۔ ''چوری سراب ہوتی ہے۔ ایک برم۔ کسی کو illusion دکھاؤ اور پھر متاع حیات لوٹ لو۔'')

''یہ نقلی ہے۔۔۔'' الفاظ ہتھوڑے کی مانند وہاں کھڑے تمام افراد کے سر پہ لگے تھے۔ مختلف ممالک سے آئے اعلیٰ افسران ، اونچے عہدے کے لوگ ہر کوئی دم سادھ گیا۔ مہمان آدمی نے میزبان کو ایک حقارت زدہ نظر سے دیکھا اور باہر نکلتا چلا گیا ۔ ضوریز نے پاس ہی کسی ایک اعلیٰ یونانی افسر کو تھمز اپ کا اشارہ کیا تھا۔ اس وقت، اس پل یونانی حکومت اور دفاعیہ اداروں کے سر پہ گویا ساری دنیا کے پہاڑ گر پڑے ہوں۔ ایتھنز شل رہ گا۔ ساکت، بے سانس، خالی۔

(غار نما ریستوران کی زرد بتیاں ایک پل کو ساکت ہو گئی تھیں۔ آس پاس کانٹے چمچ کی آواز کانوں میں صور کی طرح چبھ رہی تھی ۔ مہدی کی آنکھیں بے طرح سرخ ہو چکی تھیں۔ گلابی پن بڑھ گیا تھا۔ زینیا آگے کو ہوئی۔ ''اس کے بعد کیا ہوا تھا، مسٹر کمبیر؟'' مہدی نے گردن جھکا دی۔

''ٹریول میرا شوق نہیں اسکیپ ہے۔ میں نے آدھی زندگی اندھیروں میں گزار دی۔ اب بھی ایک حصہ اندھیرے میں ہے۔ ٹریول نے مجھے روشنی دی۔ سکون دیا۔ ٹریول نے مجھے نام دیا۔ میرے الفاظ لوگوں تک پہنچائے۔ میں واپس اندھیرے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔'' اس کی آنکھ کے کونے سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔ ''میں اپنے نام کے ساتھ ایک داغ نہیں چاہتا تھا۔'')

بادلوں کی اونچائیوں کو چھوتی ایتھنز کے ایک ہوٹل کی یہ عمارت اس وقت اضطراب میں مبتلا تھی۔ پولیس کی ایک بھاری نفری ہر سویٹ، کمرے اور اور لابی کو چھان رہے تھے۔ اپنے سویٹ کی بالکنی میں کھڑا مہدی گلاس وال سے باہر پولیس کو اپنا کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں بے چینی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ کچھ تھا جس کا الہام اسے ہو چکا تھا۔ سارا ایتھنز الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ یہ کوئی معمولی آرٹ ہائسٹ نہیں تھی۔ یونان کو اپنے مہمان اور دوست ملک کے آگے سبکی اٹھانی پڑی تھی۔ تقریب میں موجود ایک ایک شخص کا ڈیٹا، کھانا پینا یہاں تک کہ اسکے پیدا ہونے کی جگہ تک معلوم کروالی گئی تھی۔ کچھ ہو تو ملے ناں۔

''کہہ دو کہ یہ تم نے نہیں کیا۔ کہہ دو کہ میں زیادہ سوچ رہا ہوں۔'' بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھا مہدی گویا خود سے کہہ رہا ہو۔ ضوریز نے بے یقینی سے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ چوری میں نے کی ہے۔ اوہ کم آن مہدی۔ کل اگر میں تم سے قتل کا طریقہ ڈسکس کروں گا تو کیا میں قاتل ہو جاؤں گا۔'' وہ بے زاری سے کہہ رہا تھا۔ دور کہیں مہدی جانتا تھا وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ پولیس اسے صرف اس بنا پہ نہیں پکڑ سکتی تھی کہ ماضی میں اس کے بھائیوں کا ریکارڈ ڈبرا رہا ہے۔ مہدی سر پکڑے بیٹھا رہ گیا۔ اندھیرا ہر سو پھیل رہا تھا۔ لیکن مہدی کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔

"کئی بار آپ ولن یا ہیرو نہیں ہوتے۔ بعض دفع آپ وکٹمز ہوتے ہیں۔ اور وکٹمز کہانی کا بہترین رخ دیکھ سکتے ہیں۔ میں بھی کہانی کا وہ رخ دیکھ چکا تھا۔ میں وکٹم تھا۔ ولن نہیں۔۔۔" گھڑی رات کے بارہ بجا رہی تھی جب مہدی کا موبائل زور زور سے تھرتھرایا ۔چوتھی منزل پہ واقع مہدی کے سویٹ میں بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ بالکنی میں رکھے صوفے پہ سو رہا تھا۔ ایک ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ موبائل کی آواز پہ اس کی نیند میں خلل پڑا۔ وہ مندی مندی آنکھوں سے فون کان سے لگا گیا۔ آواز خمار میں ڈوبی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل اسکی نیند بھک سے اڑی تھی۔ بالکنی سے نظر آتی ایتھنز کی روشنی یکدم اسکی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ وہ فون کان سے لگائے دیوانہ وار اندر کی جانب بھاگا۔ ضوریز وہاں نہیں تھا۔ مہدی اسے نیم اندھیرے سویٹ میں شل سا کھڑا رہ گیا۔ وہ کہانی کا وکٹم تھا۔ اسے استعمال کیا جا چکا تھا اور اب اس کے پاس کوئی جائے فرار نہیں تھی۔ تمام راہیں آج مہدی کمبیر پہ مسدود ہوئیں ۔

لیمپ کی زرد روشنی میں اسے ایک اسٹکی نوٹ نظر آیا۔ شل ہوتے قدموں سے مہدی نے وہ نوٹ اٹھایا۔

"تمہیں جب کبھی میری ضرورت پڑے میں تم سے ایک فون کال کی دوری پہ ہوں۔ میرے الفاظ جھوٹ تھے، جذبات اور دوستی نہیں۔" مہدی دھیرے دھیرے فرش پہ بیٹھتا چلا گیا۔ اسے دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔

("میں جب کسی ملک جاتا ہوں تو میرے اندر تازگی بھر جاتی ہے۔ ایک شہر، گھر، ملک مجھے گھٹن میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس دن اگر میں وہ سب نہ کرتا تو مجھے ڈی پورٹ کیا جاتا۔ ساری دنیا جان جاتی کہ ایک شخص جسے مہدی کمبیر کے مہمان خصوصی کے طور پہ

تقریب کا حصہ بنایا گیا وہ آرٹ تھیف تھا۔ دوست کی اچھائیوں کا کریڈٹ آپ کو ملے یا نہ لیکن اس کے گناہوں میں آپ کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ میں اپنے شاندار کیریئر پہ ایک دھبہ نہیں چاہتا تھا۔ یہ مجھ سے نہیں ہوا۔")

لابی میں کھڑا نیلی آنکھوں والا افسر تیز تیز انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ مہدی شل ہوتے جسم اور جھکتی ہوئی گردن کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ پاکستان سے آئے ایک اعلیٰ افسر بھی یہیں موجود تھے۔

"وہ آدمی تمہاری ذمہ داری تھا مہدی۔ اسے تم لائے تھے۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔ سی سی ٹی وی میں اس نے اپنا سراغ چھوڑا ہے۔ یعنی وہ بتانا چاہتا تھا کہ اس نے ہمیں گرایا ہے۔" پولیس افسر ترش لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے وہ آدمی لا کر دو مہدی کمبیر۔ ورنہ ڈی پورٹ اور ڈیفیم ہونے کے لئے تیار رہو۔" وہ کوئی معمولی سپاہی نہیں تھا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ زبان اسکی تھی الفاظ اسکی حکومت کے تھے۔

کچھ دیر بعد پول سائیڈ پہ بیٹھا مہدی فون کان سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کے پاس ایک نمبر تھا جو ضوریز نے اس کے لئے چھوڑا تھا۔ پانی کا جھلملاتا عکس اس کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ اگر نظر گھما کر دیکھو تو آس پاس کئی اور لوگ تھے۔ ایک سیٹ اپ لگا کر بیٹھے چند ہیکرز۔ پولیس، اور کئی اعلیٰ عہدہ دار۔ گھنٹی جا رہی تھی۔ اور کال اٹینڈ ہو گئی۔ دونوں کئی پل خاموش رہے۔

"تم نے کہا تھا اگر کبھی مجھے ضرورت ہو تو تم بس ایک کال کی دوری پہ ہو۔ کیا اسے سچ مان لوں۔ یا پھر یہ بھی فریب ہے؟" اس کے لہجے میں تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ بس پوچھ رہا تھا۔ دوسری جانب خاموشی رہی۔ "تم نے کہا تھا مجھے سن کر لگتا ہے کہ اچھائی پہ

یقین کیا جائے۔ کیا تم ایک بار میری ان باتوں کو سننے آ سکتے ہو۔ شاید میرے الفاظ کچھ بدل سکیں۔'' ضوریز نے گلا تر کیا اور کچھ کہنے کو لب کھولے۔ وہ شرمندہ تھا۔ مہدی کو استعمال کیا جانا غلط تھا۔

''میں اپنے بھائیوں کی موت نہیں بھولا تھا مہدی۔ مجھے انتقام چاہیے تھا۔ اور صرف میں نہیں میری پوری ٹیم جن میں دس لوگ شامل تھے۔ ہم سب کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا۔ میرے بھائی اکیلے نہیں تھے۔ اس روز اس پولیس سٹیشن میں دس لوگ مارے گئے تھے۔ جن کی لاشیں بھی نہیں ملیں۔ دس مختلف ملکوں کے دس لوگ۔''

''تم اس وقت کہاں ہو۔؟'' مہدی نے سوال بدلا

''پلاکہ (**ایتھنز کا ایک چھوٹا سا خوبصورت قصبہ۔**) میں جانتا ہوں کسی نے مجھے وہاں نہیں ڈھونڈا ہو گا۔ بلکہ ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے میں ٹریول کر رہا ہوں چھپ نہیں رہا۔''

''کل صبح پلاکا میں۔'' مہدی نے ایک سطر کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ اس کا چہرہ غیر انسانی تھا۔ آنکھیں خالی خالی۔

(''مجھے لگا تھا الفاظ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ جھوٹ لگا تھا۔ مجھے لگا تھا لوگوں کے ساتھ معصوم رہو تو لوگ آپ کے ساتھ معصوم رہتے ہیں لیکن میں غلط تھا۔ کئی بار آپ کی زندگی ایک unexpected ٹرن لے لیتی ہے۔ اور پھر آپ کے پاس ایک ایسا ماضی آ جاتا ہے جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ کبھی نہ چھوٹنے کے لئے۔'')

ایتھنز کے دامن میں واقع پلاکا ایک فیری ٹیلش گاؤں ہے۔ جہاں کیفے، مارکیٹس، شاپس اور کئی چھوٹے اور خوبصورت ریستوران ہیں۔ کیفیز اور شاپس کے باہر قطار در قطار سرخ، نیلی کرسیاں اور چھوٹی چھوٹی میز سجی ہوئی ہیں۔

کئی پکچر اسپاٹ ایسے ہیں جہاں لوگ دھڑا دھڑ تصویر اتار رہے ہوتے ہیں۔ ہمہ وقت راہ گیر اور سیاحوں کا رش اس پر سکون گاؤں کو رونق بخش رہا ہوتا ہے۔ لمبی اور پتلی سفید گلیاں جن کے فرش پہ بھی سفید چونا پھیر دیا گیا ہے، اور گھروں کے دروازے مختلف رنگوں کے ہیں۔ پلا کا بلا کا دل فریب ہے۔ سفید گلیاں اگر خوش آمدید کہتی تھیں تو باہر رکھے گملے سیاحوں کو دیکھ کر مسکراتے تھے ۔ایسی ہی ایک گلی میں کیفے کے باہر رکھے سرخ اسٹول پہ دو لوگ بیٹھے تھے۔ انکے ہاتھوں میں سرخ نقش و نگار والے کپ تھے۔ جن میں بلیک کافی تھی۔ رش آج قدرے کم تھا۔ یا شاید پولیس جگہ کو خالی کروا چکی تھی۔ مغربی نقوش والا مرد اپنے سامنے بیٹھے مہدی کو تک رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمھارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا۔ دو سال قبل اس ٹریول گروپ نے جو ٹریجڈی دیکھی اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔'' سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر سفید ہی جیکٹ پہنے بیٹھا مہدی کہہ رہا تھا۔ ''ہر قوم میں کچھ اچھے لوگ ہوتے ہیں اور کچھ برے۔ اچھوں کو وہ سزا نہیں دی جاتی جو بروں کے لئے ہو۔ واپسی ممکن ہے لوٹ آؤ پلیز۔'' وہ اس وقت مخلص تھا ۔انکی دوستی تین سال پرانی تھی۔ وہ واقعی فکر مند تھا۔ ضوریز مسکرایا۔ وہ مسکراتا تھا تو گال میں گڑھا بنتا تھا۔ وہ ایسا تھا جس پہ ڈھیروں ڈھیر کہانیاں لکھی جائیں۔

''یہ پلان، یہ انتقام آج کا نہیں ہے۔ تین سال پرانا ہے۔ دس لوگ، دس دماغ، دس مختلف ممالک سے آئے لوگوں کا انتقام جنہوں نے اپنے گھر والوں کو کھویا۔'' وہ رکا ایک پل کو مہدی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کل رات میری ساری ٹیم یہاں سے جا چکی ہے۔ میں رک گیا۔ میں رک گیا، مہدی تمھارے لئے۔'' مہدی کی آنکھوں میں شاکی سا تاثر ابھرا۔ ضوریز کہتا رہا۔ ''ہاں ہم نے تمھیں استعمال کیا غلط کیا۔ لیکن جو کچھ میں نے اپنے انتقام کے لئے کیا وہ صحیح تھا ۔دس دفع دوبارہ موقع ملا دوبارہ کروں گا۔ لیکن تم مہدی۔۔۔ تم میرے لئے اہم ہو۔ میرے دوست ہو تم۔ سب نے کہا تم کو لیٹرول ڈیمیج ہو۔ لیکن سب کو کیا پتہ تم میرے دوست ہو۔ میں برا ہو سکتا ہوں۔ میری دوستی نہیں۔''

مہدی کو لگا وہ سانس نہیں لے سکے گا۔ آس پاس چلتے پھرتے عام لباس والے پولیس اہلکاروں سے اسے خوف آیا۔ کاش وہ انھیں واپس بھیج سکتا۔

''میں بھاگ سکتا تھا۔ بلکہ میں بھاگ سکتا ہوں۔ لیکن میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ میں نے غلط آدمی چنا۔ تم، تمہاری ریپوٹیشن ، تمہاری جان کسی کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں برا ہوں۔ لیکن شاید تم بھول رہے ہو۔"

"Evil isn't born it's made"

مہدی اسے دیکھے گیا۔ اسکی آنکھوں کا کرب اسکے الفاظ کی سچائی۔ وہ کچھ بھی پراسیس نہ کر سکا۔ وہ وکٹم تھا؟ ولن یا پھر ہیرو؟

''تمھیں میری وجہ سے مصیبت میں پڑنے نہیں دوں گا۔''

"For you a thousand times over"

اس نے کہتے ساتھ جیکٹ کی جیب سے کچھ نکالا۔ مہدی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب کے اسے واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔ سنہرا بروج اس کے سامنے تھا۔

''میں تمہیں بچالوں گا۔ تم بھاگ جاؤ۔۔۔ ضوریز بھاگو۔۔ یہاں سے۔ خدا کے لئے جاؤ۔۔ میری فکر مت کرو جاؤ۔'' وہ اسکی منت کرنے لگا تھا۔ وہ اردو میں بات کر رہے تھے مگر پولیس والوں کے کان میں ٹرانسلیٹر آلہ لگا تھا۔۔ اسی وقت اس نے جھک کر اسکا ہاتھ پکڑا، ایک نظر آس پاس کھڑے عام کپڑوں والے افسران کو دیکھا اور، اور پھر اندھا دھند گلیوں میں بھاگنے لگا۔ ضوریز بے اختیار ہنستے ہوئے اس کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ پلا کہ حیرت زدہ تھا۔ سفید جیکٹ والا مہدی مضطرب تھا۔ یوں گویا ساری دنیا کا غم اسے ہو۔ اس کے ساتھ بھاگتا مرد دیوانہ وار ہنس رہا تھا۔ گویا ساری دنیا کی بے فکری اسے ہو۔

ہلچل سی مچ گئی تھی۔ پولیس انکے پیچھے تھی۔ انکو لگتا تھا شاید یہ ضوریز کا کام ہے۔ وہ خود کو بچانا چاہ رہا ہے۔ بروج اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ گلیوں میں بھاگ رہے تھے۔

''یہ لوگ مجھے مارنے آئے ہیں مہدی مار کر ہی جائیں گے۔ بلاوجہ کی کوشش مت کرو۔'' پھولتے ہوئے سانس کے ساتھ وہ با مشکل بول سکا۔ پھر ایک جھٹکے سے مہدی کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ لمبی تپلی گلی میں وہ دونوں رک گئے۔ دونوں جانب پولیس کے اہلکار تھے۔ سفید گلی میں کھڑے وہ دونوں شخص اسی گلی کا حصہ لگے۔

"For you a thousand times over"

نم آنکھوں سے مسکرا کر سبز آنکھوں کو جتایا۔ پھر اپنے اطراف میں پھیلی نفری کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑے بروج کو۔ مہدی کی آنکھیں منت کر رہی تھیں وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑے گنز نیچے کرنے کو کہہ رہا تھا۔ پولیس والے ایک کرمنل سے negotiate نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انکی بندوقیں نشانے پہ تھیں۔ انکے ہاتھ بڑھے ہوئے۔ یوں جیسے انکا ورثہ دے دو اور جان بچالو۔ مہدی گھٹنوں کے

بل بیٹھا ان کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ ضوریز مسکرایا ٹھنڈی سفاک مسکراہٹ اور اس نے ہاتھ میں پکڑے بروج کو دو ٹکڑے کے کر پھینک دیا۔ پھر جیسے ہر چیز رک گئی۔ سب کچھ سلو موشن میں ہونے لگا۔

پولیس کی گنز لوہا نکال رہی تھیں اور وہ لوہا ضوریز کے سینے میں اتر رہا تھا۔ مہدی نے اسے پورے قد کے ساتھ گرتے دیکھا۔ سفید دیواریں خون کے چھینٹوں سے بھر گئیں۔ گلی کا پکی اینٹوں والا فرش سرخ سیال سے بھرتا چلا گیا۔ مہدی اس منظر کو نہیں بھول سکتا تھا۔ کم از کم اس زندگی میں نہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے قدموں سے جان نکل چکی تھی۔ وہ خود کو زمین پہ گھسیٹتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ دل پہ ہاتھ رکھا۔ ہاتھ سرخ ہو گیا۔ دھڑکن ساکن، خاموش، نل۔۔۔ ایک انسان اسکی وجہ سے قتل ہو چکا تھا اور یہ گلٹ ساری عمر اس کے ساتھ رہنے والا تھا۔ پلاکہ کی خوبصورت گلیاں اس کے لئے وحشت بن گئیں۔

غار کے طرز پہ بنے ریستوران میں واپس آؤ تو مہدی کا چہرہ سفید تھا یوں گویا کسی نے سفید چونا پھیر دیا ہو۔

"مجھے پراسیس کرنے کے لئے وقت چاہیے۔" زینیا بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے معاف کر دینا میں نے تمھیں استعمال کیا۔" اسکی آواز کھوکھلی تھی۔

"آپ کسی کو استعمال نہیں کر سکتے۔ کم از کم مجھے تو بلکل نہیں۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور مہدی کو یقین نہ آیا کہ وہ اسکا یقین کر کے گئی تھی۔



واپس ہاسٹل آ کر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ ایک آدھ گھنٹہ نہیں بلکہ ایک صدی گزار کر آئی ہو۔تھکے تھکے قدم لیتی وہ اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پہ ڈھے سی گئی۔ سرخ جوڑے میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔ مگر کچھ تھا اس کے چہرے پہ زرد سا۔ تھکا تھکا سا۔چند پل یونہی خالی الذہنی کے عالم میں پڑی رہی، آنکھیں بند کر لیں تو گویا جلن بڑھ گئی۔اس نے سونے کی کوشش کی۔ہاں ہر مسئلے کے دوران اسے بس سونا ہوتا تھا۔بس نیند چاہیئے ہوتی تھی۔وہ غنودگی میں جانے لگی جب اسے اپنے قریب بے انتہا شور سنائی دیا۔

مندی مندی آنکھوں سے وہ اٹھ بیٹھی۔اس کے سامنے مناہل تھی۔جو بلند آواز میں رو رہی تھی۔بے تحاشا رو رہی تھی۔اس کے پلنگ پہ اسکا موبائل، لیپ ٹاپ، آئی پیڈ، پڑا تھا۔اور سب کی سکرین تاریک تھیں۔سیاہ۔ہاسٹل کی آدھی لڑکیاں اس کے کمرے میں جمع تھیں اور روتی بلکتی غم سے پاگل ہوتی مناہل کو سنبھال رہی تھیں۔دس لاکھ کا نقصان تو کہیں نہیں گیا۔دروازے پہ کھڑی شیزل اس سارے ہنگامے کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

" میرا سارا ڈیٹا تھا اس میں، میری تصاویر میرے ڈاکومنٹ تھے۔۔۔" وہ زور زور سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔زینیا بس اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں ملکہ بدوالی مسکراہٹ تھی۔

" میں اب کیا کروں۔۔۔میں نے کئی لوگوں دکھایا ہے۔لیکن کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا مسئلہ کیا ہے۔یااللہ میرا انسٹا گرام میری ای میل پہ بنا تھا اور مجھے میری میل بھی یاد نہیں۔اوہ خدایا میرے دس لاکھ فالوورز۔۔۔"اسے سانس نہیں آ رہا تھا۔وہ اپنے سینے پہ ہاتھ مارنے لگی تھی۔اسی لمحے شیزل کی نظریں زینیا حاکم کی نظروں سے ٹکرائیں۔وہ سر نفی میں ہلا رہی ہو جیسے کہہ رہی ہو **" کہہ دو زینیا حاکم یہ تم نے نہیں کیا۔"**

زینیا مسکرائی۔ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔اور آنکھوں ہی آنکھوں میں گویا کہا ہو۔ **" کہا تھا ناں زینیا ایسے نہیں لڑتی۔"** شیزل سیمسن آنکھوں میں ڈھیر ساری حیرت لئے آگے بڑھ آئی۔ لڑکیوں کو دو چار دھکے دے کر راستہ بنایا۔ مناہل کے ماتم کو نظر انداز کیا اور زینیا کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔ بلکل ویسے جیسے زینیا نے چڑھا رکھی تھی۔ کندھے اٹھے ہوئے، چہرہ سپاٹ، آنکھیں مسکراتی ہوئی۔ بلکل ایسے جیسے زینیا۔ بیسٹیز یونو۔

" مجھے تمھیں سمجھنے میں دیر ہوئی۔ لیکن یہ سارا ڈرامہ مجھے بے حد پسند آیا۔" شیزل اس کے کان کے پاس جھکی۔اور ایک بار پھر بلکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں نے داد قبول کی۔" ملکہ فخر سے بولی۔

"ویسے مجھے تمہارا بدلہ کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ مشینیں کبھی بھی ٹھیک ہو سکتی ہیں۔"

"زینیا کی کھولی ہوئی مشینوں کو زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔" فخریہ مغرور انداز میں اس نے اپنے اٹھے ہوئے کندھے مزید اٹھائے ۔شیزل اب بھی تیر کی طرح سیدھی بیٹھی سامنے ہونے والا تماشا دیکھ رہی تھی۔

"ویسے تم نے داد پانے، سرخرو ہونے کے لئے تو مجھے اپنا کارنامہ نہیں بتایا۔ یقیناً تمھیں بدلے میں کچھ چاہیے۔"

"آہ میں تمہاری ذہانت سے متاثر ہوئی ہوں۔کاش میں تمہاری فین بن سکتی۔ہاں بن سکتی تھی اگر میں اپنی سب سے بڑی فین نہ ہوتی۔" زینیا کمال نزاکت سے بولی۔

شیزل نے اب کے مڑ کر اسے دیکھا۔ انکے پاس جھگڑا ہو رہا تھا۔ مناہل اب ایک لڑکی کو کوس رہی تھی الزام دے رہی تھی۔ اور یہ دو لڑکیاں تھیں، جن کو پرواہ نہیں تھی۔ لاپرواہی اور ڈھٹائی ہو تو ایسی۔

''میں تمھارے ساتھ مل کر اس عورت کو قتل نہیں کرنے والی۔ ہاں کر سکتی تھی لیکن میرا موڈ نہیں۔'' شان بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''اگر مجھے کسی کا قتل کرنا ہوتا تو کم از کم تمھیں ہائر نہ کرتی۔ تم ایک انتہائی بری قاتل بنو گی۔'' ساتھ ہاتھ اٹھا دیئے۔

"No offense"۔

''تمھیں کرنا بس یہ ہو گا کہ اس لڑکی کو میرے کمرے سے نکال کر خود کو یہاں فٹ کروانا ہو گا۔ ہاں تم بھی برداشت کے قابل نہیں ہو، لیکن تمھارے ساتھ کوشش کی جاسکتی ہے۔''

مناہل اب ساری تمیز بالائے طاق رکھ کر اونچی اونچی آواز میں گالیاں نکالنے لگی تھی۔ انعم اس کے بال نوچ رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا تھیں۔ لڑکیاں انہیں چھڑوا رہی تھیں۔ شور بڑھ رہا تھا۔ لیکن کسے پرواہ تھی۔

''شیزل سیمسن ایک تحفہ ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔'' وہ جتا گئی۔

''تم دنیا کا پہلا تحفہ ہو جس کا منہ ہر وقت چلتا ہے۔ اور پیٹ ہر وقت خالی۔ جیب تو روپے دیکھنے کے لئے ترسی ہوئی۔ اس لئے مس تحفہ، اگلے ایک ماہ تک ہر روز ایک کالڈ کافی میری طرف سے۔ اب میرے کمرے کو تمہاری آمد کا شرف مل سکتا ہے۔؟'' شیزل نے سر کو خم دیا اور مسکراتے ہوئے اٹھی۔ اسے ذمہ داری دی گئی تھی۔ اور ذمہ داریاں اس کے لئے کبھی مشکل نہ رہی تھیں۔ وہ

لڑکیوں کے جھمگٹے میں گھس گئی۔ کچھ اس کے بال نوچے گئے، کچھ چانٹے پڑے لیکن بلا آخر وہ ان دونوں کو چھڑوانے میں کامیاب رہی تھی۔

اگلے چند منٹ میں مناہل روتے ہوئے اپنا سامان باندھ رہی تھی۔ اور شیزل کو بار بار نم، ممنون آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ بار بار جی چاہتا تھا کہ اسے گلے سے لپٹا لے۔ اونہوں وہ no hugs رول پہ چلتی تھی۔ چند ہی گھنٹوں میں کمرے کی حالت بدل چکی تھی۔ ایک ٹک ٹاکر وہاں سے رخصت ہو گئی تھی اور اب اسکی جگہ ایک انٹیریئر ڈیزائنر تھی۔

وہ دونوں ذرا ذرا سے فاصلے پہ اپنے اپنے پلنگ پہ لیٹی تھیں۔ کمرے کی صفائی کرتے ہوئے چہرہ دھول سے بھر گیا تھا۔ جسم تھکن سے چور تھے۔ ”تم نے اسے ایسا کیا کہا کہ وہ کمرہ چھوڑ دینے پہ راضی ہو گئی۔؟“

”میں نے اسے بتایا کہ زینیا حاکم ایک منحوس عورت ہے۔ وہ جہاں جاتی ہے وہاں بربادی ساتھ لاتی ہے۔ اب نین تارہ اور ہمارے ہاسٹل کو ہی دیکھ لو۔ اس کے آتے ہی کتنا بڑا ہنگامہ ہوا اور نین تارہ پکڑی گئی۔ اگلے دن تم کمرے میں آئیں۔ پہلے تمہارا بریک اپ ہوا اور اب یہ نقصان۔ بہتر ہے روم چینج کر لو۔“

زینیا سکون سے سن رہی تھی گویا یہ بات اس کے بارے میں تھی ہی نہیں۔

”آگے سنو۔ وہ مجھ سے کہنے لگی کہ اگر کمرہ چینج کرنا پڑا تو بھلا میں کہاں جاؤں گی۔ اور کون اس نحوست کو اپنے سر لے گا۔ تب میں شیزل سیمسن نے اسکی سب سے بڑی ہمدرد ہونے کا کھیل کھیلا۔ اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ بس اب صبح میری کالڈ کافی تیار ملنی چاہیے۔“ وہ بولتے ساتھ کراہی۔ تھک گئی تھی بھئی وہ۔

''سیمسن چچا کو فون کرو اور منگوالو اپنی کافی۔ زینیا اپنا پیسہ اپنے باپ پہ بھی خرچ نہیں کرتی۔'' وہ مکر گئی تھی۔ بخدا وہ مکر گئی تھی

۔ شیزل مارے صدمے کے اٹھ بیٹھی۔ ''تم نے معاہدہ کیا تھا زینم۔''

''اچھا واقعی۔ ؟اور تمھیں لگا تھا میں اس معاہدے پہ قائم رہوں گی جس کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ گواہ۔'' اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''تم غلط انسان سے الجھ رہی ہو مس زینم۔ میں انتقام لوں گی۔''

''ہاں لے لینا۔ وہ جو میری زمینوں پہ تم پانی روک دو گی۔ میں دیکھ لوں گی۔ "**(علاقائی دھمکی۔)** شیزل صدمے سے بیڈ پہ ڈھے گئی تھی۔ نیا کمرہ اسے سسرال لگ تھا۔ اور زینیا حاکم چڑیل ساس۔ اپنے کمرے میں واپس جانا یوں تھا جیسے پسند کی شادی کے بعد کہنا **"لڑکا پسند نہیں آیا۔''**

جو اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے لئے اب صدمہ جائز تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹیکسلا ایک تاریخی شہر ہے۔ جہاں سیاحت کے لئے کئی سارے مقامات ہیں۔ خاموش اور پر سکون سا شہر۔ جہاں تاریخ نے اپنے کئی راز چھوڑ رکھے تھے۔ کئی قلعے، بستیاں اور میوزیم ہیں جو ٹیکسلا کے حسن میں اضافہ کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہم ایک رہائشی بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک خستہ حال فلیٹ میں آئیں گے۔ جہاں دیوار گیر کھڑکی سے کرسی لگائے بیٹھا بالاج میر افسردہ تھا

۔اس کے پرکشش نقوش میں آج زردی گھلی ہوئی تھی۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے وہ آج گواپ کر رہا تھا۔ مستقبل پہ؟ یا حال پہ ۔دونوں پہ۔ کیونکہ وہ ماضی کو چن رہا تھا۔ بالاج کا ماضی ایک انسان کا ماضی جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

اس نے آنکھیں بند کیں۔ بے تحاشا جلن تھی جو اس کے سینے کو جلا رہی تھی۔ دفعتاً فرحان نامی اس کا دوست اس کے قریب آکر بیٹھا۔ بازو اس کے کندھے پہ رکھا۔ وہ فکر مند تھا۔

"بالاج۔۔۔ میرے بھائی۔ انسان کو ان لوگوں پہ گواپ نہیں کرنا چاہیے جنہوں نے برے وقت میں ساتھ دیا ہو۔ انکے لئے ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے اپنی طرف سے ان کو کچھ اچھا دینے کی کوشش۔ تم سمجھ رہے ہو ناں۔ تمہاری بیوی بہت کچھ ڈیزرو کرتی ہے۔"

بالاج نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اسکی آنکھیں رندھی ہوئی تھیں سرخ بے تحاشا سرخ۔

"مجھ پہ ذمہ داریوں کا بڑا بوجھ ہے۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔ ذہن دور کہیں ماضی میں بھٹک گیا۔

وہ دس سال کا تھا۔ جب ابا نے سارا پیسہ جوے میں اڑا دیا۔ اور اسکی بڑی بہن کا رشتہ قرض کے بدلے کہیں طے کر دیا۔ اسے یاد تھا کس طرح اس کے چچاؤں نے انہیں گھر سے نکالا تھا۔ اسے یاد تھا ان لوگوں کے پاس کھانے تک کے پیسے نہیں تھے۔ اسے یاد تھا کس طرح اس کی بہن اپنے شوہر سے پٹ کر آتی تھیں۔ جب وہ نشے کے لئے ان سے پیسے مانگا کرتا تھا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ اور بالاج اسے دیکھتا رہتا تھا۔

ایک روز وہ سو کر اٹھا تو اسے صحن میں غیر معمولی شور سنائی دیا۔ مندی مندی آنکھیں لئے وہ جب صحن میں آیا تو اسے بے اختیار دیوار کا سہارا لینا پڑا۔ آنکھیں دھندلی ہو گئیں۔ وہ دھیرے دھیرے فرش پہ بیٹھتا چلا گیا۔ سامنے اس کی بہن کی لاش تھی۔ اس کا چہرہ سبز پڑ چکا تھا۔ بالاج کو یہی زہر اپنی رگوں میں اترتا محسوس ہوا۔ پاس کھڑی عورتیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ ''اور بھلا کیا بہن۔ شوہر روز مار پیٹ کرتا، اور پیسے مانگتا تھا۔ کل رات بھی یہی ہوا۔ جب اس نے کہا پیسے نہیں ہیں تو کمبخت نے زہر ملا کر دے دیا۔ چار ماہ سے حاملہ تھی بیچاری۔ بڑی دردناک موت آئی ہے اللہ بچائے۔''

فرش سے لگے بالاج کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے سامنے اسکی محبوب بہن کی لاش تھی۔ جس نے اس کے لئے ہمیشہ قربانیاں دی تھیں۔ ابا تو اسے جواری کی خدمت میں جھونک رہے تھے۔ لیکن اس کی بہن اسکی saviour بن گئی۔ کیا ہوا اسے یاد نہیں تھا۔ کیا سنا سب بھول گیا۔ بس یاد تھا تو اتنا کہ اس کی بہن ''**پیسے**'' نہ ہونے کی وجہ سے مر گئی تھی۔

'' ہر انسان کا خود پہ حق ہوتا ہے۔ لیکن ہر انسان پہ اس کا بھی حق ہوتا ہے جس نے ماضی میں آپ کے لئے efforts کی تھیں۔ جو آپ کو ایک برے فیز سے نکال لایا تھا۔ ہر انسان پہ ماضی کے کچھ قرض ہوتے ہیں۔ تم حال میں قرض دار ہو بالاج۔ اپنی بیوی کے۔ اس کے احسانات کے۔'' بالاج نے گردن نفی میں ہلائی۔ گیلی آنکھوں میں بے پناہ شکوے تھے۔

''میں اپنے ماضی میں بھی قرض دار رہ چکا ہوں۔ مجھے وہ قرض اتارنا ہے۔''

اسکی بہن کی موت کو چار ہفتے بیت چکے تھے۔اماں غم سے نڈھال تھیں۔ابا چند دن افسردہ رہے اور پھر وہی نشہ وہی جوا۔ہاں البتہ انہوں نے پولیس میں رپورٹ ضرور کروادی تھی۔ بالاج انکے ساتھ تھانے کے چکر لگاتا رہتا۔اپنی بہن کے لئے انصاف مانگتا رہتا لیکن اگلی پارٹی تگڑی ہے۔ کہہ کر انھیں ٹال دیا جاتا۔ابا البتہ ایسی کوئی کوشش نہیں دکھا رہے تھے۔

وہ گھنٹوں گھر میں پڑا سوچتا رہتا کہ اگر انکی بھی معاشرتی حیثیت ہوتی،روپیہ پیسہ ہوتا،تو انکی سنی جاتی۔اس کی بہن کے تین بچے اور ایک مرچکی اولاد کو انصاف مل جاتا اسے پیسہ چاہیے تھا۔ڈھیر سارا پیسہ۔تاکہ اسکی باقی کی تین بہنوں کو کسی جواری کے پاس نہ جانا پڑے۔تاکہ اسکے یتیم بھانجے ایک اچھی زندگی گزار سکیں۔انہی دنوں ابا نے **"دیت"** کی شرط رکھ دی۔ بالاج ان دنوں ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔

اسکی بہن کا قتل دو لاکھ میں بیچا جا چکا تھا۔اسکی ماؤں جیسی بہن۔ کیا اس کے بچے دو لاکھ ساری زندگی کھا سکیں گے۔؟کیا یہ دو لکھ انکی پرورش کر سکیں گے۔اسے نہیں معلوم تھا۔اسے کچھ نہیں معلوم تھا سوائے اس کے کہ اسے بہت سارا پیسہ چاہیے معاشرے میں ایک مقام چاہیے۔ وہ اپنی بہن کے بچوں کو دیکھتا تو دل کڑھتا تھا۔ وہ بچوں کو ویسی زندگی نہیں دے پا رہا تھا جیسی انہیں ملنی چاہیے تھی ۔پھر چند روز بعد یہ جلن،یہ کڑھنا ختم ہو گیا۔

بچوں کا باپ اپنی غنڈہ گردی اور طاقت کے بل پہ اپنے تینوں بچوں کو لے جا چکا تھا۔ بالاج اس وقت سولہ سال کا تھا۔اس نے وکیل کرنا چاہا،کیس لڑنا چاہا۔ مگر بے سود۔ سیاہ لباس والی وکیل نے اول تو اس کی کم مائیگی کی وجہ سے کیس نہ لیا۔دوئم اسے خبردار کیا کہ انکی معاشی حالت اس قدر بری ہے کہ عدالت چاہ کر بھی انھیں کسٹڈی نہیں دے سکتی۔اسکی بہن کا قاتل جیل سے بچ گیا۔کیونکہ ان

کے پاس پیسے نہیں تھے۔ وہ طاقت کے بل پہ بچوں کو لے گیا کیونکہ بالاج کے پاس پیسے نہیں تھے وکیل کیس نہیں لڑتا تھا، عدالت کسٹڈی نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔

اسے مستقبل میں مضبوط بننا تھا۔ حیثیت بنانی تھی۔ اور۔۔۔ اور بس پیسہ کمانا تھا۔

''اپنے ماضی کو بھول جانے والے انسان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ وہ چاہے جتنا آگے نکل جائے قدرت اسے کھینچ کر اسکوائر ون پہ لے آتی ہے۔ نیکی، وفا، ایثار کو بھلا دینے والا انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ ایسا انسان ظالم ہوتا ہے اپنے ساتھ بھی، وقت کے ساتھ بھی اور اپنے مسیحا کے ساتھ بھی۔ کیا کوئی مسیحا یہ ڈیزرو کرتا ہے۔؟'' فرحان اسے سمجھا رہا تھا۔ کسی اور عورت کے متعلق اور وہ سمجھ رہا تھا کسی اور عورت کے متعلق۔

''قدرت کے فیصلے میں دیر ہے۔ اس وقت میری قسمت کا فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اور میں بالاج میر اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ حال میں میرا مسیحا کوئی بھی، میں ماضی کی اس saviour کو نہیں بھول سکا۔"

چند سال بعد اسے جو خبر ملی تھی وہ اسکی دنیا کو تہہ و بالا کر گئی تھی۔ ہسپتال کے سرد خانے میں وہ بکھری حالت میں کھڑا تھا۔ اس کے دو معصوم بھانجے آج وہ انہیں پانچ سال بعد دیکھ رہا تھا۔ زندہ نہیں مردہ۔ ساکن بے سانس، سرد۔

اس کے چہرے پہ آنکھوں سے گرتا ہوا پانی تھا۔ یہ لاشیں دیکھ کر نہیں آیا تھا۔ یہ ان لاشوں کے ادھڑے جسم دیکھ کر امڈ آیا تھا ۔بچوں کے گردے نکالے گئے تھے۔ انکی آنکھیں سرے سے غائب تھیں۔ اور جسم جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ بالاج میر کو سخت سردی لگنے لگی۔ پھر سخت گرمی۔ پھر رونا آیا، پھر غصہ اور پھر بے بسی۔ اسکی بہن کا قاتل اور ان بچوں کے باپ نے کسی سے دشمنی

مول لے لی تھی۔اور وہ لوگ خطرناک تھے اتنے کہ کسی کا جسم چیر دیتے اور سوچتے نہ تھے۔اس نے لاکھ کوشش کی،اس نے لاکھ چاہا کہ وہ ان ادھڑے ہوئے جسموں کا بدلہ لے سکے لیکن ان دونوں بچوں کا بڑا بھائی،جو اس سرد خانے کے باہر بیٹھا تھا۔اس کے تاثرات سپاٹ تھے۔بالاج نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے قریب بیٹھ گیا۔شکستگی سے۔ہار مان کر۔"مجھے معاف کرنا۔میں تم لوگوں کو بچا نہیں سکا۔میں نے کوشش کی تھی۔بہت کی لیکن۔۔"وہ رکا۔گلا دکھ رہا تھا۔سانس اٹک رہا تھا۔"مجھے معاف کرنا۔ہم انتقام لیں گے۔میں۔۔"

"بس کر دیں یار۔"بچہ بے بسی سے چلایا۔"میری ماں مر گئی آپ نے تب بھی یہی کہا۔ہماری کسٹڈی ہمارے باپ کو مل گئی آپ نے تب بھی یہی کہا تھا۔اور آپ اب بھی یہی کہہ رہے ہیں۔تھک گیا ہوں آپ پہ یقین کر کر کے۔بخش دیں ہمیں۔انتقام وہ لوگ لیتے ہیں جنکی کوئی حیثیت ہو،معاشرے میں جن کا مقام ہو،جن کے پاس پیسہ ہو۔اور آپ۔"وہ غرایا۔"آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔بخش دیں ہمیں۔منت واراں،سرکار منت واراں۔**(شکریہ سرکار شکریہ۔)**"

اس روز بالاج یوسف میر نے خود سے ایک عہد کیا تھا کہ وہ اپنے باپ جیسا نہیں بنے گا۔اپنی بہنوں کو ایک برے شوہر سے بچائے گا۔اور اگر کوئی برا شوہر کوئی برا حادثہ انکی زندگی کا حصہ بن بھی گیا تو وہ اتنا پیسہ کمائے گا کہ عدلیہ،قانون اسے انصاف دینے پہ مجبور ہو جائیں۔

پیسہ بالاج میر کو حل لگتا تھا۔ہر قسم کے مسائل کا حل۔وہ کمائے گا اسکے لئے جو مرضی کرنا پڑ جائے گا اور وہ کر رہا تھا۔

چند گھنٹے بعد۔۔

وہ الماری کے سامنے کھڑا تھا۔ فون کان اور کندھے کے درمیان اٹکا رکھا تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ سفید رنگ کا جوڑا نکالتے ہوئے اسکی سماعتوں سے ایک مانوس آواز ٹکرائی۔

''کیا میں یہ مان لوں کہ آپ مجھے مس کر رہے ہیں۔'' زینیا مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ بالاج نے تھکن سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تم جانتی ہو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟'' دوسری طرف خاموشی چھاگئی مگر وہ بول رہا تھا۔ ''تم بہت اعلیٰ تھیں زینی ہمیشہ سے بہت اونچی۔ میں بس تمھیں دیکھ سکتا تھا، تمہاری خواہش کر سکتا تھا۔ تم میری ہو سکتی ہو یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہاں تک میرے خیالوں کو بھی رسائی نہیں تھی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ زینیا اسے سنتی گئی۔

''پھر ایک دن تم مجھے مل گئیں۔ اور میرے لئے دنیا مکمل ہو گئی۔ نعمتوں کی کوئی حد نہ رہی۔ میں بس تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بالاج اگر مر بھی گیا تو اسکی آنکھوں کے آخری منظر تمہارا ہو گا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، ہمیشہ سے۔'' زینیا نہیں جانتی تھی کیوں مگر اسے یہ الفاظ سکون دے رہے تھے۔ ''میرے دل میں تمہارا ایک مقام ہے۔ ہمیشہ تمہارا رہے گا۔ آج میں اپنے ماضی کے زیر اثر کچھ کر رہا ہوں۔ شاید یہ سب کبھی مستقبل میں تمھارے لئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے تمھارے پاس مسائل سے پہلے حل ہوں گے۔''

''یاد رکھیئے گا زینیا مر جاتی ہے معاف نہیں کرتی۔'' بالاج زور سے ہنس پڑا۔

''کتنا مشکل ہے ناں تم سے دل کی بات کہنا۔'' یوں کہا جیسے وہ ہرٹ ہوا ہو۔ ''بہت ججمینٹل ہو تم۔'' زینیا نے گہری سانس لی۔

''ایسا کوئی انسان آج تک بنا ہی نہیں جو جج نہ کرتا ہو۔ ہر انسان جج کرتا ہے۔ کبھی منہ پہ کبھی پیٹھ پیچھے۔ بس زینیا بری اس لئے ہے کہ وہ باتیں منہ پہ مار دیتی ہے۔'' بالاج کئی لمحے خاموش رہا۔ پھر کال کاٹ دی۔ عجیب بے کلی سی سر پہ سوار ہونے لگی تھی۔۔ کچھ وقت بعد وہ ایک کاغذ پہ سائن کر رہا تھا۔ بالاج میر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

زینیا حاکم ایک پرائیویٹ ایجنسی میں انٹرویو دینے آئی تھی۔ یہ ایجنسی شادی بیاہ، سالگرہ، اور دیگر تقریبات کے لئے پروفیشنل فوٹو گرافی کرتی تھی۔ اپنے کوائف وہ ایک ہفتہ قبل بھیج چکی تھی۔ ساتھ ساتھ کچھ تصاویر بھی ای میل کر دی تھیں۔ آج اسے ایک کال آئی تھی۔ اور اب وہ صبح سے یہیں اس عمارت میں خوار ہو رہی تھی۔ بالاج کی کال ابھی بند ہوئی تھی۔ دوسری منزل کی راہداری میں بنچ پہ بیٹھی زینیا حاکم نے فون کان سے اتارا تو وہ پریشان لگ رہی تھی۔ اسکی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ دل کو بے اختیار کوئی جکڑنے لگا۔ کچھ برا کچھ بہت برا ہونے کا عندیہ اسے مل چکا تھا۔ وہ اگر کہتی تھی اسے دھوکہ نہیں وجدان ملا کرتا ہے تو شاید غلط نہیں تھی۔ سر ہاتھوں میں گرائے کئی پل وہ بے دھم سی بیٹھی رہی۔ لوگ آجا رہے تھے۔ آس پاس بھانت بھانت کی بولیاں تھیں۔ اعلیٰ لوگ، اونچے عہدیدار، شاہی لباس میں ملبوس لوگ۔ زینیا کو اس وقت کسی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یکدم اسے بوٹوں کی چاپ اپنے قریب محسوس ہوئی۔ پھر وہ چاپ رک گئی۔ اسکی چھٹی حس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے سامنے رک گیا ہے۔ اس نے سر اٹھایا۔ سیاہ ڈریس شرٹ کے ساتھ دھاری دار پینٹ میں ملبوس گھنگریالے بالوں والا شخص آنکھوں پہ گلاسز لگائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کوٹ بازو پہ لٹکا رکھا تھا۔

”   تمھیں یہاں دیکھ کر بلکل اچھا نہیں لگا۔“ وہ گلاسز اتارتے ہوئے محظوظ سا بولا۔

”خیال میرا ابھی کوئی مختلف نہیں ہے۔“ وہ تھکی ہوئی تھی۔ مگر جواب نہ دیتی تو زینیا کیسے کہلاتی۔ قیس نے اشارے سے اپنی ٹیم کو جانے کا کہا۔

”تم کہتی ہو تم سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہو، لینگوئج کلاسز لے رہی ہو۔ اور یہاں نوکری لینے بھی آئی ہو۔ میں تمہاری کس بات پہ یقین کروں۔“

”میں جہاں جہاں جاتی ہوں، تم وہاں وہاں آجاتے ہو۔ پھر کہتے ہو میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں کہ کوئی پہلی نظر میں مجھ سے محبت کرلے۔ میں تمہاری کس بات پہ یقین کروں۔“ قیس نے بے اختیار آس پاس دیکھا تھا۔ وہ کتنی blunt تھی۔

”میں یہاں اپنے کام "**قیسم**" کی وجہ سے آیا ہوں۔“

”ایک فیشن ڈیزائنر کا فوٹو گراف ایجنسی میں کیا کام۔؟“

”صرف ایک فیشن ڈیزائنر ہوتا تو کوئی کام نہ ہوتا ہاں البتہ ایک سی ای او کو یہاں بہت سارا کام ہو سکتا ہے۔ ویٹ تمھیں کیسے پتہ میں کیا کرتا ہوں۔؟“ راہداری میں گزرتے لوگوں سے بے پرواہ وہ دونوں ایک دوسرے کی جرح پہ اتر آئے تھے۔

”بس پتہ چل جاتا ہے۔“ وہ شان سے بولی قیس محظوظ ہوا اور اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھ گیا۔

”کبھی پارک میں میری تصاویر لیتی ہو، کبھی میرے گھر میں گھس جاتی ہو، اور کبھی میرے بارے میں تفصیلات لیتی پھرتی ہو۔ اور پھر تم کہتی ہو تم صرف ایک فوٹو گرافر ہو اسٹالکر نہیں۔“

''کبھی میری گردن پہ بندوق رکھ دیتے ہو، کبھی مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دیتے ہو، اور کبھی پارک میں مجھے تسلی دیتے ہو، پھر ایک ایجنسی میں مجھے دیکھ کر رک جاتے ہو۔ اور پھر کہتے ہو مجھے دیکھ کر تمھیں اچھا نہیں لگا۔ میں تمہاری کس کس بات کا یقین کروں ۔'' وہ ایسی معصومیت سے بولی کہ قیس کو اٹھنا ہی پڑا۔ ایسی blunt لڑکی سے کیا بات کرنا۔ وہ جانے کو مڑا پھر جاتے جاتے رکا۔

''یو نو واٹ میری ہی غلطی تھی جو یہاں۔ رک گیا۔ مجھے لگا تھا تم پریشان ہو۔۔۔۔۔''

''پریشان تو میں ہوں۔ اور مسائل زدہ بھی۔'' اس نے قیس کی بات درمیان میں اچک لی۔

''اور اگر تمھیں لگتا ہے میں تمہاری مدد کروں گا تو تم غلط ہو ہے ناں؟'' وہ استہزائیہ سا ہنسا۔ زینیا نہیں ہنسی بس تھکی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ اب کے قیس کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ آگے بڑھ آیا۔

''کیا وہ لوگ تمھیں دوبارہ کالز کر رہے ہیں۔ کیا وہ تمھارے پیچھے آئے ہیں۔؟'' وہ اسکے قریب بیٹھا رازداری سے پوچھ رہا تھا۔

''تم نے انھیں کیسے ڈیل کیا۔؟'' زینیا نے بات پلٹ دی۔

''میرے اپنے سورسز ہیں۔ **(اسکی آنکھوں کے آگے ماہ جبین کی شبیہہ لہرائی۔)** میں بات کو دفن کرنا جانتا ہوں۔ دشمنی بڑھائی نہیں۔ میں جھک گیا۔ ان کو دگنی رقم ادا کی۔ اور تمہارا نام ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا۔ تم جھکنے والوں میں سے نہیں لگتے۔'' زینیا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہم علاقائی لوگ ہیں۔ روایت نہیں جانتی تم، گھر میں آنے والوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔ دوسرا میں ہرگز نہ جھکتا اگر معملہ میرا ہوتا، لیکن یہاں مجھے یہی مناسب لگا میں چاہتا تھا تم سکون سے رہو۔ اس شہر سے جو لینے آئی ہو وہ لے کر جاؤ۔ کامیابی

،عزت، سب کچھ۔'' وہ ایک پل کو رکا۔ ''پریشان ہونے کو اگر اس کے علاوہ کوئی مسئلہ ہے تو ہوتی رہو۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ زینیا نے سر ایک بار پھر ہاتھوں میں گرالیا۔ اسی پل اسکا فون بجنے لگا تھا۔ اس نے کال اٹینڈ کرلی۔ آواز بیٹھی ہوئی لگتی تھی۔

''اگر آپ کو فرصت مل جائے تو گھر تشریف لے آئیں۔ یہ ہاسٹل افروزہ بیگم کا ہے۔ تمھارے چچا سیمسن، یا پھر والد حاکم صاحب کا نہیں۔'' وہ سخت تپی ہوئی تھی۔ زینیا خاموش رہی۔ وہ بھی تھک چکی تھی حالت سے، پریشانیوں سے۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ دماغ چلاؤ اور حل نکالو۔''

''زہے نصیب، آپ ہمیں کام بھی کہتی ہیں۔ اچھا بتاؤ کیا ہوا ہے؟''

''میری ایک سہیلی ہے۔ اسکے شوہر کو جاب سے نکال دیا ہے۔''

''سہیلی کا شوہر؟ یا تمہارا شوہر اچھا سمجھ گئی تمھارے شوہر کو جاب سے نکال دیا اب آ گئے؟'' وہ سنجیدہ تھی۔ بے حد سنجیدہ۔ زینیا تپ گئی۔ مگر کہنا نہ چھوڑا۔

''سعودی عرب میں آپ کاروبار نہیں کر سکتے آپ کو ایک کفیل چاہیے ہوتا ہے۔ میرے شوہر کا کفیل اس سے کچھ رقم کا تقاضہ کر رہا ہے۔ سب ٹھیک تھا۔ ہمارے پاس دس لاکھ تھے۔ میں چاہتی تھی وہ ان دس لاکھ سے کوئی چھوٹا کاروبار یہیں شروع کردے لیکن ۔'' زینیا نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا راہداریاں خالی ہونے لگی تھی۔ وہ غور سے اسکی بات سن رہی تھی۔

''تمہارا شوہر وہ دس لاکھ ختم کر چکا ہے، ہے ناں۔ ؟اور تم ان پیسوں کے متعلق بات نہیں کرنا چاہتیں کیونکہ ہر مشرقی مرد کی طرح وہ آپے سے باہر ہو جائے گا۔؟'' زینیا نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وہ یہاں نہیں رہنا چاہتا اور باہر جانے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہے۔اس نے مجھے ابھی کال کی ہے۔وہ غلط کاموں میں پھنس رہا ہے۔میں نے اسے ایک ٹریول ایجنٹ سے بات کرتے ہوئے سنا ہے۔وہ غیر قانونی طریقے سے کسی اور ملک جا رہا ہے۔میں اسے اس طرح برباد ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔''

''کیا تم اس سے محبت کرتی ہو۔؟''اس سوال پہ زینیا سوچ میں پڑ گئی۔دل کو ٹٹولا نہیں محبت تو اسے عبداللہ سے بھی نہ رہی تھی۔

''کیا کسی کی فکر کرنے کے لئے اس سے محبت کرنا ضروری ہے۔؟''دوسری طرف چند لمحہ خاموشی چھا گئی۔

''تم اسکی مدد کر سکتی ہو۔تمھیں کرنی چاہئے۔''

''میں۔۔بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''ہر عورت کے پاس تھوڑا بہت زیور ہوتا ہے زینم۔تمھارے پاس تو پھر بھر بھر کر سونا ہے۔''زینیا کے گویا دل پہ گھونسہ پڑا تھا۔زیور اسکا سونا،اسکی ہس زینیا تو اپنا نقلی زیور بھی سانجھ کر رکھتی تھی۔

''اپنا زیور بیچ کر اسے پیسہ دے دو۔اور یاد رکھنا پیسے ہی دینا کیونکہ وہ زیور لینا پسند نہیں کرے گا۔پیسوں کو انکار کرنا مشکل ہوگا۔''زینیا کئی لمحے کچھ کہہ ہی نہ سکی۔وہ شل رہ گئی تھی۔یہ کام۔۔۔۔یہ قربانی کیسے دے سکتی تھی۔دے دیتی اگر شاید سامنے عبداللہ ہوتا۔کیا وہ اس شخص کے لئے اپنا دل بڑا کر سکتی تھی۔؟

''کیا ہوا زینیا حاکم۔کیا سونے سے بہت زیادہ محبت ہے۔؟''

''کون سی عورت کو سونے سے محبت نہیں ہوتی۔'' بدلے میں وہ تلخی سے بولی۔ پھر فون کاٹ دیا۔اور عمارت سے باہر نکل آئی۔ یہ ایک مصروف شاہراہ تھی۔ کئی اونچی اونچی بیلڈنگز سڑک کے سینے پہ کھڑی تھیں۔ زینیا سڑک کے کنارے چل رہی تھی۔ قریب ہی بس اسٹینڈ تھا۔اس کے لئے فیصلہ لینا مشکل تھا مگر۔۔۔اس نے آنکھیں بند کیں۔اس کی آنکھوں کے آگے وہ بالاج تھا جو یونی ورسٹی کے باہر اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے رو رہا تھا۔ زینیا نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔اسے تکلیف ہوئی تھی۔

ایک بار پھر آنکھیں بند کیں۔اس منظر میں وہ بالاج کو کچھ رقم دے رہی تھی۔اور وہ پہلے متفکر ہوا۔ پھر اسے برا لگا۔اور پھر وہ زینیا کو تشکر سے دیکھ رہا تھا۔ اگلے لمحے محبت سے۔ پھر وہ ڈھیر سارا مسکرایا۔ زینیا بند آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ بس خوش۔

''تمھیں لگا تھا تم مجھے دھوکہ دے سکتی ہو زینیا حاکم۔؟'' ایک سرد سی آواز پہ اس نے مڑ کر دیکھا۔اسی لمحے بجلی زور سے کڑکی۔

''تمھیں لگا تھا تم ہاسٹل کے باہر، کھڑے قیس کو بے وقوف بنا سکتی ہو۔ تمھیں کیا لگا تھا میں نے اس فرضی داستان پہ یقین کر لیا تھا۔؟'' آسمان سے کڑکتی بجلی کی روشنی میں اسے وہ لمحہ بھر کو نظر آیا۔ اسکی آنکھوں میں سفاکی تھی۔ وہ سالم موت تھا۔ زینیا کو اپنی سانس رکتا محسوس ہوا۔ بارش یکدم برسنے لگی تھی۔

''میں اس روز بھی مشکوک تھا۔ میں اس روز بھی تم پہ ایمان۔ نہیں لایا تھا۔ لیکن آج۔۔۔'' وہ آگے آیا۔ عین اس کے سامنے۔

''تمھارا بھید کھل چکا ہے زینیا حاکم۔ کیا اب کوئی تمہیں میرے عتاب سے بچا سکتا ہے۔؟'' وہ آنکھوں میں سرد تاثر لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینیا سن رہ گئی۔ بارش نے ان دونوں کو مکمل بھیگا دیا تھا۔

''کیا تمہارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ ہے؟''اس کی آواز میں تلواروں جیسی کاٹ تھی۔زینیا اب بھی ساکن تھی۔

اسکا بھید کھل چکا تھا۔کیا کوئی تھا جو اسے قیس کے عتاب سے بچا لے؟

'' باب ششم:جب بھید کھلے''

جب بھید کھلیں گے ماضی کے

ہوں گے پردے فاش وقت کے قاضی کے

وہ لوگ جو تمہاری آنکھوں نے سفید پوش دیکھے

وہ کہ جو کم عقل،کم ہوش دیکھے

یوں پلٹیں گے وہ وقت کی کایا،پھر دیکھو گے تم چھنتے سایہ

ہو گے پر ملال کیوں کیا ان پہ وقت ہے ضائع؟

کچھ باتیں،کچھ واقعے،کچھ لائے ہیں

کھلیں گے وقت پہ کیونکہ قدرت نے فیصلے کروائے ہیں۔

لوگوں کے راز تو کھولتے ہو، کیوں گناہ نہ اپنے تولتے ہو؟

تم ہو سیاہ سے، سرمئی بھی۔ نہ رنگ پہ اپنے بولتے ہو؟

ہیں بھید سب ہی انسانوں کے۔ گنہگاروں کے نیکوکاروں کے

ہے لاٹھی برستی محض غم کے معاش کے ماروں پہ۔

تم کو لگتا ہے یہ فیصلے ہیں نااہل حاکم کے؟

اونہوں یہ کارنامے ہیں تمھارے اندر کے باطل کے۔

دور حاضر میں شامل جرم ہو تم بھی، میں بھی، یہ بھی۔

جب تلک حق نہ بولو گے۔ یوں ذات اپنی رولو گے۔

ہیں بھید تمھارے کھل چکے، راز دنیا کو سب مل چکے۔

کیسے کرو گے پھر دفاع اپنا۔ کیسے کرو گے سفید سیاہ اپنا۔

یہ بے بس کھوکھلی ہنسی تمہاری ڈالا ہے مجھ کو ورطہ حیرت میں۔

ہاں معلوم ہے رہے ہو، تم سیاہ، سفید ایک زمانے میں۔

جب تم کو ڈراویں خواب تمھارے، جب طاقت ور ہو سامنے عتاب تمھارے۔

پھر نصیحت یہ باندھ لو ساتھ تمھارے۔

ہے انسان سیاہ اور سرمئی بھی۔ کھولو اس کے ماضی کی بساط تمھارے آگے۔

پھر تم ہو حاکم اعلیٰ بھی، پھر جھکے گا تمھارے آگے تخت والا بھی۔

رکھ یقین ہے ایک ماضی بھی، اور ماضی تو پھر بھید بھی، بھید تو پھر سیاہ سفید بھی۔

اور جب بھید کھلتے ہیں ماضی کے، پھر پلٹ جاتے ہیں خانے بازی کے۔

☆☆☆☆☆

''کیا تمھارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ ہے؟'' وہ مزید دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اسکی سیاہ آنکھیں سفاک تھیں۔ زینیا کو آج دوسری دفعہ اس سے خوف آیا تھا۔ برستی بارش میں، خوفناک طوفان کے درمیان وہ ایک طوفان کے سامنے کھڑی تھی۔

''تم نے کہا تھا تمہارا شوہر تم پہ شک کرتا ہے، سعودی عرب میں رہتا ہے، لیکن میں نے کل رات تمہیں اس آدمی کے ساتھ ہاسٹل کے باہر دیکھا تھا۔ یقیناً تمہارا شوہر ہو گا۔ extra marital affairs جیسی لگتی نہیں تم۔''

''ہاؤ ڈیئر یو۔'' وہ غرائی۔

''چلاؤ مت۔'' وہ زینیا سے زیادہ سختی سے بولا تو زینیا نے جبڑے بھینچ لئے۔ اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھی۔ ''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تمہارا شوہر سعودی عرب میں ہوتا ہے اور۔۔۔۔''

''تمہیں میرے پرسنلز میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، قیس کمبیر؟'' زینیا نے درشتی سے اسکی بات کاٹی۔ قیس دو قدم آگے آیا ،زینیا نے قدم پیچھے لئے۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ زینیا کے چہرے پہ بالوں کی موٹی موٹی لٹیں چپک کر رہ گئی تھیں۔

''مجھے تمہارے پرسنلز میں کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ کوئی پہلی نظر میں تم پہ دیوانہ ہو جائے اور پھر تمھارے شوہر کا پتہ لگاتا پھرے لیکن مس اسٹالکر۔'' وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا زینیا پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔ ''کل رات جب تم سے ملنے کے بعد جب وہ گلی میں واپس مڑا تو جانتی ہو وہ کس کی گاڑی میں بیٹھا تھا؟'' زینیا اچنبے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ گیلے چہرے کے ساتھ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں نے اسے دیکھا اس آدمی کے ساتھ جس نے تمھیں اس دن پارک میں کال کی تھی۔ میں ان لوگوں سے مل چکا ہوں۔ میں نے ان کے چہرے دیکھے تھے۔ اور قیس چہرے نہیں بھولتا۔'' زینیا ساکن رہ گئی۔ قیس کہتا رہا۔

''مجھے لگا تھا تم معصوم ہو۔ مجھے لگا تھا تم مصیبت زدہ ہو۔ لیکن تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ تم اور تمہارا شوہر ایک گروہ ہو۔ تم نے میرے جذبات استعمال کر کے مجھ سے پیسے بٹورے ہیں۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں معاف کر دوں گا؟'' اسکے گلے سے آوازیں غراہٹ کی صورت باہر آتی تھیں۔ وہ دونوں اب چھجے کے نیچے تھے۔ زینیا آہستگی سے قریب ہی رکھی سنگی بنچ پہ بیٹھ گئی۔ سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے اپنے پیروں سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔

''تمہیں حساب دینا ہوگا۔ میں قبر سے نکال کر بھی حساب لوں گا۔ تم اور تمہارا شوہر تمہیں کیا لگا تھا تم مجھے دھوکہ دے سکتی ہو۔ خدا کی قسم میں۔۔۔''

''کیا تم تھوڑی دیر کے لئے اپنی بکواس بند نہیں کر سکتے۔ فار گاڈ سیک میں پریشان ہوں۔'' وہ پوری قوت سے چلائی۔ آنکھیں بھر گئیں۔ جسم لرزنے لگا۔ اس کا غصہ ایسا ہی تھا۔

''میرا شوہر غلط کاموں میں پڑ گیا ہے۔ وہ غیر قانونی طریقوں سے ملک سے باہر جا رہا ہے۔ اسکی نوکری چھن گئی۔ میرے پاس اسے دینے کو پیسے نہیں۔ اور یہاں تم۔۔۔ تمہاری بکواس ختم نہیں ہو رہی۔ چپ ہو جاؤ پلیز چپ ہو جاؤ خدا کے لئے۔'' اس کی آنکھیں بری طرح برس رہی تھیں۔ آواز بلند سے بلند، چند راہ گیروں نے اسے پلٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ قیس لب بھینچے چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

''سمجھتے کیا ہو تم خود کو ہاں۔ عقل کل ہو تم کیا ہو کیا تم۔ مسیحا سے زیادہ نائٹ میئر بن گئے ہو تم۔'' چہرہ گیلا اور اب آواز بھی لرزش کا شکار تھی۔

''جب سے تم نے میری مدد کی ہے خوف زدہ ہو گئی ہوں میں کہ اب آخر کب آؤ گے تم مجھ سے بدلہ مانگنے۔ ایک رات، ایک رات بھی سکون سے سو نہیں سکی میں۔ ایک رات بھی تمہاری مسیحائی پہ ایمان نہیں آیا مجھے۔ میں۔۔ میں۔۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ یہ آج کے آنسو نہیں تھے۔ یہ عبداللہ کے نہ آنے کا دکھ تھا۔ یہ آواز آج بلند نہیں ہوئی تھی۔ یہ بالاج کی بے رخی کا غم تھا۔ یوں بیچ سڑک پہ اس نے آج ہمت نہیں کھوئی تھی، یہ حوصلے کب کے ٹوٹ چکے تھے۔ آتش فشاں تھا جو پھٹ چکا تھا۔ اسکے الفاظ بے ربط ہو گئے تھے اور بالآخر ڈھیٹ زینیا حاکم رو پڑی تھی۔ قیس چند لمحے سخت

نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔اس کا دل نرم نہیں پڑا تھا۔ مگر وہ دوسری طرف کی کہانی سننا چاہ رہا تھا۔ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا ۔متاثر کن۔

وہ اگلے کئی لمحے یونہی روتی رہی با آواز بلند، وقفے وقفے سے وہ اسے کوستی بھی تھی۔ جس کا قیس پہ خاطر خواہ اثر نہ ہوتا تھا۔ کئی منٹ بعد اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔ دل پہ پڑا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔اب کے شدت سے احساس ہوا وہ غلطی کر بیٹھی تھی۔ کسی کے سامنے رو کر وہ بہت بڑی غلطی کر بیٹھی تھی۔ قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مڑ گیا۔اس کی گاڑی قریب ہی کھڑی تھی۔ چند لمحہ بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی پانی کی بوتل تھی۔اس نے بغیر کچھ کہے پانی کی بوتل اسکی طرف بڑھائی زینیا نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

’’پی لو تمہیں ضرورت ہے۔‘‘ کوشش کے باوجود وہ نرمی سے نہ کہہ سکا۔ سخت نفرت تھی اسے عورتوں سے۔

’’تا کہ تم مجھے طعنے دینا شروع کر دو کہ تم نے مجھے پانی پلایا۔ جہنم میں جاؤ اپنے پانی سمیت۔‘‘ اسکی آواز زکام زدہ تھی۔

’’میں تمہارے آنسو دیکھ کر پگھلنے والا نہیں ہوں مس اسٹالکر۔اپنا ڈرامہ بند کرو اور مجھے جواب دو۔ تم اور تمہارا شوہر مجھ سے پیسے بٹور رہے تھے؟‘‘ زینیا نے سرخ گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔اسکی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

’’مجھے لکچرمت دو سچ بتاؤ مجھے صرف سچ۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولنا کیوں ضروری سمجھا۔‘‘ زینیا رخ موڑ گئی۔

’’میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔‘‘

’’I don't believe you‘‘ قیس طنز کر رہا تھا۔

" I don't need to prove you"

زینیا کا لہجہ مستحکم تھا۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے موبائل پہ چند بٹن دبائے۔ ایک ریکارڈنگ چلنے لگی۔ یہ کسی کی کال ریکارڈنگ تھی۔ بلکہ یہ کچھ دیر قبل زینیا کی شیزل سے ہونے والی گفتگو کی ریکارڈنگ تھی۔

''مجھے لگتا ہے وہ کچھ غلط کر رہا ہے۔'' آگے سے شیزل کچھ کہہ رہی تھی، شاید کوئی صلاح، کوئی مشورہ تھا وہ سن رہی تھی۔ وہ آگے کچھ کہہ پاتی کہ زینیا نے ریکارڈنگ بند کر دی۔

''مجھ پہ نہ سہی، اپنی دوست شیزل سیمسن پہ تو یقین ہوگا ناں؟ تم نے سن لیا وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کیا اب میں کلئیر ہوں؟'' قیس اچھنبے سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جیب سے موبائل نکالا ساتھ ساتھ گویا بڑبڑا رہا ہو۔

''تم ملکہ کی روم میٹ ہو؟'' زینیا تک اس کی آواز نہ جا سکی رابطہ مل گیا تھا۔ اس نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔

''ملکہ مجھے کچھ معلومات چاہیے۔'' وہ زینیا سے ذرا دور آ گیا۔ دوسری طرف اپنے کمرے میں بیڈ پہ لیٹی نئی anime دیکھتی شیزل بھرپور مسکرائی تھی۔ ہاں البتہ دوسری طرف محسوس نہ ہونے دیا۔

''لوسفر کام نہیں یہ کہو کہ آج مجھے کسی کے سیاہ چٹھے کھولنے ہیں۔ پارٹنر درکار ہے۔'' دوسری جانب وہ اسکی وائبز سے بھرپور محظوظ ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھار بارش میں کھڑا شخص اس وقت محظوظ ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''تمہاری روم میٹ کیسی لڑکی ہے۔ یعنی کیا وہ کسی کو دھوکہ دے سکتی ہے۔''

''یوں تو وہ اپنے باپ کی بھی سگی نہیں۔ لیکن تم سید ھا مدعے پہ آؤ پوچھنا کیا ہے۔'' وہ آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ لیپ ٹاپ گود میں ،فون کان سے لگا رکھا تھا۔

''کیا وہ reliable عورت ہے۔ یعنی کیا اس پہ یقین کیا جاسکتا ہے؟'' قیس ہاتھ سے ماتھے کو چھوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ دوسری جانب گہری سانس لی گئی۔

''میں باتیں یہاں سے وہاں نہیں لگاتی، قیس۔ میں اس لڑکی کو جانتی ہوں وہ اچھی نہیں ہے مگر بری بھی نہیں۔ اور اگر بری ہے تو لوگوں کے لئے نہیں۔ وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتی۔ کسی سے کھیل نہیں سکتی۔ تم میری گارنٹی لے سکتے ہو۔'' قیس نے گہری سانس لی۔ مڑ کر بینچ پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ اسکی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔ ناک سرخ، اور چہرہ رویا رویا۔

''وہ بری نہیں ہے۔ بس اسکا ماضی، اس کے ماضی میں کچھ ٹر گرنگ پوائنٹس ہیں۔ اور کبھی کبھی اس کا ماضی اس پہ حاوی ہو جاتا ہے۔''

''کیا ہوا تھا اس کے ماضی میں۔ اسکا شر دیکھ کر لگتا نہیں اس کے ساتھ کچھ ہو سکتا ہے۔''

“ evil isn't born it's made”

شیزل کی ایک سطر نے اسے آسمان پہ زمین پہ لا کر پٹخ دیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے بالکل ٹھہر گیا۔

''جو تمہارا ماضی ہے، وہی اس کا بھی ہے۔ شہر تمہارے ساتھ ظالم رہا تھا، اس کے ساتھ بھی بننے کی کوشش کی۔''

''اور اس کے لئے مسیحا آگیا؟'' قیس نے کسی جادوئی لمحے کے زیر اثر اس کی بات مکمل کی۔ چند پل دونوں طرف سے خاموشی رہی ۔ بینچ پہ بیٹھی لڑکی خاموشی سے آتے جاتے راہ گیر، گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔ اسی لمحے قیس نے ہلکی آواز میں کچھ پوچھا تھا۔

''اور اگر مجھے اس کے بارے میں کچھ ایسا معلوم ہو جائے جو مجھے اس کے حوالے سے مشکوک کر دے تو؟'' کمبخت کو کتنی عدم یقینی تھی۔

''پھر سمجھ جانا کہ اسے ٹریپ کیا گیا ہے، یا پھر حالات اس کے خلاف ہونے لگے ہیں۔ جس معملے میں تم نے اسکی مدد کی ہے وہ اس میں بے قصور ہے۔ کرسٹل کلئیر۔'' وہ بولتے بولتے ایک پل کو رکی۔ دل، دماغ نے اسے ایسا کرنے سے روکا مگر زینیا حاکم وہ لڑکی تھی جس کے لئے شیزل کو extra ordinary efforts کر کے خوشی ہوتی تھی۔

''میں اس کی ذمہ داری لیتی ہوں۔ جس طرح تم مجھ پہ بھروسہ کرتے ہو، اسی طرح زینیا پہ بھی کر سکتے ہو۔'' قیس کا دل ہلکا ہو گیا ،ہوا سے بھی ہلکا۔ وہ کم انسانوں پہ اعتبار کرتا تھا۔ مگر جن پہ کرتا تھا۔ مکمل کرتا تھا۔

وہ دنیا کی نظر میں مکروہ تھا۔ برا تھا، شیطان تھا۔ لیکن اس کا ایک کمزور حصہ تھا وہ کچھ لوگوں پہ یقین کر لیتا تھا، اندھا یقین۔ وہ محبت کے دلاسے میں آجایا کرتا تھا۔ وہ بس چٹانوں جیسا دکھتا تھا، دور اندر کہیں وہ موم تھا۔ اور اس وقت پگھل چکا تھا۔ واپس بنچ کی طرف جاتے ہوئے وہ پیشمان تھا۔ مگر ظاہر نہیں کیا۔ وہ بنچ پہ اس کے قریب جا کر بیٹھا۔ پانی کی بوتل ایک مرتبہ پھر اسکی جانب بڑھائی۔

''تم نے میرے سامنے ایسی صورتحال پیدا کر دی تھی کہ مجھے ایسا شدید رد عمل دینا پڑا۔'' جی جی جناب قیس صاحب سے تو کبھی غلطی ہوتی ہی نہیں۔ چند پل رک کر جواب کا انتظار کیا۔ مگر جواب ندارد۔

''آؤ تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زینیا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسی پل بس آ کر رکی۔

''تم مشکل آدمی ہو، قیس۔ ایک پل میں آسمان پہ بٹھا دیتے ہو، اور اگلے ہی پل زمین پہ لا کر پٹخ دیتے ہو۔ اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں بلندیوں کی راہی ہوں۔'' مضبوط مستحکم لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بیگ کندھے پہ درست کیا۔ اسکی پانی کی بوتل جھک کر بنچ پہ رکھی اور چھجے تلے نکل کر بس کی طرف بڑھ گئی۔ قیس دھیرے دھیرے سے اس بنچ پہ بیٹھتا چلا گیا۔

ماضی کے ٹراماز نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ جذبات بھرنے کی کوشش کرتا تھا، اور اور ٹراماز کا ناگ ان تمام خواہشوں اور جذباتوں کو ڈس دیتا تھا۔ کئی پل اسلام آباد کی ہوائیں اس کے سنگ سوگوار رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

گوادر پہ آج نم ہواؤں کا راج تھا۔ بارش آج تڑاتڑ برس رہی تھی۔ حاکم نواب کے گھر میں آج پکوڑوں کی خوشبو اور چائے کی مہک تھی۔ برامدہ پار کرتے ہوئے کونج حاکم کے کمرے میں آؤ تو وہ پلنگ پہ ایک ٹانگ لٹکائے، اور ایک کو موڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے امینہ بیگم بیٹھی تھیں۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وجہ؟ وجہ کونج کی طرف پیٹھ کئے بیٹھی امینہ تھیں۔ انکی کمر سے کپڑا ہٹا ہوا تھا جہاں بیلٹ سے مارے جانے کے زخم تھے۔ نشان نیلے ہونے چاہیے تھے، مگر سرخ تھے۔ یوں گویا جسم کا گوشت باہر نکل رہا ہو۔ مرہم لگاتی کونج کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اپنی ماں کی تذلیل ہوتے دیکھنا، اس کے زخم دیکھنا، ایک الگ تکلیف تھی۔ اور اگر یہ تکلیف دینے والا آپ کا اپنا باپ ہو تو پھر یہ ناسور تھا۔ جن بچوں نے گھریلو تشدد کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہو گا، یہ تکلیف ان کے لئے شناسا ہو گی۔

انگلی کے پوروں پہ ٹیوب لگاتے ہوئے وہ زخم کے قریب لے گئی۔ آنکھیں زور سے بند کرلیں چند آنسو ٹوٹ کر گرے۔ زخم سے انگلی جونہی مس ہوئی۔ کونج بے اختیار پیچھے ہو بیٹھی۔ زور زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بری طرح رونے لگی تھی۔ اماں نے خاموشی سے ٹیوب اس کے ہاتھ سے بڑھا کر لے لی۔ اگلے چند پلوں میں وہ بامشکل ہی سہی مگر خود ہی ٹیوب اپنے زخم پہ لگانے لگی تھیں۔ ہر احساس سے عاری ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر چلی گئیں تو کونج دادی کے کمرے میں آگئی۔ بستر پہ ان کے قریب لیٹتے ہوئے اسکا لہجہ مدھم تھا۔

''دادی مرد ہاتھ کیوں اٹھاتا ہے؟''

''جس مرد کا ظرف بیٹھ جاتا ہے، اسکا ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ جس مرد کے اندر انسانیت مر جاتی ہے، وہ پھر اپنی عورت کو مارنے لگتا ہے۔'' وہ رکیں الفاظ جمع کیئے۔ ''جس کسی کو لگتا ہے کہ مرد غصے، طاقت، اور انا کی وجہ سے مار رہا ہے وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ غصہ تو مرد کو اپنے مالک پہ بھی آتا ہے۔ اسے کیوں نہیں مارتا۔ طاقت میں تو اپنی ماں سے بھی زیادہ ہے اسے کیوں نہیں مارتا؟ انا تو باپ کے طعنے پہ بھی جاگتی ہے اسے کیوں نہیں مارتا؟'' کونج سن سی ہوگئی تھی۔ اس نے آج تک کسی مرد کے عورت پہ ہاتھ اٹھانے کی ایسی وجہ نہیں سنی تھی۔

''مرد پھر بیوی کو ہی کیوں مارتا ہے دادی؟''

''ہر مرد نہیں مارتا۔ مرد کے نام پہ کچھ نامرد ہوتے ہیں۔ جیسے بھیڑوں کے جھنڈ میں بھیڑیے۔انہوں نے کبھی دین کو پڑھا ہی نہیں ہوتا۔اور اگر پڑھا ہوتا ہے تو اپنے مقصد کے لئے۔ایسے مرد منافق ہوتے ہیں۔فاسق اور دوغلے۔اگر یہ لوگ دین کو سمجھ کر پڑھنے لگ جائیں تو پھر کوئی مرد اپنی بیوی پہ ہاتھ نہ اٹھائے۔''

''لیکن دین تو کہتا ہے کہ اپنی بیوی کو مارو۔جب بیوی حد سے تجاوز کرنے لگے، تمہاری اطاعت نہ کرے۔''کونج کو اختلاف یاد آیا۔

''یوں تو دین نے یہ بھی کہا ہے کہ خون کا بدلہ خون۔مگر معاف کرنے والا اللہ کی نظر میں معتبر ہے۔دین نے تو شادی کو سنت کہا ہے ناں؟ لیکن ہم شادی فرض سمجھ کر کرتے ہیں۔پھر نباہ کرتے وقت سنت کیوں بھول جاتے ہیں؟ کیا نبی کریم نے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امہات المومنین میں سے کبھی کسی پہ ہاتھ اٹھایا تھا؟ اب یہاں ہر مرد کہے گا ہم اتنے افضل نہیں۔پھر شادی کرتے وقت انکی سنت پہ عمل کرتے ہوئے افضل کیسے بن جاتے ہو؟ بیوی کو مارنا نہ سنت ہے نہ فرض۔دین نے حد سے گزر جانے والوں کے لئے بس ایک احتیاطی تدابیر دی ہیں۔اور کچھ مرد اسکا غلط فائدہ اٹھانے لگ جاتے ہیں۔دین کہتا ہے عورت کو تب مارو جب وہ نافرمانی کرے یا بدکرداری پہ اتر آئے۔تب بھی مارنا شروعات نہیں۔پہلے اسے زبان سے سمجھاؤ، پھر بستر الگ کرو اور پھر بھی اگر وہ نہ سمجھے تو صرف اتنا مارو کہ اسکے جسم یا چہرے پہ کوئی نشان نہ آئے۔''لہجہ مدبرانہ تھا۔''عورت فطرتاً حساس ہوتی ہے وہ شوہر کی طرف سے ایسی بے رخی برداشت ہی نہیں کرسکتی۔مارنا تو ایک حد ہے، لیکن ہمارے مرد شروعات ہی یہیں سے کرتے ہیں۔''

''مرد دین کو ہمیشہ اپنے حق میں استعمال کرتا ہے کیا؟''

"صرف مرد نہیں عورت بھی ایسا کرتی ہے۔ دین کہتا ہے اگر تمہاری بہو، بیوی الگ گھر میں رہنا چاہے تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ اگر وہ شوہر کے ماں باپ کی خدمت نہ کرنا چاہے تو اس پہ کوئی جبر نہیں۔ عورتیں یہ بات تب استعمال کرتی ہیں جب اپنے سسرال جاتی ہیں۔ اپنی بہو، اپنی بھابی کے وقت وہ اس بات کو **"بٹوارہ"** کہتی ہیں۔ گھر توڑنا کہتی ہیں۔ اس وقت دنیا میں ہر انسان، ہر مرد عورت دین کو جیسے چاہتا ہے استعمال کر رہا ہے۔ اپنی مرضی کی باتیں نکال لیں، باقیوں کو **"وہ زمانہ الگ تھا اب وہ وقت گزر گیا "** کہہ کر نظر انداز کر رہا ہے۔"

"اگر بہو، بیوی الگ رہنا چاہتی ہیں تو اس میں غلط ہی کیا ہے کر دو ناں الگ۔ جب دین بھی یہی کہتا ہے۔" کونج کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا دادی کا ہاتھ رک گیا۔ یکدم اپنے بیٹے، حویلی، گھر بار یاد آیا۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔

"الگ رہنا ایک بار پھر ایک **"حل"** ہے۔ کیونکہ اسلام میں طلاق جائز کاموں میں سب سے ناپسندیدہ عمل ہے۔، سو اسے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ گھر میں ساس سسر سے ان بن ہے تو الگ کر دو۔ دیورانی، جٹھانی سے کھانے پینے کا جھگڑا ہے تو چولہا الگ کر دو۔ اور اگر پھر بھی شادی اچھی نہیں چل رہی ایسا لگتا ہے کہ اب نباہ نہیں ہے تو پہلے ایک طلاق دو، پھر رجوع کا وقت لو اس وقت میں دیکھو جانچو کہ کیا ایک دوسرے کے بغیر گزارہ ممکن ہے۔؟ اور اگر لگے گزارہ نہیں تو رجوع کر لو، ورنہ ایک اور طلاق دے دو۔ اسلام نے ہمیشہ لوگوں کی بہتری چاہی ہے۔ حل نکالے ہیں۔ تین طلاق تو بے حد ناپسندیدہ عمل ہے۔ جسے ہم جائز کے نام پہ دہرائے جا رہے ہیں۔ دین کہتا ہے دو جوڑوں کا الگ الگ چھت کے نیچے رہنا ہی بہتر ہے لیکن ہم نے دین کو کب سمجھا ہے؟"

انکی بات کونج کے دل کو لگی تھی۔کاش زینیا بھی دادی کی طرح سمجھاتیں۔یا پھر کاش وہ دادی کو اپنے دوسرے مسائل بھی سمجھا پاتی۔افففف۔۔یہ جنریشن گیپ۔

کافی دیر پھر ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔دونوں کو اپنے اپنے غم تھے۔دادی سے انکا بھرا پرا گھر بار چھوٹا تھا،اور کونج کے سامنے اب تک اماں کے زخم تھے۔

''مرد کو مارنے سے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں دادی؟''اسکی آواز ہلکی تھی۔اور بھرائی ہوئی بھی۔

''مرد نہیں مارتا نامرد مارتا ہے۔اور ایسے نامردوں کے لئے کسی ایک کو مرد بننا پڑتا ہے جو اس کا ہاتھ روک سکے۔یا پھر عورت کو عورت بننا پڑتا ہے۔''

''عورت،عورت کیسے بنتی ہے دادی۔؟''

''جب وہ اللہ کا نام لے کر،دین کے دیئے ہوئے حق استعمال کرتی ہے۔طلاق بے شک ایک بری شادی کا حل نہیں۔لیکن طلاق کئی بار آزادی ہے۔وہ آزادی جو دین نے دے رکھی ہے۔''کونج اس بات سے اتفاق نہیں رکھتی تھی۔طلاق قید تھی۔معاشرے کے طنز کی،ہر اٹھتی بری نظر کی۔طلاق کرس تھی۔کم از کم حالیہ دور میں تو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

براق حنیف کا آفس ایک خوشگوار تاثر چھوڑتا تھا۔آسمانی دیواروں والا آفس،وسط میں رکھی میز اور اس کے پیچھے illusion art یوں لگتا تھا جیسے آپ کے عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہو۔سامنے والی دیوار پہ مختلف عربی کیلیگرافیز ٹنگی تھیں۔اور ایک جانب

کتابوں کا ریک۔ جتنا شاہانہ اس کا آفس تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا آدھا عرب پیسے خرچ کرنے کے معملے میں کنجوس نہیں ہے۔ دفتعاً اسکی میز پہ رکھا ٹیلی فون بجنے لگا، وہ جو منہمک سا کام کر رہا تھا، جی بھر کر بدمزہ ہوا۔ پھر فون اٹھالیا۔ دوسری طرف اسکی سیکریٹری شاکرہ تھی۔

"سر مس شیزل سیمسن جن کو آپ کے نئے آفس کے انٹیریئر ڈیزائن کے لئے مقرر کیا تھا۔۔۔۔۔"

"شاکرہ اللہ کا واسطہ ہے کام کی بات پہ آؤ۔" وہ جھلایا۔

"سر وہ استعفیٰ دینا چاہتی ہیں۔ لیکن انہوں نے کہا ہے کہ وہ استعفیٰ آپ کے منہ پہ مارے بغیر نہیں جائیں گی۔" لو جی کر دی اس نے مختصر۔ براق کے کان تک سرخ ہونے لگے۔

"اسے میرے آفس میں بھیجو۔"

حکم سنا کر اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ ویسٹ کوٹ اتار کر اسٹینڈ پہ رکھا۔ اور جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا ۔ دروازہ کھلا اور وہ دراز قد لڑکی بغیر دستک دیئے اندر آئی۔ بھورے رنگ کی لمبی قمیص، کھلا ٹراؤزر، بالوں کی اونچی پونی، کندھے پہ ٹنگا قارونی خزانے والا بیگ اور آنکھوں میں تپش۔ شیزل سیمسن تمھارے سامنے ہے۔ براق اسے دیکھ کر تھم گیا۔ قدم تھمے کہ دل وہ اندازہ نہ کر سکا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

شیزل کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ ہاتھ میں لفافہ لہرا رہا تھا۔ براق اسے دیکھ کر پر تپش سا مسکرایا۔

''کہا تھا ناں، شیزل سیمسن تمہارے اندر یہاں جاب کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' بساط الٹ گئی، شیزل کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی تھی۔ ''میں نے تم سے کہا تھا، شیزل میں نے کہا تھا تمہاری اتنی اوقات نہیں ہے کہ تم یہاں کام کر سکو۔'' وہ فاتح لگتا تھا۔ شیزل کے دل کو بری طرح کچھ ہوا تھا۔ یعنی براق حنیف نے ایک بار پھر اسے استعمال کیا۔ پہلی بار اس کے جذبات کو، اور اس بار اس کے غصے اور نفرت کو۔ ہاں وہ اعتراف نہیں کرے گی مگر اسکا دل دکھا تھا۔

''پھر مار وا استعفیٰ میرے منہ پہ۔ تاکہ میں سرخرو ہو سکوں۔ اور کہہ سکوں کہ شیزل کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور یہی لمحہ تھا جب شیزل کا دماغ الٹ چکا تھا۔ براق اسے دیکھتے ہوئے اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ شیزل بھی اسی کو دیکھتے ہوئے آئی اور کرسی کھینچ کر ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ گدھا مجھے فائر کیوں نہیں کرتا۔'' وہ بظاہر مسکرا رہی تھی، مگر دور اندر کہیں وہ بل کھا کر رہ گئی۔

''یہ بی بی منہ سے کچھ پھوٹتی کیوں نہیں؟ او نہوں میں اسے فائر کر کر کمزور نہیں کہلواؤں گا۔'' پختہ عزم۔

''اگر اسے لگ رہا ہے میں استعفیٰ دوں گی اور بعد میں یہ سب کو کہتا پھرے گا، شیزل پروفیشنل نہیں ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہے۔'' دونوں کے شیطانی دماغ مختلف منصوبے بنا رہے تھے۔ شیزل نے کچھ سخت کہنے کو منہ کھولا، براق نے کچھ دل جلا دینے والا کہنا چاہا لیکن اسی لمحے شیزل نے براق کی کلائی میں ایک پتلی سی چین دیکھی۔ جس کا اصل رنگ خراب ہو چکا تھا۔ معیاری تو وہ یوں بھی نہ تھی۔ شیزل پلک جھپکے بغیر اسکی کلائی میں پڑی چین دیکھ رہی تھی۔ براق کی نظر اس کے بیگ سے لٹکتی کی چین پہ

تھیں۔ دونوں کے تاثرات بدلے، قبولیت کا دور ختم ہوا، دوستی یاد آئی، حقیقت نے رنگ بدلے، حال نے ان انسانوں کو ماضی میں جا کر پٹخا۔ اور اب بھید کھلنے کا وقت تھا۔

''اس روز تم نے جو کچھ کیا تھا، کیا اس کے بعد تمہیں یہ پہننے کا حق ہے؟'' وہ اس کی کلائی کو زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ''میں وہ وقت نہیں بھولی براق۔۔۔ نہ میں تمھیں بھولنے دوں گی۔''

اسلام آباد کے ایک بہت بڑے کالج کا میدان اس وقت خالی تھا۔ یہ شاہانہ کالج، بھاری فیس بھرنے والوں، اور لمبی بڑی گاڑیوں میں آنے والے بچوں کے لئے تھا۔ میدان کی گھاس پہ ایک طرف رکھی سنگی بنچ پہ اس وقت شیزل سیمسن بیٹھی تھی۔ گردن جھکا رکھی تھی۔ اور نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اسکی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

لمبے سیاہ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ یہ کلاسز کا وقت تھا، اور اسے سزا کے طور پہ کلاس سے باہر کیا گیا تھا۔ وجہ تھی اسکی غائب دماغی۔ وہ روتی نہیں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے رونا کمزوری لگتا تھا، بس آنکھیں ہی نہ بھرتی تھیں تو کیا کرے۔ وہ بے حس تھی، شاید ظالم بھی۔ اسے یوں گردن جھکائے بیٹھے دیکھ کوئی تھا جو اسکی طرف بڑھا تھا۔ اسکی رنگت سانولی تھی۔ نقوش پر کشش۔ وہ پریشانی سے اس کے قریب آکر بیٹھا۔ کندھے سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

''کلاس سے نکالے جانا اتنی بڑی بات نہیں جو تم اس طرح بیٹھی ہو۔'' اسکا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔ شیزل نے جواب نہیں دیا۔

''کہیں بریک اپ وغیرہ تو نہیں ہو گیا۔؟''

''شٹ اپ فضول انسان۔''

''آہ شکر ہے، ورنہ ایک ٹوٹے دل والی لڑکی کے ساتھ گزارہ مشکل ہو جاتا۔''اس نے سکھ کا سانس لیا۔

''کیا تم تھوڑی دیر کے لئے اپنی بکواس بند نہیں کر سکتے۔؟''براق نے اس کے تنے ہوئے تاثرات دیکھے پھر اٹھ کھڑا ہوا۔وہ جانے کو مڑا جب شیزل نے اسے پکارا۔

''براق۔۔۔۔''وہ مڑا تھا۔''کل میں نے ایک آرٹیکل پڑھا تھا۔''اس نے گلا تر کیا الفاظ جمع کیئے۔

''ایک لڑکی تھی۔اس کے ماں باپ آپس میں بہت لڑتے تھے۔اس کے گھر کا ماحول ٹاکسک تھا۔پھر اس کے گھر والوں نے اسے بورڈنگ اسکول بھیج دیا۔''براق اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔''اس لڑکی کو بورڈنگ میں کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر ایک دن وہ وہاں سیٹ ہو گئی۔اسکول ختم کالج شروع لیکن وہ گھر نہیں گئی۔اس کا باپ بیمار ہو گیا۔اسے گھر سے کالز کر کے بلایا جانے لگا لیکن وہ ہر بار انکار کرتی رہی۔''

''ظاہر ہے وہ اپنے باپ سے نفرت کرتی ہو گی۔''براق نے قیاس لگایا۔

''وہ اپنے باپ سے نفرت نہیں کرتی تھی۔''شیزل نے وثوق سے کہا۔وہ رکی گہری سانس لی۔''وہ لڑکی اپنے گھر واپس نہیں گئی اور اس کا باپ مر گیا۔تمھیں کیا لگتا ہے اس لڑکی کو کیا کرنا چاہیے تھا۔؟''وہ اس سے نظریں ملانے سے احتراز برت رہی تھی۔براق نے کندھے اچکائے۔بے وقوف آدمی۔

''اس لڑکی کو اپنے باپ کو معاف کر دینا چاہیے تھا۔اتنی نفرت۔۔۔۔۔''

''وہ اپنے باپ سے نفرت نہیں کرتی تھی۔''یکدم وہ پوری قوت سے چلائی۔آنکھیں بھر گئیں۔''وہ خوف زدہ تھی۔اسے لگتا تھا اگر وہ واپس جائے گی تو اپنے باپ کو ہرٹ کردے گی۔''آنسو بری طرح اسکی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

''فنگس۔۔تم رو رہی ہو۔؟ادھر دیکھو۔مجھے دیکھو کیا ہوا ہے۔؟سر نعیم نے تمہیں نکال دیا اس لئے رو رہی ہو۔''وہ فکر مند سا استفسار کر رہا تھا۔

''فار گاڈ سیک کچھ کہو پلیز۔''شیزل نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔براق حنیف کے دل کو کچھ ہوا تھا۔اس نے نرمی سے شیزل کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے،اس کے بال چہرے سے ہٹائے۔

''کیا ہوا ہے شیزل۔؟تم مجھ پہ بھروسہ کر سکتی ہو۔'' اس کی آنکھوں کا مان،وہ نرمی،وہ معتبر لہجہ شیزل نرم پڑ گئی۔

''ایک ہفتہ پہلے میرے بابا مر گئے براق۔''اسکا گلا بیٹھا ہوا تھا،آواز بھاری۔''میرے بابا اور میرے درمیان بہت سارے اختلاف تھے،ہمیشہ سے۔میرا گھر ایک قید خانہ تھا۔جہاں میرے ماں باپ ہمیشہ لڑتے تھے،اور جب آپس میں لڑ کر تھک جاتے تو انکا بس ہم پہ چلتا تھا۔''وہ گردن جھکائے زکام زدہ آواز میں کہہ رہی تھی۔براق سنے گیا۔''کچھ عرصہ پہلے انہوں نے مجھے اور میری بہن کو بورڈنگ اسکول میں ڈال دیا تھا۔میں خوش نہیں تھی۔لیکن اداس بھی نہیں تھی۔''وہ سانس لینے کو رکی۔آنکھیں ہنوز نیر بہا رہی تھیں۔

''اسکول کے چھ سال اور کالج کے دو سال میں کبھی گھر نہیں گئی۔مجھے میرے باپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا۔مجھے میری ماں سے نفرت تھی۔میں ان دونوں کو سزا دینا چاہتی تھی۔براق یہ میرا قصور نہیں تھا۔وہ دونوں مجھے اس اسٹیج پہ لائے۔دو ماہ قبل مجھے

میری ماں کا فون آیا تھا۔'' وہ بولتے ہوئے چپ ہو گئی۔ دل کو دھکا سا لگا تھا۔ آواز حلق میں اٹک گئی۔ کافی دیر تک وہ کچھ نہ بولی، بس روتی رہی اور براق یونہی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے بیٹھا رہا۔ یعنی وہ اتنا بھی بے وقوف نہیں تھا۔

''ابا بیمار تھے، براق۔۔۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ اماں نے کہا تھا آ جاؤ۔ ابا رو رو کر مجھے بلاتے تھے، لیکن میں، میں نہیں گئی۔ میں کیوں نہیں گئی۔ میں کیوں نہیں گئی۔؟ میرا باپ مجھے بلاتا رہا اور میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور پھر وہ چلے گئے۔ ابا مر گئے، اور میں انکو آخری بار دیکھ بھی نہ سکی کیونکہ مجھے لگا تھا مجھے دوبارہ بلایا جائے گا میں نے ان کی کالز نہیں لیں۔'' ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ شیزل کو لگا تھا اب براق اس کے ہاتھوں کو جھٹک دے گے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

''میں بہت بری ہوں بہت بری۔ میں نے اپنے باپ کو وقت سے پہلے مار دیا۔ میرے بہن بھائی مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ میں، میں کہاں جاؤں۔۔۔ یا اللہ میں نے یہ کیا کر دیا۔'' اس نے براق کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال لئے تھے، اور اب سر کو ہاتھوں میں گرائے رو رہی تھی۔ وہ کافی دیر خاموشی سے بیٹھا رہا جب وہ روتے ہوئے تھک چکی تب براق نے چند الفاظ کہے تھے۔

''شیزل۔ میں براق حنیف تمہارا دشمن ہوں لیکن میں جانتا ہوں یہاں تم بے قصور ہو۔'' شیزل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''ان لوگوں نے تمھارے ساتھ غلط کیا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا تم نے ان کے ساتھ صحیح کیا۔ لیکن انسان اسی طرح کے رد عمل دیتا ہے۔ خود کو چاہے معاف نہ بھی کرو، مگر سزا نہ دینا۔ خود کو انسان ہونے کا مارجن دینا۔ یہ تمہارے لئے آسانیاں کرے گا۔'' وہ اسے جج نہیں کر رہا تھا، وہ بری الذمہ بھی نہیں کر رہا تھا۔ نہ وہ حل دے رہا تھا، نہ مشکل بڑھا رہا تھا۔ مگر اس کے الفاظ دل کو تسکین دے گئے تھے۔ شیزل چند لمحہ اسے دیکھتی رہی پھر رخ موڑ لیا۔ وہ اس کے سامنے رونے پہ شرمندہ تھی۔ اور براق اسے مزید شرمندہ نہ

کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو شیزل نے اسے پکارا۔ براق سنجیدگی سے مڑا۔ شیزل کے ہاتھ میں ایک چین نما بریسلٹ تھا۔ سنہری زنجیر جس کے بند ہونے کی جگہ پہ دو تلواریں لٹک رہی تھیں۔

"تمہاری طرف اعلان جنگ۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔ براق بھی مسکرایا۔ اور اپنے بیگ سے کبوتر والی کی چین اتار کر اس کی طرف بڑھائی۔

"میں صلح کا پرچم بلند کرتا ہوں۔"

وہ دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے تھے۔ سورج کی روشنی ان کے چہروں کو روشن کر رہی تھی۔

حال میں براق اسے سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دور کہیں ان میں کرب بھی تھا۔ وہ میز پہ ہاتھ رکھے آگے کو ہوا۔ آنکھوں میں سخت طیش تھا۔ "میں نے جو کچھ کیا، تم اس راز تک نہیں پہنچ سکتیں۔ براق حنیف نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا تھا۔"

"تم اعتراف کر چکے ہو، براق حنیف۔" وہ غرائی تھی۔

"مجھ سے اعتراف میرے حالات نے کروایا تھا۔" اسے یہی کہنا تھا مگر "اور تم اس اعتراف کے بعد بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔" شیزل کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

یہ اس پلے گراؤنڈ والے واقعے سے چند روز بعد کا ذکر تھا۔ شیزل سیمسن بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے کالج میں داخل ہوئی تو چہک رہی تھی۔ آج کل وہ خوش رہنے لگی تھی۔ براق حنیف سے تعلق درست ہونے لگا تھا۔ وہ جو دشمن تھا، وہ دوستوں سے زیادہ قریب

آگیا تھا۔راہداریوں میں چلتے ہوئے اسے یکدم نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا۔ طلباء آتے جاتے اسے دیکھ رہے تھے۔ کوئی اسے دیکھ کر اپنا موبائل دیکھنے لگتا، کوئی معنی خیزی سے مسکرادیتا، کوئی اسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ شیزل کو یکدم کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

کمرہ جماعت میں جب اس نے ٹیچر سے کچھ پوچھا تو بے اختیار جھڑک دی گئی۔ اسکی دوست آج اس کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔ شیزل کے لئے یہ دن حیرتوں کا دن تھا۔ براق حنیف اسے دیکھ کر نظر چرا رہا تھا۔ جلد ہی اسے پرنسپل کے آفس طلب کر لیا گیا تھا اور یہاں آکر اسے جو معلوم ہوا تھا وہ اس کے حواس معطل کرنے کو کافی ٹھہرا۔ فربہ سی میڈم اس پہ چیخ رہی تھیں۔

"اس قدر بے شرمی والی حرکت کی ہے آپ دونوں نے آپ کو اندازہ بھی ہے؟ سرعام کالج کے گراؤنڈ میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھنا یہ تربیت ہے آپ کی؟ فیسبک پہ آپ دونوں کی ویڈیو ہر اسکول ہر کالج کا بچہ دیکھ چکا ہے۔ براق کا چہرہ تو خیر غیر واضح ہے مگر دوسروں کے لئے میرے سامنے آپ دونوں کو راپٹا ہیں۔ مس شیزل سیمسن کیا آپ کے پاس دینے کو کوئی صفائی ہے۔؟" اس کے ساتھ کھڑے براق کے تاثرات سپاٹ تھے۔ شیزل ٹکر ٹکر میڈم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں جھکڑ چل رہے تھے۔ سانس سینے میں اٹک رہا تھا۔ میڈم اب براق حنیف پہ چیخ رہی تھیں۔

"مجھے آپ سے ان سب چیزوں کی توقع نہیں تھی۔ ویڈیو آپ کے کیمرے سے شوٹ ہوئی ہے، آپ کے اکاؤنٹ سے اپلوڈ ہوئی ہے۔ مانا آپ دونوں کے آپسی تنازعات ہیں لیکن کیا یہ حد پار کرنا نہیں ہے؟" اب کے شیزل نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا۔ اس کے پیروں تلے زمین نکل چکی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا محسوس ہوا۔ میڈم کیا کہہ رہی تھیں، براق کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ اسے بس اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

کئی پل بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے وہ کالج کی راہداری میں ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔آنکھیں خشک تھیں ۔زبان مقفل۔ کوئی اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔اسکا سایہ شیزل کے اوپر پڑ رہا تھا۔

"کیا تم میرا یقین کرو گی ملکہ۔؟" نہ جانے کیوں مگر شیزل کو اسکی آواز گیلی لگی۔اس نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا وہ ویڈیو تمھارے کیمرے سے بنی تھی۔؟"

"let me explain میں تمہیں سب بتاتا ہوں،ایک بار تحمل سے میری بات سن لو۔"

" اگر تمہارا اگلا جواب ہاں یا ناں کے علاوہ ہوا تو میں تمھیں نہیں سنوں گی۔" کھوکھلا کھنکتا لہجہ۔ براق نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"ہاں۔"

"کیا تم وہاں مجھے ذلیل کرنے کے مقصد سے آئے تھے۔"

"ہاں مگر میں۔۔۔۔"

"کیا وہ ویڈیو تمھارے موبائل، تمھارے اکاؤنٹ سے لیک ہوئی تھی؟"

"ہاں۔ مگر میں۔۔۔۔۔"

''آج کے بعد میرے سامنے مت آنا، براق۔ تم آج سے میرے دشمن بھی نہیں ہو۔'' وہ خالی خالی آنکھوں، اور سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔ براق اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، خالی ہاتھ، کرب زدہ۔ حال میں وہ سوگواریت غائب تھی۔ وہ کرب مفقود تھا۔ اگر کچھ تھا تو تپش، نفرت، بدگمانی۔

''تم آج بھی ویسی ہو، شیزل فیس کرنے کے بجائے مسائل سے بھاگ جانے والی۔ تم آج ایک بار پھر وہی کرو گی اور میں کہہ سکوں گا کہ براق تمھارے معملے میں درست تھا۔'' شیزل سلگ کر رہ گئی۔

'' تم آج بھی ویسے ہی ہو براق۔ تم نے اس روز بھی مجھے منوپلیٹ کر کے سچ جانا تھا۔ تم آج ایک بار پھر وہی کر رہے ہو، تاکہ میں ولن بنوں اور تم مجھے فائر کر سکو۔''

''کس نے کہا میں تمھیں فائر کروں گا۔''

''کس نے کہا میں استعفیٰ دوں گی۔ count me in '' وہ تپانے والی مسکراہٹ سے کہتی مڑ گئی۔ براق کی مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی تھی۔ نہیں نہیں نہیں نہیں۔۔۔ اسے استعفیٰ دینا تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟

''استعفیٰ دے کر جاؤ۔۔۔ اوبی بی استعفیٰ دے کر جاؤ۔'' وہ پیچھے سے غرا رہا تھا۔ شیزل دروازے پہ رک گئی۔ مڑ کر آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا۔

''کل نو بجے آپ کو آفس آنا ہو گا۔ میں اس ٹائم کام کے لئے فریش ہوتی ہوں۔ سر ررر۔'' آخر میں سر کو لمبا کھینچا۔ اور دروازہ منہ پہ مارنے والے انداز میں مارتی باہر نکل گئی۔

''استعفیٰ نہ سہی، دروازہ تو منہ پہ ماراناں۔''اس نے خود کو تسلی دی۔

واپس براق کی طرف آؤ تو وہ کیا کر رہا تھا۔؟ کیا سر میں خاک ڈالے گا۔؟ او نہوں وہ مسکرا رہا تھا۔ایک بے بسی بھری مسکراہٹ۔

''پتہ نہیں کیوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اگر تم واپس آگئی ہو تو جاؤ مت۔ میں آج بھی وہی منیو پلیٹو ہوں۔ میرا مقصد تمہیں بھیجنا نہیں، یہاں رکھنا تھا۔ تم مانو یا نہ مانو لیکن براق حنیف تمھارے معملے میں ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''وہ خود سے بڑبڑایا۔ایک تازہ سانس ہوا کے سپرد کی اور کام پہ جھک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نمل یونیورسٹی میں آج کافی ہلچل سی تھی۔ طلباہ کا گروپ اپنی کلاسز کی راہ لے رہا تھا۔ تو کچھ جو بغیر ناشتہ کئے آئے تھے انہوں نے کینٹین کی راہ لی۔ اسی کینٹین میں ایک طرف رکھی میز پہ زینیا حاکم بیٹھی تھی۔ سیاہ رنگ کا لگھا، جس پہ گلابی رنگ کی کشیدہ کاری ہوئی تھی۔ شہد رنگ بال آدھے باندھ کر آدھے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ زخم قدرے مندمل ہو رہا تھا۔ وہ چہرے پہ بے زاری طاری کئے پھیکی، بدذائقہ چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ اسکی بے نیازی، اسے مزید پرکشش بناتی تھی۔ سامنے کتاب کھلی رکھی تھی۔ دفعتاً کوئی کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا۔ زینیا نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا کندھے سے لٹکتا بیک پیک، سیاہ شرٹ اور سیاہ ہی کارگو پینٹ میں ملبوس مہدی کمبیر اس کے سامنے تھا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟''وہ تمہید کو چھوڑ اصل موضوع پہ آیا۔

زینیا نے بازو سینے پہ باندھے اور تفصیل سے اسکا جائزہ لیا۔''اور مجھے آپ سے ناراض کیوں ہونا تھا۔؟''

''کیونکہ میں نے تمھیں استعمال کیا۔''اس کی گردن جھک گئی۔

''سوتو میں نے بھی کیا۔''وہ اتنے سکون سے بولی کہ سارے اسلام آباد میں طوفان آگیا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے میں آپ کی فرشتہ صفت باتوں میں آگئی تھی۔؟مجھے وہاں سے نکلنا تھا اور آپ میرا escape mood تھے ۔زینیا کو دھوکے نہیں وجدان ملّا کرتے ہیں۔''

''تم جانتی تھیں یہ اسکالرشپ جعلی ہے لیکن تم نے اسے ٹھکرایا نہیں کیونکہ۔۔۔''

''کیونکہ میں اسے ڈیزرو کرتی تھی۔''اس نے بات مکمل کی۔''کیونکہ میں جانتی تھی، میں فیری ٹیل کی شہزادی نہیں ہوں جس کے لئے اچانک سے جادوئی دروازے کھلنے لگیں گے۔ میں ملکہ بد ہوں۔ میرے لئے وہی راستہ آئے گا جو سیاہی میں ڈوبا ہو گا،اور پھر ہر برے کردار کی طرح مجھے اس اندھیرے میں اپنی مشعل خود جلانی ہو گی۔''

''تم کیا کر رہی ہو، زینیا حاکم؟''مہدی کو اس لمحے اس سے خوف آیا تھا۔زینیا آگے کو ہوئی۔ سنہری شاطر آنکھیں سبز آنکھوں پہ گاڑ دیں۔

''میں دنیا سے اپنا حق لے رہی ہوں۔ چھین کر جھپٹ کر،مار کر یا پھر مر کر۔''وہ ایسی سفاکی سے بولی کہ مہدی کا دل ڈوب کر ابھرا۔ کئی لمحے وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔کچھ لمحوں کے لئے وہ بول نہیں سکا۔

''ہم چھوٹے علاقوں سے آئے غریب بچے بڑے شہروں میں اپنا مستقبل سنوارنے آتے ہیں،اور ذہنی صحت خراب کروا کے چلے جاتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی اچھی کوچنگ، ٹیوشن،اور بھاری فیس کا ادا نہ ہو پانا مجھے ذہنی مریض بنادے۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''سب کچھ۔ میں خواہشیں رکھتی ہوں، لامحدود، لاتعداد۔ اور پھر ان کے گرد دائرے نہیں بناتی۔''

''کیا میرے لئے کوئی سزا بھی ہے۔ یا تم مجھے معاف کر چکی ہو؟'' وہ اسکی منطق نہیں سمجھ سکتا تھا، سو اپنی بات پہ آیا۔

''زینیا مر جاتی ہے معاف نہیں کرتی۔ اپنی سزا کا انتظار کریں، مہدی صاحب۔'' مہدی نہیں جانتا تھا کیا مگر اسے کچھ برا لگا تھا۔ زینیا کی باتیں اسکا ہونا اسے سکون دینے لگا تھا۔ اور یہ نیا روپ اسے بے سکون کر رہا تھا۔

''کیا ہمیں اس وقت کام نہیں کرنا چاہیے؟'' وہ کہتے ہوئے اٹھی۔ بیگ اٹھا کر کندھے پہ درست کیا۔ مہدی گہری سانس بھرتا ہوا اس کے ساتھ اٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گھاس کے ایک قطعے پہ بیٹھے تھے۔ چائے کے دو کپ ان کے سامنے رکھے تھے۔ مہدی کمبیر جہاں جاتا تھا اپنا تھرماس ساتھ لے جاتا تھا۔ اور زینیا حاکم کو مہدی کی ایک یہی بات اچھی لگتی تھی۔

''ضوریز کے دونوں بھائی مر چکے ہیں۔ ایک سال پہلے اسکی منگیتر بھی ایک حادثے میں مر گئی تھی رائٹ؟'' زینیا سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ مہدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ضوریز کا کوئی اور خاندان، کوئی دوست؟''

''میرے علم میں نہیں۔ ہم دو سال تک مسلسل رابطے میں تھے۔ ایک سال ساتھ ٹریول کیا ہے۔ اس کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔'' زینیا سوچ میں پڑ گئی۔

''کیا ضوریز نے آپ کے پاس کچھ رکھوایا تھا؟ یا پھر آپ کے ساتھ مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ بندی کی تھی؟ جس سے اسے یا آپ کو کوئی مالی فائدہ ہونے والا ہو؟'' مہدی نے ذہن پہ زور دینے کی کوشش کی۔ ان دونوں نے کئی اور ممالک کا سفر ساتھ کرنا تھا

ہاں یہ طے تھا۔ان دونوں نے ایک دوسرے کو کئی بار تحائف دیئے تھے۔لیکن کیا ظوریز نے اس کے پاس کچھ رکھوایا تھا؟ نہیں۔۔

۔

کیا ضوریز سے مہدی کو کوئی مالی فائدہ ہوا تھا ہر گز نہیں۔ایک منٹ۔یکدم مہدی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔اسے وہ یو ایس بی یاد آئی۔ترکی کے شہر انقرہ کے ایک بازار سے لی گئی یو ایس بی،جو اسے ضوریز نے گفٹ کی تھی اور مہدی اسے کھو چکا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔نہ کوئی معاہدہ،نہ ایسی کوئی متاع کچھ بھی نہیں۔''اس نے بات ختم کر دی اور چائے کو چھوڑ پانی کی بوتل اٹھا کر لمبے لمبے گھونٹ لئے۔چہرے پہ پسینہ تھا۔زینیا اپنے ہاتھ میں پکڑی پینسل کو ٹک ٹک کپ پہ مار رہی تھی۔مہدی کی برداشت جواب دے گئی۔

''کیا تم یہ بند نہیں کر سکتی۔کوفت ہو رہی ہے مجھے۔''وہ جھلایا۔زینیا نے ایک ابرو اوپر کو اٹھایا،اور ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔(**کتنی تابعدار تھی ناں وہ۔**)اب اس نے دونوں ہاتھوں سے پین کپ کے اوپر مارنی شروع کر دی۔تابعداری نے کسی ڈیم میں دو ڈبکیاں مار کا خودکشی کر لی۔مہدی نے کلس کر اسے دیکھا۔جب اس کے ہاتھ تھک گئے تو خود ہی پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئی۔درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے اسے نیند آنے لگی تھی۔اس نے آنکھیں بند کیں،چند لمحے کچھ سوچتی رہی،اور پھر پٹ سے کھول بھی دیں۔

''جسے ہم اپنی کہانی کا ولن سمجھ رہے ہوتے ہیں،وہ اصل میں بس ایک پیادہ ہوتا ہے۔کیا معلوم ضوریز ہمارا ولن ہو ہی ناں۔''اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔چہرے پہ جوش تھا۔''آپ کی کہانی کا دوسرا ولن کون ہے؟''

"اسکی کہانی کا اصل ولن میں ہوں اور وہ پیادوں پہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔" فضا میں سگار کے دھوئیں چھوڑتا قیس اپنے سامنے بیٹھے براق سے کہہ رہا تھا۔

"اسے قتل کرنا آسان تھا۔ لیکن اس نے صرف قتل نہیں کیا تھا۔ میرا باپ قتل ہوا تھا لیکن میرے چچا زندہ رہ گئے۔ اور میں زندہ رہتے ہوئے بھی مر گیا۔ میں اسے صرف قتل نہیں کر سکتا۔" اسکی آنکھیں سفاک تھیں۔ چہرہ غیر انسانی براق اسے تاسف سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا معلوم ضوریز کی کہانی وہیں ایتھنز کی ان گمنام گلیوں میں ختم ہو چکی ہو۔ اور اب آپ کے لئے کوئی اور ہی داستان لکھی جا رہی ہو۔ آپ حالیہ ٹراماز کے پیچھے جا رہے ہیں۔ آپ زخم کی بات کر رہے ہیں۔ کیا معلوم کوئی آپ کے دیئے ناسور کھرچ چکا ہو۔" مہدی اسے دیکھتے ہوئے کسی اور جہان میں پہنچ گیا۔ اسے بے اختیار ہوا میں آکسیجن کی مقدار کم ہوتی محسوس ہوئی۔

"وہ اپنے حالیہ دشمنوں پہ غور کر رہا ہے۔ شاید بھول گیا ہے ماضی میں وہ کسی کو گہرے ناسور دے چکا ہے۔ وہ میرا خاندان ہے مجھے اس سے محبت ہے لیکن پھر بھی میں اسے ماروں گا۔ اور اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

"تم غلط کر رہے ہو۔" سیاہ آنکھوں والے شخص کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ "وہ اچھا ہے، برا ہے مجھے نہیں معلوم لیکن وہ انسان ہے۔ انسانوں کو زندہ رہنے کا حق اللہ نے دیا ہے۔ تم غاصب مت بنو۔" وہ فکر مند تھا۔ یا شاید خوف زدہ۔

"اسلام قتل کا بدلہ قتل کرنے کو برا نہیں سمجھتا۔" سگار کے دھوئیں کے پار اس کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔

''ہم ماضی میں بہت دور جاچکے ہیں، مسٹر کمبیر، لیکن میرا خیال ہے ہمیں قریب آنا ہوگا۔ بہت قریب۔ انتقام سب سے پہلے کوئی اپنا شروع کرتا ہے۔''

''میرے قریب سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔'' دلاسا۔

''کوئی ہوگا جو سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں کرتا ہوگا۔'' یقین۔

''وہ چاہے مجھ سے نفرت کرے مگر وہ مجھے مار نہیں سکتا۔'' توجیہہ۔

''کیا معلوم وہ آپ کو زندہ رکھنا چاہتا ہو۔ موت ہر بار سزا نہیں ہوتی۔'' پر سراریت۔

مہدی خاموش ہوگیا۔ ساکن۔ صامت۔

''تم اس کے لئے اتنے فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ آخری اطلاعات تک تم میرے دوست تھے۔'' دھواں چھٹا تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔ وہ سیاہی زدہ تھا۔ براق کو ملال سا ہوا۔

''تم چاہے مجھے دشمن سمجھو چاہے دوست، میں تمھیں قاتل بنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمھیں بچا سکتا ہوں۔''

''یعنی تم اسے بچا لوگے۔'' قیس نے قیاس لگایا۔ براق اٹھ کر چلا گیا۔ اسے مزید کچھ نہیں کہنا تھا۔

''وہ مجھے مار نہیں سکتا۔ کوئی بھی مہدی کو مار نہیں سکتا۔ اگر کسی نے ایسی کوشش کی تو میں بچا لیا جاؤں گا۔'' وہ کہہ کر اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے زینیا مسکرائی۔ اسکا تھرماس اور کپ اپنے آگے کر لیا۔ آج تو عید ہو گئی۔ بس ایک بار یہ تعاقب کار کا علم ہو جائے، پھر کون مہدی، کونسی شناسائی، اور کونسا احسان۔۔ کل کا مرتا آج مرے یہ اسپیکر۔



رات کا کھانا کمبیر ز ساتھ کھاتے تھے۔ یوں تو ہر ایک کو ایک دوسرے کے چہرے سے بھی نفرت تھی۔ لیکن خاندان ہونے کا بھرم بھی رکھنا تھا ناں۔ لمبی میز پہ انواع اقسام کے کھانے چن دیئے گئے تھے۔ ملازم کھانا سرو کرتے نظر آرہے تھے۔ مقصود اور بختیار کمبیر قیس کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ انیسہ اور مہدی آمنے سامنے۔ وہ انیسہ کی طرف دیکھنا چھوڑ چکا تھا۔ ہاں دل دکھتا تھا، روح پہ زخم پڑتے تھے۔ مگر مہدی کمبیر اپنے غم خود تک رکھنے کا عادی ہو گیا تھا۔

''کچھ پتہ چلا اس روز حملہ آور کون تھا؟'' مقصود نے بات کا آغاز کیا۔ قیس خاموشی اور رغبت سے کھانا کھاتا رہا۔

''وہ قصہ اب ختم ہے چچا خوامخواہ کیوں یاد کرتے ہیں؟'' مہدی نے ان کا دھیان بھٹکانا چاہا۔

''یعنی تم چاہتے ہو میں بھول جاؤں کہ کوئی ہمارے کوٹ (حویلی) میں گھس آیا۔ ہم پہ بندوق تانی، پھر لوہے سے جسم داغا۔ اسکی طرف ہمارا بدلہ ہے۔ اور انتقام پرانے نہیں ہوتے۔'' ان کا لہجہ سخت تھا۔ قیس نے گلا کھنکھارا۔ مہدی نے کوفت سے گردن گھمائی۔

''کیا میں بھی کچھ عرض کروں؟'' کتنا معصوم تھا وہ۔ دنیا ویسے ہی اس کے پیچھے پڑی تھی۔ سب خاموش رہے کوئی کچھ نہ بولا تو معصوموں کا معصوم خود ہی آگے کہنے لگا۔ ''تو بات یہ ہے کہ جو کوئی بھی گھر آیا تھا وہ مہدی کے ساتھ شامل تھا۔ یہ دونوں ملے ہوئے ہیں اور مجھے فلحال یہ نہیں پتہ کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ پورا نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ بول کر سب کے چہروں پہ ایک نظر ڈال کر دوبارہ کھانا کھانے لگ گیا۔

''کیا قیس سچ کہہ رہا ہے، مہدی؟ مجھے یقین ہے وہ اتنی بڑی بات یونہی نہیں کہہ سکتا۔'' بختیار کے سنجیدگی سے کہنے پہ معصوم صاحب محظوظ ہوئے تھے۔ تاثرات یوں تھے جیسے کہہ رہے ہوں۔ **''میں نے کہا تھا ناں۔''**

''یہ خبطی انسان پاگل ہو گیا ہے۔'' مہدی غصے سے بولا۔ ''نئی نئی فلم دیکھ کر آیا ہے یا پھر اس پہ جیمز بانڈ بننے کا جنون سوار ہو گیا ہے۔ میرا مشورہ مانیں تو اسے کسی پاگلوں کے ڈاکٹر کو دکھائیں۔ گھر بیٹھے بیٹھے مزید دیوانہ ہو جائے گا۔''

''اپنی بکواس بند کرو خبیث انسان۔'' یکدم قیس حلق کے بل غرایا۔ انیسہ نے دہل کر دل پہ ہاتھ رکھا۔ باقی سب بھونچکا سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔ وہ سرخ بھبھوکا چہرہ لئے اٹھا اور مہدی کی طرف آیا۔ کرسی سے کھینچ کر اتارا اور اپنے سامنے بازو سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔ مہدی اب تک شل تھا۔

''میں پاگل ہوں؟ جنونی ہوں۔ کیوں ہوں کبھی پوچھا ہے۔ کیسے بنا کبھی جاننے کی کوشش کی ہے؟'' وہ اب تک اسی طرح حلق کے بل پوری طاقت سے چیخ رہا تھا۔ انیسہ کو اس سے خوف آیا۔ بختیار کو ترس، اور مقصود کے تاثرات برف رہے۔

''میں پاگل ہوں کیونکہ تم سب نے مل کر بنایا ہے۔ میں جنونی ہوں کیونکہ میں تھک گیا ہوں۔۔انسان ہوں میں میرا خیال نہیں آتا تم لوگوں کو؟'' اسکی غراہٹ صدمے میں بدلنے لگی تھی۔

''ایک بیمار ہے،ایک کو اپنی معذوری کا غم کھا رہا ہے۔وہ لڑکی'' انیسہ کی جانب اشارہ کیا۔'' ہر رات سوتے وقت خوف زدہ رہتا ہوں کہ کہیں بغاوت نہ کردے۔گھر سے بھاگ گئی تو ہماری عزت میں کیا بچے گا۔ تمھیں اگر کوئی گولیوں سے بھون گیا تو اپنے باپ کو روز قیامت کیا جواب دوں گا۔تم کہتے ہو میں پاگل ہوں ہاں پاگل لگتا ہوں بولو پاگل ہوں میں؟'' اس نے غصے سے میز کو ٹھوکر ماری۔کانٹے،پلیٹ، کراکری فرش بوس ہوئی۔مہدی ساکن سا اسے بولتے ہوئے سن رہا تھا،وہ یوں اچانک ٹر گر کیوں ہوا تھا؟

''کتوں کی طرح کام کرتا ہوں میں۔سارا دن آدھی بھوک بچا کر رکھتا ہوں تاکہ آپ سب کے ساتھ یہاں بیٹھ کر کھاؤں اور یہاں ،یہاں بیٹھ کر آپ کہتے ہو میں پاگل ہوں۔میں پاگل ہوں تو آپ سب نے مل کر بنایا ہے۔اٹھارہ سال کی عمر میں میری زندگی جہنم آپ سب نے بنائی تھی۔کچھ بھی بھولا نہیں ہوں میں۔میں بھول ہی تو نہیں سکتا۔'' آخر میں اس کا لہجہ مدھم ہو گیا۔ایک سو پچپن آئی کیو کا مالک ہونا کوئی اعزاز نہیں تھا کوئی قیس کو دیکھے تو سمجھ جائے۔

''ہم بھی کچھ نہیں بھولے، قیس۔'' مہدی کے اندر نہ جانے اتنی ہمت کہاں سے آئی کہ وہ جواب دینے کو بول پڑا تھا۔انیسہ اپنی جگہ سے اٹھ آئی۔

''میرا باپ، میری ماں بھی قتل ہوئی تھی۔انیسہ کی ماں بھی مر گئی تھی۔ مقصود چچا کا خاندان مرا تھا۔ تمہیں لگتا ہے صرف تم سفر کر رہے ہو؟''انیسہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ مہدی نے درشتی سے اپنا بازو چھڑوایا۔آج وہ بولے گا اور سب کو سننا ہوگا۔

''میری ماں، میرا خاندان، میرا بچپن ہم سب نے سب کچھ کھویا ہے تم اکیلے نہیں ہو۔''اسکی آواز بلند نہیں تھی تو ہلکی بھی نہیں تھی ۔تھک گیا تھا وہ الزام سہتے سہتے۔

''صرف قیس کا ماضی برا نہیں ہے۔ان بری یادوں میں،ٹوٹے خاندان میں ہم سب شامل ہیں کوئی کچھ نہیں بھولا۔'' انیسہ بہتے ہوئے آنسوؤں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ قیس سرخ زخمی آنکھوں سے،بختیار کی آنکھوں میں سختی تھی اور مقصود گویا کوئی فلم دیکھ رہے تھے۔

''تمھیں سب یاد ہے ناں، مہدی؟''وہ آگے آیا۔''خاندان تمہارا بھی تھا سہی کہتے ہو۔ پھر بتاؤ تمھارے باپ کی موت کس وجہ سے ہوئی تھی؟''مہدی کی زبان پہ لکنت سی طاری ہونے لگی۔

''ابا کا خون زیادہ بہہ۔۔۔۔۔''

''تمھارے ابا دماغی چوٹ کی وجہ سے مرے تھے۔ان کے سر میں بہت بڑا زخم تھا اتنا کہ اس زخم میں ایک پورا ہاتھ اندر چلا جائے ۔مجھے یاد ہے وہ زخم کتنا بڑا تھا اور کتنا خون بہا تھا۔۔۔۔''

''میں اس وقت۔۔۔۔''مہدی نے کچھ کہنا چاہا۔ قیس نے اسکی بات کاٹ دی۔

''میرے ابا کیسے مرے تھے؟ کونسا زخم جان لیوا تھا۔ کتنے گھاؤ تھے؟''

''ان کو گولی لگی تھی اور چاقو۔۔۔''

''میرے ابا گولی لگنے سے نہیں مرے تھے۔'' مشینی انداز میں اس نے ایک بار پھر بات کاٹی۔ ''میرے ابا کے سینے پہ چاقو سے چالیس زخم تھے۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ان کی موت ہوگئی۔ مجھے وہ زخم بھی یاد ہیں، خون کے قطرے بھی یاد ہیں۔ آگ ،لاشیں سب یاد ہیں تمھیں کیا یاد ہے، مہدی؟'' سرخ آنکھیں، بکھرا ہوا لہجہ سوال کرتے ہوئے اس پہ ترس آتا تھا۔ مہدی نے لب بھینچ لئے۔

''اٹھارہ سال کی عمر میں تین راتیں تھانے میں گزار کر آیا تھا میں۔ واپسی پہ پوری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ ہاں میں ذہنی مریض ہوں ۔فوبک ہوں میں، کیونکہ میں وہ قتل نہیں بھولا، میں وہ تھانہ نہیں بھولا۔ دنیا بیچ کھاتی تمہیں اگر میں نہ ہوتا۔ پاگل کہتے ہیں مجھے ۔'' وہ حقارت سے کہتا ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔ مہدی یونہی دھیرے دھیرے کرسی پہ بیٹھ گیا۔ مقصود چند لمحے تماشا دیکھتے رہے پھر اپنی پلیٹ گود میں رکھی اور وہیل چیئر کا بٹن دباتے وہاں سے چلے گئے۔ فلم بہت جلدی ختم ہوگئی تھی۔ بختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک ہی جست میں مہدی کے قریب آکر رکے، ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ اسکی آنکھیں گیلی سرخ تھیں۔

'' تم ایک آسیب ہو۔ ایک گھٹیا عورت کے بیٹے۔ جس نے ہمارا خاندان برباد کر دیا۔'' وہ دھیمی آواز میں غرا رہے تھے۔ مہدی اپنی جگہ جامد رہا۔ ''تمہاری وجہ سے، تمہاری ماں کی وجہ سے آج ہم سب suffer کر رہے ہیں۔ ہم مسائل زدہ ہیں، ذہنی مریض

ہیں۔ خاندان کھو دیا، صحت گنوادی۔ تم نحوست ہو مہدی۔ تمہاری وجہ سے ہم مسائل میں ہیں۔ اگر آئندہ تم نے قیس کے ساتھ کچھ بھی کیا تو خدا کی قسم میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

"ابا آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مہدی آپ کے بھائی کا بیٹا ہے۔" انیسہ روتے ہوئے پھٹ پڑی تھی۔ بختیار نے ایک جھٹکے سے اسکی ٹھوڑی کو چھوڑا اور انیسہ کی طرف مڑے۔ آنکھیں غیض و غضب کا شکار تھیں۔

"یہ صرف اور صرف اس سبز آنکھوں والی فرنگن کا بیٹا ہے اور بس۔" مہدی کو اسکی اوقات اور انیسہ کو اسکی حیثیت بتا کر وہ آگے بڑھ گئے۔ انیسہ مہدی کی اور بڑھی مگر بختیار نے بے دردی سے اسکی کلائی پکڑ لی۔

"مہدی تم برے نہیں ہو۔ تم بہت اچھے ہو۔ تم نوبل ہو۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم بے قصور ہو۔" بختیار اسے گھسیٹ رہے تھے اور وہ چیخ چیخ کر مہدی کو اسکی اصل حیثیت بتا رہی تھی۔ "میں تمھارے ساتھ ہوں مہدی۔ میں ہمیشہ تمھارے ساتھ ہوں۔ تم اعلیٰ ہو، تم قیمتی ہو، تم بہت عظیم ہو۔ تم۔۔۔" آوازیں معدوم ہو گئیں۔ مہدی جو گردن اٹھائے انیسہ کو بولتے ہوئے سن رہا تھا، یکدم سخت بے چین ہوا۔ ٹھنڈے فرش پہ بکھری سی حالت میں بیٹھا وہ اکیلا تھا۔ وہ بسمل تھا ایسا بسمل جسے اپنے زخموں پہ بات کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔

"تم نحوست ہو مہدی، تم بربادی ہو، تم ذلت ہو، تم غلیظ ہو، تم نے ہمارا خاندان تباہ کر دیا۔، تم مر جاؤ۔ میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔، مجھے تم سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا، مہدی۔"

اس کے کانوں میں اب بھی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ ان آوازوں کو بچپن سے سنتا آرہا تھا۔ تکلیف ہر دفع نئے سرے سے ہوتی تھی۔ وہ بس ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ بسمل ہونا مشکل ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارک کے سنگی بنچ پہ بیٹھا قیس چہرہ ہاتھوں میں دیئے بیٹھا تھا۔ اکادکا روشنیاں اس کے آس پاس بکھر رہی تھیں۔ جاگنگ ٹریک اس کے عقب میں تھا۔ ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل، اور چہرے گردن پہ پھیلا پسینہ اس بات کا گواہ تھا کہ قیس نے آج ایک بار پھر خود کو تھکایا ہے۔ جاگنگ سوٹ کی بجائے وہ برانڈڈ سوٹ میں ملبوس تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے۔ آس پاس کئی لوگ تھے، بچے تھے۔ قیس نے یونہی ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے سامنے زینیا نظر آئی۔ وہ قریب ہی ایک پٹھان بچے کی آنکھوں کی تصاویر اتار رہی تھی۔ بچے کی ماں ساتھ کھڑی فخر سے مسکرا رہی تھی۔ قیس انہیں دیکھتا رہا۔ یوں کسی کو مسکراتے دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔

چند پل بعد وہ بچہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے پلٹ گیا۔ اسی پل زینیا نے نظریں موڑ کر دیکھا تو اسے سامنے ہی بینچ پہ قیس بیٹھا نظر آیا۔ وہ دونوں اسی فیصد انٹروورٹ تھے۔ بات شروع کرتے بھی کیسے؟

اپنے لئے گئے کلکس کو وہ چند لمحے دیکھتی رہی، پھر ایک نظر دوبارہ قیس کو دیکھا اور واپس مڑ گئی۔ وہ بھی اسے مڑ کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دونوں کے مابین کوئی گفتگو نہ ہوسکی۔ ہاں یہ ضروری بھی نہ تھی۔ ہاسٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے لمبی سی گلی میں کوئی ہیولہ اس کے ہمقدم ہوا تھا۔

وہ زینیا کو نظر انداز کئے خاموشی سے چل رہا تھا۔ دونوں ایک بار پھر خاموش تھے۔ زینیا نے گردن موڑ کر اپنے سے ذرا فاصلے پہ چلتے شخص کو دیکھا۔

''تم نے جو کچھ میرے لئے کیا اس کے لیے شکریہ۔'' بلا آخر زینیا نے پہل کی تھی۔ قیس نے سر کے خم سے شکریہ قبول کیا۔ بولا اب بھی کچھ نہیں۔ وہ ضرورت کے تحت بولا کرتا تھا، ورنہ تین سے چار دن بغیر بولے گزار دے۔

''تم نے میرے لئے اپنا بہت سارا پیسہ ضائع کیا ہے۔ تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' واللہ یہ زینیا نہیں تھی۔ وہ یوں لوگوں کو خود سے مخاطب نہیں کیا کرتی تھی۔ گلی کے عین بیچ میں وہ رک گیا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں اسکی آنکھیں تکان زدہ لگتی تھیں۔

''صاف صاف کہو کیا چاہتی ہو؟''

''تم نے مجھ پہ احسان کیا ہے۔ میں لوگوں سے مدد نہیں لیتی۔ اس وقت تم مدد کے قابل لگ رہے ہو، سو میں حساب برابر کر رہی ہوں۔'' بازو سینے پہ باندھے اس نے کہہ ڈالا۔ قیس نے گہری سانس لی۔

''جھوٹ مت بولا کرو۔'' قیس اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمھیں لوگوں کو استعمال کر کے، ان سے اپنا کام نکلوا کر بہت مزہ آتا ہے تم اسے اپنا حق سمجھتی ہو ہے ناں؟'' وہ دوبارہ چلنے لگا تھا۔ زینیا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ قدم اٹھانے لگی۔

'' تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ مجھے تم پہ اعتبار نہیں ہے۔ تم کسی دن آؤ گے اور مجھ سے اپنے احسان کا بدلہ مانگو گے۔ اس لئے میں اپنے کندھے آزاد رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے بس اس احسان کی قید سے نکلنا ہے۔''

''میں تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگوں گا۔ تم آزاد ہو۔''

''بھروسہ تو میں اپنے باپ کا بھی نہیں کرتی۔''

''میں تمھیں اپنے راز نہیں دینے والا۔''

''میں اس احسان کا بوجھ اتارے بغیر یہاں سے نہیں جانے والی۔''

''میں آج، ابھی اور اسی وقت تمہارا قتل کر کے تمھیں دفنا سکتا ہوں۔اور تمھارے گھر اور ہاسٹل والوں کو علم بھی نہیں ہو گا''۔ قیس سرد لہجے میں بولا تھا۔ پھر دو قدم چلتے اسکے قریب آ کر رکا۔''اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو مجھ سے دور رہو،اپنے گھر والوں کو اپنی لاش سے محروم نہ کرو۔۔۔''

''مقابلہ کر لیتے ہیں۔ہاں مگر میں اتنی ظالم نہیں ہوں کہ ورثاء کو لاش بھی نہ دوں۔ لیکن مسخ شدہ۔بس شناخت کے لئے ڈی این اے کروانا ہو گا۔''

قیس نے گہری سانس لی۔اور ایک بار پھر آگے چلنے لگا۔

''تم میرا ٹراما کم کرنے آئی ہو، یا پھر مجھے ذہنی مریض بنانے؟''

''میں دونوں کاموں میں ماہر ہوں،اب جو تم چاہو۔''

قیس سنجیدہ ہو گیا تھا۔ماتھے کے بل کم ہوئے۔

''پوچھو کیا پوچھنا ہے۔یہ الگ بات ہے میں بتاؤں گا کچھ نہیں۔''

''تم گلٹی کیوں ہو؟'' سوال تھا کہ تھپڑ قیس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''تصیح کرو، میں گلٹی نہیں پریشان تھا۔''

''میں بے وقوف لگتی ہوں؟ لوگوں کے چہرے اور باڈی لینگویج میرا فن ہے۔ تم پریشان نہیں گلٹی تھے۔'' قیس کچھ نہ بولا تو زینیا دو قدم آگے آئی۔ ''کیا تم گلٹی نہیں ہو؟''

''میرے کچھ مسائل ہیں ہر انسان کے ہوتے ہیں۔ ہر انسان مختلف طریقوں سے اپنے مسائل حل کرتا ہے۔ میں نے بھی کیئے۔ لیکن میرا طریقہ میرے خاندان کو تکلیف دے گیا۔ اور میں کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولتے بولتے رکا۔ زینیا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ایک دن میں اپنی ذات سے صرف اتنا پردہ اٹھا سکتا ہوں۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ اگلی بار مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ میرے احسان بھول جاؤ، میں تم سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا۔'' بے زاری سے کہتا وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گیا۔

''اپنے خاندان کے ساتھ روڈ ہونا غلط نہیں ہے۔" اس نے عقب سے آواز دی تو قیس رک گیا۔ ''ہاں ہم ان پہ غصہ کر سکتے ہیں۔ چیخ سکتے ہیں، اپنی فرسٹریشن ان پہ نکال سکتے ہیں۔ گھر والے اسی لئے تو ہوتے ہیں۔ ہر انسان اپنے گھر والوں کے سامنے فلٹر فری ہوتا ہے۔ تم بھی ہوئے، اس میں کچھ غلط نہیں۔ دل کا غبار نکلنا چاہیے۔''

قیس کے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔ زینیا کہتی رہی۔

''اہم یہ نہیں ہے کہ ہم نے جھگڑا کیا، اہم یہ ہے کہ ہم نے معافی مانگی، معاف کیا، بات دل سے نکالی اور آگے بڑھ گئے۔ مسائل ہر گھر میں ہوتے ہیں۔ لیکن ہر گھر کو **''حل''** معلوم ہونا چاہیے۔'' وہ بول کر قیس کے سامنے سے نکل کر آگے بڑھ آئی۔ وہ کافی دور نکل آئی تھی مگر قیس اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

''ایک انٹروورٹ اور ریزرو لڑکی آدھے گھنٹے کے حساب سے زیادہ بول چکی ہے۔ مزید سننے کی خواہش ترک کریں، اور گھر لوٹ جائیں۔ آرٹسٹ صاحب۔ ہمارا حساب اب برابر ہوا۔ تم آزاد، میں بھی آزاد۔''

قیس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ وہ بول کر ایک دو لمحہ کھڑی رہی پھر پلٹ گئی تھی۔ قیس کو پہلی بار کسی نے غلط بھی کہا تھا، اور سہی بھی۔ غلط کہتے ہوئے وہ بری نہ لگی، اور صحیح کہتے ہوئے اسے واقعی اپنا آپ صحیح لگا۔ کیا یہ معجزہ نہیں تھا؟



اس نے واٹس ایپ کھولا تو خود کو ایک چیٹ گروپ میں ایڈ دیکھا۔ مارے تجسس کے اس نے جائزہ لینا شروع کیا تو یہ ایک **''کزنز''** چیٹ گروپ تھا۔ جہاں وہ سوائے ضیغم کے اور کسی کو نہ جانتی تھی۔ اتنے سال ان لوگوں سے ملی ہی نہیں پھر جاننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ چند لمحوں کے لئے بالکل ٹھہر گئی۔ کافی دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے چیٹ کھولی تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ وقت غلط تھا۔ اس کے تمام کزنز کونج کا نام لے کر ضیغم کو چڑا رہے تھے۔ اور وہ بار بار بات بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا وہ اس کے ذکر سے کترا رہا تھا؟ یا پھر وہ اسے موضوع محفل نہیں بنانا چاہتا تھا؟ کونج اندازہ نہ کر سکی۔ خیر اسے کیا اسے اپنی بہن جیسا بننا تھا۔ ان محبت، لڑکوں، اور شادی بیاہ کے خوابوں سے دور ایک کیریئر بنانے والی لڑکی۔

(ریستوران کی فیری لائٹس کی روشنی میں دو لوگوں کے چہرے واضح نظر آتے تھے۔سیاہ لباس اور سرخ دوپٹے میں ملبوس سنہری آنکھوں والی زینیا حاکم اور سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس وجیہہ نقوش والا بالاج میر۔ان دونوں کو اگر کوئی ساتھ دیکھ لے تو بے اختیار ستائش سے دیکھتا ہی رہے۔picture perfect coupleیہ ان دونوں کے لئے بنا تھا۔

"میں نے پانچ جگہ انٹرویو دیا، دس جگہ سی وی بھیجی لیکن کہیں سے بھی مجھے انٹرویو کال نہیں آئی۔آج میں جس جگہ انٹرویو دینے گئی تھی، ان لوگوں کو میرا کام پسند آیا ہے۔مجھے ایک ٹرائل دینا ہوگا اور اس کے بعد مجھے نوکری مل جائے گی، بالاج۔" وہ دھیمے خوبصورت لہجے میں کہہ رہی تھی۔چہرہ جوش سے سرخ پڑ رہا تھا۔بالاج جو مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا یکدم اسکی مسکراہٹ دھیمی پڑی۔اس کے نقوش میں بے چینی گھل گئی۔زینیا نے بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"کیا آپ کو کچھ برا لگا ہے؟"

"میں نہیں چاہتا تم یہ نوکری کرو۔" بلآخر اس نے کہہ دیا تھا۔"تم سی ایس ایس کرو مجھے کوئی مسئلہ نہیں بلکہ میں تمھارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔کیونکہ وہ ایک عزت والا معتبر کام ہے، لیکن فوٹو گرافی کے لئے تمھیں کب کب، کہاں، کہاں بھیجا جائے گا اندازہ بھی ہے؟میں جانتا ہوں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے لیکن میں تمہیں منع کرتا ہوں، پلیز یہ کام مت کرو۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے مان سے بولا کہ زینیا پلک بھی نہ جھپک سکی۔جی میں آیا تھا کہ منع کر دے۔لیکن کیا وہ خاندان کے باقی مردوں کی طرح اسے قید کر رہا تھا، کیا وہ اس پہ بے جا پابندی عائد کر رہا تھا، وہ اسے آزادی دے رہا تھ مگر محدود کیا اسے اس محدود خطے پہ سمجھوتہ نہیں کر لینا چاہیے؟

''میں کل انہیں کال کر کے منع کر دوں گی۔'' فیصلہ ہو گیا تھا۔ شادیاں یونہی نہیں چلتیں کچھ ماننی ہوتی ہے کچھ منوانی ہوتی ہے۔ اور زینیا نے دونوں سیکھ لیا تھا۔ بالاج دل کھول کر مسکرایا۔ آنکھوں میں بے تحاشا خوشی سمٹ آئی۔

''میں ہماری شادی کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہوں، بالاج۔ میں آپ کی بات کا لحاظ کر رہی ہوں، اس امید کے ساتھ کہ آپ میری باتوں کو بھی مان دیں گے۔'' بالاج نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''صرف امید مت رکھو، میری جانب سے یقین رکھو۔'' وہ مسکرا کر بولا تو زینیا بھی ہلکا سا مسکرائی۔ ایک کیریئر فوکسڈ لڑکی اپنی شادی کے لئے قربانی دے رہی تھی۔ اسے دینی چاہیے تھی۔ معاشرے نے کیریئر بنانے والی لڑکیوں کا غلط امیج سیٹ کیا ہے حقیقت مختلف ہوتی ہے۔)

''کیا تمہارا وہ کام ہو گیا؟'' واٹس ایپ پہ آئے پیغام نے کونج کے توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ لیکن ایک منٹ۔ یہ وہی نمبر تھا جسے گروپ میں تنگ کیا جا رہا تھا۔ اس نے کانٹیکٹ سیو کرنا چاہا تو "**ضیغم یوسف میر**" کے الفاظ نمایاں ہوئے۔ اس کے لبوں کو بے اختیار ایک مسکراہٹ نے چھوا۔

''کمبخت کا نام کتنا خوبصورت ہے۔'' نمبر سیو کر کے اس نے ضیغم کی پروفائل دیکھی۔ چند لمحے وہ بس اسے دیکھتی رہی۔ وہ پر کشش تھا، وجیہہ تھا۔ تھوڑا سا معصوم بھی۔

''**تمہیں اگر کوئی بات بری لگی ہو تو مجھے معاف کرنا۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔**'' اس نے پیغام پڑھا۔ بے اختیار جی میں آیا کہ کچھ اچھا سا لکھ کر بھیج دے۔ پھر اگلے ہی لمحے خود کو ڈپٹا۔ لوگوں سے پیار سے بات کرنا غلط ہے۔ جس طرح زینیا پھاڑ

کھانے کو دوڑتی تھی یہی تو بہادری تھی۔ جس طرح وہ بدتمیزی کرتی تھی یہی تو سٹریٹ فارورڈ ہونا ہے۔ وہ بھی ویسی بنے گی جیسی اس کی بہن ہے۔

"مجھے میرے کاموں کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہے۔اور جو کچھ تم نے آج کیا ہے میں تمہیں اس کے لئے معاف نہیں کروں گی۔" حالانکہ وہ معاف کر چکی تھی۔ دوسری طرف ضیغم کی جانب سے خاموشی چھا گئی۔ اس نے دوبارہ کوئی پیغام نہیں لکھا تھا۔ کونج کے دل کو کچھ ہوا تھا مگر پھر سر جھٹک دیا۔ اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ مردوں کے پیچھے نہیں جائے گی، وہ ضیغم کو یونہی ذلیل کرے گی جیسے زینیا نے اسلام آباد جانے سے پہلے بشر کو کیا تھا۔ ہر مشرقی مرد بیوی، بہن، بیٹی کا دشمن ہوتا ہے۔ یہی تو اس نے سمجھا تھا۔ مردوں کو جوتی کے نیچے رکھنا تھا۔ عزت نہیں دینی تھی۔ انکی بات نہیں ماننی تھی۔ چاہے وہ حق پہ ہوں انکو جھٹلانا تھا۔ کیونکہ اسی طرح عورت اپنا حق لے سکتی ہے۔ کیونکہ اسی طرح زینیا نے اپنا حق لیا، اور اب کونج حاکم بھی اسی طرح اپنا حق لے گی۔

(بیڈ پہ اوندھے منہ گرے اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔ فوٹو گرافی اس کا محبوب شوق تھا۔ جسے آج وہ ایک ہی بار اپنے شوہر کے کہنے پہ چھوڑ آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تو شیزل ہاتھ میں ڈھیر ساری کھانے پینے کی چیزیں بامشکل اٹھا کر آتی دکھائی دی۔ زینیا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ کمر پلنگ کے تاج سے ٹکا دی۔ اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ شیزل نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ پھر جھپٹ کر اپنا سامان اٹھایا۔

"تمھیں کچھ نہیں ملے گا، زینیا حاکم۔" اس نے گویا جتایا تھا۔

''بالاج نے مجھ سے کہا فوٹو گرافی چھوڑ دو، اور میں چھوڑ کر آئی ہوں۔'' وہ اطلاع دینا چاہتی تھی۔ یا پھر پھٹکار سننا چاہتی تھی؟ شیزل کے مانو سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔

''کیا کیا کیا؟ کیا بکواس کی ہے دوبارہ کہنا؟ میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم زینیا حاکم تم کسی مرد کی بات سن کر اپنے شوق پہ دستبرداری دے دوگی۔'' اسے سال میں تین سے چار بار غصہ آتا تھا، مگر جب آتا تھا۔ پھر رج کر آتا تھا۔ زینیا نے گہری سانس لی۔

''وہ کوئی گلی میں چلتا مرد نہیں تھا۔ وہ کوئی فیسبک انسٹا گرام پہ میری کامیابی سے جلنے والا مرد نہیں تھا۔ نہ وہ کاروبار میں میرا حریف مرد تھا۔ وہ میرا محافظ مرد ہے۔ ہر مرد برا نہیں ہوتا۔ ہر مرد کی پابندی دقیانوسی نہیں ہوتی۔ کچھ محافظ ہوتے ہیں اور انکی لگائی پابندی ،دی ہوئی تنبیہہ حفاظت ہوتی ہے۔ فلموں، ڈراموں سے نکل آؤ جہاں مرد اگر پابندی لگائے، تنبیہ کرے تو ولن کہلاتا ہے۔'' اس نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سارے کے سارے عورت کو گرا کر خود آگے آنا چاہتے ہیں۔ اپنے گھر کی عورتوں پہ بند بٹھا دیتے ہیں اور باہر کی عورتوں کی کامیابی کا ذکر زور وشور سے کرتے ہیں۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرہ لئے آگے آئی۔

''ہر مرد کو جوتی کی نوک پہ رکھنا چاہیے، اپنی منوانی چاہئے، ضد کرنی چاہئے کیونکہ کسی بھی عورت کو اپنے کامل ہونے کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہے۔'' شیزل بول کر پیچھے ہٹی، گہرے لمبے سانس لے کر خود کو پر سکون کرنے لگی۔ اس کا قصور نہیں تھا، اس نے اپنے نزدیک ایسے ہی مرد دیکھے تھے۔ ''مجھے یقین نہیں آتا زینیا تم اتنی کمزور کیسے ہو سکتی ہو کہ ایک مرد کے جال میں آجاؤ۔'' اسے تاسف ہوا۔

”میں کسی جال میں نہیں آئی نہ کسی عورت کو آنا چاہیے۔اپنا کمانا،اپنا پیسہ،اپنی خود مختاری ہر عورت کا حق ہے۔اور اگر کوئی مرد بلندیوں کے سفر میں اسے گرانا چاہے تو اس عورت کو اپنے لئے اٹھنا آنا چاہیے۔“ وہ رکی۔ شیزل کے بگڑے تاثرات کو دیکھا، پھر اضافہ کیا۔”عورت کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ کون اسے گرا رہا ہے، کون اس کا بازو بن رہا ہے اسے سب معلوم ہوتا ہے۔ میری بلندیاں سی ایس ایس کا امتحان ہیں۔اور بالاج اس سفر میں میرے ساتھ ہے۔ہاں وہاں مرد کی نہ مانو جہاں وہ غلط ہو یہ بہادری ہے۔ لیکن اس کے حق پہ ہوتے ہوئے اسے ذلیل کرنا، پیر کی جوتی سمجھنا بہادری نہیں۔ تمہاری اپنی ذلت ہے۔“

”تم کمزور پڑ رہی ہو، زینیا۔ تم ایسی نہیں تھیں۔“

”تم طاقت کے اصل معنی نہیں جانتیں۔ تم کیا جانو زینیا کون ہے۔ میرے لئے assumptions مت لگاؤ۔“ وہ مسکرا کر کہتی بالکنی کی جانب چلی گئی۔)

اپنے کمرے میں آکر اس نے الماری کے نیچے والے خانے سے زینیا کی کچھ کتابیں نکالیں۔ بور ہو رہی تھی چلو کچھ پڑھا جائے۔ اچانک اسکی نظر زینیا کی اسکیچ بک پہ پڑی۔ کونج نے اسے بھی ہاتھ بڑھا کر اٹھالیا۔ پلنگ پہ ساری چیزیں پھیلا کر رکھیں، ابھی وہ خود پہ بیٹھتی کہ اسکیچ بک سے کچھ صفحے پھسل کر نکل پڑے۔ اس نے حیرت سے صفحے اٹھائے اور غور سے انہیں دیکھا۔ وہ ایک شہزادی کا اسکیچ تھا۔ لمبا فراک، ڈیزائن ایسا جیسا عیسائی لڑکیاں اپنی شادی پہ پہنتی ہوں۔ کونج نے کھڑے کھڑے اسکیچ بک ہاتھوں میں اٹھالی۔ یہ زینیا کا hidden talent تھا جسے وہ چھپا کر ہی رکھتی تھی۔ اسے اسکیچز بنانے آتے تھے، وہ شہزادیوں کے کپڑے ڈیزائن کرتی تھی۔ اس وقت چار سو والٹ کا کرنٹ تھا جو اسے لگا تھا۔ سفید صفحے پہ ایک اسکیچ تھا۔ ڈائس کے پیچھے کھڑی لڑکی سپیچ

دے رہی تھی۔ باقی لوگ خاموش تھے۔ بس ایک مرد جس کی شال کو ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔ وہ اس کے لئے تالیاں بجا رہا تھا۔ اوپر ایک انگریزی گانے کی سطر لکھی تھی۔

I need a man

se patient and kind،who

اگلے اسکیچ میں لڑکی کے گلے میں تمغہ تھا۔ شال والا مرد اسے ستائش سے دیکھ رہا تھا۔ آس پاس ایک ہجوم تھا۔ انکے چہرے نفرت بھرے تھے۔ لیکن ان دو لوگوں کو پرواہ نہ تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہے تھے۔

gets out of the car and holds the door

I wanna slow dance in the living room like

we are 18 and senior prom and grow

اسکیچ بک پہ اسکی گرفت ہلکی پڑی آنکھیں دھندلی ہونے لگیں۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے صفحہ پلٹا۔

ایک لڑکی تھی جو کرسی پہ بیٹھی تھی۔ مرد اس کے پیر کو گھٹنے پہ رکھے ہوئے تھا۔ پاس ایک عورت تھی جو چیخ رہی تھی۔ ساتھ ادھیڑ عمر مرد تھا جو انگلی اٹھائے کھڑا تھا۔ اگلے صفحے پہ وہی اسکیچ تھا مگر ذرا ردوبدل کے ساتھ۔ لڑکا اب لڑکی کو کرسی سے کھڑا کر چکا تھا ۔اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے کی طاقت تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل کرتے تھے۔

Old with someone who makes me feel young

my father loved my mom،I need a man who loves me like

آخری سطر پہ کانٹے لگے تھے۔اس کی جگہ نئی سطر لکھی گئی تھی۔

but my father never loved my mom

کونج کے ہاتھوں سے اسکیچ بک چھوٹ کر گری۔آنکھوں سے پانی ایک دریا کی صورت باہر نکلا۔زینیا عام تھی،بے حد عام۔وہ گھر بنانے والی،ایک مرد کے خواب دیکھنے والی ایک عام لڑکی تھی۔کونج نے اسے ملکہ سمجھ لیا تھا۔وہ کنیز بھی نہ تھی۔اسے اپنی ساری زندگی جھوٹ معلوم ہوئی۔پلنگ سے لگ کر وہ دھیرے دھیرے فرش پہ بیٹھتی چلی گئی۔اس کے آئیڈیلزم کا بت گر کر بری طرح پاش پاش ہو چکا تھا۔وہ تو جیسے ساری عمر سراب کے پیچھے بھاگتی رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل اتنا شاہانہ تھا کہ تمہاری آنکھیں اسے دیکھتی رہیں،بس دیکھتی رہیں۔شان و شوکت،ٹھاٹھ باٹھ انیسویں صدی کے کسی محل جیسے تھے۔مگر جب تم گھر کے اندر آؤ تو ویرانی ہی ویرانی ہر جانب پھیلی ملے گی۔ہر کوئی دل میں کینہ اور بغض لئے ہوئے ہو گا۔ہر کوئی ایک شکایت دل میں چھپائے ہوئے ہو گا۔اور ہر کوئی ایک طرح کا بسمل ہو گا۔جلتی بجھتی راہداریوں کو پار کرتے ہوئے کچن کی طرف آؤ تو مہدی کمبیر اون میں کھانا گرم کرتا نظر آئے گا۔پاس رکھی ڈنر ٹیبل پہ ایک ٹرے تیار تھی۔سفید اور سنہری تھیمڈ کچن اس وقت بتیوں کے جلنے کے باعث پوری طرح روشن تھا۔اسی روشنی میں مہدی کے بازو کی طرف دیکھو تو جلے کا نشان

تھا۔ شاید اون کی ڈش نے اس کا بازو جھلسا دیا تھا۔ کھانا ٹرے میں رکھ کر وہ مڑا تو انیسہ سامنے کھڑی نظر آئی۔ اسکی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ چہرے پہ رندھا ہوا تاثر تھا۔

''تم بہت اچھے ہو، مہدی۔ تمہارا ساتھ، تمہاری موجودگی کسی بھی شخص کے لئے اعزاز ہے۔'' مہدی گردن جھکا کر ہنس پڑا۔

''میں اچھا ہوں، میرا ساتھ میری موجودگی کسی بھی شخص کے لئے اعزاز ہے لیکن۔'' وہ رکا زخمی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم نے پھر بھی مجھے چھوڑ دیا، انیسہ۔''

''میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اور میں نے صرف تم سے محبت کی تھی، انیسہ۔ لیکن میری سیاہی، میرا کرس سب کھا گیا۔'' مہدی کی نظریں آج زخمی تھیں۔ افسردہ اور دل دکھاتی۔ کئی لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔ انیسہ بے آواز آنسو بہاتی رہی۔ اور مہدی خاموش کھڑا لب کاٹتا رہا۔

''تم ہر طعنہ، ہر گالی کیوں سہہ لیتے ہو۔ تمھیں اپنے لئے بولنا چاہیے۔ وہ حادثہ ہم سب کے لئے برا تھا۔ پھر ولن صرف تم کیوں۔؟'' مہدی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکی سبز آنکھوں میں سرخ ڈوریاں تھیں۔

''میرے باپ نے اس خاندان میں ایک غیر ذات کی عورت کا اضافہ کیا۔ گناہ کیا۔ اس عورت کی وجہ سے میرے باپ کو اپنی منگیتر چھوڑنی پڑی، اور پھر اس منگیتر کے بھائی نے ہماری پھپھو کو چھوڑ دیا۔ یہاں مردوں کے بدلے عورتوں سے لئے جانے کا رواج جو ہے۔'' اس کا لہجہ خود بخود تلخ ہوا۔ ''میری ماں غیر برادری سے تھیں، کچھ اصول تھے جو انکو معلوم نہیں تھے اور پھر ہم سے غلطی ہو گئی۔ ایک غلطی جس نے ہمارے سارے خاندان کو برباد کر دیا۔ تمہاری ماں مر گئی، قیس کا بھائی، باپ، ماں، بہن سب مر

گئے۔ مقصود چچا کی اولاد اور بیوی مر گئی۔ دشمنی سب کھا گئی۔ اور وجہ کون تھا؟ مہدی سرور کمبیر۔'' اس نے سینے پہ زور سے انگلی سے دستک دی۔

''میں گلٹی ہوں، میں قصوروار ہوں، میں کرس ہوں اور سبز قدم بھی۔ جب سے میں نے یہ سب قبول کیا ہے تب سے مجھے ہر الزام خاموشی سے اپنے سر لینے کی عادت ہو گئی ہے۔ اور سچ کہوں تو اب خود کو معاف نہیں کیا جاتا۔ کاش میرے والدین مجھے اس دنیا میں نہ لاتے۔'' سنہرا کچن اسکی خاموشی سے افسردہ ہوا۔ انیسہ چند لمحے اسے نرم نظروں سے دیکھتی رہی۔

''قیس نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے مہدی۔ ہمیں اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہیے۔ کم از کم اچھا کھانا تو اسے کھلا ہی سکتے ہیں۔'' آخری بات غیر سنجیدہ تھی۔ مہدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ انیسہ بھی آنکھیں رگڑ کر مسکرائی۔ پھر آگے بڑھ کر ٹرے اٹھایا۔ ''شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالنا ہے شروع کریں کرائم پارٹنر؟''

''کیا پہلے کبھی منع کیا ہے؟'' وہ مسکرا کر بولا، پھر دونوں نے قیس کے کمرے کی راہ لی۔ قیس کا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ انیسہ نے اندر قدم رکھا تو بے اختیار کھانسی۔ دھواں اتنا شدید تھا کہ اسے سانس لینا مشکل لگا۔ قیس اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ بال ماتھے پہ بکھر گئے تھے۔ شرٹ وہی سلوٹ زدہ۔ اور آنکھوں میں تھکن۔ انیسہ کو دیکھ اس نے موبائل کی ٹارچ جلائی۔ اس نے کھانا بیڈ پہ رکھا، پھر خود ہی بتی روشن کر دی۔ سارے کمرے میں روشنی پھیلی تو قیس کو کوفت سی ہوئی۔ انیسہ جانتی تھی وہ اسے یہاں سے نہیں نکالے گا۔ کم از کم انیسہ کو نہیں۔

''تمھیں اگر لگتا ہے تمھارے یہاں آنے سے میں کھانا کھالوں گا تو تم غلط ہو۔'' وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ بولا۔ انیسہ بیڈ پہ چڑھ آئی۔ چادر خراب ہوئی اور قیس کو اب وہ زہر لگی۔

''مجھے یقین ہے اگر میں یہاں آکر آپ کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں تو آپ مان جائیں گے۔'' وہ آنکھوں میں چمک لیے بولی۔

''اوہ پلیز اسٹاپ دس میلوڈرامہ۔ دفع ہو جاؤ میں خود کھالوں گا۔'' قیس نے ٹرے آگے کرلی اسے لگا اب انیسہ اسکی جان چھوڑ دے گی مگر وہ ڈھیٹوں کی طرح جمی رہی۔

''اب کیا ہے دفع ہو جاؤ ناں کھالوں گا میں۔'' اسے کوفت ہوئی۔

''اگر آپ نے ہمیں پالا ہے تو ہم نے بھی آپ کو اپنا سمجھا ہے۔ آپ کو لگتا ہے مجھے نہیں پتہ کہ آپ مجھے یہاں سے بھیج کر یہ کھانا ڈسٹ بن میں ڈال دیں گے۔ پھر سگار کر کش لیں گے اور ساری رات بیٹھ کر ان مر چکے لوگوں پہ ماتم کریں گے۔''

''انیسہ۔۔۔'' قیس کی آواز قدرے بلند ہوئی۔ آنکھوں میں سرخی اتری۔

''کیا انیسہ بھائی کیا انیسہ؟ ہم سب اتنے mean کیوں ہو رہے ہیں۔ جو غم ہے، جو گلہ ہے، جس بات سے مسئلہ ہے کہتے کیوں نہیں؟ ان لوگوں کو روتے ہیں جو چلے گئے اور انکی قدر نہیں جو ساتھ ہیں۔ مہدی اتنا برا نہیں ہے جتنا آپ اسے سمجھتے ہیں۔'' قیس کے جبڑے بھینچ گئے۔ ''اسے معاف نہیں کر سکتے، مت کریں، اس کے ساتھ اچھے نہیں بن سکتے مت بنیں۔ لیکن کم از کم اس کے ساتھ ایسا سلوک مت کریں۔ جو آپ کو بھی ہرٹ کرے اور اسے بھی۔''

''تم جانتی ہو تمہاری ان باتوں کی وجہ سے میں تمہارا اگلا دبا کر تمہیں مار بھی سکتا ہوں۔''ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔انیسہ نے جواب دیئے بغیر چاولوں کا چمچ اسکی طرف بڑھایا۔

''مجھے مار کر جیل چلے جائیں گے۔آپ محل کا مضبوط ستون ہیں آپ کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟''اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

قیس نے گہری سانس لی، قہر بھری نظروں سے اسے دیکھا، گویا کچا چبا دینا چاہتا ہو۔پھر جھپٹنے کے انداز میں چمچ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔''خود کھا سکتا ہوں میں معذور نہیں ہوں۔''

اگلے چند لمحوں میں وہ کھاتا رہا،اور انیسہ بولتی رہی۔وہ بس سن رہا تھا کھایا اس نے بامشکل ہی تھا۔

''اندر آجاؤ، گرین وونڈ۔مجھے پتہ ہے تم باہر کھڑے ہو۔''آخر کار وہ بے زاری سے بولا تھا۔مہدی دروازہ دھکیل کر اندر آیا۔قیس اسے دیکھ رہا تھا۔مہدی براہ راست اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکا۔

''جب تک میرے گھر والے بھوکے ہوں، میرے حلق سے کھانا نہیں اتر سکتا۔''اس کے کہنے کی دیر تھی مہدی ایک ہی جست میں پلنگ تک آیا اور تیزی سے پلیٹ میں اپنے لئے چاول ڈالے۔

''ویسے ایک بات ہے ہمارے شیف کو کھانا بنانا بلکل نہیں آتا،اسے بدل دینا چاہئے ہے ناں۔؟''مہدی نے رائے دی۔

''مجھے اس کی بنائی ہوئی بریانی پلاؤ جیسی لگتی ہے ہنہہ ناکام شیف۔''انیسہ نے ناک سکوڑی۔

''تم دونوں ابھی میرے لئے اتنے اہم نہیں ہوئے کہ تمہاری خاطر اپنا اسٹاف بدل دوں۔''لو جی ماننا تو انہوں نے تھا ہی نہیں۔

''نائٹ میئر''مہدی نے نوالا چباتے کچھ سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔''تمھیں کیسے پتہ تھا میں باہر کھڑا ہوں۔''

''تمہارا پرفیوم اور میری غیر معمولی حساس ناک۔''سنجیدہ تبصرہ۔

کچھ دیر بعد وہ دھکے دے کر ان دونوں کو کمرے سے باہر نکال رہا تھا۔چہرے پہ سختی تھی آنکھیں نرم۔انیسہ چلی گئی جب راہداری میں دور جاتے مہدی کو قیس کی پکار پہ رکنا پڑا۔

''یہ زخم پہ لگا لینا،اور آئندہ اگر تم مجھے کچن میں نظر آئے،تو زندہ جلا دوں گا۔''ہاتھ میں پکڑی ٹیوب کھینچ کر اس کے سینے پہ دے ماری۔مہدی نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ ٹیوب پکڑ لی۔کیا تھا یہ آدمی اور کیسا تھا اسکا پیار؟جلا دوں گا،گردن دبا دوں گا،مار دوں گا۔مہدی مسکرایا،انگلیاں ماتھے تک لے جا کر اسے سلام کیا۔پھر مڑ گیا۔

قیس تب تک اپنے دروازے پہ کھڑا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح نمل یونیورسٹی کی فضائیں سنجیدگی کا پتہ دیتی تھیں۔کلاس شروع ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔زنیا حاکم کوچنگ کا کام لئے سبزہ زار پہ آگئی۔گہرے نیلے رنگ کے قمیض شلوار میں ملبوس اس نے بالوں کو سختی سے باندھ رکھا تھا۔سر پہ سفید دوپٹہ اور ناک میں زیور چمک رہا تھا۔دفعتاً اسے ایک آہٹ کا سا احساس ہوا۔یوں جیسے کسی نے اسے نظروں کے حصار میں لیا ہو۔ایک شناسا احساس کے تحت اس نے نظر اٹھا کر دیکھا،سامنے سے مہدی کمبیر چلتا ہوا آ رہا تھا۔سفید ڈریس شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ،اور سیاہ ہی پینٹ۔چمکدار جوتے اور سلیقے سے بنے بال۔ہاتھ میں ہمیشہ کی طرح برانڈڈ گھڑی۔چہرے پہ سنجیدگی۔آج مہدی کمبیر ایک الگ

انسان تھا۔ وہ آج چلتا پھرتا برانڈ لگ رہا تھا۔ زینیا کا بے اختیار دل چاہا تھا وہ یونہی دور رہے، آج وہ اتنا شاہانہ تھا کہ اس کے قریب آنے سے بے چینی ہوتی تھی۔ وہ قریب آکر رکا، زینیا پلک جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ وجہ کوئی کشش نہیں تھی۔ وجہ بھید تھا جو کھل چکا تھا۔ جس مہدی کبیر کو وہ جانتی تھی اس کا اصل اتنا معتبر اور اتنا شاہانہ ہی تھا۔

''کیا ہوا کیا پہلی بار دیکھ رہی ہو۔''؟ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، دھوپ اس کے عقب میں تھی۔

''آج پہلی بار آپ کو آپ کے اصل میں دیکھ رہی ہوں۔ آج پتہ چلا ہے آپ کتنے امیر کتنے شاہانہ ہیں۔''

''ہاں میں واقعی بہت امیر ہوں، بہت شاہانہ بھی مگر۔۔۔''

''اوہ پلیز اب یہ مت کہئے گا کہ پیسہ خوشی نہیں دیتا۔ امیر انسان کے مسائل بھی بہت ہوتے ہیں۔'' زینیا کو کوفت ہوئی۔

''میں نے کبھی نہیں کہا کہ پیسہ خوشی نہیں دیتا۔ پیسہ کاغذ ہے، کاغذ خوشی نہیں دیتا۔ آزادی، اور مواقع دیتا ہے۔ اور اس آزادی اور مواقع کا صحیح استعمال خوشی دیتا ہے۔''

''ایک ہی بات ہوئی نہیں؟ آپ کو بس شوق ہوتا ہے باتوں کو مشکل بنا دینے کا۔ مواقع اور آزادی کیسے خوشی دیتے ہیں۔''

مہدی اپنے اس برانڈڈ سوٹ سمیت نیچے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ زینیا کو ہول اٹھے تھے۔ اس کے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔

''میری آزادی میرا ٹریول ہے۔ مواقع نئے ممالک۔ نیا موسم، نئی جگہیں۔ کیا تم نے کبھی سرما کی پہلی برف بری دیکھی ہے؟ مہدی کبیر نے دیکھی ہے۔ تم نے خزاں کے پتوں سے بھری لندن کی سڑکیں دیکھی ہیں، بارش میں بھیگتا لاہور دیکھا ہے، کیلیفورنیا کی گرمی دیکھی ہے، سوئزرلینڈ کی وادیاں دیکھی ہیں۔؟ روما کی تاریخ دیکھی ہے، یونان کے سفید گھر دیکھے ہیں۔؟ گدلے اور سفید پانی

کا سنگم دیکھا ہے، امریکا کی روشنیاں دیکھی ہیں، ترکی کی خوبصورتی دیکھی ہے؟ اسپین کی اونچی تاریخی عمارتیں دیکھی ہیں، چائنا کے جدید کیفیز، مسمرائز کر دینے والی ٹیکنالوجی دیکھی ہے، ہنزہ کے پہاڑ دیکھے ہیں۔، یا پھر کشمیر کی سردی دیکھی ہے، ہندوستان کی ثقافت دیکھی ہے، کیا تم نے جرمنی کی عمارات دیکھی ہیں؟ نیا یارک کا ورلڈ وائڈ میٹ اپ سپاٹ دیکھا ہے؟ ناروے کے آسمان سے اترتی سبز روشنی دیکھی ہے؟ مالدیوز کے سمندر کے نیلے ہیرے دیکھے ہیں تم نے نہیں دیکھے ہوں گے میں نے دیکھے ہیں۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ سیاحت کے ذکر نے اسکے اندر جوش بھر دیا تھا۔

''تم نے کبھی اسکائے ڈرائیونگ کی ہے؟ جب تمھارے قدموں کے نیچے سے زمین نکل کر بادل آجائیں، جب تم ہواؤں میں ہو، جب ساری دنیا کی فکر ختم ہو جائیں، جب ہوا تمھارے چہرے پہ تھپیڑے کی طرح لگتی ہو۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

''تم نے کبھی آئس اسکیٹنگ کی ہے۔ جمی ہوئی برف پہ جب تم ہر فکر چھوڑ کر گول چکر لگاؤ یہ ہوتی ہے زندگی۔ جب کئی سوفٹ کی بلندی سے ایک رسی کے سہارے تم خود کو وادی، ندی، پہاڑوں کی طرف پھینک دیتے ہو یہ ہوتا ہے رسک، خوشی۔ کئی کئی دن پہاڑ، سردی، برف میں سروائیو کرنا یہ ہوتی ہے زندگی۔ کیا تم نے ایئر بلون میں بیٹھ کر ہواؤں میں بلند بیٹھ کر کھانا کھایا ہے؟ کیا تم نے ایسی زندگی جی ہے۔؟'' اس نے زینیا کے چہرے پہ نظریں جما کر پوچھا واللہ وہ طنز نہیں کر رہا تھا۔ وہ بس تنگ پڑ رہا تھا۔ وہ بس اپنے اصل کو مس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ حسرت تھی۔ بس ثابت ہوا سیاح صاحب کے اس ملک سے جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔

''مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟ یقیناً آپ اس وقت اس برانڈڈ سوٹ میں، اس مہنگی گھڑی کے ساتھ مجھے یہ سب بتانے نہیں آئے۔''

''میری زندگی میں بہت مسائل ہیں، زینیا حاکم۔ جن کا ذکر مجھے پسند نہیں۔ میرے پاس کچھ خوشیاں تھیں، کچھ آرام دہ لمحات تھے۔ جن کو میں نے کہیں قید کر رکھا تھا۔'' وہ رکا ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میری یو ایس بی تمھارے پاس ہے۔ پلیز مجھے وہ واپس کر دو۔ تم نہیں جانتیں، لیکن وہ میرے لئے بہت قیمتی ہے۔'' بس یہی کہا اس نے اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ زینیا بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ جبکہ مہدی کی نگاہوں میں آج تاثرات کا قوس قزح تھا۔

''آپ نے اس دن کہا تھا آپ کا ایک تجسس ہے۔ جسے جان لیا تو ختم ہو گیا۔ کیا سچ کہا تھا؟'' مہدی تھم گیا۔ آنکھوں کے آگے انیسہ کمبیر کا چہرہ ابھرا۔ دل سے بے اختیار ٹیس اٹھی تھی۔

''ہاں لیکن اسکا تم سے کیا تعلق؟''

''ہم ایک مرد کو کیوں ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ کوئی عورت بھی تو ہو سکتی ہے۔'' وہ رکی محظوظ کن نظروں سے مہدی کمبیر کو دیکھا۔

''مہدی کمبیر صاحب آپ کی تعاقب کار ایک عورت بھی ہو سکتی ہے۔'' کئی لمحے مہدی پر اسمیں ہی نہ کر سکا۔ فضائیں یکدم اسکا دم گھونٹنے لگی تھیں۔

''تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو، تم نے اسکی آواز سنی تھی۔ وہ ایک مردانہ آواز تھی۔''

''ہم دونوں نے وہ آواز سنی تھی جو اس نے سنانی چاہی تھی۔ لیکن اسکا بھید کھل چکا ہے۔ غصہ، خوشی، محبت نفرت۔ جذبات ہیں۔ جذبات آپ کے اندر کے اصل کو باہر لے آتے ہیں۔ جیسے اس دن اس لڑکی کے جذبات اسکا اصل باہر لے آئے تھے۔''

''یعنی؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو جلدی بولو۔'' مہدی کی رنگت نچڑ رہی تھی۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا۔

''اس روز جب اس نے آپ کو گولی ماری تھی، تب وہ غصے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ غصے سے زیادہ اسے صدمہ تھا۔ آپ نے شادی کی بات کی تھی اور وہ ڈر گرہوئی تھی کیونکہ یا تو وہ شادی نہیں کر سکی تھی، یا پھر آپ نے اس سے شادی نہیں کی تھی۔'' مہدی شل رہ گیا۔

''اسے آوازیں بدلنے کا فن آتا ہے۔ وہ ملٹی ٹیلنٹڈ ہے۔ اسکی جسامت مردانہ ہے۔ اور کندھے مضبوط۔ شاید وہ کوئی خواجہ سرا ہو یا پھر شاید۔'' وہ بولتے ہوئے رکی پر سوچ نظروں سے مہدی کو دیکھا۔ ''آپ کے سرکل میں کوئی ممیکری کرتا ہے؟ یا پھر کوئی متعدد آوازیں نکال سکتا ہے کیا؟''

مہدی کتنے ہی لمحے بغیر سانس لئے چپ چاپ کھڑا رہا۔

''حدیبیہ نواز کو آوازیں بدلنے کا فن آتا ہے۔'' اسکے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ آنکھیں نیم مردہ۔ مہدی کمبیر کے جسم سے سانس نکل چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لنچ ٹائم پہ وہ ہاسٹل واپس آچکی تھی۔ اور اس وقت اپنے کمرے کے یو پی ایس کے چار جر ڈیوائس کو کھولے بیٹھی تھی۔ سفید کھلا کرتا، پھولے ہوئے بازو، بالوں کا اونچا جوڑا جس میں پنسل اٹکا رکھی تھی۔ پلنگ سے نیچے فرش پہ بیٹھی زینیا حاکم ایک بار پھر ایک مشین کو کھولے ہوئی تھی۔ اسی پل باتھ روم کا دروازہ کھلا اور شیزل باہر آئی۔ سیاہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس بلوں میں تولیہ اٹکا رکھا تھا۔

''تم نے قیس کمبیر کے بارے میں کافی کچھ بتایا مگر یہ وائرس کون ہے؟'' زینیا نے نٹ کو جوڑتے ہوئے پوچھا۔ بالوں کو تولیے سے آزاد کرتے شیزل کے ہاتھ ایک پل کو تھم گئے۔

''میں نے اس روز تمھیں تمہاری دوست سے بات کرتے سنا تھا۔'' زینیا نے اضافہ کیا۔ ''اس نے شاید تمہارا کوئی راز کھولا تھا، میں جاننا چاہتی ہوں کیا تم نے اسے اسی لئے چھوڑا تھا؟''

شیزل دھیرے سے اپنے پلنگ کے ایک سرے پہ بیٹھ گئی۔ ''تم یہ سب کیوں جاننا چاہتی ہو؟ اور تمھیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں گی؟''

زینیا نٹ جوڑ چکی تھی۔ اب وہ چار جر اٹھائے سوئچ بورڈ کی طرف آگئی۔ ''راز ہماری ڈارک سائیڈ ہوتے ہیں، زیتم۔ انہیں راز رہنا چاہیے ہے ناں۔؟'' زینیا رک سی گئی۔ ''بتاؤ زینیا حاکم کیا تم نے کبھی کسی کو رازوں کے کھل جانے کے ڈر سے کسی کو چھوڑا ہے۔؟ یا پھر دنیا میں شیزل سیمسن واحد بے وقوف ہے۔'' زینیا کے لئے آس پاس کی ساری دنیا چند پل کے لئے تھم گئی۔ وہ کسی اور کے بھید کھولنے چلی تھی اور اس وقت اس کے اپنے بھید کھل چکے تھے۔

(''دوست کو وہی راز پتہ چلنے چاہیے جو ہم سنائیں۔ وہ نہیں جو اس نے دوسروں کو سنانے ہوں۔'')

گزرے برسوں میں گوادر اتنا خوشحال اور ترقی کی جانب گامزن نہیں تھا۔ ان دنوں گوادر پسماندہ تھا۔ اسکول سے چھٹی کا وقت تھا۔ میٹرک کی سٹوڈنٹ زینیا حاکم اور اسکی دوست الماس گوہر اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو جا رہی تھیں۔ ہلکی آسمانی رنگ کی وردی کے ساتھ بڑی بڑی چادریں پہنے زینیا اور الماس گلی میں داخل ہوئیں تو مروتاً زینیا نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ گرمی بے تحاشا تھی اور پیاس سخت۔ الماس اس پیشکش کو نہ ٹھکراتے ہوئے اس کے ساتھ گھر میں داخل ہو گئی۔ مگر جو منظر ان دونوں نے دیکھا وہ قیامت جیسا تھا۔

حاکم نواب ہاتھ میں کوئی بھاری شے لئے بے دردی سے اپنی بیوی کے جسم پہ برسا رہے تھے۔ جھلستی دھوپ میں فرش پہ ادھ موئی سی عورت کے لبوں سے کراہ تک نکلنا بند ہو چکی تھی۔ زینیا نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں تھیں۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا اور ایک لمحہ بس ایک لمحہ چاہیے ہوتا تھا اسے "**خاص**" کو "**عام**" کر دینے کے لئے۔ اور وہ کر چکی تھی۔

کلاس میں، اساتذہ کی نظروں میں زینیا کا ایک مقام تھا۔ کیا ہوا اگر الماس گوہر انہیں یہ بتا آئے کہ زینیا کے گھر میں موجود اسکا باپ Wife beater ہے۔ اور زینیا کا گھرانہ "**سکھ**" ہے۔ وہ اسکا بھید پا چکی تھی۔ مگر اسے کھولنے سے پہلے زینیا اس سے دور ہو جائے گی۔

(''میں اسکے لئے بہت خاص تھی۔ میں جانتی تھی میرے راز استعمال نہیں کئے جائیں گے۔ لیکن میرے دل کے ایک کونے میں شک تھا۔")

اگلے تین دن زینیا اسکول نہ جاسکی تھی۔ بہانہ اماں کی طبیعت خرابی کا تھا مگر اصل بات یہ تھی کہ وہ الماس گوہر کے اپنی زندگی سے چلے جانے کا سوگ منارہی تھی۔ تین دن، بس تین دن اور زینیا انسانوں کو یوں بھول جایا کرتی تھی گویا کبھی رہے ہی نہ ہوں۔

اسکول میں داخل ہوتے ہی اسے دور سے الماس دو لڑکیوں کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر بات کرتی دکھائی دی۔ زینیا کو شک بلکہ یقین ہوا کہ یہ بات اسی کی تھی۔ قریب آنے پہ اس کے کان میں بس اپنے نام کی پکار پڑی۔ اور پھر الماس بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ زینیا اس وقت کچھ نہ بولی مگر وہ ذہن میں ایک خاکہ تیار کر چکی تھی۔ جس میں الماس اس کے خلاف سازش کر رہی تھی اور اس کے راز کھول رہی تھی۔

بریک کے وقت جب الماس نے اسے کینٹین چلنے کی آفر کی تو بلاخر زینیا پھٹ پڑی۔

''تم ان لڑکیوں سے میری بات کر رہی تھیں ہے ناں؟'' اس کے اس قدر کاٹ دار لہجے پہ الماس کو حیرت ہوئی۔

''میں تو ہر دوسرے انسان سے تمہاری بات کرتی ہوں کیا ہو گیا ہے؟''

''تم انہیں بتا رہی تھی کہ میں اسکول کیوں نہیں آئی۔ تم نے انہیں کیا بتایا ہے؟''

''یہی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اور بھلا کیا بتانا تھا؟''

الماس کے انداز میں کچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔ زینیا تھم گئی۔ مزید سوال نہ کر سکی مگر اس کے دل میں یقین نما شک جڑ پکڑ چکا تھا۔ جو جلد ہی ان کے تعلق کو کھوکھلا کر دینے کو تیار تھا۔

(''میرے دل میں شک آگیا تھا۔ میں نے کبھی اعتبار کرنا نہیں سیکھا۔ اس نے مجھے بچانا چاہا تھا۔'')

پورا ہفتہ وہ الماس سے کھنچی کھنچی رہی تھی۔ الماس بات کرتی تو ہوں ہاں میں جواب دیتی۔ ورنہ گھنٹوں گھنٹوں خاموش بیٹھی رہتی۔ الوداعی تقریب کا ذکر ہوتا کپڑوں اور جیولری کی بات چھِڑتی تو **"ہاں دیکھیں گے"** کہہ کر ٹال دیتی۔ الماس اس کا یہ رویہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ مگر خاموش تھی۔

زینیا یہی کرتی تھی وہ تعلق توڑتے وقت اگلے کو اتنا زچ کر دیتی تھی کہ وہ خود آئے اور اس سے کہے کہ بس آج اور ابھی سے سب ختم۔

''تم میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو، زینی؟'' چند دن بعد فیرول پارٹی والے دن بلا خر الماس نے روتے ہوئے پوچھا تھا۔ زینیا نے آنکھیں اٹھا کر اسے نا سمجھی سے دیکھا۔

''کیا کر رہی ہوں میں ذرا مجھے بھی پتہ چلے؟''

''تم اتنے دنوں سے مجھے اگنور کر رہی ہو۔ میرے ساتھ ہوتے ہوئے بھی میرے ساتھ نہیں ہوتی۔ میں بات کرتی ہوں تو جواب نہیں دیتی۔ تم کیا چاہتی ہو میں تمھیں چھوڑ دوں؟''

''تو چھوڑ دو اس میں ایسا کیا مسئلہ ہے؟'' الماس رونا بھول اسے دیکھے گئی۔ دنیا کے نایاب پتھروں کے ملاپ سے بنا ہو گا زینیا کا دل۔

''کیا تمھارے لئے اتنا آسان ہے کسی تعلق کو ختم کر دینا؟'' زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر یکدم اسکی آنکھوں سے ہر تاثر غائب ہوا۔ اور اب وہاں بس سفاکی تھی۔ اس نے الماس کے آگے چٹکی بجائی۔

"اتنا، بس اتنا آسان ہے۔'' وہ اتنی بے حس تھی جس کی کوئی حد نہیں۔

''تم اس دن کے واقعے سے خوف زدہ ہو ناں۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی، زینی۔'' لمحے کے ہزارویں حصے میں زینیا کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔

''تم وقت لو، مجھ پہ دوبارہ اعتبار کرنے کے لئے۔ میں ساری زندگی تمہاری ایک پکار کا انتظار کروں گی۔'' گیلی آنکھیں رگڑتی وہ اسے کیا کہہ گئی تھی اس کا اندازہ الماس گوہر کو نہیں تھا۔

زینیا کئی لمحے ساکن رہی۔ اس کا دل ٹوٹا تھا اور بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔

''میں اسکے ساتھ رہتی، لیکن اس پہ یقین نہ کرتی تو یہ منافقت ہوتی۔ میں نے اسے چھوڑا کیونکہ میرے ساتھ مسائل تھے۔'')

میٹرک کے امتحانات اور رزلٹ کے بعد یہ ان کا کالج میں پہلا دن تھا۔ سائنس کلاس میں بیٹھی زینیا حاکم اپنی کلاس فیلوز سے رسمی گفتگو کر رہی جب اسے الماس اپنی اور آتی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اور انداز میں گرمجوشی۔

''یہ ہماری کلاس نہیں ہے، زینی۔ آرٹ کلاس اوپر والے پورشن میں ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

''میں ایف ایس سی کر رہی ہوں ایف اے نہیں۔" ایک دھاکہ تھا جو الماس کے سر پہ ہوا تھا۔

''یہ میری دوست تھی میرے اسکول میں۔''زینیا نے اس کا تعارف "**تھی**" سے کروایا تھا یعنی وہ اسکی طرف قدم نہیں بڑھا رہی۔ان دونوں نے ایف اے کرنا تھا لیکن وہ الماس سے دور ہونے کے لئے کیا کچھ کر رہی تھی۔وہ بھی زینیا حاکم کی دوست تھی اتنی انا تو اس میں بھی تھی کہ اب خاموشی سے قدم موڑ لیتی۔بغیر کچھ کہے پیچھے ہٹ جاتی۔اسے زینیا عزیز تھی، مگر اپنی خودداری سے زیادہ نہیں۔زینیا کو وہ دوستی عزیز تھی لیکن ابا سے زیادہ نہیں۔اس کی ایک کہی ہوئی بات اس کے ابا کے امیج کو برباد کر سکتی تھی۔

''میں تمھارے پلٹ آنے کا انتظار کروں گی، زینیا حاکم۔'' جاتے وقت اس کی آنکھیں کہتی تھیں۔

''میں نے چھوڑنے والوں کو کبھی پلٹ کر دیکھا ہی نہیں۔''آنکھیں موڑ لیتے وقت زینیا کا دماغ کہتا تھا۔اور دل؟ ہاں دل میں ٹیس اٹھی تھی۔مگر دل کی پرواہ کسے تھی؟

حال میں سوئچ بورڈ کے سامنے کھڑی لڑکی اور پلنگ کی پائنتی پہ بیٹھی لڑکی دونوں کی نگاہیں دور کہیں ماضی پہ مرکوز تھیں۔ان دونوں نے کچھ کھویا تھا۔کچھ بہت اہم، ضروری، اور دل کے قریب سا۔بھید کھل چکے تھے۔اونہوں انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ذہین لوگوں کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔وہ آنکھیں پڑھ لیتے ہیں اور بھید جان لیتے ہیں۔جیسے آج ان دونوں نے جان لئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مناظر بدلے، یونیورسٹی کی عمارت غائب ہوئی۔ گاڑی کی ٹھنڈک حاوی ہوئی۔ گھاس کی نرمی دور جا سوئی۔ اب چمڑے کی سختی وارد ہوئی تھی۔ قیس کی سیاہ گاڑی میں اس وقت مہدی کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ کبھی سینے پہ ہاتھ مارتا تھا۔ اسے سانس لینے میں دقت سی ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھا قیس اپنے موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ذرا ذرا سی دیر بعد وہ کسی کو کال بھی کر لیتا تھا۔ آج قیسم میں ٹیکسٹائل انڈسٹری کی دنیا میں اپنا لوہا منوانے والے لوگوں کا گزر ہونا تھا۔ یوں تو قیسم ملک کا سب سے اعلیٰ اور پائیدار برانڈ تھا، لیکن کئی اور برانڈ بھی تھے جو ٹکر کے تھے۔ کپڑا آج کل کی ضرورت میں پہلے نمبر پہ ہے، سو کپڑے بنانے والے اور ڈیزائن کرنے والے آج کل لڑتے نہیں، **"ڈیل"** کر لیتے ہیں۔ یعنی اگر قیسم ٹیکسٹائل کسی ملک سے کپڑا درآمد کروائے گی تو ایک تھان کا اندازاً پندرہ سودے گا۔ اب اگر بیز کلیکشن اسی تھان کا **"دوہزار"** دینے لگی تو فائدہ ان دونوں کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمارے ملک کے سیاستدان، کاروباری، ملک کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر سکتے ہیں، لیکن ایک سچائی ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک کا نوالا نہیں بنتے۔ ان سنجیدہ مسائل کو چھوڑ کر ہم کہانی کی طرف بڑھتے ہیں۔

"تم اتنی باقاعدگی سے کبھی اسکول بھی نہیں گئے، پھر یونیورسٹی میں ایسا کیا ہے۔" نظریں موبائل پہ جمی تھیں، اور سوال مہدی سے کیا گیا۔ جس کا جواب البتہ نہیں ملا۔

"کہیں کسی لڑکی کا معملہ تو نہیں؟ اور اگر ہے تو بتاؤ مجھے۔"

"کیوں کیا تم اس لڑکی سے میری شادی کروادو گے؟" بے زار لہجہ۔

"میں اس لڑکی اور تمھیں باقاعدہ پھانسی دلواؤں گا تاکہ روایات توڑنے والوں کو سبق مل سکے۔"

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ تمہاری بھی ایک عدد منگیتر ہے۔ جس سے شاید تم شادی نہیں کرنا چاہتے۔'' وہ بس اندازے لگا سکتا تھا۔ قیس کے معملات میں اسکی منگیتر کا معملہ وہ واحد تھا جس کے بارے میں مہدی کو بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ کسی گھر والے کو اجازت تھی کہ وہ اس معملے کا ذکر مہدی سے کرے۔

''تم سے کہا تھا میں نے کہ اس معاملے میں مت پڑنا۔ اس پہ تمہارا سایہ پڑے میں یہ بھی برداشت نہیں کروں گا۔''

''اوکے اوکے کول ڈاؤن۔ ویسے وہ میری بھابی ہو گی اتنا سیریئس کیوں ہو جاتے ہو؟''

''تم اس لڑکی سے، اس کے ذکر سے بھی دور رہو گے۔ تم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے ذریعے بھی نہیں۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔ مہدی نے لب بھینچ لئے۔ قیسم کی عمارت کے باہر گاڑی رکی تو مہدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ ساتھ ایک تھکی تھکی سانس خارج کی۔ وہ ذمہ داریوں اور قید سے بھاگنے والا انسان تھا۔ اور قیسم اسکی کمر پہ لدا بوجھ۔ کاش کچھ تعلقات، ذمہ داریوں، اور انسانوں سے دستبرداری آسان ہوتی۔ وہ ابھی گاڑی سے اترتا کہ موبائل کی رنگ ٹون نے اسکی توجہ کھینچی۔ ''**ایزل کالنگ**'' کے الفاظ جگمگائے تو اس کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ شوفر نے اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا وہ یونہی فون کان سے لگائے قیس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔

''نہیں بچے میں تمہاری برتھڈے پہ نہیں آ سکتا۔ میرا ایک دوست ہے چائنا میں، وہ تمھیں سارے تحفے دے جائے گا۔'' وہ رکا آگے سے بات سنی، ساتھ لفٹ میں سوار ہوا۔

''نہیں۔۔۔ٹریولنگ کا بھی ایک اصول ہوتا ہے، جو ملک بکٹ لسٹ میں ہو وہیں جانا ہوتا ہے۔ میں ناروے جا رہا ہوں۔'' دوبارہ کچھ کہا گیا تھا مہدی کے لب بھینچ گئے۔

''ایزل ضد مت کرو۔ کہا ہے ناں نہیں آسکتا۔ اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔'' اسکا لہجہ سخت ہوا تھا۔

''ماما صحیح کہتی ہیں سارے کمبیرز mean ہوتے ہیں۔ آپ بھی ویسے ہی ہو۔'' اس نے روتے ہوئے کال کاٹ دی۔ مہدی کا فون پکڑے ہوئے ہاتھ شل سا ہو گیا۔ قیس سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمھیں بچوں سے بات کرنے کی تمیز جتنی جلدی ہو سکے سیکھ لینی چاہیے۔'' سفاک تبصرہ۔

اگلے چند لمحات میں وہ دونوں ایک شان سے آفس کی راہداریوں میں قدم رکھ رہے تھے۔ وہ دونوں اونچے قد کے تھے۔ ان دونوں کے سینے چوڑے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ شاید محبت بھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو قتل بھی کر سکتے تھے۔ مگر وہ دونوں جب ساتھ تھے تو دنیا خود بخود مرنے لگتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا مضبوط سہارا تھے، اور وہی ایک دوسرے کے پیروں سے زمین بھی کھینچ سکتے تھے۔ ایک دوسرے کا اگر سائبان تھے، تو ایک دوسرے کو جھلسانے والے بھی خود ہی تھے۔ کیا تھے وہ دونوں؟ کزنز نما بھائی یا پھر دوست نما دشمن۔

کانفرنس روم میں اس وقت جو لوگ بیٹھے تھے انکا سراپا رعب تھا اور شخصیت متاثر کن۔ انکے وجود سے مہنگی خوشبو اٹھتی تھی۔ گردن اٹھی ہوئی۔ لباس برانڈڈ۔ انہی لوگوں میں ہمارا آدھا عرب بھی تھا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو کئی لوگ اٹھ کر

ان سے ملنے لگے۔ مصافحہ ہوا، گلے لگایا گیا۔ کچھ دیر بعد سامنے چلتی سکرین کے آگے کھڑی زارا ڈار پریزنٹیشن دے رہی تھی۔ ملک کے نامور کاروباری اور ڈیزائنرز اسے غور سے سن رہے تھے۔

"پچھلے سال جو سلک منگوایا گیا تھا اس میں ہمیں صرف اور صرف نقصان ہوا۔ احمد خان نے قیسم سے دگنے دام پہ خریدا، نوید انجم نے اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے قیسم سے تین گنا کم قیمت میں خریدا اور زنجبیل نے معیار کی بجائے تعداد کو فوقیت دیتے ہوئے سستا سلک منگوایا جس سے ظاہر ہے انکی ساکھ کو نقصان ہوا۔" زارا بولتے ہوئے رکی نظر اٹھا کر سارے میں دیکھا۔ اسکی گردن پہ ہلکا ہلکا پسینہ تھا۔ اس نے قیس کو دیکھا۔ وہ نروس ہو رہی تھی۔ قیس اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اپنی جیب سے ایک لپسٹک نکال کر اسے دکھائی۔ پھر انگلیوں کو گول کر کے تین انگلیاں باہر نکال کر "**زبردست**" کہا ہو جیسے۔ زارا نے بامشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی ،اعتماد بحال ہو چکا تھا۔ وہ کم بولتا تھا مگر اچھا، حوصلہ کبھی کبھار دیتا تھا مگر یوں کہ پھر تم بلندیوں کی طرف جانے کی خواہش کرو۔

"حل کیا ہو سکتا ہے اس سب کا؟" وہ رکی سارے میں نظر دوڑ آئی۔ "آپسی اختلافات کو ایک طرف کرتے ہیں۔ اگر قیسم ایک تھان کا دس ہزار دے گا تو آپ کو بھی دس ہزار دینا ہو گا۔ اگر قیسم معیار لائے گا تو آپ بھی اپنے لئے معیار کا انتخاب کریں۔ ہمارا مقابلہ آپس میں ہے پھر یوں دوسرے لوگوں کو اپنا فائدہ اٹھانے کیوں دیں؟ اگلے ہفتے بیجنگ میں ایک سیمنار ہے۔ اور قیسم کا سالانہ خریداری کا وقت۔ اگر آج آپ سب یہاں معاہدہ کرنے کے لئے راضی ہو جائیں تو ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اگر پھر آپ کو کوئی نقصان بھی ہوا تو وہ مالی نہیں ہو گا، ساکھ نہیں ڈوبے گی۔ بس پھر آپ کو صرف قیسم سے آگے جانے کی تگ ودو کرنی ہو گی۔"

''جو کہ بے کار ہے۔ کوئی قیسم نہیں بن سکتا۔'' براق حنیف نے بھی انگریزی میں تبصرہ کیا۔ لوگ کھول کر رہ گئے۔ مگر کچھ کہہ نہ سکے۔ صنعت کاروں میں براق حنیف کا سکہ بولتا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہر کوئی دستخط کرتا چلا گیا۔ قیسم سے مقابلہ اچھا تھا مگر قیسم سے آگے جانا، یا پھر پیچھے رہ جانا برا۔ قیس سربراہی کرسی پہ ایک تمکنت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ سر کے خم سے شکریہ ادا کر رہا تھا۔ وہ بادشاہ یونہی نہیں بنا تھا غلاموں جیسی ذلت اور سختیاں جھیل کر آیا تھا۔

''ہم اس معاہدے پہ راضی ہیں۔ ایک ہفتے بعد بیجنگ میں ہونے والے سیمینار کا دعوت نامہ ہم سب کے پاس ہے۔ لیکن اس بار ہم ٹیم بن کر جا رہے ہیں۔ قیسم سے کون جائے گا''؟ سرمئی بالوں اور تراشید نقوش والی سمعیہ حمید کی بات پہ سب نے سر ہلایا، پھر پر یقین نظروں سے مہدی کو دیکھا۔ بھلا ایک سیاح کے علاوہ کون جا سکتا تھا؟ سب لوگ قیس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔ دور کہیں مہدی چاہتا تھا اسے بھیجا جائے، تاکہ وہ ایزل سے ملے۔ مگر میرا کو یہ یقین رہے کہ وہ اس کے لئے نہیں آیا۔ اسی لمحے اس کے موبائل پہ ایک پیغام آیا۔

''آپ نے کہا تھا مجھے بلانا میں تمھارے لئے آؤں گا۔ کیا آپ آؤ گے ؟'' انگریزی میں لکھا، ٹائپوس سے بھرا پیغام پڑھتے ہوئے۔ قیس نے سر اٹھایا۔

''میں جاؤں گا۔ مجھے ہی جانا چاہیے۔'' وہ بچی اسے گھٹنوں پہ بھی لا سکتی تھی، اور اس سے دوسرے ممالک کا سفر بھی کروا سکتی تھی۔ آج قیس نے اعتراف کیا تھا۔ لوگ اب کچھ کہہ رہے تھے، قیس مدھم مسکراہٹ کے ساتھ سب سن رہا تھا۔ اس سارے وقت میں کسی نے مہدی کمبیر کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ تاریک پڑ چکا تھا۔ گناہوں کی سیاہ رات کی طرح۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بالاج کے ساتھ واپس ہاسٹل جارہی تھی۔ بالاج اسے روزانہ اکیڈمی کے باہر ملتا تھااور پھر ہاسٹل تک وہ دونوں ساتھ آتے تھے۔ موبائل کی بجتی رنگ ٹیون نے زینیا حاکم کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

اس نے نام پڑھا۔ **"اداکالنگ۔"** کال اٹینڈ کرتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''سلام ادا کیسے ہو۔''خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں تم کہاں ہو اس وقت؟''

''ہاسٹل کی گلی میں ہوں گھر جارہی ہوں۔اماں اور ابا کیسے ہیں۔''اس نے پھر بات بدلی۔

''ایک منٹ ایک منٹ۔۔ تمہاری اکیڈمی کی چھٹی چھ تیس پہ ہوتی ہے۔اس وقت سات بجنے میں تین منٹ ہیں تم پورے ستائیس منٹ کہاں گئی تھیں۔''ہوگئی تفشیش شروع۔ زینیا نے اپنے ساتھ چلتے بالاج کو دیکھا۔ وہ اشارے سے اسے اپنے ساتھ ہونے سے منع کررہا تھا۔اس نے گہری سانس لی۔

''میرا نام، زینیا حاکم ہے زینیا بشر نہیں۔ بھائی ہو بھائی بن کر رہو باپ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہاری ٹانگیں توڑدوں گا۔ میرے ساتھ زبان چلارہی ہو بڑا بھائی ہوں میں تمہارا میں۔۔۔''باقی الفاظ زینیا کی سماعتوں تک نہ پہنچ سکے۔ وہ کال کاٹ چکی تھی۔ہاسٹل آگیا تھا۔اس نے تھکی تھکی نظریں اٹھا کر بالاج کو دیکھا۔

''میں جھوٹ بولتے بولتے تھک چکی ہوں، بالاج یہ سب کب ختم ہو گا؟اور اگر یہ ختم نہیں ہو رہا تو کم از کم مجھے میرے گھر پہ سچ بولنے کی اجازت دیں۔''

''میں جلد سب کچھ فکس کرلوں گا۔ میں تمھارے لیے آسائشات لاؤں گا۔ وہ ساری جنکی تمہیں ضرورت ہے۔''

''میں اپنے لئے آسائشات خود جمع کر سکتی ہوں۔ مجھے آپ سے جو چاہیے وہ بس تحفظ اور بے خوفی والا ساتھ ہے۔''وہ بول کر رکی ، کندھے پہ بیگ کو درست کیا۔

''میں امید رکھوں گی اگلی بار آپ مسائل کے حل سمیت آئیں۔ بشر میرا بھائی ہے اور مجھے اس سے باتیں چھپانے کی عادت نہیں ہے۔''وہ کہہ کر اندر چلی گئی۔ بالاج جھکے ہوئے کندھوں سے آگے بڑھ گیا۔ اسے گھر جانے کے لئے بسوں میں خوار ہونا تھا۔اس کے پاس کوئی فلیٹ، کوئی گھر تک نہیں تھا جہاں وہ اپنی منکوحہ کے ساتھ رہ پاتا، پبلک پلیسز پہ ملتے، خوار ہوتے وہ واقعی تھک رہا تھا۔

اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھی زینیا حاکم کے سامنے سکرین پہ بشر نظر آ رہا تھا۔ اسکی نظریں زینیا پہ کم اس کے کمرے پہ زیادہ غور کر رہی تھیں۔

''سونا کس کا ہے بشر تمہارا یا میرا۔؟اس وقت میرا شوہر دوسرے ملک میں ہے اسے پیسوں کی ضرورت ہے اور تم مجھے میرے ہی شوہر کو پیسے دینے سے منع کر رہے ہو؟''وہ بے زار ہوئی تھی۔ بشر آگے کو ہو بیٹھا۔ سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

''شادی کے شروعات میں شوہر پہ ذمہ داریاں ڈالنی چاہیے تب بھی جب ضرورت ہو اور تب بھی جب نہ ہو۔ چاہے ایک یا دو ہزار کا خرچہ کرواؤ مگر کرواؤ ضرور تا کہ اسے معلوم ہو سکے کہ اسکی زندگی میں ایک نیا اضافہ ہو چکا ہے۔''

''میں تمہاری تقریر میں بالکل دلچسپی نہیں رکھتی۔''اس نے جھلا کر بشر کی بات کاٹی۔بشر تحمل سے اسے دیکھتا رہا۔

''شادی کے شروعات میں شوہر کو مالی مدد نہیں دینی چاہیے۔نہ بیوی کو نہ بیوی کے گھر والوں کو۔ابا اسے رقم دے کر پہلے ہی سر چڑھا چکے ہیں،اب تم مزید سر چڑھاؤ گی؟''

''پتہ ہے ادا جب میرے ذہن میں بالاج کو پیسے بھیجنے کا خیال آیا تب سب سے پہلا خیال تمہارا آیا تھا۔ہاں میں جانتی ہوں تم جان دے دو گے مگر اپنا پیسہ نہیں لیکن مجھے یقین تھا تم میری بات سمجھو گے کیونکہ۔۔۔''

''بشر زینیا کا واحد دوست ہے۔''ان دونوں نے بیک وقت دہرایا۔''اور دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت مشورہ نہیں ساتھ دے۔تم دے رہے ہو یا نہیں؟''بشر نے گہری سانس لی۔دو بہنیں تھیں اسکی لیکن زینیا کے آگے وہ ہمیشہ ہار جاتا تھا۔اور اسے یہ ہارنا بہت پسند تھا۔

''تمہارا سارا سونا اماں کے پاس ہے میں کیسے مانگوں گا؟اور اگر مجھے مل بھی گیا تو مجھے غیرت نہیں آئے گی اسے بیچتے ہوئے؟سب سے اہم بات کونج پیٹ کی ہلکی ہے،وہ سب کو بتادے گی۔''وہ اب بھی اسے باز رکھنا چاہتا تھا۔

''میں سب سیٹ کر دوں گی تم بس جانا،سونا بیچنا اور پیسے بھیج دینا۔''

''وہ تمہارے ساتھ اچھا ہے ناں؟بلیک میل تو نہیں کرتا؟کہیں اس نے پیسے لانے کو تو نہیں کہا؟''اپنی بہن کے معملے میں وہ ساری دنیا پہ شک کر سکتا تھا۔

''اچھا اگر وہ میرے ساتھ برا ہوا تو تم کیا کرلو گے۔؟یعنی اگر کسی بھی لڑکی کا شوہر اس کے ساتھ برا کرتا ہے تو کیا کیا جائے؟'' وہ آج عرصے بعد یوں اس سے بات کر رہی تھی۔ دل ہلکا ہونے لگا تھا۔

''کرنا کیا ہے، اسکی خبر رکھواؤ اور دو بندے بھیج کر اسے پٹواؤ۔ اور اگر اس طرح بھی نہ انسان کا بچہ بنے تو پھر ہاکی اور بلے لے جاؤ ، سر پھاڑ دو۔ ٹانگیں توڑ دو۔ مسئلہ حل۔'' چٹکیوں میں حل نکالا تھا اس نے۔ زینیا ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔ چہرہ سرخ اور آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''اور اگر وہ پھر بھی نہ سدھرا، بلکہ اور بگڑ گیا تو؟''

''پھر دونوں ٹانگیں توڑ دو، پھر بھی نہ سدھرے تو ہر روز ٹارچر کی مقدار بڑھاتے جاؤ۔ مرد جتنا بھی مرد بن جائے درد اسے انسان کا بچہ بنا دے گا۔'' وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ حد نہیں، اور زینیا کے قہقہے پورے ہاسٹل کو سنائی دیتے تھے۔ ایک بشر تھا جس کے ساتھ وہ ہنس بھی سکتی تھی، اور رو بھی۔ ان دونوں کا تعلق بغیر فلٹر تھا۔

''تم کہو تو بالاج کو پٹواؤں؟'' وہ اب ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''خود بیوی سے مار نہ کھالینا۔'' زینیا نے اپنی ہنسی بامشکل روکی۔

''بیوی کی مار بھی نصیب والوں کو ملتی ہے۔''

''ویسے عروج کیسی ہے؟'' تھوڑی دیر بعد اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ بشر نے گہری سانس لی۔

''عذاب ہے، میرے سر پہ مسلط کر دیا ہے، اب جھیل رہا ہوں۔'' لاپرواہ سا جواب۔ زینیاد با مسکرائی۔ بشر کی آنکھیں اس کا حال بتا رہی تھیں۔

''اگر اتنی ہی عذاب ہے تو جان چھڑا دیتے ہیں تمہاری، کیا خیال ہے؟''

''خدا کا خوف کرو، وہ مجھے زندہ دفنا دے گی اگر سن بھی لیا۔'' بشر نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''اچھی ہے، اور مجھے بھی اچھی لگتی ہے۔ اب اور کیا کہوں۔؟'' زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اسے بشر پہ پیار آتا تھا، اسے دیکھ کر تحفظ ملتا تھا کیونکہ اس نے بشر کی قربانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔

''ابا نے تمھارے لئے اچھا فیصلہ کیا ہے۔ ان پہ یقین رکھنا۔'' بشر نے سر ہلا دیا۔ آنکھوں میں سرخی سی دوڑ گئی۔

''میں ابا سے اتنی محبت نہیں کرتا جتنی تم کرتی ہو۔ میں ان سے اتنی محبت کر ہی نہیں سکتا کہ ان کے کئے غلط فیصلے میں اپنی طرف سے ایفرٹس ڈالتا رہوں، اپنا دل مار کر انہیں خوش کرتا رہوں، یہ تم کر سکتی ہو اور کر بھی رہی ہو۔'' زینیا کچھ نہ بولی بشر اسے اندر تک جانتا تھا۔ ''ابا کا فیصلہ غلط تھا بے حد غلط۔ میرے دل میں کوئی اور تھی ابا نے زبردستی میری شادی کروا دی۔ مجھے وقت چاہیے تھا، ابا نے نہیں دیا۔ میں ہیل ہونا چاہتا تھا، اب بسمل ہوں۔ اگر میں اپنی شادی نبھا رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابا کا فیصلہ سہی تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے بشر ایک اچھا مرد ہے۔'' زینیا نے مسکرا کر جتایا۔

بشر نے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''میری شادی اگر کامیاب ہے تو اس لئے کیونکہ میرے اندر انسانیت ہے، کیونکہ میں نباہ کرنا جانتا ہوں۔ لیکن میری شادی کو مثال نہ سمجھا جائے۔ ہر مرد بشر حاکم نہیں ہوتا۔ ہر مرد میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا، ابا نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔'' آخری بات اس نے بھاری دل سے کہی تھی۔ پھر بغیر کچھ کہے لیپ ٹاپ کی سکرین گرادی۔ زینیا وہ بھی نہ کر سکی۔ اس نے بس سر کو کرسی کی پشت پہ گرا دیا۔ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ جب کوئی چھلاوے کی طرح نمودار ہوئی۔

''بھائی تو تمہارا بہت ہینڈسم ہے، بات چلاؤ ناں میری۔'' آنکھیں پٹپٹا کر کہتی وہ انتہائی زہر لگی۔

''تم کرسچین اور میرا بھائی مسلمان، کنورٹ کون ہو گا؟''

''اہل کتاب سے نکاح جائز ہے تم بات تو شروع کرو۔'' وہ مصر ہوئی۔ زینیا نے آنکھیں کھولیں سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میرے بھائی کی ایک عدد بیوی بھی ہے۔ اب آگے بات بڑھاؤں؟''

''شراکت تو شیزل اسٹرابری ملک پہ بھی نہ کرے پھر تمہارا بھائی کیا چیز ہے۔ ہنہہ ایسا بھی کوئی خوبصورت نہیں بھینگا ہے تمہارا بھائی۔'' جل کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔ زینیا کو یہی چاہیے تھا۔ اس نے سر ایک بار پھر کرسی کی پشت پہ گرادیا۔ اماں کہتی تھیں شادی پہ محنت کرو، بشر کہتا ہے خوامخواہ کی ایفرٹس نہ کرو۔ یہ وہ پائنٹ تھا جہاں زینیا کی تمام سوچیں ختم ہو جاتی تھیں۔ کاش کوئی اسے لفظ **"اعتدال"** کی آگاہی دے آئے۔ کاش۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات روشن تھی اور خنکی پھیل رہی تھی۔ کمبیر محل کی تمام بتیاں روشن تھیں۔ اپنے کمرے میں بیٹھا مہدی کمبیر، وہ نیلی روشنیوں میں گھرا شخص نیم مردہ سا لگتا تھا۔ زندگی یکدم ٹریول، کھانے اور خوشیوں سے منہ موڑ گئی تھی۔ لوگ اسے فیسینیٹ کرتے تھے، مگر اب وہ لوگوں میں گھبرا رہا تھا۔ مہدی کمبیر کی زندگی کی ساری ایکویشن بدل گئی تھی۔ فرش پہ بیٹھے بیٹھے وہ یونہی لیٹ گیا۔ گھٹنے سینے سے لگا لئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ ہر راہ مسدود تھی۔ ہر خوشی بے زار۔ اس کا کمفرٹ اس سے دور تھا۔ اسکی خوشیاں ختم ہو گئی تھیں۔ زینیا کو لگتا تھا وہ ولن ہے، مگر وہ اس کہانی کا سب سے بڑا وکٹم تھا۔

''آئی مس یو ممی، آئی مس یو ابا۔'' وہ یونہی لیٹے لیٹے دھیرے سے بڑبڑایا۔ اسکا بھید کھل چکا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ شدت سے۔

پلنگ پہ اوندھے منہ لیٹی کونج حاکم کا فون تھر تھرایا۔ اس نے دھیرے سے کروٹ بدلی، موبائل اٹھا کر چہرے کے آگے کیا۔ ''زینیا کالنگ'' کے الفاظ جگمگائے۔ اسکی آنکھیں ایک بار پھر بہنے لگی تھیں۔ وہ اب تک "انکار" کی کیفیت میں تھی۔ زینیا ایسی نہیں ہو سکتی۔ اسکی زندگی کا مدار بس ایک مرد کے آگے نہیں گھوم سکتا۔

''تمھیں میسج کیا تھا، کال کی ہے۔ ایک کام نہیں ہو پا رہا کونج۔؟''

''تم ایک مرد کو اپنا سونا، اپنی ساری متاع دے رہی ہو۔ تم نے اسکی خاطر فوٹو گرافی چھوڑ دی۔ کیا کوئی مرد اتنی ایفرٹس ڈیزرو کرتا ہے؟'' ایک موہوم سی امید تھی، جس کے تحت کونج نے سوال کیا تھا۔

"میں گلی سے گزرتے کسی مرد کی مدد نہیں کر رہی، کونج۔ بالاج میرا شوہر ہے اور اپنے شوہر کے لئے ایفرٹس کرنا، یا پھر اسکی پسند نا پسند کا خیال رکھنا کوئی بری بات نہیں ہوتی۔" کونج استہزائیہ مسکرائی۔ زینیا کا بھید اس کے آگے کھل چکا تھا۔ جو وہ نظر آتی تھی وہ تھی نہیں۔

"تم تو ہر وقت کیریئر کی رٹ لگائے رکھتی تھیں ناں پھر آج شادی، گھر، خوشی یہ سب کہاں سے بیچ میں آگئے؟"

"بیچ میں کچھ نہیں آیا۔ یہ سب شروعات سے یہیں تھا۔ کیا کیریئر وومن شادی اور بچوں کا خواب نہیں دیکھ سکتی۔؟ کیا میک اپ اور مشینوں والی لڑکی ایک ہی نہیں ہو سکتی۔؟ کیا ہو گیا ہے یار کیا میں شوہر اور باس دونوں کو ڈیل نہیں کر سکتی؟"

"تم نے ہمیشہ کیریئر کی بات کی تھی میں نے تمہارا ایک الگ امیج سیٹ کیا تھا، زینی۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ دل سے خون رس رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اتنی تکلیف ہو رہی تھی۔

"میں نے کبھی شادی اور بچوں کو بھی نہ تو نہیں کیا۔ تم نے میرا امیج سیٹ نہیں کیا تم نے اندازے لگا لئے تھے۔ تم کب بڑی ہو گی، کونج۔؟" اس کا لہجہ بے زار سا ہوا۔ کونج نے کال کاٹ دی۔ اسے اس غم سے نکلنے کے لئے وقت درکار تھا۔

یونہی فرش پہ لیٹے لیٹے اسے آج شام کا خیال آیا۔ آنکھیں بند کیں تو چند آنسو ٹوٹ کر ماربل کے ٹھنڈے فرش پہ گرے۔ شام کی نیلاہٹ میں واپس جاؤ تو مہدی کمبیر ہاتھ میں ٹرے لئے گھٹنے کے زور سے اسٹڈی کا دروازہ کھولتا نظر آئے گا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی، شاید نہیں یقینی جبری مسکراہٹ۔

اندر آیا تو بختیار اور قیس کمبیر اسے ایک طرف صوفے پہ بیٹھے ایک کتاب ڈسکس کرتے دکھائی دیئے۔ وہ یہاں نہیں آتا تھا۔ وہ قیس کے کمفرٹ زون میں نہیں گھس سکتا تھا۔ اس محل کے کچھ حصے اس کے لئے ممنوع تھے۔ وہ اندر آ کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کافی کا ایک مگ قیس کے سامنے رکھا، دوسرا بختیار کے اور تیسرا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اگر سکون کی تلاش میں کہیں جا نہیں سکتا تھا تو کیا ہوا۔؟ وہ یہیں سکون تلاش کرے گا۔

''یہ کتاب میں نے بھی پڑھی ہے۔'' اس نے قیس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے یہ پلاٹ ٹوئسٹ کے بعد بور لگی تھی۔ تمھیں کیسی لگی؟'' قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ بغیر کچھ کہے وہ اسٹڈی سے باہر نکل گیا۔ وہ منافق نہیں تھا۔ اسے جن سے نفرت تھی، اظہار پھر وہ برملا ہی کیا کرتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد چند پل خاموشی رہی۔ کافی بھاپ چھوڑ چکی تھی۔ دبیز کتابیں اب نئے ڈرامے کی منتظر تھیں۔ مہدی نے گلا کھنکھارا۔

''میں آج کل بہت بور ہو رہا ہوں۔ کیا آپ مجھے کوئی کتاب تجویز کر سکتے ہیں چچا؟'' خوش گوار ہلکا پھلکا لہجہ۔

''میں کتابیں قیس کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اسے تجویز کرتا ہوں۔ اور اسی کے ساتھ ڈسکس کرتا ہوں۔ کتابیں پڑھنے والے لوگ اپنے پارٹنر اتنی جلدی نہیں بدلتے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ مہدی خالی ہوتے دل کے ساتھ بیٹھا رہا۔

کچھ وقت بعد وہ لان میں کرسی پہ بیٹھا تھا۔ یہاں سے اسٹڈی صاف نظر آتی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے کھڑکی میں دو لوگ کھڑے نظر آئے۔ بختیار جن کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی، اور وہ اس میں سے کچھ پڑھ کر بتا رہے تھے۔ قیس سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ ساتھ ساتھ مختصر سا تبصرہ بھی کر رہا تھا۔

کمبیر محل ایک گھر ہو گا دیکھنے والوں کے لئے۔ وہ قفس تھا مہدی کے لئے۔ وہ ایسا بسمل تھا جسے اپنے زخموں پہ بات کرنے سے بھی ممانعت تھی۔

اسٹڈی ٹیبل کے آگے بیٹھی زینیا کے آگے لیپ ٹاپ کھلا تھا۔ سنہری آنکھیں سنجیدہ اور زیرک تھیں۔ اس کا یو ایس بی اپنے پاس رکھنے کا ایک ہی مقصد تھا۔ "تجسس۔" وہ جب تک اسے کھول کر نہ دیکھ لیتی واپس ہر گز نہ کرتی۔ اس نے یو ایس بی لیپ ٹاپ کے ساتھ جوڑی۔ ڈھیر سارے فولڈرز کھلتے چلے گئے۔ زینیا ایک لمحے کے لئے ٹھہر گئی۔ یو ایس بی کے مختلف فولڈرز کے نام کچھ یوں تھے۔

Mehdi with mama ،Mehdi with daddy ،my family ،happy family ،family trip ،mummy ،papa wedding۔

اس نے فولڈر کھولنے شروع کئے۔ ایک سبز آنکھوں والی عورت تھی جس کے چہرے پہ نرمی تھی۔ نقوش برطانوی، اور ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ اس کے ساتھ ایک سبز آنکھوں والا بچہ بھی تھا۔ جو رو رہا تھا اور اسکی ماں اسے تسلی دے رہی تھی۔ ساتھ سنہری آنکھوں والی لڑکی بھی تھی۔ اور ان کے عقب میں ایک مرد کھڑا تھا۔ جو مسکرا رہا تھا۔ وہ واقعی مہدی کی ہیپی فیملی تھی۔

اگلی چند تصاویر کے بعد ویڈیوز تھیں۔ گو کہ کوالٹی اتنی اچھی نہ تھی مگر جذبات کھرے تھے کورے۔ جن میں مہدی بول رہا تھا اور اس کی ماں انگریزی میں کچھ جواب دے رہی تھی۔ ایک ویڈیو میں وہ اور اس کا باپ سبز آنکھوں والی عورت کو اردو بولنا سکھا رہے تھے۔ ہر بچے کو اسکی ماں پڑھاتی ہو گی لیکن زینیا کی آنکھوں نے ایک معتبر منظر دیکھا جب مہدی کمبیر سر پہ جالی دار ٹوپی پہنے اپنی ماں

کو قاعدہ پڑھا رہا تھا۔اس کے بعد وہ آگے نہیں دیکھ سکی۔اس نے کھٹ سے لیپ ٹاپ کی سکرین گرا دی اور لمبے گہرے سانس لینے لگی۔دل کو جیسے کسی نے زور سے جکڑا تھا۔مہدی کمبیر کا بھید کھل چکا تھا اور وہ کہانی کا وکٹم تھا ولن نہیں۔

فرش پہ لیٹے لیٹے اسے سارے منظر یاد آ رہے تھے۔ہر ٹوٹی بکھری یاد فلم کی مانند چل رہی تھی۔اسکی ماں کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔وہ آخری پل میں بغیر پلک جھپکے مہدی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ابا نے میرے لئے رشتے دیکھنے والے بلوائے ہیں۔تم ذمہ دار ہو مہدی۔تم نے میری زندگی برباد کر دی۔"انیسہ روتے ہوئے اس سے شکوہ کر رہی تھی۔"تم جھوٹے ہو مہدی،تم نے جھوٹ بولا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔تمھیں اپنے سکون سے محبت ہے۔تم اچھے نہیں ہو تم معصوم نہیں ہو۔مجھے تم سے نفرت ہے۔میں ایک دن تم سے انتقام لوں گی۔"

"میں نے تمھارے لئے اپنی استطاعت سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔میں جتا نہیں سکتا لیکن میں نے تمھارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ حلق میں ہی اٹک گئے۔وہ بے بسی سے اسے خود سے دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اگلے منظر میں وہ مقصود کے سامنے بیٹھا تھا۔آنکھیں گیلی سرخ تھیں۔انداز ملتجی۔

"آپ کوشش کریں چچا۔بختیار چچا سے بات کریں وہ انیسہ کے ساتھ اتنا برا نہ کریں پلیز۔"

مقصود نے ہنکارا ابھرا۔مہدی کے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا۔

"تم بزدل اور بے غیرت ہو۔اپنی منگیتر کو چھوڑنے سے بہتر تھا تم اسے غیرت کے نام پہ قتل کر دیتے۔کم از کم تب میں کہہ سکتا ہاں تم میرے بھائی کے خون ہو۔"انہوں نے جھٹکے سے اسکا چہرہ چھوڑا۔

''تم بے غیرت ہو، بلکل اپنی فرنگی ماں جیسے غلیظ۔ شرم سے ڈوب مرو مہدی۔ غیرت تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری۔ میں انیسہ کے لئے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس کے جیسی لڑکیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' وہ اپنی وہیل چیئر کا بٹن دباتے، سماعتوں میں زہر انڈیل کر وہ چلے گئے تھے۔ مہدی تہی دامن رہ گیا۔

ماں باپ رہے نہ تھے۔ بہن نے اسے خود چھوڑ دیا۔ محبت اس سے بدگمان تھی۔ اور خون کے رشتے بے زار۔ اس کہانی کا سب سے بڑا بسمل مہدی کمبیر تھا۔ فرش پہ لیٹے گھٹنے سینے سے لگائے، ٹھنڈ سے کپکپاتے وہ کب سو گیا اسے معلوم نہ ہو سکا۔ اگر ماں باپ، بہن بھائی ہوتے تو خبر ضرور رکھتے۔ نیلی روشنیوں والے کمرے نے پھر ایک منظر دیکھا۔ ایک مردانہ ہیولہ تھا جو چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے تاسف سے فرش پہ لیٹے مرد کو دیکھا۔ سیاہ آنکھوں میں فکر مندی ابھری۔ اب وہ پلنگ سے چادر اور تکیہ اٹھا کر اسکی طرف آیا۔ سر کو اونچا کر کے تکیہ رکھا، ٹھنڈ سے کپکپاتے وجود پہ کمفرٹر ڈالا۔ اور پلیسٹر والے بازو کو ایک آرام دہ حالت دی۔ چند لمحے پھر وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ نیلی روشنیوں میں اسکا چہرہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ فرش پہ لیٹا شخص نیند میں پر سکون ہو گیا تو سیاہ آنکھوں والا شخص جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔ ایک اور بھید کھلا تھا۔ قیس وکٹم نہیں تھا تو ولن بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام میں کچھ وقت پیچھے کا سفر کر کے بیز کلیکشن کی عمارت کا دروازہ پار کرتے ہوئے، براق حنیف کے سنگ راہداریاں طے کرتے ہوئے اس کے آفس میں داخل ہو تو۔۔۔ایک منٹ آفس سے پہلے ایک بڑا سا گراؤنڈ ہال تھا۔ جہاں گول دائرے میں فینسی ڈیسک لگے تھے۔ساتھ ہر ڈیزائنر کا کیبن۔ تھا۔اور انہی کیبنز میں سے ایک کیبن میں شیزل سیمسن ڈیسک پہ بیٹھی اپنے سامنے کرسی پہ بیٹھے مرد ملازم سے کوئی بات کر رہی تھی۔ وہ انتہائی سنجیدہ اور ریزرو تھی۔کام کے معملے میں پھر وہ فتنہ ساس سے بھی بڑی فتنہ تھی۔

شیزل بڑی ہی سنجید گی سے مرد کو کچھ سمجھاتے ہوئے رکی۔عینک کے پار استہفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو پھر تمھیں سمجھ آگیا، یا آگے بھی بتاؤں ؟" مرد ہو چاہے عورت اسے آپ کہنا نہیں آتا تھا۔اور خاص طور پہ مردوں کو آپ کہتے ہوئے اسے تابعدار بیویوں والا احساس ہوتا تھا۔ سو وہ زیادہ تر انگریزی میں بات کرتی تھی۔ عزت بھی برقرار، کمفرٹ بھی لازوال۔

لڑکے نے اس کے سمجھائے عمل کو کچھ اس طرح دہرایا کہ شیزل نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔اور اسکی یہی ہنسی براق کے دل میں آگ کے بھٹے سلگا گئی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے آیا۔جی چاہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔اس کے ہاتھ غصے کی شدت سے لرزنے لگے تھے۔**(اس کے نزدیک غصہ ہمارے نزدیک رقابت۔)**

"مس، شیزل سیمسن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ یہاں ڈیزائنر کے فرائض انجام دینے نہیں، بلکہ میرے آفس کی سیٹنگ کرنے آئی ہیں۔جو کام آپ کر رہی ہیں اس سے آپ کی تنخواہ کٹ سکتی ہے۔" بامشکل خود کو قابو میں رکھتا وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''براق حنیف سر۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ آج میرا اور آپ کا کام گیارہ بجے سے شروع ہونا تھا۔ میں دس بچپن سے آپ کے آفس میں موجود ہوں۔ آپ پانچ بج کر چھ منٹ منٹ پہ واپس آئے ہیں۔ اور ہمارے معاہدے کی شق نمبر چار کے تحت آپ مجھے گھنٹوں کے حساب سے پے کریں گے سو۔۔'' اتنی لمبی بات کہہ کر اسکا سانس پھول چکا تھا۔ ''اس وقت آپ کٹوتی نہیں، بھرپائی کرنے والے ہیں۔'' معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے اس نے براق کے علم میں اضافہ کیا تھا۔

''میرے آفس آئیں۔ کام شروع کرتے ہیں۔'' بس اتنا کہا اس نے اور تن فن کرتا آگے بڑھ گیا۔ لوگوں نے مڑ مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ کیا چیز تھا یہ شخص؟

آفس واپس آکر اس نے غٹا غٹ پانی کے تین سے چار گلاس پی لئے۔ شیزل چند لمحوں بعد ناک کر کے اندر آتی دکھائی دی۔

''سو ہم کام شروع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں آپ کے سامنے والی دیوار کا ڈیکور چینج کرنا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے دیوار کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔

''آپ کی فائل میں لکھا تھا کہ آپ کے آفس کا ڈیزائن آپ کو تھکا دیتا ہے۔ اور آپ کام نہیں کر پاتے سو ہم یہاں سے یہ الوژن آرٹ ہٹا کر یہاں کچھ کری ایٹو سا ایڈ کر دیں گے۔'' وہ رکی براق کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں یہاں کچھ پینٹنگز لگانی چاہیے۔ یا پھر ایکوریم کیسا ہے۔؟ پانی کا بہاؤ، سامنے چلتی زندگی انسان کو فریش رکھتے ہیں۔ میں نے سیلنگ کے کچھ سیمپل آپ کو ای میل کئے ہیں۔ آپ چیک کر لیجئے۔'' وہ واقعی پروفیشنل تھی۔ اور براق انتہائی غیر پروفیشنل۔ وہ بس یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''سر آپ کی کچھ requirements ہیں تو پلیز بتا دیجئے۔''

''میں تمھیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ جو کچھ ماضی میں ہوا اسے بھول جاؤ، ملکہ۔'' وہ میز سے پشت ٹکائے سنجیدگی سے بولا۔ شیزل نے لب بھینچ لئے۔ ''اس وقت کچھ تھا جو غلط تھا۔ شاید میں، شاید وقت، یا پھر شاید تم۔'' اس نے دھیرے دھیرے قدم اسکی جانب بڑھائے۔ ''ماضی میں جو کچھ ہوا، ہم اسے بھول کر حال میں ایک اچھے مستقبل کی خواہش کر سکتے ہیں۔ میرا ساتھ دو شیزل میں۔۔۔ میں تمھیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔'' کئی پل تو شیزل بھی ساکن رہ گئی۔ کیا وہ اعتراف کر رہا تھا۔؟ کیا واقعی۔؟ اسکول سے کالج تک دشمنی نما دوستی، پھر بدگمانی اور کئی سالہ دشمنی ان سب کے درمیان یہ رقابت والا لمحہ کب آیا۔ یہ فکر ، یہ مان یہ سب ان دونوں کے تعلق میں کہاں سے آگیا؟

''براق سر آپ مجھے ڈسٹریکٹ کر رہے ہیں۔ میں اس طرح کام نہیں کر سکتی۔'' اس نے براق کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔ ہاں مگر دل کا کونا کونا اس اعتراف سے پر سکون ہو گیا تھا۔ اتنے برس ایک آگ میں جلنے والی وہ واحد نہیں تھی۔ ''میں یہاں کنٹریکٹ سائن کر چکی ہوں ورنہ آپ کا رویہ انتہائی غیر پروفیشنل ہے۔'' براق آنکھوں میں الوہی سی چمک لئے بے ساختگی کے عالم میں آگے بڑھا۔ شیزل پیچھے ہٹی تھی۔

''میں نے اتنے سال تمہارا انتظار کیا ہے شیزل۔ میں نے اتنے سال تم سے نفرت کرنے کی کوشش کی مگر ۔۔۔ میں اتنے سال تم سے نفرت نہیں کر سکا۔ واپس آجاؤ، ملکہ۔''

''اپنی اوقات میں رہو براق حنیف خدا کی قسم میں تم پہ ہراسمینٹ کے چارجز فائل کروں گی۔'' وہ دھیمی آواز میں غرائی۔ ''تم یہ ساری بکواس اس لئے کر رہے ہوتا کہ میرا فائدہ اٹھا سکو۔؟ ایک بار پھر میں نرم پڑ جاؤں اور تم ایک بار پھر مجھے ذلیل کر سکو ایسا ہرگز نہیں ہوگا براق۔ بلکہ ویٹ لیٹ می گیس تم تم نے کہیں نہ کہیں کیمرہ ضرور لگایا ہوگا۔ تا کہ ایک بار پھر مجھے ریکارڈ کر سکو۔ کہاں ہے کیمرہ ہاں کہاں ہے۔؟'' وہ چیختے ہوئے اسکی میز پہ رکھی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی تھی۔

''تم ہر دفع یہی کرتے ہو تم۔۔۔ نے آج بھی وہی سب کیا ہوگا۔ کہاں ہے کیمرہ؟'' وہ آفس کے بیچ و بیچ کھڑے ہو کر حلق کے بل غرائی۔ براق شاکی آنکھیں لئے بے حد دلگرفتگی کے عالم میں اسے تک رہا تھا۔ وہ غصے، اور رنج کے ملے جلے تاثرات لئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ براق پلک تک نہ جھپک سکا۔ وہ اس پہ اعتبار نہیں کرتی تھی، وہ کر سکتی تھی کیا؟

''میں ایسا۔۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔ کیا تم مجھ پہ ذرا سا بھی اعتبار نہیں کر سکتیں۔؟'' اس کے حلق سے یہی الفاظ برامد ہو سکے۔

''تم اس سے زیادہ برا میرے ساتھ کر چکے ہو۔ اور میں ساری زندگی تک نہیں بھولنے والی۔ میں معاف نہیں کرتی براق یاد رکھنا۔ نہ میں تم سے خوف کھا کر استعفیٰ دوں گی نہ میں تمھارے لئے نرم پڑوں گی۔۔۔''

''اور اگر میں تمھارے لئے نرم پڑ جاؤں تو۔'' وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

''جیسے ان گیارہ لڑکیوں کے لئے نرم پڑے تھے؟''الفاظ تھے کہ چابک؟''یا پھر ہر اس لڑکی کے لیے جو ہر آئے دن تمھارے پینٹ ہاؤس کی مہمان ہوتی ہے۔؟بدکردار آدمی۔''وہ حقارت سے بولتے ہوئے باہر جانے لگی جب براق کی کھوکھلی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ ہم دونوں ٹھیک ہو سکیں۔ہمارے معملات درست ہو سکیں۔''اسکی آواز ہلکی تھی۔دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے شیزل رک گئی۔

''میں نے تمھیں اپنے برابر لانے کی کوشش کی،خود کو جھکا کر۔لیکن تم تم تو ملکہ ہو ناں۔پھر آج سے میں تمہارا مخالف۔'' اس کے لہجے میں انتقام نے سر اٹھایا۔''تمھیں مردوں کی انا پہ چوٹ مارنے سے پہلے دس دفع سوچ لینا چاہیے۔کام کرنے آئی ہو ناں۔؟اب میں براق حنیف تمھیں کام کرنے نہیں دوں گا یاد رکھنا۔''شیزل نے سر جھٹکا۔آ گیا تھا وہ اپنی اوقات پہ۔ man child کہیں کا۔

دروازہ ٹھاہ کی آواز سے مارتے وہ باہر نکل گئی۔براق نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے غصے کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔کاش وہ کامیاب ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ایک ہفتہ بعد۔''

اکتوبر الوداع کہنے کو تھا۔ چکا تھا۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ اور ٹھنڈ پڑنے لگی تھی۔ قیس کمبیر کے کمرے میں آؤ تو سفید رنگ کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ کے ساتھ سفید ہی سلیکس پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سلیپرز، بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے، لبوں پہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ قیس آج بڑے لمبے عرصے کے بعد خوش نظر آیا تھا۔ تین روزہ ٹرپ کے لئے وہ دس روز سے زیادہ کا سامان پیک کر چکا تھا۔ مہدی پلنگ کے ایک کونے پہ ٹکا ہوا تھا۔ سست روی سے سامان اس کے بیگ میں ڈالتے ہوئے وہ غائب دماغ تھا۔

''تم یہ سب دیکھ لو گے؟ میں بس ابھی فریش ہو کر آتا ہوں۔'' اس نے مہدی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ماشاءاللہ آج قیس صاحب درخواست کر رہے تھے؟

''جب تم اس سے اتنی نفرت کرتے ہو تو پھر اس کے لئے دوسرے ملک کیوں جا رہے ہو۔'' مہدی کی بات پہ وہ تھم گیا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ''وہ میری بہن ہے، قیس۔ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا ٹوٹا تعلق جڑ سکتا ہے کیونکہ ہم ایک خون ہیں۔ تم کون ہو؟''

قیس چند لمحے پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے چند الفاظ ادا کئے۔

''ہم دوست ہیں۔ ہمارا تعلق ٹوٹ کر بھی جڑا رہے گا۔ ہم دور رہ کر بھی قریب رہیں گے۔ تم سچی دوستی کو نہیں جان سکتے مہدی، کیونکہ تمہارا کوئی سچا دوست ہے ہی نہیں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں چھوٹے چھوٹے قدم لیتا واک ان کلازٹ کی جانب بڑھ گیا۔ جوتوں کے ریکس، وارڈروب سے جھانکتی برانڈڈ شرٹس کی کلیکشن، گھڑیوں کے ڈھیر، کف لنکس کا ایک انبار۔ سیاہ و سفید کلازٹ سفید بتیوں سے جگمگ کر رہا تھا۔ قیس چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ زندگی ایک فلم کی طرح آنکھوں کے آگے گھوم رہی

تھی۔ باتھروم کے سفید ٹائلز پہ قدم رکھتے ہوئے، شرٹ اور ٹراؤزر سمیت شاور کے نیچے کھڑے ہوتے ہوئے اسے سب یاد آرہا تھا۔ اسے کچھ بھولتا کہاں تھا؟

شاور سے گرتا پانی اسے بھگو رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

(''میری ایک دوست تھی۔ بہت اچھی۔ ملنسار میرے جیسی نہیں تھی وہ۔" قیس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔'')

اٹھارہ برس کا قیس کمبیر محل کے لان میں بیٹھا تھا۔ فلینل شرٹ کے ساتھ نیلی جینز والے لڑکے کے چہرے پہ برہمی تھی۔ آنکھ اور رخسار پہ زخم کے نشان بھی۔ جو کہ پولیس کی مار کے مرہون منت تھے۔ کچھ نشان اسکی شرٹ نے اپنے اندر چھپا رکھے تھے۔ وہ بے قراری کی سی کیفیت میں اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔

دفتعاً اسکی نظر سامنے سے چل کر آتی میرہ پر پڑی۔ اس نے لمبی سرخ قمیض کے ساتھ سرخ ہی بڑے پائنچوں والا ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ سنہری آنکھوں میں ترش سا تاثر تھا۔ ناک کی بالی چمک رہی تھی۔ وہ قیس کے قریب صوفے پہ آکر بیٹھی۔

''تم کیا کرنے والے ہو، عبداللہ زمان؟'' طنز تھا اس کے لہجے میں۔

قیس نے گردن صوفے پہ ڈھلکا دی۔ آنکھیں بند کر لیں۔

''عبداللہ زمان مر چکا ہے۔ قیس زمان کمبیر کو ایک زندگی ملی ہے۔ تاکہ وہ کچھ لوگوں کی زندگی چھین سکے۔'' اس کے لہجے میں ڈھونڈنے سے بھی رحم نہیں ملتا تھا۔

''تم میرے لئے ہمیشہ عبداللہ رہو گے۔ جانتے ہو عبداللہ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' قیس کچھ نہ بولا۔ ''عبداللہ کا مطلب ہوتا ہے اللہ کا بندہ۔ تم اللہ کے بندے ہو۔ تم پہ اس کا حکم، اسکی بندگی فرض ہے۔ میں تمہیں جانور بننے نہیں دوں گی۔''

''تم مجھے روک نہیں سکتیں، میرہ۔''

''میں ہی تو روک سکتی ہوں۔ تم اپنے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ کچھ غلط نہیں کرو گے، عبداللہ۔ کیونکہ میں تمہیں روک رہی ہوں۔ تم مجھے انکار نہیں کر سکتے۔ ادھر دیکھو کیا تم مجھے انکار کر سکتے ہو؟'' اس نے بازو سے پکڑ کر قیس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ تین روزہ حوالات کا مارا اسکا دوست بے حد آزردہ تھا۔

''تم میرے لئے اتنا سب کچھ کیوں کر رہی ہو، میرہ۔؟'' وہ اسے دیکھ کر پگھل رہا تھا۔

''کیونکہ تم میرے بھائی ہو، میرے دوست۔ باقی سب تعلق ٹوٹ سکتے ہیں، بکھر سکتے ہیں۔ دوست کبھی الگ نہیں ہو سکتے۔'' وہ رکی گیلی نظریں اٹھا کر قیس کا چہرہ دیکھا۔ ''تم کسی سے کوئی انتقام نہیں لو گے۔ وعدہ کرو تم میری بات مان لو گے۔'' وہ چند پل اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''جو تم کہو۔''

مناظر بدلے اب وہ گاڑی میں بیٹھا تھا۔ بجتا ہوا موبائل، آس پاس کا رش، ایئرپورٹ کا لمبا راستہ، اسے سب کچھ بے کار لگ رہا تھا۔ ماضی ہر شے پہ حاوی تھا۔

(''مجھ پہ اسکا ایک راز کھلا تھا۔ میری عقل نے اس راز کو کھو جا تھا۔ نہیں کھوجنا چاہیے تھا۔ غلطی ہو گئی۔ یا پھر شاید نہیں ہوئی۔'')

کئی برس بعد یہ ان دونوں کی بات ہے جب قیس کمبیر قیسم کی بنیادیں کھڑی کر چکا تھا۔زندگی بامشکل ڈگر پہ آنے لگی تھی۔انہی دنوں میرہ نے محب ملک سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔اور اس پہر قیس اس کے کمرے میں تھا۔

''یہ کیا بکواس کی ہے تم نے؟ تم اس محب سے شادی کرنے والی ہو؟'' وہ میرہ کے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھول کر اندر داخل ہوا۔ڈریسنگ مرر کے سامنے بیٹھی میرہ نے پر سکون نظروں سے اسے دیکھا۔

''محب ملک میں آخر ایسا کون سی خرابی ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتی؟''

''میرہ وہ سائیکو ہے۔اس کے اینگر ایشوز ہیں۔ تین سال تک ذہنی امراض کے انسٹیٹیوٹ میں رہ چکا ہے وہ۔تم جانتی ہو وہ تمھارے معملے میں کتنا جنونی ہو گیا تھا؟'' قیس کے بس نہیں چلتا تھا سب کچھ تہس نہس کر دے۔

''عورت مرد کو درست کر سکتی ہے۔اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جیسے چاہے اسے اٹھائے، بٹھائے۔کوئی بھی انسان اپنی محبت سے دوسرے انسان کو ٹھیک کر سکتا ہے۔'' قیس کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

''ٹھیک ہے تم دونوں صحیح ہم غلط۔تم اسے بدل سکتی ہو، وہ تمھارے لئے بدل جائے گا۔لیکن۔'' وہ عین میرہ کے سامنے آ کر رکا۔''عبداللہ تم سے کہتا ہے اسے چھوڑ دو۔ تمھیں چھوڑنا چاہئے، میرہ۔'' وہ اگر میرہ سے سانس نہ لینے کو کہتا تو وہ نہ لیتی اسے یقین تھا مگر۔۔۔۔

''آئی ایم سوری، قیس میں کمٹمنٹ کر چکی ہوں۔اور اب میں مکر نہیں سکتی۔'' سپاٹ انداز میں کہہ کر اس نے رخ واپس شیشے کی طرف موڑ لیا تھا۔ قیس کو دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔ وہ اس کے قریب آیا پھر دھیرے سے گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ میرہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔اور اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''اس نے تمھیں مجبور کیا ہے ناں؟ اس کے پاس تمہارا کوئی راز ہے، کوئی بات جسے وہ تمھارے خلاف استعمال کر رہا ہے۔اس کے پاس ایسا کیا ہے، میرہ۔؟'' سنہری آنکھوں والی لڑکی دھک سے رہ گئی۔ اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور اگلے کئی لمحے وہ سانس نہ لے سکی۔ وہ مہدی کمبیر نہیں تھا جسے وہ منیوپلیٹ کر لیتی۔ یہ قیس تھا۔ جسے میرہ کے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسکی ذہانت راز کھوج لیتی تھی۔

اپنے ہاتھ چھڑا کر وہ فوراً باتھ روم کی جانب بھاگی تھی۔ دروازے سے لگ کر وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ قیس دروازہ بجا رہا تھا، اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ لیکن میرہ اس سے دور ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ اس کی آنکھیں کب سے پڑھنے لگا؟

اسلام آباد ایئرپورٹ پہ کھڑا قیس چند معتبر لوگوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ مگر دماغ اس وقت بھی ماضی میں تھا۔ جہاز کی طرف جاتے ہوئے، لوگوں کی آواز کو فراموش کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ماضی میں تھا۔

(''میں اسے اس مصیبت سے نکال لانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ایک شکی لڑکی تھی۔ اس نے کبھی اعتبار کرنا نہیں سیکھا تھا۔ میں اسکے ساتھ مخلص تھا۔ اسے یہ سمجھنا چاہیے تھا۔")

کمبیر محل کے شاہانہ لاؤنج میں ایک عدالت سی لگی تھی۔ سفید شرٹ پہ خون کے سرخ دھبے لئے ہاتھوں اور گردن پہ بھی خون کے چھینٹے لئے قیس کمبیر اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ بختیار اور مقصود اسکے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ انکے سامنے والے صوفے پہ محب کا باپ زوہیب ملک بیٹھا تھا اور ساتھ ایک دو اور سوٹڈ بوٹڈ آدمی۔

''میرے بیٹے نے آپ کی بیٹی کو بھگانے کی کوشش تو نہیں کی تھی پھر۔۔۔''

''کر بھی نہیں سکتا۔ اس کی اتنی اوقات بھی نہیں۔'' قیس نے انکی بات کاٹی۔ زوہیب خون کا گھونٹ بھر کر رہ گئے۔

''آپ کے بیٹے نے کسی جنگلی کی طرح میرے بیٹے کو مارا ہے۔ ہاکی، بلا، تیز دھار چاقو ہر طرح سے اسے ایذا دی ہے۔ میرا بیٹا ہسپتال میں آخری سانسیں گن رہا ہے میں۔۔۔''

''شکر کریں سانس لے رہا ہے۔ اور میں نے اسے سانس لینے کے قابل اس لئے چھوڑا ہے کہ وہ عبرت کا نشان بن سکے۔ اگلی دفع میری بہن سے دور رہے ورنہ۔۔۔''

''ورنہ کیا کرلوگے تم، قیس کمبیر۔'' میرہ کی آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر مڑا۔ ''میں محب سے اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور یہی بات تمھیں اپنی انا پہ چوٹ لگ رہی ہے ناں؟'' وہ اتنے سارے مردوں کی موجودگی میں قیس سے اس طرح کیسے بات کرسکتی تھی۔ وہ بامشکل خود کو پرسکون رکھتے ہوئے اٹھا اور کہنی سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا۔ اسکا چہرہ سرخ بھبھوکا تھا۔

''اپنے خوف ختم کرلو، میرہ۔ وہ اب تمھارے راز استعمال نہیں کرسکتا۔ میں نے اسکی وہ حالت کی ہے کہ دنیا اس پہ ترس کھائے گی۔ ڈرو مت میں تمھارے ساتھ کھڑا ہوں۔'' اس نے تسلی دینی چاہی۔ میرہ نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

"تم سے کس نے کہا ہے کہ میرے ساتھ کھڑے ہو۔؟ تم صرف ایک سازشی انسان ہو۔ میں نے تمھیں چھوڑ محب کا انتخاب کیا تم مجھ سے اسی کا بدلا لے رہے ہو تو یاد رکھنا تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" وہ بات کو غلط رخ دے رہی تھی۔ قیس صدمے سے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ ہاں اس نے قیس کو چھوڑ محب کا انتخاب کیا تھا مگر قصہ مختلف تھا۔ قصہ یوں نہ تھا۔

اس سے پہلے کہ میرہ کے راز کھولے جاتے وہ کہانی کا رخ بدل گئی تھی۔ ہک ہاہ the mean kambeers

("وہ بری نہیں تھی، حدیبیہ۔ وہ بس مختلف تھی۔، میں نہیں جانتا اس نے مجھے کیوں چھوڑا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اسے آج بھی مس کرتا ہوں۔")

اس روز لاؤنج والے واقعے کے بعد اس کی میرہ سے کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا میرہ اسے خود سے دور کر رہی تھی صاف اور واضح الفاظوں میں وہ قیس کو بتا چکی تھی کہ اب اس سے دور رہا جائے۔

وہ سمجھ نہ پایا کہ میرہ کا راز اتنا بڑا تھا یا پھر ان کے درمیان اعتبار چھوٹا پڑ گیا؟ مہدی میرہ سے روز جھگڑا کرتا تھا۔ اس کے دونوں چچا اسے بری بھلی سناتے تھے مگر چپ تھا تو بس قیس۔

اس نے چھوڑا تھا اب وہی پہل کرے۔

جہاز میں بیٹھے ہوئے اسے ایزل کے کچھ دیر قبل کے میسجز کھولے۔

"آپ آرہے ہو ناں۔؟ ممی صحیح کہتی ہیں اگر آپکو بلایا جائے تو آپ آجاتے ہو۔" قیس آزردگی سے مسکرایا اور موبائل بند کر کے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ اس سفر میں اگر وہ افسردہ تھا تو خوش بھی تھا۔

(''میں چاہتا ہوں وہ پلٹ آئے۔ میں اسکے پلٹ آنے کا احترام کروں گا۔'')

آج میرہ کے نکاح کا دن تھا۔ مقصود اسے گھر سے نکال چکے تھے اور آج کل وہ ایک ہوٹل میں رہ رہی تھی۔ نکاح کی تقریب میں تھوڑا ہی وقت تھا شیشے کے سامنے بیٹھی وہ کانوں میں آویزے ڈال رہی تھی جب اسکا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے نمبر دیکھا۔ ''**عبداللہ کالنگ**''۔ اس نے دھیرے سے موبائل کان سے لگایا۔

''بلاخر تم شادی کرنے والی ہو ہے ناں؟'' اس کے لہجے میں تمسخر تھا۔ میرہ خاموش رہی۔

''میں صفائی نہیں دیتا میرہ، میں لوگوں کو روکتا نہیں، جانے والوں کے پیچھے نہیں بھاگتا لیکن۔'' وہ رکا آواز زکام زدہ بھاری سی ہوئی۔ ''دل چاہتا ہے تمھیں آواز دے کر روک لوں۔ تمھارے پیچھے آؤں۔ اور صفائی بھی دوں۔''

''تم ایک وقت پہ ایک ہی کام کر سکتے ہو۔ انتخاب کرو، قیس۔''

وہ دھیرے سے ہنس پڑا۔ میرہ بھی ہنسی تھی۔ بے بسی بھری کھوکھلی ہنسی۔

''میں تمھیں روکوں گا نہیں، نہ تمھارے پیچھے آؤں گا۔ میں بس صفائی دوں گا۔ شاید مجھے نہیں دینی چاہیے مگر۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ گہری سانس اندر کھینچی۔

''قیس کمبیر کبھی تمھارا برا چاہنے والوں میں سے نہیں تھا، میرہ۔ میں تمھارا سب سے بڑا خیر خواہ ہوں۔'' کئی لمحے میرہ جواب میں کچھ نہ بولی تو قیس نے کال کاٹ دی۔ اگر اسے آنا ہوتا تو اس کال کے بعد آجاتی۔ مگر وہ آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

بیجنگ ایئرپورٹ پہ لوگوں کے ہجوم بھانت بھانت کی بولیوں اور ڈھیر سارے غیر شناسا لوگوں کے درمیان قیس نے اسے دیکھا۔ وقت نے اس کے ساتھ بہت ظلم کیا تھا۔ یا شاید اس نے اپنے ساتھ۔ کئی لوگ قیس کے استقبال کے لئے کھڑے تھے مگر وہ اس عورت کی طرف مڑا جو اس سے بے نیاز تھی۔ مگر اس کی اپنی تھی۔

(''میں اپنی آخری سانس تک اسکی پکار کا انتظار کروں گا۔ اگر اس نے ایک بار بھی مجھے واپس بلایا تو میں چلا جاؤں گا۔'')

اپنے کمرے میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ملگجی حالت میں ملتجی نظروں والا مہدی کمبیر اندر آتا دکھائی دیا۔ قیس کے دل میں چلتے جھکڑ مزید تیزی سے چلنے لگے۔

''اسے روک لو، قیس۔۔۔ تم ہمیشہ اسے روک لیتے ہو۔ اپنے اصول چھوڑ کر اس کے پیچھے جاؤ۔ وہ تمھارے ساتھ واپس آئے گی۔''

''میں اس کے پیچھے نہیں جاؤں گا، مہدی۔'' اعلان تھا یہ۔ ''وہ میرے لئے اہم ہے لیکن میرے لئے سب سے زیادہ اہم میں ہوں۔ میں نے اس کے لئے ایفرٹس کی ہیں آئندہ بھی کروں گا۔ اسے مشکل سے بچایا ہے، آئندہ بھی بچاؤں گا۔ مگر۔۔۔ میں۔۔ اس۔۔کے۔۔ پیچھے۔۔ نہیں۔۔ جاؤں گا۔'' اس نے ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔

"میں نے اسے وارن کیا تھا۔ اس کے لئے اسٹینڈ بھی لیا تھا مگر اسے بربادی کا انتظار ہے تو میری طرف سے وہ ہزار بار برباد ہو۔'' وہ رکا ٹھنڈی نظریں اٹھا کر مہدی کو دیکھا۔ ''اگر برباد ہونے کے بعد بھی اس نے مجھے پکارا تو میں جاؤں گا۔ ہزار بار جاؤں گا۔'' مہدی تھکے تھکے قدم لئے واپس چلا گیا۔

بیڈ کی طرف واپس آتے ہوئے، کتاب کو بے زاری سے بیڈ پہ پھینکتے ہوئے، کمرے کی بالکنی سے مہدی کو باہر جاتا دیکھتے ہوئے، اور پھر اسکی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے، رات کے تین بجے تک قیس اس کے ایک میسج کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اس روز اس نے ایک منٹ کے لئے بھی موبائل اپنے ہاتھوں سے جدا نہیں کیا تھا مگر اسے کوئی کال نہ آئی، کوئی پیغام نہ آیا۔ اس روز قیس نے میرہ سے کیا ہوا ہر وعدہ توڑ دیا تھا۔ وہ مانسٹر بنا تھا۔ اور اب شاید یہ اسکا حق بھی تھا۔

"ویلکم، عبداللہ زمان۔" پھولوں کا بکے اسکی طرف بڑھاتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔ قیس نے اسکی مسکراہٹ نہ دیکھی۔ وہ اسکی گردن پہ چھپے زخم دیکھ رہا تھا۔ جنہیں میک اپ سے کور کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کتنے سال بعد وہ دونوں روبرو تھے۔ کتنے سال کی بدگمانی، اکیلا پن، تکلیف ان دونوں نے تنہا ہی سہی تھی۔

"عبداللہ نہ سہی، زمان بننے کا وقت آگیا ہے۔" وہ خود سے بڑبڑایا اور جھک کر ایزل کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔ وہ کھلکھلائی۔ قیس نے اس کے دونوں گال چومے۔ پھر سینے سے لگایا۔ زندگی پہ اسکا حق بھی تھا۔

☆☆☆☆☆☆

اوپن ایئر ریستوران کی پر سکون فضاؤں میں اس وقت ہلکی موسیقی رچی بسی تھی۔ مصنوعی درختوں سے لپٹی فیری لائٹس خوابناک سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔ لکڑی کی چھوٹی گول میز کے گرد کرسیاں لگی تھیں۔ جن پہ اس وقت زینیا حاکم بالاج میر کے سامنے بیٹھی تھی۔ بالاج اسے مسکراتے ہوئے کچھ بتا رہا تھا۔ زینیا سن رہی تھی۔ ان چند دنوں میں چاہے اس سے طوفانی قسم کی محبت نہ ہو سکی تھی مگر انسیت ہونے لگی تھی۔ وہ ساتھ ہوتا تھا تو باقی انسانوں کی طرح اس کے ساتھ سے کوفت نہیں ہوا کرتی تھی۔

''بالاج ہم آخر کب تک اس طرح ملتے رہیں گے۔؟بشر کل بھی مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ بالاج مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا۔اسے لگتا ہے آپ سعودی عرب ہیں۔اپنے خاندان کو دھوکہ دینا مجھے سمجھ نہیں آتا۔'' وہ نرمی سے بولی۔خلاف توقع بالاج نے برا نہیں منایا۔وہ آج کل باتوں کا برا نہیں منایا کرتا تھا۔

''میں بہت جلد سعودی جا رہا ہوں۔تمھیں فکر کرنے کی اب کوئی ضرورت نہیں،زینی۔جو تم چاہو گی اب سے وہ ہو گا۔''

''بالاج کیا آپ یہیں نہیں رہ سکتے۔؟میرا مطلب ہے یہ لانگ ڈسٹنس میرجز ہمیشہ خسارے کا سبب بنتی ہیں۔ہم کم پہ گزارا کر لیں گے بس چند سالوں کی بات ہے پھر میری اپنی نوکری۔۔۔''

''تمھیں لگتا ہے میں یہاں بیٹھ کر تمہارا پیسہ کھاؤں گا۔؟''یکدم وہ درشتی سے بولا۔''میں جب تک زندہ ہوں خود کما سکتا ہوں اور تمھیں کھلا بھی سکتا ہوں۔گھر کے فیصلے ہمیشہ مرد لیتا ہے۔تم اتنا کیوں سوچ رہی ہو؟''

''میں بھی اسی گھر میں ہوں جس میں آپ۔اور میں یونہی اپنے گھر سے اٹھ کر آپ کے پیچھا نہیں آگئی۔میرے ساتھ آپ کا نام جڑا ہے۔میں آپ کی خیر خواہ ہوں۔''وہ رکی بالاج کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا پھر آگے کو ہو کر بیٹھی۔فکر مند سی۔

''مجھ سے مقابلے چھوڑ کر،مجھے گرانے کر خود کو اوپر لانے کی سوچ کو پرے کر کے دیکھیں میں آپ کے ساتھ کھڑی نظر آؤں گی۔''بالاج نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

''ہم دونوں جہاں سے آئے ہیں تم اس جگہ سے واقف ہو،زینی۔وہاں بیویوں کے مقام سے بھی واقف ہو۔میں ہر دفع خود کو بدلنے کی کوشش کرتا ہوں پھر کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ میں تمھیں ہرٹ کر دیتا ہوں۔میں جاب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا

ہوں۔'' **جھوٹ** ''میں یہاں کاروبار نہیں کر سکتا۔ نہ یہاں رہ سکتا ہوں۔ اس ملک میں میرا کوئی مستقبل نہیں۔ لیکن تم فکر مت کرو۔ میں نے تمھارے لئے کچھ بہت ہی اچھا سوچ رکھا ہے۔'' وہ آس پاس لوگوں کی موجودگی محسوس کرتے دھیرے سے کہہ رہا تھا۔

زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اپنے بیگ سے ایک خاکی، پھولا ہوا لفافہ نکال کر میز پہ رکھا۔ بالاج کی آنکھیں حیرت سے چھوٹی ہوئیں۔ ''یہ کیا ہے۔؟''

''میں نے اپنا سارا زیور بیچ دیا ہے۔ یہ بیس لاکھ کے قریب کی رقم ہے۔ کچھ پیسے بشریٰ نے ڈالے ہیں۔ اب آپ اپنا کاروبار بھی کر سکتے ہیں۔ اور سعودی بھی جا سکتے ہیں۔ بس پلیز اب اپنی فرسٹریشن مجھ پہ اتارنا چھوڑ دیں۔''

''تم۔۔۔ تم نے یہ سب۔۔۔ تمھیں گولڈ سے بہت پیار تھا، زینی۔'' اس کے الفاظ بے ربط تھے۔ لفافہ اس نے اب تک چھوا بھی نہ تھا۔ ''میں یہ نہیں لے سکتا۔ یہ تم نے کیا کر دیا اوہ میرے خدایا یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟'' وہ بے اختیار پریشان ہو بیٹھا۔

''مجھے گولڈ پسند ہے لیکن ہماری شادی، آپ کی ذہنی صحت اس سب سے زیادہ اہم ہے۔''

''میں یہ نہیں لے سکتا، زینی۔ میں اپنی بیوی کے زیورات کا پیسہ نہیں لے سکتا۔ تم پلیز یہ واپس رکھ دو اپنے پاس۔''

''بالاج۔'' زینیا نے تحمل سے اسکا نام لیا۔ ''اگر آپ کو لگتا ہے روایتی بیویوں کی طرح میں آپ سے کہوں گی کہ یہ تو میرا فرض ہے، آپ میرے سرتاج ہیں میری چیزوں پہ آپ کا حق ہے۔ تو پلیز یہ سب مجھ سے نہیں ہو گا۔'' بالاج نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''ہاں مگر میں اتنا کہوں گی کہ ہم دونوں ایک ہیں، تو ہماری پریشانیاں بھی ایک ہیں۔ اب پلیز اسے رکھ لیں۔'' لفافہ ایک بار

پھر اس کی جانب بڑھایا۔ بالاج نے اس لفافے کو نہیں دیکھا، اس نے زینیا کو نہیں دیکھا۔ وہ بس اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ پھر زینیا نے اسے ریسٹ روم کی طرف جاتے دیکھا۔

قطار در قطار لگے واش بیسن، دیوار گیر آئینہ اور ان کے سامنے کھڑا بالاج یوسف میر۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرہ یوں جیسے کسی نے سفید چونا پھیر دیا ہو۔ اس کے قدم لرز رہے تھے۔ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ کاغذات سائن کر چکا تھا۔ اوہ خدایا وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔؟ اس نے جیب سے اپنا موبائل نکالا۔ اسکی انگلیاں تیزی سے ایک نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔ گھنٹیاں پلٹ پلٹ کر واپس آ رہی تھیں۔ بالاج بغیر رکے دیوانہ وار اس نمبر کو ملاتا رہا۔

بلا خر کال مل گئی تھی۔

''کیا میں ان کاغذات سے اپنے دستخط واپس لے سکتا ہوں۔؟ میرے پاس اب پیسے ہیں۔ میرے اپنے پیسے میں یہاں رہ کر کاروبار کر سکتا ہوں۔ کیا میرے لئے کوئی راہ نکل سکتی ہے۔؟ خدا کے لئے کچھ کرو۔'' وہ باقاعدہ گھگھیانے لگا تھا۔

"ان کاغذات پہ دستخط اور معاہدہ تم نے اپنے پورے ہوش و حواس میں کیا تھا، بالاج۔ تم پہ واپسی کی تمام راہیں مسدود ہوئیں۔'' ایک صور سا تھا جو اس کے کانوں میں پھونکا جا چکا تھا۔ بالاج دیوار سے لگتا ہوا دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اسکی آنکھیں خشک تھیں مگر ان میں جو طوفان تھا۔ وہ حزن کا طوفان تھا۔ اس کا خوبرو چہرہ مردہ لگتا تھا۔ بالاج میر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکا تھا۔

غلطیوں کے انجام بھگتنا پڑتے ہیں۔



بیجنگ چائنا کا دارالحکومت ہے۔جدید ٹیکنالوجی کا مرکز اور اونچی،اعلیٰ فن تعمیر کی مثال عمارات کا شہر۔صاف ستھرا اور نفیس شہر۔بیجنگ کے ایک سیون سٹار ہوٹل کے بینکوئٹ میں اس وقت تقریب کا سماں تھا۔سیاہ اور سنہری تھیم کی سجاوٹ اور انہی رنگوں کے لباس پہنے لوگ ہاتھ میں مشروب اور کھانے کی پلیٹ لئے ذرا ذرا سے فاصلے پہ ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔چھت سے لٹکتے سنہری جھومر تلے اسٹیج لگا تھا۔جہاں ایک بچی افسردہ سی بیٹھی تھی۔اس نے سیاہ فراک پہن رکھی تھی۔جس کے ساتھ سنہری منی کوٹ تھا۔لمبے بال کھلے تھے اور ایک ہیئر بینڈ اٹکا رکھا تھا۔اسکی آنکھیں ہال کے داخلی دروازے پہ جمی تھیں۔جہاں سے اس کے خاص مہمان کو اندر آنا تھا لیکن ایک لمبے انتظار کے بعد جب کوئی نہ آیا تو محب ملک اپنی بیٹی ایزل کو بامشکل راضی کرتا کیک اسٹینڈ کی طرف لے آیا۔ایزل نے گیلی ہوتی آنکھیں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا۔

"قیس آئے گا ناں ممی؟"

"وہ ضرور آئے گا۔کوئی اسے پکارے تو وہ آجاتا ہے۔"ماں نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔بچی نے اپنی ماں کی بات پہ یقین کر لیا مگر دس منٹ کے مذید انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تو مجبوراً اسے کیک کاٹنے کے لئے اٹھ کر آنا پڑا۔اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا نائف تھا۔اس نے افسردہ سی نظریں اطراف میں دوڑائیں،پھر اپنے باپ کو دیکھا۔اسکی آنکھیں کسی بھی پل چھلک پڑتیں۔مگر اسی لمحے کوئی وہاں آیا تھا۔ہال کے داخلی دروازے سے وہ آرہا تھا۔سرمئی ڈنر سوٹ،سلیقے سے سجے بال،بڑھی ہوئی شیو،سنجیدہ آنکھیں،لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ جو ایزل کو دیکھ کر آئی تھی۔ہال کے داخلی دروازے سے لے کر اسٹیج تک سرخ کارپٹ آتا تھا۔

اسکے سیاہ جوتے سرخ کارپٹ پہ پڑ رہے تھے۔ایزل اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔لوگوں کا ہجوم اسے تک رہا تھا۔وہ بس اس بچی کو دیکھ رہا تھا۔یکدم وہ اس سرخ کارپٹ کے بیچ میں رک گیا۔بازو پھیلا لئے،اور بے آواز

"No hugs for me?"

دہرایا۔ایزل کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر دوڑتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی۔ قیس نے جھک کر اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔کئی لوگوں نے ویڈیو بنانا شروع کر دی تھی۔میرہ اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی البتہ محب کے تاثرات سپاٹ تھے۔

''میں نے آپ کا اتنا انتظار کیا ماموں۔'' وہ شکوہ کرنے لگی تھی۔

قیس ہلکا سا مسکرایا۔

''حالانکہ تمہیں یقین رکھنا چاہیے تھا کہ قیس آئے گا۔''اس کے برجستگی سے کہنے پہ ایزل دوبارہ ہنس پڑی۔کیک کاٹا گیا،مبارکباد ،تحائف اور ایک بھرپور شام کے بعد تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

یہ قیس کے ہوٹل سویٹ کا منظر تھا۔بالکنی میں رکھے صوفے پہ وہ بیٹھا ہوا تھا اور ایزل اسکی گود میں سر رکھے سو رہی تھی۔میرہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی تھی۔دونوں کے ہاتھ میں کافی کے مگ تھے۔دوستوں کو کئی سالہ خلا پر کرنے کے لئے سالوں کی ضرورت نہیں ہوتی چند پل اور سب پہلے جیسا۔

''شادی کر لو، قیس۔'' وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

''صرف ایک وجہ بتا دو کیوں کروں؟''

''بچوں کے لئے کر لو۔''

''بچے نہیں بیٹی، مجھے صرف بیٹی چاہیے۔'' وہ ہنوز ایزل کو تک رہا تھا۔

''بلاخر تم نے جتا دیا کہ کہ تم اپنی مرضی کرو گے۔ اتنے سالوں میں تم میرے لئے تو کبھی نہیں آئے۔'' میرہ کو شکوہ کرنے کی بہت عادت تھی۔

''میں نے کبھی تم سے کوئی ضد نہیں لگائی۔ تم نے مجھے اپنا حریف سمجھا تھا۔ حالانکہ میں تمہارا بازو تھا۔'' اس نے کہتے ہوئے ایزل کے بال دونوں ہاتھوں سے سمیٹے پھر پونی کی شکل دیتے ہوئے ہاتھ میرہ کے سامنے پھیلایا۔

''اگر کبھی کسی وقت میں، میں غلط تھی تو تم سمجھا سکتے تھے۔''

''میں نے سمجھایا تھا۔''

''میں اگر نہیں سمجھ سکی تو تمھیں بار بار میرے پیچھے آنا چاہیے تھا۔''

''میں ان کے پیچھے جاتا ہوں، جنہوں نے واپس آنا ہو۔ تم ہاتھ چھڑانے سے پہلے جا چکی تھیں۔'' اس نے ہاتھ اب تک سامنے پھیلا رکھا تھا۔ میرہ نے جھنجھلاہٹ کے عالم میں بیگ میں ہاتھ مارتے ہوئے ایک پونی برامد کی اور قیس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔ ڈھیٹ انسان نے بغیر اثر لئے پونی تھام لی۔

''سب کیسے ہیں۔؟ چچا، انیسہ، مہدی اور تم؟''

''سب ٹھیک ہیں۔ چچا کی طبیعت اب بہتر ہے۔'' وہ ایزل کے بالوں کے گرد نرمی سے پونی لپیٹ رہا تھا۔'' مہدی کچھ ماہ سے گھر پہ ہے۔ انیسہ نے یوٹیوب چینل بنالیا ہے۔ مقصود چچا بھی ٹھیک ہیں۔ سب ٹھیک ہے۔'' ایزل نیند میں کسمسانے لگی تھی وہ اب اسے تھپک رہا تھا۔

''تم کیسے ہو، عبداللہ۔''

''مجھے عبداللہ مت کہا کرو۔'' وہ بلا تامل بولا۔۔

''تم کیسے ہو، عبداللہ۔؟'' نہ اسکا سوال بدلا، نہ آنکھوں میں ٹھہری سنجیدگی۔ قیس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا مجھے تمھارے سامنے بھی کہنے کی ضرورت ہے، میرہ۔؟'' سنہری آنکھوں والی لڑکی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں ڈھیر سارا حزن تھا۔

''تم تھک رہے ہو ہے ناں؟''

'' صحیح کہا۔''

''تم سب کچھ چھوڑ کر کہیں بہت دور چلے جانا چاہتے ہو۔''

'' صحیح کہا۔''

''خاندان میں کوئی بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اور تم انہیں ٹھیک کرتے کرتے تھک گئے ہو۔''

قیس اب کے زور سے ہنس پڑا۔ ''صحیح کہا۔''

''تم یہاں میرے یا ایزل کے لئے نہیں آئے''۔ وہ آگے کو ہوئی قیس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ہر بار ایک غلط کام کرنے سے پہلے تم کہیں بہت دور چلے جاتے ہو اپنے خاندان سے بہت دور۔ تاکہ چند دن تمھارے اندر احساسات باقی نہ رہیں۔'' میرہ مدھم سرگوشی سے کہہ رہی تھی۔ ''تم ایک بار پھر کچھ کرنے والے ہو، کیا تم کسی کو قتل کرنے والے ہو؟''

قیس بھی آگے کو ہوا۔ اتنا کہ اب ان دونوں کی پیشانی ٹکرانے کا خدشہ تھا۔ ''کیا میرا بھید کھل چکا ہے؟''

''کیا میرے آگے تمہارا کوئی بھید ہے بھی؟'' وہ اس سے زیادہ برف انداز میں بولی۔ قیس محظوظ ہوا تھا۔ پھر اپنا کافی کا مگ اٹھایا۔ اونہوں اسکی کافی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ مگ ہیٹر جو کہ ایک پرچ نما ہوتا ہے وہ ورک ٹائم پہ آپ کی چائے کافی کو ٹھنڈا ہونے نہیں دیتا۔ چینی لوگ ٹیکنالوجی کے استعمال میں کافی آگے ہیں۔

''تم نے خوامخواہ شادی کرلی۔ اچھی خاصی کرائم پارٹنر تھیں تم میری۔'' قیس کو افسوس سا ہوا۔

''تم کسے مارنے والے ہو، قیس؟'' سوال تھا کہ کیا قیس کو یکدم کافی کا ذائقہ کڑوا لگنے لگا۔ ابھی وہ جواب دیتا کہ محب دروازہ ناک کرتا اندر آتا دکھائی دیا۔ کٹیلی نظروں سے قیس اور میرہ کو دیکھا۔

''کافی دیر ہوگئی ہے۔ اب ہمیں نکلنا چاہیے۔'' وہ قیس کو دیکھے بغیر آگے آیا اور جھک کر ایزل کو اٹھانا چاہا۔

''میں تین دن اسی شہر میں ہوں، اور ایزل یہ تینوں دن میرے ساتھ رہے گی۔''

''اور یہ سب کس نے طے کیا۔؟'' چبا چبا کر پوچھا گیا۔

''کیا مجھے اجازت کی ضرورت ہے۔؟ کم آن میں بچی کا ماموں ہوں۔ میرے بھی کچھ حقوق ہیں۔''اس نے میرہ کو دیکھا۔''جاؤ شاباش تمہارا شوہر تمہیں لینے آیا ہے۔''دادا ابا بننے کی پوری کوشش کی گئی۔

''میں اپنی بیٹی اور بیوی دونوں کو لے جاؤں گا۔ تمہاری بہن کی شادی کو چھ سال ہو گئے ہیں۔اور یاد اب آئی ہے۔یاد داشت کمزور ہو گئی تھی کیا۔''

''میری چھ سالہ پرانی یاد داشت بہت مضبوط ہے۔ تمہاری بھی ہونی چاہیے،ویسے کیا اپنے جسم پہ میرے دیئے نشان بھول گئے ہو۔؟''محب کا چہرہ مارے اہانت کے سرخ پڑنے لگا۔

''یہ پاکستان نہیں ہے قیس یہاں۔۔۔''

''پاکستان نہیں ہے یعنی۔؟ کیا چائنا میں ماموں اور چچاؤں کے حقوق نہیں ہوتے۔؟'' گردن موڑ کر میرہ کو دیکھا۔''نہیں ہوتے کیا، میرہ؟''

وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اٹھی تھی۔

''ایزل تمہارے پاس رک سکتی ہے۔''اس نے کہتے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا۔ محب خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔البتہ کچھ کر نہ سکا۔چھ سال گزر گئے تھے مگر جسم پہ پڑے نشان اب بھی ویسے تھے۔ کم بخت قیس اس سے آج بھی ڈر لگتا تھا۔مارتے ہوئے ہاتھ نہیں روکتا تھا۔

وہ ایک آخری نگاہ غلط ان پہ ڈالے باہر نکل گیا

'' ماموں کا حق ہے بس اسی لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ہنہہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

'' تین دن بعد۔''

یونیورسٹی کے احاطے میں آج اسٹیج لگا تھا۔ مہدی کمبیر جو کہ کچھ دنوں سے منظر سے غائب تھا، آج یونیورسٹی انتظامیہ کی کئی منتوں کے بعد سپیچ دینے کے لئے راضی ہوا تھا۔ وہ دو ماہ سے ایک شہر ایک گھر میں تھا۔ اس کے انسٹا گرام کے ڈی ایمز میں ہمہ وقت لوگوں کا جمگھٹا رہتا سوال کئے جاتے۔ چند گنی چنی لوکیشن پہ شوٹ ہوئی ویڈیوز دیکھ کر اب لوگ تھک چکے تھے۔ اس سے نئے ملک جانے کو کہا جاتا۔ وہ شدید ڈپریشن کا شکار تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا اگر اسٹیج پہ جائے گا تو بولے گا کیا۔؟ بیک اسٹیج بیٹھا مہدی شب خوابی کا شکار لگتا تھا۔

سفید گول گلے والی ڈھیلی شرٹ کے اوپر مختلف رنگوں والا جیکٹ پہنے، بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے، اور چہرے پہ مردنی لئے مہدی کمبیر ہمارا مہدی نہیں لگتا تھا۔ اسٹیج پہ اس کے نام کی پکار ہوئی تو چند لوگ فوراً اسکی طرف بڑھے، کسی نے کمر پہ لگا مائیک فکس کیا، کسی نے بالوں کو ٹھیک کیا، کسی نے اس کے جیکٹ کے بازو کے کف موڑ دیئے۔ اب لگتا تھا وہ free soul۔ اسٹیج پہ کھڑے ڈھیروں لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس کے الفاظ گم ہو گئے۔ زندگی میں پہلی بار مہدی کمبیر کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ یہ رش، یہ مجمع، اس کے نام کی پکار، زندگی میں پہلی بار اسے لوگ irritate کر رہے تھے۔

شور تھم گیا۔لوگ چاہتے تھے وہ بولے، آنکھیں اسے حسرت سے تک رہی تھیں۔لوگ موبائل ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے ویڈیو بن رہی تھی۔ مگر وہ بس غائب دماغی سے لوگوں کو دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور پھر اسی مجمعے میں اسے وہ نظر آئی۔ وہی جو اس کے غم سے نکلنے کا ذریعہ تھی۔ لوگوں کو لگا وہ نروس ہو رہا ہے۔لوگ اس کے لئے نعرے بلند کرنے لگے تھے۔اسی لمحے اسکی جیکٹ کی جیب میں پڑا موبائل تھرتھرایا۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل نکال کر دیکھا۔زینیا کا میسج تھا۔

''آپ سے زیادہ ضروری کوئی نہیں ہے۔ہیرو ہر بار اسٹیج پہ ہوتا ہوگا۔ مگر کئی بار بیک اسٹیج پہ بھی ولن نہیں ہوتے۔'' اس نے شاکی نگاہیں اٹھا کر مجمعے میں کھڑی اس لڑکی کو دیکھا۔وہ آنکھیں جھپکا کر اسے تسلی دے رہی تھی۔ مہدی نے آوازیں نظر انداز کیں، چہرے بے مول ہوئے، اور پھر وہ مڑ گیا۔واپس جاتے ہوئے اس کے اندر کا خلفشار ختم ہو گیا تھا۔دھڑا دھڑ ہیش ٹیگز لگے، لوگ بے طرح پریشان ہو اٹھے، مہمان خصوصی اہانت محسوس کر اٹھے وہ سب کی پرواہ کئے بغیر وہاں سے جا رہا تھا۔دور بہت دور۔

کہانی کو اگر ایک دن پیچھے لے جاؤ تو قیس کمبیر تمھیں بیجنگ ایئرپورٹ پہ کھڑا دکھائی دے گا۔ساتھ حدیبیہ اور باقی ٹیم تھی۔ جن کو اس نے اشارے سے ایک طرف ہونے کو کہا اور خود اپنے سامنے کھڑی عورت اور بچی کو دیکھا۔

''میرہ۔۔۔شوہر سے مار کھاتے رہنا صبر نہیں، بزدلی ہوتی ہے۔تم میک اپ کے ذریعے اپنے ان داغوں کو چھپا سکتی ہو کیا تمھیں واقعی ایسا لگتا ہے؟'' سال میں ایک بار قیس کے اندر جذبات بھرتے تھے آج وہی دن تھا۔ میرہ نے گردن جھکا دی۔ حلق میں گرہیں پڑنے لگیں۔

'' آج، کل، پرسوں یا پھر کئی سال بھی جب تم مجھے بلاؤ گی میں تمھارے لئے آؤں گا۔ لیکن مجھ سے یہ امید مت رکھنا کہ کبھی کسی دور میں اس abusive شادی سے میں تمھیں نکال سکتا ہوں۔'' میرہ نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ گیلی آنکھیں شاکی انداز میں پھیلیں۔

'' کوئی کسی کو نہیں بچاتا۔ ہر انسان اپنا نجات دہندہ خود ہوتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ کھڑا ہو سکتا ہوں، تمھارے گرنے پہ تمھیں اٹھا بھی سکتا ہوں۔ لیکن میں میرہ۔ میں '' تم '' نہیں بن سکتا۔ ظلم تم پہ ہے، اس سے نکلنا بھی تمہارا کام ہے۔'' وہ چند پل میرہ کو دیکھتا رہا پھر گھٹنوں کے بل ایزل کے پاس بیٹھا۔

'' میں زیادہ ہینڈ سم ہوں یا تمہارا باپ؟'' ایزل سوچ میں پڑی۔ پھر قیس کے کان کے پاس جھک کر سرگوشی کی۔

'' اگر آپ میرے بابا کو نہ بتائیں تو آپ زیادہ ہینڈ سم ہیں۔'' قیس ہنس پڑا۔

'' تمہارا فیورٹ کون ہے؟ مہدی یا میں؟'' اس نے ایزل کے بال درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

'' اگر آپ سال میں تین بار مجھ سے ملنے آیا کریں تو آپ۔ ورنہ مجبوری ہے۔ مہدی کم از کم دن میں تین بار کالز تو کرتا ہے۔'' وہ اترا کر بولی اب کے قیس سنجیدہ رہا۔

'' سال میں دو بار ملنا، اور میں تمہارا فیورٹ۔'' وہ ہاتھ اسکی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔ گویا ڈیل کر رہا ہو۔ ایزل ایک پل کو سوچ میں پڑ گئی۔ یہ آئیڈیا برا نہیں تھا۔ مہدی یوں بھی اسے کالز کرنا نہیں چھوڑے گا۔ اسے بھلا کس نے بتانا تھا؟

''اوکے سال میں دو بار میٹ اپ اور آپ میرے فیورٹ۔''اس نے ہاتھ ملا لیا۔ قیس فاتحانہ مسکرایا۔اور اٹھا کھڑا ہوا۔ پھر اپنے موبائل پہ ریکارڈ ہوتی آڈیو پہ سیو کا بٹن دبایا۔

''ہو گیا ریکارڈ۔''وہ مسکرایا۔ پھر جھک کر ایزل کے گال چومے اور سیدھا ہوا۔''تھینکیو سوچ اس confession کے لئے۔اب مجھے اور مہدی کو اس بات پہ لڑنا نہیں پڑے گا۔''ایزل کئی لمحے رونی صورت لئے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ماموں نے اسکے ساتھ پرینک کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی سے دور ایک خالی سڑک پہ جس کے دونوں اطراف میں درخت تھے، مہدی کمبیر گردن جھکائے شکستہ چل رہا تھا۔اب تک تو اسکی ویڈیو وائرل ہو چکی ہو گی۔اب تک تو لوگ

#Depression isn't joke

#Healer can be feeler too

کے ہیش ٹیگز چلا رہے ہوں گے۔اسے پرواہ تھی۔ ہمیشہ سے تھی۔اپنی ریپوٹیشن کی،اپنی فینڈم کی مگر اب وہ تھک چکا تھا۔ان فون کالز سے،اس تعاقب کار سے۔چندپل بعد پتوں سے بھری اس سڑک پہ کوئی اسے اپنے ساتھ چلتا محسوس ہوا۔ مہدی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

'' It's okay to not be okay''

ساتھ چلتے ہیولے نے سر گوشی کی۔ وہ کچھ نہ بولا بس چلتا رہا۔ بس چلتا رہا۔۔

''مجھے کوئی شوق نہیں آپ کے ساتھ اس طرح سڑکوں پہ خوار ہونے کا، جلد از جلد یہ قصہ ختم کریں اور میری جان چھڑوائیں۔'' وہ بے زاری سے بولی تو مہدی چلتے چلتے رکا۔ مٹھیاں بھینچے، آنکھوں میں بے پناہ سختی لئے، زینیا بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوئی۔ اسے مردوں کے غصے سے خوف آتا تھا۔ اسے ذلت سے خوف آتا تھا۔

''زینیا حاکم اگر اس وقت تم میرے ہاتھوں سے قتل نہیں ہونا چاہتی تو میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔'' وہ چبا چبا کر بے بسی بھرے غصے سے بولا۔ نہ اسکی آواز بلند ہوئی، نہ اس نے ذلیل کیا تھا۔ ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے وہ دوبارہ چلنے لگا تھا۔

''میرے پاس انفارمیشن ہے۔ آپ کا تعاقب کار اس وقت ہمارے بے حد قریب ہے۔'' الفاظ تھے کہ کیا مہدی اپنی جگہ پہ جامد ہو گیا۔

فلائٹ میں بیٹھا قیس کمبیر میگزین پڑھ رہا تھا۔ وہ سکرین پرسن نہیں تھا، یہاں تک کہ کوئی ضروری کام نہ آ جاتا۔ حدیبیہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ پاکستان جانے پہ بہت سے کام اس کے منتظر تھے، اسے ان کاموں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ یکدم قیس کسی خیال کے تحت چونکا تھا۔

''تم نے کل سے اسے کوئی کال نہیں کی حبیب؟ تمھیں نہیں لگتا وہ ہمیں مس کرتا ہو گا۔'' قیس مسکرا رہا تھا۔ شیطانی، سفاک مسکراہٹ۔

''ایئر پورٹ پہنچ کر سب سے پہلی کال اسی کو جائے گی باس۔''

''آئندہ کوتاہی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ وہ خوف کے بغیر جینا سیکھ لے۔"اس نے تنبیہ کی تھی۔ حدیبیہ نے سر کو خم دیا۔ایئرپورٹ پہنچ کر اسے ایک نیا موبائل دیا گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے حدیبیہ نے ایک کال ملائی تھی۔

''مجھے لگا تم مجھے بھول گئے ہو گے۔ کیا کوئی اپنے سیاہ اعمال نامے بھی بھولتا ہے۔؟'' یہ ایک بھاری مردانہ آواز تھی۔ یہ حدیبیہ مختلف تھی۔ کہانی کی ابتدائیہ حدیبیہ سے بے حد مختلف۔ ''مجھے بھولنے کی کوشش کی تو اور زیادہ یاد آؤں گا۔اور تم میرا یاد آنا جانتے ہو ناں؟'' ایک فریب کار،اور قیس کے سیاہ اعمال ناموں میں برابر کی شریک کار تھی وہ۔ تھوڑی دیر مزید کچھ کہتے رہنے کے بعد اس نے موبائل کان سے اتارا تھا۔

''کیسی پرفارمنس تھی باس؟''

''مجھے تمہاری صلاحیتوں پہ پورا یقین ہے۔ اسی لئے تمہیں حدیبیہ نہیں حبیب کہتا ہوں۔'' حدیبیہ نے برا سا منہ بنالیا۔

''آپ اسے ہنٹ دے رہے ہیں، اگر اس نے پہچان لیا تو۔؟''

''وہ نہیں پہچان سکتا، لیکن اس کے قریب ایک عورت ہے۔ وہ مجھے پہچان لے گی،اور میں چاہتا ہوں اب یہ کھیل ختم ہو جائے۔'' وہ کھڑکی سے باہر شہر کی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''تمھیں کیسے پتہ وہ کہاں ہے؟'' پارک کے نسبتاً تنہا گوشے میں بنچ پہ بیٹھا مہدی بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

زینیا نے کندھے اچکائے۔

''کل رات میں نے آپ سے ان تمام نمبرز کی لسٹ مانگی تھی۔ جن سے آپ کو کالز آتی رہی ہیں۔ جب میں نے ان تمام نمبرز کو ایک سطر میں ساتھ رکھا تو ان سب کے آخری Digits کے ساتھ ایک نیا نمبر بنتا ہے۔ وہ آپ کو ہنٹ دے رہا تھا۔ وہ جینئیس ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہے آپ کسی کی مدد لے رہے ہیں۔ اور جس کی مدد لی جا رہی ہے، اسکی ذہانت غیر معمولی ہے۔''

مہدی کی ابرو پر سوچ انداز میں اکھٹی ہوئیں۔ ''تمہیں کیسے معلوم وہ یہاں آنے والا ہے، بلکہ آنے والی ہے۔ تم نے کہا تھا وہ ایک عورت ہے۔''

''لوکیشن، مہدی کمبیر اس نے مجھے اپنی لوکیشن بھیجی ہے۔ وہ ٹرافی کلکٹر ہے۔ میں نے اسے ڈھونڈا، اب وہ مجھے انعام میں شناسائی دینا چاہتا ہے، یا پھر وہ یہ بتانے آیا ہے کہ میں ان سب سے دور ہو جاؤں۔ کیونکہ شاید وہ میرے ساتھ اچھا رہنا چاہتا ہے، اور آپ کے ساتھ برا۔''

''تم میرے لئے خود کو مصیبت میں مت ڈالو۔ وہ تمھیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' مہدی فکر مند ہوا۔ اسے جان کے لالے پڑے تھے، مگر وہ زینیا کا سوچ رہا تھا۔

''سر۔۔۔ وہ آپ کا خاندان ہے۔ نفرت ایک طرف کیا آپ کو اس پہ ترس نہیں آتا؟'' اگلے دن قیسم میں کام کرتے ہوئے حدیبیہ کے سوال پہ قیس نے برف تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

''میں نے اپنے باپ، بھائی، ماں اور آدھے خاندان کو اپنی آنکھوں کے آگے دم توڑتے دیکھا ہے۔ اور جو انسان وجہ ہے میں نے اتنے سال اسے زندہ رہنے دیا۔ بلکہ میں نے اسے ہر طرح کی موت سے بچایا تاکہ۔۔۔۔''

''ایک دن اسے خود مار سکیں۔'' حدیبیہ نے اس کی بات مکمل کی۔ قیس کو یکدم بے چینی ہونے لگی تھی۔ وہ پاور چیئر سے اٹھ کر گلاس وال کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ یہ جگہ، یہ بلندی، یہاں اس گاڈ کمپلیکس کے مارے انسان کو سکون ملتا تھا۔ یہاں بس وہ اونچا تھا، باقی ساری دنیا نیچے۔

''میں نے آپ کے لئے لوگوں کو مارا بھی ہے، اور آپ کو لوگوں کو مارتے ہوئے بھی دیکھا ہے لیکن۔۔۔''

''لیکن یہ قتل مختلف ہے، تم اسے نہیں مارنا چاہتیں۔'' قیس نے اسکی بات مکمل کی۔ حدیبیہ نے گردن جھکا دی۔ ''تمھیں اس کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی کیونکہ۔۔۔ یہ بھید کھلنے کا وقت ہے۔ تمام رازوں سے پردہ اب اٹھ جانا چاہیے۔ اسے مارنے اب میں خود جاؤں گا۔''

حدیبیہ نے اسکی پشت پہ نگاہیں جما دیں۔ ''آپ ایسا نہیں کر سکیں گے باس۔ آپ کمزور پڑ سکتے ہیں۔ چاہے نفرت کا ہی سہی لیکن آپ دونوں کا ایک لمبا ساتھ ہے۔ جس میں نفرت صرف آپ کی طرف سے ہے۔ اس انسان نے آپ سے ہمیشہ محبت کی ہے آپ۔۔۔۔۔۔''

''میں نے اس سے نفرت کی ہے۔ اور اب اسے چاہیے کہ میرا اصل چہرہ دیکھ لے۔ یہ بھید کھلنے کا وقت ہے۔ اب پردہ داری ختم ہو جانی چاہیے۔''

پارک میں بینچ پہ بیٹھے مہدی اور درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی زینیا بے حد بے زاریت سے ایک ان چاہا انتظار کر رہے تھے۔ ایک نامعلوم انتظار بھی۔ کیا معلوم یہ ایک فریب ہو، کیا معلوم یہ ایک پرینک ہو؟!

چند لمحوں بعد ایک آہٹ سی ہوئی۔ جاگنگ ٹریک پہ دونوں اطراف میں لٹکتے درختوں کے درمیان انہوں نے ایک ہیولہ سا دیکھا۔ مہدی کا سانس جہاں تھا، وہیں تھم گیا۔ آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔ اسی لمحے زینیا کی نظر بھی اس انسان پہ پڑی۔ اسکی چال کا غرور، اسکی تمکنت، اس کے چہرے کی کشش۔ کچھ انسانوں پہ اللہ کتنا مہربان ہوتا ہے ناں؟

اس کا ہر بڑھتا قدم مہدی کے سینے پہ پڑ رہا تھا۔ کم از کم اس انسان سے مہدی کمبیر کو یہ توقع نہیں تھی۔ زینیا کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔ اس نے پہلی بار اس انسان کو اسی جاگنگ ٹریک پہ دیکھا تھا۔ آج اور اس وقت میں کتنا فرق تھا ناں؟

''اب یہ آپ کے گھر کا معملہ ہے۔ آپ جانیں اور آپ کا خاندان۔'' زینیا ہلکی آواز میں کہتے ہوئے مڑ گئی۔ اس کا یہاں رکنا بے کار تھا۔ اب وہ شخص جانے اور مہدی کمبیر۔

کچھ بھید نہیں کھلنے چاہیے، کچھ راز، راز رہنے چاہیے ورنہ۔؟ ورنہ آنکھیں دیکھی بھالی نابینا ہو جاتی ہیں۔ دل خون کی فراہمی چھوڑ خون رسانے لگتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پارک سے سیدھا وہ بالاج کے ساتھ ایئرپورٹ آ گئی تھی۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پہ اس وقت ڈھیر سارے لوگوں کے ہجوم میں دو اہم کردار بھی تھے۔ بالاج میر اور اس کے سامنے کھڑی زینیا حاکم۔ بالاج کے پیروں کے قریب سوٹ کیس تھا۔ لباس اعلیٰ، جوتے چمک رہے تھے۔ اپنے خوبصورت سراپے اور پہلو میں کھڑی باوقار عورت کی وجہ سے وہ سارے میں چھایا ہوا تھا۔

''باقی دنیا کی عورتیں اپنے شوہر کو الوداع کہتے وقت ڈیڑھ لیٹر آنسو بہارہی ہوتی ہیں۔اور ایک تم ہو۔۔۔'' بالاج نے مصنوعی تاسف سے کہا۔زینیا مسکرائی۔

'' Good byes aren't hard for me''

بالاج نے ابرو اچکایا جیسے کہہ رہا ہو واقعی۔؟زینیا نے پلکیں جھپکا کر تسلی دی۔

ٹیکسلا میں واقع اپنے فلیٹ کے کمرے میں بالاج یہاں سے وہاں بے یقینی سے چکر کاٹ رہا تھا۔اسے یقین نہیں آتا تھا جو اس نے سنا تھا وہ سچ ہی تھا۔اس کے سامنے اس کا دوست نعیم بیٹھا تھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں بالاج۔اطہر کی بہن رابیل جو کہ ہماری یونیورسٹی فیلو بھی تھی۔وہ تمھیں پسند کرتی تھی بالاج۔اس نے کئی بار تمھارے قریب آنا چاہا لیکن تم۔۔۔تم ہمیشہ سے اپنی کزن کے خواب دیکھتے تھے۔اس نے تمھارے لئے خودکشی کی کوشش بھی کی تھی۔'' بالاج بھونچکارہ گیا۔عام مردوں کی طرح وہ اس محبت سے لطف اندوز نہیں ہوا تھا۔اسے زینیا کے سوا کسی کی پرواہ ہی نہ تھی۔

''کراچی ایئرپورٹ پہ جو کچھ ہوا، تمھارے سارے پیسے تمھاری سیونگز،اور پاسپورٹ وغیرہ سب کچھ چھن جانا ایک اتفاق نہیں تھا۔اطہر تمھیں جھکانا چاہتا تھا۔وہ جانتا ہے تمھارے خواب بلندیاں ہیں، مگر اس نے تم سے زمین تک چھین لی۔وہ چاہتا ہے کہ تم ایک دن بے بس ہو کر اس کے پاس آؤ۔اسے یقین ہے تم آؤ گے۔''

بالاج دھیرے سے صوفے پہ بیٹھتا چلا گیا۔اسے زمین اپنے پیروں سے کھسکتی محسوس ہوئی۔

''مرد کو چار شادیاں جائز ہیں بالاج۔اپنے مستقبل کا سوچو۔بیویاں زیادہ دیر ناراض نہیں رہ پاتیں۔'' وہ اس کا کندھا تھپک کر چلا گیا تھا۔

فلائٹ کا اعلان ہونے لگا تھا۔اس کے جانے کا وقت تھا۔زینیا اداس ہوئی تھی، برا بھی لگا تھا۔مگر عام بیویوں کی طرح وہ روئی نہیں تھی۔بالاج نے نرمی سے اس کے پہلو میں گرے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''تمھیں چھوڑ کر جانا مشکل ہے، زینی۔میں تمہارا عادی ہو گیا ہوں۔تم مجھے یاد تو کرو گی ناں؟''

''میں آپ کو کالز کرتی رہوں گی۔اگر آپ کو میری زیادہ یاد آئے، اور میرے بغیر نہ رہا جائے، تو میں آپ کو ویڈیو کال کا شرف بھی بخش سکتی ہوں۔'' بالاج اسکی بات پہ مسکرایا تھا۔ایئر پورٹ پہ آتے جاتے لوگوں کے درمیان وہ اس کے ہاتھ پکڑے کھڑا تھا جس کا خیال بھی اس کے لئے جنت جیسا تھا۔بالاج میر کے ساتھ کہانی کتنی مہربان تھی ناں؟

آفس کی بلڈنگ سے نکلتے ہوئے بالاج سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔اسکی سی وی کو دیکھے بغیر رد کر دیا گیا تھا۔وہ یہاں رہ کر اپنے اور زینیا کے لئے کمانا چاہتا تھا مگر سب بے کار تھا۔سب بے سود۔روڈ پیومنٹ پہ بیٹھے ہوئے اس نے ایک کال ملائی۔دوسری طرف رسمی گفتگو کے بعد وہ مدعے پہ آیا تھا۔

''ہاں اکرم تم نے کہا تھا تم غیر قانونی طریقے سے مجھے ملک سے باہر بھیج سکتے ہو، مجھے بس یہ جاننا تھا کہ کیا تم کوئی گارنٹی دے سکتے ہو۔؟'' دوسری طرف کچھ کہا گیا بالاج نے مایوس ہو کر کال کاٹ دی۔گردن جھکا دی۔اسی پل اسے کوئی اپنے قریب بیٹھتا محسوس

ہوا۔ بالاج نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر وہ دھک سے رہ گیا۔ اطہر کا خاص ملازم نفیس صدیقی اسکے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسکی آنکھیں نرم سا تاثر لئے ہوئے تھیں۔ چہرے پہ سختی تھی۔

''اپنے ساتھ ظالم بننا چھوڑ دو لڑکے۔ زندگی تمھارے ساتھ رحم کا معملہ کرنے کو تیار ہے آسائشات تمہارا مقدر ہیں۔ پھر خود کو کیوں بے توقیر کرتے ہو۔؟'' بالاج نے گہری سانس لی۔

''میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ مشکلات میں چل سکتا ہوں، اس کے بغیر آسائشات نہیں۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔ اس کے قریب بیٹھا شخص استہزائیہ مسکرایا۔

''جلد یا بدیر وہ خود تمھیں چھوڑ دے گی۔ اس لڑکی کے خواب اونچے ہیں، تمھیں لگتا ہے وہ یوں کمپرسری کی حالت میں قبول کرے گی؟''

''میں اس کا شوہر ہوں۔ وہ میرے ساتھ ہر حال میں گزارہ کر لے گی۔'' بالاج کا لہجہ مضبوط تھا۔

''کیا یہ وہی لڑکی نہیں ہے جس نے اپنی خواہشات اور بلندیوں کے لئے تیئیس سالہ منگنی تک کی پرواہ نہ کی؟ تمھیں تو پھر تیئیس ماہ بھی نہیں ہوئے۔'' بالاج سن رہ گیا۔ اگلے کئی لمحے اسے سانس لینے میں دقت ہوتی رہی۔

بالاج کا موبائل بجنے لگا تو اس کے چہرے کی رنگت ذرا سی متغیر ہوئی۔ اس نے بامشکل مسکراتے ہوئے زینیا کو دیکھا۔ پھر کال اٹینڈ کر لی۔ ہاں البتہ بات اب وہ عربی میں کر رہا تھا۔ زینیا اسکی بات سننا نہیں چاہتی تھی مگر جو الفاظ اس کے کانوں میں پڑے وہ انتہائی غیر متوقع تھے۔

فلیٹ کے چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا بالاج میر کچھ کاغذات پہ دستخط کر رہا تھا۔ اس کا انداز سپاٹ اور بے جان سا تھا۔ کاغذات سے نظر اٹھا کر اس کے آس پاس دیکھو تو وہی ملازم خاص اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسکی دائیں طرف اطہر بیٹھا تھا۔ کاغذات نکاح نامہ تھے۔ اور اس کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ جو مسکرا رہی تھی۔ وہ اطہر کی بہن تھی۔ اور دو منٹ پہلے وہ بالاج کی زوجیت میں آچکی تھی۔

''تم میری بیوی ہو بھلا میں تمہاری کالز کیوں اگنور کرنے لگا؟'' بالاج کال پہ کہہ رہا تھا۔ ''بیلا میرا دماغ خراب مت کرو پلیز۔ تم اس لڑکی کی بات مت کرو وہ تم سے پہلے میری بیوی ہے۔'' وہ رکا سامنے سے اس کی بات سنی۔ ''ہاں تو کیا کروں؟ اور کیوں نہ آؤں اس کے ساتھ ایئرپورٹ چھوڑنے آئی ہے ناں۔ آنا تو مجھے تمھارے ہی پاس ہے۔''

اب کے فون کے اس پار سے ہچکیاں بلند ہونے لگی تھیں۔ بالاج نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔ روانی سے عربی بولتا شخص سخت کوفت زدہ تھا۔

''عزیز من۔۔۔ میں صرف تمہارا ہوں۔ اس بات کا ثبوت دینے میں چند گھنٹوں میں تمھارے پاس آرہا ہوں ناں۔؟ پھر رونے کا، جلن کا فائدہ۔؟ اچھا ٹھیک ہے جو تم کہو گی وہی کروں گا۔ اب فون رکھو۔ ہاں مجھے تم سے محبت ہے۔'' آخری الفاظ بھی اس نے عربی میں کہے تھے۔ وہ جونہی مڑا زینیا پتھر کا بت بنی اسے تک رہی تھی۔

اسکی آنکھیں ویران تھیں۔ لب ہلکے سے وا، اس نے پلکیں جھپکیں وہ بالاج کو دیکھنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کی باڑ کے پار وہ نظر نہ آیا۔ زینیا نے سانس لینی چاہی لیکن اسے سانس نہ آیا۔ اسے واقعی سانس نہ آیا۔ بالاج اچھنبے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم پیچھے لے

رہی تھی۔ دل زخم زخم ہوا تھا۔ جو ایک چیز زینیا نے محسوس کی وہ درد تھا۔ جو ایک چیز اسے اضافی لگی وہ آتی جاتی سانس تھی۔ جس ایک چیز پہ اسے حیرت ہوئی وہ اپنے قدموں پہ کھڑے ہونا تھا۔ جس ایک چیز کو اب ختم ہو جانا چاہیے تھے وہ اس کے چلتے ہوئے حواس تھے۔ جس ایک چیز کو تباہ ہو جانا چاہیے تھا وہ دنیا تھی۔

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اس نے بھاگ جانا چاہا لیکن قدموں میں جان نہ بچی تھی۔ وہ چند لمحے گیلی، شاکی آنکھوں سے بالاج کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر اس کے لب ہولے سے بڑبڑائے تھے۔

"مجھے عربی آتی ہے۔"

کھوکھلی آواز بالاج کے کانوں سے ٹکرائی۔ اب کے بالاج میر خود بھی سانس نہ لے سکا۔ ایئرپورٹ پہ ہزاروں لوگوں کے ہجوم میں کھڑے ان دونوں افراد کو دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔ بالاج نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن وہ بدک کر دور ہٹی۔

بھید کھلنا کیا ہوتا ہے اور انکی تکلیف کیسی ہوتی ہے آج ان دونوں نے جان لیا تھا۔

☆☆☆

” باب ہفتم: کہ میں ہوں تباہی کے دہانے پہ“

تم کو معلوم ہے وہ شخص کیسا ہوتا ہے، وہی جو ہو تباہی کے دہانے پہ۔

مختلف آوازیں نہ اٹھاؤ، بڑے بڑے فلسفے نہ سناؤ۔ ہے گر پتہ رکھو تو سادہ سی بات بتلاؤ

ہوا ہے سارا مجمع چپ سا، کیوں ہے ٹھہرا تمھارے چہرے پہ رنج الگ سا۔

ہاں معلوم ہے تم پہ لگے الزام کئی، ہاں جانوں میں تم نے جھیلے طوفان سب ہی۔

وہ تھا ماضی، یہ ہے حال، پھر کیوں کئے ہوئے ہو حال اب بھی بے حال

ماضی میں تھی تباہی، آفات، رکاوٹیں، سختی۔ مگر تمھارے حوصلے رہے کمال

یہ پہر ہے روک رہا سانس تمہاری، ساری دنیا ہو پڑی ہے خلاف تمھارے۔

تم سے چھوٹ چکے اپنے، اب سازش رچائے ہیں اغیار تمھارے۔

تھے جو بھی اب کرو ختم، وہی زندگی سے اختلاف تمہارے۔

تباہی تھی تب بھی، ہے اب بھی، رہے گی ابد سے ازل تک بھی۔

تم کو کرنا ہے چناؤ۔ رہنا ہے اندھیروں میں یا پھر لانا ہے بدلاؤ۔؟

تمہارا لہجہ، تمہاری باتیں، تمہاری سانسیں لاؤ ان میں ٹھہراؤ۔

جو گزر چکے قصے، جو دل کے ٹوٹے حصے، اب نہ انہیں دہراؤ۔

بھر و زخم ماضی، رہو رنگ محفل، رونقوں سے دل بہلاؤ۔

میری باتوں پہ کیوں دیکھتے ہو مجھ کو حیرت سے؟ کیا مارنا چاہتے ہو مجھ کو غیرت سے؟

ہاں تم رنج والم کے مارے اور میرے مشورے، خوشی اور قہقہوں کے سہارے

ہو تم تباہی کے دہانے پہ، اور میرے قصے ہیں جانبازوں کے بارے

عزیز من دہانے کی ایک خاصیت ہے، جاننا چاہتے ہو وہ کیا پر اسراریت ہے؟

بس ایک قدم، صرف ایک قدم ہے لینا پیچھے زندگی رہے گی غلام تمہارے آگے۔

دہانہ کبھی برم ہے، کبھی غیر حقیقی، کبھی برا خواب اور کبھی سیاہ حقیقت۔

صرف ایک قدم لو پیچھے پھر دیکھو ذات بدلتے تم، حالات پلٹتے، ساکھ سنبھلتے تم۔

نہ ذات اپنی رولو تم، نہ زخم کسی کے آگے کھولو تم، دہانہ بس دہانہ ہے۔

آنکھیں موندو، ہاتھ سینے پہ باندھو، لو نام اللہ، رکھو سینہ چوڑا۔ اور آؤ واپس دہانے سے۔

****

جاگنگ ٹریک کے دونوں اطراف میں کھڑے درختوں کے درمیان مہدی کمبیر نے جسے دیکھا تھا وہ چہرہ اسے ساری زندگی یاد رہنے والا تھا۔ مضبوط قدم، چال میں تمکنت لئے کوئی اس کے سامنے آ کر رکا تو مہدی چند پل اس سے نظر نہیں ہٹا سکا۔

''ضوریز کہتا تھا ہم ایک خاندان ہیں۔ کیونکہ مہدی اس کا بھائی ہے اور میں مہدی کی بھابی۔ ہم خاندان ہیں ناں، مہدی؟'' اسکی آواز بھاری تھی۔ جسامت مضبوط۔ موٹے ہونٹ اور چمکتی رنگت والی جاشیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ سیاہ کافتان میں ملبوس وہ گردن اٹھائے مہدی کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ مہدی شل سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے آئی، برفیلی ٹھنڈی نظریں مہدی کے چہرے پہ جما دیں۔

''ہم خاندان ہیں ناں مہدی، ؟'' اس نے سرگوشی کی۔ مہدی بغیر کچھ کہے دھیرے سے بنچ پہ بیٹھ گیا۔ اس کے حواس شل تھے۔ کافی دیر تک وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

''تم میری دوست تھیں، ج۔ تم۔۔۔ تم نے مجھے تباہی کے دہانے پہ کھڑا کر دیا۔ میری ذہنی صحت خراب ہے۔ میں hellucinate کرنے لگا ہوں۔ میں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر الفاظ بھول جاتا ہوں۔۔ تم۔۔'' وہ کہتے ہوئے رکا شاکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہم خاندان تھے، جے۔'' اسکی آخری بات میں درد پنہاں تھا۔

''تم نے مجھ سے میری محبت چھین لی تھی ناں؟ تمہاری محبت تمہارا سکون ہے۔ اگر میں نے وہی چھینا تو اب اتنی تکلیف کیوں؟'' جاشیہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ مہدی سے ذرا فاصلے پہ بنچ پہ آبیٹھی۔

''میں بے قصور تھا۔ میں اس روز بھی بے قصور تھا، جاشیہ۔۔۔ اوہ خدایا تمہیں مہدی پہ بھروسہ نہیں ہے؟'' وہ جیسے بے بس ہوا ہو۔ چاہنے کے باوجود وہ چیخ نہ سکا۔ وہ اب تک شل تھا۔

''تم کبھی کسی دور میں بے قصور نہیں تھے مہدی۔ تم نے اس روز اسے بلایا کیونکہ۔۔۔''

''میں نہیں جانتا تھا ضوریز اس ہائیسٹ کا ثبوت ساتھ لے کر آئے گا۔'' مہدی نے اس کی بات کاٹی۔ جاشیہ کی سخت آنکھیں لحظہ بھر کو ہرٹ ہوئیں۔ سخت ہرٹ۔ دنیا جہاں کا کرب ان آنکھوں میں تھا۔

''تم جانتے تھے وہ لوگ اسے مار دیں گے۔ تم جانتے تھے ناں، مہدی؟'' ایک پل کو اسلام آباد کی ہوائیں ساکن ہو گئیں۔ ہوا سے آکسیجن غائب ہوئی۔ مہدی کمبیر کو بے اختیار سانس لینے میں دقت ہوئی۔ اسکا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ مہدی کو یقین نہ آیا۔

''اسے مارا گیا کیونکہ یہ طے تھا۔ یہ اسی رات طے تھا جب تم نے اسے کال کی تھی۔ میں نے اسے روکا تھا۔'' وہ کہتے کہتے رکی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔ ''لیکن ضوریز بن ریان دوستوں کو مشکل میں نہیں ڈالتا تھا۔ اس نے کہا تھا جب موت اس کی طرف آئے گی تو مہدی معاہدے توڑ دے گا، تم نے نہیں توڑے۔'' ملامت سے مہدی کا سر جھکا۔ سو یہ بھید اب کھلا تھا۔ یہی کہ مہدی کمبیر کو ضوریز کے مرنے کا افسوس نہیں تھا۔ بلکہ اسے مروانے کا **''گلٹ''** تھا۔

''مجھے یہ بتاؤ مہدی کیا دنیا دوست سے زیادہ عزیز تھی۔ تمہاری ریپوٹیشن، تمہارا کیریئر، تمہاری شناخت کیا یہ میرے ضوریز سے زیادہ قیمتی تھی۔'' وہ جواب چاہتی تھی۔ مہدی کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ دل کا کرب بڑھ گیا۔

''میری زندگی میں بہت مسائل ہیں، جے۔'' وہ بولا تو آواز شکستہ تھی۔

''میرا بچپن میرے ماں باپ کے بغیر تھا اور میری جوانی بے سکون تھی۔ میری بہن نے مجھ پہ گواپ کر دیا اور میرا بھائی مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ کسی بھی انسان کا دل توڑنے کے لئے اتنا کافی ہوتا ہے کہ اس کے خون کے رشتے اسے چھوڑ دیں۔ اور اگر ساتھ رہیں تو نفرت کریں۔ ان سب کے درمیان میرا کمفرٹ، میری زندگی، میری خوشی، آزادی، سب ٹریول تھا۔ تم لوگوں کے لئے ٹریول **"صرف"** ہو سکتا ہے۔ میرے لئے ٹریول "سب" ہے۔ میرا کیریئر، میری ریپوٹیشن پہ ایک داغ میری ساری زندگی کو تاریک کر سکتا تھا۔'' بادل چھا گئے تھے۔ ہوا یکدم ٹھنڈی سی ہو گئی۔ دن شام کا منظر پیش کرنے لگا۔

''ایک انسانی جان ہر ٹریول ہر متاع سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔'' سیاہ موٹے ہونٹ پھڑپھڑائے۔

''تم نے سہی کہا۔ مگر میرے لئے وہ جان میری اپنی تھی۔ میں وکٹم یا ولن نہیں ہوں۔ میں بس ایک کردار ہوں۔ جسے کبھی سمجھا نہیں گیا۔ میں کوئی ہیرو نہیں ہوں، میں کوئی مسیحا نہیں ہوں بس ایک انسان ہوں۔'' وہ رکا گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

''تم نے زینیا کو ہنٹ کیوں دیئے؟''

''میرا، اس سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ دوستی نہ دشمنی۔ ہنٹ چھوڑے تاکہ اگر اسے اپنی جان عزیز ہے، تو دور ہٹ جائے۔ وہ بہت سمجھدار تھی۔ اور۔۔''

''خطرناک بھی۔'' مہدی اس کے ماتھے پہ نشان کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ بے اختیار گوادر کا وہ قلعہ یاد آیا۔ زینیا کے دھڑا دھڑ کیے وار یاد آئے۔

''جنگلی، اور بہادر بھی۔'' وہ اپنے ماتھے کو چھوتے ہوئے بولی۔ چند پل کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولی۔ ''میں اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی، سو آج یہاں آنا پڑا تاکہ وہ مجھ سے دور رہے۔ میں نے اسے ایک ویڈیو بھیجی تھی۔''

''کیسی ویڈیو؟'' مہدی رخ موڑ کر مکمل اسکی جانب متوجہ ہوا۔

''تمھاری انسٹاگرام سے ڈیلیٹ شدہ ویڈیو جہاں تم نے میری منگنی میں میرے خاندان کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ جس کا کیپشن **"خاندان"** تھا۔'' مہدی کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ جاشیہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تم سے چھپ رہی تھی تاکہ تم بھی تکلیف دیکھو لیکن اب میں تمھارے سامنے ہوں۔ مجھے جب، جس دن موقع ملا میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ اپنے وقت کا انتظار کرو، مہدی۔''

''تم اگر مجھے مارنے کی کوشش کرو گی، تو میں جینے کی خواہش کروں گا۔ اور جب میں جینا چاہوں گا تو تم مجھے مار نہیں سکتیں۔''

''تم تباہی کے دہانے پہ ہو۔ اپنے وقت کا انتظار کرو۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے چلی گئی۔ مہدی نے دھیرے سے سر کو بنچ پہ رکھ دیا۔ ہاں وہ خوف زدہ تھا، ایک سراب سے۔ ہاں وہ پریشان تھا، ایک ان دیکھی قوت سے۔ ہاں وہ تکلیف میں تھا ایک غیر

شناسا، دل کو جکڑ دینے والے تعاقب کار سے۔ مگر جو اس کے سامنے تھا، وہ ایک انسان تھا۔ اور مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔ اسکی پشت کو دیکھتے ہوئے بہت دن بعد وہ مسکرایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایئر پورٹ کے احاطے میں کھڑے دو نفوس ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ سنہری آنکھوں میں بے تحاشا کرب تھا۔ اور بالاج کی سیاہ آنکھیں ایک انجانے خدشے کے تحت ساکت تھیں۔ زینیا حاکم نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھنا چاہا مگر آنسوؤں کی باڑ کے پار اسے وہ شخص دھندلا نظر آیا۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا اسے اپنی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گرم گرم آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ وہ شاک میں تھی۔ قدم لڑکھڑائے تو بالاج نے سہارا دینا چاہا مگر وہ بدک کر دور ہٹی۔ سانس ہاں اسے سانس نہیں آرہا تھا۔ آس پاس ساری دنیا دھندلی ہو رہی تھی۔

''یہ جھوٹ۔۔ تھا۔۔ جھوٹ تھا۔۔ بولو۔ تھا یہ جھوٹ تھا۔'' اس کے لبوں سے پھنسی ہوئی سی آواز نکلی۔ بالاج نے سر کو ندامت سے جھکا لیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب زینیا نے اپنے جسم سے ساری جان نکلتی محسوس کی۔ وہ بے دھم ہو کر گھٹنوں کے بل فرش پہ گر پڑی۔ لب مقفل ہوئے کبھی نہ کھلنے کے لئے، روح فنا ہوئی، اور جان قبض ہونے لگی۔ ایسی تکلیف تو کسی مرنے والے کو بھی نہیں ہوتی ہو گی۔ لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ فرش پہ بیٹھی تھی۔ زبان سے خاموش آنکھوں سے داستان کہتی ہوئی۔ وہ زینیا حاکم تھی مسائل سے پہلے اس کے پاس حل آتے تھے لیکن اس بار یہ واقعہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ بے وفائی تھی۔

اسے یاد نہیں آیا کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی تھی۔اماں نے کہا صبر کرنا اس نے کیا۔شیزل نے کہا اپنے شوہر کے لئے ایفرٹس کرو اس نے کیں۔دین نے کہا شوہر کو ناراض کر کے سونامت۔اس نے ہر بار اس کی ناراضگی دور کی۔اس کی استطاعت دیکھتے ہوئے اس س کبھی فرمائش نہ کی۔وہ معاف نہیں کرتی تھی مگر اپنے پیسے برباد کرنا معاف کیا۔اس وقت وہ تباہی کے دہانے پہ تھی اور اسے معلوم نہیں تھا اسے یہاں لانے والا کون ہے؟ بالاج سر جھکائے ندامت سے کھڑا تھا۔اسے ساتھ لے جانے والے چند سوٹڈ بوٹڈ افراد ہر شے سے بے نیاز کھڑے تھے۔یوں جیسے یہ ڈرامہ ختم ہو اور وہ جا سکیں۔

ایئر پورٹ کا سیکورٹی اسٹاف اس کے قریب چلا آیا۔وہ اب اس سے اس کا مسئلہ پوچھ رہے تھے زینیا نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان مقفل۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنا چاہا لیکن جسم سن۔آنسو تھے جو درد کہتے تھے۔دل تھا جو کرب زدہ تھا اور زندگی تھی جو تاریک ہو چکی تھی۔سیکورٹی اسٹاف اب بالاج سے کچھ کہہ رہا تھا۔اسی اثناء میں تین چار لمبے تڑنگے سوٹڈ بوٹڈ مرد بھی اسی طرف چلے آئے۔یہ آدمی بالاج کا پروٹوکول تھے۔وہ اب عام آدمی نہ رہا تھا۔

''میری بیوی ہے اسے بس میرے جانے کا صدمہ ہے۔میں فکس کر لیتا ہوں۔پلیز تھوڑا وقت دیں۔'' وہ سیکورٹی افسران سے کہتا زینیا کے قریب آیا۔اسے کندھے سے تھام کر اپنے ساتھ کھڑا کیا وہ اب بھی شل تھی۔آنکھیں غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔اور دل کی دھڑکن اسے غیر ضروری لگی۔بالاج اب اسے اپنے سہارے کہیں لے جا رہا تھا۔وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔لیکن زینیا الفاظ جذب نہ کر سکی۔وہ شاید اسے کسی نجی لاؤنج لے آیا تھا۔اے سی کی ٹھنڈک، نرم صوفے اسے یہی محسوس کروا سکے۔یہاں انکے علاوہ وہی چار لوگ تھے۔

اس نے بالاج کو اپنے قریب بیٹھتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ پانی کی بوتل اس کے لبوں سے لگا رہا تھا۔ پھر وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھا۔ زینیا شل تھی اور شل ہی رہی۔ آنسو گرنا بند ہو چکے تھے۔ اس نے زخمی نظریں اٹھا کر بالاج کو دیکھا، وہ نم آنکھیں لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زینیا کا دل کٹ کر دو حصے ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑوائے پیر بنچ پہ اوپر کو کر لئے اور بازو اپنے گرد باندھ لئے۔ سر گھٹنوں پہ گرا لیا۔ بالاج اسے دیکھ کر رہ گیا۔ لب کاٹتے ہوئے وہ کئی پل یونہی بیٹھا رہا۔ کئی ساعتوں بعد وہ اٹھ کر اس کے پیروں کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''مجھے معاف کر دو، زینیا میں۔۔ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔'' وہ گھٹنوں کہ بل اس کے قریب بیٹھا۔ زینیا نے گیلی شاکی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں نے تمہارے لئے راستے بنائے تھے، بالاج۔'' وہ کہہ نہ سکی۔ اسکی آنکھیں کہتی تھیں۔

''میں تمہیں آسائشات دینا چاہتا تھا۔ میں تمھیں اچھا سب سے بیسٹ دینا چاہتا تھا۔''

''میں صرف "**ساتھ**" چاہتی تھی آسائشات کب مانگی تھیں؟'' وہ بس سوچ سکی۔

''مجھے پتہ تھا تمہیں تکلیف ہو گی۔ میں جانتا تھا تمہیں برا لگے گا۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہو گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے معاف کر دو پلیز۔''

''میں نے کہا تھا میں معاف نہیں کرتی۔'' الفاظ اب بھی حلق میں پھنسے رہے۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی، زینیا مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی، بالاج میر۔''اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ بھرم ٹوٹا ہوا، دل شکستہ، لہجہ مستحکم۔اب کے وہ بولی تھی۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہ تھی۔ وہ اپنا وقت لے چکی تھی اور اب اس کے پاس حل تھا۔

''تمہیں میرے بغیر زندگی گزارنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بالاج میر۔''اس نے دہرایا۔

اس کی کھوکھلی آواز میں رنج تھا۔ طیش بھی۔ آج چاہ کر بھی زینیا حاکم اپنی آواز کو رعب دار نہ بنا سکی۔ جس لڑکی کو اس کے گھر کے مرد توڑ دیتے ہیں۔ پھر وہ ساری زندگی کچھ نہیں جوڑ پاتی۔ نہ اپنی ذات۔ نہ زندگی۔ نہ حالات اور نہ گھر۔ ٹوٹا کانچ پھر زخمی ہی کرتا ہے۔ مگر مشرقی لڑکیوں کو اداکاری کی خاصی مشق ہوتی ہے۔ وہ خود کو زخمی کر کے یوں رہ لیتی ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو۔اس وقت زینیا سے وہ اداکاری بھی نہ ہو سکی۔

بالاج اٹھ کھڑا ہوا۔اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''کیا کہنا چاہتی ہو؟''وہ دو قدم مزید آگے آئی۔ بالاج اسے سانس لیتے ہوئے محسوس کر سکتا تھا۔

''تم ابھی،اسی وقت اسے طلاق دو گے۔''برف جیسا ٹھنڈہ لہجہ تھا اس کا۔''تمہیں یہ کرنا ہو گا بالاج اور اگر نہیں کیا تو آج اور ابھی میر ابھائی بھی اپنے نکاح میں ایک اور لڑکی لائے گا۔اور ضیغم خاندان کا وہ پہلا لڑکا ہو گا جسے خاندان کی لڑکی چھوڑے گی۔ فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔''بالاج کی آنکھوں میں زخمی پن اترا۔اسے پہلی بار ہی بولنا تھا وہ امینہ بیگم نہیں بن سکتی تھی۔

''تم آج بھی وہی ہو۔اعلیٰ اور اونچی۔ آج بھی مجھے اپنا غلام سمجھتی ہو۔۔۔''۔

''اپنی بکواس بند کرو۔''وہ پوری قوت سے غرائی۔

''تم اپنی بے وفائی کو مجھ پہ نہیں تھوپ سکتے، بالاج۔ ابھی کے ابھی اس لڑکی کو کال کرو اور اسے طلاق دو۔ مجھے نہ کچھ اور سننا ہے نہ دیکھنا ہے۔ کال کرو اسے۔'' وہ چلا رہی تھی۔ آنسو نہ جانے کہاں سے ایک بار پھر اسکی آنکھوں میں بھر گئے تھے۔ حلق میں کانٹے اگ آئے۔ بالاج چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''اور اگر میں اسے طلاق نہ دوں تو؟'' وہ بے حد سنجیدگی سے بازو سینے پہ باز و باندھ کر بولا۔ زینیا کے دل کو کسی نے برچھی سے چیر دیا تھا۔ آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔ وہ چند لمحے گنگ سی اسے دیکھے گئی۔ پس منظر میں کونج کی کہی ایک ہی سطر گونج رہی تھی۔

''وہ مشکل میں تمہیں چھوڑ کر آسانی کو چنے گا۔''

''پھر مجھے طلاق دو۔۔۔'' وہ ہر سوچ کو پرے جھٹک کر روبوٹک انداز میں بولی۔ تمام فیصلے ہو چکے تھے۔ کوئی اسکی ذات کی نفی کرے، کوئی اسے چھوڑ کسی اور کو ترجیح دے یہ برداشت کرنا ناممکن تھا۔

''کیا کہا تم نے ایک بار پھر کہنا؟'' بالاج کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ زینیا بے خوفی سے اسے دیکھتی رہی۔

''مجھے طلاق دو، بالاج میر۔'' چبا چبا کر ادا کئے گئے الفاظ اور اس کے بعد وہ کوئی لفظ نہیں کہہ سکی۔ بالاج نے دونوں ہاتھ اس کے گلے پہ رکھے اور اسے گھسیٹتے ہوئے دیوار سے جالگایا۔ زینیا ساکن رہی۔

''طلاق چاہیے تمہیں؟ اتنی جرات ہے تمہاری کہ تم مجھ سے طلاق مانگو؟'' وہ اس کی گردن پہ اپنے دونوں ہاتھوں کا دباؤ بڑھا رہا تھا۔ زینیا کو سانس لینے میں دقت ہوئی۔ اس کے ساتھ ہاتھ گردن کو جھلسا رہے تھے۔ لیکن وہ مزاحمت نہ کر سکی۔

''تمہارا پہلا تاثر محبت تھا۔ پھر مجھے اندازہ ہوا کہ تم میری قبولیت سے بہت دور کا معملہ ہو۔ میں کم از کم تمہارا دوست رہنا چاہتا تھا، لیکن حقیقت مختلف تھی۔ انسان اپنا ماضی نہیں بھولتا تم بھی نہیں بھولیں۔ اب بھید کھلنے کا وقت ہے اور لو میں نے بھید کھولا۔ تم سے شادی کی وجہ صرف محبت نہیں تھی۔''اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ اسکی گردن سے ہٹائے۔ زینیا کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ فرش پہ گر پڑی۔ آنکھیں ساکت۔ بدن شل۔ بالاج نے اس پہ ہاتھ اٹھایا؟

بالاج ایک بار پھر اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ بے دھم ہوئی زینیا کے بال اسکی گرفت میں آئے۔ وہ انہیں مٹھی میں دبائے ہوئے تھا۔ اور وہ کرب سے آنکھیں موند گئی۔ گرم گرم آنسو چہرے کو بھگو رہے تھے۔ گردن جل رہی تھی۔ اور سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ شادیاں ایسی ہوتی ہیں زینیا نے کبھی سوچا نہ تھا۔

''تم سے شادی کرنے کی وجہ تمہاری ''**پرفیکشن**'' تھی۔ تم عبداللہ کا انتظار بائیس سال کر سکتی ہو تو مجھے لگا اگلے بائیس سال میرے لئے انتظار کر لو گی۔'' وہ رفتہ رفتہ بے سانس ہو رہی تھی۔ چند لمحوں کے لئے نہیں ساری زندگی کے لئے۔ بالاج اس کا یقین توڑ رہا تھا۔ صرف خود پر سے نہیں، ساری دنیا کے مردوں سے۔

''میں تباہی کے دہانے پہ ہوں، زینیا۔۔۔ مجھے لگا تھا تم ہاتھ بڑھا کر تھام لو گی۔'' رنجیدہ لہجہ۔

''مجھے لگا تھا تم میرا گھر سنبھالو گی، ہمارے بچے ہوں گے، جنہیں تم سنگل پیرنٹ بن کر پالو گی۔ تم میرے مسائل کا حل نکالو گی۔ پھر جب میں ایک لمبی مسافت طے کر کے آدھی زندگی گزار کر تمہارے پاس ہمیشہ کے لئے واپس آ جاؤں گا۔ تب وہ لمحات میری زندگی کا بونس مومنٹ ہوں گے لیکن۔۔۔ '' وہ رکا آنکھوں میں نمی ٹھہری۔

''تم نے سب برباد کر دیا، زینی۔ تم disaster ہو۔'' وہ کہتے کہتے تھک گیا تھا۔ جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے، زینیا یونہی فرش پہ بیٹھی رہی۔ بالاج اپنی جگہ سے اٹھا شکستہ قدم لیتے ہوئے سرمئی صوفے پہ تھک کر، بے سانس سا بیٹھ گیا۔

کئی لمحے بیتے، کئی ساعتیں گزریں۔ دو لوگ ایک دوسرے کے انتہائی قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بے انتہا دور تھے۔ کئی پل بعد اس پرائیویٹ لاؤنج نے ایک ہاری ہوئی بیوی نہیں بلکہ ملکہ بد کی آواز سنی تھی۔

''تم نے صحیح کہا، بالاج میر''۔ بالاج مڑا نہیں۔ ''میں disaster ہوں۔ اور disaster صرف خود کو نہیں اپنے آس پاس سب کو تباہ کر دیتا ہے۔ کیا تم تباہ ہونے کے لئے تیار ہو؟'' بالاج نے ایک جھٹکے سے گردن موڑی۔ زینیا اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں، گردن پہ انگلیوں کے نشان، بال بکھرے ہوئے۔ موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ آنکھیں کسی شیطانی سحر کی آنکھیں تھیں۔ اور۔ کال جا رہی تھی۔ بالاج جانتا تھا وہ کال دو اور گھر تباہ کرے گی۔ وہ جانتا تھا یہ کال کسے جا رہی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن کے اجالوں سے پرے گزری راتوں میں سے ایک کا قصہ کا۔

وہ ہر دفع سوچتا تھا اسکے اندر اگر شر ہے تو کیوں ہے؟ آج رات بھی اپنے کمرے میں پلنگ پہ لیٹے، دیوار پہ نگاہیں جمائے زمان کمبیر کے بارعب سراپے کو دیکھتے وہ ہر دفع کی طرح مرعوب ہوا تھا۔ وہ یونہی مرعوب ہو جاتا تھا۔ محبت اسے باپ سے بے تحاشا محبت تھی مگر دل کا کوئی کونہ تھا جو عبداللہ سے کہتا تھا زمان بنے۔ اور زمان کیسا تھا؟ آج بھی اسے یاد تھا زمان کیسے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔؟ اسے واقعی یاد تھا۔

بلوچستان میں گرمی چلچلاتی ہوئی پڑتی ہے لیکن سردی بھی ایسی ہوتی ہے کہ انسان کپکپا کر رہ جائے۔ تربت کھجور کی فصلوں کے لئے جانا جاتا ہے۔ دسمبر کی اس سرد رات میں تربت ٹھٹھر رہا تھا۔ کھجوروں کے سرسراتے درختوں سے واقعے کی سن گن لیتے، یخ بستہ ہواؤں سے دامن بچاتے زمان کمبیر کے ڈیرے کی طرف آؤ تو وہاں ہیبت ناک خاموشی کو تین لوگوں کی آہیں، منت اور التجا چیرے دے رہی تھی۔ نیم اندھیرے میں ایک دراز قد مرد کا سراپا واضح نظر آ رہا تھا۔ اور وہ تین مرد اسکے قدموں میں۔

سیاہ شلوار قمیص کے اوپر خاکی رنگ کا جیکٹ اور پیروں میں اونچے بوٹ پہنے وہ کسی سفر سے لوٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ انکے سامنے تین لوگ تھے جو گھٹنوں کے بل بیٹھے، ہاتھ باندھے ہوئے التجا کر رہے تھے۔ چہرے پہ خوف وہراس تھا۔

”سرکار معاف کر دیں، غلطی ہو گئی سرکار....... ہم نواب کی باتوں میں آ گئے تھے آپ کو اللہ کا واسطہ ہے معاف کر دیں۔“

”کیوں آئے تھے تم یہاں؟“ زمان نے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا۔ وہ تینوں ایک ساتھ بولنے لگے تھے مگر انکے قریب کھڑے عبد اللہ زمان نے گلا کھنکھارا۔

”بابا ان کو میں نے دیکھا تھا۔“ وہ ہاتھ میں شال لئے کب اس طرف آیا زمان نے نہیں دیکھا تھا۔ ”میں یہاں آپ کے انتظار میں بیٹھا تھا اور باغ میں کوئی آواز آئی۔ جب میں وہاں گیا تو یہ تینوں لوگ وہیں تھے۔ میں انہیں یہاں پکڑ کر لایا ہوں۔ انکے پاس پیٹرول کے بڑے کین تھے اور آگ لگانے کا کچھ سامان۔ گاؤں کے کچھ لوگوں کو بلوا کر میں نے انکی شناخت کروائی ہے یہ نوابوں کے لوگ ہیں اور آگ لگانے آئے تھے۔ آپ کہیں تو نوابوں کو کال کریں؟“ وہ انکے قریب کھڑا تابعداری سے پوچھ رہا تھا۔ اٹھارہ کی عمر میں وہ اٹھائیس والی سنجیدگی رکھتا تھا۔

”تم نے ان سے پوچھا یہ کس ارادے سے آئے تھے؟“

”جی بابا، اعتراف کے بعد یہاں لایا ہوں۔“

”یعنی انہوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے میرے اور میرے خاندان کی میراث کو آگ لگانی چاہی؟“ وہ مڑ کر اب تختے پہ پڑی اپنی بندوق اٹھا رہے تھے۔ عبد اللہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

''اور تم اب تک کس انتظار میں تھے؟''انہوں نے بندوق تانی۔آدمیوں کے نرغے میں وہ تین مرد بری طرح پھڑ پھڑانے لگے۔رحم کی پکار بلند سے بلند ہوتی چلی گئی۔''میں اس وقت تم سے بہت خوش ہوتا جب مجھے ان تینوں کی لاشیں دیکھنے کو ملتیں۔تم نے مجھے مایوس کیا ہے، عبداللہ۔''تاسف سے کہتے انہوں نے رحم پہ لعنت بھیجی، التجاؤں کو خاک کیا اور بندوق کی نال سے یکے بعد دیگرے کئی گولیاں نکلیں۔

پسلیاں، بازو، ران، گردن متعدد جگہوں پہ سوراخ ہوتے گئے۔عبداللہ بے یقینی سے پیچھے ہوا۔اس سرد رات میں آج پہلی بار اسکا خون منجمند ہوا تھا۔پہلی بار وہ جیسے ششدر رہ گیا تھا۔

زندگی کا شور تھم گیا اور اب دلدوز چیخیں تھیں۔تینوں آدمی اب نیچے پڑے تڑپ رہے تھے۔چند روپوں سے خریدے وہ لوہے کے ذرے انکے جسموں کے آر پار ہو چکے تھے۔یہ پہلی بار نہیں تھا جب اس لڑکے نے کسی کو گولیاں لگتے ہوئے دیکھی ہوں لیکن پہلی بار اسے اندازہ ہوا اس میں کسی نہ کسی طرح شامل وہ بھی تھا۔وہ کتنے ہی لمحے سانس نہیں لے سکا، پلک نہیں جھپک سکا۔کیا وہ لوگ مر چکے؟

کئی گھنٹے بعد منظر ہی بدلے ہوئے تھے۔رات کا دوسرا پہر تھا۔ڈیرے پہ عابدہ پروین کا کلام بج رہا تھا۔آس پاس ملازم کھانا تیار کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔زمان محظوظ سے سر دھن رہے تھے۔ایک طرف سرخ سیاہ کی کانچ کی بوتلیں رکھی تھیں جن سے زمان کا ملازم اب مشروب کا ایک گلاس بھر کر انہیں پیش کر رہا تھا۔موسیقی کی آواز بے حد ہلکی تھی۔مگر مسرور کن تھی۔

''جو زر مانگو تو بے زر ہوں، جو سر مانگو تو حاضر ہوں۔

ارے لوگوں تمہارا کیا، میں جانوں میرا خدا جانے۔''

انکے قریب کرسی پہ بیٹھے عبداللہ کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔وہ اضطرابی کیفیت میں ٹانگ جھلا رہا تھا۔پاس ہی آگ دہک رہی تھی جس پہ مشہور بلوچی کھانا''سجی''تیار ہو رہا تھا۔دہکتے کوئلوں کے اوپر ذبح کیا ہوا سیدھا بکرا لٹکایا گیا تھا۔کوئلوں کے سیک پہ مصالحوں کی خوشبو ہوا میں اٹھ رہی تھی لیکن عبداللہ کے نتھنوں میں وہ خون کی بو آ رہی تھی۔اسکے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''عبداللہ ..... ''زمان نے اسکے کندھے پہ اپنا مضبوط ہاتھ جمایا۔ ''اس سال تم اٹھارہ سال کے ہو گئے ہو جانتے ہو میں کتنا خوش ہوں؟''

وہ سر نہیں اٹھا سکا۔ کچھ تھا جو اسے برا لگ رہا تھا۔ وہ ان تین لوگوں سے نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

''میں نے تمھیں آج تحفہ دیا ہے۔'' انہوں نے اسکی گود میں پڑی پستول کی جانب اشارہ کیا۔ جسے عبداللہ نے چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ''اب تم مجھے کیا تحفہ دو گے آج میری سالگرہ ہے تمھیں یاد ہے؟''

''بابا انہیں جانے دیں پلیز۔'' وہ یکدم منت کے انداز میں بولا۔ نگاہیں اٹھا کر زمان کو دیکھا تو اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔ ''انکے بچے ہوں گے، گھر ہو گا، ماں ہو گی۔ (لفظ ماں پہ اسے ماں بہت یاد آئی۔) ''میں آپ سے تحفے میں انکی آزادی مانگ رہا ہوں۔ پلیز یا تو انہیں پورا مار دیں یا پھر انہیں جانے دیں۔ پلیز انکی تکلیف ختم کر دیں۔''

اس نے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں واقعی ادھ مری حالت میں تھے اور عبداللہ کا دل جیسے کوئی مٹھی میں دبا رہا تھا۔

زمان کا چہرہ بدل چکا تھا اب وہ ٹھہری ہوئی مختلف نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جن میں کوئی قلق سا تھا۔

''تم نے مجھے ایک دفع پھر مایوس کیا ہے، عبداللہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اگر آج باغ کو آگ لگاتے تو ہمارا لاکھوں کا نقصان ہو جاتا۔ انہوں نے ہمارے حلق سے نوالہ چھیننا چاہا......''

''لیکن وہ انسان ہیں، بابا۔ اس وقت وہ تکلیف میں ہیں۔'' اس نے اپنی بات پہ زور دیا۔ آواز میں تکلیف تھی۔

''اگر تم ذرا سی دیر کر دیتے تو آج اس وقت ان سے زیادہ تکلیف میں تم ہوتے۔ غیرت، غصہ، نقصان تم کس کس آگ سے خود کو بچاتے؟ تم میرے ولی عہد ہو، عبداللہ۔ تمھیں تخت سنبھالنا ہے یہ تم دل کہاں سے لے آئے؟''

عبداللہ نے بے اختیار گردن پھیر لی۔ سامنے ہی فاصلے پہ نوابوں کی حویلی پوری آب و تاب سے دمک رہی تھی۔ وہ کیا بتاتا اس حویلی سے آنے والی اسکی ماں دل لائی تھیں اور عبداللہ اس دل کو اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔ اس حویلی سے ایک اور تعلق بھی تھا چڑھتی جوانی تھی کہ کیا آج کل وہ دن میں کئی بار نگاہیں اٹھا کر اس حویلی کو دیکھتا اور اس سے جڑنے والے اپنے تعلق پہ غور کرتا تھا۔

"عبداللہ ....." چٹختی لکڑیوں، مدھم کراہوں اور اور کلام کے درمیان انہوں نے بے حد نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ "محبت اور جذبات پہ اختیار رکھو بے اختیاری بڑی بری شے ہوتی ہے بندہ کہیں کا نہیں رہتا۔"

"میرے دل پہ میرا اختیار نہیں ہے، بابا۔ چہرہ، نسل، سمجھداری سب آپ سے لے لی۔ دل نوابوں سے لیا ہے۔"

"اور نواب دشمن ہیں۔"

"مستقبل میں تعلق بدل بھی تو رہا ہے۔"

"کس زاویے میں، کس درجے میں؟"

"زاویہ، درجہ بندی، یہ تو حساب کتاب ہے میں ان میں نہیں پڑتا۔" اس نے اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھا۔ "معذرت مگر میں شاید مستقبل میں زاویوں کا احترام نہ کر سکوں۔" وہ زمان کمبیر کو بتا رہا تھا کہ محبت کے معاملے میں وہ اپنے باپ پہ گیا ہے۔ جیسے وہ خود دشمن کی بیٹی کو ملکہ دل بنائے بیٹھے تھے عبداللہ زمان سے کوئی مختلف امید نہ رکھی جائے۔

"ان پہ ترس آ رہا ہے؟" وہ اٹھارہ کا ہو چکا تھا اب وہ اسکے دل پہ بند نہیں بٹھا سکتے تھے ہاں مگر اسکے دل کو مضبوط کر سکتے تھے۔ "بتاؤ، عبداللہ آ رہا ہے ترس؟" گویا پچکارا ہو۔

"ترس آتا تو میں انہیں علاج کروانے بھیجتا۔ میں بس اتنا چاہتا ہوں آپ انہیں مار دیں تا کہ یہ تکلیف ختم ہو۔ مارنا ہے تو مار دیں یہ قطرہ قطرہ موت کیا ہوتی ہے؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ آہ یعنی باپ والی کوئی خصلت تو تھی۔

زمان کو اس روز لگا تھا مستقبل میں عبداللہ سمجھ جائے گا قطرہ قطرہ موت کیا ہوتی ہے، لیکن انکی یہ خصلت اگر کسی نے لی تھی تو وہ مہدی کمبیر تھا۔

''ٹھیک ہے آج میری سالگرہ ہے اس لئے جو تم چاہو۔'' انہوں نے پستول اٹھا کر اسکے ہاتھ میں تھمائی، عبداللہ نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا اسے پستول سے ڈر لگا تھا۔ ''یہ لو پستول اور جاؤ ان سب کو آزاد کردو۔ یہ تمہاری طرف سے میرا تحفہ ہوگا۔ تم یہ کر سکتے ہو۔ یہ لوگ ظالم ہیں انہوں نے تمہارا مال غصب کرنا چاہا۔''

عبداللہ دم سادھے انہیں دیکھے گیا۔

''میں نے انہیں سزا دی تاکہ کل تک سارے علاقے کو علم ہو جائے زمان کس بلا کا نام ہے۔ لوگ بھول نہیں سکیں گے، عبداللہ۔ اگلے کئی سال کوئی ہماری طرف ہتھیار نہیں اٹھا سکے گا۔ جو تمھیں تکلیف دے تم اسے تکلیف دو یہ اصول تھا، ہے اور رہے گا۔ اس اصول کو سمجھو میرے بچے۔ تم میرے ولی عہد ہو یہ نرم دل کہیں پھینک کر آؤ۔'' انہوں نے عبداللہ کی سیاہ آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں گاڑدیں پھر اسکے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا۔ ''یہاں..... یہ جو گوشت کا لوتھڑا ہے اسے پتھر بناؤ دنیا تمھارے تابع ہوگی۔ پھر سب تمہارا۔ لوگوں کو مہروں کی طرح اپنے لئے استعمال کرو۔ تمھیں میرے جیسا بننا ہے اپنی ماں جیسا نہیں۔''

وہ بس سن رہا تھا اسے لگا تھا اسے اس لوتھڑے کو پتھر بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لیکن اس نے مستقبل نہیں دیکھا تھا۔ وہ پستول ہاتھ میں لئے اٹھا۔ ہر قدم اتنا بھاری تھا جیسے وہ کوئی بھاری پتھر گھسیٹ رہا ہو۔ کلام اسکے سر پہ ہتھوڑے کی مانند برس رہا تھا۔ پستول ہاتھ میں تھامے وہ کتنے ہی لمحے کھڑا رہا۔ وہ آہیں، وہ گھٹی گھٹی کراہیں، عبداللہ کا دل پسیج رہا تھا۔ اس نے سرخ ہوتی آنکھیں رگڑیں، پستول پہ گرفت جمائی، پلکیں جھپکیں اور فائر کرنا چاہا۔

ایک لمحہ..... دو... تین..... سات.... آٹھ اور وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ وہ نہیں مار سکا، اس سے نہیں ہوا۔ ایک انسانی جان..... نہیں ہر گز نہیں۔ اس کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ خون اسکے بوٹوں سے لگ رہا تھا۔

اسکے عقب میں بیٹھے زمان کے چہرے پہ زخمی تاثر تھا۔ کیا انکا ولی عہد ان سے صرف چہرہ اور نسل لے سکا تھا؟ کیا صرف اتنا ہی؟

حال میں وہ اپنے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ صاف تھے، مگر عبداللہ عرف قیس زمان ان پہ سرخ دھبے دیکھ سکتا تھا۔ واضح اور صاف۔ کاش آج زمان ہوتے اور دیکھتے انکا ولی عہد سیاہ کاریوں میں ان سے بھی آگے تھا۔ اس نے بلاخر گوشت کے لوتھڑے کو پتھر بنا دیا تھا۔



"وہ مشکل میں تمھیں چھوڑ کر آسانی کو چنے گا۔"

وہ موبائل کان سے لگائے کھڑی تھی۔ آس پاس بالاج کے ساتھ کھڑے گارڈز تھے۔ وہ اس کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ صوفوں کے اس پار بالاج ٹھہر کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے حواس شل تھے۔ اسے سمجھ نہ آیا کیا کرے۔

"میں سب برداشت کر سکتی ہوں، بالاج۔ میں شراکت برداشت نہیں کروں گی۔ تمھیں چننا ہوگا۔ ابھی اور اسی وقت فیصلہ لینا ہوگا۔"

"میری بات سنو، زینی۔۔ میں تمھیں سمجھاتا ہوں میں۔۔" بالاج نے آگے بڑھنا چاہا۔ زینیا قدم پیچھے لینے لگی تھی۔

"ایک قدم بھی اور نہیں۔" وہ پتھر لہجے میں بولی۔ "یا تو تم اسے طلاق دو گے یا پھر مجھے فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔" اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ بالاج کئی لمحے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا۔

(قیس کمبیر کے کمرے میں آؤ تو وہ نماز کی حالت میں تھا۔ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس سر پہ جالی دار ٹوپی تھی۔ بازو سینے سے نیچے باندھے وہ بے حد پرسکون انداز میں آیات پڑھ رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ سرمئی بیگی شرٹ کے ساتھ سرمئی سویٹ پینٹ پہنے ہاتھوں میں کافی کے مگ لئے مہدی اندر آتا دکھائی دیا۔

قیس اب سجدے میں تھا۔ مہدی دروازے پہ رک سا گیا۔ وہ کتنا پر سکون لگ رہا تھا۔ اسے مہدی کے اندر آنے کی بھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ وہ سجدے میں جاتا تو کافی دیر بعد سر واپس اٹھاتا تھا۔ اسکی آیات لمبی تھیں۔ اس کے سجدے وقت لیتے تھے۔ مہدی چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے قریب ٹھنڈے سنگ مرمر پہ آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔ اگلے کئی لمحات وہ بس اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس نے سلام پھیر کر اپنی دائیں جانب دیکھا تو ذرا سا حیران ہوا۔ وہ واقعی مہدی کی یہاں موجودگی سے بے خبر رہا تھا۔)

بالاج تیز تیز قدم لیتا اسکی جانب بڑھ آیا۔ اس کے چہرے پہ گھبراہٹ کے واضح آثار تھے۔

''بے وقوفی مت کرو، زینی۔۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ صرف میرے نہیں تمھارے بھی اچھے مستقبل کی ضمانت ہے۔ بھوک سے مریں گے ہم سب۔ ہم۔۔۔''

''اسے طلاق دو یا پھر مجھے طلاق دو۔''

''زینی میری بات سمجھنے کی کوشش کرو یہ نہیں ہو سکتا۔ تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ ایک بار تحمل سے میری بات تو سن لو۔'' اس نے زینیا کو کندھوں سے تھامنا چاہا۔ وہ بے دردی سے اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہوئی تھی۔

''اسے طلاق دو یا پھر مجھے طلاق دو۔'' شاید اس نے یہی الفاظ حفظ کر رکھے تھے۔ بالاج کا دل چاہا تھا اسکی جان لے لے۔ اس نے زینیا کے ہاتھ سے موبائل چھین کر پوری قوت سے زمین پہ دے مارا۔ پھر کھینچ کر زینیا کو ایک بار پھر دیوار سے لگایا تھا۔ بازو سختی سے دبوچے، اتنی سختی سے کہ زینیا کو اپنا جسم جلتا محسوس ہوا۔ اس نے بالاج کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے دھکا دینا چاہا۔ مگر گرفت سخت تھی بالاج نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

''میں آخری دفع سمجھا رہا ہوں، زینی۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے مگر تم مجھ سے بڑی غلطی کر رہی ہو۔ طلاق ایک کرس ہے۔ یہ نہ ہو کہ میں واقعی تمھیں طلاق دے دوں۔ اور میں ایسا کر سکتا ہوں۔ یاد رکھنا۔''

نہ جانے اس کے اندر اتنی طاقت کہاں سے آئی کہ اس نے بالاج کو دھکا دے کر خود سے دور کیا۔ لہو رنگ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔

''یا تو مجھے طلاق دو یا پھر اسے طلاق دو۔'' برف انداز، لاتعلق لہجہ۔ وہ بغاوت پہ اتر آئی تھی۔ ہٹ دھرمی اور ضد پہ بھی۔

(''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' مہدی مسلسل اسے دیکھتا رہا تو قیس کو کوفت سی ہوئی۔ وہ نماز پڑھ چکا تھا۔ البتہ جائے نماز سے نہیں اٹھا۔ ٹوپی اتار کر ہاتھ میں رکھ لی۔ ماتھے پہ بکھرے بال اسے معصوم بناتے تھے۔

''میں دیکھ رہا ہوں آج تمہیں خدا کیسے یاد آگیا؟''

''تم جیسے لوگ ہیں جن کی وجہ سے ہمارے جیسے برے لوگ اللہ کی طرف نہیں جا سکتے۔''

''شٹ اپ میں تمھیں جج نہیں کر رہا۔'' مہدی نے آنکھیں گھمائیں۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

قیس نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔ ''باخدا میں کچھ نہیں جانتا۔'' جھوٹا کمبخت۔

'' قیس،۔۔بنومت۔'' مہدی کو کوفت ہوئی۔ سیاہ آنکھوں والا مرد چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"میں نے سنا ہے نماز برائیوں سے روک لیتی ہے۔ میں کچھ کر رہا ہوں، جو بہت غلط ہے۔ میں چاہتا ہوں میں روک لیا جاؤں۔" مہدی کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ اسے معلوم تھا قیس اب کیا کرنے والا ہے۔)

"وہ مشکل میں تمھیں چھوڑ کر آسانی کو چنے گا۔"

وہ دونوں ایک دوسرے سے زرا سے فاصلے پہ کھڑے تھے۔ زینیا کی آنکھیں سرخ تھیں۔ گردن پہ بالاج کی انگلیوں کے نشان۔ اور بازو جل رہے تھے۔ اس کے بال بکھر گئے تھے۔ بالاج نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا زینیا کو یقین نہ آیا کہ کوئی مرد اس پہ ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے۔ اس نے سنا تھا شادی کے بعد اماں کو جب پہلا تھپڑ پڑا تھا تب وہ خاموش رہی تھیں، اسے نہیں رہنا تھا۔ ابا نے جب گالیاں دی تھیں تو اسکی ماں بس روئی تھی، وہ نہیں روئے گی۔

جب ابا نے بے وفائی کی تھی تو اماں نے کئی دن انہیں **"کٹہرے"** میں کھڑا نہ کیا تھا۔ وہ کرے گی۔ جن چیزوں نے اس کی ماں کی شادی horrible کر دی تھی۔ وہ ان چیزوں کو نہیں دہرائے گی۔ بس ایک صرف یہی ایک طریقہ تھا جس سے وہ تباہی کے دہانے سے ہٹ سکتی تھی۔

"یعنی تمہارا فیصلہ نہیں بدلے گا؟" بالاج کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

"تمھیں چناؤ کرنا ہوگا، بالاج۔" اسی لمحے فرش پہ پڑا زینیا حاکم کا موبائل تھر تھرایا۔ ایک طرف بالاج تھا دوسری جانب زینیا۔ ان دونوں کی نظریں فون کی ٹوٹی سکرین پہ جمی تھیں۔ جہاں **"بشر کالنگ"** کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ زینیا کی زخمی نگاہوں میں آج بہت کچھ تھا۔

(مہدی ششدر سا اسے دیکھے گیا۔ قیس کسی جواب کی توقع میں تھا۔

"جو میں سوچ رہا ہوں کیا تم وہی کرنے جا رہے ہو؟" قیس نے اثبات میں گردن ہلادی۔ مہدی کی آنکھوں میں کرب اترا۔ مگر وہ قیس کو روک نہیں سکتا تھا۔ وہ رکتا ہی ناں۔

"نماز اس طرح کام نہیں کرتی، قیس۔ سکون یونہی ایک لمحے میں نہیں مل جاتا۔ دعائیں فوراً سے قبول نہیں ہوتیں۔ اور برائی فوراً دفع نہیں ہو جاتی۔ اس زمین کو اس ساری کائنات کو بننے میں بھی چند دن لگے تھے۔ کیا اللہ کے لئے مشکل تھا کہ بس ایک کن کہہ دیتا اور ایک جھٹکے میں ساری کائنات وجود میں آجاتی؟" وہ چپ ہوا تو قیس کو اس کے بولنے کی بے چینی سی ہوئی۔

"اللہ کے کاموں میں حکمت ہوتی ہے اگر غور کرو تو پتہ لگے کہ ہر چیز جو ایک پراسیس کے بعد وجود میں آتی ہے وہ reliable ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی life time بھی۔ جن دعاؤں کا ہو جانا تم اس وقت مانگ رہے ہو اگر ماضی میں پیچھے جا کر دیکھو تو تم نے اللہ سے بہت کچھ مانگا تھا۔ اس وقت حال میں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں تم ان دعاؤں کے قبول نہ ہونے پہ شکر کا سانس لوگے۔"

"اللہ کی ہر بات ہر کام ہر عمل میں اتنی حکمت کیوں ہے۔ بس دے دے ناں جو ہم چاہتے ہیں۔ پھر نفع نقصان، پچھتاوا، خوشی وہ سب ہمارا۔" قیس سب کچھ جان لینا چاہتا تھا۔ مہدی مسکرایا۔

"اگر کوئی بچہ جلتے ہوئے نارنجی کوئلے سے کھیلنے کی خواہش کرے گا تو ظاہر ہے ماں اسے روکے گی۔ سنبھال لے گی، یا پھر ڈانٹ مار کر اسے دور کر دے گی۔ وہ کبھی بھی اپنے بچے کو جلنے نہیں دے گی۔ کیونکہ تکلیف صرف بچے کو نہیں ماں کو بھی ہوگی۔ اللہ جب ہمیں ہرٹ ہوتے دیکھتا ہے تو اسے برا لگتا ہے۔ کیونکہ اسے ہم سے محبت ہے۔"

قیس نے بے زاری سے گردن گھمائی۔اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جائے نماز لپیٹ کر دراز میں رکھی۔ مہدی بھی اٹھا تھا۔مگ یونہی فرش پہ دھرے رہے۔دروازے تک جاتے جاتے مہدی رکا۔وجہ قیس کی پکار تھی۔

''تم کسی کام سے آئے تھے۔ کہو کیا کہنا ہے۔''

''میں اپنے مسائل بتانے آیا تھا۔ لیکن تم پہلے ہی مسائل زدہ ہو۔''

''میں اپنے مسائل میں ہمیشہ تنہا تھا مہدی۔ لیکن تم اپنے راز مجھ سے کہتے تھے۔آج کل تم مجھ سے کچھ نہیں کہتے۔'' مہدی کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

''یار میں تھوڑا سخت ہوں ٹھیک ہے۔ مگر مجھ سے بات کیا کرو۔''مہدی کا وجود زنجیر ہو گیا۔ قیس کے قریب کچھ ہی لوگ تھے جن سے وہ ضرورت سے زیادہ لمبی بات بھی کرتا تھا۔اور مہدی ان لوگوں میں سے تھا۔ نفرت تلخی ایک طرف ان دونوں کے درمیان محبت ایک طرف۔

قیس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ مہدی نے مڑ کر اسے دیکھا۔اس کا دل پسیجا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ اس کے قریب آ کر رکا۔چند پل،چند سانسیں بیتیں۔۔۔ پھر مہدی نے دھیرے سے اس کے سر کو اپنے سینے سے لگایا تھا۔ قیس کچھ نہ بولا۔نہ مزاحمت کی۔ بس چپ چاپ بیٹھا رہا۔سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔ سبز آنکھوں والے مرد نے اس کے کندھے کو تھپکا۔چند پل مزید یونہی اسے سینے سے لگائے رکھا۔اسکے بالوں کو درست کیا۔ پھر دور ہوا۔

اگلے چند پلوں میں وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا نظر آ رہا تھا۔)

زینیا نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھانا چاہا۔ لیکن بالاج نے پیر سے فون کو دور پرے کیا۔ زینیا استہزائیہ مسکرائی۔

''تم اس وقت اس موبائل کو مجھ سے دور کر سکتے ہو مگر کب تک؟ تم جاؤ گے اور میں بشر کو کال کروں گی پھر ایک کال تمہیں آئے گی جس میں تمہاری بہن کی طلاق کی خبر ہو گی۔'' وہ پھنکاری تھی۔

''میں برباد ہوئی تو آباد کسی کو نہیں ہونے دوں گی۔ تمہیں لگا تھا تم مجھ سے بے وفائی کر سکتے ہو؟''

''زینیا۔۔ میری بات سنو۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو میں مجبور تھا۔ میں۔''

''مجھے مارنا مجبوری نہیں تھی۔'' وہ غرائی۔

''میں تمہیں اپنے پاس بلالوں گا جو تم چاہو گی میں وہ کروں گا پلیز مجھے معاف کردو۔۔۔۔''

''مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہونے لگی ہے۔ مجھے تم سے نفرت ہے، بالاج۔''

''میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ میں سب فکس کر دوں گا۔۔۔ زینیا مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک بار صرف ایک بار میری جگہ پہ۔۔۔''

''مجھے نہیں سمجھنا۔ میں کچھ سمجھنا چاہتی ہی نہیں۔ تم نے مجھ سے بے وفائی کی ہے۔ میں سب کچھ بشر کو بتاؤں گی۔ میں بشر کو ابا کو سب بتاؤں گی۔ تم دیکھنا بالاج میں سب کو بتاؤں گی۔''

بالاج نے بے بسی سے آنکھیں موندیں۔

”دیکھو،زینیامیں تم سے محبت کرتاہوں۔بہت زیادہ محبت۔پلیز تم یہ ساری باتیں فلحال خود تک رکھو۔میں کچھ دن بعد واپس آؤں گاہم اس بارے میں بات کریں گے میں۔۔۔۔۔“

”تمہیں لگتاہے تم چند دن بعد آؤ گے اور میں ہنسی خوشی تمھارے ساتھ رہنے پہ راضی ہو جاؤں گی؟میں بھول ہی نہیں سکتی کہ تم نے میرے برابر کسی اور کو لا کر کھڑا کیا۔مجھے نفرت ہے تم سے،اس تعلق سے،اور تمھارے دعوؤں سے۔“ بالاج نے آگے بڑھ کے سختی سے اس کے دونوں بازو دبوچ لئے۔آس پاس کھڑے گارڈز یوں چپ تھے جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔

”اب اگر تم نے ایک اور لفظ کہا تو میں تمھارے ساتھ وہ کروں گا کہ تم ساری زندگی یاد رکھو گی۔دنیا تمھارے منہ پہ تھوکے گی۔“ وہ رکا،بازوؤں پہ مزید زور دیا۔اور زہر خند لہجے میں غرایا۔

”اگر تم نے میری بات نہیں مانی،خاموش نہ رہی تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا۔“ ایک جھٹکے سے زینیا کا بازو چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گیا۔دروازے پہ پہنچ کر اسے رکنا پڑا۔زینیا کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ روتے ہوئے بشر کو کال ملا رہی تھی۔بالاج کے پورے جسم میں شرارے دوڑ گئے۔وہ واپس آیا۔زینیا کے چہرے کو دبوچا۔اسکی سخت گرفت تکلیف دیتی تھی۔لیکن اس وقت زینیا اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

”اگر تم نے ایک اور بار مجھ سے ضد کی تو میں تمھیں واقعی طلاق دے دوں گا۔“ وہ اس کے کان کے قریب غرایا۔زینیا نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اس کی کنپٹی پہ دے مارا۔بالاج بے یقینی سے پیچھے ہوا۔کنپٹی سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے میں ڈرتی ہوں؟ تم کہو گے میں طلاق دوں گا اور میں ڈر جاؤں گی؟'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ ''دو طلاق، دو ناں۔ اگر ہے جرات تو طلاق دے کر دکھاؤ۔''

''میں بالاج یوسف میر تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ زینیا کو اپنے کان سن ہوتے محسوس ہوئے۔ ''میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں میں تمھیں۔'' وہ پھنکارا تھا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ صور جیسی خاموشی۔ زینیا نے پلکیں جھپک کر اسے دیکھنا چاہا مگر بصارت دھندلی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ گری تھی۔ بالاج اسکی سیدھ میں بلکل اسی طرح فرش پہ گرا تھا۔ زینیا چپ تھی۔ متعجب۔ بے یقین۔

بالاج گلٹی تھا۔ متعجب اور بے یقین بھی۔ ایک ہی سیدھ میں وہ دونوں ایک ہی پوزیشن میں فرش پہ گرے تھے۔ ان دونوں نے ایک لمحے میں بہت کچھ کھو دیا تھا۔ بالاج سن ہو گیا۔ کنپٹی سے بہتا خون ساکت۔ یہ اس نے کیا کر ڈالا؟

فلائٹ کا اعلان اب بھی ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ آئے بے تاثر چہرے والے مرد اب کان میں لگے ننھے آلے پہ کسی کی ہدایات سن رہے تھے۔ پھر بالاج نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا۔

''آپ کو چلنا ہو گا باس کا آرڈر ہے۔'' کہتے ساتھ انہوں نے اسے بازو سے پکڑا اور آگے بڑھنے لگے۔ بالاج رک سکتا تھا۔ مگر اس فلائٹ کے بعد اسے بہت کچھ کھونا پڑتا۔ زینیا خالی خالی نگاہیں فرش پہ جمائے بیٹھی رہی۔ آس پاس کی ساری آوازیں بے معنی ہو گئی تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر بالاج کو جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اسکے ہونٹوں پہ قفل لگ چکا تھا۔ ذہن تاریک ہونے لگا۔

''وہ مشکل میں تمھیں چھوڑ کر آسانی کو چنے گا۔''

اسکی سماعتوں میں اب بھی اسی سطر کی گردش تھی۔اسکی ساری دنیا جل کر خاک ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیز بارش اور کڑکتی بجلی میں گوادر نم سا تھا۔دو روزہ مسلسل بارش نے موسم سرد کر دیا تھا۔سمندر کا شور مزید بڑھ گیا تھا۔کونج حاکم اپنے کمرے میں موبائل پہ کوئی ڈرامہ لگا کر بیٹھی تھی۔نومبر کی ٹھنڈی ہوائیں جسم کو بھاتی تھیں۔پیٹ کے بل لیٹی،ٹانگوں کو مسلسل جھلاتی،منہ میں وقفے وقفے سے مونگ پھلی کے دانے ڈالتی آج وہ خود کو بے حد مصروف کئے ہوئی تھی۔

دفعتاًاس کا فون بجنے لگا۔سخت بے زار سی ہو کر اس کے کالر آئی ڈی دیکھی تو ایک لمحے کو دل بے حد زور سے دھڑکا۔"**ضیغم میر کالنگ**" کے الفاظ جگمگائے۔وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔گلہ کھنکارا،آس پاس نظر دوڑائی پھر موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو۔کال نہ کاٹنا مجھے ایک کام ہے۔''گویا وہ جانتا تھا کونج کا رد عمل کیا ہو گا۔

''میں کوئی تم سے ڈرتی ہوں جو کال کاٹوں گی۔؟''آگے سے وہ تڑخ کر بولی۔**(ہاں زبان بس اسکی ضیغم کے سامنے چلتی تھی۔)**

''اصل میں آپا کو پتہ لگ گیا ہے کہ تم نے اور بشرٰی نے زینیا کا زیور بیچ کر اسے پیسے بھجوائے ہیں۔''کونج کے سر پہ گویا آسمان گرا تھا۔

''تم نے آپا کو بتایا تھا اور آپا نے اماں کو بتا دیا ہے۔اماں نے اسے بولا ہے کہ یہ بات حاکم ماموں کو بتادو۔اب عروج یہ بات شاید ماموں کو بتادے گی۔''کونج کو بے اختیار ہول اٹھے تھے۔

''تم نے انہیں روکا نہیں،بات نہیں کی،تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''

''کیا مطلب ہے میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں ؟ تم سے کس نے کہا تھا اپنی پیاری بھابی سے بیٹھ کر ساری باتیں کرو؟'' وہ جل ہی تو گیا تھا۔ کونج کو بے طرح غصہ چڑھا تھا۔

''تم دنیا کے سب سے فضول انسان ہو۔ یا اللہ میں تمہارا کیا کروں، تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ تمہیں اسے روکنا چاہیے تھا۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''اچھا اچھا بس صبر کرو۔ کرتا ہوں کچھ۔ ساری دنیا کا عذاب میرے گلے پڑ گیا ہے۔'' کوفت سے کہتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی۔ کونج بیڈ سے اتر آئی اور جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگی۔ ساتھ ساتھ ناخن بھی چبا رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس کا موبائل ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ اس نے لپک کر موبائل اٹھایا اور بے قراری سے اسکی بات سننے لگی۔

''بات ہو گئی ہے میری۔ اب آپا کچھ نہیں بتائے گی۔'' اسکے نرمی سے کہنے پہ کونج کو ڈھارس سی ہوئی۔

''تم نے انہیں کیسے منالیا۔''

''میرے پاس اس کے راز تھے۔ بشر بھائی کو بتانے کی دھمکی دی تو مان گئی۔ ہاں البتہ اماں کا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انہوں نے ماموں کو بتا دیا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''پھپھو ایسا نہیں کرنے والیں۔ کیونکہ غلطی بالاج بھائی کی ہے۔ ابا چڑھ دوڑیں گے۔'' وہ مزے سے بولی۔ دوسری طرف ضیغم نے موبائل کو گھور کر دیکھا تھا۔ یہ کتنی چالاک تھی۔

''اچھا وہ سب چھوڑو۔ تم اپنی ساری باتیں زینی کو نہیں بتاتی تھیں؟ یہ اچانک بیسٹ فرینڈ بدل کیوں دی؟'' چند لمحے دوسری طرف خاموشی رہی۔

''کیا ہوا، کیا زینی سے کوئی لڑائی ہو گئی ہے؟ تم چاہو تو مجھے بتا سکتی ہو۔'' یہ نرم لہجہ، یہ ڈھارس اس کی تلاش میں تو وہ ساری زندگی بھٹکی تھی۔

کونج نے آنکھیں بند کر لیں۔ پچھلے کئی سال آنکھوں کے آگے فلم کی طرح چلنے لگے۔

''زینی وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے۔''

''اپنی نظر میں معتبر بنو کونج، جو انسان دوسروں کے پیچھے بھاگتا ہے، دوسروں کے لئے extra ordinary efforts کرتا ہے اس کا اصل کچھ نہیں ہوتا۔''

''مجھے لگتا تھا، وہ ہے تو سب ہے۔ وہ ہے تو میں ہوں، میرے خواب ہیں۔ اب لگتا ہے میں تباہی کے دہانے پہ ہوں۔''

''کوئی بھی مرد یہ ڈیزرو نہیں کرتا کہ اس کے لئے خود کو بدلا جائے۔ کوئی انسان یہ ڈیزرو نہیں کرتا کہ اس کو خوش رکھنے کے لئے اپنے الفاظ حلق میں رکھ لئے جائیں۔''

''تم نے وہ انسان دیکھا ہے جس کے پاس کئی سالوں سے ایک نقشہ ہو، وہ جس پہ اسے اپنی سمت کا تعین کرنا آتا ہو۔ اور پھر ایک حادثے میں، اس سے وہی نقشہ چھن جائے۔ پھر ہر منزل دھندلی ہو اور ہر راستہ مشکل۔ اسکوائرون سمجھتے ہو۔؟'' اگلے کئی لمحے وہ بس روتی رہی تھی۔ ضیغم بس اسے سن رہا تھا۔ جب وہ اچھی طرح رو چکی تو ایک نرم سا لہجہ اسکی سماعتوں سے ٹکرایا۔

''دہانے کی ایک خاصیت ہوتی ہے کونج ایک قدم پیچھے لو، اور سب تھم جاتا ہے۔'' کونج کے آس پاس ساری دنیا تھم گئی۔

''دہانے سے واپسی ممکن ہوتی ہے، بس دھیان رکھنا ایک جگہ ٹھہر مت جانا۔ ورنہ پیر پھسل جاتے ہیں۔ آگے مت بڑھنا ورنہ گرا دی جاؤ گی۔ ایک قدم پیچھے لو، سنبھل جاؤ پھر تمھارے لئے کئی راہیں ہوں گی۔''

''ایک قدم پیچھے کیا ہوتا ہے؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''ایک قدم پیچھے جائزہ ہوتا ہے۔ چانس ہوتا ہے۔ اسٹرگل ہوتی ہے۔ ان سب پہ غور کرو، غلطی جانو، چانس لو، رسک اٹھاؤ اور پھر نئے راستے بناؤ۔ زینی نے تمھیں یہ نہیں بتایا کہ کوئی انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے لئے زندگی تیاگ دو۔؟ خود پہ امید اور کوشش حرام کردو۔؟'' کئی لمحے کونج سے کوئی جواب نہ بن پایا تو ضیغم نے کال کاٹ دی۔

اگلے کئی لمحے کونج کو اپنے ارد گرد سناٹا محسوس ہوا۔ گہرا سکوت۔

☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد آج سے پہلے کبھی اتنا متعجب اور بوجھل نہ ہوا ہوگا۔ رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ قریب بارہ بجے کا وقت تھا۔ گھروں کی بتیاں بجھنے لگی تھیں۔ سڑکوں پہ گاڑیوں کا رش کم تھا۔ اکا دکا گاڑی وقفے وقفے سے گزر جاتی تھی۔ لہلہاتے درخت دور پار سے روشنی پڑنے پہ چمک رہے تھے۔ تیز ہوا میں جھولتے درختوں سے اس وقت خوف آرہا تھا۔

گردن اٹھا کر دیکھو تو سڑک کنارے سنہری آنکھوں والی لڑکی شکستہ قدم لیتی کہیں جارہی تھی۔ وہ چلتے چلتے کئی بار رک جاتی تھی۔ کھوکھلی نگاہیں اٹھا کر آس پاس دیکھتی، پھر خود کو دیکھتی، پھر فون پہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتی اور پھر کئی لمحے ایک جگہ جم

کر کھڑی رہتی۔ پھر چلتی اور پھر رک جاتی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ گردن پہ نشان تھے۔ بازو کپڑے سے ڈھکے تھے مگر زینیا جانتی تھی وہاں نشان بن چکے ہوں گے۔ یہ سب کبھی نہ کبھی مٹ جائیں گے روح کے نشانوں کا کیا؟

چلتے چلتے اسے ٹھوکر لگی تھی اور وہ منہ کے بل سڑک کنارے گر پڑی۔ ہتھیلیاں، گھٹنے بری طرح چھل گئے۔ ماتھا روڈ پیومنٹ سے ٹکرایا۔ درد اور بے بسی کی ایک لہر سی اس کے بدن میں دوڑ گئی۔ اس کا جی چاہا تھا چیخ چیخ کر روئے، سب کو بتائے اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کم از کم اپنے بھائی اپنے بشر کو ہی بتا دے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر ہتھیلیاں بری طرح جلنے لگی تھیں۔ اسے رونا تھا چیخ چیخ کر ڈھیر سارا رونا تھا۔ حلق آنسوؤں سے تر تھا مگر زینیا حاکم کو اپنی آنکھ کے پانی پہ اختیار تھا۔ کمبخت اتنی ڈھیٹ کیوں تھی؟ کچھ لوگ جب گرتے ہیں تو انہیں یقین ہوتا ہے انہیں اٹھانے کوئی نہیں آئے گا۔ گرنا برا نہیں ہوتا گر کر اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا مضبوط سے مضبوط انسان کا دل توڑ دیتا ہے۔ ہتھیلیوں پہ زور دیتے وہ بامشکل اٹھ بیٹھی، اور ذرا سی جدوجہد کے بعد روڈ پیومنٹ پہ بیٹھ گئی۔ اب بس اب وہ یہاں سے نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اس کے جسم کی ساری توانائی جواب دے چکی تھی۔ کئی پل وہ اس سنسان سڑک پہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔ آسمان پہ ستارے تھے مگر تاریکی اندر تک بسیرا کر چکی تھی۔ کئی لمحے وہ بے خیالی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی۔ اسی پل اس کا موبائل بجنے لگا۔

اس نے موبائل اٹھا کر آنکھوں کے آگے کیا۔ غیر شناسا نمبر مگر اسے اس وقت کسی کی آواز سننی تھی۔ کوئی ہو جو ڈھارس دے، شکوے کے بغیر بس کندھا دے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ آواز شناسا تھی۔

"میں، قیس کمبیر بات کر رہا ہوں۔" بھاری آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''مجھے کل کے ایونٹ کے لئے تین فوٹو گرافرز کی فائلز بھیجی گئی ہیں، جن میں سے ایک تمہاری ہے۔'' زینیا کچھ نہ بولی تو قیس نے دھیرے سے اضافہ کیا۔

''تمہارا نمبر بھی وہیں سے ملا ہے۔ مجھے فوٹو گرافرز بہت مل جائیں گے۔ کیا تم ویڈیو گرافی کر سکتی ہو۔ یہ ایونٹ بہت اہم ہے۔ غیر ملکی ڈیزائنرز بھی شامل ہو رہے ہیں۔؟'' وہ سنجیدہ تھا۔ زینیا کئی لمحے خالی الذہنی کی عالم میں بیٹھی رہی۔ دوسری جانب اپنی اسٹڈی میں صوفے پہ بیٹھا قیس کوفت زدہ ہوا۔ اس کے سامنے فائلز، ڈیزائنز کا انبار پڑا تھا۔

''بی بی جواب دیں۔ مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔''

''کیا تم تھوڑی دیر کے لئے مجھ سے مل سکتے ہو؟'' ایک لمحے کو قیس کا کاغذات الٹتا ہاتھ تھم گیا۔ اس نے بے یقینی سے موبائل کو دیکھا۔ یہ وہی زینیا تھی ناں؟ کہیں اس نے کوئی دوسرا نمبر تو نہیں ڈائل کر لیا۔

''تم زینیا ہو ناں، زینیا حاکم، دی اسمگلر؟'' اس نے تصدیق چاہی۔ زینیا نے آنکھیں بند کر لیں۔

"severus please..."

''آجاؤ پلیز تھوڑی دیر کے لئے۔ مجھے اس وقت کسی کی ضرورت ہے۔'' قیس کے ذہن میں جھماکے سے ہوئے۔ یونہی اسی طرح اسے کسی اور نے بھی بلایا تھا۔ وہ اسے ناں کہہ سکتا تھا، کیونکہ اسکی طرف انتقام تھے۔ لیکن کیا وہ یہاں انکار کر سکتا تھا؟

''مجھے کسی انسان کی ضرورت ہے۔ پلیز آجاؤ، سیورس۔'' اسکی آواز دھیمی اور ہلکی تھی۔ قیس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔ موبائل کان اور کندھے کے بیچ لگائے اس نے اٹھ کر پیروں میں جوتے پہنے۔ والٹ، چابیاں اٹھائیں۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' زینیا نے اپنے آس پاس دیکھا۔ لمبی سنسان سڑک، کوئی بورڈ نہیں، کوئی نشانی نہیں۔

''مجھے نہیں پتہ، یہ پتہ نہیں کیسی جگہ ہے۔''

''لوکیشن بھیجو، سب ٹھیک ہے ناں؟''

زینیا نے ٹوٹی سکرین پہ انگلیاں چلاتے اسے لوکیشن بھیجی۔ قیس نے لوکیشن دیکھی۔

''میں آرہا ہوں۔ میرا انتظار کرو۔'' اسکا لہجہ نرم ہوا تھا۔ ڈھارس دیتا ہوا۔ وہ کچھ بول نہیں رہی تھی لیکن قیس کال کاٹ بھی نہ سکا۔ کال چلتی رہی۔ یہ آسرا بھی بہت تھا کہ کوئی انسان اس کے لئے آرہا ہے۔ چاہے دشمن ہی سہی۔ یہی بہت تھا کہ کوئی قیس کو کال کر رہا ہے۔ چاہے خاموش ہی رہے۔

تیز تیز سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ داخلی دروازے تک آیا جب اسے رکنا پڑا۔ مقصود کمبیر کا نرس بوکھلائی سی حالت میں اس کے قریب آکر رکا تھا۔ قیس کے دل کو کسی انجانے خدشے نے آن گھیرا۔ موبائل پہ اسکی گرفت سخت ہوئی۔

''مقصود صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے سر۔۔۔ پلیز جلدی چلیں۔ مہدی صاحب بھی گھر پہ نہیں ہیں۔'' قیس کا موبائل پکڑے ہوئے ہاتھ بے دھم ہو کر پہلو میں گرا۔ وہ اپنے بلانے والوں کی پکار پہ چلا جایا کرتا تھا، لیکن کچھ تھا کوئی کرس سا جو ہمیشہ اس کے ساتھ چمٹ جاتا تھا۔ اور پھر وہ ہوتا تھا جو کسی نے کبھی سوچا بھی نہ ہوتا تھا۔ اس نے بھاری سانس لی۔

''کیا تم تھوڑی دیر انتظار۔۔۔''کال کٹ گئی۔شاید وہ اس وقت کسی اور کے مسائل نہیں سن سکتی تھی۔قیس نے لب بھینچ لئے۔جانتا تھا وہ انتظار نہیں کرے گی۔اس نے انگلی سے ماتھے کو رگڑا۔پھر بلند آواز میں ملازمین کو پکارنے لگا۔مختلف حکم صادر کرنے لگا۔

''گاڑی نکالو۔۔۔ڈاکٹر کو فون کر کے بات کرو۔۔۔چچا نے آخری بار کس سے بات کی تھی،مہدی کہاں ہے؟''وہ میل نرس کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔آوازیں بھی تھیں جن میں ایک وہ پکار بھی تھی،جو ہمیشہ اسے پتھر سے موم بنا دیتی تھی۔

severus please...''"

اس نے سر جھٹکا۔اس کا خاندان زیادہ اہم تھا۔

واپس اسی سنسان سڑک پہ آؤ تو زینیا نے موبائل نوچ کر کان سے نیچے اتارا۔آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔اسی لمحے پتوں کو چرچراتے دو قدم اس کے قریب آ کر رکے۔روشنی اسکی پشت سے ٹکرا کر واپس پلٹ رہی تھی۔وہ دراز قد تھا۔رات کی تاریکی میں اسکی سبز آنکھیں مسیحائی کا اعلان کرتی تھیں۔زینیا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔چند لمحوں کے لئے وہ نگاہ نہیں ہٹا سکی۔

سیاہ ہڈ اور سفید سلیکس کے ساتھ اس نے بغیر جرابوں والے اسنیکر پہن رکھے تھے۔شاید وہ کہیں،کسی کے ساتھ اچھا وقت گزار کر آ رہا تھا۔

''سرکار رات کے اس وقت یہاں بیٹھنا محفوظ نہیں۔آپس کی بات ہے ہر مرد میرے جتنا شریف نہیں ہوتا۔''آخری بات اس نے رازداری سے کہی تھی۔

زینیا بغیر جواب دیئے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔اس کا دل خالی تھا۔اسکی سماعتیں، کسی پکار کی منتظر۔مہدی چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے سامنے آکر رکا۔پھر آلتی پالتی مارے اس کے سامنے سڑک کنارے بیٹھ گیا۔اب زینیا روڈ پیومنٹ پہ بیٹھی تھی اور مہدی اس کے سامنے۔چند پل اسے دیکھتا رہا، پھر گردن ڈھلکا دی۔گال ہتھیلی پہ ٹکا دیا۔آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھا۔

''سرکار۔۔کیا ہوا ہے؟ ہر وقت لوگوں کا سکون برباد کرنے والی آج خود بے سکون کیوں ہے؟'' زینیا نے اب بھی جواب نہیں دیا۔بس آنسوؤں کو روک کر بیٹھی رہی۔وہ یوں کسی کے سامنے رو نہیں سکتی تھی۔

''زینیا ادھر دیکھو کیا ہوا ہے؟ کہیں اپنے شوہر کے جانے پہ افسردہ تو نہیں ہو؟'' اس نے قیاس لگایا۔''ویسے ہونا تو نہیں چاہیے اچھا ہوا چلا گیا جان چھوٹی تمہاری۔۔۔ویسے بھی تمھیں کون سا فرق پڑتا۔۔۔''

''مجھے فرق پڑتا ہے۔'' وہ بولی تو اسکی آواز میں لرزش تھی۔آنکھیں سرخ تھیں۔

''میں انسان ہوں، اور انسانوں کو فرق پڑتا ہے۔'' یہ وہ زینیا نہیں تھی۔اپنی ہار، اپنی کمزوری کا اعتراف کرنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔مہدی نے گردن سیدھی کرلی۔پیر سمیٹ کر سینے سے لگا لئے۔اب کے وہ سنجیدہ تھا۔

''تم اب تک گھر کیوں نہیں گئیں؟''

''مجھے راستہ سمجھ نہیں آرہا۔مجھے لگتا ہے میں بھٹک گئی ہوں۔مجھے نہیں سمجھ آرہی میں کیا کروں؟'' وہ بڑبڑائی۔مہدی کو بے اختیار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔کافی دیر تک وہ خاموشی سے بیٹھ کر اسے دیکھتا رہا۔کیا وہ اس سے پوچھے؟ کیا وہ بتادے گی؟ اس نے کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کیا۔

''میرے نام کا مطلب جانتی ہو؟ "**مہدی**" یعنی راستہ دکھانے والا۔ اللہ نے مجھے لوگوں کو درست سمت دکھانے بھیجا ہے۔ تم میرے ساتھ اپنا راستہ تلاش کرسکتی ہو۔'' وہ لائف کوچ تھا۔ لوگوں کو فکس کرنا، مدد کرنا، بغیر جج کیئے انکا کندھا بننا یہ اسکا کام تھا۔ زینیا چند پل اسے دیکھتی رہی۔ وہ اٹھی تو مہدی کو اس کی گردن پہ پڑے سرخ نشان دکھائی دیئے۔ یوں گویا انگلیاں چھپ گئی ہوں۔ کیا اس کے شوہر نے اس پہ ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ اس کے لمبے شہد رنگ بال بے ترتیب اور بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پہ بھی نشان تھے معملہ کچھ کچھ اسے سمجھ آرہا تھا۔ وہ آج پہلی بار زینیا کے بالوں کو کھلا، اور دوپٹے سے آزاد دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اُس کے بال بہت خوبصورت تھے، مگر یہ صورتحال نہیں۔ اس نے نگاہ پھیری۔

زینیا واقعی راستہ بھٹک چکی تھی۔ مگر وہ اس وقت ہاسٹل کے پاس ہی تھی۔ مہدی اس کے آگے چل رہا تھا، اس نے نوٹ کیا کہ زینیا چلتے چلتے ٹھہر جاتی ہے۔ کبھی گردن پہ دوپٹہ درست کرنے لگتی ہے، کبھی بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتی ہے۔ وہ نارمل دکھنا چاہتی تھی نہ جانے کیوں؟ ہاسٹل کی گلی کے دہانے پہ وہ رکا تھا۔ بالوں پہ باندھنے والا بینڈ جو کہ اس نے کلائی میں باندھ رکھا تھا اسے اتارا اور زینیا کے سامنے رک کر اسکی جانب بینڈ بڑھایا۔ وہ رک گئی اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''عورت کے بال وہ واحد چیز ہوتے ہیں جو اسکے حالات کا پتہ دیتے ہیں۔ بکھرے بال یعنی وہ مصروف ہے، الجھی لٹیں یعنی وہ پریشان ہے، روکھے بال یعنی وہ اپنے اوپر توجہ نہیں دیتی۔ اگر تمھیں نارمل دکھنا ہے، تو پہلے اپنے بال نارمل رکھو۔'' وہ سنجیدگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ زینیا نے آہستگی سے بینڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

پشت پہ پھیلے لمبے، گھنے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ بال اسکے ہاتھ میں نہیں آرہے تھے۔ وہ بامشکل انہیں باندھنے کی کوشش میں تھی، انہیں سمیٹتی اور وہ پھسل کر کندھوں پہ پھیل جاتی۔ اسی پل کوئی نو عمر لڑکوں کی ٹولی ہنستے، بلند آواز میں کچھ کہتے وہاں سے گزرنے لگی۔ زینیا کو دیکھ ان میں سے ایک لڑکا مسکرایا تھا، پھر رفتار دھیمی کی مگر بے سود۔ سیاہ ہڈ والا مرد پوری طرح اس کے سامنے ٹھہر گیا۔ یوں کہ سنہری آنکھوں والی لڑکی اس کے پیچھے کہیں چھپ گئی۔ لڑکا ناامید سا گردن موڑ کر آگے بڑھ گیا۔

''کیا تم مجھ سے پوچھو گے نہیں میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' چلتے چلتے زینیا نے سوال کیا تھا۔

''اول تو مجھے آپ کہو۔ لڑکی میں تم سے بڑا ہوں۔ دوئم تم وہ لڑکی نہیں ہو جو یونہی کسی کو کچھ بتادے۔ اس وقت تم ایک کمزور لمحے کی زد میں ہو۔ مجھے بتادو گی پھر پچھتاؤ گی۔

i don't want to make you regret...''

زینیا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ہاسٹل سے ذرا سے فاصلے پہ وہ رک گیا۔ اشارہ تھا کہ اب باقی کا سفر اس کا اپنا ہے۔ زینیا نہ جانے کیوں مزید رکنا چاہتی تھی۔ شاید دل کا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔

''تعارف قرض رہا۔'' وہ کہہ کر پلٹ گیا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل کے گیٹ کے باہر چوکیدار، مالی یہاں تک کہ باورچی بھی کھڑا بے چینی سے چکر کاٹ رہا تھا۔ زینیا کو دیکھ انکی سانس میں سانس آئی۔ چوکیدار اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید لیٹ آنے کی وجہ۔ پھر اس نے خود کو اندر کی جانب قدم بڑھاتے دیکھا۔ لان میں ہاسٹل

کی تمام لڑکیاں بمع افروزہ بیگم جمع تھیں۔ یہ وہ لمحہ تھا جب زینیا کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ہر لڑکی کی نگاہ میں ترحم تھا، کسی میں غصہ تو کسی میں کراہیت۔ افروزہ بیگم نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پہ دے مارا تھا۔ زینیا سن رہ گئی۔

''ایک بج گیا ہے۔ کیا یہ وقت ہوتا ہے واپس آنے کا؟ میں نے تم سے کہا تھا زینیا یہاں تمہارا باپ، بھائی شوہر میں ہوں۔ کہاں تھیں تم؟'' وہ پہلی بار چیخی تھیں۔ بالکنی میں کھڑی شیزل جو بار بار فون پہ فون ملا رہی تھی۔ زینیا پہ نظر پڑتے ہی وہ اندھادھند نیچے بھاگی تھی۔

''تمھیں پتہ بھی ہے تمہاری وجہ سے ہم کتنا سفر کر رہے ہیں؟'' اب کے ماہ نور بولی تھی۔

''پتہ نہیں کہاں کہاں رہتی ہو تم۔ کن کن مردوں سے واسطہ ہے تمہارا۔۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں کوئی مسئلہ ہو گیا ہو گا تم۔۔'' ماہ نور کی آواز دب گئی۔ یہ ہمدرد کوئی اور تھی۔

''کیا ہوا تھا زینیا؟۔۔ تم پلیز ہمیں کچھ تو بتاؤ۔ ہم سب بہت پریشان تھے۔''

''کیا تمھارے شوہر نے تمہیں مارا ہے؟''

''تمہاری گردن پہ نشان ہے۔۔ کیا تمھارے ساتھ کچھ برا ہوا ہے؟''

''ہم سب تمہیں کال کر رہے تھے، ہم سب پریشان تھے۔ ہم۔۔'' وہ ٹکر ٹکر ہر ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ الفاظ پر اسیس نہ ہوتے تھے۔ دل پہ لگا زخم بڑھتا چلا جاتا تھا۔ انہی چہروں کے درمیان اس نے ایک چہرہ دیکھا وہ جو رش میں راستہ بناتی اسکی طرف آ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں بے چین تھیں۔ وہ سب کو ہٹاتی اس کے سامنے آ کر رکی۔ قد میں ایک دوسرے کے برابر، ظرف میں اعلیٰ

ظرف۔اس نے زینیا کو دیکھا،اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔آس پاس اب بھی لڑکیوں کا شور تھا۔آنٹی سخت نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

''تم ٹھیک ہو زینم؟''بس یہی صرف یہی سننا چاہتی تھی وہ۔کئی پل زینیا کے حلق سے الفاظ بر آمد نہ ہو سکے۔شیزل نے اسکا ہاتھ پکڑا اور بغیر کسی کی پرواہ کئے اسے اپنے ساتھ لئے آگے بڑھتی چلی گئی۔لوگ اس پہ ہنسیں اسے گوارا نہیں تھا۔وہ کسی کو ٹوٹی ہوئی لگے یہ وہ ہونے نہیں دے گی۔شیزل سیمسن کے ہوتے ہوئے اس کے دوست تباہ نہیں ہو سکتے۔کمرے میں آکر اس نے دروازہ بند کیا۔زینیا کو بیڈ پہ بٹھایا۔پانی کا گلاس بھر کر اس کے لبوں سے لگایا۔کئی پل بعد وہ شاید سنبھل چکی تھی۔شیزل یونہی اس کے سامنے کھڑی رہی۔

''آر یو او کے؟''

''آئی ایم او کے۔''اس کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔شیزل سیمسن چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر دھیرے سے اسے گلے لگالیا۔زینیا حاکم جہاں تھی وہیں سن ہو گئی۔آنکھیں بھر گئیں۔دل کے زخم ادھڑ گئے۔

''آئی نو یو آر ناٹ۔''شیزل نے سر گوشی کی اور یہاں زینیا کا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔وہ اس کے گرد بازو پھیلائے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''میں نے۔۔۔میں نے سب کیا تھا۔۔۔میں نے صبر کیا۔میں نے۔۔۔نے باؤنڈری بنائی۔۔سب کیا لیکن۔۔لیکن اس نے۔۔اس نے مجھے طلاق دے دی۔''ایک لمحے کو شیزل کی گرفت ڈھیلی پڑی۔پھر اس نے مزید سختی سے اسکے گرد حصار بنایا۔

''میں نے اسے مشکلات سے نکالا۔۔ میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا۔۔۔ میں، کرسڈ ہوں۔ کوئی میرا نہیں ہوتا۔ کوئی میرا کیوں نہیں ہوتا؟'' اس کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔ الفاظ بے ربط تھے۔ اور دل پہ باقاعدہ کسی نے برچھی دے ماری تھی۔

''مہدی کہتا تھا باؤنڈری بناؤ۔۔ اماں نے کہا تھا صبر کرو۔۔۔ تم نے بولا بنیادیں بناؤ۔۔۔ بالاج کہتا تھا میرے ساتھ گزارا کرو۔۔ میں نے سب کیا تھا۔'' بولتے بولتے اسکی ہچکی بندھ گئی۔ حلق اتنا دکھ رہا تھا جسکی کوئی حد نہیں۔ وہ رو رہی تھی، بری طرح رو رہی تھی۔ زینیا کبھی اس طرح نہیں روئی تھی۔ وہ ڈھیٹ تھی، مضبوط تھی۔ شیزل بغیر کچھ کہے اسے گلے لگائے بیٹھی رہی۔

''میں اسکوائر ون پہ آ گئی ہوں۔۔۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔۔۔ میں نے اللہ سے صرف ایک اچھی شادی مانگی تھی۔۔ اللہ میری نہیں سنتا۔ اس نے کبھی میری سنی ہی نہیں۔۔۔ بالاج میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟'' روتے، الزام دیتے وہ بس خاموش ہو گئی۔ اب بس ہچکیوں کے ساتھ رونے کی آوازیں آتی تھیں۔

''کیا ہوا تھا؟۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟'' شیزل چاہتی تھی وہ بولے تاکہ دل کا غبار نکلے۔ اسکی بات پہ زینیا کے جسم میں گویا شرارے دوڑ گئے، وہ شیزل سے دور ہوئی۔ اسکی آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی۔

''یہ سب، عبداللہ کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اسکی آواز میں زمانے کی تکان تھی۔

''اللہ اسے غارت کرے۔ اللہ اسے برباد کرے۔ سب عبداللہ کی وجہ سے ہوا ہے۔'' زور زور سے چیختے ہوئے اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔

''عبداللہ نے مجھے زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑا۔۔اس نے مجھ پہ گواِپ کیا۔۔۔عبداللہ کو اللہ غارت کرے۔۔۔اسے میرے لئے آنا تھا۔عبداللہ میرا تھا، مگر اس نے مجھے چھوڑ کر دنیا کو چنا۔میں نے اسے کتنا بلایا، وہ میرے لئے آسکتا تھا۔اللہ وہ آسکتا تھا۔۔۔اللہ اسے غارت کرے۔۔۔۔یہ سب عبداللہ کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔عبداللہ۔۔سب۔۔غارت۔۔۔''اس کے الفاظ گڈ مڈ ہونے لگے، ذہن پہ پڑا بوجھ بھاری سے بھاری ہوتا گیا۔شیزل برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھی۔پانی کا گلاس اور ایک ٹیبلیٹ اس کے منہ میں رکھی۔زینیا شل سی تھی۔پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا تو آدھا پانی حلق میں گیا تو آدھا اسکی گردن پہ بہہ گیا۔

اگلے کئی لمحوں میں وہ ہوش سے بے گانہ ہوتے ہوئے بیڈ پہ گر چکی تھی۔شیزل نے اسے سیدھا کر کر لٹایا، اس کے پیر جوتوں سے آزاد کروائے، بال سمیٹ کر باندھ دیئے، اور چادر اس کے جسم پہ ڈال دی۔بتیاں بجھا کر وہ اس کے قریب بیڈ پہ آبیٹھی۔آنسوؤں کے نشان، گردن پہ نیل اور بھیگی ہوئی پلکیں۔شیزل کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ہاں اسے شادیوں سے مسئلہ تھا لیکن کوئی شادی اتنی بری کیسے ہو سکتی ہے؟

زینیا سو گئی تھی، شیزل سو بھی نہ سکی۔ایک خراب شادی صرف اس شادی میں رہنے والوں کو **"افیکٹ"** نہیں کرتی۔ایک خراب شادی پورا دائرہ تباہ کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

آسمان آج ابر آلود تھا۔وقفے وقفے سے ہوتی ہلکی ہلکی بوندا باندی نے موسم خوشگوار کر دیا تھا۔آسمان پہ سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔نومبر اسلام آباد میں سردی نہ سہی خنکی ضرور لے آتا ہے۔قیسم کی اوپری منزل پہ قدم رکھو تو شیشے کے سٹوڈیو میں اس وقت

کئی لوگ جمع تھے۔ سنگی مجسموں پہ ٹنگے نئے ڈیزائنز کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے تو میز پہ رکھی اسکیچ بک پہ بنے ڈیزائنز کو آخری ٹچ دیتے ہوئے ڈیزائنرز آج اپنے کام کا BTS(behind the shoot) شوٹ کروا رہے تھے۔ بی قیو پراجیکٹ کے ڈیزائنز منتخب ہو چکے تھے۔ آج سے ایک ماہ بعد ان پہ کام شروع ہونا تھا تاکہ عید تک کام مکمل ہو سکے۔ فوٹو گرافرز کا ایک ہجوم سا تھا، جوان شاہکاروں کی تصاویر اتار رہا تھا۔ چند ایک تھے جو چن لئے جاتے۔ ان سب کے عقب میں دیکھو تو دو پاور چیئرز تھیں، اور ان دونوں پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے قیس کمبیر اور براق حنیف بیٹھے نظر آتے تھے۔ ہاتھ میں کافی کے مگ اور جانچتی نظریں ہر ایک کو اسکین کرتی تھیں۔

''ہم دونوں اپنی اپنی کمپنیز کے سی ای او ہیں۔ یہ معمولی سے فوٹو گرافرز کا کام دیکھنا ہمارا کام نہیں ہے۔'' کافی کا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے براق نے تبصرہ کیا۔

''قیسم کا خاکروب تک میرے اپرول کے بعد منتخب ہوتا ہے۔ یہاں پھر بات مختلف ہے۔'' قیس اب بھی ان فوٹو گرافرز کو دیکھ رہا تھا۔

''ایسا کرو سی ای او مجھے بنا دو۔ اور تم یہاں بیٹھ کر خاکروب کو اپروولز دیتے رہو۔'' سنگی مجسموں کے عقب سے ایک نیا کردار نظر آیا۔ نیلی ہڈ کے ساتھ سیاہ جینز پہنے بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے مہدی سامنے تھا۔ وہ قریب آکر کرسی پہ بیٹھا اور اب ہوا تکون مکمل۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، کافی کے مگ ہاتھوں میں لئے، جانچتی نظروں سے سامنے دیکھتے تین مرد۔ اسی لمحے مہدی کی نظر براق پہ پڑی، وہ فوٹو گرافرز کو کم۔ خواتین ڈیزائنرز کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے تمھیں یہاں فوٹو گرافرز اپروو کرنے بلایا ہے۔ زارا کا ہیئر سٹائل اور، نمرہ کا ہینڈ بیگ نہیں۔''سبز آنکھیں ملامت کر رہی تھیں۔ براق نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''اللہ کا خوف کرو، میں خوف خدا کا مارا انسان ان سب کو ایک اسلامی بھائی ہونے کے ناطے مشورے دے رہا تھا۔''

''ہاں جیسے میں تو تمھیں جانتا نہیں ناں۔ بہت نیک اور اسلامی ہو تم۔'' قیس ان دونوں سے بے نیاز تھا۔

''تمھیں میرے نیک ہونے پہ اتنا شک کیوں ہے آخر؟''اس نے کھٹاک سے مگ میز پہ رکھا۔

''میں سال میں پوری تین نمازیں پڑھتا ہوں۔''

''لیکن عیدیں تو دو ہوتی ہیں۔''مہدی کو اچھنبا ہوا۔ براق آگے کو ہوا۔

''کیا مطلب چودہ اگست کی نماز نہیں ہوتی؟'' براق حنیف پہ تو حیرتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے تھے۔ مہدی نے کھول کر اسے دیکھا، پھر اپنے آدھے پاگل کزن کو جو کسی سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا تھا اور پھر وہ تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ براق صدمے سے باہر آیا تو میز پہ رکھا اپنا لیپ ٹاپ اٹھالیا۔ ای میل میں سارے فوٹو گرافرز کی تفصیلات اور چند تصاویری نمونے تھے۔ بے زاری کے عالم میں تصاویر آگے پیچھے کرتے ہوئے وہ رکا۔

''زینیا حاکم۔'' کی بھیجی گئی تصاویر ایک آرٹ تھیں۔ براق پلک تک نہ جھپک سکا۔ ستائش سے اس کے لب گول ہوئے۔

''زینیا حاکم کون ہے؟''اس نے بے اختیار گردن موڑ کر فوٹو گرافرز کو دیکھا۔ ہر کسی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وہ ایک خبطی عورت ہے۔ اچھا ہوا نہیں آئی۔ میں ویسے بھی اسے کام پہ نہیں رکھتا۔'' آقا بلا خر بولے تھے۔

''کیوں نہیں رکھ سکتے کیا وہ تمہاری گرل فرینڈ کی دوست ہے؟ یا پھر تمہاری ایکس کی بہن؟ دیکھو اگر ایسا ہے تو میں۔''

''میں براق حنیف نہیں ہوں۔'' قیس نے اسکی بات کاٹی۔ ''مجھے کسی کو نوکری سے نکالتے، یا نوکری دیتے وقت یہ نہیں یاد کرنا پڑتا کہ اس کا شجرہ کہیں میری کسی سابقہ معشوقہ سے تو نہیں ملتا۔''

''اس میں ایسی بھی کیا بات ہے۔ سیلف ڈیفنس ہر انسان کا حق ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے گردن سیدھی کی۔ قیس نے سر جھٹکا۔ اور ایک فوٹو گرافر کو اپنے پاس بلایا۔ چند پل بعد وہ اس کے کندھے کے قریب جھکا اسکی لی گئی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ لڑکا پچاسی فیصد قبول کر لیا گیا تھا۔ مگر قیسیم میں آپ کو سو فیصد دینا ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد سٹوڈیو خالی ہو گیا تھا۔ قیس صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا جہاں وہ تصاویر کو زوم کر کر کے دیکھ رہا تھا۔ براق دوسرے صوفے پہ نیم دراز تھا، اور مہدی اس کے پیروں کے قریب بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں چائے کا مگ، اور آنکھیں چھوٹی کیئے قیس کو تکتا ہوا۔ براق نے اپنے پیر مہدی کی گود میں رکھ دیئے۔

''کتنے لوگ فائنل ہوئے؟'' چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''صرف ایک۔ حمد رضا۔''

''اچھی بھلی فوٹو گرافر تھی وہ نوین، اسے کیوں نکالا۔ صرف اس لئے کیونکہ وہ ایک لڑکی ہے۔'' براق کی بات پہ قیس نے سرد آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میں کسی کو نوکری دیتے وقت اسکی قابلیت دیکھتا ہوں، جنس نہیں۔ جس وقت تم اسکی آنکھیں دیکھ رہے تھے، میں اس کا ٹیلنٹ دیکھ رہا تھا۔'' براق کو شاک ہی تو لگا تھا۔ قیس اب بھی سنجیدہ تھا۔

''آفس میں کام کرنے آنے والی عورتیں بھی کسی کی ماں بہن ہیں۔ کیا تم اپنی نظر قابو میں نہیں رکھ سکتے؟''

''کہہ کون رہا ہے زن بیزار مشہور ہو تم۔'' مہدی بس خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

''mysognist ٹھیک ہے۔ لیکن ہراسر تو نہیں ہوں ناں؟'' براق تلملا کر رہ گیا۔ ''اور اپنے علم میں اضافہ کرو، میں نے اسے منتخب کر لیا تھا لیکن وہ تمہاری وجہ سے چلی گئی۔ کوئی عورت تمہاری وجہ سے راستہ بدل رہی ہے۔ تم کون ہو، براق؟''

''ٹھرکتا ہے اور کیا ہے۔'' مہدی نے جملہ مکمل کیا، ہاتھ میں پکڑی کافی براق کے پیروں پہ چھلکائی اور اٹھ گیا۔ براق سسک اٹھا۔ اسے براق جیسے مردوں سے سخت چڑ تھی۔ جو اکیلی اور خود مختار عورت کو موقع سمجھتے تھے۔ اگلے کئی لمحے براق شرمندہ سا بیٹھا رہا۔ پھر قیس نے اسے موبائل پہ ایک کال کرتے ہوئے دیکھا۔

''حمد رضا، زینت فہیم، اور زینیا حاکم منتخب ہیں۔'' اس نے فون کان سے جدا کیا تو قیس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے زینیا حاکم کا ٹرائل نہیں لیا۔''

''اس کی ضرورت تھی کیا۔؟'' گہری سانس لے کر کندھے اٹھائے۔

''تم اسے نہیں رکھنا چاہتے تو نہ رکھنا، میری وجہ سے ایک ٹیلنٹ ضائع ہوا اب دوسرا میں بچا لوں گا۔'' ایک عزم سے کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا تھا۔

"ابھی اسے جانتے نہیں تم، وہ کھڑے کھڑے تمہیں ضائع کر دے گی۔" قیس بڑبڑاتے ہوئے اپنے کام میں لگ گیا۔ اسے نہیں فرق پڑتا کسی زینیا حاکم سے۔ ہاں مگر وہ اسے کال کر کے پوچھ لینا چاہتا تھا کیا سب ٹھیک ہے؟

دوسری طرف براق اپنی زندگی میں پہلا اچھا کام کر چکا تھا۔ کیا تم سب مجھ سے متفق ہو؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دکھ کے پانچ درجے۔

"انکار۔۔۔"

تین نومبر۔ رات دو بجے۔

اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑی زینیا حاکم کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ کل سے بخار میں پھنک رہی تھی۔ جسم اب بھی تپ رہا تھا، اور نقاہت ایسی تھی کہ اس سے اٹھا نہ جاتا تھا۔ خود پہ جبر کئے وہ اپنے پیروں پہ کھڑی تھی۔ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ گردن پہ پڑے نشان اب بھی واضح تھے۔ تھوڑی دیر بعد کوئی ہیولہ سا اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے زینیا کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ایک بھاری ہاتھ تھا۔

"میں نے جھوٹ کہا تھا۔ میرے بیٹے امریکا میں نہیں رہتے۔" افروزہ بیگم کی آواز ہلکی تھی بے حد ہلکی۔

"میرے شوہر نے مجھ پہ بد کرداری کا الزام لگا کر مجھے طلاق دے دی۔ اور میرے بیٹے مجھے قصوروار مانتے ہیں۔ میں آج تک گریف کے پہلے حصے **"انکار"** میں ہوں۔ تم اس سے نکل آنا پلیز۔" آخری لفظ گویا التجا ہو۔

''میں نے آج تک یہاں کسی لڑکی کو نہیں مارا، لیکن تمہاری فکر اتنی تھی کہ مجھے خود پہ اختیار نہ رہا۔'' ان کے لہجے میں معذرتی تاثر تھا۔

زینیا کچھ نہ بولی وہ چند لمحے مزید اس کی قریب کھڑی رہیں، پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتی واپس چلی گئیں۔

''بالاج میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس کے لب دھیرے سے پھڑ پھڑائے۔ سرد ہوا کے جھونکے اس کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر پلٹ رہے تھے۔ مگر وہ جیسے بے حس ہو چکی تھی۔

ہر احساس سے انکاری، ہر قسم کے محسوسات سے انکاری۔

''غصہ''

دس نومبر، رات آٹھ بجے۔

سیاہ رنگ کی لمبی قمیص شلوار کے ساتھ میرون رنگ کی شال کندھوں پہ پھیلائے اس کے شہد رنگ بال کندھوں پہ بکھرے تھے۔ الجھی لٹیں چہرے کے گرد جھول رہی تھیں۔ چہرہ زرد تھا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے ڈائننگ ہال میں بیٹھی ایک ایک لڑکی کو تک رہی تھی۔ پھر غائب دماغی سے کھانا کھانے لگتی۔ کئی بار وہ ہتھے سے اکھڑ جاتی تھی جسے شیزل اور باقی لڑکیاں برداشت کئے ہوئے تھیں۔

''سلاد پاس کرنا، زینیا۔'' زہرہ نے شائستگی سے اسے پکارا۔ زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر سلاد کا ڈونگا اٹھا کر پوری قوت سے فرش پہ دے مارا۔

''کیا میں تمھارے باپ کی نوکر ہوں یا میں یہاں تمھارے کام کرنے آئی ہوں؟''اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔ جسم کانپ رہا تھا۔شدت غیض سے اس کے اعصاب بری طرح بے قابو ہونے لگے تھے۔زہرہ اسکی حالت سے واقف تھی سوچپ رہی۔شیزل اس کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ لے جارہی تھی۔ کمرے میں لاکر اسے بیڈ پہ بٹھایا، پانی کا گلاس بھر کر دیا۔زینیا نے گلاس کو بھی دیوار پہ دے مارا۔اس کا بس نہیں چلتا تھا ہر چیز تہس نہس کردے۔شیزل نے ایک اور گلاس بھر کر اسے دیا۔زینیا نے وہ گلاس بھی دیوار پہ دے مارا۔ وہ باقاعدہ غصے سے کپکپارہی تھی۔

''کیا ہوا ہے،زینم؟تم ایسی تو نہیں تھیں۔''اسے برا لگا تھا نہ جانے کیوں۔

زینیا نے سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔یکایک آنکھوں میں پانی بھر گیا۔اور پھر بے اختیار آنسو بہنے لگے۔اسے کسی احساس پہ کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔

''مجھے خود پہ غصہ آرہا ہے۔مجھے ساری دنیا پہ غصہ آرہا ہے۔کوئی زینیا کو دھوکہ کیسے دے سکتا ہے، کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور کو کیسے چن سکتا ہے؟''

''انسان عقل کل نہیں ہوتے،زینیا۔۔۔تم۔''وہ اسے وہی بات سمجھانا چاہ رہی تھی جو زینیا نے ساری عمر نہیں سمجھی تھی۔

''دفع ہو جاؤ۔۔جاؤ یہاں سے۔''وہ حلق کے بل چیخی تھی۔شیزل چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی تھی۔زینیا نے دانت دانتوں پہ جمالئے۔

غصہ اسے سخت غصہ آرہا تھا۔

”سودے بازی۔“

نومبر تیرہ، رات آٹھ بجے۔

بالکنی کی ریلنگ کے ساتھ لگ کر بیٹھی وہ بار بار اپنا موبائل کھول کر دیکھ رہی تھی۔ کبھی انسٹا گرام کے ڈی ایمز چیک کرتی، کبھی واٹس ایپ کھول لیتی۔ کال لاگ چیک کرتی، میسجز کا خانہ کھنگال لیتی۔ کچھ ہوتا تو ملتا۔ کوئی پیغام بھیجا گیا ہوتا تو اس تک آتا بھی۔

وہ بار بار بالاج کا سٹیٹس چیک کرتی مگر خالی۔ سٹوریز دیکھتی تو کوئی پیغام نہیں۔ ای میل پہ کوئی لمبا معذرتی پیرا گراف نہیں۔ نہ جانے کیوں یقین سا تھا کہ وہ اسے کال کرے گا۔ وہ اس سے کہے گا کہ بالاج غلط تھا اور زینیا سہی۔ جب وہ اسے میسج کرے گا تو زینیا جواب نہیں دے گی۔ یا شاید اسے بہت کچھ سنا دینا بہتر ہو گا؟

وہ کال کرے گا تو رونا نہیں ہے۔ وہ ای میل بھیجے گا تو دیکھ کر جواب نہیں دینا۔ سودے بازی سب سے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ جنگ دل اور انسان کی ہوتی ہے۔ اور جنگیں ہمیشہ تباہی ساتھ لاتی ہیں۔

سر کو گھٹنوں پہ گرائے وہ ایک بار پھر نم آنکھوں سے فون کو تکنے لگی تھی۔ زینیا حاکم پہ زندگی ظالم تھی۔

”ڈپریشن“

نومبر پندرہ، دوپہر دو بجے۔

آج ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی۔ شیزل کے بے حد اصرار پہ وہ اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔ سرمئی رنگ کی پیروں کو چھوتی اسکرٹ کے اوپر نیلے رنگ کا منی کوٹ پہنے اس کے بال جوڑے میں بند تھے۔ گردن کے نشان اب مندمل ہو چکے تھے۔ آنکھیں

اب بھی خشک اور مردہ تھیں۔اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ ایک خول میں بند تھی۔اور شیزل کو اس کی یہ خاموشی کھٹک رہی تھی۔اس وقت وہ دونوں ایک بڑے سے ہال میں بیٹھے تھے۔ جہاں نیم تاریکی تھی۔اسٹیج پہ ایک خوش شکل لڑکا تھا جس کے ہاتھ میں مائیک تھا۔اس کے عقب میں ایک بینر لگا تھا۔

Laugh with salman

یہ ایک اسٹینڈ اپ کامیڈی شو تھا۔اسٹیج پہ کھڑے لڑکے کی کسی بات پہ سارا ہال قہقہے مار کر ہنس رہا تھا۔ہنسی کی اس جلترنگ کے بیچ کوئی تھا جو سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔یکدم ہنسی کی آواز تھم گئی۔اسپاٹ لائٹس کا رخ اسکی جانب ہوا اور پھر سارے ہال نے اس دراز قد لڑکی کو سسکیوں کے ساتھ روتے دیکھا۔وہ رو رہی تھی بہت بری طرح رو رہی تھی۔ شیزل اسے رونے دے رہی تھی۔ڈپریشن میں مبتلا انسان کو جگہ نہیں دکھتی کسی سڑک، ہسپتال، گھر، کالج کسی بھی جگہ انہیں اکیلا پن محسوس ہوتا ہے اور وہ رد عمل دینے لگتے ہیں۔

اگلا منظر پارک کا تھا۔ صبح سویرے نیلے ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ کھلا ٹراؤزر اور شال لپیٹے وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی۔ مگر یہ منظر آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔اگلے ہی لمحے اسے ہر شے سے بے زاری ہونے لگی۔اس نے آس پاس دیکھا، درخت جو ٹھنڈک کا احساس دے رہے تھے اب دم گھونٹنے لگے تھے۔اسے ہر شے سے بے زاری ہوئی، خود سے، اپنے ارد گرد سے، اپنے وجود سے، ایک لمحے کے اندر اندر اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

وہ ہاسٹل کے کمرے میں کھڑی شیزل پہ چیخ رہی تھی، الزام دے رہی تھی۔ اسے ساری دنیا اپنی دشمن لگ رہی تھی۔ اسے لگا تھا ہر کوئی اس پہ رحم کھاتا ہے۔

لان میں کھڑی وہ روتے ہوئے شیزل سے معافی مانگ رہی تھی۔ اسے لگتا تھا سارا قصور اس کا ہے۔ وہ بری ہے اضافی ہے۔ اسے مر جانا چاہیے۔ یا پھر شیزل کو اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اسے اکیلے رہنے سے خوف آ رہا تھا۔

بیڈ پہ چت لیٹے اسے آج بغیر کچھ کھائے دوسرا روز تھا۔ اسکا معدہ بھرا ہوا تھا۔ بھوک لگتی تھی تو کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چار لوگوں کا کھانا اکیلے کھا جاتی تھی۔ اسکی روٹین منتشر ہو چکی تھی۔ ڈپریشن صرف ذہن نہیں معدے پہ بھی اثر ڈالتا ہے۔

کتابیں اپنے سامنے رکھے اس سے فوکس نہیں ہو پا رہا تھا۔ دماغ کہیں دور تھا۔ ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی تھی۔ وہ اوور تھنکر تھی لیکن اب حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔

ہاسٹل میں وہ بس اپنے کمرے میں بند رہنے لگی تھی۔ اسکی طبیعت عجیب سی ہو گئی تھی۔ ہر گزرتے دن وہ مزید چڑچڑی ہوتی جا رہی تھی۔

جائے نماز پہ بیٹھے ہوئے اسے آیات بھول گئیں تو اس نے دوبارہ نماز پڑھنے کی کوشش نہ کی۔ گلٹ حد سے سوا ہونے لگا۔ وہ اچھی انسان نہیں تھی۔ اچھی مسلمان نہیں تھی۔ اسی لئے تو اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔ ہر الزام کبھی وہ خود کو دیتی کبھی دنیا اور کبھی بالاج کو۔

کئی دن بعد آج وہ باہر لان میں آکر بیٹھی تھی۔افسردہ نگاہیں گھاس پہ جمی تھیں۔اسی پل اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو افروزہ بیگم اسے کسی آدمی کے ساتھ کھڑی نظر آئیں۔ یہاں سے نظر آتا تھا کہ وہ اسے سوئچ بورڈ کے متعلق کچھ بتا رہی تھیں۔زینیا نے اپنا ذہن دوسری طرف بھٹکا لیا۔ تھوڑی دیر بعد اندر کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر بھٹکی تو الیکٹریشن لڑکا اسے مائیکروویو اوون کو کھولتا نظر آیا۔اس کے انداز میں جارحیت تھی۔زینیا برق رفتاری سے اس کے قریب آئی اور ایک جھٹکے سے مشین اس کے سامنے سے ہٹائی۔

''مشینیں اپنے ساتھ سختی کرنے والوں کے ساتھ سخت ہو جاتی ہیں۔'' صاف دوٹوک لہجہ۔ کئی دن بعد وہ بولی تھی۔افروزہ بیگم نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔لڑکا بھی اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کام تو کرنا ہے ناں، زینیا۔ یہ نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟'' انکی نظریں چیلنج دیتی تھیں۔زینیا نے ٹھہر کر انہیں دیکھا۔اس کی آنکھوں کا اعتماد غائب تھا۔ گردن کا سریا ندارد۔

''آپ۔۔ کہیں تو۔۔ آپ کہیں تو میں کر دیتی ہوں۔'' اس نے خود کو بولتے سنا۔اعتماد ڈگمگا رہا تھا۔الفاظ ٹکڑوں کی صورت حلق سے برآمد ہو رہے تھے۔اگلے کئی لمحات میں اس کے پاس مشینوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔

''زینیا پلیز میرے اسٹریٹنر کی چارجنگ پن ٹھیک کر دو۔''

''زینی یار واشنگ مشین کو بھی دیکھ لینا۔''

''اوپر والی منزل کے بلب بدلنے ہیں۔ ساتھ میں کریں۔؟'' متعدد آوازیں تھیں۔ کئی خوش گوار لہجے۔ وہ بس سر ہلاتی جاتی تھی۔ شام تک اس کے ہاتھ تھک چکے تھے۔ مگر دل ہلکا تھا۔

انسان کو ڈپریشن، مصیبت، تکلیف اور مایوسی سے صرف ایک چیز واپس لا سکتی ہے۔ اس کا محبوب شوق۔

''قبولیت۔''

انتیس نومبر، شام سات بجے۔

اس نے بالاج کا فیسبک کھولا۔ فرینڈ لسٹ کھولی سب سے اوپر ایک لڑکی کا اکاؤنٹ تھا۔ وہ اس ایک ماہ میں ایک ہزار مرتبہ اس اکاؤنٹ کو دیکھ چکی تھی۔ وہ اسے اسٹالک نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ اسے خوف آتا تھا۔ اسے تباہی کے دہانے سے ڈر لگتا تھا۔ لیکن آج نہ جانے کیوں کانپتی انگلیوں سے اس نے اکاؤنٹ کھولا۔ دل بے حد تیز دھڑک رہا تھا۔ پروفائل پکچر پہ ایک مردانہ اور ایک زنانہ ہاتھ تھا۔ مرد نے عورت کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ زینیا کو کچھ محسوس نہ ہوا۔ اسے حیرت ہوئی۔ ہاں البتہ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

اسے لگا تھا وہ گر جائے گی مگر وہ کھڑی تھی۔ اسے لگا تھا سانس بند ہو جائے گی مگر وہ چل رہی تھی۔ لرزتی انگلیوں نے اب سکرین پہ آگے کی تصاویر کھولیں۔

وہ دونوں دبئی میں تھے۔ برج الخلیفا ان کے عقب میں تھا۔ لڑکی مسکرا رہی تھی۔ بالاج بھی ہلکا سا مسکرایا تھا۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا۔ اس نے کمنٹس چیک کیئے، اس نے آگے کی تصاویر دیکھیں اس نے پورا اکاؤنٹ کھول کر دیکھ لیا تھا۔ ہر جگہ بالاج اس لڑکی کے ساتھ تھا۔ نہ اس کا دل پھٹا نہ دھڑکن رکی۔ شور تھم گیا تھا۔ جذبات ساکن ہوئے۔

ایک ویڈیو میں زینیا نے اسے اپنے شوہر کی سنگت میں ایک لمبی سی گاڑی کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ بالاج کے سہارے چل رہی تھی۔ زینیا کو اس سے حسد ہوا، رشک آیا، جلن ہوئی، خوشی بھی ہوئی۔ آنسو قطار کی صورت اسکی آنکھوں سے بہنے لگے۔ کئی بار یوں لگتا ہے جیسے یہ طوفان سب بہالے جائے گا مگر کئی بار تباہی بس ایک الوژن ہوتی ہے۔ جسے چھو لو تو غائب ہو جاتی ہے۔

''بالاج کبھی اس کا ایسے خیال نہیں رکھ سکتا۔'' اس نے قبول کیا۔

''بالاج کبھی اس کا سہارا نہیں بن سکتا،'' اس نے قبول کیا۔

''وہ کبھی بھی اس کے مسکرانے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ بالاج اب کبھی اس کا نہیں بن سکتا۔'' اس نے سب قبول کیا۔

وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر عورت کے پاس تھا۔ اس نے قبول کیا۔ سب قبول کیا۔ سب۔



یکم دسمبر اپنے ساتھ اچھی خاصی سردی لے آیا تھا۔ کل رات ہونے والی ٹھنڈی ٹھار بارش نے سارے شہر کو جل تھل کر دیا تھا۔ گو کہ نکاسی آب کا انتظام اچھا تھا۔ مگر سڑکیں اب بھی گیلی تھیں۔ درختوں کے پتے اپنے اوپر قطروں کا وزن لئے ہوئے تھے۔ قیسم کی عمارت بھی بارش سے بھیگ گئی تھی۔ سفید اوور کوٹ کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہنے، پیروں میں اونچی سرخ ہیلز اور بالوں کھلا چھوڑے شیزل سیمسن قیسم کی راہداریوں میں قدم اٹھا رہی تھی۔ انگلیوں میں آج مختلف انگوٹھیاں تھیں۔ سیاہ چمکدار بال اس کے چلنے سے لہرا رہے تھے۔ کندھے پہ ٹنگا سفید بیگ اس کا ہم قدم تھا۔ قیس کمبیر کے آفس کے باہر رک کر اس نے ہیل سے ایک دو بار

دروازہ بجایا۔ پاور چیئر پہ بیٹھا قیس ہلکا سا مسکرایا تھا۔ شیزل اپنے حساب کی دستک دیتی اندر داخل ہوئی تو قیس نے سر نہ اٹھایا۔ وہ بغیر کسی دعوت کے اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کو فارمیلٹیز کی ضرورت نہیں تھی۔

''کافی یا پھر کافی؟'' وہ فون کریڈل سے اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

شیزل نے سوچنے کی اداکاری کی۔

''کافی نہیں بس کافی۔'' ایک ادا سے کہتے ہوئے اس نے میز پہ دھرا اپنا موبائل اٹھالیا۔

''وائرس بھی آرہا ہے۔ کیا خیال ہے ایک اور کافی۔؟'' اس نے ہنوز فون کان سے لگا رکھا تھا۔ شیزل کے تاثرات میں کڑواہٹ گھلی۔

''اگر وہ آرہا ہے تو کافی اور کافی کے ساتھ زہر۔ ورنہ کوکیز پلیز۔''

آرڈر دے کر اس نے فون واپس کریڈل پہ رکھا۔ اور اب کے پوری طرح سے اسکی جانب متوجہ ہوا۔ سرمئی تھری پیس میں ملبوس، بالوں کو پیچھے کی طرف سیٹ کئے ہلکی داڑھی والا مرد آج اچھا لگ رہا تھا۔

''مجھے فیور چاہیے قیس۔'' اس آواز پہ قیس کے آفس کا دروازہ کھولتا براق ٹھٹھک کر رکا۔

''کیا کبھی انکار کیا ہے۔؟''

''ہیں ہیں ہیں؟ یہ اندر کیا ہو رہا ہے۔'' جاسوس براق حنیف کے کان کھڑے ہونے لگے۔ آفس بوائے اسے یوں دیکھ کر رکا، اس کے ہاتھ میں ٹرے تھا۔ براق نے جھلا کر ہاتھ ہلایا۔

''کیا براق کو شادی کے لئے منانا ہے۔؟''

''وہ تو سہرا باندھ کر گھوم رہا ہے۔ شیروانی آرڈر پہ تیار کروا چکا ہے۔۔۔۔''

''جوتے اور ویڈنگ رنگ میں گفٹ کر دوں گا۔ پھر ہم بات پکی سمجھیں۔؟'' قیس کی آواز پہ دروازے کے باہر کھڑا براق مسکرایا تھا۔ یہ الو ہی مسکراہٹ تم نے پہلی بار دیکھی ہو گی۔ وہ دروازے کے ساتھ مزید چپک گیا۔ آفس بوائے چیزیں رکھ کر پلٹ گیا۔

''لیکن کیا ہے ناں وہ میرا ٹیسٹ نہیں ہے۔ نرا گدھا ہے گدھا۔'' وہ نخرے سے بولی تو براق کے سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ اس نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔

''پھر تمہارا ٹیسٹ ملا کہ نہیں۔؟'' قیس کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔ براق کا گلا خشک ہونے لگا۔ شیزل مسکرائی۔

''کیا پتہ مل چکا ہو۔؟'' وہ پر اسرار ہوئی۔ اور اب براق حنیف کی بس ہو چکی تھی۔ وہ دروازہ دھاڑ سے کھولتا اندر آیا۔

'' بلکل مل چکا ہو گا۔ اسلام آباد کی سڑکوں پہ کئی آوارہ، بد تہذیب جانور گھوم رہے ہیں۔'' سرد لہجہ۔

''تمہیں ناک کر کے آنا چاہیے تھا۔'' قیس کے آداب جاگے۔ شیزل مسکراتی رہی۔ اس نے چہرہ ہتھیلی پہ گرایا۔

''ان آوارہ، بدتہذیب اور جنگلی جانوروں کا رہنما تو یہاں کھڑا ہے۔آہ براق تم اپنے گروہ کو اکیلا چھوڑ آئے۔'' معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''لوسفر اس فنگس سے کہو مجھ سے تمیز سے بات کیا کرے۔'' براق دانت پیس کر بولا۔ قیس نے کافی کا گھونٹ لیا سنجیدگی سے شیزل کو دیکھا۔

''بلکل اسے عزت دیا کرو ملکہ۔ بات شروع کرتے وقت دو گالیاں اور بات ختم کرتے ہوئے چار گالیاں۔بس اتنا ہی تو مانگتا ہے ہمارا وائرس۔''شیزل نے اپنی مسکراہٹ دبائی جبکہ براق کو تو صدمہ ہی لگا تھا۔

''تم میرے دوست ہو میرے۔ایک لڑکی کی خاطر تم دوست کو بے عزت کرو گے۔؟'' یہ بات عربی میں بولی گئی۔

''بے عزت وہ ہوتے ہیں جنکی کوئی عزت ہو۔'' قیس کے کچھ کہنے سے قبل وہ بول پڑی۔ساتھ ہاتھ اٹھا دیئے۔

''no offense''

''اللہ میرے اللہ مجھے صبر دے۔ صبر دے مجھے۔''وہ برداشت کی آخری حدود کو چھو رہا تھا۔

''ساتھ ساتھ عقل بھی۔''شیزل نے لقمہ دیا۔

''اور تھوڑی سی غیرت بھی۔'' قیس نے اپنا حصہ ڈالا۔اب کے براق کچھ نہ بولا۔دونوں بازو سینے پہ باندھے وہ کسی روٹھے بچے کی طرح گلاس وال کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔یہ اشارہ تھا کہ وہ ناراض ہے۔شیزل نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی پھر اپنا سفید بیگ اٹھاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔ہاتھ میں تین چار کو کیز بھر لئے۔

''بیٹھو تمہیں تو فیور چاہیے تھا۔''شیزل نے ایک نظر قیس کو دیکھا۔ پھر براق کو۔

''میں تمہیں ٹیکسٹ کر دوں گی۔ زرا پرائیویٹ بات ہے۔'' براق کے کان کھڑے ہوئے۔

''ہمارے درمیان راز کب سے آنے لگے؟'' براق کو برا لگا تھا۔ ٹھیک ہے وہ تینوں دنیا جہاں کے فراڈ تھے۔ لیکن ان تینوں کے درمیان راز یہ تو ناممکنات میں سے تھا۔ شیزل نے سر جھٹکا۔

''اچھا ایک بات بتانی تھی۔'' قیس کی آواز پہ دروازے تک جاتی شیزل ٹھہر گئی۔

''تمہاری روم میٹ زینیا حاکم کو براق نے فوٹو گرافی کے لئے سلیکٹ کر لیا تھا۔ بغیر کسی ٹرائل کے۔ لیکن وہ ایک ماہ سے غائب ہے۔''

''تم اس کے ساتھ کام نہیں کر سکو گے قیس۔ اچھا ہوا تمھارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔'' اس نے ایڑھیوں پہ گھوم کر براق کو دیکھا۔

''وہ تمھارے ٹائپ کی نہیں ہے۔ اس سے دور رہو۔'' سرد سی وارننگ۔

''کیا مطلب ہے میرے ٹائپ کی نہیں ہے؟ وہ بی قیو کے لئے کام کرے گی میں۔۔۔''

''ہمارے درمیان راز کب سے آنے لگے وائرس؟ کیا میں نہیں جانتی تم لڑکیوں کو کس بنا پہ نوکری دیتے ہو۔؟'' براق کو لگا وہ ہل نہیں سکے گا۔ شیزل جا چکی تو اس کے حواس واپس آئے۔ قیس محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس کی تو ایسی کی تیسی۔ اب میں خود اس لڑکی سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔ اور اسے دوبارہ جاب آفر کروں گا۔ یہ فنگس خود کو سمجھتی کیا ہے؟'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی سیکریٹری کو کال ملانے لگا تھا۔ ضد پہ اڑ گیا تھا وہ بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج پورے ایک ماہ بعد وہ یونیورسٹی کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے سراپے پہ ڈالی۔ مٹیالے اوور کوٹ کے ساتھ سیاہ ٹراؤزر پہنے، بالوں کو آدھا کیچر میں باندھ کر باقی آدھے کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ چہرے کے زخم اب مندمل ہو چکے تھے۔ گردن کے نشان غائب۔ مگر دل کا کیا؟ جہاں زخم بھی تھے۔ گھاؤ بھی۔ اور درد بھی۔ قبولیت بس ایک ٹھہراؤ لاتی ہے، آپ کا درد آپ کی تکلیف اور ٹراما ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کے چہرے پہ رعب اور سنجیدگی ہمیشہ رہتی تھی، مگر اس ایک ماہ نے اس کے چہرے پہ افسردگی کے رنگ بھی پھیلا دیئے تھے۔ سر پہ اسکارف لپیٹے، پیروں میں اسنیکرز پہن کر وہ باہر نکلی تو یخ بستہ ہواؤں نے اسے ٹھٹھرنے پہ مجبور کر دیا۔ بیگ کو کندھے پہ درست کرتی وہ سڑک کنارے چھوٹے چھوٹے قدم لینے لگی۔ بے اختیار اسے وہ رات یاد آئی جب اس سے سمت کا تعین کرنا مشکل ہو چلا تھا۔ زینیا نے سر جھٹکا۔ اس وقت نہیں بس اس وقت کوئی تکلیف نہیں۔

یونیورسٹی میں معمول سے ہٹ کر چہل پہل تھی۔ شروع کی دو کلاسز لینے کے بعد وہ باہر بنچ پہ آ بیٹھی۔ وہ خوبصورت تھی اس میں شک نہیں تھا۔ مگر اس سوگواریت نے لوگوں کو ٹھہر کر اسے دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ یونہی کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ مہدی کمبیر نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیسی ہیں سرکار؟'' وہ بنچ کے دوسرے سرے پہ آبیٹھا۔

''مجھے سرکار مت کہا کریں۔'' سپاٹ لہجہ۔

''ٹھیک ہے پھر۔ جو حکم عالی جاہ۔''

''مجھے عالی جاہ بھی مت کہا کریں۔''

''اوکے پھر محترمہ۔ حاکم صاحبہ۔'' وہ بڑی آسانی سے اسکی ہر بات مان رہا تھا۔

''مجھے حاکم صاحبہ بھی مت کہیں۔''

''ٹھیک ہے، ڈائن۔ ٹھیک ہے۔'' یکدم وہ جل کر بولا۔ زینیا نے گردن موڑ کر اسے ایک نظر دیکھا۔ مہدی کو حالات کی سنجیدگی کا ادرک ہو چکا تھا۔ اس نے منہ پہ انگلی رکھ لی۔ تھوڑی دیر خاموشی کی نذر ہوئی۔ پھر مہدی نے گلا کھنکار کر اسے پکارا۔

''کیا تم ٹھیک ہو؟''

''آپ یہ سب پوچھنے والے کوئی نہیں۔'' ٹکا سا جواب۔ مہدی نے گہری سانس بھری۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''پانچ منٹ بعد ایک انٹرنیشنل سیمینار شروع ہونے والا ہے۔ عورتوں کے حقوق اور طلاق کے بعد کے مسائل پہ آج میں بات کرنے والا ہوں۔ میں ہال میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' وہ بول کر رکا۔ اسے زینیا کی جانب سے کچھ کہے جانے کی امید تھی۔ وہ کچھ نہ

بولی تو مہدی چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ زینیا کو کوفت ہوئی۔ کیا وہ تھوڑی دیر بیٹھ نہیں سکتا تھا؟ اسے اب تنہائی سے کوفت ہونے لگی تھی۔

قریباً دو گھنٹے بعد بس اسٹینڈ پہ بیٹھی زینیا کو کوئی اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ مہدی کے چہرے پہ ہلکا سا شکوہ تھا۔ بس اسٹینڈ پہ بس ان کے علاوہ دو ہی اور لوگ تھے۔ بس آنے میں کافی وقت تھا، اور وہ یہ وقت مہدی کے ساتھ نہیں گزارنا چاہتی تھی سو بیگ اٹھا کر آگے کی طرف بڑھنے لگی۔ لوگوں نے مہدی کو دیکھا تو تصاویر کے لئے اسکی طرف دوڑے۔ وہ جلد از جلد ان سے جان چھڑوا کر اسکے پیچھے گیا۔

''میں نے تمہارا انتظار کیا تھا۔ تمہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ اس کے عقب میں قدم اٹھاتے ہوئے آ رہا تھا۔ اسے وہ رات یاد تھی۔

''ہر بات پہ ضد اور انا اچھی نہیں ہوتی۔ میں وہاں تمہیں تمہارے فائدے کے لئے بلا رہا تھا۔ شادی شدہ زندگی میں بہت سارے مسائل آتے رہتے ہیں تم۔۔'' اسے لگا شاید زینیا اور اس کے شوہر کے درمیان کچھ مسائل ہیں۔

''اپنی بکواس بند کرو، مہدی کمبیر۔'' سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی زینیا حاکم زور سے چیخ پڑی تھی۔ اس کے چہرے پہ برہمی تھی، آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''جاننا چاہتے ہو میں کیوں نہیں آئی؟ کیونکہ تم جھوٹے ہو۔ تم مکر کرتے ہو فریب کار ہو تم۔'' وہ اس کے قریب کھڑے ہو کر ایک ایک لفظ پہ زور دے رہی تھی۔

''تم صرف اچھا بننے کی اداکاری کرتے ہو۔ حقیقت میں تم میرے جیسے ہو۔ سیاہ۔'' آخری لفظ سرگوشی جیسا تھا۔

''تم وہی ہو جس نے اپنے دوست کو اپنے ہاتھوں سے مروایا۔ ہاں تم جانتے تھے وہ یونانی اسے مار دیں گے۔ تم سب جانتے تھے۔'' مہدی کی رنگت فق ہوئی۔ اسے لگا وہ اب کبھی حرکت نہیں کر سکے گا۔

''میں نہیں آئی کیونکہ تم اسٹیج پہ کھڑے ہو کر جھوٹ بولتے ہو۔ کیونکہ تم مکار ہو۔ تم خود تباہی کے دہانے پہ ہو اور تم ہمیں بچانا چاہتے ہو۔ تمہیں لگتا ہے تم ہمیں بچا پاؤ گے؟'' مہدی کے سینے پہ دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا تھا۔ اسکی آنکھوں میں شاک تھا۔ یہ وہ زینیا نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔

''تم نے کہا تھا باؤنڈری بناؤ میں نے بنائی تھی۔'' یہ غصہ نہیں تھا یہاں اس کے لہجے میں کرب تھا۔

''تم نے کہا تھا قبولیت کے درجے پہ آؤ میں آئی تھی۔ لیکن میرے اندر کی تکلیف اب بھی ویسی ہے۔ میرا دل اب بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ میں ہیل نہیں ہوئی۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔'' اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آج کل وہ بات بے بات یونہی رونے لگ جاتی تھی۔

''تم کہتے ہو میں تمہیں سننے آؤں؟ کیوں آؤں میں؟ تم مکار ہو، جھوٹے ہو۔ میں نے آج تک تم سے بڑا کوئی جھوٹا نہیں دیکھا۔ تم۔۔'' وہ بولتے بولتے ہانپ گئی تھی۔ ہاں مگر ایک ماہ کی ازیت ایک پل میں باہر نکلی تھی۔ دل پہ پڑا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد اسے لگا تھا اس کا بھی کوئی وجود ہے۔ مہدی کی آنکھوں میں بس فکرمندی تھی۔

''میں تمہیں سمجھ سکتا ہوں تم۔۔''

''تم مجھے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تمہاری کبھی طلاق نہیں ہوئی۔''الفاظ تھے کہ کیا مہدی اپنی جگہ جامد ہو گیا۔''تم کبھی بھی کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ میرے شوہر نے دوسری شادی کرلی۔ تم سمجھ سکتے ہو کوئی تمہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کو چن لے۔ تم تیسرے کا درد جانتے ہو؟''مہدی سن ہو گیا۔اسے بے اختیار انیسہ یاد آئی۔اسے رد ہونا یاد آیا۔اسے اپنے دل میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔آنسوؤں نے اس کے چہرے کو گیلا کر دیا تھا۔

''میرے شوہر نے مجھے طلاق دے کر کسی اور عورت کو چن لیا۔اور میں کیا کروں مجھے بتاؤ؟تم اپنی سپیچ میں مجھے کیا بتاتے؟صبر؟میں نہیں کرنا چاہتی۔

موو آن؟مجھ سے ہو نہیں رہا۔سب بھول کر آگے بڑھنے کی کوشش؟بے کار ہے۔بتاؤ مہدی کمبیر کیا ہے تمہارے پاس میرے لئے۔کیا ہے جو میری تکلیف کو کم کر سکے۔میں اس وقت تباہی کے دہانے پہ ہوں۔کیا تم مجھے واپسی کی راہ بتا سکتے ہو؟''وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔مہدی اب تک **"طلاق"** لفظ کو پراسیس نہیں کر سکا تھا۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔کتنے ہی لمحے خاموشی رہی،کتنے ہی ثانیے بعد اس نے مہدی کی آواز سنی۔

''دہانوں کا ایک المیہ ہوتا ہے،زینیا حاکم۔''مہدی کا برف لہجہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔

''وہاں آپ تنہا ہوتے ہیں۔اکیلے۔بے بس۔واپسی کی راہ آپ ہی جانتے ہوتے ہیں کیونکہ وہاں جانے والے آپ تھے۔دہانے کے آگے کی گہری کھائی سے بھی صرف آپ واقف ہوتے ہیں۔کیونکہ وہاں آپ کی ہی نظر ہوتی ہے۔تمہاری واپسی کا تعین تمھارے اپنے قدم کریں گے۔یہاں مہدی کمبیر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''وہ ایک پل کو رکا۔

''جس طرح تم نے میری مدد نہیں کی تھی۔''

اور پھر وہ چلا گیا تھا۔ زینیا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ مہدی خود کو ایک پچھلے منظر میں دیکھ رہا تھا۔ اس کا دہانہ اور اسکی واپسی۔ کیا تم بھی دیکھنا چاہو گے؟

☆☆☆☆☆☆

''موجودہ دن سے سترہ دن پہلے۔''

پندرہ نومبر، رات آٹھ بجے۔

شاہانہ سے شادی ہال کی ساری بتیاں جل رہی تھیں۔ فرش سے لے کر چھت تک، کھانے سے لے کر سجاوٹ تک غرض کہ ہر شے پہ پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ زرق برق لباس پہنے خواتین و مرد یہاں سے وہاں آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ سفید پردے سے ڈھکی ایک چوکور میز کے گرد کمبیر ز بیٹھے تھے۔ سیاہ شلوار قمیض کے اوپر سیاہ ہی کوٹ پہنے قیس۔ سیاہ تھری پیس والا مہدی اور سیاہ شلوار قمیض والے مقصود کمبیر۔ جو کہ ہر ملنے والے کو مختصر جواب دے رہے تھے۔ گردن میں گویا سریا فٹ تھا۔ یہ مہدی کے بیسٹ فرینڈ اور کمبیر خاندان کے فیملی فرینڈ کی شادی تھی۔ ورنہ اتنے سارے کمبیر شاذو نادر ہی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔

''بختیار، انیسہ کے رشتے کی بات چلا رہا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔؟'' مقصود نے کہتے ہوئے سگار کو شعلہ دکھایا تھا۔ مہدی کی انگلیوں کو شدت سے طلب ہوئی۔

''پریشر ڈال رہے ہیں چچا۔ انہیں لگتا ہے وہ اس طرح مجھے منالیں گے۔'' وہ رکا ایک نظر مہدی کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''مہدی کی منگیتر سے شادی کرنے کے لئے۔'' وہ محظوظ کن انداز میں بولا تھا۔ مہدی نے جبڑے بھینچ لئے۔ قیس نے سگار لبوں میں دبایا اور مقصود کی طرف آگے کو ہوا۔

''تمھارے پاس کوئی حل ہوگا؟ یا پھر ہم یونہی ایرے غیروں کو اپنے گھر کی عورت دکھاتے رہیں گے؟'' سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے قیس کے لبوں میں دبے سگار کو لائٹر کی مدد سے جلایا۔ اس نے کش لیا، اور دھوئیں کا ایک مرغولہ سا فضا میں چھوڑ دیا۔ مہدی اسے دیکھتا رہا۔

''میں سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں۔ انہیں کرنے دیں جو کرتے ہیں۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟'' اس نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔

''کیا مطلب ہے میں کیا کر سکتا ہوں؟ تم انیسہ کو دوسرے ملک بھیج دو۔ اسے کسی کام میں لگا دو۔ اسے پیسے دو، کاروبار دے دو۔ تاکہ اس کا دھیان ان سب چیزوں سے ہٹ جائے۔ اسکا مستقبل بن جائے گا۔'' وہ اسے چھوڑ چکی تھی، مگر مہدی اس کا اچھا سوچنے پہ بے بس تھا۔

''دیکھ رہے ہیں چچا۔ عاشق صاحب کے جلے ہوئے دل سے اب تک چنگاریاں نکل رہی ہیں۔'' قیس مسکرا کر بولا۔ مقصود مگر نہیں مسکرائے۔ مہدی نے پہلو بدلا۔

''تم اسے کچھ پیسے دو۔ ہمارے پاس پیسوں کی کمی تو نہیں۔''

''پیسے دے دوں؟ کیوں میرے باپ نے جوا کھیل کر کمایا تھا؟ یا چرس بیچ کر۔'' وہ آگے کو ہوا۔ سنجیدگی سے مہدی کو دیکھا۔

''جس دن عورت کو مالی مختاری مل گئی۔ اسی دن وہ مرد کو جوتی کے نیچے رکھے گی۔ عورت چاہے مانے یا انکار کرے۔ آسائشات سے اسے عشق ہے۔ اور جو مرد اسے یہ سب دے گا اس سے محبت۔ جس دن وہ خود کو خود آسائشات دینے لگی۔ وہ عورت نہیں رہے گی بلا بن جائے گی۔ بلاؤں سے مقابلے کٹھن ہوتے ہیں۔''

''کیا عورت مقابلہ کرنے والی چیز ہے؟'' مہدی کو تاسف ہوا۔ ''نہ کمتر نہ اونچی لیکن اس کا اپنا بھی ایک مقام ہوتا ہے۔ اسے دے دینے میں اتنی ہچکچاہٹ کیوں؟''

''کیونکہ عورت لالچی ہے۔ اسے اس کا اصل مقام دو گے تو زیادہ کی خواہش کرے گی۔ جو مرد اس کے سامنے نرم پڑا اسے غلام سمجھ لے گی۔ ٹیڑھی مخلوق ہے۔ اس کے ساتھ ٹیڑھا بننا پڑتا ہے۔ جوتی کے نیچے رکھو اسے، سر پہ چڑھا کر پچھتاؤ گے۔'' اس نے کہہ کر سگار کے کش لئے۔ فضا دھواں دھواں ہونے لگی۔

''عورت مرد کی پسلی سے بنی ہے۔ زور دو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ نرمی برتو گے تو جیسے چاہو گے، اسی رنگ میں ڈھل جائے گی۔'' مہدی مصر ہوا۔ قیس نے سگار کو فلور پہ پھینک دیا اور جوتے سے مسل کر بجھایا۔

''میرے نزدیک عورتوں کی اتنی اوقات نہیں کہ میں ان پہ لیکچرز سنوں۔ اور جس مرد کو یہ لگتا ہے کہ عورت نرمی اور محبت سے سدھر سکتی ہے، وہ دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ یا پھر مرد ہی نہیں۔'' مقصود چچا کا فیورٹ کام تھا۔ اپنے گھر کے لوگوں کو آپس میں لڑوا دینا اور پھر بازو سینے پہ باندھ کر تماشا دیکھنا۔ بس ایک پاپ کارن کی کمی تھی۔

''کیا پتہ کہ تمہاری اپنی اتنی اوقات نہ ہو کہ تم عورتوں کے بارے میں بات کر سکو اور اگر کر رہے ہو تو بھولو مت تمہاری اپنی ماں بھی ایک عورت تھی۔؟''طنزیہ سی مسکراہٹ اسکی طرف اچھالتا مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔ قیس خاموش رہا۔ آج کل مہدی اس کے سامنے بولنے لگا تھا۔ کون تھا جو اسے یہ ہمت دے رہا تھا؟ اسکی نظریں کئی پل مہدی کا تعاقب کرتی رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

''سترہ نومبر۔''

رات نو بجے۔

ہال کے عقبی حصے میں روشنیوں کی شدت زرا کم تھی۔ یہاں اسٹاف کے لئے چینجنگ روم اور سستانے کو جگہ تھی۔ سیاہ تھری پیس والا مہدی اس وقت اس ٹھنڈ میں کوٹ بازو پہ ڈالے، سفید شرٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ لبوں میں سیگریٹ دبا تھا۔ اور ہاتھ میں لائٹر۔ ہوا کے پھڑ پھڑاتے تھپیڑے لائٹر کو بار بار بجھا دیتے تھے۔ یکدم کسی نے اس کے لبوں میں دبے سگریٹ کو لائٹر کی مدد سے آگ کا شعلہ دکھایا۔ سیگریٹ جل گیا تھا۔ مہدی نے شکریہ کہنے کو گردن اٹھائی اور پھر وہ سانس نہیں لے سکا۔ اس کے سامنے جاشیہ کھڑی تھی۔ سفید کافتان میں ملبوس، بالوں کی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں بنائے، کانوں میں بڑے بڑے پتھر اور گلے میں ہیروں کا ہار تھا۔ وہ ٹھنڈی نگاہوں سے مہدی کو دیکھ رہی تھی۔

''تو بلاخر تم مجھے مارنے آہی گئیں۔''مہدی ہنس پڑا۔ گویا سارے خوف زائل ہو چکے ہوں۔

''آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں، جے۔'' وہ اسے لئے آگے بڑھ آیا۔ یہاں کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ جو ہال سے اضافی تھیں۔ جاشیہ کو کرسی پیش کی پھر خود اس کے سامنے آ بیٹھا۔ اس مہدی میں کچھ تھا۔ کچھ نڈر سا۔ کہاں ناں وہ ان دیکھے سے خوف زدہ تھا، لوگ تو اسے فیسینیٹ کرتے تھے۔

''کہاں ہے پھر تمہاری گن؟ چاقو یا پھر کوئی اور ہتھیار۔ کیسے مارو گی مجھے؟'' جاشیہ اسے ٹھہر کر دیکھ رہی تھی۔ مہدی کے دماغ میں کوئی اور منظر بھی تھا۔

(اٹلی کے ایک خوبصورت سے قصبے میں واقع ہوٹل آج افراتفری کا شکار تھا۔ چھوٹا سا تھیمڈ ہوٹل کئی لوگوں کی موجودگی سے بھرا تھا۔ یہ جاشیہ اور ضوریز کی منگنی کا دن تھا۔ مہدی کمبیران دونوں کا واحد خاندان تھا۔ اور دوست بھی۔

کئی لوگوں کے درمیان سرخ کارپٹڈ سیڑھیوں سے نیچے آتی جاشیہ نے مہدی کے بازو میں بازو ڈال رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا۔ ہلکے پستا رنگ کی پیروں کو چھوتی فراک میں وہ آج کی دلہن تھی۔ اسٹیج پہ کھڑا ضوریز اپنے دو عزیز لوگوں کو دیکھ دل سے مسکرایا تھا۔)

''تمہیں لگتا ہے اگر کسی ہتھیار سے تمہیں مارنا ہوتا تو میں اس قلعے میں، تمھارے گھر میں تمہیں زندہ کیوں چھوڑ آتی؟'' مہدی اس سے بے نیاز گردن پیچھے کی طرف گرائے۔ سیگریٹ کے دھوئیں فضا میں اڑا رہا تھا۔ نیم اندھیرے میں گردن پیچھے کو ڈھلکائے، فضا میں دھوئیں بلند کرتا یہ شخص پر سرار تھا۔

''تم لفظوں میں اچھے ہو ناں مہدی؟'' وہ آگے کو ہوئی۔

"میں تمہیں لفظوں سے مار دوں گی۔ تمھارے اپنے لفظوں سے۔" اس نے بیگ سے موبائل نکالا اور اس پہ انگلیاں چلائیں۔ مہدی کے نمبر پہ میسج ٹیون بجی۔ پاکٹ سے موبائل نکالتے ہوئے اس کے چہرے پہ حیرانگی تھی۔ لیکن جو منظر اس نے بھیجی گئی ویڈیو میں دیکھا تھا، وہ اسکی روح فنا کر دینے کو کافی تھا۔ ویڈیو میں ایک لڑکی تھی، جسے مہدی کمبیر بار بار تنگ کر رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا دیا پھولوں کا بکے واپس کر رہی تھی۔ مگر وہ تو جیسے ڈھیٹ بن گیا تھا۔ وہ بار بار اس کا ہاتھ پکڑ رہا تھا۔ اس کے سامنے آ کر منت کرتا تھا۔ لڑکی خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ پھر یکدم وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ صاف ظاہر تھا وہ ہراسمنٹ وکٹم ہے۔ مہدی بار بار اسے یہی الفاظ کہتا تھا۔

"جیا۔۔ میں محبت کرتا ہوں تم سے۔ پلیز میری بات مان لو۔ مجھے قبول کر لو۔"

اگلے چند سیکنڈ میں مہدی اس کا ہاتھ پکڑے وہاں سے جاتا ہوا دکھائی دیا۔ لڑکی بری طرح رو رہی تھی۔ سکرین تاریک ہوئی۔ اگر تم نظر اٹھا کر مہدی کو دیکھو تو اس کا چہرہ زیادہ تاریک تھا۔ یا شاید سفید۔

"لوگ قاتل کو بھول جاتے ہیں۔ جیسے ہمارا سارا گروپ تمہیں بھول گیا۔ لوگ چور کو بھول جاتے ہیں جیسے ضوریز کو بھول گئے۔" وہ آگے کو ہوئی، مہدی کے کان کے پاس جھکی۔ "لوگ ریپسٹ اور ہراسر کو یاد رکھتے ہیں۔ جیسے اب تمہیں یاد کیا جائے گا۔" مہدی کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ دیا ہو۔ وہ سفید پڑنے لگا تھا۔

"یہ سچ۔۔ نہیں۔۔ ہے۔ یہ ایک پرینک۔۔ تھا۔" مہدی کے لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔

''تمھارے پاس پوری ویڈیو نہیں ہے۔'' وہ یکدم ہوش میں آیا تھا۔ ''اس سے اگلے دو منٹ کی ویڈیو میں۔۔وہ میرے ساتھ تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔۔۔میں نے اس سے معافی مانگی تھی۔ وہ میری بیسٹ فرینڈ تھی۔'' اس کا بس نہیں چلتا تھا دنیا ادھر کی ادھر کر دے۔

''وہ میری دوست تھی۔ یہ جھوٹ ہے یہ آدھا سچ ہے۔ وہ میری دوست تھی۔۔میں''

''وہ تمہاری دوست **"تھی"**۔ سارا مسئلہ یہی ہے کہ وہ تھی۔'' جاشیہ کے سرد انداز پہ مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''اس ویڈیو کے دو دن بعد جیا کی زیادتی شدہ لاش ملی تھی۔ اس کے مجرم آج تک پکڑے نہیں جا سکے، مہدی۔ صرف وہ تھی جو تمہیں بے گناہ ثابت کر سکتی تھی۔ مجھے یقین ہے اب تم مرے ہوؤں کے پیچھے رہ جانے والوں کا دکھ سمجھتے ہوگے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی ایک بے نیاز نگاہ اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ مہدی کے جسم سے سانس قطرہ قطرہ باہر نکل رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ جیسے جامد ہو گیا ہو۔

(اسٹیج پہ کھڑا ضوریز مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی جاشیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یہ عورت دنیا کی سب سے حسین عورت لگتی تھی۔ ضوریز نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے پھیلائی جاشیہ نے ایک ادا سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ لوگ ان کے لئے تالیاں بجانے لگے تھے۔ ہوٹنگ ہو رہی تھی۔

اسی لمحے ضوریز بن ریان جاشیہ کے کان کے پاس جھکا اور کچھ سر گوشی سی کی۔ جاشیہ نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اتنے خوبصورت الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا؟

یہ اسکی خواہش تھی کہ ضوریز کبھی کچھ خوبصورت کہے۔ وہ کہنے والوں میں سے نہیں تھا، مگر آج کے ان الفاظ کے سہارے وہ ساری زندگی گزار سکتی تھی۔ کیا تھے وہ الفاظ؟)

آپ کو تباہی سے کئی ساری چیزیں بچا سکتی ہیں۔ وفا بھی اور دھوکہ بھی۔ فریب بھی اور سچائی بھی۔ جھوٹ بھی اور سچ بھی۔ حال کا آئینہ بھی اور ماضی کے دھند لکے سراب بھی۔ مہدی سفید نہ سہی سیاہ نہ تھا مگر اس وقت وہ سیاہ کا سب سے گہرا شیڈ بننے کو تیار تھا۔

for you a thousand times over'' "

الفاظ تھے کہ کیا جاشیہ کا سارا بدن زنجیر ہو گیا۔ ایک سر سراتے جھونکے نے اسے برف کر دیا تھا۔ وہ بے یقینی سے مہدی کی جانب مڑی۔ وہ آنکھوں میں وہی نرم تاثر لئے کھڑا تھا معصوم مہدی۔

''ضوریز نے مرتے وقت مجھے یہی الفاظ کہے تھے۔ اور کہا تھا کہ اگر کوئی میرے پیچھے آئے تو میں اس کے سامنے یہ الفاظ دہرا دوں۔ شاید وہ جانتا تھا تم آؤ گی۔'' جاشیہ سانس نہ لے سکی۔ وہ کھڑے کھڑے نمک کا مجسمہ بن گئی تھی۔ کمبخت مہدی سے اس لمحے نفرت ہوتی تھی، وہ کسی مرے ہوئے شخص پہ سیاست کر رہا تھا۔

''اپنی منگنی کے دن اس نے تمھارے کان میں یہی الفاظ کہے تھے ناں؟'' وہ اتنی زور سے مڑی کہ گردن چٹخنے کی آواز آئی تھی۔

''تم۔۔ تم کیسے جانتے ہو؟'' اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''کیونکہ اس نے یہ الفاظ صرف دو ہی لوگوں سے کہے تھے۔ پہلی تم تھیں، دوسرا میں۔ ضوریز میری وجہ سے نہیں میرے لئے مرا تھا۔ تم چاہو تو اس کی آخری قربانی کو ضائع کر دو۔ تم آزاد ہو۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ جاشیہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گئی۔ اسے اپنے آس پاس سناٹا سا محسوس ہوا۔ دور جاتے مہدی کے ذہن میں ایک اور منظر تھا۔

(ہوٹل روم میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ضوریز کا بازو پکڑ کر مہدی اسے ایک جگہ بٹھا چکا تھا۔

''بھائی مسئلہ کیا ہے؟''

''مجھے جاشیہ کو کچھ اچھا سا کہنا ہے۔ کچھ ایسا جو اسے بہت زیادہ خوش کر دے۔ لیکن تم جانتے ہو میں ایکسپریسو نہیں ہوں۔'' وہ خفگی سے بولا تو مہدی مسکرایا۔ اس نے ضوریز کے کان کے پاس جھک کر چند الفاظ کہے۔ اور ضوریز کی خوشی دیکھنے کے لائق تھی۔

اگلے چند منٹوں میں وہ یہی الفاظ جاشیہ کو کہہ رہا تھا۔ یہ الفاظ اس کے احساسات کو زبان دیتے تھے۔ یہ پرفیکٹ تھے مگر یہ زوریز کے الفاظ نہیں تھے۔)

دور جاتے ہوئے مہدی کے چہرے پہ گلٹ تھا۔ وہ لفظوں کی ہیر پھیر کر رہا تھا۔ وہ جاشیہ کو تصویر کا الگ رخ دکھا رہا تھا۔ وہ لفظوں کے ساتھ اچھا تھا۔ اور آپ کا ٹیلنٹ آپ کو ہر تباہی سے بچا سکتا ہے۔ تاریکی سے روشنیوں سے بھرے ہال کی طرف جاتے ہوئے، اسے یقین تھا جاشیہ کا باب اب بند ہو چکا ہے۔ مگر اس کا دل بھاری ہو چکا تھا۔ اس کے اعمال ناموں میں ایک عدد سیاہ پنے کا اضافہ ہو چکا تھا۔ مگر۔۔۔۔

وہ تباہی کے دہانے سے زندہ سالم بچ آیا تھا۔



''موجودہ دن سے چند دن قبل''

تازہ دم سی صبح اسلام آباد کو معطر کیے ہوئے تھی دکانیں کھلنے لگی تھیں ۔کیفیز پہ جانے والوں کا رش بڑھنے لگا تھا ۔دفتروں کی عمارات میں اس وقت گہما گہمی تھی ۔ایسے ہی ایک پر شور عمارت میں نسبتاً خاموش گوشے میں زینیا حاکم بیٹھی تھی۔

فون ہاتھوں میں لئے وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی۔ میز پہ دھرا چائے کا مگ بھاپ اڑا رہا تھا۔ کیفے میں کافی بینز کی کڑوی مہک تھی۔ایسی ہی کڑواہٹ زینیا کے آس پاس بھی تھی۔ جو اسکا سانس لینا محال کر رہی تھی۔

''صرف ایک کال، زینیا۔ تم یہ کر سکتی ہو۔ بشر تمہارا دوست رہا ہے تم اسے سب بتا سکتی ہو۔''اس نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔اور بشر کو کال ملائی۔''صرف ایک کال وہ تمھیں کچھ نہیں کہے گا صرف ایک کال۔''وہ زیر لب دہراتی رہی۔

کتنی ہی دیر کال بجتی رہی، بجتی رہی۔ زینیا کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ کال اٹینڈ ہو گئی تو اسکے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔اس نے بے اختیار آس پاس دیکھا جانے کیسا خوف تھا؟

''ہیلو؟...... کیسی ہو، زینی؟''وہ مصروف سا تھا۔زینیا کے حلق سے کوئی الفاظ نہ نکل سکے۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

اسی لمحے کیفے کا داخلی دروازہ کھلا، کال پہ بات کرتے ہوئے ایک مصروف سا آدمی اندر داخل ہوا۔ شیشے میں بنتے زینیا کے عکس کو دیکھتے وہ ایک پل کو رکا، آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

''ہیلو.... ہیلو بشر... آواز آرہی ہے؟''وہ چہرے پہ آتے پسینے کو ٹشو سے پونچھتے بامشکل کہہ سکی۔

''ہاں آواز آرہی ہے تم بتاؤ سب ٹھیک ہے؟ گھر کب آرہی ہو؟''اسکے آس پاس شور تھا شاید وہ گھر پہ نہیں تھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''اس نے گلا تر کیا۔الفاظ مجتمع کئے۔بس کہہ دینا ہے یار بس بول دینا ہے۔بشر کتنی آسانی سے کیا کیا کہہ دیتا ہے، وہ کیوں نہیں کہہ پا رہی، بتادو زینی سب بتادو۔ابا، بشر کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

''ہاں کیا ہوا ہے؟''وہ ایک لمحے کو رکا۔''ویسے میں بھی بتانا چاہ رہا تھا کل بالاج نے اپنے گھر والوں کو اچھی خاصی رقم بھجوائی ہے۔میں نے ہی نکلوا کر دی ہے۔ کہہ رہا تھا اگلی دفع زیادہ پیسے بھیجے گا۔میرے سارے خدشے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔''

ساری ہمت ہوا ہو گئی۔وہ لب کاٹتے ہوئے بالکل خاموش رہ گئی۔ باریستا کو اپنا آرڈر نوٹ کرواتا قیس کمبیر بلاارادہ اسی طرف دیکھ رہا تھا۔زینیا کا ایک ایک تاثر اسکے آنکھوں میں حفظ ہو رہا تھا۔شاید وہ دوسری طرف کچھ کہنا چاہ رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔اس نے کھڑے کھڑے اندازہ لگایا۔

''بشر مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔وہ اسے بتادے گی کہ بالاج پچھلے ماہ ہی سعودی گیا ہے۔اس سے پہلے وہ یہیں تھا، وہ اسے بتائے گی کہ وہ کس طرح عبداللہ کے حوالے سے اس پہ شک کیا کرتا تھا اور کس طرح اسے ایئرپورٹ پہ مارا، کیسے اس نے دوسری شادی کی۔

''مجھ سے کچھ چھپانا مت یہ بتاؤ، بالاج تمہیں کوئی رقم بھجواتا ہے؟''وہ اب تفتیشی انداز میں پوچھ رہا تھا۔زینیا جواب نہیں دے سکی۔بشر ایک فیری ٹیل میں جی رہا تھا وہ اسے کیسے وہاں سے نکال کر لے آتی۔اسے اپنے آس پاس گھٹن سی محسوس ہوئی۔

''ہاں لیکن مسئلہ یہ نہیں ہے۔میں کچھ اور بتانا چاہ رہی تھی۔''

کافی کا کپ لے کر وہ پلٹا، اسکا ارادہ یہیں کہیں بیٹھ جانے کا تھا لیکن زینیا کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ وہ اسی طرف چلا آیا۔اسے لگا تھا شاید یہ وہی لوگ ہیں جو زینیا کو نین تارہ کے حوالے سے تنگ کرتے رہے ہیں۔کیا اسکی ریکارڈ مٹانے کی صلاحیت کارگر ثابت نہیں ہوئی؟

''مجھے کچھ بہت ضروری بات کرنی ہے لیکن مجھے یہ نہیں سمجھ آرہا کہ شروع کہاں سے کروں۔''

''کہیں سے بھی شروع کرو لیکن پلیز بتاؤ۔بعد میں پھر سوچتی رہو گی۔ایک اور بات بالاج اگلے ماہ آرہا ہے اس نے مجھ سے رخصتی کی بات کی ہے مجھے کچھ غلط نہیں لگ رہا تم کیا کہتی ہو؟''وہ بے خبر تھا حد سے زیادہ بے خبر زینیا نے اسے بتانے کا ارادہ ترک کیا۔

''فلحال نہیں پلیز ابھی ایک سال نہیں میں......''اسے سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔بغیر کچھ بھی کہے اس نے کال کاٹ دی اور یہی وہ لمحہ تھا جب آسمانی رنگ کے سوٹ والا مرد اسکے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔وہ جو سر ہاتھوں میں گرانے والی تھی اسے بیٹھتے دیکھ کر چونک گئی۔بشر کی دوبارہ آتی کال کو نظرانداز کیا۔

''کیا انہوں نے دوبارہ کال کی ہے؟''اس نے بغیر تمہید کے پوچھا۔

''کس نے؟''

''تمھارے اور میرے درمیان کتنے راز ہیں جو ڈرامہ کر رہی ہو؟''

''ہمارے درمیان کوئی نزدیکی بھی نہیں پھر کس کی اجازت سے یہاں آکر بیٹھے ہو؟''وہ بگڑی۔

''میرا دماغ نہ خراب کرو۔''قیس جھلایا۔

''دماغ ہے تمھارے پاس؟''

''کم از کم تم یہ سوال کرتے ہوئے اچھی نہیں لگ رہیں۔''

''اچھے لگنے کی بات بھی کون کر رہا ہے۔''

''وہی جس کا حق ہے۔''

''قیس....میرا دماغ چاٹنا بند کرو۔''اسے کوفت ہوئی۔

''اس کے لئے ضروری ہے کہ تمھارے پاس دماغ ہو۔''

''تمہارا مسئلہ کیا ہے۔''زینیا کی آواز بلند ہوئی۔

''وہی جو تمہارا مسئلہ ہے۔''اسکی ٹون بدل گئی۔''کیا مسئلہ ہے،نین تارہ کے لوگوں نے دوبارہ تو کوئی کال نہیں کی؟''

زینیا ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ کوئی اور مسئلہ سمجھ رہا تھا یہاں کہانی بدل چکی تھی۔ ''میری زندگی میں نین تارہ سے زیادہ بڑے مسائل ہیں۔ تمہاری ریکارڈ مٹانے کی صلاحیت اچھی ہے انہوں نے مجھے دوبارہ کوئی کال نہیں کی۔'' وہ تکان سے کہہ رہی تھی۔ ساتھ انگلیوں سے کنپٹی کو مسلا۔ قیس نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''تم عورتیں اتنی ڈرامے باز کیوں ہوتی ہو؟''

زینیا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''پلیز اس وقت میں تمہاری عورتوں سے نفرت پہ تقریر نہیں سن سکتی۔ میرے مسائل ہیں اور مجھ حل نکالنا ہے تم اب جا سکتے ہو۔''

وہ تو جیسے بپھر گیا۔ ''تمہاری میز ہے، جو میں اٹھ جاؤں؟''

''نہیں اسکو بھی اپنی قبر میں لے جاؤ میں ہی اٹھ جاتی ہوں۔''

''تم کیوں میرا ضبط آزماتی ہو؟''

''اور تم کیوں ہر دفع مصیبت بن کر سامنے آجاتے ہو؟''

''شاید تم مسیحا کہنا چاہتی تھیں۔'' زینیا نے ٹھہر کر بے بسی سے اسے دیکھا۔ اور ہتھیار ڈال دیے۔ وہ آدمی دنیا کے سامنے نہیں بولتا ہوگا لیکن زینیا کے سامنے جو زہر وہ اگل رہا تھا نا قابل برداشت تھا۔ وہ اپنا پرس دبوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ قیس بدمزہ ہوا ابھی تو اس نے شروع کیا تھا۔

''سنو.....'' بدلے ہوئے نرم لہجے میں اسے پکارا۔ ''کوئی مسئلہ ہے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔ تجربے میں تم سے بہت بڑا ہوں اور مسائل تم سے زیادہ دیکھ رکھے ہیں۔'' کافی کا گرم کپ لبوں سے لگاتے ہوئے وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ زینیا حاکم زندگی کے جس موڑ پہ تھی اسے یہی نرم لہجہ چاہیے تھا۔ ''میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ہاں یہ آدمی مشکوک تھا لیکن جس طرح اسکے مسئلے یہ سمجھتا تھا ویسے تو کسی اور نے کبھی نہیں سمجھے۔

''مجھے کسی کو کچھ بتانا ہے اور میں بتا نہیں پا رہی۔'' کرسی پہ واپس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ''چیزیں بہت بری طرح الجھ گئی ہیں مجھے نہیں سمجھ آ رہی میں انہیں کیسے سلجھاؤں۔''

''جو بتانا ہے اس سے سامنے والا ہرٹ ہو گا؟''

''لوگوں کے ہرٹ ہونے کی پرواہ نہیں کی میں نے۔ وہ غصہ ہو سکتا ہے اور..... (مردوں کے غصے سے مجھے خوف آتا ہے) اور شاید مجھ سے میری کچھ چیزیں چھین لے (سرفہرست ان میں میرے خواب ہیں) مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کچھ بتاؤں تو کیسے؟'' اپنے سارے حل اسے ردی ہوتے نظر آئے۔

سیاہ آنکھوں والے ڈیزائنر نے کافی کے دو سے تین گھونٹ بھرے، پھر تفصیل سے اسے دیکھا۔ شیشے کی دیوار میں ان دونوں کا عکس بن رہا تھا، بہترین، طاقت ور، خوبصورت۔

''ساری بات کا نچوڑ یہ ہے کہ اس وقت تم مسئلے میں ہو؟ میں مسئلہ نہیں پوچھوں گا کیونکہ میں ایک مہذب آدمی ہوں۔ (حالانکہ اسے یقین تھا اسے مسئلہ بتایا نہیں جائے گا) تم کسی کو ایک مسئلہ سناؤ گی تو ظاہر ہے وہ ردعمل دے گا۔ اگر تم نے اس سے باتیں چھپائی ہیں تو وہ غصہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن.... . ''اس نے کپ میز پہ واپس رکھا۔ ''اگر کسی کو مسئلہ دو تو حل بھی دو۔ تمھارے پاس حل ہے؟''

زینیا پہ مانو اوس پڑ گئی۔ وہ کئی لمحے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔ حل؟ کیا اسکے پاس حل تھا، بالکل نہیں۔

''تمھارے پاس حل ہے؟''

زینیا نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر اپنے لئے مشکلات نہ بڑھاؤ۔ جو جیسے چل رہا ہے ویسے چلنے دو۔ حل تلاش کرو اور پھر سامنے والے کو بتاؤ تا کہ اسکے پاس غصہ کرنے کا جواز نہ بچے۔''

وہ کافی کا کپ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ زینیا چپ چاپ میز کو گھور رہی تھی۔ اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ قیس چند لمحے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا، کچھ سخت سست کہنے کا ارادہ کیا مگر وہ پہلے ہی پریشان لگ رہی تھی۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔

اسکے عقب میں زینیا کسی بھی انکشاف کا ارادہ ترک کر چکی تھی۔ اسے حل ڈھونڈنے تک انتظار کرنا تھا۔



موجودہ دن۔

یکم دسمبر۔

آدھی چھٹی کا وقت تھا۔ گوادر گرلز کالج کی لڑکیاں کینٹین میں بیٹھی برگر اور چاٹ کے ساتھ انصاف کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ انہی لڑکیوں میں کونج بھی تھی۔ پلاسٹک کی سرخ میز کے گرد نیلی کرسیاں رکھی تھیں۔ اور انہی کرسیوں پہ لڑکیوں کے ٹولے بیٹھے تھے۔

" ہم دو ماہ بعد کراچی جا رہے ہیں، کونج تم بھی ساتھ چلو ناں۔" سونیا کی پیش کش پہ جہاں وہ گڑبڑائی تھی۔ وہیں اسے اندازہ ہوا کہ وہ یہاں مس فٹ ہے۔

فریحہ، فرحین، کونج اور سونیا۔ آج کل وہ چاروں کالج کا ہاٹ ٹاپک تھیں۔ اپنی پچھلی دوستوں سے کونج حاکم اس ایک ماہ میں کنارہ کر چکی تھی۔ وہ سادہ اور معصوم سی لڑکیاں تھیں، اور کونج کے ساتھ پچھلے کئی وقت سے تھیں۔ اور کونج کو اپنی پچھلی ساری زندگی جھوٹ لگتی تھی۔ تباہی کے دہانے سے بچ کر آنے کی ایک اور تدبیر بھی ہوتی ہے۔ یوں محسوس کر لیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ خود کو

خوشیوں کے ایک فرضی بلبلے میں قید کرلیں اور یہ گمان رکھیں کہ آپ کے گرد حفاظتی دیواریں بن چکی ہیں۔اور کونج اسی پہ عمل کر رہی تھی۔

''میں تمھارے ساتھ کیسے جاسکتی ہوں۔ابا اجازت نہیں دیں گے۔''اس نے کہتے ساتھ کولڈ ڈرنک کا لمبا گھونٹ لیا۔وہ اپنی گھبراہٹ چھپانا چاہ رہی تھی۔

''کونج ہر بات ابا اماں کی مرضی سے نہیں کرتے۔تم نے بتایا تھا ناں کہ نبیلہ باجی کراچی جارہی ہیں۔تم ان کے ساتھ چلی جاؤ اچھی خاصی سلام دعا تو ہے۔''

''ابا میرا گلا دبا دیں گے۔تم لوگ جاؤ ناں۔میرا جانا ضروری تو نہیں ہے۔''اس نے موضوع بدلنا چاہا۔

''تمہارا جانا ہی تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔''فریحہ معنی خیزی سے بولی۔پھر آگے کو ہو کر اپنی آواز سرگوشی جتنی ہلکی کرلی۔

''کراچی کے سب سے بڑے ہسپتال میں میرے انکل ڈاکٹر ہیں۔جانتی ہو انہوں نے مجھے کیا بتایا ہے؟انہوں نے بتایا ہے کہ اب ان کے ہسپتال میں ایک ایسے ڈیپارٹمنٹ کا اضافہ ہوا ہے جو کہ لوگوں کو خوبصورت بنادیتے ہیں۔کیا تمہیں خوبصورت نہیں بننا؟''

''میں اپنے نقوش سے خوش ہوں۔میں انہیں بدلنا نہیں چاہتی۔''فریحہ کا جی چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔

''کون کہہ رہا ہے کہ نقوش بدل لو۔دیکھو ہم اپنی چیزوں کو modify تو کرتے رہتے ہیں ناں؟اور یہ ضروری بھی ہے کہ اپنی اسکن، جسم کا خیال رکھا جائے ہے کہ نہیں؟''کونج نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر ہو گا یہ کہ وہاں جا کر وہ لوگ تمہیں کچھ دن کے لئے وائٹننگ انجکشنز لگائیں گے۔ جس سے تمہارا رنگ گورا ہو جائے گا۔ وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ یہ سنہری موقع ہے، کونج اسے ضائع مت کرو۔'' فریحہ کی بات کی باقی لڑکیوں نے تائید کی تھی۔ کونج اول تو حیران ہوئی، پھر ہلکی سی شرمندہ۔

''کیا سیاہ رنگ خوبصورت نہیں ہوتا؟'' اس نے سوال کیا تھا۔

''نہیں سیاہی ہمیشہ کرسڈ ہوتی ہے۔ لوگ ماتم کرتے ہوئے سیاہ پہنتے ہیں۔ ڈپریشن سیاہ ہوتا ہے، اندھیرا سیاہ ہوتا ہے، کھائی، غار، سب سیاہ ہوتا ہے۔ کیا تم نے کبھی سیاہی کو خوبصورت دیکھا ہے؟'' کونج کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کچھ نہ بولی تو سونیا آگے کو ہوئی۔

''پھر کیا ارادہ ہے؟ ہمارے ساتھ چلو گی؟ میں تمہاری فیس بھی کم کروا دوں گی۔''

''مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہیے۔'' وہ بس اتنا کہہ سکی اور اپنی جگہ سے اٹھ آئی۔ نسبتاً ایک خالی گوشے میں آ کر اس نے ضیغم کو کال ملائی۔ بیل جا رہی تھی۔ یہاں سے دور یونیورسٹی کے گیٹ سے نکلتے ضیغم کا فون بجا تو وہ رک گیا۔ اپنے دوستوں کو آگے چلنے کا اشارہ کیا اور خود ایک طرف آ کر کھڑا ہوا۔

''آئی ایم سوری میں جانتی ہوں اس وقت تم یونی میں ہو گے۔ میں بس۔۔''

''کوئی بات نہیں کیا ہوا بتاؤ۔'' جواباً وہ نرمی سے بولا تھا۔ کونج کا گلا رندھ سا گیا۔

''کیا سیاہی ہمیشہ کرسڈ ہوتی ہے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟'' ضیغم اسکی بات سن کر چند پل کے لئے خاموش ہو گیا۔

''سیاہی کا تو نہیں پتہ لیکن تم تو blessing ہو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ اسکی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ روابط گہرے ہو چکے ہیں۔ وہ دونوں پچھلے ایک ماہ سے رابطے میں تھے۔ دن میں میسجز اور رات کو فجر تک چلتی کالز، ضیغم کے گرتے گریڈز اور کونج کی آنکھوں کے حلقے بتاتے تھے کہ ان دونوں کے درمیان کتنی نزدیکیاں آچکی ہیں۔ وہ کسی زینیا سے کوئی انتقام نہیں لے رہی تھی کونج حاکم بس رنگین دنیا میں جینا چاہتی تھی۔

''کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟ کیا تمہیں میرا رنگ برا لگتا ہے؟''

''مجھے کیوں برا لگے گا؟ میرے لئے تو تم سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔۔ کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ یکدم فکرمند ہوا۔ کونج کے دل سے بوجھ سرکنے لگا۔

''نہیں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ میں بس ویسے ہی۔۔ بس دل کیا تمہیں کال کرلوں۔'' ضیغم مسکرایا تھا۔ چند ہی دنوں میں وہ اس کے دل میں جگہ بنا چکی تھی۔ وہ جواباً اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ کونج جھینپ کر مسکرا دی۔

ٹین ایج سے لے کر بیس کی دہائی وہ عرصہ ہوتا ہے جہاں لڑکا، لڑکی کو مخالف جنس سے توجہ چاہیے ہوتی ہے۔ توجہ کا چاہنا برا نہیں ہوتا، خود کا چاہا جانا کسی انسان کے لئے برا نہیں ہوتا۔ اپنی پرواہ کرنے والے ہونے کا سوچنا غلط نہیں ہوتا۔ احساسات پہ کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بڑھتے ہوئے قدم روک لینے پہ ضرور ہوتا ہے۔ بیس کی دہائی گزار لینے کے بعد ہر ٹین ایجر اپنے اسی عمل پہ پچھتاتا ہے کیا بہتر نہیں ہے کہ قدم پہلے ہی روک لئے جائیں؟ مگر کونج کے قدم تو ایسے بڑھے تھے کہ اب شاید واپسی ممکن نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاسٹل واپس آکر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی۔ الماری سے کپڑے نکال نکال کر بیگ میں رکھتے ہوئے اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ہاتھ میکانکی انداز میں حرکت کر رہے تھے۔ دروازہ بغیر دستک کے کھلا زینیا نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ باوقار سی چاپ قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے بلکل عقب میں۔

''جانتی ہو یہاں سے جانے کے لئے تمہیں میری اجازت درکار ہے۔''

''میں آپ کی ساکھ کو پہلے ہی بہت ڈیمج کر چکی ہوں۔ آپ اچھی ہیں۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن اب مزید آپ کو تکلیف نہیں دوں گی۔ میں گوادر واپس جا رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

''پورے ایک ماہ کی پڑھائی ضائع کر چکی ہو۔ اب مزید کتنی کرو گی؟'' وہ خاموشی سے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔ زینیا کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ بالاج نے کس بری طرح س اس کے خواب روندے تھے۔

''جو ضائع ہونا تھا ہو گیا ہے۔ مزید ہوا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں کچھ وقت کے لئے اپنے گھر جاؤں گی۔ اور واپسی پہ اپنے رہنے کے لئے کوئی اور جگہ ڈھونڈ لوں گی۔ میری وجہ سے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا تم واقعی خود کو اتنا عظیم سمجھتی ہو، زینیا حاکم نواب؟'' بوڑھا لہجہ زمانہ شناس تھا۔ ''تمہیں واقعی لگتا ہے تمہارا یہ فرار میرے لئے ہے؟'' زینیا کے حرکت کرتے ہاتھ تھم گئے۔

''تم جا رہی ہو کیونکہ تم یہاں کسی سے نظر نہیں ملانا چاہتی۔ تمہیں لگتا ہے ہر کوئی تمہارا مذاق اڑائے گا۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ جب تباہی ہمارے اندر رہو، پھر ساری دنیا سامعین ہی لگتی ہے۔ انسان کی سائیکی ہے۔ اگر اس سے کچھ ہوا ہو، یا اس کے ساتھ کچھ ہوا ہو تو

اس کے دل کے اندر ایک چور آجاتا ہے، جو اسے بتاتا ہے کہ ساری دنیا اسی کی بات کر رہی ہے۔ ساری نظریں اسی پہ تو ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھیں زینیا کا بازو پکڑ کر اسے بالکنی کے قریب لائیں۔ یہاں سے سڑک نظر آتی تھی، اگر دائیں جانب جھانکو تو ہاسٹل کا لان بھی۔

see it's like just another day""

''کچھ بھی نہیں بدلا زینیا۔ جو بدلا ہے تمھارے اندر بدلا ہے۔ لوگ بھول جاتے ہیں۔ انہیں یاد ہم دلاتے ہیں۔ ہمارے اندر کا گلٹ، ہمارا بار بار کا ذکر، ہماری عدم توجہی، ہمارا فرار۔ یہ سب انہیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے ساتھ کچھ برا ہو چکا ہے۔ ورنہ ہم کسی کے لئے اتنے اہم نہیں ہیں کہ کوئی ہمیں کئی ہفتے اور مہینے یاد کرتا رہے۔'' زینیا یک ٹک لان میں بیٹھی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔ انہیں کہاں پرواہ تھی کسی زینیا کی۔

''جب مجھے گھر سے نکالا گیا تھا۔ تب میرے لئے کوئی نہیں آیا تھا۔ تم خود کے ساتھ بے رحم مت بنو۔'' انہوں نے آہستگی سے اس کا کندھا تھپکا۔

''کیا آپ مجھے کرسڈ نہیں سمجھتیں؟ اور اگر نہیں تو اس رات آپ نے مجھے تھپڑ کیوں مارا تھا؟'' زینیا مڑی نہیں۔ وہ اب بھی باہر دیکھ رہی تھی۔ کئی لمحے افروزہ بیگم کی کوئی آواز نہ نکل سکی۔

''کیونکہ اگر کئی سال پہلے کوئی مجھے تھپڑ مار دیتا تو میں حقیقت تسلیم کر لیتی۔ میں آج بھی گریف کے پہلے درجے پہ نہ اٹکی ہوتی۔'' زینیا نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ انکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

''اس روز مجھے تمہاری فکر تھی۔ میں نے مہدی سے تمہاری خاطر مدد مانگی۔ میں پولیس کو انوالو کر سکتی تھی، میں تمھارے بھائی اور شوہر کو کال کر سکتی تھی لیکن میں نے نہیں کی۔ مہدی نے مجھے بتایا تھا کہ تم ٹراماٹک ہو۔ میں بس تمہیں ہوش میں لانا چاہتی تھی۔ تاکہ مجھ سے نہ سہی، مہدی سے نہ سہی، شیزل سے سب کہہ دو۔'' زینیا خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اسے اب انکی سچائی اور اچھائی کا اعتبار نہیں تھا۔

''وقت لو، حالات سے لڑو، اور کھڑے ہونا سیکھو۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔ اسی لمحے زینیا کا موبائل زور زور سے تھرانے لگا۔ وہ سست روی سے چلتی ہوئی آئی اور موبائل اٹھا کر دیکھا۔

"ابا کالنگ" زینیا جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ وہ ابا سے بات کیا کرے گی؟ اور ابا اسے کال کر کیوں رہے تھے؟ وہ جب سامنے ہوتے تھے انکی بات تو تب بھی ضرورت کے تحت ہی ہوتی تھی۔ فون بج بج کر تھک گیا۔ زینیا دھیرے سے بیڈ کے ساتھ لگتی زمین پہ بیٹھ گئی۔ کال دوبارہ آنے لگی تھی۔ اب کے اس نے مرے مرے ہاتھوں سے فون اٹینڈ کیا۔

''ہیلو۔۔ کیا حال ہے۔۔؟''

''میں ٹھیک ہوں آپ کا کیا حال ہے؟'' اس نے اٹک اٹک کر جملہ مکمل کیا۔ آنکھیں پتہ نہیں کیوں بھر آئی تھیں۔ ابا اس کے پاس بیٹھیں، نرمی سے بات کریں یہ تو اسکی وہ خواہش تھی جس کا اظہار اس نے کبھی خود سے بھی نہیں کیا تھا۔

''بالاج سے بات ہوتی ہے؟اس کی کال آئی تھی مجھے۔ کہہ رہا تھا تم ٹھیک سے بات نہیں کر تیں۔''ابا بظاہر سرسری سا لہجہ اپنائے ہوئے تھے، مگر زینیا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی محسوس ہوئی۔یعنی وہ اپنی ساکھ درست کر رہا تھا۔تا کہ اگر زینیا اپنے گھر میں طلاق کا بتائے تو کم از کم بالاج کی ساکھ خراب نہ ہو؟

''ماضی ختم ہو چکا ہے، زینی۔''ابا کا لہجہ اب کے بے لچک ہوا۔''بہتر ہو گا اس ماضی سے نکل آؤ جس نے تمہیں بس تباہی دی تھی۔تم اس سے عبداللہ کی بات کرتی ہو، وہ جو جا چکا ہے؟۔''وہ رو پڑی۔اب کے آنسوؤں پہ بس نہ چلا۔ابا اتنے ظالم کیسے ہو سکتے تھے، بالاج اتنا جھوٹا کیسے ہو سکتا تھا؟

''اب جو ہے وہ بالاج ہے۔اس کے ساتھ نباہ کرو، زینی ورنہ تم ابھی اپنے باپ کو نہیں جانتیں۔''

''اور اگر اس نے میرے ساتھ کچھ برا کیا تو؟آپ میری طرف رہیں گے ابا؟''اس نے بامشکل اپنی آواز نارمل رکھی۔

''وہ اگر برا بھی کرے تو صبر کرو۔ان بیویوں کی عزت ہوتی ہے جو صابر رہتی ہیں۔ان بیویوں کا مقام ہوتا ہے جو شوہر کے عیب ڈھانپ لیتی ہیں۔تم اچھی بیٹی تھیں۔اب اچھی بیوی بننا۔''وہ ایک پل کو رکے۔''مجھے یقین ہے تم میری امیدوں پہ پوری اترو گی۔''اور کال کٹ گئی۔ابا نے ہمیشہ اپنی کہی تھی۔وہ پوچھنا چاہتی تھی اماں نے تو ساری زندگی انکی عزت کی صابر رہیں۔پھر عمر کے اس حصے میں بھی ابا انکی عزت کیوں نہیں کرتے؟امینہ بیگم نے انکے عیب بھی ڈھانپے تھے، پھر انکا مقام کیوں نہیں؟ابا نے ہمیشہ اپنی کہی تھی بس اپنی۔۔۔اس نے سر کو گھٹنوں پہ گرا دیا۔اور بلند آواز سے گریہ کرنے لگی۔اپنے گھر کچھ بھی بتانا اب ایک عذاب سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

یہاں سے دور گوادر کی نم ہواؤں میں حاکم نواب کے کمرے میں آؤ تو انکے کان سے فون لگا تھا۔ چہرے پہ سخت برہمی۔

''خدا کی قسم، بالاج۔۔ تم ابھی جانتے نہیں حاکم نواب ہے کون۔ اگر میری بیٹی کو کوئی تکلیف دی تو تمہاری گردن پہ سب سے پہلے میرا پیر ہوگا۔ یاد رکھنا۔'' آگے سے کچھ کہا گیا تھا۔ انہوں نے سختی سے بات کاٹی۔

''وہ رو رہی تھی۔ میری بیٹی روتی نہیں ہے، بالاج۔ تم نے اسے رلایا ہے۔ اور میں تمہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ یہ آنسو آخری ہونے چاہئے۔ ورنہ تم میرا اصل روپ دیکھو گے۔'' کال کاٹ کر وہ پلنگ پہ آبیٹھے۔ اب کے انکا چہرہ مختلف تھا۔ وجیہہ چہرے پہ سخت اضطراب تھا۔ وہ یاد کرنا چاہتے تھے انکی بیٹی آخری بار کب روئی تھی۔ اور ایسا کوئی واقعہ انکی یادداشت کا حصہ نہ بن سکا۔

کیا کچھ غلط تھا؟ اگر تھا تو کیا؟ کیا وہ اسے بتا نہیں سکتی تھی کچھ ہوا ہے۔ وہ پوچھ بھی تو سکتے تھے۔ اگلی سوچ نے انہیں جھنجھلا کر رکھ دیا۔ سر ہاتھوں میں گرائے وہ کئی لمحے سوچ میں غرق رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

براق حنیف کا آفس اس وقت بوجھل سا تھا۔ آفس آنے سے لے کر اب تک وہ کافی کے کئی مگ پی چکا تھا۔ آج کی صبح اس کے لئے تازہ نہ تھی۔ میز پہ کئی رنگین پنسل، اسکیچ پنسلز رکھی تھی۔ کاغذات یہاں سے وہاں بکھرے ہوئے تھے، جب کہ ایک کاغذ پہ براق کے ہاتھ متحرک تھے۔ سی ای او ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ایک ڈیزائنر تھا۔ قیسم ٹیکسٹائل میں آدھے کا حصہ دار۔ اب اگر نظر اٹھا کر دیکھو تو دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پہ کوئی بھاری بھر کم جسامت والا آدمی بیٹھا نظر آئے گا۔ **''یاسین لاکھانی''** نامی وہ آدمی شیزل کا باس تھا۔

''یاسین صاحب آپ جانتے ہیں میں نے آپ کی فرم کو کیوں منتخب کیا تھا؟'' وہ منہمک سا اپنا کام کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ یٰسین کی زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔ براق حنیف بڑا آدمی تھا، یہاں چھوڑو سارے ملک میں لوگ اسے جانتے تھے۔ اور اسی براق حنیف کے لئے کام کرنا ایک اعزاز تھا۔

''میں نے سوچا نئی فرم ہے، مگر نئی ہو کر بھی بلندیوں کی طرف جارہی ہے تو کیوں ناں میں اس کی مدد کر دوں۔ جانتے ہیں اپنے آفس ڈیکور کی ایک تصویر ٹویٹ کر کے اس کے نیچے آپ کی فرم کا نام ڈال دوں تو آپ کہاں سے کہاں پہنچ سکتے ہیں۔؟'' بظاہر بے نیاز لہجہ، متحرک ہاتھ مگر کچھ تھا جو ماحول کو آکورڈ کئے ہوئے تھا۔

''سر کیا ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟'' یٰسین صاحب کی آواز ہلکی تھی۔ براق نے سر اٹھایا۔ مسکرایا اور واپس اپنے کام پہ جھک گیا۔

''آپ سے گناہ ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں ناں میں کس قدر پروفیشنل اور وقت کا پابند انسان ہوں۔ میں ان لوگوں کی قدر کرتا ہوں جو کام اور وقت کی قدر کرتے ہیں لیکن آپ نے میرے لئے جو ٹیم بھیجی وہ سب سے غیر پروفیشنل تھی۔'' یٰسین صاحب کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ کم از کم شیزل سیمسن کے بارے کبھی انہوں نے یہ نہیں سنا تھا۔

''آپ کی بھیجی ہوئی ٹیم پندرہ روز سے بغیر کسی اطلاع کے چھٹی پہ ہیں۔ اب مجھے بتائیں کیا میں آپ کے غیر پروفیشنل رویے کو ٹویٹر پہ پھیلا سکتا ہوں؟''

''سر پلیز آپ میری بات سن لیں۔ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ مجھے ایک بار میری ٹیم سے بات کرنے دیں میں۔'' اسکی بات بیچ میں رہ گئی۔

دروازے پہ ہونے والی دستک نے اس کا دھیان اپنی جانب مبذول کروایا۔ براق نے خوش دلی سے اجازت دی۔ادھ بنے ڈیزائن کو چھوڑ اس کی نظریں دروازے پہ ٹک گئیں۔اب شروع ہوا تھا اصل کھیل۔

مخملی سیاہ کافتان کے ساتھ سرخ رنگ کا اسٹول لئے ، بالوں کو کلپ لگا کر بینگز آگے رکھے وہ ہلکے سے میک اپ میں آج خوبصورت لگ رہی تھی۔ گردن اٹھا رکھی تھی اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔یٰسین صاحب کا بس نہ چلتا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ ڈالیں۔وہ بغیر کوئی سوال کئے آگے آئی اور براق نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''مس، شیزل صاحبہ۔۔آپ پندرہ روز سے بغیر کسی اطلاع کے چھٹی پہ ہیں کیا آپ بتا سکتی ہیں کیوں؟'' باس چبا چبا کر بولے تھے۔شیزل کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

''مجھے براق سر **(وہ جب جب سر کہتی تھی براق کھول اٹھتا تھا)** کی سیکریٹری شاکرہ کی طرف سے کال موصول ہوئی تھی۔انہوں نے ہی مجھے پندرہ دن کی چھٹی دی تھی۔آپ میری کال لاگ چیک کر سکتے ہیں۔'' اس نے باس کو دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ انگلیاں تیز تیز چلائیں۔بلا خر ایک کال لاگ نکال لیا۔اور براق کے آگے کیا۔

براق نے اس کا موبائل لیا۔اور کال لاگ آگے پیچھے کرنے لگا۔**(ذرا دیکھوں تو کس کس سے باتیں کرتی ہے)** شیزل نے جھپٹ کر اپنا موبائل واپس لیا تھا۔یٰسین صاحب کو ان دونوں کے درمیان tension نظر آئی۔ براق نے فون اٹھایا اور کال ملائی۔ تھوڑی دیر میں اسکی سیکریٹری بھی آفس میں تھی۔ شیزل کا موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔

''لیکن یہ تو میرا نمبر ہے ہی نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اور اگر ہوتا بھی تو مس شیزل آپ تب تک کیسے یقین کر سکتی ہیں؟ آپ کو اپائٹمنٹ لیٹر ملا تھا ناں؟ تو جب آپ کو چھٹی دی جاتی تب بھی آپ کو ایک **"کاغذ"** پہ یقین کرنا تھا۔ کسی کے ذاتی نمبر سے آئی کال پہ کیا آپ کی فرم یقین کر لیتی ہے؟'' اب کے شاکرہ نے معصومیت سے کہا تھا۔ شیزل نے براق کو دیکھا۔ وہ لوگوں سے امید نہیں رکھتی تھی مگر دور کہیں اسے لگا تھا شاید براق اسکی طرف ٹھہرے۔ ہر مصیبت، ہر مشکل میں وہ نظر اٹھا کر اسے دیکھتی ضرور تھی۔ مگر کمبخت نظریں پھیر لینے میں ماہر تھا۔

''فرم کی ساکھ آپ کی وجہ سے برباد ہو رہی ہے، مس شیزل۔ آپ اس بارے میں کچھ کہیں گی؟'' یٰسین صاحب درشتی سے بولے تھے۔ شیزل کو بے اختیار سبکی کا احساس ہوا۔

''انتہائی غیر پروفیشنل اور بچکانہ رویہ اختیار کیا ہے آپ نے۔ آپ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ آپ کو معلوم ہے ہمارا کتنا نقصان ہو سکتا تھا؟ اپنی ساری زندگی کی تنخواہ سے بھی بھرپائی نہیں کر سکتیں آپ۔'' اگلے چند منٹ وہ اسے بہت کچھ بولتے رہے تھے۔ شیزل نے ایک بار بھی کہیں اور نہیں دیکھا۔ وہ یک ٹک براق حنیف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھی تھی۔ عقب میں اس کا باس چیخے چاہے مر جائے۔ کم از کم براق کی آنکھوں میں ملامت ہونی چاہیے تھی۔ جو کہ دور دور تک کہیں نہیں تھی۔

''آپ کے لئے بہتر ہو گا کہ آپ براق سر سے ابھی اور اسی وقت معافی مانگیں۔'' شیزل نے اب کے مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ پر سکون تھی۔ براق نے کرسی سے سر ٹکا لیا۔ بازو سینے پہ باندھے، وہ محظوظ ہوا تھا۔

''معافی ایک فارمیلٹی ہوتی ہے۔الفاظ عمل کی جگہ نہیں لے سکتے۔ میں اپنی پچھلی تمام غلطیاں عمل سے درست کروں گی۔ براق سر کو اب میں ڈیل کے حساب سے آدھے وقت اور رقم میں کام کر کے دوں گی۔'' وہ رکی مڑ کر براق کو دیکھا۔

''کیا آپ لفاظی پہ یقین رکھتے ہیں؟ یا پھر عملی مظاہرہ؟ جس قدر پروفیشنل آپ ہیں یقیناً آپ کو دوسرا آپشن درست لگا ہوگا۔ ہے ناں سر؟'' اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ براق کی آنکھیں مسکرائیں۔ وہ شیزل کو جانتا تھا۔ وہ اسے، اپنے باس کو، اور حالات کو مینوپلیٹ کر رہی تھی۔ اسے یہی تو آتا تھا۔

معافی تلافی کے بعد باس چلے گئے تو شیزل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ براق نے بازو سینے پہ باندھ کر تفصیل سے اسے دیکھا۔

''یقیناً اب تم پچھتا رہی ہو گی۔ مرد سے انا کا مقابلہ نہیں کرتے، شیزل سیمسن۔''

''میں ضرور پچھتاتی اگر میرا مقابلہ ایک مرد سے ہوتا۔'' وہ مسکرا کر بولی جبکہ براق نے ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ چہرہ ایک پل میں سرخ پڑا۔

''تمہیں مجھ سے معافی مانگنی ہو گی۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا۔

''لیکن پانچ منٹ قبل میں نے جو اپنی آدھی پیمنٹ تمہیں عطیہ کر دی اس کا کیا؟'' براق اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی جگہ سے گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

''تمہیں آخر غرور کس بات کا ہے؟'' شیزل چند لمحے اسکی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ کچھ ملامت کرنے کو لب کھولے پھر بند کر دیئے۔ وہ جانتی تھی آفس جا کر باس اسے ایک بار پھر ذلیل کریں گے۔ وجہ براق حنیف ہو گا۔

''میرے ورکنگ آورز ختم ہو چکے۔ مجھے چلنا چاہیے۔'' سپاٹ انداز میں کہتی وہ باہر نکل گئی۔ وہ شدید دکھی اور مضطرب تھی۔ آنکھیں نم ہوئیں تھیں مگر وہ چلتی گئی۔

اس کی پروفیشنل زندگی میں آج تک اتنی سبکی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ملامت بھی براق کے نام۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں بالکنی کی ریلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی زینیا کے ارد گرد کتابیں کھلی تھیں۔ وہ ذرا سی دیر پڑھنے لگتی پھر کتاب بند کر دیتی۔ چائے پڑے پڑے برف ہو چکی تھی۔ مغرب کے ڈھلتے سائے رات کی آمد آمد تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ذرا سے فاصلے پہ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑی شیزل نے سوال کیا۔ زینیا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ چند پل خلا میں دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

'' بالاج نے مجھے ایک بار بھی فون کر کے معافی نہیں مانگی۔''

''کیا اس کے فون کرنے سے تم معاف کر دو گی؟'' شیزل ایک پل کو رکی۔

''تم اسے معاف نہیں کرو گی زینم۔ تم اب بھی گریف کے ان پانچ درجوں کے بیچ کہیں نہ کہیں بھٹک رہی ہو۔ کبھی تم پہ انکار غالب آجاتا ہے، کبھی سودے بازی، اور کبھی ڈپریشن۔ انسان اس بھنور سے کبھی نکل ہی نہیں سکتا۔'' اس نے کافی کا لمبا گھونٹ لیا۔

''تم اس سے محبت نہیں کرتی تھیں ہے ناں؟ لیکن تم نے اسے اپنا ڈھیر سارا سونا اٹھا کر دے دیا۔ حالانکہ تم اپنے باپ کے لئے بھی اتنی ایفرٹس نہیں کرتیں۔ پھر اس کے لئے کیوں؟''

چند لمحے زینیا کچھ نہ بولی۔ پھر کافی دیر بعد اسکی آواز سنائی دی۔

''میرے اماں اور ابا کی شادی ایک ٹریجڈی تھی۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی جو غلطیاں میری اماں نے کی ہیں میں نہیں دہراؤں گی۔ اماں نے کبھی ابا کو نہیں بتایا کہ وہ ان سے محبت کرتی ہیں۔'' وہ رک گئی۔ یہ حصہ وہ کسی انسان پہ نہیں کھولتی تھی مگر ٹراما انسان کو اس کے خول سے باہر نکال آتا ہے۔

''میں نے سوچا تھا بالاج ساری عمر میرے آگے پیچھے رہا ہے اس کے دل میں ہمیشہ سے یہ بات تھی کہ میں اس سے اعلیٰ ہوں۔ میرے لیے ایفرٹس وہی کرتا تھا۔ مرد ہو یا عورت یکطرفہ کوششوں سے تھک جاتا ہے۔ میں بالاج کو بتانا چاہتی تھی کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔ اس کے مسائل میرے مسائل ہیں۔ ہم دونوں ایک ہیں۔''

''یعنی یہ سب بس اس کی نظروں میں آنے کے لئے تھا؟'' زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں نہیں جانتی کیسے مگر نکاح نے میرے دل پہ اثر کیا تھا۔ میں اس سے محبت نہیں کر سکی، مگر مجھے اس کی تکلیف بری لگتی تھی۔ میں چاہتی تھی میرا شوہر اونچا رہے، خوش رہے۔ مجھے پسند کرتا رہے۔ آج میں یہ بات مانتی ہوں کہ نکاح دل پہ تاثیر چھوڑتا ہے۔'' اس نے گردن جھکا دی۔ دل میں نرم گوشے اسے ہمیشہ کوفت زدہ کرتے تھے۔

'' ایک بات بتاؤ۔ تمہیں وجدان ملتے ہیں ناں؟ تو جب وہ تمہیں چیٹ کر رہا تھا تب تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوا؟'' زینیا اسکی بات پہ سوچ میں پڑی۔

''مجھے یقین تھا وہ مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے۔ مجھے لگا شاید وہ غیر قانونی طریقوں سے ملک سے باہر جا رہا ہے۔ یا پھر پیسوں کا کوئی انتظام کر رہا ہے۔ وہ میرے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' یکدم اسکی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔

''بچپن سے بالاج کو ہمیشہ اپنے آگے پیچھے پھرتے دیکھا ہے۔ میں اعلیٰ اور وہ پرستار۔ چاہے جانے کا احساس آپ کو بے خوف کر دیتا ہے۔ مجھے بالاج سے ہر قسم کا خوف ہو سکتا ہے، مگر وہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو چنے گا۔ میں آج تک اس بات کو تسلیم نہیں کر سکی۔'' اسکی آواز سنبھلی ہوئی تھی، مگر آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''میں نے اسے کہا طلاق دو اور اس نے دے دی۔''

''تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''میں غصے میں تھی۔''

''اسے بھی غصہ آسکتا ہے، زینیا۔'' شیزل نے سمجھانا چاہا۔

''تو وہ چلا جاتا۔ اس نے مجھے مارا تھا۔ مجھے دھوکہ دیا تھا۔۔۔ وہ واک آؤٹ کر سکتا تھا۔ وہ مجھے وہاں چھوڑ کر جا سکتا تھا۔'' اس نے بھیگی آنکھیں بند کر لیں۔ ''وہ اس لڑکی کو طلاق دے سکتا تھا۔۔۔'' زینیا کے دل میں کرب نے گھر کیا۔ ''اس نے مجھے چھوڑ کر تعاشی کو چنا، اس نے مجھے چھوڑ کر کمفرٹ چنا۔ اس نے زینیا حاکم کو چھوڑا اپنی بیوی کو۔'' بری طرح روتے ہوئے اسکی ہچکی بندھ گئی تھی۔

''اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ نہ میں پڑھ سکتی ہوں۔ نہ میں کچھ کر سکتی ہوں۔ نہ مجھے دنیا اچھی لگتی ہے نہ دین۔ زیرو پوائنٹ پہ آگئی ہوں میں۔ مجھے نہیں معلوم میں یہاں سے کہاں جاؤں۔'' شیزل اس کے قریب آبیٹھی۔ زینیا روتے ہوئے کہتی رہی۔

''میں اپنے گھر میں کچھ نہیں بتاسکتی ورنہ ابا میرا قتل کر دیں گے۔ بشر مجھ پہ یقین نہیں کرے گا، اگر کر لیا تو اس کا اپنا گھر تباہ ہو گا۔ میں پورے خاندان کے لئے کرس بن جاؤں گی۔ میں کیا کروں کہاں جاؤں؟'' شیزل نے دھیرے سے اسے خود سے لگایا۔ اور ہولے ہولے سے اس کا سر تھپکنے لگی۔

''میں نے اس کی ہر بات مانی، میں نے اماں کی مانی میں نے لوگوں کی بھی مانی۔ ہر طرح سے شادی بچانی چاہی۔ آخر میرا قصور کیا تھا؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔ بس نہ چلتا تھا کہ زور زور سے اپنے سینے پہ ہاتھ مارے۔ شیزل نے اسے خود سے جدا کیا اس کے ہاتھ پکڑے اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہر شادی کسی قصور کو وجہ سے نہیں ٹوٹتی۔ ہر شادی میں ایک برا ایک اچھا نہیں ہوتا۔ ہر شادی میں ایک سیاہ اور دوسرا سفید نہیں ہوتا۔ کچھ۔ شادیوں۔۔ کا۔ ٹوٹنا۔ بخت۔ ہوتا ہے۔'' اس نے ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیا اور زینیا ایک پل کے لئے ہل نہ سکی۔

''اس روز ایئرپورٹ پہ وہ بیلا کو بھی طلاق دے سکتا تھا۔ لیکن وہ طلاق تمھارے بخت میں لکھی تھی۔ تم کرسڈ نہیں ہو۔ بالاج برا یا اچھا نہیں ہے۔ تمہاری شادی کا ٹوٹنا destiny تھا۔ تم دونوں میں کوئی اچھا یا برا نہیں تھا۔ تم دونوں مس میچ بھی نہیں تھے۔ تم دونوں کے درمیان وقت برا تھا۔ ورنہ بالاج وہی ہے جس نے ایک منگنی ٹوٹنے کے بعد بھی تم سے شادی کی۔ جس نے شادی کے

بعد تمہیں آسائشات دینی چاہیں۔ تم وہی ہو جس نے اپنا ڈھیر سارا زیور اسے دے دیا۔ جس نے اسے ایک ہزار دفع معاف کیا تھا۔'' زینیا ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''اب سے تم خود کو قصور نہیں دو گی۔ کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔ اپنے گھر پہ بات کرو، انہیں بتاؤ۔۔''

''ابا مجھے جان سے مار دیں گے۔'' زینیا نے خوف زدہ ہو کر اپنے ہاتھ چھڑوائے۔ شیزل نے سختی سے اس کے ہاتھ دوبارہ پکڑ لئے۔

''اپنے ابا کو بتاؤ اس سے پہلے کہ بالاج بتا دے۔ جو پہلے آتا ہے، مظلوم وہی بنتا ہے۔ شادی ٹوٹ چکی ہے۔ اب جو جتنا مظلوم، اتنا بے قصور۔ سب سے پہلے اپنے بہن بھائیوں کو بتاؤ۔ اس کے بعد اماں ابا کو۔ اوکے؟''

''بتانے سے کیا ہو گا؟ ابا مجھے واپس بلا لیں گے۔ لوگ مجھ پہ ہنسیں گے، میں سب کے لئے تماشا بن جاؤں گی۔ تم مجھے بتاؤ کیا میرے لئے کو سیف راستہ ہے؟'' شیزل نے اب کے اس کے ہاتھ چھوڑے۔

''یہاں اس پائنٹ پہ میں واقعی نہیں جانتی تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ کہاں جانا چاہیے۔ طلاق ایک بہت بڑی تباہی ہے۔ کاش کوئی اس کے بعد کسی کو آباد رہنا سکھا سکتا۔'' شیزل اسکے ساتھ نیچے بیٹھ گئی۔ زینیا کا دل خوف سے بھر چکا تھا۔ ابا اسکی نہیں سنیں گے، انہوں نے آج تک نہیں سنی تھی۔ بشرا اسکی وجہ سے اپنا گھر خراب کرے گا۔ خاندان والے اسکی باتیں کریں گے اور بالاج۔۔۔

وہ اس کے بغیر ایک دوسری عورت کے ساتھ خوش ہے۔ مرد کے حصے میں ہمیشہ کم مصائب کیوں آتے ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے کچھ دن عجیب سی بے کلی میں گزرے تھے۔ آج صبح دس بجے کے بعد زینیا باہر نکل آئی۔ یونیورسٹی سے اس کا آف تھا۔ اور اسے دوبارا اسی فوٹو گرافی برانچ سے ٹرائل کی کال آچکی تھی، جہاں اس نے اپنی سی وی بھیجی تھی۔ سی وی بھیجنے اور انٹرویو دینے سے قبل اسے معلوم نہیں تھا کہ قیسم کا مالک قیس کمبیر ہے۔ اور اگر ہے بھی تو سی ای او کا ایک فوٹو گرافر سے کیا تعلق؟

شیزل کی چھوٹی گاڑی اسلام آباد کی سڑکوں پہ دوڑ رہی تھی۔ زینیا پسنجر سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ نظریں باہر بھاگتی دوڑتی زندگی پہ جمی تھیں۔ اچانک اس نے گردن موڑ کر شیزل کو دیکھا۔

"قیسم ملک کا بہت بڑا فیشن برانڈ ہے ناں؟ پھر مجھے منتخب کر لینے کا مقصد؟ میں نے تو آج تک کہیں کام بھی نہیں کیا۔" کافی دن بعد اس کی شکی روح باہر نکلی تھی۔ شیزل کو اچھا لگا تھا۔

"قیسم میں کبھی بھی آپ سے work experience نہیں مانگا جاتا۔ نہ وہاں سفارش پہ کام ملتا ہے۔ بس آپ کے پاس ٹیلنٹ ہونا چاہئے۔ یوں سمجھ لو قیسم کی ٹیم جوہری ہے۔ ہیرے تلاش کر لیتے ہیں۔" اس نے کہتے ساتھ موڑ کاٹا۔ وہ ڈرائیونگ میں اچھی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ اور کیوں؟" وہ الجھی۔

"کیونکہ قیسم کا مالک ایک لمبی اسٹرگل کے بعد اس مقام تک آیا ہے۔ اس لئے وہ لوگوں کو چانس دیتا ہے۔ وہ برا نہیں ہے بس بنتا ہے۔" زینیا اس کی بات پہ خاموش ہوگئی تھی۔ شیزل نے ایک محتاط نظر اس پہ ڈالی، پھر کچھ کہنے کو لب کھولے، مگر پھر بند کر

دیئے۔وہ نہیں چاہتی تھی زینیا قیس کے ساتھ یا پھر براق کے ساتھ کام کرے۔ قیس مشکل تھا اور براق۔۔اس کی شان میں تو غزل لکھی جاسکتی تھی۔ مگر وہ اس جاب آفر کے بعد زندگی کی طرف واپس آنے لگی تھی۔اور شیزل اس سے یہ چھیننا نہیں چاہتی تھی۔

قیسم کے باہر گاڑی رکی۔وہ دونوں ایک ساتھ باہر آئی تھیں۔زینیا مسمرائز ہو کر اس عمارت کو دیکھنے گئی۔داخلی دروازے سے اندر آتے ہوئے اس نے ایک الگ ہی دنیا دیکھی۔وہ ڈیزائنرز جن کے بس نام سنے تھے،وہ تمام اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے۔ہر ایک کیبن میں کام کر رہا تھا۔اور ان کے کیبن کے باہر انکا نام درج تھا۔پرس کو مضبوطی سے کندھے پہ درست کرتی ،تھوک نگلتی وہ لفٹ کی جانب بڑھی۔اس کے ساتھ ہی دو اور لڑکیاں بھی لفٹ میں داخل ہوئیں۔اونچی ہیلز،برانڈڈ آؤٹ لیٹس،میک اپ اور خوشبوؤں میں رچی بسی ڈیزائنرز۔زینیا کو اپنا اعتماد متزلزل ہوتا محسوس ہوا۔وہ آج اپنے سب سے مہنگے جوتے پہن کر آئی تھی،سب سے نفیس جوڑا مگر کچھ تھا جو مس فٹ تھا۔زینیا کو یہ دنیا الگ لگی۔

وہ لفٹ سے باہر نکلی لمبی راہداریوں میں قدم اٹھاتے ہوئے وہ ایک جگہ ٹھٹھک کر رکی۔سامنے سے قیس چلا آرہا تھا۔اس کے آس پاس لوگ تھے اور وہ سنجیدگی سے انکی باتیں سن رہا تھا۔زینیا کو وہ معتبر سا لگا۔یہ وہ قیس نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی،یہ اونچا تھا اور اعلیٰ بھی۔اسے اپنے سامنے کھڑے دیکھ وہ رکا نہیں بس ایک اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔زینیا کو بے تحاشا حیرت ہوئی تھی۔اسے لگا تھا وہ رک کر کوئی بات کرے گا۔کوئی زہریلہ جملہ،کوئی سخت بات مگر وہ چلا گیا۔کیا اس نے اسے پہچانا نہیں؟

کچھ وقت بعد وہ کانفرنس روم میں موجود تھی۔گو کہ قیسم کے پاس دو انٹرویو رومز تھے۔مگر ان دنوں ذرا ڈیکور کا کام چل رہا تھا۔آفس کے بیچوں بیچ رکھی کرسیوں پہ چار لوگ بیٹھے تھے۔انہوں نے اپنا تعارف کروایا تھا۔دو ڈیزائنر تھے۔جن کے کام کی

تصاویر لی جاتی تھیں۔اور دو اس ٹیم کا حصہ تھے جنہوں نے اسے جاب دینی تھی۔اور اس ٹیم میں مقصود کمبیر شامل تھے۔**(کچھ دن قبل انہیں anxiety attack ہوا تھا۔جسے انکا نرس اور ملازم ہارٹ اٹیک سمجھ بیٹھے تھے۔اس وقت انہیں دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ وہ کبھی بیمار بھی پڑے ہوں گے)**۔دو عورتیں اور دو مرد اب اس کا تفصیلی جائزہ لے رہے تھے۔گلاس وال ان کے عقب میں کافی دور تھی۔

''آپ کو کچھ ہفتے پہلے ٹرائل کال آئی تھی۔لیکن آپ نہیں آئیں کیا ہم وجہ جان سکتے ہیں۔؟''ان میں سے ایک بولا تھا۔زینیا کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔وہ ماننا نہیں چاہتی تھی، مگر وہ نروس تھی۔

''میرے کچھ فیملی پرابلمز تھے۔اور تب میں یہ جاب نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

''اب اچانک آپ یہ جاب کرنے کے لئے کیوں راضی ہو گئی ہیں؟اور ہم آپ کو یہ جاب کیوں دیں؟''

''اس لئے کیونکہ انہیں میں نے سیلکٹ کیا ہے۔''گلاس ڈور دھکیل کر آتا براق کہہ رہا تھا۔قیس اس کے ساتھ ہی تھا۔''میں نے مس زینیا کی کھینچی ہوئی تصاویر دیکھی ہیں اور مجھے بہت پسند آئیں۔میرا خیال ہے قیسم میں صرف ٹیلنٹ ہی کی بنا پہ نوکری دی جاتی ہے۔''

''آپ نے جو تصاویر دیکھی ہیں وہ پرندوں، حشرات، اور پانی کی ہیں۔قیسم میں میرا کام **''لوگ''** اور **''آرٹ''** ہے۔مجھے لگتا ہے آپ کو میرا ٹرائل لینا چاہیے۔''مقصود صاحب نے پہلی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔براق بھی سامنے آیا۔زینیا پہ نظر پڑتے ہی اس نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھا۔

''اوہ خدایا یہ تو مہدی کی لڑکی ہے۔''اس کی آواز صد شکر کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ وہ زینیا اور مہدی کو ایک بار ساتھ دیکھ چکا تھا۔ سواب کے اسکی دلچسپی اس لڑکی میں بڑھ گئی۔ ان کے ساتھ بیٹھی عورت اب اس سے کچھ سوال کر رہی تھی۔ اسی لمحے مقصود کے ہاتھ سے چشمہ چھوٹ کر نیچے گرا۔ میز کی کونے والی جانب بیٹھے تھے۔ اور زینیا بھی سو وہ جھکی۔

''رک جاؤ۔'' وہ تحکم سے بولے۔ ''میری معذوری پہ ترس جتا کر تم یہاں جاب حاصل نہیں کر سکتیں۔''

''آپ ٹانگوں سے معذور ہیں۔ ہاتھ اور کمر سے نہیں۔''اس نے جھکے ہوئے اپنا سنہری چھلا اٹھایا۔ سیدھی ہوئی، ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اور اگر ہوتے بھی تو میں نے فلحال ترس کی ان حدود کو نہیں چھوا کہ بغیر کہے آپ کی مدد کروں۔''اس کے عقب میں کھڑا قیس ہلکا سا مسکرایا تھا۔ براق کے لب ستائش سے گول ہوئے۔ مقصود کے تاثرات اب بھی برف تھے۔

''مجھے آپ کا ٹرائل چاہیے، مس حاکم۔'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قیس کمبیر آگے آیا۔ زینیا نے اسے دیکھا اور شیور کہتے ہوئے اپنے بیگ سے کیمرہ نکالا۔

''مجھے کس کی تصاویر لینی ہوں گی؟'' وہ کیمرے کے اوزار درست کرتے ہوئے بولی۔

''میری۔''ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے وہ سنجیدہ تھا۔ براق برا مان گیا۔ پہلی تصویر اسکی لی جانی چاہیے تھی۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔ کلک کرنا چاہا مگر یہ پکچر پرفیکٹ قیس نہیں تھا۔ کچھ مس فٹ تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اونہوں کچھ نہیں بہت کچھ مس فٹ تھا۔ اس نے کیمرہ نیچے کیا اور خود آگے بڑھ آئی۔ قیس کے عقب میں کھڑے ہو کر اس نے کرسی کو پیچھے دھکیلنا شروع کیا۔ پاور چیئر کے چھوٹے ٹائر مددگار ثابت ہوئے اور کرسی کھنچتی چلی گئی۔ گلاس وال کے بلکل قریب آکر اس نے کرسی کا رخ ترچھا کر

دیا۔ مقصود باقاعدہ گردن موڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ باقی سب بھی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اب واپس اپنی جگہ پہ آ گئی تھی۔

''تصویر اتارنے کا سب سے پہلا اصول ہے اپنے **"سبجیکٹ"** کو **"رئیل"** رکھیں۔ قیس سر میرا سبجیکٹ ہیں۔ گلاس وال سے نظر آتا شہر اور بلندی انکا اصل۔'' اس نے دھڑا دھڑ کئی تصاویر ایک ساتھ اتاریں۔ ''دوسرا اور سب سے اہم اصول۔ اپنے سبجیکٹ کو "suitable" بیک گراؤنڈ دیں۔ قیس سر آپ سب کے بیچ مس فٹ تھے۔ ان کے تاثرات وہیں رئیل آئیں گے جہاں سے انکا گہرا رشتہ ہے۔'' اس نے تصویر کھینچ کر کیمرہ نیچے کر لیا۔

''اور وہ جگہ کیا ہے؟'' براق بے اختیار بولا۔

''بلندیاں۔'' وہ دونوں بیک وقت بولے تھے۔

سب نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔ زینیا کی لی گئی تصاویر سب دیکھ رہے تھے۔ اور اگلے کئی لمحات سلو موشن میں ہوئے، اسے منتخب کر لیا گیا تھا۔ اسکی تصاویر پہ داد دی گئی تھی۔ اسے قیسم میں کام کرنے کے مواقع مل گئے تھے۔ کیا زینیا حاکم پہ زندگی مہربان ہونے لگی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆

قیسم سے واپسی پہ وہ پارک چلی آئی تھی۔ دل کا ایک کونہ خوش تھا مگر اداس کونہ غالب تھا۔ بنچ اور یہ پارک اس کا کمفرٹ بنتا جارہا تھا۔ دفعتاً اس کا موبائل تھرتھرایا۔ زینیا بری طرح چونکی تھی۔ ہر آہٹ، ہر فون کال اسے ڈرادیتی تھی۔ بالاج کی واپسی کا خیال پختہ ہونے لگتا تھا۔

''weirdo **کالنگ**'' کے الفاظ جگمگائے تو اس نے فون کان سے لگالیا۔

''کیا ہم تھوڑی دیر کے لئے مل سکتے ہیں؟'' نہ سلام نہ دعا نہ تمہید وہ سیدھا مدعے پہ آیا تھا۔

''میں ہاسٹل کے پاس پارک میں ہوں۔'' سپاٹ انداز میں کہہ کر اس نے کال ختم کردی۔ تھوڑی دیر بعد سرمئی سوئیٹر کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے وہ دور سے آتا دکھائی دیا۔

''کیا تم ٹھیک ہو؟'' اس کے قریب رک کر نرمی سے پوچھا۔

''میری طلاق کی وجہ پوچھنے آئے ہیں تو نہیں بتاؤں گی۔ تسلی اور دلاسے کی مجھے ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ۔۔''

''تم ٹھیک ہو، زینیا حاکم؟'' اس نے دہرایا۔ زینیا نے لب بھینچ لئے۔ رخ موڑ لیا۔ مہدی اس سے فاصلے پہ بنچ کے دوسرے سرے پہ بیٹھ گیا۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ بھول جاؤ آگے بڑھو۔ میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں تمہاری جگہ پہ نہیں ہوں میں بس تم سے بس پوچھوں گا ٹھیک ہو، زینیا حاکم؟''

''ٹھیک ہونا کیا ہوتا ہے؟'' زینیا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''کوئی ایک غم تمہاری دوسری خوشی پہ حاوی نہ ہونا۔ یہ ٹھیک ہونا ہے۔'' زینیا سن رہ گئی۔ وہ اسے اتنے اچھے سے جان گیا تھا کیا؟

''اپنے مسائل اس انسان کے ساتھ بانٹنا جس کے پاس واقعی حل ہوگا۔ جس نے ہمیشہ حل دیئے ہیں۔ یہ ہوتا ہے ٹھیک ہونا۔'' اسکی آنکھوں کے آگے بشر کا چہرہ تھا۔ اس کا بھائی اس کا دوست۔ ''ہونی سے ڈرنا۔ اور اس ڈر کی وجہ سے اپنے ساتھ ہوا ظلم چھپا لینا۔ جانتی ہو ناں۔ جھوٹ کیا کیا تباہ کر سکتا ہے؟'' کیا وہ جانتا تھا زینیا نے اپنے گھر پہ کچھ نہیں بتایا؟

''مجھے اس سے چھپانا ہوگا کیونکہ اس کے بعد میری موت آئے گی۔''

''آج کے زمانے میں طلاق عام ہو چکی ہے۔ تم اتنا کیوں ڈر رہی ہو؟ زمانہ بدل چکا ہے۔''

''ٹویٹر اور انسٹا گرام والوں کے لئے بدلا ہوگا۔ ہمارے لئے طلاق آج بھی کرس ہے۔ ہمارے یہاں طلاق ایک لڑکی کو نہیں پورے خاندان کو ہوتی ہے۔'' اسکی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ ہاتھوں کی نسیں پھول گئیں۔ ''میری ڈراما اور انسکیورٹیز کی ماری بہن کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔''

''کیا پتہ وہ پہلے ہی اس رشتے سے ناخوش ہو؟''

''میرا بھائی بہت مشکل سے زندگی کی طرف لوٹا ہے۔ میں اس کا گھر تباہ نہیں کر سکتی۔''

''کیا معلوم وہ اتنا مجبور ہو کہ معملہ سنبھال لینا جانتا ہو؟'' زینیا خاموش ہو گئی۔ بحث کے لئے الفاظ نہیں رہے۔

''میں تمھارے ساتھ مخلص ہوں۔ میں چاہوں گا کہ تم حالات کا مقابلہ کرو کیونکہ یہی تمہارا اصل ہے۔اس وقت تم اس کبوتر کی مانند ہو جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں موند لیتا ہے۔ موت پھر بند آنکھوں سے گر کر بھی ہو سکتی ہے۔اور بلی کے کھا جانے سے بھی۔ یہ تم پہ منحصر ہے کہ اپنے لئے کونسی موت چنتی ہو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اسکی آنکھیں فکر مند تھیں۔

''میں تمھارے ٹھیک ہونے کا انتظار کروں گا۔'' زینیا نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''فلحال میں آپ کے یہاں سے جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔'' مہدی گردن جھکا کر ہنس پڑا۔

''میں جا رہا ہوں۔اب تم کچھ عرصہ مجھے دیکھ نہیں پاؤ گی۔ میری تصویر لے کر رکھو۔ میں چلا جاؤں، تو بہت یاد آتا ہوں۔'' زینیا اسے دیکھ کر رہ گئی۔۔

''میں اسپین جا رہا ہوں۔ تمھارے لئے کچھ لاؤں؟''

''جتنے عرصے کے لئے جا رہے ہیں۔اس سے دگنا عرصہ گزار کر آیئے گا۔یہی میرا تحفہ ہے۔'' مہدی دوبارہ ہنس پڑا۔چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔زینیا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

کم از کم مہدی کمبیر کے پاس جائے فرار تو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شیشے کے سٹوڈیو میں اس وقت کئی ڈیزائنرز جمع تھے۔ منتخب شدہ فوٹو گرافرز آج انکی تصاویر اتار رہے تھے۔کچھ ویڈیو گرافرز بھی تھے۔زینیا ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ سفید رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی قمیض کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ پہنے، سفید ہی دوپٹہ سر پہ جما

تھا۔ گلے اور دوپٹے کے بارڈر پہ سنہری کام ہوا تھا۔ آج کافی دنوں بعد اس کے چہرے پہ بشاشیت تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک پہ اس نے مڑ کر دیکھا۔ حدیبیہ نواز اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

''تم قیس سر کے لئے کام کرو گی۔ آؤ میرے ساتھ۔'' زینیا کو اپنی زندگی کی سب سے غیر متوقع بات سننے کو ملی تھی۔ وہ گہری سانس لیتی اس کے ساتھ چل دی۔ راہداریوں میں قدم اٹھاتے ہوئے اسے اندازہ ہو رہا تھا سب کچھ کتنا شاہانہ ہے۔ سربراہی آفس کے سامنے رک کر حدیبیہ نے انگلی سے ناک کیا۔ اندر سے ''**آجاؤ حبیب۔**'' کی آواز آئی۔ زینیا کو حیرت سی ہوئی۔ یہ حبیب تو نہیں ہے۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تو قیس گلاس وال کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں اور دوسرے میں کافی کا مگ، جس سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ آہٹ پہ وہ مڑا، اچٹتی سی نگاہ زینیا پہ ڈالی اور اپنی کرسی پہ آکر بیٹھا۔

''میرا پورا چہرہ نہیں آنا چاہیے۔ بس سائیڈ پوز کافی ہیں۔'' اس نے ہدایات دیتے ہوئے چہرہ کاغذات پہ جھکا دیا۔ ہاتھ میں اسکیچ پنسل تھی۔ میز پہ ایک چھوٹا سا سنگی مجسمہ بھی رکھا تھا، اطراف میں کپڑے کے ٹکڑے پڑے تھے۔ شاید وہ کوئی ڈریس بنانے کی مشق کر رہا تھا۔

''کیا تمہیں وقت ضائع کرنا پسند ہے، زینیا؟'' اسے اپنی جگہ منجمند کھڑا دیکھ وہ سنجیدگی سے بولا۔ زینیا ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''کیا میں صرف تمہاری تصاویر لینے والی ہوں؟ سٹوڈیو میں کسی اور کی کیوں نہیں؟'' قیس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اول تو تم مجھے آپ کہو۔ دوئم مجھ میں یا پھر میری تصاویر میں کیا مسئلہ ہے۔؟''

''اول تو تم اپنے کانٹریکٹ کی شق نمبر سات پڑھو۔ تمہارے کوئی بھی ایمپلائی تمہیں آپ، تم، باس، بڑی، بھائی سب بول سکتے ہیں۔ کوئی فارمیلٹی نہیں۔'' اس نے کیمرے کے لینز کو پھونک مار کر صاف کیا۔ ''تمھارے تاثرات فیک ہیں۔ تصاویر بھی فیک آ رہی ہیں۔ کیا تم اس وقت موڈ میں نہیں؟ یا پھر اپنا بنایا گیا ڈیزائن پسند نہیں آ رہا؟''

''تم بس تصاویر لو اور جا کر باقی کام کرو۔ میرے تاثرات کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے دوبارہ گردن کاغذات پہ جھکا دی۔ آڑھی ترچھی لکیریں تھیں اور تھکے تھکے سے جملے۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ کے قریب رکھ کر ایک دو تصاویر کھینچیں، مگر بے دلی سے انکور دکیا۔ یہ تصاویر اسکا کیریئر بنا اور خراب کر سکتی تھیں۔۔

''تم اس مجسمے کو چھونا، یا پھر یہ کپڑا اس کے اوپر رکھو۔ میں کلک کروں گی۔ اوکے؟'' وہ دیوار سے لگ کھڑی ہوئی، سانس روک لیا تصویر کھینچی مگر یوں لگتا تھا جیسے وہ انسان نہ ہو کوئی بے جان مجسمہ ہو۔ زینیا کو بےزاری سی ہوئی۔ قیس بھی بے دلی سے پیچھے کو ہو بیٹھا۔

''کیا تم میرے ساتھ کمفرٹیبل نہیں ہو، قیس؟ ہم بریک لے لیتے ہیں۔ اگر تم کچھ پینا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے کافی منگوالو۔'' وہ واقعی اس طرح تصویر نہیں اتار سکتی تھی۔ ''تم پوری طرح غائب دماغ ہو۔ آرٹسٹ ایسا نہیں ہوتا جب اس کے سامنے اس کا کام ہوتا ہے تب وہ اس دنیا میں نہیں ہوتا۔'' وہ آگے آئی کیمرہ قیس کے آگے کیا۔

''تمہاری آنکھوں میں چمک نہیں۔یعنی تمہیں یہ کام نہیں پسند۔تمھارے جبڑے بھینچے ہوئے ہیں، یہ آرٹسٹک سٹائل نہیں ہے۔تمھارے ہاتھوں کی حرکت بے جان ہے، جیسے تمھارے ساتھ زبردستی کی جارہی ہو۔'' قیس بٹن دباتے ہوئے ایک ایک تصویر آگے کرتا جارہا تھا۔اس کے تاثرات بگڑتے جارہے تھے۔

''کیا تمہارا آرٹ بلاک ہے؟'' تین ماہ، تین ماہ سے وہ اس بلاک کا شکار تھا۔اور اس لڑکی نے تین منٹ میں کھوج لیا۔قیس کا دل اتنی شدت سے دھڑکا تھا جس کی کوئی حد نہیں۔وہ اپنے راز کھوج لئے جانے سے ڈرتا تھا۔اس پل اس لمحے اسے زینیا سے بے تحاشا خوف آیا۔

''تم جاؤ ہم یہ کام پھر کبھی کرلیں گے۔'' اس نے دانستہ صفحات یہاں سے وہاں کرنے شروع کر دیئے۔اسکی انگلیوں میں لرزش تھی۔زینیا کھڑی رہی۔

''بلاک دو طرح کا ہوتا ہے ایک جس میں آپ مسلسل ایک ہی چیز بنا کر یا لکھ لکھ کر تھک گئے ہوتے ہیں اور آپ کو کچھ مختلف کرنا ہوتا ہے۔'' وہ دراز الٹ پلٹ رہا تھا۔گویا اسے زینیا کے بولنے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔''دوسرا۔آپ واقعی تھک چکے ہوتے ہیں اور آپ کو آرام چاہیے ہوتا ہے۔یاد کرنے کی کوشش کرو۔تمہیں آرام چاہیے یا بدلاؤ؟'' اس کے ہاتھوں کی رفتار سست ہوئی۔اسے بے اختیار وہ سرخ گاؤن یاد آیا۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ہاں اسے بدلاؤ چاہیے تھا۔

''تمہیں ایک بات سمجھ نہیں آتی؟ میں نے کہا ہے جاؤ۔گیٹ لاسٹ۔'' خود پہ قابو پا کر وہ برف انداز میں بولا۔زینیا نے چپ چاپ اپنا سامان اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

واپسی پہ دروازہ ٹھاہ کی آواز سے مارنا نہیں بھولی تھی۔ گیٹ لاسٹ کا بدلا تھا دروازہ منہ پہ مارنا۔ حدیبیہ بے اختیار چونکی وہ دروازہ منہ پہ مار کر گئی تھی اور قیس کو برا نہیں لگا تھا؟

☆☆☆☆☆☆

"دو دن بعد۔"

بارش نے آج سارے کو جل تھل کر دیا تھا۔ سردی نے شدت اختیار کر لی تھی۔ لوگ گرم کپڑے پہنے ہوئے اپنے کاموں کو نکل گئے تھے۔ ایسے میں ہاسٹل کی چھت پہ کھڑی زینیا حاکم نے ایک کال ملائی تھی۔ ان دو دنوں میں وہ خود کو ہر قسم کے حالات کے لئے تیار کر چکی تھی۔ جانتی تھی اسکی طلاق طوفان لا سکتی تھی، مگر اسے بتانا تھا۔ کم از کم اپنے بہن بھائیوں کو۔

آئینے کے سامنے بال بناتی، کندھے اور کان کے درمیان فون لگا کر بیٹھی کونج حاکم کا موبائل گنگنایا تو اس نے ضیغم کی کال بند کر زینیا کو کال ملائی۔ پورے ایک ماہ بعد انکی کوئی بات ہو رہی تھی۔

"تمہارا نمبر بزی آرہا تھا۔ اتنی لمبی بات کس سے کر رہی تھیں؟"

"مجھے چھوڑو تم بتاؤ۔ بالاج بھائی کیسے ہیں۔ کل رات میں نے میسج کیا تھا نہیں۔ کہہ رہے تھے زینی ان سے ناراض ہے۔ کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟ ایک اور بات ابا اسلام آباد آئے ہیں تم ملی ان سے؟" یہ مختلف کونج تھی۔ اس کے لہجے میں کھنک سی تھی۔ جیسے وہ بہت خوش ہو۔ زینیا نے ہمت مُجتمع کی، الفاظ ذہن میں ترتیب دیئے۔

''کونج۔۔اگر میں اور بالاج۔۔اگر ہم دونوں کبھی الگ ہونا چاہیں؟۔میرا مطلب ہے اگر ہماری کبھی نہ بن سکے۔۔تم تو ویسے بھی ضیغم سے رشتے پہ راضی نہیں ہوناں؟''دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔کونج نے اپنے دل کو رکتا محسوس کیا۔

''میں ضیغم سے محبت کرتی ہوں،زینی۔''اسکی آواز ہلکی تھی۔بے حد ہلکی۔''جس دن اس کی اور میری منگنی کو تمہاری یا بالاج کی وجہ سے کچھ ہوا۔میں اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے لوں گی۔''زینیا کی سماعتیں سن ہو گئیں۔فون پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑی۔

''جب تم مجھے یہاں چھوڑ کر گئیں تھیں،تب سے ضیغم میرے ساتھ ہے۔محبت کو میرے لئے کرس نہ بنانا۔''زینیا آگے نہ سن سکی اس نے دہل کر کال کاٹ دی۔کونج بار بار ضیغم کو کال ملانے لگی تھی۔اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

اسے جو محبت،جو توجہ اپنے باپ سے چاہئے تھی،وہ کسی اور سے ملی۔اور جس سے ملی وہ نامحرم تھا۔وہ تباہی کے دہانے پہ تھی،مگر اسے نظر انداز کئے ہوئے۔

اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا قیس سپاٹ نظروں سے اپنا سراپا دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ اور بوجھل تھیں۔سفید شلوار قمیض میں ملبوس،بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے اس نے پرفیوم اٹھا کر خود پہ چھڑکا۔ہلکی داڑھی پہ بلائنڈز سے آتی دھوپ پڑ رہی تھی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آیا،واک ان کلازٹ میں داخل ہو کر ایک پٹ کھولا۔اس کے سامنے ایک سیاہ شال رکھی تھی۔قیس کی آنکھیں یکدم کرب زدہ ہوئیں۔دل کو جیسے کسی نے پکڑ کر دبایا ہو۔

دھیرے سے شال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے لب ہولے سے بڑبڑائے۔

''ماں تھرا بازیاد کھناں غاں۔بابا۔''**(میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں بابا۔)**

شال اٹھا کر کندھوں پہ اوڑھتے ہوئے اس کے چہرے کا آدھا حصہ بھی چھپ گیا۔اسے یوں لگا تھا جیسے بابا اس کے قریب ہوں۔اس شال سے آج بھی ان کی خوشبو آتی تھی۔اس نے آنکھیں بند کرلیں گویا اس خوشبو کو اندر تک اتار لینا چاہتا ہو۔آدھا چہرہ شال میں چھپائے، آنکھیں موندے وہ کوئی اور ہی لگتا تھا۔

چند پل بعد وہ اپنی گنز کلیکشن کے سامنے کھڑا تھا۔ڈھیر ساری گنز کو یہاں سے وہاں پلٹتے ہوئے اسے کچھ خاص نہ لگا۔ بلا خر ایک گن اسے بہت پسند آئی تھی۔اسے اٹھا کر دیکھا،اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ قیس نے لمبی گہری سانسیں لیں۔آنکھیں بند کر کے کھولیں۔اب وہ کچھ بہتر تھا۔چند پل یونہی گن کو دیکھتے رہنے کے بعد پھر وہ باہر نکل آیا تھا۔

یونہی کھڑے کھڑے اس نے ایک اور کال ملائی۔بشر کا موبائل بج بج کر تھک چکا تھا مگر کوئی سامنے سے فون نہ اٹھاتا تھا۔بلا خر کئی کالز کے بعد فون اٹھا لیا گیا۔آگے سے اسے اماں کی آواز سنائی دی۔

''ادا۔ کہاں ہے اماں ؟''اس نے اپنی آواز نارمل رکھنا چاہی۔

''ارے بشر تو باہر گیا ہے ابھی ابھی۔ سٹور سے کچھ دوائی خریدنے گیا ہے۔موبائل یہیں چھوڑ گیا۔''

''آپ لوگ ہسپتال میں ہیں ؟ کیا ہوا ہے اماں ؟''وہ بری طرح پریشان ہوئی۔

''سب خیر ہے بچے۔بشر کی بیوی کی طبیعت گری گری سی تھی، تو ہم اسے ہسپتال لے آئے۔مبارک ہو تم پھپھو بننے والی ہو۔''زینیا کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر گرا تھا۔وہ بے اختیار نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ہر راہ مسدود تھی۔ہر جائے فرار پہ پابندی۔

اسکی آنکھیں خشک تھیں، ہونٹ مقفل۔رفتہ رفتہ اس کے دل میں کرب کا بیج جڑ پکڑتا چلا گیا۔

گاڑی لمبی سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔ باہر ایسی بارش تھی کہ الامان دن میں رات کا سا گمان ہوتا تھا۔ یخ بستہ ہواؤں نے پورے شہر کو برف کر دیا تھا۔ قیس آنکھیں موندے گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ سر گرائے ہوئے تھا۔ شال آدھی سینے پہ دھری تھی، آدھی نشست پہ پڑی تھی۔ حدیبیہ ڈرائیونگ سیٹ پہ تھی۔

زوں زوں کی آواز پہ قیس نے ہلکی سی آنکھیں کھولیں، موبائل اٹھا کر دیکھا **"ٹریجڈی کالنگ"** اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''تم کہاں جا رہے ہو، لوسفر؟۔۔ پلیز رک جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔ ہم بات کرتے ہیں۔۔۔ مرنے والے واپس نہیں آتے تم انکی خاطر زندگیاں مت چھینو۔'' زندگی میں پہلی بار اسے براق کی آواز نم لگی تھی۔ اسکا گلا بھاری ہونے لگا۔ ''تم اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔۔ قاتل نہیں ہو تم۔''

''تم مجھے بچانا چاہتے ہو، براق؟''

''ہاں۔۔ میں چاہتا ہوں تم یہ مت کرو۔ اپنے ساتھ ظلم مت کرو۔۔۔ قیس پلیز تم اپنے ہاتھ سیاہ نہ کرو۔''

''ٹھیک ہے، پھر آؤ۔ میرے ہاتھ سے پستول لو اور تم اسے مار دو۔ میں بچ جاؤں گا۔ تم مجھے بچانا چاہتے ہو ناں؟''

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ براق کچھ نہ بولا تھا۔ پانچ منٹ بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ قیس اذیت سے مسکرایا۔ پھر آگے ہو کر حدیبیہ کی پشت کو دیکھا۔

''میں ٹھیک کر رہا ہوں ناں، حبیب؟''

''جن لوگوں نے آپ سے ٹھیک ہونے کا حق چھین لیا، ان سے زندگی چھیننا صحیح ہے۔''

''کیا تم چاہتی ہو میں پیچھے ہٹ جاؤں؟'' وہ شاید رکنا چاہتا تھا۔

''اگر آپ پیچھے ہٹیں تو گن میرے ہاتھ میں دے دیجئے گا۔'' وہ سفاک تھی، حد سے زیادہ سفاک۔

چھت پہ برستی بارش میں زمین پہ بیٹھی زینیا حاکم کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ جو ہوا تھا، وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اگر ابا اس کا رشتہ بالاج سے نہ کرتے تو یہ سب نہ ہوتا، اگر وہ عبداللہ کا انتظار کرتے، یا پھر کم از کم اسے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرواتے۔

فون کان سے لگائے بیٹھی کونج حاکم سن رہ گئی تھی۔ وہ کالج کے ماہانہ ٹیسٹ میں بری طرح فیل ہوئی تھی۔ ساری ساری رات ضیغم سے فون پہ باتیں کرنا، کلاس میں سوتے رہنا، اور باقی کا سارا دن اسکی کی گئی باتیں سوچنا اور رات ہونے کی بے قراری میں گزارنا۔ کیا اسے واقعی لگا تھا کوئی نامحرم اسکی زندگی کو پر سکون بنا دے گا؟ وہ جلدی سونے کا نہیں کہتی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا وہ جھڑک جائے گی۔ وہ بحث نہیں کرتی تھی کیونکہ اسے ضیغم کی ناراضگی کا ڈر تھا۔ وہ کبھی گھر آتا، ملنے کالج سے باہر بلاتا تو وہ منع نہیں کرتی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا وہ اس پہ ہاتھ اٹھائے گا۔ حاکم نواب نے اسے edgy بنا دیا تھا۔

''تم خوش نہیں ہو، بشر؟'' عروج نے اسے اداس دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ جب سے ہسپتال سے آیا تھا یونہی چپ چاپ سا تھا۔

''اگر تم کہو تو ہم یہ بچہ ابارٹ۔۔''

''اگر دوبارہ ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' وہ یکدم اتنی سختی سے بولا کہ عروج سہم سی گئی۔

''جاؤ جا کر سو جاؤ۔'' وہ کسی قدر سنبھل کر بولا۔ عروج جانے لگی تو بشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔ چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چھوا اور پھر ماتھا اس کے ہاتھ پہ ٹکا دیا۔ عروج کو اپنا ہاتھ گیلا محسوس ہوا۔ مگر وہ کھڑی رہی، بشر کبھی کبھی تو اسکی طرف قدم بڑھاتا تھا۔

''میں ناخوش نہیں ہوں۔'' اسکی آواز گیلی تھی۔ ''میں ناشکر بھی نہیں ہوں۔ میں ڈر گیا ہوں۔ میں حاکم نواب جیسا نہیں بننا چاہتا۔ میں باپ بننے سے ڈرتا ہوں۔ وہ میرے ابا ہیں میں انکی عزت کرتا ہوں۔'' اس نے لب بھینچ لئے۔ آنسو اسکی آنکھوں سے اب بھی بہہ رہے تھے۔

''لیکن ابا غلط تھے۔ ابا نے ساری زندگی غلط فیصلے کئے۔ ہم بہن بھائیوں کو مارا، ڈرایا، محبت، توجہ نہیں دی۔ ہم پہ اپنے فیصلے تھوپے ابا نے ہم سب کو تباہ کیا۔ میں اپنی اولاد کے لئے ڈر گیا ہوں۔'' وہ ماتھا اپنی بیوی کے ہاتھ پہ رکھے کمزور پڑ رہا تھا، یا پھر مضبوط بننے کی مشق کر رہا تھا؟

''مجھے ڈر لگتا ہے۔ ابا سے چاہے جتنی محبت کر لوں میں ابا سے نفرت بھی کرتا ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے میرے بچے مجھ سے نفرت کریں گے۔ مجھے حاکم نواب بننے سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' عروج بس خاموشی سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتی رہی۔ کہنے کو کچھ تھا نہیں۔ تسلی بے کار تھی۔

گھر کا سربراہ مرد ہوتا ہے، اور سربراہ کا ایک فیصلہ تباہ بھی کر سکتا اور آباد بھی۔ حاکم نواب کے فیصلوں نے انکی اولاد کو تباہی کے دہانے پہ لا کھڑا کیا تھا۔

گاڑی جہاں رکی وہ ایک غیر آباد سی جگہ تھی۔ جلی ہوئی فیکٹری کے اندر سے کسی کی چیخ و پکار کی آواز آتی تھی۔ قیس گاڑی سے اتر کر اندر گیا۔ بڑا سا دروازہ تالے سے بند تھا۔ حدیبیہ نے تالا توڑا اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ جو کوئی بھی اندر تھا کسی کی آنے کی آواز سن خاموش ہو گیا تھا۔ قیس نے اپنے سامنے دیکھا اس کے سامنے ایک مرد کھڑا تھا۔ پچاس کے ہندسے کو چھوتا، مضبوط جسامت، اور خوبصورت نقوش کا حامل مرد۔ قیس کو دیکھ کر وہ رک سا گیا۔

''لانگ ٹائم، ماموں۔'' وہ طنز کر رہا تھا۔ سامنے کھڑا مرد سانس نہیں لے سکا۔ وہ اسے پورے چودہ برس بعد دیکھ رہا تھا یوں اپنے سامنے کھڑے۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا۔ دل نے بے اختیار اسے چھو کر دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ کچھ لمحات، آپ کی زندگی کے ایسے لمحات ہوتے ہیں جن میں آپ stuck ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ نے اتنی بار تصور کر لیا ہوتا ہے کہ جب وہ واقعی آپ کے سامنے ہوں تو آپ کا جسم کسی قسم کا ردعمل نہیں دیتا۔ محبت بھرا خوف ہاں شاید یہی الفاظ اس لمحے کو لفظوں میں سمیٹ سکیں۔

''عبداللہ؟ اگر یہ تم تھے تو میں سر کے بل چل کر آتا میرے بچے۔'' اسکی آواز میں محبت تھی۔ فکر بھی، اور آس بھی۔ وہ پلک جھپکے بغیر قیس کو دیکھ رہا تھا۔ یوں گویا پلک جھپکی تو لمحہ تحلیل ہو جائے گا۔ قیس چلتا ہوا آیا اور ایک کرسی پہ بیٹھا، ہاتھ سے آدمی کو دوسری کرسی پہ بیٹھنے کا کہا۔ آدمی مزاحمت نہیں کر رہا تھا وہ قیس کو دیکھتے ہوئے کرسی پہ آن بیٹھا۔ قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اسے دیکھتے ہوئے اپنے باپ کا قتل یاد آتا تھا۔

آنکھیں کھول کر بند کیں، سانسیں برابر کیں اور ایک گن نکال کر اسکی گود میں پھینکی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اپنے اس بھانجے کے لئے تو وہ مر سکتے تھے، اس گن کی کیا ضرورت تھی؟

''خالی ہاتھ نہیں ہو تم، چاہو تو مجھے مار دو۔''اس نے گود میں پڑی گن کو دیکھا۔ پھر قیس کو دیکھا۔ اسکی آنکھیں نم تھیں۔

''میں نے تو تمہیں اس دن بھی زندہ چھوڑا تھا۔ کوئی تمھیں کیسے مار سکتا ہے؟''یوں لگتا تھا وہ اس کے معملے میں بے بس ہیں۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ اس حادثے میں تمہاری ماں کولٹرول ڈیمج بن گئی۔ میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا، جیسے آج تمہیں نہیں مارنا چاہتا۔''

''مار نہیں سکتے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' قیس نے گن اٹھا کر اس کے ماتھے پہ رکھ دی۔ آدمی بلا خوف اسے دیکھتا رہا۔ نم آنکھیں، بے چین اور بے قرار تھیں۔ جیسے وہ چند لمحے مزید قیس کو دیکھتے رہنا چاہتے ہوں۔

''مجھے ایک بار خود کو دیکھ لینے دو، یقین کر لینے دو کہ یہ تم ہو۔ وہ جسے پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے میرے ہاتھوں میں دیا گیا تھا۔ تم میرے عبداللہ ہو ناں؟''انکی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ گود میں دھرا ہاتھ اٹھا کر اسے چھونے کی کوشش کی، قیس نے مزاحمت نہ کی۔ اس نے قیس کے توانا بازو کو چھوا، پھر بالوں کو، اور پھر چہرے کو۔ یوں لگتا تھا صدیوں سے یہ ملاقات ادھوری تھی۔ اور وہ آدمی مرنے کو تیار لگتا تھا۔

''مجھ سے میری آخری خواہش نہیں پوچھو گے؟''وہ قیس کے ہاتھ کو پکڑے مسکرا رہے تھے۔ قیس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں آخری خواہشیں نہیں پوچھتا۔ مرنے والے کو خواہش کا حق نہیں ہوتا۔''

’’حالانکہ تمہیں یہ خوف ہے کہ اگر کسی نے آخری خواہش میں زندگی مانگ لی، تو تم نرم پڑ جاؤ گے۔‘‘ وہ آدمی قیس کو اندر تک جانتا تھا۔ ’’تم آج بھی اتنے ہی رحمدل ہو، عبداللہ۔ تمھارے اندر تمہاری ماں والا نرم حصہ ہے۔‘‘ حدیبیہ نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پہ سیاہ کپڑا ڈالنا چاہا۔

’’میں کوئی مزاحمت نہیں کر رہا، میں بھاگ نہیں رہا، حملہ نہیں کر رہا۔ میری آخری خواہش ہے کہ میں تمہیں دیکھتے ہوئے مرنا چاہتا ہوں۔‘‘ اسکی آواز، لہجے میں کچھ تھا کہ حدیبیہ پیچھے ہٹ گئی۔

’’خود کو تباہی کے دہانے سے بچالو، عبداللہ۔‘‘

’’اس کہانی کا ہر کردار تباہی کے دہانے پہ ہے۔ اور میراالمیہ ہے کہ میں ہوں تباہ شدہ۔‘‘

اس نے گن سامنے بیٹھے آدمی کے منہ میں ڈال دی، وہ جانتا تھا فائر اندر کی طرف ہوا تو کیا نقصان ہو گا، فائر دوسری طرف ہوا تو جسم مفلوج ہو گا، مگر وہ ایسی جگہ جانتا تھا جہاں سے گولی سیدھا حرام مغز کو اثر انداز کرتی۔ وہ چند لمحے اس مرد کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، مرد نے ایک پل کو بھی آنکھیں نہ جھپکائیں۔ وہ بلا خوف و خطر کس جرات مندی اور محبت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ دنیا کا پہلا قتل تھا جس میں مقتول نے قاتل کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ یہ اسکی دستبرداری تھی۔

ٹر گر دبایا گیا، آدمی کے سر کا پچھلا حصہ پھٹ کر دور جا گرا، مغز کے لوتھڑے، گوشت کے ٹکڑے یہاں سے وہاں بکھر گئے۔ اسکی آنکھیں اب بھی قیس پہ جمی تھیں۔ جسم نے ایک ہلکا سا جھٹکا کھایا اور روح پرواز کر گئی۔

قیس نے اس کا چہرہ دیکھا، وہ اس کا عزیز تھا۔ یہ چہرہ تمہیں کہانی کے ایک کردار جیسا لگے گا۔ اس کے نقوش کسی سے ملتے تھے۔ اگر راز سننا چاہو تو اس کا چہرہ حاکم نواب سے ملتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

''باب ہشتم: وہ پل کہ جب قفس ٹوٹا''

اہل جہاں میں ساتھ کہیں، بیٹھے تھے کچھ یار کبھی۔

افسردہ، بے بس، دلگرفتہ، پرنم، لاچار۔

ہر ایک کے تھے دکھ کئی، سب نے دیکھ رکھے تھے سکھ کبھی۔

میر محفل نے پھر بات چھیڑی، گو یا درد کی بیتی رات ادھیڑی۔

چہ می گوئیاں ہوئیں کئی، بیان ہوئیں پھر بربادیاں کئی۔

ہر ایک تھا قفس کے جالے میں۔ ملک الآفات تھا گویا سرہانے پہ۔

مجھ سے چھوٹے دوست سب ہی، میں تھا آفت جب ہی روٹھے تعلق سب ہی۔

عین جوانی میں کھوئی محبت، پھر پڑا میں بری صحبت۔

میر محفل غموں کی دادرسی کرتا، دوستوں سے پھر ہمدردی کرتا۔

تم سب ہو قفس کے جالے میں، نہیں لا سکتا میں تم کو اجالے میں۔

ہر انسان کے ہیں قفس کئی۔ میں نے دیکھے ہیں بے بس کئی۔

ہر انسان ہے اپنا بازو خود، مدد کا ہاتھ، فرار کا ساتھ خود۔

وہ قصے جو تم نے سنے تھے پرستانوں کے، جس میں آتے تھے مسیحا جہانوں کے۔

میرے عزیزوں وہ قصے تمام جھوٹے تھے، مناؤان کو جو ترش روی سے روٹھے تھے۔

یہ قفس سب ہی وقتی ہیں۔ ہوں گی ختم جو تم ٹوٹی سختی ہیں۔

بنو پھر اپنا بازو تم، دھولو اپنے آنسو تم، رکھو کہانی میں قدم واپس تم۔

جہاں تم ہو شہزادے، تم ہو ملکہ، تم ہی آسیب اور تم بے عیب۔

چڑھاؤ چہرے پہ مکھٹ کئی، بناؤ پھر پہچانیں کئی، بہاؤ خوف آج سب ہی۔

یہ پل ہے جب قفس ٹوٹے گا، ہاں لازم ہے دل تو ضرور بھینچے گا۔

مگر یاد رکھنا ایک بات تم، نصیحت رکھنا اپنے ساتھ تم۔

ہے درد فسانہ، زندگی حقیقت، قفس موت، آزادی نعمت۔

چاہے باقی پل ہوں دو، چاہے پھر کل ہو نہ ہو۔

پھینکو اپنے قفس کو تم، اتار پھینکو رنج سارے، زخمی دل سہلاو۔

روتی آنکھ بہلاؤ، اور میرے ساتھ دہراؤ، یہ ہے وہ پل جب قفس ٹوٹا۔

"جاگتے جاگتے اک عمر کٹی ہو جیسے، کوئی فریاد میرے دل میں دبی ہو جیسے۔"

یہ موجودہ دن سے ایک دن قبل کا منظر ہے۔ جگجیت سنگھ کا گانا قیس کمبیر کی گاڑی میں مدھم آواز میں بج رہا تھا۔ وہ پچھلی نشست پہ بیٹھا تھا۔ گردن ڈھلکائے، آنکھیں موندرکھی تھیں۔ بال بکھر کر ماتھے پہ گر رہے تھے، اور لباس پہ بڑے بڑے سرخ دھبے تھے۔ وہ خون تھا۔ اسکے اپنے ماموں کا خون۔ جسے وہ تھوڑی دیر قبل قتل کر کے آ رہا تھا۔ ذہن بار بار بھٹک کر ماضی میں چلا جاتا تھا۔ بند آنکھوں کے پار وہ ایک دہشت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔

"میرے بابا کو مت مارنا۔" چیخ چیخ کر یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ بے بسی کی حدود چھو رہا تھا۔

ماضی کے فلیش بیکس آنکھوں کے آگے گھوم رہے تھے۔ جن میں ایک لمبی سڑک پہ تین گاڑیاں الٹ کر گرائی گئی تھیں۔ جن کے شیشے گولیوں سے چکنا چور تھے، کچھ لوگ ان کے اندر پھنسے ہوئے تھے۔ ایک گاڑی انسانی چیخوں سے گونج رہی تھی۔ لوگ اندر زندہ جل رہے تھے۔ قیس کا خاندان زندہ جل رہا تھا۔ آہیں، کراہیں عرش کو دہلا دیتی تھیں۔ انہی الٹی گاڑیوں میں سے ایک میں عبداللہ زمان بھی تھا۔

وہ جس کا آدھا دھڑ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ آگ کے بھڑکتے نارنجی شعلے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ سڑک کے عین بیچوں بیچ اس نے دیکھا کہ اس کے ماموں حاکم نواب، حاتم نواب، اور ان کے کئی ساتھی اس کے چچا اور بابا کو اپنے نرغے میں لئے کھڑے تھے۔ اسی پل قیس نے دیکھا کہ حاتم نواب کے ہاتھ میں پکڑا خنجر سرور کمبیر کے سینے میں پیوست ہوا۔ اپنی بہن کا انتقام آج وہ لے چکے۔ کئی سال سے پنپتا لاوا اس خنجر کے زریعے وہ اپنے دشمن کے جسم میں اتار چکے تھے۔ اگلے کئی وار اسی طرح ہوئے، سر میں، پسلیوں میں، سینے اور پیٹ میں وہ دھڑا دھڑا نہیں مارتے چلے گئے۔ قیس چیخ رہا تھا، باہر نکلنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ مگر بے کار۔ وہ اس بہتے خون کو روک لینا چاہتا تھا۔ وہ کسی طرح باہر نکل کر اپنے خاندان کو بچا لینا چاہتا تھا۔

سرور کے عقب میں کھڑے زمان کمبیر کی آنکھیں پتھرا رہی تھیں۔ قیس چیخ چیخ کر انہیں روک رہا تھا۔ یہاں سے نکلنے کی دہائی دے رہا تھا۔ چھ، سات مردوں کے نرغے سے اس ایک مرد نے خود کو چھڑوایا اور اپنے بھائی کی اور بھاگا تھا۔ اپنے بھائی کو مرنے نہیں دے سکتا تھا۔ زمان آگے بڑھے مگر، مگر شومئی قسمت کے پیٹھ پہ گولیاں داغ دی گئیں۔ وہ گھٹنوں کے بل لڑکھڑا کر گرے، جسم سے نکل کر پھیلتا ہوا خون سڑک بھگو رہا تھا۔ قیس شل رہ گیا۔

اسکی آواز نکلنا بند ہو چکی تھی۔ اسکی آنکھیں ساکن رہ گئیں۔ گاڑی میں جلتے ہوئے اس کے بہن بھائی بھی ساکت۔ شاید مر گئے تھے، شاید آخری سانسیں گن رہے تھے۔ قیس نے آنکھیں جھپک کر اپنے باپ کو دیکھنا چاہا، مناظر دھندلے تھے۔ ہاں اس کا چہرہ گیلا تھا۔ ہاں بس وہ رو رہا تھا۔ بری طرح بے آواز رو رہا تھا۔ وہ سات افراد پلٹ رہے تھے۔ حاکم نواب نے ایک اچٹتی سی نگاہ گاڑی کے اندر پھنسے قیس پہ ڈالی، اور آگے بڑھ گئے۔ انکے ساتھی اب سترہ اٹھارہ سالہ بچے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ حاتم نواب نے ہاتھ

کے اشارے سے انہیں آگے چلنے کو کہا۔ خود چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے آئے اوراس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے۔ آنکھوں میں نرمی تھی۔ قیس ہاتھ باہر نکال کرانہیں مارناچاہتا تھا۔ مگراس آدمی کی نگاہوں میں بسی نرمی میں ذرابرابر فرق نہ آیا۔

''میں یہ سب نہیں چاہتا تھابچے، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے میں تمھارے لئے آسانیاں کروں گا، ہمیشہ۔''

انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر باہر نکالااور سڑک پہ پھینک دیا۔ وہ بے دھم سا سڑک پہ پڑارہا۔

''دیکھو میں پہلا مظاہرہ کئے جارہاہوں۔ ساری زندگی کروں گا۔''

وہ اٹھے قیس اب بھی ٹکٹکی باندھے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھ سے بدگمان نہ ہونا۔'' آخری لفظوں میں بے بسی تھی۔

اور پھر وہ چلے گئے تھے، مگر قیس کے لئے وقت مہربان کبھی نہ ہوسکا۔ حاتم نواب کا چہرہ اسکی آنکھوں میں بس گیا تھا۔

حالیہ وقت شام ڈھل کررات میں تبدیل ہونے کو تھی۔ آسمان پہ ستارے ٹمٹمارہے تھے، شہرخاموشاں کی روشنیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں، اور انہی روشنیوں کے سنگ سفر کرتے ہوئے اگر ہاسٹل کے لان کی طرف آؤ تو سنہری آنکھوں والی لڑکی سپاٹ تاثرات کے ساتھ بیٹھی دکھائی دے گی۔ اسکی آنکھیں کتاب پہ جمی تھیں، مگر ذہن میں مختلف خیالات امڈرہے تھے۔ اس کے ساتھ بیٹھی شیزل موبائل پہ کچھ نیاڈیکورڈیزائن بنارہی تھی۔ دفتعاً اس کا موبائل بجنے لگا۔ زینیا نے بے دلی سے کال اٹینڈ کی، موبائل کان سے لگایا۔ بشر کی آواز اسے بھاری اور بوجھل لگی۔

''حاتم چچا کا قتل ہوگیاہے زینی۔'' الفاظ تھے کہ کیا، زینیا نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''قتل اسلام آباد میں ہوا ہے، افروزہ میڈم سے میری بات کرواؤ، ابا اور حاتم چچا کی بیوی کے ساتھ تم بھی گاؤں آجاؤ۔'' وہ رو نہیں رہا تھا، نہ زینیا رو سکی۔ لیکن ان دونوں کے دل کو جیسے کسی نے چیر دیا ہو۔

''قتل۔۔۔کس نے۔۔کیا۔؟'' وہ نہیں جانتی تھی، اس نے یہ الفاظ کس دقت سے ادا کیئے تھے۔

''کیا مجھے بتانے کی ضرورت ہے؟ کیا تمہیں وجدان نہیں ملا؟'' نہ جانے کیوں مگر وہ تلخ ہوا۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ اس کا فون والا ہاتھ بے دھم ہو کر گرا، بشر کال کاٹ چکا تھا اسکی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

''یہ تم نے کیا کر دیا عبد اللہ۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا؟ تم اپنے ساتھ اتنے ظالم کیوں بن گئے ہو۔ تم ہمارے ساتھ اتنے ظالم کیوں ہو؟'' اسکی آنکھوں سے آنسو نکلے، اسے چچا یاد آئے، جب ابا جھڑک دیتے تھے، تب چچا انہیں پیار دیتے تھے۔ عبد اللہ اور اسکے رشتے پہ سب سے زیادہ خوش وہی تھے۔ وہ زینیا اور عبد اللہ کے رشتے کو روحوں کا تعلق بتاتے تھے۔ وہ اس طرح جا نہیں سکتے تھے۔ اس نے گردن جھکا دی، آنسو بہہ رہے تھے۔ لب پھڑ پھڑا رہے تھے۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو عبد اللہ؟ یہ تم نے کیا کر دیا؟''

''یہ میں نے کیا کر دیا؟''۔۔۔اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ ''میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟'' بے چینی۔ اس نے بے اختیار اپنا سینہ مسلا۔ پھر چہرے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔ اس کا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔ اسے خوف آ رہا تھا۔

''اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا حبیب۔'' اسے رنج ہوا۔ ایک ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے پینک اٹیک ہوا تھا۔

''اسلام قتل کا بدلہ قتل کہتا ہے۔'' تسلی دی گئی۔ قیس کو سکون نہ آیا۔اسے واقعی سکون نہ آسکا۔اسے اللہ سے ڈر لگ رہا تھا۔اسے قتل، خون سے ڈر لگ رہا تھا۔اسے مرنے سے بھی ڈر لگا تھا۔ کیونکہ مرنے کے بعد ابدی زندگی تھی،اور وہاں کے صلے آپ کے اعمالوں کے مطابق ہونے تھے۔

گاڑی اب قیسم کے باہر آکر رکی تھی۔ پارکنگ میں گاڑی لے جاتے ہوئے اسے قیس کی آواز سنائی دی۔

''گاڑی واپس موڑو، مجھے یہ پلزا اٹھا کر دو۔'' اس نے بے حد پریشانی کے عالم میں اسٹوریج باکس کی جانب اشارہ کیا۔ بارش دوبارہ برسنے لگی تھی۔ پانی کی موٹی موٹی بوندیں شیشے پہ پھسل رہی تھیں۔ حدیبیہ نے بغیر کچھ کہے گاڑی دوسری طرف موڑی، دوا کی شیشی اٹھا کر اسے تھمائی۔ قیس نے کانپتے ہاتھوں سے تین گولیاں ہتھیلی پہ رکھیں۔اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ جسم پسینے سے تر اور دل بہت بری طرح گھبرا رہا تھا۔تینوں گولیاں پھانک کر اس نے پانی کی بوتل منہ سے لگائی،اور غٹاغٹ سارا پانی پی گیا۔شرٹ کے اوپری بٹن کھول دیئے۔

''یہ میں نے کیا کر دیا؟'' اسے گلٹ ہوا تھا۔ ''میں ایسا نہیں تھا۔۔۔۔اوہ خدایا میں ایسا نہیں تھا۔'' وہ پچھلی نشست پہ لیٹ گیا۔ گھٹنے سینے سے لگا لئے، بازو اپنے گرد پھیلائے،اسکی آنکھوں سے چند موٹے موٹے قطرے ٹوٹ کر گرے۔ جانے یہ گلٹ تھا، دکھ یا پھر خوف۔

''باس۔۔۔آپ آرام کرنا چاہتے ہیں تو کمبیر محل چلیں؟'' اس نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی کمبیر محل میں آرام کیسے کر سکتا ہے حبیب؟ میں وہاں ایک بسمل ہوں۔'' اسکی آواز دھیمی پڑ گئی۔ گیلی آنکھیں غنودگی میں جانے لگیں، دل کی دھڑکن معمول پہ آئی، اور اگلے چند پلوں میں سکوت تھا۔ وہ سکڑا سمٹا سا سو رہا تھا۔ چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ وہ بس سو رہا تھا۔ اسے سونا تھا اور حدیبیہ گاڑی کو نہ جانے کن کن راستوں پہ گھماتی رہی۔ ہاں مگر وہ کمبیر محل کے آس پاس بھی نہ پھٹکی تھی۔

پلنگ پہ رکھے بیگ میں شیزل زینیا کی ضرورت کا سامان ڈال رہی تھی۔ کپڑے، شال، سوئیٹر۔ ساتھ ساتھ ایک نگاہ زینیا پہ بھی ڈال لیتی تھی۔ وہ لب کاٹتے ہوئے فون ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔

''یہی قسمت تھی، اسے قبول کر لو۔'' دھیمی آواز میں دلجوئی کی گئی۔ زینیا نے گردن جھکا دی۔ کافی دیر تک وہ دونوں خاموش رہیں۔ پھر اس خاموشی میں زینیا کی مدھم آواز گونجی۔

''عبداللہ۔۔۔ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟'' وہ رکی، ہونٹ بے دردی سے کاٹے۔ ''چچا کو سب سے زیادہ محبت اس سے تھی۔ اور مجھے چچا سے۔ وہ۔۔۔ اچھے نہیں تھے۔۔۔ مگر۔۔۔''

''تمہیں اچھے لگتے تھے، کیونکہ انہیں عبداللہ اچھا لگتا تھا۔'' زینیا کے چہرے پہ جیسے کسی نے تھپڑ دے مارا ہو۔ ''میں نہیں جانتی عبداللہ کون ہے، اس سے تمہارا کیا تعلق رہا ہے۔'' وہ آگے آئی زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں بس اتنا جانتی ہوں، کہ وہ جو کوئی بھی تھا اسے تمہارے دل پہ حکمرانی حاصل رہی ہے۔'' زینیا شل رہ گئی۔ ''کچھ ہے اس میں اس کا نام سنتے ہی تمہاری آنکھوں میں

کچھ آتا ہے ایک sparkle سا۔ تم اس سے ملی نہیں مگر اسے جانتی ہو۔ بہت اچھی طرح جانتی ہو۔" بیگ کی طرف واپس جاتے ہوئے زینیا نے شیزل کی بڑبڑاہٹ سنی۔

"وہ تمہاری محبت، تم اس کا عشق ہو یا نہ ہو۔ مگر تم دونوں soulmates ہو۔" زینیا نے یہ اصطلاح پہلی مرتبہ نہیں سنی تھی۔ چچا بھی تو یہی کہتے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔ مگر وہ بار بار یاد آرہے تھے۔ مانا کہ ان کے ساتھ لمبا وقت نہ گزرا تھا، مگر خون کے رشتوں کو میل ملاقات سے فرق نہیں پڑتا۔

اگلے کئی لمحات میں وہ لاؤنج میں کھڑی تھی۔ ابا افروزہ بیگم سے کوئی بات کر رہے تھے۔ اس کے دو کزنز **(حاکم نواب کے بھائیوں کے یہاں اولاد نرینہ نہ ہوئی تھی، سو انکے یہاں بیٹیوں کے شوہر ہی بیٹے اور داماد تھے)** زینیا نے ٹھہر کر ابا کو دیکھا۔ وہ بامشکل کھڑے تھے، انکی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں، آنکھوں کی سختی غائب۔ بھائی کی موت انکی کمر توڑ گئی تھی۔

"انکل۔۔۔" حاکم نواب نے اس آواز پہ مڑ کر دیکھا۔ سنجیدہ آنکھوں سے انہیں دیکھتی شیزل سیمسن انہیں پکار بیٹھی تھی۔

"میں زینیا کی دوست ہوں۔ مجھے اس وقت اس کے ساتھ رہنا چاہیے، کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں؟" اب کے افروزہ بیگم نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر وہ اسے روکنا نہیں چاہتی تھیں، نہ یہ انکا اختیار تھا۔ حاکم نواب نے گردن اثبات میں ہلادی۔ یہ بلوچستان کی روایات تھیں، آنے والے چاہے دشمن ہوں۔ ان کے لئے گھر کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ خاص طور پہ عورت کے لئے، اپنے گھر کی عورت کے ساتھ چاہے جو مرضی سلوک کیا جاتا ہو، مگر باہر کی عورت جب مدد مانگے تو بہن، بیٹی ہوتی ہے۔

''تمہیں ہمارے ساتھ چلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، شیزل۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے زینیا نے اس کے کان کے قریب کہا۔

''غضب خدا کا آنٹی نے تمہیں روکا بھی نہیں۔'' وہ کوفت زدہ ہوئی۔

''آنٹی مجھے نہیں روکتیں۔ میری عمر کی اکیلی عورتیں اپارٹمنٹ میں رہتی ہیں۔ لیکن میری ماں اور آنٹی بیسٹ فرینڈز ہیں۔ میں یہاں صرف اس لئے رہتی ہوں کیونکہ آنٹی چاہتی ہیں۔ اور میری ماں بھی۔ لیکن میری شروعات سے ایک شرط تھی کہ میں اپنی آزادی پہ سمجھوتہ نہیں کروں گی۔''

''اس لیکچر میں میرا جواب نہیں ہے۔'' زینیا اکتا گئی۔ شیزل نے اسکی آنکھوں میں دیکھا، پھر گاڑی چلاتے اس توانا مرد کو۔

''مجھے ان سب کی نیت ٹھیک نہیں لگتی، یہ لوگ تمہیں لے جائیں گے۔ اور واپس نہیں بھیجیں گے۔ میں اس لئے ساتھ آئی ہوں تاکہ تم میرے ساتھ واپس جاسکو۔'' وہ رکی زینیا کی آنکھیں اب بھی مشکوک تھیں۔

شیزل نے ہتھیار ڈال دیئے، ''ہاں ٹھیک ہے میں اس وقت بہت بری ساؤنڈ کروں گی لیکن میں اپنے انٹیریئر ڈیزائننگ کو ایک علاقائی ٹچ دینا چاہتی ہوں اور اس کے لئے تین گاؤں گھوم چکی ہوں۔ اب بلوچستان رہتا ہے۔'' اس نے بات کہی اور پھر بغیر اسکی سنے حاکم نواب کو پکار لیا۔

''انکل۔۔۔ مجھے نہیں لگتا یہ صحیح وقت ہے، مگر کیا پولیس نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا باڈی واپس لے جانے پہ؟'' حاکم نواب نے گہری سانس لی۔ سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ ابا کمزور پڑے تھے۔ زینیا کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

''قتل کل شام ہوا ہے۔ پولیس نے کاروائی کر لی ہے۔ علاقائی دشمنی کا نام دے کر قاتل کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کریں گے۔ پوسٹ مارٹم وغیرہ میں بھی بہت وقت لگا ہے۔ آج صبح باڈی گاؤں پہنچ گئی تھی۔'' وہ بامشکل جواب دے رہے تھے۔ بھائی اب ''باڈی'' تھا۔

''کیا ہمارے جانے تک میت وہیں ہو گی؟'' وہ نہ جانے کیوں اتنے سوال کر رہی تھی۔

''دفنا دیا گیا ہے۔ رکھنے والی حالت نہیں تھی۔'' وہ رکے، آنکھوں میں آئی نمی کو دھکیلا۔

''اللہ۔۔ عبداللہ کو غارت کرے۔'' آخری الفاظ بڑبڑاہٹ کی صورت تھے۔ زینیا نے مٹھی بھینچ لی۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

''قتل کل ہوا ہے، اور آپ لوگوں نے زینیا کو نہیں بتایا؟'' یہاں حاکم نواب خاموش ہو گئے تھے۔ زینیا کا دل زور سے دھڑکا اسے لگا اب ابا کہہ دیں گے کہ زینیا کی کوئی اوقات نہیں کہ اسے بتایا جائے، یا پھر کوئی اور سخت لفظ۔ مگر وہ کافی دیر بعد کچھ بے حد مختلف بولے۔

''زینیا اپنے چچا کے بہت قریب تھی۔۔۔۔ میں۔۔۔ میں پورے دو دن اسے اذیت نہیں دینا چاہتا تھا۔''

یہ الفاظ امر ہو گئے تھے۔ اسلام آباد کی ساکن فضاؤں نے سانس لینا چھوڑ دیا۔ زینیا حاکم نے اپنی پوری زندگی اس سے زیادہ خوبصورت الفاظ نہیں سنے تھے۔

تین روز بعد۔

حویلی کی فضا سوگواریت میں ڈوبی تھی۔ عقبی حصے میں مردوں کے لئے شامیانے لگے تھے، اور حویلی کے اندر بڑے سے ہال میں عورتوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ زینیا ان تین دنوں میں بس ایک کونے میں بیٹھی آتی جاتی، روتی پرسہ دیتی عورتوں کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ ان عورتوں کے سامنے نہیں روئی تھی، وہ کمرے میں جاکر روئی تھی۔ دادی، اماں، دادا، بشرا اور اس کے باقی چچا ہر ایک اسے خاموشی سے دیکھتا تھا۔ لوگوں کی نظر میں عبداللہ سے سب سے گہرا تعلق اسی کا رہا تھا، اسکے زاویے سے عبداللہ اور اسکا تعلق کچی ڈور جیسا تھا۔

شام ڈھلے وہ حویلی کے پچھلے باغ کی طرف چلی آئی تھی۔ اسے راستہ معلوم تھا، اس کے قدم جیسے عادی تھے۔ یہاں عورتوں کو آنے کی اجازت تھی۔ مگر ایک حد تھی۔ آم کے درخت کے نیچے تنے سے ٹیک لگائے وہ نیچے بیٹھ گئی۔ وہ جب چھوٹی تھی تب یہاں آیا کرتی تھی۔ نرم گھاس اور درختوں کی چھاؤں میں اسے سکون سا ملا۔ اسی پل اس نے نظریں موڑ کر دیکھا تو ایک طرف بیٹھی کونج لا تعلق سی تھی۔ زینیا نے اسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔ کونج نہیں مسکرائی۔

''کیا تم بھی باقی سب کی طرح مجھے قصوروار سمجھتی ہو؟'' زینیا نے اسکے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارا کوئی قصور نہیں۔ ہر انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار خود ہوتا ہے۔''

''بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو، کس سے سیکھ رہی ہو؟'' اس نے چہرہ گھٹنوں پہ گرایا اور رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''ضیغم نے کہا تھا۔'' بس یہی کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ زینیا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔ یہ ایک سطر کافی تھی، اپنی بہن کو یہ بتانے کے لئے کہ وہ اپنے منگیتر سے رابطے میں ہے۔

''تم نے میرے اسکیچ بکس کھولے تھے ناں؟'' کونج نے بے یقینی سے گردن اٹھائی۔ ''زینیا نے کہنا جاری رکھا۔ ''تمھارے ہاتھ میں جو انگوٹھی ہے، وہ الماری کے نچلے خانے میں رکھی تھی، ایسا پورا سیٹ ہے میرے پاس۔'' زینیا نے عام سے انداز میں کہا۔ ''میں نے ہمیشہ تمھیں کچھ سکھانا چاہا تھا۔ شاید میرا انداز غلط ہو مگر نیت صاف تھی۔ میں چاہتی تھی تمہارا نام ہو، اپنی پہچان ہو انسکیورٹیز سے نکل آؤ۔ ان سب کے درمیان تم نے کب کہاں میرا کیا امیج بنالیا مجھے پتہ نہیں چل سکا۔''

''تم جھوٹ کہتی ہو۔ تمہیں تو وجدان نہیں ملتے تھے؟'' کونج کا لہجہ لڑکھڑایا۔ زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ درخت پہ ٹھہرے شبنم کے قطرے تھوڑی دیر بعد گرنے لگتے تھے۔

''ہاں شاید دور کہیں مجھے معلوم تھا۔ لیکن میں نے تمہیں منع نہیں کیا۔ پرستش کسے ناپسند ہوتی ہے؟'' وہ رکی ٹھہر کر کونج کو دیکھا۔

''میں نے کبھی کیریئر کے بیچ میں عبداللہ کے انتظار سے کوتاہی نہیں کی، لیکن اگر تم نے مجھے بس کیریئر کا سوچتے دیکھا تو یہ تمہاری نظر کا دھوکہ تھا۔ میں نے کبھی جاب کے ساتھ بچے پالنے اور گھر کے کام کرنے سے منع نہیں کیا تھا، لیکن تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے بس آفس کوٹ میں دیکھا۔ میں نے تمہیں منیوپلیٹ نہیں کیا کونج۔ تم نے میرے بارے میں اندازے لگائے۔ تمہیں چاہئے تھا مجھ سے پوچھ لیتیں۔'' کونج نے ڈیڑھ ماہ اسے الزام دینے کو الفاظ سوچ رکھے تھے، مگر آج اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اس کے ذہن سے سب کچھ محو ہونے لگا۔ زینیا بلا تھی، اور بلاؤں سے مقابلے کٹھن ہوتے ہیں۔

''کیا تم مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو، کونج؟'' زینیا نے آہستگی سے پوچھا تو کونج کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

''میں کبھی تم سے نفرت نہیں کر سکتی، زینی، نہ ہی کبھی کی ہے۔ میں تم سے حسد بھی نہیں کر سکتی، نہ کبھی کیا ہے۔ مگر میں تم سے جلتی تھی۔''اس نے اعتراف کر دیا۔ ''لیکن۔۔ جلن cure ہو سکتی ہے۔اور میں کر لیتی تھی۔ تم گاڈ کمپلیکس کی ماری عورت ہو، جب میں نے تمہاری پرستش شروع کی تب تم مجھے روک بھی سکتی تھیں۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ مڑی ہوئی پلکوں پہ آنسو آن ٹھہرے۔

''میں مانتی ہوں میں تم سے obsessed تھی۔ میں نے تمھارے بارے میں اندازے لگائے۔ تمہیں اور باقی سب کو حیرت ہو گی کہ کوئی اپنی ہی بہن سے اتنا متاثر کیسے ہو سکتا ہے۔؟ ہم سب کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی دور میں کسی شوق، کسی فنکار، کسی کزن یا پھر باپ بھائی سے انسپائر رہے ہوتے ہیں۔ کیوں ہوتے ہیں ہم انسپائر؟''

''کیونکہ وہ لوگ روشنی میں ہوتے ہیں۔ ہمیں وہاں بس روشنی اور رونق نظر آتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ روشنیوں میں گھرے رہیں، انکا اصل اندھیرا ہوتا ہے۔'' زینیا نے تحمل سے جواب دیا۔ ''ٹین ایج میں ہوں یونہی بہت سارے لوگوں سے انسپائرڈ ہو ہی جاتے ہیں۔''

''صحیح کہا۔اسی طرح میں تم سے انسپائرڈ تھی، تم میرے لئے روشنی تھیں، میری شمع۔ مجھے تمھارے ہاتھوں کی جگہ ہمیشہ پر نظر آئے تھے، مگر تمھارے اندھیرے کے قریب آ کر دیکھا تو تو تمھارے ہاتھ تمہاری پشت پہ بندھے تھے۔ تم **قفس زدہ** تھیں۔'' زینیا کی رنگت ایک لمحے میں سفید پڑ گئی تھی۔ ''تمہارا قفس میرے قفس سے مختلف ہے۔ تمہیں بلندیوں نے جکڑ لیا ہے، اتنا کہ تم آج بھی یہاں اپنی بہن کو سمجھانے نہیں منیوپلیٹ کرنے آئی تھیں۔ کاش کوئی تمہیں اس **"ستائشی"** کمپلیکس سے نکال سکے۔''

زینیا کئی لمحے قوت گویائی سے محروم رہ گئی۔ کئی لمحے دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش رہیں۔ بہت دیر بعد جب وہ بولی تو آواز ہلکی تھی۔

''کیا تم میری وجہ سے خود کو سزا دو گی؟ اپنے ساتھ ظلم کیوں کر رہی ہو۔ کسی انسان سے اتنا آبسیسڈ بھی نہیں ہوتے، کونج۔ اتنا کہ پرانے دوست چھوڑ دو، حرام تعلقات میں پڑ جاؤ، اور اپنی ہی بہن سے اتنی نفرت کرنے لگ جاؤ۔'' آخری بات زینیا کو خود بھی چبھی تھی۔

''میں۔۔۔کچھ۔۔ بھی۔۔ تمہاری۔۔۔وجہ۔۔سے۔ نہیں۔ کر رہی۔'' اس نے ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔

''ہم جن سے محبت کرتے ہیں وہ لوگ اگر ہمیں چھوڑ جائیں، روٹھ جائیں یا پھر بد گمان ہو جائیں تو سب سے پہلا خیال یہی آتا ہے کہ ہم خود کو برباد کریں گے، خود کو نقصان پہنچائیں گے۔ تا کہ اسے اندازہ ہو اس نے ہمارے ساتھ کتنا غلط کیا۔ سچ کہوں تو ان جا چکے لوگوں کو فرق نہیں پڑتا۔'' وہ الفاظ دہرا رہی تھی، بار بار رک رہی تھی۔ مگر اہم تھا کہ وہ بول رہی تھی۔

''ہاں مجھے دکھ ہوا تھا کہ تم ویسی نہیں ہو جیسی میں سمجھتی تھی۔ لیکن وہ بس دکھ ہی تھا، صدمہ نہیں۔ میں اس سے نکل چکی ہوں۔ سب سے پہلی سوچ میرے ذہن میں بھی یہی تھی کہ اب میں خود کو برباد کر دوں گی تا کہ تمہیں احساس ہو۔''

''Creepy'' زینیا نے تبصرہ کیا۔

''I agree'' کونج ہنس پڑی۔

''کوئی بھی انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے لئے خود کو نقصان دیا جائے، برباد کیا جائے۔ تم میرے لئے قیمتی تھیں، ضروری ہو مگر اتنی نہیں کہ میں تمہارے لئے خود کو برباد کر دوں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔''

زینیا مسکرا رہی تھی، اسے کونج سے یہ توقعات نہیں تھیں۔

''ضیغم سے میرا تعلق میرا اپنا فیصلہ ہے، پرانی دوستیاں چھوڑنا میرا اپنا فیصلہ ہے۔ خدا کی قسم زینی میں تم سے یا خود سے کوئی انتقام نہیں لے رہی۔'' اس کا لہجہ سچا تھا۔

''میرے چاروں اور میں نے تمھارے جیسا بننے کا قفس چڑھا لیا تھا۔ اب اتار لیا ہے اور اب میں آزاد ہوں۔ تم صحرا میں نظر آنے والا illusion تھیں۔ پاس آنے پہ سب غائب ہو گیا۔ اب جو ہے وہ حقیقت ہے، تپتا صحرا ہے۔ اور میں وہاں اکیلی۔ میں اپنے فیصلوں میں آزاد ہوں۔'' زینیا نے پلکیں جھپکیں، اور پھر آنکھیں موند کر درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔

''کیا تم مجھ سے پوچھو گی نہیں یہ سب میں نے کہاں سے سیکھا؟''

''اسکی ضرورت نہیں ہے۔ تم وہی عمل دہرا رہی ہو، جو عبداللہ کے چھوڑنے پہ میں نے دہرایا تھا۔'' کونج سانس نہ لے سکی۔ وہ اسے اتنے اچھے طریقے سے کیسے جانتی تھی؟

''صحیح کہتی ہو تم پہ سب سے زیادہ حق تمہارا ہے۔ مگر۔۔'' اس نے آنکھیں کھولیں کونج کو دیکھا۔ ''تم کبھی بھی میرے قفس میں قید نہیں تھیں۔ تمہارا اپنا قفس ہے، انسکیورٹیز کا، سوشل اینگزائٹی کا، پیپل پلیزنگ کا، سہاروں کا، اور سب سے بڑھ کر کمپلکسز کا۔ کسی اور کے پھیلائے قفس سے نکلنا آسان ہوتا ہے، مگر اپنے قفس سے نکلنا مشکل کیونکہ۔۔۔''

''کیونکہ وہ invisible ہوتا ہے۔'' کونج نے اسکی بات مکمل کی۔ زینیا نے واپس آنکھیں موند لیں۔ اس کے ارد گرد سناٹے چھا گئے۔ وہ جس قفس سے نکلنا چاہتی تھی وہ زینیا کا نہیں اس کا اپنا پھیلایا تھا۔

☆☆☆

"اسپین بارسلونا"

سیاحتی مقامات کا گڑھ۔ ثقافتوں کا مرکز ہسپانیہ۔ یہ ملک اپنے دل موہ لینے والے فن تعمیر، ثقافت، اور خوبصورت سیاحتی مقامات کے لئے مشہور ہے۔ جب آپ اسپین میں اپنے قدم دھریں گے، اور عزت مآب گوگل صاحب سے پوچھیں گے کہ اس ملک میں آپ کو کن مقامات کی سیر کرنی چاہیے۔ تو یقین جانیں اتنے نام اور اتنی خوبصورتی دیکھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔ اسپین کا ایک شہر بارسلونا اس وقت کہانی کا مرکز ہے۔

بارسلونا اپنی تاریخ، مسمرائز کر دینے والے فن تعمیر اور فٹبال کے لئے مشہور ہے۔ بارسلونا کے سیاحتی مقامات کی فہرست کھنگالو تو اس میں ایک نام "لاس رمبلاس "las ramblas" نامی ایک گلی کا بھی آئے گا۔ یہ صرف ایک گلی نہیں ہے یہ ایک الگ دنیا ہے۔ جہاں انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ جہاں مختلف ثقافتیں ملتی ہیں۔ جہاں ہر رنگ و نسل کے لوگ ملتے ہیں۔

لاس رمبلاس سوتا نہیں، اسکی روشنیاں مدھم نہیں پڑتیں، یہاں خاموشی کا کبھی گزر نہیں ہوا اور تنہائی اسے چھو کر بھی نہیں گزری۔ یہ آنے والوں کے لئے بانہیں کھول دیتا ہے، اور جانے والوں کو ایک لمبے عرصے تک اپنے سحر میں جکڑے رکھتا ہے۔

مہدی کمبیر کے ساتھ اس مقام کی سیر کرنا ایک دلچسپ تجربہ ہو گا۔

آسمانی رنگ کی بیگی شرٹ کے ساتھ سیاہ کارگو پینٹ پہنے، بالوں کے تازہ اسپائکس اور ہلکی بڑھی شیو والا مہدی کمبیر آج سپیچ دینے کو تیار تھا۔ آج وہ بارسلونا کے واکنگ ٹور پہ تھا۔ گلیاں، بازار، لوگ، رش، پر رونق اسپین۔ زندگی کے اسباق دیتا مہدی، اور زندگی سے کیا چاہئے؟ لاس رمبلاس میں داخل ہوتے ہوئے ہر طرف رونق بکھر گئی۔ شام کا پہر تھا۔ آسمان ہلکا جامنی پڑ رہا تھا۔ اور رش بڑھتا جا رہا تھا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، قیدی کیسا محسوس کرتے ہوں گے؟ قید، قفس، زنجیر یہ سب کیسا ہوتا ہے؟" بارسلونا کی پر رونق سٹریٹ میں چلتے پھرتے لوگوں اور اونچی، قدیم عمارتوں کے درمیان چلتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ ساتھ ایک کیمرہ مین تھا۔

"سوچیں آپ کے ہاتھ پیر جکڑے جا چکے ہیں۔ زنجیریں چند دن آپ کے ہاتھ کو بھاری لگیں گی، چند دن بے چین کریں گی، اور چند دن بعد آپ کے ہاتھ سن ہو جائیں گے۔ اور اس کے چند دن بعد کلائیاں زخمی ہونے لگیں گی۔ کچھ قیدی قفس سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کچھ زخمی کلائیوں کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔ آج ہم ماضی کے ٹراماز کا ذکر نہیں کریں گے۔ آج ہم تعلق کے ختم ہونے کے بعد درد اور ذلت کی شروعات کی بات کریں گے۔" چلتے چلتے وہ رکا، عقب میں کھڑی عمارتیں ہیبت طاری کر دیتی تھیں۔ لاس رمبلاس کے دونوں اطراف میں بڑی بڑی دکانیں تھیں، عمارات تھیں، کیفے، بار، پھولوں کی دکان، سرکس، کینڈی شاپس، سیاحوں کے لئے لگائے گئے ٹھیلے غرض کہ یہ گلی ایک لائف ٹائم پیکج تھا۔

"ہم سب نے زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے۔ لوگ، تعلق، دوستی، اکیڈمک، محبت، دولت، شہرت لیکن ان سب کے بعد کیا ہوا؟ تعلق ضرور ٹوٹ جائے۔ لیکن ہرٹ کیا کرتا ہے جانتے ہیں؟ جب تعلق ٹوٹ جانے پہ لوگ آپ کے بارے میں جھوٹ

بولیں۔جب آپ پہ بہتان لگائیں، جو راز آپ نے اس تعلق میں شیئر کیئے انکا کوئی پردہ نہ رہے۔اس درد سے بڑا درد کوئی نہیں ہوتا، ہوتا ہے کیا؟'' آس پاس بہتی ہوا نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔لوگوں آجا رہے تھے۔اس گلی میں مقامی لوگ گنے چنے ہوتے ہیں۔جب آپ لاس رمبلاس آئیں گے تو آپ کو ہر نسل، ہر خطے کے لوگ ملیں گے۔قدیم طرز کی بنی عمارتوں کی خوبصورت بالکنی سے لٹکتے پودے سیاحوں کا دل موہ لیتے تھے۔بیئر کے کین ہاتھوں میں لئے جھومتے گاتے لوگ سیاحوں کی آنکھوں کا مرکز تھے۔

''یہاں سے آپ کے قفس کا دور شروع ہوتا ہے۔ قفس ہر دفع برا نہیں ہوتا یہ بات آج سمجھ لیں۔جب ایک آپ پہ الزام لگا رہا ہو تب آپ نے زبان بند رکھنی ہے۔کیونکہ آپ کے اوپر وقار کا قفس لگا ہے۔آپ اسے نہیں اتار سکتے، آپ کو نہیں اتارنا چاہیے۔چاہے وہ آپ کا محبوب ہو چاہے دوست۔وہ جب بے وقار ہو کر مجمعے میں کھڑے ہو کر آپ کے بارے میں لوگوں سے غلط بیانی کرے تو وقت کو جواب دینے کا اختیار دیں۔کیونکہ جتنا قصوروار وہ مجمعے میں کھڑا شخص ہے اس سے زیادہ آپ ہیں۔'' کیمرہ مین کے آنکھ سے کیمرہ ہٹا کر اسے حیرت سے دیکھا تھا۔جیسے کہنا چاہتا ہو۔

"Man seriously?"

مہدی مسکرایا۔سبز آنکھیں چمکنے لگیں۔لاس رمبلاس کا گوشہ گوشہ اسے سن رہا تھا۔پھولوں کی دکان سے آگے بڑھ کر وہ ایک اسٹال کے آگے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔پھولوں کی دکان سے جھانکتے پھول اسے آگے بڑھتے دیکھ افسردہ ہوئے۔

’’جی آپ قصوروار ہیں۔وہ آپ کے بارے میں بول رہا ہے کیونکہ کبھی کسی زمانے میں آپ کسی اور کے بارے میں بولے تھے۔یا پھر آپ ایک مجمعے میں جب کسی پہ غلط الزام لگایا جارہا تھا،خاموش رہے تھے۔یاد کریں وہ لمحہ کونسا تھا۔‘‘وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا،اور آگے آگے چلنے لگا۔اب کے وہ جیولری کے اسٹال کے آگے کھڑا تھا۔مختلف پرندوں کی اشکال کے لاکٹس۔وہ پلک جھپکے بغیر ان کو دیکھے گیا۔پھر جیب سے ڈھیر سارے نوٹ نکالے،اور گچھے میں موجود سارے لاکٹس اتار لئے۔اسکے دل کو جو لاکٹ بھایا تھا،وہ ایک ننھا سا **"ہمنگ برڈ"** کا لاکٹ تھا۔

’’لاشعور سے ہٹ کر شعوری طور پہ اگر آپ کسی کو ذلیل کرتے ہیں تو ایک دن کوئی آپ کو بھی ذلیل کرے گا۔ایکشن کے ری ایکشنز ہوا کرتے ہیں۔اس دنیا میں آپ کا کیا گیا ہر عمل ایکشن ہے اور اس کے ری ایکشن کے لئے آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔قیامت کے دن سے پہلے ایک اور قیامت ہوتی ہے۔جو یہاں دنیا میں برپا ہوتی ہے۔‘‘وہ بولتے ہوئے رکا۔لمبی سانس لی۔اور سڑک کنارے بنے ایک فون بوتھ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔مائیک چہرے کے آگے سیٹ کیا۔

’’ یہاں میں جس قفس کی بات کر رہا ہوں وہ آپ کو زخمی بھی کرے گا،وہ آپ سے آپ کی آزادی بھی چھینے گا،اور آپ کو ایک تاریک گوشے میں تنہا بھی چھوڑ دے گا۔جاننا چاہتے ہیں کیسے؟

جب آپ ایک honourable انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔لوگوں کے ساتھ غیبت،چغلی یا پھر کسی کا مذاق اڑانے جیسی محفل میں خود پہ قفس لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔یعنی جس انسان کی بابت بات ہو رہی ہے۔آپ جانتے ہیں وہ کتنا کھوٹا ہے مگر

آپ چپ ہیں کیونکہ کسی بھی انسان کے پیٹھ پیچھے بولنا اخلاقی دائرے میں نہیں آتا۔ یہاں آپ چپ رہ کر کچھ لوگ بھی کھو سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا چھوڑنا آپ کو زخمی کر دے گا۔

کوئی آپ کو چھوڑ گیا، آپ کے ساتھ ظلم کیا یا پھر آپ کی عزت نہیں کی۔ آپ اس سے بدلا لینے کی خاطر خود کو یا اس کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ آپ کے اندر کے شیطان پہ لگا قفس ہو گا۔ خود کو ہر قسم کی انتقامی کاروائی سے روکنا آپ کو اندر ہی اندر مارے گا۔ آپ لوگوں سے نہیں ملیں گے یہ آپ کی آزادی چھین لے گا مگر آپ ثابت قدم رہیں گے۔

کئی بار آپ کا رزلٹ برا آئے گا۔ شادی خراب ہو گی۔ محبوب دھوکہ دے گا۔ ساری دنیا آپ پہ تنگ ہو گی۔ ہر طرف سے گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہو گا۔ یہاں آپ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یہاں بھی آپ قفس زدہ ہوں گے۔ یہ قفس بھی وقت سے پہلے نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ آپ سوچتے ہوں گے میں آپ کو باؤنڈریز کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ اب میں آپ کو قفس کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ یہ دونوں چیزیں ایک جیسی ہیں، ہیں ناں؟'' وہ فون بوتھ سے دور ہٹا بوڑھی عمارتیں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ اب رات کا سا سماں ہونے لگا تھا۔ زرد بتیاں جلا دی گئی تھیں۔ کیفیز اور بارز کا رش بڑھ رہا تھا۔ لاس رمبلاس کا دن رات کے وقت شروع ہوتا تھا۔

''باؤنڈریز آپ کو کئی بار ہرٹ نہیں کرتیں قفس کرے گا۔ بہت زیادہ کرے گا۔ صرف ہرٹ نہیں یہ آپ کا دل چیر دے گا۔ دوستوں کی محفل میں سب سے زیادہ ہونے والی چیز غیبت اور چغلی ہے۔ جب آپ اسی چیز سے زبان روک لیں گے۔ تب آپ کے کئی دوست آپ سے کنارہ کریں گے۔ تب آپ کو معلوم ہو گا ایک قیدی کیسا ہوتا ہے۔

جب آپ کسی انسان کے پیچھے نہیں جائیں گے۔ خود کو بے توقیر نہیں کریں گے۔ تب آپ کا دل وہ محبت کا بھوکا توجہ کا مارا دل بہت بری طرح ٹوٹے گا۔ تب آپ کو معلوم ہو گا، ہاتھوں میں لگی بیڑیوں کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ آپ کو لگتا ہے یہ چیزیں بے کار ہیں؟ یہ سب آپ کو کچھ نہیں دے گا؟ سب کو یہی لگتا ہے لیکن میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ جس نے قید نہیں دیکھی وہ آزادی کا مطلب ہی نہیں جانتا۔ آپ اگر اسی طرح غیبت اور چغلی میں ملوث رہیں گے، تو آپ کے اندر ایک کونا سڑتا چلا جائے گا۔ آپ مکمل طور پہ ہرٹ نہیں ہو سکیں گے۔ آپ مکمل طور پہ خوش نہیں ہو سکیں گے۔ جس انسان کے ساتھ مل کر آپ کسی اور کو ذلیل کرتے ہیں، آپ کو اس پہ اعتبار نہیں ہو گا نہ ہی ہونا بھی چاہئے جو کسی کا مذاق اڑا سکتا ہے وہ آپ کا مذاق بھی اڑا سکتا ہے۔

لوگ آپ کو اپنے راز نہیں دیں گے۔ آپ کی کوئی dignity نہیں ہو گی۔

کیا یہ زندگی ہے؟ میں اس دن مرنا پسند کروں گا جس دن لوگ مجھے یہ کہنے لگے، **"مہدی یہ بات کسی کو بتانا مت۔"** آپ جانتے ہیں یہ بات کیوں کہی جاتی ہے؟ کیونکہ آپ نے کئی بار بات یہاں سے وہاں لگائی ہوتی ہے۔ ہر قید آپ کو ایک بہتر انسان بناتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ آپ کو لگتا ہے یہ ظلم ہے؟ اونہوں یہ آنے والا Reward ہے۔ یہاں انسان کو حدود میں رہنا ہوتا ہے۔ یہاں اللہ کی ماننی ہوتی ہے اور اس کے بعد جب ہم جنت میں جائیں گے۔ ہر پابندی ختم۔'' مہدی رک گیا۔ یہ لمحہ خوبصورت سا تھا۔

”وہاں ہمارے لئے ایک اچھی زندگی ہوگی۔“ آخری بات میں امید تھی۔ لگن تھی۔ اس نے سپیچ ختم کی، کیمرہ بند ہوا، اور وہ آگے بڑھ گیا۔ لاس رمبلاس جاگ چکا تھا۔ سیاح صاحب کے ٹور کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ اس کے الفاظوں کی بازگشت کئی لمحے وہاں گونجتی رہی تھی۔

(”حرام تعلقات میں آپ کے اعصاب پہ ہر وقت ایک بے چینی سی رہتی ہے۔ اپنے پارٹنر کے متعلق خدشے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے محبت اور پازیسونیس کا نام دیتے ہیں۔ لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ یا پھر اندھے۔“)

باغ سے واپس آتے ہوئے کونج کی نظر ایک طرف کھڑے ضیغم پہ پڑی۔ وہ وریشہ کے ساتھ کھڑا تھا۔ چند دنوں سے وہ بے حد اداس تھا۔ مگر آج کونج نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وریشہ اسے کچھ بتا رہی تھی اور وہ کھل کر ہنس رہا تھا۔ پھر وریشہ نے اس سے کچھ کہا، اور اگلے لمحے اپنا موبائل اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ ضیغم نے کچھ ٹائپ کیا اور موبائل واپس اسے تھمایا۔ شاید وہ اسے اپنا نمبر دے چکا تھا۔ نظروں کی تپش محسوس کرتے ضیغم نے مڑ کر دیکھا تو کونج اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے موبائل نکالا، کچھ ٹائپ کیا اور کونج کے نمبر پہ بھیج دیا۔ پیغام کی ٹیون بجی، کونج نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا۔

اگلے چند پلوں میں وہ دونوں باغ میں تھے۔ ضیغم درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ کونج خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"Lack of communication)

تعلق تباہ کرتا ہے۔ مگر غیر محرم کے ساتھ رشتہ وہ واحد رشتہ ہوتا ہے، جہاں بات کے درمیان بھی مسائل ہوتے ہیں۔ جہاں ہر رات لڑائی ہوتی ہے، ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پہ شک، الزام، اور پیچھے ہٹنے کا سوچا جاتا ہے۔ لوگ ایک بار پھر اسے محبت میں ہرٹ ہونا کہتے ہیں۔ مگر لوگ جھوٹے ہیں۔")

"بتانا پسند کروگے مجھے یہاں کیوں بلایا؟ یا پھر یہ بھی تمہاری اس عزیز وریشہ سے پوچھوں؟" ضیغم نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔ "میرے سامنے تو تمھارے غم جاگ گئے تھے ناں۔ پھر اس کے سامنے ٹھٹھے کیوں لگا رہے تھے؟"

"بکومت۔۔۔۔" وہ جھلایا۔ "ہم بس بات کررہے تھے۔

وہ بات جو تمھیں کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ میرے ماموں مر گئے تھے، تمھیں فرصت ملی کہ دو گھڑی مجھ سے بات کرلو؟ میرے پاس بیٹھو مجھ سے کچھ پوچھو؟ ہاں لیکن تمہیں شاداب کے لئے چائے بنانے کی فرصت ضرور تھی۔" اسکا لہجہ بلند نہیں تھا، سخت ضرور تھا۔

"تم مجھ پہ شک کررہے ہو؟ تمھیں کیا لگ رہا میں خوشی خوشی اس کے لئے چائے بنا رہی تھی؟ کزن ہے وہ میرا تم بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہے ہو؟"

"وریشہ بھی تو میری کزن ہے ناں۔ دو گھڑی بات کیا کرلی، دماغ خراب کرنے لگی ہو میرا۔ اپنی ٹون سیدھی کرلو ورنہ مجھ سے بھی نرمی کی امید مت رکھنا۔"

''میری ٹون کا نہیں پتہ مگر تمہاری ٹون کچھ زیادہ نرم ہونے لگی ہے۔اپنی فیمیل کزنز کے ساتھ۔'' وہ تمسخر سے بولی۔ ضیغم نے مٹھیاں بھینچ کر ضبط کیا۔

''اور تم؟ تم کیا کر رہی ہو۔اگر تم بھول گئی ہو تو میں یاد دلا دوں کہ تم میری منگیتر ہو۔اور میری ماں تمہاری ہونے والی ساس۔ میری بہنیں ان سے بھی تمہارا گہرا تعلق ہے۔ان سب کے درمیان اگر تم اٹھ کر کسی بھی ایرے غیرے کے لئے چائے ناشتہ بنانے لگو گی تو تم بہتر جانتی ہو کیا کیا ہو سکتا ہے۔'' بولتے بولتے وہ رکا، لمبی گہری سانس لی۔

''ہماری اتنے دنوں سے بات نہیں ہوئی کونج لیکن کیا تمہیں فرق پڑا ہے؟ کیا تمھیں واقعی لگا ہے کہ کچھ مسنگ ہے؟'' اور یہاں وہ نرم پڑ گئی۔

(ہر جھگڑے، ہر آرگیومنٹ کے بعد حرام تعلقات والے جوڑے یا تو رو دیتے ہیں۔یا پھر جذباتی ہو جاتے ہیں۔ایک دوسرے کو معاف کرنا، بات چھوڑ کر آگے بڑھنا، یہ ان کپلز کا خاصہ ہوتا ہے۔لوگ دوبارہ اسے محبت میں ہر آرگیومنٹ ہار جانا کہیں گے، مگر یہ خوف ہوتا ہے۔آپ کھل کر لڑ نہیں سکتے، آپ کھل کر سامنے والے کو اس کے قصور نہیں گنوا سکتے۔انسان کے اندر ضمیر نامی کچھ ہوتا ہے۔جو کچھ ایکشنز لیتا ہے۔اور ایسے معملات میں وہ چپ سادھ لیتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے وہ گلٹی ہے۔ایسے تعلقات میں انسان حق پہ ہوتے ہوئے بھی جھکتا ہے۔اسے جھکنا پڑتا ہے۔)

کونج ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ ہرٹ لگتا تھا۔ ''ضیغم ہم دونوں اس وقت ایک جیسے کڑے وقت سے گزر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو جو مر گیا ہے وہ میرا اچھا تھا۔''

''وہ چچا جس کے ساتھ تمہاری ایک بھی یاد نہیں جڑی؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ کونج سے ضبط کرنا محال ہوا۔ ''میرے ساتھ انکا گہرا تعلق تھا۔ ہم ملتے تھے، ہم ساتھ رہے ہیں۔ تمھیں تو انکی شکل بھی یاد نہیں ہو گی۔''

''کیا ہم دونوں یہاں اپنے خاندانی معاملات ڈسکس کرنے آئے ہیں؟'' کونج نے اسکی بات کاٹی۔

''میں نے تو بات کرنے ہی بلایا تھا اب آگے جو تم چاہو۔ کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ تم کسی قسم کی بات کرنے میں انٹرسٹڈ ہو۔'' اس نے کندھے اچکا دیئے۔ کونج نے گہری سانس لی۔ اپنے وقار پہ ڈھیر ساری لعنت بھیجی، قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی۔

''آئی ایم سوری مجھے تمھارے اور وریشہ کے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' حالانکہ وہ اس سے بھی برا کہنا چاہتی تھی، کیونکہ اس کا دل بھی خالص نہیں تھا۔ حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے دل خالص رہتے ہیں کیا؟

الزام ضیغم نے بھی لگایا تھا مگر جب جھک چکے تو خود کو پورا جھکانا تھا۔

''میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں ضیغم۔ میں تمھارے لئے پازیسو ہوں۔'' حلانکہ وہ خوف زدہ تھی۔ اس نے ہار مان لی کیونکہ اسے لگا تھا محبت ہے۔

ضیغم نے معاف کر دیا کیونکہ اسے لگا تھا وہ عظیم ہے۔ محبت کو ہر دفع معاف کرنے والا عظیم۔

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔ اور کونج کا دل اب بھی خالی تھا، پریشان بھی اور ملامت زدہ بھی۔

کہیں وہ شک کرنے کی وجہ سے اس سے بات کرنا کم تو نہیں کر دے گا؟

کہیں وہ میرے معافی مانگنے پہ خود کو ہر الزام سے بری الذمہ تو نہیں قرار دے رہا؟

کہیں میں نے خود کو جھکا کر غلط تو نہیں کر دیا؟ ہزار وسوسے، ہزار پریشانیاں۔

بھلا حرام تعلقات میں کبھی کسی کو دلی سکون ملا ہے؟

کمبیر محل کے ڈائننگ ہال میں کانٹے اور چھری چمچوں کی آواز آتی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا قیس کمبیر بڑی ہی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔ مقصود چچا بھی خلاف توقع آج خاموش تھے۔ دفعتاً قیس کا موبائل بجنے لگا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر کال کاٹنے والا تھا کہ کالر آئی ڈی دیکھ کر رک گیا۔ نوالہ اس کے حلق میں اٹکا تھا، اس نے بے اختیار پانی کا گلاس منہ پہ چڑھا لیا۔ جلدی سے کال اٹینڈ کی مبادہ کال کٹ ہی نہ جائے۔

''ہیلو میرہ؟'' ڈائننگ ہال سے باہر نکلتے ہوئے اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔ بات حیران ہونے کی تھی مگر مقصود حیران نہیں ہوئے۔ وہ موبائل کان سے لگائے باہر لان میں چلا آیا۔ اسکے چہرے پہ بہت مختلف چمک تھی۔

''کیا ہم نارمل ہو رہے ہیں؟'' اس کے لب ہلکی سے مسکراہٹ میں ڈھلے۔ یاسیت بھری مسکراہٹ۔ پورے چاند کی روشنی اس کے چہرے کو منور کر رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا کر دیا، عبداللہ؟'' وہ رو رہی تھی۔ بے بسی سے ڈھیر سارا رو رہی تھی۔ قیس کی مسکراہٹ ایک لمحے میں سمٹ گئی۔

''تم نے قتل کیا ہے، عبداللہ۔ تم جانتے ہو تم نے کیا کر دیا؟ تم میرے عبداللہ نہیں ہو، تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''

وہ ساکن تھا۔ سمجھ نہ آیا کیا کہے۔اس کے علاوہ صرف بختیار اور مقصود اس بارے میں جانتے تھے۔وہ جانتا تھا میرہ کو بتانے والا کون تھا۔

''سالوں پہلے جو درد ہم نے سہا تھا۔ جیسی ادھوری زندگی ہم نے گزاری تم نے وہی سب کسی اور کے ساتھ کر دیا تم اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہو؟''

''میں ظالم نہیں،نہ میں قاتل ہوں۔ میں جنگ فتح کر آیا ہوں۔ میں نے اسے کھلے ہاتھ،آزاد جسم،اور ہتھیار کی آزادی بھی دی تھی۔ قتل ایسے نہیں ہوتے، جنگیں ایسی ہوتی ہیں۔ میں نے کوئی کوراپ بھی نہیں کیا۔ان کا سارا خاندان جانتا ہے یہ عبداللہ نے کیا ہے، لیکن انہوں نے پولیس کو میرا نام نہیں دیا۔ کیا قتل اور ظلم ایسا ہوتا ہے۔ یہ قتل نہیں تھا، قصاص تھا۔''

دور بیجنگ کے اس فلیٹ میں بیٹھی میرہ نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم نہیں سمجھ رہے، تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تم نے ظلم کر دیا، عبداللہ تم نے ظلم کر دیا۔ تم میرے عبداللہ نہیں ہو، تم میرے بھائی نہیں ہو۔ تم میرے لئے کچھ بھی نہیں رہے۔ میں نے آج تم پہ گواپ کیا۔"

قیس کے دل پہ یہ الفاظ برچھی کی طرح کھب گئے تھے۔ وہ لان میں لگے فوارے کے گرد بنی دیوڑھی پہ بیٹھ گیا۔ٹانگوں سے جان نکل سی گئی تھی۔اسکی رنگت سفید پڑی تھی۔

''میرے لئے میرا خاندان ختم ہے، تم آج سے میری بیٹی سے کوئی رابطہ نہیں رکھو گے۔ میں نہیں چاہتی اس پہ کسی قاتل کا سایہ پڑے۔'' یہ الفاظ مختلف تھے۔ قیس کی آنکھیں بے یقینی کھلی تھیں۔ لب ہلکے سے وا۔

''تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔ ایزل کو مجھ سے دور مت کرو، میرہ۔'' اس کی آواز لڑکھڑائی تھی۔ کوشش کے باوجود وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا۔

''وہ میری بیٹی ہے۔ میرہ سرور کمبیر کی بیٹی، مہدی کمبیر کی بھانجی، اور ہم دونوں کے ساتھ بھی وہی ہوا جو تمھارے ساتھ ہم تمھارے جیسے نہیں بنے۔ تم نے سیاہی خود چنی تھی، اور اب اسی میں غرق رہو۔ آئندہ میری بیٹی کے قریب مت پھٹکنا۔'' کال کٹ گئی تھی۔

قیس کئی لمحے ساکن اور خالی ہوتے دل کے ساتھ وہاں بیٹھا رہا۔ فوارے کی دھار سے گرتا پانی اسکی پشت بھگو رہا تھا۔ حلق دکھ رہا تھا۔ اسے درد ہو رہا تھا۔ آج مدتوں بعد اسے بے تحاشا درد ہو رہا تھا۔ اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ گردن ڈھلکا دی۔ پانی کی پھوار اب اس کے بال گیلے کر رہی تھی۔

میرہ ساتھ نہ تھی مگر برتھڈے پہ کال کر لیتی تھی۔ عید پہ مبارک دے دیتی تھی۔ اور ایزل کوئی اسے ایزل سے کیسے دور کر سکتا تھا؟ کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں وہاں بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ دراز سے چند گولیاں نکال کر پھانک لیں۔ اپنے بیڈ پہ گھٹنے سینے سے لگا کر لیٹ گیا اور بتیاں بجھا دیں۔ ایک لمبے عرصے بعد اسکی آنکھوں کے گوشے نم ہوئے تھے۔ خاندان ایک بار پھر الگ ہوا تھا۔

چند لمحے بعد اسکا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ اندھیرا گھپ اندھیرا۔ نہ کوئی غم نہ تکلیف۔ اسے جائے فرار مل چکی تھی۔

اسپین، خوبصورتی کا سیمبل، خزاں کا مرکز، توجہ کا طالب اور سیاحوں کا دل۔sagarda fimilia یہ بارسلونا میں واقعی ایک قدیم عمارت ہے۔ گو کہ یہ عمارت آج تک اپنے تکمیلی مراحل کو نہیں پہنچ سکی۔ مگر ایک دنیا ہے جو اس کے سائے میں کھڑے ہو کر گردن اٹھائے اسے دیکھتی ہے۔ اور دیکھتی رہتی ہے۔ بنیادی طور پہ یہ ایک چرچ ہے۔ لیکن اس کے کافی حصے ہیں۔ جہاں شاندار آرکیٹیکچر سیاحوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ عمارت کے اندر آؤ تو گردن اونچی کئے مہدی کمبیر مسمرائز سا اس **"آرٹ"** کو تک رہا تھا۔ جو اس عمارت کی چھت پہ کنندہ تھا۔

اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی، اور آنکھوں میں چمک۔ یہ کہانی کا افسردہ مہدی نہیں تھا۔ یہ خوش تھا، آزاد اور پر سکون سا یکدم اس کا فون تھرتھرایا۔ اسی پل ہال کی لائٹس ایک لمحے کو بند ہوئیں۔، اندھیرا سا چھایا اور اسی اندھیرے میں مہدی کے لئے یکدم ڈھیر ساری روشنی چھا گئی۔ واٹس ایپ پہ زینیا حاکم کی کال تھی۔ اس نے اچھنبے، اور کچھ کچھ مسرت کے عالم میں سبز دائرے کو سلائڈ کر کے کال کا جواب دیا۔ ہال کی روشنی واپس آگئی تھی۔

''آج سورج یقیناً مغرب سے نکلا ہو گا، زینیا حاکم بندہ ناچیز کو کال کر رہی ہیں۔؟'' آئینے کے آگے کھڑی زینیا حاکم نے آنکھیں میچ لیں۔ یہ ایک پیچیدہ لمحہ تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا، جب میں چلا جاؤں تو یاد بہت آتا ہوں۔ میری تصاویر لے لینی چاہیے تھیں۔'' سچ تھا زینیا کے منہ سے کچھ سخت سنے بغیر اس کا دن نہیں گزرتا تھا۔ زینیا نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ ماتھے کو ہلکا سا چھوا۔

''آپ کی یو ایس بی میرے پاس ہے۔'' ایک لمحے کو مہدی کی مسکراہٹ تھم گئی۔

''میں نے وہ اپنے پاس رکھی کیونکہ مجھے لگتا تھا اس میں کوئی کلیو ہے۔ لیکن اس میں نہیں تھا اس میں۔۔۔''

''ہاؤ ڈیئر یو۔'' وہ سختی سے بولا۔ ''تمہاری ہمت کیسے ہوئے اسے کھولنے کی، تمھارے اندر تمیز نامی کوئی چیز نہیں ہے؟'' اسے برا لگ رہا تھا۔ سخت برا۔ لوگوں نے مڑ مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ چرچ سے باہر کی طرف جانے لگا۔ چہرہ سرخ تھا۔ ''تم نے کسی کی چیز بغیر اجازت کیسے استعمال کی؟''

''اس میں آپ کا خاندان تھا، آپ کی یادیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں، جو مر جائیں انکی یادیں کتنی عزیز ہوتی ہیں۔'' وہ برا مانے بغیر اپنی رو میں بولی تو مہدی تھم سا گیا۔ غصہ البتہ کم نہیں ہوا۔ ''کچھ لوگ مر جاتے ہیں اور پھر واپس نہیں آتے۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں شکوے بھی ہوتے ہیں، ناراضگی بھی، اور شاید نفرت بھی۔ ان کے جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ۔۔''

''کہ ان سب کے درمیان محبت بھی تھی۔'' مہدی نے اس کا جملہ مکمل کیا۔ زینیا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ گرم گرم مائع چہرے پہ بہنے لگا تھا۔

''محبت تھی، بہت محبت تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا مجھے ان سے اتنی محبت کیسے ہو سکتی ہے؟'' مہدی کو محسوس ہوا وہ رو رہی ہے۔ مگر وہ بس سنتا رہا۔ sagarda fimilia کے اوپر نیلے بادلوں کا سایہ تھا۔ اور مہدی اسی سائے کے نیچے۔

''میں نے کسی اپنے کو کھو دیا ہے اور ظلم یہ ہے کہ میرے پاس انکی کوئی یادیں بھی نہیں ہیں۔ بس ایک ذرا سا ماضی ہے، ذرا سے ساتھ گزرے لمحات۔ مجھے ان کے جانے کا افسوس ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے بدگمان رہی، ان سے نفرت کی۔ مجھے

افسوس ہے میں انہیں معاف نہیں کر سکی۔ لیکن میں اپنے پچھلے رویے پہ شرمندہ بھی ہوں۔ مجھے آپ کی چیزیں اس طرح اپنے پاس نہیں رکھنی چاہیئے تھیں۔''

اس نے آنسو صاف کئے، لمبی گہری سانس لی۔ ''روتے ہوئے تمہاری آواز خوبصورت ہو جاتی ہے۔'' سنجیدہ سا تبصرہ۔ زینیا نے حیرت سے موبائل کو دیکھا۔ ''اب اس بات پہ مجھے بلاک نہ کر دینا۔ ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔''

''میں اس دن آدھے پاکستان کو مٹھائی کھلاؤں گی جب آپ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ پلیز ہو جائیں۔ ہو جائیں ناراض۔'' زکام زدہ سانس اندر کھینچتے ہوئے وہ خفگی سے بولی تھی۔

''اچھا یہ سب چھوڑو، یہ بتاؤ تمھارے لئے کیا تحفہ لاؤں؟'' وہ خوشدلی سے بولا۔ اس کے عقب میں کھڑی عمارت مسکرائی۔

''آپ کو کال کیا کر لی فوراً فری ہو گئے۔ میں آپ سے تحفے کیوں لینے لگی؟'' مہدی مسکرایا۔

''فری نہیں، شکر گزار ہوں۔ تم جیسی ڈائن کے چنگل سے میری یو ایس بی نکل آئے گی، تم نے میری اتنی مدد بھی کی اب بتاؤ کیا تحفہ چاہیے۔'' بارسلونا کا آسمان ہلکی ہلکی مینا برسانے لگا تھا۔ مہدی نے گردن پیچھے کو پھینک دی۔ بارش کے قطرے دل پہ پھوار کی طرح پڑے تھے۔ آہ یہ منظر۔

''جتنے دن کے لئے گئے ہیں، اس سے دگنا عرصہ رہ کر آیئے گا۔ یہی میرا تحفہ ہے۔'' وہ کھڑکی کے پاس آ کر رکی، موبائل ہنوز کان سے لگا رکھا تھا۔

''ایسی باتیں کرتی ہو تو میرا دل جلا دیتی ہو۔''اس نے برا منایا۔زینیا نے ایک بار پھر موبائل کان سے اتار کر دیکھا۔یہ آج اتنا فری کیوں ہو رہا تھا۔

''میرے بس میں ہو تو آپ کو پورا کا پورا آپ کے شہر سمیت جلا دوں۔لیکن۔۔۔''

''ملکہ کا شوق سلامت،شہر اور بہت۔''وہ مسکرا کر بولا تو زینیا ہنس پڑی۔مہدی اس کے ساتھ ہنسا تھا۔وہ خاموش ہوئی تو مہدی پھر ہنسا۔اسکی ہنسی کی آواز پہ زینیا بھی ہنس دی۔اگلے کئی لمحے وہ دونوں خوامخواہ ہنستے رہے۔بغیر کسی بات کے،بلاوجہ،بے اختیار ہنسی۔وہ ہنس ہنس کر تھکتی اور چپ ہونے لگتی تو مہدی ہنسنے لگتا تھا۔وہ بارش میں بھیگتے ہوئے ہنس رہا تھا۔آدھے بارسلونا نے اسے خبطی سمجھا ہو گا۔وہ حویلی

''ویسے ایک اطلاع ہے میں آج کل تمہارا باس ہوں۔''اس نے کالر چڑھائے۔

''اور یہ حادثہ کب ہوا؟''زینیا محظوظ ہوئی۔دل ہلکا ہونے لگا تھا۔

''قیسم کے ''م''کا مطلب مہدی ہے۔مجھے براق نے بتایا ہے کہ تم قیسم کے لئے فوٹو گرافی کر رہی ہو۔''**(وہ زینیا کو یہ نہیں بتا سکا کہ براق نے اسے انتہائی پر جوش ہو کر کال کی اور بتایا''مہدی میں نے تمہاری لڑکی کو نوکری دے دی ہے۔میں کتنا اچھا ہوں ناں۔''استغفراللہ۔**

''میری لڑکی؟''جواباً اس نے پوچھا تھا۔

''وہی جس کے ساتھ تم سڑک پہ چل رہے تھے۔وہی جو میری بھابی نہیں بہن ہے۔'')

''آپ پہلے باس ہوں گے جو آفس میں کم، نہروں اور پہاڑوں میں زیادہ نظر آتے ہیں۔''

''ہر ملازم اپنے باس سے ایسے ہی جلتا ہے۔ تم بھی جلتی رہو خیر ہے۔'' بارش تیز ہونے لگی تھی مگر وہ بھیگتا رہا، بھیگتا رہا۔

''پہلی بات آپ کا کام فنانس ہے، جو کہ آپ سال میں ایک بار کرتے ہیں۔ دوسری بات میں صرف قیس سر کے لئے کام کرتی ہوں۔ صرف انکے ڈیزائنز کی تصاویر، اور صرف ان کی اپنی تصاویر۔ کافی مشکل کام ہے۔'' زینیا کے تفصیل سے کہنے پہ مہدی ایک پل کو تھم گیا۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے کچھ کہنے کا سوچا۔ بارش سے یکدم دل اچاٹ ہوا۔

''اگر تم برا نہ مانو تو میں ایک مشورہ دوں؟''

'' میں برا بھی مانوں گی، مشورہ بھی نہیں مانوں گی مگر آپ پھر بھی بولیں گے میں جانتی ہوں۔'' مہدی گردن جھکا کر گیلے چہرے کے ساتھ ہنس پڑا۔ ہاتھ سے ماتھے پہ آتے بال پیچھے کو کئے۔

''تم مجھے کتنے اچھے سے جان گئی ہو ناں۔''

''مجھے تحفہ دینے کی وجوہات میں ایک اور اضافہ۔'' زینیا نے مسکرا کر کہا۔ مہدی نہیں مسکرایا۔

''میں نے جب سنا تھا تم قیسم کے لئے کام کر رہی ہو میں خوش ہوا تھا۔ مگر یہ سن کر کہ تم قیس کے لئے کام کر رہی ہو، میں تمھارے لئے پریشان ہوں۔ کیونکہ۔۔۔۔''

''کیونکہ وہ مشکل آدمی ہے۔'' زینیا نے اسے الفاظ دیئے۔

''وہ مشکل آدمی ہے۔۔ہاں وہ مشکل آدمی ہے۔''مہدی نے ماتھے کو چھوتے ہوئے کہا۔ جیسے یہی صحیح الفاظ ملے ہوں۔

''وہ باس ہے اور تم ملازم۔ لیکن تم دونوں کا ایٹیٹیوڈ ایک جیسا ہے۔وہ برداشت نہیں کرے گا،اور تم کر ہی نہیں سکتیں۔ایک ہفتہ زینیا وہ ایک ہفتے میں تمھیں نکالے گا، یا پھر تم استعفیٰ اس کے منہ پہ مار کر آؤ گی۔میرے الفاظ لکھ کر رکھ لو۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا میں برا بھی مانوں گی،اور مشورہ بھی نہیں مانوں گی۔ لیکن آپ پھر بھی بولیں گے۔اب آپ بول لئے، میں نے برا مان لیا ہے۔''اس نے سرخ بٹن دبا کر کال کاٹ دی۔

چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ موڈ خراب۔آخر ساری دنیا اسکی مرضی سے کیوں نہیں چلتی تھی؟ اگلے کئی لمحے اس نے بے چینی سے کمرے میں یہاں سو وہاں چکر کاٹے تھے۔

رات کے اندھیرے میں حویلی کی تمام بتیاں روشن تھیں۔لان میں کرسیاں رکھی تھیں۔ جن میں سے ایک پہ بشر حاکم بیٹھا تھا۔ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور سامنے بیٹھی عروج کو بولتے ہوئے سن رہا تھا۔ سن کیا رہا تھا برداشت کر رہا تھا۔اور اپنے گناہ بڑھوا رہا تھا۔ماشاءاللہ سے غیبت کرنے میں عروج کا کوئی ثانی کہاں تھا۔اسی پل ستون کی اوٹ سے زینیا حاکم آتی دکھائی دی۔

سیاہ جوڑے کے اوپر مٹیالے رنگ کی شال اوڑھے، شہد رنگ بالوں کو سادہ سی چٹیا میں باندھ رکھا تھا۔ان کے قریب آکر چائے کے کپ سے بھری ٹرے میز پہ رکھی۔اور خود کرسی پہ آکر بیٹھی۔ عروج نے ایک سخت نظر اس پہ ڈالی،اور اٹھ کر چلی گئی۔ زینیا نے بے تحاشا حیرت کے ساتھ اسے جاتے دیکھا تھا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟''

''چھوڑدو پاگل ہے دورے پڑتے رہتے ہیں۔''بشر نے بات ہوا میں اڑائی۔آگے بڑھ کر اپنا کپ اٹھا لیا۔

''صاف صاف بتاؤ ادا۔۔کیا ہوا ہے اسے؟میری تو بات بھی نہیں ہوئی۔''وہ اب بھی حیرت زدہ تھی۔بشر نے گہری سانس لی۔

''تمہیں یہاں آئے ہوئے چار دن ہو گئے ہیں۔اور بالاج نے تمھیں ایک بھی کال نہیں کی۔اس کی اماں تمھارے اور کونج کے ساتھ ایک بار بھی ٹھیک سے بات نہیں کر سکیں۔۔۔''

''فوتگی والا گھر ہے بشر۔تم کن پروٹوکولز کی بات کر رہے ہو؟''زینیا نے اسکی بات کاٹی۔بشر آگے کو ہوا۔زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں تو کوئی پروٹوکول نہیں بھولا۔دن میں تین سے چار بار بیٹھک سے آکر عروج کا حال پوچھا ہے۔اماں اس کے کھانے پینے کا خیال رکھ رہی ہیں۔کونج اس کے آگے پیچھے گھومتی ہے۔مرے ہوؤں کے ساتھ زندہ لوگ دفنائے نہیں جاتے۔''

''مجھے اب یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کیا کہا ہے؟''زینیا تحمل سے بولی۔بشر نے چائے کا گھونٹ لیا اور کندھے اچکائے۔

''میں مرد ہوں،اور مرد مردوں سے بات کرتے ہیں۔میں کیوں عروج سے کچھ کہوں گا۔''معصوم بشر نے آنکھیں گھمائیں۔''ہاں بس بالاج کو ایک کال کی تھی کہ اِنسان کا بچہ بن جائے۔ورنہ یہ نہ ہو کہ میں بھی اسکی بہن سے بات کرنا بھول جاؤں۔اور اپنے سسرالیوں کو عزت دینا بھول جاؤں۔''

''آہ بشر آہ۔۔۔ تمھیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' زینیا کو بے بسی بھرا غصہ آنے لگا۔ کیا سوچتا ہو گا بالاج کہ زینیا حاکم اس کا جوگ لے کر بیٹھی ہے۔ جب ہی تو اس کا بھائی کالز کر کر کہہ رہا ہے اسکی بہن سے بات کی جائے۔

''مجھے جو صحیح لگے گا، زینی میں وہ کروں گا۔ یہ شادی میرا گھر بسانے کو نہیں کی تھی۔ میں نے یہ شادی ابا کی مرضی سے کی تھی۔ جب میں نبھا رہا ہوں، تو میں چاہوں گا اس شادی سے جڑے تمام لوگ اسے نبھائیں۔'' رسان سے سمجھایا۔ زینیا کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم میرے شوہر پہ زبردستی کرو گے؟ تم اس سے جا جا کر کہو گے کہ مجھ سے محبت کر لے؟ تا کہ ہماری شادی اچھی گزرے۔؟

Is that what you want?''

وہ تندہی سے بولی۔ دل میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ بشر نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''کیا تم دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہے؟ تم مجھے بتا سکتی ہو زینی، میں تمہارا بھائی ہوں۔'' وہ فکر مند لگتا تھا۔ زینیا کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ بشر کے سامنے وہ کمزور پڑ جاتی تھی۔ لیکن اسے بتانے کے لئے جو ہمت درکار تھی وہ اسکے پاس نہیں تھی۔

''مجھے یہاں سے جانا ہے۔ ابا کہتے ہیں ہم گوادر جائیں گے لیکن میں یہاں سے سیدھا اسلام آباد جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے کئی دنوں کی دل میں رکھی بات کہہ ڈالی۔ ''سب عورتیں مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھتی ہیں۔ ایسے جیسے میں نے بہت بڑا گناہ کر دیا ہو۔ عبداللہ جا کر بھی نہیں گیا۔ ایک کرس بن کر میرے ساتھ چمٹ گیا ہے۔ مجھے یہاں سے بھیجو بشر۔'' ابھی بشر کچھ کہتا کہ اپنی

دائیں طرف سے آتی شیزل کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔ وہ دائیں طرف رکھی کرسی پہ آ کر بیٹھی۔ دور کھڑکی میں کھڑی عروج نے اسے بیٹھتے دیکھا۔اس کے بدن میں شرارے دوڑ گئے۔

''کمال ہے، مہمانوں کو روکھے منہ پوچھا بھی نہیں۔اور میزبان چائے پی رہے ہیں۔''اس نے بشر کے ہاتھ میں پکڑے کپ کو دیکھ کر کہا۔

''آپ چائے پینا چاہیں گی؟''آکورڈ ماحول میں بشر نے خوشگوار پیشکش کی۔

''میں چائے نہیں پیتی، بشر صاحب۔''زینیا کو اس کی اداکاری پہ تپ چڑھی۔

''کوئی بات نہیں آپ کے لئے کافی بنوا لیتے ہیں۔ میں جا کر کہہ آتا ہوں۔''وہ اٹھنے لگا جب شیزل نے منع کر دیا۔

''آپ اپنی چائے پیئیں۔ میری کافی کی فکر بعد میں کریں گے۔''وہ نظریں اس کے چہرے پہ جما کر بولی۔ بشر سرخ پڑ رہا تھا۔

''اچھا نہیں لگتا اس طرح ہم چائے پیئیں اور مہمان یونہی بیٹھے رہیں۔''بشر بس اٹھنا چاہتا تھا۔ شیزل نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''لیکن آپ تو بہت مزے سے چائے پی رہے تھے۔ مہمانوں کا خیال کئے بغیر۔''

بشر نے مدد طلب نظروں سے زینیا کو دیکھا۔اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔اسی پل عروج تن فن کرتی ان کے سر پہ آن پہنچی۔ شیزل نے گردن اٹھا کر محظوظ کن نظروں سے اسے دیکھا۔

''اندر چلیں بشر بہت رات ہو گئی ہے۔''بیوی صاحبہ نے چبا چبا کر کہا۔ بشر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ شریف آدمی تھا بھئی۔

''میری کافی، بشر؟''شیزل نے ہلکی آواز میں اسے پکارا۔ آنکھیں معصومیت بھری۔

''میں بھجواتا ہوں، شیزل صاحبہ۔''زینیا مسکراہٹ دبائے انہیں دیکھنے لگی۔

''سارے ملازم سو چکے ہیں۔''عروج بشر کے بازو میں بازو ڈال کر بولی۔ بشر کا جی چاہا تھا کہیں بھاگ جائے۔

''ملازم سو چکے ہیں تو کیا ہوا؟ بشر آپ کو کافی بنانی نہیں آتی؟''شیزل نے آنکھیں جھپکائیں۔ اب بس عروج کے برداشت کی بس ہو چکی تھی۔

''بشر کو نہ چائے بنانی آتی ہے، نہ کافی اور اگر آتی ہوتی تو وہ صرف میرے لئے بناتا۔ آپ اپنی کافی کا شوق صبح پورا کیجئے گا۔'' چبا چبا کر کہتی عروج نے ایک قہر آلود نگاہ بشر پہ ڈالی اور اسے لئے آگے بڑھ گئی۔ اصل ٹارچر تو وہ اندر جا کر شروع کرے گی۔

ان دونوں کے جانے کی دیر تھی، زینیا اور شیزل ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسی تھیں۔ ہنستے ہنستے وہ دونوں دہری ہو گئیں۔ زینیا کا چہرہ سرخ ہونے لگ گیا تھا۔ اس نے آج تک بشر کو اتنا بوکھلایا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ شیزل کا چہرہ ہنس ہنس کر سرخ ہونے لگ گیا تھا۔

''تم تو کسی سے اتنا فری نہیں ہوتیں۔ کیا میں یہ مان لوں کہ میرا بھائی واقعی پسند آ گیا ہے؟''

شیزل نے ایک ادا سے بال جھٹکے۔ پسند کے نام پہ اسے کوئی یاد آیا تھا۔ دل کا ایک کونا خوش ہوا اور دوسرے میں آگ لگ گئی۔

"بشر سے زیادہ مجھے تمہاری بھابی کا جلنا پسند ہے۔ کمبخت نے کافی بھی پینے نہیں دی۔" بے زاری سے کہتے اس نے اپنا موبائل نکال لیا۔

"تمھیں کوئی پسند ہے، شیزل؟" زینیا اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ شیزل کی آنکھیں ایک پل کو تاریک پڑی تھیں۔ مگر اس نے بات بدل دی۔ زینیا نے بھی زیادہ کریدا نہیں۔ بشر کی بچی ہوئی چائے، عروج کی چھوڑی ہوئی چائے، اور اپنی چائے۔ زندگی ہو تو زینیا حاکم جیسی۔

"حاتم نواب کے قتل کے پندرہ دن بعد۔"

قیسم کی عمارت کے اندر ہلچل سی مچی تھی۔ ملازمین بھاگم بھاگ اپنے کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ کئی تو ایک کونے میں کھڑے قیسم کی نیو ایئر پارٹی کے لئے ملبوسات، جیولری اور جوتوں پہ بحث کر رہے تھے۔ قیسم میں سال کا سب سے خوبصورت دن یہی ہوتا تھا۔ ان سب کو چھوڑ کر تیسری منزل کی لفٹ کی طرف آؤ تو لوہے کے پٹ آپس میں جدا ہوئے، گردن تانے ہوئے ڈیزائنرز اپنے اپنے آفسز کو روانہ ہو گئے۔ گہری سانس لیتے ہوئے زینیا حاکم بھی لفٹ سے باہر نکل آئی۔

ڈھیلے ڈھالے نیلے رنگ کے لانگ کوٹ کے ساتھ خاکی رنگ کا ٹراؤزر اور سر پہ اسٹول، بالوں کو جوڑے میں باندھ کر بیچ میں پینسل اٹکا رکھی تھی۔ کندھے پہ بیگ ٹنگا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی وہ قیس کے آفس کا دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ وہ جو منی مجسمے کے اوپر کوئی کپڑے کا ٹکڑا رکھے ہوئے تھا، زینیا کو دیکھ کر رک گیا۔ لب طنزیہ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

''کاہن (نجومی) صاحبہ آئی ہیں آج تو۔ پچھلی بار آپ کو فوراً پتہ چل گیا کہ میں بلاک کا شکار ہوں۔ آج مجھے دیکھ کر آپ کو کیا پتہ لگا ہے مادام؟'' وہ کرسی پہ ٹیک لگائے، ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے ہوئے تھا۔ زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر آگے بڑھ آئی۔

''میں اپنا کام کر رہی تھی، قیس۔ کام کرتے ہوئے اپنے سبجیکٹ کو اس کا مسئلہ بتانا میرا فرض ہے۔ تم اس کی بنا پہ مجھے یہاں سے نکالنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔'' قیس کے ابرو ستائش سے اوپر کو ہوئے۔

''میں آپ کو کیسے نکال سکتا ہوں، میم؟'' وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ میں نکالتا نہیں ہوں۔'' وہ مسکرا کر آگے کو ہوا۔ میں رہنا مشکل کر دیتا ہوں۔ جیسے وہ اب کرنے والا تھا۔ اپنی دائیں طرف کھڑی حدیبیہ کو سامنے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آئی میز پہ رکھے کاغذات اٹھائے اور کہنے لگی۔

''مس، زینیا حاکم۔ آپ کے ساتھ ہوئے معاہدے میں شق نمبر چوبیس میں صاف صاف لکھا ہے کہ نہ ہی آپ اور نہ آپ کا سبجیکٹ، آپ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے پرسنل معاملات میں دخل نہیں دے گا۔ مسٹر قیس کا بلاک ان کا ذاتی معملہ تھا۔ لیکن آپ نے اس کی بات کر کے انہیں غیر آرام دہ کیا۔ جس کا ہرجانہ ہے کہ آپ کی اجرت میں سے بیس فیصد کاٹ دیا جائے گا۔'' وہ بول کر خاموش ہوئی، ایک نظر قیس کو دیکھا۔ پھر زینیا کو۔

''اپنا آج کا کام کرنے کے لئے آپ آزاد ہیں۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔ زینیا چند لمحے چپ چاپ کھڑی رہی۔ وہ جوڑ توڑ کر رہی تھی۔ قیس کمبیر کو اس سے کیا مسئلہ تھا؟ زینیا حاکم کو یہاں کیوں رہنا تھا؟

مسئلہ؟ وہ اسے پڑھ رہی تھی۔

رہنے کی وجہ؟ کیریئر کی ابتداء میں کوئی سرخ دھبہ نہیں۔

''معاہدے کی شق نمبر سولہ میں لکھا ہے کہ میں اپنا سبجیکٹ خود منتخب کروں گی۔ مگر مجھے پہلے دن بغیر میری مرضی پوچھے آپ کے پاس بھیجا گیا۔ یہاں ٹوٹا پہلا اصول۔ شق نمبر سترہ میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کی اسی فیصد مانی جائے گی لیکن آپ نے میری ایک بات بھی نہیں مانی۔ حلانکہ آپ کو فوٹو گرافی کے بارے میں کوئی علم بھی نہیں۔ آپ نے مجھے **"آپ"** کہنے پہ فورس کیا، حالانکہ معاہدے میں لکھا ہے کہ فارمیلٹیز کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے تین اصول تم خود توڑ چکے ہو، لیکن ظاہر ہے تم باس ہو اور میں ملازم۔ اس لئے، جو آپ کہیں باس۔'' آخری تین الفاظ پہ زور دیا۔ اسی پل آفس بوائے چائے لے کر اندر آیا۔ میز پہ مگ رکھا اور پلٹ گیا۔ قیس ہنوز زینیا کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا معاوضہ تمھیں پورا ملے گا۔ یہ بس تمہارا امتحان تھا۔ اگر تم باس کے سامنے بول سکتی ہو تو ہر کسی کے سامنے بول سکتی ہو۔ ویل ڈن۔'' وہ کچھ پل کے لئے ایک بلکل مختلف انسان لگا تھا۔ کیا واقعی قیسم لوگوں کا مسیحا تھا؟

''تم بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ پراجیکٹ بہت اہم ہے۔ اس پہ دو سال لگے ہیں، مس زینیا۔ اس پہ قیسم کی انویسٹ لگی ہے۔ میں چاہوں گا تم اپنا بیسٹ دو۔ تمہارا کیمرہ صرف کیمرہ نہیں ہے یہ وہ آنکھ ہے جس سے دنیا میرے قیسم کا ٹیلنٹ دیکھے گی۔ مجھے امید ہے تم یہ کام کر سکتی ہو۔'' زینیا نے گہری سانس لے کر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ جیسے اب وہ مطمئن ہو۔

''پھر کام شروع کریں؟'' زینیا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ قیس نے اسکی چائے کی طرف اشارہ کیا۔ ''مسئلہ نہیں ہے میں ٹھنڈی چائے پیتی ہوں۔''

کندھے اچکاتے ہوئے وہ سیدھا ہو بیٹھا۔اگلے کئی پل میں وہاں ایک پوری ٹیم جمع ہو چکی تھی۔اسپاٹ لائٹ قیس کے چہرے پہ تھی۔دو کیمرہ مین زینیا کے عقب میں کھڑے تھے،اسٹائلسٹ ایک کونے میں کھڑی تھی۔اسے کسی قسم کے ٹچ اپ سے روک دیا گیا تھا۔قیس سر جھکائے پنسل ہاتھ میں لئے صفحے پہ جھکا۔اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔وہ مہدی نہیں تھا جسے لوگ فیسینیٹ کریں۔اس کے لئے لوگ مجبوری تھے۔جسے اب وہ جھیل رہا تھا۔زینیا نے کیمرہ آنکھ سے ہٹا کر اسے دیکھا۔اسکی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔اسی پل اس نے ارادے بدل دیئے۔

زینیا حاکم نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کر آدھی بتیاں بجھادیں،کاغذ مروڑ تروڑ کر فرش پہ پھینکتی گئی۔اور پنسلز،کلرز،اسکیچ بک بے ترتیبی سے میز پہ پھیلا دیا۔قیس اور باقی ٹیم اچنبے سے اسے دیکھتے رہے۔

’’قیس،آپ اپنا کوٹ اتار کر رکھیں،باز و فولڈ کریں۔ہم آرٹ بلاک شوٹ کریں گے۔‘‘

وہ مڑی ایک نظر اسٹائلسٹ کو دیکھا۔

’’ان کے بال ذرا بکھیر دیں۔تاکہ منظر کے ساتھ فٹ ہو سکیں۔‘‘بیچاری اسٹائلسٹ آگے بڑھی مگر قیس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

’’میرے بالوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔‘‘وہ سختی سے بولا۔لڑکی وہیں رک گئی زینیا آگے آئی۔اسکیچ پنسل اٹھائی۔قیس کے سامنے آ کر رکی۔اور اسی پنسل سے اس کے بال خراب کئے۔

’’یہ کیا نیا ڈرامہ ہے۔ہم بی ٹی ایس شوٹ کر رہے تھے۔تم لوگوں کو ڈپریشن دکھاؤ گی؟‘‘وہ دبا دبا غرایا تھا۔زینیا مسکرائی۔

”سیاہی بکتی ہے سر، سفیدی سے زیادہ۔ وہ پینٹر مشہور ہوئے ہیں جنہوں نے درد پینٹ کیا۔ محبت کی وہ کہانیاں داستانیں بنیں جن میں دو لوگ بچھڑ گئے۔ کامیاب وہ لوگ ہوئے، جنہوں نے اندھیرے سے روشنی کا سفر کیا۔ اس وقت تم قفس زدہ ہو۔ اسے زبردستی کھولو گے تو کلائی اور دل زخمی ہو گا۔

Let it be

it's okay not to be okay...”

وہ کہہ کر پیچھے ہٹی۔ قیس دھیرے سے واپس کرسی پہ بیٹھ گیا۔ نیم اندھیرے میں اسکا ہلکا سا چہرہ واضح تھا۔ آنکھیں بے چین تھیں اور ہاتھ غیر متحرک۔ بکھرے ہوئے بال اسکے اندر کے خلفشار کا پتہ دیتے تھے۔ دھڑا دھڑ تصاویر اتار لی گئیں۔ اگلے آدھے گھنٹے بعد وہ مسکرا رہا تھا، وہ واقعی مسکرا رہا تھا۔ بلاخر اس کا قفس ٹوٹ چکا تھا۔ جن چیزوں کے لئے وہ ایفرٹس کر رہا تھا وہ بے ضرر تھیں۔ قفس ٹوٹا تو اسے معلوم ہوا آزادی کیا شے ہے۔

نیم اندھیرے میں لئے گئے وہ مایوس کلک دیکھتے ہوئے قیس مسکرا رہا تھا۔

بیز کلیکشن کی عمارت میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ شیزل آج براق کے آفس میں کھڑی تھی۔ ساتھ تین اور ٹیم کے لوگ بھی تھے۔ آفس کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ دیواروں پہ لگا وال پیپر، پینٹنگز، الوژن آرٹ ہر چیز اکھاڑ کر پھینک دی گئی تھی۔

اب نیا پینٹ ہو رہا تھا اور شیزل ایک کونے میں اپنی ٹیم کے باقی لوگوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پہ دباد باجوش تھا۔ یہ کام اس کی توقع سے بھی زیادہ اچھا جا رہا تھا۔ تین چار دن سے براق نے بھی اسے تنگ نہیں کیا تھا۔ راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ کانفرنس روم سے ایک اہم میٹنگ سے پلٹتے ہوئے ابلیس کے چیلے عرف براق حنیف کو کچھ یاد آیا۔ اس کے قدم خود باخود آفس کے اس حصے کی جانب اٹھے جہاں کچھ دن کسی بھی ورکر کا جانا منع تھا۔

اپنے سابقہ آفس کے دروازے پہ رک کر اس نے اطراف کا ایک تفصیلی جائزہ لیا۔ بلاشبہ وہ کام میں تیز اور اچھی تھی۔

پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے وہ آگے بڑھ آیا۔ شیزل اپنے ساتھیوں کو سکرین پہ ایک ڈیزائن سمجھا رہی تھی۔ براق اس کے عقب میں ٹھہر گیا۔ وہ چونک کر مڑی تو براق مسکرایا۔ ان دونوں کے چہرے پہ سکرین کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

''مجھے میرے آفس کا فائنل لک دیکھنا تھا۔ لگتا ہے میں صحیح وقت پہ آیا ہوں۔'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

''سر ابھی تو کام ٹھیک سے شروع بھی نہیں ہوا۔ فائنل ہونے میں تو بہت وقت ہے۔'' ٹیم کے ایک لڑکے نے جواب دیا۔

''آپ کے پاس ایک ڈیمو ہوگا ناں؟ یا پھر آپ بغیر ڈیمو کے کام کرتے ہیں؟'' وہ معصومیت سے بولا۔ شیزل کو جی بھر کر اس پہ غصہ آیا تھا۔ وہ جانتی تھی براق کے پاس ان سب کاموں کا وقت نہیں، اس کے پاس وقت نہیں کہ آفس کے ڈیزائن دیکھتا پھرے۔ انٹیریئر پہ تبصرے کرے، وہ بس جان بوجھ کر شیزل سے بدلے لینے کو کرتا تھا یہ سب۔

''ڈیمو ہے براق سر۔ آپ کو ای میل کر دیا تھا اور آپ نے اپروو بھی کر دیا، جب ہی تو ہم نے کام شروع کیا ہے۔''

''میں نے؟''اس نے بے یقینی سے سینے پہ انگلی رکھی۔ ''لیکن میرا ای میل تو پچھلے ہفتے ہیک ہو گیا تھا۔ایسا کرو سیٹنگ بدل دو ڈبل پے کریں گے ہم۔''

''لیکن سر۔۔۔اس پہ بہت محنت لگی ہے ہماری۔چیزیں اس طرح بدلنا ناممکن ہے۔''

شیزل کو آسمان سر پہ گھومتا محسوس ہوا تھا۔''آپ ایک بار ڈیمو دیکھ لیں یہ آپ کو پسند آئے گا۔''

''مس شیزل لگتا ہے آپ کو ایک بات سمجھ نہیں آئی۔میرا آفس ہے،ایک ڈیزائن مجھے نہیں پسند تو آپ کو سمجھنا چاہیے ہے ناں؟''شیزل نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اسکی ٹیم سے کوئی بول پڑا۔

''سر میں آپ کو تین سے چار مزید ڈیزائنز بھیج دیتا ہوں۔آپ انکو دیکھیں اور جو آپ کو سمجھ آئے ہم اسے فائنل کر دیں گے۔آپ کی پسند سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کیا ہو سکتا ہے؟''لڑکا مسکرا کر بولا تو براق نے ستائش سے ابرو اوپر کو اٹھائے۔

''مس شیزل آپ کے ٹیم ممبرز آپ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔چارج انکو ملنا چاہیے تھا مگر خیر۔''اس نے ہاتھ اٹھائے اور مسکراتا ہوا مسرور سا باہر نکل گیا۔شیزل اس کے پیچھے بھاگی تھی۔راہداریوں میں بامشکل اس کے قدموں سے اپنے قدم ملانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ہانپ گئی تھی۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو براق؟تم پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔اس پراجیکٹ پہ میری بہت زیادہ محنت لگی ہے۔سب کچھ پائنٹ زیرو سے شروع کرنا بہت مشکل ہے۔''

''as if i care''وہ کندھے اچکا کر بغیر دھیان دیئے چلتا رہا۔

''براق سمجھو پلیز۔ مجھ سے اختلافات ایک طرف، ہم دونوں کے درمیان جو بھی مسائل ہیں انہیں ایک طرف رکھو۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ میرے اور میری ٹیم کے لئے بہت مشکل ہے۔ ایک بار چیزیں خراب ہو جائیں تو دوبارہ ویسا حوصلہ واپس نہیں آتا تم۔۔

''براق چلتے چلتے یکدم رکا تھا۔ شیزل بے اختیار گرتے گرتے بچی۔ آج پہلی بار اس کے چہرے پہ واضح فکر تھی۔ آنکھیں بے چین تھیں۔ اگر ڈیزائن میں واقعی کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ بات کو سمجھ لیتی، مگر مسئلہ براق کی انا تھی۔

''میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے مس شیزل سیمسن صاحبہ۔ اب آگے جو کچھ ہو گا وہ میری مرضی سے ہو گا۔ اگر تم اس کام کو پائنٹ زیرو سے نہیں کر سکتیں تو تم جا سکتی ہو۔''

شیزل کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ بے بسی غصہ، انا، ذلت کئی ایک جذبوں نے ساتھ حملہ کر دیا تھا۔

''میں تمہیں اس سب کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گی، براق۔'' وہ جاتے جاتے مڑا۔ آنکھیں زخمی ہوئیں، چہرے پہ کرب پھیلا۔

''براق تمھارے معاف نہ کرنے کا عادی ہے۔ تم نے تو مجھے ان گناہوں کے لئے بھی معاف نہیں کیا جو میں نے نہیں کئے تھے۔ ایک بدگمانی اور سہی۔'' اسکی آخری بات کو شیزل کوئی مفہوم نہ دے سکی۔ وہ راہداریوں میں گم ہو گیا تو شیزل نے تھک کر گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

پائنٹ زیرو سے شروع کرنا مشکل تھا۔ از حد مشکل۔ وہ رو دینے کو تھی۔

****

رات کی ٹھنڈک بڑھتی جارہی تھی۔ اسلام آباد سردسے یخ پڑتا جارہا تھا۔ اپنے کیبن میں بیٹھی زینیا حاکم نے قیس کی ایڈٹ شدہ تصاویر کو آخری ٹچ دیا، ایک تنقیدی نگاہ ان پہ ڈالی اور پھر اپنے آس پاس دیکھا۔ سارے فوٹو گرافرز جا چکے تھے، باہر بیٹھے ڈیزائنرز بھی اکادکا رہ گئے تھے۔ اسے بھی جانا چاہئے تھا۔ تصاویر قیس کو دکھانے کے ارادے سے وہ اٹھی اور اس کے آفس کی راہ لی۔ راہ داریاں اب تاریک ہونے لگی تھیں۔

اس نے آفس کے دروازے کے باہر رک کر دستک دی، جواب ندارد۔ وہ چند پل رکی۔ اور ایک بار پھر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں۔

وہ چند پل متذبذب سی کھڑی رہی، پھر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ آفس تاریکی میں ڈوبا تھا۔ اسے لگا قیس وہاں نہیں ہے، واپسی کے قدم لیتے ہوئے اس نے ایک ہچکی سنی۔ زینیا تھم سی گئی۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل کی ٹارچ جلائی، اور چاروں اور گھمائی۔ اسی لمحے اسکی نظر صوفے پہ پڑی، قیس کمبیر کسی ڈرے ہوئے بچے کی طرح ٹانگیں سینے سے لگائے ہوئے تھا، ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ زینیا دیکھ سکتی تھی اس کا بدن کانپ رہا ہے۔ اسکا موبائل بے آواز بج رہا تھا۔

وہ چند پل کھڑی رہی۔ فون اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ نمبر پہ نظر پڑی تو وہ پہچان گئی۔ یہ مہدی کمبیر کا نمبر تھا۔ اس نے لپک کر فون اٹھایا۔ اور آفس سے باہر نکل گئی۔

”ہیلو؟ نائٹ میئر میں۔۔۔۔۔“

''میں زینیا حاکم بات کر رہی ہوں۔'' اسکی بات کاٹی گئی۔ مہدی حیران سا ہوا تھا۔ ''آپ کے کزن کی شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بہت بری حالت میں ہے۔ میں ان کے آفس کسی کام سے آئی تھی، مگر مجھے لگتا ہے'' he needs help

''کیا مطلب کیا ہوا ہے اسے؟''

''مجھے نہیں پتہ شاید پینک اٹیک یا شاید اینگزائٹی اٹیک۔'' وہ راہداری میں گزرتے کچھ ملازمین کو دیکھتے مدھم لہجے میں بولی۔

''آج کیا تاریخ ہے؟'' مہدی کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''بائیس دسمبر۔ تاریخ سے کیا لینا دینا ہے۔''

دوسری طرف چند پل کے لئے سناٹا چھا گیا۔

''قیس کو اینیور سری ٹراما ہے۔'' **(ایک ایسی ذہنی حالت جس اگر دو سال، تین سال، یا پھر کئی سال قبل کسی بھی ایک مخصوص تاریخ کو آپ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے، تو اگلے سال جیسے جیسے وہی تاریخ نزدیک آتی جائے گی۔ مریض کو پینک اٹیکس، اینگزائٹی، اور ڈپریشن ہو گا۔ ماضی کا ٹراما فلیش بیکس کی صورت یاد آتا رہے گا۔ یہ صورتحال زیادہ عرصہ نہیں رہ پاتی۔ اگر مریض اپنے ساتھ مخلص ہو، اور وہ ایک عام یادداشت رکھنے والا انسان ہو، یا پھر وہ تھیراپی لیتا ہو۔ افسوس قیس کمبیر ان میں سے کچھ نہیں تھا۔)**

''وہ اس وقت اپنے ویک پائنٹ پہ ہے۔ میں براق کو اس کے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ اسے گھر چھوڑ آئے گا۔ تم تھوڑی دیر وہیں رکنا پلیز۔'' مہدی نے کال کاٹ دی تھی۔ زینیا نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ اسی لمحے وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ پسینے سے تر، سینہ مسلتے ہوئے اس

کے ہونٹ خشک تھے۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ یہ وہ قیس نہیں تھا۔ کمبخت اپنے ساتھ اتنا ظالم کیوں تھا؟ اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا رکھا تھا جو بری طرح کانپ رہا تھا۔ بدن پسینے میں ڈوبا تھا۔ ایسا ہر دفع نہیں ہوتا تھا اس دفع شاید وہ زیادہ پریشان تھا۔

زنیا نے آگے بڑھ کر میز پہ رکھی پانی کی بوتل اٹھائی، ڈھکن کھولا اور اس کے پاس آئی۔ قیس اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی گردن جھکی تھی۔

اسے فلیش بیکس آرہے تھے۔ صاف، کورے، واضح۔ یادداشت اور ذہانت ہر ایک کے لئے نعمت نہیں ہوتی۔ وہ صوفے پہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگائی، وہ سارا پانی پی گیا، مگر پیاس نہ بجھ سکی۔ زنیا دوبارہ اٹھی فریج کی طرف بڑھی اور پانی کی ایک اور بوتل اٹھا لائی۔ قیس نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بوتل لی۔ پانی پیا، آدھا پیا آدھا گردن پہ گرا۔ بوتل سے کچھ پانی اس نے اپنے چہرے پہ ڈالا۔

''جاؤ یہاں سے۔۔۔۔'' وہ ہلکی آواز میں بولا۔ ''تمہارا کام ختم ہے دفع ہو جاؤ۔'' زنیا اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

''میں نے۔۔ کہا۔۔ جاؤ۔'' وہ پوری قوت سے چیخا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ لہجہ لرز رہا تھا۔ زنیا اسے دیکھتی رہی، اسے غصہ آیا تھا، مگر نہیں بھی آیا۔ وہ نکالنا سمجھتی تھی۔ مگر اس وقت وہ نہیں نکال رہا تھا۔ ''تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ میں نے کہا ہے جاؤ۔'' وہ اٹھا اور ایک بار پھر چیخا۔ زنیا اسکی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ نرمی سے، شفقت سے۔ پھر دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ نرم و ملائم گرفت، حفاظت کا سا احساس۔ ایسے جیسے کوئی طبیب اپنے مریض کو اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہو۔

''مجھے پتہ ہے تم ٹھیک نہیں ہو، لیکن تم ایک مضبوط انسان ہو۔ تم اسے جھیل سکتے ہو۔؟'' سامنے کھڑے مرد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ زینیا نے اسکا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ قیس کو سہارے کا سا احساس ہوا۔ اسکے اندر کے اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان کو ڈھارس ملی۔

''کچھ تھا، کچھ ہے جس نے تمہیں ایک بہت برے چکر میں پھنسا دیا ہے۔ تمھارے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ بہت برا ہو گا۔؟'' اسے ٹرسٹ ایشوز تھے، مگر جو کام کل زینیا نے کیا تھا۔ ایک نرم گوشہ اس کے دل میں بن چکا تھا۔ ٹراماٹائزلوگوں کا المیہ ہوتا ہے ایک کمزور لمحے کی زد میں آ کر وہ نرم پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ نرم پڑ گیا تھا۔ وہ واپس دھیرے سے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ زینیا اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ یونہی نرمی سے اس کے کانپتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔

''دنیا ظالم ہے، اس نے ضرور تمھارے ساتھ کچھ برا کیا ہو گا۔ تم چاہو تو مجھے بتا سکتے ہو۔'' وہ کسی سحر کے زیر اثر اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ سکا۔ اسکی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''ایک وقت تھا جب میرا خاندان مکمل تھا۔ ایک وقت تھا جب سب اچھا تھا۔ میں نارمل تھا۔ لیکن میرے خاندان کے ایک فرد نے ایک غلطی کر دی۔ ہمارے یہاں غلطی، خاندان تباہ کرتی ہے۔ جیسے میرا خاندان تباہ ہوا تھا۔''

اس کے الفاظ مبہم تھے۔ مگر ہم تمہیں کہانی کا خلاصہ سنائے دیتے ہیں۔

کمبیر دراصل ایک ذات نہیں۔ کمبیر کیا ہے؟ یہ بس ایک نام ہے۔ صرف ایک نام۔ قیس زمان کے دادا کا آخری نام۔ جسے موجودہ وقت میں سر نیم کی طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ کہانی تمہیں کئی سال پیچھے لے جاتی ہے۔ جہاں سے مسائل کی شروعات ہوئی

تھی۔ یونس رحمان کمبیر کا شاہانہ کمرہ اس وقت عدالت لگتا تھا۔ یونس صاحب کے چار بیٹے تھے۔ زمان یونس، بختیار یونس، مقصود اور سرور۔ یونس۔ مگر جس کی عدالت لگی تھی وہ سرور تھے۔ ان کے ساتھ ایک سبز آنکھوں والی عورت کھڑی تھی۔ ایک طرف رکھے لمبے صوفے پہ یونس صاحب کے تینوں بیٹے بیٹھے تھے۔ سرور انکے سامنے والے صوفے پہ آبیٹھے۔

''تم جانتے بھی ہو، سرور تم نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ چند دن تمہاری شادی میں صرف چند رہ گئے ہیں اور تم ہمارے سامنے اس فرنگی عورت کو بیوی بنا کر لے آئے ہو؟'' یونس بارعب لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ زمان چپ چاپ انہیں دیکھ رہے تھے۔ سرور نے گردن اٹھائی۔

''میری شادی میری مرضی سے ہونی چاہیے ہے ناں ابا؟ بلکل ویسے جیسے زمان بھائی کی ہوئی۔''

''زمان کی بیوی خاندانی عورت ہے۔ اور اسی شادی کے بدلے ہمارے گھر انکی ایک اور عورت آنی تھی۔ کیونکہ ہمارے گھر سے امینہ اور زرمینہ عالم نواب کے گھر گئی ہیں۔ تمہاری دو بہنوں کی شادی اسی گھر میں ہوئی ہے سرور۔ جہاں کی لڑکی سے تم نے دستبرداری دی ہے۔ تمہاری دو بہنیں، سرور تم جانتے ہو ہم کس مصیبت میں ہیں؟ تم نے شادی کرلی، تم ایک ایک بیٹی اور ایک بیٹے کے باپ بن چکے ہو۔ تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' اب کے وہ غرائے تھے۔ زمان نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم نے جو کرنا تھا وہ کرلیا، سرور۔'' زمان بولے تو باقی بھائیوں نے انہیں دیکھا۔ وہ جب بات کرتے تھے تو باقی بس سنتے تھے۔ پلنگ کے ایک کونے میں بیٹھا سیاہ آنکھوں والا بچہ بھی مسکرا کر اپنے باپ کو دیکھنے لگا۔ اسے اپنے باپ کا بولنا پسند تھا۔

''ہم کل عالم نواب کے گھر جائیں گے۔ان سے معافی مانگیں گے، کیونکہ ہم نے وعدہ توڑا ہے۔ تم اپنی بیوی کو الگ گھر میں رکھو گے۔ کیونکہ یہی روایت ہے۔ غیر خاندان کی عورت تمہاری بیوی بن سکتی ہے۔ ہمارے خاندان کی بہو نہیں۔ تمہارا بیٹا انس وہ تمہارا وارث نہیں ہو گا۔ تمہارا وارث وہ ہو گا جو خاندان کی عورت سے ہو گا۔ یہی روایات ہیں اور تم انہی پہ عمل کرو گے۔ اور اگر نہیں کیا۔'' وہ ایک پل کو رک گئے۔

''تمہیں بچا لوں گا۔ اس نحوست سے جو تمہارے ساتھ چمٹ گئی ہے۔'' پلنگ پہ بیٹھے عبداللہ نے پہلی بار یہ لفظ اپنے باپ کے منہ سے سنا تھا اور اسی پل ذہن میں محفوظ کر لیا۔ بچوں کے دل اور دماغ پاک ہوتے ہیں۔ کورا اپنا۔ وہاں پہلا لفظ وہ درج کرتے ہیں جو ان کے سربراہ ہوتے ہیں۔

''تم کل وہ سب کرو گے جو، جو میں چاہوں گا۔ اور اگر نہیں کیا، تب وہ ہو گا جو تم نے کبھی نہیں چاہا ہو گا۔''

''میرا بیٹا اور میری بیوی میری ذمہ داری ہیں۔ میں نے شادی سے پہلے اپنی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔ اور میں اب بھی اپنے وعدے پہ قائم ہوں۔''

وہ آگے آئے، لیانا اپنی جگہ پہ بیٹھی رہیں۔ زمان کے سامنے رک کر سرور نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ کا حکم میرے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر میرے لئے واقعی فکر مند ہیں تو راستہ نکالیں، مجھے فرار کی راہیں نہ دیں۔'' زمان خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ بیڈ پہ بیٹھا دس سالہ عبداللہ زمان اپنے باپ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اسے سبز آنکھوں والی یہ عورت بلکل زہر لگی۔ ہاں کیونکہ وہ اس کے بابا کو بری لگی تھی۔

اگلے دن زمان کمبیر نے واقعی حل نکالنا چاہا تھا، مگر عالم نواب کی لاڈلی بیٹی، اور حاکم نواب سمیت چار بھائیوں کی بہن اپنے منگیتر سرور یونس کے شادی کرنے کے غم میں خود کشی کر چکی تھی۔ حالات ایسے بدلے کہ انہیں ٹھیک کرنا ناممکن سا ہو گیا۔

''ہر انسان کے پاس درد بیان کرنے کے لئے مختلف الفاظ ہوں گے۔ میرے پاس صرف چند ہیں۔ **"ذلت"** ہاں ذلت درد ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا درد۔ چند سال قبل میرے خاندان نے بہت بڑی ذلت اٹھائی تھی۔''

عالم نواب کی حویلی میں ماتم برپا تھا۔ جس بیٹی کی چند دن بعد شادی تھی اسی کا جنازہ اٹھایا جا چکا تھا۔ انسان موت قبول کر لیتے ہیں۔ مگر الزام ضرور دیتے ہیں۔ کبھی بیماری، کبھی ڈاکٹر، کبھی معاشی حالات اور کبھی **"کاش آپ تھوڑی دیر پہلے آجاتے۔"**

عالم نواب کی بیٹی، حاکم نواب کی بہن کی موت کا الزام سرور یونس پہ آیا تھا۔

بدلے میں حاکم نواب، اور ان کے چھوٹے بھائی نے اپنی بیویوں کو گھر سے نکال دیا۔ وٹے سٹے کی شادیاں چار لوگوں سے جڑی ہوتی ہیں۔ ایک غلطی اور چار زندگیاں تباہ۔ جس طرح حاکم نواب اور ان کے بھائی کی زندگی خراب ہو رہی تھی۔ انکی بیویوں کے بھائی کی وجہ سے اپنی بہن کھونا ان کے حواس معطل کر دینے کو کافی تھا۔

یہاں جب دو بہنیں واپس آئیں تو زمان اور سرور بے اختیار پریشان ہو بیٹھے۔ ہر طرح کی صلح صفائی کی کوشش کی گئی، امینہ بیگم سے انکا بچہ تک چھین لیا گیا تھا۔ زمان بہن کو دیکھتے تھے تو جی جلتا تھا۔ اور اسی طرح سوئم کے بعد جرگہ بیٹھا۔ جرگے کے بڑوں نے فیصلہ کیا، اور بوڑھا زمانہ شناس اب فیصلہ سنا رہا تھا۔

''جرگہ اس نتیجے پہ پہنچا ہے کہ یونس رحمان نے اول تو زبان کا پاس نہ رکھا اور اپنے بیٹے کو بغیر نکاح کے جو کہ ہونا طے تھا کسی دوسرے ملک بھیج دیا۔ دوئم اپنی دو بیٹیوں کی شادی کروادی حلانکہ وہ جانتے تھے کہ انکا بیٹا سر واپنی بہنوں کی شادی کے بعد ہر بیڑی سے آزاد ہو جائے گا۔ اور تیسرا جب انہیں معلوم ہو گیا کہ انکا بیٹا کسی غیر ذات کی عورت سے شادی کر چکا ہے تب انہوں نے بجائے روبرو آنے کے بات کو چھپایا، اپنے بیٹے کے گناہوں پہ پردہ ڈالا۔''

وہ سانس لینے کو رکے۔ حاکم نواب کی سرخ آنکھیں سرور کمبیر پہ جمی تھیں۔ اور حاتم نواب اسے دیکھ رہے تھے جو بساط کا اصل مہرہ تھا "**زمان**" وہ جو چالیں پلٹ سکتا تھا۔ وہ جو تخت پلٹ سکتا تھا۔ وہ جو نگاہوں سے سالم انسان نگل لیتا تھا، جو حویلی کا سب سے مضبوط ستون تھا۔ جس کے فقرے تقاریر پہ بھاری ہوتے تھے۔ مگر آج وہ اپنے بھائی کی محبت میں چپ رہا۔

''اس کے علاوہ وٹے سٹے کی شادیوں کا رواج ہوتا ہے کہ جیسا سلوک یہاں کیا جائے گا ویسا ہی وہاں کیا جائے گا۔ اسی اصول پہ عمل کرتے ہوئے جب حاکم نواب اور خالق نواب نے اپنی گھر والیوں کو واپس ان کے میکے بھیجا تب زمان یونس، عالم نواب کے گھر گھس کر آئے، انکے اکلوتے وارث بشر حاکم کو اٹھایا اور اپنے گھر لے آئے۔ یہ ظلم، اور چڑھائی نہیں تو کیا ہے؟ یہ روایات سے بغاوت نہیں تو کیا ہے؟ اب یا تو سرور اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنی مرحوم منگیتر کی بہن سے شادی کریں گے، یا پھر اس گاؤں سے نکالے جائیں گے۔ اپنے خاندان سمیت۔''

یہاں زمان کمبیر نے جبڑے بھینچ لئے تھے۔ وہ جانتے تھے بات حد سے آگے نکل چکی ہے۔ عبداللہ زمان چپ چاپ سارا جرگہ اپنے خاندان کے خلاف ہوتے دیکھ رہا تھا۔

''ایک لڑکی کو کئی سال اپنے بیٹے کے نام پہ بٹھا کر پھر اسے اپنی بہو نہ بنانا، یہاں آپ ہتک عزت کے لئے مجرم ہیں۔ لڑکی کا خودکشی کرلینا بجا تھا، کیونکہ اس کے لئے رشتے نہیں آتے جنہیں ان کے منگیتر چھوڑ دیں۔ اس لئے آپ قتل کا دیت بھی ادا کریں گے ۔ دیت کی صورت آپ کو زمین دینی ہو گی۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔

اب اگر کوئی خلاف جائے گا تو برادری اس کے خلاف ہو گی۔ اور اگر آپ فیصلہ نہیں مانتے تو عالم نواب اور ان کے بیٹوں کو حق ہے کہ وہ سرور کمبیر کو جہاں دیکھیں، غیرت کے نام پہ قتل کر دیں۔'' لفظ قتل زمان کمبیر کے دل پہ برچھی کی طرح چبھا تھا۔ چند پل خاموشی رہی۔ جرگے کے اس ہجوم میں اپنے باپ کے ساتھ بیٹھا عبداللہ پلکیں جھپک کر اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے عظیم بابا۔ مقصود زمان کے کان کے پاس جھکے۔ ''ہم انکی بات نہیں مان رہے، اپنا گھر، اپنے کام چھوڑ کر ہم کہیں نہیں جا رہے۔ جنگ بندی نہیں ہو گی، کوئی صلح نہیں ہو گی۔ آنے دو انکو سرور سے پہلے میں انکا خاندان ختم کر دوں گا۔'' زمان نے انہیں نہیں دیکھا۔ وہ حاتم نواب کو دیکھ رہے تھے۔ سرد سفاک نظریں۔ حاتم جانتے تھے انہوں نے کیسا پتہ پھینکا ہے۔ زمان موت پسند کر سکتے تھے اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں۔ مگر خون کے رشتوں کے لئے اصول بدل لینے چاہئیں۔ اس دن عبداللہ نے اپنے باپ کو دیکھا، خاندان کے لئے قربانی دیتے ہوئے۔

''زمین، جائیداد، گھر سب چھوڑا جا سکتا ہے۔ بھائی بازو ہوتے ہیں۔ تم نے کسی انسان کو اپنا بازو کاٹتے دیکھا ہے؟'' زمان بس اتنا بولے۔ ان کے پاس بیٹھے قیس نے غور سے انکی بات سنی۔ اس کے بعد انہوں نے جرگے کے لوگوں سے بات کی تھی۔ چونکہ گاؤں

میں انکی زمینیں تھیں تو یہ طے پایا کہ ان چار بھائیوں میں سے تین گاؤں چکر لگا سکتے ہیں۔ حویلی میں آ کر رہ بھی سکتے ہیں۔ مگر جس دن سرور یا اسکے بیوی بچے اس گاؤں میں آئے۔ صلح ختم، جنگ شروع۔۔۔

مگر صلح بندی ایک دن ختم ہوئی تھی۔ اور بہت بری طرح ہوئی تھی۔ جنگوں نے پھر کب کسی کو سکون پہنچایا ہے۔؟

''میں بہت چھوٹا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے خاندان میں ایک غیر ضروری اضافہ ہوا ہے۔ وہ عورت جب سے آئی تھی، میرا سارا خاندان پریشان ہو گیا تھا۔ وہ کوئی بلا تھی۔ کوئی کرس جس نے سب نوچ لیا۔ مجھے اسکی آنکھوں سے نفرت ہے، اسکی آنکھیں، ان آنکھوں نے مجھے محبت سے نفرت سکھائی۔''

حویلی کی ساری بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ ہر جانب سکوت تھا۔ کل حویلی کے باسی اسلام آباد کوچ کرنے والے تھے۔ اپنا گھر چھوڑنا ہر انسان کے لئے ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔

ساری حویلی لتاڑ کر چھت پہ آؤ تو لکڑی کے تخت پہ زمان بیٹھے تھے۔ سیاہ رات میں بس انکا سفید لباس تھا، جو امید دیتا تھا۔ آسمان کو تکتے ہوئے وہ سگار کے کش لے رہے تھے۔ قیس ان کے قریب بیٹھا تھا۔ عقیدت سے انہیں دیکھتا ہوا۔ زمان نے اپنی شال کا ایک پلو اس کے کندھوں پہ گرا رکھا تھا تاکہ اسے سردی نہ لگے۔

آپ اداس ہیں، بابا؟''اس نے احترام سے پوچھا۔ اپنے باپ کے سامنے وہ ایک معتقد مرید کی طرح تھا۔''ہم کل شفٹ ہو رہے ہیں، آپ اس لئے اداس ہیں؟''زمان نے گہری سانس لی۔ دھوئیں کا مرغولہ ہوا میں چھوڑا۔ چاند کی روشنی انکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''ایک غلط عورت، ایک غلط انتخاب، اور ایک ذرا سی بغاوت اور دیکھو ہم کہاں آ گئے؟'' انہوں نے شکستگی سے اپنا سر بیٹے کے کندھے پہ رکھا۔ اس کا ناتواں کندھا جھکنے لگا، مگر وہ مضبوطی سے بیٹھا تھا۔ اسکے بابا کا مضبوط سہارا۔

''ایک عورت نے ہمارا خاندان تباہ کر دیا۔ یہ صرف گھر چھوڑنا نہیں ہے عبداللہ، میں صرف حویلی نہیں چھوڑ رہا، میں میدان چھوڑ رہا ہوں۔ مجھے افسوس نہیں ہے، میں بے بس ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی سے اتنی نفرت نہیں کی، جتنی نفرت مجھے اس کی سبز آنکھوں سے ہے۔'' وہ رک گئے۔ گہری سانس بھری۔ قیس خاموشی سے اپنے باپ کو سنتا رہا۔ ساتھ انکے بالوں میں ہلکے سے ہاتھ پھیرتا رہا۔

''تم میرے بعد روایات کا پاس رکھنا، اور رکھوانا۔ میں نے خاندان جوڑا ہے۔ تم بھی جوڑنا۔ تم میرے بعد میرے جتنے ذمہ دار ہو گے۔ تم ہو گے ناں، عبداللہ؟'' قیس نے اثبات میں سر ہلایا اور سگار نرمی سے انکی انگلیوں سے آزاد کیا۔

''آپ کو اس عورت سے اتنی نفرت کیوں ہے، بابا؟ اور اگر ہے تو اس کے باوجود آپ انس اور اسکی ماں کے ساتھ اچھے کیوں ہیں؟'' انہوں نے سر نہ اٹھایا۔ بڑے بیٹے کا کندھا سکون دے رہا تھا۔

''کیونکہ میں خاندان جوڑ رہا ہوں۔ میرے بھائی سے غلطی ہوئی ہے مگر میں اسکی حفاظت کروں گا۔ بڑے بھائی اسی طرح کرتے ہیں۔ تم بھی حفاظت کرنا، عبداللہ۔ انس کی حفاظت، مستقیم کی حفاظت۔ میرہ کی حفاظت تم کرو گے ناں؟'' انہوں نے سر اٹھا کر قیس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد سیڑھیوں سے اتر کر نیچے کی طرف جاتے ہوئے اسے ایک سبز آنکھوں والا بچہ ملا۔ وہ تیز تیز قدم لیتا اوپر کی طرف جا رہا تھا، قیس کو دیکھ کر رکا۔ آنکھوں میں اشتیاق ابھرا۔

''تم میرے ساتھ باغ کی طرف چلو گے ؟ سب کہہ رہے ہیں مجھے نہیں جانا چاہئے کیونکہ وہاں خطرہ ہے۔'' وہ اچھی خاصی بلوچی بول رہا تھا۔ قیس نے ایک نظر غور سے اسے دیکھا، پھر اسکی آنکھوں کو۔ اور پھر مسکرا کر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم میرے بھائی ہو، کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم ہر جگہ جا سکتے ہو۔ مگر میرے ساتھ۔'' وہ اپنے باپ سے سیکھ رہا تھا۔ بچے بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔ پھر چاہے نفرت سکھاؤ، چاہے محبت۔

''کچھ چیزیں "فکس" ہوتی ہیں۔ کچھ حدود مقرر ہوتی ہیں۔ حدود دو لوگوں کے درمیان طے پاتی ہیں۔ دونوں اسکی نزاکت اسکی دہشت سے واقف ہوتے ہیں۔ تیسرے نے ہمیشہ نقصان کیا ہے۔ مگر میرے خاندان کے معملے میں تیسرے نے صرف نقصان نہیں کیا۔ اس نے ہمیں برباد کیا۔''

کچھ سال بے حد پر سکون تھے۔ عالم نواب کے بیٹے خاموش رہے اور یونس رحمان گاؤں چھوڑ اسلام آباد جا بسے تھے۔ گھر کی جدائی راس نہ آسکی اور وہ چند ہی ماہ میں جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ زمان ہر ہفتے دس دن بعد حویلی چکر لگاتے تھے۔ اور عبداللہ کو ساتھ لاتے تھے۔

وہ دونوں جب زمینوں کا چکر لگاتے تھے اور دور سے کہیں عالم نواب کی حویلی دیکھتے تھے تب زمان یونس اسے دیکھ کر مسکراتے تھے۔ عبداللہ جھینپ بھی جاتا، پہلو بھی بدلتا اور کئی بار زمان نے دیکھا تھا۔۔ انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ زمان ٹھہر کر حویلی کو دیکھتا

ہے۔ حالانکہ یہاں سے دھندلی نظر آتی تھی، حالانکہ مسائل تھے، مگر اسکی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ وہ گردن اٹھا کر کتنے ہی لمحے اس طرف تکتا رہتا۔ یوں جیسے اس جگہ سے کوئی گہرا تعلق ہو۔

''آپ نے اسے دیکھا ہے بابا؟'' ایک دن اپنی زمینوں پہ چکر لگاتے ہوئے سترہ سالہ قیس نے سوال کیا تھا۔ زمان مسکرا دیئے تھے۔ وہ بس قیس کے سامنے مسکراتے تھے۔

''کسے دیکھا ہے؟'' وہ انجان بنے۔

''وہی جسے میں اپنی حویلی میں لاؤں گا۔'' وہ اتنے اعتماد سے بولا کہ زمان کو رکنا پڑا۔ ٹھہر کر قیس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ بھی سنجیدگی سے اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ انکے عقب میں ڈوبتا سورج تھا۔

''اسے اس حویلی میں لانے سے پہلے وہ حساب پورے کرنا جو انکی طرف باقی ہیں۔ حاکم نے جو کیا ہے اسے یاد رکھنا۔ حاکم نے نکاح کے بعد تین سال رخصتی نہیں کروائی تھی، اور اس کے بعد جب بشر پیدا ہوا چھ ماہ بعد بیوی کو گھر سے نکال دیا اور بیٹا چھین لیا تم۔۔۔۔''

''اس کے بعد بھی جو کچھ ہوا، مجھے سب یاد ہے بابا۔ سرور چچا کی شادی کے وقت بھی انہوں نے میری پھپھو کو رلایا تھا۔ ہمیں اپنے آگے جھکایا۔ اپنی بیٹی کے لئے وہ بھی جھکیں گے۔ عبداللہ کو سارے انتقام یاد ہیں۔'' اس نے باپ کو مان دیا۔ زمان اسکا کندھا تھپک کر آگے چلنے لگے۔

''وہ خوبصورت ہے، مگر زبان کی بہت تیز ہے۔'' چلتے چلتے انہوں نے سرسری ساذکر کیا۔

"کون خوبصورت ہے؟" وہ لاپرواہی سے بولا، البتہ اس کے ذکر پہ وہ گردن جھکا کر مسکرایا تھا۔

"وہی جسے اس حویلی میں لاؤ گے، تمہاری ملکہ۔" وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ بابا بہت بے باک تھے۔ استغفار۔۔

"کچھ حادثے آپ کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ایک ذرا سی بھول ایک ذرا سی کوتاہی اور سب ختم۔ اس دن سب ختم ہو گیا تھا۔"

اگلے کچھ دنوں بعد عید تھی۔ اور انہی دنوں کچھ ہوا تھا، کچھ جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ عید کے دن یونس کے تمام بیٹے ماسوائے سرور کمبیر کے اپنی حویلی جمع ہونے والے تھے۔ گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔ سارے گھر والے باری باری اپنی سیٹ سنبھال رہے تھے۔ ستون کی اوٹ میں سبز آنکھوں والا لڑکا کھڑا تھا۔ ساتھ اسکی ماں اور قیس۔

"تم نے کہا تھا، تم نے کہا تھا، عبداللہ تم جہاں جاؤ گے مجھے لے جاؤ گے۔ اب تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ ہر ہفتے جاتے ہو۔" اسکی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔ ہر بچے کی طرح وہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ آؤٹنگ پہ جانا چاہتا تھا۔

"انس ہم تمھارے بابا کے ساتھ مری چلے جائیں گے ناں۔" ماں نے بچے کو بہلانے کی کوشش کی۔ مگر وہ قیس کو دیکھتا رہا۔ بارہ سالہ مہدی بس اسے ہی دیکھتا رہا۔ قیس گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ اسکی آنکھیں نرم تھیں۔ اس لڑکے کے ساتھ وہ سخت نہیں ہوتا تھا۔

"تم وہاں نہیں جا سکتے۔ وہاں خطرہ ہے۔ لیکن میں۔۔۔"

"تم ہمیشہ کہتے ہو، تم میرے بھائی ہو۔ اور میں اپنے بھائی کے ساتھ ہر جگہ جا سکتا ہوں۔" آج وہ ضد کر رہا تھا۔ قیس نے گہری سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بغیر جواب دیئے وہ آگے بڑھنے لگا جب اس کے قدم زنجیر ہوئے۔

''تم میرے بھائی نہیں ہو۔ اگر ہوتے تو مجھے ساتھ لے جاتے۔ تم مستقیم سے زیادہ پیار کرتے ہو ہے ناں؟'' وہ تنفر سے کہہ رہا تھا۔ قیس رک سا گیا۔ ''ہر دفع مجھے چھوڑ کر جاتے ہو۔ اللہ کرے اس بار واپس ہی نہ آؤ، نہ مستقیم واپس آئے۔ تم سب مر جاؤ۔''

سبز آنکھوں والی عورت نے اس کے منہ پہ تھپڑ مار دیا تھا۔ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ قیس آگے آیا، سخت نظروں سے لیانا کو دیکھا۔

''آئندہ اس پہ ہاتھ نہ اٹھائیے گا ورنہ بہت برا ہو گا۔'' وہ کہہ کر رکا، ایک سخت نگاہ مہدی پہ ڈالی بہت کچھ کہنا چاہا مگر رک گیا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ آج کے دن کے بعد یہ فکر مندی، یہ خیال یہ محبت سب بدل جانے والا تھا۔ زندگی یوٹرن لے رہی تھی۔ اور یوٹرنز کبھی کبھار ہی اچھے ثابت ہوا کرتے ہیں۔

تمام لوگ حویلی کے لئے نکل چکے تھے۔ واپس مینشن کے اندر آؤ تو سرور عید کی نماز پڑھ کر نیوز چینل لگائے بیٹھ گئے تھے۔ لیانا ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ مہدی اپنے کمرے میں بند تھا۔ اور اس کی بڑی بہن اسے ان چونچلوں سے فرق نہیں پڑا کرتا تھا۔

''ہم نے شادی کی ہے سرور کوئی گناہ نہیں۔ میرا شوٹ پراجیکٹ صرف اس لئے رکا ہوا ہے کیونکہ مجھے تمہاری حویلی سے کچھ تصاویر چاہیئے۔ ہمارا بیٹا احساس کمتری کا شکار ہو رہا ہے۔ اس کے سارے کزن ایک جگہ جا سکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں؟''

''کیونکہ وہ اسی خاندان کا حصہ ہیں۔ مگر ہمارا بیٹا مختلف ہے۔ میرہ بھی تو رہ رہی ہے ناں۔''

''میرہ کا معملہ مختلف ہے۔ عبداللہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' وہ جھنجھلائیں۔ سرور نے ریموٹ رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''جہاں جانا ہے جاؤ میرا دماغ خراب مت کرو۔ ہزار دفع تم سے کہا تھا۔ جب تم انگلینڈ میں تھیں تب اس چینل کے ساتھ جڑے رہنا ٹھیک تھا لیکن اب بس کردو۔ اور اس پورے ملک میں صرف ایک حویلی نہیں ہے۔ ثقافت دکھانی ہی ناں؟ ایک ڈاکیومنٹری ہی تو ہے کہیں بھی بنالو۔'' بے زاری سے کہتے وہ اٹھ کر چلے گئے۔

خالی ویران مینشن میں یہاں سے وہاں گھومتے جب وہ تھک گئیں، اور اپنے باس کی کال پہ جب انہیں باتیں سننے کو ملیں تب انہوں نے مہدی کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ بیڈ پہ کروٹ کے بل لیٹا تھا۔ لیانا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ کئی بار انکا بیٹا اپنے باقی کزنز کی طرح خود کو نارمل نہیں سمجھتا تھا، اور وہ ضدی، بدتمیز ہوتا جارہا تھا۔ احساس کمتری اور اینگر ایشوز بڑھ رہے تھے۔ چند پل یونہی دروازے پہ کھڑے ہو کر وہ اسے دیکھتی رہیں، پھر آگے بڑھ آئیں۔ دھیرے سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو، انس؟'' بارہ سالہ مہدی رونے لگا تھا۔ ہاں اب وہ تھک گیا تھا۔ اکیلے رہ رہ کر، ہر بار اپنے کزنز کو جاتے اور خود کو اس گھر میں پڑے ہوئے دیکھ کر۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ لیکن میں باقی سب کی طرح نارمل کیوں نہیں؟ ہم عید پہ، شادی پہ، کسی دعوت تقریب پہ ہم کہیں بھی ساتھ مل کر گاؤں کیوں نہیں جاتے؟'' روتے ہوئے اسکی ہچکی بندھ گئی۔

''لاسٹ ٹائم بابا کے ایک دوست اسلام آباد آئے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا انہوں نے بابا سے کہا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے؟ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کوئی مجھے نہیں جانتا ممی۔ سب میرے کزنز کو جانتے ہیں۔ سب مستقیم کو اور عبداللہ کو جانتے ہیں۔''

"ان سب کو اپنی پہچان کے لئے خاندان کی ضرورت ہو گی لیکن تم، تم اپنی پہچان بناؤ گے انس۔ ساری دنیا تمھیں دیکھے گی، سنے گی، یاد کرے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" وہ اسے بہلا چکی تھیں۔ اور اگلے ہی دن وہ سرور کو بغیر بتائے گاؤں میں قدم رکھ چکی تھیں۔ گلے میں ٹنگا کیمرہ، ایک ہاتھ سے مہدی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ڈرائیور ایک طرف مودب سا کھڑا تھا۔ مہدی اشتیاق سے گردن یہاں سے وہاں گھما کر ہر ایک چیز غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے انہوں نے فصلوں کی پگڈنڈی کے پار ایک حویلی دیکھی۔ اپنی ڈاکیومنٹری کے لئے لیانا کو اس سے بہتر اور کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ قدم بڑھاتی چلی گئیں۔ لوگ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سرور کی بیوی تھیں، ہر کوئی جانتا تھا۔

وہ حویلی کے قریب چلی آئیں۔ دروازے پہ کھڑے مسلح افراد ان سے کچھ پوچھ رہے تھے، اسی پل گھر کے مرد باہر نکل آئے۔ لمحے کی دیر تھی ایک لمبی گاڑی پوری رفتار سے آ کر حویلی کے دروازے پہ رکی۔ سرور کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ حویلی کے اندر سے آتے لوگوں کے چہرے غصے سے بھرے تھے۔ سب سے زیادہ غیض حاتم نواب کے چہرے پہ تھا۔

سرور نے تیزی سے اپنی بیوی اور بچے کو گاڑی میں بٹھایا۔ گاڑی کو روانہ کر کے وہ آگے آئے حاتم نواب نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے گلے پہ رکھے تھے۔ بہن کی لاش آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اندر سے کم عمر بشر حاکم اور اس کے باقی چچا آتے دکھائی دیئے۔ جھگڑا بڑھ گیا تھا، دوسری جانب سرور کے گارڈز کسی طرح انہیں یہاں سے نکال لینا چاہتے تھے، حاکم نواب اپنے بھائیوں کو قابو کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے تھے۔ بلاخر سرور کے گارڈز انہیں کسی طرح حاتم کے نرغے سے چھڑا چکے تھے۔ مگر صلح بندی ختم ہو چکی تھی۔

چند گھنٹے بعد حویلی میں ماتم تھا۔زمان بے قراری سے یہاں سے وہاں ٹہل رہے تھے۔ سرور شدید زخمی تھے۔ مقصود کمبیر،اور بختیار بھی بے طرح سے پریشان تھے۔اسی پل باہر گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی۔ صلح ختم ہو چکی تھی۔اوراب جو ہونا تھا،اسے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔زمان نے ایک نظر سارے میں دوڑائی۔ایک صوفے پہ انکی بیوی،عالم نواب کی بیٹی بیٹھی تھیں۔انکی گود میں گیارہ سالہ مستقیم سر رکھے ہوئے تھا۔دوسری طرف پانچ سالہ بنو تھی۔انکی اکلوتی بیٹی۔ قیس بازو سینے پہ باندھے کھڑا تھا۔

دوسرے صوفے پہ بختیار اور انکی بیوی بیٹھی تھیں۔انکا چھ سالہ بیٹا اور بیٹی انیسہ۔وہ جانتے تھے مسئلہ صرف حاکم نواب کی بہن کو چھوڑنا نہیں ہے۔مسئلہ اس سال عالم نواب کی فصلوں کو نہ ملنے والا پانی بھی ہے۔جس میں زمان بے شک قصوروار نہیں تھے، مگر مقابلے باز ضرور تھے۔

ستون کے ساتھ مقصود کھڑے تھے۔ساتھ انکی بیوی۔وہ نئی دلہن تھیں۔کمسن اور کم عمر۔وہ بار بار اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔کئی بار انکا ہاتھ معدے سے نیچے تک گیا تھا۔ایک نئی زندگی۔۔۔ مقصود کو رہ رہ کر غصہ بھی آ رہا تھا۔وہ جانتے تھے بات صرف سرور کے یہاں آنے کی نہیں ہے۔ بات الیکشن میں ہار کی ہے۔جب سے بختیار نے حاتم کے سامنے ایم این اے کا الیکشن جیتا تھا،تب سے انکے تنفر کا گراف بڑھ گیا تھا۔

''میں تم سب کا بڑا ہوں،اور میں تم سب کو حکم دیتا ہوں یہاں سے جاؤ۔بچے اور عورتیں اسلام آباد چھوڑ کر آؤ۔ہم بھاگ نہیں رہے،ہم پنچائیت کا مقابلہ بھی کریں گے۔گھر کے سارے مرد کل صبح واپس آئیں گے،تب تک میں یہاں ہوں اسی حویلی میں۔''انکی آواز ڈھارس دیتی تھی۔انکا پورے قد کے ساتھ کھڑا ہونا سہارا دیتا تھا۔

''میں یہاں سے کہیں نہیں جارہا۔ حاتم اور ذلفقار (عالم نواب کے بیٹے) زمین اور الیکشن کا غصہ نکال رہے ہیں۔ بہن پہ آنے والی غیرت نہیں۔''مقصود راضی نہ ہوئے۔

''میرے بھائیوں سے مجھے بات کرنے دیں۔ میں معملہ سلجھالوں گی۔''زمان کی بیوی، زینب حاکم بولی تھیں۔ ''میں نہ ان سے کوئی بھیک مانگوں گی، نہ صفائی دوں گی۔ مجھے بات کرنے دیں زمان۔'' اٹھی ہوئی گردن، اور آنکھوں کا اعتماد۔ وہ اس گھر کے سربراہ کی بیوی ہی تھی۔ زمان نے سر ہلا دیا۔ قیس آگے آیا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ آگے بڑھ آیا۔

''اب کیا عورتیں ہمارے مسائل حل کریں گی؟ کیا ہم اتنے بے غیرت ہو گئے ہیں؟''مقصود کا غصہ عود کر آیا تھا۔

''وہ عورت میری بیوی ہے اول تو تمیز سے بات کرو۔ دوئم، اسے بات کرنے دو ناکام لوٹے گی۔''وہ کہہ کر پلٹے اور باہر نکل گئے۔ انہیں اپنے خاندان کی حفاظت کرنی تھی۔ یہ انکی ذمہ داری تھی۔

''کچھ چیزیں فکسڈ ہوتی ہیں۔ انکو بدلنا، ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ جیسے اس روز کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک وائب تھی۔ جو میرے دل کو جکڑ رہی تھی، اتنی زور سے کہ سانس بند ہونے لگے، اور اگلے چند لمحات میں کئی سانسیں بند ہوئیں۔''

''تم یہاں کیا کرنے آئے ہو، حاتم؟ یہ گھر میرے شوہر کا ہے۔ میرا ہے۔ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ تمھیں غیرت نہیں آتی۔ اب تم میرے بچوں کے دشمن بنو گے؟''حویلی کے داخلی دروازے پہ کھڑی وہ عورت اپنے بھائی کو سخت نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ساتھ قیس کھڑا تھا۔ چوکنا اور محتاط سا۔

''تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں۔ صرف میں نہیں، صرف ہم بھائی نہیں۔ ساری برادری زمان کے خلاف ہے۔اس نے فیصلے کی بے حرمتی کی اور سرور نے جو کیا ہے، اسکی تعداد کرنا مشکل ہے۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں ہو گا لیکن ہم سرور کو مارے بغیر نہیں جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں تم جاؤ۔۔اپنے بچوں کو یہاں سے لے جاؤ۔۔۔۔''

''تاکہ تم میرے شوہر کو مار سکو؟'' وہ تنفر سے بولیں۔قیس نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھائی حاتم نے پہلو بدلا۔ قیس نے آگے بڑھ کر انکا گریبان پکڑا تھا۔

''میرے بابا کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' حاتم کی آنکھیں نرم رہیں۔ دھیرے سے، بے حد نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔یوں جیسے اس لڑکے سے بے حد عقیدت اور محبت ہو۔

''تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔یاد رکھنا۔'' وہ کہہ کر چند لمحے اپنی بہن کو دیکھتے رہے۔

''بساط بچھ چکی ہے، اس مہرے کو ہارنا ہو گا جو بازی پلٹ رہا ہے۔'' سرگوشی کی صورت الفاظ ادا کئے، پھر رکے نہیں تیز تیز ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے۔ حویلی کے عقبی حصے کی طرف آؤ تو کئی گاڑیاں قطار میں کھڑی تھیں۔زمان کمبیر باری باری ہر ایک کو اندر بٹھا بٹھا رہے تھے۔۔ قیس کو گاڑی میں بٹھانے سے پہلے اسکا ہاتھ پکڑا تھا۔وہ متذبذب لگتا تھا۔وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔

''تم اس وقت صرف عبداللہ نہیں، تم زمان بھی ہو۔یہ جو کچھ بھی ہوا ہے، اس سبز قدم عورت کی وجہ سے ہوا ہے۔یاد رکھنا، مگر میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔اور اگر نہیں کر سکا تو تم ٹھیک کرو گے۔عبداللہ بن کر، زمان بن کر۔''

''میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، بابا۔'' اس نے ضد کی۔زمان نے اس کے ہاتھ سختی سے پکڑے۔

''تم محل کا سب سے مضبوط ستون ہو۔ تم نہیں گر سکتے، آج اگر میں نہ رہوں تو اپنا خاندان جوڑنا، چاہے کسی سے کتنی بھی نفرت ہو تم انہیں نہیں چھوڑو گے۔ وعدہ کرو، عبداللہ۔'' اس نے شکستگی سے گردن جھکادی۔

گاڑیاں تیز رفتاری سے آگے کو بڑھ رہی تھیں جب اچانک سے ہونے والی فائرنگ سے گاڑیوں کے شیشے ایک چھناکے سے ٹوٹے۔ یہ آواز عبداللہ کے لئے ساری دنیا اس آواز کے بعد بدلی تھی۔ اسی آواز کی وجہ سے وہ مستقبل میں کئی سال فوبک اور ذہنی مریض رہنے والا تھا۔ اس وقت اسے اس آواز نے جمادیا تھا۔ مستقبل میں بھی یہی ہونا تھا۔ ایک شیشے کا ٹوٹنا، کسی واس کا گرنا، کوئی گولی کی آواز یہ ساری آوازیں اسکی عقل پہ پردے ڈال دیتی تھیں۔ اس کے جسم کی ہر حرکت کو جامد کر دیتی تھیں۔

زمان کو لگا تھا وہ لوگ حویلی پہ حملہ کریں گے، مگر بازی پلٹ گئی تھی۔

حملہ سڑک پہ چلتی گاڑیوں پہ ہوا تھا۔ سرور جس گاڑی میں تھے گولیاں مار کر اس کے ٹائر برسٹ کر دیئے گئے، گاڑی بری طرح سے توازن کھو بیٹھی اور لڑھکتی ہوئی سڑک پہ دور جا گری۔ پیچھے سے آتی دونوں گاڑیوں کا راستہ بلاک ہوا، اور باقی دونوں گاڑیاں بھی الٹ کر گر گئیں۔

برادری کے کئی مرد تھے، جن کو بھڑکا کر لایا گیا تھا۔ گاڑیوں سے نکلتے پیٹرول سے آگ بھڑک اٹھی تھی، اور گاڑیاں جلنے لگی تھیں ۔انسانی چیخوں اور کراہوں کی آواز دل دہلا رہی تھی۔

ایک گاڑی بس ایک گاڑی تھی جو آگ سے محفوظ رہی وہ قیس کی گاڑی تھی۔ وہ جس کی عقبی سیٹ پہ بختیار تھے، مہدی تھا۔ انیسہ تھی، اور مقصود تھے۔

سڑک پہ جلتی گاڑیوں سے لپکتے شعلے، انسانی جسم کے جلنے کی آہیں، قیس اس منظر کو مرنے تک نہ بھول سکتا۔ یہ وہ دن تھا جب اسے آوازوں سے خوف آیا تھا۔ جب اس کے ٹراما کا آغاز ہوا تھا۔ وہ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ آدھا دھڑ اندر آدھا باہر۔ تکلیف سے آنکھیں بھر رہی تھیں۔ اس کے چچا سرور کئی لوگوں کے نرغے میں تھے۔ وہ مار رہے تھے، جانوروں کی طرح مار رہے تھے۔ وہ بس اسی کو مارنے آئے تھے۔ باقی سب کولیٹرول ڈیمج تھے۔ اسی اثناء میں ایک اور گاڑی آکر رکی۔ گاڑی زمان کی تھی۔۔ زمان کے ہاتھ میں دو پستول تھے۔ اترتے ہی برق رفتاری سے دونوں فائر کھول دیئے۔ کئی لوگ بے سانس ہو کر گرے۔ مگر زندگی نے انہیں بھی زیادہ مہلت دے کر نہ بھیجا تھا۔

حاتم نواب کا خنجر جس لمحے سرور کے سینے میں پیوست ہوا۔ زمان کے حوصلے جواب دے گئے۔ آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو بچانا چاہا مگر پیٹھ پہ گولیاں ماری گئیں۔ ایک غلطی صرف ایک غلطی کی سزا قیس اور اسکا خاندان ساری زندگی بھگتنے والا تھا۔

ماضی ایک چھناکے سے ٹوٹ کر ختم ہوا۔ حال میں واپس آؤ تو زینیا اسکی مبہم باتیں نہ سمجھ سکی تھی۔ مگر وہ اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اسکا ایک ہاتھ قیس نے پکڑ رکھا تھا۔ جیسے کوئی خوف زدہ انسان۔ ایک جھماکے سے ماضی کے فلیش بیکس ختم ہوئے تو اس نے زینیا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ایک قفس سا تھا جو ٹوٹا تھا۔ قیس کا دل ہلکا ہوا، ہوا سے بھی زیادہ ہلکا۔

مگر زینیا کے دل پہ ڈھیر سارا بوجھ پڑا تھا۔ آخر ان مبہم باتوں کا مطلب کیا تھا؟

اسی پل حدیبیہ اندر آتی دکھائی دی۔ وہ از حد پریشان لگتی تھی۔ اس نے میز پہ رکھی دوائیاں وغیرہ اٹھا کر پاس رکھے بیگ میں ڈالیں، وہ زینیا کا بیگ تھا۔

''ان سب کو ڈسٹ بن سے بھی دور رکھنا گھر جاتے ہوئے کہیں پھینک دینا اوکے؟ کسی ورکر کی نظر ان پہ نہیں پڑنی چاہیے۔'' زینیا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا کیمرہ بھی بیگ میں ڈالا۔ حدیبیہ نے زینیا کو باہر بھیجا، وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ قیسم کی راہداریوں میں چلتے ہوئے اسے اپنے پیر، دل، اور ذہن بھاری محسوس ہوا۔ بے حد بھاری۔

قیس تکلیف میں تھا لیکن کچھ تھا جو زینیا کی روح تک کو برا لگ رہا تھا۔

اسلام آباد واپس آئے زینیا کو دو دن ہو چکے تھے۔ سوری لیکن نو سوری مگر شیزل کو اس سفر سے نئے آئیڈیاز مل گئے تھے۔ ان دو دنوں میں انکے درمیان کوئی خاص بات گو کہ نہ ہوئی تھی مگر آج آفس سے واپسی پہ جو خبر شیزل کو سننے ملی تھی، وہ اس کا پارہ ہائی کرنے کے لئے کافی تھی۔

زینیا حاکم نے اپنی روم میٹ بدلوانے کی درخواست کی تھی۔ شیزل کو اول تو غصہ آیا، وہ تن فن کرتی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ زینیا گیلے بالوں میں برش گھما رہی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

''تم مجھے اگنور کر رہی ہو، زینیا حاکم۔ میں وجہ جاننا چاہتی ہوں۔'' بازو سینے پہ باندھے مناسب لہجے میں سوال کیا۔

''اچھا؟ کیا میں نے واقعی ایسا کیا ہے؟'' وہ انجان بنی۔ شیزل آگے آئی۔

''میں اسٹریٹ فارورڈ ہوں، میں تم سے جواب مانگ رہی ہوں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ یہ کیا ہے؟ تم روم میٹ بدلنا چاہتی ہو لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس کمرے میں مجھے لانے والی بھی تم تھیں۔''

''غلطی ہو گئی اب اسے فکس کر رہی ہوں۔ مجھے اپنی کمفرٹ پلیس میں کسی کو نہیں لانا چاہیے تھا۔''

شیزل غصے سے کچھ کہتی کہ یکدم وہ ٹھٹھک کر رکی۔ زینیا کے الفاظ ماضی سے جوڑے اور پھر وہ شل سی رہ گئی۔ غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ بھی گیا۔ اپنی کمزوریوں کے پیچھے چھپتے ایک بسمل پہ کیسا غصہ؟ وہ کتنی ہی دیر کچھ کہہ نہ سکی۔

''تم وہی کر رہی ہو ناں جو تم نے الماس کے ساتھ کیا تھا؟'' شیزل جب بولی تو زینیا کے متحرک ہاتھ ایک پل کو تھم گئے۔

''تم نے ایک کمزور لمحے کی زد میں مجھے اپنے ڈھیر سارے راز دے دیئے، اور اب تم میرے ساتھ وہی کر رہی ہو جو تم نے پہلے کیا۔ تم انسکیوریٹی کے قفس میں ہو۔ اپنے ساتھ ظلم کیوں کر رہی ہو؟''

زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ ''مجھے نہیں پتہ تم کس بارے میں بات کر رہی ہو۔ ایک کمرہ بدلوانا اتنی بڑی بات تو نہیں؟''

''تم جانتی ہو، زینیا تم مجھے چھوڑ دو گی تو شاید مجھے تھوڑا بہت دکھ ہو۔ لیکن میں لوگوں کے ساتھ اٹیچ نہیں ہوتی تمھارے فیز سے بھی نکل آؤں گی۔ مگر تم۔۔۔ تمہیں ان سب چیزوں سے نکلنے کے لئے ابھی سے کوشش کرنی ہو گی۔ کب تک لوگوں کو اس طرح چھوڑتی رہو گی؟ تم ایک انسان ہو اور انسانوں کے راز ہوتے ہیں۔ تم ایک انسان ہو اور انسان کمزور پڑ سکتا ہے۔ رو سکتا ہے گر بھی سکتا ہے۔ تم ٹوٹی، گری پھر سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور اس دوران اگر کسی نے تمھیں سہارا دے کر کھڑا کیا تو اس میں کچھ غلط نہیں ہے۔ مگر میں تمھیں اپنی طرف واپس نہیں بلاؤں گی کیونکہ میرا honor اسکی اجازت نہیں دیتا۔

تمھیں اگر یہ لگتا ہے کہ مجھ سے فاصلہ بنا لو گی تو تمھارے راز محفوظ رہیں گے تو تم غلط ہو۔ راز تب فاش ہوتے ہیں جب دو لوگ الگ ہوتے ہیں۔ لیکن ایک بار پھر میرا وقار اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں ہماری بات محفل میں کروں۔''

''تم میرے لئے اتنی فکر مند کیوں ہو؟ایک روم میٹ کے چلے جانے سے کوئی طوفان نہیں آجائے گا۔''زینیا نے ایک بار پھر نارمل ہونا چاہا۔

''میں تمھارے لئے فکر مند کیوں ہوں کیوں؟ مجھے نہیں پتہ۔میری دوستیاں لمبا عرصہ نہیں چلتیں مگر پھر بھی تمھارے ساتھ لمبا عرصہ رہنا چاہتی ہوں۔جب تم خود کو ہرٹ کرتی ہو تو مجھے برا لگتا ہے۔میرا خیال ہے اتنا کہنا کافی ہے رائٹ؟''

''مجھے اپنی فکر کرنے والوں کی عادت نہیں ہے۔تمہاری اس تقریر میں مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔سو پلیز مجھے سپیس دو۔''

''شیور مس، زینیا حاکم۔''سرد لہجے میں کہتی وہ باتھروم کی جانب بڑھ گئی۔اسکے جانے کے بعد زینیا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔وہ رنجیدہ نظر آتی تھی۔لیکن اس کا ایک ڈیفنس میکنزم تھا اسے توڑا نہیں جا سکتا تھا۔

اسی تاریک رات میں اسلام آباد سے گوادر کا سفر پلک جھپکتے ہوئے کر و اور حاکم نواب کے گھر میں قدم دھرو تو صحن میں رکھی چارپائی پہ کوئی ادھیڑ عمر مرد بیٹھا تھا۔سامنے چائے کا مگ رکھا تھا۔جو بھاپ اڑاتے اب ٹھنڈہ برف ہو چکا تھا۔داخلی دروازے سے اندر آتا بشر انہیں دیکھ کر رکا، ہاتھ میں شاپر تھے جنہیں وہ کچن میں رکھنے گیا۔واپس آیا تو حاکم اسی طرح بیٹھے تھے۔بشر کو تشویش سی ہوئی۔وہ انکی طرف چلا آیا۔

''آپ کے لئے روسٹ لایا ہوں ابا۔۔۔نکال کر آؤں؟''تابعداری سے پوچھا۔حاکم نے نفی میں سر ہلا دیا۔بشر دھیرے سے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''آپ کے حویلی والے ٹھاٹھ پورے نہیں کر سکتا۔ لیکن روسٹ سے کام چلا لیں نواب صاحب۔'' حاکم ہنس پڑے۔ بشر کو دیکھا۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ باپ کا پر تو۔

''اتنے سال جب میں چاہتا تھا میرے بھائی میرے ساتھ اپنے تعلقات درست کر لیں، تب کچھ نہ ہو سکا اور آج۔۔'' انہوں نے بولنے سے وقفہ لیا۔

''آج جب میں یہاں اس ڈربے میں اپنی جگہ بنا چکا ہوں۔ تو وہ سب کہتے ہیں واپس آجاؤ۔''

''آپ کیا چاہتے ہیں ابا؟ جو آپ چاہیں گے وہی ہو گا۔'' وہ ہمیشہ کی طرح باپ کی طرف تھا۔

''میں۔۔۔۔ماضی نہیں بھول سکتا۔''

عالم نواب کی حویلی میں آج جشن سا تھا۔ سرور یونس اور زمان یونس کے جنازے اٹھائے جانے تھے۔ اور یہاں اس حویلی میں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ سوائے دو عورتوں کے۔

امینہ اور زرمینہ۔ قیس کی دو پھپھو۔ ان کے دو بھائی اب اس دنیا میں نہ رہے تھے، خبر ملی تھی کہ آدھا خاندان جان گنوا چکا ہے۔ ان دونوں کو بھی آج ایک ساتھ گھر سے نکالا جا رہا تھا۔ ہمیشہ کے لئے۔ حاکم نواب کے کمرے میں جاؤ تو وہ بیڈ کے ایک کونے پہ ٹکے بیٹھے تھے۔ چہرے پہ انکے بھی اضطراب تھا۔ ایک طرف فرش پہ بیٹھی امینہ زارو قطار رو رہی تھیں۔

''میں نے حویلی کو دو وارث دیئے۔ کیا میرا اتنا حق نہیں ہے کہ میں آخری بار اپنے بھائیوں کے چہرے دیکھ لوں؟''

''وہیں بھیج رہے ہیں تمھیں اب ہمیشہ وہیں رہنا۔ زرینہ بھی توانکی بہن ہے۔ لیکن مجال ہے جو اس کے منہ سے لفظ نکلا ہو۔'' وہ بے زار ہوئے۔ آج تک خود بیوی کی عزت کی نہ کبھی کروائی تھی۔

''میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، میری یہ بات یاد رکھئے گا۔ میں دو بیٹوں کی ماں ہوں۔ آپ کو لگتا ہے آپ مجھے ایسے نکال سکتے ہیں؟'' وہ غم و رنج کی ملی جلی کیفیت سے بولیں۔ حاکم نے سرد نظروں سے انہیں دیکھا۔

''حویلی اپنے وارث کہیں جانے نہیں دے رہی۔ یہاں سے تم اکیلی جارہی ہو۔۔۔ صرف اور صرف تم۔ تمھارے دونوں بیٹے اور بیٹیاں یہیں رہیں گی۔'' امینہ بیگم کے دل پہ جیسے کسی نے برچھی دے ماری ہو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ دوپٹہ فرش پہ گر گیا۔ آنسو بہنا رک گئے۔ وہ ایک بار بشر کی جدائی سہہ چکی تھیں۔ اب مر جاتیں مگر یہ دکھ برداشت نہ کر پاتیں۔"

''مجھ سے میرے بچے مت چھینیں، حاکم۔ ظلم نہ کریں۔ وہ آپ کی بھی اولاد ہیں میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ اتنے ظالم کیوں بن رہے ہیں۔'' وہ ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ حاکم نے انہیں دیکھا اور پھر رخ پھیر لیا۔

''مجھے روک لیں۔ میں آپ کو اپنا ہر حق معاف کرتی ہوں۔ میں ساری زندگی آپ کے لئے دعائیں کروں گی۔ میں کبھی ایک بار بھی شکایت نہیں کروں گی۔ خدا کے لئے مجھے یہاں روک لیں۔'' حاکم سنی ان سنی کرتے ہوئے اٹھے، انکا ہاتھ پکڑا اور باہر لے جانے لگے۔

''آپ کو زینی کی قسم ہے حاکم۔'' یہاں حاکم نواب کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ آنکھیں ایک پل کو عجیب سی ہوئیں۔ شاید نرم سی۔ اسی پل صرف ایک نام پہ وہ ہر مشکل سے لڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔ صرف ایک نام پہ۔

''ہر غم۔۔۔ ہر رنج، ہر مصیبت اولاد کے غم کے آگے چھوٹی ہو جاتی ہے۔ میرے لئے میری اولاد کا غم بھلانا، ناممکنات میں سے ہے۔''

''امینہ میری بیوی ہے اور وہ وہیں رہے گی جہاں میں رہوں گا۔'' وہ تمام بھائیوں کے سامنے زندگی میں پہلی بار اپنی بیوی کے حق میں کھڑے ہوئے تھے۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، حاکم؟''

''اس بیوی کی حمایت کرو گے، جسے آج تک دو کوڑی کی اوقات میں رکھا تھا۔''

''تم اگر اسے اپنے ساتھ رکھو گے، تو مقصود اور بختیار کسی بھی طرح دباؤ میں نہیں آئیں گے۔ تم جانتے بھی ہو وہ ہم پہ کیس کروا سکتے ہیں۔''

''حاکم پاگل مت بنو۔۔۔ جب یہاں سے انکی دو بہنیں وہاں جائیں گی تو ان پہ دباؤ پڑے گا۔ اور یوں وہ جھک جائیں گے۔ تمہارا دماغ خراب ہے جو بنا بنایا کھیل بگاڑ رہے ہو؟'' مختلف، متعدد آوازیں تھیں۔ ان کے اپنوں کی، ان کے بھائیوں کی۔ مگر وہ اپنی بات پہ ڈٹے رہے۔

''جہاں میں رہوں گا، میری بیوی بھی وہیں رہے گی۔''

''تو بہتر ہے کہ تم اس حویلی کو چھوڑ دو اور اپنے بیوی بچوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔'' حاکم نواب ایک لمحے کے لئے سن رہ گئے۔

بے یقینی سے چند پل اپنے باپ کو دیکھتے رہے، پھر بھائیوں کو دیکھا۔ زمان اور اس کے خاندان کے ساتھ جو کچھ ان کے بھائیوں نے کیا حاکم انکے کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے، یہ وہ وقت تھا جب ان کے بھائیوں کو بھی کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ مگر بھائی کچھ نہ بولے۔

"جو حکم ابا۔۔۔اسد کا نمونیا ذرا بہتر ہو جائے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تم آج اور ابھی جاؤ گے۔ یا تو آج اس گھر سے تمہاری بیوی جائے گی، یا پھر تم اس کے ساتھ جاؤ گے۔" عالم نواب سفاکی کی حدود کو چھو رہے تھے۔ حاکم نواب نے سر ہلا دیا اور مڑ گئے۔ جاتے ہوئے ان کے ابا نے بشر کو روکنا چاہا تھا مگر وہ اس عمر میں بھی باپ کا سہارا تھا، اور ساتھ رہا۔

اگلے چند دنوں میں وہ کسی دوست کے توسط گوادر آ گئے تھے۔ اور انہی دنوں ان کے بیٹے کا نمونیا شدت اختیار کر گیا۔ حاکم بے بسی سے اسے دیکھتے تھے۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ لٹا چکے تھے۔ یہاں تک کہ انکا بیٹا انکی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گیا۔ اس دن حاکم نواب کے اندر جذبات مر گئے تھے۔ یا شاید انہوں نے مار دیئے۔

حال میں وہ دور کہیں خلاؤں میں دیکھ رہے تھے۔ کہتے ہوئے زبان تھک گئی تھی، اور وہ خاموش ہو بیٹھے تھے۔ بشر کئی لمحے خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے بولا تھا۔

"ظلم تو آپ سب نے بھی کیا تھا ابا۔۔۔ایک ذرا سی غلطی پہ سارے کا سارا خاندان مار دینا کہاں کا انتقام ہے؟ کہاں کا انصاف۔ عبداللہ کا سارا خاندان آپ سب نے اسکی آنکھوں کے آگے مارا۔؟" حاکم نواب نے بشر کے چہرے کو دیکھا۔ وہ کئی حقائق سے ناواقف تھا۔

"حقیقت مختلف ہے بشر۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ زمان اپنے بھائی کو شہر سے باہر نکال رہا ہے۔اور جو گاڑیاں ساتھ ہیں ان سب گاڑیوں میں گارڈز ہیں۔ حلانکہ ان سب گاڑیوں میں خاندان تھا۔ زمان کا خاندان۔" بشر دم سادھے اپنے باپ کو دیکھے گیا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا ۔۔۔یہ کیسے ہو گیا؟

"ہر جنگ میں دو فریق ہوتے ہیں۔اور ہر فریقین کے درمیان کچھ لوگ ہوتے ہیں، جو آگ بھڑکاتے ہیں۔ ہمارے درمیان بھی ویسے لوگ تھے۔ جو نہ زمان کے خاندان سے لڑ سکتے تھے نہ ہم سے اسی لئے انہوں نے بیچ کا راستہ استعمال کر کے ہم دونوں کو ختم کرنا چاہا۔ جنگیں کبھی بھی ایک فریق کے حق میں نہیں ہوئیں۔ جنگیں۔۔۔۔۔"

"ہمیشہ تیسرے کے حق میں ہوئی ہیں۔" بشر نے طلسمی لمحے کے زیر اثر جملہ مکمل کیا۔ حاکم نواب نے سر ہلا دیا۔

"ہمارے ساتھ برادری کے کئی لوگ تھے۔ گاڑیوں کو گرایا گیا،اور جب ان میں آگ بھڑکی تب ہمیں لگا یہ گارڈز کی گاڑیاں ہیں۔ہاں یہ انسانیت نہیں تھی کہ گارڈز کو یوں جلنے دیا جائے مگر ہمیں لگا تھا وہ ٹرینڈ ہیں، وہ نکل جائیں گے۔ ہم سے غلطی ہوئی۔ جس گاڑی سے ہم نے سرور کو نکالا تھا اس میں عبداللہ بھی تھا۔ وہ گاڑی آگ سے محفوظ رہی تھی۔" حاکم نواب کا لہجہ گیلا تھا۔ بشر اب تک کچھ بھی پراسیس نہیں کر سکا تھا۔

''خدا کی قسم !۔۔۔جب میرے بھائی نے زمان اور سرور کو قتل کیا مجھے تب بھی علم نہیں تھا کہ گاڑیوں میں زمان کا خاندان ہے۔میں بس ایک گاڑی کے متعلق جانتا تھا وہ گاڑی جس میں عبداللہ تھا۔

ہاں میں چاہتا تھا عبداللہ واپس نہ آئے۔ہاں میں نے زینی کی شادی بالاج سے کروائی۔کیونکہ میں نے اس روز عبداللہ کی آنکھوں میں انتقام دیکھا تھا۔وہ میری بیٹی کو دکھ دیتا۔وہ ضرور دیتا۔اس روز وہ کانچ کی طرح زخمی ہوا تھا،اور ٹوٹا کانچ زخمی کرتا ہے۔''اگلے کئی لمحے وہ مزید کچھ نہ بولے۔بشر کی زبان بھی تالو سے چپک گئی تھی۔کافی دیر بعد جب حاکم نواب اٹھ کر جانے لگے،تب بشرا نہیں پکار بیٹھا۔

''آپ نے اتنے سال یہ سب اپنی بیوی کو بھی نہیں بتایا۔پھر مجھے کیوں ابا؟''

''کیونکہ میں اس قفس سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔حاکم نواب نے زندگی میں بہت برے کام کیے ہیں۔لیکن میں ان کاموں کے لئے قید نہیں رہ سکتا جو میں نے نہیں کئے،جو میرے خاندان نے نہیں کئے۔اس روز عبداللہ زمان کے ساتھ عالم نواب کا خاندان بھی بے قصور تھا۔۔'' کئی پل وہ خاموش رہے۔

''میرا قفس ٹوٹ چکا ہے۔میں آزاد ہوں اور آزادی عظیم ہے۔''وہ کہہ کر چلے گئے، مگر بشر کئی لمحے سانس تک نہ لے سکا۔ابا آج زینیا جیسے لگے تھے۔یا پھر زینیا ابا جیسی تھی؟وہ دونوں ایک جیسے ہو کر ایک دوسرے سے کتنے دور تھے؟

آج بڑے دنوں بعد ہلکی سی دھوپ نکلی تھی۔ سیاہ بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے درمیان چیر کر اپنا راستہ صاف کرتا سورج بدن کو راحت دے رہا تھا۔ ہاسٹل کے کمرے میں شیشے کے سامنے کھڑی زینیا مسکراتے ہوئے سرخ لپسٹک اپنے ہونٹوں پہ مل رہی تھی۔ گھٹنوں تک آتا میرون رنگ کا مخمل کا کرتا، اور کھلے پائنچوں والے سفید ٹراؤزر کے ساتھ اس نے میرون شال کندھوں پہ ڈالی۔ شہد رنگ بال فرنچ چٹیا میں گوندھ لئے۔ اور پیروں میں سفید کولاپوری چپل ڈالے آج وہ دل سے تیار ہوئی تھی۔ اسی پل باتھروم کا دروازہ کھلا نائٹ سوٹ میں ملبوس دھلے دھلائے منہ کے ساتھ شیزل باہر آئی۔ زینیا کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رکی۔

"قیس نے تمھیں پرپوز کیا ہے، یا تم اسے پرپوز کرنے جا رہی ہو؟" شیزل اسکی تیاری دیکھ کر مشکوک ہوئی۔ زینیا نے الماری کھولی، اپنا سامان نکالا۔

"آفس کی باقی عورتیں جس حساب سے تیار ہوتی ہیں یوں لگتا ہے تمھارے قیس کا ولیمہ ہو۔" بیگ کندھے پہ ڈال کر وہ شیزل کی طرف مڑی۔ "کیا میں کچھ زیادہ تیار ہوں؟"

"اگر میں ہاں کہوں تو؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔

"کرنا کیا ہے؟ لپسٹک مذید ڈارک کروں گی۔ بلش آن کو ٹچ اپ دوں گی۔ اور مسکارا دوبارہ لگاؤں گی۔"

وہ تپا دینے والے انداز میں بولی۔ شیزل کو برا نہیں لگا۔ وہ بس اسے دیکھتی رہی۔

"تم ٹھیک ہو، زینم؟" وہ سنجیدہ تھی، بے حد سنجیدہ۔ زینیا کی مسکراہٹ دھیمی پڑی۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ گہری سانس لے کر وہ کھڑکی کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ بہت دیر بعد وہ ہلکی آواز میں بولی تھی۔

''طلاق۔۔۔۔ صرف ایک لفظ نہیں ہوتا۔ یہ آپ کو اندر سے مار دیتی ہے۔ آپ کے اندر کمپلکس بھر دیتی ہے، محروم کر دیتی ہے اور آپ اندر سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ خوف دنیا کا سب سے برا سب سے گندہ جذبہ ہے۔ معاشرے کی نظروں کا خوف، خاندان کی رسوائی کا خوف، ایک خراب شادی کے بعد ہر تعلق کو خراب کر دینے کا خوف۔'' وہ چند پل کے لئے رک گئی۔ بولنا تکلیف دہ تھا۔

''میں اندر سے مسخ ہو گئی ہوں۔ میرے اندر اب مذید کوئی تعلق بنانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور اگر بناؤں گی تو اس پہ شک بھی کروں گی، اور شاید محبت بھی نہ کر سکوں۔ بالاج نے وہ تین لفظ کہہ کر میرا دل مار دیا ہے۔ بالاج نے میرے اندر کی زینیا حاکم کو مار کر مجھے اسکوائرون پہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب میرے پاس دو راستے ہیں۔'' اس نے مڑ کر شیزل کو دیکھا۔

''یا تو جوگ لے کر ایک کونے میں بیٹھ جاؤں۔ جو کہ جسٹیفائیڈ بھی ہے۔ یا پھر۔۔۔۔۔''

وہ مسکرائی شیزل اس کے ساتھ مسکرائی۔

''یہ سرخ لپسٹک لگاؤں، کام کروں، مستقبل بناؤں اور آگے بڑھنے کی کوشش کروں، جو کہ معاشرے کے لئے جسٹیفائیڈ نہیں ہے مگر زینیا سے زیادہ rare کوئی ہوا ہے کیا؟

میں نے اپنا قفس اتار کر پھینک دیا ہے۔ میں تب تک آزاد رہنا چاہتی ہوں جب تک مہلت ہے۔ میں ایک دن بری طرح جکڑ دی جاؤں گی مجھے وجدان ملا ہے۔ بالاج نے اب تک میری فیملی کو کچھ نہیں کہا، جب تک وہ خاموش ہے تب تک میں بھی رہوں گی۔ شاید تب تک میں کسی مقام تک بھی پہنچ جاؤں۔ اور شاید تب تک میرے لئے آسانیاں پیدا ہونے لگ جائیں۔ مجھے پتہ ہے میں بہت غلط کر رہی ہوں لیکن مجھے صحیح سکھایا ہی نہیں گیا۔''

کندھے اچکا کر اس نے بیگ کندھے پہ درست کیا۔ آئینے میں ایک نظر خود کو دیکھا اور باہر نکل آئی۔ شیزل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

سڑک کنارے چھوٹے چھوٹے قدم لیتی زینیا کے آگے کل رات کا منظر چل رہا تھا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ سامنے نوٹ پیڈ رکھا تھا۔ جس پہ مسلسل آنسوؤں کے قطرے گر رہے تھے۔ اسکی سنہری آنکھوں میں رنج تھا۔

''میرے اللہ۔۔'' اس نے ہچکی لی۔ ''عبداللہ سے لے کر بالاج تک، میں نے ہر تعلق سے وفاداری نبھائی ہے۔ بالاج نے میرا دل توڑ دیا۔ مجھے اندر تک زخمی کر دیا ہے۔ لیکن اگر آپ نے میرا پردہ رکھا ہے، تو میں اس بھید کو نہیں کھولوں گی۔''

بس اسٹینڈ پہ پہنچ کر وہ پیلی بنچ پہ بیٹھ گئی۔ ایک لمبے انتظار کے بعد بس آجاتی اور وہ قیسم کی راہداریوں میں قدم رکھ دیتی۔ قیسم اس کے لئے موقع تھا۔ جنون بھی۔

تھوڑی دیر بعد بس آئی تو وہ اندر آ کر بیٹھی۔ کھڑکی سے ماتھا ٹکا کر اسلام آباد کی گیلی سڑکیں دیکھنا سکون دیتا تھا۔

''زندگی میرے ساتھ ظالم رہی ہے اور میں اپنے ساتھ۔ ہر شادی میں دو لوگ برابر نہ سہی ستر اور تیس فیصد قصوروار ضرور ہوتے ہیں۔ میں نے بھی غلطیاں کیں۔ لیکن جو گزر گیا، وہ گزر گیا۔ میں اس یقین پہ آگے بڑھنا چاہتی ہوں کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔''

اس کی منزل آگے تھی مگر وہ ایک اسٹاپ پہلے اتر آئی۔ نہ جانے کیوں آج دل خوش تھا۔ قدم آزاد۔۔ وہ اپنے قدموں پہ چلنا چاہتی تھی۔ ایک لمبی مسافت۔ ایک لمبا سفر۔ بغیر رکے بغیر تھکے۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی تو ہوا بھی سرد پڑنے لگی۔ زینیا حاکم کے قدموں میں تیزی آگئی تھی۔

"اللہ کا نام لے کر، اس پہ یقین رکھ کر آج میں خود کو دنیا کے، معاشرے کے، ذلت کے اور محبت کے قفس سے آزاد کرتی ہوں۔ آج میں اپنے دل کو بالاج کی بے وفائی کے غم سے، اور اس کے انتظار کے رنج سے آزاد کرتی ہوں۔ میرا قفس ٹوٹ چکا ہے اب زینیا حاکم آزاد ہے۔"

لمبی شاہراہ پہ جب اس نے موڑ مڑنا چاہا یکدم اسے رکنا پڑا۔ کوئی اس کے عین سامنے آکر رکا تھا۔ زینیا کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ آس پاس ساری آوازیں ہر حرکت تھم گئی۔ اگلے کئی لمحے وہ سانس نہ لے سکی۔

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا، زینی۔" بالاج یوسف میر آنکھوں میں ڈھیر سارے جذبات لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "مجھے پتہ تھا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن مجھے تم سے عشق ہے یہ میں نہیں جانتا تھا۔ تم میری زندگی سے گئیں تو مجھے معلوم ہوا میں نے کیا کھویا ہے۔"

زینیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے کئی بار بالاج کو اپنے سامنے تصور کیا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اس سے لڑے گی، اس کا گریبان کھینچے گی اسے مارے گی لیکن وہ ڈر رہی تھی۔ زینیا حاکم کو بالاج سے خوف آیا تھا۔ اس نے زینیا پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور عورت کبھی بھی "شوہر کی مار" کے ٹراما سے اتنی جلدی باہر نہیں آتی۔

''مجھے معاف کر دو، زینی۔۔۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' زینیا نے قدم موڑنے چاہے، مگر وہ شل تھی۔ وہ بولنا چاہتی تھی لیکن زبان مقفل تھی۔ بالاج نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھامنا چاہا زینیا بدک کر دور ہٹی تھی۔ مگر وہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔ زینیا بغیر اسکی سنے بس اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

''جو کچھ بھی ہوا، اس میں تمہاری غلطی بھی تھی میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' لمبی گاڑی ان کے قریب رکی۔ شیشے کھلے اور ایک بھاری آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''آپ اپنا کام کریں یہ ہمارا ذاتی معملہ ہے۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ یہ لڑکی تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔'' مقصود کی بات پہ بالاج نے زینیا کا ہاتھ چھوڑا۔ ان دونوں نے اپنی دائیں طرف دیکھا۔ بالاج کے لئے یہ چہرہ نیا تھا، زینیا اسے پہچانتی تھی۔ مقصود کمبیر۔

''آپ کون ہیں؟ اپنے کام سے کام رکھیں۔ بیوی ہے یہ میری۔'' بالاج بھڑک اٹھا۔ مقصود نے ٹھنڈی برف نظروں سے زینیا کو دیکھا۔ زینیا کو دور کہیں ان آنکھوں میں ایک نرم گوشہ نظر آیا۔

''شوہر ہے تمہارا؟ بات کرنا چاہتی ہو؟''

''شوہر تھا۔'' وہ بدقت بول سکی۔ ''میں اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' آخری بات اس نے بالاج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہی تھی۔

''یوں تو میں ایک ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہوں، لیکن تم جیسوں کو ٹھیک کرنا جانتا ہوں۔ بہتر ہے راستہ بدل لو۔ ورنہ دوبارہ ان راستوں پہ نظر نہیں آؤ گے۔'' مقصود کمبیر اپنے ازلی برف انداز میں بولے۔

بالاج نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کے کڑوے گھونٹ بھرے۔

''یہ کون ہے؟ اتنے کم وقت میں کتنے مردوں سے شناسائی کر چکی ہو؟''

''میں اسکا گارجین ہوں، کوئی اور سوال؟'' وہ ایک بار پھر درمیان میں بولے تھے۔ بالاج نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

''میں تمھارے جواب کا انتظار کروں گا، زینی۔'' وہ کہہ کر سامنے سے ہٹ گیا۔ جاتے جاتے سخت نظروں سے مقصود کو دیکھنا نہیں بھولا تھا۔

زینیا اگلے کئی لمحے تک کچھ بھی پراسیس نہیں کر سکی، نہ درد، نہ شاک، نہ غم اور نہ ہی اسکی واپسی۔ قفس ایک بار پھر چڑھایا جا رہا تھا۔ اور اس بار قفس زہر آلود تھا۔ اسکا دل سبز پڑنے لگا۔

رونق اور رنگ۔ لاہور کی شادیوں کو اگر دو الفاظوں میں سمیٹا جائے تو یقیناً یہی الفاظ ہوں گے۔ شادی ہال اس وقت پر رونق سا تھا۔ بچے بلاوجہ یہاں سے وہاں بھاگ رہے تھے۔ ڈی جے مختلف پنجابی گانے بجا رہا تھا۔ ڈے ٹائم ویڈنگز کا بھی اپنا ایک چارم ہوتا ہے۔ کھانا کھلنے میں ابھی وقت تھا۔ اسٹیج کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو دولہا اور دلہن کا فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔ حاکم نواب کے قتل کے بعد عروج کی طبیعت اچھی خاصی خراب ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر نے انہیں ماحول بدلنے کو کہا اور انہی دنوں بشر کے ایک دوست کی شادی کا کارڈ بھی آگیا۔ سو وہ عروج کو لے کر لاہور آگیا تھا۔ وہ شہر جس نے بشر کے دل کو اجاڑ دیا تھا۔ جہاں اس نے کئی خوبصورت خواب دیکھے مگر حقیقت کچھ بھی نہ ہو سکا۔

"کتنے اچھے طریقے سے ہو رہی ہے انکی شادی۔" بشر کے ساتھ ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں پہ بیٹھی عروج بولی۔ "اور ایک تم تھے۔ ساری شادی میں پھولے ہوئے سیب کی طرح منہ بنا رکھا تھا۔" وہ گلابی رنگ کے کامدار جوڑے میں ملبوس تھی۔ سر پہ دوپٹہ ٹکا رکھا تھا۔ اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن۔

"کیا ہی اچھا ہوتا کہ تمھیں سیب پسند نہ ہوتا۔" بشر بڑبڑایا۔ عروج ڈھٹائی سے مسکراتی رہی۔

"سیب میرا فیورٹ ہے۔" وہ بشر کے چہرے پہ نظریں جما کر جتاتے ہوئے بولی۔ پھر نظروں کا زاویہ گھما لیا۔ "تم نے تو ایک بھی تصویر میرے ساتھ نہیں اتاری بشر۔ میں ہمارے بچوں کو کیا دکھاؤں گی؟"

"مجھے یقین ہے ہمارے بچے اتنے چھچھورے نہیں ہوں گے، کہ انکو ہماری شادی کی تصاویر کی فکر رہے۔" اس نے نیٹ فلکس کھول لیا۔ دیکھے تو ذرا کونسی نئی فلم آئی ہے۔

"بشر اس طرف دیکھو تو سہی ناں۔ وہ دیکھو کتنے اچھے پوز ہیں۔" وہ اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر تندہی سے بولی۔ بشر نے ایک گہری بےزار سانس لی اور اسٹیج کی طرف دیکھا۔ وہ منظر دیکھ اسکی نگاہیں ساکت ہو گئیں۔ اگلے چند لمحے وہ پلک تک نہ جھپک سکا۔ کئی لمحے بشر حاکم نے اپنے دل کو ساکن پایا۔

لالہ رخ سرمئی کامدار جوڑے میں ملبوس بالوں کو کھولے، کانوں میں بڑے بڑے آویزے پہنے دولہا کو پھول دے رہی تھی۔وہ آج بھی ویسی تھی۔اسے دیکھ کر آج بھی زندگی کا گمان ساہوتا تھا۔اسے دیکھ کر آج بھی دل پہلے کی طرح رکا تھا۔بشر یک ٹک اسے دیکھے گیا۔پلک جھپکنا، سانس لینا یہ سب ثانوی تھا۔جو منظر اسکی آنکھوں کے آگے تھا،اس کے آگے سب کچھ ثانوی تھا۔

''اچھا اب بس ادھر دیکھو۔اتنے بھی اچھے پوز نہیں ہیں۔'' عروج نے اس کے احساسات سے بے پرواہ اسکارخ اپنی طرف موڑا۔

بشر کا بے اختیار جی چاہا تھا کہ وہ ایک بار پھر پلٹ کر دیکھے۔مگر دل پہ بند بٹھانا اسے خوب آتا تھا ہاں مگر۔اسکی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''ہم جب اپنے بے بی کا عقیقہ کریں گے،تب اس سے اچھا فنکشن کریں گے۔فکر مت کرو۔'' وہ بشر کے فق ہوتے چہرے کو دیکھ سادگی سے بولی۔وہ پھیکا سا مسکرا دیا۔دل کے زخم اتنی بری طرح ادھڑیں گے اسے اندازہ نہیں تھا۔

کھانا کھل گیا تو عروج بشر کے دوست کی بیوی کے ساتھ اٹھ کر کھانا لینے چل دی۔بشر نہیں جاسکا۔جانے کیوں اسے لگا تھا وہ ہل نہیں سکتا۔اسکا دوست اسے دیکھ کر تاسف سے سر ہلانے لگا۔

''تمھیں پتہ ہے لالی کی طلاق ہوگئی ہے۔شوہر شک کرتا تھا۔مارتا بھی تھا۔ایک بار تو پورا بازو تیزاب سے جلا دیا۔'' بشر خاموشی سے سنتا رہا۔

''پچھلے دنوں مجھ سے تمہارا نمبر مانگا اس نے۔میں نے بتایا کہ تم بھی شادی میں آرہے ہو۔تم نے اسے چھوڑ کر ظلم کیا، بشر۔'' وہ اب بھی خاموش رہا۔لالہ رخ پہ گواپ کرنا کیا تھا یہ کوئی بشر حاکم کے دل سے پوچھتا۔اس نے زندگی میں پہلی اور آخری خواہش لالہ

رخ کی، کی تھی۔اس کے بعد تو جو ملا دل پہ نہ لگا۔ ابا نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔اتنی کہ بشر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ وہ لالہ رخ کو ابا کے عتاب سے بچا لینا چاہتا تھا۔ بچا لیا مگر دل مر گیا۔

ذرا سے فاصلے پہ رکھی میز کی طرف آؤ تو لالہ رخ یاسیت سے بشر کو دیکھ رہی تھی۔اس کے خوبصورت چہرے پہ افسردگی کے رنگ تھے۔ کئی لمحے وہ خاموشی سے بشر کو دیکھتی رہی۔ نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے بشر کا جی چاہا تھا ایک بار پھر اسے دیکھے مگر مجال ہے جو اس نے نظر اٹھائی ہو۔ چند پل بعد لالہ رخ نے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے۔ بشر اب میز پہ اکیلا تھا۔ وہ بات کرے گی، وہ پہل کرے گی۔ پہلے سے راہ ورسم نہ سہی، شاید دوستی ہی رہ جائے۔ بشر نے اسے آتے دیکھا اور پھر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا۔ ذرا سے فاصلے پہ آتی عروج کے پاس گیا۔ لالہ رخ کے قدم تھم گئے۔ آنکھیں شاکی انداز میں پھیلیں۔

وہ اب اپنی بیوی کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر ویٹر کو تھما رہا تھا۔ اور اسے چند ہدایات دے رہا تھا۔ وہ آئل اور چکنائی سے بھرا کھانا اسے نہیں کھانے دے سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہ اسے کرسی پہ بٹھا رہا تھا۔ لالہ رخ کو اندازہ ہوا کہ بشر اسکی پہنچ سے دور تھا۔ بشر کو اندازہ ہوا کہ عروج اس کا سکون تھی۔ اسکی تابعدار بیوی، اس کے ہونے والے بچے کی ماں۔ شادی صرف محبت سے تھوڑے ہی چلتی تھی، شادی تو احساس، تحفظ، سکون سے چلتی ہے۔

وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ عروج خفا خفا چہرے کے ساتھ سنتی رہی پھر ہنس پڑی۔ بشر کے اندر تک تقویت اتری۔ ایک شادی کو مکمل ہونے کے لئے محبت کی ضرورت نہیں ہوتی یہ بشر کو آج معلوم ہوا تھا۔ اس نے مڑ کر لالہ رخ کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی پلٹ گئی۔ بشر کے دل میں کئی سالوں سے چبھی ایک پھانس نکل گئی تھی۔ ہاں لالہ رخ آج بھی اسکی محبت تھی۔ اسے دیکھ کر آج بھی جی

چاہتا تھا کہ دیکھا جائے۔ مگر اسے حیرت نہ ہوئی کہ وہ عروج کے ساتھ وفادار تھا۔ اسکا خیال رکھتا تھا۔ اور اس کے ساتھ پر سکون رہتا تھا۔ کیونکہ وہ اسے سکون دیتی تھی۔

لالہ رخ کا قفس ٹوٹ چکا تھا اور بشر اب آزاد تھا۔

بالاج واپس آسکتا ہے یہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اس سڑک سے بھاگتے ہوئے وہ اندھا دھند قیسم کی جانب بھاگی تھی۔ گراؤنڈ فلور کی بنچ پہ گردن جھکا کر بیٹھی زینیا حاکم کے بدن سے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ جو اس نے دیکھا تھا وہ کیا تھا؟ جو اس نے سنا کیا وہ کوئی سراب تھا؟ کوئی الوژن سا اس نے بہ دقت اٹھنے کی کوشش کی مگر اسے لگا وہ نہیں اٹھ سکتی۔

دل اب تک بے تحاشا دھڑک رہا تھا۔ دسمبر کی سردی میں بھی اسے بے تحاشا گرمی محسوس ہوئی۔ دفعتاً اسے وہیل چیئر کے پہیوں کی آواز قریب محسوس ہوئی۔ زینیا نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ مقصود اس کے سامنے تھے۔

"وہ۔۔۔۔"

"صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔" زینیا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑے۔

"مجھے فرق اس سے پڑتا ہے کہ اگلی بار اگر کوئی مقصود کمبیر وہاں نہ ہوا تب تم کیا کرو گی؟" زینیا خاموشی سے لب کاٹنے لگی۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا وہ کیا کرے گی۔

''اس نے طلاق دی یا تم نے لی تھی؟'' وہیل چیئر کا بٹن دبا کر وہ قریب آئے۔ ایک کشش تھی جو انہیں روک کر اس لڑکی سے بات کروا رہی تھی۔ زینیا نے جواب نہیں دیا۔ گردن جھکائے بیٹھی رہی۔

''میں جانتا ہوں میں تمہارا باس ہوں۔ صرف باس۔ یقیناً تم یہ بات اپنی کسی دوست سے شیئر کرو گی لیکن تمھارے دوستوں کے پاس میرے جتنا تجربہ نہیں ہو گا۔''

''کیا آپ ہر ایمپلائی کے طلاق اور بریک اپ کے قصے سنتے ہیں یا میں اسپیشل ہوں؟'' گردن اٹھا کر وہ سختی سے بولی۔

''کیا تم ہر باس کو سڑک پہ گزرتے ہوئے اپنا ریلشن شپ سٹیٹس بتاتی ہو یا میں اسپیشل ہوں؟ قیس کو بتایا ہے کہ وہ تمہارا شوہر ''**تھا**''؟'' ایک پل کو زینیا شل رہ گئی۔ مقصود کے تاثرات اب بھی برف جیسے تھے۔ جانے وہ آخری بار کب مسکرائے ہوں گے۔ وہ جتا رہے تھے کہ وہ یہاں خود نہیں آئے زینیا نے انہیں بلایا ہے۔

''اس نے بے وفائی کی تھی اور۔ میں غصے میں تھی۔ شاکڈ بھی۔ میں نے اسے کہا مجھے طلاق دو اور۔۔۔۔۔۔''

''تم اوور کانفیڈینٹ تھیں۔'' جانے اس آدمی کو لوگوں کی باتیں کاٹ کر کیا سکون ملتا تھا۔

''شاید محبت، شاید مجبوری مگر تمہیں لگا ہو گا وہ تمھیں چھوڑ نہیں سکتا۔ تلخ مگر حقیقت ہے مرد ہمیشہ بہتر آپشن چنتا ہے۔'' کندھے اچکائے۔

''یعنی مرد خود غرض ہوتا ہے؟'' مقصود نے نفی میں سر ہلایا۔

''مرد پریکٹیکل ہوتا ہے۔ عورتوں کی طرح وہ سارا سارا دن خاندانی سیاست میں نہیں بلکہ دنیا کی تیزی اور ترقی کی رفتار کے ساتھ گزارتا ہے۔ ہر دن اسے جذبات پرے رکھ کر کچھ فیصلے لینے ہوتے ہیں۔ اور انہی فیصلوں نے اسے پریکٹیکل بنا دیا ہوتا ہے۔ جب مرد کو چناؤ کا موقع دو، تو یہ دھیان میں رکھنا ہوتا ہے کہ آپ بہتر آپشن ہیں۔'' زینیا کے دل پہ کسی نے تھپڑ دے مارا تھا۔ چند پیسے اس جیتی جاگتی عورت سے زیادہ اہم تھے؟ بس چند پیسے؟

''یعنی یہاں میں غلط تھی؟'' اسکی آنکھیں بھر آئیں مگر اس نے کمال ہمت سے سارے آنسو پی لئے۔

''میں اتنے دن اس حقیقت سے بھاگتی رہی لیکن یہ سب میرا قصور تھا۔''

''جسے لگتا ہے شادی صرف ایک فریق کے قصور سے ٹوٹی وہ دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ ہر شادی کے ٹوٹنے میں قصور دونوں کا ہوتا ہے۔ اگر ایک پارٹنر وکٹم بھی ہے تو اس نے اپنی حد سے زیادہ ظلم سہا یہ قصور تھا۔ ہر شادی قصور سے تو نہیں ٹوٹتی کچھ شادیوں کا ٹوٹنا بخت بھی ہوتا ہے۔'' زینیا بس انہیں دیکھتی رہی۔

''اگر طلاق کا مطالبہ تمہارا قصور تھا مان لیا مگر کیا اس کے سابقہ رویے اچھے تھے؟ کیا وہ ایسے تھے جن کے ساتھ ساری زندگی گزار دی جاتی؟'' وہ پوچھ رہے تھے اور زینیا کو یاد کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔

''تم اسلام آباد صرف عبداللہ کے لئے آئی تھیں ناں؟''

''تم فوٹو گرافی چھوڑ دو، زینیا۔''

''تم انسانوں کو نہیں بھولتی ہے ناں؟ تم عبداللہ کو کیوں نہیں بھولتی زینیا؟''

وہ اسکا گلہ دبا رہا تھا، بال مٹھی میں دبوچ رکھے تھے، وہ اس کے بازوؤں کو اپنی آہنی جکڑ میں لئے ہوئے تھا۔ اس نے زینیا کو فرش پہ دھکا دیا تھا۔ اور بس اس سے زیادہ وہ سوچ بھی نہ سکی۔

''اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا تاکہ مجھے خاموش کروا سکے۔'' الفاظ بہ دقت زینیا کے لبوں سے ادا ہوئے۔ مقصود نے گہری سانس لی۔

''ایک بات یاد رکھنا مرد کا ہاتھ جب ایک بار اٹھ جائے پھر رکتا نہیں ہے۔ ایسا مرد بے قابو ہوتا ہے۔ بات نہ ماننے پہ بھی مارے گا، زرا ذرا سی غلطی پہ بھی مارے گا وہ۔۔۔۔''

''وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ بہت اچھا تھا۔'' زینیا نے ہلکی آواز میں کہا۔ ''وہ غلطی کے بعد واپس پلٹ آتا تھا۔ **(اسے ہاسٹل کے باہر کھڑا بالاج نظر آیا۔)** وہ مجھے خوش رکھنے کے جتن کرتا تھا۔ **(اسے اپنے ساتھ ریستوران میں بیٹھا بالاج نظر آیا۔)** وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ **(اسے فون کال پہ کئے بالاج کے اظہار یاد آئے۔)** وہ اچھا تھا بہت اچھا مگر مجھے نہیں پتہ وہ اسکی کون سی سائیڈ تھی جب اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔'' عورت ہو چاہے مرد بریک اپ اور طلاق کے بعد اسے لگتا ہے اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ ہاں ٹھیک ہے اس کے پارٹنر کے ساتھ کچھ مسائل تھے، مگر وہ اچھا بھی تو تھا۔

''انسان کا اصل وہی ہوتا ہے جو وہ طاقت یا پھر غصے میں ظاہر کرتا ہے۔'' زینیا ایک پل کے لئے سانس نہ لے سکی۔ بالاج کے پاس اس روز طاقت تھی۔ پیسے کی طاقت۔

''یوں تو میں بھی تمھارے ساتھ اچھا رہ سکتا ہوں۔ لیکن میرا اصل وہی ہو گا جو غصے یا جھگڑے کے دوران نظر آئے گا۔ جو الفاظ میں تب کہوں گا وہ حقیقت ہو گی باقی سب جھوٹ۔ میں نہیں جانتا اس نے اس روز تم سے کیا کچھ کہا، لیکن جو بھی کہا وہ سچ ہو گا یہ یقین

رکھنا۔ ہر عورت شوہر کی بے وفائی کے بعد دو طرح کے ری ایکشن دیتی ہے۔ یا اپنے راستے جدا کرنے کا، یا پھر خاموشی۔ تم جذباتی تھیں تم نے طلاق کا فیصلہ لیا۔ وہ مرد تھا جب مار سکتا تھا تو خاموشی سے چھوڑ کر بھی جا سکتا تھا۔ مرد اسی لئے افضل ہے، کہ اسے آن دی اسپاٹ درست فیصلہ لینا ہوتا ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ چند پل زینیا کی طرف سے کچھ کہنے کے منتظر رہے، مگر جب وہ کچھ نہ بولی تب مقصود وہیل چیئر کا بٹن دباتے آگے بڑھ گئے۔

"آپ پلیز کسی سے کچھ کہیے گا مت۔" مقصود نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہمارے درمیان کوئی بات بھی ہوئی ہے؟" وہ اتنی سنجیدگی سے بولے کہ زینیا کا دل ہلکا ہو گیا۔ ساتھ ساتھ یہ یقین بھی آ گیا کہ سارے کمبیر آدھے پاگل ہیں۔ یہ والا تھوڑا زیادہ ہی۔

"قیس سر تمھیں اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" فوٹو گرافرز کے گروپ کے ساتھ تصاویر ایڈٹ کرتے ہوئے اسے اپنے دن کا سب سے غیر متوقع جملہ سننے کو ملا تھا۔ کیمرہ اور لیپ ٹاپ سنبھال کر بیگ میں ڈالتے ہوئے وہ اوپری منزل پہ چلی آئی۔

گلاس وال والے آفس کا حشر خراب ہو چکا تھا۔ زینیا دروازے پہ رک گئی۔ قیس سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یکدم اسے وہ رات یاد آئی۔ وہ کسی کے سامنے کمزور کیسے پڑ سکتا ہے؟ بے اختیار آنکھیں چرا گیا۔

"دو دن پہلے رات کے گیارہ بجے آپ میرے آفس میں کیا کر رہی تھیں، زینیا صاحبہ؟" قیس کے بے لچک، بے تعلق انداز پہ وہ ٹھٹھکی۔

''کیا مجھے خود کو دہرانا ہوگا؟آپ کو ایک بات سمجھ نہیں ہے آتی؟''زینیا کے جواب نہ دینے پہ وہ ضبط سے بولا۔زینیا نے نظریں اطراف میں دوڑائیں۔حدیبیہ،براق،زارا ڈار،اور قیس۔وہ ان تمام لوگوں کے درمیان کیا جاننا چاہتا تھا۔کیا زینیا بتا دیتی کہ اس رات قیس اپنا ماضی کھول بیٹھا تھا؟

''آپ کیا جاننا چاہتے ہیں مجھے وہ بتائیں۔''

''میرے آفس سے بی قیو کلیکشن کے visuals غائب ہیں۔میرے کف لنکس اور میری اسکیچ بک۔میری اسکیچ بک کتنی قیمتی ہے آپ جانتی ہیں؟''مارے شاک کے زینیا کچھ کہہ ہی نہ سکی۔براق نے تاسف سے قیس کو دیکھا تھا۔

''کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ نے میرے آفس میں چوری کیوں کی؟''الفاظ زینیا کے دل پہ لگے تھے۔وہ چہرہ اٹھائے بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی،زینیا چور نہیں ہے۔''اسکی آواز سرسراتی ہوئی تھی۔

''قیس وہ کہہ رہی ہے اس نے چوری نہیں کی اب بس۔۔۔''براق کو اس لڑکی پہ ترس آیا۔

''لیکن سی سی ٹی وی میں مس زینیارات کے گیارہ بجے اندر گئی تھیں،اور بارہ بجنے سے پہلے واپس آئی تھیں۔پورے پینتالیس منٹ کی سی سی ٹی وی بھی غائب ہے۔جاتے ہوئے زینیا حاکم کے پاس جو بیگ تھا وہ اتنا پھولا ہوا نہیں،مگر واپسی پہ بیگ میں کافی سارے سامان تھے۔بیگ بھرا ہوا تھا۔؟''زارا وہ واحد ورکر تھی جس نے زینیا کو اندر جاتے دیکھا تھا۔زینیا جانتی تھی،حدیبیہ جانتی تھی اس بیگ میں کیا تھا مگر وہ خاموش رہی۔

''کیا تمھارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ ہے؟'' یہ ہو بہو وہی الفاظ تھے جو قیس نے ایک مرتبہ پارک میں کھڑے ہو کر کہے تھے۔ زینیا کو وہی ٹھنڈی پستول کی نال اپنی گردن پہ محسوس ہوئی۔ تب خوف آیا تھا آج دکھ ہوا تھا۔ وہ چور تو نہیں تھی۔

''مس، زینیا آپ بتائیں آپ کیوں آئی تھیں؟'' براق نے اسکی حوصلہ افزائی کی۔ زینیا نے گہری سانس لی۔

''میں قیس سر کو ڈیمو کے لئے لی جانے والی تصاویر دکھانے آئی تھی۔'' زندگی میں پہلی بار اسے معلوم تھا آج وہ سچ کہہ کر بھی جھوٹی کہلائے گی۔

''لیکن ڈیمو کی تصاویر تم نے ہمیں اگلے دن دکھائی تھیں۔ اور بلفرض اگر تم تصاویر دکھانے آئی تھیں تو پندرہ منٹ کا کام پینتالیس منٹ تک کیوں چلتا رہا؟'' قیس بامشکل صابر رہا تھا۔ زینیا کا جی چاہا تھا بتا دے کہ قیس کمبیر صاحب کو پینک اٹیک ہوا تھا۔ اینیور سری ٹراما کا مریض کچھ کہتا نہ تو پھٹ پڑتا۔

اس وقت پینتالیس منٹ تک وہ بغیر جج کئے، خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ کیونکہ یہ انسانیت کا فرض تھا۔ اور اس وقت چار لوگوں کے درمیان وہ اس طرح اسکی بیماری کا ذکر نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ جس علاقے سے آئی تھی وہاں لوگوں کے راز کھولنا برا سمجھا جاتا تھا۔

''آئی ایم سوری مگر میں اتنی دیر یہاں کیوں تھی یہ نہیں بتا سکتی۔''

''تمہیں یہاں سے نکالا جا سکتا ہے، مس زینیا۔'' قیس نے وارن کیا۔ زینیا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''میں نکلنا پسند کروں گی، غیر انسانی رویہ نہیں۔ یہاں کھڑا ہر شخص جانتا ہے زینیا چور نہیں ہے۔''

"تمام ثبوت اور گواہ آپ کے خلاف ہیں، لیکن میں پھر بھی آپ کو ایک موقع دیتا ہوں۔ ایک موقع سچ کہنے کا۔ اگر آپ مجھے کوئی بھی وجہ بتائیں تو میں اپنے تمام الزام واپس لینے کو تیار ہوں۔" یہ زندگی واپس ملنے والا چانس تھا۔ مگر او نہوں انسان بھوک کے پیٹ مرے مگر بے وقار ہو کر نہیں۔

"میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ سوائے اس کے کہ زینیا چور نہیں ہے۔" اس نے اپنے الفاظ پہ زور دیا۔ گردن کڑائے رکھی۔

"آپ میں سے کسی نے بھی مجھے یہاں سے کچھ اٹھا کر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ سب مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں، آپ سب سمجھ رہے ہیں کہ میں چور ہوں مگر صرف میں جانتی ہوں

I am trapped..."

اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے کسی نادیدہ ہستی کو شاباش دی تھی۔

"آپ کو ٹرمینیٹ کیا جاتا ہے، مس زینیا۔" قیس نے اعلان کیا۔ حدیبیہ رخ پھیر گئی۔ زینیا کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔ وہ ضبط کیئے کھڑی رہی۔ گردن نہیں جھکی۔ "آپ کی ساری پیمنٹ ضبط کی جاتی ہے۔ آپ کی سی وی میں ایک داغ ہو گا۔ اگر آپ آج رات تک سچ سامنے لے کہ آئیں تو ٹھیک ورنہ ہم ذمہ دار نہیں۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔" وہ باہر نکل آئی۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ وہ چار لوگوں کے درمیان یوں کیسے کر سکتا تھا۔

کئی لمحے وہ یونہی ساکن اور شل سی کھڑی رہی۔ کئی لمبی گہری سانسیں لیں۔ وہ مر کر بھی نہ بتاتی اس رات کیا ہوا تھا۔ چاہے وہ اس پہ چوری کا الزام لگائے۔۔۔۔ ایک منٹ چوری؟ یکدم اس کے ذہن میں کچھ کلک ہوا۔

قیس چاہے جتنا برا سہی، وہ قیسم کا مالک تھا۔ وہ لوگوں کو بغیر تجربے کے نوکری دیتا تھا۔ وہ لوگوں کے کمفرٹ کے لئے فار میلٹیز نہیں رکھتا تھا۔ کیا وہ اسے اس طرح جھوٹے الزام میں پھنسا سکتا تھا؟ وہ گارڈڈ پرسنالٹی (guarded personality کا مالک تھا۔ ایسے لوگ اپنے ارد گرد ایک حفاظتی دیوار قائم رکھتے ہیں۔ اپنے کمفرٹ میں کسی کو گھسنے نہیں دیتے۔ مگر وہ تاریں خار دار نہیں ہوتیں۔

نہیں۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ ہر گز نہیں۔ یہ کوئی الزام نہیں تھا۔

چوری ہوئی تھی، اور زینیا ٹریپ کی جا چکی تھی۔ واپس آفس میں آؤ تو حدیبیہ کڑی نظروں سے قیس کو دیکھ رہی تھی۔ باقی سب ایک ایک کر کے جا چکے تھے۔

''آپ نے اسے کیوں نکالا باس؟ زینیا چور نہیں ہے۔''

''سارے ثبوت اس کے خلاف ہیں۔ آنکھوں دیکھی کو جھٹلانا بے وقوفی ہے۔''

''آپ کو واقعی لگتا ہے کہ آپ نے اسے چوری کے الزام میں نکالا ہے۔؟'' تمسخرانہ انداز۔ قیس نے لب بھینچ لیے اسی پل زینیا اندر آتی دکھائی دی۔ اس نے گردن تان رکھی تھی۔ آنکھیں کسی ملکہ بد کی آنکھیں تھیں۔

''مجھے آج شام تک کا وقت چاہیے اور چور آپ کے سامنے ہو گا۔ اتنا تو میرے لئے کیا جا سکتا ہے ناں؟'' قیس چند پل بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر اوکے شیور کہہ کر سامنے بیٹھنے کو کہا۔ زینیا نہیں بیٹھی۔

"مجھے مس حدیبیہ کی مدد چاہیے مل سکتی ہے؟" ابھی قیس منع کرتا کہ وہ خود "او کے شیور کہتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی۔ قیس نے کوئی رد عمل نہ دیا۔ وہ یوں کسی پہ الزام نہیں دھر سکتا تھا۔

وہ حدیبیہ کے ساتھ کنٹرول روم چلی آئی تھی۔ سی سی ٹی وی پہ مختلف فوٹیجز دیکھتے ہوئے وہ کچھ پوائنٹس نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ دفعتاً ایک فوٹیج پہ وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔ پوائنٹس نوٹ کیے اور آگے بڑھی۔ حدیبیہ سے اس نے ان لوگوں کی تفصیلات پوچھی تھیں، جن سے پچھلے چار ماہ کے دوران کوئی مسئلہ یا چپقلش رہی تھی۔ البتہ فوٹیج اس نے محض تین دن کی دیکھی تھی۔ ایک چوری والا دن، دوسرا چوری سے پہلے والا دن۔ اور تیسرا چوری سے اگلا دن۔

ان تین دنوں میں قیس کسی باہر کے آدمی سے نہیں ملا تھا، سوائے قیسم کے ڈیزائنرز کے۔ سارا دن وہ آفس میں یہاں سے وہاں پھرتی رہی۔ رات کے دس بج رہے تھے جب اس نے اپنی چائے کا آخری گھونٹ لیا اور اٹھ کر قیس کے آفس کی راہ لی۔ تکان زدہ چہرہ، بکھرے بال اور درد سے اکڑتی کمر۔ وہ ایک دن میں دوسری بار اس کے سامنے تھی۔ پہلی بار وہ اسے کھڑا کر رہی تھی اور اس وقت خود کو۔

"تو پھر، مس زینیا حاکم عرف جیمز بانڈ نے چور کا پتہ لگا لیا؟" اندر داخل ہوتے ہی قیس نے طنز کیا تھا۔

"جی بلکل۔ کم از کم میں نے لوگوں پہ الزام لگانے کے بجائے تحقیق کرنا مناسب سمجھا۔ اور اس تحقیق میں مجھے معلوم ہوا کہ چور آپ ہیں۔"

قیس کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ حدیبیہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ دیواروں نے فوراً کسی ذہنی امراض کے ڈاکٹر کو کال ملائی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے؟ یا پھر نوکری چھوٹ جانے کے غم میں پاگل ہوگئی ہو؟'' وہ تحیر سے فقط اتنا بولا۔

''میرے پاس ثبوت ہیں۔ لیکن میں انہی چار لوگوں کے درمیان بولوں گی، جن کے سامنے آپ نے مجھے ذلیل کیا تھا۔'' اس نے گردن موڑ کے حدیبیہ کو دیکھا۔ وہ بغیر کہے قیس کا حکم سمجھتی تھی۔

زاراڈار کو بلایا گیا، حدیبیہ یوں بھی موجود تھی جبکہ براق حنیف کو ویڈیو کال کی گئی۔ ہر کوئی اپنی جگہ پہ کھڑا اس تماشے کے شروع ہونے کے انتظار میں تھا۔

زینیا اپنی جگہ سے اٹھی لیپ ٹاپ پہ چند بٹن دبائے، اور ایک فوٹیج چلنے لگی۔ قیس کال پہ بات کرتا ہوا عجلت کے عالم میں قیسم سے باہر گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ جب پیچھے سے ملازم نے آ کر اپنے ہاتھ میں اٹھائی فائلز کی بابت پوچھا۔ قیس نے ہاتھ کے اشارے سے فائل ڈرائیور کو دینے کا کہا۔ ایک اسکیچ بک، ایک فائل، اور ایک کف لنکس کی ڈبیا۔ لاکھوں کی مالیت کا سامان اسے بیگ میں ڈالنے کی فرصت بھی نہ ملی تھی۔

اگلی ویڈیو اگلے دن کی تھی، جس میں صبح کے وقت قیس آفس آ رہا تھا اور اس کے ملازم کے ہاتھ میں سوائے اس کے لیپ ٹاپ بیگ کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ چوری کا دن تھا۔ مگر اس دن چوری ہو بھی کیسے سکتی تھی جس دن فائلز آفس آئی ہی نہ تھیں؟

''اب یہ دیکھیں یہ تیسرے دن کی ویڈیو ہے۔'' وہ قیسم کے داخلی دروازے کی ویڈیو پہ انگلی سے نشاندہی کر رہی تھی۔

''یہاں آپ اپنے پچھلے ڈرائیور کے ساتھ نہیں آئے۔ جس دن آپ نے اسے فائلز دیں اس کے اگلے دن اور اس سے اگلے دن آپ الگ گاڑی میں آئے ہیں۔ حدیبیہ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کا ڈرائیور چھٹی پہ ہے۔ جس دن آپ نے اسے فائلز دی تھیں، اسی

دن جب وہ گاڑی سروس کروانے لے گیا تھا اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔'' وہ کہہ کر رکی۔ قیس نے کھٹ سے لیپ ٹاپ کی سکرین گرائی۔

''اب ایک آخری ثبوت۔''

زینیا نے حدیبیہ کی طرف ہاتھ پھیلایا، اس نے چند بٹن دبائے اور ایک ریکارڈنگ چلنے لگی۔

وہ ریکارڈنگ جس میں حدیبیہ قیس کے ڈرائیور سے بات کر رہی تھی۔ ''جی میڈم۔۔۔۔جی جی قیس صاحب کی کاپیاں اور بٹن **(لفظ کاپیاں اور بٹن پہ قیس کھول کر رہ گیا)** میں نے سنبھال کر رکھی ہیں۔ میں کل اپنے بیٹے کے ساتھ بھجوا دوں گا۔'' قیس اب مطمئن لگتا تھا۔ زینیا کے چہرے پہ بھی آسودگی پھیلی۔ براق چند لمحے سوچتا رہا۔

''لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم قیس کے آفس میں کیا کر رہی تھیں؟'' فون کے پار سے اسکی آواز گونجی۔ قیس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ اسے دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ جہاں باقی سارے سچ کھلے تھے وہاں زینیا اسکی ذہنی بیماری کے بارے میں بھی بتائے گی۔ ضرور بتائے گی۔ وہ اسے نکال رہا تھا پھر وہ کیوں اس کا پردہ رکھے گی۔ اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''مجھے مشینیں پسند ہیں، اور اس دن قیس سر کے آفس کا کافی میکر خراب تھا۔ میں خود کو روک نہیں پائی اور اسے کھول دیا۔ بس وہیں وقت لگ گیا۔ اور میرے بیگ میں واپسی کے وقت میرا کیمرہ تھا۔'' متانت سے کہتے وہ اپنی جگہ سے اٹھی، بیگ اٹھایا۔ میز پہ رکھا ٹرمینیشن لیٹر اٹھایا۔

''امید ہے اب ہم کلئیر ہیں۔'' اور وہاں موجود تمام نفوس نے اسے دروازہ کھولتے، پھر راہداریوں میں قدم اٹھاتے دیکھا۔ قیس اسے دیکھ نہ سکا۔ اسے لگا تھا اب وہ زینیا سے نظر نہیں ملا سکے گا۔ قیسم اور زینیا کا باب ختم ہوا کیا واقعی؟

قیسم کی اونچی عمارت کی چھت پہ آؤ تو تیز ہواؤں کے تھپیڑے جسم کو سن کئے دیتے تھے۔ یہاں کئی تاریں، ڈبے، پائپ بکھرے ہوئے تھے۔ چار دیواری چھوٹے قد کی تھی۔ سارے کاٹھ کباڑ کے درمیان ایک صوفہ رکھا تھا۔ شیشے کی میز بھی اور ان پہ رکھے قیس کمبیر کے سگار بھی۔ جو کہ ان چھوئے رکھے تھے۔ وہ صوفے کے ہتھے پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ ٹانگیں پھیلا رکھی تھیں۔ سخت سردی کے موسم میں وہ صرف ایک سفید ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ یہاں سے اسلام آباد کے پہاڑوں پہ لگی روشنیاں، شہر کی چمک نظر آتی تھی۔ وہ افسردگی سے آسمان کو تک رہا تھا۔ یک ٹک، بغیر تھکے۔ سیاہ رات میں وہ سفیدی کا منبع تھا۔

''کیا آپکو، واقعی لگتا ہے وہ چور تھی؟'' عقب سے آواز آئی۔ کوئی اسکی طرف آرہا تھا۔ قیس نے گہری سانس لی۔

''تم آگئی؟ تم ہر بار آجاتی ہو۔'' آہستہ سے کہا۔ تکان سے۔ ''یہ کون کمبخت تمھیں ساری خبریں دیتا ہے؟'' وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ یوں کہ کمر صوفے سے ٹکادی۔ بازو سینے پہ باندھ لئے۔

''مجھے خبریں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ کا چہرہ پڑھنا آتا ہے باس۔'' اس نے ہاتھ میں لی ہوئی گرم شال اس کے گھٹنوں پہ ڈال دی۔

''اور وہاں جلی حروف میں لکھا ہے۔بے وقوف قیس۔''اس نے اپنا مذاق اڑایا۔دسمبر کی سرد رات اس کے سارے وجود پہ برف چڑھائے ہوئے تھی۔

''جہاں جلی حروف میں لکھا ہے ''**انسان**۔''اس نے تصیح کی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔کیا وہ آپ کو واقعی چور لگی تھی؟''وہ صوفے سے لگ کر نیچے بیٹھ گئی۔

''ظاہر ہے،سارے ثبوت اس کے خلاف تھے۔میرے لگنے یا نہ لگنے سے کیا ہوتا ہے؟اور میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی،اگر ہوتی تو میں کبھی بھی اسے فری ٹرائل کا حق نہ دیتا۔میرے سامنے جو ثبوت آیا میں نے اسے مانا ہے،حبیب۔'' اس نے جھنجھلا کر کہتے ہوئے میز سے ایک سگار اٹھالیا۔

''آپ ثبوتوں اور گواہوں کو کب سے ماننے لگے؟آپ حق اور سچ کے علمبردار کب ہوئے۔یہ آپ کا اصل نہیں ہے باس۔آپ نے ہمیشہ وہ فیصلہ کیا ہے جسے عقل نے مانا،شعور نے سمجھا۔آج جو کچھ آپ نے کیا وہ آپ سے آپ کے اندر کے قیدی نے کروایا ہے۔''

''آخری اطلاعات تک میں تمہارا باس تھا۔تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتیں۔''اس نے سگار لبوں کے درمیان دبایا۔حدیبیہ نے سگار کو آگ کا شعلہ دکھایا۔

''آپ نے اسے نکالنا چاہا آپ نے جو دیکھا اسے سچ ماننے کی اداکاری کی کیونکہ آپ زنیا سے ڈرتے ہیں۔کیونکہ آپ نے اس رات اپنی ذات کا ایک حصہ اس پہ کھول دیا ہے۔آپ کو لگتا ہے آپ اس کے سامنے کمزور پڑے ہیں،اس لئے اب اسکو آپ کے سامنے

نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ہر معملے کی جانچ خود کرتے ہیں باس لیکن یہاں زاراڈار کی گواہی اہم ہو گئی؟ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ آپ کے پورے جسم پہ انا کا قفس چڑھا ہے۔ جھوٹی مضبوطی کا۔ اندر سے آپ موم جیسے ہیں۔ شعلہ دکھاؤ اور پگھل جاؤ۔" تفصیل سے کہتے ہوئے اس نے ایک سگار اٹھا کر لبوں میں دبایا۔

"اگر میرے اوپر کوئی قفس ہے بھی تو کسی کو حق نہیں تھا کہ اسے توڑنے کی کوشش کرے۔" اس نے حدیبیہ کے ہاتھ سے سگار لے کر نیچے پھینک دیا۔ "مضر صحت ہے۔"

"لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔" وہ زینیا کا دفاع کرنے لگی۔

"کولیسٹرول ڈیمج یو نو۔" تاسف سے کہا جیسے واقعی افسوس ہوا ہو۔

"ہر قفس کے کھلنے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جانتی ہوں آپ کو خدا پہ اتنا یقین نہیں ہے مگر اس نے ہر شے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ انسانوں کے دماغ، دل اور زبان پہ اس کا اختیار ہے۔ آپ کا دل بوجھل تھا۔ آپ کی زبان پہ قفس تھا۔ جسے اللہ نے کھول دیا۔ اس پہ آپ کا اختیار نہیں تھا۔ جو آپ نے کیا وہ ایک نارمل ایکشن تھا۔ بے اختیار سا۔"

"لیکن اسے اختیار تھا کہ وہ مجھے نہ سنتی۔۔۔ اسے اختیار تھا کہ وہ چلی جاتی۔ اسے اختیار تھا کہ۔۔۔"

"آپ کو بھی اختیار تھا کہ جب وہ ڈر گز کا بیگ لے کر آپ کے گھر آئی تھی اسے نکال دیتے۔" حدیبیہ کی ایک سطر قیس کو جمی ہوئی برف کی طرح دل پہ لگی۔ اتنی زور سے کہ دل دہل اٹھا۔

''آپ کو بھی اختیار تھا کہ اس روز اسے اپنے گھر کے خفیہ خانوں کے راز نہ دیتے۔اس کے لئے پولیس سے جھوٹ نہ بولتے، پارک میں آنے والی ایک کال پہ یوں پریشان ہو کر لاکھوں روپے نہ لٹا دیتے۔آپ نے اس کے لئے سب کیا۔آپ اس کے معملے میں بے اختیار رہے، پھر آپ کو یہ کیوں لگتا ہے کہ اسے آپ کے معملے میں اختیار رہے گا۔؟'' قیس سانس لئے بغیر اسے بولتے ہوئے سنتا رہا۔وہ خاموش ہوئی تو اس کے لبوں سے چند الفاظ نکلے۔

''ہم کون ہیں؟''سوال تھا؟

''soulmates''جواب تھا کہ اعلان۔

''کیا بکواس ہے۔میں اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا۔وہ شادی شدہ ہے۔''اس نے ہاتھ جھلایا۔سگار جل جل کر اس کے ہاتھ کو جلانے لگی تھی۔اس نے بے زاری سے ادھ بجا ٹوٹا دور پھینکا۔نگاہوں کے آگے بے ساختہ وہ منظر آیا جس میں وہ ہوم سینیما میں اسکے سامنے بیٹھی تھی۔

''آپ سے کس نے کہا ہے کہ اگر کوئی آپ کا soulmate ہے تو اس سے آپ کا کوئی رومانوی تعلق ہو گا۔آپ کا سول میٹ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔آپ کا بھائی، بہن، دوست، کوئی اجنبی، کوئی کزن، کوئی رشتے دار کوئی سلیبریٹی کوئی انفلونسر۔''اس نے محظوظ انداز میں کندھے اچکائے۔

''دیکھو تمہاری اپنی مثال میں بھی "باس" شامل نہیں ہے۔''وہ انگلی اٹھا کر بولا تو حدیبہ ہنس پڑی۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آج تم کونسی رومانٹک فلم دیکھ کر آئی ہو۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ جو انسان میرا soulmate ہوگا۔ وہ یوں مجھے کمزور نہیں کرنا چاہے گا۔''

''لیکن میرے حساب سے اس نے آپ کو طاقتور بنایا ہے۔ چھپے ہوئے راز، سہا ہوا سچ انسان کے اندر کو کھوکھلا اور معذور کر دیتا ہے۔ اسے کہہ دینا، پراسیس کر لینا انسان کو مضبوط کرتا ہے۔ ٹراما بلا ہے مگر جو انسان اس کا سامنا کرکے وہ ٹراما سے بڑی بلا ہے۔ اس نے آپ کو سنا اور آپ کو مضبوطی دی۔ ورنہ ان دنوں آپ کا ٹراما شدید تر ہوتا ہے۔'' وہ تامل سے بولی۔ قیس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔ مگر وہ واپس نہیں آئے گی۔ ہم نے اس کے ساتھ غلط کر دیا ہے۔ میں چاہے جو بھی کر لوں، وہ اب معاف نہیں کرے گی۔'' یعنی وہ معافی چاہتا تھا؟

حدیبیہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ قیس نے پیر سمیٹ لئے۔ وہ صوفے پہ اس سے فاصلے پہ آبیٹھی۔

''آپ کون ہیں؟ آپ کیا بن رہے ہیں؟'' وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔ قیس آگے کو ہوا، آنکھوں میں الجھن ابھری۔ وہ سننا چاہتا تھا۔

''آپ ایک مینوپلیٹر ہیں۔ آپ جھوٹ نہیں بولتے باتوں کو اپنی مرضی کا رنگ دیتے ہیں۔ آپ غلطی کر لیں تو اپنی آخری سانس تک اسے مانتے نہیں ہاں مگر اسے فوراً فکس کر لیتے ہیں۔ یہ ہے آپ کا اصل، یہ ہیں آپ۔ انسان کا اصل ہی اسے ہر مسائل سے نکال کر لاتا ہے۔''

''لیکن اسے واپس کیوں لانا؟ قیسم سے کئی روز آتے جاتے رہتے ہیں۔ایک وہ بھی سہی۔'' کہتے ہوئے لہجہ اسکا اپنا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

''آپ کا مقصد ہے بلندیاں۔اور بلندیوں کے سفر میں پائیدار سیڑھی، کھرے لوگ چاہیئے ہوتے ہیں۔زینیا دونوں ہے۔دوئم وہ آپ جیسی ہے۔آپ نے مشکلات دیکھی تھیں۔لیکن قیسم کا مقصد ہے ٹیلنٹ کو مشکلات سے بچا کر آسائشات دینا۔آپ اپنا مقصد بھول گئے ہیں؟''

''اب میں کیا کروں؟''

''اسے واپس لائیں؟''

''مگر کیسے؟''

''معذرت مگر وہ آپ کی soulmate ہے میری نہیں۔خود حل نکالیں۔'' وہ کہہ کر اٹھی، سگار کے پیکٹ اٹھائے، لائٹر اٹھایا۔اور ایک ہاتھ قیس کے سامنے پھیلایا۔آنکھوں میں جتانے والا تاثر تھا۔قیس نے اپنے عقب میں ہاتھ مارا اور ایک سگار نکال کر اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

''تمباکو نوشی مردوں پہ بھی حرام ہے۔'' جتلایا گیا۔اور اگلے چند پلوں میں وہ چھت پہ اکیلا تھا۔۔خیالوں کے بھنور میں تنہا۔

ہاسٹل آکر اس نے خاموشی سے بیگ ایک طرف رکھا۔ جوتے اتارے، بالوں کو کس کر جوڑے میں باندھنا چاہا مگر ہاتھوں میں جان باقی نہ رہی تھی۔ کچھ تھا جو دل میں تیر کی طرح کھب سا گیا تھا۔ بالاج کے آنے کا صدمہ کم تھا کہ آج قیسم سے بھی اسے نکال دیا گیا۔ اس کا قصور کیا تھا انسانیت؟ اس لمحے اسے مہدی کمبیر سے سخت نفرت ہوئی۔ اگر وہ ناں کہتا تو زینیا وہاں نہ رکتی۔ اس نے ٹرنچ کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور سب سے پہلی کال مہدی کمبیر کو گئی۔

''مبارک ہو۔ آپ کے کزن نے مجھے جاب سے نکال دیا۔'' مہدی نے کچھ کہنا چاہا۔

''وجہ جاننا چاہتے ہیں تو آپ ہیں وجہ۔ اگر اس رات آپ مجھے وہاں رکنے کا نہ کہتے تو قیس کبھی بھی مجھ سے انسکیور نہ ہوتا۔ سارے فساد کی جڑ آپ ہیں۔''

''جاؤ جا کر چھت سے چھلانگ لگاؤ۔'' الزامات کے جواب میں وہ بس یہی بولا۔

زینیا نے گھور کر موبائل کو دیکھا۔ مہدی نے بات جاری رکھی۔

''صحیح کہہ رہا ہوں۔ جاؤ جا کر چھت سے کود جاؤ۔ یا پھر یوں کرو کہ چوہے مار پی لو۔ کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔ اور تم تو میری باتوں پہ تابعداری کی تمام حدیں پار کر دیتی ہو۔ ہے ناں؟''

''یعنی آپ اب اپنا قصور بھی نہیں مانیں گے؟'' صدمہ شدید تھا۔

''کونسا قصور وہ جو میں نے کیا ہی نہیں؟ تم چاہتی ہو اس کیس کے لئے میں پھانسی چڑھ جاؤں جس میں قتل میں نے کیا ہی نہ ہو۔''

''اس رات وہاں رکنے کے لئے آپ نے کہا تھا ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں تھا اس سائیکو کے پاس رہنے کا۔'' زینیا اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے میں یہاں سے وہاں چکر لگانے لگی۔

''تمھیں واقعی لگتا ہے تم وہاں میرے کہنے پہ رکی تھیں؟'' اسکا لہجہ سرد ہوا۔

''تم وہاں اپنے تجسس کے لئے رکی تھیں۔ تم جاننا چاہتی تھیں کہ آخری کیا چیز کونسا ایسا غم ہے جس نے قیس جیسے انسان کو اتنا کھوکھلا کر دیا ہے۔ اور اس وقت بھی تم نے مجھے اس لئے کال نہیں کی کیونکہ تمھیں لگتا ہے میرا قصور ہے، تم نے مجھے اس لئے کال کی ہے کیونکہ تم ہمیشہ لوگوں کو الزام دیتی ہو۔'' زینیا کا جی چاہا تھا اس کا منہ نوچ لے۔ مگر ٹیکنالوجی نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی آنلائن منہ نوچے جاسکیں۔

''اور میرا قصور یہ ہے کہ سب کی سن لیتا ہوں۔ لیکن میں بھی کیوں سنوں؟ ہر بار میں ہی کیوں؟ اگلی دفع مجھ سے اس ٹون میں بات مت کرنا، زینیا۔ مجھے بھی برا لگتا ہے۔'' نہ وہ چیخا تھا نہ کوئی سخت الفاظ استعمال کئے۔ زینیا نے لب بھینچ لئے۔

''جانتی ہو تم اس وقت مجھ پہ کیوں چیخ رہی ہو؟ کیونکہ تم مجھے خود سے دور کر رہی ہو۔ تم مجھے اپنی طلاق کے بارے میں بتا چکی ہو۔'' زینیا بے اختیار آس پاس دیکھنے لگی۔ لاشعوری طور پہ اسے یہ لفظ خوف زدہ کرتا تھا۔ ''جب میں نے کہا تھا تم اور قیس ایک ساتھ نہیں چل سکتے تو سچ کہا تھا۔ ایک میدان میں دو تلواریں نہیں رہتیں۔ تم دونوں ساتھ رہے تو دنیا میں ایک disaster آئے گا۔ جو کچھ اس نے کیا کیا تم اس سے کچھ مختلف کر رہی ہو؟''

''آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔''

''ہاں ہاں اب تم کہو گی تم مجھے چھوڑ رہی ہو کیونکہ میں نے بد تمیزی کی۔ پھر تم خود کو جسٹیفکیشن دیتی رہو گی کہ قصور تو سارا مہدی کا تھا۔ حالانکہ یہ تمہارا ڈیفنس میکنزم ہے۔ جو تمہاری بنائی ایک حد کو کراس کرے پھر چاہے وہ کوئی بھی ہو اسے چھوڑ دو۔ تعلقات ایسے نہیں چلتے زینیا۔ خود کو بدلنا پڑتا ہے۔'' آخر میں وہ نرمی سے کہنے لگا۔

''میں آپ کو بلاک کر رہی ہوں۔ اگر دوبارہ کال کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔''

اس نے غصے سے کال کاٹ دی۔ تنفس تیز ہو گیا۔ ابھی بلاک کا بٹن دباتی کے مہدی کے دھڑا دھڑ پیغام موصول ہونے لگے۔

''ہر روز بلاک کر دیتی ہو۔ میرے پاس بدلنے کو اتنی سمز نہیں ہیں۔''

''اب اگر تم نے بلاک کیا ناں تو میں ناراض ہو جاؤں گا اور اگر میں ناراض ہو جاؤں تو مجھے منانا بہت مشکل ہوتا ہے۔'' اس کے جذباتی پیغامات سے زینیا کی جوتی کو بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے بلاک کا بٹن دبایا۔ ایسے جیسے سکرین کو انگوٹھے سے چیر دینا چاہتی ہو۔ گہری سانسیں لیتی وہ پلنگ پہ آ بیٹھی۔

بالاج واپس کیوں آ گیا تھا؟ قیس نے اسے کیوں نکالا؟ سب اسکی بے وقوفی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ یہاں دوستیاں اور تعلق بنانے نہیں آئی تھی۔ پھر کیوں وہ اس کمبخت مہدی کی باتوں میں آ گئی۔ اس کا جی چاہا تھا زور زور سے رونے لگے مگر اب رونا نہیں آتا تھا۔ اسے اتنا شدید غصہ آیا تھا جس کی کوئی حد نہیں۔ اس نے مہدی کا آفیشل انسٹا گرام کھولا اور اسے بلاک کر دیا، پھر پرسنل اکاؤنٹ سے بلاک کیا۔ پھر واٹس ایپ سے۔ غصہ تھا کہ کسی طور کم نہ ہوتا تھا۔ اگلے چند پلوں میں پیغام کی ٹون بجی۔

''یہاں سے بلاک کرنا بھول گئی ہو کیا؟'' مہدی کی ایک سطری ای میل نے اسکا پارہ مزید ہائی کر دیا۔ بلا خر وہ ای میل سے بھی بلاک ہو گیا تھا۔

کئی پل یونہی بیٹھے رہنے کے بعد بے اختیار اسکی نگاہ بالکنی پہ پڑی۔ زینیا دھک سے رہ گئی۔

شیزل بالکنی کے ٹھنڈے فرش پہ چت لیٹی تھی۔ آنکھیں دور آسمان میں تارے کھوج رہی تھیں۔ اور کمرے کے ایک کونے میں تین بیگ رکھے تھے۔ زینیا کو بے اختیار سانس لینے میں دشواری سی ہوئی۔ یعنی شیزل بھی چلی جائے گی؟ زینیا نے ہر تعلق کھو دیا تھا۔ اب کیا ایک اور؟ مہدی کی باتیں ذہن میں گونجنے لگیں، مگر اس نے آج تک کسی انسان کی طرف پہل نہیں کی تھی۔

وہ اٹھی شیزل کے دراز سے اس کا منی اسٹریٹنر نکالا۔ چند دن پہلے یہ اسٹریٹنر خراب ہوا تھا۔ اور زینیا کے پاس اسے ٹھیک کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ آج وہ اپنے سامان لے آئی۔ سب کچھ بیڈ پہ پھیلا دیا اور اگلے پانچ منٹ میں وہ اسٹریٹنر کا ہیٹنگ لیول درست کر چکی تھی۔ ہاتھ میں اسٹریٹنر لئے وہ بالکنی میں چلی آئی۔ جہاں شیزل لیٹی تھی۔ زینیا وہاں گردن سیدھی کئے، کمر اکڑا کر بیٹھ گئی۔

''بالاج واپس آگیا ہے۔ اور مجھے قیسم سے نکال دیا گیا ہے۔'' اس نے ہموار لہجے میں کہا۔

''مجھے کیوں بتا رہی ہو؟ تاکہ میرے گناہوں میں ایک اور کا اضافہ کر سکو؟'' زینیا اس سے یہ نہ کہہ سکی کہ اسے چھوڑے جانا کا دکھ سمجھ آگیا تھا۔ اسے سمجھ آگیا تھا کہ اپنا ہی ڈیفنس میکنزم اگر کوئی دوسرا استعمال کرنے لگے تو دل میں کیسے سوئیاں چبھ جاتی ہیں۔

''میں نے کبھی دوست نہیں بنائے۔'' زینیا نے کندھے اچکا دیئے۔ '' میرا ڈیفنس میکنزم یہی ہے کوئی آپ کے کمفرٹ میں داخل ہونے لگے تو خود کو خاردار تار بنا لو۔ صحیح ہے یا غلط مجھے نہیں پتہ۔''

"غلط ہے۔" شیزل نے کہہ ڈالا۔

"مجھے دوستی کے فرائض نہیں پتہ، لوگوں کو کس طرح خوش رکھنا ہے مجھے نہیں پتہ۔ کیسے کسی کو منانا ہے مجھے یہ بھی نہیں پتہ۔ لوگوں کو کس طرح خود سے باندھ کر رکھنا ہے مجھے نہیں پتہ۔ مجھے دوستی پیار محبت سب cringe لگتا ہے۔ میں لوگوں کے ساتھ نبھا کر رکھنے میں بہت بری ہوں۔"

"حد سے زیادہ بری۔" زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ جیسے گناہ قبول کیا ہو۔

"مجھ سے فارمیلٹیز بھی نہیں ہوتیں، مجھ سے لمبے لمبے پیراگراف بھی نہیں کہے جاتے۔ میں... "

"کم از کم میرے ساتھ رہتے ہوئے تمھیں ان سب چیزوں کی ضرورت بھی نہیں ہے زینم۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھی۔

"میں نے اپنی دوستیاں کبھی چھ ماہ سے زیادہ چلائی ہی نہیں۔ کیونکہ میں بھی فارمیلیٹی نہیں رکھتی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو چھوڑنے میں آزاد ہیں۔ تمھیں جب کبھی لگے تم میرے ساتھ نہیں چل سکتیں۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں بھی یہی کروں گی۔ لیکن اس وقت تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ میں desperate نہیں ہوں۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ تم خود کو تکلیف دو۔" اس نے زینیا کو نرم نظروں سے دیکھا۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی نے اسٹریٹنز اسکی جانب بڑھایا۔

"میں ایکسپریسو نہیں ہوں۔ لیکن اگر میں کسی پہ اپنا وقت اور انرجی کسی پہ ضائع کروں تو، i mean it"

ایک تھکے ہارے دن کے بعد بلا خر اس کے دل سے بوجھ ہٹا تھا۔ وہ دونوں اب ساتھ لیٹ گئیں۔ ٹھنڈے ماربل پہ چت لیٹے ہوئے چھت کو گھورتے ہوئے زینیا اسے مختصر الفاظ میں کچھ بتا رہی تھی۔ شیزل منہمک سی سن رہی تھی۔ زینیا حاکم پہلی بار دوست بنا رہی تھی، اسلام آباد اچھے یا برے انداز میں اثرانداز تو ہو رہا تھا۔ اور ایک اسلام آبادی بھی۔

کیا مہدی کے الفاظ لوگوں پہ اتنا اثر کرتے تھے؟

''چند دن بعد۔''

سڑک کے دونوں اطراف میں لگے درختوں پہ فیری لائٹس لپٹی تھیں۔ تارکول کی سیاہ چوڑی سڑک صاف ستھری تھی۔ نئے سال کے لئے کیا گیا چراغاں عمارتوں کے حسن کو دوبالا کئے ہوئے تھا۔ اکتیس دسمبر آج اپنے ساتھ نئی تبدیلیاں لانے والا تھا۔ اسی چوڑی سڑک پہ ایک گاڑی قیس کمبیر کی بھی تھی۔ گاڑی کی کھڑکی پہ کہنی ٹکائے وہ سست رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ مہدی واپس آ چکا تھا، اور قیس اسے ایئرپورٹ سے لینے جا رہا تھا۔ سڑک پہ دوڑتی بیکار نظریں یکدم چمک اٹھیں۔ اپنے موبائل پہ شاید کوئی ایڈریس دیکھتی زینیا حاکم اسکی نظروں میں آئی۔ گلٹ عود کر آیا۔ اس نے گاڑی اس طرف موڑی جہاں وہ تھی۔ چند پل بعد وہ گاڑی اس کے قریب روک چکا تھا۔ اپنے قریب گاڑی رکتے دیکھ زینیا چونک گئی۔ شیشہ نیچے ہوا اور اس نے جس انسان کو دیکھا یہاں اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''مجھے بات کرنی ہے۔'' تحکم سے کہا۔ جیسے ساری دنیا اسکی ملازم ہی تو ہے۔

''میں نے تمھارے منہ پہ ہاتھ نہیں رکھا، کہو جو کہنا ہے۔'' وہ کہہ کر آگے چلنے لگی۔ قیس کھول کر رہ گیا۔

''یہ اتنے نخرے کیوں کر رہی ہے؟'' وہ جل کر بڑبڑایا۔ گاڑی اسی طرح سست رفتار سے آگے بڑھائی۔

''گاڑی میں آکر بیٹھو، مجھے بات کرنی ہے۔''

''تمھیں لگتا ہے میں یونہی ہر کسی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاتی ہوں؟'' وہ چلتے چلتے بولی۔

''مت بیٹھو، مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میرے پاس تمھارے لئے جاب آفر ہے۔ کل قیسم آجانا۔''

''میرے پاس تمھارے لئے انکار ہے، اور اس کے لئے تمھیں کہیں آنے کی ضرورت نہیں۔ کان کھولو اور سن کر چلے جاؤ۔'' وہ بغیر کسی لحاظ کے بولی۔ قیس اس کے برابر گاڑی چلاتا رہا۔

''اگر تم یہ سننا چاہتی ہو کہ میں کہوں گا خدا کے لئے مجھے معاف کر دو، واپس چلی آؤ۔ تو میرا خیال ہے تم غلط ہو۔''

''مجھے تم سے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تمہاری یہاں موجودگی بھی میرے لئے حیران کن ہے۔'' وہ سڑک کے کنارے چل رہی تھی، اور قیس گاڑی کو سست رفتار سے چلاتا ہوا اس سے بات کر رہا تھا۔ نہ وہ گاڑی میں بیٹھی نہ وہ اتر کر آیا۔ انا ئیں ہوں تو ایسی ہوں۔

''میں یہاں تمھارے لئے نہیں آیا۔ تم مجھے یہاں نظر آگئیں۔ ویسے اگر تم سوچو تو اس روز جو کچھ ہوا اس میں میری واقعی کوئی غلطی نہیں تھی۔''

''جی بلکل میری غلطی تھی کہ ایک مریض کے ساتھ ذرا دیر کو بیٹھ گئی۔اور اسکی نا سمجھ آنے والی پزل کو سنتی رہی۔ جہاں کہانی بکھری ہوئی، کردار مرے ہوئے تھے۔''قیس نے لب بھینچ لئے اسٹیئرنگ وہیل پہ اسکی گرفت سخت ہوئی تھی۔

''تمھیں اس طرح میرے آفس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''جی صحیح کہا، اپنے ورکرز کو بتادیں آئندہ کام ہو تو آفس کے اندر نہ آئیں ٹھیلے والوں کی طرح باہر سے آوازیں دیتے رہیں۔''

''آفس آنا صحیح تھا مگر یوں بیٹھ کر میری باتیں سننا غلط۔''

''کیا میں نے تمھارے حلق میں انگلی ڈال کر کچھ بلوایا تھا؟''تندہی سے کہا گیا۔

''آخر تم چپ کیوں نہیں کر جاتیں؟''اس نے غصے سے اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ مارا۔

''آخر تم اپنی غلطی مان کیوں نہیں لیتے؟''زینیا نے بھی غصے سے اسکی گاڑی کو ٹھوکر ماری۔ قیس بھونچکارہ گیا۔

''تم نے میری گاڑی کو پیر کیسے لگایا؟''

''آخری اطلاعات تک میں ایک انسان ہوں، مجھے بھی غصہ آتا ہے۔ جیسے کہ تمھیں۔''ٹھہر کر کن اکھیوں سے اسٹیئرنگ وہیل کی جانب اشارہ کیا۔

''میں نے اپنی چیز کو نقصان دیا، اگر تمھیں غصہ آرہا تھا تو اپنی چیزوں پہ نکالتیں۔''اس نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔(اسکی پیاری گاڑی)

''چونکہ میرے ابا حضور نے اس سنسان سڑک پہ میرے لئے کوئی میراث نہیں چھوڑی اس لئے میں تمہاری گاڑی پہ غصہ نکالوں گی۔اگر زیادہ نقصان ہو توان پیسوں سے پورا کر لینا جو ہتھیا لئے۔''

اس پل اس سڑک پہ قیس نے حدیبیہ کے آئیڈیا اور یہاں رک کر اس سے بات کرنے پہ ایک ہزار دفع لعنت بھیجی تھی۔

''تمھیں نہیں لگتا اس طرح لڑنے کے بجائے ہمیں بات کرنی چاہیے۔بلکہ ایک ڈیل کر لینی چاہیے۔'' وہ تھوڑی دور گئی تو قیس کی گاڑی ایک بار پھر اس کے پاس آ کر رکی۔

''میرا نہیں خیال کہ بات کرنے کو کچھ رہ گیا ہے۔تم نے مجھ پہ چوری کا الزام لگایا۔تم نے مجھے اتنے سارے لوگوں کے درمیان ذلیل کیا۔جانتے ہو اس گناہ کا الزام لگنا کیسا ہوتا ہے جو آپ نے کیا بھی نہ ہو۔؟'' ایک لمحے کے لئے قیس کے سامنے تھانے کی وہ تین راتیں گھوم گئیں۔یہ لڑکی اگر اسکا lesser version نہ ہوتی تو اس وقت اسی گاڑی کے نیچے اسے کچل کر چلا جاتا۔

''تمہارا آفس بہت اونچا اور اعلیٰ تھا۔میں وہاں کچھ بھی نہیں تھی اور جب میں کچھ بننے لگی تو تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔تم نے مجھے آسمان سے زمین پہ پھینکا۔'' قیس کو اسکی آواز گیلی سی لگی۔شاید وہ ہرٹ ہوئی تھی۔

''کیا تم بلندیوں کا سفر کرنا چاہو گی؟''

''کم از کم تمھارے قریب رہ کر نہیں۔'' حتمی لہجے میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔اب کے قیس نے گاڑی کو ریس دی اور آدھی فٹ پاتھ پہ چڑھا کر عین اس کے سامنے کھڑی کر دی۔

زینیا کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔اس کا پیر گاڑی کے ٹائر تلے آتے آتے بچا تھا۔وہ دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے کو ہوئی۔

''یہ کیا حرکت ہے؟ مجھے چوٹ لگ سکتی تھی۔''

''چوٹیں انسان کو مضبوط بناتی ہیں۔ اور تمہیں دیکھ کر یہ نہیں لگتا یہ تمہاری پہلی چوٹ ہو گی۔'' شان بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''تم کیا چاہتے ہو، قیس؟'' زینیا نے بلاخر تھک کر پوچھا۔

''**فکس۔۔**'' یک لفظی جواب۔ ''جو میس ہم نے پھیلایا ہے۔ میں اسے فکس کرنا چاہتا ہوں۔ میں یوں کسی کا کیریئر نہیں کھاتا (**جیسے ہم تو کچھ جانتے ہی نہیں**)۔۔''

''تم "**میس**" کہہ رہے ہو اور مجھے غلطی سنائی دے رہا ہے۔''

''کیا اب تک تمھیں اندازہ نہیں ہوا کہ تمھارے سننے کی صلاحیت کتنی غیر ضروری ہے؟'' سینے پہ بازو باندھ کر تپا دینے والے انداز میں کہا۔ زینیا کچھ نہ بولی تو قیس سنجیدہ ہوا۔

''سنجیدہ بات کر لیتے ہیں۔ کیا تم واقعی اس بات سے ہرٹ ہو کہ میں نے تم پہ چوری کا الزام لگایا؟ یا پھر تم اس بات پہ غصہ ہو؟'' اب کے زینیا کے تنے ہوئے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ اس نے گہری سانس لی، آس پاس دیکھا۔ اور دونوں ہاتھ گاڑی کے شیشے پہ رکھے آگے کو جھکی۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ میں تم سے نفرت کر سکوں۔ ہرٹ ہو سکوں یا پھر غصہ۔ وقتی طور پہ یہ تینوں لمحے آئے تھے، مگر تم نے یہ سب کسی انا کی خاطر یا پھر مجھے گرانے کو نہیں کہا۔ یہ سب تم نے جائے فرار حاصل کرنے کو کیا۔ طریقہ غلط تھا لیکن تم صحیح

طریقے والے آدمی نہیں ہو۔فرار حاصل کرنے والوں پہ غصہ نہیں ہوا جاتا،ان پہ ترس آتا ہے۔مگر تمہارا معملہ مختلف ہے تم پہ ترس نہیں آتا۔''

''تمہیں یا کسی اور کو مجھ پہ ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔تم غصہ نہیں ہو، ہرٹ نہیں ہو۔پھر واپس نہ آنے کا مقصد۔'' درختوں کی فیری لائٹس کی روشنی زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔اسی روشنی میں اسکی مسکراہٹ واضح ہوئی۔

''میں جانتی ہوں اس روز تم کیا چاہتے تھے۔لیکن باقی دس لوگ نہیں۔انہیں لگتا ہے کہ زینیا اعتبار کے قابل نہیں۔میں وہاں واپس جاؤں گی تو کیا کوئی میری عزت کرے گا؟''

''ضرور کرے گا،اگر میں تمھیں کوئی قبل اعتبار رتبہ دوں۔میری پرسنل ایڈوائزر بننے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

زینیا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اسے شاک لگا تھا۔

''میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا کیونکہ تمھیں غلط طریقے سے نکالا گیا۔لیکن تم نے چند گھنٹوں میں خود کو بے گناہ ثابت کیا،تم نے میری جو تصاویر لیں وہ پورے انٹرنیٹ پہ وائرل ہو گئیں۔کیونکہ وہ اصلی تھیں۔تم میرا اصل جانتی تھیں۔تم نے دو دن کے اندر جان لیا کہ میں بلاک کا شکار ہوں۔تم میرے جیسا سوچتی ہو،میری طرح ری ایکشنز دیتی ہو،اور میرے جتنی ظالم ہو۔''

''indirectly تم مجھے soulmate کہہ رہے ہو؟''

''میں یہ نہیں مانتا،لیکن ٹرائے کر لینے میں کیا قباحت ہے۔''اس نے گہری سانس لی۔''پھر کیا خیال ہے،کیا تم دوبارہ قیسم جوائن کر رہی ہو؟'' وہ چند لمحے سوچتی رہی مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

''مجھے غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو میں یوں اسکا اعتراف نہیں کرتا تمھارے سامنے کر رہا ہوں کیونکہ تم واقعی ٹیلنٹڈ ہو۔''

''count me in'' وہ کہہ کر پیچھے کو ہوئی۔ قیس کے دل سے بوجھ سرکنے لگا کم از کم اسکا ضمیر آزاد ہو گیا۔ وہ زینیا کو دیکھ کر مسکرایا۔ ہاتھ آگے بڑھایا زینیا نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا مگر اس کے ہاتھ سے ملایا نہیں دونوں نے ذرا سے فاصلے پہ اپنے اپنے ہاتھ ہلائے، یوں جیسے کسی سے مصافحہ کرتے وقت ہلاتے ہوں پھر دونوں نے اپنے ہاتھ واپس پیچھے کیے۔

یہ دنیا کی سب سے انوکھی ڈیل تھی۔ جس میں ہاتھ نہیں ملایا گیا۔ جو آفس کی بجائے سڑک پہ ہوئی تھی۔ جس میں باس کرسی پہ نہیں گاڑی میں تھا۔ جس میں ایمپلائی نے بیٹھنے کی پیشکش قبول نہیں کی تھی۔ دنیا کے دو عجوبوں کے درمیان ایسی ہی ڈیل ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں دوبارہ ایک ساتھ تھے تو یہ طے ہوا کہ قسمت نامی مقناطیس انہیں جوڑے ہی جوڑے؟

ایئرپورٹ پہ لوگوں کا ڈھیر سارا رش تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں، بیگ اٹھائے، اپنے پیاروں سے ملتے الوداع کہتے لوگ۔ ان سب کے درمیان قیس کمبیر ایک الگ تھلگ سی جگہ پہ بیٹھا تھا۔ لوگ اسے پہچانتے تھے۔ اسکی نئی وائرل ہونے والی تصاویر کے بعد تو وہ کئی لڑکیوں کا کرش بن چکا تھا۔ اپنے اوپر پڑتی نظروں سے بے زار وہ بس مہدی کے آجانے کا انتظار کر رہا تھا۔

دفعتاً ایک معمر خاتون اس کے ساتھ آکر بیٹھیں۔ قیس کو کوفت ہوئی۔ آخر ساری دنیا لوگوں سے خالی کیوں نہیں ہو جاتی؟ تاکہ انٹروورٹ سکون سے رہ سکیں۔ خاتون چند پل اسے دیکھتی رہیں، پھر بلاخر گلا کھنکھار کر اسے مخاطب کیا۔

"تم قیس ہو ناں۔؟ میں نے تمہاری تصاویر دیکھی ہیں۔ سچ کہتے ہیں فوٹو گرافرز دنیا بدل سکتے ہیں۔" قیس نے موبائل سے چہرہ اٹھایا۔ اسے بولنا پسند نہ تھا۔ مگر بولنا اسکا کام تھا۔

"جی میں وہی ہوں۔"

"میری بیٹی تمہاری بہت بڑی فین ہے۔ اسکی خواہش ہے کہ کسی دن وہ تمھارے ہاتھ سے ڈیزائن کیا ہوا کچھ پہن سکے۔"

"میں عورتوں کے کپڑے نہیں بناتا۔" اس کمبخت سے کوئی پوچھے وہ سرخ گاؤن پھر مہدی کو پہنانا تھا یا براق کو؟

"تبدیلیاں اچھی ہوتی ہیں بچے۔ انسان کی روح کو زندہ رہنے کے لئے تبدیلیاں کرتے رہنا چاہیے۔"

"مجھے constant رہنا پسند ہے۔" اس نے بات سمیٹنی چاہی۔

" یہ تو تم نے خود کو بتایا ہے ناں۔ غور کرو ان چیزوں پہ جو تمہیں پسند نہ تھیں۔ یا پھر غیر ضروری لگتی تھیں۔ مگر تم نے کیں اور تمھیں اچھا لگا۔ اچھا نہ سہی برا بھی نہ لگا۔" وہ مصر ہوئیں۔

قیس کو سوچنے کی ضرورت نہ پڑی۔ آج شام وہ سڑک پہ گاڑی کھڑی کر کے دی جانے والی جاب آفر اس کے بارے میں تو اس نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا۔ آہ کتنا شرمندہ کر دینے والا کام ہے۔

"مجھے لگتا ہے میرا بھائی آ گیا۔ میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا۔

''مہدی کمبیر پندرہ منٹ بعد آئے گا۔اسکی فلائٹ لیٹ ہے۔'' قیس ٹھہر سا گیا۔واپس کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اب کے اسکی ساری حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔ ''مجھے اپ ٹو ڈیٹ رہنا پسند ہے۔'' خاتون جتا کر بولیں۔ قیس نے بس سر کو خفیف سی جنبش دی۔

موبائل جل کر بجھا تو وال پیپر پہ لگی تصویر نظر آئی۔

''یہ تمہاری بھانجی ہے ناں؟ میں نے مہدی کے اکاؤنٹ پہ اسکی تصاویر دیکھی تھیں۔'' وہ وال پیپر کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ قیس مسکرایا۔اس مسکراہٹ پہ اسکا اختیار نہیں تھا۔

''یہ ہماری بھانجی ہے۔ لیکن یہ مہدی سے زیادہ مجھے پسند کرتی ہے۔ میں اسے مہدی سے زیادہ اچھا لگتا ہوں۔'' اس کے بس میں نہ تھا کہ پوسٹر لگوا لیتا۔

''کیا تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے؟ کوئی پارٹنر یا پھر بیوی؟'' ان کے اگلے سوال پہ قیس بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا۔ چہرہ الگ سرخ ہوا۔

''اصل میں، میں اپنی بیٹی کا پروپوزل لائی ہوں۔ اتنی دیر تم سے بات کر کے پرکھ رہی تھی کہ تم کیسے انسان ہو۔''

''میں منگنی شدہ ہوں۔اور انشااللہ بہت جلد اسی سے شادی کروں گا۔'' وہ ترنت بولا۔ معمر خاتون مایوس سی ہوئیں۔اسی پل مہدی بھی کندھے پہ سفری بیگ لئے اسی طرف آتا دکھائی دیا۔وہ قریب پہنچا تو اس کے کانوں میں بوڑھی عورت کے الفاظ پڑے۔

''تو پھر میں ناں سمجھوں؟''

''صاف صاف ناں۔ایک کلئیر ناں۔آپ کی بیٹی اور آپ آئندہ اس طرح کسی کو بھی پروپوزلز نہ بھیجئیے گا لوگوں کو ہراساں مت کریں بی بی۔'' وہ جلدی سے بولا۔اندر تک لرز گیا تھا وہ۔خاتون مایوسی سے اٹھنے لگیں جب مہدی ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''میں آپ کو آپ کی گاڑی تک چھوڑ آتا ہوں۔'' وہ انکا ہاتھ پکڑے ان کے ساتھ چلنے لگا۔قیس ناگواری سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''آپ کی بیٹی بہت قیمتی ہے۔آپ جانتی ہیں ناں؟'' وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اس کے لئے ڈھیر سارے پروپوزلز آئیں گے۔مجھے یقین ہے۔لیکن آپ آئندہ اس طرح کسی بھی مرد سے اسکی بات نہیں کریں گی۔''نرم تنبیہ۔

''ہر مرد اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے اپنے گھر کی لڑکی تھما دی جائے۔"

''قیس بھی نہیں؟'' انہوں نے رک کر معصومیت سے پوچھا۔مہدی ان کے کان کے پاس جھکا۔

''قیس تو بلکل نہیں۔بتیس سال کی سڑی ہوئی ممی ہے۔بس آج اپنی سفید پٹیاں گھر پہ چھوڑ آیا ہے۔'' وہ اس قدر سنجیدگی سے بولا کہ خاتون ہنس دیں۔کچھ دیر قبل جو چہرہ شرمندگی سے سرخ تھا۔اب وہ ہنس ہنس کر سرخ ہونے لگا۔

''آپ کی بیٹی کو قیس سے بہت بہتر لڑکا ملے گا۔انشااللہ۔ہر انسان کا جوڑ عرش پہ بن چکا ہے۔یہاں ایئرپورٹ پہ آپ اسے رشتے کا پروپوزل دیں گی۔اس کا ری ایکشن ظاہر ہے یہی ہو گا۔'' بوڑھی عورت کے ساتھ چلتا وہ باہر نکل آیا تھا۔

''تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟بیٹی خوبصورت ہے میری۔'' وہ اب مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

مہدی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''میں آپ کی پیشکش پہ فوراً ہاں کہتا مگر حال ہی میں میرا دل ٹوٹا ہے۔ ابھی تک اس غم سے نہیں نکل پایا۔''

''اللہ تمھارے دل کو تندرست کرے۔ تمھارے لئے نیک بخت عورت لکھے۔'' دعائیں دیتی وہ پلٹ گئیں۔ مہدی انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''اگر خدمت خلق ہو گئی ہو تو گھر چلیں؟'' آواز پہ اس نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔ قیس اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ ''مجھے یہ جتا کر کہ میں انتہائی روڈ اور بدتمیز آدمی ہوں۔ اب تمہارا دن اچھا گزرے گا ہے ناں؟''

''ہر بات کہنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ہر مرد ہر عورت کو ہر انسان کو یہ طریقہ آنا چاہیے۔ ہماری جنریشن کا مسئلہ ہے کہ ہم اسٹریٹ فارورڈ ہونے کے چکر میں بدتمیز ہوتے جا رہے ہیں۔''

''یعنی وہ عورت ایئرپورٹ پہ میری پرائیوسی میں خلل ڈال کر، میری منگیتر کے ہوتے ہوئے مجھے رشتے کی پیشکش کرنے کے بعد بھی non guilty ہے واؤ۔ سچ کہہ کر پھنس گیا میں'' وہ دونوں ایک ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔ قیس کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''وہ گلٹی یا نان گلٹی نہیں ہے۔ وہ بوڑھی عورت ہے۔ بوڑھے بچوں جیسے ہوتے ہیں اور اگر سچ کی بات ہے تو اس دنیا میں نبی کریم سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا۔ مگر وہ کبھی لوگوں کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ سچ دل نہیں دکھاتا، لہجے دکھاتے ہیں۔'' گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھا۔ قیس بھی اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا۔

''تم اس عورت کے لئے مجھ سے بحث کرو گے؟'' اس نے گاڑی سٹارٹ نہیں کی۔

''میں تم سے تمھارے لئے بحث کر رہا ہوں۔ تم اس عورت کی بات مذاق میں بھی اڑا سکتے تھے۔اور نرمی سے ختم بھی کر سکتے تھے۔اب میری جان بخش دو خدا کے لئے۔'' آخر میں وہ ہاتھ باندھ کر بے زاری سے بولا۔

اب قیس اسے اگلے کئی دن معاف نہیں کرنے والا تھا۔ لیکن خیر تھی۔ زینیا کو نکال کر جو اس نے کیا تھا۔ مہدی ویسے بھی اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ایئر پورٹ سے کمبیر محل تک کا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسی سڑک پہ ایک اور گاڑی زینیا حاکم کے سامنے آ کر رکی۔اب کی بار نہ وہ چونکی تھی۔نہ ہی اسے کوئی خوف محسوس ہوا۔اس کے تاثرات سپاٹ رہے۔ سیاہ ایس یو وی کا دروازہ کھول بالاج میر باہر آیا۔ زینیا نے اسے نہیں دیکھا، وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔اس نے زینیا کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گئی۔لب بھینچ لئے۔اس نے تو بالاج کے ساتھ پیدل چلنا بھی قبول کیا تھا مگر پھر بھی۔۔۔۔

''کسی ریستوران چلیں؟'' وہ خوشگوار پیشکش کر رہا تھا۔ زینیا کو وہ وقت یاد آیا جب بالاج ریستوران کے نام سے کتراتا تھا۔

''کام کی بات کرو، کیوں ملنا تھا۔'' زینیا نے بے زاری سے کہا۔

''جانتی ہو میں نے تمھیں کتنا مس کیا؟'' وہ یاسیت سے کہہ رہا تھا۔ زینیا خاموش رہی۔''میں مانتا ہوں میں نے غلطی کی۔اس روز جو تمہارا ری ایکشن تھا ہر بیوی کا ری ایکشن یہی ہوتا۔ مجھے وہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ یا پھر۔۔۔۔''

''تم نہیں گئے کیونکہ تم لالچی انسان تھے۔ کیونکہ تم مجھ پہ گواپ کر سکتے تھے، مگر اس لڑکی پہ نہیں۔ تم مجھ پہ ہاتھ بھی اٹھا سکتے ہو، مجھے طلاق بھی دے سکتے ہو، اور طلاق دینے کے بعد یوں واپس بھی آ سکتے ہو۔ کیا میں تمھیں واقعی اتنی ارزاں لگتی ہوں؟''

''دوسری شادی کوئی گناہ نہیں، زینی۔ دین اسکی اجازت دیتا ہے۔''

''بلکل دیتا ہے۔ میں بھی دیتی اگر میں تمھیں اولاد نہ دے سکتی۔ اگر میں تمہارا گھر نہ سنبھال سکتی۔ معاشرے میں تمہیں میری وجہ سے سبکی اٹھانی پڑتی۔ یا پھر مجھ سے تمہارا دل بھر جاتا۔ تمہیں میری جگہ کسی اور عورت کی خواہش ہوتی۔ خدا کی قسم میں تمہیں خود دوسری شادی کی اجازت دیتی لیکن تم۔۔'' اسکی آنکھیں سرخ انگارہ ہوئیں۔

''تم نے چند ٹکوں کے لالچ کے لئے مجھے دھوکہ دیا۔ تمھارے دل میں، میں تھی اور تم نے اس دوسری عورت کی بھی ناقدری کی۔ دین کا نام تب لو جب تمہاری زبان پاک ہو۔ لالچ اور مفاد سے پاک۔''

''تم ایک بات بھول گئیں۔ میں ان سب کے بعد تمھیں واپس اپنا بھی سکتا ہوں۔''

زینیا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہم واپس ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ تم ایک بار۔'' اس نے زینیا کا ہاتھ پکڑنا چاہا جسے اس نے بے دردی سے جھٹکا۔ ''ہم حلالہ کر سکتے ہیں۔'' **(وہ جوڑا جن کی رخصتی نہ ہوئی ہو یا جن کے درمیان ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو وہاں اگر شوہر ایک طلاق بھی دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اگر وہ اس عورت کو دوبارہ نکاح میں لینا چاہے تو نئے حق مہر کے ساتھ بغیر حلالہ کے وہ نکاح کر سکتا**

ہے۔ لیکن پھر بقیہ زندگی میں اسکے پاس صرف دو طلاق کا اختیار ہو گا۔ حلالہ کے متعلق باقی تفصیل آگے بیان کی جائے گی) پتھروں کا کوئی تھال سا تھا جو زینیا کے سر پہ آکر لڑھکا تھا۔

''اٹس ایزی۔۔ میرا ایک دوست ہے۔ وہ بہت اچھا ہے وہ تم سے نکاح کرلے گا اور پھر میں۔۔''

زینیا نے اسٹیئرنگ وہیل اپنی گرفت میں لے کر اسے گھمایا۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے، اور یکدم گاڑی ایک درخت سے لگتے لگتے بچی۔ گاڑی رک گئی تھی، مگر زینیا کے اندر ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔ اسکی رنگت دہکتے تانبے کی مانند تھی۔

''تمہاری جرات کیسے ہوئی، بالاج میر؟'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

''میں نے تمہارا باب کھرچ کر نکال دیا ہے۔ اور اب تمہارے ساتھ ہونا تو دور میں تم پہ تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ اگر دوبارہ تم نے مجھ سے ایسی کوئی بات کی تو میں تمہارے ساتھ اتنی بری پیش آؤں گی کہ تم یاد رکھو گے۔'' وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی جب بالاج نے بازو سے کھینچ کے اسے واپس اپنی طرف موڑا۔

''سیاہ کاری کے معملات سے واقف ہو تم؟'' وہ ٹھنڈے برف لہجے میں بولا تھا۔

زینیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''صرف ایک بار صرف ایک بار میں اپنی زبان کھولوں گا اور تم، تم جانتی ہو تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔ صرف ایک بار مجھے یہ کہنا ہو گا کہ میں نے اسلام آباد کے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں تمھیں غیر مرد کے ساتھ دیکھا ہے۔ جانتی ہو تب کیا ہو گا؟'' زینیا کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔ اس کے جسم سے بے اختیار سانس نکل گیا تھا۔ خالی شل سی ہو گئی وہ۔

''تم مجھے جانتی ہو ناں؟ تم ہمارے رواج بھی جانتی ہو۔ جب تمہارا اپنا شوہر کھڑے ہو کر کہے گا کہ تم ایک گھٹیا کردار کی عورت ہو۔ تب ہر کوئی میری بات کا یقین کرے گا۔ کوئی تم پہ تھوکے گا بھی نہیں زینیا حاکم۔ تمھیں لگتا ہے تم مجھے چھوڑ سکتی ہو؟''

''بشر۔۔۔ میں۔۔ میں بشر کو بتاؤں گی۔۔۔۔ بشر تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔'' بالاج نے محظوظ کن انداز میں ابرو اٹھائے۔

''تمھیں واقعی لگتا ہے بشر تمہارے لئے تب کھڑا ہو گا جب میں تمہارے خلاف ہوں گا؟ کیا واقعی؟'' وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسنے لگا تھا۔ زینیا اب تک شل تھی۔ غیرت کے نام پہ ہونے والے قتل آج بھی اس کے صوبے میں غیرت کا سمبل سمجھے جاتے تھے۔

''لیکن لیکن لیکن۔۔۔۔ اگر تمھیں شک ہے تو ہم ابھی کے ابھی کنفرم کر لیتے ہیں کہ بشر تمہارے ساتھ ہے یا پھر میرے ساتھ۔'' اس نے کہتے ہوئے موبائل باہر نکالا۔ کال ملائی۔ رنگ جاتی رہی اور تھوڑی دیر بعد کال اٹینڈ بھی ہو گئی۔

''ہیلو بشر؟ ہاں بھائی کیسے ہو تم؟'' اس کے لہجے میں چاشنی سی گھل گئی۔ سامنے سے کچھ کہا گیا۔ بالاج مسکرایا۔ ''ہاں یار آج ہی پاکستان آیا ہوں میں۔ اس بار کراچی نہیں اسلام آباد ایئرپورٹ آیا تھا۔''

''گوادر کب آ رہے ہو؟ زینیا سے ملے ہو؟ میں اسکی وارڈرن کے پاس تمہارا نام اور تصویر چھوڑ کر گیا ہوں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔'' بشر کا لہجہ خوشگوار تھا۔ وہ اسے بہنوئی والا پروٹوکول دینے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''میں زینیا سے ملنے گیا تھا لیکن۔۔'' زینیا نے اسے ڈرامائی وقفہ لیتے دیکھا۔

''کیا تم نے اسے جاب کرنے کی اجازت دی ہے؟ چلو جاب کی اجازت دینا بھی سمجھ آتا ہے مگر وہ سڑک پہ کسی مرد کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو میری بہن کے بارے سوچ سمجھ کر بولا کرو۔''

"میں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ چاہو تو ثبوت بھیج سکتا ہوں۔ میرے پاس ویڈیوز اور تصاویر ہیں تم۔۔" وہ آگے کچھ کہہ پاتا کہ زینیا نے فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ بالاج مسکراتا رہا۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے، بشر۔ اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس نے مجھے مارا ہے اس نے مجھے۔۔'' بولتے بولتے وہ رک گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوئیں۔ بالاج نے طنزیہ ابرو اوپر کو اٹھائے۔ یوں جیسے کہہ رہا ہو۔ **''بتاؤ زینی آگے بتاؤ۔''**

''اس نے کیا کیا ہے، زینی مجھے بتاؤ۔۔۔ خدا کی قسم میں اس کے پورے خاندان کو دیکھ لوں گا۔'' وہ بامشکل ضبط کیے ہوئے تھا۔ زینیا نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ کوئی بھی لڑکی اپنے بریک اپ، اپنی طلاق، اپنی مار کا ذکر فوراً نہیں کر دیتی۔ اس نے ہمت مجتمع کی۔ جتاتی نظروں سے بالاج کو دیکھا۔

''بالاج نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا بشر۔ بالاج نے مجھ پہ شک کیا، ہر فون کال ہر بات پہ وہ عبداللہ کو بیچ میں لاتا ہے۔'' بشر کے جبڑے بھینچ گئے۔ ہاتھوں کی نسیں پھول گئیں۔

'' بالاج۔۔نے۔۔کہاکہ وہ مجھے طلاق دے دے گا۔''بشر کے ہاتھ سے موبائل چھوٹتے ہوئے بچا تھا۔ بالاج کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اور زینیا کے دل سے ڈھیر سارا بوجھ سرک گیا۔ بالاج نے تیزی سے فون زینیا کے ہاتھ سے لیا مگر کال کٹ چکی تھی۔وہ دیوانہ وار بشر کو کال ملانے لگا تھا۔زینیا نے اس کے چہرے پہ وحشت دیکھی۔

''وہ کوئی اور دور ہوتا تھا بالاج۔۔۔جہاں مرد اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور رجوع کر لیتے تھے طلاق دیتے تھے اور رجوع کر لیتے تھے۔یہ سائیکل پھر چلتا ہی رہتا تھا۔ مگر اب۔زمانہ۔۔بدل۔۔چکا ہے۔''اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔اس نے اپنے آخری الفاظ پہ زور دیا۔

''دین نے عورت کے لئے گنجائش نکالی ہے اور اب تم مجھے استعمال نہیں کر سکتے۔کوئی مرد کسی عورت کو استعمال نہیں کر سکتا۔میرا دین میرے ملک کا قانون یہ اجازت نہیں دیتا۔''اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔فشار خون تیز ہو گیا تھا، چہرہ سرخ پڑ رہا تھا لیکن وہ کسی بالاج کے سامنے نہیں جھکے گی۔ہر گز نہیں۔

بالاج پیچھے بکتا جھکتا رہا۔واپسی کے سفر میں زینیا کی آنکھوں نے بھل بھل آنسو بہائے تھے۔زندگی فیری ٹیل نہیں تھی۔اس نے کیوں سمجھ لیا کہ اسکا قفس ٹوٹ گیا ہے؟

نیا سال شروع ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔سارے کا سارا اسلام آباد آج کسی کیفے، ریستوران، نائٹ کلبز یا پھر کسی تفریحی مقام پہ موجود تھا۔اگر کہیں مردنی سی چھائی تھی تو وہ زینیا حاکم کا کمرہ تھا۔ بالاج سے مل کر آنے کے بعد وہ کب سے اسی پوزیشن میں بیٹھی

تھی۔گھٹنے سینے سے لگائے، چہرہ گھٹنوں پہ رکھے، کسی آبشار کے جیسے اس کے بال دونوں کندھوں سے ڈھلک کر آگے کو گر رہے تھے۔اسکی آنکھیں دیکھو تو، آنسو بہہ رہے تھے۔

ساری زندگی اس نے خود کو مضبوط رکھا، چاہے ڈھیٹ بن کر ہی سہی۔ مگر خود کو جھکنے نہ دیا۔ بالاج کو کس نے حق دیا تھا کہ وہ ایک جھٹکے میں اس سے اسکی ساری خود مختاری چھین لیتا۔اس کے پاس ہمیشہ حل ہوتے تھے لیکن آج جو بات بالاج نے کی تھی اس نے زینیا کی روح تک لرزا دی تھی۔

''کب تک اس طرح بیٹھ کر سوگ منانا ہے؟'' آئینے کے سامنے تیار کھڑی شیزل نے سوال کیا تھا۔''آج رات نیا سال شروع ہو رہا ہے۔تم قیسم کی طرف سے مدعو ہو۔اور تم یہاں بیٹھ کر کیا ماتم کر رہی ہو۔'' زینیا نے اب بھی جواب نہ دیا۔

''میں جانتی ہوں بالاج واپس آگیا ہے۔ وہ تم سے جو چاہتا ہے تم مر کر بھی نہیں کرنا چاہتیں۔ لیکن اندر ہی اندر تم خوف زدہ بھی ہو۔اور تمھارے اسی خوف نے تمھارے ذہن کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ تمہیں سمجھ نہیں آرہا کرنا کیا ہے۔ہے ناں؟ ہر بریک اپ اور طلاق کے بعد انسان اسی طرح دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔'' اب کے زینیا نے چہرہ اٹھایا۔

''تم تیار ہو رہی تھیں یا پھر میرا ایکسرے کر رہی تھیں؟'' اسکا گلا بیٹھا ہوا تھا۔''سارے موسم دل کے ہوتے ہیں میرا دل ہی نہیں چاہ رہا کہیں جانے کا۔''

''اس لئے کیونکہ تم نے دل کو بوجھل کر رکھا ہے۔ میں مانتی ہوں موسم دل کے ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح اسے ایک کمرے میں قید کر کے اس سے پراگریس مانگو گی تو یہ سراسر بے وقوفی ہو گی۔ دل بھی جسم کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح کسی ضدی بچے کو

زبردستی دوائی پلائی جاتی ہے اس طرح دل کو بھی زبردستی کی روشنی، رونق دکھاؤ۔ کیا پتہ وہ پلٹ جائے، خوش ہو جائے۔ رسک لینے پڑتے ہیں۔''

''میرے پاس ہمیشہ حل ہوتے تھے، میں ایسی نہیں تھی۔ یہ میں نہیں ہوں۔''اس نے مایوسی سے گردن جھکادی۔

''میرے پاس بھی ہمیشہ آئیڈیاز ہوتے ہیں۔ لیکن دیکھو کل تک مجھے ایک نیا آئیڈیا جمع کروانا ہے ورنہ بیز کلیکشن کا پراجیکٹ مجھ سے چھن جائے گا۔ اور مزے کی بات سنو۔ میرے پاس کوئی آئیڈیا نہیں۔ میرا دماغ بلینک ہے۔''وہ ایسے جوش سے تب بھی نہ بولتی جب اس کے پاس آئیڈیا ہوتا۔ ''لیکن میں پھر بھی اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ انکے فارم ہاؤس جا رہی ہوں۔ ہم پارٹی کریں گے، گوسپ کریں گے، کھائیں گے پیئیں گے۔ شاید کوئی آئیڈیا بھی آجائے۔''

''تمہارا مسئلہ مختلف ہے۔ تم ایک کمپنی کو جواب دہ ہو۔ اور میں زندگی کو۔''

''میرے الفاظ اب ختم ہو گئے۔ سچ کہتے ہیں لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔''اس نے زینیا کا بازو پکڑ کر زبردستی نیچے کھینچا۔ وہ بے زار سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیزل نے الماری میں لٹکے اس کے کپڑے یہاں وہاں کیے، ہر جوڑے کو تنقیدی نظر سے دیکھا اور پھر بلا خر ایک سیاہ مخمل کا جوڑا نکال لیا۔ جس کے اوپر سفید خوبصورت ایمبرائڈری تھی۔ اتنا نفیس اور خوبصورت کام تھا کہ پل بھر کو ستائش سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔

تھوڑی دیر بعد زینیا آئینے کے آگے بیٹھی تھی۔سیاہ رنگ کے جوڑے میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔بالوں کی فرنچ چٹیا بنا رکھی تھی۔جو کہ اس وقت اس کے کندھے سے آگے آکر گرتی تھی۔گلے میں چین تھی۔اور ناک میں وہی شادی شدہ عورتوں والا زیور۔شیزل جا چکی تھی۔اور اب زینیا اکیلی تھی۔

وہ ٹھیک کہتی تھی۔زینیا خود دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔لیکن اب مزید نہیں۔اس نے پہنی ہوئی لونگ کے پیچ کھولے،اسے گھمایا۔اور اتار لیا۔اب وہ میز کی دراز سے اپنی فیروزے کی لونگ نکال کر پہن رہی تھی۔پرانی زینیا کے واپس آنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔اس نے شادی کو ذمہ داری اور زندگی کا حصہ سمجھا لیکن وہ سانس روک رہی تھی۔قفس توڑا جا رہا تھا۔

"مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔" آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے دہرایا۔اور سرخ لپسٹک اٹھا کر ہونٹوں پہ لگائی۔اب وہ تیار تھی۔اب وہ کسی بھی آفت کے لئے تیار تھی۔اب وہ اپنے لئے تیار تھی۔

بیڈ پہ دھری مخملی سیاہ شال، جس کے بارڈر پہ نازک کام ہوا تھا،اوڑھتے ہوئے زینیا کا دل بھاری ضرور تھا۔مگر غم کی شام کا اختتام ضرور ہوتا ہے۔

کمبیر محل کی روشنیاں آج سارے اسلام آباد کی روشنیوں کو مات دیتی تھیں۔سیاہ گیٹ پہ باوردی ملازم کھڑے تھے۔آنے والوں کے ڈرائیور ایک کارڈ ملازم کے ہاتھ میں دیتے اور انکے مالکین غرور سے گردن سیدھی کئے اندر بڑھ جاتے تھے۔اندر آؤ تو تاحد نگاہ

پھیلے وسیع سبزہ زار پہ کئی امراء ہاتھوں میں گلاس لئے یہاں سے وہاں گھوم رہے تھے۔ ذرا سے فاصلے پہ لمبی لمبی میزیں لگی تھیں۔ لیکن اس طرف رش کم تھا یعنی کھانا ابھی نہیں کھلا تھا۔

زینیا حاکم آج اس گھر میں دوسری دفع داخل ہوئی تھی۔ ایک ناسٹیلجیا سا تھا، جو آس پاس بکھر گیا۔ پہلی بار جب وہ یہاں آئی تھی، تب اس کے پاس ایسا موقع نہیں تھا کہ کمبیر محل کی رونقیں دیکھے، اور آج۔ آج تو کمبخت دل بھی نہیں تھا۔ یہ گھر تھا کہ کیا؟ کوئی اس کے اندر داخل ہو کر خوش یا نارمل کیوں نہیں رہ سکتا تھا؟ طویل روش پار کرتی وہ آگے بڑھ آئی۔ یہاں لوگ ہی لوگ تھے۔ قیسم کے ملازمین، قیس کمبیر کے دوست، ساتھی ڈیزائنرز، مہدی کمبیر کے لوگ۔

زینیا چپ چاپ ایک طرف آکر کھڑی ہوگئی۔ اپنا آپ آکورڈ سا لگا۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ قیس کمبیر سیاہ تھری پیس میں ملبوس گھنگریالے بالوں کو جیل سے پیچھے کو کئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد مختلف لوگوں کے پاس ٹھہر ٹھہر کر کچھ بات کرتا تھا، مسکرا دیتا یا پھر مسکرانے پہ مجبور کر دیتا۔ کم از کم اسے مہمانوں کا خیال تو تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی جب نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے ہوئے قیس نے گردن ترچھی کی۔ بے اختیار ہی دونوں کی نظر ملی۔ زینیا اگر نظر ہٹاتی تو وہ کیا سمجھ بیٹھتا۔ اسی خیال کے چلتے وہ اسے دیکھتی رہی۔ قیس نے اسے دیکھتے ہوئے ہی اسکی طرف قدم بڑھائے۔ ساتھ ہی کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہوگئی تھی۔

لوگ مجمعے کی صورت ایک جگہ اکٹھا ہونے لگے تھے۔ مگر وہ دونوں براہ راست ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"ٹین۔۔۔۔نائن۔۔۔۔ایٹ۔"

اس کے بڑھتے ہوئے قدم عین زینیا کے سامنے آکر رکے۔ مگر نظر نہ ہٹی۔ ضد تھی تو ضد سہی۔ ہٹ دھرمی تھی تو پرواہ کسے تھی؟

"سیون۔۔۔سکس۔۔۔۔۔فائیو"

"پہلی بار جب تم کمبیر محل آئی تھیں تو ڈر گز کے بیگ ساتھ تھے۔اب دوسری بار ٹرمینیٹ شدہ ملازم کی حیثیت سے۔کیا تم کبھی نارمل طریقے سے نہیں آسکتیں؟"

"فور۔۔۔۔تھری۔۔۔۔۔ٹو۔۔"

"پہلی بار جب میں تم سے ملی تھی، تم نے میری گردن پہ بندوق رکھی تھی۔مجھے لگا تم سائیکو ہو۔اور آج اس سڑک پہ میرے ساتھ ڈیل کرنے کے بعد بھی مجھے ٹرمینیٹ شدہ کہہ رہے ہو۔کیا تم کبھی نارمل نہیں دکھ سکتے۔"

" ہیپی نیو ایئر۔۔۔۔۔۔۔"

"ہیپی نیو ایئر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

شور بلند ہوا، آسمان میں آتش بازی ہونے لگی۔نیلی، نارنجی، سبز غرض کہ قوس قزح کے تمام رنگوں سے مزین روشنیاں ان دونوں کے چہروں پہ پڑ رہی تھیں۔ساری دنیا ایک طرف نئے سال کو خوش آمدید کہہ رہی تھی، اور وہ دونوں ایک طرف ایک دوسرے کو خاکستر کرنے کے درپے تھے۔

"ہمیشہ کی طرح تم نے میرا موڈ پوری طرح خراب کیا ہے۔تمہارا شکریہ۔" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"تمھیں دیکھ کر میرے ارد گرد جو بہار کے پھول کھلنے لگے ہیں۔انہیں چنتے چنتے میں تھک نہ جاؤں۔کسی ملازم سے میری ہیلپ کا کہہ دو۔"

''لیکن تمھیں تو کسی کی مدد لینے کا کوئی شوق نہیں تھا۔''

''تمھارے شہر نے میرے شوق بدل دیئے ہیں۔''

''تمہیں بدلنے میں ناکام رہا۔''

''کوشش جاری ہے، مستقبل کس نے دیکھا ہے؟''

وہ کچھ کہتا کہ لوگوں کی پکار پہ پلٹ کر دیکھا۔ اسے کیک کاٹنے کے لئے بلایا جا رہا تھا۔ باقی جلے کٹے الفاظ مستقبل کے لئے سنبھالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ زینیا بھی آگے آ کر لوگوں کے درمیان ٹھہر گئی۔ کیک کاٹا گیا۔ امراء و رعوسا نے گوسپس کے درمیان ان لمحات کو انجوائے کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھاس کے قطعے پہ ایک طرف کو چلی آئی۔ اسی پل اسے ایک حیران سی آواز سنائی دی۔

''او مائی گاڈ۔ تم یہاں؟'' ساتھ کھڑا مہدی کمبیر بے یقین تھا۔ ''تم یہاں کیسے؟ تم تو فائرڈ ہو گئی تھیں ناں۔''

''مجھے آج ہی دوبارہ جوائننگ لیٹر ملا ہے۔ **(یہ کب ہوا؟)** کل سے میں دوبارہ قیسم کا حصہ ہوں۔'' کھانا کھل گیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے میز کی طرف جانے لگے۔

''تم جانتی ہو مجھے کتنا برا لگا تھا تمھارے فائرڈ ہونے کا سن کر۔ میں قیس سے لڑا بھی تھا ہاں تمہارا نام لے کر نہیں لیکن ویٹ تم؟ تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔''

''آخری اطلاعات تک میں آپ کی ملازمہ نہیں ہوں جو آپ کو مطلع کروں۔''

''میری آخری اطلاعات کے مطابق میں تمہارا دوست نہیں تھا لیکن تم نے جاب جانے کا مجھے بتایا۔ کیوں بتایا؟''

زینیا ایک میز کے گرد رکھی کرسی پہ بیٹھی۔ مہدی اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ کبھی بھی اس کے ساتھ نہیں بیٹھتا تھا۔ ہمیشہ سامنے، یا فاصلے پہ۔

''وہ اطلاع نہیں الزام تھا۔'' زینیا نے اپنی پلیٹ میں کچھ رکھا۔ ساتھ ہاتھ بڑھا کر مزید ڈشز پلیٹ میں ڈالنے لگی۔

''اور اسی الزام کے لئے میں تم سے ناراض ہوں۔''

''کھائیں گے؟'' اس نے اپنی پلیٹ مہدی کے آگے کی۔ اسکی پچھلی بات کو نظرانداز کیا۔ **(بلوچ لوگ کھانا کھاتے وقت ساتھ بیٹھے ہوئے سے لازمی ساتھ کھانے کا کہتے ہیں۔ چاہے وہ دشمن ہو چاہے دوست۔)**

''جب میں ناراض ہوتا ہوں تو کھانے کی پیشکش بھی رد کر دیتا ہوں۔'' خفا خفا انداز میں زینیا کے علم میں اضافہ کیا۔ وہ ڈھیٹ بغیر اثر لئے کھاتی رہی۔ ایسا لزیز کھانا دیکھ مہدی کا دل للچایا۔

''جب میں کھانا نہ کھاؤں تو مجھے فورس کرتے رہنا چاہیے۔'' وہ آگے کو ہو کر بولا۔ زینیا اسے دیکھے بغیر کھاتی رہی۔

''دیکھو مجھے منالو، میں بہت جلدی مان جایا کرتا ہوں۔'' اب کے مہدی کی بس ہو چکی تھی۔ زینیا نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ سنہری آنکھیں سبز آنکھوں پہ گڑ سی گئیں۔

''ٹریول آپ کا اسکیپ تھا۔ مجھے آپ کو اس اپنے مسائل کے لئے کال نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

"انڈائرکٹلی تم مجھے سوری کہہ رہی ہو؟"اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"ڈائریکٹلی میں آپ کو خاموش ہونے کا کہہ رہی ہوں، کیونکہ مجھے کھانا کھاتے ہوئے ڈسٹرب ہونا نہیں پسند۔"

"تم اپنی بات کو کور کررہی ہو، لیکن میں تمھارے لہجے میں معذرت کا عنصر محسوس کرسکتا ہوں۔"کہتے ساتھ اس نے اپنی پلیٹ بھرلی۔چہرہ کھل اٹھا۔

"یہ آپ کی کزن ہے ناں؟ قیسم میں دیکھا تھا اسے۔"زینیا نے کناکھیوں سے فاصلے پہ کھڑی انیسہ کی طرف اشارہ کیا۔مہدی نے گردن اٹھا کر دیکھا۔وہ کسی مرد کے ساتھ کھڑی تھی۔مسکرارہی تھی۔اس نے چہرہ واپس موڑلیا۔چمک ماند پڑگئی۔

"ہاں یہ میری کزن ہے۔"

"آپ کا تجسس بھی؟"

مہدی نے بے یقینی سے گردن اٹھائی۔"تمہیں کیسے پتہ؟"

"میں آنکھوں سے پسند ناپسند بھانپ لیتی ہوں۔"سادگی سے کہہ کر وہ دوبارہ کھانے لگی تھی۔بالاج کا خیال دل سے جاتا رہا مگر کب تلک؟ مہدی کا فون بجا تو اس نے کال اٹینڈ کرلی۔

"تم واپس کب آئے؟ ہاں یار میں ملک میں نہیں تھا۔ہاں ہاں سب سیٹ ہے۔"

وہ مسکرا کر خوشدلی سے بات کر رہا تھا۔ چہرہ چمک اٹھا تھا۔ ''تم یہیں ہو؟ کمبیر محل کے باہر؟ اندر کیوں نہیں آئے۔ اچھا وہیں رکو میں آتا ہوں۔'' وہ موبائل کان سے لگائے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ زینیا کی نظروں نے بے اختیار اس کا پیچھا کیا۔

ذرا سے فاصلے پہ وہ رکا۔ گارڈز کی معیت میں ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی چلا آ رہا تھا۔ اسکی مسکراہٹ پر کشش تھی۔ روشنی میں جہاں اسکا چہرہ واضح ہوا، وہیں زینیا حاکم کا دل رک سا گیا۔ مہدی نے اس آدمی کو گلے لگایا اور پھر ذرا سا اوپر کو اٹھایا۔ ان دونوں کے قہقہوں کی آواز یہاں تک آتی تھی۔ زینیا کے لئے ساری آوازیں رک گئیں۔ اسکی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔

اب کے وہ دونوں ذرا سنجیدہ تھے۔ مہدی اسے اندر چلنے کو کہہ رہا تھا۔ نوارد بس منع کر رہا تھا۔ زینیا ٹکر ٹکر انہیں دیکھے گئی۔ اب وہ سنجیدگی سے مہدی کو کچھ کہہ رہا تھا۔ مہدی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا گویا تسلی دی ہو۔ ساتھ کھڑا آدمی مسکرایا۔ زینیا کو اسکی مسکراہٹ مکروہ لگی۔ اسے اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔ چند پل بعد وہ الوداعی کلمات کہہ کر پلٹ گیا۔ مہدی گھاس کے قطعے پہ یونہی کھڑا رہا، پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے واپس میز کی طرف آیا۔

''آپ اس آدمی کو کیسے جانتے ہیں؟'' زینیا کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ مہدی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ گہری سانس لی۔

''بالاج میر، اسکا نام ہے۔ وہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔ ہم دونوں یونیورسٹی میں ساتھ تھے۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' اس نے بظاہر نارمل رہنے کی کوشش کی۔ مگر دل کے اندر کوئی بے حد زور سے جکڑ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ لرزش کا شکار تھے۔ رنگت تاریک پڑ رہی تھی۔

''اصل میں اسکی طلاق ہو گئی ہے۔ مگر اسکے مطابق اسکی بیوی انتہائی ٹاکسک عورت ہے۔اب وہ دوبارہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ بالاج کے کچھ ایشوز ہیں۔اسے اپنی ایکس کی بات ماننی ہو گی۔ ورنہ بہت برا ہو سکتا ہے۔''

''میں آپ سے پوچھ رہی ہوں، وہ آپ سے کیا چاہتا ہے۔؟'' زینیا دباد باسا غرائی۔آس پاس لوگوں نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ مہدی نے کانٹے والے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جیسے کہہ رہا ہو۔''my bad''

''مجھے نہیں پتہ وہ exactly کیا چاہتا ہے۔ لیکن اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے۔اور میں وعدہ کر چکا ہوں۔ وہ ایسا دوست ہے جسے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہہ رہا تھا مجھے قیس کو منانا ہو گا۔اب دیکھو کیا کہتا ہے۔''

زینیا کے کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔اسے بالاج کے کہے ہوئے الفاظ یاد آئے۔

(صرف پانچ منٹ زینی، صرف اور صرف پانچ منٹ یہاں نکاح کے پیپرز سائن ہوں گے۔ یہاں وہ تمہیں طلاق دے دے گا۔ تم میرے لئے ہو گی۔ میرا دوست بہت اچھا انسان ہے۔اسکا کزن بھی بہت اچھا انسان ہے۔ تم ایک بار اس سے مل لو۔ میں اس کے کزن۔'' بات کاٹ دی گئی زینیا نے اس کے منہ پہ کال کاٹ دی تھی۔)

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اسکا سانس بند ہونے لگا تھا۔ میز پہ رکھا بیگ کندھے پہ ڈالا اور اگلے ہی لمحے وہ تیز تیز قدم لیتی وہاں سے دور جا رہی تھی۔ مہدی حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ ضرور اس کے پیچھے جاتا مگر آج کی رات وہ زینیا کو موضوع محفل نہیں بنانا چاہتا تھا۔ شاید وہ لفظ طلاق پہ ٹرگر ہوئی تھی۔اس نے قیاس لگایا۔

کمبیر محل کے باہر دیوار سے لگی زینیا حاکم اپنے آنسوؤں پہ بند نہ رکھ سکی۔ اسلام آباد اس کے ساتھ بے رحم تھا۔ زندگی نے اس کے ساتھ انصاف نہ کیا تھا۔ اور جن لوگوں پہ اسے تھوڑا بہت بھی اعتبار تھا وہ اسکے مجرمین کے ساتھ ملے تھے۔ مہدی کیا اسے مہدی کو بھی کھونا تھا۔ کم از کم مہدی نہیں۔ آخر وہ کیوں؟

نیا سال زینیا حاکم کے لئے وہی پرانے مسائل ساتھ لایا تھا۔ قفس ٹوٹا نہیں ہاں البتہ مزید تیزی سے جکڑا جا چکا تھا۔

(''کچھ انسانوں کو جب کسی قفس میں قید کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے وہ بے یقین ہوتا ہے۔ پھر انکار کرتا ہے، پھر جھنجھلا سا جاتا ہے۔ اگر انسان کا ہن ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کئی قفس دراصل اسکی آزادی کا پروانہ ہیں۔'')

قیسم کی عمارت میں قدم دھرتے ہوئے قیس کمبیر کے آفس کا رخ کرو تو وہاں ایک سرد سی فضا قائم تھی۔ پاور چیئر پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے مہدی۔

''یعنی تمھارے اس گھٹیا دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اسے ذلیل کیا اور اب وہ اسے دوبارہ اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہے؟ اسے شرم آنی چاہیے۔ وہ ایک گھٹیا عورت پہ کتنی بار یقین کرے گا؟''

''تم ایسے کیسے کسی عورت کو گھٹیا کہہ سکتے ہو۔ کیا معلوم وہ بری نہ ہو۔''

''اوہ اچھا وہ بری نہیں تھی تو پھر اسے طلاق کیوں ملی؟ جس جس عورت نے طلاق لی ہے اس میں اس کا قصور ہوتا ہے۔ عورت کے ہاتھ میں وہ جیسے چاہے مرد کو اٹھائے، جیسے چاہے بٹھائے۔ وہ چاہتی تو نباہ کر سکتی تھی لیکن عورت ذات کا کیا اعتبار۔ تمھارے دوست کو چاہیے اسے ساری دنیا میں ذلیل کرے۔''

''ٹھیک ہے مان لیا دنیا کی ساری عورتیں جہنمی اور تم نیک پارسا بلکہ سارے مرد جنت کے کبوتر۔ اب ہم مدعے پہ آئیں؟''

''مدعا یا پھر بکواس؟ اپنی بیوی کو طلاق اس نے دی ہے حلالے کے لئے وہ ہمیں کیوں کہہ رہا ہے؟ اور چلو اس نے کہہ بھی دیا۔ تمہاری عقل گھاس چرنے گئی تھی جو یہ درخواست لے کر مرے پاس آئے ہو؟ حلالہ واٹ نان سینسس۔ مجھے یقین نہیں آتا وہ میرا نام لے کر ایسی فرمائش کر کیسے سکتا ہے۔'' وہ جھلایا۔

''تمہارا کیا چلا جائے گا، نائٹ میئر؟ بس پانچ منٹ کی بات ہے اور اس کے بعد آزادی۔ بالاج نے میری بہت منتیں کی ہیں۔ وہ خود بھی تم سے بات کرنا چاہتا تھا مگر۔۔۔''

''اسے انکار کر دو۔ اور اب اگر تمھارے منہ سے اس کے حق میں ایک بھی لفظ نکلا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اسکی جرات کیسے ہوئی میرا نام لینے کی۔'' وہ اتنی درشتی سے بولا کہ مہدی خاموش ہو گیا۔

قیس کو اب بھی یہ کسی فلم کی کہانی لگ رہی تھی۔

(''انسان ایک قفس کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ لاچاری کا قفس۔ ہر عضو موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے سے بڑے انسان کی مدد کا متمنی۔ اور یہ قفس ساری زندگی نہیں ٹوٹتا وہ چلنے کے لئے ماں کا محتاج ہے، تو بولنے کے لئے باپ کے سکھائے الفاظ کا۔ ایک دن تمام قفس ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ دن انسان کی موت کا دن ہے۔'')

یہ تین جنوری کا ذکر ہے۔ ہاسٹل کے میٹنگ روم میں اس وقت بالاج صوفے پہ بیٹھا تھا۔ زینیا غیر آرام دہ سی ایک طرف کو کھڑی تھی۔ وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔

''کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گی؟ مجھے چھوڑ کر کچھ نہیں بدلنے والا۔ میں نہیں تو کوئی اور مرد سہی مگر خود سے پوچھو اس ایک شادی کا ٹوٹنا کتنی بڑی تباہی لائے گا۔''

''چاہے میں مر بھی جاؤں، بالاج، لیکن میں کبھی تمھارے پاس واپس آنے کا نہیں سوچوں گی۔ میں کبھی بھی تمھارے اس گھٹیا آئیڈیا کو عملی جامہ نہیں پہنانے دوں گی۔'' بالاج اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نہیں مانو گی اب زرا مجھے مستقبل کا نقشہ کھینچ لینے دو۔ جب تم اپنے گھر میں بتاؤ گی کہ میں نے تمھیں طلاق دی۔ تب میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ وہ طلاق ایئرپورٹ پہ نہیں دی گئی تھی۔ طلاق میں نے ایک ہوٹل کے کمرے میں دی جہاں تم غیر مناسب حالت میں ایک مرد کے ساتھ تھیں۔'' زینیا کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا جسے بالاج نے جکڑ لیا۔ وہ پھولتے تنفس، سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔

''آگے سنو ڈارلنگ۔سب سے پہلے تو تمہارا اپنا باپ پستول کے اندر کا سارا لوہا تمھارے اندر اتارے گا۔اور میرا یقین کرو اگر اس نے ایسا نہ کیا تو میرا بھائی، میں یا پھر خاندان کا کوئی بھی غیرت مند مرد یہ کام ضرور کرے گا۔غیرت کے نام پہ ہونے والے قتل ہمارے لئے نئے نہیں ہیں۔''

''ابا چاہے لاکھ سخت مزاج سہی، وہ میری بات کا اعتبار کریں گے، بالاج۔ابا تم پہ اور تمہاری باتوں پہ تھوکیں گے بھی نہیں۔''وہ پھنکاری تھی۔بالاج محظوظ کن نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹا تھا۔

''چلو پھر آزما کر دیکھ لیتے ہیں۔''کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا۔زینیا ساکن سی اسے دیکھ رہی تھی۔بالاج نے چند تصاویر اور ویڈیوز پہ کلک کیا۔پھر رک گیا۔''تمھارے باپ سے پہلے کیوں نہ تم ان تصاویر کو دیکھ لو۔''اس نے سکرین کا رخ گھمایا۔زینیا بے یقینی سے پیچھے کو ہٹی۔

سکرین پہ زینیا اور قیس کی تصاویر تھیں۔وہ گاڑی میں بیٹھا تھا اور اسکی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔اگلی تصویر میں زینیا نے بھی ہاتھ بڑھایا۔

ویڈیو کھلی اس ویڈیو میں زینیا حاکم سیاہ رنگ کے جوڑے میں ملبوس تھی،اور فائر ورکس کے دوران وہ قیس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

اگلی کچھ تصاویر میں وہ مہدی کے ساتھ کھڑی تھی۔یہ بھی کمبیر محل میں ہونے والی پارٹی کی تصاویر تھیں۔زینیا اس کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

''تم دو مختلف مردوں کے ساتھ ہو زینیا۔ تمہاری پوزیشن کمزور ہے۔اب یہ شو تمہارے اپنے باپ کو دکھاتے ہیں پھر جو وہ کہیں۔''اس نے تصاویر بھیجنی چاہیں جب زینیا کی پھنسی پھنسی سی آواز باہر نکلی۔

''نہیں۔۔۔پلیز نہیں۔ابا مجھے جان سے مار دیں گے۔''اس کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔ بالاج فاتحانہ مسکرایا۔کاش حاکم نواب نے باپ ہونے کا فرض نبھایا ہوتا تو آج زینیا یوں کمزور نہ پڑتی۔کاش انہوں نے بیٹی کو ذرا سا اعتماد دیا ہوتا تو آج وہ یوں کسی غیر مرد سے استعمال نہ ہو رہی ہوتی۔

(''جوانی میں انسان کو لگتا ہے وہ آزاد ہے۔ مگر وہ کسی محبت کا قیدی ہو جاتا ہے۔ٹین ایج میں وہ توجہ کا مارا ہوتا ہے،اور عمر کے درمیانے حصے میں اسے ازدواجی زندگی کا بوجھ رسن میں باندھ دیتا ہے۔انسان کو لگتا ہے ایک دن آئے گا اور وہ بے قفس ہو گا۔ مگر وہ غلط ہوتا ہے۔ قفس نہیں ٹوٹتے ان کے درمیان بیچ کا راستہ نکالا جاتا ہے۔'')

بالاج اسے سوچنے کا وقت دے کر اندر بیٹھا رہا۔ زینیا باہر آ کر بشر کو کال ملانے لگی تھی۔اتفاقاً کال کونج نے اٹھائی تھی۔

''بشر کہاں ہے؟''

''کام سے گیا ہے کہیں۔کچھ کہنا ہے؟''خلاف توقع آج وہ نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے بشر سے بہت ضروری بات کرنی ہے وہ آئے تو۔۔۔۔''

''بشر نے عروج کو اسکی ماں کے گھر چھوڑ دیا ہے۔''وہ زینیا کی بات کاٹ کر بولی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

''عروج ہسپتال میں داخل ہے۔اسکی طبیعت بہت بگڑ گئی ہے۔ڈاکٹر کہتا ہے اسکی حالت ایسی نہیں تھی کہ صدمہ برداشت کر سکے۔''وہ رکی۔الفاظ جمع کئے۔

''اسکا بچہ بھی خطرے میں ہے،زینی۔''زینیا نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔

''کیا بشر نے کچھ کہا؟ کیا وہ مجھ سے ناراض ہے؟''اسکی آنکھیں بھر آئیں۔

''مجھے نہیں پتہ۔۔۔وہ بس خود سے ناراض ہے۔''

''اور تم؟ کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟''وہ کسی معصوم بچے کی طرح پوچھ رہی تھی۔کونج رو پڑی تھی۔

''ضیغم نے مجھ سے رابطہ ختم کر دیا ہے۔اس نے مجھے بہت سنائی۔بہت کچھ تمھارے بارے میں کہا۔اپنے بارے میں سن لیا۔تمھارے بارے میں نہیں سن سکی۔میں نے اس سے کہہ دیا جاؤ۔۔۔چھوڑنا ہے تو چھوڑ دو۔اپنی بہن کے خلاف نہیں جاؤں گی۔''

زینیا نے آنکھیں بند کر لیں۔حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔

''میں تمہیں قصوروار ٹھہرانا چاہتی ہوں لیکن نہیں ٹھہراؤں گی۔کیونکہ بالاج بھائی کا کوئی قصور ضرور ہو گا۔تم نے ہمیشہ نبھائی ہے زینی۔تم توڑنے والوں میں سے نہیں ہو۔یہی بات میں نے ضیغم سے کہی۔وہ کہتا ہے میں تم سے obsessed ہوں۔میرے ساتھ وہی ہو رہا ہے جو عبداللہ کے چھوڑنے پہ تمھارے ساتھ ہوا،تم میری تکلیف سمجھ سکتی ہو کیا ضیغم سچ کہتا ہے؟''

''کیا غلط کہتا ہے؟''

''ہاں غلط کہتا ہے۔ کیونکہ میں تم سے obsessed نہیں تھی۔ میں تم سے محبت کرتی تھی۔ کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔''

''آئی ایم سو سوری، کونج آئی ایم سو سوری۔ میں نے ہر کوشش کر کے دیکھ لی لیکن چیزیں میرے ہاتھ سے نکل رہی ہیں۔ کوئی میرے ساتھ نہیں ہے کونج زینیا اکیلی ہے بلکل اکیلی۔'' وہ رو پڑی۔ اب اسے رونا آجایا کرتا تھا۔

''تم مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میں۔۔''

''مجھے تمہاری وجہ سے تمھارے لئے پس منظر میں جانے کی عادت ہے۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''تمہاری وجہ سے میرا رنگ دب جاتا ہے، میری ذہانت بھی، میری محبت بھی۔ لیکن محبت بہت ہرٹ کرتی ہے، زینی، بہت زیادہ۔ مجھے نہیں پتہ تھا اتنی تکلیف ہوتی ہے۔ یار یہ تو بہت زیادہ ہے۔'' وہ ہنس رہی تھی، وہ رو بھی رہی تھی۔ تکلیف اسکا دل چیر رہی تھی لیکن اس نے باوقار رہنا تھا۔ نہ زینیا کو الزام دیا، نہ ضیغم کی منتیں کیں۔

مگر اسکا دل اتنی بری طرح زخمی ہوا تھا کہ خون رس رہا تھا۔ کال کاٹتے ہوئے زینیا کا کلیجہ منہ کو آیا تھا۔ وہ کہانی کا کولیٹرول ڈیمج تھی۔

''سورما سے سورما انسان بھی ایک قفس میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے۔ اور وہ قفس رشتوں کا ہوتا ہے۔ وہ جن سے محبت لاشعوری طور پہ اس کے دل میں بھر دی جاتی ہے۔ اور جن پہ گو اپ انسانوں کے لئے مشکل ہوا کرتے ہیں۔ ایسے قفس میں انسان کے لئے سروائیونگ کے چانسز کم پڑ جاتے ہیں، یا پھر شاید ختم ہو جاتے ہیں۔''

وہ واپس کمرے میں آئی تو بالاج اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ زینیا بے دھم سی کرسی پہ آن بیٹھی۔ بالاج اس کے قدموں میں۔

''ضد مت کرو زینی پلیز یہ ضد چھوڑ دو۔ چاہے اپنے گھر میں تم بتاؤ چاہے میں، بہت کچھ تباہ ہو گا بہت کچھ۔ میں نے طلاق دی میری غلطی تھی۔ لیکن تم نے بھی تو مانگی ناں۔ کیا یہ تمہاری غلطی نہیں تھی؟'' زینیا کچھ نہ بولی، بس چپ چاپ بیٹھی رہی۔

''تم چاہے ساری زندگی مجھ سے نفرت کرنا، چاہے ساری زندگی میری شکل نہ دیکھنا لیکن ایک بار اس عمل کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم کوئی ناجائز کام نہیں کر رہے۔ یہ اسلام کا نکالا ہوا حل ہے۔ میں بدل گیا ہوں زینی۔ میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا تم چاہو گی تمھارے بھائی کا گھر بھی تباہ ہو؟ تمہاری بہن خاندان کے لئے داغ بن جائے؟''

''صرف پانچ منٹ، صرف پانچ منٹ کا کھیل ہے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا تم۔۔۔۔۔''

''میں تم پہ تھوکتی بھی نہیں، بالاج۔'' وہ سرخ آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑتے ہوئے بولی تھی۔

''میں مرنا پسند کروں گی، لیکن تمھارے پاس واپس آنا نہیں۔ یہ نہیں ہو گا، میری موت کے بعد بھی نہیں۔ تم ہر بار ناکام لوٹ جاؤ گے۔'' اسکی آواز پست تھی۔ مگر اٹل بھی۔ بالاج چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر زینیا نے اسکی آواز سنی۔

''تم غلط ہو، زینی... اب کی بار تم آؤ گی۔ تمہیں لگتا ہے قدیم وقتوں میں عورتیں اپنے مردوں کے پاس اس لئے لوٹ جاتی تھی کیونکہ وہ کمزور تھیں؟ اونہوں عورتیں کمزور نہیں تھیں۔ ان کے مرد طاقتور تھے۔ تم بھی ایک مرد کی دی ہوئی طاقت پہ کھڑی ہو، میں تمھارے پیروں سے زمین کھینچ لوں گا۔ اور عورت کی کمزوری ہے، مار کھا لے گی، ذلت سہہ لے گی پیروں کی زمین اور سر کی چھت سے ہاتھ نہیں دھوئے گی۔''

''تم زینیا کو توڑ سکتے ہو، جھکا نہیں سکتے۔ میں آزاد ہوں اور میرا قفس ٹوٹے گا یاد رکھنا۔'' بالاج نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ بس سوچتا رہا، اور سوچتا ہی رہا۔ زینیا اٹھ کر چلی گئی۔ بالاج نے اپنا موبائل اٹھالیا۔ وہ فیصلے کر چکا تھا۔

دور کہیں وہ جانتا تھا زینیا آئے گی، اسے آنا تھا۔ وہ ضرور آئے گی۔ کیا زینیا واقعی اس کے پاس واپس آئے گی؟



'' باب نہم: فیری ٹیل۔''

میں کہانیوں کی رسیا تھی، میری زندگی فسانے نما افسانہ تھی۔

فیری ٹیل''، کم عمری میں یہ نام سنا، پھر اسی کو اپنا جہاں سمجھا۔

اگرچہ مجھے کہانیوں سے الفت تھی، مگر چند چیزیں میری بے زاری بڑھاتی تھیں۔

مجھے شہزادے نہیں بھاتے تھے، مجھے انکی جلاوطنی نہیں رلاتی تھی۔

مجھے شہزادیوں سے نفرت تھی، کیونکہ انہیں بس سہاروں سے الفت تھی۔

کہانیوں نے مجھ پہ سوچ کے در کھولے، داستانوں نے چھینے ہوئے پر کھولے۔

سنایا کرتی تھی میں قصے پرستانوں کے، دوستوں کے ساتھ سر جوڑے۔

اک روز حقیقت مجھ پہ وارد ہوئی، پھر ہر کہانی میرے ذہن سے خارج ہوئی۔

اک طلسمی لمحے کے زیر اثر میں نے ایک دنیا دیکھی، وہی جو فیری ٹیل کا اصل تھی۔

وہ جس میں سنڈریلا کی ماں لالچی نہیں، ہاں مگر سنڈریلا فسادی تھی۔

ریڈ رائیڈنگ ہڈ بھیڑیوں کا شکار نہیں بنی، ہاں مگر انکی سنگت ضرور تھی۔

قلعے میں قید شہزادی فرار کے راستے سے واقف تھی، مگر اسے ایک رومانوی تعلق کی ضرورت تھی۔

ایسی سیاہ حقیقت میں میری آنکھیں چندھیائیں، میں نے تو بس فریب میں زندگی بہلائی۔

اس روز مجھے فیری ٹیلز سے نفرت ہوئی، مگر شہزادیوں سے ہمدردی ہوئی۔

شہزادیاں اصل میں ہیرو تھیں، مگر رومان پرور لکھاری کے لئے زیرو تھیں۔

ہاں شہزادی نہیں تھی ظالم، چڑیل نہیں تھی غاصب، سیاہی نہ تھی قابض۔

قلم کی نوک نے سنڈریلا کو معصوم بنایا، سنو وائٹ کو مظلوم بنایا۔

شہزادوں کو ہمدرد اور دیکھنے والوں کو اپنی سوچ کا محکوم بنایا۔

اس طلسمی دنیا کے پار قدم رکھتے، میں نے چند فیصلے کئے۔ غلط سہی نہیں معلوم، بس کئے۔

مجھے بننا تھا شہزادہ خود، قلعے کی حاکم چڑیل خود، غار کے اندر کا دیو خود۔

سات بونوں کی ملکہ خود، سیب میں موجود زہر سے بڑا زہر خود۔

میری سہیلیوں، ہم جولیوں۔ایک بات باندھ لو پہلو میں۔

کہانیوں کے سہارے جھوٹے ہیں، لکھاریوں کے وعدے کھوٹے ہیں۔

لو بھورا صفحہ ہاتھ میں تم،ڈبو و خشک قلم سیاہی کی برسات میں تم۔

بنو کہانی کا شہزادہ، ملکہ، چڑیل، شہزادی، خنجر، زہر، تریاق، سب ساتھ میں تم

"موجودہ دن سے دو دن قبل یکم جنوری کا ذکر ہے۔"

جس طرح فلموں میں زوں کی آواز کے ساتھ کہانی کو پیچھے لے جایا جاتا ہے جس طرح کتابوں کے صفحے پلٹے جاتے ہیں، اور جس طرح وقت کی سوئیوں کو پیچھے موڑا جاتا ہے۔اور جس طرح پانی میں تیرتی کشتی کو الٹے چپو چلاتے ہوئے پیچھے لے جایا جاتا ہے، جس طرح کیمرے کی ریل کو گھماتے نئے منظر دیکھے جاتے ہیں اسی طرح ہم نئے سال کی اس رات کو یاد کرتے ہوئے اب اسی سال کی صبح کو خوشگوار بنائیں گے۔

سردی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ قیسم کے ڈیزائنرز سرخ پڑتی ناک، ہاتھوں کو رگڑ کر گرمائش پہنچاتے عمارت کے اندر داخل ہوتے تھے اور اندر آکر آٹومیٹک ہیٹرز سے گرم آفس بدن کو راحت دیتے تھے۔ آج قیس کمبیر اپنے آفس کے بجائے ڈیزائنرز کے کیبنز کے چکر کاٹ رہا تھا۔ ہر ڈیزائنر کے پاس رک کر تھوڑی دیر تک تنقیدی نظروں سے انکا کام دیکھتا، پھر رد کرتا یا پھر "ٹھیک ہے" کہہ کر آگے بڑھ جاتا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لفٹ میں تھا۔ ابھی لفٹ کے دروازے بند ہوتے کہ کسی نے اپنی سرخ ہیل دروازے کے درمیان میں پھنسا لی۔ لوہے کے پٹ جدا ہوئے، دروازہ کھلا اور زینیا حاکم اندر آئی۔ اسکی چھوٹی آنکھیں سرخ اور سوجھی ہوئی تھیں۔ شاید وہ کل رات روتی رہی تھی۔ قیس چہرہ موبائل پہ جھکائے ہوئے تھا۔

"اپنے باس کو گڈ مارننگ کہنا، آفس ایتھکس میں شمار ہوتا ہے۔" چہرہ موبائل پہ جھکائے اس نے اطلاع دی۔

"تم میرے باس ہو؟ یہ فیصلہ تم میرا معاہدہ دیکھنے کے بعد کرنا۔"

"شاید تم کہنا چاہتی تھیں۔ تم معاہدہ دیکھنے کے بعد فیصلہ کرو گی۔" قیس نے چہرہ موبائل سے اٹھا کر کہا۔

"معاہدے کی شقیں اس بار میں طے کروں گی۔" لفٹ کھلی قیس بغیر کچھ کہے باہر آیا۔ زینیا نے بھی اس کے ساتھ قدم بڑھائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ قیس کے آفس میں تھے۔ زینیا کرسی پہ بیٹھی تھی۔ بازو سینے پہ باندھ رکھے تھے۔ قیس اپنے لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ چند پل بعد اس نے سکرین گرا دی۔

"ایک سو بائیس نکات۔ اتنی گنتی بھی آتی ہے؟"

''ایک سو تیئیس نکات ہیں۔آخری شق میں لکھا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان''stay '' کی کوئی پابندی نہیں۔میں استعفیٰ ہاتھ میں لے کر آیا کروں گی،اور تم ٹرمینیشن لیٹر ٹائپ کر کے رکھنا۔''زینیا نے تصیح کی۔

قیس آگے کو ہوا۔سنجیدگی سے زینیا کو دیکھا۔

''یہ سب کسی فلم ڈرامہ میں اچھا لگے گا۔یہ حقیقت ہے،زینیا۔یہاں ہم ایک دوسرے کو پابند کیے بغیر کیسے رہیں گے؟''

''یہی۔۔۔یہی تو بات ہے۔کہ یہ کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں حقیقت ہے۔اگر کوئی کہانی ہوتی تو اس وقت تم اور میں یہاں نہ ہوتے۔کہانیاں فاسٹ ہوتی ہیں۔اگر ہم کسی کہانی کا کردار ہوتے تو اس وقت لکھاری نے ہم پہ **''آفس رومانسtroupe''** بنا دیا ہوتا۔''

''حالانکہ سیریل کلر اور معصوم دوشیزہ کا troupe بننا چاہیے تھا۔''قیس نے اپنی رائے پیش کی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم خود کو معصوم دوشیزہ سمجھتے ہو۔''سنہری آنکھیں معصومیت سے پٹپٹائیں۔

''میں خود کو کیا سمجھتا ہوں یہ اہم نہیں،تم مجھے سیریل کلر،سائیکو باس یا پھر خبطی نفسیاتی ضرور سمجھو۔تاکہ میرے آگے کے رویے تمہارا دل نہ توڑ دیں۔''

''کم از کم رویے میرا دل نہیں توڑ سکتے،یا پھر یہ کہنا بہتر ہو گا کہ تمھارے رویے۔''رویوں سے یکدم اسے بالاج یاد آیا تھا۔اور جس بری طرح سے اسکا دل بالاج نے توڑا تھا،اسے ایک بار پھر دل سے خون رستا محسوس ہوا۔چہرہ سپاٹ رہا مگر زینیا اپنی آنکھوں کا کیا کرے؟کمبخت سارے حال کہہ دیتی تھیں۔

''ٹھیک ہے چونکہ تم صرف میرے لئے کام کرو گی اور ماشاءاللہ سے تم کافی پرابلمیٹک بھی ہو تو میری کچھ حدود اور نکات ہیں۔''

اس نے پیچھے کو ہو کر لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلائیں۔ پھر زینیا کو اشارہ کیا۔ ''ای میل ملاحظہ کریں۔''

زینیا نے اپنے موبائل فون پہ موصول ہوئی نئی ای میل کھولی۔ ''**172 نکات**'' اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے، پھر اس نے پڑھنا شروع کیا۔ ہر ایک شق پہ اسکی مسکراہٹ طنز میں گھل جاتی تھی جیسے **''ہاں ہاں میں تو یہ سب مان لوں گی۔''** کہنا چاہتی ہو۔

''تمھیں کیا لگتا ہے میں یہ 172 نکات جو ہیں سب مان لوں گی؟'' چہرہ ہتھیلی پہ گرائے معصومیت سے پوچھا۔

''اور تمھیں کیا لگتا ہے کہ میں تمھارے 122 نکات سینے پہ تعویذ کی طرح نقش کروالوں گا؟'' دونوں کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔ نہ دونوں نے جھکنا تھا، نہ پیچھے ہٹنا تھا۔ مگر زینیا کے پاس حل تھے۔

''ہم دونوں بیچ کا حل نکال لیتے ہیں۔ نہ تم میری شقیں مانو اور نہ میں تمھاری ہمارے درمیان دو معاہدے ہوں گے ایک پرائیوسی، دوسرا پیسہ۔ بس''

''آئی ایگری۔'' قیس ترنت بولا۔

''میں ہر روز استعفیٰ پرس میں رکھ کر آؤں گی، اور تم ٹرمینیشن لیٹر ٹائپ کر کے رکھنا۔ ہم دونوں آزاد ہوں گے''

''آئی ایگری۔'' وہ ایک بار پھر بولا۔

زینیا نے نوٹ پیڈ اٹھایا، پین سے چند الفاظ گھسیٹے۔ اور قیس کے سامنے کیا۔

''ہم دونوں جس دن الگ ہوئے، ایک دوسرے کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہیں کریں گے۔ ہم دونوں جب چاہیں الگ ہو سکتے ہیں، ایک دوسرے سے سوال کا حق ہم دونوں کو نہیں۔'' وہ آواز کے ساتھ پڑھنے لگا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کو محفل میں موضوع گفتگو نہیں بنائیں گے۔'' وہ پڑھتا جاتا ساتھ ساتھ دہراتا جاتا۔ ''آئی ایگری۔''

''ہم دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کریں، یا پھر نفرت لیکن کاروباری مفاد کے لئے ایک دوسرے کو استعمال نہیں کریں گے۔''

''آئی ایگری۔''

اور نکات یہاں ختم ہوئے۔ قیس نے ستائشی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جیسے اس حل سے خوش ہوا ہو۔ مگر پھر رکا آنکھوں میں چمک سی در آئی۔ نوٹ پیڈ اٹھایا، جلدی جلدی چند الفاظ گھسیٹے پھر انگلی سے نوٹ پیڈ آگے کیا۔ زینیا نے جھک کر دیکھا۔

''تم مجھ آپ کہا کرو گی۔'' آخر میں لکھا تھا۔ زینیا مسکرائی۔ قیس نہ مسکرایا۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی نے پین اٹھایا، کانٹریکٹ پہ دستخط کیا۔ ساتھ دہرایا۔

''آئی ایگری۔''

قیس کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ زینیا نے جھک کر بیگ اٹھایا، ہاتھ قیس کی جانب بڑھایا۔ اس نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھر ملائے بغیر ہاتھ اوپر نیچے کئے گئے۔ چند پل بعد وہ دروازے سے باہر جاتی نظر آئی۔ قیس نے یونہی بلاارادہ ایک نظر اس نوٹ پیڈ کو دیکھا۔ وہاں ''**تم مجھے آپ کہا کرو گی**'' اس سطر میں آپ کو کاٹ کر ''**تم مجھے تم کہا کرو گی**'' لکھا گیا تھا۔

قیس کے سارے جسم میں گویا آگ لگ گئی ہو۔ آخر اسے کیوں لگا تھا کہ زینیا حاکم اسکی بات مان لے گی؟

"موجودہ دن۔"

"یہ تم روز رات کو اتنی دیر تک کیوں جاگتی ہو؟" دادی کی آواز پہ پلنگ پہ لیٹی کونج بری طرح گڑ بڑائی تھی۔ چہرے پہ ہلکا ہلکا پسینہ آگیا۔ دادی کڑی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ ہاتھ میں جائے نماز تھی۔

"میں کل رات بھی دیکھ رہی تھی، تم کال پہ بات کر رہی تھیں۔ تم رو رہی تھیں۔ مجھے بات کرنے کی آواز نہیں آئی مگر میں اندھی نہیں ہوں۔" دو دن سے دادی کونج کے ساتھ ہی سو رہی تھیں۔ اور کل رات بلاخر کونج نے مجبور ہو کر ضیغم کو کال کی تھی۔ عادت ۔۔۔ گناہ کی عادت بڑی گندی ہوتی ہے۔ کمبخت انسان کو خوار بھی کرواتی ہے، عزت نفس بھی ختم کرواتی ہے اور گلٹ کے طوفان میں بھی تنہا چھوڑ دیتی ہے۔

"میں ۔۔۔ میں اپنی ایک دوست سے بات کر رہی تھی۔ اصل میں ۔۔۔ وہ رو رہی تھی تو مجھے بھی رونا آگیا۔" وہ جلدی سے سنبھل کر بولی۔ خفیہ دوستیاں رکھنے والی لڑکیوں کو گھر میں جھوٹ کہنے کی اچھی خاصی مشق ہوتی ہے۔

"مجھے تو کچھ اور لگتا ہے۔ تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو، کونجاں؟" دادی دھیرے سے اس کے قریب آ بیٹھیں۔

"اپنے بھائی باپ کو جانتی ہو ناں؟ حاکم تمہیں زندہ دفنا سکتا ہے، اگر تم نے کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کی۔ یاد رکھنا۔"

''جب میں کچھ کر ہی نہیں رہی تو پھر ابا کس بات پہ میرے ساتھ کچھ برا کریں گے؟'' وہ چڑھ دوڑی۔ ''آپ کو مجھ پہ یقین نہیں ہے کیا؟'' اندر ہی اندر اس کا دل دھڑک رہا تھا مگر وہ ڈھٹائی سے کھڑی تھی۔ دادی چند لمحے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر دھیرے سے بڑبڑائیں۔

''اللہ تمہیں ہدایت دے۔'' کونج کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ یعنی وہ شک نہیں کر رہی تھیں۔ یعنی وہ حقیقت جانتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نماز پڑھی، سکون نہ آیا۔ سارا وقت دھیان اسی طرف لگا رہا کہ دادی کو اگر اس وقت یہ جواب دے دیتی تو وہ زیادہ مطمئن ہو جاتیں۔ اگر اس رات کہیں چھپ کر کال کی ہوتی تو آج یہ سب نہ ہوتا۔ وہ آیات بھولی تھی، اس نے سجدے چار بار کیے، چار رکعت کو دو پڑھا۔ نماز خراب ہو چکی تھی۔ جن کے دلوں میں کھوٹ ہو، جو حد سے بڑھے ہوئے ہوں۔ انہیں عبادتیں سکون نہیں دیتیں۔ انہیں عبادتیں مطمئن نہیں کرتیں۔ ذکر کھوٹے دلوں پہ نہیں اترتا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟'' بستر پہ لیٹے موبائل استعمال کرتے ہوئے اسے واٹس ایپ پہ یہ پیغام موصول ہوا تھا۔ اسے لگا یہ ضیغم ہے، مگر نمبر انجان تھا۔

''میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا، بلکہ اگر تم چاہو تو پچھلی بار کی طرح صرف میں بولوں گا۔ تم سننا۔'' وہ شل سی رہ گئی۔ دل و دماغ میں ایک جملہ سا گونجنے لگا۔

''کیا کسی نے تمہیں بتایا ہے تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں؟'' کئی لمحے اس سے کوئی جوابی پیغام نہ لکھا گیا۔ دل نے ملامت کی وہ ضیغم کے علاوہ کسی اور کا کیسے سوچ رہی تھی؟ وہ کسی اور کے میسجز پہ اسے بلاک کیوں نہیں کر رہی تھی؟ وہ شاید یہ نہیں جانتی تھی

کہ حرام راستے پہ چلتے قدم ڈگمگائے قدم ہوتے ہیں۔ انہیں جس طرف موڑو مڑ جاتے ہیں۔ ہاں مگر وہ راستہ بھی حرام ہی ہوتا ہے۔ دلدل کا دایاں بایاں نہیں ہوتا، دلدل بس دھنساتی جاتی ہے۔

"کیا میں تمہیں وائس نوٹ بھیج سکتا ہوں؟ اگر تم انکار کرو گی تو میں کوئی پیش قدمی نہیں کروں گا۔" وہ ناں نہیں کہہ سکتی تھی۔ کچھ لوگوں کے لئے ناں کہنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ خاص طور پہ ان لوگوں کے لئے جنہیں حرام کی چس لگ چکی ہو، ایسے لوگ صرف **"ایک"** انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یہ سائیکل کبھی ختم نہیں ہوتا۔

"تمھیں میرا نمبر کہاں سے ملا؟" کانپتی انگلیوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بلا خر ایک میسج کیا تھا۔ اور شروعات ہو چکی تھی۔ گناہ کا سائیکل شروع۔

"تین ماہ میں تمھیں سوچا ہے، تمہاری باتیں کی ہیں۔ تمھیں لگتا ہے یہ نمبر لانا کوئی مشکل کام تھا؟" جواب فوری طور پہ آیا تھا۔

کونج نے کمبل سر تک تان لیا۔ موبائل کی نیلی روشنی اب اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ دنیا سے چھپ گئی تھی۔ رب کا کیا؟

"تم میرا پیچھا چھوڑ دو، میری منگنی ہو چکی ہے۔ اور میں اپنے منگیتر سے بہت محبت کرتی ہوں۔" چند لمحات کے لئے دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ کافی دیر بعد ایک بوجھل سا پیغام موصول ہوا۔

"جانتا ہوں۔۔۔ لیکن دل پہ کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ میرا بھی نہیں ہے۔" اگلی بات اس نے وائس نوٹ میں کہی تھی۔

"کیا وہ تمھیں ایسے چاہتا ہے جیسے میں؟ کیا اس نے کبھی تمہاری تعریف کی ہے؟ کبھی بس تمہیں سننے کی خواہش ظاہر کی ہے؟ نہیں کی ہو گی۔ کر ہی نہیں سکتا۔ کیا اس نے کبھی تمہیں بتایا ہے تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت **ہیں؟**" کونج نے یاد کرنے کی

کوشش کی اور اسے یاد آیا کہ ضیغم نے کبھی اسکی تعریف نہیں کی، اسے گھنٹوں سنا نہیں۔ گھنٹوں اس سے کہا نہیں۔ بس مصروفیت کر رونے روئے تھے۔ سوائے "مجھے تو تم blessing لگتی ہو۔" کے علاوہ آج تک اس نے کچھ اچھا نہ کہا تھا۔

"مجھے فریحہ نے سب بتایا ہے۔ میری بات یاد رکھنا تم گھاٹے کا سودا کر رہی ہو۔ وہ لڑکا کبھی تمہاری قدر نہیں کرے گا۔ کیونکہ۔۔۔

" وہ خاموش ہو گیا۔

"کیونکہ؟" کونج کو اگلی بات سننے کی بے تابی ہوئی۔

"کیونکہ تم بس اسکی منگیتر ہو محبت نہیں۔" کونج کے دل میں یہ الفاظ برچھی کی طرح کھب گئے تھے۔ وہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔ "میری باتوں کی سچائی پہ یقین آجائے گا تمہیں۔ اس وقت کا انتظار کرنا۔ اور میں تمہاری ایک ہاں کا انتظار کروں گا۔ "

اگلے ہی پل آنلائن کا نقطہ اسے آفلائن دکھا رہا تھا۔ کونج کو اسی طرح اپنی زندگی سے ہر جوڑ ٹوٹتا محسوس ہوا۔

☆☆☆☆☆

مہدی کمبیر کے کمرے میں آج ایک طرف کیمرہ رکھا تھا۔ اور سامنے کرسی پہ وہ خود بیٹھا تھا۔ سفید ہائی نیک کے ساتھ بھوری پینٹ پہن وہ معمول سے ہٹ کر تیار تھا۔، بال آج بے ترتیب تھے۔ سارا دھیان سامنے کیمرے پہ تھا۔

"موجودہ دور میں نوجوان نسل کئی قسم کی برائیوں میں ملوث ہے۔ جن میں سے کئی ایک کا اظہار وہ بلا جھجھک کر دیتے ہیں۔ مگر کچھ برائیوں کے متعلق اپنی زبان سی لیتے ہیں۔ انہی برائیوں میں ایک ایسی برائی ہے جو بلکل فیری ٹیل جیسی ہے۔ جانتے ہیں کونسی؟" اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔ پھر کہا۔

''پورنو گرافی ایک فیری ٹیل ہے۔ کیوں ہے ناں؟'' ویڈیو دیکھنے والوں کو بے اختیار اس پہ غصہ آنا تھا۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ جب بھی ہم کوئی فحش مواد دیکھتے ہیں یا پھر پڑھتے ہیں تو وہ ایک فیری ٹیل جیسا ہوتا ہے۔ جہاں ہمیں مزہ آ رہا ہوتا ہے۔ وقتی سکون ملتا ہے۔ لیکن ہر لذت کی انتہا جھنجھلاہٹ ہے۔ جیسے ہی ہم پورن دیکھ کر ہٹتے ہیں ہمارے اندر جھجھلاہٹ بھر جاتی ہے۔ کئی بار ڈھیر سارا گلٹ کہ آخر ہم نے یہ کیوں دیکھا؟ کیوں پڑھا؟ کیوں سنا؟ فیری ٹیل جونہی ختم ہوتی ہے ہمارے اندر بے چینی سی بھر جاتی ہے۔ لوگ پورن کیوں دیکھتے ہیں؟''

اس نے سوچنے کا وقت لیا۔

''میرا خیال ہے یہ سب اچانک نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ آپ عادی بنتے جاتے ہیں۔ جیسے کہ شروع شروع میں آپ رومانس کے نام پہ فحش پڑھتے ہیں۔ یا پھر دیکھتے ہیں۔ یہ ایک نشے جیسا ہے کیونکہ یہ سب دیکھتے اور پڑھتے وقت انسان پہ ایک سرور سا طاری ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ اسکی طلب بڑھتی جاتی ہے اور پھر انسان پورنو گرافی کی دنیا میں قدم رکھ لیتا ہے۔ جہاں جانا صرف ایک گوگل سرچ جتنا دور ہے مگر واپسی، اس کے لئے جان لگا دینی پڑتی ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ آج اسکا انداز بے حد سنجیدہ تھا۔

''زیادہ تر لڑکے لڑکیاں اپنے پارٹنرز کی فرمائش پہ یہ سب دیکھتے ہیں۔ اور پھر وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی حقیقت سے چند پل کی دوری، وقتی خوشی، جذبات کا سیلاب، اور ایک سرور صرف ان جذبات کی خاطر آپ خود کو کس دوزخ میں دھکیل رہے ہیں کبھی سوچا ہے؟

پورنو گرافی ایڈکٹ شادی کے بعد بھی ان غیر اصلی چیزوں کا خواہشمند ہوتا ہے جو اس نے دیکھیں۔اور جب اسے اپنے پارٹنر سے وہ سب کچھ نہیں مل پاتا تب وہ فرسٹریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔اسے غصہ آنے لگتا ہے اپنے ہی پارٹنر سے اسے بے زاری ہونے لگتی ہے۔جہاں دو زندگیاں تباہ ہو رہی ہوتی ہیں۔وہیں کئی بار بچے،گھر کے باقی لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔''مہدی نے تاسف سے گردن نفی میں ہلائی۔

''میں نے کئی برائیوں میں ملوث لوگوں کو دیکھا ہے مگر جتنے فرسٹریٹڈ اور بے زار،شرمندہ پورن ایڈکٹس ہوتے ہیں اتنا شرمندہ آج تک کسی کو نہیں دیکھا جانتے ہیں کیوں؟کیونکہ اندر ہی اندر وہ خود بھی اس بات سے واقف ہوتے ہیں کہ وہ غلط ہیں۔پھنس چکے ہیں اور انکو اس گند سے باہر آنا ہے۔فیری ٹیل لمبا عرصہ نہیں چلا کرتی۔انہیں اپنے وجود سے گھن آتی ہے۔خود سے اور اپنے بار بار دہرائے اس عمل سے کوفت ہوتی ہے۔ایسے میں وہ یا تو شرمندہ رہ رہ کر ایک دن مایوس ہو جاتے ہیں یا تو ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔اور پھر بے حس بن کر اپنی اس عادت کو دہرائے چلے جاتے ہیں۔لیکن کیا ان کے لئے کوئی نجات نہیں؟''وہ مسکرایا۔اسکی مسکراہٹ لوگوں کے لئے ڈھارس کا کام کیا کرتی تھی۔

''نجات ہے بلکل ہے۔لیکن یہ راستہ بہت کٹھن ہے۔پھر میں کبھی کبھی سوچتا ہوں۔جب ہم ایک غلط تعلق میں پڑتے ہیں یا پھر ایسے فحش مواد کے عادی ہو جاتے ہیں تب ہم بہت کہتے ہیں کہ یار واپسی تو بہت مشکل ہے مجھے تو بہت محنت کرنی پڑے گی۔یہ تو ہو گا۔جب ایک سرخ لائن جسے اللہ نے بنا دیا ہوا ہے اسے کراس کریں گے اس سے بغاوت کریں گے پھر مقدر میں رسوائی اور پریشانی تو آئے گی۔لیکن اسکا ظرف تو دیکھیں کہ وہ اپنا دروازہ کبھی بند نہیں کرتا۔وہ ہمیشہ آپ کی واپسی کا انتظار کرتا رہتا ہے۔اور اس نے واپسی کے اس راستے کو اتنا تکلیف دہ کیوں بنایا جانتے ہیں؟

جب ایک بچہ بار بار کوئی شرارت کرتا ہے اور اپنی ماں کی بنائی حد، محبت، ڈانٹ کچھ نہیں سنتا تب ماں اسے چوٹ لگنے دیتی ہے ہلکی سی چوٹ تاکہ بچے کو عقل آجائے۔ انسان بڑا ہی ڈھیٹ ہے جب تک اسے چوٹ نہیں لگتی۔ جب تک خار دار کانٹے اسکا جسم نہیں چبھوتے تب تک وہ راہ راست پہ نہیں آتا۔ ٹاپک کی طرف واپس آتے ہیں۔ راستہ کیسا ہے؟'' اس نے میز پہ رکھا پانی کا گلاس پیا اور پھر کہنا جاری رکھا۔

''سب سے ضروری شے ہے ول پاور۔ آپ نے سوچ لینا ہے کہ اب بس اس کام کو نہیں کرنا ہے۔ اس کے بعد آتا ہے خود کو زیادہ تر تنہائی نہ دینا ظاہر ہے آپ محفل میں بیٹھ کر پورن نہیں دیکھ سکتے۔ آپ تنہا ہوتے ہیں تب ہی آپ خود پہ کنٹرول کھونے لگتے ہیں۔ اور اگر آپ زیادہ تر تنہا ہی رہتے ہیں تو اسکا متبادل ڈھونڈیں کوئی شو، کوئی کامیڈی اور سب سے بڑھ کر قرآن۔

اسے سنیں ایک آیت، دو آیت مگر اسے ضرور پڑھیں۔ کیونکہ وہ کلام پاک ہے۔ قرآن کا موضوع انسان ہے۔ اور یہ راستہ جو آپ چھوڑ رہے ہیں یہاں کئی بار آپ کو پیار بھری وارننگ، دلاسے، محبت کی ایک پکار کی ضرورت ہوگی جو ایک کریڈیبل شخصیت سے ملے گی تو آپ کے اندر تقویت اترے گی۔

جیسے کہ اگر اللہ قرآن میں آپ سے کہہ دے کہ وہ اس کٹھن سفر میں بھی آپ پہ آپ کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالے گا تب آپ کے دل میں جو تسلی اترے گی اسکا کوئی حساب نہیں ہوگا۔

وہ مواد ڈیلیٹ کریں جو آپ کو اس طرف راغب کرتا ہے۔ جیسے کہ اگر نیٹ فلکس، ایمزون، یا پھر کوئی اس طرح کی کتابیں جن میں ایسا مواد ملتا ہو انہیں بائیکاٹ کریں۔ اگر آپ بہت بری طرح پھنس چکے ہیں تو نفس کو ایک دلاسہ دیں خود کو کہیں کہ میں اب مہینے

میں صرف ایک بار پورن دیکھوں گا۔خود کے ساتھ جنگ لڑیں چیلنجز دیں۔اور جب وہ وقت آجائے تب یہ سوچیں کہ جہاں اتنے دن میں نے خود کو پاک اور نائیس رکھا ہے تو آج خود کو میلا کیوں کروں؟" وہ رکا ایک وقفہ لیا پھر دوبارہ جاری رکھا۔

"یقین رکھیں خود پہ آپ نوبل ہیں اللہ کے قریب ہیں۔وہ آپ کو اگر آج میری بات سنوار رہا ہے تو یہ آپ کا سائن ہے کہ آپ جس برائی میں ملوث ہیں اسے ترک کریں۔اور اگر کوئی برائی آپ کو یاد نہیں تو میری بات سنتے ہوئے جو سب سے پہلے برا خیال آیا اسے ترک کریں۔جن لوگوں کو سگنلز ملتے رہیں وہ خوش قسمت ہوتے ہیں۔

آپ کی طرح۔اب یہ آپ پہ منحصر ہے کہ حق کی بات پہ گردن جھکا دیتے ہیں یا پھر سرکشی دکھاتے ہیں۔میں آپ کی طرف سے پراگریس کا انتظار کروں گا۔"

گہری سانس لیتے اس نے الوداعی کلمات کہے اور پھر کیمرہ بند کر دیا۔

الفاظ کئی لمحے وہاں گونجتے رہے تھے۔

پارک میں رکھی لکڑی کی بنچ ساری رات پڑنے والی اوس سے گیلی پڑ گئی تھی۔بھوری لکڑی اپنا رنگ بدل رہی تھی۔آس پاس رش بڑھ رہا تھا۔ہر طرف سے کباب، پاپ کارن، اور مختلف کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ان سب سے بے نیاز زینیا حاکم گیلی لکڑی کی بنچ پہ بیٹھی تھی۔چائے کا کپ ساتھ رکھا تھا۔جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔سرمئی اوور کوٹ کے اوپر سر کو اسکارف سے

ڈھکے وہ موبائل کی سکرین کو تک رہی تھی۔ بلاخر ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے بشر کو کال ملالی تھی۔ شفاف چہرہ اٹھا کر آسمان کو تکا۔ اور آنکھیں موندلیں۔

کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ مگر دونوں خاموش رہے۔ زینیا ہونٹ کاٹتے ہوئے صحیح الفاظ تلاش کرتی رہی، اور بشر سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کے کہنے کا منتظر رہا۔

''میں نے تمھیں کال کی تھی۔ تم نے جواب نہیں دیا۔''

''کونج کی بات ہوئی تو تھی تم سے۔ بتایا نہیں اس نے میں کہاں ہوں؟'' آج پہلی بار اسے بشر کے لہجے میں اجنبی پن محسوس ہوا۔ زینیا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''میں کال بیک کا انتظار کر رہی تھی ادا۔''

''مصروف تھا۔ کام کی بات کہو، زینی۔'' اس کے لہجے میں ڈھونڈنے سے بھی نرمی نہیں ملتی تھی۔ زینیا نے الفاظ مجتمع کئے۔

''عروج کو واپس گھر لے آؤ ادا۔ میں تم دونوں کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتی۔''

''ابا نے کہا ہے عروج تب واپس آئے گی، جب بالاج یہاں آئے گا ہم سے معافی مانگے گا۔ اور تمھارے ساتھ اپنا رویہ درست رکھے گا۔ ورنہ وہ طلاق کی باتیں کر رہا ہے۔ میں اسکی بہن کو طلاق بھی نہیں دوں گا۔ ساری زندگی بیٹھی رہے۔''

اس نے سوچ رکھا تھا وہ بس بشر کو سب بتائے گی لیکن یہ رویہ، یہ اجنبیت کیا وہ واقعی اسے کچھ بتا سکتی تھی؟

''تم عبداللہ بن رہے ہو، تم تو بشر ہو۔ تم ایسا کیوں کر رہے ہو، بشر ؟'' اسکی آواز گیلی ہونے لگی تھی۔ زینیا حاکم ایک غلط ایکویشن میں پھنس چکی تھی۔

“because you asked for it “

وہ چبا چبا کر بولا۔ ''تم نے مجھے کال کی، زینی۔ تم نے مجھے بتایا کہ بالاج نے تمہیں مارا ہے کیونکہ تم چاہتی تھیں میں بھی وہی سلوک دہراؤں۔ تم چاہتی تھیں اگر بالاج نے طلاق کی دھمکی دی ہے تو میں بھی دے کر دکھاؤں۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتی تھیں ؟''

زینیا خاموش ہو گئی۔ بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے اس کے پاس الفاظ ختم ہوئے۔ وہ یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ وہ بس بالاج کو ڈرانا چاہتی تھی۔ لیکن کیا ڈر سے تعلق چل جاتے ہیں ؟

''میں تو پھنس کر رہ گیا ہوں یار۔ میری ساری زندگی خراب ہو گئی ہے۔ خود سے شرم آتی ہے مجھے۔ یہ شادی میں نے ابا اور تمھارے اچھے مستقبل کے لئے کی، اب لگتا ہے غلط کیا۔ ہر انسان کو شادی صرف اور صرف اپنے لئے کرنی چاہیے۔ کیونکہ نبھانی اسی کو ہوتی ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو اس لئے گھر سے نکالا کیونکہ اس کے بھائی نے میری بہن پہ ہاتھ اٹھایا۔ یہ شادی بوجھ بن گئی ہے یار۔ میرا بچہ ۔۔۔ میرا بچہ مرنے والا تھا۔ میں نے اپنے بچے کو موت تک لا کھڑا کیا۔ میں نے ہمیشہ تم سب کے لئے قربانی دی ہے ہر دفع میں ہی کیوں ؟''

''میں نے تم سے قربانی نہیں مانگی، بشر۔ تم ۔۔۔''

''میں مانگ رہا ہوں، زینی۔ زندگی میں پہلی بار میں تم سے کچھ مانگ رہا ہوں۔ دے سکتی ہو؟'' وہ زینیا کی بات کاٹ کر بولا تھا۔ آواز بے قرار سی تھی۔

''مانگو کیا مانگتے ہو۔'' اس نے آنکھیں صاف کیں، خود کو ہر مشکل مرحلے سے گزرنے کو تیار کیا۔ بشر زیادہ سے زیادہ کیا مانگ لے گا؟

''بالاج کے ساتھ نباہ کرو، زینی۔'' الفاظ سیسے کی مانند زینیا کے کانوں میں پگھلے تھے۔

''یہ میں صرف اپنے لئے نہیں کہہ رہا یہ تمھارے لئے بھی ہے۔ تمہاری منگنی ایک بار ٹوٹ چکی ہے۔ اب شادی ٹوٹ گئی تو جانتی ہو کیا ہو گا؟

کونج کا سوچو زینی اسکی منگنی ٹوٹ گئی تو؟ اور اگر تمھارے اور بالاج کے درمیان چیزیں ٹھیک نہیں ہو سکیں تو میرے اور عروج کے درمیان بھی کچھ ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔ تمھارے پاس ہمیشہ حل ہوتے ہیں، کوئی حل نکالو پلیز۔ میں تھک گیا ہوں اب مجھ سے مزید مسائل نہیں دیکھے جاتے۔'' کئی لمحے زینیا کچھ کہنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''اگر کچھ بھی حل ہونے جیسا نہ رہا ہو تو؟ اگر کوئی راستہ بچا ہی نہ ہو تو؟ بتاؤ دادا پھر میں کیا کروں؟'' آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ اگر بشر کو معلوم ہوتا بالاج اسے طلاق دے چکا ہے تو آج کم از کم وہ اسے نباہ کرنے کو نہ کہہ رہا ہوتا۔ اسے بالاج کی اسلام آباد موجودگی کا بتا دینا چاہیے تھا، اسے طلاق کا بتا دینا چاہیے تھا یہ اس نے کیا کر دیا؟

آج اسے معلوم ہوا تھا، گھر والوں سے باتیں چھپانا کیسا ہوتا ہے۔ جو کیڑے جتنا جھوٹ اس نے بولا تھا وہ آج بلا بن کر اسے نگل رہا تھا۔ شادی شدہ زندگی میں اگر میکے کی سپورٹ چاہیے ہو تو ان سے باتیں چھپانی نہیں چاہییں۔

''پھر مجبوری میں ساتھ رہو، گزارا کرو ہر عورت گزارا کرتی ہے زینی۔ عروج نے بھی تو کیا ہے ناں؟ میں تمھیں فورس نہیں کر رہا، لیکن میں تھک گیا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار میرے پاس کچھ بھی نہیں، میں خالی ہاتھ ہوں۔ ہو سکے تو میرے لئے قربانی دینا۔'' کال کٹ گئی تھی۔ زینیا نے دھیرے سے موبائل کان سے اتارا۔ ہر راہ بند تھی، ہر فرار مسدود۔

چند پل وہ خالی خالی نظروں سے آسمان کو دیکھتی رہی۔ پھر اسکی آنکھوں نے بالاج میر کو خراماں خراماں چال چلتے اپنی طرف آتے، اور اپنے ساتھ بیٹھتے دیکھا۔

''میں جانتا تھا اب کی بار تم مجھے بلاؤ گی۔ کہو پھر کیا کہنا ہے۔''

''چلے جاؤ، بالاج۔ میری زندگی سے دور بہت دور چلے جاؤ۔ تم نے مجھ سے محبت کی تھی ناں؟ تمھیں اس محبت کا واسطہ ہے میری جان چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔ مجھے میرا مقصد پا لینے دو۔ اس سارے عرصے میں، میں خاموش رہوں گی۔ ابا اور بالاج سے کچھ نہیں کہوں گی۔ عروج گھر واپس آجائے گی۔ میں ایک مقام تک پہنچ جاؤں پھر تم سچ بتا دینا۔ لیکن اس وقت پلیز چلے جاؤ۔'' اس نے بالاج کے آگے منت کی تھی۔ بالاج کو افسوس سا ہوا۔ موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے واٹس ایپ پہ موصول ہوئی چند میڈیکل رپورٹس اس کے سامنے کیں۔

''تمہارے ابا کی رپورٹس ہیں۔ چند دن پہلے وہ بیمار پڑے تھے۔اور ڈاکٹرز نے جگر کا عارضہ بتایا ہے۔ بات پیوند کاری سے بڑھ کر ٹرانسپلانٹ تک آگئی ہے۔اور بشر نے مجھے یہ رپورٹس بھیجیں۔ تمہارا باپ مر رہا ہے، زینی۔ بلکل ویسے جیسے اسد مرا تھا۔''کوئی برف کا قطرہ تھا جو زینیا کے دل میں اترا اور اس تیزی سے پھیلا کہ سارا دل برف ہو گیا۔وہ یک ٹک بالاج کو دیکھے گئی۔

''پچاس لاکھ سے اوپر کا خرچہ ہے۔ گھر بیچ دو تب بھی علاج نہیں کروا پاؤ گے۔اور میرے لئے اتنے پیسے تمہیں دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ صرف ایک سائن۔ صرف ایک سائن، زینی۔اور تمہاری زندگی فیری ٹیل بن جائے گی۔ ورنہ میرے پاس دوسرا آپشن بھی ہے۔''اس نے سن بیٹھی زینیا کے آگے سے موبائل ہٹایا چند ایک بٹن دبائے اور ایک ویڈیو دکھائی۔ قیس اور زینیا کی ویڈیو۔

''میں کل گوادر جاؤں گا۔ یہ ویڈیو تمہارے باپ، بھائی اور خاندان کے باقی لوگوں کو دکھاؤں گا۔ پھر میں کہوں گا کہ میں نے تمھیں کاری کیا۔(**غیرت کے نام پہ ہونے والے معملات کو کارو کاری کا نام دیا جاتا ہے۔**)اور طلاق دی۔ تم جانتی ہو آگے کیا ہو گا؟''وہ اس کے قریب بیٹھا تھا خوشبوؤں میں رچا بسا۔ مگر اس کے الفاظ سے خنزیروں جیسی بو آتی تھی۔

''یا تو خاندان کا کوئی مرد تمہیں قتل کر دے گا۔ یا پھر تمہیں کسی وڈیرے کے پاس پناہ ملے گی۔ جانتی ہو پناہ میں دی گئی کاری کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ حویلی کا کمی کمین بھی اس پہ، اس کے جسم پہ دسترس حاصل کر سکتا ہے۔اور پھر چند دن بعد جب وہ حویلی کے تمام مردوں کے لئے زینت کا سامان بن چکی ہوتی ہے تب اسے نکاح کے نام پہ ایک شخص کو بیچا جاتا ہے۔''زینیا مارے وحشت کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بالاج نے اسے کلائی سے کھینچ کر واپس بٹھایا۔ اسکی آنکھوں میں براہ راست دیکھا اور دہرایا۔

''ہاں، زینی بیچا جاتا ہے۔اس لڑکی کا شوہر پیسے دے کر اس سے نکاح کرتا ہے اور وہی پیسے لڑکی کے ورثاء کو کفارے کی صورت ملتے ہیں۔یعنی جہنم نری جہنم۔"

(گھر سے بھاگنے والی کنواری یا پھر شادی شدہ لڑکیاں جنہیں کاری کر دیا جائے۔یعنی ان کے گھر کا کوئی مرد اٹھ کر کہہ دے کہ اس نے اس عورت کو کسی مرد کے ساتھ دیکھا ہے تو اول تو اسے مار دیا جاتا ہے۔دوئم وہ لڑکی بھاگ جاتی ہے اور کسی وڈیرے کے یہاں پناہ لے لیتی ہے۔آگے جو کچھ ہوتا ہے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ان فرسودہ روایات نے آج بھی گاؤں دیہات کی کئی لڑکیوں کی زندگی کو جہنم بنایا ہوا ہے۔کارو کاری کی رسم کئی دفع صرف سامنے والے کو گرانے کے لئے بھی کی جاتی ہے۔یعنی اپنے گھر کی لڑکی کی عزت کی پرواہ کیے بغیر چند ٹکوں کی خاطر اسے در گور کر دینا۔زمانہ بدل رہا ہے لیکن ملک میں آج بھی کچھ حد تک یہ رواج قائم ہیں۔)

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، بالاج۔یہ ظلم ہے۔تم یہ نہیں کر سکتے۔''اسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔وہ جانتی تھی بالاج حرف با حرف سچ کہہ رہا ہے۔وہ جانتی تھی بلوچستان، سندھ، پنجاب کے دیہی علاقوں میں آج بھی غیرت کے نام پہ ہونے والے ان اقتال کی وجہ سے عورتوں کی زندگی در گور کر دی جاتی ہے۔

''سب ٹھیک ہو سکتا ہے، زینی اگر تم ایک بار اپنی ضد چھوڑ دو۔صرف ایک سائن اور سب ٹھیک۔تمہیں میرا ساتھ عزت دے گا۔مقام دے گا۔محبت اور سکون کا کیا ہے، زینی؟ تم نے آدھی زندگی عبداللہ کی دی ہوئی بے سکونی میں بھی تو گزاری ہے ناں؟''

بالاج بہت کچھ کہہ رہا تھا زینیا کو کچھ سمجھ نہ آیا۔ ابا مر رہے تھے۔ زینیا ان سے پہلے مر جانا چاہتی تھی۔ بالاج اس کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ زینیا کو کچھ محسوس نہ ہوا۔ اسکا فون تھرتھرایا۔ کال اٹینڈ کرتے ہوئے میکانکی انداز میں اس نے موبائل کان سے لگایا۔

اماں رو رہی تھیں۔ اس شوہر کے لئے جو انہیں مارتا تھا، ذلیل کرتا تھا۔ زینیا نہیں روئی آنسو خشک ہو گئے تھے۔ دل جامد۔ اماں اسے بتا رہی تھیں کہ ان کے پاس پچاس لاکھ نہیں، اماں اپنی بڑی بیٹی کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے رو رہی تھیں۔ زینیا کو کفن میں لپٹا اپنا بھائی نظر آیا۔ کال پہ روتی اماں، رپورٹ پہ لکھا اس کے باپ کا نام، بشر کا اجنبی پن۔ ہر طرف سے دنیا تنگ تھی دل میں کوئی ہڈی نہیں ہوتی مگر اسے اپنا دل پوری طرح چٹختا محسوس ہوا۔

اور پھر اسلام آباد کی چٹانوں نے اپنے سے زیادہ سخت لڑکی کو ٹوٹتے دیکھا۔ یخ بستہ ہواؤں نے اپنے سے زیادہ برف لڑکی کو پگھلتے دیکھا۔

"میں تیار ہوں۔" یہ آخری الفاظ تھے جو اس نے کہے تھے۔ اس کے بعد گہرا سکوت تھا۔ سناٹا۔ وہ گری تھی کیونکہ اسکی بنیادیں کمزور تھیں۔

چھوٹی سفید گاڑی بیز کلیکشن کے باہر آ کر رکی۔ دروازہ کھلا اور سیاہ بالوں والی لڑکی باہر آئی۔ گھٹنوں تک آتے بھورے رنگ کے سوئیٹر کے ساتھ نیلی جینز پہنے، بالوں کو کھلا چھوڑے اسکی سیاہ آنکھیں عمارت کو تک رہی تھیں۔ آنکھوں میں کوئی جذبہ نہیں تھا۔ گویا اگر خوش ہونا تھا تو وہ ہو چکی تھی، اور اگر رونا تھا تو وہ اپنے حصے کا رو بھی چکی تھی۔

یونہی گردن اونچی کیے عمارت کو تکتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ لمبی سانس لی۔اور پھر آنکھیں کھول لیں۔ہاتھ میں پکڑا ایک خاکی لفافہ آسمان کی طرف بلند کیا۔اور دھیرے سے بڑبڑائی۔

"for my freedom "

چھوٹے چھوٹے قدم لیتی وہ عمارت کے اندر چلی آئی۔ لفٹ کے اندر جاتے ہوئے اسے براق حنیف کے ساتھ بیز کلیکشن کی پہلی ملاقات یاد آئی۔

سر کو جھٹک کر وہ آگے بڑھی۔ راہداری نے اس کے قدم زنجیر کئے۔ایک تھری ڈی فلم سی اسکی آنکھوں کے آگے گھومنے لگی۔ وہ براق کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس سے پراجیکٹ میں تبدیلیاں نہ کرنے کو کہہ رہی تھی کسی طلسمی لمحے کے زیر اثر شیزل نے آگے بڑھ کر اس فلم کا حصہ بننا چاہا مگر منظر چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ آس پاس ساری فیری ٹیل ختم ہوئی۔اور حقیقت یہ تھی کہ آج یہاں اس کا آخری دن تھا۔

اسے استعفیٰ جہاں جمع کروانا تھا، وہ وہاں نہیں گئی۔ براق حنیف کی سیکریٹری سے اس کے بارے میں پوچھا اور اگلے چند پل بعد وہ دھاڑ سے کانفرنس روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ سارے میں نیم اندھیرا تھا اور سکرین پہ چلتے الفاظ اب اس کے وجود پہ پڑ رہے تھے۔ ہر کوئی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مس، شیزل سیمسن یہ کیا بدتمیزی ہے؟" براق کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے آگے آیا۔ شیزل نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ سوئیٹر کی آستین اوپر کی، تلواروں والا بریسلیٹ لٹکنے لگا۔

''کئی سال قبل تم نے میری طرف امن کا پرچم بلند کیا تھا۔ آج میں بھی وہی کرنے آئی ہوں۔'' براق کو آج اس کا لہجہ عجیب لگا۔ وہ دھیرے سے پیچھے کو ہوا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کے عقب میں بیٹھے قیس کمبیر نے تمام لوگوں سے اجازت چاہی۔ ایک ایک کرتے ہر کوئی باہر نکلتا چلا گیا۔

اب باقی تین لوگ تھے۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا قیس، میز کی ایک جانب کھڑی شیزل، اور دوسرے سرے پہ کھڑا براق۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور قیس ان دونوں کو۔ شیزل نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ میز پہ رکھا۔ براق کو سانس لینے میں دقت سی ہوئی۔ اس نے ہتھیلی پاور چیئر پہ رکھی۔

''میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔ اپنی کمپنی میں دینا چاہیے، جانتی ہوں۔ لیکن یہاں تمھیں یہ بتانے آئی ہوں کہ میں شیزل سیمسن، میں نے یہ پراجیکٹ اس لئے لیا تھا کیونکہ یہ تمہاری کمپنی کا تھا۔''

براق کے ہاتھوں کی گرفت کرسی پہ سخت ہوئی۔ ''مجھے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں یہاں تمھارے لئے آئی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی ان گزرے سالوں میں کیا کچھ بدلا ہے۔ تاکہ میں موو آن کر سکوں۔ تم آج بھی ویسے ہی ہو۔ تم آج بھی مجھ سے مقابلہ کرتے ہو۔ تم آج بھی man child ہو۔'' اسکی انگلیاں کرسی کے اندر پیوست ہونے لگی تھیں۔ قیس خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم مجھے یہاں رکھنا نہیں چاہتے تھے مگر میں رکی۔ پھر شاید تم مجھے یہاں روک لینا چاہتے تھے جب تم نے کہا تمہیں نیا ڈیزائن چاہیے تب مجھے لگا تم مجھ سے مقابلہ کررہے ہو لیکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' وہ رکی براق کی گہری سانولی رنگت سفید سی پڑنے لگی تھی۔ ''تم مجھے تنگ کررہے تھے۔''

''میں بس تمھیں زیادہ وقت کے لئے روک لینا چاہتا تھا۔'' وہ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے حلق سے برآمد نہ ہوسکے۔ وہ متحیر تھا۔ آنکھیں سرخ پڑرہی تھیں۔

''میں غلط تھی، تم سے ضد کی۔ اپنی ذہنی صحت خراب کی۔ میرا کام میری محبت تھا میں نے اسے انتقام بنالیا۔

لیکن اب بس'' وہ مسکرائی۔ ایک آزاد مسکراہٹ۔ ''میں آزاد ہوں، براق اور اب میں چاہوں گی ہم ایک دوسرے سے کبھی نہ ملیں۔ میں نے اپنی فیری ٹیل میں مشکلات بھردی تھیں، لیکن اب، اب میں آزاد ہوں۔ ایک نئی فیری ٹیل کے لئے۔''

براق کے دل میں قطرہ قطرہ زہر اتر رہا تھا۔ وہ شیزل کو دوبارہ نہیں دیکھ پائے گا یہ خیال اسکا دل سبز کررہا تھا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی، براق بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ یک ٹک پلک جھپکے بغیر۔ پھر شیزل نے اپنے قدم باہر کی جانب موڑے، اسکا ہر قدم براق کے سینے پہ نقش ہوا تھا۔ دروازہ بند ہوا اور براق کے صبر کی ہر حد ختم ہوگئی۔ وہ بے دھم ہوکر کرسی پہ گر سا گیا۔

''آر یو اوکے؟'' خاموش کمرے میں قیس کی آواز گونجی۔ براق نے گردن نہ اٹھائی۔ ہاتھ دل پہ رکھ لیا۔

"it's hurting . . i don't know why but it's hurting .and. . for the first time i can't handle it"

اسکی آواز سر گوشی جیسی تھی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آ کر رکا۔

"تمھیں اسے بتا دینا چاہیے تھا۔" تجویز۔

"میں اس وقت بھی اسکی فیری ٹیل برباد نہیں کر سکتا تھا، اور آج بھی نہیں۔"

"تکلیف ہو گی تمھیں۔" اس کے علم میں اضافہ۔

"میں شیزل سیمسن کے الزامات کا عادی ہوں۔" وہ اب تک گردن جھکائے ہوئے تھا۔ قیس نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ پھر اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکا چہرہ اوپر کو اٹھایا۔ براق کی آنکھیں سرخ تھیں۔ قیس کی سیاہ آنکھیں اسکی آنکھوں میں گڑ سی گئیں۔

"اٹس اوکے, ٹریجڈی۔ اٹس اوکے۔" قیس نے باور کروایا۔

براق نے زکام زدہ سانس اندر کو کھینچی۔ سر کو اثبات میں ہلایا۔

" اٹس اوکے۔۔۔" کہا۔ ". اٹس اوکے۔۔۔۔۔۔ اٹس اوکے۔" وہ دہراتے ہوئے اٹھا۔ قیس کا ہاتھ ہٹایا۔ انٹر کام اٹھا کر لوگوں کو واپس بلانے کو کہا۔

"let's get back to work"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ واپس اپنی کرسی پہ آن بیٹھا۔ کچھ وقت بعد سب نارمل تھا۔ مگر قیس نے دیکھا کہ براق کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ اور چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ اے سی کے باوجود اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے مگر۔۔۔ اٹس اوکے۔ اسکی زبان ہولے ہولے بے آواز بڑبڑا رہی تھی۔

عمارت سے باہر جاتے ہوئے شیزل کا دل بھاری تھا۔ آنکھیں سرخ، اور قدم مسافت کا تعین کھو چکے تھے۔ وہ بار بار بڑبڑا رہی تھی۔

اٹس اوکے، اٹس اوکے، اٹس اوکے۔

آج کا دن سوگ کے نام۔

مونال پہاڑ کی چوٹیوں پہ واقع ایک خوبصورت ریستوران ہے۔ رات کے اس پہر روشنیاں اسے منور کیے ہوئے تھیں۔ ریلنگ کے ساتھ رکھی ایک میز کے گرد قیس کمبیر بیٹھا تھا۔

زرد روشنیوں میں اس کا سراپا واضح نظر آتا تھا۔ آف وائٹ ہائی نیک سوئیٹر کے اوپر خاکی رنگ کا اوور کوٹ اور اسی رنگ کی جینز پہنے وہ ریلنگ کے پار سے روشنیاں دیکھ رہا تھا۔

ساتھ مدھم موسیقی پہ دھیرے دھیرے گھٹنے پہ رکھے اپنے ہاتھ کو بھی جنبش دے رہا تھا۔

دفعتاً اس کے ہاتھوں کو حرکت رک گئی۔اس نے ویٹر کو اپنے پاس بلایا۔

سامنے پڑے نوٹ پیڈ پہ چند الفاظ لکھے اور کاغذ موڑ کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ساتھ ہلکی آواز میں کچھ کہا تھا۔

چند پل بعد ویٹر وہ کاغذ کا ٹکڑا گلوکار کو تھما رہا تھا۔اور اگلے چند منٹ میں گلوکار اسکی مرضی کا گانا گانے لگا تھا۔

اب کے قیس ہلکا سا مسکرایا بھی تھا۔یہاں سے بیٹھ کر کتنا خوبصورت نظارہ دکھتا تھا ناں؟اسی پل کوئی اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔

''تم دس منٹ لیٹ ہو، گرین وونڈ۔''وہ اسی طرح گردن موڑے، ہاتھ سے میوزک بجاتے ہوئے بولا تھا۔

''اور تم وقت کی رفتار کو صدیوں آگے لے گئے ہو، نائٹ میئر۔''وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔''مجھے لگا تھا تم برے نہ بنتے، اگر یہ دنیا تمھارے ساتھ اچھی رہتی۔لیکن سچ جاننا چاہتے ہو؟''وہ کاٹ دار لہجے میں کہتے میز پہ آگے کو جھکا۔

''تم بلکل اپنے باپ جیسے ہو۔ظالم، سفاک، بے رحم اور قاتل۔''قیس نے دھیرے سے گردن موڑی تھی۔آنکھیں بدل سی گئیں۔

''قتل نہیں تھا وہ۔جنگ تھی۔جنگیں جائز ہوتی ہیں۔''

''کیا تم خود کو اسی طرح جسٹیفائی کرتے رہتے ہو؟پھر یہ کیا ہے؟''اس نے کہتے ہوئے ایک سفید ڈبیا نکال کر میز پہ رکھی۔وہ نیند کی گولیاں تھیں۔قیس نے ایک نظر اس ڈبیا کو دیکھا، پھر مہدی کو۔

"you're invading in my privacy such a shame "

وہ تاسف سے بولا۔ مہدی کے جبڑے بھینچ گئے۔

"تمھیں ذرا سا، بلکل ذرا سا بھی دکھ نہیں ہوا؟ وہ انسان تمہارا سگا ماموں تھا۔ "

"اور اس انسان نے میرے سامنے، میری آنکھوں کے آگے میرے باپ کو مارا، مرے چچا کو مارا۔ اسے بھی تو دکھ نہیں ہوا تھا۔ خون تو پھر ایک ہی ہے ناں۔" وہ سامنے سے آتے ویٹر کو دیکھ کر خاموش ہوا۔ پھر خوش دلی سے آرڈر نوٹ کروایا اور مہدی کی جانب متوجہ ہوا۔ ایسے جیسے اسے سننے کو بے تاب ہو۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ "جی جی جناب مہدی آگے بولیں۔"

"وہ انسان الگ تھا تم الگ۔ تم قیس کمبیر ہو۔ تم میرے بھائی ہو۔ یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟" اسے واقعی رنج سا ہوا تھا۔ قیس ابھی کوئی جواب دیتا کہ میز پہ رکھا اسکا موبائل تھرتھرایا۔ ایزل کی جانب سے پیغام تھا۔ اس سارے وقت میں پہلی بار قیس کے چہرے پہ کوئی جذبہ آیا تھا۔ وہ ہرٹ لگتا تھا۔

"وہ بیمار پڑ گئی ہے۔ اسے تمہاری دن کی ایک کال کا بھی انتظار رہتا تھا۔ تم اسے اگنور کر رہے ہو۔ میرہ ہر وقت اسکی مانیٹرنگ نہیں کرتی۔ کم از کم اس سے بات ہی کر لو۔" مہدی برہمی سے کہہ رہا تھا اور قیس یک ٹک موبائل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ میسج کی وجہ سے چمکنے والی سکرین دوبارہ تاریک ہو گئی۔ اس نے انگلی سے سکرین دوبارہ روشن کی۔ بس چند پل اور۔ دل کو ڈھارس سی ہوتی تھی۔

"میں کچھ بھی کر سکتا ہوں، لیکن میں کسی بچے کو اسکی ماں کے خلاف نہیں کر سکتا۔ ایزل مجھ سے پوچھے گی میں نے اس سے بات کرنا کیوں چھوڑ دیا اور میں اس سے سچ کہوں گا۔"

''ہاں تم اس سے سچ کہو گے کیونکہ تم تو ولی ہوناں۔ ہاہ'' بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔

''میں سچ کہوں گا اور ایزل اپنی ماں سے بدظن ہو گی جانتے ہو کیوں؟'' اس نے موبائل سے نظریں نہ ہٹائیں۔

''آپ بتائیں ناں سرکار۔ دنیا کا سارا علم آپ جناب کے پاس ہی تو ہے۔'' مہدی سلگ کر بولا۔

''تم لوگ چاہے مانو یا نہ مانو ایزل میرے جیسی ہے۔ اور وہ جن سے پیار کرتی ہے ان کے اندر کی خامیاں بھی دوسروں پہ تھوپ دیتی ہے۔ وہ مجھ پہ کبھی شک نہیں کرے گی اسکا سارا الزام اسکی ماں پہ جائے گا۔ کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''کیونکہ تم جیسے delusional انسان کو لگتا ہے کہ وہ بچی اپنی ماں سے زیادہ تم سے پیار کرتی ہے۔ براوو۔'' تالیاں بجانے کی کسر رہ گئی تھی بس۔ قیس نے سکون سے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ بازو سینے پہ باندھ لئے۔

''جانتے ہو ایک بچہ ہمیشہ ایک افسانوی دنیا میں رہتا ہے۔ وہ اس سے پیار کرتا ہے جو اسے مضبوط لگتا ہے۔ یا پھر جو اسے پروٹیکٹ کرتا ہے۔ جو عورتیں گھروں میں مار کھاتی ہیں، ان کے بچے ان سے ہمدردی رکھتے ہیں محبت نہیں۔'' ایک لمحے کے لئے مہدی سانس نہیں لے سکا تھا۔

''محب میرہ کو مارتا ہے۔ ایزل کے سامنے مارتا ہے۔ ایزل اپنی ماں سے بہت ہمدردی رکھتی ہے۔ لیکن چونکہ اسکی ماں اسے پروٹیکٹ نہیں کر سکی، اس لئے وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔ ایک مار کھانے والی عورت صرف اپنی زندگی نہیں بلکہ اپنے بچے کی زندگی بھی خراب کرتی ہے۔ ایک مارنے والا مرد اپنے اندر کی نفرت، غصہ اپنی نسل میں انڈیل دیتا ہے'' ویٹر نے آکر کھانا رکھا تو قیس خاموش ہو گیا۔ مہدی کو بھی چپ سی لگ گئی تھی۔

''کیا تم نے کبھی ایزل کو پروٹیکٹ کیا ہے؟'' کئی پل بعد مہدی کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ قیس نے جوس کا گلاس اٹھایا۔ تسلی سے گھونٹ بھرا۔

''میں اس سے کیے ہوئے وعدے پورے کرتا ہوں۔ اسکی ماں مجھے یاد کر کے اس سے میری باتیں کرتی ہے۔ میں ایزل کی فیری ٹیل کا مسیحا ہوں۔ جو ایک دن اسے اور اسکی ماں کو بچا لے گا۔'' اس کے جواب پہ بھی مہدی کی تشفی نہ ہو سکی۔ دل بے چین سا ہو گیا تھا۔ قیس چپ چاپ جوس کے گھونٹ بھرتا رہا۔ کھانا ان چھوا رکھا تھا۔ اسی پل مہدی کا موبائل بجا۔ بالاج میر کی کال تھی۔ اس نے ایک نظر گردن موڑ کر روشنیاں دیکھتے قیس کو دیکھا، پھر کال اٹینڈ کر لی۔

''کیا ہوا؟۔۔۔ ہاں اوکے میں پہنچ رہا ہوں۔ پہلے میں اس لڑکی سے بات کرنا چاہوں گا۔ ہاں اوکے۔۔۔ لوکیشن بھیجو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''کس کی کال ہے؟'' وہ ہنوز گردن موڑے ہوئے تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا، قیس۔ صرف پانچ منٹ کا کام ہے۔ تمھیں بس ایک چیز کرنی تھی صرف ایک۔ بالاج تم سے صرف اتنا چاہتا تھا کہ تم میرے کزن کی حیثیت سے اس سب میں شامل رہو۔ کیا اس نے کچھ زیادہ مانگا تھا؟''

''میں تمھیں ایک بار اس کام میں پڑنے سے منع کر چکا ہوں ناں؟ کیا تم مجھ سے بحث کرو گے؟ کیا تم بھول رہے ہو تمھارے فیصلے کون لے سکتا ہے؟'' روشنیاں اب کے اس کے داہنے رخ پہ تھیں۔

''جو تم کہو گے وہی ہو گا۔'' اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے نکلنا ہے۔ کھانا تمھیں مبارک۔''

''یہ کھانا تمھارے لئے ویسے بھی نہیں تھا۔ میری ڈنر ڈیٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہو گئی۔ اور تم سے اچھا ٹائم پاس اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟'' اسکی آنکھوں میں تمسخر تھا۔ حقارت تھی۔ ایک لمحہ بس ایک لمحہ لگا تھا مہدی کو فیصلہ کرنے میں۔

وہ یہ نکاح کرے نہ کرے لیکن مسئلہ حل کرے گا۔ کیونکہ اسے اب اپنی فیری ٹیل خود لکھنی تھی، وہ جس میں اس کے سارے فیصلے اس کے اپنے اختیار میں ہوتے۔ چاہے چند پل کے لئے ہی صحیح۔

(''مجھے ہمیشہ لگتا تھا، زینیا جو چاہے گی دنیا سے چھین لے گی۔ زینیا جو چاہے گی کرے گی۔ اور میں نے کیا تھا۔ زندگی میرے ساتھ جتنی ظالم تھی، اتنی ہی رحمدل بھی تھی۔ میرے آس پاس لوگ میری سنتے تھے، مانتے تھے۔ مگر۔۔۔ ایک روز ''محبت'' کے بیج نے ان کے دل میں جڑ پکڑ لی۔

اور اس روز میں نے اپنے دو قیمتی تعلق کھو دیئے۔ میرا بھائی اور میری بہن۔ ان دونوں نے زینیا حاکم کو توڑ دیا۔)''

اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں واقع ایک اپارٹمنٹ میں لاؤنج کے سفید صوفے پہ زینیا حاکم بیٹھی تھی۔ اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

ساتھ اس کے بالاج کے دوست کی بیوی اور ایک ملازمہ تھی، اور بالاج خود بھی۔ اس نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔ بشر سے بات کرتے ہوئے وہ اسے کچھ رقم بھیجنے کی بات کر رہا تھا۔ بشر کے بار بار انکار کے باوجود وہ ضد پہ اڑا رہا اور بلا خر اسے رقم بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہونے کی نوید سنائی دی۔

اسی پل زینیا کا موبائل بجا۔ کونج کی کال تھی۔ اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کال اٹھائی۔

''تمہیں پتہ ہے، زینی، ضیغم نے خود ابھی اس نے مجھے کال کی ہے۔۔۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی میں کتنی خوش ہوں۔ ضیغم میری زندگی کا سب سے اہم حصہ ہے۔'' روانی سے کہتے ہوئے وہ رکی تھی۔ ''تم نے اور بالاج بھائی نے صلح کر لی ہے ناں؟ اب کوئی اور مسئلہ تو نہیں ہوگا ناں؟''

''اب کچھ نہیں ہوگا۔ اب سب ٹھیک ہے۔ بلکل ٹھیک۔ بشر عروج کو لینے گیا ہے؟''

''نہیں ضیغم اسے چھوڑ کر گیا ہے میں تمہیں کیا بتاؤں۔۔۔'' اسکی بات آدھے میں تھی جب زینیا نے کال کاٹ دی۔

بالاج مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اسکی آنکھوں میں سارے زمانے کی چاہت تھی۔

کاش شادیاں بس محبت سے چل سکتیں۔

بالاج اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔۔ بس چند منٹ صرف چند سائن اور سب ٹھیک۔ زندگی فیری ٹیل لگنے لگی تھی۔

(''میں جب بھی اہل عرب کے قدیم رواجوں کے بارے میں سنتی تھی، مجھے حیرت ہوتی تھی۔

آخر مائیں کس طرح اپنی بیٹیوں کو زندہ دفنانے دیتی ہوں گی۔

آخر وہ کس طرح بار بار طلاق کے بعد بھی اپنے شوہروں سے رجوع کر لیتی ہوں گی۔

مجھے لگاتھاان عورتوں کے پاس شعور نہیں،وہ عورتیں کمزور ہیں مگر میں غلط تھی۔عورتیں کمزور نہیں تھیں،ان کے مرد طاقتور تھے۔وہ مرد نہیں جو انہیں بار بار طلاق دیتے تھے۔وہ مرد جو انہیں بار بار اسی مرد کے پاس بھیج دیتے تھے۔ان عورتوں کے بھائی اور باپ۔چاہے زمانہ قدیم ہو چاہے جدید۔

اگر آپ کی پشت پہ آپ کے گھر کا مرد کھڑا ہے،پھر دنیا کی کوئی طاقت اس عورت کو گرا نہیں سکتی۔مجھے گرانے والے میرے اپنے مرد ہیں۔

میرا باپ جس نے کبھی مجھے باپ ہونے کا مان نہیں دیا۔اور میرا بھائی۔جس نے وقت پڑنے پہ مجھ پہ گواِپ کیا۔‘‘)

بالاج کے سامنے والے صوفے پہ مولوی بیٹھا تھا۔ساتھ گواہان،جوٗ بالاج کی طرف سے آئے تھے۔وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔

اسے انتظار تھا مہدی کمبیر اپنے کزن کو لے کر کب آئے گا۔اندر کمرے میں بیٹھی زینیا حاکم ٹانگیں بیڈ سے لٹکائے بیٹھی تھی۔آنکھیں سپاٹ تھیں۔اسے بھی مہدی کا انتظار تھا اسکے ذہن میں بھی بہت کچھ تھا۔

ایسی بے بسی اس نے آج زندگی میں پہلی بار محسوس کی تھی۔وہ لاؤنج چھوڑ کر کمرے میں آگئی تھی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔کوئی آیا تھا شاید۔اور پھر ہلکی پھلکی باتوں کی آواز۔زینیا کو وہ آواز جانی پہچانی سی لگی۔

اسی پل کمرے کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔اس کے ساتھ موجود ملازمہ اور بالاج کے دوست کی بیوی نوارد کو دیکھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’میں اس سے اکیلے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔‘‘مہدی نے بالاج سے کہا تھا۔وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اسی پل مہدی نے نگاہ اٹھا کر پلنگ کی جانب دیکھا۔اور وہ ہل بھی نہ سکا۔اسکا سارا وجود برف ہو گیا تھا۔سبز آنکھیں اس پل متحیر تھیں۔دونوں عورتیں باہر چلی گئیں مگر مہدی اب بھی اپنی جگہ ساکت اور جامد کھڑا تھا۔زینیا نارمل نظر آ رہی تھی۔گویا وہ جانتی تھی مہدی کمبیر کو آنا تھا۔

وہ ایک قدم بھی آگے نہ لے سکا۔اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا۔یہ لمحہ پراسیس کرنے کے لئے ایک صدی بھی کم تھی۔وہ دونوں پلکیں جھپکے بغیر ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔سنہری، سبز مل کر کوئی بے یقین رنگ بنانے لگا۔

''یہ سب کیا ہے، زینیا؟''اس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اسے یہاں زینیا حاکم سے نکاح کرنے لایا گیا تھا۔لائک سیریسلی؟زینیا حاکم؟

''آپ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا، کہ میں نے آپ کی جان بچائی ہے۔اور اب جو میں مانگوں گی، آپ مجھے دیں گے۔کیا آپ اپنی بات پہ قائم ہیں؟''

''تم مجھے استعمال کر رہی ہو؟''اسے ایک اور شاک لگا۔

''آپ نے بھی کیا تھا۔آپ مجھے اپنے فائدے کے لیے گوادر سے یہاں لائے تھا۔میں سب جانتی تھی مگر پھر بھی آپ کے لئے آئی تھی۔آپ مجھے انکار کریں گے؟''

''تم کیا کر رہی ہو، زینیا؟''مہدی واقعی جاننا چاہتا تھا۔

''میں دنیا سے اپنا حق لے رہی ہوں۔چھین کر، جھپٹ کر۔مار کر یا پھر مر کر۔''

''اور میں اس سب میں تمہاری مدد کیوں کروں گا؟'' وہ جاننا چاہتا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''آپ چاہیں تو جا بھی سکتے ہیں۔ لیکن آپ رکیں گے۔ کیوں میں نہیں جانتی۔ اور آپ کیوں رکیں گے، میں آپ کے استعمال کرنے کے باوجود اسلام آباد کیوں آئی صبح تک آپ کے پاس دونوں جواب ہوں گے۔''

مہدی چند لمحے چوکھٹ پہ کھڑا عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر وہ پلٹ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کیا مگر کچھ ہونے والا تھا۔ وہ آج اس وقت زینیا حاکم کو ناں نہیں کہہ سکتا تھا۔

(''میں زینیا حاکم آج اعتراف کرتی ہوں کہ میں ایک عام لڑکی ہوں۔ عام بے حد عام۔ مگر rare دنیا میری اصطلاحات کبھی نہیں سمجھ سکتی۔

میں بچپن میں فیری ٹیلز دیکھتی تھی۔ اس لیے نہیں کیونکہ مجھے پریاں پسند تھیں۔ ٹوبی آنسٹ مجھے شہزادیاں زہر لگتی تھیں کیونکہ وہ نازک تھیں۔

مجھے شہزادہ نہیں پسند تھا کیونکہ اسکی زندگی کا واحد مقصد شہزادی کو بچانا تھا۔ ولنز میرے لیے غیر اہم تھے۔

میں فیری ٹیل دیکھتی تھی کیونکہ میں وہاں اپنی دنیا بناتی تھی۔ وہاں میں شہزادی تھی، میں ولن، میں چڑیل اور میں ہی شہزادہ۔

وہ میری دنیا تھی، اور مجھے بچانے کوئی نہیں آتا تھا۔ اپنی savior میں خود تھی، ہوں اور رہوں گی۔)''

''زینیا حاکم ولد حاکم نواب آپ کو مہدی سرور ولد محمد سرور با عوض پندرہ لاکھ روپے حق مہر اپنے نکاح میں قبول ہے؟''مولوی صاحب پلنگ پہ بیٹھی زینیا حاکم سے پوچھ رہے تھے۔

ساتھ وہی دو عورتیں اور گواہان تھے۔

اس نے آنکھیں بند کیں۔ کئی خراب شادیاں اسکی آنکھوں کے آگے سے گزریں۔ عبداللہ کا انتظار، اسے کی ہوئی فون کالز، بشر کا اس پہ گواپ کرنا بالاج کا طلاق دینا۔ اور اس وقت یہ نکاح؟

اسکی فیری ٹیل میں کئی غیر ضروری کردار شامل ہو چکے تھے۔ وہ شہزادی نہیں رہی تھی۔ کوئی شہزادہ اس کے لئے کبھی نہیں آنا تھا اور زینیا حاکم نے یہاں خود پہ بھی دست برداری دی۔ اسے دینی پڑی۔

اس نے محمد سرور یونس پہ بھی غور نہیں کیا۔ اس وقت کم از کم اس وقت اسے یہ سب معمولی لگا۔

اسکی بند آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر گرے۔ دل میں ایک ناسور نے جنم لیا۔ اور لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔

''قبول ہے۔۔۔۔قبول ہے۔۔۔۔قبول ہے۔'' ساری دنیا کی گردش رک گئی۔ کہانی نے نیا موڑ موڑا تھا۔ اور موڑ ہر بار خوبصورت نہیں ہوتے۔

''کہانیاں میرے لئے اسکیپ نہیں تھیں۔ نہ شوق۔ میں نے کہانیوں سے بس ایک چیز سیکھی تھی۔ ''حل نکالنا۔'' مجھے معلوم تھا زندگی میں کب کہاں آپ کو ولن بننا ہے، کب شہزادی، کب شہزادہ، کب سروائیور اور کب سیویئر۔

فیری ٹیلز نے مجھے بدلا تھا۔

میں نے ہر کردار کا ایک رنگ اوڑھ لیا تھا۔ میں ولن نہیں تھی، میں ڈھیٹ تھی۔ میں شہزادی نہیں تھی میں ڈھیٹ تھی۔ میں مضبوط نہیں تھی میں ڈھیٹ تھی۔ میں مسیحا نہیں تھی، بس ڈھیٹ تھی۔ میں سروائیور بھی نہیں تھی، میں ڈھیٹ تھی۔

میں نے اپنی ڈھٹائی سے بہت کچھ جیتا، اور بہت کچھ ہارا۔ لیکن یہ میرا ڈیفنس میکنزم ہے۔ اور جب زینیا حاکم ڈھٹائی پہ اڑ جائے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی۔ شاید یہ بات بالاج بھول گیا تھا۔"

اپارٹمنٹ خالی ہو چکا تھا۔ گواہ اور مولوی جا چکے تھے۔ اب لاؤنج میں بس تین لوگ تھے۔ بالاج، زینیا اور مہدی کمبیر۔

بالاج کے چہرے پہ فتح کا خمار سا تھا۔ وہ میز پہ رکھے کچھ کاغذات کو ترتیب دے رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

مہدی کا چہرہ سپاٹ تھا اور زینیا بس چپ چاپ بالاج کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ رہے کاغذات۔۔۔۔۔۔۔ دستخط کر دو، مہدی۔ میری بات ہو گئی ہے مولوی سے۔ تم ابھی کے ابھی طلاق دے سکتے ہو۔"

وہ مہدی کے سامنے کاغذات رکھتے ہوئے بولا تھا۔ اسی پل زینیا کی آنکھوں کا رنگ یکدم بدل گیا تھا۔ ملکہ بد اپنے اصل روپ میں آ چکی تھی۔ مہدی پین ہاتھ میں لئے ٹکر ٹکر کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا وہ استعمال کیا جائے گا مگر کیسے؟ اسکی اگلی نگاہ زینیا کی طرف اٹھی تھی۔

"مہدی کمبیر طلاق نہیں دے گا جب تک تم اپنی دوسری بیوی کو طلاق نہیں دو گے۔" زینیا حاکم بلآخر بول اٹھی تھی۔

بالاج نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

مہدی نے گردن ترچھی کر کے زینیا حاکم کو دیکھا تھا۔ بساط بچھ چکی تھی، مہرے ترتیب دیئے جا چکے تھے، اور کھیل شروع ہوا چاہتا تھا۔

''کیا مذاق ہے، زینی۔۔۔ یہ طے ہوا تھا۔ میں۔۔۔ تم۔۔۔ تم نے طے کیا تھا تم کیا بکواس ہے یار؟'' چند لمحوں کے لئے اسکا دماغ کچھ پراسیس نہیں کر سکا۔ وہ بے یقینی سے زینیا کو دیکھتے ہوئے بے ربط سے جملے کہے گیا۔

''زینیا کے لئے ہمیشہ معاہدہ کیا جاتا ہے، بالاج۔ میرے پیدا ہونے سے پہلے میرا معاہدہ ہو چکا تھا۔ اور پھر وہ ٹوٹ گیا۔ ابا نے تمہیں دس لاکھ دیئے۔ نفعے کا سودا اور ایک اور معاہدہ۔ اور وہ بھی ٹوٹ گیا۔ جانتے ہو کیوں؟'' اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ آگے آئی۔

''کیونکہ ہر دفع معاہدے کی شق میرے گھر کا کوئی مرد طے کرتا تھا لیکن اس بار، اس بار معاہدے کی تمام شقیں زینیا حاکم طے کرے گی۔ اگر تمھیں میری زندگی میں واپس آنا ہے تو اس عورت کو طلاق دو۔''

بالاج اسے دیکھتے ہوئے بے یقینی سے پیچھے کو ہوا۔ بالوں کو مٹھی میں دبائے وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ اسکا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ فیری ٹیل یوں برباد ہو جائے گی اس نے سوچا نہیں تھا۔

اور یکدم وہ سیدھا ہوا تھا۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔ مہدی اپنی جگہ پہ بیٹھا خاموش، بس سپاٹ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تم صحیح کہتی ہو، ہر بار معاہدے کی شق تمھارے گھر کا مرد طے کرتا ہے آج بھی وہی ہو گا۔ تمام شقیں میں طے کروں گا۔ تم سے کوئی نہیں پوچھ رہا کہ تمھیں طلاق چاہیے یا نہیں۔''

وہ دو قدم آگے آیا۔ مہدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''بھائی۔۔۔ مہدی میرے بھائی۔ نکاح نامے میں طلاق کا حق تمھیں ملا ہے۔ یہ طلاق نامہ سائن کرو۔ یہ عورت پاگل ہے، میں تمہیں سب کچھ بعد میں سمجھاتا ہوں۔ تم اس وقت پلیز یہ سائن کر دو۔ تم میرے دوست ہو۔ تم پلیز یہ سائن کر دو۔'' اس نے میز پر سے کاغذات اٹھا کر اسے تھمائے۔

مہدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ زینیا کو دیکھ رہا تھا۔ اور زینیا کی آنکھیں صاف صاف کہتی تھیں وہ انہیں سائن نہیں کرے گا۔ جانے کیا بے بسی تھی، یا پھر طلسم سا تھا۔ یا کوئی رعب سا، یا پھر کوئی تعلق سا مہدی نے کاغذات کو چھوا تک نہیں۔ یہ آنکھیں اس سے بہت کچھ کرواتی تھیں۔

''اسے کیا دیکھ رہے ہو یار؟ بھائی میں نے تمہیں بتایا تھا ناں۔ یہ بہت گھٹیا عورت ہے۔ تم بس اسے طلاق دو آگے میں خود دیکھ لوں گا تم ۔۔۔۔۔۔۔''

''جو زینیا کہے گی میں وہ کروں گا۔ اسے حق ہے اپنے لئے فیصلے لینے کا۔'' وہ سنہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے ایک پل کے لئے بھی زینیا سے نظر نہ ہٹائی۔ بالاج یہاں ایک غیر ضروری کردار ہو گیا تھا۔

''تمھارے لئے ایک اور خوشخبری ہے۔ اس ایونٹ کی ساری تصاویر میں تمہاری بیوی کو بھیج چکی ہوں۔ اور اس وقت وہ صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے ہسپتال میں داخل ہو چکی ہے۔ کیونکہ اسے لگتا ہے تم دوبارہ مجھ سے نکاح کر رہے ہو۔ سو مجھے لگتا ہے اس وقت تم پوری طرح پھنس چکے ہو بالاج۔ تمھارے پاس آج ایک بار پھر دو آپشن ہیں چن لو، جسے چننا چاہتے ہو۔'' وہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے کوئی خبر نامہ پڑھ رہی ہو۔

بالاج کے سر پہ لگی، تلوؤں پہ بجھی۔ وہ جارحانہ انداز لئے زینیا کی جانب بڑھا۔ بازو سے کھینچ کر اسے دیوار سے لگایا اور ابھی اسکا ہاتھ اٹھتا کہ زینیا نے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پہ دھکا دے کر اسے دور ہٹایا اور ساتھ رکھی چھوٹی میز سے ایک سنگی ڈیکوریشن پیس اٹھالیا۔ مہدی حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ عورت کون تھی؟

''خدا کی قسم، بالاج میر اگر تم نے مجھے چھوا بھی تو آج یہاں سے تمہاری لاش جائے گی۔'' وہ گلدان ہاتھ میں لئے سرخ آنکھوں کے ساتھ پھنکاری تھی۔ بالاج پیچھے ہٹا۔ شاک، بے یقینی۔ یہ وہ زینیا نہیں تھی جسے اس نے ایئرپورٹ پہ تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

یہ کوئی اور تھی، کوئی ولن نہیں کوئی شہزادی نہیں۔ یہ کوئی اور تھی۔

''میں اس روز شاکڈ تھی مگر آج نہیں ہوں۔ تم اس روز میرے شوہر تھے آج نہیں ہو اور اب ساری زندگی ہو بھی نہیں سکتے۔ میں نے تم سے کہا تھا بالاج میں تم پہ تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ میں نے تم سے کہا تھا میں زمانہ قدیم کی عورت نہیں ہوں۔'' وہ غرا رہی تھی۔

مہدی نے اسکا یہ روپ آج پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے زینیا حاکم سے خوف آیا۔

''میں زینیا حاکم ہوں۔ مسائل سے پہلے میرے پاس حل آتے ہیں۔

تمہیں لگا تھا تم مجھے مسائل میں دھکیل دو گے اور میں سڑتی رہوں گی؟ تمہیں لگا تھا میرے گھر کی مرد مجھ پہ گواپ کریں گے تو میں بھی خود پہ گواپ کر دوں گی، تمھیں لگا تھا میں تھوکا ہوا چاٹوں گی؟''

آج وہ بول رہی تھی اور بالاج کو سننا تھا۔

''اس وقت تم ایک مسئلے میں ہو۔ تم گوادر جا کر مجھ پہ الزام نہیں لگا سکتے ورنہ میں آج کے اس ایونٹ کی تصاویر اور ویڈیو بشر اور سارے خاندان کو دکھاؤں گی۔ میرے پاس تمہاری ہر، ہر بات کی ریکارڈنگ ہے۔ تم خالی ہاتھ ہو، بالاج۔۔۔ تم ختم ہو۔ فیری ٹیل ختم ہو چکی ہے اور زندگی میں پہلی بار انجام ٹریجڈک ہے۔''

''میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں خدا کی قسم میں تمہاری جان لے لوں گا، زینی۔ تم مجھے ڈاج نہیں دے سکتیں۔ میں تمہیں برباد کر دوں گا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ پھر اسے چھوڑ مہدی کی جانب آیا۔

''اسے طلاق دو، مہدی۔۔۔ یہ پیپرز سائن کرو یہ گھٹیا عورت ہے۔۔۔ تم۔۔ تم جانتے نہیں یہ بہت آوارہ اور۔'' جمے ہوئے ہاتھ کے ایک مکے نے بالاج کے جبڑے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فرش پہ گرا وہ حیران نظروں سے مہدی کو دیکھ رہا تھا۔ جسکی آنکھوں کی سختی آج چٹانوں کی سختی کو مات دیتی تھی۔

سرخ ہوتی آنکھوں سے مہدی جھکا اور ایک اور مکا اس کی ناک پہ دے مارا۔ اسکی آنکھوں میں خون سا تھا۔

''آؤ مجھ سے مقابلہ کرو، پھر میرا ہر وار تمہیں بتائے گا کون گھٹیا ہے۔

تم میرے بیسٹ فرینڈ تھے، تم نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا، بالاج۔ میں نے اسکی گردن پہ نشان دیکھے تھے۔ تم انہیں جھٹلا نہیں سکتے۔ اور اگر ایک بار اور تم نے اسے گھٹیا کہا تو میں بھول جاؤں گا کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی تعلق رہا تھا۔ گھٹیا تم ہو، تم جیسے وہ سارے مرد جو عورتوں پہ بلاوجہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔'' وہ بالاج کے اوپر جھکا کاٹ دار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زینیا سلگتی آنکھوں سے بالاج کی ناک سے بہتا خون دیکھ رہی تھی۔

''میں یہ پیپرز صرف اور صرف تب سائن کروں گا جب زینیا کہے گی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اب کوئی اور مرد یہ طے نہیں کرے گا کہ زینیا حاکم کو اپنی زندگی میں کیا چاہیے۔ نہ تم، نہ میں اور نہ کوئی اور۔ کوئی مرد کسی عورت کا معاہدہ نہیں کرے گا۔''

بالاج کچھ کہتا کہ اسی پل اس کے گارڈز اندر آئے، اسکی حالت دیکھ انہوں نے اپنی گنز سیدھی کر لیں، مہدی کو کوئی فرق نہ پڑا ہاں البتہ بالاج نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں گنز نیچے کرنے کو کہا تھا۔ گارڈ اسے کچھ بتا رہے تھے۔ انکی آواز دھیمی تھی مگر بالاج کا چہرہ ہر راز کہہ رہا تھا۔

اسکی دوسری بیوی کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ میں۔ بالاج سن سارہ گیا۔ اسے ریت کی مانند ہر شے اپنے ہاتھوں سے پھسلتی محسوس ہوئی۔

چکراتے ہوئے سر کے ساتھ وہ اٹھا تھا۔ گارڈ اسے بتا رہے تھے کہ اس کے لئے ارجنٹ فلائٹ بک کروائی جا چکی ہے۔

''میں تمھیں دیکھ لوں گا، زینیا حاکم۔ تم نے مجھ سے سب چھین لیا ہے۔ میرا خاندان، میری محبت، میرا دوست، میری ضروریات اور اب میں تمھیں بتاؤں گا ایک مرد کا انتقام کیا ہوتا ہے۔ میری محبت تم دیکھ چکی ہو اب نفرت دیکھنا۔''

وہ کہتے ہوئے اٹھا تھا۔ اسکے لوگ آس پاس بکھر گئے۔ اور پھر چند پل بعد اپرٹمنٹ خالی ہو گیا۔

زینیا نے دھیرے سے گلدان نیچے رکھا۔ جہاں وہ اتنی نڈر تھی وہیں اسکی آنکھوں میں خوف بھی تھا جو پبلک اسپیکر کو صاف نظر آتا تھا۔ وہ دھیرے سے دیوار کے ساتھ لگتی بیٹھتی چلی گئی۔

مہدی تاسف سے اسے دیکھتا ہوا آگے آیا۔ صوفے کے آگے رکھے اس کے جوتے اس کے سامنے رکھے، بیگ اٹھایا، اور اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

''چلنا ہوگا، زینیا۔۔۔'' تین الفاظ کہتے ہوئے وہ چند پل رکا رہا، پھر نیچے جھک کر اسے اٹھانا چاہا مگر زینیا نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ آنکھوں میں آتی نمی کو پیچھے دھکیلا۔ ہتھیلیوں پہ زور دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھوں سے بال ٹھیک کئے، پیروں میں جوتے ڈالے۔ ہاتھ بڑھا کر مہدی سے اپنا پرس لیا۔ گردن تانے ہوئے وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکلنے لگی تھی۔ گہری سانس بھرتا مہدی بھی اس کے پیچھے گیا تھا۔

پہاڑ کی چوٹی پہ واقع مونال کی روشنیوں کی طرف واپس آؤ تو قیس کمبیر کی میز پہ اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر کوئی بیٹھ رہی تھی۔ گلابی اوور سائز ٹرٹل نیک سوئیٹر کے ساتھ ڈھیلی جینز پہنے بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا۔

ہاتھ بڑھا کر موبائل میز پہ رکھا تو بریسلٹس سے بھری کلائیاں نظر آئیں۔ قیس اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ شیزل نہ مسکرا سکی۔

''ہم سالہا سال نہیں ملتے، مگر یہ عجیب سال ہے جس میں ہم چند ماہ میں کئی بار مل چکے ہیں۔'' شیزل بولی تھی۔

''یہ سب بکواس باتیں ہیں۔ مدعے پہ آتے ہیں ملکہ۔'' وہ کہنیاں میز پہ ٹکائے آگے کو ہوا۔ شیزل نے کانٹا چمچ اٹھایا۔ اور میز پہ رکھے ہوئے پاستا کے ساتھ انصاف کرنے کا ارادہ کیا۔

''تم براق کو پسند کرتی ہو؟'' سوال غیر متوقع تھا۔

''میں براق سے محبت کرتی ہوں۔''جواب اس سے زیادہ غیر متوقع تھا۔لاپرواہی سے کہتے ہوئے اس نے جوس کا گھونٹ لیا۔ قیس کمبیر نے ابرو اچکائے۔

''تم اس سے محبت کرتی ہو؟ مگر تم دونوں کچھ بھی سارٹ آؤٹ کرنے کو تیار نہیں ہو؟''

''نہیں۔۔۔''اس نے مایونیز ساس کی پیالی پاستا کے اوپر انڈیل دی۔ چمچ سے اسے مکس کیا۔''مجھے اس ریستوران سے بھی محبت ہے کیا میں اسے یہاں سے اکھاڑ کر اپنے گھر میں فٹ کر سکتی ہوں؟ نہیں کیونکہ یہ مس فٹ ہے۔

بلکل اسی طرح میں اور براق مس میچ ہیں۔ محبت سے کیا فرق پڑتا ہے بھلا؟''ایک بڑا سا چمچہ منہ میں رکھا، آہ یہ ذائقہ۔

''اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم اور براق مس میچ ہو؟''وہ بازو سینے پہ باندھے پیچھے کو ہوا۔

''براق man child ہے۔نہ وہ مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھ سکے گا۔نہ وہ کبھی میرے ساتھ خوش رہ سکے گا۔نہ وہ اپنی عورتوں کی عادت چھوڑ سکتا ہے۔اور۔۔۔''وہ رکی۔ایک پل کو آنکھیں سخت ہوئیں۔''نہ ہی میں ماضی بھول سکتی ہوں۔اس روز جو اس نے کیا تھا وہ کوئی جھگڑا نہیں تھا۔انتقام تھا۔''

''تم نے ارسلان کے ساتھ بریک اپ کیوں کیا۔؟''اس سوال پہ شیزل رکی۔نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''ایکسکیوز می؟''

''کیا اس نے تمہیں ڈمپ کیا؟''قیس نے سوال بدلا۔

''کس برانڈ کی،اور کتنی پی کر آئے ہو؟''اس نے چمچ پلیٹ میں پٹخا۔''ارسلان نے مجھے ڈمپ نہیں کیا اور نہ ہی ہمارا بریک اپ ہوا ہے۔''وہ جھنجھلا سی گئی۔

''یہ سب ہونے کے لئے ہم دونوں کا کوئی تعلق ہونا ضروری تھا۔اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ بس میرا دوست ہے۔بلکہ بہترین دوست۔دو ماہ پہلے ہی تو اسکی شادی ہوئی ہے۔''

اسے نہیں معلوم تھا یہ کونسی بات تھی، کیوں کی جا رہی تھی اور اسکا مقصد کیا تھا۔اسکی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''تم نے ایک بار براق اور مجھے بتایا تھا کہ تم دونوں ڈیٹ کر رہے ہو۔وہ کیا تھا؟''شیزل نے ذہن پہ زور ڈالا اور اسے ایک بھولا بسرا واقعہ یاد آیا۔

وہ تینوں کالج کے گراؤنڈ میں تھے۔قیس بازوؤں کی قینچی بنائے، سر ان پہ گرائے گھاس پہ لیٹا تھا۔آنکھیں بامشکل کھول رکھی تھیں۔براق تلملاتے ہوئے یہاں سے وہاں چکر مار رہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے،لوسفر وہ اس ارسلان کے ساتھ کیفے گئی تھی۔پھر شام میں ارسلان کی ماں اسے اور اپنے بیٹے کو ڈنر پہ لے گئیں۔میں ان سے شوٹنگ کلب میں ملا تھا۔ارسلان کی ماں مجھے کہہ رہی تھیں کہ وہ شیزل اور ارسلان کے درمیان انڈرسٹینڈ نگ قائم کروانا چاہتی ہیں۔ڈسگسٹنگ۔''

وہ چکر لگاتے ہوئے رکا۔اطمینان سے دھوپ سینکتے قیس کو دیکھا۔

''عورتیں دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہیں۔انکی باتوں پہ کان نہ دھرا کرو۔جو پوچھنا ہے۔

just ask her directly

ask what? “

”یہی کہ تم اسکا انتظار کرو یا پھر موو آن۔“ قیس کے مشورے ماشاءاللہ۔

”میں تمہارا دوست ہوں، یہاں میری جان پہ بنی ہے اور تم دھوپ سینکتے ہوئے فضول مشورے دے رہے ہو؟“

قیس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ اور پھر ذرا سا سرک کر چھاؤں میں ہو گیا۔ گویا کہہ رہا ہو۔ **”اب چھاؤں میں لیٹ کر فضول مشورے دوں گا۔“**

”تم سمجھ نہیں رہے لو سفر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں“

”ملکہ ادھر آنا۔“ یکدم پاس سے گزرتی شیزل کو دیکھ قیس اسے پکار بیٹھا۔ براق کا سانس رک گیا۔ شیزل اسکی طرف چلی آئی۔ قیس اب کہنی کے بل لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔

”ارسلان اور تمہارے درمیان کچھ ہے کیا؟“ تمہید اس نے پہلے کب باندھی تھی جواب باندھتا۔ شیزل نے گردن گھما کر براق کو دیکھا۔ ارسلان اور براق بہترین دوست تھے۔ شیزل کو لگتا تھا شاید براق اسے اپنے دوست کے ساتھ دیکھ کر جلتا ہے سو۔۔۔

”ہم دونوں ساتھ ہیں۔“ وہ گردن کڑا کر بولی۔ ”جلد ہی وہ مجھے اپنے پیرنٹس سے بھی ملوا رہا ہے۔ سب کچھ اتنا اچھے سے ہو گیا جسٹ لائک فیری ٹیلز یو نو۔“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر براق ساکت سا ہو گیا۔ ایک لمحے کو اس کا دل خالی ہو گیا تھا۔ نل۔۔۔ ختم۔۔۔ خاموش۔

قیس نے ایک سادہ سی نظر براق پہ ڈالی، جیسے کہہ رہا ہو۔ ''اب اداس غزلیں لکھنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔'' غضب تو یہ تھا کہ براق کو لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔

چند دن بعد براق اور قیس کینٹین میں بیٹھے تھے۔ براق جوش سے اسے کچھ بتا رہا تھا جب بولتے بولتے یکدم رک گیا۔ شیزل ان کے سامنے آ کر بیٹھی۔ براق اسے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ اس کی انگلی میں چمکتی انگوٹھی دیکھ رہا تھا۔

یہ انگوٹھی اس نے ارسلان کے پاس دیکھی تھی۔ قیس نے پہلے براق کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا پھر شیزل کی انگلی میں موجود انگوٹھی کو۔ پھر وہ مسکرایا تھا۔ جسم میں گدگدی سی ہونے لگی۔ آس پاس اداس نغمے پھیل گئے۔

قیس نے اپنی تصوراتی دنیا میں براق کو چرس کے کش لگاتے، سیاہ شال پہن کر مشاعرہ لگاتے ہوئے بھی دیکھا۔ پھر وہ حال میں واپس آیا۔ غور سے براق کو دیکھا۔ اونہوں ذرا سی کمی تھی۔ ابھی دل صحیح سے نہیں ٹوٹا تھا۔

''یہ انگوٹھی کس نے دی تمھیں؟'' اس نے کولڈ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔ شیزل بر گر کھاتے ہوئے رکی۔ ہاتھ الٹ پلٹ کے بے پرواہی سے انگوٹھی کو دیکھا اور کوئی فضول سا جواب دینے لگی تھی جب۔۔۔ جب اس نے براق کو دیکھا۔ ایک شیطانی سوچ کے تحت اس نے وہ کہا جو اسے نہیں کہنا تھا۔

''consider this an engagement ring''

براق کی آنکھوں میں ہی ٹوٹے دل کی کرچیاں دکھائی دیں۔ قیس کا مقصد تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ کینٹین غائب ہوا اور ریستوران غالب آیا۔ شیزل بے یقینی سے قیس کو دیکھ رہی تھی۔

''اس روز براق تمھارے پاس تمھیں تنگ کرنے آیا تھا۔ شاید ایک چھوٹا سا پرینک۔ اس نے ارسلان سے ویڈیو بنانے کو کہا تھا مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ تم اسے اپنی فیملی کے بارے میں بتاؤ گی۔ یا پھر وہ چھوٹی سی ملاقات ایک اسکینڈل بن جائے گی۔ ارسلان نے وہ ویڈیو براق کے اکاؤنٹ سے پوسٹ کر دی، یہ بات براق نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے کہا تھا تمہیں بتادے لیکن ۔۔۔۔۔۔''

''وہ میری فیری ٹیل خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ تمہاری فیری ٹیل خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔'' دونوں ایک ساتھ بولے تھے۔

شیزل کو کئی لمحے لگے مگر وہ پھر بھی اس سب کو پراسیس نہیں کر سکی۔ کانپتے ہاتھوں سے میز سے اپنا موبائل اور بیگ اٹھاتے ہوئے اسکا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

قیس کو انتہائی سکون ملا۔ بھلا دوستوں کے ریلیشن شپ اور بریک اپس سے زیادہ کوئی مزے کی چیز ہوئی ہے؟

''کھانا تو کھاتی جاؤ۔''

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا کھانا۔'' غرا کر کہتی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ قیس نے گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر دوبارہ گردن موڑ لی۔ اور میز پہ رکھے کھانے کو دیکھا۔

''دیکھا کھانا بھی نہیں کھایا۔ آہ یہ نان سیریس لوگ۔'' اس نے کانٹا اور چمچ اٹھایا پھر رک گیا۔ موبائل اٹھا کر براق کو کال ملائی۔ رابطہ جڑ گیا تو وہ خوشدلی سے گویا ہوا۔

''ہاں، براق۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ابھی ملکہ سے ملا ہوں۔اور میں نے اسے سارا سچ بتادیا ہے۔فکرمت کرو۔'' پینٹ ہاؤس کی چھت براق کے سر پہ گری تھی۔اس نے تیزی سے اپنے پیر بستر سے نیچے اتارے۔

''کیا بکواس ہے کیا کیا ہے تم نے؟اوہ خدایا یہ کیا کر دیا ہے تم نے؟''

''حقیقت سے پردہ اٹھایا، دو ٹوٹے دل جوڑے اور بھلا کیا کیا۔''

''خدا کی قسم میں تمہیں زندہ دفنا دوں گا۔ تمھیں واقعی لگتا ہے تم نے ٹوٹے دل جوڑے ہیں؟ کئی سال قبل تم نے میرے غم سے فائدہ اٹھایا تھا۔اور اب شیزل۔ تم اتنے گھٹیا کیسے ہو سکتے ہو۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''

''یا اللہ۔۔۔''موبائل کان سے لگائے قیس کو صدمہ ہوا۔

''یا اللہ یہ میں کس دنیا میں آگیا ہوں۔ کسی کو میری معصومیت پہ یقین ہی نہیں آتا۔ میں تو بس صلح جو بن کر آیا تھا مگر نہیں۔'' تسلی سے جوس کا گھونٹ بھرا۔''آج مجھے لگتا ہے اللہ کو مجھ جیسے معصوم انسانوں کے لئے ایک الگ دنیا بنانی چاہیے تھی۔

the world doesn't deserves me.''

براق نے سلگ کر کال کاٹ دی۔ قیس نے سر کو نفی میں ہلایا۔بے اختیار جھرجھری سی لی۔

''اب یہ کھانا بھی مجھے کھانا ہو گا۔ ظاہر ہے رزق ضائع تھوڑی کر سکتا ہوں؟''اس کمبخت کو کوئی بتائے باقی دو لوگ بھی ناقدری کر کے نہیں گئے۔اس نے اپنی زبان سے ایسے ایسے خوب صورت الفاظ کہے کہ انکو جانا پڑا۔ مگر اسے بھلا کون سمجھائے؟

اپارٹمنٹ سے باہر نکلنے کے بعد اس نے موبائل پہ کوئی کیب بک کرانی چاہی۔ رائیڈ بک ہوتی اور کینسل ہو جاتی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کے عقب میں زرا سے فاصلے پہ کھڑا مہدی کمبیر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لمبی گہری سانس لیتا وہ آگے آیا۔

''آجاؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''میں آپ کی گاڑی میں نہیں بیٹھ رہی۔''

''میرے ساتھ نکاح نامہ سائن کر سکتی ہو، لیکن میرے ساتھ گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتیں؟''

زینیا نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ ''تو اب آپ مجھے طعنے دیں گے۔؟''

''تمھارے نزدیک حقیقت کو طعنہ کہا جاتا ہے؟'' ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔ زینیا نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بند کر دیئے۔ رائیڈ کنفرم ہو گئی تھی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی مین روڈ کی طرف جانے لگی۔

''میں نے ایک بار تم سے کہا تھا تعارف قرض رہا۔ مجھے لگتا ہے اب وقت آگیا ہے۔ مجھے بتاؤ۔ تم کون ہو، زینیا حاکم؟'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے گردن نہیں موڑی۔ بس نیم اندھیرے میں کھڑی رہی۔ مہدی دھیرے دھیرے اسکی اور قدم بڑھا رہا تھا۔

''تم کیا کر رہی ہو، زینیا حاکم؟''

''میں اپنے ہاتھوں سے اپنی فیری ٹیل برباد کر رہی ہوں۔''

اس کی آواز میں زمانوں کی تکان تھی۔ ''آپ تعارف چاہتے ہیں ناں؟ میں کرواتی ہوں تعارف۔ پھر آپ کو یقین ہو جائے گا کہ زینیا سے زیادہ horrible کوئی نہیں ہے۔ آج ہم دونوں کے درمیان بہت کچھ بدل گیا ہے۔ میں نے بہت چاہا تھا کہ میں آپ سے دور رہوں۔ کیونکہ آپ میرا چہرہ پڑھ لیتے ہیں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ ''لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ یا شاید منظور نہیں تھا۔ آپ کے اور میرے راستے ہمیشہ ٹکرائے۔ یہاں تک کہ آج مجھے آپ پہ اپنی ذات کا ایک حصہ کھولنا پڑ جائے گا۔ آپ تیار ہیں؟''

اس نے مڑ کر دیکھا۔ دراز قد مرد کی پشت سے روشنیاں ٹکرا رہی تھیں۔ زینیا اندھیرے میں تھی مگر زیادہ وقت نہیں۔

چند منٹ بعد وہ دونوں ایک کیفے کے باہر چھجے تلے رکھی نرم کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سیاہ جوڑے والی لڑکی یاسیت سے سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ گیلی سڑک، بھاگتی گاڑیاں، مصروف زندگی۔ اسکی آنکھیں چمک کھو چکی تھیں مگر ناک کی لونگ اپنی چمک برقرار رکھے ہوئے تھی۔

''میں تمھیں سمجھ سکتا ہوں، زینیا تم ۔۔۔''

''آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' اس نے نرمی سے مہدی کی بات کاٹی۔

''کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہر لڑکی اپنے ہونے والے شوہر میں اپنے باپ کا عکس دیکھتی ہے۔ میں نہیں دیکھتی، کیونکہ وہ خوفناک ہے۔ کیونکہ وہ ذلیل کرتا ہے، کیونکہ وہ محافظ نہیں ہے، کیونکہ وہ عکس مجھے مارتا ہے۔ وہ مجھے طعنے دیتا ہے۔ بھری محفل میں تذلیل کرتا ہے۔ مرے حوصلے پست کرتا ہے۔ وہ عکس میری بنیادیں کمزور کرتا ہے۔

اور میرے اندر انسکیورٹی بھر دیتا ہے۔ یہ ہے میرے باپ کا عکس۔ اس نے میرے اندر انتقام بھر دیا تھا۔'' سڑک کے اس پار کئی بڑی بڑی دکانیں تھیں۔۔۔ہائی ہیلز، ہینڈ بیگز، جیولری زینیا ٹکر ٹکر ہر شے کو دیکھتی رہی۔

''بچپن سے جب میں اپنے گھر کا برا ماحول دیکھتی تھی تو مجھے لگتا تھا کوئی مسیحا آئے گا اور ہمیں بچالے گا۔ ابا کی مار سے، اماں کو تذلیل سے، مگر کوئی نہیں آیا۔'' آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے تھے۔ آواز زکام زدہ۔

''ابا سے بہت محبت تھی مجھے۔ ہے، اور ساری زندگی رہے گی۔ میں اپنی ماں کو قصوروار سمجھتی تھی کہ انہوں نے کبھی ابا کو روکا کیوں نہیں۔ قصہ مختصر میرا بچپن ٹراماٹک تھا۔ اور ان سب کے درمیان میری فیری ٹیل یہ تھی کہ ایک دن میں کسی بہت اچھے مرد سے شادی کروں گی۔ اور ایک اچھی نوکری کروں گی۔ میرے بہت سارے بچے ہوں گے۔ بڑا سا گھر ہوگا۔ اور وہاں میرے بچوں کو اچھا ماحول ملے گا۔ یہ میری فیری ٹیل تھی۔''

وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ پھر بیگز کے رنگوں پہ غور کرنے لگی۔ نیلا، جامنی، سرخ۔

''یہ تمہارا ریوینج پلان تھا ناں، زینیا؟'' مہدی کی بات پہ وہ زور سے ہنس پڑی۔ نم آنکھیں، کرب زدہ چہرہ وہ ہنستی تھی تو اس پہ رونا آتا تھا۔

''بس اسی لئے۔۔۔۔۔۔۔ بس اسی لئے آپ سے دور بھاگتی تھی میں۔ زینیا کے بارے میں کوئی اتنا ہی جان سکتا ہے جتنا زینیا چاہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ مگر آپ وہ چیزیں جاننے لگے تھے جو میں نے کبھی خود سے بھی نہیں کہی تھیں۔'' اس نے انگلی کے پوروں سے آنکھیں صاف کیں۔ مگر وہ پھر جھلملا گئیں۔ ''ہاں یہ فیری ٹیل نہیں تھی۔ یہ میرا انتقام تھا۔ اماں سے کیونکہ انہوں نے ابا کی بے جا برداشت کی، ابا سے کیونکہ انہوں نے اماں کو ان کے حق نہیں دیئے، دادی سے جنہوں نے بیٹے کی شادی زبردستی کروائی۔ مجھے لگا تھا میرا منگیتر وہ میرے لئے اسٹینڈ لے گا۔'' آج عبداللہ کے ذکر پہ اسکے دل کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ نہ دکھ، نہ سکون کچھ نہیں۔۔۔

''تمہارا منگیتر، بالاج؟''

''بالاج، میرا آپشن تھا۔ سروائیول بھی۔ میرا منگیتر کوئی اور تھا۔ میرا کمفرٹ زون۔'' اسکی آنکھوں کی چمک آج ماند تھی۔ عبداللہ اپنا مقام کھو چکا تھا۔ کوئی اسے بتائے۔

''میری شادی جب بالاج سے ہوئی تب مجھے اس سے کوئی امید نہیں تھی۔ کوئی بھروسہ نہیں کوئی تعلق نہیں۔ لیکن میں نے اس کے لئے قربانیاں دیں کیونکہ زینیا حاکم کو ایک اچھی شادی چاہیے تھی۔ اس نے مجھے طلاق دی، مجھے مارا، اور وہ ایک بار پھر مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نہیں ہر بار نہیں۔ اس نے مجھ سے شادی کی کیونکہ وہ جانتا تھا میرے پاس ہر مسئلے کا حل ہوگا۔ اس نے ایک بہتر آپشن کے لئے مجھے چھوڑا۔ اور پھر ایک دن واپس آگیا۔ مجھے لگا شاید اس میں تھوڑی سی محبت یا انسانیت باقی ہو مگر نہیں۔۔۔'' وہ کہتے ہوئے رک گئی۔ مہدی کو زینیا کا یہ روپ الگ لگا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔

''وہ ایک بار پھر مجھے استعمال کرنے آیا تھا۔ لیکن اس بار میرے پاس حل تھا۔'' کیفے کے اندر اب مدھم بتیاں جلادی گئی تھیں، باہر چھجے تلے بھی روشنیوں کا رنگ بدلا۔ سفید سے زرد۔

''یہ حل کہ تم مجھے استعمال کرو؟'' طنز نہیں بس سوال تھا۔

''آپ ابھی کے ابھی مجھے طلاق دے دیں۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جب تک میں نہیں کہوں گی آپ بالاج کے سامنے منہ نہیں کھولیں گے۔ میرا حل مختلف تھا۔ ظاہر ہے میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں جو حلالہ کرلئے کسی مرد سے شادی کرلوں۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا، تو میں ہرگز ایسا نہ کرتی۔''

''اور تم نے میرے لئے انکار کیوں نہیں کیا؟''

زینیا انہی جھلملائی آنکھوں سے اسے تکتی رہی۔ ''شاید مجھے آپ پہ بھروسہ ہے۔ اپنی زندگی میں جتنے مردوں سے میں ملی ہوں آپ ان سب سے مختلف ہیں۔''

''تمہارا آگے کا کیا پلان ہے؟'' مہدی آگے کو ہوا۔ سنجیدگی سے سوال کیا۔

''کچھ خاص نہیں۔ دو سال میری پڑھائی چلے گی اور اس عرصے میں بالاج خاموش رہے گا کیونکہ اسے رہنا ہے۔ اس عرصے میں میرے بھائی کا گھر بس جائے گا۔ میری بہن کی شادی بھی میں ابا سے کہہ کر جلد کروادوں گی۔ وہ دونوں اپنی فیری ٹیل میں جیئیں گے۔ اور میں ان کے لئے آسانیاں کروں گی۔''

''اور تم، زینیا؟ تمہارا کیا؟ میں جس دن پیپرز سائن کروں گا کیا تم بالاج کے پاس واپس نہیں جاؤ گی؟ شاید وہ اپنی بیوی کو طلاق دے آئے؟'' مہدی کو نہ جانے کیوں مگر کچھ برا لگا تھا۔ ہر کوئی ٹھیک ہو جائے گا اور زینیا حاکم؟ کیا وہ ساری زندگی بسمل رہے گی؟ اس کے بس میں ہو تو وہ ساری کائنات سے آسودگی خرید کر زینیا حاکم کو دے دے۔ کیوں؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

''میں اب فیری ٹیل سے باہر نکل آئی ہوں۔ میں جانتی ہوں اب میرا کوئی گھر نہیں ہو گا۔ میرے بچے میرا شوہر نہیں ہو گا۔ ابا اور بشر بھی شاید مجھ پہ دستبرداری دیں۔ کونج کو اپنا گھر بچانے کے لئے مجھے چھوڑنا ہو گا اور۔۔۔ اور زینیا اکیلی ہو گی۔ بلکل اکیلی۔۔۔ لیکن میرے پاس کوئی آپشن نہیں ہے۔ یہ فائٹ اور فلائٹ کا وقت ہے اور مجھے بس فائٹ کرنا آتا ہے۔'' کئی لمحے وہ گردن جھکائے خاموش رہی۔ پھر آنکھیں اٹھائیں تو چہرہ گیلا تھا۔ مہدی کو برا لگا۔ کچھ لوگوں کو رونا نہیں چاہیے کیوں؟ یہ نہیں معلوم بس نہیں رونا چاہیے۔

''میں نے ساری زندگی صرف دو چیزیں تصور کی تھیں۔ ایک میرا گھر اور شادی۔ دوسرا کیریئر۔ میرا پہلا خواب ٹوٹ گیا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے میرا دل مر گیا ہے۔ مجھے دو سال بعد سے ڈر لگنے لگا ہے۔ ہر کوئی مجھے چھوڑ دے گا سب سب سب۔۔۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں گرائے رو پڑی تھی۔ کئی لوگوں نے مڑ مڑ کر اسے دیکھا۔

''ایک دن آئے گا جب زینیا اکیلی ہو گی۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں میں اس دن تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' وہ اس کے جھکے سر کو دیکھ ترنت بولا تھا۔ زینیا نے چہرہ اٹھایا۔ مہدی نرم نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہاں کوئی بے حد نرم سا تاثر تھا۔ شفقت سا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ تم جب جب اکیلی ہو گی میں تمھارے ساتھ رہوں گا کیوں میں نہیں جانتا، کیسے مجھے نہیں معلوم لیکن تم اکیلی نہیں ہو گی یاد رکھنا۔''

''اب یہ مت کہیے گا کہ ڈیڑھ گھنٹے کے نکاح کی وجہ سے آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔''

مہدی ہنس پڑا۔ زینیا بھی گیلے چہرے کے ساتھ مسکرائی تھی۔ چھوٹی آنکھیں شدت گریہ کے باعث سوجھ گئی تھیں۔ ناک سرخ اور آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''اور تم نے مجھے یہ سب بس میرے پوچھنے پہ بتا دیا۔ یہ مت کہنا کہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے والے نکاح کی وجہ سے تم مجھے سرتاج ماننے لگی ہو۔''

اب کے زینیا زور سے ہنس پڑی تھی۔ گردن کرسی پہ گرائے وہ ہنسنے لگی تھی۔

یہ مہدی کی بات نہیں تھی، اسے اپنے حال پہ ہنسی آ رہی تھی۔ چمکتی روشنیاں ایک طرف اس کے چہرے کی چمک ایک طرف۔ وہ تھک گئی تھی۔ یہ وقفے کی ہنسی تھی۔ کئی پل بعد وہ سیدھی ہوئی۔

''میں آپ کو خود سے دور رکھنا چاہتی ہوں کیونکہ میں کرسڈ ہوں۔ آپ اچھے آدمی ہیں۔ اچھا بولتے ہیں، لوگوں کے ساتھ اچھے رہتے ہیں۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ اس لئے مجھ سے دور رہیں۔ آپ کو مجھے جاننے کا تجسس تھا، آپ نے مجھے جان لیا ہے ناں؟ اب مجھے یقین ہے ہم ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آئیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیگ کندھے پہ ڈالا۔

''تمھیں لگتا ہے ہماری ایک دوسرے سے اپنی راہیں جدا ہو سکتی ہیں؟'' وہ سکون سے بولا تھا۔ زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''لگتا ہے آپ نے اس کاغذ کے ٹکڑے کو زیادہ سیریس لے لیا ہے میں بتادوں کہ وہ ایک حل تھا۔بس ایک حل۔ کئی زندگیاں بچانے کے لئے ایک حل۔ میں نے آپ کو استعمال کیا، کیونکہ آپ وہاں آئے تھے۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں کبھی بھی بالاج کی بات نہ مانتی۔وہ کاغذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''بات اس کاغذ کے ٹکڑے کی ہے ہی نہیں۔اور نہ میں وہاں نکاح کرنے آیا تھا۔ میں نے بالاج سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں اس لڑکی سے بات کرنا چاہوں گا۔اور میرے پاس اس لڑکی کے لئے پلان بی تھا۔ کیونکہ مجھے اس حلالہ واٹ ایور پہ کوئی یقین نہیں۔'' ہاتھ جھلا کر بے زاری سے کہا۔

''لیکن تمھیں وہاں دیکھ کر مجھے شاک لگا تھا۔ پلان بی کہیں دور چلا گیا۔اور میں نے تمہارا نکالا ہوا حل مان لیا۔ کیوں یہ میں اس وقت نہیں جانتا لیکن بہت جلد تمھیں بتادوں گا۔'' وہ کرسی چھوڑ کر اٹھا۔

زینیا کے سامنے آکر رکا۔ چھجے تلے کھڑے روشنیاں ان دونوں کے چہروں کو منور کر رہی تھیں۔

''تمھیں لگتا ہے ہمارے راستے نہیں ٹکرائیں گے۔ تم غلط ہو۔ان کے راستے ٹکراتے ہیں، جن کے راستے الگ ہوں۔ ہمارے راستے ملیں گے، کیونکہ ہمارا سفر ایک ہے۔''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' اسے الجھن ہوئی۔

''تمھارے سوال قرض رہے۔''

زینیا کچھ کہتی کہ اسکی رائیڈ آ گئی تھی۔ اپنا بیگ اٹھاتے اس نے مہدی کو ایک الوداعی نظر دیکھا۔ اور آگے بڑھ گئی۔ آج کی رات اتنی جلدی ختم ہونے والی نہیں تھی۔ ابھی بہت کچھ باقی تھا۔

اماوس کی رات جیسی لمبی اور سیاہ رات میں ہاسٹل کا رخ کرو تو زینیا حاکم اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ زینیا نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کر سارا کمرہ روشن کیا۔ اسی روشنی کے باعث اسے بیڈ کے ایک کونے پہ شیزل سیمسن چھت کی طرف آنکھیں کئے، سیدھی لیٹی نظر آئی۔ زینیا کو معلوم تھا آج وہ استعفیٰ دے کر آئی ہے سو کوئی سوال نہ کیا اور اپنے بیڈ پہ جوتوں سمیت لیٹ گئی۔ وہ دونوں اب مخالف سمتوں میں پیر لمبے کئے لیٹی ہوئی تھیں۔

کئی لمحے بعد شیزل نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ اسے کچھ غلط ہونے کا احساس سا ہوا۔ اپنے مسائل ایک طرف رکھتے اس نے زینیا کو مخاطب کیا۔

''کسی سے لڑ کر آئی ہو، تو تھمز اپ کرو۔ اور اگر کسی کو مار کر آئی ہو تو ہاتھ اوپر کرو۔''

زینیا نے نہ تھمز اپ کیا، نہ ہاتھ اٹھایا۔ شیزل کو تشویش سی ہوئی۔ زینیا کے ساتھ رہنے والوں کو ہوا ہی کرتی تھی۔ وہ زیادہ دیر ہلے جلے ناں تو چیک کر لینا چاہیے کہیں روح پرواز نہ کر گئی ہو۔

وہ اٹھ کر آئی۔ کمر پہ ہاتھ ٹکا کر اسے گھورا۔

''ڈونٹ ٹیل می تم قیس کو پرپوز کر کے آ رہی ہو۔''

''میں مہدی کمبیر سے حلالے کے لئے نکاح کر کے آ رہی ہوں۔''شیزل کو لگا تھا اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

''کیا کہا تم نے ایک بار پھر کہنا؟''اس نے بازو سے کھینچ کر زینیا کو سیدھا کر کے بٹھایا۔خود اس کے گھٹنے کے قریب بیٹھی۔زینیا نے خالی آنکھیں براہ راست اسکی آنکھوں میں ڈالیں۔شیزل کی نگاہیں خطرناک حد تک سفید پڑ رہی تھیں۔

''میں نے،زینیا حاکم نے مہدی کمبیر کے ساتھ نکاح کر لیا۔حلالے کے لئے لیکن میں بالاج کے پاس ---''

''اور تم سے یہ کس نے کہا کہ تمھیں بالاج کے پاس واپس جانے کے لئے حلالے کی ضرورت ہے۔''الفاظ کسی بارود کے جیسے زینیا کے جسم کو جھلسا گئے۔''بالاج اور تمھارے درمیان کوئی ازدواجی تعلق نہیں تھا۔جب اس نے تمھیں تین طلاق دیں کیا تب تم نے کوئی عدت کی تھی؟''

زینیا ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھتی رہی۔جب بولی تو آواز سرسراہٹ کی صورت باہر آئی۔

''لیکن کس بات کی عدت،بالاج اور میرے درمیان ازدواجی تعلق نہیں تھا۔ہم دونوں کے درمیان کبھی تنہائی نہیں رہی میں -------''زینیا کے جسم سے سانس رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔شیزل کی حیرت ختم ہو چکی تھی اور اب اسکی جگہ غصے نے لے لی تھی۔''بالکل تم دونوں کی رخصتی نہیں ہوئی تم دونوں کبھی تنہائی میں نہیں ملے،اس لئے اگر اس نے تمھیں اکھٹا تین طلاق دیں تو طلاق ہو گئی لیکن وہ نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا تھا۔حلالے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔''

اسے سخت طیش آیا۔

''تم، زینیا حاکم تم دنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی ہو۔ تم جانتی بھی ہو حلالہ کیا ہے؟ طلاق کیا ہے شادی کیا ہے؟'' وہ کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ پھر اس نے زینیا کو دیکھا وہ بے یقین تھی۔ شیزل نے چند گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کیا۔ اب کے اسکی آواز ہلکی تھی۔

''حلالہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک غیر ارادی یعنی جس میں عورت کو ایک مرد سے طلاق ہوگئی۔ اور اس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی۔ اور نصیب کی بات کہ دوسری شادی بھی نہ چل سکی۔

تواب اگر وہ چاہے تو پہلے شوہر سے شادی کرسکتی ہے۔ چونکہ پچھلی شادی کسی ''**ڈیل**'' کے تحت، یعنی حلالے کے لئے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ سارا ''**غیر پلانڈ**'' اور مقدر کا پلان تھا تو یہ حلالہ جائز ہے۔ جانتی ہو دوسرا حلالہ کیا ہے؟'' وہ زینیا کے عین سامنے آکر رکی۔ سرخ ہوتی آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ زینیا شل سی اسے دیکھے گئی۔

''دوسرا حلالہ ایک ''**ڈیل**'' ہوتی ہے۔ یعنی جس میں آپ کی ایک بار طلاق ہو جائے اور آپ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لیں۔ لیکن وہ شادی آپ نے ایک ڈیل کے تحت کی ہوگی کہ دوسرا شوہر طلاق دے گا، کیونکہ آپ کو پہلے والے کے پاس واپس آنا ہوتا ہے۔

یہاں دوسرے شوہر سے طلاق کے بعد بھی اس حلالے پہ لعنت ہے۔ جو عمل تم کر کے آئی ہو، اسلام میں اس پہ لعنت بھیجی گئی ہے۔ حلالہ صرف اور صرف شوہر کو ایک طرح کی سزا ہوتی ہے۔ تین طلاق ایک ساتھ دینا ایک برا عمل ہے، اس لئے شوہر کو سزا ملتی ہے کہ اسکے ساتھ رہنے والی عورت اب اس کے پاس واپس نہیں آسکتی، یہاں تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ اور اس

کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرے۔ لیکن یہ سب بھی ارادی نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ تھک ہار کر پلنگ پہ بیٹھ گئی۔ ہاتھ سر پہ رکھ لیا۔ اسے زینیا کے لئے خوف آیا تھا۔

''اے، یسوع مسیح مجھے صبر دے، مجھے صبر دے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' کافی دیر بعد زینیا کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''یہ سچ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو بالاج، مولوی یا پھر مہدی کوئی بھی مجھے بتا دیتا کوئی بتاتا کہ ۔۔۔''

''تمھیں کس نے بتایا تھا کہ نکاح کے بعد اگر شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلق نہ رہے تو عورت پہ طلاق فرض نہیں ہوتی، تمھیں یہ کس نے بتایا کہ اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو ایک طلاق سے بھی طلاق ہو جاتی ہے؟'' شیزل کی بات زینیا کو چابک کی طرح لگی تھی۔

''تمہیں کسی نے نہیں بتایا تھا، زینیا تمہیں معلوم تھا کیونکہ یہ تمہارا کمفرٹ تھا۔ کیونکہ تم چار ماہ دس دن گھر پہ نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ نامحرم سے پردہ نہیں کر سکتی تھیں۔ ہر انسان دین سے اپنا کمفرٹ نکال کر باقی ہر بات کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ تم نے بھی وہی کیا ہے۔ تم نے دین سے اپنی مرضی کی بات نکال لی، اور باقی سب پیچھے چھوڑ دیا۔''۔

''مولوی صاحب کو مجھے بتانا چاہیے تھا اتنی بڑی داڑھی اتنی کالفکیشن کے باوجود وہ ۔۔۔'' زینیا کی بات کاٹی گئی۔

''غیر معمولی آئی کیو، ذہانت، صلاحیت کے باوجود تم نے یہ کیوں سوچا کہ کوئی تیسراانسان آکر تمہیں بتائے گا کہ اسلام کیا کہتا ہے؟ مولوی ضرور بتاتا اگر اسے معلوم ہوتا یہ نکاح حلالے کے لئے ہے۔ کیا تم نے اسے بتایا تھا؟'' زینیا نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ شیزل اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آکر رکی۔

''خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کیا کہا تھا؟انہوں نے کہا تھا مسلمانوں میں تمھارے پاس ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ایک نماز اور دوسرا قرآن۔

کیا تم نے کبھی قرآن کھول کر دیکھا کہ دین طلاق کے بارے میں کیا کہتا ہے۔میں مانتی ہوں مفتی اور علماء کرام کا ایک بہت بڑا رول ہے، مگر وہ لوگ ٹیچرز ہیں۔وہ بس کچھ پوائنٹس پہ تمہاری confusions دور کریں گے۔

دین ہر انسان نے خود سیکھنا ہوتا ہے۔کوئی مولوی تمھیں راہ چلتے ہوئے یہ نہیں بتائے گا پردہ کرنا ہوتا ہے۔ہاں مگر اللہ قرآن میں بتا رہا ہے کہ پردہ کرنا ہے۔دور حاضر میں غیر مذہبی بھی قرآن کھول کر اپنی مشکلات کے جواب پا لیتے ہیں۔اور تم مسلمان ہی اسے old fashion سمجھتے ہو؟''اسکا باقاعدہ جی چاہ رہا تھا کہ زینیا کا گلا دبا دے۔یا شاید اسکی ذہانت پہ ماتم کرے۔

زینیا ساکن تھی۔یہ ذہانت، یہ صلاحیت اور وہ اپنے ہی دین کو درست طریقے سے نہیں جانتی تھی؟ کیسا زعم تھا، کس طرح خاک ہو رہا تھا؟

اسکا جی چاہا تھا بالاج کو پھانسی چڑھا دے اور مہدی کمبیر کو چھت سے دھکا دے دے۔وہ دونوں ایک ہی پوزیشن میں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ہاتھوں سے لمحات نہیں زندگی سرک رہی تھی۔شیزل چند لمحے خاموش رہی پھر اسکی ہلکی سی آواز کمرے میں سنائی دی۔

''دو سال پہلے مجھے اپنے عقائد پہ شک ہونا شروع ہوا تھا۔کچھ تھا جو مجھے ان کمفرٹیبل کرتا تھا۔''وہ جانتی تھی زینیا یہ جاننا چاہتی تھی کہ شیزل کو یہ سب کیسے معلوم ہے۔

''دوسالہ ریسرچ میں، میں نے بہت کچھ دیکھا، سیکھا اور جانا۔ اور آج میں دعوے کے ساتھ کہتی ہوں کہ اسلام سچا دین ہے۔ امن کا دین ہے۔ ہاں میں اب بھی اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہوئی۔ کیونکہ میرے دل میں اب بھی کچھ شبہات ہیں۔ میں انہیں دور کرکے سچے دل کے ساتھ دین قبول کروں گی۔ اگر یہ میرے نصیب میں ہوا۔'' زینیا نے سر ہلادیا۔ گویا جواب مل گئے ہوں۔ آنکھیں اب بھی کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

''تمہیں معلوم کرنا چاہیے تھا کہ حلالے کی کیا۔۔۔'' شیزل آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی جب زینیا نے بے قراری سے اسکی بات کاٹ دی۔

''کونسا حلالہ گناہ ہے اور کونسا نہیں، یہ اصول تو تب لاگو ہوگا جب میں نے یہ نکاح حلالے کے لئے کیا ہوگا ہے ناں؟'' اسکی آنکھیں چمک اٹھی تھیں یوں گویا زندگی واپس آگئی ہو۔ دل کو گویا دھڑکن واپس ملی ہو۔

''مجھے بالاج کے پاس مرکر بھی واپس نہیں جانا۔ نہ ہی میں مہدی کمبیر کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ یہ تو میری کہانی کی اسکرپٹ ہے ہی نہیں۔'' وہ جوش سے بول رہی تھی، چہرہ تمتمانے لگا تھا۔

''اوہ خدایا، اوہ خدایا میں گناہ سے بچ گئی۔ زینیا بچ گئی۔ مجھے دوبارہ اس شخص کے پاس جانا ہی نہیں۔ میری تو نیت بھی نہیں تھی۔ اللہ۔۔۔'' اس کا جی چاہا تھا ایڑھیوں کے بل گھومنے لگ جائے۔ یا ابھی کے ابھی سجدے میں گرے وہ لعنت سے بچ گئی تھی۔ ''میں نے کوئی حلالہ نہیں کیا، بس ایک نکاح ختم ہونے کے بعد کسی اور سے نکاح کیا ہے۔''

''اور اس نکاح کا کیا جو تم نے مہدی کمبیر کے ساتھ کیا ہے؟ یہ تمہاری پرسنل اور پروفیشنل لائف دونوں کو اثر انداز کرے گا۔'' زینیا ٹھہر گئی تھی۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''میں جانتی ہوں اس وقت میں دنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی لگ رہی ہوں۔ مگر یقین جانو۔ یہ سب سے سیف راستہ تھا۔ مہدی کمبیر کو لیٹرول ڈیمج ہے۔ مگر خیر میں جلد اس قصے سے جان چھڑا لوں گی۔ پھر زینیا آزاد ہو گی۔''

شیزل کچھ نہ بولی، وہ فلحال اسے نہیں بتانا چاہتی تھی کہ اپنی فیری ٹیل برباد کر کے زینیا نے خود کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا تھا۔ زینیا کو آگے آزادی نظر آرہی تھی، مگر آگے قید تھی۔ مگر یہ اسے وقت بتائے گا۔ کچھ باتیں بس وقت ہی بتاتا ہے۔ آج کی رات بے حد بوجھل گزرنے والی تھی۔

چرچ کی قدیم طرز پہ بنی عمارت اس وقت پرسکون سی تھی۔ مقدس خاموشی نے سارے کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ ہال کے اندر خاموشی تھی۔ ابھی لوگ آنا شروع نہیں ہوئے تھے۔

قطار در قطار لگی بنچز پہ ایک طرف شیزل سیمسن بھی بیٹھی تھی۔

قد آدم کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ بھورے اوور کوٹ کے ساتھ، اسی کا ہم رنگ ٹراؤزر اور سر پہ اسکارف لپیٹے وہ آنکھیں موندے سر کو بنچ پہ گرائے ہوئے تھی۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سی ہوئی۔ قطاروں کے درمیان راہداری کے اوپر بوٹ رکھتے ہوئے براق حنیف گردن گھما کر اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا اور اسے وہ نظر آ گئی۔ بینچ کی پشت پہ بازو لمبا کئے، اسی لمبے کئے بازو پہ چہرہ گرائے، وہ اسے قریب آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

براق اس کے قریب چلا آیا۔ بنچ پہ ذرا فاصلے پہ اسکے سامنے بیٹھا۔ شیزل یونہی نیم دراز سی پڑی رہی۔ کئی لمحے ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

''جب میرے ابا نے مجھے بورڈنگ چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا تب وہ مجھے یہیں لائے تھے۔ یہاں اس چرچ میں۔ اس کے بعد میرے ابا مجھ سے آخری بار بھی یہیں ملے تھے اسی چرچ میں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میری بہن نے جب مجھ سے تعلق توڑا، وہ بھی یہیں اسی چرچ میں۔ جب تم نے کئی سال پہلے بظاہر میرے ساتھ غلط کیا تھا۔ تب میں یہاں آ کر روئی تھی، اسی چرچ میں۔'' وہ ایک پل کو رکی، براق اسے تک رہا تھا۔

''لوگوں کے لئے عبادت گاہیں بہت انمول ہوتی ہیں۔ میرے لئے بھی ہیں۔ مگر میرے لئے چرچ میری زندگی کا ٹرننگ پائنٹ بھی ہیں۔ خداوند مجھے بولنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔''

''کیا تم نے مجھے یہاں کنورٹ ہونے کے لئے بلایا ہے؟'' براق سنجیدگی سے کہہ کر ہنس پڑا، شیزل اس کے ساتھ ہنسی تھی۔

''میں یہاں اس بینچ پہ بیٹھ کر اپنی زندگی کے سارے فیصلے کرتی ہوں۔''

''اور آج تم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ٹھیک نہیں۔اور ہمیں ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہیے۔۔ہے ناں؟''

''اونہوں۔''شیزل نے نفی میں سر ہلایا۔''بہت بھاگ لیا، بہت دور رہ لئے۔اب ہم بھاگیں نہیں۔ہاں ہم ساتھ کام نہیں کریں گے لیکن تم مجھے کال کر سکتے ہو تاکہ ۔۔۔"

''تاکہ میں اپنا خون جلا سکوں۔دن کے چند منٹ خراب کر سکوں، اور تمہاری جلی کٹی سن کر کھولتا رہوں۔''شیزل مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

''تاکہ تم سچے اور کھرے تبصرات سن سکو، دنیا کی عظیم کتابوں کی ریکمنڈیشن سن سکو، بزنس کی چند نئی اور اسٹریٹجک تکنیک سن سکو۔اور سب سے بڑھ کر میری خوبصورت آواز سن سکو۔''براق نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا تھا۔اسے واقعی یقین نہ آیا۔

''کہیں کچھ چڑھا تو نہیں لیا۔تم لوگوں میں تو ویسے بھی حلال ہے۔''

"ہاں صحیح کہتے ہو چڑھا لیا ہے۔اور بوتل توڑ کر ایک طرف رکھ دی ہے۔شیشہ تمہاری شہ رگ پہ پھیر دوں گی۔''وہ دانت پیس کر بولی۔

"No offense "

"مگر تم بہت وائلنٹ ہو۔''براق نے جھرجھری لی۔

"No offense"

''مگر تم بھی بہت فضول آدمی ہو۔'' وہ بھی دوبدو بولی۔ براق مسکرایا۔ شیزل نے ہنہہ کہہ کے گردن موڑ لی۔

کافی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ دھوپ اب اپنا راستہ بدل چکی تھی۔

''جانتی ہو جب میں کوئی چرچ دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں کیا آتا ہے؟'' اس نے چہرہ شیزل کی جانب موڑا۔ وہ اس کے الفاظ پہ غور کرنا بھول کر بس اسے دیکھنے لگی۔

''میں جب بھی کوئی چرچ دیکھتا ہوں تب مجھے تم یاد آتی ہو۔ بڑے سے گھاس کے سبز قطعے پہ تمہاری کئی فٹ دور تک پھیلی ہوئی سفید فراک۔'' شیزل تھم گئی تھی۔ ساکت بے سانس۔ ''تمہارے ہاتھ میں سفید اور گلابی پھولوں کا بکے، اور تمہاری فراک کے گھیر کو اٹھا کر چلتی تمہاری برائیڈ میڈز۔ اسٹیج پہ میں سیاہ کوٹ میں خود کو دیکھتا ہوں۔'' شیزل نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی مگر براق کی آنکھیں، وہ جن آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا، شیزل ہل بھی نہ سکی۔

''تم اسٹیج پہ آؤ گی اور پھولوں کا بکے میرے منہ پہ مار دو گی۔'' وہ ہنس پڑا۔ شیزل ہنس بھی نہ سکی۔

''تم بہت دور کا سوچ رہے ہو براق۔ یہ راستہ بہت لمبا ہے۔''

''مجھے پرواہ نہیں کیونکہ یہ راستہ نہیں ہے۔ یہ منزل ہے۔ درمیان میں اب کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کو قبول کر لیں۔ میں اس دن کا انتظار کروں گا۔''

''یعنی تم کہہ رہے ہو ہم اس سے پہلے نہیں ملیں گے؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک الوداعی نظر شیزل پہ ڈالی۔

"نہیں۔۔۔کیونکہ اب کشمکش ختم یہ فیصلہ لینے کا وقت ہے۔یا تو اب ہم ایک دوسرے کی زندگی میں آئیں گے ، یا پھر ہمارے کلاس میٹس اپنے میٹ اپس میں ہماری ادھوری کہانی کا تذکرہ کیا کریں گے۔اب فیصلہ لینے کا وقت ہے۔" آخری بات بڑبڑاتے ہوئے کہی اور اگلے چند پلوں میں وہ راہداری سے غائب ہو گیا تھا۔

شیزل ایک بار پھر اس بنچ پہ تنہا رہ گئی۔

"دو دن بعد۔"

یہ دو دن بعد کا ذکر ہے۔شیشے کی دیواروں والا ایک کیفے آج قیسم کے مالک کی آمد سے مستفید ہوا تھا۔

اوپری منزل کے ایک کونے والے صوفے پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔گلاس وال سے باہر سڑک پہ چلتی گاڑیاں اور لوگ نظر آرہے تھے۔

میز پہ اسکا لیپ ٹاپ، گرافک ٹیبلیٹ، اسکیچ بک، پنسلز اور کپڑے کے ٹکڑے رکھے تھے۔سکون سے کام کرنے کی خاطر وہ یہاں آیا تھا۔اول تو اس نے سوچا کہ ساری جگہ بک کر لی جائے مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔رش البتہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

وہ تھوڑی دیر کاغذ پہ پنسل سے کچھ بناتا پھر یہاں سے وہاں دیکھنے لگتا۔کافی پیتا، سینڈوچ کترنے لگتا۔ہاتھ میں سینڈوچ لئے وہ ایک بار پھر بے زاری سے کام کرنے لئے جھکا، مگر اسی پل کرسی کھینچنے کی آواز پہ بدمزہ سا ہوا۔اس سے ذرا فاصلے والی میز پہ کوئی لڑکی بیٹھ

رہی تھی۔ سیاہ رنگ کے گھے کے اوپر میرون رنگ کی شال کندھوں پہ ڈالے، اس کے شہد رنگ بال پشت پہ پھیلے ہوئے تھے۔ قیس نے اسکیچ پنسل واپس رکھ دی۔ اور غور سے لڑکی کا نیم رخ دیکھنے لگا۔

ویٹر اسکا آرڈر لینے آیا تو ۔۔۔

''ایک چائے، تیز پتی، چینی کم، دودھ زیادہ۔'' آرڈر دے کر اس نے سر کو میز پہ رکھ دیا۔ اسی پل اسے سامنے بیٹھا آدمی نظر آیا۔ تھکی تھکی آنکھوں سے اسے دیکھا اور زیر لب **''گڈ مارننگ''** کہا۔ قیس کو سخت طیش آیا۔ یعنی وہ کیا جتانا چاہ رہی ہے، کہ چاہے وہ کسی ریستوران میں ہو، تقریب میں ہو اسے بس blessings بھیجنی پڑیں گی؟

وہ جواب دیئے بغیر اپنے کام پہ جھک گیا۔ زینیا کی چائے آ گئی تھی، مگر وہ یونہی سر کو میز پہ گرائے پڑی رہی۔ رفتہ رفتہ آنکھیں بھاری ہونے لگیں، اور اگلے چند منٹ میں وہ سو گئی تھی۔

اس کے بال پھسل کے ایک طرف کو گر رہے تھے۔ شال کندھوں پہ برابر تھی۔

قیس نے یونہی ایک بے اختیار سی نظر اٹھائی، اور وہ ٹھٹھکا تھا۔ او نہوں اسے سوتے دیکھ کر نہیں۔ اس کے کپڑے، اس کے کپڑوں کا ڈیزائن کتنا نفیس اور خوبصورت تھا۔

اس نے اپنا بنایا ہوا ڈیزائن دیکھا۔ مردانہ لانگ کوٹ۔ ایک عام سا مردانہ کوٹ۔ اگر وہ عورتوں کے کپڑے بنا رہا ہوتا تو ایسا ڈیزائن شاید کہیں فٹ ہو جاتا مگر یہاں۔۔ اس نے آنکھیں چھوٹی کیں اور غور سے دوبارہ ڈیزائن کو دیکھنے لگا۔

یکدم وہ اپنی جگہ سے اٹھا، زینیا کی میز کے گرد رکھی کرسی پہ آ کر بیٹھا اور اب کے وہ غور سے اس ڈیزائن کو دیکھ رہا تھا۔

سوئی کا نفیس کام، ایسا ملائم دھاگہ کہ ہاتھ بڑھا کر چھو کر محسوس کرنے کا دل کرے۔

وہ دوبارہ اپنی میز تک گیا، موبائل اٹھا کر لایا مگر پھر رک گیا۔ زینیا اب بھی بے سدھ سو رہی تھی۔ وہ اس طرح سوتے ہوئے بغیر اجازت کسی کی تصویر نہیں لے سکتا تھا۔ مگر ڈیزائن ضرور بنا سکتا تھا۔ برق رفتاری سے اپنا اسکیچ پنسل اور اسکیچ بک لا کر وہ ذرا فاصلے پہ بیٹھ کر اس ڈیزائن کو اپنے انداز میں بنانے لگا تھا۔

وہ سر میز پہ گرائے ہوئے تھی۔ آنکھیں بند، چہرہ پر سکون۔ قیس اسکے سامنے کرسی رکھے بیٹھا تھا۔ دھوپ اسکے داہنے رخ پہ پڑ رہی تھی۔ گردن ڈھلکائے وہ مگن تھا۔

اسے کافی بھول گئی، وہ زینیا کی چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ گھنگھریالے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ باہر سے آتی دھوپ سے اسکی ہلکی بڑھی شیو چمک رہی تھی۔

آج اتنے دنوں بعد وہ کوئی ڈیزائن بناتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

چائے کا کپ میز سے اٹھا کر ایک بار پھر منہ سے لگاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کپ خالی ہو چکا تھا۔

دھوپ راستہ بدل کر اب زینیا کے چہرے پہ پڑنے لگی تھی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھا کرسی کا زاویہ بدلا، دھوپ اسکی پشت سے ہو کر واپس پلٹنے لگی۔

چائے کا ایک اور کپ لایا گیا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیتا گیا۔ ہاں مگر زینیا کی بتائی چائے مختلف تھی۔ چند منٹ بعد اسکا ڈیزائن بن چکا تھا۔ وہ فاتح سا اٹھا تھا۔

ایک، دو اور بھی لوگ آ کر آس پاس بیٹھنے لگے تھے۔ ویٹر نے آ کر زینیا کو جگانا چاہا مگر وہ ہاتھ کے اشارے سے روک چکا تھا۔ چند نوٹ نکال کر چائے کا بل ادا کیا، اور اسے ایک اور چائے لانے کو کہا۔ ساتھ ہی اٹھ کر اپنی میز پہ آیا اور ایک ارجنٹ میٹنگ بلوالی۔ اب وہ اپنی سیکریٹری کو کال ملا رہا تھا۔ کال مل گئی تھی۔

"حدیبیہ۔۔۔ میں تمھیں ایک ڈیزائن ای میل کر رہا ہوں۔

winter collection کے لئے ہماری انسپریشن مل گئی ہے۔ سارے ڈیزائنرز سے کہو کہ اسی سے انسپریشن لے کر ماڈرن اور علاقائی ٹچ کے ساتھ ایک ڈیزائن بنائیں مگر یاد رہے، ڈیزائن نفیس ہو۔"

وہ واپس اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا۔ چائے کا کپ لبوں سے لگایا، ایک لمبا گھونٹ لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لیپ ٹاپ پہ ویڈیو کال جاری تھی۔ کانوں میں ایئر پوڈز، ہاتھ میں چائے کا کپ۔ قیسم کا مالک اس وقت منہمک تھا۔

"مردانہ جیکٹس اور، اوور کوٹس کے بٹنز کو علاقائی منظر نگاری دیں۔ اور خواتین کے لئے پورے جیکٹ اور کوٹ کی بٹن لائن کو ایک ثقافتی ڈیزائن دیں۔

انسپریشن کے لئے آپ سب اپنی ای میل چیک کریں، آپ کے آئیڈیاز اس سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ فراز، آپ کے پاس کوئی اور آئیڈیا ہے؟"

اس نے کپ میز پہ رکھا اور ہاتھوں کو باہم جوڑے آگے کو ہوا۔ فراز نامی نخریلے آدمی نے اول تو کافی کا گھونٹ لیا، پھر ہاتھ اٹھا کر کہنا شروع کیا۔

"کچھ لوگوں کو قیسم سے سب کچھ نفیس ہی چاہیے ہوتا ہے۔ سو میرا نہیں خیال کہ ہمیں ان کے ٹیسٹ کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی چاہیے، مگر قیسم کا بھی اصول ہے کہ اسے اپنے ڈیزائنز منوانے ہوتے ہیں۔ سو۔۔۔" وہ رکا آنکھوں میں ڈھیر سارا جوش بھر گیا۔

"ہم کوٹس نفیس رکھیں گے، مگر ان کے ساتھ مفلر، دستانے اور کوٹ بیلٹس کو "**قیسم ٹچ**" دیں۔" قیس کے ابرو ستائش سے اوپر کو اٹھے۔

"گڈ ورک۔۔۔ او کے سو آگے بڑھتے ہیں آپ کا پائنٹ موزوں ہے۔ اسے نوٹ کریں، حدیبیہ۔ اس کے علاوہ آپ سب اپنے آئیڈیاز اور مشورے کل کی میٹنگ میں بتا سکتے ہیں۔ enough for today۔۔۔......"

اس نے کپ اٹھایا، باقی سب نے بھی اپنی چائے کافی کے مگ ہوا میں اٹھائے۔ ہاتھ بڑھا کر سکرین تاریک کرتے ہوئے اس نے ایک پر سکون سانس فضا میں خارج کی۔ ایک عرصہ بعد وہ پر سکون تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسکا ڈرائیور میز سے اسکی چیزیں اٹھا رہا تھا۔ قیس اب بھی کال پہ بات کر رہا تھا۔ وہ ایک دن قیسم نہیں گیا تھا اور نظام درہم برہم ہونے لگا تھا۔

جاتے جاتے وہ رکا تھا۔ کونے والی میز پہ بیٹھا لڑکا زینیا کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

ابھی اس نے فون نکال کر ویڈیو بنانے کی کوشش کی ہی تھی کہ قیس نے میز کے قریب رک کر اپنا ہاتھ زور سے میز پہ مارا۔ وہ مہدی نہیں تھا جو گلی سے گزرتے لڑکوں کو دیکھ اس کے آگے ڈھال بن کر کھڑا ہوتا۔ وہ قیس تھا، جو آپ کو سامنا کروائے گا۔

زینیا ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"توجہ پانے کا ڈرامہ اگر ختم ہو گیا ہے تو اٹھو اور کام پہ لگو۔" کاٹ دار انداز میں کہا۔ زینیا چند لمحے نا سمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ "سمجھ نہیں آتی مجھے، کیا شوق ہے تم عورتوں کو پبلک پلیس پہ ڈرامہ کرنے کا۔ آخر کیوں چاہتی ہو کہ ہر وقت ہر کوئی تمہیں دیکھے تمہاری بات کرے۔" اسے غصہ پتہ نہیں کیوں آیا تھا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری عورتوں سے نفرت۔ اگر ہمیں توجہ کا شوق ہے تو تم مردوں کو توجہ دینے کا جنون بھی تو ہے۔ کبھی دیکھا ہے کوئی عورت کسی عورت کو چند منٹ سے زیادہ دیکھے؟" وہ دو بدو بولی۔ آواز ہلکی تھی، پھر بھی لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔

"مرد یونہی عام سادہ عورتوں کو نہیں دیکھتے۔ خود کو دیکھو اپنی حالت دیکھو اور پھر بتاؤ کون سا ایسا فرشتہ ہے جو تمھیں نہیں دیکھے گا۔"

"تم تو نہیں دیکھ رہے تھے۔" وہ دو بدو بولی قیس لاجواب سا ہو گیا۔ زینیا براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم کیوں نہیں دیکھ رہے تھے؟"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ جواب اس کے پاس نہیں تھا، مگر اندر زہر بہت تھا۔

"یہ تو تمھیں میں بتاؤں گا کہ میں دیکھ رہا تھا یا پھر نہیں۔"

"تم اس وقت مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم کیوں نہیں دیکھ رہے تھے؟ میں جانتی ہوں تم نہیں دیکھ رہے تھے۔"

''میں تمھیں اس لئے نہیں دیکھتا، کیونکہ مجھے تم خوبصورت نہیں لگتیں۔'' زہرخند سرگوشی سے کہتا وہ پلٹ گیا۔ زینیا گہری سانس لیتے ہوئے، اپنا سامان سمیٹتی جلدی سے اس کے پیچھے گئی تھی۔ اسے تو آج نہیں چھوڑے گی وہ۔ وہ کال پہ بات کرتے ہوئے تیز تیز زینے اتر رہا تھا۔

''تمھیں سمجھ کیوں نہیں آتی، براق۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ ساری تصاویر پرفیکٹ ہیں، لیکن ان کے اندر زندگی اور چارم مسنگ ہے۔ مسئلہ تصویروں میں نہیں ہے مسئلہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''وائب میں ہے۔'' اس کے عقب میں سیڑھیاں اترتی زینیا نے اسکی بات کاٹی۔ قیس رکا نہیں۔ ہاں البتہ کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔

''تم چیزوں اور انسانوں سے جلدی بور ہو جاتے ہو، مسئلہ تم میں ہے۔'' قیس نے کال کاٹی، جبڑے بھینچ کر اسکی طرف مڑا۔ آنکھوں سے اسے سالم نگل لینا چاہتا ہو جیسے۔ وہ تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ جانتا تھا زینیا اسکا عکس ہے، اور اس کے پاس حل ضرور ہو گا۔

''بولو۔'' تحکم سے کہا۔

''میں کیفے میں ملنے والے اس آدمی کو مشورہ نہیں دے سکتی، جسے میں خوبصورت نہیں لگتی ہاں البتہ۔'' وہ دو سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ ''اپنے باس کو مشورہ دے سکتی ہوں۔'' قیس نے گھڑی دیکھی صبح کے دس بج رہے تھے۔ پھر گھڑی والا ہاتھ بلند کیا۔

''تمھارے ورکنگ آورز شروع ہو چکے ہیں اب بولو۔''

''یہاں ایسے سیڑھیوں پہ کھڑے ہو کر؟''

''اوہ۔۔۔ سڑک پہ کھڑے ہو کر جاب آفر قبول کر سکتی ہو، سیڑھیوں پہ کھڑے ہو کر کام نہیں کر سکتیں۔''

زینیا نے نزاکت سے آنکھیں گھمائیں۔

''لوگوں کو فیری ٹیل دکھائیں باس۔ انسان فیری ٹیل، فلمیں کیوں دیکھتا ہے؟ مسائل، جھگڑے محبت اصل زندگی میں بھی ہیں ناں؟ پھر وقت صرف کر کے فیری ٹیلز کیوں دیکھنی؟'' قیس کی آنکھیں کہتی تھیں **"کیوں؟"**

''ڈرامہ۔۔اسپائس۔۔۔ گلوری۔۔۔ افسانہ۔ یہ چار چیزیں آپ کو حقیقت ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے دور لے آتی ہیں۔ کپڑے اصل زندگی میں بھی ملتے ہیں مگر جب فیری ٹیلز میں چھڑی کا جادو کپڑے بدل دیتا ہے تو آنکھ کو بھاتا ہے۔ کھانا اصل زندگی میں بھی ملتا ہے، مگر جب کسی وقفے میں سجاوٹ کے ساتھ کھانا سامنے آتا ہے بھوک چمک جاتی ہے۔

مسائل یوں بھی حل ہو یجاتے ہیں مگر جب فیری ٹیل میں کوئی ساتھی حل نکالتا ہے تو کتنا اچھا لگتا ہے ناں؟'' وہ رکی مزید دو قدم آگے آئی۔

''فیری ٹیل زندگی کا حصہ ہے، باس۔ آپ اسے لوگوں سے چھین نہیں سکتے۔ جگہ بدلیں۔ آفس کے گھٹن زدہ ماحول سے باہر نکل آئیں۔ چارم اور زندگی واپس آجائے گی۔''

''کیسی جگہ؟ زندگی کہاں ملے گی؟'' زینیا عین اس کے سامنے آکر رکی۔ باس اور اسکی پرسنل ایڈوائزر آمنے سامنے تھے۔

''سمندر کے علاوہ زندگی کہاں ہو سکتی ہے؟'' وہ جتا کر بولی تھی۔ قیس کو اس کے جواب مل چکے تھے۔ اور اگلے چند پلوں میں کیفے سے باہر نکلتے ہوئے اس کے پاس پلان تھا۔ دل میں سکون سا اترا۔ وجہ زینیا حاکم تھی۔

شام ڈھل کر رات میں بدلنے لگی تھی۔ نارنجی روشنی بادلوں کے اوپر پڑتی تھی تو سارا شہر نارنجی ہونے لگتا تھا۔ بالکنی کی ریلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی زینیا حاکم کے آس پاس کتابیں بکھری تھیں۔ مستقبل کا خوف ماضی کے غم فلحال اس نے سب برطرف کر دیا تھا۔

اتنے دنوں کا جو نقصان ہوا تھا آج وہ اسے پورا کرنے پہ تلی تھی۔ آدھی رات تک بیٹھ کر پڑھتے رہنا اسکا محبوب مشغلہ تھا۔ موبائل بجنے لگا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل آف کر دیا۔ اور دوبارہ کتابوں پہ جھک گئی۔ پڑھائی پہ کوئی سمجھوتہ نہیں۔۔۔

تھوڑی دیر بعد بالکنی کی ریلنگ سے کوئی پتھر ٹکرایا۔ زینیا نے غور نہ کیا۔ مگر لگاتار تین سے چار پتھر گرل سے ٹکرائے تو وہ بے زار سی ہو کر اٹھی۔

جھانک کر دیکھا تو بالکنی کے عین نیچے مہدی سڑک پہ جھکا ہوا ایک اور پتھر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جونہی سیدھا ہوا، اپنے سامنے زینیا کو دیکھا تو ہاتھ میں پکڑا پتھر پشت پہ لے گیا۔ اور زبردستی مسکرایا۔ جیسے اس نے تو کچھ کیا ہی نہیں۔ زینیا تن فن کرتی نیچے گئی تھی۔ ساتھ ساتھ منہ میں کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں قریبی پارک میں تھے۔ فوڈ کورٹ کی زرد روشنیاں ان کے چہروں پہ پڑ رہی تھیں۔

''یہ کونسا طریقہ تھا کسی شریف لڑکی کو بلانے کا؟'' وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''میں نے شرفاء کی طرح پہلے میسج کیا، پھر کال۔ لیکن جب مجھے جواب دینے کی بجائے، موبائل بند کر دیا جائے گا۔ تب ظاہر ہے میں انہی اوچھی حرکتوں پہ اتر آؤں گا۔''

''یعنی آپ مان رہے ہیں کہ یہ حرکت اچھی نہیں تھی۔''

''ظاہر ہے، میں کوئی زینیا حاکم تھوڑی ہوں۔ جو غلطی ماننے کی بجائے چڑھ دوڑوں۔'' وہ کندھے چڑھا کر بولا۔ زینیا ضبط کر کے رہ گئی۔

''نہ ہم دوست ہیں، نہ کوئی قریبی پھر اس طرح ان نارمل ملاقاتوں کا مقصد؟'' وہ بازو سینے پہ باندھے سیدھی ہو بیٹھی۔ مہدی بھی کمر سیدھی کر کے بیٹھا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو کھجائی۔

''تم نے پوچھا تھا ناں ہم دونوں کون ہیں؟'' زینیا کا رواں رواں سماعت بن گیا۔ چائے کی خوشبو، اشتہا انگیز کھانوں کی مہک۔ اور ان سب کے درمیان بولتا مہدی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے، گارجین اینجل ہیں۔'' الفاظ اسکی زبان سے نکلے اور بھورے پنوں والی مستقبل کی کتاب میں چھپ گئے۔

''جب میں گوادر آیا تھا، تب میرے پاس زندگی جینے کی ہر امنگ ختم ہو چکی تھی۔ میرے تعاقب کار کے خوف نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا جسے میں اپنے گھر والوں سے بھی چھپاتا تھا۔ کیونکہ سب کو یہی لگتا مہدی جھوٹا ہے۔'' بولتے بولتے وہ رکا۔

"تم نے ایک منٹ کے اندر جان لیا کہ میرے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ اس دن زینیا اس دن میں جان گیا تھا ہمارے درمیان کچھ ہے کوئی تعلق کوئی جوڑ سا۔"

آس پاس پھرتے لوگوں سے بے نیاز، روشنیوں میں گھرے وہ دونوں ماضی کے اندھیروں کا ذکر لئے بیٹھے تھے۔

"اس قلعے میں جب سیاہ چغے والا آدمی میری گردن پہ بندوق رکھے کھڑا تھا اس وقت میں زندگی کی ہر امید کھو چکا تھا۔ مجھ لگتا تھا یہ میرا آخری وقت ہے مگر تم ایک بار پھر آ گئیں۔ سیاہی میں روشنی کی طرح۔" زینیا کچھ کہہ نہ سکی۔ بس اسے بولتے ہوئے سنتی رہی۔

"اس روز اس مجمعے میں جب میں الفاظ بھول گیا تھا، تب تم نے مجھے بتایا تھا میں اہم ہوں۔ دنیا نہیں۔ تم نے بتایا تھا۔

Healer can be feeler too

اور تمہاری ذہانت نے مجھے بتایا کہ میرے پیچھے کون ہے۔ یہ تمھارے لئے ایک عام بات ہو گی، میرے لئے نہیں ہے۔ میں اس سے خوف زدہ تھا جو میرے سامنے نہیں تھا۔ اور جب وہ میرے سامنے آیا تب وہ ایک انسان تھا۔ اور مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔ تم میرے لئے میری گارجین ہو، زینیا۔ اور میں تمھارے لئے۔" وہ آگے کو ہوا۔ سبز آنکھیں روشنی پڑنے پہ رنگ بدل رہی تھیں۔

"تمہارا باپ تمہاری شادی کروا رہا تھا، تمھارے بھائی کے پاس تمہیں کسی دوسرے شہر بھیجنے کے وسائل نہیں تھے۔ اور تب گوادر کے سمندر کی گیلی ریت پہ تمہیں میں ملا۔"

یکدم زینیا کے آگے سمندر، بازار، سرخ کنٹینر والی لائبریری سب گھوم گیا۔ وہ دونوں وقت میں کتنا آگے آ گئے تھے؟

''میں نے تمہیں تمہارے اندھیروں سے نکالا۔ میں نے تمھیں وہ مقام دلانے میں تمہاری مدد کی جو تمہیں کئی سالوں سے چاہیے تھا۔ اس رات روڈ پیومنٹ پہ تمہارے لئے میں آیا تھا۔ کیونکہ مجھے بھیجا گیا تھا۔ جب تمہارے اپنے شوہر کے ساتھ مسائل تھے، انہیں چاہے میں حل نہیں کر سکا لیکن میں نے تمہارا دل ہلکا کیا تھا۔ چند دن پہلے وہاں اس حلالے کے لئے میں آیا۔ میں ہر دفع تمہارے لیے آتا ہوں اور تم میرے لئے۔ یہ ہم دونوں کے بس میں نہیں ہے۔

It's random and written ..''

زینیا چند پل اسے دیکھتی رہی، پھر دھیرے سے ہنس پڑی۔ پھر ہنستے ہنستے گردن پیچھے کو گرا دی لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔ ہنستے ہنستے اسکا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ مہدی سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''یقین نہیں آتا۔۔۔ اوہ خدایا یقین نہیں آتا۔ تھئوتا صفا گوارائیں۔ **(آپ بلکل پاگل ہیں)** مجھے لگتا ہے آپ نے اس نکاح کو واقعی سیر ئیس لے لیا ہے۔ یقین جانیں میں آپ کے بارے میں ایسا نہیں سوچتی۔''

''کیسا؟'' نہ وہ ہنسا نہ مسکرایا۔ بس سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔

''میں آپ کو اپنا مستقبل کا شوہر نہیں دیکھتی اور حال کی محبت بھی نہیں۔ you're not my type آپ اگر دنیا کے آخری مرد بھی ہوئے، تو آپ کے ساتھ زندگی گزارنا نہیں چاہوں گی۔''

''اور تم اگر دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوئیں تو میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہوں گا۔ اس لئے نہیں کیونکہ تمہاری طلاق ہوئی، یا پھر تم نے میرے ساتھ اچھا رویہ نہیں رکھا، بلکہ اس لئے کہ تمہاری انا اتنی اونچی ہے کہ ہر کوئی تمہیں چھوٹا لگنے لگتا ہے۔ لیکن خدا کا شکر

ہے کہ ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ بات یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو آپ کا گارجین بننے کے لئے کسی قسم کے رومانوی تعلق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ کا گارجین آپ کا بھائی، باپ، دوست، کزن، یا پھر آپ خود بھی ہو سکتے ہیں۔''

''آہ again.. ''زینیا نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔''اس حساب سے میں آپ کے کزن کی کیا لگتی ہوں جانتے ہیں؟''

''Soulmate''مہدی اس سے پہلے بول پڑا تھا۔ زینیا کی آنکھوں میں تحیر اتر آیا۔''نہیں اس نے مجھے نہیں بتایا یہ میں نے اندازہ لگایا ہے۔ اور یہ درست بھی ہے میں جانتا ہوں۔''

''نجومی صاحب مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا پیش گوئی ہے میرے گوش گزار کر دیں۔'' ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے وہ آگے کو ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ چائے کا کپ اٹھاتے آگے کو ہوا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔

''میں بس تمھیں کلئیر کر رہا ہوں کہ کچھ بھی غیر معمولی نہیں ہے۔ سب نارمل ہے۔ ہم دوست نہیں مگر دوستوں سے زیادہ ہیں۔ سو اگر تم چاہو تو میں ابھی کے ابھی طلاق نامہ سائن کر دیتا ہوں۔ اور اگر تم چاہو تو میں تب تک اس ڈرامہ کو کھینچ سکتا ہوں جب تک تم چاہو۔''

بات ختم کرتے ہوئے اس نے چائے کا گھونٹ لیا۔ روح میں تازگی اتر گئی۔

''اور یقیناً آپ کے اندر کا مسیحا نہیں جاگا۔ آپ اس کے بدلے کیا چاہتے ہیں؟'' اسکی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑ گئیں۔ مہدی کے لب سفید کپ کے پار مسکرائے۔

''یہی۔۔۔ تمہاری یہی ذہانت مجھے بہت پسند ہے۔ میری ایک عادت ہے، زینیا۔

کوئی بھی ملک کوئی شہر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میرے دوست نہ ہوں۔ جہاں میرے رابطے نہ ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے، ضرورت بھی لگتا ہے کہ ہر جگہ کوئی ہو جو مہدی کمبیر کی پکار پہ آیا کرے۔

میں لوگوں کو فیورز دیتا ہوں، اور پھر اپنی باری کا انتظار کرتا ہوں۔ ہزاروں لوگ ایسے ہیں جن سے آج تک بدلے میں کچھ نہیں مانگا، مگر جب ضرورت پڑی مجھے معلوم ہے وہ لوگ آئیں گے۔''

''پھر ٹھیک ہے، مہدی کمبیر صاحب۔ زینیا حاکم آج سے آپ کی قرض دار ہے۔ کسی دن میں آپ کا یہ احسان اتار دوں گی۔'' مہدی نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جیسے شکریہ ادا کیا ہو۔ زینیا نے بھی چائے کا کپ اٹھالیا۔ اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ مہدی البتہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ہم دوست نہیں، ہم گارجین ہیں رائٹ؟'' مہدی کے سوال پہ زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک ہاتھ پشت پہ رکھے مہدی ہلکا سا جھکا۔

''کیا اب میں یہ امید رکھوں گی تم آئندہ مجھے بلاک نہیں کرو گی؟''

زینیا نے مسکراہٹ دبالی تھی۔ پھر آنکھیں گھمائیں۔

''بلاک نہ کرنے کا کوئی وعدہ نہیں۔ہاں البتہ اب آپ ان بلاک ہو جایا کریں گے۔'' ملکہ نے شان بے نیازی سے کہا۔

مہدی چند لمحے کھڑا رہا، پھر مسکراتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔اس کے پرفیوم کی خوشبو نے کافی دیر تک ہواؤں کو معطر رکھا۔

سفید سنگ مرمر سے آراستہ ہسپتال کی ٹھنڈی راہداریوں میں کئی لوگ آجا رہے تھے۔اسٹریچر کے پہیوں کی آواز، وہیل چیئر کے ٹائرز کی آواز، کہیں سے خوشی کی نوید تو کہیں سے غم کا سندیسہ ملنے کی آواز۔ان سب آوازوں کے درمیان ایک طرف رکھی بنچ کی طرف آؤ تو آپریشن روم کے باہر دو لوگ تھے۔

ایک ٹانگ مسلسل اضطرابی حالت میں جھلاتا بشر حاکم اور اس کے ساتھ دوپٹہ سرپہ اوڑھے، دعاؤں کا ورد کرتی کونج حاکم۔ بالاج کی طرف سے ملنے والے پیسوں سے بشر فوراً سے پہلے اپنے ابا کو کراچی لے آیا تھا۔کچھ ضروری معائنوں کے بعد ان کو آپریشن کی تاریخ دے دی جانی تھی۔ کونج کی ساتھ آنے کی ضد پہ حاکم نواب اسے منع نہیں کر سکے تھے۔سچ تھا کہ اپنی چھوٹی بیٹی کے آگے وہ مجبور ہو جاتے تھے۔

''تم سے کہا تھا ساتھ مت آؤ، لیکن تم نے کب کسی کی سنی ہے۔'' وہ بھرا بیٹھا تھا۔''ایک وہ زینیا صاحبہ ہیں۔اللہ جانے اب بالاج اور اسکی صلح کیسے ہوئی۔''

”اللہ نے دو عدد ہاتھ اور ایک عدد موبائل اسی لئے دیا ہے تاکہ کال کی جائے، میسج بھیجا جائے کال کرو اور پوچھ لو۔“ وہ رسان سے بولی۔ بشر نے گہری سانس لی۔ پچھلی کال یاد آ گئی۔ اسے زینیا سے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ان دونوں کے تعلق میں بہت کچھ آ گیا تھا۔

”میں آتا ہوں، تم یہاں سے اٹھنا مت۔ کوئی بھی مسئلہ ہو فوراً مجھے کال کر لینا۔“

وہ موبائل پہ زینیا کا نمبر ڈائل کرتا اٹھ گیا تھا۔ راہداری میں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے اس نے گہری سانس لی۔ اور موبائل کان سے لگایا۔ چند پل بعد کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ مختصر حال احوال کے بعد وہ مدعے پہ آیا تھا۔

”ابّا کو کراچی لایا ہوں۔ آج ان کے ٹیسٹ ہیں، دو دن بعد آپریشن۔ اب پہلے سے زیادہ کمزور ہو گئے ہیں۔“

”فائنلی تمھیں یاد آ گیا کہ وہ میرے بھی ابا ہیں۔ اتنی جلدی کال کرنے کی کیا ضرورت تھی، ادا؟“ اس کے لہجے میں طنز کا عنصر واضح تھا۔ بشر نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”تم مجھ سے ناراض ہو، زینی؟“

”مجھے تم سے ناراض کیوں ہونا تھا ادا؟ میں بس پوچھ رہی ہوں کہ کیا میرا حق نہیں تھا یہ جاننے کا کہ تم میرے باپ کو کن کن ہسپتالوں میں لے کر گھوم رہے ہو؟“

”تم سب جانتی ہو۔ کونج نے تمھیں سب بتایا ہوا ہے۔ میں اس کال کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ جو اس روز میں نے کی تھی۔“

زینیا خاموش پڑ گئی۔ ایک پل کو آنکھوں میں ایک جذباتی سا تاثر ابھرا۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔۔۔ہاں مگر میں نے ایک چیز تسلیم کر لی ہے کہ میری فیری ٹیل جھوٹی تھی۔مجھے ہمیشہ لگتا تھا چاہے ساری دنیا میرے خلاف ہونے لگے بشر میری طرف کھڑا ہو گا۔'' وہ رکی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''لیکن اب مجھے تم سے بھی کوئی امید نہیں ہے۔وقت پڑنے پہ اب زینیا تمہیں بھی نہیں بلائے گی، تم نے مجھے غلط جگہ چھوڑا، ادا۔''

''آئی ایم سوری۔۔۔۔۔۔۔'' وہ ہلکی آواز میں بولا۔جوتے سے فرش کو مسلتے ہوئے وہ ہرٹ لگتا تھا۔

''میں تم سے، عروج سے دونوں سے شرمندہ ہوں۔بہن کے لئے بیوی کو گھر سے نکال دینا کہیں کا حل نہیں تھا۔اور بیوی بچے کے لئے بہن کو سمجھوتہ کرنے کا کہنا بھی غلط تھا۔اصل میں یہ شادی ہی غلط تھی۔

ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ شادی کسی قسم کے ذاتی مفاد، امارات، اور مقام کی خاطر نہیں کی جانی چاہئے مگر اب، اب میں کہتا ہوں شادی ابا اور اماں کو خوش کرنے کی لئے بھی نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کا کہہ رہا تھا۔جیسے یہ ضبط کی ایک حد سی ہو۔

''تم نے یہ شادی کی کیونکہ تمہیں یہاں سے نکلنا تھا اور میں ابا کو خوش کرنا چاہتا تھا۔سب غلط ہو گیا ہے سب۔۔'' وہ شکستگی سے بولا۔

''میں جہاں کام کرتی ہوں، وہ کمپنی کل ایک شوٹ کے لئے کراچی جا رہی ہے۔میں بھی ان کے ساتھ آ رہی ہوں۔ابا سے مل سکتی ہوں یا یہ صرف تمہارا حق ہے؟'' وہ اس وقت شادیوں پہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں لگتی تھی۔بشر نے گہری سانس لی۔

''مل لینا۔۔اور مجھے بتاؤ کس کے ساتھ آ رہی ہو؟ اور فلائٹ کا وقت کیا ہو گا؟ میں لینے آ جاؤں گا۔'' ایک پل کو وہ گوادر میں ہونے والے زینیا کے پہلے شوٹ والا بشر لگا تھا۔زینیا اسے تفصیلات بتانے لگی تھی۔

بشر کرید کرید کر سوال کر رہا تھا۔اس کے اندر کا بھائی جاگ گیا تھا۔

یہاں سے ذرا سے فاصلے پہ اگر کونج حاکم کی بنچ کی طرف آؤ تو وہ ویڈیو کال پہ فریحہ سے بات کر رہی تھی۔

''میں بہت جلد تم سے ملنے آؤں گی، کونج۔اصل میں ہمارے سارے رشتے دار یہیں رہتے ہیں، تو ہر ایک کے گھر جانا پڑتا ہے، لیکن میں بابا کے ساتھ آؤں گی۔جب انکل کا آپریشن ہو گا۔''فریحہ کراچی میں تھی اور اب ملاقات کا منصوبہ بن رہا تھا۔کونج اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

''اچھا ویسے۔۔۔میں نے اپنے انکل سے بات کی ہے۔اگر تم اپنا ٹریٹمنٹ کروانا چاہو تو فیس کے بغیر تمہارا کام کروا دوں گی۔''کونج کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

بچپن کی آرزو، تمنا پوری کرنا جب اتنا آسان لگ رہا ہو تو انسان کشمکش کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔

''میرے گھر والے میرے ساتھ ہیں، فریحہ۔۔۔۔۔۔۔میں ان سے بغیر پوچھے بغیر بتائے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی۔اور وائٹننگ انجکشنز سے اگر میرا رنگ صاف ہو بھی گیا تو میں اپنے گھر والوں کو کیا کہوں گی؟ تمہارا بہت بہت شکریہ لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔''وہ ہتھیار ڈال چکی تھی۔

فریحہ نے سکرین کے پار مصنوعی فکر مندی سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''تم بہت بھولی بھالی ہو، کونج۔۔۔۔۔۔۔۔۔لڑکیاں آج کل اپنے بوائے فرینڈز سے ملنے کے لئے بھی باہر چلی جاتی ہیں۔اور تم؟ تم کوئی غلط کام تھوڑی ہی ناں کر رہی ہو۔

اپنے بارے میں سوچنا اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرنا کوئی غلط کام تھوڑی ہے۔اور تمہیں کیا لگتا ہے یہاں وائٹننگ انجکشن لگے گا،اور یہاں تمہارا رنگ بدل جائے گا کیا کوئی فیری ٹیل ہے ؟

یہ سب کچھ آہستہ آہستہ کام کرے گا۔ تمھارے گھر والوں کو شک بھی نہیں ہو گا۔کیا تمہیں آرزو نہیں کہ لوگ تمہیں دیکھیں؟ تمہاری بات کریں۔ تمھارے بھی قصیدے پڑھے جائیں؟ ہر مڈل کلاس لڑکی خاص بننا چاہتی ہے۔کیا تم نہیں چاہتیں ؟''

اس سے جواب نہ بن پایا تو کال کاٹ دی۔

بشر واپس آگیا تھا، کونج اسے دیکھتے ہوئے اٹھی اور باتھروم کا کہہ کر راہداریوں میں کھو سی گئی۔

چند پل بعد وہ باتھروم کے دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔کئی لڑکیاں ٹپ ٹاپ سی حالت میں آئیں، لپسٹک ٹھیک کی، بال سیدھے کئے اور پلٹ گئیں۔

کچھ لڑکیاں کتنی خاص ہوتی ہیں ناں ؟اللہ نے انہیں سب دیا ہوتا ہے۔ حسن، پیسہ، نخرہ،اور سب سے بڑھ کر آس پاس کے لوگوں سے بے پرواہی۔

مڈل کلاس لڑکیوں کے پاس چاہے حسن ہو، نخرہ ہو، ذہانت ہو لیکن وہ ''**اعتماد**''اور خود شناسائی کے معملے میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔یہی حال کونج حاکم کا تھا۔

وہ غور سے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ گول مٹول سا چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں،مڑی ہوئی پلکیں۔خشک ہونٹ اور چہرہ بھی عجیب کھنڈر سا۔آج صبح مل مل کر موئسچرائزر لگایا تھا۔مگر چہرے کی خشکی،اور ہونٹوں کا بھورا پن جوں کا توں تھا۔

دوپٹہ اتار کراس نے اپنے بال آگے کو کئے۔

روکھے بے جان بال۔ مگر پچھلے ہفتے سے تواس نے خیال رکھنا شروع کیا تھاناں۔اب اس کمبخت سستی کا کیا کرے۔

کہاں وہ لڑکیاں جن کی جلد ملائم سی ہوتی ہے۔چہرہ بے داغ، بالوں کی چمک آنکھوں کو بھاتی ہے۔اور کہاں کونج؟سارا قصوراس سانولے رنگ کا تھا۔سارا قصور غربت کا تھا۔وہ نتیجہ نکال چکی تھی۔

وہ فیصلہ بھی لے چکی تھی۔اب اسکی زندگی بھی فیری ٹیل بنے گی۔جہاں جادوئی چھڑی گھماؤاور سب خوبصورت۔

''مجھے بھی ساتھ لے جاؤیار۔میں یہاں بور ہو جاؤں گا۔''قیس کے بیڈ پہ کہنیوں کی بل لیٹا مہدی خفگی سے کہہ رہا تھا۔کس سے؟

وہی جوواک ان کلازٹ کے اندر منہ دیئے کھڑا تھا۔اور بیڈ پہ ایک بیگ کھلا پڑا تھا۔جس میں دو سے تین دن کا سامان تھا۔ایک ہزار ملازمین تھے لیکن اپنے کپڑوں کے معملے میں وہ خود پسند تھا۔

''اگر تم مجھے ساتھ لے کر نہیں گئے تو میں تم پہ کیس کر دوں گا۔''سیب کے اندر دانت گاڑتے ہوئے اطلاع دی گئی۔

''قیسم کو دو دن کے لئے چھوڑ کر جانا مشکل ہے،اور پھر تمھارے بغیر چھوڑ کر جانا۔ناممکن۔''وہ مصروف ساشرٹ ہاتھ میں لئے بیڈ کی طرف آیا۔

''کیا تم انڈائرکٹلی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں میرے مضبوط کندھوں پہ اعتبار ہے؟''وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

قیس نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا، اور آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھ کر زور سے دبایا۔ مہدی کراہ کر پیچھے ہوا تھا۔

''کندھوں پہ نہیں ہاں البتہ خون پہ اعتبار ہے۔'' وہ سنگھار میز تک گیا اور دونوں ہاتھ بھر کر پرفیومز کی شیشیاں اٹھالیں۔ کمبخت جنازوں پہ بھی خوشبو لگا کر جاتا ہو گا۔

''میری گٹ فیلنگ کہہ رہی ہے کچھ ہونے والا ہے۔ یا بی قیو تباہ ہو گا، یا میں، یا پھر قیسم۔ تمھیں کیا لگتا ہے؟'' وہ کھلے ہوئے بیگ کو بند کرتے مہدی کے سامنے آ کر بیٹھا۔ سبز آنکھیں اسے غور سے تک رہی تھیں۔

''کراچی جانے کا آئیڈیا تمہارا اپنا نہیں تھا ہے ناں؟ تم اپنے فیصلوں پہ دوسری بار نہیں سوچتے، نائٹ میئر۔''

قیس نے گہری سانس بھری۔

''یہ میرا آئیڈیا نہیں ہے، لیکن میں یہی چاہتا تھا۔ کچھ باتیں آپ کے دل میں ہوتی ہیں لیکن آپ کہہ نہیں پاتے۔ اور جب کوئی آ کر آپ کو وہی بات بتاتا ہے تو آپ اسے انکار نہیں کر سکتے۔ میں بھی نہیں کر سکا تھا۔''

''تم نے اس پراجیکٹ کو سر چڑھا لیا ہے۔ سب ٹھیک ہو گا ڈونٹ وری۔''

''تم سنبھال لو گے؟'' وہ مہدی کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ قیس کا دل ہلکا ہونے لگا تھا۔

''ایک بات یاد رکھنا، مہدی۔ تم اچھے انسان ہو یا برے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اگر کوئی تمہیں برباد کر دے تو تمھارے پاس ایک ہی آپشن ہوتا ہے تم اسے برباد کر دو۔ کوئی راہ، کوئی مفاہمت کوئی حل اس پائنٹ پہ کچھ کام نہیں آتا۔ یا مارو یا پھر مر جاؤ۔''

مہدی نے دھیرے سے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلادی۔ قیس اب اپنے مینجر سے بات کر رہا تھا۔ مہدی سست روی سے اس کے کپڑے اور باقی سامان بیگ میں ڈالنے لگا تھا۔

قیسم ذمہ داری تھی، اور اسے ذمہ داریوں سے خوف آتا تھا۔

یہاں سے دور ہاسٹل کے کچن میں آج گہما گہمی تھی۔ شیف چھٹی پہ تھا اور دس پندرہ لڑکیاں آج خود کو شیف سمجھے ہوئے تھیں۔ کہیں کوئی بریانی میں مسالحہ ڈال رہی تھی، تو کوئی قورمے کے لئے پیاز گرم کر رہی تھی۔

کسی کے ہاتھ میں رائتے کا باؤل تھا تو کوئی سلاد کے پتے چن رہی تھی۔ زینیا میز کے گرد کرسی رکھے خاموشی سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے کھانے بنانا پسند تھا، اور نت نئی ڈشز ٹرائے کرنا عادت۔ مگر دل ہر شے سے اچاٹ سا ہو رکھا تھا۔

ہاتھ میں گاجر لئے اور منہ میں سلاد کے پتے رکھے کوئی اس کے ساتھ آکر بیٹھا تو زینیا نے گردن ترچھی کر کی اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ناگواری اتری۔

کوئی اس طرح بد تہذیبی سے کیسے کھا سکتا ہے؟

''کل قیسم کے ساتھ پہلا آؤٹ ڈور شوٹ ہے۔ excited??'' گاجر کو کترتے ہوئے سوال کیا۔ کافی دیر تک زینیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

''حادثے آتے ہیں، کچھ تباہ اور کچھ برباد کر کے چلے جاتے ہیں۔ ان کو دل سے لگا کر نہیں بیٹھتے۔'' یاد دہانی۔ زینیا اب بھی کچھ نہ بولی۔

''لگتا ہے تم اب تک اپنی غلطی پہ پچھتا رہی ہو؟ یا پھر تمہاری انا ہرٹ ہوئی ہے کہ تم جیسی افلاطون کی ماں کو صحیح معلومات کیوں نہ مل سکیں۔''

''مجھے نہیں پتہ کیا مگر مجھے سب برا لگ رہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے ساتھ بہت بڑا کھیل کھیلا ہے۔ اگر چیزیں اس طرح سے نہ ہوئیں جیسے میں نے سوچی ہیں، تو میری زندگی برباد ہو سکتی ہے۔ اور کوئی ایسا ہونے سے روک بھی نہیں سکتا۔ مجھے میرے گھر والوں سے خوف آتا ہے۔'' وہ جھنجھلاہٹ سے بولی۔

''جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ نہ تم اسے بدل سکتی ہو نہ میں۔ جو تم نے کیا ہے وہ امیچورٹی کا سب سے اونچا درجہ ہے، مگر مجھے یہ ماننا ہو گا کہ تم اچھا کھیلیں۔ اس کے علاوہ ایک ہی حل تھا اپنے گھر والوں سے سچ کہنا، مگر سچ جھوٹ سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ سومس، زینیا حاکم۔۔۔'' اس نے اپنی ایک گاجر اس کے ہاتھ پہ رکھی۔

''زندگی کو جینے والی عمر میں اسے گزارو مت۔ قیسم کی ساتھ پہلا آؤٹ ڈور شوٹ اور اگر تم نے اچھا کام کیا تمہارے لئے آفرز آئیں گی۔ کراچی کے ہسپتال میں تمہارا باپ بیمار ہے اسکا سوچو۔ تمھارے پاس خوش ہونے اور ٹینشن لینے کو بہت ساری چیزیں ہیں۔ خود کو بالاج کے غم میں مت تھکاؤ۔ گاجر کھاؤ گاجر۔''

ملکہ نے شانِ بے نیازی سے آفر دی۔

اگلے چند پلوں میں زینیا بھی سرخ گاجر کتر رہی تھی۔ موبائل ہاتھ میں لئے فوٹو گرافی ہیکس سرچ کر رہی تھی۔ دور اندر وہ بس اپنے باپ کے لئے دعائیں کر رہی تھی۔ زینیا حاکم نے زندگی کی اور ایک قدم بڑھا لیا تھا۔

کراچی ایئرپورٹ۔

فلائٹ کی لینڈنگز کا اعلان، پیاروں کو ملتے آنسو بہاتے لوگ۔ کسی لمبے سفر سے آئے رشتے دار۔ایئرپورٹ کے سفید ستونوں کی لئے یہ منظر نیا نہیں تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ نہیں آرہیں؟"ایئرپورٹ کے احاطے میں قیسم کی گاڑی کی بجائے قریب رکھی بنچ پہ بیٹھی زینیا حاکم سے اسکا ساتھی فوٹو گرافر سوال کررہا تھا۔

"میرا بھائی مجھے لینے آرہا ہے۔ مینجمنٹ سے میری بات ہوگئی ہے۔میں اپنے بھائی کے ساتھ رہوں گی۔"اس نے تفصیل سے جواب دیا۔ حمد نامی فوٹو گرافر کو بے اختیار ہی تشویش سی ہوئی تھی۔

"لیکن میں نے تو سوچا تھا اینگل اور پوزیشنز کے بارے میں میری کچھ تکنیک ہم راستے میں ڈسکس کریں گے۔رات کو شوٹ ہے ناں۔"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے، حمد۔۔۔آپ کو اپنی طرف سے سوچنے کی بجائے مجھ سے بات کرلینی چاہیے تھی۔اب آپ مجھے یہ ساری چیزیں ای میل کردیں۔"اسے گھرکنے کے بعد وہ حل بھی نکال چکی تھی۔

اسی پل پلر کی اوٹ سے بشر اسے اپنی طرف آتے دکھائی دیا۔ بشر تیز تیز قدم اٹھارہا تھا۔ زینیا کے ساتھ کھڑا لڑکا، اسکا بس نہیں چلتا تھا فوراً جان لے کہ وہ یہاں کر کیا رہا ہے۔ زینیا اسے اپنا ای میل ایڈریس نوٹ کرواچکی اسی پل بشر بھی پاس پہنچ چکا تھا۔

''کیا کوئی مسئلہ ہے؟جی بھائی صاحب کیا چاہیے؟'' اگلی بات اس نے حمد کو دیکھ کر کہی۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے ادا۔۔۔یہ میرے ساتھ کام کرتا ہے۔میں بس اسے اپنا ای میل ایڈریس دے رہی تھی۔'' وہ بلوچی میں بولی تھی۔

''کیوں دے رہی ہو اسے اپنا ای میل۔اسکی شکل ہے؟'' وہ بھی جواباً اپنی زبان میں بولا۔حمد اس عربی کو نہ سمجھتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔بشر کی سلگتی نظروں نے اسکا دیر تک پیچھا کیا۔

''وہ جا چکا ہے ادا۔'' جب بشر کافی دیر تک اس جاتے ہوئے آدمی کو گھورتا رہا تو زینیا ذرا جتا کر بولی۔وہ گہری سانس لیتے ہوئے اسکی جانب مڑا۔اور پھر دھیرے سے اسے کندھے سے لگایا۔پھر سر کو چوما۔

''کیسے کیسے گدھوں کے ساتھ کام کرتی ہو تم۔ذرا بھی اچھا نہیں لگا یہ مجھے۔شکل سے ہی فراڈ لگتا ہے۔''

''اچھا اچھا اسے چھوڑو،اب بتاؤ ابا کیسے ہیں؟''

''بہتر ہیں۔پرسوں آپریشن ہے۔بس دعا کرو سب ٹھیک ہو۔'' وہ اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

آگے جاتے ہوئے وہ زینیا سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا تھا۔جن میں زیادہ تر بالاج کے بارے میں تھے۔ہوٹل آکر بشر کسی کام سے چلا گیا تھا۔زینیا کونج سے ملی پھر ابا کے پاس آبیٹھی۔

وہ بیڈ پہ لیٹے تھے۔ وجیہہ چہرہ پیلا پھٹک تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اور صحت گری گری سی۔ زینیا ان کے پاس بیٹھی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اسکی ہمت نہ ہوئی کہ ابا کا ہاتھ، اپنے ہاتھ میں ہی لے سکے۔ آنکھیں خشک تھیں مگر ابا کی اس حالت پہ اس کے دل نے آنسو بہائے تھے۔

چند پل بعد حاکم نواب نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ زینیا کو دیکھ ان میں ایک چمک سی آئی تھی۔ وہ بیٹھنا چاہتے تھے۔ زینیا نے جلدی سے ان کے پیچھے تکیے درست کئے۔ یہ آدمی اسکی ماں کو مارتا رہا تھا۔

انہیں گالیاں دیتا تھا۔ یہی آدمی تھا جس نے ایک گھر میں تین بچوں کو الگ الگ بسمل بنایا، مگر ایک یہی آدمی تھا جس سے نفرت نہیں ہوتی تھی۔ کم از کم زینیا کو نہیں ہوتی تھی۔

''کیسی ہو؟، بالاج کیسا ہے تمہارے ساتھ؟ کالز کرتا ہے تمھیں۔؟'' لہجے کا رعب، تنتنہ غصہ سب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''ٹھیک ہوں ابا۔ بالاج ہر دن تین سے چار بار کالز کرتا ہے۔ اس بار پیسے بھی دے کر گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہے۔'' وہ خاموش ہو گئے۔ تسلی نہ ہو سکی۔ سب ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

ہاں اگر انکی بیٹی ایک دو شکایات کرتی، تب شاید سب ٹھیک ہوتا۔

کافی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ زینیا ہلکی آواز میں کونج سے ابا کی دوائیوں اور غذا کے بارے میں پوچھتی رہی جب اسے ابا کی آواز سنائی دی۔

''وہ مارتا ہے تمھیں؟''

زینیا ٹھہر سی گئی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا تھا۔ جی چاہا تھا سب بتا دے۔ ابھی وہ کوئی جواب دیتی کہ۔۔۔

''تم اسکی اطاعت کرنے لگو تو نہیں مارے گا۔'' الفاظ سیسے کی طرح چبھے تھے۔

''تمہاری ماں بھی ایسا ہی کرتی تھی۔ میری ایک بات کے بدلے میں اپنی مرضی کرتی تھی۔ جو عورت شوہر کی بجائے خود کو مرد سمجھنے لگے۔ پھر اسکا مقدر ذلت ہوتا ہے۔۔۔''

''میں نے اسکی ہر بات مانی تھی، ابا۔'' وہ رنجیدگی سے انکی بات کاٹ گئی۔

''اس نے کہا فوٹو گرافی چھوڑ دو میں نے چھوڑی۔ اس نے کہا میں خود کو بدل لوں میں نے کوشش کی۔ اس نے کہا اس کے مالی مسائل ہیں میں نے اسے پیسہ دیا۔ عزت کی۔ پھر بھی اس نے مجھے مارا۔ کیونکہ یہی اسکا اصل تھا۔'' اسکی آنکھیں بھر رہی تھیں جنہیں وہ بے دردی سے صاف کر گئی۔

''اس نے میرے ساتھ اتنا برا کیا اور آپ اب بھی اسی کی سائیڈ لے رہے ہیں؟ مجھے یقین نہیں آتا ابا۔'' وہ اٹھی اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ کونج نے ایک بےزار سی نگاہ باپ پہ ڈالی۔ زینیا کچھ بھی کہے مگر کونج کو اپنے باپ سے نفرت تھی۔ سخت نفرت۔

''آپ کو سکون آتا ہے ابا؟ ہم سب کے ساتھ یہ سب کر کے؟'' وہ بدتمیزی سے بولی۔ اس کے لئے حاکم نواب کی نظریں نرم ہی رہی تھیں۔

''جو کچھ سہا ہے اس نے سہا ہے۔ آپ اس بارے میں جانتے ہی کیا ہیں؟''

حاکم نواب چند پل اسے دیکھتے رہے۔ پھر واپس لیٹ گئے۔

"لائٹ بند کردو، مجھے سونا ہے۔" اسکی ساری باتوں کے جواب میں وہ یہی بولے تھے۔ کونج کے بدن میں شرارے دوڑ گئے۔ ابا اتنے بے حس کیسے ہو سکتے تھے؟

غصے سے لائٹ بند کرتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ حاکم نواب کی طرف واپس آؤ تو وہ کچھ کچھ پر سکون تھے۔ وہ باپ تھے جانتے تھے بیٹی دل میں کیا کیا رکھ کر آئی ہے۔ مگر وہ کہانی کے ہیرو نہیں تھے جو بیٹی کو پچکارتے، محبت سے گلے لگاتے اور مسائل جاننے کی کوشش کرتے۔ وہ ولن تھے۔ انکا طریقہ غلط تھا، مگر نتائج صحیح۔

انکی بیٹی ادل ہلکا ہو چکا تھا۔ انہیں مزید کچھ نہیں چاہیے تھا۔

کراچی کا سمندر شام کے وقت خوبصورت لگ رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر، اور لہروں کے شور نے ڈیزائنرز کا دل خوش کر دیا تھا۔ سپاٹ لائٹس اور سیٹ اپ کی روشنیوں نے سارے میں اجالا کر رکھا تھا۔ ذرا ذرا سے فاصلے پہ ایک میز اور کرسی رکھی تھی۔ عقب میں سمندر۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈیزائرز سمندر کے عین سامنے شاہکار تشکیل دینے آئے ہوں۔

لوگوں کا ایک جم غفیر سا تھا۔ ڈیزائنر، اسٹائلسٹس، کیمرہ مین، مینجر ہر کوئی یہاں سے وہاں بھاگتا اپنے کام سرانجام دے رہا تھا۔ اگر تم ایک جھلک دیکھنا چاہو تو آنکھیں اٹھا کر سامنے دیکھو۔ گیلی ریت پہ رکھی میز اور اس کے عقب میں رکھی کرسی پہ بیٹھی ایک ڈیزائنر۔

جو صفحات پہ جھکی ہوئی تھی اسکی انگلیاں متحرک تھیں۔ پیشانی سلوٹ زدہ، اور آنکھوں میں چمک۔

حمد رضا نے ایک گھٹنہ گیلی ریت پہ رکھا، کیمرہ آنکھ کے قریب لے آیا، اشارے سے اپنے ساتھ کھڑے تین سے چار فوٹو گرافرز کو جگہ سنبھالنے کو کہا۔ اسپاٹ بوائے نے روشنی فکس کی۔ ایک سانس۔۔۔ دو سانس۔۔۔ تین سانس۔۔ اور یہ ہوا کلک۔ ایک شاندار کلک۔ اور پھر چند دھڑا دھڑ کلکس۔

چند پل بعد وہ جوش سے اپنے لئے گئے کلکس اپنی ٹیم کو دکھا رہا تھا۔ یقیناً یہ فوٹو شوٹ وائرل ہونے والا تھا۔ تصاویر قیس کو دکھائی گئیں تو خلاف توقع وہ مسکرایا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ ایک sparkle سا۔ ایسی چمک ایک لکھاری کے چہرے پہ آتی ہو گی، جب اس کا مسودہ مکمل ہوتا ہو گا۔ ایسی چمک اس باپ کے چہرے پہ آتی ہو گی، جس نے اپنی اولاد کو کامیاب ہوتے دیکھا ہو گا۔

''قیس، ہم کام شروع کریں؟'' کیمرہ گلے میں لٹکائے ہاتھ میں موبائل لئے کھڑی زینیا نے سوال کیا تھا۔ اس نے گلابی رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی پھول دار فراک پہن رکھی تھی۔ بال آج اونچی پونی میں بند تھے۔ چہرہ میک اپ سے خالی، مگر شفاف۔ قیس خاموشی سے سمندر کو دیکھتا رہا۔ تیز ہوا اس کے گھنگریالے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ سفید شرٹ ہوا کے دوش پہ پھڑ پھڑا رہی تھی۔

''میرا موڈ نہیں۔'' ٹکا سا جواب۔

''یہ دن کا سب بہترین وقت ہے سر۔ اگلے پندرہ، بیس منٹ میں سورج غروب ہونے والا ہو گا اور اندھیرا پھیل جائے گا۔ اگر ہم اس سے پہلے تصاویر لینا شروع کریں تو جانتے ہو کتنا خوبصورت نظارہ آئے گا؟'' پھولدار فراک والی لڑکی اس کے ساتھ آکر کھڑی ہوئی۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر سمندر کی جانب اشارہ کیا۔

''وہاں اس جگہ آسمان میں نارنجی شعائیں آئیں گی۔ سورج اپنی سائز سے زیادہ بڑا لگے گا، پیلی اور نارنجی روشنی ساتھ مل کر چہرے پہ پڑے گی اور ایک طرف سمندر، آہ پرفیکٹ۔''جوش، جذبہ، خوشی اسکی آواز بدلنے لگی تھی۔

''میں کھڑا ہوں ناں، لے لو جتنی تصاویر چاہیں۔''اسکی آنکھیں اب بھی سمندر پہ ٹکی تھیں۔ جیسے نظر پھیرے گا تو سمندر غائب ہو جائے گا۔ زینیا نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ اور حسرت سے اپنے اطراف میں دیکھا۔

تمام فوٹو گرافرز کا کام اب بس ختم ہونے کو تھا۔ اور ایک زینیا تھی جسکا کام اب تک شروع بھی نہ ہوا تھا۔ جس کے لئے اس نے کام کرنا تھا وہ جناب خود کو شہزادہ برطانیہ سمجھے جو کھڑے تھے۔

''قیس۔۔ پلیز بس پانچ منٹ کا کام ہے۔ آپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''قیس کی ایک سخت نظر پہ وہ بولتے بولتے رک گئی۔ بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اسی کو دیکھتے ہوئے کسی کو آواز لگانے لگا۔

''حمد ادھر آؤ۔''ساتھ کھڑا کسی ڈیزائنر کی تصاویر لیتا حمد فوراً سے اسکی طرف آیا تھا۔

''میں یہاں اسی طرح کھڑا رہوں گا۔ کیا میری تصاویر نہیں بن سکتیں؟''

''بلکل بن سکتی ہیں سر۔ باقاعدہ بہت اچھے ویوز کے ساتھ تصاویر بنیں گی۔ آپ چاہیں تو میں کوشش کروں؟''زینیا نے صدمے سے اسے دیکھا۔ وہ زینیا کی جگہ لینا چاہ رہا تھا؟ اسے بشر کی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ یہاں اپنی جگہ بنانے آئی تھی، حمد اسکا چانس لے رہا تھا۔ وہ کیا کرتی؟

اپنے تئیں اس نے کوشش کر لی تھی اب آگے جو ہوتا وہ حدود پار کرنا کہلاتا، لیکن کیا واقعی وہ کسی کو اپنی جگہ لیتے ہوئے دیکھ سکتی تھی؟

''سر کوشش کریں؟'' حمد کی بات پہ زینیا کے دل میں آگ لگ گئی۔

''آپ جیسے چاہیں گے، اسی طرح تصاویر لی جائیں گی۔'' اس نے مداخلت کی۔ پھر ٹھہر کر حمد کو دیکھا۔

''آپ جا سکتے ہیں حمد، اور ایک اور بات۔ تصاویر کے لئے جو اینگلز اور پوز میں نے بتائے تھے وہی ٹرائے کر رہے ہیں ناں؟ میں نے دیکھیں زللش کی تصاویر۔ آپ نے میری بات بہت جلدی پک اپ کر لی۔ واؤ۔'' وہ مصنوعی ستائش سے کہتے قیس اور حمد دونوں کو بہت کچھ جتا گئی تھی۔

چند پل بعد دو فوٹو گرافرز اس کے عقب میں کھڑے تھے، زینیا درمیان میں اور قیس اسی طرح سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں اور دوسرے میں سگار تھا۔

زینیا کیمرہ آنکھ کے آگے لے آئی۔ آنکھ چھوٹی کی، اور جونہی وہ کلک کرنے والی تھی رک گئی۔ یہ نہیں۔۔۔ کم از کم یہ نہیں۔ اس تصویر میں مردنی تھی۔ اس نے کیمرہ نیچے کیا، ایک لمبی سانس لی۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ اور ایک عزم سے کیمرہ دوبارہ اپنی آنکھوں کے آگے کیا۔ بس ایک بار آؤٹ آف دی وے جانے سے کیا ہوگا؟ ایک بار حدود توڑنے سے کیا ہوگا؟

''ایک گاؤں میں ایک پولٹری فارم تھا۔اس کا مالک ایک بہت اچھا آدمی تھا۔ایک دن اس کی پولٹری فارم پہ کچھ لوگ آئے۔''وہ بولتے ہوئے تصاویر کلک کر رہی تھی۔ قیس نے مڑ کر اچھنبے سے اسے دیکھا۔اس کے داہنے رخ پہ سورج کی روشنی پڑی۔چہرہ آدھا روشنی،اور آدھا اندھیرے میں۔چہرے پہ الجھن۔پرفیکٹ کلک۔

''انہوں نے مالک سے پوچھا۔کہ تم مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو۔مالک نے جواب دیا کہ وہ مرغیوں کو پستہ اور بادام کھلاتا ہے۔آنے والے لوگوں نے مالک کے خلاف ایک لمبا پرچہ نکالا۔یہ کہتے ہوئے کہ اگر تم مرغیوں کو پستہ اور بادام کھلاتے ہو یعنی تمہاری آمدنی اچھی خاصی ہے۔یہ لو ٹیکس بھرو۔''قیس ہنس پڑا۔سگار ہاتھ میں پکڑے،روشنی کے نیم رخ پہ مسکراتا آدمی۔ایک اور پرفیکٹ کلک۔

''چند دن بعد پولٹری فارم پہ چند اور لوگ آئے۔اور انہوں نے بھی وہی سوال کیا۔کہ تم مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو۔مالک نے سوچا پچھلی بار بادام اور پستہ کہنے پہ اتنا بڑا ٹیکس بھرنا پڑا تھا تو اب کچھ مختلف کہتا ہوں۔اس نے کہا۔"جی ہم تو مرغیوں کو کچرے کے ڈھیر پہ کھلا چھوڑ دیتے ہیں چھچھڑے کیڑے مکوڑے اور گند کھاتی رہتی ہیں۔''اب کے مالک پہ پرچہ کٹ گیا کیونکہ وہ حفظان صحت کی ٹیم تھی۔''قیس دوبارہ ہنس پڑا۔پورے دل سے،اسکی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔زینیا تصاویر لیتے ہوئے کہتی جاتی تھی۔

''چند دن بعد کچھ اور لوگ آئے اور انہوں نے سوال کیا کہ تم مرغیوں کو کیا کھلاتے ہو؟ بیچارہ مالک ایک بار نقصان اٹھا چکا تھا اور ایک دفع حرجانہ بھر چکا تھا۔سو اب اس نے پینترا بدلا۔

اس نے کہا۔"نہ ہم مرغیوں کو پستہ بادام کھلاتے ہیں، نہ ہم انہیں کچرے کے ڈھیر پہ چھوڑ دیتے ہیں بلکہ ہم مہذب لوگوں کی طرح ایک ایک مرغی کو ایک روپیہ کیش دیتے ہیں۔تاکہ جو انکا دل چاہے وہ کھا سکیں۔"

اب کے وہ قہقہے مار کر ہنس رہا تھا۔ کبھی گردن پیچھے پھینک کر ہنستا تو کبھی آگے کو جھک کر ہنستا۔زینیا تصاویر بناتی چلی گئی۔ قیس ہنستے ہنستے جھک گیا تھا۔ بال ماتھے پہ گرنے لگے۔ہنس ہنس کر اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔اسے لطیفے پسند تھے۔ بچپن سے۔

"لائک سیریسلی؟ایک ایک روپیہ کیش؟۔۔۔اوہ خدایا۔۔۔ایک روپیہ کیش۔۔۔"وہ ہنسی کے دورے کے درمیان بامشکل کہہ پاتا تھا۔

ساری ٹیم مڑ مڑ کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ڈھلتا سورج، نارنجی کرنیں، ہنستا ہوا مرد، تصاویر بناتی دراز قد لڑکی، جلتا سگار اور عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔

کوئی منظر اس سے زیادہ خوبصورت ہو سکتا تھا کیا؟

تھوڑی دیر بعد پیک اپ ہو رہا تھا۔رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا۔

ٹیم مینجمنٹ، سارے ڈیزائنرز اور باقی کے لوگوں کو اپنی نگرانی میں گاڑیوں میں بٹھا کر گھروں کی طرف روانہ کر رہے تھے۔

ذرا سے فاصلے پہ رکھے بڑے سے پتھر پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔اور ساتھ کھڑی حدیبیہ اسے کچھ بتا رہی تھی۔

زینیا چند پل فاصلے پہ کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر اسکی تصاویر دکھانے کے لئے اسکی طرف بڑھی۔

حدیبیہ کسی کام سے چلی گئی۔اب وہ اکیلا تھا۔زینیا ذرا سے فاصلے پہ ایک پتھر پہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ قیس اسکی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ اب بھی سمندر دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا چینی کا جہاز سمندر میں ڈوب گیا ہے کیا؟'' وہ قیس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔اس نے جواب نہ دیا۔

''اگر آفس کا کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتادو۔شاید حل نکل آئے۔ورنہ میں لیٹ ہو رہی ہوں۔''

''تمھارے اندر کب سے یہ مسیحائی کے جراثیم جنم لینے لگے؟ گھر جاؤ تم۔''

''مسیحائی کا کوئی جراثیم مجھے چھو بھی نہیں سکتا۔ہاں البتہ اپنے کام کو صحیح طریقے سے کرنا،اور حلال کمانا میرا فرض ہے۔''

قیس نے اب کے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ کیوں بھول گیا تھا کہ زینیا حاکم اب اسکی پرسنل ایڈوائزر ہے۔وہ چند پل یونہی اسے دیکھتا رہا۔پھر رخ موڑ کر دوبارہ سمندر کو دیکھنے لگا۔شہزادہ برطانیہ موڈ آن ہو چکا تھا۔

''میں اس پراجیکٹ کو لے کر پریشان ہوں۔یہ مجھے آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی۔'' اسکی آواز ہلکی تھی۔

''اس پراجیکٹ کے دوران میں کئی بار اپنے پیٹرن سے ہٹا ہوں۔کئی بار آؤٹ آف دی وے گیا ہوں۔مارکیٹ کا قرضہ ہے۔اگر یہ ڈوبا تو بہت کچھ ڈوب جائے گا۔''

''تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ یہ پروجیکٹ ڈوب جائے گا؟ میں تمھارے بارے میں زیادہ نہیں جانتی لیکن میں بیز کلیکشن کے بارے میں شروع سے جانتی ہوں۔ براق حنیف اپنا ایک ایک روپیہ سوچ سمجھ کر انویسٹ کرتا ہے۔اور اس وقت میں نے انہیں کئی بار دیکھا ہے وہ بی قیو سے بہت خوش ہیں۔اور مطمئن بھی۔میرا نہیں خیال یہ فیل ہو گا۔'' پانی ان کے پیروں کو چھو کر پلٹ رہا تھا۔

''کیا میں صرف اس لئے اس پراجیکٹ کے لئے تسلی کر لوں کہ براق اس کے لئے پریشان نہیں؟''اس کے سنجیدگی سے کہنے پہ زینیا ہنس پڑی تھی۔

''نہیں یہ بس ایک پائنٹ تھا۔اس پراجیکٹ کو اسکی uniqueness کامیاب کرے گی۔

پچھلے تین آئیڈیاز کے ساتھ ایک ٹریڈ شنل ٹچ والا آئیڈیا بہت خوبصورت ہے۔اس کے علاوہ تمہاری ٹیم کی محنت۔ہر ایک چیز، ہر شے بتا رہی ہے کہ یہ پراجیکٹ کتنا کامیاب ہو گا۔میں ایک برانڈ کو جانتی تھی وہ بہت اچھے کپڑے ڈیزائن کرتا تھا۔مجھے شوق تھا کہ میں اپنی شادی پہ انکا بنایا ہوا لہنگا پہنوں گی۔''

'' پھر پہنا کیا؟''یکدم اسے دلچسپی ہوئی۔

''نہ اوقات تھی،اور نہ شوق رہا۔''

''شوق کیوں نہیں رہا؟''

''کیونکہ وہ برانڈ یونیک نہیں رہا تھا۔''اس نے گردن ترچھی کر کے قیس کو دیکھا۔

''وہ ہمیشہ ایک جیسے رنگ، ایک جیسے ڈیزائنز بنانے لگا تھا۔ کئی لوگ بس اس کے نام کی وجہ سے اسے خرید لیتے تھے۔ لیکن میرے جیسے فیشنenthusiast اؤنہوں ہمیں مائل کرنا ہے تو کچھ نیا کرو۔ اور تم نے کیا ہے۔ تم نے بہت کچھ بدلا ہے، قیس۔ خود پہ یقین نہیں رکھو گے تو چاہے ساری دنیا تم پہ یقین کرنے لگے، دل کو خوشی نہیں ملے گی۔''

''لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو میری بنائی ہوئی وہی پرانی چیزیں پسند ہوں۔ اور وہ اس یونیک ٹچ کو قبول نہ کر سکیں۔''

''تم جانتے ہو تمھارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کبھی غور کرنے کی کوشش کی ہے؟''

قیس نے ہاتھ جھلایا۔ بے زاری سے گردن گھمائی۔ اسکی کافی اب ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

''سب دوست سمجھ رہے ہیں میں پاگل ہو گیا ہوں۔ میرے خاندان کو لگ رہا ہے میں زیادہ سوچ رہا ہوں کیونکہ کوئی قیسم کو ناں کیسے کہہ سکتا ہے تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں نارمل نہیں ہوں؟''

زینیا اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

''تم نارمل ہو۔ کیونکہ مسائل نارمل لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تمھیں بس Impostor syndrome ہوا ہے۔'' قیس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی ہو گئی تھیں۔ ''اپنے کام پہ شک کرنا، اس کے لیے آنے والے رد عمل سے خوف زدہ ہونا۔ یہ سب اسی کی نشانی ہیں۔''

''اسکا کوئی حل۔؟'' وہ پوری طرح متوجہ ہوا۔

''بلکل ہے۔ یا تو اسے ڈیل کرو یا اگنور یا پھر ہرا دو۔'' اس نے گنوایا۔

"ہرایا کیسے جائے؟''

''اسنیک پیک۔'' قیس کی بھنویں اچھنبے سے اکھٹی ہوئیں۔ زینیا نے کہنا جاری رکھا۔

''ایک یادومنٹ کا چھوٹاسا ٹریلر جن میں تمھارے بنائے گئے ڈیزائنز کی جھلک ہو۔ مجھے یقین ہے لوگ پاگل ہونے لگیں گے۔ اور تم، تمھارے اندر کے اندیشے ختم ہو جائیں گے۔''

''اندیشے ختم ہوں یا ناں ہوں آئیڈیا ضرور چوری ہو جائے گا۔''

''اس دنیا میں کچھ بھی اوریجنل نہیں ہے۔ سوائے ان چیزوں کے جو اللہ نے بنائی ہیں۔ دنیا کے نوے فیصد سے زیادہ آرٹ انسپائرڈ ہیں۔ کوئی قیسم سے کچھ نہیں چرا سکتا۔'' اس کے موبائل پہ کال آنے لگی۔ زینیا نے بیگ سے موبائل نکالا تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔ بالاج کی کال تھی۔ وہ پتھر سے نیچے اتر آئی۔

''مجھے یہ کال لینی ہو گی۔ اوکے بائے۔'' وہ موبائل کان سے لگائے آگے بڑھ آئی۔

''بہت جلدی بھول گئیں تم مجھے۔ کراچی چلی گئیں۔ بہن بھائی اور ابا سے ملنے لگیں۔ تمہیں لگا تھا میں تمہیں اور تمھارے دھوکے کو بھول گیا ہوں؟'' وہ زہر خند لہجے میں پھنکارا تھا۔ ''کیا بھول گئی ہو جس عطیے پہ اپنے باپ کا علاج کروا رہی ہو وہ کس نے دیا تھا؟''

''عطیہ نہیں قرضہ۔ دس لاکھ جہیز کے نام پہ بٹورے اور تیرہ لاکھ کا سونا۔ تین ماہ کے اندر اگر ان کا پرافٹ نکالو تو اتنے ہی بنیں گے جتنے اس وقت تم سے لئے ہیں۔ ایک اور بات۔ میں تم سے اور ان فضول کالز سے ڈرتی نہیں ہوں۔ کوئی اور طریقہ ڈھونڈ لو۔'' اس نے کال کاٹ دی۔ تنفس پھول گیا تھا۔ دل ایک بار پھر زخم زخم ہوا تھا۔ عورت پہلا دھوکہ نہیں بھولتی۔

''زندگی گزارنے کا نہیں، جینے کا وقت ہے، زینیا۔''اس نے خود کو یاد دہانی کروائی اور آگے بڑھ گئی۔ بشر کا میسج آیا تھا وہ اسے لینے آ چکا تھا۔

خوف سے آگے نکل آؤ تو زندگی منتظر رہتی ہے۔

حاکم نواب آج کی رات بھی ہسپتال میں ہی رہنے والے تھے۔ زینیا شوٹ سے سیدھا ہسپتال آئی تھی۔ تھوڑی دیر حاکم نواب کے ساتھ بیٹھی رہی، بشر ان کے ساتھ رکنے والا تھا۔

زینیا اور کونج کو وہ ہوٹل میں نہیں چھوڑ سکتا تھا سو آج کی رات وہ دونوں بھی ہسپتال میں ہی رہنے والی تھیں۔ کونج کی سہیلی فریحہ اپنے باپ اور چچا سمیت ان سے ملنے بھی آئی تھی۔ اس کے چچا اسی ہسپتال میں ڈاکٹر تھے، انہی کی معرفت سے انہیں ہسپتال میں رکنے کی اجازت ملی تھی۔

بشر باہر کسی کام سے گیا تھا، زینیا حاکم نواب کے سرہانے بیٹھی تھی۔ کھڑکی کے ساتھ رکھے صوفے پہ کونج اور فریحہ دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔

''ابھی تو تمہارا بھائی بھی نہیں ہے، تم ایک بار میرے ساتھ چلو تو سہی۔ اسی ہسپتال کے تیسری منزل پہ ہے وہ کلینک۔''فریحہ اس سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ کونج متذبذب تھی۔

''ایسا سنہری موقع دوبارہ نہیں ملے گا، کونج۔ ہاں کہہ دو۔ تم کہو تو میں تمہاری بہن سے بات کرتی ہوں۔''

آج کونج حاکم کو علم ہوا تھا کہ ناں نہیں کہہ پانا کتنا بڑا مسئلہ تھا۔ ناں نہ کہنے والوں کے ساتھ ایک ٹریجڈی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ ٹال مٹول کے ساتھ کام لیتے ہیں اور پھر بلاخر ایک دن دھر لئے جاتے ہیں۔ وہاں جہاں ان کے لئے کوئی جائے فرار نہیں ہوتی۔

''زینیا آپی کیا میں اور کونج تھوڑی دیر کے لئے فوڈ کورٹ جا سکتے ہیں؟ بشر بھائی کے آنے سے پہلے ہم واپس آ جائیں گے۔'' زینیا نے گردن موڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔ ایک منٹ میں انکے چہرے اسکین کئے۔

"شیور تم فوڈ کورٹ جا سکتی ہو۔'' وہ کونج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔ اسے بے انتہا شرمندگی ہوئی۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو ہر وقت روک ٹوک نہیں کی جانی چاہیے۔ کئی بار انہیں راستے کے خار دار کانٹے دکھا کر اکیلا چھوڑ دینا چاہیے۔

وہ فریحہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔ لفٹ سے ہوتے ہوئے راہداریاں عبور کرتے ہوئے وہ دونوں اب ایک جگہ جمع تھیں۔ ایک بنچ پہ بیٹھے ہوئے وہ اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ فریحہ ذرا فاصلے پہ کھڑی کال پہ بات کر رہی تھی۔ کونج انگلیاں چٹخاتے ہوئے اپنے نمبر کا انتظار کر رہی تھی۔ دفعتاً کوئی چالیس بیالیس کی عمر کا مرد اس سے ذرا سے فاصلے پہ آ کر بیٹھا۔

وہ موبائل پہ کچھ بٹن دبا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ کونج بے اختیار گردن پھیر کر اسے دیکھنے لگی۔ صاف ستھری رنگت، ہلکی داڑھی، پرکشش نقوش اور آنکھوں پہ نظر کا چشمہ چڑھائے وہ آدمی اسکی توجہ گھیر گیا۔

''مجھے نہیں پتہ تھا میں اتنا ہینڈسم ہوں۔ مجھے تین منٹ تک دیکھنے کے لئے شکریہ بچے۔'' اچانک وہ موبائل سے نظریں اٹھا کر مسکراتے ہوئے بولا۔ کونج کو ڈھیر ساری شرمندگی ہوئی۔

''میں آپ کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ میں آپ کا موبائل دیکھ رہی تھی۔''

“It’s --- it’s nice ..”

اس نے بات سنبھالنی چاہی۔ آدمی ہنوز نرم نظروں سے اسے تکتا رہا۔

''اگر تم کہتی ہو تو یہ سچ ہی ہو گا۔'' وہ فوراً مان گیا۔

کچھ لوگ جلدی سامنے والے کی بات مان جایا کرتے ہیں۔ ''ویسے یہ بتاؤ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کہنی بنچ پہ ٹکائی اور اسکی طرف پورا کا پورا مڑا۔

''آس پاس دیکھیں۔ اس کمرے کے بورڈ پہ لکھا نام اور عہدہ دیکھیں۔ میں بھی اسی کام کے لئے آئی ہوں جس کے لئے باقی سب، یا پھر آپ۔'' کچھ لوگ ہوتے ہیں جو آپ کو بولنے کا ڈھیر سارا کانفیڈنس دیتے ہیں۔

''میں تو یہاں لوگوں سے باتیں کرنے آیا ہوں۔ ابھی دو لوگوں سے بات کی اور انہوں نے مجھے جھڑکا۔ سو میں یہاں آ گیا۔''

''آپ کو برا نہیں لگا انہوں نے آپ کو جھڑکا؟'' اسے فکر لاحق ہوئی۔

''نہیں اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے۔ انسان جذبات میں دو طرح کے رد عمل دیتا ہے۔ پہلا وہ خوش ہو جاتا ہے اور دوسرا غصہ۔ رد عمل پہ کیسا غصہ؟ تم مجھے یہ بتاؤ تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' کچھ لوگ بڑی بڑی باتوں کو ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔

''یہ میری دوست کے چچا کا کلینک ہے۔ میں یہاں وائٹننگ انجکشن لگوانے آئی ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔''

''اور ایسا کس نے کہا ہے؟''

''کیسا؟''

''یہی کہ تمھیں ان انجکشنز کی ضرورت ہے۔''

''سب کہتے ہیں۔'' وہ الجھی۔ ''یعنی ہر کوئی کہتا ہے۔ علاج میں بھلا مسئلہ کیا ہے؟''

آدمی نے غور سے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تاسف در آیا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا۔ اسے کونج کی طرف بڑھایا۔

''تمھیں واقعی ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ لیکن اندر بیٹھے ڈاکٹر کی نہیں میری۔ تمھیں میری یا پھر میرے جیسے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ میں تمھاری کال کا انتظار کروں گا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''مسئلہ یہاں نہیں۔'' اس نے کونج کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

''مسئلہ یہاں سے۔'' اس نے انگلی سے اپنی کنپٹی پہ دستک دی۔

کونج نے اسکا کارڈ دیکھا۔

ماہر ذہنی امراض۔ ڈاکٹر مظفر غوری۔ کونج کے تو سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ اس نے کچھ سنانے کو منہ کھولا ہی تھا کہ مظفر صاحب لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے نکل گئے تھے۔ مگر اسکا سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ کیا وہ انہیں پاگل لگتی تھی؟

فریحہ واپس آگئی تو کونج کا غصہ بھی ذرا دیر کو تھم گیا۔ وہ اپنے خوابوں کے اتنے قریب تھی۔ بھلا اب کسی کی بات کو دل سے کیا لگانا۔ اگلا نمبر کونج کا تھا۔ اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کئی بار تصور کے خانوں میں وہ ڈاکٹر کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ کئی بار بشر آ چکا تھا اور کئی بار زینیا اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گئی تھی۔

ہر خیال کو جھٹک کر وہ اندر جانے کا سوچنے لگی۔

جب کوئی ہیولہ سا اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور پھر وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ وہ کوئی تیئیس، چوبیس سالہ لڑکی تھی۔ بے تحاشا گوری رنگت، نیلی آنکھیں، بھرے بھرے ہونٹ اور اٹھی ہوئی ناک۔

ماڈلز جیسی دبلی پتلی جسامت کوئی اسے دیکھے تو چند پل کے لئے نظر نہ ہٹا سکے۔ کونج کے لب وا رہ گئے۔ وہ بے تکلفی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

''اگلا نمبر تمھارا ہے ناں؟'' اس نے اچانک موبائل سے نظریں اٹھا کر اسے مخاطب کر لیا۔ کونج کی زبان باقاعدہ تالو سے چپک گئی۔

''کیا میں تمھارے نمبر پہ جا سکتی ہوں؟ دو نمبر بعد میرا نمبر ہے۔ لیکن مجھے دراصل دیر ہو رہی ہے۔''

''لیکن آپ۔۔۔ آپ جانا کیوں چاہتی ہیں؟ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟'' کونج اس اپسرا کے چہرے پہ نظریں جما کر کہہ رہی تھی۔ لڑکی نے بھورے ریشمی بال انگلیوں کی مدد سے کندھے کے پیچھے کئے۔

''دراصل میرے شوہر کو میری ناک اور ہونٹ نہیں پسند۔ اس لئے مجھے ہونٹوں میں فلرز ڈلوانے ہیں۔ اور ناک ذرا سی پتلی۔ شاید میں اپنی آئی لیشز بھی چھوٹی کروالوں۔''

وہ عام سے انداز میں بتارہی تھی مگر کونج کو اپنی زندگی کی سب سے غیر متوقع بات سننے کو ملی تھی۔ کوئی اتنی حسین لڑکی میں نقص کیسے نکال سکتا ہے؟ اور اگر اس میں نقص نکال سکتا ہے تو پھر کونج حاکم کس کھیت کی مولی تھی۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کب مگر اسکی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

''آپ کو خود۔۔۔خود کو کیا لگتا ہے؟ کیا آپ اپنے چہرے سے مطمئن نہیں ہیں؟''

لڑکی ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

''i think i am the prettiest woman on earth ''

وہ ہنس کر بولی تو کونج گیلے چہرے کے ساتھ ہنس پڑی۔

''مجھے میرا چہرہ بہت پسند ہے۔ پہلے میرا وزن زیادہ تھا، مجھے بہت پسند تھا کہ میرے ہاتھ بھرے بھرے لگیں۔ لیکن میرے شوہر اور ساس کو میرا بڑھا ہوا وزن اچھا نہیں لگتا تھا سو میں نے آپریشن کروالیا۔ مجھے لگا اب سب صحیح ہو جائے گا مگر نہیں میرے شوہر کو اب میرے چہرے سے مسئلہ ہے۔'' اس نے گردن جھکادی۔

''اب جب وہ میرے اس جسم کی تعریف کرتا ہے تو اچھا نہیں لگتا کیونکہ یہ اصل نہیں ہے۔ یہ میں نہیں ہوں یہ سرجری ہے۔ یہ نیچرل نہیں ہے، یہ سائنس ہے۔''

''آپ۔۔۔آپ۔۔۔رک کیوں نہیں جاتیں؟ جب آپ جانتی ہیں آپ کا شوہر یا پھر لوگ آپ سے کبھی خوش نہیں ہوں گے پھر بھی آپ آپ انہیں خوش کرنے میں کیوں لگی ہوئی ہیں۔؟''

''کیونکہ میں ایک بار دنیا کو فیری ٹیل دکھا چکی ہوں۔ میں ایک بار لوگوں کی بات مان چکی ہوں۔ میں نے لوگوں کو خود پہ حاکمیت دی، پھر انہوں نے میرے جسم کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ حلانکہ یہ انکا حق نہیں تھا۔ میرے قدم ایک بار بڑھ چکے ہیں تم اپنے قدم روک لینا۔'' وہ کونج کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے بیٹھی۔

''تم خوبصورت ہو، ہر انسان خوبصورت ہے کیونکہ اسے اللہ نے بنایا ہے۔ اس نے اس دنیا میں کچھ بھی غیر ضروری نہیں بنایا۔ جو اس نے بنایا وہ پرفیکٹ ہے۔ بس تمہیں اسے قبول کرنا ہوگا۔ تم۔۔۔"

''تم یہاں کسے خوش کرنے آئی ہو، کونج حاکم؟'' آواز تھی کہ صور کونج ہل بھی نہ سکی۔ ''میں نے تمہیں ہر حالت میں قبول کیا تھا، پھر آج یہاں کسے خوش کرنے آئی ہو؟'' اس نے شاکی نظریں اٹھا کر دیکھا۔

ضیغم یوسف میر اپنے پورے قد کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کونج کیوں بھول گئی کہ آج بشر کے ساتھ آنے والا مہمان ضیغم تھا۔

آس پاس دنیا ساکن ہوگئی۔ کونج کو لگا تھا وہ اب کبھی سانس نہیں لے سکے گی۔

کمبیر محل کی اوپری منزل پہ واقع مہدی کمبیر کے کمرے میں آؤتو نیلی مدھم روشنیاں ہر سو پھیلی تھی۔ ایک طرف دیوار پہ اسکی تصاویر لگی تھیں۔ پچپن ملک۔۔۔ جس میں اسپین نے اضافہ کر دیا تھا۔ اور یہ ہوئے پورے چھپن ملک۔ ہر تصویر میں اس کے چہرے پہ نظر آنے والی خوشی اصلی تھی۔

تصویروں سے ہٹ کر جیتے جاگتے نفوس کی طرف آؤ تو زمین کی طرف جھکے ہوئے بیڈ پہ وہ آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور چہرے پہ تھکن تھی۔

دفعتاً اسکا موبائل چنگھاڑنے لگا۔ پہلی اور دوسری بیل پہ تو وہ سوتا بن گیا۔ مگر کال ملانے والا کافی ڈھیٹ واقع ہوا تھا، اس نے یہاں سے وہاں ہاتھ مارا اور بلاخر اسکا موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔

مندی مندی آنکھوں سے نمبر دیکھا اور پھر اس کے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ وہ فوراً بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھا۔ واصف منیر کی یہ کال اسے حواسوں میں لے آئی تھی۔ **(واصف منیر وہی شخص ہے، جس کی اسکیچ بک قیسم سے چوری ہوئی تھی۔ مگر چونکہ وہ قیسم کے برابر اپنی کمپنی کھڑی کر رہا تھا سو قیس نے اس کے سارے منصوبے ملیامیٹ کر دیئے تھے۔")**

"مجھے یاد نہیں کیا تم نے؟" فون کے پار اسکی زہر خند آواز سنائی دی۔ "مجھے یقین تھا تم لوگوں نے مجھے یاد نہیں کیا ہوگا۔ لیکن میں کمبیرز کو نہیں بھولا۔"

"کیا بکواس ہے؟ اب تم قیسم کے لئے کام نہیں کرتے ناں پھر اب کیا فائدہ ان کالز کا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھا میز پہ رکھا اپنا لیپ ٹاپ کھولا۔ انسٹا گرام کھولا۔ کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا؟

"اصل میں کیا ہے ناں کہ تم اور تمھارے اس بھائی نے میرا کیریئر تباہ کیا ہے۔ سو میں نے سوچا کیوں نہ میں تمہارا پراجیکٹ تباہ کروں؟"

مہدی جلدی جلدی لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ کوئی گوسپ نہیں، گوگل کھولا کمبیر ز لکھ کر کچھ سرچ کیا اوُنہوں کچھ خاص نہیں۔ یعنی حالت کنڑول میں تھے۔ اب کے وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ ساری حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔

''تمہارا کیریئر تباہ نہیں ہوا واصف۔ قیسم سے نکلنے کے بعد بھی تم کہیں بھی کام کر سکتے ہو۔ ہم سے پیسے لے کر، ہمارے آفس کے ایئر کنڈیشنز میں بیٹھ کر، اور کھانے کھا کر تم کیا کر رہے تھے؟ تم اپنا محل تعمیر کر رہے تھے۔ تمہیں یہ نہیں کرنا تھا۔''

''تمھارے الفاظ مجھ پہ اثر نہیں کریں گے، مہدی کمبیر۔ قیسم نے مجھ سے جو لیا ہے وہ میری متاع حیات تھی۔''

''وہ مالِ غنیمت تھا۔'' مہدی نے اسے ٹوکا۔

''وہ کفارہ تھا۔ تمہارا اسکیچ بک اور تمھارے لیپ ٹاپ کا ڈیٹا حرجانہ تھا۔'' مہدی کی بات پہ واصف کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

''آہ، مہدی آہ۔ تم بلکل قیس کی طرح بولنے لگے ہو۔ تمہارا قصور نہیں ہے قیسم کی سربراہی کرسی الفاظ خود کہلواتی ہے۔ لیکن اب میرے بولنے کا وقت ہے۔ اپنا ای میل چیک کر لو۔ تمھارے لئے ڈھیر سارے سرپرائز ہیں۔'' کہتے ہوئے کال کٹ گئی مہدی ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ پھر بھاگ کر اسٹڈی ٹیبل کی گرد کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ تیز تیز بٹن دبا کر اپنا ای میل کھولا۔ دو سے تین ویڈیوز تھے۔

مہدی بے قراری سے ان کے کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ ویڈیو کھلی اور اب دو نفوس آمنے سامنے تھے۔ واصف منیر قیس کمبیر کے آفس میں کھڑا گڑ گڑا رہا تھا۔ بار بار اپنی اسکیچ بک واپس کرنے کا کہہ رہا تھا۔

قیس کے الفاظ شدید تھے۔ مہدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ وہ جانتا تھا یہ اصل ویڈیو نہیں ہے۔ مگر ایک یہی ویڈیو قیسم کو برباد کر سکتی تھی۔

دوسری ویڈیو میں وہ براق حنیف سے بات کر رہا تھا۔ براق اسے سراہ رہا تھا۔اور واصف مسکراتے ہوئے اسکی بات سن رہا تھا۔

"تم بی قیو کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند ہو، یہ ایک اسکیچ نہیں یہ آرٹ ہے۔اس اسکیچ بک کا ہر ڈیزائن آرٹ ہے۔" ویڈیو سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ بی قیو پراجیکٹ کے سارے ڈیزائن واصف کے بنائے ہوئے ہیں،اور اب وہی بک قیس کے قبضے میں۔

تیسری ویڈیو ماہ جبین مختار اور قیس کمبیر کی تھی۔ جس میں وہ ماہ جبین سے ایک فیور مانگ رہا تھا۔ماہ جبین مسکراتی ہے،آگے بڑھ کر بے باکی سے قیس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتی ہے اور پوچھتی ہے **"کہو کیا چاہیے۔"**

"براق حنیف اور واصف منیر سمیت قیسم کے سارے ورکرز کا بند منہ،اور ذرا سی سزا۔" **(یہ اسی سزا کی بابت بات ہو رہی ہے جب ماہ جبین مختار کے قیسم کا فنانس اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور ہر ورکر جانتا تھا جبین ٹیکسٹائل تنخواہ کے نام پہ کوڑیاں دیتی ہے۔)** ویڈیو اس طرح سے ایڈٹ کی گئی تھی کہ قیس پوری طرح ولن لگ رہا تھا۔

موبائل دوبارہ بج رہا تھا مگر مہدی کے ہاتھوں میں اب اتنی سکت نہ رہی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا سکتا۔۔ قیسم ڈوب سکتا تھا اور ڈوب رہا تھا مگر مہدی کمبیر اسے بچانا چاہتا تھا۔گھنٹیاں بج بج کر واپس گئیں۔ مگر کال بند نہ ہوئی۔کال دوبارہ آنے لگی تھی۔مہدی نے مرے مرے ہاتھوں سے موبائل اٹھایا۔کال اٹینڈ کر کے موبائل میز پہ ہی رکھ دیا۔

"امید ہے تمھیں میرا سرپرائز پسند آیا ہو گا۔اب تمھارے پاس دو راستے ہیں۔" وہ محظوظ سا کہہ رہا تھا۔

"یا تو میرے ساتھ آجاؤ، قیس کو معلوم نہیں ہو گا کہ تم میرے ساتھ ہو۔

بس وہاں رہ کر میری تھوڑی بہت مدد کر دینا۔ دوسرا راستہ۔ تم اپنے بھائی کو سب کچھ بتا دو۔ تمہارے پاس بارہ گھنٹوں کا وقت ہے۔ اگر قیس نے بارہ گھنٹوں کے اندر اندر میرا سامان اور میرا رتبہ مجھے واپس کر دیا تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ ورنہ میرے ہیکرز، میرے خریدے ہوئے نیوز چینلز وہ دکھائیں گے جو میں چاہوں گا۔ اور تم تو جانتے ہو ناں پاکستان میں انصاف کتنا ہے؟''

''چند ویڈیوز قیسم کو تباہ نہیں کر سکتیں۔'' مہدی کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''صحیح کہا، چند ویڈیوز قیسم کو تباہ نہیں کر سکتیں۔ مگر '' **بی قیو**'' کو ضرور تباہ کر سکتی ہیں۔ ہر ہر نیوز چینل گا گا کر کہے گا بی قیو کی تمام ڈیزائن واصف منیر سے چوری کردہ ہیں۔ اور بی قیو کے لئے قیس نے اپنا آدھے سے زیادہ سرمایہ لگا دیا ہے۔ تمہارے لئے کوئی جائے فرار نہیں بچی، مہدی۔''

مہدی نے دھیرے سے گردن ڈھلکا دی۔ ہر راہ مسدود ہونے لگی تھی۔

''ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں، واصف۔ تم نے ایک ایکشن لیا اور جو قیس نے کیا وہ ری ایکشن تھا۔ ہر انسان اسی طرح۔"

''فار گاڈ سیک۔'' واصف نے جھلا کر اسکی بات کاٹی۔ ''تم سمجھ کیوں نہیں جاتے کہ تمہارے الفاظ مجھ پہ اثر نہیں کریں گے۔ کم از کم مجھ پہ نہیں۔ بارہ گھنٹے اور تمہارا وقت شروع ہوتا ہے اب۔''

کال کٹ گئی مگر مہدی کے اندر انتشار کا سمندر چھوڑ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے بے سانس سا ہوتا گیا۔

موبائل اٹھا کر اس نے قیس کو کال ملانی چاہی مگر رک گیا۔ اس وقت قیس کے پاس اگر کوئی حل ہوتا تو وہ موت تھی۔ اور مہدی اس کے ہاتھوں پہ ایک اور خون نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کیاسب ختم؟ کیاوہ کچھ نہیں کر سکتا؟ کیااسے واصف کے دیئے دو حل میں سے ایک چن لیناچاہیے؟ عین اسی پل اس کے ذہن میں ایک جھماکہ ساہوا۔ اگر واصف کے پاس دو حل تھاتو مہدی کمبیر کے پاس بھی ہمیشہ دوراستے ضرور ہوتے تھے۔

(''فیری ٹیل میں دنیاکے سب سے بڑے افسانے ہوتے ہیں۔ شہزادی کی زندگی کا مقصد اگر ''شہزادے'' کے علاوہ کچھ ہوتاتو آج کی لڑکیوں کے خواب بس ایک مرد تک محدود نہ ہوتے۔)''

وہ راہداریوں میں ضیغم کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ مگر وہ اسے سن نہیں رہاتھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ قدم تیز۔ کونج نے سامنے سے آ کر اس کا راستہ روکا۔ ضیغم کو رکناپڑا۔

''میں جو کچھ کر رہی ہوں صرف تمھارے لئے کر رہی ہوں۔ میں تمھارے لئے خوبصورت دکھناچاہتی تھی۔'' اسکا چہرہ گیلا تھا۔ آواز رندھی ہوئی۔

''کیامیں نے کبھی تم سے یہ سب کرنے کو کہا؟ ہاں مگر اس لڑکے نے ضرور کہاتھاجس سے تم راتوں کو جاگ جاگ کر باتیں کرتی تھیں۔'' کونج کا دل اچھل کر حلق میں آیاتھا۔ وہ ساکن رہ گئی۔ ضیغم آنکھوں میں سرخ انگارے لئے اسے دیکھتارہا۔

''شاید تم بھول گئی تھیں مگر تمھارے فیسبک اور انسٹا گرام کا پاسورڈ میرے پاس تھا۔ اس لڑکے نے تم سے چار بول تعریف کے کیا بول دیئے تم نے مجھ سے بے وفائی کر دی؟'' اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔

''ایسا۔۔۔ایسا۔۔ نہیں ہے۔۔۔ میں سمجھاتی ہوں۔ میں''

''میں تمھیں سمجھاتا ہوں، کونج حاکم نواب۔'' وہ حقارت سے کہتا آگے آیا۔

''تم ایک انسکیورٹیز کی ماری لڑکی ہو۔ تم صرف اپنی بہن سے نہیں تم ہر خوبصورت انسان سے آبسیسڈ ہو۔ تمھیں لگتا ہے ایک دن تمہارا رنگ صاف ہو گیا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم نے آج تک اپنے چہرے اپنے جسم کو کبھی قبول کیا ہی نہیں۔ ''**لوگ**'' انکی باتیں، ان کے رویے، انکی صلاح تم پہ اثر رکھتی ہے کیونکہ تمہاری اپنی کوئی سوچ ہے ہی نہیں۔

تمہارا رنگ اگر ٹھیک ہو گیا تو وزن کی پرواہ ہونے لگے گی، اگر وزن صحیح رہا تو آنکھیں ناک، بال جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ یہ تم نہیں ہو۔ تمھیں اپنی آنکھیں اچھی لگتی ہیں۔ اپنا رنگ پسند ہے۔

تم نے لوگوں کو اپنے اوپر حکمرانی دی ہے۔ اور تم جیسے لوگ کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ تم اپنے آپ سے خوش نہیں ہو۔ میری طرف سے اب تم جہنم میں جاؤ۔''

''پلیز، ضیغم پلیز۔۔۔ یہ مت کرو۔ میں نے یہ سب تمہارے لئے کیا تھا۔ اگر تم کبھی مجھے کہہ دیتے کہ تمھیں میرے رنگ سے کوئی مسئلہ نہیں، اگر تم میری تعریف کر دیتے تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔''

''کوئی انسان کیوں آکر تمھیں بتائے گا کہ تم کیسی لگتی ہو۔ تم اپنی آواز کیوں نہیں سنتیں؟ لیکن اب، اب مجھے فرق نہیں پڑتا۔ تم اس لڑکے کے ساتھ رہو۔ happily everafter. ''

وہ تمسخرانہ انداز میں ہاتھ پھیلا کر بولا تھا۔

''آج سے تم میری طرف سے آزاد ہو۔''

شہزادہ جا رہا تھا۔ یہ فیری ٹیل نہیں تھی۔ یہ فیری ٹیل کیسے ہو سکتی تھی؟

شل اور ساکت کھڑی کونج کا موبائل بجا تو اس نے دھیرے سے موبائل اونچا کیا۔

''جب سب تمہارا ساتھ چھوڑ دیں، تب میری طرف دیکھنا۔ میں ہمیشہ تمہارا منتظر رہوں گا۔''

کونج نے عجیب سی نظروں سے اس میسج کو دیکھا۔ کیا وہ غلط شہزادے پہ انحصار کر چکی تھی۔ کیا اصل شہزادہ اب آیا تھا؟

(''فیری ٹیلز میں جب راز کھلتے ہیں ہر طرف سیاہی یا پھر سبز روشنی چھا جاتی ہے۔ مگر راز کھلنے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اور شاید وہ وقت آ چکا تھا۔)''

اگلی صبح کا ذکر ہے۔ ہسپتال کی ٹھنڈی راہداریاں عجیب سوگواریت میں ڈوبی تھیں۔ زینیا، حاکم نواب کی وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے انہیں آپریشن روم کی طرف لے جا رہی تھی۔ مگر اس سے تھوڑی دیر پہلے وہ تازہ ہوا کھانا چاہتے تھے۔ تیسری منزل کی دیوار گیر کھڑکیوں کے قریب وہ رک گئی۔ اسی پل اس کا فون بجنے لگا تھا۔

''تم سٹی ہسپتال میں ہو ناں؟'' کال اٹینڈ کرتے ہوئے اسے پہلا جملہ یہی سننے کو ملا تھا۔

''میں دوسری منزل پہ ہوں، تم کہاں ہو؟''

''میں تیسری منزل پہ روم نمبر 307 کے سامنے ہوں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' دوسری منزل پہ کھڑے فون کان سے لگائے قیس نے گہری سانس لی۔ کل رات اس نے ایک بار پھر گوادر کا نمبر ملایا تھا، مگر جس سے بات کرنی تھی ہو نہ سکی۔ اور کل رات سے اسے ایک خیال ستا رہا تھا۔

زنیاحاکم۔۔۔اس کے ذہن میں ایک بار پھر خیال آیا تھا کہ کہیں یہ اسکی منگیتر تو نہیں؟خود کو ہزار بار جھٹکا، دلیلیں پیش کیں مگر بے سود۔پھانس دل میں چبھ چکی تھی۔پھر اس کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا۔زنیا حاکم کے باپ سے ملنے کا خیال۔

''میں اپنے ایک دوست کی طبیعت پوچھنے آیا تھا تو سوچا تمھارے فادر سے بھی مل لیتا ہوں۔میں اوپر آرہا ہوں۔''اپنی کہہ کر کال کاٹ دی۔حاکم نواب ہنوز کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

زنیا ان کے عقب میں کھڑی ہوگئی۔اسی پل لمبی راہداری میں قیس نمودار ہوا۔اسکی نظروں کی سیدھ، بلکل سیدھ میں زنیا حاکم اپنے باپ کے ساتھ کھڑی تھی۔وہ اس سے کچھ کہہ رہے تھے اور زنیا غور سے سن رہی تھی۔

قیس کی نظر اٹھی، مگر اسکی نظروں کے آگے کوئی آگیا تھا۔وہ کوئی حاملہ عورت تھی۔جس نے اپنے تین سالہ بچے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔اور وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ہاتھ میں پکڑے کاغذات ایک ایک کر کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔

قیس نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے سنبھالا۔پھر نیچے دیکھا اس کے فلیٹ شوز کے لیس کھلے ہوئے تھے۔اور اسکی حالت دیکھ کر لگتا تھا وہ جھک کر انہیں باندھ نہیں سکتی۔اس نے ایک گہری سانس لی اور نیچے جھک گیا۔شو لیس ٹھیک سے باندھے اور ایک ایک کر کے اسکے کاغذات سمیٹنے لگا۔چند پل بعد اٹھ کھڑا ہوا۔عورت ممنون سی اس سے کچھ کہہ رہی تھی، اور وہ بس سر ہلا رہا تھا۔

اگر انہیں چھوڑ کے دس سیکنڈ وقت کو پیچھے لے جاؤ اور سامنے کھڑی زنیا کو دیکھو تو بشر اس سے حاکم نواب کو کہیں لے جانے کا کہہ رہا تھا۔ضیغم بھی ساتھ کھڑا تھا۔چند سیکنڈ کا کھیل تھا اور بشر حاکم انہیں لئے چلا گیا۔

مگر اسی پل ایک اور وہیل چیئر پہ بیٹھا آدمی دھیرے دھیرے سے وہیل چیئر چلاتا آگے جا رہا تھا۔ اسکی نرس پاس کھڑی فون پہ بات کر رہی تھی۔ آدمی نے رک کر زینیا سے کچھ پوچھا۔ شاید وہ ضیغم اور اسے کپل سمجھ رہا تھا۔ زینیا ہنستے ہوئے اسکی نفی کرنے لگی۔

اسی پل قیس کے سامنے سے وہ عورت ہٹی اور زینیا حاکم سامنے آئی۔ وہیل چیئر والے آدمی کو اب نرس اور اس کا بیٹا کہیں لے جا رہے تھے۔ زینیا نے سامنے دیکھا، قیس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زینیا نے اس سے نظر پھیر کر وہیل چیئر والے لڑکے سے کچھ کہا۔ شاید اس کے باپ کے بارے میں کچھ۔ پھر سامنے سے آتے قیس کو دیکھا۔

چند پل میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ضیغم زینیا کے ساتھ۔ قیس ابھی اس کے بارے میں کچھ پوچھتا کہ "یہ میرا بھائی ہے۔" زینیا فوراً بولی۔ مبادہ وہ کوئی اور مطلب نہ لے لے۔

"تمھارے ابا؟ وہ کہاں ہیں۔"

"وہ جن کے ساتھ میں ابھی کھڑی تھی ناں، وہ میرے ابا تھے۔ میرا بھائی انہیں آپریشن کے لئے لے گیا ہے۔ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔" زینیا نے متانت سے جواب دیا۔ قیس کے دل سے ڈھیر سارا بوجھ سرک گیا۔ اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔ یعنی وہ جو آدمی ابھی اس کے سامنے سے گیا وہ حاکم نواب تھا؟ اور جو اس کے ساتھ تھا وہ زینیا کا بھائی؟ آہ وہ بھی بھلا کیا کیا سوچنے لگا تھا۔

بشر نہیں تھا وہ۔ کم از کم بشر کو وہ اس کے چہرے سے پہچانتا تھا۔ اس کے وہم دور جا سوئے۔ فیری ٹیل نے ہر اور اپنا جال بچھا دیا، اور فیری ٹیل کا ایک المیہ ہوتا ہے۔ یہاں ایک لمبا عرصہ خوشیاں رہتی ہیں۔

وہ زینیا سے پھر کبھی کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ سبز روشنی نہیں چھائی۔ سیاہی نے کسی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا۔ ابھی وقت تھا، ابھی مہلت تھی۔

(" کچھ انسان ولن نہیں ہوتے، ہیرو نہیں ہوتے، سفید اور سیاہ نہیں ہوتے۔ بس انسان ہوتے ہیں۔ وہ جنہیں کہانی کی لائم لائٹ نہیں ملتی، مگر ایک دن وہ کہانی پہ چھا جاتے ہیں یوں، کہ باقی ہر کردار چھپ جاتا ہے۔)"

آپریشن تھیٹر کے باہر بنچ پہ بیٹھا، بشر حاکم سر کو ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا۔ آنسو ٹپ ٹپ اسکی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے آج معلوم ہوا تھا وہ حاکم نواب سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اسے آج معلوم ہوا تھا ہسپتال کی بنچ پہ بیٹھ کر انتظار کرنا کیا ہوتا ہے۔ ہسپتال کے اجازت نامے پہ دستخط کرتے ہوئے اس کے ہاتھ باقاعدہ کانپے تھے۔

زینیا اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ گردن سیدھی کئے، اسکی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ کئی لمحے بعد بشر کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ عروج کی کال تھی۔ بشر کا رواں رواں پر سکون ہونے لگا۔ میاں بیوی کے تعلق میں بڑی ہی برکت اور طاقت ہوتی ہے۔ اگر آپ کا ساتھی مصیبت اور پریشانی کے وقت آپ کے ساتھ کھڑا ہو تو باقی ہر دکھ درد چھوٹا لگنے لگتا ہے۔

اس نے کال اٹینڈ کی اور بنچ سے اٹھ کر ذرا سے فاصلے پہ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیسے ہو؟ ماموں کیسے ہیں؟" اسکی آواز بوجھل تھی۔

"آپریشن تھیٹر میں ہیں ابا۔ اور میں، میں ٹھیک نہیں ہوں۔ مجھ سے نہیں سنبھالا جا رہا۔ یہ سب، یہ بہت مشکل ہے۔ میں ابا سے بہت محبت کرتا ہوں۔" اسکی آواز گیلی تھی۔ وہ کمزور پڑ رہا تھا صحیح انسان کے سامنے۔

''تم مجھ سے ناراض ہو ناں؟ میں نے تمھارے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ زینی، ابا، بالاج یا پھر کسی بھی تیسرے کی وجہ سے مجھے ہم دونوں کا تعلق خراب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں آئندہ کسی تیسرے کو ہمارے بیچ نہیں لاؤں گا۔''

''اٹس اوکے، بشر۔ اٹس اوکے۔ سب ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں وقتی طور پہ تم سے بہت ناراض تھی۔ لیکن اب اندازہ ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان ناراضگی اور بدگمانی کی دیوار کو اتنا اونچا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے پار اپنے ساتھی کا دکھ اور ٹوٹا دل نظر آنا بند ہو جائے۔ جس شادی میں انسانیت نہ ہو وہ نہیں چلتی۔ اور ہماری شادی میں تو صرف اور صرف انسانیت، شفقت، اعتبار ہے۔'' وہ رو رہی تھی۔ بشر نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''اور انسانیت صرف میری طرف سے ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کیونکہ میری طرف سے محبت ہے۔'' وہ اتنے دھڑلے سے بولی کہ بشر کے دل کو سکون ملا۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ زینیا اسے بلانے لگی تھی۔

''بعد میں بعد کرتے ہیں۔'' بشر نے کہتے ہوئے کال کاٹی اور دوبارہ بنچ کی طرف بڑھ گیا۔ اب کی بار دل ہلکا تھا، روح سرشار۔

قیسم آج خاموش تھا۔ افسردہ، اور کسی قدر مصیبت زدہ۔ قیس کمبیر کا آفس سنسان تھا۔ اور مہدی کمبیر کا آفس روم ڈھیر سارے لوگوں کی موجودگی لئے ہوئے۔ کئی ماہرین جو اسے مشورے دینے آئے تھے، کئی بیچ کی راہ نکالنے۔ مگر نہ جانے کیوں مہدی کمبیر کو

ان کے بتائے حل ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ سفید بٹن شرٹ کے ساتھ دھاری دار نیلی سفید پینٹ پہنے وہ بے چینی سے اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔

''واصف منیر، میرے کزن کا دوست ہے، اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کر سکتی ہوں۔'' زارا نے رائے دی۔ وہ کیا ہی بات کر لے گی۔ مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہمیں واصف، کے ساتھ ڈیل کر لینی چاہیے۔ بی قیو میں اسے کریڈٹس دے دیتے ہیں۔ اس وقت مصالحت کام آئے گی۔'' سفید داڑھی والے وقار بولے تھے۔

''ہمیں خاموش رہنا چاہیے، میرا خیال ہے واصف محض ڈرا رہا ہے، وہ کرے گا کچھ بھی نہیں۔ یا پھر ہم قیس سے بات کر لیتے ہیں۔'' مشاورت کمیٹی کے الگ الگ تجزیے اور مشورے تھے۔

''تینوں ویڈیوز قیسم کی تھیں۔ مجھے کوئی یہ سمجھائے کہ یہ تینوں ویڈیوز اس کے پاس پہنچیں کیسے؟'' مہدی چبا چبا کر بولا۔

''کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ قیسم کی دیواریں اتنی کمزور ہیں کہ رازوں کا بوجھ نہیں سہہ سکتیں؟ یا پھر یہ کہ اندر کے لوگ راستہ بتاتے ہیں؟''

رضا مراد صاحب نے زمانہ شناس مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''ہر بار دیواروں کا کمزور ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ کئی بار باہر کے پھینکے جال مضبوط ہوتے ہیں۔''

''مختصر الفاظ پلیز۔ میں قیس نہیں مہدی ہوں۔'' وہ ان مشکل اصطلاحات سے جھلایا۔

''چند روز پہلے قیسم کے سسٹم میں کچھ مسائل ہو گئے تھے۔ ہماری ٹیم کو لگا تھا کہ سسٹم جام ہو گیا ہے۔ مگر مجھے لگتا ہے سسٹم ہیک ہو گیا تھا۔'' رضا مراد کی بات پہ مہدی کا دماغ ٹھنکا تھا۔ اسکی آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہر ایک کو باہر نکلنے کو کہا۔ ایک لمحے کو بس ایک لمحے کو اسکی آنکھیں غیر انسانی ہوئی تھیں۔ پھر واپس نارمل۔

''ابھی دنیا میں کوئی ایسا پیشہ نہیں بنا تھا جس سے وابستہ لوگ مہدی کے دوست نہ ہوں۔'' موبائل اٹھاتے ہوئے وہ ''**جے**'' کا نمبر ملا رہا تھا۔ سلسلہ مل گیا تو اسکی آنکھوں نے ایک بار پھر رنگ بدلا۔ اب وہ آنکھیں معصوم لگتی تھیں۔ کمبخت وقت پڑنے پہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا تھا۔

''کیا میں تم سے کچھ مانگ سکتا ہوں، جے؟'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ ''میں جانتا ہوں تم مجھے فیور نہیں دینا چاہو گی۔ اور اگر تم راضی بھی ہو جاؤ تو میں تم سے کوئی کام نہیں لوں گا۔ کیا تم مجھے کوئی ایسا کنٹیکٹ دے سکتی ہو جس پہ میں بھروسہ کر سکوں۔ مجھ پہ گھیرا تنگ پڑ رہا ہے، جے۔'' اس بار بھی خاموشی۔

مہدی نے خود آنکھیں بند کیں۔ اپنے آپ کو ڈھیر ساری ملامت کی۔

''اگر آج ضوریز ہوتا، تو مجھے اتنی مشکل نہ پیش آ رہی ہوتی۔'' اس نے دقت سے الفاظ گھسیٹے۔

''دس منٹ میں کوئی تم سے رابطہ کر لے گا۔ تمھیں جو چاہیے وہ لے آئے گا۔'' الفاظ اثر انداز ہوئے تھے۔ جاشیہ کے دل پہ۔ مگر مہدی کمبیر اگر دلوں کو جوڑنا جانتا تھا، تو اسے دلوں پہ ضرب لگانا بھی خوب آتی تھی۔

اگلے دس منٹ میں اس کے پاس ایک نمبر تھا۔اور اگلے ایک گھنٹے میں ایک مکمل سیٹ اپ۔ تین لڑکے تھے جو کانوں میں مائیک لگائے بیٹھے تھے۔

میز پہ کئی ساری سکرینز نصب تھیں۔ جن کے اوپر عجیب و غریب نمبرز کا کھیل جاری تھا۔ یہ قیسم کا سیکورٹی سسٹم تھا۔ جس کے آگے تین ہیکرز بیٹھے تھے۔ مہدی سفید پڑتے چہرے کے ساتھ ان کے عقب میں بیٹھا تھا۔ فرش پہ جا بجا سگریٹس کے جل چکے ٹکڑے پڑے تھے۔ سارے کا سارا دھواں اندر سے مہدی کا دل جلا رہا تھا۔

بارہ گھنٹے ختم ہونے میں صرف پانچ گھنٹے باقی تھے اور ہاتھ اب بھی کچھ نہ لگا تھا۔ یہاں سے وہاں چکر کاٹتے مہدی کا صبر جواب دینے لگا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تم لوگ یہ کام نہیں کر پاؤ گے۔ سات گھنٹے ہو گئے، اور ہاتھ کیا آیا کچھ بھی نہیں۔'' وہ جھلایا۔ لڑکے نے سکرین سے نظر نہیں ہٹائی۔ سوفٹ ڈرنک کا کین منہ سے لگایا لمبا گھونٹ لیا۔ پھر کہا۔

''میں اگلے سات گھنٹوں کی گارنٹی بھی نہیں دیتا۔ واصف کے ساتھ جو لوگ ہیں، ہوشیار ہیں۔ نہ وہ لنک کو ٹیپ کرتے ہیں کہ ہم اس کی ذریعے اسکی فائلز تک رسائی حاصل کریں۔''

''نہ ہی وہ کوئی میسج دیکھ رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہمارے ایک سو ایک طریقے ناکام ہو چکے ہیں۔'' دوسرا لڑکا بولا۔

''لیکن آپ فکر نہ کریں، واصف منیر کے ساتھ جو ہو گا وہ آدھی دنیا دیکھے گی۔'' یہ تیسرا لڑکا فلموں اور ڈراموں کا خاصہ شوقین لگتا تھا۔ مہدی ایک بار پھر بے چینی سے یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔ اگر قیس کو معلوم ہو گیا تو وہ اسکی قبر بنا دے گا۔

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ان تینوں میں سے ایک کا موبائل بجا۔ پزا کا سلائس منہ میں رکھتے ہوئے اس نے فون اٹھایا۔ ''ہاں، جاشیہ بولو؟''

''ارے نہیں ابھی تک کچھ نہیں ملا۔ اسکا سیکورٹی سسٹم بہت سخت ہے۔ ہم کافی دیر سے توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔''

''پھر اس کا سسٹم چھوڑ کر اس کے کنٹیکٹس کا سسٹم ہیک کرو۔ یقینا کچھ ملے گا۔ اور اس کے کانٹیکٹس سے میرا مطلب ہے اسکی کوئی گرل فرینڈ، یا پھر کسی قسم کا اسکینڈل۔ دس منٹ کے اندر اندر تمھارے پاس کچھ ہونا چاہیے۔'' سخت لہجے میں کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ تینوں لڑکے اب انتہائی پھرتی سے کام کرنے لگے تھے۔

اسی پل دروازہ دھکیل کر براق حنیف اندر آیا۔ اس کے چہرے پہ بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مہدی زخمی شیر کی طرح اس پہ جھپٹا تھا اور کھینچ کر اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔ بازو اس کے گلے پہ رکھ دیا۔ سب کچھ اتنا جلدی ہوا تھا کہ براق کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اسکا سانس بند ہونے لگا تھا۔

''تمہاری ایک غلطی ایک چھوٹے سے انتقام کی وجہ سے آج ہم کہاں ہیں۔ خدا کی قسم اگر قیسم کو کچھ ہوا تو میں اپنے ہاتھوں سے تمھیں قبر میں اتاروں گا۔'' وہ زور بڑھاتا جا رہا تھا۔ براق کا سانس بند ہو رہا تھا۔

''میرے۔۔۔ پاس۔۔۔ کچھ۔۔۔ ہے۔'' وہ اٹک اٹک کر بولا۔ مہدی نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ براق بری طرح کھانسنے لگا تھا۔ مگر سبز آنکھوں والا آدمی اسے دیکھ تک نہیں رہا تھا۔ ترس اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

''ہمارے پاس کچھ ہے۔''تینوں بیک وقت بولے تھے۔مہدی تیزی سے ان کے قریب آیا۔سکرین پہ اب کچھ تصاویر تھیں۔جن میں واصف منیر اپنے باپ اور تین مردوں کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ تین مرد کوئی عام مرد نہیں تھے۔

پچھلے دنوں اٹک، پشاور، سوات، اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں ہونے والی بمباری کی ذمہ داری انہی تین لوگوں نے قبول کی تھی۔مہدی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔خبریں گردش میں تھیں کہ ان تینوں دہشت گردوں کو کسی سیاسی جماعت کے رہنما نے پناہ، اور مالی مدد دی تھی۔سکرینز کی سبز روشنی میں ساکت کھڑے براق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سیاسی جماعت واصف منیر کے باپ کی ہو گی۔

ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سن تھا۔یہ تصاویر، کسی خفیہ طریقے سے لی گئی تھیں۔اور اب انہی تصاویر کے زریعے کوئی واصف کے بھائی کو بلیک میل کر رہا تھا۔تصاویر تک رسائی واصف کے بھائی کے ای میل سے ملی تھی۔

''انہیں لیک کرو۔کیپشنز ایسے ڈالو جس سے سوال کی گنجائش نہ رہے۔مجھے آج شام تک واصف منیر برباد چاہیے۔'' اسکی آواز، اس کا لہجہ یہ وہ مہدی نہیں تھا۔یہ سفاک تھا۔اسکی آنکھیں اس وقت ترحم سے خالی تھیں۔یہ کہانی کا ہیرو تو دور ولن بھی نہ لگتا تھا۔براق تیزی سے آگے آیا۔مہدی کا ہاتھ پکڑا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا؟ یہ اس کا خاندان تباہ کر دے گا۔ملک دشمن عناصر کوئی عام بات نہیں ہوتے دیکھو دیکھو مہدی ہم سارٹ آؤٹ ---''

''اور میرے خاندان کا کیا؟''اسکی خالی کھوکھلی آواز پہ براق کہتے کہتے رکا۔

''اگر آج اور ابھی میرے پاس کوئی حل نہ ہوتا، تو میں بھی برباد ہوتا۔ قیسم بھی۔ مگر اب واصف منیر برباد ہوگا۔ جو مجھے برباد کرے گا میں اسکی نسلیں تباہ کروں گا۔ اور جو مجھے ایسا کرنے سے روکے گا، وہ میرا دوست نہیں۔'' اسکا فیصلہ اٹل تھا۔

اگلے چند لمحات سلوموشن میں گزرے۔ براق اسے ایک کال ریکارڈنگ دے رہا تھا جس میں واصف بار بار اس سے قیسم کو دھوکہ دینے کو کہہ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ واصف اور براق ایک ٹیم بن سکتے ہیں۔ ساتھ اس نے قیسم کے چند راز اگل دیئے اور یہاں ثابت ہوا وہ دھوکے باز، فراڈ۔

تصاویر میڈیا پہ گردش کرنے لگی تھیں۔ اور چند گھنٹوں کے اندر اندر ملک کے کونے کونے میں پھیل گئیں۔ پورے ملک میں ایک انتشار سا پھیل گیا تھا۔ واصف منیر کو اس کے باپ سمیت اریسٹ کر لیا گیا تھا۔

دنیا جان نہ سکی یہ کیا ہو گیا۔ واصف منیر چند گھنٹوں کے اندر بہت کچھ کھو چکا تھا۔ انسٹا گرام، فیسبک ٹوئیٹر پہ دھوم سی مچ گئی تھی۔ چند گھنٹوں بعد قیسم وکٹم تھا۔ وہ جسے واصف منیر برباد کرنا چاہتا تھا مگر وہ بچا لی گئی۔ مہدی کے موبائل پہ قیس کی ڈیڑھ سو سے زائد کالز لگی تھیں، مگر وہ ایک بھی نہیں اٹھا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے نوٹوں کے ڈھیر دے کر ان تین لڑکوں کو روانہ کیا۔ سب بچ گیا تھا۔ مگر مہدی کے اندر کا انسان نہیں۔ سیکورٹی روم کے صوفے پہ وہ دھیرے دھیرے بیٹھتا چلا گیا۔ براق گردن جھکائے اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ مہدی کا چہرہ سفید تھا۔ جسم کانپ رہا تھا۔

''یہ تم نے کیا کیا، مہدی؟'' براق شاکڈ تھا۔

"میں لوگوں کی فیری ٹیل کا ہیرو تھا۔" اسکی آواز میں صدیوں کی تکان تھی۔ "آج میں ولن سے بھی زیادہ برا بن گیا ہوں۔" اس نے گردن صوفے کی پشت پہ گرادی۔

"میری فیری ٹیل برباد ہوگئی، براق۔ مہدی کمبیر نے اپنی sanity کھودی۔" اسکی آنکھ سے ایک قطرہ بہہ کر کنپٹی میں جذب ہوا۔

وہ آج ہار گیا تھا۔ اپنے اندر کے شر سے۔

تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی میں تھا۔ پھر اس نے خود کو کمبیر محل میں قدم رکھتے دیکھا۔ بختیار، مقصود، انیسہ سب اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے قیس کمبیر کے کمرے میں آیا۔ کمرے میں آکر اس نے جوتے اتارے، کوٹ اتار کر دور پھینکا، میز کی دراز سے گولیوں کی شیشی نکالی اور بغیر پانی کے پھانک لی۔

بیڈ پہ چت لیٹے ہوئے اسکی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوئے، پھر آنسو ٹوٹ کر بالوں میں جذب ہوئے رفتہ رفتہ اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ گھپ اندھیرا۔ غاروں جیسا اندھیرا۔

"اگلا دن۔"

ایک دن صرف اور صرف ایک دن کے اندر چند تصاویر نے ملک کے اندر ہلچل مچادی تھی۔ کمرے میں بیڈ پہ غنودگی میں لیٹے مہدی کمبیر کا موبائل زور زور سے بج بج کر خاموش ہوا جاتا تھا۔

کافی دیر بعد اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر موبائل دیکھا۔ ”گارجین۔“ کالنگ۔ بھاری ہوتے سر کے ساتھ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ موبائل کان سے لگایا۔

”یہ آپ نے کیا ہے ناں؟“ اسکی آواز میں ملامت، تاسف، دکھ کچھ نہیں تھا۔ ”میں جانتی ہوں یہ آپ نے کیا ہے۔“

”مجھ پہ ہنسنے کے لئے کال کی ہے؟“ وہ سپاٹ انداز میں بولا۔

”نہیں حقیقت کا آئینہ دکھانے کے لئے۔“ وہ ہسپتال کے باہر جانے والے والی راہداری میں تھی۔ حاکم نواب کا آپریشن کامیاب ہوا تھا۔ آج اسکی واپسی تھی۔

”جب آپ، قیس اور میرے اندر کیڑے نکالتے تھے، تب مجھے بہت برا لگتا تھا لیکن آج آپ بھی ہم جیسے سیاہ ہو گئے ہیں۔ میں جج نہیں کر رہی۔ لیکن حقیقت یہی ہے۔ جب کوئی آپ کو تباہ کرنا چاہتا ہے تب آپ کے پاس ایک ہی آپشن ہوتا ہے اسے تباہ کر دو۔ یہ کسی ولن کا کام نہیں، یہ انسان کا کام ہے۔ ہر انسان یہی کرتا ہے۔“ وہ رکی، مہدی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

”اگر آپ کو حل چاہیے تھے تو مجھے کال کر لیتے۔“

دوسری طرف مہدی زور سے ہنس پڑا تھا۔ ”تمھارے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔ قیس کے پاس بھی۔ مرے پاس ہمیشہ بس دو آپشن ہوتے ہیں۔ یا مر جاؤ۔ یا مار دو۔ اور مہدی نے ہمیشہ مار دینے کو چنا ہے۔“

''اب آپ ٹھیک ہیں؟'' یہ خیال نہیں تجسس تھا۔ مہدی نے گہری سانس لی۔ جواب نہیں دے سکا۔ زینیا اب کے نرم پڑی۔

''مہدی کمبیر میری ایک بات آج غور سے سنیں۔ کوئی بھی انسان عظیم نہیں ہوتا۔ ہر انسان کے اندر اچھائی اور برائی ہوتی ہے۔ غالب وہی جذبہ آتا ہے جو ہمیں فیسینیٹ کرے۔ آپ پہ برائی کبھی غالب نہیں آسکتی۔''

''آچکی ہے، زینیا۔ میں ایک آدمی کو تباہ کر چکا ہوں۔''۔ اسے ملال ہوا۔

''کیونکہ اس نے آپ کو تباہ کرنا چاہا۔ میں نہیں جانتی اس کے پاس کیا تھا اس نے آپ سے کیا کہا۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ مہدی کمبیر کبھی کسی انسان کے ساتھ ظلم نہیں کر سکتا۔ آپ نے جو کیا خود کو بچانے کے لئے کیا ہوگا۔ خود کو گلٹ میں ماریں مت۔''

''مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں یہ نہیں بھول سکتا۔ میرا دل یہ ماننے کو راضی نہیں مگر ایک بات کہوں؟'' اسکی آنکھیں غیر انسانی ہوئیں۔ چہرے سے ہر تاثر غائب ہوا۔

''مجھے کوئی پچھتاوا نہیں۔ اگر دس بار موقع ملا تو میں دس بار یہی کروں گا۔ اگر اس نے سو بار میرے خاندان کو میلی آنکھ سے دیکھا تو میں سو بار اسکی آنکھیں نکالوں گا۔ میں سرمئی نہیں ہوں، اگر کوئی میرے کاروبار، خاندان یا پھر مجھ پہ ناحق حملہ کرے گا۔ تو میں سیاہ ہوں۔ صرف اور صرف سیاہ۔''

''ویلکم ٹو دی گینگ۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ شیطانی مسکراہٹ۔ مہدی نے بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔ اسی پل اس کے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ بکھرے بال، سلوٹ زدہ کوٹ اور میں شاک لئے قیس اندر آیا۔ مہدی کو دیکھ اس کے گلے میں ایک گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

اس کے قدم جامد ہو گئے۔

اسے یقین نہیں آیا، اسے آج پہلی دفع ان سبز آنکھوں سے نفرت نہیں ہوئی۔ آج پہلی مرتبہ اسے مہدی سے خون کی خوشبو آئی تھی۔ کوئی اس کے دل کو تیز دھار برچھی سے چیر رہا تھا۔ اسکا بھائی۔ اسکا مہدی ایسے کیسے کر سکتا تھا؟ وہ بچپن سے اسکی حفاظت کرتا آیا تھا، مگر اس نے مہدی کو کبھی میدان میں نہیں چھوڑا تھا۔

مہدی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ قیس چھوٹے چھوٹے قدم لیتا آگے آیا۔ اور مہدی کے عین سامنے آکر رکا۔ اسکی آنکھیں اب بھی بے یقین تھیں۔

''یہ تم نے کیا کیا، مہدی؟'' وہ دھیرے سے اس کے پاس آکر بیٹھا۔

''یہ تم نہیں ہو۔ یہ تم نے کیا کر دیا؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر مہدی کے کندھے پہ رکھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا اس خاندان کے لئے ابلیس قیس کمبیر بنے گا۔ میں نے کہا تھا ناں؟'' بے بسی، ہاں اب اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''قیسم میرے کندھوں پہ کھڑا تھا۔ تمھیں اس کا بوجھ اپنے سر لینے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تم سے کہا تھا تم سب صاف رہو گے۔ کوئی برا بنے گا تو وہ قیس کمبیر ہو گا۔ میں نے کہا تھا ناں؟'' غصہ، اب اسے غصہ آیا تھا۔ اگر مہدی ان سب کی درمیان پھنس جاتا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ کیا کرتا۔ ساری نفرت ایک طرف مگر ان سبز آنکھوں کو بند ہوتے دیکھنا اس کے لئے ازیت کی انتہا ہوتی۔

''تم سے کس نے کہا تھا خود کو ان سب میں انوالو کرو۔'' قیس پوری قوت سے چیخا۔

''مجھ سے میرے خون نے کہا تھا۔'' مہدی اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخ پڑا۔

''تم لوگ مجھے outcast سمجھتے ہو۔ تم مجھے میرا مقام میرا رتبہ نہیں دیتے۔ میری سبز آنکھوں کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے ہو لیکن تم سب نے کبھی اس سرخ خون پہ غور نہیں کیا جو تم سے ملتا ہے۔'' اسکی آنکھیں گیلی ہو رہی تھی۔ گردن کی نسیں ابھر آئی تھیں۔

''میں نے وہ کیا جو زمان کمبیر کرتا۔ میں نے وہ کیا جو سرور کمبیر کرتا اور وہ بھی جو قیس کمبیر کرتا۔ میں اس کاروبار کو ڈوبنے نہیں دے سکتا تھا جسے تمھارے اور میرے باپ نے کھڑا کیا تھا۔ میں اسے یہ اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ تمھیں گرائے۔ کوئی تمھیں گرائے گا تو مہدی کمبیر انہیں چلنے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔''

''اور، مہدی کمبیر ایسا کیوں کرے گا؟''۔ اس سوال پہ مہدی چند پل خاموش ہو گیا۔ قیس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے چند الفاظ کہے تھے۔

''کیونکہ تم میرے بھائی ہو۔'' زندگی میں پہلی بار قیس کمبیر کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ ٹکر ٹکر مہدی کا چہرہ دیکھے گیا۔

''لیکن تم تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ سمجھتے رہو۔ میں اپنا فرض نبھاؤں گا تم اپنا۔ تمھیں لگا ہو گا کہ میں تمہارا کاروبار ڈبو دوں گا میں قیسم کو برباد کر دوں گا۔۔۔"

''مجھے ایسا نہیں لگا۔'' وقت تھم گیا۔ ''کل رات سے ایک بھی دفع مجھے ایسا نہیں لگا کہ تم قیسم کو نہیں سنبھال سکتے، کیونکہ کل رات سے ایک دفع بھی مجھے قیسم کا خیال نہیں آیا۔ مجھے تمہارا خیال تھا، مہدی۔

"میں قیسم کے لئے نہیں، میں تمھارے لئے واپس آیا ہوں۔'' اسکی آنکھیں ان میں آج سرخی تھی۔ بے قراری بھی۔ مہدی شل سا اسے دیکھے گیا۔

''میں ایسے دس ہزار قیسم کھڑے کر سکتا ہوں، لیکن میں اپنا خاندان واپس نہیں لا سکتا۔ اگر زندگی میں کبھی مجھے کاروبار، یا خاندان میں سے ایک چیز چننے کو کہا گیا تو تمھیں چنوں گا۔''

''اور، قیس کمبیر ایسا کیوں کرے گا؟''

قیس نے اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں میں سوال لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ تم میرے بھائی ہو۔''

الفاظ مہدی کے دل پہ شبنم کے قطرے بن کر گرے۔ کل رات کی ساری ریاضتیں ٹھکانے لگیں۔ کمبیر محل سے خوف کے سائے دور ہوئے، اور ٹھنڈی چھاؤں نے اپنے پر پھیلا لئے۔

''ایک ہفتہ بعد۔''

''ہیلو، زینیا حاکم۔''

''ہیلو، مہدی کمبیر۔''

قیسم کے داخلی دروازوں سے داخل ہوتے، دو لوگوں نے ایک دوسرے پہ سلامتی بھیجی۔ ماڈرن سلامتی۔ کندھے پہ بیگ ٹکائے تیز تیز قدم لیتی زینیا حاکم عجلت میں لگتی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ چلتا مست ملنگ مہدی، بھلا اسے کس بات کی جلدی ہونی تھی؟

''ایک بات بتاؤ، زینیا۔ میں نے تمھیں اتنی بڑی فیور دی ہے تم اس کے بدلے مجھے کیا دو گی؟'' لفٹ کے دروازے پہ ٹھہر کر زینیا نے غور سے اسے دیکھا۔ اور اسکی فیور یاد کرنے لگی۔

''میرا مطلب ہے وہ مہدی جس کے لئے لڑکیاں منت کے دھاگے باندھتی ہیں، وہ تمھیں مفت مل گیا۔ نقصان تو میرا ہوا ہے ناں۔ ظاہر ہے تم کبھی مجھے اپنا سرتاج مانو گی نہیں، اور مجھے دوسری شادی کرنی پڑے گی۔'' لفٹ کا دروازہ کھلا۔ ورکرز باہر نکل رہے تھے۔ لفٹ خالی ہوئی تو وہ دونوں اندر سوار ہوئے۔ صد شکر لفٹ خالی تھی۔

''اب جو بھی ہو، ایک بار نکاح نامہ سائن کرنے کے بعد میں تو پہلے جیسا نہیں رہا ناں۔ مجھ پہ بٹہ تو لگ گیا ناں۔''

''کاش وہ بٹا لوہے کو پگھلا کر آپ کے ماتھے پہ لگایا جاتا۔'' زینیا نے لفٹ کے بٹن دباتے ہوئے کہا۔

''اب یہاں میں نہیں کہہ سکتا۔ "ملکہ کا شوق سلامت ماتھے اور بہت۔ کبھی کبھی تم بہت زیادتی کر جاتی ہو میرے ساتھ۔'' وہ خفا ہوا۔

''کہیے گا بھی مت۔ ورنہ یہ ملکہ اپنے شوق جتنی جلدی ہو سکے پورے کرتی ہے۔'' وہ جتا کر بولی۔ مہدی نے بے اختیار اپنے ماتھے کو چھوا، پھر جھرجھری سی لی۔

''تم بہت ہی چالاکی سے موضوع بدل رہی ہو لیکن میں بدلنے نہیں دوں گا۔ بتاؤ تم مجھے کیا گفٹ دو گی۔'' زینیا نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔

''میں کوئی امیر تھوڑی ناں ہوں۔ قیسم میں اب بھی انڈر ٹریننگ ہوں۔ اور جب تک یہ ٹریننگ مکمل نہیں ہو جاتی کوئی خاص تنخواہ نہیں ملے گی۔''

''قیسم کی بات کر کون رہا ہے۔'' لوہے کے پٹ آپس میں جدا ہوئے۔ مہدی اور زینیا ایک ساتھ باہر آئے۔

''میری نظریں تو ان پیسوں پہ ہیں جو تم سی ایس ایس کے بعد کماؤ گی۔'' زینیا نے ماربل کے فرش پہ باقاعدہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ میرے پیسے پہ کس حساب سے نظریں جما کر بیٹھے ہیں؟'' ابرو اٹھا کر تندہی سے سوال کیا۔

''آہ۔۔بے وقوف عورت۔ تم اس پیسے سے میرا ورلڈ ٹور اسپانسر کرنا۔ ہم دونوں ایک ساتھ کاروبار کریں گے۔'' وہ دونوں ایک بار پھر راہداری میں چلنے لگے تھے۔

''پھر کیا خیال ہے تم میرا ورلڈ ٹور اسپانسر کرو گی۔؟''

''ورلڈ ٹور نہیں، ہاں البتہ ناران کاغان ٹور ضرور اسپانسر کر سکتی ہوں۔'' وہ چلتے چلتے رکی۔

''ویسے بھی ٹور تو ٹور ہوتا ہے، چاہے ناران کا ہو، چاہے ناروے کا۔'' مہدی صدمے سے اسے دیکھے گیا۔ پھر غصے سے اپنی جیب سے چند سکے نکال کر اس کے ہاتھ پہ رکھے۔

''یہ رکھ لو، بہت غریب ہو کام آئیں گے۔'' جل کر کہتا وہ جانے کو مڑا۔ زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔

''تھینکیو سوچ اس سے ایک چائے کا کپ ضرور آجائے گا۔''

''پانچ روپے کا چوہامار بھی خرید لو۔ پی کر اللہ کو پیاری ہو جانا۔''

''اس کے پیسے تو دیتے جائیں۔'' زینیا نے ہانک لگائی۔

''کسی کھوکھے والے سے ادھار کروالو، اور وارثین کے خانے میں میرا نام درج کروانا۔ تمھارے مرنے کے بعد میں پیسے دے دوں گا۔'' وہ تو جل بھن ہی گیا تھا۔ زینیا مسکرا کر سر جھٹکتے آگے بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ قیس کے آفس میں بیٹھی تھی۔ کچھ تصاویر کے مختلف رنگوں میں نکلے پرنٹ آؤٹس اسے دکھاتے ہوئے وہ مصروف لگ رہی تھی۔ قیس البتہ آج مختلف موڈ میں تھا۔

''ایک بھی پرنٹ اچھا نہیں آیا۔ انکو دوبارہ پرنٹ کروا کر لاؤ۔'' رائے بہادر صاحب نے حکم دیا۔

''لیکن یہ سب۔۔۔''

''مجھے وہ اسنیک پیک والا آئیڈیا اب سمجھ آیا ہے۔'' اسکی بات پوری ہونے سے قبل وہ بول اٹھا۔ ''اس پہ کام شروع کر دو۔ دو دن میں مجھے یہ کام مکمل چاہیے۔''

''لیکن میں کیسے کام شروع کر دوں؟ مجھے ویڈیو گرافی نہیں آتی۔ میں صرف تصاویر کھینچ کر سکتی ہوں۔'' زینیا روہانسی ہوئی۔ چند منٹ قبل مہدی کے ساتھ کھڑی ہنستی ہوئی زینیا کوئی اور تھی۔

''تم یہاں کس لئے ہو، مس حاکم؟'' وہ ٹھنڈے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''تم یہاں انڈر کورس ہو، اس لئے سیکھو۔ جو نہیں آتا اسے سیکھو۔ تم مجھے مشورے دینے کی لئے ہو، یہ یاد ہے۔ مگر تم میری ماتحت ہو یہ مت بھولو۔''

''لیکن میں نے ایسا کیا کیا ہے؟ میں نے تو تم سے کچھ بھی نہیں کہا۔ آخر تم کونسی بات کہاں لے کر جا رہے ہو۔'' زینیا کو سمجھ نہ آیا آخر اس آدمی کو ہوا کیا تھا۔

''تم کتنی بحث کرنے لگی ہو۔ اس ایٹیٹیوڈ کے ساتھ جابز نہیں چلتیں، مس حاکم۔''۔

''آپ چاہتے کیا ہیں سر؟ ایک ہی بار بتا دیں۔ جواب نہ دوں تو آپ کو ایٹیٹیوڈ لگتا ہے۔ دیتی ہوں تو بدتمیزی۔''

''فلحال مجھے صرف اتنا چاہیے کہ آپ اپنے اوپر اور قیسم کے معملات پہ کام کریں۔ سستی اور کاہلی چھوڑ دیں۔ جائیں دوسرے پرنٹ آؤٹس نکال کر لائیں۔'' وہ ہاتھ جھلا کر بولا۔ زینیا نے کاٹ دار نظروں سے دیکھا۔ سارے کاغذات سمیٹے اور۔

''شیور سر جو آپ کہیں۔'' ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتی وہ دروازے کی جانب بڑھی۔ اسی پل حدیبیہ کافی اور چائے کے مگ لئے اندر داخل ہوئی۔ زینیا نے ٹھہر کر اپنا کپ اٹھانا چاہا مگر قیس کی آواز پہ رک گئی۔

''مس، زینیا حاکم چائے نہیں پیئیں گی۔ ویسے ہی زیادہ چینی لینے کی وجہ سے ان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔'' زینیا کے تو سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ وہ باہر نکلی دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ مارا، اتنا کہ حدیبیہ اچھل کر کھڑی ہوئی۔ اور قیس وہ ڈھیٹ اپنے کارنامے پہ ہنس پڑا۔ حدیبیہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''سر؟ کیا وہ لڑکی آگئی ہے جو دروازہ منہ پہ مارنے کے انداز میں مارے پھر بھی بری نہ لگے؟'' قیس پر اسرار سا مسکرایا۔ گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ اور دھیرے سے کہا۔

''لگتا تو یہی ہے۔''

''کیا لگتا ہے؟'' اسے جاننے کا جنون ہوا۔ قیس مسکرایا۔

''یہی کہ مجھے مردوں کے جھرمٹ میں ایک حقیقی عورت مل گئی ہے۔''

حدیبیہ چہرے پہ ہاتھ رکھے پیچھے کو ہوئی۔ آنکھیں گول انداز میں گھوم گئیں۔ اس پہر اس پل کہانی نے رخ بدلا تھا۔ یا پھر اصل رخ دکھایا تھا؟

کہانی ایک تکون تھی۔

جو سبز آنکھوں سے غیر مشروط فائدے دلاتی تھی۔

ملکہ بد کو مجبور کرتی تھی کہ وہ پتھر کو موم کرے۔

اور سیاہ آنکھوں والے سفاک شخص سے ہمدردی کی بنیاد بنواتی تھی۔

ہاں کہانی ایک تکون تھی۔ جو ان تینوں کو جوڑنے، توڑنے، بسمل بنانے کے لئے لکھی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

"باب دہم: کرو تم خود کو معاف!"

تم جو کہتے ہو کیا تم نے فلاں کو معاف، مانگی تم نے فلاں سے معافی۔

جو نہ گراں گزرے تو مجھ کو بتلاؤ ایک بات، کیا تم نے کیا ہے کبھی خود کو معاف؟

ہے حیرت کیسی تمھارے چہرے پہ کیا جانتے نہیں خود کو معاف کرنے کے اوصاف۔

آؤ بتلاؤں میں، بیٹھو جتلاؤں میں، خود کو معاف کرنا ہے دنیا کا سب سے مشکل، سب سے اہم کام۔

کرو تم خود کو معاف، کہ غلط انسان پہ کیا اعتبار، کہ تم نے اغیار کو دیا خود پہ اختیار۔

تھے تم کبھی بے عقل، اور بنے تم بے وقار۔ ہو گر پڑے اب تخت سے مگر کبھی تھے شہسوار۔

کیا ہے ظلم، اپنی جان جذبات ساتھ، جو اگر سوچو تو تم ہو اپنے لئے سب بڑے کزاب۔

عزیز من کرو تم خود کو معاف کہ جوانی رہی تمھارے ساتھ غیر انصاف۔

دوستوں کی سہی بے رخی، محبتیں نبھا نبھا کر کمر جھکی۔

کرو تم خود کو معاف، تھا مقدر میں یہ ٹوٹا دل، درد کے ماہ و سال۔

ڈھنڈورا پیٹو گے کب تلک، دوگے خود کو کب تک عذاب؟

کرو تم خود کو معاف کہ یہی ہیں، تمہارے سکون کی ضمانت، امیدوں کے سورج کا ابھرتا آفتاب۔

سفید رنگ میں ڈوبے اس عالیشان گھر کے اندر کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ منظر پہ لگی بتیوں کی وجہ سے وہ گھر دیکھنے والوں پہ رعب ساطاری کرتا تھا۔ گھر کے اندر آؤ تو لاؤنج کے صوفے پہ کوئی عورت بیٹھی تھی۔ گود میں ایک کاغذ رکھا تھا۔ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ ہلکی سی زرد روشنیوں میں اسکا سراپا نظر آتا تھا۔ سیاہ رنگ کے سلک نائٹ سوٹ میں ملبوس، ناک کی بالی اس پہر دمک رہی تھی۔ اسکی آنکھوں کے آگے مناظر ٹوٹے بکھرے تھے۔ سنہری آنکھوں والی عورت کے ساتھ ماضی کا سفر طے کرو تو کہانی اپنے اوراق پلٹ کر وقت کی دبیز تہوں میں لپٹے کئی مدفن راز کھولنے کو بے تاب تھی۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میرہ کی یونیورسٹی ختم ہوگئی تھی۔ اور ان دنوں وہ جاب کی تلاش میں تھی۔ یہ وہی دن تھے جب قیسم کو بخت لگنے لگا تھا۔ اور کمبیر خاندان کے بگڑے معملات بلآخر ڈگر پہ آنے لگے تھے۔

منظر ایک کیفے کا ہے۔انگریزی طرز پہ بنے اس کیفے کی دیواروں پہ مختلف پینٹنگز سجی تھیں۔خوابناک سے ماحول میں دونفوس کی طرف آؤ تو میرہ سرور کمبیر کے سامنے محب ملک بیٹھا تھا۔میرہ کے چہرے کے آگے موبائل تھا اور چہرہ سفید پڑرہا تھا۔محب ملک کی آنکھوں میں محظوظ کن سا تاثر تھا۔میرہ کے کندھے سے جھانک کر سکرین دیکھو تو وہاں ایک منظر تھا۔

فارم ہاؤس کے لان میں کئی لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں گلاس لئے کھڑے تھے۔انہی میں سے ایک میرہ کمبیر بھی تھی۔جسے بیرہ ایک گلاس تھما رہا تھا۔میرہ نے مسکراتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا گلاس لے لیا۔ہاتھ سے کندھے تک آتے چھوٹے بالوں کو پیچھے کیا۔اور سامنے سے آتے محب کو دیکھا۔کچھ عرصہ ہوا تھا کہ وہ محب سے دور رہنے لگی تھی۔اسکے پرپوز کرنے، میرہ کے انکار کرنے کے بعد کچھ تھا جو انکے درمیان آگیا تھا۔وہ میرہ کے قریب آکر رکا تو دونوں کے درمیان مضمحل سی خاموشی چھا گئی۔

''میں ''**ناں**'' سمجھتا ہوں، میرہ۔''کافی دیر بعد محب نے بات کا آغاز کیا۔

''ہمارے درمیان اگر کچھ ہوگا تو تمہاری رضامندی سے۔اور اگر نہیں تو یہ دنیا ختم ہو جانے والی بات نہیں۔''میرہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔کیا وہ سچ کہہ رہا تھا؟''میں جذبات کا اظہار کر دینے والا انسان ہوں۔تمھارے لئے دل میں جو تھا کہہ دیا۔تم نے انکار کر دیا اب موو آن۔''وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تم اچھے ہو، محب بہت اچھے۔لیکن میں ایک برے فیز میں ہوں۔دنیا میں میرے لئے اگر کوئی سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو وہ میرے دونوں بھائی ہیں۔میرے خاندان کے متعلق تم جانتے ہو۔ہم ایک ٹریجڈی سے گزرے ہیں۔ اور اب جب سب صحیح ہو رہا ہے تو میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔تم سمجھ رہے ہو ناں؟''

محب نے سر ہلا دیا۔اور میرہ کو دیکھ ہلکا سا مسکرایا۔ میرہ کے دل سے بوجھ اترنے لگا۔اس کے بعد اس نے محب کے ہاتھ سے گلاس لیا تھا۔اس کے بعد وہ چند پل اسکے ساتھ کھڑی رہی آگے اسے کچھ یاد نہیں آ سکا۔اور اب حال میں وہ چہرے پہ دہشت لئے سکرین کو تک رہی تھی۔

اسی سیاہ رنگ کی میکسی میں ملبوس وہ ہوش و خرد سے بے گانہ گاڑی کی پچھلی نشست پہ لیٹی تھی۔اور محب اس پہ جھکا ہوا تھا۔ تصاویر کچھ اس انداز سے لی گئی تھیں کہ محب کا نیم رخ نظر آتا تھا مگر میرہ کا پورا چہرہ واضح تھا۔موبائل پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑی۔وہ بے جان سی پیچھے کو ہوئی۔آس پاس دھماکے ہونے لگے تھے۔

''دو سال میرہ۔۔۔۔۔۔۔دو سال میں تمھارے آگے پیچھے گھومتا رہا۔دو سال تم نے مجھے گرین سگنل دیئے۔اور اب تمہیں لگا تم مجھے محب ملک کو انکار کرو گی؟میں نے اپنی زندگی میں کبھی انکار نہیں سنا۔دنیا میری غلام رہی ہے۔'' چبا چبا کر کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا۔

''تم میرے لئے میری ملکیت جیسی ہو۔جس عورت پہ میری نظر پڑی ہو تمہیں لگتا ہے میں اسے کسی اور کا ہونے دوں گا؟''

میرہ اپنی جگہ سے اٹھی۔آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔وہ کیسے دھوکہ کھا گئی؟اتنے سالوں کی دوستی میں اسے کیسے معلوم نہ ہو سکا کہ محب نارسسسٹ ہے۔

''ایک ہفتے کے اندر اگر جواب ہاں میں نہ آیا تو یہ ویڈیو اور تصاویر پورے سوشل میڈیا پہ گردش کریں گی۔'' وہ بیگ میں اپنا سامان ڈال رہی تھی۔سانس رک رہا تھا۔دل بند ہو رہا تھا۔وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''ویسے ان دنوں تمہارا خاندان کوئی نیا اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا یاد رکھنا۔'' وہ اسے نہیں سن رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم لیتی اس کیفے سے باہر نکل گئی۔ اسے لگا کیفے اسکا دم گھونٹ رہا تھا۔ مگر باہر آکر اسے معلوم ہوا اسکی گردن ایسی رسی میں جکڑی جا چکی ہے جو جگہ بدل لینے سے غائب نہیں ہو جائے گی۔ سانس اب بھی رک رہا تھا۔

چار دن گزر چکے تھے۔ پورے چار دن۔ مگر میرہ سرور اب بھی اس کیفے والی ملاقات کے زیر اثر تھی۔ اس وقت اسکے کمرے میں اسکی ایک دوست بھی موجود تھی جو اس پہ برس رہی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے، میرہ؟'' وہ کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔ ''ایک ہراسر، بلیک میلر اور نار سسٹ سے شادی کا انجام جانتی ہو؟''

''کم از کم وہ شادی تو کر رہا ہے۔ ورنہ اگر وہ ویڈیو لیک ہوئی تو، میرہ سرور کمبیر پہ کوئی مرد تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔'' زرد چہرے کے ساتھ اس نے اپنا مذاق اڑایا۔

''تو تم کسی مرد سے کچھ بھی کیوں چاہتی ہو؟ عزت ذلت، شادی، سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک مرد کے ہاتھوں بلیک میل ہونا، اور پھر اسی سے شادی کرنا یہ بے وقوفی ہے۔''

''مجھے میرے خاندان کو بچانے کے لئے یہ سب کرنا ہوگا۔'' اسکی دلیل کمزور تھی۔

لڑکی چکر کاٹتے ہوئے رکی اور دھیرے سے اسکے پاس آکر بیٹھی۔ میرہ کے ٹھنڈے برف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ ''مجھے نہیں پتہ، میرہ شادیاں کیوں کی جاتی ہیں۔ لیکن کسی قسم کی امارات، مفادات کی خاطر نہیں کی جاتیں۔''

''سمجھوتے؟ وہ تو ذاتی مفاد کی خاطر کیے جا سکتے ہیں ناں؟''

''سمجھوتے زیادہ دیر نہیں چلتے۔'' سنہری آنکھوں کو خبردار کیا گیا۔ ''اسکا مسئلہ کیا ہے جانتی ہو؟ وہ ان مردوں میں سے ہے جو ناں کو انا سمجھتے ہیں۔ تمہیں لگتا ہے اس ویڈیو کے دب جانے سے مسئلہ ختم ہو جائے گا؟ حالانکہ مسئلہ اب سے شروع ہوگا۔'' فکرمندی سے اپنی دوست کو دیکھا۔

''یہ شروعات ہے ایک خراب شادی کی۔ وہ ہر بات میں حاکمیت چاہے گا۔ وہ ہر چھوٹی چھوٹی بات کا بتنگڑ بنائے گا۔ ہر ناں کو انا سمجھے گا۔ اول تو وہ زبان سے سمجھائے گا۔ مگر کچھ مردوں کی انا اتنی اونچی ہو جاتی ہے کہ وہ خود کو ناں کہنے والی عورت سے کسی بھی طرح ہاں کہلوانا چاہتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ زیادہ دیر نہیں چلے گا، میرہ۔''

''میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے۔ اب جو ہے یہی ہے۔'' میرہ فیصلہ کر چکی تھی۔

کہانی میرہ سرور کی محب ملک سے شادی کی داستان پہلے ہی بیان کر چکی ہے حال میں واپس آؤ تو کمبیر محل، کیفے غائب ہو چکا تھا۔ حال میں صوفے پہ بیٹھی میرہ کمبیر کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ کھڑکی سے آتی ہلکی سی روشنی میں اسکے چہرے پہ تھپڑ کے واضح نشان نظر آتے تھے۔ ہاتھوں میں ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ کاغذ کا وہ ٹکڑا میرہ سرور کمبیر کی پریگنینسی رپورٹ تھا۔ دوسرا بچہ۔ کیا وہ پہلے بچے کی درست پرورش کر سکی تھی؟

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' چوکھٹ پہ کھڑے محب کی آواز میں ناگواری تھی۔ وہ خوشبوؤں میں رچا بسا نک سک سے تیار کسی پارٹی سے لوٹا تھا۔ رات کے اس پہر میرہ کو یہاں بیٹھے دیکھ وہ اسکی طرف آیا۔

''تم سے ہزار بار کہا ہے مجھ سے ضدمت کیا کرو۔ ہزار بار کہا ہے مجھے ناں سننا پسند نہیں ہے لیکن تم اتنی ڈھیٹ ہو کہ کچھ سمجھتی ہی نہیں۔'' وہ اسکے پاس آکر بیٹھا۔ بازو اسکے گرد پھیلایا۔

''مجھے مزید بچے نہیں چاہیئے، میرہ۔ اور یہ بات میں نے تمہیں بہت تحمل سے سمجھائی۔ لیکن کچھ عورتیں بہت ڈھیٹ ہوتی ہیں اور دیکھو کیا ہو گیا۔'' اس نے میرہ کی چہرے کو چھوا۔ انگلیوں کے صاف نشان۔ ''ہم ابارشن کروائیں گے اور تم کچھ نہیں کہو گی اوکے؟'' اس نے میرہ کو اپنے کندھے سے لگایا۔

'' دین نے عورتوں کی کچھ حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ جو عورت اپنے شوہر کی بات مانتی ہے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔ دین کی مانو، اللہ کے احکام مانو، میرہ۔''

''تم مانتے ہو دین کو؟ اللہ کے احکام کو؟'' وہ اسکے کوٹ پہ انگلی سے لکیریں کھینچ رہی تھی، آنسو خشک ہو گئے تھے۔۔ روشنی اسکے عکس پہ پڑ رہی تھی۔

''حمل ضائع کروانا اللہ کی نزدیک گناہ ہے۔ بیوی پہ بلا ضرورت، بلاوجہ ہاتھ اٹھانا اور طعنے دینا بھی غلط۔ تم بھی تو دین کو مانو ناں، محب۔'' اسے خود سے دور کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھوں میں سرخ ڈوریاں ابھر آئیں۔ میرہ اب بھی اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دین سے اپنے فائدے کے احکام نکال کر باقی ہر حکم خارج کر دیا؟'' اسکا لہجہ سادہ تھا مگر محب کو اپنے چہرے پہ تھپڑ پڑتے محسوس ہوئے۔

''تم جیسی گھٹیا عورت کے منہ ہی نہیں لگنا مجھے۔ جو میں کہوں گا اس گھر میں وہی ہو گا۔'' وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔ میرہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔ بکتے جھکتے اسے گالیاں نکالتے اسے کوستے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ رپورٹ ہاتھوں میں لئے بیٹھی رہی۔

''میں تمھارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گی۔'' معدے سے ذرا نیچے ہاتھ رکھ کر کسی کو تسلی دی گئی۔ نیم اندھیرے میں بیٹھی وہ عورت زندگی میں پہلی بار اپنے لئے کچھ کرنے والی تھی۔

''موجودہ وقت سے چند سال قبل۔''

یہ اس دن کا ذکر ہے جس دن قیس کمبیر تھانے میں تین دن گزار کر آیا تھا۔ تھانے کے باہر کھڑی گاڑی میں بختیار اسے لینے آئے تھے۔ انکے ساتھ ایک عورت بھی تھیں۔ اسناء بنت حنیف۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری کی ملکہ۔

کمبیر خاندان کے ساتھ انکے روابط گہرے تھے۔ ایف آئی آر کے باوجود کسی طرح قیس کو یہاں سے نکالنے والی وہی تھیں۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ اگلی نشست پہ اسناء براجمان تھیں، اور پچھلی نشست پہ بختیار کے ساتھ قیس۔

گاڑی زرا ہی آگے آئی ہو گی جب اسناء نے گلا کھنکھار کر بختیار کو مخاطب کیا۔

''بات شروع کریں؟'' اردو صاف تھی مگر پھر بھی عربی عنصر جھلکتا تھا۔

قیس خاموشی سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ اسکے چہرے پہ آنکھ کے نیچے نیل تھے۔ گردن کا بھی یہی حال تھا۔ سینے اور پیٹھ کی جلن الامان۔

''ان کاغذات پہ سائن کرو، عبداللہ۔''بختیار نے کچھ کاغذات اسکے گھٹنے پہ رکھ دیئے۔ قیس سیدھا ہوا، کاغذات اٹھا کر دیکھے۔ پھر نا سمجھی سے اپنے چچا کو دیکھا۔

''یہ کیا ہے؟''اس نے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھے۔

''آپ کو لگتا ہے میں یہ کاغذات سائن کر دوں گا؟''اسے بختیار کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔

''میں تمھیں سب سمجھاتا ہوں میں۔۔''

''بات کاٹنے کے لئے نو سوری۔''اسناء اس ڈرامے سے بے زار ہوئی۔ آنکھوں پہ چڑھا چشمہ انگلی سے نیچے کیا۔

''خالق حسین جان چکا ہے کہ تم،اور تمہارا خاندان اس وقت کمزور ہو اور وہ اب ٹیکسٹائل فیکٹری سے تمھارے خاندان کو مزید کوئی حصہ نہیں دینا چاہتا۔ تمہیں تین دن اس برزخ میں رکھنے والا وہی تھا۔اور سب سے اہم بات تمہاری کزن، میرہ اس وقت اسکے پاس ہے۔اغوا یو نو۔''

قیس کمبیر کے قدموں سے زمین نکل گئی تھی۔اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔

''اس بار تمھیں نکالنے کے لئے میں نے ہر داؤ کھیل لیا ہے۔ٹو بی آنسٹ اگلی بار میں کچھ نہیں کر پاؤں گی۔ایک ایف آئی آر آپ کو ملزم بناتی ہے،دوسری مجرم۔''بولتے بولتے وہ رکی۔ گردن پھیر کر عبداللہ کو دیکھا۔

''میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کاغذات کو سائن نہ کرو، لیکن میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو کر دیتی۔''اس نے چشمہ واپس چڑھالیا۔

" it's complicated"جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟وہ میرہ کو کیسے لے کر جاسکتا ہے۔"وہ غرا رہا تھا۔"ڈرائیور گاڑی موڑو۔تھانے چلو میں ابھی کے ابھی اس پہ رپورٹ درج کرواؤں گا۔"چھناکے سے ایک فسوں ٹوٹا۔

"پین؟"یک لفظی استفسار پہ بختیار چونکے۔قیس سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔وہ غراتا،چیختا قیس ایک الوژن سا تھا۔جو انکے سامنے تھا اسے تھانے کی تین راتوں نے بدل دیا تھا۔وہ اتنا کب بدلا؟

"تم جانتے ہوناں اسے سائن کرنے کا مطلب کیا ہے؟اس کے بعد میں تمھارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گی۔"اسناء کو بے چینی سی ہوئی۔قیس نے خاموش نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے تھانے سے باہر نکال کر آپ نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔میرے بابا آپ کے لئے ایسے ہزاروں کام کرتے تھے۔میری ہمدرد بننے کی کوشش مت کریں۔کیونکہ آپ نہیں ہیں۔"اس نے پین ہاتھ میں لیا۔دھڑادھڑ چند سائن کئے اور پیپرز بختیار کی طرف اچھالے۔

"خالق حسین کو فون کریں اور کہیں میرے گھر پہنچنے سے پہلے میری بہن گھر پہ ہونی چاہیے ہے۔"آخری بات اس نے اسناء کو دیکھ کر کہی تھی۔

وہ تلملا اٹھی۔"میں تمہاری قاصد نہیں ہوں,عبداللہ زمان۔"

''میں آپ کو اپنا قاصد رکھوں بھی ناں۔ خالق حسین کی قاصد تو ہیں ناں آپ؟ فون کریں شاباش۔'' اسناء نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ فون اٹھایا، اسی پل قیس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

''گاڑی روکو۔'' بختیار چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ وہ بدل چکا تھا۔ ڈرائیور نے ایک طرف گاڑی روک دی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا۔ اسناء کی جانب سے دروازہ کھولا۔

''سگنل نہیں آرہے ہوں گے ناں؟ آپ باہر نکل کر کال کریں۔'' اسناء نے ایک نظر اس اٹھارہ سالہ لڑکے کو دیکھا پھر پیچھے مڑ کر بختیار کو، وہ آنکھیں چرا گئے۔

''تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟'' ہتک سے اسکے کان سرخ ہوئے۔ وہ چھٹانگ بھر کا لڑکا اسناء بنت حنیف کی بے عزتی کرے گا؟

''باہر آئیں محترمہ۔ دو مردوں کے ہوتے ہوئے فرنٹ سیٹ پہ اچھی نہیں لگ رہیں آپ۔'' یہ اسکا اصل تھا، عورتیں اسکے لئے یہی اہمیت رکھتی تھیں۔ ''مجھ پہ احسان تو یوں تھوپ رہی ہیں جیسے مجھے آپ نے چھڑوایا ہو، کیا میں نہیں جانتا اس کے لئے آپ نے کسی مرد کی مدد لی ہو گی؟''

اسناء نے بہت کچھ ضبط کیا اور نیچے اتر آئی۔ عبداللہ زمان اپنی جگہ پہ آکر بیٹھا۔ گردن کڑا لی، کندھے اٹھے ہوئے تھے، آنکھوں میں رعونت ابھری۔ اور اس نے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کو کہا۔ وہ متذبذب ہوا مگر عبداللہ کی ایک نظر لوگوں کے جمے ہوئے خوف پگھلا دیتی تھی۔

اگلے چند پلوں میں وہ ایک بار پھر گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ پھر کچھ لمحے سلو موشن میں گزرے۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ میرہ سامنے ہی مقصود کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ رونے سے اسکی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ پھر قیس نے اسے اپنے گلے سے لگتے دیکھا۔

وہ روتے ہوئے بہت کچھ بتا رہی تھی وہ سنتا رہا۔ مقصود اس پہ چیخ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ پھر اس نے خود کو شکستہ قدم لیتے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

کمرے کی ایک طرف بنے باتھ روم میں آکر اس نے جوتے اتارے، گلے میں پہنی چین، انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ اور شاور کھول دیا۔ باتھ ٹب بھرتا چلا گیا۔ پھر قیس کمبیر نے اپنے پیر اس بھرے ہوئے ٹب میں رکھے۔ **"شڑاپ"** کی آواز آئی۔ پانی اسکی کمر تک آرہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس نے خود کو پیچھے کی طرف گرا دیا۔ شرٹ پانی سے پھڑ پھڑائی۔ اور پھر شانت ہو گئی۔ گھنگریالے بال پانی میں تیر رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کئے سانس روکے پانی کے اندر تھا۔

چند سیکنڈز سکون رہا۔ چند سیکنڈز کے بعد وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا تھا۔ چہرے پہ پانی کے ساتھ آنسوؤں کے قطرے بھی گرے۔ دونوں ہاتھ پانی میں مارتے ہوئے وہ پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔ اور وہ رو رہا تھا۔ عبداللہ زمان کے ساتھ دنیا ظالم رہی تھی۔ مسیحائی سے اسکا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ شہزادوں کی دربدری ہر ایک نے دیکھی اور پڑھی ہے۔ شہزادوں کا خالی ہاتھ رہ جانا ذلت تھی۔ اور یہ ذلت اس کے مقدر میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ چلا چلا کر روتے ہوئے وہ اپنے باپ کو پکارتا رہا۔

چند پل بعد وہ باتھ روم کے شیشے کے آگے کھڑا تھا۔ سفید گیلی ملگجی سی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اسکی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ گیلے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔۔ بٹن کھل گئے۔ اس نے شرٹ جسم سے جدا کرنی چاہی مگر پھر آنکھیں میچ لیں۔ سارے زخموں میں ایک درد سا اٹھا تھا۔ شرٹ اتارنے کے بعد وہ کتنے پل بے مقصد کھڑا رہا تھا۔

کئی لمحے وہ خالی خالی آنکھیں لئے شرٹ سے خالی جسم کو دیکھے گیا۔ نیل۔ سرخ نشان۔ خون کے دھبے۔ گندمی رنگت پہ ہر زخم ابھر ابھر کر نظر آتا تھا۔ کئی لمحے وہ ایک ایک زخم کو دیکھتا رہا پھر اس نے ٹیوب کھولی اور ساری کی ساری ہتھیلی پہ نکال لی۔ آنکھوں سے ہر تاثر جاتا رہا۔

جہاں جہاں تک اسکا ہاتھ جاتا تھا وہ درد برداشت کرتے ہوئے اس ٹیوب کو لگاتا جاتا تھا۔ گیلی شرٹ کو فرش پہ پھینکے وہ الماری کی طرف آیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ بال ایک طرف کئے۔ اور الماری کے نچلے خانے سے ایک شال نکال لی۔ اسے کھول کر کندھوں پہ پھیلاتے ہوئے اسکا آدھا چہرہ بھی اس میں ڈھک گیا۔ اسکے بابا کی خوشبو ہر اور پھیل گئی تھی۔

آنکھیں بند کئے چند پل وہ اس خوشبو کو محسوس کرتا رہا۔ آنکھوں سے چند موٹے موٹے قطرے ٹوٹ کر گرے، اور شال میں جذب ہوئے۔

اس نے آنکھیں کھولیں ہر ہر لمحہ آنکھوں کے آگے گھومنے لگا۔ وہ بیڈ کی طرف آیا۔ شال یونہی اوڑھے رکھی۔ چند لمحے یونہی بیٹھا رہا پھر دراز کھول کر ایک دوا کی شیشی نکال لی۔ بغیر پانی کے دوا پھانک کر وہ چت لیٹ گیا۔ آنکھیں چھت پہ مرکوز کر دیں۔ اور اسکی آنکھوں کے آگے تین روزہ ذلت کا ایک ایک منظر گھوم گیا۔

دوا نے تھوڑی دیر میں اثر دکھایا، آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی۔ ذہن تاریک ہوا۔ اور پھر سکوت چھا گیا۔ وہ ہر غم، فکر سے آزاد گہرے سانس لے رہا تھا۔ مگر چند گھنٹے بعد اسے اٹھنا تھا۔ حقیقت سونے سے بدل نہیں جایا کرتی۔

موجودہ دن۔

فروری کے اختتامی روز تھے۔ ساحلی پٹی پہ واقع گوادر میں اب سردیوں کے الوداع کہنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ گوادر کے شفاف سمندر کا رخ کرو تو آج وہاں رش سا تھا۔ یہ پورٹ سے ملحقہ جگہ نہیں تھی۔ وہاں تو رش نہیں بلکہ لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہ کبی سی ساحل تھا۔ وہی جس کے عقب میں پہاڑ تھے۔

رش کی طرف آؤ تو کالج یونیفارم پہنے کئی لڑکیاں مختلف اسپاٹس پہ تصاویر بنا رہی تھیں۔ کہیں کیتلی میں چائے ابل رہی تھی تو کہیں دیگچی میں کھانا بن رہا تھا۔ آج پکنک ڈے تھا۔ رش کے درمیان راستہ بناؤ، بھانت بھانت کی بولیوں کی درمیان اپنے کرداروں کی آواز پہچانو اور سمندر کے عقب میں رکھے ایک بڑے سے پتھر کی طرف آؤ تو کونج حاکم موبائل کان سے لگائے بیٹھی تھی۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسکا چہرہ شرم سے سرخ ہوتا، پھر وہ آس پاس دیکھتی۔ کئی لڑکیاں اسے دیکھ دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ مگر اسے شاید پرواہ نہیں رہی تھی۔

نامحرم کے بیچ شیطان ہوتا ہے۔ اور شیطان سب سے پہلا وار "حیا" پہ کرتا ہے۔ مرد ہو چاہے عورت اگر ان دونوں کو حیا آنے لگے تو گناہ نہ کریں، اگر انکو حیا آنے لگے تو فون پہ فحش گفتگو نہ کریں، اور اگر انکو حیا آنے لگے تو وہ خود سے بات کرنے والوں کو فحش اور

شرمناک مواد دیکھنے یا سننے کو نہ کہیں۔اللہ نے اگر مرد اور عورت کے درمیان ایک پردہ رکھا ہے تو وہ حیا کا ہے۔جسے اتار دو سب چلا جاتا ہے۔زندگی سے برکت، دل سے نور، چہرے سے معصومیت، اور زندگی کا سکون۔

پتھر پہ بیٹھی لڑکی کے دل سے حیا ختم ہو چکی تھی۔اب اسے لوگوں کی ذو معنی نظروں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔اس نے موبائل کان سے اتارا اور پتھر سے نیچے اتر آئی۔عشرت منصور ذرا سے فاصلے پہ کیتلی میں رکھی چائے ابال رہی تھی۔کونج بھی اسکے ساتھ آکر بیٹھی۔اس نے ایک دو بار عشرت کو مخاطب کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔اب کے اسکی بھنویں پر سوچ انداز میں اکٹھی ہوئیں۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' عشرت نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''میں ناراض اس کونج حاکم سے ہوتی تھی جسے میں جانتی تھی تم کون ہو؟''

کونج نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔

''پلیز اب تم اوور ڈراماٹک مت ہونا۔انسان ساری زندگی ایک ہی فیز میں نہیں رہتا۔بدلاؤ آتے رہتے ہیں۔''

عشرت نے افسوس سے گردن نفی میں ہلائی۔

''بدلاؤ ٹھیک ہوتے ہیں، سزائیں نہیں۔تم خود سے ضیغم کے چھوڑے جانے کا انتقام لے رہی ہو ناں؟'' کونج جہاں تھی وہیں سن رہ گئی۔

''اس نے تمہیں چھوڑا کیونکہ تم دونوں کے درمیان مسائل تھے، غلط فہمیاں تھیں کبھی جاننے کی کوشش کی تھی کیوں تھے؟'' کونج کچھ نہ بولی۔

''حرام چاہے جتنا بھی خوبصورت ہو، خاموش نہیں ہو سکتا۔ حرام میں شور ہوتا ہے بہت زیادہ شور۔ محرومیوں کا شور، انسکیورٹیز کا شور، طعنے، طنز، دنیا کی ذو معنی باتوں کا شور۔ دل کے ایک سفید گوشے سے اٹھتی ملامت کا شور۔ یہ شور تمھارے کانوں کو بہرا نہیں کرتا کونج؟ حرام تعلقات میں پڑا ہوا انسان بہرا ہوتا جاتا ہے۔ اس پہ اللہ کی اتری آیات اثر نہیں کرتیں، لوگوں کی نصیحت، دل کی ملامت اثر نہیں کرتی۔ لیکن اللہ بڑا کریم ہے۔ جانتی ہو کیسے؟'' کونج نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کچھ لوگوں کے لئے وہ بار بار آیات بھیجتا ہے، لوگ بھیجتا ہے۔ یہ اسکے اشارے ہیں۔ اسکی دعوت ہے۔ راہ راست پہ آنے کی دعوت۔ اور جب اللہ ایسے اشارے بھیجے تو مومن کو چاہیے کہ پلٹ آئے۔ یہ نہ ہو کہ اسکی آنکھوں کے آگے گھٹاٹوپ اندھیرا کر دیا جائے اور کانوں کو سن۔ تم سمجھ رہی ہو ناں؟'' آخر میں وہ ذرا نرمی سے بولی۔

وہ خاموش ہو گئی کونج بھی خاموشی سے اسکے پاس ریت پہ بیٹھ گئی۔ کئی لمحے بعد عشرت دوبارہ بول رہی تھی۔

''تم دونوں کا تعلق نہیں چل سکا کیونکہ غلط، غیر معیاری، اور چوری کی چیزیں زیادہ نہیں چلتیں۔ تم دونوں کا تعلق بھی یہی تھا۔ کھوٹا، چور، بے حیا۔''

کونج نے لب بھینچ لئے۔ دل ایک ہزار بار ٹوٹ کر جڑا تھا۔

''میں نے کچھ زیادہ تو نہیں مانگا تھا۔ بس تھوڑی محبت، اپنی پہچان، خود پہ تھوڑی نظریں، اور مقام کیا یہ زیادہ تھا عشی؟''

''کس سے مانگا یہ سب دنیا سے؟'' وہ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں آگ میں ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔ چہرہ پر سکون رہا۔

''تم خود سے محبت کرتی ہو؟ نہیں کیونکہ اگر کرتی ہوتی تو تم "**ناں**" کہنا سیکھتی کیونکہ جنکو خود سے محبت ہو وہ کسی کو خود کو استعمال کرنے نہیں دیتے۔اپنی پہچان مانگی دنیا سے؟

میں آج تم سے پوچھتی ہوں تم خود بتاؤ کیا ہے تمہاری پہچان۔؟تم ایک people pleaser ہو۔تمہاری کوئی پہچان ہے ہی نہیں کیونکہ تم constant ہو ہی نہیں۔ کبھی اپنی بہن کو دیکھ کر خود کو بدلتی ہو، کبھی دوستوں کو، کبھی کسی سیلیبرٹی کو۔ تمہیں خود پہ دوسروں کی نظریں چاہییں جبکہ آئینہ دیکھتے ہوئے تم خود میں نقص نکالتی ہو۔ تمہیں مقام چاہیے اور تم جانتی ہی نہیں کونسا؟ کیسا، کیا؟'' وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئ۔

''جن چیزوں کی توقع دنیا سے کرتی ہو پہلے وہ خود کرو۔ بدلاؤ سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ ضیغم نے تمہیں چھوڑا اس سے مووآن کرو۔مزید گند میں گر کر خود کو آلودہ کر کے تم خود کو سزا دے رہی ہو۔'' کونج اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ مزید اسکی بکواس نہیں سننا چاہتی تھی۔

''خود کو معاف کرو کونج۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔غلط فیصلے ہو چکے انکو بدلا نہیں جا سکتا۔ صبر کرو۔ کونج۔۔ تم۔۔۔ ضیغم۔۔ ۔۔'' وہ مزید بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر کونج دور جاتی گئ۔

حرام کے عادی لوگوں کے گرد بڑا شور رہتا ہے۔وہ بھی اس شور کی عادی ہو جائے گی، وہ ہو رہی تھی۔

''وہ شادی شدہ ہے باس،اور آپ منگنی شدہ۔''

ایک چھناکے سے آس پاس چھائی فیری ٹیل کی دیوار ٹوٹ کر گری۔ وہ دروازہ جسے ایک دھاڑ سے مارتی زینیا حاکم باہر گئی تھی، قیس نے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے گردن موڑی۔

''آپ نے مردوں کے جھرمٹ میں نکلنے سے دیر کر دی سر۔'' وہ تاسف سے بولی۔ قیس نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

''شادیاں ٹوٹ بھی سکتی ہیں، منگنیاں ختم بھی ہو سکتی ہیں۔''

حدیبیہ پلک نہ جھپک سکی۔

''یہ زندگی ہے باس۔۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی۔۔۔''

''بے وقوف عورت۔'' قیس نے ہنس کر اسکی بات کاٹی۔

''یہی بات میں تمھیں سمجھا رہا ہوں۔ یہ زندگی ہے کوئی فلم نہیں۔ یہاں کسی منگنی شدہ مرد کو یونہی کسی شادی شدہ عورت سے محبت نہیں ہو جاتی۔ میں بس مذاق کر رہا تھا۔'' اس نے دل پہ ہاتھ رکھا، اسکا ہاتھ لرز رہا تھا۔ جیسے دل کو بتا رہا ہو ہاں بلکل ایسا نہیں ہوتا۔ دل نے بھی کچھ کہا جسے قیس نے ان سنا کیا۔

''ویسے یہ کلیئرنس صرف میری طرف سے ہے۔ اس لڑکی کا مجھے نہیں پتہ۔''

حدیبیہ نے برا نہیں منایا۔ نہ اسے یہ مذاق لگا تھا۔ وہ جانچتی نظروں سے قیس کو دیکھے گئی۔

''کیا آپ کو لگتا ہے وہ یعنی، زینیا حاکم آپ میں انٹرسٹڈ ہے؟''

قیس نے ٹھوڑی کھجائی۔اور دلچپسی سے اسے دیکھا۔

''سب کچھ الگ ہے، حبیب میں خود پہلی دفع ایسی صورتحال میں نہیں پھنسا۔کئی عورتیں آئیں اور گئیں۔میں نے کسی کی طرف نہیں دیکھا لیکن یہ عورت مختلف ہے۔''اس نے کرسی گھمائی اب حدیبیہ اس کے سامنے تھی۔

''پارک میں ہزار لوگوں کے درمیان وہ میری تصاویر اتار رہی تھی۔اس کے بعد وہ اتنے سارے گھر چھوڑ ڈرگز کا بیگ لئے میرے ہی گھر چلی آئی۔اس کے بعد پارک میں ہوئی کئی ملاقاتیں، پھر قیسم کی نوکری۔میرا بلاک، میرا وائرل فوٹو شوٹ۔اور اس کے بعد یاد ہے وہ اس رات اتنی دیر میرے ساتھ بیٹھی رہی۔کون کسی ذہنی مریض کے ساتھ بیٹھتا ہے؟اور اس کے بعد جب میں نے اسے نکالنا چاہا، تم نے نوٹ کیا وہ تب بھی میرے خلاف کچھ نہیں بولی۔اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی جب میں نے اسے واپس آنے کو کہا تو اس نے میری آفر بھی قبول کرلی۔حد تو یہ تھی کہ کراچی کے سمندر پہ وہ مجھے ہنسانے کے لئے مجھے لطیفے سنارہی تھی۔

can you believe it''

اس کے پاس جیسے الفاظ ختم سے ہونے لگے۔

''اسکا شوہر اس پہ شک کرتا ہے،اور ان دونوں کے یہاں اولاد بھی نہیں۔شاید اسی وجہ سے وہ کسی اور کی طرف مائل ہو رہی ہے۔''بلاخر اس نے نتیجہ نکال لیا تھا۔حدیبیہ کو آج اس شخص سے ایک مختلف سی وائب آئی تھی۔''یہ غلط نہیں ہے،یعنی وہ میری طرف مائل ہوسکتی ہے۔''

اسے معلوم تھا قیس کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ وہ الوژن بنا رہا تھا۔ ایک ایسا الوژن جس پہ سب اعتبار کرنے لگیں، وہ وجوہات پیدا کر رہا تھا، ٹھوس دلائل دے رہا تھا۔ ایسے کہ سب کو ماننے پڑیں۔ اور ایسا وہ کب کرتا تھا؟ جب وہ کسی چیز، انسان سے آبسیسڈ ہونے لگے۔

''آپ لوگوں کے اندر وہ نہیں دیکھتے جو ان کے اندر ہوتا ہے۔ آپ وہ دیکھتے ہیں جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ جن لوگوں سے محبت کرتے ہیں ان کے اندر مماثلت ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے یہاں سے واپسی ممکن ہے، باس۔ واپس آجائیں۔ آپ اور زینیا حاکم اتنے سیاہ ہیں کہ مل کر کوئی اور رنگ نہیں بنا سکتے۔''

''اوہ کم آن، حبیب۔'' قیس جھلایا۔ ''میں بس چند حقائق بیان کر رہا تھا۔ تمھیں کیا لگتا ہے اب میں اپنی منگیتر چھوڑ کر کسی شادی شدہ لڑکی کے پیچھے جاؤں گا؟ مائے فٹ۔'' اسکا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا۔

''میں آپ کو جانتی ہوں باس۔ ایک سال دو سال سے نہیں کئی سالوں سے جانتی ہوں آپ۔۔۔۔''

''حدیبیہ'' قیس نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ ''انسان جب شیشے میں خود کو دیکھتا ہے ناں تو اسے ہر دفع ایک انوکھا احساس ہوتا ہے۔ اپنا عکس ہر کسی کو خوبصورت لگتا ہے۔ زینیا حاکم میرا عکس ہے۔ وہ میرے جیسی ہے۔ مجھے اس کے اندر مزید مماثلت دیکھنے کی چاہ ہو سکتی ہے، میں اس سے آبسیسڈ ہو سکتا ہوں، میں اس سے متاثر بھی ہو سکتا ہوں۔ لیکن کوئی بھی انسان اپنے عکس کو اپنے پہلو میں لے کر نہیں چل سکتا۔ ورنہ وہ خود پس منظر میں چلا جائے گا۔ اور میں صرف اکیلا بلندیوں کا سفر کرنا جانتا ہوں سو۔۔'' اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی، بازو سینے پہ باندھ لئے۔

''میری طرف سے بے فکر رہو۔کچھ نہیں ہو گا۔کچھ۔۔بھی۔۔نہیں۔۔۔''اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

''ایک زن بیزار کوایک عورت سے محبت نہیں ہوسکتی۔''وہ مسکرا کر بولا تو حدیبیہ بھی پھیکا سا مسکرائی۔

''ایک زن بیزار کوایک عورت سے محبت نہیں ہوسکتی۔''اس نے دہرایا۔

قیس واپس اپنے کام پہ جھک گیا تھا۔دس منٹ بعد اسے ایک میٹنگ کے لئے نکلنا تھا،ڈیڑھ گھنٹہ بعد ایک آفیشل ڈنر۔وہ مصروف تھا بھئی۔مگر لاشعوری طور پہ،اسے یہ دس منٹ ختم ہونے سے پہلے زینیا کے لائے ہوئے پرنٹ آؤٹس کا انتظار تھا۔

جانے کیوں؟

اسلام آباد کی ایک مصروف سی سڑک جہاں قطار در قطار دکانیں اور عمارات تھیں،گاڑیوں آمدو رفت جاری تھی۔دائیں طرف کو بنی عمارات میں ایک ایک میں اپنے قدم رکھو تو ایک تعلیمی ادارے کا منظر آنکھوں کے آگے تھا۔دو منزلہ عمارت جہاں امراء کی اولادیں پڑھنے آیا کرتی تھیں۔انہی اولادوں کے درمیان ایک غریب کی اولاد بھی تھی۔زینیا حاکم۔

وہ لگاتار تین لیکچرز لے کر ابھی باہر نکلی تھی۔اور بغیر ادھر ادھر دیکھے اس نے فوڈ کورٹ کی راہ لی۔چائے کا آرڈر دے کر وہ میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھی۔اس کے سامنے ہی کوئی کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔زینیا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا کہ۔۔۔

''اس سے پہلے کہ تمھیں لگے میں یہاں تمہارے لئے آیا ہوں میں بتادوں کہ میں اس جگہ کا مالک ہوں۔اور انویسٹر بھی۔ہر دو سے تین ماہ میں چکر لگالیتا ہوں۔''

زینیا نے مشکوک آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''لیکن یہ جگہ تو افروزہ میڈم کی نہیں تھی؟''

''پلاٹ میرا ہے۔ تعمیراتی خرچہ مرے ناتواں کندھوں نے اٹھایا ہے۔ اور غریب سٹوڈنٹس کے لئے انویسٹمنٹ میں، افروزہ میڈم اور میرے کچھ جاننے والے کرتے ہیں۔ ایسی ایک جگہ ہے، لیکن کچھ سالوں میں ایسی کئی جگہیں ہونگی۔'' اسکی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ ساتھ اس نے ویٹر کو بلا کر ایک انوکھا آرڈر نوٹ کروایا۔ تھوڑی دیر بعد۔ زینیا اپنے لئے لائی گئی چائے پیتے ہوئے باریک بینی سے اپنے بنائے گئے نوٹس دیکھ رہی تھی۔ اسی پل اس نے نظر اٹھا کر مہدی کو دیکھا۔

اس کے سامنے چائے کا مگ رکھا تھا۔ ساتھ ایک پلیٹ میں تین سے چار بھٹے۔ (مکئی) جن کے اوپر وہ لوکل مسالحہ لگا رہا تھا، ساتھ لیموں چھڑک کر اس کے سارے دانے ہاتھ سے پلیٹ میں نکال لئے۔ اب وہ ایک گھونٹ چائے کا لیتا، پھر وہی مکئی کے دانے پھانک لیتا۔ آہ لذیذ۔ زینیا کو خود کو دیکھتا پا کر اس نے ہتھیلی بھر کر مکئی کے دانے اسکی طرف بڑھائے۔ وہ بدک کر دور ہٹی۔

''ارے یہ بہت ٹیسٹی ہوتا ہے ٹرائے تو کرو۔''

''آپ کو ہی مبارک ہو۔ مجھے دور رکھیں۔'' اس نے بری شکل بنائی۔ آہستہ آہستہ وہ مہدی کے ساتھ آرام دہ ہونے لگی تھی۔ اب اسے اس آدمی سے کوفت نہیں ہوا کرتی تھی۔

''اگر تم نے یہ نہیں کھایا تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔'' زینیا نے ایک کمینی مسکراہٹ اچھالی۔ ''ایسے مت مسکراؤ ورنہ میں اور ناراض ہو جاؤں گا۔'' اس نے ہتھیلی اب بھی آگے بڑھا رکھی تھی۔

''اگر دو منٹ تک تم نے یہ نہ لیا تو میں بہت زیادہ ناراض ہو جاؤں گا۔'' اب کے وہ سنجیدگی سے بولا۔

''تمھیں اپنے کیمرے کی قسم ہے۔'' اب کے زینیا نے ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دی۔ مہدی نے دانے اسکی ہتھیلی پہ پلٹ دیئے۔

''مرد کی ایک سنا کرو، وہ تمہاری دس سنے گا۔''

''ایسے فقرات اچھے، شریف، اور ڈیسنٹ مردوں کے متعلق کہے گئے ہیں۔ آپ کا شمار ان میں نہیں ہوتا۔'' زینیا نے مکئی کے دانے پلیٹ میں رکھ لئے کھائے نہیں۔

''اچھا تو کیا میں گلی میں کھڑے ہو کر چرس پیتا ہوں؟ یا پھر کالج کے گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر لڑکیوں کے نمبر مانگتا ہوں۔''

''دیکھیں میں نے کچھ نہیں کہا، حقیقت خود آپ کے منہ سے باہر آرہی ہے۔'' اس کے دل میں مہدی کو تنگ کر کے جو سکون اترتا تھا، اسکی کوئی مثال نہیں تھی۔

''ایسی باتیں کر کے مجھے غصہ دلا دیتی ہو۔ پھر مجھے کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ مگر نہیں تم پہ غصہ نہیں آتا۔'' اس نے چہرہ ہتھیلی پہ گرا دیا۔ ''کیوں نہیں آتا؟'' سبز آنکھوں میں الجھن لئے اس نے زینیا سے سوال کیا۔ ''بلکہ آتا ہے۔'' پیچھے کرسی پہ ٹیک لگاتے ہوئے وہ زینیا سے پہلے خود بول پڑا۔

''لیکن میں کنٹرول کر لیتا ہوں۔ مرد کو غصہ کنٹرول کرنا آنا چاہیے۔'' اس نے اپنے تئیں ایک پتے کی بات بتائی۔

زینیا بے اختیار چونک سی گئی تھی۔ اسکی آنکھوں کے آگے منظر بدلا۔ وہ کئی سال پیچھے چلی گئی۔ اسکی ماں کے چہرے پہ نیل کے نشان تھے۔ دادی ان کے چہرے پہ مرہم لگا رہی تھیں۔

''تم کیوں مار کھاتی رہتی ہو؟ اپنے باپ سے بات کرو، اپنے بھائیوں سے بات کرو۔ حاکم سے بات کریں گے وہ لوگ۔ ایسا سدھرے گا کہ دنیا دیکھے گی۔''

''انہیں غصہ بہت آتا ہے ورنہ۔۔۔۔''

''مرد کو غصہ قابو کرنا آنا چاہیے۔'' دادی نے دھیرے سے کہا۔ پلر کی اوٹ میں کھڑی کمسن زینیا نے ذہن نشین کر لیا۔

''اور پتہ ہے ایک اچھے مرد میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟'' حال میں اس کے سامنے مکئی کے دانے منہ میں رکھتا، چائے کے گھونٹ لیتا مہدی کہہ رہا تھا۔

''مرد کو تضحیک اور تذلیل کا مطلب پتہ ہونا چاہیے۔''

زینیا ایک بار پھر ماضی میں تھی۔ حویلی کے لان میں کھڑے اس کے ابا اپنی بیوی کو جھڑک رہے تھے۔ دیورانیاں، دیور اور ملازم کان لگائے ہوئے تھے۔ زینیا اپنی ماں کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

آج حاکم نواب کے کچھ خاص دوست آئے تھے۔ اور امینہ بیگم کا بنایا کھانا شاید انہیں خاص پسند نہ آیا تھا۔ دوستوں کے جانے کے بعد اب وہ اپنی ہونے والی سبکی کا غصہ نکال رہے تھے۔ داخلی دروازے سے باہر کو جاتے حاتم نواب نے رک کر انکو چیختے ہوئے دیکھا پھر اسی طرف چلے آئے۔

''کیا مسئلہ ہے، حاکم؟ بیوی کے ساتھ مسئلے بند کمرے میں حل کیے جاتے ہیں۔ بیچ حویلی میں نہیں۔'' انہوں نے گھر کا۔

''تمھیں پتہ بھی ہے اداا س نے کیا کیا ہے۔میں اس کی تصیح نہیں کروں گا تو کون کرے گا۔؟''وہ پلٹ کر ناگواری سے بولے۔حاتم نے شرم سارسی امینہ کو دیکھا۔پھران کے پیچھے کھڑی زینیا حاکم کو۔وہ مسکرائے۔زینیا کو حوصلہ ساہوا۔ ہاتھ بڑھاکرانہوں نے زینیا کو اپنے قریب بلایا۔وہ چلی آئی۔

''مرد کو تصیح اور تذلیل میں فرق کرنا آنا چاہیے۔''

سنہری آنکھوں والی بچی کے ذہن میں یہ الفاظ چھپ سے گئے۔اسے اماں نہیں بننا تھا۔اسے حل جہاں سے ملتے تھے وہ چن لیا کرتی تھی۔

حال میں اس کے سامنے بیٹھا مہدی اور بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر زینیا نہیں سن رہی تھی۔اسے مہدی سے خوف آتا تھا۔خوف زدہ کر دینے والا خوف نہیں۔متاثر کر دینے والا خوف۔وہ اچھا تھا اتنا کہ اس کے سامنے آپ آپ برا لگا کرتا تھا۔

''آپ ایک اچھے مرد نہیں ہیں۔''اس نے بے رخی سے کہہ کر چائے کا کپ اٹھایا۔وہ نظریں چرا رہی تھی۔

''تم مجھ پہ الزام لگا رہی ہو۔''اسے صدمہ لگا۔

''چند دن پہلے آپ ایک آدمی کا کیریئر،خاندان،ساکھ سب تباہ کر چکے ہیں۔اس کے بعد بھی آپ خود کو اچھا مرد کہتے ہیں؟''

مہدی کی آنکھوں کی جوت ایک لمحے کو بجھ گئی تھی۔ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی تھی۔

''مرد اور انسان میں فرق ہوتا ہے۔ جو میں نے اس دن کیا وہ ایک انسان کا عمل تھا۔ یوں تو تم بھی ایسی ہو کہ شیطان تمھیں دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائے مگر تم ایک اچھی عورت ہو۔''

''آپ کی نظر میں ایک اچھی عورت کی خوبیاں کیا ہوتی ہیں؟'' زینیا نے بلا خر مکئی کے دانے اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ایک اچھی عورت وفادار ہوتی ہے۔ تم ہو۔ وہ غیر مردوں سے ریزرو رہتی ہے، اسے مردوں کو ناں کہنا اور ان کی حد میں رکھنا آتا ہے۔ اس کا لہجہ ہمیشہ ایسا رہتا ہے کہ کوئی بھی مرد اس سے بات کرتے ہوئے کم از کم دس دفع سوچتا ہے۔ میں تم سے بات کرنے سے پہلے سوچتا ہوں، زینیا۔'' یکدم زینیا کے حلق میں ڈھیر ساری مرچیں گھل گئیں۔ اس نے چائے کا گھونٹ لیا۔ ایک انوکھا سا ذائقہ۔ اسکی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا تھا۔

''جب تم نے مجھے تحفہ لینے سے انکار کیا تب میری دوبارہ ہمت نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ تمھارے سامنے بیٹھتا ہوں، کیونکہ مجھے لگتا ہے اگر کسی دن میں تمھارے ساتھ آکر بیٹھا تو تمھیں اچھا نہیں لگے گا۔ تمہاری باؤنڈریز ہیں، زینیا۔ ہر اچھی عورت کی ہونی چاہیے۔''

زینیا محظوظ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اور ایک اچھے مرد کی کیا خوبیاں ہوتی ہیں؟''

''مجھے دیکھو ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک، اگر پھر بھی اچھا مرد نہ نظر آئے تو تم اندھی۔'' وہ مصنوعی کالر چڑھا کر بولا تو زینیا مسکرائی۔

''ماشاءاللہ تم مسکراتی بھی ہو؟'' وہ ہتھیلی گال تلے ٹکا کر آنکھیں جھپکا کر بولا۔ زینیا پھر سے مسکرائی۔

’’واللہ مسکراتے ہوئےاچھی بھی لگتی ہو۔‘‘اب کے زینیا نے سنجیدہ چہرہ بنالیا۔مہدی کی مسکراہٹ سمٹی۔

’’اتنا فری ہونے کی وجہ جان سکتی ہوں؟‘‘ وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولی۔مہدی کمبیر زبردستی مسکرایا۔اور میز پہ رکھا اپنا بٹوہ اٹھا کر جیب میں اڑسا۔زینیا کی ایک سخت نگاہ اور وہ یوں پگھلتا تھا جیسے پانی۔

’’تم تو سیریئس ہی ہو جاتی ہو۔میں تو مذاق کر رہا تھا۔‘‘وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

’’نہیں مجھے بتائیں یہ کیا تھا۔ایسے کیسے مذاق؟‘‘ وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔مہدی نے میز پہ رکھی چائے کا کپ جلدی جلدی حلق میں انڈیلا۔

’’اچھا میں چلتا ہوں۔میرے گھر میں مردوں کا زیادہ دیر باہر رہنا برا شگون ہوتا ہے۔‘‘وہ جان بچانے کو جانے کیا بول گیا۔

میز سے اپنا سامان موبائل اٹھاتے ہوئے اگلے چند لمحوں میں وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔زینیا اسکی پھرتیوں کو دیکھ کئی لمحے ہنستی رہی تھی۔

کمبیر محل کے منی سنیما ہاؤس میں آج نیم اندھیرا تھا۔چونکہ آج یہاں تین لوگوں کی مووی نائٹ تھی،سوان تینوں کو لمبی نشست پہ نیم دراز دیکھا جا سکتا ہے۔پردے کی نیلی روشنیاں ان کے چہروں پہ پڑ رہی تھی۔سبز آنکھیں سنجیدگی سے پردے پہ جمی تھیں،براق کی سیاہ آنکھیں افسردہ **(بریک اپ سین جو تھا)** قیس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں۔وہ اونگھ رہا تھا۔وہ بامشکل آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔

سکرین کے پردے پہ دیکھو تو لڑکی اور لڑکا بارش میں بھیگتے ہوئے ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔ پھر پردے پہ انٹرول کا نشان ابھرا۔ قیس نے کروٹ بدل کر پروجیکٹر بند کر دیا۔ مہدی اور براق فوراً سے پہلے اٹھ بیٹھے تھے۔

"کیا بکواس ہے یار، بند کیوں کر دیا۔ دیکھنے دو آگے۔" وہ دونوں بیک وقت چلائے تھے۔ قیس نے ادھ کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"انٹرول کے بعد پندرہ منٹ کا بریک ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو نہیں پتہ؟"

"لیکن وہ تو پرائی پراپرٹی ہوتی ہے ناں۔ یہ تو ہمارا اپنا سینیما ہے۔" مہدی نے دہائی دی۔

"کیا مطلب ہے اپنا سینیما ہے تو کوئی ایتھکس بھول جائیں؟ یہ فلم نہیں آرٹ ہے اور تمہیں آرٹ کی قدر کرنی چاہیے۔" اسکی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں اور اب ان میں ناگواری تھی۔ براق ہسٹریا کے مریض کی طرح گردن ڈھلکائے ایک طرف کو پڑ گیا تھا۔ بھاڑ میں جائے فلم اسکی اپنی زندگی نیٹ فلکس کی برباد سیریز لگتی تھی۔

"عجیب خناس آدمی ہو یار تم۔" برا سا منہ بنائے مہدی واپس لیٹ گیا۔ موڈ بری طرح غارت ہوا تھا۔ پندرہ منٹ کا بریک اب کسی طرح تو گزارنا تھا۔ اپنی دائیں طرف لیٹی پاکستانی ممی کو دیکھا۔ وہ آنکھیں موندے سو رہا تھا۔ سبز آنکھیں بےزاری سے دوسری جانب گھومیں۔ ناکام عاشق خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ مہدی کو اپنا حدف مل گیا۔

"یار، براق ایک بات بتاؤ۔ تمہاری گیارہ گرلفرینڈز ہیں تم۔۔۔"

" تیرہ ہیں۔ماشاءاللہ سے کل ہی دو کو پروپوز کیا ہے اور اب وہ دونوں بھی میرے دل میں آچکی ہیں۔" مہدی نے اسے گھور کر دیکھا تو براق نے وضاحت پیش کی۔" جب میں ڈپریشن میں ہوتا ہوں تو گرل فرینڈز کی تعداد بڑھا لیتا ہوں۔ ویسے تو میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"شریف اور تم؟خوف خدا رکھو۔تم صابن کے وقفے میں آنا والا وہ جراثیم ہو جو کبھی نہیں مرتا۔"

"اب بات صابن سے آگے بڑھ گئی ہے۔آج کل براق ہارپک کے وقفے کا جراثیم ہے۔" قیس کمبیر بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

"میری شیزل کا غم میرے لئے اتنا بڑا ہے کہ میں تم لوگوں کی باتوں کا برا نہیں مانوں گا۔" اداسی ایک بار پھر غالب آئی۔مہدی اب کے اٹھ کر بیٹھ گیا۔آلتی پالتی مارے اسکی آنکھیں پر سوچ لگتی تھیں۔

"عورتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے براق؟یعنی ہمیں کب،کیسے پتہ چلے گا کہ ہم انکی گڈ بکس میں آچکے ہیں۔"

"ساری عورتیں ایک نمبر کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"اوہ بھائی تُوچپ کر جا۔" قیس کی نیم غنودہ سرگوشی کے جواب میں مہدی ہاتھ جوڑ کر بولا تھا۔"اللہ جانے کس عورت نے تمھارے ساتھ کیا کر دیا جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔" بھائی صاحب واقعی چپ ہو گئے۔ایک بار پھر سو گئے۔ براق عرف ناکام عاشق عرف دی پلے بوائے، عرف ہسٹریا کے مریض نے کہنا شروع کیا۔

"ہر عورت مختلف ہوتی ہے اور اسے پٹان۔۔۔"

"No vulgar language please "

سوئی ہوئی ممی نے دوبارہ تنبیہ کی۔ مہدی نے کلس کر اسے دیکھا۔ براق نے ناگواری سے بھنویں سکیڑیں۔ پھر نازک انداز میں ہاتھ جھلایا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ ہر عورت کو **"پگھلانے"** کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر عورت ہوتی ہی مختلف ہے۔ تمھارے سوال کے جواب کے لئے پہلے یہ جاننا ہو گا کہ تمھارے والی ہے کیسی؟'' تمھارے والی پہ مہدی کے رخسار سرخ ہوئے تھے۔اور قیس کے کان کھڑے۔

''بد تمیز، اکھڑ، غصہ ناک پہ، خوبصورت، کانفیڈینٹ، تھوڑی سی مغرور اور تھوڑی سی ڈراماٹک۔'' مہدی نے گنوایا۔

''اگر وہ لڑکی ایسی ہے تو جواب سننے کے لئے میں بھی انٹرسٹڈ ہوں۔'' قیس نے آنکھیں کھول لیں، کروٹ بدلے اب وہ بھی براق کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں دلچسپی تھی۔

''ایسی لڑکیاں منہ سے کچھ نہیں کہتیں۔۔۔''

''پھر کیا ہر کام کے لئے میسج کرتی ہیں؟ یا ای میل؟'' مہدی نے ٹوکا۔ براق نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے اپنا ٹوکے جانا برا لگا ہو۔

''ایسی لڑکیاں عمل سے ظاہر کرتی ہیں کہ انکو آپ کا خیال ہے۔ آپ کے لئے مختلف ایفرٹس کرتی ہیں۔ جو آج سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں۔''

(قیس کمبیر پارک سے گھر واپس جا رہا تھا۔ زینیا نے ٹھہر کر اس سے اس کا مسئلہ پوچھا تھا۔ اگلا منظر اس۔ کے آفس کا تھا۔ زینیا فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آرٹ بلاک کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ کسی نے آج تک قیس کا ایسے خیال نہیں رکھا تھا۔)

وہ مسکرایا۔

''ایسی لڑکیاں باہر سے باقی لوگوں کے لئے بہت سخت اور ناقابل تسخیر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر آپ انکی گڈ بکس میں ہیں تو وہ آپ کے سامنے نرم پڑ جاتی ہیں۔ آپ کے سامنے رو سکتی ہیں۔ وہ باتیں بتا سکتی ہیں جو انہوں نے پہلے کسی سے نہیں کہیں۔ وہ آپ سے لڑتی ہیں جھگڑتی ہیں مگر پھر بھی آپ سے دور نہیں جاتیں۔ کسی نہ کسی طرح آپ کے راستے ملتے ہیں کیونکہ وہ یہی چاہتی ہیں۔'' مہدی مسکرایا۔ اسکی آنکھوں کے آگے کوئی مناظر تھے۔

(وہ دونوں سرخ بس میں تھے زینیا اسے بالاج کی بے رخی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ سڑک پہ بیٹھی تھی، وہ مہدی کے ساتھ اپنا راستہ تلاش کر رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے باہر سڑک پہ کھڑی اس پہ چیخ رہی تھی۔ پھر رو رہی تھی، مہدی کے سامنے وہ رو پڑتی تھی۔ وہ ساری دنیا کو اپنی جوتی کی نوک پہ رکھتی تھی، مگر جب مہدی نے اس روز اسکی کی طرف ہیئر بینڈ بڑھایا، وہ بلاتردد اسے تھام چکی تھی۔)

''ایسی لڑکیاں اندر سے بلکل موم جیسی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ موم ہر ایک کے لئے نہیں پگھلتا۔ کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں جن پہ وہ مہربان ہوتی ہیں۔ انکی مدد کرتی ہیں، انہیں کبھی گرنے نہیں دیتیں۔ انکی پیشکش قبول کر لیتی ہیں۔ کچھ ہی لوگوں کے لئے وہ آؤٹ

آف دی وے جاتی ہیں۔ انکا اپنا ٹرامااایک طرف اپنے پسندیدہ انسان کے لئے وہ مضبوط ستون کی طرح ہوتی ہیں۔ زبان سے نہیں

کہتیں مگر انکا ہر عمل یہی گواہی دیتا ہے کہ۔۔۔

She will never let you down۔"

(اپنے آفس کے صوفے پہ بیٹھے قیس کمبیر کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ گلا خشک تھا۔ اور پھر کوئی اسے پانی پلا رہا تھا۔ قیس اس لڑکی کو جھڑک رہا تھا مگر وہ نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ وہ اسے سن رہی تھی کسی نے آج تک قیس کو نہیں سنا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رحم دل تھی، کوئی آج تک قیس کے ساتھ رحمدل نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے آفس سے نکال رہا تھا مگر وہ قیس کو گرا نہیں رہی تھی۔ اسکی عزت اسکی کریڈ بلیبٹی پہ بات آئی وہ خود جھک گئی مگر قیس کو نہ جھکایا۔ وہ خوش بختی کا سیمبل تھی۔ کم از کم قیس کے لئے تو تھی۔ وہ آس پاس رہتی تھی تو قیس کے مسائل کم ہونے لگتے تھے۔ وہ کچھ نہ بھی کرتی تھی، مگر اسکا ہونا ہی کافی ہوتا تھا۔ قیس کو کیفے میں بنائے اپنے اسکیچز یاد آئے۔ سمندر کے بڑے بڑے پتھروں پہ بیٹھی وہ اسکا مسئلہ سن رہی تھی حلانکہ اسکا اپنا باپ ہسپتال میں تھا۔)

"She will never let me down۔"

قیس کمبیر زیر لب بڑبڑایا۔

"یوں تو ایسی لڑکیاں کسی اور کی ماننے کو اپنی بے عزتی سمجھتی ہیں۔ مگر وہ جن کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہیں، وہ بتاتی نہیں مگر آپ کی بات مان لیتی ہیں۔ وہ اظہار پسند نہیں کرتیں مگر انکو آپ کی فکر رہتی ہے۔ وہ آپ کو اونچا دیکھنا چاہتی ہیں مگر اپنے

ساتھ۔انہیں اپنی پسند سے عشق ہوتا ہے مگر آپ کی کہی باتیں انہیں کمفرٹ دیتی ہیں سو وہ بلاارادہ انہیں مان لیتی ہیں۔ایسی لڑکیاں نوے فیصد خود پہ اور دس فیصد آپ پہ انحصار کرتی ہیں۔دیکھا جائے تو یہ دس فیصد بھی بہت ہے۔

Just make sure you never let her down۔”

(وہ اسے قیس کے آفس میں رکنے کا کہہ رہا تھا اور وہ رک گئی۔وہ نکاح کے وقت آیا اور زینیا اس پہ بھروسہ کرتے ہوئے کاغذ سائن کر گئی تھی۔وہ ایک برے فیز سے گزر رہا تھا،وہ اپنی sanity کھو چکا تھا اور زینیا اسے بتا رہی تھی کہ مہدی کمبیر غلط نہیں۔وہ اسے بتاتا تھا زینیا کہاں غلط ہے اور پھر تھوڑی بہت ایفرٹس کے بعد وہ اسکی مان لیتی تھی۔چھجے تلے بیٹھے وہ اسے اپنے باپ کے بارے میں بتا رہی تھی۔وہ مہدی پہ انحصار کرنے لگی تھی۔کینٹین میں بیٹھ کر وہ اس کے دیئے مکئی کے دانے کھا رہی تھی۔بلاارادہ بلا وجہ۔بالاج سے انتقام لیتے وقت اس نے اپنے بعد مہدی پہ اعتبار کیا تھا۔کیونکہ شاید وہ جانتی تھی۔)

“He will never let her down”

براق خاموش ہو گیا۔وہ تینوں دھیرے سے واپس اپنی اپنی نشستوں پہ لیٹ گئے۔مہدی کا تجسس ایک بار پھر جاگ چکا تھا۔

“I'll never let her down۔”

وہ بڑبڑایا۔قیس کی آنکھیں پردے پہ تھیں مگر دماغ غائب۔وہ محل کے مضبوط ستون کا مضبوط سہارا تھی۔

“She will never let me down۔”

اس نے زیر لب کہا۔

آج وہ دستک کے بغیر اندر داخل ہوئی تھی۔ اسکا باس پانچ منٹ پہلے ایک آفیشل لنچ سے واپس آیا تھا۔ اور اس سے پہلے وہ فیصل آباد کی فیکٹریز دیکھنے گیا تھا۔ پانچ منٹ کا سکون اور ایک گرم کافی اسکا حق تھا، مگر زینیا حاکم کو دوسروں کی حق تلفی کرنی خوب آتی تھی۔

''آپ کی تصاویر کے دسویں پرنٹ آؤٹس۔ اور دسویں بار انہیں ایڈٹ کیا جاچکا ہے۔ کیا اب یہ قبول ہیں؟'' خاکی لفافہ میز پہ رکھتے ہوئے وہ تند ہی سے بولی۔ قیس جو حدیبیہ سے کچھ کہہ رہا تھا، رک کر اسے دیکھا۔

''اپنے باس کے آفس میں آنے کی تمیز اور بات کرنے کی ٹون سیکھ لیں، زینیا حاکم۔ ورنہ کافی برا ہو سکتا ہے۔'' زینیا نے کچھ سخت کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر دیا۔ قیس ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ اسے اپنے رویے کو فکس کرنے کی ضرورت تھی۔ حدیبیہ بات پوری کر کے جانے لگی تو قیس نے اسے پکارا۔

''یہ کافی میکر ری پلیس کرواؤ کام نہیں کر رہا۔ جی مس زینیا کیا کہہ رہی تھیں آپ؟'' پہلی بات حدیبیہ سے کہہ کر دوسری بات زینیا حاکم سے کہی۔ زینیا نے لفافہ اس کے آگے کیا، مگر اسکی نظریں کافی میکر کو تک رہی تھیں۔

''اوکے یہ فلٹرز ٹھیک ہیں اور یہ پرنٹس بھی۔'' وہ لفافے سے نکلی تصاویر الگ الگ کرتے کہہ رہا تھا۔

''اسنیک پیک کا کام کہاں تک پہنچا؟'' زینیا اسے نہیں دیکھ رہی تھی، اسکا سارا دھیان کافی میکر پہ تھا۔

''کیا میں اسکو کھول سکتی ہوں؟ مجھے اسکو فکس کرنا آتا ہے سر۔''اس نے ہاتھ سے کافی میکر کی جانب اشارہ کیا۔ قیس نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر کافی میکر کو۔

''جو کام تمہیں دیا ہوا ہے، وہ تو تم سے ہو نہیں رہا۔اور یہاں تم مشینیں کھولو گی؟''

''میں نے حمد سے آئیڈیا ڈسکس کر لیا ہے اور ضوفشاں کو دو ویڈیوز بھی شوٹ کر کے بھیج دی ہیں۔ میں اسنیک پیک پہ کام کر رہی ہوں سر۔پلیز مجھے اس مشین کو کھولنے دیں۔''ہمیشہ کی طرح جوش سے اسکی آواز بدل رہی تھی۔

''ٹھیک ہے جاؤ کھولو۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ ''مگر یہ نہ جڑ سکی تو تم مجھے جانتی ہو۔''زینیا اسکی سنی ان سنی کرتی باہر چلی گئی۔اور چند پل بعد وہ واپس آئی تو اس کے پاس مختلف اوزاروں کا ایک ڈبہ تھا۔کافی میکر نیچے رکھے وہ آلتی پالتی مارے سامنے بیٹھی اسے کھول رہی تھی۔ قیس تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔کیا وہ کوئی مستری تھی؟

تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل گیا۔آفس کا ایک طائرانہ جائزہ لیا۔ایک طرف کو ہوتے کنسٹرکشن کے کام پہ اپنی رائے پیش کی۔اور واپس اپنے آفس آ گیا۔زینیا اسی طرح اپنے کام میں مگن تھی۔وہ قیس کی پرسنل ایڈوائزر تھی، مگر آج پرسنل مستری بھی لگ رہی تھی۔

لیپ ٹاپ پہ ای میلز اوپر نیچے کرتے ہوئے اس نے ذرا کی ذرا نظر زینیا پہ ڈالی۔وہ مگن تھی۔دنیا جہاں سے بے خبر۔قیس کو بے اختیار وہ رات یاد آئی۔شرم ساری سی ہونے لگی۔اگر وہ خود پہ تھوڑا سا کنٹرول کر لیتا تو آج زینیا کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوتا۔تھوڑی ہمت قیس بس تھوڑی ہمت۔وہ چند پل زینیا کو دیکھتا رہا پھر گلا کھنکھار کر اسے مخاطب کر لیا۔

''سنو۔۔۔'' گلے میں گلٹی سی ابھری۔

''وہ اس رات جب مجھے۔۔۔۔جب میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، تب میں نے تم سے کیا کہا تھا؟'' زینیا نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یعنی۔۔کیا میں۔۔نے میں نے کیا کہا تھا بتاؤ۔'' وہ جھنجھلایا۔ زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔ اسے پسند تھا سیدھی بات کو الٹا گھمانا۔

''میں کیسے بتاؤں۔ اپنے باس کو ایسی باتیں بتانا اخلاقیات کے زمرے میں نہیں آتا ناں۔''

قیس کے دل کو دھچکا لگا۔ ایسا کیا بتا دیا اس نے۔ ہاں اسے یاد تھا اس نے کیا کہا ہے۔ مگر واضح نہیں۔ اس کے چہرے پہ ننھی ننھی پسینے کی بوندیں در آئیں۔

''کیا۔۔۔کیا کہا تھا میں نے؟'' کوشش کے باوجود وہ نارمل نہ رہ پایا۔

''میں نہیں بتا سکتی میں۔۔۔''

''سیدھی طرح بتاؤ گی یا نہیں؟'' اسے غصہ آیا۔

''دیکھیں دیکھیں آپ ابھی سے غصہ ہو رہے ہیں۔'' اس نے انگلی اٹھا کر شکایت کی۔

قیس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

''اچھا میں کچھ نہیں کہوں گا۔ بتاؤ اس رات میں نے کیا کہا تھا؟''

زینیا کا دل کیا تھا قہقہے مار کے ہنسے۔ مگر ضبط کئے بیٹھی رہی۔

''اصل میں آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی ایک منگیتر ہے۔ جو کہیں دوسرے شہر میں رہتی ہے۔'' لمحے کے ہزارویں حصے میں قیس کی رنگت سفید پڑی۔ دل یکدم شل سا ہوا۔

''آپ نے بتایا کہ آپ اس سے بہت محبت کرتے ہیں، مگر کبھی اس کے پاس جانا نہیں چاہتے۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ بہت خوبصورت ہے اور۔۔۔'' زینیا مزید بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر قیس کچھ بھی سن نہ سکا۔ ٹھنڈے آفس میں یکدم اسے گرمی لگنے لگی تھی۔

''اچھا بس۔۔ بس کر دو۔'' ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔ نہ جانے کیوں مگر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ پانی کے گلاس سے ڈھکن ہٹایا اور سارا پانی غٹا غٹ پی گیا۔ زینیا اس سے بے نیاز ایک بار پھر اپنی مشین کو جوڑنے میں مگن ہو چکی تھی۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے قیس بھی کسی ای میل کا جواب لکھنے لگا مگر نہیں اب کس کمبخت سے کام ہونا تھا۔

''بھیج دیں اسے باہر نہیں جڑتی۔'' کافی دیر بعد زینیا ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھی تھی۔ اس کے چہرے پہ زاری تھی۔ اور کافی میکر کے پرزے بکھرے پڑے تھے۔ قیس نے ایک نظر زینیا کو دیکھا، پھر بکھرے ہوئے پرزوں کو۔ بازو سینے پہ باندھے۔ دل میں گویا طیش کا طوفان چل رہا ہو۔ آخر کیوں اس رات زینیا اس کے پاس بیٹھی کیوں؟

''اس مشین کو بلکل ویسے جوڑو، جیسے یہ پہلے تھی۔''

''زینیا کی کھولی ہوئی مشینوں کو زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔'' اس نے گویا قیس کے علم میں اضافہ کیا۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے بس یہ جڑی ہوئی چاہیے۔۔ آج نہیں جڑتی کل دوبارہ آ کر جوڑو، جب تک یہ نہیں جڑ جاتی تم یہیں رہو گی۔ اور مجھے بار بار بولنا نہ پڑے۔''

"باس، میں اسے نہیں جوڑ سکتی۔" زینیا تحمل سے بولی۔ اب کے قیس کچھ نہ بولا بس ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسکی آنکھیں بہت کچھ کہتی تھیں۔ زینیا نے ڈھیر سارا کلسنا اندر دبایا۔ اور پیر پٹختے ہوئے دوبارہ نیچے آکر بیٹھی۔ قیس کسی میٹنگ کے لئے باہر نکل گیا تھا، مگر باہر سے حدیبیہ کو اندر بھیج دیا تھا۔ اب وہ زینیا کی پہرہ دار تھی۔ اسے رونا آنے لگا تھا، ساتھ ساتھ غصہ بھی۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ ایک فلیش بیک سا بھی۔

گلاس وال والا آفس غائب ہوا، اے سی کی ٹھنڈک دور جا سوئی اور یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا سارے میں چھا گیا۔ کونے والی میز پہ بیٹھی زینیا حاکم اور اس کے سامنے بیٹھا مہدی کمبیر۔ جو اپنی ادھ کھائے سیب والی کمپنی کی گھڑی اسے تھما رہا تھا۔ شاید اس میں کوئی خرابی تھی۔ تھوڑی ہی دیر قبل انکا ایک جھگڑا بھی ہوا تھا مگر گھڑی دیکھ سنہری آنکھیں چمک اٹھیں۔ بیگ سے چھوٹے چھوٹے اوزار نکالے اور تھوڑی دیر بعد وہ گھڑی کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

آنکھوں میں ڈھیر سارا اشتیاق تھا۔ اس نے ایک ایک پرزے کو ٹٹول کر دیکھا۔ اور جب گھڑی جوڑنے کی باری آئی تو اسکی لاکھ کوششوں کے باوجود وہ اس گھڑی کو جوڑ نہ پائی۔ کافی دیر کی مغزماری کے بعد اس نے تھک کر گھڑی میز پہ واپس رکھ دی۔

"نہیں جڑتی یہ۔ خود کر لیں۔" اسے بے زاری سی ہوئی۔ مہدی کے سامنے وہ بہت کچھ دیتی تھی۔ **"نہیں ہو رہا، نہیں کرنا، موڈ نہیں۔"** کسی اور کے سامنے زینیا اتنا سب نہیں کہتی تھی۔

وہ گھڑی کے پرزے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں تاسف تھا۔

"گھڑیاں صرف مشین نہیں، میری اولاد ہیں۔ یہ تم نے کیا کیا اس کے ساتھ؟" اسکا بس نہیں چلتا تھا کہ رو دے۔

''معاف نہیں کروں گا تمہیں۔'' صدمے سے کہتا وہ اٹھا اور گھڑی کے اعضاء سمیٹے باہر نکل گیا۔ زینیا چپ چاپ اسکی پشت کو دیکھتی رہی۔

کوئی غصہ نہیں، کوئی حقارت بھرا جملہ نہیں۔ اسے مہدی سے خوف آیا تھا۔

منظر بلبلے کی طرح ہوا میں تحلیل ہوا۔ اور اب کے زینیا ٹھنڈے ماربل کے فرش پہ بیٹھی تھی۔ ساکت سی۔ وہ ان دونوں کا موازنہ کیوں کر رہی تھی؟ سر جھٹکتے ہوئے اس نے دوبارہ کافی میکر جوڑنے کی کوشش کی۔ ہاں البتہ اب نہ ویسی جان تھی، نہ ہمت۔

تھوڑی دیر بعد وہ مشین جوڑ چکی تھی۔ پاور چیئر پہ بیٹھے قیس نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ زینیا کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ قیس مقابلے کرتا تھا۔ اور زینیا حاکم کو ایسے مردوں سے نفرت تھی۔ اس نے اپنے رویے کا موازنہ کیا، وہ قیس کے ساتھ حدود قائم نہیں کر پا رہی تھی، اسے کرنی چاہیے تھیں۔

''دوسروں کی باتیں سننے کی بجائے اگر اسی طرح اپنے کام پہ دھیان دینے لگو تو چیزیں خراب نہیں ہوں گی۔'' زینیا خاموش رہی۔ بیگ میں سامان ڈالتے ہوئے بلکل خاموش۔

''مجھے اسنیک پیک کا پہلا ورژن دو دن کے اندر چاہیے۔ اور تمہارا شوٹ کیا ہوا۔''

''شیور سر۔''

''کسی قسم کی بہانے بازی نہیں چلے گی۔'' اس نے ایک بار پھر زہر اگلا۔

''شیور سر۔'' وہی سپاٹ انداز۔

اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی ابھی وہ قدم باہر رکھتی کہ کافی میکر اپنی ہی جگہ رکھے رکھے پرزہ پرزہ ہو گئی۔ قس نے تحیر سے اس مشین کو کھلتے دیکھا، پھر دروازے پہ کھڑی زینیا کو۔

''زینیا کی کھولی ہوئی مشینیں زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی۔'' جتا کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔

پیچھے قیس کے لئے اعترافی لمحہ تھا۔

براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں دوستوں کی محفل پھر سے جمی تھی۔ سوئمنگ پول کے گرد رکھی کرسیوں پہ ڈیرہ ڈالے دو دوست بیٹھے تھے۔ تیسرا ابھی تھا مگر نہ ہونے کے برابر۔

''میں نے اس کے لئے سب کیا، مہدی۔ لیکن وہ پتہ نہیں کیوں مجھ سے اتنی ناراض رہتی ہے۔ اب دیکھو چرچ کی اس ملاقات کو کتنے دن ہو گئے۔ دوبارہ رابطہ بھی نہیں کیا۔'' پول کے کنارے سطح پہ بیٹھا وہ اپنا رونا رو رہا تھا۔ مہدی ہمیشہ کی طرح سن ہی رہا تھا۔

وہ تینوں بہت عجیب تھے۔ دنیا بھر سے روابط تھے، تعلق تھے، دوستیاں تھیں۔ مگر غم، خوشی، کامیابی وہ ساتھ ہی بانٹتے تھے۔ ایک دوسرے سے دوری مشکل سی تھی۔ یہ جذبہ، یہ تعلق دوستی سے بڑھ کر تھا۔

''اس نے تو تم سے کہا تھا ناں کہ دوست بن جاتے ہیں۔ تمہیں زیادہ پھرتیاں لگی تھیں۔ اب بھگتو۔'' لمبی کرسی پہ لیٹے موبائل پہ انگلیاں چلاتے سرکار بولے تھے۔ براق کو غم لگا۔

''یہ اسی سانپ کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ یہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میرا گھر بسے۔'' اس نے قیس کی شکایت کی۔

''بھائی گھر بچوں کی قلقاریوں سے بستا ہے۔ ہر کونے سے ابھرتی گرل فرینڈز کی فرمائشوں سے نہیں۔'' سانپ نے ایک بار پھر زہر اگلا۔

''وہ اکیلی ان گیارہ پہ بھاری ہے۔'' براق نے ہائے بھری۔

''وزن میں ؟'' سانپ نے معصومانہ سوال کیا۔ براق بپھر گیا۔ مہدی کے لئے اسکو سنبھالنا مشکل ہوا۔

'' اسے سمجھالو، مہدی ورنہ آج یہاں سے اسکی لاش جائے گی۔''

''ہاں ہاں، وہ ڈی ایچ اے والا قبرستان تو تم نے بھرا ہے ناں۔''

براق اب کچھ جواب دیتا کہ مہدی نے ہاتھ اٹھالئے۔

''بس اب کوئی کچھ نہیں بولے گا۔ ہم تینوں ہر دفع لڑکیوں کو کیوں ڈسکس کرتے ہیں۔ کیا بات کرنے کو کچھ اور نہیں ؟''

براق سوچ میں پڑا، قیس بس پڑا ہی رہا۔

''آج سے ہم ایک عہد کرتے ہیں۔'' وہ سینہ تان کر بولا۔ ''ہم تینوں اپنی گرل فرینڈز، فیمیل فرینڈز، اور آفس میں کام کرنے والی عورتوں کو بلکل بھی گھاس نہیں ڈالیں گے۔''

''بلکل صحیح کہا۔''سبز آنکھوں والے نے داد دی۔اس کے ساتھ ہی اسکے موبائل پہ ایک میسج ٹیون بجی زینیا حاکم کا ٹیکسٹ تھا۔وہ اس سے فوٹو گرافر کا پوچھ رہی تھی۔اگلے ہی لمحے مہدی اسے جواب لکھ رہا تھا۔ گرل فرینڈ، ورکر، فیمیل دوست کو جواب نہیں دینا یہ تو بیوی تھی ناں؟

''ہم سب سے اوپر خود کو رکھیں گے۔ کسی بھی لڑکی کو ریپلائے کرنے کے لئے کم سے کم تین گھنٹے لگائیں گے۔''

''صحیح کہا آئی ایگری۔''سانپ بھی بولا تھا۔پھر موبائل کا ڈیٹا آن کیا تو زینیا حاکم کی طرف سے ای میل ملی۔ براق کی تقریر کو چھوڑ، اسکیچ بک ایک طرف رکھ کر اس نے جواب دینا شروع کیا۔ سترہ نکات تھے۔وہ ایک ایک کا جواب دے گا۔انشااللہ۔

"ملنے، کال کرنے اور میسج کرنے کا وقت ہم متعین کریں گے کسی لڑکی کی اتنی جرات کہ۔۔۔۔''

''براق، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''تمام مردوں کا عالمی رہنما کرنٹ کھا کر مڑا تھا۔پول کے عقب میں سلائیڈنگ ڈور کے ساتھ لگ کر کھڑی شیزل سیمسن نے اسے پکارا تھا۔ براق فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ قیس ان نکات کے جواب لکھ رہا تھا اور مہدی مسکراتے ہوئے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔رہنما کے منہ پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''شیزل؟ تم یہاں۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آنے میں۔ مجھے کال کر لیتیں میں خود آجاتا۔''وہ تیز تیز قدم لیتا اسکی جانب بڑھا۔

''کوئی ضروری کام تھا کیا؟ گارڈ نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟''

''ڈرامہ بند کرو۔نیک بننے کی کوشش مت کرو۔''وہ بےزاری سے بولی۔پھر براق کے کندھے کے پار ان دونوں کزنز کو دیکھا۔

''یہ نمونے کیا کر رہے ہیں؟''

''یہ؟'' براق مسکرایا۔ کندھے فخر سے چوڑے ہوئے۔

''دراصل میں کچھ دیر قبل قوم کے مردوں سے خطاب کر رہا تھا۔اور یہ دونوں۔۔'' ہاتھ لمبا کر کے دونوں کی جانب اشارہ کیا۔ ''مرے الفاظ کو امر کرنے کے لئے انہیں نوٹ کر رہے تھے۔'' گردن موڑ کر محبت سے انہیں دیکھا۔ ''میری قوم کے عظیم مرد۔'' بس نہ چلتا تھا کہ انکی بلائیں لے لے۔

شیزل نے نزاکت سے کندھے اچکائے۔ براق بھی اب انہیں چھوڑ شیزل کو دیکھنے لگا۔سیاہ رنگ کے سادہ شلوار قمیض کے اوپر ڈھیلا ڈھالا سفید سوئیٹر پہنے، پیروں میں اسنیکرز اور بالوں کو کیچر میں باندھے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''کب نہیں لگتی؟'' اس نے آنکھیں گھمائیں۔

''ہمیں بات کرنی ہے کہیں باہر چلیں؟''

''تم اس طرح ہمارے لڑکے کو ورغلا کر باہر نہیں لے جاسکتیں۔ جو بات کرنی ہے یہیں کرو۔'' موبائل سے آنکھیں نکال کر مہدی باآواز بلند بولا۔ براق نے دانت کچکچائے۔

''یہ آدمی اب مردوں کا عالمی لیڈر ہے۔اور ہم اسے ایک عورت کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو بات کرنی ہے یہاں ہم سب کے سامنے کرو۔'' پندرہویں نکات کا جواب دیتا قیس بھی بولا تھا۔ شیزل نے براق کو دیکھا۔ براق نے بے چارگی سے کندھے اچکائے

اور پھر وہ "**اوکے فائن**" کہتی آگے بڑھ آئی۔اب تھوڑی دیر بعد پول کے اطراف میں مہدی، شیزل اور براق بیٹھے تھے۔ قیس لمبی کرسی پہ کہنی کے بل لیٹا تھا، جب شیزل نے بات کا آغاز کیا۔

"تم نے مجھے ارسلان کے بارے میں سب کچھ بتایا کیوں نہیں؟اتنے سارے سال بدگمانی میں گزر جانے کا فائدہ؟ہم بات کر سکتے تھے براق۔ ہمیں بات کرنی چاہیے تھی۔"

"کیابات کرتا یہ اسے پتہ تھا اسکی شکل ایسی ہے ہی نہیں کہ تم ارسلان کو چھوڑ کر اسکے پاس آؤ۔" قیس براق سے پہلے بول پڑا۔شیزل نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ براق البتہ سنجیدہ تھا۔

"مجھے لگا تھا تم اسے پسند کرتی ہو۔اس نے بھی کہا تھا وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔"

"اگر اس طرح کوئی بھی لوفر اٹھ کر کہہ دے کہ وہ تمہاری عورت کو پسند کرتا ہے تو کیا تم پیچھے ہٹ جاؤ گے؟" مہدی کو اعتراض ہوا۔آنکھوں میں خفگی در آئی۔ براق اسے نہیں سن رہا تھا۔اسکی نگاہوں کا مرکز شیزل تھی۔

"مجھے کبھی سنا نہیں گیا تھا ملکہ۔ابا، ممی سب نے مجھے "**سنایا**" میرا اسکول، میری پسند ناپسند، دوست، کالج، سبجیکٹس انہوں نے طے کیا۔جب جب میں کوئی فرمائش ظاہر کرتا تھا مجھے بس "**سنایا**" جاتا تھا۔میں سننے کا اتنا عادی ہو گیا کہ اپنی کہتے ہوئے ڈر لگنے لگا تھا۔میں ڈمب تھا میں۔۔۔"

"اب تم کونسا ارسطو کے جانشین بن گئے ہو؟" قیس نے مدعا اٹھایا۔ جسے نظر انداز کیا گیا۔ براق شیزل کو دیکھ رہا تھا،اور شیزل اسے۔آس پاس کی دنیا بے معنی تھی۔

''میں نے کبھی ایک فیری ٹیل جیسی زندگی نہیں دیکھی۔ لیکن میں چاہتا تھا تم دیکھو۔ بس یہی ہے میری طرف کی کہانی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ شیزل نے گہری سانس لی۔

''میں اسلام قبول کر رہی ہوں۔ تمھارے لئے نہیں اپنے لئے۔'' براق کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

''میں straight ہوں براق۔ باتیں دل میں رکھنا، کینہ بغض پالتے رہنا یہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ میں بات کر کے، بات جاری رکھتی ہوں یا ختم کرتی ہوں۔ اس لیے تم آئندہ مجھ سے باتیں نہیں چھپاؤ گے۔''

''لکھوا کر رکھ لو یہ چھپائے گا۔ تمھارے لئے تو بہت سارے لڑکے ہیں یار اسکے ساتھ وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟ میرا ایک دوست ہے تم ایک بار اس سے مل لو۔'' مہدی آگے کو ہو کر بڑی ہمدردی سے کہنے لگا۔ شیزل مسکرائی، وہی اسکی خبطی مسکراہٹ۔ پھر تھوڑا سا آگے ہو کر مہدی کے کان کے پاس جھکی۔

''کیا میں ان دونوں کو بتاؤں کہ دی شریف النفس مہدی کمبیر زینیا حاکم سے نکاح کر چکا ہے۔'' بس اتنا کہہ کر وہ پیچھے ہوئی۔ مہدی کی رنگت فق ہوئی۔ وہ بدقت مسکراتے ہوئے اٹھا۔

''اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' کہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم لیتا سلائیڈنگ ڈور پار کرتا نکل گیا۔ شیزل نے براق کو دیکھا۔ اور بات جاری رکھی۔

''تمہیں اپنے یہ سارے چکر ختم کرنے ہوں گے۔ میں تمھارے آس پاس کوئی عورت نہ دیکھوں اور سب سے بڑھ کر تمھیں مجھ سے مقابلہ کرنا چھوڑنا ہوگا۔ میں تمہیں چند ماہ کے لئے جاننا چاہتی ہوں اور اس کے بعد ہم شادی۔۔۔''

''وقت برباد کر رہی ہو اپنا۔ کتے کی پونچھ کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ کوئی اچھا لڑکا دیکھو اور شادی کرو۔ you deserve better''

براق کچھ کہتا کہ شیزل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروایا۔ پھر قیس کی طرف مڑی۔ وہ ذرا سے فاصلے پہ تھا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ i deserve better پھر کیا خیال ہے تم شادی کرو گے مجھ سے؟'' قیس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ ''تم اور میں تو بلکل ایک جیسے ہیں۔ قد، آنکھیں، رنگ، عادتیں آہ ہم پرفیکٹ کپل بنیں گے۔ ہمارے بچے کتنے خوبصورت ہوں گے۔ پھر کیا خیال ہے؟''

''خدا کا خوف کرو تم تو میری بہنوں جیسی ہو۔'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم اور براق پرفیکٹ ہو شادی کر لو۔'' بغیر ان دونوں کو دیکھے وہ تیز تیز قدم لیتے وہاں سے غائب ہوا۔ شیزل نے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

''خس کم جہاں پاک۔'' وہ براق کی طرف مڑی جو کہ خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شیزل کو کوفت ہوئی۔ ''کیا؟ اب تمہیں کیا ہوا؟''

''میرے سامنے کسی سے اتنا فری مت ہوا کرو۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔''

''اؤ چل وے، ایڈا تو سالار سکندر۔'' **(ارے جاؤ اتنے تم سالار سکندر۔)** براق ہنوز اسے خفا خفا نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شیزل نے گہری سانس لی۔ ہتھیار پھینک دیئے۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اب نہیں ہوتی فری بس؟'' وہ نرمی سے بولی تو براق کے تاثرات ڈھیلے ہوئے۔

''آؤ کہیں کھانا کھانے چلتے ہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ شیزل بھی ساتھ کھڑی ہوئی۔ اگلے چند پل بعد وہ شیزل کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ گاڑی چلا رہی تھیاور۔ وہ بول رہا تھا اور شیزل سن رہی تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹے چھوٹے جواب بھی دیتی تھی۔ کیا براق کو کوئی سننے والا مل گیا تھا؟

آج بڑے دنوں بعد ایک بار پھر بارش ہوئی تھی۔ ساری رات برسنے والی مینہ صبح تک جاری رہی اور پھر وقفے وقفے سے ہوتی بوندا باندی نے موسم اچھا خاصا سرد کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

سیاہ رنگ کے اوور کوٹ میں ملبوس، سیاہ ہی ٹراؤزر پہنے اور سر پہ سرخ رنگ کا اسکارف اوڑھے زینیا حاکم قیسم کے سٹوڈیو میں بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ پہ اسکی انگلیاں کھٹ کھٹ چل رہی تھیں۔ دفعتاً گلاس وال سے اسکی نظر باہر پڑی۔ مہدی تیز تیز قدم لیتا قیس کے آفس کی جانب جا رہا تھا۔ زینیا اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر آگئی۔ راہداریوں میں آگے کو جاتے مہدی کو آواز دے کر روکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ساتھ مسکرایا۔ اور اسکی طرف چلا آیا۔

''مجھے آپ سے ایک کام تھا۔'' مہدی اس کے قریب آکر رکا تو وہ کہنے لگی۔ ''آپ کے اسپین ٹور کی تصاویر جس فوٹو گرافر نے لی تھیں کیا آپ میری اس سے بات کروا سکتے ہیں؟ مجھے اس سے کچھ چیزیں پوچھنی ہیں۔''

''شیور۔ ویسے تو وہ کافی مغرور آدمی ہے، لیکن میں اسے تمہارا نمبر دے دوں گا۔ خود ہی تم سے بات کر لے گا اوکے؟''

''او کے شیور۔'' اس نے سر ہلایا اور واپس مڑنے لگی جب مہدی کی پکار پہ رکی۔

''تم مجھ سے ناراض ہو کیا؟'' وہ جانے کس خدشے کے پیشِ نظر پوچھ رہا تھا۔

''میں نے دیکھا، زینیا۔ کل اس سیمنار میں ہر کوئی میرے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر تم نہیں اٹھیں۔ ہر کوئی مجھے سراہ رہا تھا لیکن تم نے کبھی میرے لئے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ کل نہیں۔۔۔۔'' وہ آگے کو آیا۔ زینیا اسکی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔

''یہ صرف کل نہیں ہوا۔ یہ ہر بار ہوتا ہے۔ تم کبھی میرے لئے کھڑی نہیں ہوئیں، تمہاری آنکھوں میں کبھی میرے لئے ستائش نہیں آئی۔ پرابلم کہاں ہے، زینیا؟'' راہداری کے سرے پہ کھڑا اسفید اوور کوٹ والا مرد جواب کا منتظر تھا۔ زینیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے، مسٹر کمبیر۔ مجھے جانا ہو گا۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتی آگے بڑھی۔

''زینیا حاکم، پرابلم کہاں ہے؟ تم مجھے جواب دیئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتیں۔'' وہ مڑی اسکی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ جبڑے بھینچ گئے۔

''میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔ آپ کو سراہنے والے ہزار لوگ ہیں۔ میری کیا ضرورت ہے۔''

''ہر کوئی، زینیا حاکم نہیں ہوتا۔ ہر کوئی میرا اگار جین نہیں ہے۔'' وہ جواب دیئے بغیر مڑی مگر آگے نہ جا سکی۔ اسکی کلائی مہدی کمبیر کے ہاتھ میں تھی۔ زینیا ہل نہ سکی۔

''تم نے ایک دن کہا تھا میں پرابلم ہوں۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کیوں کہاں کیسے؟''

''آپ کو پتہ ہے پرابلم کہاں ہے؟ پرابلم آپ ہیں، مہدی۔''

اس نے ہاتھ چھڑوایا مہدی نے چھوڑ دیا۔

''آپ کے الفاظ میرے دل پہ اثر نہیں کرتے کیونکہ آپ جھوٹے ہیں۔ جھوٹے انسان کے الفاظ میں تاثیر نہیں رہتی۔ آپ لوگوں کو کہتے ہیں کہ وہ خود کو معاف کریں کیا آپ نے کبھی خود کو معاف کیا ہے؟'' مہدی کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔ لبوں پہ قفل لگ گیا۔

''آپ کو اپنے اندر بہت ساری چیزیں پسند ہوں گی۔ لیکن کیا ہے جس سے آپ کو نفرت ہے؟'' مہدی خاموش رہا۔

''بتائیں اپنی کس چیز سے نفرت ہے آپ کو؟'' وہ چند پل مزید خاموش رہا۔

پھر دھیرے سے کہا۔

''میری آنکھیں۔'' وہ اتنی ہلکی آواز میں بولا کہ بامشکل خود سن سکے۔

''مجھے میری آنکھوں سے نفرت ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ زینیا اس کے عین سامنے آکر رکی۔ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ اس کے قد کے ساتھ قد ملائے۔ سیاہ سفید مکس ہونے لگا۔ سنہری، سبز گھلنے لگا۔

''یہ آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔'' مدھم سی سرگوشی پہ مہدی سانس نہیں لے سکا۔

زینیا حاکم اسکی آنکھوں کو خوبصورت کہہ رہی تھی؟

''کسی بھی انسان سے ملتے ہوئے میں سب سے پہلے اسکی آنکھیں دیکھتی ہوں۔ جب میں نے پہلی بار آپ کی آنکھیں دیکھی تھیں چندپل کے لئے مجھے بس قدرت دکھائی دی تھی۔ انکا رنگ دیکھا ہے؟ ان کے اندر انسانیت دیکھی ہے؟ کیا آپ نے ان کے اندر ٹراما اور معصومیت دیکھی ہے؟ نہیں دیکھی ہوگی کیونکہ آپ نے آج تک آئینے میں اپنی آنکھیں ہی نہیں دیکھی ہوں گی۔ آپ نے خود کو کتنی بڑی اذیت دے رکھی ہے جانتے ہیں؟'' اسے ملال ہوا۔ مہدی کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔ وہ سنہری آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سبز آنکھوں کے گرد سنہری دائرے بننے لگے۔

''مجھے میری آنکھیں نہیں پسند۔'' اس نے دہرایا۔ آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''میری آنکھیں خوبصورت ہوسکتی ہیں، مگر آنکھیں نحوست ہیں۔ مجھے یہی بتایا گیا ہمیشہ۔'' وہ گردن جھکائے کھڑا تھا۔ آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

''کوئی دوسرا کون ہوتا ہے آپ کو یہ بتانے والا کہ آپ کا چہرہ کیسا ہے؟ آپ کی آنکھیں کیسی ہیں، آپ کا رنگ کیسا ہے۔ اگر کسی کو آپ کو کچھ کہنے کا حق ہے تو وہ آپ ہیں۔ آپ پہ سب سے زیادہ حق آپ کا ہے۔'' اس نے انگلی سے مہدی کے سینے پہ دستک دی۔ مہدی کو وہ دستک اپنے دل تک جاتی محسوس ہوئی۔

'' مجھے نہیں پتہ آپ کا ٹراما کیا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ماضی میں آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے، مجھے یہ بھی نہیں پتہ آپ کا خاندان کونسا اور کیسا ہے۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ مہدی کبیر ایک اچھا انسان ہے۔ آنریبل، نفیس، رحم دل، اور خوبصورت بھی۔ میں بس یہ جانتی ہوں

کہ جو گلٹ آپ کو اندر سے کھا رہا ہے، اس میں آپ بے قصور ہیں۔ اور اگر قصور وار تھے بھی تو اب وقت آگیا ہے کہ آگے بڑھا جائے۔ موو آن کیا جائے۔ موو آن زندگی سہل کر دیتے ہیں، مہدی۔"

وہ اس انسان کو بتا رہی تھی جو ہر دفع اس کے لئے آجایا کرتا تھا۔

"میں قصوروار ہوں۔ میں نفرت ڈیزرو کرتا ہوں۔ میں نے کئی انسانوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے کفارہ ادا کرنا ہے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح الزام اپنے سر لئے۔

"اور کتنا کفارہ؟" وہ دوبدو بولی۔ "ایسا کونسا کفارہ ہے جس نے آپ کو اپنی ہی آنکھوں سے نفرت کروادی۔ جس نے آپ کو اندر سے کھوکھلا اور بسمل بنا دیا۔ ہر غم کی ایک مدت ہوتی ہے، ایک ایکسپائری ڈیٹ۔ اس کے بعد غم ناسور بنتا جاتا ہے۔ انسان کو ختم کرتا جاتا ہے۔ آپ کے لفظ ساری دنیا کے لئے مرہم ہو سکتے ہیں لیکن آپ کے الفاظ زینیا حاکم کے دل پہ نہیں اترتے۔ اور دنیا میں ایسی کئی زینیا حاکم ہوں گی جنہوں نے آپ کی آنکھوں میں سب پڑھ لیا ہو گا۔ کیا کبھی کسی زینیا نے آپ کو آئینہ نہیں دکھایا؟"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ عجیب سی آواز میں بولا۔ گویا ابھی ہوش آیا ہو۔

"مجھے معلوم ہے میں نے کیا کیا ہے۔ تم مجھے مینوپلیٹ نہیں کر سکتیں۔" وہ تیز تیز قدم لیتا آگے بڑھ رہا تھا جب زینیا نے اسے عقب سے نہیں پکارا۔ وہ ان لوگوں کی مدد کرتی تھی جو اس سے مدد مانگتے تھے۔

وہ دور جا رہا تھا۔ اسے زینیا کو نہیں سننا تھا مگر وہ کہہ رہی تھی، اسے کہنا تھا۔

''اپنی آنکھوں میں دیکھیں ہر روز دیکھیں۔پہلے مجرم دکھے گا، پھر ملزم،اور پھر مظلوم۔آہستہ آہستہ آپ کو ان آنکھوں سے محبت ہو گی۔'' وہ چلا گیا تھا آوازوں کی بازگشت سے دور بہت دور۔زینیا تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔کچھ لوگوں کے لئے واقعی دل سے افسوس ہوتا ہے۔

راہداریوں سے دور باتھروم کے آئینے کے سامنے کھڑا مہدی کمبیر شل تھا۔اسکی رنگت نچڑ چکی تھی۔آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی تھی۔وہ واش بیسن پہ جھکا ہوا تھا۔پانی کی بہتی دھار سے ہتھیلی کے پیالے بھر لئے،اور چہرے پہ پانی مارا۔اسے اپنی آنکھیں اور دل جلتا محسوس ہوا۔اسکا ذہن کسی اور منظر میں کھویا ہوا تھا۔

ایک سبز آنکھوں والی عورت پلنگ پہ کروٹ کے بل اس کے ساتھ لیٹی تھی۔اسکی آنکھیں سبز تھیں۔کائی جیسی سبز۔

''تمہاری آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں،انس۔''

''ممی ان میں کچھ بھی اسپیشل نہیں ہے۔دنیا میں کئی لوگوں کی ایسی آنکھیں ہیں۔'' بچہ مسکرا کر بولا۔

ماں مسکرائی تھی۔اور جھک کر اسکی آنکھوں کو باری باری چوما۔

''ہر کسی کے پاس ایسی آنکھیں نہیں ہوتیں۔بات رنگ کی نہیں ہے۔تمہاری آنکھوں کو خوبصورت قدرت بناتی ہے،انسانیت اور معصومیت۔تمہاری آنکھیں آنریبل ہیں مہدی۔ہر انسان کی آنکھیں اتنی خوبصورت نہیں ہوتیں۔''

منظر پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہوا۔آج تک کسی نے یوں مہدی کی آنکھیں نہیں پڑھی تھیں۔اسکی ماں کے بعد زینیا وہ پہلی عورت تھی جسے ان آنکھوں میں رنگ کے علاوہ کچھ نظر آیا تھا۔مرد ہر عورت میں اپنی ماں کا عکس دیکھتا ہے۔اپنی چھبیس سالہ زندگی میں کسی نے مہدی کی آنکھوں میں ویسے جھانکا تھا جیسے اسکی ماں نے۔

اسکی ماں کے بعد آج تک اسے کسی کے الفاظ سکون نہیں پہنچا سکے تھے۔مگر زینیا نے اسے آج سکون دیا تھا۔وہ جن سوالوں سے بھاگنے کی لئے اس نے پچپن ملک گھوم لئے تھے آج اسے انکے جواب ملے تھے۔زینیا حاکم آج سے اسکے لئے عام عورت نہ رہی تھی۔آج سے مہدی کمبیر نے اسے دل کے ایک اعلیٰ خانے میں رکھ دیا۔اونچا،اور اعلیٰ۔

کئی لمحے بعد اس نے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔دبتا سانولا رنگ،مناسب نقوش،ماتھے پہ گرتے گیلے بال اور سبز آنکھیں۔اس نے اپنی آنکھوں کو دیکھا،اور اسکے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے۔منظر ٹوٹ پھوٹ کر اس کی یادداشت کا حصہ بننے لگے۔

''تم نحوست ہو،مہدی،تم مر کیوں نہیں جاتے؟تمہاری سبز آنکھیں،آپ کی آنکھیں،مجھے تمہاری آنکھوں سے نفرت ہے،تم نے میرے بابا کو مارا،آپ کی آنکھیں خوبصورت ہیں،سبز قدم۔۔۔''اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔آنکھوں سے پانی کے قطرے بہنے لگے۔

''آپ کی آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔''

اسے اپنی آنکھیں مجرم لگی تھیں۔مگر کم از کم اس نے آج اپنی آنکھیں دیکھی تھیں۔وقت لگتا ہے،ہیلنگ وقت لیتی ہے۔مہدی کا وقت آچکا تھا۔

کانفرنس روم کی پاور چیئر پہ بیٹھا قیس تنقیدی نظروں سے اس "**اسنیک پیک**" نامی بلا کو دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ واحد روشنی سکرین پہ چلتی ویڈیو کی تھی۔ کسی نیٹ فلکس سیریز کے جیسی شروعات تھی۔ ہر کسی کی آنکھیں سکرین پہ ٹک کر رہ گئیں۔ زینیا ریموٹ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ دیوار سے لگ کر کھڑی لڑکی کا تنفس غیر ہموار تھا۔ اے سی کے باوجود اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ قیس کی بے تاثر نظریں سکرین پہ جمی تھیں۔

سب سے پہلے جلی حروف میں **بی قیو** لکھا ہوا آیا۔ لوگوں کی آنکھیں ایک نقطے پہ جم گئیں۔ اس کے بعد دس سیکنڈ کا ایک بلیک اینڈ وائٹ کلپ تھا۔ جس میں کوئی ڈیزائنر سر ہاتھوں میں دیئے ہوئے تھا، تو کوئی آنکھوں میں چمک لئے اپنے بنائے گئے ڈیزائن کو دیکھ رہا تھا۔ آس پاس کاغذ بکھرے پڑے تھے اور ایک آدمی گردن ڈھلکائے مجسمے کے اوپر چڑھائے لباس پہ موتی لگا رہا تھا۔

کئی ڈیزائنرز کی آنکھوں میں زخمی مسکراہٹ تھی۔ ویڈیو آگے بڑھی۔ سکرین پہ ایک بار پھر چند الفاظ آئے۔

"قیسم۔۔۔ایک برانڈ نہیں۔"

"قیسم۔۔خواب، جنون، خوبصورتی، بلندی، محبت"

سکرین ایک پھر سیاہ سفید ہو گئی۔ ہر ہر لفظ کے ساتھ سکرین پہ ایک سے ایک شاہکار ڈیزائن آجاتا تھا۔ جس وقت سکرین پہ الفاظ آتے، سکرین سیاہ و سفید ہو جاتی۔ پھر اگلے لمحے قوس قزح کے تمام رنگ چھا جاتے۔ ویڈیو اختتام کو آنے لگی تو قیسم کے تمام ڈیزائنرز ایک ساتھ کھڑے نظر آئے۔ ان سب کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ہاتھ میں کاغذ، قلم، رنگ

''جلد آرہا ہے۔۔۔۔'' سکرین پہ آنے والے آخری الفاظ یہی تھے اور پھر سکرین سیاہ پڑ گئی۔

A short film by zeeniya hakim

آخری الفاظ اس سیاہ سکرین پہ سنہری حروف میں جگمگائے۔ زینیا نے بے اختیار اپنے دل پہ ہاتھ رکھا نم ہوتی آنکھیں صاف کیں۔ سکرین پہ باقی ٹیم کے بھی نام تھے۔ کمرے میں روشنی چھا گئی۔ کانفرنس روم میں بیٹھا ہر ڈیزائنر تالیاں پیٹ رہا تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ زینیا عقب میں کھڑی نم ہوتی آنکھوں سے اپنی بلندیاں دیکھ رہی تھی۔ اپنے پندرہ دن کی بغیر سوئی راتوں کا ثمر، بھوک پیاس اڑائے رکھنے کا اجر آج اسے مل رہا تھا۔ سکرین پہ آتا اسکا نام اسے اس نام پہ فخر ہوا۔

اس نے نظریں ایک طرف کو موڑیں۔ قیس سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی۔ اور وہ مسکرایا تھا۔ زینیا کو اسکی آنکھیں بھی مطمئن لگیں۔ اپنی جگہ پہ بیٹھے اس نے زینیا کی جانب تھمز اپ کا نشان کیا۔

''گڈ جاب، زینیا حاکم۔'' وہ یک ٹک اسے دیکھتے بلند آواز میں بولا۔

''انعام کے طور پہ اس آفس میں تمھارے لئے چائے کی نہر بہائی جانی چاہیے۔'' کسی نے اعلان کیا تو زینیا ہنس پڑی، وہ بھی ہنسا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ سارا کانفرنس روم ہنسا تھا۔ مگر جو sparkle ان دونوں کی آنکھوں میں تھا وہ باقی سب کے پاس مفقود تھا۔ قیس نے مسکرا کر سر کے خم سے اسکا شکریہ ادا کیا۔ زینیا کے سامنے اسے الفاظ کم ہی استعمال کرنے پڑتے تھے۔ وہ کیوں دن بہ دن ضرورت سے زیادہ ضروری ہوتی جا رہی تھی؟

چند گھنٹے بعد وہ دونوں قیسم کی بالائی منزل پہ بنے فوڈ کورٹ میں بیٹھے تھے۔ زینیا کے آگے چائے کے تین کپ رکھے تھے۔ ایک کپ قیس کے سامنے بھی رکھا تھا۔ آج کافی کی جگہ چائے۔ زینیا اپنے اپنے انسٹا گرام کے بتدریج بڑھتے ہوئے فالوورز دیکھ رہی تھی۔ ایک اسنیک پیک نے جہاں قیس کے سارے خدشے دھو ڈالے تھے وہیں زینیا حاکم کے لئے کامیابی کی نئی راہیں کھل گئی تھیں۔

"تمہیں چند دنوں میں قیسم سے ڈبل تنخواہ آفر کی جائے گی۔ لوگ تمھیں جاننے لگیں گے۔ تم تو مشہور ہو جاؤ گی۔" وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا تھا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی۔

"یقیناً ہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھے کہ تم میری مقبولیت کے گیت گاؤ۔ پائنٹ پہ آنا ذرا۔" قیس اسکی بات پہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"تمہیں اگر قیسم چھوڑنا ہو تو بتا دینا۔"

"میں قیسم نہیں چھوڑ رہی۔" اس نے اپنے لفظوں پہ زور دیا۔

"تم چھوڑ دو گی، سب بہتر آفر کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ کوئی غلط بات نہیں۔"

"میں نہیں چھوڑوں گی، کیونکہ قیسم بہتر نہیں بہترین ہے۔" وہ زور دے کر بولی تو قیس رک سا گیا۔

"ہاں ٹھیک ہے میرا باس تھوڑا ٹاسک آدمی ہے۔ اوور ورک کرواتا ہے، مجھے ٹف ٹائم دیتا ہے، سب کو زچ کر کے رکھتا ہے۔ لیکن اگر تم کسی بھی ورکر سے پوچھو تو کوئی قیسم چھوڑنے کو تیار نہیں ہو گا۔"

"اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" وہ آگے کو ہوا۔ کپ واپس میز پہ رکھا۔

”کیونکہ قیسم مسیحا ہے۔ کیونکہ یہاں کام کرنے والے نوے فیصد وہ لوگ ہیں جنہیں ٹیلنٹ کے باوجود بڑی بڑی کمپنیز میں گھسنے تک نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ سب غریب تھے، مگر قیسم نے انہیں بلندی دکھائی۔ کوئی قیسم نہیں چھوڑے گا بے فکر رہو۔“

”تم باقیوں کو چھوڑو اپنا کہو۔“ کہتے ہوئے اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ نظریں سنہری آنکھوں پہ جما رکھی تھیں۔

”کیا تم مجھے روکنا چاہتے ہو؟“ زینیا کی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔

قیس دھیرے سے ہنس دیا۔ بات بے بات آج کل وہ مسکرانے لگا تھا۔

”میں کسی کو نہیں روکتا۔ میں تو اپنی سانس سے بھی ہر صبح خدا حافظ کہہ کر نکلتا ہوں۔“

”انشااللہ وہ بھی ایک دن تمھیں بدلے میں اللہ حافظ کہہ دے گی۔“ زینیا نے اپنا کپ لبوں سے لگایا۔ الائچی کا ذائقہ حلق تک گیا۔

”ڈونٹ ٹیل می تم آج گلٹی ہو اور مجھ سے معافی مانگنا چاہتے ہو۔“

”میں گلٹی نہیں ہوں۔ ہاں میں تمھارے ساتھ سخت تھا، لیکن تم اکیلی نہیں۔ یہاں ہر کسی کے ساتھ ایسا ہی رہا ہوں میں۔ میرا یہ رویہ آگے جا کر جسٹیفائیڈ ہو گا۔“

زینیا نے آنکھیں گھمائیں جیسے کہہ رہی ہو whatever۔ تھوڑی دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر زینیا کچھ کہنے لگی۔

”میں بہتر آپشنز کے لئے ضرور جاؤں گی، قیس۔“ وہ مسکرایا۔ جیسے اسے سب معلوم ہو۔

”لیکن میرا بہتر آپشن کوئی دوسرا فیشن ہاؤس نہیں ہے۔ میرا کیریئر ہے۔ جو کہ فوٹو گرافی نہیں۔ یہ تو ایک شوق تھا۔“

''لیکن اب یہ ایک اچھا کیریئر بن سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو بہت آگے جا سکتی ہو۔ میں یہاں سے کھڑے ہو کر تمہارے مستقبل کی روشنیاں دیکھ سکتا ہوں۔''

زینیا آگے کو ہوئی۔ فکر مندی سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''کہیں آج تم کوئی فلم تو دیکھ کر نہیں آئے؟ مجھ سے اتنی نرمی سے بات کر رہے ہو کیسے۔؟ یہ تم نہیں ہو یہ کون ہے؟''

''تم مجھے اور میں تمھیں جانتے ہی کتنا ہیں؟'' اس نے کرسی پہ پیچھے کو ہو کر ٹیک لگائی۔ آج اسکے بال ہلکے سے بکھرے بکھرے ماتھے پہ گر رہے تھے۔

''جب تم پہلی بار مجھ سے ملیں تو تم مجھے سٹالک کر رہی تھیں۔ اگلی دفع تم ڈرگز کا بھرا ہوا بیگ لے کر میرے گھر گھس آئیں۔ اور اس کے بعد ہونے والے واقعات بھی کوئی خوشگوار نہیں تھے۔ ایک اسٹالکر اور اسمگلر کے ساتھ میرا رویہ کیسا ہونا تھا؟'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ مگر آج اسکی مسکراہٹ طبیعت پہ اچھا اثر چھوڑ رہی تھی۔

''آج تمہاری ایسی باتیں سن کر پتہ نہیں کیوں لیکن مجھے لگتا ہے تمہارا تازہ تازہ بریک اپ ہوا ہے۔ اور تمہاری عقل ٹھکانے آگئی ہے۔'' زینیا نے کوکیز اٹھا کر کترنے شروع کیے۔ قیسم میں اسے کوئی کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

''بریک اپ کے لئے ایک عدد تعلق کا ہونا ضروری ہے۔'' قیس جتا کر بولا۔

''ڈونٹ ٹیل می کہ تم اس بھری دنیا میں اکیلے ہو۔''

''اکیلا نہیں reserved ہوں۔''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''میں نے کہاناں ابھی تم مجھے جانتی ہی کتنا ہو؟ آہستہ آہستہ سمجھ جاؤ گی۔''اپنا کپ ختم کر کے میز پہ رکھا،اور زینیا کے آگے سے ایک کپ اٹھالیا۔

''تو پھر جان لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟''زینیا نے پیشکش کی۔

''کیسے جانو گی،بہت جلد تم قیسم چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔''جانے وہ بار بار اس کے جانے کا ذکر کیوں کر رہا تھا۔شاید وہ کوئی عندیہ چاہتا تھا۔

''تم ابھی مجھے جانتے نہیں۔ ورنہ میرے بارے میں ایسا نہ کہتے۔''زینیا نے اس کے الفاظ اسے لوٹائے۔

''تو پھر جان لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟''وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔زینیا نے سوچنے کی اداکاری کی۔ پھر اسکی آنکھیں چمکیں۔

''ٹھیک ہے، پھر ایسا کرو سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم زن بیزار کیوں مشہور ہو۔اور اگر تم واقعی ایسے ہو تو تمھارے آفس کی گنی چنی عورتیں تم سے خوش کیوں ہیں۔''

''کیا ان ساری خوش عورتوں میں تم بھی شامل ہو؟''

''میں خوش نہیں ہوتی۔ یا کم از کم اتنی جلدی نہیں ہوتی۔''

''تم خوش کیوں نہیں ہوتیں؟ یا پھر اتنی جلدی کیوں نہیں ہوتیں؟''وہ مصر ہوا۔

''تمھارے ساتھ خوش رہنا مشکل ہے۔ یا شاید ناممکن۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''مجھے ناممکن پسند ہے۔''

''تم مدعے سے ہٹ رہے ہو۔ بات گھمار ہے ہو۔''

''مجھے مدعے سے ہٹنا باتیں گھمانا پسند ہے۔''

''قیس۔۔۔۔۔۔'' زینیا نے تحمل سے اسے دیکھا۔ قیس نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔

''کیا؟ میں نے کیا کیا ہے۔ میں تو بس تمہیں بتا رہا ہوں کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔ تم مجھے جاننا نہیں چاہتیں؟'' وہ آنکھوں میں سارے جہاں کی لاعلمی لئے ہوئے تھا۔ زینیا نے جھر جھری سی لی۔

''سب سے پہلے تو تم مجھے جانو۔'' اس نے قیس کے سامنے سے اپنا کپ اٹھا لیا۔ ''مجھے اپنی چائے شیئر کرنا نہیں پسند۔''

قیس نے افسوس سے اسے دیکھا۔'' چیزیں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔''

''چیزیں بڑھتی ہوں گی۔ مگر چائے بانٹنے سے گھٹتی ہے، اور میرا شوگر لیول بھی۔'' چائے کے کپ اپنے سامنے اکھٹے کرتے اس نے اطلاع دی۔ قیس چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ زینیا نے اپنا موبائل اٹھا لیا تھا۔

''میں زن بیزار مشہور ہوں کیونکہ میں عورتوں کو بہت کم نوکری دیتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''اس لئے نہیں کیونکہ مجھے ان سے خار ہے بلکہ اس لئے کیونکہ عورتیں سست، نخرے باز اور نازک ہوتی ہیں۔اور قیسم یہ تینوں چیزیں افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں جن عورتوں کو نوکری دیتا ہوں وہ ambitious اور محنتی ہوتی ہیں۔اور چونکہ میں اپنے ملازمین کا خیال رکھتا ہوں سو عورتوں کو یہاں کام کرتے ہوئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ ویسے نوکری دیتے وقت میرا یہی اصول مردوں پہ بھی لاگو ہوتا ہے۔ مگر لوگ اندھے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں۔''

زینیا نے موبائل چہرے سے ہٹا کر سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ پھر مختلف نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم بہت گہرے ہو۔''

''اور تم کنجوس۔'' کن اکھیوں سے اسکی چائے کی طرف اشارہ کیا۔

''چلو شکر ہے ہم نے ایک دوسرے کو جاننے کی شروعات اچھی کی۔'' وہ اپنے ڈھیٹ پن پہ ڈٹی رہی۔۔ قیس مسکرایا بولا کچھ نہیں۔ زینیا حاکم جس ماحول سے آئی تھی وہاں چاروں طرف دیواریں تھیں، اور یہاں کھلا آسمان۔ اس نے پرواز بھری تھی، مگر بہت جلد اسے اندازہ ہونے والا تھا کہ اپنی سمت بھلا دینا کتنا برا ثابت ہوتا ہے۔

''تم اسلام آباد کیسے آئیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

جان پہچان کا یہ سفر خیر سے گزرے خدا کرے۔

یہ منظر ایک چھوٹے سے سٹوڈیو کا ہے۔ جہاں سٹوڈیو کے عین بیچوں بیچ دو لمبی کرسیاں رکھی تھیں۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز۔ دیواریں مختلف قسم کی پینٹنگز سے سجی تھیں۔ ایک دیوار پہ بڑا بڑا جلی حروف میں "**پاڈ کاسٹ، اور چائے**" لکھا تھا۔

کرسیوں کی طرف آؤ تو وہاں دو نفوس بیٹھے تھے۔ ایک میزبان۔ جو کہ غالباً ایک یوٹیوبر تھا۔ عمر پچیس کے ہندسے کو چھوتی تھی۔ اور نقوش واجبی سے۔ اسکے کانوں پہ بڑے بڑے مائیکس لگے تھے، ایک مائیک ہاتھ میں تھا۔

اس کے سامنے ہمارا مہدی کمبیر بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگ کے بیگی سوئیٹر کے ساتھ کارگو پینٹ پہنے بالوں کے تازہ اسپائکس بنائے وہ ہلکی بڑھی شیو والا مرد بااعتماد سا تھا۔

"اسلام و علیکم، ہیلو، ہائے۔ پاڈ کاسٹ ود چائے کے ساتھ میں ہوں عقیل خان اور میرے ساتھ موجود ہیں، مہدی کمبیر۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے مہدی کی جانب اشارہ کیا۔ مہدی مسکرا رہا تھا۔

"جی ہاں۔ دی لائف کوچ، دی پبلک اسپیکر، دی ٹریولر، دی ہیلر، مہدی کمبیر۔ ہم نے مہدی کمبیر سے پچھلے شو میں بھی وقت لیا تھا لیکن وہ آنہ سکے۔ وجہ جانتے ہیں پھر۔" وہ ہتھیلی ٹھوڑی تلے ٹکائے وہ متجسس ہوا۔

"آپ کے پچھلے شو کا نام تھا پاڈ کاسٹ ود کافی۔ میں آجاتا تو یہ میری چائے سے بے وفائی ہوتی۔" وہ مائیک منہ کے قریب لائے مسکرا کر بولا۔ عقیل پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

"یعنی آپ یہاں چائے پینے آئے ہیں؟"۔

"جی ہاں۔ کوئی شک؟" کمال ڈھٹائی تھی۔

''میں اسے نہیں بھولوں گا اور آپ کا حساب شو کے بعد ہو گا۔'' وہ برا مان گیا۔ مہدی نے سر کو خم دیا۔

''اس وقت تو ہم اپنی عوام کی خواہش پہ آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں۔'' مہدی بلکل سنجیدہ ہو گیا۔ لوگوں کے لئے تو وہ جی جان سے حاضر تھا۔

''کچھ لوگ اچھی زندگی نہیں گزار پاتے۔ انکا بچپن ٹراماٹک رہا ہوتا ہے۔ یا پھر جوانی میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ غلط لوگ ملتے ہیں۔ غلط فیصلے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ زندگی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مگر خود کو معاف نہیں کر پاتے۔ آپ کو اس بارے میں کیا لگتا ہے۔'' مہدی نے پورا سوال سنا، سر کو سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔ یوں ٹانگیں لٹکائے وہ کمفرٹیبل نہیں تھا سو پیر اوپر کئے آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔

''خود کو معاف نہ کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ یا تو وہ انتقامی کاروائیوں پہ اتر آتے ہیں اور ساری زندگی اپنے سے جڑے عزیز لوگوں کو ذرا ذرا سی غلطیوں پہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ذرا سی ناکامی کے بعد ہر کوشش ترک کر کے خود کو سزا دینے لگتے ہیں۔ ذرا ذرا سی غلطی پہ لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں معاف نہیں کیا گیا تھا سو وہ معاف نہیں کرتے۔'' ساتھ رکھی میز پہ سے اس نے چائے کا کپ اٹھایا، گھونٹ بھرا اور پھر واپس مائیک چہرے کے قریب کیا۔ عقیل پوری طرح اسکی طرف متوجہ تھا۔

''اور دوسرے لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ چونکہ انہیں معاف نہیں کیا جاتا اس لئے وہ سب کو معاف کر دیتے ہیں۔'' کہتے ہوئے اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

''ایسے لوگ خود کو بے توقیر کیا جانا معاف کر دیتے ہیں۔خود سے بدتمیزی، خود کارد کیا جانا،اپنی ذات کی نفی،اپنے آپ کو ذلیل کروایا جاناسب معاف۔ایسے لوگ خوف زدہ ہوتے ہیں۔انہیں لوگوں کو خوش کرنا ہوتا ہے تاکہ سب اچھا اچھا رہے۔فیری ٹیل یو نو۔''وہ مسکرایا مگر آنکھیں نہ مسکرا سکیں۔

کچھ الفاظ، صرف الفاظ نہیں ہوتے روح کا آئینہ ہوتے ہیں۔انہیں لکھتے، سنتے، کہتے یا پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے یہ ہماری ہی بات ہو۔اور یہ مہدی کی بات تھی۔ہاں شاید تمہاری بھی۔

''چاہے خود کو معاف نہ کیا جانا ہو چاہے لوگوں کو ایسے لوگ دونوں طرح سے تکلیف میں رہتے ہیں۔''مہدی نے بات ختم کی۔اور چائے کا کپ اٹھالیا۔عقیل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''دونوں نقصان میں ہیں کیا آپ اس بات کو ایکسپلین کر سکتے ہیں۔''

''بلکل۔دیکھیں عقیل جو لوگ دوسروں کو معاف نہیں کرتے وہ ہمیشہ لوگوں کو کھو دیتے ہیں۔اور تنہا رہ جاتے ہیں۔ہر وقت اپنے آس پاس لوگوں پہ شک کرتے رہتے ہیں۔اور خود کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔انکی زندگی میں سکون نہیں ہوتا۔انکے رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔اور زیادہ عرصہ چل بھی نہیں پاتے۔اور جتنا عرصہ وہ چلتے ہیں ان میں سکون ناپید ہوتا ہے۔

اور جو لوگ ہر کسی کو معاف کر دیتے ہیں ایسے لوگ بس خود کو بے توقیر کرتے رہتے ہیں۔لوگ انکا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ایسے لوگ خود کو تکلیف میں ڈال کر بھی لوگوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔خود کو اذیت دی جانا، خود پہ ہاتھ اٹھایا جانا، بار ذلت کے باوجود اسی تعلق میں واپس آکر ایسے لوگ کیا پاتے ہیں؟ اذیت، تکلیف، ذلت۔اور گلٹ۔جو مرد خود کو معاف نہیں کرتے وہ ورک پلیس پہ

خود کو استعمال کرواتے رہتے ہیں۔اور عورتیں سسرال یا پھر میکے میں ہونے والی زیادتی برداشت کرتی رہتی ہیں۔جانتے ہیں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مرد اور عورت کس طرح لوگوں کا کارپٹ بنے ہوئے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ انکی آنے والی نسل کی پرورش کیسی ہو گی؟انکا ڈر،انکا لو کانفیڈنس ڈی این اے کی طرح ٹرانسفر ہوتا رہتا ہے۔اور نسلیں یونہی برباد ہوتی رہتی ہیں۔''اسے جیسے افسوس ہوا تھا۔بے حد افسوس۔

''ان سب سے کیسے نکلا جائے؟کیا ماضی کا ٹراما بھلا دینا اتنا آسان ہوتا ہے؟اور اگر ہوتا ہے تو کچھ لوگ کیوں ساری زندگی اسی چکر میں گھرے رہتے ہیں۔؟''عقیل کے سوال پہ مہدی آگے کو ہو کر بیٹھا،پیر نیچے اتارے۔اور سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''دیکھیں ٹراما ایک بہت بڑا لفظ ہے۔یونہی ایک ذرا سے صدمہ،پریشانی اور ڈپریشن کو ہم ٹراما نہیں کہہ سکتے۔ٹراما ایک بہت برے بچپن کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ماں باپ کی نظر اندازی،ٹیچرز کا برا رویہ،بچپن میں ہوا کوئی دردناک واقعہ۔یا پھر جوانی یا عمر کے کسی بھی حصے میں ہوا کوئی غیر معمولی حادثہ۔جسے سنا نہ گیا ہو،جسے پراسیس نہ کیا گیا ہو،جسے اہمیت نہ دی گئی ہو۔اور جو کبھی ختم نہ ہو سکتا ہو۔''اس نے سانس لی۔عقیل باغور اسے سن رہا تھا۔

''ٹراماز کا سائیکل انسان کو اپنے چکر میں گھیر لیتا ہے یوں کہ اسے خود بھی معلوم نہ ہوتا ہو۔کئی انسانوں کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ آیا وہ واقعی لوگوں کو معاف کئے جا رہے ہیں؟یا پھر کیا وہ واقعی سزائیں دینے لگے ہیں۔کیونکہ ٹراما انکے جسم میں رہ چکا ہوتا ہے اور ایک مستقل ٹھکانہ انسان کو کمفرٹیبل کر دیتا ہے۔اسی لئے اپنی زندگی میں لئے گئے فیصلوں،اور اپنے پیٹرن پہ غور کرتے رہنا چاہیے۔اور

جہاں آپ کو لگے کہ آپ کا پیٹرن سیم ہوتا جارہا ہے یعنی اگر کسی نے آپ کو ہرٹ کیا اور آپ نے تین سے چار بار ایک ہی قسم کا فیصلہ لیا تو آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔''

''اور ہمارا مددگار کون ہے؟''

''اللہ۔۔پہلے اس سے رجوع کریں۔وہ بس ایک پکار کی دوری پہ ہے۔اور پھر اسکے بھیجے گئے نائب۔ہر انسان اس دنیا میں اللہ کا بھیجا گیا نائب ہے جس کے ہاتھ میں ایک مقصد ہے۔اور انہی لوگوں کے درمیان کچھ لوگ **''ڈاکٹرز''** کہلاتے ہیں۔انکی زندگی کا مقصد ہوتا ہے فکس کرنا۔وہ عقل وشعور جو انہیں اللہ نے دیا اسکے زریعے لوگوں کو فکس کرنا۔ڈاکٹر ہمیشہ پائنٹ زیرو سے شروع کرتا ہے۔اگر آپ کو بخار ہے تو وہ پوچھے گا پچھلے ہفتے مچھروں میں تو نہیں سوئے؟اسی طرح دماغ کے ڈاکٹرز آپ کے بچپن سے شروع کرتے ہیں۔اور کچھ لوگوں کا بچپن بہت خوبصورت نہیں ہوتا۔''وہ مسکرایا۔ایک زخمی مسکراہٹ۔اسکے تاثرات ریاکاری سے پاک تھے۔کم بخت کو کوئی اداکاری سکھائے۔

''اب آتے ہیں اس سوال پہ کہ کیا ٹراماٹک لوگ اپنے اس تکلیف دہ سائیکل سے نکل سکتے ہیں؟تو جواب ہاں ہے۔بلکل نکل سکتے ہیں اگر وہ واقعی نکلنا چاہیں۔انسان کی will power چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔اگر وہ واقعی ایک ٹاکسک پیٹرن سے نکلنا چاہے تو وہ نکل سکتا ہے۔''

''لیکن کیسے؟ابھی آپ نے کہا دوسروں کو معاف کرنا غلط ہے،اور ہر کسی کو معاف نہ کرنا بھی غلط۔دل کو سکون دینے کے یہی دو کام ہیں۔اس ٹاکسک سائیکل کو کیسے توڑا جائے؟''

''خود کو معاف کر کے۔'' الفاظ تھے کہ امرت؟ سننے والوں کے دل پہ میٹھی پھوار بن کر گرے۔

''یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ دنیا کے ساتھ رحم دل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ظالم نہ بنیں۔ بچپن برا تھا تو یہ آپ کا قصور نہیں۔ جوانی میں لوگوں نے قدر نہ کی، درست فیصلے نہ ہو سکے تو خود کو معاف کریں۔ شادی، تعلق، جاب، کیریئر اگر ان میں سے کچھ بھی آپ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا تو اسے بھول کر آگے بڑھیں۔ زندگی ہمارے پلانڈ شیڈول سے بہت آگے کا قصہ ہے۔ ان تمام کاموں کی لسٹ بنائیں جن پہ آپ کو افسوس ہے۔ وہ سارے درد لکھ ڈالیں جنہیں کوئی سننے والا نہ ملا۔ روئیں، اپنا وقت لیں اور پھر آئینے میں کھڑے ہو کر خود کو دیکھیں۔ آپ بیسٹ ہیں۔ آپ نوبل ہیں۔ آپ اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ جس نے آپ کو بنایا وہ نوبل ہے۔ کیا آپ کو لگتا ہے اسے آپ کے درد تکالیف کا احساس نہیں؟'' اسکے اپنے دل میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ سینے میں جلن سی ہوئی۔

''وہ لوگ جو خود کو معاف نہیں کرتے وہ آگے نہیں بڑھ پاتے۔ اور پانی اگر ایک جگہ کھڑا رہ جائے تو جوہڑ بن جاتا ہے۔ آپ نے جوہڑ نہیں بننا۔ آپ دریا ہیں۔ جو آندھیوں میں بھی چلتا ہے، بارشوں میں بھی، سخت گرمی اور سردیوں میں بھی۔ کیونکہ اس نے رکنا نہیں سیکھا ہوتا۔ آپ بھی ایک جگہ pause نہ ہوں۔''

عقیل نے مسکرا کر اسکے جواب سنے وہ متاثر نظر آتا تھا۔

"ہر وقت لوگوں کو معاف کرنا بھی درست عمل نہیں اور کسی کو معاف نہ کرنا بھی درست نہیں ان سب کے درمیان اعتدال کی ضرورت ہوتی ہے۔اور یہ آپ کو سیکھنا ہوتا ہے۔یہ آپ کو خود سے سیکھنا ہوتا ہے۔آپ کتابوں کی،لوگوں کی مدد لے سکتے ہیں۔لیکن مین کریکٹر آپ خود ہیں۔اپنے لئے سیکھیں۔"

عقیل اب اس سے اسکی سیاحت کے متعلق کچھ پوچھ رہا تھا۔مہدی جواب دیتا رہا۔دیواریں کان لگائے سنتی رہیں۔

وہ بے چینی کے عالم میں ہاتھوں سے پلنگ کی چادر کو مٹھیوں میں دبوچ رہی تھی۔بند آنکھوں کے پار کوئی منظر تھا جس میں بالاج میر اسکے گھر والوں کے سامنے کھڑا تھا۔ابا کو کچھ بتاتے ہوئے وہ بار بار زینیا کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔جس کے چہرے پہ خطرناک حد تک سفیدی تھی۔

زینیا اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کوئی اسکی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ابا غیض و غضب سے اسکی اور بڑھے زینیا دہل کر پیچھے ہوئی۔اسکی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی اور وہ اٹھ بیٹھی۔جسم پسینے سے تر تھا،سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا اور دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔

"ابا" . . . . . وہ سینے پہ ہاتھ رکھے تنفس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔چہرے پہ جیسے ہوائیاں اڑ رہی ہوں۔کتنے ہی منٹ وہ اسی طرح تیز تیز سانس لیتی رہی۔چہرے پہ بے تحاشا خوف تھا۔موبائل کے بجنے کی آواز اسے ہوش میں لائی۔اس نے مرے مرے ہاتھوں سے موبائل کان سے لگایا۔

''میں نے تم سے کہنا تا کہ'' . . . . . .

''بلاج ابا کو بتا دے گا،مہدی۔وہ ابا کو سب بتائے گا اور کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔''مہدی کی آواز سن وہ جیسے بے قرار ہو گئی۔جسم اب بھی ہولے ہولے لرز رہا تھا۔''اگر اس نے ابا کو سب بتا دیا تو میرا کیا ہوگا؟ابا مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔کچھ بھی نہیں۔''اسکے الفاظ بے ربط تھے۔مہدی نے موبائل کان سے ہٹا کر وقت دیکھا۔شام کے کوئی سات بج رہے تھے۔کیا وہ اس وقت سو رہی تھی؟کیا وہ کیا کوئی برا خواب دیکھ کر اٹھی تھی؟

''ریلیکس،زینیا ریلیکس۔تم کہاں ہو کوئی برا خواب دیکھا ہے؟''وہ تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

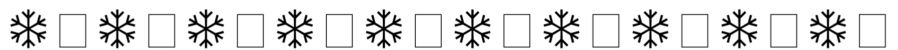
''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی میں کیا کروں کچھ نہیں پتہ میں بس اس قید سے نکلنا چاہتی ہوں پلیز کچھ کریں مجھے بتائیں۔''وہ شاید رو رہی تھی شاید اس پہ ہذیانی کیفیت طاری تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے ہم بتا دیں گے اوکے؟''اس نے بے دھیانی میں ہم کب استعمال کیا پتہ نہیں چل سکا۔''تم کہاں ہو میں آ رہا ہوں،ہم مل لیتے ہیں۔جو تم کہو گی جیسے تم کہو گی ویسے ہوگا۔ریلیکس۔''وہ اتنا پریشان تھا جس کی کوئی حد نہیں۔دوسری طرف زینیا شاید کچھ سنبھل گئی۔اسے اپنی بے اختیاری پہ شرمندگی ہوئی۔

''کیا آپ کے پاس کوئی حل ہے؟میں اس تلوار کو سر سے اتارنا چاہتی ہوں۔''زکام زدہ آواز میں کہا۔

مہدی نے انگوٹھے سے ماتھے کو مسلا۔چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔"ٹھیک ہے جو تم کہو۔میں کوئی حل نکالتا ہوں۔تم صبح مجھ سے مل سکتی ہو؟"

وہ گہری سانس لیتے ہوئے خاموش ہو گئی۔تھوڑی دیر تک وہ دونوں چپ رہے پھر زینیا نے کال کاٹ دی اور بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔آنکھوں سے آنسو نکل کر چادر میں جذب ہوتے رہے۔اسے احساس ہوا وہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔سانس،اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔



دن ڈھل کر غروب ہوا،شام سے رات آئی اور اسی رات میں اسلام آباد کے پہاڑوں کے ساتھ بنی ایک سڑک کی طرف آؤ تو گاڑیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ڈھلوانوں والی سڑک پہ ایک سیاہ ایس یو وی پوری رفتار سے اپنے ٹائر جماتے ہوئے گزر رہی تھی۔رات کا سمے تھا۔ہر طرف ہو کا عالم تھا۔اکا دکا گاڑیاں کبھی کبھار دکھ جاتی تھیں۔ورنہ سڑک سنسنان تھی۔

قیس کمبیر کی گاڑی میں مدھم موسیقی بج رہی تھی۔وہ سر دھنتے ہوئے مسرور سا گاڑی چلا رہا تھا۔

"تو نے دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا۔

اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا۔"

عابدہ پروین کا صوفی کلام اسے مدہوش کئے دیتا تھا۔وہ کبھی اسٹیئرنگ پہ انگلیاں بجاتا،کبھی سر دھنتا،اور کبھی ساتھ گنگنانے لگتا۔

مارچ شروع ہو چکا تھا۔ موسم اب بھی سرد سا تھا۔ گاڑی کے شیشے ہر تھوڑی دیر بار دھندلے ہونے لگتے تھے۔ دفعتاً اسے دور سے کسی گاڑی کے ہیڈ لائٹس کی روشنی اپنی گاڑی کے شیشوں سے ٹکراتی محسوس ہوئی۔ گاڑی ابھی کافی دور تھی، مگر غلط سائیڈ پہ۔ ون وے روڈ پہ چلتی وہ گاڑی اور اسکے اندر بیٹھے شخص کی طرف آؤ تو وہ کوئی جانا پہچانا سا انسان تھا۔

نقوش دلکش، آنکھیں سیاہ۔ اور تاثرات میں گھلی برہمی۔ بالاج یوسف میر پورے ڈیڑھ ماہ بعد ایک بار پھر اسلام آباد آ چکا تھا۔ یہ ڈیڑھ ماہ اس کے لئے کٹھن تھا۔ یہ ڈیڑھ ماہ اس کے اندر ایک آگ جلتی رہی تھی۔ زینیا نے اسے جھکا یا تھا، کہانی میں پہلی بار دیو کی ہار ہوئی تھی۔ کسی شہزادے سے نہیں بلکہ دیو کے اپنے صیاد سے۔

”تم اپنی غلطی کو فکس کرو گے، بالاج۔ ورنہ میری بہن اور میرے کاروبار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ تمہاری بیوی، اسے اب تم خود ختم کرو گے یا پھر میں۔“

اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے صرف اور صرف اپنی بیوی کے بھائی کو منانے اور دلیلیں دینے کی کوشش کی تھی۔ مقام، دولت، بیوی کی بے لوث محبت ہر شے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل گئی تھی۔

زینیا کی بھیجی ہوئی چند تصاویر نے اسکی زندگی برباد کر دی تھی۔ اسکی بیوی کے بھائی نے اسے کاروبار سے جدا کر دیا تھا۔ بالاج کے اندر اب صرف ایک جذبہ تھا۔ انتقام کا جذبہ۔

”رتبہ، عزت، پیسہ سب واپس مل سکتا ہے۔ مگر اس بار تمہیں اپنی پہلی بیوی سے قطع تعلق کرنا ہو گا۔“

ہسپتال کے بیڈ لیٹی بالاج کی دوسری بیوی کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ دو دن ہو گئے تھے اسے ٹھیک ہوئے۔ اسکا شوہر، ایک بار پھر اپنی پہلی بیوی کی طرف جائے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔ ان دو دنوں میں اسکی نظروں میں بالاج کے لئے عقیدت، محبت احترام کچھ نہیں بدلا تھا۔ ہاں بس وہ ہرٹ تھی۔ اور اسکا بھائی اسے خوش کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

سو اس نے بالاج کے سامنے ایک آپشن رکھا۔ زینیا حاکم اور اپنے خاندان سے سر عام قطع تعلقی۔ بالاج وہ آپشن مان چکا تھا۔ مگر اسے انتقام بھی چاہیے تھا۔

"انسانوں کی کچھ پلاننگز ہوتی ہیں، مگر انکے اوپر ایک خدا ہے۔ اس کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی اٹل۔"

"تم واپس کیا کرنے جا رہے ہو، بالاج؟" ٹیکسلا میں واقع ایک فلیٹ کے لاؤنج میں کھڑا بالاج کا دوست کہہ رہا تھا۔ صوفے پہ بیٹھے بالاج کی نظریں سپاٹ تھیں۔

"اسے اپنے حسن، ذہانت پہ بہت ناز ہے۔ مگر وہ بھول گئی ہے کہ ذہانت بھی اس عورت کی بھاتی ہے جس کے پاس حسن ہو۔ میں اس سے اسکا سب سے بڑا غرور چھین لوں گا۔"

"وہ تمہاری محبت تھی، بالاج۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟" اسکے دوست کو تاسف ہوا۔

"تم خاموش بھی رہ سکتے ہو۔ تمہاری بیوی، تمہارا کاروبار سب واپس مل گیا ہے۔ تم بس زینیا سے تعلق ختم کر دو۔ جو کہ پہلے ہی ختم ہے۔ بس ایک اعلان اور سب ٹھیک۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھا۔ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"بالاج۔۔۔ وہ معصوم ہے۔ بے قصور ہے۔ پلیز خود کو ان سب میں مت پھنساؤ۔"

بالاج نے جواب نہیں دیا۔

'' تم جانتے تھے ناں وہ حلالہ نہیں ایک ڈیل تھی۔ اور اگر زینیا وہ مان لیتی تم سے دوبارہ نکاح کرتی تو وہ نکاح بھی حرام ہوتا۔ تم جانتے تھے ناں، بالاج؟'' بالاج کی رنگت سفید پڑی، دل کے ایک کونے نے ملامت کی۔ یعنی وہ واقعی جانتا تھا؟

''مجھے جو چاہیے میں لے کر رہوں گا۔ چاہے حلال چاہے حرام۔''

''تم نے اگر دین کو درست طریقے سے پڑھا ہوتا تو تمہیں پتہ چلتا کہ بغیر رخصتی کے، بغیر کسی ازدواجی تعلق کے تم اسے ایک طلاق کے بعد بھی اپنا سکتے تھے۔ نئے حق مہر کے ساتھ، کاش تم نے سنی سنائی کے بجائے دین کو واقعی پڑھا ہوتا۔''

کتنے لمحے بالاج کچھ کہہ نہیں سکا، شادی، طلاق، بیوی، بچہ، دنیا کے حقوق ان سب معاملات میں ہم کیوں سنی سنائی باتوں پہ یقین کر لیتے ہیں؟ دین اتنا مشکل تو نہیں۔

رات کے وقت گاڑی میں تیزاب کی بوتل رکھتے ہوئے وہ نارمل تھا۔ بلکل نارمل۔ جس خوبصورتی سے اسے محبت تھی وہ اسکی نہیں تو کسی اور کی بھی نہیں۔

سڑک کی طرف واپس آؤ تو بالاج اور قیس کی گاڑی اب آمنے سامنے تھی۔ بالاج سامنے نہیں دیکھ رہا تھا اور قیس بس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سیدھ میں آتی گاڑیاں ایک دوسرے کے قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ بالاج موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ قیس کو لگا تھا کہ وہ سائیڈ بدل لے گا مگر نہیں۔۔۔۔۔

گاڑیوں کے درمیان بس چند قدم کا سا فاصلہ تھا جب بالاج نے موبائل سے نظریں اٹھائیں، آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تیز رفتار سے چلتی گاڑی پہ اس نے بریک لگانی چاہی۔ اسی پل قیس نے اسٹیئرنگ گھمایا، جلدی جلدی، تیزی سے۔ اسکی گاڑی کا پچھلا حصہ بالاج کی گاڑی سے ٹکرایا۔ مگر وہ آگے نکل آیا تھا۔ بالاج نہیں نکل سکا۔ تیز رفتار سے چلتی گاڑی پہ بریک لگانے سے اسکی گاڑی رکی نہیں بلکہ پلٹ گئی۔ شیشے ٹوٹنے کی آواز اور قیس اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

گاڑی سڑک پہ الٹی ہوئی، تین سے چار بار چکر کھائے اور سڑک کی ایک طرف کو جا کر گری۔ لمحوں کا کھیل تھا، چند پل کا شور تھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ قیس کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں بالاج کی گاڑی دکھائی دیتی تھی۔ اسکا پچھلا حصہ مکمل طور پہ پچک گیا تھا اور اگلے حصے کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ قیس شل اور ساکت تھا۔ آواز۔۔۔ آوازیں اسے حال سے ماضی میں لے جاتی تھیں۔

شیشے ٹوٹنے کی آواز اسے کئی سال پیچھے لے گئی تھی۔ اسے اپنے جسم سے ساری جان نکلتی محسوس ہوئی۔ بالاج کی گاڑی خاموش تھی۔ کوئی آواز نہیں، کوئی شور نہیں۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کئی لمحے بیتے، کئی ساعتیں گزریں اور پھر ایک آہٹ سی محسوس ہوئی۔ قیس نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سامنے دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں گاڑی سے نکلتے مرد کا چہرہ اسے نظر آیا تھا۔ قیس زمان کمبیر جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ اس مرد کو جانتا تھا۔ وہ اس مرد کو زینیا کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ وہ اس چہرے کو کیسے بھول سکتا تھا؟ وہ جس کا آدھا دھڑ گاڑی کے اندر تھا، مگر اسکا چہرہ اسکی فوٹو گرافک میموری میں چھپ گیا تھا۔

وہ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ چہرہ زخمی، شاید جسم بھی سخت زخمی تھا مگر وہ باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔ قیس نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا مگر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ اسکا دل لرز رہا تھا۔ قدم شل۔ زبان گنگ۔ اس نے مرے مرے ہاتھوں سے ڈیش بورڈ

پہ ہاتھ مارا، اسکا فون اسکا فون کہاں تھا؟ چہرے سے پسینہ صاف کرتے اس نے جھک کر دیکھا۔ ٹکر کی وجہ سے اسکا موبائل ڈیش بورڈ سے نیچے گر گیا تھا۔ موبائل ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے اسے وہ بے حد بھاری لگا، یا شاید اس کے ہاتھوں میں کوئی جان نہیں تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے براق حنیف کی چیٹ کھولی۔ اپنی لوکیشن اسے بھیجی، اور وائس ریکارڈ کرنے کے آپشن پہ ہاتھ رکھا۔ اس سے آپشن پہ ہاتھ نہ رکھا گیا۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔

اس نے دوبارہ کوشش کی۔ اور بلاخر ایک میسج ریکارڈ کیا۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے، براق۔ جلدی آؤ۔"

میسج فوراً سین ہوا تھا۔ بدلے میں براق نے اسے کال ملائی۔ قیس موبائل نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اب بھی تگ و دو کرتے، گاڑی سے باہر نکلتے اس مرد کو دیکھ رہا تھا۔ براق کی کال اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر یخ پڑتے ہاتھوں سے لاک گھمایا۔ اور اب کی گاڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ شل ہوتی ٹانگوں سے اس نے باہر قدم رکھا۔ براق اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ قیس کے قدموں میں تیزی آئی۔ اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ گاڑی کی طرف جانے لگا مگر اسی پل ایک دھماکا سا ہوا۔ گاڑی اوپر کو اچھل کر نیچے آکر گری۔ قیس کے ہاتھوں سے موبائل چھوٹ کر نیچے گرا، وہ گھٹنوں کے بل سڑک پہ گر گیا۔ آس پاس دھماکے سے ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ شاکی نگاہوں سے سامنے دیکھتا رہا۔

لمحوں کے اندر گاڑی میں آگ لگ گئی تھی۔ نارنجی بھڑکتے شعلے، جلتا ہوا آدمی۔ اور اس کے ساکت بدن نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اس گاڑی اور اس مرد کو جلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ جس کی چیخیں عرش کو دہلا دیتی تھیں۔ مگر قیس ساکت تھا۔ ساکن۔ شل۔

اس وقت اس کے سامنے جلنے والا بالاج نہیں تھا۔ اس وقت اسکی آنکھوں کے آگے اس کے باپ کو مارا جا رہا تھا۔ وہ گاڑی کے اندر پھنسا ہوا تھا اور اس کے بہن بھائی گاڑی کے اندر زندہ جل رہے تھے۔ آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ مناظر نے اپنا سیکوئنس کھو دیا۔ قیس چپ چاپ سامنے دیکھے گیا۔ آج اسے ٹراما سے نفرت ہوئی۔ آج اسے اپنے انسان ہونے سے نفرت محسوس ہوئی۔ آگ کے بھڑکتے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جلتے ہوئے مرد کی آہیں اس کے دل میں کھب رہی تھیں اور قیس کا جسم جامد تھا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

چند پل بعد آوازیں بند ہو گئیں۔ مزاحمت کرتے آدمی نے شاید دم توڑ دیا تھا۔ ہر طرف سکوت چھا گیا۔ اب بس ایک ہی آواز آتی تھی۔ جلتی گاڑی کے چٹختے پرزوں کی آواز۔ اسی پل خالی سنسان سڑک پہ دور سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی کا دائرہ آگے آتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ روشنی سڑک پہ گھٹنوں کے بل ساکن بیٹھے قیس پہ پڑی۔ گاڑی میں بیٹھے مرد نے بریک لگائی۔ گاڑی کا دروازہ کھولتا باہر آیا۔ قیس اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی نظریں اب بھی گاڑی پہ جمی تھیں۔

اسکی اور بڑھتا براق حنیف ایک پل کے لئے تھم گیا تھا۔ایک لمحے بس ایک لمحے کے اندر اندر اسے علم ہو چکا تھا اسے آنے میں دیر ہو چکی ہے۔اس وقت اس سڑک کو بھول کر کہانی کو چند منٹ روک کر حالیہ وقت سے ماضی میں سفر کرو تو بہت کچھ ہمارا منتظر ہے۔کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

"چند سال قبل۔"

چند سال قبل یہ ان دنوں کی بات ہے جب یونس رحمان کے دونوں بیٹے بختیار یونس اور مقصود یونس اسلام آباد آ بسے تھے۔اپنے خاندان کو دفنانے کے بعد بختیار میں اب مزید لاشیں اٹھانے کی سکت نہ بچی تھی۔اس پہ ستم یہ کہ کاروبار بھی ہاتھ سے گیا۔**(زمان کے شراکت دار نے قیس کے اوپر غیر قانونی اسلحے کی فراہمی کا پرچہ کٹوایا اور جب تک مقصود اور بختیار نے اپنے حصے سے دستبرداری نہیں دی،بلکہ قیس سے بھی زبردستی کے دستخط کروا کر خالق حسین یعنی زمان اور سرور کے شراکت دار کو نہیں دیئے تب تک اس نے قیس کو تھانے میں بند کروائے رکھا اور میرہ کو حبس بے جا میں رکھا۔)**

چند سال قبل کمبیرز اس عالیشان محل میں نہیں رہا کرتے تھے بلکہ چند سال قبل وہ "کمبیر" نہیں تھے۔

"کیا چاہتے ہو تم؟ہم اپنی شناخت بدل ڈالیں۔زمینیں چھوڑ دیں کاروبار سے ہاتھ دھو لیں؟کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں؟"ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹے مقصود کی آنکھوں میں تنفر تھا۔بختیار چپ چاپ کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

"پھر تم بتاؤ کیسے لڑو گے تم؟" وہ مڑے نہیں۔ "اگر تم بھول گئے ہو تو اپنی ٹانگوں کو دیکھو تم معذور ہو چکے ہو۔" مقصود کے کرخت تاثرات میں دراڑ سی پڑی۔ وہاں ملال تھا۔

"اپنا داہنا ہاتھ دیکھو۔ اب کبھی حرکت نہیں کرے گا۔" وہ مڑے مقصود کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، تم رائٹی ہو۔ ان ہاتھوں سے دستخط کرنے جیسے نہیں رہے تم اور تمھیں لگتا ہے تم بندوقیں چلاؤ گے؟" مقصود چپ چاپ انہیں دیکھے گئے۔ زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا۔ مہدی، اور قیس ایک ساتھ اندر آتے دکھائی دیئے۔ مہدی کو دیکھتے ہی مقصود ہتھے سے اکھڑنے لگے تھے۔

"اسے یہاں کیوں لائے ہو؟ خدا کی قسم اسے اور اسکی بہن کو میں اپنے ہاتھوں سے مار دوں گا۔ انکی گھٹیا ماں کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب میں۔۔۔۔" انہوں نے دیوانہ وار پلنگ پہ بیٹھے بیٹھے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں۔ اور اپنے پلنگ کے ساتھ والی میز پہ رکھا گلدان اٹھا کر مہدی کی طرف اچھالا۔ قیس نے برق رفتاری سے اسے اپنی اوٹ میں کر لیا۔ کانچ کا گلدان اسکی پشت پہ لگ کر ٹوٹا۔ مہدی مزید سہم کر اس کے ساتھ لپٹ گیا تھا۔

بالکل اس بچے کی طرح ڈرا ہوا خوف زدہ سا، جس سے گھر میں غلطی سے کچھ ٹوٹ گیا ہو۔ جو فیل آیا ہو۔ جو کہیں لڑ کر آیا ہو۔ اور اب اسے ڈر ہو کہ اسے سزا ملے گی۔ یہ وہ دن تھے جب مہدی کمبیر نے خود کو گلٹی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اسکی تصیح کرنے والے ماں باپ اس کے ساتھ نہیں تھے۔ قیس اسکے سامنے کھڑا تھا اور مقصود کی طرف پشت تھی۔

''انس، میرا بھائی ہے، اگر اس پہ کسی نے ہاتھ اٹھایا یعنی اس نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔'' وہ سیدھا ہوا۔ بارہ سالہ مہدی کو یونہی اپنی اوٹ میں چھپا رہنے دیا۔ رعب تھا کہ کیا۔ زمان کے بڑے بیٹے کے آگے وہ دونوں مرد بول نہیں پاتے تھے۔

''آج کے بعد کوئی، انس کو نقصان نہیں دے گا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ مقصود کو ہسپتال سے گھر لے آئے تھے۔ قیس انکی دوائیاں احتیاط سے رکھ رہا تھا۔ تاثرات سپاٹ تھے۔ تھانے نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔

''میں نے ایک فیصلہ لیا ہے، عبداللہ۔'' بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھے بختیار بولے تھے۔

''میں ہماری پہچان بدل رہا ہوں۔ ایک باب جس میں تباہی تھی۔ میں اسے بند کر کے آگے بڑھ رہا ہوں۔ آج سے یہاں کوئی **''یونس''** نہیں ہے۔ آج سے یہاں سب کمبیر ہیں۔'' دوا کی شیشی پہ قیس کی گرفت سخت ہوئی۔ آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

''آج سے تم، عبداللہ زمان نہیں ہو۔ آج سے تم، قیس کمبیر ہو۔ اور وہ۔'' انہوں نے مہدی کو دیکھا۔ ''نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نام دینا پڑ رہا ہے۔ تم آج سے، مہدی کمبیر ہو۔ تمہارا اسکول بدل رہا ہوں۔ میں تمہارا کالج بھی بدل رہا ہوں، عبداللہ۔''

''قیس۔'' اس نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

''اور اگر تمھیں لگتا ہے تمہارے اس بے غیرتی کے فیصلے کو میں مان لوں گا تو تم غلط ہو۔'' مقصود نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

''چاہے ایک ہاتھ سہی، چاہے ٹانگوں سے معذور سہی لیکن جب تک عالم نواب کے ایک ایک بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں نہ اتارا میں سکون سے نہیں رہوں گا۔''

''بابا کے بعد دستار میرے سر پہ باندھی جانی تھی۔یعنی آپ سب کا بڑا میں ہوں اور اب سے تمام فیصلے میں لوں گا۔'' سیاہ آنکھوں والا لڑکا مستحکم لہجے میں بولا۔

''عبداللہ، تم سمجھ نہیں رہے ہم کمزور نہیں ہیں۔۔''

''قیس۔۔''اس نے سرگوشی کی۔

'' مجھ پہ یقین رکھو میں یہاں سے تم سب کو نکال لوں گا عبداللہ، تم ایسے نہیں تھے تم۔۔۔''

''قیس کمبیر نام ہے میرا۔''وہ دوا کو شیشی فرش پہ مارتے ہوئے پھنکارا۔ہر کوئی چپ سا ہو گیا۔

''اب یہاں یونس خاندان کا کوئی فرد نہیں ہے۔جو ہے وہ کمبیر ہے اور میں ان سب کا سربراہ۔میں ایک ایک سے اپنا انتقام لوں گا۔عالم نواب کے بیٹوں سے بھی،اور خالق حسین سے بھی۔درست وقت کا انتظار کریں۔اس خاندان میں اگر کوئی ابلیس بنے گا تو وہ میں ہوں گا۔''آخر میں اسکی آواز آہستہ ہوئی۔اسی پل اسکی نظر ایک طرف کھڑے سبز آنکھوں والے لڑکے پہ پڑی۔وہ سہما ہوا اور خوف زدہ تھا۔اسے دیکھ کر قیس کا دل جلتا تھا۔مگر بابا نے کہا تھا خاندان جوڑنا اور وہ جوڑے گا۔چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ مہدی کے قریب آکر رکا۔ایک ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔لمس میں سختی نہیں تھی،نرمی بھی نہیں تھی۔

''آئندہ کوئی اس پہ ہاتھ نہیں اٹھائے گا، مہدی کمبیر میرا بھائی ہے۔''

اس روز مہدی کمبیر نے اسے اپنی ڈھال مان لیا تھا۔اب چاہے وہ اس کے ساتھ جیسا سلوک رکھے۔آنے والے وقتوں میں

وہ ''کمبیرز''کا''پنچنگ''

بیگ رہا لیکن اس نے کبھی شکایت نہیں کی۔

''وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔''

اگلے کئی سال کمبیر خاندان کا بلوچستان کے اس گاؤں سے کوئی تعلق نہ رہا تھا۔حویلی چھوٹ گئی،زمین آدھی عالم نواب کے بیٹوں نے قبضہ کرلی اور آدھی سے آنے والی آمدنی پہ انکا گھر چلا کرتا تھا۔شاہی ٹھاٹھ باٹھ ختم ہو چکے تھے۔اب جو ملتا اس پہ گزارا کر لیا جاتا۔

زمان اور ان کے تمام بھائیوں نے گاؤں کی پسماندہ زندگی سے نکلنے کے لئے کئی سال قبل شہر کا رخ کیا تھا۔اور انہی دنوں کچھ جان پہچان کے دوستوں کے ساتھ مل کر فیصل آباد میں ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں شراکت داری کرلی تھی۔کاروبار کی سمجھ بوجھ اور بخت کے زور نے انکو بلندیوں تک پہنچایا اور چند ہی سالوں کے اندر اندر انہوں نے دو عدد ٹیکسٹائل فیکٹریز کھڑی کرلی تھیں۔خالق حسین ان کے شراکت دار تھے۔جنہوں نے آنے والے وقتوں میں قیس کمبیر پہ غیر قانونی اسلحے کی ترسیل کا الزام لگا کر کمبیرز کو کمزور کیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب قیس چوبیس برس کا تھا، اور اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ فیشن ڈیزائننگ کے کئی کورس مکمل کر لئے تھے۔ کپڑے سے محبت اس کے خون میں تھی۔ اور وقت کے دیئے زخموں نے اسے **"آرٹ"** بنانا سکھا دیا تھا۔

ایک روشن صبح کا ذکر ہے۔ براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں واقع براق کے کمرے کی بالکنی میں رکھے لمبے صوفے پہ قیس آنکھیں موندے سو رہا تھا۔ وہ کل براق کے ساتھ فیصل آباد گیا تھا۔ اور واپسی پہ اسی کے گھر آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ اتفاق تھا کہ قسمت براق کی ماں کا تعلق بھی ٹیکسٹائل انڈسٹری سے تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ایک فیشن ہاؤس **"بیز کلکشن"** کی فاؤنڈر بھی تھیں۔ جو کہ آج کل براق حنیف چلا رہا تھا۔ تفصیل کو چھوڑ کے بالکنی کی جانب آؤ تو نک سک سے تیار ایک عورت بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"کتنی بار کہا ہے، براق کہ اب تم کوئی عام آدمی نہیں، تمہیں۔۔" بستر پہ اوندھے لیٹے براق کے اوپر سے کمفرٹر اتارتے ہوئے رکیں۔ موٹی بھنویں آپس میں اکٹھا ہوئیں۔ گہری عربی آنکھیں سکیڑ کر انہوں نے بالکنی کے صوفے پہ سوتے ہوئے لڑکے کو دیکھا۔ سفید لمبے کافتان والا وجود اب بالکنی کی طرف بڑھ آیا۔ اسکی ہیل کی ٹک ٹک ماحول میں ارتعاش سا پیدا کرتی تھی۔

اس نے صوفے کے عقب میں کھڑے ہو کر اس سوتے ہوئے لڑکے کو دیکھا۔ ہلکی داڑھی، اٹھی ہوئی ناک، ماتھے پہ گرتے اس کی ہلکے گھنگریالے بال اور بھینچے ہوئے لب۔ وہ تو سوتے ہوئے بھی پر سکون نہیں ہوتا تھا۔ عورت نے اس کے سینے پہ دھری اسکیچ بک اٹھائی۔ لڑکا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور برق رفتاری سے اسکا ہاتھ اسکی پنڈلی تک گیا۔

سفید کافتان والی عورت نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ آنکھوں میں لڑکے کے لئے ترحم در آیا۔

''ریلکس اٹس می۔اٹس،اسناء۔''لڑکے کے تاثرات ڈھیلے پڑے۔مندی مندی آنکھوں سے حفاظت کا عنصر غائب ہوا۔وہ براق کی ماں تھیں۔سب ٹھیک تھا، بالکل ٹھیک۔اس نے خود کو تسلی دی۔

''یہ میری ہے۔''زکام زدہ آواز میں اس نے اسکیچ بک واپس لوٹانے کا مطالبہ کیا۔اسناء مسکراتے ہوئے اس کے پیروں والی جگہ پہ آ کر بیٹھیں۔قیس نے جلدی جلدی پیر سمیٹ لئے۔

اسناء اب اسکی اسکیچ بک کے اوراق پلٹ رہی تھیں۔اور ہر بدلتے صفحے کی ساتھ اسکی آنکھوں میں ایک الگ ہی تاثر در آتا تھا۔کئی لمحوں بعد اس نے گردن اٹھائی۔قیس اسے ہی تک رہا تھا۔

''آرٹ دل سے بنتا ہے۔یا پھر ٹوٹے ہوئے دل سے۔تم سے کونسا جذبہ آرٹ بنواتا ہے؟''

''انتقام۔''اس نے یک لفظی جواب دیا۔''میرا کام مرے دشمنوں سے انتقام لے گا۔''

''یہ صرف ایک کام نہیں ہے۔اسے آرٹ کہو۔''

قیس کے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔

''اڑتیس فیشن ہاؤسز سے رد ہو کر آنے والے کام کو آپ آرٹ کہتی ہیں؟''ہر نوجوان پاکستانی کی طرح وہ ناامید ہو رہا تھا۔

''انتالسویں بار کوشش نہیں کی؟''وہ اسکیچ بک بند کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔کئی سال پہلے والی تلخ قلمی وہ بھلا چکی تھیں۔

''کیا لگتا ہے؟'' وہ مسکرا کر جتانے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تم تب تک کوشش کرتے رہو گے جب تک کوئی تمھیں ٹاپ ڈیزائنر کے طور پہ ہائر نہیں کر لیتا۔''

قیس گردن پیچھے پھینک کر مسکرایا تھا۔ سیدھا ہوا تو آنکھوں میں چمک تھی۔ ''نوکری کسے چاہیے؟ مجھے تو حصہ داری چاہیے؟'' اس نے بازو سینے پہ باندھے۔ اور تفصیل سے اسناء کو دیکھا۔

''میں نے ان اڑتیس فیشن ہاؤسز سے جاب نہیں شراکت مانگی تھی۔''

''میں مان ہی نہیں سکتی کہ اس۔۔'' ہاتھ میں اسکیچ بک بلند کی۔ ''آرٹ کے بدلے کسی نے تمہیں پارٹنر شپ نہیں آفر کی۔''

''کی ہے۔ مگر دس، پندرہ فیصد۔ مجھے نصف چاہیے۔'' اس نے گردن صوفے پہ ڈھلکا دی۔ ہاتھوں کو طلب سی ہوئی۔ اسکا سگار کہاں ہے؟

'' گزرے وقت کے برعکس تم مجھے انٹرسٹنگ لگے۔ ویسے، براق تمہاری ہی عمر کا ہے۔ تمہیں اس سے جلن نہیں ہوتی؟''

نہیں۔''

''کیوں؟ کیا تم فرشتے ہو۔؟''

''نہیں میں انسان ہوں۔ مجھے، براق سے جلن نہیں، مقابلہ ہے۔ ایک دن میں اس سے زیادہ کامیاب، اس سے زیادہ امیر، اور اس سے زیادہ کماؤں گا۔'' اسناء چند پل اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسکیچ بک کھولی وہیں سے جہاں بند کی تھی۔ وہاں ایک سرخ گاؤن کا اسکیچ بنا تھا۔

''انتقام کے درمیان کیا کہیں کوئی محبت بھی ہے ؟''صوفے کی پشت سے سر ٹکائے قیس کمبیر ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔ایک لمحے کواسکادل معمول سے زیادہ تیز دھڑکا۔ایک لمحے کواسکی آنکھوں میں بے حد مختلف رنگ تھے۔

''مجھے محبت کانہیں پتہ لیکن اس سے وفاداری اور وعدہ ہے۔''

''نبھاؤ گے ؟ یا چھوڑ دو گے۔''

''اتنے سال میں اسکاخیال بھی نہیں چھوڑ سکا۔ایک وجود کی نفی کرناپھر قیامت ہو گی۔''

اسناء چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔

یہ لڑکا کچھ عجیب ساتھا۔

(''جن پہ وقت مہربان ہونے لگے۔ان کے لئے سمندر میں خشکی کے ٹکڑے بننے لگتے ہیں۔صحراؤں میں ٹھنڈے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔'')

''تم کب تک اس طرح رد ہوتے رہو گے ، قیس ؟'' یہ منظر بیز کلیکشن کے سٹوڈیو کا تھا۔جہاں اس وقت ڈھیروں ڈھیر نئے نئے ملبوسات ٹنگے تھے۔سنگی مجسمے اپنے اوپر خوبصورت ، نفیس اور مہنگے جوڑے لٹکائے کھڑے تھے۔قیس انہی سنگی مجسموں میں ایک کے سامنے کھڑا تھا۔براق اس کے عقب میں۔

"کتنی بار، رد ہوا ہوں؟ صرف اور صرف چھیالیس بار۔ کم از کم سینچری تو مکمل کرنی ہے۔" اس نے گلابی رنگ کا ایک گاؤن ہینگر سے نکالا۔ آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔

"اب بس کر دو، لوسفر۔ ناکامیوں کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس کے بعد ناکامی ایک stamp کی طرح ماتھے پہ چھپ جاتی ہے۔ تم اپنی زندگی میں آگے کیوں نہیں بڑھنا چاہتے؟" اس نے اگر بڑھ کر گلابی گاؤن اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھالا۔ قیس نے پہلے اسے دیکھا پھر گاؤن کو۔

"یہ رنگ ٹھیک نہیں ہے" اس نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔ براق کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

"میں نے تمہیں یہاں کافتان کے رنگ اور ڈیزائن پوچھنے کے لئے نہیں بلایا۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے یہ تمہارے کمانے کا وقت ہے تم۔۔۔"

"اور میں اسے ضائع نہیں کر رہا۔" اس نے سخت لہجے میں براق کی بات کاٹی۔

"میں جانتا ہوں مجھے پائنٹ زیرو سے شروع کرنا ہے۔ مجھے نوکری کرنی ہوگی اور مجھے نوکری کرنے میں عار نہیں۔ لیکن میں جس بھی فیشن ہاؤس کے لئے کام کروں گا وہ سب مجھے جانتے ہیں۔ میرے آرٹ کو بھی ایک دو سال میں مجھ سے ہزاروں ڈیزائنز بنوا کر دودھ سے مکھی کی طرح باہر نکال دیں گے۔ پارٹنرشپ سے میرے قدم جمیں گے۔ کوئی مجھے نکال نہیں سکے گا۔ میں بٹی ہوئی ریاست قبول کر سکتا ہوں غلامی نہیں۔"

''تو پھر ریاست بانٹ لیتے ہیں۔'' یہ آواز عقب سے آئی تھی۔ سیاہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی قمیض کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہنے، بالوں کو جوڑے میں باندھے اسناء بنت حنیف بولی تھی۔ قیس نے پلٹ کر دیکھا۔

''تم اپنا آرٹ مجھے بیچو اور میں بدلے میں تمھیں حصے داری دوں گی۔''

''اور آپ میرے لئے اتنا سب کیوں کریں گی؟'' ایک طرف براق تھا، دوسری طرف اسنا اور بیچ میں قیس کمبیر۔ اسناء کی آنکھیں چمکیں، ایک پل کو وہ آنکھیں کچھ عجیب سی ہوئیں۔

''کوئی ہے جو مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو کہتا ہے۔''

''کون؟'' اسکے لبوں پہ سوال ابھرا۔ براق کی رنگت سفید پڑی۔ کہیں وہ بتانے والی تو نہیں؟

''مسیحا اپنی پہچان نہیں بتاتے۔'' وہ اسی طرح کمپوزڈ انداز میں بولیں۔ براق کا سانس بحال ہوا۔ قیس کی آنکھوں کا تاثر ویسا ہی رہا۔ سرد، روکھا۔

''مجھے مسیحاؤں پہ اعتبار نہیں۔''

''انتقام پہ تو ہوگا؟'' براق استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''کیسے لوگے انتقام۔ اس وقت تم چوبیس سال کے ہو۔ اور بے روزگار۔ اسلام آباد سے لے کر لاہور تک ہر فیشن ہاؤس تمھیں خبطی اور جنونی سمجھتے ہوئے تمہیں کام نہیں دے رہا۔ اور جنہوں نے دینا چاہا انہیں تمھارے باپ کے سابقہ شراکت دار خالق حسین نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔'' قیس نے پہلو میں گری مٹھی بھینچ لی۔ انتقام سر اٹھا رہا تھا۔

''چند سال اگر مزید اسی طرح گزر گئے تو ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ انتقام لینے کے لئے بھی اسٹریٹیجی اور مالی استحکام کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں تمہیں کوئی عطیہ نہیں دے رہا۔ بلکہ میں تم سے مانگ رہا ہوں، لوسفر۔'' اس نے آخر میں اپنے لفظوں پہ زور دیا۔

''اپنا آرٹ مجھے بیچو اور بدلے میں ہم سے رقم لو۔'' اب کے اسناء بولی تھی۔ ''بیز کلیکشن کا ایک پورا کلیکشن صرف تمھارے بنائے ہوئے ڈیزائنز پہ بنے گا۔ تمہارا نام مارکیٹ میں آجائے گا۔''

قیس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ اسکا آرٹ اس کے سالوں کی محنت۔ یہ سب اس نے بیچنے کے لئے نہیں بنایا تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے آپ نے اپنا گھر سجانے کو سامان خریدے ہوں اور کوئی آکر انکی بولی لگائے۔

کئی لمحے وہ خاموشی سے فرش کو گھورتا رہا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوتی تھی۔

''میرا آرٹ قیسم کے لئے ہے۔'' اسکی آواز شکستہ تھی۔

''قیسم؟'' دونوں کاروباریوں نے اچھنبے سے دہرایا۔

''قیسم۔۔۔'' اس نے بہت سارا تھوک نگلا ''میرا گھر ہے۔'' اسے راتوں کی محنت، تھکن بھرے دن یاد آئے۔ ''میرا خواب۔''

''تمہارا آرٹ قیسم کی بلندیوں تک جانے کے لئے پہلی سیڑھی ہے۔'' اسناء آگے آئی۔ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''پہلی سیڑھی کو پائیدار ہونا چاہیے۔ تم کھوکھلے ہو۔ میں طاقت ہوں۔ تم کمزور ہو میں زور آور۔ تم کچھ بھی بیچ نہیں رہے۔ تم سیڑھیاں بنا رہے ہو۔''

''آپ بہت ظالم ہیں۔'' وہ بے بسی بھری نفرت سے بولا۔ اسناء مسکرائی۔

"کاروباری کو ظالم بننا پڑتا ہے۔" انکے لہجے میں مصنوعی تاسف تھا۔ "میں تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔"

" آپ بہت ظالم ہیں۔" وہ دہرا رہا تھا۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

اسناء اسکا کندھا تھپک کر باہر چلی گئی تھیں۔ اور قیس کمبیر کئی لمحے ہاں یا ناں کی کشمکش میں مبتلا رہا۔

("کئی بار خواہشات، خواب اور جنون کے بلندیوں پہ ہونے کے باوجود زندگی کے ساتھ معاہدے کرنے پڑتے ہیں۔ کمپر ومائز بھی، اور سودے بھی۔")

قیس کمبیر اسناء بنت حنیف کی آفر قبول کر چکا تھا۔ چند ٹکوں کے عوض اپنا آرٹ بیچ دینا آرٹسٹ کے دل کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ گو کہ وہ چند ٹکے بھی بہت ساری رقم تھے، مگر قیس کمبیر کا آرٹ ہیرا تھا۔ جس کے لئے بس چمک کی قیمت ادا کی گئی تھی۔

انہی دنوں اسی چھوٹی سی رقم کے ساتھ اس نے **"قیسم"** کی بنیاد رکھی تھی۔ بیز کلیکشن کو دیئے ہوئے ڈیزائنز ابھی مارکیٹ میں نہیں آئے تھے۔ قیسم اسے تھکا دیتا تھا۔ اسکی پہلی کلیکشن کو صاف صاف کاپی کہا جانے لگا تھا۔ مگر یہی پہلی کلیکشن اسے متعارف کروا گئی تھی۔ اس کے پاس کام کرنے کے لئے صرف تیس لوگ تھے۔ قیسم کا بازو، قیسم کے سہارے، جن میں سب سے پہلی حدیبیہ نواز تھی۔ حدیبیہ نواز عرف حبیب سے ہونے والی پہلی ملاقات کوئی عام ملاقات نہیں تھی۔

یہ قیسم کے وجود میں آنے سے دو ماہ قبل کا ذکر ہے۔ نکھری تازہ دم سی صبح اسلام آباد کے چاروں کونوں کو منور کر رہی تھی۔

ایلیٹ کلاس کے ایک رہائشی اپارٹمنٹ کے دروازے کے آگے کھڑا قیس بیل پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ سفید پولو شرٹ کے ساتھ سیاہ جینز پہنے وہ تازہ دم لگتا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا تھا۔

ماضی کی حدیبیہ نواز دبلی پتلی سی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے، آنکھوں تلے سیاہ حلقے اور ملگجے سے لباس میں ملبوس اس لڑکی کی آنکھوں میں بےزاری واضح تھی۔ قیس کو دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے دیکھ اسکی بھنویں بھینچ گئیں۔

''میں اندر آسکتا ہوں، حبیب؟'' وہ بازو سینے پہ باندھ کر شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ اسکی نظر حدیبیہ کی بھینچی ہوئی مٹھی تک گئی۔ شاید اس میں کچھ تھا۔

''نہیں کیونکہ یہ کسی حبیب کا نہیں حدیبیہ نواز کا گھر ہے۔'' چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے دروازہ قیس کے منہ پہ بند کرنا چاہا مگر وہ بیچ میں اپنا ہاتھ اور بوٹ لے آیا تھا۔ پورا زور لگا کر دروازہ کھولا اور ''شکریہ۔'' کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''مسٹر قیس، میں تمہاری کسی قسم کی بکواس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ جاؤ یہاں سے۔'' وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑی ہوگئی۔ جانے کیوں انداز محتاط سا تھا۔ اور دروازہ اس نے بند نہیں کیا۔

''میں خالق حسین، نہیں ہوں۔ مجھ سے مت ڈرو۔'' وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نرمی سے بولا۔ حدیبیہ ساکت رہ گئی۔ وہ کیا جانتا تھا؟

''تم نے اس رات مجھے بچایا تھا۔ آج میں تمہیں بچانے آیا ہوں۔''

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ پورا کھول دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ اس سے خوف نہ کھایا جائے۔

''تم کس بارے میں بات کر رہے ہو میں کچھ نہیں جانتی۔'' حدیبیہ گہری سانس لیتی آگے آئی اور وہ صوفے پہ اسکے سامنے آ بیٹھی۔ قیس چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں جھپکیں، آنکھوں کے پپوٹے بند ہوئے اور انہی بند پپوٹوں کے پیچھے ایک سیاہ رات کا منظر سامنے آیا۔

دو ماہ قبل قیسم کی عمارت اپنے تکمیلی مراحل کو چھو رہی تھی۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ اوپری منزل کی لفٹ سے سفر کرتا قیس کمبیر گراؤنڈ فلور کی طرف رواں تھا۔ اسی پل اسکا موبائل تھرتھرایا۔ کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر دیکھا تو کوئی غیر شناسا نمبر تھا۔ سبز سلائڈ کو موبائل کے ایک کونے کی طرف کرتے اس نے کال کا جواب دیا۔

''کل رات بارہ بجے کے قریب، قیسم کی عمارت میں آگ لگے گی۔ وجہ شارٹ سرکٹ بتائی جائے گی۔ مگر یہ جھوٹ ہو گا۔ تمہارے پاس پچیس گھنٹے ہیں۔ حفاظت کا انتظام کر لو۔'' دوسری جانب سے انتہائی روبوٹک سا لہجہ سنائی دیا۔ قیس کی ٹانگیں شل سی ہوئیں۔ پسینے کی ایک لکیر نے ریڑھ کی ہڈی تک کا سفر کیا۔

''میں کیسے مان لوں یہ سچ ہے؟'' اسکا لہجہ لڑکھڑایا۔

''کل رات تمہاری عمارت سے اٹھتے سرخ شعلے یقین دلا دیں گے۔''

''تم کون ہو؟'' قیس جلدی بولا مبادہ فون کٹ ہی نہ جائے۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کئی لمحے بعد ایک غیر انسانی آواز سنائی دی۔

''میرا نام، حبیب ہے۔'' کال کٹ گئی تھی۔ اس کے بعد نمبر بند ہو گیا۔ اس رات قیس کمبیر نے عمارت کے چاروں طرف لوگ کھڑے کر دیئے تھے۔

اگلے دن اس نے تھانے جا کر بیان دیا کہ اسے خالق حسین سے جانی اور مالی خطرہ ہے۔ اور اگر اسے یا اسکی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچا تو اسکا ذمہ دار خالق حسین ہو گا۔ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی اور پھر وقت کی کایا پلٹی۔

بدنامی اور شیئرز کے ڈوبنے کا ڈر تھا کہ کیا، وہ خالق حسین جس نے قیسم کی عمارت جلانی چاہی تھی۔ وہی اب اسکی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرا تھا۔

آنکھیں جھپکتے ہی حال غالب آیا۔ حدیبیہ غیر آرام دہ سی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

''میں اپنے مسیحاؤں کو نہیں بھولتا۔ دو ماہ سے میں تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ اور دیکھو بلاخر میں تمھارے سامنے ہوں۔ تم نے مجھ پہ احسان کیا ہے اب بتاؤ تمھیں مجھ سے کیا چاہیے؟''

سیاہ آنکھوں والی لڑکی چند پل اسے دیکھتی رہی۔ کھنڈر چہرے پہ ذرا برابر رونق نہیں تھی۔

''تمہیں لگتا ہے تم مجھے کچھ دے سکتے ہو؟ میں خالق حسین کی پرسنل سیکریٹری ہوں۔ ایک دنیا ہے جو مجھے جانتی ہے۔ گھر، گاڑی، پیسہ، تعاشی سب ہے میرے پاس۔ تمہیں لگتا ہے حدیبیہ نواز کو کچھ چاہیے؟'' کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں تنفر نہ آ سکا۔ خالی لہجہ بے اثر تھا۔

قیس اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے صوفے پہ آگے کو ہوا۔

''اس حدیبیہ کو شاید کسی کی ضرورت نہ ہو لیکن ایک سولہ سالہ لڑکی ہے۔ جس کے ماں باپ ایک حادثے میں مر گئے۔ اور اس کے باپ کا بھائیوں جیسا دوست اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔'' حدیبیہ کی رنگت فق ہوئی۔ وہ غیر آرام دہ ہوئی۔

''وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ سولہ سالہ لڑکی کو اسکی نظریں بری لگتی تھیں اور چھونا کراہیت دیتا تھا۔ کئی بار اس نے اس مسیحا نما شیطان کو جھٹکنا چاہا مگر وہ ناکام رہی۔ اور پھر ایک رات اسکی ساری مزاحمتیں ہار گئیں۔'' حدیبیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ روح گھائل ہوئی۔ کئی سال قبل ہوئی تکلیف آج ایک بار پھر اتنی ہی شدت سے سر اٹھانے لگی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے اپنے جسم پہ وہ گھنئونا لمس سرکتا محسوس ہوا۔

''پھر ہر رات یہی سب ہونے لگا۔ زیادتی۔ ٹی وی میں سنا جانے والا لفظ اسے ہر رات سنائی دینے لگا۔ محسوس بھی ہونے لگا۔ پہلے اسے خوف آتا تھا، پھر کراہیت اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان سب کی عادی ہوتی چلی گئی۔ اس دوران اس کے دو حمل بھی ضائع کروائے گئے۔'' اب کے اسکی ہچکیاں بلند ہوئیں تھیں۔ آنکھیں بھل بھل بہنے لگیں۔ اسے اپنے جسم میں لگنے والے کٹ آج بھی از بر تھے۔ ''لڑکی سب کچھ کرتی چلی گئی کیونکہ اسے لگا تھا خالق حسین نامی وہ آدمی اس سے محبت کرتا ہے۔ اسے ہر وقت قریب رکھنے کے لئے ہی اسے اپنا سیکریٹری تک رکھ لیا مگر آج اتنے سالوں بعد اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ بوڑھا گدھ اسے ماس سمجھ کر بس نوچتا رہا ہے۔''

''میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں۔۔۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔۔ وہ جو ہے جیسا ہے مجھے اس کے ساتھ سکون ملتا ہے۔'' وہ رو پڑی۔ کئی سال کے روکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔

''وہ تمہاری محبت نہیں ہے۔'' قیس نے نرمی سے اسکی تصیح کی۔

"it's trauma bonding"

(یہ ایک سائیکالوجیکل اصطلاح ہے جس میں وکٹم اپنے ہی abuser کی مار، ذہنی یا جسمانی اذیت کا اتنا عادی ہو جاتا ہے، کہ وہ اس سے دور نہیں ہونا چاہتا۔ بعض دفع زیادتی، اغوا ہونے والی لڑکیوں کو اپنے ہی اغواکار یا پھر ریپسٹ سے trauma bonding ہو جاتی ہے۔ جسے وہ محبت سمجھ بیٹھتی ہیں۔)

''مجھے نہیں پتہ محبت کیا ہے، لیکن کم از کم وہ نہیں جو تمہیں لگ رہی ہے۔ وہ اب تمہاری طرف نہیں دیکھتا کیونکہ تمھارے جسم سے اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے کئی سال تمہارا فائدہ اٹھایا، تمھیں ابیوز کیا، تمہاری ذہنی صحت اور تمھارے جسم کو نقصان دیا۔ تمھارے پاس دو راستے ہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ حدیبیہ کے قریب آ کر بیٹھا۔ وہ نامحسوس انداز میں اس سے دور ہوئی۔

''میں تمھیں احسان کے بدلے ایک نئی شناخت، نئے تجربوں کے لئے کسی ملک بھیج دوں گا۔ دوسرا۔۔۔'' اس نے لمبی سانس لی۔

''جوائن می۔ خالق حسین کے کچھ راز لاؤ، اور بدلے میں قیسم میں جگہ بناؤ۔ تم ان کے بغیر بھی آسکتی ہو مگر مجھے نہیں لگتا تم ایک بار پھر کسی مرد پہ اعتبار کر سکو گی۔'' حدیبیہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گئی۔ قیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جواب پانے کا منتظر رہا مگر وہ کچھ نہ بولی تو قیس دروازے کی جانب بڑھا۔ ہینڈل کھولتے کھولتے وہ رک گیا۔

''خود کو معاف کرو حدیبیہ۔ تم assault ہوئیں یہ تمہارا قصور نہیں۔ تم بچی تھیں۔ وہ نہیں تھا۔ خود کو معاف کرو کیونکہ تمہیں محبت اور زیادتی کا فرق نہیں پتہ تھا۔ مگر اسے معاف مت کرنا کیونکہ اسے سب پتہ تھا۔'' اور پھر وہ ہینڈل گھما کر باہر نکل گیا تھا۔ حدیبیہ کی مٹھی میں بند نیند کی گولیوں کی ڈھیر ساری مقدار فرش پہ گر گئی۔

آنسو۔۔۔ آج اسکی آنکھوں نے ڈھیر سارے آنسو بہانے تھے۔ آج حدیبیہ نواز نے خود کو معاف کرنا تھا۔ کم از کم موت حل نہیں تھی۔

(''جب لوگ خلاف ہونے لگیں تو سمجھ جاؤ کامیابیاں مقدر بننے والی ہیں۔ بلندیوں کے سفر میں بہت کچھ سہنا ہوتا ہے۔ جن میں سرفہرست، نفرت، ہتک، جملے بازی، اور الزام ہے۔'')

حدیبیہ نواز سے ہونے والی ملاقات سے پانچ سال بعد کا ذکر ہے۔ قیسم ایک طویل سفر کے بعد منزل کی اور روانہ تھا۔ پہلے چار سال سازش، انتقام، نفرت میں گزر گئے۔ پھر بلا خر لوگ قیسم کو جاننے لگے تھے۔ کام آسان نہیں تھا۔ جاننا چاہتے ہو کیوں؟

کرسی پہ بیٹھو، سامنے لگی دیوار کے پردے پہ چلتی ایک فلم ملاحظہ کرو۔ جس میں کردار بس ایک تھا بس ایک۔۔۔۔

وہ مہدی کے کمرے میں کھڑا تھا۔ سبز آنکھوں والا لڑکا بیگ میں سامان بھر رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں یاسیت سے اسے تک رہی تھیں۔ کتنا شوق تھا اسے اٹلی جانے کا۔ اسے وینس پسند تھا۔ تصاویر میں بہت خوبصورت جو لگتا تھا۔ ایک پل کو جی میں آیا کہ بستہ باندھے اور

مہدی کے ساتھ نکل پڑے۔ مگر پھر یاد آیا کہ اگلے ماہ کے اختتام تک اسے "**زرم کلیکشن**" لاؤنچ کرنی ہے۔ کیونکہ اس سے اگلے ماہ عید تھی۔ کاش وہ سب چھوڑ چھاڑ کر جا سکتا۔ کاش۔

اگلے منظر میں کمرے کی بتیاں بند تھیں۔ نیم ملگجے سے اندھیرے میں راکنگ چیئر جھلاتا وہ شخص، آج اسکی آنکھیں اداس سی تھیں۔ یکدم جھولتی کرسی ساکت ہوگئی۔ اس پہ بیٹھے وجود نے اپنی گردن پیچھے کو ڈھلکا دی۔ لب ہلکے سے وا ہوئے۔ اور ایک ہائے سی نکلی۔

"لوگ اتنے ظالم کیوں ہیں اللہ؟" اسکی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر بالوں میں جذب ہو گئے۔

اسکی ڈیڑھ سالہ محنت اسکی کلیکشن پہ ایک نامور اداکارہ نے "**اولڈ فیشن**" کا ٹیگ لگا دیا۔ اور دیکھا دیکھی لوگ لئے ہوئے آرڈر، رد کروانے لگے، کاپی، نقل کے ٹھپے لگ گئے۔

بات بڑھتی چلی گئی۔ اسے ذہنی مریض قرار دیا گیا۔ اس کے باپ کی، اس کے خاندان کی موت زیر بحث لائی گئی۔ اس کے آرٹ میں کیڑے نکالے گئے۔ وہ کمنٹس نہیں تھے۔ کمبخت آرٹسٹس کے نازک دلوں سے پوچھو یہ کمنٹس تو ہر گز نہیں تھے۔ آج اسے پہلی بار لگا تھا کہ سب بند کر دیتے ہیں۔ قیسم پہ تالے لگا لیتے ہیں، آج کے بعد کوئی نیا ڈیزائن نہیں بناتے۔ آج بس۔ اب نہیں ہو گا کام۔

ہاں اسکا دل دکھتا تھا۔ ہاں جب کوئی criticism کے نام پہ اس کے کام کے بخیے ادھیڑتا تھا تو اسکا دل ٹوٹ جاتا تھا۔ آرٹسٹس کے دلوں کو ٹوٹنے اور جڑنے کی بہت عادت ہوتی ہے۔ مگر انکے دل چاہے جڑ بھی جائیں وہ ٹوٹی دراڑ یاد رکھتے ہیں۔

اس نے کئی بار آرٹ بلاک دیکھا تھا۔ اسکیچ پنسل اور کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ کئی کئی گھنٹے کوئی کام نہ کر پاتا تھا۔ کئی کئی راتیں وہ جاگ کر کام کیا کرتا تھا۔ اسکی صبح اور شام کا فرق ختم ہونے لگا تھا۔ شروعات میں کاروبار فائدہ کم نقصان زیادہ دیتا تھا۔ اس نے کئی بار پیٹ کاٹا تھا۔ کئی بار خواہشیں ماریں تھی۔ بلاخر چھٹے سال میں قیسم کو بخت لگا تھا۔ اسکی بنائی ہوئی عید کلیکشن، سمر کلیکشن ہاتھوں ہاتھ لے لی گئی۔

چھ سال بعد محنت کا ثمر ملا تھا۔ اس رات قیس کمبیر سو نہیں پایا تھا۔ اس رات اسے ''خوف'' آیا تھا۔ کامیابی سے، اسے خوف آیا تھا شہرت سے، وہ خوابوں کے اتنے نزدیک تھا کہ اسے ڈر لگا تھا کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو لے گا تو سب تحلیل ہو جائے گا۔ ساری رات خوف، جوش، سکون، بے قراری، امید، فکر میں گزر گئی۔

اگلی صبح قیس کمبیر کو آدھا پاکستان جانتا تھا اب وہ عام آدمی نہ رہا تھا۔

(''انسان کے پاس طاقت آ جائے تو وہ دو کام کرتا ہے۔ ماضی میں دکھ اور تکلیف دینے والوں بھول کر، معاف کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ دوئم۔ وہ ان لوگوں کو یاد رکھتا ہے۔ جتنا دکھ اس نے خود جھیلا اس سے زیادہ دکھ انہیں دیتا ہے۔ اور تکلیف۔۔۔ تکلیف دیتے وقت وہ حساب نہیں رکھتا۔'')

اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہ کئی پروازیں اپنے سفر کو روانہ تھیں۔ اور کچھ اعلان اب بھی باقی تھے۔ لوگ ہاتھوں میں پاسپورٹ اور بیگز لئے یہاں سے وہاں آ جا رہے تھے۔ انہی لوگوں میں ہماری کہانی کے کچھ کردار بھی تھے۔

ایس ایچ اؤ فیروز طاہر **(یہ وہی ایس ایچ اؤ ہے جس نے خالق حسین کے کہنے پہ قیس کی گاڑی میں غیر قانونی اسلحہ رکھوایا تھا۔اور اسے تین روز ایک جہنم جیسی زندگی گزارنے پہ مجبور کیا تھا۔)** اور انکا اکلوتا بیٹا سعد طاہر۔شادی کے دس سال تک فیروز کے یہاں کوئی اولاد نہ ہو سکی۔دس سال بعد ایک لمبے چوڑے علاج کے بعد اس کے یہاں ایک بیٹا ہوا تھا۔اس کے ساتھ اسکی بیوی کھڑی تھیں جو بار بار بیٹے کی بلائیں لیتی تھیں۔اپنے اکلوتے بیٹے کا مستقبل بنانے کو وہ دونوں اپنی ساری جمع پونجی لگا چکے تھے۔

آج وہ امریکا جانے والا تھا۔ایک مہنگی یونیورسٹی اعلیٰ تعلیم،چند سال بعد ایک اچھی جاب،اچھی بیوی۔ماں باپ کا مضبوط سہارا۔اونہوں فیری ٹیل تھوڑے ناں ہے؟

چند پل بعد اس نے اپنا سامان چیکنگ کے لئے رکھا اور بپ بجی۔اٹھارہ سالہ بچے کا دل گھبرایا تھا۔سیکورٹی عملہ فوراً سے پہلے الرٹ ہوا۔بیگ کو اٹھا کر کھولا گیا۔سعد طاہر جہاں تھا وہیں وہیں جامد ہو گیا۔بیگ کے اندر دو گنز تھیں۔سفید پڑیاں تھیں۔ایک ایک کپڑے ایک ایک سامان کو فرش پہ کھول کھول کر رکھا گیا اور ہر شرٹ کے اندر سے ہیرے نکلے۔

لڑکا رونے لگا تھا۔دو سے تین مسلح افراد اسے اپنے نرغے میں لئے جا رہے تھے۔میڈیا کو بریکنگ نیوز مل چکی تھی۔ایئرپورٹ کے باہر کھڑی پولیس کی گاڑیوں کے اطراف میں میڈیا کے لوگ بھی تھے۔مائیک تھامے ہوئے لوگ چیخ چیخ کر خبریں سنا رہے تھے۔سعد طاہر کو پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا۔ایئرپورٹ کے احاطے سے اپنے بیٹے کو گھسیٹ کر لے جاتے پولیس والوں کے پیچھے سعد کے ماں باپ بھی تھے۔

فیروز چیخ چیخ کر اپنے بیٹے کی بے گناہی کے لئے دہائیاں دے رہا تھا۔ پولیس موبائل میں بیٹھا لڑکا ہر نیوز چینل کے کیمرے کی زینت بن چکا تھا۔ وہ ہراساں نظروں سے اپنے باپ اور پولیس والوں کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں بھل بھل بہہ رہی تھیں۔ گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ مگر اس کے ماں باپ وہیں اسی سڑک پہ تہی داماں کھڑے رہ گئے۔ فیروز دیوانہ وار کسی کو فون ملا رہا تھا۔

اسکا بیٹا اب امریکا کی اس یونیورسٹی نہیں جاسکتا تھا طے ہوا۔

اسکے بیٹے پہ ایک لمبا کیس چلنے والا تھا طے ہوا۔

وہ اب کبھی ایک نارمل زندگی نہیں گزار سکتا تھا طے ہوا۔

اگلے دو ماہ پیشیاں بھگتاتے گزرا تھا۔ انصاف کی اپیل کرتے دو ادھیڑ عمر والدین ہر جگہ سے نامراد لوٹ آتے تھے۔ ایسی ہی ایک تھکی ہاری دوپہر کو کورٹ کی راہداریوں میں رکھی بنچ پہ فیروز بیٹھا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیوں کے درمیان اسے بس ایک آواز سننی تھی۔ اسکے بیٹے کی رہائی کا سندیسہ۔

''میں نے کہا تھا میں وقت کا فرعون بن کر پلٹوں گا۔ مجھے یاد رکھنا۔ کیا تم مجھے بھول گئے؟'' اپنے عقب سے آتی آواز پہ فیروز طاہر جامد ہو گیا۔ آس پاس گویا برف کی دبیز تہیں چھا گئیں۔ اور اسکا دل برف ہو گیا۔ وہ آہستگی سے مڑا۔ اپنے سامنے کھڑے انسان کو وہ بھولا نہیں تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ اس وقت وہ کمزور تھا آج طاقت۔ وہ اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان نہیں رہا تھا۔

آج وہ انتیس سالہ قیس کمبیر تھا۔ طاقت ور، زور آور۔

''تم نے مجھے یاد تو رکھاناں؟'' وہ گردن ایک طرف ڈھلکائے معصومیت سے بولا۔اسکی آنکھیں وہ عام آنکھیں نہ تھیں۔فیروز سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں، عبداللہ۔''اسکے لب دھیرے سے پھڑ پھڑائے۔''ماضی میں جو۔۔۔کچھ ہوا وہ۔۔سب بہت پرانی بات ہے۔''اسکی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو بہہ نکلے۔

''میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں، عبداللہ۔۔۔مجھے سزا دو۔مجھے مار ڈالو لیکن میرے بیٹے کو جانے دو۔''وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر قیس کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔سیاہ آنکھوں والے شخص کی روح میں طمانیت اتری۔آنکھیں زخمی ہوئیں۔

''تمہیں اللہ کا واسطہ ہے میرے بیٹے کو بخش دو۔۔۔تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔رحم کرو، عبداللہ۔۔۔رحم کرو۔''وہ چلا رہا تھا۔گھگیا رہا تھا۔اسکے آنسو قیس کے چمکتے جوتوں پہ گر رہے تھے۔

''میرے بیٹے کو اس جرم کی سزامت دو جو اس نے نہیں کیا۔۔۔ظالم نہ بنو، عبداللہ۔ظالم نہ بنو۔''

ایک جھٹکے سے اس نے اپنے قدم آزاد کروائے۔فیروز دور جا کر گرا۔مگر اس نے دہائی دینا نہ چھوڑا۔قیس کی سیاہ آنکھیں سفاکی کی تمام حدود کو چھو رہی تھیں۔

''میں ظالم بن نہیں رہا۔''وہ مسکرایا۔''میں ظالم ہوں۔''وہ جھکا۔فیروز کی کلائی میں بندھی گھڑی نوچ کر اتاری۔

''میں کہانی کا ہیرو نہیں ہوں جسے تم پہ رحم آجائے گا۔''گھڑی اپنی کلائی پہ درست کی۔ٹھنڈی ٹھار نظریں فرش پہ گرے آدمی پہ مرکوز کیں۔

"تمھیں مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا۔"

اگلے پہروں میں وہ اس راہداری میں گردن تانے ہوئے مستحکم قدم اٹھا رہا تھا۔ کئی سال قبل تھانے سے نکلتے ہوئے اسکی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ جسم زخمی۔ آج سب مفقود تھا۔ آج وہ طاقتور تھا۔

عبداللہ زمان اب کہانی میں واپس آچکا تھا۔

("انتقام جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی گہرا زخم بنتا جاتا ہے۔ کھرچنے پہ سرخ سیال بہاتا ہے۔ اور سرخ سیال کا بہنا بد شگونی ہی رہی ہے۔")

قیسم کو سات سال ہو چکے تھے۔ پچھلے دو سالوں میں فیشن ہاؤس کے ساتھ قیس کمبیر نے ٹیکسٹائل انڈسٹری میں بھی اپنے قدم جما لئے تھے۔ مگر آج تک جو واپس نہ مل سکا وہ باپ کا کھویا ہوا کاروبار تھا۔ وہ تین، تین ٹیکسٹائل ملز تھیں۔ جن میں اسکے خاندان کا اسکے باپ کا ستر فیصد حصہ تھا۔ مگر اب وہ سب لینے کا وقت بھی قریب آچکا تھا۔

گاڑی ایک خاکستر سی فیکٹری کے سامنے آکر رکی۔ تڑاتڑ برستی بارش میں گاڑی کا دروازہ کھلا۔ باہر آنے والا دراز قد مرد لمحوں کے اندر بھیگ گیا تھا۔ اسکی آنکھیں کسی احساس سے عاری تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ سے دروازہ کھول کر ایک عورت باہر نکل آئی تھی۔ اس نے مرد کے اوپر ہاتھ سے چھاتا تانا، مگر مرد نے ہاتھ بڑھا کر اسے ہٹایا۔ وہ بھیگنا چاہتا تھا۔ سفید شرٹ بھیگ گئی۔ بال ماتھے پہ چپک گئے۔ جوتے مٹی مٹی ہوئے۔

فیکٹری کی طرف بڑھتے اسکے قدم بھاری تھے۔ ہر ہر قدم کے ساتھ بارہ سال کی اذیت یاد آتی تھی۔ بھوک، بیماری، تعاشی چھوڑ کمپرسری کی زندگی۔ خواہشات مارنا۔ بارہ سال اپنے حق سے پیچھے ہٹے رہنا۔ ہر ایک شے نے اسے **"مارا"** تھا۔ ہر ہر لمحہ موت تھا۔

فیکٹری کے اندر کاٹھ کباڑ تھا۔ عین سامنے ایک کرسی تھی، جس پہ ایک آدمی بیٹھا تھا۔ جسکا سارا جسم رسیوں میں جکڑا تھا۔ قیس کو اپنے سامنے دیکھ اسکا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ اسکے عقب میں کھڑی حدیبیہ۔ خالق حسین کو لگا تھا اب وہ کبھی سانس نہیں لے سکے گا۔

"لانگ ٹائم پارٹنر۔" وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ خالق کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ یک ٹک قیس کو اپنے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"بارہ سال پارٹنر۔۔۔ بارہ سال میں نے اذیت میں گزارے۔ تم نے مجھے کئی قسم کی موت دی۔ اپنے حق سے پیچھے ہٹ کر بے غیرتی کی موت۔ اپنے خاندان کی ضروریات مار کر بے بسی کی موت۔ در در کی ٹھوکریں۔ بے روزگاری۔ تم نے مجھے کئی بار مارا ہے مگر میں تمہیں ایک ہی بار ماروں گا۔ میں کتنا عظیم ہوں ناں؟" اس نے جیب سے پستول نکالی۔ حدیبیہ نے پہلو میں گری مٹھی بھینچ لی۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"an eye for an eye"

سیاہ آنکھوں والے مرد نے اس کے کان کے پاس جھک کر سرگوشی کی۔ خالق جھٹپٹا رہا تھا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''میں سب واپس۔۔۔سب لے لو۔۔۔سب پیسے لے لو۔۔۔ملز لے لو۔۔۔سب لے لو مجھے جانے دو۔۔۔اللہ کا واسطہ ہے مجھے جانے دو۔''

قیس نے پستول اس کے منہ میں ڈال دی۔یہاں تک کہ لوہا اس کے حلق کو چھونے لگا۔اسکی آواز بند ہوگئی۔جسم لرزنے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں اپنا حق چھوڑ دوں گا؟''سرگوشی میں سرقلمی کی بو آتی تھی۔''بہت سوچا میں نے کہ یہاں تمہاری زندگی کے بدلے تم سے اپنے شیئرز لکھوالوں لیکن نہیں۔اس طرح تو سارا ملبہ میرے اوپر گرے گا ناں؟لوگ پوچھیں گے،ایک آدمی نے بلاوجہ اپنی ملز کسی کے نام کردیں اور پھر ایک پر اسرار موت مر گیا؟''اسکے چہرے کے زاویے ناگواری میں ڈھل گئے۔

''ناٹ آ گڈ آئیڈیا۔''

''میں تمہیں ماروں گا۔پھر تمھارے خاندان کو اتنا زچ کروں گا کہ وہ خود میرے حصے کے شیئرز مجھے واپس لوٹائیں گے۔میں ایسا نہیں کرنا چاہتا یو نو۔مجھے بہت برا لگے گا لیکن کیا کرسکتے ہیں۔دنیا کا اصول ہے an eye for an eye''آخری بات اسکے اندر کے شیطان نے کہی تھی۔اسکی آنکھوں میں ڈھونڈنے سے بھی ترحم نہیں ملتا تھا۔ہاں مگر اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔

وہ خاموش ہوا۔چند پل سرد،سفاک،بے حس نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔پھر ٹرگر دبایا گیا تھا۔گولی حرام مغز کو پھاڑ کر باہر نکلی۔سر کا آدھا حصہ غائب ہوا۔گوشت کے چیتھڑے روئی کے زروں کی طرح فرش پہ بکھر گئے۔یہ قیس کمبیر کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔خالق حسین کی آنکھیں خوف و دہشت سے اسی طرح کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ہر شے ساکت ہوگئی۔سوائے باہر برستی بارش کے۔

عقب میں کھڑی حدیبیہ کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔اس شخص نے اسکا بچپن،اسکی جوانی برباد کی تھی۔آج وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ قیس چندپل پستول ہاتھ میں لئے بیٹھارہا۔ پھراٹھ کھڑاہوا تھا۔جانے کیوں مگر دل کی ایک حصے نے اسے ملامت کی،جانے کیوں مگراسکی ٹانگوں میں لرزش تھی۔جانے کیوں مگراسے سکون نہ آیا،کم از کم یہ زندگی کا وہ لمحہ نہیں تھاجس کی قیس نے خواہش کی ہو۔باہر کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک پل کو حدیبیہ کے پاس رکا تھا۔چہرہ ہر تاثر سے خالی تھا۔

"wrap it off"

"میڈیا کولیک دو کہ خالق حسین کا کچھ مشکوک لوگوں سے تعلق تھا۔اوران سے لئے قرضے کی بناپہ وہ جلد ہی ایک مل خریدنے والا تھا۔ مگرانکے مابین ایک جھگڑاہو گیااور دوسری پارٹی نے پیسے واپس مانگے جوکہ واپس کرناخالق حسین کے لئےاس وقت ممکن نہیں تھا۔چونکہ لوگ relaible نہیں تھے تو یہ ہو گیا۔"اس نے اپنے عقب میں پڑی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو جائے گا باس۔"

"کیامیں نے تمھیں ہرٹ کیا،حبیب؟"اب کے اسکی آواز میں جذبات تھے۔

"آپ نے مجھے ہیل کیا،باس۔"وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

قیس چھوٹے چھوٹے قدم لیتا باہر نکل گیا تھا۔بارش برستی رہی،برستی رہی۔وہ گردن آسمان کی طرف کئے بھیگتا رہا۔پھر دھیرے سے گھٹنوں کے بل وہ زمین پہ بیٹھ گیا۔چہرے پہ صرف بارش کا پانی نہیں آنسو بھی تھے۔

"آئی ایم سوری اللہ۔۔۔۔۔میں برا نہ بنتا اگر دنیا میرے ساتھ اچھی رہتی۔"

اگلے تین ماہ خالق حسین کے خاندان کے لئے کٹھن تھے۔ قیس نے طاقت کے بل پہ ہر طرح سے انہیں زچ کیا۔ کاروبار میں نقصان کروایا یہاں تک کہ انکو اس بات کا یقین دلایا کہ جس طرح اس نے خالق کو قتل کیا ہے اسی طرح وہ اس کے دونوں بیٹوں کو بھی کر سکتا ہے۔ تنگ آکر خالق کے دونوں بیٹوں نے ملز کے ستر فیصد شیئرز اس کے نام کر دیئے۔ بظاہر یہ ایک معاہدہ تھا۔ دنیا کو لگاتا تھا کہ قیس کمبیر نے یہ سب جیتا ہے مگر در حقیقت اس نے چھینا تھا۔

بقایا تیس فیصد شیئرز براق حنیف نے خرید لئے تھے۔ خالق حسین کے دونوں بیٹے اور بیوی براق حنیف سے ملی ہوئی رقم کے توسط کسی دوسرے ملک شفٹ ہو گئے تھے۔ اور قیس کمبیر ایک بار پھر اس کاروبار میں آگیا تھا جسے اس کے چچا اور باپ نے شروع کیا تھا۔ کپڑا اس سے تھا اور وہ کپڑے سے۔

اگلے تین سال پر سکون تھے۔ قیسم ترقی کرتا رہا، دشمن مٹ گئے۔ مقام مل گیا۔ ماضی کی کتاب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر حال میں قدم رکھو تو کئی مسائل ہمارے منتظر ہیں۔ جن میں سر فہرست قتل، گھبراہٹ، فرار، اور گلٹ ہے۔

"حال"

براق کی نظریں ساکت تھیں۔ وہ کبھی جلتی ہوئی گاڑی کو دیکھتا تھا اور کبھی گھٹنوں کے بل سڑک پہ بیٹھے قیس کمبیر کو۔

چندپل کے لئے وہ بلکل سن سا ہو گیا۔ بے دھم ہو کر گاڑی سے ٹیک لگائی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کسی قسم کے پراسیس سے عاری تھا۔ چندپل اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے وہ لمبے گہرے سانس لیتا رہا۔ چندپل میں اس نے بہت کچھ پراسیس کیا۔ آنکھیں جل

رہی تھیں۔اور دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔کئی پل بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔چند سانس لئے، گہرے لمبے۔اور قدم قیس کی جانب بڑھائے۔

''انسان کے پاس مصیبت میں کئی راستے ہوتے ہیں۔اچھے، برے، خاردار، پھولوں جیسے۔مگر کئی بار کوئی راستہ نہیں ہوتا۔سوائے فرار کے۔''گاڑی سے ہٹ کر وہ موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔آنکھیں اب کے بلکل مختلف تھیں۔انداز محتاط سا۔وہ پراسیس کر چکا تھا۔

''میں نے تمھیں لوکیشن بھیجی ہے۔''وہ فون پہ کسی سے کہنے لگا۔

''اس شاہراہ کی طرف تین سڑکیں مڑتی ہیں۔تینوں روڈز کی سی سی ٹی وی چیک کرواؤ۔میں ایک گاڑی کا نمبر پلیٹ بھیج رہا ہوں۔جس سی سی ٹی وی میں وہ گاڑی نظر رہی ہے، اسکی سی سی ٹی وی فوٹیج غائب کرواؤ۔''وہ قیس سے چند قدم کے فاصلے پہ تھا۔

''سی سی ٹی وی ایک ترتیب سے غائب کرنا۔شام سات بجے سے لے کر رات کے دو بجے تک ہر گھنٹے کے دس منٹ کا فوٹیج غائب ہونا چاہیے۔''دوسری جانب سے کام ہو جانے کی تسلی دے دی گئی۔چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ قیس کے قریب آ کر رکا۔اور اسکے ساتھ سڑک پہ بیٹھ گیا۔

''جان بوجھ کر کیا؟ یا انجانے میں۔''پہلا سوال۔

''انجانے میں۔''جواب سہا ہوا۔

''کتنے لوگ ہیں؟ مرے کتنے؟''

''ایک تھا۔۔۔۔۔۔اب نہیں ہے۔''

''مرنے والے کے لئے دکھ ہوا۔'' براق کہتے ہوئے اٹھا۔

''لیکن کر بھی کیا سکتے ہیں؟''۔ پھر وہ قیس کے قریب جھکا۔اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکا چہرہ اوپر کیا۔ قیس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں، جبکہ براق کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

''ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔تم۔۔نے۔۔کچھ۔۔نہیں۔۔کیا۔'' قیس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ براق حنیف سے کیا تعلق تھا وہ نہیں سمجھ سکا تھا، سوائے اسکے کہ اگر وہ مر رہا ہوتا تو بچانے کو پہلی پکار براق کو جاتی۔

''میں نے مار دیا ہے۔میں۔۔نے مار دیا ہے، براق۔اوہ خدایا یہ میں نے کیا کر دیا؟''اسکی آواز میں وحشت تھی۔دل خوف سے پھٹنے کے قریب۔

''یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا،لوسفر۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔اس روڈ پہ کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں ہے۔باقی کے فوٹیجز میں ڈیلیٹ کروا چکا ہوں۔تمہاری گاڑی کو بس زرا سی خراشیں آئی ہیں۔میں آج رات ہی اسے فکس کروالوں گا۔کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔''اس نے قیس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا مگر وہ چھڑوا چکا تھا۔

''یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا، قیس۔۔۔ہم یہاں سے جا رہے ہیں کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔یہ جو بھی ہے ایک گمنام موت مر چکا ہے ہم اسے جانتے بھی نہیں تم۔۔۔۔''

''میں جانتا ہوں۔'' شکستگی سے کہے گئے الفاظ نے براق کو ٹھہر جانے پہ مجبور کیا۔

''وہ، زینیا حاکم کا شوہر ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔'' آسمان سے کوئی پتھروں کا تھال تھا جو اس وقت براق کے سر پہ آ کر لڑھکا تھا۔ وہ بے دھم سا، لڑکھڑا کر قیس کے قریب بیٹھ گیا۔

''میں اسے جانتا ہوں۔ میں بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ زینیا مجھے معاف نہیں کرے گی۔ سب ختم ہو گیا ہے۔ سب ختم۔'' اسکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ وہ اپنی جگہ ساکن تھا۔ براق کو چند لمحے لگے مگر وہ پراسیس کر چکا تھا۔ کنکروں سے بھری سڑک پہ ہتھیلی رکھتے ہوئے وہ اٹھا تھا۔ پھر اپنے ساتھ پورے زور سے قیس کو کھڑا کیا۔

''وہ عورت مر جائے گی مگر معاف نہیں کرے گی اور میں تمھیں یہاں اس طرح نہیں چھوڑ رہا۔'' قیس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔'' وہ جتا کر بولا۔

''تم میرے ساتھ جاؤ گے کیونکہ کوئی ہے جو مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو کہتا ہے۔''

''کون۔؟'' استفسار کھوکھلا تھا۔

''مسیحا اپنی پہچان نہیں بتاتے۔'' جواب رازوں کی دبیز تہہ میں دبا تھا۔

وہ قیس کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں والے شخص کے اندر اب اتنی ہمت نہ تھی کہ مزاحمت کرتا۔ یا شاید وہ ڈر گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کسی بھی طرح زینیا حاکم اسے یہاں دیکھے۔ اسے معلوم ہو قیس اسکے شوہر کا قاتل ہے۔ ہاں اسے سنہری آنکھوں کی

بے اعتنائی سے خوف آیا تھا۔ کیوں نہیں پتہ مگر ان آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھنا ایک ایسا خوف تھا جو قیس کمبیر کی دل کو ساکن کر سکتا تھا۔ یہ سیاہ رات اجالے کے اعتراف ساتھ لائی تھی۔

(" کچھ جرم انسان سے اسکا اصل چھین لیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سزا دینا چاہتا ہے مگر اس کے قریبی اسے بچا لیتے ہیں۔ وہ ظالم نہیں ہوتے، ہاں مظلوم بھی نہیں ہوتے۔ ")

قیس کمبیر کے کمرے میں ساری بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ بس ایک ذرا سی زرد روشنی تھی جس کا منبع لیمپ تھا۔ ایک طرف رکھے صوفے پہ مہدی کمبیر بیٹھا تھا۔ قیس اسکے ساتھ اور براق کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ فون کان سے لگا رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے موبائل کان سے اتارا اور سپاٹ نظروں سے ٹانگ جھلاتے، اضطرابی کیفیت میں ناخن چباتے قیس کو دیکھا۔

" وہ موقعے پہ ہی مر چکا تھا۔ " ٹانگوں کی حرکت دم توڑ گئی۔ مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

" لاش بری طرح جل گئی ہے یہاں تک کہ شناخت جیسی بھی نہیں رہی۔ اسکی گاڑی میں ہیٹر جل رہا تھا جس کی وجہ سے آگ لگ گئی۔ اسکی ٹانگیں بہت بری طرح جلی ہیں۔ کیونکہ ان پہ تیزاب گرا تھا۔ " خبر نامے کے انداز میں کہتے وہ فریج تک گیا۔

" جس وقت گاڑی الٹی تھی، اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں کھلی کھڑکی سے اسکا موبائل باہر گرا اور وہ آگ سے محفوظ رہا۔ موبائل میرے آدمی کے پاس ہے۔ اسے ڈسپوز کر دیا گیا ہے۔ آخری وقت میں اس نے اپنی بیوی کو لاتعداد کالز کی

تھیں۔ میں نے اسکے موبائل کا سارا ڈیٹا محفوظ کروالیا ہے۔ شاید ضرورت پڑے۔'' ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل اس نے منہ پہ چڑھا لی۔ اور غٹا غٹ سارا پانی پی گیا۔ ساتھ ایک دوسری بوتل ہاتھ میں لئے واپس آیا۔

''میں نے سی سی ٹی وی ڈیلیٹ کروادیا ہے۔ عینی شاہد صرف ایک تھا جس نے تمہاری گاڑی دیکھی تھی اسکا منہ بند کروادیا ہے۔ نیوز چینل پہ ایکسیڈنٹ کی اطلاع دے دی گئی ہے، اگر دو دن تک کوئی وارث آگیا تو ٹھیک ورنہ لاوارث قرار دے کر ہسپتال انتظامیہ دفنانے کا بندوبست کردے گی۔'' وہ قیس کے قریب آ کر رکا۔ ٹھنڈی یخ پانی کی بوتل اس کے سر پہ انڈیل دی۔ پانی اسکے بالوں سے چہرے، اور پھر ٹھوڑی تک پھسلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسکی شرٹ سینے سے بھیگ گئی۔

''وہ مر چکا ہے، تم زندہ ہو۔ کل صبح تم قیسم جاؤ گے۔ اور نارمل رہو گے۔''

قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ صوفے پہ پڑا اپنا کوٹ اٹھایا۔ اسکی آنکھیں اس پل مختلف تھیں۔

''میں ظالم نہیں ہوں۔ میں ابھی کے ابھی جاؤں گا اور اس لڑکی کو بتاؤں گا کہ میں نے اس کے شوہر کو قتل کیا ہے میں اس کے وارث کو جانتے ہوئے اسے یوں گمنامی نہیں دے سکتا۔''

''کون لڑکی؟ وہ کس کا شوہر ہے؟'' مہدی سارے وقت میں پہلی بار بولا تھا۔ ابھی قیس کچھ کہتا کہ براق بول پڑا۔

''قیسم کی ورکر ہے کوئی، تم نہیں جانتے۔ اور فلحال وہ اتنی اہم ہے بھی نہیں۔'' اس نے بات بدل دی۔ بیڈ کے ایک کونے پہ ٹک کر جوتے کے تسمے باندھتے قیس کو دیکھا۔ پھر مہدی کو۔

''اب یہ تمہاری ذمہ داری۔'' وہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ مہدی نے چھوٹے چھوٹے قدم قیس کی جانب بڑھائے۔ وہ ابھی بیڈ سے اٹھا تھا، مہدی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

''تم میرے ساتھ چلو گے، مہدی؟ تم بہت اچھا بولتے ہو۔ اسے سمجھا دینا کہ میں۔۔۔'' مہدی نے اسے بازو سے پکڑ کر پلنگ پہ واپس بٹھایا۔

''میں نے غلطی سے سب کیا ہے، مہدی۔ وہ اپنی سائیڈ پہ آتا تو یہ نہ ہوتا۔'' اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ مہدی اب اسکے قدموں کے پاس جھک کر اسکے جوتے اتار رہا تھا۔

''میں اتنا ظالم نہیں ہوں میرے ساتھ چلو میں سب سچ بتا دوں گا۔'' وہ اب دراز سے اسکی نیند کی گولیاں نکال رہا تھا۔

''مہدی۔۔۔ میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔'' وہ بچوں کی طرح صفائی دینے لگا۔ مہدی نے دو گولیاں اسکے ہاتھ پہ رکھیں۔ پانی کا گلاس اسکے آگے کیا۔

''تم میرے ساتھ چلو گے ناں؟'' وہ جیسے کچھ سن اور دیکھ نہیں رہا تھا۔

''سو جاؤ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' اس نے قیس کا ہاتھ اوپر کیا۔ مجبوراً اسے گولیاں کھانی پڑیں۔

''جو کچھ بھی ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔'' پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے قیس کے پیر اوپر کر کے بستر پہ رکھے۔ اسکے سینے پہ زور دے کر اسے لٹایا۔ اور خود اسکے قریب بیٹھ گیا۔

قیس کے اوپر کمفرٹر درست کیا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''وہ زینیا حاکم کا شوہر تھا، مہدی۔ وہ بالاج تھا۔''

وہ ہاتھ لرز رہا تھا۔ مہدی کا دل شل سا ہو گیا۔ دھیرے دھیرے سیاہ آنکھیں اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔ کئی لمحوں بعد لیمپ کی زرد روشنی میں دیکھو تو وہ آنکھیں موندے گہرے سانس لے رہا تھا۔ مہدی یونہی اس کے پاس بیٹھا رہا۔ کتنے ہی لمحے وہ سانس لئے بغیر بیٹھا رہا، دنیا اسکے لئے جما ہوا گلیشیئر بن گئی تھی۔

ٹھنڈ، اسے بے تحاشا ٹھنڈ بے وجہ لگنے لگی۔

(''کچھ چیزیں کبھی فکس نہیں ہو سکتیں۔ جسٹیفائیڈ نہیں ہو سکتیں۔ سنبھل نہیں سکتیں۔ انسان ان کچھ چیزوں کے غم سے کبھی نہیں نکل سکتا۔'')

آج پہلی بار وہ قیسم مجبوری میں آیا تھا۔ آج پہلی بار اسکی آنکھیں کام کی وجہ سے سرخ نہ تھیں۔ اس کے قدم شکستہ تھے۔ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے اسے ہر آہٹ ڈرا دیتی تھی۔ ہر فون کال سے خوف آرہا تھا۔ اسکا جی چاہا تھا کہیں چھپ جائے۔ جہاں کسی کو اسکے متعلق نہ پتہ چل سکے۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔

آفس کے اندر گھٹن بڑھ گئی تو وہ باہر نکل آیا۔ نہ جانے کیوں بے اختیار اسکا جی چاہا تھا کوئی ٹھہر کر اسکا حال پوچھے۔ کوئی آنکھوں کی سرخی چہرے کے رنج کا استفسار کرے۔ جی کے چاہ لینے سے کیا ہوتا ہے؟

سٹوڈیو کے باہر وہ رک گیا۔ اندر کئی لوگ کام کر رہے تھے۔ پرنٹ آؤٹس نکلنے کی آواز، کیمرے کے کلکس۔ وہ ان سب کو چھوڑ کے سنگی مجسمے کے عقب میں کھڑی بار بار کسی کو کال ملاتی زینیا کو دیکھے گیا۔ سیاہ رنگ کی سادہ قمیض کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر، سر پہ سیاہ دوپٹہ، کانوں میں چھوٹے ٹاپس، اور زینیا حاکم کی iconic کولاپوری چپل۔ یوں لگا جیسے آج وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

ایک الگ سا رنج الگ سی شرمندگی ہوئی۔ اسے یاد آیا کہ زینیا کے یہاں اولاد نہ ہونے پہ اسکے سسرال والے اسے طعنے دیتے تھے۔ اور قیس نے اسکی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ زینیا جھنجھلاتے ہوئے کال ملاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اسکے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔

"کسے کال کر رہی ہو؟" مبہم سے سوال پہ زینیا نے چونک کر اپنی دائیں طرف دیکھا۔ پھر موبائل پہ weirdo نامی شخص کا نمبر۔

"کسے کال کر رہی ہو؟" اس نے دہرایا۔ زینیا نے ہونٹ کاٹے۔ قیس نے اسے ایک کام دیا تھا اسے کرنے کی بجائے وہ یہاں مہدی کو کالز ملا رہی تھی۔

"میں اپنے شوہر کو کال کر رہی ہوں۔" اس نے بات سنبھالی۔ مگر یہی بات قیس کے دل پہ جمی ہوئی برف کی طرح لگی۔

"میری کالز تو فوراً پک کر لیتا ہے۔ پتہ نہیں آج کیا ہوا ہے۔" وہ بے دھیانی میں کہہ گئی اس سے بے خبر کہ قیس کے دل پہ اسکے الفاظ نشتر کی طرح کھب گئے۔ وہ چند پل عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ کال ملاتی زینیا رک گئی۔ سنہری آنکھیں اٹھا کر سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" قیس جواب دیئے بغیر بس اسے دیکھتا رہا۔

''آپ ٹھیک ہیں باس؟'' اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں ٹھیک نہیں؟''

''شاید تم بھول رہے ہو۔ میں اور تم ایک دوسرے سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ کم از کم پریشانی نہیں۔ کچھ ہوا ہے؟'' آخر میں اس نے ٹھہر کر پوچھا۔

''کیا تمھیں فرق پڑتا ہے؟''

زینیا نے گہری سانس لی۔

''مجھ سے لفاظی نہیں ہوتی، سیورس۔ اگر میں پوچھ رہی ہوں کیا ہوا ہے تو مجھے فرق پڑتا ہے۔''

''مجھ سے کچھ ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں تمہاری مشکلات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔'' وہ رکا ہونٹ کاٹے۔ ''کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟''

''معاف کر دوں؟ کس لئے؟ میری چائے پہ پابندی لگانے کے لئے؟'' قیس اسے دیکھتا رہا۔ ''میں ایسے معاف نہیں کروں گی۔ مجھے بھی مرغیوں کی طرح ایک روپیہ کیش دو۔''

وہ ہنس پڑا۔ بے بسی، تھکن بھری مسکراہٹ۔

''پھر بتاؤ ایک روپے کا چیک ملے گا یا کیش؟'' وہ پھر سے ہنس پڑا تھا۔ اب کے یہ دل سے بوجھ ہٹنے والی ہنسی تھی۔ وہ ایک قتل کے گلٹ میں مرتے مرد کو دنیا مافیہا سے بے خبر کر کے، ساری فکریں چھوڑ ہنسنے پہ مجبور کر رہی تھی۔ کیا تھی وہ؟

''تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کس بات کے لئے؟''

''کل رات میں۔۔۔''

''قیس، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اسے زینیا کے ساتھ کھڑے دیکھ سٹوڈیو کے دروازے پہ کھڑا براق تیز تیز قدم لئے اندر آیا۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے؟ جاؤ یہاں سے۔'' اس نے زینیا کو سخت لہجے میں کہا۔ زینیا نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بند کر دیئے۔ براق اب قیس کو لئے وہاں سے جا رہا تھا۔ زینیا کئی پل اسکی پشت کو تکتی رہی۔ کیا ہوا تھا؟

❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□

کل تک اسے لگتا تھا اسکے پاس حل ہو گا۔ بالاج جیسا بھی سہی اسکا سابقہ دوست تو رہا ہے۔ وہ اس سے بات کرے گا، اسے سمجھائے گا اور زینیا کی جان خلاصی کروا دے گا۔ رہی بات ان دونوں کے نکاح کی تو اس نکاح نے ویسے ہی ختم ہونا تھا۔ سب ٹھیک، سب صحیح۔ بہترین۔

لیکن ایک رات، صرف ایک رات میں جو کچھ بدل گیا تھا مہدی کمبیر کو لگا کسی نے اسکے نکالے ہوئے حل پہ سرخ کانٹا پھیر دیا ہو۔ وہ کتنی دیر تک اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔ چائے خانہ کی دیواریں اسکے بولنے کی منتظر تھیں، سو تو زینیا حاکم بھی تھی۔ صبح کی اس سفیدی میں وہ سیاہ باب کہاں چھپاتا اسے معلوم نہیں تھا۔

''میرے پاس ایک حل ہے۔'' اس نے زینیا کو کہتے سنا۔ ''میں پہلے بشر سے بات کروں گی اور اسے بتاؤں گی کہ بالاج کس طرح مجھے ذہنی اذیت دیتا رہا اور کس طرح کن حالات میں اس نے مجھے طلاق دی۔ اس سے پہلے بالاج گھر پہ کچھ بھی بتائے میں بتا دینا چاہتی ہوں۔ پھر میں ان سے کہوں گی کہ اسکا دوست بھی سب جانتا ہے اور تب میں بشر کو آپ سے ملوا دوں گی آپ سب بتائیں گے ناں؟''

مہدی نے بہ دقت سانس لی۔ کل رات کا ایک ایک منظر آنکھوں کے آگے گھوم رہا تھا۔ وہ کس طرح بات کرے، کیا کہے اور کیسے قیس کو ولن بنانے سے روکے؟ ان سب کو پرے ہٹا کر وہ زینیا کا دفاع کیسے کرے؟

''میرے پاس ایک اور حل ہے۔'' اس نے جھوٹ چن لیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے گئی اچھائی بھاڑ میں اسے کوئی سیف زون چاہیے تھا۔ ''بالاج نے کل تمھیں کال کی تھی رائٹ؟ لیکن میں نے پتہ کروایا ہے کہ وہ واپس سعودی عرب جا چکا ہے۔''

زینیا کی آنکھوں میں تحیر اور ٹھہراؤ ایک ساتھ اترا۔ مہدی کہتا رہا۔

''اگر وہ کچھ ماہ تک دوبارہ پاکستان آ گیا تو میں اس سے بات کروں گا۔ میں اس سے کہوں گا وہ تمھارے گھر پہ کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے اور اگر وہ پھر بھی نہیں مانا تو میرے پاس ایک اور حل ہے۔'' وہ اب کے سنبھلے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جھوٹ راس آ گیا

تھا۔"اگر بات زیادہ بڑھی تو میں بالاج کو دھمکاؤں گا کہ اگر وہ اپنی اس ڈھٹائی سے باز نہ آیا تو میں...." وہ آگے کو ہوا۔"میں اسے بتاؤں گا کہ میں اس سے کیا کچھ چھین سکتا ہوں۔اور یقین کرو جس آدمی کے پاس وہ داماد اور باس بن کر بیٹھا ہے میں اسے وہاں سے نکلوا سکتا ہوں۔لیکن یہ سب تب ہو گا جب وہ پاکستان واپس آئے گا۔(اور اب وہ کبھی نہیں آسکتا) اگر تم کوئی پیش قدمی کرو گی تو تمہارا کیریئر خراب ہو گا۔(میں بس تمھیں ہر قسم کے نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔) میرا یقین کرو، زینیا برے مرد کی خصلت ہے کہ وہ عورت کو دھمکاتا رہتا ہے لیکن صرف تب تک جب تک عورت اسکے سامنے جھک نہ جائے۔تم جھکو گی تو وہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ڈٹ کر کھڑی رہو میں تمہارے پیچھے کھڑا ہوں۔(اب کوئی بالاج نہیں ہو گا تم آزاد ہوئیں بھی تو کیسے)"

زینیا بس اسے دیکھ رہی تھی۔اسے کچھ کھٹکا تھا یا نہیں لیکن یہ وہ حل نہیں تھا جو اس نے سوچا تھا۔وہ بس اسے دیکھ رہی تھی۔

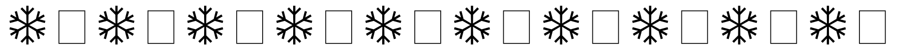
"ایک نہ ایک دن تو وہ بتائے گا۔اس نے نہیں بتایا تو مجھے بتانا پڑے گا۔ہم کب تک اس بات کو راز رکھ سکتے ہیں؟"

"صرف اور چند ماہ تک۔(تب تک تمھیں اسکی موت کا علم ہو جائے گا) تمہارا کیریئر بن جائے گا چند ماہ بعد سی ایس ایس کا امتحان ہے اور مجھے یقین ہے تم پاس کر لو گی۔دنیا کامیاب عورت کی ناکام شادی کو معاشرہ مختلف نظر سے دیکھتا ہے۔اگر چند ماہ میں اسکی طرف سے کچھ بھی ہوا تو اسکی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔(کیونکہ مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہو گا۔) تم وہ کرو جو کرنا چاہتی ہو۔اور میری طرف سے بالکل پر سکون رہو تم جب چاہو گی میری طرف سے ایک دستخط تمھیں مل جائے گا۔"

وہ اگر مطمئن نہیں ہوئی تو غیر مطمئن بھی نہیں ہوئی تھی۔اب اگر کچھ تھا تو سکوت۔ غلطی ہوئی تھی، نہ ہوتی اگر اسکی بنیادیں مضبوط ہوتیں، اگر حالات اس پہ تنگ نہ ہوتے، اس کی کمر پہ ڈھیر سارا بوجھ تھا جس کے نیچے وہ دب گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر جوڑ توڑ کرتی رہی۔ کئی منٹ بعد فیصلہ ہو چکا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ یہ حل ہے یا نہیں، لیکن....'' وہ اٹھی مہدی کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں چاہوں گی چیزیں اسی طرح ہوں جیسے ہمیں لگ رہی ہیں۔''

پہلی بار مہدی نے اسے جاتے ہوئے روکا نہیں۔ پہلی بار وہ اس سے زیادہ تسلی دے ہی نہیں سکا۔ پہلی دفع، بس جو ہو رہا ہے ہونے دیا جائے اس نے یہ تہیہ کر لیا۔ گزر چکی رات ہنوز برے خواب کی طرح یاد تھی۔ اسے بالاج کی موت کا کوئی دکھ نہیں تھا، ذرا برابر بھی نہیں۔



سمندر کا شہر گوادر ہلکی ہلکی مینہ برسا رہا تھا۔ موسم سرد سا ہو گیا تھا۔ بشر کی چھوٹی گاڑی ایک ریستوران کے باہر آ کر رکی۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ سے گردن موڑ کر اس نے پیچھے بیٹھی دو لڑکیوں کو دیکھا۔

''تم دونوں یہاں سے اندر جاؤ، فیملی ہال میں جا کر بیٹھو میں گاڑی سائیڈ پہ کر کے آتا ہوں۔ اور خبر دار جو کوئی فضول حرکت کی ہو۔''

''ہم دو بار پہلے بھی آ چکے ہیں تب تو تم نے کوئی نصیحت نہیں کی تھی۔'' کونج چمک کر بولی۔ بشر نے انہیں جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ تب ہمارے ساتھ زینی بھی آئی تھی۔ کم از کم اس پہ بھروسہ ہے مجھے۔ تم دونوں سے زیادہ۔'' وہ گاڑی سے اتر آیا۔ کونج اور عروج اپنی سسکی پہ خون کے گھونٹ پیتے نیچے اتر آئیں۔

بشر نے آگے بڑھ کر شیشے کا دروازہ کھولا اور ان دونوں کو اندر بھیجا۔ فرشی نشستوں والا ریستوران انتہائی نفاست سے سیٹ تھا۔ ایک بڑے سے ہال میں چاروں طرف گاؤ تکیے اور انکے درمیان ایک زمین کی طرف جھکی ہوئی میز رکھی تھی۔ ایک میز سے دوسری کے درمیان جالی دار پردہ تھا۔ عروج اور کونج بھی ایسی ہی ایک میز کے گرد آ کر بیٹھیں۔ بشر بھی سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ عروج فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر گئی تھی۔

ہال کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پار سے سمندر کا اچھا نظارہ آتا تھا۔ بشر کے ساتھ اسے چند تصاویر ضرور لینی چاہیے تھیں۔

اسی پل جالی دار پردے سے آتی ایک آواز پہ کونج منجمند ہو گئی۔

''میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اب میں تمہیں اسکے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔'' یہ فریحہ کی آواز تھی۔ کونج اس آواز کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ مگر وہ اس آواز پہ منجمند نہیں ہوئی تھی۔ اسکے دل کو برف کرنے والے جملے کوئی اور تھے۔

''کیا کسی نے تمہیں بتایا نہیں روتے ہوئے تم کسی کا دل توڑ دیتی ہو۔'' یہ بھاری لہجہ، یہ دلفریبی، یہ رمز کونج حاکم ساری زندگی اس لہجے کو نہیں بھول سکتی تھی۔

''کیا کسی نے تمہیں بتایا نہیں تمہاری آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔''

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' شاید وہ لڑکی اپنا ہاتھ چھڑوا رہی تھی۔ کونج کو اپنے تمام اعضاء سن ہوتے محسوس ہوئے۔

''تم کونج کو چھوڑدو۔ پلیزاب اس کھیل کو ختم کرو۔ میں اب دل بڑا نہیں کرسکتی اب یہ مجھ سے نہیں ہوگا پلیزاسے ختم کرو۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''مجھ نہیں گرانا اسے، مجھے نہیں چاہیے کچھ بھی بس اسے چھوڑدو۔ پلیزاسے چھوڑدو۔''

''تم پرستش کے لئے بنائی گئی ہو۔ کوئی تمہیں چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں اسے چھوڑدوں گا۔'' سیاہ آنکھوں والی لڑکی کی ساری دنیا برف ہوگئی۔ ٹھنڈی، یخ، بے جان۔

''بلکہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا کہاں ہوتا ہے؟ میں نے اسے تو کبھی اپنایا ہی نہیں تھا۔ یہ تمہاری ضد تھی فریحہ۔ تم اسے گرانا چاہتی تھیں، کیونکہ تمہیں لگا تھا وہ پارسائی کا ڈھونگ کرتی ہے۔ اس سارے میس میں مجھے پھنسانے والی تم تھیں۔ اب تم یوں سب کچھ مجھ پہ نہیں الٹ سکتیں۔'' وہ خفا ہوا تھا۔ لڑکی شرمسار مگر کونج حاکم سن تھی۔ شل۔ ساکن۔

''ٹھیک ہے ناں۔ جو ہوگیا سو ہوگیا۔ ساری پارسائی دیکھ تو لی ہے اسکی اب کیا دیکھنا ہے؟ جو لڑکی چندماہ پہلے تک مجھے درس دیتی تھی۔ وہ رات کو ایک نامحرم سے کال، اور چیٹ پہ کس قسم کی فحش گفتگو کرتی ہے وہ میں دیکھ، اور سن چکی ہوں۔'' اس کے لہجے میں تنفر تھا۔

''اچھا بس کردو۔ یہ ہمارا وقت ہے ہم ایک تھرڈ پرسن کو کیوں ڈسکس کر رہے ہیں؟'' لڑکا ایک بار پھر خفا ہوا تھا۔ کونج حاکم کے منہ پہ جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔

"کونج، تم میرے لئے اتنی اہم ہو کہ اب مجھے ساری دنیا تھرڈ پرسن لگتی ہے۔ تمہارا کام، پڑھائی، مشغلے۔ کیا تم ان سب کو چھوڑ کر صرف میری نہیں ہو سکتیں؟''

فریحہ کی طرف سے چند۔پل خاموشی رہی۔ اسی لمحے بشر بھی اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ کونج اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم مجھ سے محبت تو کرتے ہو ناں؟'' چند لمحے بعد فریحہ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

''محبت بہت چھوٹا لفظ ہے، کونج۔ میرے لئے تم سانس لینے کی وجہ ہو۔ مجھے اذانوں کی قسم ہے۔ میرے دل کے سارے جذبے بس تمھارے لئے ہیں۔''

''محبت ایک لفظ ہے۔ عشق ایک احساس۔ مجھے تمہاری موجودگی سے عشق ہے، فریحہ۔ کیا تمہیں مجھ پہ شک ہے؟'' یہ الفاظ نزی موت تھے۔ کونج حاکم کے لئے ساری دنیا الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ اسکی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ اسکے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اگلے کئی پل سلو موشن میں گزرے۔

بشر اسے لئے پریشان سا باہر جا رہا تھا۔ کئی لوگوں نے مڑ مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ کونج کو لوگوں کے ہونٹ ہلتے محسوس ہوئے۔ آوازیں نہ پراسیس ہو سکیں۔

"انہیں پینک اٹیک ہوا ہے۔'' ڈاکٹر بشر سے کہہ رہے تھے اور وہ پریشانی سے اپنی چھوٹی بہن کو تک رہا تھا۔ کونج اسے بھی نہ دیکھ سکی۔

اسے گھر لایا گیا، ابا اماں بے طرح پریشان تھے۔ ہر کوئی فکر مند ہو گیا تھا۔ کونج بس روئے جاتی تھی۔ لبوں سے کچھ کہے بغیر بس وہ روئے ہی جاتی تھی۔ پلنگ پہ اسکے قریب بیٹھی دادی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ چند پل وہ اسکا سر تھپکتی رہیں۔ یک دم کونج نے چہرہ باہر نکال کر عجیب سے نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ کئی گھنٹوں سے مقفل لب کھلے۔ اور چند الفاظ اسکے منہ سے نکلے۔

"شہر بانو کو بھیڑیا کھا گیا تھا ناں دادی؟" عمر رسیدہ عورت جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ بوڑھی زمانہ شناس آنکھیں ساکت ہو گئیں۔

"شہر بانو کا حسن نوچ لیا ناں دادی؟ وہ اپنی بہن کے بیٹے سے نہیں مل سکی تھی ناں؟ وہ کہانی جھوٹی تھی ناں دادی؟" ضعیف ہاتھوں نے اسکا سر تھپکا۔ اور اسے دوبارہ اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ آنکھوں کے رنج کا حال قلم کو لکھنے کی تاب نہیں۔

باقی سب کو باہر جانے کا کہا۔ سیاہ آنکھوں والی لڑکی دادی کے سینے میں سر چھپائے سسک رہی تھی۔ دل کا کونہ کونہ سلگ رہا تھا۔ ایسی تکلیف تھی کہ الامان۔

زندگی نے اسے ایسا تجربہ دے ہی دیا تھا کہ وہ کہانیوں کا انت بوجھنے لگ گئی تھی۔ کیا زندگی تمھارے ساتھ کبھی اتنی ظالم ہوئی ہے؟

"تین دن۔۔۔ تین راتیں بعد"

نمل یونیورسٹی میں آج زینیا حاکم کا آخری دن تھا۔ شوق کے لئے لیا گیا مضمون آج اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔ وہ زیادہ دن آ نہ سکی تھی، زیادہ کلاسز نہ لے سکی تھی۔ مگر پھر بھی آج جب اسکا کورس ختم ہونا تھا تو کسی طرح سے وقت نکال کر وہ چلی آئی۔ یوں بھی قیسم میں اسکا کام اب بہت کم ہو گیا تھا۔ بس اب دن کے دو گھنٹوں کا کام تھا، اور زینیا آزاد۔

گھاس کے قطعے پہ ایک کونے والی جگہ پہ وہ یونیورسٹی کی تصاویر اتار رہی تھی۔ جب عقب سے کوئی اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔

''پہلو میں میرے جیسا ہینڈسم مرد کھڑا ہے پھر بھی اس بے جان عمارت کی تصاویر اتار رہی ہو۔ سیڈ۔'' وہ تاسف سے بولا۔ زینیا مڑی نہیں۔ وہ پوری طرح متوجہ تھی۔

''جانتی ہو میری خواہش ہے۔ کسی دن میں اچانک سے تمھارے سامنے آجاؤں اور تمہارا کیمرہ تمھارے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جائے۔ لیکن تم ہمیشہ الرٹ رہتی ہو۔'' وہ زینیا کے کندھے کے آگے سے عمارت دیکھنے لگا۔

''آپ نے میرے کیمرے کے لئے اتنا برا کیوں سوچا ہوا ہے؟'' اس نے کلکس لے کر کیمرہ نیچے کیا۔ مہدی فوراً سے اسکے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''تصویر کا دوسرا رخ بھی تو دیکھو۔ مجھے دیکھ کر تمھارے ہاتھوں سے کیمرہ گر جانا، پھر میرا تمہیں کیمرہ اٹھا کر دینا۔ کتنا خوبصورت منظر ہو گا نہیں؟ اچھا ایک تصویر تو بنا دیں، سرکار۔'' آخر میں وہ ذرا الجاجت سے بولا۔

''سنا تھا آپ بہت مشہور ہیں۔ لیکن آپ کی ہر وقت ہر جگہ موجودگی کوئی اور داستان کہتی ہے۔'' اس نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔ مہدی مسکرایا۔ عقب میں کھڑی عمارت بھی مسکرائی۔

''مجھے دس فون کالز کر کے بلایا گیا ہے۔ تا کہ میری ایک تصویر بن سکے۔ تم جیسے نالائق سٹوڈنٹس کے ساتھ اور یونیورسٹی کا نام روشن ہو۔'' زینیا تصاویر کے بجائے اس کی ویڈیو بنانے لگ گئی تھی۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بولتے ہوئے وہ اچھا لگ رہا تھا۔ یا زینیا نے آج ہی نوٹس کیا تھا۔

''لکی یو۔ یونیورسٹی انتظامیہ بھی کالز کر رہی ہے۔ سب کچھ ہے آپ کے پاس۔'' وہ جان بوجھ کر اسے بولنے پہ اکسا رہی تھی۔ ایک لمحے کو مہدی کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

''سب کچھ تو کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ میں پبلک سپیکر نہیں سائیکاٹرسٹ بننا چاہتا تھا۔ مگر میں اتنا ذہین نہیں تھا۔ دو بار فیل ہو گیا۔ اور بس۔۔۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر زینیا کو مزید تصاویر لینے سے روکا۔ وہ بھی کیمرہ اتار چکی تھی۔

''اچھا سنو۔'' یکدم وہ اشتیاق سے کہتا آگے آیا۔ ''کل رات میں نے ایک reel دیکھی، اس میں لوک کہانیوں کا ذکر تھا۔ تم ان پہ یقین رکھتی ہو؟ یا پھر تمہیں انکے بارے میں کوئی علم ہے؟ مجھے کچھ تفصیل چاہیے۔''

''کس کہانی کے بارے میں جاننا ہے آپ کو؟'' وہ گھاس کے قطعے پہ بیٹھی کیمرہ بیگ میں رکھ رہی تھی۔ مہدی اسکے ساتھ آن بیٹھا۔

''سسی پنہل۔ سنا ہے سسی بہت بے وقوف تھی۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔ پھر زینیا کے سخت تاثرات دیکھ رک گیا۔

''سسی بے وقوف نہیں تھی۔''

''اوکے اوکے۔'' اس نے مصالحت جو انداز میں ہاتھ اٹھالئے۔ ''چلو پھر چائے اور مکئی کے ساتھ سسی پنہوں کی داستان سنیں۔'' وہ اٹھا زینیا کے آگے ہاتھ پھیلایا۔ پھر فوراً سے پیچھے کر لیا۔ **(زیادہ فری نہیں ہونا۔)**

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کینٹین میں بیٹھے تھے۔ سامنے میز پہ چائے کے بھاپ اڑاتے کپ، اور بھٹے۔ جنہیں مہدی چھیل رہا تھا۔

''سسی ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔'' سرمئی سوئیٹر والی لڑکی کہہ رہی تھی۔

''ہندؤں میں نجومیوں اور کنڈلی پہ یقین رکھا جاتا ہے۔ سسی کی پیدائش کے وقت جب اسکی کنڈلی نکالی گئی تو اس میں کھوٹ تھا۔ نجومیوں سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ سسی بڑی ہو کر ایک مسلمان سے شادی کرے گی۔ اب اسکے ماں باپ بے انتہا پریشان ہو بیٹھے۔ متوقع ذلت کے خوف سے انہوں نے اس نوزائیدہ بچی کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا۔'' مہدی بڑے ہی غور سے اسے سن رہا تھا۔ ساتھ ساتھ مکئی کے دانوں پہ لیموں کا رس چھڑک رہا تھا۔ ایک دو لوگ جو تصاویر لینے آئے وہ بے زاری سے انکے ساتھ تصاویر کھنچوا اتار رہا۔

''بھنبھور سندھ کا ایک شہر ہے جہاں دریا کنارے ایک دھوبی خاندان رہتا تھا۔ تیرتے صندوق سے جب ایک صحت مند بچی ملی تو دھوبیوں کے خاندان کے ایک بے اولاد جوڑے نے اسے گود لے لیا۔ سسی انہی کے ساتھ بڑی ہوئی۔ پنہوں کا تعلق بلوچستان کے علاقے کیچ مکران سے تھا۔ سسی کی پنہوں سے واقفیت، محبت ایک لمبا قصہ ہے۔ اسے چھوڑ کر میں آپ کو کلائمکس بتاتی ہوں۔ سسی اور پنہوں شادی کر کے اپنی زندگی ہنسی خوشی بسر کر رہے تھے۔ انکی محبت لازوال تھی۔'' مہدی نے مکئی کے دانے اسکے آگے کیے۔ ساتھ چائے کا کپ بھی۔ اپنی چائے کا کپ بھی اٹھا لیا۔

''پنہوں کے باپ کے کئی بیٹے تھے مگر اسے سب سے زیادہ محبت پنہل سے تھی۔ جب وہ کیچ مکران چھوڑ سسی کے عشق میں اسی کے علاقے کا ہو رہا تو اسکے باپ نے رو رو کر اپنی بینائی ختم کر دی۔ باقی بھائیوں سے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور انہوں نے پنہوں کو واپس لانے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ لوگ پنہوں کے گھر پہنچے تو انہوں نے سسی کا حسن دیکھا۔ پنہل کا اسیر ہونا بنتا تھا۔ اسکے بھائی چند دن وہاں رہے، ہر طرح سے پنہل کو واپس لے جانے کی کوششیں کیں۔ مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً اسکے بھائیوں نے رات کے وقت پنہل کو نشہ آور ادویات کھلائیں اور راتوں رات اسے اپنے ساتھ لئے کیچ مکران کی طرف کوچ کر گئے۔'' بولتے بولتے وہ

رکی۔ مکئی کے چند دانے منہ میں رکھے۔ زبان میں ذائقہ سا گھل گیا۔ ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے سے مرچ تھے۔ مہدی نے مسکراتے ہوئے اسے چائے کا کپ تھمایا۔ زینیا نے فوراً گھونٹ بھرا۔ ذائقہ عجیب سا، مگر اچھا سا ہو گیا۔ اب وہ اس ذائقے کی عادی ہو رہی تھی۔

''مرچیں ہیں؟'' وہ اسکی آنکھوں میں بھرتے پانی کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ زینیا نے گردن کڑائی۔

''نہیں، ٹھیک ہے۔ مجھے تو صحیح لگا۔'' ساتھ آنکھیں صاف کیں۔ مہدی مسکرا دیا کہا کچھ نہیں۔ بس خاموشی سے پانی اسکی طرف بڑھایا۔

''سسی جب صبح اٹھی تو اسکے لئے دنیا یہاں سے وہاں ہو چکی تھی۔ دوسری طرف اپنی حویلی میں موجود پنہل کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وہ دیوانہ سا ہو گیا۔ اٹھتے بیٹھتے سسی کا نام لیتا۔ بھائی، ماں، باپ اسے کوئی یاد نہ رہا۔ کوئی بات کرتا، حال پوچھتا، کوستا اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ ہر ایک سے پوچھتا "سسی ہو؟"۔'' آس پاس لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ پبلک سپیکر کے ساتھ تصاویر کی چاہ میں بیٹھے لوگ حسرت سے زینیا کو دیکھ رہے تھے۔

''پنہل کی اس حالت سے تنگ آ کر اس کے باپ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ اسے واپس سسی کے پاس چھوڑ آ جائے۔ دوسری طرف سسی بھی پنہل کو ڈھونڈنے کی خاطر صحراؤں کی خاک چھاننے نکل پڑی تھی۔ قصہ مختصر کریں تو ایک دن بلاخر سسی اور پنہوں کے راستے ٹکرائے۔'' مہدی کی آنکھوں میں دلچسپی در آئی۔ اس نے چائے کا کپ نیچے رکھا اور پوری طرح متوجہ ہوا۔

''ایک چھوٹا سا قافلہ تھا۔ اور ایک طرف اکیلی سسی اور بیچ میں پانی کا چھوٹا سا تالاب۔ رات کا دوسرا پہر تھا۔ تھکی ہاری سسی کو تالاب سے پانی پیتے ہوئے وہ قافلہ دکھا مگر ساتھ ساتھ اسے وہ تالاب رات کے اندھیرے میں پوری نہر لگا تھا۔ صحرا الوژن دکھاتا ہے۔ سسی نے بھی دیکھا۔ تالاب میں گر کر مرنے کی بجائے اس نے صبح کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ سسی جاگتی رہی، جاگتی رہی مگر رات کے آخری پہر اسکی آنکھ لگ گئی۔ اور قافلہ صبح ہوتے ہی کوچ کر دور چلا گیا۔''

''سسی کتنی بے وقوف تھی۔'' یکدم مہدی تیز لہجے میں بولا۔ "بے وقوف عورت کو یہ نہیں پتہ چل سکا۔۔۔''

''سسی بے وقوف نہیں تھی۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔

''اسے پنہوں کے عشق نے الوژنسٹ کر دیا تھا۔ اسے لگا تھا اسے پنہل تک پہنچنے کے لئے کئی بڑی بڑی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا، اسے کئی قسم کی سختیاں اور تکالیف جھیلنی پڑیں گی۔ یہ سفر اس کے لئے بلا تھا۔ سسی نے کئی بار خود کو بڑی بڑی مشکلات میں تصور کر لیا تھا، اس نے تصور کی دنیا میں کئی بار پنہل کے لئے خود کو ہر خطرے سے لڑتے دیکھا تھا۔ پھر یوں اچانک اتنی آسانی سے پنہل اسکے سامنے آجائے گا یہ اسکے وہم و گمان میں نہیں تھا۔'' ایک پل کے لئے مہدی بلکل لاجواب سا ہو گیا۔

''ہر انسان نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی بلائیں تصور کر رکھی ہیں۔ کچھ انسان ساری زندگی انہیں بس تصور کرتے رہتے ہیں اور کچھ انکا سامنا کر لیتے ہیں۔ اور سامنا کرنے سے پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟'' وہ رازداری سے آگے کو ہوئی۔

''بلائیں برم نکلتی ہیں۔'' مہدی نے جملہ پورا کیا۔ ''مجھے لگتا تھا اگر کسی روز کسی نے مجھ سے پوچھا کہ تم خود کو معاف کیوں نہیں کرتے، مہدی۔ میں تو اس روز مر جاؤں گا۔ جیسے کسی بلا کے چنگل میں آجاؤں گا۔ لیکن مجھے دیکھو۔ میں بلکل ٹھیک ہوں۔''

''آپ ٹھیک نہیں ہیں۔''اعلان کرتے ہوئے وہ پیچھے ہٹی۔ مہدی نے گردن اثبات میں ہلا دی۔

''صحیح کہا۔ کچھ قفس جلدی نہیں ٹوٹتے۔ کچھ معافیاں فوراً نہیں مل جایا کرتیں۔ کچھ بلائیں یونہی نہیں ٹل جاتیں۔

''**پراسیس**''ضروری ہوتا ہے۔ ایک وقت کے بعد انسان کو پتہ چل جاتا ہے اصل بلا وہ خود ہے۔ مگر کئی بار بلائیں اپنی ہی طاقت سے ناواقف ہوتی ہیں۔''

''آپ اپنی طاقت نہیں جانتے؟''

مہدی نے کندھے اچکائے۔

''دوسروں کو اپنی طاقت بتانا بھی کمزوری ہوتا ہے۔''آ گیا وہ اپنی mean کمبیر والی عادت پہ۔

''بائی داوے۔ تمہاری بھی کوئی بلا ہے؟''یکدم اشتیاق سے پوچھا۔

زینیا کے چہرے کے تاثرات ایک پل میں تبدیل ہوئے۔ عبداللہ کو کی گئی فون کالز، اسکا انکار، اسکا ابا کو رلانا ایک پل میں سب یاد آیا۔

''میرے تصور میں جو بلا ہے وہ صرف تصور نہیں، حقیقی بلا ہے۔''مہدی نے مزید پوچھنا چاہا مگر رک گیا۔ اسکے تاثرات اجازت نہیں دیتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ زینیا وہیں بیٹھی رہی۔ عبداللہ کا ذکر اب اسے مضطرب کر دیتا تھا۔

''مسلمان پہ تین روزہ سوگ جائز ہوتا ہے۔اس کے بعد نہیں۔''

حدیبیہ کی آواز پہ وہ مڑا نہیں۔بس خاموشی سے گلاس وال کے پار شہر کی روشنیاں دیکھ اپنے اندر کے اندھیرے مزید گہرے کرتا رہا۔

''آپ نے جان کر تو کچھ نہیں کیا ناں۔غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔''

''انسان ان غلطیوں کو اون بھی تو کرتے ہیں۔وہ سب میری طرح قائر نہیں ہوتے۔''اسکی شیو معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔آنکھیں شب خوابی کی داستان کہتی تھیں۔قیس کمبیر اداس تھا۔حدیبیہ کو ملال سا ہوا۔

''آپ بزدل نہیں ہیں۔آپ بس انسان ہیں۔بی قیو کی ریلیز کا وقت ہے۔ایسے میں خود کو اتنے بڑے اسکینڈل میں پھنسا لینا سراسر بے وقوفی ہوتی۔''

''اور ایک انسان جس کو میں نے مار دیا۔اسکی لاش کو ڈس اؤن کرنا۔اسکے ورثاء کا علم ہوتے ہوئے بھی اسے لاوارثوں کی طرح دفن ہوتے دینا۔یہ انصاف تھا؟''اسکا لہجہ ترش ہوا۔حدیبیہ آگے آئی۔تن کر اسکے سامنے کھڑی ہوئی۔

''کسی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر روکا ہوا نہیں ہے۔آپ چاہیں تو ابھی،زینیا حاکم کو فون ملائیں اور اسے بتادیں۔لیکن آپ نہیں بتائیں گے جانتے ہیں کیوں؟''قیس دھیرے سے پیچھے کو ہوا۔اسے نہیں سننا تھا۔

''آپ کو کسی قتل سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ وہی ہیں جس نے خالق حسین کو اس خالی فیکٹری میں کتوں کی طرح گلنے سڑنے دیا، آپ وہی ہیں جس نے انسپکٹر فیروز کے سولہ سالہ بیٹے کا کیریئر کھایا۔ اور وہ بھی جس نے اپنے سگے ماموں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ چند منٹ، چند گھنٹے آپ کو برا لگا تھا مگر پھر آپ ٹھیک ہو گئے۔ اور اب۔۔۔ اب آپ قتل کی وجہ سے گلٹ میں نہیں ہیں۔ آپ **"زینیا"** کے شوہر کی قتل کی وجہ سے گلٹ میں ہیں۔۔'' اس نے زینیا کے شوہر پہ زور دیا۔

قیس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا۔

''آپ نہیں چاہتے وہ آپ کو برا سمجھے۔ آپ نہیں چاہتے اسکی آنکھوں میں آپ کے لئے بے اعتباری آئے۔ آپ نہیں چاہتے وہ آپ پہ گواپ کرے۔ محل کے مضبوط ستون کو سہارا مل چکا ہے، اور اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔'' اعتراف تھا کہ اعلان؟

''ایسا۔۔ کچھ۔ نہیں ہے۔'' اس نے اٹک اٹک کر کہتے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اسے گھبراہٹ ہوئی۔ گلا خشک ہونے لگا۔

''وہ اچھی ہے، سمجھدار ہے۔ مجھے اسکا کام پسند ہے اور بس۔۔۔ ہاں اور بس۔ بس یہی۔'' حدیبیہ سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ قیس کو آواز اپنے کانوں میں سنائی دینے لگی۔

''خود کو معاف کریں باس۔'' ہمدردی جتائی گئی۔

''آپ نہیں کریں گے تو کوئی نہیں کرے گا۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔ کوئی کسی عام، سمجھدار لڑکی کے لئے گھر کے خفیہ دروازے نہیں کھولتا، اسکے لئے لاکھوں روپے خرچ کر کے اسے مسائل سے نہیں نکالتا، اپنے پاس نوکری کے لئے رکھتے وقت

اس سے بس "اپنا" کام نہیں کرواتا۔'' قیس کو یوں لگا تھا جیسے اب وہ کبھی سانس نہیں لے پائے گا۔ کیا کوئی اتنی آسانی سے اسکی آنکھیں پڑھ سکتا تھا؟

''آپ کے لاشعور میں پہلے دن سے اسکا ایک مقام بن چکا ہے۔ اور یہ غلط نہیں ہے۔'' اس نے اپنے الفاظ پہ زور دیا۔

''آپ نے ایک لمبی عمر خود پہ بوجھ ڈالا ہے۔ اگر کوئی بانٹ رہا ہے تو اٹس اوکے۔ آپ نے ایک لمبا عرصہ خود کو ذمہ داریوں، انتقام، بلندیوں کے لئے صرف کیا ہے اگر کوئی آپ کا حصہ دار بن رہا ہے تو اٹس اوکے۔ بنا کہے، بغیر زیادہ ایفرٹس کیے کوئی آپ کا حال جان لیتا ہے، کسی کو آپ کی اداسی اپ کے غم کی فکر ہے تو اٹس اوکے۔''

قیس دھیرے دھیرے گلاس وال کے سامنے رکھے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ ساکن، صامت۔

''خود کو معاف کریں اور آگے بڑھیں۔ آپ کو اس سے محبت ہے یا نہیں مجھے نہیں پتہ۔ لیکن آپ اسکے ساتھ ساری زندگی گزار سکتے ہیں اتنا آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔''

''وہ شادی شدہ ہے۔'' اسکی آواز ہلکی تھی۔ گویا مسئلہ بس یہی تھا۔

''تصیح کریں باس۔ وہ بیوہ ہے۔'' قیس نے شاکی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ایک منگنی شدہ مرد کو ایک شادی شدہ عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک بیوہ سے تو ہو سکتی ہے ناں؟''

''میں اس وقت اپنی فیلنگز خود بھی نہیں جانتا اور۔۔۔ وہ میرے بارے میں ایسا نہیں سوچتی۔''

’’فلحال آپ سوچنا بند کر دیں۔جو کچھ ہوا ہے اسے بھول کر آگے بڑھیں۔ایک فریش سٹارٹ۔سارے گناہ بہت پیچھے اور اب سب اچھا اچھا۔اوکے؟‘‘

’’کیا میں ایک نارمل زندگی گزار سکتا ہوں؟‘‘اس سوال کے پیچھے محرومیاں تھیں،خواہشیں تھیں،احساس کمتری تھا۔اگر اسکی آنکھوں میں دیکھو تو دور کہیں ہلکی سی نمی بھی تھی۔کمبخت کبھی کبھی خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔

’’آپ برے نہ بنتے،اگر دنیا آپ کے ساتھ اچھی رہتی۔‘‘

قیس نے آنکھیں بند کر کے گردن صوفے کی پشت پہ گرا دی۔ایک لمبی مسافت کے بعد ایک ٹھہراؤ اسکا حق تھا۔وہ ایک تازہ شروعات کے لئے تیار تھا۔

’’زندگی یوٹرن لے چکی تھی۔‘‘

مرگ کی سی کیفیت جیسے دن کونج کی زندگی کے سب سے بے کار،اذیت ناک دن تھے۔وہ جو ساری ساری رات کالز،میسجز پہ بات کرتی رہتی تھی اب وہی رات روتے روتے گزر جاتی تھی۔زندگی نے اسکے ساتھ جو کھیل کھیلا تھا کونج حاکم اس کھیل میں بری طرح ہار گئی تھی۔

اسکی دوستیں، حسیب اسے کالز اور میسجز کرتے رہتے تھے مگر وہ کسی ایک کو جواب نہیں دیتی تھی۔ پچھلے کچھ عرصے سے کال پہ بات کرنے کے لئے وہ اکیلے سوتی تھی مگر اب اسے وہی ایک کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سارا سارا دن وہ دادی کے کمرے میں پڑی رہتی۔ زبان مقفل تھی۔ ہونٹ جامد۔

اسکے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔

"روگ اندر سے انسان کو کھا جاتا ہے۔ قطرہ قطرہ، آہستہ آہستہ۔"

"کونج، بچے تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ جس دن سے اس ہوٹل سے آئی ہو تمہارا سکوت ہی نہیں ٹوٹتا۔"

اماں اسکے قریب بیٹھی تھیں۔ فکر مندی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔ کونج چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ "کیا کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟" وہ رکیں آس پاس نظر دوڑائی۔ پھر مزید قریب ہو کر بیٹھ گئیں۔

"تم رات کو، ضیغم سے بات کرتی تھیں ناں؟ کیا اس نے کچھ کہا ہے؟"

کونج حاکم جہاں کی تہاں رہ گئی۔ اسکی آنکھیں بے یقینی سے پتھرا گئیں۔ کیا اماں جانتی تھیں؟ کیا وہ ادھورا سچ جانتی تھیں؟

"ہم نے، زینی کا رشتہ عبداللہ سے کر کے بڑا ظلم کیا تھا۔ تو مجھے لگا اچھا ہے تم ضیغم کو جان لو۔ مجھے کیا پتہ تھا وہ تمہیں ایسے روگ دے دے گا۔" اماں رو پڑی تھیں۔ کونج انکے ساتھ رو پڑی۔ سر انکے سینے پہ ٹکا دیا۔ دل تھا کہ پھٹا جاتا تھا۔ روگ تھا کہ کھوکھلا کئے جاتا تھا۔

اسکے ساتھ دھوکہ ہوا تھا۔

''وکٹمز اپنی کہانی کے سب سے بڑے ولنز ہوتے ہیں۔''

اسکی گم سم سی کیفیت کی وجہ سے ابا اور اماں نے زینیا کو اسلام آباد سے کچھ دن کے لئے بلوا لیا تھا۔ وہ خود بھی گھر کو یاد کر رہی تھی۔ سو فوراً چلی آئی۔ اس وقت وہ اپنے اور کونج کے مشترکہ کمرے میں رکھے پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ سیاہ کرتا شلوار میں ملبوس بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ انگلیاں کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہی تھیں۔ کونج سست روی سے الماری سیٹ کر رہی تھی۔ زینیا کے سامنے اسے نارمل رہنا تھا۔

''کونج، ادھر آؤ۔ شیزل نے تصاویر بھیجی ہیں تمہیں دکھاتی ہوں۔'' وہ مصروف سی بولی۔ کونج نے کوئی جواب نہ دیا ہاں البتہ مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ کس کیفیت سے گزر رہی تھی اور اس کی بہن بجائے اس سے کچھ پوچھنے کے اسے نارمل لئے ہوئے تھی؟

''براق، شیزل کی فیملی سے ملا ہے یہ دیکھو۔''

''تمہیں نظر نہیں آتا میری کیا حالت ہے؟ میں اس وقت تمہاری دوست کے منگیتر کو نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ کپڑے فرش پہ پھینکتے ہوئے چیخ پڑی۔

''مرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ ہوا ہے اور۔۔۔''

''دھوکے بازوں کے ساتھ دھوکہ ہی ہوا کرتا ہے۔'' وہ اسکے چہرے پہ نظریں گاڑ کر بولی۔ کونج تھم گئی۔ زینیا بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ایک مرد کے دھوکے پہ ڈیڑھ ماہ سے ڈپریشن میں ہو اور تم نے خود کتنے مردوں کو دھوکہ دیا ہے؟'' وہ بیڈ سے اتر آئی۔ آنکھیں زخمی شیرنی جیسی تھیں۔ جیسے اب وہ مذید یہ چوہا بلی کا کھیل نہ کھیلنا چاہتی ہو۔

''تم، کونج حاکم تم ایک دھوکہ باز عورت ہو۔ تم نے اپنے اعتماد کرنے والے باپ کو دھوکہ دیا۔ تم نے اپنے بھائی کو دھوکہ دیا۔ یہاں تک کہ تم نے اپنے منگیتر کو دھوکا دیا ہے۔ وہ باپ جس نے تمہیں پڑھایا لکھایا۔ گھر میں رکھا تم اسکی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے کسی لڑکے سے معاشقے کر رہی تھیں؟'' وہ دھیرے دھیرے قریب آ رہی تھی۔ کونج الماری کے ساتھ لگ گئی۔ آنکھیں شاکی انداز میں پھیلی تھیں۔

''تم دھوکے باز ہو کیونکہ تم نے اپنے خدا کو دھوکا دیا ہے۔ حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کو شکایات کا حق نہیں ہوتا۔''

''میں نے کوئی حد پار نہیں کی میں تو۔۔۔'' اس نے بہ دقت کہنا چاہا جب زینیا نے سختی سے اسکی بات کاٹی۔

''اچھا تو رات کے دو بجے تک وہ تمہیں نفل پڑھنے کے طریقے بتاتا تھا؟'' کونج کا چہرہ مارے اہانت کے سرخ پڑا۔

''زنا کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، مس حاکم۔ اور تم ان قسموں میں سے کتنی میں ملوث ہو میں جانتی ہوں۔ یہ ہوتا ہے حد سے بڑھنا۔ اگر کل تم مر گئیں تو قبر میں خدا سے شکوہ کرو گی؟ کیا شکوہ کرو گی کہ اللہ سائیں ایک نامحرم نے کیوں مجھے دھوکہ دیا؟ یا پھر اللہ کے فرشتے تم سے پوچھیں گے کہ بتاؤ کونج حاکم کیوں کی تم نے اللہ کے احکام سے بغاوت؟ کیوں کیا تم نے زنا؟''

''میں زانی نہیں ہوں۔'' وہ حلق کے بل چیخی۔ رو پڑی۔ خوف زدہ ہوئی۔ حرام میں پڑے ہر شخص کو ہونا چاہیے۔

''تمھارے کہہ لینے سے کیا ہوتا ہے؟ دین کہتا ہے ہاتھ، کان، آنکھ، زبان، اعضاء کا زنا ہوتا ہے تم دین سے انکار کروگی؟ یا پھر دین کو دھوکا دینے والی لڑکی اب اس بات کا رونا روئے گی کہ اسے ایک غیر مرد نے دھوکا دیا؟''

''ضیغم میرا منگیتر ہے۔ غیر نہیں۔'' اسکی آواز ہلکی تھی۔ الماری سے لگی پشت سن ہو رہی تھی۔

''اول تو ہاں ضیغم غیر ہے۔ منگنی کرنے سے وہ تمہارا شوہر نہیں بن جاتا۔ دوئم تمہیں کیا لگتا ہے میں اماں کی طرح بے وقوف ہوں؟ ضیغم ہسپتال والے واقعے کے بعد کئی دنوں سے تم سے بات نہیں کرتا میں جانتی ہوں۔'' خوف زائل ہوا۔ اب کے کونج کی آنکھوں میں استسفار تھا۔

''تمہیں اس بارے میں کیسے پتہ چلا؟''

زینیا طنزاً مسکرائی۔

''جب تم مجھ سے جھوٹ بول کر کینٹین کی بجائے اسکن ٹریٹمنٹ کے لئے گئی تھیں تب ضیغم آیا تھا۔ اس نے تمہارا پوچھا اور میں نے اسے سچ سچ بتادیا۔''

کونج شل سی اسے دیکھے گئی۔ اسکی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اسے اپنی زندگی کا دوسرا بڑا شاک لگا تھا۔

''تم۔۔تم۔۔۔نے مجھے۔۔۔۔تم نے مجھے گرانا چاہا؟''

''میں نے تمہیں گرایا؟'' اس نے طنز سے ابرو اٹھائے۔

''نہ نہ نہ تم گری ہوئی ہو۔ کئی سالوں سے۔'' وہ الفاظ کے تھپڑ مارتی اسکا چہرہ سرخ کر رہی تھی۔

''بلکہ جب سے ہوش سنبھالا تب سے۔''

''تم اٹھا بھی تو سکتی تھیں۔''اس نے روتے ہوئے شکوہ کیا۔

''کوئی گرے ہوؤں کو نہیں اٹھاتا۔ہاں اگر تم اپنی کہنی پہ زور دے کر ایک بازو پہ اٹھنا چاہو تو تمہارا دوسرا بازو میں تھاموں گی۔ لیکن میں تمہارا بوجھ نہیں ڈھو سکتی، کونج۔ کوئی نہیں ڈھو سکتا۔ گرے ہوؤں کو خود اٹھنا ہوتا ہے۔اپنے زور بازو پہ۔ لیکن کچھ گر چکے لوگوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں وہ کئی سالوں سے لوگوں کا کارپٹ ہیں۔''

''تم نے غلط کیا تمھیں ضیغم کو نہیں بتانا چاہیے تھا۔''

''تم نے، بالاج سے کہا تھا کہ میں نے عبداللہ کو کال کی اسے بلایا، میں نے تو کبھی تم سے یہ نہیں کہا کہ تمھیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔سچ تو سچ ہے کونج باہر آنے سے کیا ڈرنا؟''

وہ آگے آئی۔ نرمی اور فکر مندی سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم لکی ہو، کونج۔ ہر وہ انسان لکی ہے جسے رمائنڈرز ملتے ہیں۔ خود کو لپیٹ کر نفاست سے رکھو۔ ورنہ کارپٹ ایک وقت بعد کچرے کی زینت بن جایا کرتے ہیں۔''وہ واپس پلنگ پہ اپنی سابقہ جگہ پہ آکر بیٹھی۔ تنفس تیز ہو چکا تھا۔ چہرہ سرخ۔اسے یہ علم نہیں تھا کہ جو تقریر اس نے کونج کو سنائی ہے اسکی تھوڑی بہت ضرورت اسے بھی تھی۔ یہ اسے وقت بتائے گا۔

کونج اپنی جگہ پہ کھڑی رہی۔ وہ خود کو وکٹم سمجھ رہی تھی مگر وہ تو ولن تھی۔اسکے ساتھ واقعی دھوکا ہوا تھا۔

"چھ ماہ بعد۔"

("چھ ماہ نے اسے اپنی آنکھوں میں دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔ یہ چھ ماہ کڑے تھے، کٹھن تھے۔")

کمبیر محل میں ایک بار پھر فساد برپا ہوا تھا۔ کسی بات پہ قیس اور مہدی کے درمیان جھڑپ ہو گئی تھی۔ اور ایک بار پھر سارے گھر کا نزلہ مہدی کمبیر پہ گرا تھا۔ آج کچھ مختلف ہوا تھا۔ آج اسکی رنگت سفید نہ پڑی، گلٹ سے اسکی گردن آج نہ جھکی۔

اس نے میز سے ڈھیر ساری کو کیز اٹھا کر ٹرے میں رکھیں۔ کافی کا مگ اٹھایا۔ ڈرائے فروٹ کا باؤل ہاتھ میں لیا اور چیختے کوستے بختیار کو دیکھا۔

"آپ کا ہو گیا؟ میں جاؤں؟" وہ جو اسکی ماں اور باپ کی شان میں القابات گنوا رہے تھے تھم گئے۔ مقصود انیسہ، قیس کمبیر لاؤنج میں بیٹھے ہر کمبیر نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ کسی کو دیکھے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

یہاں آکر اسکے قدم سست پڑے تھے۔ دنیا سے مقابلہ آسان ہے، خود سے کٹھن۔

دیوار کے ساتھ لگے آئینے میں کھڑے ہو کر اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ سانولی سی رنگت، معمولی نقوش، سیدھے سیاہ بال جو سٹائلش انداز میں کٹے تھے۔ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھا، پر کشش بھی نہیں۔ اگر پیسے کی ریل پیل نہ ہوتی تو وہ ان لوگوں میں سے ہوتا جن کے چہرے ایک نظر کے بعد بھول جائیں۔

مگر اسکی آنکھیں اسکی آنکھوں میں ساری دنیا کا حسن پناہ گزین تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ چند لمحے دیکھتا رہا۔

''میں نے تمھیں معاف کیا، مہدی۔'' وہ ہولے سے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''تم معصوم ہو۔ تمہاری آنکھیں دنیا کی سب سے حسین آنکھیں ہیں۔''

وہ خود سے بہت کچھ کہتا رہا۔ پورے چھ ماہ اس نے یونہی خود سے بہت کچھ کہا تھا۔ چھ ماہ اس نے اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی مشق کی تھی۔

''چھ ماہ اس نے ہر طرح سے خوش رہنے کی کوشش کی تھی۔ چھ ماہ میں وہ سب ملا جس کی اس نے خواہش کی مگر نہ ملا تو سکون۔''

وہ مہدی کے ساتھ پارک کی سڑک پہ واک کر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی دھوپ آسمان کا سینہ چیرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔ اور اسی دھوپ میں زینیا کی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھیں۔

''مجھے لگا تھا اس روز آفس میں ہونے والی میری باتوں کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ لیکن آپ تو اچھے آدمی نکلے۔'' مہدی ہلکا سا مسکرایا۔

''مریضوں سے ناراض نہیں ہوا جاتا۔'' زینیا چلتے چلتے رک گئی۔ استھفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں اگر خود کو معاف نہیں کرتا تو تم لوگوں کو معاف نہیں کرتیں۔ میں اگر کارپٹ ہوں تو تم سخت دیوار۔ جس سے جتنا سر پھوڑ لو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''کم از کم میں خود کو تو تکلیف نہیں دیتی۔''

"دیتی ہو۔مانو یا نہ مانو مگر تم دیتی ہو۔جو لوگ معاف کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں انکی زندگی سہل ہو جاتی ہے۔جو معاف نہیں کرتے وہ کڑھتے رہتے ہیں، دل میں بغض پالے رہتے ہیں۔اور اپنے قریبی لوگوں کو کھو دیتے ہیں۔" وہ آگے آیا۔زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تم سے ناراض نہیں ہو سکتا، تم پہ ترس آتا ہے۔" وہ کہہ کر آگے چلنے لگا۔ مگر زینیا حاکم کی زندگی ایک جگہ رک گئی تھی۔

وہ مہنگے ریستوران میں کھانا کھا رہی تھی۔ مگر وہ مزہ نہ آیا جو بشرا اور کونج کے ساتھ ایک چھوٹے ڈھابے پہ آیا کرتا تھا۔

اسے قیسم کی پہلی تنخواہ ملی، مگر وہ اتنی خوش نہ ہوئی جتنی ابا کے پیسے دینے پہ ہوتی تھی۔

ہائی ہیلز، بیگز اور جیولری خریدتے وقت اسکا دل خالی تھا۔ کیونکہ اسکا دل بھاری تھا۔ان رویوں کے بوجھ سے جنہیں وہ دل سے ہٹا نہ سکی تھی۔

اسے نئی زندگی نہ بھائی، کیونکہ وہ پرانی کے انتقام دل میں لئے ہوئے تھی۔ چھ ماہ اس نے اسٹرگل میں گزار دیئے تھے۔ چھ ماہ زینیا حاکم سکون سے نہ رہ سکی تھی۔

("یہ چھ ماہ اس نے اپنی عادت کے بر خلاف کام کئے تھے۔یہ چھ ماہ وہ ایک مختلف انسان بنا رہا۔ مگر گھٹ ایک دن اتر جایا کرتے ہیں۔")

قیس کبیر اس حادثے کے بعد بدل چکا تھا۔زینیا حاکم کے ساتھ اسکا وقت زیادہ گزرنے لگا تھا۔وہ پارک میں ہر روز دانستا اسکے جانے کے وقت جاتا۔وہ ایک ہی جاگنگ ٹریک پہ گھنٹوں بھاگتے رہتے۔ بولتے رہتے۔وہ اسکی ہر بات مان جایا کرتا تھا۔

آفس میں اسکے مشورے مانتا، کئی بار اسے مختلف قسم کی بحث میں الجھا دیتا۔ کسی ایک بات کو کھینچ کر لمبا لمبا لیکچر سنتا۔ جہاں اسکی ضرورت بھی نہ ہو وہاں وہ زینیا حاکم کا کام نکال لیا کرتا تھا۔ جب وہ بولتی تھی قیس کو اچھا لگتا تھا۔ جب وہ غصہ ہوتی تھی اسے مزہ آتا تھا۔ مگر وہ جب ناراض ہوتی تھی تب دنیا غیر ہونے لگتی تھی۔ اسے اچھا لگتا تھا گھنٹوں اسے کسی بحث میں الجھا دینا، اور پھر اسے تکتے رہنا۔ اسے غصہ دلانا اور پھر اسکے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنا۔ چھ ماہ میں وہ زینیا حاکم کے ہر ہر تاثر کو حفظ کر چکا تھا۔ ان چند ماہ میں اسکی زندگی کا مدار زینیا حاکم بن گئی تھی۔

وہ اسے کسی صورت ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی صورت اسے اداس پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم از کم اپنی وجہ سے نہیں۔ غلطیوں کے کفارے کرتے کرتے کب وہ اسکے قریب ہوا پتہ نہ چل سکا، کب ان دونوں کے درمیان دوستی ہوئی اسے اندازہ نہ ہو سکا۔

اسے بس اتنا معلوم تھا وہ زینیا کے ساتھ ہے۔ ہر پریشانی میں، ہر مشکل وقت میں، ہر اداس گھڑی میں۔ کیوں؟ کیونکہ اسے کفارہ ادا کرنا تھا۔ یہ تسلی وہ خود کو دیتا تھا۔ مگر تمہارا کیا خیال ہے؟

چھ ماہ ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ اس عرصے میں انسان ہیل بھی ہوتا ہے، اور بسمل بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن اس کہانی کے کسی کردار نے اپنی ہیلنگ کا سفر شروع نہیں کیا تھا۔ کچھ بسمل ہوتے ہیں، جو وقت لیتے ہیں۔ وقت لینا برا نہیں ہوتا۔ وقت مرہم ہوتا ہے۔

چھ ماہ کے قصے ادھار رہے۔اس وقت کہانی کا مرکز کمبیر محل کالان ہے۔جہاں بی قیو کی شاندار اور تاریخی کامیابی کا جشن منایا جارہا تھا۔اپنی ریلیز کے پہلے ہی ماہ میں بی قیو "sold out" ہو چکا تھا۔یہ ناقابل یقین تھا۔کئی بار کامیابیاں بے یقین ہوتی ہیں۔لان میں قطار در قطار میزیں سجی تھیں۔مدھم موسیقی ہر اور اپنی چھاپ چھوڑ رہی تھی۔

ہاتھوں میں جوس کے گلاس، کھانے کی پلیٹ لئے لوگ یہاں سے وہاں کھڑے گپے ہانک رہے تھے۔کیک کاٹا جا چکا تھا۔اور اب ملازم وہی سرو کرتے نظر آرہے تھے۔جنہیں سرو کیا جارہا تھا انکی اور چلتے ہیں۔

سیاہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی لمبی فراک، کے ساتھ چوڑی دار پجامے میں ملبوس زینیا حاکم نے مسکراتے ہوئے پلیٹ تھامی۔اسکی رنگت مزید نکھر گئی تھی۔بال لمبے ہو گئے تھے۔اور آنکھوں کی چمک کے ساتھ ذات کا وقار بھی بڑھ گیا تھا۔سرخ رنگ کا دوپٹہ سر پہ لئے، جب وہ ٹھہر کر کسی سے بات کرتی تھی تو اسکے لہجے میں اعتماد جھلکتا تھا۔

وہ تھوڑی دیر قبل ہی آئی تھی۔اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔قیس کا ڈپریشن شوٹ، سمندر پہ مسکراتی تصاویر، بی قیو کی وائرل سنیک پیک۔اور فیصل آباد میں موجود ٹیکسٹائل فیکٹریز میں کام کرتے لوگوں کی ویڈیو اور تصاویر نے اسے خاصا مشہور کر رکھا تھا۔وہ سوشل میڈیا پہ اپنی تصاویر پوسٹ نہیں کرتی تھی، اپنے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی تب ہی لوگوں کا اسے جاننے کا تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

پارٹی کی طرف واپس آؤ تو زینیا اب اکیلی کھڑی تھی۔جب کوئی سامنے سے مسکراتا ہوا اسکی طرف آنے لگا۔جواباً وہ بھی مسکرائی۔سیاہ آنکھیں اور سنہری آنکھیں شناسائی کی کئی منزلیں پار کر چکی تھیں۔

''فائنلی تم کمبیر محل میں نارمل طریقے سے آئی ہو۔'' ایش گرے تھری پیس سوٹ والا آدمی بازو سینے پہ باندھ کر اسکے سامنے آکر رکا۔

زینیا نے نزاکت سے آنکھیں گھمائیں۔ ''تمہیں لگتا ہے کمبیر محل میں نارمل طریقے سے آسکتی ہوں میں؟ شیزل کے ساتھ آئی تھی میں اور دروازے پہ ہی براق اور اسکا جھگڑا ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا میں اسکی سائیڈ لوں کیونکہ اس نے ایک بار مجھے نوکری دی تھی۔ اور شیزل کی سائیڈ تو مجھے لینی ہی تھی۔''

قیس مسکرایا۔ ''قصور کس کا تھا؟''

''تمھارے نزدیک شیزل کا کیونکہ تم زن بیزار ہو۔'' وہ رکی آس پاس دیکھا۔ اور پھر رازداری سے آگے کو ہوئی۔

''اور میرے نزدیک بھی شیزل کا۔ جان بوجھ کر اس بیچارے کو تپاتی ہے۔''

''اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو دونوں کا بریک اپ کروا چکا ہوتا۔ آہ مزہ آتا۔'' اسے وہاں موجود نہ ہونے کا تاسف ہوا۔ زینیا نے افسوس سے نفی میں گردن ہلائی۔

''تمہارا نام قیس غلط ہے۔ فتنہ دوست کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

قیس نے سوچنے کے انداز میں انگلی ٹھوڑی پہ رکھی۔

''یہ بھی مجھے مکمل ڈیفائن نہیں کرتا۔ آہ دنیا میں شیطانوں کی لئے ناموں کی کتنی کمی ہے ناں؟''

زینیا نے افسوس سے اسے دیکھا۔ قیس مسکرایا۔اور سنجیدہ ہوا۔ ”پارٹی کیسی لگی ؟“

وہ آس پاس دیکھنے لگی تھی۔

”اسلام آباد میں مجھے ایک سال ہونے والا ہے۔اب تو پارٹی اور جنازے ایک ہی لگتے ہیں۔ بورنگ۔“ وہ رکی۔ قیس کو دیکھا۔ ”تمہیں اسلام آباد کیسا لگتا ہے ؟“

”مجھے یہ شہر اپنے جیسا لگتا ہے۔ سرد، سفاک، خاموش۔۔۔۔۔“

”بورنگ ؟“ اس نے اضافہ کیا۔

”بورنگ تو نہیں ہے۔“ اسلام آبادی کی اپنے شہر سے محبت جاگ گئی۔

”تمہیں اسلام آباد کبھی بورنگ نہیں لگا؟“

قیس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس نے نفاست سے کیک کھاتی لڑکی کو دیکھا۔آنکھوں میں پرستان کا سارا سحر آن ٹھہرا۔

”اب نہیں لگتا۔“ اسکے چہرے پہ نظریں جمائے اس نے تین لفظ کہے۔بس تین لفظ۔کیا اسکی جانب سے یہ تین لفظ کم تھے ؟

”اب کونسے سرخاب کے پر لگ گئے اس شہر کو ؟“

” پیروں کے نیچے زمین کوئی بھی رہے اس زمین پہ کھڑے وجود کا دل خوش ہونا چاہیے۔پنڈی بھی پیرس لگنے لگتا ہے۔“

زینیا اسکی آخری بات پہ ہنس پڑی تھی۔ قیس رک کر مزید بات کرتا کہ اسے مہمانوں میں سے کسی نے بلایا۔ ''**ایکسکیوزمی**'' کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ زینیا بھی اس جگہ سے ذرا فاصلے پہ اپنی ایک کولیگ کے ساتھ آن ٹھہری۔ تھوڑی دیر وہ اسی سے بات کرتی رہی۔

اسی پل کوئی اسکے عقب میں آکر رکا۔ زینیا جو نتاشا سے بات کر رہی تھی مسکرائی۔ اب وہ مہدی کمبیر کو اسکے قدموں کی چاپ سے پہچان لیا کرتی تھی بتایا ناں چھ ماہ میں بہت کچھ ہوا تھا۔۔ نتاشا سے معذرت کر کے وہ مہدی کی طرف مڑی۔ سبز آنکھیں، سنہری آنکھوں سے ٹکرائیں۔ ہر اور روشنی سی منعکس ہونے لگی۔

''اگر تم نے اتنا ہی خوبصورت لگنا ہوتا ہے تو پہلے ٹر گر وارننگ دیا کرو۔''

''زیادہ ہو گیا نہیں؟'' زینیا مسکرائی۔

''زیادہ کہاں، آپ کے لئے تو دیوان لکھے جا سکتے ہیں، سرکار۔'' سیاہ شلوار قمیض والے مرد نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر تعریف کی۔

''اول تو یہ فلرٹ کسی اور کے ساتھ کریں۔ دوئم مجھے سرکار مت کہا کریں۔'' اس نے کیک کا چمچہ بھرا۔ اور منہ تک لے گئی۔ پلیٹ خالی ہونے لگی تھی۔

''پھر ڈائن کہا کروں؟ چڑیل؟ خبطی؟ میرے پاس بہت بڑی ورائٹی ہے۔ بس آپ کے منتخب کرنے کی دیر ہے۔'' وہ کیک کی پلیٹ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا۔ چکھا اب تک نہیں۔ اسے معلوم تھا یہ زینیا کا فیورٹ فلیور ہے۔ وہ اپنا حصہ کھا کر، اسکا حصہ بھی کھائے گی۔

''بہت ورائٹی آگئی ہے آپ کے پاس لڑکیوں کے نک نیمز کی؟ کن چکروں میں ہیں آج کل؟ کس چڑیل اور خبطی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے؟'' مہدی کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہو گیا تھا۔

''خدا کا خوف کرو میں شریف آدمی ہوں۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میری یادداشت میں تو وہ مہدی ہے جو مجھے بلانے کے لئے میرے کمرے کی بالکنی میں پتھر پھینک رہا تھا۔'' مہدی خفیف سا ہو کر مسکرایا۔

''مہدی کا فلٹر فری ورژن بس، زینیا حاکم کے لئے ہے۔'' وہ جتا کر بولا۔ زینیا کی مسکراہٹ سمٹی۔ مہدی کو بھی الفاظ کا احساس ہوا۔

''میرا مطلب ہے باقی لڑکیاں میری کال، میسجز فوراً دیکھ لیتی ہیں۔ سارے جتن تمھارے لئے کرنے ہوتے ہیں۔'' اس نے بات سنبھالنی چاہی۔ ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے اسے گھیر لیا تھا۔ زینیا خاموشی سے کیک کھانے لگی تھی۔

مہمانوں میں گھرے کھڑے قیس کمبیر کی نظریں لان کی دائیں طرف گئیں۔ وہ جو اپنے ساتھی ڈیزائنر کی بات پہ مسکرا رہا تھا۔ یکدم اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔ مہدی کمبیر زینیا حاکم کو اپنی کیک کی پلیٹ تھما رہا تھا۔ اور زینیا نے بلا تردد پلیٹ تھام لی تھی۔ نظروں کے ارتکاز پہ زینیا نے مڑ کر دیکھا۔ قیس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ انداز میں ناپسندیدگی تھی۔

''بالاج کا کوئی رابطہ ہوا؟'' مہدی کا انداز محتاط سا تھا۔ زینیا کے تاثرات بدل گئے۔ نارمل سے اب وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''مجھے اسکی طرف سے کوئی کال نہیں آئی۔ اسکے اور میرے گھر والے الگ سے پریشان ہیں۔ بلکہ اسکے گھر والے مجھے کوس رہے ہیں۔ انکو لگتا ہے میں منحوس ہوں۔ واٹ ایور۔''

''اپنا بیٹا چاہے چاند پہ لگی کالک ہو۔ قصور ہمیشہ بہو کا نکالا جائے گا۔'' وہ اس انداز سے بولا کہ زینیا ہنس پڑی۔

زینیا مہدی کی کسی بات پہ ہنسی تھی۔ قیس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ دل کو ایک انجانے سے خوف نے گھیرا تھا۔ اسے یہ مسکراہٹ زہر لگی۔ اسے زینیا کے ساتھ کھڑے اس آدمی سے نفرت ہوئی۔

''اسے جانے دیں۔ مجھے یہ بتائیں آپ کے تجسس کا کیا حال ہے؟ آج تو پارٹی میں بھی نظر نہیں آرہی۔'' اسکا اشارہ انیسہ کی طرف تھا۔

مہدی نے کندھے اچکائے۔

''ناراض ہے قیس سے۔'' لاپرواہی سے کہتے اسکی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

''تم میرے گھر کے معملات میں کچھ زیادہ انٹرسٹ نہیں لینے لگیں؟''

''کیا کریں سرکار کرنے کو کوئی اور کام جو نہیں ہے۔'' مہدی نے آنکھیں گھمائیں۔ جیسے کہہ رہا ہو **"واٹ ایور"** اسی پل زینیا نے ایک بار پھر قیس کو دیکھا۔ اسکے ساتھ کھڑے لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بات درمیان میں بھول گیا تھا۔

''کیا وہ آپ کو پسند نہیں کرتا؟'' زینیا کی بات پہ مہدی چونکا تھا۔

''قیس آپ کو پسند نہیں کرتا؟'' مہدی ایک پل کے لئے شل سا ہو گیا۔ وضاحت کے لئے زینیا کو تکتا رہا۔

''وہ کب سے اسی طرف دیکھ رہا ہے۔ بار بار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا ہے۔ ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کر رہا ہے۔ کسی سے بات کرتے ہوئے بات بھول رہا ہے۔ اور وہ بے چین ہے۔ اسکی آنکھیں دیکھیں۔'' مہدی نے گردن موڑ کر قیس کو دیکھا۔ وہ بغیر پلک جھپکے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایسا ہر بار نہیں ہوتا۔ کیا وہ آپ کو ناپسند کرتا ہے؟'' وہ سرسری سا کہہ کر کیک کھانے لگی۔ مہدی کو سانس لینے میں دقت سی ہوئی تھی۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ قیسم کے سارے ملازمین کو چھوڑ وہ مہدی کے زینیا کے پاس کھڑے ہونے پہ بے چین کیوں ہوا تھا؟

ہاں مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ سوال یہ تھا کیا وہ زینیا کو پسند کرتا ہے؟ اور مہدی کمبیر اس سوال کا جواب نہیں جاننا چاہتا تھا۔ جانے کیوں مگر وہ واقعی نہیں جاننا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد سارے مہمان لان کے عقبی حصے میں جمع ہو چکے تھے۔ قہقہے، رونقیں، خوشبوئیں تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ قطار در قطار کرسیاں لگی تھیں اور پہلی صف میں ایش گرے سوٹ والا قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سامنے اسٹیج پہ کھڑے مائیک تھامے قیسم کے ملازمین کو بولتے ہوئے سن رہا تھا۔ یہ ہر کامیاب پراجیکٹ کے بعد ہوتا تھا۔ قیس کمبیر ایک محفل رکھتا تھا۔ کھانا، رنگ، خوشبو، میٹھا اور "**تجربہ**" بیان کرنے کو وہ ہوتا تھا جو اس وقت اسٹیج پہ جاری تھا۔ ہر ڈیزائنر مائیک تھامے قیس کی برائی اور اچھائی بیان کرتا۔ اسکا زچ کرنا، اسکے موڈ سوئنگز بتاتا۔ اور اپنا دل ہلکا کرتا۔ قیس ہر دفع یہ سارے شکوے اور محبت مسکرا کر سنتا تھا۔ آج انداز مختلف تھا۔ جانے کیا، جانے کیوں کچھ بے حد برا لگ رہا تھا۔

''تمہاری باری آنے والی ہے، سیورس تیار ہو؟'' اسکے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی زینیا نے سوال کیا۔ جواب ندارد۔ زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ آنکھیں پر سوچ ہوئیں۔ چھ ماہ میں زینیا قیس کو بے حد اچھے سے جان چکی تھی۔

''کیا تم نروس ہو؟''

''تمہیں نظر نہیں آرہا میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا؟'' پس منظر کی کئی آوازوں کے درمیان اسکی آواز مختلف تھی۔ سخت۔ بے لچک۔

زینیا کے تو سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔

''پیروں میں گر کر اپنا قصور تو میں بھی نہیں پوچھنے لگی۔''

''ظاہر ہے اگر مہدی کمبیر سے ملنے کے بعد تم ایسا نہ کرتیں تو مجھے حیرت ہوتی۔ ویسے کیا کیا زہر اگلا اس نے میرے بارے میں؟ اس نے تمہیں میرے خلاف کیا ہو گا ناں؟ اس نے کہا ہو گا میں پاگل ہوں۔ کرپٹ ہوں۔ ہر ایک سے لڑتا جھگڑتا ہوں۔'' آس پاس سے بے نیاز وہ رخ پوری طرح زینیا کی طرف موڑے ہوئے تھا۔ الفاظ سخت تھے لہجہ بدلا ہوا۔

زینیا کو حیرتوں کے شدید جھٹکے لگے۔ چھ ماہ ایک بلبلے کی طرح غائب ہوئے یہ آدمی تو کوئی اور تھا۔

''مہدی ایسے نہیں ہیں، قیس۔ انہوں نے تمھارے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔''

''انہوں نے؟ ایسے نہیں ہیں؟'' قیس نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ ''اتنے گہرے مراسم ہو گئے تمھارے اسکے ساتھ؟ لگتا ہی کیا ہے وہ تمہارا؟''

زینیا کے جی میں آیا تھا کہ اسکا سر پھاڑ دے۔ مگر اس نے ضبط کیا۔ گہری سانس لی۔ اور نارمل رہنے کی کوشش کی۔

''آپ اسے پسند نہیں کرتے؟'' زینیا کو اسکے غصے اور بے چینی سے یہی اخذ کر سکی۔

قیس چند پل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ آنکھیں سخت ہوئیں۔ تاثرات میں تنفر بھر گیا۔ پھر رخ موڑ لیا۔

''میں، مہدی سے نفرت کرتا ہوں۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

''مجھے اسکی موجودگی، اسکی ذات اسکی existence سے نفرت ہے۔ جس دن اسکا قتل ہوا قیس کمبیر کے ہاتھوں ہوگا۔'' وہ پھنکار کر پیچھے ہوا۔ زینیا بہ دقت سانس لے سکی۔ اسے مہدی کمبیر کے لئے برا لگا تھا۔

''اگر آئندہ وہ مجھے میرے لوگوں کے قریب نظر آیا تو میں اسکے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا۔'' یہ الفاظ اس نے سامنے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے کہے تھے۔ تاثرات یکدم بدل کر سنجیدہ اور بے نیاز ہو چکے تھے۔

''تمھارے لوگ مطلب؟'' اب کے زینیا کا لہجہ بدلا تھا۔ اسے قیس کا انداز کھٹکا تھا۔ کیا وہ اسکے اور اپنے گرد باؤنڈری نہیں بنا سکی؟ کوئی اسے بتائے وہ نہیں بنا سکی تھی۔

ایک لمحے کے اندر اندر قیس کمبیر کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ لمحے بھر کو اسے احساس ہوا وہ کیا کہہ بیٹھا تھا۔

''میرا مطلب تھا۔۔۔ قیسم۔۔۔ قیسم کے ملازمین۔ قیسم میرا ہے اور وہاں کام کرنے والے لوگ میرے لوگ ہیں۔ مہدی کو میرے کاروبار سے دور رہنا ہے۔''

زینیا چپ ہو گئی۔ جواب نہ دیا۔ ہاں البتہ دل سے وہ ایک فیصد شک بھی دور ہو گیا تھا کہ انکے درمیان حدود ٹوٹی تھیں۔ کافی دیر تک ڈیزائنرز آتے گئے اور کہتے رہے۔

'' موڈ ٹھیک کر لو۔ تمہاری باری آنے والی ہے۔'' پچھلے چند منٹ کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ اب وہ نرم، نارمل تھی۔

''چھ ماہ میں تم یہ نہیں جان سکیں کہ میرا موڈ ٹھیک یا خراب ہونا میرے بس میں نہیں ہے؟'' وہ ناراض ہوتا تھا تو نروٹھے بچے کی طرح طعنے دیتا تھا۔ اسکا ناراض ہونا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے منانا مسئلہ تھا۔

''میں نہیں جان سکتی کیونکہ تم layered ہو ہر دفعہ کچھ نیا۔ کوئی الگ سائیڈ دیکھنے کو ملتی ہے۔'' زارا اڈارا سٹیج پہ قیس کی نقل اتار رہی تھی۔ آس پاس قہقہے گونجنے لگے۔ تالیاں پیٹی گئیں۔

''کیا تم layered نہیں ہو؟ لیکن میں تو تمہیں جان گیا ہوں۔ اگر اس وقت تمہارا موڈ خراب ہوتا تو کم از کم میں یہ نہ کہہ رہا ہوتا کہ **'موڈ ٹھیک کر لو، زینیا حاکم'**۔'' وہ دوبدو کہہ رہا تھا۔ بحث شروع تو کرو اسکے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ چہرے پہ اب بھی نروٹھا پن تھا۔ زینیا کو کبھی کبھی وہ بتیس سالہ مرد نہیں، دو سال کا بچہ لگتا تھا۔

''تو پھر تم کیا کہتے؟'' زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔ قیس نے نگاہوں کا رخ ترچھا کر کے اسے دیکھا۔

''جن لوگوں نے تمہارا موڈ خراب کیا ہوتا میں تمہارے ساتھ مل کر انکو دو گالیاں اور دیتا۔''

زینیا ہنس پڑی۔ وہ واقعی ایسا کرتی۔ اور اگر قیس اسکا ساتھ دیتا تو مزہ آ جاتا۔ چھ ماہ وہ صرف اسکا باس، پڑوسی نہیں رہا تھا۔ ان چھ ماہ میں دوستی بھی ہوئی تھی۔ شیزل کے بعد زینیا کی دوسری دوستی۔ مہدی دوست سے بڑھ کر تھا۔ یا پھر شاید کوئی اور۔ اسکے لئے دوستی لفظ چھوٹا تھا۔

''ایک گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔'' زینیا نے ابھی بات شروع ہی کی تھی قیس کے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے۔

''ڈونٹ یوڈیئر۔''اس نے دھمکی دی۔ مگر وہ جانتا تھا اثر نہیں کرے گی۔

''وہ اپنی حالت سے بڑا تنگ تھا ایک دن وہ ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔:

''ڈاکٹر صاحب میں روز رات کو ایک ہی خواب دیکھتا ہوں۔ اور اس میں گدھے فٹبال کھیل رہے ہوتے ہیں۔''

وہ ناراض مگر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ زینیا کہتی رہی۔

"ڈاکٹر نے کہا: اچھا میں تمہیں ایک دوائی دیتا ہوں وہ کھا لینا۔ پھر ایسا خواب نہیں آئے گا۔''

"آدمی نے کہا: میں یہ دوائی کل نہ کھالوں۔'' اسٹیج پہ اسکے نام کی پکار ہوئی تھی۔ سنجیدہ تاثرات مسکراہٹ میں ڈھل چکے تھے۔

"ڈاکٹر نے پوچھا: کیوں؟"

تو مریض کہنے لگا۔: ''اصل میں آج انکا فائنل ہے۔ بیچاروں نے بہت محنت کی ہو گی دیکھ نہ لوں؟''

وہ ہنس پڑا تھا۔ گردن نیچے جھکا کر ہنس پڑا۔ آنکھوں کی سختی غائب ہوئی۔ بھینچے ہوئے جبڑے کھل گئے۔ اور وہ ہنستا چلا گیا۔ ہر ایک کو لگتا تھا وہ اسٹیج پہ اسکی نقل اتارتی لڑکی پہ ہنس رہا ہے مگر وجہ کوئی اور تھی۔ روشنیوں کا رخ اسکی طرف ہوا، نظریں ستائش اسکی طرف اور وہ ہنس رہا تھا۔

''تم جاؤ گے گدھوں کا فائنل دیکھنے؟'' زینیا مسکراہٹ دبا کر بولی۔ اور قیس کے ہنسنے میں اضافہ ہو گیا۔ اب وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھے گردن صوفے کی پشت پہ پھینک کر ہنس رہا تھا۔ کیمرا زکا رخ اسی کی طرف ہوا۔ اسٹیج پہ کھڑی لڑکی زور و شور سے اسکی نقل اتارنے لگی تھی۔

ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔ تیسری صف میں بیٹھا مہدی کمبیر مسکرایا تک نہیں۔ اسے قیس کی مسکراہٹ سے خوف آیا تھا۔ اسے آنکھوں کی اس بے فکری سے خوف آیا تھا۔ اسے زینیا کی اسکے ساتھ موجودگی سے خوف آیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اسے قیس ہنستے ہوئے برا لگا تھا۔ مہدی کمبیر کو آج خود سے، اپنی خود غرضی سے خوف آیا۔

تقریب ختم ہونے کو تھی۔ رات کے سوا دو بج رہے تھے جب زینیا حاکم اور شیزل نے واپس جانے کی تیاری کی۔ وہ جلدی جانے والی تھی مگر براق شیزل کو اپنے ساتھ لئے ایک ایک جاننے والے سے ملوا رہا تھا۔ زینیا کوفت زدہ سی اسکی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ مہدی کمبیر تو لوگوں کے نرغے میں پھنس جاتا تھا۔

چند پل بعد وہ جوس کا گلاس ہاتھوں میں لئے بور رہی تھی۔ جب آواز پہ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ محل کے داخلی دروازے سے نکلتے مقصود کمبیر ایک ملازم پہ برس رہے تھے۔ فلحال کوئی انکی طرف متوجہ نہ تھا۔ زینیا آگے بڑھ آئی۔ ملازم اب جا رہا تھا۔ مقصود اسے اچھا خاصا جھڑک چکے تھے۔ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتے وہ اپنی وہیل چیئر کا بٹن دباتے آگے بڑھنے لگے جب انہیں وہیل چیئر رکتی محسوس ہوئی۔ بٹن دبا کر اسے روکنے والی زینیا حاکم تھی۔ مقصود نے ٹھنڈی برف نظروں سے اسے دیکھا۔

زینیا کی نظریں بھی کچھ مختلف نہ تھیں۔ کن اکھیوں سے اس نے زمین کی جانب اشارہ کیا۔ گھاس کے ٹکڑے پہ مقصود کمبیر کا چشمہ گراہوا تھا۔

''میں اٹھا کر مسیحا بنوں یا آپ اپنی طاقت آزمائیں گے؟''

مقصود جھکے، اور ہاتھ بڑھا کر چشمہ اٹھالیا۔

''میں لوگوں پہ ڈیپینڈ نہیں کرتا۔'' انہوں نے چشمہ اٹھا کر اسے صاف کیا اور عقیدت سے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا۔

''تمہیں کیسے معلوم یہ میرا چشمہ ہے۔ اور اگر ہے تو تم کوئی مسیحا نہیں جو بچالو۔'' زینیا نے بغیر کچھ کہے عقب سے وہیل چیئر کو تھاما۔ اور اسے آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگی۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے اعتراض نہیں کیا تھا۔

''قیسم میں جب یہ چشمہ نیچے گرا تھا تب اسکا برانڈ دیکھا تھا۔ وہ چشمہ آپ کا نہیں ہے ناں؟'' زینیا نے قیاس لگایا یا دعوی کیا اندازہ نہ ہوسکا۔

''اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''یہ چشمہ جس برانڈ کا ہے وہ انیس سو ساٹھ میں متعارف ہوا تھا۔ اسے بنانے والے دو بھائی تھے۔ چند سالوں کے اندر اندر یہ برانڈ پوری دنیا میں مشہور ہوگیا۔ اور ڈھیروں ڈھیر چشمے بکنے لگے۔'' وہ وہیل چیئر کو ایک طرف لگے صوفوں کی طرف لے آئی۔

''اور پھر کچھ عرصے بعد وہ دونوں بھائی اپنے اپارٹمنٹ میں ایک پر سرار موت مارے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انکے کاروباری شریک حاسد نکلے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں دماغی عارضے کا شکار تھے۔''اس نے پاس سے گزرتے ویٹر سے دو گلاس جوس کے لئے اور پھر خود ایک صوفے پہ آکر بیٹھی۔ مقصود کمبیر سامنے وہیل چیئر پہ تھے۔ایک گلاس انکو تھمایا اور بات جاری رکھی۔

''یہ چشمہ جو آپ کے پاس ہے یہ انکا آخری ڈیزائن تھا۔ صرف ڈیڑھ سو ڈیزائنز تھے۔اور بتایا جاتا ہے کہ انہیں لینے والے تمام افراد اتفاق سے عمر رسیدہ تھے۔ سو یہ آپ کا چشمہ نہیں ہے۔most probably آپ کے فادر کا؟''اس نے جوس کا گھونٹ بھرا۔ پھر جیسے یاد آنے پہ بولی۔

''ایک اور بات آپ اسے چھونے کی اجازت کسی کو نہیں دیتے۔اسے دیکھتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں ایک sparkle سا ہوتا ہے۔ یہ آپ کے فادر کا چشمہ ہے ناں؟''اس نے دہرایا۔

مقصود نے رخ پھیر لیا اب وہ ذرا فاصلے پہ کھڑے قیس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کسی مہمان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''ہاں یہ میرے ابا کی عینک ہے۔''انکی آواز ہلکی تھی۔

''وہ اسے کسی ملازم کو چھونے نہیں دیتے تھے سو میں بھی نہیں دیتا۔''

زینیا نے سر ہلایا۔ کافی دیر تک وہ یونہی گردن موڑے مہمانوں کو دیکھتے رہے۔

'' تم نے مجھ پہ اچھی خاصی ریسرچ کی۔ اسکی کوئی خاص وجہ؟''

''آپ مجھ اپنے جیسے لگتے ہیں۔اور کسی اپنے کی یاد بھی دلاتے ہیں۔''کئی ماہ سے دل میں رکھی بات کہہ ڈالی۔

''کس کی؟'' انہوں نے رخ نہیں موڑا۔

''کوئی ایسا جو بہت قریبی ہے مگر اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔'' اب وہ بھی انکی نظروں کی تقلید میں دیکھنے لگی۔ مگر قیس کو نہیں اس سے ذرا فاصلے پہ کھڑے مہدی کو۔ وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر باتیں کر رہا تھا۔ زینیا جانتی تھی اب وہ کیسے اشارے کرے گا، کیسے ہاتھوں کو حرکت دے گا۔ اسلام آباد میں وہ بس اسی شخص کو تو جانتی تھی۔

''سوری میں اس جذباتی تقریر کے بعد بھی تمہیں گود نہیں لے رہا۔'' وہ گردن موڑے بغیر بولے۔ زینیا مسکرائی۔

''میرا باپ آپ جیسا باپ ہوتا تو میں خود کو پھانسی لگانا پسند کرتی۔''

''میں ایک اچھا باپ بنتا۔'' ایک لمحے کو وہ مختلف انسان لگے تھے۔ بلکل مختلف۔

ان کی آنکھوں کی آگے منظر کوئی اور تھا۔ انکی بیوی حاملہ تھیں۔ وہ مقصود کا ہاتھ معدے سے نیچے رکھ رہی تھیں۔ ایک نئی زندگی۔ وہ مسکرائے تھے۔ کرخت تاثرات میں دراڑ پڑی تھی۔ دل میں ایک نرمی نے جگہ لی۔ اس دن انہوں نے ایک بہترین باپ بننے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر وہ ماضی تھا۔ حال میں وہ مسکرانا بھول چکے تھے۔ زینیا چپ رہی۔

''جیسے کہ تم اچھی بیٹی ہو۔'' زینیا لب کاٹ کر رہ گئی۔ مقصود نے اسکے تاثرات جانچے۔ ''تم ایک اچھی پیرنٹ بننا، ایک اچھے مرد سے شادی کرنا۔ اس بار اپنے باپ کی طرح مت ماننا۔''

زینیا نے شاکی آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ''میرے ابا اچھے آدمی ہیں۔''

''اچھے آدمی کی بیٹیاں سڑک پہ اپنے سابقہ شوہر سے ہراساں نہیں ہوتیں۔'' زینیا برف سی ہوگئی۔ ''اگر وہ تمھارے عقب میں کھڑا رہتا تو کسی مرد کی جرات نہیں تھی وہ تمھارے سامنے ٹھہر سکتا۔ عورت مانے یا نہ مانے۔ گھر کا مرد ٹیک ہوتا ہے، بازو ہوتا ہے۔''

زینیا خاموش ہوگئی۔ دل میں حزن سا آن ٹھہرا۔ دل پہ ڈھیر سارے آنسو گرے اور سوراخ بنتے گئے۔ محرومیوں کے، شکوؤں کے۔

''اس خبیث آدمی کا کیا ہوا؟ دوبارہ آیا تھا؟'' تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولے۔ زینیا نے گہری سانس لی۔

''لاپتہ ہے۔ اسکی آخری کال چھ ماہ پہلے آئی تھی۔ اب اس سے خاندان کے کسی فرد کا کوئی رابطہ نہیں۔''

''خس کم جہاں پاک۔'' وہ زینیا کو دیکھ کر بولے تو وہ ہنس پڑی۔ اسے ہنستے دیکھ مقصود بھی ہلکا سا مسکرائے تھے۔ کئی سالوں بعد ایک تازہ دم سی مسکراہٹ۔ ایک خالص مسکراہٹ۔ ایک بے اختیار مسکراہٹ۔

تھوڑی دیر بعد زینیا اٹھ کر جا رہی تھی۔ مقصود اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ انہیں بھی زینیا کسی اپنے کی یاد دلاتی تھی، وہ جس سے ملاقات ادھوری تھی۔

ہک ہاہ، کہانی انہیں کہنے کا موقع دے۔

چھ ماہ بلوچستان کے شہر گوادر میں بھی گزرے تھے۔ لیکن یہ چھ ماہ کسی قسم کا کوئی بدلاؤ نہیں لا سکے تھے۔ رونق، خوشبو، رنگوں کو چھوڑ کر چھوٹے گیٹ والے اس گھر کا رخ کرو تو دادی پلنگ سے ٹیک لگائے ہاتھوں میں تسبیح لئے بیٹھی تھیں۔ آنکھیں موندے وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھیں۔ جب دھیرے سے کوئی پلنگ پہ انکے قریب آکر بیٹھا۔

سیاہ رنگ کا اوورسائز کرتا، چٹیا میں بندھے روکھے بے جان بال۔ کھنڈر چہرہ اور خالی آنکھوں والی کونج کسی غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھی۔ آج اسکا فرسٹ ایئر کا رزلٹ آیا تھا۔ اور وہ تین سبجیکٹس میں بہت بری طرح فیل ہوئی تھی۔ چھ ماہ وہ ایک نقطے سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ان چھ ماہ میں اس نے خود کو معاف نہیں کیا تھا۔

"کیا کہتا ہے وہ لڑکا؟" دادی آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔ کونج انکی بات کو کوئی مفہوم نہ دے سکی۔ "دھمکا رہا ہے؟"

وہ ساکت رہ گئی۔ ہل بھی نہ سکی۔

"پھر تم نے کیا کہا؟" سیاہ آنکھوں والی لڑکی کو ادرک ہوا کہ اب کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ کئی لمحے خاموشی رہی اسکے بعد کونج کی ہلکی سی آواز ابھری۔

"کہتا ہے میری تصاویر لیک کر دے گا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا دادی۔ میں نے بہت منتیں کیں لیکن وہ نہیں مانا۔" اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''اب میں تھک گئی ہوں۔ اب لگتا ہے وہ صحیح کر رہا ہے۔ میں یہی ڈیزرو کرتی ہوں۔ یہ Dead end ہے۔ میں جانتی ہوں۔'' اسکا دل جکڑا گیا۔ ذلت، رسوائی خاندان کی بدنامی کا خوف۔ کونج حاکم کے بس میں ہوتا تو زندگی پہ ریوائنڈ بٹن لگاتی اور اس حرام تعلق میں پڑنے والے دن کو بدل دیتی۔ افسوس اسکے پاس نہیں تھا۔ شاید تمھارے پاس ہے۔

''اس سے پہلے کہ وہ کسی کو کچھ بتائے۔ میں بشر کو سب بتادوں گی۔'' اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''ذلت تو ویسے ہی مقدر ہے ہی۔ تو پھر میں خود ہی اسے اپنے بخت میں لکھ دیتی ہوں۔ میں اب یہ برداشت نہیں کر سکتی میں۔''

''تم تو عزازیل تھیں، کونجاں۔ تم ابلیس کب بن گئیں؟'' الفاظ تھے کہ ضرب۔ کونج کے دل پہ نشان پڑ گئے۔

''اول تو تم نے غلطی کی اور اب تم سرکشی پہ اتر آئیں؟ تم ابلیس کب بنیں؟''

''میں ابلیس نہیں ہوں۔ ابلیس سرکش تھا۔ اس سے گناہ ہوا اور اس نے بجائے معافی مانگنے کے زمین میں فساد پھیلانا شروع کیا۔ وہ جھکنے کی بجائے اکڑ گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہا۔ اس نے اللہ کے بندوں کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہا۔ ایسا جنہیں معاف معاف نہ کیا جاسکے۔'' وہ بولتے بولتے رکی۔ زخمی نگاہیں اٹھا کر دادی کو دیکھا۔

''ابلیس سرکش تھا دادی۔''

''اور تم کون ہو؟'' سارے وقت میں انہوں نے پہلی بار آنکھیں کھولی تھیں۔

''ابلیس نے فساد پھیلایا۔ اس نے ان لوگوں کو معاف نہیں کیا جنکی وجہ سے اسے سزا ملی تھی۔ اور تم خود کو معاف نہیں کر رہیں۔ ان گناہوں کے لئے جو اللہ نے متعین کئے۔ سزا اور جزا کا فیصلہ اسی کا ہے۔ تم ہوتی کون ہو خود کو نہ معاف کرنے والی؟ تم

کہتی ہو تم سرکش نہیں ہو مگر تم نے ایک بار بھی جھک کر معافی نہیں مانگی۔ کیا تم اتنی اونچی ہو گئیں؟ کہ اپنے بنانے والے کے سامنے جھک نہ سکو؟''

''میں اونچی نہیں شرمندہ ہوں۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''شرمندہ، تھکا ہوا، ہارا ہوا انسان اپنے اصل کی طرف جاتا ہے۔ زخمی اپنے مرہم لگانے والے کے پاس جاتا ہے۔ کبھی دیکھا ہے وہ بچہ جو گر جائے، زخمی ہو جائے تو سب سے پہلے اپنی ماں کو پکارتا ہے۔ اور وہ کونسا بچہ ہوتا ہے جو اپنی ماں کو نہیں بلاتا؟'' کونج سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ وہ بس انہیں دیکھتی رہی۔

''ضدی، ڈرا ہوا، یا پھر کسی کا بہکایا ہوا بچہ۔ تم شیطان کے بہکاوے میں آگئی ہو۔ اس نے تمھارے کان میں پھونک دیا کہ اب تو تمہارا خدا تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ سو تم اسکے پاس نہ جانا۔ اور اپنی اصطلاح میں تم نے اسے شرمندگی کا نام دے دیا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے، کونجاں ایک بات یاد رکھنا۔ جب بھی تم سے کوئی گناہ ہو۔ اپنے اللہ کی طرف واپس جاؤ۔ ڈرے ہوئے ہو تب بھی۔ شرمندہ ہو تب بھی۔ شیطان تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہے گا مگر تم نے نہیں بننا۔'' وہ رکیں کونج کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا۔ اور پھر بازو پھیلا دیے۔

ضدی بچہ تھک گیا۔ ہار گیا اور اپنی ماں کی آغوش میں چھپ گیا۔ اگلے کئی پل اس کمرے میں کونج حاکم کی سسکیاں گونجتی رہی تھیں۔ ٹین ایج بچے جس لمحے خود کو دنیا کا سب سے سمجھدار انسان سمجھ رہے ہوتے ہیں یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ بے وقوف ہوتے ہیں، اس تعلق میں پڑنے سے پہلے وہ بھی خود کو سمجھدار سمجھتی رہی تھی۔

''تم کچھ نہیں کروگی، کونج۔ تم بشر کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ عزت،ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو بھر بھر کے عزت دے۔ اور اگر وہ چاہے تو تمہارا دامن ذلت سے بھر دے۔ وہ ہر شے پہ قادر ہے۔ اس نے اب تک تمہارا پردہ رکھا ہوا ہے ناں؟ اس سے معافی اور مدد طلب کرو۔ وہ آگے بھی تمہارا پردہ رکھے گا۔ یہ اصل کی طرف واپسی کا وقت ہے بچے۔ یہ خود کو معاف کرنے کا وقت ہے۔''

کونج انکی باتوں پہ سرہلاتی رہی تھی۔ کئی لمحے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور ایک آخری پیغام لکھا۔

''میں تمھارے اکاؤنٹ میں کوئی پیسے نہیں بھیج رہی۔ میں تم سے ملنے کسی ہوٹل نہیں آرہی۔ جو چاہتے ہو کرلو۔ مگر یاد رکھنا، اس بار میرے پاس پلان ہے۔'' باخدا اسکے پاس پلان کا "پ" بھی نہیں تھا۔ دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ جسم سے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے مگر یہ اصل کی طرف واپسی کا وقت تھا۔ یہ ابلیس کے عزازیل بننے کا وقت تھا۔

چند لمحوں بعد جائے نماز پہ کھڑی کونج حاکم زار وقطار رو رہی تھی۔ چھ ماہ کا ٹوٹا تعلق تھا جڑنے میں بس ایک پکار لگی تھی۔ کوئی اللہ سے زیادہ تم پہ رحمدل نہیں ہوسکتا۔ اب بھی وقت ہے، بہت وقت۔

سٹوڈیو نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ واحد روشنی وہ تھی جو سرخ گاؤن پہ گرتی تھی۔ وہ سرخ گاؤن جو فخر سے ٹنگا کھڑا تھا۔ وہ سرخ گاؤن جسے اپنی قسمت لکھے جانے کا انتظار تھا۔ اسی سٹوڈیو میں ایک اور نفس بھی تھا۔ جو صوفے پہ دراز تھا۔

اسکی آنکھیں چھت کی سیلنگ سے لگی تھیں۔ بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ ایش گرے کوٹ فرش پہ پڑا تھا۔ شرٹ کے کف اور اوپری دو بٹن کھلے تھے۔ سگار کا پیکٹ بھی ساتھ پڑا تھا مگر ان چھوا۔ اسے رہ رہ کر ایک ہی منظر یاد آ رہا تھا۔ زینیا کے ہاتھ میں اپنی کیک کی پلیٹ تھماتا مہدی، انکا ہنسنا، اور ایک لمبی بات۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ دو دن گزر چکے تھے۔ مگر آنکھوں کے آگے منظر تازہ تھا۔

آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ بے تحاشا جلن سی ہونے لگی۔ جانے دل میں جانے آنکھوں میں؟ وہ ایک بار پھر صوفے کے ہتھے پہ سر رکھے لیٹ گیا۔ تھکن سے، سوچوں کے انبار سے۔ گہری سانسیں لیتا وہ کسی کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا روشنی کے نیچے آ کر کھڑا ہوا۔ روشنی اب اسکے اوپر تھی۔

اس نے دھیرے سے اپنا سر سنگی مجسمے کے کندھے پہ ٹکا دیا۔ سرخ سلک اسکے ماتھے سے ٹکرایا تھا۔ زرد روشنی میں مجسمے کے کندھے سے سر ٹکائے وہ نیم دیوانہ نظر آتا تھا۔

"کوئی چیز مکمل میری کیوں نہیں ہوتی؟" ہلکی دھیمی آواز میں کیا گیا سوال ہر اور گونجا۔

"مہدی کمبیر، کا کرس میری جان کب چھوڑے گا؟" وہ سیدھا ہوا۔ گردن ڈھلکا دی۔ بال ماتھے پہ ایک طرف گرنے لگے۔ آنکھوں کی سرخ ڈوریاں واضح تھیں۔

وہ نیچے بیٹھ گیا۔ قیس کمبیر آلتی پالتی مارے مجسمے کے پیروں میں بیٹھ گیا تھا۔ ننگے پیر، بکھرا حلیہ، نیم اندھیرا اسٹوڈیو اور روشنی کے دائرے میں بیٹھا یہ شخص۔

''میں مانتا ہوں میں لوگوں اور چیزوں سے آبسیسڈ ہو جاتا ہوں۔ لیکن میں ساری دنیا کی چیزیں، ساری دنیا کے لوگ تو نہیں لے لیتا ناں؟'' اسکی پلکوں کا سایہ اسکے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ آنکھیں پر سوچ تھیں۔

''اگر اتنی بڑی دنیا سے۔'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ ''چند چیزیں اور لوگ قیس کے نام ہوئے تو کسی کا کیا بگڑ جائے گا؟'' چہرہ اوپر کی طرف اٹھایا۔ ''میں آپ کی دنیا سے چند لوگ لے سکتا ہوں ناں اللہ؟''

سوال کیا پھر اسے بیٹھے ہوئے بھی سکون نہ آیا۔ وہ اسی فرش پہ چت لیٹ گیا۔ فرش پہ گرتا سرخ سلک ہاتھوں سے چھوا۔

''میں اچھا بننے کی کوشش کرتا ہوں، مگر دنیا ظالم ہے۔ یہ مجھے اچھا رہنے نہیں دے گی۔ مجھے میرے اصل کی طرف لوٹنا ہوگا۔'' کئی لمحے وہ یونہی سرخ گاؤن کی آغوش میں فرش پہ چت لیٹا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ سرخ گاؤن کو عقیدت اور محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

''فکر مت کرو وہ میرا بھائی ہے میں اسے نقصان نہیں دوں گا۔'' سنگی مجسمے نے سکھ کا سانس لیا۔ قیس نے جھک کر صوفے سے اپنی چیزیں سمیٹیں۔ جوتے پیروں میں ڈالے اور باہر نکل آیا۔

سیکنڈز بیتے، لمحے پر لگا کر اڑے، گھنٹے نے ہوائی سفر طے کیا اور اب قیس کمبیر اپنے گھر میں تھا۔ وہی سفید شرٹ اور سرمئی پینٹ۔ البتہ اب ہاتھوں میں کئی کاغذات تھے۔ اگر جھانک کر دیکھو تو انہی کاغذات میں ایک سبز کاغذ بھی تھا۔ مہدی کمبیر کا پاسپورٹ۔

راہداریاں طے کرتا وہ ڈرائنگ روم میں آیا۔ صوفے پہ آڑھا ترچھا لیٹا مہدی لیپ ٹاپ پہ کوئی فلم دیکھ رہا تھا۔ سینے پہ خشک پھلوں کا پیالہ رکھا تھا۔ میز پہ ادھ کھایا پزا، سوفٹ ڈرنک کے کین، اور سلاد کے پیکٹ بھی رکھے تھے۔ خود وہ ڈھیلے ڈھالے لباس میں تھا۔ قیس اندر آیا۔ حیرت کی بات تھی کہ آج اسکا دھیان کچرے پہ نہیں گیا۔ آج اس نے مہدی کو عاق کرنے کا نہیں سوچا۔ آج تو کمبخت کو اپنی جان کے لالے تھے۔

“ i have a surprise for you”

وہ میز کے کنارے رک گیا۔ مہدی نے سکرین پہ ساکن ہو جانے کا بٹن دبایا۔ اور اسکی طرف دیکھا۔

"It's been so long“

"تم کہیں گئے نہیں۔ کل تم لندن جا رہے ہو۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ luckily تمہارا ویزہ ایکسپائر ہونے میں دو ماہ باقی ہیں۔ انجوائے کرو۔ اس بار تمہارا اسپانسر قیسم ہے۔“

مہدی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرایا۔

"Thank you, but i like it here"

”میں کہیں نہیں جا رہا۔ کم از کم فلحال نہیں۔“ اس نے دوبارہ نگاہیں سکرین پہ مرکوز کر لیں۔ قیس کے تاثرات سخت ہوئے۔

”تم مجھے منع کر رہے ہو؟ مجھے ناں سننے کی عادت نہیں ہے، گرین وونڈ۔“ وہ اسے اس نام سے تب پکارتا تھا جب اسے مہدی کے چہرے پہ اذیت دیکھنی ہوتی تھی۔ خلاف توقع آج تاثرات میں تبدیلی نہ آئی۔

''بری عادتیں بہت دیر سے چھوٹتی ہیں۔ فکر مت کرو تم آزاد ہو جاؤ گے۔''سکرین کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ قیس کمبیر کو شبہ سا ہوا۔ یہ واقعی مہدی کمبیر ہی تھا؟ جب قیس کئی لمحے بغیر کچھ کہے اسے دیکھتا رہا تو مہدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں جب بھی ملک سے باہر جاتا تھا سب سے پہلے مجھے روکنے والے تم ہوتے تھے۔ تمہیں لگتا تھا میں کہیں مر نہ جاؤں۔ آج تم خود مجھے بھیج رہے ہو۔ کیا میری موت کا خوف ختم ہو گیا ہے؟''

قیس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میری موت کا خوف ختم ہوا ہے یا اچانک تمہیں اپنی زندگی سے محبت ہونے لگی ہے؟'' یہ وار مختلف تھا۔ قیس کی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔ کیا واقعی اسکے لئے اپنے بھائی کی زندگی غیر اہم ہو گئی تھی؟

''میرا تمہیں کہیں باہر نہ جانے دینا ایک ابنارمل عمل تھا۔ میں بسمل تھا، اور چاہتا تھا سب میری طرح رہیں۔'' وہ رکا ایک قدم آگے بڑھا کر پاسپورٹ اور باقی کے دستاویزات اسکی طرف اچھالے۔

''اب میں نارمل ہو رہا ہوں۔ تم اپنے بھائی کو نارمل دیکھنا چاہتے تھے ناں؟''

مہدی چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ وہ لوگوں کو اندر تک پڑھ لیا کرتا تھا۔ پھر کیا تھا جو قیس میں بدل رہا تھا؟ کیا تھا جو اسے اندر جھانکنے نہیں دے رہا تھا۔ یا شاید وہ جھانکنا نہیں چاہتا تھا۔

''کیا تم واقعی نارمل ہو رہے ہو؟ کیا بات صرف یہی ہے؟''

قیس بہ دقت مسکرایا۔ ''آ بیو سلی بس یہی بات ہے۔'' وہ آگے آیا مہدی کے سینے سے لیپ ٹاپ اٹھایا۔ اسکی پشت پہ زور دے کر اسے سیدھا کر کے بٹھایا پھر خود بھی ساتھ آ کر بیٹھا۔

''ساتھ میں دیکھتے ہیں۔ کیا دیکھ رہے ہو۔''

گہری سانس بھرتا مہدی اب اسے فلم کے بارے میں بتا رہا تھا۔ قیس ہر دفع اسکی آدھی دیکھی ہوئی فلم شروع سے چلواتا تھا مگر آج وہ وہیں سے دیکھے گیا جہاں سے مہدی دیکھ رہا تھا۔ وہ غائب دماغ تھا۔

کچھ بدل گیا تھا۔ کچھ تو واقعی بدل گیا تھا۔

ستمبر کی اس چمکتی صبح میں اسلام آباد کے ایک اپر کلاس ایریا میں بنا وہ ولا خوبصورتی اور شان و شوکت کی علامت تھا۔ دروازے پہ سامان سے بھرا ایک ٹرک کھڑا تھا، جس سے سامان اٹھاتے لوگ اندر آ رہے تھے۔ ولا کے اندر قدم رکھو تو اوپری منزل کے بیڈروم سے نسوانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ سامان رکھواتا براق حنیف برق رفتاری سے اوپر کی طرف بھاگا تھا۔

کمرے کی چوکھٹ پہ وہ ٹھہر گیا۔ شیزل سیمسن اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھے، پورے قد کے ساتھ پلنگ پہ کھڑی اچھل رہی تھی۔ ایک کونے میں رکھے صوفے پہ زینیا مزے سے براہ راست یہ شو دیکھ رہی تھی۔ شیزل نے براق کو دیکھا تو اسکے چیخنے میں مزید تیزی آ گئی۔

''چوہیا۔۔۔، براق چوہیا۔۔۔اندر چوہیا۔'' براق کا دل کیا تھا اپنا سر پیٹ لے۔اسکی ہو چکی منگیتر جو شیر کو کچا کھا جائے اور ڈکار بھی نہ لے وہ چوہیا سے ڈرتی تھی؟

اگلے چند پل بعد ملازم چوہیا کا جنازہ لے کر باہر جا رہا تھا۔شیزل اب بھی بیڈ کے کونے پہ ٹکی بیٹھی تھی۔آنکھوں میں کراہیت سی تھی۔

''اتنا شور، شیزل؟'' براق نے شکوہ کیا۔

''ہاں تو مجھ گھن آتی ہے۔اب کیا کروں بھلا؟ تم نے اسے دیکھا تھا کتنی خطرناک تھی۔''

''ہاں بلکل دیکھا تھا میں نے۔اسکے ایک ہاتھ میں ایم 16 تھی اور دوسرے میں ایٹم بم۔کہیں گولیوں سے چھلنی تو نہیں کر دیا تم دونوں کو؟'' وہ استہزائیہ اندز میں بولا۔

''تم دیکھ رہی ہو ناں، زینم۔یہ میرے ساتھ یہی کرتا ہے۔اسکو میری کوئی پرواہ ہی نہیں۔میں ہی پاگل ہوں جو اس گھر کو سجانے کے لئے آ گئی۔''

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اس سے شادی مت کرو۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔نظریں موبائل پہ جمی تھیں۔براق کے مانو پتنگے لگ گئے۔

''یہ ایسے؟ ایسے سانپ دوست رکھے ہوئے ہیں تم نے؟ میں بھی سوچوں میں تو بہت شریف، ایماندار، نیک لڑکا ہوں یہ آخر تمہیں میرے بارے میں بھڑکاتا کون ہے۔''

”شریف، ایماندار، اور نیک انسان کی تعریف اپنے لفظوں میں بتانے کو آپ بھڑ کانا کہتے ہیں؟“ زینیا ابرو اٹھا کر بولی۔

شیزل کی آنکھیں پنڈ ڈولم کی طرح گھوم رہی تھیں۔ اسکا مسئلہ چھوڑ وہ دونوں آپس میں لڑنے کیوں لگے تھے۔

”تعریف سے یاد آیا۔ تمہاری تعریف میں اچھے سے جانتا ہوں۔ ویسے تو بہت بنتی ہو اس چھوٹے چوہے کو نہیں مار سکیں تم؟“

”نظر نہیں آرہا؟ مصروف ہوں میں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل بلند کیا۔

”کیا موت کے کنویں میں بائیک چلا رہی ہو؟“ وہ بگڑ کر بولا۔

”آخری اطلاعات تک آپ کی منگیتر شیزل ہے۔ اسکے معمولات کی فکر کریں۔ کوئی چوہے کا خوف نہیں اسے صبح کافی نہیں ملی۔“ براق نے ٹھہر کر شیزل کو دیکھا۔

”دیکھا، دیکھا، زینیا۔ اس نے مجھ سے صبح سے کافی بھی نہیں پوچھی۔“ وہ ایک مرتبہ پھر روہانسی ہوئی۔ زینیا نے کندھے اچکائے۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا یہ ریڈ فلیگ ہے۔“

براق نے تحمل سے ان دونوں کو دیکھا۔ اپنی منگیتر اور اسکی دوست کے ساتھ اپنا ہونے والا گھر سیٹ کرنے کے مشورے اور خود پہ لعنت بھیجی۔ پھر شیزل کی طرف مڑا۔

”تمہیں کافی چاہیے تھی تو بولا کیوں نہیں؟“

''میں کسی کے گھر جا کر فرمائشیں نہیں کرتی۔''اس نے گردن کڑائی۔ براق اسے کہنا چاہتا تھا **''یہ ہمارا گھر ہے شیزل''** مگر ایک خول جو اسکے اوپر چڑھا تھا اسے اتارنا مشکل تھا۔

''میں کافی کا کہہ کر آتا ہوں۔''وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔دروازے پہ کھڑے ہو کر ایک نظر زینیا کو دیکھا۔زبان میں کھجلی سی ہوئی۔

''ویسے تم میرے ساتھ ذرا کم بحث کیا کرو۔ تمہیں نوکری دلوانے والا میں ہوں۔''فخر سے نادیدہ کالر سیدھے کئے۔

''آپ کی دلائی نوکری آپ ہی کی طرح غیر پائیدار نکلی۔اب میرے پاس جو نوکری ہے وہ کسی کا عطیہ نہیں ہے۔''

''میں چاہوں تو تم کل قیسم میں نظر نہ آؤ۔''

''اور اگر میں چاہوں تو کل سے آپ، شیزل سیمسن کے ساتھ نظر نہ آئیں۔''اس نے معصومیت کی ہر حد پار کرتے ہوئے براق کو دیکھا۔''میں چاہ لوں کیا؟''

براق غصے سے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔اسے یقین تھا bestie power کا۔ پیچھے زینیا نے شیزل کو لتاڑنا شروع کیا۔

''جب تم فلحال شادی نہیں کرنا چاہتیں تو صاف صاف کہہ دو۔ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''۔

''میں نے کیا ڈرامہ کیا؟ کافی پینا ڈرامہ ہے؟''وہ معصوم بنی۔زینیا سنجیدہ ہوئی۔

''تم اسے زچ کر رہی ہو یہ ڈرامہ ہے۔ایک سامان کو تین جگہ سیٹ کرواتی ہو، زرا زرا سی بات پہ انگوٹھی نکال لیتی ہو۔ صبح تم نے براق کو ناشتے کے بغیر بلوالیا تھا۔اور اب ڈیڑھ بج رہا ہے۔اگر اس نے کافی نہیں پوچھی تھی تو تم خود بنا لیتیں۔ یہ اسکا یا تمہارا گھر نہیں ہے۔اسے **"ہمارا"** سمجھو گی تب تعلق آگے بڑھ سکے گا۔ تمہیں پرابلم کیا ہے، شیزل؟''

شیزل چند لمحے انگوٹھے سے ہتھیلی کی جلد کھرچتی رہی۔ پھر گردن جھکا کر ہلکی آواز میں بولی۔

''مجھے براق سے مسئلہ نہیں ہے۔مجھے قید ہونے سے ڈر لگتا ہے۔میں ہر بات پہ لڑ جھگڑ کر اپنی حاکمیت رکھنا چاہتی ہوں۔میں اس تعلق میں اپنی آزادی اور مقام پہ سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔مجھے میرا حصہ چاہیے۔''

زینیا نے گہری سانس لی۔

''اس طرح نہیں ملے گا جیسے تم چاہ رہی ہو۔ بات کرو، شیزل۔ براق سب سمجھ جائے گا۔اسے زچ کرنا اور خود کو براق سے، اسکے مسائل اور گھر سے غیر سمجھنا چھوڑ دو۔ ورنہ بہت دور رہ جاؤ گی۔ جہاں سے وہ تمہیں واپس نہیں لا سکے گا۔'' وہ کہہ کر دوبارہ موبائل میں مشغول ہو گئی۔ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے براق نے ساری باتیں سنی۔

اور ''ویسے مہدی کی لڑکی اتنی بری بھی نہیں ہے۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ زینے اترتا چلا گیا۔

بس کے شیشے سے رخسار ٹکائے وہ سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو تک رہی تھی۔آنکھوں کی ڈوریاں سرخ تھیں۔ دنیا اندھیری تھی مگر کچھ وقت ہوا تھا کہ کونج حاکم کے دل میں روشنیوں کا دیا جلنے لگا تھا۔

بس آج خالی سی تھی۔ کونج حاکم کے برابر والی سیٹ کی طرح۔ مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی لڑکیاں اٹھ کر اگلی نشستوں پہ آنے لگی تھیں۔ انہی میں سے ایک اسکے ساتھ آ کر بیٹھی۔

''ہائے میرا نام سمعیہ ہے۔'' ساتھ بیٹھی لڑکی نے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔

''میرا نام، کونج حاکم نواب ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ہاتھ ملایا مروت نبھائی۔

''یار تمھارے ہاتھ اتنے کھردرے سے کیوں ہیں؟ لوشن نہیں لگا تیں؟'' وہ فوراً بے تکلف ہوئی۔ کونج نے بے زاری سے گردن موڑی۔

''میرے ہاتھ شروع سے ہی ایسے ہیں بد صورت۔''

سمعیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

''میں نے بد صورت نہیں کہا۔ میں نے کہا، روکھے۔ یہ cure ہو سکتے ہیں۔ اگر تم محنت کرو۔'' عام سی گفتگو کسی اور نہج پہ چلی گئی۔

''کچھ بھی cure نہیں ہو سکتا۔ اور میں اپنے انہی ہاتھوں، اسی چہرے کے ساتھ خوش ہوں۔ **(کیا واقعی؟)** ''

''تم خوش ہو یا پھر گواِپ کر چکی ہو؟ مجھے نہیں پتہ تمہارا کیا مسئلہ ہے لیکن اپنے آپ کو قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ خود پہ محنت کرنا چھوڑ دو۔ یہ گواپ ہوتا ہے۔ سستی ہوتی ہے۔ جب انسان خود کو قبول کر لیتا ہے تب وہ خود کو praise کرتا ہے۔ degrade نہیں۔'' وہ اٹھی اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا۔

''آئی ایم سوری، میں نے بس ایک بات کہی تھی۔ معذرت اگر تمہیں کچھ برا لگا ہو تو۔'' وہ واپس پچھلی نشستوں کی طرف بڑھتے ہوئے رکی۔

''مسئلہ یہاں نہیں ہے۔'' اس نے کونج کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''مسئلہ یہاں ہے۔'' اس نے انگلی سے کنپٹی کی طرف اشارہ کیا۔

کونج حاکم چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اسے یہ الفاظ کلک ہوئے تھے۔ کسی اور نے بھی اسے ایسا ہی کچھ کہا تھا۔ کس نے؟ یاد کرنے کی کوشش کے باوجود اسے کچھ یاد نہ آیا۔ گھر آ کر اس نے لباس بدلا، کھانا کھایا اور جی کے بہلانے کو الماری سیٹ کرنے بیٹھ گئی۔

اب فرش پہ ہر طرف کپڑے، جوتے اور میک اپ کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ زینیا حاکم کو اسلام آباد گئے ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ اور کونج آج بھی اسے پہلے دن کی طرح یاد کرتی تھی۔ اسکے کپڑے، جوتے وہ یاسیت سے ایک ایک سامان کو الگ کرتی گئی۔

سیاہ رنگ کا لیدر بیگ الٹا تو ڈھیر ساری چیزیں نکل آئیں۔ چابیاں، لپسٹک، پیسے، اور ایک تہہ شدہ پرچی۔ اس نے پرچی کھولی۔ ایک نمبر کے نیچے ڈاکٹر مظفر لکھا تھا۔ کونج کو بے اختیار کراچی کے ہسپتال میں ملنے والا وہ سر پھرا یاد آیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں یاد آیا اس کے آخری الفاظ کیا تھے۔

کونج حاکم کے پاس اس سے پوچھنے کو آج ڈھیر سارے سوال تھے۔ وہ فرش سے اٹھی۔ بیڈ تک آئی اور اپنا موبائل اٹھایا۔ واٹس ایپ کھول کر اسی نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

''کیا میں آپ کو کال کر سکتی ہوں؟'' وہ پانچ منٹ تک جواب کا انتظار کرتی رہی۔ پھر عصر پڑھنے چلی گئی۔ واپس آئی تو اس آدمی کا جواب آ چکا تھا۔

''آپ کون؟''

''میں، کونج حاکم۔ ظاہر ہے آپ نام سے نہیں جانتے ہوں گے۔ ہم ہسپتال میں ملے تھے۔ میں اسکن کیئر ٹریٹمنٹ لینے آئی تھی۔ اور آپ نے کہا تھا مسئلہ میرا چہرہ نہیں دماغ ہے۔ کیا میں آپ کو یاد ہوں؟''

پیغام بھیج کر وہ ناخن کاٹتی رہی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ قریباً پندرہ منٹ بعد جواب آیا تھا۔ کونج نے لپک کر موبائل اٹھایا اور تیزی سے میسج کھول کر پڑھا۔

''اوکے میں پہچان گیا۔ تم مجھے کال کر سکتی ہو۔''

کونج نے فوراً اسے کال ملائی۔ جو کہ اٹینڈ ہو گئی تھی۔

''کیسی ہو بچے؟'' سامنے والے کا لہجہ ہشاش بشاش تھا۔ کونج جس نے دل میں اسے دینے کو ڈیڑھ ہزار گالیاں سوچ رکھی تھیں تھم گئی۔ غصہ نہ تھما۔

''آپ کو کیا لگا تھا اس دن آپ مجھے منیوپلیٹ کر چکے ہیں؟'' وہ بھڑک اٹھی۔

''کیسی ہو کا ایسا جواب آج پہلی بار سنا ہے۔'' وہ ہنس پڑا۔ ڈھیٹ ڈاکٹر۔

''اتنے سارے لوگوں کے درمیان آپ مجھے یہ بتارہے تھے کہ میں پاگل ہوں، کیا یہ انسانیت تھی؟اور آج ایک اور آپ کے جیسی ہی مجھے بتارہی تھی کہ مسئلہ میرا چہرہ نہیں میرا دماغ ہے۔میں۔۔۔۔''

''اتنے سارے لوگوں کے درمیان تم وائٹننگ انجکشنز لینے جارہی تھیں تب تو تمہیں کوئی شرم نہیں آئی۔کیوں؟کیونکہ تمہیں لگتا تھا کہ تمھارے چہرے کے ساتھ مسئلہ ہے۔اور جب میں نے تمہیں اصل مسئلہ بتایا تب تم بھڑک گئیں؟کیوں کیا دماغ جسم کا حصہ نہیں ہے؟''کونج کو چپ سی لگ گئی۔دور اندر کہیں شرمساری بھی ہوئی۔

''دماغ اور چہرہ دو الگ الگ عضو ہیں۔دونوں کی بیماری یوں سرعام بتانا اخلاقی زمرے میں نہیں آتا۔''وہ چبا چبا کر بولی۔

''اور یہ دائرہ بنایا کس نے ہے؟معاشرے نے؟اسی معاشرے کے ایک ہزار دائرے ہوں گے جن سے تم باہر نکلنا چاہتی ہو گی تو پھر اس سے کیوں نہیں؟کہیں ایسا تو نہیں کہ اس دائرے میں ایک حاشیہ کھینچنے والی تم بھی ہو۔''وہ کونج جس نے اسے ہزار باتیں سنانے کو کال کی تھی۔اس پہ رعب طاری ہونے لگا۔اسکا گلا خشک ہو رہا تھا۔اسکے الفاظ ختم ہو رہے تھے۔یہ آدمی کون تھا۔

''آپ نے کہا تھا میں خود کو قبول کروں۔میں کر چکی ہوں۔میں ہر شے قبول کر چکی ہوں۔اپنا رنگ،قد،نقش لیکن یہ دنیا کیوں قبول نہیں کرتی۔مجھے بار بار انکو کیوں بتانا پڑتا ہے کہ میں خود کو اور اپنی خامیوں کو قبول کر چکی ہوں۔''

''تم سے کس نے کہا کہ دنیا مان لے گی؟یا پھر تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ تمہیں دنیا کو منوانا ہے۔کوئی ہوتا کون ہے ایک محفل میں بیٹھ کر تمہاری ذات پہ بات کرنے والا؟کسی رشتے دار،بہن بھائی،ماں باپ،دوست کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ آپ کو آپ کے رنگ،قد،نقش کو زیر بحث لائے۔''کہتے کہتے وہ رکا۔شاید وہ پانی پی رہا تھا۔

''دنیا نہیں مانتی بچے۔ **''آپ''** کو ماننا ہوتا ہے۔ آپ کے دماغ کو آپ کے دل کو۔ دنیا نے بھلا آج تک کس کی مانی ہے؟ اگر تم واقعی خود کو قبول کر چکی ہوتیں تو تمہیں کسی کو یہ سب باور کروانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ایک سچ بتاؤں؟'' کونج نے بیڈ شیٹ کو مٹھی میں دبوچا سفاک الفاظ کے لئے تیار ہوئی۔

''تم نے خود پہ گواپ کر دیا ہے، کونج حاکم۔ تمہیں یہ نہیں کرنا ہے۔ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ یہ فرار ہے علاج نہیں۔''

''خود پہ گواپ کرنا کیسا ہوتا ہے؟'' اسکی آواز میں نمی سی گھلی۔

''اس کے لئے تمہیں مجھ سے سیشنز لینے ہوں گے۔ اب تک جو جواب میں نے دیئے وہ میری قابلیت کا ٹیسٹ تھے۔ امید ہے میں فرسٹ آیا ہوں گا۔'' کونج نم آنکھوں کے ساتھ ہنس پڑی تھی۔ مظفر غوری بھی مسکرایا۔

کورس کے متعلق چند معلومات اسے دے کر وہ فون بند کر چکا تھا۔ کونج حاکم آج بڑے دنوں بعد مسکرائی تھی۔ آج بڑے دنوں بعد اسکا دل ہلکا ہوا تھا۔ اگلے چند لمحے بعد وہ فرش پہ گلک توڑے بیٹھی تھی۔ سکے، نوٹ وہ سب چن رہی تھی۔

اس سردیوں میں کپڑے نہیں لے گی۔ جوتے نہیں لے گی۔ اس سردیوں میں اسے علاج چاہیے تھا۔ ایک قدم زندگی کی اور۔

وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی سے اترے تھے۔ سیاہ آنکھوں والا شخص تیز تیز قدم اٹھاتا راہداریوں میں چل رہا تھا۔ مہدی کمبیر ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا اسکے برابر چل رہا تھا۔ لب بھینچ رکھے تھے۔ ماتھے پہ سلوٹیں نمودار ہوتی تھیں۔ قیس کئی ایک دفع مختلف ڈیسکس پہ رکا تھا۔ اونہوں کام چیک کرنے کو نہیں مہدی کا ضبط آزمانے کو۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں لفٹ میں تھے۔

" پچھلے آدھے گھنٹے سے میں تم سے ایک ہی بات پوچھ رہا ہوں، قیس۔ تم جواب دینا پسند کرو گے؟" اب اس سے ضبط محال ہوا۔

"کیا سوال ہے ذرا دہراؤ۔" لفٹ کے پٹ آپس میں جدا ہوئے۔ وہ دونوں باہر نکلے۔ مہدی نے کچھ کہنا چاہا مگر آس پاس گزرتے ملازمین کو دیکھ چپ رہا۔ ان دونوں نے قیس کے آفس میں قدم رکھے۔ اور اب مہدی کی بس ہو چکی تھی۔ وہ پھٹ پڑا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی، قیس؟ تم نے جو کیا ہے واقعی اس پہ ذرا بھی نادم نہیں ہو؟"

"پتہ تو لگے مجھ مسکین کا گناہ ہے کیا۔" اس نے کوٹ اتار کر اسٹینڈ پہ رکھا۔ اور ایک طرف رکھے چھوٹے سے کتابوں کے ریک کی طرف آیا۔ اب وہ ایک ایک کتاب کو الٹ پلٹ رہا تھا۔

"تم نے پچھلے ماہ قیسم کے لئے کپڑا درآمد کروایا، اور سسٹم میں بیٹھے چند چور اور کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اسکے بعد تم نے کروڑوں کے اس کپڑے پہ حکومت کا لاکھوں روپے کا ٹیکس نہیں بھرا۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔"

"یو نو واٹ مجھے پورے ایک کروڑ کا فائدہ ہوا ہے۔" وہ ایک کتاب نکال چکا تھا۔ اور اب اسکے ورق پلٹ رہا تھا۔ انداز سرسری سا تھا۔

"اور تم ایک کروڑ کے لئے اپنا ضمیر بیچ دو گے؟"

قیس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ٹھنڈہ تاثر اگلے انسان کو جما سکتا تھا، مگر کچھ عرصہ ہوا تھا کہ سبز آنکھیں بے خوف ہونے لگی تھیں۔

"میں ایسا ہرگز نہ کرتا اگر سسٹم میں میرا باپ زمان کمبیر بیٹھا ہوتا۔ لیکن افسوس وہ مر چکا ہے اور وجہ تم ہو۔

it was all your fault“

مہدی چند لمحے خاموش رہا۔ گردن میں گلٹی سی ابھری۔ دل بے تحاشا دھڑ کا۔اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔لرزتی مٹھی بند کر کے خود پہ قابو پایا۔

”it wasn't my fault"اسکی آواز ہلکی تھی۔بے حد ہلکی۔ قیس نے اچھنبے سے کتاب سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا۔

“pardon me?”

مہدی دو قدم آگے آیا۔اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ جسم کی لرزش پہ مٹھیاں بھینچ کر قابو پانے کی کوشش کی۔

“it wasn't my fault ,it was fate”

گردشیں تھم گئی تھیں۔وقت کے چکر پلٹے۔وہ جو سنتے رہنے کا عادی تھا آج بول پڑا تھا۔وہ جو سنانے کا عادی تھا کچھ بول نہ سکا۔ہاں مگر جسم میں غیض و غضب کی ایک لہر اٹھی تھی۔

”تم قاتل ہو، مہدی کمبیر۔“ وہ آگے آیا ایک جھٹکے سے اسکی گردن کو پکڑ کر شیلف کے ساتھ لگایا۔اسکے انداز میں اتنی سختی تھی کہ مہدی ہل بھی نہ سکا۔ قیس کمبیر کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔

”قاتلوں کی گردنیں جھکی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔“ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا اور اپنے ہاتھ کا زور اسکی گردن پہ بڑھایا۔ شیلف اسکے ماتھے پہ بری طرح رگڑا گیا۔

''تم نے میرے باپ، میرے خاندان کو قتل کیا۔ تم قاتل ہو۔''

''میں قاتل نہیں تھا۔۔۔''اس نے ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کروایا۔ ماتھے پہ خون کی ہلکی ہلکی بوندیں تھیں۔ سبز آنکھیں آج جھکی نہ تھیں۔

''میں بچہ تھا۔ میں۔۔۔ قاتل۔۔۔ نہیں تھا۔۔۔۔ میں۔۔ بس۔ ایک بچہ۔۔ تھا۔ صرف ایک بچہ۔''توڑ توڑ کر الفاظ ادا کئے۔ آنکھیں ایک پل کے لیے بھی اسکی آنکھیں نہ جھک سکیں۔

''آئندہ مجھ پہ ہاتھ مت اٹھانا, قیس۔ ورنہ خون میرا ابھی وہی ہے جو تمہارا۔ ابال میرے خون میں بھی ویسے ہی اٹھتا ہے جیسے تمھارے میں۔ مرد میں بھی ویسا ہی ہوں جیسے تم۔'' بازو کی آستین سے ماتھا صاف کیا۔

''غیرت میرے اندر بھی اتنی ہی ہے جتنی تمھارے اندر بلکہ تم سے شاید تھوڑی زیادہ کیونکہ''وہ آگے آیا۔ آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

''میں اپنی منگیتر کے لئے آخری دم تک لڑتا ہوں اور تم اس پہ گواپ کر دیتے ہو۔ سو آئندہ آگر مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔''وہ دو قدم پیچھے ہوا۔

''اگلی بار برابری ہو گی۔''وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ راہداریوں میں ذرا آگے جا کر وہ واش روم کی طرف مڑ گیا تھا۔ چند پل بعد آئینے کے آگے کھڑا مہدی کمبیر اپنی نم آنکھیں پونچھ رہا تھا۔

آنکھیں اٹھا کر آئینہ دیکھا۔ آج اس نے فوراً خود سے نظریں نہیں چرائی تھیں۔ آج وہ چند پل اپنی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا اسکی آنکھیں کائی کے جیسی سبز ہیں۔ اور انکے گرد ایک بھوری لکیر بنتی ہے۔ یہ آنکھیں خوبصورت تھیں۔ مہدی کمبیر کو کوئی حق نہ تھا کہ ان سے نفرت کرے۔ وہ اب ان سے نفرت نہیں کرے گا۔ وہ ان آنکھوں کو معاف کرے گا۔

یہاں سے ذرا فاصلے پہ قیس کمبیر کے آفس میں واپس آؤ تو وہ ایک مجسمے کی مانند ساکن کھڑا تھا۔ نگاہیں کہیں دور جمی تھیں۔ لب مقفل تھے اور چہرہ ہر گزرتے لمحے سفید پڑ رہا تھا۔

کئی لمحے بعد اس نے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے اور میز کے قریب پہنچ کر کریڈل پہ دھرا فون اٹھایا۔ جانے کیوں مگر ہاتھوں میں لرزش تھی۔ چند لمحے بعد فون اٹینڈ ہو گیا تھا۔ اس نے کہنے کو الفاظ مجتمع کئے، مگر کوشش کے باوجود کچھ کہہ نہ سکا۔ کال کٹ گئی اور پھر۔ اس نے بھی فون واپس کریڈل پہ رکھا۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں اور دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر جھک گیا۔ اسکے چوڑے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے مضبوط قدم بے سانس ہوئے۔ مہدی کمبیر اسکے سامنے بول رہا تھا؟

دروازے پہ دستک ہوئی۔ چند لمحے انتظار اور پھر کوئی وجود اندر آیا تھا۔ ہاتھوں میں کاغذات کے پلندے، چہرے پہ مصروفیت طاری۔ قیس اسے دیکھ کر سیدھا کھڑا ہوا۔ زینیا حاکم اسکے سامنے کھڑی تھی۔

شعور، لاشعور، علم لاعلمی، وجدان، الہام کیا تھا جو ان سنہری آنکھوں کو سیاہ آنکھوں کے متعلق ہو جاتا تھا؟

قیس نے اسے دیکھا۔اور ہر چیز ذہن سے رفع ہونے لگی۔قسمت؟بخت،مکتوب،فرمان،کیا تھی وہ اسکے لئے؟کیوں اسکے آتے ہی محل کے مضبوط ستون کو بھی سہارے ملنے لگتے تھے؟

مایاڈی کروز ویڈز زریان داؤد۔اس تختی کو غور سے پڑھتے،ہال کے اندر داخل ہو تو روش کے دونوں اطراف میں سفید پول کھڑے کئے گئے تھے۔جن کے اوپر گلابی پھولوں کی لڑیاں تھیں۔

سفید اور گلابی رنگ کے ڈیکور میں ڈوبا یہ ہال آنکھوں کو خیرہ کرتا تھا۔اسٹیج پہ سفید لباس میں دلہن بیٹھی تھی،ساتھ اسکے سیاہ سوٹ والا دولہا۔کہیں باربی کیو بن رہا تھا تو کہیں کولڈ ڈرنکس کے گلاس آپس میں ٹکرا رہے تھے۔

ڈھلتی شام کا منظر تھا۔ہال میں زرد بتیاں جل رہی تھیں۔میزوں کے گرد رکھی کرسیوں کے اوپر گلابی اور سفید پھولوں کا چھجا بنا تھا۔مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اسی طرح کی ان میزوں کے گرد زینیا حاکم اور شیزل سیمسن بھی تھے۔زینیا کے لیے یہ شادی،تھیم،رسومات نئی تھیں۔

"ویسے میں اس وقت بھی راضی نہیں ہوں شیزل۔مجھے حد سے زیادہ برا لگ رہا ہے۔"پستہ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی میکسی میں ملبوس بالوں کی فرنچ چٹیا بنا کر کندھے پہ آگے رکھے اور ہلکے پھلکے میک اپ والی زینیا حاکم مضطرب لگتی تھی۔

"میرے معاہدے میں صاف صاف لکھا ہے میں نجی تقاریب میں فوٹو گرافی نہیں کر سکتی۔اور تم اگر اصرار نہ کرتیں تو میں ہرگز یہاں نہ آتی۔"

ہلکے آسمانی رنگ کے لباس والی شیزل نے ابرو اچکائے۔ ''تم دونوں نے معاہدہ کب کیا؟''

''پچھلے ماہ۔۔۔۔قیسم ٹیکسٹائل شوٹ کے بعد۔''

''یار تم فکر کیوں کرتی ہو؟ غلط کام کو اتنے دھڑلے سے کرو کی صحیح لگنے لگے۔'' وہ بے فکر تھی۔

''ایک تو یہ، براق مجھے جواب کیوں نہیں دے رہا۔'' میسج بھیجتے ہوئے وہ جھنجھلائی۔ پھر رک کر زینیا کو دیکھا۔

''یہ کوئی نجی تقریب نہیں ہے میری بہن کی شادی ہے یار۔ یہ فیملی تقریب ہے۔ ایزی۔ ویسے یہ غلط صحیح کے چکر میں کیوں پڑ گئی ہو؟ مہدی کمبیر کی صحبت کا اثر ہونے لگا ہے کیا؟''

مہدی کے ذکر پہ اسکے ماتھے کے بل غائب ہوئے۔

''آدھا اسلام آباد تو ان موصوف کا دوست ہے۔ یہاں نہیں آئے؟'' اس نے آس پاس دیکھا۔ وہ یونہی اچانک آجایا کرتا تھا۔

''مایا سے دوستی ہے اسکی۔ کتنے فون کر چکی ہے وہ۔ مگر آج مہدی صاحب کو بخار ہے تو شاید نہیں آئے گا۔''

زینیا نے محض سر ہلایا۔ اور موبائل پہ میسجز دیکھنے لگی۔ پھر اچانک مہدی کمبیر کی چیٹ کھولی۔ آخری میسج اسی کے تھے۔

''فائنلی مجھے اسلام آباد کی وہ کمیونٹی مل گئی جہاں آپ کا کوئی دوست نہیں ہے۔'' اس نے لکھ کر بھیجا۔

اگلے ہی پل پیغام دیکھا گیا۔ اور کوئی پوری انرجی کے ساتھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔

''باخدا ایسی کوئی کمیونٹی ہے نہیں، اور اگر ہے تو، مہدی کمبیر سوشل اسکلز کو تین طلاق دے دے گا۔'' زینیا مسکرائی۔ اسی پل ایک اور میسج آیا۔

''ویسے ہو کہاں پہ تم؟''

''مایا اور داؤد کی شادی میں۔ یقیناً آپ انوائٹڈ نہیں ہوں گے۔'' دوسری طرف اب وائس ریکارڈ کی جانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ریکارڈنگ آئی۔ زینیا نے موبائل کان کے قریب کیا۔

''سرکار آپ ہمیشہ مجھے انڈرا ریسٹیمیٹ کرتی ہیں۔ میں اس شادی کا مہمان خصوصی ہوں۔'' ریکارڈنگ چل رہی تھی اور ساتھ وہ الماری کے پٹ کھول رہا تھا۔ ''آپ اب مجھے اتنا مس کر رہی ہیں تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔'' اس نے سفید کرتا شلوار نکالا۔ سرخ ہوتی ناک اور بخار کی وجہ سے لگتی سردی کے پیش نظر ایک شال بھی نکال لی۔

''میری راہ میں آنکھیں بچھانے کا وقت ہوا چاہتا ہے، سرکار۔''

زینیا ہنس پڑی تھی۔ پھر موبائل کان سے ہٹا کر کچھ لکھا تھا۔ ''میں آپ کے آنے سے پہلے چلی جاؤں گی۔''

میسج بھیج کر اس نے موبائل رکھ دیا۔ اسے یقین تھا تھوڑی دیر میں بوریت ختم ہونے والی تھی۔ مہدی کمبیر آ جائے گا اور بوریت ختم۔ مہدی کمبیر آج آئے گا اور اندیشے ختم۔ وہ آ جاتا تھا تو سب اچھا ہو جاتا تھا۔ نہ جانے کیوں؟

تھوڑی دیر بعد ہال کے باہر براق حنیف کی گاڑی آکر رکی۔ شوفر نے دروازہ کھولا اور وہ عجلت میں باہر نکلا۔ ساتھ ایک ملازم کچھ گفٹس لئے کھڑا تھا۔ نیوی بلیو ڈنر سوٹ میں ملبوس اسکے چہرے پہ عجلت تھی۔ البتہ دوسری طرف سے کوئی بے حد سکون سے باہر آیا۔ آسمانی رنگ کے تھری پیس میں ملبوس، بالوں کو اچھے سے جمائے، ہاتھ میں مہنگی گھڑی اور کف پہ لگے ڈائمنڈ کف لنکس وہ خاصی تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

چشمہ اتار کر اب قیس کمبیر طائرانہ نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''بھائی؟ معائنہ ہو گیا ہو تو چلیں؟ یا پھر ہال کا ڈی این اے بھی یہیں کرنا ہے؟'' براق نے اسکے مسلسل ہال کو دیکھنے پہ چوٹ کی۔ قیس نے ایک بے نیاز نظر اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

''تمھارے پیر پڑنے پہ تمھارے ساتھ آگیا ہوں اسکا مطلب یہ نہیں کہ مجھ پہ حکم چلاؤ۔'' وارننگ دیتا وہ اسکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ براق آج دوسری بار اپنے **"سسرال"** سے ملنے والا تھا۔ وہ بار بار اپنے بال سیٹ کرتا، کوٹ کی شکنیں درست کرتا۔

''میں ٹھیک لگ رہا ہوں ناں، لوسفر؟'' روش کے اختتام پہ رک کر اس نے پوچھا۔

'' بلکل ایسے لگ رہے ہو جیسے بکرا سوٹ پہن کر آیا ہو۔'' چلتے چلتے وہ رکا مڑ کر براق کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''شیزل کو بکرے بہت پسند ہیں۔'' یقین دہانی کروائی گئی۔ براق مسکرایا۔ اور آگے آیا مگر چند پل بعد قیس کے ساتھ ساتھ اسکے قدم بھی رک گئے۔

اس نے قیس کی نگاہوں کے ارتکاز میں دیکھا۔اسٹیج پہ فیملی فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔ ہر کوئی مسکرا رہا تھا۔ برائیڈ میڈز پھول لئے کھڑی تھیں۔ مگر قیس ان سب کو دیکھ کر نہیں رکا تھا۔اسکی نظریں زینیا حاکم پہ جمی تھیں۔ہاں یہاں سے اسکا نیم رخ نظر آتا تھا۔ مگر قیس اسے پہچان سکتا تھا، بس اسے ہی تو پہچان سکتا تھا وہ۔ ہجوم میں، بھیڑ میں، شور میں، خاموشی میں۔ یہ وہ شناخت تھی جسے وہ اب قیامت تک نہیں بھول سکتا تھا۔

چند پل وہ اسے دیکھتا رہا پھر اپنا موبائل نکال کر اسے کال ملائی۔اسکی آنکھوں میں ایک بھرم سا تھا۔ دوسری طرف وہ تصاویر لینے میں مگن رہی۔ چند ایک تصاویر کے بعد اس نے کال اٹھائی اور ایک طرف ہو گئی۔ براق چپ چاپ تماشا دیکھتا رہا۔ وہ آگے بھی نہ بڑھ سکا۔

''کہاں ہو تم؟'' سلسلہ ملتے ہی قیس کا پہلا سوال یہی تھا۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھول لیں، ہونٹ کاٹے۔

''ہاسٹل میں ہوں۔ کیوں کوئی کام ہے؟'' وہ کس اعتماد سے جھوٹ بول رہی تھی۔ قیس کمبیر کی آنکھوں میں کرچیاں سی بھرنے لگیں۔ وہ اسکے سامنے کھڑی اس سے جھوٹ کہہ رہی تھی۔ بھرم ٹوٹا۔ دور کہیں قیس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''لوگ کہتے ہیں تم مجھ سے جھوٹ بولنے لگی ہو۔ کیا یہ سچ ہے، زینیا؟'' ایک پل کو اسکی آواز بلکل بدل گئی تھی۔ غیر انسانی سفاک، بے رحم۔

''لیکن میں جانتا ہوں تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ تم ہاسٹل میں ہو ناں؟''

زینیا حاکم نے بے اختیار کسی احساس کے تحت مڑ کر دیکھا تھا۔اور ایک لمحے کو وہ سانس نہ لے سکی۔آس پاس کھڑے لوگ، روشنیاں سب بے معنی ہو گیا تھا۔اگر کچھ باقی بچا تھا تو وہ دو لوگ تھے۔روش سے ذرا آگے کھڑا قیس، اور اسکی سیدھ میں کھڑی زینیا حاکم۔

اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔مگر وہ بھاری قدم لیتی آگے بڑھ آئی۔ہاں اس سے غلطی ہوئی تھی مگر۔۔۔وہ قیس کو کئی ماہ سے جانتی تھی۔

''وہ اسکی تصیح کرے گا، تذلیل نہیں۔''

وہ قیس کے قریب آکر رکی۔اسے یقین تھا وہ اسے سمجھا لے گی۔ہاں ایک عورت کو یقین تھا کہ وہ ایک مرد کو سمجھا لے گی۔

''میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں کیا ہوا تھا اصل میں۔۔۔۔''

''کانٹریکٹ میں صاف صاف لکھا تھا کہ تم کوئی پرائیویٹ فنکشنز نہیں کر سکتیں۔پھر تم یہاں کیا کر رہی ہو، زینیا حاکم؟'' وہ اسکی بات کاٹ کر بے لچک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔اسکی آواز بلند تھی بلکل ابا کی طرح۔اسکی آنکھوں میں حقارت تھی، بلکل ابا کی طرح۔وہ آس پاس لوگوں کی پرواہ نہیں کر رہا تھا بلکل ابا کی طرح۔

''آہستہ بولو، قیس۔۔۔سب سن رہے ہیں۔''

''سب کو پتہ چلنا چاہیے ناں کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔کس کی اجازت سے کر رہی ہو تم یہ پرائیویٹ فنکشن۔؟'' وہ ایک بار پھر بلند آواز میں پھنکارا تھا۔زینیا کو یہ شخص غیر لگا۔کوئی اجنبی، کوئی سفاک۔

''وہ میرے خاندان کو اپنا بے شک نہ سمجھے، کم از کم میرا خاندان سمجھ کر عزت دے۔''

''یہ پرائیویٹ فنکشن نہیں ہے یہ شیزل کی بہن ہے جسٹ لائک فیملی سو۔۔۔۔''

''اچھا فیملی؟''اسنے طنزاً ہونٹ کا کونہ اوپر اٹھایا۔''تمہارا باپ عیسائی تھا یا تمہاری ماں؟ یا پھر آج کل کسی عیسائی پہ نظریں ہیں تمہاری؟''

براق نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کیا۔ زینیا بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ ذرا فاصلے پہ کھڑی شیزل بیچ میں کچھ کہنے لگی تھی مگر رک گئی۔ براق نے اسکا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کیا تھا۔

''میرے ماں باپ کے بارے میں تمیز سے بات کرو۔''کئی لمحے بعد اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''میرے بارے میں تمیز سے بات کرو تم۔۔۔ تم۔۔ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔''اسے سمجھ نہ آیا جب کوئی مرد ذلیل کر رہا ہو تو اسے کیسے روکا جائے۔ وہ واقعی نہیں جانتی تھی اس وقت اس سے وہ قیس سے کیا کہے؟

''وہ جیسے دنیا کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، چاہے اتنا اچھا نہ سہی مگر میرے لئے بھی مروت کا مظاہرہ کرے۔''

''مجھے یقین نہیں آتا تم چند ٹکوں کے لئے اتنا گر سکتی ہو کہ جھوٹ بولنے لگو۔ دھوکہ دینے لگو۔ اور پھر اپنی غلطی مان لینے کی بجائے تم جسٹیفکیشنز دے رہی ہو؟''

آس پاس چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ زینیا حاکم کو ہر آنکھ میں اپنے لئے حقارت نظر آئی۔ وہ اسے لوگوں کے سامنے بھری محفل میں کیسے ذلیل کر سکتا تھا؟

''میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری اس نوکری پہ۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔ آواز البتہ بلند نہیں تھی۔

''میں آج اور ابھی استعفیٰ دے رہی ہوں اور تم نے جو کرنا ہے وہ کر لینا۔''

''تمہاری اتنی اوقات نہیں ہے کہ تم استعفیٰ دو۔'' اس نے زینیا کے ہاتھ سے کیمرہ جھپٹا اور پوری قوت سے زمین پہ دے مارا۔ کچھ وہ زمین پہ لگا، کچھ زینیا کے پیر کی انگلیوں پہ۔ درد کی ایک لہر سی تھی جو ریڑھ کی ہڈی سے اسکے دل تک اتری۔

اس نے شاکی نگاہیں اٹھا کر زمین پہ چکنا چور ہوئے اس کیمرے کو دیکھا۔ آس پاس ہر کوئی دم بخود رہ گیا تھا۔ زینیا حاکم سانس لینا بھول گئی۔ اسے دنیا گھومتی محسوس ہوئی۔

''یہ۔۔۔ کیمرہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ میرے۔۔۔ ابا نے۔۔۔ دیا۔۔ تھا۔'' مارے شاک کے اسکے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔ وہ قیس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی اور کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ زمین پہ پڑے ان ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی انگلیوں سے رستا خون بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ ہے تم جیسی جھوٹی اور لالچی عورتوں کی اوقات۔ یہ ہے تمہاری سزا۔''

وا ور بھی بہت کچھ بول رہا تھا شاید اس نے زینیا کو گالی بھی دی، شاید اسکے خاندان کو بھی کچھ کہا۔ آج اسے قیس کمبیر میں اپنا باپ نظر آیا تھا۔

آج اسے اس ویل ایجوکیٹڈ، ایک اعلیٰ رتبے کے مالک، ایک وجیہہ شخص میں اسے کچھ قابل غور نہ نظر آیا۔ اگر اس کے جسم سے اٹھتی مہک ختم کر دو، تو اس سے مقابلے کی بو آئے، اگر اسکے جسم سے برانڈڈ سوٹ غائب کر دو تو وہ وہی عام ٹاکسک مرد کا حلیہ نظر آئے۔ آج اسے یقین آیا تھا کہ برا مرد، برا ہی لگتا ہے۔ چاہے اس نے اپنے ظاہری حلیے پہ لاکھوں لٹا رکھے ہوں۔

سیاہ آنکھوں والا آدمی مغلظات بکتے ہوئے چلا گیا تھا۔ زینیا اب بھی ششدر تھی۔ لوگ اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ براق حنیف اور قیس اب وہاں نہیں تھے۔ جس لمحے وہ باہر نکل گئے اسی لمحے مہدی کمبیر کی گاڑی ہال کے باہر آ کر رکی۔ پھولوں کا دستہ اور گفٹ لئے کچھ ملازم اسکے پیچھے پیچھے تھے۔

وہ روش سے اندر داخل ہوا۔ اور اسکے عین سامنے زینیا حاکم کھڑی تھی۔ شیزل اس سے کچھ کہہ رہی تھی، مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ کیمرے کر پرزوں سے اسکی نظر اوپر اٹھی۔

سفید کرتا شلوار کے اوپر نیلی شال اوڑھے وہ اسے دیکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ آس پاس سے بے خبر، بے فکر۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اسی پل اسکی نظر زینیا کے پیروں کے قریب پڑے اس ملبے پہ پڑی، اسکی آنکھیں فکرمندی سے سکڑیں۔ وہ تیزی سے آگے آیا۔ زینیا کی نظریں اسی پہ ٹک گئی تھیں۔ وہ اسکے قدموں کے قریب آ کر بیٹھا شال فوراً اتاری اور کیمرے کے سارے پرزے ایک ایک کرتا اس میں بھرتا گیا۔

وہ بھی چلا رہا تھا۔لوگوں کو کوئی دوا لانے کو کہہ رہا تھا۔اسے بھی برا لگا تھا مگر زینیا حاکم کے زخم دیکھ کر۔اسے بھی غصہ آیا تھا مگر کیمرہ توڑنے والے پہ۔کیمرے کے پرزے سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔فکر مندی سے پتھر کا بت ہوئی زینیا حاکم کو دیکھا۔وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''سرکار خیال رکھا کریں۔یہ کیا کر لیا ہے آپ نے؟'' وہ اس کے سامنے کھڑا فکر مندی سے اسکے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔اور زینیا اسے۔بس اسے۔کئی سالوں سے اپنے لئے بنائے اسکی آئیڈلزم مرد کے سارے بت کہیں دور جا سوئے اور ان سب کی جگہ مہدی کمبیر نے لی۔

ایک لمحہ تھا جو آ کر گزر گیا۔اور اس ایک لمحے میں مہدی کمبیر اسکے لئے ایک مختلف انسان بن چکا تھا۔ایک وجدان سا اسکے دل پہ اترا تھا اور اسے معلوم ہوا کہ اب اگر مہدی نہیں، پھر کچھ بھی نہیں۔بس ایک لمحہ۔۔۔صرف ایک لمحہ۔

''وہ لڑکی تمہاری ملکیت نہیں تھی۔تم اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔'' گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا براق حنیف چلا رہا تھا۔اسے رہ رہ کر زینیا کی حالت یاد آتی تھی۔

''وہ میری ملکیت ہے۔تم ہمارے درمیان مت آؤ۔میری ہے وہ صرف میری۔'' اسکی آنکھیں، لہجہ سب عجیب تھا۔بے حد عجیب۔

''اچھا واقعی؟ اب بھی اسی خوش فہمی میں ہو تم؟ کس بات کی ملکیت؟ کیسی ملکیت۔ وہ صرف ایک ایمپلائی ہے۔ تم اسکی غلطی کے لئے اس سے حرجانے لے سکتے ہو آفس بلا کر جھڑک سکتے ہو۔ مگر اس طرح ہزار لوگوں کے درمیان اسکی تذلیل نہیں کر سکتے۔ وہ تمہاری بیوی نہیں ہے؟''

''بیوی بنانے میں وقت بھی کتنا لگتا ہے؟''

براق تھم گیا۔ الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے۔ اسکی آنکھیں تفکر سے سکڑیں۔ اس نے قیس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟ وہ شادی شدہ ہے۔'' براق کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

قیس مسکرایا۔ ایک جنونی، خبطی، آبسیسڈ مسکراہٹ۔

''وہ بیوہ ہے۔ عدت بھی گزر چکی ہے۔ شاید تم بھول رہے ہو۔''

براق کو وہ آدمی ناقابل یقین لگا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گیا۔ اسے سمجھ نہ آسکا وہ کیا کہے۔

''اس سے دور رہو، قیس۔ وہ تمہارے لیے نہیں ہے۔''

''گاڑی روکو ڈرائیور۔'' براق کی بات کے جواب میں وہ بس اتنا بولا۔ ڈرائیور گاڑی روک چکا تھا۔ قیس گاڑی سے اتر آیا اور دوسری طرف سے آکر براق کو بازو سے پکڑ کر اپنی گاڑی سے باہر نکالا۔ وہ لاکھوں روپے کے سوٹ، جوتے، اور خوشبوؤں میں رچے بسے کروڑپتی کو ایک سنسان سڑک پہ چھوڑ خود گاڑی میں واپس آکر بیٹھا۔

"اگر کسی نے دوبارہ مجھے اس سے دور رہنے کو کہا، میں اسے اپنے ساتھ بھی نہیں رہنے دوں گا۔" ٹھنڈا، لا تعلق لہجہ۔

براق تو مارے حیرت کے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ اور نہ اسے موقع ملا۔ قیس کمبیر کی گاڑی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پیغام لکھ رہا تھا۔

"تمہیں دو تصاویر بھیج رہا ہوں۔ مجھے انکی تفصیلات چاہیے۔ جب پیدا ہوئے تب سے لے کر اب تک کی۔ یہ دونوں کب، کس سے ملتے ہیں مجھے سب جاننا ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر۔"

اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور سر کو نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔ اسکا سر دکھ رہا تھا، اسکا دل جل رہا تھا۔ وہ اس سے جھوٹ کیسے بول سکتی تھی۔ براق اسے زینیا حاکم سے دور رہنے کو کیسے کہہ سکتا۔ مہدی یہ سب ضرور مہدی نے کیا ہو گا۔

آخر یہ ساری دنیا اسکے پیچھے کیوں پڑ گئی تھی؟

چار گھنٹے بعد۔

کمبیر محل کے لان میں موجود اس مرد نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔ سیاہ آنکھیں آسمان پہ جمی تھیں۔ اور فون اسپیکر پہ ڈال کر اس نے میز پہ رکھ دیا۔

"کہو پھر تمہیں تفصیلات ملیں؟" دوسری جانب کوئی ہلکا سا ہنسا تھا۔

''کیا کمبیر صاحب۔ اپنے ہی خاندان کی تفصیل نکلواتے ہیں۔ چلیں پھر سن لیں۔ لڑکے کا نام مہدی کمبیر ہے۔ ماں برطانوی، باپ پاکستانی۔ دونوں کی پسند کی شادی مگر خاندان نے کبھی قبول نہیں کیا۔

آج کل وہ ٹریول کرتا ہے۔ مگر چھ ماہ سے وہ اسی ملک میں ہے۔ ملنے والوں کی لسٹ لمبی ہے مگر جس کی کال یا ایک میسج پہ فوراً بھاگتا ہے وہ زینیا حاکم ہے آپ کی دوسری سسپیکٹ۔''

ایک لمحے کو اسکی آنکھیں ہرٹ سی ہوئیں۔ شاکی، اور حقارت بھری بھی۔

''لڑکی کا نام، زینیا حاکم نواب ہے۔ گوادر میں رہتی ہے۔'' گوادر نام پہ اسکی دھڑکن رک گئی تھی۔ سانسوں نے جسم کا ساتھ چھوڑنا چاہا۔

''اسکی منگنی کسی، عبداللہ زمان کے ساتھ تھی مگر شادی بالاج میر سے ہوگئی مگر وہ اسے طلاق دے چکا ہے۔۔'' وہ رفتہ رفتہ بے سانس ہو رہا تھا۔ اسے لگا تھا کوئی اسکے دل پہ کوڑے مار رہا ہے۔

''لیکن وہ شادی بھی نہ چل سکی۔ اور اس نے دوسری شادی، مہدی کمبیر سے کی ہے۔ چھ ماہ قبل ان دونوں کا نکاح ہوا تھا جو کہ اب تک موجود ہے میں۔۔۔۔'' اس نے کال کاٹ دی۔ آنکھیں شاک اور صدمے سے ایک نقطے پہ جم گئیں۔ جسم لرز رہا تھا۔ اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔ اسے اپنی ساری زندگی فریب لگی۔

قیس کمبیر کے ساتھ زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

''باب گیارہ: الوژن''

میں راہ گزر ہوں رات کا، یہ ذکر ہے سرما کی ایک برسات کا

اوڑھے چغہ احتیاط کا، میں لینے نکلا احوال آدم ذات کا

جھونپڑی، بیابان، بستی، جنگل، شہر، قصبے، گھر، محل۔

میں نے دیکھا سب، جانے سچ، دبائے راز سینے میں، اب نکالوں میں کوئی حل؟

اے مجھ کو پڑھنے والے قاری، اے الفاظ بننے والے لکھاری،

لکھ میرا تجربہ داستانوں میں، یہ قصہ نہیں نقل شدہ کسی فسانے سے۔

میں نے دیکھا بُنتا ہے الوژن ہر وہ شخص جو ہو ناخوش زندگی سے۔

جس پہ ٹوٹی سختی ہو، یا جس سے لپٹی کمبختی ہو۔

جس نے دیکھے امتحان کئی، جس سے زندگی نے ڈھکے ابہام کئی۔

الوژن اسے نکالے اندھیرے سے، ہے امید طلوف ہوں گے سورج سویرے سے۔

میں نے دیکھا بُنتا ہے الوژن ہر وہ شخص جو ہو مطمئن زندگی سے۔

ہو جس کو سراہا گیا ہمیشہ، رہا ہو جس کا جیون شہسوار کے جیسا۔

جس نے دیکھے نہ ہوں غم، حیات نے بس کئے ہوں کرم۔

مگر جو آج تم پہ راز کھولوں، سننا غور سے ہر وہ بات جو میں بولوں۔

الوژن سارے وقتی ہیں، ان میں رہنے والے کم ہمتی ہیں۔

چاہے غم کے ماہ و سال ہوں کئی، چاہے خوشی کے جال کئی۔

ایک وقت، ایک مدت بعد الوژن ٹوٹنا تشفی ہے، وگرنہ زندگی منفی ہے۔

مسرت کے چاہے عالم ہوں، چاہے درد کے ٹھہرے بادل ہوں۔

سامنا انکا دلیری ہے، منہ موڑنا ان سے غیر ضروری ہے۔

جو راہ گزر کی بات مانو، مدت بعد سارے الوژن کو مات دے ڈالو۔

تم ہو زندگی کے جرات مند سپاہی، ہٹاؤ پردے جن کے پار ہے سیاہی۔

کرو سامنا حیات کا۔ غم کی برکھا خوشی کی برسات کا۔

اے بندہ بشر طاقت سے اپنی تم ناواقف ہو، جو وقت آئے تو ہاں تم بھی کاذب ہو۔

پھر اتارو مکھٹ الوژن کے، چھوڑو قصے سہولت کے۔

ڈھل جائیں گے غم یہ سارے، وارے پھر سے ہوں گے نیارے۔

جس دن مانو گے حقیقت تم، اور توڑ دو گے الوژن سارے۔

”موجودہ دن سے ایک ہفتہ قبل۔“

بیجنگ چائنا۔

یہ بیجنگ کے ایک نجی اسکول کے پرنسپل آفس کا منظر ہے۔ بھوری دیواروں پہ مختلف پینٹنگز آویزاں تھیں۔ کھڑکی کے بلائنڈز سے روشنی خانوں کی صورت اندر آرہی تھی۔ سارے میں ایک نفیس پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سنگ مرمر کی چوکور میز کے ایک پار پرنسپل کی کرسی تھی، اور دوسری جانب دو اور کرسیاں جن میں سے ایک پہ اس وقت میرہ کمبیر بیٹھی تھی۔ اور دوسری پہ اسکی بیٹی۔ ایزل محب۔ اسکی سبز آنکھوں میں ویرانگی تھی۔ پرنسپل صاحبہ جو کی چینی نقوش کی حامل کوئی چالیس سے پنتالیس برس کی فٹ سی خاتون تھیں، انہوں نے ایک کاغذ میرہ کے سامنے رکھا۔ وہ کوئی روٹین ٹیسٹ تھا۔ جس میں my parents اس موضوع پہ ایک مضمون لکھنا تھا۔ مضمون نہیں لکھا گیا تھا، ہاں مگر صفحہ خالی بھی نہیں تھا۔ اس صفحے پہ بس ایک، صرف ایک سطر لکھی تھی۔

“i wish I had no parents .”

میرہ سن ہوگئی۔ اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ حلق میں کانٹے سے اگ آئے۔ اس نے بے یقینی سے اپنے پہلو میں بیٹھی بچی کو دیکھا۔ دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پہ ایک اور عورت بیٹھی تھی۔ جواب کہنا شروع ہوئی تھی۔

"میں چائلڈ سائکاٹرسٹ ہوں۔ پرنسپل صاحبہ کے کہنے پہ میں نے آج آپ کی بیٹی سے بات کی اور آپ کی بیٹی اپنے الفاظ اون کرتی ہیں۔" وہ روانی میں انگریزی بول رہی تھیں۔ میرہ اب بھی ٹکر ٹکر اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ جو ہاتھوں میں پیپر ویٹ کو گھما رہی تھی۔

"ایزل نے کئی بار آپ کو اور آپ کے شوہر کو لڑتے دیکھا ہے۔" وہ رکیں آواز دھیمی کرلی۔ "آپ کی بیٹی نے اپنے باپ کو آپ پہ تشدد کرتے بھی دیکھا ہے۔ بچی کا ذہن پوری طرح ڈسٹرب ہے۔ نہ ایزل کھیل میں حصہ لینا چاہتی ہے، نہ اسکا پڑھائی میں دل لگتا ہے۔ سوری بٹ نو سوری آپ اپنے ساتھ ایک اور زندگی تباہ کر رہی ہیں۔"

"ایک نہیں دو۔۔۔" میرہ کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔ پرنسپل الجھیں۔

"میں سمجھی نہیں، مسز ملک۔"

میرہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرنسپل کو دیکھا۔ خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔

"اگلی بار آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اس نے کہتے ہوئے ایزل کو کرسی سے نیچے اتارا اسکا بیگ ہاتھ میں لیا۔ اور تیز تیز قدم لیتی اس گھٹن زدہ ماحول سے نکل آئی۔ اسکول کے میدان میں کھڑے ہو کر اس نے گہرے لمبے سانس لئے۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"تم نے ایسا کیوں لکھا، ایزل؟" گھٹنوں کے بل وہ اسکے پاس آکر بیٹھی۔ "تم ان الفاظ کو اون نہیں کرتیں ناں؟"

ایزل چند پل اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے اسکے کان کے پاس جھکی۔

"i own my words mummy" میرہ ساکت رہ گئی۔

"i have a suggestion for you" وہ میرہ کے کان کے پاس جھکی ہوئی تھی۔

"آپ کو بے بی مارنا چاہیے۔ ڈیڈی از رائٹ۔" میرہ دہل کر پیچھے ہٹی تھی۔ اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دل ایک لمحے کے لئے بند سا ہو گیا۔

"تم سے یہ سب کس نے کہا بیٹا؟"

"میں نے آپ کو لڑتے اور بات کرتے دیکھا ہے۔ ڈیڈ نے آپ کو مارا ابھی تھا وہ بھی دیکھا۔ یو نو واٹ ممی میں نے وہ ورڈز کیوں لکھے؟" وہ شستہ انگریزی بول رہی تھی۔ آنکھیں عجیب سی تھیں۔ وہ اپنی عمر سے بڑی لگتی تھی۔ "کیونکہ آپ دونوں جھوٹے ہیں۔ آپ کہتی تھیں آپ کو چوٹ لگی بٹ آپ کو ڈیڈ مارتے ہیں۔ ڈیڈ کہتے ہیں فادر زہیرو ہوتے ہیں لیکن مجھے نہیں لگتے۔

I wish i had no parents."

اس نے ایک بار پھر کہا اور میرہ کے لئے یہ پیروں سے زمین نکل جانے والا لمحہ تھا۔ اسے آج تک لگا تھا وہ اپنی بیٹی کے لئے برداشت کر رہی ہے مگر یہاں تو کہانی پلٹ چکی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو بچا نہیں برباد کر رہی تھی۔ یہ آگہی کا لمحہ تھا ایسی آگہی جس نے کئی دن میرہ کمبیر کو بے کلی، بے چینی میں ملوث رکھا۔ اسکا بنایا ہوا الوژن ٹوٹ رہا تھا۔ ہر انسان کی طرح اسے بے چینی ہو رہی تھی۔

کئی دن بعد آج وہ ایک بار پھر محب کے سامنے کھڑی تھی۔ آنکھیں روئی روئی سی، چہرہ سرخ۔ وہ بیڈ پہ اسکے سامنے بیٹھی تھی۔

''کل تمہاری اپائنمنٹ ہے، اوراب تم مزید کوئی ضد نہیں کروگی، میرہ۔ یہ میں آخری باربتارہاہوں۔'' وہ رف سے حلیے میں لیپ ٹاپ گود میں لئے بیٹھا اطلاع دے رہاتھا۔

''میں نے تمہیں بتایاتھاناں، محب۔ ایزل پہ برااثرپڑرہاہے۔ تمہیں اپناروّیہ بدلناہوگا۔'' وہ روبوٹک انداز میں بولی۔

''اسی لئے توکہہ رہاہوں اس جھنجھٹ سے جان چھڑواؤتاکہ ایزل پہ دھیان دے سکو۔ عجیب چڑہے مجھے فیملی بنانے سے۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''تم اسے پروٹیکٹ نہیں کروگے؟ تم باپ ہواسکے ہربیٹی اپنے باپ میں اپناہیرودیکھتی ہے۔ تم اسے خوف زدہ کررہے ہو، محب۔ ہماری بیٹی کامستقبل خراب ہوجائے گا۔ مسئلہ آنے والابچہ نہیں ہے۔ مسئلہ تمہاراروّیہ ہے کیاتم اسے بدل نہیں سکتے؟''

محب نے نظریں سکرین سے ہٹائیں۔ چہرے پہ سختی درآئی۔ اس نے میرہ کی کلائی اپنی سخت گرفت میں لی۔ آہنی گرفت۔

''مجھے زیادہ بولنے والی عورتوں سے نفرت ہے۔ مجھے ناں مت کیاکرو، مجھ سے بحث مت کیاکرو۔'' اس نے کلائی کو بری طرح سے موڑا۔ ''اچھی عورتوں کوگھربناناآتاہے۔ بیٹی کوالوژن دکھاؤکہ سب ٹھیک ہے۔ اچھی عورت ہونے کاثبوت دو۔ اچھی عورتیں چاہے مررہی ہوں، بربادہوچکی ہوں مگردنیاکوایک الوژن دکھاتی رہتی ہیں کہ وہ خوش ہیں۔ کیاتم اچھی عورت نہیں ہومسز محب؟'' سفاکی سے کہتے ہوئے جھٹکے سے اسکی کلائی چھوڑوہ دوبارہ سکرین دیکھنے لگا۔ اور میرہ اسے۔

وہ جیسے ایک خواب سے جاگی تھی۔ ایک سحرتھاجوٹوٹ گیاتھا۔ الفاظ نہیں آئینہ تھے جواسے ایک حقیقت سے روشناس کرواگئے۔

تھوڑی دیربعدوہ ایک بیگ تیارکئے ہوئے تھی اورموبائل کان سے لگارکھاتھا۔ دوسری جانب قیس کمبیراپنے کمرے میں موجود تھا۔ جب مہدی موبائل اسکے پاس لے کرآیا۔ اسپیکرکھولااورموبائل اسکے سامنے رکھا۔ قیس سیدھاہوبیٹھا۔ دونوں بھائی پلنگ کے ایک ایک سرے پہ بیٹھے تھے موبائل بیچ میں دھراتھا۔ دونوں کے چہرے کے تاثرت عجیب تھے۔

''میں پاکستان آرہی ہوں، عبداللہ۔'' اسپیکرمیں اسکی آوازگونجی۔ قیس نے اپنے سامنے بیٹھے مہدی کودیکھا۔ یہ کیاتھا؟ ''تم مجھے لینے آؤگے؟''

''میں آجاؤں گا، محب نے کچھ کیا ہے؟'' مہدی بیچ میں بول پڑا۔اسے بے چینی ہوئی تھی۔

''نہیں تم نہیں آؤ گے۔'' اسکا انداز قطعی تھا۔ مہدی نے کچھ کہنا چاہا قیس نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ ''محب کے اس گھر سے ایئرپورٹ اور ایئرپورٹ سے اسلام آباد کا سفر میرا ہے۔ لیکن یہ مجھے توڑ دے گا۔ کیا اسکے بعد تم دونوں میرے ساتھ ٹھہر سکو گے؟''

''اور اگر ہم نہ ٹھہر سکیں؟'' قیس پرسکون سا بولا۔ مہدی نے لب بھینچ لئے۔

''پھر کوئی گلہ نہیں۔ میرہ سرور کمبیر کو سہاروں کی ضرورت نہیں رہی۔'' قیس محظوظ ہوا۔ مہدی کو اسکی فکر ہوئی۔

''تم کیا کر رہی ہو، میرہ؟''

وہ اگلے کئی لمحے خاموش رہی۔ لب کاٹتی رہی۔ آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو دھکیلتی رہی۔

''الوژن بنا رہی ہوں، مہدی۔'' اس نے اپنے پاس لیٹی ایزل کے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔ لبوں پہ آتی مسکراہٹ زخمی تھی۔ ''محب کہتا ہے اچھی عورتیں چاہے جتنی سختی جھیلیں انہیں الوژن بنانے آنے چاہیے۔ بھرم، جھوٹ مسکراہٹ، خوشحالی کا الوژن۔'' آواز پہ ایزل کسمساتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔ میرہ نے اسے سینے سے لگایا۔ سکون سا تھا جو رگوں کے اندر تک سرایت کر گیا۔

''میں نے سات سال اس الوژن میں گزار دیئے کہ ایک دن محب اپنا رویہ درست کر لے گا۔ ایک دن وہ ایزل کا ہیرو فادر ہو گا۔ ایک دن وہ ناں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی عادت ڈالے گا مگر نہیں۔ الوژن آج ٹوٹ گیا۔'' بچی نے ماں کے سینے سے سر نکال کر اسے دیکھا۔ دونوں مرد سانس روکے اسپیکر سے نکلتی آواز سن رہے تھے۔

''لیکن مشرقی عورتوں کو ایک نیا الوژن بنانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے؟ میں نے ہمیشہ سوچا تھا محب سب بچا لے گا، میں غلط تھی۔'' اس نے ایزل کی سبز آنکھوں میں جھانکا۔ آنے والی زندگی کا خیال ذہن کے پردے پہ تازہ کیا۔

''میں نے ایک الوژن بنالیا ہے اور اس میں محب نہیں میرہ سب بچائے گی۔ میری بیٹی کو بھی۔ اسکے مستقبل، اسکی ذہنی صحت کو بھی۔'' وہ رکی گیلی آنکھیں ہاتھ سے صاف کیں۔ ''اور میرے آنے والے بچے کو بھی۔ میں اس الوژن کو اتنا سوچوں گی کہ یہ سچ ہو جائے۔ یہ سچ ہوگا ناں؟'' ٹھہر کے اپنے لوگوں سے یقین دہانی چاہی۔ وہ دونوں چندپل خاموش رہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد قیس بولا تھا۔

''تم عورتیں بہت ڈھیٹ مخلوق ہو۔ اگر ڈٹی رہی تو یہ ضرور ہوگا۔'' قیس کی بات پر میرہ ہنس پڑی۔ مہدی کے دل پہ لگی گرہیں کھلنے لگیں۔

''میں ایئرپورٹ پہ تمہیں لینے آؤں گا۔'' مہدی کی بات پہ میرہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑی۔

''مقصود چچا۔۔۔۔وہ مجھے آنے دیں گے؟'' میرہ کی محب سے شادی کے بعد سے مقصود نے اسکے کمبیر محل کے ہر فرد سے رابطے منقطع کر دیئے تھے۔

''میں سارے معملات دیکھ لوں گا تم آجاؤ۔'' قیس نے موبائل ہاتھ میں لیا۔ اسپیکر بند کر دیا۔ ''کمبیر محل جتنا ہمارا ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے۔''

دوسری جانب خاموشی چھاگئی۔ میرہ نے چندپل بعد کال کاٹ دی۔ قیس نے بھی موبائل کان سے اتار کر مہدی کو تھمایا۔ مہدی متذبذب لگتا تھا۔

''تمھیں لگتا ہے وہ آئے گی۔؟''

''مجھے یقین ہے وہ آئے گی۔'' قیس کے لہجے میں بلا کا سکون تھا۔ وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پہ جھک گیا تھا۔ مہدی چند لمحے وہاں کھڑا رہا، پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ جاتے وقت اسکا دل بھاری تھا۔ اسے یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔ البتہ قیس مسکرا رہا تھا۔

''موجودہ دن۔''

شادی کی رونقیں، کھانے کی خوشبو، قہقہے، میوزک سب فکس ہو چکا تھا۔ سب پہلے جیسا تھا۔ مگر کچھ تھا جو اب فکس نہیں ہو سکتا تھا۔ سر فہرست اس میں زینیا حاکم کا دل تھا۔ چرچ کی بوڑھی عمارت کے عقب میں شادی کے غل سے ذرا دور سنگی بنچ پہ زینیا حاکم بیٹھی تھی۔ اسکے پیر کی انگلیوں پہ کیمرہ لگا تھا، خون اب بھی رس رہا تھا۔ شیزل سیمسن اسکے ساتھ بیٹھی تھی۔ فکر مندی سے اسے تکتی ہوئی۔

"میں، قیس سے بات کروں گی۔ تم دل برا مت کرو۔" اس نے زینیا کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"میں تھوڑی دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔ جاؤ یہاں سے۔" اسکا انداز سپاٹ تھا۔ مگر سخت نہیں۔

"میں تمہیں تنگ نہیں کرنا چاہتی لیکن ہمیں ہاسٹل جانا چاہیے تم۔۔۔۔"

اسکی بات ادھوری رہ گئی۔ زینیا نے خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ شیزل نے ہاتھ اٹھا لیے۔ اور اپنی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"میں یہیں ہوں۔ جب گھر جانا ہو جسٹ کال می اوکے۔"

وہ چلی گئی۔ وہ اسے اسکا وقت دے رہی تھی۔ اسی پل ذرا سے فاصلے پہ مہدی کمبیر ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس لئے آتا دکھائی دیا۔ شال ندارد، چہرہ پریشان۔ وہ زینیا کے قریب آ کر بیٹھا۔ منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ سامان باہر نکال رہا تھا۔

"کیمرہ کس نے توڑا؟" وہ دوا کی شیشی ہاتھ میں لئے پوچھ رہا تھا۔ زینیا نے پیر گھاس سے اٹھا کر اوپر بنچ پہ کر لئے۔ سفید پیروں کی انگلیوں پہ خون نے نمایاں دھبے تھے۔

"میرے ہاتھ سے گر گیا۔" انداز روبوٹک۔

"جھوٹ مت بولو۔ اگر تمہارے ہاتھ سے گرتا تو اتنی چوٹ نہ لگتی۔ کسی نے تمہارے سامنے کھڑے ہو کر پوری قوت سے اسے نیچے پٹخا ہو گا۔" اس نے دوا روئی میں ڈبو کر زینیا کے پیروں کی انگلیوں پہ لگانی چاہی مگر وہ ہاتھ بڑھا کر روک چکی تھی۔

"میں خود کر لوں گی۔"

''ہر کوئی تمہاری نہیں سنے گا۔ کبھی کسی اور کی سننا سیکھو۔'' وہ بے لچک لہجے میں کہہ کر اسکا پیر اپنے گھٹنے پہ رکھ چکا تھا۔ زینیا حاکم ٹھہر سی گئی۔ مہدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اسکے پیر کی انگلیوں پہ جم چکا خون دیکھ رہا تھا۔

''تین بار میڈیکل انٹری ٹیسٹ میں فیل ہوا ہوں۔ لیکن پٹی کر سکتا ہوں فکر مت کرو۔'' وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ بولا۔

''اتنی بار فیل ہونے کے بعد خودکشی کا خیال نہیں آیا؟'' وہ اسے موضوع سے ہٹا رہی تھی۔ مہدی مسکرایا سر نہ اٹھایا۔ وہ اسکی آنکھوں کا بھرم رکھنا چاہتا تھا۔

''آیا تھا، مگر شکر ہے عمل نہیں کیا ورنہ آج تم میری خدمات سے محروم رہ جاتیں۔'' وہ زخم صاف کرنے کو اب ایک مائع انڈیل رہا تھا۔ زینیا نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ آنکھوں میں تکلیف تھی۔

''کیا آپ یوں اس طرح ہر لڑکی کو اپنی خدمات پیش کرتے ہیں؟'' وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اسے درد ہوا ہے سو تلخ ہوئی۔ وہ بس کسی طرح اسکے سامنے رونے سے باز رہنا چاہتی تھی۔

''اگر لڑکی زینیا حاکم جیسی ہو تو ہاں۔''

''اور اس ایک زندگی میں کتنی بار زینیا حاکم سے مل چکے ہیں آپ؟''

''شاید تم نہیں جانتی تم rare ہو۔ ایک ہی پیس یو نو۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہوا میں rare ہوں؟''

''تم نے بتایا ناں مجھے۔''

''کب؟''

''ابھی جب تم اپنا کیمرہ توڑنے والے کی شناخت چھپا کر اپنے مسیحا سے لڑنے کی کوشش کر رہی تھیں۔'' وہ زخم صاف کرتے ہوئے رکا ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر زینیا حاکم کو دیکھا۔

''مسیحاؤں سے لڑا نہیں جاتا، زینیا ان سے عقیدت رکھی جاتی ہے۔ خود پہ ظلم نہیں ہوا جاتا، اپنے آپ پہ رحم کیا جاتا ہے۔''

''آپکو میرے ساتھ اتنا مہربان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' زینیا نے اپنا پیر کھینچنا چاہا۔ مہدی نے گرفت مضبوط کی۔

''ضرورت ہے۔ کیونکہ "تم" اپنے ساتھ مہربان نہیں رہتیں۔ ہر انسان کے سپرد کچھ کام ہیں۔ میرا کام تم جیسے لوگ ہیں۔''

چرچ کی بوڑھی عمارت کے عقب میں سنگی بنچ پہ بیٹھا وہ گردن جھکائے اس اپسرا کے پیر کی انگلیوں کے گرد سفید پٹی باندھ رہا تھا۔ مرد کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ لڑکی دونوں پیر بنچ پہ دھرے ٹانگوں کے گرد بازو پھیلائے ٹھوڑی گھٹنے پہ رکھے اسے تک رہی تھی۔ اسکی فراک کا کچھ حصہ گھاس پہ گر رہا تھا بالوں کی لٹیں چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں۔ اور وہ اپنے مسیحا کے جھکے ہوئے سر کو تک رہی تھی۔ کسی آرٹسٹ کو ان دونوں کے لئے ایک پینٹنگ ضرور بنانی چاہیے تھی۔

کافی دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ زینیا کو رہ رہ کر قیس کمبیر کا وہ وحشی پن یاد آتا تھا۔ جو ہوا تھا وہ اسے اس زندگی میں نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ اسکے سامنے خاموش کیوں رہی؟ اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں، مہدی۔'' بڑی دیر بعد جب وہ سفید پٹی مکمل اسکے پیر کے گرد باندھ چکا تو وہ بے بسی سے بولی۔ ''کبھی کبھی سوچتی ہوں آپ کے جتنی اچھی بن جاؤں۔''

''نہیں بن سکتیں۔ کوششیں ترک کردو۔'' وہ سیدھا ہوا۔ پٹی مکمل ہوگئی اس نے۔ زینیا کا پیر گھٹنے سے ہٹا کر بنچ پہ رکھا۔

''خود پہ اور اپنی اچھائی پہ بہت غرور ہے آپ کو؟'' وہ پیر کی پٹی کے اوپر ہاتھ پھیرنے لگی۔ سادہ سفید کوری پٹی۔

''خود شناسائی ہے، مس حاکم۔ تم مہدی کمبیر نہیں بن سکتیں۔ میں زینیا حاکم نہیں بن سکتا۔ ہاں مگر ہم دونوں اپنا بہتر ورژن بن سکتے ہیں۔'' وہ رکا زینیا کے چہرے کو دیکھا۔ وہ زرد پڑ گیا تھا۔ پھر اسکی پٹی کو دیکھا۔

''کیمرہ کس نے توڑا، زینیا؟''

زینیا نے جواب نہیں دیا۔ بس پیر نیچے اتارے اور رخ موڑ لیا۔ جو ہلکی سی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی، اب وہ بھی غائب ہونے لگی۔ اس نے پیر واپس بنچ پہ رکھ لیا۔ اور مہدی اب اپنی جیب سے ایک اسٹائلش سی پین نکال رہا تھا۔

''میں نے جب حافظہ سنبھالا وہ چھ سال کی عمر تھی۔'' وہ ذرا فاصلے پہ درخت پہ بنے گھونسلے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی تھی۔

''ابا اماں کو مارتے تھے۔ گالیاں دیتے تھے۔ بشر کو بھی مارا کرتے تھے۔ مجھے بھی۔ ہر چھوٹی چھوٹی بات پہ گھر سر پہ اٹھا لیتے تھے۔ اور مجھے جو واحد حل نظر آتا تھا وہ یہ تھا کہ اماں کچھ بولتی کیوں نہیں؟'' وہ پین سے اسکی پٹی پہ کچھ بنانے لگا تھا۔ کوئی سٹار، کوئی چاند۔

گھونسلے میں یکدم چہچہاہٹ دوڑ گئی۔ ماں آگئی تھی۔ دن بھر کے بھوکے بچے اب تڑپ اٹھے۔

''میں سولہ سال کی تھی جب میں اماں پہ بہت چیخی۔ بہت لڑی۔ ہم ماؤں سے بہت لڑ لیتے ہیں ناں؟ نہیں لڑنا چاہیے۔'' وہ سوال کرتی پھر جواب دیتی۔ مہدی کمبیر خاموش سامع تھا۔

''مجھے لگتا تھا اگر اماں بول پڑیں تو ابا اگلی بار گالی نہیں دیں گے۔ اماں آواز اٹھائیں تو ابا اگلی بار ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن میں غلط تھی۔ عورت آواز نہیں اٹھا سکتی۔ اٹھائی ہی نہیں جاتی۔'' ماں چڑیا بچوں کے منہ میں دانہ رکھ رہی تھی۔ کیا اس نے خود کھا لیا تھا؟

''اور تمہارے نزدیک عورت آواز کیوں نہیں اٹھا سکتی؟'' مہدی کے سوال پہ اس نے نظریں موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ محو سا اسکی سفید پٹی پہ نقش و نگار بنا رہا تھا۔

''اگر مڈل کلاس ہے تو مڈل کلاس عورتوں کو بچپن سے ایک چیز ورد کروائی جاتی ہے۔

ابا کے آگے بولنا مت غصہ ہوں گے۔ بھائی سے بحث نہ کرنا۔ کسی کے گھر جاؤ تو منہ بند رکھو۔ بھائی نے زیادہ کھا لیا تو کیا ہوا وہ لڑکا ہے۔ تمہاری خیر ہے بھائی کے سامان تو پورے ہونے دو۔

بچپن سے ایک ورد کروایا جاتا ہے کہ ہمارا مقصد ہے اپنے گھر کے مرد کو خوش رکھنا۔ دل مار کر، خواہشات مار کر، زبان بند کر کے۔'' اس نے گردن موڑ لی اور دوبارہ گھونسلے کو دیکھنے لگی۔

''مرد اور عورت برابر نہیں، انکے حقوق برابر نہیں۔ میں اعلیٰ اور کمتر کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی اگر قرآن کہتا ہے کہ مرد عورت سے افضل ہے تو کوئی وجہ ہو گی۔ لیکن مرد اور عورت مختلف تو ہیں ناں؟ برابر نہ سہی مختلف حقوق تو ملنے چاہیے ناں؟ جس میں freedom of speech سب سے پہلے آتا ہے۔'' چہچہاتا گھونسلہ ساکن ہو گیا تھا۔ گھونسلے کا سربراہ آ گیا تھا۔ ماں چڑیا کی چوں چوں بھی بند ہو گئی تھی۔ کیا ہر سربراہ جابر ہوتا ہے۔

''میں آپ کو بتاؤں عورت آواز کیوں نہیں اٹھا سکتی؟'' اس نے نظریں آسمان پہ جمائیں۔ آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے۔

''کیونکہ عورت ڈرتی ہے۔ امیر ہے تو شوہر کی ناراضگی، محفل میں اپنی شادی کے تذکرے سے۔ اور اگر غریب ہے تو شوہر کی ناراضگی سے۔ باپ، بھائی کی ناراضگی سے۔''

''کیا صرف یہی وجہ ہوتی ہے؟ کہ عورت اپنے abuser کے خلاف بولتی نہیں۔؟'' وہ جو منہمک سا سن، اور اپنا کام کر رہا تھا بول پڑا۔ زینیا نے گھونسلے کی طرف دیکھا سربراہ زیادہ دانہ لایا تھا۔ چڑیا کے بچے خوف سے نہیں سکون سے چپ ہوئے تھے۔ انہیں یقین تھا اب انکا پیٹ بھر جائے گا۔ کچھ سربراہ تحفظ ہوتے ہیں۔

''وجہ "**شاک**" ہوتی ہے۔ جب مرد چیختا ہے گالی دیتا ہے مارتا ہے تب عورت شاکڈ ہوتی ہے۔ اگلی بار وہ ناراض ہوتی ہے۔ اور اس سے اگلی بار وہ قدم اٹھاتی ہے۔ مگر تب سب کہتے ہیں۔ "**اگر اتنا ہی برا تھا تو پہلے کیوں نہیں کہا کچھ؟**" میں زینیا حاکم جب کوئی مجھ پہ انگلی اٹھاتا ہے میں اسکا بازو اکھاڑ دیتی ہوں۔ لیکن آج جب وہ آدمی مجھ پہ چیخ رہا تھا مجھے واقعی سمجھ نہیں آیا میں کیا کروں۔''

وہ خاموش ہوئی تو آس پاس شور بڑھ گیا۔ شاید شادی کی رسومات ادا ہونے لگی تھیں۔ زینیا کئی لمحے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ اسے غصہ آرہا تھا، اسے بے بسی محسوس ہوئی۔ اسے رونا بھی آیا۔ ذلت جھیلنا مشکل تھا۔ مہدی اسکے پاس خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اسکی سفید پٹی پہ اب چاند، تارے، سورج، پھول، اور گیٹ ویل سون بھی تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے اسکا کوئی حل ہے؟'' کئی پل بعد اس نے مہدی سے سوال کیا۔ مہدی نے پین کا ڈھکن چڑھاتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلایا۔

''بچپن میں ٹی وی پہ ایک ایڈ دیکھا تھا "**لڑکے روتے نہیں**" اس ایڈ کے آخر میں ایک سطر تھی "**لڑکے رلاتے بھی نہیں**" پیرنٹنگ کرتے ہوئے بس لڑکیوں کو سکھایا جاتا ہے یوں کرنا، یوں نہ کرنا۔ باہر یوں رہنا، شوہر کے ساتھ اس طرح رہنا۔ لڑکی نے تو سیکھ لیا مرد کا کیا؟ اسے کون سکھائے گا عورت کے ساتھ کس طرح رہنا ہے؟ لڑکیوں کے بولنے، اٹھنے پہ روک ٹوک لگائی جاتی ہے اور لڑکے کے سیگریٹ پینے، لڑکیوں کے ساتھ دوستی رکھنے، فیل ہونے پہ اسے "**معاف**" کر دیا جاتا ہے فوراً۔ اگر اسے بھی ٹوکا جائے، سمجھایا جائے اسکی حدود بتائی جائیں تو میرا خیال ہے معاشرہ درست ہو سکتا ہے۔''

زینیا نے سمجھنے والے انداز میں سر کو ہلایا۔ مہدی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسکے آگے ہتھیلی پھیلائی۔

''آؤ تمہیں ہاسٹل چھوڑ آؤں۔''

''مجھے فلحال نہیں جانا۔ آپ گھر جائیں۔'' وہ بے زار ہوئی۔ مہدی نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ موبائل پہ وقت دیکھا۔ نو بجے اسے ایک لائیو سیشن کرنا تھا۔ دس بجے اسے ایک ویڈیو ریکارڈ کرنی تھی آٹھ بج چکے تھے اور وہ یہاں کھڑا تھا۔ زینیا حاکم کے سامنے، زینیا حاکم کے لئے۔

''چائے پینے چلیں؟'' اب کے زینیا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اب تک میں تمہارا اتنا یقین کما چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ سکو۔''

''اور اگر میں انکار کر دوں؟''

''میں خودکشی کر لوں گا۔'' زینیا نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرائی۔ تکان زدہ مسکراہٹ۔

''تین بار انٹری ٹیسٹ میں فیل ہونا الگ غم ہے۔ زینیا حاکم مجھے چائے سے انکار کرے یہ سہہ نہیں پاؤں گا۔'' وہ ہنس پڑی۔

''بہت ٹھنڈہ جوک تھا۔''

''چائے گرم ہو گی۔ وعدہ۔'' وہ جھٹ سے بولا۔ زینیا اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور مہدی کے عین سامنے آ کر رکی۔

'' میں کم لوگوں پہ اعتبار کرتی ہوں۔ کم لوگوں کے لئے available ہوتی ہوں۔ میرا بھروسہ نہیں ٹوٹنا چاہیے، مسٹر کمبیر۔'' وہ کس رو میں کہہ رہی تھی مہدی کو اندازہ نہیں تھا۔

مہدی نے ہاتھ سینے پہ رکھا، سر کو ہلکا سا خم دیا۔ اور آنکھیں جھپکا کر تسلی دی۔ تسلی ہو بھی گئی۔ کئی بار الفاظ ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ آنکھیں، انداز، تاثرات انکی جگہ لے لیتے ہیں۔

قیس کمبیر کے ساتھ زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ ہوا تھا۔۔ مقصود کے قیس کے ساتھ زندگی کا سب سے بڑا دھوکا ہوا تھا۔لان کا وسیع و عریض رقبہ انکے لئے کم پڑ گیا۔انہیں گھٹن ہوئی بے تحاشا گھٹن۔ سیاہ آنکھوں میں کئی جذبات تھے۔

شاک، قیس اب ان معملات سے کیسے نبٹے گا؟

صدمہ، زینیا حاکم ان کی بھانجی اپنے منگیتر سے بے وفائی کر کے کسی اور سے شادی کیسے کر سکتی ہے؟

خوشی، انکی بہن امینہ کی اولاد۔ وہ جسے مقصود پہلی نظر میں پہچان گئے تھے۔

رنج، وہ اتنے سال اس سے نہیں مل سکے، اتنے سال کیسے درمیان میں آ گئے؟

ملال، حاکم اپنی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔ وہ اسے بالاج جیسے شخص کو کیسے سونپ سکتا ہے؟

حقارت، وہ مہدی کمبیر کے نکاح میں تھی؟ وہ کم ذات عورت کا بیٹا۔ وہ سبز قدم۔ وہ سیاہ بخت۔ کیا انکی بھانجی کے لئے اب وہی رہ گیا تھا؟

وہیل چیئر پہ بیٹھے بیٹھے انہوں نے گردن ڈھلکا دی۔ دل سے ایک سرد سی آہ نکلی۔ آنکھوں میں بے تحاشا جلن اتر آئی۔ مگر دل پہ ایک پھوار بھی پڑی تھی۔ زینیا حاکم اس بچی کو یہ نام انہوں نے دیا تھا۔ امینہ بیگم کی اولاد میں انکی سب سے فیورٹ زینیا تھی۔ جب انہوں نے پہلی بار اسے جاب انٹرویو کے وقت دیکھا وہ اسی پل اسے پہچان گئے تھے۔ ہاں ایک نام کے کئی انسان ہو سکتے ہیں، مگر ان تمام انسانوں سے ایک جیسی خوشبو نہیں آ سکتی۔

آج بلاخر انہوں نے زینیا حاکم کے متعلق تفصیل نکلوائی تھیں۔ مہدی کمبیر کے معمولات پہ انہیں شک تھا مگر انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مہدی کمبیر زینیا حاکم سے نکاح کر چکا ہے۔ کیوں، کب، کیسے؟ یہ تفصیل وہ لے کر رہیں گے۔ اس وقت سب سے ضروری عمل تھا کہ وہ قیس کمبیر کو اصلیت سے آگاہ کریں۔ ایک لمبا عرصہ قیس نے انکی بھانجی کو انتظار کی سولی پہ لٹکایا، وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ وہ جیت نہیں رہا وہ ہار چکا ہے۔ انکے قیس کمبیر کے ساتھ زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ ہو چکا تھا۔

"آپ سے بات کرنی ہے چچا۔" آواز پہ انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ قیس کمبیر انکے سامنے تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈال رکھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ کسی تقریب میں گیا تھا، لیکن اس وقت کافی مضمحل سا لگتا تھا۔ کیا تقریب میں کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا تھا؟

"بات تو مجھے بھی کرنی ہے، عبداللہ۔ آؤ بیٹھو۔" انہوں نے آنکھیں دوبارہ موندلیں۔ قیس نے ایک نظر موبائل پہ ڈالی، پھر مقصود کو دیکھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ انکے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ انداز غیر آرام دہ تھا۔

"کہیئے۔"

"پہلے تم کہو، کیونکہ جو میں کہوں گا اسکے بعد تمہاری باتوں کی کوئی وقعت نہیں ہو گی۔"

تمہید اس آدمی نے زندگی میں باندھی کب تھی۔ جواب باندھتا۔؟

"میرہ، محب کو چھوڑ کر پاکستان آرہی ہے۔ یہاں کمبیر محل۔" مقصود نے آنکھیں کھولیں۔ "اور میں اسے آنے دے رہا ہوں۔ کیونکہ میرے لئے وہ اہم ہے۔" مقصود نے گردن اٹھائی۔ "میں چاہوں گا آپ کسی قسم کی بدمذگی نہ پیدا کریں۔"

"وہ لڑکی یہاں نہیں آئے گی، عبداللہ۔ کم از کم میری زندگی میں نہیں۔"

"آپ چاہیں تو اپنی زندگی ختم کر سکتے ہیں۔ میرے فیصلے تبدیل نہیں ہوں گے۔" وہ رسان سے بولا۔

"تم ہوتے کون ہو اس گھر کے فیصلے لینے والے؟" مقصود کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ قیس چند پل انہیں دیکھتا رہا۔

"سربراہ۔۔۔ اور سربراہ کے احکام پہ سوال مت کیا کریں۔" اس نے کہہ کر اٹھنا چاہا مگر مقصود کی بات پہ رک گیا۔

"مت بھولو، عبداللہ۔۔۔ بادشاہ میں بھی ہوں۔ بساط، مہرے، کردار میرے بھی ہیں۔ تعاون کرو تاکہ تمہارے ساتھ بھی تعاون کیا جائے۔" نہ غصہ، نہ سختی، یہ وارننگ تھی۔

"مجھے کسی قسم کے تعاون کی ضرورت ہے بھی نہیں۔" اسے بےزاری ہونے لگی۔

"یو نو واٹ جو دل میں آئے کریں۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ آج جو کچھ ہوا تھا، اسکے بعد اسے ایک لمبا وقت تنہائی چاہیے تھی۔

''میرے پاس کچھ راز ہیں، عبداللہ۔ مجھے لگتا ہے تمہیں جاننے کی ضرورت ہے۔''

''میں خود کھوج لوں گا۔''

''نہیں کھوج سکتے۔''مقصود نے اسے مختلف نظروں سے دیکھا۔

''تم الوژنسٹ ہو۔ اپنے ارد گرد ایک الوژن بنا چکے ہو۔ اب وہ نہیں ٹوٹے گا۔''ایک طنزیہ حقارت بھری مسکراہٹ نے انکے لبوں کو چھوا۔ نگاہیں عبداللہ کے سراپے سے نہ ہٹیں۔''اور اگر یہ الوژن اب نہیں ٹوٹا تو ایک دن تمہیں توڑ دے گا۔''

قیس نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ اور انکے قریب جھکا۔

" you know what? do whatever you want."

سخت بے زاری، اور اکتاہٹ سے کہتے وہ پیچھے ہوا۔ بازو سینے پہ باندھ لئے۔

''مزید تقریر کا ارادہ ہے یا میں جاؤں؟''

''جا سکتے ہو، بس یہ یاد رکھنا یہ جنگ تم نے خود شروع کی تھی۔ مفاہمت کا وقت کل صبح تک ہے۔ ورنہ میری طرف سے ایک حکمت عملی ہو گی اس کا انتظار کرنا۔''انکے انداز میں کچھ تھا کہ ٹھٹھکا جائے مگر سامنے والے کو پرواہ ہی نہ تھی۔ اسکا سارا دماغ زینیا میں الجھا تھا۔

قیس نے ایک جتاتی مسکراہٹ انکی طرف اچھالی اور تیز تیز قدم لیتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ مقصود ایک بار پھر اس لان میں تنہا تھے۔ رازوں کی بھنور میں اکیلے۔

''تم بھول رہے ہو، عبداللہ زمان۔۔۔ تم بھول رہے ہو۔''وہ دھیمی آواز میں سرگوشی کر رہے تھے۔

''تم بھول رہے ہو بادشاہ میں بھی ہوں، بساط، مہرے، کردار میرے بھی ہیں۔ اب چال میں چلوں گا۔ مہرے میں بھی ترتیب دوں گا۔ اور شہہ مات ہو گی تمہیں۔''

آنکھیں موندے انہوں نے سر دوبارہ کرسی پہ گرا دیا۔ قیس کمبیر نے اپنے لئے لاعلمی خود چنی تھی۔ اس نے الوژن اپنے ذہن میں ترتیب دیا تھا۔ اب اسے طول اگر دیا جائے تو کچھ غلط تو نہ ہوگا ناں؟

برقی قمقموں سے سجا وہ چھوٹا سا گھر آج ڈھول کی تھاپ سے گونج اٹھا تھا۔ رنگ برنگے آنچل سنبھالے لڑکیوں کی ٹولے یہاں سے وہاں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ لڑکیوں کے جھرمٹ میں ایک شناسا چہرہ بھی تھا۔

سرخ رنگ کے انگرکھا فراک میں ملبوس سیاہ بالوں کو کھلا چھوڑے کونج حاکم آج معمول سے ہٹ کر اچھی لگ رہی تھی۔ ڈھول کی تھاپ پہ گانے گاتی لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی تالیاں پیٹ رہی تھی۔ ایک طرف لڑکے چاول اور سالن کی دیگیں رکھ رہے تھے۔ انہی لڑکوں میں وہ بھی تھا۔ سیاہ رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے ضیغم یوسف میر۔

وہ دیگیں رکھ کر پلٹنے لگا تھا کہ اسی پل قمقموں کے عقب میں، کئی چہروں کے درمیان اس نے ایک چہرہ دیکھا۔ ہر منظر دھندلا ہو گیا۔ ہر آواز بے معنی۔ وہ آج کتنے دن بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاں وہ اس پہ غصہ ہوا تھا، تلخ ہوا تھا۔ بات نہیں کی، مگر ضیغم میر کے لئے کونج حاکم کو بھول جانا ایسے تھا جیسے دل کے بند ہو جانے کا سندیسہ۔

کونج نے نظروں کی تپش پہ چہرہ موڑ کر دیکھا اور گردش وقت اسکے لئے بھی تھم گئی۔ آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت، دل بے تحاشہ دھڑکنے لگا۔ ایک نظر بس ایک نظر اسکے دل کے زخم ادھیڑ گئی۔ یوں کہ انہیں دوبارہ سینے پہ دل نے لہو چھلکانہ تھا۔ یکدم اسکے کانوں میں کوئی الفاظ سنائی دینے لگے۔

(''جن گناہوں کو آپ نے چھوڑنا ہو ناں، ان پہ اللہ کو گواہ بنالیں۔ ان پہ اللہ سے وعدہ کرلیں۔ انسان جیسا بھی گناہگار ہو اللہ سے کئے وعدے توڑنے کے احساس پہ اسے شرم آئے گی۔''

''اگر انسان وہ وعدہ بار بار توڑتا رہے؟ پھر کیا ہوگا دادی؟'' وہ انکی گود میں سر رکھے ہوئے سوال کرنے لگی۔

''پھر اللہ اسے محبت اور نرمی بھری ڈانٹ پلاتا ہے۔ وہ آیت جن میں عذاب، اور اللہ کی ناراضگی کا ذکر ہو۔ انہیں سنتے، پڑھتے ہوئے یہ نہ سمجھیں کہ یہ تو کفار مکہ کے لئے ہے۔ اگر اللہ کوئی آیت آپ کو سنا رہا ہے تو وہ آپ کے لئے ہے۔ اللہ اشارے بھیجتا ہے۔ واپسی

کے۔اس نے اگرایک کام سے منع کردیاتووہ کام ممنوع ہوگیا۔شراب حرام ہے توحرام ہی ہے۔کسی شادی، بارات میں ایک دفع پینے سے حلال نہیں ہو جائے گی۔"وہ رکیں لمحے بھر کا توقف کیا۔کونج کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"نامحرم سے بات کرنا حرام ہے،تو پھر وہ چاہے منگیتر ہو یااس نے شادی کا وعدہ کرر کھا ہے یہ حرام ہی ہے۔دین مکمل ہے اس میں گنجائش نکالنا بدعت ہے۔"

کونج تھم گئی۔ایک لمحے کے اندر اسکا دل برف ہو گیا۔)

کونج نے بے اختیار دل پہ جبر کرتے ہوئے نظریں موڑلیں۔ محفل سے اب دل اکتا گیا۔بار بار جی چاہتا تھا کہ اسے نظر بھر کر دیکھا جائے۔

دوسری طرف ضیغم وہاں سے ہٹ کر نسبتاًایک کونے والی جگہ پہ آکر کھڑا ہوا،اور اسکی انگلیوں نے ایک میسج ٹائپ کیا۔

"مجھے بات کرنی ہے۔پانچ منٹ کے لئے برآمدے کے پچھلے صحن کی طرف آؤ۔"

گود میں رکھا اسکا موبائل جل کر بجھا۔اس نے میسج پڑھا۔کتنے ماہ، کتنا عرصہ اسے ضیغم کی جانب سے صرف ایک میسج کی آس رہی تھی۔اور وہ جب پوری ہو رہی تھی دل کو کوئی خوشی کیوں نہ ہوئی؟کئی لمحے وہ شش وپنج میں مبتلا رہی۔پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔بات کرنے میں بھلا کیا حرج تھا؟

یکدم کچھ الفاظ اسکے پیر میں زنجیر بن کر اڑ گئے۔اور کونج حاکم کے قدم من بھر کے بھاری ہوئے۔

("جس گناہ کو اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑدیا،اسے بس چھوڑدیا۔اگر گناہ صرف اس امید پہ کہ یہ آخری ہو گا دہراتے رہیں تو واپسی ممکن نہیں۔جتنا ہو سکے اپنے قدموں میں زنجیر ڈالیں، جتنا ہو سکے اپنے دل کو ماریں۔اگر بار بار گناہ دہراتے رہیں گے تو حیا مر جائے گی۔دل بے خوف ہو جائے گا۔"

کونج نے انکی گود سے سر نکالا۔اور آنکھوں میں الجھن بھر کرانہیں دیکھنے لگی۔پھر وہ اٹھ بیٹھی۔

"گناہوں سے واپسی کا راستہ اتنا کٹھن کیوں ہے؟ جب اللہ کی خاطر ایک برائی چھوڑ دی تو اللہ اس راستے کو آسان کیوں نہیں بنا دیتا۔" دادی مسکرائیں۔ اور کونج کے کھلے بال اپنے ہاتھوں میں لئے۔

"جب بچہ بار بار کوئی شرارت کرتا ہے اور ماں کے رکنے پہ بھی باز نہیں آتا۔ تب وہ چوٹ کھاتا ہے۔ اور وہ چوٹ فوراً ٹھیک نہیں ہو جاتی اس میں رہ رہ کر ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں۔ یہ درد یہ بے کلی انسان کو بتاتی ہے کہ وہ اللہ کی بنائی حدود پار کر چکا ہے۔ اور انسان سزاؤں کے بغیر کبھی راہ راست پہ آیا ہی نہیں۔" وہ اسکی چٹیا بنانے لگیں۔ کونج نے گردن ڈھلکا دی۔

"بچہ تب کیا کرے جب وہ اپنے قریب ہر دوسرے بچے کو اسی شرارت، اور برائی میں ملوث پائے۔" اسے وہ سارے سیلبریٹی، ٹک ٹاکرز یاد آئے جو حرام تعلقات میں تھے مگر خوش خرم تھے۔

چٹیا کے بل سنورنے لگے تھے۔ بکھرے بال سمٹ گئے۔ کمرے کی مدھم خاموشی میں دادی کی مدبرانہ آواز گونجی۔

"پھر بچہ اپنی چوٹ یاد رکھے۔ اپنا زخم یاد رکھے۔ اللہ کی اپنے لئے بھیجی گئی تسلی اور وعدہ یاد رکھے۔ وہ یاد رکھے کہ جب وہ زخمی ہوا اسے بچانے کوئی نہیں آیا۔ جب وہ گرا تو اسے اللہ نے تھام لیا۔ اور جب جب اسکے راز فاش ہونے لگے تھے تب اللہ نے اسے بچا لیا۔ کہانی اللہ اور آپ کی ہے۔ باقی سارے رشتے دار، لوگ، دوست، محبت نعمت یا امتحان ہیں۔ انسان اس دنیا میں اکیلا آیا ہے، مشکلات اکیلے دیکھے گا۔ مرے گا اکیلے اور قبر میں بھی اکیلے جائے گا۔ لوگوں کو گناہوں میں ملوث دیکھے تو ستائش نہیں، اللہ سے نیکی کا سفر مانگے۔")

کونج حاکم اپنی جگہ پہ واپس بیٹھ گئی۔ اسے لگا تھا اب وہ اٹھ نہیں سکے گی۔ وہ گری تھی تو اللہ نے تھاما تھا۔ جب حسیب نے اسکی تصاویر لیک کرنے کی دھمکی دی تھی تب اسکے راز اللہ نے رکھ لئے تھے۔ جب وہ ڈپریشن کی گہری کھائی میں گر رہی تھی تب اسے اللہ نے راستہ دکھایا تھا۔ وہ اسے پیٹھ نہیں دکھا سکتی تھی۔ وہ چھوڑے ہوئے راستے پہ دوبارہ قدم نہ دھر سکی۔ ہاں یہ نہیں ہوا اس سے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے محلے کی لڑکیوں کے ساتھ گھر جانے کو تیار ہوئی۔ گانے اور ڈھول کی تھاپ اب بھی جاری تھی مگر اسے اب گھر جانے کی جلدی پڑ گئی۔ محفل سے تو یوں بھی جی اکتا ہی گیا تھا۔ وہ اپنی چادر لینے اندر کی طرف گئی۔ کمرے میں اسکے علاوہ بھی کوئی تھا۔

ضیغم اپنے دوست کے ساتھ کھڑا نیا فرنیچر سیٹ کروا رہا تھا۔ کونج اُلٹے پیر پیچھے ہوئی مگر وہ اسے آواز دے کر روک چکا تھا۔ اسکا دوست کمرے سے نکل گیا۔ کونج پلٹ جانا چاہتی تھی مگر ایک پل کو بس ایک پل کو شیطان غالب آ گیا۔ اور اسکے قدم رک گئے۔ ضیغم چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے قریب آ کر رکا۔ اسکی نگاہیں بے قرار تھیں۔

''اس دن ہسپتال میں، میں نے جو کچھ کہا میں اسکے لئے شرمندہ ہوں۔'' اس نے گردن جھکا دی۔ کونج نظریں اٹھا کر اسے دیکھ بھی نہ سکی۔

''میری بات درست تھی، کہنے کا طریقہ غلط۔ میں تم سے ناراض تھا۔ تم نے ایک لڑکے کے لئے مجھے دھوکہ دیا مجھے برا لگا تھا۔ میں ہرٹ ہوا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا کونج کے لئے الفاظ گڈ مڈ ہونے لگے۔

(''ایک بات بتائیں دادی۔ منگیتر تو شوہر ہی سمجھا جاتا ہے ہمارے یہاں۔ یعنی اگر ایک بار کسی مرد سے رشتہ جڑا تو ٹوٹ نہیں سکتا۔ پھر بھلا اس سے بات کرنے پہ بھی پابندی کیوں ہے؟''')

''اتنے ماہ میں تم سے دور رہا۔ ایک کال، ایک ٹیکسٹ نہیں کیا جانتی ہو کیوں؟'' اس نے گردن اٹھائی کونج کو دیکھا۔ وہ بس ایک نظر نہیں تھی وہ شعلہ تھا، جو کونج کے دل کو موم کر گیا۔

''میں غصہ تھا، ناراض تھا۔ لیکن میں شرمندہ بھی تھا۔ تم تو blessing تھیں۔ میں نے کرس کی طرح تمھیں کیسے چھوڑا؟'' اسکا لہجہ بے تابی کی ساری داستان کہتا تھا۔

(''پہلے مجھے یہ بتاؤ منگیتر سے بات کرنا، ملنا ضروری کیوں ہے؟'' انہوں نے پلنگ سے ٹیک لگائی اور تسبیح ہاتھ میں لے بیٹھیں۔

''منگیتر وہی انسان ہے جس سے جلد یا بدیر ہماری شادی ہونی ہے۔ کیا بہتر نہیں ہے ہم اسے جان لیں، سمجھ لیں۔ تاکہ بعد میں آسانی رہے۔ انڈرسٹینڈنگ بڑھے۔''

''تم نے اس لڑکے سے کتنے ماہ باتیں کیں، کونج؟'' اس اچانک افتاد پہ وہ بوکھلائی۔

"تمہیں اتنے ماہ لگا ہو گا ناں کہ تم تو اسے بہت اچھے سے جان گئی ہو۔ اب اسکا کوئی راز تمھارے سامنے نہیں لیکن حقیقت کیا نکلی؟" کونج کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ دل بھاری ہوا۔

"موبائل فون کے پار لوگ جو دکھاتے اور سناتے ہیں وہ پوری حقیقت نہیں ہوتا۔ کئی بار وہ صرف برم ہوتا ہے۔ نامحرم چاہے منگیتر ہو چاہے کوئی اور اس سے بات کرنے کے لئے کسی قسم کی صفائی کام نہیں کرتی۔ جسے دین نے انکار کر دیا اسے تم ہاں میں نہیں بدل سکتیں۔")

"بالاج بھائی کا چھ ماہ سے کوئی اتا پتہ نہیں ہے۔ زینیا بھابی اور بالاج بھائی کی کہانی کی ایسی اینڈ نگ دیکھ کر میں ہمارے لئے ڈر گیا ہوں، کونج۔" اسکی آواز گیلی ہوئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کونج کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر کونج بدک کر دور ہوئی۔ طلسم ٹوٹ گیا۔ الوژن ختم ہو گیا اور جو حقیقت تھی۔ وہ مختلف تھی۔

"میں تم سے رابطے میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ساری زندگی اسے ہی دیکھ سکتا تھا اس نے آج اعتراف کیا۔

"میں تم سے رابطے میں نہیں رہ سکتی۔ تم میرے منگیتر ہو، میں تم سے وفادار رہوں گی۔ تم سے شادی کروں گی۔ لیکن۔" اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ آنسو پرے دھکیلے۔ "میں تم سے رابطے میں نہیں رہ سکتی۔"

"لیکن کیوں؟" وہ بری طرح حیران ہوا تھا۔ کونج چند لمحے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ دل سے خون رس رہا تھا۔

"کیونکہ۔۔یہ۔۔گناہ۔۔ہے۔" چار الفاظ، چار چھوٹے چھوٹے الفاظ۔ جن کے مفہوم گہرے تھے۔ ضیغم میر کو ورطہ حیرت چھوڑ وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ جاتے ہوئے ہر ایک قدم من من بھر کا تھا۔ دل زخم زخم۔ وہ ایک بار پلٹ کر اسے دیکھنا چاہتی تھی، مگر گناہوں کو پلٹ کر دیکھنے سے انسان نڈر ہو جاتے ہیں۔ اسے نہیں ہونا تھا۔ دل ٹوٹا تھا مگر، وہ شکایت کا حق کھو چکی تھی۔

اللہ کے بتائے راستے چھوڑ کر سرکشی کرنے والوں کے دل یونہی ٹوٹا کرتے ہیں۔

سیکریٹ اسکائے اسلام آباد کا ایک خوبصورت کیفے ہے۔ لکڑی کے میز کے گرد رکھی کرسیوں کے ساتھ، ایک طرف انوکھے طرز پہ جھولے لگے تھے اور ان جھولوں کے آگے میز۔ جس کے اوپر گرما گرم چائے کے مگ رکھے تھے۔ ستمبر کی اس حبس زدہ شام میں چائے کے دلدادہ افراد عشق سے بے وفائی نہیں کر رہے تھے۔ جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہاں کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ لڑیوں کی صورت لگی رسیوں سے پیلے بلب لٹک رہے تھے۔ اور ان بلب کی روشنی میں رکھی میزیں خوابناک تاثر دیتی تھیں۔ کافی بینز اور الائچی والی چائے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکراتی تو ماحول معطر ہونے لگتا تھا۔

''لگتا ہے تم سیریئس والا ہرٹ ہوگئی ہو۔'' کافی دیر تک وہ رخ موڑے آس پاس دیکھتی رہی تو بلاخر مہدی نے اسے پکار لیا تھا۔

''آپ کے ساتھ یہاں آکر غلطی کر دی۔'' دھیما لہجہ۔

''مجھے لگا تم میرے ساتھ کمفرٹیبل ہو اسی لئے تمہیں آفر کیا آئندہ۔۔۔۔''

''آپ کے فینز بہت ہیں۔'' وہ اسکی بات کاٹ کر بولی۔ مہدی الجھا۔ ''جب سے آئے ہیں چھ لوگ سیلفی لینے آچکے ہیں۔ اور کچھ لوگ اتنی عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے یاد کرنا چاہتے ہوں آپ ہیں کون۔''

مہدی مسکرایا۔ ''میری مقبولیت سے جل رہی ہو؟''

''نہیں حیران ہو رہی ہوں۔ آپ اتنے سارے لوگوں کو کیسے جھیل لیتے ہیں؟''

''میں انہیں جھیلتا نہیں adore کرتا ہوں۔ مہدی کمبیر اللہ کے بعد اس مقام پہ انہی لوگوں کی وجہ سے ہے۔'' اس نے چائے کا مگ زینیا کے آگے کیا۔

'' آج جو کچھ بھی ہوا میں نہیں جانتا تھا تمہیں اتنا اثر انداز کرے گا۔''

زینیا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اسکی چوٹی سے بال نکل کر چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ اسکارف سر سے ڈھلک گیا تھا۔ کچھ لٹیں گال اور ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ لپسٹک مدھم ہوگئی تھی۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں اثر انداز ہوئی ہوں؟ دیکھیں میں تو نارمل ہوں۔''

''ایک سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے اور اس ایک سال سے میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمھیں لگتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا سکتی ہو تو یہ تمہاری بے وقوفی ہے۔'' زینیا نے دانستاً نظریں پھیر لیں۔ جانے کیوں آج اسے یہ چہرہ خاص لگا، وہ اسے ہر روز سنتی تھی مگر آج اسکی آواز چاشنی بن کر کانوں کے پردے میں گھل رہی تھی۔ جانے کیوں؟

''جب جب میں تقریب والے واقعے کا ذکر کرتا ہوں تم کوئی دوسری بات کر دیتی ہو۔ شاید تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔ تم نہیں بتانا چاہتیں کیمرہ کس نے توڑا؟'' زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ اسے ان دو بھائیوں کے درمیان ایک سرد دیوار کا اندازہ تھا، اور وہ اس دیوار پہ اپنے حصے کی برف نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''تو تم کہہ دیتیں۔ زبردستی بات کر کے آؤٹ آف کریکٹر کیوں جا رہی ہو؟'' وہ اپنا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا چکا تھا۔ ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

زینیا اپنی میز سے دو میز چھوڑ ایک طرف بیٹھے جوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکی رو رہی تھی۔ تشکر کے آنسو، لڑکا مسکراتے ہوئے اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ زینیا نے تلخی سے چہرہ موڑ لیا۔

''چار دن کی چاندنی، پھر اندھیری رات۔'' وہ بڑبڑائی۔ موڈ بری طرح غارت ہو چکا تھا۔

''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔'' مہدی نے سرسری سا کہا۔

''ہوتی تو انگلیاں ہی ہیں ناں؟'' زینیا کے ٹکے سے جواب پہ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ ''دنیا کی ہر شادی ایک سڑی ہوئی شادی ہوتی ہے۔ شادی کرنے سے اچھا ہے بندہ جھک مار لے۔''

''میں نے کہا ناں پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔'' اس نے اپنی بات پہ زور دیا۔

''تم صرف اس جوڑے سے جل رہی ہو۔'' زینیا نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔

''صرف اس لئے کیونکہ تمہاری شادی ٹوٹ گئی تم چاہتی ہو ہر انسان کی شادی ٹوٹ جائے۔ یا پھر تمہیں happy endings پہ یقین نہیں رہا۔''

''تو پھر آپ بتادیں۔ آپ نے کوئی اچھی شادی دیکھی ہے؟'' اسکے لہجے میں کاٹ تھی۔

''بلکل دیکھی ہے۔ کئی شادیاں کامیاب دیکھی ہیں۔ سب سے بڑی مثال میرے تایا کی شادی تھی۔ قیس کے ابا۔'' وہ مسکرایا۔ ناسٹلجیا سی مسکراہٹ۔

''جانتی ہو وہ دونوں پاور کپل تھے۔ بڑی امی کی تایا سے پسند کی شادی تھی۔ لو میرج۔ تین بچوں کے بعد بھی تایا جب انہیں دیکھتے تھے ساری دنیا بے معنی ہو جاتی تھی۔ اور میری بڑی امی وہ تو تایا کی بات، انکی آنکھ کا اشارہ، انکے چہرے کی پریشانی سب بھانپ لیتی تھیں۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے انکی شادی اتنی اچھی کیوں تھی؟''

''کیونکہ ان دونوں کے درمیان انڈرسٹینڈنگ تھی۔ تایا مصروف آدمی تھے، مگر پھر بھی بڑی امی انکو سمجھتی تھیں۔ انکی مصروفیات سمجھتی تھیں۔ بڑی امی کے میکے والے پرابلم تھے مگر پھر بھی تایا انکا ملبہ بڑی امی پہ نہیں ڈالتے تھے۔ انکی شادی میں انسانیت اور رحم دلی تھی۔ ایک اچھی شادی کے لئے بس اتنا صرف اتنا ہی چاہیے ہوتا ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوا تو زینیا نے خاموشی سے اپنا کپ اٹھالیا۔ فرنچ چوٹی اب بھی کندھے کے آگے جھول رہی تھی۔ وہ گم سم سی بیٹھی رہی۔ مہدی کمبیر کے گرد ایک بار پھر لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ زینیا کو کوفت ہونے لگی۔ وجہ انکا مہدی کی گرد جمع ہونا نہیں، بلکہ زینیا کو اپنی نظروں اور گوسپ کے حصار میں رکھنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے لڑکیاں پلٹ گئے تو مہدی زینیا کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ کو ہاسٹل ڈراپ کر دوں، سرکار؟''

''مجھے فلحال یہیں رہنا ہے۔ تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں۔'' وہ منہ موڑے رکھائی سے بولی۔ اس کے قریب تو ہمیشہ لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ آج اتنا برا کیوں لگا تھا؟ آج وہ کمبخت اتنا اچھا کیوں لگ رہا تھا؟

''رات کے گیارہ بج رہے ہیں اب اتنی دیر تک میرے ساتھ رہیں گی تو میں خوش فہمیاں پال لوں گا۔''

زینیا اسکی بات پہ مسکرائی تھی۔ مہدی آگے کو ہوا، آنکھوں میں چمک اتری۔

''اور میری باتوں پہ اس طرح سے مسکرائیں گی تو خوش فہمیاں یقین میں بدل جائیں گی۔''

زینیا نے کپ میز پہ رکھ کر اسے گھورا۔ مہدی کمبیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اب اس طرح دیکھو گی تو میں اس کانٹریکٹ میرج کو سیریس لے لوں گا۔ مسز مہدی کمبیر۔''

زینیا کے دل کو یکدم کچھ ہوا تھا۔ ہاتھ لرزے، مسکراہٹ سمٹ گئی۔ مہدی کی نرم نظروں میں کوئی فرق نہ آیا۔

''آئندہ مجھ سے اس قسم کی کوئی بات مت کیجئے گا، مسٹر کمبیر۔'' چاہنے کے باوجود وہ اپنا لہجہ سخت نہیں رکھ سکی۔ دل نرم پڑ جائیں تو لہجے چاہنے کے باوجود کٹھور نہیں ہو پاتے۔ کپ کے گرد اسکی انگلیاں لرز رہی تھیں۔

''اور میں نے ایسا کیا کہا ہے، زینیا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟ کیا تم نے نکاح نامہ سائن نہیں کیا۔ کیا تم نے تین بار قبول ہے نہیں کہا؟ میں کوئی انوکھی بات نہیں کر رہا۔ کیا پلان ہے بتاؤ تمھارے پاس۔ چھ ماہ سے بالاج کا کوئی اتا پتہ نہیں ہے، تم میرے نکاح میں ہو اب آگے کیا؟'' وہ سنجیدہ تھا بخدا وہ سنجیدہ تھا۔ چھ ماہ بعد وہ واقعی سنجیدہ تھا۔

''تو طلاق دے دیں۔۔۔ چھڑوائیں اپنی جان۔ دیں طلاق۔'' اسکا لہجہ بلند ہوا۔ لوگوں نے مڑ مڑ کر انہیں دیکھا۔ مہدی مگر اسے ہی دیکھتا رہا براہ راست، بغیر کسی دقت کے۔ اسکی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''میں، بالاج میر نہیں ہوں جسے تم کہو گی طلاق دے دو اور وہ دے دے گا۔ میری بھی غیرت ہے۔ میرے بھی کچھ فیصلے ہیں۔ تم ہمیشہ مس رائٹ نہیں ہو سکتیں۔ مان لو کہ تمھارے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔''

زینیا نے مٹھیاں بھینچ کر ضبط کرنا چاہا۔

''اس رات اس فوڈ کورٹ میں کیا کہا تھا آپ نے؟ یاد کرواؤں؟'' وہ آگے کو ہوئی۔ سرخ نظریں مہدی کی آنکھوں میں ڈالیں۔

''نہیں۔۔۔ کیونکہ مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے تم جیسی بیوی نہیں چاہیے۔ جانتی ہو کیوں کہا تھا؟ کیونکہ تمھاری انا رشتوں سے زیادہ اونچی ہے۔ تمھارے لئے لوگ صرف استعمال کرنے کی چیزیں ہیں۔ کیونکہ تم اپنے قریبی لوگوں پہ گواپ کرتے ہوئے ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوچتیں۔ کیونکہ تم خود غرض ہو۔ کیونکہ تم مضبوط نہیں بد تمیز ہو۔ تمہیں دل رکھنے نہیں

آتے۔ تمہیں بات کہنے کا طریقہ نہیں آتا۔ تم ججمینٹل ہو۔ تم دنیا کا ہر برا کام کر سکتی ہو مگر جب کوئی اور وہی چیز کرے گا تو تم اسے جج کرو گی۔ ''اس نے زینیا کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

''تم، زینیا حاکم تم دھند لا پردہ ہو جس کے پار کوئی کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ تمہیں لگتا ہے یہ ہر کسی کا منہ نوچنے والی عادت تمہیں مضبوط بناتی ہے؟ بلکل بھی نہیں ترس آتا ہے مجھے تم پہ۔

تمہیں لگتا ہے نہ رو کر، لوگوں کی ذرا ذرا سی غلطی پہ انہیں چھوڑ کر تم مضبوط ہو جاؤ گی؟ تم کھوکھلی ہوتی جا رہی ہو۔

اپنے آس پاس لوگوں کی تصیح کے نام پہ تذلیل کرنا تمہیں سٹریٹ فارورڈ بنائے گا سوری بٹ نو سوری یہ بدتمیزی ہے۔ تم باؤنڈریز بھی وہاں بناتی ہو جہاں تمہارا اٹرا نہیں ہوتا۔ ورنہ تو تمہیں ٹھیک طریقے سے ایک حد قائم کرنی بھی نہیں آتی۔ ''اسکا لہجہ بلند نہیں تھا مگر وہ تیز تیز بولتا رہا۔

زینیا ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھے گئی۔ اسکی آنکھوں میں شاک تھا۔

''آپ کتنے منافق ہیں، مہدی۔ '' مہدی نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔

''آپ کے دل میں میرے لیے اتنی نفرت ہے اور آپ اچھا بننے کا ناٹک کرتے ہیں؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

مہدی اپنی جگہ سے اٹھا، کرسی کھینچ کر عین زینیا کے داہنے رخ پہ لا کر رکھی۔ اور بڑی ہی جرات، دلیری کے ساتھ گود میں دھرا اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ نرمی سے، استحقاق سے۔ زینیا نے ہاتھ چھڑوانا چاہا مہدی نے اسکا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔

''تم اپنی زندگی میں بہت آگے جاؤ گی، زینیا۔ بہت آگے۔ میں جہاں تمہیں دیکھ رہا ہوں وہ ٹاپ ہے۔ اونچا اعلیٰ۔ '' زرد بلب کی روشنیاں انکے چہرے کو منور کر رہی تھیں۔ کرسی ترچھے رخ پہ رکھے، مہدی کمبیر اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھا۔ ''لیکن وہاں تک جانے کے لئے تمہیں دل نرم کرنا ہو گا، تمہیں لوگوں کو کیڑے مکوڑے نہیں انسان سمجھنا ہو گا۔ تمہیں بات کرنے کے آداب سیکھنے ہوں گے۔ تمہیں لوگوں کو انکے لیول پہ لا کر سمجھنا ہو گا۔ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔۔۔۔''

''کیوں؟ آپ میرے لئے کچھ بھی کیوں چاہتے ہیں۔''

''مجھے نہیں پتہ۔ تم ذہین ہو بوجھ لو۔'' مہدی بے بس ہوا۔

''فیلنگز بوجھی نہیں جاتیں، مسٹر کمبیر۔'' وہ اسے جانے کیا باور کروا رہی تھی۔

''پھر اسے میرا کام سمجھ لو۔ میں لائف کوچ ہوں میں۔۔۔''

''کیا آپ اپنے ہر کلائنٹ کو اس طرح سمجھاتے ہیں؟'' اس کا اشارہ اپنے ہاتھوں کی طرف تھا۔

''یہ اسپیشل سروسز میری بیوی کے لئے مختص ہیں۔'' اس نے غیر سنجیدگی سے کہا۔ زینیا نے ایک دفع پھر اپنے ہاتھ چھڑوائے۔

مہدی نے دھیرے سے گرفت ڈھیلی چھوڑی۔ مگر ہاتھ نہیں چھوڑے۔

''آپ کو میری فکر ہے؟''

''نہیں، میں پلے بوائے ہوں ہر آتی جاتی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں۔'' وہ خفا ہوا۔ پھر گہری سانس لی۔

''آئی ایم سوری۔ مگر جو باتیں میں نے کہی ہیں ان پہ ایک بار غور کرنا۔ دنیا کے سب سے مضبوط انسان ہمارے نبی کریم ﷺ تھے۔ مگر وہ عاجز تھے، وہ صاف کورا شیشہ تھے۔ جن کے سامنے لوگ اپنا حال اور ماضی کھول دیتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ انکا عکس دھندلا نہیں پڑے گا۔ دنیا کے سب سے سچے انسان ہمارے نبی کریم ﷺ ہی تھے۔ وہ بھری محفل میں بھی لوگوں کی اصلاح کرتے تھے مگر اس طرح کہ اسکی سبکی نہ ہو کیونکہ انہیں بات کرنے کا طریقہ آتا تھا۔ حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ہرٹ وہ بھی ہوئے تھے مگر انہوں نے انکے قاتل کو معاف کیا یہ کہہ کر کہ دوبارہ وہ انکے سامنے نہ آئے۔

طائف کے لوگوں نے ان پہ پتھر برسائے مگر وہ انکے حق میں دعا کرتے رہے۔ بچپن میں انہوں نے اپنے قریبی لوگوں کو کھو دیا۔ ماں باپ۔ اور پھر مختلف قسم کے کام کئے۔ انکا بچپن کوئی بہت اچھا نہیں گزرا، لیکن انہوں نے اسکی سزا کسی اور کو نہیں دی۔'' اس نے ذرا سا توقف کیا۔ پھر گویا ہوا۔

''سیرت طیبہ، میں نے اپنے لیکچرز سیرت طیبہ پڑھنے کے بعد شروع کئے۔ میں نے لوگوں کی اصلاح نبی کریم ﷺ کی زندگی کی بارے میں پڑھنے کے بعد شروع کی۔ میرے الفاظ لوگوں کے دلوں پہ اترتے ہیں کیونکہ میں جس شخص کو فالو کرتا ہوں وہ لوگوں

کی دلوں میں بستا ہے۔ وہ سچا ہے، صادق ہے، مخلص ہے، زہین ہے۔ زندگی میں اگر کسی سے انسپائر ہونا ہے تو ان سے ہونا چاہیے۔'' اس نے زینیا کے ڈھیلے پڑتے تاثرات دیکھے۔ اپنی آواز مزید نرم کی۔

''میں نے اپنی ساری زندگی سکون کی چاہ کی ہے۔ تمہارا رویہ چند دن برداشت کر سکتا ہوں ساری زندگی نہیں۔''

''میں آپ سے اپنے ساتھ رہنے کی بھیک نہیں مانگ رہی۔ بلکہ میں آپ کے ساتھ رہنا کب چاہتی ہوں۔'' آج یہ الفاظ صرف اسکی زبان نے کہے تھے۔ دل بغاوت کر چکا تھا۔ مہدی نے اسکے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

''تمہیں مانگنا بھی نہیں چاہیے۔ میں تمہیں بہت اونچا دیکھتا ہوں۔ بہت اعلیٰ۔ تم نوبل ہو، زینیا تم کسی خاص کو ڈیزرو کرتی ہو۔''

''مجھے ہاسٹل جانا ہے ابھی کے ابھی۔'' اسکی بات کے جواب میں وہ بے رخی سے بولی۔ اسے برا لگا تھا۔ کیوں وہ ہر بار الگ ہونے کی بات کرتا تھا؟ کیا کوئی حل نہیں تھا، ساتھ رہنے کا کوئی ایک جواز؟ ٹھیک ہے زینیا حاکم کے اندر خامیاں تھیں۔ لیکن انہیں ٹھیک بھی کیا جا سکتا تھا۔ جدائی واحد حل تو نہیں۔

''تمہیں میری باتوں کا برا لگا ہے ناں؟''

''مجھے ہاسٹل جانا ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ بیگ سے پیسے نکال کر میز پہ پٹخنے کے انداز میں رکھے۔

''میں پے کر رہا ہوں ناں۔'' مہدی کو برا ہی تو لگ گیا۔ وہ بغیر جواب دیئے آگے بڑھ گئی۔

''رک جاؤ میں ڈراپ کروں گا۔'' اس نے زینیا کے رکھے نوٹ اٹھا کر جیب میں اڑس لئے، اپنے پیسے میز پہ رکھے۔ اور اسکی طرف لپکا۔

وہ لڑے گی، چیخے گی، ضد کرے گی۔ مگر وہ سن لے گا، منا لے گا۔ نرم کر دے گا۔ اسے یقین تھا۔ خود پہ بھی، اپنی صلاحیتوں پہ بھی اور زینیا حاکم پہ بھی۔ ایک سال میں اس نے زینیا حاکم کا انداز، باتیں، لہجہ، بلکہ پورا وجود سینے پہ نقش کر لیا تھا۔ کبھی نہ مٹنے کے لئے۔

اگلے دن قیسم پہ سیاہ بادلوں کا سایہ تھا۔ بڑے دنوں بعد آج حبس اور گرمی سے چھٹکارا ملا تھا۔ قیس کمبیر کے آفس سے ملحقہ ایک آفس میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی حدیبیہ کے چہرے پہ اضطراب تھا۔ شاک اور کچھ کچھ بے یقینی بھی۔ اسکے سامنے کچھ پرنٹ آؤٹس تھے، جن میں زینیا حاکم اور مہدی کمبیر کے درمیان کال ریکارڈ تھا۔۔ ٹیکسٹ میسجز کے پرنٹ آؤٹس تھے۔ وہ کئی بار، اتفاقاً، قصداً کئی جگہ ملے تھے۔ کل رات ہی قیس نے اسے مہدی اور زینیا کے معمولات پہ نظر رکھنے کے اور اطلاعات دینے کو کہا تھا۔ مگر جو سب اسکے سامنے تھا وہ اسے قیس کے سامنے کیسے پیش کرے؟

دفعتاً دروازے پہ آہٹ سی ہوئی۔ حدیبیہ نے سر اٹھا کر دیکھا مقصود کمبیر اپنی وہیل چیئر کے بٹن دباتے ہوئے اندر آرہے تھے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کاغذات ادھر سے ادھر کئے۔

"مجھے بلا لیا ہوتا سر۔ آپ کو کچھ چاہیے؟"

"اگر قیس کو انفارمیشن دے چکی ہو تو کچھ نہیں چاہیے اور اگر نہیں تو بہت کچھ۔" انکا انداز دوٹوک اور سپاٹ تھا۔

"کیسی انفارمیشن؟" نہ وہ ڈری نہ گھبرائی۔ ہر ہر تاثر نارمل رہا۔ "کاغذات کے پلندوں کے اوپر مختلف فائلز رکھ دیں۔" مقصود نے سر کو نفی میں ہلایا یوں جیسے محظوظ ہوئے ہوں۔

"تمہارا باس شہزادہ ہے اور میں بساط کا بادشاہ۔ مت بھولو میں ہر کردار اور سازش سے واقف ہوں۔"

"پھر آپ یہ مت بھولیں کہ اس وزیر کی وفاداری صرف اور صرف شہزادے سے جڑی ہیں۔"

"دشمن تو اسکا میں بھی نہیں۔" انہیں برا لگا ہو جیسے۔

"لگ تو دوست بھی نہیں رہے۔" وزیر کا شک گہرا ہوا۔

"آہ تم جانتی ہو مجھے نئی نسل کی یہ جذباتیت سے سخت نفرت ہے۔" ناگواری سے جتایا گیا۔

''ٹیبل ٹاک پلیز؟'' وہ وہیل چیئر آگے بڑھالائے، پاور چیئر گھسیٹ کر اپنی وہیل چیئر کے عین سامنے رکھی۔ حدیبیہ نے ایک پل کے لئے بھی انکے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی۔ چند لمحہ بعد وہ بڑے ہی غیر آرام دہ انداز میں انکے سامنے بیٹھی تھی۔ اسکے لبوں پہ ناں ہی آنا تھا۔ قیس سے غداری؟ اسکی لاش کے اوپر سے بھی نہیں۔

''مدعے پہ آتے ہیں۔'' وہ ہاتھوں کو باہم جوڑ گویا ہوئے۔

''کل رات قیس نے تم سے دو لوگوں کی تفصیلات نکلوانے کو کہا۔ مہدی اور زینیا۔ مہدی اس لئے کیونکہ آج کل وہ کسی اور کی زبان بول رہا ہے، اور زینیا اس لئے کیونکہ وہ قیس کی بولی ہوئی زبان نہیں سمجھتی اور وہ چاہتا ہے کہ۔۔۔''

''کہ وہ اسکی زندگی کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہوں تاکہ انکے لئے زینیا کو سمجھانا آسان ہو۔''

''تاکہ۔۔اس۔۔کے۔۔لئے۔۔زینیا۔۔کو دھمکانا۔۔ڈرانا۔۔اور قید کرنا آسان ہو۔'' مقصود نے تصیح کی حدیبیہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر وہ ہاتھ اٹھا کر اسے روک چکے تھے۔ یوں جیسے کہہ رہے ہوں **"شکریہ بعد میں۔"**

''تم اسے بتاؤ گی، زینیا اور مہدی ایک دوسرے کو جانتے ہیں تو جانتی ہو کیا ہو گا؟''

''وہ صرف ایک دوسرے کو جانتے نہیں ہیں کمبیر صاحب۔'' حدیبیہ کی آنکھوں میں ایک پل کے لئے ملال، طیش در آیا۔

''وہ۔۔دونوں۔۔نکاح۔۔کر چکے۔۔ہیں۔'' اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ ایک لمحے صرف ایک لمحے کے لئے انکا چہرہ تاریک پڑا تھا۔

''سو واٹ؟'' اگلے ہی لمحے وہ سنبھل گئے۔ ''اگر تم اسے یہ سب بتادو گی تو کیا ہو گا؟ قیس کو صرف ایک ہی زبان آتی ہے۔ بندوق کی زبان۔ وہ اپنے بھائی کو بھی مارے گا، وہ زینیا حاکم کو بھی مارے گا۔''

''اور اسکے بعد بھی وہ جیل نہیں جائیں گے میں اس امر کو یقینی بناؤں گی۔ ان دونوں کو میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گی۔'' اسکے لہجے میں کاٹ تھی۔

''جیل سزا نہیں ہوتی، حدیبیہ نواز۔ زندگی سزا ہے۔ وہ انسان جو ایک لمبے عرصے بعد زندگی کی طرف لوٹا ہے تم اسکے ساتھ یہ سب ہوتا دیکھ سکو گی؟'' حدیبیہ نے دانت پہ دانت جمالئے۔ کیوں کیوں کیوں؟ زینیا حاکم کیوں؟ قیس کے ساتھ کیوں؟

''ان دونوں کو مار کر وہ زندہ نہیں رہ پائے گا۔ ہاں میرے پاس ایک حل ضرور ہے۔''

''ان دونوں کی موت کے علاوہ مجھے کوئی بھی حل قبول نہیں۔''، اس نے ضدی انداز اپنایا۔

''الوژن۔۔'' وہ اسکی بات سنے بغیر بولے۔ ''مجھے چند ماہ کا وقت چاہیے۔ مہدی زینیا کو طلاق دے دے گا۔ اور زینیا کی شادی قیس سے ہو جائے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں حدیبیہ میں اسکی حفاظت کروں گا۔ وہ میرا بھتیجا ہے۔۔'' آنکھوں کے آگے زینیا حاکم کی شبیہہ لہرائی۔

''پھر جو ہوگا وہ قیس سنبھال لے گا مگر اس وقت جو ہوگا اسکی ذمہ دار تم ہوگی۔ ایک نارمل زندگی یا ایک گلٹی زندگی؟ تم جانتی ہو ناں قیس کو اگر کوئی اسکے اندھیروں سے نکال سکتا ہے تو وہ زینیا حاکم ہے۔''

''میں باس کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ میری ان سے وفاداری غیر مشروط ہے۔ وہ مجھ پہ اندھا اعتبار کرتے ہیں۔'' اسکی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

''تمہاری وفا یہ ہے کہ تم اسے نارمل اور خوش دیکھو۔ اس سے قتل کروانا یہ وفاداری نہیں دشمنی ہے۔''

''وہ زینیا کو نہیں ماریں گے باس اس سے محبت۔۔۔۔''

''وہ اپنے سگے ماموں سے بھی بہت محبت کرتا تھا۔'' حدیبیہ کی سر پہ گھڑوں پانی آن گرا۔ اس نے لب کاٹے۔ ''اسکے نزدیک بے وفائی کی سزا صرف موت ہے۔ تم اسکی آبسیشن سے واقف ہو۔ اور اس وقت وہ جنون کی انتہا پہ ہے۔''

حدیبیہ نے سر کو ہاتھوں میں گرالیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''زندگی انکے ساتھ اتنی ظالم کیوں ہے۔ ہر دفع میرے باس کیوں؟''

''تم چاہو تو چیزیں فکس ہو سکتی ہیں۔ تم اسے ایک بار پھر قاتل بننے سے بچا سکتی ہو۔'' انہوں نے حدیبیہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''اگر تم چاہو۔ میں سب سنبھال لوں گا اگر تم ایک دفع بیان بدل لو۔'' وہ چند پل وہیں رہے، پھر پلٹ گئے۔ حدیبیہ اگلے کئی منٹ یونہی سر ہاتھوں میں گرائے روتی رہی۔ بے بسی کے مارے ہاتھوں سے میز پہ زور زور سے مکے مارتی رہی۔

چند پل بعد وہ قیس کے آفس میں تھی۔ آنکھیں متورم سوجی ہوئی۔ چہرہ سپاٹ۔ وہ قیس کے سامنے چند کاغذات کے پلندے رکھ رہی تھی۔

''زینیا حاکم۔ کوئٹہ یونیورسٹی سے پڑھ کر آئی ہے۔ شادی شدہ۔۔۔'' وہ رکی ایک نظر قیس کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی۔

''اب بیوہ ہے۔ اسلام آباد میں قیسم کے لئے کام کرتی ہے اور سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہے۔ شادی کو چار سالوں سے زائد عرصہ ہو گیا ہے مگر اسکے یہاں اولاد نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسکے سسرال میں مسائل ہیں۔ ملنے والوں میں قیسم کے کچھ ملازمین، جن میں۔۔'' وہ رکی۔ حلق میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''مہدی کمبیر شامل نہیں۔'' قیس مسکرایا۔ ایک آرام دہ پر سکون مسکراہٹ۔ وہ اسکے گمان سے ہٹ کے تھی۔ اسکے بارے میں بد گمانی کیسی؟

''مہدی کمبیر کی روٹین نارمل ہے۔ پاڈکاسٹ، یوٹیوب اور آج کل وہ چند ایلیٹس کا لائف کوچ بھی ہے۔ ہر ویک اینڈ وہ ان سے ملتا ہے۔ اور ملنے والوں میں زینیا حاکم شامل نہیں۔ وہ آج کل فسانہ رباب سے تعلق بڑھا رہا ہے۔'' اب کے زبان نہیں لڑکھڑائی۔ ضمیر ہر دفع خبر دار نہیں کرتا۔

''وہ بد نام زمانہ اداکارہ؟'' قیس حقارت سے بولا۔ ''آہ اسکا ٹیسٹ عورتوں کے بارے میں بہت برا ہے۔''

حدیبیہ مزید بھی بہت کچھ کہتی رہی۔ قیس نے سب کچھ سنا، مگر کاغذات کے پلندے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ جن لوگوں پہ اعتبار کرتا تھا، مکمل کرتا تھا۔

''کیا صرف اتنا ہی؟ یہ سیاہی سے بھری دنیا ہے حبیب اور تم نے مجھے سیاہ چھوڑ سرمئی بھی نہیں دکھایا۔'' وہ آگے کو ہوا، حدیبیہ کو غور سے دیکھا۔

''کیا واقعی صرف اتنا ہی؟'' جانے کیوں اسکا دل نہیں مانا۔

وہ اندر تک لرز گئی تھی۔ پسینے کی ایک بوند نے گردن سے کمر تک کا سفر کیا۔

''جب آپ اپنے اندر اتنی تبدیلیاں لے ہی آئے ہیں تو ایک اور تبدیلی بھی لے آئیں باس۔'' اس نے کن اکھیوں سے میز پہ دھرے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔

''جن پہ یقین کرتے ہیں، ان میں کھوٹ ڈھونڈنا شروع کر دیں۔''

قیس نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر ان کاغذات کو۔ ہاتھ بڑھایا تو حدیبیہ کا دل حلق میں آیا۔ اس نے سانس روک لیا۔ قیس نے یونہی بلا ارادہ ہاتھ پیچھے کو کیا۔ حدیبیہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔

"i trust you but remember if you betray I'll make you pay."

الفاظ میں ٹھنڈک اور سفاکی تھی۔ حدیبیہ نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ میز پہ دھرے کاغذات سمیٹے پھر رک کر قیس کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں ہر تاثر سے خالی تھیں۔ شاید وہ یقین کر چکا تھا، شاید نہیں۔ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

گاڑی میں ایئر فریشنر کی خوشبو پھیلی تھی۔ ایک ہاتھ گاڑی کی کھڑکی پہ رکھے، دوسرے ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو تھامے شیزل غصے میں لگتی تھی۔ دوسری طرف خاموشی سے سڑک کو تکتی زینیا حاکم تھی۔

''کل رات سے جو تم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے کیا اب وہ ٹوٹے گا؟ یا ہم مزید انتظار کریں۔؟'' حتی الامکان اس نے آواز دھیمی رکھی تھی۔ زینیا خاموش رہی۔

''تم کیا کرنے والی ہو، زینیا؟''

''چھٹی۔'' وہ ایک لفظ بول کر چپ ہو گئی۔

''تم استعفیٰ نہیں دو گی؟'' شیزل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''دے نہیں سکتی۔ایک سال کا معاہدہ ہے۔ لیکن'' وہ لمحے بھر کو رکی۔ ''میں آئندہ قیس کمبیر کے لئے کام نہیں کروں گی۔''

''اوہ؟ قیسم تو حاکم صاحب کا ہے ناں جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔'' وہ سلگ ہی تو اٹھی۔ ساتھ کپ ہولڈر سے اپنا کافی کا کپ اٹھایا۔

''میرا معاہدہ قیسم کے لئے فوٹو گرافی کا ہے۔ اگر تم بھول رہی ہو تو میں قیس کی پرسنل ایڈوائزر ہوں۔ جس کے لئے کوئی معاہدہ نہیں تھا۔اور مجھے خوشی ہے کہ نہیں تھا۔''شیزل چپ سی ہو گئی۔

''چُھٹی مل جائے گی تمھیں؟'' وہ کافی دیر بعد بولی۔

''ہر سال میں ایک ملازم کو پندرہ دن کی چھٹیاں ملتی ہیں۔ قیسم سے میں نے ایک دن بھی ناغہ نہیں کیا تھا۔''اسکے حلق میں گرہیں اٹکنے لگیں۔

''اس نے پھر بھی میرے ساتھ ایسا سلوک کیا؟'' ملال، چبھن، بے بسی کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں؟

شیزل نے تسلی دینی چاہی مگر پھر رک گئی۔ کئی بار رنج کے مارے انسان پہ الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد وہ قیسم میں تھی۔ شیزل اسے چھوڑ خود براق کے ساتھ قیس کے آفس چلی گئی تھی۔ایچ آر آفس دوسری منزل پہ تھا۔ زینیا لفٹ میں سوار تھی۔ جب کوئی وہیل چیئر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔اس نے گردن پھیر کر دیکھا تو سامنے مقصود تھے۔

''گڈ مارننگ سر۔'' وہ لفٹ کے بٹن دباتے ہوئے بولی۔ گردن اٹھا رکھی تھی۔

'' تمہارا چہرہ دیکھ کر تو مارننگ گڈ نہیں لگ رہی۔'' انہوں نے اسے دیکھے بغیر تبصرہ کیا۔

''چہرے نہ پڑھا کریں زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔'' لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

''آپ مجھے ایک فیور دے سکتے ہیں، سر؟''

''بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟''

''ثواب کمانے کا شوق آپ کو ہے نہیں، پیسہ ویسے ہی بہت ہے۔ پھر کیا چاہیے۔''اس نے بازو سینے پہ باندھ کر انہیں دیکھا۔

''اچھی تصاویر۔'' وہ ترنت بولے۔ زینیا نہ جانے کیوں مسکرائی۔ ''جب تم تصاویر بناتی ہو تب ان میں زندگی ہوتی ہے۔ مجھے بھی کچھ اچھی تصاویر چاہئیں۔''

''او کے ڈن مل جائیں گی۔ لیکن آپ کو میرے موڈ اچھے ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔ آج کل میں اچھی تصاویر لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' انداز لہجہ سب بوجھل تھا۔

''فیور مانگو، زینیا حاکم۔'' لفٹ کھل گئی۔ زینیا بغیر کچھ کہے انکی وہیل چیئر تھامے باہر نکل آئی۔ انہیں سہارے نہیں پسند تھے، مگر وہ دوسری بار بھی اپنی وہیل چیئر تھامنے پہ زینیا کو منع نہیں کر سکے۔ کر ہی نہ سکے۔

''مجھے کچھ دن کی چھٹی چاہیے۔ اور ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے کہہ کر میرے اکاؤنٹس کلئیر کروائیں۔'' وہ راہداری میں رک گئی۔ پھر انکے عقب سے انکے سامنے آئی۔

''میں یہ کر سکتی ہوں لیکن کچھ وقت لگ جائے گا۔''

''ایک گھنٹے کے اندر تمہارا کام ہو جائے گا۔'' وہ اسکے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''کچھ اور کہنا ہے؟'' انہوں نے اسکے چہرے پہ کچھ کھوجنا چاہا۔ آج وہاں ملال کا سایہ تھا۔

زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ مقصود اسکے چہرے کو دیکھتے رہے۔ اسکی آنکھیں، بلکل اپنے باپ پہ گئی تھیں۔ رنگ، قد کاٹھ سب باپ جیسا تھا۔ پھر بھی وہ انہیں اپنی بہن کی یاد دلاتی تھی۔

''تمہاری ماں۔۔۔۔ تمہاری ماں کیسی ہیں؟'' اسے دیکھتے ہوئے کب، کیوں کیسے یہ الفاظ انکی زبان سے پھسلے انہیں اندازہ بھی نہ ہوا۔ زینیا الجھ سی گئی۔

''مطلب۔۔ وہ تمھارے باپ کے بلکل برعکس ہے ناں؟''

اسکے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ ''اماں معصوم ہیں۔ ہر ماں کی طرح۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

مقصود کے دل پہ ایک لمبے عرصے کی خشک سالی کے بعد میٹھے پانی کی بوند گری تھی۔ "ہیں" یعنی وہ ٹھیک ہیں۔ انکی بہن ٹھیک ہے۔

"یونہی۔۔بس ایسے ہی۔" وہ کہہ کرر کے نہیں پلٹ گئے۔ چند پل اور اور رک جاتے تو دنیا نے پتھر کو موم ہوتے دیکھنا تھا۔

زینیا چند لمحے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی، یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ گہری سانس لیتی دوبارہ لفٹ میں داخل ہوئی۔ ایک گھنٹے تک اسکا کام ہو جائے گا اسے یقین تھا۔

لفٹ کے دروازے کو ہاتھ مار کر بند کرو، راہداری میں کھڑے ہو کر ایک گہری لمبی سانس لو، اور اپنے قدموں کو قیس کمبیر کے آفس روم کی طرف موڑو۔ دل مضبوط، سماعت برقرار اور کہانی میں ایک نیا قصہ تیار۔

"میں تم سے صرف اتنا پوچھ رہی ہوں کہ جو کچھ بھی تم نے کل کیا وہ کیا تھا؟" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ آگے کو جھکی ہوئی شیرنی کی طرح پھنکار رہی تھی۔ اپنے دوستوں کے حق میں کھڑے ہونا اسے آتا تھا۔

قیس نے محظوظ انداز میں پیچھے کو ہو کر ٹیک لگائی، بازو سینے پہ باندھ لئے اور گلاس وال کے سامنے کھڑے براق کو گردن پھیر کر دیکھا۔

"کل تمہارے منگیتر نے بھی یہی سوال کیا تھا۔ اور۔۔۔"

"اور تم نے، براق حنیف کو بغیر کسی گارڈ کے سنسان سڑک پہ گاڑی سے نکال کر باہر پھینک دیا۔" براق اسکی بات کاٹ کر بولا۔

"واؤ یار۔۔یادداشت اچھی ہے تمہاری۔" وہ گویا متاثر ہوا تھا۔

"تو کیا تم میرے ساتھ بھی وہی کرو گے؟" شیزل نے کچھ کچھ بے یقینی سے سوال کیا۔

"افسوس ہو گا لیکن میں مردوں اور عورتوں میں برابری کا قائل ہوں۔"

"تمیز سے بات کرو وہ میری منگیتر ہے۔" براق بلند آواز میں ناگواری سے بولا۔ قیس کا چہرہ سپاٹ ہوا۔

"اسی طرح مجھے بھی برا لگتا ہے جب کوئی مجھ سے، زینیا کے متعلق سوال کرتا ہے۔"

''زینیا تمہاری منگیتر یا بیوی نہیں فار گاڈ سیک وہ شادی شدہ عورت ہے۔'' اسکا بس نہیں چلتا تھا قیس کا سر پھاڑ دے۔

''شادیاں ٹوٹ بھی سکتی ہیں، اسکا شوہر مر بھی سکتا ہے۔ کوئی اسکے قریب آئے میں اسے اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''تو کیا اب تم اپنے ہی بھائی کو مارو گے؟'' شیزل تیزی سے بولی، مگر جتنی تیزی سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے اسی تیزی سے وہاں کھڑے اس تکون کو جامد بھی کر گئے۔ شیزل کا چہرہ سفید پڑا، قیس کا سرخ، اور براق کا تاریک۔ اگلے چند لمحے وہاں موت جیسی خاموشی رہی۔ شیزل کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرا، اور قیس کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ الجھن، سوال، قہر لئے اسے تک رہا تھا۔

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کیا تم اپنا ہی دین بھول گئے ہو؟'' اسکے تنے ہوئے جبڑے ڈھیلے ہوئے، آنکھوں کی بے یقینی عنقا ہوئی۔ کندھوں سے ڈھیر سارا بوجھ اتر گرا۔

''اپنے ہی مسلمان بھائی، بہن کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، لوسفر۔ تم زینیا کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟'' وہ دھیرے سے کرسی پہ آ کر بیٹھی۔ ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔ کرسی سہارا تھی۔

''میں تمہیں یا کسی اور کو یہ بتانے کا پابند نہیں کہ میں اسکے بارے میں کیا سوچتا ہوں۔ it's personal ''

ان دونوں کو چھوڑ براق کی طرف دیکھو تو اسکے چہرے پہ اب بھی تاریکی تھی۔ کچھ تھا جو اسے معلوم ہو چکا تھا۔ کچھ ایسا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ شیزل کو جانتا تھا، اسکے الفاظ نہیں اسکی روح سے۔ وہ باتیں بدل سکتی تھی مگر آنکھیں؟ براق کو اسکی سیاہ آنکھوں کا ہر تاثر حفظ تھا۔ وہ دنیا کو ڈاج دے سکتی تھی براق حنیف کو نہیں۔

''دیکھو، قیس میری بات سمجھو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

''زینیا حاکم اور تم کچھ بھی نہیں ہو nothing, nothing , nothing اوکے؟ لیکن اگر تم نے اسکی طرف مزید کوئی پیش قدمی کی تو مجھے مجبوراً اسے بتانا ہو گا۔''

قیس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر فاصلے پہ کھڑا براق کو دیکھا، پھر شیزل کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں سارے زمانے کی بے فکری تھی۔

"بتادو as if i care اسے مجھ تک آنا ہے، مرضی سے بھی، منشاء سے بھی۔ اور اگر نہ آئی تو میں لانا جانتا ہوں۔" وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔

"ایسے میں، میں تو بس صحیح وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ لیکن اگر تم اسکے لئے مشکلات پیدا کرنا چاہتی ہو تو go ahead۔" وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تحمل سے بولا۔

شیزل اسے دیکھ کر رہ گئی۔ تب ہی براق اپنی جگہ سے چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے قریب آیا۔ شیزل کو بازو سے پکڑا اور اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ وہ اتنی شل تھی کہ بازو بھی نہ چھڑوا سکی۔ اسے سہارا چاہیے تھا۔

"تم نے کہا وہ اپنے بھائی کو نہیں مار سکتا اسکا کیا مطلب ہے؟" تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی میں بیٹھے تھے یہ سوال براق نے اسکا سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں مطلب بھی وہیں بتا چکی ہوں۔ شاید تم کہیں اور مصروف تھے۔" بحث جیتنے کا پہلا اصول اپنا قصور ماننے کی بجائے دوسرے کو اسکا قصور گنواؤ۔

براق ہنوز اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھ پہ اعتبار نہیں کرتیں ناں؟" بظاہر سرسری سا سوال تھا مگر شیزل سیمسن کو اپنے آس پاس دھواں بھرتا محسوس ہوا۔ براق بددل ہوا تھا۔

"براق تم۔۔۔"

"شیطان شیطانی سے پہلے مجھ سے اجازت نامہ سائن کرواتا ہے۔" وہ اسکی بات کاٹ کر مسکرا کر بولا۔ سفاک، سرد مسکراہٹ۔

" I'll find out by myself "اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔ شیزل چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ لڑے بغیر بحث ختم کرنے کا عادی تھا مگر بات نہیں۔

آج گاڑی چلاتے ہوئے وہ بول نہیں رہا تھا۔آج گاڑی چلاتے ہوئے وہ کسی نئے کیفے کے باہر رک کر شیزل کو کافی نہیں دلا رہا تھا۔آج وہ اسے تنگ کرنے کو کسی لڑکی کا ذکر نہیں کر رہا تھا۔

آج وہ بہانے بہانے سے اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔وہ واقعی کچھ جان چکا تھا، یا شاید جاننے والا تھا۔

قیسم سے واپسی پہ وہ ایک بس میں سوار تھی۔ سرخ بس کے شیشے پہ گال ٹکائے وہ باہر کے نظارے دیکھ رہی تھی۔دفعتاً اسکی گود میں پڑے موبائل کی گھنٹی بجی۔موبائل ہاتھ میں لئے وہ پیغام پڑھنے لگی۔قیسم کی طرف سے اسکی ساری رقم کی ادائیگی ہو گئی تھی۔وہ استعفیٰ اور اور چھٹی کی درخواست بھی جمع کرآئی تھی مگر پھر بھی اسے سکون نصیب نہیں ہوا۔کچھ تھا جو بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔سر کو نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔چند ہی پل بعد گرم گرم آنسو اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔اسے لگتا تھا ایک دن زینیا حاکم کے پاس پیسہ ہو گا اور وہ خوش ہو گی آج اسکے اکاؤنٹ میں ڈھیر ساری رقم تھی مگر وہ خوش نہیں تھی۔اسے لگا تھا اسکے پاس ڈھیر سارے ملبوسات ہوں گے تب وہ خوش رہے گی۔آج ان پیسوں سے وہ ہزاروں برانڈڈ جوڑے خرید سکتی تھی مگر وہ خوش نہیں تھی۔کیوں؟ کیونکہ اس نے خوش رہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔

(سینٹورس مال اسلام آباد کا مشہور اور مہنگا مال ہے۔دوسری منزل پہ، سنگ مرمر کے فرش پہ ہاتھوں میں بیگ لئے کھڑی زینیا حاکم ایک ایک چیز کو تک رہی تھی۔کئی بار اس نے شاپنگ مالز ٹی وی میں دیکھتے ہوئے سوچا تھا وہ یہاں جائے گی۔آج وہ یہاں تھی۔گوادر کی چھوٹی سی مارکیٹ کے چھوٹے سے دکان سے آج اسلام آباد کے اس بڑے مال تک کا سفر وہ طے کر چکی تھی۔مگر جو اسے فخر سے دیکھتی اپنی اس بہن سے تو کئی ماہ سے اس نے بات ہی نہ کی تھی۔

جو ذرا ذرا سی فضول خرچی پہ ٹوکتا اس بھائی کے فیصلے، مشورے تو وہ بہت پہلے اپنی زندگی سے نکال چکی تھی۔کئی لمحے شیشے کے پار ٹنگے کھڑے ملبوسات اور بیگز وہ دیکھتی رہی یہاں تک کہ منظر دھندلا ہو گیا۔آسائشات اسے خوشی دیں گی اسکا الوژن ٹوٹ چکا تھا۔بشر حاکم نے کئی بار اسے سمجھایا تھا کہ پیسہ خوشی نہیں ہے۔آج اسکی بات درست ثابت ہو چکی تھی۔)

کئی پل بعد وہ اپنا موبائل نکالے نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"بشر جب میرے لئیے نان چنے، گول گپے لاتا تھا تب میں خوش نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ مجھے وہ ناکافی لگتا تھا۔اور آج جب میرے پاس کسی بڑے ریستوران میں کھانے کے پیسے ہیں تو میں خوش نہیں ہوں۔" لمبی سفید انگلیاں کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہی تھیں۔اسکے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"آج میں نے اپنی زندگی سے ایک سبق سیکھا ہے۔مہدی کمبیر۔۔۔ کمبخت صحیح کہتا ہے۔زینیا حاکم کو خود پہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔آج میں نے جانا کہ خوشی آپ کا حال ہے۔ کیریئر بنانا، خود کمانا، اپنے آپ کو آسائشات دینے کی چاہ رکھنا برا نہیں ہے، بلکہ یہ دنیا کا سب سے خوبصورت، اور متحرک سفر ہے۔" آنسوؤں کی باڑ کے آگے سکرین دھندلی پڑنے لگی۔اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں۔

(لنار lunar اسلام آباد کا ایک تھیمڈ کیفے ہے۔چاند کی تھیم پہ بنا کیفے۔جہاں بیرے آسٹرولوجسٹس کے جیسا لباس پہن کر آرڈر سرو کرتے نظر آتے ہیں۔جہاں میز، اور دیواروں پہ چاند کی سطح کا سا تاثر آتا تھا۔

زینیا حاکم جس میز پہ بیٹھی تھی اسکے عقب میں چاند کا نمونہ تھا۔یوں جیسے عقب میں بڑا سا روشن چاند ہو، جس کے گڑھے پوری طرح واضح اور سفید روشنی منور سی اور سامنے رکھی میز پہ بیٹھے آپ کھانا کھا رہے ہو۔بیرے نے کئی قسم کے لوازمات اسکے سامنے لا کر رکھے۔

اس نے کھانے کو دیکھے بغیر اپنا انسٹا گرام کھول لیا۔یہ اسکا آفیشل اکاؤنٹ تھا جہاں اسے ڈھیر سارے لوگ اپنے لئے فوٹو گرافی کروانا چاہتے تھے۔جہاں لوگ اسکے کام کی، اسکی قدر کرتے تھے۔جہاں وہ تھم گئی وہ ایک لڑکی کا پیغام تھا۔

"میرا منگیتر آپ کی فوٹو گرافی کو بہت adore کرتا ہے۔اسکی برتھڈے ہے پرسوں کیا آپ اسکے لئے آسکتی ہیں؟ پلیز منع مت کیجئے گا۔محبت کی خاطر پلیز۔" اس نے بے دلی سے موبائل پرے ڈال دیا۔محبت کے نام پہ بے اختیار اسکی آنکھوں کے آگے سبز آنکھوں کی شبیہہ لہرائی تھی۔پہلی بار اسے کسی کی آنکھوں میں صرف اپنا عکس دیکھنے کی خواہش ہوئی۔

کھانا ان چھوا چھوڑ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔چند نوٹ نکال کر میز پہ رکھے، اور تیز تیز قدم لیتی ریستوران سے باہر نکل آئی۔خود پہ جبر کرنا بھلا خوشی تھوڑی دیتا ہے؟)

''پڑھیں، جاب کریں، محنت کریں، خود کو سنواریں، خود کو آسائشات دینے کے لئے محنت کریں مگر کبھی بھی کبھی بھی یہ نہ سوچیں کہ پیسہ آپ کو خوشی دے گا۔ نہیں دیتا خدا کی قسم نہیں دیتا۔'' اس سے آگے نہ لکھا گیا۔ موبائل چھوڑ وہ سر کو ہاتھوں میں دیئے رو پڑی۔ کئی لوگوں نے گردن موڑ موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''ساری زندگی، میں نے ساری زندگی ایک الوژن میں گزار دی کہ ایک دن زینیا خوش ہو گی۔ میں نے خود پہ بڑا ظلم کیا۔ میں نے چھوٹی چھوٹی چیزوں میں خوشیاں ڈھونڈنی تھیں، مجھے اپنے ٹراماز کو چھوڑ کر آگے بڑھنا تھا۔ مجھے ماضی کی غموں کی وجہ سے پتھر دل نہیں بننا تھا۔ میں خوش نہیں ہوں، کیونکہ میں نے اپنی ذات سے ہمیشہ لوگوں کو غیر آرام دہ کیا۔ میں خوش نہیں ہوں کیونکہ میں نے خوشی کو ایک '' توپ '' چیز سمجھ کر اسکا تعاقب کیا حالانکہ وہ میری مٹھی میں تھی۔'' لکھنا، اپنے دل کا حال لکھنا اسکے لئے ہمیشہ سے ایک حل رہا تھا۔

''میں مانتی ہوں میری زندگی میں بہت سارے مسائل رہے۔ میری فیملی ٹاکسک رہی، میرے لئے آسائشات اور آسانیاں نہیں رہیں۔ مجھے انکا غم منانا تھا کسی کو غمگیں نہیں کرنا تھا۔

مجھے کوئی سننے والا نہیں تھا، اسکے بدلے مجھے ہر سنانے والے کے ساتھ تلخ اور بدتمیز نہیں ہونا تھا۔'' موبائل سے ایک پل کے لئے آنکھیں ہٹا کر اس نے آس پاس دیکھا۔ ایک طرف پر شور سڑکیں، دوسری طرف لوگ اور بیچ میں اس بس میں بیٹھی زینیا حاکم۔

''انتقام، جلن، حسد خوشی نہیں دیتے۔ مجھے بھی نہیں ملی۔ آج میں ہر اس انسان جس نے مجھے تکلیف دی کو معاف کر کے اپنی زندگی میں آگے بڑھوں گی۔ کیونکہ مجھے خوش رہنا ہے۔ آج میں نے ابا کو معاف کیا، آج میں نے اماں کو معاف کیا، آج میں نے بالاج کو معاف کیا، اپنے ان رشتے داروں کو معاف کیا جنہوں نے مجھے یا میرے خاندان کو تکلیف دی۔'' لکھتے لکھتے وہ رک گئی۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔

''آج میں نے خود کو بھی معاف کیا۔'' آنسو اس روانی سے اسکی آنکھوں سے نکلے جس کی کوئی حد نہیں۔

''میں نے ایک اور غلطی بھی کی ہے۔ مہدی کمبیر کو خود سے دور رکھنے کی کوشش کر کے۔ پہلی ہی ملاقات، وہ پہلی ملاقات سے میرے دل کے اندر تک اتر گیا تھا۔''

(وہ گوادر کے ساحل پہ ملے تھے، پہاڑوں کی ٹیک میں، ہواؤں کے دلاسوں میں، سمندر کے شور میں جہاں وہ سنہری آنکھوں کو اندر تک پڑھ گیا۔اور وہ سبز آنکھوں کو دنیا کی سب سے حسین آنکھوں کا لقب دے آئی۔)

''وہ مجھے غیر آرام دہ نہیں کرتا تھا، وہ مجھے برا نہیں لگتا تھا، وہ مجھے بے زار نہیں کرتا تھا۔ وہ بس مجھے کمفرٹ دیتا تھا۔ اور میرے الوژن کے مطابق مجھ پہ صرف سختیاں آنی تھیں، مجھے بس مشکلات جھیلنی تھیں۔ یہ میری سزا تھی، جو میں نے خود کو دی۔ میں اس سے دور بھاگتی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا میں اسکے حصار میں جکڑی جاؤں گی۔ وہ بلکل ویسا تھا جیسا ایک اچھے مرد کو ہونا چاہیے۔''

(وہ بحری جہاز کے عرشے پہ ایک ساتھ کھڑے تھے۔ زینیا کے ہاتھ میں مہدی کا موبائل تھا، وہ اسے کھولے ہوئے تھی۔ مہدی نے ایسی لڑکی پہلی بار دیکھی تھی۔ موبائل ٹھیک کر کے اس نے مہدی کی اور بڑھایا تو سبز آنکھوں میں ستائش ابھری۔ ایسی ستائش اسے ابا، بشریٰ یا پھر کسی اور نے نہیں دی تھی۔ وہ تلخ رویوں، سخت لہجوں کی عادی تھی۔ مزاج کی اس نرمی نے اسے مہدی کمبیر سے دور رہنے کا عندیہ دے دیا۔)

''وہ اچھا تھا۔۔۔ بہت اچھا۔ مجھے اسکی اچھائی سے خوف آتا تھا۔ کیونکہ میرے ٹراماز نے میرے اندر نفرت، بے زاری اور انتقام بھر دیا۔ میں نے اتنا عرصہ خود پہ ڈھیر سارا ظلم کیا؟ کیوں کیا؟''

(وہ ہاسٹل کے باہر اسے کیکٹس کا پودا تھمار ہا تھا۔ وہ کروڑوں روپے کی گاڑی چھوڑ اسکی حدود کا احترام کرتے ہوئے پیدل چل رہا تھا۔ وہ اسے موضوع گفتگو نہ بناتے ہوئے یونیورسٹی میں اسے کم مخاطب کرتا تھا۔ وہ اسے جج نہیں کرتا تھا، وہ اسے روتے ہوئے دیکھ اسکی کمزوری پہ طعنے نہیں کستا تھا۔ وہ مہدی کمبیر تھا، لاکھوں کے ملبوسات، اپنی ساکھ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سڑک پہ اسکے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا تھا۔ وہ کون تھا؟ کیسا شخص تھا۔ وہ موم تھا، اور تاریخ میں پہلی بار موم نے پتھر پگھلایا تھا۔)

''مجھے مستقبل کا نہیں پتہ، مجھے حال کا پتہ ہے۔ اور حال کہتا ہے، مہدی کمبیر مجھے خوشی دیتا ہے۔ خود پہ چڑھا سختی کا قفس میں اتار رہی ہوں، خود کو معاف کرتے ہوئے ہر الوژن کو توڑ کر میں خوش ہونا چاہتی ہوں۔'' اس نے نوٹ پیڈ بند کیا۔ گیلی، نم آنکھوں سے مسکرائی۔ اور موبائل واپس آنکھوں کے آگے کرتے ہوئے weirdo نامی شخص کے نام پیغام بھیجا۔

''میں نئی گاڑی لیناچاہتی ہوں، ساتھ چلیں؟'' پیغام جاچکا تھا۔ جواب ہاں میں آنا تھا، اسے معلوم تھا۔ مہدی کمبیر کی متعلق اسے کئی خوش گمانیاں تھیں۔ یقین بھی۔ استحقاق بھی۔

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی تھی۔ وہ براق اور شیزل کے جانے کے بعد خود بھی کسی میٹنگ کے لئے نکل گیا تھا۔ اب جب واپس آیا تو اسے معلوم ہوا تھا کہ زینیا حاکم اسکی پرسنل ایڈوائزر نہیں رہی۔ اور فوٹو گرافی کی جاب سے وہ چند دن کی چھٹی لے کر جاچکی تھی۔

''میری اجازت کے بغیر کوئی ہوتا کون ہے اسے چھٹی دینے والا، کوئی ہوتا کون ہے اسکا استعفیٰ منظور کرنے والا۔'' وہ اپنے آفس میں چکر کاٹتے ہوئے طیش کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ بازو کی رگیں پھول گئی تھیں۔ اور چہرہ سرخ۔

''باس آپ چھوٹی سی بات کا بڑا ایشو بنا رہے ہیں۔ چھٹی دینا، استعفیٰ منظور کرنا یہ ایچ آر کا کام ہے۔ اور وہ ہر دفع یہ کام آپ سے پوچھ کر نہیں کرتے۔'' حدیبیہ کے انداز میں ناگواری تھی۔ قیس چکر کاٹتے ہوئے اسکے قریب آکر رکا۔

''اپنی ٹون درست کرو، حبیب۔ اونچا لہجہ یہاں صرف میرا ہو گا۔''

''سوری باس۔'' وہ بول چکی تھی۔ مگر اسکا ہر ہر انداز گواہی دیتا تھا کہ اگر اسے ہزار دفع موقع ملے تو وہ ہزار دفع اتنی بدتمیزی کر سکتی تھی۔

وہ چند پل مزید یونہی چکر کاٹتا رہا پھر تھک کر، بے زاری، اکتاہٹ، غصے اور تکان سے گلاس وال کے ساتھ جا کر کھڑا ہوا۔ وہ آزردہ لگتا تھا۔ مضطرب، اور طیش زدہ بھی۔ کئی پل بعد جب وہ بولا تو اسکی آواز شکستہ تھی۔

''سب ٹھیک تھا، حبیب۔ سب ٹھیک۔ چھ ماہ، پورے چھ ماہ سب ٹھیک رہا۔ چھ ماہ بعد ایک روشنیوں بھری شام میں وہ سبز آنکھوں کے سحر میں آگئی۔ اور سب برباد ہو گیا۔ پہلے سب صحیح تھا۔''

دو ماہ قبل کا ذکر ہے۔ فیصل آباد کے رہائشی علاقے سے ذرا فاصلے پہ قیسم ٹیکسٹائل کی فیکٹریز تھیں۔ وہ ہر ماہ ان کے دورے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس دفع اسکے ساتھ زینیا سمیت دیگر فوٹو گرافی ٹیم بھی آئی تھی۔ ایک اچھے خاصے لمبے، اور تھکا دینے والے دورے کے بعد وہ فیکٹری سے باہر رکھے، سنگی نشستوں پہ آ کر بیٹھی تھی۔

اسکے چہرے پہ تھکن واضح تھی۔ قیس یونہی اسے تھکا دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ غصے سے بھری ہوئی اپنے بیگ سے چاکلیٹ کا ڈبہ نکال کر بیٹھی ایک پہ ایک پھانک رہی تھی۔ اسے چاکلیٹ نہیں پسند تھے، لیکن اس وقت زہر جیسا سہی اسے کسی چیز پہ غصہ اتارنا تھا۔ وہ جو ذرا فاصلے پہ کھڑا فیکٹری کے مینجر سے بات کر رہا تھا اسے یوں غصے میں دیکھ اسکی طرف بڑھ آیا۔

ذرا سے فاصلے پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھا۔ گردن تان رکھی تھی۔ دھوپ سے اسکی ہلکی داڑھی چمک رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سنہری ریپر میں لپٹے گول چاکلیٹ بار کو اٹھانا چاہا، مگر وہ ڈبہ اچک کر اپنی گود میں رکھ چکی تھی۔ قیس نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرایا۔ پھر یونہی دھیرے سے اسے ایک اطلاع دی۔

''مجھے چاکلیٹس بہت پسند ہیں۔'' وہ رخ پھیر گئی۔

''میں بہت شوق سے کھاتا ہوں۔'' ہنوز خفگی۔

''یہ جو تم ابھی کھا رہی ہو یہ میرے فیورٹ ہیں۔'' ایک اور کوشش۔ اب کے اس نے دھیان ہی نہ دیا۔

''جب کوئی میرے سامنے چاکلیٹ کھا رہا ہو تو مجھے اور زیادہ cravings ہوتی ہیں۔'' زینیا نے دو سے تین بار ہاتھ میں لئے باقی کھٹاک سے ڈبہ بند کر کے واپس بیگ میں رکھا۔ اشارہ تھا کہ وہ نہیں شیئر کرنے والی۔ خود وہ اب بھی سنہرے ریپر کو یوں پھاڑ رہی تھی جیسے جنم جنم کا بدلا ہو۔

''اب بس بھی کرو کیا ساری کھا جاؤ گی۔'' اس نے کھلے ہوئے بیگ سے ڈبہ نکال لیا۔ زینیا نے بھوکی شیرنی کی طرح اسے دیکھا تھا۔

''کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اپنے ملازمین کی چیزیں بغیر اجازت نہیں کھاتے؟''

اس نے آرام سے سنہری ریپر کھولا، گول گول چاکلیٹ بار کو ستائش سے دیکھا۔ پھر اسے دو انگلیوں میں پکڑے زینیا کی آنکھوں کے عین سامنے لے گیا۔ جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔۔

"بتایا تھا، مگر مجھے بھولنے کی عادت ہے یو نو۔" اس نے جھپٹ کر چاکلیٹ واپس لینا چاہا مگر شومئ قسمت وہ قیس کے منہ تک کا سفر کر چکا تھا۔ ساتھ وہ مزے سے آنکھیں بند کر گیا۔

اس نے ڈبہ واپس لینا چاہا مگر قیس اسے بھی ہاتھ سے اپنی پشت تک لے گیا۔ ساتھ گردن نفی میں ہلائی۔

"میں آج اور ابھی استعفیٰ دے رہی ہوں۔ آج سے تم میرے باس نہیں۔" وہ بیگ جھپٹنے کے انداز میں اٹھا کر کھڑی ہوئی۔ قیس نے سر ہلا دیا۔

"کل تک تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، جاؤ میں نے تمہیں ایک دن کے لئے ٹرمینیٹ کیا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ ساتھ ایک اور چاکلیٹ کا ریپر کھولنے لگا۔ زینیا اگر تھوڑی دیر مزید وہاں رکتی تو یقیناً اسکا سر پھاڑ دیتی۔

"وہ میرا عکس ہے۔ دنیا جب ہمیں دیکھتی تھی تو ایک نظر سے دیکھتی تھی۔ مجھے اسکے سامنے یا اسے میرے سامنے pretend کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے بیچ کیا آ گیا؟"

کچی بستی کا منظر تھا۔ ایک بڑے لمبے رقبے پہ پھیلے وسیع و عریض میدان پہ اس وقت لوگ قطاروں کی صورت کھڑے تھے۔ جہاں قطار ختم ہوتی تھی وہاں سے تھوڑا سا آگے تین کرسیاں رکھی تھیں۔ جن میں سے ایک پہ سیاہ شلوار قمیض کے ساتھ سفید شال والا قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ درمیانی کرسی پہ مقصود اور تیسری کرسی پہ مہدی کمبیر۔

مقصود اور قیس کمبیر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ انکے عقب میں اور دائیں بائیں گارڈز کھڑے تھے۔ ایک طرف ذرا سے فاصلے پہ راشن کا ڈھیر سارا سامان رکھا تھا۔ ساتھ ایک میز پہ پیسوں کا ایک بیگ ہر گھر کو کچھ راشن اور پیسے تھمائے جاتے تھے۔ زینیا حاکم کیمرہ ہاتھ میں لئے ہوئے تصاویر اتار رہی تھی۔ ساتھ حمد اور مرتضیٰ بھی تھے۔ مہدی سے آج کل اسکی ناراضگی تھی سو ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد مہدی اٹھ کھڑا ہوا، اور لوگوں کی مدد کی خاطر وہ راشن کی بوریاں خود اٹھا اٹھا کر انہیں دینے لگا۔ قیس کمبیر نے سیاہ چشمے کے پار ناگواری سے اسے دیکھا۔

"یہ فیک لگ رہا ہے۔" آواز پہ اس نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔ زینیا حاکم کیمرے کی سکرین پہ انگلیاں گھماتی کہہ رہی تھی وہ اسکے عقب میں کھڑی تھی۔۔ قیس نے اسے مہدی کی چھوڑی ہوئی کرسی پیش کی، وہ مہدی کا سیاہ چشمہ اٹھاتی وہیں بیٹھ گئی۔ اور انگلی سے کیمرے کی سکرین کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ دیکھو، یہ کیمرہ، اس کے فلٹرز، اس کا رزلٹ سب بہت **"ہائی"** ہے۔ صاف لگ رہا ہے تمہارا یہاں راشن بانٹنا ایک ڈرامہ ہے۔"

"حالانکہ یہ میری نیکی ہے۔" اس نے برا منایا۔ "اور اگر نیکی کے بجائے میں ذرا سی ستائش حاصل کر لوں تو کیا برا ہے؟" اس نے چشمہ انگلی سے نیچے کیا ساتھ بیٹھی زینیا کو دیکھا۔ "کچھ برا ہے کیا؟"

زینیا نے سوچنے کی اداکاری کی۔

"مجھے، میری ٹیم کو ایک اچھی اجرت مل رہی ہے۔ غریب لوگوں کو ڈھیر سارا راشن، اور تمہیں ایک اچھی دھوپ جب تک کچھ "مل" رہا ہے میرے نزدیک وہ برا نہیں۔" وہ دوبارہ کیمرے پہ جھک گئی۔ قیس مسکرایا تھا۔ فاتحانہ مسکراہٹ۔ وہ بلکل اسی کے جیسا سوچتی تھی۔ وہ اسکی اسی بات پہ فریفتہ ہو جاتا تھا۔

چند پل بعد زینیا ان تمام تصاویر اور ویڈیوز کو مسترد کرتے ہوئے ایک عام سے اینڈرائڈ موبائل سے تصاویر لے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے قیس کمبیر کو، اور اسکے گھرانے کے باقی دو عظیم مردوں کو ان ویڈیوز اور تصاویر کا علم ہی نہ ہو۔ آہ وہ عظیم لوگ۔

قیس جو کافی دیر سے ناگواری سے مہدی کو راشن اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھک گیا تو گارڈ سے کہہ کر اسے اپنے پاس بلوایا۔

"ہم یہاں خیرات کرنے آئے ہیں، مہدی، ان کے ملازم بننے نہیں۔"

''خیرات بھی تو ہمارے بڑوں کے ایصال ثواب کے لئے ہے ناں، تمہیں بھی چاہیے کہ لوگوں میں اپنے ہاتھوں سے اٹھ کر کچھ بانٹو۔''

''ہم یہاں انہیں فنانشلی سپورٹ کرنے آئے ہیں۔ یہ لوگ پیٹ سے معذور ہیں ٹانگوں سے نہیں۔ چپ چاپ بیٹھو اور انہیں ہڈ حرام نہ بناؤ۔'' اس نے حکم صادر کیا۔ مہدی کو برا لگا۔ اس نے قیس کے ساتھ بیٹھی زینیا حاکم کو دیکھا۔

''تم کچھ نہیں کہو گی؟ صبح سے تم قیس کو ہزار ہدایات دے چکی ہو کیا ایک اور نہیں دے سکتیں؟'' اسے سخت طیش آنے لگا تھا۔

زینیا نے ایک انداز سے، بلا کی معصومیت سے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں؟ میں کیوں کچھ کہوں گی۔ آئی ایگری ود قیس۔ کھانے کے لئے محنت تو کرنی پڑتی ہے ناں۔'' آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معصومیت سے کہا گیا۔

مہدی افسوس سے ان دونوں کو دیکھتا اور اور پھر تیز تیز قدم لیتا دوبارہ اپنی سابقہ جگہ پہ جا کر کھڑا ہوا۔

چند پل بعد اس صف میں تین لوگ تھے۔ مقصود، قیس، زینیا۔ ان تینوں کے لباس سیاہ تھے۔ ان تینوں کی آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا، ان تینوں نے ٹانگ ٹانگ پہ چڑھا رکھی تھی۔

تین مختلف لوگ، انداز ایک سا خبطی۔

''میں اسکے لئے بدل بھی رہا تھا۔ میں اسکے لئے اپنے پیٹرن سے ہٹ بھی رہا تھا۔ وہ مجھے بلند بھی کر رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ بھی کھڑی ہوتی تھی۔ پھر کیا ہوا؟''

اس نے ڈیڑھ سو بار دل پہ ہاتھ رکھ کر اپنی دھڑکنیں درست کیں۔ قیس کو دینے کے لئے ہزار دلیلیں سوچ لیں اور پھر بلا خر اسکے آفس کا دروازہ ہلکے سے ناک کرتی اندر داخل ہوئی۔ وہ جو ایک نیا اسکیچ تیار کر رہا تھا، گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کو کہا۔

وہ آگے آئی۔ تھوک نگلا، پھر ڈھٹائی سے گردن کڑا لی۔ ایک فائل میز پہ رکھی۔

"آپ کی تصاویر باس۔" فائل ذرا سا آگے کھسکائی۔

"یہ پرنٹس آپ کو پسند نہیں تھے اور۔۔۔اب میں انہیں ٹھیک نہیں کر سکتی کیونکہ اصل تصاویر مجھ سے ڈیلیٹ ہو گئی ہیں۔ میں۔۔۔"

"کوئی بات نہیں، دوسری تصاویر لے لینا۔" اس نے نارمل اور مصروف سے انداز میں کہتے ہوئے فائل اسکی طرف بڑھا دی۔ زینیا ہکا بکا ہی تو رہ گئی۔ کہاں وہ ذرا ذرا سی غلطیوں پہ پھاڑ کھانے کو دوڑتا تھا اور کہاں آج وہ اتنے بڑے مسئلے پہ اتنا نارمل ہو کر بات کر رہا تھا۔ زینیا نے جلدی جلدی فائل اٹھائی اور جانے کو مڑی مبادہ اسکا موڈ ہی نہ بدل جائے۔

"رکو یہاں آؤ۔" اسکی آواز پہ وہ مڑی۔ قیس کے چہرے پہ اب کے ہلکی الجھن تھی۔ زینیا چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"کچھ ہوا ہے؟ کوئی مسئلہ ہے؟"

وہ چند لمحے خاموشی سے میز پہ دھرے زینیا کے ہاتھ دیکھتا رہا۔ لمبی خوبصورت انگلیاں، ناخن ہر وقت کسی نہ کسی رنگ کی نیل پالش میں ڈوبے رہتے۔

"نائیس نیل پالش۔" اسکے ہاتھوں کو دیکھ سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔ زینیا نے اپنا ہاتھ چہرے کے سامنے کیا پھر ہلکا سا مسکرائی۔

"یہ نیل پالش نہیں ہے۔ میں نہیں لگاتی نماز پڑھتی ہوں۔" قیس نے آنکھیں گھمائیں۔ زینیا سلگ ہی اٹھی۔

"ہاں ٹھیک ہے روز نہیں لیکن پڑھتی ہوں۔ اس لئے یہ نیل پالش نہیں مارکر زہیں۔ میں ہر دفع وہی لگاتی ہوں۔" وہ اپنے ہاتھوں کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ قیس اسے تکتا رہا، پھر دھیرے سے کسی طلسمی لمحے کے زیر اثر اسکے لبوں سے چند الفاظ نکلے۔

"تمھارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔"

زینیا کے ہاتھوں کی حرکت رک گئی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ایکسکیوز می؟" لمحے کے ہزارویں حصے میں اسکا لہجہ سخت ہوا۔

''آرٹسٹ کے ہاتھ خوبصورت ہونے چاہیے۔'' اب کے وہ الجھی۔ قیس ہنوز اسکے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جب آرٹ اسکول میں پڑھتا تھا تب میری ایک ٹیچر میری انگلیوں کو اسکیچ کرتے ہوئے دیکھ کر ہمیشہ یہی کہتی تھیں۔ **"تمہاری انگلیاں بہت خوبصورت ہیں۔ آرٹسٹ کی انگلیاں خوبصورت ہونی چاہیے۔"**'' وہ مسکرایا، ناسٹلیجیا کی سی مسکراہٹ۔ زینیا کے تنے ہوئے تاثرات ڈھیلے پڑے۔

''ایک لکھاری، ڈیزائنر، یا پھر پینٹر جب مسلسل انگلیوں میں پنسل، پین پکڑ کر لکھتا رہتا ہے تو ایک وقت بعد اسکی انگلیاں متاثر ہو جاتی ہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ میز پہ آگے رکھا۔ زینیا کے ہاتھ سے ذرا سے فاصلے پہ۔ لکڑی کی اس میز پہ ان دونوں کے ہاتھ دھرے تھے۔ اسکے گندمی ہاتھ کی انگلیاں ذرا سی ٹیڑھی ہو گئی تھیں۔ زینیا اسکے ہاتھ دیکھتی رہ گئی۔ انگلیوں کے تراشے ہوئے ناخن، ابھرتی سبز واضح اور پھولی ہوئی رگیں۔ بلاشبہ اسکے ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔

''لیکن میں آرٹسٹ نہیں ہوں۔'' اس سارے میں زینیا نے اسے پہلی بار ٹوکا تھا۔

''تو پھر یہ کیا ہے؟'' اس نے لیپ ٹاپ کا رخ اسکی طرف کیا، اور بٹن دبا کر ایک ویڈیو پلے کی۔ وہ گراؤنڈ فلور کی ایک بنچ کا منظر تھا۔ جس پہ بیٹھی زینیا حاکم آلتی پالتی مارے بیٹھی کاغذ پہ پنسل چلا رہی تھی۔ شہزادیوں کے اسکیچ، اسے ہمیشہ یہ اسکیچ بنانے کی عادت رہی تھی۔ بچپن سے۔

''نہیں میں تمہیں فالو نہیں کر رہا۔'' سی سی ٹی وی فوٹیج ختم ہونے پہ وہ زینیا سے قبل بول پڑا۔

''میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا اور مجھے یہ مل گیا۔ بی قیو کامیاب رہا ہے۔ اور میں یہ ساری کمائی مزید۔uniqueness پہ انویسٹ کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی مشورہ؟'' وہ سکرین پہ زوم کرتے اس اسکیچ کو دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت فراک، چہرہ، جسامت۔ سب تھا شہزادی کے پاس۔

''شہزادی کو کسی چیز کی ضرورت تو ہو گی ناں، مس حاکم۔'' وہ بڑبڑایا۔ الجھا۔ وہ کئی دنوں سے الجھا ہوا تھا۔

''جوتے۔۔۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ ''شہزادی کے پیروں میں جوتے نہیں ہیں باس۔اعلیٰ کپڑے،اعلیٰ زیور، خوبصورت چہرہ، سفر کے لئے یہ سب ضروری نہیں ہوتا۔ سفر کے لئے سب سے زیادہ ضروری جوتے ہیں۔ مضبوط جوتے۔ **قیسم** شوز لانچ کرنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

قیس کمبیر جیسے کسی خواب سے جاگا تھا، ماضی میں بھی اور حال میں بھی۔ وہ گلاس وال کے سامنے کھڑا تھا۔ لب خاموش ہو چکے تھے۔ آنکھیں درد کہتی تھیں۔ جانے کیوں۔۔۔نہ جانے کیوں زینیا حاکم کا ہجر اسکے دل کو دکھی کئے دیتا تھا۔ وہ پاس تھی تو سب ٹھیک تھا۔ وہ نہیں تھا تو سب تھا مگر ''**ٹھیک**'' نہیں۔ اسکے لئے کسی انسان کی موجودگی کبھی اتنی ضروری نہیں ہوئی تھی۔

''چھ ماہ الوژن تھے، باس۔'' کئی پل بعد اس آفس میں حدیبیہ کی آواز گونجی۔ ''چھ ماہ آپ نے وہ بننے کی کوشش کی جو آپ نہیں ہیں۔ الوژن ختم ہو گیا ہے۔ اب جو ہے وہ اصل ہے۔ اگر آپ کو زینیا حاکم چاہیے'' وہ دو قدم آگے آئی۔ عین قیس کی پشت میں۔ ''تو قیس کمبیر کو واپس لائیں۔ وہ جو معملات بگڑنے پہ چیختا نہیں تھا، انہیں فکس کرتا تھا، وہ جو صفائیاں نہیں دیتا تھا منیوپلیٹ کرتا تھا۔ وہ جو غلطیوں پہ نادم نہیں ہوتا تھا، انہیں فکس کرتا تھا۔

bring him back please .''

دھیرے سے، نرمی اور منت سے، سرگوشی کی گئی۔ اور پھر وہ پلٹ گئی۔

آگہی دے کر پلٹ جانے والوں کا کوئی کیا کرے؟

''کیا دیکھ رہے ہو مجھے بھی دکھاؤ زرا۔'' ہاتھ میں چائے کا کپ لئے عروج بشر کے ساتھ بیڈ پہ آکر بیٹھی۔ بشر نے اسکے ہاتھ سے کپ لے لیا۔ اسکی پشت پہ تکیے درست کئے، اور خود اس انداز سے بیٹھا کہ عروج کو سکرین دیکھنے میں زیادہ دقت نہ ہو۔

''میری چائے دے دو اب۔'' وہ سیٹ ہو کر بیٹھی تو ایک اور مطالبہ کر دیا۔ بشر سیدھا ہو کر بیٹھا چائے کی بجائے خشک فروٹ کی پلیٹ اسکے ہاتھ میں تھمائی۔

''چپ چاپ یہ کھاؤ، ڈاکٹر نے کہا ہے تمھارے لئے زیادہ چائے اچھی نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر دوبارہ فلم کی جانب متوجہ ہو گیا۔ عروج کھول کر رہ گئی۔

''اور یہ کونسا ڈاکٹر ہے جس نے تم سے کہا ہے کہ بیوی کی چائے خود پی جاؤ؟''

''وہ تو میں تمہاری محبت میں پی رہا ہوں، آخری گھونٹ تم پینا پیار بڑھے گا۔'' اس نے پتے کی بات بتائی۔

''بچا ہی نہ لینا تم۔'' اس نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔ پھر سکرین کو دیکھتے ہوئے اسکی آنکھیں چمکیں۔

''یہ آدمی کتنا خوبصورت ہے، ہمارا بیٹا بھی ایسا ہو تو۔۔''

بشر نے سکرین کھٹ سے گرادی۔ سنجیدہ، استفسار کرتی نظروں سے اب وہ عروج کو دیکھنے لگا۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

''تمہیں میں خوبصورت نہیں لگتا؟ اگر میرا بچہ ذرا سی بھی تم پہ یا خاندان کے کسی دوسرے فرد پہ گیا تو تمہاری خیر نہیں۔'' اس کا موڈ خراب ہوا۔ اتنا خوبصورت بھی نہیں تھا وہ اداکار۔

''ہیں ہیں؟ بھلا اس میں میرا کیا قصور ہو گا؟''

''اس حالت میں جسکا چہرہ زیادہ دیکھتے رہو بچہ اسی پہ جاتا ہے۔ تمہیں مجھے دیکھنا چاہیے تھا۔'' لو جی لاڈ صاحب کی نئی فرمائش۔

''تم تو ہر وقت دکان اور اس لیپ ٹاپ کے جھمیلوں میں پڑے رہتے ہو، پھر میں کیسے دیکھوں؟'' وہ خائف ہوئی۔ پھر یکدم پرجوش ہوئی۔

''یہ بتاؤ تمہیں بیٹا چاہیے یا بیٹی۔ اور انکو کیسا ہونا چاہیے۔؟''

بشر مسکرایا۔

''اگر بیٹی ہو تو زینی جیسی، اور اگر بیٹا ہو تو مجھ جیسا۔'' وہ عروج کے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے بولا۔ اسکا چہرہ بھی بھرا بھرا ہونے لگا تھا، پیروں میں سوزش بڑھ گئی تھی۔

زینیا کے ذکر پہ عروج کا چہرہ بجھ سا گیا۔ وہ غیر آرام دہ ہوئی۔ ہاں وہ کہتی نہیں تھی مگر اسے یقین تھا بالاج کی گمشدگی کے متعلق زینیا ضرور کچھ جانتی تھی۔ وہ لوگ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہونے کو تھے۔

''اگر زینیا اور بالاج بھائی ساتھ ہوتے تو آج ان دونوں کی طرف سے بھی خوش خبری ملتی۔ ہماری شادی کو سال ہونے والا ہے بشر۔ اور فرق دیکھو۔'' اسکی آنکھیں آبدیدہ ہوئیں۔

''میرا بھائی اللہ جانے کہاں ہے۔ اور زینیا وہ تو شوہر کے ہوتے ہوئے ایک خالی زندگی گزار رہی ہے۔''

بشر نے گہری سانس لی۔ فروٹس کی پلیٹ اٹھا کر بیڈ کی سائیڈ میز پہ رکھی۔ اور عروج کے ٹھنڈے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے۔

''ہر کوئی اپنی اپنی کہانی کا بسمل ہے۔ ان دونوں کے مسائل مختلف ہیں اور ہمارے مختلف۔ بالاج کی جلد کوئی خیر خبر آئے گی میں پر امید ہوں۔ اور اس سب میں زینی کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' بات گھوم پھر کر بلاخر اسکی زینی پہ آگئی۔

''تم، زینی سے اتنا پیار کیوں کرتے ہو؟ کونج بھی تو تمہاری بہن ہے ناں۔''

وہ عروج کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے پیچھے ہوا، ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

''کونج میری بہن ہے۔ زینی میری دوسری ماں، میری بیٹی، میری بڑی بہن بھی۔ ہم دونوں نے بڑا مشکل وقت دیکھا ہے، عروج۔ ابا کے پاس ہمیں کھلانے کو پیسے نہیں ہوتے تھے مگر چیختے برابر تھے۔ ذلیل کرتے تھے اور مارتے بھی تھے۔'' اسکے چہرے پہ افسردگی چھا گئی۔

''ایسے میں وہ منہ پھٹ ابا سے میرے لیے، اماں اور کونج کے لئے بحث کرتی تھی۔ کئی بار میری غلطیاں اپنے سر لے لیتی تھی۔ خود بھوکی رہ کر اپنے حصے کے اچھے کھانے مجھے کھلا دیتی تھی۔ حالات نے اسے بہت تلخ بنا دیا، اصل میں کھرا سونا ہے وہ۔''

''پگھلا ہوا، گرم سونا۔'' عروج جتا کر بولی تو بشر مسکرا دیا۔ ''بات ہوئی ہے میری کچھ دن بعد آرہی ہے وہ۔''

''کس کے ساتھ؟'' وہ یکدم سیدھا ہوا۔

''آبو یسلی تم لینے جاؤ گے۔ ورنہ جب تک وہ یہاں آئے گی تم ہارٹ اٹیک سے مر جاؤ گے۔'' وہ کہہ کر لیٹ گئی۔ بشر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس پہ لحاف درست کرنے لگا۔

ان دونوں کے کمرے سے زرا فاصلے پہ واقع کونج حاکم کے کمرے کی طرف آؤ تو اس نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

''میں نے کہا تھا، ضیغم ہم اب مزید کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔''

دوسری طرف اپنے کمرے میں چکر کاٹتا ضیغم بری طرح حیران تھا۔

''میں تمھارے فیصلے کو مان لوں گا۔ لیکن مجھے یہ تو بتاؤ میرا قصور کیا ہے؟ باخدا میں تمہیں تنگ نہیں کرنا چاہتا، لیکن اس طرح یہ رابطہ ختم کرنا۔ صاف صاف بتاؤ، کونج۔'' وہ رکا۔ حلق میں بے اختیار کچھ چبھنے لگا۔

''تم اس لڑکے سے اب تک رابطے میں ہو؟ کیا تم اسکے لئے سیریئس ہو؟''

"ضیغم میں۔۔۔۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ اسکی بات کاٹ گیا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔ میرے لئے تمہاری خوشی اہم ہے۔'' دل دکھا تھا، مگر وہ محبت کو روگ نہیں بننے دے سکتا تھا۔ کونج نے آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری طرف وہ بھی آنکھیں بند کئے، پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔ دل میں جو درد اٹھا تھا الامان۔

''میں تم سے وفادار رہوں گی ضیغم۔ میرا اعتبار کرو۔ لیکن میں تم سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتی کیونکہ یہ گناہ ہے۔''

''واٹ ربش یار دنیا میں باقی گناہ بھی بہت ہیں۔'' وہ بری طرح جھنجھلایا، بے بس ہوا۔

''وہ کسی اور کی قبر کا معملہ ہوں گے، یہ میری قبر کا۔ اگر تم چاہو تو مجھے چھوڑ سکتے ہو۔''

"میں ایسا کر سکتا ہوں کیا؟ پورے چھ ماہ، کونج پورے چھ ماہ میں ایک الوژن میں رہا کہ میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ تمہاری بے وفائی یاد کروں گا مگر جب تم میرے سامنے آئی۔ سب پیچھے رہ گیا، جھوٹ، دھوکہ، بے وفائی۔" وہ دھیرے دھیرے گنواتا گیا۔ کونج سنتی گئی۔ آنکھیں موندے، آنسو بہاتے۔

"کچھ باقی تھا تو صرف تم۔ میں تمھیں معاف کر سکتا ہوں۔ یہ مجھے بھی نہیں پتہ تھا۔ لیکن میں تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں یہ مجھے معلوم ہے۔ چھ ماہ، چھ صدیاں، چاہے جتنا وقت گزر جائے۔ مجھے بس یہ بتاؤ کیا اس سارے عرصے کے بعد تم میرے لئے ہو گی؟"

"صرف تمھارے لئے۔" اسکے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ ضیغم نے گردن اثبات میں ہلائی۔ روح پر سکون ہو گئی۔ "لیکن اب مزید کوئی رابطہ نہیں، اور تم مجھے کمزور نہیں کرو گے۔"

"یہ بہت مشکل ہے۔" وہ لب کاٹنے لگا۔

"تم بہت ظالم ہو، کونج۔ محبت ظالم ہے۔" اسکے دل میں انتہا کی تکلیف اٹھنے لگی تھی۔

"تم مجھے کمزور کر رہے ہو، ضیغم۔"

"اوکے۔۔۔ اوکے۔ میں اب تمھارے فیصلے کا احترام کروں گا۔ لیکن یاد رکھنا تم blessing ہو۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا۔ کونج نے اسکے مزید کچھ کہنے کا انتظار کیا، پھر کال کاٹ دی۔ اگلے ہی لمحے اس نے ضیغم کو واٹس ایپ، انسٹا گرام، اور نمبر سے بلاک کر دیا۔

گناہ ترک کرنے سے پہلے گناہ تک جانے کا راستہ ترک کرنا ہوتا ہے۔

"اسی شام میں چند گھنٹے پہلے۔"

گاڑیوں کے ایک شوروم میں جہاں چاروں اور چمچماتی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہیں انہی گاڑیوں کے شیشوں کے عکس میں ہماری کہانی کے دو کردار بھی تھے۔ سیاہ گاڑی کے شیشوں میں ان دونوں کا عکس بن رہا تھا۔

''سرکار آپ کو آخر کون سی گاڑی چاہیے؟'' مہدی اسکی تنقیدی نظروں سے، اور زینیا اسکے اسی سوال کے تین بار سے زیادہ پوچھے جانے پہ ناراض ہوئی۔

''آپ کو کہیں جانا ہے؟'' وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ پاس ہی ایک ملازم کھڑا تھا۔

''نہیں میرا مطلب تھا کہ۔۔۔''

''آپ کو جانا ہے تو میں آپ کا وقت خراب نہیں کروں گی لیکن اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو تین اصول ہیں۔'' وہ اس سیاہ گاڑی کو مسترد کرتی سفید رنگ کی ایک چھوٹی گاڑی کے سامنے آکر رکی۔ آٹومیٹک آلٹو گاڑی۔

''آپ کم از کم آدھا گھنٹہ چپ رہیں گے اور بلکل بولیں گے نہیں۔'' وہ دوسری طرف سے گھوم کر آئی اور ڈرائیونگ کے ساتھ والی سیٹ پہ آکر بیٹھی۔

''قبول ہے۔'' اس نے ہاتھ سینے پہ رکھا، یوں جیسے ہر حکم مانے گا۔

''میں چاہے ڈیڑھ ہزار گاڑیاں چیک کرلوں، آپ بیچ میں ٹوکیں گے نہیں۔'' مہدی دوسری طرف سے آیا، اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''قبول ہے۔'' ساتھ بڑے جوش سے کہا۔

''میں جو پسند کروں چاہے وہ کچرہ ہو آپ اس میں نقص نہیں نکالیں گے۔'' اب کے زینیا نے اسکے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

''قبول ہے۔۔۔۔'' گاڑی کا اسٹیئرنگ چیک کرتے وہ یکدم رکا، بے یقینی سے زینیا کو دیکھا۔

''میں نے تین بار قبول ہے کہا، اوہ شٹ یہ تو دوبارہ نکاح ہوگیا۔'' زینیا اسکے تاثرات پہ مسکرائی۔

''اوہ شٹ لڑکی وہی پہلی ہے۔'' یہ صدمہ زیادہ بڑا تھا۔ زینیا کی مسکراہٹ تھم گئی۔ اب کے اس نے لب کا کونہ دانتوں میں دبالیا۔

''افسوس کس بات کا ہے؟ دوسرے نکاح کا یا پہلی لڑکی کا؟''

''اگر لڑکی تم ہو تو یہ نکاح دو سو بار ہو جائے مجھے ہر بار قبول ہے۔'' وہ روانی سے کہہ گیا، اور اسی پل اسے اندازہ ہوا وہ کیا کہہ چکا ہے۔ اس نے خفت سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ زینیا اسے نظر انداز کر گئی۔ مہدی نے گردن باہر نکال کر مینیجر سے چابی مانگ لی۔

''ہم ایک ٹیسٹ ڈرائیو لینا چاہیں گے، اجازت؟''

''شیور سر ضرور لیجیے۔'' اسکا بس نہ چلتا تھا مہدی کمبیر کے قدموں میں گر جائے۔ دی مہدی کمبیر اوہ خدایا؟

وہ بڑی مہارت سے گاڑی کو دوسری گاڑیوں کے درمیان سے نکال کر آگے لے آیا۔ کھلی سڑک پہ آتے ہی اس نے گاڑی کو اچھی خاصی رفتار میں دوڑایا۔ زینیا چپ چاپ باہر دیکھتی رہی۔

''اچھی گاڑی ہے، ہے ناں؟'' زینیا نے باہر دیکھتے خاموشی کو توڑا۔ مہدی نے ایک طائرانہ جائزہ لیا۔ پھر گردن ہلائی۔

''اچھی ہے لیکن تھوڑی چھوٹی ہے، تھوڑی کم آرام دہ ہے، ایسے لگ رہا ہے جیسے میں قید ہو گیا ہوں۔'' اسکے ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پہ دھن بجا رہے تھے۔

''اب دو کروڑ کی گاڑیاں چلانے والے تو یہی کہیں گے ناں۔''

''اوہ کم آن۔'' اسے جیسے احساس ہوا کہ زینیا کے سامنے اسے یہ نہیں کہنا تھا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس سچ بولنے کی عادت ہے۔''

''کوئی بات نہیں، مجھے برا نہیں لگا۔'' وہ سہولت سے بولی۔ مہدی نے باقاعدہ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''ایک منٹ ایک منٹ۔۔۔ تم اتنا جلدی مان گئیں؟ میں نے تو اپنے حق میں ہزار دلیلیں بھی تیار کر لیں تھیں۔ خود کو دو ہزار بار بلاک ہوتے ہوئے بھی دیکھ چکا تھا یہاں تک کہ جس سے تمہیں میسج کرنا تھا اس نئی ای میل کا پاسورڈ بھی سوچ چکا تھا۔'' اسکی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔

''کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ ذرا مجھے گولی تو مارنا۔'' اس نے اپنا ہاتھ اسکے آگے کیا۔

اسکی آخری بات پہ زینیا بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''گولی۔۔ نہیں۔۔ چٹکی کاٹتے ہیں۔''ہنسی کے دورے کے درمیان وہ بامشکل بول سکی۔اسکا ہنسنا، مہدی کمبیر کو لگا تھا شاید اس نے کسی کو ہنستے ہوئے ہی پہلی بار دیکھا ہو، یا شاید پہلی بار کوئی ہنستے ہوئے اتنا حسین لگا ہو۔

''تمہاری چٹکی بھی گولی کے برابر ہی ہوتی ہے۔''اس نے نظروں کا زاویہ موڑ لیا۔ حلق خشک سا ہو رہا تھا۔اسے اتنا خوبصورت لگنے کی اجازت کس نے دی؟

''اتنی ظالم ہوں تو مت ملا کریں مجھ سے۔''اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی۔مہدی کچھ نہ بولا تو زینیا نے کسی خدشے کے تحت اس سے ایک سوال کیا۔''آپ ڈرتے ہیں مجھ سے؟''

''تم اتنی بھی بدصورت نہیں ہو۔''وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔زینیا سنجیدہ تھی۔اس نے ایک نظر موڑ کاٹ کر واپس شوروم کی طرف جاتے مہدی کو دیکھا۔

''آپ مجھ سے ڈرتے ہیں یا نہیں؟''وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر مہدی اسے دیکھنے سے احتراز برت رہا تھا۔وہ ہنستے ہوئے خوبصورت لگی تھی۔وہ بولتے ہوئے بھی لگے گی اسے یقین تھا۔اگر وہ بولتے ہوئے خوبصورت لگی پھر وہ نظر کیسے موڑے گا؟

''میں ستائیس سال کا چھ فٹ ایک انچ کا مرد تم سے کیوں ڈروں گا۔۔میں تمہارے رویے سے ڈرتا ہوں۔وہ کئی بار بہت برا ہوتا ہے، زینیا۔''گاڑی واپس شوروم کے باہر آکر رکی۔زینیا اور مہدی اپنی اپنی طرف سے اتر آئے۔

''اس رات آپ نے کہا تھا لوگ مجھ سے محبت نہیں کرتے، لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔''وہ اسکے سامنے رکتے ہوئے بولی۔اسی پل مینیجر آتا دکھائی دیا۔اسکی باچھیں کھل رہی تھیں۔مہدی نے زینیا کو دیکھا۔

''گاڑی اچھی ہے، قیمت بھی مناسب ہے۔ڈن کریں؟''

''مجھے نہیں لینی۔واپس چلتے ہیں۔''یکدم اسکا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔

''میری دو کروڑ کی گاڑی اغوا کرنے کا ارادہ ہے کیا؟''وہ مسکرا کر بولا مگر زینیا کے سنجیدگی سے اسے دیکھنے پہ ہاتھ سرینڈر کرنے کے انداز میں اٹھا لئے۔

''اچھا اچھا کوئی بات نہیں۔ہم واپس چلتے ہیں۔'' وہ مینیجر کی طرف مڑا۔

''یہ گاڑی ایک طرف کر دیں۔میں کمبیر محل سے کسی کو بھجواتا ہوں۔او کے؟'' یہ ڈیل ہلکی آواز میں کی گئی تھی۔

''لیکن میم ناں کہہ رہی ہیں سر۔'' وہ کچھ کچھ متذبذب ہوا۔مہدی مسکرایا۔پلٹ کر زینیا کو دیکھا پھر مینجر کے کندھے پہ ہاتھ رکھے تھوڑا آگے آیا۔

''تمہاری شادی ہوئی ہے؟''

''ہوئی تھی لیکن ختم ہو گئی کیوں سر؟''

''اب میں سمجھ سکتا ہوں کیوں ختم ہوئی ہو گی۔بیوی کے انکار کی ایک ہزار قسمیں ہوتی ہیں جو انکار اس وقت انہوں نے کیا ہے اسکا مطلب ہے وہ ناں کرے گی، لیکن اگر یہ گاڑی نہیں لی گئی تو ظاہر ہے میں چاہتا ہی نہیں تھا یہ گاڑی گھر آئے۔'' اس نے کندھے سے ہاتھ ہٹایا۔

''مجھ میں ڈیڑھ گھنٹہ لڑنے کی سکت نہیں ہے اس لئے یہ گاڑی بھجوا دینا۔''

آدمی الجھن زدہ سا سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔زینیا حاکم مہدی کمبیر کے ساتھ اسکی گاڑی کی طرف آ گئی۔تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایک محتاط سی نظر اس پہ ڈال لیتا تھا۔

''تم نے اپنا رویہ بدلنے کا فیصلہ کیا ہے؟'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا تھا۔زینیا نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

''اچھی بات ہے مگر یہ پیٹرن چوبیس سال سے ہے۔تم اسے ایک دن میں نہیں توڑ سکتیں۔خود کو، چیزوں کو وقت دو۔دوبارا گر غصہ نہیں کر رہیں تو تیسری بار کرو۔اکڑنے سے ٹوٹ جاؤ گی۔خود کو ڈھیلا چھوڑ دو۔''

زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔خاموشی سے ،یکسوئی سے۔اسکا نیم رخ،اسکی ہلکی داڑھی،اور سبز آنکھوں کی ذرا سی جھلک۔اس نے اعتراف کیا کہ ،وہ یونہی،بغیر کچھ کہے،سنے،بغیر تھکے مہدی کمبیر کو دیکھ سکتی تھی۔وقت کا تعین،مدت سیٹ کئے بغیر۔ہاں وہ اسے پہروں دیکھ سکتی تھی۔

"اگر دنیا میں چند اور مہدی کمبیر پیدا ہونے لگیں تو یہ جگہ رہنے کے قابل ہو جائے گی۔" اس نے کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی۔ الفاظ دل میں رکھ لئے، ہونٹوں پہ قفل لگا لیا اور۔۔۔ گردن موڑ لی۔

ہاں وہ اسے دیکھ سکتی تھی، مگر اسکے پاس حق نہیں تھا۔ فلحال نہیں۔

"دو دن بعد۔"

امراء کی شامیں رات کے کھانے کی پریشانی یا پھر لوڈشیڈنگ کا حساب کرتے ہوئے نہیں گزرتیں۔ بلکہ انکی شامیں تو کسی سپورٹس کلب، شوٹنگ کلب، کسی کٹی پارٹی، کسی گیٹ توگیدر میں دنیا کے اعلیٰ پکوان کھاتے، نئے نئے مشروب پیتے ہوئے گزرتی ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ بن سکا تو انکے محل جیسے گھروں کے باورچی خانے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر جاتے ہیں۔

اچھے پکوان، سادہ کھانے دونوں الوژن ہیں۔ اگر گھر کی چار دیواری میں سکون ہے تو نت نئے پکوان چھوڑ گھر کی دال روٹی بھی مزہ دیتی ہے۔

خیر معاشرے کے یہ تلخ حقائق چھوڑ امرء کے شاموں کا جائزہ لینے نکلو تو ایک سپورٹس کلب میں میوزک کے اچھے خاصے شور کے درمیان دو لوگ کھڑے دکھائی دیں گے۔

"مجھے لگا تھا تم مجھ سے معافی مانگو گے۔" سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ سیاہ ہی پینٹ پہنے وہ والی بال نما ایک بال ہاتھ میں لئے، رول پنز کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ اسکی نظروں کی سیدھ میں رول پنز سیٹ تھیں۔ بیچ میں ایک سیدھا لمبا ٹریک۔ اسکے ساتھ کھڑے مہدی کے سامنے کوئی اور حدف تھا۔

"معافی کے لئے پہلے مجھے میرا قصور پتہ ہونا چاہیے۔" وہ دونوں کمر کے بل ایک ساتھ جھکے۔ ایک سانس، دونوں کی نظروں نے نشانہ تاک لیا، دو سانس دونوں نے ایک ایک قدم پیچھے لیا، تیسری سانس ایک ہاتھ پیچھے کمر پہ باندھے ان دونوں نے ایک ساتھ بال کو اس سیدھی روش پہ پنز کی طرف اچھالا۔

''تم نے اس روز میرے آفس میں بدتمیزی کی تھی۔'' قیس کا نشانہ پرفیکٹ تھا، سارے کے سارے پنز ایک ساتھ گرے۔ مہدی کا نشانہ کچا، کچھ پنز گر گئے کچھ رہ گئے۔ قیس جیت گیا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے شروعات تم نے کی تھی۔'' اس نے ہتھیلی کا پنجہ بنا کر قیس کے پنجے سے ملایا۔ ایک ہاتھ سے اسکے سینے پہ شاباشی دی۔

''تم بھی معافی مانگو، میں بھی مانگ لیتا ہوں۔ آفٹر آل ہم دونوں بھائی ہیں۔'' وہ سہولت سے کہتے ہوئے اسٹول پہ آ بیٹھا، قیس بھی اسکے سامنے اسی طرز کے ایک اسٹول پہ بیٹھا۔ چند لمحے وہ مہدی کو دیکھتا رہا، خاموش، جانچتی نظریں۔

''تم ایسے نہیں تھے، مہدی۔ کیا ہے جو بدل گیا ہے؟'' وہ سنجیدہ تھا۔ ساتھ کھڑے ملازم نے اسکی طرف پانی کی بوتل بڑھائی جسے وہ تھام گیا۔

''کچھ نہیں بدلا، قیس، تم زیادہ سوچ رہے ہو۔ ریلکس رہو۔'' وہ موبائل کی سکرین پہ نظریں جمائے ہوئے بولا۔ جانے کیوں مگر ہاتھوں میں لرزش تھی۔ اسے خوف تھا قیس کچھ کہہ دے گا کچھ ایسا کہ وہ ڈھے جائے۔

''میں تھوڑا سخت ہوں میں مانتا ہوں لیکن۔۔۔''

''تم صرف سخت نہیں، تم اکھڑ بے پرواہ اور دوسروں کے جذبات کی قدر نہ کرنے والے بھی ہو۔''

قیس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں، ڈھیر سارا ضبط کیا۔ اور بات وہیں سے شروع کی جہاں سے کاٹی گئی تھی۔

''لیکن اس کے پیچھے وجوہات ہیں۔ وقت اچھا نہیں تھا اس نے میرے اندر تلخیاں بھر دیں۔ مجھے ان تمام تعاشیوں کے لئے لڑنا پڑا، مجھے ہمارے حق ہم سب کے لئے لڑنا پڑا میں۔۔۔ کیا میرا تم سب پہ اتنا حق نہیں کہ تم لوگ میری ذرا سی کڑوی باتوں کو درگزر کر جاؤ۔'' آخر میں اس نے اپنے الفاظ پہ زور دیا تھا۔ اسکا وکٹم کارڈ ہمیشہ کام آتا تھا۔

''یہ تمہارا فرض تھا، قیس۔ اور اگر تم نہیں کرنا چاہتے تھے تو نہ کرتے میں کرتا۔'' اس نے چہرہ موبائل سے نکالا۔

''تم کرتے؟'' وہ گم صم سا بڑبڑایا۔

''ہاں میں کرتا۔ شاید میں تمہاری طرح سب کچھ واپس نہ لے پاتا لیکن کچھ نہ کچھ ضرور واپس لیتا۔اور اگر وہ بھی نے لے پاتا تو جو میرا ہے اس پہ عیش کرنے میں انہیں بھی نہ دیتا۔ میں یہ کر سکتا تھا، کر سکتا ہوں۔ خاندان، خون، خبطی پن ایک ہی ہے ہمارا۔''اس نے سر جھٹکا۔ قیس اب بھی یک ٹک اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ بغیر پلک جھپکے۔ یعنی وہ اسکی ساری ریاضتوں کے اوپر مٹی ڈال رہا تھا؟ کیا سارا خاندان یہی کرے گا؟ اسے خوف آیا۔

''تم ہم دونوں کے درمیان مقابلہ کر رہے ہو؟ ہم بھائی ہیں، مہدی۔'' مارے بے بسی کے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ بازو کی نسیں پھڑک رہی تھیں۔

مہدی نے سادگی سے اسے دیکھا۔'' برا لگ رہا ہے ناں؟ اور میں جو پندرہ سال سے یہ مقابلے بازی، یہ طعنے یہ سب سن رہا ہوں۔ کیوں؟ کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ تم بہت جھیل رہے ہو، تم بہت دکھی ہو۔ لیکن الوژن ختم ہونے پہ میں نے جانا۔ درد، تکلیف، زخم ہم دونوں کے ایک جیسے ہیں۔ بسمل تو ہم دونوں ہیں۔ باپ اگر اگر تمہارا مرا تو میرا بھی مرا تھا۔''

''میرے بابا کا کوئی قصور نہیں تھا۔'' شدت غیض سے اسکی آواز کانپنے لگی۔ مہدی اثر لیے بغیر کہتا رہا۔

''میں تو ایک عرصے تک تمہیں please کرنے کے لئے، تمہیں کمفرٹ دینے کے لئے پنچنگ بیگ بنتا رہا۔ لیکن اب نہیں۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے تھا کہ میں فیملی ہوں۔ فیملی ہر وقت تمہارے لئے پنچنگ بیگ کا کردار ادا نہیں کر سکتی۔ میں بھی نہیں کر سکا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، قیس کے قریب آ کر رکا۔ اور پھر دھیرے سے اسکا سر خود سے لگایا۔ جیسے وہ اس سے دور نہیں رہ سکتا ہو، جیسے محبت پہ اسکا اختیار نہ ہو۔

''تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہارے ہر مسئلے کو اپنا سمجھوں گا۔ تمہاری ہر خوشی کو اپنی خوشی۔ لیکن بدلے میں تم سے بھی یہی توقع رکھوں گا۔'' وہ قیس سے دور ہوا۔ چند منٹ وہیں کھڑا اسکے جامد ہوئے وجود کو دیکھتا رہا۔

''برابری، قیس، برابری چاہیے مجھے۔''۔ اور پھر وہ پلٹ گیا قیس یونہی بیٹھا رہا۔ ساکن نہیں پر سوچ۔ شل نہیں، کچھ سوچتے ہوئے۔ بے کار نہیں ایک نیا الوژن بنتے ہوئے۔ اسے یہی آتا تھا، وہ یہی کر سکتا تھا۔ اسے یہی کرنا تھا۔

ہاسٹل کی چھت پہ آج ذرا گہما گہمی سی تھی۔ چارپائی پہ زینیا حاکم کی فوٹو گرافی کے ڈھیر سارے سامان رکھے تھے۔ کیمرہ اسٹینڈ پہ اٹکا تھا۔ اور اسکے عین عقب میں شیزل سیمسن ہاتھ میں کالڈ کافی کا کپ اور گود میں لیپ ٹاپ لئے بیٹھی تھی۔ دو دن پہلے ہونے والی قیس کی گفتگو کے متعلق اس نے زینیا سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ قیسم چھوڑ کر آئی تھی، اور اب کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کیا واقعی؟

سیاہ ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس بالوں کا گول مول جوڑا بنائے وہ کیمرے کا اینگل فکس کر رہی تھی۔

''تمہیں مہدی کیسا لگتا ہے؟'' شیزل کی آواز پہ وہ مڑی، ایک سرسری نظر اسے دیکھا۔ اور پھر کیمرے کے آگے آنکھ لگائی، ایک ہاتھ بٹن پہ تھا۔ فوکس اپنے گول پہ۔

''کمفرٹ زون۔'' اسکے ساتھ ہی ایک کلک ہوا، درخت کی جھاڑیوں کے پار سے پورے چاند کی ایک خوبصورت تصویر۔

''اور قیس کمبیر؟''

زینیا کے چہرے کے زاویے ایک منٹ میں بدل گئے۔ فوکس متزلزل ہوا، اور انگلیوں نے بٹن دبایا۔

''وار زون۔'' کلک ہو گیا۔ مگر دھندلا، غیر واضح کلک۔

''بالاج کے بارے میں اب تک کوئی اتا پتہ نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک مشورہ دوں۔؟''

''دو۔'' اب کے اس نے اینگل بدلا۔ کیمرے کو دائیں رخ پہ رکھا یہاں سے کمبیر محل نظر آتا تھا۔ مگر وہ اونچا تھا، کافی اونچا۔ شاہانہ بھی۔ خوبصورت بھی۔

''تم مہدی کے ساتھ بھاگ جاؤ۔ ورنہ تمہاری زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔

''کوئی فائدہ نہیں، وہ میرے ساتھ نہیں بھاگے گا۔'' اس نے کیمرہ زوم کیا، اور زوم، اور زیادہ زوم اور یہاں اسے کمبیر محل کی دوسری منزل کی بالکنی میں کھڑا مہدی نظر آیا۔ اسکے ہاتھ میں سیگریٹ تھا۔ جس کے کش لیتے ہوئے وہ موبائل پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ زینیا کو اسکے سیگریٹ سے سخت چڑ تھی۔

''تم کوشش تو کرو، شاید وہ بھاگنے پہ تیار ہو جائے۔ میں خالی ہاتھ تو نہیں بھیج رہی۔ ساتھ میں کچھ زیور اور کیش بھی دوں گی۔''

''کیوں تم نے مجھے گود لیا ہے؟ یا مہدی کو ساس ہونے کا شرف بخش رہی ہو؟'' خلاف توقع آج وہ چیخی چلائی نہیں۔ بڑی ہی کوشش سے وہ خود کو نارمل رکھے ہوئے تھی۔ بالکنی میں کھڑا امرداب بھی اپنے مشغلے میں مصروف تھا۔ اس نے موبائل رکھ کر اب چائے کا کپ اٹھالیا تھا اور بالکنی میں آکر کھڑا ہوا۔

''گود نہیں لیا۔ لیکن خطرے کے جو بادل مجھے نظر آرہے ہیں اسکے پیش نظر تم دونوں کو بھاگ جانا چاہیے۔'' وہ اپنی رو میں کہہ گئی۔ زینیا نے دھیان نہیں دیا۔

''بلکہ رکو میں مہدی سے ہی پوچھ لیتی ہوں۔'' اس نے ساتھ رکھے اسٹول پر سے اپنا موبائل اٹھالیا۔ دوسری طرف زینیا نے کیمرے کا اینگل، فلٹر اور زوم فکس کر لیا۔ شہد رنگ بال جوڑے سے کھل کر پشت پہ پھیل گئے۔ پورے چاند کی روشنی اسکے چہرے پہ پڑتی تھی تو وہ کوئی اپسرا ہی لگتی تھی۔

اس نے مہدی کمبیر کی تصاویر اتارنا شروع کر دیں۔ اسکا ہر تاثر کیمرے میں قید ہونے لگا تھا۔ اسی پل زینیا نے اسے موبائل کان سے لگاتے ہوئے دیکھا۔

''ہاں میں شیزل بات کر رہی ہوں۔'' اپنے داہنے رخ سے آتی آواز پہ زینیا متعجب ہوئی۔ کیا مطلب وہ واقعی کال کر چکی تھی؟

''مجھے تم سے پوچھنا تھا کہ کیا تم زینیا کے ساتھ بھاگنا چاہو گے؟ ٹیکنکلی تو یہ حلال بھاگنا ہوا تم۔"

مہدی کمبیر کے منہ سے چائے فوارے کی مانند باہر نکلی تھی۔ وہ بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ شیزل نے اسپیکر آن کر کر موبائل زینیا کو دکھایا۔

''یہ دیکھو، لڑکا ہنس رہا ہے یعنی راضی ہے سامان پیک کریں؟''

''آفر اچھی ہے، اگر زینیا خود دے تو میں انکار نہیں کر سکوں گا۔'' اس نے بامشکل اپنی ہنسی پہ قابو پایا۔ زینیا کو بے اختیار خفت ہونے لگی۔ وہ ہکا بکا سی ان دونوں کی ایک دوسرے کو دی جانے والی آفرز سن رہی تھی۔

''ہاں ہاں اس سے بھی بات ہوئی ہے میری اسے لگتا ہے تم اسکے ساتھ نہیں بھاگو گے۔ وہ تو خود تم سے پوچھنا۔'' زینیا نے آگے بڑھ کر موبائل اسکے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''ہیلو میں زینیا بات کر رہی ہوں۔'' اس نے شیزل کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ مہدی مسکرایا۔

''تمہیں، اور تمہاری آواز کو تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ پھر رکا۔

''ویسے شیزل بتا رہی تھی کہ تمہیں لگتا ہے میں تمھارے ساتھ گھر سے بھاگنے پہ راضی نہیں ہوں گا۔ ایسی بھی کیا بدگمانی یار۔ ایک بار پوچھ ہی لیتیں۔'' زینیا کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے دانت کچکچاتے ہوئے شیزل کو دیکھا۔

''ویسے تمہیں کچھ پوچھنا بھی تھا، پوچھو پوچھو۔ ظاہر ہے بھاگنے سے پہلے پوری تسلی کرنی ہوتی ہے'' صاف ظاہر تھا وہ اسکی حالت کا حظ اٹھا رہا ہے۔ بالکنی میں کھڑے ہوئے اسے بے اختیار زینیا کو دیکھنے کی چاہ ہوئی۔

''ویسے اگر میری بھاگنے کی رفتار کا پوچھنا ہے تو میں بہت اچھا بھاگ لیتا ہوں۔''

''اس سے پہلے کتنی لڑکیوں کے ساتھ بھاگ چکے ہیں؟'' وہ سلگ کر بولی۔

''میرے ساتھ تو کئی لڑکیاں بھاگنا چاہتی تھیں۔ لیکن میں تمھارے لئے reserved رہا ہوں، رہوں گا۔ جب تمہارا موڈ ہو کال کر لینا۔'' اب کے زینیا نے دیکھا وہ موبائل کان سے اتارے ہنس رہا تھا۔ باقاعدہ گردن جھکائے، منہ پہ ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔

''مجھے آپ کے ساتھ "جانے" میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔'' وہ لفظ بھاگنے استعمال نہ کر سکی۔

''جانے میں نہیں بھاگنے میں تو ہوگا؟'' زینیا نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

''زیادہ فری ہو رہے ہیں آپ بلاک ہونا ہے کیا؟'' وہ اپنے ازلی دبنگ انداز میں لوٹ آئی۔ مہدی نے مسکراہٹ دبائی۔

''ایک فائدہ بھاگنے کا یہ بھی ہے کہ یہ بلاک، ان بلاک کا سین ختم لائیو چیٹ ہو گی پھر تو۔''

''مہدی۔۔۔۔'' اب کے وہ ذرا جتا کر بولی تو وہ چپ ہو گیا۔ ساتھ ساتھ شیزل کی اشارے اسے الگ کوفت میں مبتلا کئے دیتے تھے۔ وہ انکی بلائیں لے رہی تھی ایسے جیسے زینیا بیٹی ہو اور مہدی داماد۔ کاش وہ قیس کو کہیں دور چھوڑ کر آسکتی۔

"مجھے آپ سے ڈیٹس کے بارے میں پوچھنا تھا دراصل۔۔۔"

"ویسے تو میں کبھی ڈیٹ پہ نہیں گیا لیکن تم جب چاہو لے جاؤ۔ ویسے تمھارے ساتھ جاؤں گا تو حلال ڈیٹ ہو گی ناں؟"

"میں۔۔۔" زینیا نے ضبط کیا۔ "آپ کی تصاویر آپ کو ایڈٹ کر کے بھیجنی تھی انکے لئے تاریخ پوچھنا چاہتی تھی۔ کب تک چاہیے؟"

"مت بھیجو جب بھاگ ہی رہے ہیں تو میں سامنے آکر لے لوں گا۔ یہ ای میل کا کیسا تکلف؟"

"مہدی میں سیریئس ہوں۔"

"اسی ہفتے، ویک اینڈ سے پہلے۔" وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ تصاویر کے متعلق ایک دو مزید باتیں بتا کر زینیا نے کال کاٹی ساتھ اسے بلاک بھی کیا۔ پھر شیزل کا انسٹا گرام کھول کر اسے وہاں سے بھی بلاک کیا۔ اب جا کر سکون آیا۔ اسکے کانوں سے اب تک دھواں نکل رہا تھا۔

"حد ہے، شیزل ہر چیز کی حد ہوتی ہے یار۔ وہ کیا سوچتا ہو گا میرے بارے میں؟" زینیا کو بے طرح تپ چڑھی۔ شیزل نے گہری سانس لی۔ اور نظریں آسمان پہ ٹکا دیں۔ اسکی آنکھوں میں بے اختیار ملال سا در آیا تھا۔

"میں ایک طوفان سے واقف ہو گئی ہوں۔ اور میں چاہتی ہوں تم اس سے پہلے اپنی حفاظت کا سامان کر لو۔" کاش وہ زینیا کو بتا سکتی۔ مگر وہ جانتی تھی اسے بتانے سے بات مزید بگڑ سکتی تھی۔

"چند گھنٹے قبل۔"

قیس کمبیر کی سیاہ رینج روور گاڑی سڑک پہ فراٹے بھر رہی تھی۔ گاڑی کی اگلی نشست پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ مہدی ڈرائیو کر رہا تھا اور میرہ ایزل کو گود میں لئے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ اسکی رنگت بجھی بجھی سی تھی۔ اپنا گھر چھوڑنا کسی بھی عورت کے لئے آسان کام نہیں ہوا کرتا۔ ہزار واہمے تھے، ہزار خدشے تھے جنھوں نے اسکے دل کو جکڑ لیا تھا۔ محب کو پتہ لگ چکا تھا کہ وہ پاکستان آ گئی ہے

اوراب وہ کالز پہ کالز کیئے جارہا تھا۔ میسجز میں گالیاں بک رہا تھا۔اوراسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہا تھا۔خوف تھا کہ کیا وہ موبائل بند نہیں کر پارہی تھی۔وہ میسجز کو دیکھنا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ٹاکسک تعلق میں پھنسے لوگوں کا المیہ ہوتا ہے کہ وہ خود پہ کیچڑ پڑنے دیتے ہیں۔سماعتوں کو طنز بھرے جملوں سے زخمی کرتے رہتے ہیں۔ایک زہر بھرا تعلق دور کہیں انکے دماغ میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ وہ اسی کے ""**حقدار**"" تھے۔

""اپنا فون دینا پلیز۔"" قیس نے سامنے سڑک کو دیکھتے ہوئے ہاتھ پیچھے کی طرف بڑھایا۔میرہ کو اچھنبا سا ہوا مگر وہ فون اسے دے چکی تھی۔اسی پل محب کی کال دوبارہ آنے لگی۔قیس نے کال اٹھالی۔میرہ آگے کو ہوئی مگر وہ ہاتھ اٹھا کر اسے باز رہنے کو کہہ چکا تھا۔

""قیس کمبیر بات کر رہا ہوں۔کیسے ہو، محب؟"" وہ شاید سامنے سے کچھ کہہ رہا تھا۔شدید غیض کے عالم میں۔

""ہاں میرہ بلکل باحفاظت ہمارے پاس آچکی ہے اوراس وقت گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ میرے ساتھ موجود ہے۔اور تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب تمہارا ہر اقدام ""**میرہ**"" کے خلاف نہیں ""**کمبیرز**"" کے خلاف ہوگا۔سوچ سمجھ کر کرنا جو بھی کرو۔اوکے؟""

محب ایک بار پھر گالیاں بکنے لگا تھا۔پولیس اور میڈیا کی دھمکیاں دینے لگا تھا۔قیس نے اسکی پوری بات سنے بغیر کال کاٹ دی۔موبائل آف کیا اوراسے سٹوریج باکس میں ڈال دیا۔ساتھ ایک دوسرا موبائل نکالا،اسے آن کیا اور پیچھے میرہ کی طرف بڑھایا۔وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

""اب سے تم یہ فون استعمال کرو گی اوراس میں تمہاری ضرورت کے تمام نمبرز سیو ہیں۔تم اپنی سوشل لائف بھی دوبارہ شروع کر سکتی ہو ہاں بس اس میں تمہارے شوہر کا کوئی نمبر، کوئی رابطہ نہیں ہے۔"" وہ دانستہ بلوچی میں کہہ رہا تھا کہ ایزل کے سن لینے کا خوف تھا۔

میرہ نے محض سر ہلا دیا۔وہ اس وقت کچھ بھی پراسیس نہیں کر پارہی تھی۔اسکی سوچیں منتشر تھیں۔حرکات جامد۔ایزل کو کسی متاعِ حیات کی طرح سینے سے لگائے وہ گاڑی کے شیشوں کے پار دیکھ رہی تھی۔مہدی یا قیس میں سے کسی نے بھی ایزل کو اس سے لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ ایک ماں تھی،اور ماؤں کے لئے اتنے بڑے فیصلے مشکل ہوتے ہیں۔

''گھر آ گیا تمہارا۔۔'' مہدی نے ایک جگہ گاڑی روکی۔ میرہ نے چونک کر اپنے اطراف میں دیکھا۔ یہ کمبیر محل نہیں تھا۔ ایزل نے بھی اسکے سینے سے سر نکالا اور گاڑی سے باہر نظریں دوڑائیں۔

''لیکن یہ تو تمہارا گھر نہیں ہے، قیس۔'' ایزل نے سیدھا اسے ہی مخاطب کر لیا تھا۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ شاید وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''یہ گھر ابا نے لیا تھا جب ہم چھوٹے تھے۔'' مہدی بھی بلوچی میں بولا۔

''یہ گھر ابا نے تمھارے لئے لیا تھا۔ میں تمہیں کمبیر محل نہیں لے کر جانا چاہتا۔ میں تمہاری حدود کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ صرف تمھارے اس بھائی کے خیالات ہیں۔ میں ایسا بلکل بھی نہیں چاہتا۔'' قیس فوراً بولا۔

''اگر تمھیں ایسا لگتا ہے کہ تم ہمارے آسرے آ گئی ہو تو یہ غلط سوچ ہو گی۔ تم قیس سے اپنی بیٹی کو دور رکھنا چاہتی تھیں تو تم اب بھی رکھ سکتی ہو۔''

''جیسے کہ تم رکھ لو گی؟'' وہ ایک بار پھر استہزائیہ انداز میں بولا۔ مہدی نے ضبط کیا۔

''تم کمبیر محل آ سکتی ہو۔ کبھی بھی کسی بھی وقت۔ تھوڑی دیر کے لئے یا پھر ہمیشہ کے لئے۔ لیکن کبھی بھی یہ مت سوچنا کہ اب ہمارے ساتھ رہنا تمہاری مجبوری ہے۔ تم آزاد ہو۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوا مگر مڑ کر نہیں دیکھا۔ دل سے وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرہ اس سے الگ رہے۔

''میں کچھ دن یہاں اسی گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔'' وہ بلا آخر ہمت کر کے بولی۔ ایزل ہونقوں کی طرح اس غیر شناسا زبان کو سن رہی تھی۔

''چچا، انیسہ اور تم سب کے ساتھ فلحال میں ایڈجسٹ نہیں کر سکتی، اور نہ ایزل۔''

''یہ ایک انتہائی بے کار اور فضول فیصلہ ہے۔'' قیس نے بلا تامل مشورہ دیا۔

میرہ نے ہونٹ کاٹے۔ وہ متامل ہونے لگی تھی۔ ''میں کچھ دن بعد شاید کمبیر محل آ جاؤں۔''

''جب کچھ دن بعد آنا ہی ہے تو ابھی کیوں نہیں؟ آخر مسئلہ کیا ہے تمھارے ساتھ۔ اگر محب نے اس گھر پہ حملہ کروادیا تو؟ اور اگر تمھارے سسرال والے آگئے یہاں اور ایزل کو تم سے چھین لیا تو کیا کرو گی؟'' وہ بری طرح چڑ کر بولا۔ چیزیں اسکی مرضی سے نہ ہوں تو اسکا پارہ یونہی آسمان کو چھونے لگتا تھا۔

''کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ علاقہ بلکل محفوظ ہے اسکے علاوہ تمھارے گھر کے باہر سیکورٹی رہے گی اور باہر آنے جانے کے لئے گارڈز بھی۔ جب تک میں ہوں محب کا باپ بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' وہ کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ میرہ کی طرف سے دروازہ کھولا اور اسکے آگے بازو پھیلائے۔

اس نے ایزل پہ گرفت ڈھیلی چھوڑدی۔ وہ لپک کر مہدی کے کندھے سے لپٹ گئی۔ مہدی نے اسکا سر چوم کر اسے سینے سے لگایا اور جھک کر میرہ کے آگے اپنا ہاتھ کیا۔ وہ اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتی باہر نکل آئی۔

''بس مجھے ولن بنانے کا موقع مل جائے انہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اور ڈگی سے اسکے بیگ نکالے۔ دو چھوٹے چھوٹے بیگز تھے۔ وہ اپنے ساتھ بس کپڑے لائی تھی۔

اب وہ چاروں ایک ساتھ گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ مہدی اسے گھر کے متعلق بہت کچھ بتا رہا تھا۔ قیس موبائل کان سے لگائے اسکے لئے گھر میں ملازمین کا انتظام کررہا تھا۔ میرہ کی کیفیت سمجھ سے باہر تھیں۔

وہ پریشان تھی، خوف زدہ بھی، خوش بھی اور شاید افسردہ بھی۔

اپنا گھر چھوڑنا عورت کے لئے آسان نہیں ہوا کرتا۔

''ایک ہفتہ بعد۔''

حاکم نواب کے چھوٹے سے گھر میں رونق اتری تھی۔ بشر اور عروج کے یہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی۔ دو دن قبل جب بشر حاکم نے اپنی متاع حیات کو اپنے ہاتھوں میں پہلی بار لیا، اسے معلوم ہوا وہ آج مکمل ہو گیا ہے۔ زندگی سے اگر اسے کوئی غم، کوئی مسائل

رہے تھے تو آج وہ سب کہیں بہت دور چلے گئے۔ وہ مبہوت سا کئی لمحے اسے بازوؤں میں بھرے ہوئے کھڑا رہا۔ اسے الہام ہوا تھا کہ آج سے وہ اس بچی کا محافظ ہے۔ اولاد بڑی نعمت ہوتی ہے۔ بشر حاکم اس نعمت کے لئے چاہ کر بھی شکریہ ادا نہ کر پاتا۔

وہ پہلی فون کال پہ بھاگم بھاگ گوادر آئی تھی۔ بشر کے کمرے میں رش سا تھا۔ زینیا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی تھی۔ حاکم نواب، کونج اور امینہ بیگم سب وہیں جمع تھے۔ ہر ایک بچی کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا تھا۔ عروج کے گھر سے بس اسکی ماں آئی تھیں۔ زینیا اور بالاج کے رشتے کی وجہ سے جو تلخی انکے درمیان تھی وہ انہوں نے زائل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کمرہ خالی ہوتا گیا۔ زینیا بیڈ کی پائنتی کی طرف بیٹھی بچی کو گود میں لئے ہوئے تھی۔ عروج نے پلنگ سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اور زینیا کو دیکھتے ہوئے آج اسے غصہ نہیں آیا۔ آج اسے برا نہیں لگا۔ وہ بس اسے دیکھتی رہی۔

''اسکا نام کیا رکھو گی؟'' وہ بچی کے چہرے پہ نظریں جمائے عروج سے پوچھ رہی تھی۔

''تم بتاؤ کیا رکھیں؟''

زینیا نے حیرت سے سر اٹھایا۔ ''تم لوگوں نے ابھی تک نام نہیں سوچا۔ نو مہینے کیا کیا؟''

''زینب۔۔۔ یہ نام سوچا تھا میں نے۔'' وہ اب بھی زینیا کو دیکھ رہی تھی۔ یک ٹک۔ ''لیکن بشر شاید کوئی اور نام رکھے۔''

''زینب۔'' زینیا دھیرے سے بڑبڑائی۔ پھر جھک کر بچی کے گال چومے۔ اسے آج تک کوئی بچہ اتنا پیارا نہیں لگا تھا۔

''یہ بہت پیاری ہے۔ نازک بھی۔ اسکی آنکھیں مجھ پہ گئی ہیں۔'' وہ اسکے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لینے لگی۔ ''تم اسکے بال لمبے رکھنا۔ کٹوانا مت۔'' وہ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد بچی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہتی تھی۔

''اور تمہارے اپنے بچے؟ انکے بارے میں کیا پلان ہے؟'' زینیا کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ہاتھوں کی حرکت بھی سست ہوئی۔

''میرے انکے لئے بھی بہت پلانز ہیں۔ میں ایک اچھی ماں بنوں گی۔''

''تم واقعی ماں بننا چاہتی بھی ہو؟''

''کونسی عورت نہیں چاہتی ہو گی؟'' اب کے زینیا نے گردن اٹھائی اور عروج کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مجھے بچے پسند ہیں۔ میرے اپنے بچے بھی ہوں گے۔ میں انکے لئے ساری دنیا ایک کر دوں گی۔''

عروج چند لمحے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی، زینی۔ یہاں تم کیریئر کی بات کرتی ہو وہاں تم گھر داری، شوہر کی بات کرتی ہو۔ یہاں تم آفس میٹنگز کی بات کرتی ہو اور پھر تم بچے پیدا کرنے کی بات کرتی ہو۔ کیا تم اپنی زندگی اور فیصلوں کے بارے میں شیور نہیں ہو؟''

زینیا اسے دیکھتی رہی۔ یہ عروج کا چہرہ نہیں تھا یہ معاشرہ تھا جسے اسے ہر دفع جواب دینا تھا۔

''میں دو سو فیصد شیور ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرے فیصلے اور میری ترجیحات کیا ہیں۔ ہم مڈل کلاس لڑکیاں ہیں ہمیں پیدا ہوتے ہی ٹریننگ دی جاتی ہے اپنے گھر کے مرد کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔ اسے کیسے خوش رکھنا ہے۔ اسکے لئے کیا کیا کرنا ہے۔ اگر ہمیں شروع سے دائرے سے ہٹا کر ہمارے اپنے محور کے گرد گھمایا جائے، ہمیں مرد کی طاقت کی بجائے ہماری اپنی طاقت کا بتایا جائے تو سب آسان ہے۔ شادی کر کے گھر بیٹھنا بھی اور شادی کر کے جاب کرنا بھی۔ بچے پیدا کرنا بھی اور انکو پالنا بھی۔''

''مشکل نہیں ہے؟'' عروج کے سوال پہ اسکے لب ہولے سے ایک مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

''جیسے کہ میں نے کہا اگر ہمیں مرد کی دائرے سے ہٹا کر ہمارے اپنے محور میں گھمایا جائے تو ہمیں معلوم ہو گا ہماری کمزوری کیا ہے۔ ہم کیا ہیں۔ ہم نے کب کس قسم کے حالت کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم ہر مسئلے کو ایسے حل کرتے ہیں جیسے ہمارے گھر کا مرد چاہتا ہو۔'' وہ بولتے بولتے رکی۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

''بچپن میں تم نے ہارر فلمیں دیکھی تھیں؟ ان میں اگر کوئی آسیب زدہ ہو جاتا تھا تو اسکا ہر کام، ہر عمل وہ آسیب طے کرتا تھا۔ کئی بار ہمارے معاشرے میں مرد کو ایک آسیب کی طرح چمٹا دیا جاتا ہے۔ وہ جو چاہے کروائے، جیسے چاہے رکھے۔ جیسا چاہے سلوک کرے۔ اگر عورت کو ''**اسکے**'' لیے کچھ سکھایا جائے تو چیزیں مشکل ہیں ناممکن نہیں۔''

''پھر تم کیا چاہتی ہو مردوں کے خلاف چلے جائیں؟''

''نہیں۔۔۔ مگر کم از کم اپنے حق میں تو جائیں۔ کوئی ماں تو کسی بیٹی کو یہ سکھائے کہ اس پہ سب سے زیادہ حق **"اسکا"** ہے۔ کوئی ماں تو بیٹی کو باپ کے غصے سے ڈرانے کی بجائے اسکا ہنر نکھارنے کے لئے گھر کے کام سکھائے۔ سسرال کو راضی کرنے کی علاوہ، انکی ریپوٹیشن بہتر بنانے کے لئے پہننا اوڑھنا سکھائے۔ مڈل کلاس لڑکیوں کی ساتھ بڑی زیادتی کی جاتی ہے۔ گھر کے مرد کے غصے، ڈانٹ اور ناراضگی سے ڈرا کر اسکا منہ اتنا بند کروایا جاتا ہے کہ وہ باہر نکل کر بول ہی نہیں پاتی۔ حق کی بات کرتے ہوئے اسکی زبان لڑکھڑاتی ہے۔ رائے پیش کرتے ہوئے اسے خوف آتا ہے لوگوں کو سمجھنا ہو گا کہ۔ بیٹی مضبوط ہو گی تو نسل مضبوط ہو گی ماؤں کو یہ سکھانا چاہیے۔'' عادت کے برخلاف وہ زیادہ بول گئی۔

عروج نے استہزائیہ سر کو جھٹکا۔

''آج کل کونسی ماں یہ سب سکھاتی ہے میں۔۔۔۔''

''میں سکھاؤں گی۔'' زینیا نے اسکی بات کاٹی۔

''میں اپنی بیٹی کو سکھاؤں گی کہ اسکے حقوق کیا ہیں۔ اور میں اپنے بیٹے کو بتاؤں گی کہ مرد کیا ہوتا ہے؟ کسی نہ کسی کو تو شروعات کرنی ہے ناں میں کروں گی۔ میں دنیا کو ایک بہترین نسل دوں گی۔''

عروج نے سر جھٹکا۔ زینب اب رونے لگی تھی۔ زینیا نے اسے کندھے سے لگایا اور بہت نرمی سے، بے حد ملائمت سے اسکی پیٹھ پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ بچی کو سکون ملنے لگا تھا۔

''بالاج تمہارے ساتھ کیسا تھا، زینی؟''

زینیا نے اسے نہیں دیکھا۔

''میں اسے اچھا یا برا نہیں کہوں گی، عروج۔ لیکن وہ جتنا عرصہ میرے ساتھ رابطے میں رہا مجھے بری طرح یہ احساس ہوا کہ اسے بیوی نہیں ایک **"پرفیکشنسٹ"** عورت چاہیے تھی۔ جو اسکی غیر موجودگی میں اسکے گھر، بچے کو سنبھالے۔ اور کوئی شکایت نہ کرے۔ اور اگر کرے تو اسے اسکا ماضی یاد دلا دو جس میں اسکی ایک منگنی ٹوٹ گئی تھی۔'' بولتے ہوئے اس نے نگاہیں اٹھا کر عروج کو دیکھا۔ عروج کی آنکھیں گیلی تھیں۔ اسے اپنا بھائی شدت سے یاد آ رہا تھا۔

''اس نے مجھے انگوٹھی پہنائی تو جتایا کہ عبداللہ نے تیئیس سال مجھے کوئی زیور نہیں دیا۔ ہمارا کوئی جھگڑا ہوا تو اسے لگا کہ میں اپنے پچھلے منگیتر کو یاد کرتی ہوں۔ میرا کیریئر اور میرا اسلام آباد جانا اسے یاد نہیں رہا۔ اسے لگا یہ سب عبداللہ کے لئے ہے۔۔۔''

''تو کیا یہ عبداللہ کے لئے نہیں تھا؟'' وہ اسکی بات کاٹ کر بولی۔

''ساری دنیا چھوڑ کر تم اس شہر کیوں گئیں جہاں عبداللہ رہتا ہے۔ تمہیں عبداللہ سے محبت تھی ناں؟''

''اول تو یہ محض ایک اندازہ ہے کہ عبداللہ کا خاندان اسلام آباد میں ہے۔ دوئم مجھے محبت کا نہیں پتہ مگر عبداللہ میرا کمفرٹ زون تھا۔'' اسکی سنہری آنکھوں میں لکھا تھا وہ سچ کہہ رہی ہے۔

''مجھے اسکے خیال سے محبت تھی۔ مجھے cringe کہو یا بے وقوف لیکن میرے نزدیک عبداللہ کا ایک اسکیچ تھا۔ ٹراماٹائز مگر مہربان۔

(وہ غار نما ریستوران میں بیٹھے تھے۔ مہدی کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ مگر وہ زینیا کو یہاں بلانے پہ پچھتایا۔ وہ اسکے لئے فکرمند تھا۔ وہ زینیا کے ساتھ مہربان تھا۔)

''ناراض مگر نرم۔''

(وہ یونیورسٹی کے باہر کھڑے ہو کر اس پہ چیخ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ اسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔ مگر اگلے دن وہ اسکے پاس واپس آ گیا تھا۔ ناراض مگر مہربان۔''

''adorable مگر admirer ''

(وہ کیفے میں موجود تھے۔ ایک دنیا تھی جو مہدی کمبیر کے آگے پیچھے تھی۔ مگر وہ زینی کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھا اسے اسکی وقعت بتا رہا تھا۔)

''شاید وہ ایسا ہے شاید نہیں۔ آج چوبیس سالہ عمر میں پہلی دفع مجھے اسکے لئے کسی قسم کا تجسس نہیں رہا۔ عبداللہ اب میرے لئے no one ہے۔ میں اسلام آباد اسکے لئے نہیں گئی تھی۔ مگر ہاں میں اس سے زندگی میں ایک بار ضرور ملنا چاہوں گی۔ تاکہ میں

اسے بتاؤں کہ اسکے خساروں میں زینیا کو کھونا بھی شامل ہو چکا ہے۔" زینب شاید سو گئی تھی۔ زینیا نے دھیرے سے اسے کندھے سے جدا کیا اور پلنگ پہ رکھے اسکے چھوٹے سے بستر میں احتیاط سے لٹایا۔ اور ایک بار پھر محویت سے اسے تکنے لگی۔ وہ اتنی پیاری تھی؟ یا بس اسے لگتی تھی؟

"تم کبھی اس سے ملی تو کیا کہو گی؟" عروج نے اسکے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"میں اس سے پوچھوں گی کہ اس پہ جو میرا حق تھا، اس کی حق تلفی اس نے کیسے کی؟"

"اور اگر اس نے معافی مانگی؟"

"زینیا مر جاتی ہے، معاف نہیں کرتی۔"

اسکے بعد عروج نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر مزید وہیں بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ عروج کے سوالوں نے اسکے اندر ایک بار پھر انتشار بھر دیا تھا۔

کمبیر محل کے کچن میں آج کوئی خوشبو نہیں تھی۔ آج وہاں کھانا نہیں بنا تھا۔ آج وہاں کافی کی مہک بھی نہیں تھی۔ آج وہاں ادرک والی چائے کی بھینی بھینی خوشبو بھی نہیں تھی۔ آج کچھ کیسے ہو سکتا تھا؟

آج گھر کی روشنیاں مدھم تھیں۔ مکینوں کے چہرے اضطراب میں ڈوبے تھے۔ بے چینی سی بے چینی تھی جس نے کمبیر ز کو اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا۔ آج کے دن یہی ہو سکتا تھا۔

آج قیس کمبیر کو بیٹھے بٹھائے کروڑوں کا نقصان ہو گیا تھا۔ قیسم کا درآمد کروایا گیا سارا کپڑا کسی لیگل مسئلے کی وجہ سے ضبط ہو گیا تھا۔ اور اسے کروڑوں روپے کا نقصان سہنا پڑا۔ سونے پہ سہاگا۔ قیسم کے سب سے بڑے سٹوڈیو میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگ گئی تھی۔ اور کروڑوں روپے کی مالیت کے مہنگے ملبوسات خاکستر ہو گئے۔ میڈیا خبریں دکھا رہا تھا، لوگ ٹویٹس کرنے

لگے تھے۔اور قیس؟وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا تھا۔جھٹکا شدید تھا۔اور کم از چند گھنٹوں کے اندر وہ اسکی تاب نہیں لا سکتا تھا۔

کچن کی طرف آؤ تو سلیب سے ٹیک لگائے کھڑا مہدی کمبیر کافی پھینٹ رہا تھا۔چہرے کے تاثرات اسکے اندر کے خلفشار کا پتہ دیتے تھے۔دفعتاً دروازے سے کوئی اندر آیا۔مہدی نے نظر اٹھا کر دیکھا۔سفید ٹی شرٹ کے ساتھ سیاہ رنگ کی جینز میں ملبوس، لمبے بالوں کو گول مول لپیٹے انیسہ پانی کی خالی بوتل ہاتھ میں لئے اندر آئی۔

''کس کے لئے کافی بنا رہے ہو؟'' بات شروع کرنے والی وہی تھی۔

''قیس کے لئے۔اسے ضرورت ہوگی۔''

انیسہ نے گہری سانس لی۔اور اسکے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔پھر اسی کے انداز میں سلیب سے کمر لگالی۔

''مجھے اسکے لئے بہت برا لگ رہا ہے۔کتنے عرصے بعد تو وہ نارمل ہونے لگا تھا۔'' اسکے لہجے میں تاسف تھا۔وہ جس انداز سے کھڑی تھی اسکا بازو مہدی کے بازو سے مس ہو رہا تھا۔وہ نامحسوس انداز میں فاصلہ بنا گیا۔انیسہ سے اب اسکا کوئی تعلق نہیں تھا۔آج کل وہ reserved تھا۔

''تمہیں پتہ ہے وہ شادی کرنے والا تھا۔'' کافی کا مگ مہدی کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا۔وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''شادی؟کس سے؟کب؟''

''اپنی منگیتر سے۔اور کس سے۔وہی جو بلوچستان میں کسی گاؤں میں رہتی ہے۔'' اسکی آنکھیں پھیلیں، رازداری سے آواز ہلکی ہوئی۔

''تم جانتے ہو وہ کہاں رہتی ہے؟کیا کرتی ہے؟''

''تم سے کس نے کہا وہ شادی کر رہا ہے۔اور تم نے کیا سنا ہے مجھے سب بتاؤ۔'' مہدی بے چین ہوا۔اسکے سینے میں جھکڑ چلنے لگے تھے رہ رہ کر قیسم کی پارٹی میں زینیا کی کسی بات پہ ہنستا ہوا قیس اسکی آنکھوں کے آگے آتا رہا۔

''تین دن پہلے شاید میں اسٹڈی سے کوئی کتاب لینے گئی تھی اور۔۔۔'' اسکے ہونٹ ملنے لگے، آواز جوش سے بھر گئی، آنکھوں میں ڈھیر سارے تاثرات یکجا ہوئے۔ ان ہونٹوں کے ہلتے، اس آواز کے پار، ان تاثرات کی جانچ لگانے نکلو تو اسٹڈی میں دو لوگ ایک دوسرے کے آگے صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ اور تیسرا انکی داہنی طرف۔

نیوی بلیو تھری پیس میں ملبوس قیس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور اسکے سامنے بیٹھے بختیار اور مقصود سپاٹ تاثر لئے ہوئے تھے۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ہاتھوں کو باہم ملائے، انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ اسٹڈی کا دروازہ کھولتی انیسہ کا ہاتھ ہینڈل پہ ہی جامد ہو گیا۔

''میں چاہتا ہوں آپ نواب صاحب سے بات کریں۔ لیکن ابھی نہیں کچھ ماہ بعد۔ اور آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں تاکہ آپ دونوں ذہنی طور پہ تیار ہو جائیں۔ وہ لڑکی یہاں آئے گی اسی گھر میں۔ مجھے امید ہے آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔'' وہ بولتے ہوئے رکا۔ بختیار کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہو گا ناں چچا؟''

''نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ جو تم چاہو۔'' بختیار بھاری دل سے بولے۔ ''کیا تم اس لڑکی کے ساتھ رہ لو گے؟ وہ تمہاری محبت نہیں ہے۔ اور جن سے محبت نہ ہو، انکے ساتھ گھر نہیں بنتے۔''

''آپ سے کس نے کہا میں محبت کے بنا گھر بنا رہا ہوں؟'' اسکی آنکھوں کے پردے پہ سنہری آنکھیں لہرائیں۔ دل کی زمین پہ ٹھنڈی پھوار پڑی۔

''محبت کے بغیر کوئی گھر نہیں بنتا اور میں بنانا بھی نہیں چاہتا۔ میری زندگی میں پچھلے کچھ ماہ سے کئی تبدیلیاں آئی ہیں۔ آپ انکی وجہ کو محبت سمجھ لیں۔'' وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا، بس باتوں کو اپنی مرضی کے رنگ دیتا تھا۔

بختیار شاکی نظروں سے اسے تکتے رہے۔ انکی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ البتہ مقصود اسکے چہرے پہ کچھ کھوج رہے تھے۔

''کیا تم۔۔۔ تم محبت میں مبتلا ہو چکے ہو؟''

قیس نے گہری سانس لی۔

''اپنے چچاؤں کے سامنے اعتراف کرتا شاید اچھا نہ لگوں لیکن ہاں۔ یہ سچ ہے۔'' بختیار نے اسکی بات سنی اور اٹھ کھڑے ہوئے اس سے زیادہ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں قیس انیسہ کے لئے پسند تھا۔

''جو تم چاہو۔'' دھیرے سے کہتے وہ چلے گئے۔ باہر انیسہ نے انہیں دیکھا تو انکے بازو سے چمٹی۔ بختیار ٹھہر گئے تھے۔

''بابا۔۔ قیس شادی کر رہا ہے؟ اسے محبت ہو گئی ہے؟''

بختیار نے سر ہلا دیا۔ بولے کچھ نہیں۔

''کس سے شادی کر رہا ہے وہ؟ کب؟ ہم سب شامل ہوں گے ناں؟''

''اپنی منگیتر سے، اور باقی کی تفصیلات سے تمہارا کوئی سروکار نہیں۔'' وہ خالی الذہنی کے عالم میں کہتے وہاں سے چلے گئے۔ انیسہ بے بیک وقت کئی سارے جذبات آن وارد ہوئے۔ اسکے بھائی کی شادی تھی۔ اوہ خدایا اسکے بھائی کو محبت ہو گئی تھی؟

اندر اسٹڈی میں مقصود طنزیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''یقیناً تم نے مجھے اپنی محبت کے قصے سنانے کے لئے یہاں نہیں بلایا۔ اور یقیناً بات اتنی سادہ بھی نہیں ہے۔ پھر کہو، عبداللہ زمان اب تمہارا کونسا سیاہ کارنامہ ہے جسے میں فکس کروں گا۔''

قیس مسکرایا۔ ''یہی آپ کی یہی ذہانت مجھے ہر دفع امپریس کرتی ہے۔ آبو یسلی بات اتنی سیدھی نہیں ہے۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرایا۔

ان دونوں کی بات فلحال ادھوری چھوڑ کر واپس کچن میں آؤ تو مہدی کے ہاتھ میں پکڑا کپ ڈھلک رہا تھا۔ ادھ پھینٹے بینز مگ کے آخری کنارے پہ آن کھڑے تھے۔ اب فرش نشین ہوئے کہ تب ہوئے۔

''تمھیں یقین ہے وہ اپنی منگیتر سے محبت کرتا ہے؟ یا وہ اسی سے شادی کرے گا؟''

انیسہ کو واضح طور پہ برا لگا۔ اور پھر اس نے وہی ترکیب آزمائی جو ہر دوسرا انسان آزماتا ہے۔ اپنے سچ میں ذرا سے **"جھوٹ"** کی ملاوٹ۔

''میں نے خود سنا ہے وہ کہہ رہا تھا اسے اپنی منگیتر سے محبت ہے۔ وہ اسے ٹیکسٹ کرتا ہے، کالز کرتا ہے۔ سنا ہے وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ بس اب مجھے یقین ہے وہ جلد شادی کرے گا۔''

مہدی کو اب کے ذرا سی تقویت ہوئی۔ انیسہ نے سب خود سنا تھا پھر ٹھیک تھا۔ او کے تھا۔ اس نے کافی کا کپ واپس رکھا۔ اور بے دلی سے اپنے لئے چائے کا پانی رکھنے لگا۔ انیسہ نے پانی کی بوتل بھری۔ پھر مہدی کی پشت کو دیکھا۔

''ویسے تمہارا کیا ارادہ ہے۔ کب شادی کرو گے؟''

پانی میں پتی چھڑکتا اسکا ہاتھ رک گیا۔ اسے یکدم بے چینی سی ہوئی۔ انیسہ سے، اسکی باتوں سے۔ وہ بس یہاں سے چلی جائے زندگی میں پہلی بار مہدی کمبیر اسکے جانے سے راضی تھا۔

''نہیں بتانا چاہتے؟'' رک کر مصنوعی خفگی سے پوچھا۔ معشوق کو بڑا بھرم ہوتا ہے کہ عاشق کبھی اس سے نظر موڑ نہیں سکتا، لہجہ بدل نہیں سکتا۔ مگر معشوق کو کوئی سمجھائے۔ دور جدید میں عشق جدید ہو چکا تھا، اور عشق کے تقاضے بھی۔ اب جو دو گے، واپس بھی وہی ملے گا۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ تم سے تو بلکل بھی نہیں۔'' اب اگر معشوق بے قدری کرے گا۔ تو عاشق بھی پلٹ کر نہیں دیکھے گا۔ مہدی کمبیر نے یہ ثابت کر دکھایا تھا۔

''تم مجھ سے اس طرح بات کرو گے، مہدی؟''

''اگر تم میرے پرسنلز میں دخل دو گی تو شاید اس سے بھی برے انداز میں۔''

انیسہ تاریک پڑتی رنگت کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ کیا مہدی نے اسے **"ناں"** کہا تھا؟ کیا واقعی؟

وہ چائے کا مگ لئے کب اسکے سامنے سے گزر گیا اسے معلوم بھی نہ ہو سکا۔ تاریخ میں پہلی بار معشوق کا زعم ٹوٹا تھا۔ سوگ بنتا تھا۔ ماتم بنتا تھا۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ ذرا ذرا سی روشنی کہیں سے بھولے بسرے کھڑکی کے بلائنڈز کے زریعے اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ ٹانگیں بیڈ سے لٹکائے بیٹھا تھا۔ بلائنڈز کی روشنی لائنز کی صورت اسکے چہرے پہ گرتی تھی۔ وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔ کئی روز کی شب خوابی اسکے چہرے سے عیاں ہوتی تھی۔ اگر غور سے دیکھو تو اسکی گود میں ایک فوٹو فریم بھی تھا۔ جس میں ایک مرد کی تصویر تھی۔ اسکے بابا۔ اسکے عظیم بابا۔

''ماں تھرا بازیاد کھناں غاں۔'' وہ تصویر پہ ہاتھ پھیرتے آزردگی سے بولا۔

''وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ اسے نہیں جانا چاہیے تھا ناں؟ برا ہوں، لیکن اچھا بھی تو ہوں۔ سخت ہوں لیکن اسکے لئے نرم پڑ تو جاتا ہوں۔'' وہ مدھم سرگوشیاں کرتے ہوئے ٹھہر گیا۔

''میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ ایک ہفتے سے اسلام آباد بہت بورنگ ہو گیا ہے۔ میرے لئے نہ سہی کیا وہ اسلام آباد کی رونق کی خاطر بھی واپس نہیں آسکتی؟ کوئی جادو، کوئی منتر، کوئی وسیلہ مجھے کوئی کچھ بتائے۔ کوئی اسے واپس لائے۔'' اس نے گردن جھکا دی۔ سر کو ہاتھوں میں گرالیا۔ دل بے اختیار کراہا تھا۔ ہجر اذیت تھا۔ اور اسے یہ اذیت ڈھیر ساری مل گئی تھی۔

دو دن قبل کا ذکر ہے۔۔۔

آفس آج بے ترتیب تھا۔ پنے بکھرے ہوئے، خیالات منتشر۔ وہ بے چینی سے کبھی اپنے گلے پہ بندھی ٹائی کی ناٹ کھولتا، کبھی بازو کے کف موڑلیتا۔ کبھی پنے مروڑ تروڑ کر فرش کی زینت بناتا جاتا۔

دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی۔ اور چند پل بعد حدیبہ نواز دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ اسکے ہاتھ میں کچھ فائل تھیں۔ ساتھ کچھ پرنٹ آؤٹس بھی۔ انہیں میز پہ لا کر رکھا۔ قیس نے ہاتھ مار کر انہیں ایک طرف کر دیا۔ بے زاری حد سے سوا ہونے لگی۔

''وہ کب آئے گی؟ پورا ہفتہ ہو گیا ہے حبیب۔ سات دن۔ اسکے پاس دل نہیں ہے کیا؟'' اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ چہرے سے اندرونی خلفشار کا اندازہ ہوتا تھا۔ آج وہ ویسے ہی بے چین تھا جیسے کئی بار گوادر میں بیٹھی لڑکی اسکے لئے ہوا کرتی تھی۔ آج اسے بھی انتظار تھا، ویسا جیسا کسی دور میں زینیا حاکم نے کیا تھا۔ وقت نے عبداللہ زمان کے منہ پہ جوتا دے مارا تھا۔ اور وہ اسکا حقدار بھی تھا۔

''اسے کال کرو، اس سے کہو قیسم کو اسکی ضرورت ہے۔ یا پھر مجھے کوئی طریقہ بتاؤ، حبیب۔ میں اسے کیسے واپس لاؤں؟'' اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ شدید اینگزائٹی ہونے لگی تھی اسے۔

''میری بات ہوئی تھی کل۔ وہ چھٹی پہ گئی ہے باس۔ قیسم کی پالیسی ہے ہم زبردستی نہیں کر سکتے۔''

''کال کرواسے ابھی میرے سامنے۔ اس سے کہو vintage shoot کے لئے آئے۔ کچھ بھی کرو مجھے اسکی آواز سننی ہے۔'' وہ بے چینی سے ناخن کترتے ہوئے بولا۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''لیکن وہ شوٹ دو ماہ بعد ہونا تھا باس۔'' حدیبیہ کو شیڈول دیکھنا بھی نہیں پڑا۔

''وہ اگلے ہفتے ہو گا اسے کال کرو اور بلاؤ۔ شوٹ کا کانٹریکٹ ہے۔ اسے آنا پڑے گا۔'' وہ قدرے بلند آواز میں بولا۔

حدیبیہ چند پل اسے دیکھتی رہی پھر بے بسی سے میز پہ دھرا ریسیور اٹھا کر زینیا حاکم کا نمبر ڈائل کیا۔ ایک دو بیل کے بعد کال اٹھا لی گئی تھی۔

''ہیلو۔۔ میں قیسم سے حدیبیہ نواز بات کر رہی ہوں۔ مجھے مس زینیا حاکم سے بات کرنی ہے۔'' اس نے انگریزی میں کہا۔

''زینیا بات کر رہی ہوں کہیں، حدیبیہ۔'' لہجہ وہی بے لچک۔ قیس کا رواں رواں سماعت بن گیا۔ اندر کا خلفشار تھم گیا۔ کب وہ آواز اسکے لئے سکون بنی، کب وہ لازم و ملزوم ہوئی اسے کیوں پتہ نہ چل سکا؟

''آپ کو vintage shoot کے لئے آنا پڑے گا۔ اگلے ہفتے۔ میں تفصیلات آپ کو ای میل کروا دیتی ہوں۔ تھیم اور باقی کی تیاری آپ دیکھ لیجئے گا۔''

''میں اگلے دس دن تک نہیں آسکتی۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ قیس اپنی کرسی پہ بے چینی سے آگے کو ہوا۔

''اگر شوٹ دس دن بعد ہو سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ جیسے کہ معاہدے میں لکھا ہے میں حرجانہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' حدیبیہ نے قیس کو دیکھا مگر وہ اسے نہیں دیکھ پایا۔ اسکے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''ایک اور شق میں لکھا ہے کہ اگر میں وقت پہ نہ آسکی تو مجھے اس شوٹ سے الگ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے پاس دونوں آپشنز ہیں۔ وہ چن لیں جو بہتر لگے۔''

آپشن تو تیسرا بھی تھا کہ وہ دس دن بعد آجاتی۔ مگر کیا اسکے لئے کنارہ کرنا واقعی اتنا آسان تھا؟ کیا وہ بھی قیس کو چھوڑ رہی تھی؟ کیا وہ اسے چھوڑ دے گی؟ اسکا دل بند ہونے لگا۔ اسکا دل واقعی بند ہو رہا تھا۔

''آپ دس دن بعد آجایئے گا۔'' حدیبیہ نے بڑے ہی ضبط سے کہا۔ اسے قیس سے اجازت نہیں مانگی پڑی وہ جانتی تھی اسکا باس کیا چاہتا ہے۔ دوسری طرف بغیر کسی جواب کے فون رکھ دیا گیا تھا۔ قیس نے جیسے تھک کر، شکست خوردگی کے عالم میں گردن کرسی پہ گرادی۔ حدیبیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ کیا وہ اب اسکے لئے کچھ کر سکتی تھی؟ شاید کچھ نہیں۔ اب زخم بھی زینیا تھی، طبیب بھی، مرض بھی اور مرہم بھی۔

''میں نے آپ کو کہا تھا باس وہ آبسیشن کی ابتدا تھی، میں نے آپ سے کہا تھا واپس آجائیں۔''

''وہ ابتدا نہیں تھی۔''، قیس کمبیر بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

''تم ابتداء سے واقف نہیں ہو۔ ابتداء صرف میں جانتا ہوں اور میرا دل۔'' اسکی آنکھوں کے گرد منظر بدلا ہوا تھا۔ کمبیر محل کی راہداریوں میں وہ کوئی تھیلا سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ اسکی آنکھیں ہراساں تھیں۔ انداز میں خوف۔ قیس کمبیر نے اسے دیکھا اور اسے لگا جیسے اسکے پزل کا گمشدہ ٹکڑا مل گیا ہو۔ اسکی آنکھیں مقناطیسی کشش رکھتی تھیں۔ وہ ان سنہری آنکھوں سے منہ نہیں موڑ پایا تھا۔ قیس کمبیر ایک ادھورا آرٹ تھا، زینیا حاکم اسے مکمل کرتی تھی۔

''سیورس پلیز۔۔۔'' وہ زخمی چہرے والی لڑکی اس سے التجا کر رہی تھی۔ اور اس نے کسی طلسمی لمحے کی زیر اثر اسکی اور قدم بڑھائے۔ پھر جھک کر اسکا ہاتھ تھاما۔ وہ لمس۔۔۔ وہ لمس اسکے لئے شناسا نہیں تھا، مگر اسے لگا وہ اس سے مانوس ہے۔ کسی اور جہاں میں، کسی اور وقت کے چکر میں۔

وہ اسے لئے راہداریوں میں بھاگ رہا تھا۔ یوں جیسے وہ کوئی سلطان ہو، اور اپنی ملکہ کو کسی آفت سے بچا لینا چاہتا ہو۔ اور وہ اسے بچا چکا تھا۔ اسے الہام ہوا اگر وہ کسی سلطنت کا مالک ہوتا تو ساری سلطنت چھوڑ وہ اس لڑکی کی حفاظت کرتا۔

اگلے منظر میں وہ دھیمی نیلی روشنیوں میں تھی۔ اسکا چہرہ زخمی تھا۔ وہ مسلسل بول رہی تھی بلکل قیس کی طرح۔

وہ دوبدو اسکی آنکھوں میں دیکھ کر جواب دے رہی تھی۔ بلکل قیس کی طرح۔ وہ حاضر جواب تھی، بدتمیز، بااعتماد، اور خود غرض بلکل قیس کی طرح۔ وہ اسکی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔ کورا، شفاف، واضح۔

اور پھر ایک لمحہ آیا۔ قیس کی نظر اسکی ناک کے زیور پہ پڑی۔ وہ نہیں جانتا تھا کیوں مگر اسکے دل میں جیسے کسی نے نیزے کی انی مار دی ہو۔ اسے تکلیف ہوئی مگر ظاہر نہ ہونے دی۔ اس دن سے اس نے ان سنہری آنکھوں سے دوری اختیار کرنے کا سوچ لیا۔ مگر لاشعوری طور پہ وہ ہر دفع اسکے سامنے آنے لگی۔ اور وہ اگلی بار یونہی کسی اتفاقی ملاقات کا منتظر رہنے لگا۔ وہ اسے شناسا لگتی تھی جانے کیوں۔ اسکا لہجہ ایسا تھا جیسے پہلے کہیں سن رکھا ہو کہاں؟ اسکی آنکھیں اسے باقی منظر بھلانے لگی تھیں۔ اسکی روح اسے پہچانتی تھی۔ وہ مقدم تھی، مقدس بھی، اور دور کہیں شاید ملکیت بھی۔ اور اگر ملکیت نہیں تھی تو وہ بنائے گا۔

وہ آنکھیں اسے دنیا سے غافل کرتی تھیں مگر کیوں؟ یہ وہ سوال تھے جن کے جواب جاننا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ پہلے وہ تجسس بنی، پھر ضرورت، پھر کمفرٹ، پھر محبت، پھر عزیز اور پھر جنون۔ جب وہ جنون بن گئی تب قیس کمبیر نے دل کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، گردن جھکا دی، مقتلِ عشق کو ایک اور مجرم مل گیا تھا اور اسکی سزا شروع ہو چکی تھی۔

''کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکتی۔'' وہ قیس کو دیکھتے ہوئے تاسف سے کہہ رہی تھی۔

''کاش میں اپنے لئے کچھ کر سکتا۔'' بڑبڑاہٹ دھیمی تھی۔ بے بس تھی۔ شکست خوردہ تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ منظر چھٹ گیا مگر سینے کی جلن کم نہ ہوئی۔ لائنوں کی صورت پڑتی روشنی اپنا فرض ادا کرتی رہی۔ اور آنکھوں کے آگے کوئی اور فلم چلنے لگی۔

''اپنے سیاہ کارناموں میں میرے باپ کا نام استعمال کرنے کی جرات کیسے ہوئی تمہاری؟'' پورچ میں رکتی گاڑی سے باہر آتے قیس سے پہلا سوال یہی ہوا تھا۔ وہ تکان زدہ سا مہدی کو دیکھے گیا۔

''ہم بعد میں بات کریں گے، گرین وونڈ۔'' وہ اسکا کندھا تھپک کر آگے بڑھ جانا چاہتا تھا مگر مہدی نے اسکی کہنی تھام کر اسے روکا۔

''in the memory of sarwar,and zaman kambeer'' وہ تلخی سے بولا۔

''قیسم کا نیا لانچ اسی طرح کرنا چاہتے ہو ناں تم؟ میرے باپ نے کپڑے کی عزت کی، اس کی خوشبو سے محبت کی تھی اور اسکی قیمت اپنے خون پسینے سے ادا کی تھی۔ جو کپڑا تم لاتے ہو وہ چوری کا ہوتا ہے۔ تم کپڑے کو برہنہ کرتے ہو اور میں اس سب میں تمہیں میرے باپ کا نام استعمال کرنے نہیں دوں گا۔'' تیز تیز بولتے اسکا تنفس بگڑنے لگا تھا۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

''یہ صرف ایک آئیڈیا ہے مہدی۔ ہم اس پہ بات کر سکتے ہیں۔''

''اس آئیڈیا کو کھرچ کر نکالو اپنے ذہن سے، قبر میں لیٹے میرے باپ کو اپنے سیاہ اعمال میں شامل مت کرو۔''

''تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے، مہدی۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ آواز بلند نہیں تھی۔ محل کا مضبوط ستون دل پہ پڑے بوجھ سے ڈھے رہا تھا۔

''میں نے تمھیں ساری دنیا کے عتاب سے بچایا کیا اس لئے کہ آج تم مجھ سے ایسے بات کرو؟''

مہدی سرخ انگارا ہوتی آنکھیں لئے اسکے بلکل سامنے آکر رکا۔

''تم نے کچھ بھی "میرے" لئے نہیں کیا قیس۔ تم نے مجھے دنیا سے بچایا تا کہ تم اکیلے مجھے سزا دے سکو۔''

''میں نے تمھیں پروٹیکٹ کیا، آزاد کیا، میں نے اپنے لئے مشکل چن کر تمھارے لئے آسانیاں کیں۔'' وہ گنوا رہا تھا، وہ گنوا سکتا تھا۔

”تاکہ ان مشکلات کے بعد تمہیں مہدی کی صورت ایک پنچنگ بیگ مل سکے۔ تم نے دنیا کا غصہ مجھ پہ نکالا۔ تم نے اپنی سختیوں کو مجھ پہ توڑا۔ تم نے مجھ سے ایک ایک چیز، ایک ایک آسائش کی قیمت لی ہے، قیس۔“ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھیں گیلی ہوئیں، گلا بھاری۔

”تم نے مجھے اپنے آپ سے نفرت کروادی۔ تم نے مجھے ذہنی غلام بنایا۔ تم مجھے بسمل بنایا۔ اور ایک بسمل کو اگر سونے کے برتن میں دوادے دو تو زخم بھر نہیں جاتے۔“

قیس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ مزید وہاں نہیں رک سکا۔ اسکے قدم داخلی دروازے کی اور بڑھنے لگے۔ یہ گھر، یہ لوگ اسے یہاں نہیں رہنا تھا۔ اسے بس ایک انسان کے پاس جانا تھا۔ اسکا کمفرٹ، اسکی طبیب، اسکی زینیا حاکم۔ مگر آج پہلی بار اسے یقین تھا اسے وہ نہیں ملے گی۔ سارا مسئلہ اسکے نہ ہونے کا ہی تو تھا۔

اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے اس نے آنکھیں مسلیں۔ دل پہ ہاتھ رکھا اور اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے بیڈ کی سائیڈ دراز کھول لی۔ نشہ آور ادویات کی ایک ڈبیا اسکے ہاتھ لگی، اس نے آنکھیں بند کیں۔ آنکھوں کے آگے وہ ساحر آنکھیں چھا گئیں۔ سماعتوں میں اسکی آواز گونجی۔ وہ مسکرایا۔ پھر مسکراہٹ سمٹ گئی۔ مہدی اس پہ چیخ رہا تھا۔ اسکے دل میں ہوک سی اٹھی۔ وہ ایزل کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا، وہ انہیں چھور رہا تھا جب میرہ نے درشتی سے اسکا ہاتھ ہٹایا۔ دل میں درد اٹھا تھا۔ دوائیاں ہتھیلی پہ رکھتے وہ بغیر پانی کے نگل گیا۔ ساتھ خود کو بیڈ پہ گرادیا۔ آنکھوں کے کونے سے ایک آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوا۔ روشنی اب اسکے وجود سے غائب ہو گئی تھی۔ تاریکیوں نے اسے جکڑ لیا۔

اسکی آنکھیں تاریکی میں ڈوبتی چلی گئیں۔ شاید ہمیشہ کے لئے۔

ریستوران کی سفید جگمگ کرتی بتیوں میں لوگوں کے چہرے پہ نظر آتی خوشی زیادہ واضح لگتی تھی۔ اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو، کولڈ ڈرنک کے ٹکراتے گلاس اور سیر ہو کر کھانا کھاتے لوگوں کے درمیان ایک میز کی طرف آؤ تو وہاں شیزل اور اسکی کچھ دوستیں تھیں۔ ایک ڈنر۔ ایک محفل۔

میرون رنگ کی بیگی شرٹ کے ساتھ سفید رنگ کا ڈھیلا ٹراؤزر پہنے اس نے بالوں کو ڈھیلا باندھ رکھا تھا۔ چہرے پہ ہلکا سا میک اپ اور آنکھوں پہ آئی شیڈو کچھ زیادہ ہی واضح تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ بول بھی رہی تھی۔ اور باقی ساری لڑکیاں اسے سن رہی تھیں۔ الفا فیمیل۔

دفعتاً کسی احساس ایک شناسا آہٹ کے تحت اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ گلاس وال کے پار ریستوران کی دوسری شفٹ میں اسے ایک میز کے گرد براق بیٹھا نظر آیا۔ وہ اسے دیکھ کر نظر نہ ہٹا سکی۔ براق کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ جدید تراش خراش کا لباس زیب تن کئے، میک اور جیولری میں لدی پھندی۔

''میں دو منٹ میں آتی ہوں۔'' وہ اپنے ساتھ بیٹھی لڑکیوں سے کہتے ہوئے اٹھی۔ موبائل کان سے لگایا اور نسبتاً ایک کونے والی جگہ پہ آ کر کھڑی ہوئی۔ وہ یہاں سے براق کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ وہ چہرے کے زاویے بگاڑے اس لڑکی کو جھڑک رہا تھا۔ اسکا موبائل بجا اور میز پہ رکھے موبائل پہ شیزل کا نمبر دیکھ وہ بے اختیار کراہا تھا۔ پھر لڑکی کو خاموش ہونے کا اشارہ کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔۔ کہاں ہو تم، براق؟'' اس نے لہجہ نارمل رکھا۔

''میں قیس کے گھر پہ ہوں۔ بتایا تھا ناں تمھیں؟ یار قیس کی حالت بہت خراب ہے۔ نقصان بھی تو اچھا خاصا ہوا ہے۔''

شیزل کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ براق اس سے جھوٹ بول رہا تھا؟

''تم نے کہا تھا آج تم میری ممی سے ملنے آؤ گے۔ وہ تمہارا انتظار کرتی رہیں۔''

''آئی ایم سو سوری، شیزل۔ تم خود دیکھو ناں قیس ہمارا دوست ہے ایسے وقت میں ہمیں اسکے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ تم بھی ساتھ آنا چاہتی تھیں مگر میں نے ہی منع کر دیا۔ میں نے صحیح کیا ناں؟'' وہ ایک نارمل جوڑے کی طرح بن رہا تھا۔ اپنے ساتھی کی ایک جگہ عدم موجودگی کا دفاع کرنا۔ مگر کچھ تھا جو شیزل کے دل میں کھب گیا تھا۔

''تم قیس کے ساتھ ہو ناں، براق؟'' اس نے جانے کیوں ایک بار پھر سوال کیا۔

''ہاں یار میں اسی کے ساتھ ہوں۔ تم کہو تو میں تمہاری بات بھی کروا دیتا ہوں۔ تمھیں مجھ پہ یقین نہیں ہے؟'' اسکے سامنے بیٹھی لڑکی نے براق کے کان سے موبائل ہٹانا چاہا مگر وہ درشتی سے اسکا ہاتھ جھٹک چکا تھا۔

''نہیں۔۔۔ اگر تم کہہ رہے ہو تو سچ ہی ہو گا۔ تم پہ یقین کیا۔'' وہ نظریں براق کے نیم رخ پہ جمائے ہوئے بولی۔ براق نے گہری سانس لی۔ اور پھر ایک دو باتیں کہہ کر فون کاٹ دیا۔ شیزل واپس میز تک آئی۔ اپنا سامان اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ اسکی ساتھی دوستیں بس اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ سڑکوں پہ بلا مقصد گاڑی دوڑاتی رہی۔ کنپٹی کی رگیں تک دکھنے لگی تھیں۔ اسے کافی کی شدید طلب ہوئی تو گاڑی ایک کافی شاپ کے باہر روک دی۔ کافی لے کر وہ باہر آئی اور گاڑی دوڑانے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ تھک ہار کر کوئی گیارہ بجے وہ ہاسٹل چلی آئی۔ افروزہ بیگم دروازے پہ ہی چکر کاٹ رہی تھیں۔ شیزل کو اتنی دیر سے آتے دیکھ انکے ماتھے پہ بل پڑے مگر اسکی زرد ہوتی رنگت دیکھ وہ کچھ نہ بولیں۔

چند منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ نہ کپڑے بدلے، نہ میک اپ صاف کیا۔ وہ بس کسی ایک نقطے پہ آ کر ٹھہر گئی تھی۔ دفعتاً دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ افروزہ بیگم ہاتھ میں چائے کے مگ لئے اندر آ رہی تھیں۔ انہوں نے مگ تپائی پہ رکھے اور خود اسکے ساتھ آ کر بیٹھیں۔

''قیس کی وجہ سے پریشان ہو؟'' وہ فکرمند ہوئیں۔ شیزل نے نفی میں سر ہلایا۔

''براق نے کچھ کہا ہے؟ تمہارا پھر جھگڑا ہوا ہے؟''

''آپ کو براق کیسا لگتا ہے آنٹی؟'' یکدم وہ نظریں اٹھا کر بولی۔

''براق؟۔۔۔'' وہ سوچ میں پڑیں۔ ''امیر، شائستہ، اور باتیں اپنے کورٹ میں کرنے والا۔''

''میرے لئے کیسا لگتا ہے۔؟''

''سرخ جھنڈا۔'' وہ بلا تامل بولیں۔ ''تم دونوں کی محبت داستانوں میں لکھی جائے گی۔ لیکن اگر تم دونوں نے شادی کر لی تو ناکامیوں کی داستان میں۔'' انہوں نے کہتے ہوئے اپنا کپ اٹھایا۔ شیزل نے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔ وہ براق کو جو مرضی کہے مگر جب کوئی اور کہتا تھا دل دکھتا تھا۔

کافی دیر تک وہ خاموش رہی تو افروزہ ایک بار پھر بولیں۔ ''براق سے جھگڑا ہوا ہے؟''

''جھگڑا ہی تو نہیں ہوا۔ ہمارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو سب صحیح رہتا ہے مگر آج جھگڑا نہیں ہوا۔'' وہ عجیب انداز میں بولی۔

''جھگڑا نہیں ہوا تو اچھا ہے ناں محبت کرتا ہے وہ تم سے۔''

''ڈرتا ہے وہ۔'' شیزل ہلکی آواز میں بولی۔ ''مجھے محبت کا نہیں پتہ لیکن وہ ڈرتا ہے مجھ سے۔ میں نے اسے دیکھا وہ۔'' اس سے کہا نہ گیا۔ ''ڈرتا ہے مجھ سے۔''

''ہر شریف مرد اپنی بیوی سے، اپنی عورت سے ڈرتا ہے۔ اسکی ناراضگی کے خوف سے۔ اسکے کھونے کے خوف سے۔ محبت میں ڈر تو ہوتا ہی ہے۔'' وہ اصل بات تک جانا چاہتی تھیں۔

''اور ڈر ایک دن ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

''اور اگر ایک بار اسکا ڈر ختم ہو گیا تو مرد مارتا بھی ہے۔ عورتوں سے تعلقات بھی رکھتا ہے۔ ذلیل بھی کرتا ہے اور چھوڑ بھی دیتا ہے۔ براق کا ڈر ختم ہو گیا تو؟'' وہ انکی جہاندیدہ آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ اور انکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ تھا میں نے اسے دیکھا اور اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔'' شیزل ایک ہی نقطے پہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے وہ تمھیں چیٹ کر رہا ہے؟''

''وہ مجھے چیٹ نہیں کر رہا۔'' وہ پورے وثوق سے بولی۔ ''وہ اس لڑکی کو سمجھا رہا ہو گا، دھمکا رہا ہو گا کہ اب وہ دوبارہ اس سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ مگر اسے مجھ سے چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بتا دیتا مگر آج مجھے اندازہ ہوا ہے ہم دونوں کے درمیان کوئی انڈرسٹینڈنگ سرے سے ہے ہی نہیں۔''

''محبت تو ہے ناں۔''انہوں نے جیسے اسے پچکارا۔

''محبت۔۔''**صرف**''محبت سے شادیاں ہو جاتی ہیں چلتی نہیں ہیں۔جب شادی کے دو سال بعد انڈرسٹینڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو چھوڑنا ہے تو جڑنا کیوں؟''

''تم اتنا برا کیوں سوچ رہی ہو؟ نکاح میں بڑی برکت ہوتی ہے۔وہ شاید تم دونوں کا دل موم کر دے۔''انہوں نے ایک اور کوشش کر کے دیکھ لی۔

''ہم مس میچ ہیں۔''وہ جیسے کسی شے کے زیر اثر اعتراف کر رہی تھی۔دل میں چبھن ہونے لگی۔

''اس طرح کی باتیں مت سوچو بچے۔ایک زرا ذرا سے جھوٹ پہ تعلقات توڑ دینا بے وقوفی ہو گی۔اگر ایک عدد خامی اس میں ہے تو دس تم میں بھی ہوں گی۔جو بھی کرنا سوچ کر کرنا۔''انہوں نے شیزل کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔وہ کچھ نہ بولی۔

اسکے دل میں پڑا''**شک**''کا پودا جڑ پکڑ چکا تھا۔اور اسکی بیلیں جلد بہت جلد اسکے سارے دل کو گھیر لیتیں۔یا شاید نہیں۔کسے کیا پتہ؟

ہسپتال کی راہداریوں میں کبھی خاموشی نہیں ہوا کرتی۔کبھی رات کے پہر ان راہداریوں میں زخمی لوگ لائے جاتے ہیں۔اور بعض دفع سرد لاشیں۔کبھی صحت یاب ہوتے لوگ یہاں قدم دھرتے ہوئے چلتے ہیں تو کبھی زندگی اور موت سے لڑتے مریض کا خاندان انتظار کرتا،راہداریاں میں زندگی کی رمق ختم ہونے نہیں دیتیں۔

یہ اسلام آباد کا ایک نجی ہسپتال تھا۔ڈاکٹرز کا عملہ اس وقت چاک و چوبند تھا۔آئی سی یو میں اس وقت قیس کمبیر تھا اور اسکے گھر والے ویٹنگ ایریا میں۔سفید بلب ڈھیروں کی تعداد میں اس کمرے کو روشن کر رہے تھے مگر کچھ بھی اس وقت مہدی کے تاریک پڑتے چہرے کو روشن نہیں کر سکتا تھا۔وہ ہر گزرتے لمحے اپنا رنگ بدل رہا تھا۔گلٹ،پریشانی،خوف،محبت اس پہ مختلف جذبے وارد ہو رہے تھے۔

''اسکی کل رات آپ سے ہوئی تھی ناں؟'' مہدی نے بے چینی سے اپنے ساتھ بیٹھے بختیار کو دیکھا۔

''وہ کیا کہہ رہا تھا؟اسے آخر کیا پریشانی تھی۔ صرف قیسم؟''

بختیار نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔ ''اس نے مجھ سے دو سطور کہی تھیں۔ صرف دو۔اس نے کہا تھا'' **چچا کیا میں نے خاندان کا حق ادا نہیں کیا؟مہدی مجھ سے نفرت کیوں کرنے لگا ہے؟''**

''میں اس سے نفرت نہیں کرتا۔'' وہ بامشکل بول سکا۔ دل میں کوئی ایسی برچھی کھب گئی جس سے اسکے سارے جسم میں خون پھیل گیا۔

''لیکن تم نے اسے تو یہی تاثر دیا ناں؟ بلکہ اس سے بھی برا۔ وہ تمہارا بھائی تھا، مہدی کوئی اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟''

''وہ میرے ساتھ بھی تو غلط کرتا تھا چچا۔'' مہدی کی دلیل کمزور تھی۔ وہ زینیا کی دی شہہ پہ کھڑا ہوا تھا مگر شاید بھول گیا تھا دوسروں کے قدم زیادہ دیر آپ کا بوجھ نہیں سہہ سکتے۔

''وہ غلط کرتا تھا؟اسکا سارا خاندان تمھارے ماں باپ کی وجہ سے تباہ ہوا۔ پیسہ عزت مقام سب ختم ہو گیا۔ شہزادہ ہوتے ہوئے اس نے غلاموں جیسی دربدری برداشت کی اور تمھیں لگتا ہے اسکے بعد بھی وہ نارمل رہتا؟ تمھیں بہت اچھے سے بہت پیار سے رکھتا؟'' وہ تیز تیز بولتے ہوئے ہانپنے لگے تھے۔ مہدی کی گردن جھکنے لگی۔ کیا اسے واقعی لگا تھا وہ اتنے سالوں کی غلامی سے ایک پل میں جان چھڑا سکتا تھا۔؟

''اسکے بس میں تھا کہ اس روز تمہاری بہن کو خالق حسین کی تحویل میں رہنے دیتا۔ وہ بدکردار مرد پھر جو چاہے تمہاری بہن کے ساتھ کرتا۔''

''چچا۔'' مہدی نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ اسکی آنکھیں سرخ پڑ گئی تھیں۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔

''اسکے بس میں تھا کہ تمھیں کسی یتیم خانے میں دے آتا اور خود عیش و عشرت کی زندگی گزارتا لیکن اس نے ہمیشہ خاندان کو چنا۔ اچھا، برا، تباہ کن جیسا بھی تھا اسکا خاندان تھا اور اس نے اپنے خاندان کو ہمیشہ ترجیح دی۔ تم نے کیا صلہ دیا، مہدی؟ تم نے ثابت کیا کہ تم اس عورت کے بیٹے ہو جس نے ہمارے خاندان کو غیر سمجھا کیونکہ وہ غیر تھی۔ قیس کمبیر وہ آدمی ہے جس نے خاندان کو جوڑا، سنبھالا، خوش رکھا۔ کیونکہ وہ ''**خاندانی**'' تھا کیونکہ اسکے خون میں ''**ملاوٹ**'' نہیں تھی۔'' وہ شاید مزید بھی کچھ کہتے رہے مگر مہدی کمبیر کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

وہ باہر آ گیا راہداریوں میں۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اس نے جھک کر گہرے لمبے سانس لئے۔ چند ایک آنسو ٹوٹ کر گرے۔ دل جیسے بند ہونے لگا ہو۔

''ناٹ اگین۔۔۔۔ اللہ ناٹ اگین۔۔۔۔ پلیز ناٹ اگین۔'' اسکی روح قبض ہو رہی تھی۔

اسکی آنکھوں کے آگے اپنے ماں باپ کے چہرے تھے۔ وہ ایک بار پھر خاندان کو کھونے کا متمنی نہیں ہو سکتا تھا۔

اب دوبارہ نہیں۔

رات جوں جوں گزرتی جا رہی تھی۔ اپنے اسرار و رموز سے پردہ اٹھاتی جا رہی تھی۔ کوئی دو سے تین بجے کا وقت تھا۔ اپنے پلنگ کے تاج سے ٹیک لگائے بیٹھی زینیا حاکم نے کتابیں بند کیں۔ آنکھوں کو مسلا۔ اسکی آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑنے لگے تھے۔ گردن اکڑ گئی تھی۔ ایک سال سے وہ یونہی رات گئے تک پڑھتے رہنے کی عادت ہو گئی تھی۔ اسے رات کے اس وقت چائے کی شدید طلب سی ہونے لگی۔ کتابیں اٹھا کر دراز میں رکھتے ہوئے اس نے موبائل کھولا۔ اور زرا آرام دہ انداز میں ٹیک لگا لی۔ انسٹا گرام کھولا اور پھر ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہ لے سکی۔

''مشہور صنعت کار اور فیشن ڈیزائنر قیس کمبیر نشہ آور ادویات کے غیر اضافی استعمال کی وجہ سے ہسپتال داخل۔'' زینیا تھم گئی۔

''گزشتہ روز قیس کمبیر کے فیشن ہاؤس قیسم کے سٹوڈیو میں آگ لگ گئی تھی اور انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ نیز گزشتہ روز ہی قیسم کے لئے درآمد کروایا گیا کپڑا کسی قانونی مسئلے کی وجہ سے ضبط کر دیا گیا تھا۔ قیس کمبیر کے دوستوں کا کہنا ہے کہ انہیں اسی

نقصان کا صدمہ ہو سکتا ہے۔ البتہ اہل خانہ میں سے کسی نے کوئی بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔ یاد رہے قیس کمبیر، مہدی کمبیر کے کزن ہیں۔ مہدی کمبیر عالمی شہرت یافتہ افراد میں شامل ہوتے ہیں۔۔۔" رپوٹر مزید بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر زینیا نے انسٹا گرام بند کیا اور کال لاگ کھولی۔ سب سے اوپر مہدی کی کال تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے اسے کال ملائی۔

دوسری طرف ہسپتال کی راہداریوں میں بے چینی سے چکر کاٹتے مہدی کمبیر کا فون بجنے لگا۔ وہ کسی کی کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ نیوز چینلز اور اسکے بھائی کے کاروباری دوستوں نے اسکا سانس لینا محال کر رکھا تھا مگر یہ کال۔۔۔ وہ اس کال کو کم از کم اس زندگی میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ سبز سلائڈ ایک طرف کرتے اس نے کال اٹھالی۔ بے اختیار پیروں کے نیچے زمین آگئی۔ سر پہ آسمان اور کمر کو ٹیک ملی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟ کہاں ہیں آپ اس وقت؟" اسکے انداز سے زیادہ فکر واضح نہ ہوئی۔

"ہسپتال میں ہوں۔ میں ٹھیک نہیں ہوں، زینیا۔" بے اختیار، بے ساختہ اس نے کہہ دیا۔ "یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں نے پچھلے چند ماہ سے اسے بہت زیادہ ذہنی اذیت دی تھی۔ میں نے اسے بہت تنگ کیا تھا۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گا؟ یہ میں نے کیا کر دیا زینیا یہ میں نے کیوں کیا؟" اسکی آواز گیلی تھی۔ آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ کسی نے مہدی کمبیر کے دل پہ پیر رکھ دیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں وہ ٹھیک ہو جائے۔ وہ بس ایک بار ٹھیک ہو جائے اور میں سب فکس کر دوں گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا ناں؟" یہ لڑکی اسکے غم سے سے نکلنا کا ذریعہ تھی۔ وہ کچھ اچھا سننا چاہتا تھا۔

زینیا نے اپنی ناک کی ہڈی کو دو انگلیوں کے درمیان دبایا۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"اسے کچھ نہیں ہوا ہے، مہدی۔ اس نے کوئی اضافی مقدار نہیں کھائی۔ وہ الوژن بنا رہا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا مگر وہ باتوں کو اپنی مرضی کے رنگ دے رہا ہے۔"

مہدی ایک پل کے لئے بلکل تھم گیا۔ اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ کئی لمحے اسکے حلق سے کوئی آواز برامد نہیں ہوئی۔

"ایکسکیوز می؟" وہ ایک دم سے مختلف انسان بن گیا تھا۔

''ایسے نقصان اسے کئی بار ہوئے ہوں گے اور جب اسکے پاس ماہ جبین مختار کی طرف سے نرم گوشہ حاصل ہے تو وہ اتنا بڑا نقصان کیوں سہے صرف ایک کال اور اسے اسکا سارا کپڑا واپس مل جائے گا۔'' زینیا ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ الفاظ میں روانی تھی۔ مہدی چپ چاپ اسے سنتا رہا۔

''جس سٹوڈیو کی وہ بات کر رہا ہے وہاں پچھلے دنوں میں نے ہی شوٹ کیا تھا۔ سارا برائیڈل کلکشن وہاں سے نکال کر کراچی بھیج دیا گیا تھا اور اگر کوئی نیا اسٹاک وہاں تھا بھی تو وہاں ہونے والا نقصان صرف چند لاکھ کا ہے۔ قیسم کے سارے بڑے پروجیکٹس اس وقت ملتوی ہیں اور۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' وہ بے لچک انداز میں بولا۔ مہدی کمبیر نے زینیا حاکم سے کبھی اس طرح بات نہیں کی تھی۔

زینیا نے گہری سانس لی۔

''نارسسسٹ اور ٹاکسک لوگوں کا ایک پیٹرن ہوتا ہے مسٹر کمبیر جب لوگوں سے انکا "rule" ختم ہونے لگتا ہے تب یہ لوگ اپنے پرانے سخت طریقے سے انہیں جھکا نہیں سکتے اس لئے یہ لوگ "sympathy" حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹاکسک پیٹرن سے ہم اسی لئے نہیں نکل سکتے کیونکہ یہاں ہم نکلنے کے لئے پر پھیلاتے ہیں یہاں ہمارے صیاد کے ساتھ کچھ برا ہو جاتا ہے۔ وہ چاہے ہمارے ساتھ جیسا بھی تھا لیکن دور کہیں ہمارے دل میں اسکے لئے سافٹ کارنر ہے اور وہ اسی کو استعمال کرتا ہے۔''

مہدی کمبیر کی رنگت سرخ پڑنے لگی تھی۔ غصے سے اسکی کنپٹی کی رگیں تک پھڑکنے لگی تھیں۔ اسے زینیا حاکم سے بے زاری ہوئی۔

''تمہارا دماغ شروع سے خراب تھا یا گوادر جا کر ہوا ہے؟'' وہ چبا چبا کر بولا۔ ''تمہیں لگتا ہے اسکا نقصان جھوٹ ہے۔ اسکا پیسہ برباد ہونا جھوٹ ہے۔ اسکا زندگی اور موت کی کشمکش میں لڑنا جھوٹ ہے؟''

''جھوٹ نہیں الوژن ہے۔'' وہ کمال ڈھٹائی سے اپنے موقف پہ قائم رہی۔

''وہ آپ کو اور اپنے باقی قریبی لوگوں کو کمزور لمحے میں واپس لانا چاہتا ہے۔ خدا کے لئے مہدی اسکے پیچھے مت جائیں۔ وہ سراپا جھوٹ ہے۔'' آخر میں اسکا لہجہ نرم ہو گیا۔ ساری دنیا کو وہ جوتی کی نوک پہ رکھتی تھی مگر مہدی کمبیر کے لئے اسے دل سے فکر ہوتی تھی۔

''اس نے چند روز قبل تمھیں کسی بات پہ ڈانٹا تھا ناں؟'' وہ عجیب لہجے میں بولا۔ زینیا نے لب بھینچ لئے۔ یقیناً براق نے قیس کی ''**جہالت**'' کو ''**ڈانٹ**'' بتایا ہو گا۔

''تم دل میں بغض پال لیتی ہو لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ تمھیں کسی کی تکلیف بھی نظر نہیں آتی۔ تم نے کہا تھا تم ٹھیک ہو رہی ہو تم آج بھی پائنٹ زیرو پہ ہو۔ وہ میرا بھائی ہے، زینیا حاکم۔ آئندہ اسکے بارے میں اس انداز سے بات مت کرنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔''

''آپ کو میری بات پہ یقین نہیں ہے؟''

''تم دن کو رات کہو گی، میں تمہاری ہاں میں ہاں ملالوں گا لیکن اگر بات قیس کمبیر کے بارے میں ہے تو میں ہر دفع اپنے بھائی کو چنوں گا۔'' سخت، کھردرے لہجے میں کہہ کر وہ کال کاٹ چکا تھا۔ اور آج پہلی بار اس نے زینیا حاکم کے نمبر پہ بلاک کا بٹن دبایا۔ آج پہلی بار اسے زینیا حاکم سے کوفت ہوئی تھی۔

کم از کم زینیا سے اسے یہ امید نہیں تھی۔ اسکی بے چینیوں میں ایک اضافہ ہو چکا تھا۔ ہسپتال کی راہداریوں نے ایک اور درد اپنے سینے پہ تحریر کر لیا۔

لیپ ٹاپ کے چوکھٹے میں اسے جو چہرہ نظر آرہا تھا وہ مظفر غوری کا تھا۔ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور تندرست۔

وہ چھت کی منڈیر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ دوپٹہ اب تک چہرے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ وہ شاید تھوڑی دیر پہلے ہی فجر ادا کر کے آئی تھی۔ اب تک ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔

''پہلے تعارف ہونا چاہیے ،میرا نام مظفر غوری ہے اور میں behavioural counselor ہوں۔''وہ کہہ رہا تھا۔''میں ان ٹین ایجرز کے لئے کاؤنسلنگ کا کام کرتا ہوں جو دنیا کی بھیڑ میں خود کو گم کر لیتے ہیں۔''کونج نے محض سر ہلا دیا۔

''شروع سے شروع کرتے ہیں، کونج۔ تمہیں پہلی بار ایسا کب لگا کہ تمہاری پرسنالٹی دب رہی ہے؟ یا پھر جو کچھ تمھارے بہن بھائیوں، دوستوں کو مل رہا ہے وہ تمھیں نہیں مل رہا؟'' دماغ کے معالج آپ کے ''**موجودہ**''مسئلے سے شروع نہیں کرتے وہ ماضی کی راکھ پھیلاتے ہیں، شاید بچی کچھی کوئی چنگاری مل جائے۔

''مجھے شروع سے یاد نہیں مجھے پہلا سرا یاد نہیں مگر جہاں سے مجھے یاد ہے وہ پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ میں شاید تیرہ سال کی تھی۔''وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہی تھی۔ اسکے انداز میں جھجھک سی تھی۔

''ہم کسی دعوت میں جانے والے تھے۔ ابا، میرا بھائی، میری بڑی بہن اور میں۔ میں نے بہت ضد کر کے ایک گہرے نیلے رنگ کا جوڑا پہننے کے لئے نکالا تھا۔ اس دن میری کچھ کزنز بھی میرے گھر پہ تھیں۔ میں جوڑا لے کر اپنی اماں کے پاس گئی اور انہوں نے میری تمام کزنز کے بیچ میں مجھے کہہ دیا کہ یہ میرے رنگ پہ سوٹ نہیں کرے گا۔ اس دن مجھے پہلی بار اندازہ ہوا۔۔
something is wrong ''اسکی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔ لہجے میں لرزش۔

''میری بہن کا جوڑا بھی اسی رنگ کا تھا، سیم سیم لیکن میری اماں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ یہ پہلی دفع نہیں تھا مگر میں نے پہلی دفع اسے دل سے محسوس کیا۔ شاید میں بڑی ہو رہی تھی۔''

''پھر کیا ہوا؟ تم نے وہ رنگ پہنا؟ تم دعوت میں گئیں؟''مظفر سنجیدگی سے بولا۔

''میں گئی۔ ضد کر کے وہی جوڑا پہنا، اور زندگی میں پہلی بار میک اپ لگانے کی کوشش بھی کی۔ مگر وہاں جا کر مجھے اندازہ ہوا کہ میں کتنی بڑی غلطی کر چکی ہوں۔ وہاں ہر کوئی میرے لباس اور چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں ہر کوئی مجھے مختلف مشورے دے رہا تھا میں فلاں پھل کا جوس پیا کروں، میں ابھی سے فلاں کریم لگانا شروع کر دوں۔ اس روز پہلی بار مجھے خود سے الجھن ہوئی۔ اور اسی روز مجھے پہلی دفع اپنی بہن ''**انسپریشن**''لگی۔ مجھے اسکے جیسا بننا تھا۔ مکمل اسکے جیسا۔''

''تمھیں کیوں لگا کہ تم اگر اسکے جیسی بن گئی تو سب درست ہو جائے گا؟''

کونج سوچ میں پڑی۔

''شاید اس لئے کیونکہ جب وہ بول رہی تھی تب سب سن رہے تھے۔ اس لئے کیونکہ اس پہ کپڑوں کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ اسے کوئی یہ نہیں بتاتا تھا کہ اسے کونسا رنگ پہننا ہے۔ وہ یہ سب کچھ خود کر لیتی تھی۔''

''غلط۔'' وہ اسی سنجیدگی سے اسکی بات کاٹ کر بولا۔

''اگر غور کرو تو یہ وہ نہیں تھی یہ تمہاری اور اسکی ''**ماں**'' تھی۔ ماں بچے کو بتاتی ہے وہ کیسا ہے۔ اس نے آگے کیا کرنا ہے۔ کیسے رہنا ہے، کیوں رہنا ہے۔ مسئلہ تم نہیں تھیں۔ اور ملکہ تمہاری بہن بھی نہیں تھی۔ اسے بس اسکی ماں کی طرف سے اعتماد ملا تھا کہ وہ ''**خوبصورت**'' ہے۔ کہ وہ ''**اچھا**'' بولتی ہے۔ اس پہ میک اپ اچھا لگتا ہے۔ بچے کی ساکھ اسکی ماں **متعین** کرتی ہے۔ قصور تمہارا نہیں تھا۔''

کونج بے یقینی، اور گومگو کی سی کیفیت لئے اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''کیا میری مجرم میری ماں تھیں؟''

''تمہارا مجرم ''**معاشرہ**'' تھا اور اسکے اصول۔ تمہاری ماں ایک سادہ سی عورت تھیں۔ جنکو اس معاشرے نے بتایا کہ سفید خوبصورت ہے اور سیاہ بدصورت۔ ماں بس بچے کو معاشرے کے حساب سے پروٹیکٹ کرنا چاہتی تھیں۔''

''کیا غلط بتایا؟'' وہ رونا بھول اسے تکنے لگی۔ مظفر ہلکا سا مسکراتے ہوئے اپنے صوفے سے ٹیک لگا گیا۔

''بلکل غلط بتایا۔ سیاہ، سفید بس رنگ ہیں۔ انکا خوبصورتی اور بدصورتی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہم ہیں، یہ معاشرہ ہے جو سفید کو اعلیٰ اور سیاہ کو کم بتاتا ہے۔ چاہے فلمیں ہوں، چاہے ڈرامہ چاہے کہانی سانولی رنگت کے کردار کو خوبصورت ہونے کے لئے جسٹیفکیشن چاہیے ہوتی ہے۔ وہ سانولا تھا پھر "**بھی**" خوبصورت تھا۔ وہ سانولی ہے بدصورت ہے لیکن پھر بھی مجھے اس سے محبت ہے۔ معاشرے نے beauty standards کے نام پہ ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ گمراہ کیا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ سیاہ بدصورت نہیں۔ سفید ہمیشہ خوبصورت نہیں۔''

"تو پھر سیاہ کیا ہے؟" اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

"سیاہ مختلف ہے۔ سفید مختلف ہے۔ نیلا مختلف ہے۔ ہرا، پیلا، گلابی سب رنگ ہیں۔ سب مختلف۔ اللہ نے جب یہ رنگ بنائے تب اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ فلاں فلاں رنگ خوبصورت ہیں اور فلاں فلاں بدصورت اور نفرت کے لائق۔ انسان دوہرے معیار کے ہیں۔ انہیں جہاں اپنا فائدہ نظر آیا وہاں انہوں نے کائنات کے اصول بدل ڈالے۔ چھوٹا قد، سیاہ رنگت، پتلے بال، موٹا جسم یہ سب آپ کی خوبصورتی کا تعین نہیں کرتے۔"

"پھر کیا ہے جو ہماری خوبصورتی کا تعین کرتا ہے؟" وہ جلد از جلد سب جاننا چاہتی تھی۔

"صفائی۔ خیال۔ توجہ۔ محنت۔" اس نے چار چیزیں گنوائیں۔ "گو کہ میں تمہارا اسکن کیئر اسپیشلسٹ نہیں ہوں لیکن تمہارا مسئلہ اگر تمہارا اظاہر ہے تو مجھ سے بہتر سکن ٹریٹمنٹ کوئی نہیں دے سکتا۔" وہ مسکرایا مگر کونج نہ مسکرا سکی۔ کوئی اسکے زخموں پہ جیسے مرہم رکھ رہا ہو۔

"اس روز تمہارا مسئلہ وہ نیلا جوڑا نہیں ہو گا تمہارا نہ دھلا ہوا منہ ہو گا۔ تمہارا مسئلہ وہ اتر تا میک اپ نہیں ہو گا بلکہ تمہاری اسکن سے میچ نہ ہوتا بیس ہو گا۔ یا پھر تمہارا خشک چہرہ۔"

"یہی تو میرا پائنٹ ہے کہ i am cursed اور میری بہن وہ effortlessly خوبصورت ہے۔"

" کیونکہ وہ مختلف ہے۔" غوری نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"جانتی ہو دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو خود پہ زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مگر کچھ لوگوں کو خود پہ زیادہ دھیان دینا ہوتا ہے۔ یہ کوئی کرس نہیں ہے یہ بس ہے it is what it is

اگر سانولا انسان بھی ہر صبح اپنا چہرہ دھوئے، موائسچرائزر لگائے، صاف ستھرے کپڑے پہن لے اور بال بنا کر رکھے تو وہ خوبصورت لگے گا۔ سارے نمبرز "**صفائی**" کے ہوتے ہیں۔ اگر گورے سے گورا انسان بھی چند دن نہ نہائے تو اس سے وہی بدبو آئے گی جو ایک سانولے انسان سے، اسکے کپڑے اتنے ہی میلے ہوں گے، اسکا چہرہ بھی اتنا ہی خشک اور روکھا ہو جائے گا۔ ہاں سانولے انسان سے تھوڑا کم مگر یہ ہو گا ضرور۔"

''مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آرہی۔ کیا آپ کھل کر کہیں گے ؟''

مظفر نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ ہاتھوں کو باہم جوڑے وہ کہنے لگا۔

''انسان ایک کپڑے کے تھان جیسا ہوتا ہے، کونج۔ سوچو ہم ایک سادہ سا تھان گھر لے آئے اور اس پہ بغیر محنت کئے آڑھی تر چھی سلائی لگا لی اور پہن لیا۔ اب ایسا ہی تھان کوئی پڑوسی لے آیا مگر اس نے کپڑے پہ خوبصورت ٹانکے لگائے، زردوسی کی پٹیاں لگوائیں، چھوٹے بڑے نگینے جڑ دیئے تو وہ سادہ سا سیاہ، گلابی، سفید کپڑا کتنا خوبصورت ہو جائے گا؟'' وہ کوئی سحر سا پھونک رہا تھا اور کونج سحر زدہ ہو چکی تھی۔ مسیحا اللہ کے بھیجے بہترین نائب ہوتے ہیں۔

''ہاں کچھ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن انسان ہمیشہ اپنا موازنہ کسی دوسرے انسان سے کیوں کرتا ہے ؟ اور دوسرا بھی وہ جو اس سے اعلیٰ ہو۔ کبھی اپنے سے کسی کم انسان سے کوئی موازنہ کیوں نہیں کرتا؟''

''لیکن اپنا موازنہ اعلیٰ سے کیوں نہ کریں ؟''

''کیونکہ آپ موازنہ ہی غلط کرتے ہیں۔ تمہاری بہن کے پاس اگر تمھارے مطابق خوبصورت چہرہ تھا تو اسکے پاس یقیناً کچھ ایسا نہیں ہو گا جو تمھارے پاس تھا۔ ایسا کچھ تھا ناں، کونج ؟'' وہ جیسے کونج کا ذہن پڑھ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں کونج کے اندر تک اتر رہی تھیں۔

''ابا کی محبت۔۔۔'' اسکے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔

''میرے ابا سب سے زیادہ محبت مجھ سے کرتے ہیں اور زینی ابا سے۔'' اس نے جیسے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

مظفر کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ آیا۔ اس نے گھٹنے پہ رکھی ڈائری پہ چند ایک لفظ لکھے۔ پھر کونج کو دیکھا۔

''انسانوں کا المیہ ہے وہ فطرتاً sadist ہے۔ اسے دنیا سے دس خوبصورت چیزیں اٹھا کر دے دو تو وہ اس گیارہویں چیز کے لئے اداس ہو گا جو کسی اور کے پاس ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ بننے کی خواہش کبھی ختم نہیں ہوتی۔''

''اللہ نے کسی کو اعلیٰ کسی کو کمتر کیوں بنایا ہے ؟ سب کو برابر کیوں نہیں بنایا؟'' کونج نے بے چینی سے سوال کیا۔

مظفر نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''اللہ نے تو کسی انسان کو کمتر اور اعلیٰ نہیں بنایا۔ میں دین کے متعلق اچھا خاصا جانتا ہوں لیکن اس وقت میرا مسئلہ تمہارا دماغ ہے۔ تو میں تمھیں بتاؤں کہ اعلیٰ اور کمتر کا معیار ہم نے بنایا ہے۔ امیر اعلیٰ، غریب کمتر۔ گورا خوبصورت، کالا بدصورت۔ یہ معیار جنہوں نے بنائے وہ مر کھپ گئے لیکن انکے معیار نہیں مرے جانتی ہو کیوں؟''

کونج نے نفی میں سر ہلایا۔ مظفر کہتا رہا۔

''کیونکہ وہ معیار sadist تھے۔ کیونکہ یہ معیار انسان کے اندر خلا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور انسان کو پسند ہے خود کو ہرٹ کرنا۔ بسمل بننا۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن لیکن انسان کو خود ترسی میں رہنا پسند ہے۔

اب آتے ہیں تمھارے دوسرے سوال کی طرف کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو اعلیٰ اور کچھ کو کمتر کیوں بنایا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو "unique" بنایا ہے۔ وہ سارے کے سارے گورے لوگ نہیں بنانا چاہتا تھا، اور سارے کالے بھی نہیں۔ سارے دو ٹانگوں والے نہیں سو کسی ایک کو معذور کر دیا۔ کسی کو اندھا تو کسی کو گونگا۔ انہیں عیب بنانے والے ہم ہیں۔ ان انسانوں کے اپنے ہی کچھ ٹیلنٹس ہوں گے۔''

''یعنی آپ کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی انسان معذور ہے تو اسے خوش ہونا چاہیے کہ وہ تو unique ہے؟ معذرت مگر یہ عیب ہے۔'' وہ خود کو طنز کرنے سے باز نہیں رکھ سکی۔

''اسٹیفن ہاکنگ کا نام سنا ہے؟ نہ ہل جل سکتا تھا، نہ بول سکتا تھا اور نہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہو سکتا تھا۔ لیکن اسکے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ فرق صرف اور صرف معاشرے کا ہے۔ اسکے معیار کا ہے جو اسٹیفن ہاکنگ کے والدین پہ اثر نہیں کر سکا مگر میرے ملک کے معذور بچوں پہ اثر انداز ہو جاتا ہے۔'' وہ کیسے بات کو کس رخ پہ گھما گیا تھا کونج دم بخود رہ گئی۔ فرق صرف معاشرے کا تھا، اس دماغ کا تھا۔ ورنہ کونج حاکم کا رنگ وہی تھا جو ہالی وڈ کی کسی بہت بڑی اور ''**خوبصورت**'' ایکٹریس کا ہے۔

کئی پل وہ خاموش رہا۔ پھر آگے کو ہوا۔ کونج کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

''تم خوبصورت ہو۔ میں خوبصورت ہوں۔ ہر رنگ خوبصورت ہے۔ ہر انسان اپنی اپنی جگہ خوبصورت ہے۔ فرق ذہنییت کا ہے۔ بدصورت لوگوں کی طعنے کسنے والی زبان ہے۔ تمہیں اپنے دماغ کو لوگوں کی زبانوں کی قید سے آزاد کرنا ہے۔ آج سے اگلے پندرہ دن تک تم اپنے چہرے پہ محنت کرو گی۔ اور پندرہ دن بعد میں تم سے پوچھوں گا خوبصورت کون ہے۔''

''لوگوں کی باتوں سے بے پرواہ کیسے ہوا جاتا ہے؟'' وہ جلدی سے بول پڑی۔

''تم بہت جلدی سب جان لینا چاہتی ہو۔ کاؤنسلنگ اس طرح کام نہیں کرتی۔ پندرہ دن بعد اوکے؟'' وہ پروفیشنل اندز میں کہہ کر چند ایک مزید باتیں کہتا رہا پھر اس نے اپنی طرف سے سکرین بجھا چکا تھا۔

کونج نے ایک لمبے عرصے بعد خود کو ڈھیر سارے بوجھ سے خالی اور آزاد پایا۔ آسمان کی طرف چہرہ کئے وہ آنکھیں موند گئی سکون سا سکون تھا۔

مٹی کی خوشبو نے اس چھوٹے گھر کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ بشر نئے پودے لایا تھا اور اب صحن میں بیٹھا گملے کھود کر ان میں کھاد ڈال رہا تھا۔ اسی صحن میں ایک طرف رکھی چارپائی پہ امینہ بیگم گھٹنہ موڑ کر، ایک ٹانگ پھیلائے اپنے سامنے بیٹھی زینیا کے سر میں تیل لگا رہی تھیں۔ اسکے لمبے خوبصورت بالوں نے اسکی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا۔ سامنے سے آتی دھوپ کے باعث وہ آنکھیں چندھیائے ہوئی تھی۔

''بشر کی طرف سے تو مطمئن ہو گئی ہیں۔ اب بس ہر وقت تمہاری طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔'' اسکے سر میں مالش کرتے انکے ہاتھ ذرا سے سست پڑے۔

''تمھیں بالاج کی طرف سے کوئی پیغام، کوئی خبر نہیں سنائی دی بچے؟''

''نہیں۔'' یک لفظی جواب۔ آنکھیں بند کر لیں۔

''ایک بات پوچھوں، زینی؟'' انہوں نے ہاتھ روک لیا۔ اور ذرا سا جھجھکیں۔

''نہیں اماں۔۔۔میں نے اس سے عبداللہ کے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی۔'' وہ جو کچھ کہنے لگی تھیں دم سادھ گئیں۔

''مجھے نہیں پتہ وہ کہاں ہے۔ مجھے واقعی نہیں پتہ۔'' وہ جیسے جھنجھلائی۔ اگر بالاج کا پتہ چل بھی جاتا تو وہ کیا بتاتی وہ اسے طلاق دے چکا ہے؟ اور زینیا مہدی سے نکاح کر چکی ہے؟ مگر مہدی کون؟ نکاح کیسا؟ زندگی پیچیدہ ہو گئی تھی اور پہلی بار اسے کوئی حل نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے اب آہستہ آہستہ سمجھ آیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا میس کر چکی تھی۔ ہر آنے والا دن اسے حد سے زیادہ خوف زدہ کر رہا تھا۔

اماں کو چپ سی لگ گئی۔ دل میں عجیب سی ہوک اٹھی تھی۔

''ایک بات کہوں؟ اب اگر بالاج آجائے ناں تو تم دونوں اولاد کے بارے میں سوچنا بلکہ سوچنا مت اس بار بچہ ہو جانا چاہیے۔ کیریئر بن جاتے ہیں بیٹے گھر بنانے مشکل ہوتے ہیں۔'' زینیا نے آنکھیں میچ لیں۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ اب بالاج اسکا کچھ نہیں لگتا تھا۔ شادی شدہ لڑکی اگر گھر والوں سے کیڑے کا ذکر چھپائے تو وہ ایک دن بلا بن کر اسے ڈسنے لگتا ہے۔ اس سے واقعی بہت بڑی غلطی ہو چکی تھی۔

''تمھیں ایک بات بتاؤں؟'' وہ رازداری سے اسکے کان کے پاس جھکیں۔

''عبداللہ کا فون آیا تھا۔'' زینیا تھم گئی۔ ایک لمحے، صرف ایک لمحے کے لئے اسے آس پاس سب رکتا محسوس ہوا۔ ایک لمحے بعد سب نارمل ہو گیا۔

''وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اسے شادی کرنی ہے اور وہ اسی سال شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے سچ نہیں بتا سکی، زینی۔'' زینیا سنتی رہی۔ بس سنتی رہی۔ آج دل بے قرار نہ ہوا، آج اسکی آنکھوں میں انتظار کی موجیں ٹھاٹھیں نہ مار سکیں۔

''میں نے چندماہ کے لئے اسے ٹال دیا ہے۔ لیکن سچ کہوں تو میرا دل آج بھی چاہتا ہے عبداللہ آجائے، اور میں تمہارا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دے دوں۔''

''اس نے میرا ہاتھ جھٹکا تھا اماں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''مرد شروع شروع میں ایسا کرتا ہے بیٹا۔ پھر جب عورت کے ہاتھ لگے تو وہ گھٹنے سے باندھ لیتی ہے۔''

''پھر آج تک آپ کیوں ابا کو نہیں باندھ سکیں؟''

''اپنا اپنا بخت۔۔۔'' وہ کرب سے مسکرائیں۔ ''حاکم کا دل سخت ہے۔ عبداللہ کا نہیں۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں پالا ہے۔ عبداللہ بڑا معصوم بچہ تھا۔''

''اب وہ بچہ نہیں رہا اماں۔۔۔ بڑا ہو گیا اب تو شاید بتیس تینتیس سال کا ہو گا۔'' کوئی وقت تھا وہ عبداللہ کی عمر انگلیوں کے پوروں پہ گنا کرتی تھی۔ آنکھوں کے پردے پہ اسکا عکس دیکھا کرتی تھی اور سماعتوں میں اسکے الفاظ سننے کے لئے دعائیں پڑھا کرتی تھی۔ آج ایک وقت بعد عبداللہ کے حصے میں بس خسارے آئے تھے۔

''عمر بدل جاتی ہے دل نہیں بدلتے اسکا دل بڑا نرم تھا۔ بلکل اپنی ماں کی طرح۔'' انہوں نے واپس اسکے گھنے، شہد رنگ بال اپنے ہاتھوں میں لئے اور اسکی چٹیا گوندھنے لگیں۔

''پتہ ہے عبداللہ کو لڑکیوں کے لمبے بال بہت پسند تھے۔'' وہ ایک آس سے بولیں۔

زینیا نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''اور اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے ایک انگریز اداکارہ کے لمبے بال دیکھ کر فرمائش کی تھی کہ اسکی منگیتر کے بال نہ کٹوائے جائیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے سے منسوب لڑکی کے لئے یہ اسکی پہلی خواہش تھی۔ اور یہ بات آپ مجھے ہزار دفع بتا چکی ہیں۔'' اسکے لہجے میں بے زاری واضح تھی۔

''میں عبداللہ اور اسکے انتظار سے آگے بڑھ چکی ہوں اماں۔ مجھے بار بار یاد نہ دلایا کریں وہ کیا چاہتا تھا اور کیا نہیں۔ عبداللہ کا باب اب بند ہو چکا ہے۔'' وہ قدرے چڑی ہوئی لگتی تھی۔ اماں نے خاموشی سے اسکی چٹیا بنائی اور پھر ہمیشہ کی طرح آگے اسکے کندھے پہ ڈال دی۔ وہ ہمیشہ اس چٹیا پہ ہاتھ پھیرا کرتی تھی۔ اس نے عبداللہ کی خاطر کئی سال اپنے بال واقعی نہیں کٹوائے، انہیں بلا ضرورت کھولا نہیں، وہ ان بالوں کی خوبصورتی پہ عبداللہ کی تعریف سننا چاہتی تھی۔ وہ انہیں کسی کو چھونے نہیں دیتی تھی کہ یہ بس عبداللہ کا حق تھا، مگر اب نہیں۔

''کب جا رہی ہو تم؟'' کافی دیر بعد انھوں نے موبائل چلاتی زینیا کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ بار بار مہدی کی چیٹ کھول کر دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اسے ان بلاک کر چکا ہو۔

''آج شام۔'' اسے ایک ہفتہ بعد جانا تھا مگر بیٹھے بیٹھے اس نے فیصلہ کر لیا۔ ''ایک بہت ضروری ٹیسٹ ہے اماں۔ مجھے جانا ہو گا۔'' اس نے چارپائی سے پیر نیچے اتارے۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ اماں اسے تکتی رہیں۔

''عورت اتنی جلدی آگے نہیں بڑھ جاتی، زینی۔'' وہ رک گئی۔ اماں کو گردن موڑ کر دیکھا۔ ''وہ مانے یا نہ مانے مگر وہ بڑی آسائش پرست ہوتی ہے۔ موقع پرست بھی۔ جب جہاں جیسے درست انسان مل جائے، باقی سب پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ چاہے وہ **''عبداللہ''** ہی کیوں نہ ہو۔'' ایک لمحے کے لئے زینیا سانس نہیں لے سکی۔ وہ اپنی جگہ جامد ہو گئی تھی۔ چہرے کی رنگت سفید پڑنے لگی اور دل شاید تھم گیا تھا۔

''عورت محفوظ فیصلے بہت کرتی ہے۔ کیا تم بھی کر چکی ہو؟'' باخدا وہ اسکی آنکھیں پڑھ چکی تھیں۔

اسکی آنکھوں کے آگے مہدی کمبیر کا چہرہ تھا۔ وہ سبز آنکھیں اسکی آنکھوں پہ چھائی رہیں۔

''بالاج تمہارے ساتھ اتنا اچھا تھا؟ مجھے پتہ ہی نہیں چل سکا۔'' یہ آخری جملہ طنز کا تھپڑ تھا جو زینیا حاکم کے دل پہ پڑا تھا۔ یعنی وہ جانتی تھیں بالاج نہیں کوئی اور؟ وہ اسکے بارے میں کیا کیا سوچنے لگی ہوں گی؟ زینیا دھیرے دھیرے چارپائی پہ بیٹھتی چلی گئی۔ اماں اٹھ کر چلی گئیں مگر وہ بیٹھی رہی۔ اسے اپنا جسم مفلوج ہوتا محسوس ہوا۔

کئی لمحے، کئی منٹ۔ ساکت۔ جامد۔ شل۔

ہسپتال کے گھٹن زدہ ماحول میں واپس آؤ تو ویٹنگ ایریا میں مہدی ایک بنچ پہ سر گرائے اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ کل رات سے لے کر آج شام تک وہ یونہی ڈاکٹرز کے کیبن کے چکر لگاتا رہا۔ بھاگ بھاگ کر مختلف کاغذات دستخط کرتا اور ڈھیر سارا پیسہ اڑا تا رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اسے قیس کے ہوش میں آنے کی خبر ملی تھی مگر ہمت نہ ہوئی کہ مل سکے۔ وہ تھک ہار کر اس بنچ پہ بیٹھ گیا تھا۔

دفعتاً کوئی اسکے قریب آ کر بیٹھا۔ اسکے آگے سوفٹ ڈرنک کا کین پھیلایا۔ ساتھ ایک چاکلیٹ۔ مگر مہدی نے رخ پھیر لیا۔

''لے لو یار۔ لو سفر زندہ بچ گیا۔ غم مناؤ۔''

''ناٹ ناؤ، براق۔'' وہ جیسے کراہ کر پیچھے ہوا۔ براق نے ہار نہیں مانی۔

''پتہ نہیں کیسے بچ گیا خبیث۔ کم گولیاں کھائیں ہوں گی ناں۔ بندہ خود کشی کرنے سے پہلے گوگل پہ سرچ ہی کر لے۔ ویسے ایک بات بتاؤں؟ یہ میرا ٹاپ سیکریٹ ہے۔'' اسکی ہر دوسری بات ''**ٹاپ سیکرٹ**'' ہوا کرتی تھی۔

''اپنی گرلفرینڈز کے دیئے ہوئے صدموں کی وجہ سے کئی ایک بار میں نے بھی خود کشی کرنے کا سوچا تھا۔ مگر پھر رک گیا۔ خود کشی کرنا آسان ہے لیکن اگر بچ گئے تو نری ذلت ہے۔ کیا کہے گی دنیا کہ اس آدمی کو خود کشی کرنا بھی نہیں آتی؟'' بات پوری کر کے اس نے مہدی کو دیکھا جو گردن کرسی پہ گرائے ہوئے تھا۔ اور ایک ہاتھ سے کنپٹی مسل رہا تھا۔

''سر میں درد ہے؟ لاؤ میں دبا دیتا ہوں۔'' وہ باقاعدہ آگے ہوا اور اسکا سر دبانے لگا۔ مہدی جانتا تھا اسے روکنے کا فائدہ نہیں سو اس نے کوشش بھی نہیں کی۔ اپنی گیارہ گرل فرینڈز کے بغیر اچھا تھا وہ۔ گدھا تھا، الو کا پٹھا تھا لیکن دوست کے نام پہ اگر کوئی یاد آتا تھا تو وہی تھا۔

''تم کیوں اداس ہو؟ اس کے بچ جانے پہ؟ یا اسکے فلاپ طریقے پہ؟''

''میں اداس نہیں شرمندہ ہوں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ بہت دیر بعد بوجھل انداز میں بولا۔

''کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔ اس نے جو کیا خود کیا، اپنی وجہ سے کیا۔ دوسروں کی غلطیوں کی ٹوکرے اپنے سر پہ مت سجایا کرو۔'' وہ دو انگلیوں کے درمیان اسکی ناک کی ہڈی کو دبا رہا تھا۔

''تم آؤٹ کاسٹ ہونے کا مطلب نہیں جانتے، براق۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ آنکھوں میں کچھ در آیا۔

''تم اپنے ہی خاندان میں مِس فٹ نہیں ہو۔''

''میں ہوں۔۔۔۔یا شاید تھا۔'' اسکی آواز اب بھی مہدی تک نہ پہنچ سکی۔

''اگر میرے بس میں ہوتا تو میں وقت کو پیچھے لے جاتا اور اپنے باپ سے کہتا کہ اگر وہ ہمیں own نہیں کر سکتے تو پلیز ہمیں اپنے خاندان میں فٹ کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

''شاید۔۔۔میں بھی یہی کہتا۔ یا شاید اس سے ملتا جلتا کچھ۔'' وہ سوچ سکا۔ اسکی انگلیاں بڑی ہی مہارت سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ مہدی کے سر کا درد واقعی کم ہونے لگا۔

''کیا میرا خاندان کبھی مجھے قبول نہیں کرے گا، براق؟ اور اگر نہیں کرے گا تو کیوں؟ ان روایات پہ مرنے والوں کے دل اتنے چھوٹے کیوں ہوتے ہیں؟''

''اگر کبھی موقع ملا تو یہی سوال میں بھی کروں گا۔ لیکن براق کو کہنے کے مواقع بہت کم ملے ہیں۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ مہدی نے اسکا ہاتھ ہٹایا اور آنکھیں کھول لیں۔ اس نے براق کی آنکھوں میں کچھ تلاشنا چاہا مگر ناکام رہا۔ صنعت کار کی آنکھیں اسکے رازوں سے وفادار تھیں۔

''اس سے مل آؤ۔ جو بھی ہوا ہے اسے بھول کر آگے بڑھو۔ خاندان کی طرف پہل کرنی چاہیے۔'' براق اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے بہت ہی نارمل انداز میں کہہ رہا تھا۔ مہدی کو ڈھارس ہوئی۔

''تم نہیں ملو گے؟''

''کیا خاک ملوں۔ سفید سوٹ پہن کر آیا تھا میں، اب occasion ہی بدل گیا اور میرا موڈ بھی۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ مہدی تکان زدہ سا مسکرایا۔ اس نے سوچا براق کو شکریہ کہے، پھر ارادہ بدل دیا۔ ان تینوں کو اس لفظ کی ضرورت کم ہی پیش آتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسی کمرے میں تھا جہاں قیس تھا۔ اسکے بیڈ کی ایک جانب بختیار کھڑے تھے اور دوسری جانب انیسہ۔ مہدی دروازے پہ ہی جم گیا۔ اسے آگے جانا چاہیے یا نہیں وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ وہ کمرے کے دروازے پہ کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا۔

''اب کیا لینے آئے ہو تم؟ تمہاری وجہ سے اس حال میں تو ہے وہ۔ اب مزید کیا چاہتے ہو؟''

''چچا۔۔۔پلیز۔'' قیس نقاہت سے بولا۔ مہدی زمین میں گڑنے لگا۔ قیس اسکی وجہ سے یہاں تھا؟

''آجاؤ، مہدی۔۔۔ادھر آؤ۔'' اس نے مہدی کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ بختیار غصے سے وہاں رکے نہیں اور انیسہ بھی انکے پیچھے گئی تھی۔ مہدی چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکی طرف آیا۔اور کرسی کھینچ کے اسکی دائیں طرف بیٹھ گیا۔ قیس اسے دیکھ رہا تھا، مہدی اسے نہیں دیکھ سکا۔ کئی پل دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' کافی دیر بعد مہدی نے اس سے سوال کیا۔

''زندہ بچ گیا ہوں۔ آئی ایم سوری۔ تمہاری جان نہیں چھوٹ سکی۔'' وہ بے حد نارمل انداز میں بولا۔ مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''ایسا مت کہو۔ میں نے ساری رات تمھارے لئے بہت دعا کی ہے۔'' اس نے دھیرے سے قیس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ پھر سر کو اسی ہاتھ ٹکا دیا۔ اسے اس آدمی سے عقیدت تھی، محبت تھی، گلے تھے، بس ایک نفرت۔۔۔وہ اس آدمی سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔

''میں نے ساری رات سوچا کہ اگر تمھیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا؟'' شاید وہ رو رہا تھا۔ قیس کی ہتھیلی گیلی ہونے لگی۔
''ماں، باپ، بھائی، دوست، خاندان تم سب ہو سب۔ تمھیں ایک بار بھی مہدی کا خیال نہیں آیا، قیس؟''

''اور مجھے تمہارا خیال کیوں آنا تھا؟''

''کیونکہ ہم بھائی ہیں۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ساتھ آنسوؤں میں بھی روانی آگئی۔

''تم جو کہو گے، جیسے کہو گے میں کروں گا۔ تم مجھ سے لڑلو، مجھے مار لو۔ چیخ لو لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کبھی مجھے چھوڑو گے نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو، قیس۔'' وہ بری طرح رونے لگا تھا۔ چودہ سال پہلے سارا خاندان کھونے کے بدلے اسے قیس ملا تھا۔ وہ اسے کھو دیتا تو شاید مر جاتا۔

''میں نے تمھیں ہرٹ کیا ہے، مہدی۔ میں نے ہمیشہ تم پہ حکومت کی ہے۔ تم پہ کوئی حق نہیں ہے میرا۔ آئی ایم سوری۔ میں شاید اپنا فرض صحیح طریقے سے نہیں ادا کر سکا۔''

"ایسے مت کہو پلیز ایسے مت کہو۔" وہ بچوں کی طرح اسکے ہاتھ پہ سر کو ٹکائے ہوئے بولا۔

"تم اہم ہو میرے لئے۔ تم نے جو کچھ بھی ہمارے لئے کیا ہے وہ بہت تھا۔ میں اب وہ سب کروں گا جو تم کہو گے۔ پلیز اب تم دوبارہ اس طرح کی کوئی حرکت مت کرنا۔"

قیس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ مہدی کا سانس رک گیا۔ کیا وہ اسے چھوڑ رہا تھا؟ اس نے وہ ہاتھ دھیرے سے مہدی کے بالوں میں پھیرا۔ اور ہلکا سا مسکرایا۔ "ایسے تو میری بیوی بھی نہ روتی۔"

مہدی ہنس پڑا۔ روتے ہوئے ہنس پڑا۔ قیس خاندان سے بھی بڑھ کر تھا اسے آج معلوم ہوا۔

"تمہاری بیوی روتے ہوئے میرے جتنی خوبصورت نہیں لگے گی۔"

"وہ میری بیوی ہو گی۔ تمھیں لگتا ہے میں اسے رونے دوں گا؟" وہ یونہی زرد چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے پوچھ رہا تھا۔ مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔ اور کچھ کہنے لگا مگر اسی پل دروازے سے میرہ اور ایزل آتے دکھائی دیئے۔ میرہ کے ہاتھوں میں پھولوں کا بکے تھا آنکھیں روئی روئی سی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی آگے آئی اور قیس کے پاس آ کر رکی۔ چند پل ڈبڈباتی آنکھوں سے قیس کو دیکھتی رہی اور پھر سیدھے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے چہرے پہ رکھ کر مارا۔

مہدی نے فوراً ایزل کا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ قیس مسکرایا تھا۔ واضح تھا کہ وہ ایسی تھپڑیں کھاتا رہا ہے۔ اس نے چہرہ سیدھا کیا تو میرہ نے ایک اور تھپڑ مارا۔

"اب دوسرے گال کی باری تھی۔" قیس نے گلا کیا۔

"اگر تم نے دوبارہ ایسی کوئی حرکت کی تو خدا کی قسم میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتاروں گی۔ بے غیرت آدمی۔" وہ دھیمی آواز میں روتے ہوئے بولی۔

''بچی کے سامنے تو عزت رکھ لینی تھی۔ محب کے ساتھ رہ رہ کر violent ہو گئی ہو تم۔'' اس نے غیر سنجیدگی سے تبصرہ کیا جس کے بدلے میں بھی اسے دس صلواتیں سننے کو ملی تھیں۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ کوئی اسکے لئے رو رہا تھا تو چماٹ مار رہا تھا۔ عجیب خاندان تھا اسکا۔

چند پل بعد وہ بیڈ پہ جگہ بنائے ایزل کو اپنے ساتھ لٹائے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ جس پہ ڈرپ لگی تھی اسی سے ایزل کے بال پیچھے کرتے ہوئے وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی پلکیں، اسکی ناک، آنکھیں اور اسکے بال۔

''تمھارے بال لمبے ہو گئے ہیں۔ کیا لگاتی ہو اسکے بالوں میں؟'' پہلی بات ایزل سے کہہ کر دوسری میرہ سے کہی۔ وہ جو پاس بیٹھے مہدی سے کچھ کہہ رہی تھی ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''کل ہم کمبیر محل شفٹ ہو رہے ہیں۔ خود چیک کر لینا کیا کیا لگاتی ہوں۔''

اسکی بات پہ قیس ایک لمحے کے لئے تھم گیا۔ وہ اب ایزل کو اس سے دور نہیں کرے گی؟ مہدی اس سے تعلقات درست کر رہا تھا۔ مقصود اسکی ہاں میں ہاں ملائیں گے وہ جانتا تھا۔ کیا سب کچھ ٹھیک ہونے لگا تھا؟

''قبیسم سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں کیا کہوں؟'' مہدی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ شاید وہ کہیں جانے لگا تھا۔

''کون کون آیا ہے؟'' وہ بظاہر ایزل کے بال اپنی انگلیوں پہ لپیٹ رہا تھا مگر دھیان اسکی طرف تھا۔ مہدی نے چند ایک نام گنوا دیئے۔ قیس نے نگاہیں اٹھا کر اسکے عقب میں کھڑی حدیبیہ کو دیکھا۔ ایک سوال تھا جو بغیر بولے کیا گیا اور جواب تھا جو بس آنکھوں میں دیا گیا۔ انکار کی صورت۔ اسکا دل ہر شے سے اکتا گیا۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ اشارہ تھا کہ یہاں سے جایا جائے۔ میرہ نے اپنا سامان اٹھایا، اور ایزل کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر قیس کروٹ بدل کر اسے اپنے حصار میں لے گیا تھا۔ بازو اسکے اوپر سے گزار کر وہ اسے اپنے قریب کر گیا۔ ایک اور اشارہ تھا کہ ایزل بھی یہیں آرام کرے گی۔

گہری سانس بھرتے وہ دونوں بہن بھائی باہر نکل گئے۔ قیس نے آنکھیں موند لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

وہ چائے کے دو مگ بھرے چھت پہ چلی آئی۔ جہاں بشر اور کونج پہلے سے موجود تھے۔ کتنے دن بعد وہ تینوں بہن بھائی ایک ساتھ آ کر بیٹھے تھے اور کتنے دن بعد کونج کچھ کھلی کھلی دکھائی دے رہی تھی۔ چٹائی پہ سموسے اور چٹنی رکھی تھی۔ جس سے انصاف جاری تھا۔ زینیا نے چائے لاکر رکھی تو بشر نے پلیٹ میں سموسے ڈال کر اسے دیے خود اب وہ ہاتھ کھینچنے والا تھا۔ زینیا جانتی تھی۔ یہ باپ بننا نہیں چھوڑے گا۔

"زینی تم نے نوٹ کیا ہے تمھارے آتے ہی عروج غائب ہو جاتی ہے۔" وہ پچھلی باتیں ایک طرف رکھے پوچھ رہی تھی۔

"عروج بھابی۔" زینیا نے کونج کو تنبیہہ کی۔ بشر کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ موبائل میں غرق ہو چکا تھا۔

"ہاں عروج بھابی۔ اسے تمہارا آنا نہیں پسند۔"

"اور تم جو میری بیوی کی غیبتیں کر رہی ہو مجھے بھی یہ سب نہیں پسند۔" بشر نے چہرہ موبائل سے نکالے بغیر کہا۔

"عروج حق پہ ہے۔" زینیا نے پیر سمیٹ کر چہرہ گھٹنوں پہ گرایا۔ "بالاج غائب ہے اور اسے لگتا ہوگا میری وجہ سے ہے۔ اگر وجہ میں نہ بھی ہوتی تو میں بیوی پہ سسرال کی طرف سے بوجھ ہی ہوتا ہے۔ بیٹے کے کارناموں کا بھی، اپنے ناکردہ گناہوں کا بھی۔"

اب کے بشر نے موبائل سے چہرہ نکال کر اپنا چائے کا کپ اٹھایا اور ایک گہری نظر زینیا پہ ڈالی۔ "اسکی آخری بات تم سے کب بات ہوئی؟"

"اسکے غائب ہونے سے کوئی ایک ڈیڑھ ہفتہ قبل۔ یا شاید اس کے غائب ہونے سے ایک رات قبل۔ کیونکہ جب تم لوگوں کو پتہ چلا وہ مل نہیں رہا تو اس سے کوئی ایک ڈیڑھ ہفتہ قبل اسکی مجھ سے بات ہوتی رہی ہے۔ اور وہ بات کوئی خوشگوار نہیں تھی۔" زینیا نے اپنی پلیٹ سے سموسے نکال کر بشر کی پلیٹ میں ڈالے۔ وہ دونوں بغیر کچھ کہے ایک دوسرے کے لئے بہت کچھ کرنے کے عادی تھے۔ "اب مجھے سمجھ نہیں آرہی میں عروج سے کیا کہوں اور کس طرح کہوں کہ اسکو مجھ پہ یقین آجائے۔"

"کچھ نہ کرو اسے اسکے حال پہ چھوڑ دو بالاج آئے گا تو دیکھی جائے گی۔" بشر نے حتمی انداز میں کہا۔

''کیا دیکھی جائے گی؟'' کونج نے بھرے بھرے منہ سے سوال کیا۔

''یہی کہ وہ زینی کو الگ رکھے گا۔ اس طرح مجھے یقین ہے مسائل کم ہوں گے اور اگر وہ دوبارہ سعودی جانا چاہتا ہے تو تو تمھیں ساتھ لے جائے۔'' اب کے اس نے زینی کو دیکھ کر کہا۔ ''خوامخواہ کے مسائل ہو رہے ہیں سارا خاندان ہم پہ باتیں کر رہا ہے سب زینی کا قصور نکالے بیٹھے ہیں۔ تم دیکھنا زینی یہ شادی چل جائے تو سارے خاندان کے منہ پہ کیسے جوتا لگے گا۔''

وہ بشر سے کہنا چاہتی تھی شادیاں خاندان کے لئے نہیں چلائی جاتیں۔ کسی کو دکھانے کے لئے کسی تعلق میں نہیں رہا جاتا مگر وہ نہیں کہہ سکی۔ وہ بس چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

''زینی تم اس بار بالاج کے آنے پہ سب ٹھیک کر دینا تاکہ سب کو پتہ چلے کہ مسئلہ تم نہیں ہو۔''

کونج اس سے کہہ رہی تھی۔

وہ جو سوچ کر آئی تھی کہ بالاج کی بات کھولے گی اب اسکے منہ پہ ایسے قفل لگے کہ کھل ہی نہ سکا۔ چائے پھیکی ہو گئی تھی۔ ذائقہ رخصت ہو گیا تھا۔ دل کی بات دل میں رہ گئی۔ جانے کب تلک۔

□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄□❄

اگلے چند دن پر سکون سے گزرے۔ اسلام آباد سازشوں سے محفوظ ہا۔ گوادر امن کا محافظ رہا۔ زندگی واپس ڈگر پہ آنے لگی تھی۔ یہ ایک ڈھلتی شام کا ذکر ہے۔ جب آسمان پہ ستارے ایک ایک کرتے ٹمٹمانے لگے تھے۔ جب چاند بادلوں سے نکلنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ زینیا حاکم ہاسٹل کی چھت پہ کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھی تھی۔ اکتوبر شروع ہو گیا تھا اب خنکی بڑھنے لگ گئی تھی۔ اس نے پاس پڑی شال اٹھائی اور کندھوں کے گرد لپیٹ لی۔

دفعتاً اسکی نظر اسکے موبائل فون پہ پڑی۔ کتاب کے اوراق پلٹتی اسکی انگلیاں تھم گئیں۔ قیس کمبیر اسے کال کر رہا تھا۔ اس شادی والے واقعے کو ایک ماہ سے زائد وقت ہونے لگا تھا۔ اور اب وہ کال کر رہا تھا۔ بلاخر ایک ماہ بعد اسکی انا ٹوٹی تھی۔ زینیا نے گہری سانس لیتے کال اٹھالی۔

''تمہارا شہر میرے شہر سے اتنا بھی دور نہیں کہ تم حال پوچھنے بھی نہ آسکو۔'' بوجھل لہجہ، زخمی دل اور آنکھوں میں تکان لئے وہ بس کہہ نہیں رہا تھا۔ وہ شکوہ کر رہا تھا۔ ہاں وہ اسکے آگے ہار چکا تھا۔

''ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں جس کی بنا پہ تم مجھ سے حال پوچھنے کی امیدیں رکھو۔'' اسکا انداز اتنا سرد تھا کہ قیس کو اپنے اعصاب جمتے ہوئے محسوس ہوئے۔

چند لمحے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پلنگ کے تاج سے ٹیک لگائے وہ خاموشی سے لب کاٹتا رہا۔

''کیا میں تم سے معافی مانگوں؟''

''مت مانگنا۔ میں معاف نہیں کرتی۔''

''میں اپنی غلطی تسلیم کروں؟''

''فرق نہیں پڑے گا مجھے۔''

''میں اس دن غلط تھا۔''

''سو تم اب بھی ہو۔''

''تم بتاؤ میں کیا کروں۔ جو کچھ بھی ہوا، میں وہ نہیں چاہتا تھا۔ میں۔۔۔ میں۔۔ غلط تھا۔'' زندگی میں پہلی بار اس نے ایک عورت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا۔ پہلی بار انا پہ عورت کو ترجیح دی۔۔ پہلی بار اس نے دماغ چھوڑ کر دل کی مانی تھی۔

''تمہاری کہانی اچھی لگی مگر میں تمھیں پھر بھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ اسی بے لچک انداز میں بولی۔ اسکی آواز قیس کے اعصاب چٹخا رہی تھی۔

''کیا ہم تھوڑی دیر کے لئے مل سکتے ہیں؟ میں نے زندگی سے بہت کم لوگ لئے ہیں۔ اگر انہیں کھونا ہو تو یونہی آسانی سے نہیں کھونا چاہتا۔''

زینیا چند لمحے سوچتی رہی۔ وہ اسے منع کر دینا چاہتی تھی لیکن اس نے نہ جانے کیا سوچ کر حامی بھر لی۔

''کہاں ملنا ہے؟''

''میں لوکیشن بھیج دیتا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ مبادہ اسکا ارادہ بدل ہی نہ جائے۔ زینیا نے مزید کچھ کہے بغیر کال کاٹ دی۔ اسے آج ایک احساس ہوا تھا کہ عورت کیوں مرد کے dominance سے نکل نہیں سکتی؟ کیونکہ عورت کو ہمیشہ بتایا جاتا ہے غصہ، پھٹکار، مار پیٹ مرد ''کر'' دیتا ہے اس سے ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسکے بعد وہ معافی مانگ لے تو یہ اسکا ''**بڑا پن**'' ہے۔ ایسے میں عورت ''**کنفیوژ**'' ہو جاتی ہے۔ اگر وہ معاف نہ کرے تو اسے ''**نا شکری**'' کہا جاتا ہے اور اگر وہ معاف کر دے تو مرد کے اس ٹاکسک

''**رویے** '' کو بڑھاوا دے گی۔ مشرقی عورت سے زیادہ کنفیوژ مخلوق کوئی نہیں ہوتی۔

کچھ وقت بعد وہ اس وقت کیفے کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ سرخ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی میکسی کے ساتھ سرخ ہی دوپٹہ سر پہ لئے وہ جہاں سے گزر رہی تھی نمایاں نظر آرہی تھی۔ فیروزے کی لونگ روشنی پڑنے پہ واضح نظر آتی تھی۔ اسکے سفید رنگ کے کولاپوری چپل کوئی چاپ پیدا نہیں کرتے تھے مگر آج اسکے آنے کی خبر جیسے سارے جہان کو ہو گئی ہو۔

Smokey cauldron یہ اسلام آباد کا ایک تھیمڈ کیفے ہے جو کہ ہیری پارٹر کی تھیم پہ بنا ہے۔ کیفے کے سامنے احاطے میں رک کر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرائی۔ بھوری اینٹوں کی قدیم طرز پہ بنی عمارت، جس کی کھڑکیاں تکون انداز پہ بنی تھیں۔ بے اختیار اسے لگا اب اس کھڑکی سے کوئی الو، کوئی پرندہ ٹکرائے گا۔ ایسی کھڑکیوں سے باہر نکل کر ہیری ہواؤں میں سفر کرتا تھا۔ کتاب میں یہی تو ہوتا تھا۔

''میں یہ کہتے ہوئے شاید بچہ لگوں لیکن میں ایک بار ہار گورٹس ضرور جانا چاہوں گا۔'' کوئی اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا اور دھیرے سے کہا۔ وہ یونہی ایک بار پہلے بھی اسی طرح اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلی ملاقات تھی، اور یہ شاید آخری۔

''میں یہ کہتے ہوئے شاید بہت بری لگوں لیکن میں سیوریس کو اسکی محبت کا اتنا بڑا امتحان نہ دیتی۔'' وہ جانتا تھا وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔ ہیری کی ماں ہار گورٹس کے ایک معلم سیوریس سنیپ کی محبت تھی۔ مگر اس نے کسی اور سے شادی کر لی۔ اور اسکے مرنے کے بعد سیوریس نے کئی بار، ہیری پارٹر کو مختلف مسائل سے بچانے کی کوشش بھی کی تھی۔

''سیوریس کے morals بہت اونچے تھے۔ گو کہ اس نے ڈمبلڈور کو مار کر بہت غلط کیا مگر وہ میرا فیورٹ تھا۔''

''میرا بھی۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ کر آگے بڑھی۔ قیس اسکے ساتھ ہی قدم اٹھانے لگا۔ اندر داخل ہونے کے لئے ایک سرخ دروازہ تھا۔ پار کر کے اندر آؤ تو ایک نئی دنیا تمہیں خوش آمدید کہے گی۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے سیڑھیاں بنی تھیں۔ ان سے ملحقہ دیوار کی اینٹیں سیاہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ زینیا نے ابھری ہوئی اینٹوں والی اس دیوار پہ ہاتھ پھیرا۔ قیس اس دیوار پہ لگے فریمز اور مختلف آرائشی اشیاء دیکھے گیا۔ ہر ایک شے ہیری پارٹر کی یاد دلاتی تھی۔

اندر آکر وہ دونوں ایک گول میز کے گرد آکر بیٹھے۔ جس کے ساتھ ایک ستون تھا۔ اور اس ستون پہ مختلف رنگوں کے اسٹکی نوٹس لگے تھے۔ ایسے ہی اسٹکی نوٹس جابجا ہر طرف ہر دیوار پہ، سیلنگ پہ لگے ہوئے تھے۔ جن پہ مختلف عبارتیں لکھی ہوئی تھیں۔ زرد روشنی ایک فسوں سا برپا کر دیتی تھی یہاں آکر انسان چند لمحوں کے لئے ہی سہی اصل زندگی سے اپنا تعلق منقطع کر سکتا تھا۔

میز سیاہ اینٹوں والے ستون کے ساتھ تھی اور وہ دونوں ستون کے دائیں بائیں کرسیوں پہ۔ ایک اسٹکی نوٹس کا پیکٹ انکی میز پہ بھی رکھا تھا اور اسکے ساتھ پین بھی موجود تھا۔ زینیا نے پین اٹھایا، پیکٹ کھولا، گہرے سرخ رنگ کے نوٹ پہ چند الفاظ اس پہ لکھے اور اسے سیاہ اینٹوں والی دیوار پہ چپکا دیا۔

''مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔'' قیس نے زیر لب ان الفاظ کو پڑھا۔ پھر خود بھی جھک کر کچھ لکھا اور اسے دیوار پہ لگایا۔ جھکنے سے اسکے گھنگریالے بال ماتھے پہ گرنے لگتے تھے۔

''کوئی غلطی مان لے تو ضد چھوڑ دینی چاہیے۔'' زینیا نے ایک نظر اس نوٹ کو دیکھا پھر قیس کو۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ براہ راست، بغیر کسی جھجھک کے۔ سرخ رنگ اسکے لئے بنا تھا۔ صرف اس کے لئے کاش اسے حق ہوتا تو وہ اسے بتاتا۔

''میں معاف نہیں کرتی، قیس۔''

''کوشش تو کر سکتی ہو۔ کوئی انسان اگر اپنا پیٹرن بدل کر درست راستے پہ آنا چاہے تو اسکی مدد کرنی چاہیے۔'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ شکست اسکے ہر ہر انداز سے واضح تھی۔

''میں جانتاہوں بظاہر ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن circumstances ہم دونوں کو کئی بار، مختلف جگہ پہ اکھٹا کر چکے ہیں۔ خود سے پوچھو زینیا حاکم کیا تم مجھ سے اور میں تم سے یونہی منہ موڑ سکتے ہیں؟ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو کئی تباہیوں سے بچایا ہے۔''

''میں منہ موڑ سکتی ہوں۔ ابھی تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ وہ وقت گزر گیا جب تم میرے مسیحا تھے اور میں تمہیں سننے والی۔'' قیس نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ اسے اللہ سے شکوہ ہوا۔ اگر وہ اتنی پتھر دل تھی تو قیس کمبیر کے دل کو اسکے لئے موم کیوں بنایا گیا؟

اگلے چند لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ قیس اس سرخ جوڑے والی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ اسے منانا نہیں آتا تھا۔ مگر اسے ناراضگیوں کی پرواہ تھی۔

''کیا اس روز تمہارا وہاں شوٹ کرنا درست تھا؟''

''نہیں۔۔۔ لیکن تم نے جو بھی کیا وہ میرے غلط سے زیادہ غلط تھا۔ میں تمہاری ملازم تھی تمہاری کوئی بیوی یا منگیتر نہیں۔'' وہ اسے دیکھے بغیر بولی۔

''غلط تھوڑا یا زیادہ نہیں ہوتا، اسمگلر۔ وہ ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا۔''

''غلط کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ بھگتنے ہوتے ہیں۔ میں اپنے حصے کا بھگت چکی ہوں اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔'' وہ سرد مہری سے بولی۔

''ٹھیک ہے تم میری سزا مقرر کر سکتی ہو۔'' وہ جیسے تھک کر بولا۔ زینیا نے اب کے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم مجھے واپس کیوں لانا چاہتے ہو، قیس؟ قیسم میں مجھ سے زیادہ ٹیلنٹڈ لوگ ہیں۔'' وہ اسکی آنکھوں میں کچھ پڑھنا چاہتی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ قیسم میں ہزاروں لوگ ہیں۔ قیس کے لئے کوئی نہیں۔

''ہوں گے، لیکن وہ لوگ ہوں گے۔ لوگ میرے لئے زینیا حاکم نہیں بن سکتے۔'' وہ کرب سے مسکرایا۔

''لوگ میرے soulmates نہیں بن سکتے۔لوگ میرے بغیر کہے میری باتیں نہیں سمجھ سکتے۔لوگ میری بیماری، میری کمزوری ڈھانپ نہیں سکتے۔لوگ **''زینیا حاکم''** نہیں بن سکتے۔لوگ، تو پھر لوگ رہیں گے'' اس نے ذرا سا توقف کیا پھر آگے گویا ہوا۔ ''مجھے قیسم شوز کے لئے تمہاری ضرورت ہے۔میں چاہتا ہوں دو ذہین دماغ اسے آگے لے کر چلیں۔ہم ساتھ کام کریں تو ہم چھا سکتے ہیں، زینیا۔اور اگر ہم الگ ہوئے تو کاروبار رک نہیں جائیں گے مگر بے رونق ضرور ہو جائیں گے۔''

''تقریر اچھی تھی لیکن پھر بھی ''**نہیں**''۔'' وہ نہیں پہ زور دے کر بولی۔اسکی آنکھوں میں بھی صاف انکار تھا۔ سمجھوتے اس نے پہلے کب کئے تھے جواب کرتی۔وہ جھک کر اب اسٹکی نوٹ پہ کچھ لکھنے لگی تھی۔

''ایک سال قبل تم میرے گھر آئی تھیں۔'' اسٹکی نوٹ پہ کچھ لکھتے زینیا کے ہاتھ تھم گئے۔

''اس روز تم تباہی کے دہانے پہ تھیں۔اس روز تم سے سب کچھ چھن سکتا تھا۔عزت، مقام، سب کچھ۔اس روز تم نے کہا تھا **''سیوریس پلیز''** میں نے تمھیں انکار نہیں کیا تھا۔میں نے تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں ایک محفوظ پناہ گاہ دی تھی۔ تمہیں باحفاظت تمھارے گھر چھوڑ کر آیا۔اکیلی لڑکی کسی مرد سے پناہ لے تو اتنی محفوظ گھر نہیں جاتی، لیکن میں نے تمھیں غلط نظر سے دیکھا بھی نہیں۔تم میری قرض دار ہو، زینیا۔''

زینیا دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔اسے یہ لمحہ غیر یقینی لگا۔ قیس اس سے بدلا مانگ رہا تھا۔وہ یقین کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''اگلے ہی دن میں نے لاکھوں روپے بھر کر تمہیں کئی مسائل سے بچایا۔کیا تم مجھے وہ فیور لوٹا سکتی ہو؟'' زینیا ہنوز بے یقین تھی۔ ۔وہ کہاں، کس جگہ کیا مانگ رہا تھا۔

''اس روز تم تباہی کے دہانے پہ تھیں اور آج میں۔کیا مجھے کہنا ہوگا، **زینیا پلیز**؟'' وہ بازو سینے پہ باندھے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔تیر نشانے پہ لگا تھا اور وہ نشانہ زینیا کا دل تھا۔اس سے خون بھی رستا تھا مگر کمبخت قیس نظریں چرا گیا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا تم اپنے کاروبار کے لئے اتنے نچلے درجے تک آ سکتے ہو۔'' وہ بے ساختہ بولی۔ قیس نے کچھ نہ کہا۔وہ کیا کہتا؟ بات کاروبار کی نہیں تھی۔سارا مسئلہ اس سکون کا تھا جو زینیا حاکم کے ساتھ منتھی ہو گیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا، قیس۔مجھے واقعی یقین نہیں آتا۔'' اگلے چند پل وہ سخت متعجب رہی۔پھر گہری سانس لی۔

''میں تمھیں تمھاری فیور ضرور لوٹاؤں گی لیکن میری ایک شرط ہے۔'' قیس نے سر کو خم دیا۔اور اسے بات جاری رکھنے کو کہا۔

''میرا قیسم کے ساتھ ایک سالہ معاہدہ منسوخ کرو۔اور وہ ہماری باہمی رضامندی سے ہوگا۔مجھے یا میرے کیریئر کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔بات کاروبار کی ہے تو آؤ کریں کاروبار۔''

''اس کے بدلے بھی ہم ایک ڈیل کر سکتے ہیں۔'' وہ فراخ دلی سے بولا۔وہ اسے خود سے دور نہ ہونے کی قیمت میں زر، زمین، زیور سب دے سکتا تھا۔

''نامنظور۔'' وہ کھٹ سے بولی۔

''میں پتہ کروا سکتا ہوں تمہارا شوہر کہاں ہے۔'' لمحے کے ہزارویں حصے میں زینیا کی رنگت سفید پڑ گئی۔

''اسکے گھر والوں کو یہ جاننے کا حق ہے کہ انکا بیٹا کہاں ہے۔تمھارے گھر والوں کو اور تمھیں بھی یہ جاننے کا حق ہے کہ وہ کہاں ہے۔تم چاہو تو میں اسے ڈھونڈ سکتا ہوں۔لیکن خیر تمھیں تو۔۔۔۔''

''تمھیں کیسے معلوم میرا شوہر لاپتہ ہے؟''

''میں تمھارے بارے میں بے خبر نہیں رہتا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔''میں ہر اس شخص کے بارے میں باخبر رہتا ہوں جس سے میرے کاروبار کو فائدہ ہو۔تم بھی ان میں سے ایک ہو۔خیر کیا تمھیں یہ ڈیل منظور ہے؟''

''منظور ہے۔'' وہ بے حد آہستگی سے بولی۔آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی۔

''مجھے منظور ہے۔اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔اسکے خاندان کو پتہ لگنا چاہیے وہ کہاں ہے۔'' بے چینی بڑھ گئی۔اسے عروج اور اسکی ماں کی آنکھوں میں خالی پن یاد آیا۔

قیس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جیسے اسے ڈھونڈنے کا شرف قبول کیا ہو۔۔وہ جو اسکی آنکھوں کے آگے مر گیا تھا۔اگلے کئی پل وہ یونہی خالی الذہنی کے عالم میں وہاں بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔بیگ کندھے پہ ڈالا۔موبائل اٹھایا اور اسی پل قیس نے تاسف سے کچھ کہا تھا۔

''میں دو دن ہسپتال رہ کر آیا ہوں۔ کم از کم میرا حال پوچھنا تم پہ فرض تھا۔''

''کونسا حال؟ کونسی بیماری؟ کیا میں نہیں جانتی وہ ایک ناٹک تھا۔''

''ایسے مت کہو، مجھے دکھ ہو گا۔'' وہ جیسے برا مان گیا۔ ''تمہیں یقین نہیں آتا تو میں تمھیں رپورٹس دکھا دیتا ہوں۔''

''وہ رپورٹس جو تم نے ڈاکٹر کو پیسے دے کر بنوائیں۔''

قیس نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے آج علم ہوا ہے تم انتہائی منفی عورت ہو۔''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ تم خود کیا ہو۔ جھوٹے، کرپٹ، ڈرامہ باز، اداکار، موقع پرست، مفاد پرست۔'' وہ تنفر سے بولی۔

''باخدا یہ الزام ہے۔ میں تمہیں ایسا لگتا ہوں؟'' معصومیت سے کندھے اچکاتے وہ اسکے ضبط کا امتحان لینے پہ تلا ہوا تھا۔ زینیا نے رک کر چندپل اسے دیکھا تھا۔ پھر جھک کر دھیرے سے، ایک بے بس سرگوشی کی۔

''مجھ تم سے کوفت ہونے لگی ہے، سیوریس۔'' وہ کہہ کر پیچھے ہوئی اور پھر اس پہ ایک بھی نگاہ غلط ڈالے بغیر مڑ گئی تھی۔ زینیا حاکم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

قیس کمبیر کی رنگت متغیر ہو چکی تھی۔ وہ ساکت رہ گیا۔

وہ واپسی پہ گھر جانے کی بجائے پارک آگئی تھی۔ رات کے آٹھ بج گئے تھے اور اب پارک میں لوگوں کا رش بڑھنے لگ گیا تھا۔ بچوں اور بڑوں کی کثیر تعداد جھولوں پہ جمع ہونے لگی تھی۔ زینیا فوڈ کورٹ سے چائے آرڈر کر کے اب ایک طرف بنچ پہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''سرکار۔۔۔'' نرم سی آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر مڑی تھی۔ جاگنگ سوٹ میں ملبوس مہدی کمبیر اسکے سامنے تھا۔ اسکے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی اور تنفس غیر ہموار۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔

وہ اسے بلاک کرنے کے اگلے ہی دن ان بلاک بھی کر چکا تھا، مگر دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ زینیا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اتنے دنوں بعد اسے دیکھنا کتنا اچھا لگ رہا تھا؟

''ناراض ہو؟ آئی ایم سوری میں اس دن غصے میں تھا۔'' وہ نرمی سے کہہ کر اسکے ساتھ فاصلے پہ بیٹھ گیا۔

''رات کے اس وقت جاگنگ کون کرتا ہے؟'' زینیا نے اسکی پچھلی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''پچھلے مہینے سے ابھی تک میرا شیڈول اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اپنے لئے ہی وقت نہیں مل رہا تھا۔ انیسہ اس وقت رننگ کے لئے آتی ہے، سو میں بھی آ گیا۔'' اس نے کہتے ہوئے نظریں ڈورائیں۔ دور ٹریک پہ انیسہ کچھ اور لڑکے لڑکیوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ زینیا نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اعتراض کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔ بیرے نے اسے چائے لا کر دی اس نے رقم ادا کی اور ایک بار پھر خاموشی سے دور کہیں دیکھنے لگی۔

''ناراض ہو؟'' وہ ایک بار پھر پوچھنے لگا۔

''نہیں۔۔۔ مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ جیسا بھی ہے آپ کا کزن ہے۔ یہ آپ دونوں کا ذاتی معملہ تھا۔''

''میں تمہاری باتوں کا برا نہیں مانتا، بس اس دن میں پریشان تھا۔ خیر یہ بتاؤ تم ٹھیک ہو؟ چہرے سے تو لگ رہا ہے کسی اعلیٰ درجے کے خبیث انسان سے مل کر آئی ہو۔''

زینیا نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔ کیا وہ اسے بتا دے وہ جس خبیث کی بات کر رہا تھا وہ اسی کا کزن تھا۔

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ بہت خبیث تھا وہ۔ میں نے تو اسی دن کہا تھا۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''تم کس کی بات کر رہی ہو؟'' وہ الجھا۔ زینیا مسکرائی۔ ''ایک منٹ کہیں تم قیس سے تو مل کر نہیں آ رہیں؟'' وہ یکدم بولا۔ زینیا کھل کر مسکرا دی۔ سر کو اثبات میں ہلایا۔

''تم اس سے ملتی ہو تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بے ساختہ بولا۔ زینیا کے ہاتھ سے کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔ وہ وضاحت طلب نظروں سے مہدی کو دیکھنے لگی۔ مگر وہ کسی وضاحت کے موڈ میں نہیں لگتا تھا۔

''تم اس سے ملتی ہو تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔''اس نے ایک بار پھر دہرایا۔انداز وہی نڈر۔آنکھیں زینیا کی آنکھوں میں۔

''آپ خود جس کے ساتھ مرضی گھوم پھر لیں،اور جب میری بات آتی ہے تو آپ فوراً سے حکم صادر کرنے لگتے ہیں۔''وہ تلخ ہوئی۔

''کس کے ساتھ گھومتا ہوں میں؟اور کہاں دیکھ لیا تم نے مجھے؟''

''اپنی سابقہ منگیتر کے ساتھ اس پارک میں جیسے آپ کی جگہ میں موجود ہوں ناں؟''

''میں اسکے ساتھ نہیں آنا چاہتا تھا اس نے مجھے فورس کیا ہے۔اور اسے میری سابقہ منگیتر مت کہا کرو۔''

''اوہ برا لگ رہا ہے؟ہونے والی بیوی کہوں؟''وہ تنک کر بولی۔

''کیوں تم مجھے دوسری شادی کی اجازت دینے لگی ہو؟''وہ جس برجستگی سے بولا تھا زینیا کے منہ سے اسی تیزی سے الفاظ غائب ہوئے۔وہ دونوں نارمل جوڑے کی طرح کیوں لڑ رہے تھے؟اس نے خاموشی سے گردن پھیر لی۔مہدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔

''میں نے اس لئے ایسا کہا کیونکہ اس نے تمھیں ڈانٹا تھا۔اس لئے اب اگر تم اس سے مل رہی ہو تو مجھے برا لگا بس اسی لئے۔''اسکے لفظ لڑکھڑاہٹ کا شکار ہونے لگے۔چہرے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئیں۔

''میں بھی اس لئے کہہ رہی تھی کیونکہ اس نے آپ کو چھوڑ دیا تھا۔سو مجھے لگا آپ کو اس کے ساتھ باؤنڈری بنانی چاہیے۔''وہ ہلکی آواز میں بولی۔مہدی کی طرف وہ اب بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

اگلے کئی پل ان دونوں کے درمیان مضمحل سی خاموشی رہی۔''میں دو دن بعد ملک سے باہر جا رہا ہوں۔''

زینیا نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔چند پل،چند ساعتیں وہ اسے دیکھتی ہی رہی۔''واپس کب آئیں گے؟''بے اختیار اسکے لبوں سے ادا ہوا۔

''مجھے لگا تھا تم پوچھو گی کب جائیں گے۔''وہ مسکرایا۔

''آپ نے میرے حوالے سے بہت بدگمانیاں پال رکھی ہیں۔''

"تم نے خوش گمانیوں کے موقع ہی نہیں دیئے۔" وہ سادگی سے بولا۔

"کیا معلوم آپ نے غور ہی نہ کیا ہو۔ نظریں تو آپ کی بھٹکتی رہتی ہیں۔" مہدی اسکی بات پہ ہنس پڑا۔ وہ اسے انیسہ کے ساتھ آنے پہ طنز کررہی تھی؟ مگر وہ پوچھتا تو زینیا بات بدل جاتی۔ اسکے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ مہدی کو اسکے انداز حفظ ہو چکے تھے۔

" ایک مشورہ دوں؟"

"جیسے میں ناں کہوں گی تو آپ واقعی نہیں دیں گی۔" وہ جل کر بولی۔

"آئندہ اگر کسی بھی مرد سے ملنا ہو تو سرخ رنگ پہن کر مت جانا۔" آس پاس سے بے نیاز وہ اسے تکتے ہوئے محویت سے بولا۔

"تم اس رنگ میں بہت خوبصورت لگتی ہو۔ کوئی پروپوز کردے گا اور میرا نقصان ہو جائے گا۔"

زینیا نے بے اختیار چہرہ گھما لیا۔ گال دہک اٹھے۔ اسکے سامنے بیٹھے مرد نے آدھی دنیا دیکھی تھی۔ مگر آج یہاں زینیا کو دیکھتے ہوئے اسے ماننا پڑا کہ اس نے اتنی خوبصورت عورت آج پہلی بار دیکھی تھی۔ وہ خوبصورتی تھی کہ کشش؟ یا پھر کوئی ڈور جو اسے کھینچ کر باندھ رہی تھی؟

"آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آپ فلرٹ کرتے ہوئے کتنے برے لگتے ہیں؟" وہ خفت مٹانے کو بولی۔

"تمھیں کسی نے بتایا ہے کہ تم سے کوئی فلرٹ نہیں کرسکتا۔ کم از کم تم سے نہیں۔" وہ اسی طرح اسکے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" زینیا نے بے ساختہ پوچھا۔

"تم سے محبت کی جاسکتی ہے۔ تمہیں adore کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں سراہا جاسکتا ہے۔ کوئی تمہیں دیکھتے دیکھتے محبت کی ڈھیروں ڈھیر کتابیں لکھ سکتا ہے۔ تمہارا ساتھ کسی بھی انسان کو ممتاز کرسکتا ہے، سچ بتاؤ زینیا تم واقعی ایسی ہو یا بس مجھے لگتی ہو؟" وہ جیسے بے

بس ہو گیا تھا۔لاجواب بھی۔زینیا دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔دل ایک عجب لئے پہ دھڑک رہا تھا۔اسے مہدی کمبیر حرف باحرف اپنے دل پہ نقش ہوتا محسوس ہوا۔

''میں نے آدھی دنیا دیکھی ہے میں نے، میں نے آج تک تم جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔''وہ بنچ پہ آگے کو ہوا۔فاصلہ ذرا سا رہ گیا۔سنہری آنکھیں سبز آنکھوں میں نقش ہونے لگیں۔

''جانتی ہو میں کچھ عرصے سے سوچ رہا ہوں بالاج نے آخر تم سے نظر کیسے پھیر لی؟ کوئی زینیا حاکم سے نظریں کیسے پھیر سکتا ہے؟''وہ اس وقت بالاج کی موت بھی بھول گیا تھا۔

''اس نے مجھ پہ پیسے کو فوقیت دی۔''وہ جیسے شکوہ کر رہی ہو۔

''کوئی ترازو کے ایک پلڑے میں ساری دنیا ڈال دے، اور دوسرے میں تم۔کوئی بھی مرد ہو وہ تمہیں چنے گا۔''

''بالاج نے تو نہیں چنا اور'' **اس**'' نے بھی نہیں۔''وہ تلخی سے مسکرائی۔

''کیونکہ تمھیں کسی اور نے چننا تھا۔کسی قدردان نے، کسی سراہنے والے نے۔تمہارا بخت کوئی اور ہے۔''

زینیا اس سے پوچھنا چاہتی تھی کون؟ اور جواب میں وہ مہدی کمبیر کا نام سننا چاہتی تھی، مگر قسمت اسکے ساتھ اتنی مہربان نہیں تھی۔اور خود میں فلحال وہ اتنی ہمت نہیں پاتی تھی۔

''مجھے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔آپ میرے ساتھ ایسی بات آئندہ مت کیجئے گا۔''اس نے مہدی کی آنکھوں سے آنکھیں ہٹائیں۔آج کل یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہو چلا تھا۔وہ جواباً کچھ نہ بولا۔بس گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

انیسہ پسینے سے شرابور پانی کی بوتل ہاتھ میں لئے اسی طرف آرہی تھی۔دور سے دیکھ کر پتہ چل جاتا تھا کہ وہ زینیا کی یہاں موجودگی سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئی۔

''ایئرپورٹ تک میرے ساتھ چلیں گی؟''وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔''

''یعنی چلو گی۔'' وہ مدھم سا مسکرایا۔

''میں نے کہا ہے نہیں۔ شاید آپ کم سنتے ہیں۔''

''ہر عورت کے ناں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، جو ناں تم نے کہا ہے اسکا مطلب ہے فلحال ناں پھر ہاں۔''

''عورتوں پہ بہت ریسرچ کر رہے ہیں آجکل؟'' اس نے گردن پھیر کر مہدی کو دیکھا۔

''عورتوں پہ نہیں ایک عورت پہ، ریسرچ نہیں شناسائی۔ تم لفظوں کے معاملے میں بہت پھیکی ہو۔''

''اور آپ ضرورت سے زیادہ رنگین۔'' وہ ترکی باترکی بولی۔ انیسہ سامنے آکر رکی تو مہدی بس مسکرایا۔ کہا کچھ نہیں۔ حالانکہ اسکا دل چاہا تھا قہقہے مار کر ہنسے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ مس حاکم ہیں ناں؟'' انیسہ مہدی کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں یہ ''مسز'' زینیا ہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔ زینیا نے باقاعدہ اسے گھور کر دیکھا تھا۔ نادیدہ لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔ انیسہ البتہ آنکھوں میں الجھن لئے کھڑی تھی۔

''آپ میرڈ ہیں؟'' اب کے اس نے سیدھا زینیا سے پوچھا۔

''ہاں بلکل۔ ایک انتہائی شریف، معصوم، سچے اور نفیس انسان کی بیوی ہیں یہ۔ میں نے صحیح کہا ناں، زینیا؟'' زینیا نے بس اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے آپ نے کبھی اپنے شوہر کی تعریف میں کچھ نہیں کہا۔ کچھ بتائیں ناں۔ اتنا اچھا انسان آپ کو کہاں ملا؟'' وہ اسے جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا۔

زینیا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر۔۔

''پھر کبھی سہی۔ فلحال ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' انیسہ کے کہنے پہ اس نے کوئی تاثر نہیں دیا البتہ مہدی کو اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے زینیا کے تاریک پڑتے چہرے کو دیکھ لیا تھا۔

''چلیں، مہدی؟'' وہ قریب آئی، مہدی کے بازو سے اپنا بازو جوڑا۔ زینیا کو بے اختیار گھٹن سی ہوئی۔

''ہم چلو۔۔۔'' وہ کسی سوچ کے تحت بولا۔ چند پل بعد وہ دونوں دور جاتے دکھائی دیئے۔ زینیا اس بنچ پہ بیٹھی اسکی پشت کو تکتی رہی۔ کیا وہ ہر دفع مہدی کو یونہی کسی کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھتی رہے گی؟ کیا وہ اسے روکنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی تھی؟ اس کے اندر کی منفی عورت نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ مہدی کمبیر نے چلتے ہوئے انیسہ کا بازو اپنے بازو سے ہٹا دیا تھا۔

اگلی صبح قیسم پہ نکھر کر اتری تھی۔ پیلی چمکدار دھوپ نے شہر کے چاروں کونوں کو منور کر دیا تھا۔ اسی دھوپ سے خود کو بچاتے ہوئے قیسم کی ٹھنڈک بخشتی عمارت میں داخل ہو تو سٹوڈیو میں آج مختلف فوٹو گرافرز، متعدد اینگلز سیٹ کیئے سنگی مجسموں پہ ٹنگے ملبوسات کی تصاویر اتار رہے تھے۔ انہی میں سے ایک زینیا حاکم بھی تھی۔ وہ آج لیڈ نہیں کر رہی تھی۔ آج بس وہ ایک طرف تھی۔ اور فہد نامی فوٹو گرافرز بڑے جوش و خروش سے اسکی جگہ لئے کھڑا تھا۔ اس نے یہ جگہ لینے دی۔

دفعتاً حدیبیہ کے ساتھ چلتا قیس کمبیر شیشے کا دروازہ دھکیلتا سٹوڈیو کے اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ کہیں جانے کو تیار لگتا تھا۔ بس وہ ایک نظر ان ملبوسات کو دیکھنے کے لئے ٹھہر گیا تھا۔

''دو دن بعد ہم winter collection کی شوٹ کے لئے جا رہے ہیں۔'' حدیبیہ سارے میں ایک نظر دوڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ سب تیاری کے ساتھ آیئے گا۔ شاید اس شوٹ میں ایک سے دو دن وہیں رکنا پڑے۔''

''ہم کراچی جا رہے ہیں؟'' فہد نے پوچھا۔

''ہم بلوچستان جا رہے ہیں۔'' موتیوں کے کام والا سیاہ لباس اسکی انگلیوں سے ٹکرایا۔ زینیا نے چونک کر سر اٹھایا۔

''بلوچستان میں ایسا کیا ہے؟'' اب کے کوئی لڑکی بولی تھی۔ قیس نے دھیرے سے ملائمت سے سلک کے زمرد سبز جوڑے کو چھوا۔

''بلوچستان میرا گھر ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

" اور گھر میں سب کچھ ہوتا ہے۔" اس کے بعد کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک نظر زینیا کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ قیس کمبیر چند پل اسے دیکھتا رہا۔ یوں جیسے وہ کئی گھنٹوں کے لئے اس منظر کو حفظ کر لینا چاہتا ہو۔ کئی پل بعد وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی پلٹ بھی گیا۔ اس نے زینیا سے کچھ کہا نہیں۔ وہ فلحال یوں بھی اس سے مخاطب نہیں ہونا چاہتی تھی۔

قیسم کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی میں وہ بیٹھنے لگا تھا۔ پھر اسکے بعد حدیبیہ بھی اسکے ساتھ آ کر بیٹھی۔ گاڑی چلنے لگی تھی قیس خاموشی سے باہر دیکھتا رہا۔

"آپ اسے بالاج کے بارے میں بتا دیں گے؟" وہ فائلز کے ورق پلٹتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"ضروری ہے۔ اسے ہرٹ ہو شاید لیکن اب اسے میرے پاس آنے کی تیاری کرنی ہو گی۔" اسکی نظریں ہنوز باہر سڑک پہ جمی تھیں۔

"میں اسکی آنکھوں میں کسی اور کا عکس نہیں دیکھنا چاہتا۔" یہ بات فیصلہ تھی۔ حکم بھی۔ جبر بھی۔

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں باس؟" اس نے فائل سے سر نکال کر اسے دیکھا۔ قیس نے سر کے خم سے اجازت دی۔ "اگر بالاج کے بعد اسکی آنکھوں میں کسی اور کا عکس ابھرا تو؟"

قیس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا۔ "مجھے افسوس ہو گا، بہت برا بھی لگے گا۔ مگر میں خود کو ایک اور قتل کرنے سے روک نہیں پاؤں گا۔" اس نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر حدیبیہ کو دیکھا۔

"لوگوں کو میرے **"لوگوں"** سے دور رہنا چاہئے ہے ناں؟" اس نے تصدیق چاہی۔ حدیبیہ خاموش رہی۔ قیس نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں آدمی برا نہیں ہوں حبیب، لوگ خوامخواہ مجھے ایسے کاموں کے لئے مجبور کرتے ہیں۔" اس نے جیسے اپنی تمام تر سیاہ کاریوں کا نچوڑ نکال لیا تھا۔ اسکی واپسی ممکن نہیں تھی۔ آج حدیبیہ نے یہ اعتراف کیا تھا۔ مگر وہ سفر میں کتنا دور جانے والا تھا وہ سوچ کر ہی بے چین ہوئی۔

صبح کی سفیدی دم توڑ گئی اور شام کی نیلاہٹ نے سارے میں اپنے پر پھیلا لئے۔اب ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا تھا جب زینیا حاکم کوچنگ کے دروازے سے باہر آتی دکھائی دی۔اس نے صبح والا سرمئی لباس پہن رکھا تھا۔بیگ کندھے پہ تھا اور موبائل اب وہ کان سے لگا رہی تھی۔

''آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟'' وہ خوشگوار حیرت چہرے پہ لئے کہہ رہی تھی۔

''میں اپنے قرض داروں کو نہیں بھولتا، زینیا۔'' وہ اپنے ازلی ٹھنڈے انداز میں بولے۔زینیا مسکرائی تھی۔

''میں کافی ڈھیٹ واقع ہوئی ہوں کمبیر صاحب۔جب تک کوئی یاد نہ دلائے قرض واپس نہیں کرتی۔''

''اندازہ ہو گیا تھا مجھے اسی لئے تمہیں یاد کروا رہا ہوں۔تمھیں میری تصاویر اتارنی تھیں، زینیا حاکم۔''

''آپ لوکیشن بھیجیں سر میں آجاتی ہوں۔'' وہ نہ جانے کیوں مسکرا رہی تھی۔مقصود کمبیر سے مل کر اسکی روح تازہ دم ہونے لگتی تھی۔

''کمبیر محل آجاؤ۔چائے اور تصاویر اچھا جوڑ ہے ناں؟'' کمبیر محل کے ذکر پہ اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔مقصود نے اسکا چپ ہو جانا نوٹ کیا مگر پوچھا نہیں۔

''میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔'' اس کا انداز بوجھل تھا۔انہوں نے فون رکھ دیا۔اور اپنے کمرے کی بالکنی میں آگئے۔قریباً آدھا گھنٹہ بعد انہوں نے سرمئی لباس والی لڑکی کو کمبیر محل کا داخلی دروازہ پار کرتے ہوئے آتے دیکھا۔وہ اسے دیکھتے رہے۔وہ ملکاؤں جیسی آن بان رکھتی تھی۔انکے بس میں ہوتا تو اس لڑکی کے قدموں میں سات ملکوں کی بادشاہی رکھ دیتے، انہیں وہ اسی قابل لگتی تھی۔مگر کیا وہ اسکے قابل تھا؟ اسے دیکھتے دیکھتے حال سے انکا رابطہ منقطع ہوا اور وہ اسٹڈی روم کی اس ملاقات میں جا پہنچے جہاں قیس کمبیر انہیں دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''یہی۔۔۔یہی آپ کی یہی ذہانت سے میں متاثر ہو جاتا ہوں۔ ظاہر ہے بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔ ظاہر ہے میں صرف اپنی منگیتر سے شادی نہیں کرنا بلکہ میں دو شادیاں کرنے والا ہوں۔'' وہ کس اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''میری پرسنل ایڈوائزر کو جانتے ہیں آپ؟ زینیا حاکم۔ ہاں میں جانتا ہوں میری منگیتر کا نام بھی یہی ہے لیکن یہ کوئی اور ہے۔''

''اور تمہیں لگتا ہے دنیا میں اتنے اتفاق ہوتے رہتے ہیں؟'' انہوں نے طنز کیا۔

''حبیب نے کنفرم کیا ہے۔ یہ کوئی اور عورت ہے۔ اور آپ جانتے ہیں ساری دنیا مجھے دھوکا دے سکتی ہے لیکن حبیب نہیں۔ وہ قیس کے ساتھ قیس سے زیادہ مخلص ہے۔'' اسکا لہجہ اسکے یقین کی پختگی کی گواہی دیتا تھا۔ وہ حدیبیہ پہ اندھا اعتماد کرتا تھا۔

''آپ حاکم سے بات کریں گے کہ وہ پانچ ماہ بعد کی تاریخ دے، اور آپ اسے صاف صاف بتائیں گے کہ میں دوسری شادی بھی کروں گا۔ میں انہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔'' وہ جتنا نارمل نظر آتا تھا، اندر کہیں اتنی ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔

''تمہیں لگتا ہے تمہاری منگیتر اس سب کے بعد بھی تم سے شادی کے لئے راضی ہو گی؟'' مقصود نے غصہ نہیں کیا، بوکھلائے نہیں، جذباتی نہیں ہوئے۔ وہ یوں بات کر رہے تھے گویا یہ کسی تیسرے شخص کی بات ہو۔

''اسے عبداللہ کا انتظار ہے۔ مجھے یقین ہے وہ راضی ہو جائے گی۔''

''اور اگر نہ ہوئی؟''

''تو پھر ٹھیک ہے چھوڑ دوں گا اسے۔ بیٹھی رہے میرے نام پہ، آدھی زندگی گزر گئی باقی کی آدھی بھی گزار لے گی۔'' وہ انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انکی محبوب بھانجی کے لئے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ مقصود کا جی چاہا تھا اسکا منہ نوچ لیں۔ مگر وہ برف رہے، پگھلے نہیں۔

''اس نے اتنے سال تم سے وفاداری کی اور تم اسے یہ صلہ دو گے؟'' ملامت سی ملامت تھی۔

قیس کی آنکھیں پل بھر کے لئے مختلف ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ گھٹنوں کے بل مقصود کے پیروں کے قریب آ کر بیٹھا۔ محبت خاک کرتی ہے، محبت اسے خاک کر رہی تھی۔

''اس عورت کے آگے میری وفائیں ہارنے لگتی ہیں۔ کچھ ہے اس میں کوئی تعلق، کوئی انس۔ اگر مجھے وہ روایات توڑنے سے ملے تو وہ چاہیے۔ اگر وہ ساری دنیا کے عوض ملے تو مجھ سے دنیا لے لی جائے۔ اگر مجھے وہ کسی زر کے بدلے ملے تو مجھ سے سلطنت لی جائے۔ مجھے اس عورت کی قدر ہے جس نے مجھ سے وفا کی۔ مگر میں اسے نہیں چھوڑ سکتا جس کے لئے میں بے وفائی تک کرنے کو تیار ہوں۔''

مقصود نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ سچ کہتی تھیں۔ وہ محبت کی آنکھیں تھیں۔

''ایسا کیا ہے اس میں جو تم ساری دنیا سے بغاوت کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو۔ تمہیں اس میں کیا دکھتا ہے، قیس؟''

''مجھے اس میں کیا دکھتا ہے یہ میں نہیں سمجھا سکتا۔ مگر میں یہ جانتا ہوں اسکے آگے مجھے کچھ نہیں دکھتا۔ میں بھی نہیں۔'' اس نے سر کو مقصود کے گھٹنے پہ رکھ لیا آنکھوں میں سارے جہاں کا رنج آن ٹھہرا۔

''میں اسکے لئے خاک ہو سکتا ہوں۔ میں اسکے لئے خاک ہو رہا ہوں۔''

''اس نے تیئیس سال تمہیں اور تمھارے نام کو دیئے تم ایسا نہیں کر سکتے، عبداللہ۔'' انکی آنکھوں میں ملال تھا۔

''یہ میرے بس میں بھی نہیں ہے۔ مجھ پہ پہلا حق اسی کا ہے۔ لیکن میرے دل کا، میرے سکون کا کیا کروں میں۔'' گھر کا بڑا بیٹا جو خواہشیں مار کر پلا تھا، اسے محبت مار رہی تھی۔

اس نے گردن اٹھا کر مقصود کو دیکھا۔

''میں نے اتنے سال محرومیوں میں گزار دیئے۔ مجھے اللہ سے ہمیشہ شکوہ رہا کہ اس نے دنیا کیوں مجھ پہ تنگ کی۔ اور پھر ایک دن میں اس سے ملا۔ اس نے مجھے غم سے آزادی دلوائی، اس نے مجھے ہیل کیا۔ اسے اللہ نے میرے لئے بھیجا ہے۔ میرے غموں کا مداوا، میری تکالیف کا مرہم۔ اسے میرے لئے بھیجا گیا ہے۔'' اس نے اس سطر کو کئی دفع دہرایا تھا۔

مقصود اب کے کچھ نہیں بولے۔ وہ خاموش رہے۔ ہاں مگر انہوں نے دل میں اعتراف کیا کہ زینیا حاکم نے مہدی کو چن کر اپنی زندگی کا سب سے صحیح فیصلہ کیا تھا۔ عبداللہ اور وہ دنیا کا بہترین کپل بناتے تھے۔ مگر وہ دونوں ساتھ ہوتے تو disaster آتے۔

آج حال میں وہ اسے اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔بے اختیار اسے کہیں دور لے جا کر چھپا دینے کی خواہش ہوئی۔انہیں عبداللہ عزیز تھا، مگر زینیا سے زیادہ نہیں۔وہ کب، کیسے، کس جذبے کے تحت ان کے دل میں جگہ بنا گئی انہیں علم بھی نہیں ہوا تھا۔وہ بالکنی سے پلٹ گئے۔

سیاہ سفید وردی والے ملازم نے زینیا کو سلامتی پیش کی، پھر وہ اسے اندر لے کر جانے کا اشارہ کرنے لگا۔وہ اسکے ساتھ چلتے ہوئے اندر جانے لگی مگر پھر اسے ٹھہرنا پڑا۔کوئی دیوار کی طرح سے اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔زینیا نے اسے دیکھا، اور آگے بڑھنے لگی مگر وہ اسے روک چکی تھی۔

''تم قیسم کی ملازمہ ہو یا کمبیر محل کی؟''سفید ٹاپ کے ساتھ سیاہ جینز پہنے وہ اسکے سامنے تن کر کھڑی تھی۔

''اگر میں کمبیر محل کی ملازمہ ہوتی تو پہلی فرصت میں تمھیں اپنے مالکین کی صف میں سے نکلواتی۔'' بدتمیزی میں تو اس نے گولڈ میڈل لینے تھے۔

''تم اپنی اوقات بھول رہی ہو، زینیا حاکم۔''انیسہ کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہوا۔

''اوقات؟ کم از کم تم اوقات کی بات کرتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔تم وہی ہو جو اپنے مہمان سے بدتمیزی کر رہی ہو۔''

''کس کی مہمان؟ قیس کمبیر کی؟ مقصود چچا کی یا پھر مہدی؟ ایک ہی گھر کے تین مرد؟''وہ زینیا نے کان کے پاس جھک کر زہر خند انداز میں بولی۔

''ایسا کیا ہے تم میں جو مقصود چچا تمھارے ساتھ مسکراتے ہیں۔قیس وہ جو آج تک کسی ملازم کی تعریف نہیں کرتا تھا وہ تمہاری تعریف کرتا اور مہدی۔۔۔''یہاں آکر اسکی آواز طیش سے لڑکھڑائی۔

''میرا منگیتر ہے وہ اور وہ تمہیں جیسے دیکھتا ہے اس نے آج تک مجھے ایسے نہیں دیکھا۔''

زینیا چپ چاپ لٹھے کی مانند سفید چہرہ لئے اسے دیکھے گئی۔ اسے لگا تھا پیسہ انسکیورٹی مٹا دیتا ہے۔ حسد ختم کر دیتا ہے۔ بڑے بڑے محلوں میں رہنے والی عورتوں کو مڈل کلاس عورتوں کی طرح کم اعتماد نہیں ہوتیں تھیں۔ مگر آج اسے معلوم ہوا تھا بسمل، پھر بسمل ہی رہتا ہے۔ چاہے وہ اپنے اوپر پھٹی ہوئی چادر لیتا ہو۔ چاہے برانڈڈ لباس۔

''میں تمھیں آخری بار وارن کر رہی ہوں، زینیا۔'' وہ آنکھوں میں غضب لئے انگلی لہراتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے۔۔۔ منگیتر۔۔۔ سے۔۔۔ دور رہو۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کئے۔ وہ چند پل، چند ساعتیں خاموشی سے اسے تکتی رہی۔ پھر اسکی انگلی اپنی انگلیوں سے پکڑ کر نیچے کی۔ آنکھوں میں کچھ در آیا۔ کچھ حق سا۔ کچھ استحقاق سا۔

''دوبارہ مجھے انگلی مت دکھانا، ورنہ میں اسے کاٹ کر کتوں کو کھلا سکتی ہوں۔ دوبارہ مجھے کسی مرد کا طعنہ نہ دینا ورنہ تمھارے قصے سر بازار اچھالوں گی۔ اور ایک اور بات۔'' اسکی آنکھوں میں ملکہ بد والا تاثر لوٹ آیا۔

''یہ تو تمہیں میں بتاؤں گی کہ وہ تمہارا ''**سابقہ منگیتر**'' کسی کا حالیہ شوہر تو نہیں؟'' اس نے انیسہ کے اوپر جیسے دھماکہ کر دیا ہو۔ پھر وہ رکی نہیں۔ وہ اندر نہیں گئی اس نے تیز تیز قدم لئے اور کمبیر محل کے داخلی دروازے کی اور بڑھ گئی۔ اس نے مڑ کر اپنی اور آتے مہدی کمبیر کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ سوٹ کیس ہاتھوں سے گھسیٹتے جب تک وہاں پہنچا زینیا دروازہ پار کر چکی تھی مگر انیسہ اپنی جگہ بت بنی کھڑی تھی۔ آنکھوں میں الجھن تھی۔

''زینیا کیوں آئی تھی اور وہ اس طرح کیوں گئی ہے؟'' اس نے بازو سے پکڑ کر انیسہ کا رخ اپنی جانب کیا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا، وہ خود یہاں سے گئی ہے۔''

''زینیا اس طرح سے نہیں جاتی۔ مجھے صاف صاف بتاؤ تم نے اسے کیا کہا ہے۔'' اب کے وہ سختی سے بولا۔ انیسہ نے جارحیت سے اپنا بازو چھڑوایا۔

''تمھیں اسکی اتنی فکر کیوں ہے آخر؟ کیوں تمھیں اسکی خوشی، اسکی ناراضگی کا علم ہونے لگا ہے۔ وہ لگتی کیا ہے تمہاری؟'' اسکی آنکھوں سے آنسو چھلکے۔ ''میں تمہاری منگیتر ہوں، مہدی۔''

''تصیح کرو، انیسہ بختیار۔ تم میری سابقہ منگیتر ہو۔'' وہ لاتعلقی سے بولا۔ نظریں اس جانب لگی تھیں جہاں سے وہ گئی تھی۔

''اور وہ؟ وہ کون ہے؟''

مہدی تھم گیا۔ خاموش، چپ، بے زبان۔ انیسہ اسے دیکھتی رہی۔ گیلی نم آنکھوں سے۔ کمبیر محل وہ اونچا سفاک محل اپنے مکین کا ایک اور راز جاننے کے لئے بے چین ہوں۔

''بتاؤ، مہدی۔۔۔ کون ہے وہ؟'' اس نے مہدی کا چہرہ اپنی جانب موڑا۔

''میری گارجین اینجل۔'' اسکے لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔

''میری مسیحا۔'' اس نے گردن اٹھائی، اور اس سمت دیکھا جہاں وہ گئی تھی۔

''وہ میری بیوی ہے۔ وہ زینیا کمبیر ہے۔ تمھارے لئے اسکا یہی تعارف کافی ہے۔''

انیسہ بے یقینی سے منہ پہ ہاتھ رکھے پیچھے کو ہوئی۔ وہ ششدر سی مہدی کو دیکھ رہی تھی۔ اسکا دماغ کچھ بھی پراسیس کرنے سے باز رہا۔

''تم۔۔۔ نے۔۔۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا؟ تم۔۔۔ نے میری جگہ کسی اور عورت کو دی؟'' آسمانوں سے پتھروں کا ایک تھال تھا جو اسکے سر پہ لڑھک گیا تھا۔

''میں نے تمھیں دھوکہ نہیں دیا۔ تم نے مجھے رد کیا، انیسہ۔ تم نے میرا دل توڑا۔ اور اب ہر محبوب کی طرح تم چاہتی تھیں میں ساری زندگی تمھارا غم لے کر بیٹھا رہوں؟ میں تمہارا جوگ لے کر بیٹھ جاؤں؟ سوری مگر زمانہ جدید میں ایسا نہیں ہوتا۔'' اس نے آگے بڑھ کر انیسہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ انداز میں سختی سی تھی۔

''اگر دوبارہ وہ اس گھر میں آئے تو اسے مسز مہدی کی طرح ٹریٹ کرنا۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پہ۔۔۔ میں ابا کو بتاؤں گی۔۔۔ میں قیس کو بتاؤں گی۔ میں تم دونوں کو بتاؤں گی کہ قہر کیا ہے۔'' وہ دیوانی ہونے لگی تھی۔

''میں تم دونوں کو بتاؤں گی۔ میں ابا کو بتاؤں گی۔ میں قیس کو بتاؤں گی۔''

مہدی اس کے چیخنے کا اثر لئے بغیر ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ سبز آنکھیں کسی انہونی کا پتہ دیتی تھیں۔

''تم سب کو بتاؤ گی؟ تمہیں لگتا ہے میں اتنا بے وقوف ہوں کہ یونہی راہ چلتے کسی کو بھی اپنے راز بتانے لگوں گا؟'' وہ آگے آتا جا رہا تھا اور انیسہ پیچھے ہونے لگی۔ اسے مہدی سے خوف آیا تھا۔

''ڈارلنگ۔۔۔ جب تم قیس اور اپنے ابا کو زینیا اور میرے بارے میں بتاؤ گی تب میں بھی انہیں بتاؤں گا کہ تم کینڈا جا کر اپنے اس مسیح بوائے فرینڈ سے شادی پلان کر چکی ہو۔'' انیسہ جامد ہو گئی اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

''پھر جانتی ہو کیا ہو گا؟ ذرا سی لڑائی، ذرا سا جھگڑا اگر زینیا کو میری بیوی مان لیا جائے گا اور ساتھ مجھے تم سے شادی کرنے کو کہا جائے گا۔ اور میں فطرتاً بڑا خود غرض واقع ہوا ہوں۔ اپنی زندگی کے سکون کے لئے میں باآسانی یہ بات مان لوں گا اور پھر تم ایک ان چاہی بیوی بن کر میرے ساتھ رہو گی۔ تمہیں رہنا ہے؟ کیا تم مجھے زینیا کے ساتھ دیکھنے کا حوصلہ رکھتی ہو؟'' وہ اسکی مردہ ہوتی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ انیسہ نے مرے، مرے ہاتھوں سے اسکی شرٹ کو دبوچا۔

''تم ایسے نہیں تھے، مہدی۔۔۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اسکی آنکھوں سے گرنے لگے۔ معشوق کو ہار ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''تم میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہو؟ میں اس سے زیادہ برا بن سکتا ہوں اور مجھے کوئی گلٹ نہیں ہو گا۔ میرا ایک دائرہ ہے۔ جب تک کوئی اسے پار نہیں کرے گا میں اچھا آدمی رہوں گا۔ جس دن کسی نے میرا دائرہ پار کیا، میں اس دائرے کی گرد مزید لکیریں کھینچ دوں گا یہاں تک کہ اسے پار کرنے والے کا دم گھٹ جائے۔ وہ مر جائے۔۔'' وہ مسکرایا اور انیسہ کا یخ پڑتا گال تھپتھپایا۔

''اور جب وہ مر جائے گا تب مجھے ذرا سا بھی دکھ نہیں ہو گا اس لئے مجھے یقین ہے اب تم میرے راز کی حفاظت کرو گی۔ کیونکہ تم دوسری بیوی نہیں بننا چاہتیں ہے ناں؟'' وہ کہہ کر رکا نہیں آگے بڑھ گیا۔

''تم قیس کو بتاؤ گے میں کینیڈا کیوں جانا چاہتی ہوں؟'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ مہدی نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ آنکھوں سے سفاکی معدوم ہو چکی تھی۔ معصومیت لوٹ آئی۔

''تم کینیڈا کیوں جا رہی ہو؟'' وہ معصومیت بھری لاعلمی سے بولا۔ انیسہ نے دم سادھ لیا۔ کمبیر محل نے اسے اس محل کے سب سے بڑے سازشی کا لقب دیا، بہتی ہواؤں نے مہدی کمبیر کے راز اپنے پاس رکھ لئے۔ اور کمبیر محل کے لان نے اس سے خفگی کا اظہار کیا۔ وہ وہاں سے جا رہا تھا۔

یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کچھ ہوا تھا کیا؟

''ایک دن بعد۔''

ایئرپورٹ پہ لوگوں کا رش تھا۔ پروازوں کا اعلان ہونے لگا تھا۔ لوگ بھاگم بھاگ اپنے آخری کام نپٹاتے فلائٹ کی جانب بھاگنے لگے تھے۔ مگر ایک آدمی تھا جسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ سکون سے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔ انکے ہاتھوں میں ڈسپوزل کپ تھے۔ نظریں مختلف زاویوں پہ تھیں۔ زینیا نے لیونڈر کلر کا لگھا پہن رکھا تھا جس پہ سفید رنگ کا کام ہوا تھا۔

''یہ کپ چائے کا ذائقہ خراب کر دیتے ہیں۔'' زینیا سامنے سے آتے مسافروں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آئی ایگری۔'' وہ گزشتہ روز والے مہدی سے بہت مختلف بے حد مختلف۔ وہ درست کہتا تھا۔ مہدی کا فلٹر فری ورژن بس زینیا حاکم کے لیے ہے۔

''میرے لئے آنے کا شکریہ۔'' اس نے چائے کا آخری گھونٹ لیا۔

''میں نے ''ناں'' کہا تھا مگر آپ زبردستی لائے ہیں۔'' مسافرین میں سے ایک اب اپنی بیوی کے قریب آ کر رکا تھا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے اسکا ماتھا چوما۔

"تم مجھ پہ اور کتنے الزام لگاؤ گی؟ کسی دن تمھارے انہی الزامات کی وجہ سے میرے اوپر بدنام شہرت کا بٹہ لگ جائے گا۔" وہ نیچے جھک کر اپنے سفری بیگ کے ساتھ رکھی گفٹ شاپر سے کچھ نکال رہا تھا۔

"آپ کو بٹہ لگنے کا خوف ہے تو ٹھیک ہے میں نہیں کہتی کچھ۔" اس نے چائے کے آخری گھونٹ بھرے۔

"تمہاری طرف سے ہیں، تو سارے الزام قبول ہیں۔ آپ کہیں تو ہم بذات خود کسی عدالت میں گرفتاری دے کر آتے ہیں۔" وہ سیدھا ہوا۔ زینیا کی نظریں اسکے چہرے سے پھسلتی ہوئی اسکے ہاتھوں تک گئیں۔ ایک لمحے کے لئے اسکی سانس رک گئی۔ مہدی کے ہاتھ میں اسکا کیمرہ تھا۔ اسکے ابا کا دیا ہوا کیمرہ۔

"میں نے سوچا تمھیں نیا کیمرہ گفٹ کروں لیکن چیزیں ری پلیس ہو سکتی ہیں۔ جذبات نہیں۔" اس نے کیمرہ زینیا کی اور بڑھایا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کیمرہ تھاما۔ اسے ٹٹول کر دیکھا۔ اس پہ کچھ کریکس تھے، کچھ خراشیں مگر وہ چل سکتا تھا۔ زینیا کو یقین تھا۔

"اب تم اس کیمرے سے سب سے پہلی تصویر میری لینا۔" اس نے اپنے سفری بیگ کو ہاتھ میں لیا۔ ایک پیر بیگ کے ساتھ اور ایک آگے رکھا۔ یوں جیسے وہ چل رہا ہو۔

"اب تصویر لو میری۔" اس نے گلاسز آنکھوں پہ چڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

زینیا نے میکانکی انداز میں کیمرہ آن کیا، پھر اسے آنکھ کے آگے کیا۔ اور دھڑا دھڑ ڈھیر سارے کلکس لئے۔ اسکی آنکھوں میں چبھن در آئی، اسکے دل میں ہوک اٹھی تھی۔ یہ خیال کہ مہدی کمبیر کے ساتھ اسکا ساتھ وقتی ہے یہ خیال اسکے دل میں نشتر کی طرح کھب رہا تھا۔ اس کے ہاتھ شل ہو گئے، اس نے کیمرہ نیچے کر لیا۔

مہدی مسکراتا ہوا واپس اسکے ساتھ آ کر ٹھہرا۔

"تم اس تحفے کے بدلے مجھے تحفہ دے سکتی ہو میں برا نہیں مناؤں گا۔"

''آپ میرے لئے اتنا سب کیوں کر رہے ہیں؟'' اس نے مہدی کی آنکھوں میں اپنا جواب تلاشنا چاہا۔ وہ ان سوالوں سے تھک چکی تھی۔

''تم میرے لئے یہاں کیوں آگئی ہو؟''

''آپ۔۔آپ مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''تم پہل کیوں نہیں کرتیں؟'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے ناں؟ میں وہ عورت نہیں ہوں جس کے ساتھ آپ زندگی گزارنا چاہیں گے پھر آپ میرے لئے کوششیں کیوں کرتے ہیں؟''

مہدی دو قدم آگے آیا۔ زینیا کو اسکی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے گردن اٹھانی پڑتی تھی۔

''تم اپنے کام کاج چھوڑ، ساری دنیا کو پس پشت ڈال کر میرے لئے یہاں آگئی ہو کیوں؟ جواب دو، زینیا۔''

وہ چپ ہو گئی۔ اسکے پاس جواب نہیں تھا۔ یا شاید وہ دینا نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے آزاد کر دیں۔'' وہ جانتی تھی اس نے کس دقت سے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ ''آپ جب واپس آئیں۔ تب آپ مجھے آزاد کر دینا۔ یہی درست فیصلہ ہے۔''

مہدی نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جو تم چاہو۔ تم کاغذات تیار رکھنا۔ میں دستخط کر دوں گا۔''

''آپ کے لئے کتنا آسان ہے مجھے چھوڑ دینا۔'' اسے بے بسی بھرا غصہ آیا۔ ملال ہوا یا کیا اسے سمجھ نہیں آئی۔

''تمھارے لئے مشکل ہے کیا؟ اور اگر ہے تو کیوں؟'' آج پہلی مرتبہ مہدی کمبیر اسے لاجواب کر رہا تھا، اور وہ ہو رہی تھی۔

''میں واپس آ کر تم سے ایک مرتبہ پھر یہی سوال کروں گا۔ اگر تمھارے جواب یہی ہوئے تو میں دستخط کر دوں گا۔'' اب وہ کچھ نہ بولی۔ کہنے کو کچھ رہ گیا تھا کیا؟ فلائٹ کا اعلان ہونے لگا اور اس نے مہدی کو پلٹتے دیکھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر آگے جا رہا تھا۔ زینیا حاکم کو

اسکا ایک ایک قدم اپنے دل پہ پڑتا محسوس ہوا۔اسکے جانے کی تکلیف عبداللہ کے نہ آنے کی تکلیف سے بھی زیادہ تھی۔اسے محبت ہوئی تھی مگر غلط انسان سے۔وہ جس کی محبت، پہاڑ، دریا، وادیاں تھیں۔

وہ اسے آزاد کر سکتا تھا آج یا کل وہ کر ہی دیتا۔وہ سیاح تھا محبت کی قید کیونکر برداشت کرتا۔زینیا حاکم کا دل آج بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔اور اسے لگا تھا وہ اسے جوڑ نہیں پائے گی۔

واپسی کا سفر کٹھن تھا۔قدم شکستہ اور دل بھاری۔اسکی آنکھیں بری طرح بہہ رہی تھی۔اسے ہر انسان، ہر شے پہ غصہ آیا۔اپنی بے وقوفی، مہدی کی بے اعتنائی،اسے مہدی کے جانے پہ غصہ آیا۔کیا وہ واپس نہیں آسکتا تھا؟ کیا وہ زینیا کے لئے نہیں آسکتا تھا؟لیکن وہ آخر کیوں آتا۔زینیا اسکی محبت نہیں تھی۔چلتے چلتے وہ سڑک کے کنارے رک گئی۔گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح روئی تھی۔آتے جاتے کئی لوگوں نے ٹھہر کر اسے دیکھا اور آکر گزر گئے۔انہی میں سے ایک گاڑی اسکی بھی تھی اور ایک نظر اسکی بھی،لوگ چلے گئے مگر وہ سیاہ آنکھیں،وہ آنکھیں ان سنہری آنکھوں سے نگاہ نہیں پھیر سکتی تھیں۔گاڑی سڑک کے کنارے روکتے،دروازہ کھولتے وہ تیزی سے نیچے اتر آیا۔

''زینیا؟ تم ٹھیک ہو؟'' وہ اسکے قریب رک کر پریشانی سے استفسار کرنے لگا۔دل کو بے چینی ہوئی۔وہ بس اسٹینڈ پہ کھڑے تھے مگر آس پاس فلوقت کوئی نہیں تھا۔

زینیا سیدھی ہوئی۔آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔اسکی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔قیس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''تم رو رہی تھیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے پلیز کچھ بتاؤ۔کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟'' وہ کبھی اسے دیکھتا، کبھی اس گفٹ شاپر کو جو اس نے مہدی کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔وہ اس شاپر کو دیکھ کر تھم گیا تھا مگر حبیب نے جو کہا تھا وہ اس پہ اعتبار کرتا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سرد مہری سے کہہ کر وہ قریب رکھی بنچ پہ بیٹھ گئی۔اسے بس کا انتظار کرنا تھا۔قیس نے اسکا گیلا چہرہ دیکھا،اور یہاں سے ذرا سے فاصلے پہ نظر آتے ایئرپورٹ کو دیکھا۔اسے مہدی کمبیر کی فلائٹ کا ٹائم یاد آیا،اسے مہدی کا **''مجھے چھوڑنے مت آؤ، میں کسی دوست کے ساتھ جاؤں گا۔''** کہنا یاد آیا۔اسکا دماغ وہ اس دماغ کا

کرے؟ کیوں وہ اسے آگہی دے کر تکلیف دیتا تھا۔ کوئی اور دوست ہوگا۔ اس نے تسلی دی۔ ایسے ہزار گفٹ شاپر ہوتے ہیں اس نے نظر چرائی۔

''آؤ میں تمھیں ہاسٹل چھوڑ کر آتا ہوں۔'' اس نے ہر خیال کو جھٹکا، ہر بدگمانی سے جان چھڑائی۔ وہ بدلنے لگا ہے اس نے خود کو یقین دلایا۔

''میں خود چلی جاؤں گی۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے، قیس۔''

''تم شاید چلی جاؤ لیکن یہ میرا مسئلہ ہے میں تمہیں چھوڑ کر ہی نہیں جا سکتا۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اور بنچ پہ اس سے ذرا سے فاصلے پہ بیٹھ گیا۔ اسکی تیاری سے واضح تھا وہ کسی تقریب میں جا رہا تھا۔ مگر وہ اسکے لئے دنیا کے سارے فنکشن رد کر سکتا تھا۔

''جب تم میری مدد کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہو تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ تم اپنی باری پہ ہاتھ جھٹک دیتی ہو۔''

''کیونکہ مجھے یقین ہوتا ہے کہ تم ایک دن انکا بدلہ لوگے۔ میں اس کیفے کی ملاقات بھولی نہیں ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ آنسو تھے کہ بہے چلے جاتے تھے۔ وہ قیس کے سامنے انکے بہنے پہ نادم ہوئی۔

''دنیا تو کام ہے نفع نقصان کا۔ اس میں برا منانے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے ڈھٹائی سے بولا۔ اب کے زینیا نے جواب نہیں دیا۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں گرائے روتی رہی۔ یہ نہیں تھا کہ اس نے نہ رونے کی کوشش نہیں کی تھی مگر کئی بار آنسو آپ کے بس میں نہیں ہوتے۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ سسکی لیتی تھی اور قیس کے دل پہ جیسے کوئی گھونسا دے مارتا تھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا اس انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جس نے زینیا کو رلایا تھا۔ اسے برا لگ رہا تھا حد سے زیادہ برا۔

کافی دیر وہ بس خاموشی سے اسکے پاس بیٹھا رہا۔ وہ رو رہی تھی اور قیس چپ چاپ اسکے جھکے ہوئے سر کو دیکھ رہا تھا۔ دور پار سے ہلکی سی روشنی ان دونوں پہ پڑتی تھی تو وہ کسی شاہکار پینٹنگ کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

''تمہیں کس نے رلایا ہے؟'' وہ اسکے آنسوؤں سے جھنجھلا گیا۔

''تم اپنے کام سے کام کیوں نہیں رکھتے؟'' وہ چلائی۔

''اسی طرح اس پہ چلاتیں تو اسکی جرات نہ ہوتی تمہیں ہرٹ کرے۔'' وہ جواباً سلگ کر بولا۔

''مجھے کسی نے ہرٹ نہیں کیا۔ میں اپنی وجہ سے رو رہی ہوں۔''

''تم اپنی وجہ سے نہیں روتیں۔ تمھیں اسکی وجہ سے بھی نہیں رونا چاہیے۔ کوئی اتنا قیمتی نہیں ہے کہ تم اسکے لئے روؤ۔'' اس نے جیب سے ٹشو نکال کر اس کے گھٹنے پہ رکھا۔ وہ اسکے سامنے کسی اور کے لئے رو رہی تھی۔ مگر وہ اسکے ساتھ بیٹھا تھا، بیٹھے گا۔ وہ روئے گی تو اسے ٹشو دے گا۔ وہ کسی اور کا غصہ اس پہ نکالے گی اور وہ سن لے گا۔ وہ جھڑکے گی تو کوئی بات نہیں سہہ لے گا۔ محبوب کے اپنے مسئلے تھے تو چاہنے والے کے بھی کچھ فرائض تھے۔ جنہیں وہ اس وقت باخوبی نبھا رہا تھا۔

اس نے ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔ دل ہلکا ہوا تھا۔ اب اس نے قیس کی لائی پانی کی بوتل سے چند گھونٹ لئے۔ آنکھیں بری طرح سوجھ گئیں تھیں مگر وہ کچھ کچھ نارمل تھی۔ گلا بھاری ہو گیا تھا۔

''تمہیں ایک مشورہ دوں، سیورس؟'' وہ زکام زدہ آواز میں بولی۔ لہجے میں کرب تھا۔

''ضرور دو، اسمگلر۔'' وہ بازو سینے پہ باندھے ہمہ تن گوش ہوا۔

''اپنی زندگی میں سارے برے کام کر لینا۔ سب سب سب۔ لیکن کبھی بھی اپنے سے کم برے انسان سے تعلق مت رکھنا۔ محبت تو ہر گز نہیں۔ تمہیں اگر شادی بھی کرنی ہو تو بلکل اپنے جیسی لڑکی سے کرنا۔ جو تم جیسی ہو بلکل تم جیسی۔''

''جو تم کہو۔'' وہ اسکے چہرے پہ نظریں جمائے تابعداری سے بولا۔

''یہ اچھے لوگ ہمیں انسکیورٹی میں ڈال دیتے ہیں انکے سامنے اپنا آپ چھوٹا لگنے لگتا ہے۔ زندگی میں اگر کوئی بہت اچھی عورت مل جائے تو اسے دیکھ کر آگے بڑھ جانا۔''

''میں بڑھ چکا۔'' وہ بے آواز بولا۔

''اور جب کوئی بلکل اپنے جیسی مل جائے تو اسکے لئے رک جانا۔ ٹھہر جانا۔۔۔''

''میں رک گیا، ٹھہر گیا۔'' زیر لب بڑبڑاہٹ۔ آواز زینیا کے کانوں تک نہیں گئی۔

زینیا اپنی جگہ سے اٹھی۔ گفٹ کا شاپر اٹھایا۔

''تم میرے مشورے پہ عمل کرنا۔'' اسکی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''میں تمھارے کہنے سے پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ زینیا نے غور نہیں کیا۔ یہ ملاقات اتنی خوشگوار تھی کہ قیس کو یقین نہیں آیا آج وہ زینیا حاکم سے ملا ہے۔

''تم یہاں آئے، میری مدد کی اور بدلے میں، میں نے تمھیں مشورہ دیا۔ حساب برابر۔'' وہ سڑک کے کنارے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''بلکل جو تم کہو۔'' وہ پھر سکون سے بولا۔

''ایک بات بتاؤں؟'' وہ زینیا کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم روتے ہوئے بہت بری لگتی ہو۔ کسی نے تمہیں بتایا ہے؟''

اس نے گردن موڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ قیس نے اپنا موبائل آگے کر کے جلدی سے اسکی چند تصاویر اتار لیں۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے سامنے آ کر رکا۔ پانی کی بوتل اور ٹشو اسکے ہاتھ میں تھے۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے موبائل زینیا کے آگے کیا۔ اسکا چہرہ بری طرح سرخ تھا۔ ناک بھی اور آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔ پلکیں گیلی تھیں۔

''ایسے لگتا ہے جیسے کوئی بگڑی بچی رو رہی ہو۔ تمہیں روتے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

''میری تصاویر ڈیلیٹ کرو، قیس۔''

''ایک وقت تھا جب تم نے یونہی میری تصاویر لی تھیں۔'' اس نے سامنے رکتی بس کو دیکھا پھر زینیا کو۔

''جب تم نے ڈیلیٹ نہیں کیں تو میں کیوں کروں؟'' وہ موبائل اسکے آگے لہراتے اسکے سامنے سے نکل گیا۔ اپنی گاڑی کی طرف۔

''میرے پاس تمہاری بھیانک تصاویر ہیں میں انہیں لیک کر دوں گی۔'' وہ پیر پٹخ کر غرائی۔ آج کا دن اتنا برا کیوں تھا؟

''جو تم چاہو۔''

زینیا کی آنکھیں پھر بھرنے لگیں۔ اسے قیس پہ جی بھر کر غصہ آنے لگا۔ مگر وہ بس مس نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری طرف وہ گاڑی میں آکر بیٹھا۔ بوتل اور ٹشو کو ایک صاف کپڑے میں لپیٹ کر احتیاط سے اسٹوریج باکس میں رکھا۔ سنبھال کر، مقدم جان کر۔

زینیا ایک بار پھر روتے ہوئے بس میں جا کر بیٹھی تھی۔

تقریب میں جانے کی بجائے اس نے گاڑی گھر کی جانب موڑ دی۔ کوئی فنکشن اسے ایسی خوشی نہیں دے سکتا تھا جو زینیا حاکم سے مل کر ہوا کرتی تھی۔ وہ چند لمحے اسی خوشی کے حصار میں رہنا چاہتا تھا۔

ہوسٹل کے کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ زینیا حاکم اپنے بیڈ پہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ جب شیزل باتھروم سے نہا دھو کر باہر آئی۔ گیلے بالوں کو تولیے سے آزاد کیا اور موبائل کی ٹارچ آن کر کے موبائل بیڈ پہ رکھ دیا۔

''سنا ہے آج کوئی اپنے مجازی خدا کو سی آف کرنے گیا تھا؟'' وہ زینیا کی پشت کو دیکھتے ہوئے شوخ انداز میں بولی۔ جواب ندارد۔

''سنا ہے ٹوٹا کیمرہ بھی جوڑ کر دیا ہے۔ ہمیں تو کبھی نہیں ٹکرائے ایسے مرد۔'' جواب اب بھی نہیں آیا۔

''اب تجسس سے میں مر نہ جاؤں بتاؤ بھی کیا کیا کہہ کر گیا ہے وہ؟ تمہیں بھگا تو نہیں رہا؟'' اب کے کمرے میں اسکی سسکی گونجی۔ شیزل نے برش پھینکا اور اسکی طرف لپکی۔ بیڈ پہ اسکے قریب بیٹھ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا۔ وہ پریشان ہو اٹھی تھی۔

''تم رو رہی ہو؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ مہدی نے کچھ کہا ہے؟'' شیزل نے اسکے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا کر بٹھایا۔

''خدا کے لئے مجھے بتاؤ یار۔''

زینیا بس روتی رہی، صرف روتی رہی۔

''زینیا کچھ بتاؤ مجھے فکر ہو رہی ہے۔''

''good byes were never that hard for me'' اس نے بے اختیار ہچکی لی۔

شیزل تھم گئی، اسکے دماغ میں فوراً کچھ کلک ہوا مگر اس نے وہم جانا۔

''وہ آجائے گا یار۔ مہدی تو ہر دوسرے تیسرے ماہ جاتا رہتا ہے۔ دیکھنا وہ ایک دو ماہ بعد آجائے گا۔ اور پھر سے ہمارے ساتھ ہو گا۔'' وہ تسلی دینے لگی۔

''اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتا ہے؟'' وہ رونے لگی تھی اور وہم شک میں تبدیل ہوا۔

''تم دونوں کے درمیان یہی طے ہوا تھا ناں؟'' وہ محتاط انداز میں بولی۔ پھر رک کر زینیا کے گیلے چہرے کو دیکھا۔ خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔ جو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی اسے زبان پہ لانا پڑا۔

''are you falling for him?'' سوال تحیر زدہ تھا۔

''i have fallen'' جواب شکست خوردہ تھا۔

اگلے کئی پل شیزل سانس لئے بغیر اسے دیکھے گئی۔ وہ محبت کے ایک انتہائی پیچیدہ تکون کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں ایک بھی سرا، مرے اور مارے بغیر نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ وہ اگلے کئی پل دم سادھ بیٹھی رہی۔ پھر اس نے دھیرے سے زینیا کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ اسکا ہاتھ برف تھا، ٹھنڈا یخ۔

''وہ غصے میں ہو گا۔ مہدی تم پہ گواپ نہیں کرے گا۔ وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔''

''مجھے دلاسے مت دو۔'' زینیا نے اسکے ہاتھ ہٹایا۔

''میں دلاسہ نہیں یقین دلا رہی ہوں۔''

''مجھے یقین سے خوف آتا ہے۔''

''محبت سارے خوف ختم کر دیتی ہے۔''

''میری محبت مجھے ختم کر رہی ہے۔'' اس نے شکستہ انداز میں سر کو گھٹنوں پہ گرا لیا۔

''تم نے محبت کو الوژن بنا لیا ہے۔ اسے حقیقت مانو، پھر تمہیں نئی زندگی ملے گی۔''

زینیا نے سرخ متورم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ عبداللہ کی طرح، بالاج کی طرح۔'' اسکے لہجے میں ہزار اندیشے تھے۔ شیزل نے گہری سانس لی۔ اور بیڈ سے نیچے اتری۔ پھر ہاتھ پکڑ کر زینیا کو بھی نیچے اتارا۔ ''زینیا کا کوئی گھر نہیں ہوگا، میرے گھر والوں کو سب پتہ چل جائے گا میں کیا کروں گی؟''

''منہ ہاتھ دھوو، کھانا کھاؤ۔ محبت نامے پہ رونے کے لئے عمر باقی ہے۔'' وہ اسے باتھ روم کے دروازے تک چھوڑ کر آئی۔ پھر اسکے لئے کھانا لائی، ساتھ چائے کا مگ بھی۔ زینیا نے دو چار نوالے زہر مار کئے پھر کھانا چھوڑ دیا۔ شیزل نے زور نہیں دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کمرے کے فرش پہ بیٹھی تھیں۔ آئینے سے لپٹی گلابی فیری لائٹس کی روشنی کے علاوہ کمرے میں اور کوئی روشنی نہیں تھی۔ شیزل کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا اور زینیا کی چائے اب تک ماربل کے اس فرش پہ رکھی تھی۔ اس نے بال سلیقے سے باندھ لیے تھے اور اب وہ سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تم نے اسے کوئی اشارہ دیا ہے؟ کبھی کچھ اس طرح کا کہ تم۔۔'' وہ بول بھی نہ پائی۔ قیس کا خیال اسکے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔

''تم اس سے محبت کرتی ہو۔ تم اسے بتا دو، کیا پتہ وہ خود بھی تمھارے لئے ایسا ہی محسوس کرتا ہو۔'' آج اس نے دعا کی تھی کاش مہدی کو زینیا سے محبت ہوتی۔

''وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ وہ مختلف ہے۔ سیاحوں کو محبتیں نہیں ہوتیں۔ اگر اس سے کوئی پوچھے گا خوبصورتی کیا ہے تو وہ کہے گا ''**وادیاں**'' حلانکہ اسے کہنا چاہیے زینیا حاکم کی آنکھیں۔''

(''اگست کی ایک حبس زدہ سی شام تھی۔ وہ اکیڈمی کے کیفے ٹیریا میں داخل ہو رہی تھی۔ مہدی وہاں پہلے سے موجود تھا۔ زینیا بھی اسی میز کی طرف آئی۔

''آج تیرہ اگست ہے۔ تمہاری برتھڈے ہے اور تم نے بتایا نہیں۔ میں نے شیزل کا سٹیٹس دیکھا۔؟'' وہ خفا لگتا تھا۔ اسکی مٹھی میں وہ ہیمنگ برڈ کا چھوٹا سا پینڈنٹ تھا۔ یہ گفٹ دینے کے لئے اس نے کتنا انتظار کیا تھا۔

"میں گئی تھی پرنٹر کے پاس پوسٹر چھپوانے، لیکن انکے پاس کام زیادہ تھا۔" وہ بیگ کو میز پہ رکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمھیں ایک گفٹ دینا چاہتا ہوں۔"

"میں بھلا آپ سے گفٹ کیوں لینے لگی۔" وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھی۔

"کیونکہ تم نے میری جان بچائی تھی۔ تم نے میری یو ایس بی سنبھال کر رکھی تھی۔" وہ آگے کو ہوا، آنکھیں رازداری سے چمکیں۔ "کیونکہ تم سے میں نے تھوڑا سا نکاح کیا تھا۔"

"استغفر اللہ۔" وہ کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے بولی۔

"تم استغفر اللہ کہہ رہی ہو اور مجھے ماشاءاللہ سنائی دے رہا ہے۔" وہ مسکرایا، ساتھ بیرے کو اشارہ کیا وہ پیسٹری کے ایک ٹکڑے کے اوپر موم بتی رکھے اسی طرف آرہا تھا۔ اس نے پیسٹری میز پہ رکھی۔ اور پلٹ گیا۔ مہدی نے اپنی جیب سے سلور رنگ کی ایک چین نکالی، اس میں ننھا سا ہیمنگ برڈ کا لاکٹ پرویا ہوا تھا۔ یہ اس نے لاس رمبلاس کی گلیوں سے لیا تھا۔ اس نے ہتھیلی پہ پھیلا لاکٹ اسکے آگے کیا۔

"یہ بہت خوبصورت ہے، مہنگا بھی ہوگا۔" وہ تعریف کئے بنا نہ رہ سکی۔

"مہنگا نہیں ہے۔ لیکن جب تم اسے پہنو گی یہ قیمتی ہو جائے گا۔" چین اب بھی اسکے ہاتھ میں تھی۔

"اسے لے لو، جب تمہارا دل چاہے پہن لینا۔" زنیا نے جھجھکتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔ مہدی نے وہ لاکٹ اسکی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔ زنیا نے ایک بار پھر اس لاکٹ کو دیکھا۔ وہ خوبصورت تھا۔ اس نے اعتراف کیا۔

"ویسے اب تم چوبیس سال کی ہو گئیں رائٹ؟" وہ اسے چمچے سے پیسٹری کا ٹکڑا توڑتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ زنیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"عمر ہو گئی ہے تمہاری گھر والوں سے تمہاری رخصتی کی بات کروں؟"

زینیا حاکم کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے بے اختیار نظریں گھمائیں۔ ہاں اسکے لیے دریا، پہاڑ خوبصورت تھے۔ مگر آج اس وقت اگر کوئی اس سے سوال کرتا تو شاید اسکا جواب مختلف ہوتا۔

''آپ کی بھی عمر ہو گئی ہے عزرائیل سے آپ کی اپائنٹمنٹ لینی پڑے گی۔''

''میں عزرائیل سے کہوں گا کہ میں اپنی بیوی کے بغیر کہیں جانے کو برا شگون سمجھتا ہوں۔'' وہ اسی کے انداز میں بولا تو زینیا نے ایک بار پھر خفت سے گردن دوسری طرف پھیر لی۔

مہدی مسکراتے ہوئے دنیا کی خوبصورتی دیکھنے لگا۔)

''اگر کوئی اس سے پوچھے گا غرور کیا ہے تو وہ کہے گا زمین پہ کھڑے دیو قامت پہاڑ۔ حالانکہ اسکو کہنا چاہیے زینیا حاکم کا ساتھ۔ کوئی اس سے پوچھے گا حیات کیا ہے تو وہ کہے گا لہروں کا شور حلانکہ اسے کہنا چاہیے زینیا حاکم کی ہنسی۔''

مارگلہ ہلز سے اسلام آباد کا جو منظر نظر آتا ہے، وہ شاید ہی کسی اور جگہ سے آتا ہو۔ وہ آج یہاں مہدی کے ساتھ آئی تھی۔ وہ ایک ویڈیو بنوانا چاہ رہا تھا جس میں اسلام میں گھومنے کی دس جگہوں کا ذکر ہونا تھا، اور اس کام کے لئے اس نے زینیا اور اسکی ایک ساتھی فوٹو گرافر کو ہائر کیا تھا۔

وہ پورا دن مختلف مقامات پہ اسکے چھوٹے چھوٹی کلپس شوٹ کرتی رہی۔ اسکی ساتھی لڑکی مہدی کمبیر کی تصاویر اتارتی رہی۔ شام کے اس پہر مارگلہ کی پہاڑیاں انکی آخری منزل تھیں۔ اس نے زینیا سے پانچ منٹ کا وقت مانگا تھا اور پھر زینیا نے دیکھا کہ وہ کپڑا بچھا کر، قبلہ سمت کھڑے ہوا ہے۔ وہ ہاتھوں کو کانوں تک لے کر گیا۔ پھر پیٹ سے نیچے باندھ لیا۔ پھر وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا تھا۔ اسکے بعد وہ سجدے میں گرا۔ زینیا ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نظر نہیں ہٹا سکی۔

نماز پڑھتے ہوئے مرد سے زیادہ خوبصورت مرد کوئی نہیں لگ سکتا تھا، یہ آگہی اسے آج ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر وہ چند پل ہاتھوں کو پیالے کی صورت بنائے زیر لب کچھ پڑھتا رہا پھر اٹھ آیا اور جہاں انہوں نے آگ جلا رکھی تھی وہ وہیں آ کر بیٹھ گیا۔

''آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے بھی کلپس لینے تھے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ساتھ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں آگ میں ڈالنے لگی۔

''نماز پڑھتے ہوئے کیوں؟ باقی سب لوگوں کے لئے تھا۔ نماز تو اللہ کے لئے تھی۔'' وہ بے حد رسانیت سے بولا۔ زینیا چپ سی ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ زینیا اور دوسری لڑکی کو اپنی گاڑی میں ہی چھوڑنے آیا تھا۔ لڑکی اپنی منزل پہ اتر گئی تو وہ دونوں گاڑی میں اکیلے رہ گئے۔ جب زینیا نے اس سے پوچھا تھا۔

''آپ نے اتنی لمبی دعا مانگی۔ دعا میں کیا مانگتے ہیں آپ؟'' وہ ایک عرصے سے دعا مانگنا چھوڑ چکی تھی۔ اسے وجہ جاننی تھی۔

''میں اپنے لئے کم اور اپنے قریبی لوگوں کے لئے زیادہ دعا کرتا ہوں۔''

اس نے گاڑی ہاسٹل کے باہر روکی۔ زینیا نے اپنا بیگ کندھے پہ درست کیا۔ اور دروازہ کھولنے لگی جب مہدی کی آواز پہ تھم گئی۔

''تم میری دعاؤں کا حصہ ہو۔'' وہ اسٹوریج باکس سے کچھ نکالتے ہوئے اسے اطلاع دے رہا تھا۔ زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''میں۔۔ میں کیوں؟''

وہ سیدھا ہوا۔ سادگی سے اسے دیکھا۔

''تمھارے لئے دعائیں ہی کی جاسکتی ہیں۔'' اس نے جیسے بتایا ہو۔ زینیا چند پل اسکے چہرے پہ کچھ کھوجتی رہی۔ وہاں شاید بہت کچھ تھا اور شاید کچھ بھی نہیں۔

وہ اسے دعاؤں کا لازم و ملزوم جز بتا رہا تھا۔ وہ فخر کرے کہ نہ کرے؟)

''اگر کوئی اس سے پوچھے گا زمین پہ جنت کیا ہے تو وہ کہے گا گرتی برف، ٹھنڈے چشمے حالانکہ اسے کہنا چاہیے زینیا حاکم کا لمس۔ کوئی اس سے پوچھے گا محبت کیا ہے تو وہ کہے گا سیاحت حالانکہ اسے کہنا چاہیے زینیا حاکم۔۔ زینیا حاکم سراپا محبت ہے۔''

''آپ کی اپنی شادی کب ہے؟'' اس نے مہدی سے کسی دوست کی شادی کا کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ زینیا وہاں فوٹو گرافی کرنے جانے والی تھی۔ (یہ قیسم سے معاہدے سے قبل کی بات ہے۔)

وہ قیسم میں اپنے سٹوڈیو میں بیٹھی تھی۔ اسکی باقی ٹیم شاید کہیں شوٹ پہ جا چکی تھی اور وہ کچھ کام کرنے رک گئی تھی۔

''تصیح کرو، میری دوسری شادی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ آج کل اسے زینیا کو تنگ کرنے کے لئے یہی موضوع ملا ہوا تھا۔

''ویسے پہلی بیوی دیکھی ہے جسے شوہر کی دوسری شادی کی بہت جلدی ہے۔''

''کیونکہ اس شوہر کی بیوی ذہین عورت ہے۔ خوامخواہ کے خواب نہیں دیکھتی۔'' وہ کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

''بتائیں آپ شادی کب کررہے ہیں؟'' اس نے گردن اٹھا کر مہدی کو دیکھا۔ وہ کسی مخلص دوست کے جیسی لگتی تھی۔

''جس دن مجھے میرا سکون مل گیا، اسی دن کرلوں گا۔''

''سکون؟'' اس نے اچنبے سے دہرایا۔

''ہاں سکون۔ میرے لئے محبت سکون ہے۔ کوئی ایسا انسان جس کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے خود پہ پرت نہ چڑھانی پڑے۔ جو مجھے میری خامیوں کے ساتھ قبول کرے، مگر ان کو درست کرنے میں میری مدد کرے۔ کوئی ایسا جس کے سامنے مہ دی فلٹر فری ہو۔ جس کے سامنے وہ raw ہو، rough بھی۔ جس سے جھگڑے ہوں انائیں نہیں۔ اختلاف ہوں فساد نہیں۔ جو میرا سکون ہو۔ بے سکونی نہیں۔''

وہ خاموش ہوا تو جیسے ایک طلسم ٹوٹا۔ زینیا نے اس سے نظریں ہٹائیں۔ ''پھر اب تک کوئی سکون نہیں ملا؟''

''ملا ہے ناں۔ ٹریولنگ۔ پہاڑ، دریا، سمندر، لہریں، جنگل، گھاس، وادیاں، صحرا، برف۔ یہ سب میرا سکون ہیں۔ میری محبت، عشق۔ انکے سامنے مہدی کو بننا نہیں کرنا پڑتا۔ انکے سامنے میں raw اور rough ہوں۔ میں پہاڑ چھوڑ صحراوں میں جاؤں تو جھگڑا نہیں ہوتا۔ دوبارہ اپنے پاس آنے پہ وہ پہاڑ مجھے پہلے ہی کی طرح ویلکم کرتے ہیں۔

جب میں برف باری چھوڑ گرما کی بارشوں میں بھیگنے جاتا ہوں تو برف کو مجھ سے اختلاف ہوتا ہے۔ مگر پھر وہ مان جاتی ہے اور میرے چہرے پہ بلکل پہلے کی طرح گرتی ہے۔ لوگ بہت کامپلیکیٹڈ ہیں۔ لوگ قید کرتے ہیں اور سیاحت آزاد۔ میں اپنی آزادی پہ سمجھوتا نہیں کرسکتا۔''

''محبت کی خاطر بھی نہیں؟''

''سیاحت ہی تو محبت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا اور پھر زینیا اس سے مزید کوئی سوال نہ کرسکی۔)

''وہ بہت مختلف آدمی ہے، شیزل۔'' چائے کا گ فرش پہ پڑے پڑے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ زینیا نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ اسکی آنکھیں سوکھ چکی تھیں۔ یوں جیسے کئی سالہ خشک سالی کے بعد زمینیں سوکھ جاتی ہوں۔

''وہ سکون کی تلاش میں ہے اور میں آج تک اپنے سے جڑے کسی شخص کو سکون نہیں دے سکی۔ میں نے آج اسے آزاد کیا۔ محبت کا الوژن اب نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''کاش میں تمھارے لئے کچھ کر سکتی۔'' وہ بس سوچ سکی۔ زینیا کی ساری باتوں کے جواب میں شیزل خاموش رہی۔ وہ اسے وقت دینا چاہتی تھی۔ زینیا خاموشی سے اپنے بستر تک گئی اور لیٹ کر چادر سینے تک تان لی۔ کمرے کی دیواریں جانتی تھیں آج وہاں ان دونوں میں سے کوئی سونے والا نہیں تھا۔ آج کی رات کٹھن تھی۔

''سسی بے وقوف نہیں تھی۔ اسے پنہل کے عشق نے الوژنسٹ کر دیا تھا۔ اسے لگا تھا پنہل تک پہنچنے کے لئے اسے کئی بڑی بڑی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کئی قسم کی سختیاں جھیلنی پڑیں گی۔ پنہوں تک پہنچنے کا سفر اسکے لئے بلا تھا۔''

بلا خر وہ ایک لمبے سفر پہ روانہ ہو چکے تھے۔ بلوچستان کا ایک شہر تربت۔ زینیا حاکم کو سفر شروع ہونے سے پہلے اڑتی اڑتی اطلاع ملی تھی کہ وہ تربت کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ تربت اسکا شہر تھا۔ وہ جہاں اس نے اپنی زندگی کی دس سنہری سال گزارے تھے۔ جہاں عبداللہ کی حویلی تھی۔ جہاں اسکا گھر تھا۔ وہ بے چین ہوئی۔ اسے ہر صورت جانا تھا، مگر قیس وہاں جا رہا تھا کیوں؟ اس شہر میں سب سے بڑے گھر دو تھے۔ حاکم نواب کے ابا کی حویلی اور عبداللہ زمان کی حویلی۔ وہ شوٹ کرنے عام جگہ نہیں جا سکتے تھے اور خاص لوگ؟ زینیا کو سوچ کر ہی خوف آیا۔

وہ اسٹاف کی گاڑی کی بجائے قیس کمبیر کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ اسے جواب چاہیے تھے۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا پسنجر سیٹ پہ حدبیبہ بیٹھی تھی اور پچھلی سیٹ پہ زینیا حاکم، فاصلے پہ قیس بھی تھا۔

''تربت میں کون ہے تمہارا؟'' وہ سیاہ شلوار قمیض والے مرد کے داہنے رخ کو دیکھتے ہوئے محتاط انداز میں پوچھ رہی تھی۔ دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔

"سب۔۔وہاں سب ہے میرا۔" وہ مبہم انداز میں بولا۔

"ہم وہاں کس جگہ شوٹ کرنے والے ہیں؟" اس نے ایک بار پھر پوچھا۔اس گاؤں کی تو ایک ایک جگہ سے واقف تھی وہ۔ کیا وہ اسکے چچاؤں کا مہمان تھا۔ یا پھر؟ عبداللہ زمان کا۔

"میرے کسی بے حد عزیز کی قیام گاہ۔" وہ عقیدت سے بولا۔

"وہاں انکی خوشبو ہو گی۔" اس نے شیشے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔" فکر مت کرو تمہیں وہ جگہ پسند آئے گی۔"

"تمھارے عزیز نے وہ جگہ تمہیں دی ہے؟ میرا مطلب ہے تمہیں وہاں جانے کی اجازت ہے؟" وہ جانتی تھی اپنے شہر کے رسم و رواج۔ وہ یوں کسی شہری کے یہاں آکر اپنے گاؤں میں شوٹنگ کرنے پہ اعتراض اٹھا سکتے تھے۔

"مجھے وہاں جانے کے لئے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ وہ خوش لگتا تھا۔ آزاد اور پر سکون بھی۔ اور پر سرار بھی۔

زینیا اتنی ہی بے چین تھی جتنا وہ سرشار۔ اسے وجدان ملا تھا کہ آج وہ جس چہرے کے ساتھ جا رہی ہے اسکے ساتھ واپس نہیں آئے گی۔ کچھ تھا جو آج ہونے والا تھا اور اسے نہیں ہونا تھا۔

"سسی نے کئی بار خود کو بڑی بڑی مشکلات میں تصور کر لیا تھا۔ اس نے تصور کی دنیا میں کئی بار خود کو پنہل کے لئے خود کو ہر خطرے سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر یوں اچانک پنہل اسکے سامنے آجائے گا۔ یہ اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا"

یہ ایک لمبا اور کئی گھنٹوں کا سفر تھا۔ تربت میں کوئی ایئرپورٹ نہیں تھا سو انہیں گاڑیوں کا سفر کرنا پڑا۔ ابھی دو سے تین گھنٹوں کا راستہ باقی تھا جب زینیا بری طرح اونگھنے لگی۔ اگلی سیٹ پہ حدیبیہ بھی سو رہی تھی۔ اور اسے دیکھ زینیا پہ مزید نیند کا مزید غلبہ طاری ہونے لگا۔ اس نے شیشے سے گال ٹکا لئے اور آنکھیں موند لیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے قیس کی نگاہ ایک پل کے لئے اس پہ پڑی اور وہ تھم گیا۔ اسکی پلکیں اسکے چہرے پہ سایہ فگن تھیں۔ آنکھیں سکون سے بند۔ وہ نظر نہیں پھیر سکا۔ وہ اسکے روبرو ہوتی تھی تب اسے الہام ہوتا تھا۔ وہ ہے، وہ تھی، وہ رہے گی۔ دل کی اونچی مسند پہ براجمان

بھی۔ آنکھوں کے شفاف پردے پہ چھائی ہوئی سی بھی۔ سماعتوں پہ قابض بھی۔ یہ مقام، یہ حق اس سے کوئی نہیں چھین سکتا تھا وہ خود بھی نہیں۔

گاڑی کچے سڑک پہ ہچکولے کھانے لگی تو اسکی نیند ٹوٹنے لگی۔ وہ ایک دو بار کسمسا کر اٹھی تھی۔ مگر پھر آنکھیں موند گئی۔ گاڑی اب بھی کسی گڑھے، کسی ٹوٹے ہوئے حصے پہ چلتی جارہی تھی اور اسکے آرام میں خلل آرہا تھا۔ قیس کافی دیر سے یہ سب نوٹ کر رہا تھا۔

''گاڑی روکو مجاہد۔'' تھوڑی دیر بعد دھیرے سے بولا۔ گاڑی واقعی روک دی گئی۔

''خیریت سر؟ کچھ چاہیے؟''

''میڈم سو رہی ہیں۔ انکی نیند خراب ہو گی۔'' آواز اب بھی مدھم تھی۔ نظریں میڈم کے چہرے پہ۔

''ہم لیٹ ہو جائیں گے سر آگے راستہ خراب ہے۔''

''ہونے دو۔ وقت اتنا بھی قیمتی نہیں۔'' وقت واقعی اسکے لئے زینیا حاکم سے زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ ڈرائیور خاموش ہو گیا۔ حدیبیہ نے لب بھینچ لئے۔ قیس کمبیر کے جنون میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ پلک جھپکنا، سانس لینا سب ثانوی تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا، اسے خواہش ہوئی۔ اسکی گود میں دھرے ہاتھ، انکی اصل جگہ قیس کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ اسکے ناخنوں پہ لگے رنگ کو اپنی انگلیوں سے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ آج سوچ رہا تھا کہ وہ اس سخت شیشے پہ گردن گرائے ہوئے تھی مگر اسکی اصل جگہ قیس کمبیر کا شانہ تھا۔ چہرے پہ گرتی لٹیں وہ انہیں چھو کر محسوس کرنا چاہتا تھا۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد زینیا حاکم بیدار ہوئی تھی۔ چند پل مندی مندی آنکھوں سے اپنے اطراف میں دیکھا پھر حدیبیہ سے سوال کیا۔

''ہم کہاں ہیں؟ ابھی کتنی دیر باقی ہے؟''

''دو گھنٹے۔'' اس نے دو لفظی جواب دیا۔ زینیا نے موبائل پہ وقت دیکھا پھر قیس کو۔

''اتنی دیر ہو گئی؟ ہم ابھی تک وہیں کیوں ہیں؟'' اسے پریشانی ہونے لگی۔

"گاڑی خراب ہو گئی تھی۔اب سب ٹھیک ہے۔" وہ آرام سے بولا۔یہ مجاہد کے لئے اشارہ تھا کہ گاڑی آگے بڑھائی جائے۔چند پل بعد گاڑی دوبارہ سڑک پہ دوڑنے لگی تھی۔وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا اور زینیا کا دل ایک بار پھر ڈوب کر ابھر رہا تھا۔جیسے جیسے گاؤں قریب آرہا تھا اسکا دل اچھل کر حلق میں آرہا تھا۔

"کئی بار ہم نے کسی مسئلے، حقیقت، راز، کمزوری کو اتنا تصور کر لیا ہوتا ہے کہ وہ ایک "بلا" بن جاتا ہے۔ڈراتا ہے، سہا دیتا ہے۔جامد کر دیتا ہے۔انسان نے انہیں بہت "بڑا" سمجھ لیا ہوتا ہے۔چھو تو ہاتھ زخمی۔دیکھو تو آنکھ خون چھلکائے۔قریب آئے تو اسکا لمس جھلسا دے۔مگر تصور کی دنیا سے باہر آکر دیکھو تو ہر بار نہ سہی، مگر کئی بار بلائیں برم نکلتی ہیں۔"

گاڑی جہاں آکر رکی تھی وہاں رکنے والے صرف ٹائر نہیں تھے۔وہاں زینیا حاکم کا دل بھی رکا تھا۔وہاں ساکت ہونے والے اسکے قدم بھی تھے اور سانس بھی۔وہ یونس رحمان کی حویلی تھی۔زینیا اسے کیسے بھول سکتی تھی۔وہ عبداللہ کی اس حویلی کو کیسے بھول سکتی تھی۔اسے لگا تھا وہ ہل نہیں سکے گی۔دل جیسے اچھل کر سینے سے باہر آجانا چاہتا تھا۔اسکی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

اسکی طرف سے گاڑی کا دروازہ کھولا گیا تو زینیا مرے مرے قدموں سے باہر نکلی۔چادر کو سر پہ مزید اچھے سے جما لیا۔چہرہ نا محسوس انداز میں ڈھانپ لیا۔یہ وہ گاؤں تھا جس پہ حکومت کرنے والے نواب اسکے دادا اور چچا تھے۔یہاں روایتیں تھیں۔یہاں اسکا اصل تھا۔وہ کہاں آگئی تھی؟اسے یہاں نہیں آنا تھا۔

اسکے چہرے کی رنگت ہر گزرتے لمحے متغیر ہوتی جا رہی تھی۔کیا وہ عبداللہ کا کوئی جاننے والا تھا؟کیا وہ آج عبداللہ کو دیکھے گی؟اور اگر دیکھ لیا تو کیا پہچان لے گی۔اور کیا عبداللہ اسے دیکھ لے گا؟حویلی میں قدم رکھتے ہی اسکے دل میں جھکڑ چلنے لگے۔لوگ آس پاس بکھر گئے تھے۔وہ عظیم الشان حویلی انکو خوش آمدید کہہ چکی تھی۔وہ اس حویلی کے راستے نہیں جانتی تھی مگر یہ حویلی اسکے لئے مقدم تھی۔

"میرے ساتھ آؤ تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔" لوگوں کے ہجوم اور ڈھیر ساری آوازوں کے درمیان اس نے قیس کو کہتے سنا۔وہ آگے بڑھا۔زینیا نے اسکی تقلید میں قدم اٹھائے۔وہ یونہی ایک بار پہلے بھی اسے کمبیر محل کی راہداریوں میں گزارتے ہوئے ایک راز کہہ گیا تھا۔آج ایک بار پھر شاید وہی ہونے والا تھا۔اسے نہیں جاننا تھا۔اس بار نہیں۔

وہ مختلف راستوں سے گزرتے اسے ایک بڑے سے ہال میں لے آیا تھا۔وہاں فرشی نشستیں بچھی تھیں۔صاف ستھرے مخملی گدے، گاؤ تکیے۔وہ نفیس تھا۔اسکا چھوڑا ہوا گھر تک نفیس تھا۔کمبیر محل کے ملازمین سے زیادہ وہ یہاں کے ملازمین کے کام کو توجہ دیتا تھا۔کمرے کے عین بیچوں بیچ ایک شاہی کرسی رکھی تھی۔یقیناً یہ جرگہ گاہ تھی۔

دیواروں پہ شیر کی کھال کے نمونے، ہرن کے سینگھ اور مختلف قسم کی بندوقیں ٹنگی تھیں۔زینیا ایک ایک چیز کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی مگر دائیں طرف والی دیوار پہ، کرسی کے عقب میں ٹنگی تصاویر پہ نظر پڑتے ہی اسے لگا تھا وہ ہل نہیں سکے گی۔دیوار پہ چند مردوں کی تصاویر ٹنگی تھیں۔تصاویر کے فریم سونے کے تھے۔وہ جسے دیکھ رہی تھی وہ زمان کمبیر کی تصویر تھی انکا چہرہ غیر معمولی حد تک اینہ بیگم سے مشابہہ تھا۔اسکے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو چکے تھے۔

''ان سے ملو۔۔۔''سیاہ لباس والا مرد ایک تصویر کے آگے آکر کھڑا ہوا۔

''یہ میرے دادا ہیں۔یونس رحمان کمبیر۔''

الفاظ نہیں تھے تھپڑ تھے جو زینیا حاکم کے دل پہ لگے اور اسکا دل پھٹنے کے قریب ہوا۔اس نے سانس روک لیا تھا۔پیروں سے جان نکلنے لگی۔کمبیر؟یونس رحمان کا آخری نام کمبیر تھا؟وہ ہل نہ سکی۔قیس کمبیر دوسری تصویر کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

''اور یہ میرے چچا ہیں۔سرور یونس رحمان۔مہدی کے بابا۔''

وہ اسکی طرف پشت کئے ہوئے تھا۔زینیا کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔وہ حرکت کرنے سے عاری تھی۔

''اور یہ ہیں میرے سب سے عزیز۔''وہ زمان کی تصویر کے آگے آکر کھڑا ہوا۔شیشے کے فریم پہ اسکا عکس بھی بننے لگا۔زینیا نے سانس روک لیا تھا۔اسکا سارا جسم لرزش کا شکار تھا۔

''میرے بابا۔میرے عظیم بابا۔زمان یونس۔''وہ عقیدت سے بولا۔آنکھوں میں جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

اسکے قدم لڑکھڑائے، آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔ دل دھڑک رہا تھا یا پھٹ رہا تھا اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ یہ اسکی زندگی کا سب سے غیر یقین لمحہ تھا۔ زینیا حاکم دور حاضر کی سسی تھی، اور وہ پنہوں سے مل چکی تھی۔ کئی بار کہانیوں کا ٹریجک انجام ہی اچھا ہوتا ہے آج اسے یقین آیا۔

"تم۔۔۔ کون۔۔ ہو؟" وہ عبداللہ کی پشت پہ نظریں جمائے ٹوٹے ہوئے الفاظ ادا کرنے لگی۔

وہ مڑا۔ مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ زینیا حاکم کا ذہن کچھ بھی پراسیس نہیں کر سکا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا کمرے کے ایک کونے تک گیا اور وہاں رکھی لکڑی کی صندوق کھول کر کچھ باہر نکالا۔ وہ سفید رنگ کی دستار تھی۔ اس نے عقیدت سے اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور اسکے نیچے رکھی شال اٹھا کر کندھوں پہ ڈالی۔ دستار سر پہ رکھی، شال کندھوں پہ اور آنکھیں زینیا حاکم کی آنکھوں میں۔

وہ اسکی طرف آ رہا تھا۔ پھر وہ آ چکا۔ اسکے قریب رکا، اسے تکا۔ وہ اس سے چند انچ لمبا تھا۔ لوگ سچ کہتے تھے وہ خاندان کی سب سے دراز قد لڑکی تھی مگر جب عبداللہ اسکے ساتھ کھڑا ہو گا تو وہ زیادہ اونچا ہو گا۔ وہ واقعی اونچا تھا۔

زینیا نے سنہری آنکھیں اسکی سیاہ آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ لوگ سچ کہتے تھے زینیا اپنے خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے مگر جب عبداللہ اسکے ساتھ کھڑا ہو گا تو وہ زیادہ خوبصورت ہو گا۔ وہ واقعی خوبصورت تھا۔ وہ کتنا خوبصورت تھا؟ زینیا نے کتنے سال اسے ایک نظر دیکھنے کی تمنا کی تھی؟

وہ اسے دیکھتے ہوئے اس شاہی کرسی پہ براجمان ہوا۔ شال کندھے پہ درست کی۔ دستار سر پہ درست رکھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی اور گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ آس پاس دیواروں تک نے دم سادھ لیا۔

"مجھ سے ملو۔۔۔۔ میں، عبداللہ زمان۔"

زینیا حاکم کے لئے وقت کی گردش رک گئی۔ ہر ایک شے جیسے ساکت ہو گئی ہو۔ ہر حرکت نے جیسے دم توڑ دیا ہو۔ ہر سماعت جیسے بہری ہو گئی ہو۔ وہ بے یقینی، شاک، سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنی زندگی میں اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اسے عبداللہ کو دیکھنے کی، سننے کی خواہش رہی تھی۔ آج وہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور زینیا حاکم کو خواہشوں سے خوف آیا۔ بخدا اسے عبداللہ زمان

کمبیر سے خوف آیا تھا۔ الوژن ٹوٹ گیا تھا اور شیشے بری طرح اسکی آنکھوں میں چبھ گئے تھے۔ سسی الوژنسٹ تھی سو وہی رہی۔ چاہے وہ دور قدیم ہو چاہے جدید۔ سسی کے بخت میں آگاہی ہمیشہ دیر سے آئی تھی۔

زینیا نے عبداللہ کو دیکھنے کی کوشش کی منظر دھندلا ہو گیا۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی اسے سانس نہ آئی۔ اسے واقعی سانس نہ آئی۔

کہانی نے الٹا الٹی میٹم شروع کر دیا تھا۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔ تم تیار ہو؟

☆☆☆☆

"باب نمبر بارہ: کندھوں پہ بیٹھی چڑیل"

میں مسائل حیات سے پریشان سا

لیے بے چین دل پہنچا وہاں، وہ جہاں منظر تھا پرستان سا۔

وہ جادو گر کا آستانہ تھا۔ بخت کے مارے تخت سے ہارے لوگوں کا سہارا تھا۔

سیاہ چغہ پہنے، گلے میں مالائیں، ہاتھ انگوٹھیوں سے سجائے، گرد آگ کا محور لگائے۔

وہ اس خواہشوں کے دربار کا راجہ تھا۔ سوالیوں کا وہ آقا تھا۔

کسی کو بیٹے کی بشارت دیتا، کسی کو سازش کی ہدایت دیتا۔

وہ دیتا تھا ملازمتوں کے جھانسے بھی اور خبریں غیب کی زائچے سے۔

میرے ایمان کا وہ امتحان تھا جب آقا کے آگے سجدے میں جھکا سوالی۔

اٹھا میں غیض و غضب سے پھر میں نے اسکی شہہ رگ پکڑ ڈالی۔

ہوا پھر شور بلند، نعرے فقرے ہر اور بلند، آقا مگر پر سکون تھا۔ ذہن میں اسکے ڈھیروں فتور تھا۔

لایا وہ مجھ کو جہاں تھی کوٹھڑی خالی۔ اسکی آنکھیں یقینی جعلی۔

مجھ کو دیکھا، مجھ کو تکا، پھر بے حد دھیرے سے ایک سچ کہا۔

اکیسویں صدی کا ہے مسلمان مختلف، گڑھتا ہے وہ جھوٹ ہاتھوں میں لیے حلف۔

قرآن اسے ماضی کا قصہ لگے ہے، نماز دین کا غیر ضروری حصہ لگے ہے۔

جرات صحابہ کہانیوں کا حصہ لگے ہے۔ ایمان جب یوں ڈھل جائیں۔ پھر جادو گر کی دکان کیوں نہ چمک جاویں؟

یہاں ہر ایک کے کندھے پہ ہیں چڑیلیں مختلف، غم حیات سے سب ہوئے تلخ۔

کسی کی چڑیل ہے ہوس پیسے کی، کسی کی چڑیل نا محرم رشتے کی۔

کوئی حرام کا مارا کھو بیٹھا تقدس ہر رشتے کی۔

نہ جادو گر کچھ لیوے ہے نہ جادو گر کچھ دیوے ہے۔

ہاں سوائے ایمان، سکون، خوشحالی، وقتی مالامالی۔

اس روز آستانے سے باہر جاتے ہوئے، سڑک پہ کوئی ٹھوکر کھاتے ہوئے۔

کندھے میرے بھاری تھے۔خواہشات کی چڑیلوں کے احکامات جاری تھے۔

میں نے کیں پھر آنکھیں بند، یاد کئے حیات کے کرم۔

میں نے پار کئے تھے دریا سختی کے، صحرا دیکھے تھے سختی کے۔

میں نے جھیلے طعنے تھے، بس زندگی کے چند ادوار ہی سہانے تھے۔

کندھوں پہ بیٹھی چڑیلوں سنو۔نہ بوجھ تمہارا ڈراوے گا

نہ یہ بندہ بشر کسی جادو گر کے آستانے جاوے گا۔

میں ہوں آپ قہر تمہارا نہ اثر کرے مجھ پہ زہر تمہارا۔

اتار پھینکا ہے تم کو میں نے۔اب میں ہوں اور طلوع ہوتا سحر ہمارا۔

کہانیاں بعض دفع ایسے غیر متوقع موڑ مڑ جاتی ہیں کہ انسان بے اختیار یہ سوچنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ چند صفحات قبل معاملات کیا تھے اور اب کیا۔ بعض دفع یہ موڑ قاری کی دلچسپی کا باعث بنتے ہیں، اسکی آنکھوں میں چمک بھر دیتے ہیں۔اور بعض دفع جھلملاہٹ۔اپنے پسندیدہ کردار کو چاہے وہ ولن ہو چاہے ہیر و اپنی امیدوں سے اترتے دیکھنا کہانی کے اوراق کو پلٹنے نہیں دیتا۔اور قاری جامد سا ہو جاتا ہے۔

براق حنیف کی محبت بھی کوئی ایسا ہی موڑ مڑ چکی تھی۔ وہ اس وقت شیزل کی ماں کے گھر پہ تھا۔ وہ دونوں ٹیرس پہ موجود تھے۔ یہاں سے نیچے کئی مہمان نظر آرہے تھے۔ کاسنی رنگ کی لمبی فراک کے ساتھ کامدار دوپٹہ اور ہلکا میک اپ کئے بھی وہ اپنی افسردگی چھپا نہیں سکی تھی۔

وہ ریلنگ پہ ہاتھ جمائے کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی۔ اس گھر سے اسکی اچھی یادیں نہیں جڑی تھیں۔ اس گھر کے چپے چپے پہ فلیش بیکس تھے۔ ماضی کے تکلیف دہ فلیش بیکس جن میں ماں باپ کی طرف سے ملنے والی عدم توجہی تھی۔ جس میں اسکے بجائے اسکی چھوٹی بہن کو ملنے والی **"فیورٹزم"** تھی۔ پھر ضد اور انا تھی۔

اسکے باپ کی شیزل کو بورڈنگ بھیجنے کی۔ اور شیزل کی واپس اس گھر میں قدم نہ رکھنے کی۔ کہیں وہ اپنی ماں کی خاموشی پہ چیخ رہی تھی۔ کہیں وہ اپنے باپ سے نہ ہارنے کی ضد لیے ہوئے تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی ضد میں جیت گئے اور تعلق ہار گیا۔ پھر پچھتاوے رہ گئے۔ کوئی انہی پچھتاوں کے ساتھ قبر میں چلا گیا اور کوئی اب تک اسی دھرتی پہ تھا۔ سکون دونوں کا مقدر نہیں بن سکا۔

"میں یہاں ہوں، تم کسے ڈھونڈ رہی ہو ڈارلنگ؟"

اپنے عقب سے آتی آواز پہ وہ چونک کر خیالوں سے باہر آئی۔ براق ہاتھ میں کافی کے دو مگ لیے مسکراتے ہوئے اسی کی طرف آرہا تھا۔ شیزل نے آج اسے بے حد غور سے دیکھا۔

گہرا سانولا رنگ، پرکشش نقوش، اسکی آنکھیں چمکدار تھیں۔ سیاہ رنگ کے تھری پیس میں ملبوس، مہنگے جوتے، گھڑی، کف لنکس سجائے وہ چلتا پھرتا برانڈ لگتا تھا۔

شیزل کو پیسے سے محبت تھی، لیکن اس نے کبھی براق سے ان سب چیزوں کی توقع نہیں کی تھی۔ براق سے اسے وفاداری، توجہ، اور محبت چاہیے تھی اور شاید وہ نہیں مل پائی تھی۔ وہ اسکے پاس آکر کھڑا ہوا۔ منڈیر پہ مگ رکھ دیئے۔ اور رخ اسکی طرف کر لیا۔

"آج ہماری شادی کی تاریخ فکس ہوئی ہے اور تم خوش نہیں لگ رہیں۔"

شیزل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دوبارہ ریلنگ سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ براق کی ماں کی وفات کے بعد اسکے خاندان میں کوئی نہیں تھا۔

چند دن قبل سعودی عرب سے اسکی نانی اور نانا آئے تھے وہ انہیں اور کمبیر محل سے بختیار کو لیے شیزل کی ماں کے گھر آ گیا تھا۔ البتہ تاریخ ان دونوں کی باہمی رضامندی سے ہی طے ہوئی تھی۔

''ویسے تم پہلی کرسچن دلہن ہو گی جو اپنی شادی طے ہونے پہ کافی پی رہی ہے۔ تم لوگوں میں تو **"بوتل"** پی جاتی ہو گی؟'' وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھا۔ مقصد شیزل کو چڑانا تھا۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں رہی۔'' اس نے انگلیوں کے پوروں پہ گنا، کتنے ماہ ہوئے تھے اسے کلمہ شہادت پڑھے ہوئے؟

''وہ تو تم ایک لمبے عرصے سے نہیں رہی۔'' براق برجستگی سے بولا۔

شیزل نے چہرہ پھیر کر اپنے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے براق حنیف کو دیکھا۔

''تمھیں پتہ تھا؟''

''ہمارے درمیان فاصلے تھے، شیزل بے خبری نہیں۔ میں کبھی تم سے لاعلم نہیں رہا۔''

''شاید تم ٹھیک ہو۔'' وہ غائب دماغ تھی۔

''ہم ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے شیزل کیا ہو گیا ہے؟'' اسے اب واقعتاً فکر ہوئی۔

شیزل نے خالی خالی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ براق کو اسکی آنکھوں میں ویرانی نظر آئی۔

''ہم واقعی ایک دوسرے کے حال سے بے خبر نہیں تھے مگر شروعات تم نے کی ہے۔ تم اب مجھ سے باتیں چھپاتے ہو۔''

''میں نے بھلا ایسا کیا کیا ہے؟'' وہ حیران ہوا۔

''تم اس روز قیس کے ساتھ نہیں تھے۔ تم نے جھوٹ بولا، براق۔ تم ایک عورت کے ساتھ ریستوران میں تھے۔''

براق کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں فق ہوئی۔ دل پہ جیسے گھونسا لگا مگر اس نے اپنے تاثرات نارمل رکھے۔

''میں اسے منع کرنے گیا تھا کہ وہ آئندہ ہمارے درمیان مت آئے۔'' جھوٹ ردی تھا سو اس نے سچ کہنے کی ٹھان لی۔

''ہر انسان میں برائیاں ہوتی ہیں تم میں بھی ہوں گی میری برائی یہی ہے۔ فرق کیا پڑتا ہے یار؟ میں ہر بار گھوم پھر کر تو تمھارے ہی پاس آتا ہوں ناں۔ تم میں کشش ہے جو مجھے ہر دفع کھینچ کر لے آتی ہے۔''

''اور اگر کبھی وہ کشش ختم ہو گئی تو؟ اگر کبھی تم واپس میرے پاس نہیں آئے تو؟'' اسکی آنکھوں سے واضح تھا کہ وہ دکھی ہوئی ہے۔

''میں تمہارا آپشن نہیں بننا چاہتی۔ میں priority رہنا چاہتی ہوں۔ میرے بعد کوئی اور آسکتا ہے میرے ساتھ رہتے ہوئے کوئی نہیں، براق۔ میں نے زندگی میں کبھی بھی بانٹنا نہیں سیکھا۔''

براق چند لمحوں کے لیے جیسے کچھ بول ہی نہیں سکا۔ شیزل دوبارہ ٹیرس سے نیچے دیکھنے لگی تھی۔ اسکی ایک کزن کے بچے لان میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے گھومتے ہوئے کھلکھلا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے بے اختیار مسکرائی۔ براق نے پہلے اسکا چہرہ دیکھا پھر اسکی نظروں کے تعاقب میں۔

''تمھیں بچے بہت پسند ہیں؟'' براق مدھم آواز میں پوچھنے لگا۔

''بہت۔ اور تمہیں؟''

''مجھے صرف تم پسند ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

شیزل گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ ''we are not done yet'' وہ قطعیت سے بولی۔

''میں نے اپنی زندگی کے اٹھائیس سال اکیلے گزار دیئے ہیں اگلے اٹھائیس بھی گزار دوں گی لیکن تم مجھ سے یہ امید مت رکھنا کہ میں اپنے مورلز پہ کوئی سمجھوتا کروں گی۔

یہ آخری بار تھا تم دوبارہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔'' اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔

''یہ۔۔ آخری۔۔ بار۔۔ تھا۔ میں دوبارہ تمھیں موقع نہیں دوں گی۔'' ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیا۔

براق نے پہلو میں گرا اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ یہ واقعی آخری بار تھا۔ میں دوبارہ تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں دوبارہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔''

''تمھارے حق میں یہی اچھا ہو گا۔'' بے نیازی سے کہہ کر اس نے ہاتھ چھڑوایا۔

''میرے حق میں کیا مطلب؟ تم محبت نہیں کرتیں مجھ سے؟'' اب کے وہ خفا ہوا۔

''کرتی ہوں۔ لیکن میں محبت کو اسکی اوقات میں رکھنا جانتی ہوں۔ پھر روتے رہو گے تم، اور میں کسی اچھے آدمی سے شادی کر لوں گی۔''

''تم میرے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتیں۔'' وہ عجیب انداز میں بولا۔

''کیوں کوئی پابندی ہے؟'' شیزل دوبدو بولی۔

براق خاموش ہو گیا۔ کہا کچھ نہیں بس آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اگلے کئی لمحے وہ کچھ نہ بولا تو شیزل نے گہری سانس لی۔ بچوں کی طرح منہ بنا کر کھڑا ہو جاتا تھا۔

''تم کافی اچھی بناتے ہو۔'' اس نے کافی کا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''میں ساری زندگی صرف تمہارے ہاتھ کی کافی پینا چاہوں گی۔''

''یہ کافی میں نے نہیں بنائی۔'' وہ سلگ کر بولا۔

''اس لیے تو اتنی بری بنی ہے۔''

''تم فلرٹ کرنے میں بہت بری ہو کوشش مت کرو۔'' اسکا موڈ آہستہ آہستہ بحال ہو رہا تھا۔ شیزل مسکرائی۔

''تم سے سیکھ لوں گی۔ تم سکھاؤ گے ناں؟''

اب کے براق ہنس پڑا۔ وہ اس سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا تھا یہی حال شیزل کا تھا۔ وہ توجیہہ پیش کرتا تھا اور وہ ہتھیار ڈال دیتی تھی۔ محبت بعض دفع انسان کو بے حد مجبور کر دیتی ہے۔ وہ مانتی یا نہیں لیکن وہ براق کے آگے مجبور ہو جاتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اب براق سے نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ وہ ساری بات بتا رہا تھا۔ وہ بار بار اسے سوری بھی کہہ رہا تھا۔ یقین دہانی کروا رہا تھا کہ یہ آخری بار تھا۔ وہ سنتی رہی سر ہلاتی رہی۔

یقین اسے باتوں پہ نہیں عمل پہ آیا کرتا تھا۔

گوادر حبس زدہ نم ہواؤں کو خیر آباد کہہ چکا تھا۔ اکتوبر ٹھنڈی ہواؤں کو اپنے دیس آنے کا سندیسہ دے آیا جسے مروتاً نہ ٹھکراتے ہوئے ہواؤں نے سمندر کے اس شہر کا رخ کیا۔ اور چند دن کے لیے اسی شہر کی پہاڑیوں پہ قیام کا اعلان سنایا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ پورے پندرہ دن اس نے کاہلی اور سستی کے باوجود اپنے چہرے کا، جسم اور بالوں کا بہت اچھے سے خیال رکھا تھا۔

وہ دانے جو اسے چودہ پندرہ سال کی عمر میں نکلے تھے اور اپنا نشان چھوڑتے چلے گئے ایک مسلسل خیال اور توجہ سے تین سے چار داغ مدھم پڑنے لگے تھے۔

اسکے رخسار ہلکے ہلکے چمک رہے تھے۔ یوں جیسے glow سا آیا ہو۔ کونج حاکم کو خود پہ پیار آیا۔

ایسا آج تک نہیں ہوا تھا کہ وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر ٹھہر جائے یا اسکی آنکھوں میں ستائش ابھرے۔ یہ اس لیے تھا کیونکہ وہ خود سے نظریں چرا رہی تھی۔

اس نے اپنے بال کندھے پہ آگے ڈالے۔ وہ ویسے ہی تھے خشک، کھردرے مگر سر کی خشکی کم ہونے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ اسکے ظاہری حلیے میں باقاعدہ فرق نظر بھی آنے لگا تھا۔ وہ خوش تھی۔ خوبصورتی **"گورا رنگ"** نہیں تھی یہ اسے یقین آنے لگا تھا۔

ایک لمبے عرصے بعد کونج حاکم خود سے خوش تھی۔ بیڈ کی طرف آتے ہوئے اس نے وقت دیکھا۔ دوپہر کے تین بجنے والے تھے۔ آج پورے پندرہ دن بعد اسکا ایک اور سیشن تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ پر جوش تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے ہوئی تھی۔ کانوں میں ہینڈ فری لگا رکھے تھے۔ اماں عروج کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں سو وہ بے فکری سے بات کر رہی تھی۔

''تمھیں پتہ ہے، کونج ''ناں'' کہنا بھی ایک آرٹ ہوتا ہے۔'' کونج کے سوال "ہم ناں کیوں نہیں کہہ پاتے" کا جواب وہ بڑی سنجیدگی سے دے رہا تھا۔

''کچھ لوگ '' protective'' ہوتے ہیں۔ وہ ہر شے کو، انسان کو فوراً ناں بول دیتے ہیں۔ نئے تعلقات کو، نئے مواقع، نئی زندگی۔

وہ جو ہیں جہاں ہیں اور جیسے ہیں میں خوش رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ "**نیا پن**" انہیں اکیلا کر دے گا۔ ایسے لوگ زیادہ تر اداس اور افسردہ رہتے ہیں۔'' اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔ کونج ہمہ تن گوش اسے سن رہی تھی۔

''دوسرے ہوتے ہیں خود غرض لوگ۔ جن کا دماغ انہیں ہر اچھے کام سے روکتا رہتا ہے۔ کسی کی مدد کرنی ہے صاف ناں۔ کوئی آپ سے کچھ مانگ رہا ہے بلکل ناں۔ انسان رحمدل نہ ہو تو پھر جانوروں کی صف میں بھرتی ہو جائے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ زندگی زیادہ اچھی نہیں رہی ہوتی یا تو وہ استعمال ہوئے ہوتے ہیں یا پھر نظر انداز اور یوں وہ بات بات لوگوں کو ناں بول کر انکا دل توڑ کر خود کو خوش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ گھاٹے میں ہوتے ہیں۔

تیسری قسم ہے ان لوگوں کی جو people pleaser ہیں یا پھر peace makers "

''دونوں میں فرق کیا ہے؟'' کونج نے سوال کیا۔

''پیپل پلیزر وہ ہوتے ہیں جنہیں لوگوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ ہر قیمت پہ۔ اپنا دل مار کر۔ اپنے کام چھوڑ کر اور خود کو ایک ٹف ٹائم دے کر۔ پیس میکرز وہ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں جھگڑے فساد، الجھن اور برا بچپن دیکھا ہو۔

وہ گھر سے باہر اور گھر میں اپنے حصے کا سکون دینا چاہتے ہیں۔ایسے لوگ ہر کام کے لیے ناں نہیں کہہ پاتے،ایسے لوگ مسلسل ایک جنگ میں رہتے ہیں کہ آخر انہوں نے اس وقت ناں کیوں نہیں بولا۔تم ناں کیوں نہیں بولتیں، کونج۔''

وہ جو محو سی سن رہی تھی اسکے آخری سوال پہ گڑبڑائی۔چند لمحے خاموشی میں گزرے پھر وہ دھیرے سے بولی۔

''مجھے لگتا ہے اگر میں کسی کو ناں بولوں گی تو انکو برا لگے گا۔وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور مجھے اچھا سمجھنا چھوڑ دیں گے۔میں ہر ایک کی نظر میں بری بن جاؤں گی۔''

مظفر نے غور سے اسکی بات سنی۔سکرین کے چوکھٹے میں کونج دیکھ سکتی تھی کہ وہ صوفے سے اٹھ کر اوپن کچن کی طرف جا رہا ہے۔فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔کانوں میں ایئر پوڈز لگائے ہوئے تھے۔

''میں کئی بار ناں کہنا چاہتی ہوں لیکن میری زبان سے یہ لفظ ادا ہو ہی نہیں پاتا ہے۔میں کئی بار اگلے انسان کے ارادے جانتی ہوتی ہوں کہ وہ مجھے استعمال کر رہا ہے لیکن پھر بھی یہ کام نہیں ہوتا مجھ سے۔''

مظفر نے فریج کھول کر اپنے لیے گلاس میں جوس بھرا۔اور واپس صوفے تک آیا۔اسکی آنکھوں میں پر سوچ سا تاثر تھا۔

''کیا وہ لوگ تمہیں کچھ دے سکتے ہیں، کونج؟وہ تمھیں کھانا نہیں کھلا سکتے وہ تمہیں پانی نہیں پلا سکتے۔تمھیں کپڑے، جوتے، پیسے، تعلیم کچھ نہیں دے سکتے۔وہ لوگ تمھارے مشکل وقت میں تمھارے ساتھ نہیں کھڑے ہو سکتے پھر تم ان لوگوں کی پرواہ کیوں کرتی ہو؟''

'' maybe i am dumb and useless''وہ شکستگی سے بولی۔

''شکر ہے تمھارے پاس جواب موجود ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں میں واقعی ایسی ہوں؟''وہ حقیقتاً خفا ہوئی تھی۔

''مجھے لگا تھا تھیراپسٹ لوگوں کو مایوس ہونے نہیں دیتے۔آپ کو مجھے موٹیویٹ کرنا چاہیے تھا۔''

مظفر نے آرام سے جوس کا گھونٹ بھرا۔پھر ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم جوڑے آگے ہوا۔

''تھیراپسٹ آپ کی گمشدہ امید کو واپسی کی راہ دکھاتا ہے۔ تھیراپسٹ آپ کو آپ کی وقعت بتاتا ہے۔ امید کو واپس لانا انسان کا اپنا کام ہوتا ہے۔ اور میں تھیراپسٹ نہیں کاؤنسلر ہوں۔ اس میں فرق ہے۔

موٹیویٹ انسان کسی دوسرے انسان کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ جب اسکے سامنے اپنی وقعت اور اپنا گول واضح ہو جاتا ہے تب وہ خود ہی موٹیویٹ ہو جاتا ہے۔ تھیراپسٹس کے بارے میں لوگوں نے کئی سارے myths قائم کر رکھے ہیں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے۔'' وہ آخر میں ہلکا سا مسکرایا تھا۔ کونج خفت کے مارے مسکرا بھی نہ سکی۔

''لوگ دوسرے لوگوں کی پرواہ اس لیے کرتے ہیں کیونکہ وہ ڈرتے ہیں۔ لوگوں کی ناراضگی سے، انکے دور جانے سے یا پھر انکی نظروں میں اپنے لیے خفگی یا حقارت سے۔

یہ ڈر کیوں ہوتا ہے جانتی ہو؟ جن لوگوں نے اپنے گھر میں اچھا ماحول نہ دیکھا ہو وہ peace makers بن جاتے ہیں۔ اپنے گھر میں بڑے بہن بھائی یا کزنز کا برا رویہ برداشت کرتے جاتے ہیں تاکہ انکی ایک امیج بنی رہے۔

اسکول، کالج، دوستوں کی محفل میں وہ چاہے استعمال ہو رہے ہو چاہے نظر انداز ہو رہے ہوں وہ شکایت نہیں کرتے۔ ایسے بچے اپنے گرد دائرہ نہیں کھینچ پاتے کیونکہ انکو لگتا ہے انکی وجہ سے اس تعلق میں، اس جگہ **''بگاڑ''** پیدا ہو گا۔

یوں اس طرح وہ سہتے چلے جاتے ہیں۔ انکے اندر حوصلے اور اعتماد کی جو کمی ہوتی ہے وہ وقت کے ساتھ کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ حوصلہ تو اپنے لیے بولنے سے آتا ہے۔ اعتماد تو تب بڑھتا ہے جب آپ نے کوئی فیصلہ کیا ہو اور وہ آپ کے حق میں درست ثابت ہوا ہو۔'' مظفر نے سانس لینا کا وقفہ لیا۔

''یہ زیادہ تر ان بچوں کے ساتھ ہوتا ہے جنہوں نے گھر کا برا ماحول دیکھا ہو یا پھر مقابلے بازی۔ والدین بعض دفع بچوں کے ساتھ انجانے میں بڑی ہی زیادتی کر جاتے ہیں مقابلے بازی بچوں کی شخصیت کو دیمک کی طرح چاٹ دیتی ہے۔ اب آتے ہیں تمھارے سوال کی طرف کہ لوگ ناں کیوں نہیں بولتے۔

اسکی ایک ہی وجہ سے۔ برا بچپن، برا تجربہ۔ برا تجربہ وہ ہوتا ہے جس میں ہم جوانی کے ادوار میں پھنس جاتے ہیں۔ یعنی کوئی غلط تعلق، کوئی بری دوستی، یا پھر جاب کی دوران ہوا کوئی غیر معمولی مسئلہ۔ ان میں سے کوئی بھی شے ہمیں بہت بری طرح ہٹ کرتی ہے اور تب انسان دو طرح کے رد عمل دیتا ہے۔

پہلا پیپل پلیزنگ۔

دوسرا۔۔۔۔ سخت مزاج ہو جانا۔''

کونج کو بے اختیار زینیا یاد آ گئی۔ وہ تو ہر کسی کو ٹکا سا جواب دے دیتی تھی۔ گو کہ دل ہی دل میں کونج کو یہ غلط لگتا تھا لیکن دور کہیں وہ ایسی بننا چاہتی تھی۔ کیونکہ لوگ اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

''پیپل پلیزر ساری دنیا کو نظر آ جاتے ہیں مگر سخت مزاج اور ٹھنڈے دل والے لوگ وہ تنہا ہوتے ہوئے بھی کسی ایسی بھیڑ کا حصہ معلوم ہوتے ہیں جس میں ہم گھس نہیں سکتے۔

دنیا نے ان لوگوں کو straight forwards کا نام دے رکھا ہے لیکن دنیا نہیں جانتی کہ وہ ایک بسمل کو اسکے زخموں کی جسٹیفکیشن کے ساتھ قبول کر رہی ہے۔

ناں وہاں کہنا چاہیے جہاں سامنے سے آپ کا کوئی حرج ہو رہا ہو۔ یا آپ کے پاس وقت نہ ہو یا پھر اگلا انسان آپ کو استعمال کر رہا ہو۔ ورنہ **"ناں"** انا ہے۔''

''میری بہن کہتی ہے کہ اگر اس دنیا میں رہنا ہے تو آپ کی زبان تیز ہونی چاہیے آپ کو شرم لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے لوگوں کی امیدوں اور انکا سہارا بننا ختم کر دینا چاہیے۔''

مظفر جوس کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''تمہاری بہن بہت انٹرسٹنگ معلوم ہوتی ہے۔ اس سے کہو مجھ سے ملے بغیر پیسوں کے تھیراپی دوں گا۔''

کونج جھینپ گئی۔

''وہ آپ کی تھیراپی کر دے گی۔''

''حالانکہ اسے ضرورت ہے۔''وہ ہلکا سا ہنسا۔

''خیر تم جانتی ہو اس دنیا کے سب سے عظیم آدمی تھے حضرت محمد ﷺ تھے۔ایک بوڑھی عورت نے ان سے اپنے سامان کا بوجھ اٹھانے کو کہا۔اب وہ تو ایک عظیم شخصیت تھے۔اللہ نے ان پہ وحی بھیجی ہے۔دنیا جہاں کی عزت اور کامیابیوں کے لیے وہ selected تھے پھر کیا ضرورت تھی ان کو یہ سب کرنے کی؟ لیکن انہوں نے کیا۔

اپنے چچا کا کلیجہ چبانے والی عورت سے کہہ دیا کہ اسلام کے دائرے میں آجاؤ اور امن ہی امن۔''

''ہم religious way میں کیوں جا رہے ہیں؟''کونج نے اسے ٹوکا۔

''آپ کوئی اور مثال نہیں دے سکتے؟''

''یہ دنیا چاہے سکھ ہو مسلم ہو عیسائی ہو ہر کوئی مانتا ہے محمد ﷺ ایک سچے اور نوبل انسان تھے۔میں نے اس لیے انکی بات نہیں کی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔

اس لیے کی کیونکہ میرا علم زیادہ ہے۔اور میں نے آج تک انکے جیسی شخصیت نہیں پائی۔ humbleness ایک عظیم جذبہ ہے۔اور یہ دنیا سے ناپید ہوتا جا رہا ہے کیونکہ لوگ ''**مضبوط**''بن رہے ہیں۔

forgiveness لازوال ہے لیکن اس وقت وہ کہیں کہیں موجود ہے کیونکہ لوگ موو آن کرنا سیکھ رہے ہیں۔الفاظ کی گہرائی میں جائے بغیر ہم ایک اندھے بیل کی طرح بھاگ رہے ہیں۔گوگل،انسٹا گرام،فیس بک جہاں سے جو بھاری انگریزی کا لفظ ملا اٹھایا اور اسے اپنے سرکل میں کہیں نہ کہیں فٹ کر دیا۔

straight forwardness ایک مہربان اور لاجیکل لفظ ہے لیکن اسے ہم نے بدتمیزی سے جوڑ لیا ہے۔ہم نے لفظوں کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔''

''میرے سوال کا جواب کہاں ہے؟''کونج نے پھر سے پوچھا۔

''انہی الفاظ کے بیچ۔ اگر تم ان کو درست طریقے سے سمجھ جاؤ تو تمھیں پتہ چل جائے گا ''**ناں**'' اور ''**انا**'' میں کیا فرق ہے۔ اگر تم سمجھ جاؤ کہ نبی کریم نے بھی اچھا بچپن نہیں دیکھا۔ ماں باپ کا سایہ سر پہ نہیں تھا۔ جوانی میں دین اور رشتے داروں کی سختیاں سہیں لیکن پھر بھی وہ سخت دل نہیں ہوئے۔

پھر بھی انہوں نے معاف کرنا نہیں چھوڑا۔ پھر بھی انہوں نے لوگوں کو خود کو استعمال کرنے نہیں دیا۔'' وہ بول رہا تھا اور کونج دم سادھ گئی۔ وہ لفظوں کی بنت سے اسکے دماغ سے کیسے کیسے کھیل کھیل گیا تھا۔

''دنیا کے rules and regulations آج نہیں بنے تھے۔ یہ چودہ سو سال پہلے بنے تھے۔ جب سائنس موجودہ وقت میں آہستہ آہستہ ان حقائق کو تسلیم کر رہی ہے جو اسلام نے بہت پہلے سمجھا دیئے تھے تو وہ ان حقائق کو بھی مانے گی کہ ناں اور انا میں کیا فرق ہے۔

ایک ٹھنڈہ دل ردی ہے اور لوگوں کے ساتھ رحمدلی کا معملہ نہ رکھنا آپ کو انسان نہیں بناتا۔'' وہ کہتے کہتے رکا۔ کونج کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''کسی شادی بیاہ کی تقریب میں اپنے کزنز کے ساتھ کام کروانا اچھی بات ہے۔ اپنے چچا، تایا، ماما کی ہلکی پھلکی ڈانٹ کھانا برا نہیں ہے۔ بڑوں کو کئی بار انکے کئے پہ معاف کرنا درست ہے۔

ہر بات پہ پھاڑ کھانے کو دوڑنا آپ کو مضبوط نہیں بناتا۔ مدد کے لیے آنے والے کو خالی ہاتھ لوٹانا آپ کو عظیم نہیں بناتا۔ بیچ محفل میں کسی کے رنگ، قد، چہرے یا پھر ریلیشن شپ پہ تبصرہ کرنا آپ کو اسٹریٹ فارورڈ نہیں بناتا۔

ہر بات کہنے کا ایک ڈھنگ ہوتا ہے انسان کو ش وہ ڈھنگ سیکھنا چاہیے۔ کسی کو نصیحت کرتے ہوئے تصیح اور تذلیل کا مطلب سمجھنا چاہیے۔ یہ ہے انسان کی گروتھ۔ سیکھنے کا عمل۔''

''ناں کہنے میں دقت پیش آرہی ہو تو کیا کریں؟'' مظفر نے کچھ کہنے کو لب وا کئے مگر وہ اس سے پہلے بول پڑی۔

''میں فلحال نئی نئی ہوں ناں کچھ ٹپس شیئر کر دیں۔'' معصومیت بھری ڈھٹائی۔

''دیکھو جب بھی کوئی تم سے کام کہے تو اس سے ایک بار پھر پوچھو، کیا تمھارے نوٹس بنا دوں؟، تمھیں میر اڈریس چاہیے کونسا؟ پرپل والا؟ میری بکس چاہیے؟ اس طرح تم ٹائم لو گی۔ اور انسان کا ذہن fastest time machine ہے۔

تم اپنے ذہن میں فوراً جمع تفریق کر سکتی ہو اسکا کام کرتے وقت تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی؟ اور اگر نہیں ہے تو دنیا میں اپنا حصہ ڈالتے رہنا چاہیے۔ اسکا تعلق کسی دین دھرم سے نہیں ہے یہ انسان ہونے کی نشانیاں ہیں۔

ایک بات یاد رکھنا کونج تم یا کوئی بھی انسان کسی دوسرے انسان جیسا نہیں بن سکتا۔ لوگوں کی اچھائیوں سے امپریس ہونا ٹھیک ہے۔ اور خود پہ وہ اصول لاگو کرنا بھی لیکن ہر کام کو کرنے کا ہر انسان کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو زیبنا حاکم کی طرح ڈیل نہیں کر سکتیں۔''

''آپ کو میری بہن کا نام بھی یاد ہو گیا ہے؟'' وہ ہنس پڑی۔ مظفر نے کندھے چوڑے کیئے۔

''میری مستقبل کی کلائنٹ ہے وہ نام کیسے نہ یاد رکھوں؟ خیر فلحال یہ سنو۔ ہر انسان نے اپنے طریقے سے گرو کرنا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں کہ انہیں درست سمت دکھانے والے لوگ مل جاتے ہیں جیسے تمھیں میں ملا ہوں۔'' کونج نے مسکراہٹ دبائی۔

''یہاں ایک کامیاب انسان بننے کے لیے ایک لمبی اسٹرگل کرنی ہوتی ہے۔ ایک لمبا پراسیس اس میں ''**انسان**'' کو اپنا منٹور اور انسپریشن نہیں ماننا چاہیے۔ جس انسان کو درست بات کہنی نہ آئے، نرمی، محبت اور سلیقہ نہ ہو وہ انسان نہیں ہے۔

وہ کامیاب اور پر سکون نہیں ہو سکتا۔ اب تم اپنے بارے میں سوچو۔ خود پہ اپنے پیٹرنز پہ غور کرو۔ تم بری ہوئے بغیر بھی اچھی بن سکتی ہو کیسے؟ یہ تمھیں سیکھنا ہو گا۔''

وہ کونج سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ ہم اپنے حصے کا علم سمیٹ چکے، اب کہانی کے کچھ اور بکھیڑے سمیٹ لیتے ہیں۔

عبداللہ زمان کی حویلی میں گہرے سکوت کا راج تھا۔ ایسا سکوت جو ہڈیوں میں سرایت کرتے ہوئے زینیا حاکم سے اسکی قوت گویائی سلب کر چکا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اس انسان کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس کے ساتھ اس نے ایک سال گزارا تھا۔ یا پھر اس انسان کا جس کو اپنے تیئیس سال دے ڈالے تھے؟

جس سے پہلی ملاقات میں وہ اس سے خوف کھا کر آئی تھی۔ دوسری ملاقات میں وہ اسکا مسیحا بنا تھا، تیسری ملاقات میں وہ اسکے مصائب اپنے سر لے گیا تھا۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ اسکی زندگی میں شامل ہو گیا تھا۔

اسکے بعد یادوں کا ایک ریلا بہہ آیا۔ وہ اسکا ہمدرد بھی تھا۔ وہ اسے تکلیف بھی دیتا تھا پھر معافی بھی مانگ لیتا تھا۔ وہ اسکے ساتھ کمفرٹیبل بھی ہو جاتی تھی اور ان کمفرٹیبل بھی۔

وہ جیسا بھی تھا جو بھی تھا ایک تعلق تھا اسکے ساتھ جو ان مٹ تھا۔ ایک احساس تھا شناسائی کا جو اسکے ساتھ نتھی ہو گیا تھا ایک تعلق تھا جس کا کوئی نام نہیں تھا مگر وہ اس سیاہ آنکھوں والے شخص کے ساتھ استوار ہو گیا تھا مگر آج وہ قیس کمبیر، وہ محافظ، وہ صیاد بدل گیا تھا۔ مسیحائی کا چغہ اتارے اس نے اپنا اصل دکھا دیا تھا۔ آج وہ عبداللہ زمان تھا۔ جس سے وصل کی امید نے زینیا حاکم کے تیئیس سال لیے تھے۔

قیس پتھر کے اس مجسمے کو دیکھتے ہوئے کرسیوں کے درمیان سے نکل کر اسکے سامنے آیا۔ زینیا نے اسکا آنا ایک نئی نظر سے دیکھا۔ کیا وہ واقعی عبداللہ زمان کی حویلی میں اسکے روبرو کھڑی تھی؟ اسکی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی؟ اسکے قد کے برابر، اسکی ساحر آنکھوں میں جھانکتی ہوئی؟

"میرے لیے یہ دو الفاظ کہنا بہت مشکل ہیں۔" وہ اسکے عین سامنے کھڑا تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی نارنجی روشنی اسکے داہنے رخ پہ پڑتی تھی۔

"لیکن۔۔۔" وہ رکا۔ اناؤں پہ پیر رکھا۔ ضد کو اس لڑکی کے قدموں میں ڈھیر کیا۔

"آئی ایم سوری، زینیا۔ آئی ایم ریئلی سوری۔" قیس کمبیر اسے وہ لفظ کہہ رہا تھا جسے سننے کی آس زینیا کو کئی برسوں سے تھی۔ لیکن اسے یہ امید عبداللہ زمان سے تھی۔ وہ غلط شخص پہ غلط جگہ صحیح الفاظ سن رہی تھی۔

''میں ایک نارمل انسان نہیں ہوں۔ میرا ہر عمل extreme ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرے لیے غیر اہم ہو، یا میں تمھیں فار گرانٹڈ لیتا ہوں۔''

اسکے لفظوں میں صدق تھا لیکن کیوں تھا؟ وہ زینیا حاکم اپنی پرسنل ایڈوائزر سے ایسی بات کیوں کر رہا تھا زینیا یہ نہیں پوچھ سکی۔ وہ عبداللہ تھا؟ کیا واقعی کیا یہ کوئی برا خواب نہیں ہو سکتا تھا؟ اسے اب نہیں آنا تھا۔ کاش یہ کوئی کہانی ہوتی اور شہزادہ وقت پہ آ جاتا۔

''اس دن جو کچھ بھی میں نے کیا وہ غلط تھا۔ میں تم سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔ حق رکھتے ہوئے بھی مجھے وہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ زینیا تم سن رہی ہو؟'' مسلسل متوحش نظروں سے اسے خود کو دیکھتا پا کر قیس نے دھیرے سے اسکی کہنی کو چھوا۔

زینیا بدک کر دور ہٹی۔ آنکھوں میں گلابی پن بڑھ گیا۔ اس نے بولنے کو لب وا کیئے لیکن اسکی زبان کو لقوہ لگ گیا تھا۔ اسکا دل کیا تھا وہ اسے تھپڑ مارے، گریبان پکڑے۔ وہ اس سے اپنی تذلیل کا حساب مانگے۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکی۔ وہ بس ساکت تھی۔

''میں نے آج تک اس کمرے میں اس گھر میں کسی کو رسائی نہیں دی۔ میری ذات کے بارے میں آج تک کوئی نہیں جان پایا۔'' وہ آج اسکی کسی بات کا برا منائے بغیر بس بولنا چاہتا تھا۔

وہ سب تاویلیں جو اس نے گڑھ رکھی تھیں۔ وہ تمام معذرتی الفاظ جو اسکی پسندیدہ عورت کا دل اسکی طرف سے صاف کر سکیں۔

''میری شخصیت کے کچھ تاریک پہلو ہیں، زینیا۔ اور انکے زیر اثر میں وہ قیس نہیں رہتا جس سے تم قیسم میں ملتی ہو۔ میں وہ عبداللہ زمان بن جاتا ہوں جو ایک وقت میں گاڑی میں بند رہا تھا۔ جس کے سامنے اسکے چچا اور باپ کو قتل کیا گیا۔ میں وہ وقت نہیں بھول سکا۔''

وہ اسے کہنا چاہتی تھی جن کے قتل ہوئے وہ دونوں مرد اسکے ماموں بھی تھے۔ تکلیف تو یکساں تھی مگر کچھ باتیں زبان نہیں دل کہتا ہے سنہری آنکھوں والی لڑکی کا دل اس وقت شل تھا۔

''میں یوں کسی پہ اپنے الفاظ ضائع نہیں کرتا لیکن میں چاہتا ہوں تم مجھے سمجھو۔ میرا غصہ، میں کم کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم نے ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میرے حوالے سے مطمئن رہو۔ میں برا ہوں بہت برا۔ لیکن میں تمھارے لیے اچھا بن سکتا ہوں۔''

وہ خاموش ہو کر اب زینیا کو تکنے لگا۔ جواب تک چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ پنہوں ایک لمبے ہجر کے بعد سسی کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اور کہانی نے کہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ پنہوں واپس آ جائے تو سسی کیا کرے؟ وہ اب بھی بس اسے دیکھ رہی تھی۔

''کچھ بولو، زینیا، کچھ تو بولو تم۔۔۔'' اسکے اگلے الفاظ اسکے حلق میں رہ گئے۔ یکدم حویلی کے اندر ایسی چیخ و پکار اٹھی تھی کہ الامان۔ قیس اسے کھڑے ہوئے چھوڑ تیزی سے کھڑکی کی جانب بڑھا۔ یہاں سے حویلی کا داخلی دروازہ اور سامنے والی سڑک نظر آتی تھی۔ چیخ و پکار بڑھتی ہی جا رہی تھی مگر قیس کمبیر جیسے دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے ساکن ہو گیا تھا۔ اسکے پیروں سے زمین نکل گئی تھی۔

قطار میں کھڑی سات کی سات گاڑیوں سے آگ کے نارنجی شعلے اٹھ رہے تھے۔ گاڑی سے سامان نکالتے اسکے ملازمین میں سے کسی ایک کے کپڑوں کو آگ نے پکڑ لیا تھا۔ اور وہ بری طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ مناظر بدل گئے۔

اسکے سامنے لاشیں آئیں۔ بے بسی اور خاندان کی موت آئی۔ وہ ایک بار پھر حال سے منقطع ہونے لگا۔ اسکے ہاتھ، پیر، جسم سب مفلوج تھا۔ آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت۔ ٹراما آگ کے اس دھوئیں میں دبے پاؤں داخل ہوا اور قیس کمبیر کے ارد گرد سخت محاصرہ کر لیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پایا۔

اسی لمحے اسکے عقب میں کھڑی زینیا حاکم کے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ وہ جس کا بولنا اسکے ارد گرد زنجیریں باندھ چکا تھا وہ اسکے دور جاتے ہی ٹوٹ کر فرش نشین ہوئیں۔ چیخ و پکار اور آہوں، کراہوں پہ وہ آگے بڑھ آئی۔ کھڑکی سے کھڑے ہو کر جو منظر اسکی آنکھوں نے دیکھا وہ بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی۔ جنگ چھڑ چکی تھی۔ اور یہ تو ہونا تھا۔

کروڑوں کی مالیت کی وہ گاڑیاں جل رہی تھیں اسے ان گاڑیوں کے جلنے سے فرق نہیں پڑتا تھا اسے الہام ہو چکا تھا نہیں جلانے والا اسکا خاندان ہے۔اور اسکا یہ الہام یقین میں بدل گیا جب اس نے مرے مرے قدم دوبارہ آگے بڑھائے اور کھڑکی کی جالیوں سے باہر دیکھا۔

اسکے چچاؤں کے داماد (**نواب خاندان میں ایک واحد اولاد نرینہ حاکم نواب کا بشر تھا۔ باقی تمام بھائیوں نے اپنے دامادوں کو ہی اپنا بیٹا مان لیا تھا**) بندوقیں اٹھائے فضاؤں میں تڑاتڑ فائر کر رہے تھے۔ فائر کی آواز سن حویلی کے احاطے میں بھگدڑ مچ گئی۔ چیخ وپکار، گولیوں کی آوازیں آگ، شور۔ چند منٹوں کے اندر اندر جنگ کا سا سماں بندھ گیا تھا۔

قیسم کے ملازمین یہاں سے وہاں بھاگ رہے تھے خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ لوگ رو رہے تھے۔ وہ اسلام آباد، لاہور، کراچی سے آنے والے مختلف لوگ تھے۔ گاؤں کی ایسی دشمنیاں انکی جان ہوا کیے دیتی تھیں۔ڈرائیور کا جلتا ہوا بدن زینیا حاکم کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا۔ایسی سفاکی، ایسی جاہلیت؟

کون قیس، کون عبداللہ زمان اس وقت اگر اسے کچھ یاد تھا تو ایک انسان کی جان بچانا۔اگر کچھ یاد تھا تو قیسم کے کئی ملازمین کو ان فائرز سے بچانا جو اس وقت باہر فضا میں ہو رہے تھے اور ملازمین داخلی دروازہ کھولنے کی تگ ودو میں تھے۔ کچھ معلوم تھا تو یہ کہ باہر جو لوگ تھے وہ اسکا خاندان تھے۔

"قیس۔۔۔"اس نے ساکت ہوئے آدمی کا بازو ہلایا۔"وہ مر جائے گا کچھ کرو پلیز۔اپنے لوگ بلواؤ۔" اسکے حلق سے کچھ الفاظ آزاد ہوئے۔

"قیس نیچے جاؤ ان لوگوں کو دروازہ کھولنے سے منع کرو۔ گارڈز کو باہر بھیجو اور انکی فائرنگ رکواؤ۔ان سے بات کرو۔"وہ بغیر کچھ کہے بت بنا کھڑا تھا۔ زینیا نے اسکا بازو جھنجھوڑا۔ وہ جیسے کسی کالے جادو کے حصار سے باہر آیا۔ مگر اسکا دماغ اب بھی کسی قسم کے پراسیس سے انکاری تھا۔ اسکا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔ وہ زینیا کو تک رہا تھا۔ اسکے لب ہل رہے تھے وہ کیا کہہ رہی تھی؟

''تم سن رہے ہو؟ وہ آدمی جل رہا ہے اسے بچاؤ۔ اپنے ملازمین کو روکو قیس۔ دروازہ کھل گیا تو مسئلہ بڑھ جائے گا۔ لوگ زخمی ہو سکتے ہیں۔ فائر بریگیڈ بلواؤ۔ آگ بجھاؤ۔ کچھ کرو پلیز۔ لوگ مرجائیں گے تمھیں کچھ سمجھ آرہی ہے؟'' وہ چیخ رہی تھی۔ اسکا بازو جھنجھوڑ رہی تھی۔

اسکے لب ہلکے سے وا تھے۔ رنگت زرد پڑچکی تھی مگر آج پہلی بار کسی نے قیس کمبیر کو اسکے ٹراما کی وجہ سے ہونے والے متوقع خسارے سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ اسکی گردن پہ آیا ڈھیر سارا پسینہ بھی اسکے جسم میں ہوتی کپکپاہٹ کو روک نہیں پایا تھا۔

''ایک انسان مر رہا ہے تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو؟'' وہ چیخ پڑی۔ ''تمھیں خدا کا واسطہ ہے انہیں بچاؤ۔ کئی لوگوں کی جانیں جاسکتی ہیں کچھ کرو۔''

قیس کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے قیس کا بازو پکڑا۔ اور خود باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ اسکے ساتھ کھنچتا جارہا تھا۔ اس آگ کی طرف جاتے ہوئے اسکا پہلا قدم بے یقینی تھا۔ وہ لمس، وہ نرمی، وہ سختی یہ عورت قیس کے لیے کیا بن گئی تھی؟

''میں تمھیں اس بے حسی کی اجازت نہیں دوں گی۔ یہاں کوئی دوسرا انسان نہیں مرے گا تمھیں ان سب کو بچانا ہوگا۔''

اگلے قدم کس جذبے کے تحت تھے وہ نہیں جانتا تھا مگر اس عورت کی معیت میں وہ کئی دنیاؤں کا سفر کرسکتا تھا یہ اسے آج معلوم ہوا۔ وہ حوصلے کی کیسی نئی روح اسکے اندر پھونک گئی تھی اسے معلوم بھی نہ ہوا۔ یونہی چند لمحوں کے اندر اندر وہ اسے کس تاریک غار سے نکال کر لے آئی تھی یہ اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔ وہ محل کے مضبوط ستون کا سہارا بن گئی تھی۔ جسے اب وہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ سانس چھوڑنے تک تو ہرگز نہیں۔

اگلے کئی منظر سلو موشن میں ہوئے۔ وہ نچڑی رنگت والا مرد بلند آواز میں چیخ چیخ کر اپنے اسٹاف کو داخلی دروازے سے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی انہیں دھکے دے کر ہٹا رہی تھی اور اندر کی طرف بھیج رہی تھی۔ وہ ملکہ تھی اور وہ وہ سلطان۔

جو ملک پہ آئی آفت سے لوگوں کو بچا رہے تھے۔ خوف وہراس کے اس عالم میں بھی لوگ اسکی پکار کو نظرانداز نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ بادشاہوں جیسی چال چلتا آگے آیا۔ ایک ہاتھ سے وہ محل جیسے دروازے کے پٹ اسکے لیے جدا کیے گئے۔ اسکے گارڈز آس پاس پھیل گئے۔ فائرنگ کرنے والے لوگ اسے دیکھ کر بھاگ نکلے تھے۔ جو وہ چاہتے تھے وہ ہو چکا تھا۔

حاتم نواب کے قتل کے بعد عبداللہ زمان یوں دیدہ دلیری کے ساتھ گاؤں میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا وہ اسے باور کروانے آئے تھے۔ کروا چکے تھے۔ وہ سارا خاندان تھا اور عبداللہ اکیلا، اسے جس شخص کی کمی محسوس ہوئی وہ اسکا بھائی تھا۔

ڈرائیور کے اوپر چادریں ڈال کر آگ کو بجھایا گیا۔ وہ اچھا خاصا جل چکا تھا۔ قیس بے اختیار اپنی جلتی ہوئی گاڑی کی طرف گیا۔ احتیاط سے دروازہ کھولا۔ پھر بھی اسکی کچھ انگلیاں جل گئی تھیں۔ سیٹ کے درمیان ادھ جلا کیمرہ نکالتے ہوئے اسکے سر کی دستار کو آگ نے پکڑ لیا۔

نہایت احترام سے دستار کو ایک ہاتھ میں لیے دوسرے ہاتھ میں ادھ جلا کیمرہ لیے وہ آگے آیا۔ دستار پہ پانی ڈال کر آگ بجھائی گئی مگر وہ جل چکی تھی۔ اس نے کیمرہ ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ وہ بھی آدھا جل گیا تھا۔

لوگ حویلی کے اندرونی حصے میں جا چکے تھے۔ حویلی کے باہر ایمبولنس اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں کھڑی ہو چکی تھیں۔ برادری کے کئی مرد دیکھتے دیکھتے جمع ہوئے تھے۔ ایک گھنٹہ صرف اور صرف ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ حویلی اور اسکے حالات پلٹ کر رہ گئے تھے۔

ہال میں بیٹھے ملازمین کے چہرے وہ نہیں تھے جن کے ساتھ وہ یہاں آئے تھے۔ چہرہ تو زینیا حاکم کا بھی وہ نہیں رہا تھا مگر اس وقت اسے جس چیز کی پرواہ تھی وہ اسکا خاندان تھا۔ جوابی فائرنگ میں اسکے خاندان کے ساتھ کیا کیا ہو سکتا تھا اسے سمجھنے کے لیے اسکی کسی ڈگری کی ضرورت نہیں تھی۔ ایمبولنس میں ڈرائیور کا جلا ہوا جسم سوار کر کے ان ساتوں گاڑیوں کی آگ بجھا کر اور ڈھیر سارے معاملات حل کر کے جب وہ پورے دو گھنٹے بعد واپس آیا تو زینیا حاکم اندر کی طرف جانے والے تین زینوں میں سے دوسرے زینے پہ بیٹھی تھی۔ زرد بلب کی روشنی اسکے چہرے پہ تھی۔ اسکے آگے پیچھے گارڈز تھے۔ ہاتھ میں زینیا کا جلا ہوا کیمرہ۔ اسکے ہاتھ اور جسم باقاعدہ کپکپا رہے تھے، ٹراما کا مارا کھوکھلا جسم یونہی نہیں ٹھیک ہو جاتا۔

وہ اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔ زینیا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ قیس کی نگاہ بھی اس سے ملی۔ کیسی قیامت تھی جس سے وہ دونوں گزر رہے تھے۔ کیسا نقصان تھا جو ان دونوں کا بیک وقت ہوا تھا۔ کیسا درد تھا جس نے ان دونوں کے دل کو پکڑ کر دبا دیا تھا۔ اور کیسی ڈھارس تھی جو آنکھوں کے راستے دل تک اتری۔ قیس قدم قدم چلتا آگے آیا، اور تھکے تھکے انداز میں اسکے قریب بیٹھ گیا۔

''کمبختوں نے میرا کروڑوں کا نقصان کر دیا۔''

اسے لگا تھا زینیا جواباً کوئی کڑوا کسیلا جملہ کہے گی اس پہ طنز کرے گی یا اسکے ساتھ مل کر ان لوگوں کو دو گالیاں دے گی مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ اسکے لب مقفل رہے۔ قیس نے اس سے نگاہیں ہٹائیں اور اپنے گارڈز کو دیکھا۔

''میں نے گاڑیوں کا انتظام کر دیا ہے، مرتضیٰ تم اور لقمان انکے ساتھ جاؤ گے۔ میں کچھ معاملات نمٹا کر آجاؤں گا۔'' تحمل سے کہتے ہوئے اس نے ایک بار پھر زینیا کو دیکھا۔

''تمہارا کیمرہ گاڑی کے اندر تھا وہ جل گیا استعمال کے قابل نہیں رہا۔'' اس نے گہری سانس لی چہرے پہ ندامت سی تھی۔

''یعنی یہ طے ہوا کہ تمھارے کیمرے کے ساتھ جب بھی کچھ برا ہو گا اسکی وجہ قیس کمبیر ہو گا۔'' وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

''اگر تمہاری انا کو ناگوار نہ گزرے تو میں نیا دلوا دوں گا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خاموش بیٹھی زینیا پہ ایک نگاہ ڈالی۔ وہ چپ تھی۔ قیس اس سے کچھ سننا چاہتا تھا۔ وہ اسی کی خاطر بلا وجہ بول رہا تھا۔ اسے کچھ کہنا چاہیے تاکہ قیس کے لیے کو ڈھارس ہو۔

''مجھے کچھ معاملات طے کرنے ہیں۔ تم انکے ساتھ واپس جاؤ گی او کے؟''

''کیسے معاملات؟'' اس نے جیسے چونک کر قیس کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں بے اختیار خوف در آیا تھا۔

''میرے گھر پہ بلا وجہ فائرنگ کر کے خوامخواہ میری غیرت اور مردانگی کو چیلنج دیا گیا ہے اس لیے سوچ رہا ہوں اپنے سسرالیوں کو بتا آؤں کہ عبداللہ زمان واپس آگیا ہے۔'' ٹھوڑی کھجاتے ہوئے لفظ سسرالیوں اسکے لبوں سے بے ساختہ ادا ہوا تھا۔ ورنہ وہ زینیا کے سامنے اپنی کسی منگنی کا تذکرہ مر کر بھی نہ کرتا۔

''تم کیا کرو گے؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زرد رنگت میں کچھ اور بھی گھلا تھا۔

''زیادہ کچھ نہیں، بس شاید ایک اور قتل۔''

''ایک اور مطلب؟'' وہ بہ دقت پوچھ سکی۔ دل کو جیسے دھکا لگا ہو۔ عبداللہ نے گہری سانس لی۔

''چند ماہ قبل کسی ذاتی دشمنی کے چلتے میں نے اپنے ماموں کا قتل کیا تھا،اس لیے یہ لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''اس نے دروازے کے پار اشارہ کیا۔ ''مشتعل ہیں۔ حالانکہ یہ میرا حق تھا۔ اس نے میرے باپ کو مارا میں نے اسے مار دیا۔ مجھے یہی کرنا چاہیے تھا۔ تمھیں پتہ ہے میں نے اسے سولہ سال جینے دیا۔ یہ میرا احسان تھا۔'' وہ کس دیدہ دلیری سے اعتراف کر رہا تھا۔

عبداللہ نے قتل کیا تھا یہ جاننا تکلیف دہ تھا اسکے منہ سے اعتراف سننا یہ نری اذیت تھی۔ وہ اس سے کچھ نہیں چھپا رہا تھا۔ وہ اسکے سامنے وہ سب کھول رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا سیاہ سفید سب سامنے رکھ رہا تھا۔ جو زینیا کے لیے سننا تکلیف دہ تھا سہ جانا محال۔ وہ آج بھی عبداللہ کو سیاہی سے دور دیکھنا چاہتی تھی۔

''اب انکا یہ حملہ میری عزت اور غیرت پہ تھا۔ مجھے معاملات درست کرنے جانا ہوگا۔ سنا تھا لوگ اپنے داماد کی عزت کرتے ہیں میرے سسرال والے آداب ہی بھول گئے ہیں۔''

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ زینیا نہیں سن رہی تھی۔ اسکے کندھے پہ بیٹھی چڑیلوں کا وزن بڑھ گیا تھا اتنا کہ اس نے خود کو زمین بوس ہوتے محسوس کیا۔ پھر دفن ہوتے پھر غائب۔

مصر کا شہر قاہرہ۔

قاہرہ کی رونقیں ہر سال لاکھوں سیاحوں کو اپنی جانب کھینچ لاتی ہیں۔ مصر کے متعلق لوگوں نے بس ایک مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ مصر اپنے اہراموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ پھر ثقافت کیوں نہ ناراض ہو؟ بازاروں کی رونق اور ذائقے دار کھانے کیوں نہ منہ بنائیں؟

شام ڈھلے کا سمے تھا۔ آسمان سے اترتی زوال کی طرف جاتی نارنجی روشنی میں نہاتے، قاہرہ کی ایک مشہور مارکیٹ کی بھیڑ کا حصہ بنتے مہدی کمبیر کے ساتھ چلو تو قاہرہ ایک نئی جھلک دکھائے گا۔

سیاہ رنگ کی بیگی شرٹ کے ساتھ سیاہ ہی پینٹ اور سفید اسنیکر والا مہدی بازار کی رونقوں سے اکتایا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ چلتا اسکا مصری دوست اسکی یہ اکتاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔ بازار کے ایک حصے میں کھانے پینے کے لیے کیفے اور ریستوران بھی تھے۔

وہ انہی میں سے ایک کیفے کے باہر رکھی کرسیوں پہ آکر بیٹھے۔ شوروغل یہاں بھی تھا۔ ملکی اور غیر ملکی سیاح تصاویر اور ویڈیوز بناتے نظر آرہے تھے۔ مصر کی یہ مارکیٹس کسی فلمی سیٹس سے کم نہیں۔

''اور بتاؤ کیسا لگا تمھیں میرا شہر؟'' زرد رنگ کی بتیوں اور قدیم مصری انٹیریر والا کیفے اور اسکی آرائش، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں مرد کسی ہالی وڈ فلم کا حصہ ہیں۔

''ٹھیک ہے، اچھا ہے۔'' مہدی دھیرے سے بولا۔ اسکی آنکھیں موبائل پہ جمی تھیں۔ حسب توقع وہ زینیا حاکم کی واٹس ایپ، فیسبک، انسٹاگرام، ای میل اور ٹویٹر سے بلاک ہو چکا تھا۔ اور وہ اب تک اس انتظار میں ہو گی کہ مہدی اسے منائے۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر منائے کہاں سے؟ کبوتر کے پیر میں خط بھیج کر؟

''میرا شہر دنیا کا پہلا شہر ہو گا جس کی تعریف میں تم نے ٹھیک ہے کہا ہے۔ ورنہ مہدی کمبیر صاحب تم تو شہر کے جغرافیہ سے لے کر حدود اربع، بستی، شہر، کھانے اور لوگ ہر کسی کی تعریف اور تنقید میں کچھ نہ کچھ ضرور کہتے ہو۔'' وہ رنگین نقش و نگار والے کپ میں چمچ چلاتے ہوئے بولا۔ شور بہت زیادہ تھا اس لیے اسے تیز بولنا پڑا۔

مہدی تکان زدہ سا مسکرایا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے میں بس تھک گیا ہوں۔'' جلیل نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ پھر اسکی موبائل پہ حرکت کرتی انگلیوں کو۔ وہ سفر کرتے ہوئے موبائل آن نہیں کیا کرتا تھا۔ اب کچھ مختلف تھا۔

''تمھیں ٹریول تھکا رہا ہے؟'' مصر کے سارے اہرام جیسے جلیل کے سر پہ آکر گرے تھے۔ بازار میں کئی مصریوں نے گردن پھیر کر اسے غضب سے دیکھا تھا۔

''ایسا ہی کچھ ہے۔ مجھے نہیں سمجھ آرہی کیا ہو رہا ہے۔ یہاں کچھ مسنگ ہے۔ مجھے بس گھر جانا ہے۔'' اس نے بے زاری سے موبائل میز پہ ڈال دیا۔

''تمہارا ایک گھر کب سے ہو گیا؟ ساری دنیا تمہارا گھر ہی تو ہے۔ یہ صحرا، پہاڑ، دریا، عمارتیں اسکے علاوہ کونسا گھر ہے تمہارا؟'' وہ کافی پھینٹنا چھوڑ چکا تھا۔

مہدی خاموش رہااور لب کاٹتا رہا۔ اسکے اندر بے چینی اور بے بسی کا ایک سمندر غوطے کھا رہا تھا۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی۔ اور اسکی نگاہ ایک جیولری اسٹال پہ تھم گئی۔ وہاں کئی قسم کی مالائیں، انگوٹھیاں اور ہار تھے۔ عورتیں اور مرد کچھ پہن کر دیکھتے، پھر شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر مسکراتے۔

''دنیا تو دنیا ہے۔ گھر ایک ہوتا ہے۔ جہاں تھک ہار کر، خوشی اور غم میں جایا جائے۔ گھر یہ نہیں ہے۔ گھر الگ ہوتا ہے۔'' وہ اپنی کیفیت کو لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہا تھا۔ ذہن اور آنکھوں کے پردے پہ سنہری آنکھوں کا راج تھا۔ جلیل چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تمھیں محبت تو نہیں ہو گئی؟''

ناخن چباتے ہوئے وہ یکلخت ساکت ہو گیا۔ آس پاس روشنیاں بڑھ گئیں، اسکا دل رک سا گیا تھا۔

''محبت؟'' وہ جیسے بڑبڑایا۔

''کیا کوئی خاص انسان ہے جس کے پاس تم واپس جانا چاہتے ہو؟ کوئی ایسا جو تمھارے لیے ''گھر'' بن چکا ہے؟''

''گھر؟'' اس نے بے دھیانی سے دہرایا۔

''محبت کیسی ہوتی ہے؟'' اس نے کتنی دیر بعد گردن اٹھا کر جلیل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اسکے چہرے پہ الجھن تھی۔ جلیل مسکرایا۔

''محبت انسان کا زاویہ بدل دیتی ہے۔ بدصورت، خوبصورت لگنے لگتا ہے۔ بدزبان، تہذیب یافتہ لگنے لگتا ہے۔ رنگ، نسل، قد، عمر اپنے محبوب کے متعلق ہر خوبی اور خامی کو انسان نئے زاویے سے دیکھنے لگتا ہے۔ بس یہی ہے محبت۔'' اس نے چٹکیوں میں حل نکال لیا تھا۔ ساتھ کچھ میٹھے کی پلیٹ اسکے آگے سرکائی۔

''محبت بڑی خوبصورت ہوتی ہے، مہدی وہ انسان کی ذات میں ٹھہراؤ لے آتی ہے۔ بنجاروں کو گھر مل جاتے ہیں۔ کام کے عادی روبوٹ انسان کام سے ہٹ کر بھی بہت کچھ سوچنے لگتے ہیں۔ سیاح کو دنیا کی خوبصورتی میں کسی انسان کا اضافہ ہوتے دکھتا ہے۔''

''پھر تو محبت بڑی غاصب ہوئی۔ workaholics سے کام کی محبت لے لی۔ ٹریولر سے اسکی دنیا کی محبت لے لی۔'' وہ جھلایا۔

جیولری اسٹال سے نظریں اب بھی نہیں ہٹیں۔اسے عورتوں کی گردن پہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا یہ سب زینیا حاکم کے پاس ہونا چاہیے۔کیا وہ اس اسٹال کو خرید کر لے جائے؟

''لیا کہاں؟محبت نے تو اضافہ کیا۔زندگی کو بیلنس کیا۔ایک ہی چیز،شوق،انسان کے پیچھے بھاگنا جنون ہوتا ہے۔محبت بے حد خوبصورتی سے وہاں ٹھہراؤ لے آئی۔کوئی ایک ایسا انسان لے آئی جس کی خاطر آپ خود کا بھی خیال رکھیں۔جس کی خوشی اور غم آپ کے لیے اور آپ کی خوشی اور غم اسکے لیے اہم ہو۔ہر انسان کی زندگی میں کوئی ایسا انسان ہونا چاہیے۔''

مہدی بلکل چپ ہو گیا۔اسکی تمام تاویلوں کو جیسے کوئی ممتحن ایک نظر دیکھتا اور پھر ردی کی نظر کرتا جاتا۔اور وہ کسی نالائق طالبعلم کی طرح گردن جھکائے ہوئے تھا۔

''تم شادی کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟''جلیل نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"شادی قید ہے۔مجھے لگتا ہے انسان جھک مارلے شادی نہ کرے۔ایک ہی انسان کے ساتھ کوئی ساری زندگی کیسے گزار سکتا ہے؟کوئی ایک انسان آپ کے لیے لندن،پیرس،نیویارک،کراچی،لاہور،استنبول کیسے ہو سکتا ہے؟''وہ لاچارگی سے بولا۔جلیل قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''ہو سکتا ہے مہدی کمبیر کوئی ایک انسان آپ کے لیے اردن،یمن،مصر،لیبیا،ازمیر،یمن،جرمنی سب ہو سکتا ہے۔سب دیکھنے والی نظر کا کمال ہے۔میں نے کہا ناں محبت انسان کے زاویے بدل دیتی ہے۔کوئی ہے جسکے لیے تم اپنے زاویے بدل دیتے ہو؟''

اسے جواب تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔مگر یہ ایسے جواب تھے جو اسے چندپل کے لیے خود سے اور اپنے دل سے جنگ کرنے کے لیے مجبور ضرور کرتے تھے۔

''وہ ویسی لڑکی نہیں ہے جسے کبھی میں نے اپنی بیوی کے طور پہ سوچا ہو۔مجھے نرم گفتار لڑکیاں پسند ہیں اور وہ پھاڑ کھانے کو دوڑتی ہے۔مجھے اداسی میں نرم دلاسے چاہئے ہوتے ہیں اور اسکے بس میں نہیں ہوتا کہ میری تھیراپی تھپڑوں سے کرے۔''وہ مسکرایا،جلیل اسکے ساتھ مسکرایا تھا۔سارا قاہرہ اسکے ساتھ مسکرایا۔

''مجھے تحمل مزاج لڑکیاں پسند ہیں اور غصہ اسکی ناک پہ دھرا رہتا ہے۔مجھے اچھا لگتا ہے لڑکیاں اپنے حصے کی غلطی مان لیں لیکن وہ خود کو عقل کل سمجھتی ہے۔وہ میرا سنگاپور، آسٹریلیا، امریکا، ہندوستان، ترکی نہیں بن سکتی۔''

''کیونکہ وہ تمہارا گھر ہے۔''وہ ترکی باترکی بولا۔مہدی ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

''باقی دنیا میں ہم چند دن کے لیے ٹھہرتے ہیں اسکے flaws کو نظرانداز کرتے ہیں۔گھر میں ہمارا قیام لمبا ہوتا ہے۔اسکی چھت، دیواریں، کمرے، فرش ہر ایک کو ایک حد تک درست کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ رہنے کے قابل بن سکے۔''مہدی دم سادھے اسے سن رہا تھا۔کوئی کیسے اسکے الفاظ کے اندر چھپے بھید کھول سکتا تھا۔

''کیا تم نے اسے یونہی رہنے دیا؟اگر ہاں تو وہ تمہاری محبت نہیں اور اگر تم نے اسے بدلنے کی کوشش کی تو مبارک ہو تمھیں محبت ہو گئی ہے۔ایک سیاح کو''گھر''مل گیا ہے۔''

مہدی کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے۔اس نے موبائل دوبارہ ہاتھوں میں لیا اور بے مقصد سکرین پہ انگلیاں چلانے لگا۔جلیل بھی خاموش رہا۔پھر مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔کافی اور میٹھا چھوڑ وہ بازار کی طرف چل دیا۔جلیل اسکے پیچھے گیا تھا۔

''اسے ناراض کر کے آئے ہو؟''کافی دیر بعد اس نے مدھم لہجے میں پوچھا۔مہدی نے محض سر ہلا دیا۔اور آس پاس دیکھتا رہا۔لاشعوری طور پہ وہ زینیا کے لیے کچھ لینا چاہتا تھا۔اور بے اختیار بازار کی ساری روشنیاں اسکی آنکھوں میں سما گئیں۔

''اسکے پاس جاؤ، مناؤ جا کر۔کال کر لو۔''وہ اسکی سنے بغیر اپنی بائیں طرف بنی شیشے کی چھوٹی سی دکان کی طرف بڑھا۔دکاندار نے عربی میں اسے خوش آمدید کہا۔مہدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس نے دھیرے مالاؤں کے درمیان لٹکتے اس لاکٹ کو دیکھا جس پہ swan bird کا پینڈنٹ تھا۔سلور رنگ کا خوبصورت پینڈنٹ جہاں پرندے کے لاکٹ کے ساتھ ایک ذراسی لمبی چین تھی چین کے اختتام پہ گھونسلہ بنا تھا۔گھونسلہ یعنی گھر۔یعنی سکون یعنی محبت۔

دکاندار فوراً آگے آیا اور لاکٹ اتارنا چاہا مہدی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور خود لاکٹ کو ڈھیر ساری مالاؤں کے درمیان سے آزاد کروایا۔لاکٹ اب اسکی ہتھیلی میں تھا۔وہ طے کر چکا تھا اسکا مالک کون ہو گا۔

جلیل اب اس سے رقم پوچھ رہا تھا۔ جو کہ اس نے تین گنا زیادہ بتائی۔ جلیل بڑبڑاتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالنے لگا جب مہدی نے ڈھیر سارے نوٹ دکاندار کی طرف بڑھائے۔

''یہ بہت زیادہ ہے، مہدی۔۔۔''اس نے لاکٹ کو اپنے والٹ کے اندر رکھا پھر جلیل کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وہ دونوں اب مین روڈ کی طرف آ گئے تھے۔ رات آ گئی تھی قاہرہ جیسے چمک اٹھا تھا۔ لوگوں کا رش بڑھ گیا تھا۔ ریستورانز اور کیفیز کے باہر کرسیاں لگ گئیں تھیں۔ کہیں کسی کیفے اور مہمان خانے سے کسی عربی گیت کی صدائیں یہاں تک آ رہی تھیں۔

''تصویر ہے اسکی؟ دکھاؤ زرا۔''جلیل نے تھوڑی دیر چلتے رہنے کے بعد فرمائش کی۔

مہدی نے گردن پھیر کر اسے سخت ناگواری سے دیکھا۔

'' وہ کوئی شوپیس نہیں ہے۔ اور تمھیں اسے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

''کیوں اسے دیکھنے پہ ٹیکس لگا ہے؟''

''ہاں یہی سمجھو۔''

''کتنا ٹیکس؟ بھر دیتا ہوں۔''

''میرے علاوہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''اسکی ناگواری میں اضافہ ہوا۔ جلیل محظوظ ہوا۔

''کیوں؟ وہ تمہاری ملکیت ہے؟''

''نہیں، اسے دیکھنے کا پرمٹ ہے میرے پاس۔ اسکے تمام جملہ حقوق میرے نام محفوظ ہیں۔''اس نے گہری سانس لی۔ تاروں سے بھرے ہوئے آسمان کو نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

''بیوی ہے وہ میری۔''

آخری بات کہتے ہوئے اسکے لہجے میں کوئی سرشاری تھی۔ جلیل حیران ہوا۔ مہدی کمبیر نے شادی کب کر لی؟ مہدی اب آگے جا رہا تھا۔ اول تو تو منہ کھولے کھڑا رہا پھر وہ متعجب سا حیرت زدہ سا اسکے پیچھے گیا۔

اب تو وہ ایک ایک تفصیل لے کر ہی ہٹے گا۔

''عبداللہ، مت جاؤ پلیز۔''

داخلی دروازے کی طرف بڑھتے قیس کے قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ بے یقینی سے جہاں کا تہاں رہ گیا۔ چلتی فضائیں ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئیں۔

''تم وہاں جاؤ گے مسائل بڑھیں گے۔ تم انہیں مارو گے وہ تمہاری برادری کے لوگوں کو ماریں گے کیا اتنا نقصان کافی نہیں ہے جتنا تم پہلے اٹھا چکے ہو؟'' اسکا لہجہ گلوگیر ہوا۔ اسکے چہرے پہ تفکر کے سائے تھے۔ وہ عبداللہ کی پشت کی طرف کھڑی تھی۔

وہ مڑا۔ حویلی کے احاطے میں نقش و نگار والے دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی زینیا حاکم کی آنکھوں میں نمی تھی۔ قیس کا دل پسیجا۔ درمیان زمینی فاصلہ تھا وہ اسکے دل تک رسائی حاصل کر چکی تھی۔

''تمھیں میری فکر ہے؟'' وہ سینے پہ انگلی رکھے غیر یقینی سے پوچھ رہا تھا۔ اسکے باپ کے مرنے کے بعد کسی نے اسکی فکر نہیں کی تھی۔

''اگر میں کہوں ہاں تو؟'' وہ جھوٹ بول سکتی تھی، وہ باتوں کو گھما سکتی تھی مگر وہ عبداللہ کو اپنے خاندان کے ایک اور مرد کا قتل کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی اور بدلے میں، میں نے تم سے معاہدہ کیا۔'' وہ زینے اتر کر نیچے آئی۔ قیس کے عین سامنے۔

''آج میں تمہیں معافی دوں گی اگر بدلے میں تم مجھے وعدہ دو۔''

''بزدلی کا وعدہ؟'' وہ جیسے استہزائیہ ہنسا ہو۔

''صلح کا وعدہ۔ اس وقت تم اپنا مالی نقصان کروا چکے ہو۔ اس وقت تم ہمارا نقصان کروا چکے ہو۔ قیسم کا نقصان کروا چکے ہو۔ کئی بار صلح بہترین آپشن ہوتی ہے۔''

قیس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ وہ اگر اسکے چہرے پہ کچھ کھوج رہا تھا تو اسے ناکامی ہوئی۔ وہ ڈری ہوئی بھی تھی۔ متفکر بھی، اور کوئی ایک اور تاثر بھی تھا جسے وہ نام نہیں دے سکا۔ وہ چھجے تلے اندھیرے میں تھی، قیس روشنی میں۔

''یہ مشورہ مجھے میری پرسنل ایڈوائزر دے رہی ہے؟''

''یہ مشورہ تمھیں وہ عورت دے رہی ہے جسے آج تم نے اپنی زندگی کے تاریک پہلوؤں سے متعارف کروایا ہے۔''

''اور وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟'' روشنی میں کھڑے مرد نے سوال کیا۔

''کیوں کوئی مرد مجھے اپنے قتل اور خاندانی دشمنی کے قصے سنا رہا تھا؟''

''وہ ایک بھید ہے وقت آنے پہ کھلے گا۔''

''جواب تو تم دے چکے ہو۔'' زینیا متانت سے بولی۔

پھر وہ چھجے تلے نکل کر اسکے سامنے آئی۔ اب دونوں روشنی میں تھے۔ زرد روشنی۔ عبداللہ کی حویلی اور پورے قد کے ساتھ اسکے سامنے کھڑا عبداللہ زمان۔ یہی تو اسکا خواب تھا، یہی دعا ہے ناں؟

کئی سال اس نے یہ منظر خواب میں دیکھا تھا۔ آج وہ خواب حقیقت تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسکے گھنگریالے بالوں کو چھو کر محسوس کر سکتی تھی۔ اسکے ساتھ کھڑے ہو کر اسکا اونچا قد فخر سے دیکھ سکتی تھی۔ زینوں پہ بیٹھ کر تاروں کو تکتے ہوئے اسکے ساتھ چائے پی سکتی تھی۔

اپنی خوبصورتی کی تعریف سن سکتی تھی۔ اور اسے چند الفاظ کہہ کر سرخرو کر سکتی تھی۔ مگر آج اسکے دل میں یہ خواہشیں نہیں اٹھی تھیں۔ آج عبداللہ اپنی وقعت کھو چکا تھا۔ آج آس پاس جنگ چھڑی تھی۔ عبداللہ اور اسکا ساتھ سکون کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

''تم مجھے کمزور کر رہی ہو۔'' اس نے زینیا کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

''میں تمھیں طاقت کے اصل معنی بتارہی ہوں۔اس وقت تم وہاں جاؤگے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔اپنے قاصد بھیجواوران سے کہو کہ تمھیں عزت کا بدلا دیں۔وہ تم سے خوف کھائیں گے، عبداللہ۔اس وقت وہ بے وقوفی کرچکے ہیں اور تمھارے اندر پلتا برسوں کالاواتم سے بھی بے وقوفی کروارہاہے۔تم مت کرو۔''

''میرے بابا کہتے تھے عورت کی عقل اسکی ایڑھی میں ہوتی ہے۔بابا کی مانوں یا تمہاری۔''

''تمھیں کیا لگتا ہے؟''وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔اسکی اونچی گردن اسکی ساحر آنکھیں۔قیس نے نگاہیں چرائیں۔آج اس نے اعتراف کیا کوئی زینیا حاکم سے ملے اور اسکا اسیر نہ ہو یا تو اسکے پاس دل نہیں یا پھر کمبخت بکتا ہے۔

''تمھیں کیا لگتا ہے، قیس، کیا میری عقل ایڑھیوں میں ہے؟''

''اس وقت میری حویلی کی بیٹھک میں میری برادری کے کئی مرد بیٹھے ہیں۔انکے ہاتھوں میں اسلحہ ہے اور میں جاکر یہ کہہ آؤں کہ کہ کوئی جنگ نہیں ہوگی؟کیونکہ قیس کمبیر ایک عورت کی بات مان کر آیا ہے؟عورتوں کے نام پہ ہمیشہ جنگیں ہوئیں ہیں۔

تم پہلی عورت ہوگی جو جنگ رکوائے گی۔کیوں تاریخ کو بدلنا چاہتی ہو؟''وہ جیسے افسوس سے کہہ رہا ہو۔سچ یہ تھا کہ وہ یونہی ٹکاسا انکار اسے نہیں تھما سکتا تھا۔پسندیدہ عورت کو مرد کی طرف سے بڑے پروٹوکول حاصل ہوتے ہیں۔

''تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی،اور میں بدلے میں معاہدہ کررہی ہوں۔''

''تم سے معافیاں مانگنے اور منانے کو ابھی زندگی پڑی ہے۔مجھے یہ کام نمٹا کر آنے دو۔''وہ اسے پچکار رہا تھا۔پھر زینیا نے اسے پلٹتے دیکھا۔وہ اندر حویلی میں جارہا تھا۔اسی لمحے زینیا کے موبائل میں کئی پیغام ایک ساتھ آن وارد ہوئے۔ٹوں ٹوں ٹوں۔۔۔آوازیں ناگواری کی حدود کو پار کرتے ہوئے اس کے سر پہ ہتھوڑے کی مانند برسنے لگیں۔

اس نے ہاتھ میں لیا موبائل اونچا کیا اسکے واٹس ایپ پہ ڈھیر سارے میسجز تھے۔نمبر غیر شناسا۔غیر ارادی طور پہ اس نے میسج کھولا وہ کسی مسخ شدہ لاش کی تصاویر تھیں۔ایک ادھ جلی گاڑی کی نمبر پلیٹ تھی اور کسی آدمی کے والٹ سے برامد ہونے والی کچھ چیزیں بھی تھیں۔

اسکے سامان میں اسکا موبائل بھی تھا جس کی سکرین روشن تھی۔ تاریخ، ماہ، اور مالک کی اپنی تصویر۔ زینیا نے وہ تصویر دیکھی اور وہ سانس نہیں لے سکی۔ اگلی تصاویر میں ڈھیر سارے ثبوت تھے۔

جو ثابت کرتے تھے بالاج یوسف میر قریباً ساڑھے سات ماہ قبل ایک حادثے میں مر گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کس احساس کے تحت مگر اسکے قدموں سے جان رفتہ رفتہ نکلنے لگی۔

چہرے سے خون نچڑ گیا اور وہ اس تیزی سے سفید پڑا کہ کوئی حد نہ تھی۔ اسکے لب ہلکے سے وا رہ گئے اور آنکھیں وہ پہلے نم ہوئیں، پھر بھل بھل بہنے لگیں۔ وہ جانتی تھی یہ سچ ہے یہ سچ ہی ہو گا ورنہ کوئی اتنے ماہ منظر سے غائب نہیں رہتا۔ کوئی اتنے ماہ اپنے انتقام کو بھولتا نہیں کوئی بلیک میلر ایکس اتنے ماہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔

وہ فون کان سے لگائے ایک ہاتھ میں پسٹل لیے جب باہر نکل کر آیا تو لمحے کے ہزارویں حصے میں اسکے سر سے آسمان غائب ہوا۔۔ زینیا حاکم احاطے کے فرش پہ بیٹھی تھی۔ موبائل چھوٹ کر اسکے ہاتھ سے گر گیا تھا اور اسکی آنکھیں، اسکی آنکھیں ان میں آنسو تھے۔ ایک نظر اس فرش بوس موبائل کو دیکھتے ہی قیس سمجھ گیا تھا کیا ہوا ہو گا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔

یہ تمام تصاویر بھیجنے کو اس نے ہی کہا تھا اسکا خیال تھا کہ جب وہ زینیا کو اپنے اور اپنے خاندان کے متعلق کچھ باتیں بتائے گا تب یقیناً ہضم کرنا اسکے لیے مشکل ثابت ہو گا۔ اور انہی کچھ گھنٹوں میں وہ اسے بالاج کی موت کے بارے میں بتا دے گا۔

اپنے شوہر کی موت کا سن کر اس پہ جو کیفیت طاری ہو گی وہ یقیناً قابل ترس ہو گی اور اسکے اسی کمزور لمحے میں وہ اسے سہارا دے سکتا تھا۔ عورت بھول جاتی ہے مرد نے اسے کونسی خوشی کب دی۔ مگر عورت یہ یاد رکھتی ہے کس غم میں مرد نے اسے کیا تسلی دی، کیسے اسکے آنسو پونچھے اور کیسے اسے سینے سے لگایا۔ وہ زینیا حاکم کی زندگی کا وہ مرد بننا چاہتا تھا جو کمزور لمحوں کا مضبوط سہارا ہو۔ جیسے وہ اپنے سارے خاندان کا سہارا تھا۔

"زینیا۔۔ کیا ہوا تم ٹھیک ہو؟" وہ پنجوں کے بل اسکے پاس بیٹھا۔ چہرے کی فکرمندی اصل تھی۔

"پلیز اٹھو یہاں سے۔ سب دیکھ رہے ہیں۔"

’’بالاج مر کیسے سکتا ہے؟اوہ خدایا؟اللہ وہ مر کیسے سکتا ہے؟‘‘ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رونے لگی تھی۔اسکے رونے کی آواز سن ملازمین جو کہ ہال میں تھے نکل نکل کر باہر آنے لگے تھے۔اسے اس وقت کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔یہ ناقابل یقین تھا۔اتنے ماہ اس نے انتظار کیا تھا وہ اپنے ماں، بہن بھائیوں کے لیے لوٹ آئے۔

’’میں نے یہ نہیں چاہا تھا۔میں۔۔میں نے یہ نہیں چاہا تھا۔وہ مر نہیں سکتا۔‘‘ قیس لب بھینچے اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔وہ اسکے سامنے دوسری دفع کسی مرد کے لیے رو رہی تھی اور وہ بے بس پہلی دفع جتنا تھا۔

’’یہ طے تھا، زینیا یہ ہونا تھا۔سنبھالو خود کو۔‘‘ وہ اسکے قریب بیٹھا مدھم لہجے میں بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا۔

’’میں تمہاری تکلیف سمجھ سکتا ہوں لیکن ہم کچھ فیصلوں کے آگے بے بس ہوتے ہیں۔‘‘

وہ اسے نہیں سن رہی تھی اسے نہیں سننا تھا۔وہ بس رو رہی تھی۔کیونکہ بالاج صرف اسکا سابقہ شوہر نہیں رہا تھا وہ اسکے ابا کا فیورٹ بھتیجا تھا۔وہ اپنے خاندان کا کماؤ پوت تھا۔بہنوں کا سہارا اور بھائیوں کا رول ماڈل تھا۔وہ مرنے والا ایک پورے خاندان کو چلاتا تھا۔قیس کا موبائل بج رہا تھا اسکا انتظار کرتے ہوئے لوگ شاید کوفت کا شکار ہونے لگے تھے۔ایک جنگ تھی جو اسکے سامنے چھڑی ہوئی تھی اور ایک طرف محبت تھی جو تکلیف میں تھی۔چناؤ مشکل تھا۔مگر محبت تو مشکلیں ساتھ لاتی ہی ہے۔

گہری سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔موبائل کان سے لگایا۔اور دوسری طرف کچھ کہا۔بھاڑ میں گئے مسائل جھگڑے اور خون ریزی وہ اپنی پسندیدہ عورت کو روتے ہوئے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔غیرت پہ حرف آتا ہے تو آتا رہے، خاندان والے جرات پہ سوال اٹھاتے ہیں تو اٹھاتے رہیں اسکے لیے زینیا حاکم سے زیادہ ضروری کچھ نہیں تھا۔جنگ رک گئی صلح کے پرچم بلند ہوئے یا نہیں مگر وہ گھٹنوں کے بل اس عورت کے آگے بیٹھ بیٹھ چکا تھا۔اسکے آنسوؤں کے آگے وہ ہار چکا تھا۔وہ روتے ہوئے بہت کچھ کہہ رہی تھی قیس سنتا رہا۔وہ اب اسے سہارا دے کر اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ بعد وہ حویلی کی چھت پہ رکھے لکڑی کے تخت پہ بیٹھی تھی۔پورے چند کی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔گیلا چہرہ، سرخ آنکھیں اور زکام زدہ ناک۔وہ مجسم سوگ تھی۔اسکے ساتھ زارا ڈار بیٹھی ہوئی تھی۔وہ مغرور ڈیزائنر آج پہلی بار زینیا کو

اس طرح ٹوٹا بکھرا دیکھ رہی تھی۔ وہ تو تب بھی نہیں روئی تھی جب قیس نے اسے چار لوگوں کے درمیان چوری کا الزام لگا کر قیسم سے برخاست کیا تھا۔ بے حد آہستگی سے اس نے زینیا کی پیٹھ تھپکی۔

کئی لمحے بعد قدموں کی چاپ پہ زارا نے مڑ کر دیکھا قیس کمبیر اسی طرف آرہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی نیچے گیا تھا ملازمین کو گاڑیوں میں بیٹھایا، اور گارڈز کی معیت میں انہیں اسلام آباد کے لیے روانہ کر دیا۔ زارا اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کر اسکے قریب آئی۔

''اسکی حالت تو بہت خراب ہے سر، اسکی فیملی کو انفارم کریں؟'' اسکا لہجہ دھیما تھا۔

''وہ خود کال کرلے گی، فلحال ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔ تم نیچے انتظار کرو میں اسے لے کر آتا ہوں۔'' زارا سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو قیس شاید یوں خود کو ظاہر نہ کرتا مگر اب وہ کوئی پردہ نہیں رکھ رہا تھا۔ زینیا اور اسکے متعلق اگر لوگ مفروضے قائم کر رہے تھے تو وہ بہت جلد انہیں حقیقت کا روپ دینے والا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے آیا اور اس سے ذرا فاصلے پہ آکر بیٹھا۔ آخری بار وہ اس جگہ پہ اپنے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جب زمان اسکے کندھے پہ سر رکھے ہوئے کئی باتیں کہہ گئے تھے۔ اس رات کے بعد سے سب بدل گیا تھا۔ سب نئے سرے سے یاد آنے لگا۔ اس نے سر جھٹکا۔

''میں اٹھارہ سال کا تھا جب میرے بابا کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ مجھے لگتا تھا یہ صرف غم ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ صرف غم نہیں تھا۔ میں ذمہ داریوں سے بھی بھاگ رہا تھا۔'' وہ اسکے نیم رخ کو دیکھتے ہلکی آواز میں کہنے لگا۔

''میں آرٹسٹ ضرور تھا لیکن میرا آرٹ کرنے کا طریقہ مختلف تھا۔ انسپریشن مجھے ہمیشہ کسی سفر سے ملتی تھی۔ میرے خاندان میں بہت کم لوگوں کو علم ہے ٹریول میرا شوق تھا جسے اب میرا بھائی جی رہا ہے۔ میں گھر کی ذمہ داریوں میں پڑ کر ٹریول سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن زندگی ہماری نہیں سنتی۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔'' خاموشی میں زینیا کی سسکیاں تھیں جو ارتعاش پیدا کرتی تھیں۔

''چیزیں مینیج کرنا، غم پراسیس کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن ایک وقت آتا ہے جب مان لینا ہوتا ہے کہ جانے والے اب واپس نہیں آئیں گے۔ یہ قبولیت جتنی جلدی آجائے اتنا اچھا ہوتا ہے۔ میں نے قبول کرلیا۔ پھر میرے خواب کوئی اور جینے لگا۔ مرے شوق

بدل گئے، ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ زندگی پلٹ کر رہ گئی۔ جو ملا میں نے اس پہ قناعت کرنا سیکھ لیا۔ لیکن جانے والے واپس نہیں آئے۔ جانے والے نہیں آتے، زینیا۔" آخری بات جیسے تنبیہہ تھی۔

وہ بغیر کچھ کہے اگلے کئی منٹ روتی رہی تھی۔ یہ بالاج کی موت کا غم نہیں تھا یہ خسارہ تھا جو اسکے عزیزوں کا ہوا تھا۔ یہ بے یقینی تھی اور یہ عبداللہ تھا، اسکی واپسی تھی جو اسے بے تحاشا رلا رہی تھی۔ وہ اسکے پہلو میں بیٹھا تھا اسکا سب سے بڑا خواب سچا ہو گیا تھا مگر وہ بدل گئی تھی۔ اسکا دل پلٹ گیا تھا۔ وہ اس سے محو کلام تھا۔ پھر وہ شکر گزار کیوں نہیں تھی؟

قیس نے کچھ کہے بغیر جیب سے چند ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے وہ تھام چکی تھی۔ چہرہ اور آنکھیں خشک کر کے اس نے ٹشو واپس تخت پہ رکھے۔ قیس نے پانی کی بوتل اسکی طرف بڑھائی اس نے بلا تردد تھام لی اور لبوں سے لگائی۔ اسے ضرورت تھی۔

"باہر لوگ ہیں اب تک؟" متورم آنکھیں اٹھا کر اس نے قیس سے سوال کیا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"چہرہ صاف کرنا ہے؟" وہ شاید بھانپ گیا تھا۔ پانی کی دوسری بوتل اٹھا کر اسکا ڈھکن کھول کر اس نے بوتل زینیا کی طرف بڑھائی۔ وہ اب بوتل سے ہتھیلی میں پانی بھر کر چہرے پہ چھینٹے مار رہی تھی۔ آنسوؤں کے نشان غائب ہو گئے۔ سفید چاندنی میں اسکا دمکتا چہرہ سوگوار لگتا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔

"مجھے واپس اسلام آباد جانا ہے۔" وہ تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آواز بھاری تھی۔ قیس کو دیکھنے سے وہ کترا رہی تھی۔

"کیا ہم ابھی نکل سکتے ہیں؟"

"تمھیں تمھارے شہر چھوڑ دوں؟ یہاں سے زیادہ فاصلہ نہیں ہو گا۔" وہ اسکے ساتھ کھڑا ہوا نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے کھولیں کیا کیا تھا جو درمیان حائل تھا۔ کیا کیا تھا جو محض جھوٹ تھا۔ وہ کیا بتاتی کہاں سے بتاتی، ان دونوں کے درمیان جھوٹ کی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ سر جھٹک کر اس نے ہلکی آواز میں بس اتنا کہا۔

"مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو۔ ورنہ تم سے لگی امیدیں ہمیشہ ٹوٹی ہیں۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ قیس چند لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''حالانکہ میں نے اپنی طرف سے انہیں جوڑے رکھنے کی سعی کی ہے۔'' وہ بے آواز بڑبڑایا۔

''مصر کا شہر، دہب۔''

دہب سمندر کے سہانے مناظر کے لیے بے حد مشہور ہے۔اس کے علاوہ کئی میوزیم، پارکس اور سیاحتی مقام ایسے ہیں جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ یہ دہب کے ایک انتہائی خوبصورت اور مہنگے ہوٹل کے بینکوئٹ کا منظر ہے۔ جہاں کئی ملکی اور غیر ملکی شخصیات اسٹیج پہ کھڑے اس شخص کے الفاظ کے منتظر تھے۔ ہوٹل کا انٹیریئر سفید اور سبز رنگ کے نقش و نگار کا مکسچر تھا۔ہال میں اب اندھیرا ہو گیا تھا۔ واحد روشنی وہ تھی جو اسٹیج پہ کھڑے شخص پہ پڑتی تھی۔

سفید گول گلے والی شرٹ کے اوپر ہلکے بھورے رنگ کا بلیزر پہنے سفید ہی رنگ کی کارگو پینٹ میں ملبوس وہ سنجیدہ چہرے والا پبلک سپیکر لوگوں کے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

ہاتھ میں مائیک لیے لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔ لوگ اسکے ساتھ مسکرائے۔ وہ ہنس پڑا تو لوگ اسکے ساتھ ہنسے۔ بلاوجہ، بے اختیار۔

''آپ سب اتنے سیریئس بیٹھے تھے مجھے لگا جیسے میں کوئی دہشت گرد ہوں۔'' وہ مائیک چہرے کے قریب لاتے ہوئے بولا۔ لوگ ہنس پڑے۔

''ایزی رہیں بھئی ورنہ مجھے لگے گا میں کوئی توپ چیز ہوں اور میں آسمان پہ چڑھ کر بیٹھ جاؤں گا۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا اسکے عقب میں لگی سکرین پہ عربی ترجمہ تھا۔

وہ اسٹیج پہ چلتے ہوئے آگے آیا۔ پھر کنارے پہ ایک ٹانگ لٹکائے، دوسری موڑ کر بیٹھ گیا۔ ریلکس اور کمفرٹیبل سا۔

''ویسے تو میں اپنے بھائی کا کوئی خاص فیورٹ نہیں ہوں۔ میری شکل دیکھتے ہی اسکی شکل پہ بارہ بج جاتے ہیں لیکن وہ میرے ساتھ فلمیں دیکھنا بہت پسند کرتا ہے۔ حلانکہ وہ خود ایک ویب سیریز ہے۔ وہ بھی ناکام۔''لوگوں کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ مہدی کہہ رہا تھا۔

''اسے میری تجویز کردہ فلمیں بہت پسند ہیں۔ کچھ وقت پہلے ہم نے ایک فلم دیکھی تھی۔ اس میں ایک آدمی ہوتا ہے جسے ہر وقت اپنے کندھوں پہ بوجھ سا محسوس ہوتا رہتا ہے۔ اسکے کندھوں میں بے تحاشا درد رہنے لگتا ہے۔ آدمی بے حد پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ دوائیاں کھاتا ہے درجنوں ڈاکٹرز کو دکھاتا ہے لیکن بے سود۔ اسکے کندھوں کا درد بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ بے چینی اور اضطراب اسکی زندگی میں بہت ساری پریشانیاں لے آتا ہے۔''لوگ منہمک سے سن رہے تھے۔ شیشے کے گلاس ٹکرانے کی آواز ماحول میں واحد ارتعاش تھا۔

''آدمی اس درد سے بہت بے زار ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ صرف اسے نظر آرہا ہوتا ہے اسے محسوس ہوتا ہے کسی اور کو نہیں۔ ایسا درد انسان کے اندر بے بسی اور بے چینی بھر دیتا ہے وہ آدمی بھی انہی کیفیات کا شکار رہا۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں کچھ کام کر رہا تھا یکدم اسکی نگاہ آئینے پہ پڑی اور جو اس نے دیکھا وہ اسکی سانسیں روک گیا۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔

''اسکے کندھوں پہ ایک چڑیل بیٹھی تھی۔'' ہال میں بیٹھے تمام افراد نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔ مہدی مسکرایا۔

''آپ سوچتے ہوں گے چڑیل؟ واٹ نان سینس یہ مہدی کمبیر کس لائن میں چلا گیا ہے؟ لیکن میں آپ کو ایک سچ بتاؤں؟ ہر انسان کے کندھے پہ چڑیل بیٹھی ہے۔ ہر اس انسان کے کندھے پہ جس نے بچپن یا جوانی میں کچھ برا تجربہ دیکھا ہو۔ اور سب سے گھٹیا تجربہ ہے **"چائلڈ ابیوز"**۔'' مہدی کمبیر نے محسوس کیا کہ ہال میں کئی لوگوں کی رنگت بیک وقت پھیکی پڑی تھی۔

''جن بچوں نے بچپن میں bad touch یا زیادتی برداشت کی ہو وہ اس ٹراما کو کبھی بھول نہیں پاتے۔ انکے کندھوں پہ بیٹھی چڑیل ساری زندگی اپنے پنجے گڑائے وہیں بیٹھی رہتی ہے۔ ڈراؤنی، خوف زدہ کر دینے والی اور شرم دلانے والی۔''اسکی آنکھوں میں کچھ تھا کوئی ہرٹ ہونے جیسا۔

"ایک بے بسی ہوتی ہے ایک غصہ، ایک شرم کوئی کیسے ہمیں، ہمارے جسم کو چھو سکتا ہے۔ کوئی اپنی گندی اور غلیظ نگاہیں کیسے ہم پہ ٹکا کر رکھ سکتا ہے۔ اور ہم نے کچھ کیا کیوں نہیں؟

یہ سوچ اس بچے کو بڑے ہو جانے کے بعد بھی آتی رہتی ہے۔ کچھ بچے اس وقت سے آگے بڑھ آتے ہیں بھیڑ کا حصہ بن جاتے ہیں مگر کچھ بچے کبھی آگے نہیں بڑھ پاتے۔ وہ اپنی زندگی کے اسی تاریک حصے میں رہ رہے ہوتے ہیں جہاں کسی کو انکے جسم پہ دسترس حاصل تھی۔ کیوں تھی؟ یہ سوال انسان بھول نہیں پاتا۔"

ہال میں پن ڈراپ سائلنس تھا۔ کئی لوگ بے چین ہوئے تھے۔ کئیوں نے ٹانگیں اضطرابی کیفیت میں جھلائیں، کئی ایک کے ہاتھ انکی گردن اور سینے تک گئے۔ وہ چڑیل اور اسکا غلیظ لمس انسان کبھی بھول نہیں پاتا۔ مہدی اب اسٹیج پہ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کون کون نظریں چرا رہا ہے اس نے چرانے دیں۔

"اس وقت دنیا میں جو جو لوگ مجھے سن اور دیکھ رہے ہیں۔ جس جس نے کئی سالوں سے کسی ایسی چڑیل کو اپنے کندھوں پہ بیٹھا رکھا ہے جو انہیں ڈراتی رہی ہے۔ اسے آج کھینچ کر اتار کر پھینک دیں۔ آپ پاک ہیں۔ آپ کورے اور صاف ہیں۔ اس غلیظ چڑیل کی آپ کے کندھوں پہ کوئی جگہ نہیں ہے۔

جو کچھ بھی اس وقت ہوا جیسے بھی ہوا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ آپ صرف اور صرف ایک بچے تھے۔ غلیظ وہ تھا جس نے آپ کو چھوا۔ ڈراؤنا وہ تھا جس کا لمس برا تھا۔"

"تو پھر کس کا قصور تھا؟" مجمعے سے کوئی ترش آواز بلند ہوئی۔ کوئی تھا جس کے زخم اب بھی تازہ تھے۔

"اس انسان کا جس نے آپ کو چھوا۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ قصور اس بچے کے والدین کا تھا۔ قصور بچے کے گارجین کا تھا۔ اگر بچے کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے تو بچہ پیدا کیوں کیا؟" آواز گیلی اور بھاری تھی۔ مہدی اس اور نہیں دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ بس اسٹیج کے فرش کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن پہ بات کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

"قصور اس بچے کے والدین کا نہیں تھا۔" اس نے دھیمی آواز میں ٹوکا۔

''قصور تھا معاشرے کے سٹینڈرڈز کا۔ وہ سٹینڈرڈز جن کے تحت ہم نے اپنے بچوں کو **"ایسی بات نہیں کرتے"** کہنا سکھادیا۔ قصور اس سوچ کا ہے جو ہم نے اپنے بچوں کو تھمائی جب ہم نے انکے سامنے بیٹھ کر وکٹم بلیمنگ کی۔ قصور ہے lack of communications کا۔

اپنے بچے کی پڑھائی لکھائی، کھانا پینا، سونا، گھمانا ہر شے کا خیال رکھ لیا ناں؟ کبھی اس کو بیٹھا کر یہ پوچھا کہ آج اس نے دن میں کیا کیا؟ اسے اس دنیا میں کونسا انسان اچھا لگتا ہے اور کونسا برا؟ اچھا کیوں اچھا لگتا ہے اور برا کیوں برا لگتا ہے؟ بچے شفاف دل کے مالک ہوتے ہیں سچ انکے منہ سے نکل ہی آتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی بچہ سچ کہہ دے تب ہمارا معاشرہ اسے چپ کروانے کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے کیونکہ بے عزتی ہوگی۔ کس بات کی بے عزتی یار؟ کون ہیں یہ انسان کیا اختیار ہیں انکے کون ہے جو ان کے درمیان آپ کو عزت اور ذلت دے سکتا ہے؟ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں پھر کیوں اپنے بچے کی ساری زندگی جھونک دی آپ نے؟'' وہ بولتے بولتے رکا۔ اسپاٹ لائٹس کی روشنی میں اسکے چہرے پہ تاسف صاف نظر آرہا تھا۔

''بچے اداکار نہیں ہوتے۔ اگر وہ پریشان ہیں تو ان سے پوچھیں کیوں ہیں وہ نہیں بتا رہا ہے تو رات میں انہیں اپنے پاس سلائیں انکے سامنے تین سے چار کہانیاں رکھیں اور دیکھیں بچے کا رنگ کس کہانی پہ اڑ جاتا ہے۔

کسی دن جب وہ اپنے خیال میں ہو اسے چھو کر دیکھیں اگر وہ بری طرح خوفزدہ ہو تب آپ کو علم ہو جانا چاہیے وہ کس صورتحال سے گزر رہا ہے۔ وہ اسکول نہیں جا رہا تو اس سے وجہ پوچھیں۔ وہ بلاوجہ روتا اور اداس رہتا ہے تو اس سے وجہ پوچھیں۔ وہ کسی انسان کی قربت سے گھبرا رہا ہے تو غور کریں۔ یہ آپ کا فرض ہے۔ یہ اس بچے کا حق ہے۔

نو ماہ تک جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تب ساس، شوہر، ماں، خاندان کا ہر دوسرا انسان، دوست سب کے منہ میں ایک ہی بات ہوتی ہے۔ فلاں کام نہ کرنا بچے پہ اثر پڑے گا۔ یہ نہ کھانا بچے کے ساتھ یہ ہو جائے گا۔ نو ماہ اسے انتہائی نگہداشت میں رکھنے کے بعد جب وہ دنیا میں آتا ہے تب آپ اسکی فکر کرنا کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ کیا تب وہ آپ کی اولاد نہیں رہتا؟ تب اسکے لیے ہر خوف کیوں ختم ہو جاتا ہے؟''

روشنی کا دائرہ اسکے ساتھ سفر کر رہا تھا۔لوگ اسکے الفاظ کے رعب سے مرعوب ہوتے چلے گئے۔سبز آنکھوں والا مرد اب بھی اپنی بات سمجھا رہا تھا۔

"کسی انسان کو یہ حق مت دیں کہ وہ محفل میں بیٹھ کر آپ کے بچے کی تعلیم ،رنگ ،قد یا ذہانت پہ بات کرے۔آپ بچے کو موضوع محفل بناتے ہیں اور یہیں سے بچہ اعتماد کھوتا چلا جاتا ہے۔وہ آپ کی نظر میں پرفیکٹ بننا چاہتا ہے۔اپنے بچے کو pretend کرنا شروع سے صرف آپ نے سکھایا ہوتا ہے۔پرفیکٹ بناتے بناتے کب آپ اسے اندھیرے میں ڈال دیتے ہیں کسی پیرنٹ اور گارجین کو علم ہی نہیں ہو پاتا۔بچے سے اگر چھوٹی چھوٹی باتیں نہیں کریں گے تو وہ آپ سے بڑی بڑی باتیں بھی چھپائے گا۔باپ کا ساتھ اور ماں کی گود بچے کے لیے محفوظ پناہ گاہ ہوتی ہے خدارا اپنے بچوں کو وقت سے پہلے خود سے دور نہ کریں۔" چلتے چلتے وہ اسٹول کے پاس آیا اور اس پہ بیٹھ گیا۔ایک لمحے کے لیے بھی اس نے آنکھیں ان لوگوں سے نہیں ہٹائیں جو اسے سننے کے لیے وہاں موجود تھے۔

"چائلڈ ابیوز ایک حساس چیز ہے۔اس سے گزرنے والے بچے اپنی زندگی میں جو سب سے پہلی چیز کھوتے ہیں وہ اعتماد ہوتا ہے۔دوسری چیز خود شناسائی اور تیسری چیز اپنی قدر۔

اور جو انہیں ملتا ہے وہ گلٹ ہوتا ہے۔شرم ہوتی ہے۔اپنے ماں باپ ،گارجین سے اختلاف ہوتا ہے۔وہ ایک لمبا عرصہ کسی پہ یقین نہیں کر پاتے۔کیونکہ ابیوزر اسی فیصد بچے کا قریبی شخص ہوتا ہے۔اسٹیج پہ جاتے وقت وہ لوگوں کی نظروں سے گھبراتا رہتا ہے۔کسی نئی جگہ وہ ان کمفرٹیبل رہتا ہے۔یہ وہ بچہ نہیں رہتا جسے نو ماہ ایک وی آئی پی پروٹوکول ملا ہوتا ہے اور یہی بے اعتنائی اسے وقت سے پہلے آدم بیزار ،اور ایک مشکل انسان بنا دیتی ہے۔آپ کو لگتا ہے بس اتنا ہی؟ لیکن اصل نقصان یہیں سے شروع ہوتا ہے۔"

مہدی نے سر نفی میں ہلایا کسی نے آکر اسے پانی کی بوتل تھمائی وہ شکریہ کے ساتھ تھام چکا تھا۔مگر کھولا نہیں۔

"ایک vulnerable بچہ بڑے ہو کر ہر تعلق کو ویسا بنائے گا جیسا وہ خود ہے۔" اسے دیکھنے اور سننے والے کئی لوگوں کی آنکھوں میں کرچیاں ابھری ہوں گی۔

''وہ ہر تعلق ہر رشتے کو برباد کرے گا۔ کیونکہ وہ ہیل نہیں ہوا۔ کیونکہ اسکا خیال نہیں رکھا گیا اس لیے یا تو وہ بہت زیادہ خیال رکھے گا یا پھر وہ اپنے سے جڑے تعلق کا بلکل کوئی خیال نہیں رکھے گا۔ اور دنیا سے اگر بیلنس ختم ہو جائے گا تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔'' مہدی نے گہری سانس لی۔ یہ گفتگو اسکا دل تھکا رہی تھی۔

''وہ غلطیاں مت دہرائیں جو آپ کے والدین سے ہوئیں۔ اس باب کو کھرچ کر پھینکیں جس نے آپ سے آپ کی زندگی کے کئی قیمتی سال لے لیے۔ زندگی آپ کو ہر دن نئے مواقع دیتی ہے ہر چڑھتا سورج آپ کو بتاتا ہے کہ ابھی وقت ہے۔ ابھی آپ کی کہانی ختم نہیں ہوئی۔ جو اپنے لیے نہیں achieve کر سکے وہ اپنے سے جڑے لوگوں کے لیے کریں۔''

ہال میں تالیاں پٹی گئیں۔ کئی زخمی دلوں پہ اسکے الفاظ مرہم بن کر لگے تھے۔ آج وہ تقریر دیتے وقت صرف لوگوں کے لیے نہیں بولا تھا آج کے بعد وہ اپنی زندگی میں اپنے کندھے پہ بیٹھی چڑیلیں بھی بالوں سے گھسیٹ کر اتار پھینکنے والا تھا۔ اسکے لفظ اب اسکے لیے بھی مرہم ثابت ہونے والے تھے۔

''زندگی آپ کے سانپ جیسے ایکس اور بریک اپ کے قصوں بہت آگے کی چیز ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو لوگ اسکے ساتھ مسکرائے۔ زندگی اب ایک نئی شروعات کے نام۔

شام رات میں داخل ہو چکی تھی۔ قیس کمبیر کی سیاہ رینج روور تو جل کر خاک ہو چکی تھی اس وقت وہ جس گاڑی میں تھا وہ سفید رنگ کی لینڈ کروزر تھی۔ گاڑی حدیبیہ چلا رہی تھی، اسکے ساتھ والی نشست پہ زارا بیٹھی تھی۔ عقبی نشست پہ زینیا اور اسکے ساتھ قیس۔

وہ سارا راستہ پتھرائی آنکھوں سے باہر دیکھتی رہی تھی۔ اور قیس اسے۔ وہ بے حد فکرمند تھا۔ کافی بار رک کر جہاں حدیبیہ اپنے لیے قیس اور زارا کے لیے کافی لے کر آئی تھی وہیں اس نے زینیا کو بھی آفر دی تھی جسے وہ سرد مہری سے ہر بار ٹھکراتی رہی تھی۔ اسکے موبائل پہ کالز آنے لگیں تو اس نے موبائل سائلنٹ کر دیا۔ قیس اسے دیکھتا اور لب بھینچ کر رہ جاتا۔ وہ جانتا تھا اپنے شوہر کی موت پہ اسے تکلیف ہو گی مگر اسکی تکلیف سے قیس کمبیر کو کتنی تکلیف ہو گی یہ اسکے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اسے

مخاطب کرتا تو وہ خاموش رہتی۔ کہنے کو قیس کے پاس درست الفاظ تھے ہی نہیں۔ وہ ایک رات کو نکلے تھے اور اب اگلی رات چڑھ آئی تھی۔

زارا کا گھر راستے میں تھا اسے چھوڑنے کے بعد گاڑی کبیر محل کے باہر آ کر رکی۔ قیس کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ وہ باہر نکل کر آیا اور دوسری طرف سے زینیا کے لیے دروازہ کھولا۔ دروازے پہ کھڑے مسلح افراد اسکی اس حرکت پہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئے تھے۔

''تم کچھ وقت میرے گھر چل کر بیٹھ سکتی ہو۔ اس حالت میں تمہارا ہاسٹل جانا ٹھیک نہیں۔'' وہ اسے باہر نکل کر آتے دیکھتے ہوئے فکر مند ہوا۔

''تمھیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس گھر سے میرا ہر تعلق توڑنے والے صرف تم ہو۔''

''تم مجھے میری ایک غلطی کے لیے معاف نہیں کر سکتیں؟ میں اس وقت غصے میں تھا یار۔'' وہ جھنجھلایا۔ زینیا نے کرب سے اسے دیکھا۔

کاش وہ جانتا ہوتا اس نے زینیا حاکم پہ یہ در کب کس بے دردی سے بند کئے تھے۔ کاش وہ اسے کچھ بتا سکتی۔

''میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ''

قیس خاموش رہا۔ وہ اونچی انائیں رکھتی تھی وہ جانتا تھا۔ لیکن ایک دن اسکی اناؤں کی دیواریں ٹوٹ کر گریں گی اسے یقین تھا۔ اس نے ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی حدیبیہ کو دیکھا پھر دروازے ہ کھڑے دربانوں کو۔

''میڈم کو ہاسٹل چھوڑ کر آؤ۔'' حکم سنایا۔

''میں خود جا سکتی ہوں۔ پیر سلامت ہیں میرے۔'' انداز کاٹ دار تھا۔

''رات ہو گئی ہے یہ تمھیں چھوڑ آئیں گے۔'' وہ بضد ہوا۔ گاڑی سے اپنا بیگ نکالتے ہوئے وہ مڑی اور زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے تمہاری عنایات کی ضرورت نہیں ہے، قیس۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ قیس نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔ وہ اس سے معافی مانگ چکا تھا عادت کے برخلاف۔ کیا وہ اب اسکے پیچھے بھی جائے؟ اور اگلے لمحے کمبیر محل کے اونچے ستونوں نے حیرت سے منہ میں انگلیاں داب لیں جب انہوں نے اپنے سے زیادہ مضبوط ستون کو اپنی جگہ اور مقام سے ہلتے پھر ایک عورت کے پیچھے جاتے دیکھا۔ انکے کندھوں پہ محل کا بوجھ نہ ہوتا تو ستون یقیناً صدمے سے زمین بوس ہوئے ہوتے۔

''میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اسکے ہمقدم ہوا۔ اونچے اور عالیشان گھروں کی جلتی ہوئی بتیاں ٹھنڈی ہوا اور لہلہاتے درختوں کے درمیان اس سرمئی سڑک پہ قدم دھرتے وہ دونوں خاموش تھے۔

''تمھیں میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' خاموشی ٹوٹی۔

''پہلی بار تو نہیں آیا۔۔'' جھماکے سے ان دونوں کے ذہن پہ وہ یاد تازہ ہوئی۔ جب وہ ڈری سہمی لڑکی کے ساتھ اسی گلی میں اسکے ساتھ قدم اٹھاتا رہا تھا۔ وہ اس وقت بھی خود کو اسکا محافظ سمجھتا تھا اور آج تھی۔ بدلا تو کچھ نہیں تھا ہاں سوائے زینیا حاکم کے دل کے۔ شاید قیس کمبیر کے دل کے۔

''تمھیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔ کچھ بھی پریشان کرے جسٹ کال می۔''

''میں نہیں کروں گی۔''

''اگر تمھیں یاد ہو یہ پہلی کال نہیں ہو گی۔'' قیس جتا کر بولا۔ زینیا کی آنکھوں میں زخمی پن بڑھ گیا۔

ان دونوں کو وہ رات یاد تھی جب بالاج نے اسے طلاق دی تھی اور اس نے سب سے پہلا نمبر قیس کمبیر کا ملایا تھا۔

''ہاں یہ پہلی بار نہیں ہے، لیکن تم اس بار بھی میرے لیے نہیں آسکو گے۔ جیسے اس رات نہیں آئے تھے۔ تم کبھی میرے لیے نہیں آئے۔'' طنز کے نشتر اس سیاہ آنکھوں والے مرد کے دل کو زخمی کر رہے تھے۔

''کسی کی مجبوریاں سمجھا کرو یار۔''

زینیا مڑی۔ اسکی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھی۔ قیس کو برا لگا۔

''مجھے اپنی صفائیاں پیش مت کرو۔ تم نے مجھے ذلیل کیا۔ تم نے میری ایک نہیں سنی۔ تم نے سب برباد کیا۔ اور اب میں تمھیں یہ حق نہیں دیتی کہ تم وکٹم کارڈ کھیلو۔ تم میرے سامنے یہ ڈرامے نہیں کر سکتے۔'' بولتے بولتے اسکی آواز ایک بار پھر بھرا گئی۔ قیس نے ایک بار پھر جیب سے ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔ زینیا نے اسکے ہاتھ سے ٹشو لے کر اسکے منہ پہ دے مارے۔ قیس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چہرے کے تاثرات میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔ جیب تھپتھپائی چند اور ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔ زینیا نے دوبارہ ٹشو اسی غصے سے دوبارہ اسکے منہ پہ دے مارے۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا قیس کمبیر کو گولی مار دے۔

''ٹشو سے مجھ پہ اثر نہیں ہوتا تھپڑ ٹرائے کر لو یا پھر مکا؟'' کیا فراخدلی تھی۔

''میرا دل کرتا ہے میں تمھیں جان سے مار دوں۔'' وہ بے بسی اور رنج کی ملی جلی کیفیت سے چلائی۔

''تمہارا دل کرتا ہے تو مار دو۔'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولا۔

زینیا ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کونسی تکلیف زیادہ ہے۔ کونسا غم کہاں آکر مار رہا تھا۔ عبداللہ زمان اسکے سامنے تھا اس شخص کے روپ میں جس سے کئی تعلق نکلتے تھے۔ کرے تو وہ کیا کرے؟ کس کس شے کا بدلہ لے؟ کس کس تذلیل کا حساب مانگے۔ وہ واپس کیوں آیا؟

''تم نے اپنے سگے ماموں کو قتل کر دیا؟ تم کیسے انسان ہو۔''

قیس نے آس پاس دیکھا، پھر زینیا کو دیکھا۔

''قتل نہیں کیا قصاص لیا۔ اور اب تم آدھے اسلام آباد کو بتا دو قیس کمبیر نے کیا کیا ہے۔'' وہ خفا ہوا۔

''تم معاف بھی کر سکتے تھے۔''

''اس معاملے میں تم پہ گیا ہوں میں۔'' کندھے اچکائے۔

''میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میرے سامنے مت آیا کرو۔''

''تم دکھ میں ہو، وقت لو۔''

زینیا کئی لمحے گیلی آنکھوں سے، ملال سے اسے دیکھتی رہی۔ یہ اسکا عبداللہ نہیں تھا۔ جس کے خواب اور تصور اسے زندہ رکھتے یہ وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ قدم موڑ چکی تھی۔ قیس نے جھک کر ٹشو اٹھائے اور اپنی جیب میں اڑسے۔ وہ اب اسکی طرف دیکھے بغیر چل رہی تھی قیس اس سے دو قدم کے فاصلے پہ چل رہا تھا۔ ہاسٹل کا فاصلہ یوں بھی زیادہ نہیں تھا گیٹ کے قریب اس نے زینیا کو آواز دے کر روکا تھا۔

''اگر تمھیں کبھی بھی کسی بھی وقت میری ضرورت ہو تو کال می۔ اس بار تمھیں مایوسی نہیں ہو گی۔ اپنے کندھے پہ بیٹھی خاندان نامی چڑیلیں میں اتار چکا ہوں۔'' چوڑی تاریک گلی میں وہ اسکی طرف پشت کئے ہوئے تھی۔ بازو سینے پہ باندھے گھنگریالے بالوں والا مرد لہجے میں بس مخلصی لیے ہوئے تھا۔

''تمھارے معاملے میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں لاپرواہ نہیں۔ انا پرست نہیں۔''

''مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟''

''پتہ نہیں۔'' س نے کندھے اچکائے۔ ''جو بتا رہا ہوں سچ ہے۔ تم سے جھوٹ نہیں بولے جاتے۔ تم بھی مت بولنا۔ ورنہ میں وہ انسان بن جاؤں گا جسے تم پہچانتی بھی نہیں ہو گی۔''

''یہ دھمکی ہے؟''

''کسی دوسرے کے لیے دھمکی تمھارے لیے التجا۔'' ذرا سے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔

''مجھے تمھاری فکر رہے گی۔'' اس نے آہستگی سے اضافہ کیا۔ زینیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اور کئی لمحے دیکھتی رہی۔ کیا وہ اس شخص کو بتائے وہ اسکے کتنے خسارے کر چکا ہے؟

وہ بے خبر آدمی چند لمحے اسکی طرف سے کسی جواب کا منتظر رہا جب وہ کچھ نہیں بولی اور آگے بڑھ گئی تو قیس نے اسکے اندر جانے کا انتظار کیا۔ پھر گردن اٹھائے وہ بالکنی کی طرف دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد زینیا کے کمرے کی بتیاں جل اٹھیں۔ کھٹ پٹ شروع ہوئی اور اب وہ گہری سانس لیے پلٹ رہا تھا۔ ہاں ایک بار جیب تھپتھپا کر ٹشو پیپرز کی موجودگی ضرور چیک کی تھی۔

چند منٹ بعد وہ واپس گھر آ گیا تھا۔ تھکاوٹ ایسی تھی کہ جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ لان پار کرتے ہوئے ہال میں آتے ہی اسے ایک بار پھر کوفت ہوئی۔ مقصود، بختیار، انیسہ اور میرا سب وہاں جمع تھے۔

''تمھیں ضرورت کیا تھی وہاں جانے کی؟'' میرہ کی آواز بلند ہوئی۔ ''وہ لوگ تمھیں نقصان دے سکتے ہیں تم کیوں نہیں سمجھتے ہو؟''

''بے وقوفی کی کوئی حد ہوتی ہے، قیس۔'' بختیار نے ملامت کی۔

''ہم آپ کے لیے بہت پریشان تھے بھائی۔ حویلی سے فون آیا ہے تب سے ہم سب یہیں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' انیسہ رو دینے کے قریب تھی۔

''میں بلکل ٹھیک ہوں جو کچھ کروں گا وہ بھی سوچ سمجھ کر کروں گا۔ فلحال مجھے آرام کرنے دیں۔'' رسان سے کہتے ہوئے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ مقصود پر سوچ نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ قیس انہی کی نظروں سے خائف ہو کر یہاں سے گیا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے بلائنڈز ہٹا دیئے باہر سے بتیوں کی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ آج کل روشنی اچھی لگنے لگی تھی۔ واک ان کلازٹ کے اندر جاتے ہوئے اسکا لباس جتنا میلا اور مٹی مٹی تھا واپسی پہ وہ اتنا ہی صاف لباس پہن کر باہر آیا۔ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے بے اختیار اسکا ہاتھ داہنی دراز تک گیا اسکی نیند کی دوائیاں۔ پھر وہ رکا۔ ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ ایک لمحے کے لیے اسکی آنکھوں کے آگے کوئی اور منظر چھا گیا تھا۔

اس روز اسلام آباد بھیگ رہا تھا۔ عمارتوں کے شیشوں سے پھسل کر سڑک پہ بوسہ دیتے قطرے ہر لمحے اپنی وقعت کھو رہے تھے۔ قیسم کی بالائی منزل پہ واقع قیس کمبیر کے آفس کی طرف آؤ تو وہاں ایک سرد جنگ چھڑی تھی۔

''تم مجھے تھیراپی کے مشورے دے رہے ہو حالانکہ ضرورت تمھیں ہے۔'' وہ سرخ چہرہ لیے دبے دبے غصے سے بولی۔ ساتھ میز پہ رکھے پرنٹ آؤٹس اٹھائے۔ قیس جو اسے کسی کام کے غلط ہونے پہ سخت سست سنا رہا تھا ٹھہر کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''تم مجھے اس رات کا طعنہ دے رہی ہو؟'' یکدم اسکے اندر کی محافظ پر سنالٹی جاگ گئی تھی۔ زینیا کے چلتے ہاتھ یکدم ساکت ہوئے۔

''تم مجھے میری ذہنی بیماری کا طعنہ دے رہی ہو؟''

''میں طعنہ نہیں مشورہ دے رہی ہوں، قیس۔'' تحمل سے کہتے ہوئے اس نے کرسی سنبھالی۔

''اس روز جو کچھ میں نے دیکھا وہ نارمل نہیں تھا اور وہ سب صرف ایک دن کے لیے نہیں تھا۔ دماغ انسان کے جسم کا سب سے ضروری حصہ ہوتا ہے۔ اگر اسکے ساتھ کوئی مسئلہ ہے تو یہ مسئلہ پورے جسم کو اثر انداز کرتا ہے۔ تم اپنے اوپر چاہے جتنے پرت چڑھا لو اندر سے تم ایک ذہنی مریض ہو جس جس کے ساتھ پیچید گیاں ہیں۔ اور یہ ٹھیک ہو سکتی ہیں۔ اگر تم چاہو۔''

''ہو گیا تمہارا؟ ناؤ گیٹ آؤٹ۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ ضبط سے بولا۔

''اگر کسی انسان کو بخار ہو تو اسے سر درد بھی ہونے لگتا ہے۔ اسکے جسم سے توانائی نچڑ کر رہ جاتی ہے۔ چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور زبان ذائقہ کھو دیتی ہے۔ یہی حالت دماغ کی کسی بیماری کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ بخار خود کو چھپا نہیں سکتا جب کہ دماغ کسی حد تک اداکار ہوتا ہے۔ میں تمھیں کوئی طعنہ نہیں دے رہی میں نے محض ایک مشورہ دیا ہے۔ لے لو یا پھر چھوڑ دو۔'' وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرے پاس ان سب چیزوں کا وقت نہیں تھا۔'' قیس جھنجھلاہٹ سے بولا۔

''کئی بار اتنا مصروف ہوتا تھا کہ کھانا کھانا بھی ایک اضافی کام ہوتا تھا میرے حریف میری ناکامیوں کی تاک میں تھے میں اگر کسی ذہنی مرض کے پیچھے بھاگتا تو زندگی ہاتھ سے نکل جاتی۔ میرے خاندان کا کیا بنتا؟ مشورے دینے سب کو آتے ہیں۔ تم نے میری زندگی نہیں جی۔'' وہ تلخ ہوا۔

''تم پہ سب سے زیادہ حق تمہارا ہے۔''

''مجھے آج تک کسی نے یہ نہیں بتایا ناں۔''

''کیونکہ تم ہر بتانے والے کو کہتے، **ہو گیا ناؤ گیٹ آؤٹ**۔'' قیس بلاارادہ گردن جھکا کر ہنس پڑا۔

''کوئی مسیحائی کرے تو اس سے لڑامت کرو۔اپنا علاج کرواؤاب بھی بہت وقت ہے۔''

''سوچوں گا۔''وہ بہت دیر بعد مبہم انداز میں بولا۔

آج حال میں ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے وہ بیڈ پہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔آنکھیں بند کیں تو کچھ خیالوں نے ذہن کے کواڑوں پہ دستک دی۔وہ اسے سوچ گیا۔اسے یاد کئے گیا۔اسکا روتا چہرہ گیلی آنکھیں یاد آتیں تو دل بے چین ہو جاتا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا موبائل اٹھایا۔اور حدیبیہ کو کال ملائی۔چند سیکنڈز کے اندر لائن مل گئی تھی۔

''تم گھر پہنچ گئی ہو؟''

''جی،آپ اسے چھوڑ آئے؟اب آپ ٹھیک ہیں؟''

''تمھیں یہ پوچھنا چاہیے کیا وہ ٹھیک ہے۔''حدیبیہ خاموش رہی۔قیس جانتا تھا وہ زینیا کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی۔''وہ رو رہی تھی حبیب مجھے بہت برا لگا۔''اس نے سستی سے ٹائپ کیا۔

''کیوں؟''

''وہ جب روتی ہے تو مجھے برا لگتا ہے جب کسی اور کے لیے روتی ہے تو اور برا لگتا ہے۔وہ میری ہے تو اسکے احساسات بھی میرے ہونے چاہئیں۔''وہ کہنی کے بل دراز ہوا۔

''وہ ہنسے تو میرے ساتھ روئے تو میرے لیے۔''

''کیا آپ صرف اتنا چاہتے ہیں؟''

''اس سے تھوڑا زیادہ۔۔۔وہ روتی ہے تو میرے پاس دلاسے کے لیے صرف الفاظ کا حق ہوتا ہے۔میرے پاس **''لمس''** کا اختیار ہونا چاہیے۔۔۔ہونا چاہیے ناں؟''اسکے لہجے میں کچھ تھا کہ اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی حدیبیہ ٹھٹھک گئی۔وہ اب اس سے مزید کچھ کہہ رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔

ان دونوں کو چھوڑ کر اگر ہاسٹل کی طرف آؤ تو زینیا حاکم ایک عجیب سے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ شیزل جو بتیاں جلانے سے بہت بری طرح بدمزہ ہوئی تھی وہ کچھ کہنے لگی مگر ٹھہر گئی۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک گیا تھا۔

اپنے بیڈ کی طرف آتے ہوئے اس نے جوتے اتارے، دوپٹہ کھینچ کر گلے سے نکالا۔ اسکی آنکھیں اب خشک تھیں۔ چہرہ سپاٹ۔ وہ رو چکی تھی۔ اب بس۔

"زینم۔۔" شیزل نے دھیرے سے پکارا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ جواب دیئے بغیر بتیاں بجھاتے ہوئے لیٹ گئی۔ چادر سر تک تان لی۔ شیزل نے کئی الفاظ کو واپس دھکیلا۔ اسکی دوست اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئی تھی جس کے ساتھ وہ گئی تھی۔

("کچھ بھید جب کھلتے ہیں تو انسان کے لیے پراسیس مشکل ہوتا ہے۔ یوں جیسے ایک بھاری دروازہ ہو، اور اسکے پار یادوں کا ایک ریلا ہو۔ دروازہ کھل جاتا ہے تو ریلا باہر آجاتا ہے۔ یادیں اور تکلیفیں آس پاس بکھر جاتی ہیں۔ انسان ان یادوں، تکلیفوں اور بے حد چبھنے والی نوکیلی خاردار کہانیوں کو ذہن سے نکال ہی نہیں پاتا۔ زینیا حاکم کے لیے بھی وہ دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ باب جس کے پار عبداللہ زمان کی یادیں تھیں۔)"

ہاسٹل کے کمرے میں اپنے بستر پہ بیٹھے ہوئے اسکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ شیزل اسکے منہ سے نکلتے لفظ تو سن چکی تھی مگر انکو جذب کرنا واللہ وہ اس زندگی میں نہیں کر سکتی تھی۔

"تمھارا منگیتر، عبداللہ؟ اوہ مائی گاڈ عبداللہ، قیس ہے؟" وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے پیچھے کو ہوئی۔

"میں اسے جانتی ہوں اسکا ماضی برا تھا اور اسکی منگیتر وہ تو اسکے پورے خاندان سے نفرت کرتا تھا۔ اوہ میرے خدایا یہ کیا ہے؟" حیرت، تعجب بے حد چھوٹے الفاظ تھے۔

"اور بالاج وہ کیسے مر گیا؟ اور اگر وہ مر گیا تو قیس کو کیسے علم ہوا؟"

''کیونکہ قیس نے اسے مارا ہے۔'' زینیا دھیرے سے بولی۔ آواز میں ایسا ملال تھا کہ حد نہیں۔ شیزل بھونچکا رہ گئی۔

"تمھیں کیسے پتہ؟'' اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ سماعتوں میں کوئی اور فقرہ گونج رہا تھا۔

(شوہر مر بھی سکتے ہیں۔یونیور نو)

"کڑیاں ملاؤ، شیزل۔ بالاج کی موت کی تاریخ وہی ہے جس رات قیس نے مجھے کچھ معذرتی ٹیکسٹس بھیجے تھے۔اس تاریخ کو میرا ایک ایگزام تھا اس لیے مجھے یاد ہے۔اگلی صبح اس نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا تھا اور براق نے اسے روک دیا تھا۔ مجھ سے معذرت کرتے وقت اس نے بالاج والا معملہ ہی کیوں منتخب کیا؟اور اتنے مضبوط ثبوت کوئی کیسے لا سکتا ہے؟ مجھے نہیں پتہ یہ قتل ہے یا حادثہ لیکن یہ اسی نے کیا ہے۔ عبداللہ یہ کر سکتا ہے۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔

شیزل کے دل میں یکدم خطرے کے الارم بجنے لگے۔ اسکا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ وہ لب کاٹنے لگی تھی۔

''تمھیں کیا لگتا ہے اس نے ایسا کیوں کیا ہو گا؟''

زینیا نے عجیب سے چہرے کے ساتھ گردن نفی میں ہلائی۔

''مجھے نہیں پتہ۔مجھے کچھ نہیں پتہ۔ میں دنیا کی سب سے بے وقوف عورت ہوں۔ وہ اتنا عرصہ میرے قریب رہا۔ وہ اتنا عرصہ میری آنکھوں کے عین سامنے تھا اور میں اسے نہیں سمجھ پائی؟ میں عبداللہ کو کیسے نہیں پہچان سکی؟''

شیزل نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔اس لڑکی کے لیے جو تکلیف دل میں اٹھتی تھی وہ اصلی تھی۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا زینیا۔ it's messed up"

زینیا خاموش رہی۔ اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھے۔ اسکے ہاتھ خالی تھے۔ دل شل اور زندگی؟ زندگی نے اسکے ساتھ بے حد گھٹیا کھیل کھیلا تھا۔ جس میں کوئی بھی داؤ زینیا کے حق میں نہیں گیا تھا۔

(''یادوں کے اس باب کے کھلنے پہ انسان کا سب سے پہلا ردعمل'' فرار'' ہوتا ہے۔اس بات سے بے خبر کہ فرار ہر دفع ممکن نہیں ہوتی۔)''

وہ پورے تین دن گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ کسی کی کال اٹھائی نہ کسی سے کوئی بات کی۔ اس کمرے کے پار حقیقت اژدھا کی طرح منہ کھولے کھڑی تھی۔ زینیا اسکا نوالہ بننے سے ڈرتی تھی۔ وہ ہر آہٹ سے خوف زدہ تھی۔ ہر انسان سے خائف۔

شام کا پچھلا پہر تھا۔ نک سک سے تیار شیزل سیمسن کمرے میں داخل ہوئی تو آج اسکے ساتھ دو اور لڑکیاں بھی تھیں۔ براق اور اسکی شادی کے دن قریب آ گئے تھے۔ وہ یہاں سے اپنا سامان شفٹ کروا رہی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی اسکی نظر سامنے الماری کھولے کھڑی زینیا پہ پڑی۔ اسکے ساتھ کھڑی دونوں لڑکیاں بھی چونک گئیں۔ وہ متوحش انداز میں سامان بیگ میں بھرتی جا رہی تھی۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ وہ نارمل نہیں لگتی تھی۔

''میں اپنے باپ کے گھر آنا چاہتی ہوں تو اس میں مسئلہ کیا ہے، بشر؟ کیا میں گھر نہیں آسکتی؟'' اسکی آواز ضرورت سے زیادہ بلند تھی۔

''میں بس یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم ٹھیک تو ہو؟ ابھی کچھ دن پہلے ہی تم یہاں آئی تھیں۔ اور تمھارے ٹیسٹس بھی تھے۔ بالاج کے گھر والوں نے تمھیں کچھ کہا ہے کیا؟'' یہاں وہ ٹھہر گئی۔ شیزل نے دونوں لڑکیوں کو کھڑے کھڑے روانہ کر دیا۔ وہ اپنی دوست کے کمزور لمحے کا گواہ کسی اور کو نہیں بنا سکتی تھی۔ اندر فرش پہ بیٹھی زینیا کی آنکھیں دور کہیں خلا میں تھیں۔ وہ اب بالاج کی کچھ نہیں لگتی تھی اور نہ وہ اس دنیا میں رہا تھا لیکن جو خسارہ اسکا ہوا تھا اسکا کوئی مول نہیں تھا۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا ہے۔'' کافی دیر بعد وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''میری طبیعت بہت خراب ہے مجھے گھر یاد آ رہا ہے۔'' وہ بہ دقت آنسوؤں پہ بند باندھے ہوئے تھی۔ چہرہ گلابی پڑ گیا تھا۔

''میں لینے آ جاتا ہوں۔ بتاؤ کب آؤں؟''

''تم کیسے جا سکتی ہو تمھارے ٹیسٹ ہو رہے ہیں۔'' شیزل بلند آواز میں بولی تاکہ بشر کی طرف آواز جائے۔ زینیا مزید کچھ کہتی کہ شیزل نے اسکے ہاتھ سے فون لے لیا۔

''بشر صاحب اسکا دماغ الٹ گیا ہے۔'' فون کان سے لگاتے اس نے پہلا جملہ یہی کہا تھا۔

''اسکے ٹیسٹ ہو رہے ہیں اور یہ یہاں سے بس بھاگ رہی ہے۔ میں اسے سمجھاتی ہوں آپ فکر نہ کریں۔'' ایک دو باتیں مزید کہہ کر اس نے فون رکھا اور زینیا کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ زمین پہ بیٹھی تھی۔ آنکھوں تلے حلقے۔ ملگجا لباس، کھنڈر چہرہ۔ یہ وہ زینیا حاکم نہیں تھی جسے شیزل جانتی تھی۔

''تم کیا کر رہی ہو، زینیا؟''

''اپنے کام سے کام رکھو تم ہوتی کون ہو میرے معاملات میں آنے والی۔'' زینیا یکدم پوری قوت سے چیخی۔ ہاتھ میں پکڑا پرفیوم دیوار پہ دے مارا۔ شیزل نے ضبط کیا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔''

''تم اپنے کام سے کام رکھو میری پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' زینیا ایک بار پھر چیخی اور میک اپ کٹ اٹھا کر فرش پہ پھینکی۔

شیزل اپنی جگہ سے اٹھی اور کانچ کی بوتل اٹھا کر زمین پہ دے ماری۔

''چیزیں توڑنا تم سے بہتر جانتی ہوں میں آواز تم سے زیادہ بلند ہے میری اور پرواہ مجھے مرے باپ کی بھی نہیں ہوتی تمہاری کرنا چھوڑ دی تو تمہارا ہی نقصان ہو گا۔'' وہ چبا چبا کر الفاظ ادا کر رہی تھی۔

''شادی ہے میری ایک ماہ بعد اور یہاں تمھارے ساتھ جھک مار رہی ہوں صرف اس لیے کیونکہ پرواہ ہے تمہاری۔ تم یہ سب چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی، زینیا۔ ایک سال کی انویسٹمنٹ تم ضائع نہیں کر سکتیں۔'' اسکا انداز قطعی تھا۔

''تم یہ سب اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم عبداللہ کو نہیں جانتی۔ میں اور میرا خاندان اسے جانتے ہیں۔'' زینیا درشتی سے بولی۔

''وہ آدمی اپنے سگے ماموں کا قتل کر چکا ہے اور یہ اسکا آخری قتل نہیں ہو گا میں جانتی ہوں۔ اس نے بالاج کو بھی مارا ہے۔''

''تمھارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔''

''عبداللہ کے متعلق مجھے ثبوتوں کی ضرورت نہیں ہوتی، مس سیمسن۔ وہ میری روح سے جڑا ہوا ہے مجھے اسکے متعلق ابہام ہو جاتے ہیں۔ وہ مار دے گا۔ وہ سب کو مار دے گا۔'' وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دیوانگی سے کہہ رہی تھی۔

''تم اپنی موت سے خوف زدہ نہیں لگتیں۔۔۔''شیزل اسکی آنکھوں میں کچھ کھوجتے ہوئے بولی۔زینیا کی آنکھوں میں کچھ در آیا تھا۔

''وہ مہدی کو مار دے گا اور میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔''اب کے اسکا لہجہ دھیما پڑا۔شیزل اسے دیکھ کر رہ گئی۔کیا شے تھی محبت کیسے کب کہاں نہتا کر کے مارتی تھی علم بھی نہیں ہو پاتا تھا۔

وہ دو قدم آگے آئی۔شیشہ بری طرح اسکے پیر میں کھب گیا تھا۔

''وہ مجھے مار دے گا۔جس دن اسے علم ہوا کہ میں نے اسے چھوڑ کر بالاج کو چنا وہ مجھے مار دے گا۔''اسکی آنکھیں چھلک پڑیں۔اس نے سسکی لی۔

''میں مرنا نہیں چاہتی۔یہ ذلت کی موت مجھے نہیں مرنا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا میں تو اس سے وفادار تھی پھر میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟اس سب میں مہدی کا کوئی قصور نہیں تھا وہ اسے بھی سزا دے گا۔میرا ایگزام ہے میں پاس ہو جاؤں گی مجھے نوکری ملے گی۔اس سب کے درمیان وہ کیسے آ سکتا ہے؟''وہ لاچار لگتی تھی۔

''وہ تمھیں نہیں مارے گا۔''شیزل نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پہ بیٹھایا۔

''وہ تمھیں نہیں مارے گا۔''آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یقین دہانی کروائی گئی۔

''اسے لگے گا میں نے بے وفائی کی ہے،وہ بے وفائی معاف نہیں کرے گا۔''وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

شیزل نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔پھر اسکا پیر اٹھا کر اپنے گھٹنے پہ رکھا۔وہاں شیشہ کھب چکا تھا۔خون بہہ رہا تھا۔

''اگر تم کوئی عام عورت ہوتیں تو وہ واقعی معاف نہ کرتا۔''اس نے شیشہ دو انگلیوں کے درمیان پکڑا۔

''لیکن تم۔۔''اس نے زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم،قیس کمبیر کی پسندیدہ عورت ہو۔''شیشہ کھینچ کر نکالا گیا مگر ایسا ہی ایک تیز دھار شیشہ زینیا حاکم کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔

"اسے تم سے محبت ہوگئی ہے جس کے کے لیے وہ مر بھی سکتا ہے اور مار بھی۔" اس نے زینیا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آہ خدایا وہ چہرہ آسیب زدہ سا تھا۔ وہ شیزل کو جن نظروں سے دیکھ رہی تھی اسکا دل کٹ کر دو حصے ہوا۔

"اگر اس محبت میں وہ کوئی ایک کام نہیں کر سکتا تو وہ تمہاری جان لینا ہے۔" زینیا سانس نہیں لے سکی۔ پلکیں نہیں جھپک سکی۔

"وہ اس وجود کو نہیں مار سکتا جو اسکے جینے کا زریعہ ہے۔ وہ تمہارا محافظ ہے اور صیاد بھی۔ تاریخ کی سب سے پیچیدہ محبت مبارک ہو۔"

سنہری آنکھیں ساکن تھیں۔ تیئیس سالہ انتظار میں ایک خوش فہمی یہ بھی تھی عبداللہ "**اسکا**" ہے۔ وہ کتنا ظالم تھا کہاں لاکر کیسی موت مار رہا تھا کوئی زینیا حاکم کے دل سے پوچھے۔ جو اس وقت بند ہو گیا تھا۔ شل ساکت۔

("پھر ایک لمحہ آتا ہے جب انسان ان تمام یادوں، تکالیف، محرومیوں کو ایک جگہ اکھٹا کرتا ہے۔ ٹوٹا دل اور لرزتے بدن کے ساتھ اسکے سامنے آکر بیٹھتا ہے پھر پوچھتا ہے۔ بتاؤ کون ہے بہادر؟ تم یا میں؟ اور انسان کے سامنے کوئی اور مخلوق کبھی ٹک نہیں سکی۔ یوں درد فرار ہوتا ہے۔ مسائل غائب، تکالیف کم۔ مسائل سے نکلنے کے لیے انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔")

کوئی دو ہفتے بعد شیزل اسے اپنے ساتھ اس گھر میں لائی تھی جو براق اور اس کا گھر ہونے والا تھا۔ سفید رنگ کا وہ بنگلہ افسردہ تھا۔ زینیا حاکم کی آنکھوں کی طرح۔

مطلع ابر آلود تھا۔ بالکنی کی ریلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھی زینیا کہیں دور دیکھ رہی تھی۔ اسکے سامنے بیٹھی شیزل لیپ ٹاپ پہ کچھ چیزوں کے آرڈر دے رہی تھی۔ وہ زینیا کا دھیان بٹانے کو اسے یہاں لے آئی تھی۔

"جب اس نے کیمرہ توڑا تب میں براق کے ساتھ اس سے ملنے گئی تھی۔" اس نے سکرین کھٹ سے گرادی۔ اور زینیا کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"تب اس نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا۔ میں تمھیں بتانا چاہتی تھی لیکن میں ڈر گئی تھی۔ میں تمھیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔"

''وہ مذاق کر رہا ہوگا۔اسے تو معلوم ہے اسکی ایک منگیتر ہے۔'' اسکا گلا بھاری ہوا۔ ''کوئی اس کا انتظار کرتی رہی ہے۔وہ شہر کی چکا چوند میں اس زینیا کو کیسے بھول سکتا ہے؟''

''وہ سیریئس تھا، زینیا''۔

''یعنی میرا سارا انتظار خاک تھا؟'' وہ ہنس پڑی۔کرب ناک دل کو چیرتی ہنسی۔

''جس آدمی کے لیے میں نے آدھی دنیا کو رد کیا اس کمبخت میں وفا بھی نہیں تھی؟''

''تم اسکے بارے میں کیوں سوچ رہی ہو؟ کیا تم اسکے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟''

''میں نے اسے اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال دیئے۔وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ یقین ایک چھوٹا لفظ ہے لیکن کر لینے میں صدیاں لگ جاتی ہیں۔۔میں نے اس لیے کیا نہیں کیا؟''

''اسکے بارے میں مت سوچو اس نے تمھیں اتنے سال انتظار کی سولی پہ لٹکائے رکھا۔''

''وہ عبداللہ ہے، زینیا نے اسے کئی دفع بغیر کہے معاف کیا ہے۔'' وہ اب بھی باہر دیکھ رہی تھی۔

''اس نے تمھیں ذلیل کیا تمھارے بار بار بلانے پہ وہ نہیں آیا۔''

''وہ اگر ایک بار بیٹھ کر مجھے کہتا وہ مجبور ہے میں انائیں چھوڑ دیتی۔اس نے کہا کیوں نہیں؟''

''اس نے تمھیں تمھارے ناکردہ گناہوں کی سزا دی ہے۔اسکا مسئلہ تمھارے ابا سے تھا وہ تمھیں ہر دفع چھوڑتا رہا۔''

''اس نے اور اسکے خیال نے مجھے کمفرٹ بھی تو دیا ہے۔عبداللہ کے ساتھ لین دین کے معاملے نہیں رکھے میں نے۔'' عبداللہ اسکی زندگی میں واپس آ گیا تھا اور اسکے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ عبداللہ اب اسکے دل کو نہیں دھڑکاتا تھا۔یہ اسکی عنایات نہیں تھی جو وہ بیان کر رہی تھی یہ اسکی عبداللہ اور اسکے تعلق میں کی گئی ایفرٹس تھیں جنہیں کوڑی کیا گیا۔یہ وہ طاویلیں تھیں جو اس نے گڑھ رکھی تھیں اور آج سب مٹی مٹی ہو رہی تھیں۔وہ زینیا حاکم کا غرور خاک کر چکا تھا۔

''وہ تمھاری پہنچ سے بہت دور ہے۔''

''دسترس میں وہ کبھی رہا ہی نہیں۔''

''اس نے تم سے بے وفائی کی ہے فار گاڈ سیک۔''

اور یہاں وہ رو پڑی۔ بے اختیار، بے بسی سے۔ چند لمحوں میں اسکا رونا ہچکیوں میں بدل گیا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح بلند آواز میں رو رہی تھی۔ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے درد سے، چبھن سے اور ملال سے۔

''عبداللہ کے تمام گناہوں کے لیے میں نے جسٹیفکیشن رکھی تھیں۔ بس اسکی بے وفائی کے لیے نہیں۔ مجھے وہ اچھا یا برا نہیں لگتا تھا عبداللہ مجھے میرا لگتا تھا اور وہ میرا نہیں ہے۔ وہ میرا نہیں تھا۔ میں نے تو خود کو ضائع کر دیا۔ یہ میں نے کیا کر دیا؟'' کئی دن بعد وہ روئی تھی۔ عبداللہ اسے زندگی میں نہیں چاہیے تھا مگر وہ کئی سال اسکی وفا کے سہارے جیتی رہی تھی۔ وہ یکدم دنیا کا سب سے بے وفا مرد نکل آیا تھا۔ وہ اپنے ماضی کے ضیاع پہ رو رہی تھی۔

''کیا نہیں دیا میں نے اسے؟ جب دنیا اسکے خلاف بولتی تھی میں عبداللہ کے حق میں بولتی تھی۔ جب لوگ کہتے تھے وہ میرا نہیں ہے تب میں جھگڑتی تھی۔ وہ میرا مان تھا۔ اگر کسی عورت نے عبداللہ کو تخت دینا تھا تو وہ میں تھی۔ یہ تم نے کیا کر دیا، عبداللہ؟'' ہچکیاں آنسو، تکلیف۔ زنیا حاکم کو آج تک اتنا درد کبھی نہیں ہوا تھا۔

''اسے لگتا ہے یہ تخت، یہ مقام یہ اسے ملا ہے؟ یہ میری دعائیں تھیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اسکے لئے دعائیں کی، اور وہ مجھے بھول گیا؟''

کافی دیر وہ بلند آواز میں روتی رہی۔ بولتی رہی اور پھر روتی رہی۔ پھر خود ہی چپ ہو کر گرل سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ چہرے پہ آنسوؤں کے نشان جم گئے تھے۔ دل کے نشانوں کا قصہ پھر سہی۔

''کیا تم اسے دوبارہ معاف کرنا چاہتی ہو؟ وہ وہی عبداللہ ہے، زنیا۔''

وہ خاموش رہی۔ چپ۔ بلکل چپ۔

''اگر تم اسکے پاس واپس جانا چاہو تو راستے نکل سکتے ہیں۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' انداز دوٹوک تھا۔ ''عبداللہ ایک لمبا عرصہ پہلے میرے سامنے اپنی وقعت کھو چکا تھا۔ لیکن اب، اب اس سے مل کر اسکی طرف کی کہانی سننے کی چاہ بھی نہیں رہی۔ اسے ملامت نہیں کرنی۔ بے وفاؤں سے کوئی گلا نہیں ہوتا۔''

''اسے معاف نہ کرنے کی کوئی وجہ؟'' وہ بس جاننا چاہتی تھی۔

''میں دوسری امینہ بیگم نہیں بن سکتی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''میرے باپ کی بے وفائی میری ماں نے برداشت کر لی تھی میں نہیں کروں گی۔ وہ میرے لیے اپنی انا تک نہیں چھوڑ سکا۔ اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو وہ جھوٹے ڈرامے نہ کرتا۔ اسے اپنے کیئے پہ کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ چار سو لوگوں کے درمیان مجھے ذلیل کر کے اپنی منگیتر کا سچ چھپا کر وہ کسی لڑکی کی زندگی میں داخل ہو رہا ہے؟ یہ وہ عبداللہ نہیں ہے جس کا میں نے انتظار کیا تھا۔ یہ کوئی اور ہے۔ میں نے اسے کئی کالز کی تھیں لیکن وہ میرے لیے نہیں آیا۔ اب اگر وہ آیا ہے تو اپنے لیے۔ عبداللہ کے پاس میری واپسی ممکن نہیں رہی۔ ابا کی بے وفائی نے اماں اور ابا دونوں کو ڈیمج کیا اور انہوں نے ہمیں۔ دنیا میں اب مزید کسی زینیا حاکم کی گنجائش نہیں۔''

''اور مہدی؟ اسکے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟''

اس ذکر پہ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں ایک نقطے پہ ساکن ہوئیں۔ دل کا حزن نئے سرے سے تازہ ہوا۔ کئی پل وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

''اس نے مجھ سے کہا تھا اگر بھائی اور زینیا حاکم میں سے کسی کو چننا پڑے تو وہ بھائی کو چنے گا۔ میں اسے چناؤ کا موقع دیئے بغیر اس سے الگ ہونا چاہتی ہوں۔''

''ناٹ اگین یار۔'' شیزل جھنجھلائی۔ ''اسکا یہاں کوئی قصور نہیں ہے۔''

''میرا کیا قصور ہے جو میں ایک ابنارمل زندگی گزار رہی ہوں؟'' وہ اسکی بات کاٹ کر تندہی سے بولی۔

''میری پوری زندگی برباد ہوگئی ہے اور اب بھی تمھیں لگتا ہے مجھے لوگوں کے ساتھ nice رہنا چاہیے؟ میں نے ہمیشہ ایک اچھی شادی کی خواہش کی تھی لیکن اب مزید نہیں۔ اسی خواہش کے پیچھے میں نے خود کو عبداللہ سے ذلیل کروایا۔ بالاج کے لیے باؤنڈریز توڑیں اور مہدی کے لیے **"دی نائیس زینیا حاکم"** بننے کی کوشش کی۔ اب بس بہت ہوگیا۔ اچھی شادی کا خواب میرے کندھوں پہ بیٹھی چڑیل تھا۔ میں آزادی چاہتی ہوں۔''

''تم ہر دفع اپنی انا اور ضد کے پیچھے لوگوں کو چھوڑ دیتی ہو۔ تم اس trauma dump کی عادی ہو۔'' شیزل نے ملامت کی۔

''تمھیں جو سمجھنا ہے سمجھو۔ لیکن سچ یہ ہے کہ مہدی کو میرے چھوڑنے سے فرق نہیں پڑے گا۔'' اس نے بالکنی کے چکنے فرش پہ رکھا اپنا موبائل اسکی طرف کیا۔

''اسکا انسٹا گرام کھولو اور چیک کرو۔ بہت خوش ہے وہ۔ دن میں یوں بھی سو سے زائد لوگوں سے ملتا ہے اسے کیا پرواہ کون، زینیا حاکم؟''

''اگر وہ تمھارے لیے ٹریول چھوڑ کر آ جائے؟''

''کوئی افسانہ ہوتا تو ایسا ضرور ہوتا۔'' وہ کہہ کر اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اس نے جواب نہیں دیا اگر سیاح سیاحت چھوڑ کر آ گیا تو؟



آج اسکا قیسم جانے کا کوئی موڈ نظر نہیں آتا تھا۔ اول تو اس نے گھر کے ملازمین کو جھاڑ پلائی۔ پھر اپنی نگرانی میں صفائی کروائی۔ ساسوں والی خصلت یو نو۔ پودوں کو پانی دیا۔ انکی کانٹ چھانٹ کی۔ پھر ایک بھاری سا دیسی ناشتہ کیا۔ لیکن ابھی بھی محض صبح کے نو ہی بجے تھے۔ اسے کوفت ہونے لگی۔ یہ وقت گزر کیوں نہیں رہا تھا؟

اسکے اگلے قدم اب اپنی اسٹڈی کی طرف بڑھے۔ ملازمین اسے ٹھہر کر دیکھتے تھے۔ کائی سبز رنگ کی بیگی شرٹ اور خاکی پینٹ میں بالوں کو بکھیرے، پیروں میں نرم سلیپر پہنے آج وہ اچھا خاصا وقت گھر پہ گزارنا چاہتا تھا۔ اور ساس کے گھر ہونے سے کونسی بہوئیں بھلا خوش ہوئی ہیں؟

اسٹڈی کے اندر قدم رکھتے ہی وہ جھر جھری لینے پہ مجبور ہو گیا۔اے سی کی ٹھنڈک نے سارے کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کر بتیاں جلائیں تو اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ میرہ صوفے پہ آڑھی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ موبائل اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر نرم ریگ پہ گرا ہوا تھا۔ قیس آگے آیا۔اسکے کندھے کو ہلکا سا جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔اور ہراسا نظروں سے آس پاس دیکھا۔

''ریلیکس،اٹس می۔ریلیکس۔''

میرہ نے خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔وہ تازہ دم لگتا تھا۔اسکے چہرے پہ فکر کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ گویا کچھ روز قبل کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''جاؤ فریش ہو کر آؤ۔ پھر ہم کافی پیئیں گے۔''وہ اس سے نظریں ملائے بغیر آس پاس بکھری کتابیں سمیٹ رہا تھا۔

''محب تمھیں کالز کرتا ہے؟ تم نے بتایا نہیں۔''اسے کافی دیر تک اپنی جگہ سے نہ اٹھتے دیکھ وہ دھیرے سے بولا۔

''اگر تم اس سے بات کرنا چاہتی تھیں تو مجھے بتا دیتیں۔''وہ کتابیں اٹھائے سیدھا ہوا۔شکایتی نظروں سے میرہ کو دیکھا۔

''تمھیں مجھ سے چیزیں چھپانی نہیں چاہیے تھیں۔''

''تمھیں کیسے پتہ چلا؟''اسکی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔

''تمھارے متعلق مجھے الہام ہو جاتے ہیں، میرہ۔''

''وہ ایزل سے بات کرنا چاہتا تھا۔میں ایزل کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ میں کافی دیر اسکی کال کا انتظار کرتی رہی پھر میری آنکھ لگ گئی ایزل یہیں تھی وہ کہاں چلی گئی۔''اس نے بلاوجہ لمبی وضاحت دی۔

''ایزل تمہاری بیٹی ہے لیکن اپنے ماموں پہ گئی ہے۔ کسی کو اس سے بات کرنی ہو گی تو انتظار نہیں کروائے گا وہ جانتی ہے۔''

''میں۔۔''

''فریش ہو کر آؤ پھر بات کریں گے۔''وہ اب بھی اسے دیکھے بغیر اسکی بات کاٹ کر بولا۔

میرہ سست روی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھا اور باہر نکل گئی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد وہ دھلے دھلائے چہرے اور ڈھیلے ڈھالے لباس میں واپس آئی تھی۔ تب تک قیس آدھی کتابیں ریک سے اتار چکا تھا۔ اور اب فرش پہ ڈھیروں کتابوں کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔ چھوٹی شیشے کی میز پہ ناشتہ رکھا تھا۔ جیسا وہ خود کر کے آیا تھا بلکل ویسا دیسی ناشتہ۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ میں تمہاری صاف ستھری اسٹڈی میں بیٹھ کر ناشتہ کروں گی اور تمھیں ہارٹ اٹیک نہیں آئے گا۔''

''کبھی کبھی میں اپنے بائیں کندھے والے فرشتے کو ذرا سکون دینا چاہتا ہوں اسی لیے ایسی عنایات کرتا رہتا ہوں۔'' وہ کتابوں کو کپڑے سے صاف کر رہا تھا۔

''تمہاری فرشتوں سے ایسی عقیدت دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں۔'' میرہ مسکرا کر کہتے ہوئے میز کے گرد فرش پہ بیٹھ گئی۔ قیس بغیر کچھ کہے کتابیں صاف کرتا رہا۔ وہ ناشتہ کرتی رہی قیس اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا۔ جب وہ سیر ہو کر کھا چکی تب قیس نے پہلا سوال داغا۔

''تم محب سے کیوں ڈرتی ہو؟''

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر آہستگی سے کہا۔ ''ڈر مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔'' وہ بات کرنے کو تیار تھی۔

''تمہارا ڈر کس نوعیت کا ہے؟'' اسکے ہاتھ میں اب سرخ رنگ کے سرورق والی کتاب تھی۔ ایک مشہور جرمن لکھاری کی کتاب کا پہلا ایڈیشن۔

''ذلت کا ڈر۔ جب میں اسکا فون نہیں اٹھاتی تب وہ ایزل کو اپروچ کرتا ہے اور اگر کر لے تو اسکو میرے حوالے سے بھڑکاتا ہے۔ مجھے گالیاں دیتا ہے اور۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رکی۔ اپنی انگلیوں پہ چکنائی دیکھی۔

''اور؟'' اس نے کتاب کے اندر نیلی روشنائی سے لکھے نوٹ کو پڑھا۔ بے اختیار کوئی پرانا دوست یاد آگیا۔

''اور وہ اسے کہتا ہے کہ میں ایک گھٹیا عورت ہوں جو اپنے سابقہ عاشق کے پاس رہنے کے لیے گئی ہوں۔ کیونکہ میرا دل میرے شوہر سے بھر گیا ہے۔'' قیس کی مسکراہٹ لمحے بھر میں غائب ہوئی۔ وہ کتاب ہاتھ میں لیے ساکت رہ گیا۔

''جب دو لوگ الگ ہوتے ہیں تو تعلق سے عزت اور شرم بھی الگ ہو جاتی ہے۔ محب میری بیٹی کو مجھ سے بد ظن کر رہا ہے۔ مجھے اس سے ذلت کا ڈر لگتا ہے۔''

''تمھیں مجھے بتانا چاہیے تھا، میرہ۔ میں کیا تمھارے لیے اتنا نا قابل اعتبار ہوں؟''

''تم مصروف تھے، قیس۔ کوئی تمہاری زندگی میں آ گیا ہے۔ میں تم پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔''

قیس نے کتاب نیچے رکھ دی۔ اور پوری طرح میرہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں مصروف نہیں ڈسٹرب تھا۔ مجھ سے معاملات نہیں سنبھالے جا رہے۔''

''معاملات یا محبت؟'' گھٹنے سینے سے لگائے تھوڑی ان پہ ٹکائے دلچسپی سے پوچھا گیا۔ قیس نے بے بسی سے شانے اچکائے۔

''باخدا میں نے ایسی ڈھیٹ عورت آج تک نہیں دیکھی۔ اتنی بار معافی مانگ چکا ہوں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔''

''کہتے ہیں مشورہ اس سے لینا چاہیے جو کسی کام میں بہت کامیاب رہا ہو یا پھر بلکل ناکام۔''

''تم تو دونوں کیٹیگریز میں نہیں آتیں۔''

''تم خود کونسا ریلیشن شپ میں ہو؟ سیچوئیشن شپ کے بارے میں تو بتا ہی سکتی ہوں۔'' وہ خفا ہوئی۔ اسی پل ملازم ٹرے میں دو بھاپ اڑاتے مگ لیے اندر آیا۔ قیس کے سامنے چائے اور کافی میرہ کے آگے رکھی۔ وہ پلٹ گیا تو میرہ نے تعجب سے قیس کو دیکھا۔

''تم چائے کب سے پینے لگے ہو تمھیں تو زہر لگتی تھی۔؟''

''اب اچھی لگتی ہے۔''

''کیونکہ اسے اچھی لگتی ہے؟'' وہ ترکی باترکی بولی۔ قیس مبہم سا مسکرایا۔ کہا کچھ نہیں۔

''جس سے محبت کرو اس کے لیے وہ عادت نہ اپناؤ جو ''**اسے**'' پسند ہوں۔ بلکہ وہ عادتیں ختم کرو جو اسے ''**ناپسند**'' ہوں۔'' کتابوں کے ڈھیر کے درمیان، علم و ادب کی چار دیواری کے گرد میرہ سرور کمبیر نے کچھ ایسے لفظ کہے کہ ریک کی کتابوں کو افسوس ہوا۔ ان الفاظ کی جگہ تو انکے پنوں میں تھی۔

''تم نے بتایا نہیں، وہ کیسی لڑکی ہے؟''

''مجھے دیکھ لو۔ مجھ سے ملو پھر اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کی تمنا نہیں رہے گی۔ وہ میری سول میٹ ہے۔''

''تم سے ناراض کیوں ہے؟''اس نے کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔

''میں نے غصے میں آکر اس سے بدتمیزی کر دی تھی۔ حالانکہ وہ اسی کی حقدار تھی۔ لیکن اب اسکا دل رکھنے کے لیے معافی مانگ لی۔ جو کہ میں نہیں مانگتا۔''

میرہ چندپل نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہی۔ قیس اسکی نظروں سے جھلایا۔

''تم نے کہا تم دونوں سول میٹس ہو پھر تمہیں کیا لگتا ہے وہ **"معافی"** اور **"کوراپ"** نہیں سمجھ سکتی۔''

کتابوں کے درمیان بیٹھے قیس کی رنگت پھیکی پڑی۔ مگر اس نے ہار نہ مانی۔

''واٹ ایور، عورتیں مردوں کو بہت کچھ معاف کر دیتی ہیں۔ مار پیٹ، گالم گلوچ، ذلت اور اس سے بھی بڑی بڑی چیزیں۔''

''عورت یہ کام دو صورتوں میں کرتی ہے۔ایک مجبوری جو کہ مجھے نہیں لگتا تمہاری سول میٹ میں ہو گی۔ دوسرا اسکا پسندیدہ مرد۔ تم اسکے پسندیدہ مرد ہو؟''

''میرے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟''اس گفتگو میں پہلی بار قیس کو اپنی طرف سے لاجک غائب ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ ایسے وکیل کی مانند تھا جو عدالت میں آتے ہی دلیل بھول گیا تھا۔

''اگر میں نہیں بھی ہوں تو فرق نہیں پڑتا وہ میری پسندیدہ عورت ہے اور بات یہاں ختم۔''وہ خائف ہو رہا تھا۔ کسی خیال، کسی گفتگو میں بھی وہ زینیا کو خود سے فاصلے پہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''محب بھی یہی سمجھتا تھا۔ میں اسکی پسندیدہ عورت ہوں تو بات ختم۔اس نے میرے لیے کئی حربے استعمال کیئے، مجھے بلیک میل کیا۔ شادی کے شروعاتی مہینے وہ مجھ پہ چاہتیں لٹاتا رہا لیکن مرد شارٹ ٹیمپر ہوتے ہیں جلد حوصلہ کھو دیتے ہیں۔ وہ بھی فرسٹریشن کا شکار ہو گیا۔اور مرد کے پاس فرسٹریشن اتارنے کا سب سے محبوب طریقہ ''مار'' ہوتی ہے۔''وہ طنزیہ مسکرائی۔

''میں محب نہیں ہوں میں اسے مار نہیں سکتا۔'' وہ بے چین ہوا۔

''شاید تمھارے پاس اپنی فرسٹریشن اتارنے کا کوئی اور طریقہ ہو۔'' میرہ نے قیس کے چہرے پہ واضح بے کلی دیکھی۔

''اگر وہ تمہاری سول میٹ ہے تو اس سے رعایت کی امید مت رکھنا۔ مرد ہمیشہ کہتا ہے محبت تو معصوم عورت سے ہوتی ہے میں بتاؤں وہ ایسا کیوں کہتا ہے؟'' وہ میز پہ کہنیاں رکھے آگے کو ہوئی۔

''معصوم عورت قابو میں جلد آجاتی ہے۔ مرد حاکم ہے وہ حاکم رہنا چاہتا ہے۔ اپنے ٹکر کی عورت سے اسے محبت ہو سکتی ہے۔ ایک ناکام محبت۔'' وہ پیچھے ہوئی۔ چائے کافی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ کچھ تھا جو قیس کے دل میں کھب گیا تھا اور وہ اسے نکال نہیں سکتا تھا۔

''کیا کوئی طریقہ ہے جس سے میں فرسٹریٹ نہ ہوں۔ یا کچھ ایسا جس سے میں اسکی انفرادی حیثیت تسلیم کر لوں۔ مجھے ٹریجک اینڈنگز سے خوف آتا ہے۔'' میرہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسکے ساتھ آکر بیٹھی۔ دونوں نے ایک ساتھ ریک سے ٹیک لگالی۔ دونوں کی نظریں سامنے والی دیوار پہ جم گئیں۔ وہ دیوار جس پہ ان دونوں کے برے بچپن کی کہانی نشر ہو رہی تھی۔ وہ دونوں ایک گھونسلے کے پرندے تھے۔ وہ مہدی سے نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ اپنی ماں سے محبت کرتا تھا۔ میرہ مختلف تھی وہ اپنی ماں سے اتنی نفرت کرتی تھی جتنی کمبیر خاندان کا کوئی اور فرد۔

''عورتیں peace makers ہوتی ہیں، عبداللہ۔ ساری زندگی انہوں نے ڈھیر سارے خواب دیکھے ہوتے ہیں مگر ان تمام خوابوں میں ایک خواب کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ **''اچھی شادی۔''** وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔

''اگر اسے پسندیدہ مرد نہ بھی ملے تو وہ ایڈجسٹ کر جاتی ہے۔ عزت اور درگزر کی وافر مقدار کے ساتھ۔ عورت کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ تم اسکے ساتھ کھیل کھیلنا بند کرو۔ جو ہو وہی بن کر سامنے جاؤ۔ منہ سے نہیں عمل سے اسے باور کرواؤ وہ تمھیں معاف کر دے گی۔ اس نے پہلے بھی کیا ہوگا ہے ناں؟''

قیس کو یاد آیا وہ اسے چوری کا الزام لگا کر نکال چکا تھا مگر واپس اسکے پاس جاتے ہوئے اس نے دل سے اپنی غلطی درست کی تھی۔ اور زینیا حاکم اسے معاف کر چکی تھی۔

""اسے ٹر گر کرنا چھوڑ دو۔ ورنہ اپنی عزت اسکے دل میں کھو دو گے۔ اور جس مرد کی عورت عزت نہیں کرتی وہ اسکے ساتھ نہیں رہتی۔""

قیس نے خاموشی سے ریک کی ٹیک چھوڑی۔ اس کمرے میں اس نے دنیا کے نامور لکھاریوں کی کتابیں جمع کیں تھیں۔ اسے ان کتابوں میں لکھے اقتسابات ازبر تھے۔ پھر ایک زینیا حاکم وہ ایک عورت کیا شے تھی جسے وہ خود سے نہیں سمجھ سکا۔ میرہ بھی سیدھی ہو بیٹھی اور ایک کپڑا اٹھا کر اسکے ساتھ کتابیں صاف کروانے لگی۔ وہ خاموشی سے کتابیں صاف کرتے ہوئے کئی بار انہیں کھول کر دیکھ لیتا تھا۔ کوئی نوٹ، کوئی تاریخ، کوئی انسان اسے بہت کچھ یاد آجاتا۔ یونہی ایک کتاب کے اوراق پلٹتے ایک ہائی لائٹڈ سطر پہ وہ تھم گیا۔ وہاں بے حد صاف، واضح لکھا تھا۔

""شاہ لطیف لکھتے ہیں۔ عورت عشق کی استاد ہے۔""

وہ کئی لمحے اس سطر کو دیکھتا رہا۔ کبھی میرہ کو، کبھی سطر کو۔

فجر کو قضاء ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں۔ رات بھر بارش برستی رہی تھی۔ اکتوبر نومبر میں اسلام آباد یونہی آسمان کے آنسوؤں سے بھیگا رہتا ہے۔ گلی میں سٹریٹ پولز کی مدھم روشنی تھی۔ درخت دھل کر صاف ہو چکے تھے۔ سرمئی سڑکوں پہ پانی جمع تھا۔ اسی پانی کے بھرے ہوئے پیالے میں کسی دراز قد مرد کا عکس بن رہا تھا۔ وہ گیلے پتھر اٹھاتا اور انہیں بالکنی کی طرف پھینکتا۔ اسکے عقب میں اسکی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ جس کے ڈرائیور کو وہ گھر روانہ کر چکا تھا۔ اسکے چہرے پہ تھکاوٹ واضح تھی۔ مگر خوشی بھی۔

اسکی آنکھ گرل سے لگتے پتھروں کی آواز سے کھلی تھی۔ وہ ابھی ابھی سونے کے لیے لیٹی تھی۔ آج کل اسکی راتیں یونہی شب خوابی کا شکار تھیں۔ پیروں میں سلیپر ڈالے وہ بالکنی کی طرف چلی آئی۔ گیلی گرل پہ ہاتھ رکھ کر نیچے دیکھا تو اسکی ریڑھ کی ہڈی تک سنسناہٹ دوڑ گئی۔ یہ یخ گرل نہیں تھی یہ سامنے کھڑا مرد تھا جس کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ زینیا کو دیکھ کر وہ مسکرایا وہ نہیں مسکرائی۔

گہرے سبز رنگ کی گھٹنوں تک آتی شرٹ کے ساتھ سفید رنگ کے گھیر دار ٹراؤزر والی لڑکی مہدی کمبیر کو وہ سکون دے رہی تھی جو اسے مصر، اردن، مراکش نہیں دے سکے تھے۔ وہ اسکے لیے دنیا چھوڑ کر آیا تھا ایک سیاح کسی کے لیے اس سے بڑی قربانی نہیں دے سکتا تھا۔

''میں نے آپ کو مس کیا، سرکار۔'' اسکی آواز ویران گلی میں گونجی۔ زینیا بس اسے دیکھتی رہی۔ وہ واقعی اسکے سامنے تھا؟ کیا واقعی؟

اسکی عدم موجودگی میں اس سے ہجر کا عندیہ دینا آسان تھا۔ اسکی موجودگی میں اسکی سبز آنکھوں کے سامنے خود پہ بند باندھنا مشکل تھا۔ کون تھا یہ شخص؟ کیا پڑھ کر پھونک رہا تھا۔ کیسی ان دیکھی زنجیریں تھیں جو زینیا حاکم کو اس سے نتھی کر رہی تھیں۔ وہ بارہ مضامین پہ عبور رکھتی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی کرنٹ افیئرز اسکے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھے۔ مگر یہ سامنے کھڑا شخص یہ کیسے اسے بے بس کر رہا تھا، یہ اسکے دل سے کیوں جڑا ہوا تھا یہ جواب مشکل تھا۔

فون کی چنگھاڑتی آواز پہ وہ ہوش میں آئی۔ مہدی کمبیر موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔ وہ اسے بلاک کر چکی تھی پھر وہ کیسے کال کر رہا تھا؟ غائب دماغی سے وہ اندر گئی شیزل کے موبائل پہ مہدی کی کال آرہی تھی۔ وہ موبائل کان سے لگائے باہر آئی۔ دھند سے بھری گلی میں اب ہلکی ہلکی بارش دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔

''آپ کب واپس آئے؟'' وہ واپس بالکنی میں آکر کھڑی ہوئی۔ ہلکی بوچھاڑ اسکے چہرے پہ پڑنے لگی۔

''آج بلکہ سیدھا ایئرپورٹ سے یہاں آرہا ہوں۔''

''آپ نے تو ابھی کچھ وقت وہیں رہنا تھا ناں۔'' وہ خود پہ بند نہیں بیٹھا سکی۔ مہدی کمبیر کے سامنے سارے فلٹرز اتر جاتے تھے۔

''کیا کوئی مسئلہ ہو گیا تھا؟''

''سب ٹھیک تھا۔'' بوچھاڑ میں بھیگتا مرد دھیرے سے بولا۔ نظریں بالکنی میں کھڑی لڑکی پہ جمی رہیں۔

''بس دنیا سے سکون یکدم رخصت ہو گیا تھا اس لیے چلا آیا۔''

''اور یہاں کیا ہے؟''

مہدی چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بے حد مدھم لہجے میں، بے حد آہستگی سے بولا۔

''یہاں سکون ہے، ڈھیر سارا سکون۔ ایسا سکون ساری دنیا میں نہیں ہے۔'' کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔

''مجھے آج پتہ چلا ہے۔ دنیا تو بہت اوورریٹڈ ہے۔ سکون تو سارا یہیں ہے۔ اس شہر میں۔'' وہ اسے دیکھ کر اسی کے لیے کہہ رہا تھا اتنا تو زینیا جان گئی تھی۔ اس کے انہی الفاظ پہ وہ جیسے چونک کر ہوش میں آئی۔ اسے یہ سب نہیں کہنا چاہیے۔ اسے اس وقت یہاں نہیں ہونا چاہیے۔

''آپ کو اس وقت یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ میں موضوع گفتگو نہیں بننا چاہتی۔'' وہ بے گانگی سے بولی۔ مہدی نے اسکی بات کو ہوا میں اڑایا۔

''تم نے مجھے اب تک ان بلاک نہیں کیا؟'' وہ ایک ماہ بعد واپس آیا تھا۔ ویسا ہی ہشاش بشاش ویسا ہی بے فکر۔

''میں نے تمہیں اپنے نئے انسٹا گرام اکاؤنٹ سے میسج بھی کیا تھا۔ تم نے دیکھا ہی نہیں۔'' وہ جوتوں کی قینچی بنائے گاڑی سے ٹیک لگا گیا تھا۔ گردن اٹھائے وہ بالکنی میں کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ حصہ ہاسٹل کی دائیں جانب تھا۔ سیکورٹی گارڈز یہاں سے فاصلے پہ تھے۔

''ہماری آخری ملاقات اتنی خوشگوار نہیں تھی کہ میں آپ کو کالز کرتی رہی یا پھر آپ کے ٹیکسٹس کے جواب دوں۔''

''مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''مجھے مروتیں نبھانی نہیں آتیں۔'' سرد مہری بڑھتی گئی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' مہدی آنکھیں سکیڑے اسے دیکھنے لگا۔ یہاں سے اسکی آنکھیں دیکھنا مشکل تھا۔ بارش اسکا منظر دھندلا کر رہی تھی یا کوئی بدگمانی؟

''اگر میں ٹھیک ہوں تو یہ آپ کا مسئلہ نہیں اور اگر نہیں ہوں تو یہ بھی آپ کا مسئلہ نہیں۔''

''میں تم سے ملنے آیا تھا یار۔'' وہ اسے یہ نہیں بتا سکا کہ اپنے شیڈول پہ لعنت بھیج کر، ہوٹل کی بکنگ کے پیسے بھاڑ میں جھونک کر، اپنے شو کینسل کر کے، ہر پلان، ہر رونق پہ لعنت بھیج کر وہ گھر واپس آیا تھا۔ وہ گھر جس سے دو گلی پار اسے وہ عورت ملتی تھی جو اسے گھر جیسا احساس دیتی تھی۔

''کیوں آئے ہیں؟'' لاتعلقی ہنوز قائم رہی۔

''تم سے ملنے اور تمھارے لیے آنے کا پرمٹ ہے میرے پاس۔''

''وہ بہت جلد ختم ہونے والا ہے۔''

''یعنی تم اپنے فیصلے پہ قائم ہو؟'' اسکے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔ زینیا کی سرد مہری میں البتہ کوئی فرق نہیں پڑا۔ اسکی آنکھیں جیسے مہدی کو پہچانتی ہی نہ ہوں۔ مہدی کے لیے یہ سب دیکھنا مشکل ہوا۔

''مجھے نہیں لگتا مجھے میرے فیصلے پہ نظر ثانی کرنے کی کوئی ضرورت یا کوئی وجہ تھی۔ ہمارے درمیان یہی طے ہوا تھا۔''

''ہر بات زبان سے طے نہیں ہوتی سرکار۔''

''میرے لیے ہر بات زبان سے ہی طے ہوتی ہے۔''

''اور دل؟'' بارش اسے بھگو رہی تھی۔ سرد ہوائیں اسے ٹھٹھرنے پہ مجبور کر رہی تھی مگر وہ اس یخ تاثر سے زخمی ہو رہا تھا جو اس لڑکی کے لہجے میں تھا۔

زینیا استہزائیہ مسکرائی۔

''دل کیا ہے جسم کو خون پہنچانے والا ایک عضو؟ میں اسے سر نہیں چڑھاتی۔''

مہدی خاموش رہا۔ سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ گھر کے دروازے پہ جیسے خاردار تاریں لگ گئی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوتا تھا تو جسم زخمی ہونے لگتا تھا۔ وہ اس قلیل سے وقت میں اس سے اتنا دور کیسے چلی گئی؟

''میں ''**تمھارے**'' لیے واپس آیا ہوں۔''اس نے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کرادا کیا۔زینیا کادل اسکے ہر ہر لفظ پہ تھما تھا۔مگراس نے تاثرات کو پگھلنے کی اجازت نہیں دی۔

''آپ اپنی ''**محبت**'' کے پاس گئے تھے پھر میرے لیے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ہمارے درمیان ایسا کیا ہے جو آپ میرے لیے آئیں۔''

''تم مجھ سے ناراض ہو؟کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟''

''میری یہ جُرّات؟اور آپ سے کیوں ناراض ہونا ہے مجھے آپ ہیں کون؟''یہ زینیا دوبارہ سے دھندلا پردہ بن گئی تھی۔جس کے پار کوئی کچھ نہ دیکھ سکے۔

''تم میرے لیے اہم ہو۔''وہ چہرے پہ ٹھہری نمی کو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''بلکل اسی طرح جیسے شانیا اہم ہے؟''وہ تڑخ کر بولی۔

''آپ کے لیے بہت سی عورتیں اہم ہیں کمبیر صاحب۔آپ کا ساتھ بہت سی عورتوں کو میسر ہے اور بہت سی عورتوں پہ آپ کی نظر التفات ہیں۔زینیا حاکم کس نمبر پہ آتی ہے کسی کو کیا معلوم؟''

''یہ ساری بکواس کس بارے میں ہے بتانا پسند کرو گی۔''وہ ساری مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے درشتی سے بولا۔

''یہ لہجہ کمبیر محل کی ملازماؤں کے لیے سنبھال کر رکھیں۔زینیا حاکم سے بات کرتے ہوئے ادب یاد رکھا کریں۔'' وہ تلخی اور دوٹوک انداز میں کہہ کر فون بند کر چکی تھی۔مہدی متعجب نظروں سے بالکنی میں دیکھتا رہا وہ اس ٹھنڈی گرل سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔یوں جیسے وہ مہدی کی زندگی سے بھی رخصت ہوئی ہو۔مہدی اپنی جگہ کھڑے کھڑے ساکت ہوا۔

یہ وہ زینیا نہیں تھی جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ وہ زینیا بھی نہیں تھی جس کے لیے وہ واپس آیا تھا۔ یہ وہ زینیا نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔ اجنبیت کی ایک دیوار ان دونوں کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔ سیاح جس کے لیے کشتی جلا کر آیا تھا وہ اسکے قدموں سے زمین کھینچ چکی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ آ گیا تھا۔ شاید بد بختی؟

کچھ چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔ کچھ معاملات اسکے ہاتھ سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے ہاتھ سے ریت۔ قیسم کی عمارت میں زینیا حاکم کا پہلا قدم ایسا ہی تھا بے بس اور لاچار۔

قیسم سے کیا وہ معاہدہ اسے پاتال سے کھینچ کر یہاں لاتا تھا۔ آج یہاں آتے ہوئے اس نے کئی بار سوچا تھا اگر عبداللہ سے اسکا کوئی کاغذی معاہدہ ہوتا تو زینیا بھی اسے گریبان سے پکڑ کر گوادر لے آتی۔ مگر یہ لایا جانا بھی بھلا آنا ہوا؟ ایسے آنے پہ خوش آمدید نہیں ماتم ہوتے ہیں۔

اپنے سٹوڈیو میں بیٹھے ہوئے وہ پچھلے ماہ کھینچی گئی تصاویر کو بددلی سے ایڈٹ کر رہی تھی۔ سٹوڈیو خالی تھا باقی سب اپنا کام وقت سے پہلے جمع کروا چکے تھے۔ اور وہ اس وقت اس خالی سٹوڈیو میں کام کرنے پہ مجبور تھی۔ گہرے نیلے رنگ کی سلک شرٹ جس کے بین گلے پہ سفید موتی لگے تھے اور ہم رنگ دوپٹہ سر پہ جمائے۔ گھنے لمبے بالوں کو بیچ کی مانگ نکال کر مضبوط چٹیا میں گوندھے وہ ایک سال قبل والی زینیا حاکم لگ رہی تھی۔ اپنے کام میں مگن۔ ساری دنیا سے بے نیاز اور اکھڑ۔ معاً اسکی نظر راہداری کی طرف اٹھی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔

نیوی بلیو تھری پیس میں ملبوس موبائل کان سے لگائے وہ ہنستے ہوئے کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ سامنے سے کچھ کہا تھا اور اس نے قیس کمبیر کو اب مزید دل کھول کر ہنستے ہوئے دیکھا۔ شیشے کی ریلنگ کے ساتھ کھڑا وہ خوشدلی سے سامنے والے کی بات سن رہا تھا۔ وہ بس اچھا دکھتا تھا۔ لیکن وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ جو عورت بھی قیس کمبیر کو دیکھتی ہو گی انہیں وہ صرف اچھا نہیں لگا ہو گا۔ اس میں کوئی کشش تھی کہ وہ اپنے دیکھنے والی نظر کو خود سے باندھ دے۔

یہ وہ آدمی تھا جسے دیکھنے کی چاہ زینیا نے کئی برس کی تھی۔ اسے لگا تھا وہ واپس آجائے گا تو وہ ایک بار پھر اسکے سحر میں لپیٹ لی جائے گی۔ مگر اسے حیرت ہوئی، بے تحاشا حیرت جب عبداللہ کا اثر اسکے دل سے ختم ہوا۔ ہاں وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر نگاہوں میں اشتیاق نہیں تھا۔ وہ ہنس رہا تھا اور اسکی ہنسی زینیا کے دل پہ اثر چھوڑنے میں ناکام رہی۔ اسکا چہرے، اسکے نقوش، وہ قد کاٹھ اسے حفظ کرنا تھا مگر نہیں ہوا۔ ذہن کے پردوں پہ کوئی اور شخص رقم ہو چکا تھا۔

وہ وہیں راہداری میں کھڑا تھا جب بے زار چہرے والا مہدی بھی اسکے سامنے آکر ٹھہرا۔

اس نے قیس کو کال ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ عام چہرہ، معمولی سی ذہانت اس میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا کہ کوئی لڑکی قیس کمبیر کے سامنے اسے دیکھتی مگر زینیا دیکھ رہی تھی۔ اور جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، وہ نظر محبت کی تھی۔

محبت اگر زاویے بدلتی تھی تو سنہری آنکھوں کے زاویے بدل چکے تھے مہدی اب اسے دنیا کا سب سے پرکشش مرد لگتا تھا۔ عبداللہ ایک سراب تھا جس کے پیچھے وہ لمبا عرصہ بھاگتی رہی اور مہدی کمبیر وہ حقیقت تھا جسے ہاتھ بڑھا کر چھونے سے ڈر لگتا تھا، مہدی ہی وہ خواب تھا جس کے لیے اس نے کسی جادوئی چھڑی کی خواہش کی تھی۔

اسکی نظروں کی تپش سے مہدی نے گردن پھیر کر دیکھا۔ شیشے کے پار وہ اسے تک رہی تھی۔ چہرے پہ کئی ملمعے چڑھا رکھے تھے مگر مہدی ان پردوں کے پار دیکھ سکتا تھا۔ ایک سال قبل گوادر کے تہہ خانے میں بھی اور آج سال بعد قیسم کے اس شاہانہ آفس میں بھی۔

تکون کے تیسرے سرے کی نظر بھی بے اختیار اسی طرف اٹھی۔ اسے وہ عورت نظر آئی جس کا ہونا ہی نعمت تھا۔ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

قیس یہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسکے علاوہ کسی کو دیکھ سکتی ہے اور وہ "کسی" مہدی کمبیر ہو گا۔ کہانیوں کو کئی بار وقت سے پہلے سچائی بتا دینی چاہیے۔

اس نے موبائل کان سے اتارا اور ایک نظر مہدی کو دیکھا۔

"میں شام کو گھر آکر بات کرتا ہوں۔"

''یہ ویڈیوز ہر طرف وائرل ہو رہی ہیں۔اور تم مجھ سے شام میں بات کرو گے ؟''مہدی دباد باغرایا۔

''ویڈیوز تمہاری ہیں۔ مسئلہ تمہارا ہے۔ میں تمھارے باپ کا نوکر نہیں جو تمہارا ہر مسئلہ فکس کرتا رہوں۔''وہ جواباً سرد مہری سے بولا۔ پھر ایک بھی نگاہ غلط اس پہ ڈالے بغیر وہ ایک دھڑلے سے سٹوڈیو کی طرف بڑھ گیا۔ مہدی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ نظریں زینیا سے ملیں تو وہ بے رخی سے نگاہیں موڑ گئی۔ مہدی کے لیے یہ بے رخی نئی نہیں تھی مگر آج دل بہت بری طرح دکھا تھا۔

قیس اسکے قریب اسٹول کھینچ کر بیٹھ رہا تھا۔ مہدی نے اپنے سارے جسم میں تناؤ سا محسوس کیا۔ وہ اسکا لیپ ٹاپ کھٹ سے بند کر رہا تھا مہدی کے ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا باہر کھڑے اس مرد کے بے اختیار جی میں آیا کہ اسکی زبان کھینچ لے۔ زینیا نے جواباً کچھ کہا اور اس سے زیادہ برداشت وہ نہیں کر سکا تھا۔

اپنی کیفیات وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا گیا تھا۔اندر شیشے کے اس سٹوڈیو میں وقت کی سوئیاں چند لمحے پیچھے کرو تو قیس اسٹول کھینچ کر زینیا کے دائیں طرف بیٹھا تھا۔

''ویلکم۔''

وہ جواب دیئے بغیر لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کرتی رہی۔ اسکے کلون کی خوشبو، اسکا وجود زینیا کے دل میں اشتعال ابھرنے لگا۔

"اپنے گھر والوں کو بتایا تم نے ؟''وہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔

''تم ٹھیک ہو ؟''وہ اب کے فکر مندی سے بولا۔ جواب ندارد۔ قیس نے کھٹ سے لیپ ٹاپ کی سکرین گرادی۔ ''مجھے اگنور ہونا نہیں پسند۔''وہ ناگواری سے بولا۔

''آپ میرے ذاتی معملات میں دخل دے رہے ہیں اور مجھے یہ سب بلکل پسند نہیں۔اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آپ کے حکم کی غلام نہیں ہوں۔''وہ بازو سینے پہ باندھے تندہی سے بولی۔

''ہم دونوں کے درمیان کچھ ذاتی بھی ہے؟''

''بلکل ہے۔اور بہت کچھ ہے۔بلکہ ہمارے درمیان ایسا کیا مختلف ہے؟میں صرف قیسم کی ایک فوٹو گرافر ہوں۔''

''تم میری سول میٹ ہو۔''وہ ایک پل کے لیے بھی اسکے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹا سکا۔

''یہ خوش فہمی آپ کو ہے مجھے نہیں۔''زینیا نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔وہ سیاہ آنکھیں اسکے چہرے پہ ہی جمائے ہوئے تھا۔

''تم ایچ آر گئی تھی۔یہ شکایت کرنے کہ اس آفس کے مردوں سے تمھیں مسائل ہیں۔تمھیں کس سے مسئلہ ہے؟''

زینیا عجیب انداز میں مسکرائی۔اندر تک جیسے آگ بھر گئی ہو۔

''تمہاری ٹیم بھی تمہارے جیسی ہے۔حالانکہ میں نے انہیں صاف صاف یہ بتایا کہ مجھے قیس کمبیر کے ارد گرد رہنے سے مسئلہ ہے۔انہوں نے تمہارا نام نہیں لیا؟''

قیس کی رنگت ایک لمحے میں سرخ ہوئی تھی۔گردن کی نسیں تک ابھر آئیں۔اسکا ہاتھ جیسے زینیا کی گردن تک جاتے جاتے رکا ہو۔

''میرے متعلق آج تک کسی لڑکی نے ایسی کوئی بکواس نہیں کی۔تمہاری جرات کیسے ہوئی؟''مارے غیض کے اسکی آواز لڑکھڑانے لگی۔

''تم کسی لڑکی کے ساتھ اس طرح اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہو؟اس طرح کسی بھی ورکر کی لیپ ٹاپ بند کر دیتے ہو؟اسی طرح کسی بھی ورکر سے اسکے ذاتی مسائل پوچھتے ہو۔''

''تم مختلف ہو،اہم ہو میرے لیے۔''وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بے حد ضبط سے بولا۔

''کیوں ہوں میں؟نہیں رہنا مجھے تمھارے لیے اہم۔جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے اسکے بعد مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔تم نے مجھے سارے جہاں میں ذلیل کیا۔''وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

(عبداللہ نہیں آئے گا،زینی،اسکا انتظار ترک کردو۔)

''جب مجھے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت تھی جب مجھے لگا سب ٹھیک ہو جائے گا تب تم نے مجھے سب کے سامنے رسوا کیا۔''

(وہ تمھارے باپ کو فون کر کے منع کر چکا ہے۔ وہ صرف اور صرف تمھیں اذیت دینا چاہتا ہے۔ وہ تم سے تمھارے باپ کا انتقام لے رہا ہے۔)

''میں نے تمھارے علاوہ کبھی کسی سے امید نہیں لگائی تم نے مجھے ساری زندگی کے لیے مسخ کر دیا۔ میں نے تمھارے علاوہ کسی کے لیے اپنی انا نہیں ہاری تم نے مجھے بے عزت کیا۔ تم نے ہر بار میرے ساتھ یہی کیا۔'' وہ بلند آواز میں کہتے ہوئے رکی۔

''پھر میں تمھارے بغیر رہنا سیکھ گئی۔ تم سے امیدیں ختم کر دیں۔ تم سے توقعات خاک کر دیں۔ اور اب تم اب آئے ہو؟ تم اب کیوں آئے ہو؟'' وہ تھک کر دوبارہ اسٹول پہ بیٹھ گئی۔ چہرے پہ رندھا ہوا تاثر رقم تھا۔

قیس سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ یعنی اس تعلق میں اس حد تک آگے جانے والا وہ اکیلا نہیں تھا؟

''بس ہو گیا؟ اگر مزید گالیاں دینے کا یا پھر مجھے ذلیل کرنے کا موڈ ہے تو میرے آفس چلتے ہیں۔ وہاں ایک فائدہ ہے آواز باہر نہیں جائے گی۔'' وہ تلخ ہوا۔ زینیا نے اسے نہیں دیکھا۔ عبداللہ فلحال اذیت کی اس انتہا کو نہیں پہنچا تھا جہاں وہ تھی۔ لاعلمی اسے مبارک ہو۔ عذاب اسے مبارک۔

''تم نے ایچ آر جا کر یہ کہا ہے کہ میں تمھیں تنگ کرتا ہوں؟'' اب کے وہ کاٹ دار انداز سے بولا۔ زینیا کی آنکھوں میں آنسو امڈنے لگے۔ قیس بری طرح بے زار ہوا۔

''اب اگر تم نے یہ رونے والا ڈرامہ کیا تو میں تمہاری آنکھیں نکال دوں گا۔'' انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''عزت جس طرح عورت کی ہوتی ہے اسی طرح مرد کی بھی ہوتی ہے۔ اگر اس دن میں نے تمھیں ذلیل کیا تھا تو آج تم مجھے کر چکی ہو بتاؤ کیسے حساب دو گی تم؟ میری ٹیم کے سامنے مجھے رسوا کرنے کا حساب کیسے دو گی؟'' اس نے ہاتھ زور سے میز پہ مارا۔ اندر آتی ایک ورکر سہم کر پیچھے ہوئی اور بغیر آس پاس دیکھے وہ باہر نکل گئی۔ باس غصے میں تھے اپنی شامت کون لانا چاہے گا؟

زینیا نے خالی خالی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان آنکھوں میں قلق تھا۔ بغیر کچھ کہے اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور چند بٹن دبا کر سکرین اسکے سامنے کر دی۔

وہ قیسم کے کسی ملازم کی طرف سے بھیجی گئی نازیبا ای میلز تھیں۔ نامحسوس انداز میں قیس کے ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی۔ وہ زینیا حاکم سے انتہائی نازیبا مطالبات کر رہا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''تم کہتے ہو ٹراما انسان کی شخصیت کو بدل دیتا ہے۔ غصے میں انسان وہ نہیں رہتا جو امیج اس نے بنا کر رکھی ہوتی ہے۔ اپنے کسی باس سے ہراس ہونا مجھے بھی غصہ دلا گیا تھا۔ اور غصہ مجھے تم پہ بھی تھا۔ لیکن میں نے صرف اس انسان کی شکایت جمع کروائی جس سے مجھے شکایت تھی۔ اصل انسان وہ ہوتا ہے جسے غصہ قابو کرنا آتا ہو۔ تمھیں غصہ قابو کرنا نہیں آتا، قیس۔'' وہ شل رہ گیا۔ اتنے دنوں سے وہ خود کو جو دلاسے دیتا رہا تھا وہ خاک ہوئے۔

''تم سمیت یہاں ہر انسان آئیڈیل زندگی نہیں گزار رہا۔ لیکن ہر کوئی تمہاری طرح sadist نہیں ہے۔ تم لوگوں کو سزائیں دیتے ہو۔ تم بغض پال لیتے ہو۔ بے عزت کرتے ہو۔ اور معاف نہیں کرتے معافی نہیں مانگتے۔'' زخمی انداز میں کہتے اس نے پاس رکھے کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے۔ پھر قیس کے آگے رکھا۔

''میں نے اپنی دوست کی خاطر کانٹریکٹ کی شق توڑی اور میں تم سے اس کے لیے معافی مانگتی ہوں۔'' قیس نے کاغذ پہ لکھے معذرتی الفاظ پڑھے۔ ملال گہرا ہوا۔ وہ اس سے کسی معذرت کا خواہشمند نہیں تھا۔

''تمھیں برا لگتا ہے تو تم اس امر کو یقینی بناتے ہو کہ سب کو ویسا محسوس کرواؤ۔ تمھیں ہرٹ ہو تو تم دوسروں کو ہرٹ کرتے ہو۔ تم کہتے ہو تم اس وقت غصے میں تھے؟ لیکن انسان کا اصل وہی ہوتا ہے جو وہ غصے میں ظاہر کرتا ہے۔

اس وقت تمھیں جیسے پتہ چلا کہ میں نے تمہاری شکایت کی تم فوراً سے حساب لے کر آ گئے۔

میری غلطی تمہاری غلطی اور یہ ہو گیا سب برابر۔ تم ہر تعلق میں یہی حساب کتاب اور کاروبار کرتے ہو۔'' وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی کہ اپنی منگیتر سے بھی وہ یہی حساب کتاب کرتا رہا تھا۔

وہ بول رہی تھی اور قیس بامشکل گردن اٹھائے ہوئے تھا ورنہ یوں لگتا تھا ابھی ڈھلک کر گرے گی۔ وہ جتنی کوشش کرتا تھا زینیا کو اس سے شکایات نہ ہوں، ہر دفع اسکی ہر کوشش دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔

''تمہاری طرف میرے کئی حساب نکلتے ہیں۔ کاش میں تمھیں وہ سب گنوا سکتی۔'' اسے عبداللہ کی وجہ سے موضوع گفتگو بننا یاد آیا۔ اسے عبداللہ کی وجہ سے طعنے یاد آئے۔

دل کی وہ تکلیف یاد آئی جو اسکے نہ آنے پہ ہوتی تھی۔ وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے دل کے نہ چاہتے ہوئے بالاج کو اپنے نکاح میں قبول کیا۔ بالاج کے طنز اسکا ہاتھ اٹھانا یاد آیا۔ عبداللہ کی طرف اسکے واقعی کئی حساب نکلتے تھے۔

کئی لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ وہ شاید نادم تھا، شاید نہیں۔

''ایک غلطی تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔'' کافی دیر بعد وہ دھیرے سے بولا۔

''اسی لیے وہ خدا ہے اور میں انسان۔ کچھ انسان اپنے باپ کو بھی معاف نہیں کرتے ان میں زینیا حاکم سر فہرست ہے۔'' مہدی کے دیئے اسباق پہ اس نے خود کو بدلنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ کہانیوں والی کوشش تھی جس میں جادو کے ذریعے شہزادی حسین ہو جاتی ہے۔ مگر وقتی طور پہ۔ یہاں گھڑی نے بارہ کا کانٹا بجایا وہیں شہزادی اپنی اصل حالت میں آ جاتی تھی۔ حل کے لیے شہزادی کو ''**جادو**'' چھوڑ ''**جدوجہد**'' کرنی ہو گی۔

''میں فکس کر رہا ہوں ناں۔ تمہاری انا اتنی اونچی کیوں ہے؟''

''فکس کیوں کر رہے ہو؟ تم نادم کیوں نہیں ہو؟ فکس کرتے کرتے ایک دن تم تھک جاؤ گے اور پھر فرسٹریٹ ہو گے۔ مرد کی فرسٹریشن بہت بری ثابت ہوتی ہے۔ میرا جتنا نقصان تم نے کر دیا تھا تم کر چکے اب خود کو بدلو۔'' وہ جیسے تھک گئی بے زار ہوئی۔

''تم قیسم چھوڑ رہی ہو؟ تم نے ملازمین سے معاہدے توڑنے کی سنگین نتائج کے بارے میں معلومات کروائیں۔'' زینیا کا لیکچر اس پہ خاک اثر انداز نہیں ہوا۔ وہ ایک بار اپنے مطلب کی بات پہ آیا۔ زینیا گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''چھوڑ سکتی ہوتی تو چھوڑ دیتی۔ قیسم ہر کسی کے لیے خوابوں کی عمارت ہے مگر میرے لیے ایک نائٹ میئر۔'' اس نے لفظ نائٹ میئر پہ بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اس عمارت میں مجھے گھٹن ہوتی ہے۔ کاش میں اسے چھوڑ سکتی۔'' وہ بے بسی بھری حسرت سے کہتے ہوئے اٹھی۔ اپنا سامان سمیٹا اور باہر نکل آئی۔ قیس شل سا اندر بیٹھا رہا۔ کیا اسکی ایک غلطی واقعی اس پہ اتنی بھاری پڑی تھی؟

راہداری میں قدم اٹھاتی لڑکی سب کچھ بھول کر آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ عبداللہ ایک بار پھر اسے تاریکیوں میں کھینچ لایا تھا۔

اسٹیئرنگ وہیل پہ اسکے مضبوط ہاتھوں کی گرفت سخت تھی۔ آنکھوں میں سرد سا تاثر تھا۔ اسکے دل میں ہر گزرتے لمحے آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ شنایا نامی اداکارہ سے اسکی اچھی دوستی رہی تھی۔

چند ماہ قبل اسکے بوائے فرینڈ نے جب اسے چھوڑ دیا تب مہدی اسکا لائف کوچ بنا رہا۔ اور آج صبح کسی تنگڑی فالونگ والے پیج نے شنایا اور اسکی کچھ تصاویر پوسٹ کر دی تھیں۔ وہ تصاویر بظاہر عام سی تھیں۔

وہ دونوں کسی پارک میں واک کر رہے تھے۔

شنایا کسی بات پہ ہنس رہی تھی اور مہدی اسے دیکھ رہا تھا۔

اگلی تصویر میں وہ مہدی کے دونوں ہاتھوں میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء تھیں اور وہ اسکے جوتوں کے لیسز باندھ رہی تھی۔ تصاویر وائرل ہو رہی تھیں۔

اسکے ڈی ایمز بھرتے جا رہے تھے۔ ایک بدنام زمانہ اداکارہ کے ساتھ اسکا اسکینڈل اسے خبروں میں **"ان"** تھا۔ مگر مہدی کو یہ اپنے کیریئر کا دھبا ہی محسوس ہوا۔ مسئلہ اس عورت کا کردار نہیں تھا۔ مسئلہ **"جھوٹ"** تھا۔ مسئلہ اسکی **"ساکھ"** تھی۔ اور مسئلہ **زینیا حاکم** تھی۔

وہ ناراض تھی اور اگر وجہ یہ ہے تو وہ اس وجہ کو ختم کرے گا۔

سڑکوں پہ اندھا دھند گاڑی بھگاتے ہوئے بلاخر وہ ایک پوش علاقے میں داخل ہوا۔ بھورے رنگ کے ایک بنگلے کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنا چہرہ بیک ویو مرر میں دیکھا۔

اسکی آنکھیں ایک بار پھر رنگ تبدیل کر چکی تھیں۔اس نے گاڑی ایک طرف لگائی۔جیب تھپتھپا کر اوزار کی موجودگی چیک کی۔گارڈ نے ہر دفع کی طرح اس دفع بھی پر تپاک انداز میں اسکا استقبال کیا۔

وہ سر کے خم سے جواب دیتا اندر آیا۔پورچ کی دائیں طرف لان تھا اور اس وقت وہ خالی تھا۔ملازم اسکے لیے آگے بڑھ آئے۔وہ ٹھہرا اور سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''ابرہیم صاحب کہاں ہیں؟''

''سر آپ ڈرائنگ روم میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''کم سنائی دیتا ہے؟اس نے ملازم کی بات کاٹی۔''میں۔۔نے۔۔پوچھا۔۔ابراہیم۔۔کہاں ہے۔''

''اپنے کمرے میں۔''مہدی نے آنکھوں سے اسے مزید کہتے رہنے کا اشارہ کیا۔''اوپر سیڑھیوں سے دائیں طرف دوسرا کمرہ۔''وہ دو قدم پیچھے ہوا۔مہدی آگے بڑھا جب ملازم دوبارہ بولا۔

''سر انہوں نے کہا ہے وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔''

''فکر مت کرو، میں "کسی" نہیں ہوں۔ تمھارے سر کے حساب سے میں انکا مستقبل کا بہنوئی ہوں۔بس خوش فہمی ختم کر کے پانچ منٹ میں آ جاؤں گا۔''اس نے ہاتھ سے پانچ انگلیوں کا نشان بنا کر دکھایا۔اور زینے پھلانگتا ہوا اوپر آیا۔

سفید رنگ کے چکنے ماربل پہ ایڑھیوں کے بل گھوم کر اس نے اطراف کا جائزہ لیا اور دائیں طرف دوسرے کمرے کی جانب بڑھا۔دروازہ نیم وا تھا۔مہدی نے دھکیلا تو کھلتا ہی چلا گیا۔

اندر سنگھار میز کے سامنے باتھ رب میں ملبوس کھڑا وہ شخص بالوں میں کنگھی چلا رہا تھا۔کسی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ وہ ٹھہر گیا۔ گردن موڑ کر جونہی دیکھا مہدی کمبیر اپنے پورے قد کے ساتھ اسکے سامنے کھڑا تھا۔

ابراہیم نامی مرد جسکی عمر کوئی تیس پینتیس کے لگ بھگ تھی۔اسکی رنگت واضح طور پہ پھیکی پڑی تھی۔

''اوہ تم؟۔۔۔تم کب آئے، مہدی؟''وہ سنبھل کر بولا۔مہدی کڑی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آج صبح آیا۔ سوچا گھر جاؤں گا کچھ وقت سکون سے گزرے گا۔ لیکن کچھ خبریں اڑ رہی ہیں میرے اور تمہاری بہن کے متعلق۔ اسے شاید فرق نہ پڑتا ہو لیکن مجھے بہت برا لگا ہے یار۔ آرام بھی نہیں کر سکا میں۔'' وہ آگے آیا اور ابراہیم کے عین سامنے آکر کھڑا ہوا۔ آنکھوں میں ٹھنڈک تھی۔

''کچھ دن کا شور ہے یار تھم جائے گا ڈونٹ وری۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر ایک بار پھر شیشے کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری ساکھ پہ اثر پڑ رہا ہے۔ دو ماہ قبل میں نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ میں اپنے کلائنٹس کے ساتھ ذاتی تعلقات نہیں رکھتا۔'' اسکے چہرے پہ ہلکا سا افسوس ابھرا۔

''میرا وہ بیان بھی وائرل ہو رہا ہے اور یہ سب مجھے بہت برا لگ رہا ہے۔''

''اب سوشل میڈیا پہ ہمارا بس نہیں چلتا ناں یار۔ ایزی رہو۔ کچھ نہیں ہوتا۔'' اس نے کہتے ہوئے میز پہ دھری پرفیوم کی شیشی اٹھائی۔ مہدی نے گردن پیچھے پھینک کر ایک لمبی گہری سانس لی۔

''شنایا کے سوشل میڈیا تم ہینڈل کرتے ہو ناں؟ ایسا کرو کہ اسکی طرف سے ایک statement جاری کرو جس میں صاف صاف بتاؤ کہ مہدی کمبیر شنایا خطاب کا سگا نہ سہی لیکن بھائیوں جیسا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔'' وہ متانت سے بولا۔ سہولت سے حل پیش کیا۔

''تم خود کیوں نہیں کہہ دیتے یہ سب؟ ایک پیغام ہی تو ہے۔'' واضح ڈھٹائی۔

''چند ماہ قبل ہی تمہاری بہن کا بریک اپ ہوا اور اس بریک اپ کی وجہ سے آج تک وہ مرد bash ہو رہا ہے کیونکہ ہماری عوام کو لگتا ہے کہ اسے چھوڑے جانے کی وجہ اسکا ''**کردار**'' ہے۔ تم چاہتے ہو توپوں کے تمام رخ میں اپنی طرف کر لوں؟''

ابراہیم اسکی طرف مڑا۔ اسکی نظروں میں چیلنج تھا۔

''دنیا کا کیا ہے وہ تو کہتی رہتی ہے۔''

''مجھے پرواہ ہے دنیا''میرے'' بارے میں کیا کہتی ہے۔اوراس دنیامیں ایک عورت ہے مجھے پرواہ ہے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے۔''

''کون عورت؟'' اسکی بھنویں سکڑیں۔

''میں ہرکسی کواسکے بارے میں بتاناپسند نہیں کرتا۔''وہ آرام سے بیڈ کے ایک کونے پہ جاکر ٹک گیا۔

ابراہیم نے کندھے اچکائے۔یوں جیسے اسے فرق نہ پڑتاہو۔اسکی بہن کانام صاف رہے بس۔

'' تمہاری وجہ سے ایک دن کے اندراندر رشنایاکی ریپوبدل رہی ہے۔اسکے لیے کالزپہ کالزآنے لگے ہیں۔اسکے کردارپہ لگے دھبے اتر رہے ہیں اگروجہ تم ہوتوکیاہوا؟کیاتم کسی لڑکی کے لیے اتنابھی نہیں کرسکتے؟''

مہدی اپنی جگہ سے اٹھا۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتااسکے قریب آکر رکا۔چندپل ابراہیم کی آنکھوں میں دیکھتارہاپھر برق رفتاری سے اسے گھمایااور شیشے سے لگایاباتھ روب سے لٹکتابیلٹ بجلی کی سی تیزی سے باہر نکالا۔ابراہیم نے حرکت کرنے کی کوشش کی جب مہدی نے پوری قوت سے اسکی کمرپہ گھٹنادے مارا۔

اگلے ہی لمحے وہ اسکی گردن میں بیلٹ ڈال کرایک مرتبہ پھراسکی ٹانگوں پہ لات مارتے ہوئے اسے گھٹنوں کے بل بیٹھاچکاتھا۔

ابراہیم کوسانس لینے میں جتنی دشواری ہوتی مہدی اسکی گردن پہ زوراتنازیادہ بڑھاتاجارہاتھا۔آنکھوں میں بے رحمی تھی۔

''مجھے ضرورفرق پڑتااگرشنایامیری ماں،بہن یابیٹی ہوتی لیکن افسوس وہ نہیں ہے۔''ٹھنڈے سفاک اندازمیں کہتے ہوئے، گردن پہ بیلٹ کازوربڑھاتے ہوئے وہ اسکے کان کے پاس جھکا۔

'' لیکن خوش قسمتی سے میری ایک بیوی ہے اوروہ مجھ سے ناراض ہے۔میری ایک ریپوٹیشن ہے جوتمہاری بہن کی وجہ سے خراب ہورہی ہے۔میں ریپوٹیشن چھوڑسکتاہوں لیکن بیوی چھوڑنے جیسی شے نہیں ہے۔''اس نے ایک بارپھراسکی پشت پہ دو بارگھٹنے سے ضرب ماری۔جب وہ بلکل بے دھم ساہوکرفرش پہ گراتب مہدی کمبیرپنجوں کے بل اسکے قریب بیٹھا۔

''میں نے ایک لمبا عرصہ تمہاری بہن کو وقت اور انرجی دی صرف اس لیے تاکہ وہ زندگی میں کم بیک کر سکے۔ اس لیے نہیں کہ وہ میری زندگی کا کلائمکس لکھے۔'' اس نے جیب سے پستول نکالی اور ابراہیم کی کنپٹی پہ رکھی۔ فرش پہ پڑا آدمی جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ اسکی آنکھیں خوف سے پھیلیں۔

''مجھے میری زندگی میں مسائل نہیں پسند۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں شام تک یہ سارا شور تھم جائے گا۔ ہے ناں؟''

ابراہیم نے کوئی جواب نہیں دیا خوف نے جیسے اسکے تمام اعضاء مفلوج کر دیے تھے۔ اسکے حلق سے کوئی لفظ ادا نہیں ہو پا رہا تھا۔

''مجھے تمہاری آواز نہیں آ رہی، ابراہیم۔'' اس نے پسٹل کا زور بڑھایا ساتھ اسے بالوں سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا کیا۔ وہ درد سے بلبلانے لگا تھا۔

''میں نے۔۔۔ میں کیا کر سکتا۔۔ ہوں شنایا سے بات۔۔۔ پلیز شنایا سے۔۔'' وہ گگھیانے لگا تھا۔ مہدی اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا بوٹ اسکے نیم رخ نظر آتے چہرے پہ رکھا۔

''شنایا میری ماں ہے جو میں اسکی منتیں کروں؟ جو کرو گے وہ تم کرو گے کیونکہ اسکا لایا پیسہ تم کھاتے رہے ہو۔ اسے تم مناؤ گے۔ اور مجھے یہ کام دو گھنٹے کے اندر اندر چاہیے ورنہ ابھی تم مجھ سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔'' بوٹ کی ایک زوردار ضرب اسکے چہرے پہ مارتے وہ چند پل رک کر اسکی اذیت دیکھتا رہا۔ سکون نہیں تھا جو روح میں اترا تھا مگر اسکی چند گھنٹوں کے خلفشار کا مداوا ہوا تھا۔

''تم۔۔ شیطان۔ ہو، مہدی۔'' وہ خون تھوکتے ہوئے بولا۔

دروازے کی طرف جاتے ہوئے ابراہیم کے لفظوں پہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''صرف شیطانوں کے لیے۔'' تصیح کی۔ ''ورنہ میری معصومیت کے بڑے چرچے ہیں۔'' کمال درجے کی معصومیت سے کہتے ہوئے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ زینے اترتے ہوئے وہ شنایا سے ٹکرایا۔ وہ اسے دیکھ آج عجب انداز میں مسکرائی۔ مہدی بھی مسکرایا۔

''جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ میری وجہ سے ہوا ہے آئی ایم سوری، مہدی۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں حل نکال چکا ہوں۔''

''اوہ واقعی؟ کیا؟'' اسکے لہجے کا اشتیاق مصنوعی تھا۔

''اوپر ابراہیم کے کمرے میں جاؤ وہ تمھیں بتائے گا۔ اور پلیز اس پہ عمل کر لینا ورنہ مجھے میری انرجی دوبارہ ضائع کرنی پڑے گی۔ اور میں تھوڑا سست ہوں۔'' وہ آخری زینے پہ رکا شنایا کے کندھے پہ ہاتھ رکھا، ہلکا سا دبایا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ ملازم جو اسکے لیے ٹرے میں جوس لیے آ رہا تھا مہدی نے گلاس اچک لیا۔

تھوڑی دیر بعد اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس نے شنایا کی چیخ و پکار سنی تھی۔

''تم۔۔۔ تم انسان ہو یا شیطان۔۔۔ ایسے کون مارتا ہے؟'' وہ پوری قوت سے غرا رہی تھی۔ مہدی نے جوس کا گلاس منہ سے لگایا۔ دو گھونٹ میں سارا جوس غٹا غٹ پیا اور گلاس دور اچھالا۔

''یہ یقیناً میری بات نہیں ہو رہی۔ میں تو بہت معصوم ہوں۔''

اگلے چند لمحات میں وہ جا رہا تھا ایسے جیسے کبھی وہاں آیا ہی نہ ہو۔ وہ آیا تھا کیا؟

بختیار کبیر کے کمرے میں مدھم سسکیاں گونج رہی تھیں۔ کھڑکیوں پہ بیز پردے گرے ہوئے تھے جس سے روشنی کا کوئی گزر بسر نہیں تھا۔ بتیاں بجھی ہوئی جو واحد روشنی تھی وہ اس لیمپ کی تھی جو انکے پلنگ کی دائیں طرف جل رہا تھا۔

''انیسہ تم مجھے تکلیف دے رہی ہو بچے۔'' بختیار کے لہجے میں واضح تکلیف تھی۔

''ابا مہدی شادی کر چکا ہے۔ اس نے مجھے خود بتایا ہے۔ وہ گھر میں نہیں بتائے گا اور اگر میں نے بتایا وہ مجھے بھی برباد کر دے گا۔'' اس نے پچھلے ایک ماہ سے کی جانے والی بات ایک بار پھر باپ کے سامنے دہرائی۔ بختیار گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

''میرا ویزہ بھی لگ چکا ہے۔ پھر آخر کیوں میں اس جہنم میں رہوں۔ آپ دیکھتے ہیں وہ مہدی اور قیس کس طرح میرہ کو اہمیت دیتے ہیں۔ جیسے میں کوئی نہیں ہوں۔

ہم واقعی کوئی نہیں ہیں ابا۔ قیس کو ہم سے فرق نہیں پڑتا۔ اگر پڑتا تو وہ آپ کے کہنے پہ مجھ سے شادی کر لیتا۔'' اس نے وہاں چوٹ کی جس زخم میں تازہ تکلیف ہلکورے لے رہی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو میں تمھارے لیے کیا کروں۔'' وہ بے بس تھے۔

''آپ میرے لیے فیصلہ لیں بابا۔'' وہ متورم چہرہ انکے سینے سے نکال کر بولی۔ بختیار کے دل پہ گھونسہ پڑا تھا۔

''قیس مجھے بہت محبوب ہے تم جانتی ہو میں اسکے سامنے بے بس ہوں۔'' وہ بیٹی کے آنسو صاف کرتے ہوئے ملائمت سے بولے۔

''اور میں کون ہوں ابا؟ میں آپ کی واحد اولاد ہوں۔ آپ قیس میں اپنا بیٹا دیکھتے ہیں وہ بیٹا جو اس روز اس حادثے میں مر گیا تھا۔ وہ واپس نہیں آسکتا۔ قیس کی صورت ہرگز نہیں۔'' وہ ظالمانہ حد تک صاف گوئی سے بولی۔

''قیس صرف اور صرف ہمیں استعمال کرتا رہا ہے۔ وہ بس ہمیں اپنا غلام بناتا رہا ہے لیکن اب بس۔ اب اسے ہماری انفرادی حیثیت تسلیم کرنی ہوگی۔''

محل کا مضبوط ستون یہ نہیں جانتا تھا کہ کمزور ڈیوڑھی، بوسیدہ کواڑ، چوڑے دالان اور مضبوط چھت اس سے منحرف ہو چکے تھے۔

''آپ نے ساری زندگی میری حق تلفی کی ہے ابا۔ میں روز محشر آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' وہ مزید اونچا اونچا رونے لگی تھی۔ بختیار کسی سوچ کے زیر اثر اسکا ہاتھ تھپکتے رہے۔

کچھ روز بعد طلوع ہونے والی تازہ صبح میں جب کمبیر محل کے باسی ناشتہ کر رہے تھے وہیں ایک فرد بس اپنے سامنے بیٹھے کانٹے اور چھریوں کے چلنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' ناشتے سے ہاتھ روک کر بیٹھے بختیار نے کہنا شروع کیا تو سب ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگے۔ سوائے قیس کے جو گود میں بیٹھی ایزل کو چیز آملیٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھلا رہا تھا۔ میرہ نام کی ماں تھی۔ یہاں ایزل کا باپ اور ماں قیس تھا۔

''میں، انیسہ کو لندن بھیج رہا ہوں۔''

"غلط فیصلہ ہے۔ پانی چاہیے؟" پہلا جملہ بختیار سے دوسرا ایزل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"عورتوں کو ایک حد میں رکھنا چاہیے۔ جتنا ڈیزرو کرتی ہیں اتنا دینا چاہیے ورنہ وہ اپنی اوقات بھول جاتی ہیں۔"

"اور کیا ہے عورتوں کی اوقات۔" انیسہ چمچ پلیٹ میں پٹختے ہوئے بولی۔ قیس نے ایزل کے لب ٹشو سے تھپتھپائے۔

"وہی جس سے تم اس وقت باہر نکل چکی ہو۔" اسکا اشارہ پلیٹ میں رکھے چمچ کی جانب تھا۔

"یعنی مرد غصے کا اظہار کرے تو درست کوئی عورت کرے تو وہ اوقات سے باہر؟"

"دو مردوں کے بیچ بات کر کے اپنی ڈیڑھ گز لمبی زبان کے جوہر دکھا کر پھر بے کار کا غصہ دکھانا یہ ہے اوقات سے باہر جانا۔" اس نے ایزل کے ناشتے سے نظریں اٹھا کر بختیار کو دیکھا۔

"یہ تربیت کی ہے اس کی؟ اس طرح چلائے گی یہ مہدی کا گھر؟"

چائے پیتے ہوئے مہدی کو اچھو لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے قیس کو دیکھا۔ ایزل نے بھی سبز نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"میں اپنی بیٹی کو پڑھنے بھیج رہا ہوں۔ وہ فلحال کسی کا گھر چلانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔" بختیار ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولے۔ قیس نے شیک کا بڑا سا گلاس ایک چھوٹے گلاس میں آدھا انڈیلا اور ایزل کے لبوں سے لگایا۔ وہ جو میرہ اور مہدی کے ساتھ ہزار نخرے کرتی تھی خاموشی سے شیک پینے لگی۔ معصوم قیس کی معصوم بھانجی۔

"مجھ سے مشورہ چاہیے تو صاف انکار ہے۔ اور اگر آپ اپنا فیصلہ سنا رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ مگر فنانس کا کیا ہو گا؟ لندن پیسہ نگلتا ہے۔" یہ صاف اشارہ تھا کہ وہ ایک ٹکے کی مدد نہیں دے گا۔ بختیار کی آنکھوں میں کچھ کرچیاں سی ابھریں تھیں۔ مہدی نے تادیبی نظروں سے قیس کو دیکھا۔

"کیا؟ میں نے بھلا کچھ کہا ہے؟ قیسم نقصان میں جا رہا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے گاڑیوں کا کروڑوں روپے کا نقصان ہوا ہے۔ میں اس گھر کے خرچے برداشت کر سکتا ہوں عیاشیاں نہیں۔" اس کاذب سے کوئی پوچھے بی قیو کے منافعے کا کیا بنا؟

''میں عیاشی کرنے نہیں جارہی۔''انیسہ ایک بار پھر بلند آواز میں بولی۔ایزل نے سہم کر اسے دیکھا۔قیس نے نرمی سے اس سے جوس کا گلاس لیا پھر اسے گود سے نیچے اتارا۔

''میرے کمرے میں جاؤ اور میرا فون لے کر آؤ۔'' اس نے ایزل کو منظر سے ہٹایا۔وہ سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔وہ اب انیسہ کی طرف مڑا۔اسکی آنکھوں میں شعلہ بار سا تاثر تھا۔

''جس تیزی سے تمہاری یہ زبان چل رہی ہے مجھے مجبور کرو گی کہ میں اسے کاٹ کر پھینک دوں۔یا پھر تمہارا وہ حشر کروں کہ اس زبان کو چلانے کے لائق نہ رہو۔''اسکا لہجہ سخت تھا۔

''قیس،آرام سے۔''مہدی نے اسے ٹوکا۔انیسہ اٹھی اور ڈائننگ ہال سے باہر نکلتی چلی گئی۔قیس اب پوری توجہ سے بختیار کی طرف مڑا۔

''مجھ سے ایک ٹکے کی امید مت رکھیۓ گا۔''وہ اسی لاتعلقی اور درشتی سے بولا۔''اسکی اوقات نہیں ہے کہ آپ اسے ملک سے باہر بھیجیں۔شادی کروائیں اسکی۔''

''میرے اکاؤنٹ میں کافی رقم ہے وہ آپ لے لیں۔سال ڈیڑھ سال آرام سے نکل جائیں گے۔''مہدی رسان سے بولا۔

''وہ تمھارے اپنے خرچ کی رقم ہے۔کل کلاں کو تم شادی کرو گے۔گھر بنانا ہے تم خود کیا کرو گے؟''میرہ نے مداخلت کی۔

''میں دیکھ لوں گا۔پیسہ بہت ہے میرے پاس۔''

''تم حاتم تائی کی قبر کو لات مارنا بند کرو۔''مقصود ناگواری سے بولے۔بختیار نے یکدم خود کو اکیلا ہوتے محسوس کیا۔ساتھ قیس نہیں تو پھر کوئی نہیں۔جیسے وہ چھوڑ دے،اسے فضائیں بھی سانس لینے نہیں دیتیں۔

''میں اسکا سارا خرچہ اٹھانے کو تیار ہوں اگر آپ اسے بھیجنے سے پہلے اسکا اور مہدی کا نکاح کروادیں۔آفٹر آل وہ مہدی کی منگیتر ہے۔'' وہ کافی دیر بعد سوچ کر کہہ رہا تھا۔

''مجھے یہ نکاح نہیں کرنا۔''کسی اور کے بولنے سے قبل مہدی بول اٹھا۔اسے کچھ بہت بری طرح کھلا تھا۔

''نہ آج، نہ کل اور نہ آئندہ آنے والے سالوں میں۔ انیسہ سے میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کو تم اور باقی سب سمجھ لیں تو بہت بہتر ہو گا۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا۔ قیس نے کندھے اچکائے۔

''ظاہر ہے، ایسی چار گز کی لمبی زبان والی لڑکی سے کون شادی کرے گا؟'' زینیا حاکم کی زبان کے متعلق وہ فلحال رائے نہیں دینا چاہتا تھا۔

بختیار اپنے فیصلے پہ مزید اڑ گئے۔ مقصود کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا جبکہ میرہ مہدی کی بے وقوفیوں پہ پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔ کچھ دیر بعد گاڑی کی طرف جاتے ہوئے ایزل نے جب اسے اسکا فون لا کر دیا تو اس پہ مکڑی کا جالا بن چکا تھا۔ لیکن وہ کمال ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے اسے قیس کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔

''میرے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ اسکی کمپنی ہی خراب تھی۔''

قیس نے فون ہاتھ میں لیا اور آئی فون کے اس تازہ ماڈل کو دیکھا جس کے کے لوگ گردہ بیچنے کے لیے تیار تھے۔ پھر ایزل کو دیکھا اور مسکرایا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو، یہ کمپنی ہی خراب ہے۔ اس پہ کیس کروائیں گے۔''

''میں یہاں بیٹھ جاؤں مس حاکم؟''

ہاتھ میں جوس کا گلاس لیے ٹھاٹھ سے تیار، لہجے کی بشاشیت سے دلوں میں گھر کرتے براق حنیف نہایت شائستگی سے سوال کر رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کوئی نئی شیطانی سوچ دماغ میں آئی تھی۔

''نہیں بیٹھیں گے تو مجھے بہت خوشی ہو گی اور اگر بیٹھ گئے تو میرا موڈ سخت خراب ہو جائے گا۔'' لہجے کا زہر وہ تھیلے میں بھر کر باہر نکلتی تھی۔ حسب ضرورت ہر جگہ استعمال کر لیتی تھی۔

''میں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں کسی کا موڈ خراب کیسے ہوتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ بھول بھٹک کر اسکی نظر دور مہمانوں کے ساتھ کھڑی شیزل تک گئی۔ وہ کامدار لباس میں اچھے سے تیار اعتماد سے اپنے سامنے کھڑے لوگوں سے بات کر رہی تھی۔ آج انکی قوالی نائٹ تھی۔ اس نے مڑ کر زینیا کو دیکھا۔ وہ حد سے زیادہ بے زار نظر آتی تھی۔ براق کی تیسری نظر اب قیس کی طرف اٹھی تھی۔ پھر دوسرے کونے پہ کھڑے مہدی کی طرف۔

اس تکون میں کچھ تھا کوئی غیر آرامدہ سا۔ جو براق کی شیطانی روح کو پر سکون کیے دیتا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ جاننا تھا۔ میں خود بھی پتہ لگا سکتا ہوں لیکن میں نے سوچا میں آپ جیسی معتبر خاتون کو اسٹالک کرتے ہوئے اچھا نہیں لگوں گا۔''

''یعنی آپ مانتے ہیں کہ یہاں "**معتبر**" صرف میں ہوں۔'' وہ سافٹ ڈرنک کا گلاس ہاتھوں میں گھماتے اسی انداز میں بولی۔ براق کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

''اب چونکہ آپ بہت معتبر ہیں تو مجھ جیسے گداگر کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے اچھی نہیں لگیں گی۔ لہٰذا مجھے یہ بتائیں مہدی کمبیر سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

زینیا کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں تاریک پڑی۔ اس نے نا سمجھی سے براق کو دیکھا۔

''دیکھو، زینیا کچھ تو ہے۔ میں محبت کو فضاؤں میں سونگھ سکتا ہوں لیکن اب محبت کے ساتھ ٹریجڈی کی بھی بُو آ رہی ہے۔ یقین جانو اگر ایسا کچھ ہے تو میں تمہیں بچا سکتا ہوں۔''

''مجھے نہیں پتہ آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' وہ تیزی سے کہتی اٹھی۔

''بیٹھ جائیں مس حاکم۔ میں نے آپ کو اٹھنے کی اجازت نہیں دی۔'' اسکا لہجہ اس براق کا لہجہ نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ وہ بیٹھ گئی۔ نہ جانے کس احساس کے تحت۔

"کیا ہے کہ آج کل میری شادی کی تیاریاں عروج پہ ہیں اسی لیے اگر میں اپنے تجسس کے چلتے کسی کام کے پیچھے پڑوں گا تو جب مجھے نتائج موصول ہوں گے سب سے پہلی کال میں اپنے **"بیسٹ فرینڈ"** کو کروں گا۔"اس نے گردن گھما کر قیس کو دیکھا۔زینیا نے گود میں رکھی مٹھی بھینچ لی۔

"یقیناً تم یہ نہیں چاہتی ہو گی کہ میں تمھارے اور اپنے دوسرے بیسٹ فرینڈ کے راز اس طرح کھولوں ہے ناں؟"

"اور میں کیسے یقین کرلوں کہ میرے بتانے کے بعد آپ اپنے بیسٹ فرینڈ سے ایسی کسی بات کا تذکرہ نہیں کریں گے۔"

"خیر یہ تو ہے مجھ پہ یقین نہیں کیا جاسکتا۔لیکن تمھارے پاس کوئی دوسرا آپشن بھی نہیں ہے۔"صاف ظاہر تھا وہ زینیا کی بے بسی سے حظ اٹھا رہا ہے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کیا ہو سکتا ہے؟"وہ مہدی کمبیر کو جتنا خطرے سے بچا رہی تھی وہ اس تیزی سے خطرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔اصل بے بسی یہی تھی۔لیکن ہار کر کونے میں دبک کر بیٹھ جانا اس نے نہیں سیکھا تھا۔

"میں اپنے شیطانی دماغ کو تھوڑی دیر آرام دینا چاہتا ہوں اس لیے تم بتاؤ۔بلکہ چاہو تو میں تمھیں آپشن دے سکتا ہوں۔"اس نہ جوس کا گھونٹ بھرا۔نگاہیں اس پہ جمائیں۔اور بند مٹھی سے ایک انگلی باہر نکالی۔

"سیچوئیشن شپ؟۔۔ریلشن شپ۔۔۔اِٹس کامپلیکیٹڈ۔۔۔تمھاری یا اسکی طرف سے ون سائیڈڈ؟یا پھر۔"

"قیس نے،بالاج میر،میرے شوہر کو مارا ہے؟"وہ اسکی بات کاٹ کر بولی۔

براق اسکے لیے تیار نہیں تھا۔اسکی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"جس رات بالاج مر گیا تھا اس رات قیس نے مجھے کچھ ٹیکسٹس بھیجے تھے۔اس روز کے بعد سے وہ اپنی فیورٹ گاڑی میں نہیں آیا۔**(حالانکہ براق نے اسے کہا تھا اسی گاڑی میں آفس جائے۔اف قیس اف۔)**

اگلے دن وہ مجھ سے کچھ کہہ رہا تھا اور آپ نے اسے ٹوک دیا تھا۔وہ اس حادثے کے بعد میرے ساتھ بہت اچھا ہو گیا تھا۔یا تو وہ اس حادثے کے بارے میں جانتا تھا۔یا پھر یہ حادثہ اس نے کیا۔"وہ دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو جھکی۔

''یا پھر یہ کوئی حادثہ نہیں تھا۔''

''یہ ایک حادثہ تھا اسکا کوئی قصور نہیں تھا۔'' براق سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

زینیا کے ہاتھ میز کی سطح پہ ساکت ہوئے دل میں کچھ چھن کر ٹوٹا تھا۔ ذہانت بعض دفع امتحان ہی ہوتی ہے۔ اسے عبداللہ کے متعلق ایک اور سچ نہیں جاننا تھا۔

''اسکی گاڑی سے ایک حادثہ ہوا تھا وہ تمھیں سب بتانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ میں نے جو کیا بالکل درست کیا۔ وہ تمہارا چہرہ جلانا چاہتا تھا میں نے تمھیں بچایا ہے۔'' تیز تیز بولتے وہ رکا۔ اسکی آنکھوں میں سفاک سا تاثر تھا۔

''تمھیں چاہیے کہ تم میری احسان مندر ہو۔''

''یقیناً مجھے آپ کا احسان مند ہونا چاہیے لیکن میری بھی ایک عادت ہے کوئی بھی جذبہ اکیلے محسوس نہیں کرتی۔ میری بھی ایک بیسٹ فرینڈ ہے۔'' اس نے پیچھے کو ہوتے ہوئے شیزل کو آواز دی۔ وہ اسکی طرف مڑی پھر اسی طرف چلی آئی۔ براق حق دق سا اسے تک رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے قریب آکر پوچھا۔

''براق چاہتے ہیں میں انکی احسان مندر ہوں۔ کیوں نہ ہم دونوں انکے احسان مندر ہیں؟'' وہ آنکھیں پٹپٹاتے معصومیت سے بولی۔ ''اور یہ کسی حادثے کی بات بھی کر رہے تھے۔ بیٹھو ناں ساتھ بات کرتے ہیں۔'' اس نے شیزل کو کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ براق کی گردن کی نسیں پھڑکنے لگیں۔ شیزل کے سامنے وہ بے بس تھا۔

''کہو، براق تم کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ اچھنبے سے کہتی وہیں بیٹھ گئی۔

''میں بس ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔ تم بتاؤ ڈیکور کیسا لگا؟'' وہ بہ دقت مسکرایا۔

''ٹھیک ہے لیکن اس ڈیکور میں یہ کمبیر خاندان مس فٹ ہے میں نے تمہیں کہا تھا ناں ان کو مت بلانا۔'' خفگی سے کہتے اس نے ایک نظر زینیا پہ ڈالی۔ یوں جیسے تلافی کر رہی ہو۔ زینیا نے پلکیں جھپکا کر تسلی دی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف جارہی تھی اور براق اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اپنی ساری زندگی میں ایسی عورت سے نہیں ملا تھا جس نے اسکی چالیں اس پہ پلٹ دی ہوں۔ یہ کیا تھی جس نے براق کے شیطانی دماغ کو جامد کر دیا تھا۔

گھر کے اندر آکر اسے معلوم ہوا وہ کس قدر ڈری ہوئی تھی۔ اسکے ہاتھ باقاعدہ کپکپا رہے تھے۔

بغیر کسی آئینے میں دیکھے ہوئے بھی وہ جانتی تھی اسکی رنگت خطرناک حد تک سفید پڑ چکی ہو گی۔ کیا قیس تک اسکے راز جلد پہنچنے والے تھے؟ کیا واقعی وہ ایک انت کے قریب تھی؟

وہ مرے مرے قدم اٹھاتی زینوں کے دائیں طرف بنے کچن کی طرف آئی۔ آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ جسم سے سانس نکل چکا تھا۔

وہ کیسے کھڑی تھی یہ صرف اسے پتہ تھا۔ سلیب پہ ہاتھ جمائے وہ بے اختیار چہرہ جھکا گئی۔ وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اسکا دل بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ اسکی سارے جسم میں لرزش تھی۔ وہ بہت بری طرح خوف زدہ تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' فکر مند سی آواز پہ زینیا نے سلیب کا سہارا چھوڑا۔

''براق نے تمھیں کیا کہا ہے؟'' وہ آگے آیا۔ زینیا کے لیے اسٹول رکھا پھر بازو سے پکڑ کر اسے بیٹھایا۔ وہ مزاحمت نہیں کر سکی وہ شل تھی۔ مہدی ہنوز فکر سے اسے تک رہا تھا۔ پھر وہ فریج تک گیا اور پانی کا گلاس بھر کر واپس آیا۔ زینیا سینے کو مسل رہی تھی۔ مہدی اسکی پشت کو سہلانے لگا۔ وہ یکدم فکر مند ہوا اٹھا تھا۔

''یہ مت کرو یار۔ تم مجھے مسئلہ بتاؤ میں حل کر لوں گا لیکن یہ جو تم کر رہی ہو یہ بس مجھے تکلیف دے رہا ہے۔'' وہ پانی کا گلاس اسے تھماتے ہوئے اسکے سامنے دوسرے اسٹول پہ بیٹھا۔

''کچھ ہوا ہے؟ کوئی تمھیں تنگ کر رہا ہے؟ بالاج کے گھر والوں نے کچھ کہا ہے؟ ''

''مجھے طلاق چاہیے۔'' وہ آنسوؤں کو پرے دھکیلتے بے دھڑک انداز میں کہہ رہی تھی۔ مہدی چند لمحوں کے لیے بلکل خاموش ہو گیا۔

''تم بدل رہی تھیں۔ میں جب یہاں سے گیا تھا تم مختلف تھیں۔ ہمارے درمیان کیا آگیا ہے؟'' وہ تکلیف میں لگتا تھا۔ اسکے چہرے پہ ملال تھا۔

''مجھے طلاق چاہیے۔ ہمارے درمیان یہی طے ہوا تھا۔'' یہ سرد مہری، یہ تلخی یہ آج مشکل تھی سامنے بیٹھا مرد سارے کا سارا اسکے دل میں گھر کر چکا تھا۔

''معاہدے بدل بھی سکتے ہیں۔ دنیا میں ایسے لاکھوں کروڑوں جوڑے ہیں جنہوں نے کسی مفاد کے تحت شادی کی ہو لیکن پھر انکے درمیان چیزیں بدل جاتی ہیں۔ زاویے بدل جاتے ہیں۔''

وہ اس عورت کے پیچھے کیوں جاتا تھا یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا انیسہ اسکی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس نے ہاتھ چھڑایا تو مہدی نے چھوڑ دیا۔ یہ ہاتھ چھڑوا رہی تھی تو دل دکھ رہا تھا۔

''آپ کو ایک بار کی کہی ہوئی بات سمجھ میں نہیں آتی؟ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ بالاج مر چکا ہے اور اب میں آزاد ہوں۔'' بالاج کی موت کی خبر پہ مہدی کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا۔ وہ شیزل کے ذریعے یہ بات جان چکا تھا۔

''آپ کو یہ بات کیوں سمجھ نہیں آتی کہ آپ صرف اور صرف میرا escape تھے۔ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں ہے آپ کی۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائیں آپ۔

میں وہی زینیا حاکم ہوں جس سے آپ گوادر میں ملے تھے۔ آپ کو لگتا ہے میں بدل سکتی ہوں۔'' وہ بری طرح مشتعل تھی۔ مہدی چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ وجہ جاننے سے وہ قاصر تھا۔

''تم بدل رہی تھیں۔ طریقہ غلط تھا لیکن میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ تم نے اپنے پیٹرن چھوڑ دیئے تھے۔ تمھیں کس نے ہرٹ کیا ہے؟''

''تو اب دوبارہ اپنے پیٹرن adopt کر لیے۔ بتائیں کیا کریں گے آپ؟ جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے میری۔ مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ۔ نہیں چاہیے مجھے آپ میری زندگی میں۔'' اسکی آواز بلند سے بلند ہوتی گئی۔ چہرہ سرخ سے سرخ۔

''تم کیوں اتنی ڈھیٹ ہو؟ میں تمھارے لیے ایفرٹس پہ ایفرٹس کیئے جا رہا ہوں اور تم؟ تمھیں لگتا ہے ساری دنیا فضول ہے اور اگر کوئی اہم ہے تو صرف تم؟'' وہ بھی جواباً اتنا ہی تلخ ہوا۔

''لوگ، تعلق، محبتیں کیا سب کچھ چھوڑ دینا تمھارے لیے اتنا آسان ہے؟''

زینیا نے اسے دیکھتے ہوئے اسکی آنکھوں کے سامنے انگلیوں سے تین بار چٹکی بجائی۔''اتنا آسان بلکہ اس سے بھی زیادہ آسان۔''

مہدی کو اسکے لہجے کی لاتعلقی کھلی تھی۔

''اگر تمھارے لیے کسی کو چھوڑنا اتنا آسان ہے تو میرے لیے چھوڑے ہوؤں کو بھول کر آگے بڑھنا آسان ہے۔ آج سے تمہاری اور میری راہیں جدا ہوئیں۔'' وہ زینیا کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

''میں تمھارے پیچھے نہیں آؤں گا۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔'' وہ بہ دقت کہہ پا رہا تھا اسے خوف تھا اسکے لہجے میں لرزش شامل ہو جائے گی۔

''تم آج سے میرے لیے کوئی نہیں ہو۔''

زینیا بغیر کچھ کہے اسے دیکھتی رہی۔ وہ چند پل رکا پھر چلا گیا۔ کچھ لوگ قسمت لے جاتی ہے۔ کچھ لوگ دھوکہ دے جاتے ہیں۔ کچھ زمانہ لے جاتا ہے اور کچھ۔۔۔ کچھ لوگ انسان اپنے ہاتھوں سے گنوا دیتا ہے۔ زینیا حاکم نے جو آج گنوایا تھا وہ اسکا عمر بھر کا خسارہ تھا۔

وہ دھیرے دھیرے اسٹول پہ بیٹھتی چلی گئی۔ دل بھاری۔ ہاتھ خالی اور جسم شل۔ زندگی سے زندگی رخصت ہوئی تھی۔

''یہ گھر آنے کا وقت ہے؟''

وہ تقریب چھوڑ باہر نکل گیا تھا۔ آج وہ جہاں جہاں مدعو تھا ہر دعوت کینسل کر کے وہ سڑکوں پہ گاڑی گھماتا رہا۔ قریباً رات کے تین بجے وہ گھر پہنچا اور آتے ہی کچن میں چلا آیا۔ اسکے پیچھے ہی مقصود آئے تھے۔ اور یہ وہ پہلا جملہ تھا جو انہوں نے کہا تھا۔

''چھوٹا بچہ نہیں ہوں میں اور پہلی بار اس وقت گھر نہیں آیا۔ آپ نے پہلی بار نوٹس کیا ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گیا۔ ساتھ ہاتھ چلتے رہے۔ وہ ساس پین سے چائے کپ میں ڈال رہا تھا۔

''میرے کمرے میں آؤ بات کرنی ہے۔''

''ابھی میں تھکا ہوا ہوں۔ آپ کی پھٹکار کے لیے صبح حاضر ہو جاؤں گا۔'' وہ چائے اپنے کپ میں ڈالنے لگا تھا۔ انداز سے بےزاری اور تکان واضح تھی۔ اسکے اندر زینیا کی کہی باتوں کی کسک اب بھی موجود تھی۔

''میں تمھارے باپ کا بھائی ہوں۔ تم میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔ پانچ منٹ کے اندر کمرے میں نظر آؤ مجھے۔''

مہدی نے ڈھیر سارا غصہ ضبط کیا۔ مقصود پلٹ چکے تھے اور اگلے پانچ منٹ میں وہ واقعی انکے کمرے میں موجود تھا۔ آہ یہ مروتوں کا مارا مرد۔ سیاہ وسفید کمرے میں وہ سفید بیڈ کے سامنے رکھے سیاہ رنگ کے ریکلائنر پہ بیٹھا تھا۔ مقصود اپنی وہیل چیئر پہ براجمان تھے۔

''کہیں کیا کہنا ہے۔''

''چائے ختم کر لو، کیونکہ جو میں کہنے والا ہوں اسکے بعد تمھیں کچھ اچھا نہیں لگے گا۔''

مہدی نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ مشورہ برا نہیں تھا۔ اس محل کے لوگ یوں بھی اسکا کھانا پینا برباد کرنے کے بہت شوقین رہے تھے۔ وہ گھونٹ گھونٹ چائے حلق میں اتارتا رہا۔ ساتھ مقصود کے کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ کافی بورنگ کمرہ تھا ویسے۔

اس نے اٹھ کر ایک دو چیزوں کو چھونا چاہا پھر ہمت نہیں ہوئی۔ جہاں مہدی کمبیر اس کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا وہیں مقصود کے لیے اس سیاہ ریکلائنر پہ بیٹھا وجود بدل گیا۔ مہدی کمبیر کی جگہ کسی اور نے لے لی۔

''آپ نے مجھے اس سب میں بہت بری طرح پھنسایا ہے مقصود سر۔'' حدیبیہ مٹھیاں بھینچے ضبط سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ جانتے ہیں ناں مہدی اور زینیا اب بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں؟ وہ واپس آتے ہی اسکے ہاسٹل کے باہر پایا گیا ہے اب اس کے بعد ایسا کیا معجزہ ہو گا کہ وہ اپنی ہی بیوی کو چھوڑنے پہ تیار ہو جائے گا؟''

''یہ کام اسکے کندھوں پہ بیٹھی چڑیل کرے گی۔'' حدیبیہ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی۔

''تم چاہے اپنے باس کو فرشتہ مانتی رہو لیکن مہدی کے لیے وہ اسکے کندھوں پہ بیٹھی چڑیل ہے۔ جس نے اسے دنیا سے بچایا تاکہ خود ہرٹ کر سکے۔ زمانے سے محفوظ کیا تاکہ اسے قطرہ قطرہ موت دے۔ پسندیدہ پنچنگ بیگ۔''

''کم از کم انہوں نے اسے بچایا۔'' اس نے پہلو بدلا۔

''تاکہ وہ خود اسے مار سکے۔'' مقصود نے تصیح کی۔ ''مہدی اس سے محبت کرتا ہے۔ اس سے ڈرتا ہے۔ اور اسکے تابع ہے۔ جب اسے زینیا اور بھائی میں سے کسی کو چننا پڑا وہ بھائی کو چنے گا۔''

''یہ آپ کا اندازہ ہے؟'' وہ تنفر سے بولی۔

''یہ میرا تجربہ ہے۔''

''میں مزید اس پلان کا حصہ نہیں رہ سکتی۔'' قطعیت سے کہتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھائے۔

''باس کو مزید دھوکہ دینا مجھ سے نہیں ہو گا میں آج اور ابھی انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کر دوں گی۔''

مقصود نے سر کے خم سے اسے سراہا۔

''کیا پھر تم اسے یہ بھی بتاؤ گی کہ اس دھوکے کی طوالت میں تمہارا ابھی ایک کردار ہے؟ اور اگر تم بتاؤ گی تب جانتی ہو وہ کیا کرے گا؟'' حدیبیہ چندپل کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ ٹکر ٹکر انکا چہرہ دیکھے گئی۔ چندپل کی جذباتیت اور وہ کہاں پھنس گئی تھی۔

''وہ تمہاری جان لے لے گا، حدیبیہ۔''

''میں۔۔۔ مجھے۔۔۔''

''جانتا ہوں تمہیں تمہاری جان کی پرواہ نہیں ہے۔'' انہوں نے اسکے لفظوں کو روانی دی۔ ''لیکن قیس کے پاس مخلصی کے نام پہ صرف ایک تعلق ہے۔ تم چاہتی ہو وہ اسے کھو دے؟''

''آپ مجھے اس سب میں ٹریپ کر رہے ہیں؟'' اسکی آوازیں غراہٹ کی صورت باہر آ رہی تھیں۔

''میں ایک چال چل رہا ہوں۔ جہاں سب کردار میری مرضی کی پرفارمنس دے رہے ہیں۔ جو نہیں دے گا میں اسے نکال دوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے تم فلحال نکالی نہیں جانا چاہتیں۔ تم چاہتی ہو کیا؟''

بے بسی، رنج، ملال کیا نہیں تھا جس نے اس وقت حدیبیہ کو جکڑ نہ لیا ہو۔ وہ وقت کے پنے پلٹ دینا چاہتی تھی مگر یہ انسان کے بس میں نہیں۔

''تم نے انیسہ سے نکاح کرنے سے انکار کیا ہے؟''انہوں نے مہدی کو چائے کے آخری گھونٹ لیتے دیکھ کر پوچھا۔

اس نے چائے کا مگ لبوں سے لگایا۔ایک پورا آخری گھونٹ بھرا۔

''سب کے سامنے ہی تو کیا تھا آپ نے نہیں سنا؟ بار بار کہنا پڑے گا تو میں بار بار کہوں گا۔ میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتا۔''

''نکاح نہیں کرنا چاہتے یا دوسرا نکاح نہیں کرنا چاہتے۔'' بات نہیں تھی کوڑا تھا جو مہدی کے چہرے پہ آکر برساتھا۔اسکی رنگت پھیکی پڑی۔

''اس بات کا کیا مطلب ہے۔''اس نے بہ دقت خود کو سنبھالا۔

''مطلب بے حد واضح ہے میں تمھارے پہلے نکاح کے متعلق جانتا ہوں۔''وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔ مہدی سن رہ گیا۔

''وہ تمہاری بیوی ہے میں جانتا ہوں۔ نکاح کن حالات میں ہوا اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔''کئی لمحوں کے مہدی کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

''ہم۔۔ہم۔ بہت جلد۔۔الگ ہو رہے ہیں۔''بہت دیر بعد مہدی سنبھل کر بولا۔

''میں نے کہا ناں مجھے فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری زندگی میں بھونچال آئے یا ٹھہراؤ۔ تم اسے طلاق دو یا مزید چار بیویاں لاؤ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری ذات میرے لیے غیر ضروری ہے۔''وہ یہ سب سنتا آیا تھا اب بھی سنتا رہا۔ ''لیکن مجھے ایک انسان سے فرق پڑتا ہے۔''

"قیس سے؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

مقصود کہنا چاہتے تھے "**زینیا سے**" مگر وہ نہیں کہہ سکے۔

"تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو؟"

اس سوال پہ مہدی نے گردن جھکائی۔ خالی مگ کو ہاتھوں میں گھماتے وہ مضطرب تھا۔ سچ سامنے آگیا تھا اور مرد حضرات زیادہ وقت ہضم کرنے میں سرف نہیں کرتے۔

"محبت؟ مجھے نہیں پتہ۔ وہ بُری ہے مگر مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ میرے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے مگر جب وہ نرم پڑ جائے تو میں اسکا پچھلا رویہ بھول جاتا ہوں۔ اسے تکلیف ہو تو میں فوراً اسے دور کرنا چاہتا ہوں۔ میں اسکے لیے مصروفیات ترک کر سکتا ہوں۔" اس نے خالی مگ کو دیکھا۔ اسکا سفید پیندہ۔ وہاں سنہری آنکھوں کا عکس بن رہا تھا۔

"میں چھوڑنے والوں کو بھول جاتا ہوں لیکن یہ اصول اس پہ لاگو نہیں ہوتا۔ اسکے معاملے میں، انائیں چھوڑ سکتا ہوں میں۔ کوئی اسے ہرٹ کرے تو اسے مار سکتا ہوں۔ اسکے لیے مر بھی سکتا ہوں۔ شادی، تعلق، گھر یہ سب قید لگتا ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ اسے جڑ جائے تو مجھے اچھا لگے گا۔ کیا یہ محبت ہے؟ اور اگر ہے تو پھر زینیا حاکم سے اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت مہدی کمبیر کرتا ہے۔"

"محبت کو ناپنے کے لیے مرد کے پاس مختلف پیمانہ ہوتا ہے۔ ہر مرد کا ایک محبوب شوق ہوتا ہے۔ اگر کوئی عورت اس شوق سے زیادہ عزیز ہے تو وہ واقعی اس سے محبت کرتا ہے۔"

"آپ اپنی بیوی سے کتنی محبت کرتے تھے؟"

"مجھے وہ سیاست سے زیادہ عزیز تھی۔" مقصود ترنت بولے۔ "تمھیں زینیا ٹریول سے زیادہ عزیز ہے؟"

وہ چند لمحے ہونٹ کاٹتا رہا۔ پھر مدھم لہجے میں بولا۔

''محبت زاویے بدلتی ہے۔ میں نے آدھی دنیا سکون کی ''**خاطر**'' گھومی۔ اب باقی آدھی دنیا اپنے سکون کے '' **ساتھ** ''گھوموں گا۔'' وہ سہولت سے بولا۔

''وہ میرے محبوب کاموں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

''تم جانتے ہو اسکا اصل کیا ہے؟ وہ کس مرد کی دھتکاری ہوئی عورت ہے؟'' اب آئے تھے وہ اصل موضوع کی طرف۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جس دن اس سے ملا، میرے لیے اسکی عمر، اسکی زندگی وہیں سے شروع ہوتی ہے۔ ماضی میں جو تھا وہ سب دھندلا ہے۔'' اسکا انداز مستحکم تھا۔

مقصود کی نگاہوں میں محظوظ سا تاثر تھا۔

''اس لڑکی سے پوچھا ہے کہ اسکے لیے ماضی دھندلا ہے یا نہیں؟''

''اسکا شوہر اس لائق نہیں تھا کہ وہ اسکی یادوں کا حصہ بن سکے۔''

''اور اسکا منگیتر؟ وہ اس لائق تھا کہ زینیا حاکم کی آدھی زندگی اسکے محور میں گھومتے ہوئے گزرے۔ اور اس نے گزاری تھی ہے ناں؟'' آنکھوں میں جتاتا ہوا کچھ تھا۔

مہدی چپ رہا۔ ہاں ''**اس**'' آدمی کے ذکر پہ زینیا حاکم کے چہرے پہ کچھ آتا تھا۔ جسے مہدی نے ہر دفع وہم سمجھا تھا۔ یا شاید نظر انداز کرتا تھا؟

''تم جانتے ہو اسکا سابقہ منگیتر کون ہے؟''

''کون؟'' اس نے بے اختیار سوال کیا۔

مہدی کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مقصود کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے بھی اسکی نگاہوں سے نہیں ہٹیں۔ وہ نگاہیں اسے اپنے اندر تک اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''اسکا سابقہ منگیتر تمہارا بھائی ہے۔ عبداللہ زمان کمبیر۔'' مہدی کو لگا اسے سننے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔

''وہی عورت جس سے اسکا انتقام بھی باقی ہے اور واپسی بھی۔ تم زینیا حاکم کو اتنا نہیں جانتے جتنا تم دعوی کرتے ہو۔'' اسکے جسم سے جیسے سانس رخصت ہوا۔

بے جان ہاتھوں سے مگ چھوٹ کر فرش پہ جا کر گرا۔

''وہ وہی عورت ہے جو قیس کمبیر کی سابقہ منگیتر ہے اور حالیہ محبت۔'' مہدی نے دم سادھ لیا۔ اسکا چہرہ ایسے تاریک ہوا جیسے غاریں تاریک ہوتی ہوں۔

''وہ فلوقت زینیا کی اصلیت سے واقف نہیں ہے مگر وہ جنونی حد تک اسکی محبت میں گرفتار ضرور ہے۔ چند ماہ قبل اسکی گاڑی سے جس کا حادثہ ہوا تھا وہ بالاج میر ہی تھا۔

تم اپنے بھائی کی سابقہ منگیتر سے شادی کر چکے ہو۔ تم جانتے ہو اسکی سزا کیا ہے؟'' اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔

اسے واقعی سانس نہیں آیا۔ اسے آکسیجن کی کمی محسوس ہوئی دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ جو سن رہا تھا وہ نا قابل یقین تھا۔

''اور زینیا حاکم؟ وہ ایک لمبا عرصہ اس آدمی کی محبت میں گرفتار رہی ہے۔ وہ پلٹ کر اسی کی طرف جائے گی۔ وہ اسکے لیے پتھر رہا ہے مگر جس دن وہ اسکے لیے موم ہوا۔

زینیا ایک بار پھر عبداللہ زمان کی ہو گی۔ ان دونوں کے بیچ وقت کی کوئی قید نہیں۔ نفرت، سازش، انتقام وہ ہر دریا پار کر کے دوبارہ ایک ساتھ ہوں گے۔ کیونکہ جو انکے درمیان ہے وہ کوئی عام تعلق نہیں۔ وہ روحوں کا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ تم نے غلط انسان سے محبت کر لی ہے۔''

مہدی دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسکی آنکھیں متوحش تھیں۔ چہرہ زرد۔ چہرے سے خون کی ہر بوند نچڑ چکی تھی۔ اسکے قدم خلاؤں میں تھے۔ وہ اس زمین پہ رہ کر اتنا لاعلم کیسے رہ سکتا تھا؟

''تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ اسے طلاق دو۔ میں تمہارا راز، رکھ لوں گا۔ قیس کو کبھی پتہ نہیں چلے گا تمہارا اسکی منگیتر سے کوئی تعلق تھا۔'' وہ کہنا چاہتا تھا اب اسکی پہچان مہدی کی بیوی کی ہے مگر اس نے نہیں کہا۔

''اسے چھوڑ دو، مہدی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں تم انکے درمیان ہو تم نکل آؤ۔'' اسے کہنا چاہیے تھا وہ کسی کے درمیان نہیں آیا، زینیا حاکم اسکا بخت ہے مگر اس نے نہیں کہا۔

''وہ تمھیں چھوڑ دے گی۔ عبداللہ کے لیے وہ ساری دنیا چھوڑ دے گی۔'' اسے کہنا چاہیے تھا کہ زینیا حاکم کی آنکھیں کچھ مختلف کہتی ہیں مگر اس نے نہیں کہا۔

لٹھے کی مانند سفید چہرہ اور شل بدن لیے وہ دروازہ پار کر گیا۔ جو اسے کہنا چاہیے تھا وہ اس نے نہیں کہا مگر یاد کرنے کی کوشش کرو تو وہ ماضی کے کچھ قصوں میں کچھ کہہ چکا تھا۔ کچھ ایسا جو قلب پہ برچھی کی طرح آ کر لگتا تھا۔

''اگر مجھے میرے بھائی اور تم میں سے کسی کو چننا پڑا تو میں اپنے بھائی کو چنوں گا۔''

چناؤ کا وقت کب کہاں کیسے آیا تھا ہک ہاہ۔

قیسم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسے میں سٹوڈیو کے اندر رکھا سرخ گاؤن آج بھی اتنا معتبر تھا جتنا ایک سال قبل۔ وہ براق کے گھر سے سیدھا یہاں آیا تھا۔

واحد جلتی ہوئی بتی وہ تھی جو اس سرخ گاؤن کے اوپر تھی۔ سلک کا وہ لباس۔۔۔ وہ کتنا خوبصورت تھا۔ اتنا کہ اسے کئی گھنٹے بیٹھ کر دیکھا جائے مگر قیس کی آنکھیں کسی اور منظر میں الجھ گئی تھیں۔

(''رقابت جان لیوا ہوتی ہے۔ محبت ہو جانا، مل جانا، یار خصت ہو جانا ایک الگ کہانی ہے۔ محبت کو کسی اور کے ساتھ دیکھنا ایک الگ داستان۔)''

چند ماہ قبل قیسم کی طرف سے عید ملن پارٹی رکھی گئی تھی۔ کمبیر محل کے لان میں برقی قمقمے جل اٹھے تھے۔ میزیں سج گئیں انواع و اقسام کے بعام لائے گئے۔ جہاں لوگ باتوں اور قہقہوں میں مگن تھے وہیں قیس نے مہدی کمبیر کو زینیا کے پاس رکتے دیکھا۔ وہ

اپنے ہاتھ میں موجود کپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برے تاثرات کے ساتھ کچھ کہہ رہی تھی۔ مہدی مسکرایا۔ پھر کسی ملازم کو آواز دی۔

اگلے چند لمحوں میں وہ اسے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ ملازم چلا گیا تو اس نے زینیا سے کپ لے لیا۔ اسے کچھ کہا اور دور ہٹ گیا۔

قیس کی نظریں زینیا کے گرد ہی طواف کرتی رہیں۔ چند پل بعد ملازم نے زینیا کو چائے کا ایک اور کپ لا کر دیا۔

زینیا ایک گھونٹ بھرا اور مہدی کی طرف دیکھا۔ چائے اب بلکل ویسی تھی جیسی اسے چاہیے تھی۔ وہ مسکرائی تھی پھر تشکرانہ نظروں سے مہدی کو دیکھا۔ اس نے سر کو ہلکا سا جھکا کر سینے پہ ہاتھ رکھ کر شرف قبول کیا۔ وہ محفلوں میں بھی اس ایک چہرے سے غافل نہیں ہوتا تھا۔

چند پل بعد مہدی کسی سے بات کرتے ہوئے ہٹا اور اسکی طرف چلا آیا۔ اس نے زینیا سے کپ لیا تو وہ بغیر ہیل و حجت کے اسے تھما چکی۔ اس نے دو تین گھونٹ لیے اس سے کچھ کہا اور کپ ہاتھ میں لے کر چلا گیا۔ زینیا نے اب بھی برا نہیں منایا۔

اسکے پاس ابھی دو کپ مزید تھے۔ قیس مہمانوں سے ایکسکیوز کرتا اسکی طرف آیا۔ زینیا کے سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ پھر میز پہ رکھے چائے کے دو کپ دیکھے۔ پھر دور کھڑے مہدی کو دیکھا۔

''تم اپنی چائے کب سے بانٹنے لگیں؟'' وہ باوجود کوشش کے خود کو نارمل نہیں رکھ سکا۔

''چیزیں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔''

''چائے بانٹنے سے گھٹتی ہے یہ تم نے کہا تھا۔'' وہ کچھ جتا کر بولا۔

''پھر یہ سمجھو کہ میں نے اپنے اقوال زریں میں ردوبدل کر دی۔'' وہ سہولت سے بولی۔

قیس لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ سوال جواب کرتا تو زینیا خائف ہوتی۔ وہ مہدی سے پوچھتا تو باتیں بدل دیتا۔ کیا ان دونوں کے درمیان شناسائی تھی؟ یا مہدی یونہی مہمان نوازی کر رہا تھا؟

اس سوچ نے کئی دن اسے بے سکون رکھا تھا۔اس منظر نے کئی راتیں اسکی نیند غائب رکھی۔ لیکن زینیا کو کھونے کا ایسا خوف تھا کہ وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار تھا۔

(''محبوب شے چاہے کوئی کھلونا ہو چاہے انسان اگر اسکے قریب کوئی تیسرا آجائے تو محبت ایک طرف ہو جاتی ہے بے بسی، بے کلی، اور غیض اسکی جگہ لے لیتے ہیں۔)''

یہ اس دن کا ذکر ہے جس دن مہدی کمبیر مصر کے لیے روانہ ہوا تھا۔اور یہ وہی دن تھا جب قیس زینیا کے ساتھ اس بنچ پہ بیٹھا اسے روتے ہوئے دیکھ اور سنتا رہا تھا۔گھر واپس آکر جس چیز پہ اسکی نگاہ گئی وہ سفید رنگ کی ایک چھوٹی گاڑی تھی۔جو باقی گاڑیوں کے ساتھ کھڑی ایک بونا لگ رہی تھی۔ قیس نے کسی ملازم کو آواز دی۔

''یہ گاڑی کون لایا ہے؟''

''مہدی سر کے نام پہ آئی ہے۔پیمنٹ ہو چکی ہے۔''مودب انداز میں اطلاع دی گئی۔ قیس نے اسے جانے کو کہا۔اور خود مہدی کو کال ملائی۔

''یہ ڈبہ گاڑی تم نے منگوائی ہے؟''

اول تو مہدی کو کچھ سمجھ نہیں آئی۔اور پھر جب اسے سمجھ آئی تب وہ بے اختیار بوکھلا یا تھا۔

''ہاں یہ میں نے منگوائی تھی لیکن۔۔۔کیا وہ اسے کمبیر محل کے ایڈریس پہ چھوڑ کر گئے ہیں؟''

''تم یہیں رہتے ہو تو گاڑی بھی یہیں آئے گی ناں۔''

''میں نے انہیں میرہ کے گھر کا ایڈریس دیا تھا۔''

''تم میرہ کو یہ ڈبہ گفٹ کرنے والے تھے؟''قیس نے اسے شرم دلانی چاہی۔

''مجھے کسی کو گفٹ کرنی تھی یار۔اور تم میری گرل فرینڈ نہیں ہو جو اتنے سوال کر رہے ہو۔انسان کے کچھ ذاتی معملات بھی ہوتے ہیں تم ان سے دور رہو۔''اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

قیس فون کو دیکھ کر رہ گیا۔ اسکا کزن اسے اپنے ذاتی معملات سے دور رہنے کے لیے کہہ چکا تھا۔ اب سماجی، اخلاقی، اور خاندانی اطوار یہی ہوتے کہ وہ واقعی دور رہتا۔ معذرت مگر وہ ان تینوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

اس نے ساتھ کھڑے ملازم کو ہدایت جاری کی کہ اس شوروم سے پوچھ گچھ کی جائے اور یہ گاڑی مہدی نے کس کے نام پہ لی ہے وہ نام آج رات تک قیس کمبیر کی ڈیسک پہ ہونا چاہیے۔

رات آئی اور اسکی ڈیسک پہ اس آرڈر کی تفصیل تھی۔ وہ ساکن نگاہوں سے اس کاغذ کو تک رہا تھا جہاں زینیا حاکم کا نام درج تھا۔ قیس کمبیر کی ساری دنیا پلٹ کر رہ گئی تھی۔

وہ کئی لمحے سانس روکے اس کاغذ کو تکتا رہا۔ آج ایک لمبا عرصہ بعد قیس کمبیر کے دل میں ایسی تکلیف اٹھی تھی جس کا کوئی سد باب نہیں تھا۔

اس نے مرے مرے ہاتھوں سے مہدی کمبیر کو کال ملائی۔ جب تک بیل جاتی رہی قیس مختلف قسم کی جہنم سے متعارف ہوتا رہا۔ مہدی کمبیر نے اس سے اسکا ہر محبوب شخص چھین لیا تھا۔ کیا ایک اور؟

"تم نے وہ گاڑی قیسم کی ایمپلائی، زینیا حاکم کے لیے خریدی تھی؟" سلسلہ ملتے ہی یہ وہ پہلا سوال تھا جو اس نے پوچھا تھا۔ مہدی حق دق رہ گیا۔

"صرف زینیا کے لیے نہیں۔۔۔" وہ کافی دیر بعد پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں نے بیس گاڑیاں لیں تھیں۔ قیسم کی طرف سے ایمپلائیز کو گاڑیاں ملنے والی تھیں ناں؟"

"تمہارا **"میرے قیسم"** سے کیا تعلق؟" وہ غرایا تھا۔ کاش اسکے پاس **"میری زینیا"** کہنے کا حق ہوتا۔ اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"میں بس تمہاری فنانشلی مدد کر رہا تھا۔ تم کرائسس میں تھے۔" دور فائیو اسٹار ہوٹل کے ٹھنڈے یخ کمرے میں بیٹھے مہدی کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اس نے سچ کیوں چھپایا یہ اسے اس وقت خود بھی نہیں معلوم تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا وہ سچ نہیں کہہ سکتا۔

''تمھارے چند ٹکے میری مدد نہیں کر سکتے۔ دو دن کا وقت ہے تمھارے پاس یہ ڈبہ میرے گھر سے نکلواؤ۔ اور دوبارہ میرے قیسم یا پھر میرے ملازمین کے آس پاس بھی مت پھٹکنا۔ مجھے وہ لسٹ بھیجو جس میں باقی انیس ممبرز کی گاڑیاں ہیں۔''

مہدی نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ ''پھر بھیجتا ہوں'' کہہ کر کال کاٹ دی۔ ایک بھائی اثر ورسوخ استعمال کر کے اصل کاغذات نکلوا چکا تھا تو دوسرا جعلی لسٹ بنوائے گا۔ پیسہ بولتا ہے یہ یقین تمھیں آجانا چاہیے۔

مہدی سے بات کر کر بھی اسکا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے زینیا کے نمبر پہ کال ملائی۔ ہمیشہ کی طرح موبائل سائلنٹ پہ تھا۔ اسے کوفت ہوئی۔ اس نے پیغام لکھا۔

''تم مہدی کے ساتھ کسی کار شوروم گئی تھی؟ قیسم کی طرف سے تمھیں کوئی گاڑی ملنی تھی۔ اسی سلسلے میں۔''

زینیا سو رہی تھی۔ شیزل کی نگاہ اس کے موبائل پہ پڑی تو وہ تھم گئی۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے ایک محتاط نظر سوئی ہوئی زینیا پہ ڈالی۔

''اگر تم دو لفظ لکھ دو گی تو مر نہیں جاؤ گی۔ میں گارنٹی دیتا ہوں۔'' وہ مارے اشتعال کے سلگ رہا تھا۔ شیزل نے موبائل اٹھایا۔ ایک گہری سانس لی۔ اور جوابی پیغام لکھا۔

''مہدی کون؟ وہ تمہارا کزن؟''

''نہیں میرا باپ۔''

''اوہ اوکے۔''

''تم اسکے ساتھ گئی تھیں یا نہیں؟''

''تمہارا دماغ خراب ہے؟ تمھارے کزن کا یا میرا؟ میں کیوں کسی کے ساتھ جانے لگی؟'' شیزل کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ اس وقت جتنا ہو سکے اس معاملے کو ٹھنڈا رکھنا چاہتی تھی۔

''یعنی تم نہیں گئیں؟''

''اب قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہوں کیا؟ مجھ سے ایسے فضول سوال کیوں کر رہے ہو؟''

قیس بے دھم ہو کر کرسی پہ بیٹھا۔ اگر وہ گئی ہوتی تو دھڑلے سے کہتی۔ یہ جھوٹ تھا سراب تھا۔ اسے اس پہ یقین نہیں کرنا تھا۔ اس بار مہدی اسکے اور اسکے لوگوں کے درمیان نہیں آئے گا۔ کرسی پہ بے دھم انداز میں گرے ہوئے انسان کی یہ سب سے بڑی غلط فہمی تھی۔

(''رقابت وہ فیصلے بھی کروا دیتی ہے جو کوئی غم، خوشی، محبت نہیں کروا سکتی۔)''

یہ منظر گزر چکی شام کا تھا۔ زینیا براق کے گھر کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھی اس نے مہدی کو ہر شے چھوڑ چھاڑ اسکے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ انکے پیچھے گیا۔ کچن کے کھلے دروازے سے اس نے مہدی کو زینیا کا ہاتھ پکڑ کر اسٹول پہ بیٹھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھڑے کھڑے خاک ہوا۔

وہ اسکے سامنے تھی۔ اسکے نزدیک۔ قیس کو اپنے سارے بدن پہ چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔ وہ اسے پانی تھما رہا تھا۔ وہ اسکی پشت سہلا رہا تھا۔ قیس نے اپنی حق تلفی ہوتے دیکھی۔ وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ زینیا چیخ رہی تھی۔ آوازیں قیس تک نہیں گئیں۔

مگر تاثر گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی گہری شناسائی تھی یہ اسے معلوم ہوا تھا۔ اسے زینیا سے اپنا ہر تعلق ختم ہوتا محسوس ہوا۔

اس نے مہدی کو باہر نکلتے دیکھا زینیا کو سلیب کا سہارا لیتے دیکھا۔ وہ آزردہ لگتی تھی۔ ایسی عورت کی طرح جسے اسکے پسندیدہ مرد نے چھوڑا ہو۔

یعنی وہ قیس کی نہیں تھی؟ یعنی سب بَرَم تھا؟ یہ عورت اسکے حوصلے آزماتی تھی۔ ایسے کہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں وہ تو پھر بھی ایک انسان تھا۔ اسکے دل میں بے تحاشا تکلیف اٹھی تھی اتنی کہ قیس کا ہاتھ اپنے سینے تک گیا۔ پھر اس نے اسے تھپکا۔ فائدہ کچھ نہیں ہوا۔ درد بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔

آج وہ جا کر اسے تسلی دینا چاہتا تھا مگر نہیں گیا۔ آج وہ چاہتا تھا وہ روئے اور روتی رہے۔ وہ اگر اسی طرح روتے روتے مر جاتی تو قیس کو آج فرق نہ پڑتا۔

وہ اسے دھوکہ دیتی رہی؟ جھوٹ بولتی رہی۔ وہ کیسے اسکے سامنے بیٹھ کر کسی غیر کے لیے روتی رہی۔ کوئی غیر کیسے اسے چھوڑ رہا تھا؟ اسے حساب چکانا ہوگا۔ قیس کمبیر کی دسترس میں آکر۔ اور اس لمحے کو جلد آنا چاہیے تھا۔

صوفے سے اٹھ کر وہ بکھری حالت والا مرداب ایک پیغام لکھ رہا تھا۔ **"مجھے تم سے ملنا ہے۔ انکار مت کرنا کیونکہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ تم نہیں آئیں تو میں آجاؤں گا۔ مجھے آنے سے کوئی روک نہیں سکا۔ تمھارے کچھ سوال قرض ہیں مجھ پہ سوچ رہا ہوں جواب دے دوں۔ تم آج کل کہیں روابط بڑھا رہی ہو، میں تمھیں درست سمت دکھانا چاہتا ہوں۔"**

پیغام جا چکا تھا۔ اسکی نظریں سرخ گاؤن پہ ٹکی تھیں۔ کانوں میں کوئی بازگشت تھی۔

"آجاؤ عبداللہ۔"

ایک وہ عورت تھی جس نے کئی سال اسکے نام پہ گزار دیئے اور ایک یہ تھی، جو اسکے سامنے کھڑے ہو کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جفائیں کرتی تھی۔ آج اسے لگا جیسے محبت کو کسی کے انتظار کی بددعا لگی تھی۔ اس نے خود کو گاؤں کی اس سادہ لڑکی کا مجرم گردانا۔

"مجھے تمہاری وفاؤں کے لیے آنا چاہیے تھا۔" اس نے دکھ سے سوچا۔

وہ گھر سے ساری رات بارش میں بھیگتا رہا تھا۔ سنسان سڑک پہ گاڑی ایک جگہ روکے وہ سڑک کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ سائیں سائیں کرتے دماغ میں کئی آوازیں تھیں۔ مہدی بس ان آوازوں سے پیچھا چھڑوانا چاہتا تھا۔

"میرا منگیتر، مجھے لگا تھا وہ میرے لیے اسٹینڈ لے گا۔"

"آج کل بہت خوش نظر آ رہے ہو؟ کیا بات ہے۔" بشاشیت سے کہتے اس نے ایک سیب قیس کی طرف اچھالا۔ وہ کیچ کرتے ہوئے مسکرایا۔

"بس یہ سمجھو کہ زندگی میں خوشگوار اضافے ہو گئے ہیں۔" لان کی کرسی پہ بیٹھے وہ دھوپ سینکتے خوشگواریت سے بولا۔

''اگر یہ خوش گوار اضافہ ایک انسان ہے تو یقیناً مجھے اس سے دور رہنا ہوگا رائٹ؟''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔ تمہیں ملوا دوں گا۔ بلکہ شاید تم مل بھی چکے ہو۔'' اسکی آنکھیں بند تھیں۔ سنہری دھوپ اسکی داڑھی پہ پڑ رہی تھی۔

مہدی نے سیب میں دانت گاڑے۔ اور ایک بڑا حصہ منہ کے اندر منتقل کیا۔

''اس نے تم جیسے خبطی انسان کو بدل دیا یہ عورت تو واقعی خوشگوار اضافہ ہے۔''

قیس گردن کرسی پہ گرا کر ہنس پڑا۔ وہ محظوظ ہوا تھا۔

''وہ واقعی ایسی ہے۔ اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے۔ وہ چیخنے چلانے والا قیس اب صرف تم لوگوں تک ہے۔ اسکے سامنے اب میری نہیں چلتی۔۔''

''اسکے پاس تمہیں mute کرنے کا ریموٹ بھی ہے؟'' مہدی کے علم میں اضافہ ہوا۔

''اس کے پاس مجھے pause کر دینے کا ریموٹ بھی ہے۔ اسکے پاس میرا غصہ ختم کرنے کی طاقت ہے۔ وہ سپر وومن ہے۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''مجھے اس سے ملنا پڑے گا کل صبح پلیز؟''

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہمیں کب ملنا ہے یہ بھی وہی طے کرتی ہے۔''

مہدی نے اسے نئی نظروں سے دیکھا۔

''مرشد ہاتھ دیجئے گا زن مریدی کی بعیت کرنی ہے۔'' وہ مکمل سنجیدگی سے بولا۔ قیس نے اسی سنجیدگی سے ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔ مہدی اسکا ہاتھ ماتھے سے لگایا پھر آنکھوں سے، پھر لبوں سے۔

اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے ہنس پڑے۔ زور زور سے۔ بے فکری سے۔ ان دونوں کے درمیان بڑے عرصے بعد سب ٹھیک ہو رہا تھا۔

سڑک پہ بیٹھے بیٹھے یوں بارش میں بھیگتے ہوئے وہ بری طرح کپکپا رہا تھا۔ یہ صرف بارش نہیں تھی یہ خوف بھی تھا۔ قیس اسے زندہ گاڑ سکتا تھا اس میں مہدی کو رتی برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ لیکن یہ خوف مختلف تھا۔ یہ کیسا خوف تھا؟

(''بالاج میرا منگیتر نہیں تھا وہ کوئی اور تھا۔ میرا کمفرٹ زون۔)''

''تم سے ایک بات کہوں، مہدی؟'' اس رات وہ دونوں لان کی گھاس پہ لیٹے ہوئے تھے۔ بازو قینچی کی صورت تکیے کے لیے استعمال ہو رہے تھے۔ مہدی کے سینے پہ جوس کا گلاس دھرا تھا۔

''کہو نائٹ میئر۔''

''زندگی میں ایک بار محبت ضرور کرنا۔ یہ ساری زیادتیاں بھلا دیتی ہے۔ سارے زخم دھو دیتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری عمر تینتیس سال نہیں ہے۔ بلکہ میری عمر وہ ہے جس روز مجھے وہ ملی۔ سب اسکے آتے ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ غم ہیں، تکلیف بھی۔ لیکن وہ ہے تو ختم ہو جانے کی امید ہے۔''

''میں دعا کروں گا کہ وہ لڑکی ساری زندگی تمھارے ساتھ رہے۔''

''اسے رہنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے وہ میرے لیے ہے۔ اللہ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔ اب اسے بھیج کر وہ میرے غموں کا مداوا کرے گا۔''

''ایسے نہیں کہتے یار۔'' مہدی نے اسے ٹوکا۔ ''اس زندگی میں کچھ تکلیفیں رہتی ہیں۔ اگلی زندگی میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اگر وہ مجھے مل جائے تو زندگی سے میرا کوئی شکوہ باقی نہیں رہے گا۔''

وہ آنکھوں میں چمک لیے کچھ اور بھی بتا رہا تھا۔ مہدی سنتا رہا۔ اس نے قیس کو آج سے پہلے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ لڑکی اسے مل جائے اور وہ دونوں ساتھ رہیں یہ دعا اس نے دل سے کی تھی۔ مگر اس دعا کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود ہی تھا۔

''بالاج مجھے میرے ماضی کے طعنے دیتا (رہتا تھا۔ (''

بارش کی تیزی میں کمی نہ آئی۔ البتہ مہدی کمبیر ایک فیصلے پہ پہنچ چکا تھا۔ قیس اور اسکے درمیان جو معاملات سالوں بعد ڈگر پہ آئے تھے وہ انہیں نہیں خراب کر سکتا تھا۔ اسے حل چاہیے تھا۔ ان تمام معاملات سے نکلنے کے لیے کوئی حل۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ گاڑی تک جاتے ہوئے اسے کئی بار ٹھوکر لگی تھی۔ اس سڑک سے کمبیر محل تک جاتے ہوئے وہ کتنی بار راستہ بھولا تھا اسے یاد نہیں تھا۔

وہ گرتے پڑتے صبح صادق کے وقت کمبیر محل پہنچا۔ بھیگا ہوا۔ بخار سے تپتا ہوا اور سرخ آنکھوں کے ساتھ۔

قیس بھی اسی وقت آیا تھا۔ تھکا ہوا۔ ایک لمبی مسافت طے کر کے آیا ہوا۔ آج وہ دونوں ایک دوسرے کی اس حالت کا سبب نہیں پوچھ سکے کیونکہ دونوں وجہ جانتے تھے۔

ایک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے۔ تھکے ہارے وہ مخالف سمتوں میں چلے گئے۔ ملازمین کی نگاہیں انکی طرف اٹھیں۔ چہ می گوئیاں ہوئیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں تبصرے کیئے گئے۔ پہلی بار دونوں بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھے بغیر گھر کی مخالف سمتوں میں غائب ہو گئے تھے، تعجب لازم تھا۔

مہدی نے دھیرے سے مقصود کمبیر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ مگر جاگ رہے تھے۔ اماوس کی اس رات میں نیند بھلا کسے آنی تھی؟

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا انکے بیڈ کے کی پائنتی پہ آ کر بیٹھا۔ اندھیرے کمرے میں دروازے سے آتی روشنی اسکے آدھے وجود پہ پڑتی تھی۔ گیلے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں۔ اسکے ہاتھ اب بھی کپکپا رہے تھے۔ اور خوف نے اب بھی اسکے بدن کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

''وہ مار دے گا چچا۔ وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔'' اسکی آنکھوں سے پانی کے قطرے نہیں گرے مگر وہ جس حالت میں تھا اسکا چہرہ سب بتا رہا تھا۔ وہ شاکڈ تھا۔ گلٹی بھی۔

''وہ اس سے محبت کرتا ہے اور مجھ سے نفرت۔ باخدا وہ مار دے گا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' مقصود نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ انہیں زینیا کے لیے افسوس ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک بزدل مرد چنا تھا۔

''پلیز کچھ کریں چچا۔ آپ کر سکتے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں یہ سب یہ سب پتہ نہیں کیسے ہو گیا پلیز کچھ کریں۔'' وہ رونے لگا تھا۔ وہ واقعی رونے لگا تھا۔

مقصود اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔

'' آپ پلیز اسے کچھ مت بتائیے گا۔ مجھے کچھ وقت دیں میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ اسے پلیز کچھ مت بتائیے گا۔ مجھے وقت دیں پلیز۔''

''فکر مت کرو۔ میں دیکھ لوں گا۔ تمہاری جان کو کچھ نہیں ہو گا۔'' اگلے کئی لمحے وہ اسے مختلف دلاسے دیتے رہے مہدی سنتا رہا۔ وہ جس لڑکی سے نکاح کر چکا تھا وہ اسکے بھائی کی سابقہ منگیتر اور حالیہ محبت تھی۔ یہ کوئی کہانی نہیں تھی یہ حقیقت تھی۔

جس کے تھپیڑ مہدی کو جتنی زور سے لگ رہے تھے وہ اتنی تیزی سے سر کو نفی میں ہلاتا جا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ زندگی اسکے ساتھ کوئی ایسا کھیل بھی کھیل سکتی ہے۔ اگلے چند لمحات میں مقصود اسے اپنے اور نواب خاندان کی متعلق ساری تفصیل سنا چکے تھے۔

وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے جن چیزوں سے لاعلم رہا تھا وہ اسے آج پتہ چل رہی تھیں۔ جن معاملات سے قیس نے اسے اچھوت کی طرح دور رکھا آج اسے سب معلوم ہو گیا۔ وہ اس خاندان میں **''اس''** طرح فٹ ہو گا یہ اسکے گمان میں بھی نہیں تھا۔

قیس اور زینیا حاکم کے تعلق کے بارے میں سنتے ہوئے وہ چپ رہا۔ اسے نہیں معلوم تھا آج وہ جل رہا تھا۔ بے بس تھا یا پھر اسے قلق ہوا تھا۔ ہر جذبہ گڈمڈ ہو گیا تھا۔ ہر محبت گڈمڈ تھی۔ کئی لمحے وہ خاموش رہا پھر اس کمرے نے اسکی آواز سنی۔

''بے وفائی کی سزا اس خاندان میں کیا ہے؟'' سرگوشی نما ٹھنڈی آواز۔

''مرد کرے تو شوق، اور محبت کا پہناوا۔ عورت کرے تو موت۔'' نہ جانے کیوں مگر انہیں لگا تھا مہدی استہزائیہ سا مسکرایا ہے۔

''اور یہاں آپ کے خاندان کے مطابق، زینیا حاکم قصوروار ہے؟''

''سو فیصد۔ دوسرا قصوروار بالاج تھا۔ اور تیسرے تم۔ کسی کی عزت کو اپنے نکاح میں لینا یعنی اپنی موت کو دعوت دینا۔ وہ اگر تمھیں قتل کر دے تو غیرت مند کہلائے گا۔''

مہدی گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ اسکی بیوی وہ اسکی بیوی کی حیثیت سے نہیں جانی جا رہی تھی اسکا تعارف عبداللہ زمان کی منگیتر کا تھا۔ اسکا دل کٹ کر دو ٹکڑے ہوا۔ یہ روایات ایک بار پھر اسکے گلے کا طوق بن گئیں۔

''بچاؤ کا کوئی راستہ؟'' اس نے گردن جھکائے رکھی۔ وہ بچاؤ کا راستہ مانگ رہا تھا۔ آہ بزدل آدمی۔

''اسے طلاق دے کر آؤ۔ باقی سب میں سنبھال لوں گا۔''

''طلاق کے بعد معاملات درست ہو جائیں گے؟ قیس جانتا ہے بالاج اور زینیا شادی شدہ تھے۔ کیا وہ اسے اس بات کے لیے سزا نہیں دے گا؟''

''بلکل دے گا۔ ایسے میں وہ قصاص بھی لے سکتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنی منگیتر کے بدلے انکے گھر سے کسی اور لڑکی سے شادی بھی کر سکتا ہے۔ مردوں کو بڑی رعایتیں حاصل ہیں۔''

''اسکی بہن صرف سترہ سال کی ہے۔'' مہدی بے یقینی سے کہنے لگا۔

''وہ لڑکی ہے اور زینیا کے خاندان کی ہے۔ یہ کافی ہے عمر سے کسی کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔ یہ نہیں بتایا کہ یہ روایت نہیں زور زبردستی ہے۔ ''تم یہ سب چھوڑو تم جاؤ اور اسے طلاق دے کر آؤ۔ یہ تمھارے حق میں بہت بہتر ہو گا۔''

مہدی کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اس نے خود کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ اسکے قدم باہر کی طرف بڑھے۔ وہ اپنے کمرے میں آیا۔ اے سی کی ٹھنڈک اسکی ہڈیوں میں گھسنے لگی تھی۔

وہ دھیرے سے پلنگ پہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔ چند آنسو ٹوٹ کر اسکی کنپٹی میں جذب ہوئے۔ پھر وہ چند ایک سیلاب کی صورت اختیار کر گئے۔

سوچیں اسکے ذہن پہ وارد ہوئیں۔خوف اور گلٹ نے اپنا پھندہ کس لیا۔بخار بڑھتا چلا گیا۔اور اس نے خود کو غنودگی میں جاتے ہوئے محسوس کیا۔

سوچوں کے در بند ہوئے۔سکون یہاں ڈھیر سارا سکون تھا۔اور آنکھ کھلنے کے بعد؟

اگلی صبح وہ شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔اس نے غور سے اپنا چہرہ دیکھا۔سنہری آنکھیں جن کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔کھڑی ناک جس میں فیروزے کی لونگ چمک رہی تھی۔شہد رنگ بال۔اس نے بال کندھے سے آگے رکھے۔اسے اپنے بالوں کا رنگ،لمبائی بے حد پسند تھے۔

نظریں لباس پہ ڈالیں۔سیاہ رنگ کی سادہ فراک کے ساتھ سفید دوپٹہ لے رکھا تھا۔اس نے بالوں کو چٹیا میں گوندھا۔پیروں میں سیاہ رنگ کے کولا پوری چپل پہنے سیاہ ہی بیگ کی سفید اسٹریپ کندھے پہ درست کی۔

''تم شیور ہو؟مجھے نہیں لگتا تمھیں اس سے ملنا چاہیے۔''اسکے عقب میں بیٹھی شیزل متفکر ہوئی۔

''مجھے اب تک خوش گمانی ہے کہ عبداللہ زمان گاؤں میں بیٹھی اسکا انتظار کرتی منگیتر سے وفادار ہے۔''اس نے دراز کھول کر چند نوٹ اور کارڈز پرس میں رکھے۔

''اگر وہ نہیں بھی ہے تو اس سے کیا حاصل؟تم اسکے پاس واپس تو نہیں جانے والیں۔''زینیا جواباً خاموش رہی۔وہ باہر نکلنے لگی جب شیزل اٹھ کر اسکے ساتھ آئی۔

''میں چھوڑ دیتی ہوں۔''

گاڑی اپنی رفتار سے چلتی رہی۔زینیا نشست سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔کافی دیر بعد اسکی ہلکی آواز گاڑی میں سنائی دی۔

’’جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا لیکن مجھے پھر بھی گلٹ تھا کہ میں نے عبداللہ کے ساتھ غلط کیا۔ میں نہیں جاؤں گی تو وہ یہاں آجائے گا۔ میں آج وہاں جا کر خود کو یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی کے ساتھ میں نے جو کیا درست کیا۔‘‘

’’مجھے سمجھ نہیں آرہی تمھیں اس وقت کیا مشورہ دوں؟ میں صرف یہ کہوں گی کہ اپنے گھر والوں کو سب کچھ بتاؤ۔ کم از کم بشر کو بتاؤ۔ میں اس وقت غلط تھی جب میں نے تمھیں سب چھپانے کو کہا تھا۔‘‘

’’یہ ایک ایسی جنگ ہے جو میں خود سے ہر روز لڑتی ہوں، شیزل۔ میں ہر روز فون اٹھا کر اپنے گھر سب بتا دینا چاہتی ہوں لیکن کہانی انتہائی پیچیدہ ہو چکی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہاں سے کیا بتاؤں؟ اور بشر تمھیں لگتا ہے میں نے اسے بتانے کی کوشش نہیں کی ہو گی؟ طلاق ایک بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ اور میری طلاق اچانک تھی۔

کچھ بچوں نے ایک سڑا ہوا بچپن دیکھا ہوتا ہے۔ جوانی بھی ویسی۔ اور یہ سڑا ہوا حصہ انکے اندر بھی منتقل ہو جاتا ہے میرے اندر بھی ہو گیا ہے۔‘‘

’’ہم سب اپنے اپنے حصے کی سزائیں کاٹ رہے ہیں۔ تم واحد وکٹم نہیں ہو۔‘‘ شیزل نے اسے دھیرے سے ٹوکا۔ زنیبا نے سر ہلایا۔

’’میں واقعی واحد نہیں ہوں۔ لیکن چوبیس سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے میں سارے کا سارا تجربہ ایک ہی دفع نہیں نکال سکتی۔ میں نے ایک بار کوشش کی تھی۔

بشر کو بتایا کہ بالاج مجھے مارتا ہے اور اس نے آگے سے کیا کہا؟ اس نے کہا نباہ کرو۔ میں نے جو پر کھولے تھے واپس سمیٹ لیے۔ بالاج نے مجھے طلاق دی اور حلالہ ہوا۔ پھر وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ اس دوران میں نے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

اگر انکو کہیں سے کچھ پتہ چل جاتا تو میں بتا دیتی لیکن انہیں نہیں پتہ چلا کیونکہ بالاج مر چکا تھا۔ انکے نزدیک میں بالاج کی بیوی تھی۔ اور میرے نزدیک یہ میری بقا۔ مڈل کلاس لڑکیوں کو جو ہے جیسا ہے ٹھیک ہے کی بڑی اچھی ٹریننگ ہوتی ہے۔

میری جگہ کوئی بھی انسان ہوتا تو یہی کرتا۔ جب تک جھوٹ کیڑا بن کر رینگ رہا ہے ہر کوئی اسے رینگنے دیتا۔ کہانیاں مختلف ہوتی ہیں، شیزل۔ وہاں ہر کردار ایک سیدھ میں چل رہا ہوتا ہے۔ اصل زندگی بہت مختلف ہوتی ہے۔ یہاں ہمارے فیصلوں پہ ہمارا حال، ماضی اور مستقبل سب اثر انداز ہوتا ہے۔ اور بدقسمتی سے میرے پاس کچھ اچھا نہیں ہے۔‘‘

شیزل چند لمحے خاموش رہی۔ کیا تواس نے بھی یہی تھا۔ ہاسٹل کی تکلیف۔ home sickness اپنے ابا سے اختلاف۔ ماں کی بے رخی۔ سگی اکلوتی بہن سے مسائل اس نے کبھی ان پردوں سے حقیقت نہیں دیکھی۔ جو ہے جیسا ہے اس بنیاد پہ سب چلنے دیا۔ اور آج ہاتھ میں کیا آیا تھا؟ خاک بھی نہیں۔

''تم نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ جو ہے جیسا ہے اسے ویسے ہی چلنے دو۔ تم نے کہا تھا چند ماہ میں حل نکل آئے گا کوئی حل نہیں نکلا۔ حالات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے۔''

''تم مجھے الزام دے رہی ہو؟''

''میں کسی کو کوئی الزام نہیں دے رہی۔'' زینیا نے رسان سے کہا۔

''میں تمھیں بتا رہی ہوں کہ ہمارے پیرنٹس کے غلط فیصلے، غلط تربیت کس طرح ایک لمبا عرصہ ہمیں ہانٹ کئے رکھتی ہے۔ ہماری ماؤں نے ہمیشہ سکھایا ہوتا ہے ابا کو مت بتانا بھائی کو مت بتانا۔ unconsciously ہمارا دماغ اسی جملے کا تابع ہو جاتا ہے۔''

شیزل نے گہری سانس لی۔

'' میں تین بیٹیاں پیدا کروں گی اور تینوں کی ایسی پرورش کروں گی کہ دنیا دیکھے گی۔'' اسے یہ واحد حل نظر آیا تھا۔

''اور میرے دو بیٹے ہوں گے۔ دونوں پورے پورے گرین فلیگ۔'' گہری سانس لیتے ہوئے اعلان کیا۔

''مجھے اپنی بیٹیوں کے لیے تمھارے بیٹوں کے رشتے منظور ہیں۔'' شیزل ترنت بولی۔ بیسٹ فرینڈز نے اگر اپنی ہونے والی اولادوں کے رشتے نہ طے کئے ہوں پھر خاک بیسٹ فرینڈ ہوئے؟

''میرے بیٹے لو میرج کریں گے۔''

''اور انکو یہ لو میری بیٹیوں سے ہونا چاہیے۔'' ایک سیرئیس مسئلے کے درمیان ایک بے تکی بات پہ بحث بھی دو بیسٹ فرینڈز ہی کر سکتے تھے۔ دس منٹ کی جنگ کے بعد بلا آخر وہ دونوں سمدھن بن چکی تھیں۔ اب انکا دھیان اس مسئلے کی طرف آیا جو موجود تھا۔

''گھر پہ سب بتا دو، زینیا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ گھر میں بالاج کے مرنے کا بتاؤں گی اور بشر کو ہماری طلاق کا۔ مہدی کے بارے میں وہ لاعلم ہی اچھے ہیں۔''

''بالاج کے بارے میں تم خود سے کچھ مت بتاؤ۔ ورنہ سوال اٹھیں گے۔ تمھارے پاس اسکے دوست کا نمبر ہے ناں؟ وہ نمبر مجھے دو۔ میں اس سے بات کرلوں گی وہ خود بشر کو اطلاع دے گا۔''

''اسکی دوسری بیوی کو بھی اطلاع دینی ہوگی۔'' اسکے بارے میں بات کرتے ہوئے زینیا کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔

''کم از کم اسے یہ علم ہونا چاہیے جس کا انتظار وہ کر رہی ہے وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ وقت رہتے یہ علم ہو جانا چاہیے۔''

شیزل نے سر ہلا دیا۔ اور فون اٹھا کر قیس کو کچھ میسجز بھیجے۔

''کل تم براق کے گھر سے کب واپس آئے؟ تمہارا ابھی اس سے کوئی رابطہ ہے؟ وہ میری کالز کا جواب نہیں دے رہا۔ اگر تم قریب ہو تو ایک بار جا کر اسے چیک کر آؤ۔'' وائس ریکارڈنگ بھیج کر اس نے موبائل رکھ دیا۔

''براق ڈرنک کرتا ہے۔'' کیفے کے سامنے گاڑی رکی تو زینیا نے اسے اطلاع دی۔

''جانتی ہوں۔''

''پھر بھی اس سے شادی کرو گی؟''

''یہ سب باتیں یہاں بے ضرر سمجھی جاتی ہیں۔ چار اچھائیوں میں ایک برائی دب جاتی ہے۔''

''بچے اپنے لیے ایک عظیم پیرنٹ نہیں ڈھونڈ سکتے۔ تم اچھا شوہر ڈھونڈ سکتی ہو۔'' وہ شیزل کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔

گاڑی میں بیٹھی وہ لڑکی مضمحل لگتی تھی۔ براق کے کئی دوست کل رات وہاں تھے۔ شراب کی محفل جمی ہو گی وہ جانتی تھی۔ اسکے سابقہ تعلقات بھی وہیں ہوں گے وہ جانتی تھی۔ لیکن وہ ان میں سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا بھی نہیں کیونکہ وہ بدل گیا تھا۔ ہاں بلکل وہ بدل گیا تھا۔

یہاں سے کئی کلومیٹر دور براق حنیف کے بنگلے میں قدم رکھو تو سفید بٹن شرٹ کے ساتھ خاکی پینٹ پہنے مہدی کمبیر براق کے گھر میں قدم رکھ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ اضطراب تھا۔

وہ کوئی حل نکالنے یہاں آیا تھا۔ اپنے اور قیس کے مشترکہ دوست کے پاس۔ اسکا رنگ ایک ہی دن میں زرد پڑ گیا تھا۔ سبز آنکھیں بے طرح بے رونق تھیں۔ لان میں کانچ کی بوتلیں، گلاس، اور کہیں کہیں کسی میز پہ سفید پاؤڈر کے زرے بکھرے ہوئے تھے۔

یہ گھر اپنی کل رات کی آپ بیتی سنا رہا تھا۔ مہدی نے رومال سے ناک ڈھانپ لی۔ بدبو کے بھبھوکے تھے جو اٹھ رہے تھے۔

وہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ آیا۔ زینے چڑھتے ہوئے وہ اوپری منزل پہ آیا۔ براق کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے موبائل پہ شیزل کی طرف سے کئی میسجز ملے تھے۔

وہ اسی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ مہدی نے نظر انداز کیا۔ اس نے لاک گھما کر براق کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اگلے ہی لمحے وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا تھا۔ آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ چند لمحوں کے لیے وہ ساکت رہ گیا۔

براق حنیف اپنی شادی سے دو دن قبل اپنی ایکس کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں تھا۔ مہدی کمبیر کے لیے یہ ایک شاک تھا۔ دوسرا شاک اسے تب لگا جب اس نے ساتھ والے کمرے سے قیس کو نکل کر آتے ہوئے دیکھا۔ اپنے سامنے کھڑے مہدی کو دیکھ اسکا جبڑا بھینچ گیا۔ مہدی کا شاک گہرا ہوا۔ قیس اتنا نارمل کیوں تھا؟

''شیزل سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے غلطی ہر انسان سے ہو جاتی ہے۔'' وہ کہہ کر زینے اترتا چلا گیا۔

مہدی اب تک وہیں کھڑا تھا۔ اسے اس آدمی سے گھن آئی۔ اسے گھن اس آدمی سے بھی آئی جو اس گناہ کو کور اپ کر رہا تھا۔ اس گھر میں وہ مزید ایک سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔

تیز تیز زینے اترتے وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا۔ کم از کم اس آدمی کے پاس مہدی کے مسائل کا حل نہیں تھا۔

جانے سے پہلے اس نے کچھ تصاویر اتاریں تھیں۔ اسکے دل میں شاید کچھ آ گیا تھا۔

وہ trio تھے۔جب تکلیف کسی پہ آتی تھی تو اسکا سدباب وہ تینوں کرتے تھے۔چاہے وہ خود تکلیف میں ہوں لیکن تکون کے دوسرے سرے کو بچا لینا ان پہ فرض تھا۔وہ اس وقت یہی کر کے آرہا تھا۔اپنے موبائل پہ براق کی تصویریں دیکھتے ہوئے اس نے موبائل بیڈ پہ پھینک دیا۔وہ فلحال شیزل کو کچھ بتانے کا ارادہ فلحال نہیں رکھتا تھا۔

کمرے سے نکل کر وہ کمبیر محل کی تیسری منزل پہ آیا۔دائیں طرف راہداری میں ایک کمرہ تھا جو حال ہی میں آباد ہوا تھا۔قیس دروازہ کھولتے ہوئے اندر آیا۔پھر واک ان کلازٹ کی طرف بڑھا۔ایک کرب زدہ مسکراہٹ بے اختیار اسکے لبوں پہ رینگ گئی۔

وہ کلازٹ کسی مرد، عورت، بچے یا بوڑھے کے لیے مختص نہیں کی جاسکتی تھی۔وہاں ڈھیروں ڈھیر سامان تھے۔مردانہ شرٹس، زنانہ کپڑے، شالیں، برتن، میک اپ، پرفیومز، جوتے، ہائی ہیلز۔یوں جیسے کسی کی دو سے ڈھائی دنوں کی شاپنگ کو ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا ہو۔

قیس آگے بڑھ آیا۔ڈھیر ساری شرٹس کے درمیان ایک سفید شرٹ کو ہاتھوں میں لیا۔اور اسے وہ ملاقات یاد آئی۔

وہ قصے جو کہانی پہ ادھار تھے ان میں سے ایک پیش خدمت ہے۔

سینٹورس مال میں داخل ہو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔یہ ایک الگ دنیا ہے۔جہاں ملکی اور غیر ملکی امراء اپنے کارڈز کی لمٹ ختم کرنے آتے ہیں۔ہاتھ میں جوس کا گلاس اور دائیں بائیں دو مستعد گارڈز کی معیت میں قیس کمبیر ونڈو شاپنگ کے موڈ میں لگتا تھا۔جب اسکی نظر سیدھ میں چل کر آتی زینیا حاکم پہ پڑی۔

وہ سادہ سے حلیے میں آس پاس سے بے نیاز اطراف میں سجی دکانوں کو دیکھتے ہوئے چل رہی تھی۔وہ دونوں ایک ہی راہداری میں ایک دوسرے کی سیدھ میں تھے۔قیس کی نظر اس سے ملی۔وہ مسکرایا۔زینیا جواباً ہلکا سا مسکرائی۔

"تم یہاں؟" وہ اسکے قریب رک کر پوچھنے لگا۔"یہاں شاپنگ کرنے کے پیسے ہیں؟" واضح طنز۔

"تمھارے پاس تو ہوں گے لیکن پھر بھی خالی ہاتھ؟" وہ چوٹ کرنے سے باز نہ آئی۔قیس نے برا نہیں منایا۔"جب بھی lack of motivation محسوس ہوتا ہے۔ایسی مہنگی جگہوں پہ آجاتی ہوں۔مہنگے سامان خریدنے کی چاہ اچھے سے پڑھائی کرواتی ہے۔"

اس وقت قیس کا دل کیا تھا وہ ساری چیزیں اٹھا اٹھا کر لاتا جائے اور اسکے قدموں میں ڈھیر کرتا جائے۔ مگر اسے یہ حق کہاں؟

''میری مدد ہی کروا دو۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کیا لینا ہے۔ بی قیو کی کامیابی پہ خاندان کو گفٹس دینا چاہتا ہوں۔'' اچھا واقعی؟

''سوری لیکن یہ فیور ہو گا۔ تم مجھے اس کام کی تنخواہ نہیں دیتے۔'' ٹکا سا جواب۔

''انسانیت کی خاطر؟''

''اسکا دور دور تک مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ رکی۔ ''ہاں ایک شرط پہ اگر تم مجھ سے درخواست کرو۔''

قیس نے پاس کھڑے دونوں گارڈز کو دیکھا۔ بظاہر وہ نہیں سن رہے تھے۔ مگر ماشاءاللہ سے انکے پاس کان تھے۔ اور انشااللہ کل تک یہ خبر کمبیر محل کے ہر گارڈ کے کان میں ہو گی۔

''مس زینیا پلیز کیا تم تھوڑی دیر میری مدد کر سکتی ہو؟''

''اؤنہوں یہ کہو کہ کیا میں تمہیں اپنی کمپنی کا شرف بخش سکتی ہوں۔''

اب تو یقیناً اُس آدمی کا پارہ ہائی ہونا چاہیے تھا مگر نہیں ہوا۔

''کیا تم کچھ وقت مجھے اپنی موجودگی کا شرف بخش سکتی ہو؟'' سینے پہ ہاتھ باندھے، مسکراتے ہوئے پوچھا گیا۔

''شیور۔۔۔'' وہ خوشدلی سے بولی۔ یہاں ٹائم تو یوں بھی ضائع کرنا تھا۔ اپنی پسند کی کچھ چیزیں خرید کر اس مال کو خالی کرنے میں بھلا کیا مضائقہ تھا؟ وہ آگے بڑھی تو قیس اپنے گارڈ کے قریب رکا۔

''میڈم جس جس چیز کو ہاتھ لگائیں اسے پیک کرواؤ۔'' گارڈ نے اسے ٹھہر کر دیکھا قیس تب تک آگے بڑھ گیا۔ وہ مردانہ کپڑوں کے ایک بوتیک میں داخل ہوئے۔ زینیا نے اندر آتے ہی لمبی قطار میں لگی تمام شرٹس پہ ایک ہاتھ پھیرا اور آگے بڑھی۔ اس نے دو سے تین شرٹس اٹھا کر قیس کو تھمائیں۔ گارڈ نے فوراً آگے بڑھ کر شرٹ تھامنی چاہیں مگر اسکا مالک اسے ہاتھ کے اشارے سے پیچھے رہنے کو کہہ چکا تھا۔ شاید وہ اس ملکہ کی غلامی میں خوش تھا۔

اس نے کئی شرٹس قیس کو دکھائیں چاہے اسے پسند آتی چاہے نہ آتی وہ **"اچھی ہے"** کہہ کر تھام لیتا۔ زنانہ سیکشن میں آتے ہوئے زینیا کی آنکھیں بے اختیار چمکیں تھیں۔ یہاں آکر وہ **"بظاہر قیس کی کزنز"** کے لیے شاپنگ کر رہی تھی۔ مگر دور اندر یہ تمام ملبوسات اسکی اپنی خواہش تھے۔

وہ میک اپ، پرفیوم، جوتے، جس شے پہ ہاتھ رکھتی گارڈز نوٹ کرتے اور ان دونوں کے اس دکان سے نکلنے بعد وہ سامان خرید لیا جاتا۔ تین گھنٹے کی مسلسل شاپنگ کے بعد دو کارڈز کی لمٹ ختم ہو گئی تھی۔

''سر کارڈز کی لمٹ ختم ہو گئی ہے۔'' زینیا اب برتن دیکھنے میں مصروف تھی جب گارڈ نے اسے اطلاع دی۔ شاپنگ بیگز تھامے اس آدمی کو فرق ہی نہیں پڑا۔

''لمٹ ختم ہوئی ہے تو دوسرے کارڈ استعمال کر لو۔ جب کارڈ ختم ہو جائیں تب آنا۔''

''سر یہ سب غیر ضروری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''میڈم خرید رہی ہیں تو قیمتی ہیں۔'' وہ میڈم پہ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

اگلے دو گھنٹوں میں وہ بچوں کے کھلونے، کپڑے، اور جوتے بھی خرید چکے تھے۔ وہ ہر دفع کسی نہ کسی کا نام لے لیتا اور پھر اس انسان کے لیے شاپنگ شروع ہو جاتی۔ ایک لمبا عرصہ اس نے پیسہ خاندان پہ لٹایا تھا۔ غم نہیں ہوا تھا مگر آج اس سامان سے بھری گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے اسے خوشی ہوئی تھی۔ ہر ہر شے پہ اسکا لمس تھا۔ ہر ہر شے معتبر تھی کیونکہ وہ زینیا حاکم کی پسند سے آئی تھی۔ گھر آکر وہ اس سامان کو ایک کمرے میں جگہ دے چکا تھا اور اب وہ جگہ اسکا کمفرٹ تھی۔

''میں نے تمھارے لیے، تمہاری پسند کے لیے کیا کیا کر دیا۔ اور تم؟ تم نے مجھے اس انسان کے لیے دھوکہ دیا جو ردی تھا؟'' سامان کو دیکھتے ہوئے وہ آزردگی سے سوچتا رہا۔

''تمہیں حساب دینا ہو گا۔'' بڑبڑاہٹ واضح تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے ہوئے اس نے کف لنکس لگائے۔ پرفیوم چھڑکا۔ انگلیوں کے پوروں پہ ہلکی سی جیل لگا کر وہ سیدھا ہوا مگر اپنا چہرہ شیشے میں دیکھتے ہوئے وہ تھم گیا۔ اسکے سیاہ گھنگریالے بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔ دکھ ایک بار پھر اسکے چاروں اور رقص کرنے لگا۔ وہ اس عورت کو کیسے بھولے جس کی یاد اسے اپنے نقوش دیکھتے ہوئے بھی آتی تھی؟

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب بی قیو پراجیکٹ نیا نیا ہٹ ہوا تھا۔ کئی میگزینز قیس کمبیر کا انٹرویو چھاپنا چاہتی تھیں، جن میں سے ایک کے لیے وہ تیار ہو گیا تھا۔ وہ camera shy تھا۔ اس لیے تصاویر ہر دفع وہ اپنی طرف سے بھیجا کرتا تھا۔ آج بھی وہی کام جاری تھا۔ آدھے گھنٹے کا کام تھا جسے وہ تین گھنٹوں سے ختم نہیں کر پا رہا تھا۔ تین کیمرہ مین ایک طرف اور ایک طرف زینیا حاکم۔ وہ بار بار اضطرابی حالت میں اپنے بال پیچھے کر لیتا تھا۔ کبھی ٹائی کی ناٹ سے چھیڑ چھاڑ کرتا۔ زینیا بے زار سی ایک بار پھر آگے آئی۔

پنسل اٹھا کر اسکے بال خراب کیئے۔ وہ ماتھے پہ بکھر گئے۔

''فوٹو گرافر خوبصورت لوگوں کی تصاویر نہیں لیتے، وہ انسان کو خوبصورت بنانے کی تصاویر لیتے ہیں۔'' اس نے قیس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہر فوٹو گرافر اپنا ہدف ڈھونڈ لیتا ہے۔ تمھارے چہرے بلکہ تمھاری ساری شخصیت میں جو چیز سب سے زیادہ خوبصورت ہے وہ تمھارے بال ہیں۔''

''کیا؟'' اسے لگا جیسے اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

''تمھارے بال بہت خوبصورت ہیں، قیس۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''اور یہ قدرتی خوبصورت ہیں یہ جیل اور اسٹائل کے چکر میں انہیں برباد مت کرو اور پلیز مجھے تصاویر لینے دو۔''

''میں camera shy ہوں۔'' وہ ہلکی آواز میں بولا۔ زینیا گہری سانس لیتے پیچھے ہوئی۔

''یوں سمجھو کہ یہ لوگ کوئی نہیں ہیں۔ تم بس آئینہ دیکھ رہے ہو اور اس آئینے میں اپنا چہرہ۔۔ تم۔۔'' اسکے الفاظ غائب ہو گئے۔ آج حال میں آئینے کے سامنے کھڑے قیس نے ٹشو سے اپنی انگلیاں صاف کیں۔ اور ایک ہاتھ سے اپنے بال اسی طرح سیٹ کئے جیسے وہ کرتی تھی۔

جوتوں کے ڈھیر میں سے سیاہ جوتے نکال کر پہنے۔ گھڑی کلائی میں ڈالی۔ اور وہ تیار تھا۔ پورچ میں کھڑی گاڑیوں میں اس نے اپنی پسند کی گاڑی منتخب کی۔ اور اسکا سفر شروع ہوا۔ ایک ایسا سفر جس کا انت اسے معلوم تھا۔

اسلام آباد کی سڑکیں اسے دیکھتی رہیں۔ پہاڑوں نے تعظیم دی۔ درخت لہلہائے۔ گاڑی اسمو کی کلڈرن کے باہر آکر رکی۔ وہی ہیری پوٹر کی تھیم پہ بنا کیفے۔ قیس نے گاڑی پارک کی اور احاطے میں آکر کھڑا ہوا۔ پچھلی بار وہ اس احاطے میں اکیلا نہیں تھا۔ سرخ دروازہ پار کرتے ہوئے آج اسے ''**آفٹر یو مادام**'' نہیں کہنا پڑا۔ زینے پار کر کے اوپر جاتے ہوئے کوئی اسکے ہمراہ نہیں تھا۔ سیاہ اینٹوں والی دیواریں جیسے اسے دلاسا دیتی رہیں کہ یہ آخری بار ہے۔ وہ اگلی بار تمھارے ہمراہ ہوگی۔

کیفے میں آج غیر معمولی خاموشی تھی۔ کھڑکی کی طرف رخ کئے وہاں صرف ایک عورت کھڑی تھی۔ یہ کیفے آج اسکی تعظیم میں خالی تھا۔ ایک آہٹ اور مانوس سے احساس کے تحت اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کھڑکی سے نارنجی روشنی اندر داخل ہوئی۔ ان دونوں کی نظر بیک وقت ایک دوسرے سے ملی۔ کتنے برس وہ اس سنگ دل انسان کو اپنے دل کے ایک مقدس خانے میں رکھتی آئی تھی۔ اور آج؟ آج کیسے کہاں آکر وہ اپنی وقعت کھو چکا تھا۔ وہ اسکے لیے زمانے سے لڑی تھی، پھر ایک دن اس فریب کار نے اسی کی گردن میں چھرا گھونپ دیا۔ لیکن وہ اب بھی اسکا اچھا چاہتی تھی۔ صرف اچھا۔

کتنے برس وہ زمانے سے جنگیں لڑتا رہا اور یہ عورت کب کہاں کیسے آکر اسے تسخیر کر رہی تھی وہ کچھ کر کیوں نہ سکا؟ وہ اسے جن آنکھوں سے دیکھ رہی تھی قیس کمبیر اسے سب معاف کر سکتا تھا۔ آدھی دنیا کا قتل بھی اور اپنے دل کی بربادی بھی۔ شاید بے وفائی بھی۔

شرط صرف اسکا ساتھ تھا۔ صرف اسکا ساتھ۔

سیاہ دیواروں پہ لگے گلابی، سبز، سرخ، نیلے اسٹکی نوٹس سے نظریں اٹھا کر سفید سیاہ میں ڈوبے ان دو لوگوں کو دیکھو تو وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔

"تم جانتی ہو میں نے آج تمھیں یہاں کیوں بلایا ہے؟" وہ متوازن چال چلتا اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ پڑتی روشنی زینیا کا منظر دھندلا کر رہی تھی۔ وہ اسکا چہرہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

"یہاں آنے سے قبل شاید نہ پتہ ہوتا لیکن یہاں آ کر اس خالی کیفے کو دیکھ کر اندازہ ہوا ہے۔"

"کیسا اندازہ؟" وہ اسکی دائیں طرف سیاہ رنگ کی ابھری ہوئی اینٹوں والی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سفید لباس میں تھا اور زینیا سیاہ۔ سفید سیاہ مکس ہونے لگا۔ ان دونوں کے درمیان میں وہ تکون شکل کی کھڑکی تھی۔ جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

"میں چوبیس سال کی ہوں، قیس۔ تم چاہتے ہو میں یہاں یہ ظاہر کروں کہ تم اپنی ایمپلائی سے ملنے آئے ہو؟"

"تمہاری یہی باتیں، یہی برجستگی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمھیں ساری زندگی اپنے ساتھ ساتھ رکھوں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"اصولاً یہاں آتے وقت مجھے لمبے لمبے پیراگراف رٹ کر آنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔" وہ زینیا کے چہرے پہ نظریں جمائے مدھم لہجے میں کہنے لگا۔

"تمہاری خوبصورتی کے لیے غزلیں نہیں لکھ سکتا لیکن میں اسے اپنے انداز سے سراہوں گا، ہمیشہ۔ کچھ چیزیں ہیں جو بتا رہا ہوں۔ انہیں ہمیشہ یاد رکھنا۔ بار بار نہیں کہوں گا۔" ویٹر مینیو کارڈ لے آیا۔ قیس نے اس سے صرف چائے لانے کو کہا۔

"میری زندگی میں بہت مسائل رہے۔ لیکن تم سے ملنے کے بعد مجھے لگا میں ہیل ہو رہا ہوں۔ تم سے ہونے والی ہر ملاقات مجھے خود سے ایک نیا تعارف کرواتی تھی۔ تم جس نظر سے مجھے دیکھتی تھی دنیا نے کبھی مجھے ویسے نہیں دیکھا۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ زینیا کے دل میں کچھ بہت زور سے لگا تھا۔

"کیسی نظر؟"

''روح کی نظر، بے حد اندر تک اتر جانے والی گہری نظر۔'' وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نظر نہیں ہٹا رہا تھا۔ زینیا حاکم کو کسی مرد نے آج تک ایسی وارفتگی سے نہیں دیکھا تھا۔

''تم میرے اچھے دنوں کی ضمانت ہو۔ تم جب آئیں تو سب بدل گیا۔ سب کچھ۔ میں نے دنیا کو اور خود کو ایک نئی نظر سے دیکھا۔ جو میں تمھارے لیے محسوس کرتا ہوں وہ میرے لیے "rare" ہے۔ جیسا میں تمھارے ساتھ محسوس کرتا ہوں وہ مقدس ہے۔'' چائے لائی گئی۔ سیاہ رنگ کے مگ جن پہ سفید رنگ میں کوئی عبارت لکھی تھی۔ ویٹر پلٹ گیا تو وہ دوبارہ کہنے لگا۔

''مسائل اب بھی ہیں اور آگے بھی رہیں گے لیکن تمھارے ساتھ حل ہو ہی جائیں گے۔ تم مجھے میری محفوظ پناہ گاہ لگتی ہو۔'' اس نے گردن ہلکے سے نفی میں ہلائی اور ہنس پڑا۔

''میں کرنج لگ رہا ہوں؟ اگر ہاں تو یاد رکھو میرے یہ تمام الفاظ فلٹر فری ہیں۔ وہ کہہ رہا ہوں جو محسوس کرتا ہوں۔ پہلی اور آخری بار ''کہہ'' رہا ہوں۔'' اس نے پلکیں جھپک کر زینیا کو تکا۔ وہ اس سے بہت کچھ سننے کے بعد بھی پتھر بنی کھڑی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا پتھر لفظوں سے ٹوٹ چکا ہے۔

''لوگ میرے لیے زینیا حاکم نہیں بن سکتے۔ تمھیں دیکھ کر مجھے معلوم ہوا ہے اللہ غموں کے مداوے کرتا ہے۔ میں تم سے تھک نہیں سکتا، تم سے بے زار نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ تم میرے لیے irreplaceable ہو۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ اور مگ نیچے رکھا۔ پھر جھک کر کھڑکی پہ پڑا اسٹکی نوٹس کا پیکٹ اور پین اٹھایا۔ یہی سامان زینیا کی طرف بھی بڑھایا۔ اب وہ ہاتھ میں موجود سرمئی نوٹ پہ کچھ لکھا۔ اگلے لمحے وہ اسے سیاہ دیوار پہ لگا چکا تھا۔

''تم ایک آرٹ ہو، میں چاہتا ہوں اسے ہمیشہ میرے دل میں رہنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم تبدیلی، رنگ، اور رونقوں کا سفر میرے ساتھ کرو۔ میں چاہتا ہوں تم ساری زندگی اگر کسی کے ساتھ گزارو تو وہ انسان قیس ہو۔۔''

زینیا حاکم کے دل میں اگر کہیں رتی برابر بھی کوئی محبت، کوئی چنگاری تھی تو وہ جل کر خاک ہو چکی تھی۔ وہ خالی کھوکھلی نظروں سے اسے تک رہی تھی۔ اسکے وجود سے جیسے تعفن اٹھ رہا ہو۔

''تم چاہتے ہو، تمھیں لگتا ہے، تمھیں محسوس ہوتا ہے۔ اس سب میں، میں کہاں ہوں؟''

''جہاں میں ہوں، بلکل وہیں میرے ساتھ۔'' وہ اسی انداز میں بولا۔

''ہم دونوں کا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں۔ ہم اتنے سیاہ ہیں کہ مل کر کوئی اور رنگ نہیں بنا سکتے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''کسی اور رنگ کی کیا ضرورت ہے کیا سیاہ کوئی رنگ نہیں؟'' قیس کو شکوہ ہوا۔

''میں کیوں بس ایک رنگ پہ قناعت کرلوں۔ مجھے میری زندگی میں سفید سبز، سرخ، گلابی، نارنجی سب رنگ چاہیے۔'' اسکے لہجے میں ترشی در آئی۔

''کیا کسی نے تمہیں یہ رنگ دلانے کا وعدہ کیا ہے؟'' سیاہ آنکھوں والے مرد کے دل میں شک آیا تھا پورے یقین کے ساتھ۔ جسے وہ ساری زندگی نہیں نکالنے والا تھا۔ سنہری آنکھیں ایسی بے خوف تھیں جیسے جنگ میں کسی سپاہی کی ہوتی ہوں۔

''اگر کیا بھی ہے تو؟'' کھڑکی سے آتی روشنی راستہ بدل چکی تھی۔ اب وہاں ملگجا اندھیرا تھا۔

''تو میں چاہوں گا تم دو جانیں بچالو۔ ایک اسکی دوسری اپنی۔'' اس نے ایک لمحے کے لیے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''بلکہ میں تمھیں شاید معاف بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن اسے نہیں۔''

''تم اسے مارو گے؟'' وہ شاکی انداز میں بولی۔

قیس نے شانے اچکائے۔

''صرف اسے نہیں تم تک آنے کے لیے میں کیا کیا کر سکتا ہوں اس سے تم واقف نہیں۔ ایک فاتح جب کسی جنگ کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنے سامنے آنے والے لشکر کو نہیں دیکھتا۔ وہ مقصد دیکھتا ہے پھر صفوں کی صفیں کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ میں نے کہا ناں تم میری محفوظ پناہ گاہ ہو۔ تم تک آنے کے لیے میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔''

''میں کوئی قلعہ نہیں ہوں۔ میں ایک انسان ہوں۔''

''میں چاہتا ہوں تم اسکی زندگی بچالو۔ کیونکہ تمھیں مجھ تک آنا ہے مرضی سے بھی منشاء سے بھی۔ تم پہ ساری دنیا کے دروازے بند ہیں اب۔''

وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ شاک، بے یقینی، پھندہ۔ کیا کیا تھا آس پاس؟ وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔ وہ فیصلے کر کے آیا تھا۔

''کچھ کھانا چاہو گی؟ ویسے تمہیں جواب دینے کی جلدی نہیں ہے میں جانتا ہوں تم عدت میں ہو۔ وقت لے لو۔ پھر بات کریں گے۔''

''تم سے کچھ سوال کروں؟'' وہ اچانک عجیب لہجے میں بولی۔

''آج سوال صرف میں کرنے والا تھا لیکن خیر تم شروعات کرو۔'' فراخدلی سے اجازت دی۔

زینیا نے سرخ اسٹکی نوٹ پہ کچھ لکھا اور اسے دیوار پہ چپکا دیا۔

''خوبصورتی کیا ہے؟'' اس نے زیر لب پڑھا پھر گردن جھکا کر کچھ لکھا۔

''ہم۔''

''غرور کیا ہے؟''

''میرے ساتھ ٹھہری تم۔''

''زمین پہ جنت کیا ہے؟''

''جب تم مجھ سے محو کلام رہو۔''

''محبت کیا ہے؟''

قیس مسکرایا۔ ''ہر وہ نظر جب میں تمہیں دیکھوں۔''

زینیا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یوں جیسے ہر میدان کا فاتح رہا ہو۔ اس نے قیس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ایک سبز کاغذ دیوار پہ چسپاں کیا۔ فاتح نے ایک نظر اس کاغذ پہ ڈالی اور وہ ہل نہیں سکا۔ اسکے منہ پہ جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔ تخت جیسے الٹ گیا ہو۔

''وفا کیا ہے؟'' سبز کاغذ پہ لکھے تین الفاظ اسکا منہ چڑا رہے تھے۔

اس نے کاغذ پہ جھک کر کئی بار کچھ لکھا اور مٹایا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی۔ چار کوششوں کے بعد اس نے کچھ لکھ کر دیوار پہ لگایا تھا۔

''وفائیں عورت کی ذات سے مشروط ہوتی ہیں۔ مرد کو صرف محبت کرنے کا فن آتا ہے۔'' باتیں بدل دینا اسکے لیے کبھی مسئلہ رہا تھا کیا؟ مگر اسکے چہرے پہ کوئی غیر آرامدہ تاثر برقرار رہا۔

''میں تم سے ایک مرتبہ پھر وہی بات کہوں گی ہم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تم وہ انسان نہیں ہو جس کی میں نے خواہش کی ہو۔''

''وقت لو، زینیا۔ وقت لو۔ میں تمھارے اس انکار کو تمہارا موجودہ غم سمجھوں گا۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ وہ کسی انکار کے سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ کسی شے کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ وہ عبداللہ زمان تھا اور آج وہ ہر، ہر لفظ سے یہ ثابت کر رہا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ کھوکھلے لہجے میں کہتے کھڑکی سے ہٹی۔ اسے فلحال کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اسے اپنے ارد گرد پھندہ کستا محسوس ہوا۔

''میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اس نے آگے آکر خوشدلی سے آفر دی۔

''تم جہنم میں جاؤ۔۔'' وہ متوحش انداز میں غرائی۔ قیس کو فرق نہیں پڑا۔ وہ بازو سینے پہ باندھے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اسی کے پاس واپس آئے گی یہ طے تھا۔ یہ فرار سارے وقتی تھے۔

کمبیر محل کے داخلی دروازے اس کے لیے وا ہوئے۔ انیسہ جو نک سک سے تیار کہیں جانے کو تیار لگتی تھی اس نے زینیا کا چہرہ دیکھا وہاں کچھ تھا کہ وہ راستے سے ہٹ گئی۔ وہ سپاٹ تاثرات لیے اوپری منزل کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں جہاں اسکی ملاقات طے تھی۔ وہ زینے طے کرتی ہوئی اوپر جا رہی تھی۔ محل ویسا ہی عالیشان اور پر تعیش تھا۔ مگر وہ ایک بار پھر اس محل کے شاہی اطوار نہ

دیکھ سکی۔اسے جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔وہ راہداریوں میں کہیں غائب ہوتی جب اس نے اپنی کلائی پہ کوئی گرفت محسوس کی، پھر کسی نے اسے پورے کا پورا اپنی طرف گھمایا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اسکا لمس سرخ انگارے جیسا تھا۔وہ بخار میں تپ رہا تھا۔

''میں۔میں۔مقصود۔۔صاحب۔۔'' اسکے باقی الفاظ منہ میں رہ گئے جب مہدی اسے اپنے ساتھ لیے ایک کمرے میں غائب ہوا۔نیلی روشنیوں والا کمرہ جہاں مہدی کی تصاویر تھیں۔اسکی کتابیں تھیں۔ٹرافیز تھیں۔اور اسکے مخصوص پرفیوم کی خوشبو تھی۔مگر وہ کیا وہ واقعی وہاں تھا؟

''میں مقصود صاحب سے ملنے آئی تھی۔میں۔۔'' وہ پہلی بار مہدی کے سامنے گھبرائی۔پہلی بار اسکی ہتھیلیاں پسینے سے بھر گئیں۔

''مجھے باہر جانا ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا۔مہدی نے گرفت مضبوط کی۔ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کیا اور اسے دروازے سے لگایا۔

''اگر تمھیں یاد ہو تو تم کسی غیر انسان کے کمرے میں نہیں ہو۔ایسی بھی کیا نفرت جو تم مجھے اس طرح اگنور کر رہی ہو؟'' وہ ہرٹ تھا، غصے میں یا کیا زینیا کو اندازہ نہیں ہوا۔دروازے سے لگ کر کھڑی لڑکی کو آج اسکی آنکھیں غیر لگیں۔کچھ تھا جو اسکے نرم مہدی میں بدل گیا تھا۔

''کس حیثیت سے ملنے آئی ہو؟'' وہ آگے آیا۔ہاتھ اسکے چہرے کے دائیں بائیں رکھے۔اسکا چہرہ زینیا کے قریب تھا۔بے حد قریب۔

''قیسم کی ایمپلائی؟ یا مقصود چچا کی ڈیئرسٹ بھانجی، زینیا حاکم نواب۔'' وہ اسکے قریب کھڑا تھا۔زینیا کو مگر وہ خود سے فاصلے پہ محسوس ہوا۔اسکے الفاظ تیزاب کی صورت اسکی سماعتوں میں گھلے۔وہ ساکت نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔متحیر، شل۔

''تم میری زندگی میں کیوں شامل ہوئیں؟ تمہارا کیا مقصد تھا کون ہو تم؟''

زینیا جواب دیے بغیر اس مہدی کو دیکھ رہی تھی جو ایک تکون میں پھنس چکا تھا۔ بیوی، بھائی اور خود وہ کسے چنے؟ بے یقینی اور یقین، اور الوژن وہ کسے چنے؟

''میں آپ کو بتانے والی تھی۔''

''یعنی تم یہ سب جانتی تھیں؟'' مہدی کے اندر کچھ چھن سے ٹوٹا۔ وہ پیچھے ہوا۔ ہاتھ ہٹا لیے۔ پہلی بار اسکے لمس نے زینیا کو تکلیف دی تھی۔

''تم جانتی تھیں اور تم نے مجھے دھوکے میں رکھا۔'' وہ بے یقینی سے پیچھے ہٹا۔

''مجھے کچھ عرصہ پہلے ہی پتہ چلا، میں آپ ہی کے جتنی لاعلم رہی ہوں۔'' وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کچھ کہہ رہی تھی۔

''تم عبداللہ سے محبت کرتی تھیں اور میں ہمیشہ درمیان میں آتا رہا؟ یعنی میں واقعی تمہارا کولٹرول ڈیمج تھا؟'' وہ ہرٹ تھا۔ اسکی آنکھیں نم تھیں۔ زینیا حاکم اسکے لیے غیر ہو گئی تھی۔

''میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔'' الفاظ غائب ہوئے۔ وہ جو روح سے قریب تھا وہ اب دور جا چکا تھا۔

''میں بار بار تمہارے پاس آتا رہا۔ میں نے تم سے کتنی بار پوچھا تھا کہ تم کون ہو۔ کتنی بار کہا تھا مجھے اپنے بارے میں بتاؤ؟ تم نے مجھ سے سب چھپایا۔ تم نے مجھے استعمال کیا۔ میرے جذبات استعمال کئے۔ میں تمہارے لیے مخلص رہا اور تم میرے ذریعے صرف اور صرف میرے بھائی سے انتقام لینا چاہتی تھیں؟''

''یہ صرف ایک اتفاق تھا۔''

''ساری دنیا کے اتفاق تمہارے ساتھ ہونے تھے؟'' وہ پوری قوت سے چلایا۔ اسکی آواز پھٹی ہوئی تھی وہ رو رہا تھا۔ زینیا اسکے ساتھ روئی۔ وہ دونوں فاصلے پہ تھے مگر وہ ملال تھا جس نے ان دونوں کے دل کو جکڑ رکھا تھا۔

''تم مجھے ایک بار بتا دیتیں صرف ایک بار۔ میں بچاؤ کا انتظام کرتا۔ میں کچھ کرتا لیکن تم نے ہمیشہ مجھے چھوڑنے کو مسئلے کا حل سمجھا۔ تم نے ہمیشہ مجھے اپنی زندگی سے نکالا۔ تم نے ہمیشہ مجھے استعمال کیا۔ میں صرف تمہارا escape رہا۔ تم نے ہمیشہ مجھے دھوکہ دیا۔'' وہ تکلیف سے کہہ رہا تھا۔ زینیا اسے سنتی رہی۔ کہانی کا سب سے بڑا بسمل ایک لمبے عرصے بعد تکلیف کہہ رہا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے۔۔۔ تم نے میرے ساتھ بہت غلط کیا۔۔۔ قیس نے میرے ساتھ غلط کیا۔ تم دونوں ایک جیسے ہو تم دونوں نے مجھے ہمیشہ ہرٹ کیا ہے۔ میں۔۔۔ میں تم دونوں کے ساتھ اچھا رہا تھا میرا کیا قصور تھا؟'' اسکا گلا دکھ گیا تھا۔ چیخ چیخ کر حلق بیٹھ رہا تھا مگر دل کی جلن ہر شے پہ بھاری تھی۔ اسکی زندگی پلٹ کر رہ گئی تھی رنج بنتا تھا۔

''میرا قصور یہ تھا کہ میں نے تم دونوں کی خوشی چاہی۔ تم دونوں کو اپنا سمجھا اور تم دونوں نے مجھ سے حقیقت چھپائی کیونکہ تمھارے لیے میری کوئی اوقات نہیں تھی۔ میں ایک عام آدمی تھا تم دونوں کی طرح ذہین نہیں۔ تم صحیح کہتی تھیں میں دنیا کا وہ آخری مرد بھی نہیں ہوں گا جسے تم اپنے لیے چنو گی۔'' وہ کہاں کیسے کس انداز میں الفاظ لوٹا رہا تھا۔ زینیا اسکی تصیح بھی نہیں کر سکی۔ وہ شخص اس سے دور جا چکا تھا۔ عبداللہ اسکے ایک اور تعلق کو اس سے دور لے گیا تھا۔

''میں عام تھا۔ میرے اندر تم دونوں جیسی چالاکی نہیں تھی۔ میں بہت اچھی زندگی گزار رہا تھا تم دونوں نے اسے برباد کیا۔ میں تم دونوں کے بیچ میں آیا ہوں۔ تم دونوں تو made for each other ہو۔ اس سب کے بعد تم دونوں ٹھیک ہو جاؤ گے اور میرا کیا؟''

وہ تھک کر بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ اسکے رونے کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ زینیا اپنی جگہ کھڑی لب کاٹتی رہی۔ مہدی اسکی دسترس سے بہت دور جا چکا تھا۔ وہ متحیر بھی تھا اور بدگمان بھی۔ مگر وہ تکلیف میں تھا اور یہی تکلیف زینیا کو اپنے دل میں گڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکی طرف آئی۔ گھٹنوں کے بل اسکے قریب آکر بیٹھی۔ اور اسکی حالت دیکھی۔ یہ وہ مہدی نہیں تھا جس سے وہ کبھی ملی تھی۔ ٹانگیں سمیٹے، چہرہ جھکائے، وہ روتا بلکتا خوفزدہ مرد کون تھا؟

زینیا نے اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ مہدی نے چھڑوایا مگر وہ دونوں ہاتھوں سے تھام چکی تھی۔ مضبوط مگر نرم گرفت۔ اب کی بار وہ اسے جھٹک نہیں سکا۔

”میں نہیں جانتی تھی عبداللہ کون ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا آپ کون ہیں۔ میں عبداللہ سے ملنے سے پہلے یہ تک نہیں جانتی تھی اسکا آپ کی طرف کوئی تعلق نکلتا ہے۔“ اس نے بے اختیار ہچکی لی۔

”بالاج سے شادی کے بعد میں نے عبداللہ کے ساتھ کی خواہش نہیں کی۔ بالاج سے طلاق کے بعد میں نے کبھی یہ نہیں سوچا عبداللہ کہیں سے واپس آجائے۔ میں اس آدمی سے اسکے ذکر سے بے زار تھی۔ لیکن ہاں میں چاہتی تھی وہ ایک بار واپس آئے تاکہ میں اسے ملامت کر سکوں۔ لیکن ایک وقت بعد یہ خواہش بھی دم توڑ گئی۔ عبداللہ exist کرتا ہے میں یہ تک بھول گئی تھی۔ میرے کئی برس پرانے زخم ہیل ہونے لگے تھے۔ آپ میرے ہیلر ہیں، مہدی۔“

”تم اتنا عرصہ اسکے ساتھ رہ کر اسکی اصلیت سے لاعلم کیسے رہ سکتی ہو؟ تم اتنی بے وقوف نہیں ہو۔“ وہ اب بھی غصے میں تھا۔

”سسی بے وقوف نہیں الوژنسٹ تھی۔“ وہ تکان سے بولی۔ مہدی نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔

”جب آپ مصر میں تھے تب وہ مجھے اپنی حویلی لے گیا۔ اس نے مجھ پہ اپنی حقیقت کھولی تاکہ میں اسکے برے ماضی کے زیر اثر اس کے ایکشنز کو سمجھ اور معاف کر سکوں۔ اس دن کے بعد سے اب تک میں اتنی ہی تکلیف میں ہوں جتنے اس وقت آپ۔ میں اتنی ہی شاکڈ ہوں جتنے آپ۔ ہم دونوں کے کندھوں پہ بیٹھی چڑیلیں ایک ہی ہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا۔ میں نے آپ کو استعمال نہیں کیا۔ میں نے آج تک خود کو ایکسپلین نہیں کیا۔“

”تم مجھ سے جھوٹ بولنا بند کرو۔“ اس نے یکدم اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

”تم نے مجھے اپنی زندگی سے نکال کر پھینک دیا تھا، زینیا۔ تم نے مجھے ذلیل کیا۔ مجھے ٹینشن دیے رکھا۔ تم نے وہ کیا جو تم ہر بار کرتی ہو۔ اگر میں تمھارے استعمال کی چیز نہ ہوتا تو تم مجھے بتاتیں مسئلہ کیا ہے۔“

”یہ میرا پرسنل مسئلہ تھا میں۔۔۔“

''اتنا پرسنل کہ تم اسے اپنے شوہر سے چھپانے لگ گئیں؟ ہمارے درمیان کیا پرسنل رہا ہے۔ بالاج، تمھارے ابا۔ تمہارا بچپن۔ تمہارا عبداللہ میں ہر شے سے واقف تھا پھر کیا تھا جو تم مجھے نہیں بتا سکتیں تھیں؟'' وہ اس ہی کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ شعلہ باز آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

''میں تمھیں بتاؤں تم نے مجھے ایک طرف کیوں کیا؟ کیونکہ تم آج بھی خود کو عقل کل ؒ سمجھتی ہو۔ کیونکہ لوگوں پہ گواپ کرنا تمھارے لیے آج بھی بے حد آسان ہے۔ کیونکہ تم کبھی نہیں بدلیں۔ کیونکہ۔۔۔'' وہ رکا۔ زینیا کی جھلملاتی آنکھوں میں دیکھا۔

''تمہارا باپ اور اسکا دیا ہوا ٹراما آج بھی تمھارے اندر ہے جو تمھیں بتاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب تم اکیلی ہو گی۔ اور تم سے جڑا کوئی مرد تمہارا یقین نہیں کرے گا۔'' زینیا کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ سانس لیے بغیر مہدی کو دیکھے گئی۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکی۔

''تم نے خود کو صرف باہر سے بدلنا چاہا تمہارا اندر اب بھی وہی ہے۔ جو یقین نہیں کرتا۔ جو خود غرض ہے۔ جسے تعلقات سے زیادہ انا پیاری ہے۔ اور جو ہرٹ ہونے پہ بتاتا نہیں۔ میں نے تم پہ وقت ضائع کیا۔'' وہ افسوس سے سر کو نفی میں ہلاتے پیچھے ہوا۔

''تم بدل نہیں سکتیں۔ تمھارے کندھوں پہ کوئی چڑیل نہیں ہے۔ جو ہے وہ تمہارا ٹراما ہے۔ جو ہے وہ تم خود ہو۔''

''میں سب ٹھیک کرنے کی کوشش۔۔''

''تم خاک بھی ٹھیک نہیں کر سکتیں۔'' وہ ایک بار پھر سختی سے غرایا۔

''تم اسے نہیں جانتی وہ مار دے گا۔ وہ مار دے گا وہ نہیں چھوڑے گا۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔ اوہ خدایا یہ کیا ہے؟'' وہ ایک بار پھر سے وہی ماتم کرنے لگا تھا۔

زینیا دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جان کے خوف میں ڈوبا مرد تھا۔ ہاں وہ اسکے ساتھ زیادتی کر چکی تھی مگر وہ اسے اسکی زندگی ضرور لوٹائے گی جو زینیا حاکم کی وجہ سے خطرے میں تھی۔ اس نے یہ پہلے بھی کیا تھا اب بھی کرے گی۔ یہ عہد کرتے ہوئے وہ کمرہ چھوڑ گئی تھی۔

''مجھے لگا تھا تم بس مجھے استعمال کر گئی ہو۔'' زینیا کو کمرے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوتے دیکھ مقصود سنجیدگی سے بولے۔ وہ خاموش رہی۔

''تم اس دن آئیں اور میری تصاویر لیے بغیر چلی گئیں؟''

''آپ کال کر دیتے دوبارہ آ جاتی۔''

''میں چاہتا تھا اس بار تم میرے بلائے بغیر آؤ۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب ایک طرف رکھی۔ اور اسے دیکھا۔ اسکی آنکھیں متورم تھیں۔ چہرہ گلابی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ آج جب زینیا نے غور کیا تو اسے معلوم ہوا یہ مقصود کمبیر کی آنکھیں تھیں جو اسے کسی اپنے کی یاد دلاتی تھیں۔ یہ آنکھیں اسکی ماں کی آنکھیں تھیں۔

''آؤ بیٹھو۔'' سیاہ ریکلائنر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس ہفتے انکی تیسری مہمان تھی۔

وہ آگے بڑھ آئی۔ بیگ سے کیمرہ نکالا۔ مقصود وہیل چیئر کو دیوار کے ساتھ جا کر جوڑا۔ بلائنڈز ہٹائے۔ اب انکے چہرے پہ روشنی اور تاریکی دونوں تھے۔

''بیٹھنے نہیں آئی میں۔'' اس نے گود میں دھری کتاب مقصود کے ہاتھوں میں دی۔ شال انکے سینے پہ درست کی اور بیڈ کی پائنتی پہ آ کر بیٹھ گئی۔

''تمھیں قیسم میں کوئی اور مسئلہ ہو تو بتانا مجھے۔''

''ایک عرصہ میں آپ کے اور اپنے درمیان کنکشن کو نہیں سمجھ سکی۔'' اس نے کیمرہ آنکھ سے لگایا۔ عدسے کو گھمایا۔ فوکس طے کیا۔

''ہر بار میں کسی بھی نتیجے پہ نہیں پہنچ پاتی تھی۔ آپ بے حد قریبی لگتے تھے مگر کون؟'' اس نے بٹن دبایا۔ ایک دو تین۔ ایک پوز میں تین تصویریں کلک ہوئیں۔

''دائیں طرف دیکھیں۔'' ہدایت دی۔ ''کل رات میرے ذہن میں یکدم کچھ آیا تھا۔ مجھے وہ سرا مل گیا جو گمشدہ تھا۔ مجھے آپ کی آنکھیں نظر آئیں۔'' وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''آپ کی آنکھیں میری ماں کی آنکھوں جیسی ہیں۔''

''سن کر اچھا لگا۔'' انکے چہرے کے تاثرات میں کوئی دراڑ نہ آئی۔ مگر انکی آنکھیں مختلف ہو گئی تھیں۔ زنیا سے وہ آنکھیں چھپی نہ رہ سکیں۔ اس نے کیمرہ آنکھ سے اتار لیا۔ وہ اگر اس آدمی کے کسی تاثر کو حفظ کرنا چاہتی تھی تو ناکام رہی۔ وہ شخص کمال کا اداکار تھا۔

''کیا میرا فوٹو شوٹ ختم ہو گیا؟''

''آپ جانتے تھے ناں؟'' وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس جرات سے پوچھ رہی تھی۔

''میں کیا جانتا تھا؟'' گو کہ وہ اسکی جرات پہ حیران ہوئے تھے مگر انکے تاثرات نہیں بدلے۔

''آپ جانتے تھے میں، زنیا حاکم نواب ہوں؟''

چند پل وہ کچھ کہہ نہیں سکے۔ بہت دیر بعد وہ سنبھل کر کہہ رہے تھے۔

''تمھیں لگتا ہے میں نہیں جانتا تھا؟ تمھیں لگتا ہے میں قیسم کے ہر ملازم کو اپنے گھر انوائیٹ کر لیتا ہوں۔ یا پھر میں ایسا مسیحا ہوں کہ لوگوں کے اکاؤنٹس کلئیر کرواتا ہوں؟ تم میرا خون ہو، مجھے عزیز ہو۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے۔ زنیا چپ چاپ انہیں سنتی رہی۔

''میں پہلے دن سے جانتا تھا۔ تمہارا چہرہ تمھارے باپ سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔ میں نے جب کنفرم کروالیا تب جو کچھ مجھے پتہ چلا میں تم سے بہت ناراض تھا۔ تمہیں مہدی کمبیر ملا تھا؟ وہ پنچ عورت کا بیٹا؟''

''اور آپ لوگوں کو اپنی بہن کے لیے کون ملا تھا؟ ٹکر کے خاندان کا حاکم نواب؟ وہ آج بھی آپ کی بہن کو پیٹتا ہے۔ اور آپ کی بھانجیوں کو گالیاں دیتا ہے۔'' مقصود کے چہرے پہ جیسے کسی نے تھپڑ دے مارا ہو۔

''خاندان تو اعلیٰ مل گیا ان کو انسانیت نہیں ملی۔ وہ کس بازار سے ملتی ہے؟ اسے خریدنے کے لیے کتنے پیسے دینے ہوتے ہیں؟''

''تم اسکی طرفداری کر رہی ہو جو دو راتیں قبل یہاں اپنی جان کے لیے گھگھیا رہا تھا؟''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''میں اس آدمی کی طرفداری کر رہی ہوں جس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ تب جب اسکی طرف میرا کوئی تعلق نہیں نکلتا تھا۔ اور اب جب اس نے میرے ساتھ ایک نکاح نامہ سائن کیا ہے میں ہر قیمت پہ اسکی حفاظت کروں گی۔''

''عورتیں مردوں کو پروٹیکٹ نہیں کرتیں۔''

''نو ماہ تو کرتی ہیں، بنیادیں بھول گئے آپ؟'' مقصود کمبیر کو ہر دوسرا لفظ چابک کی طرح لگ رہا تھا۔

''نو ماہ کے بعد نو سال اور پھر انیس سال۔ عورت نے مرد کو سانپ، بچھو، چھپکلی، اور ہر زہریلے کیڑے سے بچایا تاکہ وہ زندہ رہے۔ نو ماہ تک اسکی حفاظت کی۔ تاکہ وہ اس دنیا میں آسکے۔ جس نے اپنے نازک جسم پہ سختیاں برداشت کیں تاکہ مرد اس دنیا میں آسکے کیا اسے طعنے دیتے، مارتے ہوئے دھتکارتے ہوئے مرد کو غیرت نہیں آنی چاہیے؟''

''آنی چاہیے۔۔۔۔......''

''پھر آپ نے اپنے بھتیجے کو غیرت کیوں نہیں دلوائی؟ وہ مجھے دھتکارتا رہا۔ وہ ہر بار مجھے ذلیل کرتا رہا۔ مجھ سے وہ انتقام لیے جن میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ آپ کے زیر اثر تھا۔ اسکے گارجین آپ تھے آپ نے اسے کیوں نہیں سکھایا کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟'' وہ انکی جرح کر رہی تھی۔

''کچھ لوگ تربیت کے دائرے سے نکل جاتے ہیں ان پہ کچھ اثر نہیں کرتا۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولے۔

''جب آپ جان گئے تھے میں کون ہوں تب ہمارے پاس بہت وقت تھا۔ آپ مجھے عبداللہ کے بارے میں بتا سکتے تھے۔ اگر آپ بتاتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ مہدی ان تمام معاملات میں انوالو نہ ہوتا۔ میں کوئی حل نکال لیتی۔ آپ نے ہر شے کو کنٹرول کرنا چاہا اور آج ہم اس جگہ ہیں جہاں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں۔''

''تم مجھے الزام دینے آئی ہو؟'' بازو سینے پہ باندھے سکون سے استفسار کیا۔

زینیا نے تکان سے انہیں دیکھا۔اسکی زرد رنگت اسکی تھکاوٹ کی گواہ تھی۔

"میں صرف اس لیے آئی ہوں کہ آپ مجھے ان روایات کے جال سے کوئی راستہ نکال کر دیں جو مہدی کمبیر کو بچالے۔زندگی میں پہلی بار کسی مرد نے میرے ساتھ کھڑے ہونے کی غلطی کی ہے۔میں نہیں چاہتی اسے یہ واقعی اپنی غلطی لگے۔"

"یہاں تمہاری اپنی جان خطرے میں ہے۔اپنے منگیتر کو چھوڑ کر کسی دوسرے انسان سے شادی کر لینے پہ وہ تمھیں غیرت کے نام پہ قتل کر سکتا ہے۔"

"شکر ہے غیرت کے نام پہ قتل کرنے کی اجازت عورت کو نہیں ورنہ ہر دوسری گلی کوچے میں ہر تیسرے گھر سے ایک "**مرد**" کا جنازہ نکل رہا ہوتا۔"اس نے استہزائیہ انداز میں گردن جھٹکی۔

"یہ مردوں کا معاشرہ ہے it is what it is "کندھے اچکاتے وہ بے نیازی سے بولے۔

"معاشرہ تو دونوں کا ہے۔لیکن کیا ہے ناں کہ ہمارے اپنے لشکر نے ہم سے بغاوت کی ہے۔ہماری مائیں جنہوں نے "**چپ رہو**"کا راگ گایا۔پھر لوری میں سنایا اور پھر شادی کا گیت بھی وہی تھا۔"

مقصود نے گہری سانس لی۔اور وہیل چیئر کے بٹن دبا کر آگے آئے۔عین اسکے سامنے۔

"اگر وہ تمھیں طلاق دے دے اور تم دونوں اپنا منہ بند ہی رکھو تو شاید اسکی جان بچ سکتی ہے۔لیکن مہدی اس شادی کے متعلق انیسہ کو بتا چکا ہے اور انیسہ اپنے باپ کو۔بختیار اور قیس کے درمیان فلحال ناچاکیاں ہیں ورنہ یہ بات اب تک قیس بھی جان چکا ہوتا۔"

"اور انہیں کس طرح خاموش رکھا جا سکتا ہے؟"

"انیسہ یہاں سے جا کر لندن میں اپنے مسیح بوائے فرینڈ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔بختیار یہ بات جانتا ہے۔مہدی اور میں بھی۔میں اسے یہاں سے ہرگز جانے نہیں دے سکتا۔آج رات اس گھر میں یہی موضوع چھڑنے والا ہے۔"

''اگر آپ اس موضوع کو صرف بختیار صاحب کے ساتھ ڈسکس کریں تو؟'' وہ گردن جھکا گئی تھی۔ جانتی تھی یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جس پہ کوئی بھی مرد ہتھے سے اکھڑ سکتا تھا۔

''صرف کچھ وقت کے لیے آپ اس معاملے کو سنبھال لیں پلیز۔''

''تم چاہتی ہو میں بے غیرت ہو جاؤں؟ اپنے ہی گھر کی لڑکی کو اس طرح اسکے منگیتر کے ہوتے ہوئے کسی غیر برادری میں شادی کرنے دوں؟''

''اور میں؟ کیا میں آپ کا خاندان نہیں ہوں؟'' وہ انہی کے انداز میں بولی۔

''آپ نے میری حق تلفی بھی کی ہے اسکا حساب کون دے گا۔ میری شادی بھی ایک غیر خاندان میں ہوئی میرے منگیتر کے ہوتے ہوئے تب آپ نے کچھ کیوں نہیں کیا؟''

''تم یہ سب مت کرو، زینیا۔ یہاں جو فائدہ ہے مہدی کا ہے۔ عبداللہ بالاج کے بارے میں جانتا ہے مہدی کو چھپا کر تمھیں کیا حاصل ہو جائے گا؟''

''میں اس تکون کو توڑنا چاہتی ہوں اسکے بعد عبداللہ زمان ایسا ٹوٹے گا کہ دنیا یاد رکھے گی۔ میں صرف ایک بار مہدی کو محفوظ کر لوں اسکے بعد سزا دینے کے لیے اسکے پاس زینیا کی خاک بھی نہیں ہو گی۔'' ملکہ بد کہانی میں لوٹ چکی تھی۔

''میں ملک چھوڑ دوں گی۔ وہ میری خاک تک نہیں پا سکے گا۔ ایک لمبا عرصہ میں نے اسکا انتظار کیا تھا اب انتقام کا وقت ہے۔ نہ میں نے اسے معاف کیا تھا نہ کبھی کروں گی۔''

''تم یہ ملک کیسے چھوڑو گی تمھارے پاس وسائل؟۔'' اور وہ ٹھہر گئے۔ زینیا حاکم انہیں دیکھ رہی تھی۔

''کیا یہ سب میں کرنے والا ہوں؟'' انہوں نے بے یقینی سے سینے پہ انگلی رکھی۔

''آف کورس۔ لیکن کوئی زور نہیں ہے۔ آپ کر سکتے ہیں تو کریں ورنہ یہ سب مہدی کرے گا۔ مجھ سے جڑے مردوں نے میرے متعلق بہت فیصلے لے لیے اب کچھ فیصلے میری مرضی کے۔''

کئی لمحے مقصود سر کو ہاتھوں میں گرائے ہوئے رہے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ انکا دماغ کسی نے اس قدر تھکا دیا ہو۔ اس کرخت تاثرات والے مرد کے چہرے پہ آج ایک ہی تاثر تھا "**اضطراب**"۔۔۔

''مجھے وقت چاہیے۔ مجھے سوچنے دو۔۔۔''کافی دیر بعد وہ شکستگی سے بولے۔

زینیا اپنا سامان اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔ وہ اس طرح انہیں پریشان کر کے خوش نہیں تھی مگر جن کے پاس طاقت تھی انکو کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا۔ وہ بس دنیا سے اپنا حق لے رہی تھی۔

''چند دن بعد۔''

برائیڈل روم میں افرا تفری سی تھی۔ شیزل سیمسن آج شادی کرنے والی تھی۔ آہ کیا معجزہ تھا۔ دیوار گیر شیشے کے سامنے بیٹھی وہ بار بار براق کو کال ملا رہی تھی۔ سفید رنگ کی لمبی ٹخنوں کو چھوتی کامدار میکسی جس پہ سفید نگینوں کا خوبصورت کام ہوا تھا پہنے، سرخ دوپٹہ اسکے سر پہ سیٹ تھا۔ بالوں کو کندھے پہ آگے ڈال کر پھولی ہوئی چٹیا بنا رکھی تھی جس میں سفید ہی چھوٹے چھوٹے پھول لگے تھے۔ گلے میں ہیروں کا ہار تھا۔ اور ہاتھ مختلف انگوٹھیوں سے مزین تھے۔ سرخ رنگ کا نیل پینٹ اسکے ہاتھوں کی طرف توجہ دلواتا تھا۔

''کیا ہوا ریڈ فلیگ کال نہیں اٹھا رہا؟''عقب میں کرسی پہ بیٹھی زینیا نے سوال کیا۔

''تم اپنی کالی زبان بند نہیں رکھ سکتیں؟''وہ جھلائی۔ ''تم لوگ جاؤ یہاں سے باقی سب زینیا دیکھ لے گی۔''اس نے آس پاس کھڑی لڑکیوں سے کہا۔ انہیں یہاں رہ کر کونسے چھوارے ملنے تھے؟ وہ سب بھی یکے بعد دیگرے یہ جا وہ جا۔

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''سب چھوڑ چھاڑ اس نے زینیا کو دیکھ کر پوچھا۔ زینیا نے اسے دیکھا۔ وہ نروس تھی۔

''تم حسین لگ رہی ہو۔۔۔''پانچ لفظ صداقت سے ادا کیے۔ مزید نہیں بولا گیا۔ ٹیکس آجاتا تو؟

''تم نے بالاج کے دوست سے بات کی تھی؟''تھوڑی دیر بعد زینیا نے پوچھا۔

"تین دن پہلے ہی ہو گئی تھی۔ میں اس سے مل کر آئی ہوں۔ وہ خود بھی بالاج کے اس رویے سے خوش نہیں تھا۔ آج وہ بشر کو کال کرنے والا تھا اسی لیے تھوڑی دیر تک تمھارے پاس کال آجائے گی۔" زینیا نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی۔

"تم نے اتنے دنوں تک مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"اگر تمھیں یاد ہو تو انہی دنوں میری ایک عدد شادی کی مصروفیات چل رہی تھیں۔ اور تمھیں جان کے لالے الگ پڑے ہوئے تھے۔ یہ گدھا فون کیوں نہیں اٹھا رہا؟" آخر میں وہ جھنجھلائی۔ زینیا کا دم یہاں گھٹنے لگا تھا۔ اپنی گلابی رنگ کی گھیر دار فراک کو سنبھالتی وہ باہر چلی آئی۔ وسیع و عریض سبزہ زار پہ ذرا ذرا سے فاصلے پہ لوگ موجود تھے۔ ڈرنکس، ہلکا پھلکا کھانا، مدھم موسیقی کے حصار میں مہمان لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہ شہر سے ذرا سے فاصلے پہ واقع براق حنیف کا فارم ہاؤس تھا۔ جو آج موقعے کی مناسبت سے سجایا گیا تھا۔

سبزہ زار کے عین بیچوں بیچ وہ کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح لوگوں کے جھرمٹ میں۔ قہقہوں کے درمیان۔ روشنیاں اسکے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ زینیا کی نگاہ اسکی طرف اٹھی تو پلٹ نہیں سکی۔ وہ آدمی اس کے دل پہ ایک الگ تاثیر چھوڑتا تھا۔

بات کرتے ہوئے اس نے گھڑی والا بازو اٹھایا اسکی گھڑی کلائی میں جھولنے لگی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ڈھیلی تھی۔ ٹائی کی ناٹ وہ بار بار ہاتھ سے درست کر رہا تھا۔ تنگ اور فارمل کپڑے ہمیشہ اسے کوفت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح محفل کی جان تھا مگر محفل وہ نہیں دیکھ رہی تھی جو زینیا دیکھ رہی تھی۔ اس نے مہدی کمبیر کی آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی دیکھی۔ رنگت زرد تھی۔ اور چہرے کی بشاشیت غائب۔

نظروں کے حصار پہ مہدی نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔ وہ اسے اپنے سامنے نظر آئی۔ گلابی انگرکھا، سر پہ جما دوپٹہ اور چہرے پہ جھولتی لٹیں۔ مہدی کمبیر کھڑے کھڑے اسکا اسیر ہوا۔ وہ خوبصورت تھی یا صرف اسے لگتی تھی فیصلہ مشکل تھا۔ وہ نظریں پھیر لینا چاہتا تھا مگر یہ مشکل تھا۔ زینیا اسے دیکھتی رہی وہ آدھی دنیا تسخیر کر سکتی تھی بس اس آدمی کے سامنے، اس آدمی کے لیے وہ

ہارنا چاہتی تھی۔ ہار سکتی تھی۔ سبز آنکھیں اور سنہری آنکھوں کا منظر بلاک ہوا۔ سیاہ آنکھوں والا مرد مہدی کی طرف پشت اور زینیا کی طرف چہرہ کیے درمیان میں آ گیا تھا۔

مہدی نے اسے زینیا کے قریب رکتے دیکھا۔ پھر اس نے اس مرد کو جھک کر زینیا کے ہاتھ سے گری ہوئی کوئی شے اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں ملال ابھرنے لگا۔ طیش بھی اور رنج بھی۔ گو کہ نگاہیں موڑنا مشکل تھا مگر وہ موڑ گیا۔ دل جس بھٹی میں جلا وہ ایک الگ قصہ تھا۔ وہ ان دونوں کے درمیان سے نکل رہا تھا۔

''میں نے تمھیں پرپوز کیا ہے۔ تمھارے سر پہ بندوق نہیں رکھی جو تم مجھے اتنا اگنور کر رہی ہو۔'' جھمکا اٹھا کر وہ سیدھا ہوا۔ زینیا کی طرف بڑھاتے ہوئے شکوہ بھی کیا۔

''خوش قسمتی کہوں یا پھر بدقسمتی، ایسے پرپوزلز میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ اور میرا جواب تو تمھیں یاد ہی ہو گا۔''

''وہ جواب صرف اور صرف تمہارا غصہ ہے۔ میں اسے نہیں مانتا۔''

''میں نے ''**ناں**'' کہا تھا، قیس۔۔۔'' وہ اب کے جتا کر بولی۔

''عورت کے ناں کی کسے پرواہ ہوتی ہے؟'' اس نے ایک بار پھر ہوا میں اڑائی۔ پھر زینیا کو غور سے دیکھا۔

''چار ماہ دس دن کی عدت ہوتی ہے۔ تمھیں یہ شادیاں اٹینڈ کرنا زیب نہیں دیتا۔ اور اس طرح تیار ہونا بھی۔'' وہ ایک پل کو رکا۔

''مجھے اچھا لگا ہے کہ تم اسکے سوگ میں نہیں بیٹھیں۔ جینئیس۔''

''اور تم یہ یاد رکھنا کہ میں تمھارے سوگ میں بھی نہیں بیٹھوں گی۔'' وہ کس جگہ بات کر رہی تھی قیس نہیں جانتا تھا۔

''تمھیں میں اتنا بے وقوف لگتا ہوں؟ کم از کم اتنی خوبصورت بیوی پیچھے چھوڑ کر میں مروں گا نہیں۔ تم میرے ساتھ جاؤ گی اسمگلر۔'' وہ ڈھیر سارا مسکرایا۔ زینیا نے اکتاہٹ سے اسے دیکھا اور جانے کو اپنے قدم موڑے وہ دو قدم آگے گئی ہو گی جب قیس کے الفاظ زنجیر بن کر اسکے پیروں میں پڑے۔

''اپنی نگاہیں قابو میں رکھو میں اچھا آدمی نہیں ہوں، ہر بار معاف نہیں کروں گا۔'' وہ چند پل سانس لیے بغیر کھڑی رہی۔ اسکے چہرے پہ ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ کئی لمحے بعد جب وہ مڑی تو قیس وہاں نہیں تھا۔ اسکے الفاظ کی بازگشت اب بھی آس پاس تھی۔ زینیا کو اپنی ساری ہمت ہوا ہوتی محسوس ہوئی۔ عبداللہ زمان آج بھی اسے خوف زدہ کرتا تھا۔ وہ آج بھی اسکے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔

ان دونوں کو چھوڑ کر برائیڈل روم کے اندر آؤ تو شیزل سیمسن کا چہرہ اس سفید سے زیادہ سفید تھا جو اس نے پہن رکھا تھا۔ وہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں کے مصداق فون ہاتھوں میں لیے سن بیٹھی تھی۔ لب ایک سیدھی لکیر میں بند تھے۔ آنکھیں ساکت۔ اور چہرہ؟ یہ وہ چہرہ نہیں تھا جو کسی دلہن کا ہوتا۔ یہ شاید وہ تھا جو کسی کفن میں لپٹے مردے کا چہرہ ہوتا۔

تجسس کی خاطر اگر اسکے کندھے سے جھانک کر اس کے موبائل کی طرف دیکھو تو وہاں چند تصاویر کھلی ہوئی تھیں۔ براق حنیف قابل اعتراض حالت میں اپنی سابقہ گرل فرینڈ کے ساتھ اس کمرے میں تھا جہاں وہ چند دن بعد اپنی بیوی کے ساتھ سیٹل ہونے والا تھا۔ کئی لمحے سے کھلی سکرین تاریک ہوئی۔ بلکل ایسے جیسے شیزل کی زندگی تاریک ہو گئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ہاتھوں میں گلابی پھولوں کے دو بکے تھے۔

''آئی ایم سو سوری یار میں لیٹ ہو گیا۔'' وہ نادم سا کہتے ہوئے آگے آیا۔ پھر کمرے کے وسط میں ہی ٹھٹھک کر رکا۔ شیزل کے چہرے پہ ایسی ویرانی تھی کہ اسکا دل ہولنے لگا۔ اسکی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''سب ٹھیک تو ہے؟ کیا ہوا ہے؟'' وہ اسکے ساتھ آ کر بیٹھا۔ شیزل ہر قسم کی حرکت سے عاری تھی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟ کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے۔'' وہ اب بھی جواب نہیں دے پائی اسکا موبائل گود سے نیچے گرا اسکے سفید لباس کے دامن کو بوسہ دے رہا تھا۔

''تم نے مجھے چیٹ کیا؟'' یکدم اس نے گردن پھیر کر اپنے ساتھ بیٹھے براق حنیف کو دیکھا۔

''تم نے کہا تھا تم بدل جاؤ گے۔ تم نے کہا تھا، براق۔''

"چیٹ ؟اوہ خدایا شیزل میں بس اسے یہ سمجھانے گیا تھا کہ اب میری زندگی مختلف ہے آج میری شادی ہے اور اب وہ ہمارے درمیان مت آئے۔''

یہ ایک اور دھچکا تھا۔ وہ اپنی شادی والے دن کسی اور عورت کے ساتھ تھا۔؟ اگر بات صرف سمجھانے کی ہی تھی تب بھی کیا اسے آج ہی کا دن میسر ہوا تھا؟

''تم کس کے ساتھ تھے۔''

''مایا کے ساتھ۔ دیکھو اگر مجھے کچھ چھپانا ہوتا تو۔۔''

''مایا پچھلے ہفتے انگلینڈ گئی تھی واپس کب آئی ؟''

براق کی بولتی بند ہوگئی۔

''تم سلینا کے ساتھ تھے ؟'' وہی تصاویر والی لڑکی۔ جو چند ماہ میں پاکستان کی سب سے مہنگے بجٹ کی فلم پروڈیوس کرنے والی تھی۔ اگر اسکا وارڈروب بی قیو کو مل جاتا تو یہ خوش قسمتی ہوتی۔ لیکن براق حنیف عورتوں کے ساتھ صرف پیسے کے لیے نہیں ہوتا تھا۔

''آئی ایم سوری، شیزل۔ یہ آئندہ نہیں ہوگا میں وعدہ کرتا ہوں۔'' اسی پل موبائل دوبارہ چمکا۔ شیزل نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔ ایک اور غیر شناسہ نمبر مگر تصاویر آج صبح کی تھیں۔ وہی گھر، وہی کمرہ، مختلف لڑکی اور وہی سیاہ کارنامے۔ جنہیں اس وقت صرف شیزل نہیں براق خود بھی دیکھ رہا تھا اور شرم سے گڑھ رہا تھا۔ اپنی شادی کے دن ؟ اور شادی بھی وہ جو اسکی پسند سے ہو رہی تھی۔ شیزل کی آنکھیں بھر اگئیں۔ اب کے اس نے براق کو دیکھا تو اسکی آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔ دل ایسا ٹوٹا تھا کہ اب وہ چاہ کر بھی نہیں جوڑ سکتی تھی۔

''آئی ایم سو سوری شیزل۔ میں بہک گیا تھا۔ وہ لڑکی مجھے میری پچھلی تصاویر کے ساتھ بلیک میل کرتی رہی ہے۔ آئی ایم سو سوری۔'' وہ اسکے قدموں میں آکر بیٹھ گیا۔ اس بات سے بے خبر کہ شیزل کا دل ایک لمحے میں اسکے لیے پتھر ہو چکا تھا۔

''آج ہماری شادی تھی، براق۔ تم نے کہا تھا تم بدل چکے ہو۔''

''یہ آخری بار تھا شیزل خدا کی قسم یہ آخری بار تھا۔ آج کے بعد دوبارہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے اس بار معاف کر دو پلیز۔''

''تم نے کہا تھا تم بدل جاؤ گے۔'' وہ بڑبڑائی۔

وہ باقاعدہ اسکے سامنے ہاتھ جوڑ گیا تھا۔

''میں۔۔ میں ایسا بلکل نہیں چاہتا تھا میں واقعی بدل گیا ہوں۔ میں اتنے ماہ کسی لڑکی سے نہیں ملا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھا سوائے تمھارے۔ یہ میری آخری غلطی ہے شیزل پلیز مجھے اسکے لیے معاف کر دو۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ لجاجت کر رہا تھا۔ گگھیا رہا تھا۔ شیزل نے آنکھیں جھپکیں کو کچھ آنسو ٹوٹ کر گرے۔

یہ وہ آدمی نہیں تھا۔ یہ وہ براق نہیں تھا۔ آج وہ اسکے خوف سے معافی مانگ رہا تھا کل وہ معافی مانگنا چھوڑ دیتا۔ جو آدمی اپنی شادی والے دن کسی غیر عورت کے ساتھ تھا وہ شادی کے دو سال بھی یہی کام کر سکتا تھا۔ شاید نہ بھی کرتا۔ مگر زندگی شاید پہ نہیں چلتی۔

''شیزل ادھر دیکھو مجھے دیکھو۔'' وہ گھٹنوں کے بل اسکے قریب بیٹھا اسکے ٹھنڈے یخ ہاتھ تھام چکا تھا۔

''جذباتی ہو کر کوئی بھی فیصلہ کرنے کی بجائے پلیز سوچو۔ باہر کون کون آیا ہوا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی شخصیات ہیں۔ ہمارا سر کل ہے دوست ہیں۔ ہمارا خاندان ہے۔ کیا تم چاہتی ہو ان سب کے درمیان ہماری سبکی ہو؟'' لوگ آج تھے کل نہیں۔ خاندان آج یہاں تھا کل کسی جھگڑے سے انکا تعلق نہیں ہوتا۔ دوست آج مبارک دیں گے کل قصور گنوانے آجائیں گے۔ شادی انسان اپنے لیے کرتا ہے اور اپنے لیے ہی کرنی چاہیے۔

''تم دھمکا رہے ہو مجھے؟''

''میں صرف تمھیں نتائج سے آگاہ کر رہا ہوں یار۔ اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو۔ ابھی تک ہماری شادی نہیں ہوئی۔ ابھی تک جو ہے وہ ماضی ہے جب تم مجھے پچھلے کئی سالوں کے لیے معاف کر چکی ہو تو چند ایک بار اور کر لو۔'' اس نے شیزل کے ہاتھوں پہ گرفت مضبوط کر دی۔

''شادیوں میں سب کچھ پرفیکٹ نہیں ہوتا شیزل۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ صرف اس بار مجھے معاف کر دو۔ اگلی بار ایسا کچھ نہیں ہوگا آئی پرامس۔''

''اور اگر ہوا تو؟'' وہ اسی لاتعلق انداز میں بولی۔ براق کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''پھر تم جو چاہے سزا دینا۔ لیکن پلیز اس وقت نہیں۔ اس وقت نہیں پلیز۔ ہم دونوں کی زندگی میں اس وقت ہم ایسا کچھ بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں یار۔''

دفعتاً دروازہ کھٹکانے کی آواز آئی۔ پھر کوئی اندر آیا تھا۔

''یار مولوی صاحب انتظار کر رہے ہیں، براق۔'' وہ براق کا کوئی دوست تھا۔

''تم دونوں کی جو باتیں رہ گئی ہیں وہ شادی کے بعد کر لینا لیکن اس وقت آجاؤ۔'' بولتے بولتے وہ رکا۔ شیزل کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ ''سب ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں بلکل سب ٹھیک ہے۔ ہم آرہے ہیں۔ بلکہ تم باہر رکو میں تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔'' مرد سر ہلاتے ہوئے چلا گیا تھا۔ براق ایک بار اسی سنجیدگی سے اسکی طرف مڑا۔

''پلیز شیزل صرف ایک بار پلیز۔ یہ میری آخری غلطی ہے۔ میں اس کے بعد کبھی بھی کچھ بھی غلط نہیں کروں گا۔'' وہ بغیر کچھ کہے پتھر کا بت بنی بیٹھی رہی۔ براق اب اٹھ کھڑا ہوا۔ فون ملاتے ہوئے پہلے اس نے میک اپ آرٹسٹس کو بلوایا پھر زینیا کو کال کی۔ سب جمع ہوگئے وہ شیزل کے قریب جھک کر ہدایات دیتا رہا پھر ہٹ گیا۔ اسے امید بلکہ یقین تھا وہ اسے معاف کر دے گی وہ اسے معاف کرتی رہی تھی۔

کچھ دیر بعد سفید جوڑے والی لڑکی نے سرخ کارپٹ پہ پہلا قدم رکھا تھا۔ اسکی ایک طرف زینیا حاکم تھی اور دوسری طرف بیسٹ فرینڈ عرف قیس کمبیر۔ کارپٹ کے دونوں اطراف میں لوگ کھڑے تھے جو دلہن کی تعظیم میں کھڑے ہوئے تھے۔ اسکے سامنے ایک لمبے فاصلے پہ براق حنیف کھڑا تھا۔ شیزل کی سماعتوں میں کئی جملے گونج رہے تھے۔ پس منظر میں گانا بج رہا تھا۔

Romeo save me I've been feeling so alone

I keep waiting for you but you never came

is this in my head,i don't know what to think

چرچ کی نشست پہ وہ دونوں آمنے سامنے تھے براق اس سے کہہ رہا تھا۔

"میں جب بھی چرچ کو دیکھتا ہوں مجھے تم یاد آتی ہو۔ گھاس کے بڑے سے قطعے پہ پھیلی تمہاری سفید فراک۔ تمہارے ہاتھوں میں سفید اور گلابی پھولوں کا بکے۔ اور تمہاری فراک کے گھیر کو اٹھا کر چلتی تمہاری برائیڈ میڈز۔ اسٹیج پہ سیاہ کوٹ میں، میں خود کو دیکھتا ہوں۔ تم اسٹیج پہ آؤ گی اور پھولوں کا بکے میرے منہ پہ مار دو گی۔"

وہ اسٹیج کے قریب تھے۔ براق مسکرا رہا تھا۔ اسکی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ اسکے ساتھ کھڑے اسکے دوست استقبال کے لیے کھڑے تھے۔۔ چنگھاڑتا میوزک اب بھی بج رہا تھا۔ اس نے اسٹیج پہ پہلا قدم رکھا۔ براق نے اسکا ہاتھ تھاما۔ وہ دو زینے چڑھ کر اوپر آئی۔

"بالاج اور تمہارے درمیان کیا مسئلہ تھا، زینم؟" میک اپ آرٹسٹ اسکے چہرے کو آخری ٹچ دے رہی تھی جب اس نے زینیا سے پوچھا۔ براق ابھی تھوڑی دیر پہلے باہر گیا تھا۔

"ہم مس میچ تھے۔ محبت وہ مجھ سے کرتا تھا لیکن وہ بدلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا میں اسے اور اسکے مسائل کو سمجھ کر اسے معاف کرتی رہوں۔ اور اسکا ہر غلط عمل جسٹیفائیڈ ہوتا رہے۔ شاید میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بالاج اور وہ ہمیشہ خوش رہتے۔"

وہ گھٹنوں کے بل اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ ہاتھ شیزل کے سامنے پھیلایا۔ غالباً وہ ایک لمبے عرصے سے سنبھال کر رکھی اپنی ماں کی انگوٹھی دینا چاہتا تھا۔ شیزل ہاتھ میں پھولوں کا بکے لیے چپ چاپ اسے تک رہی تھی۔ گانا اب بھی بج رہا تھا۔

He knelt to the ground and pulled out a ring and said

marry me juliet you'll never have to be alone

I love you and that's all i really know

I talked to your dad,go pick out a white dress

it's a love story baby just say yes

"نو۔۔۔" اسکے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر میوزک بند کرنے کا اشارہ کیا۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ براق کا چہرہ یکدم سیاہ پڑنے لگا بلکل ویسے جیسے کہانیوں میں دیو کا جادو اتر گیا ہو۔ وہ دھیرے سے کھڑا ہوا۔ شیزل اسے تکتی رہی۔

"شاید یہ واقعی تمہاری آخری غلطی ہو۔ شاید تم اسکے بعد واقعی کچھ نہ کرو۔ لیکن جو تمھیں معاف کرے گی۔ وہ میں نہیں ہوں۔"

وہ خاموش رہا۔ ساکت، صامت۔

"میں نے سوچا تم بدل جاؤ گے۔ تم شاید واقعی بدل جاتے اگر تم یہ سوچتے کہ جو تم کرتے رہے ہو وہ واقعی غلط ہے۔ تم نے وہ کام میری وجہ سے چھوڑا، وہ جسے تمھیں اپنے لیے چھوڑنا چاہیے تھا۔ مجھے لگتا تھا تم بدل جاؤ گے لیکن میں غلط تھی۔ مجھے لگا تھا ہمارے قصے دوستوں کی محفل میں سنائے جائیں گے لیکن افسوس ہمارے قصے ٹریجڈی کا حصہ ہوں گے۔" اس نے بکے نیچے گرا دیا۔ براق کو یوں لگا جیسے کسی نے اسکے دل پہ گھونسہ دے مارا ہو۔ شیزل اسے چھوڑ رہی تھی؟ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتی تھی۔

''میں کسی کی بیوی بن سکتی ہوں اسکی منٹور یا پھر اسے غلط کاموں سے نکالنے کا ذریعہ نہیں۔ میں نے تم پہ گو اپ کیا، براق۔۔۔'' ملال سے کہتے اس نے اٹھی ہوئی گردن سے قیس کو دیکھا۔ وہ آگے آیا۔ شاکڈ سی زینیا بھی آگے آئی۔ شیزل نے دوبارہ انکے بازو میں بازو ڈالے۔ زینیا کو اسکے ہاتھ کپکپاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ اسٹیج سے اتر رہی تھی۔ اسکے قدم لڑکھڑاہٹ کا شکار تھے۔ دل میں جھکڑ چل رہے تھے۔

وہ براق کو معاف کر سکتی تھی مگر تب جب اسے یہ کام غلط لگتا۔ جس انسان کو غلط، غلط نہ لگتا ہو اس سے محبت کی جا سکتی ہے شادی نہیں۔

لوگ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے ویڈیوز بن رہی تھیں۔ چہ می گوئیاں ہونے لگی تھیں۔ شیزل نے دھیان نہ دیا۔ یہ لوگ آج تھے کل نہیں۔ یہ شادی ساری زندگی رہنی تھی۔ لوگوں کے خوف سے کسی تعلق میں رہنا بے وقوفی تھی۔ اسٹیج پہ کھڑا براق چپ چاپ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کسی نے براق حنیف کی دنیا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اور وہ کچھ کر بھی نہ سکا۔ آج اس نے جو محسوس کیا تھا وہ درد تھا۔ دل کا درد۔

وہ ہاسٹل کے اندر لاؤنج کے صوفے پہ پیر اوپر کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ پس منظر میں وہ گھر میں برپا ماتم سن سکتی تھی۔ بالاج کی موت کی خبر نے گھر میں کیسا قہرام مچایا ہو گا اسکا اندازہ تھا اسے۔ بشر مسلسل گلوگیر لہجے میں اس سے کچھ کہہ رہا تھا زینیا سنتی رہی۔ کیسی مضحکہ خیز صورتحال تھی، جس میں لوگ اس عورت کو پرسہ دے رہے تھے جو بن ٹھن کر کسی شادی میں شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی۔

''اس وقت بہت رات ہو گئی ہے کوئی گاڑی نہیں مل رہی۔ میں صبح صادق تمھیں لینے آجاؤں گا۔'' وہ بوجھل انداز میں کہہ رہا تھا۔ زینیا نے انگلیوں کے درمیان ناک کی ہڈی کو دبائے رکھا۔ چند دن قبل اسے بالاج کی موت کا جو افسوس ہوا تھا اب تو وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔

''میں جانتا ہوں یہ کڑا وقت ہے، زینی لیکن ہمت سے کام لو۔ میں بہت جلد تمھارے پاس ہوں گا۔ ابا چاہتے تھے میں تمھیں لینے جاؤں ابھی اور اسی وقت لیکن۔۔۔"

''تمھیں معلوم ہے کہ عروج اور اسکی ماں سارا الزام مجھ پہ ڈال دیں گی اس لیے تم آج رات اسے سمجھانا چاہتے ہو؟'' وہ جواباً کچھ نہیں بولا۔

''میں ہر طرح کی ملامت سننے کے لیے تیار ہوں۔ اگر انکی جگہ میں ہوتی تو میں بھی یہی کرتی۔''

چند لمحے وہ خاموش رہا۔ کچھ تھا جو وہ محسوس کر چکا تھا۔ وہ زینیا کا بڑا بھائی تھا۔ ان دونوں نے ساتھ بہت کچھ دیکھا تھا۔ یہ وہ ردعمل نہیں تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''وہ تمہارا شوہر تھا، زینی۔ تمہیں دکھ نہیں ہے یا پھر یہ خاموشی دکھ ہے؟'' زینیا نے پیر صوفے سے نیچے اتارے اسکے چہرے پہ یکدم ڈھیر سارے رنگ آئے تھے۔ ایک لمبا عرصہ جس سچ کو چھپا کر رکھا تھا کیا وہ آج بتا دے؟ بشر کا ردعمل کیا ہو سکتا تھا؟ کیا وہ خود کو مزید مظلوم بنانے کے لیے جھوٹ بولے؟

''کچھ ہوا ہے، زینی۔ کچھ ایسا جو مجھے جاننا چاہیے؟'' وہ ایک بار پھر خاموش رہی۔

''میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے بتاؤ یار کیا ہوا ہے فکر ہو رہی ہے۔'' اسکے عقب میں زینب کے رونے کی آواز آرہی تھی جسے اب بشر اپنے سینے سے لگا کر تھپک رہا تھا۔

''زینی کچھ ہوا ہے بچے؟''

''ہمارے نکاح کے کچھ دن بعد بالاج اسلام آباد آیا تھا۔'' دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کہہ ڈالا۔ ''اسکا سارا پیسہ ڈوب گیا تھا۔ اور ٹریول ایجنسی نے اسکے ساتھ دھوکہ کر دیا تھا۔ وہ مجھے میری یونیورسٹی کے باہر ملا تھا۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔

''کہتی رہو میں سن رہا ہوں۔''

''اسکے پاس پیسے نہیں تھے۔ میں نے اسے پیسے دیئے۔ اپنا سونا بیچا۔ ہم کیفے اور میری اکیڈمی میں ملتے رہے تھے۔ وہ مجھے اس بارے میں بتانے سے منع کرتا تھا۔ پھر کچھ دن بعد اسے دوبارہ سعودی جانا تھا۔ وہ اس سارے وقت میں مجھے ٹارچر کرتا رہا تھا۔ وہ ہر دفع

عبداللہ کو بیچ میں لے آتا تھا۔ میں اسے خوش رکھنا چاہتی تھی، بشر۔ میں نے اسکے لیے بہت قربانیاں دیں۔ لیکن وہ فرسٹریٹ تھا۔ اسے ڈھیر سارا پیسہ چاہیے تھا۔ اور اسکے لیے اس نے اپنے بزنس پارٹنر کی بہن سے شادی کر لی۔"

"بالاج نے دوسری شادی کی تھی؟" شاک تھا کہ کیا بشر کا سر چکرانے لگا۔

"اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میرے پاس اسکی کال ریکارڈنگز ہیں۔ میرے پاس اسکی اپنی بیوی کے ساتھ تصاویر ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آتا وہ تمھارے ہوتے ہوئے دوسری شادی کیسے کر سکتا ہے؟"

"میں۔۔ اسکی۔۔ بیوی۔۔ نہیں۔" توڑ توڑ کر الفاظ ادا کئے۔

"وہ تو اب نہیں ۔۔"

"جس دن مجھے اسکی بیوی کے بارے میں پتہ چلا اسی دن اس نے مجھے مارا۔ مجھے طلاق دی۔۔"

"طلاق؟" اسکے پیروں سے زمین پہلے کھسکی یا سر سے آسمان اندازہ نہیں ہوا۔ وہ سارے کا سارا شل رہ گیا۔

"میں اس وقت غصے میں تھی میں نے بہت اوورری ایکٹ کیا لیکن میں اسکی بیوی تھی، بشر۔ میرا غصہ جائز تھا۔ میں اسے خوش نہ رکھتی اسکی خدمات نہ کرتی اسے اولاد نہ دیتی تب وہ شادی کر سکتا تھا۔"

"طلاق؟" وہ اب بھی وہیں اٹکا تھا۔

"اگر اسے کسی عورت کی ضرورت تھی وہ تب بھی شادی کرتا لیکن اس نے پیسے کی خاطر شادی کی۔ مجھے دھوکہ دیا۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اس سے کہا میں بشر کو کال کروں گی اور وہ اسکی بہن کو طلاق دے گا تب اس نے مجھے مارا۔"

"طلاق؟" وہ آگے کیسے بڑھے۔

"اسکے بعد میں سب کچھ تمھیں بتانا چاہتی تھی لیکن میں نہیں بتا سکی۔ میں نے ایک لمبا عرصہ اسکا غم جھیلا ہے۔ میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

''میں یہ سب کچھ پراسیس نہیں کر پا رہا تم نے مجھے یہ سب بتایا کیوں نہیں؟ دوسری شادی طلاق یہ کوئی کھیل چل رہا ہے؟''اس نے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ بے طرح پریشان ہوا تھا۔ مرنے والے کا صدمہ لمحے کے ہزارویں حصے میں غائب ہو گیا۔ اب وہاں غصہ تھا۔ بے بسی تھی۔

''جو بھی تھا تمھیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں کل صبح تمھیں لینے آ رہا ہوں تم سے پھر بات ہو گی۔ اوہ خدایا اس نے تمھیں طلاق کیسے دی؟''

''تم۔۔ تم ناراض ہو، بشر؟''

''میں ہرٹ ہوں، زینیا۔ بالاج میرا بھائی نہیں تھا لیکن تم بہن تھیں میری۔ کم از کم مجھے ایک بار بتا دیا ہوتا۔ میں نے کتنی بار تم سے اسکے اور تمھارے درمیان سب ٹھیک ہے؟''

''میں بتانا چاہتی تھی لیکن ۔۔''

''لیکن نہیں بتایا۔ کیونکہ تم خود کو عقل کل سمجھتی ہو۔''

''میں تمھیں کچھ اور بھی بتانا چاہتی ہوں۔ بالاج طلاق کے بعد واپس آیا تھا اور۔۔''زینیا نے بلا خر اسے مہدی کے بارے میں بتانے کی بھی ٹھان لی۔

''اب تمھیں کچھ چیزیں میری طرف سے بھی سن لینی چاہیں۔ عبداللہ آیا تھا۔'' وہ ایک لمحے کے لیے تھم گئی۔

''وہ گاؤں آیا اور چچا لوگوں نے اسکی گاڑیاں جلائیں اس وقت عبداللہ نے کچھ نہیں کہا اور وہ واپس چلا گیا۔''وہ یہ جانتی تھی۔ ہاں بس اتنا ہی کہانی کو یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔

''وہ دن بعد واپس آیا تھا۔۔۔'' یہ پلاٹ ٹوئسٹ تھا زینیا کو وہی لگا۔'' اس نے جرگہ بلوایا۔ چچاؤں کا قصور نکلا۔ عبداللہ کی وہ زمین جو دادا کے قبضے میں تھی وہ واپس ملی ہے۔ اسکے دکان جن پہ ہمارا قبضہ تھا وہ اسے واپس مل گئے ہیں۔ ہم پہ ایک اور چٹی (حرجانہ) لگا ہے۔ کئی ایکڑ زمین اسے دینی پڑی۔ اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''''

''اور؟''

''وہ دوماہ بعد شادی کرنا چاہتا ہے۔''زینیا جہاں تھیں وہیں تھم گئی۔

''یہ وہ عبداللہ نہیں ہے، زینی جو یہاں سے جاتے وقت برباد ہوا تھا۔ یہ مختلف ہے۔ وہ تباہ ہوا تھا یہ خود تباہی ہے۔ میں اس سے ملا ہوں۔ ہم بہت بڑی مصیبت میں ہیں۔''

''میں صبح پانچ بجے کی بس سے خود آجاؤں گی تمھیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت برباد ہوگا۔''وہ ہلکی آواز میں بے حد آہستگی سے بولی۔ بشر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر۔۔۔

''میں آجاؤں گی۔ میں پہلے بھی آئی ہوں۔ تم بس اسٹاپ پہ آجانا۔''

بشر اسے ہدایات دے رہا تھا وہ غائب دماغی سے سنتی رہی۔ اسکی تاکیدیں زینیا کے دماغ میں نہیں بیٹھ رہی تھیں۔ یہاں الفاظ نہیں زندگی گڈمڈ ہو چکی تھی۔ دوسری طرف بشر کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ یہ رات ان دونوں نے جاگ کر گزارنی تھی۔

انسان کی زندگی میں کچھ د، تاریخیں، ہفتے، ماہ و سال ایسے ہوتے ہیں، جن کے متعلق انہیں بیٹھ کر سوچنا پڑتا ہے۔ کیا اسے کسی طرح زندگی کے کلینڈر سے حذف کیا جا سکتا ہے؟ اور وہ انسان جو پہاڑ سر کر رہا ہے۔ جو ہواؤں میں سفر کر رہا ہے۔ جس نے بڑے بڑے بحری جہاز بنا لیے وہ یہ ماننے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک طاقت ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اور اسکے فیصلے آخری فیصلے ہوتے ہیں۔ اس کہانی کے کردار اسی حقیقت کو تسلیم کرنے کی تگ و دو کر رہے تھے۔

''یہ تم نے کیا کیا، قیس؟'' کمبیر محل کی چھت پہ ٹہلتے سگار انگلیوں میں پکڑے قیس کمبیر نے مڑ کر دیکھا براق ہاتھ میں شراب کی بوتل لیے، سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ قیس ٹھہر سا گیا۔ اسکی حالت بہت خراب تھی۔

''یہ تم نے کیا ہے؟''

''تم یہ شراب کی بوتل لے کر میرے گھر میں کیسے داخل ہوئے ہو؟ ذلیل انسان یہاں میری بہنیں بھی ہوتی ہیں۔''

''اسے میں لایا ہوں۔'' زینوں کے اختتام پہ بنا دروازہ پار کرتا مہدی بولا تھا۔ اسکے ہاتھ میں کوئی جوس تھا۔ شاید وہ براق کا نشہ ختم کروانے کو لایا تھا۔ وہ حواس باختہ لگتا تھا۔

''یہ باہر دروازے پہ کھڑا ایسی چار بوتلیں توڑ چکا ہے۔ جب گارڈز نے اسے اندر آنے نہیں دیا تو میں اسے لے آیا۔'' کئی دن بعد یہ وہ پہلی بات تھی جو براہ راست ان دونوں کے درمیان ہوئی۔

''تم نے ایسا کیوں کیا، قیس؟'' براق یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ نہ وہ چیخ رہا تھا نہ اسکا لہجہ بلند تھا۔ وہ یہاں سوال کرنے آیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں رنج تھا۔ کچھ کھو دینے جیسا عذاب تھا۔

''ہاں میں نے کیا ہے۔ اب بتاؤ کیا کرلو گے؟'' وہ بے لچک انداز میں بولا۔ ساتھ آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ سے بوتل لے کر چھت کے ایک کونے میں پھینک دی۔ ''یہ بے غیرتی میں اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔''

''تم نے یہ کیوں کیا، لوسفر؟ میں اس سے واقعی محبت کرتا تھا۔'' وہ ہارا ہوا لگتا تھا۔

''محبت کرتے تو یہ سب نہ کرتے۔ جس سے محبت کی جائے اسکے لیے برے کام چھوڑے جاتے ہیں۔'' قیس کی بجائے مہدی بولا تھا۔

''تم اسکی زندگی تباہ کرنے والے تھے۔ تمہیں سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''میں نے ہمیشہ تمھارے راز سنبھالے۔ میں نے تم پہ انویسٹ کیا۔ میں نے تمھیں اس وقت سنبھالا جب ساری دنیا تمھیں چھوڑ چکی تھی۔ اور تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟'' قیس اور مہدی اسے دیکھ کر رہ گئے۔ وہ ہر بریک اپ کے بعد انکے پاس آیا کرتا تھا مگر یہ مختلف تھا۔ یہ بریک اپ نہیں تھا۔ یہ ہارٹ بریک تھا۔ یہ شکستگی یہ لاچارگی یہ مختلف تھی۔

''تم اس وقت نشے میں ہو، صبح جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تب بات کریں گے۔ میں نے جو بھی کیا اس میں کچھ غلط نہیں تھا۔ شیزل میری دوست ہے۔''

براق چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اسکی آنکھوں میں پانی چمکا۔ اسکے لب کپکپائے۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ گر گیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ بلند آواز میں ہچکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ وہ دونوں مرد متحیر رہ گئے۔ کیا اسکا دل واقعی ٹوٹا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتے تھے براق متاع حیات گنوا چکا ہے۔

''وہ کوئی عام عورت نہیں تھی۔ وہ میرا سرمایہ تھی۔ یہ تم نے کیا کیا، یہ تم نے کیا کیا۔'' قیس شل تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار براق کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ نہیں رویا جب اسکی ماں قتل گئی۔ وہ تب بھی نہیں رویا جب اسے کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔ وہ تب بھی نہیں رویا جب بی قیو کے سرمایہ کاروں نے اچانک ہاتھ کھینچ لیا۔ ہر دوسرے ماہ اسکے بریک اپس ہوتے تھے لیکن آج، آج وہ واقعی رنجیدہ تھا۔

''میں نے کتنے سال اسکی خاطر اسکی چاہ میں گزارے۔ اسے اپنی زندگی میں واپس لانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا اور تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟''

''میں۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا۔ یہ معاملہ اتنا بڑھ جائے گا۔''

''تم میرے دوست تھے۔'' وہ پوری قوت سے، درد سے چیخ پڑا۔ ''تمھیں بتانے سے پہلے مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ ایک ذرا سا مذاق اور تمھارے اس مذاق نے میری زندگی برباد کر دی۔ میں اسکے بغیر مر جاؤں گا یہ تمھیں کیوں سمجھ نہیں آتا؟''

''میں نے بس اسے اتنا بتایا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔''

''کیوں بتایا؟ تم سے کس نے کہا تھا تم میری زندگی میں دخل دو۔ تم سے کس نے کہا تھا تم براق حنیف کے مسائل میں الجھو تم میرے باپ نہیں ہو۔ تمہارا مجھ پہ کوئی حق نہیں تھا۔ یہ میری زندگی تھی شیزل سیمسن میری عورت تھی، میں جیسے چاہے اسے ٹریٹ کرتا۔ تم کون تھے ہمارے بیچ میں آنے والے؟'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں غرایا۔ قیس کے بازو کی رگیں تن گئیں۔ مہدی ہنوز بے یقین تھا۔

''اگر وہ تمہاری عورت تھی تو تم دوسری عورتوں کو کس حیثیت سے گھما رہے تھے؟''

''جس بھی حیثیت سے گھماؤں تم ہوتے کون ہو مجھ سے سوال کرنے والے۔''

''میں نے سوال نہیں کیا۔ میں نے حقائق بتائے۔''

براق زخمی شیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھا اور قیس کا گریبان پکڑ کر اسے دیوار سے لگایا۔

''کیا میں نے تمھیں یہ حقیقت بتائی کہ جس عورت کے عشق میں تم مبتلا ہو مہدی کمبیر اسے کہاں کہاں گھماتا ہے؟'' وہ صرف ایک بات نہیں تھا وہ لاوا تھا جو قیس کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔

''کیا میں نے تمھیں یہ بتایا کہ تمہاری محبت تمھارے ہی بھائی کی سابقہ محبوبہ ہے۔ اور انکے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے۔''

''اسکے بارے میں بکواس مت کرو، براق۔'' مہدی پھنکارا۔

براق کی گرفت اتنی سخت نہیں تھی، مگر قیس کو اپنا گلا گھونٹی محسوس ہوئی۔

''وہ تمہاری پسندیدہ عورت کا پسندیدہ مرد ہے۔ وہ اسکے ساتھ ہنستی ہے، روتی ہے۔ وہ اسکے ساتھ گاڑی میں بیٹھتی ہے۔ وہ اسکے ساتھ چائے پیتی ہے، باہر جاتی ہے۔ وہ اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتی ہے۔ وہ اسے اجازت دیتی ہے کہ مہدی اسے نک نیمز سے پکارے۔ اسکا ہاتھ تھامے۔ اور بھی جاننا ہے؟ اور وہ۔۔''

قیس نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور ہٹایا۔ اسکی آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔ اسکا دماغ جیسے پھٹ رہا ہو۔ اگلے ہی لمحے اس نے کانچ کی وہ بوتل اٹھائی اور براق کے ماتھے پہ دے ماری تھی۔ مہدی شل سا پیچھے ہوا۔ اس نے قیس کو دیوانہ وار براق کو مارتے ہوئے دیکھا۔ وہ جنون کی ہر حد پار کرتے ہوئے اسے بوٹ، تھپڑ سب مار رہا تھا۔

''جرات کیسے ہوئی اسکا نام لینے کی۔'' وہ غرا رہا تھا اور زمین پہ لیٹے براق حنیف کو مار رہا تھا۔ اسکا انداز جنونی تھا۔

''وہ صرف میری ہے۔ اسکے ساتھ صرف میرا نام آتا ہے۔ اسکے تمام حقوق میرے نام ہیں۔'' اس نے براق کے جبڑے پہ جمے ہوئے ہاتھ کے مکے دے مارے۔ وہ اسے بوٹ سے ٹھوکر مار رہا تھا۔ وہ اسکے اوپر چڑھ کر اسکے منہ پہ مار رہا تھا۔ براق نے پاس پڑا کانچ کا ٹکڑا اسکے بازو میں گھسا دیا۔ اسے فرق نہیں پڑا۔

''اسکا نام میرے نام کے ساتھ آئے گا۔ وہ میری ہے صرف میری۔'' براق اب کراہ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ چپ چاپ مار کھاتا رہا۔ قیس کا جنونی پن کسی طور کم نہیں ہوا اور اسی پل اس نے براق کو ٹھو کر مار کر ہٹایا۔ پھولے تنفس کے ساتھ مہدی نے اسے چھت سے زینوں کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ مرے مرے قدم لیتا براق کی طرف آیا۔ اسکے قریب بیٹھا۔

''براق۔۔۔ براق۔۔ تم جاؤ یہاں سے۔۔۔ اٹھو جاؤ۔'' اس نے براق کو کندھے سے سیدھا کیا۔ وہ ابھی کچھ کر پاتا کہ اس نے زینوں پہ دھپ دھپ کی آواز سنی۔ اسکا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ زینوں کے اختتام پہ اس نے گن کے لوڈ ہونے پہ **''کلک''** کی آواز سنی۔ وہ چھت پہ دوبارہ نمودار ہوا تو اسکے ہاتھ میں پستول تھی۔ چہرہ غیر انسانی۔ وہ پستول براق پہ تانے ہوئے تھا۔ براق اسے دیکھ کر خون آلود چہرے کے ساتھ ہنسا۔ جیسے وہ ہر شے کے لیے تیار ہو۔ ان دونوں کا درد ایک تھا۔ مگر براق رہائی چاہتا تھا۔

''تمہاری محبت اور۔۔۔۔ مہدی کے۔۔ درمیان ب۔ بہت نزدیکیاں ہیں۔'' وہ کمینگی سے ہنسا۔

اسی پل قیس کمبیر نے ٹرگر دبایا۔ ایک لمحے کے لیے ہر شے، ہر آواز ساکت ہو گئی۔ ایک، دو، تین، چار فائر پہ فائر ہوتے گئے۔ بندوق آگ کے شعلے کے ساتھ لوہے کا ذرہ باہر نکالتی رہی۔ چند لمحات بعد میگزین خالی ہو چکی تھی۔ وہ پسینے سے شرابور گلابی پڑتی آنکھوں میں متوحش سا تاثر لیے گہرے سانس لے رہا تھا۔ گولیاں براق کا بدن نہیں چیر سکی تھیں۔ مہدی کمبیر نے اسکا بازو، اور اسکا نشانہ دوسری طرف کر دیا تھا۔ قیامت آئی تھی اور آکر گزر گئی۔ جان جا نہ سکی تو جان بچی بھی نہیں تھی۔ وہ تینوں اب ایک دوسرے کے لیے کچھ نہیں رہے تھے۔ دوستی آج ختم ہوئی۔ آج کے بعد وہ تینوں مختلف انسان بننے والے تھے۔ آج کے بعد سب ختم۔

قیس دھیرے دھیرے دیوار کے ساتھ لگتا بیٹھتا چلا گیا۔ بندوق چھوٹ کر اسکے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ زینیا کے لیے کسی کو مار بھی سکتا تھا؟۔ براق ہوش میں نہیں رہا تھا اور مہدی، وہ کھڑا تھا۔ ایک نقطے پہ ساکت نگاہیں۔ دل میں اٹھتا خوف اور آس پاس پھیل چکی وحشت۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے لوہے کی زنجیروں سے اسکا سارا جسم باندھ کر زور سے کھینچا ہو۔ پٹھے تک اس کھنچاؤ کا شکار ہوئے۔

باقی ہر شے سلوموشن میں ہوئی۔ اس نے گارڈز کے ساتھ میرہ کو چھت پہ آتے ہوئے دیکھا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ اس نے قیس کو بہت سارا سنایا تھا۔ اس نے مہدی کا بازو جھنجھوڑا تو وہ ہوش میں آیا۔ اگلے چند لمحوں میں اس نے خود کو بولتے ہوئے سنا۔ وہ گارڈز کو ہدایت دے رہا تھا۔ وہ براق کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے چھت صاف کی۔ پستول اٹھائی۔ قیس کو کچھ دوائیاں دی گئیں جنھیں وہ خاموشی سے پھانک گیا۔ مہدی کی رنگت چند لمحے بعد بحال ہوئی۔ آس پاس فائر کی آواز سن کر کسی نے پولیس بلوالی تھی۔ مہدی اب نیچے جا کر ان سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے خود کو کسی اعلیٰ عہدے دار کا نمبر ملاتے ہوئے دیکھا۔ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ کمبیر محل کے ایک ایک فرد سے گویا قوت گویائی چھین لی گئی ہو۔ سب خاموشی سے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ مہدی تھکے تھکے قدم لیتا واپس چھت پہ آیا۔ قیس اب دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ سگار دوبارہ اسکے ہاتھوں میں تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے پاس آکر کھڑا ہوا۔ کئی لمحے یخ بستہ ہواؤں کے درمیان وہ دونوں خاموش رہے۔ وہ پچھلے ایک عرصے سے اسی طرح خاموش تھے۔

"تم اتنے دنوں سے مجھے نظرانداز کیوں کر رہے تھے؟" قیس کی بے لچک آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔ یہ وہ سوال تھا جس سے مہدی بھاگ رہا تھا۔

"تم بھی وہی کر رہے تھے۔ مجھے بھی سوال کا حق ہے یا میرے ساتھ بھی وہی ہوگا جو براق کے ساتھ ہوا؟"

"براق جو کہہ رہا تھا وہ سچ تھا؟"

"آدھا سچ۔" اس نے اعتراف کیا۔ "زینیا حاکم وہ عورت ہے جس کے کردار کی گواہی میں دہکتے کوئلوں پہ چل کر بھی دے سکتا ہوں۔ ہم دونوں کے درمیان جو ہے وہ سادہ اور صاف ہے۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔"

قیس نے گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔ دھواں، طیش، ملال کیا تھا تھا جو ہواؤں میں تحلیل ہوا۔ دل کے ایک کونے میں کوئی ابال سا اٹھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کچھ کیوں تھا؟

"اس سے دور رہو، مہدی۔ اس پہ کھلنے والا ہر در میں خود بند کروں گا۔ میں نہیں چاہتا اس سب میں تمھیں کوئی نقصان ہو۔ اسکی طرف اب میرے کئی حساب نکلتے ہیں۔ اور اسے ہر حساب دینا ہے۔"

''وہ تمہاری ملکیت نہیں ہے۔ وہ تمھارے لیے نہیں ہے، قیس۔ اس میں سہارا ڈھونڈ رہے ہو ناں؟ کبھی بیٹھ کر اس کے غم جاننے کی کوشش کرنا پھر تمھیں معلوم ہو گا مہدی کیوں اور قیس کیوں نہیں؟''

قیس سیدھا ہوا۔ مہدی کو گردن سے دبوچ کر دیوار کے ساتھ پیوست کیا۔ چہرہ سرد رہا۔

''اسکی سزا تو طے ہے۔ اسکے غموں میں تھوڑا سا اضافہ ہو گا تا کہ اسے معلوم ہو اس نے کس مرد کو دھوکہ دیا ہے۔ عزت اور محبت اسے راس نہیں آئی تھی، اب اسے اسکی اوقات دکھاؤں گا۔ اس نے میری محبت کو ٹھکرایا تھا میں اسے اسی محبت کے لیے ترساؤں گا۔ میں اسکے ساتھ وہ کروں گا کہ اسکی نسلیں یاد رکھیں گی۔'' اس نے دوسرے ہاتھ سے جلتا ہوا سگار مہدی کی گردن پہ رکھا وہ بلبلا کر رہ گیا۔ درد اور جلن کے مارے اس نے لب بھینچ لیے۔

''خود کو اس تکلیف کا حصے دار مت بناؤ جو صرف اور صرف اسکا مقدر ہے۔'' وہ چبا چبا کر باور کروا رہا تھا۔

''اسے ہرٹ مت کرنا، قیس۔'' مہدی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باور کروا گیا۔

''اور مجھے کون روکے گا؟'' اس نے دباؤ بڑھایا جلد جھلس رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا۔

''مہدی سرور کمبیر۔'' وہ سرگوشی نما انداز میں بولا۔ درد الگ تھا۔

''میں اسے ہرٹ کرنے والوں کو قبر تک چھوڑ کر آؤں گا۔ اور میں نہیں چاہتا وہ تم ہو۔''

قیس نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ گردن پہ دھبا سا لگ گیا تھا۔ مگر وہ اس گردن کو اٹھائے کھڑا تھا۔

''تم میرے بھائی ہو، چند دن اس زخم کو یاد کرتے رہو، سوچو میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔ پھر بات کریں گے۔''

وہ پلٹ گیا۔ مہدی وہیں کھڑا رہا۔ اسکے چہرے پہ درج تھا کہ اسکا جواب دس سال بعد بھی یہی ہو گا۔ خون، خاندان، اور خبطی پن اس نے بھی اسی خاندان سے لیا تھا۔

صبح صادق کا سمے تھا۔اسلام آباد دھند میں لپٹا ہوا تھا۔فجر قضا ہو چکی تھی۔نومبر کی ٹھنڈی ہوائیں ہڈیوں میں گھس رہی تھیں۔وہ بس کے آنے سے ایک گھنٹہ قبل آگئی تھی۔پیلی بنچ پہ بیٹھے ہوئے اسکے ہاتھ میں اسکا موبائل تھا۔وہ لب کاٹتے ہوئے واٹس ایپ پہ مہدی کی چیٹ کھولے ہوئے تھی۔اس سے کی بدتمیزی،اسکے ساتھ اپنایا گیا اپنا رویہ،اسے یکطرف کر دینا۔ہر شے ذہن پہ سوار ہو رہی تھی۔اور آج پہلی بار وہ اپنا قصور مان بھی رہی تھی۔

اس نے کچھ لکھا۔پھر مٹا دیا۔پھر لکھا پھر مٹایا۔معذرت کے چند الفاظ لکھنا کیا واقعی اتنا مشکل تھا یا بس اسے لگتا تھا؟اس نے موبائل پرے ڈال دیا اور ناخن چبانے لگی۔اسے بالکنی کے نیچے کھڑا مہدی یاد آیا۔وہ اس پہ کسی عورت کے ساتھ تعلقات کا الزام لگا رہی تھی۔صرف اس لیے تاکہ وہ اس سے دور رہے۔اگر جنس بدل دو،زینیا حاکم کو مہدی کی جگہ رکھ دو تو وہ الفاظ کیسی آری تھے۔سر کو بنچ کی پشت پہ گرائے اس نے گہرے لمبے سانس لیے۔موبائل اٹھایا۔سوئیٹر سے جھانکتی اسکی سفید انگلیاں اب کال ملا رہی تھیں۔اس شخص کو جسے وہ چھوڑ آئی تھی بغیر قصور کے۔مگر اس نے تو آدھی زندگی یہی کیا تھا۔

کال اٹھائی گئی۔ہیلو کی آواز نے اسکے اندر روح پھونک دی۔چند لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔وہ شاید پہل کا منتظر تھا۔

”میں آپ سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔“

”اچھا؟مجھے لگا شاید میرے مزید قصور گنوانے تھے۔“تلخ لہجہ۔

معذرت اور زینیا دو الگ چیزیں تھیں۔سامنے سے ایسا رویہ ناقابل برداشت مگر وہ برداشت کر گئی۔آنکھیں بند کیں۔

”قصور میرا تھا۔میرا ہے۔میں جانتی تھی اس عورت سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔اور اگر تھا بھی تو مجھے آپ سے اس طرح بات کرنے کا حق نہیں تھا۔آئی ایم سوری۔بغیر کوئی وجہ بتائے اپنی ضد اور انا کے پیچھے آپ سے ہر تعلق توڑنا غلط تھا۔آئی ایم سوری۔ہم دونوں کے درمیان راز نہیں تھے۔مگر میں لائی اور آپ کو خطرے میں ڈالا اسکے لیے آئی ایم سوری۔چیزیں جس طرح سے ہینڈل کیں وہ ایک جاہلانہ رویہ تھا۔آپ کے ساتھ ایسا رویہ رکھنے کے لیے آئی ایم سوری۔“مہدی سن رہا تھا۔وہ کسی سوری تھینک یو کو نہیں سن رہا تھا۔اس نے بس وہ آواز سنی تھی جو اسکی روح میں کئی روز کی فاقہ کشی کے بعد غذا بن کر اتر رہی تھی۔

''آپ نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں اسکے لیے آپ کی شکر گزار رہوں گی۔'' اس نے آنکھیں کھولیں۔ بھینچی ہوئی مٹھی آزاد کی۔

''میں کچھ چیزوں کی صفائی دینا چاہتی ہوں۔ میں نے آپ کو استعمال نہیں کیا، مہدی۔ میں نے کبھی آپ کو اپنا پنچنگ بیگ نہیں سمجھا۔ ہاں عقل کل سمجھا تھا لیکن میں غلط تھی۔ بہت زیادتیاں کر چکی ہوں۔ ڈائری میں لکھتی تو شاید یاد رہتیں۔ اب یاد نہیں ہے لیکن مشتر کہ سوری۔ میں زینیا حاکم غلط ہو سکتی ہوں۔ کر سکتی ہوں۔ کیونکہ میں ایک انسان ہوں۔ اور اسکے بعد مجھے معافی مانگنی چاہیے کیونکہ مجھ میں انسانیت ہے۔'' بے ربط، تیز تیز کہے گئے جملے تھے۔ جنہیں دنیا نہ سمجھ سکے مگر مہدی سمجھ گیا۔

''مجھے پراپر طریقے نہیں آتے لیکن، آئی ایم ریئلی سوری۔''

مہدی نے گہری سانس لی۔ اور تکان زدہ مسکرایا۔

''سرکار، اگر آپ انسانیت دکھا رہی ہیں تو تھوڑی سی میں بھی دکھا دیتا ہوں۔ چلیں میں نے آپ کو معاف کیا۔'' وہ چاہ کر بھی لہجے کی بشاشیت ماضی جیسی نہ رکھ سکا۔

''میں گوادر جا رہی ہوں۔ شاید کچھ ماہ واپس نہ آسکوں۔''

مہدی نے بستر سے پیر اتارے۔ یکدم سارے وجود میں بے چینی پھیل گئی۔

''کیوں جا رہی ہو؟ کچھ ہوا ہے؟'' زینیا نے مختصراً اسے سارا احوال کہہ سنایا۔ مہدی اب الماری کھولے سوئیٹر نکال رہا تھا۔ پیروں میں اس نے گرم جوتے ڈالے۔

''تم کہاں ہو؟''

''بس اسٹینڈ پہ۔ سات بجے نکلنا ہے۔''

وہ جو جلدی سے کچھ کہنے لگا تھا یکدم رک گیا۔ اس نے معافی مانگ لی تھی۔ اس نے شکریہ ادا کر دیا تھا۔ مگر وہ لکیر جو اس نے کھینچی تھی وہ اب بھی قائم تھی۔ وہ اسے نہیں توڑے گا۔

''کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے آ سکتے ہیں؟ اگر آپ بزی نہ ہوں۔'' وہ کہہ کر لب کاٹنے لگی۔ مہدی کے دل سے بوجھ اتر گیا۔ زینیا حاکم اور اسکے درمیان اب کوئی لکیر کوئی فاصلہ نہیں تھا۔

''میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ پھر سوئیٹر پہنا۔ آئینے کے سامنے رک کر پرفیوم چھڑکا۔ گردن کا زخم واضح تھا۔ اس نے رہنے دیا۔ بال درست کر کے چند پل خود کو دیکھتا رہا پھر باہر نکل آیا۔ محل کے باسیوں کی صبح فلحال نہیں ہوئی تھی۔ اس نے پورچ میں کھڑی گاڑی نکالی۔ دروازے کھولے گئے۔ رکاوٹیں ختم تھیں۔ اگلے پندرہ منٹ بعد وہ بس سٹیشن پہ متلاشی نگاہوں سے اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

وہ اسے زرد بنچ پہ بیٹھی نظر آئی۔ مہدی کی طرف اسکا نیم رخ تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اسکے دائیں طرف آ کر رکا۔ زینیا کو اسکی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا۔ درخت کی ٹہنیوں کو پکڑ کر ذرا سا ہلایا۔ پتوں پہ جمع بارش کے قطرے بنچ پہ بیٹھی لڑکی پہ گرے۔ وہ چونک کر مڑی۔ کانوں سے ہینڈ فری نکال کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر اسکے قریب آ کر بیٹھا۔ زینیا نے اپنے قریب ایک لمبا عرصہ بعد طمانیت محسوس کی۔

''کیسی ہو؟'' بہت دیر بعد ہلکی آواز میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' زینیا کی نظریں اسکی گردن کی چوٹ پہ جمی تھیں۔

''میں اب ٹھیک ہوں۔ تم نے ٹکٹ لے لی؟''

''نہیں، جانے والی تھی۔''

''میں لے آتا ہوں۔'' وہ اٹھا، اور ٹکٹ بوتھ کی جانب بڑھ گیا۔ زینیا نے اسے روکا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور ٹکٹ زینیا کی طرف بڑھایا۔ زینیا نے رقم اسکی طرف بڑھائی۔ وہ ہنسا پھر جیب میں رکھ لی۔ وہ اس سے پیسے کہاں لیتی تھی؟

''یہ دو سیٹس کس لیے؟''

زینیا نے اسکے ہاتھ میں دو ٹکٹس دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مہدی کمبیر اسے یہ نہیں بتا سکا کہ ٹکٹ خریدتے وقت زینیا کے ساتھ والی سیٹ کا ٹکٹ کسی لڑکے نے خریدنا چاہا تھا، اور پتہ نہیں کیوں مگر مہدی کو یہ اندازہ ہوا کہ اس عورت کے ساتھ وہ کسی مرد کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کر پائے گا۔

''دوسری ٹکٹ میری ہے، تمھارے ساتھ نہیں جا رہا لیکن میرا غائبانہ تصور ساتھ جائے گا۔'' وہ اسکے پاس بیٹھا۔ زینیا نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ چپ رہی۔

''میرا پہلا ری ایکشن شاک تھا۔ یقیناً ہر نارمل انسان کا یہی ہوتا۔'' بہت دیر بعد دھند سے پردے چھٹے۔

''میں مختلف کیفیات کا شکار تھا۔ جب انسان کو کہیں سے تکلیف ملے تب اسے اپنے سائے سے بھی تحفظات ہو ہی جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ میں کئی دن کچھ بھی پراسیس نہیں کر سکا۔ زندگی جامد ہو کر رہ گئی تھی۔ اوپر سے تم، تم اچانک بلا وجہ مجھ سے ناراض ہو گئیں۔ قیس تم سے محبت کرتا ہے تم اسکی سابقہ منگیتر ہو یہ سب پراسیس کرنا اور اسکے درمیان کسی کو ولن کسی کو ہیرو اور خود کے لیے کوئی کردار چننا بہت مشکل تھا۔ تمہاری طرح خرانٹ ہوتا تو فوراً کوئی حل تلاش کر لیتا۔ لیکن میں ٹھہرا معصوم آدمی۔''

''میں یہی سوچ رہی تھی مجھے بیچ میں لائے بغیر آپ کی بات کیسے مکمل ہو گی۔''

''ظاہر ہے۔ خیر، میں نے بہت کوشش کی کہ میں کوئی حل نکال سکوں لیکن بے سد۔ یہ ایک ایسا معملہ تھا جہاں کوئی حل نہیں تھا۔ ہر راستہ بند تھا۔'' وہ لمحے بھر کو چپ سا ہوا۔ پھر چہرہ اٹھا کر زینیا کو دیکھا۔

''میں اتنے دن کوئی راستہ سوچتا رہا کوئی ایسا حل جس سے میں **''تمھیں''** محفوظ کر سکوں۔'' ہر دھند یکدم چھٹی اور اسکے پار سامنے بیٹھا شخص کورا اپنا نظر آیا۔ ایسا اپنا جس پہ سونے کا رنگ چڑھا تھا۔ خالص سونا۔

''تم میری بیوی ہو، میری ذمہ داری، ساری عمر ذمہ داریوں سے بھاگتا رہا لیکن تم سے نہیں بھاگ سکتا تھا۔ تمھارے لیے ہر اندھیرے میں مشعل جلانا فرض ہے میرا۔''

وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی وہاں کوئی جتاتی تاثر نہیں تھا۔ وہ بے حد سادگی سے اپنا مدعا بتا رہا تھا۔ وہ دنیا کے ایک ایک شخص کو بتانا چاہتی تھی مہدی مختلف تھا۔

"روایات بہت سخت ہیں۔ اور میں ان سے بلکل لاعلم۔ میں الجھ گیا تھا یار۔ ہر حل، ہر مفاہمت کے بعد بھی کچھ ایسا نہیں تھا جس سے میں اس امر کو یقینی بنا سکتا کہ تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن میں بہت غلط تھا۔ کل رات، مجھے وہ معلوم ہوا جو دھندلا ہو گیا تھا۔ میں اس عورت کے لیے خوف زدہ تھا جو کسی عبداللہ کی سابقہ منگیتر تھی۔ لیکن تمہارا تعارف تو مہدی کمبیر کی بیوی سے ہونا چاہیے تھا؟ تمہاری اصل جگہ، اصل شناخت تو یہی ہے۔"

بے یقینی ایک بہت چھوٹا لفظ تھا جو زینیا کے چہرے کی تاثرات کو بیان کر دیتا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں یہ ایک کاغذی تعلق ہے۔ لیکن تمھارے لیے یہ ڈھال بن سکتا ہے اور میں بناؤں گا۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا تمھیں چھوڑ دے گی۔ اور میں نے کہا تھا میں اس وقت تمھارے ساتھ رہوں گا۔ میں چاہتا ہوں میں وعدہ نبھاؤں۔"

"میرے لیے یہ سب مت کریں۔" وہ اسکے چہرے پہ نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

"اس سے زیادہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"واپس آ نا تب تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"اس دن آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی مرد پہ بھروسہ نہیں کرتی کیونکہ یہ میرے باپ کا دیا ہوا ٹراما ہے؟"

"آئی ایم سو سوری، زینیا۔ میں اس وقت حواسوں میں نہیں تھا۔"

"ایسا نہیں ہے، مہدی۔ یہ ٹراما نہیں میرا وجدان ہے۔ میں ایک دن اکیلی ہوں گی اور کوئی میرے ساتھ نہیں کھڑا ہو گا یہ مجھے معلوم ہے۔"

وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔ تسلی اس وقت بے کار تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے وہ اٹھا۔ زینیا کے پیروں کے قریب پڑا اسکا بیگ اٹھایا۔

''تمھیں دیر ہو رہی ہے جانا چاہیے اب۔''

وہ کیسا مرد تھا جو خوف زائل کر رہا تھا؟ خدشات ختم کر رہا تھا اور سکون وہ کیوں ڈھیر سارا سکون فراہم کر رہا تھا؟

بس کے اندر آ کر اس نے زینیا کو اسکی نشست پہ بٹھایا۔ سامان رکھا اور وہیں بس ڈرائیور کو اسکے متعلق ہدایات دیں۔ پھر واپس آیا اور اسکے ساتھ دوسری نشست پہ آ کر بیٹھا۔ باہر اب ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔

''میں تم سے کچھ کاغذات وغیرہ منگواؤں گا۔ پلیز بھیج دینا۔ اور میں انکا کوئی misuse نہیں کروں گا۔ کچھ اور چیزیں بھی چاہیے ہوں گی سستی چھوڑ کر بھیجتی رہنا۔ اور مجھے یہ بتاؤ وہاں تمھارے لیے زیادہ مسائل تو نہیں ہوں گے۔''

زینیا اب اسے مختصراً بتا رہی تھی۔ وہ پہلے سنتا رہا، پھر غائب دماغ ہوا۔ وہ اسے دیکھنے میں اسے سننے میں اتنا محو تھا کہ اسے اندازہ بھی نہ ہو سکا۔ زینیا نے اسکے سامنے چٹکی بجا کر اسکا دھیان اپنی طرف دلوایا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''کیسے دیکھ رہا ہوں؟'' گہری سانس لیتے اس نے بازو سینے پہ باندھے۔

''ایسے جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔''

''یا پھر ایسے جیسے پہلی بار اس نظر سے دیکھا ہو؟''

''کس نظر سے؟'' وہ الجھی۔ مہدی مبہوت سا اسے تکے گیا۔ پھر بے حد دھیرے سے، آہستگی سے کہا۔

''حق سے۔''

زینیا نے بے اختیار چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ آدھی دنیا تسخیر کرنے کی باتیں کرنے والی مہدی کمبیر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پاتی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔

زینیا کچھ بھی کہے بغیر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ مہدی بغیر کچھ کہے اسکے ساتھ بیٹھا رہا۔ چند لمحے خاموشی کھا گئی۔ چند ثانیے چپ کی نذر ہوئے۔ وہ بہت آگے تک سوچ رہا تھا۔ پھر درمیان سے، پھر اختتام۔ وہ اب تک ڈرا ہوا، اور پریشان تھا۔ اسکے ارد گرد اب بھی خوف تھا۔

''جب تم واپس آؤ گی تب میں تمھیں کچھ بتانا چاہوں گا۔'' کافی دیر بعد وہ بولا۔

''میں بھی۔'' اسکا لہجہ مدھم تھا۔۔ مہدی نے اسکا رخ اپنی طرف کیا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ انتشار ساکن ہو گیا۔ اسکی آنکھوں میں دیکھا تو بے چینی غائب ہوئی۔ سیٹ پہ ذرا سا آگے کو ہو کر اس نے بڑی ہی ملائمت، نرمی سے اسکے گرد اپنا بازو پھیلایا۔ پھر اسکا سر اپنے سینے سے لگایا۔ اب ٹھراؤ تھا۔ اب سب ٹھیک تھا۔ اب خوف نہیں تھا۔ یہ لمس اسے چاہیے تھا۔ یہ سکون ایک عرصے سے غائب رہا تھا۔

زینیا حاکم جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ ساکن، ساکت۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اسکے گرد حصار مضبوط کرتے ہوئے بولا۔ ٹھوڑی اسکے سر کے بالوں کو چھو رہی تھی۔ اسکا ہاتھ اب بھی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بازو اب بھی اسکے کندھے کے گرد تھا۔ مضبوطی سے۔

زینیا حاکم نے زندگی میں پہلی بار کسی لمحے، کسی لمس کو **"زندگی"** محسوس کیا تھا۔ وہ مہدی کمبیر کے دل کی دھڑکن اپنے بے حد قریب سن سکتی تھی۔ کیا زندگی ہمیشہ کے لیے یہیں ٹھہر نہیں سکتی؟

اسٹڈی کا ادھ کھلا دروازہ پوری طرح کھولتے ہوئے اس نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں اور پھر بالکنی می آیا۔ مقصود وہیں تھے۔ مطالعے میں غرق۔

''اپنے گھر کی کہانی کم ہے جو آپ اب کتابیں پڑھ رہے ہیں؟'' وہ زینیا کو رخصت کر کے سیدھا یہیں آیا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' انکے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تمھارے مسائل کا حل نکال چکا ہوں۔ تمھارے لیے ایک محفوظ پلان ہے۔''

''اور میری بیوی کے لیے؟''مقصود نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

''تم اسے طلاق دے کر نہیں آئے''

مہدی بری طرح بدمزہ ہوا۔''ایک تو آپ طلاق سے آگے نہیں بڑھتے۔ کوئی بیویوں کو چھوڑتا ہے؟''

''قیس تمھیں جان سے مار دے گا۔''

''وہ مجھے نہیں مار سکتا۔'' جرات تو ختم ہوتی تھی اس پہ۔''وہ صرف زینیا کو نقصان پہنچا سکتا تھا اور اسکے تحفظ کے لیے میرے پاس اب پلان ہے۔ میں اسے کسی دوسرے ملک بھیجنے کا انتظام کر رہا ہوں۔ قیس یا پھر کوئی بھی اور میں کسی کو اسکی خاک تک پانے نہیں دوں گا۔''

''کل تک تم اپنی جان کے لیے خوف زدہ تھے۔ کل تک۔۔''

''میں واقعی اپنی جان کے لیے پریشان تھا۔ کہانیوں میں دیکھا تھا دیو کی جان ایک ننھی چڑیا میں، کل تک میرے لیے صرف ''**میں**'' تھا۔۔

and suddenly it's all about her "

وہ کندھے اچکاتا بے یقینی اور سرشاری سے بولا۔

''ہم غلط تھے چچا۔ آپ سمجھ رہے تھے میں اپنی جان کے لیے پریشان ہوں اور مجھے لگتا تھا میں قیس کی منگیتر کو بچانا چاہتا ہوں جس سے میری کوئی شناسائی ہے۔ لیکن میں اس عورت کو بچانا چاہتا ہوں جو میری بیوی ہے۔ اب کوئی عبداللہ زمان، کوئی قیس کمبیر درمیان میں آئے گا تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں بھی مہدی کمبیر ہوں۔''

وہ سیدھا ہوا۔ مقصود کے متحیر چہرے کو دیکھا۔

''ٹیسٹ کر رہے تھے آپ مجھے؟ پھر اب میرے لیے کوئی تمغہ تیار کروائیں۔ آپ کی بھانجی کو مجھ سے بہتر شوہر نہیں ملے گا۔'' بشاشیت سے کہتے وہ بالکنی سے باہر نکل گیا۔ مقصود اپنی جگہ جمود کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی حفاظت کے لیے کیا کیا کر رہے تھے؟ محبت، حفاظت کا درجہ طے کر چکی تھی۔ قربانی اور ایثار سے بھر گئی تھی۔ انہیں عبداللہ زمان کے لیے جو محسوس ہوا وہ بس تاسف تھا۔

''ایک ہفتہ بعد۔''

قیسم کے گراؤنڈ فلور پہ اس وقت قیس کمبیر کے ساتھ پانچ سے چھ لوگ چل رہے تھے۔ حدیبیہ کی جگہ آج کوئی اور تھی۔ **(وہ ایک ماہ کی چھٹی پہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قیس اس سے مہدی اور زینیا کے متعلق کوئی بات نہیں کر سکا تھا)** سلائیڈنگ ڈور پار کرتے ہوئے وہ باہر آیا شوفر اسکی گاڑی سڑک پہ لے آیا تھا۔ تب ہی اسے رکنا پڑا۔ فرنٹ سیٹ پہ براق حنیف بیٹھا تھا۔ اسکی کنپٹی پہ اب بھی زخم کا نشان تھا۔ چہرے کے زخم البتہ مندمل ہو چکے تھے لیکن نیلا داغ رہ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بہت کچھ یاد آیا تھا۔ قیس آگے آیا گاڑی کے شیشوں پہ ہاتھ رکھے آگے کو جھکا۔ چہرے پہ واضح ناگواری تھی۔

''میں اس وقت کسی قسم کی بدمزگی کے موڈ میں نہیں ہوں ٹریجڈی۔''

''واللہ میں بھی نہیں ہوں۔''

''یہاں آنے کا مقصد؟''

''میں کچھ معاملات درست کرنا چاہتا ہوں۔۔''

''معاملات دوستوں کے درمیان درست ہوتے ہیں تم میرے دوست نہیں رہے۔''

''ٹھیک ہے پھر دشمنی ہی سہی، آؤ شروعات کرنے چلیں۔'' اسکی آنکھیں کسی شر کی دعوت دیتی تھیں۔ اسکے چہرے پہ کوئی سرد مہری تھی۔ قیس آنکھیں سکیڑے پیچھے ہوا۔ پھر اپنے عقب میں کھڑے لوگوں سے کچھ کہا اور گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔

''اگر یہ کوئی مذاق ہوا تو تم مجھے جانتے نہیں، براق۔''

براق مسکرایا۔

''ہمارے درمیان اب سے مذاق نہیں ہوں گے۔'' اسکے انداز میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ قیس کو یقیناً غور کرنے کی ضرورت تھی۔ گاڑی میں خاموشی رہی۔ قیس مختلف فون کالز کرتا رہا۔ ای میلز چیک کرتا رہا۔ گاڑی اسلام آباد کی حدود سے باہر نکلنے لگی تب اسے کوفت ہوئی۔

''ہم کہاں جارہے ہیں اور کیوں؟''

''گوادر۔''

چار سو والٹ کا کرنٹ تھا جو قیس کو لگا تھا۔

''تمہاری ماں اسلام آباد میں دفن ہے، براق۔'' چبا چبا کر کہا۔

''کچھ مدفن راز اس سمندر کے شہر میں بھی ہیں۔ کھوج لگانے چلتے ہیں۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے گردن موڑ کر قیس کو دیکھا۔

''سنا ہے وہاں تمہاری منگیتر رہتی ہے۔ کیوں نہ اسکے گھر چل کر معاملات دیکھے جائیں؟''

''میں اسکے بھائی سے مل کر معاملات دیکھ چکا ہوں۔ تمھیں اگر کوئی مسئلہ ہے تو یہاں بتاؤ۔ وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم نے میری ساری زندگی برباد کردی میں خاموش رہا۔ اپنی زندگی کے چند گھنٹے مجھے دے دو۔ تم مجھ سے زیادہ برباد کہلواؤ گے۔''

قیس غیر آرامدہ انداز میں ٹانگ جھلانے لگا تھا۔ براق سے کوئی بعید نہیں تھی۔

''اگر اسے کوئی نقصان ہوا تو بہت برا ہوگا۔''

براق مدھم سا ہنس دیا۔

''فکر مت کرو سوائے تمھارے اب کسی کو ہرٹ نہیں کروں گا۔''

قیس خاموش ہو گیا۔ چوبیس گھنٹوں کا راستہ تھا۔ اور اسے برداشت سے کام لینا تھا۔ وہ انتہائی تیز رفتار سے گاڑی چلاتا رہا۔ کہیں رک کر پانی یا پھر کھانے پینے کو کچھ خریدا تک نہیں۔ قیس ہر گزرتے گھنٹے بے چین ہو رہا تھا اور ہر گزرتا گھنٹہ براق کی روح میں طمانیت گھول رہا تھا۔ کئی گھنٹے بعد قیس پہ بلا خر نیند مہربان ہو گئی تھی۔ گاڑی کی نشست لمبی کر کے براق پہ باقاعدہ لعنت بھیجتے ہوئے وہ سو گیا تھا۔ یہ اسکی آخری پرسکون نیند تھی۔

کئی گھنٹے بعد گاڑی کی کھلی کھڑکیوں سے نم ہوائیں اسکے چہرے سے ٹکرائیں۔ کہیں سے فجر کی اذان بلند ہوئی۔ کہیں سے اسکے اندر الہام اترا۔ وہ آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھا تھا۔ براق نے ایک جگہ گاڑی روک دی تھی۔

''نیچے اترو۔۔۔۔'' اس نے حکم جاری کیا۔ قیس پانی کی ادھ خالی بوتل لیے اتر آیا۔ ذرا سا پانی چہرے پہ ڈالا پھر ٹشو سے چہرہ تھپتھپایا۔ اسکی آنکھیں گلابی پڑ گئی تھیں۔ اگلے چند لمحوں میں وہ دونوں تنگ سی گلیوں میں چل رہے تھے۔ یہ گلیاں اور گھر کئی برس پرانے تھے تب جب گوادر پاکستان کا نہیں بلکہ اومان کا حصہ تھا۔ جڑی ہوئی بالکنی، بوسیدہ، پرانے گھر اور قدیم طرز پہ بنے گھر۔ وہ باقاعدہ گردن اٹھا کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ روشنی البتہ نہ ہونے کے برابر تھی۔

ایک کشادہ گلی میں سیاہ رنگ کے چھوٹے سے گیٹ کے سامنے آ کر وہ رکے تھے۔ براق نے کسی کو روک کر **"حاکم نواب"** کا گھر پوچھا تھا۔ جواباً سیاہ گیٹ کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ قیس اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے غیر ارادی سی نگاہ اوپر کی طرف اٹھائی اور اسکے پیروں کے نیچے سے زمیں نکل گئی۔ کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے اسکے ہاتھ اور اسکی لمبی سفید انگلیاں بلب کی روشنی میں واضح ہو رہی تھیں۔ وہ سانس لیے بغیر اسے تک رہا تھا۔ وہ نیند میں نہیں تھا پھر یہ ڈراؤنا خواب کیوں؟

وہ اب اپنے بال سمیٹ رہی تھی۔ وہ زینیا حاکم تھی قیس کو شبہ نہیں تھا۔

وہ۔۔۔ اسکی منگیتر زینیا حاکم تھی۔۔۔۔ وہ اسکی محبت زینیا حاکم تھی۔ وہ جسے اس نے فرشتہ سمجھ کر دل کے مقدس تہہ خانے میں رکھا تھا آج اسکا چہرہ قیس کو کسی چڑیل کے جیسا لگا۔ وہ جس کے ذریعے وہ اپنے زخم مندمل کرنا چاہتا تھا وہ اسکا سب سے بڑا گھاؤ تھی۔ کیسی حقیقت کہاں آ کر پتہ لگی تھی۔ کیسا راز تھا اور کس طرح آ کر کھلا تھا قیس کو سمندر کی ہوائیں اپنا گلا گھونٹتی محسوس ہوئیں۔ اسکے قدموں سے رفتہ رفتہ جان نکلتی جا رہی تھی۔

''تم جس کے پیچھے بھاگ رہے تھے وہ سراب تھا۔۔۔'' براق کی ٹھنڈی سرگوشی اسکے اعصاب جامد کر گئی۔

''تم نے جسے اپنا رہبر سمجھا تھا وہ کوئی اور ہے۔ کوئی منحوس روح۔ یہ ہے سچائی، یہ محبت تمہاری اور یہ رہا میرا انتقام۔ میں نے تم سے کہا تھا ناں کچھ رازوں کو نہیں کھلنا چاہیے۔ اب اسکی پرستش کرو گے یا کندھوں پہ بیٹھی چڑیل سمجھ کر دل کے تخت سے اتارو گے ؟''

قیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکی ساکت نگاہیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔ وہ پاکیزہ چہرے والی لڑکی کیا وہ واقعی جھوٹ تھی۔ کیا جس کا ہاتھ پکڑ کر وہ خود کو بدلنے والا تھا وہ خود ایک فریب تھی ؟ اسی لمحے زینیا حاکم نے کسی احساس کے تحت نیچے دیکھا اور اسکے ہاتھوں میں جو بھی تھا چھوٹ کر فرش بوس ہوا۔ قیس آنکھوں میں ڈھیر ساری کرچیاں لیے اسے تک رہا تھا۔ وہ روحوں کے ساتھی تھے۔ زینیا حاکم کی آنکھوں نے اسے ایک راز کہہ سنایا کہ وہ واقف تھی۔ اس حقیقت سے وہ پہلے سے واقف تھی۔

درد، ملال، ٹھیس، بے یقینی۔ اس سب کو ملاؤ تو عبد اللہ زمان کی آنکھیں بنتی تھیں۔ کرب، قلق، حزن ملاؤ تو اسکا دل بنتا تھا۔

براق ان دونوں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی نگاہیں کہیں دور تھیں کسی اور منظر میں گم۔ وہ کوئی قبرستان تھا۔ براق ٹانگیں سینے سے لگائے ہوئے تھا اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ اور ذرا ذرا سے وقفے کے بعد بجلی بھی چمکتی تھی۔

''بابا۔۔۔'' اس نے قبر میں لیٹے وجود کو پکارا۔

''میں نے اسکے لیے ہر وہ کام کیا جو آپ نے کہا۔ میں نے اسکی حفاظت کی۔ اسکا دوست رہا۔ اسے کاروبار دیا۔ اسکے ہر شر میں اسکا ساتھ دیا۔ مگر جو اس نے اب چھینا ہے۔۔۔'' درد سے اسکی آواز بھاری ہوئی۔ قبروں کی گیلی مٹی نے اسے تسلی دی۔

'' وہ میرا سرمایہ تھا۔ اس نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔ اور اب میں اسکے حصے میں اس سے زیادہ تکلیف لکھوں گا۔ میں آپ کا اچھا بیٹا نہیں بن سکا اور اب امید بھی چھوڑ دیں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کیچڑ سے لت پت، بارش میں بھیگا ہوا۔ شر آلودہ۔ اسکی آنکھیں کسی قیامت کا صور پھونک رہی تھیں۔

''آپ سے معافی نہیں مانگوں گا کیونکہ یہ کوئی آخری تکلیف نہیں ہو گی۔ میں ایک نارمل زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن خیر۔۔'' اس نے سر جھٹکا۔ چہرے پہ واضح کرب تھا۔

''جو مجھے نہیں ملا، وہ میں کسی اور کو ملنے نہیں دوں گا۔ سوری لیکن اب میں مسیحا نہیں رہا، نہ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ سے بہت محبت کی، کرتا رہوں گا۔ لیکن اب سے میں آپ کا نافرمان بیٹا ہوں۔''

وہ چند لمحے رکا۔ کچھ آنسو ٹوٹ کر گرے۔ کچھ درد نے دل کو بھینچا۔ وہ گیلی آنکھوں سے اس قبر کو دیکھے گیا۔

''میں اسے آپ کا قتل معاف کر سکتا ہوں میرے دل کا قتل نہیں۔'' اور پھر وہ پلٹ گیا۔ سیاہی کی طرف۔ شر کے سائے میں۔ بجلی زور سے چمکی اور اسی چمک میں قبر کے کتبے پہ لکھا نام روشن ہوا۔

''سردار حاتم نواب۔''

یعنی بشر حاکم، نواب خاندان کی واحد اولاد نرینہ نہیں تھا؟



''باب نمبر تیرہ: نہیں ہوں کوئی انعام جسے جیت جاؤ''

قندیلیں روشن تھیں۔ شادیانے خوشی کے بج رہے تھے۔

کمرے کے اک کونے میں سکڑی سمٹی، سرخ چنریا اوڑھے اک دلہن بیٹھی تھی۔

کسی نے کہے دعائیہ حرف، کسی نے یاد کیئے ازدواجی زندگی کے باب تلخ۔ مارے تشویش کے دلہن کے ہاتھ ہوئے برف۔

پھر دھیرے دھیرے ہوا شور بلند، مصنف نے کیا تاریخ کا اک سیاہ باب قلمبند۔

چہ می گوئیاں ہوئیں کئی، سرگوشیاں بھی، پھر دلہن کے کانوں تک یہ بات پہنچی۔

دولہا نسبت سے انکاری تھا، دلہن کے کردار کے متعلق اسکا فرمان جاری تھا۔

کئی لمحے وہ ساکن رہی، کئی لمحے انکاری رہی، پھر معصوم اور بے چاری رہی۔

پھر یکدم ہوا اسکا چہرہ سرخ، دولہے نے کہے اسکے باپ کو کچھ لفظ غلط۔

سنبھالے سرخ لباس، ڈھوئے گہنوں کا بار، اٹھے اسکے قدم کمرے پار۔

آنگن میں بیٹھا گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اسکا باپ سوالی، اسکے سامنے کھڑے مرد کا تھا چہرہ خالی۔

جو تم چاہتے ہو فرار رسوائی سے، بھر و میری جیبیں ہر قسم کے عشرت دنیاوی سے۔

نہیں ہوں کوئی انعام جسے تم جیت جاؤ، عروسی لباس میں سرخ چنریا اوڑھے لڑکی نے آواز اٹھائی۔

نہیں ہوں کوئی بوجھ جسے ڈھوئے میرے خاندان کا مرد، نہیں کوئی کلنک جس کے واسطے روئیں سب سنگ۔

قدم بڑھائے، معاشرے کے نام نہاد اقدار گرائے، آنکھوں میں امید کے دیئے جلائے۔

وہ کہہ رہی تھی گردن اٹھائے، ہاں خاندان کی عزتوں کا ٹوکرا اٹھائے۔

نسبت میری طے تھی تم سے، معاہدہ نہیں کاروبار کا کوئی۔

گر میرا ہے کردار خالی، تو تم تمھارا دائرہ نرا بھکاری۔

کانوں کے تم کچے ہو، لالچ کے بے حد پکے ہو، میرے سامنے ظاہر ہتھکنڈے ہو۔

محفل سے پھر آواز اٹھی، کسی نے بھیجے طعنے کوئی برسائے لعنتیں۔

غیرت پہ پھر آئے حرف، گلا گھونٹنے کو آگے آئے نام نہاد مرد۔

ماضی کی وہ دلہن آگے آئی، باپ کے سامنے گھٹنے اور ہتھیلی پھیلائی۔

نہیں ہوں کوئی انعام جسے کوئی جیت جائے، ہوں میں فخر آپ کا، کہا اس نے باپ کو سینے سے لگائے۔

نام کے مردوں نے جو گردن کی اور ہاتھ بڑھائے، مجمعے میں چاروں اور اٹھی ہائے۔

کسی بھائی کا وہ بازو تھا جو بنا تھا ڈھال، گھر کے مرد کے سامنے باہر والا لازمی ہووے شرم سار۔

غیرت پہ اگر قتل ہووے، مرد کی پھر سب سے پہلے گردن اترے،

میں ہوں ڈھال، میں ہوں جواب میں سوال، میرے گھر کی عورت میرا مان۔

یوں جو ہر ایرے غیرے ہاتھ رکنے لگیں، بیٹیاں کیوں نام نہاد غیرت پہ کٹنے لگیں؟

مرد کو بھی کوئی ادب سکھاوے، معاشرے کے سب رسم سکھاوے۔

کوئی اسے ہر اٹھتی انگلی، ہر غلیظ نظر پہ اپنی عورت سے پوچھنا سکھاوے۔

پھر ہر غلط مرد باطل ہوگا، ہر بری نظر والا کا زذہین میں شامل ہوگا

پھر ہر عورت میں اعتماد آوے، پھر ہر کمسن بچی بھٹکنے سے بچ جاوے

گردن اٹھا کر، غلط کو آنکھ دکھا کر، "نہیں ہوں کسی کا انعام جسے تم جیت جاؤ" کہہ پاوے۔

(سیاہ آسمان سے تڑاتڑ برستی بارش میں سرخ رنگ کے لمبے گاؤن والی لڑکی کئی لوگوں کے نرغے میں تھی۔ اسکی گردن پہ انگلیوں کے نشان تھے، کچھ کھروچیں بھی۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ شہد رنگ لمبے بال چہرے اور کندھے کے آگے گر رہے تھے۔ بارش اسے بھگو رہی تھی۔ اسکے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ وہ میکانکی انداز میں چل رہی تھی۔ فرش پہ پھسل کر آتا سرخ گاؤن بے قدر ہو رہا تھا۔ اسکے بازوؤں پہ جو گرفت تھی بے حد سخت تھی۔ لڑکی کے بازو جیسے جل رہے ہوں۔ گھاس پہ چلتے ہوئے اسے جیسے ٹھوکر لگی ہو جوتا ٹوٹ گیا۔ اس نے رکنا چاہا مگر کوئی اسکے لئے نہیں رکا۔ اسے گھسیٹ کر لے جایا جا رہا تھا۔ جلے ہوئے بازو میں اٹھتا درد برداشت سے باہر تھا۔

کوئی بڑا سا شاہی دروازہ تھا۔ اس دروازے کے پار لڑکی کی دنیا بدل کر رہ گئی۔ کیمرے، فلیش لائٹس، آوازیں، مائیکس، لوگ، جملے۔ گاڑیاں، سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔ بس ایک بات یقینی تھی آج کی رات معمولی نہیں تھی۔ آج کی رات کئی

زندگیاں تباہ ہونے والی تھیں۔ پولیس کی گاڑیوں کے بجتے سائرن اسکا دماغ ماؤف کر رہے تھے۔ برستی بارش میں یہ منظر ایک عجیب سی دہشت دل میں بٹھا رہا تھا۔

لوگ اس سے سوال کر رہے تھے۔ لوگ طنز کر رہے تھے۔ لڑکی کی سماعتیں سن تھیں۔ اس نے پلک جھپک کر مجمعے کو دیکھنا چاہا، سب دھندلا تھا۔ لوگوں کا جم غفیر تھا۔ کیمرے تھے۔ مائیکس تھے۔ وہ کہاں تھا؟)

''موجودہ دن سے کچھ روز قبل۔''

ہاتھوں میں دو سفری بستے اٹھائے، اپنے ساتھ چلتی زینیا کو مختلف ہدایات دیتے ہوئے بشر کا چہرہ سپاٹ تھا۔ دروازے پہ کھڑے ہو کر اس نے کسی لڑکے کو بلایا، بیگز اس کے حوالے کئے اور اسے گھر جانے کو بولا۔ خود وہ اب گھنٹی بجا رہا تھا۔ چادر میں لپٹی لڑکی کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ چادر کے اندر چہرے پہ اضطراب تھا۔ اسی پل دروازہ کھلا اور ضیغم باہر آیا۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ ملال میں ڈوبا۔ اس نے بغیر کچھ کہے راستہ دیا اور ان دونوں کو اندر آنے دیا۔ بشر ایک طرف کھڑا رہا اور اندر عورتوں کو روتے دیکھ زینیا ایک اور امتحان کا شکار ہوئی۔ وہ اس انسان کے لئے کیسے روتی، کیسے دکھ مناتی جس کی طرف سے دل کھٹا تھا؟ وہ دروازے پہ کھڑی رہی۔

برامدے میں بیٹھی اماں نے اسے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اسکے پاس آئیں۔ اسے گلے لگایا اور اونچا اونچا رونے لگیں۔ کونج کی آنکھیں بھی گیلی تھیں اور زینیا پتھر کا بت بنی اپنی اماں کے ساتھ کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ عروج کی ماں اور عروج نے اس پہ پھٹکار برسانی شروع کر دی۔ بیچ محفل میں اسے عبداللہ کے نام کے طعنے ملے، کہا گیا کہ وہ کبھی بھی بالاج کے ساتھ سچی تھی ہی نہیں۔ اور اس وقت بھی اسے اپنے شوہر کی موت سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ عبداللہ واپسی کا عندیہ دے چکا ہے۔ کئی بار ہتک اور جملے بازیوں کا جواب انسان اس لئے نہیں دیتا کیونکہ وہ ایک ایسی جہنم دیکھ کر آیا ہوتا ہے کہ لوگوں کے لفظوں کی سیک اسے چھو بھی نہیں پاتی۔

زینیا حاکم بھی جواب دیئے بغیر کھڑی رہی۔ جو زندگی اس نے گزاری تھی وہ یہاں بیٹھے "**بکتے**" ہوئے لوگوں نے نہیں گزاری تھی۔ چند پل بعد اس نے خود کو پلٹتے دیکھا۔ عورتیں اسے مزید کوس رہی تھیں۔ کیونکہ وہ خاموشی سے پلٹ گئی تھی۔ لوگوں کو لگتا

ہے اگر کسی الزام پہ آپ خاموش رہے تو اسکا مطلب ہے آپ نے وہ کام کیا ہے۔ لوگ نہیں جانتے خاموش رہنے والا ان پہ باقاعدہ لعنت بھیج کر جا رہا ہوتا ہے۔

وہ واپس دروازے تک آئی تھی کو نج اور اماں اسکے عقب میں تھیں۔ اسی لمحے برامدے والے کمرے سے حاکم نواب باہر آئے۔ ہمیشہ جیسے یا شاید بدلے ہوئے؟ انہوں نے ایک پل زینیا کو دیکھا وہ بھی انہیں دیکھ کر ٹھہر گئی تھی۔ پھر وہ آگے آئے پنی بہن اور عروج کو سخت نظروں سے دیکھا جواب تک اسے کوس رہی تھیں۔

''میری بیٹی پہ بات کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچا کریں ادی۔ اور اپنی بیٹی کو تمیز سکھائیں، نہیں سیکھ سکتی تو میرے گھر دوبارہ مت بھیجئے گا۔ میرے لئے میری بیٹیاں پہلے آتی ہیں۔'' ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتے وہ آگے بڑھ آئے ساکت کھڑی زینیا کو اپنے بازوؤں کے حالے میں لیا۔ انکے مطابق یہ انکی بیٹی کے لئے سب سے تکلیف دہ لمحہ تھا۔ زینیا نے لرزتے ہاتھ انکے گرد باندھے۔ حاکم نے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ انکی آنکھوں میں نمی تھی۔

''اللہ تمہیں صبر دے۔ میری اچھی بیٹی۔''

وہ ہنوز ساکت تھی۔ ابا کب اس سے علیحدہ ہوئے، کب وہ سحر ٹوٹا کچھ خبر نہ ہوئی۔ کب اسکا ہاتھ پکڑے وہ اسے باہر گاڑی تک لائے زینیا کو کچھ بھی سمجھ نہیں آیا سوائے اسکے کہ زندگی میں پہلی بار ابا اسکی طرف تھے۔ وہ حوصلہ جو اسے ملا تھا وہ پہاڑوں جیسا تھا۔ وہ ڈھارس جو اسے نصیب ہوئی تھی اسکا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسے لگا تھا وہ کھڑے کھڑے میدان فتح کر سکتی ہے کیونکہ اسکا باپ اسکے ساتھ تھا۔

گھر آنے کے بعد عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ ہر کوئی کسی کونے کھدرے میں منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ رات چڑھ آئی تھی جب زینیا حاکم گھر کے پچھلے حصے میں چلی آئی۔ اماں اور دادی کی ہزار نصیحتیں وہ چپ چاپ سنتی رہی تھی اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اسکے دماغ کو واقعی کچھ ہو گیا ہے تب وہ خاموشی سے روٹی کے ٹکڑے لئے پچھلے صحن میں آگئی۔ رات ٹھنڈی تھی۔ آسمان پہ ستارے جگمگا رہے تھے۔ صحن میں پتے گرے ہوئے تھے اور وہ پنجوں کے بل اس سیاہ رنگ کے کتے کے

آگے بیٹھی تھی۔ وہ اسے نہیں بھولا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ زینیا کے پیروں کو چاٹنے لگا، پھر دم ہلانے لگا۔ وہ چپ چاپ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکے آگے ڈالتی رہی۔

''سنا ہے آج ابا نے تمہاری طرف داری کی؟'' اپنے عقب سے آتی آواز پہ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہاتھ میں چائے کے دو مگ لئے بشر اسی طرف آ رہا تھا۔

''ابا کو اندازہ ہوا ہے کہ انہوں نے میری شادی بالاج سے کروا کر کتنا غلط کیا۔'' اس نے ایک مگ لے لیا۔

''اور تمھیں اب تک یہ اندازہ نہیں ہوا کہ تم نے مجھ سے باتیں چھپا کر کتنا غلط کیا ہے؟''

زینیا گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چارپائی پہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ بشر سنجیدگی سے اسے سن رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ اسے سنتا رہا۔ مکمل یکسوئی اور سنجیدگی سے۔ وہ خاموش ہوئی تو بشر چند پل بعد بولا۔

''تم چاہے کچھ بھی کہو زینی۔ تمھیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں تمھارے اس رویے سے بہت بری طرح ہرٹ ہوا ہوں۔'' اس نے آخر میں بس یہی کہا۔

''میں تم پہ دوبارہ اعتبار نہیں کر سکوں گا۔ اگر اس نے تمھیں طلاق دی تھی یا پھر تمھارے ساتھ برا رویہ رکھا تھا تب بھی مجھے اور ابا کو یہ جاننے کا حق تھا۔ تمہارے آگے پیچھے ہم تھے۔'' اندھیرے میں پچھلے صحن کی طرف آتی کونج ٹھٹھک کر رک گئی۔ بشر کے الفاظ اسکے کانوں میں سیسے کی طرح گھلے۔

''میں نے سارے خاندان سے لڑ کر تمہاری خواہشات کے سامنے ہار کر تمھیں بھیجا اس لئے تاکہ تم مجھے یہ دن دکھا سکو؟''

''تم میری پوزیشن نہیں سمجھ رہے ہو بشر۔''

''بکومت۔'' اس نے بری طرح جھڑکا۔

''جو تم نے کیا ہے میں اسے کسی طرح کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔اور اب جب با قاعدہ طور پہ تمہاری اس سے جان چھوٹ گئی ہے تو اپنا منہ بند رکھو۔جو ہو گا اب میں دیکھ لوں گا۔اور خبر دار اب اگر تم نے اسلام آباد جانے کا نام لیا یا پھر کوئی اور ایسی بکواس کی۔میرا دماغ ویسے ہی بہت گھوما ہوا ہے۔''

زینیا خاموشی سے اسکے چہرے پہ کچھ کھوجتی رہی۔یہ وہ طریقہ نہیں تھا جس سے بشر معملات حل کرتا تھا۔اس میں کچھ بے حد مختلف تھا۔دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی کونج اب تک ساکن تھی۔

''تم عبداللہ سے کیا کہہ کر آئے ہو، بشر؟''سوال تھا کہ کیا بشر کے چہرے سے سارے رنگ رخصت ہوئے۔زینیا بس اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''تم نے کیا کیا ہے، بشر مجھے سب بتاؤ۔''

اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔خشک لبوں پہ زبان پھیری۔دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی کونج کا رواں رواں سماعت بن گیا۔

''کچھ وقت قبل وہ گاؤں آیا تھا۔دادا نے مجھے بھی بلوایا۔لیکن دادا نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہم نے تمہاری شادی کہیں اور کر دی ہے۔''اس نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''میں اس سے اکیلے میں ملا۔مجھے ایسے لگ رہا تھا وہ جان چھڑوا رہا ہے۔یہ سچ ہے زینی اسے تم سے شادی کرنے میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔وہ بس فارمیلٹی نبھا رہا تھا۔''زینیا بے تاثر چہرے کے ساتھ سنتی رہی۔

''وہ جتا رہا تھا کہ وہ تمھارے لئے آیا ہے۔اس نے بیچ محفل میں تمہاری اسے کی جانے والی کال کا ذکر کیا۔مجھے یہ بتایا کہ کس طرح تم اس سے شادی کے لیے مری جا رہی ہو۔میں جج نہیں کروں گا تمہیں، تم نے اسے کال کی اچھا کیا۔اس نے تمھارے ساتھ غلط کیا۔''

اس نے زینیا کا چہرہ دیکھا وہ بے تاثر تھا۔مگر آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔وہ سرِ محفل اسکے قصے سنا رہا تھا تاکہ انہیں ذلیل کر سکے۔مگر ذلیل ہونے والوں میں زینیا حاکم بھی تو تھی۔وہ ہر دفع انتقام چن کر اسے پس پشت کیوں ڈال دیتا تھا؟

"وہ ایک احسان جتانے آیا تھا۔ یا شاید نہیں۔ ہاں ایک بات میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر اسکی شادی تم سے نہیں ہوئی تو اسے فرق نہیں پڑے گا۔ یہ سب اس نے مجھ پہ بے حد واضح کر دیا تھا۔ لیکن پھر کچھ دن قبل اسکا فون آیا تھا۔

(یہ اس دن کا ذکر ہے جب سرخ گاؤن کے سامنے بیٹھ کر قیس کمبیر نے اعتراف کیا تھا کہ اسکی منگیتر جیسی وفا اس سے کوئی نہیں کر سکتا)

وہ اس دن بہت ہرٹ لگتا تھا۔ اس دن اس نے تمھیں فار گرانٹڈ نہیں لیا تھا۔ وہ بہت سیریئس تھا شاید اسکے ساتھ کچھ برا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے لگا اسے تمہاری قدر آگئی تھی۔ کل رات میری اس سے پھر بات ہوئی۔"

"اور تم نے اس سے کہا کہ آؤ، میری بہن سے شادی کر لو کیونکہ تمھیں پتہ چل گیا تھا بالاج مر چکا ہے۔" زینیا اسکی بات کاٹ کر تحمل سے بولی۔ وہ غصے میں نہیں تھی۔ وہ چیخی نہیں تھی۔ اپنے اعصاب پہ قابو پانا اگر کوئی کھیل تھا تو زینیا اسے سیکھ رہی تھی۔

"ہاں میں نے اس سے کہا کہ دو ماہ نہیں چھ ماہ بعد آئے اور شادی کی تاریخ لے جائے۔ میں دنیا کو اس وقت ایک بے غیرت اور عجیب آدمی لگ رہا ہوں گا لیکن یقین کرو زینی میں تمھیں بس وہ دینا چاہتا ہوں جس کی تم نے خواہش کی۔ ایک لمبے عرصے کی ریاضت کے بعد بلا خر عبداللہ آ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے تم اسے بدل دو گی۔ وہ تمھارے ساتھ اچھا رہے گا۔ میں۔

میں ابا، دادا اور خاندان کو دیکھ لوں گا۔ جو کچھ بھی بالاج نے تمھارے ساتھ کیا اسے بھول جاؤ اور ایک نئی شروعات کرو۔ جو میں تمھیں ساری زندگی نہیں دے سکا وہ اب دے سکتا ہوں۔"

وہ ٹکر ٹکر بشر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ہاں اس سب کے پیچھے اسکی کوئی خود غرضی نہیں تھی مگر وہ بے وقوف آدمی نہیں جانتا تھا وقت بہت کچھ بدل دیتا ہے اور اسی وقت نے زینیا حاکم کا دل عبداللہ کے لئے بدل گیا تھا۔

"تم فکر مت کرو میں اسے سنبھال لوں گا۔ تمہیں اندھے کنویں میں نہیں دھکیلوں گا۔ لیکن عبداللہ تمہاری خواہش رہا ہے میں چاہتا ہوں اسے تمھیں دے دوں۔ تم کیا کہتی ہو؟" وہ رک کر ایک امید سے اسے دیکھنے لگا۔ کونج بھی اسکے جواب کی منتظر تھی۔

"اس نے تمھیں یہ بتایا کہ اپنی منگیتر کے بعد وہ ایک اور شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟" بہت دیر بعد وہ عام سے انداز میں بولی۔

بشر ٹھہر گیا۔ ''یہ تم سے کس نے کہا؟''

''عبداللہ نے یوں سمجھ لو کہ میں نے اسے دوبارہ کال کی تھی۔''

''وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ تمہیں خوش رکھے گا۔''

''ہاں لیکن اس نے یہ وعدہ بھی نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ وہ کسی اور کو بھی خوش رکھے گا۔'' اس نے گہری سانس لی۔ بشر کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔

''تم اسے اتنا نہیں جانتے جتنا تمھیں لگتا ہے۔ عبداللہ پرت در پرت کھلتا ہے۔ اسے جاننے میں کچھ وقت لو پھر جو تم چاہو گے میں وہ کرنے کو تیار ہوں۔''

فلحال عبداللہ کا ذکر وہ اسی طرح ختم کر سکتی تھی۔ سو اس نے کر دیا۔ وہ یہاں ایک لمبی چھٹی پہ آئی تھی، بہت جلد وہ بشر کو عبداللہ سے خائف کر سکتی تھی۔ کیا شے ہیں یہ خواہشات ایک وقت میں انسان ان کے حصول میں ہلکان ہوا جاتا ہے اور ایک وقت بعد وہ ان سے بھاگتا ہے اور بچاؤ کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اور ایسے کئی اسباق کے بعد بھی انسان کو اپنے فیصلے سب سے درست لگتے ہیں۔

ہک ہاہ یہ بے وقوف اور دوغلی مخلوق۔

آدھے عرب کی آنکھوں کے آگے ایک سفید پنّا تھا اس سفید پنے پہ ایک بے رنگ خاکہ تھا۔ ایک ادھیڑ عمر مرد اور اسکے سامنے بیٹھا کمسن بچہ۔ رفتہ رفتہ خاکے میں رنگ بھر گئے۔ اللہ کے حکم سے ان میں روح پھونکی گئی اور اب وہ خاکے کے پتلے نہیں انسان تھے۔ وہ دونوں جیتے جاگتے انسان تھے۔ تیسرا انسان انکے دائیں طرف تھا۔

''حاتم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم ایک بار پھر اپنے گھر بات کرو ناں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں قبول ہی نہ کریں؟ اب ایک لمبا وقت ہو گیا ہے۔''

غزالی آنکھوں والی عرب عورت محبت کے چکر میں صحرا چھوڑ جس سمندر کے پیچھے آئی تھی وہ کھارے سے بھی زیادہ کھارا تھا۔

”یہاں آنا تمہاری چوائس تھی، اسناء۔ مجھ سے شادی اور یہ۔۔۔“اس نے بیڈ کی ایک طرف بیٹھے دس سالہ بچے کی طرف اشارہ کیا ۔

”یہ بھی تمہاری چوائس تھا۔ آزاد ماحول سے اٹھا کر تمھیں گھر پہ لا کر نہیں بٹھایا۔ کاروبار دیا ہے تمھیں۔ شہرت ہے تمھارے پاس اور اس سب کے بدلے تمھیں صرف اور صرف مجھ سے وفادار اور تابعدار رہنا ہے۔ اور ان سب کے بدلے صرف اور صرف تمھیں جہاں رکھوں وہاں رہنا ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آئی اور اسکے قریب آ کر بیٹھی۔ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھوں میں محبت بھر لی۔

”میں یہ سب ہمارے بیٹے کے لیے ہی کہہ رہی ہوں۔ تم چار سے پانچ ماہ میں ایک دفع یہاں آتے ہو، براق تمہیں مس کرتا ہے۔ وہ تمھیں adore کرتا ہے۔ اسے ضرورت ہے تمہاری۔“

حاتم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بے زار سی نگاہ اپنی بیوی پہ ڈالی۔ بارہ سال قبل وہ محبوبہ تھی خوبصورت بھی لگتی تھی اور قابل برداشت بھی۔ آج وہ انکے لئے کچھ نہیں تھی۔

کئی برس قبل حاتم سعودی عرب جاتے رہتے تھے اور اپنے کسی دوست کے توسط انکی ملاقات اسناء سے ہوئی تھی۔ وہ ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھی اور ان دنوں اسکا ماڈلنگ کیریئر عروج پہ تھا۔ اسناء ہارڈ کوور فیمنسٹ تھی۔ حاتم اور اسکی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ مگر ہر دفع ہر ملاقات کے بعد وہ مرد اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکا کہ اس عورت کے خیالات اور اسکا کام وہ اس سے سخت اختلاف رکھتا ہے اور رکھتا رہے گا۔

ان دونوں کے درمیان شادی سے قبل بہت جھگڑے ہوئے۔ وہ اسناء کی غیر مردوں سے میل ملاقات اور اسکے اس پیشے سے سخت مخالفت رکھتا تھا۔ ہاں مگر یہ ایک حقیقت تھی کہ اسے اس عورت سے محبت بھی تھی۔ وہ اسکا خیال رکھتا تھا اسکی حفاظت کرتا تھا اور انہی دنوں اس نے اپنی ٹیکسٹائل کمپنی میں اسے شریک کر لیا۔ اسناء کی ضد اور آنسوؤں کے آگے ہار کر وہ اس سے شادی بھی کر چکا تھا۔ نکاح البتہ خفیہ رکھا گیا۔ وہ سعودیہ سے اسکے ساتھ پاکستان آ گئی۔

مگر وہ حاتم کی زندگی کا سب سے غلط فیصلہ تھی۔ چند ہی ماہ کے اندر اندر اسے اپنے محبوب شوہر میں خامیاں دکھنے لگیں۔ اور اسے اپنے حقوق "**سلب**" ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ حاتم نے ہر طرح سے اسکا خیال رکھا محبت نچھاور کی مگر وہ شوہر کو پالتو جانور بنا کر رکھنا چاہتی تھی جو کہ ممکن نہ ہو سکا۔ قصور سراسر اسناء کا تھا۔

اسکے اور حاتم کے درمیان دوریاں آ گئیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس زبان دراز، اور نافرمان بیوی سے دور ہوتا چلا گیا۔ اسناہ نے نہ خود کو بدلنا تھا نہ وہ بدلی۔ اب ان دونوں کا تعلق کھوکھلا تھا۔ اسناء اپنے مفادات کی خاطر اس سے جڑی تھی اور حاتم شاید دور کہیں اسے آج بھی امید تھی کہ وہ عورت بدل سکتی ہے۔ وہ اس سے محبت چھوڑ چکا تھا انسانیت اور شفقت باقی تھی۔ وہ اسے آج بھی اسی شفقت کی نظر سے دیکھتا تھا اور آج بھی اسکے دل میں وہی انسانیت تھی جس کے تحت وہ شادی نبھا رہا تھا۔ ماضی کے قصوں پہ سرمئی راکھ ڈالتے ہوئے حال کے رنگوں میں واپس آتے ہیں۔

"وہ میرا بیٹا ہے، اسناء اسے کیا چاہیے، اسکے لئے کیا بہتر ہے، تم سے زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتا ہوں۔" انہوں نے گردن پھیر کر براق کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے انہیں ہی تک رہا تھا۔

"تمھیں مجھ سے کوئی شکایت ہے، براق؟" وہ اسکے پاس آ کر بیٹھے۔ محبت سے اپنے بیٹے کو تکا۔ وہ محرومیوں کا مارا بچہ، وہ پیس میکر بچہ اپنے ماں باپ کے درمیان اختلاف کی وجہ نہیں بن سکا۔ اور محض مسکرا دیا۔

"دیکھا؟ وہ ٹھیک ہے اور خوش ہے۔ وہ ایک دن وہاں سکندر بن کر جائے گا۔ میں لے کر جاؤں گا اسے اور اگر میں نہیں لے کر جا سکا تو براق خود جائے گا۔ تم میرے بیٹے کے لئے فکرمند ہونا چھوڑ دو۔"

اس روز حاتم نہیں جانتے تھے چند سال بعد وہ اسے وہاں لے کر جانے کا سوچیں گے بھی نہیں۔

خاکے میں براق حنیف کا نقشہ بے رنگ ہوتا گیا۔ یہ وہ دن تھا جب براق نے پہلی بار باپ اور ماں دونوں کی سنی۔ اور فائدہ ہوا۔ اس بار بابا جاتے ہوئے مسکراتے ہوئے گئے تھے۔ ممی کا موڈ کئی دن اچھا رہا تھا۔ یہ وہ دن تھا جب اس نے "**سننا**" شروع کیا تھا۔ اور انت کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

چند سال بیتے، اور زندگی کی پینٹنگ میں مختلف رنگ بھرتے چلے گئے۔ وہ بچہ باپ کی محبت کے لئے ترسا بہت تھا۔ مگر کہا نہیں۔ وہ ماں کے لئے ایک اچھے شوہر کی خواہش رکھتا تھا اور اس نے اس خواہش کے لئے عمر سے زیادہ محنت کی۔ خواہشیں مار کر، دل کی دل میں رکھ کر، اپنے تمام درد اپنے آپ تک محدود رکھتے ہوئے اس نے زندگی کے کئی سال گزار دیئے۔

پینٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں دو کردار تھے۔ خاکہ بے رنگ تھا مگر دیوار پہ لگی پینٹنگ سے سارے رنگ کھینچ کر اتارو، چھڑی گھماؤ تو کرداروں کے خاکے ایک بار پھر رنگین ہوئے۔ حاتم نواب براق کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ گردن جھکا رکھی تھی۔ حاتم نے اپنا موبائل نکال کر میز پہ رکھا۔ سکرین پہ ایک لڑکے کی تصویر چمک رہی تھی۔ گندمی چہرہ، سیاہ آنکھیں، گھنگریالے بال اور چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں بھی لوگوں کو مرعوب کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

''عبداللہ زمان۔'' انہوں نے تعارف کروایا۔ براق آگے آیا۔ جھک کر موبائل پہ ایک نگاہ ڈالی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھانا چاہا۔

''اس دنیا میں اگر مجھے سب سے زیادہ کسی سے محبت ہے تو وہ، عبداللہ ہے۔'' اسکا ہاتھ ساکت ہو گیا۔ اس نے ناسمجھی سے باپ کو دیکھا۔

''میں نے اسے بیٹوں کی طرح سمجھا ہے، شاید اس سے بھی بہت زیادہ۔ کوئی تکلیف اس پہ آئے اس سے پہلے میں اس وجہ کو ہی ختم کر دیتا ہوں۔'' براق گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ موبائل پہ چمکتی تصویر دیکھی۔ پھر تصویر سلائیڈ کی۔

براق نے اس تصویر کو دیکھا۔ وہاں کوئی سترہ اٹھارہ برس کا لڑکا تھا اور اسکے ساتھ حاتم کھڑے تھے۔ لڑکے کی سیاہ آنکھیں بے حد روشن تھیں۔ لبوں پہ ایک جاندار مسکراہٹ تھی مگر براق اس لڑکے کے کندھوں پہ پھیلا اپنے باپ کا بازو دیکھ رہا تھا۔ وہ اسکے ساتھ مسکرا رہے تھے۔ یہ لمحات براق کو کبھی بھی میسر نہیں رہے تھے۔

وہ چپ چاپ اس تصویر کو دیکھے گیا۔ کیسا درد تھا جس نے اسکے دل کے اندر کنڈلی مار لی تھی۔ اسے لگا تھا کسی نے اسکے دل کو مٹھی میں لے کر دبا یا ہو۔

وہ چپ چاپ اس تصویر کو دیکھے گیا۔۔۔

''تمہارا کالج بدل دیا ہے اب تم وہاں جاؤ گے جہاں یہ جائے گا۔ تم سایہ بن کر اسکے ساتھ رہو گے اور اسکی حفاظت کرو گے۔ تم آج سے اسکے مسیحار ہو گے۔''

''میرا کالج، میرے دوست اور میرا کیریئر؟'' وہ نگاہیں جھکا کر پوچھ رہا تھا۔

''جگہیں اور لوگ تبدیل کرتے رہنا چاہیے۔'' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے کروفر سے کہا۔

''وہ میرا بھانجا نہیں ہے، عبداللہ میرے لئے اولاد ہے۔ اس پہ کوئی مصیبت، کوئی برا وقت نہیں آنا چاہیے۔ تم اس امر کو یقینی بناؤ گے کہ اس پہ اس شہر میں کوئی برا وقت نہ آئے۔'' وہ ہنوز خاموشی سے ٹکر ٹکر تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ، وہ مسکراہٹ وہ غلط جگہ تھے۔ اس سب کا حقدار بس براق تھا۔

''کچھ وقت بعد، چند سال گزر جائیں تو تم اسے اپنی میراث میں سے رقم دو گے تا کہ وہ کاروبار کرے۔ وہ کاروبار میں تم سے بھی آگے جائے گا براق۔ تم اس سے نہیں ملے، جب ملو گے تمھیں بھی یقین آجائے گا کہ وہ کتنا غیر معمولی ہے۔''

چند لمحے بے حد خاموشی میں کٹ گئے۔ کھڑکی سے اندر آتی الوداع کہتی جامنی کرنیں براق کے چہرے اور آدھی میز پہ پڑ رہی تھیں۔ حاتم کے سامنے یوں تو وہ سوال کم کرتا تھا مگر آج جانے کیوں انہیں لگا تھا براق کچھ بولے گا۔

"اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟'' سولہ سالہ لڑکے نے گردن ترچھی کر کے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہر کام کی ایک قیمت ہوتی ہے بابا۔''

ایک لمحے کو، بس ایک لمحے کو انکا دل کانپ کر رہ گیا تھا۔ براق حنیف کو اپنا نام نہ دے کر بھی، اسے دنیا سے خفیہ رکھ کر بھی وہ اس سے اپنا خون نہیں چھین سکے۔ سیاہ کاری میں وہ اپنے باپ سے زیادہ سیاہ تھا۔ ریاکاروں میں اسکا درجہ اعلیٰ تھا۔ وہ کئی لمحے کچھ کہہ نہیں سکے۔

''کیا چاہیے تمھیں؟''

''میرا حصہ، میرا نام، اس شہر میں آپ کی تمام جائیداد۔ اور جہاں سے میرا تعلق نکلتا ہے وہاں واپسی۔'' بے حد ہلکی اور تابعدار آواز میں اپنا مدعا سنایا گیا۔ گردن اب بھی نہیں اٹھائی۔

''تمہارا نام ایک دن تم خود واپس لو گے۔ جہاں سے تمہارا تعلق نکلتا ہے وہاں جانے کے راستے ہموار کرو۔ اور اس شہر میں میری تمام جائیداد تمہاری ماں کے نام ہیں۔''

''تو واپس لے لیں۔'' وہ گردن جھکائے سہولت سے بولا۔

حاتم کا سانس سینے میں اٹکا تھا۔ یہ لڑکا اپنی ماں کا بھی نہیں؟

''مجھے اس سب کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور حق بھی۔''

حاتم گہری سانس لے کر رہ گئے۔ قمیص کے اگلے دو بٹن کھولے۔ انہیں گھٹن ہونے لگی تھی۔

''تمھیں ہر وہ شے ملے گی۔ جو تمہیں چاہیے لیکن تم عبداللہ کے ساتھ کوئی دغا نہیں کرو گے۔ وہ جو کہے گا جیسا کہے گا تمہیں سب کرنا ہو گا۔ اگر تم میرے بیٹے ہو تو تم میرے خلاف نہیں جاؤ گے۔''

براق خاموش رہا۔ اسکی چبھتی ہوئی نظریں اب اس تصویر پہ جمی تھیں۔ جو جگہ اپنے باپ کے قریب اسے چاہ کر بھی نہیں مل سکی وہ اس لڑکے کو کیوں مل رہی تھی؟

کئی منٹ بعد وہ کمرے سے باہر نکلا تو دروازے پہ کھڑی اسناء بے قراری سے اسکے قریب آئیں۔ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا کہا تمھارے بابا نے؟''

براق نے تھکی تھکی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''حکم سنایا ہمیشہ کی طرح۔ مجھے ماننا پڑا، ہمیشہ کی طرح۔ میں یہ سب کچھ آپ کے لئے کرتا ہوں ممی۔ مجھے کسی اور شے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں سب کچھ آپ کے لئے برداشت کر رہا ہوں۔''

اسکی آنکھوں میں نمی امڈ آئی۔ کوئی انسان اصل زندگی میں اتنا بڑا اداکار کیسے ہو سکتا ہے؟

اسناء نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور لب بھینچ لئے۔اندر جو کچھ ہوا تھا وہ براق سے پہلے اسناء جانتی تھی۔انہیں اپنے شوہر سے سخت نفرت محسوس ہوئی اور بیٹے سے محبت کا گراف بڑھ گیا۔انکا معصوم بیٹا۔

براق حنیف کا پینٹ ہاؤس ان دنوں زیر تعمیر تھا۔باہر سیمنٹ، بجری اور پانی کے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔اسناء، براق کے ساتھ چلتی ہوئی اندر کی اور جارہی تھیں۔بازو اسکے بازو میں ڈال رکھا تھا۔وہ کسی پارٹی سے آئی تھیں۔انکا سبز، سیاہ امتزاج کا گاؤن فرش پہ پھیلا ہوا تھا۔

اندر آنے کے بعد یوں لگا جیسے کسی بے رنگ دنیا سے وہ دونوں قوس قزح سے مزین کسی دنیا میں داخل ہو گئے ہوں۔اندر زرد بتیاں تھیں۔اور فرنیچر بکھرا ہوا تھا۔وہ گھر تیار ہونے کے بعد باقاعدہ آنکھوں کو خیرہ کر سکتا تھا۔

"اچھی جگہ ہے، براق۔" اسناء ستائش سے بولیں۔"لیکن تم "**ہمارا**" گھر کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟"

"ممی میں صرف یہ گھر بنوار ہا ہوں۔چھوڑنے کی بات تو کبھی کی ہی نہیں میں نے۔"

وہ دونوں سفید کپڑا ہٹا کر ایک نیلے رنگ کے صوفے پہ آکر بیٹھے۔براق نے ایک ٹانگ موڑی اور دوسری ٹانگ نیچے جھول رہی تھی۔

"جانتے ہو مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ میں نے تمھارے باپ سے شادی کر کے غلطی کر دی۔آج کل یہ خیال بہت زیادہ آنے لگا ہے۔"

"حالانکہ وہ بہت اچھے شوہر ہیں ممی۔" براق ٹوک گیا۔لبوں پہ ہلکی مسکراہٹ تھی۔اسے اپنی ماں عزیز تھی۔

"وہ بہت اچھا شوہر ہے۔کبھی میرے ساتھ کسی معاملے میں زور زبردستی نہیں کی، کبھی مجھے بے عزت نہیں کیا۔میرے ساتھ کچھ برا نہیں کیا۔لیکن وہ تمھارے ساتھ غلط کر رہا ہے۔

ایک وقت تھا جب مجھے لگتا تھا اسکا مل جانا بہت ہے۔لیکن اب، اب میں سوچتی ہوں یہ بہت نہیں تھا۔ایک بے نام رشتہ، ایک اولاد جسے کوئی عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور کروڑوں، اربوں کی جائیداد جو کبھی تمہارا مقدر نہیں بن سکے گی۔میں نے بہت غلط فیصلہ

کر لیا، براق۔" اسناء کی بڑی بڑی عربی آنکھوں میں حزن تھا۔ وہ یہ نہیں بتا رہی تھیں کہ تمھارے باپ کا سکون برباد کرنے والی، اسے گھر کے سکون سے بے زار کرنے والی ہستی بھی میں خود ہوں۔

"یہ نام، زندگی، یہ چھینے ہوئے حقوق مجھے یہ سب بہت کھلتا ہے۔"

براق نے گہری سانس لی اور ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ پھر ہلکا سا دبایا۔ یہ ان دونوں کا تسلی دینے کا انداز رہا تھا۔

"تمھارے بابا نے مجھ سے اپنی جائیداد تک چھین لی۔ کیا مجھے نہیں پتہ وہ یہ سب کس کے حوالے کرے گا؟" براق سادگی سے انہیں دیکھتا رہا۔ یوں جیسے اسے تھوڑی معلوم تھا؟

"تم اپنے بابا کو مس کرتے ہو ناں؟"

"وہ ہر چار، پانچ ماہ بعد آتو جاتے ہیں یار۔"

"یہ پوچھنے کہ عبداللہ کیسا ہے۔" کہتے ہوئے آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"انہوں نے کبھی تمھیں وہ محبت نہیں دی جو تم ڈیزرو کرتے تھے۔ تمہیں دکھ نہیں ہوتا؟"

براق لب کاٹتے ہوئے چند لمحے خاموش رہا۔ پھر نگاہیں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا۔

"مجھے بابا سے ڈر لگتا ہے ممی۔" اسکی آواز بے حد ہلکی تھی۔ "مجھے لگتا ہے اگر میں انکی کوئی بات نہیں مانوں گا تو وہ چار ماہ بعد ہونے والا دورہ چار سال میں بدل جائے گا۔ میں انکو کھونا نہیں چاہتا۔

لیکن بابا کے ساتھ مجھے میرے نام سے بھی محبت ہے۔ انہیں عبداللہ عزیز ہے کیونکہ وہ روایات کا پاسدار، ایک جینٹل مین ہے۔ کیونکہ وہ ایک دن زینیا حاکم سے شادی کرے گا۔ کیونکہ وہ مسائل حل کرنا جانتا ہے۔ میں ویسا بننا چاہتا ہوں مجھے وہ چاہیے جو اسکے پاس ہے۔ وہ سب جو اسکا ہے۔"

"براق۔" انہوں نے جیسے ہول کر اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔

"یہ بہت مشکل کام ہے۔ وہ تخت، تاج اور تمہاری شناخت اسے حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس سب کے پیچھے مت جانا۔ وہ سب اگر کوئی انسان دے سکتا ہے تو تمہارا باپ ہے۔ وہ نہیں دے سکتا تو کوئی نہیں دے گا۔"

"او کے ممی۔" وہ سہولت سے بولا۔ اسناء اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"تم اپنے باپ کو ثابت کرنا چاہتے ہو کہ وہ غلط تھے اور تم صحیح؟ عبداللہ overrated اور تم اصل؟"

"نہیں ممی۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" بکتا تھا کاذب۔

"تمھارے بابا غلط نہیں ہیں، براق۔" انہوں نے جیسے سمجھانے کی کوشش کی ہو۔ براق نے ہمیشہ کی طرح سادگی اور تابعداری سے گردن اثبات میں ہلا دی۔ مگر اسناء کو یقین سا ہو چلا تھا کہ براق حنیف وہ نہیں ہے جو وہ دکھائی دیتا ہے۔ سبز لباس والی عورت کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

اولاد کے متعلق ماؤں کے الہام جھوٹے نہیں ہوتے۔

☆☆☆☆☆

کہانی کے ایک اور پھیکے رنگوں والے منظر میں تین لوگ لان کی کرسیوں پہ موجود تھے۔ ہر شے بے رنگ اور زرد سی نظر آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک گرگٹ گلابی، نیلے، سرمئی اور سبز پھولوں کے اوپر سے گزرتا ہوا گیا۔ اپنا چنا ہوا ہر ہر رنگ اس نے اس منظر کو دان کیا۔ اور اب جو نظر کے سامنے ہے، وہ بے حد رنگین ہے۔

"تم خود اس سے ملیں؟ کیسا ہے وہ؟" حاتم نواب اپنی بیوی سے سوال کر رہے تھے۔ وہ گہرے گلابی رنگ کی نیل پالش لگا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اچھا نہیں ہے۔ اور کچھ بھولا بھی نہیں۔ اسکی اسکیچ بک میں ایک سرخ گاؤن تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسکی طرف انتقام باقی ہے۔ مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے، تمھیں پتہ ہو گا، حاتم۔" انکی دائیں طرف بیٹھا براق ہمیشہ کی طرح تابعدار تھا۔ خاموش بھی اور جھکا ہوا بھی۔

اسناء کی بات پہ حاتم بے اختیار سیدھے ہو بیٹھے۔

"اسے "**وہ**" یاد ہے؟"

"یاد ہے، پوری طرح یاد ہے۔اس نے مجھے کہا کہ "اتنے عرصے سے اسکا خیال نہیں چھوڑ سکا ایک وجود کی نفی کرنا پھر قیامت ہو گی۔" وہ ناخن پالش پہ پھونک مارتے ہوئے بولی۔

براق موبائل پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔وہاں مختلف تصاویر تھیں۔عبداللہ زمان، اگلی تصویر زینیا حاکم کی۔وہ کبھی ایک تصویر دیکھتا کبھی دوسری۔اسکی آنکھوں میں لکھا تھا۔"**پرفیکٹ**"

"مجھے یقین تھا۔مجھے یقین تھا عبداللہ اسے نہیں بھولے گا نہ چھوڑے گا۔اوہ، عبداللہ تم میرا فخر ہو۔" فرط جذبات سے انکی آواز کانپنے لگی۔

کتنا عرصہ بعد انکے چہرے پہ جذبات تھے۔

"وہ جو چاہتا ہے اسے سب دے دو اسناء۔اسے کاروبار میں حصہ دو۔"

"یہ سب میرے براق کا ہے۔تم اسکا حق نہیں کھا سکتے۔" ایک عرصہ ہوا تھا کہ وہ "**ہمارا بیٹا**" کہنا چھوڑ چکی تھیں۔حاتم کے چہرے کے تاثرات واپس کرخت ہو گئے۔انہوں نے نظریں اٹھا کر براق کو دیکھا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ ہو جائے گا ناں، براق؟" انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر براق کو دیکھا۔اسکی نگاہوں میں ہمیشہ کی طرح سادگی تھی۔دل کس بھٹی میں جل کر خاک ہوا یہ کہانی پھر سہی۔

"جو آپ کہیں بابا۔"

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تو حاتم کے چہرے پہ ناگواری تھی۔اس عورت کو انہوں نے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہر بار کچھ ایسا کر دیتی تھی کہ حاتم کی نگاہوں میں اسکا عکس دھندلا پڑ جاتا تھا۔ہر مرد سکون، طمانیت کے لئے شادی کرتا ہے اور اسناء بنت حنیف نے ہمیشہ حاتم نواب کو ان دو چیزوں سے محروم رکھا۔

''جو تمھیں ملا ہے اسناء وہ بہت زیادہ ہے۔ میرا نام، ایک باعزت لائف اسٹائل، اور براق کی ماں ہونے کی وجہ سے میری طرف سے ڈھیر ساری رعایات۔ میرے اور میرے بیٹے کے معاملات میں مت آیا کرو۔ میں اچھا شوہر بننے کی کوشش کرتا ہوں تو تم بھی اچھی بیوی رہو۔''

نہ وہ چیخا نہ چلایا، بس اکیلے میں اسکی تصیح کر دی۔ انسان کے نام پہ شاید وہ شیطان تھا مگر وہ اچھا شوہر تھا۔

اسناء چند لمحے خاموشی سے اسے تکتی رہی۔ پھر جب وہ بولی تو اسکی آواز مستحکم تھی۔

''عبداللہ کے لئے اتنا سب کیوں کرتے ہو تم؟ تعلق کیا ہے تمہارا۔''

''خون ہے وہ میرا، اس سے زیادہ بھی کروں گا۔''

''یہ ڈرامہ آج اپنے بیٹے کے لئے سنبھال کر رکھو۔ میں جانتی ہوں تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔''

اسناء پھنکاری۔

''تمہارا پلان صاف تھا۔ مقصود اور زمان کو راستے سے ہٹا دینا کیونکہ مقصود تمہارے مقابلے الیکشن جیت جاتا اور زمان کی وجہ سے گاؤں میں تمہاری ساکھ، تمہاری زمینیں خراب ہو رہی تھیں۔ اور پھر کچھ بہت غلط ہو گیا۔ تم نے کبھی نہیں سوچا تھا اس سب میں تم اپنی ماں جیسی بہن کھو دو گے۔ اپنے بھانجے کھو دو گے۔ اور اس دنیا میں جو تمہیں سب سے محبوب ہے اسے اپنے خلاف کر لو گے۔ سب غلط ہو گیا ناں، حاتم؟'' اسناء کے لہجے میں استہزاء تھا۔ کرسی کے ہتھے پہ حاتم کے ہاتھوں میں لرزش ہوئی۔ اسکے چہرے پہ کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا تھا۔

''یہ گلٹ اور کفارہ ہے جو تم ادا کر رہے ہو۔ تمہاری بھتیجی تمھیں اس سے بہت محبت ہے ناں؟ تم اسے اسکی سب سے بڑی خوشی عبداللہ دینا چاہتے ہو، نہیں دے سکو گے۔ کیونکہ عبداللہ اب انسان نہیں رہا۔''

''وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ چہرے پہ ڈھیر سارا اضطراب تھا۔

''keep dreaming dear hubby میرے بیٹے سے اسکے خواب چھین کر تم کسی اور کی آنکھیں نہیں سجا سکتے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ کہہ کر اٹھ گئیں۔

پیچھے حاتم نواب کے چہرے پہ تاریکی تھی۔ وقت انکے بس میں ہوتا تو اس دن کا حادثہ وہ بدل دیتے۔

اگلا منظر سیاہ تھا۔ رات بھی سیاہ۔ لباس بھی سیاہ۔ اور نشستیں بھی سیاہ۔ درودیوار نے براق حنیف کے آنکھوں کا رنگ چرایا اور اب وہاں سرخ بھی تھا۔

''آپ سمجھ نہیں رہے بابا، آپ نہیں جانتے وہ کیسا آدمی ہے۔ وہ آپ کے پیچھے لوگ بھیجتا ہے۔ وہ آپ کے دماغ کے ساتھ کھیل رہا ہے اذیت دیتا ہے وہ آپ کو۔''

سیاہ رنگ کے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے حاتم نواب کے سامنے بیٹھا براق گھیا رہا تھا۔

''وہ آپ کو مار دے گا بابا۔ وہ آپ کو مار دے گا اسے صرف انتقام چاہیے۔''

انہوں نے گردن پیچھے کی طرف ڈھلکا دی۔ چہرے پہ ایسی آسودگی تھی جسکی کوئی حد نہیں۔ لبوں پہ کرب زدہ تبسم۔ شیطان کو رہائی مل رہی تھی ابدی رہائی۔

''میں نے ایک لمبا عرصہ اس وقت کا انتظار کیا ہے۔ میری نجات کا وقت۔''

براق کی آنکھیں نم تھیں۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں بابا۔'' زندگی میں پہلی بار اس نے کہہ دیا۔

''آج تک میں برداشت کرتا رہا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ محبت اس سے کرتے ہیں۔ آج تک میں نے اپنا دل مار کر آپ کا ہر حکم مانا ہے۔ پلیز اب آپ یہ مت کریں۔ اسکی محبت میں آپ مجھ سے وہ مت چھینیں جو مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' وہ انکے گھٹنے سے لگ کر رو رہا تھا۔

حاتم چپ چاپ اسکا سر تھپکتے رہے۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ وہ نجات کے بے حد قریب تھے۔ براق رو رہا تھا کیونکہ وہ اپنا نام لے کر خود کو اپنے باپ کے سامنے "**ثابت**" نہیں کر سکا تھا۔

کیونکہ وہ اس انسان کو کھو رہا تھا جس سے اس نے اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت اور نفرت کی تھی۔

"عبداللہ جو چاہے کرے، اسے کرنے دینا۔ اگر تم واقعی میرے بیٹے ہو تو میرے فرمانبردار رہنا۔ ورنہ میں روز قیامت تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔"

براق مزید بلند آواز میں رونے لگا تھا۔ اسکا پورا وجود لرز رہا تھا۔ وہ زمین پہ ہاتھ مار کر بین کرتا رہا۔

"ساری زندگی، ساری زندگی آپ میری حق تلفی کرتے رہے۔ ساری زندگی آپ نے مجھ سے زیادہ محبت اس سے کی میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں بابا۔ یہ مت کریں۔

شہر چھوڑ دیں پلیز۔ خود کو مجھ سے الگ مت کریں پلیز۔ آپ کو خدا کا واسطہ ہے میری حق تلفی بند کریں۔"

"میں نے کبھی تمہاری حق تلفی نہیں کی۔" وہ دھیمے لہجے میں اسکی تصیح کر گئے۔

"میں نے اس دنیا میں اگر کسی سے سب سے زیادہ محبت کی ہے تو وہ تم ہو۔" وہ سیدھے ہو بیٹھے تھے۔ براق کی یہ حالت انہیں اذیت دے رہی تھی۔

"آپ نے آج تک مجھے اپنا نام نہیں دیا۔"

"کیونکہ تم اس نام کے ساتھ بھی ادھورے رہتے۔ کرسڈ۔ بلکل اس مہدی کی طرح۔"

"آپ نے مجھے میرے حق سے محروم رکھا۔ وہ تخت، وہ حکومت میری تھی۔ میں نواب تھا۔ گھر کا بڑا بیٹا۔"

حاتم نے جھک کر اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا۔ ٹھوڑی اسکے سر پہ ٹکائی۔ انکی آنکھیں ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

"یہ میری محبت ہے، براق۔ میں تمہاری حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ، تم نہیں جانتے انہیں۔ روایات کی زنجیریں تمہیں زخمی کر دیں گی میرے بیٹے۔ میں تمھیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ تم میرا خون ہو میری سب سے قیمتی چیز۔ تم خزانہ ہو میرا۔"

براق نے اپنے چہرے سے انکے ہاتھ ہٹائے۔اسکی آنکھیں اب گیلی تھیں۔ہاں ملال وہاں ضرور تھا۔

''مجھ سے محبت ہے تو اسے ثابت کریں۔مجھے اپنانام دیں۔مجھے میرا تخت دیں۔اور مجھے میرا باپ دیں۔ورنہ باخدامیں یہ سب کے کر دکھاؤں گا۔میں کبھی آپ کو معاف نہیں کروں گا۔''

حاتم یاسیت سے اسے تکے گئے۔

''میں جن سے محبت کرتاہوں،وہ چاہے مجھے غلط سمجھتے رہیں۔میں انکے ساتھ جو کروں گا وہ اچھاہو گا۔میرا نام کرس ہے۔وہ تخت تمہیں غلام بنائے گا۔وہ لوگ تمھارے اپنے نہیں ہیں۔''

''اور میرا باپ؟وہ مجھے کیوں نہیں مل سکتا۔ممی کے قتل کے بعد تو میرا کوئی نہیں رہا۔میری دنیا خالی ہے اب کیوں آپ اسکے لئے مرنا چاہتے ہیں۔''

حاتم ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔دل کے تہہ خانوں میں کسی نے کیلیں ٹھونک دی تھیں۔درد سا درد تھا۔

''مجھے نجات چاہیے،براق۔''

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔''وہ چیخ پڑا۔رو پڑا۔

''آپ سب کچھ عبداللہ کے لئے کر رہے ہیں۔آپ نے کبھی میرے لئے کچھ نہیں کیا۔''اس نے آستین سے آنکھیں رگڑیں۔

''یہ میری آزادی ہے۔عبداللہ مجھے میرے غموں سے نجات دلائے گا۔''انہوں نے سر کو ایک بار پھر صوفے کی پشت پہ گرادیا۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔آنکھوں میں مغموم سا تاثر۔وہ واقعی اس نجات کے انتظار میں تھے۔

انکے قدموں میں فرش پہ بیٹھا براق وہ اپنے باپ سے جنون کی حد تک محبت کرتا تھا۔اسے لگا تھا وہ اگر عبداللہ کی طرح روایات کا پاسدار بن جائے۔تخت سنبھالنے لگے تو اسے اپنا باپ مل جائے گا۔یہ صرف محبت نہیں تھی یہ اسکی اپنے باپ سے ضد اور نفرت بھی تھی۔وہ ان سے محبت بھی کرتا تھا اور نفرت بھی۔نفرت کی کئی وجوہات تھیں محبت کی کوئی نہیں۔کئی بار اس نے چاہا تھا کہ وہ

اپنے باپ کو بتائے کہ اسکے فیصلے غلط تھے۔ وہ نہیں بتا سکا۔ لیکن آج وہاں بیٹھے ہوئے اسے یقین تھا وہ ایک دن حویلی میں براق حاتم نواب بن کر جائے گا۔ اپنا حق لے گا اور اپنے باپ کو غلط ثابت کرے گا۔

برستی بارش میں لہو کا رنگ شامل ہوا تھا۔ آسمان سے آج وہ پانی بے رنگ نہیں گرا تھا۔ آج اس میں ارمانوں کا رنگ شامل تھا۔ محرومیوں کا رنگ بھی۔ آفس کی راہداریوں میں خراماں چال چلتے براق حنیف کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ سامنے سے اسے جو خبر ملی تھی اس نے براق حنیف کے دل سے دھڑکن چھین لی تھی۔ نفرت محبت پہ بھاری تھی۔

وہ دیوانہ وار قیس کو کالز ملانے لگا تھا۔ باہر بارش برس رہی تھی۔ وہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے باہر آیا۔ شوفر اسکی گاڑی پارکنگ سے لینے گیا براق اسکے لئے نہیں رکا۔ وہ دیوانوں کی طرح سڑکوں پہ بھاگ رہا تھا۔

بارش اسے بھگو رہی تھی۔ موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ وہ بار بار قیس کو کالز ملا رہا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔ وہ اگر آج رک جاتا تو براق شاید کچھ کر لیتا۔ اسے کسی بھی طرح اپنے باپ کو بچانا تھا کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔

''تم کہاں جا رہے ہو، لوسفر؟'' خالی سڑک پہ بارش میں بھیگتے ہوئے سوال کیا۔ ''ہم بات کرتے ہیں، مرنے والے واپس نہیں آتے۔ تم انکی خاطر زندگیاں مت چھینو۔''

قیس نے اس سے سوال نہیں کیا۔ اپنے اعمال کے متعلق وہ براق کو خود ہی سب بتا دیا کرتا تھا۔ جس فیکٹری میں وہ جا رہا تھا وہ براق کی تھی۔ سو اسے علم ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

''تم اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہو تم قاتل نہیں ہو۔''

''تم مجھے بچانا چاہتے ہو، براق؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں سوال کر رہا تھا۔

''ہاں میں چاہتا ہوں تم یہ مت کرو۔ اپنے ہاتھ سیاہ مت کرو۔ تم قاتل نہیں ہو۔''

''ٹھیک ہے پھر آؤ، میرے ہاتھ سے پستول لو اور تم اسے مار دو۔ تم مجھے بچانا چاہتے ہو ناں؟''

براق چپ ہو گیا۔ وہ اسے کیسے کہتا کوئی اپنے باپ کو نہیں مارتا۔ کوئی اپنے ہاتھوں سے اپنی شہ رگ نہیں کاٹتا کال کٹ گئی۔ براق اس سڑک پہ تنہا رہ گیا۔ کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑے رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنے قدموں کو اٹھتے دیکھا۔

پھر بھاگتے دیکھا پھر وہ گرا۔ رویا۔ مگر رکا نہیں۔ لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے اسے پاگل سمجھ رہے تھے مگر وہ بس ایک بیٹا تھا۔ وہ جسے ساری زندگی اپنے باپ سے محبت نہیں ملی۔ جس نے ہمیشہ دل مارا تھا۔ جسے اس آدمی کو بچانا تھا جس سے وہ سخت نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ اسے دکھانا چاہتا تھا وہ قابل ہے۔

وہ کیچڑ میں لتھڑا پوری طرح سے بھیگا ہوا جب فیکٹری پہنچا بہت دیر ہو چکی تھی بہت دیر۔ فرش پہ خون تھا براق گھٹنوں کے بل بے سانس ہو کر فرش پہ گرا۔ کوئی کرسی پہ پڑے وجود کے جسم سے رسیاں ہٹا رہا تھا۔ کوئی تصاویر کھینچ رہا تھا۔ براق نے دیکھا لوگ اسٹریچر پہ اسکے باپ کے وجود کو ڈال رہے تھے وہ روتا گیا۔ بس روتا گیا۔ کوئی اسکا کندھا تھپک رہا تھا کوئی اسے اٹھا رہا تھا۔ وہ اسکی ٹیم تھی اسکے وکیل، انہیں معلوم تھا براق کو خون سے ڈر لگتا ہے۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا آج یہ خون اسکے باپ کا ہے۔ وہ بچوں کی طرح چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بلک رہا تھا۔

لاش لے جائی گئی۔ پولیس نے پیسے لے لیے آدھا سچ چھپ گیا۔ آدھا چھپا دیا گیا۔ براق حنیف کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی تھی۔ اسکا باپ وہ واحد رشتہ تھا جس سے براق دیوانوں کی طرح محبت کرتا تھا۔ کئی دن بعد دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بلوچستان کا سفر طے کیا۔ ایک دن کی لمبی مسافت کے بعد وہ بلاآخر اپنے باپ کے گاؤں آ چکا تھا۔ اسکا باپ دو بار پہلے اسے یہاں لایا تھا۔ معاملات صرف اسکے دادا اور چچا لوگوں کے درمیان طے ہوئے اور دونوں بار وہ نامراد واپس لوٹ گئے۔ براق سمجھ نہیں پایا تھا کہ اسے قبول نہ کرنے کی وجہ کیا تھی۔ بشر وہاں رہنا نہیں چاہتا تھا اس حویلی میں کوئی دوسرا مرد تھا نہیں پھر بھی کوئی اسے قبول کرنے کو تیار کیوں نہیں تھا؟

اس روز ابھرتی صبح میں اپنے باپ کی قبر پہ بیٹھے ہوئے اس نے گھٹنے سینے سے لگا رکھے تھے۔ اور چہرہ ان پہ ٹکا رکھا تھا۔ اسکی آنکھوں میں نمی تھی۔ قبر پہ تازہ پھولوں کا ایک گلدستہ بھی تھا۔ براق نے آنکھیں جھپکیں تو چند آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ پھسل گئے۔ لبوں سے سرد سی آہ خارج ہوئی۔

""میں بکواس کر رہا تھا بابا، مجھے آپ سے کوئی نفرت نہیں ہے۔ آئی ایم سوری۔ میں آپ کا فرمان بردار رہنا چاہتا تھا۔ آپ کی زندگی کے آخری دنوں میں جو کچھ مجھ سے ہوا مجھے اسکے لئے معاف کر دیں۔ مجھے ایک پل کے لئے سکون نہیں آ رہا۔""

""تمہاری جرات کیسے ہوئی اپنا ناپاک وجود یہاں لانے کی؟"" ایک گرجدار آواز پہ براق نے مڑ کر دیکھا۔ عالم نواب (براق کے دادا) قہر بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انکے آس پاس لوگ تھے۔ گارڈ تھے۔ ""یہاں سے دفع ہو جاؤ اس سے پہلے میں یہاں سے تمہارا جنازہ اٹھواؤں۔""

براق چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

""میرے بابا کی خواہش تھی کہ میں انکا چھوڑا ہوا تخت سنبھالوں۔ وہ کوشش نہیں کر سکے، کہہ نہیں سکے مگر میں جانتا تھا۔ مجھے انکی خواہش پوری کرنے دیں۔"" انکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے وہ لجاجت سے کہہ رہا تھا۔ جھوٹ، سچ کی آمیزش کے ساتھ۔

""تمہارا باپ مٹی ہو گیا ہے اور اگر وہ نہ بھی ہوا ہوتا تو تمہاری یہ اوقات نہیں تھی کہ تم غیر عورت اور گھٹیا ماں کی اولاد کو ہم ہمارا تخت نشین بنائیں۔""

غیض سے انکا لہجہ کپکپانے لگا تھا۔ ان کے ساتھ کھڑے لوگوں نے بے اختیار انہیں رام کرنا چاہا۔

""یہاں سے دفع ہو جاؤ اور دوبارہ یہاں قدم رکھنے کی جرات نہ کرنا۔ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔""

""اور اگر ضرورت پڑ گئی تو؟"" وہ اٹھا اور انکے قریب آ کر رکا۔ آنکھیں انکی آنکھوں میں ڈال رکھی تھیں۔ وہ آنکھیں بلکل ایک جیسی تھیں۔ شر ایک سا۔

""اور اگر ضرورت پڑ گئی تب بھی ہم تم پہ اور تمہارے وجود پہ لعنت بھیجیں گے۔ ہمارا وارث صرف اور صرف بشر ہے۔""

براق چند لمحے انہیں دیکھتا رہا۔ اسے ہنسی آئی تھی۔ وہ جس پوتے کو جھٹلا رہے تھے اگر ایک بار اسکے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھ لیتے تو خود سے شرم آتی۔ وہ بلکل ان کے جیسا ہی تو تھا۔

""میں آپ سے وہ سب لینے واپس آؤں گا جو میرا ہے۔ جو میرا باپ مجھے نہیں دے سکا۔ میرے واپس آنے کا انتظار کیجئے گا۔""

لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ نفرت، بے سکون، اور انتقام یہ وہ جذبات تھے جو وہ لے کر گیا تھا۔ اور آج لمبے وقت بعد وہ انہی جذبوں کے ساتھ واپس بھی آیا تھا۔

عبداللہ زمان اور زینیا حاکم کا باب اسکی نگاہوں سے کبھی مخفی نہیں رہا تھا۔ قیس کی زندگی میں زینیا کی آمد، قیس کی وہ نظر جس سے وہ زینیا کو دیکھتا تھا براق سب جانتا تھا لیکن وہ چپ رہا، سب دیکھتا رہا۔ اسے یقین تھا ایک دن وہ عبداللہ زمان کے دل کو زینیا حاکم کے حوالے سے ایسے کاٹ کر دو ٹکڑے کرے گا کہ براق نواب کے سارے زخم بھر جائیں گے۔ وہ دن آگیا تھا۔

کھڑکی میں کھڑی لڑکی کا سانس سینے میں کہیں اٹک کر رہ گیا تھا۔ وقت جیسے ساکن ہو گیا ہو۔ وہ ٹکٹکی باندھے گلی میں کھڑے اس مرد کو دیکھ رہی تھی۔ عبداللہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کے عقب میں کوئی اٹھارہ برس کی چھوٹی لڑکی آکر کھڑی ہوئی تھی۔ اپنی بہن کی جامد نگاہوں کی تقلید میں دیکھا تو اسکے چہرے پہ مختلف تاثر تھا۔ حیرانی، جوش، خوشی۔ وہ چند لمحے منہ پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے نیچے دیکھتی رہی۔

"زینی، تم تم جانتی ہو یہ کون ہے؟" اسکی آواز میں واضح جوش تھا۔ وہ جیسے یقین نہ کر پا رہی ہو۔

"عبداللہ۔۔" زینیا کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔

"اوہ گاڈ، قیس کمبیر۔ دی قیس کمبیر؟" اسکے برعکس اسکی بہن اب جوش سے، خوشی اور جوش سے کھڑکی سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"اس ملک کا سب سے مشہور فیشن ڈیزائنر ہے یہ۔ ہم نے پچھلے سال اسکا ایک انٹرویو بھی دیکھا تھا ناں؟ اللہ اللہ جاؤ بشر سے کہو اسکو پلیز گھر لے آئے پلیز جاؤ ناں۔" وہ اب اسکا بازو جھنجھوڑ رہی تھی۔

زینیا نے کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ کسی شاک کے زیر اثر تھی۔

"یہ اسکے پیچھے کون کھڑا ہے۔" کونج اب پوری طرح سے کھڑکی کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ ایسے کہ زینیا حاکم اب عبداللہ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''یہ تو براق حنیف ہے ناں؟بی قیو کا مالک؟اوہ خدایا یہ قیسم میں شراکت دار بھی ہے۔'' وہ زینیا اور عبداللہ سے بے خبر اپنی رو میں کہے جارہی تھی۔ پھر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ''میں جاکر اسے اندر بلا کر لاتی ہوں۔ ابا سے کہیں گے مسافر ہے پانی پینے آیا ہے۔ یا اللہ میں کتنی لکی ہوں۔ دی قیس کمبیر اوہ مائی گاڈ۔''

وہ جوش سے چیختی کمرے سے باہر کی طرف بھاگی۔ زینیا ہل بھی نہ سکی۔ مگر اس نے عبداللہ کو ہلتے ہوئے دیکھا۔ اسکے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اسکی آنکھوں کا حزن وہ اسی ملال کے ساتھ واپس جارہا تھا۔ زینیا کو اسکا ہر قدم اپنے دل کو چیرتا محسوس ہوا۔ ہر شے، ہر معاملہ اسکے ہاتھوں سے پھسل رہا تھا، پھسل چکا تھا۔ گوادر کی ساری ریت اسکے حلق میں آکر پھنس گئی تھی۔

وہ دروازے تک آئی۔ گیٹ کھول کر باہر جھانکا تو وہ جارہا تھا۔ کونج اسے بلانا چاہتی تھی مگر بلا نہیں سکی۔ وہ تیز تیز قدم لیتے ہوئے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ وہ گلیاں اسے اپنا دم گھونٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ اؤمانی دور کی بالکنی جیسے اس پہ ہنس رہی ہوں۔ سمندر کی نم ہوائیں اسے غمزدہ لگیں۔ گاڑی میں آکر بیٹھنے تک اسکا سارا بدن کانپنے لگ گیا تھا۔ دوسری طرف سے براق گاڑی میں آکر بیٹھا۔

''گاڑی چلاؤ۔'' اسکا چہرہ سفید پڑرہا تھا۔ آواز میں لرزش تھی۔ تعجب یقین میں بدل رہا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟''

''پی سی چلو۔'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سے چلو۔''

''اسلام آباد چلیں؟''

قیس نے شاکی نگاہیں اپنے ہاتھوں پہ مرکوز کرلیں۔ اسکا ہاتھ لرز رہا تھا۔ پینک اٹیک اوہ نو۔ گردن اور سینہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

''اتنی آسانی سے یہ شہر اور اسے نہیں چھوڑوں گا۔ پی سی چلو۔'' اس نے شرٹ کے اگلے دو بٹن کھول دیے۔

''تم وہاں چل کر غم منانا چاہتے تو پھر یہی صحیح۔'' براق نے گاڑی کو موڑا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ گاڑی زن سے بھگا کر لے جا رہا تھا۔ قیس نے نشست کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اسکی آنکھیں جل رہی تھیں اسکا دل جل رہا تھا۔ کیا کیا تھا جو اسے یاد آیا تھا۔

"میں تمھارے فادر سے ملنا چاہتا ہوں۔"

کراچی ہسپتال میں وہ اسکے باپ سے نہیں مل سکا تھا مگر۔۔ مگر وہ ملا بھی تھا۔ لیکن فریب کا وہ کونسا پردہ تھا جو اسکی آنکھوں کے آگے آ گیا تھا؟

"میں ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں۔"

وہ زخمی چہرے والی لڑکی اسکے گھر کے لان میں بیٹھی تھی۔ قیس اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنی منگیتر کا فون ملایا۔ کال اٹینڈ کر لی گئی۔ اسکی بات بھی ہو گئی۔ اسکی منگیتر اپنے گھر میں تھی یہ لان میں بیٹھی لڑکی کوئی اور تھی۔ وہ فریب تھا یا یہ؟

"یہ چھوٹے شہروں سے آئے غریب بچے انکو جھیلنا بہت مشکل ہوتا ہے، قیس۔"

وہ ہاسٹل کے باہر زینیا کو چھوڑنے آیا تھا۔ جب افروزہ بیگم نے اس سے ایسا کچھ کہا تھا۔ وہ وہاں بھی اسکے حق میں بات کر آیا تھا۔ وہ جو اسے اپنا عکس لگا کرتی تھی وہ تو کوئی غیر تھی۔ وہ جیسا بھی تھا اپنوں کو دھوکہ تو نہیں دیا تھا۔ اس نے کبھی قریبی لوگوں کو فریب میں تو نہیں رکھا تھا۔ وہ سب کچھ ہو سکتی تھی مگر اسکے تصور والی "اچھی لڑکی" نہیں۔ اسکا دل بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔

"دنیا سیاہ اور سفید ہے، حبیب اور تم مجھے سرمئی تک نہیں دکھا رہیں؟"

خنجر کوئی پیٹھ میں گھونپ دے تو بس تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی سامنے کھڑے ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سینے میں چھری مارے تو "صرف" درد نہیں ہوتا۔ انسان روح سمیت گھائل ہو جاتا ہے۔ وہ عورت جو موت کے دہانے پہ تھی، اور قیس اسے بچا کر لایا تھا وہی عورت اسے مارنے کے درپے تھی؟

"تمہیں نہیں لگتا یہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یا پھر ساری دنیا کے اتفاق تمھارے ساتھ ہوتے رہے ہیں۔"

مقصود اسکے سامنے بیٹھے کہہ رہے تھے۔ اسٹڈی میں ملگجا اندھیرا تھا۔ قیس انہیں زینیا کے متعلق بہت کچھ بتا رہا تھا۔ انکی آنکھوں کا وہ تاثر قیس اس دن نہیں سمجھ پایا تھا مگر آج، آج ہر پہیلی سلجھ گئی تھی۔ وہ جانتے تھے وہ سب جانتے تھے اور اگر کوئی انجان تھا تو صرف اور صرف قیس کمبیر تھا۔ وہ کتنے لوگوں سے بے وقوف بنتا رہا، اسے گنتی بھولنے لگی۔

"تم کہتی ہو تو یقین کر لیتا ہوں، ملکہ۔"

اسکی زندگی کے برے دنوں کی ساتھی، وہ واحد لڑکی جس کے لئے اس نے سب اچھا چاہا تھا۔ وہ شیزل سیمسن جسے اس نے براق جیسے شخص سے بچایا۔ کیا وہ بھی جھوٹ تھی؟ سراپا جھوٹ۔

پی سی گوادر کے باہر گاڑی آکر رکی۔ انکے لئے دروازہ کھولا گیا۔ پھر براق اپنی طرف سے باہر آیا۔ دوسری طرف سے آکر اس نے قیس کے لئے دروازہ کھولا۔

اسکی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ چہرہ ایسے تھا جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔ وہ گاڑی سے باہر آیا۔ آس پاس لوگ، عمارت یہاں تک ہوائیں بھی غیر تھیں۔ اسکا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

وہ براق کے ساتھ اندر آیا۔ پی سی کے شاہانہ ٹھاٹھ پہلے جیسے تھے۔ قیس کو کچھ دکھائی نہیں دیا۔ براق نے اسے ایک کمرے کی چابی تھمائی، اس پہ لکھے اعداد دھندلے تھے۔ اور تب اسے معلوم ہوا یہ دھندلاہٹ اسکی آنکھوں میں تھی۔ اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں ہتھیلی گیلی ہو گئی۔ لب کپکپا رہے تھے۔ براق کو وہی تقویت ہوئی جو شاید قیس کو حاتم نواب کا قتل کرتے وقت ہوئی ہو گی۔

وہ ڈگمگاتے قدم لیتے ہوئے اسٹاف کی معیت میں چل رہا تھا۔ ایک لڑکی نہیں تھی جس نے دھوکہ دیا تھا یہ اسکی متاع حیات تھی جو کسی نے تھپڑ مار کر چھین لی تھی۔ وہ محبت نہیں تھی جس کے دوسرے رنگ وہ دیکھ کر آیا تھا یہ کوئی ایسا نقصان تھا جس کا کفارہ کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ چھری گھونپنے والے اپنے تھے۔ راستے میں خاردار تاریں بچھانے والے اسکے عزیز تھے۔ وہ جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولتی رہی تھی وہ اسکی محبت تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا، وہ اندر آیا۔ اسٹاف اسے خصوصیات بتا رہا تھا قیس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔ سانس اٹک رہا تھا تو اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ کوٹ اتار کر پھینک دیا۔ اور ہاتھ اپنے سینے پہ مسلنے لگا۔ پھر ایک جگہ ٹھہر کر چند گہرے لمبے سانس لیئے۔ وہ نہیں لے سکا اور گھٹنوں کے بل فرش پہ گرا۔ اور آنکھیں ایک بار پھر رگڑیں۔

اگلے لمحے وہ اوندھے منہ فرش پہ لیٹ گیا۔ اسکا چہرہ اب فرش کو چھو رہا تھا آنکھیں خطرناک حد تک سرخ پڑ رہی تھیں۔ اس نے لرزتے لبوں کو بھینچ لیا۔ مٹھی بھینچ لی۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ اسکی زندگی سے ایک ساتھ کئی لوگ رخصت ہو رہے تھے وہ صبر کرتا تو کیسے کرتا۔ لوگ صرف لوگ نہیں تھے۔ درد گہرا تھا۔

فرش پہ دنیا ہار کر گرے ہوئے شخص کو چھوڑ کر گوادر کی اس چھوٹی گلی کی طرف آؤ تو زینیا حاکم دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اسکی آنکھوں میں بے تحاشا خوف تھا۔ ناگہانی آفت کا خوف۔

''کیا عجیب آدمی تھا ایک منٹ کے لیئے رکا بھی نہیں۔'' وہ مایوس چہرے کے ساتھ کمرے میں واپس آئی۔ زینیا کو دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھ وہ ٹھٹھکی۔

''تمہارا باس بھی ہے ناں وہ؟ کبھی بات ہوئی ہے اس سے؟ تمہیں دیکھا ہو گا اس نے، جب تم نے اسے نہیں بلایا تو غصہ ہو گیا ہو گا۔ کیا تھا جو دو منٹ آجاتا۔''

''وہ آجائے گا۔ آج شام، کل صبح، چند گھنٹے بعد وہ آئے گا۔''

کونج کے ماتھے پہ الجھن کی لکیریں ابھریں۔ ''تم نے اسے کال کی ہے؟''

''وہ میری کالز پہ نہیں آتا۔'' زینیا دیوار کو تکتے ہوئے بولی۔ کونج اسکے پاس آکر بیٹھی۔ سورج کی نارنجی کرنیں آسمان کا سینہ چیرتے ہوئے نکل رہی تھیں اور کھڑکی کے شیشوں میں منعکس ہوتے ہوئے دیواروں پہ پھیل رہی تھیں۔

''تمہارا اپنے باس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے؟ کیا ہوا ہے، زینی؟''

''وہ میرا باس بعد میں عبداللہ زمان پہلے ہے۔'' ایک لمحے کے لیئے کونج کوئی رد عمل نہیں دے سکی۔

''وہ، عبداللہ زمان ہے۔ میرا سابقہ منگیتر۔ ابا کا بھانجا اور اماں کا بھتیجا۔''

''اور میں؟ میں لیڈی ڈیانا ہوں۔'' وہ سختی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ تو جھوٹ یہ کوئی مذاق ہی ہو گا۔

''تم مذاق کر رہی ہو ناں؟ وہ قیس کمبیر ہے عبداللہ زمان ایک الگ آدمی ہے۔'' کونج کے دل نے ایک عجیب طنز کے ساتھ اسے بتایا یہ کوئی مذاق نہیں تھا۔ ''وہ الگ آدمی ہیں ناں؟''

زینیا اپنی جگہ سے اٹھی۔ گوگل کھولا اور قیس کمبیر کا نام سرچ والے ڈبے میں ڈالا۔ چند سیکنڈز کے لئے گوگل اپنے آس پڑوس سے خبریں اکھٹا کرتا رہا۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے تھک کر تمام خبریں میز پہ دھر دیں۔ قیس کمبیر اور اسکی کامیابی کے متعلق کئی آرٹیکلز تھے۔ مگر جہاں آکر وہ رکی تھی۔ وہاں چند سطور درج تھیں۔

''قیس کمبیر کا تعلق بلوچستان سے ہے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے باپ کے قتل اور خاندان کی ناگہانی موت کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کے چند لوگوں کے ساتھ اسلام آباد شفٹ ہوئے۔''

اس کے بعد ایک لمبی اسٹرگل کی داستان تھی مگر وہیں دو تصاویر تھیں۔ سرور کمبیر اور زمان کی تصاویر۔ زینیا نے موبائل کونج کی طرف بڑھایا۔ کونج حاکم کا دل ہر ہر لفظ پہ رکا تھا۔ آنکھیں پھیلائے وہ دم سادھے اب زمان کی تصویر دیکھ رہی تھی۔ اماں کے صندوق میں اس آدمی کی دو تصاویر تھیں وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی؟ ششدر، شاکی، شل وہ تین کیفیات اس پہ طاری تھیں۔

''اب کیا ہو گا؟'' اس نے موبائل چہرے سے نیچے کرتے ہوئے سب سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''وہ جانتا ہے تم کون ہو؟ اسے یقیناً پتہ ہو گا تم اتنا عرصہ اسکے پاس کام کرتی رہی ہو۔ وہ۔۔۔ وہ یہاں کیوں آیا تھا؟ یا اللہ یہ سب کیا ہے؟''

زینیا تھک کر بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ کونج کے مانو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

''اسے قیسم کی ملازمہ زینیا حاکم سے محبت ہو گئی ہے۔ کچھ دن قبل اس نے مجھے پروپوز کیا تھا۔'' رفتہ رفتہ وہ سب بتاتی چلی گئی۔

خاندان سے باتیں چھپا کر یوں بھی اسے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ کئی منٹ بعد کونج سب سن لینے کے بعد ساکن تھی۔ اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ جم گئیں۔ کیا یہ کوئی کہانی تھی؟ اور اگر تھی تو اسے اس کہانی سے خوف آیا۔ کئی لمحے بعد زینیا نے اسکا شانہ ہلایا۔

''کچھ تو کہو یار۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔''

''مجھے نہیں پتہ یہ سب کیا ہے۔ مجھے واقعی نہیں پتہ۔'' کونج حاکم رو دینے کو تھی۔

''مجھے خود بھی نہیں سمجھ آ رہی۔ میں اسے ہینڈل کر لیتی اگر براق بے غیرت آدمی یہ ڈرامہ نہ کرتا مجھے پورا یقین ہے یہ سب اسی نے کیا ہے۔'' اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسکی رنگت تاریک پڑ رہی تھی۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ اب اسے لگے گا میں نے شروع سے یہ سب پلان کر رکھا تھا۔''

''مجھ سے بھی۔'' کونج حاکم کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ زینیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''عبداللہ نے تمھارے جانے کے بعد تین دفع کال کی تھی۔۔ اور میں نے تین دفع اس سے زینیا حاکم بن کر بات کی۔''

زینیا نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔ وہ ساکن رہ گئی۔

''مجھے ہمیشہ سے تمھارے جیسا بننا تھا اور وہ تین کالز، ان تین کالز میں، میں زینیا حاکم تھی۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی، زینی۔''

اب کے وہ ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زینیا جیسے بھربھری دیوار کی طرح ڈھے گئی تھی۔ کونج کے چہرے پہ ایسا خوف تھا جیسے کسی بلا کو دیکھ لیا ہو۔

''یہ تم نے کیا کر دیا، کونج؟ وہ معاف کرنے والوں میں سے نہیں۔'' اسکی آخری بڑبڑاہٹ بے حد دھیمی تھی۔ چہرے کے اضطراب اور دل کے خوف میں مزید اضافہ ہوا۔

(وہ کس منزل کی سمت روانہ تھی اسے کچھ علم نہیں تھا۔ اسکا دماغ ایک نقطے پہ اٹک گیا تھا۔ لوگ اسکا جسم لے کر جا رہے تھے وہ روح کہیں اور چھوڑ آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے اسے احساس ہوا کہ گاڑی کی رفتار سست ہوئی ہے۔ پھر اس نے آس پاس شور

اٹھتے ہوئے محسوس کیا۔آوازیں وہ آوازیں ہتھوڑے کی صورت اسکے سر پہ برس رہی تھیں۔اسکے آس پاس بیٹھے لوگ نیچے اتر کر چلے گئے۔وہ سکڑ سمٹ سی گئی۔گاڑی پہ لوگ لاٹھیاں مار رہے تھے۔لوگ چلا رہے تھے۔اور تب کسی عورت نے اندر آکر اسکے آگے ڈھال بنادی۔باہر کھڑے لوگ گاڑی کے اندر آنا چاہتے تھے۔وہ اس سرخ گاؤن والی لڑکی کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔جو ذلت اسکے بخت میں لکھی تھی وہ اسے بڑھانا چاہتے تھے مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔کئی منٹ بعد گاڑی پھر چل پڑی تھی۔مگر لڑکی کا خوف وہ خوف ختم ہونے کی بجائے بڑھ گیا۔ہر گزرتا منٹ اسے اسکی بربادی کے قریب لے کر جارہا تھا۔ہر آواز پہلے سے زیادہ خوف زدہ کر دیتی تھی۔ان سب کے درمیان "وہ" آواز کہاں تھی؟)

کمبیر محل پہ اتری وہ صبح تازہ دم تھی۔ہاتھ میں پانی کی بوتل لئے پسینے سے شرابور وہ گھر کے اندر داخل ہوا۔اسکے ساتھ کوئی مرد بھی تھا۔کوئی تیس، بتیس سال کا خوش شکل آدمی۔وہ دونوں جاگنگ سے لوٹے تھے۔

''ایک اور بات، معید۔۔۔۔میں چاہتا ہوں اس بارے میں تم کسی سے کوئی ذکر نہ کرو۔خاص طور پہ، قیس یا پھر میرے کسی گھر والوں سے اوکے؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم نے اس سے شادی کب کی یار؟اور قیس کو کیسے نہیں بتایا؟''

''لمبی کہانی ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔''

''اور ایک اور بات تمھارے فادر پاکستان سے تھے اور تمہاری مدر برطانیہ سے صحیح کہا؟'' وہ چلتے ہوئے محل کے اندر آگئے جب معید نے سوال کیا۔

''اب تم میری ذاتی زندگی کو کچھ دیر کے لئے بخش دو۔''

''یار دیکھو تمہاری ممی اور تمھارے بابا کی شادی برطانیہ میں ہوئی۔تمہاری ممی کے پاس وہاں کی نیشنیلٹی تھی۔اور شادی کے بعد وہ دونوں چھ سال وہیں رہے۔یہاں تک کہ تمہاری اور تمہاری بہن کی پیدائش بھی وہیں کی ہے۔یعنی تم ایک برطانوی شہری ہو۔اور اگر تم ہو تو تمہاری بیوی کے پاس بھی نیشنیلٹی آگئی۔'' سنہری سیاہ جالی دار دروازے پہ پاس مہدی ٹھٹھک کر رکا۔

''اب تم ایسا کرو کہ اسے اسکے باپ کے نام سے نہیں بلکہ اپنی بیوی کے نام سے بھیجو اور وہ بھی برطانیہ۔ وہاں جا کر اپنی شادی رجسٹر کرواؤ اور اگر پھر بھی مسائل ہوئے تو تم اسائلم کے لئے اپلائی کر دینا۔ انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش جیسے ملکوں کے شہریوں کو برطانوی حکومت بہت جلد اسائلم دے دیتی ہے۔ کیا خیال ہے؟''

مہدی چند لمحے آنکھیں سکوڑے اسے دیکھتا رہا۔ اسکی ماں برطانیہ میں بھی کسی چینل پہ ایک اعلیٰ عہدے پہ فائز رہی تھی۔ پاکستان آکر بھی وہ انکے لئے مختلف ڈاکیومنٹریز ریکارڈ کرتی رہی تھی۔ مہدی ایک دو بار جب برطانیہ گیا تھا تب اسکی ماں کے خاندان میں سے کئی لوگ اس سے ملے بھی تھے۔ یہ مشورہ اسے ہر طرح سے معقول لگا۔

''اگر یہ ہو سکتا ہے تو اس سے بہتر اور کیا ہی ہوگا۔'' وہ خوش ہو گیا۔ اتنے دنوں میں اسکے چہرے پہ اگر واقعی کوئی خوشی آئی تھی تو آج آئی تھی۔

''اس خوشی میں تمھیں اچھا سا ناشتہ کرواتا ہوں اور اسکے بعد ہم تمھارے آفس چلیں گے۔''معید مسکرایا۔ یوں جیسے کوئی عظیم کارنامہ انجام دیا ہو۔ مہدی نے شیف کو آواز دی وہ مؤدب سا اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ مہدی نے اسے چند ہدایات دیں۔

اور خود اوپر تازہ دم ہونے چلا گیا۔ ملازمین اب معید کو ڈائننگ ہال کی طرح لے کر جا رہے تھے۔

وہ نہا کر باہر آیا اور کلازٹ میں اپنے لئے کپڑے دیکھنے لگا جب اسکا موبائل بجا تھا۔ مہدی ملٹری سبز رنگ کی بیگی شرٹ اور پینٹ لئے اندر کمرے میں آگیا۔ بیڈ پہ پڑا موبائل اٹھایا۔ زینیا کی کال تھی اسکے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔ اور خود پلنگ پہ آکر بیٹھا۔ وہ ایک فون کال اسکی تھکن اتار دے گی اسے یقین تھا۔

''صبح صبح میری یاد کیسے آئی، سرکار؟''

''قیس گوادر میں ہے۔'' وہ بغیر تمہید کے بولی۔

''سو جاؤ، ابھی تمہاری نیند نہیں پوری ہوئی۔ ویٹ! تم نے صبح صبح بھانگ تو نہیں پی لی؟'' وہ اٹھ کر سنگھار میز کے آگے آکر کھڑا ہوا۔

''قیس گوادر میں ہے، مہدی۔اور میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔''

اب کے وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی۔ مہدی ایک لمحے کے لئے تھم گیا۔

''وہ میرے گھر کے باہر کھڑا تھا۔اس نے مجھے دیکھا۔وہ براق کے ساتھ آیا تھا۔۔۔۔ براق اس سے انتقام لے رہا ہے مجھے یقین ہے۔''

باتھ روب میں ملبوس آدمی بے اختیار ڈریسنگ ٹیبل کے کونے پہ ٹک گیا۔ساری خوشی غارت ہوگئی تھی۔زینیا کہہ رہی تھی۔

''میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی نہ ہی میں آپ سے مدد مانگ رہی ہوں۔ میں بس آپ کو یہ بتارہی ہوں کہ مجھے آپ سے باتیں چھپانے کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ میں اسے ضروری سمجھتی ہوں۔ اگر براق ہمارے نکاح کے بارے میں جانتا ہے تو پلیز آپ اس سے بات کریں وہ قیس کو یہ سب نہ بتائے۔''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی، زینیا۔ میں جتنی کوشش کرتا ہوں کہ تمہیں محفوظ کرسکوں میں اتنا ہی ناکام ہوتا چلا جاتا ہوں۔''بہت دیر بعد وہ شکستگی سے بولا۔اسکے چہرے سے ساری خوشی غارت ہوگئی تھی۔

''آپ مجھے محفوظ کرنے کے بارے میں مت سوچیں۔ یہ کام چوبیس سال اکیلے کیا ہے اب اگلے کئی سال بھی کرسکتی ہوں۔''وہ اسکی بات کاٹ کر رسان سے بولی۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ عورتیں اکیلے ہر کام کرسکتی ہیں لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ کے اور آپ کے بھائی کے درمیان کچھ بھی آئے تو اسکی وجہ میں ہوں۔ میں آپ پہ وہ لمحہ نہیں لانا چاہتی جب آپ کو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑے۔''

''تمھیں کیا لگتا ہے اگر ایسا لمحہ آگیا تو میں کیا کروں گا؟''وہ ناخن سے سنگھار میز کا کونا کھرچنے لگا۔

''اس لمحے کا انتظار کر لیتے ہیں۔ باتوں سے اعتبار اٹھ گیا ہے میرا۔''

مہدی نے گہری سانس لیتے ہوئے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔وہ واقعی پریشان تھا۔ایک ایسی پریشانی جس کے آگے اسے کوئی حل نہیں دکھ رہا تھا۔اسے اس سردی میں ٹھنڈے پسینے آگئے تھے۔

کئی لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ مہدی پلنگ پہ آکر لیٹ گیا تھا۔ زینیا نے بھی خود کو اسی انداز میں گرا لیا۔

''تم سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''میں ناں کہوں گی تو نہیں پوچھیں گے؟''

''نہیں پوچھوں گا۔''مہدی مکمل سنجیدگی سے بولا۔

''پھر پوچھیں۔''اس نے سہولت سے اجازت دی۔

''کیا میں یک طرفہ کوششیں کر رہا ہوں؟ یعنی تمھارے اور میرے نکاح کے متعلق قیس نہیں جانتا میں تمھیں چھوڑ دوں گا اگر تم چاہو۔ انیسہ اور اپنے باقی گھر والوں کو میں دیکھ لوں گا۔ قیس کے کانوں تک یہ بات کبھی نہیں آئے گی لیکن میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم یہ چاہتی ہو؟''

وہ ایک بازو سر کے نیچے دیئے نگاہیں چھت پہ ٹکائے ہوئے تھا۔ کچھ باتیں کہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

''یا پھر تم اسکے پاس واپس آنا چاہتی ہو؟ سب بھول کر، اسے معاف کر کے اگر تم دوبارہ اسکی زندگی میں شامل ہونا چاہتی ہو تو میں (وہ ایک لمحے کو رکا) تمہارا ساتھ دوں گا۔ حالانکہ یہ ایک غلط فیصلہ ہوگا لیکن تم دنیا سے جو بھی چاہتی ہو میں وہ چیز لانے میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''میں اسکے پاس واپس نہیں جانا چاہتی۔''وہ چادر پہ انگلیوں سے پیٹرن بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ کبھی اس پہ انگریزی حرف ایم لکھتی کبھی زیڈ، پھر اے۔ اور پھر ایک نادیدہ لکیر ایم سے زیڈ کی اور کھینچتی۔ ایک تعلق، ایک ڈور۔

''کیوں؟''

''جب میں ہمیشہ کہتی تھی مجھے، عبداللہ کے ساتھ رہنا ہے تب بھی لوگ مجھ سے یہی پوچھتے تھے **"کیوں؟"** نہ میں اس سے ملی نہ دیکھا پھر بھی اسکے ساتھ کیوں رہنا چاہتی ہوں۔

میرے پاس تب جواب نہیں تھے۔ مجھے لگتا تھا ابا اور انکے خاندان نے اسکے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ وہ ہماری وجہ سے بہت کچھ کھو چکا ہے اور سب سے بڑھ کر وفا۔ میں اسکے نام کے ساتھ وفادار تھی۔ مگر اس نے مجھے ذلیل کیا۔ ہاں میں مانتی ہوں وہ ٹراماٹک تھا۔ لیکن قیس اس بات کو deny نہیں کر سکتا کہ مجھے صرف وعدے کے چند بول بولنے میں اسکی ناک آڑے آتی تھی۔ اسکے اندر انا تھی۔"

"میں اسے فیور نہیں کر رہا لیکن وہ بہت بددل تھا۔ اسے تم سے بھی نفرت تھی لیکن ان فون کالز کے بعد کچھ بدل گیا تھا۔ وہ اس بات پہ راضی ہو گیا تھا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔"

اسکی بیوی کسی کی بات کر رہی تھی وہ "کسی" اسکی بیوی کا سابقہ منگیتر تھا۔ ہاں اسے برا لگ رہا تھا حد سے زیادہ برا۔

زینیا اب بھی پیٹرن بناتی رہی۔ گول، چوکور، مستطیل۔۔

"اس سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں آپ؟"

بند آنکھوں کے پار مہدی کے ذہن میں اسکا چہرہ تھا۔ اسکی آنکھیں اور وہ شہد رنگ بال۔ اسے دیکھے ہوئے کتنے دن ہو گئے ناں؟

"میرے پاس تعلقات کے نام پہ بس وہی تھا۔ جتنی محبت میں اس سے کرتا ہوں وہ اس سے کئی گنا زیادہ محبت کرتا ہے مجھ سے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ بس تمہارا فیصلہ سننا تھا سن لیا۔ اب تم سنو۔ چند گھنٹے بعد یا پھر کل تک وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اعصاب مضبوط ہیں اسکے۔ پھر وہ تمہیں کال کرکے ملنے بلائے گا مت جانا۔ اب سے وہ تمہیں جھکائے گا۔ یقیناً اب تک اسے معلوم ہو چکا ہو گا کہ حدیبیہ اور مقصود چچا نے اس سے بہت کچھ چھپایا ہے۔ اور وہ دونوں اسکی زندگی کے مضبوط ستون ہیں وہ تمہیں اسکے لئے کبھی معاف نہیں کرے گا۔" وہ اب اٹھ بیٹھا تھا۔ سکون تو اب آنے سے رہا۔

"حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

"اسے پینٹنگ بیگز سے عشق ہے۔" بولتے ہوئے گردن جھکا دی۔ یوں اسکی باتیں کھولنا بہت برا لگ رہا تھا۔

''اس سے جتنا ہو سکے دور رہنا۔ وہ تم سے وہی چیز چھینے گا جو اس سے چھینا گیا ہے۔''

وہ ایک لمحے کو رکا۔ ''اسکے سامنے اپنی پوزیشن کلئیر کرنا۔ جو سچ ہے وہ کہنا کیونکہ اب جھوٹ بولنے کا وقت گزر گیا ہے۔''

''وہ کیوں چاہتا ہے ساری دنیا اسکے تابع رہے جو وہ چاہے ہم وہی کریں تعلق ہے یا غلامی؟''زینیا بھی سیدھی ہو بیٹھی۔ سامنے والے شیشے میں ابھرتا اسکا عکس خفا خفا سی لڑکی کا تھا۔

''یہ عادتیں اسکے اندر شروع سے تھیں۔ پھر انہیں راسخ کرنے والے ہم سب ہیں۔ ہمیں لگتا تھا اسکی مانتے جائیں گے تو وہ خوش ہو گا لیکن اسکی روح اداس تھی وہ کبھی خوش نہیں ہو پایا نہ ہمیں ہونے دیا۔ خیر وہ سب چھوڑو اور میری بات یاد رکھنا تم اس سے ملنے نہیں جاؤ گی۔''

''مجھے نہیں پتہ آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے جو کیا وہ صحیح تھا یا غلط، لیکن۔۔

i am not a prize to be won قیس کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔''

''جو آپ کہیں ملکہ۔''

''شٹ اپ۔۔۔''وہ مزید خفا ہوئی۔ وہ ہنس پڑا۔ کوئی لڑکی خفا ہو کر بھی اچھی کیسے لگ سکتی تھی سمجھ نہیں پایا وہ۔

مہدی اب اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ زینیا نے گہری سانس لی۔ سر پلنگ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اور کال کاٹ دی۔ سکون تو اب کسی طور اسے بھی نہیں آنا تھا۔ لاشعوری طور پہ وہ اسکی منتظر تھی۔ وہ جانتی تھی عبداللہ آئے گا۔ زندگی میں پہلی بار بغیر کسی خدشے کے اسے بے حد یقین تھا۔

فرش پہ پڑے ہوئے وجود کے بدن میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اسکی آنکھ دروازے کی کھٹ کھٹ سے کھلی تھی۔ کئی لمحے فرش پہ پڑے پڑے وہ خالی الذہنی کے عالم میں آس پاس دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے اٹھ بیٹھا۔ سر بری طرح درد کر رہا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور سارا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ کئی گھنٹے وہ اسی فرش پہ اوندھے منہ لیٹے آنکھیں کھولے زندگی کی تاریکی دیکھتا رہا تھا۔ کوئی آدھا گھنٹہ قبل نیند اس پہ طاری ہوئی تھی مگر زیادہ وقت کے لئے نہیں۔

وہ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ باہر اسٹاف میں سے کوئی تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چابی اسکی طرف بڑھائی اور کھانے کی ٹرالی اندر لانے کی اجازت چاہی۔

''سر آپ کے ساتھ جو آئے تھے انہوں نے گاڑی کی چابی دی اور کہا آپ کو اٹھا دوں۔ آپ نے کہیں جانا ہے۔''

''وہ خود کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں پتہ سر۔ وہ کہیں چلے گئے۔ انہوں نے کہا آپ بھی کہیں جانا چاہتے ہیں اس لئے میں آپ کو جگا دوں۔''

قیس نے بس سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ نہا کر آیا تو لباس تبدیل کر لیا تھا۔ بال اچھے سے سیٹ تھے۔ اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ چند گھنٹے قبل کیا ہوا تھا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ اس نے فرش پہ پڑے کوٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا۔ ڈیٹا آن کیا تو نوٹیفکیشنز کا سیلاب آ گیا۔ چند پل کے لئے اسکا فون باقاعدہ ہینگ ہو کر رہ گیا۔ اگلے چند پل بعد وہ کسی کو جواب دیئے بغیر زینیا حاکم کو کال ملا رہا تھا۔ گیلے بال غیر ترتیب تھے۔ مگر اسکا تو دل ہی اتھل پتھل تھا۔

اپنے کمرے میں جائے نماز پہ بیٹھ کر دعا مانگتی لڑکی نے فون کی چنگھاڑتی آواز پہ پلٹ کر دیکھا۔ جائے نماز سے ذرا فاصلے پہ اسکا موبائل رکھا تھا۔ اور یہ کال وہ اس سے خوفزدہ نہیں تھی یہ آنی تھی۔ دعا مانگ کر چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی۔

کمرہ نمبر 203 کی بالکنی میں کھڑے قیس کمبیر کے ہاتھوں کی گرفت ریلنگ پہ سخت ہوئی۔ کئی لمحے دونوں خاموش رہے۔

''مزید جھوٹ بولنے ہیں یا سچ بولنے کے لئے تیار ہو تم؟'' بہت دیر بعد وہ بولا تو اسکی آواز خشک تھی۔ ایسی رکھائی اسکے انداز میں کبھی نہیں آئی تھی۔

''میں نے جھوٹ بولے لیکن میری نیت وہ نہیں تھی جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''نیتوں کے حال صرف خدا جانتا ہے، زینیا حاکم نواب۔ تم نے مجھے مسخ کر دیا ہے۔ تمھیں اس بات کا اندازہ بھی ہے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بلند آواز میں بولا۔

''اپنے اعمال ناموں پہ بھی غور کرو، عبداللہ۔ شاید کہیں کچھ برا تم نے میرے ساتھ بھی کیا ہو۔'' وہ بے حد پر سکون تھی۔

''کوئی وقت تھا جب تمھیں دیکھ کر لگتا تھا عورتوں سے میری نفرت غیر ضروری ہے لیکن تم نے مجھے غلط ثابت کیا۔ تم اس سے زیادہ گھٹیا ہو جتنا میں سوچتا تھا۔'' اسکے لہجے میں حقارت تھی۔

''اپنے منگیتر کو دھوکہ دے کر، اپنے شوہر سے طلاق لے کر اب تم اسی منگیتر کے بھائی کے ساتھ ہو؟ ایک مرد تمہارا دل نہیں بھر سکتا ناں۔ مجھے یقین نہیں آتا میں تم سے کیسے محبت کر سکتا ہوں؟''

فون پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑی۔ آنکھوں میں سختی بڑھ گئی۔ اور لب بھینچ گئے۔

''تمہاری غیرت کے جھنڈے پھر بلند ہونے چاہیے۔ جو اپنی منگیتر کو صاف انکار کرتا ہے اور اپنے ہی آفس کی ورکر کے ساتھ اپنا ٹراما ہیل کرنے نکلتا ہے۔''

''تمہاری بکواس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں میں۔'' قیس نے درشتی سے اسکی بات کاٹی۔

''**پی سی گوادر، کمرہ نمبر 203**۔ اگر تم اگلے آدھے گھنٹے میں یہاں نہ آئیں تو میں تمہارے گھر آ رہا ہوں۔ پھر مجھ سے یہ شکایت مت کرنا کہ میں نے تمھارے قصے سر بازار اچھالے۔ حالانکہ تم اسی لائق ہو۔''

''میں نہیں آؤں گی۔ اس صدی میں تو بلکل نہیں۔'' انداز دو ٹوک۔

وہ گردن پیچھے پھینک کر تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔

''مہدی کمبیر کے کمرے میں جاتے ہوئے تو نہیں ہچکچائیں تم؟ مجھ سے پھر کیسا پردہ؟ اس میں ایسا کیا خاص ہے؟''

زہر اسکے لفظوں کے آگے سبز پڑ سکتا تھا۔ زینیا کی آنکھیں بھرا گئیں۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا تمہارا اصل ایسا ہو گا۔ تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم مجھ سے اس طرح بات کرو۔'' اسکی آواز بھرا گئی۔

''میں نے تمھیں گھر کی عورتوں والی عزت دی تھی۔ بازار میں بیٹھنے کا شوق تمہارا اپنا تھا۔''

زینیا سن رہ گئی۔ اس نے موبائل کان سے اتارا اور بے یقینی سے اسے تکا۔ اسکا سر باقاعدہ چکرا رہا تھا۔ ذلت ہر دفع عورت کو یونہی جامد کرتی ہے۔ وہ ایسے الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا؟

''تمھارے پاس صرف اور صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ یا تو تم یہاں آؤ گی یا پھر میں آرہا ہوں۔ اور میرے آنے کے بعد تم بہت پچھتاؤ گی۔''

''میں نہیں آؤں گی۔ نہ آج، نہ کل اور نہ پھر کبھی۔ تمہیں جو کرنا ہے تم وہ کرو۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''اوکے۔ انجام کے لئے تیار رہنا۔ اور اپنے باپ کو جا کر بتاؤ انکا داماد آرہا ہے۔ اور آس پاس اگر کسی اور مرد سے بھی تعلقات ہیں تو انکو بھی بتاؤ کون آرہا ہے۔''

آخری بات کہہ کر دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر اس نے کال کاٹ دی۔ چہرہ ہنوز بے تاثر رہا۔ جو آگ اسکے دل میں بھڑک رہی تھی وہ اس سے جل رہا تھا اور اب وہ اسی آگ سے سب کو جلائے گا۔ بالوں کو مٹھیوں میں دبوچے وہ پاگل ہونے لگا تھا۔ سکون کسی طور نہیں آیا اس نے دوبارہ کال ملائی۔ چہرے پہ ہزیان کی سی کیفیت تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ چھوٹتے ہی بے چینی سے بولا۔

''میں نے بہت بکواس کر دی ہے۔ تم کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے۔ تمھیں کسی نے میرے خلاف استعمال کیا ہے ناں؟ تم میرے ساتھ اتنا برا نہیں کر سکتیں ناں؟''

وہ دوسری طرف خاموش رہی۔ قیس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔

''چیزیں ویسی نہیں ہیں جیسی تمھیں نظر آرہی ہیں۔''

''اب تمہارا یقین نہیں کر سکتا میں۔'' وہ عجیب بے بسی سے بولا۔

''تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو میں تمھیں عبرت کا نشان بناتا۔''

''ایسا حق میں نے کسی کو نہیں دیا، عبداللہ۔'' اسے لگا جیسے وہ عبداللہ پہ ہنس رہی ہو۔

مارے طیش کے اس نے دوبارہ کال کاٹ دی۔ کچھ دیر بعد وہ کھانے کی ٹرالی کو اسی طرح چھوڑے گاڑی کی چابی ہاتھ میں لئے ہوٹل سے باہر نکل آیا تھا۔ پی سی گوادر کے راستے ڈھلوانوں والے ہیں۔ یہ سورج کے غروب ہونے کا وقت تھا اور غروب آفتاب کے مناظر تو اس شہر کی میراث ہیں۔ کسی پھولوں کی دکان کے باہر رک کر اس نے سرخ پھول خریدے۔ اگلی بار جب اسکی گاڑی رکی تو وہ جگہ حاکم نواب کا گھر تھا۔ **(اس دفع یہاں آنے کے لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا یہاں گلیاں ٹھیک تھیں)**

وہ گاڑی سے باہر آیا تو کئی لوگوں نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔ اسکی اٹھان، اسکی محسور کن شخصیت وہ دیکھنے والوں کو مبہوت کرتا تھا۔ دروازہ بوٹ کی نوک سے کھٹکھٹایا۔ کافی دیر بعد کسی نے آکر دروازہ کھولا تھا۔ وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی مگر سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ اسکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ اس نے دروازہ بند کرنا چاہا مگر قیس درمیان میں بوٹ دے کر اسے روک چکا تھا۔

"شکریہ" کہتے ہوئے وہ اندر آیا۔ کونج کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے وہ بھاگنے کے لئے مڑی، مگر قیس اسکے عین سامنے آ کر رکا تھا۔ نگاہیں اسکی نگاہوں پہ جم گئیں۔

"میں نے تین دفع کال کی تھی۔ جب تینوں دفع تمہاری بہن، یعنی میری منگیتر اسلام آباد میں تھی۔ کالز کس نے اٹھائی تھیں، بیٹا؟" وہ نرم لہجہ، لہجے کی مٹھاس یہ کوئی الگ آدمی تھا۔

کونج خاموش رہی۔ اسکے حلق سے کوئی لفظ ادا نہیں ہوا۔

"اگر تم نہیں بتاؤ گی تو میں شاید برے طریقے سے پیش آؤں۔ شاید تمہیں کالج سے نکلوا دوں؟ شاید تمھیں فیل کروا دوں۔"

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ نے جان۔ بوجھ کر نہیں کیا۔ مجھ سے اماں نے کہا تھا۔" اسکے لبوں سے الفاظ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔ "پلیز کچھ برا مت کرنا۔"

"تم سے کس نے کہا میں برا آدمی ہوں برے کام کرتا ہوں؟ میں بہت اچھا نہ سہی لیکن اتنا برا بھی نہیں۔"

"آئی ایم سوری مجھے وہ کالز نہیں اٹھانے چاہیے تھے۔"

قیس نے گہری سانس لی۔ اور۔۔۔ "اٹس اوکے۔" کہتا آگے بڑھ آیا۔ بکے میں سے ایک پھول اور چاکلیٹ اسکی طرف بڑھایا۔

"اور بتاؤ گھر میں کون کون ہے ابھی؟"

"چچا، دادا، ابا، بھائی اور میری بھابی کا بھائی۔" صحن کے درمیان وہ رک گیا۔ مڑ کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"بھابی کا بھائی تمہارا کیا لگتا ہے؟" اسکے چہرے پہ محظوظ کن تاثر تھا۔ کونج کے گال خفت سے گلابی پڑے۔ قیس مسکرایا۔ اسے اسکا جواب مل گیا تھا۔

"تم اپنی بہن کے نقش قدم پہ مت چلنا۔ کیا معلوم بھابھی کا بھائی بھی میری طرح سنکی نکل آئے۔ خوامخواہ مشکلات ہو جائیں گی۔" اسکی آنکھوں میں ٹھنڈا تاثر تھا مسکراہٹ لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"بیٹھک کس طرف ہے؟"

کونج نے مرے مرے انداز میں دائیں طرف اشارہ کیا۔ وہ اسی شاہی چال اور اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ اسی طرف بڑھ گیا۔ وہ گیا تو کونج کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔ بیٹھک کے دروازے کے باہر ڈھیر سارے جوتے جمع تھے۔ اندر سے چائے کی مہک یہاں تک آ رہی تھی۔ یہ وہی لمحہ تھا جب قیس کمبیر نے دروازہ کھولا۔ فرشی نشستوں پہ بیٹھے تمام افراد پل بھر میں ساکن ہوئے تھے۔ ہر کسی نے اسے یوں دیکھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ عبداللہ زمان واپس آ سکتا تھا اور اس ٹھاٹھ سے؟ نوابوں نے یہ خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"اسلام وعلیکم۔" اس نے سارے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔

ہر کوئی اسے تک رہا تھا۔ ضیغم کی نگاہ اسکی طرف اٹھی تو پھر پلٹ نہیں سکی۔ وہ اس سے مل چکا تھا۔ کہاں؟ حاکم نواب کی نگاہیں بے یقین تھیں۔ انکی یادداشت میں اٹھارہ سالہ بے بس عبداللہ تھا یہ کچھ بھی ہو سکتا تھا کمزور اور بے بس نہیں۔ زندگی میں پہلی بار انکا دل چاہا تھا وہ اپنی بیٹی کو لے کر کہیں چھپ جائیں۔ عالم نواب اور حاکم کے چھوٹے بھائی ظفر نواب ہر کوئی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کوئی شادی برات ہوتی تو بغیر بلائے نہ آتا مگر یہ تو میت تھی اور میت بھی اسکی جس نے میری عورت کی طرف دیکھنے کی جرات کی تھی۔ افسوس نہیں ہے مجھے۔"

بوٹوں سمیت وہ اندر آیا۔ حالانکہ یہ برا سمجھا جاتا تھا۔ عالم نواب کے عین دائیں طرف اس نے جوتے اتارے۔ ہتک سے ان تمام لوگوں کے چہرے سرخ ہوئے۔ ضیغم اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا اور اسکے جوتے اٹھا کر بیٹھک سے باہر پھینکے۔ قیس اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر باقی لوگوں کو دیکھا۔

''تربیت تو تم لوگوں کی میں دیکھ ہو چکا ہوں۔ اب حیرانی بھی نہیں ہوتی۔'' سر جھٹکا۔

''خیر میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ بالاج میر کو میں نے مارا ہے۔'' باقی سب کے تاثرات مختلف تھے۔ اور ضیغم باقاعدہ ٹھہر گیا۔

''بے غیرت مرد دھرتی پہ بوجھ ہوتا ہے۔ میں نے ختم کر دیا۔''

ضیغم کے غم کو جیسے کوئی تپتی لو لگی تھی۔ اس نے غصے میں جھپٹ کر اسکا گریبان پکڑا۔ اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا مگر قیس نے اسی تیزی سے اسے ہاتھ سے پکڑ کر موڑا، اسکی کمر پہ گھٹنے سے وار کیا اور زوردار لات رسید کی۔ ضیغم فرش پہ گر پڑا تھا۔

''اگر مجھے خراش بھی آئی تو پولیس تم سب کو ایک ایک کر کے یہاں سے لے جائے گی۔ تھانے میں عالم نواب صاحب کا نام دے کر آیا ہوں۔ میں نے ٹھیک کیا ناں، نانا جان؟؟'' اسکی پر تپش نگاہیں عالم صاحب پہ جمی تھیں۔ ایک لمبا عرصہ بعد اسے احتساب کا وقت ملا تھا۔ عبداللہ پہ لازم تھا انہیں بھرے بازار میں کوڑے رسید کرے۔ بشر اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ ضیغم کو ہاتھ دے کر اٹھایا۔ اپنے دادا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کو کہا۔ قیس اب کے اسکی طرف مڑا۔ پھولوں کا گلدستہ اسکی طرف بڑھایا۔ لبوں پہ قہر بھرا تبسم تھا۔

''تمہاری بہن کے لئے۔ اسے سرخ پھول بے حد پسند ہیں۔'' اس کے کان کے پاس جھک کر کہا۔ لہجہ دھیما تھا مگر بشر کے رگ و پے میں لاوے کی صورت اترا۔

''اسے بیچ میں مت لاؤ، عبداللہ۔''

''بیچ میں؟ میں کب اسے بیچ میں لایا؟ وہ تو شروع سے یہیں ہے۔ کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ ایک سال سے میرے آفس میں کام کر رہی ہے۔ میرے گھر کئی بار آچکی ہے۔ کئی بار میری گاڑی میں بیٹھی ہے۔ اور میرے ساتھ حویلی آئی ہے۔ سب سے اہم

بات کیا اس نے تمھیں یہ بتایا ہے کہ بالاج کے قتل کے بارے میں اسے ڈھائی ماہ پہلے سے پتہ تھا۔ میں نے ہی تو بتایا تھا۔" کوئی اسے سن نہیں پایا تھا۔ سوائے بشر کے۔ اور جو سن رہا تھا اسکی اذیت کا قصہ داستانوں میں رقم کیا جائے گا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو، زینی مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی۔"

قیس نے سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہا ہو اوکے۔ پھر اس نے موبائل جیب سے نکالا اور آخری کال لاگ نکالی۔ موبائل بشر کے سامنے کیا ۔ وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ سرخ پھولوں کا بکے اسکے ہاتھوں سے چھوٹ کر گرا تھا۔

"میں نے بتایا تھا وہ مجھے کالز کرتی ہے میں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔" وہ اسکے سامنے سے نکل کر دوسری طرف سے چلتے ہوئے آیا اور حاکم نواب کے دائیں طرف آکر بیٹھا۔ بشر اب بھی اپنی جگہ جامد تھا۔ جو اس نے سنا وہ ان سنا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو اس نے دیکھا اسے ان دیکھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"میں نے سوچا ہوا ہے کہ جرگہ بٹھایا جائے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ آپ سب کتنے بے غیرت اور جھوٹے ہیں۔"

"تم نے آنے سے منع کر دیا تھا۔ تم نے کہا تھا تم نہیں آؤ گے۔ میرا بھائی اچھا آدمی تھا اگر اس نے شادی کی تو کیا غلط کیا؟" ضیغم چلا رہا تھا آنکھیں نم تھیں۔ قیس نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"میری پھپھو یعنی بشر کی ماں کو یہ آدمی۔" اس نے حاکم کی طرف اشارہ کیا۔" میرے سسر صاحب شادی کے بعد ایک بچے سمیت ہمارے گھر چھوڑ گئے تھے۔ پھر ہمیں چاہیے تھا کہ انہیں خلع دلواتے۔ انکی شادی کسی اور سے کرواتے؟ پھر بتائیں حاکم صاحب آپ کو کیسا لگتا؟"

"وہ میری بیوی تھی منگیتر نہیں۔" انہوں نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیئے۔

"جب منگیتر تھی تب بھی چار سال انتظار کروایا تھا آپ نے اپنی بیٹی پہ وقت پلٹ کر آیا تو آپ بھول گئے سب؟" اسکی آواز کا طیش وہاں بیٹھا ہر شخص محسوس کر سکتا تھا۔ نوابوں نے اسکے آنے کا انتظار کیا تھا انہیں کیا پتہ تھا وہ آئے گا تو تخت پلٹے جائیں گے۔

"اور بچے میرا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے۔" اس نے ضیغم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آدمی جسے تم اور میں اپنے نانا کے رشتے سے جانتے ہیں یہ سب سیاہ کاریاں اس آدمی کی ہیں۔"

"تمیز سے بات کرو، عبداللہ۔" ظفر پھنکارے۔

"کیوں؟ میرے لئے یہ شخص سانپ سے زیادہ زہریلا ہے۔ میری ماں نے کوئی بھاگ کر شادی نہیں کی تھی کہ آپ نے اسکی اولاد کو پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ کس حال میں رہا میں کیسے سب جھیلا ایک بار بھی نہیں پوچھا آپ نے۔" اسکی آواز ہر گزرتے لمحے بلند ہو رہی تھی۔ اسکے دل میں کرب تھا جو اس آدمی کو دیکھ کر جاگا تھا۔

"ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کر وار کرتی ہے اور آپ نے میرا حق اٹھا کر اپنی دوسری اولاد کو دے دیا؟ وہ پیدا ہونے سے پہلے میرے نام تھی جرات کیسے ہوئی اسکے ساتھ کسی اور کا نام جوڑنے کی؟"

"تم نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔" بشر کا لہجہ کمزور تھا۔

"تمھارے باپ نے بھی یہی کیا تھا۔" وہ ترکی با ترکی بولا۔ "لیکن ہم غیرت مند ہیں جہاں ایک بار نسبت جوڑ دی وہیں جڑی رہتی ہے۔ تم لوگوں کے یہاں حالات مختلف ہیں۔ یہاں گھر کی لڑکی کچھ اور کہتی ہے اور مرد کوئی اور فیصلہ کرتے ہیں۔"

"اسے بار بار بیچ میں مت لاؤ۔" بشر بے حد ضبط سے بولا۔

"اب نہیں لاؤں گا۔ اب جو فیصلہ ہوگا جرگے میں ہوگا۔ میری منگیتر کی شادی کہیں اور کروانے کے بعد بھی آپ لوگ مجھ سے غلط بیانی کرتے رہے ہیں۔ وہ پیدا ہونے سے پہلے میرے نام تھی، اسکے جنازے میں جس مرد کا نام آئے گا وہ نام بھی میرا ہونا تھا۔"

"بالاج کو مار کر تم اپنا حساب لے تو چکے ہو۔"

"بالاج سے حساب لیا ہے۔ آپ سے باقی ہے۔ وہ اسکا شوہر تھا اور آپ اسکے شوہر سے پہلے کے ورثاء۔ اگلی ملاقات تو اب جرگے میں ہوگی۔ میں بھی دیکھوں کب تک عبداللہ زمان کی حقوق سلب کئے جائیں گے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے یہاں آنے کا ایک ہی مقصد تھا، آپ سب کو علم ہو جانا چاہیے زمان کمبیر کا جانشین واپس آ گیا ہے۔"

باقی سب سے اٹھنے کی سکت وہ سلب کر چکا تھا۔ بشر اسکے ساتھ اٹھا تھا۔

"تم جو چاہتے ہو تمھیں مل جائے گا لیکن میری بیٹی کو بیچ میں مت لاؤ۔" حاکم نواب کے کہنے پہ وہ پلٹا تھا۔

"آپ کی بیٹی میری منگیتر ہے۔ وہ بیچ میں نہیں آرہی وہ شروع سے یہیں ہے اور رہے گی۔ اس صدی میں، اس دنیا میں اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں میرا۔" کہتے ہوئے وہ بیٹھک کا دروازہ پار کرتے ہوئے باہر آیا۔

اسے سامنے سے آتی امینہ بیگم دکھیں۔ وہ شاید بالاج کے گھر سے واپس آرہی تھیں۔ اسے صحن میں ایستادہ دیکھ وہ ٹھہر گئیں۔ آنکھوں کی پتلیاں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔ ٹھہرا تو وہ بھی تھا۔ گلے میں کچھ اٹکا۔ لمحے درمیان میں ٹھہر گئے، وقت کی کایا پلٹی۔ پھر اس نے قدم بڑھائے۔

انکا عبداللہ، انکی طرف آرہا تھا۔ امینہ بیگم سانس روکے اسے اپنے قریب آتے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ انکے قریب آکر رکا۔ وہ ادھیڑ عمر عورت اب ہاتھ بڑھا کر اسکے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اسکی داڑھی، اسکے گال، اسکا ماتھا۔ انکا چہرہ گیلا ہو گیا تھا۔ ویسی ہی نمی انکے سامنے کھڑے مرد کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ انکے سامنے جھکا۔

انہوں نے کپکپاتے لب اسکی پیشانی پہ رکھے۔ عبداللہ نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسکے کندھے کو چوم رہی تھیں۔ اسکے دونوں ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے لگائے۔ اور پھر وہ دونوں بازو پھیلائے انہیں سینے سے لگا گیا تھا۔ لمس راحت جیسا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ بھائی، بھتیجے، خاندان سب وہی تھا سب وہی۔ وہ مضبوط مرد، جسے پالا تھا۔

"میرا بچہ۔۔۔ میرا، عبداللہ۔" وہ انکا شانہ چوم رہا تھا۔ انکے بال چوم رہا تھا۔ اور وہ بس رو رہی تھی انکے لبوں پہ دو ہی لفظ تھے۔

"میرا بچہ۔ میرا۔ عبداللہ۔"

"کتنا انتظار کیا تھا میں نے تمہارا۔ میں نے کتنا بلایا تمہیں تم نہیں آئے۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔" یہ وہ مرد نہیں تھا جو اندر بیٹھ کر اپنے ہم پلہ لوگوں کا خون خشک کر رہا تھا۔ یہ کوئی معصوم سا بچہ تھا۔ جسے اپنی پھپھو کا لمس ایک عرصہ بعد نصیب ہوا تھا۔

"آپ نے میری امانت کی حفاظت نہیں کی ناں؟ مجھے آپ سے گلا رہے گا۔"

''میں مجبور تھی بچے۔ میں کیا کر سکتی تھی؟''

عبداللہ زمان دھیرے سے ان سے الگ ہوا۔

''میں آگیا ہوں۔ میں خود سب ٹھیک کر دوں گا۔''

امینہ بس اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ اسکے ہاتھ اب بھی ہاتھوں میں لے رکھے تھے۔ سختی سے۔

''تم ٹھیک ہو ناں بچے؟ تم خوش ہو؟ مقصود، بختیار سب کیسے ہیں؟ انس کیسا ہے؟''

''سب ٹھیک ہیں۔ میں اگلی بار سب کو لاؤں گا۔ آپ اپنا خیال رکھیں بس۔'' اس نے ایک بار پھر انہیں گلے لگایا۔ اپنے ہاتھوں سے انکے آنسو صاف کئے۔ انکے ہاتھ چومے۔ کئی لمحے بعد وہ پلٹ رہا تھا پھر اس نے ساتھ چلتے بشر کو دیکھا۔

''اہم ملاقات تو رہ ہی گئی، بشر۔''

''اسے بیچ میں مت لاؤ، عبداللہ۔ وہ تم سے نہیں ملے گی۔ میرے ہوتے ہوئے تو بالکل نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اسے بیچ میں مت لاؤ۔''

ٹھوڑی پہ انگلی رکھے اس نے کچھ سوچنے کی اداکاری کی۔ پھر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ واپس گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس نے ایک نظر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ کھڑکی سے اسے دیکھ سکتا تھا۔ عبداللہ کی طرف اسکا نیم رخ تھا۔ ایک نظر اسے اور دوسری نظر بشر کو دیکھتے با آواز بلند ایک ہی جملہ کہا تھا۔

''پھر اب تم اور تمہاری بہن اپنے اندازے غلط ہوتے ہوئے دیکھو گے۔''

اگلے لمحے اسکی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''اچھے خاصے امیر آدمی سے شادی ہو رہی تھی لیکن نہیں بی بی کو اخلاقیات کا درس یاد آگیا تھا۔''

شیشے کے سٹوڈیو والے چھوٹے سے آفس میں بیٹھی اپنا کام کرتی ہوئی شیزل کی سماعتوں میں یہ آواز پڑی تو وہ ٹھٹھک گئی۔ البتہ رد عمل کوئی نہیں دیا یوں ظاہر کیا جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔ لیپ ٹاپ پہ چلتی اسکی متحرک انگلیاں تھم گئیں۔

"مجھے تو آج کل کی لڑکیوں کی سمجھ نہیں آتی۔ پہلے ڈیٹ کرتی رہیں گی اور پھر کوئی ایک دو سال بعد انکو یاد آجائے گا اوہ نہیں، یہ تو غلط آدمی ہے۔ یہ تو میری عزت نہیں کرتا مجھے تو اسکے ساتھ نہیں رہنا۔" اسکے بے تاثر چہرے پہ کچھ در آیا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی۔

"اسکے پیسے کھاتی رہیں گی انکے کریڈٹ کارڈز پہ عیاشیاں کرتی رہیں گی لیکن جب بات شادی کی آئے گی تب انکے اندر کی اچھی عورت جاگ جائے گی۔ کیا ہوا اگر آدمی کا کسی اور کے ساتھ افیئر ہے بھی۔ مرد ایسا کرتے رہتے ہیں۔"

وہ دونوں اس کے چہرے کو دیکھے بغیر دھیمی آواز میں بولتی رہیں۔ جب وہ خاموش ہوئیں۔ تب شیزل متوازن چہرے کے ساتھ اٹھی اور باتھروم ایریا کی طرف بڑھ گئی۔ اندر آکر اسے معلوم ہوا کہ وہ کتنے غصے میں تھی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اور آنکھوں میں بے زاری تھی۔ آخر لوگ اپنے کام سے کام کیوں نہیں رکھتے؟ واش بیسن پہ جھک کر اس نے چہرے پہ چھینٹے مارے۔ چند لمبے گہرے سانس لئے۔

اگلے کئی منٹ وہ سلیب پہ ہاتھ جمائے گردن جھکائے کھڑی رہی۔ دکھ تھا اسے، بے حد دکھ تھا مگر کسی نے اسکے پیر کا نوکیلا جوتا بھی نہیں پہنا تھا پھر وہ زخم کی شکایت کرنے کو ڈرامہ کیسے کہہ سکتے تھے؟ وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی۔ پھر ہاتھوں سے چہرے کے بال ٹھیک کئے اور باہر نکل آئی۔ اسکا چہرہ خالی تھا۔

راہداری میں ہی اسے کسی کولیگ نے بتایا کہ اسے باس بلا رہے ہیں۔ شیزل کو اکتاہٹ ہونے لگی۔ اسے انسانوں سے دور جانا تھا بس بہت دور۔ چارو ناچار اسے آفس کی طرف جانا پڑا یہ انسان اسے تنخواہ دیتا تھا ورنہ وہ اسے بھی جوتی کی نوک پہ رکھتی۔ دروازہ ناک کرتی وہ اندر داخل ہوئی۔ آفس میں صرف اسکا باس نہیں تھا۔ اسکی طرف پشت کئے کرسی پہ کوئی اور بھی بیٹھا تھا۔ وہ آگے بڑھ آئی۔

"آپ نے بلایا سر؟"

''جی مس، شیزل۔ بلانا تو پڑے گا جب آپ دو دو پراجیکٹس ادھورے چھوڑ دیں گی تو مجھے بلانا تو پڑے گا۔'' صاف ظاہر تھا وہ بڑی مشکل سے ضبط کئے ہوئے تھے۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا آپ اچانک اتنی غیر پروفیشنل کیسے ہو گئیں؟ آپ کی شکایات بڑھتی جا رہی ہیں۔''

''میں شکایت لے کر نہیں آیا ویسے۔'' کرسی پوری طرح گھما کر اب وہ شیزل کو دیکھ سکتا تھا۔

''باتوں میں بات نکلی ہے تو میں نے صرف بتایا ہے کہ میرے فلیٹ کا کام نہیں ہوا ابھی۔'' وہ کوئی خوش شکل مرد تھا۔ پینتس چھتیس عمر اور رف سے حلیے والا مرد واقعی کسی سازش کا حصہ نہیں لگتا تھا۔

''وریام بیگ صاحب، کام ہو گا بھی کیسے؟ آپ نے چار بار پیٹرن بدلے ہیں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

''تصیح کریں مس، صرف تین بار۔''

''چوتھی بار بھی بدلنے والے تھے۔ مجھے یقین ہے کیونکہ آپ خود بھی شیور نہیں ہیں۔'' اس نے زور دیا۔

''امپریسو آپ کو تو الہام بھی ہوتے ہیں۔''

شیزل نے بہت کچھ سخت کہنا چاہا مگر رک گئی۔ براق حنیف کا پراجیکٹ چھوڑ کر اسے ویسے ہی کافی ذلیل ہونا پڑا تھا۔ اور اب دوبارہ نہیں ہونا تھا۔

''آپ میرے آفس آئیں سر۔ میں آپ کو کچھ ڈیزائنز دکھا دیتی ہوں۔ پھر آپ پسند کر لیں۔ اور میں اگلے ہفتے سے کام شروع کر دوں گی۔''

''بات میری پسند کی ہے ہی نہیں میں تو نیلا پیلا پینٹ لگا کر خوش ہو سکتا ہوں۔ یہ فلیٹ میرے دوست کا ہے وہ یوکے میں ہوتا ہے۔ اس سال واپس آ رہا ہے۔ آپ مجھے ڈیزائنز میل کر دیں۔ میں کل رات تک آپ کو انفارم کرتا ہوں۔''

''یعنی آپ کل رات کال کر کے کہیں گے آپ کو کچھ بھی پسند نہیں آیا؟'' اسے نہ جانے کیوں غصہ آیا۔

''میں انکا کام نہیں کر سکتی سر۔ آپ کسی اور کو رکھ لیں۔''

''مس شیزل اس بار آپ ایک پراجیکٹ نہیں جاب سے بھی جائیں گی۔اب کوئی براق حنیف آپ کی پشت پہ نہیں ہے۔''

''میں استعفیٰ ڈیسک پہ پہنچادوں گی۔''اگر اسے براق کی معرفت سے کچھ ملے تو اسے نہیں چاہیے تھا۔

''آپ جاب چھوڑ رہی ہیں؟''وہ ضبط کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''جاب نہیں غلامی ہے یہ مبارک ہو تمھیں۔''کہاں کا غصہ کہاں نکل رہا تھا۔

''اور آپ وریام صاحب آپ کا یو کے میں بیٹھا وہ دوست اسے کوئی ڈیزائن کوئی پیٹرن پسند نہیں آئے گا چاہے آپ پورے پاکستان کے ڈیزائن اسے بھیج دیں۔گوروں کے درمیان بیٹھے بیٹھے سٹھیا گیا ہے خبیث۔''

وریام ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے دلچسپی سے سب سن رہا تھا۔اسکے اندر کے فسادی آدمی کو کتنا سکون آرہا تھا کوئی اس سے پوچھے۔

''میرے اکاؤنٹس کلئیر کریں آپ۔اور ڈھونڈ لیں کوئی اور، شیزل سیمسن۔''پھولے تنفس کے ساتھ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔اسکی بس ہوگئی تھی۔اس آفس میں لوگوں کی اور اپنے باس کی بکواس سنتے سنتے۔براق کیے طعنے سنتے سنتے وہ بس تھک رہی تھی۔

پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے احساس ہوا کوئی اسکے عقب میں کھڑا ہے۔شیزل نے مڑ کر دیکھا۔وریام گاڑی کی چابی انگلیوں میں گھماتے محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''ماشاءاللہ اداکاری اچھی کرلیتی ہیں آپ۔کسی فلم وغیرہ کی آفر نہیں ہوئی آج تک؟''

''بکواس اچھی کرلیتے ہیں آپ اور مواقع بھی بہت ملے ہیں۔''وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔

''مواقع واقعی بہت ملے ہیں لیکن آپ جیسی صلاحیتوں سے محروم رہا ہوں میں۔کہیں کلاسز دے رہی ہیں تو آجاؤں میں؟''ساتھ کھڑی گاڑی کا دروازہ کھولتے وہ اندر بیٹھا۔کھڑکی سے اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

''جہنم میں کلاسز دیتی ہوں اور آپ جیسوں کو وہاں بھی اندر آنے کی اجازت نہیں۔''

''ظاہر ہے وہاں آپ جیسوں کی بہتات جو ہو گی۔ ہماری جگہ کہاں بنے گی؟'' شیزل نے اسے پوری طرح نظر انداز کیا۔ اور انگیشن میں چابی گھمائی۔

''بائے داوے میں نے ڈیزائن پسند کر لیا ہے اور آپ کے باس سے بھی بات کر لی ہے۔ آپ کو جاب چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے آپ کے احسانات کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے اب اگر چاہیں گی تب بھی نہیں کروں گا۔'' مغرور آدمی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ شیزل کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا اس نے باقاعدہ اسکی پشت کو چھ سے سات گالیاں گن کر دیں تھیں۔ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ زور سے دے مارا۔

پہلے چند دن وہ سن رہی تھی۔ اب غصہ آ رہا تھا۔ شدید غصہ۔

اگلے چند دن شاید غم کے نام؟

''آپ بزی تو نہیں ہیں؟''

بیک اسٹیج ایک بڑے سے ہال میں سیاہ رنگ کے صوفے پہ بیٹھے مہدی سے سوال ہوا۔

اسکی پشت سے کان تک مائیک لاتے لڑکے نے باخوبی یہ آواز سنی تب ہی مہدی نے فون کا والیوم کم کیا۔ چہرے پہ ناگواری در آئی۔

''میں بلکل بھی بزی نہیں ہوں تم بتاؤ کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک، قیس سے کوئی بات ہوئی؟''

''قیس کمبیر صاحب اس وقت میرے گھر پہ ہیں۔'' وہ تکان سے بولی۔

''مجھے نہیں پتہ میں آپ کو کیوں بتا رہی ہوں لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ اگر کسی کو نہ بتایا تو شاید پھٹ جاؤں گی۔''

''تم سن سکتی ہو وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اگر تم اس سے ملنے نہیں گئیں تو وہ یقیناً تمھارے لئے ایسے مسائل کھڑے کرے گا جن سے تم نکل بھی نہیں سکو گی۔''

کوئی لڑکی اسے بتارہی تھی اگلی باری اسکی ہے۔ مہدی نے فون چہرے سے پرے کیااور اسے اپنی باری آدھا گھنٹہ لیٹ کرنے کو کہا۔ وہ چند پل متذبذب سی کھڑی رہی پھر پھر پلٹ گئی۔ وہ مکمل یکسوئی سے زینیا کی بات سن رہا تھا۔

''میں نہیں سن سکتی اور نہ سننا چاہتی ہوں۔ میں بس تیار ہوں۔ دیکھتے ہیں کس حد تک جاتا ہے وہ۔ ویسے اس وقت وہ غلط فہمی میں ہے کہ مجھے سب پتہ تھااور میں نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔ اگر وہ کچھ extreme کرے گا تو شاید جسٹیفائیڈ ہو؟''

مہدی نے گہری سانس لی۔ آس پاس بکھرے سامان اور پھیلاوے کو ایک نظر دیکھا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں اپنے بھائی کے خلاف نہیں ہوں۔ کہیں نہ کہیں مجھے تم سے زیادہ اسکے لئے برا لگ رہا ہے۔ وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے آپ کو اسکے لئے زیادہ برا لگ رہا ہے۔ اور مجھے یہ برا نہیں لگا۔''

اسنے فون کان اور کندھے کے بیچ لگالیا اور خود اپنی الماریوں کی طرف آگئی۔

''میں کیا کروں؟ میں تمہیں غلط نہیں کہوں گا۔ لیکن میں یکدم اپنے بھائی کے خلاف بھی کیسے جاؤں؟ وہ ہرٹ ہوا ہے۔ مجھے اس کے لئے بہت برا لگ رہا ہے۔ اسکا دل بہت برا ہوا ہو گا۔ مجھے پتہ ہے وہ غلط ہے لیکن وہ میرا بھائی بھی ہے۔'' وہ لب کاٹنے لگا۔ یہی حالت اسکے دل کی تھی۔ قیس کے لئے اسکا دل کٹ کر ہی رہ گیا تھا۔

''میں گوادر آجاؤں؟''

''ضرورت تو نہیں ہے لیکن، قیس سے ایک بار پھر گردن جلوانی ہے تو آجائیں۔'' اس نے گول مول ہوئے رکھے کپڑے ہاتھ سے نیچے کارپٹ پہ گرائے۔ دوپٹے اور خانے میں بچھی ہوئی اخباریں بھی نکال لیں۔

دوسری طرف وہ ہنس پڑا۔

''تمھیں کیسے پتہ وہ قیس نے کیا تھا؟'' بے اختیار ہاتھ سے گردن کو چھوا۔ زخم تازہ تھا۔

''پتہ نہیں بس پتہ چل جاتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''اچھا بتاؤ ناں میں آجاؤں ؟''

''کیوں آنا ہے؟''

''تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں،تاکہ تم اکیلے نہ محسوس کرو۔''

''آپ اسے کال کرلینا۔بات کرکے دیکھیں شاید وہ اپنی طرف سے آپ کو کچھ بتائے۔یا اسے واپس بلوائیں۔ورنہ وہ کچھ کرے گا تو میں ڈبل کروں گی۔''زینیا نے بات بدلی۔

''تم اب بھی اسکے لئے سوچ رہی ہو؟''مہدی صوفے سے اٹھ کر اس حال سے شور سے دور ایک طرف نکل آیا۔زندگی میں پہلی بار اس نے خواہش کی تھی کہ کاش وہ زینیا حاکم کی زندگی کا پہلا اور آخری مرد ہوتا۔اس سے پہلے کوئی عبداللہ نہیں،درمیان میں کوئی بالاج نہیں۔صرف مہدی،اور زینیا بس۔

''محبت اور تعلق ختم ہو جاتے ہیں باقیات رہ جاتے ہیں۔عبداللہ کے لئے میرے دل میں ایک سافٹ کارنر تھا،ہے اور رہے گا۔میں اس سے کبھی نفرت نہیں کر پاؤں گی۔نہ میں یہ چاہوں گی لوگ اس سے نفرت کریں۔''

اس نے جیب سے سگریٹ نکالا اور لبوں کے درمیان دبایا۔پھر دوسری جیب سے لائٹر نکال کر اسے شعلہ دکھایا۔سگریٹ جل گیا تھا۔اسکا دل بھی۔

''میں کبھی ان کتابوں اور فلموں سے relate نہیں کر سکا جن میں ایک انسان کسی دوسرے انسان کی محبت سے مووآن کرتا ہے تو اسکے حوالے سے ہر احساس کھو دیتا ہے۔ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟میں اب بھی انیسہ کے لئے اچھا سوچتا ہوں۔میں چاہتا ہوں وہ ہرٹ نہ ہو اور اپنے لئے اچھے فیصلے کرے۔ہاں لیکن میں اپنے حال اور مستقبل میں اسے نہیں دیکھتا یہ الگ بات ہے۔''

''یہ سچ ہے۔''زینیا نے دھیمے لہجے میں کہا۔پھر الماری کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھتی گئی۔

''میں نہیں چاہتی،عبداللہ ہرٹ ہو یا پھر اسکی وجہ سے میرا خاندان ہرٹ ہو۔اس سے تعلق ختم ہے لیکن۔۔''

"باقیات، باقی ہیں۔" سگریٹ کے دھوئیں ہوا میں اڑاتے ہوئے اس نے جملہ مکمل کیا۔ چہرے پہ کچھ تھا کوئی عجیب سا تاثر۔ شاید جلن۔ زینیا نے آنکھیں موند لیں۔ پیر سمیٹ کر گھٹنے سینے سے لگا لئے۔

"جب وہ حادثہ ہوا تھا تب ہمارا سارا خاندان ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ قیس نے بہت ساری مشکلات دیکھیں۔ ہماری زمینیں اور انکا پیسہ ہمیں نہیں ملتا تھا۔ حالات بہت تنگ تھے۔" وہ زینیا سے وہ باتیں کہہ رہا تھا جن کا ذکر اس نے آج تک خود سے بھی نہیں کیا تھا۔

محبت حفاظت سے رازداری کے درجے پہ آ گئی تھی۔

"میری ماں کی وجہ سے کوئی بھی مجھے اور میری بہن کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن ان دنوں میری بہن بھی میرے باقی خاندان کی صف میں شامل ہو گئی۔ قیس کو بہت غم لگا تھا جب میرہ نے اسے کئی سال بعد محب سے شادی کرتے وقت چھوڑا لیکن وہ مجھے بارہ سال کی عمر میں چھوڑ چکی تھی۔ اور میں کسی سے کچھ نہیں کہہ سکا بس چپ رہا۔" اس نے سگریٹ نیچے پھینک دیا۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔

"وہ سب لوگ میرے سامنے بیٹھ کر میری ماں کے بارے میں بات کرتے تھے۔ میں بارہ سال کا تھا لیکن گالی ہر بچے کو سمجھ آتی ہے میں نے ہر دفع اپنی ماں کی تذلیل سنی اور ایک بار پھر چپ رہا۔ کیونکہ مجھے ان لوگوں سے دور نہیں جانا تھا۔ وہ سب میری فیملی تھے۔ سارا غصہ ساری aggression ساری غیرت سب کچھ دل میں رکھ کر بڑا ہوا میں۔ بہت مشکل ہوتا ہے وہاں چپ رہ کر سہنا جہاں ہر لفظ پہ خون میں ابال اٹھتا ہو۔"

زینیا چپ چاپ اسے سن رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں مگر وہ جل رہی تھیں۔

"میرہ مجھ سے جھگڑتی تھی اگر میں کبھی اپنی ماں کی فیور کر دیتا۔ بختیار چچا مجھے بیلٹ سے مارتے تھے اگر گھر میں مجھ سے کوئی بھی غلطی ہو جاتی۔ میرے گھر کے ملازمین تک مجھے اتنا برا ٹریٹ کرتے رہے اور میں برداشت کرتا رہا۔ اسکول میں بچے مجھے بُلی کرتے تھے مگر میں چپ رہا۔

میں نے سب دل میں رکھا کیونکہ مجھے کہنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ میں اپنی سیلف ریسپیکٹ ختم کر کے، اپنے خاندان کا کارپٹ بن کر بس صرف acceptance چاہتا تھا۔

کبھی نہیں ملی۔ قیس ہمیشہ سے مجھ سے نفرت کرتا تھا۔ اور اس کے رویے میں تبدیلی آنے کی بجائے مزید خرابی آتی گئی۔ تم سوچ سکتی ہو زینیا کہ ایک پورا گھر ہے جہاں سات سے آٹھ افراد ہیں اور تم وہاں بلکل اکیلی ہو۔ تمہارا کوئی نہیں تمھارے لیے کوئی نہیں۔ لیکن ایک خوف ہے جو تمہیں ان سے دور جانے نہیں دیتا۔''

''شاید میں سمجھ سکتی ہوں۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ مرد دو عورتوں کے آگے ہارتا ہے پہلی اسکی ماں اور دوسری اسکی محبت وہ جس میں ماں والا عکس ہو۔ مہدی کمبیر کو آج اپنی محبت میں وہی شفقت نظر آئی۔

''میں بڑا ہوا تو یہ سب سہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ لیکن میں بس یہ نہیں چاہتا تھا کہ کبھی بھی کسی اور کو **"مہدی"** بننا پڑے۔ اور اس کام کے لئے میں نے بولنا شروع کیا۔ لوگ سنتے تھے relate کرتے تھے ہیل ہوتے تھے۔ میں مگر ایک جگہ قید تھا میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن تم جان گئیں۔ اگر میری ماں زندہ ہوتیں تو وہ بھی جان جاتیں۔ تم اس دن میرے لئے precious بن گئی تھیں۔

"i adore the moment we met"

بے حد سنجیدگی سے اضافہ کیا۔

''قیس ان تمام حالات میں میری شیلڈ تھا۔ اگر اسے پتہ چل جاتا کسی نے میرے ساتھ غلط کیا ہے تو وہ فوراً نہ سہی لیکن چارج لے لیتا تھا۔ میرے لئے وہ میرا سارا خاندان رہا ہے۔ اور رہے گا۔ اسکے غلط کو صحیح نہیں کہتا لیکن اسکے غلط پہ اسکے ساتھ غلط ہو یہ برداشت بھی نہیں کر سکتا۔ میں اسے پروٹیکٹ کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں اسی لئے وہ لمحہ نہیں لانا چاہتی جب آپ کو ہم دونوں میں سے کسی کو منتخب کرنا پڑے۔''

مہدی نے گہری سانس بھری۔ ہلکا سا مسکرایا اور مڑ کر دیکھا تو کئی لوگ فاصلے پہ کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ لاٹ صاحب کی کال ختم ہونے کا انتظار جاری تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مزید دس منٹ کا وقت مانگا۔ وہ لوگ اسے دس منٹ نہیں دینا چاہتے تھے مگر وہ رخ موڑ گیا۔ مل گئے دس منٹ۔

''اگر ایسا کوئی موقع آیا بھی تو میں تعلقات توڑنے پہ یقین نہیں رکھتا۔''

''اوہ میں تو آپ سے امپریس ہو گئی، سرکار۔'' وہ آنکھیں کھولتے ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولی۔

''میرے کتنے مہینوں کی کوششیں ٹھکانے لگیں آہ۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''ویسے فون پہ تمہاری زبان زیادہ چلتی ہے۔''

''کیونکہ فون پہ آپ مجھے دیکھ نہیں رہے ہوتے۔''

''یہ زیادتی ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں تم کیسے بلش کرتی ہو۔''

''شٹ اپ۔۔۔'' کپڑوں سے سیاہ رنگ کا جوڑا نکالتے ہوئے وہ خفگی سے بولی۔ مہدی ہنس پڑا۔ لمحوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''ویسے میں سوچ رہا ہوں شیزل نے اچھا مشورہ دیا تھا۔'' اس نے مڑ کر اشارے سے ایک لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور کان کے مائیک کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کان سے نیچے لٹک گیا تھا۔

''کونسا مشورہ؟''

''گھر سے بھاگ جانے کا۔'' وہ لڑکے کی موجودگی محسوس کرتے بلوچی میں بولا۔

زینیا ٹھہر سی گئی۔ ایک لمحے کو خیال آیا وہ کتنا خوب صورت بولتا تھا۔

''اگر اب بھی موڈ ہو تو بتانا۔ قیس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو واپس آجائیں گے۔''

''آپ کا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ سرخ ہوتے ہوئے چہرے سے بولی۔

''جا کر اسٹیج پہ تقریر کریں ورنہ اب لوگ بوتلیں پھینکیں گے۔''

''ویٹ تمہیں کیسے پتہ میں کہاں ہوں؟'' لڑکا مائیک سیٹ کر کی ہٹا تو مہدی متعجب سا بولا۔

''جھوٹ بولنے سے پہلے آپ انسٹا گرام پہ سچی سٹوریز ڈال چکے ہیں۔''

''یعنی اتنی دیر تک تم میرا فائدہ اٹھاتی رہی ہو؟''

''with pleasure'' اس نے اضافہ کیا۔اور مسکراتے ہوئے کال کاٹ دی۔دوسری طرف مہدی اسکی چالاکی پہ کلس کر رہ گیا۔زینیا کے دل سے ڈھیر سارا بوجھ سرک گیا تھا۔

وہ شخص جنگوں کے دور میں امن کی طرح زندگی میں آیا تھا۔

(اس کوٹھڑی میں کئی عورتیں تھیں۔ان سب کی نگاہیں ''اس'' پہ مرکوز تھیں۔اس نے شال کو مضبوطی سے اپنے کندھوں کے گرد باندھا۔پیر بیچ پڑ رہے تھے۔اب انہیں کون گرماہٹ پہنچائے؟اسے بے انتہا سردی لگ رہی تھی۔وہ باقاعدہ ٹھٹھرنے لگی تھی۔باہر سے بارش اور لوگوں کی آواز آرہی تھی۔اسکا بھیگا لباس سردی کی شدت میں اضافہ کررہا تھا۔گردن اتنی بری طرح جل رہی تھی جس کی کوئی حد نہیں۔اس نے دانتوں پہ دانت جمالئے کپکپاہٹ کچھ کم ہوئی تھی۔اسے گھورتی ہوئی ایک فربہ عورت نے اسے پکار لیا۔

''کتنا پیار کرتا تھا تجھ سے،پھر بھی مار دیا اسے؟شرم نہیں آئی؟چند ٹکے کی خاطر اسے مار دیا؟''اسکے لہجے میں ملامت اور تضحیک ملکی شامل ہوئی۔لڑکی خاموش رہی۔بے حد چپ۔ہلکی زرد روشنی میں اسکا سراپا غیر واضح تھا۔

''بے غیرت عورت۔حیا نہیں آئی؟''دوسرے کونے میں بیٹھی عورت نے تبصرہ کیا۔وہ سن کر رہ گئی۔

آج کے بعد سے اسے کیا کیا سننا تھا وہ اس حساب کو بھولنے والی تھی۔وقت گزرتا رہا۔رات کی گمبھیر خاموشی میں گھڑی کی ٹک ٹک کا ارتعاش برقرار رہا۔یہاں ہر آنکھ اسے تک رہی تھی۔ہر نظر میں تمسخر تھا۔''وہ'' نظر کہاں تھی؟)

عبداللہ آیا تھا اس نے دیکھا وہ گیا،موجود ہے اسے علم نہیں ہوا۔گھر میں ایسی خاموشی تھی جیسے ہر ایک پہ سکتہ طاری ہو گیا ہو۔زینیا حاکم بغیر کسی تاثر کے گھر میں پھرتی رہی۔پھر کپڑے تبدیل کئے اور چھت پہ آگئی۔کیمرہ اور کچھ چیزیں ساتھ تھیں۔وہ دھند کے پار چمکتے چاند کی تصاویر اتار رہی تھی۔دفعتاً اس نے سیڑھیوں پہ دھپ دھپ کی آواز سنی۔وہ بے اختیار چارپائی سے اٹھ کھڑی

ہوئی۔ چہرے پہ انتشار تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا سیڑھیاں ختم ہوئیں اور کوئی چھت پہ آیا تھا۔ سرخ بھبھوکا چہرہ اور آنکھوں میں قہر وہ بشر حاکم تھا۔ اسکے ہاتھ میں سرخ گلاب تھے۔ زینیا کا دل دھک سے رہ گیا۔

''تم کتنے عرصے سے جانتی تھی بالاج مر گیا ہے۔؟'' وہ بے حد ضبط کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں واضح غضب تھا۔

''تم نے ہی کال کر کے بتایا تھا۔'' وہ سنبھل کر بولی۔

''اپنی بکواس بند کرو، مجھے بے وقوف مت بناؤ۔'' حلق کے بل چیخا۔ زینیا سہم کر پیچھے ہوئی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''یعنی تم اس سے پہلے کچھ نہیں جانتی تھیں؟'' اسکی آنکھوں میں سرخی بڑھ گئی۔

''تم عبداللہ کی حویلی گئی تھیں؟ تم نے ابھی چند گھنٹے پہلے اسے کال نہیں کی؟ یا پھر یہ کہہ دو کہ ڈیڑھ سال سے تم اسکے آفس میں کام نہیں کر رہیں؟ تم اس سے رابطے میں نہیں ہو۔ کہہ دو وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ تم عبداللہ کے ساتھ کام کرتی رہی اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟''

زینیا کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ وہ ناں کہتی تو بشر کی آنکھوں میں اعتماد واپس نہیں پا سکتی تھی۔ وہ ہاں کہتی تو دھوکہ ہمیشہ وہیں رہ جاتا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں مجھے سچ سچ بتاؤ، زینیا۔ اگر ایک لفظ بھی جھوٹ ہوا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔'' اس نے پھولوں کا بکے زمین پہ دے مارا۔

''میں تمھیں۔ میں۔ سمجھاتی ہوں ادا۔۔۔ چیزیں وہ نہیں ہیں جو تمھیں نظر آ رہی ہیں۔ عبداللہ تم سے جھوٹ کہہ رہا ہے۔''

''یعنی ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور یہ سب جھوٹ ہے؟ کہہ دو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' وہ اسکے قریب آ کر رکا۔ آنکھوں میں ترش تاثر تھا۔

''میں تم سے صرف ایک بات پوچھوں گا۔ ہاں یا ناں۔؟''

''میں اسکی۔۔۔''

''وہ سچ کہہ رہا ہے؟ ہاں یا ناں؟''

''بشر میری بات سمجھ۔۔''

''ہاں یا ناں؟'' وہ دوبارہ حلق کے بل غرایا۔ زینیا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو چکے تھے۔

''ہاں۔۔ میں جانتی تھی بالاج مر گیا ہے۔'' ۔وہ شل رہ گیا۔

اتنا بڑا دھوکہ؟ اسکی اپنی بہن اسے اتنے عرصے سے بے وقوف بناتی رہی تھی؟

''میں اسکے پاس نوکری کرتی تھی لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ عبداللہ ہے۔ میرا اس سے رابطہ نہیں رہا۔ میں تمہیں بتانے والی تھی، بشر۔''

''وہ لڑکی جس سے وہ دوسری شادی کرنے والا تھا وہ تم تھیں؟'' زینیا نے بے بسی سے گردن جھکا دی۔ بشر کے سینے میں کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ بے حد بری طرح سے۔

''میں تمھیں بتانے والی تھی، بشر۔''

''میں نے تم پہ اعتبار کیا تھا، زینی۔ میں نے تمھارے لئے کیا کچھ نہیں کیا تم نے مجھے یہ صلہ دیا؟'' وہ بے یقین تھا۔ متحیر بھی۔ وہ بے دھم سا چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

''بشر میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرا اعتبار کرو۔ عبداللہ نے چیزیں مختلف طریقے سے پیش کی ہیں۔ سچ وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ ادا پلیز میری بات سنو۔'' وہ روتے ہوئے اسکے پاس آکر بیٹھی۔

بشر نے سر کو ہاتھوں میں گرا لیا۔ تکلیف تب بہت ہوئی تھی جب عبداللہ نے اسکی بہن کا نام لیا تھا مگر اب اذیت تھی جو اسکے اعتراف پہ ہو رہی تھی۔ عمر بھر کا سرمایہ خاک ہو گیا تھا۔ اسے اپنی ہی بہن پہ اعتبار کر کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

''تم نے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا، زینی۔ تم وہ نہیں ہو جو میں تمہیں سمجھتا رہا ہوں۔ میں نے تمھارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چارپائی پہ رکھا اسکا کیمرہ، اور موبائل اٹھایا۔ زینیا نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تم نے وہ کیا جو تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔اب میں وہ کروں گا جو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ تم آج کے بعد اس گھر سے قدم باہر نہیں نکالو گی۔ تم اسلام آباد نہیں جاؤ گی۔ آج سے کوئی فوٹو گرافی نہیں ہو گی۔ کہانیاں گھڑنے کا فن ہے ناں تمھارے پاس اب بیٹھ کر کوئی ایسی کہانی گھڑو جو تمہیں اسلام آباد لے کر جا سکے۔''

''بشر۔۔''اس نے بے یقینی سے اسے پکارا۔ وہ میلوں کے فاصلے پہ تھا سنتا بھی تو کیسے؟

''یہ مت کرو ادا۔ ایک ہفتہ بعد میرے پیپر ہیں۔''اسکے حلق سے آواز بامشکل نکل پا رہی تھی۔ خواب دسترس سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔

''میں تمہیں سب سمجھاتی ہوں لیکن پلیز یہ مت کرو۔ عبداللہ جھوٹا ہے۔''

''وہ وقت گزر گیا ہے جب مجھ پہ تمہاری باتیں اثر کر جاتی تھیں۔''بے گانگی سے کہتے ہوئے وہ اسکے سامنے سے ہٹ گیا۔ زینیا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ چند مشینیں نہیں، اسکا اثاثہ لے کر جا رہا تھا۔ وہ دل میں بد گمانی لے کر جا رہا تھا اور زینیا حاکم کچھ نہیں کر سکی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ گیا تھا مگر اسکے جاتے ہی کوئی اور آیا تھا۔ بشر کی آنکھوں سے زیادہ قہر اسکی آنکھوں میں تھا۔ بے اعتباری اسکے چہرے پہ لکھی نظر آ رہی تھی۔ اور غضب اسکی آنکھوں سے نکل رہا تھا۔

''یہ کون سے کھیل، کھیل رہی ہو تم ہمارے ساتھ؟ عبداللہ۔۔۔؟ یا پھر قیس۔ کیا یہ وہی آدمی نہیں ہے جسے تم نے کراچی میں مجھ سے ملوایا تھا؟ تم نے اس کے ہاتھوں بالاج کو مروایا ہے تاکہ تمھارے لئے آسانیاں ہو جائیں۔ تم دونوں ہنسی خوشی رہنے لگ جاؤ؟ میں تمھیں زندہ گاڑ دوں گا، زینی۔''

زینیا نے تھکی تھکی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''بشر کی طرح فیصلہ سنا کر جانا چاہتے ہو یا پھر بیٹھ کر میری بات سننا چاہتے ہو؟ تم جو کہو میں اسی پہ راضی ہوں۔ لیکن یہ سوچ لینا کہ اگر میں اسے عبداللہ کی حیثیت سے جانتی ہوتی تو اسے کم از کم اپنے دیور سے نہ ملواتی۔ اگر قیس نامی شخص سے میرا کوئی افیئر ہوتا تو کراچی ہسپتال میں، میں اس سے سر عام ملاقاتیں نہ کر رہی ہوتی۔''وہ ایک پل کو رکی۔ ضیغم کی زخمی نگاہوں میں دیکھا۔

''تم مجھے کئی بار شوٹ پہ چھوڑنے گئے پھر لینے آئے۔ کیا تم نے میرے کردار میں کوئی جھول دیکھا؟اور اگر دیکھا تو ٹھیک ہے۔ میں سب الزام قبول کرتی ہوں۔ جو تم کہو، جیسا تم سمجھو۔''

وہ ہنوز چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مرد کو گھر کی عورت کے متعلق کچھ معلوم ہو جائے تو انا کا ایک وار ہوتا ہے۔ وہ مان ہی نہیں سکتا کہ وہ چھینٹا جو اسکے گھر کی عورت پہ پڑا ہے وہ راہ چلتے بے دھیانی میں بھی لگ سکتا ہے۔ اور کسی کی سازش کے نتیجے میں بھی۔ ایسے میں کچھ مرد ہوتے ہیں جو ''**انا**'' سے زیادہ اپنے گھر کی ''**عورت**'' پہ یقین کرتے ہیں۔

''ایک بار میری بات سن لو۔''

ضیغم دھیرے سے تھک کر اسکے ساتھ ذرا فاصلے پہ بیٹھ گیا۔ انداز غیر پر سکون تھا۔ آنکھوں میں چبھن برقرار تھی۔

''بالاج کہتا تھا تمہارے اندر اگر کوئی ایک چیز بھری ہوئی ہے تو وہ وفاداری ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں میرے بھائی کے لفظوں میں کتنی سچائی ہے۔''

زینیا نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ اور اسے پہلے دن سے لے کر آج تک کی تمام کہانی کہہ سنائی۔ وہ سنتا رہا بس سنتا رہا اور صرف سنتا رہا۔ کچھ وقت بعد جب رات چڑھ آئی تو وہ چپ ہوئی۔ اس گفتگو کے درمیان وہ کافی دفع اٹکی تھی۔ کافی دفع روئی تھی اور کئی دفع اسکے حلق سے الفاظ غائب بھی ہوئے۔ وہ خاموش ہوئی تو ضیغم نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں کس پہ یقین کروں اور کس پہ نہیں مجھے نہیں پتہ۔ لیکن میں اپنے بھائی پہ یقین کرتا تھا۔ اور اس نے مجھے تمھارے متعلق کبھی کچھ غلط نہیں بتایا۔ لیکن تم کہاں کہاں غلط ہو یہ تم جانتی ہو؟''

زینیا نے گردن جھکا دی۔ اور لب کاٹنے لگی۔

''تم مجھے جج کرو گے؟''

''پتہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اس خاندان کی سب سے پرفیکٹ عورت نہیں ہو میں تمھارے منہ سے یہ سننا چاہتا ہوں۔ تم نے خود کو عقل کل سمجھ کر خود کو عظیم سمجھ کر جتنی غلطیاں کی ہیں میں سب کا اعتراف سننا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر تم الزام دینا شروع کرو۔''

''میں الزام نہیں دے رہا صرف سوال کروں گا۔ تم زیرک ہو، کیا تمہیں ایک وقت بعد یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ قیس تم پہ مہربان ہے؟ ضرورت سے زیادہ مہربان۔''

زینیا نے نگاہیں نہیں اٹھائیں وہ بس اپنے پیروں کو دیکھتی رہی۔ ان پہ لگا ہوا جامنی نیل پینٹ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

''مجھے تب معلوم ہوا جب بالاج پوری طرح سے غائب ہو گیا تھا اسکے دو ماہ بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرے ساتھ بہت نرم ہے۔ گو کہ وہ ایسا بہت کم ظاہر کرتا تھا لیکن مجھے اندازہ ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب میں باؤنڈری بنا لیتی یا پھر نوکری چھوڑ دیتی۔

لیکن میں بہت بڑی materialistic ہو گئی تھی۔ وہ جاب چھوڑنا میرے کیریئر کو تباہ کر سکتا تھا۔ اور باؤنڈری میں نے بنانی چاہی تھی لیکن ہر بار ٹوٹ جاتی تھی۔ قیس مجھے کسی باؤنڈری کے ساتھ قبول کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہر بار مستقبل کے خوف سے اپنی ہر باؤنڈری چھوڑ دیتی تھی۔ لیکن یہ سب بالاج کی موت کے بعد ہوا، اس سے پہلے میری انسکیورٹی مجھے حد قائم کرنے سے روکتی تھی۔''

اس نے آنکھیں بند کیں۔ انکے پار درد تھا۔ بے پناہ درد۔ وہ کیسے کیسے خود کو بے توقیر کر آئی تھی۔ یہ اس نے کیسے ہونے دیا؟ کوئی لڑکی کیسے ایسا ہونے دیتی ہے؟

''میں ڈری ہوئی تھی ہر مڈل کلاس بیک گراؤنڈ سے آئے ہوئے بچے کی طرح۔ مجھے لگا تھا اگر کوئی ناکامی ہوئی تو مجھے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ میں غلط تھی۔ مجھے تب سمجھ نہیں آیا تھا۔ لیکن اب آ گیا ہے۔ میرا aura ڈھیلا پڑا تھا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب قیس کو لگا میں اسکے لئے **"دستیاب"** ہوں۔ کوچنگ، ورک پلیس، یونیورسٹی یہاں تک کہ ملک سے باہر جا کر پڑھنے والی لڑکیوں کے اندر بھی کہیں نہ کہیں یہ بات **"فٹ"** ہوتی ہے کہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے۔ مرد کولیگ ان سے

آگے جائے گا۔ مرد باس کے سامنے بولنا نہیں ہے اور کئی بار وہاں باؤنڈری بھی ٹوٹ جائے تو خیر ہے۔ ہر لڑکی جو باہر جا کر کام کرنا یا پڑھنا چاہتی ہے وہ میری طرح انسکیور ہوتی ہے۔ ہر مڈل کلاس لڑکی زینیا حاکم ہے۔ جس کے خواب ہیں تعبیر کے لئے ہاتھ پیر مارنے ہیں۔ جو باہر جائے گی تو آدھا خاندان بات کرے گا جو اگر ناکام ہوئی تو اسکی سات نسلوں کو اسکی ناکامی کے قصے سنائے جائیں گے۔ ہمارے کندھوں پہ بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ کامیابی کا، خاندان کی عزت کا۔"

"یعنی یہ سب تم نے پیسے اور مقام کے لئے کیا؟ خود کو گرا دیا؟"

"میں نے خود کو گرایا نہیں ضیغم لیکن میں خود کو constant بھی نہیں رکھ پائی۔ ہر لڑکی کو ایک چیز دماغ میں بٹھا کر گھر سے باہر نکلنا چاہیے کہ ہر وہ کام غلط ہے جسے وہ اپنے بھائی یا باپ کے سامنے نہیں کر سکتی۔ میں بشر کے سامنے کیا عبداللہ کو جو کس سنا سکتی تھی؟ ہر گز نہیں۔

لیکن مجھے میری پوزیشن ہاتھ سے جاتی محسوس ہوئی اور میں نے باؤنڈری توڑ دی۔ میں اس شہر میں نام بنانے گئی تھی کیونکہ میرے بچپن میں، میں نے صرف یہی دیکھا تھا کہ ایک دن زینیا حاکم خود مختار ہو گی۔ دنیا پہ حکومت کرے گی۔ اپنی گاڑی، اپنا پیسہ ہو گا۔ لیکن میں وہ لڑکی بھی تھی جس کے اندر اسکے دل میں گہرے زخم تھے۔ انسکیورٹیز تھیں۔ اور کوئی بیک اپ نہیں تھا۔ ہوتا تو میں اس حد تک نہیں جاتی۔ اگر میری غلطی پہ پیچھے مڑ کر دیکھنے پہ مجھے طعنوں اور پھٹکار کے سوا کچھ ملتا تو میں ضرور وہ نوکری قیس کے منہ پہ مار کر آتی۔

جب کوئی بچہ گھر سے باہر کام کے لئے نکلتا ہے اسے ہمیشہ بتایا جاتا ہے اللہ اسے کامیاب کرے گا۔ اگر کسی دن اسکے سامنے بیٹھ کر یہ کہہ دیا جائے کہ تمہاری ناکامی پہ بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں تو ورک پلیس کی غلامی کوئی نہ جھیلے۔

اسکول اور کالج میں بُلی کوئی نہ ہو۔ یونیورسٹیز میں ٹاپرز کے آگے پیچھے کوئی دم نہ ہلاتا نظر آئے۔ اس معاشرے کو اپنے تربیتی اصولوں پہ غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔"

کئی منٹ وہ خاموشی سے گردن جھکائے گود میں پڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ لمبی انگلیاں، بے داغ ہاتھ۔ اسکی غیر معمولی خوبصورتی بھی۔ ضیغم بھی اسی طرح بیٹھا تھا۔ کیا کہتا، کیسے کہتا کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے لمبے لمبے مکالمے کہنے نہیں آتے تھے۔

''جب، کونج اور میری بات ہوتی تھی تب تم نے کیا کیا کہا تھا یاد ہے؟''

زینیا نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''مجھے بڑی بڑی باتیں نہیں آتیں لیکن میں یہ کہوں گا کہ تم نے آئینے میں خود کو دیکھا ہے؟ نظر ملائی ہے خود سے؟ اپنے لفظوں پہ غور کیا ہے، یا پھر اپنی زندگی اور اسکے پیٹرنز پہ غور کیا ہے؟ قیس بھی تمہارا نا محرم تھا جسے تم فیورز دیتی رہیں۔''

کوئی کھولتے ہوئے تیل کی کڑاہی تھی جو ساری کی ساری زینیا کے منہ پہ آکر گری تھی۔ وہ جھلس گئی۔ روح بھی جھلس گئی۔ کونج کو کہے ہوئے الفاظ اسکے منہ پہ جوتے کی طرح آکر لگے۔ اور ساری عمر کے لئے نشان چھوڑ گئے۔

''گناہ ہمارے لئے گناہ تھا تو تمہارے لئے کیوں نہیں ہے؟''

''میں نے اسکے ساتھ محبت کے کوئی دعوے نہیں کئے۔ میرا اسکے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں تھا۔'' وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ بامشکل ہی کہہ سکی۔ کس نے اسکے جلے ہوئے چہرے پہ نمک مرچ لگائے تھے۔ جلن سی جلن تھی۔

''تمہیں یہ پتہ تھا ہمارا تعلق کیسا ہے؟ آدھا وقت تمہاری بہن اپنے غموں پہ روتی تھی اور آدھا وقت میں اس سے اپنے مستقبل کو ڈسکس کرتا تھا۔ لیکن غلط تھا۔ نالی میں کھڑے ہو کر صاف پانی سے بدن دھو لینے سے بدبو نہیں جاتی۔''

''تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔ میں ایسی نہیں ہوں۔''

اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ چہرہ یوں تھا جیسے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ وہ وہاں آکر مری تھی جہاں پانی بھی نہیں تھا۔

''وہ تمہارے لئے لاکھوں روپے خرچ کر کے تمہیں مسائل سے نکالتا ہے۔ وہ تمہیں چھوڑنے ہاسٹل آتا ہے۔ تم سے اپنے غم کہتا ہے۔ تمہیں آفس سے نکالنے کے بعد سڑک پہ گاڑی روک کر تم سے معافی مانگتا ہے۔ کسی تقریب میں تمہیں کسی غیر کے لئے کام کرتے دیکھ غصہ ہوتا ہے اور پھر منانے کے لئے ہر حد پار کرتا ہے۔ تم ایسی نہیں ہو، لیکن کبھی سوچا ہے اسے **''ایسی''** کیوں لگی؟''

زینیا دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ ٹکر ٹکر اسے تک رہی تھی۔ اسکی بلندیوں نے اسے کیسے جال میں جکڑا تھا اسے اندازہ بھی نہیں ہو سکا۔ اسکی خواہشیں اور اسکی برتری کے خوابوں نے بری طرح اسکی آنکھوں کو نوچ ڈالا تھا۔ ضیغم اٹھ کر جا رہا تھا۔ زینیا

کو یوں لگا وہ اس زندگی میں یہاں سے نہیں اٹھ سکتی۔ گھر بنانے والی لڑکیوں، کو وہ عام سمجھا کرتی تھی۔ خود کو عقل کل اور پرفیکشنسٹ سمجھتی تھی۔ وہ تو کچھ بھی نہیں تھی۔ سوائے ایک ٹراماٹک بچپن دیکھنے والی، انسکیورٹیز سے بھری ہوئی۔ جس نے محض خود کو پردوں میں چھپا کر رکھا تھا۔

آج سب پردے اتر گئے۔ اسے اپنا آپ برہنہ لگا۔

وہ ساری رات بے چینی کے عالم میں کمرے کے چکر کاٹتی رہی تھی۔ وقت جیسے کچھوے کی رفتار سے گزر تا رہا تھا۔ رات کے نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ مگر صبح اسکی آنکھ ٹیلیفون کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سے کھلی۔ برامدے سے اسکا کمرہ بہت نزدیک تھا اسی لئے ٹیلیفون کی آواز اسکے کانوں تک آرہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔ کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں گزرے پھر اس نے چادر ہٹائی اور باہر نکل آئی۔ بال پشت پہ بکھرے تھے اور آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ اس نے برامدے میں کھڑے ہو کر ٹیلیفون کان سے لگایا۔

''ہیلو؟''

''تم نے فون اٹھانے میں بہت دیر کر دی یار۔'' قیس کمبیر کی آواز نے اسکی ریڑھ کی ہڈیوں تک کو جما دیا۔ اسکی ساری نیند بھک سے اڑی۔۔

''تمہیں یہ بتانا تھا کہ تمہاری بہن میرے ساتھ ہے۔ کچھ چیزیں تھیں جو مجھے تم سے معلوم کرنی تھیں۔ افسوس تم نے مجھے انکار کر دیا۔ جانتی ہو ناں انکار کتنے برے لگتے ہیں مجھے؟'' وہ بڑے ہی نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

''کونج کہاں ہے، قیس؟'' اسکی ساری حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا وہاں تین بج رہے تھے۔ کونج گھر پہ نہیں تھی۔ اسکے پیروں سے زمین کھسک گئی۔

''میرے ساتھ ہے۔ میں نے اسے کالج سے پک کیا کچھ باتیں کیں۔ لیکن اسکے پاس میرے جواب نہیں ہیں۔ تم وہ جواب دینا چاہو گی؟''

''تم ایک بچی کو استعمال کر رہے ہو، تمہیں شرم آنی چاہیے۔'' وہ پھنکاری۔

''میں بچی کو استعمال کر رہا ہوں؟ واؤ۔ اسی بچی نے مجھے بے وقوف بنایا۔ دھوکہ دیا۔ اور اسکی بڑی بہن اس نے مجھ سے میرے حصے کے لوگ لے لئے۔ تم سب لوگ اپنی اپنی سیاہ کاریاں کیوں بھول جاتے ہو؟'' وہ جیسے تاسف سے کہہ رہا ہو۔

''خیر میں کبی سی ساحل پہ ہوں۔ تمہارا انتظار کر رہا ہوں آجاؤ۔ ورنہ میں شام تک اسے گھر چھوڑنے آجاؤں گا۔ اسکے منگیتر کو برا تو نہیں لگے گا؟'' اس نے کال کاٹ دی۔

زینیا صدمے اور رنج کی ملی جلی کیفیت میں گھری کھڑی رہی۔ وہ رونا بھی چاہتی تھی اور چیخنا بھی۔ آنکھوں میں آنسو بھی تھے اور سختی بھی۔ عبداللہ اسکا ضبط آزما رہا تھا۔ اسے ڈھیر سارا غصہ آیا۔

وہ دادی کے کمرے میں آئی۔ دادی سو رہی تھیں۔ جوان جہان نواسے کے غم نے انہیں توڑ دیا تھا۔ اماں بالاج کے گھر پہ تھیں۔ اور ابا اپنے بھائیوں کے ساتھ گاؤں گئے تھے۔ اسکا موبائل بشر کے پاس تھا۔ اس نے دادی کا موبائل اٹھایا اور کونج کی ایک دوست کو کال ملائی۔ اس نے پوچھنے پہ بتایا کہ وہ تو ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کالج سے نکل گئی ہے۔ اس نے اگلی کال ضیغم کو ملائی، اور کونج کے بارے میں پوچھا۔ وہ انکے گھر پہ بھی نہیں تھی۔ وہ پریشان ہونے لگا مگر زینیا نے اسے بتایا کہ کونج بس ابھی ابھی گھر آئی ہے۔

اسے کوئی خاص سوال نہیں کرنے تھے وہ جانتی تھی۔ وہ بس اسکا ضبط آزما رہا تھا۔ اسے توڑ رہا تھا۔ کمرے میں آکر وہ واشروم گئی۔ چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارے۔ الماری سے دوپٹہ نکالا۔ زندگی میں پہلی بار وہ گھر میں کسی کو بتائے بغیر باہر جا رہی تھی۔

دروازے کے باہر جاتے اسکے قدم ایک لمحے کے لئے رکے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ چند گہرے سانس لئے۔ وہ جلدی واپس آجائے گی۔ بس آدھا گھنٹہ اور بس۔ اس نے پہلا قدم باہر نکالا۔ یہ اسکی زندگی کی سب سے بڑی غلطیوں کی شروعات تھی۔

وہ گوادر سڑکوں پہ پورا ایک سال بعد یوں باہر نکلی تھی۔ اسکے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ کتنا ہی سفر کر کے وہ جب کبی سی ساحل آئی تو بے اختیار اسے مہدی کمبیر اور اس سے ہونے والی وہ پہلی ملاقات یاد آئی۔ وہ تصاویر، وہ چائے کی خوشبو، وہ مکئی کے دانے، وہ اختلاف، سب یہیں سے شروع ہوا تھا۔ کہانی تو شروع ہی ساحل سے ہوئی تھی، پھر اسے کراچی کا ساحل یاد آیا۔ اس نے سر جھٹکا۔

چٹانوں کے عین سامنے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے درمیان وہ کھڑا تھا۔ لہریں اسکے پیروں کو چھو کر پلٹ رہی تھیں۔ اور اسکی نگاہیں وہ اپنے سے کچھ فاصلے پہ کھڑی زینیا حاکم پہ جم گئیں۔ اسکی سوجی، متورم آنکھیں۔ وہ رویا رویا چہرہ۔ قیس کے دل نے اسے ملامت کی۔ اس نے بلاارادہ نگاہیں چرائیں۔

وہ قدم قدم چلتی اسکے قریب آکر کھڑی ہوئی۔ عبداللہ زمان، اور زینیا حاکم ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ کئی پل بیت گئے، کئی ساعتیں گزریں۔ سمندر کی نم ہوائیں انکے بدن کے محاصرے کئے ہوئے تھیں۔ لباس اور بال ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا، عبداللہ سے میری ملاقات ایسی ہو گی۔"

اسکی چادر ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ بالوں کی لٹیں چہرے پہ جھول رہی تھیں۔

"کیسی؟" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔ کیا کہنے آیا تھا، کیوں کہنا تھا کونسی نفرت، کہاں کا انتقام وہ سامنے آگئی تو قیس سب بھولنے لگا گیا۔ وہ اسے پاگل کر رہی تھی اور وہ بھی ہو سکتا تھا۔ اسکا دل چاہا تھا وہ ہاتھ بڑھا کر اسکے بال سمیٹے۔

"سمندر کے سامنے؟ ٹھنڈی ہواؤں کے درمیان؟" اس نے اضافہ کیا۔ اور نگاہیں اس سے ہٹائیں۔

زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔

"خوفزدہ کرنے والی، گھٹن زدہ اور بے بس۔"

"میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا جس لڑکی کو میں اپنے گھر کے خفیہ راستے دوں گا۔ جس کے لئے میں دنیا ادھر کی ادھر کر دوں گا، وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھ سے جھوٹ بولتی رہے گی۔"

"تمھیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ وہ لڑکی کم از کم فریب نہیں تھی۔"

قیس استہزائیہ مسکرایا۔ "جو تمہاری باتوں پہ اندھا یقین کرتا تھا وہ آدمی اب نہیں ہے۔"

"تم جو سمجھ رہے ہو چیزیں ویسی نہیں ہیں۔ اور اگر تمہیں لگتا ہے ہیں تو مجھے بھی مار دو۔ کوئی گلا نہیں ہو گا۔"

''مر کر آزاد ہونا چاہتی ہو تم؟ تمہاری ساری زندگی میرے نام ہے۔ کب کتنی سانس لینی ہے یہ میں طے کروں گا۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ ''میرے قریب آ کر جو تم نے اپنے لئے چنا ہے تمھیں بہت جلد احساس ہو گا تمہارا فیصلہ کتنا غلط تھا۔''

''پھر میں تمہیں بتانا چاہوں گی تم نے غلط لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ تم میرے حاکم نہیں ہو نہ میں بننے دوں گی۔ میری بہن کہاں ہے، عبداللہ زمان؟''

''تم نے میرے سوالوں کے جواب نہیں دیئے۔'' وہ کمال معصومیت سے بولا۔

''وہ چھوٹی بچی ہے، قیس۔ اسے ہمارے درمیان مت لاؤ۔''

''بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے پیر پانی سے باہر نکالے۔ اور چٹانوں کے ساتھ رکھے پتھروں کی طرف آیا۔ زنیا چاروناچار اس سے فاصلے پہ آ کر بیٹھی۔ بے چین اور غیر آرامدہ۔

''میری بہن کہاں ہے؟''

''اس سوال کا جواب تمہیں سب سے آخر میں ملے گا جب تم میرے سارے سوالوں کے جواب دے دو گی۔ جتنی دیر کرو گی اتنا نقصان ہو گا، اور نقصان بھی سارا تمہارا۔''

زنیا کی آنکھوں میں سرخی ڈورے بننے لگے، گود میں دھری مٹھیاں بھینچ گئیں۔ یہاں تک کہ ان میں ناخن پیوست ہونے لگے۔ قیس نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ آگے بڑھا کر اسکی بھینچی ہوئی مٹھیاں کھولنے کی کوشش کی۔ زنیا نے اسکے ہاتھ ہٹانے چاہے مگر قیس کی گرفت سخت تھی۔ اس نے زبردستی اسکی کلائیاں ہاتھوں میں لیں اور اسکی بھینچی ہوئی مٹھیاں کھولیں۔ ہتھیلیاں سرخ پڑ گئی تھیں۔

''تمھارے ہاتھ پسند ہیں مجھے، انکو اذیت دو گی تو بہت برا پیش آ سکتا ہوں۔''

یہ اسکے دفتر میں کام کرنے والی ملازمہ نہیں تھی جسے چھونے کی خواہش وہ دل میں رکھتا یہ اسکی منگیتر تھی، عبداللہ کے نزدیک اسکی ملکیت بھی۔ اب اسکے پاس تمام جملہ حقوق محفوظ تھے، ایسا اسے لگتا تھا۔

"تم تو مجھ سے بھی محبت کے دعوے دار ہو پھر اس تکلیف کا کیا جو تم مجھے دے رہے ہو۔" وہ سلگ ہی تو اٹھی تھی۔

"تم نے مجھ سے کہا تھا کبھی مجھے دھوکہ نہیں دو گی۔ تم میرے لوگوں میں سے تھی۔ وہ لوگ جو محض گنتی کے ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ کاذب نکل آئیں تو میں کہاں جاؤں؟" وہ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اسکی ہتھیلیاں دیکھنے لگا۔ زینیا مسلسل ہاتھ چھڑوا رہی تھی۔

"میں نے تمہیں بلایا تھا، عبداللہ۔ کتنی بار۔ کتنے لوگوں کے ساتھ تمہیں پیغام بھیجے۔ تم نے ہر دفع مجھے رد کیا۔" اس نے قیس کا ہاتھ جھٹکا گرفت سخت ہو گئی۔

"تو تم انتظار کرتیں۔ میں غصے میں تھا۔ میرے مسائل تھے۔ عورت کو سمجھداری سے کام لینا ہوتا ہے اور تم نے کیا چنا؟ کوئی اور مرد؟" قیس نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ پھر زینیا کو دیکھا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے ابھی کے ابھی تمہیں آگ لگا دوں۔ تم نے کیسے کسی مرد کو اختیار دیا کہ وہ تمہیں دیکھے اور چھوئے؟" زینیا کی کلائی جیسے اسکے لمس پہ جلنے لگی تھی۔ وہ سختی سے پیش آ رہا تھا۔

"خود سے پوچھو، عبداللہ کیا یہ اختیار میرے تھے؟ میرے اوپر دو مرد مسلط تھے۔ ابا اور بشر۔ بالاج کبھی بھی میری مرضی نہیں تھا۔ تمھارے علاوہ کسی اور سے شادی کیا کوئی تعلق بھی نہیں سوچا تھا میں نے۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ کہہ رہی تھی جو حقیقت تھی۔ حرف با حرف سچ۔

"میں نے بالاج کو ہزار دفع منع کیا تھا۔ میں نے بشر کو انکار کیا تھا۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا میری پشت پہ، میرے دائیں بائیں، میرے آگے ہر جگہ **"عبداللہ ہے"** اور اسی بات کی تصدیق کے لئے میں تمھیں کالز کرتی رہی۔ میں نے تمہاری کتنی منتیں کیں لیکن تم نے مجھے جتایا کہ میں چاروں اور سے اکیلی ہوں۔ میرے پاس عبداللہ نہیں ہے۔ اسکے بعد میرے پاس کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ میں بے بس تھی عبداللہ۔ تم نے مجھے بے بس کیا۔" اس نے آخری لفظوں پہ زور دیا۔

"جب تم نہیں رہے اور ابا نے ہر صورت میری شادی کروانی تھی، بالاج نہ سہی کوئی اور تب میں نے اسی آدمی پہ قناعت کر لی۔ کم از کم وہ خاندان کا درست آدمی تھا۔"

''یعنی تم نے سمجھوتہ کیا؟''اس نے ہتھیلی پہ ایک ہلکا سا جلے کا نشان دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر انگلی سے اس نشان کو سہلایا۔ جیسے تکلیف کا مداوا کر رہا ہو۔

''ہاں۔ میں نے سمجھوتہ کیا تھا۔ وہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی تھی۔ میں بس ابا کو اور خود کو مزید مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ لیکن یہ سچ ہے کہ اسکے بعد میں نے تمہاری خواہش نہیں رکھی۔''زینیا نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ آزاد کروائے۔ قیس نے کر دیے۔

''تم نے میرا انتظار نہیں کیا۔''وہ ملامت کر رہا تھا۔

''میں نے کال کر کے تمہاری ماں سے کہا تھا میں آجاؤں گا، لیکن تم نے میرا انتظار نہیں کیا۔۔''زینیا الجھ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایسا کب کہا اور اماں نے اسے بتایا کیوں نہیں!؟

''ایک وقت تھا جب تمہارا جھوٹ بھی سچا لگتا تھا اور اب۔۔''وہ آنکھوں میں ایک عجب سی تضحیک لئے ہوئے تھا۔

''تمہارا سچ بھی دھندلا ہے۔ میں جو تھوڑی بہت عزت تمہاری کرتا تھا اب سے وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ تم میرے لئے اب کچھ نہیں ہو۔''

''اور تم نے جو کچھ کیا اسکا کوئی احتساب نہیں؟ تم نے ایک لمبا عرصہ مجھے اپنے نام پہ بٹھا کر رکھا اور پھر ایک دن کہہ دیا کہ تم نہیں آؤ گے؟ مجھے صرف یہ بتاؤ جو کچھ میرے باپ نے کیا اسکی سزا مجھے کیوں ملی؟''اسکا تنفس بگڑ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات میں کرب گھل گیا۔

وہ چند پل خاموشی سے اسے تکتا رہا۔ اس نے زندگی میں وضاحتیں نہیں دی تھیں۔

''میں آوازوں میں فرق نہیں کر پاتا۔ تمہاری کال وہ صرف ایک کال نہیں تھی۔''اسکی آواز لہروں کے شور میں دب گئی۔

''آوازیں میرا اژدہا ہیں۔ میرا نام، میں نے اس نام کو اپنے باپ کے منہ سے تب سنا جب وہ مر رہے تھے۔ تب بھی جب گاڑی میں میرے بہن بھائی زندہ جل رہے تھے۔''حلق میں گلٹی ابھری وہ بہ دقت کہہ پا رہا تھا۔

''پھر میرے چچا نے میرا نام، پہچان سب بدل دیا۔ لیکن میں آوازوں کے خوف سے نہیں نکل سکا کبھی۔ مجھ پہ ماضی طاری تھا۔ میں تمہیں اذیت دینا چاہتا تھا کیونکہ تمھارے گھر والوں نے میرے خاندان کو اذیت دی تھی۔ میں نے اپنے ماضی کے زیر اثر تمہیں بہت تکلیف دی۔'' اس نے شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

''میں اس پہ شرمندہ نہیں ہوں۔ کیونکہ میں غلط نہیں تھا۔ تم سے وعدہ اور وفاداری بعد میں، انتقام پہلے تھا۔ پہلے ہے اور رہے گا۔''

''مجھے نہیں پتہ تم جھوٹ بول رہے ہو یا سچ، لیکن اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ میں نے مان لیا تم نے جو بھی کیا اس پہ تمہارا اختیار کم تھا۔ اسکے بعد کیا؟ تم ٹھیک ہوئے ہو گے۔ نارمل ہو گئے ہو گے۔ تم نے اسکے بعد کوئی پیغام کیوں نہیں بھیجا؟ میں بتاؤں کیوں؟'' اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لمحے کا توقف کیا۔

''کیونکہ تمہاری انا بیچ میں آتی تھی۔ مان لیا تم نے کال کی میری ماں سے کہہ دیا، لیکن تم نے کال کر کے ابا یا مجھ سے کیوں نہیں کہا؟ میں تمہاری منگیتر تھی تمھیں مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔''

''کیونکہ میں نارمل نہیں تھا فار گاڈ سیک۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر تیز لہجے میں بولا۔

''میرے ساتھ کیا کیا ہوا تھا تمھیں کوئی اندازہ بھی ہے؟''

''ایسا کیا ہو گیا تھا تمھارے ساتھ۔ حویلی تم سے چھوٹی تو مجھ سے بھی چھوٹی۔ خاندان تمہارا مرا تو بھائی میرا بھی سسک سسک کر مرا تھا۔ باپ تمہارا مر گیا تو میرا زندہ تھا۔ مرے ہوؤں سے شکوے ختم ہو جاتے ہیں زندہ لوگوں سے نہیں ہوتے۔ میں نے اسی باپ کے ساتھ ایک گھر میں زندگی گزاری جو ہر روز جھگڑتا تھا۔ گالیاں دیتا تھا اور کئی بار مارتا بھی تھا۔ عیش و عشرت چھوڑ کر آنے والے تم اکیلے نہیں تھے۔ اسے واپس پانے کے لئے محنت کرنے والے بھی تم اکیلے نہیں ہو۔ میں اب تک اسٹرگل کر رہی ہوں اپنا نام بنانے کے لئے۔ پیسہ کمانے کے لئے اپنے کیریئر کے لئے۔ اور اس سب کے درمیان میں اللہ سے تعلق کھو چکی ہوں۔

اپنا وقار کھو چکی ہوں۔ باؤنڈریز توڑ دیں۔ غلط انسان سے شادی کر لی۔ میری طلاق ہو گئی۔ میں چاروں اور سے جکڑی گئی۔'' اسکا تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔ چہرہ سرخ تھا مگر وہ بول رہی تھی۔

''سختیاں مجھ پہ بھی تھیں، عبداللہ زمان۔ لیکن میں نے کسی کو سزا نہیں دی۔ تمہیں تو بلکل نہیں۔ کسی کے حق نہیں کھائے تمھارے ہر گز نہیں۔ تم سے وفا کی۔ تمہارا نام ساتھ جوڑے رکھا اور تم۔۔'' اسکی آنکھوں میں پانی چمکا۔ لب کپکپائے۔

''تم آج اس طرح میرا قصور نکالے کھڑے ہو؟ تم اس کہانی کے واحد وکٹم نہیں ہو۔''

''یعنی تم مجھ سے بے وفائی کر کے کسی سے شادی کر گئیں۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے بھائی کے ساتھ افیئر چلایا۔ یہ سب ٹھیک تھا؟''

''اسے بیچ میں مت لاؤ، اسکا کوئی قصور نہیں۔''

''اسکے ساتھ کمرے میں ملتی رہیں تم۔'' وہ اسکی سنے بغیر کہہ رہا تھا۔

''تم نے اسکے ہاتھ تھامے، میں نے سب دیکھا ہے (**جن دنوں مہدی کو گولیاں لگی تھیں۔ انہی دنوں قیس نے اسکے کمرے میں کیمرے لگوا دیئے تھے۔ مہدی کو شاید خود بھی نہیں معلوم اسکے کمرے میں کیمرے موجود تھے**) اور پھر بھی تم خود کو مظلوم کہہ رہی ہو۔ تمہیں مجھ سے معافی مانگنی ہو گی۔''

زینیا استہزائیہ ہنسی۔'' over my dead body ''

بڑے سے پتھر کے سامنے کھڑے ان دو لوگوں کے بال اور لباس ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ چہرے پہ دونوں کے ایک سا تمسخر تھا۔ گردن ایک ہی انداز میں اٹھی ہوئی اور آنکھوں میں ایک جیسی ضد۔ وہ دونوں مر سکتے تھے جھک نہیں سکتے تھے۔ عبداللہ زمان اور زینیا حاکم ایک دلفریب دھوکہ تھے۔

''تم نے بے وفائی کی، قیس۔ کیا تم اسکی معافی مانگتے ہو؟''

وہ دو قدم آگے آیا۔ اسکے قریب۔

"ہمارے درمیان کوئی عام تعلق نہیں تھا۔ وہ روحوں کا رشتہ تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، اس روز وہ پارک کی ملاقات ہماری پہلی ملاقات نہیں تھی۔ عالم ارواح میں ہم مل چکے تھے۔ میں تمھیں پہچانتا تھا۔ میں نے کبھی تمہیں دیکھا نہیں تھا۔ لیکن میرے خیال، میری روح تم سے جڑی ہوئی تھی۔"

اس نے جھک کر زینیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر وہ پیچھے ہوئی۔ قیس کی آنکھوں کا زخمی پن بڑھ گیا۔

"مجھے تمہارے خیال سے محبت تھی، تمہاری روح سے محبت تھی۔ مگر جب تم مجسم میرے سامنے تھیں۔ تب میں resist نہیں کر سکا۔ مجھے تم سے دوبارہ محبت ہو گئی۔ مجھے اسی لڑکی سے محبت ہوئی جس سے میری روح کا تعلق تھا۔ میں اسے معجزہ کہتا ہوں لیکن تم پہ۔۔"

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا۔ پھر دھیرے سے آزردگی سے اضافہ کیا۔

"تم اسے نہیں سمجھ سکتیں کیونکہ سبز آنکھوں نے تم پر سحر کر دیا ہے۔ اسکے قریب جانے کا اسکے ساتھ کا تمہیں حساب دینا ہو گا۔"

"اسے ان سب معاملات سے دور رکھو، قیس۔" زینیا کا گلا بھاری ہونے لگا۔

"پلیز اسکا یہاں کوئی قصور نہیں ہے۔ میری بہن کا یہاں کوئی قصور نہیں ہے۔ تم انہیں کیوں سزا دے رہے ہو؟"

"وہ کوئی مختلف وقت تھا۔ جب تم دن کو رات کہتی تھیں اور میں مان لیتا تھا۔ تم اس مہربان مرد کو کھو چکی ہو، ہمیشہ کے لئے۔" اسکی آنکھیں، اسکا لہجہ وہ بہت دور تھا بے حد فاصلے پہ۔

زینیا نے رک کر اسے دیکھا۔ مگر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب اس نے یہاں سے وہاں متلاشی نظروں سے کسی کو ڈھونڈتے ہوئے بشر کو دیکھا۔ زینیا کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ اس نے مڑ کر عبداللہ کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں کرچیاں لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینیا نے وہاں سے ہٹ جانا چاہا مگر وہ اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں سختی سے جکڑ گیا اور اسے بڑے سے پتھر کے ساتھ لگایا۔ خود دیوار بن کر آگے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے تمہیں بلایا تھا تم نہیں آئیں۔ بشر سے ملاقات کا کہا اس نے انکار کیا۔'' زینیا نے ہاتھ چھڑانے کی سعی کی، قیس نے گرفت مزید سخت کر دی۔

''تم دونوں کو معلوم ہونا چاہیے مجھے ناں نہیں پسند۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے تم پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔''

اسکی آنکھیں غیر تھیں۔ لہجہ اجنبی۔ اس نے یونہی اسکے ہاتھوں کو سختی سے دبوچے اسے اپنی طرف کھینچا۔ زینیا سانس روک گئی۔ وہ اسکے بے حد قریب تھی۔

''بہت شوق ہے ناں تمہیں، مجھ سے comparison کا۔ لو ہم برابر ہوئے۔ میرا بھائی میرا نہیں رہا اور تمہارا بھائی تمہارا بھی نہیں رہا۔''

اسی لمحے بشر کی نگاہ اس طرف پڑی۔ اسکے عقب میں کالج یونیفارم میں ملبوس کونج کی نگاہ بھی اسی طرف اٹھی۔ فاصلہ تھا مگر اتنا نہیں کہ وہ ان دونوں کو دیکھ نہ سکے۔ زینیا کے ہاتھ اسکے ہاتھوں میں تھے۔ وہ اسکے انتہائی قریب کھڑا تھا۔ سمندر کا سارا کھارا پن بشر حاکم کے دل میں اترا۔ ساری جھاگ زینیا کے حلق میں داخل ہوئی۔ اور کونج حاکم شل تھی۔ جو اسکی آنکھوں نے دیکھا تھا وہ اسے ان دیکھا نہیں کر سکتی تھی۔ عبداللہ نے زینیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے کچھ جتایا پھر اسکے ہاتھ چھوڑ دیے۔

زینیا حاکم کی طرف اسکے کئی حساب نکلتے تھے۔ شروعات ہو چکی تھی۔

(کوٹھڑی بدل گئی تھی۔اب وہ نسبتاً صاف کمرے میں تھی۔کمرے کے وسط میں ایک لکڑی کی میز رکھی تھی۔اوراسکے اطراف میں دو کرسیاں۔روشن دان سے عمارت کے باہر کھڑے لوگوں کا شور یہاں تک آرہا تھا۔ہر آواز پہ لڑکی سکڑ سمٹ جاتی تھی۔اسکا گیلا لباس اب سوکھ رہا تھا۔چہرے کے اطراف میں گرتی لٹیں وہ بار بار انگلیوں سے پیچھے لے جاتی تھی۔اسکے گلے میں موجود ہمنگ برڈ کا لاکٹ چمک رہا تھا۔بائیں بازو پہ کلائی سے اوپر جسم جلا ہوا تھا۔جس میں درد تھا بے تحاشادرد۔

چہرے پہ بس ایک سرخ لپسٹک تھی جواب اسکے چہرے کے ساتھ میل نہیں کھاتی تھی۔سلاخدار دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا۔بارش میں بھیگا ہوا،ایک آدمی اندر داخل ہوا۔اسکی شرٹ اور بال پوری طرح بھیگ چکے تھے۔لڑکی نے اسے دیکھنا چاہا مگر سر پہ جھولتے پیلے زرد بلب کی روشنی اس کی آنکھوں پہ بوجھ ڈال رہی تھی۔وہ اندر آیا۔میز پہ دونوں ہاتھ رکھے سیدھ میں سامنے بیٹھی لڑکی کو گہری نظروں سے دیکھا۔چند لمحے یونہی دیکھتا رہا پھر وہ دائیں طرف سے چل کر آیا۔اسکے بوٹ،کیچڑ سے لدے ہوئے تھے اور انکے نشان سرخ گاؤن پہ چھپتے چلے گئے۔وہ اسکے عقب میں آکر رکا۔

لڑکی سانس روکے ہوئے بیٹھی رہی۔وہ چندپل بعد اب اسکی سیدھ میں سامنے آکر بیٹھ گیا تھا۔اسکی آنکھیں گہری تھیں۔چہرہ سخت۔رحم شاید یہ لفظ اس نے کبھی سنا نہیں ہوگا۔

"قتل کیوں کیا؟" بھاری آواز میں پہلا سوال کیا۔

"وہ زندہ ہے۔" لڑکی کے لب بے آواز پھڑپھڑائے۔)

"دودن بعد۔"

لمبے رقبے پہ پھیلے جم خانے میں ٹریڈ مل چل رہا تھا۔ نظریں اٹھا کر دیکھو تو کوئی مرد اپنے مضبوط قدم اس پہ جمائے ہوئے تھا۔اسکے کانوں میں ایئر پوڈز لگے تھے۔سیاہ رنگ کی بغیر بازوؤں والی شرٹ سے اسکے کسرتی بازو جھلک رہے تھے۔ گردن اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔ذرا سے فاصلے پہ دو ملازم کھڑے تھے۔ایک کے ہاتھ میں سفید رنگ کا تولیہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں پانی کی بوتل،اور

جوس۔اسی پل جم کا دروازہ کھلا۔ بھورے رنگ کے سوٹ پینٹ میں ملبوس نک سک سے تیار مہدی کمبیر اندر داخل ہوا۔اسکے چہرے پہ ڈھیر ساری سنجیدگی تھی۔

قیس اسکی آمد کو نوٹ کرتے ہوئے بھی نظر انداز کرتا رہا۔

''تم اتنے دن کہاں تھے؟ کوئی ایسے غائب ہوتا ہے کیا؟ میں نے قیسم کو کتنی مشکل سے سنبھالا ہے۔'' وہ اسکی بائیں طرف آکر کھڑا ہوا۔ہاتھ بڑھا کر ایئر پوڈ اسکے کان سے نکالا۔

''اتنے سال قیسم سے بیٹھ کر کھاتے رہے ہو تم۔ دو دن سنبھال لیا تو کیا مصیبت آگئی؟'' اس نے بٹن دبا کر مشین کو بند کر دیا۔ تنفس پھول گیا تھا۔

''اسے شروع کرنے والا میرا باپ تھا۔'' مہدی ناگواری سے بولا۔ ''اور یہ گھر جہاں تم اس وقت کھڑے ہو یہ بھی میرے باپ نے بنوایا تھا۔ تمہارا نہیں کھاتا میں۔''

قیس نے محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ملازم سے پانی کی بوتل لی۔اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ باقی بوتلیں فرش پہ رکھتا چلا گیا۔

''بلکل شروعات تمھارے باپ نے کی تھی۔ لیکن کنویں کا مینڈک تھا تمہارا باپ۔ایک فیکٹری تھی اسکی۔ میرے باپ کے شیئرز سے بڑھا یہ کاروبار۔''

''میرے باپ کے بارے میں بات کرتے ہوئے تمیز یاد رکھا کرو۔'' اسکا لہجہ بلند ہوا۔

''میری بات پوری ہونے دو۔'' اس نے پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولا اور ساری کی ساری بوتل اپنے چہرے پہ انڈیل دی۔ پانی چہرے سے گردن اور پھر سینے پہ گرتا گیا۔ماتھے پہ گرے بال بھیگ گئے سینہ تر ہو گیا۔

''اور یہ گھر جب بن رہا تھا تو تعمیر درمیان میں رک گئی تھی۔ کیونکہ تمھارے نااہل باپ نے پیسے ڈبو دیے تھے۔ تب ایک بار پھر میرے عظیم بابا نے پیسہ لگایا اور اس گھر کو بنوایا۔ پہلی اینٹ رکھنے والے یاد نہیں رہ جاتے۔ آخری دفع جھنڈا گاڑنے والے یاد رہتے ہیں۔'' اس نے تولیے سے چہرہ صاف کیا۔ اور تضحیک بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''واقعی بہت عظیم آدمی تھے وہ جنہوں نے مرتے ہوئے اپنی واحد بچی ہوئی اولاد کو بھی انتقام لینا سکھایا۔ مجھے انکی عظمت اور تمہاری اسٹرگل سے کوئی سروکار نہیں مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟'' وہ قیس کے عین سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ سیاہ آنکھیں، سبز آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ دونوں میں ایک جیسی ناگواری تھی۔ دونوں میں ایک جیسی ٹھنڈک۔ اور ایک جیسا علم، جس سے وہ دونوں لاعلم تھے۔

''تم میں اب بھی اتنے گٹس ہیں کہ تم میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کرو؟ میں وہی ہوں جس نے بختیار چچا کی ہزار منتوں کے بعد بھی انیسہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اور تم؟ تم میری ہی منگیتر کے ساتھ؟ شرم نہیں آئی تمھیں؟ اس نظر سے کیسے دیکھ سکتے ہو تم اسے؟''

مہدی کی رنگت ایک لمحے میں سفید پڑی۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔ تحیر ایک چھوٹا لفظ بن گیا۔

''میں چاہے جتنا برا سہی، میرا باپ جتنا برا سہی لیکن میں تمھارے ساتھ اچھا بھی رہا ہوں۔ کیا میں یہ ڈیزرو کرتا ہوں کہ تم مجھے اس طرح دھوکا دو؟ تم اس حد تک گر گئے کہ تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ؟'' وہ رنجیدہ لگتا تھا۔ مہدی دھیرے سے اس ساکت ہوئی ٹریڈمل پہ بیٹھ گیا۔ اسکی ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا وہ تمہاری منگیتر ہے۔'' اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ سچ جھوٹ کا سے آگیا تھا۔

''تب نہیں پتہ تھا لیکن پھر تمھیں پتہ چل گیا تھا ہے ناں؟ کیا تب تم نے اس سے ہر تعلق ختم کیا؟''

''کردوں گا۔ اگر'' وہ '' چاہے'' وہ'' کہے تو کردوں گا۔ وہ تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، نائٹ میئر۔'' وہ جیسے اسے سمجھانا چاہتا ہو۔

''یہ میں طے کروں گا کون کیا چاہتا ہے۔ تم اب بھی اپنے دھوکے پہ قائم رہنا چاہتے ہو؟''

''میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا فار گاڈ سیک۔'' وہ جھلا گیا۔

''جو کچھ کیا وہ تم نے کیا اگر تم نے مجھے بتایا ہوتا وہ لڑکی کون ہے کیا کرتی ہے اسکا خاندان کیسا ہے تو میں اسے گوادر سے اسلام آباد لانے کی کوششیں نہیں کرتا۔''

قیس چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جھک کر اسکے کوٹ کی جیب سے اسکا موبائل نکالا۔ کال لاگ کھولی وہاں دو دنوں میں **"سرکار"** نامی کنٹیکٹ کو چھبیس کالز جا چکی تھیں۔

موبائل مہدی کے چہرے کی طرف کرتے ہوئے اسکی نگاہوں میں واضح ملامت تھی۔

''یہ ڈیزرو کرتا ہوں میں؟ تم دونوں میرے ساتھ یہ کرتے ہو؟''

''میں کیا ڈیزرو کرتا تھا؟ مجھے یہاں کیوں کسی outcast کی طرح رکھا تم نے؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''یہ تمہارا محل قید رہا ہے میری۔ مجھے جاننے کا حق تھا کیا ہوا تھا ہماری فیملی کو۔ کون باقی ہے۔ تم نے مجھ سے سب چھپایا۔'' مہدی کمبیر کا لہجہ بلند تھا۔

''کیونکہ میں تمھیں پروٹیکٹ کر رہا تھا۔ ان مسائل میں پڑ کر کیا کر لیتے تم؟'' قیس اس سے زیادہ بلند آواز میں غرایا۔ موبائل مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔

''مجھے پروٹیکٹ نہیں کیا تم نے۔ میرے پروٹیکٹرز میرے ماں باپ تھے جو مر گئے اور میں اکیلا رہ گیا۔ میں وہ بچہ بن گیا جو قابل رسائی تھا۔ تم نے ایک ایک چیز مجھ سے چھپا کر رکھی کیونکہ تمھیں یقین تھا اگر میں یہ جان گیا تو یہ بھی جان جاؤں گا کہ جو کچھ بھی ہماری فیملی کے ساتھ ہوا اس میں سارا کا سارا قصور میری ماں کا نہیں تھا۔''

قیس کی نگاہوں میں کچھ بے ساختہ آ گیا تھا۔ کوئی تعجب سا۔

''تمہیں بتانا چاہیے تھا کہ نواب خاندان ہمارے خلاف ہے کیونکہ مقصود چچا تم نواب سے الیکشن جیت گئے تھے۔ کیونکہ تمھارے عظیم باپ نے انکی سال بھر کی فصلیں برباد کر کے انہیں بیٹھے بٹھائے کروڑوں کا نقصان کروا دیا تھا۔ آگ انکے سینے میں

پہلے سے تھی اور چونکہ میری ماں میری طرح قابل تسخیر تھی اسی لئے تم سب نے مل کر اس پہ چڑھائی کی۔اور اسکے بیٹے کو ٹراما دیا۔" بولتے بولتے وہ ہانپ گیا۔چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"لیکن ایک بات دماغ میں بٹھالو، عبداللہ زمان کمبیر وہ وقت گزر گیا اب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

i am not a prize to be won"

انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"مجھے صاف صاف بتاؤ تم کیا کر کے آرہے ہو۔پورے دو دن سے "اسکا" کوئی فون نہیں لگ رہا۔وہ اس طرح اچانک غائب نہیں ہو سکتی۔وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟"

"یعنی آگ دونوں طرف برابر لگی ہے۔" وہ گردن جھکا کر ہنس پڑا۔پھر سیدھا ہو کر مہدی کو دیکھا۔اسکی نگاہوں میں آتش فشاں جیسی تپش تھی۔

"ایک بات بتاؤ۔تم دونوں کے یہ تعلقات کس حد تک جا چکے ہیں؟بتادو تا کہ مجھے اندازہ رہے یار۔"

"بکواس بند کرو۔" مہدی نے اسکے کندھے پہ دھکا دیا۔قیس ایک بار پھر ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔

"کیا یار بھائی کو بھی نہیں بتاؤ گے؟ایسا بھی کیا ہو گیا، کیا اتنا آگے جا چکے ہو؟"

"بتادوں تو برداشت کر لو گے؟بہت کم ہمت اور کم ظرف ہو تم۔سن نہیں پاؤ گے۔"

مہدی اسی کے انداز میں بولا۔قیس نے گہری لمبی سانس لی۔چہرہ غیض کے مارے سرخ پڑ رہا تھا۔اسکا بس نہیں چلتا تھا مہدی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور کتوں کو کھلائے۔

"وہ مجھ سے منسوب ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اس مرد کو ایک بار پھر معاف کیا۔

"میں اسکے ساتھ کچھ بھی کرنے کا حق رکھتا ہوں۔تم خود کو اس معاملے سے دور رکھو۔میں تمھیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا۔"

''تم نے زینیا کے ساتھ کیا کیا ہے، قیس؟'' وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولا۔ ایسے جیسے کسی شے کا خوف ہی نہ ہو۔

اس نے ایک بار پھر اسکا نام لیا اس استحقاق کے ساتھ؟ قیس نے جھک کر پانی کی بھری ہوئی بوتل اٹھائی اور پوری قوت سے اسکی پیشانی پہ دے ماری۔ ڈھکن والی سائیڈ نے اسکی پیشانی کو باقاعدہ چیر ڈالا تھا۔

''اسکا نام لینا بند کرو۔ اسکے ساتھ وہی ہوا جو وہ ڈیزرو کرتی تھی۔ میرا جو دل چاہے گا میں اسکے ساتھ وہ کروں گا۔''

مہدی کے ضبط میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ڈیزرو کرتی تھی وہ؟'' پیشانی سے ہلکی سے خون کی لکیر بہہ نکلی۔

اسے کسی شے سے فرق نہیں پڑتا تھا یہ صرف خون کی چند بوندیں تھیں وہ یہاں ایسے سرخ تالاب بہا سکتا تھا تب تک جب تک اس عورت کی کوئی خبر نہیں ملتی۔

قیس دوبارہ ہنس پڑا۔

''ماننا پڑے گا۔ منگیتر صاحبہ بہت ٹیلنٹڈ ہیں۔ مجھے میرے بھائی کے خلاف کیا۔ میرے بھائی کو میرے خلاف۔ اتنا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں۔ میں نے بھی بس وہی کیا۔ اس نے مجھ سے میرا خاندان چھینا میں نے اس سے اسکا خاندان وہ میری سول میٹ ہے۔

And now we are on same pitch۔"

مہدی سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہوا۔ پھر جھک کر بوتل اٹھائی اور اسی قوت سے قیس کی طرف پھینکی جس قوت سے چند لمحے قبل اس نے پھینکی تھی۔ وہ اسکے کان سے ذرا سے بچ کر ایک طرف سے نکلی۔

سوٹ پینٹ والا مرد اسکے قریب آ کر رکا۔ اسکے کندھے پہ پڑا سفید تولیہ اٹھا کر پیشانی صاف کی۔ قیس اسے دیکھتا رہا۔ ہاں اسے شاک لگا تھا مہدی کمبیر نے کبھی جوابی حملہ نہیں کیا تھا۔

"اگلی بار نشانہ نہیں چوکے گا۔ چھوٹے بھائی سے "پِٹ" کر اچھے نہیں لگو گے۔ اگلی بار دھیان رکھنا۔ اگلی بار مجھ پہ ہاتھ مت اٹھانا۔ اور اگلی بار اسے ہرٹ مت کرنا۔" وہ کہہ کر آگے بڑھا۔

اسے عقب میں قیس کے قہقہے سنائی دیئے۔ وہ گردن پیچھے پھینکے ہنستا جا رہا تھا۔ نیم دیوانہ سا۔ مہدی کے بڑھتے قدم ٹھہر گئے۔

"میں سمجھتا تھا تمھیں اس سے محبت ہے۔" وہ یونہی ہنستے ہنستے بامشکل بول سکا۔

"لیکن تم۔۔۔؟ اوہ خدایا تم سمجھتے ہو تم اسے کسی ظالم دیو کی قید سے چھڑوالو گے؟" وہ اب پیٹ پہ ہاتھ رکھے بے ہنگم قہقہے لگا رہا تھا۔

"تم اسکی مدد اس لئے کر رہے ہو کیونکہ تم اپنی مدد نہیں کر سکے؟"

"اور تم اسے ہرٹ اس لئے کر رہے ہو کیونکہ تم ہرٹ ہوئے؟"

"آبویسلی۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے نم آنکھیں صاف کیں۔ اور ایک بار پھر ہنسا۔ کھوکھلی خالی ہنسی۔

"جو مجھے ہرٹ کرے گا تو میں اسے ہرٹ کروں گا۔ یہی اصول تھا اور یہی رہے گا۔ لیکن تمہارے لئے اپنے قانون بدلے تھے یار۔" اسے افسوس سا ہوا۔

مہدی نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ یہ زمینی فاصلہ نہیں تھا۔ یہ دلوں کا فاصلہ تھا اسے کیسے طے کرنا ہے، وہ نہیں جانتا تھا۔

"وہ کہانیاں ہوتی ہیں، گرین وونڈ۔ جہاں شہزادہ آتا ہے اور شہزادی کو بچا لیتا ہے۔ یہ اصل زندگی ہے۔ یہاں شہزادہ، دیو، قلعہ، قید ایک ہی انسان ہے۔ زینیا حاکم کے لئے "سب" میں ہوں۔ تم درمیان میں صرف اضافی ہو۔"

"اچھا لیکن مجھے اسکی آنکھیں بتاتی ہیں "تم" اضافی ہو۔"

قیس کی مسکراہٹ ایک لمحے میں سمٹ گئی۔

"تم اسکی آنکھیں نہیں پڑھتے۔ یا پڑھنا نہیں چاہتے؟ تم نے پوچھا تھا ناں کہاں تک پہنچا ہمارا تعلق۔۔ پھر سنو یہاں تک کہ میں اسکی آنکھیں پڑھ سکتا ہوں۔ بغیر کہے اسے سمجھ سکتا ہوں۔ تم کر سکتے ہو؟"

قیس خاموش رہا۔ مہدی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا۔ جم خانے میں کھڑا وہ شخص تاریک ہوتا چہرہ لئے وہیں کھڑا رہا۔ وہ بس اسکی آنکھیں نوچ لینا چاہتا تھا۔

(گوادر کے بعد اسکا اگلا پڑاؤ وہ شہر تھا جہاں سے اسے تین بار دھتکار کر نکالا گیا تھا۔ تین بار ذلت اٹھا کر واپس آنا کوئی عام بات نہیں تھی۔ وہ ذلیل نہ ہوتا اگر اسکا باپ اسکے لئے اسٹینڈ لیتا۔ وہ اس طرح رسوا نہ ہوتا اگر اسے عزت اسکے باپ نے دی ہوتی۔ مگر اسکے باپ کے لئے اس دنیا میں ایک ہی انسان ضروری تھا۔ صرف ایک۔ عبداللہ زمان۔ اور براق حنیف کے لئے بھی اس ساری دنیا میں ایک انسان ضروری تھا صرف ایک۔ براق حنیف۔ وہ شر، وہ منافقت جسے وہ چھپا کر رکھتا تھا وہ اب ہر طرف سے باہر آ کر اسکے کندھوں، جسم اور سانسوں سے چمٹ گئی تھی۔

گاڑی کے متحرک ٹائر جہاں آ کر رکے وہ عالم نواب کی حویلی تھی۔ براق حنیف کے ٹوٹے خوابوں سے بنا محل۔ گردن اٹھائے شاہانہ لباس والا آدمی اس حویلی کو دیکھتا رہا جہاں کے مکینوں سے اسکے کئی تعلق تھے۔ جہاں اسے واپس آنا تھا، جو اسکی جگہ تھی۔)

"پانچ روز بعد۔"

زینیا حاکم جذبات سے خالی چہرے کے ساتھ بس میں بیٹھی تھی۔ آنکھیں بے تاثر تھیں رنگت نچڑی ہوئی۔ وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ یا شاید گھور رہی تھی۔ بس کے باہر حاکم نواب کھڑے تھے۔ انکے ساتھ ضیغم تھا۔

اسی پل بس چل پڑی۔ چند پل اسے باپ کا چہرہ نظر آتا رہا۔ پھر وہ غائب ہوتا چلا گیا۔ یا شاید کسی اور منظر میں ڈھل گیا۔ اس وقت وہ یہ نہیں جانتی تھی اگلی بار وہ چہرہ "اس" تاثر کے ساتھ نظر نہیں آئے گا۔

پانچ روز قبل۔

اس روز، زینیا حاکم نے اپنی آنکھوں کے آگے قیامت دیکھی تھی۔ ذلت قیامت ہی ہوتی ہے۔ ساحل سے واپسی ہوئی تھی مگر وہ بھائی کو وہیں چھوڑ آئی تھی۔ بہن جس احترام کی نگاہ سے اسے دیکھتی تھی وہ احترام کہیں کھو گیا تھا۔ وہ صبح سویرے کسی کام کے لئے باہر جارہا تھا جب زینیا صحن میں اسکے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ کل والا ملگجا لباس اور بکھرا حلیہ۔

”تم میرا اعتبار نہیں کرو گے ادا؟ میں وہ نہیں ہوں جو عبداللہ نے تمھیں بتایا ہے۔“

بشر نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ ایک نظر کاٹ دار تھی۔

”تم سے اعتبار اٹھ چکا، زینی۔ اب میں تمھیں نہیں جانتا۔“ وہ باہر کی طرف جانے لگا جب زینیا نے اسکی کہنی پکڑ کر اسے روکا۔

”مجھے واپس جانا ہے۔ میرا کیریئر۔۔“

”بھاڑ میں گیا سب۔ اگر تم نے اس گھر سے ایک قدم باہر نکالا تو تم اور میں الگ ہو جائیں گے۔“ درشتی سے کہتے وہ چلا گیا تھا۔ چند پل بعد وہ اس صحن میں اکیلی تھی مگر کسی اور منظر میں اسکے ساتھ کوئی اور وجود تھا۔

چار روز پہلے۔

اس روز کونج کا موبائل گلی میں کسی چور اچکے نے چھین لیا تھا۔ اسکے بعد اسکی طبیعت الگ خراب تھی سو بشر اسے ہسپتال لے گیا۔ وہ دوسرے شہر جانے والا تھا مگر جا نہیں سکا۔ کلینک جاتے ہی اسے عبداللہ کی کال آئی تھی۔ اور جو ہوا اس نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔

”تمھارا مسئلہ کیا ہے، کونج؟ اس طرح اگنور کیوں کر رہی ہو۔ میں وہاں تمھارے لئے گئی تھی۔“ الماری میں منہ دیئے کھڑی کونج سے سوال ہوا۔

کونج نے مڑ کر اسے تکا۔

”اس نے تمھیں پرپوز کیا تھا۔ وہاں کس لئے گئیں؟ تم اسکے آفس میں کام کرتی رہیں۔ اس نے تمھارے لئے بالاج کو قتل کر دیا اور تمھیں لگتا ہے تم اب ہمارے سامنے معصوم بنو گی اور ہم سب بھول جائیں گے؟“ اسکا لہجہ بلند نہیں تھا مگر اس میں طنز تھا۔ وہ طنز جو ایک لمبے عرصے سے سنبھال کر رکھا گیا تھا۔

''اس نے بالاج کو قتل نہیں کیا وہ بس ایک حادثہ تھا۔ جھوٹ بول رہا ہے وہ۔'' زینیا اس ذکر سے اکتائی۔

''اسکا گوادر آنا، اسکا ہمارے گھر آجانا۔ تمہارا ہم سے بالاج کی موت چھپانا۔ عبداللہ کا سچ چھپانا وہ تمہارا جھوٹ ہے اور اسے قبول کرو۔'' تلخی سے کہہ کر وہ ایک لمحے کو رکی۔

''اور نامحرم تمھارے لئے بھی اتنا ہی خطرناک تھا جتنا مرے لئے۔ تم تو عظیم تھیں تمہیں کیا ہو گیا تھا۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی۔'' اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اور ڈھے گئی۔ سینے میں جلن بڑھ گئی تھی۔ کچھ تھا جس کا حل اب اسکے پاس نہیں تھا۔ کونج اسکے سامنے تھی مگر اسکا چہرہ دھندلا ہو گیا۔ پھر معدوم ہوا۔ اور پھر کچھ نئے کرداروں نے اسکی جگہ لے لی۔

تین روز قبل۔

وہ دادی کے پیروں کے قریب آ کر بیٹھی۔ زیتون کے تیل کی شیشی اٹھائی اور ذرا سا تیل اپنی ہتھیلیوں پہ نکال لیا۔ اس نے دادی کے پیروں کو چھوا مگر وہ اپنے پیر کھینچ گئیں۔ پلنگ پہ بیٹھی زینیا کے دل کو دھکا لگا تھا۔

''دادی۔۔''

''اگر تم مجھے بتاتیں اسکا رویہ تمھارے ساتھ برا ہے تو میں اس سے بات کرتی۔ لیکن تم نے ہمیشہ جھوٹ بولا۔'' ان کی آنکھیں نم تھیں۔ لہجہ بھیگا ہوا۔

''سچ یہ ہے کہ تم اسے کبھی خاطر میں لائی ہی نہیں۔ عبداللہ تمھارے ذہن میں تھا اور وہی رہا۔ نری اپنے باپ جیسی ہو تم۔''

''میرا باپ آپ ہی کا بیٹا ہے۔''

''ہاں لیکن میں برملا کہتی ہوں اسکی تربیت میں مجھ سے کھوٹ ہو گیا۔'' آزردگی اور سختی سے کہا۔

زینیا نے لب بھینچ لئے۔ یعنی وہ اسے بھی کھوٹا کہہ رہی تھیں؟

''تم بڑی خود غرض، اور بے احساس ہو تم نے بہت غلط کیا، زینی۔ تم نے میرے مرے ہوئے بچے کی لاج بھی نہیں رکھی۔ ابھی تو اسکی قبر کی مٹی بھی گیلی ہو گی اور تم عبداللہ سے ملاقاتیں کرنے لگیں؟'' وہ بے حد رنجیدہ تھیں۔ آواز گلوگیر تھی۔ وہ رخ موڑ کر لیٹ گئیں۔

نواسے کی موت کا غم تھا۔ فلحال پوتی غیر ضروری ہو گئی۔ زینیا اب انکا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اس چہرے کی جگہ بھی کوئی اور لے چکا تھا۔

تین روز قبل۔

''اماں لائیں میں روٹیاں ڈال دیتی ہوں۔'' اس نے چولہے کے آگے کھڑی اماں سے کہا۔ ساتھ قمیض کے بازو موڑے۔

''اماں لائیں ناں میں کر دیتی ہوں۔'' انہیں ہٹتے نہ دیکھ وہ دوبارہ بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے میں کر لوں گی۔''

''یار اماں اب آپ کو مجھ سے کیا شکایت ہو گئی ہے؟'' وہ بری طرح جھنجھلائی۔

''میں نے کیا کیا ہے؟ سارے گھر والے میرے پیچھے اس طرح پڑ گئے ہیں جیسے عبداللہ تو ہمیشہ سے بہت نیک اور پارسا رہا ہے۔''

اماں نے رخ اسکی طرف موڑا۔ انکی آنکھوں میں طیش تھا۔ زینیا نے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''میرا یقین کریں میں وہاں کونج کے لئے گئی تھی۔ اور مجھے معلوم تھا وہ جب تک مجھ سے مل نہیں لیتا یہاں سے جائے گا نہیں۔''

''تمہارے اور اس فرنگن کے بیٹے کے درمیان کیا ہے؟'' زینیا کی بھنویں آپس میں الجھ گئیں۔

وہ سمجھ نہیں سکی۔

''عبداللہ کہتا ہے تمہارا اسکے کزن کے ساتھ تعلق ہے۔ عبداللہ سچ کہہ رہا ہے؟''

زینیا بلکل ساکت رہ گئی۔ وہ کیسے اسکی جڑیں کاٹ رہا تھا یہ کیسی محبت تھی اسکی جس نے زینیا سے صرف **''لیا''** تھا۔

''وہ اس فرنگن کے ساتھ ساتھ آپ کے بھائی کا بیٹا بھی ہے۔''

''یعنی یہ سارا فتور تمھارے دماغ میں اسی کا بھرا ہوا ہے؟ عبداللہ درست کہتا ہے۔''

''وہ جھوٹ بول رہا ہے اماں۔ وہ چیزیں غلط طریقے سے پیش کر رہا ہے۔''

''یعنی تمھارے اور اسکے کزن کے درمیان کچھ نہیں ہے؟''

''اماں میں۔۔''

''بس کردو بچے۔'' وہ سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

''عورت نے ناں کہنا ہو تو تمہیدیں نہیں باندھتی۔ اور اگر تمہیدیں باندھے تو ناں نہیں کہتی۔''

''آپ سے یہ سب کس نے کہا؟''

''عبداللہ کی کال آئی تھی۔''

''پھر آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اتنے سال بعد اب اسے آپ کی یاد کیوں آرہی ہے؟ وہ فریب دے رہا ہے آپ کو۔ جھوٹ پہ جھوٹ گڑھ رہا ہے۔ اور آپ سب اسکی بات مان رہے ہیں۔'' اسکا لہجہ بلند ہوا۔ یہ اسکی برداشت کی حد ہی تو تھی۔

اماں اسے نظر انداز کئے کھڑی رہیں۔ بیٹی کے بدلتے رنگ ڈھنگ پہ جو شک تھا وہ یقین میں بدل گیا تھا۔ وہ چولہا بند کرتی کچن سے باہر نکل گئیں۔ اب زینیا تنہا تھی۔ مگر اگلی رات اسکی تنہائی کا کوئی ساتھی آیا تھا۔ جسے بہت پہلے آنا تھا وہ اب آیا تھا۔

دوروز قبل۔

صبح صادق کا سمے تھا۔ حاکم نواب برامدے سے گزرتے ہوئے بے اختیار ٹھٹھک کر رک گئے۔ زینیا کے کمرے سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ کمرے میں گئے تو اسے جائے نماز پہ بیٹھے روتے ہوئے پایا۔ انکی سب سے مضبوط اولاد ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ حاکم نواب کے کے دل میں کسی نے کیل ٹھونک دی تھی۔ زینیا ہنوز چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔ بس دو دن، صرف اور صرف دو دن بعد اسکا سی ایس ایس کا پیپر تھا اور وہ یہاں تھی۔

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی۔ حاتم اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکے۔

وہ خاموشی سے پلٹ گئے۔ انہیں واقعی نہیں پتہ تھا اپنی اس اولاد کو چپ کیسے کروانا ہے۔ اسے کیسے تسلی دینی ہے؟ کچھ دیر بعد ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے زینیا کو اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ کوئی سوئچ بورڈ کھول کر بیٹھے تھے۔ زینیا کو آتے دیکھا تو کچھ اوزار بیڈ پہ رکھے۔

''اسکو دیکھو ذرا، پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے۔''

''اسکا کنکشن خراب ہو گیا ہے۔ تاریں جڑ گئی ہیں۔ کل کھول کر دیکھا تھا۔'' اسکی آواز بھاری تھی۔

''اب دوبارہ دیکھو، اور یہ بشر اور تمہارا کیا معاملہ ہے؟ کیوں اسکا موڈ خراب ہے۔'' سرسری سا پوچھا۔

وہ خاموشی سے آئی اور پلنگ کی پائنتی پہ ٹک گئی۔

''پتہ نہیں شاید عبداللہ کے آنے کی وجہ سے۔ آپ نے پوچھا نہیں؟'' اسکے ہاتھ ایک بار پھر متحرک ہو گئے تھے۔ مشین بڑیز ایک بار پھر ساتھ تھے۔

''پرچے کب ہیں تمہارے؟''

''دو دن بعد، آپ کو یاد ہے؟'' اس نے نگاہیں نہیں اٹھائیں۔ ان دونوں کے درمیان مضمحل سی خاموشی تھی۔ یہی رہا کرتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور تھے

''کیسے بھولنا تھا؟ تمہاری اماں ہر ہفتے یاد دلواتی تھیں۔''

چند لمحوں کی خاموشی درمیان میں آئی۔

''میں پیپر دینے نہیں جا رہی۔ بشر نے منع کیا ہے۔'' اس نے لکڑی کے بورڈ سے دونوں تاریں جدا کیں۔ سرخ، سیاہ۔

''بشر تمہارا باپ ہے یا میں؟ سامان باندھو کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے صبح تم جا رہی ہو۔ میں چھوڑ کر آؤں گا۔''

وہ عام سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ زینیا نے بے یقینی سے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ مزید کچھ نہیں بولے زینیا نے کچھ پوچھا نہیں۔ بشر آیا کھانا کھایا، اور دوسرے شہر کے لئے نکل گیا ہاں مگر زینیا نے اسے کچھ بتایا نہیں۔ وہ دور جا چکا تھا پھر یہی سہی۔ دادی کو لگتا تھا وہ خود غرض ہے تو یہی سہی۔ اماں کو اسکا کردار مشکوک لگتا تھا تو یہی سہی۔ کونج اب اس پہ اعتبار نہیں کرتی تھی تو یہی سہی۔۔ یہ سفر اسکے اپنے لئے تھا۔

بلندیوں کی سمت کیونکہ اسے اسی لئے بنایا گیا تھا۔ وہ صفائیاں دیتے دیتے اب تھک گئی تھی۔

آج اس بس میں بیٹھے ہوئے وہ بہت کچھ پیچھے چھوڑ کر آئی تھی۔ اب سے وہ ایک نئی زندگی گزارے گی۔ اب سے نئے قوانین ہوں گے۔ وہ باؤنڈری بنائے گی۔ وقار رکھے گی۔ یہ سوچیں تھیں جو اسکے ذہن میں تھیں۔ مگر زندگی اسکے لئے کچھ مختلف سوچ کر بیٹھی تھی۔ اگر زینیا حاکم زندگی کے پلان سے واقف ہوتی تو الٹے پاؤں واپس جاتی۔

ایک لمبے تھکا دینے والے سفر کے بعد بس اسلام آباد پہنچ گئی تھی۔ اپنا سامان باہر لاتے ہوئے بھولی بھٹکی نگاہ اپنی دائیں طرف فاصلے پہ کھڑے شخص پہ پڑی تو زینیا ٹھہر سی گئی۔

وہ کئی لمحے سانس لئے بغیر کھڑی رہی۔ بے دھم متحیر۔

اسکا ہاتھ بے اختیار اپنے دل کے مقام تک آیا تھا۔ مہدی کمبیر متلاشی نظروں سے آس پاس تک رہا تھا۔ اور پھر ان دونوں کی نگاہ ملی۔ وہ اسے دیکھ چکا تھا، زینیا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

کئی لمحے وہ اسے دیکھتا رہا، نگاہوں کا رخ وہ بھی نہیں بدل سکی۔

لوگ، سویرا، شور۔۔ کیا تھا؟ کون تھا ان دونوں کو نہیں معلوم تھا۔ جو تھا، جو ہے اور جو رہے گا وہ بس مہدی اور زینیا تھے۔ بس وہی۔

کئی لمحے بعد وہ تیز تیز قدم لیتا اسکی جانب آ رہا تھا۔ زینیا پلکیں جھپکے بغیر اسے تکتی رہی۔ وہ اسکی معذوریوں کے لئے بے ساکھی بن گیا تھا۔ وہ اکیلے پن میں محفل تھا۔ خاموشی کی آواز اور ملال میں مسکراہٹ۔ وہ اسکے سامنے تھا۔ چند انچ کے فاصلے پہ۔ زینیا اسکی خوشبو محسوس کر سکتی تھی۔

"میں نے آپ کو مس کیا، سرکار۔" اسکے سامنے، اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا وہ شخص کس بے چینی سے کہہ رہا تھا۔

اسکے الفاظ زینیا کی روح تک اتر گئے۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ مہدی نے اس سے سامان لیا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے سامان اسے دے دیا۔ اس آدمی کے ساتھ وہ بوجھ بانٹ سکتی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ خاموش رہی۔ بس اسے دیکھتی رہی۔

"کچھ کھانا ہے؟ میں ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں آؤ۔" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ کو کیسے پتہ میں یہاں ہوں؟"

"میں نے قیس کے فون سے تمہارے گھر کا نمبر چرایا، پھر کال کی۔ اور کسی نے بتایا کہ تم اسلام آباد کے لئے نکل گئی ہو۔" اسکا سامان ہاتھوں میں لئے اسکی آنکھوں میں دیکھتے وہ کمال ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے اپنا تعارف کیا کروایا؟" وہ اب بھی وہیں جم کر کھڑی تھی۔

"میں نے بات نہیں کی، کمبیر محل کی ملازمہ نے افروزہ بیگم بن کر بات کی۔"

یہ اطمینان، یہ بے خوفی وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ محبت رازداری سے راحت کا درجہ طے کر چکی تھی۔

"اب چلیں؟ مجھے پھر کہیں جانا بھی ہے۔"

وہ آگے بڑھا۔ زینیا اسکے ساتھ چلنے لگی۔ تشکر سے اسکا دل بھرنے لگا تھا۔ وہ کب کہاں کیسے کتنے لوگوں کی کمی پوری کر رہا تھا اسے معلوم بھی نہیں تھا۔

یا تو وہ یا پھر کچھ نہیں۔ زینیا حاکم نے اسکے ساتھ چلتے یہ خواہش دہرائی عزم پکا کیا۔

یا تو وہ یا پھر کچھ نہیں۔

سرسراتی ہوائیں اسکے بدن کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔اسلام آباد کی ساری روشنیاں قیسم کی چھت سے صاف نظر آتی تھیں۔دسمبر کی یخ بستہ ہوائیں اس پہ بے اثر تھیں۔سفید رنگ کے ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے،وہ اپنے آرٹ میں مگن تھا۔چھت کے فرش پہ عین بیچوں بیچ سرخ گاؤن رکھا تھا۔سلک کا وہ گاؤن ہوا کے دوش پہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔وہ اب اپنے مالک کے پاس جانے کے لئے تیار تھا۔اسکا مالک کون تھا؟اس نے آنکھیں بند کیں،ایک منظر اسکے ذہن کے کینوس پہ رنگ بھرنے لگا۔قیسم کے سب سے بڑے بوتیک میں ڈھیر سارے ملبوسات کی تصاویر اتارتے ہوئے زینیا حاکم کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔وہ بوتیک کم کوئی شاہی محل زیادہ تھا۔وہاں جو لوگ تھے یہاں تک کہ وہاں کا سیلزمین بھی ایسے ٹھاٹھ رکھتا تھا کہ اسے دیکھ کر دنگ رہا جائے۔

سنہری بتیاں روشن تھیں۔مہنگے اور خوبصورت لباس رونقوں کا سماں باندھ رہے تھے۔

''اگر تمھیں ان میں سے کچھ پسند آجائے تو نوٹ کرلینا۔''اس کے قریب سے گزرتے قیس نے ایک لمحے کے رک کر اس سے کہا تھا۔

''کوئی عنایت نہیں ہے۔قیسم کے ملازمین کو پچاس فیصد ڈسکاؤنٹ ملتا ہے۔تمھیں کسی نے بتایا نہیں ہوگا۔''اسے واقعی کسی نے نہیں بتایا تھا۔

''میں اگر پچاس فیصد زیادہ دوں تو؟''زینیا نے پوری طرح گھوم کر اسے دیکھا۔وہ جو مصروف سا آگے بڑھ رہا تھا۔اسکی بات پہ رک گیا۔ٹھہر کر اسے دیکھا۔زینیا نے کیمرہ آنکھ کے آگے کیا۔سفید رنگ کے لباس قیس کے عقب میں تھے زینیا نے اسکے داہنے پوز پہ فوکس کیا۔

''کیا پھر تم میرے لئے کوئی لباس تیار کروگے؟''

''میں عورتوں کے کپڑے ڈیزائن نہیں کرتا۔''اس نے زینیا کے علم میں اضافہ کیا۔

''اور تمھارے پاس اتنے پیسے نہیں آسکتے کہ تم میری فیس بھر سکو۔''مغرور آرٹسٹ ہنہہ۔

''اور اگر میں بھر دوں تو؟'' زرق برق لباسوں کے درمیان کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں بے پناہ روشنی تھی۔ ان ملبوسات سے زیادہ۔

''یہ بے وقوفی ہو گی۔''

''یہ شوق ہو گا۔''

''پھر میں ہی کیوں قیسم میں ہزاروں ڈیزائنرز ہیں۔ جھونکو اپنا پیسہ۔''

''تم نے آج تک کسی عورت کے لئے کچھ نہیں بنایا۔ میں وہ پہلی عورت ہونا چاہتی ہوں جس کے لئے قیس کمبیر نے کوئی لباس ڈیزائن کیا ہو۔'' اس پہر وہ نہیں جانتی تھی شعور اور لاشعور کے کئی پردوں کے پار۔ علم اور وجدان کی کیفیت سے غیر آگاہ، محبت کے سمندر میں ڈوبے انتقام کے غوطوں سے سر اٹھائے، جذبات کی قلموں سے قیس کمبیر نے اگر پہلا لباس کسی کے لئے ڈیزائن کیا تھا تو وہ ''**وہی**'' تھی۔ قسمت قیس کے ساتھ ہمیشہ وہ کھیل کھیلتی تھی جس میں وہ ہارا تو مات جیتا تو بھی شہ مات۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ یہ ایک عام سی fashion enthusiast کی ایک خواہش ہوتی تو وہ ہر دفع کی طرح صاف انکار کر دیتا۔ لیکن یہ زینیا حاکم تھی۔ اسے انکار کرتے ہوئے وہ انکار نہ کرنے کے دس ہزار پہلوؤں پہ غور کرتا تھا۔ کوئی گنجائش ڈھونڈتا تھا۔ اسی پل اس نے صرف ایک جھلک دیکھی صرف ایک۔ سرخ رنگ کا گاؤن کوئی مجسمے پہ ترتیب دے رہا تھا۔ قیس بجلی کی سی تیزی سے اس طرف بڑھا۔

''کس کی اجازت سے یہ یہاں لائے ہو تم؟'' وہ لوگوں کا خیال کرتے مدھم لہجے میں غرایا۔ اور جھپٹ کر لباس واپس لیا۔

''دوبارہ اسے چھونے کی جرات کوئی نہ کرے۔ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔'' اس نے جھک کر ایک کاٹن میں وہ لباس کسی متاع حیات کی طرح رکھا۔ ملازمین اسے ٹھہر کر دیکھ رہے تھے۔ وہ واپس زینیا تک آیا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور اسے دیکھا۔

''پہلا نہیں، لیکن میرا دوسرا ڈیزائن تمہارے لئے ہو سکتا ہے۔ پہلا آرٹ ایک قریبی کا ''**حق**'' تھا۔ میں دے چکا ہوں۔''

''نہیں، یا تو پہلا یا پھر کوئی نہیں۔'' وہ سادگی سے کہہ کر دوبارہ تصاویر بنانے لگی تھی۔ اپنے پیسوں سے اس نے کوئی ایک شوق پورا کرنا چاہا تھا نہیں ہو سکا۔ قیس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔ زینیا نے سفید رنگ کے اس کاٹن سے جھلکتے سرخ کپڑے کی ایک جھلک دیکھی تھی۔

آج حال میں اس تاریک رات میں اسلام آباد کی روشنیوں میں گھرے وہ ہوا سے پھڑ پھڑاتے اس سرخ گاؤن کو تک رہا تھا۔ آج وہاں اضافہ تھا۔ ایک سرخ اسکارف کا اضافہ۔ وہ سر ڈھکتی تھی۔ اور قیس چاہتا تھا وہ یونہی سر ڈھک کر رہے۔ اس سے گلہ ایک طرف، اس سے محبت ایک طرف۔

اب وہ خود آگے آیا۔ سنگی مجسمے پہ ٹنگے اس لباس کو اتارا۔ اب وہ اسے ایک کاٹن میں رکھ رہا تھا۔ احتیاط سے، ملائمت سے۔ پھر وہ اٹھا اور میز کی طرف آیا۔ وہیں کئی سارے بھورے کاغذ رکھے تھے۔ سیاہی اور دوات بھی، قلم بھی اور کاغذ بھی۔ اس نے سیاہ روشنائی میں قلم کو ڈبویا۔ چھینٹے واپس دوات میں گرائے، اور اب وہ قلم سے اس بھورے صفحے پہ کچھ لکھ رہا تھا۔

''تمھارے نام، یعنی محبت کے نام۔

میرا پہلا آرٹ۔۔۔ میری پہلی کامیابی۔ میری پہلی محبت، تمہارا پہلا حق۔ تم سے شکوے ہیں۔ بہت ہیں۔ لیکن تمہارا وجود اسکی نفی کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ تم نے کئی اور تعلق جوڑ لئے لیکن ہمارا تعلق عالم ارواح کا ہے۔ میرے احساسات، میرا وقت، میری محبت، میری تمام تر ریاضتیں اور میں یعنی، عبداللہ زمان سارا تمھارے نام۔

عبداللہ۔''

اس نے بھورا کاغذ تہہ کیا اور واپس آ کر اسے لباس کے اوپر رکھ دیا۔ اپنے ہاتھوں میں وہ کاٹن لئے قیسم کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ راہداریاں اسکے ہر ہر قدم پہ روشن ہو رہی تھیں۔ اندھیرے چھٹتے جا رہے تھے۔ چند منٹ بعد کاٹن گاڑی کی اگلی نشست پہ رکھے وہ سڑکوں پہ گاڑی دوڑا رہا تھا۔ دھند میں راستے بن رہے تھے۔ جہاں اسکی گاڑی رکی وہ ہاسٹل سے ذرا فاصلے کی جگہ تھی۔ وہ باہر نکل آیا۔ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگالی۔ انجن میں حرارت تھی۔ گاڑی کی لائٹس سڑک پہ پڑ رہی تھیں۔ وہ سگار سلگائے گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ کسی فلم کے ایک aesthetic منظر کی طرح۔

چند منٹ بعد وہاں ایک اور گاڑی آکر رکی۔ اسکی لائٹس تیز تھیں اور سیدھی قیس کے وجود پہ پڑ رہی تھیں۔ سیاہ ٹاپ اور سفید جینز والی عورت گاڑی سے باہر آئی۔ اسکے بال کھلے ہوئے تھے چہرے پہ ہلکا میک اپ تھا۔ وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ قیس کی طرف آ رہی تھی۔ قیس مگر نہیں مسکرا سکا۔

وہ اسکے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ قیس نے اسے نہیں دیکھا۔ نہ سوال کیا نہ اسکے سوال کا جواب دیا۔ حدیبیہ کے دل کو کھٹکا لگا۔

''گاڑی میں کچھ سامان ہے جاؤ'' اسے'' دے آؤ۔''

وہ سر جھٹکتے ہوئے آگے آئی۔ گاڑی کا دروازہ کھولا، سامان نکالا۔ اسے منزل پتہ تھی۔ وہ سامان دے کر واپس آئی۔ قیس اب پسنجر سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ سگار اب بھی انگلیوں میں دبا تھا۔ اور آنکھوں میں اب بھی ٹھنڈک تھی۔ وہ گاڑی کی دوسری طرف سے آئی اور ڈرائیونگ سیٹ ایک فخر کے ساتھ سنبھالی۔

''کہاں چلنا ہے باس؟''

''تمہارے گھر۔ وہاں جہاں سب شروع ہوا تھا۔'' اسکا انداز بدلا ہوا تھا۔

گاڑی گلی سے باہر لے کر جاتی حدیبیہ ٹھٹھک گئی تھی۔ اس نے پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکالا اور نظر بچا کے مقصود کمبیر کے نمبر پہ کوئی میسج بھیجنا چاہا۔ مگر قیس اسکے ہاتھ سے موبائل لے چکا تھا۔ اس نے بغیر دیکھے سکرین بجھا دی اور موبائل ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا۔ وہ دم سادھ گئی۔

''ڈرائیونگ پہ توجہ دو۔ کیسا رہا ٹرپ؟'' نرمی سے کہتے ہوئے اس نے نشست سے ٹیک لگالی۔ حدیبیہ نے مختصر سا جواب دیا۔ باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ گاڑی حدیبیہ کی بلڈنگ کے باہر آکر رکی۔ اور وہ دونوں ایک ساتھ اندر آئے۔ کچھ وقت بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں کافی کے مگ رکھے تھے جن سے بھاپ اڑ رہی تھی۔ مگر وہاں ایک چیز کا اضافہ ہوا۔ قیس کمبیر اپنی جیب سے پستول نکال رہا تھا۔ اور پھر اس نے پستول میز پہ رکھی۔ حدیبیہ کا سانس سینے میں کہیں اٹک گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا۔ جہاں مان ٹوٹنے جیسا کچھ تھا۔

''میں تم سے پہلی بار یہیں ملا تھا حبیب، یہاں اسی گھر اسی جگہ۔'' وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

''اس روز تم زندگی ختم کر رہی تھیں۔ لیکن میں نے تمہیں زندگی دی۔''

وہ بے چین ہو رہی تھی۔ قیس کی سپاٹ نگاہیں اسکے اندر تک گڑھ رہی تھیں۔

''میں نے تمھیں کام دیا۔ تمہیں ابیوز ہونے سے بچایا۔ میں نے تمھیں کبھی بھی ایک ملازم نہیں سمجھا۔ میں نے تمھیں اپنا بازو سمجھا تھا۔ میں نے تمھیں ''میرے'' لوگوں میں شامل کیا۔''

حدیبیہ کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ گردن کے گرد ایک نادیدہ زنجیر کسی جا رہی تھی۔ وہ سانس لئے بغیر اسے تک رہی تھی۔

''میں نے زندگی میں اگر کسی عورت پہ بھروسہ کیا تھا تو وہ تم تھیں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ دوسری عورت زینیا تھی اور اس نے بھی مجھے دھوکہ دیا۔ تم دونوں نے مجھے بہت برے طریقے سے توڑ دیا ہے۔ میں اب دوبارہ کبھی پہلے جیسا نہیں ہو سکوں گا۔''

وہ اٹھ کر آئی اور اسکے پیروں میں آ کر بیٹھی اسکی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہہ رہے تھے۔ آنکھوں میں کرب اور خوف تھا۔ قیس اس سے لاتعلق تھا۔

''مجھے معاف کر دیں باس۔۔۔ میں صرف اور صرف آپ کا اچھا چاہتی تھی۔۔۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا میں نے غلط قدم اٹھایا ہے لیکن بہت دیر ہو چکی تھی بہت دیر۔۔'' وہ بچوں کی طرح اسکے گھٹنے سے سے سر ٹکائے بری طرح رو رہی تھی۔ وہ بے حس و حرکت اسے تک رہا تھا۔ انداز میں لاتعلقی تھی۔

''ایک منٹ کے اندر اندر اگر آدھا خاندان منحرف نکل آئے تو انسان کیا کرے؟'' وہ پوچھ رہا تھا؟ بتا رہا تھا یا کہہ رہا تھا؟ ''میں نے تم سے کہا تھا تم مت جانا ورنہ قیس ڈھے جائے گا۔ تم چلی گئیں اور میں ڈھے گیا، حبیب۔'' لہجے میں کئی زمانوں کا کرب تھا۔ اسکی آنکھوں میں دکھ تھا۔ ''تم گئیں میں واقعی ڈھے گیا۔''

''میں کہیں نہیں گئی باس۔۔ میں کہیں جا ہی نہیں سکتی۔

i owe you ... i owe you ...

مجھے صرف ایک بار معاف کر دیں۔ صرف ایک بار۔''

''سب نے مجھ سے کہا ایک عورت کو رازدار بنا رہے ہو بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ میں نے پھر بھی تم پہ اعتبار کیا۔ تمھیں اپنے راز دیے۔ تمھیں نارمل زندگی دی۔ اور تم نے بدلے میں مجھے کیا دیا، حبیب؟ فریب؟ کیا میں یہ ڈیزرو کرتا تھا؟''

''میں سب فکس کرلوں گی باس۔ میں ہر وہ کام کروں گی جو آپ کہیں گے۔ بس مجھے معاف کر دیں۔ مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا میں پاگل ہو گئی تھی۔ لیکن میری نیت بری نہیں تھی۔ میں آپ کا بھلا چاہتی تھی۔ باس مجھے معاف کر دیں پلیز۔''

قیس نے جھک کر پستول ہاتھ میں لی اور اسے گھٹنا جھٹک کر دور ہٹایا۔ حدیبیہ زمین پہ ہاتھ مارتے ہوئے بری طرح رو رہی تھی۔ قیس نے پستول اسکے ماتھے پہ رکھی۔ اور ٹھنڈی نظروں سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''میں نے کتنا سوچا تمھیں کیا سزا دی جائے؟ لیکن میں ہر دفع ناکام ہو جاتا تھا۔ تم بتاؤ کیا میں تمھیں مار دوں؟'' وہ پستول اسکی پیشانی سے گردن تک لے آیا۔ دباؤ بڑھایا تو اسکی آنکھوں سے بہتا سیال مزید روانی سے بہنے لگا۔

'' یا میں تمھیں زندہ چھوڑ دوں؟ آزاد۔۔۔ بے فکر؟'' اسکی گردن سے وہ پستول اسکے ہونٹوں کے قریب لایا۔ پھر آگے کو جھک کر پستول ساری کی ساری اسکے منہ میں ڈال دی۔ وہ اب بری طرح رو رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ موت خوف ہوتی ہے۔ اور وہ سراپا خوف تھی۔

''اپنی سزا منتخب کرو، حبیب۔'' وہ لاتعلقی، آنکھوں کی سرخی اور سرسراہٹ اس سے کوئی بھی خوف کھا سکتا تھا۔

حدیبیہ نواز نے چہرہ ہاتھوں سے صاف کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کپکپاتے لب اور لرزتے ہاتھوں نے اپنی موت کو قبول کیا۔ وہ اب تیار تھی۔ جو کچھ اس نے کیا تھا اسکی سزا موت ہی ہونی چاہیے، موت ہی ہو سکتی تھی۔ قیس نے ٹرگر دبایا۔ کلک کی آواز آئی مگر گولی نہیں چلی۔ اس نے پستول واپس کھینچ لی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا۔ حدیبیہ ششدر رہ گئی۔

''میں تمھیں مار نہیں سکتا۔'' لاچارگی سے کہتے پیچھے ہوا۔ ناک کی ہڈی کو دو انگلیوں کے درمیان دبایا۔

''بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور حدیبیہ شاکی، خوف زدہ نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔

"لیکن تمھارے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ تم نے دھوکہ دیا ہے۔ میں بس ایک کام کر سکتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فرش پہ بیٹھی لڑکی ٹکر ٹکر اسکا کرب میں ڈوبا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں تمھیں چھوڑ سکتا ہوں، حبیب، میں تمھیں چھوڑ رہا ہوں۔"

"باس۔۔" اسکے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔ اسکی روح جیسے قبض ہوئی ہو۔

"آج کے بعد تم میرا اچھا نہیں سوچ سکتیں۔ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ تم اور میں اب کچھ نہیں۔ سب ختم۔ میں تمھیں چھوڑ رہا ہوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔"

"باس۔۔" وہ اب بھی اسے دیکھتے ہوئے بے آواز، ششدر اور شاکی تھی۔ کسی نے اسکی روح پہ کوڑے برسائے تھے۔

"تم نے مجھے بہت تکلیف دی حبیب۔ میں اب کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکوں گا۔ میں کبھی تمھیں معاف نہیں کر سکوں گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر جا رہا تھا۔ اسکی آنکھیں نم تھیں۔ چہرے پہ آزردگی رقم تھی۔ جسے وہ چھوڑ کر جا رہا تھا اسے چھوڑنا آسان نہیں تھا۔ اسکی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"باس۔۔" دروازے کے بند ہونے پہ وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ وہ دیوانہ وار دروازے کی طرف لپکی۔ قیس سیڑھیاں اتر رہا تھا حدیبیہ نیم دیوانی کیفیت میں اسکے پیچھے زینے اتر رہی تھی۔

" i owe you۔i owe you boss آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ ایسے نہیں نہیں کر سکتے۔ باس پلیز باس۔"

وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔ اسکے قدم شکستہ تھے۔ تکلیف سی تکلیف تھی جسے دل میں لئے وہ جا رہا تھا۔ حدیبیہ کہیں زینوں پہ گر گئی تھی۔ اس نہیں مڑ کر نہیں دیکھا۔ لوگ اس پہ چیخ کر اسے متوجہ کر رہے تھے وہ نہیں سن رہا تھا۔ اس نے خود کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

اسکی آنکھوں کی آگے شیشہ دھندلا پڑ رہا تھا۔ یہ دھند اسکی آنکھوں کے آگے چھائی ہوئی تھی۔اگلی دفع گاڑی کمبیر محل کے آگے رکی۔ وہ چابی ملازم کی طرف اچھالتا اندر آیا۔ زرد روشنیاں اسکے گرد حالے بنانے لگیں۔ شاہی محل اسے دیکھ کر مزید تنفر سے کھڑا ہوا۔ ستون اسے دیکھ کر منہ پھیر گئے۔ اپنے سے زیادہ مضبوط انسان کو ہارا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

☆☆☆☆☆

ایک کمرے کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور پشت اس سے جوڑلی۔ گردن جھکا دی۔ کندھے ڈھیلے چھوڑے۔ اسکی نگاہیں سیدھ میں تھیں۔ جہاں وہیل چیئر پہ کوئی وجود تھا۔ وہ اسکی آمد سے باخبر تھا۔ کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔ کئی ساعتیں چپ کھا گئی۔

''بہت دیر کردی، عبداللہ۔ میں '' **اس** '' ملاقات کی تیاری ایک عرصے سے کئے بیٹھا ہوں۔'' انکی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔

''میرے لوگ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کسی اور کو کیوں چن لیتے ہیں؟'' گیلے لہجے میں شکوہ کیا یا سوال؟

''تم موقع دیتے ہو۔ حالات ایسے پیدا کرتے ہو کہ تمھارے ساتھ رہ کر دم گھٹنے لگے۔''

''لیکن مرنے تو نہیں دیتا میں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔ ''دشواری کہاں نہیں ہوتیں؟ انسانوں کی سہنے کی سکت کیوں کم ہوگئی ہے؟''

''موجودہ دور کا انسان خودشناس ہوگیا ہے۔ اب کوئی تمھارے قدموں میں بیٹھ کر آسمان نہیں دیکھنا چاہے گا۔ گردن اٹھائے گا اور اپنی مرضی کے منظر دیکھے گا۔''

قیس ہنس پڑا۔ گردن جھکائے بے اختیار ہنس پڑا۔ اسکی ہنسی میں ٹوٹے دل کی کھنک تھی۔ اسکے چہرے پہ بس آزردگی رقم تھی۔

''پھر میرے لوگ انتظار کریں۔ کیونکہ اب انہیں زمین پہ پٹخنا میرا فرض ہے۔'' وہ کہتے ہوئے لاک کھول کر باہر نکلنے لگا جب مقصود نے اسے پکارا۔

''میں نے اپنی موت کا انتظار کیا ہے، عبداللہ، تم مجھے یونہی چھوڑ کر جاؤ گے تو میں ایک بار پھر کسی اور کو چنوں گا۔''

''چنتے رہیں۔ابھی مہلت ہے۔ابھی میرے دل میں تھوڑا بہت رحم باقی ہے۔آپ کی سزا میں بہت وقت ہے۔میرے انسان سے جانور بننے کا انتظار کریں۔''

وہ چلا گیا۔جیسے آیا تھا بلکل ویسے۔مقصود نے گردن سیدھی رکھی۔لب سیدھی لکیر میں بند تھے۔وہ تیار تھے۔گھٹنے نہ ٹیکنے کے لئے تیار۔زیادہ سے زیادہ کیا موت ناں؟وہ تیار تھے۔

☆☆☆☆

(اس بار اسے دروازے سے واپس نہیں بھیجا گیا۔اس بار حویلی کی شان ویسی کہاں رہی تھی؟اسکے چچا چپ چاپ کندھے جھکائے ہوئے اسے بیٹھک میں لائے۔وہ آج اٹھے ہوئے کندھوں کے ساتھ آیا تھا۔اس کمرے میں ایک کرسی رکھی تھی۔جس پہ کوئی بوڑھا فربہہ وجود براجمان تھا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کروفر اور،رعونت سے۔یہ وہ شخص تھا جسے روایات کے آگے اپنا خون بھی نظر نہیں آیا تھا۔اس نے زندگی میں کئی کلیجے چھلنی کئے تھے اور کئی کرنے کو تیار۔بوڑھا فرعون رعونت کھو رہا تھا۔کروفر اس سے الوداع کہہ رہا تھا۔مگر اپنے سامنے دوسری کرسی پہ بیٹھتے اپنی اولاد کی اولاد کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔ایک اور فرعون اسکی جگہ لینے کو تیار نظر آتا تھا۔وہی انداز،وہی اطوار۔کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ ان دونوں کے درمیان میز پہ گر رہی تھی۔وہ دونوں اندھیرے میں تھے مگر ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

''کہو پھر،براق حنیف تمھیں کیا شے یہاں لے کر آئی؟''

''میرے نام کی جستجو۔میرا حق۔آپ کو نہیں لگتا اب آپ اسے مزید نہیں کھا سکتے؟''

''کیوں چاہیے یہ سب،اور کیسے؟''انہوں نے میز پہ رکھا سرخ سیال کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے سوال کیا۔

''اول تو ہمارا دشمن ''ایک'' ہے۔اگر اسے چاروں طرف سے ضرب لگنے لگے تو مجھے اچھا لگے گا۔اور دوئم اپنے باپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ جھوٹا اور مکار تھا۔مجھے میرا نام نہ دینے کی وجہ اسکی بزدلی تھی۔اور یہ کہ میں اس آدمی سے بہتر ہوں جسے اس نے مجھ پہ فوقیت دی۔''

''اور تیسرا، ہم سے سب کچھ لے کر ہماری قبر پہ تھوکنا چاہتے ہو؟'' انہوں نے آگے کو ہو کر پوچھا۔اب کے براق خاموش رہا۔اقرار کی خیر ہوتی ہے۔انکار بھی نہ کرنا ایک مختلف معاملہ ہے۔)

''چند دن بعد''

زرد رنگ کی اونچی عمارت کو دیکھنے کے لئے اسے گردن اٹھانی پڑی تھی۔اور کئی لمحے اس نے گردن یونہی اٹھائے رکھی۔

امتحان ہال کے باہر کھڑی ہوئی لڑکی کے ہاتھ پسینے سے بھیگ رہے تھے۔وہ لب کاٹتے ہوئے اس پر شکوہ عمارت کو دیکھ رہی تھی۔جہاں کئی طلباء اسکے سامنے اندر داخل ہوئے تھے۔انہیں چھوڑنے کوئی نہ کوئی ضرور آیا تھا۔شاید اسے چھوڑنے بھی کوئی آ سکتا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی۔لیکن اسکے چاہ لینے سے کیا ہو جاتا ہے؟ سیاہ رنگ کی چمچماتی گاڑی اسکے قریب آ کر رکی۔عمارت کے اندر سے کئی سوٹڈ بوٹڈ لوگ نکل کر آئے۔گاڑی کی پچھلی نشست سے اب وہ باہر نکل رہا تھا۔بھورے رنگ کے ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ ہم رنگ پینٹ پہنے، کلائی میں ہمیشہ کی طرح برانڈڈ گھڑی وہ ہشاش بشاش سا مرد باہر آیا۔اسکی پیشانی پہ ایک ہلکا سا کٹ تھا۔اسکے دائیں بائیں آج گارڈز بھی تھے۔وہ لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔

زینیا کو یقین تھا وہ اسے کہاں دیکھے گا؟ مگر اندر کی طرف جاتے ہوئے اس نے کسی احساس کے تحت مڑ کر دیکھا تھا۔یوں جیسے اسکے دل نے اسے کوئی اشارہ دیا ہو۔وہ ایک طرف کھڑی تھی۔چپ چاپ۔مہدی لوگوں کے درمیان سے نکل کر اسکی طرف آیا۔اسکے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

''سرکار۔مستقبل کی افسر ہیں آپ۔اب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا چھوڑ دیں۔اور آگے آئیں۔'' وہ جھک کر اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے لایا۔اور اب وہ اس ہی کے ساتھ عمارت کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا جوڑے۔گردن سیدھ میں رکھے۔ایک پرفیکٹ کپل۔ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہوئے دونوں۔

زینیا حاکم کو بے اختیار کچھ دن قبل اکیڈمی کا منظر یاد آیا۔

کچھ دن قبل وہ ایک بڑے ہال میں تھے جہاں چند دن بعد کے پرچے دینے والے تمام طلباء موجود تھے۔ مہدی کمبیر اسٹیج پہ کھڑا تھا۔ مائیک اسکے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ پہلا پرچہ شروع ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔

''اگر یہاں کھڑے ہو کر اپنی اسٹر گل کی داستان سناؤں گا تو مجھے یقین ہے تم سب دل میں مجھے گالیاں دو گے۔'' ہال میں کوئی مسکرا تک نہ سکا۔ ان سب کے چہرے پریشان تھے۔ آج انکا پیپر تھا کم از کم آج وہ کسی اور کی کامیابی کی داستان نہیں سن سکتے تھے۔

''ویسے مجھے کچھ بھی پلیٹ میں رکھا ہوا نہیں ملا لیکن پھر بھی میں پریولیج رہا ہوں۔ وہ کہانی میری ہو گی میں چاہتا ہوں آج آپ سب اپنی کہانی سنیں۔ اپنے جیسا کوئی جو بہت relatable ہو۔''

وہ اسٹیج سے اتر کر زینیا کی طرف آ رہا تھا۔ زینیا حاکم جی جان سے لرزی۔ کیا مطلب؟ اوہ نہیں نہیں نہیں۔

''آج تقریر مس حاکم کریں گی۔'' مس حاکم نے تو بس زبان کے جوہر دکھانے سیکھے تھے۔ یہ نیا کام کیسے کرے؟

وہ اسکے قریب آ کر رکا سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ زینیا نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ میں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر تقریریں کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' وہ دبے دبے انداز میں بولی۔

''سرکار آپ بس پنی زبان کے جوہر دکھائیے گا۔ کہیں بات بگڑ گئی تو باقی میں سنبھال لوں گا۔''

''مہدی۔۔۔ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' وہ انکار کرنے لگی۔

''آج کے بعد سے بہت کچھ بدلنے والا ہے۔ میں جب تک لوگوں سے گھبراتا رہا مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اور جب میں لوگوں سے فیسینیٹ ہونا شروع ہوا سب بدل گیا۔'' وہ اسکے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا۔

''لوگوں کو مت دیکھنا، بس مجھے دیکھ کر بولتی رہنا۔ میری آنکھوں میں تمہیں اپنے لئے ستائش ہی دکھے گی۔ اوکے؟''

چار و ناچار وہ اٹھی۔ اسپاٹ لائٹس کی روشنی اسکی طرف اٹھی۔ خشک ہوتے ہوئے لبوں پہ زبان پھیرتے وہ اسٹیج پہ آئی۔ مہدی ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ لوگوں کو طیش تو آیا ہو گا کہ وہ اپنی بجائے کسی اور کو بھیج رہا ہے لیکن پیسہ اور مقام منہ بند کروانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

چند پل بعد وہ مائیک ہاتھوں میں لئے ہوئے تھی۔ ہاں مگر وہ مہدی کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسکو تو وہ بعد میں سیدھا کرے گی۔ **(اتنا تو وہ بھی سوچ کر آیا تھا)**

''اگر آپ کو لگتا ہے میرے پاس لفظوں کا کوئی ڈھیر ہے تو آپ سب بہت غلط ہیں۔ بلکہ میرا سانس آپ سب سے زیادہ اٹکا ہوا ہے۔'' ہاں یہ تھی relateable بات۔

''نہ میرے پاس کوئی تیاری ہے نہ کوئی ایسی موٹیویشن جسے میں یہاں کہہ دوں اور آپ سب کا پرچہ بغیر کسی ٹینشن کے حل ہو جائے۔'' آہستہ آہستہ اسکا سانس نارمل ہو رہا تھا۔ سب لوگ اسکے جیسے ہی تھے۔ سب پریشان تھے۔

''میں ایک چھوٹے علاقے سے آئی ہوں۔ صوبہ بلوچستان کے شہر گوادر سے۔ ہمارے یہاں تعلیمی رجحان بہت کم ہے۔ جہاں میری باقی کزنز کو سلائی کڑھائی اور کوکنگ کے شوق تھے وہیں ان تمام چیزوں کے درمیان میرے اندر ایک شوق کا اضافہ تھا۔ پڑھائی۔ کتابیں۔'' اس نے مہدی کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

(کیا کر لے گی زیادہ سے زیادہ بلاک؟)

''اسکول جانے کی اجازت مل گئی مگر پڑھائی ویسی معیاری نہیں تھی کہ میں اسلام آباد، کراچی اور ملک کے بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے، اچھے اسکول، کالجز سے پڑھ کر آنے والے بچوں کا مقابلہ کر سکوں۔ میں نے یوٹیوب سے انگریزی سیکھی۔'' وہ کہتے ہوئے مسکرائی۔ کئی لوگ اسکے ساتھ مسکرائے۔

''میں نے تختیاں لکھ لکھ کر اپنی لکھائی بہتر کی۔ میں نے مختلف ڈکشنریز پڑھ کر، مختلف ادب پڑھ کر کئی زبانیں سیکھیں۔

کالج کے ساتھ ساتھ میں مختلف کورسز کرتی رہی۔ کھانے پینے کے پیسے بچا کر میں کتابیں خریدتی تھی۔ کئی کئی گھنٹے پیدل سفر کر کے اکیڈمی اور یونیورسٹی جاتی تھی۔ پھٹے پرانے بستے اور گھس چکے کپڑے پہنتی تھی۔ میں یہ سب کیوں کرتی تھی؟''

اس نے مجمعے کی طرف دیکھا۔ ہر کوئی اپنے بارے میں سوچ رہا تھا آج وہ وہاں کیوں تھا؟ کیوں چاہیے کامیابی؟ ہر ایک کی اپنی وجہ ہوتی ہے۔

''صرف اس لئے کیونکہ میرے پاس ''**چانسز**'' نہیں تھے۔ میرے پاس واپسی کے راستے نہیں تھے۔ میں ایک عام زندگی گزار کر نہیں مرنا چاہتی تھی۔ یہ سفر میرا "**سروائیول**" تھا۔ لوگ میرے خلاف باتیں بناتے تھے۔ میرے خاندان کی لڑکیاں مجھ پہ ہنستی تھیں۔ میری پڑھائی سے لے کر میرے کردار اور پھر میرے ماں باپ کی تربیت تک انگلیاں جاتی تھیں۔ میں سہہ رہی تھی اور میں سہہ رہی ہوں۔ وجہ؟ وجہ یہ ہے کہ پیچھے دیکھنے پہ مجھے زندگی سے وہ ''**وائب**'' نہیں آرہی جو مجھے چاہیے۔ کوئی شک نہیں کی وہ لڑکیاں عظیم ہیں جو گھر پہ بیٹھ کر کچن سنبھالتی ہیں۔ بچے پالتی ہیں۔ اور اپنے شوہر کے پیسے جوڑ جوڑ کر رکھتی ہیں۔ انہیں میرا سلام ہے۔ لیکن میں زندگی سے کچھ ''**مختلف**'' چاہتی تھی۔ یہ میرا حق تھا۔''

اسکی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ ہاتھ اب بھی کپکپا رہے تھے۔ وہ آلتی پالتی مارے اسٹیج پہ بیٹھ گئی۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ بالکل ایسے جیسے مہدی بیٹھتا تھا وہ اسے دیکھ کر محظوظ ہوا پھر ہنس پڑا۔

''کوئی بھی کام شروع کرتے وقت اگر آپ "**چانسز**" لے کر آئیں گے تو شاید آپ اس کام کو کرلیں، شاید نہیں۔ لیکن اگر آپ چانسز پیچھے چھوڑ کر فوکس لے کر آئیں گے تو کوئی آپ کو ہرا نہیں سکتا۔ لوگ۔۔ لوگ آپ کے گھر میں راشن نہیں دیتے۔ لوگ آپ کو پانی نہیں دیتے۔ لوگ تب نہیں آئے تھے جن راتوں میں آپ اکیلے اور ڈپریس تھے۔

لوگ تب بھی نہیں آئے جب آپ بھوکے تھے۔ میں نے کئی ماہ ضائع کر دیئے کیونکہ میں نے ''**چانس**'' لے لیا تھا۔ میں کہیں نوکری کرنے لگی تھی اور مجھے لگا تھا ٹھیک ہے اگر سی ایس ایس نہ بھی ہوا تو وہ نوکری رہے گی۔''

''کیا تمھیں تمھارے باس نے نکال دیا ہے؟'' کسی نے پوچھا۔

زینیا نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''رہنے جیسا بھی نہیں چھوڑا۔''

وہ مسکرائی مہدی ہنسا۔

''وہ لمبا قصہ ہے۔ پائنٹ یہ ہے کہ میرا فوکس لوز ہونے لگا تھا۔ میرے پاس چانس تھا۔ میں ڈبل مائنڈڈ تھی۔ ڈبل مائنڈڈ انسان کام نہیں کر سکتا۔ کرے گا تو برباد کرے گا۔ آج اس پرچے کو لکھتے ہوئے ایک چیز ذہن میں رکھیئے گا کہ یہ آپ کا گول ہے۔ اسے آپ نے کرنا ہے۔ اگر آج آپ اس نشست پہ بیٹھے ہیں تو پیچھے مڑ کر دیکھیں آپ کتنے دیو مار کر آئے ہیں۔ کتنی بار خود زخمی ہوئے ہیں اور

پھر اٹھے ہیں۔ میری تیاری ویسی نہیں ہے لیکن، میں آج فوکسڈ رہوں گی۔ کیونکہ یہ واحد چیز ہے جو مجھے بچا سکتی ہے۔ یہ میرا چانس ہے۔ جو بھی آپ کر رہے ہیں وہ آپ کا چانس ہے۔“

لوگوں کے چہروں پہ امید در آئی تھی۔ وہ ویسی ہی تھی جیسے وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ۔ سب ہار کر، لڑ کر، زخمی ہو کر ہی تو آئے تھے۔ کردار اور واقعات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن ہر محنت کرنے والے انسان کی کہانی ایک ہوتی ہے۔ با مقصد۔ پر عزم اور فوکسڈ۔

”ایک اور بات زندگی چانسز دیتی ہے۔ ہر چانس پہ فوکسڈ رہنا ہوتا ہے۔ میں اگر اس پرچے میں فیل ہو گئی تو اگلے سال دوبارہ یہیں نظر آؤں گی۔ زندگی کے دیئے ہوئے ایک اور چانس کو ضائع نہ کرتے ہوئے بلکل فوکسڈ۔ کامیابی کے سفر میں آپ کتنے بار گرے یہ غیر اہم ہے۔ آپ کتنی بار اٹھ کر پھر سے کھڑے ہوئے یہ اہم ہے۔ سو جب تک زندگی چانسز دیتی رہے لیتے رہیں۔ ہم پہلے زینے پہ گریں تو گر پڑتے ہیں۔ آخری زینے تک جانے کے لئے کئی بار گرنا ہوتا ہے۔“

ہال میں سب سے پہلے تالیاں پیٹنے والا مہدی تھا۔ گھر کا مرد ساتھ کھڑا ہو تو عورت گرنے کے بعد بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اگر وہ ساتھ چھوڑ دے تو کھڑی ہوئی عورت بھی گر جاتی ہے۔ زینیا حاکم کو ایک مرد نے حوصلہ دے کر بھیجا تھا تو دوسرا مرد اسکا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ مرد عورت میں کوئی اونچا کوئی کمتر نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔

ایک دوسرے کا لازمی جز۔

کچھ دیر بعد پرچہ شروع ہو گیا تھا۔ دل کی دھڑکن معمول سے زیادہ رفتار پہ تھی۔ مگر وہ ایک تقریر کچھ کچھ اثر چھوڑ گئی تھی۔ زینیا لکھتی گئی۔ بس لکھتی گئی۔ یہ اسکا چانس تھا۔ واپسی کہیں نہیں تھی۔ واپسی پہ کچھ نہیں تھا جو تھا اب تھا۔ آج تھا۔ وہ دن ڈھلے پرچہ دے کر باہر آئی۔ اسے یقین تھا کوئی نہیں آیا ہو گا مگر وہاں کوئی تھا۔

اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھا اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے شیزل کھڑی تھی۔ کس احساس کے تحت اسکی آنکھیں نم ہوئیں وہ نہیں جانتی تھی۔ زندگی میں اگر انسان نے اچھے اور قدر کرنے والے دوست کما لئے ہوں تو اسے ملال چھوڑ دینا چاہیے۔ دوستوں سے بڑی دولت نہیں ہوتی کوئی۔

آنکھیں رگڑتے وہ اسی طرف چلی آئی۔ شیزل کے قریب رک کر وہ چند پل اسے دیکھتی رہی۔ پھر خود ہی آگے بڑھ کر دھیرے سے اسکے گرد بازو حمائل کر دیئے۔ سیاہ بالوں والی لڑکی کے دونوں بازو اسکے پہلو میں گرے رہے۔ پھر گہری سانس لیتے اس نے بھی زینیا کے گرد ہاتھ پھیلا لئے اور اسکو زمین سے تھوڑا سا اوپر اٹھایا۔ وہ ہنسی تھی۔ شیزل اب اسے گول گول گھما رہی تھی۔ زینیا اسکے کندھوں پہ تھپڑ مار رہی تھی ہنس رہی تھی۔ زندگی میں اسے دوستوں کی کمی ملی تھی اور اس ایک نے سب کمی پوری کر دی تھی۔ لوگ انہیں پاگل کا لقب دیئے آگے بڑھ رہے تھے ان دونوں کو کوئی فکر نہیں تھی۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد گاڑی میں بیٹھی تھیں۔ شیزل نے ہلکا ہلکا میوزک لگا رکھا تھا۔ آفس کے خرافات سے یوں بھی جان چھڑوا رکھی تھی۔

''گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ ڈبہ رکھا ہے وہ اٹھاؤ۔''

زینیا نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں سفید رنگ کا ڈبہ رکھا تھا اس نے اٹھایا اور گود میں رکھ کر کھولا تو اس میں ادھ کھایا کیک تھا۔ شاید زینیا کے لئے کوئی وش بھی تھی مگر کیک اس طرف سے کھایا جا چکا تھا۔

''یہ کیک میرا تھا تو اپنے دانت کیوں گاڑے؟''

''دانت کب گاڑے، پنجہ گاڑا تھا۔ بڑا مزے کا کیک تھا۔ مزہ آگیا۔''

زینیا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چمچ سے کیک کھانا شروع کیا۔ اناناس کے اضافی ٹکڑے رکھے تھے۔ شیزل نے بتایا نہیں مگر زینیا جانتی تھی یہ اسکی اناناس سے محبت کی خاطر بنوایا گیا کیک ہے۔ جتنا شیزل سیمسن کو نہیں آتا تھا۔

''کس نے تمہارا میٹر گھمایا ہے آج؟'' کیک کھاتے ہوئے سوال کیا۔

''آفس میں کچھ لڑکیاں بکواس کر رہی تھیں۔ غصہ آگیا۔ کیک واقعی تمہارے لئے لیا تھا لیکن غصہ کہیں تو اتارنا تھا۔'' اس نے گہری سانس لی۔

''خیر کل رات تمہارے لئے ایک پارسل آیا تھا قیسم سے۔ میں نے بتایا نہیں تمہارا موڈ خراب ہو جاتا۔''

''تم مجھے گود کیوں نہیں لے لیتیں؟ اتنا خیال تو میری ماں کو بھی میرا نہیں آتا۔'' شیزل نے غور کیا کہ قیسم کے نام پہ اسکے چہرے پہ ناگواری آئی تھی۔ جسے وہ چھپا گئی۔

''ضرور لے لیتی لیکن پھر تم میری ذمہ داری بن جاؤ گی میرے پیسوں میں حصے دار اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے منہ پورا کھول کر اسکی طرف کیا۔ زینیا نے بھرا ہوا چمچ جلدی سے اسکے منہ میں ڈالا یہ نہ ہو حادثہ ہو جائے۔ تازہ تازہ بریک اپ شاید اسکے سر پہ چڑھ گیا تھا۔

''انسان بنو۔ گاڑی چلاتے وقت تو اس طرح کی حرکتیں مت کیا کرو۔ مجھے میری زندگی پیاری ہے۔''

''جس کی زندگی میں مہدی ہوگا اسے تو سب پیارا لگے گا۔ ہم سے پوچھو۔'' سرد آہ بھری۔

ڈسکو گانا بدل کر غمگیں گانا چلا دیا۔

''وہ سب چھوڑو۔'' یکدم اسکے چہرے پہ جوش در آیا۔

''تمہاری اکیڈمی کے سارے سٹوڈنٹس کو مہدی فنڈ کررہا تھا۔ اور اب وہ ایک پارٹی دے رہا تھا۔ ساتھ کمبیرز کی نیو ایئر پارٹی بھی ہے۔ شہر سے دور فارم ہاؤس میں، چلو گی؟''

''میرا دماغ خراب ہے جو میں اس خبطی انسان کی پارٹی میں جاؤں گی۔''

''یہ پارٹی قیس کی طرف سے نہیں ہے۔ چلو ناں میں تمہارے بغیر بور ہوں گی۔''

''جس کی پارٹی ہے اس نے تو بلایا نہیں پھر میں کیوں جاؤں۔'' کیک کھا کر وہ اسے اس بات پہ ضرور بلاک کرے گی۔ آج کل بہت پر پرزے نکل آئے ہیں اس کے۔

''بھلا تمہیں بلانے کی کیا ضرورت ہے؟ تم تو شوہر کے ساتھ انتظامات سنبھالو گی۔ پاور کپل یو نو۔''

''بکو مت۔'' زینیا خفگی سے بولی۔ شیزل اسے اب مزید بھی بہت کچھ بتا رہی تھی۔ زینیا غائب دماغی سے سنتی رہی۔ اسکا سارا دھیان وہیں گوادر میں تھا۔ خاندان سے مسائل ہو جائیں تو ذہن وہیں رہ جاتا ہے۔

ہاسٹل آکر اس نے قیسم سے آیا وہ ڈبہ بیڈ پہ رکھا اور اسے کھولنے لگی۔ دو اور لڑکیوں نے قیسم کی مہر دیکھ رکھا تھا سو وہ دونوں بھی چلی آئیں۔ زینیا نے بڑی بے دردی اور بے زاری سے چھری سے کاٹتے ہوئے ڈبے کو کھولا۔ ایک تہہ شدہ بھورا کاغذ جسے اس نے اٹھایا اور بغیر پڑھے دراز میں رکھنے لگی پھر ٹھہر گئی۔ بھورا کاغذ کھولا اور وہ چھوٹی سی تحریر پڑھی۔ پھر یونہی، بغیر کسی تاثر کے اسے واپس رکھ دیا۔ سرخ رنگ کے اس لباس پہ پہلی نظر پڑتے ہی زینیا کو یاد آگیا تھا یہ کونسا لباس ہے۔ قیسم میں ہر کوئی اسکے بارے میں بات کرتا تھا۔ وہ سرخ گاؤن جسے قیس کمبیر کسی خاص عورت کے لئے بنا رہا تھا۔ اسکا پہلا آرٹ۔ ہر کوئی متجسس تھا اسے دیکھنے کے لئے۔

زینیا نے دھیرے سے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس گاؤن کو اٹھایا۔ اور اگلے کئی لمحے وہ مبہوت سی اسے تکے گئی۔ وہ اتنا نفیس اور خوبصورت تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ شاہکار تھا۔ اسکا کپڑا فرش کو چھو رہا تھا، اسکی ملائمت، اسکا ڈیزائن وہ بس بے حد خوبصورت تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔ کتنا خوبصورت ہے۔" ان دونوں میں سے ایک لڑکی اٹکتے ہوئے بولی۔

"تم کتنی لکی ہو، زینیا۔ اوہ گاڈ یہ واقعی بہت خوبصورت ہے۔"

زینیا نے لباس واپس رکھا اور کاٹن بند کیا۔ دونوں لڑکیوں سے کوئی بہانہ بنا کر وہ باہر نکل آئی۔ شام ابھی تازہ تھی۔ سڑکوں کے اطراف میں لگے سٹریٹ پولز کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی پارک کی طرف چلی آئی۔ عبداللہ واپس حویلی گیا تھا۔ جرگہ بیٹھا تھا۔ اسکے خاندان پہ ایک بار پھر حرجانہ لگ رہا تھا۔ وہ افسردہ تھی۔ وہ واقعی افسردہ تھی۔ موبائل اسکے پاس تھا نہیں مگر وہ اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ کئی منٹ خاموشی سے اس پارک میں بیٹھنے کے بعد اسکا اگلا پڑاؤ کمبیر محل تھا۔

اسے آج پہلی بار دروازے پہ روکا گیا۔ وہ جانتی تھی یہ کس کے احکام ہوں گے۔ کوئی پندرہ منٹ تک اسے وہیں کھڑا رکھنے کے بعد اسے اندر آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ کوئی پروٹوکول نہیں، کوئی ستائش نہیں۔

پاتھ وے پہ قیس کی گاڑی باہر نکل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے کھڑکی کا شیشہ ہٹایا۔ چشمہ انگلی سے نیچے کیا۔

''تم یہاں؟اوہ مگر مہدی گھر پہ نہیں ہے۔اسکے کمرے میں جانے کا موقع آج نہیں ملے گا تمھیں۔'' وہ طنز کے نشتر چبھونا بند نہیں کر سکتا تھا۔زینیا کا چہرہ سرخ ہوا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے، قیس۔دس منٹ کے لئے میری بات سن لو۔''

'' کس بارے میں؟''

''جو کچھ تم آج کل کر رہے ہو۔''اس نے آس پاس دیکھا۔مالی، ملازمہ، گارڈ۔

''ہم اکیلے میں بات کر سکتے ہیں؟تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔''اسکا لہجہ دھیما تھا۔

''چند ماہ پہلے کی بات ہوتی تو ہر شے پہ لعنت بھیج کر تمہیں وقت دیتا۔مگر اب۔۔۔''اسکی آواز ضرورت سے زیادہ ترش تھی۔آنکھوں میں تمسخر۔

''یہاں لان میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔میں جب آیا تو بات ہو گی۔اور اگر تم انتظار نہیں کر سکیں تو کبھی بات نہیں ہو گی۔اور ہاں گھر کے اندر جانے کی کوئی اجازت نہیں ہے تمھیں۔اندر جاتے ہی تم راستے بدل لینا جانتی ہو۔''اس نے شیشہ واپس چڑھا لیا۔

زینیا بس چپ رہی۔وہ چلا گیا۔وہ بھی گہری سانس بھرتی لان میں رکھے صوفوں کی طرف چلی آئی۔تقریباً ایک گھنٹہ وہ وہیں بیٹھی رہی۔جوں جوں رات پھیل رہی تھی۔سردی کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ تقریباً دو گھنٹے وہیں بیٹھی رہی۔اب وہ باقاعدہ ٹھٹھرنے لگی تھی۔دھند اور سردی بے تحاشا بڑھ گئی تھی۔اسے گرم کپڑے پہن کر آنا چاہیے تھا،افسوس گہرا ہوا۔کوئی ڈھائی گھنٹے بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا تھا۔زینیا نے بے اختیار اٹھ کر دیکھا۔اسے مایوسی ہوئی۔یہ قیس کی گاڑی نہیں تھی۔وہ واپس بیٹھ گئی اور ہاتھ آپس میں رگڑنے لگی۔اسکے ہاتھ پیر باقاعدہ سن ہونے لگے تھے۔

صبح والے لباس میں ملبوس مہدی کمبیر گاڑی سے باہر نکلا۔وہ آس پاس دیکھے بغیر اندر کی طرف جا رہا تھا اور ایک غیر ارادی نگاہ لان کی جانب اٹھی۔وہ ٹھٹھک کر رکا۔

چند لمحے متعجب سا اسے دیکھتا رہا۔وہ زینیا ہی تھی۔وہ کچھ کچھ حیران سا اسی طرف چلا آیا۔زینیا نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ اسکے قریب رک کر قدرے تشویش سے بولا۔

''میں قیس سے کچھ بات کرنے آئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک آجائے گا اس نے مجھے انتظار کرنے کو کہا ہے۔'' اس نے بامشکل دانتوں کو اس سردی میں بجنے سے روک رکھا تھا۔

''اوکے کر لینا بات۔ لیکن یہاں اتنی سردی میں کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ اسکے جامنی پڑتے لب اور سرخ ہوتی ناک کو دیکھ کر متفکر ہوا۔

''اندر چل کر بیٹھو، تھوڑا انتظار کر لو آجائے گا۔''

''اس نے مجھے یہیں انتظار کرنے کو کہا ہے۔ میں ٹھیک ہوں آپ جائیں۔''

''اٹھو اور اندر چلو۔ میرا دماغ مت خراب کرو۔'' وہ گھرکنے کے انداز میں بولا۔

''کتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوئی ہو؟ حالت دیکھو اپنی۔ تم نے کچھ گرم پیا ہے؟''

''میں اندر نہیں جاؤں گی۔ اس نے ملازمین کو منع کیا ہے۔ میں کہہ رہی ہوں ناں میں ٹھیک ہوں یہاں۔'' وہ متانت سے بولی۔ مہدی نے جھک کر اسکے ہاتھ کو چھو کر دیکھا۔ وہ یخ تھا۔

وہ اسکی دائیں طرف کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ اور ملازمین کو آوازیں دینے لگا۔

''میں کہہ رہی ہوں میں بلکل ٹھیک ہوں آپ کو سمجھ کیوں نہیں آرہی؟''

''تم نے قسم لے رکھی ہے کہ مہدی کمبیر بھونکتا رہے گا تم نے اسکی سننی ایک نہیں۔''

اس نے سختی سے کہتے ہوئے بیک وقت تین سے چار ملازمین کو آواز دی۔ سب بھاگے آئے۔

''میرے کمرے میں جاؤ اور کوئی سوئیٹر لاؤ۔'' اس نے کسی ملازم سے کہا۔

''سر وہ قیس سر نے۔۔'' وہ ہچکچایا۔

''فائرڈ۔'' وہ زینیا کو دیکھتے ہوئے ایک ہی لفظ بولا۔ ''ریحان جاؤ تم۔'' دوسرے ملازم سے کہا۔

''باس قیس سر غصہ ہوں۔۔''

''فائرڈ۔''

''مہدی، کیا کر رہے ہیں آپ؟'' زینیا کو ہول اٹھے۔

''رانیہ تم جاؤ میرے کمرے سے سوئیٹر اور باقی گرم کپڑے لاؤ۔'' تیسری ملازمہ بغیر کسی چوں چراں کے سر ہلاتی پلٹ گئی۔

''تم دونوں اگر دوبارہ کمبیر محل میں نظر آئے تو میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ اگلی بار تم اس شہر میں نظر نہ آؤ۔''

''سر انکی کوئی غلطی نہیں وہ دراصل۔۔۔'' کسی نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

''فائرڈ۔'' بے لچک انداز میں دہرایا۔ وہ آج کوئی بے حد مختلف انسان لگا تھا۔

سب اپنا سامنہ لے کر چلے گئے۔

''آپ پاگل ہو گئے ہیں؟ کتنے لوگوں کو فائر کریں گے آپ؟''

''آزمانا ہے؟ آدھے محل کے ملازمین فائر کر سکتا ہوں۔ کر کے دکھاؤں؟''

''پورا خاندان خبطی ہے۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں پچھلے ڈھائی گھنٹوں سے یہیں ہوں اور بلکل ٹھیک ہوں۔''

''سردی میں ایسے جوتے پہن کر کون نکلتا ہے؟'' وہ اسکے پیروں میں عام سے کولا پوری چپل دیکھ رہا تھا۔ زینیا نے جوتے اتارے اور پیر اوپر صوفے پہ کرنے چاہے مگر عین اسی پل مہدی اسکے پیروں کے اوپر اپنے پیر رکھ رکھ گیا تھا۔ زینیا کے ٹھنڈے یخ پیروں کو حرارت ملی۔ وہ یونہی اسکی انگلیوں، پیر کے درمیانی حصے اور پھر پورے پیر کو پریس کرتے ہوئے پیروں کو گرمائش پہنچاتے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''اذیت دے رہا ہے وہ تمھیں۔ اور تمہاری اذیت سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ تم کب سے اتنی vulnerable ہو گئیں کہ وہ جو دے رہا ہے تم سر جھکا کر لئے جا رہی ہو؟''

''مجھے بات کرنی ہے اس سے۔ میرے خاندان کے پاس اب مزید زمینیں نہیں رہیں جو وہ میرے لئے لٹاتے رہیں۔ اپنے لیے نہ سہی اپنے خاندان کے لئے مجھے یہ برداشت کرنا ہے۔''

''تمھیں لگتا ہے تم آؤ گی بات کرو گی اور وہ مان لے گا؟''

''مان لے گا لیکن شرط رکھے گا۔''

ملازمہ سوئیٹر، شال اور جرابے لے آئی تھی۔ مہدی نے سوئیٹر اسکی جانب بڑھایا۔ زینیا نے گہرے سرمئی رنگ کا بیگی سوئیٹر خاموشی سے لیا اور پہن لیا۔ شال اوڑھ لی۔ اس نے جرابوں کی طرف ہاتھ بڑھایا مہدی نے ہاتھ سے انہیں میز سے ہٹا دیا۔ یہ فریضہ وہ خود انجام دے گا۔

''کیسی شرط؟'' وہ پیروں کو حرکت دے رہا تھا۔ ذرا ذرا سے فاصلے پہ رکھتے ہوئے۔ زینیا نے ایک دو بار پیر کھینچنے کی کوشش کی تھی۔ جسے وہ ناکام بنا گیا۔

''جانتی ہو وہ کیا شرط رکھے گا؟'' وہ اسے جواب نہ دیتے دیکھ خود بولنے لگا۔

''وہ تم سے کہے گا مہدی کمبیر کو چھوڑ دو۔ تم چھوڑ دو گی؟''

''اور ہمارے درمیان ایسا کیا ہے جسے چھوڑا نہیں جاسکتا؟'' وہ اپنے لفظوں سے کس طرح اسکے دل پہ برف کے جمے ہوئے گولے مار رہی تھی اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔

''میں پریکٹیکل رہی ہوں۔ اور یہاں بھی رہوں گی۔ نہ میں اپنے گھر جا کر بتا سکتی ہوں کہ یہ دیکھئے میں نے اپنے ہی سابقہ منگیتر کے بھائی سے شادی کر لی ہے اور نہ آپ اپنے بھائی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا نکاح ہوا ہے۔''

اس نے پیر اوپر کھینچ لئے۔ مہدی چپ رہا۔

''آپ اب بھی اس سے ڈرتے ہیں۔ میں جج نہیں کر رہی لیکن یہی حقیقت ہے۔ آپ کو کچھ ہی عرصہ پہلے پتہ چلا ہے کہ میں آپ کے بھائی کی سابقہ منگیتر ہوں۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ قبول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے آپ کے لئے بھی ہو گا۔ ماضی میں بہت

حماقتیں ہوئی ہیں۔ میں اس وقت پریشان تھی آپ سے نکاح کرنا کسی بھی طرح مسئلے کا حل نہیں تھا اور نہ ہی مجھے ایسا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ وقت اور وہ فیصلہ سوائے بے وقوفی کے اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن اب واقعی کچھ نہیں ہو سکتا۔''

وہ اسکا دل خراب کر رہی تھی جتنا ہو سکے اتنا۔

''سوائے اسکے کے تم میرے ساتھ غلط کرو؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تو یہ تھی وہ بات جو تم واپس آکر مجھ سے کہنا چاہتی تھیں؟''

''شاید ہاں۔ اور میں برطانیہ نہیں جا رہی۔ مجھے جو کرنا ہے میں خود کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کا یا پھر کسی بھی اور مرد کا سہارا نہیں چاہیے مجھے۔ میں آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی اور نہ ہی خود کسی کمپلیکیٹڈ تعلق میں پڑنا چاہتی ہوں اس لیئے۔۔ قیس سے ڈر کر، بھاگ کر کہیں نہیں جا رہی میں کیونکہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ پلکیں جھپکے بغیر اسے تکتا رہا۔

''میں طلاق کے کاغذات جلد بنوالوں گی۔ میں گوادر جاؤں گی آپ کسی اور ملک۔ موو آن یو نو۔''

اس نے جھک کر زینیا کے بیچ پڑتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیئے۔ آنکھیں بڑی دلیری سے اسکی آنکھوں میں ڈال رکھی تھیں۔ وہ جو چپ رہتا آیا تھا اس نے بولنا چن لیا تھا۔

''مجھے زندگی میں کچھ بھی میری پسند سے نہیں ملا۔ مگر میں نے شکوہ نہیں کیا۔ موو آن کیا۔ ایک تمھارے متعلق مجھے میرے اصول بدلتے دکھائی دے رہے ہیں۔''

وہ چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر عجیب بے بسی سے ہنس پڑا۔

''میں۔۔ میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر سکوں گا، زینیا۔'' وہ بتا رہا تھا، جتا رہا تھا یا بے بسی کا اظہار کر رہا تھا؟

''اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

''چند دن انتظار کر سکتی ہو؟ میں نے ابھی تمہیں وہ سب نہیں بتایا جو تمہاری واپسی پہ طے تھا۔ اور فکر مت کرو میں تمہاری طرح زہر نہیں اگلتا۔''

''مہدی میں۔۔''

"تمہیں کارڈ بھیجوں گا۔ آجانا، لوگ میرا انتظار کرتے ہیں اور میں تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن کوئی زبردستی نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

اگلے چند پل میں زینیا کی میز پہ چائے کا تھرماس تھا۔ ساتھ ہیٹر رکھا تھا۔ خشک فروٹس کے باؤل رکھے گئے اور کوئی بالکنی میں کھڑے ہو کر بے چینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کوئی تھا جسے اسکی تکلیف سے تکلیف ہو رہی تھی۔ کوئی تھا جسے اسکی پرواہ تھی۔ وہ کوئی صرف مہدی ہو سکتا تھا۔

(''آپ کیا چاہتے ہیں، نواب صاحب؟'' براق اب انکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''عبداللہ سے نجات۔ وہ میری آدھی زمینیں لے چکا ہے اور آدھی میری اپنی اولاد کی بے وفائی کی نذر ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں تم کہانی کو ایسے ترتیب دو عبداللہ مٹ جائے اور اسکا نشان باقی نہ رہے۔ اور ہم پہ کوئی الزام نہ آئے۔'' کیا کوئی کہہ سکتا ہے یہ گفتگو اسکی بیٹی کے بیٹے کے متعلق تھی؟

''میں اسے قتل نہیں کروں گا۔ نہ آج، نہ مستقبل میں۔ اپنے باپ کا نافرمان ہو سکتا ہوں اس حد تک نہیں۔'' دوٹوک انداز۔

''پھر یہاں کیا لینے آئے ہو؟ جاؤ اور بقیہ عمر بھی فرمان برداری میں گزار دو۔''

''میں مار نہیں سکتا، لیکن مروا سکتا ہوں۔ کسی انسان کو قتل کرنے کے ہزار طریقے ہوتے ہیں۔۔ کوئی ہے جو میری مدد کرے گا۔''

''کون؟'' جھریوں زدہ ہاتھ صوفے کے ہتھے پہ رکھے وہ آگے کو ہوئے۔ براق محظوظ سا انہیں دیکھے گیا۔ پھر اپنا گلاس اٹھایا اور خمر کے گھونٹ بھرے۔

''مسیحا اپنی پہچان نہیں بتاتے۔'' عالم نواب گہری سانس بھر کر پیچھے ہوئے۔

''بدلے میں تمھیں کیا چاہیے؟''

"میرا تخت، ساری دنیا کے سامنے میرا نام۔آپ کی طرف سے میری ماں کو ذلیل کرنے اور قتل کرنے کی معافی۔"

"ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔" وہ ناگواری سے اسے ٹوک گئے۔ براق نے انکا جھوٹ برداشت کیا۔"اسکا قاتل کوئی اور ہے۔"

"اور وہ عورت، جس کی تمنا عبداللہ زمان کو ہے۔" خواہشات کی فہرست میں اضافہ ہوا۔

"تمہیں اس عورت سے کیا سروکار ہے۔؟" عالم نواب کو اسکی یہ بات بری لگی تھی۔بے حد بری۔

"سوائے اسکے کہ وہ عبداللہ کی منگیتر ہے۔مجھے اور کچھ فرق نہیں پڑتا۔مجھے اس سے وہ سب لینا ہے جسکا اسے غرور ہے۔"

وہ چند لمحے سوچتے رہے۔اور کئی لمحے بعد رضامندی دے دی۔)

رات کے قریب دس بجے اسکی واپسی ہوئی تھی۔زینیا نے کال کر کے افروزہ بیگم سے گیارہ بجے تک آنے کی مہلت لے لی تھی۔گاڑی سے اترتے ہی قیس کو سرد ہوا کے ایسے تھپیڑے لگے کہ وہ بے اختیار کپکپایا۔اسکی نگاہ زینیا کی طرف اٹھی تو افسوس ہوا۔البتہ اسکے قریب آتے آتے وہ افسوس تمسخر میں بدل گیا تھا۔گرم چائے، سوئیٹر، شال، موزے، ہیٹر۔وہ بے اختیار اپنی بے وقوفی پہ ہنسا۔اور پھر ہنستا چلا گیا۔

"میں کیسے بھول گیا کہ اس گھر میں ہوتے ہوئے تم پہ عنایات کی کمی نہیں ہوسکتی۔" وہ ٹھوڑی تلے انگلی رکھے سر کو نفی میں ہلا رہا تھا۔

''اب بات ہو سکتی ہے؟ یا مزید کوئی سزا دینا چاہتے ہو؟''اس نے قیس کی پچھلی بات کو نظر انداز کیا تھا۔ ویسے جیسے میز پہ پڑی ان عنایات کو۔

''اگر میرا موڈ مزید کسی سزا کا ہو تو؟ ویسے تمھیں رعایتیں دی ہیں میں نے۔ برادری کی کوئی اور لڑکی ایسی حرکت کرتی تو جانتی ہو اسکے ساتھ کیا ہوتا؟'' وہ میز پہ رکھی اس کی ادھ خالی چائے کی پیالی اٹھا گیا تھا۔ چائے ٹھنڈی تھی۔ اور وہ گرم چائے کا عادی۔

''برادری کا کوئی اور مرد بھی اگر تمہاری والی حرکتیں کرتا تو سو مردوں کی بندوقوں کی نال اسکے سینے کی طرف ہوتی۔ لیکن تمہارے پاس بہت پیسہ ہے تمہاری خامیوں کو ڈھک دیتا ہے۔''

قیس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ یہ ذائقہ مختلف تھا کیونکہ یہ زینیا کی بچی ہوئی چائے تھی۔ وہ عورت جس سے قیس کا دل منتھی تھا۔

''یہ اچھا ہے میرے سارے برے کاموں کو میری دولت سے جوڑ دو۔ اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''اس نے مزید دو گھونٹ بھرے اور اسکے چہرے کو تکا۔ اسکی سرخ پڑتی ناک، جامنی پڑتے ہوئے لب۔

''آؤ اندر چل کر بات کرتے ہیں۔'' بلآخر اسے ترس آگیا تھا۔

چند پل بعد وہ دونوں کمبیر محل کے شاہانہ لاؤنج میں تھے۔ قیس سنگل سیٹر پہ تھا اور زینیا تھری سیٹر پہ۔ میز پہ کھانے پینے کی کئی اشیاء رکھی تھیں۔ زینیا نے کسی شے کو چھوا تک نہیں تھا۔

''کہو پھر کیا کہنا چاہتی ہو؟'' ایک بازو صوفے پہ پھیلائے دوسرا ہتھے پہ ٹکائے سوال کیا۔

''میرے دادا اور چاچوؤں کو تنگ کرنا بند کرو۔ جو زمین باقی ہے اس میں سے اگر تمھارے لئے حرجانے نکالنے لگ پڑے تو انکے پاس پیچھے کچھ نہیں رہے گا۔ تم دو ماہ پہلے ہی ان سے ایک اچھے خاصے رقبے کی زمین لے چکے ہو۔ تمھارے پاس بہت پیسہ ہے، عبداللہ۔ میں جانتی ہوں تم یہ سب ضد میں کر رہے ہو مت کرو پلیز۔''

ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کر بیٹھتے ہوئے مرد نے ہنکارا بھرا۔

''یہ انگریزوں کے زمانے کی تکنیک ہوتی تھی۔ جب انکا کام نہیں نکل پاتا تھا تب انگریز کسی عورت کو بیچ میں ڈال دیتے تھے۔ تم اس حد تک گر جاؤ گی اندازہ نہیں تھا مجھے۔'' اس نے زینیا کی مٹھی بھینچتے ہوئے دیکھی۔ اسکا چہرہ سرخ ہوا۔ قیس کمبیر کی آنکھوں میں زخمی تاثر تھا۔ یہی چاہتا تھا وہ یہی تکلیف تو اسے بھی ملی تھی۔ جب اس نے ان دونوں کو ایک کمرے میں دیکھا تھا۔

''انگریز بڑے زیرک تھے۔ عورت اسی کے پاس بھیجتے تھے جس کا کردار دو ٹکے کا ہوتا تھا۔ تم اپنے بارے میں ایسا سوچتے ہو؟'' آگے کو ہو کر کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''یعنی تم مانتی ہو تم ویسی عورت ہو؟''

''تم مانتے ہو تم دو ٹکے کا کردار رکھتے ہو؟'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

قیس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی۔

''کس بات کا غرور ہے تمھیں؟ دو منٹ نہیں لگیں گے اور میں خاک کر دوں گا تمھیں۔ تمہاری کوئی اوقات نہیں ہے میرے آگے۔ اگر ذرا سی نرمی دکھا رہا ہوں تو میرا فائدہ مت اٹھاؤ۔ میرے آگے تم خاک بھی نہیں ہو۔''

زینیا اسی بے خوفی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ وہ اس سے خوف زدہ تھی نہ مرعوب۔

''تم کوئی نرمی نہیں دکھا رہے۔ تم مار نہیں سکتے مجھے۔ کیونکہ بیساکھی کو کوئی ٹھوکر نہیں مارتا۔ میرے گھر والوں کو زچ کر کے اپنی طاقت آزما رہے ہو اور میرے ساتھ نرمی محض ایک ڈرامہ ہے تاکہ مجھے یقین آجائے عبداللہ زمان سے زیادہ محبت تو مجھ سے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ تم مجھے مختلف طریقوں سے توڑ رہے ہو۔ لیکن ایک بات لکھ لو آج، یا آج سے ایک صدی بعد بھی میں کبھی تمھارے سامنے نہیں جھکوں گی۔''

قیس کی رنگت پھیکی پڑی تھی۔ بعض دفعہ وہ شاکی رہ جاتا تھا کوئی اسے اتنے اچھے طریقے سے کیسے پڑھ سکتا تھا؟

''جب تمہیں معلوم ہے میں اتنا گرا ہوا انسان ہوں تو میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟ میں کیا دے سکتا ہوں تمھیں؟''

''میں واقعی تمہارے پاس ایک التجالے کر آئی ہوں۔ ہم دونوں اور ہمارے خاندان ایک بہت بڑا نقصان پہلے ہی اٹھا چکے ہیں۔اب مزید مت کرواؤ۔انہیں انکی زندگی جینے دو۔اور تم اپنی زندگی جیئو اس جنگ کو ختم کرو۔''

''اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟''

''کیا چاہیے تمھیں؟''

''تم۔''

''اب بھی؟''

''ہمیشہ۔۔''اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔پھر زینیا کو دیکھا۔

''تم نے بہت غلطیاں کی ہیں جن کے لیے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔لیکن میں تمھیں چھوڑ بھی نہیں سکتا۔مرضی اور منشا سے تمھیں آنا میرے پاس ہی ہے۔نہ آئی تو میں لے کر آنا جانتا ہوں۔''

وہ تاسف سے نفی میں سر ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئی۔بغیر کوئی جواب دیے۔وہ روبوٹک انداز میں باہر جارہی تھی۔یہ آدمی رسائی سے بہت دور تھا۔

''میری برداشت مت آزماؤ۔جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔میرے پاس آنا تمھارے اختیار میں نہیں ہے۔لیکن میں نرمی دکھا رہا ہوں تاکہ تم میرے پاس اپنی مرضی سے واپس آؤ۔''وہ سختی سے غرایا۔

''یہ اس زندگی میں ممکن نہیں ہے۔میں تمھارے پاس کبھی واپس نہیں آسکتی۔''

اس سے پہلے کہ وہ چوکھٹ پار کرتی قیس اٹھ کر اسکے پاس گیا اور اسکا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔آنکھوں میں قہر تھا۔اور گرفت آہنی۔

''تمھیں ناں نہیں کہہ سکتا میں۔یہاں سے خالی ہاتھ بھی نہیں بھیج سکتا میں اسی بات کا فائدہ اٹھا رہی ہو؟''وہ اسے دروازے کے ساتھ لگائے کھڑا تھا۔بازؤں پہ سختی بے انتہا تھی۔

زینیا کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ وہ گردن اٹھائے اسے دیکھتی رہی۔

''یہی بے زاری، یہی کلفت ہوتی تھی مجھے جب تم ہر دفع مجھے دھتکار دیتے تھے۔ یہ میرے بازو پہ تمہاری سختی یہ اثر نہیں کرے گی میں اس سے زیادہ جھیل چکی ہوں۔''

اس کی آنکھوں سے چند قطرے ٹوٹ کر گرے۔

''اسی طرح بالاج نے میرے بازوؤں پہ زور ڈالا تھا۔ اس نے مجھے مارا تھا۔ میری گردن پہ دونوں ہاتھ رکھ کر میرا گلا دبایا تھا۔ جانتے ہو کیوں؟''

قیس نے اسکے بازو چھوڑ دیے۔ اور پیچھے ہوا۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون کیا۔

''اسکی یہ جرات اس لئے ہوئی کیونکہ تم نے مجھے چھوڑا، عبداللہ۔ تم نے دنیا کے سامنے مجھے ذلیل کیا۔ بالاج کو یہ تم نے بتایا کہ اگر ایک مرد مجھے ذلیل کر سکتا ہے تو دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ خود پہ آئی ہے تو cause or affect یاد آنے لگے اور وہ جو میں نے جھیلا اسکا کیا؟ تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اور جو یاد رکھی وہ اپنی تکلیف تم بہت خود غرض ہو۔ میں نے تم جیسا خود غرض آدمی نہیں دیکھا۔''

قیس اثر لئے بغیر آگے آیا اور اسکا بازو دیکھنا چاہا۔ زینیا نے اسکے سینے پہ دھکا دے کر اسے دور ہٹایا تھا۔

''میں صرف دیکھ رہا ہوں، جاہل عورتوں والی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟''

''میں یہاں آنے پہ لعنت بھیجتی ہوں۔ دوبارہ مجھے ہاتھ مت لگانا۔ ورنہ اس لمس پہ لعنت بھیجوں گی۔''

وہ لب بھینچے ہوئے ایک طرف ہوا۔

''گھر جاؤ، اور اگلے کچھ دن مجھے اپنا چہرہ مت دکھانا۔ ورنہ دوبارہ کسی مرد پہ لعنت بھیجنے جیسی نہیں رہو گی۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ زینیا حاکم کے اگلے قدم حزن اور قلق میں ڈوبے تھے۔ وہ کیسے کہاں کیوں پھنس گئی تھی؟

انتیس دسمبر کی رات اس بھید سے ناواقف تھی کہ اکتیس دسمبر کی رات اپنے ساتھ کیسا سیاہ باب لانے والی تھی۔ کمبیر محل میں ان دنوں رونقیں ہوا کرتی تھیں۔

نئے سال کی یہ تقریب کا چرچہ کئی دن تک اخبار اور میگزینز میں ہوتا رہتا تھا۔ اس سال یہ تقریب پہلی بار کمبیر محل کی بجائے سرور فارم ہاؤس میں منعقد کی گئی تھی۔

اداس کر دینے والے ذکر چھوڑ کر اس عالیشان محل کی کئی راہداریاں طے کرتے ہوئے مہدی کمبیر کے کمرے کی طرف آؤ تو ہلکی نیلی روشنی کی بجائے آج وہ کمرہ سفید رنگ کی روشنیوں میں ڈوبا تھا۔ کمرے کی سیٹنگ میں بہت کچھ بدل گیا تھا سوائے اس بیڈ کے۔

سرمئی رنگ کے ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس وہ آج رف سے حلیے میں تھا۔ شیو ہمیشہ کی طرح بڑھی ہوئی۔ مہدی کمبیر کے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو وہ اسے سامنے ہی شیشے کے سامنے مہدی کھڑا نظر آیا۔ گہری سانس لیتے شانوں سے ہر بوجھ جھٹک کر وہ آگے بڑھ آیا۔ مہدی نے اسے نہیں دیکھا۔

حالانکہ وہ اسکی موجودگی سے واقف تھا۔ قیس اس کے عقب میں آکر کھڑا ہوا۔ اور مہدی کے ہاتھ سے برش لے لیا۔ پھر کندھوں سے تھام کر اسکا رخ اپنی جانب کیا۔ اسکی نگاہوں میں آج نرمی تھی۔

”تم نویں جماعت میں تھے۔ جب تمھارے کسی کلاس فیلو نے تمھارے سامنے میرے بالوں کا مذاق اڑایا تھا۔ تم اس سے لڑے، باقاعدہ اسکا سر پھاڑا اور اگلے دن میری ہزار پھٹکار کے بعد تم صبح صبح آکر میرے بال بنانے لگے۔ میں تمہیں ڈانٹ دیتا تھا۔ لیکن تم ڈھیٹ تھے۔“ وہ بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا۔

”مجھے برا لگتا تھا جب کوئی تمھارے بارے میں برا بولتا تھا۔ مجھے اب بھی برا لگتا ہے۔“

”کیونکہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ جن سے محبت ہو انکے خلاف کہاں کچھ سنا جاتا ہے۔“ اس نے مہدی کے بال اچھی طرح سیٹ کئے اور برش واپس رکھا۔ اب وہ اپنی جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔

”ہم دونوں نے بہت کچھ ساتھ دیکھا ہے۔ لڑے، جھگڑے، مار کھائی، مارا لیکن ہم الگ نہیں ہوئے، مہدی۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نفرتیں چاہے جتنی مرضی بڑھ جائیں ہمارے درمیان محبت ہے اور رہے گی۔“

وہ جیب سے نکالے ہوئے ڈائمنڈ کف لنکس اسکی شرٹ کے کف پہ لگا رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں ہم دونوں بھائی سب بھول کر آگے بڑھیں۔ کیونکہ تم میرے بھائی ہو۔''

''اور مجھے اسکے لئے کیا کرنا ہوگا۔'' مہدی کے چہرے پہ کوئی جذباتیت نہیں تھی۔

قیس نے مضبوطی سے اسکے کندھوں پہ ہاتھ جمائے۔ اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ ہر شے، ہر نفرت دور پرے کی۔ چاہے وقتی طور پہ ہی سہی۔

''زینیا حاکم پہ دستبرداری دو۔ میں نے اس محل کے لئے اور تمھارے لئے بہت ساری قربانیاں دی ہیں۔ مگر زندگی پہ کچھ حق میرا بھی ہے۔''

''قربانیوں کا صلہ مانگنے والا بدنسل کتے جیسا ہوتا ہے۔''

اس نے ایک جھٹکے سے اپنے کندھے چھڑوائے۔ کسی قسم کی مروت دکھانا آج اسکے بس میں نہیں تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جو اسکی بیوی کو تکلیف دے رہا تھا۔ جہاں بات زینیا حاکم کی آجائے، وہاں مہدی ہر تعلق رد کر سکتا ہے۔

قیس کی نظروں کی نرمی میں مگر کوئی فرق نہیں آیا۔

''تم مجھے بدنسل، اور خود کو اعلیٰ ظرف سمجھ کر اسے میرے لئے چھوڑ دو۔''

مہدی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''میں اس کے ساتھ نئی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ ضدی عورت ہے۔ اور کل میں اسکی ضد توڑ دوں گا۔ وہ جو چاہے گی میں کروں گا لیکن وہ میرے پاس نہیں آئے گی۔'' آخری الفاظ کہتے ہوئے اسکے لہجے میں بے بسی تھی۔

''بہت خود غرض ہے وہ۔ جب تک اسکے پاس ایک بہتر آپشن موجود ہوگا وہ میرے پاس واپس نہیں آئے گی۔ جس دن تم اسے چھوڑ دوگے، وہ گھٹنوں کے بل چل کر میرے پاس آئے گی۔ ہم سول میٹس ہیں ہمارے درمیان سازشیں آسکتی ہیں، رقابتیں اور

نفرتیں بھی۔ لیکن دوری نہیں۔ اگر تم نہ آتے تو عبداللہ اب بھی اسکا پہلا اور آخری آپشن رہتا۔ تم نے ہمارے درمیان آکر غلطی کی ہے۔ اب تم اسے چھوڑ کر اسکا غرور توڑ کر اس غلطی کو سدھارو گے۔''

وہ ایک پل کو چپ ہوا۔ پھر پرفیوم کی شیشی اٹھائی اور اسکے پاس آکر رکا۔

''میں درمیان میں نہیں آیا۔ اس نے مجھے چنا تھا۔''

قیس نے اسکی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔

''میں ایک جہنم جیسی زندگی گزار کر مر جاؤں گا اور مرنے کے بعد ایک اور جہنم میری منتظر ہو گی۔ وہ عورت اور اسکا وجود جنت ہے۔ کیا جنت پہ میرا کوئی اختیار نہیں؟''

مہدی نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ قیس کی آنکھیں زخمی تاثر لئے ہوئے تھیں مگر وہ اسکے لئے زینیا کی آنکھوں کا ملال نہیں بھول سکتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان چناؤ نہیں تھا۔

''تم نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے، قیس۔ وہ تم سے عاجز ہے۔ بہت تکلیف دی ہے تم نے اسے۔''

''تم ہمارے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے درمیان اس سے زیادہ۔۔''

''تم بھی ہمارے متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' مہدی نے اسے ٹوکا۔

اسکی آنکھیں آج بے حد عجیب تھیں۔

''میں سب جانتا ہوں، مہدی۔ تم اس سے ہمدردی رکھتے ہو۔ تمہارے لئے وہ بے بس سی معصوم لڑکی ہے۔ لیکن یہ سب ایسا نہیں ہے۔''

''ایسا واقعی نہیں ہے۔'' وہ ایک بار پھر اسکی بات کاٹ گیا۔

''وہ گوادر سے اسلام آباد میرے ذریعے آئی تھی۔ میں اور وہ کئی بار ایک دوسرے کے راستے سے ٹکرائے ہیں۔ اس نے کئی بار میرے لئے اور میں نے اسکے لئے آسانیاں کی ہیں۔'' قیس سن رہا تھا یا پھر "سن" ہو رہا تھا وہ اندازہ نہیں کر سکا۔

''میں جب اسٹیج پہ کھڑے ہو کر لفظ بھول جاتا تھا تب وہ میرے لفظوں کو روانی دیتی تھی۔اور جب وہ طلاق کے بعد سڑک پہ اکیلی بیٹھی ہوتی تھی تب میں اسکے ساتھ ہوتا تھا۔اسلام آباد کی ہر سڑک ہماری شناسا ہے۔یہاں کے پہاڑ ہمارے قریبی ہیں۔ہم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں۔کوئی راز ہمارے درمیان نہیں۔اس لئے تم یہ کہنے کی جرات بھی مت کرنا کہ اسکے اور میرے درمیان نزدیکیاں نہیں ہیں۔تم مجھ سے یہ مت کہو کہ میں اسے نہیں جانتا۔''

قیس پلکیں جھپکے بغیر اسے تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا یہ دل چمڑی کی تہہ میں کیوں چھپا ہے؟اسے ظاہر ہونا چاہیے تاکہ جب کوئی برچھی اٹھا کر اسے چیر رہا ہو تو اسکے زخم اور رستا ہوا خون بھی نظر آئے۔اور سامنے والے کو معلوم ہو وہ لفظوں کے ساتھ کتنا ظالم ہے۔

''تم نے جو کہا میں بھولنے کی کوشش کروں گا۔میں کوشش کروں گا کہ اسے معاف کر دوں۔''پرفیوم کی شیشی پہ اسکی گرفت بے حد سخت ہوئی۔آنکھوں کا گلابی پن بڑھ گیا۔

''تم سے معافی مانگ کون رہا ہے؟تم جاؤ اور اس سے معافی مانگو،اس ناقدری کی جو تم نے اس کی کی تھی۔اس ذلت اور ان جملوں کی جو تم پچھلے کئی دنوں سے اسے سنا رہے ہو۔وہ سخت ہے۔لیکن اگر وہ تمھیں اس سب کے لئے معاف کر رہی ہے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔جو وہ چاہے گی میں وہ کروں گا۔''

قیس نے انگوٹھے سے کنپٹی مسلی۔اور گہری سانس لی۔

''میں اس سے اس زندگی میں معافی نہیں مانگوں گا۔کیونکہ اگر۔۔اگر میں غلط ہوں بھی تو ایک عورت سے معافی میں نہیں مانگ سکتا وہ بھی تب جب اسے مجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس سے دور رہو۔تم اسے چھوڑو گے مہدی۔تاکہ وہ ٹوٹے،بکھرے،گر جائے۔میں اسے ایسے ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔وہ اسی طرح میرے پاس واپس آسکتی ہے۔تم اسے نہیں جانتے۔میں اس سے واقف ہوں۔''

مہدی چند پل چپ چاپ اسے تکتا رہا۔پھر آگے آیا۔قیس کے عین روبرو۔اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔بے حد مستحکم انداز میں کچھ کہا۔

''میں۔۔اپنی۔بیوی۔کو۔ایسے نہیں دیکھنا چاہتا۔''اس نے کہہ دیا۔

زینیا حاکم کا ایک اور گلا دور ہوا۔ محبت حفاظت سے رازداری اور رازداری سے اعلان کا درجہ طے کر چکی تھی۔''مجھ سے یہ مت کہو کہ میں اسے نہیں جانتا کیونکہ ایک بیوی کو اسکے شوہر سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔''

قیس کمبیر ساکت رہ گیا۔ کسی نے اسکے سینے سے دل نکال لیا تھا۔اور اس کی جگہ آگ بھر دی تھی۔وہ خاکستر ہونے لگا۔

''وہ بیوی ہے میری۔ محبت کرتا ہوں اس سے اور وہ مجھ سے۔ہمارا نکاح ہو چکا ہے، قیس۔''

پرفیوم کی شیشی اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پہ گری۔کرچیاں اس میں قیس کے دل کی بھی تھیں۔

''میرا دوست، جس نے مجھے حلالے کے لئے کہا تھا وہ بالاج میر ہی تھا۔ کبھی کسی دور میں وہ تمہاری منگیتر رہی ہو گی لیکن اب اسکے نام کے ساتھ میرا نام لگتا ہے۔اور لگتا رہے گا۔''

قیس لڑکھڑایا۔اور سنگھار میز کے کونے کا سہارا لیا۔ پھر جیسے بے جان ہو کر وہیں بیٹھ گیا۔اسکی ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔چہرہ ایسے تھا جیسے کسی جونک نے سارا خون چوس لیا ہو۔ مہدی اپنے پلنگ کی طرف گیا اور اپنا موبائل اٹھا کر واپس آیا۔سکرین پہ انگلیاں چلائیں اور واپس قیس تک آیا۔اسکے موبائل پہ ایک کاغذ کی تصویر تھی۔وہ نکاح نامہ تھا۔اس نے قیس کے سامنے کیا۔قیس نے اسے پڑھا اور وہ سانس نہیں لے سکا۔اسے واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔

قیس نے وہاں مہدی اور زینیا کا نام دیکھا اور وہ دیکھ نہیں سکا۔اسکی آنکھوں کے آگے منظر دھندلا پڑ گیا کیونکہ اسکی آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔''اس نے موبائل پرے ہٹایا۔''وہ میرے ساتھ ایسا نہیں نہیں کر سکتی۔''

وہ پیچھے ہو رہا تھا۔چہرے سے گہرا شاک عیاں ہوتا تھا۔وہ بہ دقت خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔''وہ میری ہے۔صرف میری۔وہ ہمیشہ سے میرے لئے تھی۔''

''تمھیں کیا لگتا ہے وہ یونہی ہر کسی کے کمرے میں چلی جاتی ہے؟ وہ ہر ایک سے بات کر لیتی ہے، یا پھر وہ ہر ایک کے سامنے رو لیتی ہے؟ یا وہ ہر ایک کی گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے؟''

وہ آگے آیا۔ قیس مزید پیچھے ہوا۔ وحشت زدہ سا چہرہ لئے، وہ بس چاہتا تھا مہدی چپ ہو جائے۔ وقت چند لمحے پیچھے چلا جائے وہ جو کہہ چکا تھا اسے ان کہا کر دیا جائے۔ جو سنا تھا وہ ان سنا۔

''وہ شاید کبھی کسی دور میں تمھارے لئے تھی لیکن اب وہ وقت گزر گیا ہے۔ وہ میرے لئے بہت کچھ کرتی ہے کیونکہ ہمارے درمیان کچھ بہت اسپیشل ہے۔''

''جھوٹ۔۔ ردی۔ سب جھوٹ۔'' اس نے بے اختیار اپنا سینہ مسلا۔ یہیں عین دل کے مقام پہ تو درد شروع ہوا تھا۔

''تم چاہو تو اسی سے پوچھ لو۔ میں تمہارے لئے سب کر سکتا ہوں۔ لیکن بیوی چھوڑنے والی شے نہیں ہے۔ آج، کل یا دس سال بعد بھی میں اس سے کبھی کسی صورت دستبرداری نہیں دوں گا۔'' اسکے لہجے کا استحقاق، وہ دو لفظ **''میری بیوی''** وہ آنکھوں کا مان قیس کمبیر کھڑے کھڑے دو کوڑی کا ہوا۔ مہدی اس سے شاید مزید کچھ کہہ رہا تھا مگر قیس نہیں سن سکا۔

وہ مہدی کی طرف دیکھے بغیر باہر جا رہا تھا۔ اسکا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اپنے کمرے کے راستے تک وہ کس کس شے سے ٹکرایا اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ بس اسکی آنکھیں بھل بھل بہہ رہی تھیں۔ بس اسکا دل کسی نے آرے کے ساتھ چیرا تھا اور روح قبض ہو گئی تھی۔ ایسا درد تو پہلے نہیں ہوا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور پھر اسی کے ساتھ لگتا ہوا فرش پہ بیٹھتا چلا گیا۔ وہ اگلے کئی منٹ شاک اور بے یقینی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا۔ ششدر، شاکی۔ اسکے جسم سے سانس نکل گیا تھا۔ ساری زندگی کسی فلم کی طرح آنکھوں کے آگے گھوم رہی تھی۔ وہ زینیا سے پہلی ملاقات، وہ محبت کی نظر، وہ اسکے ہاتھ پکڑ کر آفس میں بیٹھی تھی، وہ اسے چاکلیٹ بار تھما رہی تھی، وہ اسکے بال بکھیر رہی تھی۔ سمندر کی لہروں کے سامنے وہ اسکے سنائے لطیفوں پہ ہنس رہا تھا۔ کوئی تقریب تھی شاید اور وہ اسکے کان کے پاس جھک کر کچھ کہہ رہی تھی قیس ہنس رہا تھا۔ وہ کیفے میں اسکے سامنے میز پہ سر رکھے سو رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

اور اب حال میں اس پہر دروازے کے ساتھ سر جوڑے وہ رو رہا تھا بہت بری طرح رو رہا تھا۔اس طرح وہ ایک بار رویا تھا چودہ سال پہلے تھانے کی اس ذلالت پہ اور اسکے بعد وہ آج رویا تھا۔کسی نے اسکی روح کو باقاعدہ کھینچ کر جسم سے باہر نکالا تھا۔پھر کسی نے اسکے کھوکھلے جسم پہ کوڑے رسید کئے تھے تکلیف بہت چھوٹا لفظ تھا۔وہ باقاعدہ اپنے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔اور چیخ رہا تھا۔زمین پہ ہاتھ مار کر بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔ایسا درد واقعی پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

''میں ہی کیوں اللہ۔۔ہر دفع میں کیوں؟'' وہ بلکتے ہوئے بولا۔آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے۔دل تھا کہ چھلنی ہوا جا رہا تھا۔

''میں یہ ڈیزرو نہیں کرتا تھا ہر دفع میں ہی کیوں؟'' کئی منٹ بعد اس نے آستین سے آنکھیں رگڑیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔قیس کی آنکھوں میں اگر کچھ تھا تو جنون۔وہ وارڈروب کی طرف آیا۔اور پھر ایک طرف بنے مختلف خانوں کی طرف۔دراز الٹ پلٹ کئے اور ایک پستول نکالی۔ذہن میں کئی ٹوٹے پھوٹے منظر تھے۔اسکا دماغ،اسکا دل کچھ بھی جگہ پہ نہیں تھا۔

وہ بیمار تھا قیس اسے دوائی دے رہا تھا۔وہ دونوں گھاس پہ لیٹے تھے اور قہقہے مار رہے تھے۔اسکے سر میں درد تھا اور مہدی گود میں رکھے دبا رہا تھا۔وہ دونوں ایک ہی کمبل میں ایک ساتھ بیٹھے مکمل یکسوئی سے فلم دیکھ رہے تھے۔

قیس فرش پہ نماز پڑھ رہا تھا اس نے سلام پھیرا،مہدی کو تکا اور اب وہ اسے گلے لگا رہا تھا۔اسکے ہاتھ پہ چوٹ تھی اور مہدی اسے اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ہوم سینیما کی مدھم بتیوں میں وہ دونوں فلم چھوڑ کسی اور بات پہ بحث کر رہے تھے۔مہدی اسے مختلف سکے تھما رہا تھا،کف لنکس کا ڈھیر اسکے دراز میں سیٹ کر رہا تھا۔قیس نے عقب میں کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا۔مہدی نے ہنستے ہوئے اسے دور ہٹایا۔

کلک کی آواز کے ساتھ ہر منظر ٹوٹ گیا۔وہ پستول لوڈ کر چکا تھا۔آنکھیں خشک تھیں اور سرخ بھی۔اسکے بس میں ہوتا تو آج اور ابھی وہ ساری دنیا کو آگ لگا دیتا۔کمرے سے باہر جاتے ہوئے وہ محض ایک پل کے لئے رکا تھا۔اس تصویر کے آگے جس شخص نے جانے میں جلدی کر دی۔وہ ٹھہر گیا آنکھیں نم ہوئیں۔

''میں نے سب کیا جو آپ نے کہا۔ لیکن اب بس بابا۔ اب معذرت۔'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ چند آنسو گال پہ لڑھک گئے۔ دروازہ کھول کر وہ باہر آیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میرہ نے اسکے ہاتھوں میں پستول دیکھی۔ وہ بامشکل اسکی رفتار کا مقابلہ کرتی اسکے پیچھے گئی۔

''قیس کہاں جارہے ہو تم، قیس۔۔۔۔ یہ پستول کیا کرو گے تم اسکا۔ رکو بات سنو میری۔''

وہ نیچے اتر آیا۔ مہدی وہاں نہیں تھا۔ وہ ہال سے باہر نکل آیا۔ لان میں نہیں تھا وہ۔ تب ہی اسکی نگاہ پورچ کی طرف اٹھی۔ وہ موبائل کان سے لگائے گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب قیس نے لمبے لمبے ڈگ بھر کر اسے گردن سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا اور پستول اسکے ماتھے پہ رکھی۔ میرہ بے اختیار چہرے پہ ہاتھ رکھے اپنی جگہ ساکن ہوئی اور مہدی وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے قیس کی پستول ہاتھ سے پکڑ کر اسکی نال اپنے سینے پہ رکھی۔ قیس کی آنکھوں کی ٹھنڈک میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔

''مارنا ہے؟ ڈرتا نہیں میں مرنے سے۔ لیکن مجھے مار کر وہ تمھیں نہیں ملے گی۔ جانتے ہو کیوں؟'' قیس ٹرگر دبانا چاہتا تھا مگر انگلیاں لرز گئیں۔

''کیونکہ جو ہمارے درمیان ہے وہ یکطرفہ نہیں ہے۔ مجھے مار کر تمھیں زینیا نہیں ایک کھوکھلا جسم ملے گا۔ نفرت کرے گی وہ تم سے۔ تھوکے گی تمھارے چہرے پہ۔''

صور قیامت سے پہلے اسکے کانوں میں پھونکا گیا۔

''مارو مجھے۔ تمھیں تو یہی آتا ہے۔ اسی وحشی پن سے نفرت ہے اسے۔ تم۔ سے۔ نفرت ہے اسے۔''

''اسے محبت ہے مجھ سے۔'' غراتے ہوئے اس نے تین سے چار فائر مہدی کے دائیں بائیں گاڑی کے شیشوں میں کیے۔

''یہ وہم ہے تمہارا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم صرف مجھے اسکے خلاف کر رہے ہو۔''

''تم ہو کون؟'' مہدی استہزائیہ انداز میں بولا۔

''میں کیوں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے خلاف کروں گا؟''

قیس کا پستول والا ہاتھ اسکے پہلو میں بے دھم ہوا۔ میرہ تیزی سے آگے آئی اور اسکے ہاتھ سے پستول لے کر دور اچھال دی۔ قیس کو دھکا دے کر ایک طرف ہٹایا۔ اور مہدی کے گلے سے لگ گئی۔ اگلے لمحے وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔ قیس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اسکی تکلیف؟ کیا وہ کچھ نہیں تھی۔

''اس نے تمھیں چھوڑ کر مجھے چنا ہے، قیس۔ یہاں مسئلہ میں نہیں تم ہو۔ اس سے دور رہو، میری بیوی سے دور رہو۔''

ایک دن میں دوسری دفع اسکا دل ٹوٹا تھا۔ صرف اسکا بھائی نہیں یہاں اسکی پسندیدہ عورت بھی اسکی نہیں تھی؟ وہ پیچھے ہوا۔ پھر پیچھے ہوتا گیا۔ پھر شکستہ قدموں سے واپس اپنے کمرے میں آیا۔ ایسی ضربیں لگ چکی تھیں کہ چند لمحوں کے لئے دل اپنی جگہ سے سرک گیا۔ ایک لمبے عرصے بعد اسکا ہاتھ ایک بار پھر اس دراز کی طرف بڑھا تھا نیند کی گولیوں کی ایک اچھی خاصی مقدار اس نے اپنی ہتھیلی پہ نکالی اور بغیر پانی کے پھانک لی۔ پھر بیڈ پہ گر گیا۔ دونوں آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔ اسے اتنی تکلیف ہوئی تھی جیسے ساری دنیا نے اسکے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا ہو۔ جیسے ساری جنگیں اب اسکے خلاف لڑی جانی ہوں، جیسے وہ نہتا اور باقی سب اسلحے سے لیس ہوں۔ چند منٹ بعد وہ ہمیشہ کی طرح اپنی تکلیف سے چند گھنٹوں کا فرار حاصل کر چکا تھا۔

مگر درد وہ نیند سے اٹھ جانے کے بعد ختم نہیں ہونا تھا۔ قیس کمبیر کا درد اگلی کئی صدیوں تک وہیں رہنے والا تھا۔

اکتیس دسمبر۔

کچھ شامیں، کچھ دن، کچھ تاریخیں اپنے اندر کچھ alarming سا تاثر رکھتی ہیں۔ اکتیس دسمبر کی وہ شام بھی اپنے اندر ایسا ہی ایک تاثر لئے ہوئے تھی۔ ہاسٹل کے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی لڑکی سر کو ہاتھوں میں دیے ہوئے تھی۔ اسکے چہرے پہ ڈھیر سارا، اضطراب تھا۔ انسان کے پاس مسائل ہوں تو اسے امید ہوتی ہے حل ہو جائیں گے مگر مسائل گھر والوں سے ہی ہوں تو دل میں گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ اور مسائل چاروں طرف سے ہوں تو انسان قید ہو جاتا ہے وہ بھی خود کو قید ہی محسوس کر رہی تھی۔

ان دیکھی زنجیروں میں۔ اسے بھی اپنی موت دکھائی دے رہی کسی بے رحم ظالم جلاد کے ہاتھوں۔

''اس نے آخری میسج میں ایسا کیا بھیجا تھا جو تم کل سے اتنی پریشان ہو؟''شیشے کے آگے کھڑی سفید رنگ کی لمبی فراک والی لڑکی چہرے پہ بلش برش پھیرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

زینیا کی آنکھوں کے آگے ایک بار پھر وہ الفاظ پوری آب و تاب سے چمکنے لگے۔

''معذرت نہیں کروں گا، کیونکہ جو ہوا اس میں قصوروار نہیں تھا میں۔ لیکن تمہارے ساتھ نئی شروعات کرنی ہے۔ جہاں بلا رہا ہوں، میں چاہوں گا تم آجاؤ۔ تمہارے خاندان کی طرف پھر میری طرف سے کوئی رنجش نہیں ہوگی۔ ایک اور بات میں چاہوں گا تم وہی سرخ پہنو، جو میرا پہلا آرٹ ہے۔ یہ میری پہلی اور آخری پیش قدمی ہے اسے ٹھکرایا تو اسکے بعد نتائج کے لئے تیار رہنا۔ تم نہ آئیں تو میں آؤں گا۔''

''اب کچھ بول بھی چکو۔۔۔''شیزل اسکی مسلسل خاموشی سے اکتائی۔ ساتھ دراز میں رکھی لپسٹک باہر نکالی۔

''کل مہدی کی کال آئی تھی۔ کال کے درمیان ان دونوں کے درمیان کوئی جھڑپ ہوئی۔ مجھے لگتا ہے انکے درمیان کچھ ٹھیک نہیں۔''اس نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔

''میرے پاس ایک تقریب کے دو دعوت نامے ہیں۔ میں کیا کروں؟''

''ایک دعوت نامے پہ دیسی کھانا کھاؤ دوسرے پہ اٹالین۔''اس نے لپسٹک ہونٹوں پہ لگائی۔ زینیا نے کوفت سے سر جھٹکا۔

''کچھ برا ہونے والا ہے۔ مجھے پتہ نہیں کیوں لگ رہا ہے وہ دونوں اچھے ٹرمز پہ نہیں ہیں۔ اور وجہ میں ہوں۔''

''وہ دونوں شروع سے اچھے ٹرمز پہ نہیں ہیں۔''شیزل مڑ کر سنجیدگی سے بولی۔

''تم وجہ نہیں ہو تم ایک کی motivation ہو اور دوسرے کی طاقت۔ لمبے عرصے کا غبار اب نکل رہا ہے۔ اور کچھ بھی برا ہونے کا خوف دل سے نکالو کیونکہ اگر کچھ برا ہونا ہے تو یہاں ہاسٹل کے کمرے میں بھی ہوگا۔ ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکا۔ کھانے پہ فوکس کرو۔''

بے کلی سی بے کلی تھی جو زینیا کے دل میں گھر کر رہی تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھی۔ اور الماری میں ٹنگا سرخ رنگ کا لباس اٹھایا۔ اسکی آنکھوں میں عجیب سا کرب آکر ٹھہر گیا تھا۔ بے بسی سے اسے نفرت تھی اور وہی جھولیاں بھر بھر کے اسکے بخت میں لکھ دی گئی تھی۔ وہ کئی لمحے لمحے خالی خالی نگاہوں سے اس لباس کو دیکھتی رہی۔ اسے کچھ محسوس نہیں ہوا۔ سب خالی تھا۔ نل۔

چند منٹ بعد جب شیزل ہال میں کھڑی اپنی نئی آئی کتابوں کی ان پیکنگ کر رہی تھی، جب اس نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ ایک ہیولہ سا تھا جو قدم اٹھا رہا تھا۔ سلک کا سرخ گاؤں اسکے پیروں تک آرہا تھا۔ اونچی ہیل نے اسکے دراز قد سراپے کو مزید پرکشش بنا دیا تھا۔ کلائیوں تک آتے بازو اور ان پہ لگے سنہری بیٹس گاؤن کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔ اسکے چل کر آنے پہ گاؤں زینوں پہ بہتا چلا آرہا تھا۔ ملکاؤں جیسی آن بان رکھتی تھی وہ۔ دنیا کا سلوک اسکے ساتھ کنیزوں جیسا تھا۔

زینے اتر کر آتے ہوئے اسکے انداز میں شان بے نیازی تھی۔ گردن ہمیشہ کی طرح اٹھی ہوئی اور اس میں ہمنگ برڈ والا لاکٹ جگمگ کر رہا تھا۔

وہ شیزل کے پاس آکر رکی۔ شیزل اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ لمبے گھنے بال کمر سے نیچے تک آرہے تھے۔ اس نے میک اپ نہیں کیا تھا سوائے مسکارے اور سرخ لپسٹک کے اسکے چہرے پہ کچھ نہیں تھا۔ ہاں مگر سوگواری نے اسکے چہرے پہ ایک الگ اثر چھوڑا تھا۔ اس نے کندھے پہ سیاہ رنگ کی شال پھیلائی۔ سرخ اسٹول سر پہ درست کیا اور شیزل کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔

"چلیں؟"

"بیچارے قیس کا کوئی خاص قصور نہیں ہے ویسے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ زینیا نے سن کر ان سنا کر دیا۔

ہاسٹل سے نکل کر دبے پاؤں، خاموشی سے کمبیر محل کی طرف آؤ تو محل اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اور اگر کہیں کوئی بتی جلی بھی تھی تو بے حد مدھم۔ یوں لگتا تھا کسی نے محل کی رونقوں پہ کالا جادو کر دیا تھا۔ قیس کمبیر کے کمرے کے دروازے پہ کسی نے ہلکے سے دو انگلیوں سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ دستک دوبارہ دی گئی اور چند لمحے رک کر ہر مہذب انسان کی طرح اندر سے کسی جواب کی توقع رکھی گئی مگر ندارد۔ وہ چند پل کھڑی رہی۔ پھر تھک کر اسے آواز دی۔

''دروازہ کھولو، قیس۔ تم جانتے ہو میں ایسے نہیں جانے والی۔'' کہہ کر وہ ایک بار پھر دروازہ بجانے لگی۔ اسکی بات کا اثر ہوا تھا اور چند پل بعد دروازہ کھل گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ دروازہ کھلنے پہ باہر سے آتی روشنی میں دروازے کے وسط میں ایستادہ قیس نظر آیا۔ اس کا چہرہ اور شرٹ سینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ بالوں سے ہنوز پانی گر رہا تھا۔ چہرہ کھنڈر تھا۔ دروازے پہ کھڑی عورت اندر آئی۔ دیوار کے ساتھ لگے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ قیس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے بے اختیار آنکھوں پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ڈیڑھ دن سے اس اندھیرے میں تھا۔ اسی روشنی میں نوارد کا چہرہ نظر آیا۔

ہمیشہ کی طرح ٹپ ٹاپ سی تیار ماہ جبین مختار کی نیلی آنکھوں میں تفکر تھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر شکستہ چال چلتا ایک طرف رکھے صوفے پہ جا کر بیٹھ گیا۔ گردن لڑھکا دی۔ چہرے پہ حزن تھا۔ وہ اسکے قریب آ کر بیٹھی۔

''یہ تم نے کیا حالت بنالی ہے، قیس؟''

''کہتے ہیں محبت کو دھتکارو تو اگلی دفع وہ آپ کو دھتکار دیتی ہے۔ شاید میرے ساتھ وہی ہوا ہے۔'' وہ اتنا آہستہ بولا کہ بامشکل خود سن سکے۔

''تم نے بھی ماہ جبین مختار کو ٹھکرایا تھا اتنا تو بنتا تھا۔'' ایک عرصے بعد اس نے کہہ ڈالا۔ وہ جوان کہی تھی، مگر ان سنی نہیں۔ عورت کی آنکھوں کا پیغام ہر مرد سمجھتا ہے۔

قیس اسکی بات پہ کرب زدہ سا مسکرایا۔ پھر ٹھنڈی آہ بھری۔ اور گردن ڈھلکا دی۔

''میں نے تمہارے ساتھ اتنا برا تو نہیں کیا تھا۔''

''سود سمیت واپسی یو نو۔'' کندھے اچکائے۔

''تم مجھے بددعائیں دیتی رہی ہو؟'' وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

''وقت نہیں ہوتا میں نے تمہاری طرح محبت کو سر نہیں چڑھایا تھا۔ تم نہیں کوئی تم جیسا سہی۔ معشوق نہ سہی دیوانے بہت۔''وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہی تھی مگر اسکے چہرے پہ کچھ تھا یوں جیسے قیس کی اس حالت سے اسے تکلیف ہوئی ہو۔ وہ دوبارہ آنکھیں موند گیا۔ ہاتھ سینے پہ رکھ لیا۔ یہاں اندر جو تھا سارا مسئلہ اسی کا تھا۔

''محبت ناکام ہوگئی، یا بے وفا نکلی؟''کافی دیر بعد اس نے سوال کیا۔

''دونوں۔۔''اسکے گلے میں کچھ اٹکا۔ جسے وہ ساری زندگی نگل نہیں سکتا تھا۔

''میرے بھائی سے نکاح کر لیا اس نے۔''

''پھر یہ کہو کہ تباہ ہوئے ہو۔''وہ ہنس پڑی۔ یوں جیسے کافی محظوظ ہوئی ہو۔

''لغت میری کیفیت کے الفاظ کھو چکی ہے۔ جو ہوا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے۔''

''ہمدردی کروں؟''بڑی بڑی آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

''نہیں۔۔''لمحے کا توقف ہوا۔''میں چاہتا ہوں ان دو کو اس لفظ کی ضرورت پڑے۔ اور انہیں یہ میسر بھی نہ ہو۔'' آنکھیں دوبارہ کھولیں۔ اب کے وہ کسی عشق میں ہارے انسان کی آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ سراپا انتقام کی آنکھیں تھیں۔ یہ آنکھیں کھوکھلی تھیں، خالی خالی۔

''میری مدد کرو گی؟''اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''انکار کروں تو؟''

''کرنا ہوتا تو تم یہاں نہ آتیں۔''

''نہایت کمینے انسان ہو تم۔ محبت کرتی ہوں تم سے اسی لئے آزماتے ہو؟''تاسف سے کہا گیا۔

''آج کل یہ انسانوں کا محبوب شوق ہو چلا ہے۔''وہ ہنس کر بولا۔ ہنسی میں نوحے کیوں شامل ہونے لگے تھے؟ اچانک دل میں درد کیوں اٹھنے لگا تھا۔ ماہ جبین اسے دیکھتی رہی اور خاموش رہی قیس نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔

''محبت ناکام ہو جائے تو دو طرح کا رد عمل آتا ہے۔ انسان بھی ناکام ہو جاتا ہے، یا پھر محبتیں ناکام کرتا ہے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''ان دونوں کو حساب دینا ہو گا۔ میں نے معاف کرنا نہیں سیکھا۔''

''میرا خیال ہے تمھیں اس لڑکی سے خود بات کرنی چاہیے۔ کیا معلوم وہ مہدی کے لئے ایسے جذبات نہ رکھتی ہو۔'' اس نے قیس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ نامحسوس انداز میں ہٹا گیا۔ وہ چھوئے تو ٹھیک، ورنہ ہر لمس رد۔

''خود کو وقت دو، میرا خیال ہے تم جلدی کر رہے ہو۔''

قیس کے چہرے پہ کچھ آیا تھا۔ جسے اس نے نظر انداز ہی کیا۔ وہ صوفے کے ہتھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھا۔ مگر وہ لڑ کھڑا کر واپس گرا۔ خالی معدہ اسے اٹھنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ مشورہ اسکا درست تھا مگر قیس کمبیر اس ایک صدی میں دوسری بار دل نہیں تڑوا سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر چل کر پوچھ لیتے ہیں۔'' وہ اب کے اٹھا تو اٹھ گیا۔

''کہاں جاؤ گے؟'' وہ اسکے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ ''ایک منٹ تم اب بھی پارٹی میں جاؤ گے؟''

'' اسے بلایا ہے اب خود جا کر اسے تعظیم بھی تو دینی ہو گی۔'' وہ اندر وارڈ روب کی طرف جا رہا تھا۔ ایک دن میں صرف اور صرف ایک دن میں وہ انسان سے مٹی کا ٹھیکرا بن گیا تھا۔ اتنی بری طرح سے ٹوٹنے کے جڑ پانے کی نہ ہمت بچے نہ وجہ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔

''مہدی کمبیر کو خود پہ بہت فخر ہے وہ بھی توڑنا ہو گا۔ دونوں کام نہ ہو سکے تو حساب لینا ہو گا۔ اسے مجھ سے گلا نہ ہو اس لئے اسے ایک موقع بھی دینا ہو گا۔'' اسکی آواز مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

''ذمہ داریاں ہمیشہ مجھ پہ کیوں آجاتی ہیں؟'' وہ بڑبڑایا۔ اندر جا کر اس نے شاور آن کر دیا تھا۔ پانی کے گرنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔۔۔ کمرے میں بیٹھی ماہ جبین کے چہرے پہ اب انتشار دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔ شاید کبھی نہ جڑ پانے کے لئے۔

فارم ہاؤس کے وسیع و عریض لان میں برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ ذرا ذرا سے فاصلے پہ جلتی جدید انگیٹھیاں ماحول میں حدت پیدا کیئے ہوئے تھیں۔ مناسب فاصلے پہ میز اور کرسیاں رکھی تھیں۔ اسٹیج پہ میوزکل بینڈ کے چند مشہور افراد بیٹھے تھے۔ مدھم موسیقی اور گلاس ٹکرانے کی آواز سے سارا فارم ہاؤس گونج جاتا تھا۔

تھیم سفید اور سیاہ تھی۔ عورتیں سفید رنگ کے مختلف شیڈز کے لباس میں ملبوس تھیں اور مرد سیاہ رنگ۔ ہاتھوں میں شیشے کے گلاس لئے، اٹھی ہوئی گردنوں اور چہرے پہ مسکراہٹیں لئے امراء اس دعوت سے بہت اچھی طرح محظوظ ہو رہے تھے۔

اسی پل بے اختیار ہر ایک کی نگاہ اس طرف اٹھی جہاں سے سرخ گاؤن والی لڑکی آ رہی تھی۔ اس پوری تقریب میں اگر کسی نے سفید کے علاوہ کوئی رنگ پہنا تھا اور رنگ بھی سرخ تو وہ زینیا حاکم تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ارد گرد سے بے نیاز تھی اور ہمیشہ کی طرح لوگوں کی نظریں اس پہ۔ کئی لوگوں نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا، کئی نے استہزاء سے اور کئی حسد سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے سیدھ میں چلتی ہوئی آئی۔ اسکا میزبان اسکے عین سامنے کھڑا تھا۔ وہ دونوں آس پاس سے بے گانہ تھے۔ ان دونوں نے صرف ایک دوسرے کو دیکھا۔

گہرے سیاہ رنگ کے کوٹ سے اسکی سفید شرٹ جھانک رہی تھی۔ سینے والی جیب میں سرخ گلاب اٹکا تھا۔ سفید شرٹ کے کف پہ سیاہ رنگ کے ڈائمنڈ کف لنکس بے حد واضح تھے۔ اسکی آنکھیں، وہ ویران سیاہ آنکھیں سنہری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے آج ان میں کوئی چمک نہیں آئی۔ وہ اسکے سامنے آ کر ٹھہری۔ زمانے کی گردشیں تھم گئیں۔ برم حقیقت ہوئے، حقیقت برم ہوئی۔ قیس کمبیر کے آگے وہ عورت کھڑی تھی جس کے لئے وہ دنیا یہاں سے وہاں کر سکتا تھا۔ زینیا حاکم کے آگے وہ مرد تھا جس کے لئے اسکے جذبات ابدی نیند سو چکے تھے۔ وہ اب بھی اسے دیکھ کر بس دیکھتا رہا۔ پھر بے حد دھیرے سے یاسیت سے کہا۔

''لانگ ٹائم، اسٹالکر۔''

''لانگ ٹائم، سیوریس۔''

انکے دائیں بائیں سفید سیاہ لباس والے لوگ تھے۔اور درمیان میں وہ دونوں۔انکے چہرے پہ پڑتی روشنی ان کے نقوش واضح کر رہی تھی۔ قیس کئی اگلے لمحے خاموشی سے اسے تکے گیا۔ کیا پوچھنا تھا کیا کہنا تھا سب بھول گیا تھا۔ وہ بس یہاں کھڑے ہوئے، اس عورت کو دیکھتے ہوئے اگلی کئی صدیاں گزار دینا چاہتا تھا۔ اس سے نفرت ایک طرف، اس سے محبت ایک طرف۔

''میں اگر کچھ پوچھوں تو جواب سچ ہو گا یا جھوٹ؟'' کئی لمحے بعد وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

''یہ تم پہ منحصر ہے کہ تم اسے جھوٹ سمجھتے ہو یا سچ۔''

''میں کیا سمجھوں اور کیا نہیں، اب تو سب دھندلا ہے۔'' اس نے جیسے مذاق اڑایا ہو۔

''میں ایسا نہیں سمجھتی۔ تم سے پہلی دفع بات کی تمہید تب بھی نہیں باندھی۔ تمھارے پاس جب آخری دفع آئی تب بھی کھل کر بات کی۔ ہمارے درمیان صاف گوئی تو ہے۔''

قیس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''ہمارے درمیان صرف ''سچ'' نہیں ہے۔ خیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

اس نے سر جھٹکا۔ اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''مہدی سے کیا تعلق ہے تمہارا؟'' سوال اتنا براہ راست تھا کہ زینیا ٹھہر گئی۔

''تم نہیں جانتے؟'' وہ سنبھل کر بولی۔

''تم سے سننا چاہتا ہوں۔ اور صرف سچ۔'' بیرہ انکے پاس رکا۔ زینیا نے گلا تر کرنے کو ایک گلاس لیا۔ جسے قیس نے اسی انداز میں واپس لیا اور دوسرے بیرے کو بلا کر سبز مشروب والا گلاس اسے تھمایا۔

''امیروں کے چونچلے ہیں۔ اس جوس میں ڈر گزر تھا۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ نگاہیں واپس اس پہ ٹکا دیں۔ جواب کا منتظر، اسکے کچھ کہنے کو منتظر۔

''کوئی خاص نام نہیں ہے اس تعلق کا۔'' وہ بہت دیر بعد بولی۔

"لیکن عام بھی نہیں ہے۔ زندگی میں سب سے بڑا خوف ہے زندگی ختم ہو جانے کا۔ لیکن تمھارے سامنے، ساری دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اسکے لئے آدھی دنیا رد کر سکتی ہوں۔"

"تم کر چکی ہو۔" وہ عجیب سی ہنسی ہنسا۔ پھر تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

" یہ تم نے اپنے لئے کیا چن لیا؟ کیا ہے اس آدمی میں؟ نہ شکل، نہ میرے جیسا دماغ۔ نہ دولت، نہ ذہانت وہ تم سے میرے جیسی محبت بھی نہیں کر سکتا۔ اپنا نقصان کیوں کروالیا؟" اسے تاسف ہوا۔ گہرا افسوس۔

"وہ عام شکل اور عام عقل والا وہ مرد مجھے عزت دیتا ہے۔ مجھے اس عزت سے "**محبت**" ہے۔"

قیس نے گہری سانس لی۔ اور اسکے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں۔ وہ اب گاؤن کے گھیر کو دیکھ رہا تھا۔ اسکا سراپا، اسکا قد یہ لباس اسی کے لئے بنا تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں پہ فخر ہوا۔

"اور تمھیں اب ذرا سا بھی خوف نہیں ہے کہ تم میرے سامنے کھڑے ہو کر ایسے اعتراف کر رہی ہو۔" اس نے اپنے بوٹ کی مدد سے اسکے پیروں تک آتے گاؤن کو پیروں سے ہٹایا۔ شاید وہ اسکی پوری تیاری دیکھنا چاہتا تھا۔

"بہت ڈر لیا۔ ابا سے تم سے، بشر سے خاندان سے۔ لیکن میرے اندر ایک چیز ہے جو جذبہ تمھارے لئے تھا اسکا اعلان بھی سر عام کیا تھا اور اب بھی وہی کروں گی۔ مجھے پسند ہے وہ۔ لیکن اسکے ساتھ رہ نہیں سکتی میں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"میں یہ ظاہر کروں گا کہ میں نے کچھ نہیں سنا۔ یوں سمجھو ہماری بات تھی ہمارے درمیان رہ گئی۔ تم نے اس آدمی کے لئے کچھ نہیں کہا۔ میں سب بھول جاؤں گا۔"

وہ اب بھی اسکی اونچی ہیلز پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جس سے اسکے پیر جھلک رہے تھے۔

"اس گاؤن کا اصل ڈیزائن مختلف تھا۔ لیکن مجھے بس کوئی الہام آیا تھا کہ تم ہیلز نہیں پہنتی۔ اس لئے میں نے اسکی لمبائی پیروں تک رکھی تا کہ تمھارے جوتے چھپ جائیں اور تم کوئی نرم جوتے پہن لو۔ میں نے تو کبھی خیال میں بھی تمھیں تکلیف دینے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔"

''لیکن حقیقت میں دیتے رہے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی۔

''غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔'' اسکا انداز دفاعیہ تھا۔

''ابھی چند منٹ قبل تم سے بھی ہوئی۔ میں اسے بھولنے کی کوشش کروں گا۔'' کمال فیاضی تھی۔

''تم کیا چاہتے ہو، قیس اب آخر کیا؟''

''میں تمھیں ایک چانس دینا چاہتا ہوں۔ باخدا میرے خاندان کے باقی مرد مجھ پہ لعنت بھیجیں گے۔ مگر خیر ہے تمھارے لئے کچھ بھی۔''

اس نے نگاہیں جوتوں سے ہٹا کر اب اسکے بالوں کو دیکھا جو شال سے کچھ کچھ جھلک دکھا رہے تھے۔ بے اختیار انہیں چھونے کی خواہش ہوئی۔

''جو تم نے کہا اور جو اس نے کہا میں وہ سب بھول جاؤں گا۔ یہاں تک کہ تمہارا میری پیٹھ میں گھونپا خنجر بھی۔ بس آج، اس وقت مہدی سے دستبرداری دو۔ تاکہ مرتے ہوئے اسکے چہرے پہ صرف مایوسی ہو۔ تم میرا واحد غرور ہو وہ تمھارے حوالے سے مغرور ہو یہ مجھے قبول نہیں۔''

اب اس نے زینیا کے ہاتھ دیکھے۔ وہ اسکے پہلو میں گرے تھے قیس انہیں قریب سے دیکھنا چاہتا تھا سو جھک کر اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا زینیا دور ہوئی مگر قیس نے بے حد سختی سے اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ آس پاس کئی لوگوں کو گوسپ کے لئے نیا موضوع ملا۔

وہ ہر ایک سے بے نیاز تھا۔ وہ مسلسل اپنا ہاتھ چھڑوا رہی تھی مگر قیس گرفت سخت کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اسکے پورے بازو میں درد کی لہر اٹھی۔ وہ گرفت آہنی تھی۔

''مجھ سے دور جانے کی کوشش کرو گی تو محض اپنے لئے تکلیف کا سامان کرو گی۔ کیوں خود کو ہرٹ کر رہی ہو؟'' زینیا کو اپنا ہاتھ سن ہوتے محسوس ہوا۔

''میں تمھارے خاندان سے کچھ نہیں کہوں گا ان سے کوئی حرجانہ نہیں لوں گا۔ ہر سازش اور انتقام پہ لعنت بھیجتا ہوں میں۔ بس اسے یہ بتاؤ کہ وہ عام ہے۔useless اور تم میرے لئے ہو۔ میرے لئے تھیں اور ہمیشہ میرے لئے رہو گی۔ تم کہو گی ناں؟''

زینیا نے اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا مگر گرفت مزید سخت ہو گئی۔ وہ اسکی انگلیوں پہ لگی نیل پالش کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھو رہا تھا۔ اسکے ہاتھ کی ابھری نسوں کو انگلی سے ٹریس کر رہا تھا۔ پھر انگریزی کا حرف "اے" لکھ رہا تھا۔ اب وہ نگاہیں اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند پل دیکھا۔ پھر دوبارہ اسکے ہاتھوں پہ نگاہیں جما دیں۔

''کتنے خوبصورت ہاتھ ہیں تمھارے۔ کتنے دھوکے دیے تم نے مجھے۔ پھر بھی۔۔''

اس نے نگاہیں اسکے ہاتھ سے ہٹا کر اسکی آنکھوں میں تکا۔ ''پھر بھی مجھے اتنی اچھی کیوں لگتی ہو؟''

''تم اسے جھکانے کے لئے مجھے استعمال کر رہے ہو تو میں ایسا نہیں کروں گی۔ اس زندگی میں، میں اس سے دستبرداری نہیں دوں گی۔ دے بھی دی تو تمھارے پاس واپس نہیں آؤں گی۔''

''اور تم کیا چاہتی ہو اب میں کیا کروں؟'' وہ دوبارہ اسکے ہاتھ کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ اسکی رنگ فنگر پہ ایک تل تھا۔ یہ قیس کی نئی دریافت تھی۔ اسکے دل ڈھیر ساری طمانیت سے بھر گیا۔ یوں جیسے دنیا دریافت کر لی ہو۔

''ایک اچھے اور مہذب انسان کی طرح میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ اور دوبارہ مجھے اس طرح کسی معاہدے کے لئے مجبور مت کرو۔''

ہاتھوں کو جھٹکا دیا۔ بے سود گرفت سخت سے آہنی ہو گئی۔ اب اسکے ہاتھ جلنے لگے تھے۔ قیس نے اسکی آنکھوں میں دیکھا یوں جیسے کہہ رہا ہو۔

''کیوں خود کو ہرٹ کر رہی ہو؟ میں تو ایسا نہیں چاہتا۔''

''میرے ہاتھ چھوڑو، قیس۔'' اب کے اس نے کچھ سخت انداز میں کہا۔

قیس نے دھیرے سے اسکا ہاتھ چھوڑا۔

''اگلی بار سیاہ نیل پالش لگانا اچھی لگے گی۔''

''تم نے سنا بھی ہے میں نے کیا کہا ہے؟''زینیا ناگواری سے قدرے بلند آواز میں بولی۔

''ضرورت نہیں محسوس کی۔ خیر تم جاؤ پارٹی انجوائے کرو۔ایک گھنٹے بعد بلواؤں گا۔بس میرے ساتھ آکر کھڑی ہو جانا۔اور ہاں اسکے متعلق دوبارہ تمھارے منہ سے کچھ نہ سنوں۔''

آگے بڑھ کر اسکے اسکارف کو درست کیا۔ایک نظر اسکے ہاتھوں کو دیکھا بار بار انہیں اپنے ہاتھوں میں لینے کی خواہش سر اٹھا رہی تھی۔اس نے گہری سانس لی۔ پھر اسکے بازو کو ہلکے سے تھپتھپا کر وہ آگے بڑھ گیا۔ذرا سے فاصلے پہ جا کر وہ ایک کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔اسکی رنگت بری طرح سرخ پڑ گئی تھی۔سانس دھونکنی کی مانند تیز تھا اور چہرے پہ اس سردی میں بھی پسینہ۔دل کے جھکڑ ہک ہاہ۔

وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر آیا تھا۔وہ ایک ایک چیز کا حساب دے گی۔وہ حساب لے گا یہ طے تھا۔وہ اس زندگی میں اسے معاف نہیں کرے گا۔

وہ کافی دیر سے آئی ہوئی تھی مگر مہدی اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ قیس نے اسے بلایا تھا تو وہ آگئی مگر اب اسکا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔اسٹیج پہ بیٹھا گلوکار اب کچھ pop music گا رہا تھا۔لوگ اسکے ساتھ گنگنا رہے تھے۔زینیا محفل سے ذرا فاصلے پہ تھی۔شیزل اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ مصروف ہو گئی تو زینیا اکیلی اس میز پہ بیٹھی رہ گئی۔اسکے پاس پرانے ماڈل کا ایک فون تھا۔جو اسے شیزل نے کچھ دن کے لئے دیا تھا۔اسی پل اس موبائل پہ کوئی کال آنے لگی۔اسے نمبر کبھی یاد نہیں رہے تھے مگر مہدی کا نمبر اسے ازبر تھا۔

اس نے گردن بے اختیار دائیں بائیں گھمائی، مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔اس نے کال اٹینڈ کی۔ متلاشی نظریں اب بھی اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔

''ہر دفع تم بالکنی میں ہوتی ہو اور میں نیچے، اس بار میں نے جگہیں switch کرنے کا سوچا۔''زینیا نے گردن پھیر کر بے اختیار اوپر دیکھا۔

وہ تیسری منزل کی بالکنی میں کھڑا تھا۔ اسکے آگے چار فٹ اونچی سیاہ رنگ کے نقش و نگار والی شیشے کی گرل تھی۔

''پارٹی یہاں نیچے ہو رہی ہے آپ وہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''میں وہاں آ گیا تو لوگ جمع ہو جائیں گے پھر تمھیں برا لگے گا۔''وہ فون کان سے لگائے سنجیدگی سے بولا۔

وہ کھڑی ہوئی گردن اونچی کیے اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

''آپ بھی کافی رنگین مزاج ہیں۔ اللہ جانے آج کیسے ضبط کر لیا۔''

''کتنا شک ہے تمھیں مجھ پہ؟''وہ گردن ہلاتے ہوئے مصنوعی تاسف سے بولا۔

''آپ کا ریکارڈ ہی ایسا رہا ہے۔ کبھی انیسہ، کبھی شانیا، کبھی آصفہ کبھی سفانہ۔''اس نے پاس سے گزرتے ہوئے ویٹر سے سافٹ ڈرنک کا گلاس لیا۔ یہاں اس پارٹی میں اتنے وقت میں یہ پہلا مشروب تھا جو اس نے دل سے لیا تھا۔

''یہ آصفہ اور سفانا کون ہیں؟''وہ مٹھی کھول بند کر رہا تھا۔ اس میں کوئی سلور رنگ کا پینڈنٹ تھا۔

''مستقبل کی شناسائیں۔''

''اتنی تم نجومی۔''وہ بگڑ کر بولا زینیا مسکرائی۔ سادہ، خالص مسکراہٹ۔

قیس نے کسی احساس کے تحت پلٹ کر دیکھا اور اسے وہ نظر آئی۔ وہ ہنس رہی تھی اسے اچھا لگا۔ اسکی دوسری نگاہ بالکنی کی طرف گئی۔ وہ جس کے ساتھ، جس کے لئے ہنس رہی تھی اسے برا لگا۔ دوسری طرف مہدی اسکی ہنسی فون کے پار بھی محسوس کر سکتا تھا۔

''تم ہر گزرتے دن مجھے کنفیوژ کر رہی ہو۔''وہ مسمرائزڈ سا کہہ رہا تھا۔ زینیا ٹھہر گئی۔

''میں ہر دفع تمھیں دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کیا تم واقعی اتنی خوبصورت ہو یا صرف مجھے لگتی ہو۔''ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکی۔ مہدی اب بھی بس اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم اتنا خوبصورت بولتی ہو یا صرف مجھے لگتا ہے؟

تم واقعی اتنا خوبصورت ہنستی ہو یا بس مجھے لگتا ہے؟''

زینیا نے بے اختیار یہاں وہاں دیکھنا شروع کیا۔

''میں تمھیں کئی گھنٹے، کئی دن، کئی زندگیوں میں بغیر تھکے دیکھ، سن اور سراہ سکتا ہوں۔ اور یہ حق صرف میرا ہے مجھے یقین نہیں آرہا۔''

زینیا نے خفت سے گردن گھمائی۔ مہدی نے اسکا ہر انداز دیکھا۔

''تم مجھ پہ بہت الگ اثر رکھتی ہو۔''

''آپ کی آواز کٹ رہی ہے۔'' وہ دھیرے سے اسے ٹوک گئی۔

''مجھے کچھ سنائی نہیں دیا۔''

''اچھا لیکن مجھے سب دکھائی دے رہا ہے۔'' وہ محظوظ ہوا۔

"مثلاً کیا؟'' اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

''مجھے ایک لڑکی بلش کرتی ہوں نظر آرہی ہے۔''

''آپ کی آنکھوں کا دھوکہ ہے''

''دھوکے اتنے خوبصورت کب سے ہونے لگے ہیں؟''

"آپ اتنے فلرٹ کب سے ہوگئے ہیں؟'' وہ تنک کر بولی۔ گلاس ہاتھ میں لئے رکھا، اور چند قدم چل کر آگے آئی۔ قیس کمبیر محفل سے ہٹ کر کھڑا تھا اور اب وہ ان دونوں کو مزید آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

''تمھیں دیکھ کر، تم سے مل کر اچھا خاصا انسان پاگل ہو سکتا ہے۔''

زینیا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ چہرہ سرخ تھا۔ اس آدمی سے فون پہ بات کرنا ہی بہترین آپشن تھا۔ سامنے آنا نہیں۔

''مجھے بات کرنی ہے آپ سے۔'' اب کے وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''آپ تھوڑی دیر کے لئے یہاں آجائیں بس ایک سائن ہی چاہیے۔''

''طلاق کے کاغذات لے کر آئی ہو؟'' لمحے کے ہزارویں حصے میں اسکا لہجہ بدل گیا۔

وہاں دکھ تھا۔ بے تحاشا دکھ۔

''آپ کو حقیقت پسند ہو کر سوچنا چاہیے، مہدی۔ وہ آپ کو بہت نقصان دے سکتا ہے اگر اسے ہمارے نکاح کے متعلق علم ہو گیا تو معاملات بہت پیچیدہ ہو جائیں گے۔ میرا اپنا خاندان میرے خلاف ہے۔ میں اس ایک انسان کو نہیں گنوا سکتی جو بغیر کسی مفاد پرستی کے میرے ساتھ کھڑا رہا۔ میں نہیں چاہتی آپ اس بات کے لئے پچھتائیں۔ یا آپ دونوں بھائی ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجائیں۔۔ میں بس۔۔''

''اسے اس نکاح کے متعلق سب پتہ ہے۔'' آسمان سے کوئی پتھروں کا تھال تھا جو زینیا کے سر پہ آکر لڑھکا تھا۔

''تمھیں مجھ سے شکایت تھی کہ میں اس تعلق کا اعلان نہیں کر سکتا میں نے شکایت دور کر دی۔'' بالکنی میں آدھے اندھیرے اور آدھی روشنی میں کھڑے شخص نے زینیا کو شاکی کر دیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دل نے جیسے دھڑکنا چھوڑ دیا ہو۔

''میں نے تم سے کہا تھا میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر سکوں گا۔ میں کرنا ہی نہیں چاہتا۔ میں ایسا وقت ہی نہیں لاؤں گا۔''

''یہ آپ نے کیا کر دیا؟ میں آپ کو بچانے کے لئے اس سارے میس سے نکالنے کے لئے اپنی عزت نفس پہ لات مار کر یہاں آگئی ہوں اور آپ۔۔۔'' مارے رنج اور بے بسی کے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''یہ آخری بار ہو گا۔ اگلی بار کہیں جانے کے لئے تمھیں مجبور نہیں ہونا پڑے گا۔'' اس نے مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔ پھر زینیا کو دیکھا۔ اور ہنس پڑا۔

''میری بیوی ہو کر ڈر رہی ہو؟''

''آپ نے بہت غلط کیا ہے۔ آپ چیزوں کو بہت لائیٹ لے رہے ہیں۔ میں آپ کو اس کے لئے معاف نہیں کروں گی۔''

''پتہ تھا مجھے اسی لئے تمھارے ریڈار سے دور کھڑا ہوں۔ وہاں تم میرا سر بھی پھاڑ سکتی تھیں۔''

قیس کمبیر کی آنکھیں ایک نقطے پہ جامد تھیں۔ وہ بالکنی میں کھڑا مسکراتا ہوا مرد، وہ خفا خفا لڑکی۔ عقب میں بجتا میوزک اسکے اعصاب پہ ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ وہ جس نظر سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے قیس کو وجدان ہوا کہ زینیا حاکم کو وہ اب کبھی اس محبت سے نہیں دیکھ سکے گا۔ وہ مہدی کو زیادہ سے زیادہ بس زندہ نہیں چھوڑ سکے گا۔

''کل گوادر جا رہی ہو ناں؟ مجھ پہ کچھ قرض چھوڑے جا رہی ہو۔ کچھ سوال ہیں تمھارے تم نے مجھ سے پوچھا نہیں خوبصورتی کسے کہتے ہیں؟'' وہ عام سے انداز میں بولا۔

زینیا حاکم جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ اسکی نگاہیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔ مہدی یک ٹک بغیر پلک جھپکے اسے تک رہا تھا۔ وائلن کے بجتے ہوئے سر، اور محبت کا کوئی گیت کوئی ان دونوں کی آنکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ قہقہے، خوشبو، رنگ ہر شے رد۔

''کوئی مجھ سے پوچھے گا خوبصورتی کسے کہتے ہیں تو میں کہوں گا زینیا حاکم کی آنکھیں۔''

اسکے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر گرا۔ آس پاس بجتا میوزک اسکے لئے ساکن ہو گیا۔ وہ بس مہدی کو سن رہی تھی صرف اور صرف مہدی کو۔

''مجھ سے سوال کرو، زینیا، میں جواب دینا چاہتا ہوں۔''

وہ چند لمحے بنا پلک جھپکے بغیر سانس لئے اسے تکتی رہی۔ اور کوئی تھا جو اسے تک رہا تھا۔ اسکے حلق میں لفظ اٹک گئے۔ ملکہ بد کو کہانی میں یہ کیسا کردار ملنے لگا تھا۔

''مجھ سے سوال کریں، سرکار۔''

''غرور کیا ہے؟'' اسکی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

"تمہارا ساتھ۔۔۔ تم جب، جب میرے ساتھ رہو گی میں تمھارے ساتھ کو غرور سمجھوں گا۔"

"زمین پہ جنت کیا ہے؟" اسکی آنکھوں کے گوشے نم ہوئے۔

"ہر وہ نظر جب تم مجھے دیکھتی ہو۔"

"محبت۔ کیا۔ ہے؟" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔ جسم کا رواں رواں سماعت تھا۔ مہدی کمبیر دو قدم آگے آیا۔ اب وہ مکمل روشنی میں تھا۔ اب زینیا اسکی سبز آنکھیں دیکھ سکتی تھی۔ ان آنکھوں نے رنگ بدل لیا تھا وہ محبت کا رنگ تھا۔

"ہر وہ لمحہ جو تمھارے ساتھ گزرے۔ تم سراپا محبت ہو۔ تمھارے ساتھ گزارا ہوا ہر لمحہ محبت ہے۔ تمہاری existence محبت ہے۔ کسی کو تم مل جاؤ تو اسکی ساری زندگی محبت ہے۔"

زینیا کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہہ رہے تھے اسکا چہرہ بھیگتا چلا گیا۔ وہ شخص محبت بن کر آیا تھا اور آج عنایت بن کر نصیب ہوا تھا۔ اور آج، آج وہ آتی جاتی سانس کی ضمانت ہو گیا تھا۔ ایک مرد، وہ ایک مرد اسکے پتھر جیسے دل کو پگھلا گیا تھا۔ زینیا کو اس سے محبت اور خوف آیا۔

"تم نے میرے اصول بدل ڈالے ہیں، مسز کمبیر۔ محبت زاویے بدلتی ہے اور تمھارے لئے میرے زاویے بدل گئے ہیں۔ میں دہراتا ہوں۔ مجھے زندگی میں میری پسند کی چیزیں بہت کم ملی ہیں مگر میں ہر دفع موو آن کر جاتا تھا۔ ایک تمھارے معملے میں میرے سارے اصول بدل گئے ہیں۔ میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر پاؤں گا، زینیا۔"

اسکا بولنا، اسکی نرم سرگوشیاں یہ شخص، یہ باتیں اسے یہی سننا تھا بس یہی۔ اور اسکے نیم رخ پہ کھڑا ٹوٹے دل والا مرد بس یہی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تم کیریئر بناؤ، وقت لو۔ زندگی میں آگے بڑھو، لیکن مجھے مت چھوڑو۔ مستقبل میں جب بھی تم اپنے لئے کسی کو سوچو تو کیا میں وہ مرد ہو سکتا ہوں؟ میں مہدی کمبیر ساری زندگی تمھارے لئے reserved رہوں گا۔ جب دل کرے پلٹ آنا اور میں ہمیشہ تمھیں تمھارے لئے موجود ملوں گا۔"

زینیا نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اسکی نگاہیں ایک لمحے کے لئے جامد ہو گئیں۔ مہدی کمبیر کے سینے پہ سرخ روشنی سفر کر رہی تھی۔ وہ چھوٹا سا نقطہ۔۔اس نے ایک لمحے کے لئے الجھ کر دیکھا۔ پھر اپنی دائیں طرف نگاہ پڑی۔ قیس کمبیر موبائل کان سے لگا رہا تھا۔ اس نے دوبارہ بالکنی کی طرف دیکھا سرخ نقطہ اسکے سینے سے ماتھے پہ آیا پھر واپس سینے پہ۔ زینیا کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے قیس کو دیکھا۔ وہ زخمی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر زینیا نے اسکے لب ہلتے ہوئے دیکھے۔ وہ آواز نہیں سن سکی تھی لیکن اس نے "**شوٹ**" کہا تھا۔ دوبارہ مہدی کو دیکھنے پہ اسے علم ہوا، اوہ خدایا وہ کسی کی پستول کی لیزر لائٹ تھی۔ اسکے حواس معطل ہونے لگے۔ اسکے جسم سے قطرہ قطرہ سانس نکلتا چلا گیا۔

"مہدی پیچھے ہٹو۔۔ مہدی پیچھے۔۔ جاؤ یہاں سے ہٹو۔۔۔" اسکے الفاظ حلق سے بہت مشکل سے برامد ہو رہے تھے۔ اسکی زبان کو حقیقی معنوں میں لقوہ لگا تھا۔ میوزک اسی پل تیز ہو گیا تھا مہدی تک اسکی آواز نہیں جا سکی۔ روشنی اسکے پیٹ پہ آئی، پھر ذرا اوپر اور پھر سینے پہ اور اب عین دل کے مقام پہ۔ زینیا اس نقطے کو دیکھ سکتی تھی اسکے عقب میں کھڑا قیس بھی۔ وہ کوئی رد عمل نہیں دے رہا تھا۔ وہ موبائل کان سے اتار چکا تھا۔ وہ اب نتائج کے لئے تیار تھا۔ تکون برباد ہونے کے لئے تیار تھا۔

"مہدی اپنے سینے کی طرف دیکھو۔۔۔ پیچھے ہٹو خدا کے لئے۔۔ پیچھے ہٹو۔" وہ پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ رو رہی تھی۔

"میوزک بند کرو۔۔ بند کرو یہ سب کوئی اسے بند کرواؤ۔" وہ تڑپ، وہ بے بسی، وہ بے چینی قیس اسے دیکھ رہا تھا اور دیکھ ہی تو نہیں پا رہا تھا۔

"میں اس سے بات کر چکا ہوں تم، قیس سے کیوں ڈر رہی ہو؟ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں جانتا ہوں۔" وہ اسکی بوکھلاہٹ اسکی پریشانی پہ حیران ہوا۔

"پیچھے ہٹو۔۔۔ وہ مار دے گا تمھیں۔۔ پیچھے جاؤ ہٹو یہاں سے۔"

شور، میوزک کا بے ہنگم شور بے تحاشا بڑھ گیا۔ لوگ ساتھ ساتھ گا رہے تھے۔ ڈرم، بیٹس، گانے، وہ چیخ و پکار سب گڈ مڈ ہونے لگا۔

"مہدی۔۔۔ پیچھے ہٹو۔۔۔ قیس۔۔۔ میوزک بند کرواؤ۔" اب کے اس نے مڑ کر قیس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خالی خالی نگاہیں لئے اسے تکتا رہا۔ مہدی نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے چیک کیا۔ پھر زینیا کو دیکھا۔ وہ رو رہی تھی چیختے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی وہ کیوں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ میوزک کا شور اتنا زیادہ تھا کہ اسے اپنے کان بہرے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ قیس سے کیا کہہ رہی تھی اور وہ کیوں بے حس کھڑا تھا؟ سرخ دائرہ اب بس ایک جگہ آ گیا تھا۔ قلب، دل، ہارٹ، من۔

زینیا اب کے فون وہیں چھوڑ اندر کی طرف بھاگی۔ وہ تیز تیز بھاگ رہی تھی شال اسکے کندھوں سے ڈھلک کر گری۔ بال بکھر گئے۔ اسی لمحے عین اسی لمحے سرخ دائرے کی عین جگہ سنہری بلٹ بجلی کی سی رفتار سے دوڑتی ہوئی آئی اور مہدی کے سینے میں پیوست ہو گئی۔ اسکے جسم میں کچھ کھب گیا۔ جسم نے جھٹکا کھایا اور وہ پیچھے کھنچتا چلا گیا۔ منظر تھا کہ جہنم؟ زینیا وہیں گھٹنوں کے بل گری۔ اسکی آنکھیں وہیں اوپر اس بالکنی پہ جم گئیں۔ یکے بعد دیگرے دو اور فائر ہوئے وہ گرا، کبھی نہ اٹھ پانے کے لئے۔ اس نے اپنے پورے جسم میں آگ پھیلتی محسوس کی۔ ویسی آگ قیس کے سینے میں بھی تھی۔ عمارت کے اندرونی حصے میں کوئی زوردار دھماکہ ہوا۔ اور ایک ایسی ہی آگ اس فارم ہاؤس کے اندر لگ گئی تھی۔ آگ کے شعلے چھت کو چیر کر باہر آسمان کی طرف اٹھے۔ کھڑکیاں، دروازے، شیشے سب دھماکے کی نذر ہوئے۔ زینیا جیسے اس دھماکے پہ ہوش میں آئی۔ اسے بالکنی میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا وہ گر پڑا تھا۔ وہ کیسے گر سکتا تھا؟ وہ نظر سے اوجھل کیسے ہو سکتا تھا؟ اس لمحے اس زندگی میں ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ زمین پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھی۔ وہ اندر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ دیوانہ وار، ہر شے سے بے نیاز۔ سرخ گاؤن میں ملبوس لڑکی آگ اور خون کے کھیل میں شامل ہو چکی تھی۔

آگ کی شعلے بھڑکتے ہوئے اٹھ رہے تھے سیاہ سفید لباس والے لوگ یہاں سے وہاں اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچا رہا تھا اور سرخ گاؤن والی وہ لڑکی بھل بھل بہتے آنسوؤں کے ساتھ اندر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ محبت حفاظت سے رازداری، رازداری سے اعلان اور اعلان سے رہبری کا درجہ طے کر چکی تھی۔ وہ زینوں پہ گری، منہ کے بل گری ہونٹ پھٹ گیا وہ خون صاف کئے بغیر اٹھی اور اندر کی طرف بھاگی۔ قیس اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ساکن صامت۔ اسکا وجود ہر قسم کی جنبش سے عاری تھا۔ ہاں مگر اس نے زینیا کو "**زندگی**" چھوڑ، زندگی کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنی جان

سے بے خوف ہوگئی تھی، وہ اس ایک آدمی کے لئے اتنا کیسے کر سکتی تھی؟ اس نے مہدی کو گرتے ہوئے بھی دیکھا اور اس نے وہ گولی اپنے سینے پہ لگتے ہوئے بھی محسوس کی۔ وہ آگ، اس بھڑکتی آگ نے اسکے آس پاس ماضی کا قفس لگا دیا۔

آگ کے نارنجی شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ کہیں دروازے جل رہے تھے اور کہیں کھڑکیاں اور وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ آوازیں دے رہی تھی رو رہی تھی۔ وہ دلیری کی ہر حد پار کرتے اسکے لئے آگ میں کودی تھی جو اسکے ساتھ اچھا رہا تھا۔ تیسری منزل کا ہر، ہر کمرے کھولتے ہوئے، اسے آوازیں دیتے ہوئے وہ اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ آگ کی تپش اسے جھلسا رہی تھی۔ لپکتے شعلوں سے بچتے بچاتے اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

اس ایک کمرے کے پار اس نے کچھ دیکھا۔ کمرہ ایک سٹوڈیو سے جڑا ہوا تھا۔ درمیان میں شیشے کی دیوار تھی اور اس دیوار کے پار، اس شیشے کی دیوار کے پار دو نقاب پوش لوگ تھے۔ پوری طرح سے سیاہ لباس میں، سیاہ پی کیپ اور سیاہ ہی ماسک لگائے وہ ایک جسم کو گھسیٹ رہے تھے۔ وہی جس کے سفید کوٹ کے سینے پہ سرخ خون کے دھبے تھے۔ عین دل کے مقام پہ۔ اسکی آنکھیں بند تھیں اور جسم ڈھیلا۔ وہ مر چکا تھا اسکے ہاتھ ڈھلک کر پہلو میں گرے تھے۔ اور اسے اس حالت میں زمین پہ گھسیٹا جا رہا تھا زینیا نے اس کمرے کی اور ایک قدم بڑھایا۔ بیچ میں گلاس وال تھی وہ دھڑا دھڑ اسے پیٹ رہی تھی۔ ہیل سے ٹھوکر مار رہی تھی، کہنیاں مار رہی تھی۔ وہ انہیں آوازیں دے رہی تھی۔ مگر نظر انداز ہو رہی تھی۔ آگ کی تپش، پسینہ، جلن اور درد سب مکس ہوا۔ اسی پل کسی نے اسکی گردن سے پکڑ کر اسکا سر دو سے تین بار شیشے کی دیوار سے دے مارا۔ پھر یونہی گردن سے پکڑے اسے ایک طرف دھکا دیا۔ زینیا نے مڑنا چاہا مگر کوئی تھا جس نے اسکے چہرے پہ کچھ دے مارا تھا کنپٹی کے قریب۔ اسے اپنے دماغ میں کوئی کرنٹ سا دوڑتا محسوس ہوا۔ کوئی درد تھا جو اسکے پورے جسم کو سن کر گیا۔

وہ فرش پہ گر پڑی۔ دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ اس نے دیکھا وہ نقاب پوش اسکے سامنے مہدی کے وجود کو گھسیٹ کے لے گئے۔ اور ایک کونے میں رکھے لمبے چوڑے بیگ میں ڈال کر زپ چڑھائی۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ ماتھے تک لے جاتے اسے دو انگلیوں سے سلام کیا۔ اسکے عقب میں کھڑے وجود نے اسکی پیٹھ پہ بوٹ سے ٹھوکریں ماریں۔ زینیا سانس نہیں لے سکی۔ بھرتے ہوئے دھوئیں میں اس نے سانس لینے کی کوشش کی اور اسے کھانسی کا دورہ پڑا۔ کھانستے کھانستے اسکے منہ سے خون

نکلا۔ آنسو، آگ، خون، درد سب تھا۔ اسکے سر پہ دوبارہ کسی بھاری شے سے ضرب ماری گئی۔ اسکی آنکھیں بھاری ہو گئیں۔ دماغ سن ہو گیا۔

شاید وہ اسکے بعد بے ہوش ہوئی تھی۔ کتنے لمحے، کتنے لمحے، منٹ کوئی حساب نہیں تھا۔ اسے ہوش آ رہا تھا۔ کچھ وقت بعد اسے ہوش آ رہا تھا کوئی اس کے اوپر شال ڈال رہا تھا۔ پھر کسی نے اسکا چہرہ تھپتھپایا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ جاگ گئی تھی مگر آس پاس آگ تھی صرف اور صرف آگ۔ وہ دو مرد تھے۔ انکے جسموں پہ کوئی الگ لباس تھے۔ وہ اسے اٹھا رہے تھے۔ پھر بازوؤں کے حالے میں لئے نیچے لے کر جا رہے تھے۔ وہ بار بار انہیں اشارہ کر کے کمرے کے بارے میں کچھ بتا رہی تھی۔ اسکی آواز حلق میں دب کر رہ گئی تھی۔ کوئی اسے نہیں سن رہا تھا۔ وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

چند لمحے بعد اسے احساس ہوا، اسکا بازو جل رہا تھا۔ شاید آگ سے زخمی ہوا تھا۔ ماتھے پہ بھی کچھ چپچپا تھا مگر کیا؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے باہر لایا گیا۔ وہاں فائر بریگیڈ کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ لمحوں کے اندر اسکا لباس بھیگ گیا۔ اس نے دیکھا قیس کسی پہ چیخ رہا ہے۔ آواز اس تک نہیں آئی۔ بس کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ آس پاس کی ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ اس نے دیکھا کوئی عورت جنونی انداز میں اس تک آئی۔ لوگ اسے تھام رہے تھے مگر اس پہ ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے زینیا کے چہرے پہ تھپڑ دے مارا اور اسی پل اسے سماعتیں واپس ملیں۔ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے اسے تکنے لگی۔ وہ میرہ تھی۔ اس نے میرہ کے کندھے کے پار دیکھا۔ وہاں سب تھے مہدی کہاں تھا؟ قیس کی آوازیں بھی واضح ہوئیں۔ وہ انکاری تھا۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا اسکا بھائی نہیں مر سکتا۔

عورت اس پہ برس رہی تھی چیختے روتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ زینیا سن تھی۔ قیس اس عورت کو بازو سے پکڑ کر سینے سے لگا رہا تھا مگر کیوں؟ مہدی کہاں گیا وہ یہاں کیوں نہیں تھا وہ جو ہوا تھا وہ برا خواب تھا ناں؟ وہ حقیقت نہیں تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بالکنی کے نیچے فارنزک ٹیم اور پولیس کھڑی تھی۔ کوئی اسٹریچر پہ کوئی وجود تھا۔ دو لوگ اس اسٹریچر کو گھسیٹ رہے تھے۔ اسی پل اسٹریچر پہ پڑے ہوئے آدمی کا جھلسا ہوا ہاتھ باہر ڈھلک گیا۔ وہاں ایک ادھ جلی گھڑی نظر آئی۔ وہ مہدی کمبیر کی گھڑی تھی۔ زینیا حاکم بے دھم ہو گئی۔ بے سانس، خالی۔

''آپ نے گولی لگنے کی آواز سنی؟ کتنا وقت پہلے؟'' پولیس افسر کسی لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے رومال سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''دو گھنٹے پہلے سر۔۔ مہدی وہاں کھڑا تھا۔ میں نے اسے دیکھا اور۔۔'' وہ بالکنی کی طرف اشارہ کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اور پھر کسی نے اسے گولی مار دی سر۔۔ پھر اسے چھت سے نیچے پھینکا وہاں اگ لگی ہوئی تھی وہ آگ۔۔۔ آگ میں۔ جل گیا۔۔۔ وہ جل گیا اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔''

ساتوں آسمان تھے جو زینیا حاکم کے سر پہ ایک ساتھ آ کر گرے تھے۔ مہدی کمبیر دو گھنٹے پہلے قتل ہو گیا تھا اور اسٹریچر پہ پڑا وہ جھلسا ہوا وجود اسی کا تھا۔ بارش اولوں میں بدل گئی۔ اور ہر ایک اولہ اسکے دماغ کے اندر سوراخ کرتا چلا گیا۔ وہ مر چکا تھا اور اب انکے درمیان نہیں تھا۔ یہ ماننے کے لئے وہ دو صدیاں بھی لیتی تو آخر میں بے یقین رہتی۔

میز اور کرسیوں پہ جو لوگ گردن اٹھائے شان و نزاکت سے بیٹھے ہوئے تھے اب وہی لوگ مضطرب تھے۔ جو لہک لہک کر گانے گا رہے تھے اب انکی زبانیں مفلوج تھیں۔ مہنگے لباس بارش سے بھیگ گئے تھے۔ یکم جنوری کی ٹھنڈی ٹھار بارش بھی آگ بن کر برسی تھی۔ انگلیاں چٹخاتے آس پاس ہراساں نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ سب یہاں سے جلد از جلد جان چھڑوانا چاہتے تھے۔ سیاہ سفید مکس ہو کر رہ گیا تھا۔ رونقیں ماند پڑ رہی تھیں ہر کوئی اپنے اپنے تعلقات استعمال کر رہا تھا کوئی کسی کو فون ملا رہا تھا تو کوئی کسی کو۔ امراء سونے کے پنجرے میں بند ہو چکے تھے۔ نیو ایئر نائٹ میں پہلی بار آتش بازی نہیں، پوری عمارت جلی تھی۔ کمبیرز کا نیا کارنامہ، زبردست۔

فارم ہاؤس کی عمارت سیل کر دی گئی تھی۔ جگہ جگہ پولیس نے do not cross کی زرد پٹیاں لگا رکھی تھیں۔ عمارت کے باہر شور و غل پھیل گیا تھا۔ میڈیا، ایمبولنس، فائر بریگیڈ، پولیس کی گاڑیوں کے بجتے ہوئے سائرن آوازیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ آگ پہ اب بھی قابو پانے کی پوری کوشش جاری تھی۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ کرسیوں میں لوگوں کے درمیان بیٹھی میرہ، بس روئے جا

رہی تھی اور شیزل اسے سنبھالنے کی کوششوں میں ہلکان۔ زینیا کے آس پاس پولیس تھی۔ اور اسکے قریب جانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔

ذرا فاصلے پہ قیس کمبیر کھڑا تھا۔ اسکے ساتھ کھڑا نیلی وردی والا افسر اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ بالکنی کی طرف دیکھا اور آزردگی سے دیکھتا رہا۔ چند گھنٹے قبل وہ وہیں تو تھا۔

"میں نے آخری بار اسے وہاں دیکھا تھا۔۔۔" اسکا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں بے تحاشا سرخ پڑ رہی تھیں۔ مگر اسکے اندر کچھ تھا بے حد آرام دہ سا۔ جس نے اسکی روح تک کو پرسکون کر رکھا تھا۔ اسے وہ گولیاں لگنی چاہیے تھیں وہ یہی ڈیزرو کرتا تھا۔ اسے اسی طرح جلنا چاہیے تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ برے طریقے سے۔

"میں نے اسے دیکھا وہ کال پہ بات کر رہا تھا۔ پھر اسکے سینے پہ کوئی سرخ دھبہ دیکھا۔ میں۔۔ میں جلدی ردعمل نہیں دیتا۔" اس نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری اور مجمعے میں ایک طرف کھڑی ماہ جبین کو دیکھا۔ وہ آنکھیں جھپک کر اسے تسلی دے رہی تھی۔ قیس چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی پل رش کو چیر کر پولیس سے بلند آواز میں بات کرتا ہوا براق اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ شاید نیند سے اٹھ کر آیا تھا۔ اسکی آنکھیں اب تک شب خوابی کا شکار تھیں۔ لباس شکن آلود۔ قیس اسے دیکھ کر خاموش ہوا اور بس اسے دیکھے گیا۔ پھر اپنے ساتھ کھڑے افسر کو دیکھا۔ جو ناگواری سے براق کو پولیس سے لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اسے اندر آنے دیں، وریام صاحب۔ وہ فیملی ہے۔"

وریام بیگ نامی پولیس افسر نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا انہوں نے براق کو آزاد کیا۔ وہ انہیں جھٹکتا ہوا تیز تیز قدم لیتا قیس کے قریب آ کر رکا۔ اسکے چہرے پہ باقاعدہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"مہدی کہاں ہے، کونسا ہسپتال، ساتھ کون گیا ہے؟ بازو پہ گولیاں لگی ہیں؟ یا کہیں اور؟"

وریام نے گلا کھنکھار کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''مہدی کمبیر کو عین دل کے مقام پہ تین گولیاں لگی ہیں۔ پھر وہ گرل کے جلنے سے، یا شاید کسی کے اوپر سے نیچے پھینکنے پہ گرے۔ گھر میں لگنے والی آگ کی وجہ شارٹ سرکٹ تھی مگر یہاں نیچے اس ہال میں جو آگ لگی ہے یہاں پیٹرول کی کافی مقدار پائی گئی ہے۔ ویسے مہدی، وہ اب نہیں رہے۔'' براق کی آنکھیں ساکت ہوئیں۔ اس نے بے یقینی سے وریام کو دیکھا۔

''باڈی پوری طرح سے جل چکی ہے لیکن عینی شواہدین کا کہنا ہے انہوں نے کمبیر صاحب کو بالکنی میں دیکھا ہے۔ انکی بہن نے انکی گھڑی کی شناخت کی ہے۔ اور باڈی پوسٹ مارٹم کے لئے جا چکی ہے۔ موقع واردات پہ ڈھائی سو لوگ موجود تھے اور اب ان میں سے جن پہ شک ہوگا انہیں گرفتار کیا جائے گا۔ اسی معاملے میں ہمیں قیس کمبیر کی مدد چاہیے۔ اگر آپ لینے دیں۔'' وریام نے ایک ہی بار ساری روداد کہہ ڈالی۔ اب جلدی یہ ڈرامہ ختم ہو تاکہ وہ کام شروع کر سکے۔ براق نے گردن پھیر کر اپنے ساتھ کھڑے آدمی کو دیکھا۔ وہ مجسم سوگ تھا۔ سانس تو براق کا بھی سینے میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ ان دونوں نے بیک وقت کچھ کھویا تھا، کچھ قلب سا؟

''کیسے؟'' قیس کو دیکھتے ہوئے بس ایک سوال کیا۔ وہ چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اسکی آنکھوں میں گہرا کرب پنہاں تھا۔

ہاں وہ چاہتا یہی تھا مگر بازو کا کٹ کر گرنا تکلیف بھی تو دیتا ہے۔ وہ بھائی تھا، وہ کیسے مر سکتا تھا۔ قیس کمبیر کے لئے تو ساری دنیا اجنبی ہوگئی تھی۔ براق نے دو قدم آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ قیس جیسے بکھر گیا۔ وہ اونچی آواز میں اسکے کندھے سے لگ کر رونے لگا۔ براق اسکے کندھے کو تھپک رہا تھا اسکی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔ وہ بری طرح بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ براق نے اسکے گرد سخت گرفت کی۔ یہ سہارا ویسا نہیں تھا جیسا اسکے بھائی کا تھا۔ اسکا مہدی۔ اسکے گلے لگ کر سب شانت ہو جاتا تھا۔ سکون آجاتا تھا۔

''سنبھالو خود کو باہر میڈیا ہے۔ اسے ہینڈل کرنا پڑے گا۔ پولیس سے کاپریٹ کرنا ہے۔ میرہ کو دیکھو۔'' وہ اب بھی نرمی سے اسکی پشت سہلا رہا تھا۔ قیس اس سے الگ ہوا۔ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے صاف کیں۔ وہ بالکنی کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ پولیس کی گاڑیوں کے بجتے سائرن اسے بار بار ماضی میں لے جا کر پٹختے تھے۔ اسکے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

''براق۔۔ یہ سائرن بند کرواؤ پلیز۔'' وہ ماتھے کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا۔ وریام مشکوک نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ اسی پل براق نے اسے تسلی دی اور اپنا رخ پورا کا پورا وریام کی طرف موڑا۔

''میرے دوست کو آگ اور پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کا فوبیا ہے۔ اسکا ٹراما ٹرگر ہوتا ہے۔ وہ بیمار ہے۔ اگر آپ کاپریٹ کریں۔۔'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

''یہ کیسا ٹراما ہے؟ اور اس کا تعلق کس چیز سے ہے؟''

''اسکے فادر اور باقی فیملی کی ڈیتھ آگ اور اس طرح کے سائرنز کے بیچ ہوئی تھی۔ وہ تب سے ایسا ہے۔ اگر ایسا کوئی موقع آجائے تب وہ pause ہو جاتا ہے۔ اب اگر آپ کی تسلی ہو گئی ہو تو اسے بند کروائیں۔''

وریام نے سر ہلا دیا اور اگلے چند لمحوں میں وہ قیس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ آنکھیں اب بھی مشکوک انداز میں چھوٹی تھیں اور چہرے پہ کرخت تاثر تھا۔ وہ شاید کسی رعایت کے موڈ میں نہیں تھا۔

''آپ نے آخری بار اپنے کزن کو کہاں دیکھا؟ کس کے ساتھ دیکھا؟ میں آپ کا غم سمجھ سکتا ہوں لیکن آپ کو کاپریٹ کرنا پڑے گا۔ آپ کی یہ اسٹیٹمنٹ ہمارے بہت کام آسکتی ہے۔''

''وہ بالکنی میں کھڑا تھا۔'' قیس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ''میں نے اسے دیکھا وہ۔۔'' گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ''زینیا حاکم سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ وہ یہیں نیچے کھڑی تھی۔''

''زینیا حاکم کون ہیں؟''

قیس نے بازو لمبا کر کے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ کسی خاتون افسر کے ساتھ تھی۔ بار بار کچھ کہتی ہوئی۔ وریام نے سر ہلایا۔ (عشق معشوقی، او کے کول)

''کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں بات کی نوعیت کیا ہو گی؟ کچھ خاص رہا ہو گا تب ہی وہ یہاں تقریب میں موجود ہونے کی بجائے بالکنی میں تھے۔''

''وہ اسے۔'' لمحے بھر کا توقف کیا۔ پھر نگاہیں جھکائیں۔'' وہ اسے پروپوز کر رہا تھا۔''وریام کی آنکھوں میں محظوظ سا تاثر ابھرا۔ قتل ٹھیک تھا اب محبت شامل ہوئی اب تباہی آنی تھی اور یہ پرفیکٹ تھا۔ یہ کیس مزے دار تھا۔

''میں نے دیکھا اسکے سینے پہ کسی نے نشانہ لیا۔ اور پھر آگ لگی تھی۔ بہت تیزی سے وہ آگ ہر طرح پھیلتی چلی گئی۔ آگ لگنے کے بعد میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا تھا۔ لیکن میں نے زینیا کو اندر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور مجھے کچھ ٹھیک سے یاد نہیں آرہا ہے۔ سب مکسڈ اپ ہے۔''اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ آنکھیں ایک بار پھر جلنے لگی تھیں۔ دو سو سے زائد لوگوں کی موجودگی اسے تنگ کر رہی تھی۔ کہیں کہیں آگ اب بھی تھی۔ وہ شور، وہ موت قیس بری طرح پھنس گیا تھا۔

مگر ان سب سے زیادہ کوئی اور آواز تھی جو اسکے سر پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ وہ بس چاہتا تھا کوئی اسے چپ کروائے۔

''سر وہ مجھ سے بات کر رہا تھا۔ وہ۔۔'' بہتے ہوئے آنسوؤں اور اجڑے حلیے والی لڑکی ہاتھ اٹھا اٹھا کر تیزی سے بول رہی تھی۔ اسکے سامنے کھڑا، افسر اسکی بات سن رہا تھا۔

''وہ وہاں اوپر تھا بالکنی میں۔۔۔'' اس نے بازو لمبا کر کے بتایا۔

چہرے پہ آنسو پھسل پھسل رہے تھے۔ اسکے ساتھ کھڑی شیزل بے بسی سے اسے تک رہی تھی۔

''سر اسے کوئی لے کر گیا ہے یہاں سے۔''اسکے اس نئے انکشاف پہ کئی گردنیں مڑیں، کئی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔ یہاں تک کہ اپنی کرسی پہ بیٹھا وریام بیگ بھی پورا کا پورا اسی طرف گھوم گیا۔ اتنے ٹوئسٹ؟ اوہ خدایا وریام بیگ پہ یونہی مہربان رہنا۔

''آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔ ہم آپ کا بیان لیں گے۔''افسر کو ترپ کا پتہ مل گیا تھا۔

''آپ اچھی طرح یاد کریں آپ نے اور کیا کیا دیکھا ہم تھانے لے جائیں گے اور آپ کو یہ سب written میں بیان دینا ہو گا۔ آپ جب اوپر گئیں آپ نے تب کیا دیکھا؟''

''آپ جو کہیں گے میں کروں گی میں تھانے چل لوں گی لیکن پلیز میری بات سنیں وہ لاش مہدی کی نہیں ہے۔ وہ مہدی نہیں تھا وہ کوئی اور تھا۔ میں اوپر گئی تھی میں نے دیکھا انہیں۔ نے مجھے یہاں مارا نہ۔۔

وہ لوگ پھر اسکو اٹھا کر لے گئے۔ میں۔ دروازہ بجا رہی تھی۔۔ نہیں۔ د دروازہ نہیں تھا وہ۔۔" اسکے الفاظ گڈ مڈ ہونے لگے وہ ربط بھول رہی تھی۔ کسی نے اسے پانی کا گلاس دیا اس نے آدھا پیا آدھا چھوڑ دیا۔ اسکی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ پورا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔ قیس نے گردن اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

"وہ لوگ یہیں کہیں ہوں گے آپ پلیز انہیں ڈھونڈیں ایک بار وہ مہدی کو لے گئے ہیں۔ پلیز آپ میری بات مانیں آپ اسے ڈھونڈیں وہ یہیں ہوں گے۔"

افسر نے اپنے ایک سپاہی کو بلایا اور اسے ہدایت دینے لگا۔

"میڈم کو موبائل میں بٹھاؤ جا کر یہ ہمارے ساتھ جائیں گی۔" وہ آگے آیا زینیا بدک کر دور ہٹی اس نے اپنے سے ذرا سے فاصلے پہ کرسی پہ بیٹھے قیس کو دیکھا وہ بغیر آس پاس دیکھے اسکی طرف لپکی۔ وہ اس وقت اسکا لیگل گارجین تھا وہ اسکا بھائی تھا اگر اس وقت "**اسکے**" مہدی کمبیر کو کوئی بچا سکتا تھا تو وہ وہی تھا۔ وہ اسکے پاس آ کر رکی دونوں ہاتھوں سے رگڑ کر چہرہ صاف کیا اور قیس کو دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ یک ٹک بغیر پلک جھپکے۔

"قیس۔۔۔" نام لیتے ہی وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہاں سے شروع کرے اور کیا کہے۔

"یہ لوگ کہہ رہے ہیں اسے گولیاں لگیں وہ بالکنی سے گرا اور آگ میں جل کر مر گیا۔۔۔" ہچکیوں نے اسے بولنے نہ دیا۔ قیس نے میز پہ رکھی پانی کی بوتل کا ڈھکن کھول کر اسکی طرف بڑھائی۔ اس نے چند گھونٹ لئے۔ تنفس ہموار ہوا۔ اور قیس نے اب کے جیب سے ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔ اسکی آنکھیں بے حد خاموش تھیں۔ اندر تک جاتی ہوئی۔ زینیا نے ٹشو نہیں لیا۔

"میں نے دیکھا ہے گولیاں سامنے سے لگیں جب گولی سامنے سے لگے گی تو انسان پیچھے جا کر گرتا ہے تم نے وہ جگہ دیکھی ہے ناں؟ وہ بالکنی سے کافی دور گرا تھا وہ اٹھ نہیں سکتا تھا وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔۔۔ سب جھوٹ۔۔ وہ نہیں گرا نیچے۔۔ میں میں وہاں اوپر تھی۔۔ گلاس وال کی۔۔ اسکی دوسری طرف سے میں نے دیکھا دو لوگ تھے وہ اسے۔ کسی لمبے بڑے بیگ میں ڈال کر لے گئے۔۔ کسی جانور کی طرح۔۔ وہ لوگ اسے ماریں گے نہیں۔ یہ لاش اسکی نہیں ہے سب جھوٹ ہے کچھ کرو پلیز کچھ کرو۔۔۔ تم کر سکتے ہو۔۔ صرف تم کر سکتے ہو۔"

قیس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اسکا چہرہ ٹشو سے صاف کیا۔ پھر اسکا شانہ تھپکا۔ آنکھوں کے سرد اور سفاک تاثر میں کوئی دراڑ نہیں آسکی۔ مہمانوں میں سے کوئی پولیس سے بھڑ پڑا تھا۔ افسر کی بندوق اس نے اپنے اوپر تان لی تھی۔ وریام تیزی سے اسی طرف بھاگا۔

زینیا اور قیس ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ ہمیشہ کی طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ وہ دونوں بھیگے چہرے اور بھیگے لباس میں تھے۔ سیاہ، سنہری، سرخ سیاہ۔ بس دو رنگ تھے باقی سب سفید تھا۔

''قیس وہ اسے ہرٹ کریں گے پلیز کچھ کرو تم اسکے لیگل گارجین ہو پلیز۔''

''وہ مر چکا ہے۔'' ٹھنڈا لاتعلق جملہ۔

''وہ اب نہیں ہے اوکے؟ اب اسکی بات نہیں ہو گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اب۔'' اسکا لہجہ اسکا چہرہ سب عجیب تھا۔ زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ اپنا چہرہ صاف کرتا اسکا ہاتھ بری طرح جھٹکا۔

''وہ نہیں مرا میں نے اپنی آنکھوں سے سب دیکھا ہے۔ وہ لوگ میرے سامنے اسے لے کر گئے۔ تم میرا یقین کرو پلیز۔''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اسے گولی لگی، وہ نیچے گرا اور جل کر مر گیا یہ سچ ہے۔ صرف یہی۔''

''وہ نہیں مرا۔۔۔ وہ زندہ ہے ہمیں بس اسے ڈھونڈنا ہو گا ہم اسے بچا سکتے ہیں تم اسے بچا سکتے ہو یہاں صرف وقت ضائع ہو رہا ہے۔ پلیز کچھ کرو۔''

''اب سب صحیح ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔'' وہ پر سکون تھا۔

''تم اسکے لئے کچھ کرو گے یا نہیں؟'' وہ پوری قوت سے چیخی۔ قیس نے سنجیدگی سے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا۔

''نہیں کروں گا۔'' تین لفظی کھرا جواب۔

''میں کروں گی پھر۔ میں ڈھونڈ کر لاؤں گی اسے۔ میں یہاں کسی کو نہیں چھوڑوں گی۔ مہدی نہیں تھا وہ مجھے یقین ہے۔''

''کس حیثیت سے کرو گی کچھ۔ کون ہو تم؟''

زینیا نے سرخ متورم آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔اسکی اٹھی ہوئی گردن بہت کچھ جتا رہی تھی۔

''میں اسکی لیگل گارجین ہوں۔اسکی بیوی۔میں اسکی بیوی کی حیثیت سے اسکی حفاظت کروں گی اور کرواؤں گی۔وہ نہیں مرا میرا دل کہہ رہا ہے وہ۔۔۔''

اسکے اگلے الفاظ اسکے حلق میں رہ گئے جب قیس کمبیر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسکی گردن کو گرفت میں لیا۔اسکے انداز میں ایسی سختی تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

''تم سے کہا تھا میں اچھا آدمی نہیں ہوں، تم نے میری نہیں سنی۔'' وہ انگلیوں کے ناخن بری طرح اسکی گردن میں چبھو رہا تھا۔دباؤ اور طاقت ایسی تھی کہ زینیا کی آنکھیں باہر کو ابلنے لگیں۔وہ ہاتھ مار رہی تھی وہ گلے سے کوئی آواز نکالنا چاہتی تھی مگر بے سود۔قیس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔وہ جو پیدا ہونے سے پہلے اسکے نام تھی اسکی یہ جرات وہ کسی اور کا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑے؟لوگوں میں سے کوئی اسکی طرف نہیں بڑھا سب ساکت تھے۔

"تم سے کہا تھا جو ہے وہ، قیس ہے۔تمھارے لئے مسیحا بھی میں، مرہم بھی میں لیکن تمہیں عزت راس نہیں آئی ناں؟'' زینیا کو سانس لینے میں دقت ہوئی۔وہ اسکے سینے پہ ہاتھ مار رہی تھی۔اسکے کندھوں پہ ہاتھ مار رہی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں تھا۔اسکی آنکھیں ابل رہی تھیں۔لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ہر کوئی دم سادھ گیا۔

وریام کی نظر پڑی تو وہ واپس اسکی طرف آیا۔وہ زینیا کو قیس کی گرفت سے چھڑا رہا تھا، مگر وہ جیسے کسی جانور کا روپ دھار چکا تھا۔اسکے عقب میں کھڑا براق حنیف شاکی سا اسکا یہ انداز دیکھ رہا تھا۔زینیا کو لگا تھا وہ مر جائے گی اور قیس چاہتا تھا وہ مرے۔اسکا زور ایسا تھا کہ گردن بری طرح جلنے لگی۔وریام نے قیس کے سینے پہ دھکا مار کر اسکا گلا چھڑوایا۔وہ دوبارہ آگے آیا اور اسی جنونی انداز میں اسکی گردن دوبارہ پکڑنی چاہی۔وریام نے ایک بار پھر اسکے سینے پہ دھکا دے کر اسے دور ہٹایا۔اب کے براق نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔قیس آنکھوں میں خون لئے اسے دیکھ رہا تھا اور زینیا بری طرح کھانس رہی تھی۔ذرا فاصلے پہ کھڑی شیزل ساکت تھی۔شل اور متحیر۔

''آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے کمبیر صاحب؟ ہوش سے کام لیں۔ پولیس کے سامنے آپ ایک عورت پہ ہاتھ اٹھا رہے ہیں؟'' وہ گرج رہا تھا مگر قیس کی نظریں ایک جگہ اٹک کر رہ گئی تھیں۔ آس پاس لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ وہ مہدی کی بیوی تھی؟ اوہ بیچاری۔ چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ لوگ اسکی پسندیدہ عورت کو کسی اور کے نام سے جوڑ رہے تھے۔ وہ یہ لمحہ اپنی ساری زندگی نہیں بھولنے والا تھا۔

کیا محبت ہے۔ کسی نے دیکھی ہے ایسی عورت کو اپنی محبت کے لئے آگ میں بھی کود سکتی ہو؟ ستائش۔

اوہ۔۔ بیچاری۔

ہے تو بہت خوبصورت مہدی یونہی اسیر نہیں ہوا۔

ایسی محبت؟ خود کی حالت دیکھو پھر بھی اپنے شوہر کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہے۔

کسی کو ایسی عورت ملے تو وہ کتنا خوش نصیب ہو گا۔

''ایک بھائی کے آفس میں کام کرتی ہوئی ملازمہ ہے دوسرے بھائی سے شادی ہو جائے گی مگر رہی تو ملازمہ ناں؟'' اس غصے اور مشتعل انداز کے متعلق ایک سوال۔

قیس زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا یوں جیسے کہہ رہا ہو یہ تم نے کیا، تم نے خود کو اور اپنے نام کو مجھ سے دور کیا۔

''یہاں ڈھائی سو لوگ ہیں کمبیر صاحب۔ ہم ان سب کو تھانے میں بند نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو یہاں کسی پہ شک ہے تو مجھے بتائیں۔'' وہ دبے دبے انداز میں کہہ رہا تھا لوگوں کا شور بڑھ رہا تھا۔ وریام کے لئے لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا تھا۔ زینیا ہنوز کھانس رہی تھی۔ کوئی اسکی پشت سہلا رہا تھا۔

''میں ڈھائی سو لوگ تھانے میں بند نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہتے ہوئے وائرلیس کان سے لگایا۔ ''ہاں کرائم سین پہ نفری بھیجو، علاقہ سیل کرواؤ۔ آس پاس کے سی سی ٹی وی جلد از جلد نکلواؤ۔''

قیس اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔ایک طرف خاک ہو چکی عمارت تھی اور دوسری طرف سیاہ سفید لباس والے لوگ۔ایک طرف قیس تھا اور عین سامنے زینیا۔وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے آگے بڑھ آیا۔کہیں دور دھواں اٹھ رہا تھا کہیں آگ تھی۔اسکے دل میں بھٹی سلگ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا خود کو میرے مقابلے میں کھڑا مت کرو۔میں نے کتنا کہا تھا میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تاسف سے کہہ رہا تھا۔زینیا کے دل میں کوئی الارم سا بجا تھا۔

"تم نے اپنے اور میرے ساتھ کتنا غلط کیا ہے جانتی ہو؟"

"قیس۔۔ہمارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے جو تم چاہو گے میں وہ کروں گی۔اسے واپس لاؤ۔وہ لوگ اسے ہرٹ کریں گے۔وہ ۔۔زندہ ہے۔۔۔پلیز اسے واپس لاؤ۔" وہ نم آنکھوں سے التجا کر رہی تھی۔وہ قیس سے دور جا چکی تھی۔بہت دور۔

"تم نے یہ چنا ہے۔" یہ چار لفظ کہتے ہوئے وہ غیر ہو گیا۔اس نے جھک کر زینیا کی کلائی تھامی۔آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑھ رکھی تھیں۔وہ اس کلائی کو کئی بار تھام چکا تھا۔مگر آج انداز مختلف تھا۔

"میں قیس زمان کمبیر مہدی سرور کمبیر کے لیگل گارجین ہونے کے طور پہ زینیا حاکم کو اپنے بھائی کے قتل کے الزام میں نامزد کرتا ہوں۔"

اسی لمحے بجلی زور سے کڑکی۔اور بارش آسمان کا سینہ چیر کر باہر نکلی۔اس نے کلائی سے کھینچ کر اسے وریام بیگ کے سامنے کھڑا کیا۔اسکی آنکھیں کسی غیر کی آنکھیں تھیں۔زینیا چپ چاپ اسے تک رہی تھی۔اسکے لب مقفل تھے۔آنکھیں ساکن وہ ایک لمحے کے لئے کچھ بھی پراسیس نہیں کر سکی تھی۔سیاہ سفید کچھ نہیں رہا تھا اب سب تاریک ہو گیا تھا۔

"میں تمام ثبوت آدھے گھنٹے تک جمع کرواؤں گا اور میں ابھی چل کر ایف آئی آر میں زینیا حاکم کا نام لکھوانا چاہتا ہوں۔اس عورت نے میرے بھائی کو قتل کروایا ہے۔"

وہ کیا کہہ رہا تھا کیوں کہہ رہا تھا وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔شیزل اسکے لئے لڑ رہی تھی۔لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے وہ کہاں کچھ سن رہی تھی۔وہ بس قیس کو دیکھ رہی تھی۔صرف اور صرف قیس کو۔اور وہ بس اسے ہی نہیں دیکھ رہا تھا۔

اگلے لمحات میں کیا ہوا اسے علم نہیں ہوا۔ اسکی گردن جل رہی تھی۔ پولیس افسر اسے لے کر جا رہا تھا۔ کیمرے، فلیش، مائیکس، آوازیں۔ بارش۔ گاڑی کی گھٹن، سڑک پہ کھڑے نعرے لگاتے چیختے چلاتے لوگ۔ وہ سرد ی وہ کمرہ وہ لباس پہ لگانے والا کیچڑ کا دھبہ ہر شے، ہر لمحہ کسی فلم کے ٹریلر کی طرح نگاہوں کے آگے سے گزر گیا۔ سب لمحوں کے اندر بدل گیا تھا۔

جس وقت، جس لمحے اسکے دماغ کو پراسیس کرنے کا وقت ملا یہ وہ لمحہ تھا جب وہ پولیس سٹیشن میں کمرہ تفتیش میں موجود تھی۔ انسپکٹر وریام بیگ اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ مستقبل کی سی ایس ایس افسر تھی۔ مگر حال کی ملزمہ۔ ہک ہاہ قسمت نے اسے قتل کے کیس میں مجرم بنا ڈالا تھا۔ کہانی ایسے بھی رنگ بدلتی ہے کیا؟

ایک زوردار انگڑائی لیتا وریام اسکی بات پہ ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں اچھنبا تھا۔

"**وہ زندہ ہے۔**" زینیا نے دہرایا۔

وہ زرد بلب اسکی آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ اسکے دماغ پہ اثر کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب تھیں۔ چہرے پہ کچھ تھا جسے قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔

"میں اسے تمہارا دماغی عارضہ سمجھوں یا اپنے شوہر سے محبت؟"

"observation" یک لفظی تصیح۔

"میں عینی شاہد ہوں اسے آنکھوں کا دیکھا حال سمجھو۔ میرے شوہر کو گولیاں لگے ہوئے چھ گھنٹے ہو گئے ہیں۔ تمھیں لگتا ہے میں اب بھی جذباتیت سے کام لے رہی ہوں؟"

وریام ٹانگ پہ ٹانگ رکھے ہوئے مسکرایا۔

"تم تو کوئی تکلف بھی نہیں رکھ رہیں۔ تمھارے ساتھ مزہ آنے والا ہے۔" وہ پرجوش ہوا۔ یا تو وہ دکھاوا کر رہا تھا یا اسے اپنی جاب واقعی بہت پسند تھی۔ یا پھر وہ کوئی سنکی تھا۔ "لیکن کیا ہے کہ میں کسی قسم کی بکواس کے بجائے سچ سننا چاہتا ہوں۔ کیوں مارا؟"

''یہ بلب ہٹاؤ۔ میں اسکے بغیر بھی تم سے بات کر سکتی ہوں اور بہت اچھے سے کر سکتی ہوں۔'' چھ گھنٹے پہلے والی زینیا حاکم مختلف تھی اور یہ اس وقت یہاں بیٹھی ہوئی لڑکی مختلف۔ اندر سے دل لرز رہا تھا مگر وہ باہر ہمیشہ کی طرح حفاظتی دیوار بنا گئی تھی۔

''صدمہ گہرا ہے، شاید تمھیں گمان ہوا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ اتنے فیورز وہی دے سکتا تھا۔ بیچارہ۔'' وہ تاسف سے کہنے لگا۔

''امیر تھا، ہینڈسم تھا۔ پیار ویار بھی کرتا ہی ہوگا پھر کیوں مارا؟''

''وہ زندہ ہے۔''

''اور میں پرنس چارلس ہوں۔'' وریام بگڑ کر بولا۔ ''کوئی بھی بات ثابت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے ہوتے ہیں۔ میرے پاس اسکی لاش ہے۔ تمھارے پاس کیا ہے؟''

''اس بلب کو ہٹاؤ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں۔'' وہ اسکی بات کے جواب میں یہی بولی۔

''اپنے باپ کو بلاؤ، وہ ہٹا دے گا۔ مجھے تو اسکی عادت ہے۔''

زینیا اپنی جگہ سے اٹھی۔ ہتھکڑی والے ہاتھوں سے اس نے ایک مکا بنا کر بلب پہ مارا۔ وہ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا۔ اسکی دائیں طرف کھڑی لیڈی اہلکار آگے آئی اور اسے بالوں سے پکڑ کر تین سے چار تھپڑ رسید کئے۔ وہ چپ رہی۔ آنکھوں کو سکون ملا تھا وہ الگ۔

''ایک تو معاشقے کرتی ہے۔ پھر قتل کے پلان بناتی ہے اور پھر تھانے کو باپ کی جاگیر سمجھ لیتے ہو تم لوگ؟'' وہ اسکے بال کھینچ رہی تھی۔ اسی طرح اسکے بالوں سے پکڑ کر اسکا سر میز پہ مارتی کہ وریام نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ اس نے ایک آخری تھپڑ اسکے چہرے پہ مارا اور پیچھے ہٹ گئی۔ وریام بغیر کسی تاثر کے اسے دیکھتا رہا۔ زینیا کے چہرے پہ تھپڑوں کے نشان بن گئے تھے۔ گردن کے زخم الگ اور بازو کے جھلسنے کی تکلیف الگ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بے بسی اور درد کے مارے اسکی آنکھیں بہنے لگیں۔ درد اسے سسکیاں پہ مجبور کر رہا تھا۔ اسکے سامنے بیٹھے افسر نے پانی کا گلاس اسکی طرف بڑھایا۔ زینیا نے لرزتے ہاتھوں سے گلاس لیا اور غٹاغٹ سارا پانی پی گئی۔ وریام اب نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ وہی عام سہمی ہوئی لڑکی تھی۔ دیواریں ٹوٹ رہی تھیں۔

"تم جانتی ہو باہر کیا ہو رہا ہے؟ اس تھانے کے باہر مہدی کمبیر کے فینز ہیں۔ وہ صرف اس انتظار میں ہیں کہ اگر تم ایک بار باہر آؤ تو وہ سب تمھیں زندہ جلا دیں۔ وہ تم سے نفرت کر رہے ہیں۔ لوگ تم پہ غصہ ہیں۔ ہر چینل پہ تمہارا چہرہ ہے۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بلند آواز میں رونے لگی۔ وہ بہت ڈر رہی تھی بہت زیادہ۔

"سوشل میڈیا پہ لوگ تمہاری کردار کشی کر رہے ہیں۔ تمھیں مختلف برے برے ناموں سے پکار رہے ہیں۔ کوئی بھی لڑکی ایسے نام سن کر بھی غیرت سے مر جائے گی۔ اور کوئی بھی بھائی اور باپ یہ نہیں برداشت کر پائے گا۔ تمہاری گرفتاری کی ویڈیو وائرل ہو رہی ہے۔ لوگ اسکے نیچے تمہارے لئے کیا کیا لکھ رہے ہیں جانتی ہو؟" وہ بول رہا تھا اور زینیا باقاعدہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ ساری بہادری سارا جوش سارا غصہ سب ختم ہو گیا۔ تکلیف بس تکلیف تھی جو اسکے دل کو جکڑے ہوئے تھی۔ خوف سا خوف تھا جس نے دل میں کنڈلی مار لی تھی۔

"اس وقت اگر کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے تو وہ صرف تم ہو۔ میرے ساتھ کاپریٹ کرو۔ جو مر گیا ہے اسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"وہ نہیں مرا تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے ہو؟" وہ دونوں ہاتھ زور سے میز پہ مارتے ہوئے بے بسی سے روتے ہوئے بولی۔ پھر آنکھیں صاف کیں۔ چہرہ صاف کیا اور آگے کو ہوئی۔

"میری بات ایک بار غور سے سنو۔ وہ مجھ سے کال پہ بات کر رہا تھا۔ مہدی تیسری منزل پہ تھا اور میں فلور پہ۔ جہاں سے میں اسکو دیکھ سکتی تھی وہاں سے اسکا چہرہ، ماتھا اور گردن نظر آ رہی تھی اسکا سینہ نہیں۔ گولی اسکے سینے پہ آ کر لگیں۔ تین فائر ہوئے تین گولیاں تھیں۔ اب تم سمجھے کیا ہوا تھا؟" وہ تیز تیز بولتے ہوئے رکی۔ اسکا بلوچی لہجہ ایسا غالب آیا تھا کہ وریام کو اسکی زبان سمجھنے میں واقعی مشکل ہوئی۔ مگر اس نے بات جاری رکھنے کو کہا۔

"اس پہ رائفل سے حملہ کیا گیا ہے اور یقیناً گیں ڈھائی سو لوگوں کے درمیان کسی رائفل کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اس کے بعد وہاں آگ لگی تھی۔ کیسے یہ مجھے نہیں پتہ۔ مگر میں اندر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میں نے تیسری منزل پہ پہنچ کر دیکھا گلاس وال سے وہاں سب نظر آ رہا تھا۔ کسی نے مہدی کو اٹھایا اور اسے ایک لمبے بڑے بیگ میں ڈال دیا۔ کوئی کسی انسان کے ساتھ اتنا برا کیسے

کر سکتا ہے ؟'' اسکے دل میں ایک بار پھر ٹیسیں اٹھیں۔ وریام کہانی کا بہاؤ خراب ہونے پہ بہت بری طرح بدمزہ ہوا۔ زینیا نے چند لمحے لئے اور دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''وہ دو لوگ تھے۔ شاید ایک عورت تھی۔ مجھے بس ایسا لگا۔ میں وہاں جانا چاہتی تھی لیکن کسی نے میرے پیچھے کھڑے ہو کر میرے سر پہ بھاری شے سے مارا اور مجھے نیچے گرا دیا۔ اسکے بعد مجھے نہیں پتہ تھا کیا ہوا ہے۔ کوئی ریسکیو ٹیم کا ممبر تھا جو مجھے باہر لایا۔ ایک گھڑی، کف لنکس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ وہ مہدی ہے۔ وہ مہدی نہیں ہے۔ وہ جہاں بھی ہے اسے ہماری ضرورت ہے۔ پلیز اسے بچا لیں پلیز وہ بہت معصوم ہے۔ اسکا کوئی قصور نہیں پلیز قیس سے کہیں اسکے لئے کچھ کرے۔''

وریام پیچھے کو ہو کر آنکھیں سکیڑے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ میز پہ رکھے اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اوپری بازو کا حصہ جل گیا تھا۔ اسکی آنکھیں ضبط کے مارے سرخ پڑ رہی تھیں وہ بار بار درد کی وجہ سے اپنا بازو اوپر اٹھا لیتی تھی۔ شال درست کر رہی تھی۔ حالانکہ وریام تو خود کو بہت نیک مرد سمجھتا تھا۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ بے حد خوف زدہ سہمی ہوئی۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ اور ڈی این اے ثابت کر دے گا وہ لاش کس کی ہے۔''

''جو انسان اسکے اپنے گھر پہ اسکے مہمان اور اسکی بیوی کے سامنے کھڑے ہو کر اسے تین گولیاں مار سکتا ہے اسکی جگہ کوئی اور لاش پلانٹ کر سکتا ہے اسکے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ رپورٹس نہیں بدلوا سکتا۔ اسکے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔''

''کیا وہی ہاتھ جو تمہاری گردن تک آئے تھے ؟ اسکے خلاف بیان دو۔'' اس نے اکسایا۔

زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتی۔ یہ تمہارا کام ہے معلوم کرواؤ۔''

"تمہاری بات میں بھی تو لاجک نہیں ہے بی بی۔ تم نے خود دیکھا اسے دل میں گولی لگی۔ تم نے دیکھا وہ رائفل کا شوٹ تھا اور پھر بھی تمھیں امید ہے کہ وہ بچ جائے گا؟ دل میں گولی لگنے سے کون بچ جاتا ہے؟ مان لیا وہ لاش کسی اور کی تھی۔ لیکن تمھیں بھی یہ ماننا ہے کہ وہ جہاں بھی ہے مر گیا ہے۔ دل میں گولی لگنے سے کون بچتا ہے ؟''

زینیا ہتھکڑی والے ہاتھ میز پہ رکھتے ہوئے آگے کو ہوئی۔ اسکی سنہری آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔

''میں نے کب کہا گولی اسکے دل میں لگی ہے؟'' وریام ٹھہر گیا۔ ''ہر نارمل انسان کی طرح قاتل نے اسکے دل کے "مقام" پہ گولی ماری۔ پرفیکٹ شوٹ، لیکن مہدی کمبیر کو dextrocardia ہے۔ اسکا دل اسکے سینے میں دائیں طرف ہے۔ قاتل اناڑی تھا۔''

وریام ساکت رہ گیا۔

''گولی اسکے دل میں نہیں لگی وہ بچ سکتا ہے۔'' وہ دم سادھے اسے دیکھے گیا۔ کئی لمحے تک وہ واقعی ششدر رہا۔ اسکے پاس الفاظ نہیں تھے۔

''تمھیں یہ کیسے پتہ گولی دائیں طرف لگی یا بائیں طرف؟'' وہ کچھ دیر بعد سنبھل کر پوچھنے لگا۔ چہرے پہ بے اختیار ہاتھ پھیرا۔

''وہ اس وقت مجھ سے اظہار محبت کر رہا تھا، تمھیں لگتا ہے کوئی بھی لڑکی اپنے اتنے خوبصورت لمحے کی تفصیل مِس کر سکتی ہے؟''

''تم گواہ نہیں ہو یہاں تم ملزم ہو۔ مجھے یہ مت بتاؤ کب کیا کیسے ہوا تھا۔ کیونکہ ملزم کی دی ہوئی تفصیل جھوٹ ہو گی۔'' اس نے لہجہ سخت رکھنے کی سعی کی۔

''میں ایک بیوی ہوں۔ ایک بیوی کی حیثیت سے مجھ پہ فرض ہے میں اپنے شوہر کی حفاظت کروں۔ اسے ڈھونڈو پلیز۔ یہ تمھارا فرض ہے۔ وہ اسی شہر میں ہوں گے۔ ناکہ بندی کرواؤ۔ کچھ کرو خدا کے لئے۔'' وہ اسکے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے ہوئے تھی۔ وریام گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اسکے لیگل گارجین اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ مر گیا ہے۔ پھر میں بھی کوئی ڈی آئی جی نہیں ہوں کہ میرے کہنے پہ ناکہ بندیاں ہونے لگیں اور رہی بات فرض کی تو وہ میں نبھا رہا ہوں۔ ہالی وڈ کی فلم نہیں ہے جس میں ہیروئن کے دو بول کہنے پہ ظالم پولیس والا موم بن کر پگھل جائے۔ اور حسینہ بھی وہ جس پہ خود قتل کا الزام ہے۔'' اس نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔

''وہ لوگ اسے ہرٹ کریں گے۔'' زنیا نے تھک کر نشست سے ٹیک لگالی۔

''فریدہ جاؤ ڈاکٹر بلواؤ میرے سامنے اسکی مرہم پٹی کرو تاکہ میں جاؤں۔اور کل تک تمہارے گھر والے بھی آجائیں گے۔'' پہلی بات خاتون اہلکار سے اور دوسری زینیا سے کہی۔اس نے سر اٹھا کر وریام کو دیکھا۔رف ٹف سا آدمی۔ مناسب نقوش اور پینتیس کی ہندسے کو چھوتا وہ آدمی زینیا کو نہ جانے کیوں اس سے امید بندھ گئی تھی۔

''ایک بار صرف ایک بار میری بات کا یقین کرو۔ تم بغیر ثبوتوں کے مجھے یہاں لے آئے مجھے مارا، کیونکہ سامنے والا قیس کمبیر تھا۔میں اسکی گارجین ہوں۔اس وقت مجبور ہوں لیکن جھوٹ نہیں بول رہی۔ قانون یک طرفہ تو نہیں چلتا۔ میں کوئی مجرم نہیں ہوں مجھ پہ کچھ ثابت نہیں ہوا۔ میں ایک سٹوڈنٹ ہوں۔ میری ایک ساکھ ہے۔کوئی کرمنل نہیں ہوں میں۔''

''میں کوئی ہیرو نہیں ہوں، میں نہیں پگھل رہا بی بی۔'' اکتاہٹ سے کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

موبائل پہ کال ملا کر اب وہ کچھ کہہ رہا تھا۔

''اکرم، شہر میں بندے پھیلا دو۔ کوئی بھی مشکوک آدمی یا کوئی مشکوک سرگرمی دکھے تو مجھے خبر کرو۔ ہر گاڑی کی چیکنگ کرواور ہر گاڑی سے نکلنے والا بیگ کو کھول کر چیک کر۔ کوئی اگر زیادہ بکواس کرے تو دھر دینا کان کے نیچے دو۔ کوئی وجہ پوچھے تو کہنا آن ڈیوٹی افسر کو گالی دی تھی۔ہاں ہاں اوکے۔''

موبائل کان سے اتار کر اس نے آس پاس دیکھا۔ پھر بے زاری سے سر جھٹکا۔

''میں کچھ بھی کرلوں، یہ رابن ہڈ کے چاچے کی روح میرے اندر سے نہیں نکلے گی۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ واپس اندر کی طرف بڑھ گیا۔ابھی ڈھیر سارے کام کرنے تھے ابھی تو بس شروعات ہوئی تھی۔

یکم جنوری۔

صبح کی پو پھوٹی تو فارم ہاؤس پہ موجود ان ڈھائی سو افراد کی جان خلاصی ہوئی۔ پولیس افسر ساری رات کی خواری کے بعد اونگھ رہے تھے۔امیروں کے ڈراموں میں انکی راتیں برباد ہوگئیں۔ کرائم سین سے کچھ فاصلے پہ کھڑے دو حولدار بے زار نگاہوں سے آس پاس دیکھ رہے تھے۔ بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا۔

''کیا لگتا ہے جمشید لڑکی نے قتل کیا ہو گا یا نہیں؟'' پتلے حولدار نے دوسرے کو مخاطب کیا۔ ساتھ جیب سے امپورٹڈ سیگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

''تُو اتنا کر جتنا صاحب نے کہا ہے۔ قتل وہ لڑکی کیسے کر سکتی ہے۔ وہ تو نیچے کھڑی تھی اور وہ آدمی اوپر۔ اسکے علاوہ گولی اسکے سینے پہ لگی ہیں نیچے سے کھڑے ہو کر اگر وہ گولی مارتی تو ماتھے اور چہرے پہ لگتی۔ گھامڑ۔'' وہ قدرے سمجھدار لگتا تھا۔ ''اور یہ سیگریٹ یہ اسی کمرے سے لئے ہیں ناں؟ صاحب کو پتہ لگا تو ٹھیک کر دے گا تجھے۔''

''اگر اتنا ہی پتہ ہے تجھے تو صاحب بن جاناں۔ یہاں میرے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ اور اس لڑکی کو معصوم مت سمجھ۔'' وہ جمشید کے کان کے پاس جھکا۔

''وہ میم کہہ رہی تھی بڑے صاحب کے ساتھ بھی تعلقات رہے ہیں اسکے۔ توبہ توبہ کیسی کیسی عورتیں ہیں۔ دو دو بھائیوں کو ایک ساتھ چلا رہی تھی۔''

دو حولداروں سے لے کر، شہر کے بڑے بارے عہدہ داران اور سوشل میڈیا پہ ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔ اداکار، سوشل ورکرز، انفلونسرز، ٹک ٹاکرز، یوٹیوبر ملکی اور عالمی سطح پہ اس قتل کی مذمت کی جا رہی تھی۔ کل رات سے چند تصاویر اور ویڈیوز نے پورے ملک میں بھونچال مچا دیا تھا۔ وہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھا۔ لوگ دیوانوں کی طرح اسکے لئے سڑکوں پہ نکل آئے تھے۔ سارے ملک میں انتشار پھیل گیا تھا۔

لوگ زینیا حاکم کی تصاویر لگا لگا کر اسے گالیاں نکال رہے تھے۔ اسکے بارے میں اسکے کردار پہ پورے پورے پیرا گراف لکھ رہے تھے۔ چند گھنٹوں کی رات تھی اور کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ فارم ہاؤس کی سفید عمارت جل کر سیاہ پڑ چکی تھی۔ کہیں کہیں سے دھواں اب بھی نکل رہا تھا۔ لوگ جس چہرے کے ساتھ آئے تھے انکے چہرے اب وہ نہیں رہے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری، میڈیا اور کئی بڑے بڑے عہدے داران اب بھی فارم ہاؤس کے باہر کھڑے تھے۔ وہ ایک قتل نہیں تھا، وہ ایک جنگ تھی جو چھڑ چکی تھی۔

تمام لوگوں کے ایڈریس، نمبرز، اور باقی کی تفصیل لیکر پولیس اب انہیں روانہ کر رہی تھی۔ رات سے اس عذاب کو جھیلتے ہوئے اب انکی بھی بس ہو چکی تھی۔ قیس کمبیر وریام کے ساتھ چلتا ہوا آ رہا تھا۔ گھاس کے اس قطعے کی حالت درہم برہم ہو چکی تھی۔ وہ

دونوں گرے ہوئے کھانے، گلاسز، اور برتنوں سے بچتے بچاتے ایک ایک میز کے گرد رکھی دو کرسیوں پہ آکر بیٹھے۔ قیس نے اب ایک سیاہ رنگ کی شال لے رکھی تھی۔ آنکھیں اور چہرہ بے حد سپاٹ اور سنجیدہ تھا۔ گزری رات کی کہانی کوئی پڑھ نہیں سکا۔

"کمبیر صاحب۔۔" آس پاس نگاہیں دوڑاتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

"پوچھ گچھ زیادہ نہیں ہو سکی لیکن لڑکی مصر ہے کہ وہ لاش مہدی کمبیر کی نہیں ہے۔ عینی شاہدین آپ اور وہ لڑکی ہیں۔ میں ضرور اس انسان پہ یقین کرتا جس کی کریڈیبلٹی ہوتی لیکن یہاں وہ **"بیوی"** کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ سے زیادہ مضبوط وہ ہے۔ اور مجھے لگتا ہے اسکی بات میں دم ہے۔ گولی جس سمت سے لگے انسان اسی سمت پیچھے گرتا ہے نہ کہ آگے۔" نگاہ اٹھا کر لوگوں میں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا وہ ڈرائیور کو اسکا چھوٹا موبائل تھما رہی تھی۔ اسکا انداز کچھ مشکوک تھا نہ بھی ہوتا تو وریام بیگ اس چڑیا کے پروں پہ بھی شک کرتا تھا تو کرائم سین سے گزر گئی ہو۔ اس نے سپاہی کو اشارہ کیا۔ اور دوسرا اشارہ اس عورت کی طرف تھا وہ سمجھ کر سر ہلا گیا۔ عورت کو اب ایک طرف لے جایا جا رہا تھا۔ وریام اب عمارت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آگ لگ سکتی ہے بلکل لگ سکتی ہے اور آدمی اس میں جھلس کر مر بھی سکتا ہے لیکن جب سارا جسم جھلس جائے تو گھڑی کا صحیح سلامت رہ جانا عجیب بات نہیں؟ کف لنکس شناخت کے لئے بچ جائیں یہ عجیب نہیں؟"

قیس نے ناک کی ہڈی کو دونوں انگلیوں کے درمیان دبایا۔ اسے کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"میرا بھائی مرا ہے انسپکٹر صاحب۔ میرا خاندان اس وقت مجھے سنبھالنا ہے اور میرے گھر میں صف ماتم بچھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں میں یہاں بیٹھ کر اندازے لگاؤں؟ سائنس پڑھوں؟ میں ایک عام سا ڈیزائنر ہوں نہ کوئی پولیس افسر نہ کوئی جاسوس۔ بندوق کیا ہوتی ہے، اسے کیسے پکڑتے ہیں مجھے تو یہ بھی ٹھیک طریقے سے نہیں پتہ۔" "جی بلکل اور گھر میں بندوقوں کی وہ کلکشن؟

"ماشاءاللہ آپ تو میری سوچ سے بڑھ کر معصوم واقع ہوئے ہیں۔ لیکن میں بھی کیا کروں اس کہانی میں ٹوئسٹ کچھ زیادہ ہیں۔ اور آپ کا عمل دخل اس سے بھی زیادہ۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔

"وہ دیکھیں وہ موٹا مرد۔" اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ "اسے یہ کوٹ نہیں پہننا چاہیے تھا پورا پیٹ نظر آرہا ہے ناں؟" اس نے مڑ کر قیس سے تائید چاہی۔ ڈیزائنر صاحب نے کندھے اچکائے۔

''بیگی شرٹس پہننے کی عمر نہیں رہی اسکی۔ پیٹ زیادہ نظر نہ آتا اگر ساتھ چھبیس سال کی فٹ بیوی نہ ہوتی۔'' وریام مسکرایا۔

''گوسپ چھوڑ کر دوبارہ ٹوئسٹ کی طرف آتے ہیں۔ پہلے، مس زینیا ایک عام لڑکی تھیں پھر وہ مسز کمبیر نکل آتی ہیں اور پھر۔۔''

''قیس کمبیر کی سابقہ منگیتر۔'' وہ اسکی طرف دیکھے بغیر بولا۔ وریام کے چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی۔ تاثرات ایسے تھے جیسے کہہ رہا ہو ''ہیں؟''

''وہ میری سابقہ منگیتر تھی۔'' قیس نے دہرایا۔ اسکا چہرہ ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے تھا۔ جلن بڑھ گئی۔

''پھر تو یہ open and shut کیس ہے۔ آپ کی سابقہ منگیتر کا آپ کے بھائی کے ساتھ چکر چلا۔ اور آپ نے غیرت کے نام پہ اسے قتل کر دیا۔ لڑکی سے انتقام کی خاطر اسے جیل بھجوا دیا۔ میں نے اس نہج پہ کیوں نہیں سوچا؟'' وہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں میں نے میرے بھائی کا قتل کیا ہے۔'' قیس نے اب بھی اسے نہیں دیکھا۔

''کزن کا۔'' وہ تصحیح کرتے ہوئے بولا۔ اس سے پہلے قیس کوئی جواب دیتا سامنے ایس پی یاور فاروقی آتے دکھائی دیے۔ وہ سیاہ لباس میں تھے۔ کندھوں پہ سفید شال تھی۔ قیس کے قریب آکر رکے۔ اس سے مصافحہ کیا۔ پھر تعزیت کی جسے سر کے خم سے قبول کیا گیا۔

''یہ صرف آپ کا نقصان نہیں ہے، قیس صاحب۔ یہ قوم کا خسارہ ہے۔ لیکن میں آپ کو ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی دلواتا ہوں۔''

وریام نے اسے دیکھ کر بے اختیار کوفت چھپائی۔ ''کل رات یہ گنجا پوری رات شراب پئے گا اور قوم کے اسی معمار کو ماں بہن کی گالیاں دے گا۔'' وہ بس سوچ سکا۔

''وریام میرے قابل ترین افسران میں سے ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کو انکے کام کرنے کا طریقہ پسند آیا ہوگا۔''

''اور اگر نہ آیا ہو تو؟'' اس نے ایک پل کے لئے بھی وریام کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹائیں۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ سرد سا تھا اسکی نظروں میں۔

''اگر نہ آیا تو یہ راشی گنجا تمھارے آگے نمبر بنانے کے لئے مجھے اس کیس سے ہٹا دے گا۔'' وہ بس سوچ سکا۔

''پھر ہٹا دیں گے انہیں۔ آپ حکم کریں، قیس صاحب آپکے احسانات ہیں مجھ پہ۔'' وہ بچھ جانے کو تیار لگتا تھا۔ قیس آنکھوں ہی آنکھوں میں میں اسے جتا گیا تھا یہاں طاقت کس کے پاس ہے۔ وریام نے تمسخرانہ انداز میں سر کو نفی میں ہلایا۔

''فلحال تو کوئی شکایت نہیں لیکن اگر ہوئی تو پیچ کیس سے ہٹا دیں گے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟''

''بلکل نہیں۔ جیسا آپ چاہیں۔'' فاروقی صاحب نے یقین دہانی کروائی۔ چند پل وہیں کھڑے رہے کچھ دیر بعد وہ پلٹ گئے۔

وریام بھی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''آپ گھر جائیں آرام کریں۔ میں پوری کوشش کروں گا پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آج رات تک موصول ہو جائے۔ میں نے لڑکی کے گھر والوں کو اطلاع دے دی ہے۔ اور میں گھر کو ایک دفع پھر سے دیکھنا چاہوں گا۔ اندر کوئی قیمتی سامان اور جیولری ہے؟''

''میرا سب سے قیمتی سامان جھلس گیا ہے۔ پتہ کریں وہ کس نے کیا۔'' کم از کم ان لفظوں کے پیچھے کسی قسم کا کوئی دکھاوا نہیں تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالے اس عمارت سے نکلتے ہوئے رات کے منظر اسکی آنکھوں کے آگے تازہ ہوئے۔ مگر اس نے سر جھٹکا۔ وہ یہی ڈیزرو کرتی تھی۔ وہ جہاں تھی اسے وہیں ہونا چاہیے تھا۔

کمبیر محل میں ایسی بوجھل فضا قائم تھی کہ کوئی حد نہیں تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ ابھی نہیں آئی تھی مگر وہ سارے شواہد، وہ تمام نظریں انہیں کون ان دیکھا کر سکتا تھا۔

قیس کمبیر کی گاڑی گھر کے باہر آکر رکی۔ کیمرے اور فلیش لائٹس کی وجہ سے اسکی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے بے اختیار چہرے پہ ہاتھ رکھا۔ سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ گھر کے اندر سے براق نکل کر آیا اسے میڈیا کے نرغے میں کھڑا دیکھ وہ آگے آیا قیس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو روکا۔ اور چہرہ انکی طرف موڑا۔

''آدھے گھنٹے میں، کمبیر محل کے لان میں پریس کانفرنس ہو گی۔ اس وقت مجھے راستہ دیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ براق اسکے ساتھ ساتھ تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ سیاہ رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس، کریم رنگ شال اوڑھے خوشبوؤں میں رچا بسا نیچے اتر کر آیا تو وہاں کئی لوگ جمع تھے۔ وہ ان سب کو نظرانداز کرتا لان کی طرف آیا۔ سفید رنگ کے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے کئی ایک فائلز میز پہ رکھی۔ آس پاس کھڑے میڈیا کے لوگوں اور کیمروں کو دیکھ کر وہ بول رہا تھا۔

''میرا بھائی، مہدی سرور کمبیر۔۔'' بھاری لہجے میں دکھ سے کہنا شروع کیا۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔

''بارہ سال کی عمر میں اسکے والدین کی وفات کے بعد میں نے اسے اولاد کی طرح پالا ہے اور آج کسی نے ہم سے ہماری اولاد چھین لی۔ اور اس کڑے وقت میں مجھے یہاں کیمروں کے سامنے بیٹھنا پڑ رہا ہے کیونکہ اولاد کھونا ایک ازیت ہے۔ ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟'' اسکی آنکھیں بیک وقت نم اور سرخ ہوئیں۔ میز پہ پڑا اسکا ہاتھ لرزا تھا۔ اسکے دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔

''میرے بھائی نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ کوئی اتنی بڑی پلاننگ کے ساتھ اسکے سینے میں پوری تین گولیاں مار کر چلا گیا۔ کیا یہ ڈیزرو کرتا تھا میرا بھائی؟'' اسکا لہجہ گیلا ہوا۔ آس پاس کھڑے مہدی کے دوست، جاننے والے رو رہے تھے۔ وہ خود بھی بہت مشکل سے ضبط کر رہا تھا۔ اسکا نہ ہونا اتنی ازیت دے گا یہ علم نہیں تھا۔

''ہم قبائلی لوگ ہیں۔ قتل کے بدلے قتل لیکن میں، میں اپنے بھائی کے قاتلوں کے لئے کڑی سے کڑی سزا کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

''زینیا حاکم کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟ اور آپ نے انہیں اس قتل میں کیوں نامزد کروایا؟'' رپورٹرز میں سے کسی نے سوال کیا۔

قیس نے فائل کھولی۔ کاغذات کا پلندہ باہر نکلا۔ پس منظر میں کئی آوازیں تھیں کئی قسم کے دھوکے تھے کئی رنج تھے۔

آج حساب ہو گا۔ اسے بازار میں بیٹھنے کی آرزو تھی آج وہ اسکی ہر خواہش پوری کرے گا۔ اسے تنبیہہ سے فرق نہیں پڑا تھا آج وہ اسے نتائج سے آگاہ کرے گا۔ اسے قیس کمبیر کا نہیں ہونا تھا وہ اسے کسی اور کا نہیں ہونے دے گا۔

''زینیا حاکم، میری سابقہ منگیتر تھیں۔'' اسے بڑی خواہش تھی عبداللہ اسے اون کرے وہ کر رہا تھا۔ کہاں کس جگہ فرق پڑتا تھا کیا؟

''میری اور انکی شادی بچپن سے طے تھی۔ لیکن پھر ہمارے خاندان کے درمیان کچھ مسائل آ گئے۔ ہم اسلام آباد شفٹ ہو گئے اور میں دوبارہ کبھی گاؤں نہیں جا سکا۔ رابطے کم ہو گئے نہ ہونے کے برابر۔ لیکن ہمارا تعلق تھا اور وہ برقرار رہا۔'' وہ چاہتی تھی عبداللہ ساری دنیا کو بتائے انکے درمیان ایک تعلق ہے جسے وقت گہنا نہیں سکتا وہ واقعی ساری دنیا کو بتا رہا تھا۔ کس طرح، کب کیا فرق پڑتا تھا۔

''میری منگیتر مجھے کالز کرتی رہیں۔ وہ چاہتی تھیں میں آؤں اور شادی کروں۔ لیکن میرے مسائل تھے۔ میں نے نہایت احترام سے انکی ماں سے فون کر کے وقت مانگا۔'' وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ جھوٹ کہاں بولتا تھا کمبخت باتوں کو اپنی مرضی کے رنگ دیتا تھا۔

''وہ انا پرست اور لالچی عورت تھی۔ پیسے کی خاطر اس نے اپنے ہی منگیتر کو دھوکہ دے کر اپنے کسی کزن سے شادی کر لی۔ وہی کزن جس سے اسکا رومانوی تعلق رہا تھا۔ مجھے اس سب کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ ہمارے یہاں پردے کی خاص پابندی ہوتی ہے اور میں نے کبھی اپنی منگیتر کو دیکھا نہیں تھا۔'' اس نے گہری سانس لی اور قیسم کی طرف سے کچھ پرچے نکال کر میڈیا کی طرف بڑھائے۔

''اپنے شوہر سے طلاق کے بعد وہ مجھ سے انتقام لینے کے لئے قیسم آئی۔ یہ تمام کاغذات ہیں۔ اس میں واضح طور پہ قیسم کی طرف سے دی جانے والی مراعات کا ذکر ہے۔ وہ ایک کون وومن کی طرح ہمارے درمیان رہی۔ مہدی۔۔'' اسکا نام لیتے ہی قیس کا گلا بھر آیا۔

''وہ بہت معصوم تھا۔انسانیت کے لئے اسکے دل میں ڈھیر سارے جذبات تھے۔وہ اسے بے وقوف بناتی رہی۔اس سے پیسے لیتی رہی۔فیورز لیتی رہی۔اور اسے اس حد تک پھانس لیا کہ میرا معصوم بھائی اس سے نکاح کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور مجھے بتائے بغیر نکاح کر بھی لیا۔'' دھڑادھڑ اترتی تصاویر، کیمروں کے فلیشز کے درمیان وہ آدمی اب بھی کہہ رہا تھا۔اس نے دو انگلیوں کے درمیان ایک اور کاغذ نکالا اور میڈیا کی طرف بڑھایا۔

(موبائل پہ چلتی وہ لائیو کلپ دیکھتے ہوئے شیزل سیمسن کے دل میں گہرا کرب جاگا۔اس نے آنکھیں بند کیں اور لبوں سے گہری سرد آہ خارج کی۔زندگی ڈگر سے ہٹ گئی تھی۔اور بہت بری طرح ہٹی تھی۔)

''یہ اس گاڑی کے کاغذات ہیں جو زینیا کے نام پہ خریدی گئی۔پیمنٹ مہدی کی طرف سے ہوئی ہے۔یہ کچھ مزید کاغذات ہیں۔''اس نے ایک اور پلندہ انکی طرف بڑھایا۔

''میرا بھائی برطانوی شہری تھا اور ان دنوں اس لالچی عورت کے دباؤ میں آکر وہ اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے برطانیہ بھیج رہا تھا۔اس میں اس فلیٹ کے کاغذات ہیں جو مہدی نے زینیا کے نام پہ منتقل کرنے کی ارضی دے رکھی ہے۔اور یہ۔۔'' وہ ایک آخری کاغذ کو ترپ کے پتے کی ہاتھ میں دبوچے ہوئے تھا۔یہ آخری وار تھا یہ اس قبر میں آخری کیل تھا۔

برامدے کی طرف آتے ہوئے عجلت میں کہیں باہر جاتے ہوئے حاکم نواب نے جو سنا تھا وہ ان سنا نہیں کیا جا سکتا تھا۔اندر سے دہائیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔انکی بیوی رو رہی تھیں۔وہ بھی رو لینا چاہتے تھے۔جانے کیوں؟

''یہ ہمارے جوائنٹ اکاؤنٹ سے نکالی ہوئی رقم کی رسید ہے۔ایک کروڑ پاکستانی روپے جو کہ مہدی نے لندن میں رہنے والے اپنے ایک دوست کو بھجوائے''۔اور یہ کاغذ ثابت کرتا ہے کہ اس نے آخری کاغذ کیمرے کے آگے لہرایا۔

''میرا بھائی اس عورت کے مجبور کرنے پہ اپنے ایک دوست کے سپر اسٹور میں زینیا حاکم کے لئے شیئرز خرید رہا تھا۔یہ حقیقت ہے اس عورت کی۔جس نے میرے بھائی کو زچ کیا۔اور ان کاغذات میں غور سے دیکھیے واضح طور پہ لکھا ہے کہ قیسم میں نیا کام شروع کرنے والے ملازمین کو ایک سال کی تنخواہ اکھٹا دی جاتی ہے۔ہماری طرف سے مس حاکم کے اکاؤنٹس آج تک کلئیر نہیں ہوئے۔''

ذرا فاصلے پہ اپنی وہیل چیئر پہ بیٹھے مقصود نے لب بھینچ لیے۔ زینیا نے ان سے ایک بار مدد مانگی تھی اپنے اکاؤنٹس ایچ آر سے کلیئر کروانے کی مدد۔ مگر انہوں نے اپنی طرف سے رقم دے کر معاملہ رفع دفع کروا دیا تھا اور وہ آج تک یہ بات جان نہیں سکی تھی۔ قیس جان گیا تھا۔ وہ کمبخت کل رات سے سوگ نہیں منا رہا تھا وہ گڑھا کھود رہا تھا جس میں زینیا حاکم کو سالم دفن کیا جا سکتا ہو۔

(حاکم نواب کے چھوٹے سے گھٹن زدہ گھر میں کئی لوگوں کی سانس ایک ساتھ رکی تھیں۔ ٹی وی کے آگے بیٹھے وہ شرفاء آج کے بعد گردن اٹھانے کے لائق نہیں رہنے والے تھے۔ انکی بیٹی ہر نیوز چینل کا تازہ موضوع تھی۔ وہ کسی سے نکاح کر چکی تھی۔ وہ ایک سفید پوش خاندان تھا جس کے بخت میں اب بس ذلت تھی۔)

”جس دن مجھے علم ہوا وہ میری منگیتر ہے، اس روز میں اس سے ملنے گیا اور تب اس نے مجھ سے میری زمین کا مطالبہ کیا۔ وہ زمین جو گاؤں میں ہے۔ یہاں تک کہ اس زمین کے لئے وہ اپنے شوہر تک کو چھوڑنے کے لئے تیار تھی۔ میں نے انکار کر دیا وہ مجھے دھمکاتی رہی۔ انہی دنوں مہدی پہ اسکی حقیقت کھل گئی اور وہ اس سے دور ہو گیا۔ اور پھر اس مکار عورت نے میرے بھائی سے طلاق کا مطالبہ کیا۔“ اس نے ایک اور کاغذ سامنے رکھا۔ وہ طلاق نامہ تھا۔

”کل رات وہ اس طلاق نامے کے ساتھ آئی تھی۔ کیا آپ کو اب بھی لگتا ہے مہدی کے لئے اسکی فکر کوئی محبت ہے؟“

(تھانے میں سنتری کے موبائل سے قیس کی آواز پورے تھانے میں گونج رہی تھی۔ کوٹھڑی تک جاتی وہ آواز، زینیا سن رہی تھی اور سرد پڑتی جا رہی تھی۔ یہ قیس کمبیر ہے؟ یہ اگر واقعی وہی قیس کمبیر ہے تو وہ اسے نہیں جانتی تھی۔)

”اس لڑکی نے میرے بھائی کو قتل کروایا۔ وہ ایک **”گولڈ ڈگر“** ہے۔ اسکا دین ایمان پیسہ ہے۔ لالچ اسکی رگ رگ میں بستی ہے۔ مہدی کا اسکے علاوہ کوئی اور دشمن نہیں۔ میرے خاندان کا اسکے علاوہ کوئی اور دشمن نہیں ہے۔ میرا شک بلکہ یقین ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے میرے بھائی کے قتل میں ملوث ہے۔ اور میں ہر اس انسان کو معاف نہیں کروں گا جس نے آج میرے دل پہ میرے بھائی کی موت کا زخم لگایا ہے۔ میں بازو کے کٹ جانے پہ ماتم تک نہیں کر سکتا۔ کیا یہ ڈیزرو کرتا ہوں میں؟ یہ ظلم ہے۔ میرے خاندان کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ مجھے امید ہے عورت کے کے نام پہ اس بلا کے خلاف انصاف کی اس جنگ میں آپ میرے ساتھ ہوں گے، مہدی کمبیر کے ساتھ ہوں گے۔ وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔ کوئی انسان یہ ظلم ڈیزرو نہیں کرتا۔“ اسکے

آگے وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکا۔ چہرے جھکا دیا اور ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لئے۔ پانی بہتا ہوا اسکی ہتھیلیوں کو بھگوتا گیا۔ ہر کوئی ترحم سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ دنیا کے سب سے بہترین بھائی کے نام پہ جانا جانے والا تھا۔

کچھ وقت بعد وہ اندر آیا۔ نیم اندھیرے میں۔ میرہ صوفے پہ بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ کل رات والے لباس میں تھی۔ ایزل اسکے ساتھ بیٹھی تھی، ہراساں نظروں سے اپنی ماں کو دیکھتی ہوئی۔ قیس آگے آیا ابھی وہ میرہ سے کچھ کہتا کہ اسے اپنی گردن کی پشت پہ کوئی ضرب لگتی محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار آنکھیں میچ گیا۔

''اپنے بھائی کو مارا تم نے؟ اپنے بھائی کو کون مارتا ہے؟'' ٹرالی میں رکھے کپ اٹھا اٹھا کر مقصود اسے مارتے جا رہے تھے۔ ان پہ ہیجان کی سی کیفیت طاری تھی۔ قیس سیدھ میں چلتے ہوئے سپاٹ چہرے کے ساتھ انکے قریب آیا۔ انکے ہاتھ مسلسل چل رہے تھے۔ اسکے سینے، بازو اور کندھے پہ کراکری لگ رہی تھی۔

''ایک لڑکی کے لئے، صرف ایک لڑکی کے لئے بھائی کو کون مارتا ہے۔ تمہیں مر جانا چاہیے لعنت ہو تم پہ۔ تم نے اپنے بھائی کو مارا؟'' ایک آخری کپ انہوں نے قیس کی طرف اچھالا، جسے وہ تھام گیا۔ پھر انہی خالی خالی نگاہوں کے ساتھ انکے سامنے بیٹھا۔ غیر تو وہ سب کے لئے ہوا تھا۔

''میں نے نہیں مارا۔'' اس نے روانی سے آسان لفظوں میں بتایا۔ مقصود نے اسکے چہرے پہ تھپڑ دے مارا۔ وہ اب بھی اسی انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

''میں نے نہیں مارا۔'' ایک اور تھپڑ اسی قوت سے اسکے منہ پہ مارا گیا۔ اسکی گردن ڈھلکی۔ جبڑے کو زور سے دبوچے، گردن اسکر یچ کرتے اور **''میں نے نہیں مارا۔''** دہراتے ہوئے وہ اٹھا۔ انکے دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے درمیان سے گزار کر پیچھے کئے مقصود تکلیف سے بلبلائے۔ ملازم خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ ساکت تھا۔ اس نے ایک ملازم کو قریب بلایا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اس طرف آیا۔ قیس نے اسکے اپیرن کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً کھول کر اسے تھما گیا۔ اب قیس اسی اپیرن کے ساتھ انکے ہاتھ وہیل چیئر کی پشت پہ باندھ رہا تھا۔ بوڑھا آدمی بامشکل خود درد سے کراہنے سے روک رہا تھا۔ اور عبداللہ زمان نفاست سے اپنا کام کر رہا تھا۔

''انہیں انکے کمرے میں چھوڑو دروازہ لاک کر کے چابی مجھے دے جاؤ۔ باہر کوئی پوچھے تو کہہ دینا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔'' سنجیدگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہارا تخت بہت جلد الٹے گا۔ ہر فرعون کے لئے موسیٰ آتا ہے۔ تمھارے لئے بھی آئے گا۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں چیخ رہے تھے ملازم انہیں لے کر جا رہے تھے۔

''تمہارا زوال اب بہت قریب ہے۔''

وہ اسے سنے بغیر ایزل کے قدموں میں آکر بیٹھا۔ آنکھیں نرم ہوئیں۔ میرہ دم سادھے، خوف زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ایک گیم کھیل رہا ہوں بچہ۔ جو جو مجھے دھوکہ دے گا میں بھی انہیں سزا دوں گا۔ انکل کو سزا مل گئی ٹھیک ہوا ناں؟''

بچی نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ ''ویل ڈن۔''

''اور اب ممی کی باری ہے۔'' وہ ایزل کو گود میں لئے میرہ کے پاس آکر بیٹھا۔ میرہ خوف سے دور ہوئی قیس نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسکی انگلیاں اپنی انگلیوں کے درمیان پھنسالیں۔ وہ جی جان سے لرز گئی۔

''تم نے نیوز چینل سے کہا کہ مہدی کے قتل میں میرا بھی حصہ ہے؟'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے تکنے گیا۔ میرہ کے حلق سے کوئی لفظ ادا نہ ہوا۔ وہ بے آواز آنسو بہاتی چلی گئی۔

''تم نے انہیں بتایا کہ میں نے اسکے قتل سے دو دن پہلے اس پہ بندوق تانی تھی؟ میرے گھر میں رہتے ہوئے میرا کھاتے ہوئے تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟''

''ہاں۔۔ کیونکہ وہ میرا بھائی تھا۔ بھائی تھا وہ میرا۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ مارتے ہوئے نفرت سے غرائی۔

''تم نے مارا ہے میرے بھائی کو۔ تم نے مارا ہے ہے اسے۔ اتنی بے دردی سے کوئی کسی جانور کو بھی نہیں مارتا تم نے میرے بھائی کو مارا۔'' قیس نے اپنی انگلیوں کے درمیان دبی اسکی انگلیوں کو ایک جھٹکے سے مروڑا دوسرے ہاتھ سے وہ ایزل کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ گیا تھا۔

میرہ درد سے تڑپ رہی تھی اور قیس دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور میں، میرہ؟ میں کون ہوں۔ میں کچھ نہیں لگتا تمہارا؟ میں بھائی نہیں ہوں تمہارا؟''

''میرا بھائی صرف اور صرف، مہدی سرور کمبیر تھا جسے تم نے مارا ہے۔ تم بھائی نہیں ہو میرے تم کچھ نہیں ہو قاتل ہو صرف اور صرف ایک قاتل۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔'' وہ رو رہی تھی چیخ رہی قیس محض دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکے دل کو واقعی کچھ ہوا تھا۔ میرہ کو کھونا بہت بڑا کرب تھا۔

''تم لوگوں کے درمیان ہم کبھی فٹ نہیں ہو سکے۔ تم نے اسی لئے میرے بھائی کو مارا ہے اور اسکی بیوی پہ الزام لگایا ہے۔ تم میرے کچھ نہیں لگتے سمجھے تم۔ تم جانور ہو وحشی جانور۔''

اس نے ایزل کو صوفے پہ ایک طرف بٹھایا اور بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحے ملامتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''تم اس فرنگن کا خون تھیں اور میں وہی معصوم دیہاتی لڑکا۔ مجھے واقعی لگا تم دوست ہو میری۔'' کرب سے ہنستے ہوئے اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں نے اس ایک رپورٹر اور اسکے مالکین کو پچاس لاکھ کی رشوت دے کر اسکا منہ بند کروایا ہے۔ تم نے میرا نقصان کروا دیا۔ خیر جب میں تمہارا کچھ نہیں لگتا تو بہت جلد میں تمھیں بتاؤں گا میں کون ہوں۔'' اس نے جھک کر ایزل کے گال کو چھوا۔

''اب ممی کی سزا شروع۔'' بچی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

وہ اوپر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

''لقمان سے کہو میرہ کا موبائل، لیپ ٹاپ، کارڈز، اکاؤنٹس سب بند کروادے۔'' اس نے اپنے ملازم سے کہا اور مزید زینے طے کرتا چلا گیا۔ اسی پل راہداری میں عین سامنے اسے بختیار کھڑے نظر آئے۔ وہ یاسیت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کندھے جھکے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں دکھ تھا۔ قیس انہیں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھہرا، اسے یاد آیا وہ کس طرح اسکی اجازت کے بغیر انیسہ کو لندن بھیج چکے تھے۔ بغیر کچھ کہے وہ آگے بڑھ گیا۔

کمرے میں آ کر وہ زمان کی تصویر کے آگے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے، چند ثانیے اس تصویر کو دیکھتا رہا۔

''اس نے کہا میرے راستے میں مت آنا میں نہیں آیا۔ لیکن قسمت اسے میرے دروازے پہ چھوڑ کر جائے پھر میرا تو کوئی قصور نہیں ہے ناں بابا؟'' گردن ڈھلکائے، بے حد سنجیدگی سے پوچھا گیا۔ نیم دیوانہ شخص انتقام اور جنون کی آخری حدود کو چھو رہا تھا۔

بلوچستان سے اسلام آباد کی سمت چھ سے آٹھ گاڑیاں روانہ ہوئی تھیں۔ عالم نواب اور انکے بیٹے شرم سے گڑے جاتے تھے۔ علاقے کے نواب کی بیٹی تھانے میں تھی۔ اپنی مرضی سے نکاح کر چکی تھی یہ وہ ضربیں تھیں جو غیرت پہ لگ رہی تھیں۔ وہ کس طرح، کس دل اور کن قدموں سے گھر سے نکلے تھے یہ صرف وہی جانتے تھے۔ گاڑی میں گمبھیر سناٹا تھا۔ بشر سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا۔ رہ رہ کر وہ ویڈیو اور تصاویر دماغ کے خانے میں ابھر رہی تھیں جن میں اسے گرفتار کیا جا رہا تھا۔ وہ نکاح نامہ جیسے کسی موت کے پروانے کی طرح اسکے چہرے پہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ ہر دفع کوئی اسکے دل پہ کوئی ضرب دے مارتا تھا اور اسکی روح تک زخمی ہو جاتی تھی۔

''کہتا تھا میں لڑکی ذات ہے گھر بٹھاؤ، حاکم لیکن تم نے میری ایک بات نہیں سنی۔'' پچھلی نشست پہ براجمان عالم نواب کروفر سے کہہ رہے تھے۔

''غضب خدا کا اگر اتنی ہی کسی مرد کی چاہ تھی تو عبداللہ میں کیا کمی تھی؟ ہمارے سر سے بلا تو ٹل جاتی۔''

''عبداللہ کی کوئی چال ہے میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔'' حاکم نواب صرف ایک سطر بولے تھے۔ سخت گیر باپ تھے وہ مگر انکی بیٹی کی آنکھیں وہ پریشان چہرہ انکے اندر کا باپ کسی صورت چین نہیں لے پا رہا تھا۔

''کال ملاؤ عبداللہ کو اس سے کہو ایف آئی آر نہ کٹوائے ہم آ رہے ہیں۔ مسئلے کا حل نکالیں گے۔''

''حل کیا ہے؟ مزید زمینیں، یا پھر دیت کے نام پہ دوسری بیٹی دو گے اسے؟''

''میرا حصہ ہے آپ کی جائیداد میں۔ باقی بیٹوں نے جس طرح لوٹ کر کھایا وہ قصہ الگ ہے میں نے تو آج تک اپنا حق بھی نہیں لیا۔ وہ ساری زمینیں عبداللہ کے منہ پہ دے ماروں گا۔'' انکا لہجہ بلند نہیں تھا۔ آج پہلی بار وہ حصے کی بات زبان پہ لائے تھے۔

''تم کال ملاؤ، بشر۔''

''وہ نہیں اٹھارہا میری کالز ہزار دفع کر چکا ہوں۔''بشر رکھائی سے بولا۔

''صرف ایک ہزار دفع کی ہے ناں۔دس ہزار دفع کرواور اگر تم سے نہیں ہو رہا تو مجھے دو میں کر لوں گا۔''

''آپ اب بھی اس بے غیرت کے لئے اتنا کریں گے ؟روکا تھا میں نے کہا تھا اسے مت جانے دیں اسلام آباد لیکن آپ نے میری نہیں سنی۔دیکھ لیا پھر کس طرح اس نے ہماری عزت کو دو کوڑی کر کر دیا ہے۔اور آپ اب بھی اسے فیور کر رہے ہیں؟مجھے یقین نہیں آرہا آپ اب بھی اسکے ساتھ ہیں؟''

''کروں گا اب بھی اسے فیور کروں گا اور جب تک سانس ہے تب تک کروں گا۔یہ سب عبداللہ کا کیا دھرا ہے میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔''انہوں نے ڈیش بورڈ پہ پڑا اسکا موبائل اٹھالیا۔انکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔وہ آدمی آج خود کو بوڑھا محسوس کر رہا تھا۔ساری زندگی کا رعب طنطنہ جھاگ بن گیا تھا۔

''سارا قصور ہمارا ہے اور وہ جھیل رہی ہے۔اس کی شادی بالاج سے میں نے کروائی تھی اس نے کوئی پسند کی شادی نہیں کی اور شادی کے بعد بھی اسے کیا ملا ہے ؟نہ سکون کا ایک دن نہ شوہر کا ساتھ اور بھری جوانی میں بیوہ ہو گئی وہ۔سب قصور ہمارا ہے۔ہم سب نے اسے مجبور کیا تھا اور اب عبداللہ سارا بدلا میری بیٹی سے لے رہا ہے۔وہ ایسی نہیں ہے۔'' بالاج کی موت نے انہیں بہت بری طرح متاثر کیا تھا۔اپنے لئے ہوئے غلط فیصلے یکدم واقعی غلط نظر آنے لگے تھے۔لیکن وقت گزر چکا تھا اب پچھتاوا ہو سکتا تھا واپسی نہیں۔

''اور اگر یہ سب سچ نکلا تب تم کیا کرو گے، حاکم ؟''اپنے باپ کی سخت استفسار پہ موبائل پہ چلتی انکی انگلیاں لرزیں۔آنکھوں کا جامد تاثر تحلیل ہوا۔

''اگر وہ واقعی بے حیا نکلی تب تم کیا کرو گے ؟''

''میں ممکنات پہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ بس کال ملا رہے تھے۔ صرف کال انہیں ہر صورت عبداللہ سے بات کرنی تھی اسے کسی مزید انتہائی قدم سے روکنا تھا۔ انہیں بس کسی طرح اس بچی کو بچا لینا تھا جو انکی اولاد تھی۔ خلاف توقع کال مل گئی تھی۔ سامنے کوئی بڑے ہی ہشاش بشاش انداز میں بات کر رہا تھا۔

''میری بات سنو، عبداللہ۔ جو مسائل ہیں جو تمھارے انتقام ہیں انکا تعلق مجھ سے ہے میرے خاندان سے ہے۔ جو تم کر رہے ہو وہ کسی درست مرد کا شیوہ نہیں ہے۔''

''جو تم کرتے رہے ہو یعنی کسی کی منگیتر کی شادی کسی اور سے کروا دینا۔ کسی کی غیرت کو للکارنا یہ ٹھیک تھا؟'' سامنے والا پھر عبداللہ زمان تھا۔

انہوں نے ناک کی ہڈی کو دونوں انگلیوں کے درمیان دبایا۔

''وہ میرے گھر کی عزت ہے میری بیٹی ہے۔''

''اور میری منگیتر میری غیرت تھی۔ جسے تم نے دو ٹکے کا مول بھی نہیں دیا۔ میں معاف کر بھی دیتا لیکن تمہاری بیٹی نے میرے ہی گھر کا کمرہ اپنے نئے شوہر کے ساتھ چن لیا تھا اب کوئی بھی مرد اتنا برداشت نہیں کر سکتا ناں؟ مجھ سے بھی نہیں ہوا۔'' اسکے الفاظ کسی انگارے کی طرح حاکم نواب کے سینے پہ لوٹ رہے تھے۔ وہ بار بار ہاتھوں کی مٹھی بھینچ لیتے تھے۔

''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم ایف آئی آر مت کٹواؤ۔ **(ایف آئی آر کٹ جانے کے بعد اگر ملزم مجرم نہ بھی ہو تو اسے ضمانت یا پھر رہائی کے لئے عدالت جانا پڑتا ہے۔ اور عدالتوں کے چکر کسی شریف گھرانے کی عورتوں کے لئے ممنوع سمجھے جاتے ہیں۔)** میں کچھ ہی گھنٹوں میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ ہم بیٹھ کر بات کریں گے۔ تم جو چاہو گے ہم کریں گے۔''

''تم لیٹ ہو گئے ہو اب یہ ممکن نہیں رہا۔ اور اگر ہوتا تب بھی میں ایسی کوئی فیور دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ تمہاری بیٹی کو یہ سب جھیلنا ہو گا۔''

وہ ایک لمحے کو چپ سے ہو گئے۔ حاکم نواب نے آج تک کسی کے آگے سر نہیں جھکایا تھا۔ کسی کے آگے منت نہیں کی تھی۔ ساری زندگی میں اگر کچھ کمایا تھا تو وہ اٹھی ہوئی گردن تھی۔

''میں منت کرتا ہوں تم سے، اسے چھوڑ دو۔ تم جو چاہو گے میں وہ کروں گا۔ مجھ پہ ایک مہربانی کر دو اسے اس سب میں مت گھسیٹو۔'' گردن جھک گئی۔ غرور خاک ہوا۔ عبداللہ کے دل میں تسکین اتری۔ یہ الفاظ اس کے لئے مرہم کی طرح دل پہ اترے۔ یہی بس یہی تو چاہتا تھا وہ۔

''تم میرے سامنے ایڑھیاں رگڑو تب بھی نہ مانوں۔ اچھا ہے کبھی کسی دور میں تمہارے خاندان کو بھی سمجھ آنا چاہیے ذلت کیا ہوتی ہے۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ حاکم کا بازو بے دھم ہو گیا۔ آنکھیں بند کر کے انہوں نے گہری سانس لی۔ اور سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

''وکیل کا بندوبست کروائیں ابا۔ مجھے میری بیٹی اس قید سے باہر چاہیے۔'' جائیداد، مال دولت پہ لعنت بھیج کر انائیں ساتھ لانے والا شخص آج جھک گیا تھا۔ اولاد ماں باپ سے بڑے بڑے کام کروا لیتی ہے۔ وہ ہر ممکن حل کے بارے میں سوچ رہے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا انکی پہ الزام لگے ہیں اور اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ کچھ الزامات میں حقیقت کا پہلو بھی ہے تو؟ وہ اس سے آگے نہیں سوچ رہے تھے۔ یہاں ہر سوچ ختم تھی۔

دن شاک، ہنگامہ، غیض اور رنج میں گزرا۔ دکھ کی ایک لہر تھی جس نے سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وقت کچھوے کی رفتار سے گزرا تھا۔ کمبیر محل کے اندر اور باہر لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ اور ان سے ملنے والوں میں صرف ایک شخص تھا۔ اسکے کئی کلپس سوشل میڈیا پہ وائرل ہو رہے تھے جہاں وہ براق کے گلے لگ کر رو یا تھا جہاں وہ پریس کانفرنس کر رہا تھا اور جہاں وہ تھانے جا رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ایک مسیحا کی شکل دے دی تھی۔ ایک عظیم بھائی جس نے اپنے بھائی کو کھو دیا تھا۔ ایک گروہ جہاں زینیا حاکم کے نام کا دشمن ہو گیا تھا وہیں دوسرا گروہ اسکا دفاع بھی کر رہا تھا۔ اس سب کے درمیان اگر کوئی کچھ نہیں بھولا تھا تو وہ یہ تھا کہ مہدی کمبیر اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ لوگ اس قتل پہ مشتعل تھے جگہ جگہ ریلیاں نکالی جا رہی تھیں، اسکے حق میں نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ٹویٹر، انسٹا گرام، فیسبک اور مختلف ایپس پہ مہدی کمبیر کا نام ٹرینڈ کر رہا تھا۔ اسکی منکوحہ تھانے میں تھی۔ اور اسکا بھائیوں جیسا کزن سفید رنگ کے شلوار قمیض میں سیاہ شال کے ساتھ چہرے کی تاثرات کو حتی الامکان سپاٹ رکھے ہوئے تھانے میں داخل ہوا۔ باہر کھڑے لوگوں کے ہجوم اور میڈیا سے بچتے ہوئے وہ اندر آیا۔

تھانہ کسی کا سگا نہیں ہوتا۔ مگر موجودہ دور کا المیہ ہے کہ تھانہ انکا سگا ہے جن کی جیبیں بھاری ہیں۔ جس وقت وہ تھانے میں داخل ہوا وقت کو وہیں روک کر، منشی کے ہاتھ میں چائے کا کپ یونہی ساکن چھوڑ کر، اے ایس آئی سے کاغذات کا پلندہ زمین پہ گرتا چھوڑ کر، سنتری کی انگڑائی کو یونہی کھلے منہ چھوڑ کر تھانے کی دائیں طرف والی دیوار پہ لگی گھڑی سے کچھ چھیڑ خانی کر کے اگر وقت کو پیچھے لے جاؤ وریام ہاتھ میں پوسٹ مارٹم رپورٹ لئے اپنے ڈیسک کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے بیٹھنے سے قبل ہی رپورٹ کھول لی۔ اسکی دائیں طرف صنوبر اپنی کرسی کھینچ رہی تھی اور بائیں طرف وقار احمد۔ وہ تینوں اس کیس پہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔

اس نے رپورٹ کھول لی۔ اور پڑھتا چلا گیا۔ ہر، ہر لفظ کے ساتھ اسکی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھیں۔ ماتھے پہ لکیروں کا جال بنتا جا رہا تھا۔ رپورٹ کے مطابق جسم بری طرح جھلسا تھا۔ چہرہ تک شناخت کے قابل نہیں رہا تھا۔ دانتوں کے زریعے ڈی این اے سے اسکی شناخت کی گئی۔ اور وہ مہدی کمبیر ہی تھا۔ اسے ڈیکسٹر وکارڈیا نہیں تھا اسکا دل تو نارمل جگہ تھا کیا وہ لڑکی جھوٹ بول رہی تھی؟ ہاتھ، ناخن، ٹانگیں، پیر سب جھلس گیا تھا۔ مگر اسکے جسم پہ پیٹرول ڈال کر آگ الگ سے بھڑکائی گئی تھی۔ کیا یہ پلان کا حصہ تھا؟ یا اتفاق؟ وریام کے ذہن میں مختلف سوچیں ابھر رہی تھیں۔ اسے تین گولیاں لگی تھیں دو دل کے دائیں بائیں، اور تیسری دل کے بیچوں بیچ۔ وہ بالکنی سے کیسے گرا، اسکے متعلق لکھا تھا کہ لاش کے جوتے سے کچھ چپچپا سا مادہ موصول ہوا ہے۔ مگر وہ بالکنی سے کسی کے سر پہ کچھ دے مارنے سے گرا ہے۔

جب اسے پہلی گولی لگی تب وہ پھسلا تھا اور باقی دونوں گولیاں لگنے کے بعد وہ گر پڑا۔ یہ سیکنڈز کا کھیل تھا۔ وہ کھڑا کب ہوا کہ کوئی اسے دھکا دے سکے؟

"لو یہ تو اتنا کلئیر ہے۔ ہم خوامخواہ بیٹھے سوچ رہے ہیں وہ گرا کیسے ہو گا؟" وقار جماہی روکتے ہوئے پیچھے ہوا۔

"میں نے لاش کی حالت دیکھی تھی۔ وہ پانچ، چھ گھنٹے پہلے جلی ہوئی لاش لگتی تھی۔ اور اگر میں غلط ہوں تب بھی جہاں وہ گرا تھا وہاں لگنے والی آگ اتنی تیز نہیں تھی کہ وہ اتنی بری طرح جل جائے کہ شناخت کے قابل بھی نہ رہے۔" صنوبر نے بے زاری سے فائل ایک طرح ہٹائی۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ ایک آدمی جل کر خاک ہو جاتا ہے گھڑی اور کف لنکس رہ جاتے ہیں؟ کیسے؟"

وریام بغور پوسٹ مارٹم رپورٹ بنانے والے ڈاکٹر کا نام پڑھ رہا تھا۔ابراہیم سرحدی۔(شنایا کا بھائی)

"یہ آدمی بِک سکتا ہے یا نہیں؟"

"آج تک نہیں بکا، وریام۔اپنے کام کے ساتھ جنون کی حد تک سچا ہے۔اور مہدی کے ساتھ تو اسکے اچھے تعلقات تھے۔" وقار نے کہا۔

"یہ وہی مہدی ہے جس کے ساتھ ابراہیم کی بہن کا اسکینڈل سامنے آیا تھا۔وہ اپنی بہن کا مینیجر بھی ہے۔" صنوبر درمیان میں بولی۔پولیس افسر کو کچھ کھٹک جائے تو صرف کیس میں نہیں گلے اور زندگی میں بھی کھٹکتا ہے۔"پاکستان میں پوسٹ مارٹم رپورٹ بدل دینا اتنا مشکل کام تو نہیں ہے۔"

"پولیس والے کے لئے ایک مجرم کو پہچان پانا بھی مشکل کام نہیں ہے ناں؟" وریام ہنوز رپورٹ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"مجھے یہ لڑکی سب کچھ لگتی ہے قاتل نہیں۔"

"ہمارے لگنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ سیدھا سیدھا open and shut کیس ہے۔ہم فضول میں اس پہ محنت کر رہے ہیں۔مارو اس لڑکی کو دو تھپڑ سارا کچھ اگل دے گی۔تم سے نہیں ہوتا میرے حوالے کرو۔" وقار کوفت سے بولا۔

"ایک کام کرو تم۔" وقار پہ لعنت بھیجتے ہوئے اس نے صنوبر سے کہا۔"چیک کرو شنایا اور مہدی کے اسکینڈل کے بعد ان دونوں کے تعلقات کا کیا ہوا۔اور ابراہیم کے فون کالز ٹیپ کرواؤ۔اسکے علاوہ پتہ کرواؤ وہ دو سے تین دن میں کس سے ملا ہے۔"

"دو سے تین ماہ۔" وقار چمک کر بولا۔"ایسے قتل یونہی نیند سے اٹھنے کے بعد نہیں ہوتے۔"

"یہ کسی سیریل کلر کا کام نہیں ہے جھول بہت ہیں کوئی نوسکھیا ہے۔جو صرف پیسے کے دم پہ کام کر رہا ہے یا پھر اسے پراپر پلان بنانے کا وقت نہیں ملا۔" وہ رپورٹ کے کاغذات سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسکے پرنٹ آؤٹس میڈیا کو دے دو اور لڑکی کے گھر والے آئے یا نہیں؟"

"راستے میں ہیں ابھی آنے والے ہیں۔"

"قیس کمبیر لڑکی سے ملنا چاہتا ہے۔" وقار نے اطلاع دی۔

"اس سے کہو تھانہ زمان کمبیر کی جاگیر میں نہیں آتا۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"ہمیں سختی کرنی ہوگی سر، اوپر سے بہت پریشر ہے۔"

صنوبر کی بات پہ وہ سر ہلاتے ہوئے ایک بار پھر تفتیشی کمرے کے اندر تھا۔ وہ کرسی پہ سر رکھے اونگھ رہی تھی۔ سولی پہ بھی نیند آنا یقیناً ایک محاورہ نہیں تھا۔ وریام کے ہاتھ میں بلب تھا۔ وہ آگے آیا۔ ہولڈر میں بلب لگایا اور کمرے سے باہر ہانک لگائی۔

"بٹن دبا دو یہاں کا۔" وہ حلق کے بل چیخ کر بولا تھا مگر اسکی حیرت کی انتہا تب نہ رہی جب وہ اس پہ دھیان دیے بغیر سوتی رہی۔

"پانی بھی لے کر آؤ۔" وہ ایک بار پھر چیخا۔ بلب کو فکس کیا۔ باہر سے بٹن دبایا گیا۔ بلب جل اٹھا تھا، وریام نے وہیں فریدہ کو بلایا۔ وہ اندر آئی اسکے ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔ وریام کے اشارے پہ اس نے سارے کا سارا پانی زینیا کے سر پہ انڈیل دیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اور متوحش نگاہوں سے آس پاس دیکھا۔ وریام اسکے سامنے کھڑا گردن اسٹریچ کر رہا تھا۔ فریدہ اسکی دائیں طرف کھڑی تھی۔ وہ دونوں نارمل تھے۔ یا پاگل؟

"تمھارے ابا کی حویلی نہیں تھانہ ہے یہ میرا، کچھ وقت مجھ ناچیز کو بھی دے دیں ملکہ۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ زینیا چند لمحے غائب دماغ سے اسے دیکھتی رہی۔ اسکے بازو میں جلن تھی۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔

"پانی۔ مجھے۔۔ پانی چاہیے۔"

"منرل واٹر یا سادہ پانی؟ حکم کریں۔ آپ کے باپ نے یہاں ملازم رکھا ہے مجھے۔" اسکے لہجے میں کڑواہٹ برقرار رہی۔

زینیا نے تکان زدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ شکست خوردہ لگتی تھی۔

"مجھے پیاس لگی ہے پلیز۔"

وریام نے اشارہ کیا فریدہ پانی لے آئی، زینیا کی طرف بڑھانے کی بجائے اس نے پانی کا گلاس وریام کے آگے رکھا۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ آچکی ہے۔ تمہاری من گھڑت کہانیاں جھوٹ تھیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کہتی ہے کہ اسکا دل ہر نارمل انسان کی طرح بائیں طرف تھا۔اسے تین گولیاں لگی جن میں سے ایک دل پہ لگی۔اسکا پیر پھسلا اور وہ اس چھوٹی سے بالکنی سے باہر گرا۔وہاں آگ لگ چکی تھی جل کر مر گیا خلاص۔اب آگے۔'' وہ دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو جھکا۔

''جن دو آدمیوں کو تم نے بیگ میں کچھ لے کر جاتے ہوئے دیکھا نا کہ بندی میں پکڑے گئے وہ۔'' وریام نے موبائل کھول کر اسکے سامنے رکھا وہاں ایک تصویر تھی جس میں دو لوگ کھڑے تھے۔

''یہ ہیں وہ دونوں لوگ جو پول سائیڈ صاف کرنے آئے تھے۔مزید تفصیلات لینے پہ معلوم ہوا ہے کہ جب تم وہاں پہنچیں اسکے کچھ منٹ بعد تم نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔اب یہ مت کہنا کہ تم نے نہیں دیکھا۔وہ دونوں تمہارے ذہن میں رہے اور اندر جا کر جب تم بے ہوش ہوئیں تب تمہارے ذہن نے کہانی گڑھ لی۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا زینیا نہیں سن رہی تھی۔اسکا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

ہاں یہ دونوں وہی تھے مگر وہ کہاں تھا جس نے اسکے سر پہ کچھ دے مارا تھا۔وہ واقعی تھا یا وہ فرض کرنے لگی تھی؟اس نے کبھی چیزیں فرض نہیں کی تھیں۔پھر اب کیوں؟

''میں آخری بار شرافت سے پوچھ رہا ہوں سچ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ کون کون شامل رہا ہے؟ قتل کیسے کروایا؟''

''وہ نہیں مرا۔''

وریام نے پانی کا گلاس پوری قوت سے زمین پہ دے مارا۔اسکی آنکھیں ایک منٹ کے اندر اندر تبدیل ہوئیں۔

''تم مجھے نہیں بتاؤ گی کیا ہوا ہے اور کیا نہیں۔جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنو گی۔کون کون شامل تھا تمہارے ساتھ کیوں قتل کیا؟'' وہ بلند آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا مجھے پلیز پانی۔۔۔''

''تمہاری ماں کا تھانہ ہے؟'' اس نے مٹھی زور سے میز پہ ماری۔وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔

"تمھارے باپ نے نوکر نہیں رکھا یہاں۔ سر عام دو دو بھائیوں کے ساتھ ایک وقت پہ چکر چلاتی رہی ہو۔ ایک بھائی سے پیسے کھاتی رہی ہو اور دوسرے کو اللہ جانے کن کن آسروں میں رکھا تھا اور یہاں ڈرامہ رچا رہی ہو؟ یہاں معصومیت کے ڈھکوسلے کرتی ہو؟"

وہ بازو اپنے گرد باندھے آنکھیں زور سے میچے کپکپا رہی تھی۔ وریام بیگ کی بلند آواز نے اسے خوف زدہ کیا تھا۔

"شرافت سے پوچھ رہا ہوں بے حد تمیز اور احترام سے اگر تم نے اس بار اپنا منہ نہیں کھولا تو پھر فریدہ کے ہاتھ بات کریں گے۔" سختی سے کہتے ہوئے اس نے فریدہ کو اشارہ کیا وہ آگے آئی۔ ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے زینیا کے جڑے ہوئے بازو ایک جھٹکے سے الگ کیے۔ اور اسکا چہرہ گدی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اسکا ہاتھ سخت تھا۔ اسکا لمس بھی سخت۔

"نہ تمہارا عاشق ہے وہاں اور نہ وہ شوہر جس کے قتل میں تم خود شامل رہی ہو۔ اس لیے بہتر ہے تعاون کرو۔ صاحب بہت غصے والا ہے۔" اسکا انداز سخت لہجہ قدرے نرم تھا۔ زینیا چند پل گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"پانی چاہیے پلیز۔"

"جاؤ اس جہنم کی ماری عورت کو پانی لا کر دو۔" وہ کوفت سے بولا۔ فریدہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ واپس آئی تو اسکے ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔ اس نے پانی زینیا کو دیا۔ وہ پہلا گلاس غٹاغٹ پی گئی۔ پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔ پھر وریام نے دیکھا وہ ہتھیلی میں تھوڑا پانی بھر کے چہرے پہ مار رہی تھی۔ شال سے چہرہ صاف کرتے ہوئے اب کے اس نے وریام کو دیکھا تو وہ کچھ کچھ سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اسکی متورم سرخ آنکھیں وہ ایک بار پھر اسکا یقین کرنے لگا۔

"اب بتاؤ کیا مسئلہ تھا تم دونوں کے درمیان؟ کس نے تم سے یہ کام کروایا کون کون تمھارے ساتھ شامل ہے؟" وہ کمپوزڈ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ اندازہ لگانا مشکل تھا کچھ وقت قبل اسے واقعی غصہ آیا تھا یا ڈرامہ تھا۔

"یہ آخری دفع نرمی سے بات کی ہے اگلی بار بہت برا پیش آؤں گا۔"

"حالانکہ۔۔۔ تمھیں۔ یہ۔ اختیار نہیں ہے۔" الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے۔ "مجھ پہ کوئی ایف آئی آر نہیں ہے۔ تم میرے تفتیشی افسر نہیں ہو۔ تمھیں عدالت کی طرف سے ریمانڈ نہیں ملا۔ تم مجھ پہ تشدد نہیں کر سکتے۔" وریام نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"رسی جل گئی بل نہیں گیا۔"

''اب ایک قاتلہ مجھے قانون سکھائے گی۔''

''مستقبل کی سی ایس یس افسر۔''اسکے لہجے میں لرزش تھی مگر گردن کڑار کھی تھی۔خوف تھا مگر اس نے خود پہ حاوی ہونے نہیں دیا تھا۔

''میں نے جتنا سچ تم سے یہاں کہا ہے اتنا آج تک زندگی میں کبھی نہیں کہا۔لیکن تم میرا یقین نہیں کرنا چاہتے۔''

''ٹھیک ہے میں کرلیتا ہوں تمہارا یقین تم مجھے یہ بتاؤ کوئی آدمی تمھیں گرین کارڈ کیوں دلوا رہا ہے۔کوئی تمھارے لئے لندن جیسے شہر میں فلیٹ لے رہا ہے اور تمھارے لئے ڈیڑھ کروڑ خرچ کر رہا ہے؟تمھیں گاڑی دلوا رہا ہے۔تم وہ ہر طرح سے پیسہ لٹا رہا ہے۔کوئی ایک مرد کسی عورت کے پیچھے عقل سے اتنا پیدل کیسے ہو سکتا ہے؟''

زینیا نے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔وہاں آزردگی تھی۔

''شوہر ہے وہ میرا۔وہ مجھے محفوظ کر رہا تھا۔غریب ہوتا تو کسی اور طریقے سے کرتا امیر ہے اس لئے مختلف طریقہ کار ہے۔کسی بھی شوہر کو اپنی بیوی کے اوپر پیسہ خرچ کرنے کے لئے لاجک بھی چاہیے ہوتا ہے؟''

وریام نے نوٹ کیا اس نے مہدی کے لئے ایک بار بھی **"تھا"** استعمال نہیں کیا تھا۔مگر وہ پھر بھی اس سے مایوس ہوا تھا۔

''تمہاری ساری گفتگو میں محبت،شوہر،احساس ہے۔اور یہ سب سے بڑی بکواس ہے۔تمھارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جو اسکے پاس تھے۔موجودہ دور کے خوبصورت الفاظ۔

"گولڈ ڈگر،انتقام،بے وفائی،پیسہ،لالچ" اسکے پاس ہر وہ لفظ ہے جو آج کل انسان کے آس پاس ہے۔اور تمھارے پاس وہ ہے جو rare ہے۔تم سے کوئی ریلیٹ نہیں کر سکتا کوئی تمہارا یقین نہیں کر سکتا۔''اس نے کمرے کے باہر دیکھا۔قیس کمبیر تھانے میں داخل ہو چکا تھا۔

''مجھ سے یہ مت کہو کہ میں تمہارا یقین نہیں کرتا سچ یہ ہے کہ تمھیں مجھے قائل کرنا نہیں آیا۔ اسے واپس لاؤ جس سے قیس کمبیر مرعوب ہوا تھا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے سخت لہجے میں بھی زینیا کو کچھ نرمی محسوس ہوئی تھی۔ اسکی تنبیہہ میں بھی کوئی ہدایت تھی۔

تفتیشی کمرے سے وریام کے ساتھ باہر آؤ تو باہر طاری جمود ٹوٹ چکا تھا۔ ہر شخص دوبارہ کام کرنے لگا تھا۔ میز کے ایک طرف قیس کمبیر تھا اور دوسری طرف وریام بیگ۔ معاشرے کے دو طاقتور مرد آمنے سامنے تھے۔ سرد جنگ چھڑ چکی تھی۔ یہ محض آغاز تھا اختتام کافی دور تھا۔

تھانے کا سارا عملہ یکدم چاک وچوبند ہو گیا تھا۔ ہر کوئی اسکے آگے پیچھے گھوم رہا تھا۔ سوائے وریام بیگ کے جو چبھتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سسٹم کے اس سیاہ باب کے متعلق رائے نہیں دیتا تھا مگر اسکی آنکھیں بہت کچھ کہتی تھیں۔ وہ چپ تھا اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے بولنا نہیں آتا۔

''مجھے ایف آئی آر کٹوانی ہے، وریام صاحب۔'' وہ ہر ایک کو نظرانداز کرتا اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔ اسکی تیاری، محسور کن خوشبو۔ کہیں سے لگتا تھا کل رات اسکا بھائی قتل ہوا ہے؟

''لکھوایئے کمبیر صاحب شوق سے لکھوایئے۔ میں تھانے کا افسر ہوں سپاہی نہیں۔ جس کا کام ہے وہ کر دے گا۔''

''لیکن فاروقی صاحب نے کہا تھا کہ آپ میری رہنمائی کریں گے۔ کوئی بات نہیں میں انہیں کال کر دیتا ہوں کہ آپ افسر ہیں سپاہی نہیں۔''

وریام نے بامشکل غصہ ضبط کیا اور آگے بڑھ آیا۔

''نہیں کال کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ آپ وہی معصوم انسان ہیں جسے گنز پکڑنا بھی نہیں آتا۔ ایف آئی آر کے متعلق پھر کیا ہی معلوم ہو گا۔''

وہ آگے آیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر ایک کرسی پہ بیٹھا۔ اسکی دوسری طرف قیس بیٹھا تھا۔ ایف آئی آر لکھی گئی، جس میں بیان کے مطابق تضاد تھا۔ وہ چپ چاپ لکھواتا رہا۔ امیروں کے پھینکے روپوں نے قانون کو دیمک بن کر چاٹا تھا۔

ایف آئی آر لکھوا کر اس نے میز سے چابیاں اٹھائیں۔ اور باہر نکل گیا۔ وہ مزید اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسکے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔ قیس پر سکون سا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسکے جانے کے بعد اس نے تھانے دار سے درخواست کی کہ اسے زینیا حاکم سے ملنے دیا جائے۔ غریب عوام کے لئے شاید کوئی مختلف اصول ہوتا مگر اس ملک میں امیر لاڈلی اولاد تصور کیا جاتا ہے۔

چند منٹ بعد وہ زینیا حاکم کے عین سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ رہا تھا۔ گردن ویسی ہی اٹھی ہوئی۔ چہرے پہ کروفر اور رعب ویسا ہی۔ زینیا حاکم اس سے ہار گئی تھی اسے اور کیا چاہیے تھا؟ وہ اسے ذلیل کر چکا، اب کم از کم وہ اسکے سامنے گردن اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چند پل خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دونوں کے درمیان لفظوں کا کوئی تبادلہ نہیں ہوا۔ ایک لمبی خاموشی تھی جو انکے درمیان بولتی رہی۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکی گردن پہ خراشیں دیکھ اس نے بے اختیار اپنی مٹھی بھینچ لی۔ اسے خود پہ غصہ آنے لگا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور اسکے سامنے میز پہ آ کر بیٹھا۔ بلب کی چبھتی روشنی اسکی پیٹھ نے روک لی تھی۔

''یہ روشنی چبھ رہی ہے؟'' نرمی سے پوچھا۔ زینیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

قیس نے جھک کر اسکے ماتھے کے زخم کو چھوا۔ زینیا نے کراہیت سے اسکا ہاتھ جھٹکا۔ قیس نے وہی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے مروڑا۔ اسکی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔ وہ اب اسکی گردن پہ لگے زخم کو چھو کر دیکھ رہا تھا۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''مجھے غصہ آ گیا تھا۔ دیکھو کتنی بڑی چوٹ لگ گئی درد ہو رہا ہے؟'' اسکا ہاتھ چھوڑ کر اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرا۔ زینیا نے ایک بار پھر اسے جھٹکا۔

''تم سے جتنی دفع محبت سے بات کرتا ہوں، تم اتنی دفع مجھے جھٹکتی ہو۔ کبھی سوچا ہے مجھے کتنا برا لگتا ہو گا؟''

''مجھ سے دور ہو جاؤ، قیس۔ مجھے تم سے گھن آ رہی ہے۔''

''مجھے بھی تم پہ پیار نہیں آرہا۔ ہزار مردوں کے بیچ تھانے میں رات گزار چکی ہو۔ کم از کم اب تم پہ پیار نہیں آسکتا۔'' وہ اٹھ کر اسکی دائیں طرف کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

اگلے چند لمحے ایک بار پھر خاموشی میں گزرے۔ بلب کی روشنی میں ان دونوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔

''خوش کیوں نہیں ہو تم؟'' اس نے قیس کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ ''اسے دور بھیج دیا۔ میرے لئے ذلت کے دروازے کھول دیے پھر بھی تم خوش کیوں نہیں ہو؟''

وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، خوبصورت، قد، خاندان، پیسہ سب بر طرف ہوگیا، روح کی نظر سے دیکھو تو وہ دونوں اس وقت تباہ اور تباہی تھے۔

''تمہاری گردن کیوں نہیں جھکی۔ یہ رعب کس چیز کا ہے؟ لوگ تمہارے چہرے پہ تھوکنا چاہتے ہیں پھر کیا ہے جس نے تمھیں اتنا پر سکون رکھا ہے؟'' وہ شاید الجھن کا شکار تھا۔

''میں بہت خوف زدہ ہوں۔'' اس نے ہتھکڑی والے ہاتھ میز پہ رکھے۔ سرخ نیل پینٹ لگی اسکی انگلیاں لرز رہی تھیں۔

''دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔ میں یہاں رہ کر مر جانا چاہتی ہوں لیکن باہر نہیں نکلنا چاہتی لیکن۔۔ تم وہ انسان نہیں ہو جس کے آگے میں اپنا خوف رکھوں۔ لوگ مجھ پہ تھوکنا چاہتے ہیں؟ میں تم پہ تھوکتی ہوں۔ تمہاری موجودگی پہ تھوکتی ہوں۔''

کوئی جوتا تھا جو بھگو کر قیس کے منہ پہ مار دیا گیا تھا۔ مگر اثر نہ ہوا۔ قیس نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب بھی وقت ہے اس پہ دستبردار ی دو میں تمھیں ہر طرح کی ذلت سے بچالوں گا۔''

''تمہاری بہت بری عادت ہے، عبداللہ۔ تمھیں لگتا ہے تم pretend کرو گے اور سب کو سچ لگے گا لیکن تم حقیقت سے واقف ہوتے ہو۔ پھر بھی تم وہی کرتے ہو جو تم چاہتے ہو۔ تم جانتے ہو یہاں سے نکل کر میرے لئے سب ہو سکتا ہے زندگی نہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی آنکھیں چھلک پڑیں۔ خوف، ذلت، بے بسی، تکلیف اسے بیک وقت بہت کچھ محسوس ہو رہا تھا۔

"یہاں سے نکل کر مجھے غیرت کے نام پہ قتل کیا جائے گا کیونکہ میں وہ ہوں جس نے خاندان کی عزت خراب کی۔ میں اس وقت اتنی خوف زدہ ہوں کہ میں تم سے منت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے پلیز یہاں سے نکالو، یا شاید یہ کہ مجھے یہاں سے مت نکالو۔" اس نے چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ روتے ہوئے اسکا پورا وجود ہچکولے کھانے لگا۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا it's scary مجھے باہر بھی نہیں جانا۔ یہ تم نے کیا کر دیا، عبداللہ؟"

عبداللہ زمان کمبیر اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بے حد سکون سے آرام سے۔ اسکا جھلسا ہوا بازو دیکھ رہا تھا اسکی گردن پہ پڑے نشان بھی اور چہرے پہ کچھ نشان بھی تھے۔ ہر اس تکلیف کا ازالہ ہو رہا تھا جو اسے ملی تھی۔ اتنا تو ڈیزرو کرتی تھی وہ۔ وہ ہرٹ ہوا تھا، زینیا کو بھی ہرٹ ہونا چاہیے۔

"کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں تمھیں نہ رونے دیتا لیکن تم نے غلطی کی ہے۔ اور اس وقت تمھیں روتے ہوئے دیکھ کر مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔" بازو سینے پہ باندھے بے حد سنجیدگی سے بتایا۔

"میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دوں گا۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"تمھیں بہت شوق تھا لوگ تمھیں دیکھیں تمھیں سنیں کل پوری کچہری تمھیں دیکھے گی۔ بلکہ اس وقت بھی سارا پاکستان تمھیں دیکھ رہا ہے۔ تمھیں مقام چاہیے تھا ناں؟" ٹھنڈے لہجے میں کہتے وہ آگے ہوا۔ کاٹ دار نگاہیں زینیا کے وجود پہ جمائے رکھیں۔ "ذلت کے معاملے میں تمہارا مقام سب سے اونچا ہو گیا ہے۔"

اس نے چہرہ اٹھا کر قیس کو دیکھا۔

"میں نے تمھارے لئے بہت کچھ کیا ہے، قیس۔ تمھیں کوئی حق نہیں ہے تم بدلے میں میرے ساتھ یہ کرو۔ اس رات میں نے تمھاری بیماری ڈھانپ لی تھی تمھیں کوئی حق نہیں تھا تم مجھے یوں ظاہر کرو۔" یہ گلا بھی تھا اور منت بھی۔

"میں کر رہا ہوں؟" اس نے بے یقینی سے سینے پہ انگلی رکھ کر پوچھا۔ "you asked for it میں تمھارے پاس آیا تھا۔ میں نے کہا تھا اسے چھوڑ دو اور میرے پاس واپس آ جاؤ۔

لیکن تم ن۔۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے اسے چھوڑا۔ اسکا خیال، اسکی واپسی کی امید، اسکی فکر سب چھوڑا۔ میں نے مہدی کمبیر پہ دستبرداری دی۔"

وہ اسکی بات کاٹ کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ قیس ٹھہر گیا۔ اسے دیکھا پھر اسکی آنکھوں میں تیزی سے تپش ابھری۔

"دل سے چھوڑو اسے یہ لفظ مجھ پہ اثرانداز نہیں ہو رہے۔" قیس سختی اور بے بسی کے درمیان بولا۔

"میرے پاس لفظ تھے، لفظ ہیں، اور اگلے کئی سالوں تک لفظ ہی رہیں گے۔" اس کی آنکھوں کے قیس کا چہرہ دھندلا پڑ گیا۔ آنسوؤں نے سب دھندلا کیا۔

"دل اسکے ساتھ تھا، ہے اور رہے گا۔" اس نے بے اختیار ہچکی لی۔

"اسے پلیز ڈھونڈو وہ نہیں مرا وہ زندہ ہے۔ اسے واپس لاؤ پلیز۔ وہ نہیں مرا۔"

"جانتا ہوں میں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ زینیا کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ نم آنکھوں سے ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھتی رہی۔

"جو اسے لے گئے ہیں بلکل ٹھیک کیا ہے۔ اس نے مجھے ہرٹ کیا اب اسے ہرٹ ہونا چاہیے۔ وہ بہت بری موت مرے گا۔ بلکہ یوں سمجھو وہ مر گیا۔ یہاں سے جانے کے بعد اسکی زندگی کیا ہے؟"

"تم نے مارا ہے اسے؟ وہ جہاں ہے تم لے گئے ہو؟"

"اسے تمھارے قریب نہیں آنا چاہیے تھا۔ اسے "**ہمارے درمیان**" نہیں آنا چاہیے تھا۔ جو ہمارے درمیان آئے گا میں اسے عبرت کا نشان بنا دوں گا۔"

"یہ تم نے کیا ہے؟" زینیا کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"یہاں تمہارا اعتراف جرم ریکارڈ ہونا ہے میرا نہیں۔" شانے اچکاتے شان بے نیازی سے کہا۔

''اور میرے متعلق اتنے جھوٹ کیوں گڑھے؟ اگر تمھیں واقعی مجھ سے محبت ہے تو میں یہاں کیوں ہوں؟'' اس نے ہتھکڑی میں جکڑے اسکے ہاتھ تھام لئے۔ اور ان پہ انگلی ٹریس کرنے لگا۔ وہ جتنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کرتی قیس اتنی گرفت سخت کرتا۔ وہ اسکی ملکیت تھی۔

''کیونکہ تم نے مجھے ہرٹ کیا، زینیا۔ میں نے تم سے بہت محبت کی اور تم نے مجھے چھوڑ کر ہر دفع اسے چنا۔ کتنی بار سمجھایا تمھیں لیکن تم ہر دفع میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی رہیں۔ اب بلاؤ اسے میں دیکھتا ہوں وہ تمھارے لئے آتا ہے یا نہیں۔''

زینیا کے لب استہزائیہ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''تمھاری محبت بہت خود غرض ہے صرف اپنے بارے میں سوچتی ہے لیکن یاد رکھنا I'll survive this ''

''obviously you will یہ سروائیو کرنے کے بعد ہی تو تم میرے پاس واپس آؤ گی۔ ملکہ بننے کی اوقات نہیں تھی تمھاری، لیکن محل میں حرم میں رکھی عورتیں کتنی ہیں کسی کو کیا معلوم؟'' وہ اس قیس کو نہیں پہچان سکی۔ جسے وہ جانتی تھی وہ اندھیرے اور روشنی کے درمیان ٹھہرا تھا اور یہ آدمی۔۔ اس کے چاروں اطراف اندھیرا تھا۔ اسکے لمس میں بس گھٹن اور کراہیت تھی۔ زینیا کو اپنے سارے بدن میں چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔

''تمھارے لئے اب بھی واپسی ہو گی۔ لیکن حیثیت بدل کر۔''

وہ چند لمحے مزید اسے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔ گیلی نم آنکھوں سے عجیب کھوکھلے انداز میں ہنس پڑی۔ گردن جھکائے وہ ہنستی چلی گئی۔ پھر سیدھی ہوئی انہی مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''i am not a prize to be won''

ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیا۔

''سچ بتاؤں تو یہاں ایک ایک منٹ مشکل ہے۔ کل کا دن قیامت ہو گا میں چاہتی ہوں تم مجھے نکالو، کوئی آئے اور یہاں سے مجھے نکال لے لیکن یہ نہیں ہو گا۔ بس تم ایک بات یاد رکھنا تم میرے ہر لمحے کی تکلیف کا حساب دو گے۔ یہ بہتان، یہ ذلت، یہ قید تم ہر

چیز کا حساب دو گے۔ میرے باہر آنے کا انتظار کرو۔ تم میری خاک تک نہیں پا سکو گے۔'' اسکے ہنسنے پہ اسکے بال کندھے سے ڈھلک کر آگے کو گر رہے تھے۔ قیس مبہوت رہ گیا۔اس کی گرفت زینیا کے ہاتھوں پہ ڈھیلی پڑی۔

''اب یہاں سے جاؤ۔اس سے پہلے میں چلا چلا کر سب کو اکٹھا کروں یہاں سے جاؤ۔'' وہ اسکی طرف پیٹھ کر گئی۔

''میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' اسکی پشت پہ پھیلے شہد رنگ بال کسی آبشار کی مانند تھے۔ قیس سانس لینا بھول گیا۔کئی لمحے کئی سانسیں وہ یونہی اسے دیکھتا رہا۔ پھر میکانکی انداز میں اسکے بال اپنے ہاتھوں میں لیئے،نہایت نرمی سے انہیں آنکھوں سے لگایا۔ پھر ناک کے قریب لے جا کر انکی خوشبو محسوس کی۔ زینیا حاکم جامد رہ گئی۔ وہ ہل بھی نہ سکی۔ قیس اب اسکے بالوں کو لبوں سے ہلکا سا چھو رہا تھا۔ کوئی بے اختیاری کیفیت تھی جس میں عقل کھو چکا تھا۔اسکی قربت،اسکی خوشبو وہ قابو کھو رہا تھا۔

''تم میری شکل نہیں دیکھنا چاہتیں،درست مگر میں سوائے تمھارے کسی اور کو نہیں دیکھ سکتا۔ میرا کیا؟'' مدھم، مخمور لہجہ۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بازو فوراً سینے پہ باندھ لئے شال سے بال ڈھکے،چہرہ ڈھکا۔ وہ خوف زدہ تھی۔ قیس کے دل کو کچھ ہوا۔

"میں کچھ بھی نہیں بھولوں گی۔ میں باہر آ کر تم سے اپنا حساب لوں گی۔'' لمحوں کی فسوں خیزی ایک چھناکے سے ٹوٹی۔ قیس چہرے پہ ہاتھ پھیرتا گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''فلحال تم یہاں بیٹھ کر میرا حساب چکاؤ۔ مسز مہدی کبیر۔'' ٹھنڈے، حقارت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔البتہ اسکا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔

ایس ایچ او کے ساتھ باہر جاتے ہوئے اس نے مزید کچھ کہا تھا۔

'' اسکے بازو کا زخم،اور مزید کسی زخم کا کوئی علاج نہیں ہونا چاہیے۔ جتنا ہو سکے سختی سے پیش آئیں۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ رکا۔ گارڈ نے نامحسوس انداز میں کچھ رقم ایس ایچ اؤ کی جیب میں بھر دی۔

''میرے کہے پہ عمل ہو جانا چاہیے۔''

'' بلکل سر، جیسا آپ چاہیں۔'' وردی والا ایمان کا سودا کرتے ہوئے ہنستا رہا۔

اندر اس کمرے میں موجود زینیا حاکم کے لئے یہ رات بہت لمبی تھی۔ قیس کے جاتے ہی اسکے چہرے پہ شکست اور خوف کے آثار دوبارہ نمودار ہونے لگے تھے۔ وہ واپس اس کرسی پہ آ کر بیٹھی مگر اسکے جسم میں سانس نہیں تھا۔ قیس کمبیر اسکے جسم سے ساری سانس نکال چکا تھا۔ تھانہ اپنے آپ میں ایک نری اذیت ہوتا ہے۔ مگر وہ اذیت اس وقت بڑھتی ہے جب سلاخوں کے پار کوئی اپنا کھڑا ہو۔ زینیا حاکم کے لئے وہ لمحہ موت تھا جب اس کوٹھڑی میں ایس ایچ او کی معیت میں جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ حاکم نواب اندر آئے۔ وہ اس کرسی پہ مر گئی تھی، ہمیشہ کے لئے وہ اس تھانے سے شاید نکل آتی وہ یہاں سے کہیں دور چلی جاتی مگر وہ یہاں مری تھی۔ یہ اسکی پہلی موت تھی۔ پہلی موت یاد رہتی ہے۔ وہ اسے یاد رکھے گی۔

حاکم بغیر اسکی طرف دیکھے کرسی کھینچ کر اسکی دائیں جانب بیٹھ رہے تھے۔ وہ نگاہیں نہیں ہٹا سکی۔ ذلت کی اتھاہ گہرائیاں تھیں جن میں وہ ڈوب گئی۔ کئی لمحے بعد حاکم نے اسکا جلا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''میں جانتا ہوں، عبداللہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' انکا سر جھکا ہوا تھا۔

''تمہیں یہاں لا کر اس نے بہت غلط کیا ہے۔ تم۔۔ میں نے پتہ کیا ہے۔ ایف آئی آر ہو گئی ہے۔ فکر مت کرو میں تمھیں یہاں سے نکال لوں گا۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔'' زینیا خاموش رہی۔ چند لمحے وہ خود بھی کچھ نہیں کہہ سکے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا یہاں بیٹھ کر وہ کیا کہیں۔

''وکیل کا بندوبست ہو گیا ہے۔'' وہ بہت دیر بعد بولے۔

''بشر۔ نہیں۔ آیا؟'' اٹک اٹک کر الفاظ ادا ہوئے۔

''وہ ہوٹل میں ہے۔ اسے کچھ کام پڑ گیا تھا۔ ہم عبداللہ کے گھر جا رہے ہیں۔ تم فکر مت کرنا۔'' انہوں نے مڑ کر ایس ایچ او کو دیکھا۔

''کوئی ڈاکٹر بلوائیں اس زخم کا علاج ضروری ہے۔''

ایس ایچ او نے کچھ سخت کہنے کو منہ کھولا مگر اسی پل وریام اندر داخل ہوا۔ وہ کافی عجلت میں لگتا تھا۔ حاکم کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔ پھر ایس ایچ او کو دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں میں تعارف کروایا۔ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''میں اس کیس کا انچارج ہوں، وریام بیگ۔'' وہ حاکم کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ پھر زینیا کا زخم دیکھا اور باہر کسی کو آواز دی۔

''کہہ کر گیا تھا میں ڈاکٹر بلواؤ بلایا کیوں نہیں؟'' انداز میں سخت ناگواری تھی۔

''تم فکر مت کرنا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حاکم اب بھی اس سے وہی دہرا رہے تھے۔ زینیا چپ چاپ انہیں تکتی رہی۔ یونہی انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔۔۔۔

''عبداللہ، سچ کہہ رہا ہے۔'' اس نے روانی میں وہ کہا جو وہ آج تک نہیں کہہ پائی تھی۔ حاکم نواب کے اس مضبوط ہاتھ نے اسے بھی مضبوطی تھما دی تھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ۔ اگر وہ اسکی بنیادیں مضبوط رکھتے تو کسی بالاج میر نے اسے کمزور نہ کیا ہوتا، کسی عبداللہ زمان سے وہ ہاری نہ ہوتی۔

''میرا اور، مہدی کا نکاح ہو چکا ہے۔ باقی سب جھوٹ ہے صرف یہ سچ ہے۔ وہ نکاح سچا ہے۔'' چند لمحوں کے لئے وہ ساکت رہ گئے۔ بلکل خالی ہاتھ۔

''بالاج کا دوست تھا، مہدی۔'' زینیا نے اضافہ کیا۔ ''بالاج نے مجھے طلاق دے دی تھی ابا۔ اور پھر اس نے کہا وہ مجھ پہ کاری **(بدکار عورت جسے غیرت کے نام پہ قتل کیا جاتا ہے)** کرے گا۔ میں ڈر گئی تھی ابا۔ میں راضی ہو گئی لیکن'' اس نے باپ کا ہاتھ مزید مضبوطی سے جکڑ لیا ہونٹ کاٹے۔ بالکل کسی ننھے بچے کی مانند۔

''میں نے مہدی سے طلاق لے کر بالاج سے دوبارہ شادی سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے بالاج کے پاس واپس نہیں جانا تھا۔'' وہ انہیں ٹھہر ٹھہر کر توڑ توڑ کر بتاتی رہی۔ اسکے سامنے کھڑا وریام بھی سنتا رہا۔ حاکم بھی سنتے رہے۔ کئی لمحے بعد حاکم بغیر کچھ کہے اٹھ رہے تھے۔ کندھے مزید بھاری۔ آنکھیں جھکی ہوئیں۔

''میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا تھا بالاج آپ کو بتائے گا اور سب ختم ہو جائے گا۔''

وہ اب بھی کچھ نہیں بولے۔سنا، ضبط کیا۔اور چپ رہے۔فریدہ اندر آئی تو وریام حاکم کے ساتھ باہر نکل گیا۔قیس کمبیر نے زینیا حاکم سے جو چھینا تھا اسکا ازالہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔قیس خود بھی نہیں۔

"فردِ جرم۔"

وہ گاؤں سے آئی لڑکی تھی۔جس کے خواب بڑے بڑے تھے۔اسے اپنی گاڑی چاہیے تھی، گھر، پیسہ، سب۔مگر جس گاڑی میں وہ بیٹھی تھی وہ پولیس موبائل تھی۔

گاؤں بدل چکا تھا۔اسکے گھر کی طرف سے آئے سفید رنگ کے لباس میں سفید ہی دوپٹہ سر پہ اوڑھے اس نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔عدالت کے باہر اسے ایک بار پھر جس چیز کا سامنا کرنا پڑا وہ ذلت تھی۔انسان نے جو کام نہ کیا ہو اسکی سزا جھیلنا ذلت ہی ہوتی ہے۔وہ موبائل میں بیٹھی خالی خالی نگاہوں سے اس ہجوم کو دیکھتی رہی جن کے پاس کوئی ثبوت تک نہیں تھا کہ وہ گنہگار ہے۔لوگ فیصلہ کرنے والے ہوتے کون ہیں؟

عدالت کے باہر لوگوں کا سمندر تھا۔عوام مشتعل تھی۔میڈیا کا جم غفیر تھا۔کیمرے اور مائیکس تھامے کھڑے لوگوں کو بس خبر چاہیے تھی۔وہ تین سے چار خواتین کے نرغے میں تھی۔اور انکے گرد پولیس کا دائرہ تھا۔انکے آگے قیادت میں وریام تھا۔وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ درمیان میں راستہ بناتا نکلتا جا رہا تھا۔اس نے ایک مرتبہ بھی زینیا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا تھا۔زینیا نے گردن جھکا رکھی تھی۔اسے دھکے لگے، اسکے جلے ہوئے بازو کو کئی بار زور سے پکڑا گیا، اسکے پیروں پہ بھاری بوٹ اسکی انگلیاں کچلتے چلے گئے۔مجمعے میں کئی لوگوں نے اسے گالی نکالی تھی وہ لب بھینچے گردن جھکائے چل رہی تھی۔قیس زمان اسے اس مقام پہ لے آئے گا یہ اس نے اس زندگی میں نہیں سوچا تھا۔

اس نے ہلکی سی گردن اس وقت اٹھائی تھی جب وہ کمرہ عدالت میں لائی گئی۔وریام اس سے ذرا فاصلے پہ بیٹھا اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔شاید عدالتی کاروائی سمجھانے کی کوشش؟ زینیا کی نگاہیں اس طرف اٹھیں جہاں سے قیس کمبیر اندر آ رہا تھا۔سپاٹ چہرے کے ساتھ میرہ اسکے ساتھ تھی۔اور ایک طرف بختیار۔وہ ایک مکمل خاندان تھا۔مصیبت میں ساتھ ساتھ۔

اس نے گردن پھیر کر نہیں دیکھا مگر وہ سن سکتی تھی۔ بلوچی زبان میں بات کرتے ہوئے اسکے دادا اسکے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔ اسکے کزن، اور اسکے چچا بھی۔ وکیل اسکے دائیں طرف آ کر بیٹھا تب اسکی نگاہ بشر سے ملی۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہا، زینیا نے بھی اسے ہی دیکھا۔ وہ اسکی نظروں میں اپنے لئے جو دیکھنا چاہتی تھی وہ مفقود تھا۔ پھر وہ بغیر کچھ کہے اس سے پچھلی نشست پہ بیٹھ گیا۔ وہ لاتعلق تھا۔ ایسے جیسے اسے جانتا تک نہ ہو۔

عدالتی کاروائی شروع ہوگئی تھی۔ فرد جرم عائد ہونے والا تھا۔ وہ شاید ملزمہ سے مجرم بننے والی تھی۔ عدالت کی طرف سے اسے ایک کاغذ دیا گیا تھا جن پہ ان الزامات کی وہ فہرست تھی جو اس پہ لگائے گئے تھے۔ اس نے ہر، ہر لفظ پڑھا۔

پھر اس نے دیکھا قیس اسے ہی تک رہا تھا۔ زینیا چند پل اسے دیکھتی رہی پھر اس نے نے پین تھاما۔ اور کاغذ پہ لکھا۔

“plead not guilty”

لکھ کر اس نے قیس کو دوبارہ دیکھا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ زینیا تلخی سے مسکرائی ہے۔ پھر اس نے بے آواز اسکے لب ہلتے دیکھے۔

“i am not a prize to be won”

وہ انکار کر رہی تھی ہر اس الزام پہ جو اس پہ لگا تھا۔ ہاں مگر اس نے دعوت دے ڈالی تھی ہر اس ذلت کو جو اگلے چند پل میں اسکا مقدر بننے والی تھی۔ اس نے کاغذ آگے بڑھایا۔ وکیل نے با آواز بلند وہ تین الفاظ پڑھے۔ قیس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ یوں جیسے اس نے اس چیلنج کو قبول کیا ہو۔ اب جنگ تو پھر جنگ سہی۔

“مدعی”

دس لاکھ کا سیاہ سوٹ پہنے دو لاکھ کے چمکتے جوتے پیروں میں ڈالے، بالوں کو اچھی طرح سیٹ کئے وہ کٹہرے میں کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر زینیا کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ کیا آ گیا تھا انکے درمیان؟ کیا شے تھی جس نے قیس کو اس نہج پہ لا کر کھڑا کیا یا پھر وہ ایسا ہی تھا؟ ایک ذرا سی غلطی، غلط فہمی پہ چھاؤں سے کھینچ کر دھوپ میں کھڑا کرنے والا۔

استغاثہ (**سرکار کی طرف سے وکیل، جو مدعی کی طرف سے ہوتا ہے**) وہ قیس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

''آپ عدالت کو اپنا نام اور پیشہ بتائیں۔'' قیس کے سامنے کھڑا وکیل کہہ رہا تھا۔

''قیس زمان کمبیر۔ میں پچھلے کئی سالوں سے ایک فیشن ڈیزائنر اور صنعت کار ہوں۔'' گردن اٹھائے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مقتول سے آپ کا تعلق؟''

''وہ میرے چچا کا بیٹا تھا۔''

''اکتیس دسمبر سے یکم جنوری کی رات کیا ہوا تھا؟ اور آپ اس واقعے کا ذمہ دار کسے سمجھتے ہیں؟''

اس نے گردن ترچھی کر کے ایک بار پھر زینیا کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اسکا دل کیا وہ یہاں سے پلٹ جائے۔ اس پہ غصہ، نفرت، اس پہ آیا طیش ایک طرف مگر وہ تو زینیا تھی۔ اس نے قیس کمبیر کو ہر بھنور سے باہر نکالا تھا۔ اسکی محفوظ پناہ گاہ۔ وہ اسکے لئے تو کچھ بھی کر سکتا تھا ناں؟

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ ہر خیال کو جھٹکا۔ اور کہنا شروع کیا۔ ہر وہ لفظ جس پہ کوئی بھی شریف انسان زمین میں گڑھ جائے۔ وہ ایسے ایسے قصے سنا تا رہا جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ بھری کچہری میں اس پہ بہتان لگا رہا تھا۔

قیسم کے کئی مردوں سے اس نے زینیا کا رشتہ جوڑا۔ وہ جوں جوں گردن جھکا رہی تھی قیس زہر اگل رہا تھا۔ اس کے کردار کے بخیے بری طرح ادھیڑ دینے کے بعد وہ ہر طرح سے اسے لالچی اور فراڈ ثابت کرتا رہا۔ وہ بس سنتی رہی۔ وہ اسکے سامنے اسکی نظروں سے گر رہا تھا اور گرتا چلا گیا۔ اس نے زینیا اور مہدی کے تعلق تک کو ایک گالی بنا دیا اور اپنے آپ کو فرشتہ ثابت کرنے کے لئے الزامات لگائے کہ وہ، یعنی زینیا حاکم کئی بار اسے provoke کر چکی ہے۔

''میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے بھائی کے قتل کی تفتیش کروائی جائے۔ پیسے اور ذاتی عناد کی بنا پہ میرے بھائی کے ساتھ ہونے والی اس ناانصافی کے لئے زینیا حاکم کو کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ ورنہ اس طرح ہم کتنے بھائی کھو دیں گے، میں جسے کھو چکا ہوں وہ واپس نہیں آسکتا لیکن کوئی اور اس تکلیف سے گزرے یہ نہیں ہونا چاہیے۔''

وہ کٹہرے سے نیچے اتر آیا۔ وکیل ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسکے حق میں اور مہدی کمبیر کی شخصیت اور اسکے کردار کے گن گا رہا تھا۔ زینیا سن رہی تھی۔ ایک معصوم کے کردار کے پرخچے اڑا کر اب ایک مرد کے کردار کے گن گائے جا رہے تھے۔ مرد کا اچھا کردار کسی کو یاد نہیں رہتا اور عورت کا برا کردار کوئی بھول نہیں پاتا۔ اسکا اچھا کردار ایک مرد نے برا بتایا تھا اور یہ معاشرہ اب اسے نہیں بھولنے والا تھا۔

"تفتیش۔"

کٹہرے میں کھڑے وریام بیگ سے حلف لیا جا رہا تھا۔۔ ہلکے آسمانی رنگ کی وردی والا مرد ہاتھ ہوا میں بلند کیے حلف لے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر زینیا کو دیکھا، پھر قیس کو اور پھر دوسری رو میں بیٹھے ایس پی کو۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے جو کہہ رہے تھے وہ سمجھ چکا تھا۔

خیر اپنے بارے میں وہ کہتا تھا **"وریام پیدا ہی نافرمان ہوا ہے۔"**

سنجیدہ اور بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے کہنا شروع کیا۔ "اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے سے کچھ ہی دیر قبل میں کرائم سین پہ پہنچا۔ جو کہ بہت بری طرح جل چکا ہے۔ فارنزک ٹیم پولیس سے پہلے آچکی تھی۔ اور انکی دی ہوئی رپورٹ مجھے آج صبح ہی موصول ہوئی ہے۔ دو دن کی ہنگامہ آرائی اور مصروفیات کے باعث اب تک کرائم سین کا معائنہ بھی سو فیصد نہیں ہو سکا۔ مجھے اب بھی لگتا ہے کچھ مسنگ ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بے حد روانی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ابتدائی تفتیش کے مطابق مس زینیا حاکم جھوٹی بھی ثابت نہیں ہوئیں اور ہم انہیں سچا بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیس بہت پیچیدہ ہے یور آنر۔ مجھے کچھ دن کا ریمانڈ دیا جائے۔ کیونکہ اس کیس کے جتنے پہلو ہم پہ اور ہماری ٹیم پہ کھلے ہیں وہ اتنے سیدھے نہیں ہیں جتنے لگتے ہیں۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔

"موقع پہ موجود لوگوں کی تعداد دو سو سے زائد ہے اور ہر شہادت دوسری شہادت سے مختلف۔ مسز کمبیر اور قیس کمبیر کے بیان میں بہت تضاد ہے۔ اور یہ دونوں ہی عینی شاہد ہیں۔ اسکے علاوہ تیسری عینی شاہد قتل کی رات کے بعد سے اب تک اپنے حواسوں میں نہیں ہیں۔ عدالت سے درخواست ہے کہ کچھ وقت دیا جائے۔ میں اور میری ٹیم بہت جلد نتائج سے آگاہ کریں گے۔"

وکیل نے اس سے چند مزید سوالات کئے۔ وہ تحمل سے جواب دیتا رہا۔ عدالت کی طرف سے اسے سات روزہ ریمانڈ ملا تھا۔ امیروں کا قتل ہر دفع اسکے لئے ایک دلچسپ کہانی کی طرح آتا تھا مگر اس بار وریام بیگ عدالت سے جاتے ہوئے بھاری دل ساتھ لے گیا تھا۔ کچھ تھا جو اسے برا لگ رہا تھا۔

"ریمانڈ۔"

کمرہ تفتیش پوری طرح سے بدل چکا تھا۔ دو بھاری بھر کم عورتیں ایک کونے میں بیٹھی ہانپ رہی تھیں۔ اور دوسرے کونے میں فرش پہ اوندھے منہ کوئی لڑکی گری ہوئی تھی۔ اسکے چہرے پہ، گردن اور جسم کے ہر، ہر حصے پہ اب نشان تھے۔

اور وہ منہ سے خون تھوک رہی تھی۔ گہرے سانس لیتے ہوئے وہ بامشکل اپنا تنفس بحال کر رہی تھی۔ جسم میں جو ٹیسیں اٹھ رہی تھیں انکا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

کراہتے ہوئے وہ بہت بری طرح درد سے سسک رہی تھی۔ کمرے کے عین بیچوں بیچ کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے وریام بیٹھا تھا۔ کمرے کے واحد روشن دان سے جو روشنی آرہی تھی وہ اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ کوئی دیوتا نہیں تھا وہ کوئی ظالم نہیں تھا وہ بس ایک پولیس افسر تھا جسے اپنے کیریئر کا سب سے بڑا کیس ملا تھا۔ اس لڑکی اور اسکی حالت دیکھ اسکے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا تھا۔ کئی منٹ بعد وہ لڑکی سکڑی سمٹی سی ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ اور چہرے پہ کرب تھا۔۔ جب وریام کچھ وقت کے وقفے کے بعد وہاں آیا تھا۔

"وجہ، ساتھی، طریقہ کار؟ کیا بتانا چاہو گی، مسز کمبیر؟" اسکے چہرے پہ نظریں جمائے محظوظ انداز میں پوچھا۔

وہ کرسی کھینچ کر اسکے سامنے کرسی آکر بیٹھا۔ زینیا نے پیر سمیٹ لئے۔ گھٹنے سینے سے لگائے وہ ہراساں انداز میں پیچھے ہوئی۔

"فکر مت کرو تمہارے حسن کا اسیر نہیں ہونے والا ہوں میں۔" وہ بے فکری سے بولا۔

"مانا تم خوبصورت ہو لیکن ایسا کیا تھا تم میں جو دو مردوں کو پیچھے لگا لیا؟ بلکہ تیسرے کو قتل بھی کروا دیا؟" مار پیٹ، گالیاں، پھٹکار وہ نہیں ٹوٹنی تھی اور نہیں ٹوٹی۔ کردار پہ ہر عورت ٹوٹ جاتی ہے اور وریام وہی آزما رہا تھا۔

''مجھے تم پہ بلکل ترس نہیں آرہا۔نہ تمھارے لئے برا لگ رہا ہے۔بلکہ اگر میرے ذرا مورلز نہ ہوتے تو میں باقاعدہ خود تم پہ ہاتھ اٹھانا پسند کرتا۔میرے مارے ہوئے ''**انسان** ''خود کو'' **بندر**'' کہتے ہیں۔بتاؤ ناں کیسے دام میں لائی دو، دو مرد؟ **کیسے تعلقات** رہے دونوں سے؟''

وہ چپ چاپ لب سیئے درد برداشت کرتی رہی۔اسکے بازو میں درد اٹھ رہا تھا بس درد۔وریام کی باتیں اسے زمین میں گڑھنے پہ مجبور کر رہی تھیں۔

''یہاں سے باہر نکلنا ہے؟''یکدم اسکے لہجے میں شیرنی گھل گئی۔''جانا ہے باہر؟''

زنیا نے بال چہرے سے ہٹا کر ایک طرف کئے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا۔

''اسکے لئے تو محنت کرنی پڑے گی۔محنت کرو گی؟''وہ اسے پچکار رہا تھا۔

''میں۔۔نے نہیں۔۔کچھ نہیں کیا۔''نقاہت زدہ لہجہ۔

''تم نے نہیں کیا مان لیا، ثبوت کیا ہے؟''وہ ہنوز نرمی سے کہہ رہا تھا۔''کسی نے تو کیا ہے ناں۔اور کون کر سکتا ہے؟یہ کیس one dimensional چل رہا ہے۔تم سوچو اگر تم نہیں تو کون؟دنیا دوسرا شک کس پہ کرے گی؟''

''دنیا اندھی ہے۔پہلا اور آخری شک قیس کمبیر پہ ہی جانا تھا۔''وہ بامشکل سیدھی ہو کر بیٹھی۔وریام کو دیکھا۔

''غیرت کے نام پہ قتل، طیش کے نام پہ قتل، جائیداد کا تنازعہ، ہر رخ اسکی طرف جائے گا مگر اس پہ کوئی نہیں بولے گا۔جو ہوگا میرے ساتھ ہوگا۔تم بھی اندھے، قانون بھی اور معاشرہ بھی۔''

''میرا تمھارے ساتھ کوئی ذاتی عناد نہیں تھا، نہ ہے۔لیکن میں سنکی ہوں۔''اس نے انگلی سے دماغ پہ دستک دی۔آنکھوں میں سرخی اور ایک عجیب جنون تھا۔

''جب تک مجھے اصل قاتل نہیں مل جاتا دو منٹ بھی سکون سے نہیں بیٹھ سکتا میں۔اس لئے یا تو تم یا پھر اصل قاتل۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔زنیا نے اسے نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

''ایک اور بات۔'' وہ جاتے جاتے رکا مڑ کر اسے دیکھا۔

''قیس زمان تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''مجھے نہیں ملنا۔ اگر تم میری اجازت کے بغیر یہ کرنا چاہتے ہو تو درست۔ ٹھیک۔''

وہ آنکھیں سکیڑے چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر پلٹ گیا۔ جتنے برے طریقے سے اس بار اسکا دماغ گھوما تھا ایسا تو بارہ سالہ سروس میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ ٹوٹ رہی تھی نہ کوئی دوسرا سرا ہاتھ آ رہا تھا۔

''ثبوت۔''

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سبز رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سوئیٹر والا مرد ایک کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اسکے پیچھے صنوبر تھی ۔ اور وقار بھی۔ کمرے میں زرد رنگ کی do not cross کی پٹیاں لگی تھیں۔ وہ ہاتھوں پہ دستانے چڑھائے اندر آیا۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر آنکھیں چندھیائے وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ جلا ہوا فارم ہاؤس۔ سفید عمارت جو خاک ہو چکی تھی۔ آنکھوں کے آگے اس عمارت کی ایک عجیب سی ڈراؤنی تصویر بنتی تھی۔ ادھ سفید، ادھ سیاہ، ادھ خاک۔

''ابراہیم کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟'' اس نے کھڑکی میں کھڑے ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اسکے ڈرائیور اور چوکیدار کے گھر گئی تھی۔ وہاں سے پتہ چلا کہ اس سکینڈل کے مشہور ہونے والے دن ہی مہدی ابراہیم سے ملنے آیا تھا۔ ملازم نے اسکے ہاتھ میں گن بھی دیکھی۔''

''یعنی سرکار اتنے معصوم بھی نہیں جتنا ہم نے سمجھ رکھا تھا۔'' ایک پھانس نکل گئی۔ اب وہ کھڑکی کے قریب رائفل اور اسکا اسٹینڈ فکس کر رہا تھا۔ یہ ویسی ہی رائفل تھی جس سے مہدی کمبیر کو گولیاں ماری گئی تھیں۔

''ڈرائیور بتا رہا تھا کہ اندر اسکی بیوی کام کرتی ہے اور اس روز اس نے سنا کہ مہدی اپنی بیوی کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے ابراہیم کو مارا بھی تھا اور دھمکی دی کہ ان تمام خبروں کی تردید کی جائے۔ ابراہیم وہ آدمی ہے جو اسکی موت سے تھوڑا عرصہ قبل

تک مقتول سے ناراض رہا ہے۔ اگر اس نے پوسٹ مارٹم رپورٹ نہیں بدلی تو میں نے کچھ دیکھا نہیں۔" صنوبر تلخی سے کہتے ہوئے آگے آئی اور اسٹینڈ فکس کرنے میں اسکی مدد کرنے لگی۔ وقار بے دھیانی میں اپنے موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

"یہ رائفل اور اسکا کرایا کتنا ہے جانتے ہیں آپ؟" اسٹینڈ فکس کرتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی۔

"بل بھرنا پڑے گا ہر دفع میں اپنے پیسے آپ کے شوق میں نہیں جھونک سکتی باس۔"

"بہت پیسے ہیں میرے پاس رائفل کے ساتھ تمہارے آنے جانے کا کرایا بھی دے دوں گا۔" اس نے کبھی پیسے دینے سے انکار نہیں کیا تھا۔ ہاں مگر دیے نہیں تھے یہ الگ بات ہے۔

وریام پلٹا۔ اور اب ایک مختلف زاویے سے کھڑے ہو کر فارم ہاؤس کی اس بالکنی کو دیکھنے لگا۔ وہاں ایک انسانی پتلا تھا جو دوربین سے نظر آتا تھا۔ اس نے رائفل اسٹینڈ سے نکالی اور کندھے پہ رکھی۔ اب وہ کندھے پہ رکھی رائفل کا نشانہ عین دل کا مقام رکھ رہا تھا۔ آنکھیں چھوٹی تھیں، پھولے ہوئے پٹھوں سے سبز رگیں ابھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"قتل لڑکی نے نہیں کیا۔" کہتے ساتھ اس نے فائر کیا۔ گولی پتلے کو جا کر لگی۔ اور وہ سینے پہ فورس لگنے سے پیچھے ہوا، پھر دو مزید فائر کئے اور پتلا کافی دور جا کر گرا۔ کمرے کی دیوار تک دور۔ وقار ان دونوں سے بے نیاز کوئی بہانہ بنا کر باہر جا چکا تھا۔

"کیا ہم پہلے دن سے نہیں جانتے کہ قتل لڑکی نے نہیں کیا؟" صنوبر بے زاری سے بولی۔ "لیکن اگر اس نے نہیں تو پھر کس نے؟ اور اس نے نہیں کیا یہ آپ کو کیسے پتہ؟ اور یہی بات آپ کورٹ میں کیسے ثابت کریں گے؟"

"پہلے تو اس ابراہیم سے یہ پوچھو گولی سینے پہ لگنے سے جب بندہ پیچھے گرا تو اسکے بوٹ میں اگر کچھ چکنا تھا بھی تب بھی وہ پیچھے ہی گرے گا یا اسکے باپ نے نئی سائنس ایجاد کی ہے جس میں گولی لگنے پہ بندہ آگے گر رہا ہے۔ خبیث کی اولاد اسکا وارنٹ نکلواؤ۔ ذرا اسکو سائنس پڑھاؤں میں۔" اکتاہٹ سے کہتے اب وہ جھک کر کھڑکی کے پاس ایک ایک چیز پہ غور کر رہا تھا۔ نیا نیا پینٹ ہوا تھا کچھ کچھ قطرے وہیں گرے ہوئے تھے۔ اس گھر کا مالک بھی حراست میں تھا۔ یہ وہی گھر تھا جہاں سے کھڑے ہو کر مہدی کو گولی ماری گئی۔

''اسے کسی نے پیچھے سے دھکا دیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے۔اور، رپورٹ میں یہ بات واضح ہے۔کوئی جھول نہیں ہے باس۔اس نے اپنی طرف سے سب کلئیر رکھا ہے۔لیکن ایک بات ہے۔رپورٹ کے مطابق اسکا دل بائیں طرف تھا۔لیکن زینیا کہتی ہے اسکا دل دائیں طرف ہے۔''صنوبر گہری سانس لیتے ہوئے کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے بیٹھ گئی۔جیب سے سیگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا۔پھر ایک سیگریٹ،اور لبوں میں دبائے اب وہ سیگریٹ سلگا رہی تھی۔اسکے چہرے ہ بھی اضطراب تھا۔

''وہ، قیس کمبیر اسکے بارے میں بہت کچھ آف ہے۔میں نے پتہ کروایا ہے۔جیسا نظر آتا ہے وہ ویسا ہے نہیں۔''

''مجھے نہیں لگتا وہ قاتل ہے۔''صنوبر نے مداخلت کی۔''اچھا خاصا ڈراما ٹک آدمی ہے۔جو آگ سے ڈرتا ہے اس کے پلان میں کبھی آگ شامل نہیں ہو سکتی۔''اس نے سیگریٹ کے گہرے کش لئے دھواں ہوا میں چھوڑا۔

''یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ آگ واقعی شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی ہو۔مجھے لگتا ہے آگ صرف اس لئے لگائی گئی تا کہ باڈی شناخت کے قابل نہ رہے۔لیکن قیس ایسا نہیں لگتا۔''وہ ہنوز مضمحل تھی۔

''مہدی کا قاتل مجھے بھی نہیں لگتا وہ۔اسکے پیٹرن مختلف ہیں۔تم نے غور کیا قتل کے پورے ایک دن بعد اس نے ایف آئی آر کروائی کیونکہ وہ ہر قدم طے کر کے چلتا ہے۔اگر وہ قتل کرتا بھی تو جھول نہیں چھوڑتا۔جیسے اپنے پچھلے کسی قتل میں نہیں چھوڑے۔''وہ دیوار سے سفید چورا ایک چھوٹے سے پلاسٹک بیگ میں منتقل کرتے ہوئے اسکے سامنے آکر بیٹھا۔

''خالق حسین اور قیس کمبیر کی ایک لمبی کہانی ہے۔لیکن جیسے ہی قیس کے پاس پیسہ آیا۔خالق حسین کا قتل ہو گیا۔ماضی میں اسے گاؤں سے نکالنے والا اسکا اپنا ماموں تھا اور کچھ عرصہ قبل اسکا بھی قتل ہو گیا۔پیٹرن دونوں کا ایک۔جگہ بھی ایک۔''

''اور قاتل بھی ایک، قیس زمان کمبیر۔''صنوبر نے لقمہ دیا۔وریام نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو نفی میں ہلایا۔

''یہ میرا اندازہ ہے۔قتل شاید اس نے نہ کیا ہو بلکہ کروایا ہو۔یا شاید اسکا اس سب سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

''اگر کیا بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ہم قیس کی پچھلی زندگی کا قصہ سننے نہیں بیٹھے ہمیں مہدی کے قتل کا معمہ حل کرنا ہے۔''وہ کچھ جھنجھلائی۔

"بات وہیں آکر ختم ہوتی ہے۔ خالق حسین نے اسے ہرٹ کیا مارا گیا۔ اسکے ماموؤں نے اسے ہرٹ کیا مارا گیا۔ مہدی نے اسکی سابقہ منگیتر سے شادی کرلی۔ ٹیکنیکلی اس نے بھی قیس کو ہرٹ کیا۔ زینیا نے اسے چھوڑ کر کسی اور کو چنا ہر مرد کی انا ہرٹ ہوگی اسکی بھی ہوئی۔ کیا آدمی ہے، ایک کو اوپر پہنچا دیا دوسرے کو جیل؟ مسئلہ یہ ہے کہ اسے ہرٹ کرنے والا ہر انسان کچھ وقت بعد مر کیوں جاتا ہے؟ خدا اس پہ کچھ زیادہ مہربان ہے، یا قیس بذات خود شیطان ہے؟"

"پچھلے دو قتل ایک پیٹرن پہ ہوئے تھے اور یہ قتل مختلف ہے۔ اسکے علاوہ مجھے اب تک یہ نہیں سمجھ آرہی قتل کے بعد لاش کو جلایا کیوں گیا؟" صنوبر سیگریٹ کے دھوئیں کے پار پر سوچ تھی۔

"شاید زینیا واقعی سچ کہہ رہی ہو مہدی واقعی نہیں مرا۔؟ تمھیں کیا لگتا ہے؟"

وریام اٹھا اور اسے ساتھ اٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں فارم ہاؤس میں تھے۔ وریام بالکنی میں کھڑا تھا۔ موبائل کان سے لگا تھا اور صنوبر نیچے کھڑی تھی۔ اس نے بھی موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ ویسے جیسے چند روز قبل کسی اور منظر میں، کسی اور نے۔

"اوپر آؤ اور اس تیزی سے جیسے تمھارے شوہر کو گولی لگی ہو۔"

"استغفر اللہ اگر آپ نے اتنا سیریئس ہونا ہے تو میں نہیں کھیل رہی۔" وہ خفا ہوئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، یہ سمجھو تمھارے باس کو گولی لگی ہے۔ اب اوپر آؤ۔"

صنوبر وہیں گھاس پہ بیٹھ گئی اور معصومیت سے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ گویا کہہ رہی ہو **"ایسے باس کے تو سوئم میں بھی بھاگ کر نہ جاؤں۔"**

"تم آرہی ہو یا میں نیچے آکر تمہارا جنازہ نکالوں؟"

وریام فون پہ غرایا تو وہ فوراً اوپر بھاگی۔ تقریباً دو سے تین منٹ بعد وہ تیسری منزل میں تھی۔ جس کمرے کی بالکنی میں وریام کھڑا تھا وہ کوئی جدید اسٹائل کا سٹنگ ایریا تھا۔ جس کی چاروں دیواریں شیشے کی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ سانس پھولا ہوا تھا۔ کمرے میں خون کے دھبے اب بھی تھے۔

''قتل کا الزام لگے یا نہ لگے اس پہ evidence tamper کا کیس ضرور بنے گا۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے اپنے اطراف میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ اس لڑکی کی مدد کر رہے ہیں؟'' وہ حیران ہوتی ایک ایک دراز کھول کر دوبارہ چیک کر رہی تھی۔ وہاں بس معمول کے استعمال کے سامان تھے۔

''میں صرف اپنے شیطانی دماغ کو پر سکون کر رہا ہوں۔ مجھے وہ انسان چاہیے جس نے یہ کیا ہے۔ وہ نہیں ملا تو مجھے سکون نہیں آئے گا۔''

وریام بالکنی میں پنجوں کے بل بیٹھا فرش کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جگہ جگہ زرد کارڈ رکھے تھے جن کے گرد سفید دائرے تھے۔ اور کارڈز پہ نمبرز لکھے تھے۔ یہ نمبرز فارنزک ٹیم نے ثبوتوں کی نشاندہی کے لئے لگائے ہوتے ہیں۔ اسی پل اسکی نظروں نے بالکنی کے فرش کو چھوتے شیشے کے ساتھ اٹکا کوئی سلور سا پینڈنٹ دیکھا۔ اس نے کھینچ کر نکالا اور آنکھوں کے آگے کیا۔ ایک بے حد سادہ اور سستا سا ہنس کا پینڈنٹ۔ اسے زینیا کے سامان میں ایک ہمنگ برڈ کا پینڈنٹ بھی ملا تھا۔ مہدی کے کی شرٹ پہ ''**شاہین**'' کے کف لنکس تھے۔

''یہ دیکھو، شاید وہ اظہار کے لئے یہ لایا تھا۔''

''آپ تو ایسے خوش ہو رہے ہیں جیسے آپ کو دینے والا تھا۔'' وہ کلس کر بولی۔

''جیسے تم سیگریٹ کے یہ پیکٹ دیکھ کر خوش ہو رہی ہو کہ یہ برانڈڈ سیگریٹ میں تمھیں لینے دوں گا۔'' دراز سے اسکی جیب میں منتقل ہوتی سیگریٹ دیکھ وہ طنز کر گیا۔ پینڈنٹ جیب میں ڈالا۔ اور اپنا کندھا تھپک کر خود کو شاباش دی۔

''جو مرد سستی چیزوں سے اظہار کرنے کی جرات رکھتا ہے اسکی محبت بہت قیمتی اور مہنگی ہے۔ اور جو لڑکی ان سستی چیزوں کو گلے میں ڈال کر گھومتی ہے وہ پیسے کے لئے قتل نہیں کرتی۔ تفتیش مکمل ہوئی۔ زینیا حاکم بے گناہ ہے۔''

وہ کمرے سے باہر نکلا۔ صنوبر امپورٹڈ سیگریٹس کو حسرت سے دیکھتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"ڈیفنس۔"

ریمانڈ کا چھٹا اور آخری روز تھا۔ وہ کرسی پہ اسکے سامنے بیٹھی تھی۔ نقاہت سے اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ آنکھوں کے نیچے زخم کے نشان تھے۔ اور جسم پہ ایسے لاتعداد نشان تھے۔ اسکے ہونٹ پیڑی زدہ تھے۔ بال الجھ کر رہ گئے تھے۔ وہ کمزور ہو گئی تھی۔ وریام بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کوٹھڑی میں آنے سے پہلے وہ جذبات باہر چھوڑ کر آتا تھا۔

"تم اپنی آزادی خرید سکتی ہو۔ تم اگر قاتل نہیں ہو تو مجھے اس دہلیز پہ چھوڑ کر آؤ جس کے اندر مجھے کوئی قاتل ملے۔" میز پہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے آفر دی۔

وہ بغیر کچھ کہے کرسی پہ کی پشت سے سر ٹکائے گہرے سانس لیتی رہی۔ وہاں اب گہرے نشان تھے۔

"میں تمھیں آج رات ریلیف دوں گا۔ تمھارے پاس بہت وقت ہے سوچو اور پھر بتاؤ۔ یہاں رہ کر مزید ذلیل ہونا ہے یا باہر نکل کر اس انسان کو گدی سے پکڑنا ہے جو تمھیں یہاں لایا۔" وہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔ وریام نے گہری سانس اندر کھینچی۔ پیپر ویٹ میز پہ ایک طرف رکھا۔ زرد بلب کی روشنی میں اسکا چہرہ دھندلا نظر آرہا تھا۔

"ایک لڑکا تھا۔ وہ میوزکل اسٹور پہ کام کرتا تھا۔ اسے میوزک سے بہت عشق تھا۔ جنون کی حد تک۔ ایک ایک کیسٹ، ایک ایک گانہ، ایک ایک غزل اسے کلاسیکل، ماڈرن، تاریخی ہر طرح کا میوزک اسے یاد تھا۔ اسکی روح میوزک کے لئے تھی۔" وہ ماضی کے گرداب میں مٹی سے اٹے ہوئے کسی کتاب کے پنے کھول کر زخمی دل سے کوئی کہانی پڑھ رہا تھا۔

"اسٹور کا مالک سخت گیر تھا۔ اس نے لڑکے کی چھ ماہ کی تنخواہ اسے نہیں دی لیکن لڑکا اسٹور چھوڑ کر نہیں جا سکا کیونکہ اسے لگتا تھا اسکا مالک اسے کہیں اور بھی سکون سے رہنے نہیں دے گا۔ ایک جہنم کے بعد اسکے لئے دوسری جہنم ہو گی۔ وہ بہت vulnerable ہو گیا تھا۔ اس نے خوف سے اس جگہ پہ ذلیل ہونا چنا کیونکہ باہر اسکے لئے ایک اور جہنم تھی۔" وہ رکا۔ توقف کیا۔

"پھر ایک دن اسکی ماں بہت بیمار ہو گئی۔ لڑکے نے اپنی تنخواہ سے کچھ حصہ مانگا مالک نے پھر منع کر دیا اور کہیں چلا گیا۔ اسے لڑکے کو سزا دے کر بہت سکون آتا تھا۔

لڑکے کے چھوٹے بھائی ماں کو ہسپتال لے گئے لیکن علاج کے لئے رقم نہیں تھی اسے کسی بھی طرح اپنا بچاؤ کرنا تھا۔اس روز اس اسٹور میں بیٹھ کر اس نے غور کیا۔اسے چانس لینا تھا یا اسی جہنم میں مر جانا تھا؟

اور پھر اس نے اسٹور سے آدھے سے زیادہ کیسٹس اٹھا کر ایک بیگ میں ڈالیں۔وہ یہ کام کرتے ہوئے رو رہا تھا کیونکہ وہ کیسٹس عام نہیں تھیں۔اور پھر اس نے ساری کیسٹس بازار جا کر بیچ دیں۔''زینیا نے ہلکی سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔اسکی آنکھیں اس پل بے حد مختلف آنکھیں تھیں۔وریام بیگ کوئی اور انسان تھا۔

''مالک کو لگا تھا یہ تو ایک ناممکن حرکت ہو گی کہ میوزک کا عاشق یوں میوزک کو کوڑیوں کے دام بیچ دے۔لیکن کئی بار اپنے بقا کے لئے ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو کسی نے سوچے بھی نہ ہوں۔جس جہنم کو ہم نے جہنم سمجھ کر وہاں ہمیشہ کے لئے رہنے کا سوچ لیا ہوتا ہے وہاں سے ہاتھ پیر مار کر نکلنا پڑتا ہے کیونکہ انسان امید پہ چلتا ہے۔آخری جہنم یہاں نہیں ہے پھر گو اپ کیوں کریں اور اپنا دفاع کیوں نہ کریں؟چانس لینے پڑتے ہیں۔کیا پتہ اس جہنم کے بعد کوئی جنت ہو؟اور اگر نہ بھی ہوئی تو کسی انسان کو یہ حق نہیں وہ ہمیں جہنم میں رکھے۔خود پہ سب سے زیادہ حق ہمارا ہے۔''

اسکی آنکھیں،اسکا لہجہ اور وہ باتیں زینیا حاکم نواب کسی خواب سے جاگی تھی۔وہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا چلا گیا تھا۔زینیا نے اپنے جسم میں ایک نئی امید محسوس کی۔تھانے کی وہ کوٹھڑی اگلے کئی منٹ اسکی باتیں اپنے اندر جذب کرتی رہی۔

وریام بیگ کی سرمئی گاڑی ایس پی آفس کے باہر آ کر رکی۔وہ ہاتھ میں ایک کاٹن لئے بوٹ سے دروازہ بند کرتا اندر آیا۔پانچ منٹ بعد وہ ایس پی آفس میں تھا۔فاروقی صاحب اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔

''کہو پھر برخوردار کیا خبر لائے ہو؟''

اس نے کاٹن سے سفید رنگ کا چورا نکال کر میز پہ رکھا۔اور ایس پی کو دیکھا۔

''یہ ڈر گز ہے۔لیکن اسلام آباد اور کراچی میں نئی آئی ہے۔اور اسے خریدنے کی استطاعت بہت کم لوگوں کی ہے۔قاتل نے جہاں سے فائر کیا ہے یہ ہمیں اس جگہ سے ملا ہے۔لڑکی کا فون ریکارڈ،ملنا ملانا،دوست،دشمن سب دیکھ لیے ان سب میں کوئی بھی ایک

ایسا انسان نہیں ہے جس کے زریعے وہ ایسے قاتل کو ہائیر کرواسکے جو اتنی مہنگی ڈرگز استعمال کرتا ہو۔'' کہتے ہوئے اس نے مہدی کے دوست جو ملک سے باہر اور ملکی تھے ان سے کال کی ایک فہرست رکھی۔ فہرست میں تین نام انڈر لائن تھے۔

''میں نے ان سے بات کی اور ان تین لوگوں کو مہدی کے نکاح کا علم تھا۔ اور ان تینوں کا بیان ایک ہی ہے کہ مہدی کے منہ سے زینیا کے لئے ہمیشہ توصیفی جملے سنے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکا دوست جو ٹریول ایجنٹ ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ زینیا نے لندن جانے سے صاف انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ مہدی کی مدد نہیں لینا چاہتی تھی وہ ایک خوددار لڑکی ہے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی انکے انداز میں سختی گھل گئی۔

''یہ کہ، زینیا حاکم نہ قاتل ہے۔ نہ شریک قتل۔'' تحمل سے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

''اور وہ اتنا پیسہ جو کھاتی رہی ہے؟ وہ بہن بنا کر کھلایا تھا کمبیر نے؟''

"بیوی بنا کر خرچ کیا تھا۔'' وریام ایک بار پھر اسی تحمل سے بولا۔ ''مرد کی محبت ایسی ہوتی ہے جس سے ہو اس پہ خرچ کرتا ہے وہ۔ اس طرح تو ہم یہ کہہ دیں کہ شاہ جہاں کی بیوی نے گن پوائنٹ پہ تاج محل بنوایا تھا۔ کسی شوہر کے بیوی پہ پیسہ خرچ کرنے پہ بیوی پہ قتل کی دفعہ نہیں لگا سکتے۔''

''تم استغاثہ کی ٹیم ہو۔ وکیل صفائی نہیں۔ تم وہ ڈھونڈو جو ہم چاہتے ہیں۔ وہ لڑکی قاتل ہے یا نہیں مجھے فرق نہیں پڑتا۔ ڈپارٹمنٹ کی بقا اسی میں ہے کہ اگلے تین سے چار ماہ وہ لڑکی ہماری تحویل میں رہے بلکہ اس پہ evidence tamper کا کیس بن سکتا ہے۔ قاتلوں کے ساتھ اس کا تعلق بناؤ۔ اٹھاؤ یہ سب یہاں سے۔'' ناگواری سے کاٹن کی جانب اشارہ کیا۔

''وہ لڑکی ہے سر، اسکی زندگی تباہ ہو جائے گی۔'' وریام کے انداز میں کچھ نہیں بدلا۔

ایس پی صاحب نے باقاعدہ ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''اسکی زلفوں کے اسیر ہوئے ہو تو اسے عدالت لے جانے میں دو دن باقی ہیں۔ اور وہ تمہاری تحویل میں ہے۔ جو چاہے کرو لیکن یہ بکواس لے کر مت آنا کہ عدالت اسے رہا کر دے۔ ناؤ گیٹ لاسٹ۔''

وریام نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ سر کو اثبات میں ہلایا۔ سامان واپس کاٹن میں ڈالے اور اسی سرخ چہرے کے ساتھ اس آفس سے پلٹ گیا۔ ایک فیصلہ تھا جو وہ کرچکا تھا۔ اور اب بس اس پہ قائم رہنا تھا۔

رات گہری تھی۔ اور سیاہ بھی۔ سناٹے اسکی جان کو آرہے تھے۔ یہ تنہائی اسے خوف زدہ کررہی تھی۔ معاملات اس نہج پہ آجائیں گے وہ مرا ہوا مرد اسے اس طرح یاد آئے گا یہ کب سوچا تھا؟ لاؤنج میں تنہا بیٹھا وہ شخص دھوئیں کے مرغولے ہوا میں اڑا رہا تھا۔ ہینگنگ لیمپ کی ہلکی روشنی اسکے بائیں رخ پہ پڑرہی تھی۔ دفعتاً کوئی آہٹ آئی۔ پھر بوٹوں کی چاپ۔ پھر اس نے اپنے قریب کسی کی موجودگی کو محسوس کیا۔

"اب کیوں آجاتے ہو، اب تو ہم دوست بھی نہیں، ٹریجڈی۔"

"ہم دونوں کے کئی تعلق نکلتے ہیں۔ دوستی نہ سہی دشمنی سہی۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ پھر قیس کے ہاتھ سے سگار لے کر ایش ٹرے میں بجھادیا۔ براق نے کرسٹل میز پہ سفید نمک جیسے ذرات بھی دیکھے اور قیس کی آنکھوں کا گلابی پن بھی۔ اسے افسوس ہوا۔ بے حد افسوس۔

"ملکہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

قیس استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"اوہ، براق اوہ۔ تم اب بھی اسکی سفارشیں لارہے ہو؟"

"منع نہیں کرسکتا تھا۔ تمہاری طرح اس سے بھی کئی تعلقات نکلتے ہیں۔"

"کسی سے نہیں ملنا جاؤ یہاں سے۔" اس نے اپنا وجود صوفے کی پشت پہ ڈال دیا۔ منشیات کا اثر ہورہا تھا۔

"سب ختم ہوسکتا ہے، لوسفر لیکن ہمارا trio نہیں۔ ہم دوست تھے یار۔"

ملامت سی ملامت تھی۔

"میں تم سب کو دوست سمجھتا رہا۔ تم لوگوں نے مجھے پاگل سمجھا۔ فائدہ اٹھایا۔ ملکہ مجھے بتا سکتی تھی مہدی اور زینیا کے درمیان کیا ہے۔ اسے بتانا چاہیے تھا۔ تم، زینیا، مہدی تم سب ایک جیسے تھے۔ تم سب۔" اسکے لہجے میں دل کو چیر دینے والا کرب تھا۔

"تم خود کون ہو کیسے انسان ہو۔ تمھیں پتہ بھی ہے تھانہ ایک عورت کے لئے کیسا ہوتا ہے۔ تم اس سے ایسا انتقام کیسے لے سکتے ہو؟"

"انتقام کے کوئی ایتھکس نہیں ہوتے۔ اسے بلندیاں چاہیے تھیں میں نے ذلت میں اسے بلند سے بلند مقام دیا ہے۔ اسے کسی مرد کا ساتھ چاہیے تھا تھانے میں، کچہری میں اتنے مرد ہیں کہ وہ گنتی بھول جائے گی۔ وہ چاہتی تھی لوگ اسے یاد رکھیں اب ہر کوئی اسے یاد رکھے گا۔ گھر کی چار دیواری چھوڑ بازار اس نے خود چنا تھا۔" زہر خند لہجہ۔

براق تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمھیں دیکھ کر کوئی یقین کرے گا تم وہی مرد ہو جو اسکے لئے مرنے اور مارنے کو تیار تھا؟"

"اب بھی تیار ہوں۔ لیکن جو غلطی اس نے کی ہے حساب تو دینا پڑے گا ناں؟ میرے علاوہ خود پہ کسی اور کو اختیار کیسے دیا اس نے؟" وہ بڑبڑایا۔

"تم پچھتاؤ گے۔ عورت ذلت نہیں بھولتی۔ نہ دینے والے کو۔ تمھیں معاف نہیں کرے گی وہ۔"

"اس مرد کو وہ کھو چکی ہے جو اس سے معافی مانگا کرتا تھا۔ اب یہ کام ساری زندگی وہی کرے گی۔" وہ سیدھا ہوا براق نے اسکی آنکھوں میں وحشت دیکھی۔

"اپنی ہر غلطی کا اعتراف کرے گی وہ۔ اسکی اٹھی ہوئی گردن میں تمھیں جھکا کر دکھاؤں گا۔ اسکی باقی کی زندگی یہاں میرے قدموں میں گزرے گی۔" جنون بھی اسکے سامنے چھوٹا لفظ تھا۔

"اور اس سب کے بعد کیا وہ کہاں جائے گا کبھی سوچا ہے؟"

''اسکا ہر راستہ مجھ پہ آکر ختم ہوتا ہے۔ میں اسے واپس اپنے پاس لاؤں گا۔ دنیا کے رحم و کرم پہ کیسے چھوڑوں گا محبت ہے وہ میری۔ تمھیں لگتا ہے میں اسے کبھی چھوڑ سکتا ہوں؟'' براق کچھ کہنا چاہتا تھا مگر چپ رہا۔ وہ اب اٹھ رہا تھا۔ مگر نشے کی زیادتی تھی کہ کیا وہ واپس صوفے پہ گر پڑا۔ پھر ہنسا۔ اگلے کئی لمحے وہ ہنستا رہا۔ بے اختیار بلاوجہ دیوانوں کی طرح بے بسی سے۔ اسکی آنکھیں گلابی سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

براق نے اسے سہارا دے کر اٹھانا چاہا وہ اسکا ہاتھ جھٹکتے ہوئے خود اٹھ کھڑا ہوا۔ اندھیرے لاؤنج سے نکل کر وہ اب راہداریوں سے گزر رہا تھا کئی بار وہ گرا۔ پھر اٹھا۔ ہر کمرے، ہر راہداری میں کہیں رک کر وہ اسے تلاش کرتا تھا۔ اسے پکار رہا تھا۔ اسکا بھائی جواب نہیں تھا۔ ہر بار، ہر پکار پہ جب جواب نہیں آتا تو قیس کا دل ہر دفع پہلے کی طرح دکھ رہا تھا۔

اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہ مہدی کے کمرے میں آیا۔ بتی بجھی رہنے دی۔ زیرو بلب کی ہلکی روشنی میں وہ الماری کے قریب آکر رکا۔ اسکے کپڑے، جوتے، سوئیٹر، بوٹ وہ ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا دل میں کوئی میخیں گاڑھ رہا تھا۔ اسکا چہرہ گیلا ہو رہا تھا۔ اسکے گلے میں آنسوؤں کے گولے بن رہے تھے۔ دنیا کے سامنے وہ اداکاری ہوتی یا جھوٹ آج یہاں کھڑے اسکے کمرے میں اسے نہ دیکھ اسے پتہ چلا تھا اس نے کیا کھویا ہے۔ اس نے مہدی نہیں اس نے دنیا کھودی تھی۔ اس نے بھائی نہیں دل کا ایک حصہ کھودیا تھا۔ کوئی اسکے لئے اسکا بازو نہیں بن سکتا تھا۔ کوئی قیس کا مہدی نہیں بن سکتا تھا۔ کوئی نائٹ میئر کا گرین وونڈ نہیں بن سکتا تھا۔ ساری دنیا ایک طرف اسکا مہدی ایک طرف۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ اسکا چہرہ، اسکی آنکھوں کا کرب دل کو چیر رہا تھا۔

''کاش تم اس فریبی عورت کی باتوں میں نہ آئے ہوتے۔ کاش تم نے اپنے بھائی کو چنا ہوتا۔'' وہ اسکے سوئیٹر کو سینے سے لگائے روتا جاتا اور کہے جاتا۔

''تم نے میرا نقصان کر دیا۔ تم چلے گئے ہو اور اب مجھے لگ رہا ہے میں تمھارے بغیر کیا کروں گا؟ تمھارے بغیر تو میں کچھ نہیں، میں تمھیں کہاں سے واپس لاؤں؟''

کوئی اسکی یہ حالت دیکھ لیتا تو کلیجہ منہ کو آجاتا۔ قیس زمان کمبیر کے پاس دل تھا اور وہ دھڑکن کھو چکا تھا۔ دھڑ تھا اور وہ بازو کھو چکا تھا۔ دنیا تھی مگر رنگ کھو چکے تھے مہدی نہیں تھا اور وہ دنیا کھو چکا تھا۔

"میں تمھیں کہاں سے واپس لاؤں؟ تم نے مجھ سے کیا کیا چھین لیا تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ روتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ بلند آواز میں گریہ کر رہا تھا۔ قیس کو لگ رہا تھا اسکا دل پھٹ جائے گا۔

چند لمحے بعد وہ مہدی کے بستر پہ تھا۔ اسکی چادر سر تک تانے ہوئے، اسکا تکیہ سینے سے لگائے، اس ہی کی خوشبو آس پاس محسوس کرتے وہ آنکھیں موند گیا۔ اسکے چہرے پہ آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان تھے۔ مہدی اسے یاد آرہا تھا بے تحاشا، بے حد۔ وہ ساری زندگی یونہی یاد آئے گا۔ قیس اسے بھول نہیں پائے گا۔ یہ وہ زخم تھے جو پندرہ سال پہلے لگنے والے زخموں سے زیادہ تکلیف دے رہے تھے۔

اسے کھو کر ساری عمر خسارہ تھی۔

"آخری ملاقات۔"

سلاخدار دروازے کے پار کھڑی شیزل سیمسن بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جس کے ساتھ اس نے ڈیڑھ سال گزارا تھا۔ یہ وہ بھی نہیں تھی جس سے وہ چند روز پہلے ملی تھی۔ یہ کوئی اور تھی جسے پہچاننے سے وہ انکاری تھی۔ یہ اس صبح کا ذکر کے جب اسے عدالت لے کر جایا جا رہا تھا۔ اور بہت زیادہ کوششوں کے بعد بلا خر اس سے ملنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"میں نے بہت کوشش کی مجھے ایک بار تم سے ملنے دیا جائے لیکن کوئی مجھے تم سے ملنے نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ میں تمہاری فیملی نہیں ہوں۔" سلاخوں کے پار اس نے زینیا کے ہاتھ تھامنے چاہے۔ وہ ہاتھ سلاخوں سے ہٹا گئی۔

"مجھے بتاؤ میں تمھارے لئے کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا یار۔ میں آج ہر صورت قیس سے ملنے کی کوشش کروں گی۔" اسکی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ "مجھے تو اب تک یہ یقین بھی نہیں آرہا کہ مہدی نہیں رہا۔ جب اس نے براق کی تصاویر مجھے بھیجی تھیں تب۔۔"

زینیا حاکم نواب ایک خواب سے جاگی تھی۔ اس نے شیزل کو دیکھا۔ اسکا ذہن ایک اور نہج پہ گیا اور وہ سانس نہیں لے سکی۔ وہ پھیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ کیسے بھول گئی؟ میں کیسے بھول گئی۔؟؟" وہ غیر یقینی سے بہ دقت بول پائی۔

"کیا ہوا تم کیا بھولی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

"مجھے، وریام سے ملنا ہے۔ پلیز عدالت جانے سے پہلے مجھے اس سے بات کرنی ہے۔ وہ یہیں کہیں باہر ہوگا تم اسکو یہاں بھیجو پلیز۔"

"اسکا مجھ سے چھتیس کا آکڑا ہے۔ اتنے دن ملنے بھی تو اسی نے نہیں دیا۔ تمہیں کیا کام ہے مجھے بتاؤ۔"

"تم اس سے جا کر کہو لڑکے نے کیسٹس بیچ کر بلکل ٹھیک کیا۔ بظاہر چیز پہ بھاری ہے۔" وہ تیز تیز کہہ رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں روشنیاں تھیں۔

شیزل الجھ کر اسے دیکھتی رہی مگر وہ اسکے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی اسی لئے پلٹ کر واپس وریام کے آفس تک آئی۔ وہ عدالت جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ تھانے کے باہر ایک بار پھر رش تھا۔ جس کا شور یہاں تک آرہا تھا۔ وہ اسکے آفس کے دروازے پہ رک گئی۔

"زینیا کو تم سے بات کرنی ہے دو منٹ اسکی بات سن لو۔"

"تمہاری زینیا کے باپ نے مجھے نوکر رکھا تھا یا تم نے؟ مل لیا ناں اب جاؤ اپنا کام کرو۔"

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ تم مجھے اس طرح کیوں ٹریٹ کر رہے ہو جیسے میں کوئی کرمنل ہوں۔ نہ تم مجھے ملنے دیتے ہو نہ۔۔ بلکہ ویٹ تم مجھ سے وہی بدلا نکال رہے ہو کہ اس دن آفس میں جو کچھ ہوا؟"

"میں دن میں ہزار بد تمیز اور بد لحاظ عورتوں سے ٹکراتا ہوں۔ اگر تم ان میں سے ایک ہو تو مجھے یاد نہیں۔" وہ اب بھی سرمئی رنگ کے کاٹن میں سامان بھر رہا تھا۔ شیزل کی طرف سے مکمل بے نیاز۔

''میں بھی دن میں کئی بھک منگوں سے ملتی ہوں۔ اگر تم ان میں سے ایک تھے تو مجھے یاد نہیں۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے ملنے کیوں نہیں دیتے؟'' بازو سینے پہ باندھے تندہی سے پوچھا۔

''کیونکہ تم قیس کمبیر کی دوست پہلے ہو۔ قاتل، مقتول، ملزم، تمہارا ہر ایک سے تعلق ہے۔ ہر ایک سے ہمدردی۔ مل کر میرا وقت برباد کرواؤ گی اور کچھ نہیں۔'' وہ کوفت سے کہہ رہا تھا۔ شیزل نے ضبط کیا۔

''وہ کہہ رہی تھی لڑکے نے کیسٹس بیچ کر درست کیا۔ بقا کے لئے کچھ بھی۔'' فائلز کا پلندہ اسکے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا۔ وہ تیزی سے مڑا اور آفس سے باہر نکل گیا۔ کمرہ تفتیش میں واپس آتے ہوئے وہ ایک مختلف چہرے سے ملا۔ وہ لڑکی جسے سات روز کا ریمانڈ بھی نہیں توڑ سکا تھا وہ زینیا حاکم تھی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ گردن اٹھی ہوئی تھی۔ وہ نہیں ٹوٹی تھی وہ نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔

''کئی بار بقا کا راستہ وہاں ہوتا ہے جہاں سوچ نہیں پہنچ سکتی تم نے صحیح کہا تھا۔'' وہ دروازے کے قریب آئی۔

''میں خوش ہوں تم نے وہ راستہ ڈھونڈ لیا۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن جھکائے ہنس پڑا۔ زینیا بھی اسکے ساتھ ہنسی تھی۔ اگلے چند گھنٹے مختلف کاروائیوں میں گزرے۔ ان دونوں کے درمیان جو بات ہوئی وہ قصہ پھر سہی۔

کوئی تین گھنٹے بعد پولیس موبائل عدالت کی طرف روانہ ہوئی۔ آگے پیچھے تین سے چار پولیس کی اور بھی گاڑیاں تھیں۔ بھاری نفری اور اسلحے سے لیس گاڑیاں۔ گاڑی عدالت کی طرف روانہ تھی جب وقار کا فون بجا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا، سامنے سے کسی کی بات سنی اور اسکا دماغ بھک سے اڑا۔ وائرلیس پہ فوراً وریام سے رابطہ کیا۔

''وریام ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' وہ عجلت اور پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ''مقتول کے مداحوں کا ایک جم غفیر عدالت کے راستے میں کھڑا ہے اور وہ مشتعل ہے۔ اگر ہم وہاں سے گئے تو مصیبت ہو سکتی ہے۔ راستہ بدل دیتے ہیں۔''

''ایک ڈھنگ کا کام نہیں ہو سکا تم سے، راستہ کلئیر کروانے کو بولا تھا ناں؟'' وہ فون پہ جھنجھلایا۔ پھر ماتھے کو مسلا۔ ''ایسا کرو تم راستہ بدل کر جاؤ باقی ساری گاڑیاں تمھارے ساتھ ہوں گی۔ صنوبر اور ملزمہ میرے ساتھ۔ جاؤ راستہ بدلو۔''

کسی فلم میں ڈرون سے ریکارڈ کیئے کیمرے کے کسی منظر سے دیکھو تو چار گاڑیاں اپنا راستہ بدل رہی تھیں۔ وریام اگلی نشست سے اتر کر پچھلی نشستوں کی طرف آیا۔ صنوبر نے گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالا۔ زینیا حاکم کے چہرے سے کالا کپڑا ہٹایا گیا تب اسکے لئے منظر کچھ واضح ہوا۔ وریام انگلیوں میں پستول گھماتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اب بھی آنکھیں جھپک جھپک کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرے سنکی دماغ کو اشارہ دے کر تم اپنی آزادی کما چکی ہو۔''

''مطلب؟'' وہ الجھی۔

''بھاگ جاؤ۔ عدالت جو تمھارے ساتھ کرے گی وہ سہہ نہیں پاؤ گی۔ نہ تم نہ میرا ضمیر۔ نہ تمہارا خاندان۔''

وہ چند لمحوں کے لئے ہل نہیں سکی۔

''میں کہیں نہیں بھاگوں گی۔ میں قاتلہ نہیں ہوں۔۔ تم اب بھی مجھ پہ شک کر رہے ہو۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے نہیں مارا۔'' وہ تیز تیز بول رہی تھی۔ آج کل اسے ہر مرد سے ہی خوف آتا تھا۔

''میرا فیئر ٹرائل ہو گا میں باہر آجاؤں گی اور۔۔۔''

''تم اگلے تین سے چار سال تک جیل میں سڑتی رہو گی۔'' وہ اسکی بات کاٹ کر بولا۔

''چپ چاپ بات سنو میری۔'' وہ سختی سے کہتے ہوئے آگے آیا۔

''آج عدالت میں، میں بتاؤں گا کہ مجھے تمھارے خلاف ثبوت نہیں ملے۔ لیکن مجھے یہ بھی بتانا ہو گا کہ تم قتل کے چند منٹ بعد لاش کے بے حد قریب تھیں اور یہاں استغاثہ کو ملا evidence tamper کا کیس۔

مہدی نے تمھارے لئے بہت پیسہ خرچ کروایا ہے۔ اور یہاں تم پہ دفعہ لگے گی کہ تم مقتول کو مختلف طریقوں سے دھمکاتی رہیں اور وہ تمہارا منہ بند کرنے کے لئے پیسے دیتا رہا۔ یہ تو صرف میں بتا رہا ہوں استغاثہ تم پہ ایسے ایسے مقدمے لگائے گا جو تم نے خواب میں بھی نہیں سوچے ہوں گے۔ تمہارا کوئی کردار نہیں بچے گا۔ تم پوری طرح تباہ ہو جاؤ گی۔ کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا۔ اسکے بعد

جیل تم نے جیل دیکھی ہے؟ وہاں کوئی "جنس" نہیں ہوتی۔ وہاں نیا آنے والا ہر قیدی سامان ہوتا ہے جسے ہر طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ تم تباہ ہو جاؤ گی، زینیا۔''

''اور بھاگ کر چھپ کر کیا ملے گا؟ قاتلہ کا لیبل؟''

''کون ہے یہ لیبل دینے والا؟ دنیا ناں۔ وہ تب نہیں آئی جب تم سات دن اس کوٹھڑی میں مار کھاتی رہیں۔ سڑتی رہیں۔ جب عدالت میں قیس نے تم پہ گھٹیا الزامات لگائے۔'' اسکے گلے میں کچھ اٹکا تھا۔ ''کئی بار بقا کا وقت طے ہوتا ہے۔ لڑکے نے اس میوزکل سٹور سے نکلنے میں دیر کر دی تھی۔ اسکی ماں مر گئی تھی۔ وہ اگر وقت پہ ہمت کر لیتا تو اسکی ماں بچ سکتی تھی۔''

''تمہارا کیریئر۔۔۔ تم۔ کیا کرو گے؟'' مارے بے بسی کے وہ رونے لگی تھی۔ اسکا گلا بھاری ہو رہا تھا۔ سارا جسم کپکپاہٹ کا شکار تھا۔

''میرے کیریئر کو کچھ نہیں ہو گا۔ مجھ جیسا جینئیس آدمی ڈپارٹمنٹ کی مجبوری ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ زینیا نہیں ہنس سکی۔

''میں کہاں جاؤں گی؟ میں جا ہی کہاں سکتی ہوں؟'' اسے اپنا سانس بند ہوتے ہوئے محسوس ہو رہا تھا۔

''کراچی۔۔۔ لوگوں کا سمندر ہے وہاں۔ میں تمھیں شہر سے باہر چھوڑ کر آؤں گا۔ تمہارا بھائی، تمھارے چچا اور تمھارے دادا وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ بشر سے بات ہوئی ہے میری۔ وہ تمھیں کراچی لے جائے گا پولیس انہیں ڈھونڈنے تمھارے آبائی گاؤں جائے گی۔ کچھ وقت بعد جب اصل قاتل مل جائے گا تب تم سامنے آ جانا۔ اوکے؟''

''کیوں کر رہے ہو؟ کیوں اپنا کیریئر ختم کر رہے ہو؟'' چند لمحے وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ کہنے کو الفاظ غائب ہوئے تھے۔ وہ سنہری آنکھوں والی لڑکی میں بس ایک مظلوم لڑکی دیکھ رہا تھا۔

''مردوں کا معاشرہ ہے۔ غلط مرد کو صحیح مرد نہیں روکے گا تو حساب خراب ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں لوگ مجھے دیکھ کر کہیں **"سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے"**۔'' وہ کہہ کر ایک بار پھر ہنس پڑا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلند آواز میں بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ وہ سات دن قبل اس آزادی کی قیمت نہ سمجھ پاتی مگر اب، اسے جدوجہد کرنی تھی۔ وہ ایک جہنم میں نہیں رہ سکتی تھی اسے اپنی زندگی پہ سمجھوتا نہیں کرنا تھا۔

وریام اب جیب سے ایک سلور رنگ کی چین نکال کر اسکی طرف بڑھا رہا تھا۔ زینیا نے گردن اٹھا کر دیکھا اور ساکت رہ گئی۔ وہ سفید ہنس اور گھونسلہ وہ گھر تھا ایک خوبصورت گھر۔ زینیا نے ہتھیلی پھیلائی وریام نے وہ چین اور ہنس اسے تھمایا۔ گھر۔ وہ بس ایک گھر تھا۔ زینیا اور مہدی کا گھر۔

''شاید وہ تمھیں یہ دینا چاہتا تھا۔''

آنسو ٹپ ٹپ اسکی ہتھیلی کو بھگو رہے تھے۔ وہ اکیلی تھی اور اسکے پاس وہ نہیں تھا جو اسکے گرد بازو پھیلا کر کہتا تھا **"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"**

جو اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتا تھا۔ جو اسے سردی میں حرارت دیتا تھا۔ جو آدھی رات کو بیچ سڑک پہ اسکے ساتھ بیٹھ جاتا تھا۔ جو اسکا رہبر تھا اسے راستہ دکھاتا تھا۔ اسکی ہمت بندھاتا تھا۔ کئی دفع ہم لوگ نہیں کھوتے کئی دفع ہم سے ''**زندگی**'' کھو جاتی ہے۔ زینیا حاکم کی زندگی سے زندگی کھوئی تھی۔

وہ پینڈنٹ کو لبوں سے لگائے آنکھیں موند گئی۔ آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔ وہ یاد آ رہا تھا وہ ہمیشہ یاد آتا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے اپنی گاڑی کے سامنے ایک گاڑی رکتے ہوئے دیکھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے وریام کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکاتے ہوئے گاڑی سے اترا۔

''چینج آف پلان شہر سے باہر اب تمہیں تمہارا بھائی لے جائے گا۔ چلو اترو۔'' وہ اسکے سامنے کھڑا ہاتھ اسکے آگے پھیلا گیا۔ زینیا نے اسکا ہاتھ نظر انداز کیا اور خود نیچے اتر آئی۔ بشر گاڑی سے باہر آیا تھا۔ اسکا چہرہ ہر قسم کے تاثر سے خالی تھا۔ وہ قریب آیا وریام نے اپنی پستول کو چوما پھر اسکی طرف بڑھایا۔ پلان یو نو۔ بشر نے اسکی پستول اپنے ہاتھ میں لی اور بھرپور قوت سے گھما کر تین سے چار ضربیں اسکے چہرے پہ دے ماریں۔ وہ کراہتا، ہاتھ گھٹنوں پہ رکھتا، جھک کر درد برداشت کر جاتا۔ خون کی لکیر اسکے ماتھے سے نکل کر اسکے چہرے پہ بہہ رہی تھی۔

پلان، پلان، پلان۔

چند لمحوں بعد بشر اس سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ زینیا بس تشکر سے اسے دیکھتی رہی۔ بشر واپس اس تک آیا۔ اور اسے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔ اس نے نگاہیں پھیر کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ شہر، اسکے لوگ، اس سے استوار تعلق وہ سب چھوڑ کر جا رہی تھی۔ وہ گاڑی کے پچھلے شیشے سے وریام کو دیکھ رہی تھی۔ میوزک کے دیوانے لڑکے سے شاید دیر ہوگئی تھی مگر اس نے کسی کو دیر کرنے سے بچا لیا تھا۔ خون آلود چہرے والا شخص معاشرے کا اچھا مرد اور کسی بہترین ماں کی تربیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''فی امان اللہ۔'' پینڈنٹ مٹھی میں دبوچے اس نے کسی کو غائبانہ الوداع کہا تھا۔ اور پھر اسے جانا پڑا۔ شاید اس شہر میں دوبارہ آنا اسکا مقدر تھا شاید نہیں۔ وہ اسے چھوڑ کر جا رہی تھی کوئی اس سے پوچھتا اسکے دل پہ کیا گزری تھی۔

''چند گھنٹے بعد۔''

جنگل میں آگ کیسے پھیل جاتی ہے یہ آج پورے ملک کو پتہ چلا تھا۔ نیوز چینلز پہ بار بار ایک ہی پٹی چل رہی تھی۔

''مہدی کمبیر کے قتل میں نامزد ملزمہ زینیا حاکم پولیس موبائل سے فرار۔ پولیس کا کہنا ہے کہ مشتعل عوام سے بچنے کے لئے انہوں نے الگ راستہ اختیار کیا تھا۔ اور ملزمہ کے گھر والوں نے جو کہ قبائلی لوگ تھے انہوں نے پولیس کی گاڑی پہ حملہ کیا اور ملزمہ کو لے کر روانہ۔''

عدالتی کمرے میں پہلی نشست پہ بیٹھے قیس کمبیر کے کان کے پاس جھک کر لقمان نے کچھ کہا تھا۔ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ہاتھ لرز گئے۔ اور ٹانگوں سے جیسے زمین نکل گئی ہو۔ اسکے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہوئی۔ مگر بظاہر اس نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔ وہ ویسے ہی بیٹھا رہا جیسے بیٹھا تھا۔ ہاں بس اسکا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑا تھا۔

وکیل اور پولیس کو گھرکتے جج صاحبان کی آواز اسکی سماعتیں پراسیس نہیں کر پائی تھیں۔ وہ دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ ٹائی کی ناٹ کھولتے وہ گاڑی تک آیا۔ سینے کو مسلا پھر اسٹوریج باکس میں پڑی ایک ڈبیا سے دو گولیاں نکال کر کھائیں۔ سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ چند لمبے گہرے سانس لے کر خود کو پر سکون کیا۔ پھر آنکھیں کھول کر گلابی پڑتی آنکھوں سے اپنے ساتھ بیٹھی ماہ جبین کو دیکھا۔

"مجھے اسکی لوکیشن چاہیے۔ وہ کہاں ہے کس کے ساتھ ہے سب چاہیے۔ مجھ سے بھاگ نہیں سکتی وہ۔ وہ اگر مجھ سے دور گئی تو ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔"

ماہ جبین نے باغور اسکا چہرہ دیکھا وہ سفید پڑ رہا تھا۔

"کیوں چاہیے؟ اس نے تمہاری دی ہوئی سزا جھیلی، مہدی اب نہیں ہے وہ اسکے پاس نہیں جا سکتی۔ کیریئر، عزت، گھر کچھ نہیں ہے اسکے پاس اور اب وہ چلی گئی۔ اب وہ تمھیں کیوں چاہیے؟"

قیس کمبیر کی رنگت پھیکی پڑی۔ گلے میں گلٹی ابھری۔ دل ہاں اسکے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔" وہ بے حد دھیرے سے بولا۔ "مجھے کچھ نہیں پتہ۔ سوائے اسکے کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ چاہے جس حالت میں رہے۔"

"ایسا جنون، اتنی دیوانگی اچھی نہیں ہوتی، قیس۔ برباد کر دو گے تم سب کچھ۔"

"فرق نہیں پڑتا۔۔۔ وہ مجھ سے دور نہیں جا سکتی اسے میرے پاس آنا ہے۔ کسی بھی صورت۔" آنکھیں بند کر لیں، لب بھینچ لئے۔ سینے میں جیسے جھکڑ چل رہے ہوں۔ اسکا حلق خشک ہو رہا تھا۔ زینیا حاکم اگر چلی گئی تو پیچھے محض خسارے تھے۔

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ end of the day اسکے پاس نہیں آنا تھا۔ آنسوؤں کا ایک پھندہ تھا جو اسکے گلے اور دل میں اٹک کر رہ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں پھر قیس کو نہیں دیکھا۔ وہ اب مختلف نمبرز ملا رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں حزن تھا۔ جس سے محبت کرو اسے کسی اور سے محبت کرتے دیکھنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ اسکے لئے بھی مشکل تھا۔

دوسری طرف راولپنڈی کے ایک رہائشی علاقے میں ایک پر تعیش بنگلے کے باہر کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ عالم نواب اپنے ہم عمر آدمی کے ساتھ کھڑے تھے۔

''میں آپ کا شکر گزار رہوں گا حق صاحب۔اس مصیبت کی گھڑی میں اگر آپ نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہمارے لئے مشکل ہو جاتی۔''جن گاڑیوں سے عالم اور انکے باقی لوگ اسلام آباد سے نکلے تھے یقیناً وہ سی سی ٹی وی کی نظر میں آ گئے ہوں گے۔اس لئے وہ ان گاڑیوں کو یہیں پنڈی میں چھوڑ کر پولیس کی نظر سے بچنے کے لئے اپنے کسی دوست کی گاڑیاں لے کر جا رہے تھے۔

''آپ سے دوستی کا تعلق ہے اور دوست مصیبت کے وقت ہی کام آتے ہیں۔''انہوں نے عالم کے ہاتھوں پہ اپنا دباؤ بڑھایا۔

''پنڈی سے آگے اور اگلے کئی شہروں میں پولیس آپ ک کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔آپ سکون سے جائیں۔عزتیں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔''

گاڑیاں دوبارہ اپنے سفر پہ روانہ ہو چکی تھیں۔بشر، ضیغم، عالم اور حاکم ایک ہی گاڑی میں تھے۔لمبی لینڈ کروزر۔جسے بشر ڈرائیو کر رہا تھا۔اگلی نشست پہ عالم تھے۔پچھلی پہ ضیغم، حاکم اور زینیا۔باقی گاڑیاں آگے اور پیچھے تھیں۔خاندان اگر عبداللہ کا اونچا تھا تو زینیا حاکم بھی کسی گرے پڑے خاندان سے نہیں تھی آج قیس کو معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔وہ جس ذلت سے اسے قید کروا چکا تھا وہ اتنے ٹھاٹھ سے شہر چھوڑ کر جا رہی تھی۔

شیشے کے پار سڑک کو دیکھتے عالم کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔اسلام آباد کے جس گھر کو انہوں نے دوست کا گھر بتایا وہ براق حنیف کا گھر تھا۔وہ گاڑیاں وہ نوکر چاکر، وہ ٹھاٹھ اور وہ پانی کی طرح بہتا ہوا پیسہ۔یہ سب انکے لئے نیا نہیں تھا لیکن انہیں یہ بھی اپنے لئے چاہیے تھا۔فرعون کو اپنی سلطنت میں اضافہ چاہیے تھا۔

'' پرانے وقتوں کی بات ہے، بشر۔''سڑک کو دیکھتے ہوئے وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''ایک آدمی تھا اس نے کسی گھر کی لڑکی بھگائی تھی۔مگر جہاں وہ اسے لے کر جانا چاہتا تھا وہ سفر بہت لمبا تھا اس لئے وہ اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور اس سے ایک اونٹنی مانگی۔دوست رضامند ہو گیا اس نے اونٹنی دینے کے ساتھ ساتھ اسے نصیحت کی کہ یہ اونٹنی جب تک چلتی ہے تب تک چلتی رہے گی مگر یہ ایک بار ایک جگہ بیٹھ گئی تو دوبارہ کئی کئی گھنٹے نہیں اٹھتی۔اور یہ اسکی فطرت ہے اسکی نانی، اسکی ماں ان دونوں میں بھی یہی خامی تھی۔آدمی نے شکریہ کے ساتھ اونٹنی قبول کر لی اور لڑکی کو ساتھ لئے اپنے سفر پہ روانہ ہو گیا۔

بیچ راستے میں انہوں نے ایک جگہ قیام کیا۔اونٹنی بیٹھ گئی۔چند منٹوں کے بعد جب وہ مرد واپس آیا تو اونٹنی نے اٹھنے کے لئے سرخ جھنڈی دکھادی۔آدمی دیکھ سکتا تھا کہ جس لڑکی کو وہ بھگا کر لایا ہے اسکا خاندان وہ لوگ اب قریب آتے جارہے ہیں۔اس نے چھڑی مار مار کراونٹنی کو بے حال کر دیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔وہ اس لمحے شدید پریشانی کا شکار رہا۔یہاں تک کہ لڑکی کے خاندان نے اسے دھر لیا۔" آنکھیں موندے بے تاثر لہجے میں بات کرتے ہوئے وہ جنگل کی کسی سفاک جانور کی یاد دلاتے تھے۔وہ کم از کم انسان نہیں ہو سکتے تھے۔

"لڑکی کے خاندان کے مردوں نے جب اس مرد کو دھر لیا تو اس نے آخری خواہش کا اظہار کیا۔اس سے جب اسکی آخری خواہش پوچھی گئی تب اس نے ایک عجیب سی خواہش کی۔اس نے کیا خواہش کی ہو گی، ضیغم؟"

چوبیس سالہ ضیغم بری طرح چونک گیا۔چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"شاید اس نے رحم کی درخواست کی ہو گی۔" وہ بہ دقت بولا۔

"اس نے آخری خواہش یہ ظاہر کی کہ اسے آزاد کیا جائے تا کہ وہ پہلی گولی اس اونٹنی کو مار سکے اور دوسری گولی اپنے ساتھ لائی ہوئی اس لڑکی کو۔جانتے ہو وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟" وہ چند لمحے چپ رہے پھر خود ہی کہنے لگے۔

"عورت نسلیں بناتی ہے اور بگاڑتی بھی ہے۔ایک اونٹنی جسکی نانی اور دادی میں ایک خامی تھی وہ تیسری نسل تک گئی۔اور ایک عورت جسے میں بھگا کر لے جارہا ہوں۔جس میں عزت اور غیرت کا پاس نہیں ہے۔جو باپ بھائیوں کی سگی نہیں وہ آگے میری اور میری اولاد کی سگی کیا ہی ہو گی؟عورت کی جرات اور بے حیائی وراثت اور وبا کی طرح پھیلتی ہے۔وبائیں سفا ہستی سے مٹ جانی چاہیئیں اور وراثت۔۔کسی کو وراثت میں بے حیائی نہیں ملنی چاہیے۔" وہ اٹل فیصلہ تھا کوئی کہانی نہیں۔آنکھیں موندے سوتی ہوئی لڑکی کو علم نہیں تھا اسکے لئے کیا کیا تیار کیا جارہا تھا۔

وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے وہاں موجود ہر مرد سمجھ چکا تھا۔بشر، حاکم، ضیغم ان تینوں کے چہروں پہ خاموشی تھی۔سات روزہ ذلت کو وہ اگلی سات نسلوں میں شامل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔اس ذلت کو اب مزید گلے کا ہار وہ نہیں بنا سکتے تھے۔

"کراچی پہنچ کر دیکھتے ہیں۔"

حاکم نواب کا انداز مبہم تھا۔اس گاڑی میں بیٹھے ہر مرد کے لئے یہی سب سے مناسب فیصلہ تھا برسوں سے یہی تو چلا آرہا تھا؟ غیرت کے نام پہ کچھ بھی۔

"دو روز بعد۔"

ان دو دنوں نے اسلام آباد کا سکون منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ملک میں جگہ جگہ ریلیاں نکالی جارہی تھیں۔

برطانوی شہری ہونے کے ناطے ملکہ کے ملک میں باسی اسکے رشتے داروں کی طرف سے بھی اچھا خاصا زور دیا جارہا تھا۔ملکی اور غیر ملکی انفلوئنسرز اور اسپیکرز اپنی کروڑوں کی فالونگز کو دگنا کرنے کے لئے سبز آنکھوں والے اس مرد کے قتل کی مذمت کرتے نظر آرہے تھے۔مختلف ہیش ٹیگز، مختلف کیپشنز کے ساتھ اسکی ویڈیوز اور تصاویر ٹرینڈ کر رہی تھیں۔دنیا میں رہ کر جو نہیں ملتا دنیا سے جا کر مل جاتا ہے۔

کراچی کے علاقہ کورنگی ٹاؤن میں بنا وہ تین منزلہ گھر عالم نواب اور انکے گھر والوں کے لئے کسی ڈربے سے کم نہیں تھا۔وہ حویلی کے ٹھاٹھ، وہ نرم پلنگ، لمبے رقبے پہ پھیلے صحن یہاں ویسا کچھ نہیں تھا۔**(قبائلی علاقوں میں جب دو خاندانوں کا آپس میں جھگڑا ہو جاتا ہے تو اول جرگے بیٹھتے ہیں اور اگر جرگے کی بات ایک حریف نے نہ مانی تو دوسرا حریف اس پہ چڑھائی کرتا ہے اور جرگے کے تمام افراد دوسرے فریق کا ساتھ دیتے ہیں کیونکہ پہلے نے حکم عدولی کی ہوتی ہے۔عالم نواب نے قبائلی رواج کی مطابق جرگے کے فیصلے کو نہیں مانا تھا۔ایسی صورت میں اگر انکے خاندان کا کوئی فرد پیچھے رہ جاتا تو عبداللہ ان سے اپنا انتقام لے سکتا تھا لہٰذا وہ سب کو یہیں لے آئے۔قبائلی علاقوں میں اسے بزدلی سمجھا جاتا ہے۔)**

وہ دو دن سے ایک کمرے میں بند تھی۔کوئی اس سے بات نہیں کر رہا تھا کوئی اسکی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا ہاں البتہ چچا اور دادا نے اس پہ ہاتھ ضرور اٹھایا تھا۔اسے طعنے دیے اور پورے گھر کے سامنے اسے ایسے ایسے الفاظ کہے جن پہ وہ گردن تک نہیں اٹھا سکی تھی۔سب سے زیادہ تکلیف تب ہوتی تھی جب اسکی ماں کے طعنوں میں ایک کا اضافہ ہوتا تھا۔جب اسکی بہن کے کردار کو اسکے

کردار کی طرح سمجھا جاتا تھا۔اگر کوئی جہنم تھی تو وہ یہی تھی۔اسکے علاوہ کوئی جہنم نہیں ہو سکتی تھی۔ذہنی اذیت، جسمانی اذیت، بے رخی اور پھٹکار انسان کو مار دیتا ہے وہ بھی مر رہی تھی۔اسکی چند ایک غلطیوں نے اسے کیسی جہنم میں لا کر پٹخ دیا تھا۔

نیم اندھیرے کمرے میں پڑی وہ کافی دیر سے چھت کو گھور رہی تھی۔پچھلے دس دن اسکی آنکھوں کے آگے فلم کی طرح گھوم رہے تھے۔گلے میں پڑا ہنس والا لاکٹ اس نے مٹھی میں دبوچ رکھا تھا۔ذہن میں کوئی سوچ تھی تو صرف یہ کہ۔۔۔وہ کہاں ہو گا؟

معاً دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔زینیا جلدی سے اٹھ بیٹھی۔خوف سے اسکا وجود کپکپانے لگا۔مگر وہ تھم گئی جب اس نے اپنے سامنے کونج اور امینہ بیگم کو کھڑے ہوئے دیکھا۔وہ دونوں خاموشی سے اسکے پاس آ کر بیٹھیں۔زینیا انہیں دیکھتی رہی۔

کونج اسکے عقب میں تھی۔اماں نے اسکی قمیض کا بازو اوپر کیا۔کلائی پہ ہتھکڑیوں سے زخم بن گئے تھے اور کلائی سے اوپر بازو جلا ہوا تھا۔وہ ہاتھ میں لیا ہوا مرہم چپ چاپ اسکے بازو پہ لگانے لگیں۔آنکھوں سے آنسو تواتر کے ساتھ بہہ رہے تھے۔

زینیا چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی وہ رو نہیں رہی تھی۔کونج نے اسکی قمیض ذرا سی کھسکائی اور پھر آنکھیں میچ لیں۔اسکی پشت پہ زخموں کے نشان اور داغ تھے۔سفید دودھیا رنگت پہ ہر زخم ابھر،ابھر کر دکھائی دے رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا اماں۔وہ عبداللہ جھوٹ بول رہا ہے۔''کافی دیر بعد وہ بڑی ہمت سے بولی۔''بالاج نے مجھے طلاق دے دی تھی۔پھر وہ مجھے دھمکانے لگا تھا۔اور۔۔''

''جو ہو گیا وہ ہو گیا۔میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا۔''انہوں نے بے اختیار اسے ٹوکا۔

''پچھلے کئی دنوں سے سن رہی ہوں زینی نے یہ کر دیا زینی نے وہ کر دیا۔نکاح کر لیا، طلاق لے لی، تھانے چلی گئی ناک کٹوا دی عزت خراب کر دی۔''مرہم لگاتے ہوئے انکے ہاتھ ایک پل کو تھمے۔

''ایک زینی نے اتنے بڑے نواب خاندان کے ساتھ کیا کیا کر دیا؟اندھوں کو یہ نہیں دکھتا کہ نکاح کیا تو بالاج نے طلاق بھی تو دی۔جیل گئی تو عبداللہ نے جھوٹ بھی تو باندھے۔''انہوں نے نم ہوتی آنکھوں سے زینیا کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے۔اور رونے لگیں۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم نے کسی کی عزت خراب نہیں کی اور اگر کی ہے تو مردوں کو چاہیے ایسی نازک عزتیں لے کر نہ پھرا کریں جسے ایک کمزور عورت خراب کردے۔ مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی عورتوں کو اتنا اعتماد دیں کہ وہ اپنے گھر کے مردوں سے راز نہ رکھیں۔ کوئی اگر غلط ہے تو وہ تمھارے گھر والے ہیں۔ تمہارا ماحول ہے۔ تمہارے ابا غلط ہیں میری تربیت زور ہے۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے سے لگایا۔ یہ تھا وہ لمس وہ حصار جو اسے چاہیے تھا جو غائب تھا جو مل رہا تھا۔ اسکے بڑے بڑے نقصان ہوئے تھے کسی نے اسے گلے لگا کر یہ نہیں کہا تھا سب ٹھیک ہو جائے گا یہ کام اسکی ماں کر رہی تھی۔ یہ کام مائیں ہی کرتی ہیں۔ شفقت اور نرمی انہی کے پاس ہوتی ہے۔ کافی دیر بعد وہ اس سے الگ ہوئیں۔ اسکے آنسو پونچھے۔

"سرور کا بیٹا تھا ناں وہ؟ میرا سرور بہت اچھا تھا۔ سارے بھائیوں سے مختلف۔ اسکا بیٹا کیسا تھا؟"

"وہ اپنے باپ سے زیادہ اچھا ہے۔" اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔

"وہ ہے اماں وہ اب بھی ہے۔ اسلام آباد میں، بلوچستان میں یا پھر کسی اور جگہ مجھے نہیں پتہ لیکن وہ زندہ ہے مجھے یقین ہے۔ وہ واپس آئے گا۔ ہر جنگ سے لڑ کر۔"

اسکا پختہ یقین اسکی آنکھوں کا مان امینہ بیگم ٹھہر کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ بتا رہے تھے کہ گولی اسکے دل میں لگی تھی۔ اٹاپسی رپورٹ بھی یہی کہتی ہے۔" کونج اسکی پشت پہ کوئی مرہم لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "تم وقت لو، زینی لیکن پلیز خود کو ایک بار پھر کسی چیز کا قیدی مت بنانا۔ وہ مر چکا ہے۔"

اماں اور کونج اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ زینیا بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ دنیا اسکا یقین نہیں کرنے والی تھی وہ بس اپنا وقت برباد کر رہی تھی۔ کوئی اسکا یقین نہیں کرے گا۔ کہانی کے دوسرے رخ کی طرف غور کرو تو عالم نواب کے کمرے میں کئی مرد جمع تھے۔ ظفر، حاکم، ضیغم، اور ریحان نواب (حاکم کے سب سے چھوٹے بھائی) صوفے پہ ہمیشہ کی طرح کروفر سے بیٹھے عالم کے آگے تین سے چار پسٹل رکھی تھیں۔

''اس لڑکی کی وجہ سے ہم نے بہت بدنامی جھیل لی ہے اور مزید بھی جھیل رہے ہیں۔ غیرت کا تقاضا ہے کہ اب اس سے جان چھڑوائی جائے۔ حاکم۔۔ تم ہمارے فیصلے پہ راضی ہو؟''(یاد رہے کہ یہ تمام رسم، رواج یہ تمام صوبے میں رائج نہیں، ہاں البتہ یہ وجود رکھتے ہیں۔ تمام صوبے کا'' امیج'' انہیں پڑھ کر نہ بنایا جائے۔)

حاکم نواب نے خود کو تھانے میں دیکھا۔ سوشل میڈیا پہ اپنی بیٹی کی برہنہ سر کے ساتھ تصاویر یاد کیں۔ عبداللہ کے سامنے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اسکی آزادی مانگ رہے تھے اور وہ انکے منہ پہ نکاح کے کاغذات مار رہا تھا۔ وہ تصاویر اچھالی گئیں جن میں وہ گھٹنوں کے بل مہدی کے سامنے اسکے کمرے میں بیٹھی تھی۔ غصہ، طیش، حزن۔۔ ہر ہر جذبے نے اپنا وار کیا۔ اور انہوں نے سر جھکا کر خود کو رضامندی دیتے ہوئے دیکھا۔ شاید اب انہیں سب قبول تھا۔

''مجھے منظور ہے۔ غیرت کے نام پہ کچھ بھی۔''

''تمھیں کوئی اعتراض ہے، بشر؟''اب کے انہوں نے بشر کو دیکھا۔

اسے ضرور اعتراض ہوتا بلکہ وہ ہر ایک سے اسکے لئے لڑ جاتا مگر یہ وہ زینی نہیں تھی۔ جس کے ساتھ اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ یہ وہ تھی جس نے اسے ڈیڑھ سال دھوکے میں رکھا۔ جس نے اپنی مرضی سے نکاح کیا۔ جس نے طلاق لی۔ جس نے عبداللہ کے ساتھ تعلق رکھا جو اس کے منع کرنے کے باوجود عبداللہ سے ملنے گئی۔ جس کی وجہ سے وہ کورٹ کچہریوں کے دھکے کھاتا رہا جس کی وجہ سے اب وہ پہلے کی طرح سر اٹھا نہیں جی سکتا تھا۔ عزت اور غیرت پہ سب قربان۔

''منظور ہے۔ غیرت کے نام پہ کچھ بھی۔ لیکن مجھے کچھ وقت دیں۔ وہ میری بہن ہے میں اسکا وارث ہوں۔ وہ خاندان کو دوبارہ نظر نہیں آئے گی۔''

وہ زینیا حاکم کے وارث تھے اور وہ دونوں راضی تھے کہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ وہ لڑکی تھی جس کی وجہ سے انکی عزت خراب ہوئی تھی۔ اور اسکے مرتے ہی عزت واپس آجاتی لوگ انہیں فخر سے دیکھتے انکی بات کرتے۔ بشر اٹھ کر چلا گیا۔ اسکے تیور بدلے ہوئے تھے۔ عالم نے ایک بندوق اٹھا کر ضیغم کی جھولی میں پھینکی۔ وہ نگاہیں اٹھا کر الجھن سے انہیں دیکھے گیا۔

"تمہارا بھائی اسکی وجہ سے قتل ہوا۔ تمہارے خاندان کا شیرازہ اس لڑکی نے بکھیر دیا۔ اپنے بھائی کے بعد وہ تمہاری غیرت ہے۔ اگر تم میں واقعی غیرت ہے تو تم اسے مار کر آؤ۔ ورنہ میں یہ سمجھوں گا ایک نواسا مر گیا اور دوسرے کی غیرت مر گئی۔"

وہ قبائلی مرد تھا۔ خاندان اور غیرت ہر شے سے پہلے تھی۔ کوئی اسکی غیرت کو للکارے تو خون میں ابال اٹھتا ہی ہے۔ وہ پستول اٹھا چکا تھا۔ وہ بھاری تھی۔ مگر جو ذلت اس نے ایک عورت کی وجہ سے اٹھائی تھی وہ بھی ہلکی نہیں تھی۔ جب عزت، ذلت عورت سے جڑی سے پھر مرد کس غیرت سے سر اٹھا کر چلتا ہے؟ کوئی اس سے پوچھ کر بتائے۔

اسلام آباد پولیس کی تین سے چار گاڑیاں کراچی شہر کی حدود میں داخل ہو چکی تھیں۔ ان گاڑیوں میں سے ایک گاڑی میں وریام اور قیس بھی تھے۔ رعونت سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے آنکھوں میں فتح کا خمار لئے وہ گردن اٹھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ وہ بے چینی عنقا ہو چکی تھی۔ وہ لمحہ جس میں اسے زینیا کی موجودگی کا علم ہوا تھا وہی لمحہ اسکی حیات تھا۔

گاڑی چلاتے ہوئے وریام کے چہرے پہ کچھ بے چین کر دینے والا تھا۔ لوکیشن کا سراغ لگاتا ہوا وہ نقطہ اسے غصہ دلانے کے لئے کافی تھا۔

"کیا لگتا ہے وریام اس بار تم قاتلہ کو پکڑ لوگے یا پھر وہ ایک بار پھر تم جیسے گھاک آدمی سے بھاگ جائے گی؟"

"پولیس اپنی ڈیوٹی کرے گی کمبیر صاحب۔ مستقبل کے بارے میں تو کاہن بھی خدشات کا شکار رہے ہیں۔ میں تو پھر ایک عام آدمی ہوں۔" وہ چبا چبا کر بولا۔

قیس نے محظوظ انداز میں گردن ہلائی۔ پھر ٹھوڑی کھجاتے ہوئے نادانی سے اسے دیکھا۔

"ویسے وہ سڑک دیکھی تھی میں نے۔ حملہ ہوا تھا ناں؟ لیکن بُلٹس کے شیل نہیں تھے وہاں۔ گاڑیوں کے نشان بھی نہیں۔ سمجھ نہیں آئی حملہ ہوا کیسے۔ گاڑیاں کہاں سے آئیں کہاں گئیں۔"

"حادثے کے بعد بارش ہو گئی تھی۔ گاڑیوں کے نشان مٹ گئے ہوں گے۔"

"اور بلٹس کے شیل ہوا امانت کے طور پہ اپنے ساتھ لے گئی ہو گی، ہے ناں۔"

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ کہ میں نے اپنے فرض سے بے وفائی کر کے ایک ملزمہ کو بھگادیا؟''اسکی آواز بلند ہوئی۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا ایسا ہے کیا؟اور اگر ہے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہو گی اس لڑکی کی صلاحیت سے میں واقف ہوں۔اچھے خاصے سمجھدار مرد کو عقل سے پیدل کر سکتی ہے۔''

وریام کے ہاتھ کی نسیں ابھر آئیں۔وہ ضبط کئے گاڑی چلاتا رہا۔اپنے موبائل پہ وہ بار بار بشر کا نمبر ملا رہا تھا جو مسلسل پاور آف بتا رہا تھا۔قیس اسکو نمبر ملاتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔وہ مسکرایا۔

''ہمارے یہاں جب علاقہ چھوڑ دیتے ہیں تو نمبر بھی بدل دیتے ہیں۔''وریام نے گردن پھیر کر اسے دیکھا یوں جیسے وہ اسے کچا چبا لینا چاہتا ہو۔''تمہاری جنرل نالج میں اضافے کے لئے بتا رہا ہوں۔''کندھے اچکائے۔

وریام خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔قیس گھٹنے پہ انگلیوں کے ذریعے میوزک بجا رہا تھا۔ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا۔کھلی کھڑکی سے آتی ہوا اسکے بال اڑا رہی تھی۔وہ مسرور تھا۔وہ اسے دوبارہ دیکھے گا۔یہ خیال اسے کسی اور جہاں میں پہنچائے دیتا تھا۔وہ ایک بار پھر اسکے آگے جھکے گی۔

کورنگی کے اس گھر میں واپس آؤ۔زینے ٹاپ کر،کھڑکیاں کھولتے،وقت کی قید سے چند کوس دور اس نیم اندھیرے کمرے میں کسی نے مکمل روشنی کر دی تھی۔

دروازے پہ کھڑا وہ مرد حاکم نواب تھا۔انکے پیچھے ضیغم اور ظفر تھے۔انکے چہرے کسی انہونی کا پتہ دیتے تھے۔

وہ اندر آئے۔زینیا کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور ایک تھپڑ اسکے چہرے پہ رسید کیا۔یہ پہلا تھپڑ نہیں تھا مگر آج جس انداز سے لگا تھا زینیا کو اس سے زیادہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی تھی۔

''حاکم بچی ہے وہ غلطی ہو گئی معاف کر دیں۔''امینہ بیچ میں آگئیں۔جنہیں انہوں نے دھکا دے کر ایک طرف ہٹایا۔

''بچی نہیں بے غیرت ہے یہ اور بے غیرت عورتوں کے لیے ایک ہی سزا ہے بدکار عورتوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔''

''اور بدکار مردوں کی کیا سزا ہے۔'' زخمی چہرے والی لڑکی آج پہلی بار اپنے باپ کے آگے بولی تھی۔ شرافت ختم تھی تو پھر کمینگی ہی سہی۔ اور کمینگی میں اسکا کوئی ثانی کب تھا۔

''آپ نے تو تین بچوں کے ہوتے ہوئے کسی غیر عورت سے تعلق رکھا تھا آپ کا کوئی حساب کیوں نہیں ہوا۔ گھر کی کسی ماں، بہن، بیٹی نے اٹھ کر آپ کو ایسے تھپڑ کیوں نہیں مارے؟'' وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اسکا لہجہ بلند تھا وہ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ ظفر نے آگے بڑھ کر پے درپے تھپڑ اسکے چہرے پہ دے مارے وہ گر گئی۔ مگر وہ چپ نہیں ہوئی۔ اسکے ہاتھ برابر چل رہے تھے وہ دھکے مار کر انہیں خود سے ہٹا رہی تھی۔

''اس وقت کہاں تھے اس خاندان کے غیرت مند مرد جب آپ میری ماں کو دھوکہ دے رہے تھے؟ میں نے جو کیا ہے ابا آپ کی وجہ سے کیا ہے۔ جو تھے وہ آپ تھے میرا کوئی قصور نہیں تھا۔'' وہ رو رہی تھی بلک رہی تھی۔ ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہی تھی۔

''میں نے تمہاری شادی کروائی تھی میں نے تمھیں اس بدکاری پہ نہیں ڈالا تھا بے حیا۔''

''اور شادی کے بعد کیا کیا؟ میری خبر رکھی میرے شوہر کو حق سکھایا۔ بلکہ جب میں آپ کے پاس اسکی شکایت لے کر آئی تب آپ نے کہا نباہ کرو۔ میں کیوں نباہ کروں جب وہ برا ہے؟ آپ نے ابا آپ نے میرے اندر اتنا ڈر ابھر دیا کہ میں نے سب چھپایا۔ میں کیا بتاتی اور کیسے بتاتی جب آپ نے میرا یقین نہیں کیا تھا۔ میری بربادی کے ذمہ دار آپ ہیں کیونکہ آپ نے میری تربیت نہیں کی تھی۔ آپ نے میری بنیادیں مضبوط نہیں رکھیں۔۔'' ظفر اسے اسی طرح بولتے ہوئے چھوڑ ہانپتے ہوئے گالیاں نکالتے ہوئے باہر نکل گئے۔ وہ ایک بار پھر کسی زخمی شیرنی کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بچپن سے لے کر آج تک میں نے آپ کو adore کیا آپ سے محبت کی۔ آپ کو اپنا سمجھا لیکن آپ نے ہمیشہ مجھے ذلیل کیا مجھے چھوڑا۔ آپ نے ہمیشہ یہی کیا ابا۔ آپ نے مجھے ایک بری لڑکی بنایا۔ ایک جھوٹی اور مکار بنایا۔ باپ ستون ہوتے ہیں اور آپ میرے لئے کبھی ستون نہیں رہے۔ آپ سے بچپن میں کچھ۔۔۔'' امینہ بیگم بس روئے جا رہی تھیں۔ کونج ایک کونے میں شل کھڑی تھی اور حاکم اسے سن رہے تھے۔ دروازے پہ کھڑا ضیغم بھی بس اسے سن رہا تھا۔

''بچپن سے لے کر آج تک آپ نے میرے ساتھ یہی کیا ہم سب کے ساتھ یہی کیا ہمارا بچپن، جوانی سب اپ نے مسخ کیا۔ کیونکہ آپ نے ہماری تربیت نہیں کی ابا۔ آپ نے کبھی بیٹھ کر نہیں سنا صحیح کیا غلط کیا بس آپ صحیح ہم غلط۔ ہمارے سامنے ہماری ماں کو مارتے رہے۔ پھر کیسے آکر آپ کو بتاتی کہ بالاج نے مجھے مارا ہے۔ مجھے طلاق دی ہے۔ دوسری شادی کرلی ہے۔ اور اب وہ واپس آ کر حلالہ کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ کو کیا بتاتی ابا جب آپ نے کبھی مجھے نہیں سنا۔ آپ نے میری بنیادیں کچی چھوڑیں، مجھے کھوکھلا کیا۔ میری ہمت نہیں بندھائی۔ آپ باپ نہیں ہیں باپ آپ جیسا نہیں ہوتے۔؟'' وہ بولتے بولتے تھک گئی گلا دکھ گیا آنسو تک خشک ہو گئے مگر کئی سالوں کی بھڑاس نکل آئی تھی۔

وہ بامشکل اٹھی اور انکے قریب آکر رکی۔ اسکی سرخ آنکھوں میں کرب تھا۔ اور زخم بھی۔

''اس پورے گھر میں صرف میں تھی جو آپ سے محبت کرتی تھی۔'' انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

''باقی سب کا آپ کے ساتھ مجبوری کا تعلق تھا اور آج میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں آج سے مجھے آپ سے محبت نہیں ہے، ابا۔ آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں مانتے؟ میں آپ کو اپنا باپ نہیں مانتی اور میں دعا کروں گی اللہ آپ جیسا باپ کسی اور کو نہ دے۔ تاکہ کسی اور کو زینیا حاکم نہ بننا پڑے۔''

حاکم نے اب کے اسے نہیں مارا۔ اگلا تھپڑ اسے خاندان کے کسی اور مرد سے پڑا تھا۔ جوابا زینیا نے اسی قوت اور طیش سے اسے تھپڑ دے مارا تھا جو اسکی مردانہ انا پہ لگا تھا۔

اگلے چند لمحات ٹوٹے بکھرے تھے۔ ظفر اور انکا داماد زینیا کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ خاندان کی ساری عورتیں صحن میں جمع تھیں اور وہ دونوں مرد بے دردی سے اسے پیٹتے رہے۔

یہ وہ سزا دی تھی جو ہر عورت کو دی جاتی جو خاندانی اقدار کا پاس نہ رکھتی۔ یہ تھی وہ سزا جو اس ملک کے کئی گھروں میں ہر عورت کو کسی بھی ذرا سی غلطی پہ جھیلنی پڑتی ہے۔

امینہ بیگم نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا مگر انہیں اپنے ہی سسر کی طرف سے تھپڑ رسید ہوئے تھے۔ کونج ایک کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب اس نے اپنے ہی دادا کو ضیغم کے ہاتھ میں پستول تھماتے ہوئے دیکھا۔ وہ سانس نہیں

لے سکی۔ دادا اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ مرد تھا اور اسے حوصلہ دیا جا رہا تھا وہ یہ قتل کر دیتا تو اسے غیرت کے تمغے دیئے جاتے۔ اسکی نظر کونج کی طرف اٹھی، وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ چار مردوں کے دلائے حوصلے ایک پل میں بھر بھری دیوار کی مانند ڈھے گئے۔ وہ ایک لڑکی اسکا ایک انکار ضیغم میر نے خود کو دنیا کا سب سے بے بس مرد محسوس کیا۔ اسکے ہاتھوں سے ہر قوت سلب ہو گئی۔ وہ اسے کیسے انکار کر دیتا؟

امینہ، حاکم کی منتیں کر رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑے تھے۔ بے غیرت اولاد کے لئے وہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے یا خاموشی کی وجہ کوئی اور تھی؟ ظفر اسے کھینچ کر اٹھاتے ہوئے باہر لے کر جا رہے تھے۔ دستور آج ایک بار پھر دہرایا جانے والا تھا۔ غیرت کے نام پہ ایک اور قتل۔ ایک اور ہیڈ لائن اور بس۔

لمبی گاڑی میں اسکے ہاتھ پیر باندھ کر اسے پچھلی نشست پہ بٹھایا گیا۔ وہ سن اور شل تھی۔ کیا زندگی ختم ہونے والی تھی؟ اسکے اپنے چچا یا اسکے کزن کے ہاتھوں؟ گاڑی چلتی رہی چلتی رہی اور جہاں آ کر وہ رکی وہ سمندر تھا۔ کراچی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رات کے اس پچھلے پہر خاموش تھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ سے ضیغم اسے کھینچ کر نکال رہا تھا۔ انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ اسکا بازو زخمی تھا۔ تکلیف کے مارے وہ گھٹا گھٹا چیخ رہی تھی۔

انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ لڑکی سات روزہ ریمانڈ سے گزر کر آئی ہے۔ مرد کا غصہ اور اسکی دیکھی بھالی نابینائی ہمیشہ عورت کو جھیلنی پڑتی ہے۔ اور وہ جھیل رہی تھی۔ ظفر اور انکا داماد گاڑی ذرا فاصلے پہ روک کر کھڑے تھے۔ اگلا میدان ضیغم نے سر کرنا تھا کیونکہ وہ وارث تھا اپنے بھائی کے قتل کا۔ شہر قائد کے سمندر پہ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

سمندر کی لہریں انکے پیروں کو چھو رہی تھیں۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب ضیغم یوسف میر نے زینیا حاکم کے ماتھے سے پستول کی ٹھنڈی نال ٹکرائی۔ وہ نم آنکھیں لئے اسے دیکھتی رہی۔ خاموش بلکل خاموش۔ نگاہوں میں کچھ تھا تو کرب۔

”تم یہی ڈیزرو کرتی تھیں۔“ قلق، رنج، آزردگی، تاسف کیا تھا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔

وہ سینے پہ ہاتھ رکھے ہوئے ہوئے پیچھے ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے میں کوئی بے حد نوکیلی شے کھب گئی تھی۔ انکی بیٹی کو انکے سامنے لے جایا گیا تھا وہ کیسے جانے دے سکتے تھے کیسے باپ تھے وہ؟ سزا، مار یہاں تک سب ٹھیک تھا لیکن جان سے مار دینا؟ وہ اسکے لئے تیار نہیں تھے۔

انہوں نے لرزتے قدموں سے خود کو زینے طے کرتے ہوئے دیکھا۔ آنکھیں جانے کیوں جل رہی تھیں۔ وہ اوپر بنے کمروں کی طرف چلے آئے اور ایک کونے میں رکھے ٹیلیفون اسٹینڈ کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ انہی کپکپاتے ہاتھوں سے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔ کال نہیں مل رہی تھی۔ وہ فون ملاتے رہے۔ دل میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔

حاکم نواب کی آنکھیں گیلی تھیں۔ کتنا عرصہ بعد، پتھر میں دراڑ پڑی تھی۔ رابطہ مل گیا۔ دوسری طرف بشر تھا۔ وہ کسی شور شرابے والی جگہ پہ تھا۔ وہ فون پہ ہیلو ہیلو کر رہا تھا الفاظ حاکم کے گلے میں اٹک کر رہ گئے تھے اور کسی قیمت باہر آنے کو تیار نہیں تھے۔

”ہیلو؟ بات تو کرو کون ہے؟“

”**بشر۔۔گھر۔۔آجاؤ**۔“ انہوں نے توڑ توڑ کر تین لفظ ادا کئے۔ صدر بازار میں کسی چھوٹی دکان کے باہر رکھے کھوکے پہ ایک آدمی کے سامنے بیٹھا بشر حاکم ٹھہر گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں جامد ہوئیں۔

”گھر آجاؤ جلدی۔“ انہوں نے دہرایا۔ اور وہ چائے کا کپ نیچے رکھ گیا۔ چہرے ایسے سفید ہوا جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔

”وہ، زینی کو لے گئے ہیں اور میں نے جانے دیا۔“ صدر کے رش میں لوگوں کے درمیان راستے بناتا وہ فون کان سے لگائے اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ کسی نے بشر حاکم کے سینے میں کچھ دے مارا تھا۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔ کال کٹ گئی۔ وہ کسی بس میں سوار ہوا تھا۔ پھر کسی رکشہ میں، سوار ہوا۔

(”تم سارا الزام ابا کو دیتے رہے ہو تم خود ابا سے کتنے مختلف ہو ادا؟“ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کونج اس سے کہہ رہی تھی۔ یہ اس رات کا ذکر ہے جب مہدی کمبیر کا قتل ہوا تھا۔

”میں ابا جیسا ہوں؟ میں اگر ابا جیسا ہوتا تو تم دونوں کی ٹانگیں توڑ کر تمھیں گھر بٹھاتا۔ نہ کہ تمھیں یوں اپنی من مانیاں کرنے دیتا۔“

”وہ تم خود کو مختلف دکھانے کے لئے کرتے ہو، ورنہ تم اندر سے وہی ہو۔ کانوں کا کچا اور انتقامی۔ عبداللہ کی بات سن کر تم نے مان لیا وہ جھوٹی ہے؟ یہ نہیں پوچھا وہ کیسی ہے۔ اس نے یہ کیا ہے کہ نہیں۔ تم بس جج کرتے ہو، اپنی طرف سے فیصلے سناتے ہو۔ اگر ابا نے اولاد کو نہیں سمجھا تو یہ تکلف تم سے بھی نہیں ہوا۔“)

وہ جب گھر آیا صحن خالی تھا۔ مگر وہاں ایسا سناٹا تھا جو بتا رہا تھا چند منٹ قبل وہاں کیا ہوا ہو گا۔ اس نے کھڑے کھڑے کئی آوازیں دیں۔ خوف تھا کہ کیا وہ زینی کے نام کی آواز بھی نہیں دے رہا تھا کیا ہوتا اگر پلٹ کر کوئی جواب نہ آتا؟ زیادہ سے زیادہ اسکا دل بیٹھ جاتا۔ زیادہ سے زیادہ بشر حاکم کا سرمایہ خاک ہو جاتا۔

وہ زینے پھلانگتا دوسری منزل پہ واقع اپنے کمرے کی طرف آیا۔ اسکی نظر آئینے پہ پڑی اور وہ ٹھٹھک گیا۔ عروج گہرے سرخ رنگ کا لباس پہنے آئینے کے آگے کھڑی اپنے بال کھول رہی تھی۔ بشر کو دیکھ مسکرائی۔ اسکا انداز عجیب تھا۔

”تم کہتے تھے ناں جانے والوں پہ صبر کرتے ہیں۔ واویلا چھوڑ دینا چاہیے اور انہیں جانے دینا چاہیے ہے ناں؟“

وہ اندر آیا۔ اسکی نگاہوں میں وحشت تھی۔ ”زینی کہاں ہے، عروج، ابا کہاں ہیں؟“

”میرا معصوم بھائی۔۔ میرے باپ جیسا بھائی وہ تمہاری بہن کی وجہ سے مارا گیا۔ اسے عبداللہ نے تمہاری بہن کی وجہ سے مارا۔ آج اسکا انصاف ہو گا۔ خوش ہوں میں بہت خوش۔ تم مجھے خوش دیکھنا چاہتے تھے ناں۔“

”زینی کہاں ہے؟ بکواس بند کرو اور مجھے یہ بتاؤ زینی کہاں ہے؟“ وہ آگے آیا اور بازو سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی طرف کیا۔ عروج کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔ صدمے نے اسے پاگل کر دیا تھا۔

”جب وہ مرے گی تب مجھے بہت سکون آئے گا۔ میرے بھائی کی روح کو بھی سکون آئے گا۔ میں بہت خوش ہوں اسے مر ہی جانا چاہیے۔“

بشر پیچھے ہو کر ہاتھ سر کے بالوں میں پھنسائے یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا۔ وہ بے رحمی سے لب کاٹنے لگا۔ گھر کی عورت سے بات نکلوانے کا اس نے اپنے گھر میں ایک طریقہ دیکھا تھا **"ہاتھ اٹھانا"**۔ وہ واپس عروج تک آیا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''کہاں ہے وہ مجھے بتاؤ۔ پلیز بتاؤ میری بہن ہے وہ۔ مجھے جاننے کا حق ہے۔''

''مجھے بھی جاننے کا حق ہے۔ مجھے بتاؤ میرے بھائی کی لاش کہاں ہے؟''

''میں بتاؤں؟'' کہانی میں ایک فرد کا اضافہ ہوا۔

کھلے دروازے سے کوئی اندر آیا تھا۔ اسکا رویا رویا چہرہ متورم آنکھیں۔ بشر نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے وہ کہاں ہیں۔''

وہ تیزی سے اسکی طرف آیا۔ ''کہاں ہے وہ؟''

''اگر تم نے اسے بتانے کی کوشش کی تو میں نانا کو سب بتا آؤں گی۔'' عروج پھنکاری۔ بشر کسی زخمی شیر کی طرح اسکی طرف مڑا۔

''اگر آج تم نے میری اجازت کے بغیر اس کمرے کا دروازہ کھولا یا اس چوکھٹ کے باہر گئیں یا پھر تم نے کسی کے سامنے کچھ کہا تو میری طرف سے تم آزاد ہو۔''

وہ اپنی جگہ پہ جامد ہو گئی۔ بشر کے کہے کو مذاق سمجھنے کی غلطی وہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ کونج سے کچھ پوچھ رہا تھا پھر کونج نے اسے کوئی نمبر ملاتے ہوئے دیکھا۔ وہ ضیغم کا نمبر تھا اور بشر دیوانہ وار اسکا نمبر ملائے جا رہا تھا۔ وہ کراچی جیسے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈتا؟ اوہ خدایا وہ لوگوں کے اس سمندر میں اسے کہاں سے کھوج کر لاتا؟

(''ابا درست تھے عورت ناشکری ہوتی ہے۔ تم دونوں نے میرے دیے مان کی قدر نہیں کی۔'' اسکے لہجے میں زہر تھا۔

"تم نے تو کبھی grow کیا ہی نہیں ادا۔۔۔ تم وہیں کے وہیں ہو۔ باہر سے خود کو چاہے جتنا بدل لو تم اندر سے بلکل ویسے ہو جیسے ابا۔ تم حاکم نواب کی کاربن کاپی ہو۔

تم صرف اور صرف باہر سے بدلے اندر سے تم وہی ہو بلکل وہی۔ تم اسے سزا دے رہے ہو ٹھیک ہے دو۔ لیکن ایک بیٹا ضرور پیدا کرنا تا کہ کل اگر تمہاری بیٹی کوئی غلطی کرے تو اسے مارنے والے کو موجود ہونا چاہیے۔'')

وہ اسے بکتے جھکتے چھوڑ کمرے سے نکل گیا تھا لیکن یہ الفاظ کبھی اسکے دماغ سے نہیں نکل سکے۔

''میں کال کروں؟'' جھجھک کر پوچھا۔ بشر نے اسے دیکھا۔ پھر دوپٹے کے حالے میں چھپے اسکے موبائل کو۔ اور گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ کونج نے اپنا موبائل نکالا اور ضیغم کے نمبر پہ کال کی۔ وہ جو سات بادشاہیاں رد کر سکتا تھا اس نے اس کال کو رد نہیں کیا۔ یوں جیسے جنگ کے عین درمیان کسی سپاہی نے تلوار چھوڑ محبوب کے خط لکھنے کو قلم چن لیا ہو۔ کال اٹھا کر اس نے بشر کو موبائل دیا۔ وہ اس سے وقت مانگ رہا تھا۔ وہ اسے رکنے کو کہہ رہا تھا۔ بس پانچ منٹ کی بھیک مانگ رہا تھا۔ بشر حاکم کبھی اتنا مجبور نہیں ہوا تھا۔ وہ اسکے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔

اس نے موبائل کان سے اتارا عروج بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے میری عزت نہیں کی۔''

''تمھیں راس نہیں آئی۔'' اسی کے انداز میں کہتا وہ کمرے میں واپس آیا۔ دراز سے اپنی پسٹل نکالی۔ کچھ بلٹس نکال کر جیب میں رکھیں اور کچھ پستول میں بھریں۔ اور باہر نکلنے لگا۔ جب عروج نے ایک بار پھر اسے پکارا۔

''تم بھی اسے مارنا چاہتے تھے۔ تم بھی یہی چاہتے تھے پھر اب یہ تبدیلی کیوں؟''

''اس نے غلط کیا ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں۔ میں اسکی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا اور ہاں اسکی وجہ سے میری عزت پہ حرف آیا ہے۔ تم سب اچھوں کے درمیان ہاں میری بہن بری تھی۔ لیکن میں اسے تم سب سے دور بھیج رہا ہوں۔ جہاں اس پہ کسی کا سایہ نہیں پڑے گا۔ نہ ت اچھوں پہ اس بری کا۔ لیکن وہ مرے گی نہیں میں مرنے نہیں دوں گا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا۔

کونج اسکے پیچھے گئی۔ زینوں کی دائیں طرف بنے کمرے میں حاکم اب بھی اس فون اسٹینڈ کے پاس بیٹھے تھے۔ بشر نے انہیں دیکھا اور انہوں نے بشر کو۔ وہ آج بھی کمزور مرد تھے۔ باپ بھائی کے سامنے بیٹی کو محفوظ نہیں کر سکے۔ بشر کا سب سے بڑا خوف آج ختم ہو گیا تھا۔ وہ حاکم نواب نہیں تھا۔ وہ ایک اچھا مرد تھا محافظ مرد۔ وہ اپنے باپ جیسا نہیں تھا وہ برتر تھا۔

ان پہ ایک ترحم بھری نظر ڈالتا وہ چلا گیا۔ اس شخص سے کس، کس شے کا حساب لیتا جس نے زندگی کے ہر باب میں خسارے بھرے تھے۔

ویرانے میں خاموشی بول رہی تھی۔ رسیوں کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ضیغم کے ہاتھوں کی گرفت پستول پہ سخت تھی۔ وہ گلابی پڑتی آنکھوں سے زینیا کو دیکھ رہا تھا۔ پستول اب بھی اسکے ماتھے پہ تھی۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے، ضیغم۔" اس کا لہجہ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر گردن اٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی زندگی پہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔ وجہ کوئی مہدی کمبیر نہیں تھا۔ وجہ کوئی سی ایس ایس کا پرچہ نہیں تھا وجہ وہ خود اور اسکی آتی جاتی سانس تھی۔ زینیا **"زندگی"** پہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔

"تم نے ہمارے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ تم نے ہمارے خاندان کو برباد کر دیا۔ تمہاری وجہ سے میرا بھائی مر گیا۔" وہ رونے لگا تھا۔ آنکھوں میں ایسا دکھ تھا کہ الامان۔ پستول والا ہاتھ لرز رہا تھا۔

"تمھارے بھائی کا قتل نہیں ہوا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اور اسے اس جھوٹ پہ بھی کوئی سزا نہیں دے گا۔ تمھارے بھائی کی قاتل روایتیں ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گردن سیدھی کئے کہہ رہی تھی۔ ذرا فاصلے پہ کھڑے پہرہ دیتے اسکے چچا بس کسی فائر کے سننے کو بے تاب تھے۔

"یعنی تم نہیں مانو گی کہ تم غلط ہو؟ تم نہیں مانو گی تم نے، زینیا تم نے حدیں توڑیں اپنی کامیابی کے چکر میں تم نے کتنے غلط کام کئے تم جانتی ہو؟ اپنے باپ کے دیے ہوئے ٹراما سے تم نے ہوں سب کو کتنا زخمی کیا تم نے کبھی نہیں مانا؟" وہ چیخنے لگا تھا۔

اسکے ہاتھ اب پستول پہ کانپ رہے تھے۔

"تم نے ہم سب کو کتنے برے طریقے سے توڑا ہے تم جانتی ہو؟ اور اب بھی تم میں اتنے گٹس ہیں کہ تم یہ کہہ سکو کہ تم غلط نہیں ہو؟"

"میں غلط ہوں۔۔۔ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ لیکن تم مجھے مار نہیں سکتے۔ یہ زندگی مجھے اللہ نے دی ہے تم مجھ سے نہیں چھین سکتے تمھیں نہیں چھیننی چاہیے۔ یہ میری زندگی ہے۔ میرے مرنے سے تمہاری یا اس خاندان کی عزت واپس نہیں آجائے گی میرے مرنے سے دنیا سے ساری برائی ختم نہیں ہو جائے گی۔ اگر میں نے کچھ غلط کیا ہے تو بھی یہ زندگی مجھے اللہ نے دی ہے۔ تم

مجھ سے توبہ اور معافی کا حق نہیں چھین سکتے۔'' اسکے چہرے پہ یاسیت تھی۔ آنکھیں خشک تھیں وہ رو رو کر اب تھک چکی تھی۔ ضیغم لب بھینچے سخت نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے مارنے سے تمہارا بھائی واپس نہیں آئے گا۔ مجھے مارنے سے کچھ نہیں ہو گا ہاں سوائے اسکے کہ تمھارے ہاتھوں پہ کسی بے گناہ کا خون آجائے۔ پھر تم بھی میرے جتنے گنہگار ہو جاؤ گے کیا پھر تم خود کو مارو گے؟''

''بے گناہ نہیں بدکار۔'' وہ غرایا۔ اسکے بائیس سالہ دماغ میں جو فیڈ کیا گیا تھا وہ سب دہرا رہا تھا۔ روایات، معاشرے کے غلط اقدار کتنوں کو قاتل بنائیں گے؟ کتنوں کو برباد کریں گے اور کتنوں کو توبہ کے مواقع دیئے بغیر تباہ کریں گے؟

''کہاں ہیں وہ چار لوگ جو مجھ پہ گواہ ہیں میری بدکاری کے؟ اور اگر وہ نہیں ہیں تو میں کہتی ہوں کہ میں پاک ہوں اور اگر نہیں ہوں تو مجھ پہ اللہ کی لعنت ہو۔'' اس نے تین بار دہرایا۔

''اب بتاؤ تم، کہاں ہیں وہ لوگ جو مجھ پہ گواہ ہوں گے۔ کیا عبداللہ تین بار یہ کہے گا؟ اور اگر کہے گا تو کیا تم اسکا یقین کرو گے؟ بقول تمھارے وہ تمھارے بھائی کا قاتل ہے۔ تم قاتل کا یقین کرو گے؟'' زینیا آگے آئی۔ ضیغم کا بندوق والا ہاتھ بے دھم ہو کر پہلو میں گرا۔

''میں اگر بری ہوں تو مجھے اچھی بننے کی مہلت چاہیے۔ اگر گنہگار ہوں تو مجھ توبہ کا حق ہے۔ اگر میں نے زندگی میں غلط کام کئے ہیں تو یہ زندگی مجھے اللہ نے دی ہے تم اسے نہیں چھین سکتے۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں روز محشر تم سے حساب لوں گی؟ میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

وہ مزید برداشت نہیں کر سکا۔ گیلی ریت پہ سر ہاتھوں میں گرائے وہ پنجوں کے بل شکست خوردگی سے بیٹھ گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ اس خاندان کا ہر فرد اسی طرح تھکا ہوا تھا۔ ہر ایک کو خاندان نے مختلف موت مارا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیا بن گئے ہیں ہم؟'' وہ رونے لگا۔ بے اختیار بے بس سا۔

''میں ایک انسان کو مارنے کے لئے تیار ہوں۔ تم۔۔ میں بشر ہم سب کہاں آ گئے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ میں تمھیں مار نہیں سکتا۔ میں کیسے کسی انسان کو مار سکتا ہوں۔ اور اگر میں تمھیں نہیں ماروں گا تو یہ لوگ یہ روایات مجھے جینے نہیں دیں گی۔ میرا بھائی میں اسے کیا منہ دکھاؤں گا؟''

زینیا اسکے قریب بیٹھی بلکل اسی کی طرح۔ اسکی آنکھوں میں ایک بار پھر چمک تھی۔

سروائیول کی چمک۔

''تم مجھے بازو میں گولی مارو۔ تمھارے کپڑوں پہ خون لگے گا وہاں کھڑے چاچو اور ذولفقار فائر کی آواز سن کر یقین کر لیں گے۔ تم مارو مجھے۔'' اس نے بڑی دیدہ دلیری سے اپنا بازو آگے کیا۔ ضیغم اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''مجھے مارو، ضیغم، پلیز مارو۔''

''میں۔ میں۔ نہیں مار۔۔ سکتا میں کیسے مار سکتا ہوں؟'' وہ پیچھے ہونے لگا۔ بے یقینی سے۔ ''اور اگر میں مار بھی دوں تو کچھ نہیں ہو گا وہ جاہل لوگ میرا یقین نہیں کریں گے وہ یہاں آ جائیں گے۔''

''میرے پاس حل ہے۔'' آدھا ملک اسکا دشمن تھا۔ کچہری میں اس پہ کیس چل رہا تھا وہ قتل کی ایف آئی آر میں نامزد تھی۔ سات روزہ ریمانڈ کاٹ کر آئی تھی اور اس وقت بھی وہ جینا چاہتی تھی۔ وہ خود پہ، اپنی زندگی پہ ہار نہیں مان رہی تھی۔ کیا عورت تھی وہ؟ اس وقت بھی اسکے پاس حل تھے؟ کیا شے تھی وہ۔

''کونج کو کال کر کے کہو وہ چچا سے کہے گی گھر پہ پولیس آئی ہے۔ اور اسی وقت تم مجھے گولی مارنا۔ تمھارے کپڑوں پہ لگا خون ہی کافی ہو گا تم مارو مجھے پلیز۔ یہ ہم دونوں کی بقا ہے۔''

''تم اکیلی۔ گولی لگنے کے بعد یہاں کرو گی کیا؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

''میں دیکھ لوں گی تم گولی مارو۔'' اس نے دوپٹہ منہ میں ڈالا۔ آنکھیں بند کیں اور اسکا بندوق والا ہاتھ اپنے بازو پہ رکھا۔ چند لمحے بیتے، چند ساعتیں گزریں اور ضیغم نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے وہ رو رہا تھا۔ اس نے بندوق اٹھائی اور اسکے بازو

کا نشانہ لیا۔ اور اور پھر تڑ گرد بایا گیا۔ لوہے کا آگ میں لپٹا ہوا وہ ذرہ اسکے بازو کو چیر گیا تھا۔ اس کی ساری چیخیں اندر ہی اندر دب گئیں۔ خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ وہ گر پڑی اور باقاعدہ درد سے تڑپ رہی تھی۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ رہے تھے یہ موت تھی یہ جہنم تھی۔ ضیغم کی قمیص کی جھولی، اور سینے پہ خون کے دھبے لگے تھے۔

ضیغم نے اگلے دو فائر گیلی ریت پہ کیے۔ وہ زینیا کو درد سے تڑپتے دیکھ خود بھی بے بسی سے رو رہا تھا۔ وہ بن آب مچھلی کی مانند تڑپ رہی تھی۔ اسکے سارے بازو میں آگ لگ گئی تھی۔

دوسری طرف چند پل بعد گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ظفر کا موبائل بجا۔ وہ موبائل کان سے لگا گیا اور اسی وقت فائر ہوا تھا۔ پھر اگلے دو فائر۔ وہ پریشان ہوئے کیونکہ گھر پہ پولیس آگئی تھی۔ وہ خوش بھی ہوئے کیونکہ وہ بے غیرت لڑکی اب انکے خاندان کا حصہ نہیں تھی۔

عزتیں بچ گئیں۔ خاندان سے برائی ختم ہو گئی۔ سب ٹھیک ہو گیا۔ اب دنیا کی ساری برائی ختم ہو گئی تھی۔

وہ اتر کر نیچے اس ویرانے کی طرف جانے لگے مگر ضیغم پستول ہاتھ میں لئے اسی طرف آتے ہوئے دکھائی دیا۔ اسکی آنکھیں غیر انسانی تھیں اور چہرہ سپاٹ۔ ظفر نے اسکے کندھا تھپکا۔ اسکی قمیص پہ لگے وہ خون کے تازہ دھبے فخر سے دیکھے۔ اسی پل وہاں ایک اور گاڑی آکر رکی۔ بشر تیزی سے گاڑی سے باہر آیا۔ اسکی نظر اس ملگجے اندھیرے میں بھی ضیغم کی سفید قمیص پہ لگا ہوا وہ خون دیکھ سکتی تھی۔ وہ آگے آیا۔ اسکے چچا نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا اور آگے بڑھ گئے انہیں گھر جانا تھا۔ بشر انکا ہاتھ جھٹک کر ضیغم کی طرف آیا اسکی آنکھوں میں خون تھا۔ جنون اور وحشت تھی۔ وہاں فکر اور جنون بھی تھا۔

"زینی کہاں ہے؟"

"جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔ وہ یہی ڈیزرو کرتی تھی۔" الفاظ تھے کہ سیسہ بشر جل کر خاک ہو گیا۔ اس نے اندھا دھند اسے اسی کی پستول چھین کر اسکے دستے سے مارنا شروع کیا۔ ظفر، اور انکا داماد اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تب تک گھر کے لئے نکل گئے تھے اور بشر بس اسے مار رہا تھا۔ اسکی آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔ اسکے انداز میں جنونیت تھی۔

"میری بہن کہاں ہے۔ تم اسے ایسے کیسے مار سکتے ہو۔ میری، زینی کہاں ہے؟"

وہ اسے سڑک پہ گرائے پیٹ رہا تھا۔ ضیغم کا چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔اور بشر وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسکی جان نکل گئی تھی یا نکل رہی تھی۔ وہ پاگل ہو رہا تھا یا ہو چکا تھا۔ کیا اس نے زینی کو کھو دیا تھا؟ کیا اس نے اپنی بہن کو کھو دیا؟اور اسکے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''بشر۔۔ادا۔۔'' کراہتی ہوئی نقاہت زدہ آواز پہ وہ رک گیا۔ اسکے جسم میں کھینچا ہوا سانس واپس انڈیل دیا گیا۔ اس نے ضیغم کو چھوڑ دیا۔ وہ خون تھوکنے لگا تھا۔ بشر اس اور جا رہا تھا جہاں سے آواز آئی تھی۔ اس نے دیکھا وہ ریت کے ڈھیر پہ گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ اسکی گلابی رنگ کی قمیض خون آلود تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ اسکے چہرے پہ تازہ زخم تھے۔ تھپڑ تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل اسکے پاس بیٹھا۔ وہ بلکل اسی طرح رو رہا تھا جیسے وہ روئی تھی۔ وہ گولی اسے اپنے سینے میں لگتی محسوس ہوئی۔ سمندر کے پانی میں وہ دونوں بھیگ رہے تھے۔ اس نے زینیا کا ماتھا چوما۔ پھر ہاتھ چومے اور پھر اسے زور سے، سختی سے خود میں بھینچ لیا۔ وہ کیسی جہنم سے گزر کر آیا تھا یہ بس وہی جانتا تھا۔ وہ کیا کیا دیکھ آیا تھا یہ اسے معلوم تھا۔

اپنے بازوؤں میں سختی سے اسے بھینچے وہ ہر اس غیرت پہ لعنت بھیج رہا تھا جو گھر کی عورتوں کو قتل کروائے۔ یہ ہر اس مرد کے منہ پہ طمانچہ تھا جو گلیوں میں کھڑی بچیوں کو ہراس کرتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے اسکے الزام پہ اس بچی کا بھائی، باپ یقین کر لے گا۔ اسکا زخمی ماتھا بار بار چومتے ہوئے اس نے ہر اس مرد کے منہ پہ جوتا دے مارا تھا جو اپنی انا کا بدلا عورت کے کردار پہ کیچڑ اچھال کر لیتے ہیں۔ وہ اسکے چہرے سے بال ہٹا رہا تھا۔ اس کے درد میں اسے تسلی دے رہا تھا وہ دنیا کے ایک ایک مرد کو بتا رہا تھا۔

غیرت عورت کو قتل کرنا نہیں ہے۔ غیرت اسے ڈھانپ لینا ہے۔ ہر اصل مرد کو یہ کام آنا چاہیے۔ اسے یہ کام آتا تھا کیونکہ اس نے یہ سیکھا تھا۔ کیونکہ وہ وقت رہتے واپس آ گیا تھا کیونکہ وہ محافظ مرد تھا، مصالحت جو نہیں۔

وہ بشر تھا حاکم نواب نہیں۔

بعض دفع الفاظ حقیقت کیسے بن جاتے ہیں انسان خود بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔گھر کے باہر واقعی پولیس تھی۔سندھ پولیس کی تین سے چار گاڑیاں اور بجتے ہوئے سائرن لوگ کھڑکیوں اور چھتوں سے باہر جھانکنے لگے تھے۔گھر کے اندر عورتیں بے طرح پریشان ہوئیں اور مرد حواس باختہ ہوئے تھے۔خواتین اہلکار اور کچھ مرد اہلکار گھر کے اندر داخل ہوئے ہر شے الٹ پلٹ کر رکھ دی۔ایک ہائی پروفائل کیس جس کی وجہ سے انکے سینئرز نے انکی جان کھار کھی تھی وہ اسکی کامیابی کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔ساری عورتوں کو ایک کمرے میں بند کئے ایک عورت ان سے پوچھ گچھ کر رہی تھی۔موبائل ضبط کر لئے گئے تھے۔

"زینیا حاکم کہاں ہے؟ کس کے ساتھ ہے اور اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"لیڈی اہلکار انکے سر پہ کھڑی چیخ رہی تھی۔ساتھ کھڑی باقی دو نے بھی سختی سے یہی استفسار کیا تھا۔اسی پل کونج کے موبائل میں کوئی میسج آیا۔وہ ضیغم کا میسج تھا۔خاتون نے چیٹ کھولی۔وہاں کونج کی طرف سے کالز اور میسجز کی بھرمار تھی۔آخری میسج میں اس نے زینیا کے بارے میں پوچھا تھا۔

"**ہم نانا کے گلشن والے گھر جا رہے ہیں۔تمہاری بہن بلکل ٹھیک ہے۔**"خاتون مسکرائی۔داد دینے والی نظروں سے کونج کو دیکھا۔وہ اپنا موبائل لینے کے لئے کوشش کرنے لگی مگر دیر ہو چکی تھی۔

"**اپنی لوکیشن بھیجو۔**"خاتون نے لکھ کر بھیجا۔جوابی پیغام جلدی آیا تھا۔

"**تمھیں میری کسی بات کا یقین نہیں آتا ناں؟ یہ لو۔**"ساتھ اس نے لوکیشن بھیج دی تھی۔ضیغم جسے کپلز کی لڑائی سمجھ رہا تھا وہ جنگ عظیم میں تبدیل ہونے والی تھی اور اسے علم بھی نہیں تھا۔خاتون کمرے سے باہر نکل گئی اور لوکیشن اپنے افسر کو تھمائی۔وہ مسکرایا جیسے اس کامیابی سے خوش ہوا ہو۔

لوکیشن یہاں سے ایک پنچھی کی مانند سفر کرتی ہوئی گئی اور وریام بیگ کے ساتھ اسکے ساتھی افسر کے موبائل پہ چمکی۔عثمان نامی وہ افسر مسکرایا۔اور وہی لوکیشن قیس کے موبائل پہ بھی بھیجی۔انکے ساتھ کراچی پولیس سے دل آور بھی تھا۔لوکیشن اسے بھی ملی وہ حرکت کرتی ہوئی گاڑی کو دیکھ سکتے تھے۔قیس بھی اس سبز نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بس اس سے چند منٹ کی دوری پہ تھا۔صرف چند منٹ اور وہ اسے دوبارہ دیکھ سکے گا۔

کہانی کے دوسرے پہلو پہ نظر ڈالو تو ضیغم نے لوکیشن بھیج کر موبائل سیٹ پہ ڈالا۔اور ایک بار پھر آئس پیک سے چہرہ صاف کرنے لگا۔بشر پچھلی نشست پہ زینیا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔اسکے بازو کے گرد اسی کا دوپٹہ کستی سے باندھ رکھا تھا۔خون کو روکنے کی ناکام کوشش۔وہ درد سے دوہری ہو رہی تھی۔

''کچھ دیر کے لئے اپنی چیٹنگ بند کرو اور گاڑی چلاؤ۔''بشر کو رہ کر اس پہ غصہ آ رہا تھا۔

ضیغم نے لب بھینچ کر ضبط کیا۔ایک طرف وہ بہن دوسری طرف یہ بھائی۔

''گھر کی چابی ہے تمھارے پاس؟اور وہ وہ چوکیدار فون کر کے نانا کو بتائے گا نہیں؟''

''بد قسمتی سے میں اس خاندان کا ولی عہد ہوں۔اس گھر میں دادا کے تین گھروں کی چابیاں کراچی آتے ہی مجھے مل گئی تھیں۔''اس نے بول کر زینیا کو دیکھا۔وہ درد برداشت کر رہی تھی اور کس کمال سے کر رہی تھی۔

''گھر پہنچ کر میں کوئی ڈاکٹر بلوالیتا ہوں۔اور بس چند گھنٹوں کی بات ہے میں صبح تمھیں پورٹ چھوڑ آؤں گا۔وہاں ابا اور میرا ایک جاننے والا ہے۔وہ تمہیں شہر کے دوسرے حصے پہنچادے گا۔تم کچھ دن وہاں رہنا پھر میں تمھیں کہیں اور اچھی جگہ شفٹ کروادوں گا۔تم نے ڈرنا نہیں ہے۔وہ فیملی بہت اچھی ہے۔اور سیف بھی۔''

زینیا جانتی تھی پولیس اور اسٹیٹ کے خلاف جا کر اسے پناہ دینے والی فیملی کیسی ہو گی۔اور یہ بشر سے اسکی چند آخری ملاقاتوں میں سے ایک ملاقات تھی۔وہ آج کے بعد **"مردہ"** ہو گی۔وہ سب جانتی تھی۔مگر وہ سب سروائیو کرنے کے لئے تیار تھی۔بس اسے مرنا نہیں تھا بس گواپ نہیں۔وہ ابھر کر دوبارہ سامنے آ جائے گی بس موت نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک گھر کے اندر موجود تھے۔اسے گھر کم بنگلہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔اس وقت وہ تینوں گھر کے لاؤنج میں موجود تھے۔زینیا کے بازو سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا اور بشر اسے اس حالت میں چھوڑ کر کسی صورت واپس نہیں جا سکتا تھا۔مگر اسکا واپس جانا ضروری تھا۔

''اس نے کہا اور تم نے گولی چلادی وہ بھی اندھوں کی طرح۔اگر دھیان رکھتے تو بس گولی کا چھو کر گزرنا بھی کافی تھا۔'' بشر ضیغم پہ بگڑا۔ساتھ اسکے ہاتھ پہ کوئی کپڑا باندھنے لگا۔

وہ ہاتھ لگانے پہ اور بلند آواز میں رونے لگتی تھی۔

"میں کوئی پروفیشنل شوٹر نہیں ہوں۔ تمھیں کیا لگتا ہے میں روز رات کو لڑکیوں پہ گولیاں چلاتا رہتا ہوں؟" وہ چکر کاٹتے ہوئے رکا۔

"مجھے گھر جانا چاہیے اب ورنہ دیر ہو جائے گی، اور انکو شک ہو جائے گا۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا چاہیے۔"

"میں ساتھ چلوں گا۔ مجھ پہ بھی شک ہو گا پتہ ہے مجھے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

پورچ میں کھڑی گاڑی تک گیا اور ایک چھوٹا سا بیگ لا کر زینیا کے قدموں میں رکھا۔ اور اس میں سے کچھ سامان نکال نکال کر اسکے سامنے رکھے۔ چھری، پستول، مختلف اوزار، پیٹرول کا چھوٹا، بڑا، ڈبہ، تیزاب کی بوتل اور آخر میں ایک چھوٹا سا کیمرہ۔

"میں جلدی واپس آجاؤں گا اوکے؟ میری غیر موجودگی میں ڈاکٹر آجائے گا اور تم کاپریٹ کرو گی، زینی اوکے؟ بس کچھ وقت ہے پھر سب صحیح ہو جائے گا۔ یہ سب سامان وہاں تمھارے کام آئے گا اپنی حفاظت کرنا سیکھو۔"

خون بہہ جانے سے اب اسکی آنکھیں غنودگی میں جانے لگیں تھیں۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور ہونٹ خشک تھے۔ بشر نے پانی کے گلاس کے ساتھ دو پین کلر اسکی طرف بڑھائے جنہیں وہ فوراً پھانک گئی بس کسی صورت اسے درد سے آزادی چاہیے تھی۔

"یہ پانچ منٹ کے اندر تمھارے بازو کو سن کر دے گا۔ فکر مت کرو میں جلدی واپس آؤں گا۔"

بند ہوتی آنکھوں سے اس نے بشر کو جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ گاڑی پورچ سے نکال رہا تھا، ضیغم گاڑی میں بیٹھا۔ آوازیں معمول سے کم سنائی دیں۔ شاید کچھ منظر اسکپ ہوئے تھے۔ شاید تیزی سے اسکی آنکھوں سے گزر گئے تھے۔

مگر چند پل بعد اگلی آوازیں بے حد تیز تھیں۔ کئی گاڑیاں ایک ساتھ آ کر رکی تھیں۔ پولیس۔۔ وہ پولیس تھی۔ گاڑیوں کے سائرن بند تھے۔ مگر وہ مائیک پہ اسے باہر آنے کو کہہ رہے تھے۔ زینیا نے اپنا بازو دیکھا۔ خون آلود ہتھیلیاں دیکھیں۔ گیلا دامن دیکھا پھر فرش پہ نگاہ پڑی۔ وہ سرخ پڑ رہا تھا۔ دروازہ توڑ کر کوئی اندر گھسا اور یہی وہ لمحہ تھا جب پوری طاقت مجتمع کرتے اس نے بیگ اٹھایا۔ پیٹرول کو لاؤنج کے دروازے پہ چھڑکا، آگے بڑھ کر کچھ راہداری میں چھڑکا، تین سے چار صوفوں پہ وہ مائع چھڑک رہی

تھی۔ سامان جلدی جلدی بیگ میں ڈالا۔ اور بیگ سینے سے لگایا۔ اگلے لمحے اس نے جلتا ہوا لائٹر صوفوں کی طرف اچھالا۔ آگ بھڑک اٹھی۔ جو اندر آتا اسے پہلے اس آگ سے گزرنا پڑتا۔ کم از وہ بہت جلدی اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسکا بازو سن تھا، جیسے اس میں سانس نہ ہو۔

وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے گھر کے عقبی حصے کی طرف بھاگی۔ پولیس کی بھاری نفری اندر آرہی تھی۔ ہر طرف شور اور قدموں کی آہٹ تھی۔ زینیا حاکم نے عقبی دروازہ کھولا۔ اور محتاط قدم باہر رکھے۔

گھر کے باہر بھاری نفری تھی۔ تو گھر کا عقبی حصہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بغیر چاپ پیدا کئے چل رہی تھی۔ ابھی وہ موڑ مڑتی کہ کسی نے اسکو کلائی سے تھام لیا تھا۔ وہ اس لمس کو پہچانتی تھی۔ زینیا حاکم جہاں تھیں وہیں کھڑی رہ گئی۔ اسکا سارا جسم ساکن پڑ گیا۔

"لانگ ٹائم، اسٹالکر۔۔" وہ مانوس لہجہ وہ سرسراتا لمس۔ زینیا ہل نہیں سکی۔ اسکے بازو سے بہہ کر کلائی کلائی تک آتا خون قیس کے ہاتھ کو بھگو رہا تھا۔ وہ اسے دیوار سے لگا چکا تھا اور خود بس اسے تکنے لگا۔ اسکے بازو سے بہتا خون دیکھا تو افسوس ہوا۔

"تم نے خود کو اتنا ہرٹ کر لیا؟ میرا خیال نہیں آیا تمھیں؟" اسکی آنکھوں کی وہ تشنگی، اسکا چھونا، اسکا بولنا وہ سانس روکے کھڑی تھی۔

"تمھیں واقعی لگا تھا تم مجھ سے دور جاؤ گی اور میں جانے دوں گا؟"

اس نے ہاتھ چھڑانے کی سعی کی مگر بے کار۔ پلکیں جھپک کر دیکھا۔ ہلکی سی روشنی میں وہ اسکے عین سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے۔

اسکے عقب میں پولیس کی تین گاڑی کھڑی تھیں جن کی ہیڈ لائٹس اب روشن تھیں اور ان دونوں پہ پڑ رہی تھیں۔ گاڑی کے ساتھ وریام اور صنوبر کھڑے تھے۔ اسپیکر میں گونجتی عثمان کی آواز یہاں تک آرہی تھی۔ وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

"تم چور دروازوں کی عادی تھیں مجھے یقین تھا تم آج بھی وہی استعمال کرو گی۔ میں تمھیں کتنی اچھی طرح جان گیا ہوں؟" وہ پیچھے ہوا۔ ہاتھ اسکے ہاتھ میں تھا مگر وہ فاصلے پہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سکا مکمل جائزہ لے رہا تھا۔

زینیا نے وہ دو قدموں کا فاصلہ طے کیا اور اسکے روبرو آ کر ٹھہری۔ اندھیرے اور روشنی کے امتزاج میں وہ دونوں کسی کہانی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔ وریام لب بھینچے آگے آیا۔ اسکے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی۔

زینیا بس قیس کو دیکھ رہی تھی بس اسے۔ وریام قریب آ کر رکا تو قیس نے اسکا ہاتھ چھوڑا۔ اسکے ہاتھ چھوڑنے کی دیر تھی کہ زینیا نے وریام کے ہاتھ سے ہتھکڑی لی اور تیزی سے اسے قیس کے سر پہ دے مارا۔ وہ کراہ کر پیچھے ہوا۔ دماغ جیسے گھوم کر رہ گیا ہو۔

اس نے زینیا کی کلائی واپس سختی سے تھامنی چاہی وہ دور ہوئی، اور ایک بار پھر ہتھکڑی اسکے چہرے پہ ماری۔ اب کے اسکی آنکھ کا نچلا حصہ زخمی ہوا تھا وہ تکلیف کے مارے پیچھے ہوا۔ وریام چپ چاپ کھڑا رہا۔ زینیا نے اب جھک کر۔ بیگ سے ایک چھوٹا کین نکال کر ڈھکن کھولا، کچھ مائع نیچے چھڑکا، اور پھر کھلا ہوا کین، اور گاڑی کی طرف اچھالا۔

قیس ایک ہی جست میں اس تک آیا۔ مگر زینیا تب تک لائٹر وریام کی طرف اچھال چکی تھی۔ قیس نے سختی سے اسکی کلائی واپس ہاتھ میں لی اور پیچھے کی طرف مروڑی۔ ساتھ اسکے بالوں سے کھینچ کر اسے دیوار سے لگایا۔

خون مزید تیزی سے بہتا ہوا قیس کا بازو سرخ کرنے لگا۔ وہ درد سے بلبلانے لگی، قیس اسکا بازو مروڑتا چلا گیا۔ اسے اپنے زخموں کی پرواہ نہیں تھی وہ بس اسے زخم دینا چاہتا تھا۔

''مجھے لگا تھا تم ٹھیک ہو گئی ہو گی لیکن نہیں تمہاری گردن اب بھی بہت اونچی ہے۔'' وہ اسکا بازو مروڑ رہا تھا۔ اسکے ہاتھ سے ہتھکڑی لیے اب اسی کی گردن میں ڈال رہا تھا۔ زینیا درد سے کراہ رہی تھی۔ اور وریام متعجب سا اس لائٹر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گاڑی میں پیٹرول کی بو محسوس کی اور ایک لمحے کے اندر، اندر اس نے سب پراسیس کیا۔ اسکا دماغ ٹھنکا تھا۔

''میں تم سے نہیں ہاروں گی، میں کسی سے نہیں ہاروں گی۔ i won't bow down'' وہ زخمی شیرنی کی مانند غرائی۔ وریام نے لائٹر کا شعلہ جلایا۔ صنوبر کو ہاتھ کے اشارے سے پیچھے ہونے کو کہا۔ وہ بھاگ کر گلی سے دور گئی۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب وریام نے جلتا ہوا لائٹر گاڑی کے اندر پھینکا۔ خود وہ دور چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی کی نشست نے آگ پکڑی۔ وریام تینوں گاڑیوں میں ہاتھ مار کر انکے سائرن جاری کر چکا تھا۔ آگ کے بھڑکتے شعلے اور وہ بجتا سائرن قیس کمبیر جامد سا ہو گیا۔

"تم ظالم اور خود غرض ہو، عبداللہ۔۔مجھے نفرت ہے تم سے۔۔تم وہی ہو جس نے اپنے باپ کو مرنے دیا۔۔تم اسے نہیں بچا سکے تھے ناں؟" وہ اسکے کانوں میں زہر انڈیل رہی تھی۔

زینیا کی کلائی پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی اور پھر چھوٹ گئی۔وہ آزاد تھی۔وریام تحیر زدہ۔اور صنوبر چپ بے تاثر۔جو ہوا تھا وہ انہیں سمجھ نہیں آیا۔گھر کے اندر لگی آگ کے شعلے بھی ہوا میں بلند ہوئے تھے۔

وہ ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ نہیں ہوا اس سے۔کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زبان تالو سے جا چپکی ماضی ایسی بری طرح حاوی ہوا تھا کہ قیس اپنی جگہ منجمند ہو گیا جلتی بجھتی بتیاں، پولیس کی گاڑی کے سائرن اور آگ کے بلند ہوتے نارنجی شعلے اور اس پہ ستم کہ سپہ سالار غیروں کی صف میں کھڑا ہو گیا تھا۔قیس کمبیر کو یوں لگا جیسے میدان جنگ میں سارے لشکر اسکے خلاف ہو گئے ہوں۔آہ اسکی ملکہ بھی۔

"i am not a prize to be won"

ملکہ نے اسکے کان کے قریب کھڑے ہو کر سرگوشی کی، یا پھر غداری کا پیغام کہا وہ سمجھ نہیں پایا۔وہ جیسے بے سانس ہو گیا تھا۔ہاتھ پہلو میں گرائے، پسینے سے تر، آنکھوں میں گلابی پن لئے وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔وہ جا رہی تھی یا سانس جسم کو الوداع کہہ رہی تھی؟

اس نے گلی کا موڑ مڑا، وہ نظر سے اوجھل ہوئی قیس گھٹنوں کے بل ڈھے گیا۔وہ حرکت کرنے سے عاری تھا۔وہ کسی ٹراما کے زیر اثر نہیں وہ اسکے جانے سے ڈھے گیا تھا۔

وہ گلیوں میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی جب بشر کہیں سے آ گیا تھا۔گلی کے اختتام پہ اسکی گاڑی کھڑی تھی۔ضیغم نے اسکے لئے دروازہ کھولا اور وہ گلی اسکے وجود سے خالی رہ گئی۔قیس کے لئے کچھ بھی پراسیس کرنا بے حد مشکل تھا۔وہ بس ان سائرنز کو بجتے ہوئے سن رہا تھا اور وہ آگ اسے وہی آگ اپنے سینے میں لگتی محسوس ہوئی۔وہ کیسے اسکے ٹراما سے کھیل سکتی ہے۔؟

گاڑی کی پچھلی نشست پہ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

بشر نے اسکا بیگ کھولا اور سیاہ رنگ کا ایک عبایا اسکی طرف بڑھایا۔اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ حرکت کر پاتی بشر نے دھیرے سے عبایا اسے پہنادیا۔اسکے خون آلود کپڑے ڈھک گئے۔وہ اسکے چہرے پہ اسکارف باندھ رہا تھا۔وہ اسے تسلیاں دے رہا تھا۔زینیا تھک چکی تھی بس بے حد تھک چکی تھی۔

گاڑی جہاں آکر رکی وہ کراچی کی سب سے مشہور اور مصروف بندرگاہ تھی۔زینیا کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔آوازیں ڈبل سنائی دے رہی تھیں اور چہرے تین سے چار۔اسکے لئے جنگ میں موت تھی،اسے بس وہی دکھائی دے رہی تھی۔

بشر اسے سہارا دیے ایک بحری جہاز میں لے آیا۔وہ کوئی تہہ خانے جیسی جگہ تھی۔بشر نے اسے بٹھایا اسے پانی پلایا۔اسکا چہرہ بس گیلا تھا۔وہ اب اسے سینے سے لگا رہا تھا۔کچھ کہہ رہا تھا زینیا نہیں سن رہی تھی۔اسکی سماعتیں سن تھیں۔وہ اسکے ہاتھ اور ماتھا چومتے ایک ادھیڑ عمر سے مرد سے کچھ کچھ کہتے ہوئے پلٹ رہا تھا۔زینیا نے دھندلائی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔اور پھر وہ آنکھیں بند ہو گئیں۔یہاں تاریکی تھی تکلیف ختم تھی۔رنج سے نبرد آزمائی تھی۔یہاں سب تھا۔یہاں سکون تھا۔

وہ سونا چاہتی تھی کیونکہ یہاں درد نہیں تھا۔

"تم نے اپنے بچوں کو اس خون ریزی میں شامل کیا ہے۔میں پولیس کو ہر،ہر بات بتاؤں گی۔"

عالم نواب پر سکون نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔انکی بیمار بیوی،لاچار سی عورت روتے ہوئے انہیں دھمکا رہی تھی۔

"عبداللہ کو زینیا کو،ضیغم اور بشر کو تم نے سب کو برباد کیا ہے میرا خاندان تباہ کیا تم نے۔میں تمھیں اسکے لئے کبھی معاف نہیں کروں گی۔تمھیں اللہ کا واسطہ ہے اس بچی کو واپس لاؤ۔" وہ عورت پلنگ پہ بیٹھے بیٹھے اسکے سامنے ہاتھ جوڑ گئی جو وقت کا فرعون تھا۔

"ہر بدکردار کو اسکی سزا جھیلنی ہوتی ہے وہ بھی جھیلے گی۔بدکرداروں کے ساتھی اور حمایت کار بھی سزا جھیلیں گے تم وہی بننا چاہتی ہو؟"

''میں اپنے بچوں پہ اب کوئی مصیبت آنے نہیں دوں گی میں تمھیں نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ جب عالم خود آ کر انکی دائیں جانب کھڑے ہوئے۔ وہ ہاتھ سے انکے سینے پہ مکے مارنے لگیں۔ نواسے کے بعد اب وہ ایک اور صدمہ نہیں جھیل سکتی تھیں۔ بوڑھا آدمی چند پل بے حد خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر انکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں پیچھے کی طرف دھکا دیا۔ چند لمحے انکے سر پہ کھڑے کچھ سوچ رہے۔ پھر فیصلہ کر لیا کوئی اٹل فیصلہ۔

''تم اب میرے مزید بچوں کے قتل نہیں کر سکتے تم مزید زندگیاں تباہ نہیں کر سکتے میں یہ نہیں کرنے دوں گی تمھیں حساب دینا ہوگا۔ پولیس میرا بیان لے گی میں سب بتاؤں گی میں انہیں بتاؤں گی تم میری زینی کے قاتل ہو۔ تم نے سب غلط کیا۔''

''میں تمھارے ساتھ کچھ برا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ تمھاری خواہش ہے۔ پولیس کے سامنے تمھاری زبان کھلنے سے اسکا بند ہو جانا بہتر ہے۔'' انہوں نے تکیہ انکے منہ رکھا اور پورا زور لگا دیا۔ آنکھوں میں ٹھنڈک، لاتعلقی اور سفاکی تھی۔

بوڑھی عورت پھڑ پھڑا رہی تھی۔ غرا رہی تھی۔ عالم نواب آنکھیں بند کئے، اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ انکے چہرے پہ دباؤ ڈالتے گئے ڈالتے گئے۔ انکے منہ سے محض غوں غاں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ بے بس ہونے لگیں۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ مزاحمت کرتی رہیں، یہاں تک کہ مزاحمت تھم گئی۔ بلکل ساکن۔ بوڑھی عورت اب حرکت کھو چکی تھی۔ وہ پیچھے ہوئے۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا وہ پر سکون تھے۔ قتل انکے لئے کبھی کوئی بڑی چیز نہیں رہا تھا۔

انکی آنکھوں اور چہرے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں سکون کی نیند سلا دیا۔ انکے سینے تک کپڑا ڈال دیا۔ آنکھیں بے تاثر رہیں۔ خالی اور کھوکھلی۔

''یہ تم نے مانگا، اور میں نے تمھیں کبھی انکار نہیں کیا ہے ناں؟ تمھاری موت ہمارے خاندان کو کچھ وقت دلوا سکتی ہے۔ تمھاری موت بغاوت کو کچل دینے کا عندیہ ہے۔ اب کوئی لڑکی، زینیا نہیں بنے گی۔ کیونکہ تم جیسی بے غیرت عورتیں اب نہیں ہیں۔'' سرگوشی کرتے ہوئے، ان کے ساکت وجود پہ ایک آخری نگاہ ڈالتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔ انتقام اور غیرت کے آگے ایسی سو عورتیں قربان۔

اسکے کانوں میں کوئی شور پڑا تھا۔ کوئی اسکا بازو جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر پپوٹے بے حد بھاری ہو رہے تھے۔ اس نے بامشکل آنکھیں کھولیں اسے اپنا بازو سن ہوتا محسوس ہوا۔ مگر وہ ہلکا تھا وہ بلٹ کی چبھن اب وہاں نہیں تھی۔

وہ اٹھ بیٹھی۔ اسکا عبایا وہاں نہیں تھا۔ وہ اسی گلابی سوٹ میں تھی۔ وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ جگہ وہی تھی تہہ خانے نما مگر وہ ایک گدے پہ لیٹی تھی۔ ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی۔ اور چہرے پہ بھی کچھ تھا شاید کوئی مرہم۔ خون سوکھ چکا تھا اسکا جلا ہوا بازو قدرے کم درد کر رہا تھا۔ کیوں؟ کیسے؟

چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ بہت بہتر محسوس کرنے لگی تھی کیا؟

اس نے آنکھیں پوری طرح کھول کر آس پاس دیکھا اسے اٹھانے والا وہی ادھیڑ عمر مرد تھا جس کے چہرے پہ نرم تاثر تھا۔ وہ اسکا عبایا اسکی طرف بڑھا رہا تھا۔ زینیا نے تھام لیا۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ وہاں کئی لوگ تھے۔

"باہر جا کر جو بھی میں کہوں تم سر ہلا دینا۔ تم بول نہیں سکتیں کچھ گھنٹوں کے لئے یہ یاد رکھنا۔" زینیا جوا باً خاموش رہی۔ عبایا پہننے میں وہاں بیٹھی ایک عورت نے اسکی مدد کی۔

اس نے حجاب اچھی طرح اوڑھ لیا۔ اور اب وہ کئی لوگوں کے ساتھ اس مرد کے پیچھے چل رہی تھی۔ جہاز کی کئی راہداریاں طے کرنے کے بعد وہ عرشے کی طرف آئے۔ زینیا آسمان کو دیکھتی، کبھی ہواؤں کو محسوس کرتی کچھ تھا جو بہت بدل گیا تھا۔ کچھ تھا جو اسکو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اور پھر اس نے خود کو جہاز کی سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھا۔ اور یہاں اسکا ماتھا ٹھنکا تھا۔ آس پاس کا شور، وہ ہوائیں وہاں بولی اپنی لگنی چاہیے تھی بولی انجان تھی۔ لوگ اپنے لگنے چاہیے تھے لوگ غیر تھے۔

سرزمین سے اپنائیت محسوس ہونی چاہیے تھی سرزمین پرائی تھی۔ آسمان سر پہ ہوتے ہوئے اسے اپنا سر برہنہ لگا۔ ہوائیں اسکا سانس روک رہی تھیں۔ سمندر کے شہر سے آئی لڑکی اس نم ہوا کو پہچاننے سے انکاری تھی۔ وہ پتھرائی نظروں سے اپنے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا جو الہام بن کر اسکے دل پہ اترا تھا۔ وجدان بن کر اسکا سکون غارت کر گیا۔

"ویلکم ٹو ڈھاکہ بنگلہ دیش۔"

کسی نے اسکے ساتھ کھڑے آدمی سے کہا اور وہ سانس نہیں لے سکی۔ زینیا حاکم کو ساری دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔

☆☆☆☆☆

"باب نمبر چودہ: اس نے یاد کیا وہ کون ہے اور بازی پلٹ گئی"

وہ چاہت کی کمی کی ماری سی، سب سمجھیں اسکو دکھیاری سی۔

کشکول اٹھا کر پھر آئی در در، نہ ملی محبت جو نہ تھی مقدر

وہ لڑکی کچھ بے چاری تھی، در پیش اسکو کم توجہ کی بیماری تھی۔

لوگوں کو راضی کرتے کرتے، کھو بیٹھی اپنی عزت نفس ساری تھی۔

دن اسکے بے چین تھے، راتیں لوگوں کے لئے مختص۔

وہ جتن کر بیٹھی کئی، مگر نہ ملا اسکو کسی قربانی کا صلہ سہی۔

کیا اپنے، کیا اغیار، کیا دوست، کیا غم و خوشی کے یار۔

ہر کسی نے نوچا وقت، دیے زخم، چھینا اعتماد، عطا کیے دوہرے معیار۔

اک روز شفاف پانیوں میں اپنا چہرے دیکھتے ہوئے، اس پہ وارد ہوئے الہام کئی۔

آنکھیں اسکی ویسی تھیں، کیسی؟ بلکل اسکے دغا باز یاروں جیسی۔

ہونٹ اسکے ویسے تھے، کیسے؟ بلکل اسکے ریاکار خاندان جیسے۔

جسم، بال، ذہانت، نقش، سب وہی تھا۔

مگر جو ایک لمحہ لے کر سوچا جائے، ذہن پہ زور ڈالا جائے۔

کیا خاص رہا ان میں، جو کرتے رہے ایک عرصہ استعمال اسے؟

نہ خدا نے انہیں بنایا آعلیٰ، نہ اسکو کسی کی خدمت والا۔

اور بیٹھے بیٹھے اسے احساس ہوا، خود شناسائی کا ایک در کھلا۔

اس نے دیے لوگوں کو مواقع کئی، استعمال کے، مذاق کے، سوال کے، ذو معنی جواب کے۔

یہ اسکی کم ہمتی تھی، مگر کیفیت یہ ساری وقتی تھی

اس روز اس شفاف پانی کو الوداع کہتے ہوئے، ہواؤں سے عہد کرتے ہوئے۔

اپنی ذات کی خوشیوں کا ٹھیکا لیتے ہوئے، لوگوں کے دوہرے معیار کو ناں کہتے ہوئے،

اس نے کیا اپنا سر بلند، کوئی اسے استعمال کرے تو ملے گا اب بند در۔

اس نے جانا وہ ہے کون، اور پھر بازی پلٹ گئی۔

جامنی پڑتے آسمان سے سفید روئی کے گولے گر رہے تھے۔ سارے علاقے نے سفید چادر اوڑھ رکھی تھی۔ پہاڑ، درخت، وادی، جنگل، گھر، بیابان، میدان عمارتیں سب سفید برف سے ڈھک گئے تھے۔ مگر انکا اصل رنگ، بھورا، مٹیالا، سبز، سرمئی کہیں کہیں سے اپنی جھلک دکھا دیتا تھا۔ لیکن وہاں اس ایک کمرے میں ہر طرف سفید رنگ تھا۔ صرف سفید۔ دیواریں بے تحاشا سفید، چھت کی سیلنگ ایک چھوٹی سی کونے میں رکھی میز سفید، مگ، پلیٹ سفید، فرش سفید، اس پہ بچھا ہوا گدا سفید۔

میٹرس پہ پڑا وجود کوئی ستائیس اٹھائیس برس کے نوجوان کا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ وجود پہ ڈھیلا ہسپتال کے لباس جیسا گاؤن تھا۔ وہ بھی سفید۔ اسکے سینے پہ کوئی پٹی بندھی تھی جسے اسکی گردن کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ اسکے میٹرس کی دائیں طرف ایک سفید پلیٹ رکھی تھی جس میں ہم رنگ غذا تھی۔ وہ کمرہ، وہ جگہ، وہ قید بے تحاشا سفید تھی۔ اس رنگ کے علاوہ وہاں کوئی اور رنگ نہیں تھا۔ میٹرس پہ لیٹے مرد کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے اور گردن پہ زخم تھے۔ گردن ایک طرف سے جلی ہوئی بھی تھی۔ وہ پہلے کی نسبت کافی کمزور لگ رہا تھا۔ وہ شاید بے ہوش تھا مگر اسکی بند آنکھوں کے پار وہ کچھ دیکھ رہا تھا۔۔

کوئی ٹوٹا پھوٹا سا منظر۔

وہ ایک سبزہ زار تھا۔ لمبے وسیع رقبے پہ پھیلا سبزہ زار۔ آسمان پہ قوس قزح تھی۔ اونچے لمبے درخت تمام تر شان سے کھڑے تھے۔ اور بند آنکھوں اور زخمی وجود والا مرد وہاں تندرست تھا۔ سبزہ زار کے اوپر آسمان معمول سے زیادہ روشن تھا۔ سبز آنکھوں

والے مرد کے سامنے اس سے ذرا فاصلے پہ ایک دراز قد عورت کھڑی تھی۔ اسکے بال کمر سے نیچے تک آتے تھے۔ گہرے کاسنی رنگ کا لباس دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مرد کی طرف اسکی پشت تھی۔

دفعتاً اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسکی آنکھیں آسمان سے اترتی روشنیوں سے زیادہ روشن تھیں۔ سبز آنکھیں گھاس کے اس رنگ سے زیادہ سبز تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ پھر مرد نے اسکی اور قدم بڑھائے۔ لڑکی مسکرانے لگی۔ اسکی آنکھوں میں سرشاری کے دیے روشن ہوئے۔ وہ بے تحاشا خوش لگتی تھی۔

شبنم کے قطروں سے گیلی گھاس پہ وہ پیر دھرتے ہوئے اسکی اور بڑھ رہی تھی۔ مرد کو یوں لگا جیسے کوئی اسکے سینے پہ ٹھنڈی برف رکھ رہا ہو۔ ایک انجانا سکون اسکے رگ و پے میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ مگر اسی پل آسمان سے آگ کے شعلے ابلنے لگے۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ان دونوں کے درمیان زمین پھٹی اور آگ کا دریا بن گیا۔ لڑکی کے لباس کو آگ نے پکڑا۔ لباس جل رہا تھا۔ سبز آنکھوں والا مرد اسکی طرف جانا چاہتا تھا۔

مگر آگ کا وہ دریا اسکے اور لڑکی کے درمیان تھا۔ وہ اس اور بھاگا۔ آگ۔۔۔آگ۔۔آگ بس آگ ہر طرف سے ہر کہیں سے پھیلتی چلی گئی۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی مگر اوجھل ہونے سے قبل وہ پوری طرح خاکستر ہوئی تھی۔ اسکا پورا وجود بھسم ہوا تھا۔ اسکی آنکھوں میں تکلیف تھی اور خواب یکلخت ٹوٹ گیا۔

میٹرس پہ پڑے وجود کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں۔ سبز آنکھوں کے پردے جدا ہو چکے تھے اور اسکا ہاتھ بے اختیار، بلا ارادہ اپنے دل تک آیا تھا۔ اسکے سینے کے دائیں طرف۔

سنہری آنکھیں، انکی تکلیف، وہ وجود ہاں اسے یاد تھا۔ اسے وہ سب شناسا لگا۔ وہ دوری، وہ کرب، اسکے وجود کو بھسم کرتی وہ آگ اسے سب محسوس ہوا تھا۔ وہ دل کا سکون تھی، دل سے جڑی ہوئی اور مہدی سرور کمبیر پندرہ دن بعد مکمل ہوش میں آیا تھا تو اسے پہلا خیال زینیا حاکم کا آیا تھا۔

دوسرا احساس درد کا تھا جو اسکے سینے میں اٹھا تھا۔ایسا درد اس نے آج تک محسوس نہیں کیا تھا۔ایسی تکلیف تو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔اس نے سانس لینے کی کوشش کی اسے سانس نہیں آیا۔کوئی تکلیف تھی جو اسکے سینے میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گئی تھی۔اسکی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔درد بتدریج بڑھتا جارہا تھا اور اسکا سارا وجود جامد ہو رہا تھا۔۔

جسم میں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔اس نے کراہنے کی کوشش کی وہ کراہ نہیں سکا۔درد ایسا تھا کہ وہ کروٹ تک نہیں بدل پارہ تھا اور اسی درد نے اسکے ذہن کو یکدم بیدار کیا تھا۔ایک جھماکے سے اسکے آگے منظر کھلتا چلا گیا۔

اسکے آس پاس،دائیں بائیں ہر طرف صرف ایک رنگ تھا سفید۔۔۔بس موت جیسا سفید۔مہدی کی آنکھوں میں یہ رنگ چبھ رہا تھا۔

"قیس۔۔۔" اسکے لبوں سے بے حد دھیرے سے،بہ دقت ایک لفظ ادا ہوا۔

"قیس۔۔۔کدھر۔۔۔ہو۔۔۔" اسکا تنفس پھول رہا تھا آنکھیں بہہ رہی تھیں اور وہ کسے پکار رہا تھا اگر یہ اس پہ ادراک ہو جاتا تو مہدی کمبیر موت قبول کر لیتا یہ پکار نہیں۔

"قیس۔۔۔۔بھائی۔۔۔آہ۔" وہ کراہنے لگا۔"قیس؟"

معاً اس نے کوئی چاپ سنی۔پسینے سے تر اسکے وجود کا رواں رواں سماعت بن گیا تھا۔درد کی شدت کو سہتے وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا شاید اسی کا جو اسکے ہر خوشی اور غم کا ساتھی تھا۔

سفید رنگ کے دروازے کو دھکیل کر کوئی اندر آیا۔مہدی نے پلکیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھنے کی کوشش کی۔اسکے جوتے،کورے سفید،اسکے جسم پہ لمبا کافتان سفید،اسکے سر پہ بندھا کپڑا بھی سفید وہ چند لمحوں کے اندر اندر اس سفید رنگ سے بے زار ہوا تھا۔وہ لمبا چوڑا وجود کسی مرد کا تھا۔کرخت تاثرات،لب سیدھی لکیر میں بند،ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک میڈیکل باکس تھا۔

وہ مہدی کے قریب آکر بیٹھا۔درد سے دوہرے ہوتے مہدی نے کچھ پوچھنے کی،کسی سوال کی کوشش کی مگر نہیں یہ اس دنیا کا بے حد مشکل کام تھا۔وہ اب مہدی کی آنکھوں پہ سفید پٹی باندھ رہا تھا،وہ جھٹپٹایا،کراہا مگر اسکی طاقت سامنے والے مرد کی طاقت کا

مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔اگلے چند لمحوں میں اس نے اپنے سینے پہ کسی کے ہاتھ چلتے محسوس کیے،وہاں کچھ چپچپا تھا۔وہاں کوئی مائع تھا۔جس کا رنگ سرخ تھا اور نوارد اپنے اسیر کو اس رنگ سے آشنائی نہیں دے سکتا تھا۔

نوارد نے سرخ مائع اسکے زخم پہ انڈیلا،صفائی کی۔پٹی درست کی اور اب اس نے چند گولیاں نکال کر اسکے منہ میں رکھیں۔چارو ناچار وہ انہیں نگل گیا۔سینے میں درد تھا سو وہ وہیں رہا۔

”اتنی مزاحمت کرو گے تو تم خود کو تکلیف دو گے۔تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

"میرا بھائی کہاں ہے؟اسے بلاؤ مجھے یہ کمرہ بدلوانا ہے۔بلاؤ اسے۔یہ کونسا ہسپتال ہے؟“

وہ وجود اپنا سامان سمیٹ رہا تھا یہاں اس کمرے میں اس ڈبے سے نکلنا والا وہ واحد سامان تھا جس میں رنگ تھے۔سفید کے علاوہ کوئی اور رنگ۔غالباً اسکی آنکھوں پہ پٹی اسی لئے باندھی گئی تھی تاکہ وہ اس رنگ کو نہ دیکھ سکے۔کچھ ہی پل بعد وہ مہدی کی آنکھوں سے پٹی ہٹا چکا تھا۔اگلے کئی منٹ میں مہدی کے سینے میں اٹھتا درد تھم گیا تھا۔وہ اب بھی عجیب نظروں سے اس کمرے کو دیکھ رہا تھا۔یہ کمرہ اتنا سفید کیوں تھا؟

”تم فکر مت کرو میں تمھیں تکلیف میں رہنے نہیں دوں گا۔یہ ساری تکلیف بہت جلد ختم ہو گی۔“

”تم کون ہو؟“بہت دیر بعد اسے دروازے کی طرف جاتے دیکھ مہدی نے سوال کیا۔

”قیس۔۔کہاں۔۔ہے؟“الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اسکے لبوں سے ادا ہوئے۔”میں یہاں۔۔کیا۔۔کر رہا ہوں؟“ لمبے تڑنگے وجود نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”قیس کو بھیجو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔کونسا ہسپتال ہے؟مجھے کیا ہوا ہے،میری بیوی کہاں ہے؟“

”تم،مہدی کمبیر ہو۔۔۔میں تمہارا معالج،دوست،مسیحا۔۔۔پندرہ دن قبل تمھیں گولیاں لگی تھیں اسکے بعد سے تم یہیں ہو۔تمہیں کئی بار ہوش آیا لیکن آج تم مکمل ہوش میں آئے ہو۔“اس نے پلٹ کر مہدی کو دیکھا۔سرد تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"کوئی۔۔ قیس۔ کمبیر نہیں، کوئی زینیا حاکم نہیں۔اب سے یہ تمہارا گھر ہے۔۔ میں تمہارا واحد خاندان ہوں اور میں ہی تمہاری موت۔امید ہے ہم بہت اچھا وقت گزاریں گے۔"

"تم کون ہو؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کیا چاہیے تمھیں؟" اس نے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ چہرے پہ تعجب تھا۔ خوف تھا۔

"مجھے، زرقون کاظمی کہتے ہیں۔ تمھیں یہاں لانا سزا ہے۔ مجھے کیا چاہیے اس سے تمھیں کچھ حاصل نہیں اور میں یہ سب تمھیں اس لئے بتا رہا ہوں کیونکہ تم بہت جلد سب بھول جاؤ گے اپنی آخری یادیں سنبھالنے کی کوشش ضرور کرنا، مہدی سرور کمبیر۔"

اسکے انداز میں کوئی وارننگ تھی، جو مہدی کمبیر کے اندر تک اتر گئی۔ وہ جامد رہ گیا۔

وہ کہہ کر مڑا تھا اور اب سامان اٹھا رہا تھا۔ مہدی جیسے سناٹے میں رہ گیا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر آس پاس دیکھا۔ سفید۔۔۔ سفید۔۔۔ سفید۔ سفید۔ بس سفید۔ اسکی آنکھیں بھاری ہونے لگیں۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا مگر نہیں اسے یقین نہیں آیا۔

"میرا بھائی کہاں ہے، قیس کہاں ہے؟" وہ اب بھی جسے بھائی پکار رہا تھا اسے قطعاً علم نہیں تھا وہ شخص انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں۔

"تمہارا بھائی یہاں سے کئی سو کلو میٹر دور ہے۔ اسے یاد مت کرو، بلکہ کچھ ہی وقت میں تم خود سب بھولتے چلے جاؤ گے۔" وہ بار بار یہی کیوں دہرا رہا تھا؟

زرقون کی آواز پلٹ کر آرہی تھی۔ مہدی کمبیر کا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ خوف کے سائے ہر اور گہرے ہوئے۔ اور اس نے وہ سوال کیا جو وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جو آنکھیں کھولتے ہی ایک لمحے کو اسکے ذہن میں آیا تھا اور اس نے جھٹک دیا تھا۔

"یہ۔۔۔ کون۔ سی۔ جگہ۔۔ ہے۔" الفاظ ٹوٹے بکھرے تھے۔ آنکھوں میں خوف تھا۔ تاثرات ناقابل بیان۔

زرقون نے اسے دیکھا۔ اسکی گہری سرمئی آنکھیں محظوظ انداز میں پھیلیں۔

''وائٹ روم۔۔۔ سفید دنیا میں خوش آمدید۔'' وہ کہہ کر اسکا تاثرات دیکھنے کے لئے بھی نہیں رکا۔ مہدی کمبیر جو کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا بری طرح زمین بوس ہوا۔

چہرے سے سارا خون کسی نے چوس لیا تھا۔ اب اسکا چہرہ سفید تھا بلکل اس قید کی طرح۔

ہسپتال کے کمرے میں بپ بپ کی آواز تھی۔ کھڑکیوں کے بلائنڈز سے شہر قائد کی چکا چوند کر دینے والی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ بستر پہ تکیوں کی مدد سے لیٹا وجود قیس کمبیر کا تھا۔ پلنگ کی دائیں طرف وریام کھڑا تھا۔ قیس کا چہرہ زرد تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے۔ اور آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر اب قیس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اور وہ اپنے ہاتھ پہ لگی ڈرپ کی سوئی پہ نظر جمائے ہوئے تھا۔

''کمبیر صاحب اول تو جو آپ کے ساتھ ہوا ہے اس سے آپ کا نروس بریک ڈاؤن بھی ہو سکتا تھا۔ یا پھر آپ کا دماغ بہت بری طرح متاثر ہو سکتا تھا۔ کچھ چیزیں دماغ کے لئے سہہ جانا اور پراسیس کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آپ کے کیس میں آگ، کسی قریبی کی موت، یا پھر ایسی ہی کوئی صورتحال آپ کو ٹرگر کرتی ہے۔ آپ کے پچھلے ڈاکٹر نے بتایا ہے آپ اینیورسری ٹراما کے ساتھ بھی ڈیل کرتے رہے ہیں؟ اور سب سے بڑی بات موجودہ تاریخیں وہی ہیں رائٹ؟''

''علاج کیا ہے؟'' اس نے بے زاری سے ڈاکٹر کی بات کاٹی۔

''علاج زہر ہے چاہیے؟'' وریام دل ہی دل پھنکارا۔

''یہ کوئی سر درد اور بخار نہیں ہے جس کا علاج یونہی بیٹھے بیٹھے ہو جائے گا۔ یہ سیریئس معملہ ہے۔ آپ کو لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کو ٹینشن سے دور رہنا ہو گا۔ آپ ان مسائل میں الجھنا بند کریں جو آپ کو ٹینشن دیں۔''

''مجھے جانا ہے۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسکے سارے جسم سے طاقت نچڑ کر رہ گئی تھی۔ چہرہ زرد تھا اور جسم پہ اب تک کپکپی طاری تھی۔ کئی گھنٹے بعد بھی قیس اس آگ کے چکر سے، موت کے اس کھیل سے واپس نہیں آ سکا تھا۔

''میں بلکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' وہ سوئی بے دردی سے نکال کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ایک لمحے کے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ یہ واقعی نارمل حالت نہیں تھی۔ ٹراما اور اسکے اثرات انسان کو اندر سے کھوکھلا ہی تو کرتے ہیں۔

''میں نے کچھ دوائیں لکھ دی ہیں لیکن آپ کو پراپر علاج کی ضرورت ہے۔ خود سے غفلت اچھی چیز نہیں ہے۔''

قیس سنی ان سنی کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ وریام اسکے پیچھے اسکے ساتھ ہی نکل آیا تھا۔ ہسپتال کے پارکنگ میں کسی گاڑی کی فلیش لائٹس قیس کی آنکھوں میں پڑنے لگیں۔ اس نے ہاتھ آنکھوں کے آگے کیا۔ کئی گھنٹوں سے کچھ نہ کھانے اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے ایک بار پھر اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ لڑکھڑایا۔

''دھیان سے، کمبیر صاحب۔'' وہ اسے سہارا دیتے ہوئے بولا۔ قیس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسکا بازو تھاما۔ لب بھینچ لئے۔ اس دنیا میں، لوگوں سے بھری اس دنیا میں وہ واحد آدمی تھا جس سے قیس مدد مانگ سکتا تھا وہ اسکا بھائی تھا۔ اور وہ اب نہیں تھا۔

جانے کیوں اسکی کمی ہر جگہ محسوس ہو رہی تھی، جانے کیوں؟ وہ تھام لیتا تھا جو گرنے کا خوف ختم ہو جاتا تھا اور اب وہی خوف ہر طرف تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی تک آتے ہوئے وہ دوبارہ بظاہر نارمل ہو گیا تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے اسکے چہرے پہ انتشار تھا۔ اسکی سفید شرٹ کے بازو پہ زینیا کے بازو کا خون اب تک تازہ تھا۔

''اسے کہاں بھیجا ہے تم نے؟''

''میں نے؟'' وریام نے بے یقینی سے سینے پہ انگلی رکھی۔ ''میں نے کہاں بھیجا؟ آپ کے سامنے وہ بھاگ گئی۔ پولیس کی گاڑیوں کو آگ لگی ہے۔ شعبے کا نقصان الگ ہوا ہے۔ اگر آپ بیچ میں نہیں آتے تو یہ سب نہیں ہوتا۔ آپ نے پولیس کو اپنا کام کرنے نہیں دیا۔ آپ پہ مقدمہ بن سکتا ہے۔''

''میں hallucinate نہیں کرتا، مسٹر وریام میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا سب۔ یہ بیماری میرے اندر ہے میرے اوپر سوار نہیں۔ اس لئے مجھے صاف صاف بتاؤ وہ کہاں ہے؟''

"غیرت کے نام پہ ایک اور قتل۔"

گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے اس نے عام انداز میں اطلاع دی۔

"اسکے بھائی اور کزن نے مل کر اسے قتل کر دیا ہے اور لاش سمندر میں بہادی۔ وہ لوگ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں لیکن جلد مان لیں گے۔"

"اور تم چاہتے ہو میں اس بات پہ یقین کر لوں؟" اسکا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی جونک تھی جو قطرہ قطرہ خون نچوڑ رہی تھی۔

"میرا کام آپ کو یقین دلانا نہیں ہے۔ میں وہ بتا رہا ہوں جو ہوا تھا اور ڈاکٹر نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ آپ اپنی طرف سے چیزیں سوچ سکتے ہیں۔"

"مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہارا کیریئر کھا جاؤں۔ وہ کہاں ہے بس اس ایک سوال کا جواب دو مجھے۔" اسکا دماغ اب تک پوری طرح بیدار نہیں تھا۔ سڑک پہ چلتی گاڑیاں، روشنیاں، ہر شے اسے عجیب کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔ اسے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔

"میری طرف سے آپ کو اجازت ہے جو کرنا ہے کر لیں۔ **(نوکری ویسے خطرے میں ہے چھوکری ہے نہیں کیا لے گا یہ؟)**"

گاڑی اب اسی پرانے محلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مگر اب سب کچھ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ پولیس کی وہ بھاری نفری۔ بندوقیں نیچے کیے گپے ہانک رہی تھی۔ اسپیکر پکڑے کھڑے افسر کے چہرے پہ بے زاری تھی۔ گلی کے دونوں اطراف لوگ، پولیس، گاڑیاں تھیں اور درمیان میں وہ چلتا ہوا آ رہا تھا۔ اسکے ذہن میں کوئی الارم سا بج رہا تھا۔ کچھ ہو گیا تھا کچھ جو بے حد برا تھا۔ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے عین سامنے دیکھا۔ پولیس کے دو افسر گھر کے اندر سے دو مردوں کو گھسیٹ کر باہر لا رہے تھے۔ انکے سینے، بازو، اور قمیص کے دامن پہ خون لگا تھا۔ قیس کے دل کو دھکا لگا۔ اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکن ہو گئیں۔

"ایسی بھی کیا غیرت؟ بچی کو قتل ہی کر دیا۔" پاس کھڑے کسی مرد نے تبصرہ کیا۔ قیس کا دل مٹھی میں جکڑا گیا۔

"آج کل کی لڑکیوں میں بھی تو حیا نہیں رہی ناں کمبخت۔"

وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا چاہتا تھا اسے آگے نہیں بڑھنا تھا۔ مگر بغیر کسی کی طرف دیکھے وہ اندر کی اور بڑھا۔ صحن میں کئی عورتیں بین کر رہی تھیں۔ صف ماتم بچھا ہوا تھا۔ وہ اس ایک صدی میں دوسری موت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسکے قدم اٹھنے سے انکاری ہوئے۔ اس نے امینہ بیگم کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اسکے گریبان جھنجھوڑ رہی تھیں۔ قیس کچھ سمجھ نہیں پایا۔ انہوں نے اسکے چہرے پہ تھپڑ دے مارا وہ رد عمل نہیں دے سکا۔

وہ بس صحن کے بیچوں بیچ رکھے اس جنازے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا اگر یہ "وہ" ہوئی تو وہ مر جائے گا۔ دھیرے سے انکے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹاتے ہوئے وہ اس طرف بڑھا جہاں وہ لوگ تھے۔ ہر ایک قدم پہ اسکا دل جھکڑ میں مبتلا ہوتا جاتا تھا۔ وہ تخت کے قریب آکر رکا۔ کانپتے ہاتھوں سے سفید چادر اس چہرے سے ہٹائی۔ اور وہ تھم گیا۔ وہ زینیا نہیں تھی۔

یہ عورت اسکی ماں کی ماں تھی۔ اسکا چہرہ سفید تھا۔ آنکھیں بند۔ وہ اس جہاں سے نہیں رہی تھی۔

ملال تھا کہ کیا قیس کی آنکھیں ہلکی سی نم ہوئیں۔ یہ وہ عورت نہیں تھی خوشی تھی کہ کیا اسکے دل میں تقویت بھی اتری، مگر حزن ہر دوسرے جذبے پہ بھاری تھا۔ اس نے جھک کر اس برف ہو چکی عورت کے ماتھے کو ہلکا سا چھوا۔

"دنیا قید تھی، آزادی مبارک۔" انکے کان کے پاس کہتے وہ سیدھا ہوا۔

پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ کسی نے قیس کمبیر کو پھر مڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لمحے کے اندر اندر وہ جہنم دیکھ آیا تھا۔ وہ کیسے مڑتا؟ باہر جاتے ہوئے اسے اندازہ ہو چکا تھا زینیا حاکم سے دوری کا خیال بھی اسکے دل کو مردہ کر سکتا تھا۔ اور وہ مردہ ہو رہا تھا۔

(زینیا حاکم کی کہانی وقت کے حساب سے باقی کرداروں سے آگے رہے گی)۔

"موجودہ دن۔"

ڈھاکہ کی ہوائیں پر نم تھیں۔ دریا کی لہریں اور بھانت بھانت کی بولیاں سنتے ہوئے اور سب سے بڑھ کر ایک غیر قوم کے درمیان ہوتے ہوئے وہ اب تک شل تھی۔ اسکے ساتھ آنے والا آدمی عبدل وحید تھا۔ ڈھاکہ پورٹ پہ کھڑے ہوئے اس نے زینیا کا تعارف کیا کروایا تھا اسے یاد نہیں کرنا پڑا۔

"یہ میری بھتیجی ہے، زوہرا متین۔ بول نہیں سکتی بیچاری۔" اسکا پاسپورٹ بھی تھا جس پہ اسکی تصویر تھی، اسکا نام بدلا گیا تھا، ولدیت کے خانے میں حاکم نہیں تھا۔ کسی نے اسکے دل پہ آری سے وار کر دیا تھا۔ وہ گھائل ہی تو ہوئی تھی۔ ساری دنیا الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔

وہ ایک غیر ملک میں تھی۔ وحید اپنے تعلقات استعمال کر رہا تھا وہ الیگل تھی۔ یہ کیا تھا؟

وہ جو بلانے پہ لوگوں کے گھر نہیں جایا کرتی تھی وہ کسی چور کی طرح کسی کی زمین میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ اس سمندر میں غرق ہو جانا چاہتی تھی۔

لوگ اپنا اپنا کام کرتے نظر آ رہے تھے مگر زینیا کو لگا ہر کوئی اسے دیکھ اور اس پہ ہنس رہا تھا۔ وہ ایک چور تھی۔ لوگ اسکو عزت کی نگاہ سے دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ قاتلہ کے بعد ایک اشتہاری اور پھر چور؟

("وحید۔۔۔ یہ پاسپورٹ جعلی ہے۔ تم اسکے ذریعے اس بچی کو آگے کیسے لے کر جاؤ گے؟" کسٹم افسر دبی آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ زینیا سنتی رہی۔ بس سنتی رہی۔ یہ زبان اسکے لئے انجان تھی۔ مگر عمل ہر انسان سمجھ لیتا ہے۔

"میں رقم بڑھا دیتا ہوں۔ تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے امریکا یا لندن لے آیا ہوں۔ اب آگے کا معملہ تم سنبھالو گے بس یہاں سے نکلنے کی ہی بات ہے۔ اسکے بعد کونسا بنگلہ دیش اور کونسا پاکستان۔ ویسے بھی چٹاگانگ پورٹ پہ تو کسی نے کچھ نہیں کہا۔" (چٹاگانگ بنگلہ دیش کا sea port ہے جہاں بیرون ملک تجارت ہوتی ہے۔ ڈھاکہ میں river port ہے اور چٹاگانگ پورٹ سے جہاز یہیں آتے ہیں۔)

افسر وحید کا شناسا تھا۔ وہ اسے کوئی تسلی دے رہا تھا۔ آگے کیا معاملات ہوئے کیسے ہوئے اسے علم نہیں تھا۔ اسے بس یہ معلوم تھا وہ زوہرا نہیں زینیا ہے۔ اسے یہ معلوم تھا وہ بول سکتی ہے گونگی نہیں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا یہ اسکی جگہ نہیں ہے۔)

وقت اسکے ساتھ یہ مذاق کرے گا اس نے کہاں سوچا تھا؟ اسکا بھائی اسکا ادا اسے اس طرح کسی کے حوالے کیسے کر سکتا تھا؟ یہ وہ سوچیں تھیں جو اس ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے اسے آئیں تھیں۔ وہ چپ چاپ سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسکے ساتھ بیٹھا وحید مختلف کالز کر رہا تھا۔ وہ بے حد مصروف آدمی تھا۔ یہ وہاں بیٹھے اسے اندازہ ہوا تھا۔ اور وہ اس کے ساتھ ایک غیر ضروری اضافہ تھی یہ ادراک بھی اسے ہو چکا تھا۔

یہ شہر بے حد مصروف اور پر شور تھا۔ سڑکوں پہ لگے بل بورڈز پوسٹر پہ لکھی لائنز اسکے لئے سب غیر شناسا تھا۔ رش بے تحاشا تھا۔

منظر کسی بیٹھک کا تھا شاید۔ صوفوں پہ دو مرد آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وحید اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ درمیانی سائز کے ون سیٹر صوفہ پہ بیٹھی زینیا اسکی بات سنتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"صرف تمھارے بھروسے بچی کو یہاں لایا ہوں میں۔ پوری امید ہے تم اسکے سارے معاملات کا ویسے خیال رکھو گے جیسے میں چاہتا ہوں۔"

"آج تک آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیا وحید بھائی۔ خلیل احمد تم پہ، اور تمھارے کہے کام کے لئے حاضر ہے۔"

خلیل احمد کے بڑے تعلقات تھے۔ اور غالباً وہ انہی کے استعمال کی بات کر رہا تھا۔

"بچی نے پہلے ہی بہت کچھ دیکھا ہے۔ میں تم سے امید رکھوں گا کہ وہ مزید کچھ نہ دیکھے۔" چائے کی پیالی لبوں سے لگاتے ہوئے وحید نے اضافہ کیا۔

خلیل نے اسکی بات پہ ایک بار پھر یقین دہانی کروائی۔ اس ملک میں داخلے کے معاملات یہاں آ کر سلجھ گئے تھے۔ اس بیٹھک سے نکلنے کے بعد سفر ایک بار پھر شروع ہوا تھا۔

ڈھاکہ جدید بھی ہے اور پسماندہ بھی۔ کہانی کا مرکز اس وقت جدید ڈھاکہ ہے۔ جہاں اونچی اونچی رہائشی عمارتیں ہیں۔ لوگوں کا جم غفیر ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کا ڈھیر سارا استعمال ہے۔ یونیورسٹیز اور کالجز کی بہتات ہے۔ پیلی ٹیکسی نے ایک بار پھر اپنا سفر جہاں روکا وہ ایک تین منزلہ اونچی عمارت تھی۔ عبائے میں ملبوس لڑکی نے گاڑی کی کھڑکی سے گردن پھیر کر دیکھا۔ اسکے دل کو ایک بار پھر انجانے خدشات نے آن گھیرا۔

وحید گاڑی کی دوسری طرف سے دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پھر اس نے زینیا کی طرف سے آ کر دروازہ کھولا۔ وہ تامل کا شکار رہی۔ مگر وہ اندر بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی سو باہر نکل آئی۔

وہ ایک چھوٹی سی ہاؤسنگ سوسائٹی تھی جس کے چاروں اور چھوٹی سی دیوار تھی۔ اندر تین سے چار منزلہ مکان تھے۔ جن کی تعداد گیارہ کے قریب تھی۔ گھروں کے آگے بڑا سا میدان تھا۔ جہاں بچے کرکٹ کھیلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اپنا اپنا سا سب مگر غیر۔

گیٹ عبور کر کے روش کو پیروں تلے روندتے، چند منٹ کا ٹھہراؤ رکھتے تیسرے نمبر پہ تین منزلہ مکان کی طرف آؤ تو وحید ایک گھر کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ زینیا چپ چاپ اسکے عقب میں کھڑی تھی۔ اسکی کیفیت یوں تھی جیسے کوئی مومی مجسمہ جسے جہاں چاہو موڑ دو، مروڑ دو۔

کئی لمحے بعد دروازہ کھلا۔ دروازے کے عین بیچوں بیچ ایک عورت ایستادہ تھی۔

"اگر مجھے دو منٹ دیر ہو جاتی تو کیا تمہاری یہاں موت واقعی ہو جانی تھی؟" وہ شفاف بنگالی میں گرج کر بولی۔ زینیا سہم کر پیچھے ہٹی۔

"اب یہ کیا ڈرامے بازی کر رہی ہے۔ اس نے کبھی چیختی ہوئی عورت نہیں دیکھی؟" عورت ایک بار پھر ناگواری سے بولی۔ اسکے تاثرات کرخت تھے اور بات کرنے کے انداز سے لگتا تھا وحید اور اسکے درمیان گہرا تعلق ہے۔

"چیختی عورت دیکھی ہو گی مگر غراتی ہوئی ڈائن دیکھنے کا یہ پہلا تجربہ ہے۔" وحید نے اس کے علم میں اضافہ کیا، اور زینیا کو لئے اندر آیا۔ وہ دونوں پہلی دو منزلیں چھوڑ اس عورت کی معیت میں تیسری منزل کی طرف چل رہے تھے۔ گھر کافی بڑا اور اچھے سے سجا تھا۔ صفائی ستھرائی اور سلیقے نے اسے مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ وحید نے اسے ایک کمرے میں بٹھایا۔ اور خود باہر چلا گیا۔

وہ کافی دیر تک بے حس و حرکت وہیں بیٹھی رہی۔ خاموش، چپ چاپ۔ کم از کم اس ایک صدی میں اسکا دماغ یہ سب پراسیس نہیں کر سکتا تھا۔ اگلے کئی لمحے وہ بیڈ پہ یونہی سکڑی سمٹی بیٹھی رہی۔ باہر سے وحید اور اس عورت کے بولنے کی آوازوں کے ساتھ اب ایک مرد کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔

"جوان لڑکی ہے بھائی صاحب میں اسکی ذمہ داری کیسے لے سکتا ہوں؟" لاؤنج سے ایک متفکر آواز آئی۔

''وہ بہت ٹیلنٹڈ ہے۔ وقت برا رہا ہے لیکن اسکا کردار اور اسکی ذہانت عظیم ہیں۔ تمھیں کیا لگتا ہے میں یونہی اٹھا کر کسی کو بھی تمھارے گھر لے آؤں گا؟ اس ملک میں صرف دو لوگوں پہ اعتبار کرتا ہوں میں۔'' وحید سنجیدگی سے بولتے ہوئے ایک پل کو رکا۔

''ایک تم اور ایک رفیق۔ ماضی میں تمھارے کئی کام کیے مگر میں نے ایک بار بھی یہ نہیں کہا کہ فلاں فلاں وجوہات کی بنا پہ میں یہ کام کر نہیں سکتا۔''

''میں آپ کو منع نہیں کر رہا، وحید۔ لیکن آپ میری بات سنیں۔'' اب کے رفیق کہہ رہا تھا۔ ''لڑکی ذات اول تو ذمہ داری ہے۔ دوسرا میری بیوی آج یا کل میکے سے آجائے گی اور تیسرا میں اس لڑکی کو یہاں کیا کہہ کر رکھوں؟''

''**مہمان**۔۔۔ کیونکہ وہ وہی ہے۔ چھ ماہ اسے یہاں رکھو اور اسکے بعد وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ جو اسکے ساتھ ہوا ہے اس سے نکلنے کے لئے اسے چھ ماہ چاہیے۔''

''میں۔۔'' رفیق نے کچھ کہنا چاہتا مگر نیما اسے ٹوک گئی تھی۔

''میں اسے رکھنے کے لئے تیار ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔'' نیما کی آواز کھردری تھی۔ کانوں کو چبھنے والی۔

''ان چھ ماہ کے بعد بھی وہ اپنے ملک نہیں جا سکتی لیکن چھ ماہ کے بعد میں اسے اپنے ساتھ بھی نہیں رکھنے والی۔ اور اس عرصے میں یہ لڑکی ہر وہ کام کرے گی جو میں چاہوں گی۔ نخرہ کیا تو گھر سے باہر، ڈرامے بازی کی تو ملک سے باہر۔ اب اپنا اپنا سوچ لو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے۔ زینیا نے دروازے کی دراڑ سے جھانک کر دیکھا۔ نیما نامی عورت چالیس کا ہندسہ پار کر چکی تھی۔ اسکی رنگت پکی سانولی تھی۔ جسم بھاری بھرکم اور بال لمبے جنہیں اس نے چٹیا میں گوندھ رکھا تھا۔ وہ عام سا بنگالی چہرہ رکھتی تھی۔

رفیق بڑی بہن کے سامنے چپ رہا مگر اندر سے وہ اب بھی اضطراب کا شکار تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ مجھے یقین ہے چھ ماہ بعد وہ ایک مختلف انسان ہو گی۔'' وہ باخوشی رضامند ہو گیا تھا۔ اندر انکی باتیں سنتی ہوئی زینیا ہر اس احساس سے عاری تھی جو اسے تکلیف دیتا، خوش کرتا، اداس کرتا، یا پھر پریشان کرتا۔ اس نے دھیرے سے گردن کو

ڈھلکتا اسکارف ہٹا کر سفید ہنس والا پینڈنٹ اپنی آنکھوں کے آگے کیا۔ وہ یاد آیا، اسکا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے آگے گھوم گیا۔ وہ کب، کہاں، کیسے دور ہوا تھا؟

اسکی نگاہیں پھر دھندلی پڑنے لگیں۔ وقت پھر سست ہو گیا اور دل۔۔۔ دل کو کسی نے چیر کر دو حصے کیا۔ مہدی کمبیر کے بغیر اگر کوئی زندگی تھی تو اس سے لے لی جائے۔

"ماں تھرا باز یاد کھناغاں۔" **(میں تمھیں بہت یاد کرتی ہوں)**

پینڈنٹ لبوں سے لگائے اس نے کسی کو بتایا۔ وہ نہیں رہا تھا تو اسکی یادیں زندگی کا قیمتی حصہ بن گئی تھیں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے اور وہ چپ چاپ اس بستر پہ لیٹ گئی۔ قسمت اور وقت اسکے ساتھ مزید کیا کیا کر سکتے تھے وہ آخری حد دیکھنا چاہتی تھی۔ قیس کمبیر نے اسکی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔

سفید کمرے میں موت جیسی خاموشی تھی۔ گدے پہ پڑے ہوئے وہ کافی دیر سے دیواروں کو گھور رہا تھا۔ مہدی کمبیر کے لئے یہ لمحات سست تھے یا پھر تیز رفتار اسے علم نہیں ہو سکا۔ زرقون کے جانے کے بعد اس پہ نیند کا غلبہ طاری ہو چکا تھا۔ جب اسکی آنکھ دوبارہ کھلی تب اسے احساس ہوا کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ وہ غلط تھا، دو دن بیت چکے تھے۔ وہ ہوش اور مدہوشی میں مبتلا رہا تھا۔

کہنی پہ زور دیتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ بے حد مشکل سے، ہانپتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا۔ آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ خاموشی اور اکیلے پن سے اکتاتے ہوئے اس نے بس یہاں سے باہر نکلنے کی خواہش کی تھی۔

اس سفید کمرے کے پار، اسکی آنکھوں کے پردے کے پیچھے ہر منظر رنگین تھا۔ وہ بالکنی میں کھڑا تھا، زینیا سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اسکی باتیں دل پہ نقش کر رہی تھی۔ پھر شور اٹھا، وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے پیچھے ہٹنے کو کہہ رہی تھی مہدی اسکا اشارہ نہیں سمجھ سکا۔ اور پھر اسکے سینے میں کچھ کھب گیا تھا۔ اسکے بعد کیا ہوا تھا؟ اسے کیوں کچھ یاد نہیں آ رہا تھا؟

بے زاری حد سے سوا ہونے لگی تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور ایک بار پھر وہ سفید دیواریں، سفید سیلنگ، سفید فرش۔ مہدی کا دماغ اب باقاعدہ چکرا رہا تھا۔ اسے فرسٹریشن ہونے لگی۔

"کوئی ہے؟۔۔۔۔۔ مجھے بات کرنی ہے۔۔۔۔ کوئی ہے؟" اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ اسکے دل و دماغ میں وحشت گھر کر رہی تھی۔ "زرقون۔۔۔۔۔" قید خانے سے آوازیں پلٹ پلٹ کر واپس آنے لگیں۔

"کوئی ہے؟ کوئی مجھ سے بات کرو۔۔۔۔ تم کون ہو۔۔۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ باہر کیوں نہیں نکال رہے؟"

اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر سینے میں ایسا درد اٹھا تھا کہ الامان وہ دوبارہ گر پڑا۔ درد شدید ہونے لگا۔ شاید اسکے زخم صحیح نہیں ہو سکے تھے۔

"پلیز مجھے یہاں سے باہر نکالو۔۔۔ تم جو کوئی بھی ہو میں تمھیں پیسے دے سکتا ہوں۔۔۔ میرا بھائی تمھیں پیسے دے گا۔ مجھے۔۔۔ مجھے یہاں سے پلیز نکالو۔" آوازیں پلٹ پلٹ کر واپس آ رہی تھیں۔ قید خانے میں خاموشی کا راج رہا۔ ایسے جیسے وہاں اسکے علاوہ کوئی بستا ہی نہ ہو۔

"تم جو بھی ہو۔۔۔۔ جو بھی چاہتے ہو میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟" وہ حلق کے بل چیخا۔ "پیسے چاہیے؟ میں اتنے دوں گا کہ تمہاری سات نسلیں کھا سکیں۔ بس مجھے یہاں سے نکالو۔" اسکے سینے میں درد ہونے لگا۔

"مجھے یہاں سے نکالو۔۔۔ تم کون ہو؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟ یہ کیسی جگہ ہے میرے دماغ کو کچھ ہو رہا ہے۔ تمہارا باس کون ہے۔ کتنے پیسے چاہیے تمھیں۔ میرے پاس بہت پیسہ ہے تم رقم بتاؤ؟" کوئی جواب نہ آیا تو وہ تھک کر سیدھا لیٹ گیا کہ اب مزید چلانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اسکے سینے میں ہر پکار کے ساتھ درد اٹھ رہا تھا۔ اسے خوف آ رہا تھا۔ ہر شے سے اور موت سے۔

کتنے منٹ گزرے، کتنے لمحے بیتے اسے اندازہ نہیں ہوا مگر اس نے تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی جب دروازے کے پٹ آپس میں جدا ہوئے اور زرقون ہاتھ میں ٹرے لئے اندر آیا۔

"آرام سے آرام سے، اٹھنے کی کوشش مت کرنا تمھارے زخم ابھی ہرے ہیں۔" اس نے سفید رنگ کی ٹرے میٹرس کے قریب رکھی۔ سفید سادہ چاول۔ ہم رنگ گلاس میں دودھ۔

مہدی پاگل ہونے لگا۔ اسے اس رنگ سے جیسے وحشت ہو رہی ہو۔ وہ اپنے بال نوچنے کے قریب تھا۔ اسکی آنکھیں اب جیسے ابل رہی ہوں۔

''تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم جو چاہتے ہو جو کہو گے میں وہ سب کر دوں گا۔ بس پلیز مجھے یہاں سے نکالو۔''

''کھانا کھاؤ پھر بات کرتے ہیں۔'' وہ اسے بچوں کی طرح پچکارنے لگا۔

''مجھے نہیں کھانا مجھے بس یہاں سے نکالو تم جو چاہو گے میں تمھیں وہ سب دے دوں گا۔''

''اگر تم کھانا کھاؤ گے تو کوئی بات ہو گی ورنہ میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

مہدی نے ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

''او کے۔'' یک لفظی رضامندی دے دی۔ زرقون مسکرایا۔ پھر چاولوں کا چمچ بھر کر اسکے منہ کے قریب لے گیا کہ مہدی اپنے ہاتھ کو اتنا اونچا نہیں لے کر جا سکتا تھا۔

''گھر جا کر کیا کرو گے؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھنے لگا۔

''میرا گھر ہے۔ میرا خاندان ہے بیوی ہے۔ ان سب کو میری واپسی کا انتظار ہو گا۔'' وہ قدرے چڑ کر بولا۔

''ایسا تو بلکل نہیں ہے۔ تم غلط سوچ رہے ہو۔'' اس نے دودھ کا گلاس اسکے لبوں سے لگایا۔

''میں چاہے کچھ بھی سوچ رہا ہوں تم آخر مجھے میرے گھر کیوں نہیں جانے دے رہے۔ یہ کیسی جگہ ہے میں یہاں کیوں ہوں؟''

''تم بہت بے صبر ہو۔ چیزیں اور بھید وقت لیتے ہیں۔'' اس نے ایک بار پھر دودھ کا گلاس مہدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جسے اس نے جھٹک دیا۔ گلاس نیچے گر گیا۔

''میں تمھیں کچھ بتانے آیا تھا۔ لیکن تم نے میرا موڈ خراب کر دیا ہے، اب تم تھوڑی دیر مزید انتظار کرو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مہدی کا دل حلق میں آیا تھا۔

اس نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر نہیں اٹھ سکا۔ کوئی سینہ چیرنے والوں سے کہے یہ زخم سل بھی جائیں تو نشان اور درد باقی رہ جاتے ہیں۔

''تم ایسے نہیں جا سکتے تمہیں مجھے بتانا ہو گا کیا ہوا ہے۔'' وہ اسے جاتے دیکھ ہذیانی انداز میں چیخا۔ وہ جیسے پاگل ہونے کے درپے تھے۔

''میری بیوی کیسی ہے؟ کہاں ہے وہ بتاؤ مجھے؟''

زرقون اس کمرے سے نکل آیا۔ باہر وسیع رقبے پہ پھیلا، شاہانہ دربار سا تھا۔ قطار در قطار کمرے تھے اور صد شکر وہاں رنگ تھے۔ سفیدی دم توڑ گئی تھی۔ وہاں کئی ورکرز نارنجی رنگ کی وردی پہنے کئی کارٹنز اٹھائے یہاں سے وہاں کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہاں کپڑا تھا، بے تحاشا کپڑا۔

لفٹس کی بپ بپ کی آوازیں کارڈز کے سوائپ کرنے کی صدائیں، اور ایک سوال افسر کی ہدایت اسپیکر میں گونج رہی تھیں۔ یہاں زندگی بے حد مصروف تھی۔

زرقون نے بے زاری سے اپنا سفید کا فتان وہیں کہیں گرا دیا۔ یہاں سے وہاں، آگے پیچھے لوگ تھے۔ کوئی صفائی کرتا نظر آ رہا تھا تو کسی کے ہاتھ میں کپڑے کے رولز تھے۔ نگاہیں گھما کر دیکھو، ذہن کے گھوڑے دوڑاؤ تو وہ عمارت ایک ویئر ہاؤس تھا۔
قیسم اور بیز کلیکشن کا ویئر ہاؤس۔

اسلام سے کچھ فاصلے پہ مری کے قریب ایک خالی اور سنسان جگہ پہ واقع اس ویئر ہاؤس میں کپڑا ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ یہاں آنے والا زیادہ تر کپڑا قیسم ٹیکسٹائل سے آتا تھا جو کہ فیصل آباد میں واقع تھی۔ ویئر ہاؤس کے اندر ہی ایک بڑے سے کمرے کو مہدی کمبیر کے زندان بنا دیا گیا تھا۔ زرقون کاظمی آس پاس نگاہ دوڑاتے اپنی تسلی کرتے چلتے ہوئے ویئر ہاؤس کے دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

مری میں اس وقت برف باری عروج پہ تھی۔ موسم یخ تھا۔ یہاں سے دور زندگی بھاگ رہی تھی مگر یہ علاقہ قدرے ویران تھا۔ اس نے واکی ٹاکی کان سے لگایا۔ دوسری طرف کال جانے لگی۔ وہ بوٹ سے فرش مسل رہا تھا۔

رابطہ ملنے کا یہ انتظار اس نے بے حد صبر کے ساتھ کیا تھا اور بلاآخر رابطہ مل گیا تھا۔ جہاں رابطہ ملا تھا وہ شخص اسلام آباد کے ایک پوش علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا امراء میں تھا اور روساء اسکے قدموں میں اپنی قسمت دیکھنے بیٹھتے تھے۔ جس کے پاس دولت کے ڈھیر تھے اور وہ جس کے ستارے آج کل عروج پہ جانے کے خواہشمند نظر آرہے تھے۔ اس آدمی نے بہت کچھ کھویا تھا مگر جو پانے کی تگ ودو وہ کر رہا تھا وہ ''دنیا'' تھی۔

اسکے گھر کی گلاس وال کے باہر شہر خاموشاں کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ زندگی سے بھرپور روشن عمارتیں۔

''باس۔۔۔'' زرقون نے دوسری طرف اسکی موجودگی چیک کرنی چاہی۔ وہ اسکا باس نہیں تھا خیر۔

''بولو، زرقون کیسا ہے میرا دوست؟'' گلاس میں پڑے مشروب کو ہلاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ایک ہی سوال کے ساتھ جاگا ہے، اور اسی ایک سوال کے ساتھ مرے گا یہ میرا اندازہ ہے۔'' زرقون اکتایا۔

''میں تمھیں لاکھوں روپے اندازے لگانے کے لئے دیتا ہوں۔''

اس نے تین سے چار گھونٹ لئے۔ زرقون نے ماتھے کو مسلا۔ بےزاری سے گردن گھمائی۔

''یہ سفید چولا پہن کر گھومنا ایک انتہائی بورنگ کام ہے۔ آپ کو اس کے لئے میں ہی ملا تھا؟''

''کیونکہ اس سفید کو سیاہ تم ہی کر سکتے تھے۔ کوئی بات نہیں اگر کام پسند نہیں آرہا تو واپس آجاؤ۔ باقی کی رقم بھول جاؤ کیسا؟''

''بس یہیں آکر میری غیرت گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔ پیسہ نہیں چھوڑ سکتا، باس۔''

''میں نے بھی تمہاری غیرت کے پیمانے ناپ کر تمھیں یہ کام سونپا تھا۔ کہو پھر کیسا ہے میرا دوست؟''

''زخم گہرے اور ہرے ہیں۔ طبیعت کے ساتھ ساتھ اسکا دماغ بھی ناساز ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری ملاقات دو بار ہوئی ہے اور دونوں بار میرے ہاتھوں قتل ہوتے ہوتے بچا ہے۔ بولتا بہت ہے۔'' آخری بات شکایت تھی۔ برف کی طرف پیٹھ کیے اب وہ آس پاس گزرتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے باس کی گفتگو سے لاعلم تھے وہ لاعلم تھے کہ یہاں جو کوئی انسان قید ہے اور جو قید ہے وہ مہدی کمبیر ہے۔

ان دونوں مردوں کو سکرین کے چوکھٹے پہ تقسیم کرو تو ایک آدمی گلاس وال سے شہر دیکھ رہا تھا اور دوسرا اسکی طرف پیٹھ کیے ہوئے تھا۔ دو مختلف لوگ مگر انکا مقصد ایک ہی۔ تباہی۔

''اسے بتاؤ اسکی بیوی کہاں ہے۔ اسکے بھائی نے اسکے ساتھ کیا کیا ہے۔ اسکی بیوی نے کتنے مردوں کے درمیان کتنا وقت گزارا ہے اور اسے بتاؤ اسکے اپنے بھائی نے کس طرح اسکا سینہ چھلنی کیا ہے۔'' مشروب لبوں سے لگاتے ہوئے ''**براق حاتم نواب**'' نے مدھم مسکراہٹ سے کہا۔

کئی بار ہم جسے اپنی کہانی کا ولن سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ اصل میں بس ایک پیادہ ہوتا ہے۔ **قیس کمبیر، اکتیس دسمبر کی رات ایک پیادہ تھا۔**

بادشاہت اس روز براق حنیف کے ہاتھ تھی۔ پیادہ مگر حکم کا غلام نہ تھا۔ وقت، حالات اور واقعات کو ایک بادشاہ کی طرح اپنے حق میں تبدیل کیا تھا۔ براق چہرے پہ کئی ملمع چڑھا کر بھی منافق بن سکتا تھا، دوغلا بھی، پیٹھ پیچھے وار کرنے والا بھی۔ مگر اسکا باپ اسکے بارے میں بے حد درست تھا یہ آدمی بادشاہ نہیں بن سکتا تھا۔ شاید یہ اسکا بخت نہیں تھا۔

''ابھی سے سب بتادوں؟ لیکن اسے ٹارچر کرنے کا مزہ ہی ابھی شروع ہوا تھا۔'' اس نے دروازے کی ٹیک چھوڑی وہ بری طرح بد مزہ ہوا تھا۔

''ایک سیاح اور ایکسٹر وورٹ آدمی ایک سفید کمرے میں بند ہے۔ رنگ اور لوگوں سے دور۔ فکر مت کرو۔ تمھیں بے حد مزہ آنے والا ہے۔ اسے بتاؤ اور مجھے اپ ڈیٹ کرو۔''

''راجر باس۔'' زرقون کے چہرے سے کلفت غائب ہوئی۔

''ویسے ایک بات بتائیں، مارنا تھا ناں، مار دیتے۔ زندہ کیوں رکھا؟''

دوسری طرف براق کے چہرے پہ یکدم کچھ در آیا تھا۔ آنکھیں حزن میں ڈوبیں، دل میں غم کے سائے گہرے ہوئے۔ وہ اگلے کئی لمحے بے حد خاموش رہا۔ پھر اسکی مدھم آواز سنائی دی۔

''موت بے حد آسان ہے، زرقون کاظمی۔ مشکل تو زندگی ہے۔ وہ زندگی جس سے رنگ رخصت ہو جائیں۔''

''محبت کے رنگ؟'' زرقون نے لقمہ دیا۔ براق کی آنکھوں کے آگے سیاہ آنکھیں آئیں۔ اس نے سر جھٹکا، دل کو ڈپٹا۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔

''مجھے جلد اپ ڈیٹ کرنا۔'' متوازن انداز میں کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ سلائڈنگ ڈور پار کرتے ہوئے پول کی طرف آیا۔ پانی میں کوئی عکس بننے لگا تھا۔ عکس پھر منظر بنا اور منظر میں براق حنیف کے وجود نے غوطے مارے، اور جب سر اٹھایا، آس پاس دیکھا تو بہت کچھ تھا جو اسکا اور تمہارا منتظر تھا جاننا چاہتے ہو کیا؟

''اکتیس دسمبر کی رات سے کچھ دن قبل۔''

(''انسان کہانی کو ترتیب دیتا ہے مگر، ٹوئسٹس کے لئے خود کو تیار نہیں کر پاتا۔'')

''تم میری ایک بات سمجھ جاؤ، حبیب میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔'' انٹر کام اٹھاتے ہوئے اس نے بے زاری سے دہرایا۔ دوسری طرف کنیکٹڈ کال پہ حدیبیہ نے گہری سانس لی۔

''میری مدد اب میں بھی نہیں کر سکتی۔ لیکن میں ''**انہیں**'' چھوڑ نہیں سکتی۔''

''یہ تم دونوں کا معاملہ ہے تم مجھے کیوں بیچ میں لا رہی ہو۔'' اسکیچ پہ پنسل پھیرتے وہ اکتاہٹ سے بولا۔ آرٹسٹ اپنے کام میں مداخلت برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''پھر آپ کا معاملہ زیر بحث لے آتے ہیں۔ قیس کمبیر کے قتل کی سازش کر رہے ہیں ناں آپ؟'' وہ بڑے آرام سے اسکے سر پہ دھماکہ کر گئی۔ براق کے ہاتھ سے پنسل چھوٹ کر گری۔ اس نے تیزی سے کال کاٹی اور دروازہ کھول کر تیز تیز قدموں سے شاکرہ کے کیبن کی طرف قدم لئے۔

اسکے چہرے کے رنگ غائب ہو گئے تھے۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں رنگت فق ہوئی تھی۔

اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑے ہوئے اس نے دیکھا حدیبیہ کیبن کے گلاس سے ٹیک لگائے بازو سینے پہ باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں کچھ تھا کہ براق سارے کا سارا ساکت ہو گیا۔ حدیبیہ چلتے ہوئے آئی اور اسکے قریب آ کر رکی۔ اسکی نگاہوں میں کچھ عجیب تھا۔

"اندر چل کر بات کریں، براق حاتم نواب؟" اسے لگا تھا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔ وہ ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔ ساکت بے سانس۔ حدیبیہ نے اسکے بازو میں اپنا بازو ڈالا اور اسکے ساتھ قدم اٹھائے۔ براق کو یوں لگا جیسے وہ اسی کے سہارے چل رہا ہو وہ تو بے جان ہو چکا تھا۔ آفس میں صوفے پہ بیٹھے ہوئے اے سی کی ٹھنڈک میں بھی اسے پسینے آنے لگے۔

"تمھیں کیسے پتہ چلا؟" اسکے سامنے چھوٹے سے اسٹول پہ بیٹھتے ہوئے حدیبیہ مسکرائی۔ اسکی آنکھوں میں سوگواری کی ایک الگ داستان تھی۔

"آپ کی ماں کا قتل ہر راز سے پردہ اٹھا گیا تھا۔ میں جن دنوں خالق حسین کے ساتھ کام کرتی تھی تب سے سب جانتی ہوں۔ چھوٹی سی تو انڈسٹری ہے کس نے کس سے خفیہ نکاح کیا، کس نے اپنا بیٹے کو دنیا میں نام نہیں دیا سب پتہ چل جاتا ہے۔"

براق کے چہرہ ہر گزرتے لمحے تاریک پڑتا جا رہا تھا۔ اس نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی۔

یہ ذلت تھی، جس سے وہ ہمیشہ بھاگتا آیا تھا۔ اور آج اسکے بخت میں بھر دی گئی تھی۔ وہ بس چاہتا تھا حدیبیہ چپ ہو جائے۔ "آپ کی ماں اور انکے تعلقات کافی عرصہ زیر بحث رہے تھے۔"

"کیا چاہتی ہو؟" اسکی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

"وہی جو آپ چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن مختلف طریقے سے۔ جس میں "وہ" بچ جائے۔"

اس نے پینٹ کی پاکٹ سے اپنا موبائل نکالا اور براق کے ہاتھ میں تھمایا۔ سکرین پہ کچھ تصاویر روشن تھیں۔ براق کی وہی تصاویر جو اسکی شادی کے روز شیزل کو موصول ہوئی تھیں۔ اگلی تصویر میں اس نمبر کی تفصیل تھی جس سے یہ تصاویر بھیجی گئی تھیں۔ وہ مہدی کمبیر کا نمبر تھا براق شل رہ گیا۔

''آپ کی محبت کی قبر میں پہلا کیل مہدی نے ٹھوکا تھا باس نے نہیں۔ اسکے بعد جو تصاویر آئیں وہ باس کی طرف سے تھیں۔ آپ ان سے اپنا بدلا لے چکے ہیں۔ کیا مہدی کو سب معاف ہے؟''

موبائل ہاتھ میں لیے وہ چپ چاپ ان تصاویر کو دیکھے گیا۔ قیس سے لاکھ اختلاف سہی، لاکھ نفرت اور مقابلے تھے مگر مہدی تو واقعی دوست تھا۔ اور اس ایک لمحے میں وہ سب تھا بس دوست نہیں رہا تھا۔ اور دوست کا دوست نہ رہنا بڑی اذیت ہوتی ہے۔

(''پلان بدل گئے تھے مگر نفرت، انتقام اور رقابت وہیں کی وہیں رہی۔'')

''بیٹھے بیٹھے یہ پلان کس طرح بدل گیا؟'' میز کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھا نوجوان بے زاری سے کہہ رہا تھا۔ اسکی طرف پشت کیے کھڑے براق کا چہرہ پر سوچ تھا۔ نگاہیں دیوار پہ جمی تھیں۔ جس پہ جابجا اسٹکی نوٹس لگے ہوئے تھے۔ کئی تصاویر اور انکو جوڑتے سرخ دھاگے۔ براق اس بورڈ کے آگے کھڑا تھا۔

''اسے گولی لگے گی۔ لیکن وہ مرنا نہیں چاہیے۔'' اسکی آواز ہلکی تھی۔ ''وفارم ہاؤس میں کہیں بھی ہوگا اسے گولیاں لگیں گی۔ مگر وہ مرے گا نہیں۔''

''اور پولیس ہماری ماں ہے ناں؟ جس کو لاش نہیں ملے گی اور وہ ہمارے پیچھے بھی نہیں آئے گی؟'' کمرے کے اندر آتا انسپیکٹر وقار احمد ناگواری سے بولا۔

براق حنیف کے بچپن کا دوست اور قانون کا بکا ہوا سپاہی۔

''پولیس کو لاش ملے گی۔ جلی ہوئی لاش۔ فارم ہاؤس میں آگ لگے گی وجہ شارٹ سرکٹ۔ لاش کسی لاوارث کی ہوگی۔ پانی کی طرح پیسہ بہاؤ اور لاش لے آؤ۔''

''تم پوسٹ مارٹم رپورٹ کو بھول رہے ہو، براق۔'' وقار نے اسکی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کروائی۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ قاتل کا اعمال نامہ ہوتی ہے۔ فرض کرو اگر کسی لاوارث لاش کو پلانٹ کر بھی دیا جائے تو دو منٹ کے اندر اندر پتہ چل جائے گا اسکی موت کی وجہ کیا تھی۔ اور اگر وہ گولیوں سے ہی مرا ہو تب بھی پتہ چلے گا اسکی موت کا وقت کیا تھا اور اسکے جلنے کو کتنے گھنٹے ہو چکے ہیں۔ سائنس بہت آگے جا چکی ہے۔ ایسے قتل نہیں ہوتے جیسے تم سوچ رہے ہو۔

تم کوئی پیشہ ور قاتل نہیں ہو۔ پیسہ پھینکنے سے تماشے دیکھے جاتے ہیں لیکن اگر یاد کرو تو وہ تماشے موت کے نہیں ہوتے۔''

براق پلٹا۔ اسکی آنکھیں اور اسکا چہرہ سپاٹ تھا۔ آج پہلی دفع ان آنکھوں میں پپوٹوں کے پار ایک درد بھی تھا، دوست کا دیا درد۔

''میں پیشہ ور قاتل نہیں ہوں لیکن اس ملک میں امیر لاڈلی اولاد تصور کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خرید سکتا ہوں پورے کا پورا ہسپتال خرید سکتا ہوں۔ میں براق حنیف لوگوں کے ایمان بھی خرید سکتا ہوں۔''

وہ اس وقت خود کو زمینی خدا مانے بیٹھا تھا۔ اسکا تکبر اسے ایک دن زمین بوس کرے خدا کرے۔

وقار نے گہری سانس لی۔ وہ براق کے تعلقات سے واقف تھا۔ اسکی پہنچ اونچی تھی اور طاقت بے مثال جسے آج تک اس نے خاطر خواہ استعمال میں نہیں لایا تھا مگر اب اسکی ضرورت تھی۔ انتقام جنون بنتا جا رہا تھا۔ اور اب براق خود پہ ضبط کھو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ کمرہ خالی ہوتا گیا۔ پھر نیم تاریک اور پھر گہرا تاریک۔

اسی تاریکی میں اسکے لاشعور نے کسی کے قدموں کی چاپ نے نوارد کے آنے کا سندیسہ دیا۔ کرسی کے کھینچنے کی آواز آئی۔ کوئی براق کے عین سامنے آ کر بیٹھا۔ وہ کوئی نہیں تھا مگر وہ کوئی تھا۔ اسکے گرد روشنیوں کا حالہ تھا۔ براق نے کرسی سے سر اٹھا کر اسے تکا۔ نگاہوں میں عقیدت تھی۔ نفرت بھی۔

اس نے دھیرے سے کہا۔

''بابا۔۔۔ میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔'' وہ کسی سائے سے مخاطب تھا۔ کسی الوژن سے۔

''تم مجھ سے بہت دور جا چکے ہو، براق بہت دور۔ میں نے تمھیں کہا تھا اس سب میں خود کو مت الجھاؤ۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔'' وہ آزردہ لگتے تھے۔

''آپ نے۔۔۔ قیس نے۔۔ مہدی اور شیزل۔۔ سب نے میرے ساتھ غلط کیا۔اب میری باری۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا

''مہدی کیوں ؟اس سب میں وہی کیوں ؟''

''وہ ''جڑ'' ہے میں اسے کاٹ کر پھینک دوں گا۔ شروعات وہیں سے ہوئی تھی۔اسکی ماں اور اسکے غلط اقدام۔ ہمیں قبول کر لیا جاتا اگر اس کی ماں نے روایات نہ توڑی ہوتیں۔ سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے۔انہوں نے مجھے اس لئے قبول نہیں کیا کیونکہ وہ ڈر گئے تھے۔ جو کچھ اس عورت نے کیا وہ سب ہم نے جھیلا۔اور اس سب کے بعد بھی کچھ ٹھیک نہیں ہو سکا۔''

حاتم کی نگاہوں میں دکھ تھا۔اور ایک عجیب کسک بھی۔

''خود کو کیوں گرا رہے ہو؟ جو تمھارے پاس ہے وہ بہت ہے۔ زیادہ کی خواہش کیوں ہے تمھیں؟'' وہ کوئی الوژن نہیں تھا وہ براق کا لاشعور تھا۔

''زیادہ کہاں ہے بابا؟'' وہ اٹھ کر روشنی کے حالے کے قریب آیا۔

''یہ تو bare minimum ہے۔ان دونوں بھائیوں سے وہ لے رہا ہوں جو انہوں نے مجھ سے لیا۔ قیس نے خاندان لیا اس سے وہی لے لوں گا۔ مہدی نے میری محبت لے لی۔ میں اس سے اسکی محبت لے لوں گا حساب برابر۔''

وہ ایک لمحے کو رکا۔ سرد نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھا۔

''آپ نے مجھ سے میرے حق لئے میں آپ سے وہ لوں گا جس کا تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔ بہت ہو گیا ناں۔ سہنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔''

''نقصان محض تمہارا ہو گا، عبداللہ بادشاہ ہے۔ تخت اسکے قدموں سے کہیں نہیں جائے گا۔ تم پیادے ہو، وہی رہو گے۔'' براق نے آنکھیں بند کر لیں۔ کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔ وہ اس آدمی کو نہیں سنے گا نہیں دیکھے گا۔ الوژن ٹوٹ گیا پھر ختم ہو گیا۔ اس نے سنی ان سنی کر دی۔

(''اور کہانی جب یوٹرن لے لیتی ہے تو کئی بار سوچ سے زیادہ بدل جاتی ہے۔ پھر پلان ردی، تاویلیں جھوٹ، اور کلائمکس شروع۔'')

فارم ہاؤس کے سامنے زیر تعمیر عمارت کی کھڑکی میں وہی نوجوان بیٹھا تھا جسے تم ایک بار پہلے براق اور وقار کے ساتھ دیکھ چکے ہو۔ اس نے رائفل اسٹینڈ میں سیٹ کر رکھی تھی۔ اب وہ جیب سے ایک پڑیا نکال رہا تھا۔ اس میں سفید ذرات تھے۔ جنہیں وہ کھڑکی میں رکھ رہا تھا۔ پھر جیب سے چابی نکال کر ذرات پیسے۔ پھر چہرہ جھکا کر ناک سے ذرات اندر کھینچے اور اگلے لمحے اسکی دنیا بدل گئی۔ جسم ہوا سے زیادہ ہلکا ہوا، دماغ میں بے انتہا خوشی بھرنے لگی اور جسم میں طاقت سی محسوس ہوئی۔ وہ واپس آکر اسٹول پہ بیٹھا۔ واکی ٹاکی کان سے لگایا۔

''ٹارگٹ میرے عین سامنے ہے۔ بالکنی میں کھڑا ہے وہ۔ آرڈر دیں باس۔''

دوسری طرف اپنے کمرے میں بیٹھا براق ایک بے حد مختلف انسان لگ رہا تھا۔ اسکا چہرہ زرد تھا۔ بال بکھرے ہوئے، اور اسکا سارا جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا۔

''نشانہ درست رکھنا وہ مرنا نہیں چاہیے۔'' پتہ نہیں کیوں مگر وہ نہیں چاہتا تھا مہدی مرے۔ پہلا قتل مشکل ہوتا ہے۔ یا شاید وہ تعلق کے باقیات تھے؟

''اسکا دل دائیں طرف ہے گولیاں بائیں طرف لگنی چاہیے ہیں۔ مجھے وہ زندہ چاہیے۔''

''راجر باس۔۔۔'' اس نے رابطہ منقطع کیا۔ اور دوربین اپنی آنکھوں کے آگے فکس کی۔ اول تو اپنا ہدف دیکھا مگر پھر رخ گھمایا۔ لوگ دیکھے، پھر اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے آگے آکر کھڑا ہوا۔ یہاں سے اس نے قیس کو دیکھا جو ساکت نگاہوں سے بالکنی کو تک رہا تھا۔ سیاہ، سرخ، سفید، آہ وہ ایک تکون تھا۔

وہ واپس اسٹول تک آیا اور اب اسکی انگلیوں نے ایک نیا نمبر ملایا۔ وہ قیس کمبیر کا نمبر تھا۔

پارٹی میں لوگوں سے گھرا کھڑا شخص اب موبائل کان سے لگا رہا تھا۔

"تمھارے بھائی کو گولی مارنے کا پیسہ ملا ہے مجھے۔ لیکن میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

وہ دو انگلیوں کے درمیان اپنی داڑھی کے بالوں کو نوچتے ہوئے بولا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ گلابی پن بھی۔

"اگر تم مجھے اس رقم کے بدلے ڈبل رقم دے دو تو میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔ کہو پھر چھوڑ دوں یا شوٹ کر دوں؟" گردن ڈھلکائے واکی ٹاکی کان سے لگائے اور نشانہ لئے ہوئے وہ آخری بازی کھیل رہا تھا۔ بس ذرا سے پیسے اور وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ یہ تھی ایک ایک کرائے کے قاتل کی اوقات۔

یہ تھے پیادے کے پیادے۔ کم از کم بادشاہ ایسے بے وفا لشکر نہیں رکھتا۔

"کہو پھر چھوڑ دوں یا شوٹ کر دوں؟" اس نے دہرایا۔ قیس چپ چاپ بالکنی کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ مہدی کو اپنے ہاتھوں سے مار سکتا تھا اور مارنے والا بھی تھا مگر وہ اس غرور کو کیسے توڑتا جو اسکی آنکھوں میں تھا۔

اور اس وقت ان دونوں کو ایک دوسرے کے روبرو، ایک دوسرے کے لئے کھڑے دیکھ قیس کو اپنا آپ پاش پاش ہوتا محسوس ہوا۔

"کہو پھر چھوڑ دوں یا شوٹ کر دوں؟ تمھارے پاس اب بھی وقت ہے۔ اپنے بھائی کو بچالو"۔

وہ جسے جنگ میں اپنی طرف سے ملکہ بنا کر لایا تھا۔ وہ سرخ لباس والی اپسرا اس سے دغا کر چکی تھی۔ قیس سے جو کھویا تھا اسکی بھرپائی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ پلان، وہ متوقع آگ یہ اسکا پلان نہیں تھا کیونکہ آج شام تک وہ صدمے میں تھا۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر قتل پلان نہیں ہوتے مگر پلان ہوئے قتل پہ مہر لگ سکتی ہے۔ اور یہ کام وہ کر سکتے ہیں جن کے اندر ابلیس بستے ہوں۔

"چھوڑ دوں یا شوٹ کر دوں؟"

"شوٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" یک لفظی حکم،، انتقام، آزردگی۔

دستبرداری، سفاکی یا پھر سر قلمی۔ اس لمحے اس وقت قیس کمبیر نے اپنے بھائی پہ دستبرداری دی کیونکہ اب وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا اب بس۔۔۔ بہت ہو گیا ناں؟

چند گھنٹے بعد براق حنیف فارم ہاؤس کے باہر اپنی گاڑی سے اترتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اپنے تمام تعلقات استعمال کر لینے کے بعد بھی، پیسہ پانی کی طرح بہا دینے کے بعد بھی اسے خوف تھا۔ بے حد خوف۔ آگے کا پلان واضح تھا۔

اسکے پاس زینیا اور مہدی کا نکاح نامہ تھا۔ قیس اور اسکی زینیا سے محبت کی داستان کی نشاناں تھیں۔ یہ غیرت کے نام پہ ہونے والا قتل ہوتا۔ حسد اور جلن، رقابت اور جائیداد کے تنازعے کا قتل۔ مگر بازی ایسی پلٹ چکی تھی کہ براق حنیف خود بھی بھونچکارہ گیا۔ یا شاید اس نے اس پلاٹ ٹوئسٹ کو خاصا انجوائے کیا تھا۔

قیس کمبیر کے موبائل پہ کچھ پیغامات آئے تھے۔ نکاح نامہ، گاڑی کے کاغذات، فلیٹ کا قصہ، اسٹور کے شیئرز، طلاق نامے کی تصاویر۔ ایک ترتیب شدہ کھیل، جسے اس نے ترتیب دیا تھا جو کہتی تھی وہ قیس کے ساتھ مخلص ہے۔ حدیبیہ نواز اسکے ساتھ واقعی مخلص تھی۔

وہ قرض دار تھی اور آج قرض اتار رہی تھی۔

قیس اب اسکا ہاتھ پکڑ کر پولیس کے حوالے کر رہا تھا۔ وہ آپا کھو چکا تھا۔ براق نے محض اسکے لئے پھندہ تیار کیا تھا مگر اپنی پسندیدہ عورت کو اپنے ہی بھائی کے قتل کے الزام میں پھنسا کر، اسے ذلیل کروا کر قیس نے خود کو پھانسی خود لگائی تھی۔

اور براق حنیف کو یہ کھیل پہلے والے سے زیادہ پسند آیا تھا۔ مہدی کو زندہ رکھ کر اسے ٹارچر کرنا یہ اسکا خیال تھا جسے عملی جامہ وقت نے پہنا دیا تھا۔

پول کے پانی میں بنتے عکس مٹ گئے۔ اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ براق چند لمحے پانی کو دیکھتا رہا۔ پھر خود کو ڈھیلا چھوڑا، اور اگلے لمحے پیٹھ کے بل خود کو پانی میں گرا دیا۔ یوں جیسے اس سے باہر نکلے گا تو پہلے جیسا ہو گا۔ ہاہ منافق۔

"کراچی، پاکستان"

دادی کی وفات کو کئی دن بیت چکے تھے۔ پولیس وقتاً فوقتاً نواب خاندان کے مختلف افراد کو لے کر جاتی، تفتیش کے نام پہ انہیں مارنے کے خوف دلاتی اور یہاں نواب پیسہ پھینکتے۔ تعلقات کا زور دکھاتے اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ ایک اور چیز کی تبدیلی آئی تھی بشرا اور ضیغم کا بیان پولیس کے سامنے بدل چکا تھا۔

انہوں نے زینیا حاکم کے متعلق لاعلمی ظاہر کی تھی۔ بقول انکے وہ سمندر برد ہوئی یا اسے آسمان نے نگلا کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ البتہ انہوں نے پولیس کے خلاف ایف آئی آر ضرور کٹوائی تھی کہ انکی بہن پولیس افسران سے کیسے غائب ہوئی۔ یہ تمام چال وقت کے فرعون عالم نواب کی تھی۔

ڈی آئی جی میں بیٹھے ہوئے قیس کمبیر کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ اس شہر آیا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ اس شخص کے اضطراب میں اضافہ کر رہا تھا۔ وقت نہیں اسکے ہاتھوں سے دنیا ریت کی مانند نکلتی جا رہی تھی۔

''یعنی کیا شہیر صاحب؟ میں یہ سمجھ کر واپس چلا جاؤں کہ دو شہروں کی پولیس ایک قاتلہ کا سراغ نہیں لگا سکی۔''

''اس پہ قتل ثابت نہیں ہوا۔'' دائیں طرف بیٹھے وریام نے اسکی بات کاٹنا اپنا فرض سمجھا۔

''میں اس کیس کا تفتیشی افسر ہوں۔ اور پورے عرصے میں ایک بار بھی اس پہ کچھ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن وہ پولیس حراست سے بھاگی ہوئی ملزمہ ضرور ہے۔'' شکریہ سرکار جو آپ نے اتنا مان لیا۔

''بھاگی ہوئی یا بھگائی گئی؟ میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ میں نے تمھیں گاڑیوں کو آگ لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔'' قیس کے لہجے میں طیش بھرنے لگا۔

''مجھے وہ لڑکی چاہیے۔ پولیس اگر اپنا کام ٹھیک سے کرتی تو آج یہ سب نہ ہو رہا ہوتا۔'' اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈی آئی جی شہریار خان نے گہری سانس لی اور اس سنکی ڈیزائنر کو دیکھا۔ کوئی ایک لڑکی کے پیچھے ایسا جنونی کیسے ہو سکتا تھا؟ یہ وہ آدمی تھا جس کے آگے پیچھے مضبوط ہاتھ تھے۔ دو طاقتور خاندانوں کے درمیان پولیس گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔

''پورا کراچی چھان لیا ہے، کمبیر صاحب۔ گھر والوں سے بھی پوچھ گچھ کر لی۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ ہم مزید کیا کریں؟''

''انکے گھر کی عورتوں کو اٹھائیں۔''وہ ترنت بولا۔

''جس لڑکی کے موبائل سے آخری بار ضیغم کو کال اور لوکیشن آئی تھی اسے اٹھائیں۔جن کے ساتھ آخری بار زینیا کو دیکھا گیا اسکی بیوی اٹھائیں۔''

میز پہ دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے وہ آگے ہوا۔

''تعاون کریں صاحب۔آپ کے بیٹے کو اسکی پسند کا گھر مل سکتا ہے۔ایک ڈیڑھ کروڑ میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''اسکی آواز بے حد ہلکی تھی کہ بامشکل شہریار سن سکا۔

''وہ صرف اٹھارہ سال کی بچی ہے۔پولیس اسے کس بناپہ اندر کر سکتی ہے؟''

وریام بیچ میں بولا۔**(اب کیا انکے گھر کی ساری عورتوں کا محافظ میں بنوں گا؟)**

''اس بناپہ کہ ملزمہ کے متعلق آخری بار رابطہ اسی کا ہوا تھا۔اور اسکے پاس وہ لوکیشن تھی جہاں اسکے اپنے منگیتر کے مطابق ملزمہ کو لے کر جایا گیا اور میں نے آخری بار اسے وہیں دیکھا۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کو نج حاکم کا اس کیس سے تعلق ہے۔''اب کے نواز بولا تھا۔سندھ پولیس سے وہی اس کیس کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھیں، کمبیر صاحب۔''شہریار نے تحمل سے کہنا شروع کیا۔''دوسری طرف نواب صاحب کا خاندان ہے۔ہم اس طرح انکے گھر کی عورتوں پہ ہاتھ ڈالیں گے تو معاملات بگڑ سکتے ہیں۔میں آگے بھی جواب دہ ہوں۔دو بڑے بڑے خاندانوں کے درمیان ہم پس کر رہ جائیں گے۔''

''اور نوابوں کو کون بتائے گا یہ آپ کے حکم سے ہوا ہے؟''قیس اسی کے انداز میں بولا۔

وریام نے آنکھیں گھمائیں۔**(اللہ کی قسم میں بتاؤں گا)**

''چند سپاہیوں کو بھیجیں۔ آپ پہ کوئی بات آئے تو کہہ دیجئے میرے احکام نہیں تھے۔ سپاہی چند دن کے لئے سسپنڈ کر دیجیے۔ یہ سب اتنا مشکل تو نہیں ہے ڈی آئی جی صاحب۔ اور یہ مت بھولیں آپ کے پیچھے میں کھڑا ہوں۔'' وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر بہ دقت سر کو اثبات میں ہلایا۔

''آپ سے تعلقات ہیں کمبیر صاحب آپ کے لئے کچھ بھی۔''مسکراتے ہوئے کہا۔

وریام نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ **(ایک کروڑ کے گھر کے لئے ایمان بیچ دیا خبیث نے)** وہ ایک بار پھر دل ہی دل میں بولا۔

قیس کے اندر کچھ تقویت اتری ورنہ کوئی اس سے پوچھتا جب کراچی کی ہر گلی کوچے، ہر جگہ وہ اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا تب اسکی حالت کیا ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ خوف دل میں کنڈلی مار رہا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ پائے گا کیا؟ اور اگر نہیں دیکھ پایا تو اس چھوٹی سی دنیا کو آگ لگا دینے میں کیا قباحت ہے؟

دفتر سے باہر نکل کر کراچی کے کئی بازار، محلے، گلیاں، بنگلے لتاڑ کر اس ٹرپل سٹوری گھر میں آؤ تو وہاں خاموشی کا راج تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے کمروں میں گھسا سامان باندھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس شہر کو الوداع کہنے کا وقت آ چکا تھا۔

وہ بُری لڑکی جس نے خاندان کی عزت پہ بٹہ لگایا تھا وہ اب نہیں رہی تھی۔ اب تو دنیا اس خاندان کو سر آنکھوں پہ بٹھائے گی۔

سردیوں کی اس اداس شام میں وہ چھت کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آنکھیں موندرکھی تھیں جن سے آنسو بہہ کر اسکے چہرے کو گیلا کر رہے تھے۔ بال بکھرے ہوئے اور حلیہ بے ترتیب تھا۔ کونج حاکم کا واحد سہارا، اسکے غموں میں شریک، اسکی مسیحا عورت اور وہ شفیق لمس اس سے کھو گیا تھا۔ ایسے جیسے ہاتھوں سے دنیا سرک گئی ہو۔

دفعتاً اس نے کسی کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے آنکھیں کھولیں، اور سر اٹھایا۔ وہ نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کونج کی پلکوں پہ ٹھہرے آنسو، متورم آنکھیں ضیغم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مزید روانی سے رونے لگی۔

''اس طرح کونے کھدروں میں چھپ کر رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ حالات کا مقابلہ کرنا سیکھو۔'' وہ مزید تیزی سے رونے لگی۔ ضیغم چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''وہ میرے لئے سب کچھ تھیں۔ میری ماں، میرا باپ، میری دوست۔ میں کیا کروں گی انکے بغیر؟'' بھل بھل بہتے آنسوؤں کے درمیان وہ بامشکل بول سکی۔

''سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا میرا تو سارا دن انکے ساتھ تھا میں۔۔ میں کیا کروں گی؟۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

وہ اسکے سامنے فاصلے پہ آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔ کونج کے شکوے سنے، اسے روتے ہوئے دیکھا۔ غصہ، غبار، غم وہ لڑکی جو اتنے دنوں سے سب سہہ رہی تھی۔ سب آہستہ آہستہ دل سے نکل گیا۔

''جانے والے واپس نہیں آتے، کونج۔ انکا جانا اسی طرح طے تھا۔ ہمارے خاندان نے بہت کچھ جھیلا ہے۔ تم خود کو اس طرح کمزور مت کرو۔ یہ وہ وقت ہے جب تمھیں یاد کرنا ہے تم کون ہو؟''

''اور کون ہوں میں؟'' وہ بری طرح مشتعل ہوئی۔ ''میں بہت عام سی لڑکی ہوں۔ حالات کا مقابلہ کرنا نہیں آتا مجھے، وقت سے لڑنا نہیں آتا۔ میں چیزوں سے، حادثات سے جلدی موو آن نہیں کر سکتی۔ میں زینیا حاکم نہیں ہوں۔'' آخر میں وہ چیخ کر بولی۔

''کیونکہ تم، کونج حاکم ہو۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''تم وہ ہو جس نے ایک بلیک میلر سے اپنی جان چھڑوائی۔ دادی صرف اتنا جانتی تھیں کہ تم نے اسے کہا تھا اگر وہ چاہے تو تمہاری تصاویر لیک کر دے لیکن میں کچھ اور بھی جانتا ہوں۔'' وہ رکا۔ اسکی آنکھوں میں کوئی مسکراہٹ ابھری تھی۔

''تمھارے پاس فریحہ کی تصاویر تھیں اور تم نے اسے کہا تھا جس دن تمہاری تصاویر انٹرنیٹ پہ آئیں اسی دن فریحہ کی تصاویر بھی ہر موبائل کی زینت بنیں گی۔'' کونج جھینپ گئی۔

وہ کہتا رہا۔

''تم نے پورے ایک سال کسی سے فون کالز پہ بات کرنے کی عادت کو نکالا کیونکہ وہ ایک غلط کام تھا۔ تم نے تکلیف جھیلی، بے چین ہوئیں لیکن تم نے دوبارہ اس لڑکے سے رابطہ نہیں رکھا جو تمہارا منگیتر تھا۔ دنیا کی نظر میں تم غلط نہیں تھیں لیکن تم نے اپنا ضمیر بچایا۔ بات صرف یہ ہے کہ تب تم ثابت قدم تھیں۔ تب تم فوکسڈ تھیں۔

دنیا کی نظروں میں زینیا مضبوط ہے تو کمزور کونج بھی نہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ وہ حالات گزر جانے کے بعد روتی ہے اور تم پہلے۔ تم دونوں کا تم دونوں جیسی لڑکیوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ تم بس مختلف ہو۔ کوئی اعلیٰ نہیں کوئی کمتر نہیں۔ آدھی دنیا کونج ہے آدھی زینیا۔ بس۔" اس نے جیسے حتمی فیصلہ کیا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ کہاں ہے، ضیغم؟ سب کہتے ہیں تم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ کیا تم نے واقعی؟" وہ آگے کچھ نہیں کہہ سکی۔

ضیغم نے اپنے آس پاس دیکھا اور لہجہ دھیما رکھا۔

"تم نے منع کیا تھا، تمہاری حکم عدولی کیسے کر سکتا تھا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

کونج نے رخ پھیرا۔ ہاں مگر دل کو تھوڑی بہت تسلی ہوئی تھی۔

"مجھ سے امیدیں مت رکھنا۔ ان منگنیوں سے میرا یقین اٹھ گیا ہے۔"

ضیغم نے گہری سانس لی۔

"دیکھو یار یہ جو زینیا اور عبداللہ کی منگنی تھی ناں یہ شروع سے intense تھی۔ کیونکہ اسکے پیچھے، اسکے دائیں بائیں سازشیں تھیں۔ تمھیں کیا لگتا ہے بلوچستان کے لوگ اتنے ظالم ہیں، اتنے اجڈ اور گنوار ہیں کہ اس طرح ایک منگنی کے پیچھے لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں؟" اس نے گردن نفی میں ہلائی۔

"بلوچستان سمیت دیگر صوبوں میں آج بھی نام نہاد غیرت پہ قتل ہو رہے ہیں۔

آج بھی مرد خیبر کے کچھ علاقوں میں "غگ" **(غگ میں کوئی مرد کسی لڑکی کے گھر کے باہر فائرنگ کر آتا ہے اور اسکے بعد اس لڑکی سے کوئی اور شادی نہیں کر سکتا۔ وہ چاہے تو شادی کرے ورنہ وہ لڑکی یونہی گھر بیٹھی رہے)** جیسی لعنت پہ یقین رکھتے ہیں۔

پنجاب کے کچھ علاقے آج بھی ''ونی'' **(اگر دو خاندان وں کے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے اور اسکی بناپہ کوئی قتل ہو جائے تو قاتل کی بہن یا بیٹی کو مقتول کے گھر کی ''ونی'' کر دیا جاتا ہے۔ ونی کے ساتھ ہونے والا سلوک کسی جانور سے بھی بد تر ہوتا ہے)** پہ یقین رکھتے ہیں۔

سندھ اور بلوچستان میں آج بھی '**کاروکاری**'' کی روایت ہے۔ یہ صرف ہمارا علاقہ نہیں ہے یہ دیمک ہے جو ملک کے ایک حصے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ یہ کوئی روایت نہیں ہے یہ چند بے غیرتوں کے بنائے گئے بے غیرت قوانین ہیں۔ خود سوچو یہ کیسی غیرت ہے کہ جس میں پسنے والی محض عورت ہے؟'' اس نے لمحے کا توقف کیا۔

کونج غور سے اسے سن رہی تھی۔

''آج کل منگنی ہونا اور ٹوٹ جانا کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہا۔ تم گھر پہ بیٹھی ہو باہر نکل کر دیکھو بلکہ تمہارے نزدیک تمہاری دوستوں میں کسی کی منگنی نہیں ٹوٹی؟ کسی کی شادی نہیں ٹوٹی پھر کیا سب عبداللہ زمان بن گئے؟'' کونج نے نفی میں سر ہلایا۔

''عبداللہ اور ہمارا خاندان طاقت ور ہے، بس اسی لئے مسائل ہوئے۔ اور چند جھوٹی نام نہاد روایات نے اسے شہ دی لیکن ہماری منگنی نارمل ہے اور رہے گی۔''

کونج نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ضیغم کراہا۔

''یار واقعی نارمل ہے۔

جو مسائل تھے وہ زینیا اور بالاج بھائی کے تھے اور عبداللہ کے۔ ہم تو ماشاءللہ خوش ہیں۔'' وہ اس انداز سے بولا کہ کونج ہنس پڑی۔

''تم کچھ زیادہ خوش ہو ظاہر ہے اتنا ہینڈسم لڑکا ہر کسی کو تھوڑی ملتا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''خیر میں چلتا ہوں یہ مت سوچنا تمہارا پیچھا کرتے ہوئے آیا تھا۔ میرا اپنا کام تھا یہاں۔''

''بلکل چھت بہت گندی ہوگئی ہے جھاڑو لگانے آئے تھے ناں؟'' ضیغم نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر رک گیا۔ سیڑھیوں سے دھپ دھپ کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ کونج کی طرف بڑھا مگر وہ کوئی حفاظتی بند نہیں باندھ سکا۔ خواتین پولیس کے ساتھ کچھ مرد افسر اوپر آئے تھے۔

انہوں نے کھینچ کر کونج کو اٹھایا، ایک مرد نے ضیغم کو گھسیٹا۔ اور انہیں اپنے ساتھ لیتے ہوئے چلے گئے۔ نیچے صحن سے ضیغم کی بہن بھی انکی حراست میں تھی۔ گاڑیوں کی طرف جاتے، ماؤف ہوتے ذہن اور دھندلی ہوتی آنکھوں سے جو کونج نے آخری چہرہ دیکھا وہ قیس کمبیر کا تھا۔ واقعی قیس کمبیر کا یا جنون کا؟

ہاسٹل کے کمرے میں بے ترتیبی تھی۔ شیزل بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پہ مغموم تاثر تھا۔ کمرے میں واحد روشنی وہ تھی جو موبائل سے اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کافی کا بھرا ہوا مگ رکھا تھا جسے اس نے چھوا تک نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ آنکھوں کے آگے بار بار وہ منظر تھا جس میں پولیس بشر اور ضیغم کو ساتھ لئے جا رہی تھی اور انکے کپڑے خون آلود تھے۔ پہلی اطلاعات کے مطابق ان دونوں نے غیرت کے نام پہ زینیا کا قتل کر دیا تھا۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی کر ہی نہیں سکتی تھی۔ موبائل پہ ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس نے کال ملائی۔ موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے ایک اچھے جواب کے لئے وہ ہرگز پر امید نہیں تھی۔

پولیس موبائل میں بیٹھتے ہوئے وریام بیگ کا موبائل بجا۔ اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" وہ عجلت میں لگتا تھا۔

"کال مت کاٹنا، وریام۔۔۔۔" وہ جلدی سے بولی مبادہ کال کٹ ہی نہ جائے۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ میں شیزل سیمسن بات کر رہی ہوں۔" اس نے اپنے آس پاس دیکھا اور کال کاٹ دی۔ پھر خود بھی موبائل سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر پینٹ کی پاکٹ سے چھوٹا موبائل نکالا اور اسی نمبر پہ کال ملائی جس سے کچھ دیر قبل اسے کال آئی تھی۔ **(وریام پہ پولیس انکوائری بیٹھنی تھی وہ جانتا تھا اسکی کالز ٹیپ کی جائیں گی۔ اس موبائل پہ جو سم تھی اسکا مالک چار ماہ پہلے مر چکا تھا۔ 'اللہ جنت میں جگہ دے' سم استعمال کرنے سے پہلے وریام نے اسے دعا دی تھی۔)**

شیزل کال کٹ جانے پہ اسے بار بار کالز ملا رہی تھی مگر اسی پل اسے ایک انجان نمبر سے کال موصول ہوئی۔اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''کیا بات ہے بی بی؟ پہلے تو مرد بدنام تھے اب عورتیں مردوں کو ہراساں کرنے لگی ہیں کیا؟ کیوں کالز کیے جا رہی ہیں؟''وہ بری طرح بھڑکا۔

''قیس میری کالز نہیں اٹھا رہا۔زینیا کے گھر میں سب کے فون بند آ رہے ہیں میں۔۔۔''

''تو میری اولادیں ہیں وہ سب؟ یا ٹھیکا لیا ہے میں نے انکا؟ مجھے کیوں بتا رہی ہو؟''

وہ ہنوز بے زار نظر آتا تھا۔

''مجھے زینیا کے بارے میں پوچھنا ہے۔مجھے صرف یہ بتاؤ وہ زندہ۔۔''وہ اسکی پچھلی ہر بات کو بھول کر بس یہی پوچھ رہی تھی۔

''آخری اطلاعات تک میری ماں کا نام زینیا نہیں تھا۔پھر مجھے اسکے متعلق کیوں پتہ ہو گا؟''

''تم میری مدد کرو، میں بدلے میں تمہاری مدد کروں گی۔''شیزل نے ہونٹ کاٹے۔

گہری سانس لی۔''مجھے صرف اسکی خیریت کی اطلاع دے دو۔''

''معذرت بی بی۔رابن ہڈ کے ماموں کی روح میرے جسم میں نہیں رہی۔نہ مدر ٹریسا سے میرا کوئی تعلق ہے،اور نہ میں نے ساری دنیا کی عورتوں کی مدد کا ٹھیکا لیا ہوا ہے۔ایک کی مدد کر دی تو اب تک جھیل رہا ہوں۔''

شیزل چند پل چپ رہ کر ہونٹ کاٹتی رہی۔پھر جیسے ایک فیصلہ کر لیا۔

''میں وہ پہیلی سمجھ گئی ہوں جو تمھیں زینیا نے بتائی تھی۔''اس سے پہلے کہ وہ فون کاٹتا شیزل نے اسے ساکن کر دیا۔

''میں تمھیں اس آدمی تک لے کر جا سکتی ہوں جو تمہارا مجرم ہے۔کیونکہ وہ میرا سب سے قریبی ہے۔صرف ایک بار میری مدد کر دو بدلے میں تمھیں وہ ملے گا جسے تم ڈھونڈ رہے ہو''

وریام ٹھہر گیا تھا۔کئی لمحے دونوں طرف خاموشی رہی۔

''وہ صرف دوست نہیں ہے۔ وہ میرے لئے بہت کچھ ہے۔ صرف اتنا بتاؤ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ بس صرف اتنا۔''

اسکی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔ چہرے پہ ہاتھ رکھے وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اسکی آواز دوسری طرف نہیں جا سکی۔

''گھاک عورت ہے وہ۔ اسکا کزن اس پہ بندوق تانے کھڑا تھا اور وہ اپنے حق میں بول رہی تھی۔ میں اس پہ جملے کس رہا تھا تب اس نے سہا۔ قیس نے جب اسے ذلیل کرنا چاہا تب اس نے ساری دنیا پہ راز کھول دیا کہ وہ آدمی آگ سے خوف زدہ ہے۔ گولی لگے ہوئے بازو سے پولیس کی تین گاڑیوں کو آگ لگا کر، اپنے ہی منگیتر کا ڈراما استعمال کر کے بھاگی ہے وہ تمھیں لگتا ہے وہ مر گئی ہو گی؟'' شیزل بے آواز رونے لگی۔

یعنی وہ خون۔۔۔ وہ خون اسکے بازو پہ گولی لگنے کا تھا۔ بشر نے اسے نہیں مارا وہ مار ہی نہیں سکتا۔

''وہ کبھی کسی دن کہیں سے نمودار ہو سکتی ہے۔ ہو جائے تو پولیس کو اطلاع دینا۔ مفرور ملزمہ ہے نہ۔'' اس نے کال کاٹ دی۔ شیزل نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

اسے بے تحاشا رونا تھا اس لئے کہ **زینیا حاکم آزاد تھی۔ یہ آنسو اسکی جیت کے نام۔**

وہ اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن آزاد تھی۔ اسکی خیر خبر نہیں تھی لیکن وہ میدان جنگ سے دور تھی۔ دوست چھوٹ گئی تھی مگر کم از کم زندہ تھی۔ یہ بہت تھا بہت زیادہ۔

اسکی آنکھ کھڑ پڑ کی آواز کے ساتھ کھلی تھی۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھتی رہی پھر اسکا دماغ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا۔ وہ چھوٹا سا کمرہ اور اسکے کم سامان اسکی نگاہوں کو از بر ہی ہو گئے تھے۔

''معذرت بچے، مگر تمھیں جگانا ضروری تھا۔'' مہربان چہرے اور آنکھوں میں نرم تاثر لئے وحید کہہ رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں میڈیکل باکس تھا۔ زینیا خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرا کام ہو گیا ہے کل صبح مجھے نکلنا ہو گا۔ اس سے پہلے تم سے کچھ بات کرنی ہو گی۔''

''اور میں ؟''پورے ڈیڑھ دن بعد وہ بلاخر ایک لفظ بولی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' چاہ کر بھی وہ اپنے لہجے میں پہلے جیسی تمکنت نہیں پیدا کر سکی۔ کچھ تھا جو اسے پسپا کر رہا تھا۔ شاید اس سے اسکا غرور لیا گیا تھا۔

''تم میرے ساتھ نہیں جاسکتیں۔'' وہ اسی نرمی سے کہتے ہوئے اسکے سامنے آکر بیٹھا۔ زینیا نے نامحسوس انداز میں اپنا بیگ قریب کیا۔

''تمھارے لئے یہیں بندوبست کر لیا ہے۔ اس لئے اب تم ان لوگوں کو اپنا خاندان سمجھنا، ان ہی سے تعلق رکھنا اور انکے گرد خود کو محفوظ سمجھنا۔'' وہ کچھ سامان باہر نکال رہا تھا۔ زینیا نے بیگ میں ہاتھ مار کر کچھ تلاشنا چاہا مگر وہ ٹھٹھک گئی۔ یہ بیگ اسی کا تھا مگر اندر محض کپڑے تھے، صرف کپڑے۔ اس آدمی پہ اسکا شک گہرا ہوا۔

''آپ کا سامان کسی کرمنل کے سامان جیسا تھا، جسے پورٹ پہ نہیں لایا جاسکتا تھا۔ میرے پاس محفوظ ہے۔ جلد واپس کر دوں گا۔'' وہ اسکی طرف دیکھے بغیر بولا۔ زینیا بلکل ٹھہر سی گئی۔ یہ آدمی جو دیکھ رہا تھا وہ کیوں نہیں دیکھ پا رہی تھی؟

''مجھے میرا سامان چاہیے ابھی کے ابھی اور میں یہاں کسی غیر ملک میں کسی اجنبی کے ساتھ بالکل نہیں رہنے والی۔ آپ دھوکے سے مجھے یہاں لائے ہیں ورنہ میرا بھائی مجھے مر کر بھی یہاں بھیجنے کی غلطی نہیں کرتا اس لئے مجھے واپس میرے ملک لے کر جائیں۔ ورنہ میں پولیس کے پاس جاؤں گی اور۔۔۔۔''

''تم پولیس کے پاس جاسکتی ہو؟'' وہ ہنوز گردن جھکائے دوا کی شیشیوں کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ چہرے پہ بہت سارا سکون تھا۔

''جاسکتی ہو تو شیور ضرور جاؤ۔ لیکن بس ایک بات ذہن میں رکھنا، آدھی دنیا تمھیں قاتلہ کے طور پہ جانتی ہے۔ اور باقی کی آدھی دنیا کو اگر تم الیگل امیگرینٹ کے طور پہ جانے جانا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ نقصان صرف تمھارے کھاتے میں آئیں گے۔''

اسے وہیں بیٹھے بیٹھے احساس ہوا کہ کسی نے اس سے کھڑے ہونے کی قوت چھین لی ہے۔ وہ پہلے والی زینیا حاکم کہاں رہی تھی؟

"تم نے زندگی مانگی تھی وہ تمھیں مل گئی ہے اور اب اسے کیسے گزارنا ہے یہ تمھیں سیکھنا ہوگا۔ تم نے جہنم سے رہائی مانگی تھی تمھیں مل گئی ہے۔

اب اس جہنم میں کیسے سروائیو کرنا ہے یہ تمھیں سیکھنا ہوگا۔ یاد کرو تم کون ہو پھر چیزیں بدل جائیں گی۔ تم خود کو پہچانو، پھر حالات آسان ہو جائیں گے۔ تم بھول گئی ہو تم کون ہو۔ یاد رہے کرو۔" انہوں نے بہت سارا سامان پلنگ پہ پھیلا دیا۔

زینیا وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے جیسے سانس نہیں آ رہا تھا۔ کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر اس نے پردے ہٹائے۔ تازہ ہوا کا جھونکا اسکے چہرے سے ٹکرایا، مگر یہ ہوا اسے یہ ہوا تک غیر لگی۔ لوگ، گھر کچھ بھی تو اسکا نہیں تھا۔

"اس ملک میں تمھارے لئے اب کچھ نہیں رہا۔ پولیس تمہاری بہن اور کزنز کو تھانے لے گئی ہے۔ انکی زندگی برباد ہونے والی ہے کیونکہ تم نے اپنی زندگی بچائی۔" زینیا نے اتنی زور سے گردن پھیر کر اسے دیکھا یہاں تک کہ گردن کے چٹخنے کی آواز آئی۔

"تم جانتی تھیں تمھارے غائب ہونے کے بعد وہ آدمی سکون سے نہیں بیٹھ سکے گا۔ تم جانتی تھیں تمہارا خاندان مسائل سے نہیں نکل سکے گا لیکن تم نے پھر بھی اپنی زندگی مانگی۔۔۔"

"میری بہن۔۔۔۔۔۔" اسکے لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔

"کونج تو بہت معصوم ہے۔" اسے جیسے اب ادراک ہوا وہ آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہوئی۔

"زندگی مانگنا غلط نہیں تھا لیکن اب ایک بار پھر خود غرضی دکھانا غلط ہے۔ واپس جانے پہ تمھارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہاں رہو گی تو ایک غم ہوگا۔ وہاں جاؤ گی تو ہزار۔ اپنوں کے درمیان تمہاری کوئی پہچان نہیں ہو گی۔ قانون کی بے عزتی کرنے پہ تم ایک بار پھر سلاخوں کے پیچھے ہو گی۔ تمہارا سارا خاندان اس وقت تمھیں مردہ مان چکا ہے۔ تمہاری واپسی انہیں مار دے گی۔"

کھڑکی سے آتی جامنی کرنیں اسکے چہرے پہ پڑے زخم واضح کر رہی تھیں۔ اسکی آنکھ سے گرتے قطرے اسکی گردن تک جلا رہے تھے۔ ذلت، جسمانی تکلیف، محبت سے دوری کے بعد کیا اب اسے بن باس بھی دیکھنا تھا؟ کیا کسی دور میں وہ قیس سے اس سب کا حساب لے سکے گی؟

اسے کسی اور ملک میں چوروں کی طرح چھپ کر رہنا تھا کیونکہ عبداللہ زمان نے اس پہ جھوٹے الزامات لگائے تھے؟ کیونکہ عبداللہ زمان نے انتقام لئے تھے۔ اگر وہ کبھی واپس آگیا تو؟ کیا وہ اسے معاف کر بھی سکے گی؟

''میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ سمجھنے کی کوشش کریں میں یہاں کیسے رہوں گی؟'' وہ تیز تیز کہتے ہوئے انکے سامنے آئی۔ اسکے چہرے پہ ہراساں اور متوحش سا تاثر تھا۔

''یہ میرا ملک نہیں ہے یہ میرا گھر نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ، کلچر یہاں کچھ بھی میرا نہیں ہے۔ میں اپنے ملک میں کہیں بھی کسی بھی جگہ رہ لوں گی۔ پلیز مجھے یہاں سے نکالیں۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے انکی زبان نہیں آتی مجھے۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔'' الفاظ کھو گئے، رنج بڑھ گیا اور اس نے ہمت ہار دی۔ ''آپ مجھے یہاں سے لے جائیں پلیز مجھے لے جائیں۔ پلیز۔''

وحید کے چہرے پہ کوئی جذبہ نہیں تھا۔ وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کسی فلم کا منظر ہو۔

''میں یہاں نہیں رہ سکتی ایک الیگل کے طور پہ میں یہاں کیا کروں گی؟ میں کوئی نوکری نہیں کر سکتی میں کہیں جا نہیں سکتی۔ کسی بڑی بیماری میں میرا ٹریٹمنٹ نہیں ہو سکتا میں مر جاؤں گی یہاں پلیز۔۔۔ پلیز مجھے یہاں سے نکالیں پلیز۔'' اس پہ ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔ وہ بری طرح ہچکیاں لیتے ہوئے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مجھے میرے ملک واپس جانا ہے میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں مستقبل کی افسر ہوں۔ یہاں کیسے رہوں گی؟''

وحید نے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ چند پل تھپکتے رہے پھر وہی ہاتھ جیب میں ڈال کر اپنا موبائل باہر نکالا۔ چند بٹن دبا کر موبائل بیڈ کے کنارے رکھا۔ وہ جو پنجوں کے بل بیٹھی تھی اب اسکے چہرے پہ موبائل کی روشنی پڑ رہی تھی۔

پہلی ویڈیو میں اسکے گھر سے چند لڑکیوں کو پولیس موبائل میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وحید نے انگلی سے دوسری ویڈیو پلے کی۔ وہاں بشر، ضیغم خون سے لت پت کپڑوں کے ساتھ، لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے گاڑی سے اتر رہے تھے۔ وہ پولیس کی چار روزہ حراست سے واپس آئے تھے۔ اگلی ویڈیو کراچی، اسلام آباد کے گلی، چوک کی تھی۔ ہر ہر جگہ اسکی تصاویر لگی تھیں۔ اس ڈھونڈ کر لانے والے پہ انعام تھا۔ اسکے قدموں سے یکلخت جان نکل گئی اور وہ زمین بوس ہوئی۔ اسکے سر سے کسی نے آسمان کھینچ کر دیا کسی نے اسکا سر برہنہ کر دیا۔ زینیا حاکم سے وہ لیا گیا تھا جسے پانے کے لئے اس نے عمریں خاک کی تھیں۔

''یہ ہے وہ قیمت جو تمہارا بھائی، بہن، کزن تمہاری آزادی کے لئے چکا رہے ہیں۔ کیا مشکل تھا انکے لئے کہ تمھیں قتل کر دیتے اور لاش پولیس کے حوالے چند ایک سال کی قید کے بعد وہ آزاد ہوتے مگر انہوں نے تمہاری زندگی چنی۔''

''میرا ساتھ نہیں۔۔۔۔۔'' وہ بڑبڑائی۔ پھر رو پڑی۔

''کیا تم خود ساتھ چاہتی تھیں؟ تم نے صرف زندگی مانگی تھی، اور وہ تمھیں مل گئی ہے۔ میں تمھیں واپس لے جاؤں گا اگر تم چاہو لیکن پورٹ پہ جاتے ہی پولیس تمھیں حراست میں لے لے گی تمھیں یہاں لانے میں، میں نے اپنے سارے کنٹیکٹس استعمال کر لئے ہیں اب یہاں سے واپسی پہ میں کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں لے رہا۔'' اس نے موبائل اٹھا کر واپس جیب میں ڈالا اور ایک نظر فرش پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ ساکت اور سن تھی۔

''مجھے چاہیے تھا تمھیں نہ بتاتا۔۔۔ لیکن۔۔۔'' وہ ایک لمحے کو رکے، زینیا نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک وقفہ آیا۔

''تمہاری دادی کا انتقال ہوئے چھ دن بیت چکے ہیں۔''

اس نے وہ سنا جسے وہ کم از کم ہو اس صدی میں نہیں سننا چاہتی تھی۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی کے لئے ساری دنیا جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اور اس نے اسی راکھ کے اندر خود کو مدفن پایا۔ وہ ٹکر ٹکر اس آدمی کا چہرہ دیکھے گئی۔ مسیحا یا موت، کون تھا وہ؟

تھانے کی اس کوٹھڑی میں تین سے چار لڑکیاں سکڑی سمٹی سی بیٹھی تھیں۔ چادر سے اپنے وجود چھپائے، نگاہیں فرش پہ مرکوز کیے وہ تمام لڑکیاں آس پاس دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔ انہی میں سے ایک کونج حاکم بھی تھی۔ اسکے ذہن میں صرف ایک بات گھوم رہی تھی۔ جسے وہ جتنا چاہے جھٹکتی اتنا یاد آتی۔

''کیا تمھیں یہ معلوم ہے تم کون ہو؟ یاد کرو تم کون ہو۔۔۔ یاد کرو تم کون ہو۔''

(''کچھ لوگوں کے پاس سب کچھ ہوتا ہے ناں؟ بلکل ایسے جیسے وہ لوگ بلیسڈ ہوں۔'' لیپ ٹاپ سامنے رکھے وہ کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے میں نے اپنا بہت خیال رکھا۔اپنی اسکن کا، اپنی روٹین کا اور بھی بہت کچھ بہت کچھ مگر کچھ مسنگ ہے۔ مجھے اب بھی لگتا ہے ''فلاں'' مجھ سے بہتر ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کا کرزما ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہم عام لوگ پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔''

مظفر نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں نے تمھیں بتایا تھا، کونج، تمہارا مسئلہ لوگ نہیں ہیں۔ تمہارا مسئلہ یہ ہے۔" اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔

''خوشبو میں رچے بسے، مہنگے کپڑے پہننے والے لوگ بلیسڈ ہوتے ہیں۔ یہ سوچ ہے صرف۔ لوگوں کو قریب سے جاننے لگو گی تو ان سے خوف کھاؤ گی۔ ایک لفظ ہے "اعتماد" انسان کے اندر اگر یہ ایک لفظ رچ بس جائے تو اسے کوئی چیز مرعوب نہیں کر سکتی۔'' وہ رکا۔ کونج کے تاثرات جانچے پھر کہنے لگا۔ ''انسان دوسرے انسان سے صرف اس لئے مرعوب ہوتا ہے کیونکہ اسکا دماغ بار بار اسے بتاتا ہے تم میں کوئی کمی ہے۔ تم درست بول نہیں رہے۔ تم زیادہ ہنس رہے ہو، اوہ اب تم انگلیاں کیوں مروڑ رہے ہو، اوہ تمھارے تو کپڑے اچھے نہیں ہیں۔ یہ سب ایک بیمار دماغ کرتا ہے۔'' اس نے میز پہ دھرا اون کا گولہ اور باقی سامان لئے۔ شاید وہ کچھ بُننے کی تیاری کر رہا تھا۔

''بیمار دماغ کیسا ہوتا ہے؟ میرا دماغ بیمار ہے؟ کیونکہ مجھے ہمیشہ ایسا ہی لگتا ہے۔'' کونج ترنت بولی۔ لیپ ٹاپ کو گود میں مزید گھسا لیا۔

''بیمار دماغ وہ ہوتا ہے جسے خود سے زیادہ لوگوں کی پرواہ ہوتی ہے۔ فلاں بندا مجھے دیکھ رہا ہے یا نہیں؟ فلاں میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ میں نے یہ کہہ دیا اب اس پہ میرا کیا امپریشن بنے گا؟ اور اسے بیمار کرنے والے انسان کے پیرنٹس اور دوست ہوتے ہیں۔ ماں باپ پہ صرف اولاد کو کھلانے، اور پہنانے کی ذمہ داری نہیں ہے، صرف اسکے ظاہر کو تندرست رکھنے کا فرض نہیں ہے۔ گھر پہلی درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کے معلم پہ فرض ہے کہ بچے کے دماغ کو بھی تندرست رکھے۔'' کاؤچ پہ بیٹھا آدمی اب سفید اون سرخ سوئیٹر میں شامل کر رہا تھا۔

''دوست اور پیرنٹس اگر بات بات پہ ٹوکیں ناں، آگے بڑھنے دیں، ڈرائیں ناں تو انسان کا دماغ تندرست رہے گا۔ بچہ ابھی چند ماہ کا ہوتا ہے تب سے اسے بتایا جاتا ہے بلی آجائے گی، کتا آجائے گا، رات کا اندھیرا ہے، اندھیرا برا ہوتا ہے۔

یہ پرورش کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ڈر،خوف کس چیز کا؟اندھیرا ہے جیسے روشنی ہے۔جانور ہیں جیسے انسان ہیں،خوف کس چیز کا؟کسی کے گھر لے جاتے وقت کپڑوں کا دھیان رکھا جاتا ہے اگر یہی صفائی اسے اسکے گھر پہ سکھائی جائے تو بچہ بڑا ہو کر باہر نکلتے وقت یہ نہ سوچے پہننا کیا ہے۔بولنے اور کھانے پہ ہزار تاکیدیں تب ہوتی ہیں جب باہر جانا ہو،کہیں دعوت ہو تب کیوں نہیں جب بچہ گھر میں ہے۔یہ تھا تمھارے مسئلے کا "کاز" اسکی شروعات۔کیا تمھارے ساتھ ایسا نہیں ہوا؟"

"ایسا ہی تھا،ہر دوسرے بچے کے ساتھ یہی تو ہوتا ہے۔" وہ ہلکی آواز میں بولی۔مظفر نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلائی۔اون کا گولہ ایک طرف رکھا۔اور پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہوا۔

"اپنی موجودگی کو کسی دوسرے کی موجودگی سے نہیں پہچانتے۔اپنا حلیہ اپنا کھانا اور اپنا بولنا کسی دوسرے سے موازنہ نہیں کرتے۔ایک تندرست دماغ ایسا نہیں کرتا۔انسان کو یاد رکھنا ہوتا ہے وہ کون ہے۔جانتی ہو انسان کیسے یاد رکھتا ہے وہ کون ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"سیشن مکمل ہوا اب تم پندرہ دن تک یہ سوچو اس بیمار دماغ کو تندرستی کی طرف کیسے لانا ہے۔پھر میں بتاؤں گا انسان کیسے یاد کرتا ہے وہ کون ہے۔"

کونج نے بے چاری شکل بنا کر اسے دیکھا مگر وہ مسکراتے ہوئے کال کاٹ گیا تھا۔اس نے کہہ دیا اگلی بار تو پھر اگلی بار۔

"کوئی اور تمھیں تمھاری شناخت نہیں کرواتا یہ تمہارا اپنا اسکل ہوتا ہے۔")

ایک دبلی پتلی عورت نے اسے کوٹھڑی سے باہر نکالا۔دوپٹہ سر پہ اچھی طرح جماتے خود کو ہر طرح سے چھپاتے وہ اسکے ساتھ چلنے لگی۔ذہن میں بہت کچھ تھا جسے وہ جھٹک نہیں پا رہی تھی۔بہت کچھ تھا جس سے وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔تفتیشی کمرے میں لا کر جب اسے بٹھایا گیا تب اسکے سامنے ایک سیاہ وردی والا افسر تھا۔

مگر اگلے لمحے دروازہ دھکیل کر کوئی اندر داخل ہوا۔ڈھیر ساری روشنی اسکے ساتھ ساتھ اندر آئی تھی۔مگر وہ خود سیاہی میں ڈوبا تھا۔اسکی آنکھیں،چہرہ قلق اور حزن میں مبتلا تھے۔گردن اب بھی فخر سے اٹھی تھی۔کونج مرعوب ہونے لگی۔وہ آدمی،اسکا حلیہ،وہ انہی بلیسڈ لوگوں میں سے تھا۔مگر پھر وہ دھندلا ہونے لگا اسکی جگہ کسی اور مرد نے لے لی۔

''مجھے پتہ چل گیا ہے بیمار دماغ کو تندرست کیسے کر سکتے ہیں۔''لڑکی کی آواز سے ایکسائٹمنٹ جھلک رہی تھی۔

''اوکے بتاؤ پھر کیسے کرتے ہیں؟''کپڑے سے اپنا صوفہ جھاڑتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

کونج نے ایک دو لمحے لئے پھر کہنا شروع کیا۔

''پیرنٹس نے جو کیا وہ صحیح غلط نہیں تھا۔

بس معاشرے کے اطوار تھے۔لیکن وہ عادتیں راسخ ہو چکی ہیں ہم انہیں ایک دن میں نہیں نکال سکتے۔''وہ بولتے رکی۔اسے لگا مظفر اسکی بات دھیان سے نہیں سن رہا مگر۔۔۔

''پھر انسان کو کیا کرنا چاہیے،کونج حاکم؟''وہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔اسے ڈھارس ملی۔

''انسان کو تبدیلی کا سفر شروع کرنا چاہیے۔خود کو پہچاننا چاہیے اور لوگوں سے بے نیاز ہونا چاہیے۔لوگوں سے بے نیاز کیسے ہوا جاتا ہے میں سیکھ گئی ہوں۔''

''حالانکہ تم یہ سب اپنی دادی سے سن کر آئی ہو۔''میز سے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے مظفر نے چوٹ کی۔کونج پہ مانو اوس پڑ گئی۔

''خیر کوئی بات نہیں میں بتاتا ہوں۔اگلی بار تم کھوجنا کسی سے پوچھنا مت اوکے؟''اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ہم لوگوں سے مرعوب اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ ہمیں لگتا ہے وہ بلیسڈ ہیں،اور ہم نہیں۔کیا ہے بلیسنگ؟ کپڑے،جوتے،مکان،لوگوں کا سوشل میڈیا؟اؤنہوں۔یہ''ظاہر''اندر کا حال آپ نہیں جانتے۔مرعوب ہونے کے لئے اصل چیز ہے کسی کی خوش گفتاری،نرم مزاج،مہربان طبیعت،اپنی ذات پہ توجہ یہ چیزیں بس یہی خصوصیات ہیں جن سے مرعوب ہونا چاہیے۔اور لوگوں سے بے نیاز کیسے ہوا جاتا ہے؟''

اس نے دیکھا کونج نے اسکے چند الفاظ نوٹ پیڈ پہ لکھے۔وہ دنیا کی اس ریس میں دوڑنے کے لئے بہت محنت کر رہی تھی۔مظفر کو اس پہ رشک آیا۔

"جب انسان کو اپنی worth پتہ چل جاتی ہے ناں تب وہ لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کسی سیلیبرٹی کا کمنٹ سیکشن دیکھا ہے؟ وہاں کئی لوگ ہیٹ کمنٹ رتے ہیں۔ انہیں کوئی جواب نہیں ملتا اس لئے نہیں کہ سیلبرٹی مصروف ہے۔ کمنٹس ہر کوئی پڑھتا ہے لیکن وہ جواب نہیں دیتے کیونکہ انہیں معلوم ہے انہیں اگر ایک ناپسند کرتا ہے تو دس لوگ پسند کرتے ہیں۔ یہ ہے انکی ورتھ۔ اور جو سیلیبرٹی جواب دیتے ہیں انکا دماغ تندرست نہیں ہوتا۔

انہیں دس میں سے دس کے دس لوگوں سے ستائش چاہیے یہ ناممکن ہے۔

کسی بھی محفل میں بات کرنے کے، پہننے اوڑھنے کے اور کھانے کے آداب آپ کو سیکھنے چاہیے لیکن کبھی بھی یہ مت سوچیں فلاں انسان میرے جانے کے بعد میرے بارے میں کیا سوچے گا؟ اگر اپنی رائے دوں گا تو فلاں انسان مجھے کیسا سمجھے گا؟ رائے درست یا غلط نہیں ہوتی وہ بس خود کو محفل میں شامل کرنے کا خود کو آزاد ظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔ لوگوں کی ظاہری مرعوبیت سے نکلنا ایک لمبا پراسیس ہے۔ ساری زندگی چلتا رہتا ہے۔

اب ہم اسے اگلے سیشن میں سیکھیں گے۔" کال ایک بار پھر کٹ گئی تھی۔ کونج کے اندر ایک خلا رہ گیا جس کے لئے وہ اگلی کال کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے سب کچھ جلدی جلدی جاننا تھا۔

اس نے بلب بند کر دیا۔ وہ شاید اس بچی کو ٹارچر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے نرم نگاہوں سے تک رہا تھا۔ کونج نے ایک لمحے کے لئے بھی اسکے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ مکمل سیاہ تھری پیس میں ملبوس وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

اسکا لباس، خوشبو، جوتے، پیسہ اگر سب چھین لو تو مرعوب کرنے کے لئے کیا تھا؟ وہ بس یہی سوچ رہی تھی اگر یہ شخص کوئی مڈل کلاس مرد ہوتا برانڈڈ کی جگہ اس نے ایک عام لباس پہنا ہوتا مشہور کی جگہ وہ غیر معروف ہوتا تب کیا تھا وہ؟ خاک بھی نہیں۔

"تمھیں یہاں لانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ جگہ تمھارے لئے نہیں ہے بچے۔ لیکن میں تم سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کرسی اٹھا کر اسکے قریب لایا۔ ہاتھ بڑھا کر نہایت نرمی اور شفقت سے اسکے سر پہ رکھا۔

"وہ کہاں ہے؟"

اسکے اندر کی پیپل پلیزر، پیس میکر بچی اسے جواب دینا چاہتی تھی کچھ ایسا جو اسے کونج کے خلاف نہ کرے۔ وہ بس اسے برا نہ سمجھے مگر۔۔۔ اگر وہ ناراض ہو گیا تو؟ اگر اس نے غصہ کر دیا تو یہ سب لوگ سنیں گے لوگ کونج کو کیا سمجھیں گے؟

"مجھے نہیں پتہ، لیکن اگر پتہ ہوتا تب بھی میں تمھیں نہ بتاتی۔" اپنا ہر خوف جھٹک کر ہر قسم کی مرعوبیت دفعان کر کے اس نے قیس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ کیونکہ کسی نے اسے سمجھایا تھا انسانوں سے بے نیاز کیسے ہوا جاتا ہے۔ اور وہ سمجھ بھی گئی تھی۔

"دادی۔۔۔ ایک بات بتائیں۔" پلنگ پہ پیر پسارے بیٹھی عورت کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔ "ایک انسان دوسرے انسان سے بے نیاز کیسے ہوتا ہے۔؟"

دادی نے سوچنے کے لئے چند لمحے لئے۔ کچھ ایسے الفاظ جو اسکی سمجھ آسکیں۔

"جب وہ درخت جتنا مضبوط بنتا ہے۔" کافی دیر بعد وہ دھیرے سے بولیں۔

"درخت جتنا مضبوط؟ کوئی انسان درخت جیسا مضبوط کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بدمزہ ہوئی۔

"جب وہ اپنی جڑوں پہ انحصار کرنا شروع کرتا ہے۔ وہ جڑیں جو اسے پانی کھینچ کر لا کر دیں گی اور وہ پھلے گا، پھولے گا۔ حسین ہو گا کسی کے کام آئے گا۔ انسان کی جڑ جانتی ہو کیا ہوتی ہے؟" کونج نے نفی میں سر ہلایا۔

"مومن کی جڑ اسکا دین ہے۔ چودہ سو سال پہلے اصول وضوابط بن گئے تھے۔ بتایا گیا تھا تم نے آگے جا کر محمدؐ مصطفیٰ کی پیروی کرنی ہے۔ جو مومن جڑیں چھوڑ دیتا ہے وہ بری طرح زمین بوس ہوتا ہے۔ اور تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کوئی درخت آگے بڑھ آئے اور گرے ہوئے درخت کو کھڑا کرے۔ اور یہاں اس درخت کو دوبارہ اپنی جڑوں پہ انحصار کرنا ہوتا ہے وہی جڑیں اسے دوبارہ نئے سرے سے نیا درخت بنائیں گی۔ جڑیں بھول جانے والا، ان سے غافل ہونے والا انسان خسارے میں ہے۔" کونج چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ کہنے کو، پوچھنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

"درخت کو معلوم ہوتا ہے اس نے پانی خود لانا ہے، ہوا اسے خود لینی ہے، لمبا اور تناور اپنے دم پہ ہونا ہے۔ اسی طرح اگر انسان کو یہ یقین آجائے کہ کوئی دوسرا انسان اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ نہ رزق، نہ روٹی، نہ عزت نہ دولت۔

انسانوں کا خوف ہم سے کچھ ایسے کام کرواتا ہے کہ ہم گردن نہیں اٹھا سکتے مگر جس دن انسان یہ سوچنے لگے کہ یہ مہنگے لباس اور مختلف چمڑی والے لوگ اس لباس اور روپے پیسے کے بغیر بلکل ہمارے جیسے ہیں۔ وہ جو خود کو مرنے سے نہیں بچا سکتا وہ کسی کو کیا دے گا؟''

''میں تمھارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔ ہم دونوں جانتے ہیں تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

قیس وہیں میز کے ساتھ کمر جوڑے کھڑا ہوا۔

''پولیس تمھارے ساتھ سختی کرے گی۔ اور شاید وہ سلوک بھی جو تمہاری بہن کے ساتھ ہوا۔ لیکن اگر تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اسے محفوظ کرنے کے لئے تمھارے بھائی اور منگیتر نے کس انسان پہ بھروسہ کیا ہے تو میں اپنی شکایت واپس لے لوں گا۔''

کونج کے دل میں جھکڑ چلنے لگے۔ وہ اسے ناں بولے؟ کیا وہ یونہی اپنی بات پہ ڈٹی رہے؟ لیکن اگر اسے غصہ آگیا تو؟ وہ کونج کیا بارے میں کیا سوچے گا؟

''تمہاری بہن نے تمہاری پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے وہ کیا جو وہ چاہتی تھی وہ خود غرض تھی تم اسکے بارے میں مت سوچو۔ صرف اپنا سوچو ہر انسان اپنا سوچتا ہے۔ کوئی دوسرا انسان تمھیں کیا دے سکتا ہے؟'' رفتہ رفتہ اسکی آواز غائب ہونے لگی اور بس اسکے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ پھر وہ بے آواز ہو گیا۔

''گرے ہوئے درخت کو کوئی نہیں اٹھاتا یہاں تک کہ وہ خود اپنی جڑوں کے پاس لوٹ جائے یہی اصول انسانوں پہ لاگو ہوتا ہے پھر کیا فائدہ انسانوں کے پاس جانے کا؟'' کافی دیر بعد وہ نروٹھے پن سے بولی۔ دادی مسکرائیں۔ اس نسل کو بس حالات کا منفی رخ ہی کیوں دیکھنا تھا؟

''جو اپنی جڑوں سے وفادار نہیں ہوتا ناں کوئی اس سے وفادار نہیں رہتا۔ اور ساتھ کھڑے لوگ خوبصورتی دیتے ہیں، ساتھ دیتے ہیں۔ ایک اکیلا درخت کبھی خوبصورت نہیں لگتا اسکے ساتھ کھڑے درخت اسکی شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایک درخت کے نیچے کتنے لوگ بیٹھ سکتے ہیں، کتنی چھاؤں دی جا سکتی ہے؟ دس درخت ہوں گے تو بوجھ بٹے گا۔ چھاؤں بڑھے گی۔ اسی طرح ہمارے قریبی انسان اگر کچھ دکھاتے نہیں اسکا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے ہمارے لئے کوشش نہیں کی ہو گی۔ کبھی تو بوجھ بانٹا

ہو گا، کبھی تو خود پہ ضرب کھا کر ٹہنی کسی کو دی ہو گی، کبھی تو چڑیوں کے شور سے نجات پانے کو اپنا سینہ کشادہ کر کے نئے گھونسلے بنوائے ہوں گے اور اگر انہوں نے یہ نہیں بھی کیا تو انسان اپنی جڑ یاد رکھے۔ نبی کریم نے ہمیشہ انسانیت اور بھلائی کے لئے پہل کی تھی۔ انسان دوسروں سے بہت امیدیں رکھتا ہے مگر اپنی طرف سے کسی کو کچھ دینا پڑے، تو تھک جاتا ہے۔'' آخر میں بے لاگ تبصرہ کیا۔

کونج کافی دیر تک انہیں سوچتی رہی۔

وہ اب کونج کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔ نگاہیں نرم ہی رہیں۔

''تم ایک خود غرض عورت کے لئے اپنی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہو گی ہے ناں؟''

''وہ میری بہن ہے۔ اس وقت کہاں ہے مجھ نہیں پتہ۔'' تمام تر ہمت مجتمع کرتے، اس نے کہہ ڈالا۔ ''لیکن اگر مجھے پتہ ہوتا میں تب بھی تمھیں کچھ نہ بتاتی۔'' دہرایا۔

''اگر اس نے میرے لئے کچھ نہیں کیا تو تم غلط ہو۔ اسکا ساتھ ہونا بھی طاقت ہے اور تم مجھے توڑ نہیں سکتے۔'' اسکی آنکھیں جانے کیوں بہہ رہی تھیں، ہاتھ اور جسم جانے کیوں کپکپا رہے تھے اسے کچھ علم نہیں تھا۔

''تم مجھے نہیں توڑ سکتے، میری جڑیں مضبوط ہیں، عبداللہ زمان۔ تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے کیونکہ اب میں تم سے نہیں ڈرتی۔'' اسکی گیلی آنکھیں، اسکے لرزتے وجود کو دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چندپل اسے دیکھتا رہا پھر افسر کو اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

کیا ہوا اگر وہ کم عمر تھی، کمسن تھی یا پھر کمزور تھی، وہ بس ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے قیس کو اسکی محفوظ پناہ گاہ سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔ انجام وہی تھا جو باقی سب کا ہونا تھا۔ اسے جاتے ہوئے تاسف ہوا تھا۔

رنگ، روشنی، لوگ، دنیا، عمارتیں ہر شے چھوڑ کر چپکے سے دبے پاؤں کہانی کے دوسرے رخ کی طرف آؤ تو وہ چھوٹا سا قید خانہ ویسا ہی خاموش اور تنہا تھا۔ مہدی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سبز آنکھیں ویران تھیں۔ اسے کئی بار شدید درد ہونے لگتا تھا اور کئی بار وہ بس خالی خالی نگاہیں لئے آس پاس تکتا رہتا تھا۔ آنکھیں بند کرتا تھا تو وہ یاد آجاتی تھی، وہی جس کی آنکھیں سنہری تھیں۔

مہدی نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ایک بار پھر یاد آنے لگی۔ بس اسکی یاد تھی جو اس زندان میں ایک اسکی امید بن گئی تھی۔

سفید رنگ چھپ گیا۔ اسلام آباد کے کسی رنگین فارم ہاؤس نے اسکی جگہ لے لی۔ جہاں گھاس کے وسیع و عریض قطعے پہ ہلکے آسمانی اور سفید رنگ کا ڈیکور تھا۔ پھول، غبارے، برقی قمقمے، اور مستطیل میزیں جن پہ انواع واقسام کے کھانے تھے۔ یہ عمارت کافی اونچائی پہ واقع تھی اس لئے یہاں سے ایک خوبصورت سن سیٹ اور شہر کے نظارے دیکھنے کو ملتے تھے۔ شیشے کی گرل پہ ہاتھ جمائے گردن میں کیمرہ لٹکائے، وہ دور شہر کو تک رہی تھی۔ سیاہ رنگ کے کامدار لہنگے میں اسکا اونچا سراپا نمایاں تھا۔

دفعتاً کوئی اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا۔ زینیا نے مڑ کر دیکھا۔ سفید رنگ کے تھری پیس میں مہدی اسکے سامنے کھڑا تھا۔ اسکی انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا تھا۔ جسے اب وہ ہاتھ سے پشت پہ لے گیا تھا۔

''انسان کو وہ کام نہیں کرنا چاہیے جسے چار لوگوں کے درمیان نہ کیا جا سکے۔'' بلاارادہ اسے ٹوک دیا۔ سگریٹ سے اسے بے تحاشا نفرت رہی تھی۔ گو کہ مہدی ہمیشہ اسے یا پھر اپنی رپورٹ کسی بھی فی میل دوست کے سامنے سگریٹ نہیں پیتا تھا۔

"عادت ہے، جلدی نہیں نکلتیں۔'' ڈھلتے سورج کی روشنی ان دونوں کے چہرے کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دھندلے نظر آرہے تھے۔

''یہ بتاؤ یہاں کیسے؟''

''شیزل کی ایک دوست کو یہاں فوٹو گرافی کرنی تھی۔ اسکے ساتھ آئی ہوں۔ **(قیسم سے معاہدے سے چند دن قبل کا ذکر ہے)**'' وہ اسکی طرف پشت کیے کھڑی ہوگئی تھی۔

''وہ بکواس کر رہا تھا۔'' مہدی نے سیگریٹ نیچے پھینک کر اسے بوٹ سے مسلتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

زینیا کی آنکھیں اچھنبے سے چھوٹی ہوئیں۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"وہ پامسٹ بکواس کر رہا تھا۔"اب اس نے واضح لفظوں میں اپنی بات دہرائی۔وہ اس وقت تقریب میں موجود نہیں تھا،شاید اس نے آتے ہوئے یہ بات سنی ہو۔

چند منٹ وقت میں پیچھے سفر کرو تو گھاس کے اس وسیع قطعے پہ جہاں اس وقت کھانا ہاتھوں میں لئے مہمان یہاں سے وہاں آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے وہیں ایک طرف لڑکے لڑکیاں جمع تھے۔اور بیچ میں ایک مختلف حلیے والا لڑکا کسی لڑکی کے ہاتھ پڑھ رہا تھا۔پھر کوئی تبصرہ کیا تو اس نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔اس نے اگلا ہاتھ شیزل کا پڑھا تھا۔وہ جو اپنے دوستوں کے درمیان گھر کر بیٹھی اس نئے شوشے سے محظوظ ہو رہی تھی اس نے پلٹ کر زینیا کو دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا زینیا نے منع کر دیا تو وہ اٹھ کر اسکے قریب آئی۔

"یار دو منٹ کا کام ہے ہم نے کونسا یقین کر لینا ہے اسکی بات کا صرف سنیں گے اور بس۔"

وہ انکار کرتی رہ گئی مگر شیزل اسے کھینچ کر لے آئی۔اپنے برابر اسکی جگہ بنائی اور اسکا ہاتھ پڑھنے کو کہا۔لڑکے نے ہاتھ پڑھنے کے لئے اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر وہ پہلے ہی ہاتھ پرے کر گئی۔

"یہیں سے پڑھیں۔"

"یہاں سے قسمت خراب دکھائی دے رہی ہو گی۔"لڑکوں میں سے کسی نے لقمہ دیا۔جسے شیزل نے مڑ کر دیکھا۔

"بلکل تمہاری شکل کی طرح؟"اسکے برجستہ جواب پہ باقی سب سمیت زینیا بھی ہلکا سا مسکرائی۔شیزل نے زینیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے آگے کیا اور اب ریان نامی وہ پامسٹ اسکا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔اسی لمحے اس ہجوم میں کوئی آکر کھڑا ہوا۔

یہاں سے اسے زینیا کی پشت نظر آتی تھی۔ریان نے اسکے ہاتھ کی لکیریں پڑھیں پھر اسے دیکھا۔

"It's scary "

اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

''تم سے گھر چھوٹے گا، شوہر بھی اور مقام بھی۔'' وہ کہنا چاہتا تھا عزت بھی مگر کہہ نہیں سکا۔

''یہ اٹل ہے۔'' اس نے اضافہ کیا۔

زینیا کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا۔ اس نے جس طرح ہاتھ آگے کیا تھا اسی طرح واپس بھی کھینچ لیا۔ ماحول میں یکدم تناؤ بڑھ گیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بغیر کسی کی طرف دیکھے آگے بڑھ گئی۔ اس نے مہدی کو نہیں دیکھا تھا۔ شیزل اسکے ساتھ چلتے ہوئے اسے کچھ سمجھاتی رہی زینیا محض سر ہلاتی رہی تھی۔ اسکے دماغ سے چیزیں جلدی نہیں نکلا کرتی تھیں۔

''کیا پتہ سچ کہہ رہا ہو۔'' سیاہ لباس والی لڑکی نے کندھے اچکائے۔

''تمہارا شوہر تو میں ہوں۔ تمھیں لگتا ہے میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔ میں تہیں چھوڑ سکتا ہوں؟؟''

''اس نے کہا تھا ''**چھوٹ**'' جائے گا۔ لفظوں پہ غور کیا کریں، مسٹر کمبیر۔''

''میں کہہ رہا ہوں ناں وہ بکواس کر رہا تھا۔'' زینیا کو نہ جانے کیوں اسکا لہجہ تھوڑا سخت لگا۔ اور مہدی کو اسکے چہرے پہ اداسی سخت کھلی۔

''اور اگر ایسا کچھ ہے تو میں بدل دوں گا۔ تم سے کچھ نہیں چھوٹے گا۔ نہ نام، نہ مقام، نہ شہر، نہ گھر۔ قسمت دعاؤں اور کوششوں سے بدلتی ہے میں دونوں طریقے استعمال کر کے اسے بدل دوں گا۔ باقی سب چھوٹ گیا تو میں شاید کچھ نہ کر سکوں لیکن تم سے شوہر نہیں چھوٹے گا۔'' دھوپ اب دم توڑنے لگی تھی۔ کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں یہاں تک آ رہی تھیں۔ ان سب کے بیچ وہ کہہ رہا تھا۔

''اور اگر چھوٹ گیا تو۔۔۔''

''تو میں واپس لے آؤں گی۔'' زینیا نے اسکی بات درمیان میں کاٹی۔

''ایسے نجومی میں بیچ کر کھا سکتی ہوں۔ میرا گھر، مقام، سب واپس لا سکتی ہوں۔۔'' اس نے کندھے سے بیگ اتارا اور کیمرہ نکالا۔

''اور شوہر؟'' وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے پوچھ تھا۔ زینیا نے آنکھیں گھمائیں۔

''ذرااپنا موبائل بھی نکال لو۔اور مجھ بے قصور کو بلاک لسٹ سے نکال دو۔''

وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ نے میرے آرٹ کے متعلق جو کمنٹس دیے تھے اس پہ یہی بنتا تھا۔''

''یار میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس بلیک اینڈ وائٹ تھیم کو ہٹا کر کچھ رنگین کرو۔دنیا میں کتنے سارے رنگ ہیں اور تم دو رنگ استعمال کرتی ہو۔میں تو جس دن سات سے آٹھ رنگ نہ دیکھوں میرا دن ہی نہیں گزرتا۔رنگ،لوگ،باتیں کوئی انسان اس سب کے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟''اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

زینیا جواب میں کچھ کہہ رہی تھی،مہدی ناک سکوڑے سنتا رہا۔رنگ رخصت ہوئے،قہقہے دم توڑ گئے اور ویرانی ایک بار پھر غالب آئی۔

یہاں وہ کمر دیوار سے لگائے تنہا اور خالی ہاتھ تھا۔سوچیں کسی سے شروع ہوتی تھیں تو وہ زینیا تھی اور جہاں آکر ختم ہوتی تھیں وہ بھی زینیا حاکم ہی تھی۔اس سفیدی سے تنگ آکر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔اسی پل دروازہ کھلا،مہدی نے آنکھیں نہیں کھولیں۔وہ اس وقت کم از زرقون کی شکل تو بلکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔مگر وہاں صرف زرقون نہیں تھا۔آج تین سے چار لوگ ہاتھوں میں مختلف چیزیں لئے اندر داخل ہوئے۔

دیوار کے ساتھ ایک سفید سکرین لگائی گئی۔ایک طرف سفید اسٹول پہ سفید ہی رنگ کا پروجیکٹر رکھا گیا۔آنے والے تمام لوگوں کے لباس بھی سفید ہی تھے۔زرقون کے ہاتھوں میں پاپ کارن کے دو پیکٹ تھے۔

اس نے باقی سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود مہدی کے ساتھ جڑ کر بیٹھا۔ایک پیکٹ اسکی گود میں رکھا اور دوسرا اپنے پاس۔پروجیکٹر کی روشنی سفید پردے پہ پڑی تو وہاں بے رنگ منظر چل پڑا۔مہدی دم سادھ گیا۔

''میں نے سوچا تمھیں بتاؤں گا تو تم یقین کرو گے،یا نہیں لیکن اگر تمھیں دکھایا جائے تو ظاہر ہے تم یقین کرو گے۔''

وہ بڑے ہی مزے سے کہتے ہوئے پاپ کارن منہ میں ڈال گیا۔ مہدی بدستور پردے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں ہر شے بے رنگ تھی۔ وہ بالکنی میں کھڑا تھا اسنے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ اسی لمحے گولی چلی اور مہدی کے سینے میں آ کر پیوست ہوئی، اسکے جسم کو دھکا لگا اسی پل میں دو اور گولیاں چلیں اور اسکے جسم میں سوراخ ہوئے۔ مہدی کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے تک گیا تھا۔ تو یہ درد وہی تھا؟

''نائس شاٹ۔'' زرقون نے تین انگلیاں ہتھیلی پہ مارتے ہوئے گویا تالی بجائی ہو۔

اگلے منظر میں اس نے زینیا کو آگ لگی عمارت کے اندر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ مہدی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اسکے بس میں ہوتا وہ وقت کو پیچھے لے کر جاتا، بس ایک بار اس سے کہہ پاتا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

''کہنا پڑے گا لڑکی ہے بہادر۔ کہاں سے ملی؟'' اس نے گردن پھیر کر مہدی کو دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔ مہدی نے اسے نہیں دیکھا وہ سکرین دیکھ رہا تھا جہاں ریسکیو ٹیم کے دو مرد زینیا کو باہر لا رہے تھے۔ اسکے بازو پہ کوئی زخم تھا، اسکا لباس جل گیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں جلن اتر رہی تھی۔ مہدی کو یوں لگا جیسے اسکے جسم پہ چیونٹیاں رینگ گئی ہوں۔

میرہ نے اسے تھپڑ مارا۔ اسکے ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی۔ وہ روتے ہوئے ایک ایک کو مہدی کے زندہ ہونے کا یقین دلا رہی تھی اور یہاں اسے، اسکی محبت، اسکی دلیری دیکھ مہدی کی آنکھوں میں پانی کے قطرے جمع ہوئے۔ کئی بار انسان کی اپنی تکلیفیں بے حد ثانوی رہ جاتی ہیں۔

اگلا منظر جان لیوا تھا۔ قیس کمبیر نے اسکے گلے پہ اپنے دونوں ہاتھ جمائے مہدی کمبیر کے لئے یہ لمحہ نری موت تھا۔ ساری دنیا آگ بن گئی پھر راکھ اور پھر دہکتے کوئلے، ایسے کوئلے جنہیں مہدی کے دل پہ مسلا گیا تھا۔

اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف کیا ہو سکتی تھی کوئی اسکی بیوی پہ بھری محفل میں اس پہ ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟ کیا وہ اتنا کمزور تھا کہ اپنی عورت کی حفاظت نہیں کر پایا۔ وہ سارا کا سارا خاکستر ہوا۔ اسکے بعد تو وہ جیسے سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''میں، قیس زمان کمبیر، مہدی کمبیر کے لیگل گارجین کے طور پہ زینیا حاکم کو اپنے بھائی کے قتل کے الزام میں نامزد کرتا ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور مہدی سن ہو رہا تھا۔ ساکت، شل۔

کونسا تعلق کہاں آ کر ٹوٹ رہا تھا۔ کون سے چہرے کہاں آ کر کسی جانور کا روپ دھار رہے تھے؟ اس نے کیا کھویا تھا یہ وہی جانتا تھا۔

پولیس افسران کے نرغے میں وہ کیمرہ اور فلیشز کے درمیان تھی۔ سوشل میڈیا پہ کیے ہوئے کمنٹس کی جھلکیاں سامنے آئیں، لوگوں کی زہر اگلتی زبان، زینیا کی وہ ناقابل بیان حالت مہدی کمبیر کو اپنی زندگی میں کبھی سی چیز نے اتنا متاثر نہیں کیا تھا جتنا سکرین پہ گزرتے، آگے بڑھتے، چلتے بدلتے منظر کر رہے تھے۔ اسکی روح تک متاثر ہو رہی تھی۔ وہ ہر شے سے بے پرواہ مرد یہاں اس لمحے بے پرواہ نہیں تھی۔

اگلے منظر ٹکڑوں میں تقسیم شدہ تھے۔ وہ عدالت کی راہداریوں میں تھی۔ وہ کیمرہ کے سامنے تھی، کبھی وہ پولیس کی گاڑی میں تھی۔ اس کے سر سے دوپٹہ سرکا، چہرہ واضح ہوا وہاں زخم تھے۔ ویسا ہر زخم اسے اپنے دل پہ نقش ہوتا محسوس ہوا۔

اگلے منظر میں وہ پولیس کی تحویل سے غائب ہو گئی تھی۔ مہدی بے اختیار آگے ہوا۔ یوں جیسے اب کچھ اچھا ہونے والا ہو گا۔ مگر نہیں اگلے منظر میں پولیس اسکے قتل ہو جانے کی اطلاع دے رہی تھی۔ **غیرت کے نام پہ قتل۔**

سبز آنکھیں جامد ہو گئیں۔ ہر حرکت، ہر گردش تھم گئی۔

کسی نے مہدی کے سینے سے دل نکال کر اسے روند دیا تھا۔ اور یہاں سکرین ایک بار پھر سفید ہوئی۔ مہدی نے تیزی سے گردن موڑ کر زرقون کو دیکھا۔

''مجھے دیکھنے دو اب کہاں ہے وہ؟ بند کیوں کیا ہے اسے واپس چلاؤ۔'' وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ رنگت خطرناک حد تک سفید پڑ رہی تھی۔

''یہ سب کس نے کیا ہے؟ میری بیوی کو کیسے فریم کر سکتے ہو تم لوگ؟ چلاؤ اسکو وہ کہاں ہے مجھے بتاؤ۔'' گھٹنوں کے بل اٹھ کر اس نے زرقون کے گریبان پکڑنے چاہے مگر وہ اسکے چہرے پہ تھپڑ مارتے ہوئے اسے دور ہٹا گیا تھا۔ مہدی گرا، اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی اس بار زرقون نے اسکی پسلیوں میں ضرب دے ماری یہ وار کاری تھا۔

ایک لمحے کے اسکی ساری دنیا تھم گئی۔ آوازیں، منظر، گردش سب تھم گیا۔ زر قون اسے گالیاں بک رہا تھا مہدی نہیں سن پا رہا تھا، اس نے اپنے سینے میں آگ لگتے ہوئے محسوس کی۔ اسکے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور دماغ میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ ضرب نے واقعی سزا دی تھی۔ اسکی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"اگر دوبارہ تم نے مجھ پہ ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا، مہدی کبیر۔" وہ نیچے جھک کر اسکے جبڑے کو ہاتھ میں لئے کہہ رہا تھا۔

"یہ سفید کمرے، یہاں بہت جلد تم سیکو ئینس کھو دو گے، قوت ارادی کھو دو گے، وقت کا حساب بھی، پھر تمھیں انگزائٹی ہو گی، اسکے بعد تم چیزیں فرض کرو گے، پھر اپنی یادداشت کھونے لگو گے یہ جگہ یہاں تم پاگل ہو جاؤ گے اور تم یہی ڈیزرو کرتے ہو۔

تمہاری بیوی اب تک تو کہیں غرق ہو چکی ہو گی اسکا انتظار اور یہاں سے نکلنے کی امید چھوڑ دو۔" بوٹ سے اسے ٹھوکر مارتے وہ کمرہ چھوڑ گیا تھا۔ مہدی بند ہوتی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

کیا وہ واقعی بھول جائے گا وہ کون ہے۔ کیا وہ واقعی امید چھوڑ دے زینیا حاکم سے دوبارہ تعلقات ہوں گے ؟

("ایک وقت میں انسان جن چیزوں کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے، اسے علم نہیں ہوتا وہ کبھی انہی چیزوں کے مل جانے پہ ناخوش ہو گا۔")

وہ کتنی ہی دیر سے کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ مگر سرخ۔ چہرے کے زخم واضح تھے، پیٹھ کی جلن الامان۔ جو اس نے چاہا تھا وہ تو "زندگی" تھی جو اسکے پاس تھی۔ مگر جو چھُوٹا تھا وہ اسکی بھرپائی کہاں سے کرتی؟ سب کھوتا ہو گیا تھا۔ یہ سب اسے بے سانس کر رہا تھا۔ زندگی کیا سے کیا ہو گئی تھی؟

کھڑے کھڑے اسکی ٹانگیں شل ہونے لگیں تھیں مگر وہ کھڑکی سے ہٹی نہیں۔ کبھی ٹھیلے والوں کو دیکھتی جو نا فہم زبان میں صدائیں لگا رہے تھے۔ عورتیں زیادہ تر عبایا اور حجاب میں ملبوس تھیں۔ کچھ ساڑھیاں پہنے ہوئے ٹھیلوں کے قریب آکر رکتیں سبزی خریدتیں پھر آگے بڑھ جاتیں۔ کچھ اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر اسکول سے واپس گھر لا رہی تھیں۔

مرد آفس سے لوٹ رہے تھے، کچھ اپنے کسی کام کو جا رہے تھے۔ گاڑیاں، بائیکس، تانگے مین روڈ پہ زندگی بھاگ رہی تھی۔

ڈھاکہ آبادی میں بہت بڑے اعداد رکھتا ہے اور اس کھڑکی میں کھڑے ہوئے شور، رش اور لوگوں کی بہتات دیکھ زینیا اس بات پہ یقین بھی کر چکی تھی۔ لوگوں کے چہرے، مسکراہٹیں، ماحول سب اپنا اپنا تھا پھر بھی سب غیر کیوں تھا؟ اسکے سارے وجود میں ایسی بے چینی تھی جسے وہ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔ کمرے میں رکھے اس واحد بیڈ کی طرف آئی۔

''سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، زینیا۔'' سرگوشی کرتے ہوئے اس نے خود کو باور کروایا۔

''تم اس عورت کی موت کی ذمہ دار ہو جس نے تمھیں ماؤں کی طرح پالا۔ تم ذمہ دار ہو سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ مہدی تمہاری وجہ سے تکلیف میں ہے، کونج، بشر، ابا سب تمہاری وجہ سے سفر کر رہے ہیں تم وجہ ہو صرف تم۔۔۔''

اس نے خود کو باور کروایا۔ وہ جو کئی دن سے ڈٹ کر کھڑی تھی رفتہ رفتہ ڈھے گئی۔ اسے اسکے جسم کی ساری توانائی ایک ہی لمحے میں سلب ہوتے ہوئے محسوس ہوئی۔ ارادی یا غیر ارادی طور پہ وہ ہر اس شے کا الزام لے گئی تھی جو اس نے کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔ زندگی اب وہ اپنے آپ پہ خود حرام کرنے والی تھی۔ کیونکہ وہ یہی اسی کی حقدار تھی۔

(''انسان چاہے جتنا مرضی ''اکیلے'' ہونے کا راگ الاپتا رہے۔ خود کو عقل کل سمجھ لے، اپنی طاقت پہ رشک کر لے اسے ہر دور میں ''انسانوں'' کی ضرورت رہتی ہے۔

جسمانی تکلیف وہ تکلیف ہے جس کے آگے بڑے بڑے سورما ہار جاتے ہیں۔'')

وہ ساری رات خوف اور حفاظت کے زیر اثر جاگتی رہی تھی۔ زینیا حاکم اس ایک زندگی میں مرنا پسند کرتی مگر کسی پہ بھروسہ کرنا نہیں۔ یہ بن باس شاید ختم ہو جاتا، یہ تکالیف مٹ جاتیں، وقت کبھی مرہم بن جاتا مگر وہ کبھی پہلے جیسی نہیں بن سکتی تھی۔

(طوفان آتے ہیں، سب بہا کر چلے جاتے ہیں آثار مگر رہ جاتے ہیں۔)

رات کا جانے کونسا پہر تھا جب اسکی آنکھ لگ گئی۔

جب اسکی آنکھ دوبارہ کھلی اسے اپنے بستر اور بازو چپچپا سا محسوس ہوا۔ درد کی لہر اسکی ریڑھ کی ہڈی اور بازو میں محسوس ہوئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر خالی معدہ اسکا دماغ چکرائے دیتا تھا۔ کئی لمحے اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا رہا۔

اس نے پلکیں جھپک جھپک کر منظر واضح کرنا چاہا۔

اس نے بازو پہ ہاتھ رکھا وہ گیلا اور چپچپا تھا۔ وہ بامشکل اٹھ بیٹھی۔ آنسو درد کے مارے کب نکلے تھے اسے کوئی علم نہیں ہو سکا۔ وہ بس بازو لٹکائے زارو قطار روئے جا رہی تھی۔ ایسا شدید درد اسے ساری زندگی نہیں ہوا تھا۔

درد ختم ہو جانے کی بجائے بڑھتا چلا گیا تھا۔ اس نے سائیڈ دراز پہ ہاتھ مارا تو لیمپ روشن ہوا۔ زرد روشنی میں جب اس نے اپنے بستر پہ نگاہ ڈالی تو اگلی سانس نہیں لے سکی۔ اسکا بستر، اسکی سفید چادر خون سے بھری ہوئی تھی اور اسکے بازو سے اب تک بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

اسکا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ زینیا اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ اٹھا کر بازو پہ باندھنے کی کوشش کی۔

مگر ہاتھ تک خون سے رنگ گئے۔ اس نے سر پیچھے گرا دیا لمبے گہرے سانس لئے۔ زخم کھل گیا تھا۔ اور تکلیف بڑھ گئی تھی۔ اس نے انگلیوں کے پوروں سے چھو کر دیکھا زخم کے گرد سوزش تھی، اور ایک اور زخم۔ شاید سمندر کی آب و ہوا، اسے راس نہیں آئی تھی۔

"کوئی ہے؟۔۔۔۔۔" زندگی میں پہلی بار اس نے کسی کو مدد کے لئے پکارا تھا۔

"نی۔۔۔نیا۔۔۔نیا۔۔۔کوئی ہے؟ ہیلپ می پلیز۔"سسکیاں دباتے درد سے تڑپتے اسکے لبوں سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ مگر جواب ندارد۔ زینیا نے دانت پہ دانت جمائے،اٹھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑا گلاس ہاتھ میں لیا اور پوری قوت سے دروازے پہ دے مارا۔ خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا اور بس یہاں،اسی لمحے وہ گر پڑی۔

زمین پہ ہاتھ مارتے ہوئے وہ بہت مشکل سے درد برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کون عبداللہ، کون مہدی اس وقت اسے بس مر جانا تھا۔

چند لمحوں بعد نیا اندر آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھ مار کر بتیاں جلائیں تو سارا کمرہ روشن ہو گیا۔اس نے بیڈ کی طرف دیکھا وہاں خون تھا۔ فرش،اور زینیا کے بازو پہ بھی خون تھا۔ عورت کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا وہ پلٹ گئی۔ چند پل بعد واپس آئی تو اسکے ساتھ وحید بھی تھے۔ وہ زینیا کے پاس آکر بیٹھی قینچی سے اسکا بازو پھاڑا، زخم بری طرح کھل گیا تھا۔اس نے جھک کر ایک جھٹکے میں زینیا کو بازؤں میں اٹھا کر بیڈ پہ لٹایا وہ مسلسل درد سے چلاتی رہی اور نیا چپ چاپ اسکے بازو کے زخم صاف کرتی رہی۔ وہ جس نے ہمیشہ سوچا تھا اسے انسانوں کی ضرورت نہیں اسے ضرورت پڑ گئی تھی۔

"فکر مت کریں بچے، نیا جی نرس ہیں۔ آپ کا زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"وحید نے اسے تسلی دی۔ کوئی تسلی اثر نہیں رکھتی تھی درد ہر لفاظی پہ بھاری تھا۔ چند پل بعد وہ اسکی پٹی کر چکی تھیں۔اس سارے وقت میں زینیا کسی دو سالہ بچے کی طرح روتی رہی تھی۔اسے اسکی ماں یاد آرہی تھی۔

"کروٹ کے بل سونے کی کوشش بھی مت کرنا، زخم بہت بری طرح خراب ہو چکا ہے اور۔۔۔"انہوں نے وحید کو دیکھا پھر زینیا کو جس کی آنکھیں نقاہت سے بند ہو رہی تھیں۔

"جہاں تک مجھے لگتا ہے یہ بازو دوبارہ پہلے جیسا نہیں ہو سکے گا۔"

سنہری آنکھوں والی لڑکی کو شاک لگنا تھا تو نہیں لگا، رونا تھا تو وہ نہیں روئی۔ یہ ہر اس شے کی قبولیت تھی۔اسے سب قبول تھا کیونکہ وہ یہی ڈیزرو کرتی تھی۔ یہ درد، یہ تکلیف اور یہ لمبی سزا یہ اسکا مقدر تھی۔

(''لوگ کہتے ہیں انسان کو امید نہیں رکھنی چاہیے، انسان کو لوگوں سے روابط کم رکھنے چاہییں، انسان کو یوں کرنا چاہیے یوں نہیں لیکن ایک وقت آتا ہے جب انسان سب بھول جاتا ہے وہ زندگی کو حالات کے حوالے کر دیتا ہے۔'')

تین کمروں پہ مشتمل اس پورشن میں بہت شور تھا یہ اسے تب معلوم ہوا جب نیما کی بھابی میکے سے واپس آ گئی۔ اسکے تین بچے تھے۔ اونہوں وہ شور ان تین بچوں کا کبھی نہیں ہوا تھا یہ شور نیما کی بھابی وجیہہ کا تھا جسے ہر شے پہ اعتراض ہوا کرتا تھا۔ اس وقت بھی گھر میں شور تھا کیونکہ وجیہہ کو اسکی پسند کی مچھلی فرائے نہیں ملی تھی۔ وہ عورت ہر شے میں کیڑے نکالنا جانتی تھی۔

''میری چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں۔ کل سے دوبارہ ہسپتال جاؤں گی۔ تمھارے لئے وہاں بات کروں گی۔'' کھانے کی پلیٹ سے سبزی کا نوالہ بناتے ہوئے نیما نے اسے اطلاع دی۔ زینیا چپ چاپ دیوار کو دیکھتی رہی۔ یہاں کا کھانا بہت مختلف تھا اسے اس کھانے سے بلکل بھی اپنائیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''تمھارے لئے سوائیپر کا کام مل جائے گا یا پھر۔۔۔۔''

''میں زینیا حاکم ہوں۔ میں تمھیں سوائیپر لگتی ہوں؟'' اس نے گردن ترچھی کر کے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا مذاق اڑا رہی ہو۔ گردن اب بھی اکڑی ہوئی تھی۔ سابقہ نواب زادی۔

''میں اپنے ملک واپس جاؤں گی۔ میں تم سب کو جا کر دکھاؤں گی۔'' وہی تنفر، اٹھی ہوئی گردن۔

''ٹھیک ہے لیکن جب تک تم اس ملک میں میرے گھر پہ ہو مجھے کما کر لا کر دو گی۔

کیونکہ پچھلے بیس دنوں سے تم پہ دس ہزار ٹکے **(ٹکا بنگالی کرنسی کو کہتے ہیں)** لگ چکے ہیں۔

اور مجھے میرا ایک ایک ٹکا واپس چاہیے۔''

''میں نے تم سے پیسے خرچ کرنے کو نہیں کہا تھا۔ جس کے کے کر رہی ہو اس سے جا کر مانگو۔'' اس نے وہی کیا جو ہمیشہ سے کرتی آ رہی تھی۔ چڑھائی۔ اگلے کو ایسا لگے جیسے زینیا حاکم نے تو یہ مانا ہی نہیں تھا۔

نیما ہلکا سا مسکرائی۔

''جانتی ہو میری بھابی اور میری بنتی کیوں نہیں؟''اس نے دہی کا چمچ منہ میں رکھا۔ کھٹے ذائقے نے اسکی زبان کو لذت دی۔

''جائیداد کے بٹوارے کے وقت میں نے گردن کی ہڈی پہ لات رکھ کر اپنا حصہ لیا تھا۔ مگر میرے بیس ہزار ٹکا بھائی کی طرف رہتے تھے۔اس نے دینے سے منع کر دیا میں نے عدالت میں کیس درج کر دیا۔''نوالہ ختم کر کے وہ ہنس پڑی۔

''عدالت نے اس پہ تیس ہزار کا جرمانہ رکھ دیا۔''وہ اور زور زور سے ہنسنے لگی، زینیا عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''اپنے بھائی کو، سگے بھائی کو کچہری کے دھکے کھلوائے ہیں میں نے پھر تم کون ہو؟نیما راشدی نے دھرم شالہ نہیں کھول رکھی یہ تمھیں سمجھ آجائے گا۔''

''میں تم سے اور تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتی۔ سوائیپر تو میں اس زندگی میں نہیں بن سکتی۔''اس نے کہتے ہوئے رخ پھیر لیا۔ نیما نے محض سر ہلا دیا۔اپنا کھانا مکمل کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زینیا کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے گھر کی چھت پہ آگئی۔ مغرب کا سمے تھا ہلکی ہلکی خنکی اتر رہی تھی۔ زینیا سمجھ نہیں پائی وہ اسے یہاں کیوں لائی ہے۔

''نوابوں کی اولاد ہو ناں؟ یہاں رہو اب تم۔ یہاں کھا سکتی ہو تو کھاؤ، پینا ہے تو یہیں پیو، کیونکہ میرا گھر کوئی دھرم شالہ نہیں ہے۔''

وہ شل رہ گئی۔

''زندگی مل جائے ناں تو اسکا حساب چکانا پڑتا ہے۔ جنت سے نکالے ہوئے لوگ ہیں ہم دنیا میں سزا کے لئے بھیجے گئے ہیں کوئی نواب نہیں کوئی حاکم نہیں سب مجرم، سب ایک۔''

اس نے ساکت کھڑی لڑکی کے منہ پہ چھت کا دروازہ زور سے بند کیا۔اور دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں طے کرتی چلی گئی۔اسکے جانے کے بعد زینیا کو ہوش آیا تھا۔اس نے آس پاس دیکھا۔ کاٹھ کباڑ، کوڑا اور پھٹے پرانے قالینوں نے چھت کا کونہ کونہ ڈھک رکھا تھا۔آس پاس کے گھروں کی چھتیں یہاں سے نظر آرہی تھیں۔ زندگی جاری تھی۔

اسکی انااونچی تھی سواونچی رہی وہ کسی کو آواز نہیں دے گی یہ طے تھا۔ایک کونے میں اپنے لئے جگہ بناتے ہوئے وہ سکڑی سمٹی سی بیٹھ گئی۔ کئی منٹ، گھنٹے اور پھر پوری رات بیت گئی۔ سردی سے اسکے ہونٹ اور ناک نیلی پڑ گئی تھی۔ پٹھوں میں اکڑاؤ کے باعث اسکے بازو میں بھی درد بھی ہونے لگا تھا۔ایک رات ایک صدی ثابت ہوئی تھی۔

زندگی کے ہر موڑ پہ، ہر قدم پہ اسے کوئی نہ کوئی ملا تھا۔اپنی بھڑاس نکالنے کو، الزام دینے کو، وقت اور مرہم دینے کو۔ بھوک سے نڈھال ہوتے سردی سے ٹھٹھرتے، زخم میں اٹھتے درد کو سہتے آج زینیا حاکم کو اندازہ ہوا تھا زندگی کیا ہے وہ زندگی جس کی اس نے شکایت کی تھی۔اسکے قریبی جن سے وہ نالاں رہی وہ کم از کم اسے یوں چھت پہ باندھ نہیں سکتے تھے۔

آج اسے رشتوں کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا تھا جو اسے مہدی ہمیشہ سکھاتا آیا تھا۔

زندگی سے ناشکری پہ رنج ہوا، اور اپنے لہجے کی کڑواہٹ جسے وہ straight forwardness کا نام دیتی آئی تھی آج اسے ہر ایک شے معلوم ہو رہی تھی۔ایسے جیسے اسکی زندگی ایک امتحان ہو اور ممتحن نے سارے پرچے پہ سرخ کانٹے لگا چھوڑے ہوں۔وہ اس روز بہت روئی تھی۔ کیوں اس نے زندگی دنیاوی معیاروں پہ گزاری، کیوں اس نے اتنے سال اپنی ذات کے ساتھ ناانصافی کی؟

اگلا دن بے حد کٹھن تھا اسے بھوک لگ رہی تھی۔اسکے پاس پین کلر نہیں تھے اسکے پاس حاجت کے سامان نہیں تھے۔ بھوک، ایسی شے ہے جو چھ فٹ کے مرد کو اپنے مالک سے گالیاں کھلواتی ہے، وہ تو پھر چوبیس سالہ صنف نازک تھی۔ کہاں کی انائیں کہاں کے بھرم سب بہہ گیا۔وہ نقاہت زدہ وجود گھسیٹتے ہوئے اٹھی۔ آنکھیں صاف کیں۔خشک لبوں پہ زبان پھیری۔اور پورے دو دن بعد وہ اس دروازے کو کھٹکھٹا رہی تھی جس کے پار اسے بھوک، کا علاج ملنے والا تھا درد سے راحت بھی اور وقتی سکون بھی۔انسان جنت سے نکالا جائے تو دنیا میں راحت کے سامان پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ بھی نہیں رہ سکی۔ جنت سے نکالے جانے کے بعد آدم نے بھی زمین پہ سروائیو کرنا سیکھا تھا وہ بھی سیکھ لے گی۔اس دروازے کے پار اسے جینا تھا۔ قیس کمبیر کے دیے زخم وہ اپنے دل پہ لکھ رہی تھی ایک دن حساب ہو گا۔وہ ایسی جگہ اسے مارے گی جہاں زمان کا بیٹا تڑپ تڑپ کر مرے گے۔

(''زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے ''جوتا'' نہیں ''دل'' مضبوط ہونا چاہیے۔ دل بڑا خالص پرزہ ہے۔ اسکے گرد چڑھی پرت اگر جعلی ہوئی تو جلد اتر جائے گی۔'')

اسے یہاں آئے ایک ماہ سے زائد کا وقت ہو چکا تھا، آج وہ پہلا دن تھا جب اس نے گھر سے قدم باہر نکالنے کا سوچا۔ سادہ سیاہ رنگ کے کرتے کے ساتھ سفید ٹراؤزر اور سر پہ ہم رنگ دوپٹہ اچھی طرح اوڑھے اس نے باتھ روم میں کھڑے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا۔ کنپٹی اور رخسار پہ نیل تھا۔ ہونٹ کے قریب زخم کا نشان رہ گیا تھا۔ اور گردن پہ جلے کا نشان تھا۔ ایسے کئی زخم اسکے سارے جسم پہ تھے لیکن وہاں لباس تھا۔

اس نے بازو اوپر کرنے کی کوشش کی مگر وہ اب پوری طرح اوپر نہیں ہو پاتا تھا۔ کلائی سے اوپر جلے ہوئے زخم اب بھی ہرے ہی تھے۔

وہ قیس کمبیر کی عنایات کو ساری زندگی نہیں بھولنے والی تھی۔ وہ جب بھی یاد آتا تھا زینیا کے سارے جسم میں آگ لگ جاتی تھی۔

عبایا پہنتے ہوئے اس نے چہرہ نقاب میں ڈھکا۔ اور کمرے کے باہر قدم رکھا۔ نیما اپنی بھابی سے بحث کرتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ وجیہہ نے زینیا کو دیکھا تو ناک بھوں چڑھا لئے۔

''جب بندہ خود دوسروں کے ٹکڑوں پہ پل رہا ہو تو آس پاس کے لاچاروں کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔''

''صحیح کہتی ہو تم، اسی لئے کہہ رہی ہوں اپنی بہن کو پڑھانا ہے تو ہاسٹل ڈھونڈو یہ گھر دھرم شالہ نہیں ہے۔'' وہ پرس میں اپنا سامان رکھتے ہوئے وجیہہ کو آگ لگا گئی تھی۔

''اب تم نے چلنا ہے بی بی یا تانگہ گھر منگواؤں؟'' اس نے اپنی دائیں طرف کھڑی زینیا سے کہا۔ وہ میکانکی انداز میں اسکے پیچھے چلنے لگی۔ وجیہہ کو دیکھ اسے اندازہ ہوتا تھا گھر کا سکون صرف مرد برباد نہیں کرتا۔

بس اسٹاپ پہ آکر وہ دونوں بنچ پہ بیٹھ گئیں۔ چنے والے سے چنے کے کچھ دانے لے کر اس نے آدھے زینیا کو تھمائے آدھے خود رکھ لئے۔ نیما کے چہرے پہ ہمہ وقت کرختگی چھائی رہتی تھی۔

''آپ کے ہسپتال میں کوئی اور کام ہے؟ جو میں کر سکوں؟'' خاموشی کا وقفہ لمبے وقت بعد ٹوٹا تھا۔ نیما نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں تمسخر تھا۔

''اب تو میرے ہسپتال میں بھی کوئی کام نہیں رہا بی بی، اب تم نے کام خود تلاش کرنا ہے۔ نیما راشدی کی آفرز محدود مدت کے لئے ہوتی ہیں۔''

''لیکن میں یہاں کیا کام کروں گی؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی آپ۔۔۔۔'' کاغذ میں لپٹے چنے اسکے ساتھ متفکر ہوئے تھے۔

''جب جینے کی خواہش کی تھی تو سروائیول کے گر بھی سیکھنے چاہیے تھے، زوہرا متین۔'' اس نے منٹ کے اندر اندر اسے یہ سمجھا دیا تھا کہ اب دنیا زینیا حاکم کے حق میں نہیں ہے۔ ستارے آج کل گردش میں تھے۔

بس آئی تو وہ آگے بڑھ کر بس میں چڑھ گئی۔ زینیا بس اسکی پیروی کرتی رہی۔ سب عجیب تھا۔ وہ ڈیڑھ ماہ بعد گھر سے باہر نکلی تھی اسے روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ لوگ، اسے یوں لگا لوگ اسے دیکھ رہے ہوں جیسے مرکز نگاہ بس وہی ہو اور کوئی نہیں۔

وہ انگلیاں مروڑتی رہی، حجاب درست کرتی رہی۔ قیس کمبیر نے اسکی ذات کا اعتماد چھین لیا تھا۔ اگلے اسٹاپ پہ نیما اتر گئی۔ چاروناچار زینیا کو بھی اترنا پڑا۔

''یہاں سے تمھارے اور میرے راستے جدا ہوئے، اب تم اپنے سفر پہ جاؤ گی۔'' نیما نے اسکے سامنے رکتے ہوئے کہا۔ زینیا کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگ گئیں۔

''اگر کھو جاؤ تو یہ ایڈریس ہے۔ گھر آجانا۔'' اس نے ایک چھوٹا سا کاغذ اسکی طرف بڑھایا۔ جسے اس نے مرے مرے ہاتھوں سے تھام لیا۔

وہ کارڈ لئے ایک طرف چلنے لگی۔ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی، کبھی چلتے چلتے رک جاتی۔ اسے اندازہ ہوا کہ وہ چلنا بھول چکی تھی۔ چند قدم چل کر اسکا سانس پھول گیا۔

اس نے ایک جگہ ٹھہر کر اپنے اطراف میں دیکھا۔ گاڑیاں، ٹریفک، لوگ، شور وہ پنجوں کے بل سڑک کی ایک طرف نیچے بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لئے۔ آنسو تواتر سے بہنے لگے۔ یہ لوگ، دنیا، شور ہر شے کیوں اسے خوف زدہ کر رہی تھی اسے غصہ آنے لگا۔

اسے ہر شے بہت بری لگ رہی تھی۔

کسی نے آکر اسے کندھے سے ہلایا تو وہ اٹھی۔ وہ کوئی ضعیف مرد تھا جو اس سے بنگالی زبان میں کچھ پوچھ رہا تھا۔ یہ فرسٹریشن کا اعلیٰ درجہ تھا جہاں اسے کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔ وہ اٹھی اور تیز تیز قدم لیتی وہاں سے چلی گئی۔

ڈیڑھ سے دو گھنٹے بعد اس نے خود کو ایک نجی اسکول کے اندر پایا۔ جہاں پہلے سے کئی خواتین انٹرویو کے لئے موجود تھیں۔ انہوں نے زینیا سے کچھ پوچھا اسے جواب نہیں آیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

''آپ انٹرویو کے لئے نہیں جاسکتیں مس، جن لوگوں کو بلایا گیا ہے صرف وہی جاسکتی ہیں۔'' کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہنے کے بعد وہ ریسپشنسٹ تک گئی تاکہ وہ اسے اندر بھیج سکے۔ مگر اس ٹکے سے جواب پہ وہ اگلے چند پل خاموش رہ گئی۔

''اور آپ کو یہ جاب ملنے کے چانسز بھی بہت کم ہیں کیونکہ آپ کو بانگلہ نہیں آتی۔''

اس نے بڑی شائستگی کے ساتھ زینیا کے مستقبل کا نقشہ کھینچا۔

یہاں بس نہیں ہوئی تھی۔ ہسپتال کی ریسپشنسٹ، سکول کی ٹیچر، اکیڈمی کی ٹیوٹر، اور فیکٹری میں ملازمت تک لئے اسے کبھی سی وی لانے کو کہا گیا اور کبھی بانگلہ نہ آنے کی وجہ سے معذرت کی گئی۔ اس نے ساری زندگی مواقع کیش کیے تھے۔ اسکا ٹیلنٹ اور ذہانت کافی حد تک اسے مغرور کیے رکھتا تھا آج سب ہوا ہو گیا۔ سب نل، خالی۔ کون زینیا حاکم، کیا ٹیلنٹ سب ردی تھا۔

اس دنیا میں کوئی انسان کچھ نہیں تھا جو دینا تھا اللہ نے دینا تھا جسے اس نے کبھی اپنی کامیابیوں میں اسے یاد نہیں کیا تھا۔

اس نے گھر جانا چاہا مگر اسکے پاس پیسے تک نہیں تھے۔ وہ ہسپتال کے باہر سڑک کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ ہر کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ ہر کوئی اسے دیکھے گا۔ ہر کوئی اسکی بات کر رہا تھا۔ ہر کوئی اس پہ ہنس رہا تھا۔ سب گڈ مڈ ہو رہا تھا۔ سب جامد، سب تیز، سب عجیب۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آتے جاتے لوگوں کے درمیان وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔ ڈپریشن۔۔۔۔ کے آثار واضح ہونے لگے تھے۔

لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے جا رہے تھے کوئی کسی کے لئے نہیں رکا۔ کون رکتا ہے؟

کئی منٹ بعد نیا اندر سے آتی دکھائی دی۔ اس نے کوئی فکر مندی نہیں دکھائی۔ بس چند پل اسے رونے دیا اور پھر اسے ساتھ لئے بس میں چڑھ گئی۔ نیا اسکی ماں نہیں تھی، نیا اسکی بہن نہیں تھی۔

گھر آکر اپنا سامان زینیا کے ساتھ کمرے میں منتقل کیا۔ رات کے پہر پلنگ پہ بیٹھے ہوئے نیا نے بے حد غور سے اسے کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا۔ شاید اسے گھٹن ہوا کرتی تھی۔

"تمھارے متعلق اپنے ایک ڈاکٹر سے بات کی ہے میں نے، تمہار اپر چیک اپ کر دیں گے۔"

"مجھے جاب نہیں ملی، اور نہ ملے گی۔" اسکی آواز ہلکی تھی۔

"میں کبھی کچھ نہیں کر سکوں گی سب برباد۔"

("زندگی ایک جاب نہ ملنے سے ختم نہیں ہوتی۔ کوئی تمھیں برباد نہیں کر سکتا جب تک تم ہونا نہ چاہو۔")

"اب میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ اب سب ختم۔" اسکی آواز اب کے نیا تک نہیں پہنچ سکی۔ باہر سے آتے وجیہہ کے شور میں ساری آواز دب گئی۔ وہ کتنے گھنٹے وہاں کھڑی رہی اسے اندازہ نہیں ہوا۔ نگاہوں کے آگے بس منظر بدلتے رہے۔ پولیس، عدالت، کمرہ تفتیش، ڈھاکہ پورٹ، وہ جہنم جیسی دوراتیں، وہ جلتا ہوا بازو اور پھر اس نے کھڑکی پہ رکھی چھری اٹھائی۔

دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نیچے بیٹھی۔آنکھیں بند کیں اور ایک ساتھ کلائی پہ تین سے چار کٹ دے مارے۔خون بھل بھل کلائی سے بہتے ہوئے فرش کو سرخ کرتا چلا گیا۔تکلیف سے اسکے حلق سے کراہ برامد ہوئی۔

تکلیف بڑھ گئی، پھر ختم ہو گئی، آنکھیں کھلی رہیں پھر بند ہو گئیں اور تاریکی میں جاتے وقت اسکی آنکھوں کے پار سبز آنکھیں تھیں ان میں ناگواری تھی۔اب وہ ان آنکھوں کو کہاں دیکھ پائے گی اب تو سب ختم۔اب تو بس۔اب کون سی زندگی؟

"قصہ اٹھارہ جنوری سے، تیئیس جنوری کا۔"

(وائٹ روم ٹارچر تاریخ کے بدترین ٹارچرز میں شمار ہوتا ہے۔اس ٹارچر میں قیدی کو ایک سفید کمرے میں قید کر دیا جاتا ہے۔جہاں دیواریں، چھت، سیلنگ، روشنی، کھانا سب سفید ہوتا ہے۔قدرتی روشنی کا وہاں کوئی گزر نہیں ہوتا وہاں تنہائی ہوتی ہے اور اکیلا پن۔)

Disorientation :-

آنکھیں متوحش انداز میں پھیلائے وہ آس پاس دیکھ رہا تھا۔یہاں آنکھ کھلے دوسرا دن تھا اور وہ ابھی سے پاگل ہو رہا تھا۔اس نے دیوانہ وار اٹھ کر دروازہ بجانا شروع کیا۔آنکھیں بے تحاشا سرخ پڑ رہی تھیں اور دکھ بھی رہی تھیں۔اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا یہ سفید رنگ اسے پاگل کر رہا تھا، اور وہ ہو رہا تھا۔

"مجھے یہاں سے باہر نکالو۔۔زرقون۔۔۔میری آنکھوں کو کچھ ہو رہا ہے پلیز مجھے باہر نکالو۔"اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا، مگر وہ دروازہ پیٹ رہا تھا۔جواب ندارد۔

آوازیں پلٹ پلٹ کر واپس آجاتی تھیں۔جواب کوئی نہیں آتا تھا۔اسے بے تحاشا خوف آرہا تھا۔زرقون سے، موت سے، انسانوں سے۔اس صیاد سے جس نے اسکے مقدر میں یہ قید لکھی تھی۔زندگی میں پہلی بار اسے لوگ فیسینیٹ نہیں کر رہے تھے۔اسے لوگوں سے بے تحاشا خوف آرہا تھا۔

(یہ ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جو ساؤنڈ پروف ہوتی ہے۔ کوئی آواز، کوئی لہجہ یہاں کچھ سنائی نہیں دیتا۔ لوگوں اور باہر کی دنیا سے مکمل قطع تعلقی انسان کو توڑنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔)

Confusion :-

دن، منٹ، گھنٹے حساب چھوٹ گیا تھا۔ وہ انگلیوں پہ سیکنڈز اور منٹ گن رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں وہ نہیں دیکھے گا اس رنگ کو نہیں دیکھے گا وہ کچھ بھی نہیں دیکھے گا۔ مہدی کمبیر آنکھیں بند کیے بڑبڑا رہا تھا۔ اس نے کتنے وقت سے کوئی آواز نہیں سنی تھی ایک پبلک اسپیکر، سیاح وہ جس کے آس پاس دنیا تھی جس نے اکیلا پن نہیں دیکھا تھا۔

یہاں اس قید میں جیسے اس سے زندگی لے لی گئی ہو قطرہ قطرہ موت کیا ہوتی ہے یہ اسے اب پتہ چل رہا تھا۔ بند آنکھوں کے پار اسکے سامنے ایک عورت بیٹھی تھی۔ وہ جس کی آنکھیں سبز تھیں۔

اسکے آگے ایک بچہ بیٹھا تھا جس کے ہاتھ مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ آس پاس مٹی کے چھوٹے چھوٹے برتن پڑے تھے۔ عورت اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ بچہ منہمک تھا۔

"تم ایک دن بہت آگے جاؤ گے، بہت آگے۔ لوگوں کے ساتھ مہربان رہنا اور ہمت مت ہارنا۔" شستہ انگریزی میں کہے اسکے لفظوں پہ بچے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر منظر دھندلا پڑ گیا۔ اسے عورت کا چہرہ صاف نظر نہیں آیا۔ وہاں سفیدی چھا گئی۔ سبز آنکھیں، وہ مہربان وجود سب دھندلا پڑ گیا۔ اس نے آنکھیں میچ لیں اور ایک اور منظر دیکھنے کی کوشش کی۔

سنہری آنکھیں، ہنستا ہوا چہرہ، پھر روتے ہوئے اسکی متورم آنکھیں۔ منظر پھر ٹوٹ گیا۔ سفیدی ہر طرف سفیدی چھا گئی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔ اپنے اطراف میں دیکھنے پہ اسے آنکھیں چھوٹی کرنی پڑیں، وہاں رنگ دکھ رہے تھے اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں رنگ غائب۔

کنفیوژن بڑھتی جا رہی تھی وہ یہاں رہ کر اپنے حواس کھو سکتا تھا یہ طے تھا۔ وہ حواس کھو رہا تھا یہ علم اسے نہیں ہوا۔

"مجھے یہاں کون لا سکتا ہے؟" یہ سوال ہر پل اسکے ذہن میں گردش کرتا رہتا تھا۔ مگر اسکا کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ سوال اسکے حواس سلب کر رہا تھا۔

(وائٹ روم میں دن، گھنٹوں اور منٹوں کا حساب نہیں رہتا۔اس قید خانے میں جہاں رنگ نہ ہوں انسان بہت جلد اپنے حواس کھونے لگتا ہے یا پھر اسے پریشانی ہونے لگتی ہے۔عام قید کے برعکس یہ قید انسان کے ذہن پہ بہت برا تاثر چھوڑتی ہے جس سے اسے انگزائٹی اور پینک اٹیکس ہو سکتے ہیں۔)

Anxiety:-

وہ تھک کر واپس اپنی جگہ پہ آکر بیٹھا۔اس نے چھت کی طرف دیکھا وہ رنگ آنکھوں میں چبھنے لگا۔اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ جلن بڑھ گئی۔اسکا معدہ خالی تھا۔ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پہ رکھے سفید باؤل میں، سفید چاول اٹھا کر دیکھے۔چند پل دیکھتا رہا پھر نوالہ بنایا۔آنکھیں بھر رہی تھیں مگر اس نے نوالہ منہ میں رکھ لیا۔چہرہ گیلا ہو گیا۔

جسم میں طیش اور بے بسی کی لہر اٹھی مگر وہ چپ چاپ نوالے لیتا رہا۔نہ ذائقہ، نہ رنگ۔وہ ہر نوالے کے ساتھ روتا رہا۔کئی سال ہوئے تھے اس نے دنیا کے کونے کونے سے ہر طرح کا کھانا کھایا تھا۔مگر یہ کھانا کھاتے ہوئے اسے احساس ہوا ذائقہ کیا ہے۔اور وہ کس طرح اسکی زندگی سے رخصت ہوا ہے۔اسے پہلی بار زندگی سے کیے سارے شکوے بے کار لگے۔

لندن، اٹلی، بارسلونا، لاہور، کراچی، نیویارک وہ ایسے ہر بڑے چھوٹے شہر کے مشہور کھانے کھانے والا شخص تھا یہ سفید بد ذائقہ چاول اس کے لئے زہر ثابت ہو رہے تھے۔اس نے کھانا چھوڑ دیا اور واپس اس میٹرس پہ آکر بیٹھا۔

آنکھیں بند کیں مگر اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ گردن اور چہرے پہ پسینہ آرہا تھا۔اسے انگزائٹی ہو رہی تھی۔اگلے چند لمحوں میں اسکا سارا بدن پتے کی مانند کانپ رہا تھا اور اسے سردی لگ رہی تھی بے حد سردی۔فرش پہ لیٹے اس گھٹنے سینے سے لگانے چاہے تو سینے میں شدید درد اٹھا۔مہدی چت لیٹ گیا۔کپکپاہٹ کم ہوئی اور اب اسے گرمی لگنے لگی۔قصور وہ صرف اور صرف اپنا قصور جاننا چاہتا تھا۔

بے بسی تھی کہ کیا وہ چیخ چیخ کر حلق کے بل قیس کو بد دعائیں دیتے ہوئے رو رہا تھا۔

”یہاں سے نکالو مجھے تم کون ہوں؟ **کیوں مجھے** یہاں رکھا ہوا ہے؟“

”االلہ کا واسطہ ہے مجھے نکالو یہاں سے۔“

(لوگ، رونق، اور رنگ اگر کسی نارمل انسان سے لے لئے جائیں تو اسکی زندگی میں باقی کچھ نہیں بچتا۔ وائٹ روم میں قیدی سے کوئی ملتا نہیں، کوئی بات نہیں کرتا، کوئی دھیان نہیں رکھتا۔ تنہائی۔۔۔ یہ تنہائی انسان کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ اور انسان پوری طرح سے ٹوٹ جاتا ہے۔)

Depression:-

چت لیٹے ہوئے لب سیدھی لکیر میں بند کیے وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ ہر امید کھو چکی تھی۔ وہ یہاں سے کبھی نہیں نکل سکتا اس نے یہ مان لیا تھا۔ کھانا، پانی وہ ہر شے فراموش کیے بیٹھا تھا۔ زندگی سے پوری طرح مایوس ہو گیا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے روتا رہتا یا سر دیوار میں مارتا۔ پھر چند منٹ کے لئے اٹھ بیٹھتا، چپ چاپ دیواریں دیکھتا اور کسی آواز کے سننے کا منتظر رہتا مگر آواز نہیں آرہی تھی۔ کئی دفع وہ بلاوجہ ہنستا۔ خوامخواہ، بے وجہ۔

کوئی انسان نہیں تھا، کوئی اس سے بات کرنے والا نہیں تھا۔ یکدم اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے چھوا ہو۔ وہ برق رفتاری سے اٹھ بیٹھا۔ آس پاس دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ خوف ایسا خوف اسکے دل میں گھر کر گیا کہ مہدی کمبیر بیٹھے بیٹھے جامد ہو گیا۔ وہ ہراساں نگاہوں سے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"**زرقون۔۔۔۔۔**" وہ چلایا۔ آوازیں پلٹ پلٹ کر واپس آئیں۔

"یہاں کون آیا تھا؟ کوئی ہے؟ میری بات سنو پلیز۔" وہ اس خالی کمرے میں چلا چلا کر اسے بلا رہا تھا جو اسکا صیاد تھا۔ "تم کس کے کہنے پہ مجھے یہاں لائے ہو مجھے کچھ تو بتاؤ کیوں کر رہے ہو ایسا۔ میری بیوی کہاں ہے؟ مجھے جانے دو، میں اسے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ وہ مصیبت میں ہو گی۔"

کوئی جواب نہیں کوئی آواز نہیں کوئی لوگ نہیں سب خاموشی، ساری تنہائی۔

"یہاں کوئی ہے کسی نے مجھے چھوا ہے، پلیز مجھے یہاں سے نکالو۔"

وہ کتنی دیر چیختا رہا مگر کوئی نہ آیا تھک ہار کر وہ لیٹ گیا۔ مایوسی ایک بار پھر چھانے لگی۔ یہاں سے نکلنے کی ہر امید دم توڑ رہی تھی۔ یا شاید توڑ چکی تھی۔ اسے غصہ آرہا تھا۔ رونا آرہا تھا۔ وہ یہاں بیٹھا اگر کچھ سوچ رہا تھا تو یہ کہ اسے یہاں لانے والا کون تھا؟

(سفید رنگ، لباس، کھانا دیکھتے دیکھتے اور اس تنہائی میں انسان اس قدر تھک جاتا ہے کہ وہ چیزیں فرض کرنے لگتا ہے۔hallucinate کرتا ہے۔اسے اصل اور نظر کے فریب کا فرق بھول جاتا ہے۔یہ قید موت سے زیادہ بدتر ہوتی ہے۔)

Hallucination:-

اس نے دیوار پہ کیڑے رینگتے ہوئے دیکھے۔وہ کیڑے پھر تیزی سے اسکی طرف آئے اور اسکے سارے جسم سے چمٹ گئے۔وہ دیوانہ وار اپنے جسم سے انہیں جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔مگر وہ اس سے چمٹ رہے تھے۔پھر یکدم سب کیڑے اسکے جسم سے ہٹ گئے۔

وہ گہری سانسیں بھرتے ہوئے ساکت ہو گیا۔کیا یہ کوئی برم تھا؟اسکے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔یہاں سے شروعات ہوئی تھی۔

سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔آنکھیں ایسے تھیں جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔پھر اس نے واقعی وہی دیکھا۔

دیوار کے ساتھ لگ کر قیس کھڑا تھا۔وہ اپنے سامنے کھڑی زینیا سے کچھ کہہ رہا تھا وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر وہ آدمی سختی سے اسکی کلائی دبوچے ہوئے تھا۔

مہدی نے خود کو اٹھتے ہوئے دیکھا وہ انکی طرف بڑھا مگر منظر پانی کے بلبلے کی طرح تحلیل ہو گیا۔اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسکے منہ پہ تھپڑ دے مارا ہو۔

اگلے لمحے میں اس نے زرقون کو دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے دیکھا۔وہ ہنس رہا تھا۔اسکی آنکھوں میں تمسخر تھا۔وہ مہدی کے قریب آیا اور اسکا گلا دبانا چاہا۔وہ چیخ رہا تھا خود کو چھڑوا رہا تھا مگر ہر عمل مشکل سے مشکل ترین تھا۔

اسے لگا وہ مر جائے گا جب اسے اپنے گلے پہ پڑے ہوئے ہاتھ دور جاتے ہوئے دکھے۔سب برم تھا سب جھوٹ۔مہدی کمبیر پاگلوں کی طرح رونے لگا۔وہ یہاں پاگل ہو جائے گا اسے یقین آنے لگا۔

''میں مر جاؤں گا پلیز مجھ سے بات کرو۔ مجھ سے بات کرو کوئی۔ میں ایسے نہیں رہ سکتا میں پاگل ہو رہا ہوں مجھے نکالو۔ مجھے یہاں سے باہر لاؤ میں مر جاؤں گا مجھے مرنا نہیں ہے پلیز۔''

وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھے ہوئے شدت سے رو رہا تھا کوئی اسے سننے والا نہیں تھا۔ کوئی اس سے اسکا غم نہیں پوچھ رہا تھا، کسی کو اسکی پرواہ نہیں تھی۔ قید خانہ اب امتحان لینے پہ آیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پہ تھپڑ مار رہا تھا اپنے بال نوچ رہا تھا۔ اور ایک التجا کر رہا تھا۔

''تمہارا باس کون ہے؟ میری بات کرواؤ اس سے پلیز میں یہاں اس طرح مرنا نہیں چاہتا۔''

(بعض دفع قیدی کو یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ جو اسے بتایا جا رہا ہے جو اسے یاد ہے یہ اسکی اصل شناخت نہیں ہے۔ قید خانے کے باہر چند لوگوں کو کھڑا کیا جاتا ہے جو اسیر کے خاندان کا متعلق جھوٹ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ جھوٹے مقدمات کا ذکر کرتے ہیں اور جھوٹی اموات پہ چرچہ کرتے سنائی دیتے ہیں۔ ایسے میں اسیر اپنی اصل شناخت کھونے لگتا ہے۔ یہ اسکے اعصاب کا امتحان ہوتا ہے۔)

Loss of identity :-

''کتنے دکھ کی بات ہے ناں؟ وہ لڑکی زینیا اس نے شادی کر لی۔ وہ بھی قیس کمبیر سے۔'' وہ نیند سے جاگا تھا جب اسے سب سے پہلے یہ الفاظ سننے کو ملے۔ اسکی رگوں میں لاوا دوڑ گیا۔ وہ زنجیروں میں قید تھا اور آواز کھلے دروازے سے آ رہی تھی۔

''بتا رہے تھے کہ تیس لاکھ حق مہر لیا ہے اور کل دبئی گئے تھے ناں؟'' باہر کوئی اب بھی کہہ رہا تھا۔ مہدی کی نیند بھک سے اڑ چکی تھی۔

''کیا فائدہ بیچارے مہدی کو گولیاں لگوا کر اسکی زندگی برباد کر کے اب دونوں سکون سے رہ رہے ہوں گے۔ مجھے تو لگ رہا ہے اس سارے قصے میں لڑکی بھی شامل رہی ہو گی''۔

'' اپنی بکواس بند کرو میں جانتا ہوں تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ حلق کے بل غرایا۔

''وہ میری بیوی ہے اسکے خیال تک مجھ تک محدود ہیں۔ اس پہ الزام لگانا بند کرو۔ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

''تصاویر دیکھنا چاہو گے؟'' باہر کھڑے دو لوگوں نے بے ہنگم طریقے سے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''نہ وہ اب تمہاری بیوی ہے اور نہ اب قیس تمہارا بھائی۔ سب ختم ہے۔''

''میں تم پہ اور تمہاری تصاویر پہ لعنت بھیجتا ہوں۔ کوئی انسان، کوئی شیطان، کوئی طلسمی طاقت مجھے میری بیوی کے خلاف نہیں کر سکتی۔'' اسکا لہجہ ہنوز بلند تھا۔

باہر کھڑے دونوں لوگ اب اسکی بیوی کے متعلق اخلاق سے گری باتیں کر رہے تھے۔ وہ مہدی کا ضبط آزما رہے تھے۔

اندر بیٹھے شخص کا بس نہیں چلتا تھا وہ انکی زبانیں کھینچ لے۔ چند پل بعد وہ چلے گئے۔ مہدی کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔

کیا قیس نے اس سے زبردستی شادی کی ہو گی؟ یا وہ واقعی مر گئی تھی۔ کیا وہ مہدی کو مردہ مان چکی ہو گی؟

اس نے سر جھٹکا لمبے گہرے سانس لئے۔ خود کو پر سکون کیا۔

''وہ تو پارٹی میں بھی قیس کے لئے آئی تھی۔ دیکھا تھا ناں سرخ لباس۔ اوہ بیچارہ مہدی۔'' آوازیں انکے جانے کے بعد وہیں امر ہو گئی تھیں۔

مہدی نے آنکھیں بند رکھیں، کانوں پہ ہاتھ رکھے، اور بڑبڑانے لگا۔

''میں مہدی کمبیر ہوں۔ زینیا حاکم میری بیوی ہے۔ میں مہدی کمبیر، زینیا حاکم میری بیوی ہے میں مہدی۔۔۔'' آوازیں ہلکی ہوتی چلی گئیں مگر دل میں جو تھا وہ گہرا تھا سو گہرا رہا۔

میں مہدی کمبیر ہوں زینیا حاکم میری بیوی''۔ ہے۔''

Increased suggestibility :-

(قیدی کو توڑنے کے ہزار طریقے ہوتے ہیں جن میں سب سے اہم طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے پاس اول تو کوئی بات کرنے والا نہیں ہوتا اور ایک سے ڈیڑھ دن بعد اگر اسے کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ اسے حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔ وہ نرا جھوٹ ہوتی ہے مگر چونکہ وہ اس قید میں منتشر ہو چکا ہوتا ہے وہ ہر کہی ہوئی بات پہ یقین کرنے لگتا ہے۔)

''اسکا بھائی اور اسکی بیوی کتنے خوش تھے ناں؟''

''آہ بیچارہ، اب اسکا کیا ہو گا؟''

''خدا ایسی بیوی کسی کو نہ دے جو شوہر کو چھوڑ اسی کے بھائی کے پیچھے لگ جائے۔ ویسے اسکا بھائی؟ یہ قید میں بھی تو اسی نے ڈالا ہے ناں؟''

اندر اس چھوٹے اور غلیظ قید خانے میں بیٹھے ہوئے مہدی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ نیم پاگل لگ رہا تھا۔ آنکھیں دور کہیں جمی تھیں۔ ان میں سرخی اور وحشت تھی۔ یہ ایلیٹ کلاس کے نک سک سے تیار رہنے والے مہدی کا چہرہ نہیں تھا۔

جسم میں جگہ جگہ انفیکشن ہو رہے تھے۔ دھوپ اور تازہ ہوا نہ ملنے کے باعث اسکی کھال عجیب سی ہونے لگی تھی۔ وہ تھک چکا تھا اب باہر جو بھی کہا جا رہا تھا وہ انہیں جواب دیتے دیتے تھک چکا تھا۔ یہ قید خانہ اب اسکی آخری قیام گاہ تھی اسے یقین آنے لگا۔ اسے اگر اب کسی چیز کا انتظار تھا تو وہ موت تھی۔

وہ لوگ ایک بار پھر باہر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تھے۔ مہدی چند پل سنتا رہا۔

پھر ہنس پڑا۔ اور اگلے پل وہ دیوانوں کی طرح اونچا اونچا ہنس رہا تھا۔ ہنستے ہنستے اسکے جبڑے دکھ رہے تھے مگر وہ رکا نہیں بس ہنستا گیا۔

باہر کھڑے لوگوں کی آوازیں جتنی اونچی ہوتیں وہ اس سے زیادہ اونچا ہنستا۔

اور پھر یونہی ہنستے ہنستے وہ یکدم رو پڑا۔

''**میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟**'' گھٹی گھٹی سسکیوں کے درمیان وہ کرب سے کہہ رہا تھا۔

''میری بیوی سے کیا دشمنی ہے کیوں تم لوگ اس پہ الزام لگاتے ہو کیوں کرتے ہو ایسا؟'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''میرا اللہ پوچھے گا، اللہ تم لوگوں کو غارت کرے گا۔ میرا اللہ حساب لے گا۔ میں یہاں سے نکل کر تم سب کو برباد کروں گا۔ میں تمہاری زندگی میں تمہاری قبریں بناؤں گا۔'' اسکے لہجے میں کئی زمانوں کا رنج تھا۔

Breakdown :-

(کچھ قیدی چند دن میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ کچھ کو ہفتہ لگتا ہے اور کچھ ایک سے دو ماہ تک۔ لیکن اس قید میں دو ہفتے سے زیادہ وقت گزارنا ناممکنات میں سے ہے۔ اور اگر کوئی گزار بھی لے تو واپسی پہ وہ کبھی نارمل انسان کی طرح نہیں جاتا۔ وائٹ روم ٹارچر انسان کو مسخ کر دیتا ہے۔ اسکی شخصیت پوری طرح تباہ کر دیتا ہے۔)

سفید چاول اور وہ سفید مائع سے اسکا جی بری طرح اکتا چکا تھا۔ اسکا وجود کسی لاش کی طرح لاغر ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے تھے اور ہونٹ پیڑی زدہ۔ نقاہت سے اسکا برا حال تھا۔ یہ وہ مہدی نہیں تھا جسے تم نے اعلیٰ لباس پہن کر اسٹیج پہ چڑھے تقریریں کرتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ جسے انٹرنیشنل فارمز پہ مدعو کیا جاتا رہا تھا۔ یہ انسان زندگی سے ہر امید چھوڑ چکا تھا۔

''زرقون۔۔۔'' اس نے ہلکی آواز میں پکارا۔ بیٹھی ہوئی، خالی آواز۔

''مجھے کچھ کھانے کو دے دو پلیز۔۔۔ میں اس طرح مرنا نہیں چاہتا۔ صرف ایک بار، مجھے میرا قصور بتا دو میں معافی مانگ لوں گا۔ تم جو چاہو گے میں وہ کروں گا مجھے یہاں سے نکالو۔ میں یہ نہیں کھا سکتا یہ عجیب ہے پلیز مجھے کچھ اور دے دو۔''

خاموشی۔۔۔ خاموشی۔۔۔ خاموشی۔ کوئی آواز نہیں۔ وہ چند پل خاموش رہا پھر غصہ عود کر آیا۔

اسکے اندر اشتعال نے سر اٹھایا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے اپنے چہرے پہ تھپڑ مارنے شروع کر دیے۔

''میں یہی ڈیزرو کرتا ہوں ناں؟ ماروں مجھے۔ اگر تم میں غیرت ہے تو آؤ مارو مجھے۔'' اپنا بال مٹھیوں میں نوچتے، چہرے اور سینے پہ دھڑا دھڑ تھپڑ مارتے اس پہ ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔

''تمھیں خدا کا واسطہ ہے مجھے مار دو پلیز۔ میں مرنا چاہتا ہوں میں بس یہیں ابھی کے ابھی مرنا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھے مار دو۔ میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتا میں نہیں گزارنا چاہتا۔۔۔ مجھے مار دو۔'' انسانوں سے خوف زدہ، انکی نفسیات سے ہارا ہوا مہدی کمبیر ٹوٹ رہا تھا۔

اسکا کرب، تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ لاغر وجود اور چیختا چلاتا حلق جب تھک گیا تب وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ بریک ڈاؤن شروع ہو چکا تھا یا شاید ہو چکا تھا۔

''قصہ اٹھارہ جنوری سے تیئیس جنوری کا۔''

کراچی پاکستان۔

''تعصب، غصے اور جنون میں انسان وہ عمل کر بیٹھتا ہے جن پہ اسے پچھتانا پڑتا ہے۔ جھیلنا پڑتا ہے۔ یہ وہی وقت تھا۔''

کراچی کے سیون سٹار ہوٹل کے ایک پر تعیش سویٹ کی بالکنی میں راکنگ چیئر پہ جھولتے قیس کی انگلیوں میں سگار دبا تھا۔ آج کل اسکی عادت دگنی سے تگنی ہو گئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح سر سے پیر تک نک سک سے تیار ماہ جبین ذرا فاصلے پہ سویٹ کے اندر کھڑی تھی۔ اسکے سامنے پولیس افسر کھڑا تھا۔ جو بے حد تابعداری سے چوتھی دفع اپنا مدعا بیان کر چکا تھا۔

''لڑکی کے بھائی اور سابقہ دیور پہ کچھ ثابت نہیں ہوتا میڈم۔ یہاں تک کہ اسلام آباد سے پولیس افسر وریام اور صنوبر یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ جس روز پولیس کی گاڑی پہ حملہ ہوا اس حملے میں بشر اور ضیغم شامل نہیں تھے۔'' ڈی آئی جی بولتے ہوئے رکا۔ ایک نظر بالکنی میں بیٹھے، مرد کو دیکھا پھر کہنا جاری رکھا۔

''جب پولیس ہی شناخت نہیں کر رہی پھر ہم آگے کاروائی کس طرح کریں؟''

''وہ بکا ہوا ہے لڑکی کا عاشق ہے وہ۔'' ماہ جبین تنفر سے بولی۔

''یہ انکوائری ثابت کرے گی میڈم ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' وہ ایک بار پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

''لڑکی کی بہن کے متعلق پولیس تفتیش بھی یہی کہتی ہے کہ وہ اپنے بھائی اور دیور کے ساتھ تھی، یہاں کیس ہی دوسرا بن گیا ہے۔ لڑکی کے دادا نے پولیس پہ ایف آئی آر کٹوا دی ہے کہ لڑکی کی گمشدگی میں انتظامیہ کا ہاتھ ہے۔

آپ قابل احترام ہیں لیکن پولیس کا ایک procedure ہوتا ہے۔ ہمیں اسے فالو کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے گلا کھنکھارا۔

''لیکن ایک تجویز ہے۔''

قیس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ نگاہوں میں خالی پن تھا۔ ماہ جبین اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''اس وقت بھی انتظامیہ اس سارے مسئلے سے آنکھیں چرائے ہوئے ہے کیونکہ سارا مسئلہ قبائلی دشمنی کا بھی ہے۔ تو اگر کمبیر صاحب قبائلی طریقے سے۔۔۔ میرا مطلب ہے پھر پولیس آنکھیں بند کر کے بیٹھ سکتی ہے۔''

اس نے نگاہیں واپس موڑ لیں۔ دل میں بے چینی اور بنجر پن جڑ پکڑ گیا۔

اسے کہاں اب انتقام چاہیے تھا؟ اسے کہاں جنگیں لڑنی تھیں۔ وہ بس ایک بار اسے دیکھ لینا چاہتا تھا جو اسکی آتی جاتی سانسوں کی ضمانت تھی۔

بھاڑ میں جائے سب کچھ بس وہ واپس آجائے۔

''ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ دنیا کی ہوائیں تک انسان کے خلاف ہو جاتی ہیں۔ ستارے ایسی گردش میں آتے ہیں کہ انسان کا سارا وجود ہل کر رہ جاتا ہے۔''

یہ ریستوران سمندر کنارے واقع تھا۔ بھورے رنگ کی لکڑی کے نقش و نگار کے انٹیریئر والا وہ ریستوران کافی لوگوں کی موجودگی اپنے سینے پہ لئے ہوئے تھا۔ لکڑی کی چھوٹی سی ریلنگ کے دوسری طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ میز پہ کھانا پڑا تھا۔ سمندر کے پانی کے اوپر بگلے اڑ رہے تھے۔ ماحول خوبصورت اور پرسکون تھا مگر اسکا دل نہیں۔ زرد بتیوں کے حالے میں اسکے چہرے پہ چھائی مردنی واضح تھی۔

سیاہ تھری پیس میں ملبوس اسکے چہرے پہ سوگواریت تھی۔ گھنگریالے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس نے کھانا چکھا تک نہیں تھا بس روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتا وہ بگلوں کی طرف اچھال رہا تھا۔ فضاؤں میں اڑتے بگلے فوراً روٹی کا ٹکڑا منہ میں لے لیتے اڑ جاتے۔

ریستوران کی دوسری جانب راہداریوں کے درمیان کوئی تیز تیز قدم اٹھاتا چلتا آرہا تھا۔ سفید رنگ کی شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ اور سیاہ پی کیپ پہنے وہ چہرہ جھکائے چل رہا تھا۔ قیس کمبیر کے میز کے سامنے والی کرسی کھینچتے ہوئے اسکے انداز میں ناگواری تھی۔

''میں ایسے پبلک پیلسز پہ نہیں ملتا جانتے نہیں آج کل ملک میں کتنا مشہور ہو رہا ہوں میں؟''

قیس نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ وہ ہنوز روٹیوں کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ ''جو چاہتے ہو بتاؤ، میں دنیا دے سکتا ہوں تمھیں۔ بدلے میں صرف ایک سوال۔ وہ کہاں ہے؟'' کہتے ساتھ اس نے جیب سے ایک چیک نکالا اور وریام کی طرف کھسکایا۔

''جتنا لکھ سکتے ہو اتنا لکھو۔ جتنا چاہتے ہو اس سے دگنا دے سکتا ہوں۔ بس ایک جواب۔ صرف ایک۔''

وریام نے چیک اٹھایا۔ پھر قیس کو دیکھا۔ اسکے لب ہلکی سے مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''میں کہاں کچھ جانتا ہوں کمبیر صاحب۔ آپ ہی نے کہا تھا اس لڑکی کی چمک آنکھ کو اندھا کر سکتی ہے۔ سمجھیں میں اندھا تھا۔''

قیس نے اسکی طرف دیکھا۔ حلق میں چبھن تھی۔ ہر چہرہ، ہر منظر، ہر شے خالی تھی۔ وہ چند لمحے اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ پھر شہر قائد کی ہواؤں نے کچھ ناقابل یقین سنا۔

''پلیز۔۔۔'' ہر انا اور خودداری کو قدموں تلے روند کر کہا۔

''وہ میرے دل کا مسئلہ ہے۔''

وریام کو اس شخص پہ غصہ آیا۔ اسکا جی چاہا تھا وہ پستول کا سارا لوہا اسکے اندر اتار دے۔ وہ اب بھی کیا اب بھی یہ دعوی کر سکتا تھا؟ اور اگر کر رہا تھا تو اسے یہ حق کس نے دیا۔

''میرے لئے دل کے مسئلوں سے زیادہ اہم، انسانی مسائل ہیں۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ قیس کے چہرے پہ شکستگی تھی، آنکھوں میں ہار۔

''یہ آپ نے چنا ہے، کمبیر صاحب۔'' تنفر سے کہتے ہوئے وہ اس پہ ایک بھی نگاہ غلط ڈالے بغیر چلا گیا تھا۔ قیس نے گردن ترچھی کر کے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے رخ پھیر لیا اور اپنے مشغلے میں لگ گیا۔ اب کی بار ہاتھوں کی حرکت سست تھی۔

دل پہ بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کسی بھی سمے اسکے نیچے دب کر ڈھے سکتا تھا۔

''دل نے ایسے ایسے سورما قدموں تلے روندے ہیں جن کے نشان تاریخ کے پنوں میں بھی نہیں مل سکے۔ وقت گواہ ہے محبت نے محبت والوں کو ایسی جگہ خوار کروایا ہے جہاں مانگنے پہ رحم بھی نہ ملے۔''

ٹرپل سٹوری گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ مکین رخصت ہو چکے تھے۔ وقت کے چکر پلٹ چکے تھے۔ آمنے سامنے رکھے صوفوں پہ تین مرد بیٹھے تھے۔ قیس اور اسکے سامنے حاکم، اور بشر۔ انکے درمیان ایک آکورڈ صورتحال تھی۔

''کونسی بربادی رہ گئی ہے، عبداللہ زمان؟ کوئی ذلت باقی ہے جسے ہمارے بخت میں لکھنے آئے ہو؟'' حاکم کے جھکے ہوئے کندھے مزید جھک گئے تھے۔

''جو تم نے کیا وہ تو ہماری سات نسلوں میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ ایسا انتقام؟''

''کوئی کسی کے خاندان کو زندہ بھی نہیں جلاتا، کوئی کسی کے باپ کو اسکی آنکھوں کے آگے قتل بھی نہیں کرتا۔ کوئی کسی کے بہن بھائیوں کو آگ میں جھلسنے نہیں دیتا۔ مجھ سے یہ مت کہیں کہ میں ظالم ہوں۔ ابتدا آپ لوگوں نے کی تھی۔ میں نے کہانی کو انجام دیا ہے۔'' وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے روانی سے بولا۔

''آپ کی بیٹی میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی۔ میرے ہی بھائی کے ساتھ تعلقات رکھے اور آپ چاہتے تھے میں اسے معاف کر دوں؟ معذرت مگر عبداللہ بے وقوفوں کی صف سے نکل آیا ہے۔''

''یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' بشر بغیر لگی لپٹے کے پوچھ رہا تھا۔

''وہ جو میری ملکیت ہے۔میری منگیتر۔نہ وہ غیرت کے نام پہ قتل ہوئی ہے۔نہ وہ کہیں غائب ہوئی ہے۔وہ جہاں بھی ہے تم جانتے ہو۔مجھے اسکا پتہ چاہیے۔میں اسے اپنے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔میں ماضی بھول جاؤں گا۔وعدہ رہا۔''

''تم وعدے نبھانے کے کچے،ہو عبداللہ۔''

''میں نے باپ کے قتل کے وقت وعدہ لیا تھا نوابوں پہ چین کی زندگی حرام کروں گا۔آج تک نبھا رہا ہوں۔تم پھر بھی مجھے الزام دے رہے ہو؟''اسے تاسف ہوا۔''میرا سیاہ سفید میری منگیتر کے ساتھ تھا۔تمہاری دوسری بہن کو چند گھنٹوں کے اندر واپس لایا تھا میں۔تم اب بھی مجھ سے تعاون نہیں کروگے؟''

''قبائلی تعلقات ختم،عبداللہ! قانون تم بیچ میں لائے تھے اب انصاف اسی سے جا کر مانگو۔میں تمہیں دعا دے سکتا ہوں کہ تم اسکی خاک تک بھی نہ پہنچ سکو۔اور میں کوشش کروں گا کہ ایسا ہی ہو۔''

اسی کے انداز میں کہتا وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔قیس نے پر امید نظروں سے حاکم کو دیکھا۔وہ بھی اسی تنفر کے ساتھ اٹھ گئے تھے۔عدالتی چکروں کے لئے اس شہر میں رہنا انکی مجبوری تھا۔ورنہ اس وقت عبداللہ انکے سامنے نہ ہوتا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد وہ کئی لمحے وہاں بیٹھا رہا۔ہر راہ مسدود تھی۔ہر راستہ بند۔اس کی محفوظ پناہ گاہ اسکی اپنی نگاہوں سے اتنی اوجھل کیسے ہو سکتی ہے؟اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔طلسمات پہ اسکا اختیار ہوتا تو وہ ہر سحر کو اسکے وصل کے لئے استعمال کرتا۔

''محبتوں میں دنیا تیاگ دینا قصے کہانیوں تک محدود ہے۔موجودہ دور میں لاکھوں ضرورتیں ایسی ہیں جنہیں پورا کرنے کو محبتیں خاک کرنی پڑتی ہیں۔''

اسلام آباد ایئرپورٹ پہ معمول کا رش تھا۔وہ اپنے ارد گرد دیکھے بغیر سیدھ میں چل رہا تھا جب آس پاس سے صحافی کہیں سے نکل کر سامنے آگئے۔اسکے ساتھ چلتے ہوئے گارڈز نے اسکے گرد پہرہ بنایا۔قیس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں پیچھے ہٹنے کو کہا۔

اسکے آگے کئی مائیکس تھے۔مختلف نیوز چینلز کے کیمرا زتھے۔سوال کرتی ہوئی کئی زبانیں تھیں۔وہ سپاٹ نگاہوں سے چند پل انہیں دیکھتا رہا۔

''شعبہ پولیس کی نااہلی کی وجہ سے آج ہمیں یہ دن دیکھنا پڑے گا کہ قاتلہ فرار ہوں گی اور مقتول کے خاندان کو بس صبر کرنا ہو گا۔'' وہ اب دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اسلام آباد واپس آنا میری ضرورت ہے۔(یہاں قیسم ہے) کیونکہ یہاں میرا خاندان ہے۔(اور انکی طرف میرے کئی حساب باقی ہیں)۔ لیکن میں اس شہر کو نہیں بھولوں گا(جہاں میں نے متاع حیات کھوئی) جہاں سے میرے بھائی کے گنہگار فرار ہوئے۔ اگر کوئی بھی شخص اس لڑکی کو واپس لائے یا اسکی کوئی اطلاع لائے(تو؟ آہ میں اس دنیا میں کوئی ایسا انعام تصور بھی نہیں کر سکتا جو اسکی اطلاع پہ صرف کر دوں) تو میں قیس کمبیر اسے منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بس کا اعلان کر چکا تھا۔

چند لمحے بعد گاڑی میں بیٹھے سڑک پہ نظریں جمائے اسے احساس ہوا یہ شہر، یہ سڑکیں، یہ ہوائیں سب **''اس''** کے بغیر بے کار تھیں۔

طیش کم ہو رہا تھا اور اسکی جگہ بے چینی بھر رہی تھی۔ ایسی بے چینی جو اسکے دل کو خاک کر سکتی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا اس نے کیا کر دیا ہے۔ افسوس مگر وقت واپسی کے مواقع بہت کم دیتا ہے۔

''ڈھاکہ بنگلہ دیش۔''

وہ پلکیں جھپک جھپک کر اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ اسکے سامنے ایک عورت کھڑی تھی۔ جو کمرے کے ایک کونے میں رکھے صوفے پہ بیٹھے ہوئے مرد سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اسکا چہرہ دھندلا تھا۔ آواز مختلف سنائی دیتی تھی۔ وہ چند پل انہیں دیکھتی رہی پھر دماغ پہ بوجھ بڑھا، پلکیں بھاری ہوئیں اور ہر منظر ٹوٹ گیا۔ وہ غنودگی میں جا چکی تھی۔

اگلی بار اسکی ناک سوئی کی چبھن کی وجہ سے کھلی تھی۔ اسکے پاس کھڑا کوئی اسے بازو میں سوئی لگا رہا تھا۔ پھر اس نے نیما کو اپنے بازو پہ روئی مسلتے ہوئے دیکھا۔ اسے اپنا ایک بازو بلکل مفلوج ہوتا محسوس ہوا۔ نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو اس بازو کی کلائیوں پہ پٹی بندھی

تھی۔ دوسرے بازو پہ جلنے کے داغ تھے۔ زینیا حاکم کے دونوں ہاتھ اگلے چند دن کے لئے کام نہیں کر سکتے تھے اس بیڈ پہ بیٹھے بیٹھے اسے اندازہ ہوا۔ تھکن، بے زاری اور بے کلی کے مارے اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ شاید رات کا کوئی پہر تھا۔ کھڑکی سے چاند کی روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ ساتھ والے گھر سے کسی بچے کے زور زور سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہی آوازیں اسکے سر پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ ساتھ معدے میں بے تحاشا جکڑ کا احساس ہوا۔

وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ وقت، تاریخ، دن وہ ہر شے کا حساب بھول گئی تھی۔ کئی لمحے وہ بستر پہ بیٹھی رہی۔ پھر جھک کر دیکھا تو بیڈ کی پائنتی کے قریب نیما فرشی بستر پہ سو رہی تھی۔ آنکھیں پر سکون انداز میں بند تھیں۔ زینیا کتنی دیر تک ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔

"بھوک لگی ہے؟" زینیا اسکی آواز پہ باقاعدہ چونک گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی مگر جاگ رہی تھی۔

"اگر لگی ہے تو جاؤ کچن سے کھانا لے آؤ۔ اور اگر شور سے جاگی ہو تو عادت ڈال لو۔"

"آج کیا تاریخ ہے؟"

"پندرہ فروری۔" وہ بڑبڑائی۔ "تم پہ میرا قرض بیس ہزار ٹکا ہو گیا ہے۔"

"مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ تذبذب سے کہنے لگی۔

"تو جاؤ کچن سے کھانا لے آؤ، شور مت کرنا وجیہہ ڈائن جاگ جائے گی۔"

"لیکن میرے ہاتھ میں درد ہے۔"

"یہ تمھیں خودکشی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" وہ یکدم کچھ یاد آنے پہ اٹھ بیٹھی۔

"اگر واقعی مرنا تھا تو یقیناً تمھیں یہ تو علم ہو گا ہی کس نس کو کاٹنے سے انسان مر سکتا ہے؟"

"مجھے بھوک لگی ہے۔" اس نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ نیا اب کے خاموش رہی اور بازو لمبا کر کے باہر کی طرف اشارہ کر دیا۔ زینیا نے اپنی ٹانگوں سے چادر ہٹائی اور پیر فرش پہ رکھے۔ اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

فرش ٹھنڈا تھا اسکی ہڈیوں تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ چند پل وہ پیر فرش پہ رکھے بیٹھی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چادر اچھے سے لپیٹی اور باہر چلی گئی۔

چند منٹ بعد وہ لوٹی تو اسکے ہاتھوں میں بڑی سی طشت تھی۔ جسے اس نے پلنگ پہ رکھا خود بھی سامنے آکر بیٹھی۔

تلی ہوئی مچھلی، چاول اور آلو کے قتلے آج شاید گھر میں کوئی دعوت تھی۔ وہ کئی دن کے بھوکوں کی طرح کھانے پہ ٹوٹ پڑی۔ اور جلدی جلدی نوالے لینے لگی۔

"ایک لڑکی کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے۔" ٹانگوں پہ چادر پھیلائے اسے دیکھتے ہوئے نیما کہنے لگی۔ چاند کی روشنی اسکی پشت پہ تھی اور زینیا کے چہرے پہ۔

"رفیق نے وحید بھائی سے تمہاری ذمہ داری لینے سے انکار کیا تھا۔ کیونکہ تم ایک لڑکی ہو۔ لیکن میں نے تمہاری ذمہ داری لی۔ کیونکہ میں خود ایک عورت ہوں اور خود کو معاشرے پہ بوجھ نہیں سمجھتی۔" اسکی اٹھی ہوئی گردن اسکا مان تھی۔ وہ محنت کش، بہادر عورت تھی۔

"میرے ابا نے میری شادی ایک بڑے گھر میں کروائی تھی۔ روپیہ پیسہ، مال دولت اور شوہر کی محبت ہر شے تھی میرے پاس۔ اللہ اسے بخشے میرے شکیب جیسا مرد دوبارہ پیدا نہیں ہوگا۔" اسکے لبوں پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔ نوالہ زینیا کے حلق میں اٹک چکا تھا۔

"وہ شادی کے تین سال بعد مر گیا۔ مجھ پہ بڑا کٹھن وقت آیا۔ سسرال کو بوجھ لگی انہوں نے گھر سے نکال دیا۔ بھائیوں کو بوجھ لگی تو بغیر مجھ سے پوچھے میرا دوسرا نکاح طے کر دیا۔"

زینیا کے حلق میں نوالہ واقعی اٹک گیا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگی۔ دوسرا؟ کوئی دوسرا کیسے؟

''میرا دوسرا شوہر اچھا آدمی نہیں تھا۔ میں بیوہ تھی معاشرے کا بوجھ۔ میں بانجھ تھی معاشرے کا بوجھ لیکن میں نے خود کو کبھی بوجھ نہیں سمجھا تھا۔'' زینیا کھانستے کھانستے دوہری ہونے لگی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نیما کی آواز اسکی کھانسی کی آواز میں دب رہی تھی۔ اسکے جھکنے پہ چہرہ روشنی سے خالی ہو رہا تھا۔

''اس نے جب مجھ پہ پہلی بار ہاتھ اٹھایا میں نے برداشت کیا۔ پھر دوسری بار، پھر تیسری۔ پھر ایک دن میں تھک گئی۔ شاید مجھے یاد آ گیا تھا کہ **مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔**''

وہ بیڈ سے اٹھی اور دیوانہ وار گرتے پڑتے کھڑکی کی طرف بڑھی جہاں پانی کا جگ رکھا تھا۔ ادھیڑ عمر بنگالی عورت نے اسکی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ کوئی کسی مدد نہیں کرتا۔

''میں نے طلاق لے لی۔ معاشرہ میرے بوجھ سے دب گیا۔ میرا خاندان ڈھے گیا۔ صرف ایک عورت نے آدھا معاشرہ کیسے شرمندہ کیا میں سمجھ نہیں سکی۔'' وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔ زور زور سے قہقہے مار کر ہنسنے لگی۔ اسکے قہقہوں میں کرب تھا۔ مگر مان بھی۔

''بھائیوں پہ میرا بوجھ بڑھ گیا۔ اور جب میں نے ان سے اپنا حصہ مانگا تب انہیں لگا میں دنیا کی سب سے خراب عورت ہوں۔ میں باغی ہوں۔ لیکن میں نہیں تھی مجھے معلوم تھا۔ عورت کو خود معلوم ہونا چاہیے وہ کیسی ہے۔ کیا ہے۔''

اس نے دو گلاس حلق میں اتارے۔ چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ آنکھیں گیلی ہو گئی تھیں۔ خاموش کمرے میں اب محض نیما کی آواز تھی۔ روشنی اب زینیا کے داہنے رخ پہ تھی۔

''میرے دس سال ضائع ہو گئے، زوہرا۔ یہ سمجھنے میں کہ گرنے پہ دنیا سہارا نہیں دیتی۔ تم کتنا وقت ضائع کرنا چاہتی ہو؟ یہ تم پہ منحصر ہے۔ اٹھنے کی قوت کو زنگ لگ جائے تو زندگی بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔''

کھڑکی سے ٹیک لگائے وہ چپ چاپ وہیں بیٹھ گئی۔ دل میں بے اختیار کچھ کھب گیا تھا وہ یاد آنے لگا تھا جو کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ کیا وہ اسے کبھی بھول پائے گی؟

اس نے پینڈنٹ مٹھی میں دبوچ لیا۔ اس زندگی میں نہیں اور اس سے اگلی سات زندگیوں میں بھی نہیں۔ کوئی دوسرا نہیں، کبھی نہیں۔

''میں نے خودکشی نہیں کی تھی۔'' کافی دیر بعد وہ آہستگی سے بولی۔ ''مجھے کچھ ہو گیا ہے۔ میرا دل کرتا ہے میں خود کو نقصان پہنچاؤں۔ مجھے لگتا ہے لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ صرف مجھے۔ آپ نے فلمیں دیکھی ہیں؟'' گیلا چہرہ اٹھا کر نیما کی پشت کو دیکھا۔

''وہاں کسی سین میں دکھایا جاتا ہے سب بھاگ رہا ہے۔ زندگی، دنیا، لوگ صرف ایک کردار کھڑا رہ جاتا ہے۔ اور مجھے وہ کردار میرا اپنا لگتا ہے۔'' اسکی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''میری دادی نے وصیت کی تھی کہ انہیں غسل دینے والی صرف تین عورتیں ہونی چاہیے۔ انکی زینی، کونج اور انکی بڑی بہو۔ جانے کس نے غسل دیا ہو گا؟ جانے کیا ہوا ہو گا؟ کیسی پوتی ہوں میں جو اپنی دادی کی آخری وصیت تک پوری نہیں کر سکی۔'' آنسو چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ دل میں زخم تازہ ہوئے۔

''مجھے لگتا ہے میرے اندر کچھ کمی ہے مجھے لگتا ہے وہ درست کہتا تھا۔۔۔۔ عبداللہ۔۔۔۔ میرے کردار کے متعلق درست کہتا تھا۔''

''تمھیں اپنے بارے میں کیا لگتا ہے یہ زیادہ اہم ہے۔''

''میری سوچیں جامد ہیں۔ میرے لئے زندگی میں کوئی اسپارکل باقی نہیں رہا۔ جو میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ مجھے یہاں گھٹن ہوتی ہے۔'' اس نے بے اختیار سینہ مسلا۔ ''مجھے انکی زبان سمجھ نہیں آتی۔ مجھے یہاں ایک چور جیسا محسوس ہوتا ہے۔'' اسکے گلے میں کچھ بھاری سا اٹکا۔ روح گھائل ہوئی۔

''مجھے ''وہ'' یاد آتا ہے۔ آتا رہے گا۔ میں اسکی یاد کا کیا کروں؟ میں اسے بھول نہیں سکتی۔ میں کبھی اس سے موو آن نہیں کر پاؤں گی۔ وہ دل میں تھا ہے اور رہے گا میں اس دل کو نہیں نکال سکتی۔ مہدی میری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ تھا میں اس حصے کو نکال دوں تو پیچھے سانسیں بچ جاتی ہیں زندگی نہیں۔''

''زندگی گزارنے کے لئے دل کے مشورے رد کرنے پڑتے ہیں ورنہ اس نے آج تک کس کی عزت کروائی ہے؟ دل حصہ ہمارے جسم کا ہے مگر ریاکاری میں دنیا کا ساتھی ہے۔ اسے دماغ پہ نہیں چڑھاتے، زوہرا۔''

''یہ میرا نام نہیں ہے۔'' اس نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس زندگی میں تمہارا نام یہی نام ہے۔''

''نہیں چاہیے مجھے یہ زندگی۔''

''تو پھر ختم کرواسے۔''نیا خشک انداز میں بولی۔ پھر اٹھ کر اسکے قریب پنجوں کے بل بیٹھی۔

''یہاں ضرب لگاؤ۔''اس نے زینیا کی زخمی کلائی اونچی کی، درد اٹھا، کراہ بلند ہوئی۔

''سب ختم ہو جائے گا۔ درد، زندگی، دنیا، محبت۔ پھر سزا شروع ہو گی۔ ہر اس انسان کے لئے سزا متعین ہے جو زندگی اور موت کے درمیان کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ ساٹھ ستر سالہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ لیکن اسکے بعد جو شروع ہو گی وہاں کوئی اختتام نہیں۔''

وہ زور زور سے رونے لگی۔ کم از کم یہ کام وہ نہیں کر سکتی تھی۔ دنیا بزدل کہتی تھی تو زینیا حاکم اس دنیا کی سب سے بڑی بزدل تھی۔ وہ اس زندگی سے بھاگ سکتی تھی، چھپ سکتی تھی اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اسے موت سو ڈر لگتا تھا۔ اسکا واحد خوف۔ اسے زندہ رہنا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟

اسلام آباد کی ہواؤں میں انحراف کب شامل ہوا قیس کمبیر کو علم ہی نہیں ہو سکا۔ آج بڑے دن بعد اس نے قیسم میں قدم دھرے تھے۔ عمارت نے سینہ چوڑا کر لیا، آسمان سے چند قطرے ادھار مانگ کر آنسو بہائے، وقت اس پہ مہربان ہوا تھا کہ اس عمارت کے مالک نے اسے اپنی آمد بخشی تھی۔ لقمان (قیس کا نیا سیکریٹری) اسکے سامنے کچھ کاغذات رکھ رہا تھا۔ نئی تفصیلات دے رہا تھا۔ قیس سنتا رہا۔ اسکی جگہ حدیبیہ کو ہونا تھا، وہ یہاں کیا کر رہا ہے قیس کو پہلی دفع اسکی موجودگی کھلی۔ مگر اس نے ظاہر نہ کیا۔

نظر اٹھا کر صفحات کی طرف دیکھو تو وہاں ایک مردانہ کوٹ کا خاکہ تیار کیا جا رہا تھا۔ وہ مکمل منہمک نظر آتا تھا۔ دل جل رہا تھا زندگی ایک ناکام سیریز بن گئی تھی لیکن ڈیزائنر صاحب کام نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

''جواہر کا کام کہاں تک پہنچا؟ اپڈیٹس کہاں ہیں؟''

"سر کام pause ہو گیا تھا۔ مہدی سر کی ڈیتھ کی وجہ سے۔"

قیس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ نگاہوں میں ٹھنڈک تھی۔

"بھائی میرا مرا تھا ملازمین کا باپ نہیں، پھر کام کیوں رکا؟ میرے بھائی کے قتل کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا اور میں یہاں موجود ہوں اسکا مطلب یہ ہے کہ قیسم امر ہے۔ کوئی موت اسے بند نہیں کروا سکتی، پھر کام کیسے رکا؟"

"سر میں۔۔۔"

"نوٹس جاری کرواؤ، آفس آورز میں اضافہ کرو۔ کسی کا باپ مارے یا ماں کا جنازہ اٹھے فرق نہیں پڑتا۔ اس ہفتے کے اختتام پہ کام مکمل چاہیے مجھے۔"

"شیور سر۔" اس نے بغیر بحث کے تابعداری سے کہا۔ قیس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا مگر وہ رک گیا۔

"ایک اور بات کہنی تھی۔" قیس کا بھروسہ پانا اسکے لئے اہم ترین شے تھی۔ کسی بھی طرح اسے یہ چاہیے تھا۔ "میرے پاس آپ کے لئے کچھ ہے۔"

"تم اسکے ذریعے بھی حبیب کی جگہ نہیں پا سکتے۔" وہ تلخی سے بولا۔

" میں اپنی جگہ بنانے آیا ہوں باس۔" اس نے پنسل واپس کاغذ پہ رکھی اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہاں کام کرنے سے پہلے تمھیں سب بتایا تھا میں کس طرح کا آدمی ہوں۔ ماہ جبین کی باتوں میں مت آنا صرف اسے ہی اچھا لگتا ہوں میں۔ باقی دنیا کو بڑے مسائل ہیں مجھ سے۔"

"وہ میری سابقہ باس تھیں اور آپ میرے حالیہ باس۔ میں صرف آپ کی بھلائی سوچ رہا ہوں سر۔ آپ کی پیٹھ پہ خنجر مارنے والوں کو نظر میں رکھوں گا۔"

"ساری دنیا نے تو اوقات دکھا دی اب پیچھے کون رہ گیا ہے؟" وہ ہنسا۔ ایک عجیب سی خالی ہنسی۔

"انیسہ بختیار کمبیر۔" لقمان نے کہا اور وہ کرسی پہ بیٹھے ہوئے ساکت ہوا۔ لقمان نے چند تصاویر میز پہ رکھیں۔

''انہوں نے نیویارک میں شادی کرلی ہے۔ لڑکا مسیح ہے۔ بختیار کمبیر یہ سب جانتے تھے اور۔۔'' وہ سانس روکے ان تصاویر کو دیکھ رہا تھا جن میں وہ سفید لباس والی لڑکی سیاہ سوٹ والے لڑکے کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ قیس کی رنگت سفید پڑی۔

''لڑکی اب حاملہ ہے باس۔''

سیاہ آنکھوں والے مرد کی ساری دنیا سرد ہوگئی۔ وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کسی نے اسکے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی۔

''لڑکے کے پاس امریکن نیشنیلٹی تھی اس لئے انیسہ بختیار اب ایک امریکن ہے۔ جب میں نے ان دونوں کے متعلق معلومات نکلوائیں تب بختیار صاحب کو پتہ چل گیا اور انہیں خدشہ تھا کہ آپ انکے خلاف کوئی کاروائی ضرور کریں گے اس لئے یہ۔۔۔'' اس نے ایک خاکی لفافہ میز پہ رکھا جس سے سفید کاغذ جفا کا پروانہ سنا رہے تھے۔ ایک اور ضرب جس نے قیس کی کمر توڑ دینی تھی۔ اس نے لمبی انگلیوں سے کاغذات باہر نکالے۔

''انہوں نے میڈیا کو آپ کے خلاف ثبوت دینے چاہے ہیں۔ وہ کمبیر صاحب کا قتل آپ کی طرف پھیر رہے ہیں اور اسے غیرت کے نام پہ ہونے والے قتل کا نام دینا چاہ رہے ہیں۔ یہ کاغذات میں نے میڈیا تک جانے سے روک لئے ہیں لیکن۔۔۔ آپ کو کچھ کرنا ہوگا ورنہ چیزیں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔''

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا یوں گویا زہر کا آخری گھونٹ نگلا۔ کوئی نیزہ تھا جو اسکے دل کے آر پار ہو گیا تھا۔ سیاہ آنکھوں کے پار رنگین مناظر تھے۔ وہ چھ سالہ بچی تھی جسے نو عمر قیس نے کندھوں پہ اٹھا رکھا تھا۔ وہ کھلکھلا رہی تھی، اسکے کندھوں کو مضبوطی سے تھامے ہنس رہی تھی۔ اگلے منظر میں وہ اس ناراض بچی کو کھانا کھلا رہا تھا۔ اسکی آنسوؤں سے بھری آنکھیں صاف کر رہا تھا۔ بچی بڑی ہوگئی تھی وہ اسکے گارجین کی حیثیت سے اسکے کالج کی تقریبات میں حصہ لے رہا تھا۔ وہ اپنے گلے میں پڑا میڈل اسکے گلے میں ڈال رہی تھی اور وہ اسکی کامیابیوں پہ مسکرا رہا تھا۔ کہیں کسی منظر میں وہ اسکے لمبے بالوں کی چٹیا گوندھ رہا تھا۔

''آپ کیوں عورتوں کے کپڑے نہیں بناتے یار؟'' انیسہ اسکے کندھے کے پار سے اسکیچ بک دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''فکر نہ کرو، تمہاری شادی کے جوڑے کا ڈیزائن میں ہی بناؤں گا۔''

''اگر نہیں بنایا تو میں شادی نہیں کروں گی۔''

''سر۔۔۔''وہ صور جیسی آواز اسے خیالوں سے کھینچ لائی۔''کمبیر صاحب کے قتل کے بعد پاکستان نہ آنے کی وجہ بھی یہی ہے۔''لقمان مزید کہہ رہا تھا۔ قیس سنتا رہا۔اسے نہ جانے کیوں مگر احساس ہو رہا تھا کہ اراضی کے جس قطعے پہ اس نے محل کھڑا کیا ہے وہ مٹی جفاکار تھی، کنکر غیروں کی صف میں،اور ستون بغاوت کے گیت گاتے ہوئے۔یکلخت احساس ہوا اپنا ہر جذبہ اس نے غلط انسانوں پہ کیوں لگا دیا؟

''تم جاؤ، لقمان تمہارا کام ختم ہوا۔''بہت دیر بعد وہ بھاری لہجے میں بولا۔ لقمان سر ہلاتا ہوا پلٹ گیا۔ قیس ایک بار پھر اپنے بنائے ہوئے ڈیزائن پہ پنسل سے بچا ہوا کام کرنے لگا۔اسکی انگلیاں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ مگر وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔اسکی رنگت نچڑ گئی تھی مگر کام نہیں رکا۔

شام کے سائے ڈھل گئے آفس کے گھنٹے ختم ہوئے تب وہ باہر نکل آیا۔ شوفر نے گاڑی نکالی۔ قیس عقبی نشست پہ بیٹھا اور گاڑی کمبیر محل کی طرف روانہ ہوئی۔ کچھ وقت بعد دوسری منزل پہ واقع ایک کمرے کے دروازے میں چابی گھسا رہا تھا۔دروازہ کھل گیا،اندھیرے میں ڈوبے اس کمرے میں واحد روشنی وہ تھی جو دروازہ کھلنے پہ باہر سے آئی تھی۔اندر گھپ اندھیرے میں وہیل چیئر پہ بیٹھے آدمی نے آنکھیں چندھیائیں۔ قیس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چھوٹے چھوٹے قدم لیتا آگے آیا۔آدمی کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔اسکا سارا وجود روشنی،اور اسکے اسیر کا سارا وجود گھپ اندھیرا۔

''مجھے یاد کیا ہو گا ناں؟''

''تم نے زینیا کے ساتھ کیا کیا ہے؟ کتنا وقت گزر گیا ہے، کہاں ہے وہ؟''مقصود کمبیر کی آواز میں آج بھی بلا کی سختی تھی۔

قیس نے کندھے اچکائے۔

''مجھے بھی نہیں پتہ وہ کہاں ہے۔ میں بھی بس ڈھونڈ رہا ہوں۔ یقین کریں بہت مس کر رہا ہوں اسے۔اسکے ہونے سے سب تھا۔وہ نہیں ہے تو۔۔۔کچھ مسنگ ہے۔''

''تمھیں شرم آنی چاہیے تم نے اپنے بھائی کو مار دیا؟''

''میں نے نہیں مارا۔''اس نے ترنت مقصود کی بات کاٹی۔ پھر انکی آنکھوں میں دیکھا۔اور بے حد سنجیدگی سے اضافہ کیا۔

''میں نے بس بچایا نہیں۔''اسے یاد تھا بہت اچھی طرح یاد تھا کس طرح کچھ لوگوں نے اسکے سامنے اسکے بھائی کو منظر سے غائب کیا اسے سب یاد تھا۔ہاں وہ آگ، وہ شور اور موت اسکا ٹراما ٹر گر کر چکی تھی مگر بہر حال وہ بعد میں بھی اس کے بارے میں پولیس کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔اسکی مرضی۔

''اس نے مجھے بہت ہرٹ کیا تھا۔اس نے ہر وہ حد پار کی جہاں جہاں میں نرم پڑ سکتا تھا۔زینیا حاکم میری ریڈ لائن ہے۔بات اس پہ آجائے تو اعمال اور نتائج کی فکر نہیں کرتا میں۔''اسکے لہجے اور چہرے کی سنجیدگی برقرار رہی۔

''اور اسی لڑکی کو عدالتوں کے چکر میں رسوا کیا تم نے۔''

''عزت بھی میں ہی دوں گا۔''مصنوعی روشنی اسکے اندر کی سیاہی کو چھپانے میں ناکام رہی۔

''سزا کے بعد اسے واپس مجھ تک آنا ہے۔ہمارے درمیان مسائل تھے، ہیں اور رہیں گے آپ کی اور میری بات کر لیتے ہیں۔انیسہ کے نکاح کے متعلق جانتے تھے آپ؟''

مقصود خاموش رہے۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔چہرے کا رنگ ایک پل کو تبدیل ہوا۔

''اور اگر جانتے تھے تو مجھ سے مخفی رکھنے کی ایک وجہ بتا دیں۔''

''تمھیں اسکے متعلق بتا دیتا تو وہ اور اسکا باپ تمھیں زینیا اور مہدی کے نکاح کے متعلق بتا دیتے۔''

قیس کے دل کو دھکا لگا تھا۔یعنی وہ سب لوگ جانتے تھے، یعنی بس وہی لاعلم رہا؟ یعنی وہ کب سے سازشوں کے دھوئیں میں سانس لے رہا تھا؟

''کیا کرو گے تم اب؟ کیا کر سکتے ہو؟ مارنا چاہتے ہو مارو مجھے موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔''خوف تھا، موت کا بے حد خوف تھا مگر مقصود کمبیر کو دو سو فیصد یقین تھا خاندان کی موت قیس کمبیر کے لئے آج بھی ٹراما ہیں اور رہیں گی۔وہ سب کر سکتا ہے لیکن اپنے خاندان میں کسی کو مار نہیں سکتا۔انہیں دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔آج کل کس راہداری سے کونسی چھت اسکے اوپر گرے وہ اثر نہیں لیتا تھا۔

"جہاں چھوڑا ہے یہیں سے سلسلہ شروع کریں گے۔اوکے؟فلحال آپ آرام کریں۔"

وہ باہر نکل گیا۔دروازہ بند کر دیا۔کمبیر محل کی ہر دوسری تیسری دیوار پہ اس محل کے مکینوں کی تصاویر تھیں۔آج پہلی بار اس نے رک کر ایک بھی تصویر نہیں دیکھی تھی۔

آج تابوت میں آخری کیل ٹھونکا جا چکا تھا۔آج قیس کمبیر سارے کا سارا مسخ ہو گیا تھا۔

سفید کمرے میں آج پہلی بار کوئی رنگ مہمان بنا تھا۔وہ قرمزی رنگ تھا۔محبت جیسا قرمزی۔جفاؤں جیسا قرمزی۔اسی قرمزی سیال بڑی مقدار میں بہتا جا رہا تھا۔وہ کوئی شدید درد تھا جس سے اسے نیند سے جگا دیا تھا۔کئی لمحے وہ خالی الذہنی کے عالم میں یونہی اوندھے منہ پڑا رہا اور پھر اسے احساس ہوا وہ کیا کر چکا ہے۔تیزی سے اٹھ کر بیٹھنے پہ اسے معلوم ہوا یہ خون اسکے سینے سے رس رہا تھا۔اور یہ درد، کیوں ہر گزرتے لمحے شدید ہو رہا تھا۔مہدی کمبیر پہ ساتوں آسمان ایک ساتھ ٹوٹ کر گرے تھے۔اسکے زخم اچھا علاج نہ ملنے کی وجہ سوا بھی کچے تھے۔سونے پہ سہاگا وہ حسب عادت اوندھے منہ لیٹ گیا تھا اور اب وہی ہوا جس کا زرقون کو ڈر لگا رہتا تھا اسکے زخم ادھڑ چکے تھے اور ان سے کثیر تعداد میں خون رس رہا تھا۔اسکا سارا لباس سرخ ہو گیا تھا۔ایک ہتھیلی بھی خون میں بھیگی ہوئی تھی۔

اسے رونا چاہیے تھا۔درد سے کراہنا چاہیے اس خون سے ڈرنا چاہیے تھا مگر وہ ساکت نگاہوں سے خون کی اس ندی کو دیکھ رہا تھا۔خون کا وہ تالاب سمٹتا گیا یہاں تک کہ اسکی جگہ ایک تنگ پیندے والے برتن نے لے لی جس کے اندر سرخ مشروب تھا۔گلاس کے باہر پانی کے قطرے جمع تھے جو مشروب کے یخ ہونے کا پتہ دیتے تھے۔

اور اگر گلاس سے ذرا نظر اٹھا کر اوپر دیکھو تو سنہری آنکھوں والی لڑکی کے ماتھے پہ لکیروں کا جال تھا۔

"اب مجھ سے یہ مت کہیئے گا کہ آپ کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ٹھیک ہے ماضی برا تھا لیکن اب موو آن کریں ناں۔کیوں خود کو کسی کے ہاتھوں بے عزت کروانا۔"

"بے عزت کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟"اسکے سامنے بیٹھا مرد مسکرا کر بولا۔

لڑکی نے آنکھیں گھمائیں۔

''اوکے مان لیا جو ہوا وہ ہم دونوں کے ساتھ equally غلط تھا۔ لیکن تم میری حالت نہیں سمجھ سکتیں۔ میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا جو میری فیملی ہیں۔''

''فیملی وہ ہوتی ہے جو ہر فرد کو برابر رکھے ایک شاہ اور دوسرا گدا کیوں؟''

''ایک منٹ کہیں تمھیں مجھ سے محبت تو نہیں ہوئی؟ جب سے تمھیں یہ پتہ چلا کہ میں نے تمھیں تمھارے ظالم سابقہ منگیتر کے جال سے بچالیا؟'' وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھے آگے ہوا۔

''کبھی سوچا ہے میرے جیسا مرد کیسے مل گیا تمھیں؟''

''جی سوچا ہے اور مجھے پتہ چل گیا جس دن میرا آپ سے نکاح ہوا تھا اس دن میں نشے میں تھی۔''

''میری محبت کا نشہ؟'' وہ اسی انداز میں بولا۔

''شٹ اپ۔''

''جو حکم سرکار۔''

''مہدی میں سیریئس ہوں۔''

''میرا نام اتنا اچھا ہے یا تم سے سن کر لگ رہا ہے۔'' وہ اپنے سابقہ شوخ انداز میں بولا۔

اس نے سنجیدہ چہرے کے ساتھ مہدی کو دیکھا۔ وہ جو تپانے والی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا یکدم بے مزہ ہوا۔

''اب ایسے موڈ خراب کردو گی تو میرا کیا ہوگا؟ پہلے ہی اپنی زندگی کے اس پلاٹ ٹوئسٹ کے بعد میری یادداشت بڑی مشکل سے جگہ پہ آئی ہے۔''

''میں چاہتی ہوں آپ جو چیزیں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر بولتے ہیں انہیں اپنی زندگی پہ اپلائی کریں۔''

''میں کوشش کروں گا، میں نے کی تھی۔ہار گیا۔اب دوبارہ کروں گا اوکے؟''

گلاس غائب ہوا، وقت کے چکر بدلے اور سفید قید خانے میں وہ اپنے خون سے سرخ ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔وہ رنگ تھا چاہے اسکے جسم سے نکلا تھا چاہے جسم کو چیر کر نکلا تھا لیکن یہ رنگ تھا اس سفید قید خانے میں یہ واحد رنگ تھا۔اس نے دھیرے سے انگلی کے پوروں پہ اس خون کو چھوا۔اور آنکھوں کے قریب کیا۔اسکی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔رنگ دھندلا ہوا مگر اس نے آنکھیں رگڑ ڈالیں اور ایک بار پھر اس رنگ کو دیکھنے لگا۔گلے میں ایک گولہ سا اٹکا تھا۔اسکا دماغ حال سے منقطع ہونے لگا۔

''اچھا بتاؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' وہ اسکے خفا چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''میں کچھ نہیں چاہتی۔آپ نے مجھ سے مشورہ مانگا اور جب میں نے دیا تب آپ نے اسے مذاق میں اڑایا۔مجھے آپ کی کاؤنسلنگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''اچھا ناں بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''میں نے کہا بھاڑ میں جائیں۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنی کتاب چہرے کے آگے کرلی۔مہدی نے کرسی ہاتھ میں اٹھائی اور اسکے دائیں طرف آکر بیٹھ گیا۔معصومیت سے اسے دیکھا۔گویا کہہ رہا ہو آ گیا۔

''اور کوئی حکم، سرکار؟''

زینیا حاکم نے سلگ کر اسے دیکھا۔کچھ دن قبل تک جب وہ سچائی سے لاعلم تھا اپنے کمرے میں کھڑا رو رہا تھا تب اس کے لئے برا لگا تھا لیکن اس مہدی کا سر پھاڑنے کا دل کیا تھا۔

اس نے رخ موڑ لیا۔مہدی گہری سانس لے کر رہ گیا۔جب زینیا ہلکی آواز میں بولی۔

''لوگوں کا کارپٹ وہ بنتا ہے جو اپنے اصل سے بھاگتا ہے۔آپ بھاگ رہے ہیں۔

حالانکہ آپ اس ریس میں تھک چکے ہیں۔ وہ آپ کی فیملی ہے ٹھیک ہے لیکن ہر فیملی اس قابل نہیں ہوتی کہ انکی طرف سے ہر برا رویہ برداشت کیا جائے۔ دنیا کو سمجھنا ہو گا کہ ہر فیملی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ گلاس پہ انگلی پھیرتے ہوئے ایک پل کے لئے چپ ہو گئی۔

"میں نے ایک عرصہ خود کو کھڑا کیے رکھا کیونکہ مجھے لگا تھا یہی میرا اصل ہے لیکن نہیں۔

یہ غلط تھا۔ فیملی کے لئے بھی اتنا ہی کرنا چاہتا جتنی آپ کی استطاعت ہے۔ ورنہ انسان گر کر ٹوٹ جاتا ہے، اور ہر فیملی ایسی نہیں ہوتی کہ گرے ہوؤں کو اٹھائے۔"

"اور شروعات کہاں سے کروں؟ جہاں سے کی تھی وہاں تو میں بری طرح ٹوٹ کر گرا۔" اسے وہ لمحہ یاد آیا جب قیس ہسپتال میں تھا۔

"اپنی ذات سے۔" اس نے پلٹ کر مہدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رنگ اپنی ذات میں ڈھونڈیں دنیا میں نہیں۔ جتنا انسان خود سے بھاگتا ہے دنیا اسے اتنا پیچھے چھوڑ کر آتی ہے۔ یہ آنکھیں۔۔۔" اس نے مہدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔"

"میں اسے تمہارا اظہار محبت سمجھوں؟" وہ زیر لب مسکرایا۔

کیا تھا اس عورت میں، وہ جو لفظوں کے سحر سے لوگوں کو باندھ لیتا تھا وہ اس عورت کے سامنے مرید تھا۔ جو وہ کہے، سر تسلیم خم، انا قربان، ذہانت ایک طرف، دل تابعدار۔

" اپنی آنکھوں سے نفرت کرنا چھوڑ دیں یہ محض ایک رنگ ہے۔ یہ آپ کو آؤٹ کاسٹ نہیں بناتا۔ میری حفاظت کی فکر چھوڑ دیں۔ قیس کیا آدھی دنیا بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ آپ اپنی حفاظت کریں۔ آپ نہیں کریں گے تو کوئی نہیں کرے گا۔"

"تم بھی نہیں؟ ایک ناکام سی کوشش ہی کر لینا۔ میرا دل خوش ہو جائے گا۔"

زینیا نے موبائل کھولا۔ مہدی بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ اب مہدی کا انسٹا گرام اکاؤنٹ بلاک کر رہی تھی۔ وہ مزید زور سے ہنسا۔ فیسبک، واٹس ایپ اور نمبر سے اسے بلاک کرنے کے بعد اس نے کرسی کو چھوڑ دیا۔

''مجھے زندگی سے کیسے بلاک کریں گی سرکار؟ ایسا تو کوئی آپشن ہی نہیں آتا۔''

''سائنس ترقی کر رہی ہے، جلد ایسا آپشن آجائے گا۔''

''ایسی سائنس کو آگ لگا دوں گا میں۔''

وہ اسکے سرخ تپے ہوئے چہرے کو دیکھ مزید تپا گیا۔ وہ خوبصورت لگتی تھی جب مسکراتی تھی لیکن مہدی کو وہ تب زینیا حاکم لگتی تھی جب اسکا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا تھا۔

اسکا چہرہ غائب ہوا اور ایک اور مہدی کمبیر اس رنگین منظر سے ایک بار پھر اس سفید کمرے میں واپس آیا۔ خون اب بھی رس رہا تھا۔ اور درد بڑھتا جا رہا تھا۔

''زرقون۔۔۔'' وہ یونہی خون دیکھتے ہوئے چلایا۔ ''زرقون۔۔۔ میرے زخم کھل گئے ہیں۔۔۔ کہاں ہو تم؟''

کئی میل دور اسلام کی ایک اونچی عمارت کے سیکورٹی روم میں کھڑے براق کے آگے سکرینز تھیں اور ان سکرینز پہ وہی منظر تھا۔ سفید کمرہ، سرخ خون اور آنکھوں میں عجیب سی کیفیت لئے مہدی کمبیر۔ اس نے کانوں پہ لگے اسپیکر کے ساتھ رابطہ جوڑا۔ دوسری جانب کنٹینرز میں کپڑے رکھواتے زرقون کے کانوں میں اسکے الفاظ پڑے تو وہ چونکا۔

''میرا دوست تکلیف میں ہے، زرقون۔ تم اسکا خیال نہیں رکھ رہے۔''

''میں مصروف تھا باس، ابھی دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے قدم اندر کی طرف لینے لگا۔ اگلے چند منٹ میں وہ اس سفید کمرے کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اندر آکر ایک لمحے کے وہ خود بھی جامد ہوا۔ فرش پہ جابجا سرخ خون تھا۔ زرقون جس طرح آیا تھا اسی تیزی سے دروازہ بند کرتا باہر گیا۔ اگلی بار اسکے ساتھ دو لوگ بھی آئے تھے۔ خون سے پیر بچاتے، وہ تینوں لوگ اب اسے لٹا رہے تھے کسی نے اسکے جسم پہ موجود سفید لباس اتارا۔ مہدی نے اپنا خون سے سرخ سینہ دیکھا، وہ بھوری رنگت اس قید خانے کا دوسرا رنگ

تھا۔اسے جسم پہ کوئی مائع گرایا گیا، کوئی پٹی باندھی گئی، ٹانکے لگائے گئے۔ ہر کام اسکے ہوش میں ہوتے ہوئے کیا گیا۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد اسے ایک نیا سفید لباس دیا گیا۔ وہ جیسے کچھ سوچ اور دیکھ نہیں رہا تھا۔

"یہ سب صاف کرو یہاں سے۔" زرقون نے خون کی جانب اشارہ کرتے ناگواری سے کہا۔

"اسے رہنے دو پلیز اسے مت ہٹاؤ پلیز۔" زخمی مرد تیزی سے بولا۔

کانوں میں اسپیکر لگائے کھڑے براق نے اس منظر کو دیکھتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کیں۔ وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا؟

"اگر زیادہ ضرورت ہے تو ٹانکے کھول دیتا ہوں مزید خون نکل جانے دیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" زرقون نے اسکے بالوں سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا کیا۔ مہدی کے لہجے میں اسکی آنکھوں کے تاثر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

"پلیز۔۔۔اپنے باس سے کہو پلیز۔" وہ منت کرنے کے انداز میں بولا۔

"قیس سے کہو اسے یہیں رہنے دے پلیز۔"

زرقون کی آنکھوں میں کچھ ابھرا تھا۔ پبلک اسپیکر کی سبز زیرک آنکھوں نے فوراً اس تاثر کو پہچانا۔ اور دل ہی دل مسکرایا۔

اوہ گاڈ یہ تو بس ایک انسان تھا، محض ایک انسان۔ وہ اتنے دن ان انسانوں سے ڈرتا رہا؟ وہ انسان جو ایک تاثر تک کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ انسان جن کا چہرہ ہر شے کی گواہی دے دیتا ہے۔ وہ ان انسانوں سے ڈرتا رہا تھا؟

"وہ جو چاہتا ہے اسے کرنے دو۔" کان کے آلے میں براق حنیف کی آواز ابھری۔ زرقون دھیرے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اسکے انداز میں کچھ غیر آرام دہ سا تھا۔ جیسے مہدی کمبیر کی اداکاری کو بھانپ گیا ہو۔

"کیا تم مجھے ایک آئینہ دے سکتے ہو؟" اسے دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ مہدی نے پکارا۔ زرقون پلٹا۔ نگاہوں میں شک کی مقدار بڑھ گئی۔

"کیا کرو گے آئینے کا؟ اسے توڑ کر خودکشی؟"

اس نے نفی میں سر ہلا۔

''میں اپنی آنکھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''اس نے یہ نہیں کہا کہ میں خود کو بتانا چاہتا ہوں مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔اسے اب یہ بتانا چاہیے تھا۔

ڈی آئی جی آفس سے نکلتے ہوئے اسکے ماتھے پہ بلوں کا جال تھا۔چہرہ اچھا خاصا بے زار اور وہ خود کسی حد تک تھکا ہوا لگ رہا تھا۔اپنی چھوٹی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے گھر سے کال موصول ہوئی۔

''بھائی آپ کب تک گھر آئیں گے؟ہم کھانے پہ انتظار کریں۔''دوسری طرف اسکا چھوٹا بھائی تھا۔

''نہیں جو مرغ مسلم بنا ہے وہ سالم اپنے پیٹ میں اتار لو۔میرا انتظار کرنے کی زحمت مت کرو۔''تنک کر کہتے ہوئے اس نے گیئر بدلا۔

''لیکن ہم نے مرغ مسلم بنایا ہی نہیں۔''دوسری جانب کسی کو فکر لاحق ہوئی۔

''میرے باپ جو بھی بنا ہے چپ چاپ کھالے اور کھا کر سو جا۔میرا دماغ خراب کرنا بند کر دے۔''وریام بیگ نے کال کاٹ دی۔گاڑی سڑک پہ ڈالتے ہوئے اب وہ ڈیش بورڈ سے چھوٹا سا موبائل نکال کر آن کر رہا تھا۔کچھ وقت بعد وہ ملاقات کا وقت اور جگہ طے کر چکا تھا۔اتنے دنوں میں پہلی بار اسے اندازہ ہوا تھا کہ اسکی نوکری بھی جا سکتی ہے۔انکوائری جس انداز سے شروع ہوئی تھی وریام کے لئے جیسے زندان خانہ کھل گیا ہو۔وہ آج بھی بڑی ہی مشکل سے جواب دے کر آیا تھا۔

اگلی بار جہاں گاڑی رکی وہ ایک مصروف سی شاہراہ تھی۔سڑک کے دونوں اطراف کیفے،ریستورانز،کافی شاپس،آئس کریم پارلرز تھے۔وہ پچھلی سیٹ پہ پڑا مفلر اٹھا کر چہرے اور گردن کے گرد باندھتا باہر نکل آیا۔کیفے کی کونے والی میز پہ اسکی مہمان بیٹھی تھی۔

خاکی رنگ کے اوور کوٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ اور بال پشت پہ کھلے چھوڑ رکھے تھے۔وریام اسکے سامنے آکر بیٹھا۔انداز غیر آرامدہ اور چوکنا تھا۔

''اگلی بار ہم کسی پبلک پلیس پہ نہیں ملیں گے۔''وہ وارن کرنے کے انداز میں بولا۔

''پھر؟تمہارے ساتھ کسی خالی کوٹھی اور فیکٹری جانا ہوگا۔''شیزل تپ گئی۔

''تم کمفرٹیبل ہو تو شیور۔''

''مجھے کیوں بلایا ہے؟''اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وریام کے سر پہ لگی تلوں پہ بجھی۔اسکا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''جب مجھے کالز کر کر کے میرا مستقبل خطرے میں ڈال رہی تھیں تب سوچا تھا ایسا کیوں کر رہی ہو؟مجھے اندازہ ہو رہا ہے یہ نوکری میں کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔اس لئے مجھے صاف صاف بتاؤ تمھارے ایکس کا اس سب سے کیا تعلق ہے۔تاکہ یہ مسٹری جلد از جلد ختم ہو۔؟''

''تمھیں کس نے کہا یہ سب۔۔''وہ ایک لمحے کو رکی۔حلق تر کیا۔''براق نے کیا ہے۔''

وریام نے بغور اسکے تاثرات جانچے۔اسکی سیاہ آنکھوں میں ڈوبتی افسردگی دیکھی اور پھر اسے کسی کی آنکھوں کی چمک یاد آئی۔اس کھلے احاطے والے کیفے سے پرے اسے سلاخیں یاد آئیں اور ان سلاخوں کے پار کھڑی سنہری آنکھوں والی لڑکی۔

''قیس نے مہدی کا قتل نہیں کیا۔اس نے یہ سب کچھ اپنے حق میں استعمال کیا ہے۔''وہ وریام سے کہہ رہی تھی۔

''براق،قیس اور مہدی تینوں دوست ہیں۔براق نے ایک دو بار مجھے اور مہدی کو ساتھ دیکھا تھا اور وہ ہمارے نکاح کے متعلق بھی جانتا تھا۔اس نے مجھ سے جاننے کی کوشش کی۔اور انہی دنوں اسکی اور شیزل کی شادی تھی۔لیکن اسکے دوسری عورتوں کے ساتھ تعلقات تھے۔''وہ سانس لینے کو رکی۔

''براق کی شادی والے روز بھی وہ کسی اور عورت کے ساتھ تھا اور قیس نے تصاویر لے لی تھیں۔اس سے چند دن قبل بھی وہ انہی قسم کی سرگرمیوں میں ملوث رہا تھا۔اور مہدی کے پاس اسکی تصاویر بھی تھیں۔''

''کافی رنگین مزاج آدمی ہے یہ،براق۔''وریام نے تبصرہ کیا۔

''جب اسے پتہ چلا قیس نے اسے تصاویر بھیجی ہیں تب اس نے بہت فساد پھیلایا تھا۔لیکن اسے مہدی کے متعلق نہیں پتہ تھا۔اب شاید پتہ لگ گیا ہو اور۔۔۔''

''کم آن۔'' وہ بے زاری سے پیچھے ہوا۔

''براق قیسم ٹیکسٹائل کا سب سے بڑا شراکت دار ہے۔ کم از کم ایک لڑکی کے لئے وہ یہ سب نہیں کر سکتا۔ اتنا بڑا کاروبار وہ اس طرح ایک لڑکی کے لئے گھاٹے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''اسکی ماں عرب تھی۔ اور اسکا باپ پاکستانی۔ لیکن کوئی نہیں جانتا وہ کون تھا۔'' اب یہ خبر قابل غور تھی۔

وریام سیدھا ہو بیٹھا۔

''اب میں براق کا باپ ڈھونڈنے نکل جاؤں؟''

''لنک ڈھونڈنے۔'' زینیا نے تصیح کی۔

''ایسے قتل یونہی بیٹھے بیٹھے پلان نہیں ہوتے۔ تم شیزل سے ملو۔ وہ تمہاری مدد کرے گی۔ وہ براق کو اسکے اسکول کے زمانے سے جانتی ہے۔''

''میں براق کو اسکے اسکول کے زمانے سے جانتی ہوں۔'' حال میں وہ گود میں دھرے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وریام حال میں واپس آ چکا تھا۔

''لیکن اس نے اپنے خاندان کے بارے میں زیادہ کچھ بتایا نہیں تھا۔ اسکی ممی کا قتل ہوا تھا گھر میں ڈاکو گھس آئی تھے شاید۔ لیکن rumors تھے کہ اسکی ممی کو براق کے والد کے خاندان نے قتل کروایا تھا۔ کیونکہ وہ اپنا حصہ چاہتی تھیں۔ یہ اسکول کے بعد کا قصہ ہے تب تو میری جاب بھی ہو گئی تھی اور قیسم بھی بن گیا تھا۔''

''تمہاری جرات کو سلام ہے کہ تم پھر بھی ایسے قاتل خاندان کی اکلوتی بہو بننے پہ راضی ہو گئیں۔''

''میری برداشت کو بھی سلام کرو جو میں اس وقت تمہارے منہ سے زہر نکلتا ہوا سن رہی ہوں پھر بھی خاموش ہوں۔''

''شاید اس لیے کیونکہ تمہارے زہر کی فیکٹری میں مائع کی کمی ہو گئی ہے۔''

''یا تو تم مجھ سے کام کروالو یا پھر زبان کے جوہر دکھوالو۔'' وہ بازو سینے پہ باندھ کر سنجیدہ نظر آتی تھی۔ وریام نے اسے دیکھا اور کام نکلوانے کا سوچا۔

''دیکھو، مس شیزل۔ تم اسے بچپن سے جانتی ہو۔ اس طرح تم اسکے دوستوں کو بھی جانتی ہو گی۔ تمھارے اور اسکے باہمی دوست بھی ہوں گے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں اگر براق نے یہ قتل کیا تو کیوں؟ اور اسکے لئے یہ جاننا ضروری ہے اسکا خاندان کون تھا۔''

''میں پتہ کرواتی ہوں۔ لیکن مجھ سے زیادہ تعلقات تمھارے ہوں گے۔ براق کی ماں سعودیہ سے پاکستان آئی تھیں۔ ان دنوں میں وہ کس سے ملتی تھیں یہ پتہ کروانا اتنا مشکل تو نہیں ہو گا۔''

''شناساؤں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ بیٹا ماں پہ ہی گیا ہے۔'' وریام بڑبڑایا۔

شیزل چپ چاپ اپنی سابقہ ساس کے قصے سنتی رہی۔

''میں قیس سے مل کر پتہ کرواؤں گی۔ انکار نہیں کرے گا وہ۔''

''بڑی گہری دوستی ہے؟'' طنزیہ لہجہ۔ ''اسے اس سب میں شامل مت کرو۔ میں نے براق سے ملنے والوں کا پتہ کروایا ہے۔ وہاں سے ایک تصویر ملی ہے اگر تم اسے جانتی ہو تو۔'' اس نے موبائل کھول کر ایک تصویر شیزل کو دکھائی۔ شیزل اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے کو ہوئی۔

''یہ تو ریحان ہے۔ براق کے بچپن کا دوست۔ لیکن اسکی فیملی وغیرہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے آس پاس ایک نگاہ ڈالی پھر تھوڑا سا آگے کو ہوئی۔

''جدی پشتی اسمگلرز ہیں۔ آج کل ریحان ہی سب سنبھال رہا ہے۔ اسلحے کی غیر قانونی اسمگلنگ ان پہ ختم ہے۔ اسکے تعلقات بھی پورے ملک میں ہیں۔'' اچھنبے سے کہتے ہوئے وہ رکی۔ ''لیکن براق اور اسکی ملاقاتیں عام نہیں ہوتیں۔ دو بدن ایک جان ہیں یہ۔''

وریام کا دل سارے میں پہلی بار ہلکا ہوا۔

''مل گیا کلیو یعنی براق کہیں نہ کہیں اس سب میں شامل ضرور ہے۔ کیونکہ یہ آدمی آج کل کچھ زیادہ ہی قریب رہتا ہے اسکے۔''

''تم تو پولیس میں ریحان کے بارے میں کیسے نہیں جانتے؟''

''میں اسکے متعلق سب جانتا ہوں اسکا اور براق کا تعلق جاننا تھا۔ کیونکہ ریحان یونہی کسی کی مدد نہیں کرتا۔''

شیزل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''براق، ریحان اور وقار تین دوست ہوا کرتے تھے۔'' وریام بری طرح چونکا۔ ''وقار احمد نام تھا۔ شاید۔''

''وقار احمد آفندی؟''

''مجھے سرنیم نہیں یاد۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ وریام نے موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے تیزی سے ایک تصویر کھولی اور اسکے آگے کی۔

''اسے دیکھو، یہ وہی وقار ہے کیا؟'' پولیس وردی میں ملبوس وقار تصویر میں مسکرا رہا تھا۔

''مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آرہا۔'' شیزل نے غور سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے اپنا موبائل نکال کر وریام کے موبائل کی سکرین کی تصویر لی اور واٹس ایپ پہ کسی کو بھیجی۔ ساتھ ایک وائس نوٹ بھیجا۔

''اسکو دیکھو یہ وہی ہے ناں جو ہمارے ساتھ اسکول میں تھا۔ براق اور ریحان کا دوست۔ اسکا سرنیم آفندی ہے کیا؟''

میسج بھیج کر وہ جواب کا انتظار کرنے لگی۔ وریام کو اپنے بدترین شبہات سچ ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ اسی پل پیغام کی گھنٹی بجی۔

''وہی ہے۔ دو مہینے پہلے اسکی شادی ہوئی تھی ناں؟ اور ہاں اسکا سرنیم آفندی ہے۔'' وریام کے لبوں سے ایک سرد آہ خارج ہوئی۔ اسکے دل کے خدشے وہم نہیں تھے۔ موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتے وہ اٹھا تھا۔

''اگلی بار کب اور کہاں ملنا ہے میں بتادوں گا۔'' وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہوئے اسکا چہرہ پر سوچ تھا۔

''کراچی پاکستان۔''

عالم نواب کے اس ٹرپل سٹوری گھر میں سکوت قائم تھا۔ اوپر چھت پہ لکڑی کے اسٹول پہ بشر حاکم بیٹھا تھا۔ اسکی دائیں طرف ضیغم اور عین سامنے حاکم نواب بیٹھے تھے۔ بیٹے کو غور سے دیکھتے ہوئے۔ کئی دنوں کے عدالتی چکر اور تھانے کی خواریوں کے بعد وہ بلاخر اس سے وہ سوال کر رہے تھے جو انہیں بے چین کیے ہوئے تھا۔

''زینی کہاں ہے، بشر؟''

بار بار کسی نمبر کو ڈائل کرتے بشر کی انگلیاں تھم گئیں۔ اس نے گلابی پڑتی آنکھوں سے اپنے باپ کو دیکھا۔

''یہ سوال کرنے کا حق کھو چکے ہیں آپ۔ جب اسے پٹنے اور مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا تو اب اسے بھول جائیں۔'' اسکے لہجے میں تلخی تھی۔

''میں اسے سزا نہ دیتا تو یہیں کھڑے کھڑے مار دیتے اسے۔ میں نے اسے بچایا ہے۔ تم نہیں سمجھو گے۔''

''آپ بھی نہیں سمجھیں گے، ابا۔'' بشر چیخ پڑا۔ اتنے دنوں کا اضطراب حلق سے باہر آیا۔

''میں اسے کیسے، کس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں آپ نہیں سمجھ سکتے۔ وحید صاحب کے فون نہیں لگ رہے۔ پتہ نہیں وہ اس شہر کے کونسے حصے میں کس حالت میں ہو گی مجھے کچھ نہیں پتہ۔ وہ میری بہن ہے اور میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔ اس سے بڑی تکلیف کیا ہے؟ آپ سمجھ سکتے ہیں مجھے۔ اسکا بازو زخمی تھا اب پتہ نہیں کیسا ہو گا؟''

''پھر اسے بھیجا کیوں تھا؟'' مدھم لہجے اور مستحکم انداز میں پوچھنے والا ضیغم یوسف میر تھا۔

''شاید تم اندھے تھے ورنہ تمھیں نظر آجاتا کہ میں نے اسے اسکی حفاظت کے لئے بھیجا تھا۔''

''حفاظت قریب رکھ کر کی جاتی ہے۔ گھر کی بہو بیٹی کو گھر کے کے باہر نکالنا حفاظت نہیں ہوتی۔ اگر تم اتنے دلیر اور غیرت مند تھے تو اسے اپنی نظروں سے نہ دور کرتے سچ یہی ہے کہ تم اسکی وجہ سے شرمندہ تھے لیکن تمھارے دل میں اسکے لئے محبت بھی تھی اس لئے تم نے اسے دور بھیج دیا۔ اور اب بھگتو۔''

''تم ہمارے گھر کے معاملات سے دور رہا کرو۔'' وہ بپھر گیا۔

''اسی کیس میں مجھ پہ دو ایف آئی آر ہیں، یونیورسٹی سے ایکسپیل ہو چکا ہوں۔ میرے دوست مجھے قاتل سمجھتے ہیں اس لحاظ سے یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ اور اس گھر سے بھی میرے بڑے تعلقات ہیں۔ یاد دلواؤں۔'' وہ دونوں آپس میں بھڑ پڑے تھے۔ جب حاکم نے حتمی لہجے میں رائے دی۔

''ہم ابھی وحید سے ملنے جا رہے ہیں۔ اس نے زینی کو کہاں کس جگہ رکھا ہے اتنا تو بتا ہی سکتا ہے۔''

بشریٰ نے گہری سانس لی۔ اور اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ ''اب یہ آپ کا معاملہ نہیں ہے۔ وہ میری بہن ہے اس سے صرف میرا تعلق ہے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے۔ میری بہن سے دور رہیں۔''

''مت بھولو میں تمہارا باپ ہوں۔ جس اونچے لہجے میں تم مجھ سے بات کر رہے ہو حلق سے زبان کھینچ سکتا ہوں تمہاری۔'' وہ چیخے چلائے نہیں بس سپاٹ انداز میں تنبیہہ کی۔

بشریٰ نے اگلے الفاظ اپنے منہ میں ہی روک لیے۔ ضیغم کو اشارہ کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ حاکم کے لئے واضح اشارہ تھا کہ وہ انکے ساتھ نہیں جا رہے۔ اولاد قد سے بڑی ہو جائے تو والدین صبر کے گھونٹ پی ہی لیتے ہیں۔

گاڑی کراچی کی سڑکوں پہ رواں دواں تھی۔ وہ غلطی سے بھی پورٹ کی طرف نہیں گیا اور ان سمز سے تو کال بلکل نہیں کی جو اسکے نام پہ رجسٹرڈ تھیں۔ ایک عام سا شہری بیٹھے بٹھائے کرمنل ہو گیا تھا۔

گاڑی جہاں رکی وہ لیاری کا علاقہ تھا۔ لیاری ٹیلنٹ کا گڑھ ہے۔ اصل کراچی، اور کراچی کا اصل۔ یہاں کے لوگ کئی دہائیوں سے اس علاقے میں مقیم ہیں۔ لہجے، رکھ رکھاؤ آج بھی وہی جیسا کوئی نصف صدی قبل۔ لیاری قدرے خستہ حال ہے۔ ایسی ہی خستہ حال گلیوں کو پار کرتے ایک چھوٹے سے ڈھابے کی طرف آؤ تو وہاں سفید داڑھی والا عبدل وحید اپنے سامنے بیٹھے کسی آدمی سے

مسکراتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ بشر نے احتیاطاً اپنے آس پاس دیکھا۔ جب تسلی ہو گئی وہاں کوئی مشکوک انسان نہیں ہے تب وہ وحید کے سامنے چلا آیا۔ اور انکے سامنے آ کر بیٹھا۔

''کیسے ہو بچہ؟'' انہوں نے بشر کا کندھا تھپکتے ہوئے پوچھا۔

''ایک بھائی جس کی بہن دربدر ہو رہی ہو وہ کیسا ہو سکتا ہے؟''

''اختر چار کٹنگ لاؤ۔'' وحید نے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ لڑکے نے سر ہلا دیا۔ پھر بشر کو دیکھا۔ ''وہ بلکل ٹھیک ہے۔ اسکا زخم بھی بہتر ہو رہا ہے۔ تم اسکی فکر مت کرو۔''

بشر کے دل کو تقویت ملی تھی۔ ''مجھے اس سے ملنا ہے۔ یا بس میری بات کروا دیں۔ اسکی فکر کرنا چھوڑ نہیں سکتا۔''

ضیغم اس سارے وقت میں خاموش رہا تھا۔ اسے کچھ کھٹک رہا تھا۔ یوں جیسے ابھی کچھ ہونے والا تھا۔

''لیکن تم اس سے کیوں بات کرنا چاہتے ہو؟ تم نے اسے میرے حوالے کیا تھا۔ اسکی حفاظت اب میرے ذمے ہے۔'' لڑکے نے چالا کر رکھی۔ بشر کچھ سمجھ نہیں سکا۔ لڑکا چلا گیا تو وحید نے انہی نرم نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ زینیا حاکم نہیں رہی وہ زوہرا متین ہے اب اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اب میرا ذمہ ہے۔''

بشر کو یوں لگا تھا جیسے انہوں نے کوئی مذاق کیا ہو۔ اسکی رنگت تبدیل ہونے لگی۔

''میری بہن ہے وہ نام بدل لینے سے اسکی پہچان نہیں بدل جائے گی۔ اور آپ۔۔۔ آپ مجھے ڈبل کراس نہیں کر سکتے ہیں۔'' وہ بے یقینی سے چلایا۔

''اور اگر میں کر دوں تو؟''

''میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ غرایا۔ اسکی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔ وہ پاگل ہونے کے درپے تھا۔

''وہ میری بہن ہے آپ ایسے کیسے اسے کہیں بھیج سکتے ہیں۔ مجھے ابھی کے ابھی جاننا ہے وہ کہاں ہے۔ مجھے وہ واپس چاہیے میں نے صرف ابا کے کہنے پہ آپ پہ بھروسہ کیا تھا۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ بس وحید اللہ کا ایک اشارہ، اور بشر حاکم یہاں سے اپنے قدموں پہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ مگر وہ مرد بے حد تحمل کے ساتھ اسے سن رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ غصے اور طیش کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"دیکھیں میری بات سنیں۔ آپ سمجھ نہیں رہے۔ اگر آپ کو پیسہ چاہیے میں پیسہ دے سکتا ہوں۔ آپ کو کچھ اور چاہیے میں سب دے سکتا ہوں لیکن وہ بہن ہے میری آپ اس طرح اسے غائب نہیں کر سکتے۔ وہ جہاں بھی ہے آج نہیں تو کل مجھے اسکے پاس جانا ہے۔"

"تم یہ چاہتے ہو، تم وہ چاہتے ہو لیکن تم نے یہ سوچا ہے وہ کیا چاہتی ہے؟ اب وہ تم سب سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتی جانتے ہو کیوں؟" وہ آگے کو ہوئے بشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "کیونکہ وہ کہتی ہے غیرت مند بھائی بہنوں کی حفاظت کرنے کے لئے انہیں گھر کے باہر نہیں کھڑا کرتے اور جو کر دیں وہ غیرت مند نہیں ہوتے۔ وہ باپ، باپ نہیں ہوتے جو اپنی بیٹیوں کی حفاظت نہ کر سکیں۔"

بشر دھیرے سے واپس بیٹھ گیا۔

"میرا طریقہ غلط ہو سکتا ہے نیت نہیں۔ آپ میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے میں نے آپ پہ بھروسہ کیا تھا۔" اسکے پاس دلیلوں کی قلت پڑ گئی۔

"اول تو تم نے مجھ پہ نہیں اپنے باپ پہ بھروسہ کیا تھا اور دوئم اگر تم نے مجھ پہ بھی بھروسہ کیا تھا تو صرف اس بات کا کہ میں اسے ایک محفوظ مقام پہ لے آؤں گا۔ میں لے آیا۔ اب تم مجھ سے گلا نہیں کر سکتے۔ تمہاری اپنی بہن کو تم پہ کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

بشر کئی لمحے دم سادھے انہیں دیکھے گیا۔ اسکی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"آپ میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے، زینی میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتی۔" اسکی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ پھر یکدم اس میں طیش اتر آیا۔

"میں آپ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا آپ میری بہن کو ایسے کیسے غائب کر سکتے ہیں۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا آپ کو۔" وہ غرانے لگا تھا۔ جونہی اس نے وحید اللہ کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا کئی لوگوں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔

''یہ آدمی دوبارہ لیاری میں نظر نہیں آنا چاہیے۔''انہوں نے حکم صادر کیا۔اور لوگ اسے گھسیٹ کر لے کر جا رہے تھے۔ وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا۔ بشر حاکم زندہ در گور کیا جا چکا تھا۔ وہ پولیس میں نہیں جا سکتا تھا وہ اپنے مضبوط خاندان کو اس سب میں انوالو نہیں کر سکتا تھا وہ اب کس غیرت سے کس منہ سے اپنے باپ کو غلط کہے گا؟

اسے گھسیٹ کر کب گاڑی میں لا کر پھینکا گیا۔ کب گاڑی چلی اور کب وہ گھر واپس آیا ہر شے سلو موشن میں ہوئی تھی۔ کچھ بھی پراسیس کرنا اسکے بس میں نہیں تھا۔ گھر آنے پہ جو پہلا چہرہ اس نے دیکھا وہ حاکم نواب کا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ بشر کی نگاہیں جھک گئیں۔ سینے کی جلن کا قصہ پھر سہی۔

''کیسی ہے وہ؟'' تین حرفی سوال۔ بشر شرمساری سے گردن تک نہ اٹھا سکا۔

''زندہ لیکن ہمارے لئے مر گئی۔ آپ دونوں کی غیرت نے اسے مار دیا ہے۔'' ضیغم نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔ صحن میں اب دو مرد رہ گئے۔ دونوں کے دلوں میں پچھتاوے ہی پچھتاوے رہ گئے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خالی ہاتھ تھے۔

''آپ اس سفر کے لئے ایکسائٹڈ تو ہیں ناں؟'' اسلام آباد کی سڑکوں پہ قیس کمبیر کی سیاہ رینج روور کے اندر جھانک کر دیکھو تو وہ پچھلی نشست پہ بیٹھے مقصود کمبیر سے پوچھ رہا تھا۔ اگلی نشست پہ ایزل بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے مارنا تھا تو تم یہ کام گھر پہ بھی کر سکتے تھے۔'' انہیں میرہ سے سخت اختلاف تھے مگر اسکی بیٹی کے ذہن پہ کوئی برا اثر پڑے یہ وہ نہیں چاہتے تھے اس لئے بلوچی زبان میں کہا۔

''جانتے تو ہیں آپ مار نہیں سکتا آپ کو۔ بلکہ اپنے پورے خاندان کو نہیں۔ موت سے ڈر لگتا ہے مجھے۔'' اس نے اپنے تئیں بڑے پتے کی بات بتائی۔ پھر اگلی نشست پہ گلابی فراک میں ملبوس بالوں کی دو چٹیا بنا کر بیٹھی ایزل کو دیکھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے ہی جھک کر اسکے گال چومے۔ بچی کھلکھلائی۔

''میں نے تمھیں ایک گیم کا بتایا تھا ناں؟ اب اس میں انکل کی سزا شروع۔'' اب کے اس نے ایزل سے کہا۔

"میں تمہاری کسی سزا سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ جانتا ہوں خود نہیں مارو گے تو کسی سے مروا دو گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، عبداللہ وقت کروٹ لیتا ہے اور پھر ہر فرعون اسکی کروٹ تلے دب جاتا ہے۔"

"میں کیا کروں پھر؟ جب آپ سب لوگ مل کر مجھے ہرٹ کریں گے تو مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا ورنہ دنیا کیا سمجھے گی، کمزور مرد ہے اپنے گھر والوں کے خلاف نہیں جا سکتا۔" اس نے ٹریفک کی وجہ سے گاڑی روک دی۔ پیچھے مڑ کر مقصود کو دیکھا۔

"آپ بتائیں کیا میرے پاس کوئی آپشن ہے۔ کسی ملازم کی طرح آپ کے کھانے، دوا، صحت کا خیال رکھا۔ معذور تھے آپ لیکن ساتھ رکھا۔ آپ نے بدلے میں کیا دیا؟ اس سبز آنکھوں والے کو فیورز؟"

"اس سے ہماری نفرت مشترکہ ہے۔ میں نے جو کچھ کیا زینیا کے لئے کیا اور اگر دوبارہ موقع ملا تو دوبارہ یہی کروں گا۔"

زینیا کے نام پہ قیس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ پٹھوں میں کھنچاؤ اترا۔ دل میں کہیں ابال اور درد ایک ساتھ اٹھے۔ وہ کہاں اور کیسی ہو گی، بے اختیار اس ایک سوال نے اسے کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا؟

"اس نے میری ایفرٹس کی قدر نہیں کی پھر آپ کس خوش فہمی میں ہیں؟" اس نے سر جھٹکا۔

"وہ کہاں ہے، عبداللہ؟ تم نے اسے کہاں بھیجا ہے؟"

"یہ سوال میرا دل روز مجھ سے کرتا ہے۔ جواب کہیں سے نہیں آ رہا۔ اسے دنیا نے مجھ سے دور کر دیا ہے۔" اسے سوچ کر ہی تکلیف ہوئی۔ مقصود نے جواب میں کچھ کہا قیس خاموش رہا۔

اس نے ایک پرانی مگر مضبوط عمارت کے سامنے گاڑی روکی۔ اور اپنی طرف سے اتر آیا۔ اسکے پیچھے اسکے گارڈز کی گاڑی رکی اور اس سے تین چار لوگ برق رفتاری سے نیچے اترے، مقصود کمبیر کو گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اتار کر وہیل چیئر پہ بٹھایا۔ جسے اب قیس تھام رہا تھا۔ وہ یونہی انکی وہیل چیئر تھامے اندر داخل ہوا۔ اسکے لئے دروازے وا کیے گئے۔ ایزل انکی دائیں طرف چل رہی تھی۔

مقصود چپ چاپ اپنے اطراف میں دیکھ رہے تھے۔ انکی عمر کے بلکہ ان سے زیادہ ضعیف مرد و عورتیں آس پاس اسٹک کے سہارے، چلتے نظر آ رہے تھے۔ انکی آنکھیں انتظار میں ڈوبی تھیں۔ چہرے مفلس حال۔

''عبداللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''مقصود نے متوقع خوف کے پیش نظر اسے پکارا۔ وہ انہیں نہیں سن رہا تھا۔

''بادشاہت کا شوق تھا ناں آپ کو؟ ہر معاملے میں آپ کو اپنے فیصلے صادر کرنے کے شوق تھے۔''

''عبداللہ میں۔۔۔ عبداللہ۔۔۔''انکے برف چہرے پہ تاثر تھے۔ خوف کے تاثر۔

''بہت سمجھایا تھا آپ کو بادشاہ میں ہوں۔ فیصلے میرے ہوں گے۔ یہ میرا محل ہے لیکن آپ کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔''

''عبداللہ یہ مت کرنا یہ مت کرنا میں۔۔۔''

''میں نہیں مار سکتا اپنے خاندان کو یہ سچ ہے۔ میں زندہ رہنے جیسا بھی نہیں چھوڑوں گا یہ آپ بھول گئے تھے۔''

''تم مجھے ماردو، عبداللہ یہ مت کرنا۔۔۔ مجھے ماردو۔''

''آج سے آپ یہیں رہیں گے جہاں آپ کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔ کوئی بادشاہت نہیں، آج سے آپ بھی ایک غلام، ایک قابل ترس انسان کی زندگی گزاریں گے۔ سوچا ہے کبھی وہ لاکھوں روپے کے لباس، جوتے، دوائی، کھانے ان سب کے بغیر کیسے رہیں گے آپ؟''

''عبداللہ نہیں۔۔۔''انکی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ ''یہ نہیں کرو پلیز مجھے ماردو میں میں یہاں نہیں رہ سکتا۔''

گھاس کے اس وسیع قطعے پہ اپنی طرف چل کر آتی عورت کو دیکھ وہ مسکرایا۔ وہ قریب آکر رکی۔ قیس ہنوز مسکراتا رہا۔

''میں انہیں آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ غلط نہیں کر رہا ہے ناں؟''

''بلکل نہیں۔''عورت مسکرائی۔ ''آپ بے فکر ہو جائیں کمبیر صاحب آگے کا کام ہمارا ہے۔''

قیس نے سر کو خم دیا اور ایک نظر مقصود پہ ڈالی۔ وہ ابھی تک نفی میں سر ہلا رہے تھے انکا چہرہ گیلا تھا۔ آنکھیں خوف زدہ۔

''آپ یہی ڈیزرو کرتے تھے۔۔''دھیرے سے کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ وہ اسے عقب سے پکار رہے تھے۔ واسطے دے رہے تھے۔ خود کو مار دینے کی درخواست کر رہے تھے مگر وہ کان لپیٹے جا رہا تھا۔ کسی آواز سے اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ آواز جو اسکے لئے

رزق جیسی تھی اسے دور کرنے کے لئے اتنا حساب تو بنتا تھا۔ انکی چیخ وپکار پہ کوئی دھیان نہیں دے رہا تھا۔ یہاں تو آئے روز ایسا ہوتا تھا کوئی نہ کوئی اپنے بوڑھے والدین کو یہاں لا کر چھوڑ جایا کرتا تھا۔

واپس گاڑی تک آتے ہوئے اسکا چہرہ سپاٹ ہو گیا تھا۔ اس نے ایزل سے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی سٹارٹ کی۔ کئی سڑکیں ٹاپ کر، کئی شاہراہیں عبور کرتے ہوئے اب جہاں گاڑی نے اپنے چلتے ٹائرز کو راحت دی وہ مقام ایئرپورٹ کا تھا۔ وہاں ڈھیر سارے لوگ تھے۔ قیس نے ڈیش بورڈ پہ پڑی پی کیپ اٹھا کر ماتھے پہ درست کی۔

''میں نے تمھیں بتایا تھاناں ممی کی سزا شروع ہو گئی ہے؟'' ایزل کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

''اب تم اس گیم میں میری طرف سے warrior ہو۔ اوکے؟ میں تمھیں کہیں بھیجوں گا اور پھر کچھ وقت بعد لے آؤں گا لیکن میں جب تک نہ آؤں تم وہیں رہو گی۔''

''کیونکہ میں آپ کی warrior ہوں؟'' سبز آنکھوں والی بچی نے اشتیاق سے پوچھا۔ قیس نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ قیس گاڑی سے اتر آیا۔ پھر ایزل کی طرف سے آ کر دروازہ کھولا اور اسے گود میں بھر لیا۔ چند پل بعد وہ احاطے کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔ جہاں سامنے محب مالک کھڑا تھا۔ وہ ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی خوش شکل چہرہ، وہی غرور و تمکنت۔ چہرے پہ وہی کرختگی۔ قیس اسکے قریب آ کر رکا۔ محب نے تیزی سے ایزل کو اس سے لینا چاہا اسکے انداز میں تڑپ تھی۔

''میری بیٹی۔۔ میری بچی۔''

''اگر اسے ذرا سی بھی تکلیف پہنچی میں تمہارے سارے خاندان کو تباہ کر سکتا ہوں۔''

''وہ میری بیٹی ہے میں اسے تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے ایک بار پھر ایزل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ پیچھے ہو کر قیس کی گردن میں منہ چھپا گئی۔ اسکی کالر پہ ایزل کے ننھے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ قیس کے دل پہ کوئی خنجر چل گیا۔ اس نے ایزل کو نیچے اتارا اور خود گھٹنوں کے بل اسکے قریب آ کر بیٹھا۔

''تم warrior ہو۔ تم یہ کر سکتی ہو۔ بس کچھ دن کے لئے تمھیں ڈیڈی کے پاس رہنا ہو گا اوکے؟''

''مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔'' بچی نے دھیرے سے کہا۔اسکی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

''میں تمھیں بچانے آجاؤں گا۔جب تم چاہو گی تب اوکے ؟'' اس نے ایزل کو قریب کر کے اسے گلے سے لگایا۔ ''میں تمھارے لئے ہر دفع آجاؤں گا۔اوکے ؟''

گو کہ ایزل کی تشفی نہیں ہوئی مگر اس نے رندھی ہوئی آواز میں ''**اوکے**'' کہا تھا۔ قیس کئی لمحے اسے سینے میں بھینچے کھڑا رہا۔اسکے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔وہ بچی اس پہ اعتبار کرتی تھی۔وہ یہ صلہ دے رہا تھا؟ بچوں کو تو جنگ میں بھی بخش دیا جاتا تھا یہ کیسا انتقام تھا جس میں صحیح غلط سب پس منظر میں چلا گیا تھا۔

''ہمیں نکلنا ہوگا، قیس۔'' محب کی آواز پہ اس نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔ایزل کو خود سے الگ کیا۔ہاتھ سے اسکے بال ٹھیک کیے۔پھر اسکے رخساروں پہ بوسہ دیا۔اور اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔یہ ہاتھ چھوڑنا اسکے دل سے سانس کے ساتھ چھوڑنے جیسا تھا۔پھر وہ اس سے الگ ہوا۔محب نے جھک کر ایزل کو اٹھالیا۔اور قیس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے قیس نے نہیں تھاما۔وہ بچی کو لئے پلٹ رہا تھا بچی بار بار مڑ مڑ کر اسے تک رہی تھی۔اسکی آنکھوں میں امید سی تھی جو ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔

اور پھر وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ قیس کو اپنا دل خالی ہوتا محسوس ہوا۔کیا وہ کبھی اسے دوبارہ دیکھ پائے گا؟ کیا اس نے بہت غلط کر دیا؟

تھوڑی دیر بعد اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ ان میڈیکل رپورٹس کو دیکھ رہا تھا جو محب نے اپنے سوشل میڈیا پہ اپلوڈ کی تھیں۔جن میں واضح تھا کہ میرہ ذہنی امراض کی شکار رہی ہے۔یہ ان دنوں ہوا تھا جب وہ دوسری دفع کنسیو کرنے لگی تھی مگر کوئی نہیں جاننا چاہتا تھا کیوں ؟

ساتھ ایک ویڈیو تھی جس میں میرہ بری طرح ایزل پہ چیخ چلا رہی تھی۔یہ مہدی کے قتل کے دن کی ویڈیو تھی۔وہ پریشان اور ڈیپریسڈ تھی۔آخر میں چند تصاویر تھیں جن میں ایزل محب کے ساتھ خوش تھی۔یہ سب فراہم اور وائرل کرنے والا قیس کمبیر ہی تھا۔محب اب ایک ہیرو تھا۔جو اپنی بیٹی کو بچا کر اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔وہ اسکے ساتھ جانے پہ رضامند تھی۔سوشل میڈیا اسکا طرف دار تھا۔

کورٹ کچہری کے چکر دیکھے جانے تھے فلحال جو ہو رہا تھا وہ ایک ماں کی بربادی تھی۔ گاڑی کی عقبی نشست پہ بیٹھا قیس کمبیر صرف ایک ہی سطر دہرا رہا تھا۔

''جو مجھے ہرٹ کرے گا، میں اسے ہرٹ کروں گا۔ یہی اصول تھا، ہے اور رہے گا۔''

مغرب باسی ہو چکی تھی۔ آسمان پہ نارنجی روشنی اب سیاہی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ وہ چھوٹے سے اسٹول پہ بیٹھی دور خلاؤں میں دیکھ رہی۔ نہ اس شہر میں دل نہ لگنا تھا نہ لگ رہا تھا۔ وہ سارا سارا دن گھر کے اس ایک کمرے میں بند رہتی۔ وجیہہ اور اسکے بچوں کا شور و غل سنتی رہتی۔ رات میں جب نیما آتی تب وہ اسکے ساتھ چپ چاپ بیٹھ جاتی۔ نیما بولتی رہتی۔ کبھی غصے سے اسے جھڑکتی، کبھی نرمی سے سمجھاتی، اور کبھی اسکا ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر لاتی اور چھت پہ بند کر دیتی۔ شروع شروع میں وہ ڈرتی تھی۔ اب وہ عادی ہونے لگی تھی۔ وہ اب ساری بحث کے دوران یہ انتظار کرتی کہ کب نیما اسے چھت پہ بند کرے گی؟

نیما ایک یا ڈیڑھ دن سے زیادہ اسے بند نہیں رکھ سکتی تھی۔ اتنا زنیا جان گئی تھی۔ اور اب ڈھٹائی کا عالم یہ تھا کہ اسے کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا وہ محض دن گن رہی تھی جس دن وحید واپس بنگلہ دیش آئے گا وہ اسی دن وہ واپس پاکستان جائے گی۔ وہ دونوں اس وقت چھت پہ موجود تھیں۔

''کیسا دکھتا تھا وہ؟'' بالٹی سے کپڑے نکالتی نیما نے اسے مخاطب کیا۔ زنیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''خوبصورت تھا؟''

''میرے لئے خوبصورت ہے۔''

''تھا۔'' نیما نے تمسخرانہ انداز میں اسکی تصیح کی اور کپڑے نچوڑ کر تار پہ ڈالے۔ زنیا نے بغیر جواب دیے رخ پھیر لیا۔

''کیسا تھا تمھارے ساتھ؟ پیار وغیرہ کرتا تھا؟''

''وہ میرے ساتھ نرمی رکھتا تھا۔''

بڑے دنوں بعد اسکی افسردہ آنکھیں میں کچھ در آیا تھا۔

''میری آنکھیں دیکھ کر اسے سب سمجھ آجاتا تھا۔ وہ ساتھ ہوتا تھا تو ڈھارس ہوتی تھی۔ وہ میرا دل ہلکا کر دیتا تھا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔ میں اسے سنتی تھی تو میرے دل پہ مرہم لگتا تھا۔ بس ایسا تھا وہ۔ محبت اگر ایسی ہوتی ہے تو مہدی کمبیر دنیا میں سب سے زیادہ محبت مجھ سے کرتا تھا۔''

نیا نے جھک کر ایک اور کرتا اٹھایا اسے اچھی طرح نچوڑا اور تار پہ ڈالا۔

''تم پیار کرتی تھی اس سے؟'' اس سوال پہ اسکی اداس آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتری۔

''محبت، پیار، عشق بہت چھوٹے لفظ ہیں۔ جو میں اسکے لئے محسوس کرتی ہوں وہ بے حد معتبر ہے۔'' اس نے گردن اٹھا کر سیاہی کی چادر اوڑھتے آسمان کو تکا۔

''دنیا نہیں سمجھ سکتی وہ میرے لئے کیا ہے۔ دنیا میرے لئے میدان جنگ تھی وہ، وہ امن کی طرح ہے۔ ساری زندگی میرے قریبی مرد میرے لئے تپتی دھوپ رہے۔ مہدی میرا سائبان ہے۔''

''اسے تمھارے لئے کیا خواہش تھی؟ کیا چاہتا تھا وہ تمھارے لئے؟''

وہ جیسے اس خیال سے چونکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پہ سیاہی گہری ہوئی، ستاروں کے الٹے ہوئے تھال سے کئی ہزار ستارے آسمان پہ سج گئے۔ چھت غائب ہوئی، پیروں تلے سرمئی سڑک آگئی، جس کے اطراف میں سٹریٹ پولز تھے، لہلہاتے درخت تھے۔ اور سڑک کی ایک طرف تیز تیز قدم لیتی زینیا حاکم تھی۔

''تم اس طرح مجھ سے ناراض ہو کر جاؤ گی تو کیا فائدہ؟ میں تمھارے لئے صرف ایک چیز کی خواہش رکھتا ہوں، زینیا۔'' وہ اسکے پیچھے چل رہا تھا۔

یہ اس رات کا ذکر ہے جس دن زینیا کے پیروں پہ قیس کے گرائے ہوئے کیمرے کا زخم لگا تھا۔ یہ وہی دن تھا جب پہلی بار زینیا حاکم کا دل مہدی کے لئے مختلف کروٹ لے گیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم ایک آنریبل زندگی گزارو۔ جس میں تمہاری گردن اٹھی ہوئی ہو۔ جس میں لوگوں کو تم سے رویوں کے مسائل نہ ہوں۔ جن میں تم پہ پرت نہ چڑھی ہو۔ میں تمھیں "پیور" دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ زخمی نگاہیں لئے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سٹریٹ پول کے عین نیچے کھڑا تھا۔ فکر مندی سے اسے دیکھتا ہوا۔

"آپ اور میں کوئی نہیں ہیں ناں؟ میں وہ لڑکی نہیں ہوں جس کے ساتھ آپ کو رہنا پڑے گا پھر میرے لئے کیوں سوچ رہے ہیں آپ؟"

وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ وہ بے وقوف لگتا یہ بتاتے ہوئے کہ تین بار قبول ہے کہہ کر وہ اس لڑکی کے سحر میں جکڑا جا چکا تھا۔ کیا بتاتا کہ اگر ساری دنیا کو آگ لگ رہی ہو گی تو وہ بچاؤ کے سامان بس اسکے لئے پیدا کرے گا؟ ہاں وہ ایسا سوچتا تھا لیکن اگر یہ محبت ہے تو اسے محبت سے خوف آتا تھا۔

"تم کیوں چاہتی تھیں میں اپنی اور اپنے مقام کی عزت کروں؟"

"یہ میری خواہش نہیں تھی۔ آپ نے مجھ سے سوال کیا تھا جس کا جواب میں نے دے دیا تھا اسے مانیں یا نہ مانیں یہ آپ پہ منحصر ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ ساتھ موبائل پہ بٹن دباتے ہوئے کوئی رائیڈ بک کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر تم بھی اسے میری خواہش سمجھ لو۔ سن لو پھر عمل کرو یا نہ کرو۔"

"سن لی، سمجھ لی اور نہیں عمل کرنا اب یہ آپ بھی سن لیں۔" متنفر انداز میں کہتی وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ مہدی نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی کو دیکھا۔

دوسری نظر اسے جو اسکا ضبط آزما رہی تھی۔ گہری سانس بھرتا وہ اسکے پیچھے چل دیا۔ گاڑی کی خیر ہے ناراض بیوی منانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

ذرا آگے جاکر اسکی رائیڈ آگئی تھی مگر اس میں پچھلی نشست پہ پہلے ہی کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ مہدی نے زینیا کے کندھے کے پار اسے دیکھا اور سلگ ہی تو اٹھا۔

"گاڑی کھڑی ہے ناں؟ اس میں بیٹھنا فرض تو نہیں ہے؟"

"میں تو بہت بدتمیز ہوں ناں؟ آپ کی گاڑی آپ کو مبارک۔ آپ آگے جاکر بیٹھ سکتے ہیں سر؟" پہلی بات مہدی سے دوسری اندر بیٹھے آدمی سے کہی۔

"آپ بھی تو آگے بیٹھ سکتی ہیں۔"

"لیکن وہ اپنے شوہر کے بغیر بیٹھنا نہیں چاہتیں۔" زینیا کو کندھے سے ہٹاتے وہ آگے آیا۔

"میرے ساتھ بیٹھنا چاہتی ہیں وہ۔" یا پھر وہ انکے ساتھ بیٹھنا چاہتے ہیں؟

"پھر آپ دونوں محبت کی یہ مثالیں کہیں دور جاکر کھڑی کریں۔ چلو ڈرائیور۔"

بدمزاج آدمی نہایت بدمزاجی سے بولا اور ڈرائیور نے اسکے کہنے پہ گاڑی آگے بڑھادی۔ زینیا لب بھینچے اس گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"اچھی لڑکیاں اپنے شوہروں کے ساتھ آتی جاتی ہیں۔" گاڑی کو جاتے دیکھ مہدی نے اسے بتایا۔

"تم صرف اپنے شوہر کی گاڑی میں بیٹھتی ہوئی اچھی لگتی ہو کسی اور گاڑی میں بیٹھو گی تو شاید میں اسے آگ لگادوں۔"

(اتنے تم پھنے خان) زینیا تنک ہی تو اٹھی۔ بغیر اسکی طرف دیکھے وہ آگے بڑھ گئی۔ مہدی اسکے پیچھے جارہا تھا۔ ہنستے ہوئے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ زینیا مزید غصہ ہو رہی تھی، مگر اسکا رخ پارکنگ ہی کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھے ہوئے وہ شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ساتھ اس نے چند نوٹ نکال کر اسکی گود میں رکھے۔ مہدی نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ راوی لکھے گا وہ پہلی عورت تھی جو اپنے شوہر کو غصے میں کسی بھی لیفرٹ کے پیسے پکڑادیتی تھی۔ وہ ہنوز باہر دیکھتی رہی جب مہدی بہت محبت سے اور دھیرے سے بولا۔

''تمھارے متعلق میری خواہش ہے کہ تم ایک آنریبل زندگی گزارو۔''

''اور تم اسکی خواہش کو یوں روند دو گی؟''اسلام آباد کی سڑکیں،اس شخص کا ساتھ،اسکی آواز،اسکی خوشبو ہر شے ایک لمحے میں غائب ہوئی۔اب سامنے وہ نہیں تھا نیما تھی۔ جس نے دیوار کے ساتھ پشت جوڑ رکھی تھی اور نگاہیں زینیا پہ جمی تھیں۔

''لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہے برا۔زندگی کبھی کبھی فیئر ٹرائلز نہیں کھیلتی اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اس طرح خود کو برباد کرو؟میں زیادہ وقت تمہارا یہ رویہ کہاں برداشت کروں گی؟''وہ بالٹی اٹھا کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''تمھارے پاس چند دن ہیں تم۔۔۔۔۔''

اس نے ابھی پہلے زینے پہ ہی قدم رکھا تھا جب زینیا نے دروازہ خود ہی بند کر دیا۔نیما ششدر رہ گئی۔

''اس سے زیادہ کیا کر لیں گی؟سزا دینی ہے میں یہیں ہوں۔''

وہ چند لمحے وہیں کھڑی لب بھینچے اس دروازے کو دیکھتی رہی۔پھر زینے اترتی چلی گئی۔نیما راشدی زندگی میں پہلی بار حد سے زیادہ مضمحل نظر آتی تھی۔یہ لڑکی اسکی سوچ سے زیادہ ڈھیٹ تھی۔

دیوانہ دیکھا ہے؟مہدی کمبیر کی موجودہ حالت وہی تھی۔وہ سینے پہ لگی پٹی،ٹانکے اور زخم کی پرواہ کیے بغیر فرش پہ پڑے تازہ خون میں اپنی سفید جیکٹ بھگو رہا تھا۔کوئی انسان اپنے ہی خون کے ساتھ اتنا بے رحم تب ہو سکتا ہے جب بات سروائیول کی ہو۔وہ جیکٹ خون سے بھگو کر آتا اور اسے دیوار پہ پھیرتا جاتا یوں جیسے پینٹ کر رہا ہو۔سفید دیواریں اب خون کے رنگ میں رنگ گئی تھیں۔اسکے ہاتھ،کپڑے سب خون میں تر ہو رہے تھے۔چونکہ وہ بیمار تھا اس لئے اسے تازہ پانی کی دو سفید بوتلیں فراہم کی گئی تھیں اب وہ اس پانی سے اپنے ہاتھ اور چہرہ دھو رہا تھا۔ گردن،سینہ سب پانی سے تر ہوتا گیا۔دیواریں اب واقعی سفید نہیں رہیں تھیں۔خون کا اصل رنگ تو نہیں رہا تھا مگر اب وہ ہلکی نارنجی نظر آ رہی تھیں۔وہ سفیدی جو آنکھوں کو چبھتی رہی تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔اسکے دل کے ایک کونے میں کوئی طمانیت سی اتری تھی۔لیکن اب بھی بہت کچھ تھا جس نے اسکے اعصاب تھکا کر رکھے تھے۔وہ سفید بتیاں۔مہدی نے بہ دقت جھک کر وہ مگ اٹھایا جس میں اسے سفید مائع دیا جاتا تھا۔کمرے کے عین بیچوں بیچ کھڑے

ہو کر اس نے وہ مگ ایل ای ڈی کی طرف اچھالا۔ بتی چکنا چور ہو کر گری۔ اسکا نشانہ اس وقت بھی اچھا تھا جب اس نے یونان کی گلیوں میں اپنے تعاقب کار کا سر پھاڑا تھا اور آج ڈیڑھ سال بعد بھی اسکا نشان اتنا ہی اچھا تھا۔ کمرے میں روشنی قدرے کم ہو چکی تھی۔ یہ سفید اسکی زندگی سے کبھی نہیں نکل سکتی تھی لیکن ایک کوپنگ مکینزم چند دن اسکے کام ضرور آسکتا تھا۔

وہ واپس اپنے بستر تک آکر بیٹھا۔ کمر دیوار سے جوڑ لی۔ اسکے جسم پہ اب بغیر بازو والی گول گلے کی سفید شرٹ تھی۔ کسرتی بازو جس سے اپنی جھلک دکھا رہے تھے۔ اسکا سفید جیکٹ خون آلود ہو گیا تھا۔ مہدی اب اپنے سانولے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ سفید کے علاوہ ایک اور رنگ۔ اسے یہ رنگ کیوں نہیں نظر آیا؟ لاہور، کراچی، لندن، پیرس، مصر کی روشنیوں میں اس نے کب خود کو تاریک کر لیا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔

''میں نے کیسے خود کو نظر انداز کیا؟ کیسے میں نے خود کو پس پشت ڈالا؟ کیوں میں ساری زندگی رشتوں کے پیچھے بھاگتا رہا؟'' وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے خود سے سوال کر رہا تھا۔ پچھتاوے ہی پچھتاوے تھے۔

''ایک لمبا عرصہ میں نے کیوں اپنی ناقدری کی؟ مجھے شاید لگا تھا میں قیس اور اپنے خاندان کے بغیر کچھ نہیں ہوں لیکن آج یہاں ان میں سے کوئی بھی تو نہیں ہے۔ پھر بھی میری پہچان وہی ہے۔ مہدی سرور کمبیر۔ میں تو خود کو خود بناتا ہوں۔ آس پاس کوئی طے نہیں کرتا میں کون ہوں۔ پھر میں نے کیوں کسی کو یہ طے کرنے دیا؟ میں یہ کیوں بھول گیا میں کون ہوں؟'' بڑبڑاہٹ ہلکی تھی۔ بے حد ہلکی۔

وہ لوگ میری ماں کو گالیاں دیتے ''رہے، مجھے الزام دیتے رہے اور میں سہہ گیا کیونکہ میں انہیں کھو نہیں سکتا تھا۔ آج سب کو کھو دیا، ہر زہریلا تعلق ختم لیکن میں تو اب بھی ہوں۔ میں تو ختم نہیں ہوا۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کر میٹرس پہ پڑا وہ چھوٹا سا آئینے کا ٹکڑا اٹھایا۔ اسکے لئے ہمت درکار تھی۔ اسکے لئے بڑی مشقت کرنی پڑی تھی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے آئینہ اپنے چہرے کے آگے کیا۔ اسکا چہرہ اب آئینے میں نظر آرہا تھا۔ چہرے کی ہڈیاں تک ابھر آئی تھیں۔ ماتھے، ہونٹ اور رخسار پہ اب بھی زخم کے نشان تھے۔ جو مندمل ہونے کے قریب تھے۔ گردن پہ ایک زخم تھا۔ اور آنکھیں۔۔۔ اسکی کائی جیسی سبز آنکھیں جن کے گرد ایک بھوری سی لکیر سی بن رہی تھی۔ ان میں کانچ جیسی چمک تھی۔ مہدی

محویت سے انہیں تکتا رہا۔ لمبی پلکیں جو کہ ہلکی خم دار تھیں۔ وہ کئی لمحے اپنی آنکھیں دیکھتا رہا۔ پھر ان میں جھلملاہٹ اتری، پھر وہ ڈبڈبائیں۔ پھر ان سے کچھ قطرے اسکے چہرے پہ گر کر اسکی بڑھی ہوئی شیو میں جذب ہونے لگے۔

''میں نے کیسے تمہاری ناقدری کی؟ میں نے کیسے تم سے رخ موڑا۔۔۔ کیسے میں نے خود کو رولا۔ یہ میں نے کیوں کیا؟'' وہ کسی نوعمر بچے کی طرح روتے ہوئے پچھتاؤں میں گھرے ہوئے خود سے شکوہ کر رہا تھا۔ اتنے سال لوگوں کے درمیان گھل کر وہ بھول گیا تھا کہ مہدی بھی ایک ''**بسمل**'' ہے۔

''یہ آنکھیں دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں ہیں۔'' کوئی سبز آنکھوں والی معتبر عورت اس سے کہہ رہی تھی۔ پھر وہ اسکی آنکھیں چوم رہی تھی۔ اسے وہ لمس آج بھی محسوس ہوتا تھا وہ اسکی ماں تھی۔ یہ آنکھیں اسکی آنکھیں تھیں۔ یہ نوبل تھیں، مہدی کمبیر کا اصل تھیں۔ اس نے کیسے ان آنکھوں سے بے رخی برتی۔

اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ گیلی زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ آئینہ یونہی اپنے چہرے کے آگے رکھا۔

''تمھیں پتہ ہے مہدی تمہارا صیاد کون ہے؟'' کوئی اس سے بات نہیں کرے گا تو کیا ہوا؟ مہدی وہی انسان تھا جس کی باتیں آدھی دنیا سنتی تھی۔

''تم لوگوں کے چہرے پہچانتے ہو انکے تاثرات پہچانتے ہو، لوگ تمھیں فیسینیٹ کیا کرتے تھے تم اپنے صیاد کو کیسے نہیں پہچان سکتے؟'' اسکی آواز اب ہلکی ہو گئی تھی۔ ''قیس نہیں اگر قیس ہوتا تو وہ تمہیں سیدھا مار دیتا، مہدی۔ وہ لمبے لمبے جھمیلوں میں نہیں پڑتا۔'' اتنے دنوں سے وہ کسی انسان کی سوچ سے بھی دور بھاگ رہا تھا اتنے دن وہ یہ نہیں جاننا چاہتا تھا اسے یہاں لانے والا کون ہے۔ وہ جو کوئی بھی تھا مہدی کو صرف رہائی چاہیے تھی۔ اب صرف رہائی نہیں چاہیے تھی اب اسے وہ نام چاہیے تھا جس نے اسے تکلیف دی۔ تاکہ یہاں سے نکل کر وہ بھی اسے اتنی ہی تکلیف دے۔

''کیا جاشیہ؟ اؤنہوں وہ اس حد تک نہیں جا سکتی اور اسکے اتنے کنٹیکٹس نہیں ہیں جو تمھیں یہاں رکھ سکے۔''

پھر کون مہدی؟ پھر آخر کون؟ تم نے کس کے ساتھ ایسا کیا غلط کیا ہے جو تمھیں کوئی اس حد تک نقصان پہنچانا چاہ ہے؟ کیا تم نے کسی کو ہرٹ کیا ہے تم۔۔۔؟ یکدم وہ ٹھہر گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ اور اسکے دماغ میں بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال لپکا۔ خیال کے ساتھ ایک بھولا بسرا منظر بھی وہ کس سے، کب، کہاں نظر چرا تا؟

سبز آنکھوں کی پتلیاں ایک بھنور میں تبدیل ہوئیں۔ بھنور میں برکھا، ساون، بہار کی رُتوں سے دور خزاں کی ایک شام میں ایک منظر ہمارا منتظر ہے۔

براق حنیف کے بنگلے پہ رات قطرہ قطرہ اتر رہی تھی۔ اسکی بیچلرز پارٹی کے لئے مہمانوں کی آمد ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ مگر اسکے عزیز ترین دوست آ چکے تھے۔

''افریکن ممی کہاں ہے؟'' پول کے پانی میں پیر ڈالے براق نے اپنی دائیں طرف بیٹھے مہدی سے سوال کیا۔ مہدی کا سارا دھیان اپنے موبائل پہ تھا وہ کھٹا کھٹ ٹائپ کرتا نظر آ رہا تھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔

''اوُ بھائی نکل آؤ ان چکروں سے، نکل آؤ میں نے ان پہ ایک عمر لگا دی لیکن ملا کچھ نہیں۔ اور جب ان سب سے نکل کر دیکھا تب پتہ چلا زندگی اصل میں ہے کیا چیز۔''

''اچھا؟ کیا ہے زندگی؟'' وہ ہنوز ٹائپنگ میں مصروف تھا۔ بال ماتھے پہ گرے تھے۔

''شیزل۔'' براق نے مسکراتے ہوئے یک لفظی جواب دیا۔ ''پہلے والا براق اب بدل گیا ہے۔ اب میرے لئے ایک لفظ، ایک انسان زندگی کو سم اپ کر سکتا ہے۔''

ماضی کے ان خوشگوار قصوں میں براق اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر مہدی نے زینیا کی چیٹ دیکھی۔ آن لائن کا وہ سبز نقطہ، اسکے مختصر جلے کٹے جواب، اسکے لکھنے کا انداز، اسکی پروفائل، اسکے typos، چیٹ کی وہ تھیم، دھڑا دھڑ آتے میسجز کے درمیان صرف اسی کو جواب دیتے یونہی بیٹھے بیٹھے اسے اندازہ ہوا اب تو وہ بھی زندگی کو ایک انسان، ایک لفظ میں سم اپ کر سکتا تھا۔ وہ ایک لفظ کیا تھا؟

''تم نے ایک بار ٹھیک کہا تھا، مہدی۔'' وہ جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''میں ٹھیک سے ہرٹ نہیں ہوا تھا۔ ورنہ اس روز میں ایسی بات نہیں کہتا۔'' مہدی نے اچھنبے سے اسے دیکھا اور پھر اسے وہ بات یاد آگئی۔ مہدی محظوظ انداز میں مسکرایا۔

''کوئی اگر شیزل کے حوالے سے مجھے ہرٹ کرے گا تو میں اسے اس سے زیادہ تکلیف دے سکتا ہوں۔ بلکہ مجھے لگتا ہے ہر جمع تفریق اب ختم ہو گئی ہے۔ اسکے لئے ہر حد پار سکتا ہوں میں۔''

''بھائی تم تو اچھے خاصے مجنوں بن گئے ہو۔'' وہ واقعی محظوظ ہوا تھا۔

''تم سے کہیں زیادہ کم۔'' اس نے مہدی کے موبائل کی طرف اشارہ کیا وہ ہنس پڑا۔ چہرے پہ الوہی خوشی تھی۔ اسکی آنکھوں میں کوئی اسپارکل سا تھا، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یعنی تمھارے پاس اب تک ایسا کوئی نہیں ہے جس کے لئے تم ہر جمع تفریق بھول جاؤ؟''

مہدی نے کوئی جواب دیا تھا جسے اب وہ یاد نہیں کر پا رہا تھا مگر اسے جو جو یاد آیا تھا وہ ایسا تھا جس نے اسے جامد کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ لیٹ گیا۔ ساکن، صامت۔ اسکی دنیا الٹ پلٹ کر رہ گئی تھی۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ اسے نیند نے آلیا، نیند کے بعد بھی وہ کئی گھنٹے جاگتا رہا۔ غالباً دوسرا دن تھا جب زرقون اسکے کمرے میں داخل ہوا۔ وہی چبھتا ہوا سفید کافتان، وہی میڈیکل باکس، وہ اسکے قریب آکر بیٹھا۔ میڈیکل باکس سے ایک انجکشن نکالا۔ زرقون ہر رات اسے نشہ آور ادویات دیا کرتا تھا تاکہ دوائیوں اور محلول کے رنگ مہدی دیکھ نہ سکے۔ اس نے آج بھی وہی کرنا چاہا مگر مہدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ آج وہ سنبھلا ہوا اور سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''کیا میری بیوی بھی تمھارے باس کے پاس ہے؟'' اسکی آواز یہاں سے دور براق کے کانوں تک بھی گئی تھی۔ آفس میں بیٹھے ہوئے اس نے ٹیبلیٹ آنکھوں کے آگے کیا۔ اور غور سے سکرین دیکھی۔

''اگر وہ تمھارے پاس ہے تو کیوں ہے؟ میری اس سے بات کرواؤ۔ یا پھر اپنے باس سے بات کرواؤ۔ مجھے قید رکھنے سے تمھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اپنے باس سے کہو مہدی سے بات کرے۔''

''کون ہے میرا باس؟'' اسکے بالوں کو مٹھی میں جکڑے چبا چبا کر پوچھا۔ مہدی نے سادگی سے اسے دیکھا۔ چند پل خاموشی سے دیکھتا رہا۔ دوسری طرف براق سانس روکے سکرین دیکھ رہا تھا۔ اسے مہدی کی آنکھوں میں کچھ نظر آگیا تھا۔ جسے وہ ان دیکھا نہیں کر سکتا تھا۔

''براق حنیف سے کہو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

براق نے بے اختیار کرسی کا سہارا لیا تھا۔ اسکے چہرے کی رنگت اس کمرے سے زیادہ سفید تھی۔ گرفت توزرقون کی بھی اسکے بالوں پہ ڈھیلی پڑی تھی مگر چہرہ اور اسکے تاثر نہیں بدلے۔

''کون، براق حنیف؟''

مہدی دھیرے سے مسکرایا۔ ایک عجیب شیطانی مسکراہٹ۔

''میرا دوست، براق حنیف۔'' ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کروایا۔

''دوستی میں انسان راز کہہ دیتا ہے۔ اسے بتاؤ کہ اس نے بھی مجھ سے کچھ راز کہے تھے۔ اسے بتاؤ میں لوگوں کی ''باتیں'' نہیں بھولتا۔''

کرسی پہ بے دھم پڑے براق کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے دنیا اپنے سر پہ گھومتی محسوس ہوئی۔ کسی نے اسکے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی۔

ماضی کے خوشگوار دور کا ذکر ہے۔

جنوری کی یخ بستہ شاموں میں سے ایک کا قصہ ہے۔ پینٹ ہاؤس کی دیواروں کے شیشوں پہ بارش کے قطرے اپنا سر پھوڑ رہے تھے۔ اندر اکادکا زرد بتیاں روشن تھیں۔ لاؤنج میں رکھے تھری سیٹر پہ قیس لیٹا ہوا تھا۔ کاؤچ پہ براق تھا اور ایل شیپ صوفے پہ مہدی کہنیوں کے بل اوندھے منہ لیٹا تھا۔ قیس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ جب براق کو کسی کیڑے نے کاٹا۔

''لوسفر، اپنے ہی آفس میں کیوں کتوں کی طرح کام کرتے ہو؟ دیکھو اب مووی نائٹ پہ نیند آرہی ہے ناں۔''

''میں کب '' **تمہاری** '' طرح کام کرتا ہوں؟'' وہ بڑبڑایا۔ مہدی ٹی وی پہ نظریں جمائے ہنس پڑا۔

براق خفا ہوا۔

''تم دونوں ایک طرف ہو جاتے ہو اور مجھے اکیلا کر دیتے ہو۔ یہ غلط ہے، مہدی۔''

''پانی سے گاڑھا خون۔ بھائی تو پھر بھائی ہوتا ہے ناں۔'' اسکے اس انداز پہ بالی وڈ کی مشہور فلم کرن ارجن کا سیکوئیل بن سکتا تھا۔

''پھر میں کیا ہوں؟''

''بتایا تو ہے، **کتے**۔'' قیس نے کہہ کر آنکھیں بند کر لیں۔ مہدی دوبارہ ہنس پڑا۔ دل فریب، بے ریا ہنسی۔ یہ وہ دن تھے جب ان تینوں کے درمیان دوستی ہوا کرتی تھی۔ کچھ تھا ان تینوں میں غم، خوشی، محبت وفا۔ گزرے وقتوں میں انہیں علم نہیں تھا ایک دن انکے پاس اس میں سے کچھ نہیں ہو گا۔

''فلم دیکھو تم اس ممی کو چھوڑو۔ اب یہ صبح سات بجے آنکھیں کھولے گا۔'' سوتے ہوئے قیس پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر مہدی اٹھ کر اسکے قریب آیا۔

''کیا دیکھوں ولن کو سزا دینی ہی نہیں آتی۔ کسی کو سفید کمرے میں بند کر دینا کہاں کی سزا ہوئی؟'' براق سکرین پہ چلتی ہالی وڈ فلم کا ایک منظر دیکھتے ہوئے بولا۔

''اسے چاہیے تھا مار دیتا اور جان چھڑواتا۔''

مہدی نے صوفے پہ پڑا کمبل اٹھا کر قیس کے سینے پہ ڈالا۔

''سزا دینی ہے تو یہی طریقہ ہے۔مار کر تو جان چھڑوائی جاتی ہے۔کسی کو تڑپانا ہو تو اسکی زندگی سے رنگ، لوگ، محفل، دنیا چھینی جاتی ہے۔'' وہ اسے کندھے سے تھام کر اسکا رخ پلٹ رہا تھا کہ ٹی وی کی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ماں باپ تو ایک عرصہ ہوا مر چکے وہ دونوں ایک دوسرے کے پیرنٹس رہے تھے۔

''میرا تو یہی طریقہ ہوتا۔انسان اگر کسی کو مارنے جتنی جرات کرتا ہے اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ سامنے والے نے اسے ہرٹ کیا ہے اور جس نے ہرٹ کیا ہے اسے ایک ایک لمحے کا حساب دینا چاہیے ہے ناں؟''

کیا یہ وہی مہدی تھا جسے ہم جانتے ہیں؟

براق اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ نرم نگاہیں، فکرمند سا انداز لئے اپنے بھائی کی نیند تک کے لئے پریشان تھا اور یہی وہ آدمی تھا جو کسی کی زندگی کو جہنم بنانے میں متامل نہیں تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' کافی دیر بعد براق بولا۔

''لیکن جب کوئی مجھے ہرٹ کرتا ہے تب میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔بغیر بتائے، میں اس لیول پہ نہیں جا سکتا۔''

''پھر شاید تم ہرٹ ہوئے ہی نہیں۔'' مہدی نے ریموٹ اٹھا کر منظر گونگا کر دیا۔

''جو ہرٹ ہوتا ہے ناں وہ ہر جمع تفریق بھول جاتا ہے۔جب تم ہرٹ ہوئے تب پوچھوں گا۔''

براق کچھ بول نہیں سکا۔لیکن کچھ عرصہ بعد جب قیس نے اسکے باپ کو قتل کیا تھا اس دن اسکا دل چاہا تھا وہ اسے کسی قبر میں زندہ ڈال دے۔

جب کسی نے اسکی ماں کو اسکے گھر میں قتل کیا تھا تب اسکا دل چاہا تھا وہ اس قاتل کو ڈھونڈے اور صحیح غلط کی ہر تفریق چھوڑ کر اسے برباد کر دے۔اور اس روز جب شیزل نے اسے چھوڑا تھا تب شراب کے نشے میں دھت اسکا دل چاہا تھا جس نے اسکی زندگی سے رنگ نکال دیے وہ اس کی زندگی رنگوں سے خالی کر دے۔

کرسی پہ بے دھم ہو کر گرے ہوئے اسے احساس ہوا مہدی دوست تھا۔ دوست چاہے کیسا بھی ہو اس میں ایک چیز ہوتی ہے وہ آپ سے ''**واقف**'' ہوتا ہے۔ مہدی بھی اس سے واقف تھا۔ دوستوں کے پاس راز ہوتے ہیں مہدی کے پاس بھی اسکے راز تھے۔

''اس سے پوچھو وہ ایسی بکواس کیوں کر رہا ہے۔'' براق کی آواز خالی تھی۔ کھنکتی ہوئی۔

زرقون پنجوں کے بل مہدی کے قریب بیٹھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ کون براق حنیف کس کی بات کر رہے ہو تم؟''

''وہی براق حنیف جس کی ہونے والی بیوی نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ میں نے، مہدی کمبیر نے اسے بتایا کہ وہ آدمی کتنے ہلکے کردار کا ہے۔ میں نے بلکل ٹھیک کیا۔ ہزار دفع موقع ملے میں ہزار دفع ہر شیزل کو ہر براق سے بچاؤں گا۔ اسے بتاؤ لوگ زیادہ عرصے تک مجھ سے مخفی نہیں رہ سکتے۔''

''وہ واپس آئے گی میرے پاس وہ صرف ناراض ہے، وہ واپس آجائے گی۔'' براق زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

''یہاں آنے کے بعد میں ہر دن سوچتا رہا مجھے یہاں کون لا سکتا ہے؟ شاید قیس لیکن نہیں۔ وہ لمبے جھمیلے میں نہیں پڑتا وہ قصہ ختم کرنے کا عادی ہے۔ اور پھر مجھے میرا دوسرا دوست یاد آیا۔ تمھیں ڈھونڈنا بہت آسان تھا، براق۔ تم کیوں بھول گئے میں ایک پبلک اسپیکر ہوں۔ میں لاکھوں لوگوں سے ملا ہوں۔ میرا واحد کام ہے لوگوں کی سائیکی پہچاننا۔

تم کیوں بھول گئے، مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔'' اب کے وہ زرقون کے کان کے پاس جھک کر بولا۔ زرقون نے طیش میں آکر اسے ایک مکا رسید کیا۔ مہدی نیم دیوانگی کی سی کیفیت میں ہنس پڑا۔ زرقون اسے یونہی چھوڑے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بیک وقت بوکھلائے تھے۔

''یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے آپ جانتے ہیں وہ یہاں سے نکل کر کیا کرے گا؟ اسے آپ کا نام تک پتہ ہے اسے یہ سب کیسے پتہ ہے؟''

''میں کوئی عادی مجرم یا پھر تربیت یافتہ مجرم نہیں ہوں۔ میرے پلان میں جھول ہو سکتے ہیں۔'' اسکا گلا بیٹھا ہوا تھا۔ رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔

''یہ میرا قصور نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں میرا بہترین دوست رہ چکا ہے۔یہ بھی میرا قصور نہیں ہے کہ مہدی کمبیر ایک پبلک اسپیکر ہے۔اور لوگوں کے معاملے میں وہ بہترین ہے۔''

''اور اب میرے لئے کوئی حکم؟ کیا کروں میں کیا اب بھی اسکے تلوے چاٹتا رہوں؟''

براق نے ضبط کیا۔اسکے موبائل پہ کوئی کال آنے لگی تھی۔اس نے کال کاٹ دی۔اور میز پہ رکھا لیپ ٹاپ کھولا۔وہ یہاں سے کوئی میسج بھیجنے والا تھا مگر سکرین پہ لگی۔تصویر کو دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔دو لوگ بھرپور مسکرا رہے تھے۔تیسرا سنجیدہ تھا۔بس آنکھیں شاید مسکرائی تھیں۔قیس، براق، مہدی۔وہ تینوں ساتھ تھے۔محض تصویر میں۔یہ غلط ہے ویسے۔جب لوگ چھوٹ جائیں، تعلق ٹوٹ جائیں تو یادوں کو کرپٹ ہو جانا چاہیے، تصاویر کو مٹ جانا چاہیے اور محض ایک لمحے کے لئے بھی دل میں پہلے والے جذبات واپس نہیں آنے چاہییں۔ایسا ہونا چاہیے ہے ناں؟

''get rid of him'' لیپ ٹاپ کی سکرین بجھاتے ہوئے وہ بے لچک انداز میں بولا۔

''دو دن بعد یہاں سے نکلنے والے اگلے کنٹینر میں اسکی لاش آنی چاہیے۔باقی سب میں دیکھ لوں گا۔''

زرقون لمحے بھر کے لئے ٹھہر گیا تھا۔پھر ''**راجر باس**'' کہہ کر کال کاٹ دی۔اسکے چہرے پہ بھی اضطراب صاف تھا۔زرقون کاظمی کسی قتل کا حصہ بنانے نہیں آیا تھا۔یا پھر جس طرح سب ہو رہا تھا اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔کچھ تھا جو بدلنے والا تھا۔

شہزادیاں ناخوش زندگی گزارتی ہیں اس نے کئی بار سنا تھا مگر وہ اس جملے کو حقیقت بنتے دیکھے گی یہ اسکے گمان سے باہر کا قصہ تھا۔عالم نواب کی حویلی کے پچھلے باغ میں ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے بیٹھے ہوئے اسکی افسردہ آنکھیں اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب پہ جمی تھیں۔اسکے پاس موبائل لیپ ٹاپ کچھ بھی نہیں تھا۔مظفر غوری سے رابطہ اب خواب لگتا تھا۔اس نے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر مظفر سے ہونے والی آخری بات کو یاد کیا۔اسکے فرار کا واحد راستہ۔

''میں نے صرف تمہارے مسائل نہیں سننے ہوتے، کونج۔مجھے یہ بھی تو دکھائی دینا چاہیے کہ تم انہیں اپنی زندگی پہ کیسے استعمال کرتی ہو۔مجھے یہ بتاؤ تم نے ''**ناں**'' اور ''**انا**'' کا فرق سیکھا؟''

''تم نے وہ ایکویشن کرلی جو میڈم فائزہ نے دی تھی؟'' یاسمین نے اپنا رجسٹر کونج کے ڈیسک پہ دھپ سے رکھتے ہوئے پوچھا۔ انداز میں بے نیازی تھی۔ وہ ٹیچرز سے لے کر پرنسپل تک سب کی پسندیدہ تھی اور کوئی اسے ناراض کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''ہاں کرلی ہی۔ بس جمع کروانا رہتا ہے۔'' خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بامشکل جواب دیا۔

''مجھے دکھاؤ میں method دیکھ کر واپس کردوں گی۔'' اس کے انداز میں ہنوز مغرور سا تاثر تھا۔ کونج نے اب کے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ یاسمین اگلے ڈیسک پہ بیٹھتی تھی۔ میڈم فائزہ نے پہلے اسکا کام دیکھنا تھا یعنی کونج کی دو گھنٹوں کی محنت ردی ہونے والی تھی؟

''مجھے تو ماریہ نے بھی کہا تھا کہ وہ مجھے سمجھا دے گی لیکن میں نے اسے کہا کونج کا انداز سادہ اور خوبصورت ہوتا ہے۔'' وہ اپنے سرمئی نیل پینٹ میں رنگے ناخنوں سے رجسٹر پہ میوزک بجا رہی تھی۔ اسکے ہاتھ بلاشبہ بہت خوبصورت تھے۔ وہ کونج کی تعریف بھی کرچکی تھی اسکے اندر کی پیپل پلیزر بچی اندر تک چپ ہوگئی۔

''کونج؟ میں تم سے بات کررہی ہوں تم سن رہی ہو؟'' اب کے وہ ناگواری سے بولی۔

کونج نے لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو کمپوز کیا۔

''ٹیچر نے کہا تھا سب اپنی طرف سے کام کریں تم نے نہیں کیا؟''

''ہاں میں کل شاپنگ پہ چلی گئی تھی۔ پھر رات میں میرا موڈ نہیں ہوا۔''

وہ لب چباتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ اسے انکار کرنا بدتمیزی نہیں تھی کہ کیونکہ وہ لڑکی اپنی priorities کو ایک طرف رکھ آئی تھی۔ اسکے انداز میں تحکم تھا۔ اسکا انداز احسان کرنے والا تھا اور اگر نہ بھی ہوتا تو یہ کونج کا موقع تھا وہ اسے ہنستے ہنستے کسی اور کو نہیں تھما سکتی تھی۔

''میں اپنا رجسٹر نہیں دے سکتی آئی ایم سوری۔'' حالانکہ اسے سوری کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

''میں کام چیک کروالوں پھر تمھیں سمجھا سکتی ہوں اگر تم چاہو۔'' وہ مسئلہ over explain کررہی تھی لیکن کوئی بات نہیں۔

یاسمین اسے یوں دیکھتی رہی جیسے یقین ہی نہ کر پا رہی ہو۔ کونج کا دل نہایت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے تھے۔ دل میں وہ خود کو ملامت بھی کر رہی تھی مگر یہ آغاز سفر تھا۔ منزل تک جاتے جاتے پھولا تنفس نارمل ہو ہی جاتا ہے۔

""تم اب بھی معاشرے کے نام نہاد بیوٹی اسٹینڈرڈز پہ جمی ہوئی ہو یا اس دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی ہے؟""

کالج میں آدھی چھٹی کا وقت تھا۔ جب کونج چاٹ اور کولڈ ڈرنک لے کر کلاس میں داخل ہوئی۔ اسکی ہم جماعت لڑکیاں اسکے جانے سے پہلے ایک ڈیسک پہ ٹولی کیے ہوئے تھیں۔ اور اب جب وہ واپس آئی تو رامین **(وہ لڑکی جس کے گرد سب جمع تھیں)** وہ افسردہ سی ایک کونے والے ڈیسک پہ بیٹھی تھی۔ وہ اپنی پلیٹ اور کولڈ ڈرنک لئے اسی طرف چلی آئی۔

""تمہاری منگنی ہوئی ہے ناں؟ تصویر تو دکھاؤ اسکی۔""

""رہنے دو، تم نے بھی باقیوں کی طرح مذاق ہی بنانا ہے۔"" وہ رخ موڑ گئی۔

""میں کیوں مذاق بناؤں گی؟ دکھاؤ تو۔"" وہ مصر ہوئی۔

رامین نے اپنا موبائل کھول کر اسکے آگے کر دیا۔ چاٹ بھاڑ میں گئی کلاس فیلوز کے منگیتر اور شوہر دیکھنا زیادہ اہم تھا۔ لڑکا کوئی اکیس بائیس برس کا تھا۔ گندمی رنگت، مناسب قد اور خوبصورت نقوش۔

""تمھارے منگیتر کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ بلکہ یہ پورا خوبصورت ہے۔ اﷲ خوش رکھے۔"" اس نے دعا دیتے ہوئے موبائل واپس کیا۔ رامین استہزائیہ مسکرائی۔

""رنگ دیکھا ہے اسکا؟ سب کہہ رہے ہیں اگر یہ گورا ہوتا تو خوبصورت لگتا۔ اور اگر اسکا قد تھوڑا لمبا ہوتا تو کم از کم مجھ سے بڑا تو لگتا۔ مجھے تو یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا۔"" وہ مضطرب انداز میں اپنی انگلیوں کے ناخن چبانے لگی۔ کونج کو حیرت نہیں ہوئی۔ معاشرے کے بنائے خوبصورتی کے اس نام نہاد جال سے تو وہ بھی آج تک نہیں نکل سکی تھی۔

""یہ سب matter نہیں کرتا یار۔ رنگ، قد، اور عمر خوبصورتی کا معیار نہیں بتاتے۔"" وہ مظفر کے ہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

''اگر وہ تمھارے ساتھ اچھا ہے تو وہ خوبصورت ہے۔رنگ اور قد ایک دن ختم ہو جاتا ہے وفاداری رہ جاتی ہے اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''تم تو خود کو اسی طرح بہلاؤ گی ناں تمہارا اپنا رنگ بھی ایسا ہے۔'' وہ پریشانی میں کیا کہہ گئی اسے پتہ نہیں چلا۔ ''مجھے دیکھو میرا رنگ دیکھو تم میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکتیں۔''

کونج کی رنگت بجھ گئی تھی۔ مگر آج یہ جملے اسے پہلے کی طرح ''**بہت برے**'' نہیں لگے۔اس نے سن لیا اور سہہ گئی۔دل کے ایک کونے میں اطمینان سا تھا کہ وہ درست سمت پہ ہے۔لوگ نہیں سمجھتے نہ سہی۔اپنے دل کو سمجھانا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔دوسروں کے دلوں کے بھید یوں بھی مخفی رہتے ہیں اپنا دل سکون پالے یہ بہت ہوتا ہے۔

''تم نے مضبوط اور rude کے درمیان فرق سیکھا؟ مہربانی اور انسانیت کا درس سیکھا یا آج بھی وہیں ہو؟''

''میں کیا پہنوں گی پھر؟'' ثانیہ رونے والی شکل بنائے اسکے سامنے بیٹھی تھی۔ تین سے چار جوڑے بیڈ پہ بکھرے ہوئے پڑے تھے۔''ایک ڈھنگ کا جوڑا نہیں ہے یار میری خالہ کے سسرال والے اتنے خوبصورت کپڑے پہنتے ہیں اور میں اپنے ہی خالہ زاد کی شادی میں یہ پہن کر جاؤں گی؟'' اس نے روہانسے انداز میں کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

ثانیہ اور کونج محلے دار اور بچپن کی دوست تھیں۔دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی لگا رہتا تھا۔ اسکی پریشانی سے بڑی ہی بے نیاز کونج موبائل میں سر دیے بیٹھی تھی۔

''کیا پہننا چاہتی ہو تم؟''

''مجھے لہنگا چاہیے۔ لیکن میرا والا تو بنا ہی نہیں ناں۔اماں نے اس پہ سوئی کا کام کروایا ہے اور وہ مجھ سے ہوتا کہاں ہے؟''

اس نے للچائی نظروں سے کونج کو دیکھا۔

''اپنا ایک لہنگا عنایت کر دو ناں۔وعدہ ہے جب تمھیں ضرورت ہوئی میں بھی اپنا کوئی ڈریس تمھیں دے دوں گی۔'' کونج نے موبائل سے چہرہ نکال کر اسے دیکھا۔ وہ سادہ دل اور معصوم تھی۔نہ اس نے تحکم کا مظاہرہ کیا تھا اور نہ ہی وہ اسے استعمال کرتی رہی

تھی۔ زینی کے توسط کونج کے پاس بھی لگھوں کی بہتات تھی۔ وہ کچھ سوچ کر اٹھی۔ الماری کے ہینگر الٹ پلٹ کیے اور سیاہ رنگ کا ایک لگھا نکال کر اسکی طرف بڑھایا جس پہ سفید کام تھا اور شیشے دھوپ پڑنے پہ چمک رہے تھے۔

''یہ والا دوناں یہ تو بہت بار پہن چکی ہو۔''

اس نے سبز رنگ کے ایک لگھے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تو نہیں دے سکتی۔ میرے سسرال سے عیدی میں آیا تھا۔'' جوڑے کو دیکھتے ہی کونج مسکرائی۔ اپنے سسرال کے حوالے سے ہر لڑکی کے دل میں خوبصورت جذبات ہوتے ہیں۔ اس نے جوڑے کو ہاتھ میں لیا ایک بار پھر سے اسے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے وہی سیاہ لگھا اسکی طرف بڑھایا۔

ثانیہ کے چہرے پہ ایسی خوشی آئی جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

''اس کا خیال رکھنا۔ دو بار ہی پہنا ہے۔'' ثانیہ نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔ کسی کو خوشی دینا بڑی بات ہوتی ہے اور بڑے بڑے لوگ یہ کام نہیں کر پاتے۔

کچھ وقت بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اس میٹھی روٹی سے لطف اندوز ہو رہی تھی جو ثانیہ نے شکریے کے طور پہ بھیجی تھی۔ کونج حاکم کا دل ہلکا رہنے لگا تھا وہ لوگوں کی سوچ کے قید سے آزادی حاصل کر رہی تھی اور یہ آزادی دنیا کی ہر آزادی پہ بھاری ہوتی ہے۔

''اے لڑکی۔۔۔ یہاں کیا کام ہے تمہارا؟'' ظفر کی تیز آواز پہ وہ فوراً آنکھیں کھول گئی۔ ''اندر دفع ہو تم، اور دوبارہ یہاں نظر نہ آنا۔''

''میں بس پڑھنے آئی تھی چچا، میرا ایم ڈی کیٹ کا ٹیسٹ۔۔۔'' ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور پھاڑ کر دو ٹکڑے کی۔ کونج نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''تمہاری بہن کے کوئی کم کارنامے کیے ہیں جواب تم بھی اسی لائن میں آگئیں ؟'' وہ اسکا ہاتھ پکڑے بکتے جھکتے اسے اندر لے جا رہے تھے۔ کونج سن تھی۔ ایک لڑکی کی غلطی کی سزا پورے خاندان کی لڑکیوں کو دی جاتی ہے یہ جملہ اس نے سنا تھا آج یقین میں بدل رہا تھا۔ وہ چلی گئی تھی کونج کی سزا شروع تھی۔

رات کے کسی پہر وہ گھر داخل ہوا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کی اور جیسے ہی باہر نکلا کوئی اسکا منتظر تھا۔ قیس نے اسے دیکھا اور اسے دلی رنج ہوا۔ سیاہ رنگ کے سادہ جوڑے میں اسکی آنکھیں سوجھی ہوئی اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ سات ماہ کا حمل اب اسکے جسم پہ واضح آثار دکھا رہا تھا۔ قیس نے نگاہیں چرائیں۔

''میری بیٹی کہاں ہے، عبداللہ ؟'' گلوگیر لہجے میں کہتے وہ آگے آئی۔ اسکے عین سامنے۔

''میری بیٹی ؟ تم لے کر گئے تھے اسے، وہ کہاں ہے ؟'' سیاہ آنکھوں والے مرد نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسکی ہر مصیبت کا ساتھی تھا۔ اور آج وجہ مصیبت۔ نبھائی تو پھر اس نے بھی نہیں تھی ناں۔

''تم نے کہا تھا تم اسے جلدی گھر لے آؤ گے مجھے بتاؤ اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو ؟'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''اس طرح ری ایکٹ مت کرو کہ میں گلٹی محسوس کروں۔ یہاں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

وہ اسے دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا جب میرہ نے اسکا بازو پکڑ کر اسے روکا۔

''وہ میری بیٹی تھی تم نے اسے ایک جاہل اور پاگل آدمی کے حوالے کر دیا؟ میری حالت دیکھو تمھیں لگتا ہے میں یہ سب سروائیو کر سکتی ہوں یہ کیسے کر سکتے ہو تم ؟''

''تم نے ہی کہا تھا میں تمہارا کچھ نہیں لگتا، ٹھیک ہے پھر اب واقعی کچھ نہیں لگتا۔''

اس نے کندھے سے جھٹک کر میرہ کو دور ہٹایا اور اس نے اسی تیزی سے آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ قیس کمبیر کے منہ پہ دے مارا۔ تھا وہ زن بیزار لیکن اس عورت سے تھپڑ کھا لیتا تھا۔

''میری بیٹی کو واپس لاؤ ورنہ میں تمھیں زندہ گاڑ دوں گی۔''

وہ رخسار سہلاتے سیدھا ہوا۔اسکی آنکھوں میں اب غضب ہلکورے لے رہا تھا۔ میرہ کی حالت دیکھتے اس نے مٹھی بھینچی ضبط کیا۔

''یہ آخری بار تھا، میرہ سرور۔اگلی بار ایسی جرات کرنے سے پہلے ہزار دفع سوچ لینا کیونکہ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

''میری بیٹی واپس لا کر دو ورنہ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی، عبداللہ۔''

وہ اسکی بات کا اثر لئے بغیر چلائی۔ قیس چند لمحے تحمل سے اسے دیکھتا رہا پھر اپنے گارڈز کو آواز دینے لگا۔

''میری بیٹی کو واپس لاؤ تم لا سکتے ہو، عبداللہ۔ تم یہ نہیں کرو گے تو کوئی نہیں کرے گا۔ میرا بھائی پہلے ہی مر گیا ہے اور اب تم بھی ایسا کرو گے تو میرا سہارا کون ہو گا؟''

میرہ نیم دیوانی معلوم ہوتی تھی۔

''تم کہو گے تو میں تمہارا پیروں میں گر جاؤں گی۔ میں تمہاری ہر بات مانوں گی صرف میری بیٹی مجھے واپس لا دو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے پلیز، اسے واپس لے آؤ۔ تمہارا ہر انتقام مجھ سے ہے میری بچی کو بیچ میں مت لاؤ۔''

''اسے سرونٹ کوارٹر میں لے جا کر بند کر دو اور صبح ہوتے ہی اسے اسکے باپ کے گھر چھوڑ آؤ۔'' وہ آدمی پتھر ہو چکا تھا۔اسے پگھلانے کوئی آئے تو خود راکھ کا ڈھیر بن جائے۔

''کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے انہیں، لیکن اگر انکے ہاتھ کوئی ڈیوائس لگی یا پھر یہ کل سے پہلے یر محل سے باہر نکلی تم سب کی چمڑی میں ادھیڑوں گا۔''

حکم صادر کرتے ہوئے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ میرہ جیسے اب ہوش میں آئی ہو۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، قیس۔ میں پریگنینٹ ہوں میں کیسے رہوں گی وہاں۔ میری بیٹی کو واپس لاؤ۔ میں پریس کانفرنس کر کے ساری دنیا کو تمہاری اصلیت بتادوں گی۔'' گارڈز کی گرفت میں وہ پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اپنے کمرے کی بالکنی سے یہ منظر دیکھتے ہوئے بختیار کمبیر ساکن تھے۔

مہدی کو چھوڑ کر وہ اپنی بیٹی کے لئے اس درندے کا انتخاب کرنے والے تھے؟

محل کے اندر آتے آتے اسکے کان ان چیخوں پہ بے حس ہو گئے تھے۔ خالی محل کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا وہ ہر شے نظر انداز کرتے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بختیار کے کمرے میں آیا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور انہیں بالکنی میں کھڑے پایا۔

''فکر مت کریں آپ کی بیٹی کی سزا ایسی نہیں ہو گی۔'' وہ کرنٹ کھا کر پلٹے۔ انکا چہرہ لمحے بھر کو سفید پڑا تھا۔ قیس کے دل میں آری چل گئی۔ یعنی وہ ایک آدمی بھی اسکے ساتھ سچا نہیں تھا؟ ایک بھی نہیں۔ بختیار چند لمحے وہیں اپنی جگہ کھڑے ہوئے اسے دیکھتے رہے۔ نارنجی کرنیں انکی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھیں۔

'' یہ تمہارا خاندان ہے تم انہیں کیسے تباہ کر سکتے ہو؟''

''میں نے بنایا تھا، میں نے برباد کیا۔ کچھ غلط کیا؟''

''جانور بنتے جا رہے ہو تم۔ انتقام کھوکھلا کر دے گا تمھیں۔''

اسکے لب استہزائیہ مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ایک کرب زدہ مسکراہٹ۔

''میں کئی سالوں سے کھوکھلا ہوں۔ بس ایک وہ تھی۔۔۔'' اس کے ذکر پہ بھی اب وہ ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا۔

'' جسے میری فکر تھی۔ اس نے بھی چھوڑ دی۔ میری زندگی میں آکر مجھے چھوڑ دیا۔'' سر جھٹکا۔ آگے آیا۔

''بیٹی کی شادی کی مبارک دوں یا نانا بننے پہ پھول پہناؤں؟'' وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے انکے درمیان سب ٹھیک تھا جیسے وہ سارے رازوں سے واقف تھا۔ بختیار سانس نہیں لے سکے۔

''نیویارک کے جس اپارٹمنٹ میں آپ کی بیٹی رہتی ہے۔وہاں سے سیڑھیوں سے گرجانا زیادہ بہتر لگے گا، یا کار ایکسیڈنٹ؟اونہوں دونوں بورنگ ہیں۔کسی پارٹی میں ہائی ڈوز ڈرگز کا کیا خیال ہے؟کم از کم بچہ تو مر ہی جائے گا ہے ناں؟''

''تم ایسا۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔کر سکتے۔''

''آپ کو بس میری صلاحیتوں پہ شک ہے، چچا۔میں کھڑے کھڑے آدھی دنیا برباد کر سکتا ہوں۔''اسکی آنکھیں کہتی تھیں وہ یہ کر سکتا ہے۔

''وہ تمہاری۔۔۔وہ۔۔بہن ہے تمہاری۔''

''نہیں۔۔۔''اس نے دوٹوک انداز میں انکی بات کاٹی۔''میری بہن ایک حادثے میں مر گئی تھی۔وہ آپ کی بیٹی ہے۔دو ہفتوں کے اندر وہ مجھے یہاں چاہیے اس گھر میں اور اگر وہ نہیں آئی تو آپ مجھ سے واقف ہیں۔''

''وہ نہیں آئے گی، تم اسے قتل کرنے کے لئے بلا رہے ہو؟ہر گز نہیں آئے گی وہ۔''

''زندگی میں نہیں بلائیں گے تو کوئی بات نہیں آپ کی موت اسے یہاں ضرور لے آئے گی۔''انکے دوبدو کھڑا مرد کیا کہہ رہا تھا بختیار سمجھ نہ سکے۔یہ الفاظ، یہ الفاظ اسی کے تھے جسے بیٹا سمجھا تھا؟

''تم مجھے مارو گے؟''

''اپنی زندگی کے لئے کچھ بھی۔''اس نے کندھے اچکائے۔اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''یاد رکھیے گا صرف دو ہفتے ہیں آپ کے پاس۔''

بختیار کمبیر کے لئے وہ محل قبر سے بھی زیادہ چھوٹا پڑ گیا تھا۔انہوں نے کبھی قیس کو اسکے برے پہ نہیں ٹوکا تھا اب وہی برائی انہیں نگل رہی تھی۔قیس کمبیر وہ دلدل بن گیا تھا جو اب اپنے آس پاس ہر ایک کو نگل رہا تھا۔

کسی نے چھت ٹاپی تھی۔ وہ آواز دھپ کی تھی۔ تیز بارش کی وجہ سے بجلی غائب تھی اور رات کے اس پہر سناٹا دل میں گھر کر رہا تھا جب زینیا کی سماعتوں نے یہ آواز سنی۔ کاٹھ کباڑ کے درمیان، جگہ بنائے وہ دبکی بیٹھی تھی اور آنے والوں کو اسکی موجودگی کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ وہ دبے پاؤں آئے تھے، انکا انداز سرگوشیانہ تھا، اور آمد ڈھکی چھپی۔ زینیا حاکم کو رات کے اس پہر چھت پہ ان دو مردوں کی موجودگی کی وجہ جاننے کے لئے کسی قسم کی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں پڑی۔

ہاں وہ مرنا چاہتی تھی، ہاں اسے اس زندگی سے اب محبت نہیں رہی تھی، ہر دن اضافی تھا۔ ہر سانس سے بے زاری تھی مگر بلوچستان کی روایات میں ہے احسان کرنے والے، پناہ دینے والے کے احسان کو بھولا نہیں جاتا، اس پہ کسی قسم کی مصیبت برداشت نہیں کی جاتی۔ اور ہر طرح سے اسکی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ علاقہ، اور اس کے مکین احسان کے بدلے غلام بن جاتے ہیں۔ اور وفادار بھی۔ وہ بھی انہی پہاڑوں کی بیٹی تھی۔ اسی علاقے کی غیرت اور لاج اسکی آنکھوں میں تھا۔

ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے اس نے وہ پیچکس اٹھالیا جس کا ہتھا ٹوٹ جانے کی وجہ سے اسے یہاں پھینکا گیا تھا۔ گلے سے دوپٹہ اتار کر ایک ہاتھ میں لیا اور گلے کو تر کیا۔ چھت پہ کھڑا وجود اب نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا، شاید وہ اپنے ساتھی کو اوپر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ گہرے سناٹے میں اب کسی کے پائپ چڑھنے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ زینیا نے اینٹ کا ٹکڑا دوپٹے میں باندھا اور ہلکی سی آہٹ پیدا کی۔ آدمی فوراً اس طرف ٹارچ مارنے لگا مگر وہ گتوں کی اوٹ میں تھی۔ نظر نہیں آئی۔ چند پل بعد وہ ذرا مطمئن ہو کر چھت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے زینیا کے اعصاب شل ہونے لگے۔ کسی کو معلوم نہیں پڑتا اگر وہ مزاحمت نہ کرتی مگر پھر ضمیر کا کیا؟

وہ چلے جاتے چند چیزیں لے کر چوریاں آئے روز ہوتی ہیں۔ انہیں جانے دینا چاہیے۔ مگر اس نمک کا کیا جو اس نے کھار کھا تھا؟ کم از کم وہ اس معاملے میں بزدل نہیں بن سکتی تھی بے غیرت بھی نہیں۔ آہستگی سے اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر شومئی قسمت پائپ چڑھ کر اوپر آنے والے آدمی نے اسے دیکھ لیا تھا اور اسے دیکھ فوراً چاقو نکالا، زینیا نے بغیر ایک بھی لمحہ ضائع کیے دوپٹے میں بندھی اینٹ گھمائی اور اسکے چہرے پہ دے ماری۔

''ڈائن چڑیل میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے بنگالی میں غرایا۔ دوسرا لڑکا بھی دروازہ چھوڑ اسی طرف آیا جب زینیا نے پیچکس پوری قوت سے اسکے گھٹنے کے اوپر ران میں دے مارا۔ لڑکا بلبلا کر رہ گیا۔ دروازہ کھولنے والا لڑکا تب تک قریب آگیا تھا اور اس نے زینیا کا وہی بازو پکڑ کر موڑا جس میں گولی لگی تھی۔ لڑکی کے دماغ کی رگیں تک سن ہو گئیں۔

''تیری اتنی جرات کہ تو ہم پہ ہاتھ اٹھائے؟'' وہ ہنوز بنگالی میں بک رہا تھا۔ زینیا کو کچھ سمجھ تو نہیں آرہا تھا مگر وہ اسکا غصہ سمجھ سکتی تھی۔ بازو کا درد ایک طرف اس نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔ مگر درد ایسا تھا کہ وہ شل رہ گئی۔ دانتوں پہ دانت جما کر ضبط کیا۔

جس لڑکے کو زینیا نے مارا تھا وہ کراہتے ہوئے آگے آیا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے چہرے پہ دے مارا۔ وہ تیورا کر پیچھے ہوئی۔

''تیری جرات کیسے ہوئی مجھ پہ ہاتھ اٹھانے کی؟ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔''

اس تھپڑ نے زینیا حاکم کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ لڑکے کے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بھی اس نے ٹانگیں جھلائیں۔ اور اچھل کر ایک زوردار لات اسکے پیٹ سے ذرا نیچے دے ماری۔ لڑکا درد سے تڑپ اٹھا۔ جس نے اسے پکڑ رکھا تھا اب وہ اسکی گردن پہ چاقو رکھ گیا مگر اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ وہ اسکی شہ رگ پہ چاقو پھیر دیتا اور کھیل ختم، لیکن اسکے اندر ایک لڑکی تھی جس نے اسے آج تک جھکنے نہیں دیا تھا۔ زینیا نے ہمت مجتمع کرتے پیچھے کھڑے لڑکے کے گھٹنے پہ وار کیا وہ لڑکھڑایا چاقو گرا۔ زینیا کسی زخمی شیرنی کی مانند مڑی اور اسے بغیر کسی مزاحمت کا موقع دیے اسے تھپڑ دے مارا۔ لڑکے نے آگے بڑھ کر اسکے بالوں کو اپنی گرفت میں لیا اور یہی اسکا قصور تھا۔ زینیا نے اسے بھی بلکل ویسی لات ماری جیسی اس کراہتے لڑکے کو۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ منہ سے غوں غاں کی آواز بھی نہیں نکلی۔ وہ اب جھک کر وہی اینٹ میں بندھا دوپٹہ اٹھا کر پے در پے اینٹوں کے وار ان دونوں پہ کیے گئی۔ یہ تھا سروائیول، یہ بقا بھی، احسان مندی بھی اور مزاحمت بھی۔ کوئی زینیا حاکم پہ ہاتھ اٹھائے اور پھر وہ اس ہاتھ کو اٹھنے جیسا چھوڑ دے تو تف ہے اس پر۔ لڑکے پوری طرح ڈھل چکے تھے جب اس نے یونہی جھک کر ایک لڑکے کے ہاتھ اسکی پشت پہ باندھے دوسرا ادھ موا ہو چکا تھا۔ اسکے بال کندھوں کے آگے گر رہے تھے۔ چہرے اور آنکھوں میں عجیب سرخی تھی۔ گردن اور چہرہ پسینے سے تر۔

اس میں مزید کوئی ہمت نہیں بچی تھی۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے وہ گہرے لمبے سانس لینے لگی۔ غصہ تھا کہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ آگ تھی کہ بجھ نہیں رہی تھی مگر روایات نے اسے یہ بھی سکھایا تھا کہ کسی پہ تب تک وار کرنا ہے جب تک وہ جوابی وار کرتا ہے، تب نہیں جب وہ گر جائے۔

روایات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوتی ہیں، لیکن کچھ ٹھیکیدار ہوتے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ان میں ردوبدل کرتے ہیں اور لوگوں کو غیرت، بقا، اور بڑائی کے پاٹ پڑھاتے ہیں ورنہ کسی روایات کو خون ریزی کی اجازت نہیں ہے۔

دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھنے کی آواز پہ اس نے سیدھی ہونے کی کوشش کی۔ یکدم دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔ اور نیما سمیت اسکے دونوں بھائی اپنے بیٹوں کے ساتھ اوپر آئے تھے۔ شب خوابی کی لباس میں، آنکھوں میں کچی نیند کا خمار لئے وہ لوگ حیرت سے اس ایک لڑکی کو تک رہے تھے جس نے دو مردوں کو چت لٹا رکھا تھا۔ اس کا چہرے پہ تھپڑ کا نشان تھا۔ حالت بکھری ہوئی۔ ماتھے پہ خون کے ننھے قطرے۔

''یہ لوگ چوری کرنے آئے تھے۔'' اس نے اردو کی بجائے انگریزی میں کہا تھا۔ ''پولیس کو کال کر لیں۔''

ہر کوئی سکتے کے عالم میں تھا۔ نیما نے غور کیا زینیا نے انکی طرف نیم رخ کر لیا تھا۔ اسکا دوپٹہ اسکے پاس نہیں تھا۔ نیما نے آگے آکر اپنی چادر اتار کر اسے دی۔ زینیا نے اسی تیزی سے اسے سر پہ جمایا۔ ایسی ہوتی ہیں روایتیں جو غیرت اور حیا کا پاس رکھتی ہیں۔

''تم نے اکیلے ان دونوں کو مارا ہے؟'' نیما کا بھتیجا حیرت زدہ سا آگے آیا۔ زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

''میں نے نہیں تم نے مارا ہے انہیں۔'' وہ یکدم جیسے کچھ یاد آنے پہ بولی۔

''ارے میں نے کب مارا؟''

"میرا نام لیں گی تو پولیس سو سوال کرے گی۔ میرے زخموں کی بابت پوچھے گی وار اگر مسلہ بڑھ گیا تو میرا کارڈ وغیرہ بھی مانگا جا سکتا ہے۔ مجھے اس سب سے دور رکھیں۔''

''میں نے مارا ہے۔۔۔''نیما آگے آئی اور زینیا کو نیچے جانے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔ وہ زینیا کی بات سمجھ چکی تھی۔ زینیا حاکم راشدی خاندان کا حصہ نہیں تھی وہ اگر انہیں مارنے کا جرم قبول کرتی اور اسکے ایک دو زخم دیکھنے کے بعد پولیس اگر اسکے باقی زخموں کی جانچ کرواتی تو گولی کا زخم ضرور دیکھ لیتی۔ اسکے بعد جو بکھیڑے کھڑے ہونے تھے انکا اللہ ہی حافظ تھا۔ زینیا چپ چاپ نیچے چلی گئی۔

ذرا سی دیر میں مجمع چھٹ گیا تھا۔ نیما نے کپڑے بدل لئے، چہرے پہ گیلی مٹی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے تھپڑ مار کر چہرہ سرخ کیا۔ اور نیچے اب وہ پولیس کو بیان دے رہی تھی۔ لڑکے بار بار نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے، لیکن پولیس انکی بات نہیں سن رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے سارا محلہ جمع ہو گیا تھا۔ ہر کوئی نیما کی دبنگ طبیعت سے واقف تھا سو اس بات پہ یقین کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ دو تیلی جیسے پتلے لڑکوں کی دھلائی اسی نے کی ہے۔ کچھ چوروں کو بھی اپنی عزت عزیز تھی کہ انہوں نے اس چھوٹی موئی لڑکی کا نام لینے کی بجائے خود کو نیما سے مار کھایا ہوا نامزد کروایا۔ نیما کے بھائیوں نے بھی لڑکی کا نام شامل نہیں کیا۔

فجر کے وقت ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گیا۔ یہ فجر کا سویرا زینیا کی زندگی سی سے ہر کثافت دھو گیا تھا۔

یہی وہ سمے تھا جب نیما اپنے اور زینیا کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوئی۔

خلاف معمول زینیا حاکم بذات خود اپنے بازو کے زخم صاف کر رہی تھی۔ زخم میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی۔ وہ کہنی کی جگہ سے اپنا بازو نہیں اٹھا سکتی تھی، مگر وہ اس سوچ میں نہیں پڑنا چاہتی تھی کہ ایک دن یہ بازو کام کرنا چھوڑ دے گا۔ ایسا تھوڑی ہوتا ہے؟

''تم تو کہہ رہی تھیں تمھیں نہیں جینا تم مر جانا چاہتی ہو پھر اتنی مزاحمت کیوں؟'' وہ زینیا کے قریب آکر بیٹھی۔

''پولیس سے کیا کہا آپ نے؟'' وہ بڑی صفائی سے اسکے سوال کو نظر انداز کر گئی۔

تمھیں تو نہیں جینا تھا زندگی بے کار تھی'' ناں؟'' وہ اپنا سوال دہراتے ہوئے بتا رہی تھی کہ جب تک وہ اسکے سوال کا جواب نہیں دے گی نیما بھی اپنے سوال پہ ڈٹی رہے گی۔

زینیا اسے کیا بتاتی کہ وہ جو ہر جذبہ بھول چکی تھی وہ کیوں اس قدر طیش میں آگئی تھی۔ کیوں اسے وہ تھپڑ اتنا برا لگا تھا؟ کیوں آج بھی اسے ناانصافی کی پرواہ تھی۔

"جو ہم پہ احسان کرے ہم اسکے لئے جان بھی دے دیتے ہیں۔ وفاداری آج کل ناپید ہے لیکن میرے علاقے میں آج بھی زندہ ہے۔"

اس نے اناڑی انداز میں پٹی اپنے بازو کے گرد باندھنی چاہی، جب نیا نے سفید پٹی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور خود اسکے پاس آکر بیٹھی۔

"تمہارا دماغ بہت چلتا ہے لڑکی۔ ورنہ میں تو تمہیں ہی پولیس کے آگے کرنے والی تھی۔" اس نے بازو کے گرد پٹی لپیٹنی شروع کی۔

"ویسے اپنے اس عمل کو کیا نام دینا چاہو گی؟"

"ایک اور احسان۔"

نیا ہنس پڑی۔

"تم بہت عجیب ہو کسی نے تمھیں بتایا ہے؟"

"میں نے کسی کو اجازت نہیں دی وہ میری ذات پہ ایسے تبصرے کرے۔" سنجیدگی سے کہا۔

پٹی ہو گئی تو اس نے بازو پیچھے کھینچ لیا۔ نیا پیچھے ہو کر بیٹھی۔ اسے غور سے تکنے لگی۔ اسکے چہرے پہ ہمہ وقت اکھڑیا افسردہ تاثر رہتا تھا۔ وہ یقیناً ہنستے ہوئے پیاری لگتی ہو گی۔ کیا وہ ہنستی رہی تھی؟

"تم مرنا نہیں چاہتی ہیں ناں؟" زینیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہاری جینے کی موٹیویشن ختم ہے۔ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ زندگی سے زیادہ حسین کچھ نہیں ہوتا۔ میں انتظار کروں گی تم مجھے اپنے علاقے کے بارے میں مزید بتاؤ۔"

''ایسا نہیں ہو گا۔اس ہفتے وحید صاحب آ رہے ہیں اور میں انکے ساتھ واپس جا رہی ہوں۔ کل رات آپ کے سونے کے بعد آپ کا موبائل استعمال کیا تھا میں نے۔''

نیما اسے دیکھ کر رہ گئی۔ جواباً اس نے کچھ بھی کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ جسے جانا تھا وہ جا کر رہتا ہے۔ وہ اسے جانے دے گی۔ تاکہ اسے معلوم ہو اب وہ جا نہیں سکتی۔

کمبیر محل کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔اس گھر کا واحد سربراہ اسٹڈی روم میں بیٹھا ایک اسکیچ بنا رہا تھا۔ کتابوں سے سجی دیواریں اسے یاسیت سے تک رہی تھیں۔ وہ ہر دفع یونہی کچھ بنا تا رہتا تھا اور بختیار کسی کتاب سے کوئی اقتباس پڑھ کر اسے سناتے تھے آج وہ نہیں تھے۔ وہ بددلی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے پل وہ راہداری میں چل رہا تھا۔ پہلو میں گرے ہاتھ میں وہی کاغذ دبوچ رکھا تھا۔اس راہداری میں وہ مقصود کی آوازیں سنتا رہتا تھا۔ کبھی وہ کسی ملازم پہ برستے تھے۔ کبھی اپنی نگرانی میں کوئی کام کرواتے تھے۔ وہ آوازیں آج نہیں تھیں۔ وہ مانے گا نہیں مگر اسے خاندان یاد آ رہا تھا۔

وہ کچن میں آیا۔ چولہے ٹھنڈے پڑے تھے۔ بختیار گھر چھوڑ کر میرہ کے ساتھ اسکے باپ کے گھر چلے گئے تھے۔
مقصود، مہدی، انیسہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ قیس کمبیر اکیلا تھا۔ تنہا۔ گلے میں کچھ اٹکا تو وہ کچن بھی چھوڑ آیا۔ باہر لان میں ایزل کی چھوٹی گاڑی نہیں تھی۔اسکے کھلونے نہیں تھے۔ اسکے چھوٹے چھوٹے بوٹ، کھلکھلاہٹ کہیں نہیں تھی۔ وہ گردن اٹھائے اپنے محل کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں انسان نہیں تھے بس قیس رہ گیا تھا۔ بس قیس۔ اسے اس تنہائی سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اسے گلا بس ایک عورت سے تھا اگر وہ وفادار ہوتی تو قیس لعنت بھیجتا دنیا پہ۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک ملازم اندر کی طرف آتا دکھائی دیا۔ قیس کے سامنے رک کر ادب سے سلام کیا۔ ''سر، شیزل صاحبہ آئی ہیں۔ کہتی ہیں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔''

''اسے اندر بھیجو۔'' کہہ کر وہ خود بھی اندر کی طرف مڑ گیا۔

وہ لاؤنج میں آیا۔ سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کر بتیاں روشن کیں، خود وہ ایک صوفے پہ آ کر بیٹھا۔ گردن تنی ہوئی تھی۔ اور اسکی ملاقاتی اسکے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ انکے درمیان خاموشیاں کبھی نہیں رہی تھیں۔ آج حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

''مجھے بات کرنی تھی۔ تم ملنے کے لئے راضی نہیں تھے۔'' کئی لمحے بعد سفید کارڈیگن والی لڑکی نے خاموشی کو توڑا۔

''بات کرنے کو کچھ رہا ہی کب تھا؟ تم نے مجھے دھوکہ دیا، ملکہ۔'' قیس اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا۔

''تم پہ اعتبار تھا۔ تم بہت کچھ جانتی تھیں لیکن تم نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔''

''یہ ہماری چوائس تھی۔ ہم دونوں، بلکہ ہم تینوں میں کوئی بھی اس بات کا پابند نہیں تھا کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں۔'' اس نے لگی لپٹی پہلے کب رکھی تھی جواب رکھتی؟

''لیکن ہم کرتے تھے، میں نے کی تھی۔''

''یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔ میں نے کبھی تم سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا، کہا تھا کیا؟''

''یعنی تم ایک لمحے کے اندر میری ریاضتیں اور احسان ردی کر دو گی؟''

''تم یہ نہیں کہہ سکتے، قیس کیونکہ ہم نے ہمیشہ فیور زدی ہیں کبھی یہ نہیں ہوا کہ ہم تینوں نے ایک دوسرے کے لئے پہاڑ سر کر لئے ہوں اور ایک دوسرے کو بتایا بھی نہ ہو؟ ہم نے ہمیشہ ایک مطلبی تعلق رکھا۔''

اسکے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ قیس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ ہاں دل کے ایک کونے میں تکلیف ہوئی تھی۔ مخلصی پہ اسکا بھی حق تھا۔

''تم نے شاید نہ کیا ہو لیکن میں نے یہ سب کیا ہے آج تم آزاد ہو ورنہ براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں کس حیثیت سے رہ رہی ہوتیں تم جانتی ہو؟''

''میں ان لمبے قصوں میں نہیں پڑھنا چاہتی۔'' شیزل نے ہاتھ اٹھا کر ٹوکا۔ ''جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ اب آگے بڑھیں؟''

''یعنی ہم ایک بار پھر کاروبار کریں، ناپ تول کریں؟'' شیزل کو لگا جیسے وہ مسکرایا ہو۔

''ٹھیک ہے پھر کرتے ہیں کاروبار کہو کیا کہنے آئی ہو؟''

اسی لمحے ملازم ٹرالی گھسیٹ کر لے آیا۔ چائے، کافی، کھانے پینے کے کافی لوازمات سے بھری ہوئی اس ٹرالی کو دیکھ قیس کو خیال آیا وہ کتنے وقتوں کا بھوکا ہے۔ اکیلے کھانا کھانا کہاں پسند تھا اسے؟

''کھانے کی تیاری کرواؤ، میڈم کھانا کھا کر جائیں گی۔'' قیس نے ملازم سے کہا۔

''نہیں میں جلدی میں ہوں، دیر ہو جائے گی۔''

''اکیلے کھانا نہیں کھایا جاتا مجھ سے جوائن کر لو (وہ رکا) پلیز؟'' اس انداز سے بولا کہ شیزل کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ واقعی اکیلے کھانا نہیں کھاتا تھا۔

کالج سے لے کر اب تک وہ کسی نہ کسی کو ساتھ شامل کر لیتا تھا۔ بانٹ کر، کسی کو ساتھ بٹھا کر کھلانا اسکا محبوب مشغلہ تھا۔

''بختیار چچا سے کچھ نہیں کہا تھا میں نے، ہاں میرہ کو نکالا تھا لیکن اسے بھی اسکے باپ کے گھر بھیجا تھا۔ دیکھو چچا بھی گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ میرا احساس ہی نہیں کیا۔''

وہ ایسے شکوہ کر رہا تھا جیسے شیزل اور اسکے درمیان کچھ آیا ہی نہ ہو۔

''تمھارے پاس وقت ہوا کرے تو آ جایا کرو۔ ساتھ کھانا کھا لیں گے۔''

''قیس۔۔۔۔'' وہ اسکے نام پہ زور دے کر بولی۔

''مہدی کا قتل کس نے کیا تھا؟''

''تم مجھ سے اعتراف جرم کروانے آئی ہو؟'' وہ ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے دلچسپی سے بولا مگر او نہوں یہ کچھ مختلف آدمی تھا اسکی مسکراہٹ خالی تھی۔ آنکھیں ہر چمک سے خالی۔

کوئی روگ تھا جو اسے اندر ہی اندر نگل رہا تھا۔

''میں نے قتل کروایا تھا اب بتاؤ کیا کرو گی؟''

''یہ سچ نہیں ہے۔ کیونکہ مجھ اس سب میں براق کی شمولیت حد سے زیادہ نظر آرہی ہے۔''

''ماننا پڑے گا تعلق ختم ہو گیا باقیات باقی ہیں۔'' اسکے بے لاگ تبصرے پہ شیزل کی رنگت اڑ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ گود میں یکجا کیے، لرزش پہ قابو پایا۔

اور ایک بار پھر اسکے چہرے کی طرف دیکھا۔ اندر گڑھتی اسکی نگاہیں، شیزل نے بے اختیار نگاہیں چرائیں۔

''خیر چونکہ تم نے مجھ سے فیور مانگی ہے اور چونکہ میں صرف نام کا شیطان ہوں مگر در حقیقت ایک نیک صفت انسان ہوں اس لئے میں تمھیں تمھارے ''ایکس'' کی involvement اسی کی زبانی سنا دوں گا اوکے؟''

''یعنی وہ انوالو ہے؟'' اسکے دل کو کچھ ہوا۔

''مجھے کیا پتہ؟ تم کہہ رہی ہو تو ہو گا۔ تمھارے تعلقات رہ چکے ہیں اس سے۔''

''تمھارے بھی تو تعلقات رہے تھے زینیا سے پھر تم اس حد تک کیسے گر گئے؟'' سیاہ آنکھوں والی لڑکی کی آنکھوں میں طیش تھا۔

''میں تمھیں دیکھتی ہوں اور مجھے یقین ہی نہیں آتا تم وہی انسان ہو جس سے میں ملی تھی تم نے، زینیا۔۔۔۔''

''میں اسے بہت یاد کرتا ہوں۔'' اسکی بات کاٹ کر بے حد مدھم لہجے میں شکستگی سے اعتراف کیا۔ ''بہت غلط کیا ہے میں نے یقین آگیا ہے مجھے۔ پتہ نہیں کب، کیسے، کیوں کر دیا میں نے یہ سب؟ مجھے نہیں سمجھ آرہی کچھ بھی۔''

اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرا دیا۔ وہ تھک کر گر گیا ایسے جیسے پہاڑ کھڑے کھڑے گر جاتے ہوں۔

''وہ میرے سامنے نہیں ہے اور میرے لئے ایک ایک منٹ ایک عذاب ہے۔ مجھے جتنے لوگوں نے چھوڑنا تھا وہ چھوڑ دیتے فرق نہیں پڑتا لیکن وہ صرف ایک انسان نہیں ہے۔ مجھے وہ واپس چاہیے ہر صورت۔''

اس نے چہرہ اٹھایا آنکھیں گیلی سی تھیں۔ اتنے دنوں کی اضطراب، بے سکونی عنقا ہونے لگی۔

وہ بھر بھری دیوار کی مانند ڈھے گیا۔ شیزل دم سادھے اسے تک رہی تھی۔ اسے پہلی بار کمبیر محل سے باقاعدہ وحشت ہو رہی تھی۔

''مجھے یہ نہیں پتہ وہ کہاں ہے لیکن شاید ایک انسان کو پتہ ہو۔اس سے لاکھ اختلاف سہی، میں اسے واپس لاؤں گا تاکہ وہ اسے واپس لائے جس کے بغیر میں **"میں"** نہیں۔''

''وہ انسان کون ہے۔؟''آگے کو ہو کر اس نے سوال کیا۔

''وہی جسے راستوں کا علم ہے۔''

''مہدی؟''شیزل کی آواز کسی کھائی سے آتی تھی۔

''یعنی رہبر۔۔۔۔۔۔۔۔''قیس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔شیزل کچھ کہہ ہی نہ سکی۔کیا کہتی یہ نیم دیوانہ شخص جس سراب کے حصول میں تھا وہ اسے اس دنیا میں نہیں ملنے والا تھا۔صحرا میں سمندر دیکھ لینے سے تاثیر نہیں مٹتی۔

''تمہیں تھیراپی چاہیے، قیس تمہیں واقعی ضرورت ہے۔''وہ بے حد مخلصی سے اسے مشورہ دے رہی تھی۔

''لے رہا ہوں تھیراپی۔''وہ تابعداری سے بولا۔

''کل سے پہلا سیشن ہو گا۔میں بدل رہا ہوں یار۔''

وہ ایک بار پھر لاجواب رہ گئی۔قیس کمبیر پرت در پرت کھل رہا تھا۔اور وہ اسکے اس روپ کی عادی نہیں تھی۔وہ کیسے اپنی محافظ پرسنالٹی میں کسی کو داخل ہونے دے رہا تھا۔وہ بدل رہا تھا یا بے حد اکیلا تھا؟

''سر کھانا لگ گیا ہے۔''دستک دینے کے بعد ملازم نے دروازے پہ اطلاع دی۔قیس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔اور اسے جانے کو کہا۔

''دیکھو کمبخت کو کیسے جھوٹ گڑھ رہے ہیں۔ابھی دیکھ کر آیا تھا میں چولہے ٹھنڈے پڑے تھے اب کیا فوراً کھانا بن گیا۔فریج میں پڑا کھانا گرم کر دیا ہو گا۔''وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''آؤ چل کر کھاتے ہیں رزق کی بے حرمتی نہیں کرتے۔''

وہ اٹھ کر اسکے ساتھ چلنے لگی۔ وہ جو ذرا ذرا سی بات پہ ملازمین کی بازپرس کرتا تھا آج خاموش رہا۔ کافی دیر بعد سربراہی کرسی پہ بیٹھے وہ انتہائی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

شیزل بس کھانے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کھا نہیں سکی۔ یکدم یہ گھر اس بوڑھی حویلی کی مانند لگنے لگا جس میں کئی لوگوں کو ایک ساتھ قید کر دیا جاتا تھا ہے۔۔۔ مگر اس بار اس کہانی میں، اس بوڑھی حویلی میں کیوں دیو پہ ترس آرہا تھا؟ بے تحاشا ترس۔ کوئی اسے پروں میں سمیٹ لے۔ کاش۔

بلآخر وہ دن بھی آگیا تھا جب پورے ڈھائی ماہ بعد وحید اللہ نے واپس ڈھاکہ میں قدم رکھا۔ ہواؤں نے اسے پہلے کی طرح خوش آمدید کہا۔ لوگ اس سے پہلے کی طرح خوش اخلاق رہے۔ کھانوں کی مہک نے یونہی ایک نروٹھی سی مہک انکے نتھنوں تک پہنچائی، یہ اشارہ تھا کہ یہاں اس شہر میں انہیں یاد کیا گیا۔ پندرہ سال سے وہ اس شہر سے کراچی تجارت کر رہے تھے۔ آج انہیں ڈھاکہ اور کراچی کے درمیان سرحدیں دکھنی ختم ہو گئیں تھیں۔ آج انکے کراچی جتنے تعلقات اور رشتے یہاں بھی تھے۔

راشدی ہاؤس کے باہر کھڑی ایک ٹیکسی میں کچھ سامان رکھا جا رہا تھا۔ کھڑکی میں کھڑی زینیا حاکم کے چہرے پہ اگر خوشی نہیں تھی تو غم بھی نہیں تھا۔ ملک واپس جانا ہر ایک کے بخت کا حصہ نہیں ہوتا مگر اس نے اپنا بخت خود لکھا تھا اپنے ہاتھوں سے۔ اسے یہاں سے نجات مل رہی تھی۔

'' تم بہت ڈھیٹ ہو، زوہرا۔''

''زینیا۔۔۔''اس نے بغیر لب ہلائے تصیح کی۔

''بجائے اس کے کہ تم یہ مان لو کہ تمہارے آدھے خاندان نے تمھیں یہاں پہنچانے کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں تم ہر شے سے نظر چرا کر بھاگ رہی ہو؟''

''یہ قربانی نہیں پیچھا چھڑانا تھا میں نے سے کچھ مانگا نہیں تھا۔''

نیما گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ اسکی صبیح پیشانی پہ تفکر کی لکیریں تھیں۔

''وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا زوہرا۔ جس انسان نے حکومت کی ہو اس سے تخت لے لیا جاتا ہے۔ جس نے محبتیں دیکھی ہوں اسے خالی دامن کر دیا جاتا ہے۔ یہ امتحان ہوتا ہے۔ انسانوں کو اس امتحان پہ کھرا اترنا ہوتا ہے۔''

''ہر انسان کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ کچھ انسان یہ سب ڈیزرو نہیں کرتے۔''

''حضرت آدم تک جنت سے نکالے گئے تھے۔ کیا وہ یہ سب ڈیزرو کرتے تھے؟ کیا وہ اللہ کو عزیز نہیں تھے۔'' بنگالی عورت اسکی جرح پہ اتر آئی تھی۔

زینیا نے انہیں ایک الگ ایک نئی نظر سے تکا۔

''میں نے انسانوں کو پرکھا ہے۔ وقت کو دیکھا اور جھیلا ہے۔ میں جانتی ہوں لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی اس گھر میں رہو واللہ میں چاہتی ہوں تم کہیں چلی جاؤ تاکہ مجھ پہ زیادہ ذمہ داریاں نہ آئیں۔ لیکن میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ تم ایک آنر یبل زندگی گزارو۔'' زینیا انکے آخری الفاظ پہ تھم سی گئی۔ کافی دیر بعد وہ ہلکی آواز میں بولی۔

''میرے بارے میں سوچ رہی ہیں؟''

''نہیں میں اتنی عظیم نہیں ہوں۔ لیکن میں نے دیکھا ہے تمہارے بہن، بھائی نے تمہارے لئے بہت قربانی دی ہے۔ وہ رائیگاں چلی جائے گی۔ میری طلاق کے وقت میرے بہن بھائی میرے ساتھ نہیں تھے کیونکہ انکو لگتا تھا سب کو اپنے مسئلے خود فکس کرنے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی میرے ساتھ ہوتا تو نیما راشدی ایک مختلف انسان ہوتی۔''

زینیا جواباً کچھ نہیں بولی۔ وحید اللہ نے ہاتھ ہلا کر اسے نیچے بلایا وہ فوراً اپنا بیگ اٹھا کر کمرے کی چوکھٹ پار کر گئی۔ نیما اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ آنے والوں نے جانا ہی ہوتا ہے یہ تو طے ہے۔

تیسری منزل سے پہلی منزل کی طرف جاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ آج سیاہ ماربل کی وہ سیڑھیاں معمول سے ہٹ کر صاف تھیں۔ نیما کی بڑی بھابی کو بلاخر یہ خیال بھی آ ہی گیا۔ پہلی منزل کے صحن میں بختاور ہمیشہ کی طرح پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔ زینیا نے ایک نظر اسے بھی دیکھا۔ چند ماہ کے دوران ہی وہ ان سب کے معمولات سے واقف ہو گئی تھی۔ گھر کا دروازہ پار کرتے ہوئے سوسائٹی کے بڑے سے میدان میں آج بچے کم نظر آئے اسے۔ فوجی کٹ بالوں والا بچہ بھی آج کرکٹ

کھیل رہا تھا ورنہ ہر بار اسے کچا بسکٹ کر کے ایک طرف بٹھایا جاتا تھا۔اس نے نظریں اٹھا کر دائیں طرف والے ڈبل سٹوری گھر کو دیکھا۔آج بھی انکے گھر کی ماسی کی بیٹی بالکنی میں کھڑی ٹک ٹاک بناتی نظر آرہی تھی۔اسے آج پھر وحیدہ سے ڈانٹ پڑنی تھی۔

وہ جو خود کو اس ملک،اس شہر میں مس فٹ گردانتی تھی کوئی اسے بتائے دنیا کے وجود میں آنے کے بعد یہ نہیں کہا گیا فلاں حصہ مسلمانوں کا ہے فلاں یہود کا،فلاں پارسیوں کا اور فلاں یسوع مسیح کے ماننے والوں کا۔یہ اراضی کا قطعہ االلہ نے انسان کے حوالے کیا اور اسے حق دیا کہ جہاں چاہے بس جائے۔یہ عارضی ٹھکانہ تھا۔یوں بھی اسکی واپسی کہیں اور تھی۔وہ جو اسکا اصل ٹھکانہ تھی۔

"کیا تمھیں کھانا نہیں ملا؟" ٹیکسی چل پڑی تھی جب اسکے سامنے والی نشست پہ بیٹھے وحید اللہ نے اسے مخاطب کیا۔"سانس لینے کو ہوا پوری نہیں تھی یا قدم دھرنے کو زمین تنگ پڑ گئی تھی؟"

"میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔"

"تمہاری واپسی صرف ان تین بنیادوں پہ ہونی چاہیے تھی لیکن اگر یہ سب مل گیا تو یہ خود غرضی ہے جو تمھیں واپس لے کر جارہی ہے۔"

"اگر آپ کو اٹھا کر کسی دوسرے ملک،غیر لوگوں کے درمیان بھیج دیا جائے تب میں آپ سے پوچھوں گی کیا خود غرضی ہے اور کیا ہے اپنے اصل کی طرف واپس۔"

"میں کئی کئی دن سمندری سفر میں اپنوں سے دور غیر ملک میں رہتا ہوں۔کیونکہ اس دوران مجھے میرا رزق ملتا ہے۔یہ میرا اصل ہے۔تمہارا اصل کیا ہے؟" وہ جیب میں اٹکی عینک کے شیشے ٹشو سے صاف کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔زینیا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"تمہارا اصل ہے ناشکراپن۔خود غرضی۔حالات سے فرار۔ڈھٹائی۔تم رشتوں کی قدر نہیں کرتیں۔تم کسی چیل کی طرح اپنے قریبی لوگوں کو نوچتی ہو کیونکہ تمھیں لگتا ہے یہ تمہارا حق ہے۔" غصے سے اسکے ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی۔الفاظ نئے نہیں تھے مگر انہیں پہلی دفع کہنے والا وہ تھا جو بولتا تھا تو ہوائیں رک کر سنتی تھیں۔اس جاچکے کی یاد ایک بار پھر ہوا میں رچ بس گئی۔

''وہ بیچارہ افسر تمھارے لئے پیشیاں بھگتا رہا ہے۔ تمہاری دوست میڈیا اور پولیس کے جواب دے دے کر ہلکان ہو گئی ہے۔ تمہارا بھائی پاگلوں کی طرح تمھیں ڈھونڈ رہا ہے لوگوں کے گریبان پکڑ رہا ہے اور تم؟'' انہوں نے صاف عینک آنکھوں پہ چڑھائی اب ڈھاکہ صاف اور واضح دکھ رہا تھا۔ مگر صرف انہیں۔ عقبی نشست والی لڑکی کے لئے ڈھاکہ مزید دھندلا ہو گیا تھا۔

''تم جانتی ہو تم یہاں سے کیوں جا رہی ہو؟''

''کیوں؟'' وہ لہجے کی نمی پہ قابو پاتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

''کیونکہ تم گھبراتی ہو۔ تمہاری زندگی کا زائچہ دیکھ آیا ہوں۔ ہر دور میں تمھارے ساتھ لوگ کھڑے تھے اب اکیلی ہو اور اندر سے تم عام، مڈل کلاس لڑکی ہو جسے سہارے چاہیے تھے۔ نہیں مل سکے۔ جو شہزادے کے انتظار میں ہے کہ وہ کب کانچ کا جوتا لے کر آئے گا اور اسے تمھارے پیروں کی زینت بنائے گا۔'' گاڑی پورٹ سے ذرا فاصلے پہ آکر رکی مگر شور ایسا تھا کہ یہاں تک کان کے پردے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ زینیا تو صرف وحیداللہ کو سن رہی تھی باقی ساری آوازیں غیر معنی تھیں۔

وحیداللہ گاڑی سے باہر نکل آئے۔ زینیا بیگ سینے سے دبوچے وہیں بیٹھی رہی۔ کیا کرنے جا رہی تھی وہ؟ کیا تھی اسکی زندگی۔ کیا وہ واقعی نہیں جینا چاہتی یا وہ کوشش سے ڈر رہی ہے۔ مسائل سے پہلے اسکے پاس حل آتے تھے پھر آج کیوں وہ تردد کا شکار تھی۔ ایک فیصلہ صرف ایک فیصلہ کرنے میں وہ اتنی متامل کیوں تھی؟ کیا تھا جو اس ملک میں اسکا منتظر تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔

''باہر آجاؤ، زینیا حاکم۔'' وہ گویا کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔ یہ نام اسے اس نام سے خوف آیا۔ اگر کسی نے سن لیا، کوئی اس نام سو واقف ہوا تو؟ وہ اسی طرح ہراساں نگاہوں سے آس پاس دیکھتے ہوئے باہر نکل آئی۔ چند پل بعد وہ وحیداللہ کے ساتھ لوگوں کے درمیان راستے بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے احساس ہوا یہ کام مشکل تھا۔ ڈھاکہ کی رش میں راستے بنانا بہت مشکل تھا۔ دریا کے کنارے کئی بحری جہاز کھڑے تھے۔ لوگ چڑھتے اترتے دکھائی دے رہے تھے۔ زینیا کی نگاہیں بھٹک کر ان تین جہازوں پہ جا کر اٹک گئیں جن سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ تینوں تین منزلہ فیری جہاز تھے۔ جن پہ ڈھاکہ کے دریا کے چکر لگوائے جاتے تھے۔ مقامی زبان میں انکے ماتھے پہ انکا نام درج تھا اور لوگ چڑھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک طرف گول گپے، بریانی اور کئی کھانے پینے کی اشیاء بیچنے والے لوگ کھڑے تھے۔ سب یکدم غیر لگنا بند کیوں ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا۔

''ہم کتنی دیر میں نکلیں گے؟''

''جانتی ہو میں آج تک سوچتا ہوں شہزادے نے آخر شہزادی کو کانچ کا جوتا کیوں پہنایا؟''اس شور میں انکی آواز اور اس بے تکی بات پہ زینیا الجھ گئی۔

''جوتا ٹوٹ جاتا تو شہزادی کے پاؤں زخمی ہو سکتے تھے مگر شہزادے کو بس اپنی پرواہ تھی۔ وہ بس اپنی محبت میں اسے لینے آیا تھا۔ اگر اسکی جگہ شہزادی کا باپ ہوتا تو وہ چاہے اسے ٹاٹ کا جوتا دیتا، لیکن پائیدار اور نرم جوتا نہ دیتا۔''سارے کے سارے ڈھاکہ نے منہ پہ انگلی رکھ کر سکوت اختیار کر لیا۔ زینیا نے اگلا سانس تک روک لیا۔

''باپ کو اولاد کی فکر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اسے سخت جوتی دیتا ہے۔ جو اسے گرمی، سردی، دھوپ سے بچاتی ہی ساتھ اسے یہ سبق دیتی ہے کہ ایک روز اس جوتی کی جگہ اسے نرم جوتی پہننی ہے۔ باپ دور اندیش ہوتا ہے۔ شہزادے کی جگہ اگر باپ ہوتا تو وہ شہزادی کو محض اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتا وہ اسے اپنے تک آنے کا راستہ دکھاتا۔ اس دنیا میں جو قربانی ایک باپ دے سکتا ہے وہ کوئی نہیں دے سکتا۔'' سنہری آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت تھیں۔ وحید اللہ دریا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ کسی کو نہیں دیکھ سکی۔

''یہ زندگی مشکل ہے لیکن اسے تمھارے لئے تمھارے باپ نے چنا ہے۔ کسی بشر نے نہیں، کسی قیس کمبیر، کسی مہدی نے نہیں۔''وہ بے دھم ہو گئی۔ بے سانس، خالی۔

''اسے تم پہ اعتبار اور ناز تھا۔ اسے لگا تھا تم یہ سب جھیل سکتی ہو۔ تم جگہ بنا سکتی ہو اور مسائل کے حل بھی نکال سکتی ہو لیکن بیچارہ۔۔۔''اس نہ تاسف سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''شاید اسے معلوم نہیں شہزادی اب کسی شہزادے کی راہیں دیکھنے لگی ہے۔''

وہ پیچھے کی طرف قدم لے رہی تھی۔ اسکا چہرہ وہ نہیں رہا تھا جس کے ساتھ وہ آئی تھی۔ وحید اللہ اسکے پیچھے نہیں گیا۔ زینیا میکانکی انداز میں پورٹ کے باہر کھڑی ٹیکسیوں کی طرف گئی۔ اس نے سوسائٹی کا نام کہا اور ڈرائیور نے گاڑی چلادی۔ گاڑی وہیں آکر رکی

جس جگہ کو وہ پیچھے چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ کسی مانوس انداز میں گھر کی طرف آئی۔ نیما راشدی نے اسکے لئے دروازہ کھولا سامنے زینیا حاکم تھی۔ اسکے چہرے پہ حیرت نہیں تھی۔ مگر کچھ عجیب سا تھا۔

''زینیا تم۔۔۔۔''

''زوہرا متین۔'' اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

''یہ میرا نام ہے۔'' انداز روبوٹک رہا۔ نیما نے اسکے لئے دروازہ کھول دیا۔ زینیا حاکم کی واپسی مضبوط قدموں اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ وہ زینیا نہیں تھی جو اس گھر سے گئی تھی۔ یہ کسی شہزادے کی مستقبل کی ملکہ نہیں تھی یہ کسی باپ کی دلیر بیٹی تھی۔

سفید کمرے میں شیشہ آنکھوں کے آگے لگائے، شرٹ سے خالی بالوں سے بے داغ، مگر زخمی سینے کو دیکھتے ہوئے اس نے کتنا وقت گزار دیا تھا خبر نہیں ہو سکی۔ باہر ہنوز خاموشی تھی۔ کسی نے ان دیواروں کو واپس سفید رنگ میں نہیں بدلا تھا۔ کسی نے اس سے آئینہ نہیں چھینا تھا۔ مہدی کو اپنی آزادی اب بہت قریب نظر آرہی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا اسکی موت بے حد قریب تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں، پھر ان آنکھوں میں کوئی اور منظر غالب آیا۔ رفتہ رفتہ اس نے مہدی کی آنکھوں پہ غلبہ پالیا۔

سفید کمرے کے اس بے رونق منظر سے پرے کسی چمکیلی دوپہر کا ذکر ہے۔۔

وہ پرچہ دے کر باہر نکلی تو سامنے گاڑی کے اندر مہدی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پھر اپنے آس پاس دیکھا۔ کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ زینیا آگے نہیں آسکی۔ وہ اپنی جگہ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اسی لمحے اسکے ہاتھ میں پکڑا موبائل بجا۔ مہدی اسے کال کر رہا تھا۔ زینیا نے چونکتے ہوئے کال اٹینڈ کر لی۔

''آپ کے لئے کھڑا ہوں، سرکار۔ یہاں آنے کی زحمت کریں۔''

چند دن قبل بھی اسکا ایک پیپر تھا اور شیزل اسے لینے آئی تھی۔ آج مہدی آیا تھا۔

ماننا پڑا کہ اسلام آباد نے اسے چند اچھے لوگ بھی دیے تھے۔

"اگر میرے لئے آئے ہوتے تو آپ باہر کھڑے ہوتے آپ گاڑی کے اندر بیٹھے ہیں کمبیر صاحب۔"

"وہ اس لئے سرکار کیونکہ باہر کھڑا رہتا تو آپ کے سرتاج پہ کسی کا دل آسکتا تھا۔اور ہم ٹھہرے صدا کے وفادار انسان۔آپ کے علاوہ کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا ہو گا میرا؟"

وہ گاڑی کے شیشے کے پار اسے تکتے ہوئے مسکرایا۔زینیا اسی طرف آرہی تھی۔دھوپ کی وجہ سے اسکی چھوٹی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئی تھیں۔چہرہ سرخ مہدی غور سے اسکے بدلتے رنگ از بر کرتا رہا۔

"آپ کی رنگین مزاجی کے چرچے نہ ہوتے تو کسی کی جرات کوئی آپ کو دیکھے؟"

"یعنی یہ بھی میرا قصور ہے؟"

"سو فیصد۔۔۔" کہتے ہوئے اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا۔اور فرنٹ سیٹ پہ آکر بیٹھی۔دونوں فون کان سے لگائے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔آنکھوں میں چمک اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔دنیا میں کئی خوبصورت مناظر ہیں مگر دو محبت میں مبتلا لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا ان تمام مناظر پہ بھاری ہے۔

"اچھا لڑکی، میں فون رکھتا ہوں فرنٹ سیٹ پہ میری بیوی آگئی ہے۔بہت شکی مزاج خاتون ہے وہ۔"

"بیوی کے لئے چھوڑ دیں گے مجھے؟" وہ مصنوعی ناراضگی سے بولی۔آنکھوں میں محظوظ کن تاثر تھا۔

"میری بیوی کو دیکھا ہوتا تو یہ نہ کہتیں تم۔اسکے لئے دنیا چھوڑی جاسکتی ہے۔"

"اچھا لیکن میں نے سنا تھا آپ کی بیوی کافی بدزبان، اکھڑ اور ڈرامے باز واقع ہوئی ہے۔"

"یہ تو اسکے پارٹ ٹائم مشغلے ہیں۔ورنہ وہ فل ٹائم، حسین، جان جہاں، رونق محفل اور نور دنیا ہے۔"

زینیا سرخ چہرے کے ساتھ ہنس پڑی، مہدی بھی ہنسنے لگا۔ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوئے موبائل انہوں نے کان سے نہیں اتارے۔وہ آنکھوں کی چمک، وہ چہرے کے رنگ کیا ہے جو انہیں مات دے جائے۔اس لمحے ان دونوں کے دلوں کو یہ احساس ہوا ایسے زندگی گزاری جاسکتی ہے۔یونہی خوامخواہ ہنستے ہوئے، اس طرح روبرو، ہر فکر سے آزاد۔

''میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ بدتمیز خاتون آپ کو آئے روز بلاک بھی کر دیتی ہے۔''

''کسی نے تمھیں یہ نہیں بتایا اسکی بلاک لسٹ سے بار بار ان بلاک ہونے والا واحد شخص میں ہوں۔''

''یعنی آپ کو بہت سر چڑھا رکھا ہے اس نے؟''

''ہاں بس ذرا سا وقت بعد میں سر سے دل تک آجاؤں گا، مشن مکمل۔''

اب کے اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔ زینیا ٹھہر گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ مہدی کبیر نے زینیا حاکم کے دل کے دروازے ایک مدت ہوئی پار کر لئے تھے۔ اور اب دل کی گدی پہ وہ پورے استحقاق سے براجمان تھا۔ وہ لاعلم تھا، یا بس لگتا تھا؟

''فون رکھتی ہوں میں، آپ نے ویسے بھی بیوی کے گن ہی گانے ہیں۔''

''ہاں رکھ دو، وہ میرے سامنے بیٹھی ہے۔ اسے دیکھوں یا تم سے بات کر کے وقت ضائع کروں؟'' مہدی نے فون گود میں دھر دیا زینیا جو کچھ کہنے والی تھی مہدی نے اسکے کان سے فون اتارا اور اسے بھی اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے برا نہیں منایا۔

''اور بتائیں بیگم صاحبہ کیا کھائیں گی؟''

زینیا نے بے اختیار رخ بدلا تھا۔ چہرہ گلابی ہو گیا۔ وہ پھاڑ کھانے کو دوڑتی مگر مہدی کبیر دو منٹ کے اندر اندر اسکی زبان تالو سے چپکا دیتا تھا۔

''بیگم شرما لیا ہے تو اب بتائیں کیا کھائیں گی؟

آپشن میں میرا کچا گوشت available نہیں ہے۔ کچھ پینا ہے تو میرا خون حاضر ہے۔ اجازت کی ضرورت تو تمھیں کبھی پیش ہی نہیں آئی۔''

''آپ کچھ زیادہ فری ہو رہے ہیں۔'' زینیا نے اپنا بیگ کھول کر سو سو کے چند نوٹ نکال کر اسکی گود میں رکھے۔

''اب پورا راستہ آپ میرے ڈرائیور رہیں گے۔''

مہدی نے ایک نظر اسکے دیے پیسوں کو دیکھا، پھر اسے اور کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بے اختیار اسے کچھ یاد آیا۔ وہ قیسم کی راہداری میں کھڑے تھے مہدی نکاح کے بدلے اس سے اپنا ورلڈ ٹور اسپانسر کرنے کو کہہ رہا تھا زینیا نے اسکی ہتھیلی پہ چند سکے رکھے۔ وہ دونوں سیکریٹ اسکائی میں تھے مہدی نے اس سے کچھ کہا اور زینیا نے میز پہ اپنی طرف کا بل رکھا وہ پیسے مہدی اٹھا چکا تھا۔ وہ دونوں سڑک پہ کھڑے تھے، مہدی اسکا ڈرائیور بننے کو تیار تھا جب زینیا نے اسے چند سو تھمائے، اور آج وہ اسے دوبارہ کچھ روپے دے رہی تھی۔ وہ ہنستا چلا گیا۔

زینیا گہری سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کمبخت کو کوئی بتائے وہ ہنستے ہوئے پیارا لگتا ہے اور دل کرتا ہے اسے دیکھا جائے۔ یونہی ہنستے ہوئے اس نے پیسے ہمیشہ کی طرح سینے والی جیب میں رکھے۔ انکی جگہ یہیں تھیں۔

"میڈم آپ بہت خوبصورت ہیں، کیا ڈرائیور کو تھوڑا فلرٹ کرنے کا حق ہے؟"

"نہیں، میرا ایک عدد شوہر ہے اور وہ کہتا ہے زینیا حاکم سے فلرٹ نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے اپنا موبائل مہدی کی گود سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سرکار، یوں نہ کریں۔ دل بہت کمزور ہے میرا میں نے رخصتی کروا لینی ہے۔"

زینیا نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا۔ بس ایک سخت نظر اور مہدی کی چلتی زبان کو بریک لگے۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر ہلکا سا مسکرایا۔ زینیا یونہی اسے ٹھنڈی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"آنکھوں سے بلاک ہونے کا کوئی آپشن نہیں ہوتا سرکار؟ تھوڑی دیر بلاک کر دیں ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ایسی معصومیت سے بولا کہ زینیا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے رخ موڑ لیا۔

یہ آدمی، اسکی باتیں، اسکی سنگت وہ زینیا حاکم کو اندر تک سرشار کر سکتا تھا۔

منظر دھوئیں میں تحلیل ہو گیا۔ اور حقیقت نظر آئی۔ وہ حقیقت جس میں "وہ" نہیں تھی۔

وہ اتفاق بن کر آئی تھی۔ محافظ خود بنی، مرہم قدرت کی طرف سے، اور محبت؟ اس سے محبت بخت کی طرح مہدی کمبیر کے دل پہ نقش کر دی گئی۔ ایک ایسا نقش جسے وہ قابل تعظیم سمجھتا تھا۔

دروازہ چر کی آواز کے ساتھ اور کھلتا چلا گیا۔ زرقون، سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اسکی آنکھیں بے تاثر تھیں اور لب سیدھی لکیر میں بند۔ چہرے پہ سپاٹ تاثر تھا۔ مہدی نے اسے دیکھا اور اسے بے اختیار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ زرقون کے ہاتھ پہ زنجیر بندھی تھی۔ جسے اب وہ کلائی پہ لپیٹ رہا تھا۔ مہدی دھیرے دھیرے پیچھے ہونے لگا۔

آئینے پہ اسکی گرفت سخت ہوئی۔ زرقون نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کونے میں لگے سی سی ٹی وی کیمرہ کو۔ وہ دو قدم آگے آیا۔ جھک کے سنگ مرمر کا وہ سفید مگ اٹھایا اور مہدی کو دیکھتے ہوئے اس مگ کو اچھال کر کیمرہ کے عین اوپر دے مارا۔

اسلام آباد کے اس رئیس کے لئے اس سفید کمرے کا منظر بلاک ہو گیا۔ ختم ہو گیا۔ سنگھار میز کے سامنے کھڑے کسی خاص ملاقات کے لئے تیار ہوتے براق حنیف کے لبوں پہ کرب زدہ تبسم ابھرا۔

''میں ایسا نہیں چاہتا تھا لیکن قسمت کے لکھے کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔''

شانے اچکائے اور اپنے اوپر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔ جانے والوں پہ کیا رونا؟

''میں تمھیں بہت مس کروں گا، مہدی اور میں یونہی نہیں کہہ رہا۔''

''ہم اتنے دن آپس میں لڑتے رہے، جھگڑتے رہے لیکن ہم نے ایک بار بھی بیٹھ کر بات نہیں کی۔ ہمیں بات کرنی چاہیئے ناں؟'' سفید کفتان والا مرد اسکے قریب بیٹھ گیا۔

مہدی نامحسوس انداز میں اس سے دور ہٹا۔ اسے کچھ کھٹک گیا تھا۔

''براق اور میں ساتھ کام کرتے ہیں۔ چائنا سے آنے والا کپڑا میں اسکے ٹیکسٹائل کو بھیجتا ہوں۔ تم مجھے ایک تاجر کہہ سکتے ہو۔ لیکن اس مقام تک مجھے براق لایا اس لئے تم مجھے اسکا غلام کہہ سکتے ہو۔ تمھیں یہی کہنا چاہیے۔'' اس نے گردن ترچھی کر کے مہدی کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں خوف تھا۔

''ڈرومت میں ایک نارمل بات کر رہا ہوں۔''اس نے مہدی کے گلے میں گلٹی ابھرتے دیکھ کہا۔

''میرے ابا تمھارے باپ کی فیکٹری میں ملازمت کرتے تھے۔میں بچہ تھا ساتھ جایا کرتا تھا۔میری ماں بھی وہیں کام کرتی تھیں۔فیکٹری کے ایک ملازم نے میری اماں کے ساتھ بدتمیزی کی ابا کو غصہ آیا وہ لڑنے پہنچ گئے مگر انکے دیے ہوئے دھکے سے آدمی گرا اور اسکا سر بھاری شے سے ٹکرایا۔آدمی مر گیا۔اچھا ہوا۔ہے ناں؟''

اس نے مہدی سے تائید چاہی۔اس نے محض سر ہلا دیا۔انداز ہنوز چوکنا تھا۔

''تم خود سوچو کوئی تمہاری بیوی سے ایسی بات کرے تم کیا کرو گے؟''

مہدی کئی لمحے خاموش رہا۔پھر جب بولا تو اسکا لہجہ مستحکم تھا۔

''اول تو میری بیوی یہ مسئلہ لے کر میرے پاس نہیں آئے گی۔دوئم اگر وہ آگئی تو وہ آدمی ''**غلطی**'' سے نہیں مرے گا۔''

زرقون ہنس پڑا۔توصیفی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمھارے باپ نے اس قتل پہ میرے ابا کو جیل کروادی۔کیونکہ انکو لگتا تھا ہر جرم کی ایک سزا ہوتی ہے اور اس جرم کی سزا قتل نہیں تھا۔خیر قصہ مختصر ابا کو جیل ہوگئی۔اماں کو لوگ باتیں سنانے لگے اور انہوں نے تنگ آکر ایک دن خودکشی کرلی۔پیچھے چار بچوں کی ذمہ داری مجھ پہ آگئی۔بہت برا ہوا پارٹ ٹو ہے ناں؟''

مہدی کچھ کہہ نہیں سکا۔ایک لمحے کے وہ جیسے کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''تمھارے ابا چاہتے تو میرے باپ کی مدد کرسکتے تھے۔چاہتے تو میری اماں کو نوکری سے نہ نکالتے۔لیکن خیر۔

اس کے بعد میں نے بہت مشکلات دیکھیں۔برا وقت کاٹا۔کیا کیا نہیں دیکھا میں نے؟بس دل میں ایک عہد پکا تھا۔ایک دن میں سرور کبیر کی اولاد کو خون کے آنسو رلاؤں گا۔اور یہ موقع بھی مجھے براق نے دیا۔جس کے لئے میں ساری زندگی انتظار کرتا رہا۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔مہدی اپنی جگہ جامد ہوا۔آنکھیں ایک پتلی پہ ساکت ہوئیں۔

''دیکھو مجھے کیسا گولڈن چانس نصیب ہوا ہے''وہ مسکرایا۔ٹھنڈی مسکراہٹ۔

''اپنی موت کے لئے تیار ہو؟''

''مجھے مارنے کی کوشش بھی مت کرنا، زندہ گاڑھ دوں گا۔''

وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کر گیا۔ زرقون نے ہاتھ پہ لپٹی چین کھولی۔ چند ثانیے مہدی کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک زوردار تھپڑ اسکے چہرے پہ دے مارا۔ اسکی گردن تک ٹیڑھی ہو گئی۔ مگر طیش ایسا تھا کہ اس نے اٹھ کر ویسا ہی تھپڑ زرقون کو مارا۔

''تمہاری یہ جرات کہ تم مہدی سرور کمبیر پہ ہاتھ اٹھاؤ گے؟ میرے چہرے پہ ہاتھ اٹھاؤ گے؟'' وہ غراتے ہوئے اس پہ جھپٹا مگر زرقون نے اسکی کہنی پکڑ کر اسے مروڑا اور پیچھے تک لے گیا۔ اسکی کمر پہ گھٹنا دے مارا وہ گر پڑا اسی لمحے زرقون نے کلائی پہ لپٹی زنجیر اسکی گردن پہ باندھ دی اور دباؤ بڑھایا۔ اسی پل اسکے کان میں لگے ایک آلے میں کوئی آواز گونجی۔

''زرقون۔۔۔ اسے مت مارنا۔ مہدی کمبیر کو زندہ چھوڑو۔ اسے ہاتھ بھی مت لگانا تم سن رہے ہو؟'' پھولی سانسوں کے درمیان براق حنیف کہہ رہا تھا۔ وہ بے طرح پریشان لگتا تھا۔

زرقون کی گرفت اسکے گلے پہ ایک لمحے کو ہلکی ہوئی مگر اگلے ہی لمحے کچھ سوچتے ہوئے وہ گرفت بڑھا چکا تھا۔ وہ اس ایک چانس کو ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ کسی قیمت پہ نہیں۔

سفید کمرے کے اس اسیر کے لئے موت پنجے پھیلائے کھڑی تھی۔ اور وہ بہت جلد ان میں جکڑا جانے والا تھا۔ کیا واقعی؟

''یہاں سے کب جا سکتے ہیں ہم؟'' بدمزگی سے کہتے ہوئے ضیغم میر بشر حاکم کے پاس آکر بیٹھا۔ وہ جو بیڈ پہ بیٹھا بے مقصد انگلیاں چلا رہا تھا کوفت سے موبائل ایک طرف پھینکا۔

''ایف آئی آر ہے ہم پہ، کیس چل رہے ہیں تمھیں لگتا ہے ہماری جان اتنی جلد خلاصی ہو سکتی ہے؟''

''میں تھک گیا ہوں۔ پڑھائی کا الگ سے ضیاع ہو رہا ہے۔ نارمل زندگی کی طرف کب پلٹیں گے ہم؟''

"اب ہمارے لئیے نارمل زندگی نہیں ہے۔'' وہ رنج سے بولا۔ ''یہ میں نے کیا کر دیا ہے؟'' وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں چکر کاٹنے لگا۔

''میں اتنا عقل سے پیدل کب ہوا کہ اپنی ہی بہن کو اتنی بڑی مصیبت میں ڈال دیا۔ میں صرف اور صرف اسے پروٹیکٹ کرنا چاہ رہا تھا؟''

''بشر۔۔۔ زینی بچی نہیں ہے، اور جو سب اس نے دیکھا ہے اس نے یقیناً اُس پہ گہرا اثر چھوڑا ہوگا۔ اگر اسے ہم سے رابطہ کرنا ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی یہ تم بھی جانتے ہو۔ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ہمارے۔ پولیس میں ہم نہیں جا سکتے۔ میڈیا پہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اگر تم نے بار بار اس سے ملنے کی کوشش کی تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ تم اپنے ہاتھوں سے زینی کی محفوظ پناہ گاہ ختم کر دوگے۔ اگر واقعی ایسا کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے جاؤ کرو۔'' بشر کے چہرے پہ اضطراب تھا۔ وہ کئی دنوں سے بے چین تھا۔ اور اگلے کئی دنوں تک یونہی رہنے والا تھا۔ وقت اس پہ مہربان نہیں تھا۔ اگلے کئی ماہ و سال نہیں ہونے والا تھا۔

''اگر واقعی اپنی غلطی سدھارنا چاہتے ہو تو ایک طریقہ ہے۔'' بشر نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ ضیغم کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

''تم نے ایک غلط کام کیا جو کہ تمہاری طرف سے صحیح تھا۔ لیکن غلط کام ہو جائے تو اسے صحیح کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ یا تو اس کام کو صحیح کرو چاہے جس طرح کرنا پڑے یا پھر اسکی جگہ ایک درست کام کرو۔

تم لوگوں نے ہمیشہ زینی پہ توجہ دی ہے۔ تمہاری چھوٹی بہن بھی تو ہے۔'' اسکے ذکر پہ دونوں مردوں کے کان سرخ ہوئے تھے۔ بشر لب بھینچ گیا۔ اسکا یہ بہنوئی کچھ زیادہ فری ہوتا تھا۔ بے شرم۔

''تم ہمارے گھر کے معاملات میں مت بولو۔''

''اتنی غیرت کس بات کی دکھا رہے ہو؟ ٹھیک ہے تمہاری بہن ہے لیکن میری منگیتر بھی تو ہے۔'' وہ چڑھ دوڑا۔

''اس نے میڈیکل کا ٹیسٹ دینا تھا۔ کچھ دن بعد آخری تاریخ ہے۔ اسکا کیریئر ایسے ہی ڈبو دوگے؟ کیونکہ تمہارے گھر کی ایک لڑکی کی وجہ سے مسائل ہوئے تو دوسری کو بھی اسکا حرجانہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ غلط ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے ہے ناں۔؟''

''بہن ہے وہ میری۔ غافل نہیں ہوں اس سے لیکن یہ صحیح وقت نہیں ہے۔ میں کچھ ماہ بعد اسکے لئے کوشش کروں گا لیکن اس وقت تم دیکھ رہے ہو میں ویسے ہی مسائل کا شکار ہوں۔''

بشر نرم پڑ گیا۔ جانتا تھا ضیغم یونہی بے پر کی نہیں اڑا رہا۔ اسے بھی کونج کی پرواہ تھی۔

''اگر اس وقت میں نے اسکے لئے بات کی تو سارا خاندان میرے خلاف ہو جائے گا۔''

''تم نے ایک بار پہلے بھی اسی خاندان کے لئے کچھ کیا تھا جواب تک ایک تلوار کی طرح تمھارے سر پہ لٹک رہی ہے۔ اب ایک بار پھر وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن میری ایک بات سن لو، بشر۔''

وہ اٹھا اور اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

''اگر تم نے اسے سپورٹ نہیں کیا تو میں کروں گا۔ ابھی حق نہیں ہے میرے پاس لیکن ناناجان میرا نکاح اس سے کروانے میں زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ تم اپنی بہن کے لئے کچھ کر لو ورنہ میں اپنی بیوی کے لئے بہت کچھ کروں گا۔''

وہ بشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ضیغم کا گلا پکڑ لیتا مگر خیر۔

''زیادہ بکواس کرنے لگے ہو تم۔ زبان سنبھال کر بات کیا کرو۔''

اسے جھڑک کر وہ دوبارہ پلنگ پہ آکر بیٹھا۔ پریشانی اور تشویش نے ایک بار پھر گھیرا تنگ کیا اور اسکی انگلیوں نے میکانکی انداز میں ظفر کا نمبر ملایا۔ دروازے کی طرف جاتے جاتے ضیغم رکا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ایک بار پھر بشر کو دیکھا۔ اتنے فری ہو لئے ہیں تو تھوڑا اور ہو جاتے ہیں۔

''پندرہ دن بعد ٹیسٹ ہے جو کرنا ہے جلدی کرو۔''

بشر نے جھک کر جوتا ہاتھ میں لیا اور اسکی طرف اچھالا مگر وہ دروازے سے کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اس کے اس طرح بھاگنے پہ بشر ہلکا سا مسکرایا پھر اپنے موبائل کو کان سے لگایا۔ کچھ وقت بعد وہ کونج حاکم سے کہہ رہا تھا۔

''اپنی تیاری کر لو، بیگ وغیرہ پیک کر کے رکھو۔ میں کسی بھی وقت آؤں گا ہم کوئٹہ جا رہے ہیں۔''

☆☆☆☆☆

کمبیر محل کے لان میں آج معمول سے ذرا ہٹ کر آنکھوں میں چمک پیدا کرنے والی روشنیاں تھیں۔ مستطیل میز پہ سفید کپڑا بچھا تھا۔اسٹینڈ پہ کینڈلز سجی تھیں۔ جن سے موم قطرہ قطرہ پگھل کر وقت کے گزرنے کی شہادت پیش کر رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔خاکی رنگ کے ہائی نیک سوئیٹر کے اوپر سفید جیکٹ اور خاکی پینٹ پہنے وہ آج الگ سے تیار تھا۔گھڑی کے ڈائل میں آسمان کی نیلاہٹ کا منظر ابھر رہا تھا۔گھر کے اندر سے اشتہا انگیز خوشبوئیں یہاں تک آرہی تھیں۔انہی خوشبوؤں کے درمیان،اسے وہ خوشبو یاد آئی جسے بھولنے میں اسے صدیاں لگنے والی تھیں۔کوئی خوشبو اس ایک خوشبو کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔وہ ایک عورت قیس کے لئے آدھی دنیا کی حیثیت رکھتی تھی۔

وہ قیسم کا مصروف سا دن تھا۔ڈیزائنرز چہرے پہ بےزاری اور مصروفیت لئے راہداریوں میں ظہور پزیر ہوتے،اور پھر غائب ہونے لگتے۔ قیس کمبیر صبح کا اب دوپہر میں کسی میٹنگ سے لوٹا تھا اور اب اسکا ارادہ لنچ کا تھا لیکن حدیبیہ نے اسکی خوشی غارت کر دی کیونکہ اسکا لنچ بھی پلانڈ تھا۔اپنا شیڈول سن کر سرہلاتے ہوئے وہ آفس کی طرف بڑھ رہا تھا جب شیشے کے سٹوڈیو کے پار اس نے زینیا کو کچھ ملبوسات کی تصاویر اتارتے ہوئے دیکھا۔ قیس اسی طرف چلا آیا۔حدیبیہ اسکے ساتھ تھی۔

''یہ کلیکشن کس نے باہر نکالی، تم سے کس نے کہا اسکی فوٹو گرافی کرنی ہے؟'' وہ گرجا۔

مگر ایک مانوس سی خوشبو پا کر ٹھہر گیا۔میز پہ زینیا کا کھانا کھلا رکھا تھا۔آلو کے قتلے،ساتھ تلی ہوئی بھنڈیاں اسکی بھوک چمکی۔

''مجھے یہ کام افشاں نے دیا تھا باس۔'' وہ اسی اعتماد سے بولی جو اسکا خاصہ تھا۔وہ کیا کہنے آیا تھا بھول گیا۔

''حدیبیہ میڈم کو پتہ تھا۔''

''آپ کو کھانا کھانے کی تمیز نہیں ہے؟ کھانا کھول کر کون کام کرتا ہے؟''

''انکا کھانا تو ہر دوسرے روز کوئی ورکر کھا جاتا ہے۔'' ساتھ بیٹھی کسی لڑکی نے لقمہ دیا۔

''اصل میں انکے tradition میں اکیلے کھانا نہیں کھاتے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ بیٹھے ہوؤں کو شامل ضرور کرتے ہیں۔ یہ انکے ایٹیکیٹس ہیں لیکن یہاں۔۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بولتی رہی یہاں تک کہ زینیا کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''اگر آپ میں سے کوئی جوائن کرنا چاہے تو مجھے خوشی ہو گی۔'' روٹی کا ٹکڑا توڑتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔ یعنی اسکے علاقے کے لوگ واقعی اپنا کھانا شیئر کرتے تھے؟ قیس کے لب ہلکی سے مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

''یہ کلیکشن واپس رکھواؤ اسکا شوٹ فلحال '' **پینڈنگ** ''۔اس نے نیا حکم صادر کیا۔

''باس آج لنچ یہیں کریں؟'' حدیبیہ شاید بھانپ گئی تھی اسکے باس کی نیت کھانے پہ خراب ہو چکی ہے۔ قیس نے گردن کا سریا یونہی کڑائے رکھا۔

''مس حاکم کا دل رکھنے کے لئے میں تھوڑا ٹیسٹ کر سکتا ہوں۔ آفس لے آؤ۔''

لاٹ صاحب حکم نامہ جاری کرتے جیسے آئے تھے ویسے نکل گئے۔ زینیا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ شاید قیس کی بھوک وہ بھی بھانپ گئی تھی۔

''سارا کھانا دے دو گی تو تم خود کیا کھاؤ گی؟'' حدیبیہ نے سارا کھانا اسے اپنے حوالے کرتے دیکھ حیرت سے کہا۔ جواباً زینیا نے کچھ کہا تھا۔

''سارا کھانا تم لے آئی تو اس بیچاری نے کیا کھایا ہو گا؟'' وہ مزے سے گردن جھکائے نوالہ بناتے ہوئے پوچھا۔ کچھ خاص پرواہ نہیں تھی بیچاری کی مگر مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

اس نے کہا کہ۔۔۔۔

''ہمارے یہاں ایک لوک داستان مشہور ہے سسی اور پنوں کی داستان۔ کہتے ہیں جب پنوں کو سسی سے محبت ہو گئی تب سسی کے والد نے شرط رکھی کہ ہمارا خاندان دھوبی ہے اور سسی سے شادی کرنے کے لئے تمھیں کپڑے دھونے آنے چاہیے۔ پھر کیا تھا پنہوں کو دھوبی گھاٹ جانا پڑا۔ سسی کے خاندان کے سارے مرد وہیں جمع تھے وہ بچتی بچاتی روٹی اور سالن کا ڈبہ لے کر

اسکے پاس گئی۔ وہ اوٹ میں تھی کوئی اسے نہیں دیکھ سکا مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ سارے لوگ کس طرح پنہوں کے اول آئے جانے والے کھانے کو دیکھ رہے ہیں۔" اس نے پنہوں سے کہا۔

"گردن جھکاؤ اور چپ چاپ سارا کھانا کھا جاؤ۔ کسی کو دعوت نہ دینا۔"

جواباً پنہوں نے کہا۔

"بلوچ کی اولاد ہوں، کسی کو کھانے میں شامل نہ کروں تو یہ غیرت پہ حرف آئے گا۔"

سسی نے اسے ایک نوالہ اٹھاتے دیکھ کر کہا۔ "پھر تیار رہو یہی ایک نوالہ ہاتھ آئے گا۔"

"پنہوں نے سب کو مدعو کر لیا صبح کے بھوکے مرد آئے اور ایک ایک نوالہ لیا۔ سارا کھانا ختم اور پنہوں کے ہاتھ واقعی ایک نوالہ آیا۔ لیکن کم از کم وہ گردن جھکا کر اکیلے نہیں کھاتا رہا۔"

"اس بیچاری کے ہاتھ تو ایک نوالہ بھی نہیں آیا۔" قیس نوالہ اچھے سے چبا کر پانی کا گھونٹ پیتے ہوئے بولا۔ "خیر پنہوں کی اس فین کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور لنچ کرواؤ۔"

"جی اسکا کھانا آپ کھائیں اور لنچ میں کرواؤں۔" وہ تپ گئی۔

"اب اچھا نہیں لگتا ناں ایک ہینڈسم، پرکشش، مرد ایک حسین لڑکی کو اپنے ساتھ لنچ آفر کرے۔ مشرقی اقدار کا کچھ تو پاس رکھو، حبیب۔"

ذائقہ دھواں دھواں ہو گیا۔ وقت کے کاسے پلٹ گئے۔ وہ نہیں تھی۔ اب وہ کہیں نہیں تھی۔ قیس کمبیر اپنی غلطیوں میں جسے گنوا چکا تھا وہ اسکی عمر بھر کا اثاثہ تھا۔ جسے پانے کی وہ تدبیریں کر رہا تھا وہ اسکے دل کا مسئلہ تھی۔

کمبیر محل کا شاہی دروازہ کھلا اور براق کی سفید لینڈ کروزر کر وفر سے اپنے ٹائر جما جما کر رکھتی اندر داخل ہوئی۔ وہ گاڑی سے باہر آیا۔ گہری سانولی رنگت والے چہرے پہ آج ایک الگ سی چمک تھی۔ سیاہ سفید پٹیوں والے سوئیٹر کے ساتھ سیاہ ہی پینٹ پہنے وہ سردی کے حساب سے اس ڈنر کی تیاری کر آیا تھا۔ سربراہی کرسی کے عین سامنے والی کرسی کھینچتے ہوئے اسکا چہرہ سپاٹ رہا۔

''کیا اب ہم سلام دعا سے بھی گئے ؟'' وہ افسوس کر رہا تھا۔ کمبیر محل کے اندر سے آتی ہاتھوں کو ٹ ٹشو سے صاف کرتے ہوئے شیزل سیمسن اپنی جگہ تھم گئی۔ براق حنیف اسکے عین سامنے تھا۔ جالی دار دروازے سے اسے دیکھ سکتی تھی۔ ہاں وہ پہلے کی طرح اسکا دل نہیں دھڑکاتا تھا مگر وہ سامنے تھا تو دل کو کچھ ہوا۔

''کیوں بلایا ہے؟ مدعے کی بات پہ آؤ۔''

''کھانا کھاتے ہیں پھر بات کرتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے سیاہ سفید وردی والے ملازم کو اشارہ کیا۔ لمحوں کے اندر اندر میز سج گئی۔ خوشبوؤں نے اس میز کا احاطہ کر لیا۔

ملازمین مختلف ڈشز لا لا کر رکھنے لگے۔

''مہدی کہاں ہے، براق ؟'' فرائیڈ رائس کا ایک چمچہ منہ میں رکھتے اس نے کہا۔ بظاہر براق کے چہرے پہ کچھ نہیں تھا مگر اندر کہیں وہ لرز گیا تھا۔

''قبرستان میں۔ کہو تو کھانے سے پہلے اسکی فاتحہ کر آتے ہیں۔''

''خیال برا نہیں ہے لیکن زندہ لوگوں پہ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی۔ برا شگون ہوتا ہے۔''

وہ اب فرائیڈ فش اپنی پلیٹ میں ڈال رہا تھا۔ ساتھ کھڑے ملازم نے اسکے پانی کا گلاس دوبارہ بھرا۔ اور ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔

''میری آخری اطلاعات کے مطابق تم پیتے نہیں تھے۔ اور اگر شروع کر بھی دی ہے تو یار وقت کا خیال رکھا کرو، ابھی شام تازہ ہے۔ اور تمھیں ابھی سے نشے چڑھنے لگے۔''

وہ ایک عربی ڈش چمچ سے چکھ رہا تھا۔ ساتھ ناک بھوں چڑھائی۔ ''تمھیں شیف بدلنے کی ضرورت ہے۔''

''اور تمھیں طریقہ واردات۔''

''میں یہاں تمہاری ذو معنی باتوں کے جواب جاننے نہیں آیا۔'' انداز میں ناگواری تھی۔ براق کو ذائقہ پسند نہیں آیا تھا۔

''تم میری محبوبہ نہیں جس سے میں ذو معنی گفتگو کروں گا۔'' کہہ کر پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔ کھاتے وقت پانی کتنا پیتا تھا ناں وہ؟

''اپنی محبوبہ کو تم نے اس لائق چھوڑا کب ہے؟ اب کون سامر داس سے ایسی گفتگو کرے گا؟''

''وہی جسے اپنی جان عزیز نہیں ہو گی۔'' وہ ترکی باترکی اسکی باتوں کے جواب دیتا ہوا اسے زہر لگا۔

''اسکی باتیں، لہجہ، اسکا وجود سب صرف میرے نام reserved ہے۔ لیکن وہ کہیں کھو گئی ہے اور مجھے کسی بھی طرح اسکو واپس لانا ہے۔''

''وہ تم پہ تھوکے گی۔'' براق ہنسا۔

''اونہوں یہ کام صرف شیزل سیمسن کر سکتی ہے وہ بھی براق کے لئے۔'' براق کا چہرہ سرخ ہوا۔

''میری عورت لڑے گی جھگڑے گی، چیخے گی پھر مان جائے گی۔ اسکا ہر تعلق مجھ سے آکر نکلتا ہے۔''

''تو یہ سیشن تم جاری رکھو۔ لڑو، روٹھو، مناؤ میں اس سب کا حصہ نہیں ہوں۔'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ کھانے پہ بلا کر کسی کا کھانا زہر کرنا کیا ہوتا ہے کوئی قیس سے پوچھے۔

''میں تمھارے اس جنون اور دیوانگی میں تمہارا حصہ دار نہیں۔'' قطعیت تھی اسکے انداز میں۔

''لیکن میرے بھائی کا قتل پلان کرنے میں اسے اغوا کروانے میں، اسکی آٹوپسی رپورٹ بدلوانے میں، میرے چچا کے فارم ہاؤس میں آگ لگانے، اور اسکے علاوہ کئی سیاہ کارناموں میں تمھارے ساتھ کون کون حصہ دار تھا یہ مجھے بہت اچھی طرح پتہ ہے۔'' عام سے انداز میں اطلاع دی۔

شیزل سیمسن اپنی جگہ تھم گئی۔ تھما تو براق بھی تھا مگر چہرے پہ تناؤ برقرار رہا۔

''زینیا جہاں بھی ہے میں نہیں جانتا لیکن مہدی جانتا ہو گا اور اگر نہیں جانتا تب بھی وہ اسے ڈھونڈ کر لائے گا، میرے لئے۔۔۔ اس لئے وہ جہاں بھی ہے اسے میرے سامنے واپس لاؤ۔ ورنہ میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ وہ مجھے نہیں ملی تو میں دنیا کا سارا سیاہ سفید ایک کر دوں گا۔''

''تم delusional آدمی ہو۔'' براق پھنکارا۔ ''یہ سب بکواس جو تم نے کی ہے میں اسے تمہارا ذہنی عارضہ سمجھوں گا۔''

کرسی ایک طرف ہٹاتے ابھی اس نے دو قدم ہی آگے بڑھائے ہوں گے جب قیس نے اسے پکارا۔

''ٹھہر جاؤ، براق حاتم نواب۔'' الفاظ تھے یا زنجیریں۔ براق ٹھہر گیا ایسے جیسے برف جم گئی ہو۔ ایسے جیسے دو قدم آگے آگ کا دریا ہو۔ جالی کے پار شیزل سیمسن سانس نہیں لے سکی۔

''میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی، یہ قصہ ختم نہیں ہوا۔ شام تازہ ہے کزن ڈیئرسٹ۔''

اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا مرد محظوظ نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ براق حنیف کو اپنا سارا وجود زمین بوس ہوتے محسوس ہوا۔ وہ زلزلے سے متاثرہ کسی عمارت کی مانند ڈھے گیا تھا۔ زرد روشنیوں میں اسکا چہرہ تاریک تھا، کسی غار کی طرح۔

''بس اسی چیز کی کسر رہ گئی تھی اب؟ ایک لڑکی نے کیا کیا گل نہیں کھلائے جواب تم دوسری کو اسی بے حیائی کے راستے پہ ڈال رہے ہو؟'' حویلی کے در و دیوار عالم نواب کی گرجدار آواز سے گونج اٹھے۔ بشر جو آج صبح ہی واپس آیا تھا انکے سامنے کھڑے نرم نظروں سے اپنے دادا کو دیکھا۔

''اس گاؤں کی ہر لڑکی پڑھ رہی ہے۔ کوئی ڈاکٹر بنے گی، کوئی انجینئر، اور کوئی وکیل۔ ہر پابندی میری بہنوں کے لئے کیوں؟''

''کیونکہ تم نواب خاندان سے ہو۔ ہماری بہو بیٹیاں اس طرح مردوں کے بیچ نہیں اٹھتی بیٹھتیں۔'' جوان جہاں پوتے کے سامنے انہیں آواز دھیمی کرنی پڑی۔ وہ بہت مشکل اور کئی کھیل کھیلنے کے بعد یہاں آیا تھا۔ اسے کھو نہیں سکتے تھے وہ۔ اسے کھونا بڑا خسارہ تھا۔

''نوابوں کی بیٹیاں بھی پڑھ رہی ہیں۔ جابز کر رہی ہیں۔ آپ کیوں دنیا پہ ہمارا غلط امپریشن دینا چاہتے ہیں؟ اور کونج اس نواب کی بیٹی ہے جسے دیس نکالا کا حکم دیا گیا تھا۔ اب وہ ایک مڈل کلاس گھر سے ہے۔'' اسکا لہجہ ویسا ہی باادب رہا۔ مگر اس میں استحکام بڑھ گیا تھا۔

وہ لڑتے، مارتے، اپنی ان بوسیدہ روایات کا ذکر لے کر بیٹھتے اگر سامنے کوئی عورت ہوتی یہاں مرد تھا۔ مرد بھی وہ جس پہ خاندان کی امیدیں ٹکی تھیں۔

"ہم نے ابھی بہت کرائسس دیکھے ہیں، بشر۔ میرے بچے تم پہ ہماری جان قربان لیکن تم خود سوچو۔ ہماری عزت خاک میں مل چکی ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی ہم اسی طرح اپنی لڑکیوں کو آزادی دیتے رہیں گے تو دنیا ہمارے منہ پہ تھوکے گی۔"

"دادا تھوکنا غلط عمل ہے اس عمل کی روک تھام ہونی چاہیے جو میں کر رہا ہوں اسکی نہیں۔ بہن ہے وہ میری، میں اسے آزادی نہیں اسکا حق دے رہا ہوں۔ وہ دنیا سے اپنے حصے کا علم لے گی۔ اور ہماری عزت کو کچھ نہیں ہوا کم از کم میری عزت کو کچھ نہیں ہوا۔ جب عبداللہ سر اٹھا کر جی سکتا ہے تو زینیا حاکم بھی جی سکتی ہے۔ یہ روایات نہیں تھیں جس نے میری بہن کا قتل کروایا۔ یہ روایات کے ٹھیکیدار تھے جنھوں نے نام نہاد عزت کے بیز اٹھا رکھے تھے۔ اور اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے میں کھڑے یہ حویلی چھوڑ سکتا ہوں۔ وہاں چلا جاؤں گا جہاں میری بہنوں کی پڑھائی سے حویلی کی عزت کو کچھ نہ ہوتا ہو۔" اس نے حویلی کے اندر ہانک لگائی۔

"کونج بچہ دیر ہو گئی ہے کہاں ہو تم؟"

زینوں کے اختتام پہ وہ بیگ سینے سے لگائے خوف زدہ سی کھڑی تھی۔ بشر زینے پھلانگتا ایک جست میں اسکے قریب گیا بیگ لیا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے لے آیا۔ کونج دادا کے سامنے رکی جھک کر انکے قریب آنا چاہا مگر وہ ہٹ گئے تھے۔ ابا وہیں کھڑے رہے۔ بیٹی سینے سے لگی تو پیار نہیں کیا سر پہ ہاتھ نہیں رکھا۔ وہ بشر کے ساتھ چوکھٹ پار کر گئی۔ جب انکی زبان بے آواز بڑبڑائی۔

"فی امان اللہ۔"

فضاؤں کے کندھوں پہ سفر کرتے ہوئے، دریا اور سمندروں میں وقت کے چپو چلاتے ہوئے، جادوئی قالین پہ گھنٹوں اور دنوں کا سفر لمحوں میں طے کرتے ہوئے ڈھاکہ کی اس مڈل کلاس کالونی میں قدم رکھو تو راشدی ہاؤس کی چھت پہ شام کے سائے اتر رہے تھے۔ زینیا نے چھت کی چھوٹی سی دیوار کے پار دیکھا سائے لمبے ہو گئے تھے۔ وہ جلدی جلدی نیچے اتر آئی۔ کمرے میں آ کر اپنا برقعہ اٹھا کر اوڑھا، نقاب درست کیا اور باہر نکل آئی۔

سڑکوں پہ معمول کا رش تھا۔ سبزی کے ٹھیلوں والے گھروں کو لوٹ رہے تھے صدائیں تھکی تھکی تھیں۔ مگر وہ انکی صداؤں پہ غور کرتی رہی۔ کوئی فون پہ کسی سے جھگڑتا جا رہا تھے۔ زینیا ان curse words کو نوٹ کرتی رہی۔ کوئی جوڑا جو کسی پارک اور کیفے اور گامزن تھا انکی زبانوں سے پھوٹتے محبت کے الفاظ اسکے ذہن کے خانے میں درج ہوتے رہے۔ وہ پوسٹرز اور سڑک پہ لگے سائنز کی ساخت کو ذہن نشین کرتی گئی۔ یہ کام وہ پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے کر رہی تھی۔ چند الفاظ اور سطور تو اب وہ باقاعدہ بولنے لگی تھی لیکن بولتے ہوئے وہ بلکل ایک غیر بنگالی لگتی تھی۔

نیما کے ہسپتال کے باہر اسے کوئی پانچ منٹ کھڑے رہنا پڑا، پھر وہ اسے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اسکے چہرے پہ تکان واضح تھی۔ زینیا پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے بلاناغہ اسے ہسپتال لینے اور چھوڑنے آتی تھی۔ راستے میں وہ کسی بچے سے ٹوٹی پھوٹی بنگالی میں چھوٹے چھوٹے لفظ کہتی۔ فیکٹریز، اور مارکیٹس کے چکر لگاتی۔ مگر اس سب میں وہ اپنے آس پاس، اپنے سائے تک سے ہراساں رہتی۔ جو اس سے چھینا گیا تھا وہ اسکا اعتماد تھا ملنا اب مشکل تھا۔ مگر ہار نہ ماننے والوں کے لئے اللہ راستے کھول دیتا ہے۔

”پھر کتنے لفظ سیکھے آج؟“ وہ ایک ٹھیلے پہ رک کر سبزی کا تھیلا بنواتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”یہ لوگ بہت جلدی بولتے ہیں میں آپ کی پندرہ منٹ کی کلاس سے زیادہ جلدی سیکھ سکتی ہوں۔“

نیما ہر روز اسے پندرہ منٹ یہی سکھاتی تھی۔ باقی کا وقت زینیا اسکے بھتیجے بھتیجیوں کو انگریزی پڑھانے میں صرف کر رہی تھی۔ اسکے زخم اب بہتری کی طرف تھے۔ زندگی میں توازن اور زینیا حاکم کے ”**حل**“ واپس آنے لگے تھے۔

”میں فری کی کلاسز نہیں دے رہی۔ اے یہ ٹماٹر نکالو۔“ پہلی بات زینیا سے دوسری اس سبزی والے سے کہی۔

”میں چند مزید ٹکوں کی قرض دار ہو جاؤں گی، بلکہ ہو چکی ہوں۔“ اسکے لہجے میں خنکی برقرار رہی۔ ساتھ اس نے آگے بڑھ کر خود سے تین چار ٹماٹر اور پیاز نکال کر صحیح والے ٹماٹر ڈالے۔ اسے خوف رہا کہ شاید وہ سبزی والا اسکا ہاتھ جھٹکے گا مگر وہ چپ کھڑا رہا۔ خوف سارے کا سارا اسکے اندر تھا۔

اس نے ہاتھ واپس کھینچا تو اسکا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ جو اس سے چھینا گیا تھا وہ اسکے سوشل اسکلز تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس گھر جا رہے تھے۔لوگوں کی نظریں ایک بار پھر اسے اپنے اوپر پڑتی محسوس ہوئیں۔لوگ قہقہے مارتے دکھائی دیے وہ بس ہر ایک سے نظر پھیرے چل رہی تھی۔ایک آنریبل زندگی اسکی منتظر تھی۔ایک دن تو یہ سارے خوف ختم ہو ہی جائیں گے۔

لان کے رنگ برنگی پھول، موم بتی کے شعلے، میز پہ رکھے سجاوٹی پھول سب ساکن تھے۔براق حنیف کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔وہ مڑ بھی نہیں سکا۔وہ پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا جو کسی بھی لمحے چٹخ سکتا تھا۔

"یاد ہے، حدیبیہ کو قیسم میں آنے کے لئے میں نے ایک ٹاسک دیا تھا۔اسے کوئی راز لانا تھا وہ راز تمہارا شجرہ نسب تھا۔میں بے وقوفوں کا سردار نہیں تھا جس کو تمہاری ان عنایات کا علم نہیں تھا۔مجھے سب معلوم تھا کیونکہ میرے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔جو کرنا تھا اکیلے کرنا تھا۔اور میں تمہاری عنایات کے پیچھے کا موقف جانے بغیر نہیں ہٹ سکتا تھا۔میں وہ سب لیتا رہا کیونکہ وہ میرا حق تھا جو تمہارے باپ نے چھینا تھا۔"

اب کے براق مڑا۔اسکا چہرہ تاریک پڑ چکا تھا۔اسکا دل اب تک شل تھا۔

"چھوٹی سی انڈسٹری ہے کون کس کا باپ ہے، کس نے کس سے خفیہ نکاح رکھے، اور کس نے بیٹے کو اپنا نام نہیں دیا کہاں چھپتا ہے؟" کوئی تھپڑ تھا جو براق کے منہ پہ آکر لگا تھا۔

وہ مڑا اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آیا اور واپس اس کرسی پہ ڈھے جانے کے انداز میں بیٹھا۔اسکی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔اسکے دماغ پہ ڈھیر سارا بوجھ پڑ گیا تھا۔

"اور کون کون اس بارے میں جانتا ہے؟"

"آئی سوئیر کوئی نہیں۔i am an excellent secret keeper" وہ تفاخر سے کہہ رہا تھا۔

"لیکن تمہارے بابا جانتے تھے مجھے سب علم ہے۔میری ذہانت کے قصے تو تمھیں سنائے ہوں گے ناں؟"

براق شل رہ گیا۔ یہ کیسا دھوکہ تھا جو انکی موت کے ایک عرصے بعد اسے مل رہا تھا۔ وہ شخص اور کتنی بار اور کہاں کہاں لا کر براق کو کیسی کیسی موت مارے گا؟

''میرے بابا مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے تم جھوٹے ہو۔'' وہ کسی بچے کی طرح اپنے باپ کی صفائی دے رہا تھا۔

''وہ تم سے پیار نہیں کرتے تھے، براق۔ انکو جسٹیفائی کرنا چھوڑ دو۔''

''تم جانتے تھے وہ میرے بابا ہیں تم نے پھر بھی انہیں قتل کیا۔ تم میری دوستی کا پاس رکھ سکتے تھے۔ تمہارا کیا بگڑ جاتا اگر تم انہیں میری خاطر زندہ چھوڑ دیتے۔ وہ میرے بابا تھے۔'' اسکے لہجے میں لرزش تھی۔ آنکھوں میں سرخی وہ قیس کا گریبان پکڑنا چاہتا تھا۔ چھری کانٹے سب اسکی گردن میں گھسا دینا چاہتا تھا۔ مگر تربیت ایک نادیدہ احساس ہے جو کسی بھی کام کو کرتے وقت انسان کے آس پاس نادیدہ زنجیریں کس لیتا ہے براق کی تربیت میں قیس کمبیر سے تابعداری تھی۔

''تم دیت لیتے کفارہ لیتے لیکن تم نے مجھ سے میرا باپ لے لیا۔ وہ میرا قیمتی سرمایہ تھا۔''

اس واقعے کو ڈیڑھ برس بیت چکا تھا مگر براق آج بھی بچوں کی طرح رویا۔

''میری تو ماں بھی قتل ہو چکی تھیں تم نے میرا ذرا سا بھی خیال نہیں کیا۔ تم نے یہ نہیں سوچا میں اپنے باپ کے بغیر کیسے زندگی گزاروں گا؟''

''**خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔** تمہارے باپ نے میری آنکھوں کے آگے میرے چچا اور میرے بابا کو مارا تھا۔ مجھ سے رحم کی امید رکھنا بے کار تھا۔ جب میں خالق حسین کو برباد کر سکتا ہوں تب میں حاتم نواب کو کیوں چھوڑ دوں گا تمھیں سوچنا چاہیے تھا۔''

کھانے کی خوشبوئیں دم توڑ گئی تھیں اب فضا میں ٹوٹے دلوں کے کرب رچ بس گئے۔ سازشوں کی بو ہر اور پھیل گئی۔

''میں نے تمہارے ہر انتقام میں تمہارا ساتھ دیا تا کہ تمہارا جنون ٹھنڈا ہو جائے اور تم میرے باپ کو بخش دو۔ میں نے تو انہیں بچانے کے لئے اتنا کچھ کیا تم نے پھر بھی انہیں مار دیا تم نے میرے بابا کو مارا۔'' وہ آنکھیں رگڑتا تو آنسو پھر بہنے لگتے۔ خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا تو بری طرح زخم اکھڑنے لگتے۔ آج لمبے وقت بعد احتساب کا وقت آیا تھا۔

''ہم اس بحث کو ملتوی کر سکتے ہیں؟'' وہ کوفت سے بولا۔

''تمھارے باپ کا قتل اتنا اہم نہیں ہے اور اگر ہے تو کسی دن مجھے اپنے گھر مدعو کر لینا خوب چرچہ کریں گے۔ اس وقت تم مجھے میرے سوالات کے جواب دو گے۔''

''میں تھوکتا ہوں تم پہ اور تمھارے سوالات پہ۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چیخا۔

''ہاں مہدی نہیں مرا میں نے اسے گولیاں لگوائیں تا کہ تمھیں ٹریپ کر سکوں۔ لیکن اپنے لئے گڑھا تم خود کھود چکے تھے ہاں وہ اب تک میرے پاس ہے مگر صرف چند گھنٹوں کے لئے چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ واقعی اس دنیا میں نہیں ہو گا اور میں بلکل اسی طرح اسے قتل کرنے کے معاملے میں آزاد ہوں جیسے تم۔۔'' وہ رکا۔ حلق میں کچھ اٹکا۔

''جیسے تم میرے باپ کو قتل کرنے کے معاملے میں آزاد تھے۔an eye for an eye ''

قیس نے لمبی گہری سانس لی۔ بازو سینے پہ باندھے۔

''تمہاری یہ جذباتیت ہمیشہ سے مجھے ناپسند رہی ہے۔ تم ابھی کے ابھی اپنے پالتو کتوں سے کہو گے کہ وہ میرے بھائی کو باحفاظت چھوڑیں کیونکہ اگر انہوں نے اس پہ انگلی بھی اٹھائی تو میں۔۔۔'' وہ وائن گلاس میں پڑے جوس کو ہلاتے ہوئے اٹھ کر اسکے قریب آنے لگا۔

''میں ساری دنیا کو بتاؤں گا تمہارا باپ کون تھا۔ کیا میں دنیا کو بتاؤں تمہارا باپ کون تھا، براق حنیف؟'' وہ اسکے قریب کھڑا سرگوشی نما انداز میں کہہ رہا تھا۔ براق ساکت تھا۔

وہ آنکھوں میں بے یقینی لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کیا قیس کمبیر کبھی اسے ہر خوف سے آزاد نہیں کر سکتا؟

آج اسے احساس ہوا وہ واقعی پیادہ تھا۔ اور قیس بادشاہ۔ کھیل، چال، مہرے سب براق کے اور بازی جیت کر قیس کے حصے میں آئی۔ براق کا کھیل بھی قیس کے حق میں۔

یا اسکا باپ سچ کہتا تھا؟ کیا وہ واقعی وہی کرتا رہے گا جو قیس چاہے گا۔

''تم یہ نہیں کرو گے تم۔۔۔ تم نے میری ساری زندگی برباد کی ہے اب بس۔۔۔'' وہ گیلے ملتجی لہجے میں بولا۔

''میرے پاس ایک آخری چیز میرا ''آنر'' ہے تم مجھ سے وہ نہیں چھین سکتے۔ میں نے ساری زندگی تمہاری غلامی کی ہے اب بس۔''

''میں نے کہاناں، براق مجھے فرق نہیں پڑتا۔ جو مجھے چاہیے وہ تم کرو گے ابھی کے ابھی۔ صرف ایک عورت میرے لئے وہی دنیا ہے اور اس تک جانے کے لئے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

اس نے گلاس واپس میز پہ رکھا اور براق کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں انکار تھا۔

''او کے جیسا تم چاہو۔'' بے نیازی سے شانے اچکاتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ماہ جبین اگر مجھے انڈسٹری میں ایک گاسپ عام کروانی ہو تو کتنے وقت میں یہ خبر پھیل جائے گی؟''

''نہیں۔۔ پلیز نہیں۔۔۔۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔ وہ متحیر تھا۔

''او کے یعنی ایک گھنٹے کے اندر اندر؟ ٹھیک پھر میں تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔'' وہ آگے کچھ کہتا مگر اسکا فون براق نے جھپٹ لیا تھا اور تیزی سے میز پہ دے مارا۔

قیس بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''میں۔۔۔ تمھیں. اسکے۔۔۔۔ لئے۔۔۔۔ کبھی۔۔۔ معاف نہیں۔۔ کروں۔۔۔ گا۔''

ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کرتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا۔ وہ زرقون کو کالز ملا رہا تھا۔ رابطہ مل گیا۔ وہ چلا چلا کر اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا مگر کال کاٹی جا چکی تھی۔ براق حنیف کو موت لمحہ بالمحہ اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔ اسی لمحے جالی دار دروازہ کھلا۔

ششدر اور شاکی چہرے والی شیزل سیمسن باہر نکلی۔ براق کے منہ پہ کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا تھا۔ اگلے کئی لمحات سلو موشن میں ہوئے۔ براق شیزل سے کچھ کہہ رہا تھا وہ اسے دیکھے بغیر باہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں۔ چہرہ عجیب۔ وہ بہت بری طرح متعجب تھی۔ براق نے شکوہ کناں نگاہوں سے قیس کو دیکھا۔ وہ اب بھی موبائل کی طرف اشارہ کر رہا

تھا جیسے تکلیف صرف اسکی ہو باقی سب اداکار۔ براق بے بسی سے کال ملاتا رہا مگر نہ رابطہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ وہ دھیرے دھیرے لان کی گھاس پہ بیٹھ گیا۔

تہی داماں، دست خالی، شکستہ حال۔

دروازے کے باہر گلی میں تیز تیز قدم اٹھاتی شیزل وریام بیگ کا نمبر ملا رہی تھی۔ گھنٹیاں پلٹ پلٹ کر واپس آرہی تھیں، جواب ندارد۔ وہ تھک کر موبائل بند کرنے والی تھی جب اسے میسج موصول ہوا۔

''ہزار بار کہا ہے اس نمبر پہ میسج اور کام مت کیا کرو۔ تمھارے ہاسٹل سے ذرا فاصلے پہ کھڑا ہوں وہاں آجاؤ۔''

وہ میکانکی انداز میں اسی طرف جارہی تھی۔ چند لمحے بعد وہ اسکی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ وریام کچھ سخت سست کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے وہ پانی کی بوتل اسکی طرف بڑھا رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا آنکھوں میں نرمی تھی۔ شیزل نے اس سے پانی کی بوتل نہیں لی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگتی تھی۔

''لے لو، اس میں زہر نہیں اور اگر ہوتا بھی تو تم پہ بے اثر تھا۔''

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے بوتل تھام کر لبوں سے لگائی اور سارا پانی غٹا غٹ پی گئی۔ چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پرسکون کیا۔ چند گہرے لمبے سانس لئے۔ اب کے اس نے وریام کو دیکھا تو اسکی آنکھوں میں قلق تھا۔ وریام البتہ پرسکون اور قدرے بے نیاز لگتا تھا۔

''براق حنیف کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟''

''براق حنیف نہیں، براق نواب کہو اسے۔''

ایک سرسراتے ہوئے جملے پہ وریام بیگ کئی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ گاڑی میں پن ڈراپ سائلنس پھیل گیا۔

سفید کمرے میں موجود دو نفوس دو مختلف حالتوں میں تھے۔زرقون اب تک اسکی گردن کے گرد زنجیر کی سختی بڑھاتا جارہا تھا۔وہ کئی دن کی نقاہت کا مارا ذہنی اور جسمانی تکالیف میں مبتلا شخص اسکی گرفت میں بن آب مچھلی کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔مہدی کمبیر اسکے بازوؤں کو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا بس کسی بھی طرح اسے جھٹکنا چاہتا تھا لیکن یہ ایک ناممکن امر ہو گیا تھا۔

''مجھے اپنی جابزادھوری چھوڑنا ہرگز نہیں پسند۔''وہ دانتوں پہ دانت جما کر سختی سے بولا۔ساتھ دباؤ بڑھایا۔سبز آنکھیں باہر کو ابلنے لگی تھیں۔اسکا دم گھٹ رہا تھا۔گردن چھل رہی تھی۔

''براق حنیف دماغ سے پیدل ہے میں نہیں۔کیا میں نہیں جانتا تم یہاں سے نکل کر ہمارے لئے کتنی مشکلات کھڑی کر سکتے ہو۔تمہاری زندگی ہماری موت ہے؟''

مہدی نے آنکھیں بند کر لیں۔کوئی سبز آنکھوں والی عورت اسکے ماتھے پہ محبت سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''تم نوبل ہو،انس۔''

''آپ نے ان آنکھوں کی خوبصورتی دیکھی ہے؟انکے اندر کی انسانیت دیکھی ہے؟''سنہری آنکھوں والی لڑکی یادداشت کے خانوں میں دستک دے گئی۔

''تم بڑے بڑے کام کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔''کسی دوست کا قیاس۔

''تم رہبر ہو،اللہ تمہارے ارادے سلامت رکھے۔''کسی مددگار کی دعا۔

اسکی زندگی اسکی آنکھوں کے آگے کسی فلم کی طرح کٹنے لگی۔اکیلا خالی،بےکار وجود کیا یہ وہی پبلک اسپیکر تھا جو بولتا تھا تو لوگ دم سادھ لیتے تھے،کیا یہ وہی سیاح تھا جس کے لئے وادیاں،صحرا،سمندر بانہیں کھول دیتے تھے؟اس نے کئی پہاڑ سر کیے تھے،اس نے سمندروں کی گہرائیاں دیکھی تھیں۔صحرا کی خاک چھانی تھی کیا سب ختم؟وہ یونہی نہیں مرنا چاہتا تھا اسے اسکے ماں باپ یاد آئے۔وہ اسے ڈھونڈتے،اگر اسکا کوئی سگا بھائی ہوتا وہ اسکے لئے ضرور آتا۔

اسکے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ عین اسکے پہلو میں۔ جسم نے مزاحمت چھوڑ دی۔ اسکے پہلو میں گرے ہاتھ کی جلد سے کوئی شے ٹکرائی تھی۔ بند ہوتی آنکھوں سے اس نے محسوس کیا وہ ایک آئینہ تھا۔ مہدی نے اسے چھوا، ہاتھ میں لیا۔ اس سے پہلے وہ سانسوں کی بازی ہارتا وہ شیشہ اس نے پوری قوت سے زرقون کے پیر کے اندر گھسا دیا۔

وار اچانک تھا زرقون بلا ارادہ پیچھے ہوا، گرفت چھوٹ گئی۔ سبز آنکھوں والے نے زندگی کما لی۔ اس نے زرقون کی فرش پہ گری لوہے کی زنجیر تیزی سے اٹھائی اور برق رفتاری سے اس لڑکھڑاتے مرد کے منہ پہ دے ماری۔ زنجیر کا لوہا اسکی آنکھ کا ندر ڈیلے تک گھس گیا وہ گر پڑا اور فرش پہ گر کر تڑپنے لگا۔ مہدی نے ایک بار پھر زنجیر پوری قوت سے اسکے منہ پہ دے ماری۔ وہ لوہا، اسکا درد جہنم کی کسی سزا کے جیسا تھا۔ زرقون کی آنکھ کا ڈیلا پھڑ پھڑا رہا تھا ایسے جیسے اب باہر نکلا کہ تب۔ سور ماڈھیر ہو چکا تھا کیونکہ وہ خدا کے کاموں میں مداخلت کرنے آیا تھا۔

''لعنت ہو تم۔پہ۔۔۔۔۔۔۔۔لعنت ہو تم پہ۔۔۔۔گالی۔گالی۔۔۔۔گالی۔'' وہ زبان سے مغلظات بکتے ہوئے درد سے تڑپ رہا تھا۔

مہدی کے اندر کوئی انہونی طاقت بھر گئی تھی۔ وہ ہر زخم، ہر شے کی پرواہ نہ کرتے اسے پیٹ رہا تھا۔ زنجیریں لوہے کی وہ بھاری زنجیریں اسکے جسم پہ کہاں کہاں برس رہی تھیں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ بس بکتے جھکتے اس سے اپنی قید کا انتقام لے رہا تھا۔ حقیقی معنوں میں آج وہ اسکا جسم ادھیڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ وہ کوئی دیوانہ تھا جس کے اندر سے انسانیت رخصت ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت کمبیر تھا جو کانٹا چبھونے والے کے جسم میں تلوار گھسانے کا فن جانتے تھے۔

''میں ایک انسان تھا، تم لوگوں نے مجھے جانوروں کی طرح ٹریٹ کیا۔ میں صرف اور صرف ایک انسان تھا۔''

مہدی کمبیر اسکی گردن پہ وار کرتے ہوئے غرایا۔ اسکی آواز بھی بامشکل نکل پا رہی تھی۔

''میں ساری زندگی اس قید میں رہوں گا تم لوگوں نے میری ساری زندگی برباد کر دی یہ حق کس نے دیا تمھیں؟ کون تھے تم مجھ پہ ظلم و جبر کرنے والے جرات کیسے ہوئی تمہاری؟''

زرقون نے مزاحمت ترک کر دی تھی۔ شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ زنجیر سے اسکی آنکھ میں لگنے والا زخم گہرا تھا۔ یقیناً وہ اس آنکھ کو کھونے والا تھا۔ اسے ٹھوکر مارتے ہوئے مہدی نے اسکے حواس چیک کرنے چاہے۔ وہ واقعی بے ہوش تھا۔ سبز آنکھوں والا مرد

اب جھک کر اسکے کافتان کی جیب سے اسکی بندوق، لائٹر، اور رقم نکال چکا تھا۔ اسکی دوسری جیب میں ایک کارڈ تھا مہدی نے اسے بھی ہتھیلی میں دبوچا۔ وہ چند پل اسکے سر پہ کھڑا رہا یوں جیسے اسکی ہر، ہر جنبش پہ نظر رکھنا چاہتا ہو۔ اسکا تنفس تیز تھا، آنکھیں سرخ۔

مہدی نے پستول اپنی آنکھوں کے آگے کی۔ پھر فرش پہ پڑے زرقون کو دیکھا جسکی آنکھوں سے خون رس رہا تھا۔ اسکے پیر سے بھی خون بہہ کر فرش کو سرخ کرتا جا رہا تھا۔ مہدی پسینے سے شرابور اسکے سر پہ کھڑا گہرے سانس لیتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ اگر وہ ہوش میں آجاتا تو اسے مار دیتا۔ لیکن اگر وہ خود ہی مر جاتا تو؟ اس نے پستول اسکے دل کے مقام پہ سیدھی کر لی۔ ہر وہ دن، منٹ، گھنٹہ، رات یاد کی جب اس آدمی نے اسے تکلیف دی تھی۔ گلے میں گلٹی ابھری اس نے بے اختیار ڈھیر سارا تھوک نگلا۔

''مجھے یہاں سے نکالو، زرقون۔۔۔ پلیز۔'' لرزتے ہاتھوں پہ قابو پانے کی کوشش کی۔

''تمہارا باس کون ہے؟ میری بات کرواؤ، مجھ سے بات کرو پلیز۔'' اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ فوکس فوکس، فوکس۔

''مجھے درد ہو رہا ہے، پلیز مجھے میری ٹیبلٹس دے دو۔۔۔ پلیز مجھ سے بات کرو۔۔۔ میری بیوی کہاں ہے؟ یہاں سے نکالو۔۔۔ مجھے درد۔۔۔ مجھے مار دو۔۔۔'' ہر آواز، ہر منظر اس نے ہر درد کو جھٹکا۔ اسکے پاس انتقام کا وقت تھا ذریعہ تھا۔ وہ یہاں سے نکل سکتا تھا۔ وہ اسے مار سکتا تھا اور وہ مارے گا۔ اب دنیا کو چاہیے وہ مہدی کمبیر سے saint رہنے کی امید چھوڑ دیں۔ اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور اگلے ہی لمحے سفید کمرے میں تین فائرز کی آوازیں گونجیں۔ اور پھر خاموشی چھا گئی۔

زرقون کے جسم سے فوارے کی مانند رواں خون نے سفید کو سرخ کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ وہ غیر انسانی چہرہ لئے اسے دیکھ رہا تھا جسے درد نے جگا دیا تھا۔ تڑپ اور تکلیف پھر حاوی ہوتی چلی گئی۔ اسکی دونوں ٹانگوں کے اوپری حصوں میں سوراخ تھے۔

اور اسکا ایک ہاتھ جس سے اس نے مہدی کو تھپڑ مارا تھا اسکے عین بیچوں بیچ گولی کھب چکی تھی قاتل نہیں تھا وہ لیکن اس قید خانے سے نکلنے کے بعد سادھ بھی نہیں رہنے والا تھا۔ یہاں سے نکل کر جو زندگی اسکی منتظر تھی اس میں مہدی کمبیر سب تھا، معصوم، بے ریا نہیں تھا۔

اس نے کمرے کے کونے میں پڑا اپنا سفید سوئیٹر اٹھایا اور بہت مشکل سے اسے پہنا۔ زخمی سینہ چھپ گیا۔

زنجیر کو اپنی کلائی پہ لپیٹتے ننگے قدم آگے بڑھتے اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔ مہدی کمبیر کی آنکھیں برسنے لگیں۔ اس نے پہلا قدم کمرے سے باہر رکھا اور اسے رنگ نظر آئے۔ جا بجا رنگ۔ ہر اور رنگ۔ اس نے جائزہ لیا، وہ ایک اسٹور یج روم تھا جہاں رولز میں لپٹے ہر رنگ کے کپڑے تھے۔

دیوار گیر ریک سے جھانکتے نیلے، سرخ، سبز، سیاہ سلک، ساٹن، اور مخمل کے کپڑے مہدی کمبیر کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ اس نے خود کو گھسیٹا۔ اور ایک ریک کے قریب آکر کھڑا ہوا۔ جھک کر اس کپڑے کو چھوا۔ رول پہ بی قیو (**بیز کلیکشن، قیسم۔ براق حنیف اور قیس کمبیر کی ٹیکسٹائل فیکٹریز**) کا ٹیگ درج تھا۔

وہ اپنے گھر میں قید تھا؟ اسکی روح تک میں سنسناہٹ اتری۔ کوئی کسی کو اسکے گھر میں کیسے قید کر سکتا ہے؟

اس نے خود کو کمپوز کیا اور باہر نکل آیا۔ یہاں آکر اسکے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔ وہ اس وقت چوتھی منزل پہ تھا۔ اور چاروں منزلوں پہ چاروں طرف دیوار گیار ریک تھے اور ان میں کپڑے کے رول رکھے ہوئے تھے۔ دھاگے اور روئی کے بڑے بڑے گولے بھی۔ اسے اب احساس ہوا تھا وہ ایک ویئر ہاؤس میں قید تھا جہاں ایک فرضی وائٹ روم بنایا گیا تھا۔ اسکا دماغ اب تک شل تھا۔

متوازن قدم لیتا اپنے وجود کو بامشکل گھسیٹتے ہوئے اس نے لفٹ کے قریب رک کر زرقون کا کارڈ سوائپ کیا۔ لوہے کے پٹ آپس میں جدا ہوئے دروازہ کھل گیا۔

وہ جس عمارت میں غلاموں کی طرح رہا تھا اسکا مالک تھا جن راستوں پہ غیروں کی رہنمائی سے چل رہا تھا یہ اسکی ملکیت تھے۔ وقت آنکھیں پھیر لے تو اچھے خاصے سورما ڈھے جاتے ہیں۔

وقت کی یہی ضرب اسکے منہ پہ بھی لگی تھی جسے وہ تاعمر یاد رکھنے والا تھا۔ وہ یہاں سے نکل کر کسی کو نہیں بھولے گا یہ طے تھا۔

لفٹ میں سوار ہونے سے نیچے آنے تک اسے کوئی زی روح نظر نہ آیا۔ ویئر ہاؤس واقعی چند گھنٹوں کے لئے پورا کا پورا خالی ہو چکا تھا۔ مگر یہ محض اسکی خام خیالی تھی۔ یا اسکا ذہنی عارضہ۔ وہ باہر نکل کر بھی hallucinations سے جان نہیں چھڑوا سکا تھا

لفٹ لوگوں سے بھری ہوئی تھی جو اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے کچھ نگاہوں میں خوف تھا اور کسی نے اس سے گن پکڑنی چاہی جب اسے ہوش آیا۔ کسی نے اسکے کندھے پہ دھکا مارا اور اسے سب نظر آیا۔

اسے لوگ نظر آئے، اسے بہت سارے لوگ نظر آئے۔ مہدی نے فوراً بندوق ان پہ تانی دونوں مردوں نے ہاتھ اوپر کر لئے۔ مہدی نے ان میں سے ایک کا مفلر کھینچ کر اتارا۔ لفٹ رکی اور باہر نکل آیا۔ یہاں آکر اسے اپنی اصل غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"یہ کون ہے؟"

"اوہ خدایا، اسکے پاس گن ہے۔"

"یا اللہ یہ تو مہدی ہے ناں؟"

مختلف لوگ، آوازیں، شور مگر اسے کیوں سب سفید دکھائی دے رہا تھا؟ کورا سفید؟ ایک لمحے کو سب دکھائی دیتا اگلے لمحے سب خالی، سب ختم۔ کیا وہ پاگل ہو رہا تھا؟ یا وہ پاگل ہو چکا تھا؟

("کال اٹھاؤ۔۔۔ جاہل انسان کال اٹھاؤ۔" وہ گھٹنوں کے بل گھاس پہ بیٹھے ہوئے زرقون کو کال ملا رہا تھا۔ جب اسے اپنے نمبر پہ رزرقون کے کسی ٹیم ممبر سے ایک فوٹیج موصول ہوئی۔ زرقون کی رانوں میں گولیوں سے چھید تھے اسکی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ براق کی ساری پلاننگ ضائع ہو گئی۔ وہ کئی لمحے بس ان تصاویر کو دیکھے گیا۔)

اس نے سر جھٹکا منظر واضح ہوا۔ لوگ اسے تک رہے تھے۔ مہدی نے مفلر چڑھا لیا اور اندھا دھند بھاگا۔ گارڈز، سیکورٹی کا عملہ جو اسکے سامنے آتے وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے زنجیر انکے چہرے، گردن، پشت پہ برساتے آگے بڑھتا جاتا۔ رکنا موت تھا اسے مرنا نہیں تھا۔

اگر وہ آج سے پہلے اس ویئر ہاؤس نہ آیا ہوتا تو مسائل ہو سکتے تھے لیکن وہ آچکا تھا۔ سیاح کو اسکے شوق نے بچا لیا تھا۔ اسے اسکی observations نے بچا لیا تھا۔

(براق کے ہاتھ کپکپانے لگے، اسکے سامنے کرسی پہ بیٹھا گھونٹ گھونٹ کوئی مشروب حلق میں اتارتا قیس کمبیر اسے بے تاثر نگاہوں سے تکتا رہا۔

''اس نے، زرقون کو مار دیا ہے۔'' آدھے عرب کی آواز کسی کھائی سے آتی تھی۔

قیس دلکشی سے مسکرایا۔

''آہ میرا بھائی۔ بلاخر اس نے دکھا دیا وہ ایک اصلی کمبیر ہے۔'' فخر، مان، کروفر، کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔

وہ پہلا بڑا بھائی تھا جو چھوٹے بھائی کے پہلے قتل کا جشن منا رہا تھا۔)

اس نے دوسری منزل پہ قدم رکھا جب ایمرجنسی الارم بجنے لگا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ ملازمین جو کہ نیا آنے والا اسٹاک ان لوڈ کر رہے تھے افراتفری میں یہاں سے وہاں بھاگنے لگے۔ سیکورٹی افسران کی ایک بہت بڑی تعداد عمارت کے اندر داخل ہوئی۔ شہزادہ اپنے محل میں باغیوں کے درمیان جکڑا جا چکا تھا۔ جلتی بجھتی سرخ بتیوں میں لوگوں کے شور اور سیکورٹی افسران کی آمد کے بیچ مہدی کمبیر ایک ریک کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اسکا سارا وجود خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بھاری بوٹوں کی دھپ دھپ کی آواز اسی طرف آرہی تھی اس سے پہلے مہدی کچھ کر پاتا اسکی نگاہ اوپر کی طرف اٹھی اور وہ ساکت رہ گیا۔

سی سی ٹی وی کیمرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اوہ خدایا۔

''ٹیم بی فلور نمبر ٹو۔'' مائیک چہرے کے قریب کیے لیڈر چیخ کر اپنی سیکورٹی ٹیم کو جگہیں سنبھالنے کا کہہ رہا تھا۔ یہاں کروڑوں اربوں روپے کے کپڑا اسٹور ہوتا تھا کیا یہاں کی سیکورٹی ٹیم سے ایک آدمی بھاگ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔

وہ گرفتاری دے دیتا اگر اسے یقین ہوتا وردی ان پہنے ان لوگوں کے دلوں میں انسانیت ہے۔ انسانیت کے رہنما کے دل سے انسانیت پہ اعتبار اٹھ گیا تھا کوئی اسکا اور کیا نقصان کر سکتا تھا؟

اس نے فلور سے جھک کر دیکھا۔ لوگ اوپر آرہے تھے انکے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں وہ تعداد میں زیادہ تھے۔ وہ لوگ تھے بس لوگ۔ مہدی نے انہیں دیکھا۔ ایک سانس، دو سانس، تین سانس۔۔۔ ''مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔''

اس نے دہرایا اور جیب سے زرقون کا لائٹر برامد کیا۔ اور شعلہ جلایا۔ اس سے پہلے کوئی اسکے قریب پہنچ پاتا مہدی نے آگ کا وہ شعلہ سلک کے کپڑے سے ٹکرایا۔ پھر ساٹن، پھر ریشم۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک ایک رول اٹھا اٹھا کر فلور پہ پٹخ رہا تھا۔ آگ بلا خر بھڑک اٹھی تھی۔ مہدی کمبیر اس فلور سے بھاگ رہا تھا۔ سمت کا کوئی تعین نہیں تھا۔ ویئرہاؤس کے دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ مستعد عملہ سامان ٹھکانے لگا رہا تھا اور وہ اسیر بس اپنی جان بچانے کو بھاگ رہا تھا۔ آس پاس ارد گرد کئی لوگ تھے جو اسکے ہاتھ میں بندوق دیکھ خود بخود راستہ دینے لگتے تھے۔ وہ لوگ پلک جھپکتے نظر آتے اور پلک جھپکتے غائب۔

ہر ریک کر قریب رک رک کر وہ آگ کا شعلہ بھڑکاتا جاتا اسے یقین تھا جب وہ پہلے فلور پہ ہوگا دوسرا فلور جل رہا ہوگا۔ وہ جو جلاتا تھا اس نے سب کو خاکستر کرنے کی ٹھان لی تھی۔

ایک ایک شعلہ اسکا دل جلا رہا تھا۔ کپڑے سے محبت اسکے خون میں بستی تھی۔ کوئی اس سے پوچھے وہ کیسے اپنے عشق کو نظر آتش کر رہا تھا۔

(''سر، زرقون صاحب کہیں نظر نہیں آرہے، اور ایک آدمی جو کہیں سے گھس آیا ہے وہ ویئرہاؤس میں آگ لگا چکا ہے ہر طرف آگ لگ گئی ہے۔ وہ آدمی مہدی کمبیر جیسا دکھتا ہے۔ یا پھر مہدی لیکن وہ مر چکے ہیں ہم کیا کریں؟''

سیکورٹی روم میں کھڑا ایک افسر بے حد اضطراب کے عالم میں رپورٹ کر رہا تھا۔ براق حنیف کا دل آگ پہ رک گیا تھا۔

''آگ کہاں لگی ہے؟''

''تھرڈ فلور سر، آگ بہت تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے ہم ورکرز کو باہر نکال رہے ہیں۔''

''وہ جو بھی ہے، اسے باحفاظت جانے دو۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔

''اسے ایک خراش بھی آئی تو میں تمھیں اور تمہاری ٹیم کو اسی برف کے اندر دفناؤں گا۔'' براق نے موبائل کان سے اتارا۔ اسکی آنکھیں خالی تھیں وہ جانتا تھا بیٹھے بیٹھے اسے کتنا نقصان ہوا ہے بس وہی جانتا تھا۔

''میرا بھائی ٹھیک ہے؟'' موم بتیوں کے شعلوں کی ٹمٹماہٹ میں اسکا چہرہ دھندلا ہو رہا تھا۔

"بھائی ہے۔۔۔۔۔۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "کاروبار گیا۔"

قیس بہ دقت مسکرایا۔

"کاروبار اور بہت۔")

آگ لگنے پہ ویئر ہاؤس کے سیلنگز پانی برسانے لگے تھے۔ سرخ بتیاں، آگ اور برستے ہوئے پانی میں وہ کبھی چہرے سے پانی صاف کرتا، کبھی اپنے بچانے کو لوگوں کی طرف دیکھتا مگر غیر یقینی طور پہ اب کوئی اسے نہیں پکڑ رہا تھا۔ ہر کوئی کپڑا بچانے اور آگ بجھانے میں لگ گیا تھا۔

چند لمحہ قبل اس لشکر کی کان کے آلوں میں ایک پیغام گونجا تھا اور اسکے بعد انہوں نے مہدی کمبیر کو پکڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسے بھی کھیل کا حصہ سمجھ کر بغیر کسی کی طرف بھاگے جا رہا تھا۔

گراؤنڈ فلور پہ آکر اسے چار دروازے دکھے جن کے پار دنیا تھی۔ دروازے ایسے تھے جیسے کسی دکان کے شٹر ہوتے ہوں مگر زیادہ قیمتی، محفوظ اور بھاری۔ جلتی بجھتی سرخ بتیوں سے بے نیاز، گرتے پانی سے ٹھٹھرتے زخموں سے چور اس نے قید خانے کا دروازہ پار کر لیا تھا۔ وہ قید خانے سے نکل آیا تھا۔

باہر برف باری تھی۔ وہ بغیر بازوؤں والے گیلی سوئیٹر میں ٹھٹھر کر رہ گیا۔ سیکورٹی ٹیم میں سے کوئی تین سے چار لوگ اسکی طرف بڑھے اپنے تیئں وہ اسے کسی محفوظ مقام پہ لے جانا چاہتے تھے کہ یہ براق کا حکم تھا مگر وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے بے اختیار ان تینوں پہ گولی چلائی۔ کسی کی ٹانگ کسی کا بازو زخمی ہوئی اور وہ بھاگ رہا تھا۔

گرتے پڑتے، مرتے بچتے وہ بس بھاگ رہا تھا۔ دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ مگر وہ سیاح تھا کہاں کیا ملے گا اسکا اسے علم تھا۔ ان لوگوں میں سے جو جو اسکے پیچھے آیا تھا مہدی نے اس پہ فائر کھولا یہاں تک کہ بندوق خالی ہو گئی تھی۔ اسکی حالت ایسی تھی کہ اسے ہر شے ہر منظر سلو موشن میں ہوتا دکھائی دیا۔ اسے کچھ بھی ٹھیک سے سنائی اور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

سردی سے اسکے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔ پٹھے اکڑ گئے تھے جب اسے کوئی راہگیر دکھائی دیا۔ وہ اس سے موبائل لینے کے لئے منت کر رہا تھا ذرا تردد کے بعد اسے موبائل مل چکا تھا۔ اس نے کسی کو کال ملائی۔ کوئی سنگت۔ دوسری طرف بے یقینی بس بے یقینی۔۔

پھر کیا ہوا اسے یاد نہیں رہا۔ پھر وہ گرا تھا، پھر اس نے محسوس کیا جیسے وہ مر رہا ہو۔ پھر اس نے کسی کو اپنے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے دیکھا۔ وہ متفکر آنکھیں، وہ گرتی برف۔ پھر آنکھیں بند ہو گئیں۔ ایک لمبی نیند کے لئے۔

وہ جتنا لڑ سکتا تھا لڑ لیا اب جو کرے بخت کرے۔

"سات ماہ بعد۔"

کوئٹہ میڈیکل کیمپس کے اندر سبزہ زار پہ بھاگتی ہوئی لڑکی کے ہاتھ میں ایک پرچہ تھا جسے وہ ہوا میں لہرا رہی تھی۔ یہ وہ کونج حاکم نہیں تھی جسے تم جانتے تھے، یہ وہ تھی جس نے خود کو جاننا شروع کیا تھا۔ وہ کسی مرد کے سامنے آ کر رکی۔

فرط جذبات سے اسکا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں آنسو۔ وہ بے تحاشا خوش نظر آ رہی تھی۔

"ہو گیا ادا۔۔ میرا داخلہ ہو گیا۔۔۔ میرٹ پہ ہو گیا۔ میرا داخلہ ہو گیا۔" بشر نے فخر سے اسے گلے سے لگایا تھا۔ اسکی آنکھوں کے آگے وہ پرچہ بھی لہرا رہا تھا جس میں زینیا حاکم نواب نے سی ایس ایس کے امتحان کو پاس کر لیا تھا۔ دل میں ہوک اٹھی۔

جانے وہ کہاں تھی، جانے اسکا کون اسکے حصے کی کامیابیاں سمیٹے گا۔ سر جھٹک کر وہ اسکی کامیابی پہ خوش ہوا جو قریب تھی۔ اور اسکے لئے دعا گو جو دور تھی۔

ستمبر ڈھاکہ میں بھی مہمان بن کر اترا تھا۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا آسمان پہ سیاہ چھوٹے چھوٹے بادل تھے۔ شاید آج مینہ برسے گا۔ اس نے دل ہی دل میں قیاس لگایا اور واپس پردے برابر کر دیے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنا سراپا دیکھا۔ سفید کڑھائی والے جوڑے کے ساتھ سفید ہی ٹراؤزر پہنے اس نے کندھوں سے ذرا سا اوپر بیوٹی بون کو چھوتے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

انکی رنگت آج بھی ویسی تھی اور گھنے بھی آج بھی ویسے کے ویسے۔ مگر لمبائی کم ہو گئی تھی بے حد کم۔ لمبے بال اسے بہت کچھ یاد دلاتے تھے سو اس نے کاٹ دیے، یادیں مٹا دیں۔

یہ بال اس نے تب کاٹے تھے جب اس نے یہاں اس شہر میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کئی ایک لوگ جنہوں نے شاید اسے کبھی سوشل میڈیا پہ دیکھا بھی تھا تو اسکے اس روپ میں کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ کنگھا اٹھا کر اس نے بالوں میں پھیرا۔ جلے ہوئے بازو پہ داغ اب بھی تھے مگر گولی کے زخم کی وجہ سے وہ آج بھی اسے پوری طرح اوپر نہیں اٹھا سکتی تھی۔ مسائل بہت تھے مگر۔ خیر

چہرے کے زخم اب معدوم تھے۔ جسم پہ شاید نشان اب بھی کہیں ہوں گے۔ دفعتاً اسکی نگاہ اس سلور پینڈنٹ پہ پڑی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسکے چہرے نے کئی رنگ بدلے۔ وہ آئینہ دیکھتے زخمی سا مسکرائی۔

”تم نے مجھ سے غلط بیانی کی تم نے کہا تھا تم مجھ سے کبھی موو آن نہیں کر سکتے۔“ گلے میں کچھ اٹکا اس نے لمحے بھر کا وقفہ لیا۔

”تم نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں بھی تم سے موو آن نہیں کر پاؤں گی۔ بڑا غلط کیا ہے تم نے میرے ساتھ۔ ایسی محبت کہاں کرنی تھی مجھے؟“ یاسیت سے کہتے اس نے ہر بار کی طرح پینڈینٹ لبوں سے لگایا۔ اسکی خوشبو، لہجہ، سارے کا سارا مہدی اپنے قریب محسوس ہوا۔

پیروں میں عام سی چپل ڈالتے ہوئے اس نے سرخ بڑی سی چادر اٹھا کر اوڑھی پھر اسے چہرے پہ ماتھے تک آگے لے آئی۔ چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ زندگی کی طرف واپسی کی مسکراہٹ۔

گھر سے نکل کر سوسائٹی کا جنگلہ پار کرتے ہوئے اس نے سویتا تائی کو ہیلو کہا۔ نوید کے چھوٹے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سڑک پہ چلتے ہوئے فیکٹری کی طرف جاتے ہوئے اب اسے بنگالی سمجھ آنے لگی تھی۔

دل کے درد دل میں چھپائے غلطیوں سے سیکھ اٹھائے اب وہ جینا سیکھ رہی تھی۔ زندگی کسی کے لئے نہیں رکتی اسکے لئے کہاں رکتی؟۔

کمبیر محل میں شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ اس محل میں اب سوئی گرنے کی بھی آواز آتی تھی۔ قیس کمبیر اب یہاں کم آیا کرتا تھا۔

کام نے اسے مصروف کر دیا تھا مگر رات کے یہ تین پہر۔۔۔ وہ ان تین پہروں میں بالکنی میں بیٹھ ہزار دفع پڑھی گئی اسکی چیٹ پڑھا کرتا تھا۔ کسی پروجیکٹ، کسی شوٹ کے دوران نکالی ہوئی تصاویر میں اسکی تصاویر دیکھتا تھا۔ اسکی نگاہیں آج کل دروازے پہ ٹکی رہتی تھیں۔

صحت گر رہی تھی۔ زندگی ویران ہو گئی تھی۔ وہ جو گئی تھی اسکی رونقیں لے گئی تھی۔

آج ایک بار پھر وہ اسی بالکنی میں تنہا بیٹھا تھا۔ بلکل تنہا۔۔۔ لیپ ٹاپ سے کسی پرانے گانے کی پر سوز آواز ابھر رہی تھی۔

"تو نے دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا

اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا۔۔۔"

سگار انگلیوں کے درمیان رہنے لگا تھا۔ آج کل بے دھیانی ایسی تھی کہ انگلیاں جل جاتی تھیں دل کی طرح۔ اب اسکی چائے ٹھنڈی پڑ جاتی تھی۔ بھورا کاغذ اور قلم لے کر وہ آج بھی اسکے نام کچھ لکھتا تھا۔ جس کی ابتدا یوں ہوتی تھی۔

"تمہارے نام۔۔۔۔ یعنی محبت کے نام۔" درمیان میں وہ بہت کچھ لکھتا۔ معافی نامے، محبت نامے، اپنی بے قراری کے قصے مگر بھیجنے کے لئے کوئی پتہ نہیں تھا۔ کیا یہ اذیت نہیں تھی؟

ٹھنڈی سانس ہوا کے سپرد کرتے۔ آسمان پہ نگاہیں ٹکاتے وہ ایک بار پھر اس کے لاشعور سے مخاطب تھا۔

"اسلام آباد تمہارے بغیر بورنگ ہو گیا ہے۔" وہ انتقام کی فصل سے پچھتاوے کاٹ رہا تھا۔

اسکردو کے ایک لکڑی کے مکان کے باہر لکڑی کے ہی زینوں پہ کوئی شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے جسم پہ سفید شلوار قمیض تھی۔ جس کے اوپر بغیر بازوؤں والا سیاہ سوئیٹر پہن رکھا تھا۔

کندھوں پہ پڑی سفید شال ڈھلک کر زینوں پہ گر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش کی بوندیں اسکے پیروں کو چھو رہی تھی۔ مگر آج وہ اس بارش کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکا چہرہ سپاٹ اور سنجیدہ تھا۔

زندگی بارش، چائے، قہقہوں سے بہت دور آگئی تھی۔ زندگی یکدم تنہا ہوگئی تھی۔ دفعتاً اس کے عقب میں لکڑی کا دروازہ کھلا اور اسی کا ہم عمر کوئی تنومند مرد ہاتھ میں بڑے بڑے دو اسٹیل کے کپ لے کر باہر آیا۔

اسکی ناک سرخ پڑ رہی تھی۔اور کپ بھاپ اڑا رہے تھے۔

''اوہ۔۔۔تم یہاں بیٹھے ہو، مہدی۔ میں ہمیشہ کی طرح تمھیں اندر ڈھونڈ رہا تھا۔''

وہ اس سے ایک درجہ اوپری زینے پہ آکر بیٹھا۔ مہدی جواب دیے بغیر سامنے دیکھتا رہا۔ چائے کے بھاپ اڑاتے کپ اسے کسی کی یاد دلاتے تھے۔ صبح کی پہلی پو پھوٹتے ہی اسے کسی کی بالکنی یاد آتی تھی۔ کسی کی باتیں سنتا تھا تو محض اسکی کڑوی کسیلی باتیں یاد آجاتی تھیں۔

وہ آج کل بڑا مضطرب تھا یہاں وہ سانس لیتا تھا یہاں ''وہ'' یاد آجاتی تھی۔

''میرا چھوٹا سا گھر ہے میں سمجھ سکتا ہوں تم جیسے سیاح کا یہاں دم گھٹتا ہوگا۔''

اس نے کپ ذرا سا آگے کھسکایا۔ مہدی نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ بس سامنے دیکھتا رہا۔

''ڈاکٹر نے کل رات کیا کہا تھا؟'' کافی دیر بعد چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمھارے زخم اب تو بلکل ٹھیک ہیں ورنہ میں ڈر گیا تھا کہ جو انفیکشن تمھیں ہوا تھا وہ کہیں معاملہ خراب نہ کردے۔ سچ کہوں مہدی مجھے تو اس روز تمھاری کال نے ڈرا دیا تھا۔ لیکن میں پھر بھی وہاں آیا میں دیکھنا چاہتا تھا اگر یہ پرینک کال بھی ہے تو کس نے کی ہے؟''

اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

''وقت بہت جلدی گزرتا ہے میں نے سنا تھا لیکن کوئی مجھ سے پوچھے تمھاری بیماری نے وقت کو کیسے روک دیا تھا۔ میں نے تمھاری اذیت تمھارے ساتھ دیکھی اور بڑی مشکل سے دیکھی ہے۔''

اب کے مہدی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ اسکا مشکور تھا۔ لبوں سے کوئی لفظ ادا نہیں ہوا۔

''تم ٹھیک ہو گئے ہو اب کہیں گھومنے چلیں۔ پرانی یادیں ہی تازہ کر لیں گے۔''

مہدی کمبیر نے چائے کا کپ واپس زینے پہ رکھا۔

''میں کل صبح اسلام آباد جا رہا ہوں۔ اسکے بعد بلوچستان۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے؟ اسلام آباد میں اب رکھا کیا ہے؟ دنیا کی نظروں میں تم مر گئے ہو تم اب وہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''it's all about her''اس نے اپنے میزبان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

''میں اسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا تھا جب وہ اکیلی ہو گی تب میں اسکے ساتھ رہوں گا۔ مجھے وعدہ نبھانے جانا ہے۔''

اسکے سامنے بیٹھے آدمی کا دماغ بھک سے اڑا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے؟ وہ آٹھ ماہ سے کہاں ہے کوئی نہیں جانتا۔ پتہ نہیں دنیا کے کس کونے میں ہے تم اسکے لئے خود کو غیر محفوظ کرو گے؟''

''یہ صرف ایک دنیا ہے۔ ایک چھوٹی سی دنیا۔ میں اسکی تلاش میں ستارے، سیارے، اور کئی کہکشائیں پھر سکتا ہوں۔ بیوی ہے وہ میری۔''

کہہ کر وہ اٹھا۔ چہرے کی سنجیدگی برقرار رہی۔ اندر کی طرف جاتے ہوئے وہ ایسی ملاقات کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا جو اسکے اعصاب پہ بھاری پڑنے والی تھی۔ کئی ماہ کی ازیت کے بعد اب احتساب کا وقت تھا۔

اسلام آباد کی ایک نجی عمارت کا پارکنگ لاٹ اس وقت خالی تھی۔ جب دو لوگ تیز تیز قدم لیتے ہوئے وہاں آئے۔

''ایک منٹ پارکنگ لاٹ میں چڑیلیں کب سے ملنے لگیں؟''مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش لہجے پہ وہ چونک کر مڑی۔ انگلیوں میں گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے وریام بیگ اسکے سامنے کھڑا تھا۔

شیزل نے گہری سانس لی۔ اسے دیکھ کر اچھا لگا تھا۔

''جب سے سرکٹوں نے پولیس تھانوں کا رخ کیا ہے تب سے ہم نے بھی کوہ کاف چھوڑ پارکنگ لاٹ آباد کیے ہیں۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ کھول ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈبہ اندر رکھا۔

''یوں اپنے آباد مسکن چھوڑ سرکٹوں کے پیچھے نکلنے کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''عشق محبت تو ہرگز نہیں۔''

وریام ہنس پڑا شیزل اسکے ساتھ مسکرائی۔

''تم نے ٹھان رکھی ہے انسانوں کو خوش فہمیوں کے مواقع نہیں دو گی؟''

''جب یہ مواقع مجھے میسر نہیں رہے پھر کسی اور کو کیوں دوں۔''

''کافی انتقامی مزاج خاتون ہیں آپ۔''

''آج تم کیوں آؤٹ آف کریکٹر جا رہے ہو؟'' اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک اور بات میری جان جوکھم میں ڈال کر تم نے براق کے خلاف اتنے ثبوت اکھٹا کروائے، پھر اسے expose کیوں نہیں کیا؟''

وریام اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ کھڑکی کا شیشہ کھول کر اسے دیکھا۔

''لمبی بات ہے کسی دن مل کر کر سکتے ہیں؟''

تجسس کی ماری عورت کیا ہی کرتی۔ مان گئی۔

''شیور، کسی اچھے کافی شاپ کی تلاش شروع کر دو۔''

وریام نے سر کو خم دیا۔ اور ہلکا سا مسکرایا۔ آج کئی ماہ بعد اسے اچانک دیکھ کر اچھا لگا تھا۔ جانے کیوں؟ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

اسکے چہرے اور آنکھوں کی سنجیدگی اس آدمی کو ہمارے لئے غیر قرار دینے پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے فائق نے ایک محتاط نگاہ اس پہ ڈالی۔

''تم شیور ہو، مہدی؟ جس نے تمھیں اتنا عرصہ جہنم دکھائی ہے وہ اب تمھیں زندہ چھوڑے گا؟''

مہدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کتنے عرصے بعد یہاں آیا تھا؟ اسکی قید، پھر حکیم کے پاس اسکا قیام، اسکے بعد سکون کی تلاش میں سکردو کا وہ چھوٹا سا گھر۔

اور آج وہ واپس اسی شہر آگیا تھا۔ بادل، آسمان، ہوائیں سب وہی تھا۔ مگر سب غیر تھا۔

کیونکہ یہاں ''وہ'' نہیں تھی۔ وہ کتنا مختلف انسان بن گیا تھا۔ زندگی کیا سے کیا ہوگئی تھی۔

''مہدی وہ تمھیں مار دے گا۔۔۔۔''

''اس نے مجھے مار ہی دیا تھا۔'' موبائل پہ کھٹ کھٹ کرتے اس نے جواب دیا۔

''یہ زندگی میں چھین کر لایا ہوں۔ اور چھینی ہوئی پہ جھپٹا مارنے والے خود بھی زخمی ہوتے ہیں۔'' بے تاثر لہجے میں جواب دیتے اس نے نگاہیں ایک بار پھر موبائل پہ جمادیں۔ اگر اسکے کندھے سے جھانک کر دیکھو تو وہ اپنے آفیشل ای میل ایڈریس سے ایک ویڈیو مختلف ٹی وی چینلز کو بھیج رہا تھا۔ ویڈیو میں وہ لکڑی کی ایک کرسی پہ بیٹھا تھا۔ اسکے عقب میں آرائشی قالینوں کے ٹکڑے لگے تھے۔ اگر ویڈیو پہ پلے کا بٹن دبا کر اسے آن کرو تو وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے، مہدی سرور کمبیر کہتے ہیں۔ میرا پیشہ، ذات، خاندان اس سے آدھی دنیا واقف ہے۔ اور سچ کہوں تو اس وقت مجھے اس سب میں دلچسپی نہیں ہے۔ میری واحد دلچسپی، فکر، ہر جذبہ صرف ایک انسان کے لئے ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔

اسکی خالی آنکھوں میں لمحے بھر کو دنیا کا ہر جذبہ آیا تھا۔ اور اگلے لمحے وہ تاریک ہوگئیں۔

''میری بیوی، زینیا حاکم نواب۔ میں اسے اون کرتا تھا، کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔'' بھوری لکڑی کے اس کمرے نے اسے تکا اور تکے گئیں۔

''میرا قتل جھوٹا تھا۔ جس نے بھی یہ سب کیا میں نہیں جانتا۔ میں ایک ماہ قید رہا اور اسکے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ ایک بار پھر مجھے اس وقت اس بارے میں بھی بات نہیں کرنی۔ اس دنیا میں اگر کوئی واحد شے قابل غور ہے تو میرے لئے وہ میری بیوی ہے۔ میرے ساتھ جو بھی حادثہ ہوا اس میں میری بیوی کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ قابل احترام ہے، اور رہے گی۔ میری بیوی بے ریا ہے۔ معصوم اور وفادار۔ اس پہ لگنے والا ہر الزام جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ جس جس نے اسکے کردار اور اعمال پہ بات کی ہے میں ہر ایک کو عدالتی نوٹس بھجواؤں گا۔ میں آدھی دنیا پہ ہتک عزت کا دعوی کروں گا کیونکہ۔۔۔ میری۔۔۔ بیوی۔۔۔ قابل۔۔۔ احترام ۔۔۔ ہے۔ اور کسی کو حق نہیں تھا وہ اس پہ بہتان لگائے۔'' اس نے ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔

"ایک گھر، ایک گاڑی اور چند کروڑ میں اس سے کہیں زیادہ اس پہ خرچ کر سکتا ہوں کیونکہ وہ اس قابل ہے۔ میری بیوی آنریبل ہے، اور اس نے مجھے واحد چیز جو دی ہے وہ ''سکون'' ہے۔ صرف سکون۔ سب الزام ردّی ہیں جن میں کہا گیا کہ وہ مجھے ذہنی اذیت دیتی تھی۔ وہ مجھ سے رقم بٹورتی تھی۔ میرے پاس کسی ارادے سے آئی تھی سب جھوٹ۔

وہ میرے پاس نیک بخت سے آئی تھی۔ اسے میرے اللہ نے میرے لئے بطور انعام بھیجا تھا۔''

وہ ایک لمحے کو رکا۔ پھر کہنا شروع کیا۔

"میں اب اسکی تلاش کروں گا۔ لیکن میں ان لوگوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جنہوں نے میری بیوی پہ بات کی ہے ان سب سے حساب ہو گا کیونکہ اب بہت ہو گیا کہ آپ کسی کے گھر کی عورت پہ بات کریں اور آزاد ہو جائیں۔ اب بس۔'' اس نے لمبی گہری سانس لی۔

''زینیا حاکم۔۔۔ اگر تم مجھے سن رہی ہو تو یاد رکھنا میں تمہارے لئے آؤں گا۔ میں نے کہا تھا میں تمہارے لئے reserved رہوں گا۔ میں ہوں۔ میں نے کہا تھا میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر سکوں گا میں نے نہیں کرنا۔ تم جہاں بھی ہو میں تمہارے لئے بہت جلد آؤں گا۔''

''مجھے فکر رہے گی تمہاری۔''

کمبیر محل دروازے کے باہر گاڑی روکتے ہوئے فائق نے دلگرفتگی سے کہا۔ وہ ان سات ماہ کو نہیں بھولا تھا جس میں اسکا دوست ایک ابنارمل انسان رہا تھا۔ وہ راتوں کو سو نہیں پاتا تھا اسکے زخم اسے رونے پہ مجبور کرتے تھے، دنیا سفید ہوتی جاتی تھی اور چیختے چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھتا تھا۔ یہ وہ زندگی نہیں تھی جو اسکے دوست نے گزاری تھی۔ اس روز مری کی اس سڑک سے اسے گھر، پھر اسکر دو لے جاتے ہوئے وہ صرف ایک امید لے کر گیا تھا۔ ''زندگی'' مل تو گئی تھی مگر اسکی مدت کیا تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''میری فکر مت کرو تم۔'' مہدی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''مرے ہوئے کو کوئی نہیں مارتا۔'' کہہ کر چند پل فائق کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔

وہ اونچا سفید اور سیاہ محل اپنی تمام تر شان کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ آج بھی بالکل ویسا تھا جیسا مہدی اسے چھوڑ کر گیا تھا یا بھیجا گیا تھا۔

اسی لمحے محل کے دروازے کے پٹ وا ہوئے۔ دروازے کے اس پار قیس کمبیر کھڑا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اب کوئی دروازہ نہیں تھا۔ کوئی باڑ نہیں، مگر ان دونوں کے درمیان بہت کچھ تھا جو تا قیامت رہنے والا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تھم گئے تھے۔ وقت تھم گیا۔ ہر آہٹ، ہر شے تھم گئی۔ بس وہ دونوں تھے جو ایک دوسرے کے روبرو تھے۔

آٹھ ماہ پورے آٹھ ماہ بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے۔

سیاہ آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اسکی آمد کی توقع رکھے ہوئے تھیں۔ سبز آنکھیں بے تاثر تھیں۔ شاید اپنا ہر جذبہ کھو چکی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان واقعی بہت کچھ تھا۔ آٹھ ماہ ہر شے بدل گئے تھے۔

مہدی آگے بڑھا۔ چند قدم، مزید چند قدم اور پھر وہ اسکے عین سامنے آکر کھڑا ہوا۔ کئی لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ کئی ساعتیں چپ کی نذر ہوئیں۔ پھر قیس آگے بڑھا دھیرے سے اسے گلے سے لگایا۔ نرمی سے اسکا کندھا چوما، پیٹھ پہ تھپکی دی۔

''**ویلکم ہوم۔**'' ایک جذب سے کہا۔ کمبیر محل کے درو دیوار حیرت سے اس منظر کو تک رہے تھے۔

''میں تمھارے بغیر اکیلا ہو گیا تھا۔'' مہدی نے آج اسکے کندھوں کے گرد بازو نہیں باندھے آج اسکے دل میں ٹھنڈک نہیں اتری۔ آج وہ انسان اسکے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔ آج وہ خاک تھا۔

دونوں ہاتھ اسکے سینے پہ رکھتے مہدی نے اسے الگ کیا۔ قیس کی نگاہوں میں نرمی برقرار رہی۔ سبز آنکھوں میں لاتعلقی بھی برقرار رہی۔

''تم نے واپس آنے میں بہت وقت لے لیا، مہدی۔ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔'' وہ بہت دیر بعد مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

مہدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''میرا انتظار؟ تم نے میرے جھوٹے قتل پہ کھیل کھیلے اب میری زندگی پہ کوئی سازش رچانی ہو گی رائٹ؟''

قیس نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

''تم کتنا منفی سوچنے لگے ہو۔ تم نے میرے ساتھ کیا نہیں کیا وہ سب بھول کر اب تمھیں قبول کر رہا ہوں؟ میں نے۔۔۔''

''spill it qais۔۔۔۔'' وہ پتھر تھا سو وہی رہا۔ ''کیا چاہیے مجھ سے؟''

''تم آرام کرو، وقت لو۔ ہم پھر بات کریں گے۔''

قیس نے بہ دقت خود کو نارمل رکھا اور اسکا شانہ تھپکا۔ مہدی پیچھے ہوا قیس کا بازو ڈھلک کر گر گیا۔

''تمہاری صحت، تمھارے ذہن کو فلحال سکون کی ضرورت ہے۔ ہم پھر بات کریں گے۔''

وہ آٹھ ماہ بعد آیا تھا اور کوئی حال احوال نہیں ہوا۔ کوئی جذباتی جملوں کا تبادلہ نہیں ہوا۔ وہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت فاصلے پہ آ گئے تھے۔ قیس کو فرق نہیں پڑا تھا۔

وہ ''اسے'' واپس لے آئے۔ پھر اس آدمی کو قبر میں اپنے ہاتھوں سے اتارے گا۔

مہدی نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ ہال، زینے، راہداریاں، سب سنسان پڑا تھا سب خالی۔ وہ اندازہ کر چکا تھا یہاں کیا ہوا ہوگا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے الماری کے دراز کھولے کچھ سامان الٹ پلٹ کیے۔ ویزا، پاسپورٹ اور دیگر کاغذات اٹھا کر بیڈ پہ رکھے۔ پھر ایک بیگ نکالا۔

الماری سے بغیر دیکھے کچھ کپڑے نکال کر بیگ میں ٹھونسے، کاغذات اندر رکھے۔ اس پہ کسی ناسٹلیجیا کا اثر نہیں ہوا۔ اس کمرے میں واپس آکر اسے کچھ یاد نہیں آیا۔ اس گھر اور مکینوں کے لئے اس نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔

اور اگر ایسا کچھ ہوا بھی تھا تو اس نے ظاہر نہیں کیا۔

وہ چند منٹ کے اندر واپس نیچے آیا تو قیس ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ مہدی کی طرف دیکھتے ہوئے اسے علم ہوا کہ جس بھائی کو وہ کھو چکا تھا واپسی پہ وہ واپس نہیں آیا تھا۔ یہ واپسی کسی اور انسان کی تھی۔ اسکے کندھے پہ بستہ تھا اور وہ چند منٹوں کے اندر اندر باہر جا رہا تھا۔

جب قیس کمبیر اسکے سامنے آکر رکا۔

"تم ابھی آئے تھے ہمیں بات کرنی تھی تم۔۔۔ تمھیں اعلان کرنا ہو گا کہ تم واپس آچکے ہو۔ تم یہ سب بتاؤ گے تو وہ منظر عام پہ آجائے گی۔ تم ایسے نہیں جا سکتے۔" اس نے کہہ دیا۔

اسکا چہرہ ایک ایسے انسان کا چہرہ تھا جسے صرف خود سے فرق پڑتا تھا۔

"فکر مت کرو، میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ اپنی بیوی کے ساتھ۔۔" قیس تھم گیا۔

"مجھے واپس آنے دو، میں سارے حساب برابر کروں گا۔"

وہ اسکے دائیں طرف سے گزر کر آگے چلا گیا۔ اسکے کندھے پہ سفری بستہ تھا۔ اور چہرہ ہر قسم کے جذبات سے خالی۔ اسکی جیب میں پڑا موبائل تھرتھرا رہا تھا۔ وہ واپس آگیا تھا مہدی کمبیر نہیں مرا تھا یہ ایک خبر ہی اس کے سننے اور جاننے والوں کو دیوانہ کرنے کے لئے کافی تھی۔

مگر وہ جس کے حصول میں دیوانہ ہو رہا تھا اسکی تلاش اسے نہ جانے کہاں لے کر جانے والی تھی۔ اسکے عقب میں کھڑا قیس کمبیر آج بھی تہی داماں تھا۔

وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

اسکا جواب بے حد واضح تھا۔ زرد رنگ کی اس عالی شان حویلی سے اسکے کئی تعلق تھے۔

یہاں آنے کے لئے، اس بادشاہت کے لئے اس نے کئی دریا پار کیے تھے۔ اپنے باپ کی محبت میں اس نے دل مارا تھا خود کو گرایا تھا۔

مگر اسی باپ کی نفرت میں اسے صرف ایک کام کرنا تھا۔ یہاں اس حویلی میں واپسی۔ قیس کمبیر کے لئے اس نے کئی قربانیاں دی تھیں اور اب اس سے انتقام کا سمے آگیا تھا۔

سفید شلوار قمیص کے ساتھ سیاہ شال پہنے پیروں میں روایتی بلوچی جوتے پہنے اس نے بال سلیقے سے جما رکھے تھے۔ رنگ کے علاوہ اسکے نقوش کافی حد تک عالم نواب سے ملتے تھے۔ وہ کئی ملازمین کی معیت میں چلتا ہوا حویلی کی روش پہ اپنے مضبوط قدم دھر رہا تھا۔

آج ہر محرومی ختم۔

یہ جنگ، یہ پہچان، نفرت کے نام۔

آج سے نیا سفر شروع۔

آج سے وہ قیس کمبیر کو گرانے کے لئے علاقائی داؤ پیچ کھیلے گا۔

عالم ارواح میں آج اسکے باپ کو علم ہو گا وہ کتنا غلط تھا۔

اسکی مقتول ماں کا انصاف ہو گا۔

تسکین ملے گی یا نہیں مگر انتقام پورا ہو گا۔

اسے جس کمرے میں لایا جگہ وہ جرگہ گاہ تھی۔ پر تعیش اور شاہانہ۔

اسے وہیں بٹھایا گیا جہاں نواب خاندان کے باقی مرد بیٹھے تھے۔ایک کرسی پہ دستار رکھی تھی۔ براق گردن فخر سے سیدھی کیے بیٹھا تھا اسکی دائیں طرف بشر حاکم اور ضیغم میر بیٹھے تھے۔

یہ محفل آج اسی کے لئے تھی۔

محفل میں باتیں ہوئیں،احوال ہوئے، تعارف ہوئے، سلامتی بھیجی گئی۔اور اسکے بعد عالم نواب کی مدبر آواز گونجی۔

"یہ علاقہ ، یہ دستار اور زمینیں ان پہ پہلا حق حاتم کا تھا۔ میری پہلی اولاد۔"

محفل میں لمحے بھر کی خاموشی چھاگئی۔ براق کے دل پہ قیامت گزر گئی۔

"ہماری بلائیں اس نے اپنے سر پہ لے لیں۔ میری دستار پہ دوسرا حق میرے وارث کا ہے۔ جس سے میری محبت کا کوئی پیمانہ نہیں۔ ہم نے ایک لمبی جدائی دیکھی ہے اور سچ کہوں تو جتنے سال اسکے بغیر گزرے بے کار گزرے۔۔

لیکن اب اسکی واپسی ہوئی ہے ہمارے لئے اسکی واپسی ایسی ہے جیسے قیامت کے بعد امت کو بخشش کا اعلان۔"

لوگ غور سے سن رہے تھے۔ایک ایک حرف سچ تھا۔ایک ایک حرف میں صداقت۔عالم اپنی جگہ سے اٹھے انکے ساتھ انکے دو بیٹے بھی اٹھے۔اب وہ دستار اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے آئے۔ براق مسکرایا۔آنکھوں میں عجیب چمک در آئی۔

"میری دستار میرے پوتے، بشر حاکم نواب کے نام۔"

کوئی جوتا تھا جو براق حنیف کے منہ پہ مار دیا گیا تھا کوئی حق تھا جو چھینا گیا تھا کوئی برچھی تھی جو دل میں گھسا کر وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔تاریخ میں پہلی بار ایک فرعون کو دوسرے فرعون سے مات ہوئی تھی۔

پیادہ ہر کھیل ترتیب کرکے، ہر چال چل کر لٹ اور لٹا کر آخر میں پیادہ ہی رہا۔ بادشاہت اسکے لئے نہیں تھی۔ کوئی اسے بتائے۔

☆☆☆

"باب نمبر پندرہ: وہ لمحہ کہ جب ہم ملے"

اک مدت بعد جب ہم ہوئے روبرو، تمہاری آنکھیں تھیں نم میری آنکھوں میں تھے آنسو۔

وہ لمحہ مقدس تھا میرے خیال میں یہ واقعہ پیش اندلس تھا۔

یہ ملاقات معتبر تھی تم روبرو تھے، آسمان پہ کئی رنگی قوس قزح تھی۔

مجھے یقین ہے ہاں گماں کے جیسا یقین۔

تم نے ناروے کے آسمان سے اترتی سبز روشنی میں مجھ کو ڈھونڈا ہو گا۔

یونان کے سفید قلعوں میں، ہسپانیہ کی بوڑھی عمارتوں میں میرے ساتھ کی خواہش کی ہو گی۔

قسطنطنیہ کی آزاد فضاؤں میں میرے حصے کی سانسیں بھری ہوں گی۔

تم نے روم کے تاریخی مقامات پہ، ایران کے نیلے آسمان میں میری حسرت رکھی ہو گی۔

برطانیہ کی گیلی سڑکوں پہ میرے سائے کے ساتھ کی روایت رکھی ہو گی۔

گوادر کے سمندر کے شفاف پانی میں میرا عکس ابھرتے دیکھا ہو گا۔

پسنی، جیونی، بولان، نوشکی، خضدار، قلات، مکران، بارکھان، لسبیلہ، ہرنائی، قلعہ سیف اللہ میں مجھ کو محسوس کیا گیا ہو گا۔

تم نے مصر کے احراموں کے سائے میں میری چھاؤں کی تمنا کی ہو گی۔

دہلی کے پر رونق بازاروں میں میرا ہاتھ پکڑنا چاہا ہو گا، کیرلا کی وادی میں مجھ سے ملنا چاہا ہو گا۔

بمبئی کے لوگوں کے تیز لہجے میں میرے نام کی مالا جپی ہو گی، کلکتہ کی رش کے بہاؤ میں راہیں تکی ہوں گی۔

- راجھستھان کی بوسیدہ عمارتوں میں بیٹھ کر گریہ زاری کی ہو گی، آگرہ کے تاج محل میں گونجی تمہاری ہنسی ہو گی۔

تم نے درگاہوں پہ میرے نام کی منت مانی ہو گی، کلیسوں میں جانے والوں سے دعا کی گزارش کی ہو گی۔

تہجدوں میں میرے لئے دعا خیر مانگی ہو گی، چاشت کی نمازوں کا دورانیہ بڑھایا ہو گا۔

گرما کی بارش مجھ کو محسوس کیا ہو گا، سرما میں میرے لمس کی خواہش رکھی ہو گی۔

تم نے لاہور کے شاہی درباروں میں میری آرزو کی ہو گی، پنڈی کے پرانے بازاروں میں میری غیر موجوگی سہی ہو گی۔

مجھے یقین تھا سانس کے چلنے جیسا یقین، وقت کے گزرنے جیسا یقین، تمھارا، میرے ہونے جیسا یقین۔

اس ملاقات کی تعظیم میں آندھی رک جائے گی، ہوا گیت گائے گی، بجلی کڑکڑائے گی۔

وبائیں صفا ہستی سے مٹ جائیں گی، بھیڑیے وار کئے بنا لوٹ جائیں گے۔

سمندر ساکن ہو جائیں گے گِدھیں رحم دلی کا اعلان کریں گی۔

پہاڑ سکون کی سانس خارج کریں گے، دریا اشکِ مسرت بہائیں گے۔

شہر قائد پہ بادل بے آواز برسیں گے، وادی ہنزہ سر سبز ہو جائے گی۔

اسکردو میں چیری بلا زم اترے گا، خیبر میں خزائیں خیر آباد کہیں گی۔

جنگوں کے دور میں امن کے اعلان ہوں گے، جرنیلوں کے چین والے پیغام ہوں گے۔

طبیبوں کے نسخے کارگر ثابت ہوں گے، غیر مذہبی سجدہ شکر ادا کریں گے۔

عزیز من کہانی کار اس ملاقات پہ صفحے سیاہ کریں گے، شعراء دیوان لکھیں گے۔

وقت کا قاضی سزائیں معاف کردے گا، سخی میراثیں دان کردے گا۔ مرے گمان، یقین، اندازے آج درست ثابت ہوئے۔

دنیا کے لئے نہ سہی اپنے لئے سہی۔

تم میرے روبرو ہو، یہ وہ ملاقات ہے جس کے خواب دیکھے گئے، انائیں آج واری گئیں۔

میسر لمس ہے تمہارا، آنکھوں میں ہے جہان سارا۔

سمندر ساکن ہیں، دریا موج میں، رونقیں بڑھ چکیں۔

سکونِ قلب یہ ہے وہ لمحہ کہ جب ہم ملے۔

****

دنیا کے نقشے پہ کئی ممالک، جزیرے، شہر، گاؤں، قصبے اور دیہات ہیں۔ دنیا کا وہ نقشہ گھماؤ، انگلی کی مدد سے کھوج لگاتے ہوئے اپنے مطلوبہ مقام پہ انگلی رکھو تو وہ مقام اسلام آباد کا ایک پوش علاقہ تھا۔ جہاں تاحد نگاہ درختوں کی ایک فصیل تھی، چوڑی کشادہ سڑکیں تھیں، اور اونچے عالیشان قصر تھے۔ رات کا سماں تھا۔ محلوں کے مکین سارے دن کے بن باس کے بعد گھروں کو لوٹ رہے تھے اور کچھ اس وقت نک سک سے تیار رات کسی کلب، فارم ہاؤس، یا ریستوران میں مزید خوبصورت بنانے جا رہے تھے۔ امراء کی اکثر شامیں ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔

انہی اونچے اور چوڑے محلوں میں سے ایک کے پاتھ وے پہ سیاہ لینڈ کروزر ایک جھٹکے سے آکر رکی۔ دروازہ کھولنے پہ کسی کی سفید ہیلز نظر آئیں۔ پھر گہرے گلابی رنگ کے لباس نے ہلکی جھلک دکھائی۔ اگر نگاہیں اٹھا کر دیکھو تو وہ اونچے سراپے کی مالک تھی۔ آنکھوں پہ سفید گلاسز لگائے، ناخنوں پہ سفید ہی نیل پالش، اور کندھے پہ سفید بیگ کی اسٹرپ نظر آ رہی تھی۔ چلتے ہوئے اس نے انگلی کی نوک سے گلاسز اوپر کئے۔ نیلی آنکھوں پہ ہلکا شیڈ تھا۔ ہونٹوں پہ گلابی لپسٹک۔ ماہ جبین مختار کسی محفل میں شریک ہونے کے لئے بلکل تیار نظر آتی تھی۔

اسکی ہیل کی بازگشت سارے کمبیر محل کو سنائی دے رہی تھی۔آج کل اس محل میں سوئی کے گرنے کی بھی آواز آتی تھی،اور سانس لینے کی بھی۔وہ راہداریاں پار کرتی قیس کے کمرے کے باہر آکر رکی۔ہلکی سی دستک دی۔

اندر سے کھٹر پٹر کی آوازوں کے ساتھ **"کم ان"** کی آواز آئی۔اور وہ بھاری دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔کمرہ بکھرا ہوا تھا۔بیڈ شیٹ میلی لگتی تھی۔تکیے فرش نشین تھے دیواروں پہ لگے۔فریمز پہ مٹی کی تہیں نظر آرہی تھیں۔ماہ جبین نے ایک نظر اس بے نیاز آدمی پہ ڈالی جو شیشے کے آگے کھڑا تھا۔سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ اس نے گہرے سرمئی رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔ہم رنگ کوٹ بیڈ پہ دھرا تھا۔

"میں کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔تم نے دیر کر دی۔" وہ شیشے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولا۔بظاہر اس نے لہجہ ہشاش بشاش رکھنا چاہا مگر اس سے اداکاری نہ ہو سکی۔

"کب تک سوگ منانے کا ارادہ ہے؟" وہ اسکی پشت کو دیکھتے تندہی سے کہہ رہی تھی۔چہرے پہ ڈھیر سارا تناؤ تھا۔

"سوگ؟ہم تو پارٹی میں نہیں جا رہے؟" وہ تو جیسے لاعلم تھا۔

"جو تم پہن رہے ہو،جو تمھارے آس پاس ہے اس سے تو یہی لگتا ہے کہ تم کسی کے جنازے میں جا رہے ہو یا کسی کا جنازہ اٹھا کر لائے ہو۔" اسکے لہجے میں ہنوز سختی تھی۔قیس سنگھار میز کے سامنے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔پھر غور سے اسے تکا۔

"کتنے دن ہو گئے مہدی کی واپسی کو؟وہ پورے سوشل میڈیا پہ چھایا ہوا ہے۔لوگ تمہاری پچھلی ویڈیوز اٹھا اٹھا کر مذاق بنا رہے ہیں۔تمھیں ٹرول کر رہے ہیں۔قیسم کی حالت دیکھو تم مذاق بن کر رہ گئے ہو کاروبار مذاق بن گیا ہے۔تمھیں کسی شے کی پرواہ ہے؟"

"نہ ہوتی تو یہ سوٹ کیوں پہنتا؟میرے باپ کی شادی تھوڑی ہے۔" وہ اٹھا اور برش ہاتھ میں لے کر بالوں میں پھیرنے لگا۔

"میں اپنے سرکل میں میل جول بڑھا رہا ہوں یہ اچھا سائن نہیں ہے؟"

''یہ پہن کر جاؤ گے یہ۔۔۔''اس نے قیس کا کوٹ اٹھا کر زمین پہ پھینکا۔''دو سال پرانا ڈیزائن ہے یہ،اور جہاں تم جا رہے ہو وہاں ملک کے بہترین ڈیزائنرز آ رہے ہیں۔سب ہنسیں گے تم پہ۔اسکا رنگ دیکھو تم اس رنگ میں دب کر رہ جاؤ گے۔حالانکہ یہ وہ وقت ہے جب تمھیں چمکنا ہے۔''وہ آگے آئی۔اسکا بازو ہوا میں اٹھایا۔

''یہ کف لنکس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سرکل شیپ ہے۔یہ پچھلے تین ماہ سے آؤٹ آف فیشن ہے۔تمھارے پاس دنیا کے بہترین کلکشن ہے اور تم خود کو اس طرح موضوع محفل بنا رہے ہو؟صرف ایک لڑکی، قیس۔۔۔۔ صرف ایک لڑکی کے لئے؟''رنج، قلق، طیش کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔

قیس نے اسکی طرف دیکھے بغیر خود پہ پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔چہرے سے صاف ظاہر تھا وہ ڈسٹرب ہوا ہے۔

''کاروبار اور ساکھ کو خراب کرتے ہوئے تم کس طرح ایک محبت کے پیچھے بھاگ سکتے ہو؟یہ تم نہیں ہو۔اس انسان کو واپس لاؤ جو تمہارا اصل ہے۔''وہ دھیرے سے اسکی طرف مڑا۔سجی سنوری وہ عورت آنکھوں میں سختی لئے اسے دیکھ رہی تھی۔قیس کی آنکھوں میں بے نیازی تھی۔

''ایک لڑکی ہوتی تو جانے دیتا۔''پرفیوم کی بوتل واپس رکھی۔''وہ زینیا حاکم ہے۔میری آدھی دنیا۔''

''اور تمہاری باقی آدھی دنیا تمہارا کاروبار ہے اسکو بھول گئے ہو؟''

''وقت لگتا ہے یار، مجھ میں بھی احساسات ہیں۔دل کے روگ دیکھوں یا دنیا کے جھمیلے؟''

''دونوں ایک ساتھ۔''حکمیہ لہجہ۔

قیس ہنس پڑا۔

''بندہ بہادر نہ ہو، دنیا تو اس سے جانے کیا کیا امیدیں رکھ لیتی ہے۔''سر کو نفی میں ہلاتے وہ بیڈ کی طرف آیا۔جھک کر اپنا کوٹ اٹھایا۔اسے جھاڑا۔یہ کوٹ، کف لنکس، جوتے سب وہی تھے جو کسی وقت میں زینیا حاکم کی پسند سے آئے تھے۔ابھی تو محض آؤٹ آف فیشن ہوئے تھے وہ ردی بن جاتے قیس تب بھی ان سے محبت رکھتا۔

''مجھے وقت چاہیے۔زندگی بھاگی نہیں جا رہی۔'' وہ ماہ جبین کے عین سامنے رکا۔قد میں اس سے لمبا۔جذبوں کی صداقت میں اس سے زیادہ صادق۔

''دوبارہ میری ان چیزوں کو ہاتھ مت لگانا جو زینیا سے جڑی ہیں۔میں بہت برا مناتا ہوں۔''

ماہ جبین اسے بھینچی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ دیکھتی رہی۔

''میں کوئی عام عورت نہیں ہوں، تم مجھے اس طرح ٹریٹ نہیں کر سکتے۔''

''دھمکی دے رہی ہو؟'' سینے پہ بازو باندھ کر نہایت تحمل سے پوچھا۔''اگر نہیں تو اچھی بات ہے اگر ہاں۔۔۔'' وہ مزید دو قدم آگے آیا۔ایک ہاتھ اسکے کندھے پہ رکھا۔نگاہوں میں کاٹ تھی۔

''تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔تم برباد کرو گی میں دوبارہ آباد ہو سکتا ہوں۔انہیں ڈراؤ جو تم سے ڈرتے ہوں۔مجھ پہ الفاظ اور طاقت ضائع ہو گی۔''

ماہ جبین کی بھینچی ہوئی بھنوئیں آزاد ہوئیں۔چہرے کا تناؤ کم ہوا۔اس نے قیس کے بازو پہ نرمی سے اپنا ہاتھ رکھا۔''مجھے تمہاری اور اس کاروبار کی فکر ہے۔''

''تمھیں'' **تمہاری** ''فکر ہے۔ایک آدمی جسے ٹرول کیا جا رہا ہے تم اسکے ساتھ کیسی لگو گی،ایک آدمی جو ایک fashion enthusiast کے ساتھ ہے وہ خود آؤٹ آف فیشن ہے وہ تمھارے ساتھ کیسا لگے گا؟ یہ میری فکر کیسے ہوئی؟'' ماہ جبین کی رنگت پھیکی پڑی۔قیس کا یقین گہرا،زینیا ہوتی تو یوں نہ کرتی۔

''اس انڈسٹری میں فیشن مجھے نہیں، میں فیشن کو بناتا ہوں۔'' ڈیزائنر کی گردن غرور نہیں خود شناسائی سے کڑی ہوئی تھی۔''مجھے لوگ پہچان لیں گے،اس سرمئی میں بھی،سیاہ اور سفید میں بھی۔'' اس نے دھیرے سے اپنی کہنی آزاد کروائی۔

''ان چیزوں سے دور رہو جن پہ محض ''**اسکا**'' اختیار ہے۔'' اب کی بار اسکا اشارہ اپنے وجود کی طرف تھا۔انداز سخت اور بے لچک تھا۔

ماہ جبین نے مٹھی بھینچ لی۔چند لمحے پہلے وہ تازہ دم تھی اب اسکے چہرے پہ مردنی صاف تھی۔اس آدمی نے کئی سال اسے نہیں دیکھا تھا۔اگلے کئی سال بھی نہیں دیکھنے والا تھا۔مگر وہ اپنی طرف سے کوشش کر کے دیکھ لینا چاہتی تھی اور وہ کر رہی تھی۔مگر وہ تو ایک لمحے میں ہر کوشش صفر کر دیتا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ دونوں بے حد نارمل تھے۔یوں جیسے انکے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو،مفاد پرستی کا ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

کندھے پہ سفری بستہ ڈالے ہوئے وہ ایک گھر کی گھنٹی بجا رہا تھا۔گارڈ نے چند پل بے یقینی سے اسے دیکھا۔ایسے جیسے اسکی موجودگی پہ یقین نہ آیا ہو۔یہ آدمی مر چکا تھا،یہ زندہ کیسے ہو سکتا ہے؟

''دروازہ تم کھولو گے یا تمہارا باپ؟''

اسکی سخت آواز پہ گارڈ نے جھرجھری لی پھر آگے بڑھ کر اسکے بازو سے پکڑ کر اسے ایک طرف کیا۔

''سر،قیس کمبیر صاحب نے کسی بھی انسان کا داخلہ منع کیا ہوا ہے۔''وہ اپنی آواز میں ذرا سے رعب پیدا کرتے ہوئے بولا۔مہدی نے مڑ کر اسے دیکھا۔چند پل سپاٹ نظروں سے دیکھتا ہی رہا پھر اسے بازو سے پیچھے کیا۔

''سر میں نے کہا ہے ناں،کمبیر صاحب نے سب انسانوں کا داخلہ ممنوع کر رکھا ہے۔''اب کے وہ ذرا درشتی سے بولا۔مہدی مڑا اور جمے ہوئے ہاتھ کا مکا اس کے منہ پہ دے مارا۔اس نے سیدھے ہونے کی کوشش کی اور اسی پل مہدی نے گھٹنے اسکے پیٹ پہ ضرب ماری۔پھر کہنی اسکی پیٹھ پہ دے ماری۔ایسا کرتے ہوئے اسکا چہرہ سپاٹ اور تاثرات سرد رہے۔

"کمبیر صاحب سے کہنا انسان مر گیا، جانور آیا تھا۔اور جانور بے قابو ہوتے ہیں۔"

اسکے سر پہ اپنا سر مار کر اسے گرایا۔اور اسکی کراہوں کی پرواہ کئے بغیر جھک کر اسکی جیب سے چابی نکالی پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔بغیر آس پاس دیکھے وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔جب اسکی نگاہ پورچ میں کھڑی ایک گاڑی پہ پڑی۔ چھوٹی سفید گاڑی، جو اس نے کسی وقت میں اپنی بیوی کے لئے خریدی تھی۔وہ نئی نکور گاڑی جسے قیس نے واپس کرنے کو کہا تھا اور مہدی اسے واپس نہیں کر سکا تھا۔اسے کرنی ہی نہیں تھی۔وہ نظریں چراتا گھر کے اندر داخل ہوا۔راہداریاں، کچن، لاؤنج ہر جگہ ویران تھی۔خالی تھی۔اس خاندان کو یقیناً کسی کی نظر لگی تھی۔

وہ دوسری منزل کی طرف آیا۔جہاں کسی بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ مہدی کے دل کو کچھ ہوا۔وہ تیز تیز قدم لیتے ہوئے اس آواز کا تعاقب کرنے لگا۔ تین سے چار کمروں کے دروازے کھول کر دیکھنے کے بعد ایک کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو اسے اسکا مطلوبہ منظر نظر آیا۔ میرہ سرور کمبیر بیڈ پہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔اور بیڈ کے ایک کونے میں روتا بلکتا بچہ مہدی وہیں چوکھٹ پہ کھڑا رہ گیا۔کئی لمحے، کئی منٹ۔بچے کے رونے کی آواز تیز ترین ہوتی گئی۔ مگر جو حالت اسکی بہن کی تھی وہ آگے ہی نہ بڑھ سکا۔

"میرہ۔۔۔" بہت دیر بعد اس نے بے حد دھیرے سے پکارا۔ بکھری حالت، کئی دنوں کے میلے کچیلے کپڑوں والی عورت نے گردن پھیری۔

"میرہ۔۔"اس نے ایک بار پھر پکارا۔ میرہ ساکت سی اسے تک رہی تھی۔ قیس اسے بتا چکا تھا مہدی زندہ ہے لیکن اس وقت اسے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دیکھ وہ بس اسے دیکھتی رہی۔اس نے مہدی کو کئی دفع پس پشت ڈالا تھا کیونکہ اسے مہدی سے زیادہ قیس سے توقعات تھیں۔

وہ مضبوط مرد تھا مہدی اسے کمزور لگا کرتا تھا لیکن آج جب وہ سامنے کھڑا تھا اسے یہ آدمی اس دنیا کا سب سے مضبوط سہارا لگا۔اسے اپنی ماں سے اختلاف تھے اسے بھائی سے اختلاف تھے لیکن وہ بھول گئی تھی "**خون**" اختلاف کے بعد بھی خون ہی رہتا ہے۔اتنا عرصہ وہ کیسے اسے نظر انداز کرتی رہی؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ مہدی نے اسکی طرف قدم بڑھائے۔ کئی زمانوں کی کسک دفن ہوئی۔ کئی آزردگیاں کہیں غارت ہوئیں۔ قلق ہواؤں سے رخصت ہوا اور ایک بھائی نے بہت نرمی مگر مضبوطی سے اپنی بہن کو بازوؤں کے حلقے میں لیا۔ وہ اسکے کندھوں کے گرد ہاتھ جمائے شدت سے رو پڑی۔ کئی برسوں کے آنسو ایک ساتھ باہر نکلے۔ درمیان سے ہر غلط فہمی دور ہوتی گئی۔

''میں سمجھی تم۔۔تم۔۔ ہمیں چھوڑ گئے ہو۔۔میں۔'' وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگی۔ مہدی نے اسکے بالوں کو چوما۔ اسکی پشت کو تھپکا۔ لیکن وہ رویا نہیں۔ عجیب سا ہو گیا تھا وہ۔

''میں نے تمھیں اتنا یاد کیا۔ ایزل نے تمھیں یاد کیا تمھیں پتہ ہے قیس نے ایزل کے ساتھ کیا کیا ہے؟ میں۔ میں۔۔ سمجھی تھی تم نہیں رہے تم۔۔''

''اسی لئے تم نے میری بیوی پہ ہاتھ اٹھایا؟'' وہ اسی نرمی سے بولا جو اسکا خاصہ تھی۔ میرہ اسکے سینے میں سر دیے مزید تیزی سے رونے لگی۔ اسکی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچ رکھا تھا۔ وہ سہمی ہوئی تھی۔

''اس نے زینیا کے ساتھ بہت برا کیا ہے، مہدی۔ وہ جیل میں تھی۔ اسکا ہاتھ جلا ہوا تھا قیس نے اسکا علاج نہیں کرنے دیا۔ وہ اسے عدالت کے چکر لگواتا رہا۔ اس نے مجھ سے کہا زینیا نے تمھیں۔۔۔'' وہ آگے نہیں بول سکی۔

مہدی کی گرفت نرم رہی مگر اسکی آنکھوں میں سختی بڑھ گئی۔ بازو کی رگیں پھول گئیں۔

''مجھے علم نہیں تھا وہ یہ سب کرے گا میں نہیں جانتی تھی میں۔۔ وہ بھری عدالت میں اس پہ بہتان لگاتا رہا۔'' وہ بہت کچھ کہتی رہی۔ مہدی اسے بازوؤں میں بھینچے سب سنتا گیا۔ سنتا گیا۔ وہ بار بار اسکے بال چومتا۔ اسکا کندھا تھپکتا۔ اسے ہر طرح سے تسلی دیتا رہا۔ مگر اندر سینے میں اسکا دل کوئی مٹھی میں لے رہا تھا۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ دونوں بیڈ پہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مہدی کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ پاس ایک ملازمہ کھڑی تھی جو میرہ کے لئے کھانا لے کر آئی تھی۔ مہدی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔

"اسکا نام کیا ہے؟" وہ بچے کے ننھے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں بھرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ بچے کی آنکھیں سنہری تھیں۔ بلکل اپنی ماں کی طرح نقوش کافی حد تک باپ سے ملتے تھے۔ اور اسکی صحت اچھی نہیں تھی۔ اسے ایزل کی پیدائش یاد تھی یہ بچہ ویسا نہیں تھا۔

"میران ملک۔" اس نے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔ "ایزل اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی۔" اسکی آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے۔ مہدی نے اسکے دونوں ہاتھ چومے پھر رخسار۔ اور پھر ماتھا۔ الگ طرح کا پیار آرہا تھا اس بچے پہ۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"تم نے کورٹ میں کیس کیوں نہیں کروایا؟"

"میرے پاس پیسے نہیں تھے۔" مہدی کو ایسے لگا جیسے وہ ٹھنڈہ پڑ گیا ہو۔ "وہ مجھے یہاں سے نکلنے نہیں دیتا کسی کو یہاں آنے نہیں دیتا۔ میری ڈیلوری کے وقت وہ آیا تھا اور میران کی پیدائش کے بعد مجھے یہاں چھوڑ گیا۔ وہ دوبارہ نہیں آیا۔ میرے پاس فون بھی نہیں ہے۔ تم کیس کرواؤ گے ناں؟"

مہدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"قانون پہ اعتبار ہوتا تو پہلا مقدمہ قیس کمبیر صاحب پہ دائر کرواتا۔" اس نے میران کو اٹھا کر اپنے کندھے سے لگایا۔

"میں ایک کام سے بلوچستان جا رہا ہوں۔ اسکے بعد چائنا جاؤں گا۔ تم فکر مت کرو اگلے چند ماہ میں ایزل یہاں ہو گی تمھارے پاس۔ اور ساری دنیا کا قانون اسے تم سے دور نہیں کر سکتا۔ تم بس بھروسہ رکھو۔"

میرہ ٹھٹھک کر اسے تک رہی تھی۔ جسے اس نے کھویا تھا وہ مہدی کمبیر ہی تھا۔ یہ جس کی واپسی ہوئی تھی یہ کون تھا؟

"مہدی تم قانون۔۔"

"قانون اندھا ہوتا ہے، اب مجھے بھی وہی سمجھو۔"

"مہدی تم ٹھیک ہو؟" وہ آگے کو ہوئی فکر مندی سے اسکے بازو پہ ہاتھ رکھا۔

''اب سب ہوں، بس ٹھیک نہیں۔''اس نے میرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔اور وہ اسے دیکھ ہی نہیں سکی۔اوں ہوں یہ وہ نہیں تھا۔دنیا نے اسے دنیادار بنا دیا تھا۔یہ کیسا غضب ہو گیا تھا۔

''میں بہت جلد واپس آؤں گا۔واپسی پہ مجھے تم درست حالت میں چاہیے ہو۔یہ گھر تمہارا ہے۔تم مالکن ہو۔فارم میں آؤ، میرہ۔یہ تمہارا وقت ہے۔کوئی قیس کیوں تمھیں نکالے گا، تم خود باہر جاؤ گی۔''

''قیس سے دور رہنا مہدی اسکے سامنے مت جانا تم۔۔''

''خدا ہے وہ؟ ساہ گیر **(سانس نکالنے والا)** ہے وہ، بخت لکھنے والا ہے؟ کون ہے وہ؟''سختی سے استفسار کیا۔

''انسان، صرف ایک انسان۔اور مہدی کو لوگ ڈراتے نہیں فیسینیٹ کرتے ہیں۔'' اس نے بچے کو میرہ کی گود میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''فکر مت کرو میرے اندر بھی وہی شاطر خون ہے جو اسکے اندر ہے۔اب سے اسے کمبیر ہونے کا ثبوت دوں گا۔''

چند پل بعد وہ اس گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ رہا تھا۔یکدم جذبات کا ریلا بہہ آیا اور مہدی کے چہرے پہ اسکی واپسی کے بعد پہلی بار تاثرات آئے تھے۔وہ ایک بار اسی طرح اسکے ساتھ ہی تو بیٹھی تھی۔اسکی خوشبو اور موجودگی کہاں بھلائی جاسکتی تھی۔زخمی آنکھوں والا مرد کرب زدہ سا مسکرایا۔

اس نے اپنے بیگ کے اگلے خانے میں ہاتھ مارا تو ہاتھ جن چیزوں سے مس ہوا وہ ڈھیر ساری جیولری تھی۔کوئی لاکٹ، کوئی انگوٹھی، یہ اس نے خود پہ ہونے والے حملے سے دو دن قبل اسلام آباد میں لگنے والے ایک کلچرل فیسٹیول کے بازار سے سے خریدے تھے۔جانے کیوں کوئی بھی پرندہ دیکھ اسے زینیا یاد آتی تھی۔شاید اسے پرواز یاد آتی تھی۔چکور پرندے کا پینڈنٹ آنکھوں کے آگے کرتے ہوئے وہ کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔اسکی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ایک یاد کا، دوسرا ہجر کا، تیسرا رنج کا باقیوں کی گنتی پھر سہی۔

''تم اگر اس طرح ہر وقت یاد آؤ گی تو میرا کیا ہو گا؟ سارٹ کریں؟''وہ ایسے بولا جیسے زینیا اسکے سامنے ہی بیٹھی ہو۔

"تب یاد آیا کرو جب۔۔۔" اس نے ہونٹ کاٹے۔ اور یاد کیا کہ ان یادوں کے علاوہ اسکے پاس کیا تھا ؟

"ان حسابوں کو رہنے دیں، سرکار۔ آپ ہر وقت یاد آیا کریں۔ ایک بار پھر ملکہ کا شوق سلامت دل اور بہت۔"

اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔ اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اسلام آباد کی حدود سے نکلنے سے پہلے وہ گھر کے ملازمین، گارڈز، اور سیکورٹی کا عملہ بدل چکا تھا۔ ایک عرصے سے بنائے گئے تعلقات اب کام آرہے تھے۔ ایک عرصہ ہوا معصومیت ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ واپسی کا اصرار اس نے بھی کیا نہیں۔

فیکٹری میں مشینوں کی گھرگھر کانوں میں بے سرے راگ کی طرح چبھ رہی تھی۔ وہ پینٹوں کی سلائی کا کام کرتی تھیں۔ لمبی میز پہ دونوں اطراف میں عورتیں بیٹھتی تھیں اور انکے سروں کے اوپر مشینیں تھیں جنکی بڑی بڑی سوئیاں نیچے میز تک آتی تھیں اور میز کے گرد بیٹھی عورتیں ان سوئیوں کے نیچے پینٹ لے آتی تھیں۔ سلائیاں لگتی جاتی تھیں۔ شور کانوں کو بہرہ کئے جاتا تھا اور بے زاری بڑھتی جاتی تھی۔

آج گرمی حد سے زیادہ تھی۔ اس نے چھوٹے کٹے بالوں کو اوپر کر کے جوڑے میں باندھ دیا کچھ لٹیں پھر بھی اسکے گالوں پہ دستک دیتی رہیں۔ وہ خاموش طبع لڑکی اب گم صم اپنا کام کرتی رہتی تھی۔ دفعتاً مشینیں رک گئیں۔ ہر طرف کام ٹھپ ہونے کا اعلان ہوا۔ عورتیں کرسی پہ پیچھے کو ہو کر کمر سیدھی کر رہی تھیں۔ کچھ اپنی گردن کے بل نکال رہی تھیں۔ زینیا حاکم بے نیاز سی اپنی جگہ سے اٹھی اور فیکٹری کے اس حصے کی طرف چلی آئی جہاں ساری عورتیں کھانا کھایا کرتی تھیں۔ وہ کوئی کینٹین نما جگہ تھی۔ جہاں میز اور کرسیاں لگی تھیں۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچیاں ہر کوئی اپنے کھانے کے ڈبے کھولتا دکھائی دے رہا تھا بنگالی کھانوں کی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی۔ انہی لوگوں کے درمیان ایک پاکستانی لڑکی بھی تھی۔ جو اب اپنے کھانے کا ڈبہ کھول رہی تھی۔ اسی پل اسکے عقب میں بیٹھی لڑکی کے موبائل اسپیکر پہ ایک آواز ابھری۔ وہ آواز جو سیدھی زینیا حاکم کے دل تک گئی تھی۔

"مجھے، مہدی کمبیر کہتے ہیں۔"

آواز تھی کہ کیا زینیا حاکم کا سارا وجود زنجیر ہو گیا۔ اسٹیل کے ڈبے کا ڈھکن اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ وہ بیٹھے بیٹھے ساکت ہوئی۔

"میرا کام، خاندان، پیشہ، ذات اس سے آدھی دنیا واقف ہے۔"

وہ رفتہ رفتہ بے سانس ہونے لگی۔ اس نے بے حد دھیرے سے گردن پھیر کر دیکھا۔ اور اسکی دنیا تھم گئی۔ سکرین کے چوکھٹے میں مہدی کمبیر کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ مندمل ہوئے زخموں کے بے حد ہلکے نشان تھے۔ اسکے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔ سینے پہ شال تھی۔ زینیا حاکم کا دل رک رک کر چل رہا تھا۔ یا شاید بند ہو رہا تھا وہ اندازہ نہیں کر سکی۔

"لوگ کہتے ہیں میری بیوی نے مجھے پریشان کیا جھوٹ ردی، جو واحد چیز مجھے میری بیوی نے دی ہے وہ سکون ہے۔"

سنہری آنکھوں والی لڑکی سبز آنکھوں والے مرد کی آنکھیں تک رہی تھی۔ وہاں ڈھیر ساری آزردگی مدفن تھی۔ قلق وحزن کے سائے تھے۔ مگر وہ زندہ تھا۔ وہ بس گردن پھیرے ٹکر ٹکر اسکا چہرہ تک رہی تھی۔

"میں آدھی دنیا پہ ہتک عزت کا دعوی کروں گا۔"

اسکی آنکھیں، وہ بس ایک نقطے پہ ساکن ہوئیں۔ وہ سانس لئے بغیر اسے دیکھ رہی تھی جس کے بغیر آٹھ ماہ گزار دیے تھے اور کیسے گزرے تھے یہ بس وہی جانتی تھی۔ وہ زندہ تھا، بس یہی اسے بس یہی چاہیے تھا۔

"بہت ہو گیا ناں کہ آپ کسی کے گھر کی عورت پہ بات کریں اور کوئی آپ کو کچھ نہ کہے۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔ میری بیوی پہ الزام تراشی کے جواب دینے ہوں گے۔"

کھانے کی خوشبو، چمچ، کانٹے، وقت، لوگ، بھوک، گرمی کب کیا، کونسی چیز اسے چاہیے تھی کیا دور کرنا تھا زینیا کو کچھ یاد نہیں تھا وہ بس گردن پھیرے موبائل پہ نظر آتے ہوئے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"زینیا حاکم، اگر تم مجھے سن رہی ہو تو یاد رکھنا میں تمھارے لئے آؤں گا۔ میں تمھارے لئے reserved رہوں گا۔"

منظر دھندلا پڑا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ اس مرد کو دیکھتے ہوئے جس کے ہجر کے آٹھ ماہ اس پہ آٹھ سو صدیاں بن کر نازل ہوئے تھے۔

"میں نے کہا تھا میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر پاؤں گا۔ تم جہاں بھی ہو میں تمھارے لئے آؤں گا۔"

لڑکی نے ویڈیو ہٹادی تھی۔ زینیا مزید وہاں نہیں بیٹھ سکی اس نے دبوچ کر اپنا پرس اٹھایا اور تیز تیز قدم لیتی وہاں سے نکل آئی۔ اسکے قدم بغیر کسی منزل کا تعین کئے بس بھاگ رہے تھے۔ اسکی آنکھیں بھل بھل بہہ رہی تھیں۔ وہ فیکٹری سے باہر نکل آئی۔ وہاں اکا دکا لوگ تھے۔ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تھا سوائے اس عورت کے جسکی وہ قرض دار تھی۔

نیما راشدی آج اچھے موڈ میں تھی۔ اسکے ہاتھ میں سبزیوں کے تھیلے تھے اور تازہ مچھلی بھی۔ وہ شاید زینیا کو لینے آئی تھی مگر اسے اس طرح دیکھ نیما کو اپنے بدترین خدشات سچ ہوتے دکھائی دیے۔ وہ جان گئی تھی۔ بخدا وہ جان گئی تھی۔ وہ مرے مرے قدم لیتی زینیا کے قریب آئی۔

سفید لباس والی لڑکی نے اسے دیکھا۔ اسکی آنکھیں نم تھیں۔ چہرہ گیلا۔ اور اسکی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ سارے جہاں کی چمک۔

''میں نے کہا تھا وہ زندہ ہے۔۔ میں کہتی رہی کسی نے میرا یقین نہیں کیا۔'' ہچکیوں کے درمیان وہ بامشکل بول پارہی تھی۔

'' میں نے اسے دیکھا۔۔ وہ میری بات کر رہا تھا۔ وہ مجھے نہیں بھولا اس نے واقعی مجھ سے موو آن نہیں کیا۔ اوہ خدایا وہ زندہ ہے؟'' اسکے دل کو اب تک جیسے یقین نہ آرہا ہو۔

''میں واپس پاکستان جارہی ہوں وہ آگیا ہے میں۔۔۔ مجھے جانا ہوگا۔ میں جاؤں گی مہدی آگیا ہے اوہ خدایا۔۔۔ اس نے میرا نام لیا اس نے کہا قیس جھوٹا ہے اس نے مجھے ہر الزام سے بری الذمہ کیا۔'' فرط جذبات سے اس کا لہجہ کپکپارہا تھا۔ نیما نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس لمس میں سختی سی تھی۔

''تم ابھی آدھا سچ جانتی ہو۔ فیصلہ کرنے میں کوئی جلدی مت کرو۔''

''کیسا آدھا سچ، وہ آگیا ہے اب سب ٹھیک ہے۔ اب میں کوئی قاتلہ نہیں ہوں۔ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ آپ نے اسے دیکھا ہے؟ اسے دیکھیں وہ بلکل ٹھیک تھا وہ۔۔'' اس نے نیما کا بازو جھٹکا۔

''میں واپس جارہی ہوں اور یہ اٹل ہے۔''

''مکمل سچ جان لو، پھر اگر چاہو تو چلی جانا۔'' اسکے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ زینیا ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

''پلیز کچھ ایسامت کہیے گا جو مجھے ہرٹ کرے۔ میں ہرٹ نہیں ہونا چاہتی۔'' یہ التجا تھی۔ نیما کو اس پہ بے تحاشا ترس آیا۔

''آج تمہارا ہاف ڈے تھا ناں؟'' وہ اسکی پچھلی بات کے جواب میں بات بدل گئی۔

''گھر چلتے ہیں۔ آج میں نے فش کری کی ایک نئی ترکیب دیکھی ہے۔ تم چاول بنالو گی؟'' زینیا نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا، خوشی ماند ہو گئی تھی۔

آج واپس جاتے ہوئے اس نے کوئی بل بورڈ نہیں دیکھا۔ کسی ٹھیلے والی کی آواز پہ غور نہیں کیا۔ آج وہ ہر شے سے بے نیاز تھی۔ مہدی سرور کمبیر زندہ تھا اور زینیا حاکم نواب نے خود کو دوبارہ زندہ ہوتے محسوس کیا۔ اسکی واپسی بہت جلد تھی۔

گاؤں کی یہ کچی پگڈنڈیاں اسے آج بھی ازبر تھیں۔ خوف و حراس کا وہ عالم آج بھی اسکی آنکھوں کے آگے کسی فلم کی طرح چلتا تھا۔ وہ رات جب اس نے اپنی ماں اور باپ کو کھویا، اس رات کو، ان مقتولین کو، قاتلوں کے ٹولے اور یہ راستے اسے سب یاد تھا۔ وہ بس کہتا نہیں تھا اور کہانی کے باقی کرداروں کو یہ خوش فہمی تھی کہ اسے کچھ ''**ہوتا**'' نہیں۔ وہ کتنے ہی منٹ اپنی جگہ پہ جمے ہوئے کھڑا رہا تھا۔

اس وقت ہر طرف خاموشی تھی۔ دھند سے اٹے ہوئے راستے اور گاؤں کی خاموشی مقدس تھی مگر ایک عرصہ ہوا مہدی کمبیر پہ یہ چیزیں اثر انداز ہونا چھوڑ چکی تھیں۔ وہ اسی چھوٹی گاڑی میں سوار تھا جو کسی دور میں اس نے زینیا کے لئے خریدی تھی۔ اس میں آج بھی اسکے وجود کی خوشبو آتی تھی۔ گاڑی اس سڑک پہ چھوڑ وہ باہر نکل آیا۔ اسکی آنکھوں میں کوئی زخمی سا تاثر تھا۔ وہ سڑک کو تک رہا تھا یادیں عذاب بن کر نازل ہو رہی تھیں۔

حاتم نواب اسکے باپ کو مار رہے تھے، پھر اسکے تایا کو، پھر چیخیں اٹھیں، پھر کرب اور پھر انکی زندگی بدل کر رہ گئی۔ مناظر بچپن کی دیکھی کسی فلم کی مانند ٹوٹے بکھرے تھے۔ اس نے کندھے پہ پڑی شال درست کی۔ کپکپاہٹ یکدم دل تک اتر آئی۔ وہ اپنی وجہ سے کبھی یہاں نہ آتا اس نے تو لوگوں کو معاف کر دیا تھا مگر۔۔۔ اس سیاہ رات کے سناٹے میں۔۔۔

”it’s all about her”

اس نے خود کو بتایا اور قدم اس حویلی کی طرف اٹھائے جو نوابوں کی تھی۔ راستے، پگڈنڈیاں، سردی، یادیں ہر شے برداشت کرتے ہوئے وہ اس عالی شان حویلی کے باہر کھڑا تھا۔ مٹیالے رنگ کی وہ حویلی آج بھی اسی شان سے کھڑی تھی۔ مہدی کے ذہن کے دروازے پہ میں ایک بھولا بھٹکا منظر دستک دے گیا۔ اور یہی دستک اسے ماضی میں لے گئی۔

وہ دونوں کمبیر ہاتھوں میں رائفل اور پسٹل لئے اس حویلی کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ قیس اسے پسٹل کے گلاک کے متعلق کچھ بتا رہا تھا مہدی بامشکل رائفل کا وزن اٹھا رہا تھا۔ آگے پیچھے گارڈز تھے جب کم عمر سبز آنکھوں والا بچہ مبہوت سا ایک جگہ ٹھہر گیا۔

''یہ کس کا گھر ہے، عبداللہ؟'' وہ جو ولایت سے آئے اپنے چھوٹے کزن کا ہاتھ پکڑ کر چل رہا تھا اسے رکنا پڑا۔ اس نے ایک نظر حویلی کو دیکھا۔ وہاں سے کئی بچیاں نکل رہی تھیں۔ سروں پہ اسکارف، دھلے دھلائے چہرے، اسکول کی وردی میں ملبوس وہ سب اسکول جا رہی تھیں۔ ان بچیوں میں نوابوں کی بڑی بیٹی اور کمبیر خاندان کی مستقبل کی بہو بھی شامل تھی۔

''یہ نوابوں کی حویلی ہے۔ یہاں جانے کی تمھیں اجازت نہیں ہی۔ تم کبھی اس طرف تم مت آنا۔ اوکے؟'' وہ کہہ مہدی سے رہا تھا مگر اسکی نگاہیں اس طرف تھیں جہاں سنہری آنکھوں والی بچی کے ہاتھ سے پانی کی بوتل گر پڑی۔ قیس نے اسکا نیم رخ دیکھا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا یہ ''وہی'' ہے۔ کیسے یہ اسے علم نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا۔

''تمھیں یہاں آنے سے کوئی نہیں روکے گا؟'' وہ اسکے ہاتھ کو ہلا کر پوچھ رہا تھا۔ قیس اب بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کسی نے اس لڑکی کو پانی کی بوتل اٹھا کر دی تھی۔

''مجھے کون روک سکتا ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ ان دنوں وہ پندرہ سولہ سال کا تھا۔ کم از کم اسے اب یہ معلوم تھا کہ اس حویلی میں جانے سے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہاں اسکے کئی تعلقات تھے۔ یہاں وہ بھی تھی جسے وہ اپنی حویلی لے کر جائے گا۔

''نواب تمھیں نہیں روکیں گے؟''

اس نے بوتل تھام لی۔ پھر چلتے چلتے بوتل دوبارہ گرادی اور اس سے پہلے کوئی اٹھا کر دیتا اس نے جھک کر بوتل خود اٹھائی۔ عبداللہ زمان زیر لب مسکرایا تھا۔ اسے اچھا لگا تھا لڑکی کا نیم رخ، اسکارف سے نکلتے اسکے لمبے بال یا اسکا جھک کر بوتل خود اٹھانا وہ اندازہ نہیں کر سکا۔ ہاں بس اسکی موجودگی اچھی لگی تھی۔

"مجھے روک کر نوابوں نے اپنے بچے یتیم کروانے ہیں؟" وہ اسی انداز میں بولا جو اسکے باپ نے سکھایا تھا۔ مہدی چند لمحے چپ رہا۔ لڑکی گلی کا موڑ مڑ گئی تب وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ اس طرف اسکا آنا بہت کم ہوتا تھا اور جب ہوتا تھا تب بھی اس نے کبھی زینیا کو گھر کے باہر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسکا چہرہ نہیں پہچانتا تھا لیکن جن لڑکیوں کو اس نے باہر دیکھا تھا انکے بال ویسے نہیں تھے جیسی اسکی فرمائش تھی۔ وہ سولہ سال کا تھا لیکن پھر بھی اسے اچھا لگتا تھا اسکا بلاضرورت باہر نہ نکلنا۔ آج کل اسے دیکھنے کی خواہش بھی ہونے لگی تھی لیکن یہ کہاں ممکن تھا؟

"ایک دن میں وہاں جاؤں گا اور مجھے کوئی نہیں روکے گا۔" چلتے چلتے مہدی نے اسے یہ کہا تھا۔ قیس نے کان نہیں دھرے۔ وہ جانتا تھا یہ ناممکن ہے۔ مگر اس روز وہ یہ نہیں جانتا تھا قسمت کسی عبداللہ زمان کے تابع نہیں ہے۔

اسے دیکھتے ہی گارڈز نے بندوقیں سیدھی کر لی تھیں۔ یکدم بتیاں ساری کی ساری روشن ہو گئیں۔ محل میں جیسے صور پھونک دیا گیا۔ چند پل بعد حویلی کی روش سے چھ سے سات مرد چل کر آتے دکھائی دیے۔ عالم نواب، ظفر، حاکم، ضیغم، ظفر کے دو داماد اور انکے عقب میں بشر حاکم تھا۔ اسکے چہرے پہ ڈھیر ساری سنجیدگی تھی۔ باقیوں کے برعکس وہ پرسکون تھا۔ جبکہ باقی سب جلال کے پہرے کے ساتھ باہر آئے تھے۔

"اسکی یہ جرات یہ یہاں آیا ہے؟"

"ہماری بچی کو ورغلانے کے بعد بھی اس میں اتنی جرات باقی ہے؟"

"فائر کھولو یہاں سے واپس اسکی لاش جائے گی۔"

"ٹھہر جاؤ۔" بشر حاکم نواب کی رعبدار آواز پہ باقی سب ٹھہر گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آگے آیا۔ دروازے کے پار کندھے پہ بستہ ڈالے، سفید لباس والا سادہ مرد۔ یہ تھا اسکی بہن کا انتخاب۔ کیا خاص تھا اس میں؟ بس ہم پلہ خاندان؟ یا پھر کچھ اور بھی؟

''میں یہاں بات کرنے آیا ہوں، میں صرف اور صرف اپنی بیوی کے متعلق پوچھنے آیا ہوں۔ کوئی دشمنی نہیں، کوئی وار نہیں۔ کم از کم میری طرف سے نہیں۔ میرے ہاتھ ہر قسم کے ہتھیار سے خالی ہیں۔ اس وقت میں یہاں ایک سوالی کی حیثیت سے آیا ہوں۔'' مہدی کمبیر اعلانیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ اسکا چہرہ اور انداز سنجیدہ تھا۔ ہاتھ خالی۔

''فائر کھولو اس پہ تم نے سنا نہیں ہے۔'' ظفر غرائے۔ باقی سب کے چہرے سرخ ہوئے۔ ہاتھوں کی نسیں پھولنے لگیں۔ وہ بشر کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

''یہاں کیا ہو گا اور کیا نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا، چچا۔'' بشر آج واقعی مختلف لگ رہا تھا۔ اس پہ کئی ذمہ داریاں تھیں اور شاید وہ انہیں نبھانا بہت اچھے سے جانتا تھا۔

''دہلیز پہ آنے والوں پہ حملے نہیں ہوتے احوال پوچھا جاتا ہے۔ خدمت کی جاتی ہے۔'' سب ٹھہر گئے وہ آگے آیا۔ ان دونوں کے درمیان اب جالی دار دروازہ تھا۔ ''وہ دشمن نہیں سوالی ہے۔'' وہ آگے آیا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

نواب صاحب کے لئے دروازے کے پٹ وا کیے گئے، گارڈز کی بندوقوں کے رخ ہنوز مہدی کے سینے کی جانب تھے۔ وہ انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ نواب نے اسے واقعی آنے سے نہیں روکا تھا۔

''وہ آخری بار تمھارے ساتھ تھی، میں تم سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں وہ کہاں ہے؟ میں اسکا وارث ہوں۔ اسکی خیریت دریافت کرنا میرا فرض ہے۔''

''تم اس سوال کا حق نہیں رکھتے یہاں آ کر تم برادری کے فیصلے کے خلاف گئے ہو۔'' وہ بلکل اسی طرح بولا جس طرح ایک نواب بولتا ہو۔ ٹھہر کر، رعب سے، سنجیدگی سے۔

''میرا تعلق کسی برادری سے نہیں، کوئی فیصلہ میں مانتا نہیں۔ مجھے صرف ایک انسان سے سروکار ہے۔ کیا تم پلیز مجھے اسکا پتا بتا سکتے ہو؟''

''اگر تم اس وقت ایک سوالی بن کر آئے ہو دشمن نہیں۔ تو کوئی تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ چونکہ تم میری بہن کے شوہر ہو اس لئے تم اندر آ سکتے ہو۔'' حویلی کے داماد کے لئے دروازہ کھولا گیا تھا۔

''اس گھٹیا عورت کے بیٹے کو حویلی میں ایک قدم نہیں رکھنے دیں گے ہم۔ اور اس کم نسل کو داماد کیسے مان لیں؟'' عالم صاحب کے چہرے پہ غضب تھا۔ بشر نے مڑ کر پر سکون انداز میں دیکھا۔

''مسلمان کی نسل اسکے باپ سے چلتی ہے اور اسکا باپ کون تھا اسکی نسل کتنی اعلیٰ تھی ہم جانتے ہیں۔''

''جو مرضی ہوجائے ہم اسے اندر داخل ہونے نہیں دیں گے۔''

''ٹھیک ہے پھر آج سے نواب سڑک پہ بیٹھ کر فیصلہ کریں گے۔'' بشر نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے۔ عالم نواب کی گردن پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔

''چلو ہم باہر چل کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے مہدی کو اشارہ کیا مگر حاکم اسکا ہاتھ پکڑ کر روک چکے تھے۔ وہ باپ کا انداز سمجھ چکے تھے۔

''نہیں ابا میں باہر جا سکتا ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے دادا کی حویلی کی عزت مجھ سے اور میرے رتبے سے زیادہ ہے۔'' بشر رسان سے بولا۔ مگر حاکم نے اسکا ہاتھ تھپتھپایا۔ عالم خاموش رہے۔ یہ اشارہ تھا کہ اب بس۔ حویلی صحیح ہاتھوں میں تھی اور چند ہی دن میں، صحیح انسان نے صحیح فیصلے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ غلط انسان کے منہ پہ ضربیں پڑنے لگی تھیں۔

کچھ وقت بعد حویلی کی بیٹھک میں مختلف کھانے پینے کی اشیاء میز پہ دھری تھیں۔ چند ملازم ہاتھ باندھے ایک طرف کھڑے تھے۔ مہدی کمبیر ایک صوفے پہ بیٹھا تھا اور اسکے سامنے بشر حاکم۔

''یہ نکاح کیسے ہوا تھا؟'' سوال خلاف توقع تھا۔ مہدی نے چند پل بغور اسے تکا۔ پھر ساری روداد کہہ ڈالی۔ ویسا سچ جیسا زینیا حاکم نے کہا تھا۔ کوئی جھول نہیں کوئی جھوٹ نہیں کھرا سچ۔

''بالاج نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور اسے طلاق بھی دی تھی۔ہاں زینیا نے مانگی تھی لیکن وہ ہر اس عورت کا ردعمل ہوتا جسکا شوہر اسے دھوکہ دے رہا ہوتا۔وہ اس پہ اپنی حاکمیت جتاتا رہا تھا۔کچھ وقت بعد وہ دوبارہ آیا تھا اور اس نے زینیا کو دھمکانا شروع کیا تھا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔بشر یکسوئی سے سن رہا تھا۔یہ وہ آدمی نہیں تھا جس سے مہدی دروازے پہ ملا تھا۔یہ ایک بھائی تھا جسے اپنی بہن کی فکر تھی۔

''اس نے زینیا کو بہت تنگ کیا تھا اور اسکے بعد جب قیس کی گاڑی سے بالاج کا ایکسیڈنٹ۔۔۔''

''کیا وہ ایک حادثہ تھا؟'' بشر نے تیزی سے اسکی بات کاٹی۔

''بالکل۔۔۔'' اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''قیس اور زینیا کا ایک آفس میں کام کرنا اتفاق تھا۔وہ اسکی اصلیت سے واقف نہیں تھی۔یہاں اسکی حویلی آنا بلکل ایک اتفاق تھا۔وہ اتنی بری نہیں تھی جتنا تم نے سمجھ لیا تھا۔تم نے اسکے ساتھ کیا کیا ہے؟'' اس نے بہت شدت سے خواہش کی تھی کہ بس وہ یہ کہہ دے وہ مری نہیں۔سات ماہ کی کشمکش بس ایک لمحے میں ختم ہو جائے۔

''میں نے اسکی حفاظت کی کوشش کی تھی۔'' بشر کا لہجہ دھیما تھا۔

''میں اس کوشش کو انجام دینا چاہتا ہوں، صرف یہ بتاؤ وہ کہاں ہے۔دنیا کے کس کونے میں۔میں اسے کہیں سے بھی واپس لے آؤں گا۔میں تم لوگوں سے اور کچھ نہیں مانگوں گا بس مجھے یہ بتادو وہ کہاں ہے۔''

بشر کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔اس نے مہدی کو دیکھا۔یہ بالاج جیسا نہیں تھا جو زینیا کو اکیلا سمجھ کر اس پہ ہاتھ اٹھاتا یہ تو ہاتھ تھام لیتا تھا۔یہ عبداللہ بھی نہیں تھا جو لاکھ دفع بلانے پہ انکار کرتا تھا یہ بغیر بلائے آجاتا تھا۔فکر مند، غیرت مند، وہ صرف زینیا کا نہیں قدرت کا انتخاب تھا۔

''تم اسے نہیں لا سکتے۔'' بیٹھک کا دروازہ کھولتے حاکم اندر آئے۔''وہ مر چکی ہے۔اسکا تم سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔''

''اسکا اور میرا تعلق اس دنیا میں نہیں ٹوٹ سکتا۔''

''ٹھیک ہے پھر جاؤ اسے ڈھونڈو تعلق بحال کرو، کیونکہ یہاں سے تمھیں کچھ نہیں ملنے والا۔'' وہ اپنے سابقہ تلخ انداز میں بولے۔ مہدی کے لب استہزائیہ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''کچھ کچھ اندازہ تھا مجھے کہ مجھے یہاں سے کچھ نہیں ملنے والا۔ جس باپ نے چوبیس سال تک اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دیا وہ مجھے کیا دے سکتا ہے؟''

''اس بیٹی نے خود کیا دیا ہے؟'' وہ درشتی سے غرائے۔

''جو وہ دے سکتی تھی اس نے دیا ہے۔ عزت، محبت، مان سب۔ اس نے یہاں اس لئے اپنی طلاق کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ ڈرتی تھی آپ کی عزت خراب ہو گی۔ وہ اسے مارتا رہا لیکن وہ چپ رہی اور جب بتایا تب اسے نباہ کرنے کو کہا گیا۔'' اسکے الفاظ کاٹ دار تھے۔ بشر کی گردن جھکی۔

''اسکا قصور یہ تھا کہ اسکا باپ غلط تھا۔ آپ کو تربیت کرنی نہیں آئی۔ پیار نہیں دینا آیا۔ حوصلہ دینا نہیں آیا۔ وقت اور سپورٹ دینا نہیں آیا۔ آپ نے اسے گرایا اور وہ کبھی خود کو اٹھا نہیں سکی۔''

''ہر دوسرے گھر میں یہی ہوتا ہے یہی روایات ہیں یہی ہوتا ہے۔'' وہ پھنکارے۔

''جب بی بی فاطمہ زہرہؓ گھر آتی تھیں تب نبی کریم ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ جب وہ انکا رشتہ کر رہے تھے تب انہوں نے اپنی بیٹی سے رضامندی لی تھی۔ یہ ہے روایت اور جو اَب بنی ہے وہ محض بدعت ہے۔'' حاکم چپ ہو گئے۔ بلکل چپ۔ ایسے جیسے منہ پہ کسی نے درہ دے مارا ہو۔

''چودہ سو سال پہلے عورت کو عزت ملی تھی تب بنی تھی روایت، جو میرے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنائی تھی۔ وہی رہے گی۔'' چند لمحے وہ خاموش ہوا۔

''آپ سے کوئی امید نہیں رکھوں گا میں۔ مجھے صرف یہ بتائیں وہ کہاں ہے۔ بس اتنا صرف اتنا۔''

''تم سوالی بن کر آئے تھے۔ ہم نے وقت دیا، کھانا دیا، جواب دیا۔ سوالی ضد نہیں کرتے۔ انکار مان کر چلے جاتے ہیں تم بھی جاؤ۔'' انکا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

مہدی کمبیر کا دل یکدم خالی ہوا تھا۔ وہ بھاری دل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے نکال رہے تھے اسکا رکنا اب نہیں بنتا تھا۔ وہ نواب تھے تو اٹھائی گیر وہ بھی نہیں تھا اس نے ایک نظر بشر کو دیکھا۔ وہ گود میں دھرے اپنے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنا جواب مل چکا تھا۔ اسے یہاں سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا۔

نوابوں کے گھر سے سوالی خالی ہاتھ جا رہا تھا۔ مگر ناامید نہیں۔

پینٹ ہاؤس کی ساری بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ وقت اس گھر میں بے حد سست رفتار ہو گیا تھا۔ اپنے کمرے کی بالکنی میں شیشے کی ریلنگ کے ساتھ سر ٹکائے وہ پچھتاؤں میں غرق نظر آ رہا تھا۔ بالکنی میں شیشے کی کئی بوتلیں پڑی تھیں۔ جن سے اٹھتے بدبو کے بھبھوکے بتاتے تھے وہ حرام کیوں ہے۔ اسکی نگاہیں کسی منظر میں اٹک کر رہ گئی تھیں۔ یہاں وہ نگاہ پھیرنے کی کوشش کرتا یہاں آنکھیں زخمی ہونے کا خدشہ لگ جاتا۔

''آپ نے وعدہ کیا تھا آپ میرے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔'' جرگاگاہ میں کھڑے وہ حلق کے بل غرایا۔ اسکے سامنے سرخ صوفے پہ کروفر سے بیٹھے عالم نواب پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

''میں اس گھر کا بڑا بیٹا ہوں۔ یہ میرا حق ہے جو آپ کسی لٹیرے کو تھما رہے ہیں۔'' اس نے ہاتھ لمبا کرتے ہوئے بشر کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم نے کیا وعدہ کیا تھا؟'' بہت دیر بعد وہ اسی تحمل اور شاطرانہ انداز میں بولے جو انکا خاصہ تھا۔

''ہم نے کہا تھا تمھیں تمہارا نام دیں گے بلکل دیں گے۔ تمھیں حویلی میں جگہ ملے گی بلکل ملے گی لیکن حیثیت ہم طے کریں گے۔ دستار اسی کے سر آنی تھی جو چاہے رشتے میں تم سے چھوٹا ہے لیکن۔۔۔'' یکدم براق کو انکی آنکھوں حقارت نظر آئی۔'' اسکا

خون بہت اعلیٰ ہے۔ تمہارا مقام اب بھی ہے۔ایک وزیر،ایک پیادے کا مقام۔بشر نواب کے ساتھ اسکے وزیر بن کر رہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

وہ نم آنکھوں میں بے یقینی لئے پیچھے ہوا۔آنکھیں جیسے جل رہی ہوں۔دل خاک ہو چکا ہو۔اس نے پانی کی طرح پیسہ بہایا تاکہ قیس کمبیر پہ چیزیں پلانٹ ہو سکیں۔اسکا خاندان اور وہ تباہ ہو اور براق کو واپس لیا جائے۔وہ قاتل بننے والا تھا اس نے کیا کیا نہیں کیا اور اب۔۔اسے اس طرح نکالا جائے گا یہ اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''میں نے آپ کے لئے بہت کچھ کیا ہے آپ۔۔''

''ہمارے لئے نہیں، اپنے لئے۔تم نے جو کیا اپنے لئے کیا۔جن کے خون ملاوٹ ہو انہیں تخت نہیں دیتے۔ملاوٹ انہیں پاسے پلٹنے پہ مجبور کرتی رہتی ہے۔''

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔اور انکے قدموں میں آ کر بیٹھا۔

''یہ مت کریں۔۔میں نے آپ کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔آپ کے مسائل کی وجہ سے میرا باپ مر گیا۔میری ماں کو آپ نے مار دیا اور۔۔۔''

''ہم نے اسے نہیں مارا۔'' انہوں نے اپنے گھٹنے سے اسکا ہاتھ ہٹایا۔

''وہ عورت کیسے مری کیوں مری ہم نہیں جانتے۔ہمارے یہاں قتل طاقت کا زور دکھانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ایک عورت کو مار کر ہمیں کیا مل جاتا؟'' وہ ہزار دفع کہی بات دہرا رہے تھے۔براق مان ہی نہیں سکتا تھا۔اسکا باپ کہتا تھا اسکی ماں قبائلی دشمنی کی نظر ہوئی۔وہ سچ کہتا تھا بس وہی سچ تھا۔

''بشر۔۔۔'' وہ اسکی طرف لپکا۔''تمھیں اس سب کی ضرورت نہیں۔تم۔۔تم کیا کر لوگے یہ سب حاصل کر کے؟ میں تمہیں اتنا پیسہ دوں گا کہ تمہاری سات نسلیں بیٹھ کر کھائیں گی۔تم یہ جگہ چھوڑ دو اسے میرے لئے چھوڑ دو۔یہ میری جگہ ہے پلیز۔''

بشر ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔اسکی نگاہوں میں نرمی تھی۔

''میں اس جگہ کو کئی سال پہلے چھوڑ کر ہی گیا تھا۔ اگر یہ جگہ تمہاری تھی تو اب تک تمھیں مل جاتی۔''اس نے براق کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اسکی نگاہیں بے اختیار کاٹ دار ہوئیں۔ اس آدمی نے مہدی کا قتل پلانٹ کیا۔ یہ آدمی جانتا تھا اسکے گھر کی عورت اسکی اپنی کزن بے قصور ہے لیکن اس نے کھیل جاری رکھے۔ تخت و نام کا بھوکا شخص انتقام کی آگ سینے میں لے کر چلنے والا آج کسی پاگل کتے کی مانند زبان نکال کر ہر آتے جاتے سے ہڈی مانگ رہا تھا۔ بشر کو اس پہ رحم نہیں آیا۔

''یہ میری جگہ تھی، ہے اور رہے گی۔''اسے یونہی اپنے قدموں میں بیٹھے ہوئے چھوڑ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے سینے میں بھی آگ تھی جسے براق نے لگایا تھا اور اب وہی جل کر خاک ہو رہا تھا۔

وہ کتنے گھنٹے روایات کے ان پاسداروں کے سامنے گڑ گڑاتا رہا، اپنی ساکھ، نام مانگتا رہا کچھ حاصل نہ ہوا۔ جو چیزیں اللہ نے انسان پہ ممنوع قرار دی ہوں انہیں اپنے تئیں حاصل کرنے کی کوشش انسان کو تھکا دیتی ہے وہ بھی تھک گیا تھا۔

اسکے موبائل پہ کوئی گھنٹی بجنے لگی۔ نیم وا آنکھوں سے کال اٹینڈ کرتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔ ہاؤس کیپر نے کچھ کہا۔ براق نے اوکے کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا اور ایک بار پھر اپنے لئے گلاس بھرنے لگا۔

چند لمحوں بعد اسکے نتھنوں سے ایک محسور کن خوشبو ٹکرائی۔ پھر وہ نفاست پسند انسان خالی بوتلوں اور اس گرے ہوئے جام سے بچتے ہوئے ایک طرف آ کر بیٹھا۔ ایک متاسف نگاہ براق پہ ڈالی۔

''اتنا غم منانا اچھا نہیں ہوتا، براق۔ انسان کو کاروبار پہ بھی دھیان دینا چاہیے۔''ماشاءاللہ اسے کتنا خیال تھا لوگوں کا؟

''مجھے دیکھو، میں بھی تو قیسم سنبھال رہا ہوں۔ کارخانے دیکھ رہا ہوں۔ کچھ دن بعد چائنا جا رہا ہوں، دو دن پہلے بہاولپور سے آیا ہوں۔''اس نے براق کے ہاتھ سے گلاس لیا۔ اور ایک طرف رکھا۔ جیب سے ٹشو نکال کر اپنے ہاتھ صاف کئے۔

''چاہے جو بھی ہو ہم دوست اور کزن تو ہیں ناں؟ مجھے فکر ہے تمہاری۔''

''میری فکر ہے تو مجھے وہ راستہ بتاؤ جس کے ذریعے میں نوابوں کو تباہ کروں۔''

قیس نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔

''میرا ڈاکٹر کہتا ہے منفی سوچوں کو خود پہ حاوی مت ہونے دو۔ جب کوئی منفی سوچ آئے۔۔۔''

''بھونک رہا ہے وہ۔۔۔۔۔ خبیث کی اولاد۔'' براق تندہی سے بولا۔

''پتہ ہے مجھے۔'' وہ بچوں کی طرح چہرہ بگاڑ کر بولا۔ ''لیکن اسکی سننی پڑتی ہے کیونکہ وہ مجھے ایک بہتر انسان بننے میں مدد کرے گا۔''

براق نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ایسے جیسے تمسخر اڑا رہا ہو۔

''نیک بننا چاہتے ہو تم؟'' وہ یکدم ہنس پڑا۔ اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمھیں لگتا ہے جب ''وہ'' واپس آئے تب تمھیں ایک اچھے اور نیک انسان کے روپ میں دیکھے؟'' براق دیوانوں کی طرح ہنستا گیا۔

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔ نظریں براق کے چہرے پہ جمی رہیں۔

''it's all about me جب بھی کچھ غلط کرتا ہوں۔ ساری رات نیند نہیں آتی مجھے۔'' براق کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

''میں ایک نارمل انسان کی طرح خوش ہونا چاہتا ہوں۔ تھوڑا سا غصہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں میرا ٹراما ختم ہو جائے۔ میری انگزائٹی ختم ہو۔ کوئی تو رات ایسی ہو جب میں بغیر دواؤں کے سویا کروں۔ اور جاگوں تو مجھے بات بات پہ غصہ نہ آیا کرے۔'' وہ چند لمحے خاموش ہوا۔ براق نے گلاس اسکی طرف بڑھایا۔ قیس نے نہیں تھاما۔

''میں بس نارمل ہونا چاہتا ہوں, ٹریجڈی۔ یہ ممکن ہے ناں؟''

''وہ وقت اب بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ خود کو قبول کرو جیسے میں نے کر لیا۔ ہماری روشن زندگی کے بعد قبریں اندھیری ہیں۔''

''اندھیرے سے ڈر لگتا ہے مجھے۔'' وہ یونہی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سادگی سے کہہ گیا۔

''بہت ڈر لگتا ہے۔ بچپن میں قاری صاحب قبر کے عذاب کا بتاتے تھے۔ مجھے اس عذاب سے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ میں بہت برا انسان ہوں۔ میرا مر گیا تو۔۔ تو بڑا غلط ہو جائے گا یار۔'' اسکی سیاہ آنکھوں میں نمی سی جھلکی۔ براق نے نگاہوں کا زاویہ بدلا۔ کمبخت ایسی باتیں کرتا تھا کہ دل چیر دیتا تھا۔

''میں بدلنا چاہتا ہوں۔ تم بس۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رکا۔ ''اچھا انسان بننے کے لئے کیا کرنا پڑے گا مجھے بتاؤ مجھے مرنا نہیں ہے، مجھے جینا ہے۔''

براق سوچ میں پڑا۔ اپنا غم چھوڑ کر وہ قیس کے مسائل سننے بیٹھ گیا تھا۔ تعلق ختم تھا، باقیات باقی تھیں۔

''آئی تِھنک تمھیں نماز پڑھنی چاہیے۔ آتی ہے؟'' اپنے تئیں بہت بڑا مشورہ دے ڈالا۔

''ہاں ابھی ڈیڑھ سال پہلے پڑھی تھی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ دوبارہ پڑھو۔ قرآن پڑھنا آتا ہے؟''

''حفظ ہے مجھے۔'' وہ فخر سے بولا۔ ''اور کیا کرنا ہوگا؟''

''اور؟ عورتوں کے قریب بھی مت جانا۔''

''اس گند میں کبھی پڑا ہی نہیں۔ اور بتاؤ؟''

''اور؟'' براق دوبارہ سوچ میں پڑا۔ پھر یکدم جھنجھلایا۔

''مجھے کیا پتہ۔ جہنم میں جاؤ تم اور تمھارے مسائل۔'' اسکے چہرے پہ ناگواری تھی۔ پھر وہ رک کر قیس کو دیکھنے لگا۔

''میری ایک بات سنو غور سے دماغ کھول کر۔ چاہے تم سونے کی ورق میں تہہ ہو کر آجاؤ وہ تمھیں نہیں دیکھے گی۔ اسے بھول جاؤ۔''

''بس ایک یہی کام نہیں ہوتا مجھ سے۔'' عجیب آزردگی سے کہا۔

"نہ تم اچھے ہو نہ بن سکتے ہو۔ خود کو قبول کرو اور۔۔۔" وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے وہ گلاس نہیں چھوا اس نے براق کی باتوں پہ کان نہیں دھرا۔ وہ بس جا رہا تھا۔ اسے یہاں سے جانا تھا۔ نہ وہ برے لوگوں میں رہے گا نہ بری عادتیں اپنائے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زبردست۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" وہ پاتھ وے پہ کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب براق تیز تیز قدم لیتا اسکے آگے آ کر رکا۔ اسکے چہرے کے تاثرات بے حد مختلف تھے۔ قیس کی رنگت پھیکی پڑی۔

"میں۔۔۔" اس نے گلا تر کیا۔ "میں معافی مانگنے آیا تھا۔" آئی ایم سوری میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔"

"کیا نہیں چاہتے تھے۔؟" براق نے بغور اسکی آنکھیں، اسکا چہرہ دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے دہرایا۔ اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ براق نے طیش کے مارے اسکی گاڑی پہ لات دے ماری۔

"میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ نفرت کرتا ہوں تم سے۔ میرے باپ کے قاتل ہو تم۔"

گاڑی کے اندر بیٹھے قیس نے چہرے اور گردن پہ آیا پسینہ صاف کیا۔ اسکی دائیں ٹانگ بری طرح لرز رہی تھی۔ براق حنیف کے گھر سے جاتے ہوئے اسکا چہرہ تاریک تھا۔

"کافی دیر کر دی تم نے؟" اپنے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتی شیزل کو دیکھ وریام نے متوازن لہجے میں کہا۔ اخبار نما دیواروں کو دیکھ اکتایا ہوا مردسیدھا ہوا۔ تھانہ باہر کی دنیا سے ہزار درجے اچھا تھا وہ دل میں سوچ سکا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا تم وقت سے پانچ منٹ پہلے آ سکتے ہو۔" اس نے پرس نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"جو بات مجھے کرنی تھی اسکے لئے ضروری تھا میں جلدی آؤں تا کہ تم انگارے نہ چبا رہی ہو۔" وہ کرسی پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ ہاتھ سینے پہ باندھے ہلکا سا مسکرایا۔ شیزل نے آج غور سے اسے دیکھا۔ اسکا قد اونچا تھا۔ جسم ورزشی۔ رنگت گندمی مائل اور نقوش کافی حد تک پرکشش۔ وہ اس کرسی پہ اس قدر تمیز سے بیٹھنے کی بڑی کوشش کر رہا تھا اور بری طرح ناکام ہو رہا تھا۔

''میری زبان کے انگارے تمھارے منہ کے آتش فشاں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ بائی داوے۔۔''شیزل آگے ہوئی۔ متجسس نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم پہلے مجھ سے اتنی خار کیوں کھاتے تھے؟میں کتنی بار آئی تم نے ایک بار بھی مجھ سے زینیا سے ملنے نہیں دیا تھا۔''

وریام نے ٹھوڑی کھجائی۔اور لاپرواہی سے گردن گھمائی۔

''میری جاب کو ایک عرصہ ہو گیا ہے۔ لیکن میرے لئے کبھی ایک سائیڈ چن لینا مشکل نہیں رہا۔ایک واحد کیس تھا جس میں مجھے ایک سائیڈ چن لینے میں مسئلہ ہو رہا تھا۔بس میں exhausted تھا۔اور کسی طرح سے کوئی ناکامی نہیں چاہتا تھا۔''اس نے گہری سانس لی۔اور قریب کھڑے ویٹر کو آرڈر نوٹ کروایا۔

''یعنی تم دوسروں کا غصہ مجھ پہ اتار رہے تھے۔''

''میں اپنی جاب کر رہا تھا, مس۔''

شیزل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔اور دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو ہوئی۔اسکے کھلے ہوئے بال دونوں اطراف سے کندھوں پہ گرنے لگے۔وریام ایک لمحے کے لئے باقاعدہ ٹھٹھک گیا تھا۔ایک پل کے لئے پتہ نہیں کیوں وہاں صرف وہی نظر آئی۔اس نے سر جھٹکا۔**(تم ایک شریف آدمی ہو وریام)**

''تم سب جانتے تھے، براق نے کیا کیا ہے۔ پھر بھی تم نے انکوائری کے وقت اسے ایکسپوز نہیں کیا کیوں؟''

اس نے تھوک نگلا شانے اچکائے۔

''براق بڑا آدمی ہے۔اس سے مسائل مول لینا میری زندگی اور جاب کو مشکل میں ڈال دیتا۔اور ہمارے پاس ثبوت نہیں لفاظی تھی۔ جن پہ انسان یقین کر لیتا ہے کورٹ نہیں۔''

''یعنی تمہاری ڈیوٹی کے درمیان بڑے آدمی آجاتے ہیں؟ مجھے لگا تم وہ آدمی ہو جو حق کے لئے رسک لے سکتا ہے۔''

''نہیں۔۔ میری ڈیوٹی کے درمیان لاجکس آتے ہیں۔ براق حنیف کو فریم کرنا وہ بھی بغیر ثبوتوں کے یہ میری نوکری خطرے میں ڈال سکتا تھا۔اور میں کوئی حق کے پیچھے بھاگنے والا نہیں ہوں وہ لڑکی تھی اور معصوم تھی۔''

''تم نے ایک بار پہلے بھی اپنی نوکری کو خطرے میں ڈالا تھا۔'' وہ ترکی بترکی بولی۔

''تب میں نے اتنا گہرا گڑھا کھودا تھا جس سے نکلنے کے لئے میں پرامید تھا۔''

ویٹر نے کالڈ کافی کے دو اونچے مگ انکے سامنے لاکر رکھے۔وہ دونوں پل بھر کو خاموش ہوئے۔وریام نے پھر اسے دیکھا۔وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جتا رہی تھی کہ اس ملاقات کا مطلب اسے بتایا جائے۔

''براق نے مجھے دھمکی دی تھی۔'' شیزل یکلخت ٹھہر گئی۔ ''نہیں میں نے اس دھمکی کی وجہ سے کام نہیں چھوڑا۔ لیکن وہ مجھے مسلسل دھمکاتا رہتا ہے کہ میں تم سے دور رہوں۔حالانکہ اس کیس کے بعد ہماری تمام ملاقاتیں ایک اتفاق تھیں۔'' سیاہ آنکھوں والی لڑکی کی مٹھی بھینچ گئی۔اسے شرمندگی ہوئی۔

''میں تمھیں بتانا چاہ رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا وہ۔۔'' لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''تمھیں ہرٹ بھی کرے گا اور کسی کو تمھارے قریب بھی نہیں چھوڑے گا۔''

''میں اسے دیکھ لوں گی۔'' وہ کہتے ساتھ اٹھی۔وریام نے تیزی سے جیب سے والٹ نکال کر چند نوٹ نکالے اور میز پہ دھرے۔

''میری وجہ سے آئندہ تمھیں تکلیف نہیں ہوگی۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔وریام اسکے پیچھے گیا۔ مگر سلائیڈنگ ڈور پار کرنے سے پہلے ان دونوں کو رکنا پڑا۔ براق حنیف سیاہ سوٹ میں ملبوس، خوشبوؤں میں پور پور ڈوبا دروازہ دھکیل رہا تھا۔اگلے ہی پل اسکے تاثرات میں سختی گھل گئی۔اس سے پہلے وہ اندر داخل ہوتا شیزل باہر آئی۔اور براق کا بازو کھینچ کر اسے ذرا سے فاصلے پہ لے گئی۔وریام چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔وہ جسے ایک خوشگوار ملاقات سمجھ کر آیا تھا وہ انجانی رقابت میں ڈھل گئی تھی۔

''تمھاری ہمت کیسے ہوئی تم میرا نام لے کر لوگوں کو دھمکاتے رہو؟'' وہ دبے دبے انداز میں غرا رہی تھی۔ براق پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

''جس طرح تمہاری ہمت ہوئی تھی دس ہزار لوگوں کے سامنے شادی توڑنے کی۔''

''تم یہی ڈیزرو کرتے تھے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔ براق نے اسکا بازو پکڑا اور تھوڑا سا قریب کیا۔

''میں کیا ڈیزرو کرتا ہوں یہ جان گیا ہوں لیکن تم اسے بلکل ڈیزرو نہیں کرتیں۔'' اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ شیزل سہم گئی۔ وہ اپنا ہاتھ تک نہیں چھڑوا سکی۔ ایسے جیسے جم گئی ہو۔

''یہ ڈو ٹکے کا پولیس افسر، یہی ملا تھا تمھیں؟''

وریام مزید برداشت نہ کرتے ہوئے اسی طرف آنے لگا۔

''یہ کیا میں کسی دوسرے مرد کو تمھارے قریب نہیں آنے دوں گا۔ میرے علاوہ کسی کو حق نہیں کوئی تمھیں دیکھے تم سے محبت کرے۔'' شیزل نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی سعی کی۔ مگر اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اسے براق سے خوف آیا۔

''میں نے تمھارے لئے دنیا یہاں سے وہاں کر دی اور تم مجھے ایک چھوٹی سی غلطی کے لئے معاف نہیں کر سکیں؟'' وہ سختی سے اسکا ہاتھ مروڑ رہا تھا۔

''سڑک پہ خاتون کو ہراساں کرنے کے چارجز میں اندر کر سکتا ہوں میں آپ کو۔'' وہ کب شیزل کے عقب میں آ کر رکا، کب اس نے براق کے ہاتھ کو سختی سے جھٹکا شیزل کو علم نہیں ہو سکا۔ وہ بس اپنی کلائی پہ بنے ہوئے سرخ نشان دیکھ رہی تھی۔ وہ ساکت تھی۔ یہ وہی براق تھا؟

''یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اس سے دور رہو۔''

''ذاتی معملے سڑک پہ حل نہیں ہوتے اور اس وقت مس شیزل میرا معملہ ہیں۔ میری ذمہ داری کیونکہ یہ میرے ساتھ آئی ہیں۔'' اس نے حتی الامکان لہجے کو سخت رکھا۔

''پولیس والے کو اپنی ڈیوٹی کرنے سے روکنے کی کوشش کرنا آپ پہ لگنے والا دوسرا چارج یہی ہو گا۔''

براق نے بے تحاشا غصہ ضبط کیا۔ اور وریام بیگ پہ غصیلی نگاہ ڈالی۔

"یہ لڑکی stable نہیں ہے۔اس سے دور رہو۔ تمہاری زندگی خراب کردے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں میری زندگی انکی وجہ سے خراب ہو یا گلزار کم از کم میں سڑک پہ کھڑے کسی براق حنیف کو شکایت نہیں دوں گا۔"

جبڑے بھینچے وہ چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر یونہی کٹیلی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ شیزل نے پلٹ کر اسے دیکھا تک نہیں۔اس سے شادی توڑنا، بریک اپ، دوری سب شاید آسان تھا۔ لیکن اسکی آگے کی زندگی میں کس طرح وہ اپنے سرکل میں بے وفا، unstable لالچی، اور دھوکے باز مشہور ہونے والی تھی یہ اسے آج معلوم ہوا۔

اسے آج معلوم ہوا معاشرے کے ڈر سے بریک اپ نہ کرنے والی، طلاق کی بات کرنے والے لوگوں کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔اسے آج معلوم ہوا کوئی انسان کسی زہریلے تعلق سے باہر نہیں آتا۔ اسکا جی کیا تھا وہ خود پہ ہنسے، زور زور سے ہنسے۔

"آپ پچھلے دو گھنٹوں سے مجھے اگنور کر رہی ہیں۔" زینیا کے کہنے پہ نیا نے کان نہ دھرے۔ وہ سنک کے نل کے نیچے ٹوکری میں رکھی تازہ مچھلی دھوتی رہی۔ اسکا چہرہ سپاٹ تھا۔

"مجھے ایک بار اس سے بات کر لینی چاہیے۔ اسکے اور میرے درمیان سب ٹھیک تھا۔ میں اسے چھوڑ کیسے سکتی ہوں؟" اس ی نے دوبارہ بات شروع کرنے کی غرض سے کہا۔

"تمہارا واپس جانا درست نہیں ہوگا۔"

"اوہ پلیز۔۔۔" وہ جھلائی۔ "میں نے جیل کے چکر کاٹے ہیں۔ عدالتیں دیکھی ہیں۔ مردوں کے درمیان رہی ہوں۔ لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے یہی ناں؟ لوگوں کو میں نے جوتی کی نوک پہ رکھا تھا اور آج بھی وہیں رکھتی ہوں۔" اس نے کٹنگ بورڈ پہ پیاز یونہی چھوڑ دیئے۔ "زینیا حاکم نے لوگوں کی سوچ اور نظر کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا۔"

"نہیں مجھے پتہ ہے تمھارے اور اسکے درمیان یقین ہے۔ تمھیں اسکی زندگی کا یقین ہوتا ہے اسے تمہاری حفاظت کا۔" نیا نے ٹوکری سلیب پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ تم اصل کہانی سے ناواقف ہو۔ وہ بلکل زندہ ہے لیکن کیا وہ زندہ رہ پائے گا، یہ تم پہ منحصر ہے۔"

"اور میں آپ کی پہیلیاں کب تک بوجھنے والی ہوں؟" بازو سینے پہ باندھے تندہی سے کہا۔ بڑے دن بعد وہ جوبن میں تھی۔

نیما نے پر سکون انداز میں اپنے ہاتھ کپڑے سے خشک کئے۔ پھر سلیب پہ رکھا اپنا موبائل اٹھایا۔اب وہ اس پہ چند انگلیاں دبا رہی تھی۔اور پھر زینیا نے وہ آواز سنی جو روح کے رزق کی مانند تھی۔

"کیا آپ اپنے اغواکاران کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟ اگرہاں تو کیا آپ اپنے اغواکاران پہ کوئی کیس نہیں کروائیں گے؟"

موبائل سلیب پہ رکھے نیما دوسری طرف سے کھڑے ہوکر اب پیاز کاٹ رہی تھی۔ سٹوڈیو میں بیٹھا مرد کہہ رہا تھا۔

"شاید میں انہیں جانتا ہوں۔ لیکن میں ان پہ کوئی کیس نہیں کرواؤں گا۔ میرے کرنے کے لئے فلحال اور بہت کام ہیں۔" وہ غور سے اسکی آنکھیں دیکھنے لگی۔

"آپ نے چھ سو لوگوں پہ ہتک عزت کا دعوی کیا ہے۔ کیونکہ وہ تمام لوگ آپ کی بیوی کے خلاف بول رہے تھے اور آپ اس ایک انسان کے خلاف نہیں جانا چاہتے جس نے آپ کو قید میں رکھا؟"

وجہ پیاز کی جھل تھی یا دل پہ پڑتا بوجھ زینیا نے اپنی آنکھیں جلتی محسوس کیں۔

"میری بیوی زیادہ اہم ہے۔" وہ یہ نہیں بتا سکا کہ جن لوگوں نے اسکی ذات کے ساتھ کچھ غلط کیا ہے وہ انہیں بھی ویسی ہی اندھیری موت دے گا۔

"مہدی۔۔" ہوسٹ نے اچانک نہایت نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ "آپ کی قید کیسی تھی؟"

زینیا نے دیکھا وہ پہلو بدل رہا تھا۔ اس نے ناخن صوفے کے اندر کھبو دیے، اس نے لب کاٹے، پیشانی تر ہوئی۔ اور اسکی آنکھیں ان میں کچھ در آیا ایسا کہ زینیا حاکم کا دل کٹ کر دو حصے ہوا۔ یہ تو وہ آدمی تھا ہی نہیں۔ یہ کون تھا؟

"ایک سفید کمرہ تھا۔۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر پانی کا گلاس اٹھا کر غٹا غٹ سارا پانی پی لیا۔

''میں وہاں ایک مہینہ رہا تھا۔مجھے نشہ آور ادویات انجیکٹ کی جاتی تھیں تا کہ میرے زخموں کو صاف کرتے وقت میں اس محلول کا رنگ نہ دیکھوں جو وہ میرے زخم صاف کرتے وقت استعمال کرتے تھے۔

وہ لوگ میری آواز نہیں سنتے تھے یا شاید سن کر ان سنا کر دیتے تھے۔''اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے تک آیا اور زینیا سلیب پہ ہاتھ رکھ کر بامشکل خود کو کھڑے ہونے پہ رضامند کر رہی تھی۔

''مجھے وہاں بہت ڈر لگتا تھا۔کوفت ہوتی تھی۔میں مرنے کی دعائیں کرتا تھا۔لیکن میں موت سے ڈرتا بھی تھا۔''اس نے شرٹ کا اوپری بٹن کھولا۔خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔

''میں hallucinate کرنے لگا تھا۔وقت سست تھا یا تیز سمجھ نہیں آتی تھی۔وہ لوگ مجھ سے بات نہیں کرتے تھے اور اگر کرتے تھے تو میری بیوی، قیس کمبیر۔۔۔''اس نے آج میرا بھائی نہیں کہا۔وہ جان گیا تھا وہ خدایا اسکی اذیت کا اندازہ زینیا کو اب ہو رہا تھا۔

''سچ کہوں تو میرے اعصاب بہت کمزور ہیں۔میں ڈھے گیا تھا۔''وہ بات کرتے ہوئے ہنس پڑا۔کھوکھلی ہنسی۔اسے اپنے تاثرات پہ قابو نہیں رہا تھا۔

''میں نہیں بتا سکتا وہ کتنا مشکل وقت تھا لیکن میں کسی طرح نکل آیا۔اصل اذیت وہاں سے نکلنے کے بعد شروع ہوئی تھی۔مجھے دورے پڑتے تھے۔انگزائٹی اٹیکس ہوتے تھے۔میں راتوں کو سو نہیں پاتا تھا۔یہ کیفیت اب بھی ہے میں یہاں ہمدردیاں بٹورنے نہیں بیٹھا میں یہاں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ کوئی مجھے توڑ نہیں سکتا نہ میرے خاندان پہ انگلی اٹھا سکتا ہے۔

میری بڑی بہن، جس سے اسکی بیٹی چھینی گئی ہے میں یہاں بیٹھ کر یہی بتانا چاہتا ہوں کہ اس پہ لگنے والے الزام جھوٹے ہیں۔میرے چچا مسنگ ہیں اور میں انہیں ڈھونڈ کر لاؤں گا۔میری قید آج بھی میرے اندر ہے اور شاید ساری زندگی رہے گی۔میں اگلا کچھ وقت شاید اسٹیج پہ نہ نظر آؤں کیونکہ میں اب وہ الفاظ نہیں کہہ سکتا جن پہ میں خود عمل نہیں کرتا۔''وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر موبائل کی سکرین تاریک پڑ گئی تھی۔زینیا حاکم کی ساری زندگی تاریک ہو گئی۔

نیما نے کڑاہی میں تیل ڈالا اور ایک اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی اسکے چھوٹے شہد رنگ بال اسکے چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ یکدم جیسے پیروں سے زمین نکل گئی ہو اور وہ خلاؤں میں تھی۔ مگر تنہا۔

''اس وقت جذباتی اور گلٹی ہے وہ۔ پیچھے بھاگے گا تمھارے۔ تمھیں ڈھونڈے گا۔ جنون کی حد تک جائے گا۔ چند دن بعد جب سب نارمل ہو گا تب ہی سب بگڑنا شروع ہو جائے گا۔'' اس نے کڑاہی میں پیاز ڈالے۔ شڑ شڑ کی آواز سارے میں پھیل گئی۔

''وہ ٹراما میں ہے۔ اپنی ہیلنگ کے لئے اپنا سکون یعنی تمھیں ڈھونڈ رہا ہے۔ کچھ وقت بعد تم سے بھی تھک جائے گا۔ اس وقت اسکے پاس جاؤ گی تو محبت کرسڈ ہو جائے گی۔ دور رہو گی تو اسکی وقعت بڑھے گی۔ فیصلہ تمھارا ہے اس وقت اسکے پاس جا کر اگلے کئی سال محبت کی ناکامی پہ رونا چاہتی ہو یا کچھ وقت اس سے دور رہ کر اگلے کئی سال آسودگی سے گزارنا چاہتی ہو۔''

''وہ مجھے ڈھونڈے گا۔ وہ مجھ سے موو آن نہیں کر سکتا۔''

''دیکھ لیتے ہیں، کتنے سال؟ ماہ۔۔۔ کتنے ہفتے؟''

''محبتوں میں سامنے والے کو آزمایا نہیں جاتا۔ میں واپس نہ جا کر بہت غلط کروں گی۔'' اسکی آواز بے حد ہلکی تھی۔ نیما نے ٹماٹر کا پیسٹ پیاز کے ساتھ شامل کیا۔ وہ منہمک نظر آتی تھی۔ زمانہ شناس عورت۔

''تم آزما نہیں رہی قربانی دے رہی ہو۔ محبت وہ ہوتی ہے جو پودے کو پانی دے، اسے دھوپ دلوائے، اسکی حفاظت کرے۔ جو چند پل کی خوشی کے لئے پھول توڑ دے وہ محبت نہیں ہوتی۔ تم نے عدالت کی توہین کی ہے۔ پولیس کسٹڈی سے بھاگی ہوئی ہو۔ اور سب سے بڑھ کر۔۔'' نیما نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''قیس کمبیر کو مت بھولو۔ کیونکہ وہ تمھیں نہیں بھولا ہو گا۔'' وہ دوبارہ اپنی کڑاہی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں تمھیں نہیں روک سکتی تم جانا چاہو تو میری طرف سے آزاد ہو لیکن اگر realistic ہو کر سوچو تو تمھاری محبت اس صدی کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔ اور وہ ٹریجڈی ہی رہے گی۔ تمھاری واپسی مہدی کی موت ہے۔''

وہ کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی تھی۔ زینیا حاکم کی ساری زندگی ایک نقطے پہ آکر رک گئی تھی۔ سب ساکت، سب ساکن، محبت برباد، زندگی جامد۔ اور دل خالی۔ کیا وہ کبھی اسے دوبارہ اپنے قریب نہیں دیکھ پائے گی؟ کیوں اسکی زندگی میں کچھ مکمل نہیں تھا؟

وہ کمرے میں داخل ہوا تو چہرے پہ ڈھیر سارا تناؤ تھا۔ یہ کمرہ اسکے پچھلے کمرے سے بے حد مختلف تھا۔ یہاں ہر شے پیسے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ لیکن بشر حاکم کے دل میں کسی ایک شے کو دیکھ کر بھی لالچ نہیں آیا تھا۔ وہ سیدھا بیڈ کی طرف آیا۔ عروج اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بشر نے سر سے دستار اتار کر ہاتھ میں لی۔

''نواب صاحب کو بلآخر یاد آگیا کہ انکی ایک عدد بیوی اور بیٹی بھی ہے؟ یا پھر اب ہم بھی آپ کی کنیزوں میں شمار ہوتے ہیں؟'' وہ کٹیلے انداز میں کہتی الماری کی طرف بڑھ رہی تھی جب بشر نے اسکی کلائی تھام لی۔ پھر اسے اپنے سامنے کیا۔

''تم بہت بدل گئے ہو۔ یہ نوابی ہمیں تو راس نہ آئی۔''

اس نے دھیرے سے اپنی دستار اپنی بیوی کے سر پہ رکھی۔

''میرے دل کی نواب تو آپ ہیں بیگم۔'' اسے ساتھ لگاتے ہوئے بے حد نرمی سے کہا۔ وہ واقعی آج کل اسے بہت کم وقت دیتا تھا۔

''میں ذرا مصروف ہوں لیکن تم فکر کیوں کرتی ہو، تمھارے علاوہ کوئی اور لڑکی نہیں دیکھتی مجھے۔''

''تمہاری نظروں کا کیا؟ وہ نہیں بھٹکتیں؟''

''آنکھیں ٹھنڈی کر لینے میں کیا حرج ہے؟''

عروج نے اسے بے دردی سے دھکا دیا۔ بشر کراہ کر پیچھے ہوا۔ اور بیڈ کی طرف آیا۔ پھر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا اور زینب کو اپنے سینے پہ منتقل کیا۔ وہ جو سونے والی تھی اب پوری آنکھیں کھولے اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔

''میرا بچہ بھی ناراض ہے، یا بس اسکی اماں ہی میری ترقیوں سے جل رہی ہیں؟''

''کوئی ترقی سے جل نہیں رہی میں۔'' وہ اسکی دستار سنبھال کر رکھتے ہوئے اب اسکا لیپ ٹاپ لے کر آ رہی تھی۔

''کیا فائدہ اس حویلی کا۔نہ تم سے جھگڑا ہو رہا ہے نہ امی سے نہ کونج سے اور نہ زینی۔۔'' اسکا نام لیتے ہوئے وہ رک گئی۔بشر کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی تھی۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔زینب کو ہنوز سینے سے لگا کر رکھا تھا۔عروج اسکی دائیں طرف آ کر بیٹھی۔بشر بلکل چپ تھا۔وہ بھی اپنی بے اختیاری پہ خود کو کوس کر رہ گئی۔

''وہ لڑکا کیا کہہ کر گیا ہے؟'' اس نے لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

''لڑکا؟بی بی اٹھائیس انتیس سال کا مرد ہے۔اور پتا پوچھنے آیا تھا اسکا۔''

''مرے ہوؤں کے پتے بھی ہوتے ہیں؟'' وہ چاہ کر بھی اپنی نفرت ختم نہیں کر پائی تھی۔

''جس طرح تمھارے بھائی کا ایک پتا ہے اسی طرح میری بہن کا بھی ایک پتا ہے۔'' زینب اونگھنے لگی تو بشر نے اسکی پیٹھ کو تھپکنا شروع کیا۔

''میرے بھائی کے ساتھ غلط ہوا تھا وہ تمہاری بہن کی جھونکی ہوئی آگ میں جلا تھا۔''

"ان دونوں کا مجھے نہیں پتہ لیکن ہمارے تعلق کو تم خود آگ لگا رہی ہو۔'' بشر نے دھیرے سے زینب کو بیڈ پہ لٹایا اور خود سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''سارا دن میں لوگوں کے مسائل حل کرتے ہوئے، زمینوں اور کاروبار کے جھمیلے دیکھنے کے بعد کمرے میں آتا ہوں تو تم کوئی نہ کوئی بات لے کر لڑنے بیٹھ جاتی ہو۔تمھیں زینی سے نفرت ہے مجھے بالاج سے ہم دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔لیکن ان دونوں کا ذکر ہمارے درمیان کیوں آ رہا ہے؟'' وہ ہمیشہ کی طرح نرمی سے کہہ رہا تھا۔لہجہ بلند نہیں تھا البتہ اسکے چہرے پہ ناگواری تھی۔

''تم کرتی رہو اس سے نفرت میں محبت کروں گا۔اور اس سے تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تیسرے کو درمیان مت لاؤ۔ مجھ سے میری وجہ سے لڑو گی تو مناؤں گا بھی اور نخرے بھی اٹھاؤں گا کسی اور کی وجہ سے لڑو گی تو میرے دل سے اتر جاؤ گی۔آئی سمجھ؟''

وہ چپ ہو گئی۔ چہرے پہ اضطراب تھا لیکن اس نے ضبط کیا۔ہاں وہ اسکا شوہر تھا لیکن اسے بھی کئی باتیں بری لگ سکتی تھیں۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے سے یہ توقعات رکھنا کہ وہ میری ''ہر'' بات سنے غلط ہے۔ یہ کام تھیراپسٹ کا ہے۔ پارٹنر کا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک ساتھ جڑ کر بیٹھے لیپ ٹاپ پہ فلم دیکھ رہے تھے۔ عروج ہمیشہ کی طرح تبصرے کر رہی تھی۔ بشر جواب دیتا رہا مگر اسکا ذہن، دل کہیں اٹک کر رہ گیا تھا۔ کیا زینی نے واقعی ایک صحیح انسان کا انتخاب کیا تھا؟

یہاں سے کئی کلو میٹر دور کوئٹہ کے ایک گرلز ہاسٹل میں کونج حاکم کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ رات کافی ہو گئی تھی مگر اسکی روم میٹ اب تک موبائل فون کان سے لگائے ہوئے کسی سے بات کرنے میں مشغول تھی۔ کونج نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اپنے موبائل پہ کھلا ہوا مظفر کا نمبر۔ وہ اسے کئی دفع ملا چکی تھی مگر وہ اسکی کالز ہی نہیں اٹھاتا تھا۔اسکی بے کلی اور بے چینی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔

گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے ایک آخری بار اسے کال ملائی۔ اور بیل جانے لگی۔ کونج جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ دل اتنی زور سے دھڑکا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ بیل جاتی رہی اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس آواز کو سنتی رہی۔ چند ہی لمحوں بعد کال اٹھا لی گئی تھی۔

''شکر ہے آپ نے کال اٹھا لی۔ اوہ شکر۔'' فرط جذبات سے اسکی آواز کانپ رہی تھی۔ اسکی روم میٹ نے بگڑے تیوروں کے ساتھ اسے دیکھا تو کونج اٹھ کر بالکنی کی طرف آ گئی۔

''میں آپ کا فون کتنے مہینوں سے ٹرائے کر رہی ہوں آپ کا نمبر بند کیوں آ رہا تھا؟''

''میں ایک کورس کر رہا تھا۔اور لوگوں سے مکمل کٹ آف کر رکھا تھا۔'' وہ ازلی پر سکون انداز میں کہہ رہا تھا۔

''بائی دا وے تم میرا فون کیوں ٹرائے کر رہی تھیں؟''

''میں۔۔۔'' یکدم اسکے سارے الفاظ غائب ہوئے۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ مجھے آپ کی ضرورت تھی۔ مجھے ابھی بھی بہت ساری guidance چاہیے۔''

دوسری طرف مظفر غوری ایک لمحے کے خاموش ہوا تھا۔

''میں تھیراپسٹ نہیں ہوں، کونج۔ میں ایک کاؤنسلر ہوں۔ میں زندگی کے متعلق تمہاری ذات کے متعلق تمھارے کچھ اندازے درست کرنے آیا تھا کر دیے۔ ہمارے درمیان اتنے ہی وقت کی ڈیل ہوئی تھی۔ اب تمھارے پاس ایک سیدھا راستہ ہے۔ تم اس پہ چلنے کا ہنر جانتی ہو اس ہنر کو استعمال کرنا سیکھو۔''

اس نے ہونٹ کاٹے۔ آنکھیں بھر رہی تھیں۔ ساری ہمت یکدم کہیں ہوا ہوتی محسوس ہوئی۔

''میں آپ کو ڈبل پے کر سکتی ہوں۔ میں۔۔۔ آپ کو زیادہ تنگ بھی نہیں کروں گی۔ مہینے میں صرف ایک بار تو آپ مجھ سے بات کر ہی سکتے ہیں۔''

''تم مجھے مایوس کر رہی ہو، کونج۔'' مظفر متاسف ہوا۔

''تم بہت نوبل ہو۔ تمھارے پاس ایک کلئیر راستہ ہے لیکن کچھ لوگ ہیں جو اب بھی بھٹکے ہوئے ہیں۔ انکو میری ضرورت ہے۔ تم وہ درخت بنو جسے اپنے ساتھی درختوں کا خیال ہو۔'' وہ attachment issues کا شکار ہو رہی تھی۔ بیسا کھی مل جائے تو اسے چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے اسکے لئے بھی مشکل تھا۔

''میں نے تمھیں جو بھی بتایا ہے جو ہم نے ایک ساتھ سیکھا تم اس پہ عمل کرو گی۔ ہے ناں؟''

وہ انکار کرنا چاہتی تھی اسے روکنا چاہتی تھی لیکن نہیں روک سکی۔ اسکے اندر کسی لڑکی کا جنم ہو چکا تھا جس نے سب سے اول اپنا آپ رکھنا شروع کر دیا تھا۔

''میں کوشش کروں گی۔''

''تمھیں کرنی بھی چاہیے، یہ کوشش ساری زندگی جاری رہے گی۔ تم مجھے تب کال کر سکتی ہو جب تمھیں ہر راستہ بند نظر آئے۔ ٹھیک؟''

''اوکے۔'' وہ اپنے آنسوؤں پہ قابو پاتے بامشکل بول پائی۔ کال کٹ گئی اور وہ بری طرح رو پڑی۔ منہ پہ ہاتھ رکھے وہ روتی چلی گئی۔ اسے تو لگا تھا وہ ساری زندگی اسکی بات سنے گا حل نکالے گا۔ وقت دے گا لیکن یہاں سب الٹ ہو گیا تھا۔ وہ تو آج بھی اکیلی تھی ہمیشہ کی طرح۔

جانے والے جا چکے تھے اسے اب اکیلے ہی رہنا تھا۔ شاید ہمیشہ۔ لیکن اس بار وہ تیار لگتی تھی۔

بیز کلیکشن کی عمارت کو تازہ تازہ نئی مرمت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ انٹیریئر میں اچھی خاصی تبدیلی لائی گئی تھی گردن اٹھائے اپنے اطراف میں دیکھتی وہ ہر شے میں نقص نکالتے ہوئے چلتی جا رہی تھی۔ ورکرز اسے دیکھ رہے تھے وہ انہیں نہیں۔ اسے یہاں آنے کی اجازت سلطان سے ملی تھی، رعایا غیر ضروری تھی۔

براق کے آفس کا دروازہ بغیر دستک کے کھولتی ہوئی وہ اندر داخل ہوئی۔ وہ جو ریوالونگ چیئر گھما رہا تھا کرسی سمیت ساکت ہوا۔ نگاہیں اس سمت اٹھیں جہاں وہ کھڑی تھی اور اگلے کئی لمحے وہ اسی طرف دیکھے گیا۔ وہ متوازن چال چلتی اندر آئی، اسکی میز کے سامنے آکر رکی مگر بیٹھی نہیں۔ براق اسے دیکھتا رہا۔

''میرا آفس تمھیں مس کرتا ہے، فنگس۔'' وہ لبوں پہ آزردہ مسکراہٹ لئے کہہ رہا تھا۔

''لیکن میں تمھیں بلکل یاد نہیں کرتی۔ اور میں تمھیں بتانے آئی ہوں کہ اگر تم نے دوبارہ کبھی میرا راستہ روکا تو میں یہاں نہیں آؤں گی تھانے جا کر ایف آئی آر کٹواؤں گی وہ بھی ہراسمنٹ کی۔ تم اپنے کزن سے خاصے متاثر ہو مگر میں زینیا نہیں، ہر عورت زینیا جتنی مجبور نہیں جنہیں تم سڑک پہ کھڑے ہو کر ہراساں کرو گے۔''

''مجھے تو کبھی تم میں کسی اور کا عکس نظر ہی نہیں آیا، شیزل۔'' وہ اسی طرح وارفتگی سے اسے تکتا رہا۔ دوغلا آدمی وقت پڑنے پہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا تھا۔

''میں تمہاری اس بکواس کو سننے یہاں نہیں آئی۔''

''کیوں آج کل اسکی بکواس کچھ زیادہ اچھی لگنے لگی ہے؟ ایسا کیا ہے اس میں جو تم مجھے چھوڑ کر اسکی طرف چلی گئیں؟ ویٹ کہیں تم پہلے سے اسکے ساتھ تو نہیں؟'' وہ اسکی طرف دیکھتا حقارت سے کہہ رہا تھا۔

''میں نے تمہارے لئے کیا کیا نہیں کیا یار اور تم؟''

''تم نے کچھ بھی میرے لئے نہیں کیا، براق۔ تم اندر ایک آتش فشاں بھر کر بیٹھے تھے جو ایک وقت آنے پہ پھٹ گیا۔ اپنے گناہ مرنے والوں کے سر مت ڈالو مجھ سے، میرے تعلقات سے اور میری زندگی سے دور رہو ورنہ۔۔''

''ورنہ؟''

''تم وہ کھو دو گے جس کا تمھیں خواب خیال بھی نہیں۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وران کیا۔

''میں اسے کھو ہی چکا۔''

''مجھ سے دور رہو۔ یہ آخری بار ہے۔''

''تم کسی بھی مرد سے دور رہو میں تم سے دور رہوں گا سمپل۔'' کندھے اچکاتے تسلی سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر اب کرنا دخل اندازی اور انجام بھگتنا، بس میرے پاس شکایت مت لانا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر دہرایا اور جس طرح آئی تھی اسی طرح باہر چلی گئی۔ آتے وقت پر سکون تھی جاتے وقت چہرہ سرخ تھا۔

اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے وریام کو میسج کیا اور تھانے کا رخ کیا وہ اسے تھانے کی بجائے باہر رکنے کا کہہ چکا تھا۔ آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد اسکی گاڑی تھانے کے باہر کھڑی تھی۔ وریام وردی میں ملبوس تھانے سے باہر آتا دکھائی دیا۔ شیزل نے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

مصروف سا آدمی اور اسکارف ٹف سا انداز۔ وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جنہیں حسن کا پیکر کہا جائے مگر وہ طبیعت پہ بھلا تاثر چھوڑتا تھا۔ تھانے سے باہر آتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے شیزل کو ہاتھ ہلایا، پھر دوسری جانب سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر آ کر بیٹھا۔ وردی کے کف بازوؤں سے فولڈ تھے۔ وہ کافی اچھا لگ رہا تھا۔

''تم دوبارہ یہاں مت آنا۔'' آتے ہی دوٹوک انداز میں حکم صادر کیا۔ ''اچھا نہیں لگتا۔ دوبارہ کسی اچھی جگہ ملیں گے۔''

''مجھے نہیں لگتا ہم دوبارہ ملیں گے۔''۔

''مجھے شروع سے تمہاری عقل پہ ماتم کرنے کا دل کرتا تھا اب سمجھ آیا کیوں۔'' اس نے بلا اجازت سٹوریج باکس سے شیزل کا اسٹرابری جوس اٹھایا اور بغیر اجازت لبوں سے لگایا۔ وہ کھول کر رہ گئی۔ مگر اسے روکا نہیں۔

''تم نے ہر وقت انگارے چبائے ہوتے ہیں یا مجھ سے ملنے سے پہلے کوئی خاص خوراک لیتے ہو؟''

''سارا سہرا آپ کی حرکتوں کو جاتا ہے مادام ورنہ میں ایک معزز اور تحمل مزاج مرد ہوں۔''

''نظر تو نہیں آتا۔''

''ابھی سے؟ خیر عمر تو نہیں تھی۔ بس جو اللہ کو منظور۔''

''وریام بیگ مجھے غصہ مت دلاؤ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' وہ سلگ کر بولی تو وریام نے گہری سانس لی۔ جوس اچھا تھا مزہ آ گیا۔

''اچھا جو تم کہو، یہ بتاؤ کیوں آئی ہو؟''

''میں نے براق سے کہہ دیا ہے وہ دوبارہ تمھیں میری وجہ سے کسی قسم کی تکلیف نہیں دے گا۔''

''یہ بات تم منہ سے کہہ آئی ہو اگر وہ دوبارہ تکلیف دیتا تو یہی بات میرے ہاتھ کہتے۔'' اس نے شیزل کو دیکھا۔ اور ٹھہر گیا۔ اسی لئے تو وہ دیکھنے سے احتراز برت رہا تھا۔ یہاں دیکھے گا یہاں زبان کا سارا زہر ہوا۔

''خیر اس بات کو بھول جاؤ اور آگے بڑھو۔ تمہارا یہ پراجیکٹ ختم ہو جائے تو اگلا پروجیکٹ میرا گھر ہو گا اوکے؟''

''دیکھا جائے گا وعدے نہیں کرتی میں، بس یہ کہنے آئی تھی کہ دوبارہ میری وجہ سے تمھیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ چلو اب نکلو میری گاڑی سے۔''

وریام دروازہ کھول کر باہر آیا۔ شیزل کو لگا وہ چلا جائے گا مگر وہ دوسری طرف سے کھڑکی پہ آ کر جھکا۔ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر سنجیدگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔

''تم سے ایک سوال کرنا تھا بدلے میں میرا سر تو نہیں پھاڑو گی؟''

''خدانخواستہ میری جائیداد تو نہیں مانگنے لگے؟'' اس نے نظریں چرائیں۔ وریام کی نظریں تو آج الگ ہی تھیں۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ پھر پوچھا۔

''تم آج کل سنگل ہو؟'' بھونڈے آدمی کے سوال کا بے حد بھونڈا طریقہ۔ یہ آدمی نہیں سدھر سکتا۔

''کیوں تم نے لائن مارنی ہے؟''

''شریف آدمی ہوں، تمھارے گھر اپنے گھر والوں کو بھیجوں گا۔'' وہ ایک لمحے کے لئے بھی نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔ شیزل نے باقاعدہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ کانوں سے دھواں الگ نکلا۔

''تم اچھی لگتی ہو ہمیشہ سے بہت شروع سے۔ سوچ رہا ہوں کہیں کسی اور کو نہ اچھی لگ جاؤ۔''

''لگ گئی تو؟'' وہ سنبھل کر بولی۔

''ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتا اس لئے پہلے ہی وہ بات کی ہے جس میں طول کی گنجائش نہ ہو۔''

''میں یہاں بھی گنجائش نکال دوں تو؟''

''ناانصافی ہوگی ایک معصوم آدمی کے ساتھ۔'' کندھے اچکائے چہرے پہ معصومیت طاری کی۔

شیزل نے سر جھٹکا اور گاڑی کے اگنیشن میں چابی ڈالی۔ وریام پیچھے ہوا۔ نگاہوں میں اب تک کوئی طلسمی اثر برقرار رہا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گی فلحال سنگل ہونے کے ساتھ مشکل بھی ہوں۔''

''میں اس مشکل کو بہت آسانی سے سر لینے کو تیار ہوں۔''

شیزل اب کے مسکرائی۔ دل پہ بوجھ نہیں پڑا تھا۔

''سوچ کر بتاؤں گی۔'' یہ دوٹوک جواب تھا۔ وریام نے کھڑکی سے ہاتھ ہٹا لئے اور اسکے بعد کچھ نہیں کہا۔ گاڑی جب تک وہاں سے چلی نہیں گئی وہ وہیں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ اسے اندر سے کوئی بلانے آگیا۔

''سر وہ بے غیرت نعمان کچھ بک نہیں رہا مار مار کر تھک گئے ہیں۔''

''ایسا کرو اسے مارنا بند کرو آج سارے ملزمان کو اسٹرابیری شیک پلاؤ میرے خرچے سے۔ اور۔۔۔'' وہ مزید ہدایات دیتا آگے جا رہا تھا پولیس والا باقاعدہ سٹھیا چکا تھا۔

''چند دن بعد''

ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے ہوئے اسے کھانا ختم کئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ ٹانگیں اضطرابی کیفیت میں جھلاتے ہوئے اسکی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ داخلی دروازے سے کوٹ بازو پہ ڈالے قیس کمبیر بھی اندر آ رہا تھا۔ وہ کمرے میں جانے کی بجائے سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا تھا۔ چہرے پہ سارے دن کی تکان تھی۔ مہدی کو وہاں بیٹھے دیکھ وہ ٹھٹھکا۔ پھر آگے بڑھتا چلا آیا۔ سربراہی کرسی کھینچ کر اس پہ بیٹھا۔ اور شیف کو آواز دی۔

''آپ کی چائے سر۔'' جنید نے مہدی کے سامنے چائے کا کپ رکھا اور تابعداری سے ہاتھ باندھ کر پیچھے ہوا۔

''اتنی دیر میں تمہارا باپ چائے بناتا ہے یا تمہاری ماں؟'' وہ بلند آواز میں دھاڑا۔ قیس اور جنید دونوں پوری طرح متعجب تھے۔

''ایک بات تم لوگوں کو سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہے؟'' اس نے کپ اٹھا کر زور سے فرش پہ پٹخا۔ جنید تیزی سے پیچھے ہوا۔

''فائرڈ دوبارہ تم اس گھر میں دکھائی مت دینا۔'' اسے نہ جانے کیوں اتنا غصہ آ رہا تھا۔

''سر میں۔۔۔''

''تم جاؤ، جنید۔'' قیس نے نرمی سے اسے بھیجا۔ وہ لب کاٹتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ مہدی کی آنکھیں اب بھی سرخ تھیں۔ لب بھینچے ہوئے۔ ایسے جیسے وہ ساری دنیا تہس نہس کر دینا چاہتا ہو۔

''کیا کہا اس کے بھائی نے؟'' اسکے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے قیس نے سوال داغا۔

''وہی گھسی پٹی کہانی، کہ وہ مر گئی ہے اسے مت ڈھونڈو غیرت، غیرت، غیرت رائٹ؟''

''میرے معاملات میں مت آؤ تم۔'' اب کے اس نے ایک پلیٹ اٹھا کر نیچے پھینک دی۔ اسکے ہاتھ باقاعدہ لرز رہے تھے۔ اسے ہر شے سے نفرت ہو رہی تھی۔

''میں نفرت کرتا ہوں تم سے۔ میں ایک دن تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اتنا سب جھیلا ہے۔ تمہاری وجہ سے میری بیوی غائب ہے۔'' قیس نے پہلو بدلا۔ یہاں کوئی اس سے تعلق جوڑتا تھا وہاں اسکا دل جلتا تھا۔

"تم نے ساری زندگی میرے ساتھ یہی کیا ہے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم شیطان ہو۔ پیدائشی شیطان۔''

جانے کیوں مگر اسے اس طرح دیکھ قیس کے دل کو دھکا لگا تھا۔ مہدی وہ انسان تھا جس سے اسے نفرت تھی اور یہی وہ انسان تھا جس کا ہونا بھی قیس کے لئے ''ٹھیک'' تھی۔ درمیان میں بہت کچھ تھا مگر وہ آج بھی اسکا بھائی تھا۔ اس کمبخت سے محبت کیوں کم نہیں ہوتی تھی؟

''غصہ آرہا ہے؟'' وہ بلکل ایسے پوچھ رہا تھا جیسے کوئی محبت کرنے والا بڑا بھائی۔

''برا لگ رہا ہو گا کہ تمہاری ملکیت پہ کسی اور کا اختیار ہے۔ تمہارا خاندان برباد ہو رہا ہے۔ باقی ساری دنیا خوش ہے تمھارے ساتھ مسائل ہیں۔

تم کوشش کر رہے ہو۔ لوگوں سے اچھے سے بات کر رہے ہو لیکن کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ آرہا ہے ناں غصہ؟ دل کر رہا ہو گا ساری دنیا کو آگ لگا دی جائے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔

سامنے کرسی پہ مہدی نہیں تھا اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان تھا وہی ڈراما، وہی اثرات۔

''بہت غصہ آتا ہے جب آپ مرد ہو کر مسائل نہ سدھار سکیں۔ یہ چھ فٹ کا قد یہ چوڑا سینہ اور مضبوط جسم جسے تھپک کر لوگ کہتے ہیں مرد بنو اس پہ غصہ آتا ہے۔ آتا ہے ناں، مہدی؟''

مٹھیاں بھینچے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ قیس نے ایک گلاس اسے اٹھا کر دیا۔ ''اتارو غصہ۔'' مہدی نے گلاس پہ زور بڑھایا۔

''توڑو اسے۔ یوں جیسے تمہاری زندگی اسی کی وجہ سے برباد ہوئی ہو۔'' اس نے دباؤ مزید بڑھایا۔ پھر مزید اور پھر گلاس اسکے ہاتھ میں ٹوٹ کر اسکی ہتھیلی میں کھب گیا۔

تکلیف سی تکلیف تھی۔ قیس نے اسے جگ اٹھا کر دیا اور مہدی نے اٹھ کر پوری قوت سے اسے فرش پہ دے مارا پھر پلیٹ، ڈش، ڈونگے، گلاس، چمچ۔ کمبیر محل اگلے کئی منٹ تک شیشوں کی زمین سے ٹکرانے اور مہدی کے غرانے کی آوازیں سنتا رہا۔ وہ بے تحاشا غصے میں تھا۔ بے حسی، سرد تاثر کہیں دور جا سوئے تھے۔ برتن توڑ کر، کرسیاں پھینک کر وہ تھک گیا۔ تو میز پہ ہاتھ رکھے گردن جھکا کر گہرے سانس لینے لگا۔ سنہری، سیاہ ڈائننگ ہال اسے تکتا رہا۔ اسکی ہتھیلی سے بہتا خون فرش پہ گر رہا تھا۔

''غصہ نہیں اترا؟'' اس نے مہدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ مہدی نے اسے جھٹکا۔

''مجھے بھی ایسا غصہ آتا تھا، لیکن مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ برتن توڑ کر گھر کی چیزیں توڑ کر اس غصے کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ میں نے انسانوں پہ غصہ اتارا اور مجھے اتارنے دیا گیا۔ میرے بڑوں نے مجھے نہیں ٹوکا۔ انہیں ٹوکنا چاہیے تھا۔''

''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں اپنے ساتھ مت ملاؤ مجھے۔ میں اچھا تھا میں اچھا رہوں گا۔'' وہ درشتی سے غرایا۔

''تمھیں واقعی لگتا ہے تم مجھ جیسے نہیں ہو؟ مجھے بھی لگتا تھا میں اپنے بابا جیسا نہیں ہوں لیکن۔۔۔'' اس نے مہدی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکا چہرہ اپنے روبرو کیا۔ وہاں سفاکی سی تھی۔

''ہم سب ایک جیسے ہیں۔ the mean kambeers۔ تھوڑا وقت لو تمھیں خود سمجھ آ جائے گا دنیا سیاہ ہے۔ یہاں اپنا حق لینے کے لئے سیاہ بننا پڑتا ہے۔ لوگ مارنے پڑتے ہیں۔ جائیدادیں چھیننی پڑتی ہیں۔ تم میرے جیسے ہو میں تمہارے جیسا ایک خون، ایک سی سیاہ کاریاں۔''

مہدی کمبیر نے ایک بار پھر اسکا بازو جھٹکا۔

''میں۔ تمھارے۔۔ جیسا۔۔ نہیں۔۔ ہوں۔''توڑ توڑ کر ادا کئے الفاظ۔

قیس گہری سانس لیتے ہوئے پیچھے ہوا۔''کیا تم وہی نہیں ہو جس نے زرقون کا قتل کیا؟''

آسمان سے پتھروں کا تھال تھا جو اسکے سر پہ آکر لڑھکا تھا۔ مہدی ناسمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

''کیا وہ قتل، قتل نہیں تھا؟''

اس نے تیزی سے نفی میں گردن ہلائی۔''میں نے اسے نہیں مارا۔''

''تم نے اسکی آنکھ پہ جو زنجیر ماری تھی اسکا زخم اتنا گہرا تھا جس کا تمھیں اندازہ بھی نہیں۔''

''وہ سیلف ڈیفینس تھا میں۔۔۔''

''تم نے اسکے ہاتھ پہ گولی ماری، اسکی دونوں ٹانگیں زخمی کر دیں۔''

''مجھے لگا تھا وہ میرے پیچھے آئے گا۔''

''تم نے اسکے سارے جسم پہ زنجیروں سے وار کئے اگر وہ زندہ رہتا تب بھی کئی ماہ ہسپتال میں داخل رہتا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اسکی موقع پہ موت ہو گئی۔ تم نے ایک انسان کو مار دیا۔ اسکے بیٹے کی عمر کیا ہے جانتے ہو؟''

''میں غصے میں تھا میں۔۔''وہ لٹھے کی مانند سفید پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اسکا سارا جسم سرد پڑ رہا تھا۔ اسے کسی نے دھکا دے کر پاتال میں دھکیل دیا تھا اور وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

'' exactly mehdi that's the whole point''وہ اسے پچکارنے کے انداز میں بولا۔

''تم غصے میں تھے۔ تم ٹراماٹک تھے۔ تمھارے ساتھ برا ہوا تھا اس لئے تم نے بھی وہی کیا۔ تم اسے مارنا نہیں چاہتے تھے لیکن دور کہیں تم اپنا غصہ، انتقام ضرور نکالنا چاہتے تھے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ نہ تم برے ہو نہ میں اچھا ہوں۔ قاتل میں تھا تو اب تم بھی ہو۔''

وہ دھیرے دھیرے بے یقینی سے پیچھے ہو رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں کچھ تھا کہ جسے دیکھ کر دل ٹوٹے۔ زبان گنگ ہو۔

''میں نے۔۔ نہیں۔۔ مارا۔۔۔ جھوٹ۔۔ ہے۔'' اسکا جی چاہا تھا کہیں بھاگ جائے۔ وقت میں پیچھے جائے اور سب درست کر دے۔

''یہ تو صرف شروعات ہے۔ تم آگے آگے دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ سچ کہوں تو میں بہت خوش ہوں۔ بلآخر اب تم میری صورتحال سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے پرسکون سانس خارج کی۔

مہدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ سفید چہرہ، لرزتا ہوا جسم اور دل میں لمحہ بالمحہ گہرا ہوتا گلٹ اور خوف۔ وہ دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے نیچے بیٹھ گیا۔ بے یقینی ہر لمحے بڑھتی جا رہی تھی۔

''پہلا قتل ایسا ہی ہوتا ہے بے یقین۔'' قیس گھٹنے زمین پہ رکھے اسکے سامنے آ کر بیٹھا۔

''ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ اس لئے تم یہ مت کہنا کہ تم زینیا حاکم کے لئے ایک بہتر آپشن ہو۔'' مہدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ سب صرف اور صرف **"اسکی"** وجہ سے تھا؟ وہ مہدی کو مار نہیں سکا تھا اس لئے اسکی روح مار رہا تھا۔

''میں تمھارے جیسا نہیں ہوں۔'' اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''میں ابھی اور اسی وقت سب قبول کروں گا۔ تم جیسا نہیں ہوں میں۔ میں کوئی قاتل نہیں ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ قیس نے اسکے ساتھ اٹھتے تیزی سے اسکا بازو دبوچا۔

''میں سب قبول کر لوں گا۔'' وہ اپنا بازو چھڑواتے ہوئے باہر کی طرف جانے لگا۔ قیس نے اسکے ہاتھ پہ گرفت سخت کی۔

''میں تمھیں خود کو برباد کرنے نہیں دوں گا۔''

''لیکن تم نے مجھے مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔'' وہ اسکے سینے پہ دھکا مارتے ہوئے غرایا۔

''تم نے میری بیوی پہ الزام لگایا۔ تم نے اسے عدالتوں کے چکروں میں ذلیل کروایا۔ وہ میری بیوی ہے۔ میں ہر رات غیرت سے مرنے والا ہو جاتا ہوں جب مجھے یاد آتا ہے وہ لاپتہ ہے۔'' وہ مسلسل اسے دھکے مارتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ ''میں تمھیں اس سب کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا تم نے اسکے ساتھ غلط کیا تم نے بہت غلط کیا ہے۔''

قیس نے اسکے دونوں بازو سختی سے جکڑ کر اپنے بازو اسکے گرد پھیلائے۔ گرفت ہنوز بے حد سخت تھی۔ مہدی اسکے سینے پہ دھکے مار رہا تھا اسے خود سے دور ہٹا رہا تھا۔

''خود کو قبول کرو جس نے تمھیں ہرٹ کیا اسے ہرٹ کرو چاہے وہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اپنی اصلیت قبول کرو۔''

مہدی نے پوری قوت لگا کر خود کو اس سے آزاد کروایا۔ اب یہ بھائی دشمن تھا۔ اب اسکا گلے لگانا گلا دبانے جیسا تھا۔ سب کر سکتا تھا وہ مگر اسے گلے لگا کر منافقت نہیں۔

''تم یہ سب اس لئے کر رہے ہو تاکہ میں زینیا کو واپس لاؤں اور اتنا گلٹی رہوں کہ وہ مجھے چھوڑ کر تمھارے پاس آجائے۔''

''میں غلط تھا مجھے لگا تھا تمھارے سامنے آنے پہ وہ بھی سامنے آجائے گی لیکن۔۔۔'' اس نے مہدی کے ہاتھ جھٹکے۔ ''میں اسے پاتال سے بھی نکال کر لاؤں گا خود۔ اسکے لئے مجھے تمھاری ضرورت نہیں رہی۔ تمھیں واپس لایا کیونکہ۔۔'' وہ ایک لمحے کو چپ ہوا۔ مہدی کاٹ دار نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ تم میرے بھائی ہو۔ اگر تم نے کچھ بھی confess کرنے کی کوشش کی تو میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔'' پھنکار کر کہتے ہوئے اس پہ ایک متاسف نظر ڈالتا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

مہدی کمبیر گھٹنوں کے بل اس گھاس پہ بیٹھے ہوئے سر ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا۔ اسے اپنے ہاتھ سرخ نظر آرہے تھے۔ خون سے سرخ۔ وہ زندگی کے اس باب کو اس زندگی میں نہیں بھول سکتا تھا۔

وہ کئی دن اس ایک سوچ میں مبتلا رہی کیا اسے واپس جانا چاہیے، منظر عام پہ آجانا چاہیے، مہدی سے کسی قسم کا کوئی رابطہ کرنا چاہیے؟ دل کو ڈپٹنے کے بعد جو دماغ نے جواب دیا تھا وہ صاف اور کھرا ''**ناں**'' تھا۔

وجہ نیا کی باتیں نہیں تھیں۔وجہ وہ خود تھی۔مہدی کمبیر کے پاس اپنی واپسی اب اسے ''**آکورڈ**'' لگ رہی تھی۔اس روز فیکٹری میں اسے بولتے ہوئے سن کر جو رد عمل اس نے دیا تھا وہ اب بچکانہ لگتا تھا۔

محبتیں بعض دفع کرسڈ ہو جاتی ہیں۔آپ انکے پیچھے بھاگیں گے تو آپ سے دور جائیں گی۔ان میں سکون تلاش کریں گے تو بے سکونی بڑھ جائے گی۔اور انہیں قریب رکھیں گے تو دور محسوس ہوں گی۔کیونکہ محبتیں بعض دفع آپ کی خواہش کے مطابق نہیں چلتیں۔سمندر کے شہر سے آئی وہ لڑکی بھی محبت کو آزاد کر چکی تھی۔

نیما کے تیرہ سالہ بھتیجے کے ساتھ آج وہ گھر کا ضروری سامان لینے باہر نکلی تھی۔آبان کافی چالاک واقع ہوا تھا۔فر فر انگریزی بولتا اور زینیا کو ہر چھوٹی بڑی دکان، عمارت کے متعلق معلومات فراہم کرتا۔

ایک مصروف سی شاہراہ پہ وہ چلتے چلتے رک گئی۔یہ ڈھاکہ کا ڈاؤن ٹاؤن تھا۔یہاں اسکا کوئی کام نہیں تھا لیکن تعاشی اسے آج بھی اٹریکٹ کرتی تھی۔مہنگے مالز، بڑی بڑی گاڑیاں، عالیشان ہوٹلز وہ ان سب کے بغیر رہ سکتی تھی۔انکو دیکھے بغیر نہیں۔

''ٹیچر اب چلیں؟ پھر بس نہیں ملے گی۔'' بھٹہ کھاتے ہوئے آبان نے اسے مخاطب کیا۔زینیا ہنوز اس چھوٹے سے شیشے کے دروازے والے سٹوڈیو کو دیکھ رہی تھی۔جہاں صاف صاف لفظوں میں۔۔۔ ''**طاہر فوٹو گرافی**'' لکھا تھا۔باہر ایک بورڈ رکھا تھا جس پہ ''**فوٹو گرافر کی ضرورت ہے۔**'' لکھا تھا۔

''ٹیچر چلیں؟'' بچہ اب بور ہو رہا تھا۔

''یہاں فوٹو گرافر کی ضرورت ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

''تو، فوٹو گرافر کی ضرورت ہے ٹیچر کی نہیں۔'' اپنے تئیں اس نے مذاق کیا تھا۔''اور آپ کیا کرو گی، آپ کو آتی ہے تصویر لینا؟''

زینیا حاکم کی انا پہ کوئی چوٹ لگی تھی۔اسکا سب سے بڑا ٹیلنٹ ایک سوالیہ نشان بن گیا تھا۔اونہوں کسی قیس کمبیر کو اس نے یہ اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اسے زندہ لاش بنائے۔بھاڑ میں گیا وہ اور اسکے دیے روگ۔

''ٹرائل دینے چلیں؟'' وہ مسکرائی۔آبان بھٹہ بھول کر اسے دیکھنے لگا۔

''ٹیچر یہاں اے بی سی تھوڑی پڑھانا ہوتی ہے۔ فوٹو گرافی بہت مشکل کام ہے۔ بڑے مسئلے ہوتے ہیں۔''

''مسائل سے پہلے میرے پاس حل آتے ہیں۔'' ایک عرصہ بعد اس نے کہا تھا۔اور پھر وہ شیشے کے دروازے والے اس سٹوڈیو کا دروازہ پار کرتی اندر داخل ہوگئی۔ آبان پیچھے کھڑا ہیں ہیں کرتا رہ گیا۔اور پھر بھٹہ چھوڑ وہ اندر کی طرف بھاگا۔اندر سٹوڈیو میں ایک تنگ سی راہ داری تھی۔

جس کے دونوں اطراف دیواروں پہ مختلف زاویوں اور مناظر میں کھینچی گئی تصاویر آویزاں تھیں۔آبان ایک ایک تصویر کو دیکھتے، منہ پورے کا پورا کھولتے ہوئے چل رہا تھا۔زینیا ان سب سے بے نیاز تھی۔

راہداری کے اختتام پہ ایک چھوٹا سا آفس بنا تھا۔جہاں دیوار کے ساتھ رکھی بنچ پہ دو لڑکے اور تین لڑکیاں بیٹھی تھیں۔سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ جس کا میک اپ ہو رہا تھا۔اسپاٹ بوائے اس پہ لائٹ فکس کر رہا تھا۔زینیا چند لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر آبان کے کان کے پاس جھکی۔

''یہ لوگ جو بھی بات کریں تم نے مجھے سمجھانی ہے۔'' اسے اب بھی پوری بنگالی سمجھ نہیں آتی تھی۔اور یہاں لوگوں کے سامنے خفت کا نشانہ نہیں بن سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی تیار ہو چکی تو سارے فوٹو گرافر اسکے ارد گرد پھیل گئے۔وہ مختلف پوز کرتی اور اسکی تصاویر دھڑا دھڑ کھینچی جاتیں۔

''بی بی آپ کس خوشی میں یہاں کھڑی ہیں؟'' شستہ بنگالی میں کہا گیا۔زینیا نے پلٹ کر دیکھا تو اسکے سامنے کوئی مرد کھڑا تھا۔خوش شکل، خوش لباس اور ٹھاٹھ ایک باس والے۔

''ٹرائل دینا ہے تو اس طرح جم کر کیوں کھڑی ہو؟''

زینیا کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی ہو۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ حلق میں اٹک گئے۔وہ جواب کیوں نہیں دے پائی؟ یکدم یہ خوف کیسا آگیا؟

''ہم کیمرہ گھر پہ بھول آئے ہیں۔'' بھٹے کو اپنی پشت پہ لے جاتے ہوئے اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔وہ چھوٹا سا لڑکا اعتماد کے ساتھ بول سکتا تھا کیونکہ کسی نے اس سے یہ چھینا نہیں تھا۔

''کیا ہمیں آپ کی طرف سے کیمرہ مل سکتا ہے؟''

آدمی نے غور سے انہیں دیکھا۔ پھر سر کو اثبات میں جنبش دی۔ ''کیمرہ اور اسٹینڈ لاؤ، مجیب۔'' آواز لگا کر کہا۔ زینیا کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس ماڈل کی تصاویر اتار رہی تھی۔ آبان اب اپنا بھٹہ کھا چکا تھا لیکن اسے اپنا منہ چلتا ہوا ہی پسند تھا سو وہ زینیا کی طرف چلا آیا۔

''ناک نہ کٹوا دینا ٹیچر۔ یہ جو لڑکا ہے ناں۔'' اس نے دائیں ہاتھ سے کونے میں کھڑے ایک فوٹو گرافر کی طرف اشارہ کیا۔ ''میری دوست کا بھائی ہے۔ اس سے اچھی تصاویر لینی پڑیں گی آپ کو۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''اور اگر اس سے اچھی تصاویر لے لیں تو؟''

''تو؟۔۔'' وہ سوچ میں پڑا۔ پھر یکدم جیسے کچھ یاد آیا۔ ''میں آپ کو بھٹہ اور چائے کی ٹریٹ دوں گا۔''

اسکی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ نگاہوں میں کچھ در آیا۔ بے اختیار، بلا وجہ، بغیر وقت اور جگہ کا خیال کیے وہ یاد آیا۔ کوئی اسے آداب سکھائے۔

سٹوڈیو کی رنگین چھت غائب ہو گئی اور لوگ گونگے ہو گئے آس پاس درخت اور سٹریٹ پولز آئے۔ اور سرمئی سڑک پہ دو لوگ۔

''اب اور کتنے پیپر رہتے ہیں تمہارے؟'' کوٹ اپنے بازو پہ ڈالے پی کیپ چہرے کے آگے کیے وہ اسکے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ فضاؤں میں ہلکی سی خنکی برقرار تھی۔

''تین۔''

''پھر کچھ ماہ بعد رزلٹ آجائے گا اور تم آفیسر، زینیا حاکم۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ زینیا کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''اسکے بعد کیا کرو گی۔ اسسٹنٹ کمشنر یا اے ایس پی زینیا حاکم؟ یا پھر فارن سروسز؟'' وہ اسے ان سنہری خوابوں کے بے حد قریب لے جا رہا تھا جو کسی وقت میں وہ گھر کے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر اکیلے دیکھتی تھی۔ خواب آج بھی وہی تھے بس شراکت دار آ گیا تھا۔ من پسند شراکت دار۔

''یہ میں نہیں منتخب کروں گی۔ میرا عہدہ اور میری فیلڈ میرے نمبرز منتخب کریں گے۔''

''تم تو ٹاپ کرو گی مجھے یقین ہے۔'' کسی درخت کے درمیان سے ڈھیر ساری روشنی انکے چہروں پہ پڑی۔

''یقین ردی ہوتے دیر نہیں لگتی۔''

''اوہ پلیز اپنی یہ ڈارک تھیوریز ایک طرف رکھو۔'' اس نے ہاتھ سے مکئی کے کچھ دانے اسکی طرف بڑھائے۔ زینیا نے لے لئے۔

''تم بہت آگے جاؤ گی۔ مجھے پورا یقین ہے۔''

''ٹھیک ہے اگر میں پاس ہو گئی انٹرویو اچھا ہوا نمبرز بھی اچھے آئے تو میں اسسٹنٹ کمشنر بننا چاہوں گی۔'' اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ کامیابی واحد شے ہے جو انسان کو خوش بھی کرتی ہے اور خوف زدہ بھی۔ ''میں نے بہت محنت کی ہے۔ ساری کشتیاں جلائی ہیں۔ میں واپس نہیں جا سکوں گی۔ مجھے سوچ سوچ کر ہی کچھ ہو رہا ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر مس زینیا حاکم۔''

''اسسٹنٹ کمشنر، مسز زینیا کمبیر۔'' وہ گردن جھکائے بے اختیار دھیرے سے بڑبڑایا۔ یونہی، بلا وجہ۔

پھر وہ چلتے ہوئے اسکے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ بھٹا زینیا کی طرف بڑھایا۔ وہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔ مہدی بلکل سیدھا کھڑا ہوا۔ پھر بوٹ زمین پہ مارا اور ہاتھ ماتھے تک لے کر گیا۔ اور اسے سیلوٹ پیش کیا۔ زینیا ہنس پڑی۔

''گارڈ آف آنر قبول کریں، سرکار۔''

وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کھلکھلاتی رہی۔ مہدی سیدھا ہوتے ہوئے دوبارہ اسکے قریب آیا۔

''جب تم انٹرویو پاس کر لو گی پھر جب ڈیوٹی جوائن کرو گی ناں تب میں تمہاری کامیابی کی پہلی سپیچ پہ ہال میں کھڑے ہو تالیاں بجاؤں گا۔''

"آپ کی اکیڈمی نے مجھ پہ کافی انویسٹ کیا ہے بدلے میں کیا چاہیے؟"

چلتے چلتے اس نے گردن موڑی۔ تاریک سڑک پہ ان دونوں کی نگاہیں ملیں پھر اس نے بے حد دھیرے سے کہا۔

"رخصتی۔"

زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر وہ دونوں دوبارہ ہنس پڑے۔ اور پھر ہنستے چلے گئے۔ خالی گلی میں ان دونوں کے قہقہوں نے زندگی بھر دی تھی۔ محبوب شخص کا ساتھ اس رات ان دونوں کے دلوں کو ہر خوف سے خالی کر گیا تھا۔

"اچھا جب تم کامیاب ہو جاؤ ناں تب مجھے چائے پلانا اور بُھٹہ کھلا دینا۔"

کافی دیر بعد اسے ہاسٹل کے دروازے پہ چھوڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کروڑوں روپوں کی جائیداد کا مالک، مہنگی گاڑیوں میں گھومنے والا اور لاکھوں روپے بیٹھے بیٹھے خرچ کر دینے والا اسکے ساتھ چائے اور بھٹہ کھانے پہ راضی تھا۔ ان دونوں کا ساتھ بے حد سادہ تھا۔ مہدی اسے پسند تھا اس لئے نہیں کہ وہ اسکے ساتھ اچھا تھا اس لئے کہ وہ واقعی اچھا تھا۔

حال میں اس سٹوڈیو میں کھڑے اس نے ٹھنڈی گہری سانس بھری۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ ایک عرصے بعد آرٹسٹ کو دوبارہ اپنا کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تمام لوگ اپنے اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور اب ڈیسک پہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی لڑکی کو اپنی سی وی، کاغذات اور ای میل ایڈریس جمع کروا رہے تھے۔

"اب چلیں ٹیچر، ای میل دے دیتے ہیں پھر کل تک تصاویر بھی بھیج دیں گے۔"

زینیا کے اوپر گڑھوں پانی پڑ گیا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں باقی لوگ کھڑے تھے۔ نہ اسکے پاس جمع کروانے کو کاغذات تھے، نہ کوئی سی وی، اور نہ اسکے پاس ان تصاویر کو ایڈٹ کرنے کے لئے کوئی گیجٹ۔ قسمت اسے اپنے آس پاس قہقہے لگاتی دکھی۔ اس نے کیمرہ واپس رکھا اور جن قدموں کے ساتھ آئی تھی انکے ساتھ تیزی سے نکلتی چلی گئی۔

آبان ایک بار پھر اسے سمجھنے سے قاصر رہا مگر وہ اسکے پیچھے گیا کسی نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ایک آدمی کے جو اس سٹوڈیو کا مالک تھا اسے یہ چہرہ شناسا لگا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھہر گیا تھا شاید پہچان بھی گیا تھا۔

لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے اسکے چہرے کے زاویے پر سوچ تھے۔وہ سفید رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔بال حسب معمول بکھرے ہوئے تھے۔ہلکی داڑھی کہیں کسی کھڑکی سے پڑنے والی روشنی پہ چمک رہی تھی۔آج قیسم سے اسکی چھٹی تھی اس لئے وہ کمرے میں چلا آیا تھااور واک ان کلازٹ سے گزرتا دوسری طرف اپنی بندوقوں کی کلیکشن کی طرف آیا۔دروازہ بجاتو اس نے کسی کو اندر آنے کی اجازت دی۔وہ دراز کھول کر سنہری، سلور، سیاہ ہر چمکتی بندوق کو دیکھ رہا تھا۔

''کوئی حاکم نواب صاحب آئے ہیں۔''

وہ جو اپنی گنز کلیکشن کی صفائی میں مشغول تھا چونک کر مڑا۔ماتھے پہ استعجاب کی لکیریں ابھریں۔اور ہاتھ میں پکڑی پستول پہ اسکی انگلیوں کی گرفت سخت ہوئی۔

''بٹھاؤ میں آرہا ہوں۔''اس نے گن واپس رکھی۔پھر نہ جانے کس احساس کے تحت اس نے ایک پستول واپس اٹھالی۔کچھ تھا جو الہام کی طرح اس کے دل پہ اترا تھا۔موجودہ لمحے لاؤنج کا بھاری دروازہ دھکیل کر جب وہ اندر داخل ہوا تو حاکم نواب سنگل سیٹر پہ بیٹھے تھے۔بتیاں قدرے مدھم تھیں۔حالانکہ کسی مہمان کی آمد پہ روشنیاں بڑھادی جاتی تھیں۔ملازین اسکے ضبط کا امتحان لے رہے تھے خیر۔۔وہ اچھا آدمی تھا پیار سے سمجھائے گا۔

''آج داماد سے ملنے کا خیال کیسے آگیا تمھیں؟''ہر عزت بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ انکے سامنے آکر بیٹھا۔گردن اٹھی ہوئی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔اسکا وجود باہر سے آنے والی روشنیوں میں تھا۔

''داماد سے کچھ دن پہلے ہی مل چکا میں،اب بیٹی کے جیٹھ،اور بہن کے بیٹے سے ماموں بن کر ملنے اور کچھ بتانے آیا ہوں۔''انہوں نے بھی وہیں چوٹ کی جہاں درد ہو قیس نے بھرم رکھا،غصہ آیا تو تاثرات سے جتایا نہیں۔

''بہن کی اولاد سے اتنی محبت؟اوہ یہ دیکھیں میری آنکھوں میں آنسو آگئے،اتنی محبت۔''

''تم سے کبھی محبت نہیں ہوئی مجھے۔''انکے چہرے پہ کوئی الجھن سی تھی۔

''جب جب میں حاتم کو تم سے محبت کرتے ہوئے دیکھتا تھا تو سوچتا تھا ایسا کیا ہے جو مجھے تم سے دور کرتا ہے۔ میں بتاؤں وہ کیا تھا؟'' وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہے تھے۔ عبداللہ زمان کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ ''تم سے منفی شعائیں آتی تھیں، تم ہمیشہ سے وہ تھے جو تم چھپاتے تھے۔''

''میں ایک اچھا آدمی تھا۔'' وہ تیز اور زخمی انداز میں بولا۔

''صرف تمھارے خیال میں۔ تمہاری ایک دنیا ہے جہاں تم مظلوم ہو۔ لوگ تمھارے مجرم ہیں۔ تمھارے احسان مند۔ اصل میں تم مختلف ہو۔ شر تمہارا حصہ ہے اور انتقام تمہاری فطرت۔ مجھے میری بیٹی کے لئے تم سے خوف آتا تھا۔ لیکن جب میں اسکی پسند سے ملا ہوں تب مجھے پتہ چلا وہ صحیح تھی اور میں غلط۔ بلکہ ہر وہ انسان غلط جس نے تمھیں اچھا سمجھا۔''

''اچھی کوشش تھی مگر میں شرمندہ نہیں ہوا۔''

''تم میری بیٹی کے لائق نہیں تھے۔'' وہ جیسے اسکو سن ہی نہیں رہے تھے۔

''تم نے اسے ساری دنیا کے سامنے ذلیل کیا۔''

قیس کے چہرے پہ ایک بار پھر تناؤ تھا۔ بھنویں بھینچی ہوئی۔

''تمہاری بیٹی اور میرے معاملات میں تم مت آؤ۔ میں نے اسے کیسے اور کہاں کہاں محفوظ کیا ہے یہ ہم دونوں کے درمیان ہے۔''

''بلکل ہو گا لیکن کچھ ہے جو میرے دل میں بھی ہے۔ کئی برسوں سے۔'' وہ صوفے پہ آگے کو ہوئے۔ ہاتھ باہم جوڑے کسی ایسی گفتگو کو شروع کرنے والے تھے جو قیس کو توڑنے والی تھی۔

''جانتے ہو جنگوں کی وجوہات کیا ہوتی ہیں؟''

''زن، زر، زمین، طاقت، جلن۔'' اس نے گنوایا۔

''جو ہم دونوں کے خاندانوں کے درمیان چھڑی اس جنگ کی وجہ کیا تھی؟''

''طاقت، حسد، زمین۔'' سفید لباس والے مرد نے فوراً سے بیشتر کہا۔ ''عورت نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ کسی ٹوٹی منگنی کا نہیں تھا۔''

حاکم نواب کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

''کیونکہ یہ قصہ کسی نہ ہو سکی منگنی کا تھا۔'' یکدم لاؤنج کے پردوں میں پر تجسس سا ارتعاش ہوا۔ آرائشی اشیاء کن سوئیاں لینے کو تیار ہوئیں۔

''میں نے ایک عرصہ اپنی زبان بند رکھی کیونکہ یہ مسئلہ میری غیرت کا بھی تھا۔''

''تم اگر کسی بھی طرح مجھے جذباتی دباؤ میں لینے آئے ہو تو تم غلط جگہ کوشش کر رہے ہو۔'' وہ جانتا تھا یہ کوشش غلط نہیں اسے ابہام ہوا تھا۔ لیکن وہ ہرٹ ہونے سے بچنا چاہ رہا تھا۔ وہ ایک ایسا حفاظتی بند باندھ رہا ٹوٹنا جس کا مقدر تھا۔

''وہ میری سب سے چھوٹی بہن تھی۔'' اس سے بے نیاز، اسکی طرف دیکھے بغیر وہ کہہ رہے تھے۔

''زمان نے میری بہن سے پسند کی شادی کی تھی۔ سرور کا رشتہ طاقت بڑھانے کے لئے ہوا۔ بظاہر سب مکمل تھا۔ لیکن کچھ تھا جو کبھی جڑ نہیں سکا تھا۔ ہمارے خاندانوں کے درمیان جنگ کی تیسری وجہ **''زن''** تھی۔''

اسکے چہرے پہ ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ اسے لگا اس گفتگو کے مکمل ہونے سے پہلے اسے یہاں سے کہیں بھاگ جانا چاہیے۔ لیکن اسکے قدم زمین سے جڑ چکے تھے۔ اسکی گردن پسینے میں بھیگ رہی تھی۔

''بختیار کمبیر اور میری چھوٹی بہن کے درمیان محبت تھی۔'' جھومر نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھا، پردے ساکن ہوئے، دیواروں نے انگلیاں دانتوں میں داب لیں۔ اور قیس کمبیر جہاں کا تہاں رہ گیا۔

''زمان کی شادی کے وقت وہ میری بہن سے ملا تھا۔ ان دونوں کے درمیان تعلق بنا، خط و کتابت ہوئی۔ پھر شادی کے وعدے ہوئے۔ جن دنوں بختیار نے اپنے گھر میں اس رشتے کی بات کی اسی دن سرور اپنی ایک بیٹی اور بیٹے کے ساتھ گاؤں واپس آیا تھا۔''

قیس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ کاش کاش وہ مہدی کمبیر ہوتا جو اس گفتگو کے اختتام تک کسی نتیجے، کسی پلاٹ ٹوئسٹ کا انتظار کرتا، کاش وہ اتنا عقلمند نہ ہوتا کاش۔

''مسائل ہوئے۔ جھگڑے ہوئے فساد ہوئے۔ ہمارا خاندان تمھارے خاندان سے جتنا ہی اونچا تھا لیکن ہم حق پہ تھے لوگ ہماری طرف تھے۔ رواج کے مطابق تمہارے خاندان نے بغاوت کی تھی لیکن زمان گھاک آدمی تھا۔ بہت صفائی سے اپنے بھائی کو اس سارے مسئلے سے نکال کر لے گیا۔ اسے سرور بہت عزیز تھا۔'' ایسے جیسے قیس کمبیر کو مہدی عزیز تھا؟ وہ بس سوچ سکا۔ بولنے والی زبان گنگ تھی۔

''زمان نے خاندان بچایا اور بختیار کی محبت نہیں بچا سکا۔ اسے سب معلوم تھا لیکن اسکے لئے جانیں بچانا زیادہ بڑا کام تھا۔ بختیار یہ بات برداشت کر گیا۔ لیکن بھولا نہیں۔ اسکی شادی کروائی گئی۔ خاندانی خوبصورت بیوی، اور پھر اسکے یہاں ایک بیٹی بھی ہو گئی لیکن وہ بھولا کچھ نہیں تھا۔ میری بہن سرور کی منگیتر کی طرح خودکشی کرنے کی بجائے اپنے لئے بہتر سوچتی رہی۔ اسے ایک بزدل مرد کا ساتھ نہیں چاہیے تھا اسکا رشتہ آیا تو بغیر چوں چراں اس نے شادی کر لی اور اسکا شوہر اسے دبئی لے گیا۔ بختیار اور ماہ پارہ) حاکم کی بہن) کی دوسری ملاقات دبئی میں ہوئی تھی۔'' حاکم ایک لمحے کو رکے ملازم ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر آ رہا تھا۔ قیس نے اپنے چہرے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔ اور مضطرب نگاہوں سے ملازمین کو دیکھا جو نفاست سے میز سجا رہے تھے۔

''تم لوگ جاؤ یہاں سے، دفع ہو۔'' اس نے درشتی سے کہا۔ کئی دن بعد وہ ایک بار پھر ان پہ برسا تھا۔ ملازم باہر نکل گئے۔ قیس کی تیز نگاہیں ایک بار پھر حاکم کے وجود پہ گڑھ گئیں۔

''اسکے بعد کیا ہوا تھا؟'' بند ٹوٹ گیا تھا۔ وہ ہرٹ ہو چکا تھا۔

وہ پیچھے کو ہو کر بیٹھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ اور تنفر سے اس آدمی کو دیکھا جس نے انکی بیٹی کی زندگی برباد کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے انکی بیٹی بن باس کاٹ رہی تھی۔ عبداللہ زمان اگر انتقامی تھا تو حاکم نواب سے اسکا اصل تعارف نہیں ہوا تھا۔

اپنی اولاد کو جو تکلیف انہوں نے خود پہنچائی تھی وہ ایک طرف جو کسی اور نے پہنچائی اسکا حساب تو ہو گا۔

''بختیار کبھی ماہ پارہ سے آگے بڑھ ہی نہیں سکا تھا لیکن وہ بول نہیں پاتا تھا۔ اس روز ماہ پارہ کو ایک خوش حال زندگی گزارتے ہوئے دیکھ وہ سہہ نہیں سکا اور جب وہ واپس آیا تب بدل چکا تھا۔ اسے اپنے ہی بھائیوں سے نفرت ہونے لگی تھی۔ اسے ادھوری محبت کا غم تھا۔

اور اس روز تمہاری چچی مہدی سرور کی ماں نے روایت توڑنے سے قبل روایات کے امین کو کال ملائی تھی۔ زمان کمبیر کو ملائی جانے والی وہ کال بختیار نے اٹھائی تھی اور اس نے باخوشی اسے گاؤں آنے کے لئے کہہ دیا۔"

قیس کمبیر نے اپنے قمیص کے دو اوپری بٹن کھولے۔ اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ وہ آدمی جسے اپنا سمجھا وہ تو ہمیشہ غیر تھا۔

"سوچو، عبداللہ زمان سوچو وہ عورت سارا گاؤں چھوڑ ہماری حویلی کے سامنے آکر کیوں رکی؟ اور ہم سب تیار کیوں تھے؟"

وہ بے سانس ہو گیا۔ کسی نے عبداللہ زمان کی ساری زندگی کو جھوٹ لکھ دیا تھا۔ کسی نے اسکے برہنہ سینے پہ خنجر دے مارے تھے۔ کوئی ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ اپنے ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟

"وہ اپنے بھائیوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اور ہماری نظروں میں اچھا بننا چاہتا تھا تاکہ ہم کسی طرح متاثر ہو جائیں۔"

"میں کیسے مان لوں تم سچ کہہ رہے ہو؟ اور اگر ایسا کچھ ہوا بھی تھا تو یہ سب معلومات تمہارے پاس کیسے آئیں؟" اسکے گلے میں کچھ اٹکا تھا۔ کوئی بے اعتباری سی۔

حاکم چند پل کے لئے خاموش ہوئے۔ کسی دھند لکے میں لپٹے ملال نے انکے دل کے دروازے اکھاڑ پھینکے۔

"ہم دوست تھے، عبداللہ۔" انہوں نے قیس سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا۔ جسے وہ جھٹک گئے۔ وہ جنگ دوستی بھی کھا گئی تھی اور کسی کو علم بھی نہ ہو سکا۔ "بختیار اور میں دوست تھے۔ اس نے سرور کی بیوی کے آنے کی خبر مجھے دی تھی۔" کئی برس قبل وہ اس پہیلی کو حل کر چکے تھے لیکن کسی سے کہہ نہیں سکے۔ اپنی بہن کے متعلق یہ تمام باتیں انہیں اپنی بہن کی وفات کے بعد معلوم ہوئی تھیں۔ ایک جھٹکے میں بختیار کی نظر التفات، دوستی اور۔۔ اس مخبری کی خبر انہیں ہو گئی تھی۔ دوست نے انہیں استعمال کیا تھا آج وہ بھی وہی کر رہے تھے۔ اولاد سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

"میں نے ایک لمبا عرصہ اس بوجھ کو اٹھایا ہے اب تمہاری باری۔" وہ اٹھے۔ میز پہ رکھی کھانے پینے کی اشیاء زہر بن چکی تھیں۔ قیس کمبیر ہنوز ساکت تھا۔

"تم نے میری بیٹی کی زندگی برباد کی اب تم اپنی زندگی برباد ہوتے ہوئے دیکھو گے۔ یہ سیشنز، تھیراپی، اچھا بننے کا یہ ڈھونگ یہ سب تمھیں وقتی سکون دیتا ہے ناں؟ اب نہیں دے گا۔ میں جانتا ہوں زمان کمبیر کا بیٹا اب کیا ردعمل دے گا۔ تم سیاہ تھے، ہو اور رہو گے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ بغیر یہ دیکھے کہ اپنے پیچھے وہ کسی کو بری طرح روند کر جا رہے تھے۔ وہ جس نے اپنی ذات کے ٹکڑے سمیٹے تھے، ایک بار پھر سب اتھل پتھل ہو گیا۔ کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا جو سہتے ہیں انکا کچھ رہتا نہیں۔

کمبیر محل سے باہر نکلتے ہوئے حاکم نواب کے کندھے ہلکے تھے۔ دل آزاد، چہرہ سپاٹ۔ وہ ولن یا ہیرو نہیں تھے بس ایک باپ تھے جو پچھتاؤں میں گھر چکا تھا۔ وہ ایک باپ تھے جس نے وہاں مارا تھا جہاں پانی بھی نہ ملتا۔ اب عبداللہ زمان بیٹھ کر بخت کو کوسے۔

"کچھ گھنٹے قبل کا ذکر ہے۔"

مہدی کمبیر کی گاڑی سرور ہاؤس کے باہر کھڑی تھی۔ گھر کے اندر جھانکو تو میرہ کچن میں کھڑی فرج سے دودھ نکال رہی تھی۔ نچلے پورشن کے ایک کمرے میں انیسہ کمبیر پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اسکی جسامت اب ماڈلز جیسی نہیں رہی تھی۔ جسم بے ڈول تھا، بال کھردرے اور چہرہ کھنڈر۔ سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ خاکی پینٹ والا مہدی کمبیر اسکے سامنے بیٹھا تھا۔

"تم نے شادی کرلی تھی رائٹ، پھر کیا ہوا؟"

وہ خاموش رہی۔ بے حد چپ۔ کھلی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر کے ساتھ اس نے بال گول مول باندھ رکھے تھے۔

"انیسہ۔۔۔۔۔۔۔" مہدی نے نرمی سے پکارا مگر انداز اب پہلے والے مہدی جیسا نہیں تھا۔ "مجھے میرے مسائل بھی درست کرنے ہیں۔ اگر تم مجھے کچھ بتاؤ گی نہیں تو میں تمہاری کوئی مدد کیسے کروں گا؟"

''تم مدد کرنا چاہتے ہو؟'' یکلخت وہ سیدھی ہوئی۔ عجیب سی سرخ ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''قیس کمبیر نے میرے بچے کو مار دیا۔ تم اسے مار سکتے ہو، بولو مار سکتے ہو؟''

''نہ قیس تمھارے بچے کو مار سکتا ہے، نہ تمہاری زندگی برباد کر سکتا ہے۔ اور نہ میں اسے مار سکتا ہوں۔ میں مہدی ہوں رہبر جو راستہ تمھیں نظر نہیں آرہا ہے میں اسے تمھارے لئے واضح کر سکتا ہوں۔ مجھے صرف اتنا آتا ہے۔''

انیسہ نے تنفر سے چہرہ پھر لیا۔ ہتھیلیاں بند کرلیں۔ ناخن اندر تک چبھ رہے تھے۔ مہدی اسے دیکھتا رہا۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ اس نے کیا کیا ہے۔ میں اس راستے کو دیکھنا چاہتا ہوں جس پہ تم کھڑی ہو۔'' وہ بے بسی سے رو پڑی۔ سارا طنطنہ ٹوٹ کر رہ گیا۔ ''میں کر سکتا ہوں، میرے علاوہ کوئی نہیں کرے گا۔ وہ مہدی نہیں ہوں جسے جھٹک دو گی تو بار بار آئے گا۔ لیکن اب بھی وہی ہوں کہو گی تو رک جاؤں گا۔''

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بس روتی رہی اور روتی رہی۔ سینے میں جو درد اٹھا تھا الامان۔ کسی نے اسکے سارے وجود میں سوئیاں چبھو دی تھیں۔ وہ اگلے کئی منٹ روتی رہی۔ اور مہدی چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ بس ذرا سا دکھ ہوا تھا پہلے کی طرح اسکا یہ دل نہیں چاہا تھا کہ ساری دنیا یہاں سے وہاں کر دے اور سب ٹھیک کر دے۔ وہ بدل گیا تھا۔

''یعنی تم مجھے نہیں بتاؤ گی؟''

''مجھ سے پوچھو، میں بتاتا ہوں۔'' وہ کب چوکھٹ پہ آکر کھڑا ہوا، کتنی دیر گزری ان دونوں کو علم نہیں ہو سکا تھا۔

''انیسہ کمبیر کے ساتھ وہ ہوا جو وہ ڈیزرو کرتی تھی۔'' وہ قدم قدم چلتا ہوا آگے آیا۔ انیسہ نے ضبط سے بیڈ شیٹ مٹھی میں جکڑ لی۔

''تم دونوں بلکہ تم سب خاندانی اقدار بھول گئے ہو مجھے تو یاد ہیں۔ ہم خاندان کے باہر شادی نہیں کرتے یہ تو خیر کوئی شادی تھی ہی نہیں، لڑکا عیسائی تھا۔'' آخری بات اس نے ہلکی آواز میں کہی یوں جیسے کسی کے سن لینے سے اسے شرمندگی ہوتی۔

''یہاں سے دفع ہو جاؤ تم ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہماری شادی جائز تھی۔'' انیسہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پھنکاری۔

''تمہارا بڑا بھائی ہوں میں اس طرح بات کرو گی مجھ سے ؟''

''نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔''

قیس نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسکے قریب آیا پھر بیڈ پہ اسکے پاس بیٹھا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ بٹھا گیا۔

''جس سے تمھیں نفرت کرنی چاہیے، وہ آدمی تمہارا سابقہ شوہر ہے۔ اس میں تمھارے ساتھ کھڑے ہونے کی صلاحیت ہونی چاہیے تھی۔ کوئی اگر مجھ سے کہے زینیا کو چھوڑ دو تو کیا میں چھوڑ دوں گا؟'' انیسہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے انتہائی محبت سے پوچھا۔

''خیر میں نے تو اسے اسکے کہنے پہ بھی نہیں چھوڑا۔'' ایسے کہا جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ ہو۔

''میری بیوی کا نام اپنے ساتھ لینا بند کرو اور اسے اکیلا چھوڑ دو، قیس۔ مجھ سے بات کرو۔'' مہدی سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے بیڈ کی طرف آیا اور انیسہ کا ہاتھ چھڑوایا۔ قیس نے سادگی سے اسے دیکھا پھر کندھے اچکاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا، مردوں کی بات ہے مردوں میں رہنی چاہیے۔'' وہ مہدی کے کندھے پہ اپنا بازو پھیلائے دروازے کی جانب چلنا لگا۔

''یار ویسے یہ گھر بھی اچھا ہے، یہ کسی سزا ہے جس میں اتنی ساری luxuries ہیں؟'' اس نے اپنے ساتھ چلتے مہدی کو دیکھا پھر فوراً سے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب شک کرنا چھوڑ دو، اب کوئی غلط کام نہیں کروں گا میں۔''

مہدی نے کوفت سے اسکا بازو اپنے کندھے سے ہٹایا۔

''تم نے اسکے ساتھ کیا کیا ہے ؟'' وہ دونوں راہداری میں رک گئے۔ مہدی کی نگاہوں میں سرد مہری برقرار رہی۔

''اس دو ٹکے کے آدمی کا باپ ایک اسکول میں ٹیچر تھا۔ میں نے نکلوا دیا۔ بھائی افسر تھا اس پہ رشوت کے چار جز لگوائے، اور بہن کے سسرالیوں سے بس اسے اپنے بچوں سمیت نکلوا دیا۔ دو ماہ اکڑ برقرار رہی، پھر انہوں نے طلاق کے کاغذات بنوائے، لڑکے نے انیسہ کو ''چھوڑ'' کر اپنا خاندان چنا اور اسے طلاق دے دی۔ دیٹس اٹ۔'' وہ بولتے بولتے رکا پھر آگے آ کر اسکے کندھے پہ ہاتھ

رکھا۔ ''اور اسکا بچہ میں نے اسکے ساتھ کچھ نہیں کیا جب اسکے شوہر نے اسے امریکا سے نکال دیا تب اسکا مس کیرج ہوا تھا۔اب کسی کا صدمہ کس پہ کیا اثر رکھتا ہے یہ بھی میرا قصور ہے؟''

مہدی اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ کیا سے کیا ہو گیا تھا وہ۔

''میں تمہارا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہوں گا۔ تمھارے ساتھ جو ہو گا اس سے سب سے زیادہ تکلیف مجھے ہو گی لیکن اللہ تمہاری مہلت جلد ختم کرے۔''

''یار دیکھو اب مجھے برا لگ رہا ہے۔'' وہ افسوس سے بولا۔ مہدی بغیر کچھ کہے وہاں سے چلا گیا۔

''پہلی بار دیکھ رہا ہوں ایک قاتل دوسرے قاتل کو اسکے انجام کے لئے دھمکا رہا ہے۔'' وہ اسکے عقب میں پکارا، مہدی کے چہرے پہ یکدم تاریکی آئی مگر وہ مڑا نہیں۔

سیلف ڈیفنس۔۔

سیلف ڈیفنس۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سیلف ڈیفنس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہاں سے جاتے ہوئے وہ مسلسل یہی دہراتا رہا۔ چہرہ زرد تھا دل کے زخم کسی نے کھول دیے تھے۔

اس کمرے کی دیواریں زمرد رنگ کے پینٹ میں ڈوبی تھیں۔ مختلف رنگوں اور ڈیزائنز کی مصوری دیواروں پہ آویزاں تھیں۔انہی دیوار میں سے ایک پہ قطار میں تین پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ایک میں لڑکا فرش پہ گرا تڑپ رہا تھا اسکا خون فرش کو سرخ کر رہا تھا اور اسکے سر کے اوپر کھڑا کوئی شخص ہاتھ میں درانتی لئے کھڑا اسے مار رہا تھا۔دوسری پینٹنگ۔۔

''تمھیں کیا لگتا ہے، تم کیوں بدلنا چاہتے ہو؟'' وہ دوسری پینٹنگ پہ غور نہیں کر سکا۔ مہراب نامی وہ ادھیڑ عمر شخص اس سے پوچھ رہا تھا۔ بلائنڈز سے چھن کر آتی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ بھورے رنگ کی ڈھیلی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ سلیکس میں ملبوس تھا۔ ماتھے پہ الجھن کا جال بکھرا تھا۔

''سچ بتاؤں یا جھوٹ؟'' مہراب کو دیکھتے مبہم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''جھوٹ کھوج لوں گا میں، سچ تمہاری آزادی ہے۔''

''اسکے لئے۔'' وہ بے دھڑک بولا۔ ''اسے میرا غصہ نہیں پسند، میرا چیخنا چلانا نہیں پسند۔ آپ کو پتہ ہے میں اس سے مہدی سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ لیکن مجھے باتوں کا فن نہیں آتا۔ میں موٹے دماغ کا آدمی ہوں۔ سب برباد کر دیتا ہوں، پھر اسے ہرٹ ہوتے دیکھتا ہوں پھر خود پہ غصہ آتا ہے۔ میں بدلنا چاہتا ہوں تاکہ اسے ہرٹ نہ کروں۔ وہ مجھے خود سے زیادہ عزیز ہے۔''

''اور تمھارے پاس اپنے اس عمل کے لئے کیا جسٹیفکیشن ہے جو تم ماضی میں اسکے ساتھ دہرا چکے ہو؟''

قیس کمبیر نے گہری سانس لی۔ بے دردی سے ہونٹ کاٹے۔ گلے میں کچھ خاردار اٹک گیا۔

''میں غلط نہیں تھا۔ میرا عمل بلکل درست تھا۔ وقت میں دوبارہ واپس جاؤں گا تو دوبارہ یہی کروں گا۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ دیوار پہ لگی پینٹنگ کو دیکھا، اسے غصہ آیا، بے چینی ہوئی۔ وہ ہنٹر لئے کھڑے اس شخص کا منہ نوچ لینا چاہتا تھا۔ نگاہ پھیری گردن جھکا دی۔

''لیکن۔۔۔اگر میرے عمل سے وہ ہرٹ ہوئی ہے تو مجھ پہ لازم ہے میں خود کو درست کروں۔''

''anything for her ?'' غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

قیس نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی اور دلکشی سے بے بسی سے مسکرایا۔

''everything for her''

وہ کتنے گھنٹوں سے وہاں ساکن، صامت، بے یقین بیٹھا رہا تھا۔ ہر ریاضت ردی کا ٹوکرا بن کر اسکے ارد گرد پھیل گئی تھی اور اب وہ اس ردی کو کچرے کی نذر کر دینا چاہتا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آرہا تھا۔

وہ آفس کے مسائل سے تھکا ہارا گھر آیا تھا اور بختیار اسے مسائل سنا رہے تھے۔ وہ کسی بات پہ خوش تھا اور اسکے چچا اسے بتا رہے تھے اگر وہ اس روز ہمت کر لیتا تو شاید اسکا باپ بچ جاتا۔ مقصود اسے سمجھا رہے تھے کہ وہ بختیار سے دور رہے وہ سنی ان سنی کر رہا تھا۔

وہ اسے اسکے غلط کاموں پہ نہیں ٹوکتے تھے اور قیس کو وہ محبت لگتی تھی۔ محبت نہیں تھی، کہیں نہیں تھی۔ وہ ایک لمبا عرصہ exploit ہوتا رہا۔ بختیار کمبیر ایک لمبا عرصہ اسکے گلٹ سے کھیلتے رہے تھے۔ وہ صیاد تھا جو ایک بسمل کے زخم کھروچتا رہا تھا۔ کس تعلق نے کہاں آکر اوقات دکھائی تھی؟

"میں کیوں اللہ۔۔۔ میں کیوں؟" تکان زدہ، آزردہ اور بے بس شکوہ۔ جیب میں پڑی پستول تک جانے کو اسکا ہاتھ مچل رہا تھا۔ دنیا تہہ و بالا کر دینے کا جنون سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

اس نے سر کو ہاتھوں میں گرا دیا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور اسکے حصے کی روشنی اس کے بخت سے کھروچ کر مٹادی گئی تھی۔

دوسری پینٹنگ چار چوکھٹوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پہلے چوکھٹے میں وہ فرش پہ گرا ہوا لڑکا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسرے میں وہ فرش صاف کر رہا تھا۔ تیسرے چوکھٹے میں وہ کسی نئے آدمی سے مل رہا تھا جسکا ہاتھ اسکے کندھے پہ تھا، نگاہیں نرم تھیں۔ اس چوکھٹے کے رنگ امید کے رنگ تھے۔ چوتھے چوکھٹے میں وہ اس آدمی کے آگے کام کر رہا تھا۔ قیس کو یہ پینٹنگ بھائی مگر وہ تیسری پینٹنگ وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"انسان اپنے لئے بدلتا ہے، قیس۔" مہراب نے کافی کا بھرا ہوا مگ اسکے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ کسی اور کے لئے بدلنا چاہے تو وہ بہت جلد تھک جاتا ہے۔ کیونکہ کسی اور کے لئے بدلنا اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی پہ احسان کر رہا ہو۔ اور احسان کرتے کرتے وہ بور ہو جاتا ہے۔"

قیس نے کافی کا مگ اٹھالیا۔ اسکی سیاہ آنکھیں پر سوچ تھیں۔

"وہ میری motivation ہے۔ اپنے لئے نہیں بدلنا چاہتا میں، کیونکہ مجھے میرے اندر کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کیا وہ ٹھیک تھا لیکن میرے جیسا انسان یہی کر سکتا ہے۔ مجھ سے امیدیں رکھنا غلط ہے۔"

جامنی ریکلائنر پہ بیٹھے مہراب کی نگاہیں اسکے چہرے پہ کچھ کھوج رہی تھیں۔ اور اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ اس شخص کے تاثرات کورے تھے۔

"قیس۔۔۔ آج وہ تم سے دور ہے۔ کل قریب ہوگی تو تم آہستہ آہستہ اچھا بننے کی کوشش چھوڑ دو گے۔ لیکن تمھارے "اپنے" وجود کا ساتھ ساری زندگی کا ہے۔ خود کو کوئی نہیں چھوڑتا اس لئے انسان کو سب سے پہلے خود کو چننا چاہیے۔ سمجھے؟"

"کیا میں کبھی اچھا بن سکتا ہوں؟" اس نے کافی کا مگ شیشے کی میز پہ واپس رکھا تو ٹک کی آواز آئی۔

"بن سکتے ہو۔ سارا کھیل دماغ کا ہوتا ہے اگر تمہارا دماغ مثبت چیزوں کی طرف مائل ہوگا تو تم ایک اچھے فیصلے لوگے مثبت چیزیں بڑھتی جائیں گی تو منفی گھٹیں گی۔ اور یہ ہوا ایک اچھا انسان تیار۔"

"میں مثبت فیصلے کیسے لوں؟"

"آسان ہے۔ جب کوئی غصہ دلائے تو ضبط کرنے کی کوشش کرو انسانوں کی بجائے چیزوں پہ غصہ اتارو۔ کوئی ہرٹ کرے تو رو، وقت لو۔ اس انسان کو اپنی زندگی سے نکال دو لیکن اسے بدلے میں ہرٹ مت کرو۔ کیا تم یہ کر سکتے ہو؟"

وہ اس انسان سے پوچھ رہا تھا جسے غصہ آتا تھا پستول نکال لیتا تھا۔ کوئی اسے ہرٹ کرتا تھا تو اسے قبر میں پہنچا کر آتا تھا۔ مگر اس انسان نے نہایت شرافت سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آف کورس۔"

اسکے دونوں ہاتھ باتھروم کی سفید ٹائلز والی دیوار پہ جمے تھے۔ گردن جھکا رکھی تھی۔ اور پانی کی دھار اسکے جسم کو بھگو رہی تھی۔ سفید قمیص بھیگ کر جسم سے چپک گئی تھی۔ گھنگریالے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جسم بری طرح اکڑ رہا تھا۔

''جو تمھیں ہرٹ کرے۔۔۔اسے معاف کرو۔'' پانی کے گرتے قطروں میں اسکی آواز دب گئی۔

''اپنا غصہ انسانوں پہ مت نکالو۔جو تمھیں ہرٹ کرے۔۔۔اسے معاف کرو۔وقت لو۔۔معاف کرو۔۔ وقت۔۔۔ معاف۔۔غصہ۔۔۔''اسکا تنفس بگڑ رہا تھا۔غصے سے آواز بے حد بھاری ہو رہی تھی۔اس نے آنکھیں بند کر لیں، گردن پیچھے کی طرف ڈھلکا دی۔۔پانی اب چہرے پہ گر رہا تھا۔اسے یہ ٹھنڈا پانی روح پہ گرانا تھا۔

اس نے بٹن دبا کر پانی کی گرتی دھار بند کر دی۔چند لمحے وہیں کھڑا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔پھر انہی بھیگے کپڑوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آیا اور ہمیشہ کی طرح ڈراما کے ٹر گر ہونے پہ وہ سونے کے لئے تیار تھا۔وہ ایک اچھا انسان بن رہا تھا۔وہ غصہ نہیں کرے گا، وقت لے گا، لوگوں پہ غصہ نہیں نکالے گا، ہرٹ ہو گا تو دوسروں کو ہرٹ نہیں کرے گا۔اس نے ریموٹ اٹھا کر بتیاں بجھائیں۔اے سی تیز کیا۔اور بیڈ پہ آکر بیٹھا۔اپنی محبوب غذا پھانکی اور کمفرٹر لے کر اسی طرح سو گیا۔

اسے جب تک نیند نہیں آئی تھی وہ تب تک غصے سے کانپتا رہا تھا۔مٹھیاں بھینچ کر ضبط کرتا رہا تھا۔اور بڑبڑاتے ہوئے خود کو باور کرواتا رہا۔

''میں ایک اچھا آدمی ہوں۔''

تیسری پینٹنگ چار دائروں پہ مشتمل تھی۔پہلے دائرے میں لڑکا نئے مالک سے بے حد خوش تھا۔دوسرے دائرے میں لڑکا ڈھیر ساری دولت کے ڈھیر پہ بیٹھا تھا۔تیسرے دائرے میں اسکا سابقہ مالک خستہ حالی کا پیکر بنے اسکی دکان کے باہر کھڑا تھا۔تڑاتڑ برستی بارش میں اسکا سابقہ ظالم مالک اسکے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے اسکے ذہن میں صرف اور صرف ایک خیال آیا تھا۔

''سولی۔''وہ اسی لائق تھا۔

''اچھائی، برائی، مثبت، منفی ہر جذبے اور عمل کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔اسے صحت مند رکھنا ہوتا ہے تم مجھے سن رہے ہو؟''مہراب نے ذرا بلند آواز میں کہا۔قیس کمبیر نے چونک کر اسے دیکھا۔مہراب نے اسکی نگاہوں کی تقلید میں دیکھا۔وہ اس پینٹ کو تک نہیں رہا تھا وہاں خود کو کھوج رہا تھا۔''تمھیں اس پینٹنگ میں کیا نظر آتا ہے؟''

"بے وقوفی۔" یک لفظی جواب۔

"وہ کیسے؟" مہراب کے چہرے اور بات کرنے کے انداز سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے مریض کو جج کر چکا تھا۔ قیس نظروں کی تپش پہ چونک کر سیدھا ہوا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔

"میرا مطلب تھا مالک بے وقوف ہے۔اس نے ہیرا گنوا دیا۔" قیس سنبھل کر بولا۔"اور پینٹنگ کا مقصد ہے معافی، صلہ رحمی۔" (اور میں جو بول رہا ہوں اس پہ لعنت)

"یعنی ہیلنگ۔" مہراب نے ایک نیا لفظ گنوایا۔ قیس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا اور کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔ مہراب نے گہری سانس بھری اور ایک نتیجے پہ پہنچا۔

"یہ آدمی قاتل، سیاہ کار، فریبی، بے وقار ہو سکتا ہے، کمبخت میں اداکاری نہیں تھی۔"

اسکا جسم، آنکھیں، حرکت ہر شے اسکے تاثر کی عکاسی کرتی تھیں۔

رات کا کوئی پہر تھا جب دواؤں کا اثر ٹوٹا۔ اسکی آنکھ کھلی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں یہاں سے وہاں دیکھتا رہا، پھر پیر بستر سے نیچے اتارے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا۔ سفید لباس ملگجا ہو گیا تھا۔ بال بے ترتیب تھے اور آنکھیں سرخ۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔" اسکے لب ہلے۔ "اچھا آدمی ہوں۔"

وہ لائبریری کی باتیں، وہ قصے، وہ کئی سال سب نگاہوں کے آگے گھوم گیا۔ اسے اپنا آپ دنیا کا سب سے بے وقوف انسان لگا۔ اسکی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔ وہ اسکے گلٹ سے کھیلتا رہا تھا وہ اس آدمی کو کیسے معاف کرے جس کے انتقام نے قیس سے اسکا باپ چھین لیا تھا۔

"جو مجھے ہرٹ کرے گا، میں اسے معاف کروں گا۔" وہ اسکے سامنے رو رہے تھے۔ اپنی بیٹی کا رشتہ اس سے کروانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ قتل کر آیا تھا اور وہ چپ رہے۔ اسکے باپ کو کوئی خنجر مار رہا تھا، مروانے والوں میں نئے نام کا اضافہ ہو گیا تھا۔

''میں لوگوں پہ اپنا غصہ نہیں نکالوں گا۔ میں مثبت سوچوں گا۔'' وہ تھک کر پنجوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں گرائے رو پڑا۔

''میں کیوں اللہ۔۔۔ میں کیوں؟'' وہ بہت بری طرح ہار گیا تھا۔ ہر کوشش ردی، ہر ریاضت خاک۔

''کیوں آپ کو مجھ پہ ترس نہیں آتا، میرے ساتھ اتنا برا کیوں، میرا قصور کیا ہے؟'' وہ سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے سسک رہا تھا۔

''میں اچھا آدمی بننا چاہتا تھا، آپ کی اتنی بڑی دنیا میں اتنی سی خواہش کیوں میرا جرم بن گئی؟ میں آپ کا فیورٹ نہیں ہوں ناں؟ آپ کو صرف مہدی سے پیار ہے۔ مجھ سے نہیں۔''

وہ کتنی دیر وہاں بیٹھ کر بچوں کی طرح روتا رہا اسے اسے علم نہیں ہو سکا۔ جب وہ آنکھیں رگڑ کر اٹھا سب صاف ہو چکا تھا۔ نہیں ملتی مخلصی نہ سہی۔

اگلے کئی لمحے سلوموشن میں گزرے۔ اس نے خود کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا، پھر اس گاڑی کا رخ سرور ہاؤس کی طرف ہوا، وہ گھر کے باہر رکا۔ جیب میں موجود پستول کی موجودگی یقینی بنائی، اسکا رخ بختیار کے کمرے کی جانب تھا۔ اس نے دروازہ کھولا، کھڑکی میں کھڑا آدمی صبح کا ملگجا اندھیرا دیکھ رہا تھا تب تاریکی نے بذاتِ خود اس کمرے میں قدم دھرے۔

''ایک سوال کا جواب لینے آیا ہوں، امید ہے اس بار آپ کی طرف سے exploit نہیں کیا جاؤں گا۔'' وہ پلٹے، نگاہوں میں اچھنبا تھا۔ سیاہ نگاہوں میں بے رونقی۔

''ہم نے ایک زمانے کے قصے کئے، مگر آپ نے کبھی یہ نہیں بتایا نوابوں سے ہونے والی جنگ میں ایک وجہ **''زن''** بھی تھی۔'' بختیار کمبیر کے چہرے پہ کسی نے جوتا دے مارا۔ وہ آگے آیا۔ انکے سینے سے قمیص کا پہلا بٹن کھولا۔ پھر انکی آنکھوں میں دیکھا۔

''کبھی بتایا نہیں ماہ پارہ سے اتنی محبت کرتے تھے آپ؟''

وہ لٹھے کی مانند سفید ہوتا چہرہ لئے اسے دیکھ رہے تھے۔ انکے تاثرات ہر ہر الزام پہ مہر ثبت کر گئے تھے۔ قیس کمبیر کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

”دنیا میرے ساتھ اتنی ظالم کیوں ہے؟“ اس نے جیب سے پستول نکال کر انکی گردن سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ وہ سانس روکے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔ انکے حلق سے الفاظ نہیں نکل پا رہے تھے۔ ملزم بالآخر جلاد کے سامنے تھا۔

”جو مجھے ہرٹ کرے گا میں اسے ہرٹ کروں گا، یہی اصول تھا، ہے اور رہے گا۔“

لرزتے، مضبوط، کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے بندوق انکے کھلے ہوئے منہ میں ڈالی۔ لوہے کا ذرا حلق سے ٹکرایا۔ وہ اندر تک لرز کر رہ گئے۔ وہ چند لمحے انکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ انکی آنکھیں گیلی ہوئی تھیں۔ قیس کا دل پسیجا۔ وہ جامد تھے اسکے دل کو کچھ ہوا۔ چند لمحے اس تعلق کے سوگ کے نام ہوئے جو کبھی تھا، اگلے چند لمحے اس رشتے کے نام جو ختم ہو رہا تھا۔

”زندگی قفس ہے، آزادی مبارک۔“

گولی چلی، سر کا کچھ حصہ پھٹ کر ایک طرف گرا، بھاری بھرکم آدمی فرش پہ گر پڑا۔ چند لمحے تڑپتا رہا پھر ساکن ہو گیا۔ بے سانس، خالی۔ قیس کمبیر گیلی پڑتی نگاہوں سے اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو لاش بن چکا تھا۔ سائلنسر کے باعث باہر آواز نہیں گئی لیکن خون اب اسکے جوتوں کو چھو رہا تھا۔ جیب سے موبائل نکالتے ہوئے اب وہ ایک نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اسلام آباد کے ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں حدیبیہ نواز کا موبائل گنگنایا۔ کالر آئی ڈی دیکھ وہ لمحے بھر کو تھمی پھر کال اٹینڈ کی۔

”you owe me right ?,time to pay back “

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر مدھم سی آواز سنائی دی۔

”always at your disposal “

وہ ناک کئے بغیر کمرے میں داخل ہوا تھا۔اور جو اس نے دیکھا تھا اسے مہدی کمبیر اگلے کئی سالوں تک ایک برے خواب کی طرح یاد رکھنے والا تھا۔بختیار کمبیر فرش پہ مردہ حالت میں پڑے تھے،خون جا بجا فرش پہ بہہ رہا تھا۔اور قیس کمبیر پلنگ پہ بیٹھا سگار کو شعلہ دکھا رہا تھا۔مہدی چوکھٹ پہ جم گیا۔اسکی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی تھیں۔اور وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''ایڈریس نوٹ کیجئے پلیز۔''انگلیوں میں سگار دبائے،موبائل کان سے لگائے وہ کہہ رہا تھا۔''F10 house No 44،سرورولا۔یہاں میرے چچا کا قتل ہو گیا ہے،سر۔''

مہدی مرے مرے قدموں سے آگے بڑھا۔ہر ایک قدم اسکے حواس سلب کر رہا تھا۔وہ لاش کے قریب آیا،پنجوں کے بل وہاں بیٹھا کپکپاتی انگلیوں سے انکی نبض کو چھوا،ساکت،ساکن۔وہ بے دھم سا فرش پہ گرا۔ایسے جسم سے سانس نکل کر رہ گیا ہو۔

''بے غیرت مرد دھرتی پہ بوجھ ہوتا ہے,میں نے کم کر دیا۔اس آدمی نے اپنے بھائیوں کو مروایا ہے۔لعنت ہو۔''دھوئیں کے مرغولے اڑاتے اس نے کہا۔مہدی کی رگوں میں کوئی کرنٹ سا دوڑ گیا وہ اٹھا اور تیزی سے اسکی گریبان پہ جھپٹا۔

''تم قاتل ہو،تم نے ہمارا سارا خاندان تباہ کر دیا۔تم اپنے چچا کو کیسے قتل کر سکتے ہو،تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا۔ہاتھ اسکی گردن پہ تھے۔

''میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا،قیس۔۔۔تم خدا نہیں ہو،تم کسی کی زندگی اور موت کا فیصلہ نہیں کر سکتے،تم ظالم ہو تم۔۔۔''قیس نے ایک جھٹکے سے اسکے سینے پہ دھکا دے کر اسے خود سے دور ہٹایا۔

تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔وہ سینے پہ ہاتھ رکھے کھانسنے لگا تھا۔مہدی نے ایک بار پھر اس پہ جھپٹنا چاہا مگر قیس نے اسے خود سے دور ہٹایا اور ایک زوردار لات اسکے سینے پہ دے ماری۔خون میں ڈوبے اسکے جوتے نے مہدی کے سینے پہ داغ چھوڑا۔اب وہ وہی بوٹ اسکے چہرے پہ رکھے غیر انسانی آواز میں غرا رہا تھا۔

''میں قاتل ہوں،میں ہوں قاتل ہاں؟تم کون ہو؟یونان کی ان گلیوں میں زوریز کو کس نے قتل کروایا،اسکی منگیتر جاشیہ جب وہ تم سے انتقام لینے آئی تم نے کس طرح ایک مرے ہوئے آدمی پہ جھوٹ باندھے۔''اس نے بوٹ کا دباؤ بڑھایا،مہدی کے چہرے پہ نشان پڑنے لگے۔

''واصف منیر کا سارا کیریئر، زندگی کس نے برباد کی؟ وہ کون تھا جس نے بالاج کا قتل چھپانے میں میرا ساتھ دیا، اور کیا تم وہ آدمی نہیں ہو جس نے ابراہیم کے گھر کے اندر گھس کر اسے مارا، یا پھر تم وہ نہیں ہو جس نے زرقون کا قتل کیا؟''

مہدی چیخ چیخ کر رونے لگا تھا۔ قیس نے پیر سے اسے ٹھوکر ماری۔ اسکی آنکھیں سرد، سفاک تھیں۔ پستول اب تک ہاتھ میں تھا لیکن وہ اس پستول کو مہدی پہ نہیں تان سکا۔

"قاتلوں کی صف میں اگر اول درجے پہ میں ہوں تو نچلے درجوں میں تمہارا نام بھی آتا ہے۔ ظالم میں ہوں تو مظلوم تم بھی نہیں۔''

''میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا، میں تم پہ ایف آئی آر کٹواؤں گا، میں تمھیں نہیں بخشوں گا تم مجھے گیش لائٹ نہیں کر سکتے۔ تم نے میرے چچا کا قتل کیا ہے۔ تم نے ظلم کیا ہے۔''

بھاری بوٹوں کی دھمک قریب آئی تو قیس نے بوٹ اسکے چہرے سے ہٹایا اور خود اسکے قریب بیٹھا۔ جس لمحے دروازہ کھلا اسی لمحے وہ اسے گلے سے لگا گیا تھا۔

''اللہ کی مرضی تھی میرے بھائی، یہ سب اللہ کی مرضی تھی۔'' وہ ہولے ہولے اسکے سر تھپک رہا تھا۔ مہدی اسے خود سے دور کر رہا تھا اور پولیس اہلکار اسکے ردعمل کو صدمہ سمجھ رہے تھے۔

''قاتلہ نے پولیس کو گرفتاری دے دی ہے۔'' افسر نے قیس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''حدیبیہ نواز نے گرفتاری دی ہے اور آلہ قتل بھی جمع کروا دیا ہے۔'' مہدی اسکی گرفت میں پھڑ پھڑایا اور کچھ بولنے کی کوشش کی جب قیس اسکے کان کے قریب جھکا۔

''میرے پاس زرقون کے قتل کی ویڈیو ہے، میری جان، میرے پیارے بھائی تمہاری ہر مزاحمت اس عمل کو یقینی بنائے گی کہ میں اس ویڈیو کو لیک کر دوں۔'' وہ تھم گیا۔ آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے، بے بسی بھری غراہٹیں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔

''آپ کو کمرہ خالی کرنا ہو گا تا کہ ہم چھان بین کر لیں۔''افسر اب ان دونوں بھائیوں کو اٹھا رہے تھے۔ایس ایچ او نے قیس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ کے نقصان کے لئے دلی رنج ہوا۔''

دیواروں نے خبر سنی اور ستونوں کے کان میں سرگوشی کر دی، ستون ٹھہرے کانوں کے کچے فوراً زینوں کو خبر کی اور زینے مارے شاک کے سر کے تو مکینوں کے سروں پہ غموں کی چھت سی گر پڑی۔ کمبیر خاندان کو کسی کی سیاہ نظر لگ گئی تھی۔ کھڑکیوں نے بے لاگ تبصرہ پیش کیا۔ جھومر افسوس سے اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔

رفتہ رفتہ ہر اور آہیں، سسکیاں، غم بلند ہوا۔ سوگ کی صبح نہ جانے کب ڈھلنی تھی۔

☆☆☆☆

ڈھاکہ کی اس چھوٹی سی سوسائٹی میں آج وینا آپا کے گھر کٹی پارٹی رکھی تھی۔ نیما نے زینیا سے کافی اصرار کیا مگر وہ نہیں جانا چاہتی تھی سو نہیں گئی۔ کچن میں کھڑے اپنے لئے چائے بناتے ہوئے اسکا ذہن کہیں الجھا ہوا تھا۔ رہ رہ کر اسکے ذہن کے خانوں میں ایک منظر ابھر رہا تھا۔

رات کا پچھلا پہر تھا وہ پانی کی بوتل لئے باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ کچھ پانی پیا، کچھ بھرا اور بوتل لئے باہر نکل آئی۔ دور کہیں سے فجر کی پہلی اذان بلند ہو رہی تھی۔ کچن میں کچھ کھٹ پٹ ہوئی تو وہ دوبارہ اسی طرف آ گئی۔ دروازے کے پیچھے اور کیبنٹ کے آس پاس چیک کرنے کے بعد وہ پلٹنے والی تھی کہ کھڑکی کا کھلا ہوا پٹ دیکھ کر رک گئی۔ آگے آ کر بند کرنا چاہا مگر باہر سے آتی ہوا اسے بھلی لگی تو رک گئی۔

اب وہ مندی مندی آنکھوں سے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ عین اسی پل وہ ٹھٹھکی۔ نیما کی بھابی وجیہہ اس پہر سامنے والے گھر کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہی تھی۔ دروازے پہ کسی مرد کا ہیولہ بھی نمودار ہوا۔ کھڑکی کے پٹ پہ زینیا کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ وجیہہ کی مدھم مسکراہٹ، کھلے بالوں سے نکلتی لٹیں اور اسکا چہرہ زینیا حاکم اگر دس سالہ بچی ہوتی تب شاید وہ

اسے کچھ اور نام دیتی مگر وہ پچیس سال کی علم و شعور رکھنے والی لڑکی تھی اور یہ منظر جیسے اسکے دل پہ آری کی طرح چل گیا تھا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہوئی۔ اور تیز تیز قدم لیتی وہاں سے ہٹ گئی۔

اب وہ بے جان ہوتی ٹانگوں سے اپنے اور نیا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نیا نیند میں غرق تھی اور زینیا جیسے کسی خواب سے جاگی تھی۔ جانے انجانے میں اسے ہمیشہ لگتا تھا شادیاں زیادہ تر مرد خراب کرتا ہے۔ قصور اسکی مار پیٹ کا ہوتا ہے لیکن ..... لیکن بے وفائی، بدزبانی، بے حیائی، اور بے سکونی کی جو مار عورت مارتی ہے ویسی مار مرد کا مضبوط ہاتھ بھی نہیں مار سکتا۔

وہ کتنی ہی دیر جامد اور شل رہی۔ وہ اس منظر کو ان دیکھا کر دینا چاہتی تھی مگر یہ مشکل تھا۔ یہ کیا تھا؟

اب اسے سمجھ آ رہا تھا اس گھر سے آنے والے لوازمات کیوں آتے تھے۔ اب اسے یہ بھی سمجھ آ رہا تھا کہ کس طرح ایک عورت کی لالچ گھر تباہ کرتی ہے اسے غلط راستے پہ چلاتی ہے۔

"اللہ..." بے اختیار اسکے لبوں سے ادا ہوا۔ اس نے ہنس کا وہ لاکٹ مٹھی میں بھر لیا تھا۔

شادی میں غلط عورت یا مرد نہیں ایک "انسان" ہوتا ہے۔ وہ انسان جس سے انسانیت رخصت ہو چکی ہو دیر سے سہی مگر اسے یہ سمجھ آ گئی تھی۔ مگر وہ اس منظر سے نکل نہ سکی۔

حال میں ہر برے خیال کو جھٹک کر اس نے سوچ کے گھوڑے کسی اور سمت دوڑائے۔

"کیا میں کبھی دوبارہ کیمرہ آنکھ کے آگے رکھ کر دنیا کو نہیں دیکھ سکوں گی؟" اسکے منتشر خیالات یہیں آکر جامد ہو جاتے تھے۔

"تم نے مجھے دیا ہی کیا ہے، سفید پوشی کی اس زندگی میں مجھے کیا ملا ہے؟" اندر کمرے سے وجیہہ کے زور زور سے چیخنے کی آواز آتی تھی۔ اسکا شوہر ہر روز کی طرح چپ چاپ اسے برداشت کر رہا تھا۔ ہر قسم کی تعاشی کے بعد بھی اس عورت کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ لالچی اور حاسد عورت گھر کی خوشیاں دیمک بن کر چاٹ جاتی ہے۔

"کھانے کو روٹی پوری نہیں ملتی پہننے کو کپڑے کے لئے ترسنا پڑتا ہے۔ بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کے لئے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے اور تم۔۔ تم کنویں کے مینڈک ہو جو ساری زندگی ایک جیسا رہے گا۔"

اس نے ابلتے ہوئے پانی میں چینی اور پتی شامل کی۔ پانی مزید ابلنے لگا۔ شور بڑھتا جا رہا تھا۔

''تمہاری کونسی ایسی ضروریات ہیں جو پوری نہیں ہو رہیں؟'' وہ دھیمے لہجے میں چبا چبا کر بولا۔ ''تم نہ خود سکون کرتی ہو نہ مجھے سکون سے رہنے دیتی ہو تمہارا مسئلہ ناشکری ہے، وجی۔ تم لوگوں کو دیکھ دیکھ کر سڑتی کڑھتی رہتی ہو۔ تمھیں لگتا ہے فلاں عورت کے شوہر جیسا ہو جاؤں گا تو تم خوش رہو گی ایسا نہیں ہوگا۔ مسئلہ کہیں نہیں ہے سوائے تمہاری سوچ کے۔''

اس نے دودھ کا کپ دیگچی میں انڈیلا۔ چائے کا رنگ بننے لگا۔ اب وہ دانت سے ایک الائچی توڑ کر اس میں شامل کر رہی تھی۔ زندگی بے شک برباد تھی چائے اچھی بنی چاہیے۔

''ٹیچر وہ صہیب مجھ سے آپ کا پوچھ رہا تھا۔'' وجیہہ کی آواز دب گئی آبان کی آواز پہ وہ اچھل پڑی۔ ایسے جیسے بری طرح خوف زدہ ہوئی ہو۔ ''آئی ایم سوسوری میں نے آپ کو ڈرا دیا۔''

آبان کو لگا تھا غلطی اسکی ہے، وہ نہیں جانتا تھا پاکستانی لڑکی کے غم بہت پرانے ہیں۔

''جہنم میں جائے تم اور تمہاری فلاسفی، مجھے آسائشات چاہیے، اور یہ جو گھر میں یتیم خانہ کھول رکھا ہے اسے ختم کرو آج کے آج۔''

چائے چولہے پہ گر گئی، آبان متفکر سا آگے آیا اور زینیا وجیہہ کی آواز کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سن رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ جکڑی جا چکی تھی۔

''کس لئے رکھا ہوا ہے اسے، نیا آدھا خرچ دیتی ہے ناں وہ کیا دیتی ہے تمھیں؟''

کسی نے کھولتے ہوئے تیل کی کڑاہی اسکے منہ پہ انڈیل دی تھی۔ وہ جل گئی۔ دل جل گیا۔ آبان کچھ کہہ رہا تھا وہ نہیں سن رہی تھی۔

''زین اس سٹوڈیو میں کام کرتا ہے۔ جب آپ کیمرہ وہیں چھوڑ کر آئی تھی ناں تب ایڈیٹنگ کا کام اسے ملا تھا۔'' وہ چولہا بند کرتے ہوئے جوش سے کہہ رہا تھا۔ وجیہہ کے جملوں سے بے حد بے نیاز کیونکہ وہ جملے اسکے متعلق نہیں تھے۔ جس پہ گزرتی ہے بس وہی جانتا ہے۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ اسکے باس صہیب نے آپ کا کام دیکھا اس نے ایسی صفائی، ایسی آنکھ، ایسا ٹیلنٹ نہیں دیکھا۔ یہ تو کسی پروفیشنل کا کام لگتا ہے۔''

"جوان جہاں لڑکی ہے تمھارے ساتھ ایسا کیا تعلق ہے اسکا جو اسے یہاں رکھ کر بیٹھے ہو؟ آدھی بلڈنگ باتیں کر رہی ہے کہ بیٹھے بٹھائے یہ بھانجی کہاں سے آگئی؟"

اس نے سلیب کا سہارا لیا۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ رہا تھا۔ اسکے جسم کا سارا خون کسی بلا نے نچوڑ لیا تھا۔ وہ جس کے اپنے کردار میں جھول تھا اب کیا وہ کسی اور کے دامن چاک کرے گی۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ ایسا لگتا ہے اس فوٹو گرافر نے کسی بہت بڑی جگہ کام کیا ہوا ہے۔ ایسے فلٹرز، پوزیشن، پکسلز مزہ آگیا۔" گری ہوئی چائے کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے وہ تیرہ سالہ لڑکا چہکا۔

"سٹوڈیو والوں نے آپ کو کام دیا ہے بھئی۔"

"اگر تم نے اسے یہاں سے نہیں نکالا تو یاد رکھنا اگلی کٹی پارٹی میں صرف discussions نہیں ہوں گی وہاں میں ان تمام الزامات کو سچ کہہ کر آؤں گی۔ دو ٹکے کی عزت کے علاوہ تمھارے پاس کچھ اور ہے تو اسے کھونے کے لئے تیار رہو۔"

"لیکن ایک مسئلہ آگیا ہے۔" وہ سنک کے اندر ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔

"میں نے اسکو بتایا کہ آپ گاؤں میں رہتی تھی تو آپ کے کاغذات وغیرہ وہیں رہ گئے اور آپ واپس بھی نہیں جا سکتیں۔ پھوپھو نے یہی بتایا تھا ناں۔" زینیا اسکی طرف مڑی۔ اسکی آنکھیں یکدم عجیب سی ہو گئی تھیں۔ لب ہلکے سے وا رہ گئے تھے۔

وجیہہ کی آواز اب نہیں آرہی تھی لیکن زینیا ان آوازوں کو آدھی زندگی نہیں بھولنے والی تھی۔

"وہ کہتا ہے آپ ایک بار آکر اس سے مل لو، اکیلے مت جانا میں ساتھ چلوں گا۔" وہ اب زینیا کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ شاید صہیب کے چھوٹے بھائی نے اسکول میں اسکی کافی عزت کروائی تھی۔ اسکے شانے چوڑے ہو گئے تھے۔

"چلتے ہیں ناں ٹیچر، کب تک فیکٹری کے چند ٹکوں میں گزارا کریں گی؟ اونچے خواب رکھیں ناں۔"

"صحیح کہہ رہے ہو۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہتی چولہے کے قریب آئی۔

''چند ٹکوں میں گزارا ہوتا ہے اور باتیں سننی پڑتی ہیں۔ صحیح کہتے ہو۔''اس نے چولہے کے نیچے آگ جلائی اور فریج کی طرف بڑھی۔

''خواب اونچے ہونے چاہئیں، صحیح کہتے ہو۔گھر، خرچہ، کپڑا، کھانا۔۔۔زیادہ پیسہ چاہیے۔''وہ بڑبڑانے لگی تھی۔

''پھر میں بات کرلوں ان سے، کل چلیں؟''

''چلنا چاہیے۔''فریج سے دودھ نکالتے ہوئے کہا۔آبان خوشی خوشی دروازے کی طرف جاتے ہوئے اسکی آواز پہ رکا۔

''مجھے گھر بدلنا ہے آبان، کوئی گھر کرائے پہ مل سکتا ہے؟''لمحوں کا فیصلہ تھا لمحوں میں ہوا۔چوکھٹ پہ کھڑا آبان، کمرے سے نکلتی وجیہہ،اور چولہے کے آگے کھڑی زینیا تینوں کے لئے یہ فیصلہ غیر متوقع تھا۔

اس شاک، ششدر ماحول سے نکل کر سمندر، دریا پار کر پرندوں کا رقص دیکھتے، جھلملاتے آسمان کی گنگناہٹ سنتے ہوئے ڈاکٹر مہراب کے کلینک کے اندر داخل ہو تو سیاہ سوٹ والا قیس کمبیر جارحانہ انداز میں دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہو رہا تھا۔یہ اسکے چچا کا سوئم تھا اور وہ اپنے تھیراپسٹ کے سامنے تھا۔چہرے پہ ایسی سرخی اور جنون تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

''یہ کیا طریقہ ہے، قیس، آج تو تمہارا کوئی سیشن نہیں ہے۔''مہراب جو کسی مریض کی بات سن رہا تھا ناگواری سے بولا۔پھر اسکے تاثرات دیکھے اور دھیما پڑا۔

''کیا تم پلیز ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکتے ہو؟''اس نے سامنے بیٹھے آدمی سے پوچھا وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا۔قیس اسکی طرف دیکھے بغیر اس پینٹنگ کی طرف آیا۔

''آپ نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا مجھے اس پینٹنگ میں کیا نظر آیا؟''وہ پینٹنگز کو دیوار سے اکھاڑ رہا تھا۔

''مجھے اس میں شر نظر آیا۔حق نظر آیا۔اس پینٹنگ میں مجھے ''**میں**'' نظر آیا۔''اس نے پینٹنگ الٹی کی۔اور کھیل جیسے پلٹ گیا ہو۔پینٹنگ کو الٹا کرنے پہ وہاں سائے نظر آرہے تھے جن میں اس لڑکے اور مالک کا عکس تھا۔لڑکے نے اپنے سابقہ مالک کا سارا کاروبار چھین لیا تھا۔معافی مانگنے پہ اسے معاف نہیں کیا تھا بلکہ قتل کیا تھا۔وہ پینٹنگ ایک الوژن تھی۔

''آج تک کوئی اس پزل کو حل نہیں کر سکا کیونکہ آج تک یہاں جو بھی آیا وہ ٹھیک ہونے آیا تھا۔'' وہ ملامت کر رہا تھا اسے یہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔

'' بلکل میں یہاں ٹھیک ہونے نہیں آیا تھا پرت چڑھانے آیا تھا اور وہ اتر گئی ہے۔ لیکن تم۔۔۔'' قیس غراتے ہوئے اسکے قریب آیا اور میز پہ رکھا گلدان اٹھا کر پوری قوت سے اسکے سر پہ دے مارا۔

''تم نے یہاں ایک گورکھ دھندہ کھول رکھا ہے۔ تم لوگوں کو فریب دیتے ہو، تم نے اتنا عرصہ مجھے فریب دیا حالانکہ تم جانتے تھے میں نہیں بدل سکتا۔''

مہراب ماتھے پہ ہاتھ رکھے فرش پہ بیٹھ گیا اسکے سر سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ وہ پہلا مریض تھا جس نے اپنے تھیراپسٹ کا سر پھاڑ دیا تھا۔

''مجھے الوژن دکھانے کی بجائے اگر تم مجھے خود کو قبول کرنا سکھاتے تو میرا اتنا وقت ضائع نہ ہوتا، میرے پیسے ضائع نہ ہوتے لیکن اٹس اوکے۔'' سرد انداز میں کہتے وہ اسکے سامنے بیٹھا۔ آنکھیں اسکے خون پہ جمی تھیں۔

''دوبارہ کوئی قیس کمبیر آئے، اور پہلی نظر میں تمہاری اس evilness test کی پینٹنگ کو پہچان لے تو اسکے ساتھ کوئی ڈرامہ مت کرنا، سچائی سے آگاہ کرنا اور بس۔ ورنہ کوئی مجھ سے زیادہ سر پھرا ہوا تو سر کی جگہ دل پھاڑ دے گا۔''

مہراب اسے گالیاں بک رہا تھا، اسے کوس رہا تھا وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔ برسوں پہلے اسکی رائے تھی کہ سائیکاٹرسٹ ذہنی مریض ہوتے ہیں آج اس رائے پہ مہر لگ گئی تھی۔

''میں تم پہ کیس کرواؤں گا میں ساری دنیا کو بتاؤں گا تم نے کتنے قتل کئے ہیں، کتنے لوگوں کی زندگی خراب کی ہے۔ میں تمھیں بدنام کروں گا، قیس۔ تم مجھے جانتے نہیں۔'' وہ دیوانگی سے غرایا۔

خون میں لت پت آدمی پاگل ہونے کے درپے تھا۔ قیس انہی سرد نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اسکے چہرے اور تاثرات میں برہمی گھلی۔ اس نے گلدان اٹھایا اور الٹے ہاتھ سے گھما کر ایک بار پھر اسکے سر پہ دے مارا۔ ساتھ چہرے پہ ایک تھپڑ دے مارا۔

''کلائنٹ پریولج توڑو گے تم؟'' گلدان اسکے منہ پہ مارتے ہوئے وہ غرایا۔ ''شوق سے توڑو لیکن یاد رکھنا میری قبر کے بچھوؤں کا اضافہ میرے لئے نئی بات نہیں ہے۔ تم مجھ سے دشمنی افورڈ کر سکتے ہو؟ کتے کی موت مرو گے اور مجھ جیسے خبطی کو کوئی افسوس بھی نہیں ہو گا۔''

فرش پہ گراہوا تھیراپسٹ لمبے گہرے سانس لے رہا تھا۔ زخموں میں درد اٹھ رہا تھا اور اس پہ بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ قیس چند لمحے حقارت سے اسے دیکھتا رہا غصہ عود کر آیا تو جھک کر ایک اور الٹے ہاتھ کا تھپڑ اسے رکھ کر مارا منہ سے کوئی غلیظ گالی دی پھر وہ تینوں پینٹنگز اتاریں، جیب سے چند نوٹ نکال کر اسکے منہ پہ پھینکے۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

کاغذ کے وہ چند ٹکڑے خون میں تر ہو چکے تھے۔ سرخ، قرمزی، لال۔

''میں نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ، مہدی سرور کمبیر ایک بہترین انسان ہے۔ لیکن میں ایک اچھا انسان ہوں اتنا میں جانتا ہوں۔ اچھا آدمی کیسا ہوتا ہے آپ جانتے ہیں؟ کچھ وقت پہلے تک میں بھی نہیں جانتا تھا، اب جان گیا ہوں۔''

صبح صادق کا سمے تھا۔ مہدی کمبیر کی گاڑی ہاسٹل کے باہر کھڑی تھی۔ بالکنی خالی تھی، وہاں اب کوئی نہیں ہوتا تھا۔ وہ کال کرے یا میسجز اس نے اب نہیں آنا تھا۔ اسکی افسردہ آنکھوں میں ملال تھا۔ کئی لمحے وہاں کھڑے ہوئے وہ گزرے پل یاد کرتا رہا گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسکا دل بے حد بوجھل اور بھاری تھا۔

کیفے کے باہر چھجے تلے اسکا ملاقاتی بیٹھا تھا۔ مہدی آنکھیں چھوٹی کئے اسکے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

''میرا چہرہ ماضی نہیں بتاتا۔''

وریام بیگ بے زاری سے بولا۔ ''نہ میری آنکھیں، کان، ناک بولتے ہیں۔ جو پوچھنا ہے جلدی پوچھو ڈیوٹی کا وقت ہے۔''

''تم تھوڑی دیر اپنی زبان کے جوہر دکھانا بند نہیں کر سکتے؟'' کافی کا مگ دھپ سے میز پہ رکھتی شیزل تندہی سے بولی۔

''تم ہر روز کسی نمونے کو لانا بند نہیں کر سکتیں؟''

''وریام میں۔۔۔''

''اسے آخری بار کہاں دیکھا تھا؟''مہدی بے لچک انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''پہلی بار اسے سرور فارم ہاؤس پہ دیکھا۔دوسری بار قیس کو اسکا گلا دباتے ہوئے۔''اسکی دوسری بات پہ مہدی نے مٹھی بھینچ لی تھی۔

''تیسری بار میرے تھانے میں، پھر اسے دیکھتا رہا تھا روتے ہوئے، بے بس، بے زار، ڈری ہوئی، پرامید۔ایک وقت بعد میں جان گیا تھا وہ بے قصور ہے۔پھر اسکے خاندان نے پولیس کی گاڑی پہ حملہ کیا اور اسے لے کر چلے گئے۔اسے آخری بار میں نے کراچی میں دیکھا تھا۔''مہدی تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔وریام نے نوٹ کیا اسکی حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔

''وہ عالم نواب کا ایک بنگلہ تھا جہاں اب تک کسی کو داخلے کی اجازت نہیں ہے اسے فلحال پولیس نے سیل کر دیا ہے۔وہاں قیس اسے پکڑ چکا تھا مگر زینیا نے اسکے ڈراما کو ٹر گر کیا، اور بھاگ گئی۔''

''لیکن پولیس کے مطابق اسے اسکا بھائی لے گیا اور اسکے بھائی کے مطابق انہیں کوئی علم نہیں وہ اسلام آباد پولیس کسٹڈی سے کب نکلی۔''مہدی نے مداخلت کی۔

''جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنو۔لڑکی اس بنگلے سے میری آنکھوں کے آگے بھاگی تھی۔گلی کے موڑ پہ اسے اسکا بھائی ایک گاڑی میں بٹھا کر کہیں لے گیا اور اسکے بعد کیا ہوا مجھ کچھ نہیں معلوم۔لیکن وہ پولیس یا اپنے خاندان کے ہاتھ نہیں آئی اتنا پتہ ہے مجھے۔''

مہدی کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔کوئی ایسا سرا نہیں تھا جسے وہ تھام لیتا اور چیزیں آسان سے آسان ترین ہو جاتیں۔وہ نہیں تھا قیس جس کے لئے ایسے کام آسان ہوتے۔

''ایک کام کرو بشر کے موبائل کی CDR نکلواؤ۔ان دنوں میں اس نے جتنے بھی لوگوں کو کالز کی ہوں گی ہم انہیں ڈھونڈ کر پتہ لگا سکتے ہیں کہ اگر اس نے اپنی بہن کو چھپایا ہے تو کہاں؟''

(CDR یعنی call data record کسی بھی سم کو استعمال کرنے والا صارف کا CDR اس وقت نکالا جاسکتا ہے جب اس پہ ایف آئی آر ہو اور اسکے تفتیشی افسر کو اسکی کالز کے ڈیٹا کی ضرورت ہو۔ البتہ پاکستان میں ہیکرز یہ کام پانچ ہزار میں کر دیتے ہیں، انہیں کسی تفتیشی افسر کی اجازت درکار نہیں۔)

''اس نے نمبر بدل کر بات کی ہو گی۔'' مہدی مایوس ہوا۔

وریام کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ پولیس والا جو بن میں تھا۔

''دیکھو اگر ہم اسکی سم کی CDR نکلوائیں گے تو ہمیں یہ پتہ چلے گا اس نے کب، کس کو کالز کیں لیکن اگر ہم اسکے موبائل کی IMEI نکلوائیں گے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ اس نے اس موبائل میں کب، کونسی سم ڈالی اور اس سم سے اس نے کسے کال کی۔ سائنس ترقی کر چکی ہے، کمبیر صاحب۔''

(IMEI پندرہ نمبر کے اس کوڈ کو کہتے ہیں جو ہر موبائل کا ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے موبائل کے ماڈل، اس میں استعمال ہونے والی ہر سم کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر آپ نے کسی مقصد کے لئے سم بدل کر بات کی ہے اور سامنے والے کے پاس آپ کے موبائل کا imei نمبر ہے تو اسے پتہ چل جائے گا آپ نے کونسا نمبر استعمال کیا ہے اور پھر وہ اسی نمبر کی CDR نکلوا سکتا ہے۔ یہ دونوں کام کرنا الیگل ہے لیکن ویلکم ٹو پاکستان۔)

شیزل کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا مگر مہدی اسکا دماغ کچھ سوچ رہا تھا۔ ہاں اسے سمجھ آرہا تھا اسے کیا کرنا ہے۔

'' CDR اور IMEI کون نکالے گا، تم کر سکتے ہو یہ کام؟'' شیزل نے ان دونوں کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلوائی۔

''اس کام کے لئے مہدی کے پاس بہت لوگ ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

''تمھیں EMEI اور CDR کے لئے سم اور بشر کا موبائل چاہیے ہو گا۔ کہاں سے لاؤ گے؟'' وریام نے اسے جاتے جاتے روکا۔

مہدی ہلکا سا مسکرایا۔ ''کزن ڈیئرسٹ، کونج حاکم ہے ناں۔''

"اچھا انسان وہ نہیں ہوتا جس نے زندگی میں کبھی غلط کام نہ کئے ہوں۔ دھوکہ نہ دیا ہو، جھوٹ نہ بولے ہوں۔ اچھا انسان وہ ہوتا ہے جو غلط کام کر دے تو اسے گلٹ ہو اور وہ اسے ایک اچھے طریقے سے درست کرے۔ اور اگر کبھی کسی دور میں برائی اس پہ غلبہ پا چکی ہو اور اسکے زیر اثر اس نے کچھ غلط کام کر دیئے ہوں تو درست وقت پہ انہیں درست کرے۔"

نیم اندھیرے میں کھڑے ہوئے اس شخص کے چہرے پہ رومال بندھا تھا۔ اسکی آنکھیں تاریکی میں مزید تاریک لگ رہی تھیں۔ ہر طرف خاموشی تھی، جب وہ دبے قدموں چلتا ہوا بنگلے کے دروازے کی طرف آیا۔ ایک پولیس والا کرسی پہ اونگھ رہا تھا اور دوسرا اپنے سونے کے انتظار میں تھا مہدی کمبیر بغیر چاپ پیدا کئے اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا، اس سے پہلے کہ وہ مڑتا، مہدی نے اسکی گردن میں تیزی سے ایک انجکشن کھبو دیا۔

برق رفتاری سے اسکے منہ پہ ہاتھ رکھتا وہ اسکی چیخ گلے میں ہی گھونٹ دی۔ دوسرے گارڈ کے ساتھ یہ عمل کرتے ہوئے اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

گھر کے اندر آتے ہی اس نے بیگ اتارا۔ وہاں جگہ جگہ زرد لیبل لگے تھے۔ یہاں آکر اسکے دل میں کوئی درد اٹھا تھا۔ وہ یہاں آئی ہو گی اس نے کیسی کیسی دربدری جھیلی ہو گی۔ اس پہ کیا گزری ہو گی؟ فلوقت ہر شے نظر انداز کرتے ہوئے وہ ان تمام چیزوں کو اکھٹا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس سے وریام نے کہا تھا۔

"(بلفرض اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے کہ وہاں کوئی تھا جو زینیا کو اپنے ساتھ لے گیا تو ہمیں ثبوت چاہیے ہوں گے اور تم وہ ثبوت لا سکتے ہو تو میں تمہاری مدد کروں گا۔")

صوفے کے نیچے، الماری، میز، جوتوں کے ریک، لاؤنج چھت اس نے ہر جگہ ٹارچ مار کر دیکھ لی۔ جو جو ملا اسے اکھٹا کیا اس میں کچھ بھی کام کا نہیں تھا۔ صوفے کے عین درمیان اسکی نگاہ پڑی اور پھر ہٹ نہیں سکی۔ وہاں ایک موبائل پڑا تھا۔ اگر وقت میں پیچھے سفر کرو، ماضی کے پنوں کی ایک جھلک دیکھو تو زینیا حاکم جھک کر اپنا بیگ اٹھا رہی تھی کیونکہ باہر پولیس آگئی تھی بیگ کے کھلے ہوئے منہ سے موبائل ابل کر باہر گر پڑا۔

حال میں وہ دستانے لپٹے ہاتھ سے اس موبائل کو اٹھا رہا تھا۔ گھر سے نکلنے کے بعد خود کو سی سی ٹی وی سے بچاتے ہوئے وہ کراچی صدر کی ایک بوسیدہ گلی میں داخل ہوا۔ نالی ٹوٹی ہوئی تھی جس سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔ کسی گھر سے شور کی آواز آ رہی تھی اور کہیں سناٹا تھا۔ وہ محلوں میں رہنے والا خوشبوؤں میں بسنے والا ہر شے سے بے نیاز اپنے مطلوبہ مقام تک آیا۔ چھوٹا سا دروازہ بجایا۔ پھر اسکی نگاہ پڑی تو دروازہ ہلکا سا وا تھا۔ مہدی نے پورا دروازہ کھولا اور دروازے کے اوپر رکھی پانی کی بالٹی اسکے سر پہ آ کر گری۔ وہ ٹھٹھر کر رہ گیا، سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ چہرے کو صاف کیا، بال ہاتھوں سے پیچھے کیے اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ اندر کی طرف بڑھا۔ سامنے سے ہی کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں اندر داخل ہوا تو کسی ہیکر کا کمرہ اسکا منتظر تھا۔ لڑکی اسے اور اسکی بھیگی شرٹ کو دیکھ کر مسکرائی۔

''رابیل پرویز رائٹ؟'' کرسی پہ بیٹھی وہ لڑکی مڑی۔ محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مہدی کمبیر رائٹ؟'' اس نے محض سر کو خم دینے پہ اکتفا کیا۔

''مجھے اس موبائل کی IMEI جاننی ہے، اسکا مالک، اور۔۔'' اس نے کچھ سمز نکال کر رکھیں۔ ''ان سب کی CDR''

''شیور۔'' اس نے خوش دلی سے کہتے ہوئے مہدی کو سامنے والی کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ساتھ چپس کا ایک پیکٹ اسکی طرف اچھالا۔ جسے وہ کیچ کر چکا تھا۔

۔''کام ہو جائے گا پہلے پیسے ٹرانسفر کرواؤ۔''

مہدی نے موبائل دیکھتے ہوئے چند بٹن دبائے، لڑکی کے موبائل کی بپ بجی کام ہو گیا تھا۔ وہ دوبارہ سکرینز کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''میں دروازے پہ پانی کی بالٹی رکھتی ہوں تاکہ جس پہ گرے اسکا ردعمل دیکھ سکوں، ہیکنگ وقت لیتا ہے۔ تم صبر کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ پیسے دینے میں اچھے ہو۔ ideal client type''

مہدی اسے جواب دیے بغیر کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔ یہ کام صبر آزما تھا تو وہ جلد باز مرد صبر بھی کرے گا۔ کیا کیا کرواتی ہے یہ محبت؟

''اچھا آدمی وہ ہے جو طاقت کے ہوتے ہوئے غلط کام نہ کرے، ایک بار جب وہ اچھا بننے کی ٹھان لے تو اپنی ساری توانائی کوشش میں صرف کرے۔''

اسکا کام پورے دو دن بعد ہوا تھا تب جب وہ اسلام آباد جانے والی پرواز میں تھا۔ واٹس ایپ پہ موصول ہونے والی اس فہرست میں وہ تمام نمبرز تھے جن پہ بشر نے کالز کی تھیں اور ان تمام نمبرز کی تفصیلات بھی تھیں۔ کوئی اسکا کزن تھا تو کوئی پولیس، یا سیاست میں عہدہ دار۔ اس وقت مہدی کمبیر نہیں جانتا تھا بشر نے جو موبائل استعمال کیا تھا وہ اسے ضائع کر چکا تھا اور جس موبائل کی EMEI وہ نکلوا کر بیٹھا تھا وہ گھر میں استعمال ہونے والا عام موبائل تھا۔ بشر حاکم، جس نے نیٹ فلیکس کی ساری کرائم ڈاکومینٹریز دیکھ رکھی تھیں وہ اپنے کام میں جھول چھوڑ سکتا تھا کیا؟

کوئی آدمی اسکے دماغ کی سرخ بتی کو کلک نہیں کر رہا تھا۔ اس کام میں کئی دن لگ گئے جو سرا نظر آیا تھا وہ ایسا ٹوٹا تھا کہ مہدی کمبیر بری طرح بے چین ہو گیا تھا۔ لیکن ایک آخری میسج پہ اسکے گرد آکسیجن کی کمی ہونے لگی۔ جس میں موبائل کی تفصیل تھی۔

وہ موبائل فون جو اسے بنگلے سے ملا تھا وہ موبائل کسی ''**اشفاق احمد**'' کا تھا۔ چونکانے والا کوئی نام نہیں تھا۔ چونکانے والا وہ کام تھا جو وہ کرتا تھا۔ وہ آدمی human trafficking میں ملوث تھا۔ اور اس پہ ہونے والی ایف آئی آر کی تعداد ان گنت تھی۔ مہدی ساکت و جامد تھا۔

پولیس نہیں جانتی تھی زینیا حاکم کہاں ہے۔ بشر سچ کہہ رہا تھا وہ اپنی بہن کے پتے سے لاعلم ہے۔ جو معلومات تھیں وہ اسے اس شخص تک لے آئی تھیں کیا وہ اس آدمی کے پیچھے جائے، یا غیرت کے لئے ملنے والے اشارے کافی تھے؟ ہر شے، ہر دلیل جھٹک کر اس نے صرف اپنی بیوی کی حفاظت کے لئے اس آدمی سے ملنے کا ارادہ کیا۔

فلائٹ کی پرواز سے قبل اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنایا اور ہر امیر کی طرح اسے فیورز دیے گئے، باہر آ کر وہ کراچی میں اپنے جاننے والے ہر اس انسان کو کالز ملا رہا تھا جو کسی غلط کام میں ملوث ہو سکتے تھے۔ ریپوٹیشن، وہ اس عورت کے آگے کیا تھی؟ ساکھ، وہ اس پہ قربان کر سکتا تھا۔ نام؟ اسکا آدھا حصہ تو اس لڑکی کے نام میں بھی آنے لگا تھا۔ اس نے بہت بار سوچا تھا اگر وہ مل جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ساتھ رہنا، گھر اور خاندان بنانا اب خواب نہیں تھا۔ وہ اگر ٹھیک ہے، تو مہدی کمبیر ٹھیک ہو جائے گا۔

پندرہ دن شہر قائد میں اسے پندرہ دن لگے تھے جب اسے پہلا سراغ ملا۔ کراچی کے ریڈ لائٹ ایریا میں وہی منظر تھا جس سے شرفاء آنکھیں چراتے تھے اور سفید پوش خار کھاتے تھے۔ وہ سیاہ جینز کے ساتھ سفید ہڈی پہنے ارد گرد دیکھے بغیر سیدھ میں چل رہا تھا۔ اس نے دنیا دیکھی تھی مگر اس دنیا سے اسے نظریں چرانی پڑیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں تھا۔ سرخ روشنیاں مدھم تھیں۔ باہر سے بے ہنگم قہقہوں، اور بے ڈھنگی موسیقی کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور اسکی میزبان ستارہ اسکے سامنے پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ مہدی نے ایک نگاہ غلط بھی اس پہ ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ بس جیب سے تین چار نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اسکے سامنے رکھیں۔

''میرے پیسے مجھے مل چکے ہیں، صاحب۔''

اس نے ٹھنڈی گہری سانس لی۔ یہ کام، کم از کم وہ اس جگہ ان کاموں میں پڑنے کا ساری زندگی نہیں سوچ سکتا تھا۔

''وہ پیسے تمھارے وقت کے تھے۔ یہ پیسے، کسی اور کا وقت خرید کر دینے کے لئے۔''

ستارہ اپنا لباس سنبھالتی اٹھی۔ مہدی نے قدم پیچھے لئے وہ اسکی تیز خوشبو سے جھلا رہا تھا۔ ''مجھ سے زیادہ خوبصورت کون ہے؟''

''کوئی عورت نہیں، مجھے اشفاق احمد دین سے ایک ملاقات چاہیے، صرف ایک اور تم یہ کر سکتی ہو۔''

''میں؟'' وہ سینے پہ انگلی رکھے کھلکھلا کر ایک ادا سے ہنسی۔ ''میں تو نوکر ہوں صاحب مالکن سے ملیے۔ اس کوٹھے کی مالک۔''

''وہ میری مدد نہیں کرے گی تم کر سکتی ہو میں جانتا ہوں تمھارے اور اسکے تعلقات ہیں۔ یہاں تم ایک پیادے کی طرح کام کر رہی ہو لیکن بہت جلد ملکہ بن جاؤ گی۔ تم جتنے پیسے چاہو میں تمھیں دے سکتا ہوں۔ صرف ایک ملاقات۔ صرف ایک۔ میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔''

وہ پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ جہاں رہتی تھی وہاں چہروں کی پہچان ہر صبح بدل جاتی تھی۔ وہ آگے آئی مہدی پیچھے ہوا۔ عین اسکے قریب ٹھہر کر اسکے کان کے پاس سرگوشی کی۔

''کس کی زندگی تباہ کرنی ہے؟''

''اپنی بچانی ہے۔''ترکی باتر کی بولا۔''مجھے۔۔۔''اس نے تھوک نگلا۔یہاں اس جگہ ان لوگوں کے درمیان اسکا نام اور موجودگی وہ آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میری بیوی کی بات کرنی ہے۔اور تمھیں ڈبل پیسے مل سکتے ہیں لیکن تم اسکے متعلق کوئی سوال نہیں کروگی صرف ایک ملاقات۔''

ستارہ ہنس پڑی۔''تم پہلے ہو،جو عورت چھوڑ دلال کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔مردوں کی بھی سمجھ نہیں آتی۔''وہ اس کے سامنے سے ہٹی۔پھر مہدی نے اسے گدے کی چادر کے نیچے سے چھوٹا سا موبائل نکالتے اور کال ملاتے ہوئے دیکھا۔اسکا کام اب ہونے والا تھا جلد بہت جلد۔یہاں اس جگہ سے رہائی ملنے والی تھی بہت جلد۔

''اچھا انسان بھی کبھی کبھی violence پہ اتر سکتا ہے،لیکن اتنا نہیں کہ سامنے والے کو نقصان اٹھانے پڑ جائیں۔موجودہ دور کا اچھا انسان ایسا ہی ہو سکتا ہے۔''

''تمہارا داماد تمہاری بیٹی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اشفاق تک آگیا ہے،حاکم۔''وحید اللہ موبائل کان سے لگائے بحری جہاز کے عرشے پہ کھڑے کہہ رہے تھے۔

''ماننا پڑے گا اسکی کھوج میں طاقت ہے۔''

''اشفاق کون،اور وہ اس تک کیسے آیا؟''دوسری طرف حاکم کو پریشانی لاحق ہوئی۔

''میرا آدمی ہے۔بھائی سمجھو۔اس پہ وقت آپڑا تھا تو کچھ وقت میرے پاس پناہ لی تھی۔اور میں نے بشر کو کچھ موبائل فون دیئے تھے۔تاکہ پولیس کی ٹریکنگ کے وقت بچاؤ ہو جائے اور بشر نے ان میں سے ایک موبائل زینیا بیٹی کو دیا تھا۔شاید اسے وہ موبائل مل گیا ہے۔''

حاکم چپ ہو گئے۔ایسے جیسے کسی سوچ میں پڑ گئے ہوں۔کچھ لمحوں بعد وہ بولے تو کچھ سنبھلے ہوئے لگ رہے تھے۔''اسے یقین دلوائیں کہ وہ مر چکی ہے۔''

''جو تم چاہو۔''

ساڑھے تین منٹ اسکی ملاقات کو ساڑھے تین منٹ ہو گئے تھے۔ فیکٹری کے اس جلے ہوئے حصے میں کرسیاں بچھی تھیں۔ اشفاق کے آگے پیچھے دائیں بائیں لوگ تھے۔ اور سامنے وہ اکیلا بیٹھا تھا۔

''مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے ان لوگوں کے سامنے نہیں۔''

اشفاق نے بیڑی سلگائی۔ اور ہنسا۔

''فکر مت کرو بھاؤ، بڑے بڑے لوگ انکے سامنے اپنی فرمائش رکھ دیتے ہیں پردہ کیسا؟''

''جس کی بات میں کروں گا اسکا پردہ ہے، اور رہے گا۔ اس لئے مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے۔'' کچھ رقم نکال کر میز پہ رکھی۔ جیسے سامنے والے کے ایمان کا سودا کیا ہو۔ اشفاق نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو جانے کے لئے کہا۔ اور اسکی طرف متوجہ ہوا۔

''اس آدمی کو جانتے ہو؟'' اس نے بشر کی تصویر میز پہ رکھی۔ ''کسی بھی لڑکی کو اغوا یا بیچتے وقت ڈیٹا نکلواتے ہو رائٹ۔ اس آدمی کے خاندان سے کوئی تعلق ہے تمہارا؟'' وہ نگاہ نہیں اٹھا پا رہا تھا۔ بات نہیں کر پا رہا تھا۔ کچھ بے حد زور سے اسکے دل میں کھب رہا تھا۔ جی چاہا تھا قیس کمبیر کا گریبان پکڑے اور اس سے پوچھے اسے کس نے حق دیا کسی کے گھر کی عورت کو اس طرح ذلیل کروانے کا۔

''دیکھو بھاؤ پولیس کے پاس جو عورت لاچار اور غریب آتی ہے جس کا ولی وارث نہیں ہوتا اس پہ ہماری نظر ہوتی ہے۔ پھر پولیس جب اسے چھوڑ دے تو ہم اسے خرید لیتے ہیں کبھی اسکے خاندان سے، کبھی عاشق سے۔ اب لڑکے کی تصویر سے تو کبھی پتہ نہ چلتا لیکن یہ خاندان آج کل خبروں میں ہے تو ہاں اسکی بہن ملی تھی ہمیں۔'' مہدی ٹھہر گیا۔ آس پاس سب ٹھہرا تھا۔ کچھ نیزے کی انی کی طرح کھبا تھا۔ ''لیکن کیا ہے کہ ہم نے آگے بھیج دیا اب کہاں ہے یہ ہم نہیں جانتے۔''

''خیر نخرہ اسکا بہت زیادہ تھا مر گئی ہو گی۔ ایسی لڑکیاں زیادہ وقت گزارا نہیں کرتیں۔''

اسے اگر غصہ آنا تھا تو آیا نہیں۔ رنج ہونا تھا تو نہیں ہوا۔ اب کوئی کاذب جھوٹ گڑھے اور مہدی کمبیر اسے پہچان نہ سکے تو تف ہے اس پہ۔ وہ چند لمحے بہت غور سے اسکا چہرہ دیکھتا رہا سامنے والے کو یقین آنے لگا کہ وہ اچھی اداکاری کر چکا ہے

"یہ سب کہنے کو کس نے کہا؟" کرسی پہ ٹیک لگائے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔ اشفاق کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔

"جتنا مجھے پتہ تھا اتنا بتا دیا، یہ لڑکی آئی تھی ہمارے پاس لیکن اب یہاں نہیں ہے۔ پولیس کے پاس جانا ہے جاؤ، تعلقات استعمال کرنے ہیں کرو، لیکن یہ لڑکی اب تمھیں نہیں ملے گی۔"

"یہ تم طے کرو گے کہ وہ مجھے کہاں ملے گی؟"

مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔ کرخت تاثرات میں کوئی دراڑ نہیں پڑی۔ اسے یہاں سے کچھ نہیں ملا تھا لیکن تلاش ختم نہیں ہوئی تھی نہ ہوگی۔ وہ جانے لگا جب عقب سے آتی آواز پہ اسکے قدم زنجیر ہوئے۔

"وہ اب نہیں ملے گی۔ اسکا خیال ترک کر دو۔ اگر زندہ ہے تو زندہ نہیں رہی، اور اگر مر گئی ہے تو لاش نہیں ملے گی۔"

مہدی نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا بس لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ تلاش کے اس سفر میں وہ بری طرح ناکام ہوا تھا لیکن یہ بس شروعات تھی۔

"اچھا آدمی خاندان کے لیے آؤٹ آف دی وے بھی جاتا ہے۔ اپنے غم اور اپنی تکالیف کا ٹوکرا کسی کے سر نہیں سجاتا۔ طاقت کے ہوتے ہوئے وہ حدیں پار نہیں کرتا۔"

چائنا میں ہر سال دنیا کا سب سے بڑا lantern festival منایا جاتا ہے۔ جس میں مختلف مقامات پہ بڑے بڑے میدانوں میں لوگ اکھٹا ہوتے ہیں۔ اور ڈھیر سارے فانوس (یہ فانوس دیوار میں لگنے والے فانوس سے مختلف ہوتے ہیں، جدید مٹیریل سے بنے یہ فانوس آسمان کی بلندیوں تک جاتے ہیں) اس کے کندھے پہ چھوٹا سا بیگ تھا جسے اس نے سامان جمع کروانے والی جگہ پہ رکھا۔ ہاتھ میں فانوس لئے وہ اس طرف چلا آیا جہاں لوگ جمع تھے۔ اس میدان میں لوگوں کے ہجوم میں، اس نے واٹس ایپ پہ لوکیشن کی سبز ٹمٹماتی بتی دیکھی۔ وہ اسکے قریب تھی، بے حد قریب۔

دفعتاً لوگوں نے راستہ خالی کیا، مہدی انہیں ہٹاتے ہوئے اس اور بڑھ رہا تھا جہاں اسے وہ سبز نقطہ لے کر جا رہا تھا۔ پھر اسے وہ بچی نظر آئی۔ وہ جس کی آنکھیں سبز تھیں۔ وہ اپنا بجھا ہوا فانوس ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ نظروں کے ارتکاز پہ وہ مڑی، اسکی ایک نظر مہدی اسے دیکھ کر تھم گیا۔ آسمان فانوس کی روشنی سے زرد پڑ رہا تھا۔ وہاں کھڑے تمام لوگ آسمان کو ہی تک رہے تھے بس وہ دو لوگ تھے جو ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ نگاہوں میں الوہی چمک تھی سبز آنکھیں متفقہ رنگوں میں ڈھلی تھیں۔

پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا، بازو وا کیئے۔ بچی کی آنکھیں چمکیں۔ اور اس نے اپنی نینی سے ہاتھ چھڑوایا۔ اسکے چھوٹے چھوٹے قدم مہدی کے دل پہ اوس کی پھوار کی طرح اتر رہے تھے۔ اسکے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے پھر اسے اپنے سینے میں بھینچتے ہوئے جو اسکے دل نے محسوس کیا اسے الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔

''مجھے لگا تھا کوئی نہیں آئے گا۔'' اسکے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''میں نے کہا تھا lantern festival میں آؤں گا۔ تم میری باتوں پہ یقین نہیں کرتیں ناں؟''

''ڈیڈی مجھے جانے نہیں دیں گے، مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔'' وہ اسکی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچے ہوئے تھی۔ اسکا سارا وجود لرز رہا تھا۔ مہدی نے اسے اپنے گھٹنے پہ بٹھایا اور اسکے بال چہرے سے ہٹائے۔ شدت سے اسکے دونوں گال چومے۔ اسکی داڑھی کی چبھن سے بھی وہ کسمسائی نہیں۔

''ڈیڈی اور ماموں کی بات ہو گئی ہے۔ صبح ہماری فلائٹ ہے۔ اب ہم وشز بھیج دیں؟ پھر ہم نے کھانا کھانے جانا بھی تو ہے۔ اسکے بعد تم میرے ساتھ ہوٹل چلو گی اوکے؟''

ایزل مسکرائی اور تیزی سے اسکی گود سے اتری پھر اپنے چھوٹے سے پرس سے اسٹکی نوٹ نکال کر اس پہ ایک خواہش لکھی۔ مہدی نے اسے پڑھنا چاہا مگر وہ اسکی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ گئی۔ ''it's personal''

''اوکے اوکے۔'' اس نے معذرتی انداز میں ہاتھ اٹھائے۔ پھر اپنے فانوس کے لئے ایک نوٹ پہ کچھ لکھا۔ ایزل نے پر تجسس انداز میں گردن آگے سرکائی۔ تا کہ دیکھ سکے۔

''میری ساری خواہشیں اب تمہاری مامی کے لئے ہیں۔'' مسکرا کر بتایا پھر اس نوٹ کو فانوس پہ چسپاں کیا۔اور ان دونوں نے اپنے فانوس ایک ساتھ آسمان کے سپرد کئے۔آسمان مزید خواہشات کے بوجھ سے بھاری ہوگیا۔وہاں لوگ اپنے دوست، خاندان، جوڑے کے ساتھ تھے۔ایزل کو اٹھائے ہوئے اس نے خواہش کہ کہ اسکے پہلو میں کاش ''وہ'' بھی ہوتی۔وہ خوش تھا مگر مکمل نہیں۔

''آپ نے ڈیڈی سے کیا کہا؟''

میدان سے نکل کر آئس کریم پارلر کی طرف آتے ہوئے اس نے مہدی سے پوچھا۔وہ جو اسکے چھوٹے بیگ سے اسکی کوئی چیز نکال رہا تھا نگاہ اسکی نوٹس پہ پڑی۔پہلے نوٹ پہ درج تھا۔

''to meet qais kambeer''

اس نے چلتے ہوئے ایزل کو دیکھا۔وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔چند سالہ بچی محبت اور توجہ کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔''بتائیں ناں آپ نے ڈیڈی سے کیا کہا ماموں؟''

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی، وہ کیا کہہ کر آیا تھا۔

محب ملک کے اپارٹمنٹ میں مضمحل خاموشی تھی۔صوفے پہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے وہ دونوں نگاہوں میں ایک جیسی نفرت لئے بیٹھے تھے۔اسے آج بھی مہدی سے نفرت تھی اور مہدی کے لئے نفرت ایک چھوٹا لفظ تھا۔

''تم نے میری بہن سے شادی کی۔کئی سال اسے ڈرا دھمکا کر مار کر اپنے ساتھ رکھا۔یہاں تک کہ تم نے اپنی ہی بیٹی کو ذہنی اذیت دے کر رکھا۔''

''تمہارا یہ لیکچر مجھ پہ اثر نہیں کرے گا۔'' محب نے بے زاری سے اسے ٹوکا۔

مہدی نے شانے اچکائے۔اپنے موبائل پہ چند بٹن دبائے اور ایک ویڈیو کھول کر اسکے سامنے رکھی۔محب نے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے اس ویڈیو پہ نگاہ ڈالی، اور اگلے لمحے اسکا چہرہ سرخ ہوا اس نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا اور زمین پہ دے مارا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟''

''بکواس؟''معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''یہ تم ہو، محب۔ میرہ پہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے تم یہ کیوں بھول گئے تھے کہ تمھارے اپنے گھر میں سی سی ٹی وی ہے؟ یہ ویڈیو ثابت کرتی ہے کہ تم ایک wife beater ہو۔ بیوی ویسے ہی جا چکی ہے نام، نوکری، ریپوٹیشن اگر اس سب کو بھی کھونا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے شروعات کرتے ہیں۔''

''سائنس جدید ہو چکی ہے۔ دنیا کیوں اسے اوریجنل مانے گی؟ یہ کسی deep fake اور AI کی پیداوار بھی ہو سکتی ہے۔ کون جانے؟''ڈھٹائی پہ اڑا ہوا وہ مرد جھکنے کو تیار نہیں تھا۔ اسکے سامنے بیٹھا ہتھیاروں سے خالی مرد اپنے ساتھ بس الفاظ لایا تھا۔

''اس وقت ملک کا مظلوم ہوں میں، تمھیں لگتا ہے میرے کہنے کے بعد بھی کوئی یقین نہیں کرے گا؟ ہاں البتہ میں اس ویڈیو کے بدلے تمھیں ایک عزت دار زندگی آفر کرتا ہوں۔ میرہ تم سے طلاق چاہتی ہے۔ تم دوسری شادی کر لو۔

ایزل اور تمہارا بیٹا تمہاری اولاد ہیں سال میں چھ سے سات بار تم ان سے مل سکتے ہو۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ تم انکے لئے کماتے ہو اس لئے ان سے دور رہتے ہو، دوسرے آپشن میں یہ ویڈیو لیک ہوگی۔ تمھارے بچے اسے دیکھ کر بڑے ہوں گے تمہاری بہنیں، بھائی خاندان، کولیگ سب تمہیں کس نام سے جانیں گے؟ فیصلہ تمہارا ہے۔''

محب کو یکدم آکسیجن کی کمی سی محسوس ہوئی۔ وہ گہری سوچ میں تھا مضطرب تھا۔ مگر حال میں آئس کریم پارلر کے باہر کھڑے مہدی کے ساتھ ایزل کا ساتھ یہ بتانے کے لئے کافی تھا کہ وہ مان چکا تھا۔ وہ آدمی جس کے دل میں بیوی کے لئے کوئی رحم نہیں تھا اسے اولاد کا خاک خیال رہنا تھا؟

اس ملک کی فضاؤں سے دور، قیسم کے آفس میں بیٹھا قیس کمبیر اپنے موبائل سے کچھ ویڈیوز سوشل میڈیا پہ اپلوڈ کروانے کی ہدایت دے رہا تھا۔ وہ ویڈیوز جو ایزل محب ملک اسے ریکارڈ کر کے بھیجتی رہی تھی، وہ ویڈیوز جن میں اسکا باپ اسکی ماں کو گالیاں دیتا اور مارتا تھا۔

اگر مہدی نے اچھا انسان بننے کی قسم کھائی تھی، تو اس نے بھی برا انسان بننے میں عمر لگائی تھی۔ اسکی توڑی ہوئی چیز کوئی جوڑے گا تو اسے برا تو لگے گا ناں؟

"میں اگر ماضی میں برا تھا تو اب نہیں رہوں گا۔ اگر غلط کام کئے تھے تو اب نہیں کروں گا۔ میں سادھ نہیں ہوں لیکن اب سیاہ بھی نہیں ہوں۔ میں، مہدی کمبیر ہوں، میرے اعمال کا رنگ سرمئی ہے۔ اور میں اس رنگ کو سیاہ پڑنے نہیں دوں گا۔"

عدالتی کمرے میں معمول کا رش اور شور تھا۔ وکلاء کسی ہارے، کسی جیتے مقدمے پہ چرچہ کرتے نظر آرہے تھے۔ خاکروب کچرے کے ڈبے اٹھا کر باہر لے جا رہا تھا۔ خواتین وکلاء صبح صبح میکے اور سسرال کے رونے لے کر بیٹھی تھیں۔ جنکو یہ مسائل نہ تھے وہ مردوں کی حاکمیت کی ستائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اسی رش اور شور میں ٹھہراؤ آیا جب جج صاحب نے اپنی کرسی سنبھالی، اور دو ہتھوڑے برسا کر بتایا کہ عزت مآب تشریف لا چکے ہیں۔

وکلاء کی میز کے پیچھے ایک نشست پہ مہدی کمبیر کے ساتھ انیسہ بیٹھی تھی۔ جس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔

"تم وہاں جا کر صرف سچ بتانا انیسہ تم اور میں ہم دونوں جانتے ہیں کہ کیا ہوا تھا تمھارے باپ کا قتل کوئی عام چیز نہیں ہے۔ تم اسکا نام لو گی باقی کاروائی عدالت دیکھے گی اوکے؟" اسکے کان کے پاس جھکے مہدی اسے ایک بار پھر وہی سب سمجھا رہا تھا جو اس نے پچھلے کئی دن سمجھایا تھا۔ وہ جو شروع شروع میں ہمت ہار چکی تھی اب اسکے چہرے پہ کوئی امید سی نظر آرہی تھی۔

دفعتاً ان دونوں کی نگاہ اس طرف پڑی جہاں سے قیس کمبیر آرہا تھا۔ ایش گرے سوٹ میں ملبوس، بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے، چمکدار جوتے ایک رعب سے زمین پہ رکھتے اسکے کسی انداز سے یہ نہیں لگتا تھا کہ اسکے چچا کے قتل کو چند ماہ ہوئے ہیں اور یہاں اسی قتل کا ٹرائل چل رہا ہے۔

سنوائی شروع ہوئی، انیسہ کمبیر کو کٹہرے میں بلایا گیا۔ وکیل اس سے ابتدائی سوال کرنے لگا۔ انیسہ جواب دیتی رہی۔ مہدی کمبیر سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

"وہ یہاں تمھاری نہیں، میری گواہ بن کر آئی ہے، گرین وونڈ۔" مہدی کے موبائل پہ قیس کا میسج چمکا۔

”جانتا ہوں۔۔۔ تمھارے خلاف نہیں جائے گی وہ کیونکہ ایک عورت کا سب سے بڑا خوف ہوتا ہے فیملی چھوٹ جانا۔انیسہ سے چھوٹ گئی ہے اب تم نے یقیناً اُس سے وعدہ کیا ہو گا۔ایک غلام شوہر،ایک نیا گھر،شادی۔رائٹ؟“

”تم مجھے اتنے اچھے سے جان گئے اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا؟“

”افسوس منانے کو فلحال تمھیں بہت مواقع دوں گا۔کزن ڈیئرسٹ۔“وہ ایک مبہم پیغام بھیج کر اپنے سامنے دیکھنے لگا۔انیسہ بول رہی تھی۔

”حدیبیہ نواز نے میری آنکھوں کے آگے میرے باپ کا قتل کیا۔میں بیک یارڈ میں تھی اور جب تک وہاں آئی وہ میرے باپ کو مار چکی تھی۔“قیس کا دل کسی نے چیر کا آدھا کیا۔اس نے ایک طرف کھڑی حدیبیہ نواز کو دیکھا جس کے چہرے پہ سیاہ کپڑا تھا۔یہ کپڑا بچاؤ تھا۔یہ نہ ہوتا تو وہ اس سے آنکھیں کیسے ملا پاتا؟

”میں گواہ ہوں اور اپنی گرفتاری کے وقت قاتلہ جرم قبول کر چکی ہے میری عدالت سے درخواست ہے کہ میرے والد کے قتل کو ضائع نہ کیا جائے۔“وہ اگلے کئی لمحے بولتی رہی۔اس نے جھوٹ بھی بولے اور سچ بھی لیکن اختتام یہ ہوا کہ واپس نیچے آنے سے پہلے وہ حدیبیہ کے لئے پھانسی کا پھندہ تیار کر چکی تھی۔وہ پھندہ جو قیس کی گردن کے گرد ساری عمر رہنا تھا۔وہ اپنے حبیب کو پھانسی چڑھتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا تھا؟

انیسہ اب کٹہرے سے اتر کر نیچے آ رہی تھی۔مہدی اسے دیکھ رہا تھا اور قیس دیکھ ہی تو نہیں پا رہا تھا۔وہ بس اسے دیکھ رہا تھا جو اسکے ساتھ اس ساری دنیا میں سب سے زیادہ مخلص تھی۔وہ اسے کیسے بچائے؟

”کسی بھی عورت کا خوف معلوم کرنے سے پہلے اسکی محبت معلوم کرنی چاہیے،شوہر سے پہلے اسے باپ سے محبت ہوتی ہے۔تمہارے خلاف وہ اس وقت نہیں جا سکتی لیکن تمہارے ساتھ ٹھہرے ہوؤں کو بچا لے اور میں بچانے دوں تو لعنت ہو ہمارے ”کمبیر“ ہونے پہ۔“

قیس کے موبائل کی سکرین پہ جل بجھ کرتا وہ پیغام اسکی ساری دنیا اندھیر کئے دیتا تھا۔ حدیبیہ نواز اسکی وجہ سے تختہ دار پہ ہو گی یہ حقیقت وہ اس زندگی میں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اب کے اسے واقعی سانس لینے میں دقت ہوئی۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہاں بیٹھا رہ گیا۔ ساکت، جامد۔ کھیل کھیل میں مہدی سبقت لے گیا۔

"خود کو قبول کرنا بعض دفع ایک آرٹ ہوتا ہے۔ میں نے یہ آرٹ سیکھ لیا ہے۔ میں وقتی manipulater, جھوٹا، احسان فراموش، خود غرض، ظالم سب ہوں۔ لیکن ان میں سے کوئی جذبہ مجھ پہ "حاوی" نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں۔۔ ایک۔۔ اچھا۔ ۔ آدمی۔۔ ہوں۔"

اس کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ وہ جسے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ وہاب احمد کے کمرے میں لایا گیا تھا وہ اپنی جیب پہ سے ایک زنجیر نکال کر ہاتھ پہ لپیٹ رہا تھا۔ وہاب جو کہ خوشگوار تاثرات سجائے اندر آ رہے تھے نیم تاریکی میں کھڑے اس وجود کو دیکھ کر لاؤنج کے دہانے پہ ہی ٹھہر گئے۔ انہوں نے پلٹنا چاہا مگر مہدی نے تیزی سے انہیں اندر کی طرف کھینچا اور اسی تیزی سے زنجیر انکی گردن کے گرد لپیٹی۔

"آپ کے آفس آیا۔ تمیز سے، عزت سے، ہر طرح سے آپ سے پوچھا تھا میرے چچا آپ کے اولڈ ہوم کی کس برانچ میں ہیں مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھتے ناں آپ؟" وہ اسکے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے، ہاتھ پیر مار رہے تھے مگر جو گرفت ہلکی کر دے وہ اس ماں کا بیٹا ہی نہیں تھا۔

"شرافت کی زبان سمجھ نہیں آتی ہے ناں؟"

"کس۔۔۔ کسس۔۔۔ گالی۔۔ گالی گالی۔۔ کس نے تمھیں گھر کے اندر آنے دیا۔ کس نے؟" وہ ہار ماننے کی بجائے غرائے۔

"تمھاری پیاری بیٹی نے، فین یو نو۔" اب کے اس نے گرفت ایسی بڑھائی کہ وہاب کا سانس رکنے لگا۔ اسکی آنکھیں ایسے جیسے ابل رہی ہوں۔

"میرے چچا کہاں ہیں، وہاب صاحب؟"

"تمہارا بھائی۔۔۔ قیس۔۔ قیس۔ مجھے مار دے گا۔۔ میں۔۔ نہیں بتا سکتا۔"

''زندہ تو میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔اس وقت قہر میں ہوں مجھ سے ڈرو۔''اس نے گھٹنے سے انکی پیٹھ پہ ضرب ماری وار ایسا تھا کہ اگلے کئی لمحے وہ سانس بھی نہیں لے سکے۔

''میرے چچا کہاں ہیں؟''غراہٹ کی صورت پوچھا گیا ایک ہی سوال۔

اسی لمحے لاؤنج کے دروازے پہ کوئی نمودار ہوا۔اسکی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں چہرہ آنسوؤں سے تر۔

''انہیں چھوڑ دیں پلیز میں آپ کو بتاتی ہوں۔''وہ کوئی بیس اکیس برس کی لڑکی تھی جس کے ہاتھ میں موبائل فون تھا اور اس میں کیمرہ کھلا تھا وہ اپنے آئیڈیل کے ساتھ تصویر بنانے آئی تھی مگر۔۔اپنے آئیڈیل کو قریب سے نہیں جاننا چاہیے آئیڈیل ورنہ آئیڈیل نہیں رہتا بس ایک عام انسان نکلتا ہے۔

مہدی کی سرد نگاہوں میں اسے دیکھ کر بھی کچھ بدلا نہیں۔کون تھا یہ آدمی،کب،کیسے،کتنا،کیوں بدل گیا تھا؟

رات کی تاریکی میں گاڑی اسلام کی مضافات سے دور،کسی اور شہر آکر رکی۔عقبی نشست پہ بیٹھے وہاب کے چہرے کی رنگت سفید تھی۔اسکی بیٹی کے تاثرات کرب زدہ اور مہدی کمبیر پہ کوئی جمود طاری تھا۔وہ گاڑی سے اترا یا لڑکی اسکے آگے آگے چل رہی تھی۔

راہداریاں پار کرتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے آکر رکی۔چابیوں کا گچھا استعمال کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔اندر تاریکی تھی دروازہ کھلنے پہ کوئی روشنی آئی اس روشنی میں مہدی نے دیکھا کوئی وجود فرش پہ گرا ہوا ہے۔

وہ دیوانہ وار اس طرف آیا۔اس وجود کو سیدھا کرنا چاہا مگر اسکے منہ سے جیسے جھاگ نکل رہی ہو۔انکے اعضاء ٹیڑھے ہو رہے تھے اور پاس ایک انجکشن پڑا تھا۔میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ میں تین بار فیل ہونے والا آدمی اس انجکشن کے اثرات نہیں جانتا تھا مگر مہدی کمبیر دنیا کے اسباق سیکھ کر آیا وہ مرد بہت کچھ جان گیا تھا۔

نبض چل رہی تھی لیکن وہ اب ساری زندگی انہی ٹیڑھے اعضاء کے ساتھ رہنے والے تھے۔غرغر کے علاوہ انکے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلنے والی تھی۔وہ انکا چہرہ نہیں تھپتھپا رہا تھا وہ بس اپنے مضبوط بازوؤں کا زور لگا کر انہیں اٹھا رہا تھا۔اور پھر وہ انہیں اٹھا چکا تھا۔مہدی کمبیر نے اپنے خاندان کو جوڑنے کی ہر ممکن کوشش کر لی۔مگر قیس کمبیر کی مداخلت اسے جو واپس کر رہی تھی وہ خاندان نہیں تھا۔

ادھ مرے لوگ تھے۔بس ادھ مرے لوگ۔

ستمبر گزرا، نومبر کی خنکی الوداع کہہ گئی۔دسمبر کے جاڑے نے جسم منجمند کئے تو جنوری کا پہلا دن کچھ رعایت ساتھ لایا۔ایک سال جفاؤں کی شروعات، وفا کے قصوں، دل کے غموں اور دربدری کے ماروں کو آج ایک سال مکمل ہو چکا تھا۔ پچھلے سال اسی روز اسلام آباد نے اپنی آنکھوں سے کیا کیا قیامتیں ٹوٹتے دیکھی تھیں کہ اس سال کا جنوری اپنے ساتھ کچھ ڈر اور خوف بھی لایا تھا۔

کمبیر محل میں اس دفع نئے سال کا جشن نہیں منایا گیا۔رونقیں ماند تھیں۔روشنیاں کہیں نہیں۔سرور ہاؤس کے مکین بھی اسی گھر شفٹ ہو گئے تھے لیکن اجنبیت کی جو دیوار روز اول سے قائم تھی وہ ویسی ہی رہی۔براق حنیف کے پینٹ ہاؤس میں البتہ جشن عروج پہ تھا۔کمبیر محل میں اکتیس دسمبر کو پارٹی ہوا کرتی تھی اور براق کے گھر ایک جنوری کو لاشعوری طور پہ وہ آج بھی اس ان کہے اصول کا پابند تھا۔

پول سائیڈ پہ کھڑے گلاس ہاتھوں میں لئے وہ بے دھیانی میں اپنے سامنے کھڑی کسی عورت کی بات سن رہا تھا۔دماغ بار بار غائب ہونے لگتا اسے یہ لوگ اضافی لگ رہے تھے۔کوئی دو لوگ ہوا کرتے تھے۔انکے سنگ محفل ہوا کرتی تھی اور رونق بھی رنگ بھی اور خوشی بھی۔تقریب میں سب تھا لیکن سب تو وہ دونوں ہی تھے۔جانے کیوں آج ان دونوں کی یاد شدت سے آرہی تھی۔

''تم مجھے کارڈ بھیجنا بھول گئے، براق۔''پول کے پانی میں اسکا عکس اور براق کے عقب میں اسکی آواز ابھری۔پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، گردن ڈھلکائے وہ اسکا نیم رخ دیکھ رہا تھا۔آس پاس سب چہ میگوئیاں کرنے لگے۔کمبیرز اور حنیف کی چپقلش سے کون ناواقف تھا۔براق دھیرے سے مڑا۔نگاہوں میں تنبیہہ تھی۔

''تقاریب میں دوست آتے ہیں یا پھر فیملی تم دونوں نہیں ہو۔''

''نہیں ''رہا'' تصیح کرو۔''اس نے دو قدم مزید آگے لئے اور وہ دونوں دوبدو تھے۔مہدی کمبیر ایک سال بعد احتساب کرنے آ پہنچا تھا۔

''پرانے تعلقات بھی کسی کھاتے میں آنے چاہیے۔''

''اس وقت کوئی ڈرامہ مت کرنا یہ میری پارٹی ہے، مہدی۔''

''تم نے میری پارٹی میں میرا قتل پلان کر لیا میں ڈرامہ بھی نہ کروں۔ڈبل سٹینڈرڈز۔''افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ نگاہوں میں کاٹ تھی۔

''اب اگر تم ان تمام لوگوں کے سامنے بات کرنا چاہتے ہو تو مجھے عادت ہے اور اگر نہیں تو انہیں گھر بھیجو۔''

''تم میری پارٹی خراب کر رہے ہو۔'' وہ لوگوں کی موجودگی محسوس کرتا دھیمی آواز میں چبا چبا کر بولا۔

مہدی ہنسا اور محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تم نے میری زندگی خراب کر دی، میں پارٹی بھی خراب نہیں کر سکتا؟ ڈبل سٹینڈرڈز پارٹ ٹو۔''

براق نے ماتھے کو مسلا۔ پھر آس پاس دیکھا۔ وہ لوگوں کو خود سے ناراض کرے، او نہوں یہ اس زندگی میں ممکن نہیں تھا۔

''اوپر چل کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے مہدی کو اشارہ کیا۔ جس پہ اس نے صاف نفی میں سر ہلایا۔

''پلیز۔'' براق منت والے انداز میں گویا ہوا۔

''پرانے تعلقات کے لئے۔'' اس نے جتایا اور براق کے ساتھ چل دیا۔ وہ اسے لئے اپنے بیڈروم میں آیا دروازہ بند کیا اور مہدی کے سامنے کھڑا ہوا۔

''کیا لینے آئے ہو؟'' آواز بلند تھی۔

وہ اس سے بے نیاز طائرانہ نگاہوں سے اس کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا اٹرافی روم تو کافی بدل گیا ہے۔'' وہ معنی خیزی سے بولا براق کو طیش چڑھنے لگے۔ اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا کہ مہدی خود بول پڑا۔

''تم نے جس کو مجھ سے دور کیا اسے میں تلاش کر لوں گا۔ لیکن جو تکلیف تم نے مجھے دی ہے اسکا ازالہ بھی تو کرنا پڑے گا ناں؟ اس لئے میں نے کچھ سوچا ہے۔'' وہ ٹھوڑی پہ انگلی رکھے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''قیسم ٹیکسٹائل سے بیز کلیکشن کا تعلق ختم کرنے کا سوچا ہے۔ کیسا خیال ہے ؟۔''

براق کا دماغ بھک سے اڑا۔ قیسم ٹیکسٹائل میں وہ تمام فیکٹریز شامل ہوتی تھیں جہاں کپڑا بنتا تھا بیز کلیکشن، اور قیسم فیشن ہاؤس دونوں کے پاس یہی کپڑا جاتا تھا۔

''شیزل سیمسن نے اپنے شیئرز مجھے بیچ دیئے ہیں۔ اب میں پچاس فیصد کا شیئر ہولڈر ہوں، اور تم چچ چچ چچ، تم خاک بھی نہیں۔''

براق کے پاس تیس فیصد شیئرز تھے اس جذباتی آدمی نے وہ تیس فیصد شیئرز محبت اور سیکورٹی کے نام پہ شیزل سیمسن کے نام کئے تھے۔ اور اسکے بعد وہ غم اور مسائل میں ایسا الجھا کہ ان شیئرز کو واپس نہیں لے سکا۔ ہاں البتہ اس بارے میں اسکی شیزل سے بات ہوتی رہی تھی وہ اسے شیئرز واپس کرنے پہ راضی تھی، براق واپس لینا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا شیزل واپس آئے گی ۔ یکدم ۔۔ یکدم یہ سب کیسے ہو گیا؟ وہ لٹھے کی مانند سفید چہرہ لئے ٹکر ٹکر مہدی کمبیر کو دیکھ رہا تھا۔

''ایک اور بات، جن فلمز کی وارڈروب تم اس سال کر رہے تھے وہ اب تمھارے ساتھ کام نہیں کریں گی۔ ہاں فلحال انہوں نے تمھیں منع نہیں کیا لیکن اسی ہفتے انکار آجائے گا انتظار کرنا۔''

براق نے بے اختیار اپنا سینہ مسلا۔ یہیں کہیں بے تحاشا تکلیف نے سر اٹھایا تھا۔

''تم ۔۔۔ تم ۔۔ ایسا ۔ کرو ۔ گے میں ۔۔''

''میں ایسا کر چکا ہوں میرے سابقہ دوست۔ لیکن میں کمبیر ہوں اس لئے تمھیں بتانے چلا آیا۔ براق حنیف ہوتا تو منافقت کے لبادے اوڑھے پھرتا۔''

وہ دھیرے دھیرے دیوار کے ساتھ لگتا نیچے بیٹھ گیا۔ چہرہ، سینہ گردن سب پسینے میں ڈوبے تھے۔ اسکا اسکا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ کسی نے اسکا سارا وجود کانٹوں کی نذر کر دیا تھا۔

''میں کپڑا کہاں سے لاؤں گا ۔۔۔ میں ۔۔ میرے ساتھ ۔۔ نہیں کر سکتے ایسا ۔۔ مہدی ہم دوست ہیں۔'' اسکے ٹوٹے پھوٹے الفاظ مہدی کے قدموں کی زنجیر نہیں بن سکے۔

اسکے سامنے کھڑا مرد بے تاثر، ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔اس سارے درد، چبھن کا ازالہ آج ہو رہا تھا۔ہر دفع مہدی کمبیر کیوں؟

''جو تمہارا دوست تھا وہ واقعی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔''مہدی پنجوں کے بل اسکے پاس بیٹھا۔اسکا مردہ ہوتا چہرہ دیکھا۔

''لیکن مجھے دیکھو، میں وہی ہوں جس کی موت کا سامان تم نے خود کیا تھا۔''جیب سے ٹشو نکال کر اسکا چہرہ تھپتھپایا۔

''مجھ سے کوئی امید مت رکھنا، اچھائی کی تو ہرگز نہیں۔مجھے مت پکارنا کیونکہ تم کبھی میری پکار پہ اس سفید کمرے میں نہیں آئے تھے۔''وہ اٹھا، براق اسکی منت کر رہا تھا اسے دوستی کے واسطے دے رہا تھا۔اپنی بے بسی کے قصے بتا رہا تھا۔سب بے سود، سب بے کار۔جو اسکے ساتھ ہوا تھا اسکے بعد وہ یہی کر سکتا تھا۔وہ قیس کی طرح جان نہیں لے گا مگر زندہ رہنے جیسا بھی نہیں چھوڑے گا۔

میز پہ رکھی سیاہ رنگ کی ڈائری کا ورق پلٹا گیا۔سرخ پین کا ڈھکن کھولا گیا اور پھر کسی وجود نے لکھنے کی تیاری کی۔ایک عرصہ بعد ایک لمبا عرصہ بعد وہ لکھ رہی تھی۔

''زینیا حاکم نواب، یہ میرا نام ہے۔عرصہ ہوا کوئی مجھے اس نام سے نہیں پکارتا۔میں اس ملک میں زوہرا متین بن کر آئی اور پھر وہی بن کر رہ گئی۔لیکن یہ لڑکی تو میرا بہروپ تھی۔میں تو ''میں'' ہوں ناں؟''

نیما اس روز دیر سے گھر لوٹی تھی۔زینیا نے پہلی بار اسکا چہرہ غور سے دیکھا آسمانی رنگ کے پرنٹڈ گاؤن میں اسکی سانولی رنگت کھل رہی تھی۔چہرے پہ آج ہلکا پھلکا میک اپ تھا گلے میں سلور چین لٹک رہی تھی۔ہاتھ میں چھوٹا سا ٹرے تھا جس میں ایک پیالی رکھی تھی۔اس نے ٹرے بیڈ پہ اپنے اور زینیا کے درمیان رکھا۔

''سفینا نے آج ایک نیا ڈیزرٹ ٹرائے کیا تھا میں تمھارے لئے لے آئی۔''اس نے ڈھکن ہٹایا اور ڈیزرٹ زینیا کی طرف بڑھایا۔چھوٹے کٹے بالوں والی لڑکی کے چہرے پہ پر سوچ تاثر قائم رہا۔''ارے کھالو ورنہ میری نیت دوبارہ خراب ہو رہی ہے۔''

زینیا نے چاکلیٹ ڈیزرٹ کو ایک نظر دیکھا پھر پیالی ہاتھوں میں لے لی۔ٹھنڈک اسکے ہاتھوں سے ٹکرائی تو وہ کسی خیال سے چونکی۔

''دوسروں کے گھر میں اپنے ٹھکانے نہیں بنائے جاتے ناں؟'' وہ اسی کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ نیما آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ جانتی تھی زینیا کو ایسے نادر خیالات جب بھی آتے تھے تب کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور تھا۔

''میں یہاں ٹھیک تھی، مجھے لگا میں یہاں ٹھیک رہوں گی محفوظ رہوں گی لیکن۔۔۔'' اس نے رک کر ڈیزرٹ کا چمچہ منہ میں رکھا۔ کڑوا میٹھا ذائقہ حلق میں پھیل گیا۔ ''میں تو اپنے خواب بھول گئی تھی، میرا تو اپنا گھر ہونا تھا۔''

''تم الیگل ہو۔'' نیما نے اسے یاد دلایا۔

زینیا ہونٹ کاٹتی رہی، کافی دیر بعد جب وہ بولی تو اسکی آواز مدھم تھی۔

''میں اپنے ملک میں ہوتی تو اس وقت۔۔'' اس نے ڈیزرٹ کی پیالی واپس رکھی حلق میں کوئی گولہ سا اٹکا تھا۔ ''میں نے سی ایس ایس پاس کر لیا ہے۔'' نیما ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔ زینیا حاکم کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہو رہے تھے۔

''مجھے گھر چاہیے، میں۔۔ میں نے آدھی زندگی بلندیوں کی خواہش کی ہے اب کسی قیس کمبیر کے خوف سے میں اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔''

''مشکل کام ہے سوچ لو۔ وقت بدل گیا ہے۔ شاید کبھی تم پر اعتماد، اور سوشل اسکلز میں ماہر رہی ہو لیکن اب۔۔''

نیما نے تفکر سے اسے دیکھا۔

''تم بات کرتے ہوئے الفاظ بھول جاتی ہو۔ سڑک پار کرتے ہوئے ٹھہر جاتی ہو، کوئی تمہیں غور سے دیکھے تو ڈرنے لگتی ہو تمہیں لگتا ہے اس حالت میں ایسی لڑکی ڈھاکہ جیسے شہر میں گھر بنائے گی، کامیاب ہو گی؟''

اس نے پیالی نیچے رکھی اور گھٹنے سینے سے جوڑ لئے۔ ہاں وہ آج بھی خوف زدہ تھی۔ قیس کا نام سن کر بھی اسکے اعضاء جامد ہو جاتے تھے وہ سانس نہیں لے پاتی تھی لیکن۔ کب تک، ایک روز اسے سب بھول کر آگے بڑھنا تھا۔ اور یہی وہ لمحہ تھا۔

''میرے اندر ٹراما آج بھی ہے۔ ہاں میرے سوشل اسکلز نہیں رہے، میں اب لوگوں سے ڈرتی ہوں، میرے اعضاء تک میرے ٹراما کے زیر اثر ہیں۔ میں راتوں کو سو نہیں پاتی۔ قیس نے میری زندگی میں مجھے بہت مسائل سے نکالا لیکن جس گہرے کنویں میں اس نے مجھے دھکیلا ہے، میں اس سے نکل نہیں پاؤں گی لیکن کوشش کروں گی۔''

وہ ایک بار پھر اس آفس میں بیٹھی تھی۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ صہیب غور سے اسے دیکھ رہا تھا آبان کمرے کے باہر اسکا انتظار کر رہا تھا۔

''میں تمھیں جاب آفر کر رہا ہوں۔ ہم شادیاں اور برتھڈے ایونٹس کور کرتے ہیں۔ تم ہماری ٹیم کا حصہ بن سکتی ہو۔'' برتھڈے اور شادیاں یعنی ڈھیر سارے لوگ، رش، شور اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ ہتھیلی میں ناخن کھبوتی گئی۔

''تم نے کہیں کام کیا ہے؟ آبویسلی کیا ہوگا ہے ناں؟'' وہ اسے جانچ رہا تھا۔ کچھ تھا جو زینیا کو کھٹکا تھا۔

''جی میں نے ایک جگہ کام کیا تھا کچھ عرصے کے لئے۔''

''کتنا عرصہ؟''

''کوئی چھ سے سات ماہ۔''

''لیکن تمھارے اسکلز تو کافی polished ہیں۔ کہنا پڑے گا جس بھی فرم کے ساتھ تم نے کام کیا ہے وہ یقیناً اعلیٰ پائے کی ہوگی۔'' اسکے لہجے میں انداز میں کچھ وارننگ سا تھا۔ زینیا نے اپنا پرس دبوچا۔ ''ویسے ایک لڑکی ہے اس ملک کی نہیں لیکن تمہارا چہرہ اس سے کافی ملتا ہے۔''

زینیا حاکم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اتری۔ وہ ساکن رہ گئی۔

''کوئی سی وی، آئی ڈی کارڈ، کاغذات کچھ ہے؟ اور تم بنگالی کیوں نہیں بولتیں؟''

''میں دوبارہ آؤں گی تو سارے کاغذات ساتھ لاؤں گی۔ شکریہ۔'' وہ اٹھی، اور قدم باہر جانے کو موڑے۔ صہیب محظوظ نظروں سے اسے دیکھتا رہا اسکی آنکھوں میں کوئی کاٹ تھی۔ وہ ابھی دروازہ پار کرتی کہ صہیب نے کچھ کہا۔

''زینیا حاکم؟''

وہ جہاں تھی، وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔ کوئی آسیب تھا اس کمرے میں جس کے اسکے سارے وجود پہ کڑے چڑھا دیئے، اور وہ ہل نہیں سکی۔

''اس سے ملتا ہے تمہارا چہرہ، پاکستانی ہے وہ۔'' اسے محسوس ہوا جیسے وہ آدمی مسکرایا ہے۔

''یا شاید تھی۔۔ غائب ہے وہ۔ کچھ وقت پہلے انٹرنیٹ پہ اسکے نام کے چرچے تھے۔ ویسے تم اردو تو بہت اچھی بولتی ہو ہے ناں؟'' وہ جامد تھی۔ آنکھیں ساکت۔ ''زوہرا متین کل سے آجانا، پیسوں کی بات کرلیں گے ڈونٹ وری میں تمہارے ساتھ کاپریٹ کروں گا۔''

وہ مڑی ایسے جیسے کوئی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرتا ہو۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ حقیقت سے واقف ہے۔ اور زینیا حاکم اسے اپنا آرٹ بیچے گی کیونکہ وہ بدلے میں اسکے راز رکھے گا۔ اسکا سب سے بڑا خوف اسکے سامنے کھڑا تھا کیا وہ کبھی اسکا مقابلہ کر سکتی تھی، یا بس ٹوٹ کر بکھر جائے گی؟

''میرے پاس ہمیشہ حل ہوتے ہیں۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس سے میں نہ نکل سکوں لیکن۔۔۔ آہ قیس تمھیں خدا پوچھے۔ تم نے میرے مقدر میں کیسی دربدری لکھ دی۔ اب کیا دو دو ٹکے کے لوگ مجھے دھمکائیں گے؟''

وہ پورے تین ماہ صہیب کی ایجنسی کے لئے کام کرتی رہی۔ دن رات اسکے لئے ایک کر دیتی، شادی، برتھڈے، جینڈر ریویل، پکنک وہ ہر ایونٹ کور کرتی۔ اس سے فیکٹری کا کام چھوٹ گیا تھا وہ ایک کمرے کے چھوٹے سے فلیٹ میں رہ رہی تھی، جہاں نیا اسکے ساتھ تھی۔ ان تین ماہ میں وہ ویسی بلکل نہیں رہی تھی جس زینیا کو تم جانتے تھے۔

اس روز اسے ڈھاکہ آنے کے بعد اپنے فوٹو گرافی کیریئر کا سب سے بڑا موقع ملا تھا۔ صہیب کی ایجنسی جس ایونٹ کے لئے جان توڑ محنت کر رہی تھی۔ اسے وہ ایونٹ مل چکا تھا۔ وہ ڈھاکہ کے سینیٹر کی بیٹی کی شادی تھی۔ زینیا نے اب تک جو شادیاں کور کی تھیں یہ ان سے بے حد مخالف تھی۔ ٹھاٹھ باٹھ، لباس، سجاوٹ اسے حقیقی معنوں میں پسینے آنے لگے تھے۔ گو کہ وہ قیسم کے لئے اس سے بڑے شوٹ کر چکی تھی کامیابی اسکے قدم چھو کر واپس گئی تھی۔

یہ زینیا کی زندگی کا سب سے بڑا موقع تھا۔اس نے بڑی دلجمعی سے تصاویر اتاریں، ویڈیوز بنائیں،ایک ایک منٹ کو کیمرے کی آنکھ میں قید کیا۔ یہاں تک کہ دلہن اس سے اتنی خوش ہوئی کہ تقریب ختم ہونے سے پہلے اسے موٹی رقم بطور انعام تھمائی۔اسے اس انعام سے نہیں اس طاقت سے غرض تھی جو اسے مل چکی تھی۔

اگلے دن سٹوڈیو میں بیٹھے ہوئے اسے اندازہ ہوا ان ویڈیوز اور تصاویر کو ایڈٹ کرنا کتنا مشکل کام تھا۔اس پہ تضاد کہ صہیب نے باقی فوٹو گرافرز کا کام بھی اسے تھما دیا تھا،تاکہ پیسے بچ سکیں۔وہ مکمل انہاک سے تصاویر ایڈٹ کرتی رہی، ویڈیوز پہ گانے لگاتی رہی۔آخر میں اس نے دلہن کے نام ایک پیغام چھوڑا تھا۔

”آپ کی ساری تصاویر اور ویڈیوز ایڈٹ ہو گئی ہیں، دیکھنے کے لئے ایکسائٹڈ؟“

جسکی طرف سے کوئی پر جوش سا جواب آیا تھا۔زینیا نے تمام تصاویر صہیب کو ای میل کر دیں۔اور پھر اپنے لیپ ٹاپ سے ڈیلیٹ کر دیں۔وہ تمام خوبصورت تصاویر جنہیں دیکھ کر دلہن خوش ہونے والی تھی کیا واقعی؟

”لوگ پتہ نہیں کیوں بھول جاتے ہیں میں ڈر سکتی ہوں، گھبرا سکتی ہوں، گر سکتی ہوں، لیکن میں کبھی سمجھوتے نہیں کر سکتی۔ایک وقت آتا ہے جب میں خود کو یاد کرواتی ہوں،”مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔“

وہ سٹوڈیو کسی گناہگار کی قبر کی مانند اجڑا ہوا تھا۔فوٹو گرافر،اور مینجمنٹ کے چہروں پہ ایسا خوف تھا جیسے قبر کے سیاہ بچھو دیکھ لئے ہوں۔وہ جب سٹوڈیو میں داخل ہوئی تب اندر کا انتشار اسکے کندھے بھی بھاری کر گیا۔صہیب کسی زخمی شیر کی طرح اس پہ جھپٹا۔اسکا بازو کھینچ کر دیوار سے لگایا اور تیز آواز میں غرایا۔

”تم نے ان تصاویر کو کہیں اور سیو کیا ہے رائٹ؟“

”کون سی تصاویر، سر؟“اسکے لہجے کا بناوٹی خوف،اسکی آنکھوں کا تمسخر اس بنگالی مرد نے اپنے سارے بدن میں آگ سی پھیلتی محسوس کی۔

”مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش آؤں۔“اس نے زینیا کے بازو پہ زور بڑھایا اور زینیا نے اسی لمحے اسکا بازو اس تیزی سے جھٹکا کہ صہیب کو اپنا بازو جسم سے جدا ہوتا محسوس ہوا۔

''اور مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمھیں قبر تک چھوڑ کر آؤں، دوبارہ مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو تمھارے ساتھ وہ کروں گی تمہارا آدھا خاندان یاد رکھے گا۔''

وہ پریشانی سے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا۔ وہ رو دینے کے قریب تھا۔

''میرا لیپ ٹاپ نہیں کھل رہا تھا میں اسے ٹھیک کروانے گیا لیکن کوئی اسے ٹھیک نہیں کر پا رہا۔ **(زینیا کی کھولی ہوئی مشینیں زینیا خود بھی نہیں جوڑ سکتی)**'' وہ اسکے قریب آکر رکا۔ اسکی آنکھوں میں جیسے نمی چمک رہی ہو۔

''پلیز پلیز مجھ سے یہ مت کہنا کہ تم نے شہر بانو کی شادی کی تصاویر ڈیلیٹ کر دی ہیں۔''

''میں نے کر دی ہیں۔'' الفاظ نہیں کوڑا تھے جو صہیب کے منہ پہ برسے تھے۔

''میرے لیپ ٹاپ میں سٹوریج کا مسئلہ رہتا ہے آپ جانتے تو ہیں۔ میں نے کئی بار کہا تھا مجھے نیا لیپ ٹاپ چاہیے۔''

وہ بے دھم ہو گیا۔ اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آج ولیمے کا فنکشن تھا اور اسے ہر حال میں آج تصاویر ای میل کرنی تھیں۔ دلہن کا انسٹا گرام سونا سونا تھا، اور صہیب کو اپنا سارا کیریئر خالی خالی ہوتا محسوس ہوا۔ زینیا حاکم جس بے فکری سے آئی تھی اسی انداز میں سٹوڈیو کے اندر بنے اپنے آفس کی طرف چلی آئی۔ ڈیسک پہ لیپ ٹاپ رکھے اس نے اپنا کام شروع کیا۔ ہاں کل اس نے کسی کے لیپ ٹاپ کو کھولا تھا، پھر بند نہیں کر سکی۔ کیمرے کے میموری کارڈ کی اسٹوریج بھی اسی نے ڈیلیٹ کی تھیں۔ ہاں وہ اپنی ای میل کسی اور ڈیوائس میں لاگ ان کر سکتا تھا لیکن زینیا نے تو بس اسکا پاسورڈ تبدیل کیا تھا۔ اب کوئی کسی کی تنخواہ کھائے، اس سے اضافی کام کروائے، اسکی عزت نہ کرے پھر سامنے زینیا ہو تو اتنا تو بنتا ہے ناں؟

دائیں بائیں دیوار پہ لگی پینٹنگز کے درمیان بیٹھا صہیب سر ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا۔ جب اسے فون کالز آنا شروع ہوئیں۔ وہ دھیرے دھیرے دلدل میں گڑھتا جا رہا تھا اور وجہ اسکے عین سامنے بیٹھی تھی۔

''میں بری عورت نہیں ہوں، لیکن میں اچھی بھی نہیں۔ میرے اندر کچھ ہے کوئی الارمنگ بتی کوئی مجھے ستائے اور میں اسے بخش دوں یہ اس زندگی میں نہیں ہو سکتا۔ کئی بار میں لوگوں پہ ترس بھی کھا لیتی ہوں۔ ڈیمو دیکھنا ہے؟''

رات اتر آئی تھی۔ سٹوڈیو میں ایسا سناٹا تھا جیسے کوئی ڈائن گھوم کر گئی ہو۔ اسکے آس کے سارے ڈیسک خالی ہو گئے تھے وہ اپنا آخری کام نمٹا رہی تھی۔ جب اندھیرے ڈیسک کے ساتھ کرسی کھینچ کر کوئی بیٹھا۔ کرسی کی چر کی آواز کے ساتھ خاموشی چھا گئی۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' شکستہ، بکھرا ہوا لہجہ۔

زینیا نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

''آزادی۔''

''میں تمھیں برباد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ تم قاتلہ ہو، مفرور ہو، اس ملک میں الیگل ہو۔ دو منٹ میں تمھارے حصے میں ایسی ذلت لکھوں گا جسے تم دھو نہیں سکو گی۔ تمھیں مجھ سے مقابلہ کرتے وقت خوف آنا چاہیے۔''

''تم جیسوں کو بیچ کر کھا آؤں میں۔ تم نہیں جانتے میں کیسی بلائیں پیچھے چھوڑ کر آئی ہوں۔ کیا کرو گے؟ جا کر پولیس کو بتاؤ گے اس سے پہلے یہ دیکھو۔'' اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین کا رخ اسکی طرف کیا۔ لیپ ٹاپ پہ آج صبح کی ویڈیو تھی جس میں وہ زینیا کا بازو پکڑ کر اسے دیوار سے لگا رہا تھا۔ صہیب کا چہرہ واضح طور پہ تاریک پڑا۔

''اپنے فیمیل اسٹاف کو ہراساں کرنے کے جرم میں تم جیل جاؤ یا نہ جاؤ لیکن اپنے کیریئر کے کتنے بڑے بڑے مواقع کھو دو گے۔ میرے پاس تو ویسے ہی کچھ نہیں رہا ایک ملک سے دربدر ہو چکی ہوں دوسرے سے ہوتے ہوئے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن کل تک جو بربادی تمھارے مقدر میں آئے گی اسکے لئے تیار رہنا۔ اور وہ سینیٹر کی بیٹی وہ مجھ سے بے حد خوش ہے لیکن تمہاری خوشیاں کیسے اکارت ہوں گی سوچا ہے؟''

وہ ششدر سا اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسا شاک لگا تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یعنی وہ اسے دھمکا رہی تھی؟

''آج وہ عورت صرف غصے اور صدمے میں ہے کل وہ قہر بنے گی اور تم جانتے ہو صرف میں، صرف میرا ٹیلنٹ تمھیں اور تمھارے اس سٹوڈیو کو بچا سکتا ہے اب آگے جو تم چاہو۔ مقابلہ، یا مفاہمت؟''

وہ اگلے کئی لمحے خشک ہوتے حلق کے ساتھ وہاں بیٹھا رہا۔ اسکا ذہن شل تھا، اور جامد۔ وہ فائلز سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی، آبان اسے لینے آنے والا تھا۔ صہیب اب تک بے حال تھا۔

''کیا چاہتی ہو؟'' اسکی آواز کہیں بہت دور سے آتی تھی۔ وہ چھ فٹ کا گھاک مرد ہار مان گیا تھا۔

''میں تمہاری تنخواہ ڈبل کر دوں گا، تمھارے بونس نہیں کاٹوں گا، وقت سے زیادہ اور استطاعت سے زیادہ کام نہیں کرواؤں گا۔ تم اس سٹوڈیو کی ضرورت بن گئی ہو۔''

''مجھے کچھ اور بھی چاہیے۔'' بازو سینے پہ باندھے وہ گویا ہوئی۔

''تمھارے نام پہ رینٹڈ ایک فلیٹ۔ اور مجھے نوکری دیتے ہوئے تم مجھ سے کسی سی وی، کسی آئی ڈی کارڈ کی شرط نہیں رکھو گے۔ میں صرف تمھارے سٹوڈیو کے لئے کام نہیں کروں گی بلکہ کچھ پروجیکٹس میرے ذاتی ہوں گے۔ ہفتے کے تین دن تمھارے نام اور چار دن میری آزادی کے نام۔ منظور ہے تو ٹھیک ورنہ بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں کون کتنا برباد ہو گا۔ کیونکہ میرے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں ہے۔''

صہیب کا جی چاہا تھا اسے اسی وقت قتل کر ڈالے، مگر وہ مجبور تھا۔ پیٹ کی بھوک، معاشرے کے اقدار کئی بار انسان کو مجبور کر دیتے ہیں۔

چند ماہ بعد جنوری کی ایک دھند آلود صبح میں جب اس نے اپنے ایک کمرے پہ مشتمل فلیٹ کی کھڑکی کھولی تو تازہ ہوا کا جھونکا اسکے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ آنکھیں موند کر اس ہوا کو محسوس کرنے لگی۔ ڈھاکہ بلآخر اپنا اپنا سا لگا تھا۔ اپنا آپ بلاخر پہچان میں آیا تھا۔

پول کے سرد پانی میں پیر ڈالے اسے کئی گھنٹے بیت چکے تھے، جب اسکا فون تھرتھرایا۔ براق نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر فون سکرین کو تکا۔ کئی ماہ بعد قیس کمبیر اسے کال کر رہا تھا۔ براق چپ چاپ اس کال کو بجتے ہوئے دیکھتا رہا۔ سیکنڈز، منٹ، لمحے کال بج بج کر ختم ہوتی تو دوبارہ شروع ہو جاتی۔ گھنٹی دوبارہ بجنے لگی تو اس نے کال کا جواب اثبات میں دیا۔

''تم سے ملنے آنا ہے، کہاں آؤں؟'' اسکے آس پاس شور تھا وہ عجلت زدہ لگتا تھا۔

''میل ملاقات کے اسباب ایک عرصہ ہوئے ختم ہو چکے۔ اب باقی کیا رہ گیا؟''

''ملاقات کی دو شرطیں ہوتی ہیں خون ملتا ہو یا خیالات، ہمارا خون ملتا ہے، براق۔'' اس شور میں قیس کی آواز مدھم سنائی دی۔ یا پھر براق کی سماعتوں کو کچھ ہو چکا تھا؟

براق ہنس پڑا، کرب میں مدغم ہنسی۔

''اچھا ہے، اچھا ہے کم از کم کسی ایک سے تو شناخت ملی۔'' وہ رکا۔ پیر پانی سے باہر نکالے۔ ''ممی کے گھر آ جاؤ۔''

دوسری طرف ایک لمحے کے لئے بلکل خاموشی چھا گئی۔ شور بڑھ گیا ایسے جیسے وہ چلتے چلتے رکا ہو۔ وہ واقعی رکا تھا۔ چہرے پہ کچھ در آیا اور آنکھوں میں کچھ ابھرا۔ اس ایک لمحے میں وہ مختلف انسان بن گیا۔

''وہاں نہیں، میں پینٹ ہاؤس آ رہا ہوں۔'' بہت دیر بعد وہ جبراً بولا۔

براق نے دکھتے سر کو مسلا، گلابی پڑتی آنکھیں رگڑیں۔

''کبھی تم اچانک مجھ سے معافی مانگنے آ جاتے ہو، کبھی میرے گھر آنے سے کتراتے ہو۔ کچھ ہے جو تم چھپا رہے ہو؟''

''اگر چھپا رہا ہوں تو ڈھونڈ لو۔'' وہ سنبھل کر بولا۔

''پھر کبھی سہی۔'' اس نے سر سے ٹالا اور کال کاٹ دی۔ رات والی بشاشیت مفقود تھی۔ اس نے موبائل پہ شیزل کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف بیل جانے لگی تھی۔ چند پل بعد ہی کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ دونوں طرف ایک لمبی خاموشی رہی، براق نے بہت دیر بعد خاموشی کو توڑا۔

''کل رات سے میں یہی سوچتا رہا کہ مجھے کیا ردعمل دینا چاہیے۔ تم پہ مقدمہ دائر کرواؤں، تمھیں publicly defame کروں، تمھارے اس نئے عاشق کو زچ کروں یا پھر۔۔۔''

''یا پھر تم مجھ پہ ملبہ ڈالو؟'' پول کے نیلے پانی سے دور، اب وہ کہیں جا رہا تھا۔

''یا پھر میں تمہیں حقیقت کا وہ آئینہ دکھاؤں جس میں تم میرے جتنی مکروہ نظر آتی ہو۔'' وہ اب اسی ملگجے سے حلیے میں اب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ لاشعوری طور پہ اسے لباس کی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ قیس سے ملنے جا رہا تھا۔ قیس یعنی دوست۔ آہ باقیات باقی تھے۔

''تم وہ عورت ہو جس کی ماں نے سیکورٹی کے طور پہ مجھ سے میرے شیئرز تمھارے نام کروائے میں نے محبت میں آکر کر دیے۔ اور تم پورا ڈیڑھ سال ہمارے تعلق کے ختم ہونے کے ڈیڑھ سال تک تم مجھے بتاتی رہیں کہ میرے شیئرز محفوظ ہیں۔ اور ایک سال بعد تم نے ایک ذاتی عناد کے چلتے میرا وہ نقصان کروایا ہے جسے میں اگلے کئی سالوں تک پورا نہیں کر سکوں گا'' وہ رکا، موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکایا اور گاڑی دروازے سے باہر نکالی۔

''اب تم بلکل میرے جیسی ہو۔ دھوکے باز، جھوٹی، مکار۔''

دوسری طرف شیزل بے حد سکون سے اسکی بات سنتی رہی کافی پھینٹنے کی کھٹ کھٹ کے درمیان اسکی آواز کٹ رہی تھی، خیر وہ اتنا ضروری بھی نہیں تھا جسکی آواز سننے کو وہ بے چین ہوتی۔

''تمھارے خلاف کوئی کیس نہیں کروں گا، میرا گلٹ اب ختم ہوا۔ ایک عرصہ پہلے تم نے مجھے چھوڑا تھا آج میں نے تمہارا خیال چھوڑا۔ تم وہ نہیں ہو جس کے حصول میں، میں تھک رہا تھا۔ آج سے تم مجھ جیسوں کی صف میں آگئی ہو۔''

''پھر خوش قسمت نہیں کہو گے؟''

''نہیں۔۔۔'' لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ ''کیونکہ بہت جلد تمھیں علم ہو گا یہ راہ کتنی کٹھن ہے۔''

''یعنی ابھی وقت ہے رائٹ؟'' اس نے کپ میں اسٹر الگایا۔ اور ایک گھونٹ بھر کر ذائقہ چیک کیا۔ ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ۔

''چلو ٹھیک ہے جب وقت آیا دیکھی جائے گی، ابھی کے لئے خدا حافظ۔ تم نے بھی کئی زندگیاں برباد کی تھیں تمہاری کر کے مجھے مزہ آیا۔''

اس نے کال کاٹ دی۔رابطہ منقطع ہو گیا اور اب،اب اسکے چہرے پہ اضطراب،بے چینی دیکھی جا سکتی تھی۔دل میں گلٹ کچو کے لگانے لگا۔اس نے موبائل آنکھوں کے آگے کیا،انگلیوں نے میکانکی انداز میں زینیا حاکم کی چیٹ کھولی۔پھر رک گئی،ٹھہر گئی۔اسکی واحد دوست جو اسے رئیلٹی چیک دیا کرتی تھی اب جانے کہاں تھی۔وہ پچھلی باتیں پڑھنے لگی،یادیں پھر تازہ ہونے لگیں۔

یادیں،گلٹ،کرب سب گڈ مڈ ہو گیا۔

پینٹ ہاؤس کے اندر آٹو میٹک ہیٹر چالو تھا۔لاؤنج میں آتے ہی اس نے کوٹ اتار دیا تھا۔اور اب گرما گرم کافی کا مگ ہاتھوں میں لئے وہ اپنے سامنے بیٹھے براق کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسے ہو؟"

براق نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک۔۔۔کاروبار گیا۔"

"کاروبار اور بہت۔۔۔"کافی کا گرم گرم گھونٹ حلق میں اتارا۔ براق بے حد غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں،اب بالکل ٹھیک ہوں۔"براق سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔

"اور اسکا کیا حال ہے؟"اس نے انگلی سے قیس کے سینے کی طرف اشارہ کیا۔قیس نے دل پہ ہاتھ رکھا پھر گردن جھکا کر ہلکا سا مسکرایا۔ایسے جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

"اس کمبخت کی ڈرامے بازیاں کہاں ختم ہوتی ہیں۔آج کل تو اداس ہے۔"

"واقعی؟"

قیس نے ایک اور گھونٹ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''اسکی افسردگی کا سدباب کرنے آیا ہوں، بہت سر چڑھ گیا ہے۔''

''اب یہ مت کہنا تم ''**اسکے**'' حصول میں خاک چھاننے نکلو گے۔ کہاں پہنچی اسکی تلاش؟'' اس نے زکام زدہ سانس اندر کھینچتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اسے تلاش نہیں کر رہا، کیونکہ وہ میری تلاش سے نہیں ملے گی۔'' مگ کے اندر کا مائع بے ذائقہ ہو گیا۔

''آپ کے ان نادر خیالات کا نچوڑ کیا ہے؟'' براق اکتایا نہیں بس پوچھا۔

''میں ان دنوں اندھیروں میں تھا جب وہ مجھے ملی۔ میں نے اسے تلاش نہیں کیا۔ اس سے ملنا، اسکا ساتھ it just happened۔ اور میں نے اسے جب خود سے قریب رکھنے کی کوشش کی تو وہ دور ہوتی چلی گئی۔ اس لئے میں اسکے پیچھے نہیں جاؤں گا وہ مجھے تب ملے گی جب میری روح کو اسکی سب سے زیادہ ضرورت ہو گی۔''

اس نے کافی کا کپ واپس رکھا۔ یکدم ذائقے رخصت ہو گئے تھے۔ یکدم دل میں ملال کے پڑاؤ پڑنے لگے۔ وہ اسے دور جاتا تھا لوگ اسکا ذکر لے بیٹھتے تھے۔ لوگوں کی زبان بند کرے یا دل کا علاج کرے، سمجھ نہ آسکا۔

''پھر حل کیا ہے؟''

''وہ نہ سہی اسکے ساتھ دیکھے خواب سہی۔'' شان نے اچکا کر کہا۔

''یعنی؟'' براق کے ابرو استہفامیہ انداز میں اٹھے۔

''یعنی قیسم شُوز لانچ کرنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ پارٹنر بنو گے؟''

براق ہنس پڑا۔ میلوں کے سفر سے آئے کسی مسافر کی تھکی ہوئی ہنسی۔ کسی برسوں کے دیکھے خواب کے چکنا چور ہونے پہ رلا دینے والی ہنسی۔

''ایک بھائی میرے پیروں سے زمین کھینچتا ہے اور دوسرا چھت فراہم کرتا ہے۔ کیا کروں، کہاں جاؤں؟ کب تک میں تم سب کا کولیٹرول ڈیمج رہوں گا، کب تک مجھے وقت آنے پہ باپ بناتے رہو گے۔''

''جو میں نے برباد کیا اسے میں آباد کروں گا، کوئی مہدی کمبیر نہیں۔'' مدعا بتایا۔

''یعنی مجھے استعمال کر رہے ہو؟''

''ہمیشہ کیا ہے۔'' صوفے پہ پیچھے کو ہو کر ٹیک لگائی۔ ''اب کیا کہوں، اب تو عادت ہونے لگی ہے۔''

براق تکان زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ سچ یہ تھا کہ وہ دکھی ہوا تھا۔ سچ یہ بھی تھا کہ اسکی ریڑھ کی ہڈی جیسے چٹخ کر رہ گئی ہو۔ سچ یہ تھا کہ وہ اس وقت کسی کے گلے لگ کر ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا لیکن براق حنیف کے ساتھ زندگی نے ایسے کرم نہیں کیئے۔ اسے دوست نہیں دیئے، مخلصی نہیں دی اب تو جیسے عادت ہو گئی تھی۔ نہیں تو نہ سہی۔

'' پھر ہاں سمجھوں؟''

''ہاں اس طرح عزت بچ جائے گی۔ لوگوں سے کہہ سکوں گا نئے کاروبار کے لئے شیئرز بیچ دیئے۔'' وہ بہت ہلکی آواز میں بولا۔

قیس نے ٹھہر کر اسکا چہرہ دیکھا۔ پھر نرمی سے پوچھا۔۔۔ ''ہرٹ ہو؟''

''اس بار تو بہت زیادہ، بندے سے تعلقات چلے جائیں تو پیسے کا آسرا رہتا ہے۔ پیسہ چلا جائے تو تعلقات کا آسرا بھی نہیں رہتا۔ دنیا کو جانتا ہوں جب تک کاغذ کا ٹکڑا ساتھ تھا تب تک سب میرے تھے اب جانے کیا ہو گا۔'' آنکھیں موند کر صوفے پہ ٹیک لگالی۔

''اچھی لائن تھی، کہاں سے سنی؟''

''واللہ ابھی ابھی گڑھی ہے۔'' صاف گوئی سے کہا۔ پھر آنکھیں کھول کر قیس کو دیکھا۔

''مجھے میری ماں کی بہت یاد آ رہی ہے۔ دل کر رہا ہے کاش تھوڑی دیر کے لئے ہی انکے پاس جا سکتا۔ میری ماں بہت پیاری تھی یار۔'' وہ سادگی سے، دکھ سے کہہ رہا تھا۔ قیس چپ رہا۔

''میں چلتا ہوں، دوبارہ پارٹنر بن کر ملاقات ہو گی۔'' وہ کیوں اسے پارٹنر بنانا چاہ رہا تھا کیوں کسی ذکر سے بھاگ رہا تھا؟ براق نے اسے دیکھا یوں جیسے اسکے چہرے پہ کچھ کھوجنا چاہ رہا ہو۔ قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ کوٹ بازو پہ ڈالا۔

''جو میں نہ بتانا چاہوں وہ راز میری آنکھیں بھی نہیں بتاتیں۔'' جتا کر کہا۔ اور لاؤنج کا دروازہ پار کرتا ہوا چلا گیا۔ براق نے ریموٹ اٹھا کر لائٹس بند کیں۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ درد دل میں گہرا ہوا۔

کہانی ایک نئی شروعات کے نام، کرداروں کے درد وہی پرانے۔

کولاپوری چپلوں کے ساتھ سفید رنگ کی گھیر دار فراک پہنے چھوٹے بالوں کو کرل کئے وہ آئینے کے سامنے گھوم گھوم کر خود کو دیکھ رہی تھی۔ وہی ممتاز قد، وہی سنہری آنکھیں، وہی دلکش سراپا۔ ظاہر وہی تھا باطن بدل چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیمرہ لئے آبان کے ساتھ ڈھاکہ کی بازاروں کی سیر کو نکل آئی تھی۔ یہ حصہ ہمارے کراچی کی لوکل بازاروں جیسا تھا۔ ٹھیلوں پہ گول گپے، بریانی، سموسے، شربت اور مختلف کھانے پینے کی چیزیں وافر مقدار میں موجود تھیں۔ اس نے کئی جگہوں پہ رک کر آبان کے ساتھ کتنی ہی چیزیں کھائی تھیں۔ کتنے دنوں بعد وہ بلاخر اپنی مرضی سے گھومنے نکلی تھی۔ ایک ایک ذائقے کو حلق سے روح تک اتارا تھا۔

''ٹیچر، آپ نے مجھے چائے نہیں پلائی نہ بھٹا کھلایا۔'' بازار میں چلتے ہوئے آبان نے شکوہ کیا۔ سفید لباس والی لڑکی نے باقاعدہ گھوم کر اسے دیکھا تھا۔ اسکے ایک ہاتھ میں چنے تھے، دوسرے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک تھوڑی دیر پہلے وہ گول گپے کھا چکا تھا لیکن اس کا پیٹ تھا کہ بھر کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

''تمھیں پتہ ہے میں ایک آدمی کو جانتی تھی۔'' وہ بازار میں ایک طرف ایک جگہ رک گئی۔ یہاں سے سارے ٹھیلے نظر آرہے تھے جن پہ جیولری اور جوتے تھے۔ ''وہ مجھے ہر دفع کہتا تھا تم یہ کر دو، زینیا پھر تم مجھے فلاں ریستوران لے جانا، اس ٹیسٹ کے بعد تم مجھے چائے پلانا اور اس امتحان کے بعد تم میرا ٹور اسپانسر کرنا۔'' اس نے کیمرہ آنکھ سے لگائے تین سے چار شاندار کلک لیے۔ یکدم اسکی یاد گہری ہوئی۔

''وہ آدمی غریب تھا کیا؟'' وہ بھرے بھرے منہ سے بولا۔

زینیا ہلکا سا مسکرائی۔ اسکی آنکھیں اسکے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ "وہ بہت امیر ہے۔ اسکے پاس ڈھیر سارا پیسہ ہے۔ لاکھوں کے کپڑے پہنتا ہے، ڈھیر سارے جوتے اور گھڑیاں رکھتا ہے۔ اتنا امیر ہے کہ جو کیمرہ ہم نے قسطوں میں خریدنے کا سوچا ہے وہ کھڑے کھڑے خرید سکتا ہے۔"

وہ اب آبان کے ہاتھ سے چنے کا پیکٹ لے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ دونوں بازار میں چلتے جا رہے تھے۔ وہ کسی محافظ کی طرح اپنی ٹیچر کا خیال رکھ رہا تھا۔

"پھر وہ آپ سے کیوں مانگتا تھا؟"

"مجھے موٹیویٹ کرنے کے لئے، اسے شاید لگتا تھا اگر میرے خوابوں میں حصہ ڈالے گا تو میں اور اونچا سوچوں گی۔"

وہ ایک جیولری سٹال کے قریب رک گئی۔ وہاں کئی کی چینز لٹک رہی تھیں۔ جن میں پرندے کی شکل کے لاکٹ جڑے تھے۔

"پھر اب وہ کہاں ہے؟ آپ کو یاد نہیں آتا؟"

زینیا نے سارس پرندے والی کی چین کو ہاتھ میں لیا اور اسے انگلیوں کے پوروں سے چھوا۔ اب وہ بہت زیادہ یاد آیا۔

"یاد سے بڑا کوئی لفظ اگر ہے تو میں اس لفظ کو اس سے جوڑنا چاہوں گی۔" یہ جملہ اس نے اردو میں کہا تھا۔ آبان شور کے باعث کچھ سن نہیں سکا۔ نہ سمجھ سکا۔

"اسے پیک کر دیں۔" دوسرا جملہ اس نے بانگلہ میں کہا تھا۔ دکاندار نے فوراً کی چین اتار لی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ آبان کے ساتھ بازار سے نکل کر سامنے بنے چھوٹے سے ڈھابے کی طرف چلے آئے تھے۔ جہاں بیٹھ کر وہ دونوں اس وقت کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔

"ایک بات بتائیں، ٹیچر آپ کو اپنے گھر والے یاد نہیں آتے؟"

وہ زینیا کو موبائل پہ مصروف دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔ اسکی سفید لمبی انگلیاں جو بشر کا فیسبک اکاؤنٹ سرچ کر رہی تھیں ایک لمحے کو تھم گئیں۔ ذہن کے کواڑوں پہ کس کس یاد نے دستک دی وہ اندازہ ہی نہیں کر سکی۔

''آتی ہے۔''

''پھر آپ انکے پاس واپس کیوں نہیں جاتیں؟''

اکاؤنٹ کھل گیا تھاوہاں بشر کی کئی تصاویر تھیں۔زیادہ تر وہ زینب کے ساتھ تھا۔اسے کندھوں پہ اٹھائے، کبھی اسکے گال چومتے، کبھی اسے گلے لگاتے ہوئے۔کئی تصاویر دوستوں کے ساتھ تھیں۔ایک دو ضیغم کے ساتھ۔

''دل چاہتا ہے،دل تو بہت چاہتا ہے لیکن دل کی ہر بات مانی نہیں جاتی۔میرے گھر والوں نے مجھے یہاں بھیجنے کے لیے جتن کیے ہیں واپس جا کر سودے بازی نہیں کر سکتی میں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''چودہ سالہ بچے کو اسکی بات کا مفہوم سمجھ نہیں آیا۔

میرے جانے سے انکی مشکلات بڑھ جائیں'' گی۔اور....''اور کیا؟اسے سمجھ نہ آیا اور کیا۔''شاید میں اب واپس نہیں جانا چاہتی کیونکہ مجھے وہاں جانے سے خوف آتا ہے۔''

''وہاں ایسا کیا ہے؟''اسکی آنکھیں چمکیں۔''ویٹ کہیں وہاں جن اور بھوت تو نہیں رہتے۔اوہ گاڈ میری امی کے گاؤں میں بھی ایسی کہانیاں مشہور ہیں۔''وہ فوراً پر جوش ہوا تھا۔

زینیا نے ہنس کر سر جھٹکا اب وہ مہدی کا اکاؤنٹ اسٹالک کر رہی تھی۔عین اسی لمحے ڈھاکہ سے دور پاکستان کے دار لحکومت اسلام کے کسی کیفے میں بیٹھے ہوئے سبز آنکھوں والا شخص ایک پل کے لئے ٹھہر گیا۔وہ انسٹا گرام کی ایکسپلور میں آتی ایک تصویر دیکھ کر ٹھہر گیا تھا۔کسی بازار کی تصویر۔

وہ دونوں ایک نقطے پہ ایک جگہ جامد ہوئے تھے۔مہدی ٹھہر کر سلائڈز ہٹاتا جا رہا تھا اور زینیا اسکی تصور پہ ٹھہری تھی۔سبز آنکھوں میں کتنی ویرانی تھی؟اسکی سیاہ شرٹ،اسکے بال،کلائی کی گھڑی۔

مہدی ان تصاویر کو دیکھ رہا تھا جو اسے شناسا لگ رہی تھیں۔بازار،کیفے،چائے،دریا،فیری،لوگ۔سب غیر تھے لیکن ان سب میں کیا تھا جس نے ایک لمحے کے لئے مہدی کو ساکت کیا تھا۔اس نے اکاؤنٹ کھولا،اسی لمحے زینیا نے کامنٹ سیکشن کھولا۔

اکاؤنٹ کسی زوہرا متین کا تھا۔ شہر تھا ڈھاکہ ، ملک بنگلہ دیش۔

کمنٹس میں محبتیں تھیں، ستائش تھی، پذیرائی بھی۔ زینیا کے متعلق سوالات۔

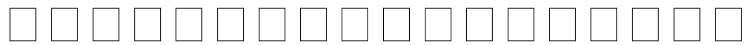
دونوں کے دل ٹھہرے تھے، دھڑکنیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئی تھیں۔ وقت تھما تھا، زندگی میں ایک عجیب سے لمحے نے جگہ بنائی۔

وہ کتنے ہی منٹ اس نام اور شہریت کو دیکھتا رہا، پھر سر جھٹکا۔ اس نے اکاؤنٹ بند کر دیا اور اب وہ دوبارہ ایکسپلور میں کچھ دیکھ رہا تھا۔

زینیا نے کامنٹ سیکشن بند کر دیا اب دل دکھتا تھا۔ اسکے قریب نہ رہنا ایک الگ اذیت تھی اور وہ اس اذیت کی عادی کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔

فیڈ ایکسپلور کرتے ہوئے اسکا دماغ اسی ایک تصویر میں الجھا رہا، کھانا کھاتے ہوئے اسکا دل اس آدمی میں الجھا رہا۔

ایک دوسرے سے سرحد کی دوریوں پہ ہوتے ہوئے بھی ان دونوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ نتھی تھے، وقت انہیں جدا کرنے پہ پر ملال تھا۔



ڈیڑھ برس بعد۔

بہتے ہوئے ٹھنڈے پانی کا شور اس وادی کے سکون کو منتشر کر رہا تھا۔ ہر طرف سر سبز درخت اور اونچے پہاڑ تھے۔ یہ حصہ آبادی سے دور کہیں تھا۔ کشمیر زمین پہ جنت ہے یہ محاورہ اس وقت حقیقت بن جاتا ہے جب کوئی اس سر زمین پہ اپنے قدم دھرے۔ پنجوں کے بل اونچے ہو کر وادی پہ طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اب نظریں گھما کر دیکھو تو کوئی مرد سینے کے بل نہر کے گیلے

پتھروں پہ لیٹا ہوا تھا اور چہرہ بہتے ہوئے پانی میں ڈال رکھا تھا۔ شفاف ٹھنڈا پانی اسکے چہرے سے ٹکراتا تو وہ اوپر ہوتا سر دائیں بائیں ہلاتا اور ایک بار پھر پانی میں جھک جاتا۔ کافی دیر محظوظ ہوتے رہنے کے بعد اس نے چہرہ اٹھایا۔ چہرے سے پانی کے قطرے گرنے لگے۔ بال گیلے تھے اور شرٹ سینے سے گیلی۔ اسکے لبوں پہ ہلکی سے مسکراہٹ تھی۔ سیاحت اب اسکے لئے سکون نہیں رہی تھی مگر آج بھی ایک "**ناسٹیلجیا**" کا تعلق قائم تھا۔ وہ تعلق جو ختم نہیں ہو سکتا تھا۔

اسکا سینہ اور گردن بھیگ گئی تھی۔ کشمیر میں ان دنوں موسم بہت خوبصورت تھا۔ اب ٹھنڈ اترنے لگی تھی اور راتیں یخ بستہ تھیں۔ وہ نہر کے کنارے رکھے اپنے سفری بستے تک آیا جس کے ساتھ سفید ہنس کی ایک جوڑی کا کی چین لٹک رہا تھا۔ اس نے بستہ کندھے پہ ڈالنے سے قبل ایک بھرپور نظر اس کی چین دیکھا ضرور تھا۔ "**اس**" سے وابستہ چیزیں نظر انداز کرنا آج بھی مشکل تھا۔

"میں تو گھر چلا گیا تھا مجھے لگا آپ جناب کو چار پانچ گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔" سامنے سے کوئی چلا آ رہا تھا وہ کم و بیش مہدی کمبیر کی عمر کا ہی تھا۔ لباس اور لہجے سے وہ علاقائی لگتا تھا۔

"کیا ہوا ہے صاحبزادے، وادیوں سے عشق کم ہو گیا ہے جو اتنی جلدی بستہ باندھ لیا؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے لیکن گھر بھی جانا ہوتا ہے، کتنے کام پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور یہاں جس کام کے لئے آیا تھا وہ ہوا ہی نہیں۔" وہ دونوں اب نہر کے کنارے چل رہے تھے۔ مہدی اپنے گیلے بوٹ دیکھ رہا تھا۔ اور انور سامنے۔

"تمہارا تو ایک ہی کام ہے، شہر شہر گھومنا، انہیں ڈھونڈنا اور پھر مایوسی۔" وہ بولا تو مہدی کے چہرے پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ اسکا خیال بھی آیا اور یاد بھی، دل بھی دکھا پھر سر بھی جھٹکا۔

"کتنے شہر ڈھونڈ لئے اب تم نے؟"

"زیادہ نہیں بس پاکستان کے اندر ایک۔ سو تین اور پاکستان کے باہر چھ۔ ان چھ شہروں کی بہت بات کی تھی اس نے مجھے لگا شاید۔۔۔۔" دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ سر جھٹکا۔

"خیر میں اسکی تصویر چھوڑے جا رہا ہوں اگر کہیں سے کچھ پتہ چل جائے تو بتا دینا۔ کوئی بھی اطلاع کچھ بھی ملے تو مجھ سے مت چھپانا۔"

''ضرور۔''انور نے سینے پہ ہاتھ رکھے تسلی دی۔وہ دونوں چلتے چلتے کافی دور آ گئے تھے یہاں سے بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحد دکھائی دے رہی تھی۔بس ایک سرحد کا فاصلہ۔''کھانا آج تم میرے گھر پہ کھاؤ گے۔''

''یار میں ہوٹل میں ٹھیک ہوں۔''

''تم تو ٹھیک ہو میرے کشمیری ہونے پہ تف ہے اگر میرا دوست میرے شہر آ کر میرے گھر کا کھانا نہ کھا سکے۔''کشمیری کے اندر کا مہمان نواز جاگ گیا تھا۔

''تمہارا بھائی بھی اسی طرح کا تھا جب میں پچھلی بار آیا تھا تو دو دن مجھے اپنے گھر رکھا۔''وہ دور سرحد کو دیکھتے خوشگوار یادوں میں تھا۔انور کے چہرے پہ افسردگی تھی۔

''آج بھی۔۔۔آج بھی میرا دل کرتا ہے کاش میں نے اسے روکا ہوتا۔''سرحد دیکھ اسکے چہرے پہ بے اختیار سوگواریت طاری ہوئی۔انور کا بھائی چار سال قبل غیر قانونی طریقے سے بارڈر پار کروانے کے جرم میں پکڑا گیا تھا اور پھر آرمی کی حراست سے بھاگتے ہوئے اسے گولیاں لگ گئی تھیں۔

''پتہ ہے سارا قصور ہمارا نہیں ہوتا،مہدی۔حکومت جانتی ہے جھول کہاں کہاں ہیں۔کہاں کیسا دیمک ہے لیکن کہتی کچھ نہیں۔اگر یہ کھلے ہوئے بارڈرز بند کر دیئے جائیں، غیر قانونی طریقے سے کسی ملک میں داخلے پہ کڑی سختی کی جائے تو کسی انور کا بھائی غائب نہ ہو۔یہ کھلے ہوئے بارڈر یہ غیر قانونی آمدورفت انہوں نے ایسا ظلم کیا کہ کئی لوگ اپنے پیاروں کو دیکھنے کے لئے ترس گئے۔''

مہدی نے تسلی دینے کو اسکے کندھے پہ اپنا ہاتھ رکھا۔اسکی نگاہیں بھی سرحد پہ جمی تھی اور اسی لمحے اسکے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔اسے اپنے پیروں سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔انور کے انداز کوئی فلم دکھاتے محسوس ہوئے جن میں وہ زنیا کو اس ملک کی سرحدوں کے پار دیکھ رہا تھا۔اسکی حالت سے بے خبر انور اس سے بے نیاز سا کہہ رہا تھا۔

''اگر یہ ایک ملک سے دوسرے ملک جانے والے غیر قانونی راستے بند ہو جائیں تو کتنا اچھا ہو جائے ناں؟ فائدہ بھی تو کوئی نہیں ہوتا یار، ایک الگ ملک میں گھس بیٹھیئے کی کیا ہی عزت ہوتی ہو گی۔'' کوئی الارم تھا جو ڈیڑھ سال بعد اسکے ذہن میں بجا تھا۔ وہ ساکت اور شل رہ گیا۔

پاکستان میں اسے ڈھونڈنے کے لئے اس نے سر دھڑ کی بازی لگائی تھی۔ ڈیڑھ سال قبل وہ الگ انسان تھا آج مہدی کمبیر الگ تھا۔ اس نے پیسہ، تعلقات، معصومیت سب استعمال کر لیا تھا اور وہ اسے نہ ملنی تھی نہ ملی۔ وہ نہیں ملی کیونکہ وہ اس ملک میں تھی ہی نہیں اور یہ بات اسے اب پتہ چلی تھی۔ کئی لمحے وہ جامد رہا۔

انور کافی آگے نکل گیا تھا اور جب مڑ کر دیکھا تو مہدی کمبیر اپنی جگہ ساکت تھا۔ کشمیر کے سارے پہاڑ دھڑا دھڑ اسکے وجود پہ آن گرے تھے۔ اور وہ انکے نیچے دبتا چلا گیا۔

''میں۔۔اسے۔۔غلط۔۔جگہ ڈھونڈ۔۔۔رہا تھا۔'' اسکے لبوں سے پھنسے پھنسے الفاظ برامد ہوئے۔ انور اچھنبے سے اسے دیکھتے ہوئے آگے آیا۔

''مجھے لگا تھا وہ مجھ سے دور نہیں ہو گی بس آنکھ سے اوجھل ہو گی مگر۔۔وہ۔۔۔وہ تو واقعی دور تھی۔'' وہ دور تھی بہت دور۔

''تم ٹھیک ہو کیا ہوا ہے؟ سب صحیح؟'' انور اب اسکے قریب کھڑا اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ مہدی ہنوز سانس لئے بغیر کھڑا تھا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی گھر چلیں؟'' اس نے مہدی کا کندھا ہلایا جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔

''مہدی گھر چلیں؟'' اپنے کندھے کے ہلائے جانے پہ اسکا ٹرانس ٹوٹا۔ اس نے تاریک پڑتے چہرے سے انور کو دیکھا۔

''ہنہہ؟ کیا کہا؟''

''میں نے کہا ہے تم تھکے ہوئے لگتے ہو آؤ گھر چلیں۔۔۔''

گھر؟۔۔۔اسکا گھر تو اس سے بہت دور تھا۔اسکا گھر اب ایک انسان سے جڑا تھا وہ انسان جسے وہ غلط جگہوں پہ ڈھونڈتا رہا تھا۔وہ چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے انور کو دیکھتا رہا پھر بستے کو کندھے پہ مضبوطی سے جمایا۔خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔

''گھر ہی تو ڈھونڈ رہا ہوں۔۔۔''اس نے آسمان کو دیکھتے ایک ٹھنڈی آہ خارج کی۔

''اب لگتا ہے مل جائے گا۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟کچھ سمجھ نہیں آرہی مجھے۔''اسے شبہ ہوا کہ اسکا دوست چند منٹوں میں پاگل ہوگیا ہے،اسے خبر نہیں تھی اسکے دوست کو ڈیڑھ برس بعد اپنے حواس جگہ پہ آتے محسوس ہوئے تھے۔سیاح اگلے چند لمحوں میں پہاڑ، دریا، وادی، سبزہ سب نظرانداز کیئے کہیں جا رہا تھا۔وہاں جہاں اسکا سکون تھا۔

چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں آج سامان بے ترتیبی کا شکار تھا۔صوفے پہ نیم دراز لڑکی سوئیٹ شرٹ کے ساتھ گرے رنگ کے ٹراؤزر میں ملبوس سینے پہ رکھی باؤل سے بادام چن چن کر کھا رہی تھی۔لاؤنج کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔واحد روشنی وہ تھی جو ٹی وی سے ابھر رہی تھی۔

اسکی نظریں اس اداکار پہ جمی تھیں جو کافی دیر سے روٹھی محبوبہ کو منا رہا تھا۔نیا اسکے پیروں کے قریب آکر بیٹھی۔اسکے ہاتھ میں سنہرے رنگ کا گول اسٹیل کا ڈبہ تھا۔جسے دیکھتے ہی زینیا نے رخ پھیر لیا۔ایک تو ساتھ والے فلیٹ سے آتا شور اسکے کانوں کو سن کر رہا تھا۔

انکے ساتھ والے فلیٹ میں لویزہ نامی ایک عورت رہتی تھی جس نے طلاق لے لی تھی اور اب اکیلی رہتی تھی۔ہر تیسرے دن اپنی شادی شدہ دوستوں کو گھر بلوا کر ان کی برین واشنگ کرنا اسکا فرض تھا۔نیا اب اس ڈبے کو میز پہ رکھے خود آلتی پالتی مارے فرش پہ بیٹھ گئی۔میٹھے کی شوقین عورت کے چہرے پہ خوشی دیدنی تھی۔

''آپ سوئی کیوں نہیں؟''ٹی وی دیکھتے ہوئے اسکی آواز میں نیند کی خماری تھی۔

''ایک کمرے کا گھر ہے اور تم نے اتنا شور مچا کر رکھا ہے نیند کہاں آئے گی؟'' ڈبہ کھل گیا تھا۔ وہ چاکلیٹ لاوا کیک تھا۔ نیما اب اس پہ چمچ سے وار کر رہی تھی۔ زینیا کو کوفت ہونے لگی کوئی اتنا چاکلیٹ کیسے کھا سکتا ہے؟

''یعنی میں یہ سمجھوں کہ آپ چاکلیٹ کیک لے کر میرے پاس کسی کی برائی کرنے نہیں آئیں؟'' چھوٹی آنکھیں بامشکل کھولتے نرمی سے پوچھا۔ اسکا کام بہت بڑھ گیا تھا اور نیند کا دورانیہ کم۔ یہ گھر پانی کی طرح پیسہ کھا رہا تھا اور زینیا حاکم ڈیڑھ سال سے اپنی چھت کو گھر بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ ناکامی سی ناکامی تھی۔

''وہ تو میں نے کرنی ہے۔'' چاکلیٹ کی اوپری سخت پرت ٹوٹ گئی تو اندر سے پگھلا ہوا چاکلیٹ نظر آیا۔ ساتھ ساتھ پاس والے فلیٹ سے آتی آوازیں بھی تیز ہوئیں۔

''تمھارے شوہروں نے بس تمھیں غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ کھانا تم بناؤ، کپڑے تم دھوو، ہر ضرورت تم پوری کرو، اور آخر میں سارا کریڈٹ کون لے جاتے ہیں؟ یہ مرد۔۔۔'' فیمنسٹ عورتوں کے لئے مرد لفظ ہی گالی تھا۔ صرف وہ مرد جو شوہر، باپ، بھائی تھا۔ بوائے فرینڈ اور ون نائٹ اسٹینڈز تو فرشتے تھے ناں؟

''اپنے کریڈٹس خود تک رکھو، اپنی اہمیت گھر میں واضح رکھو۔''

''تمھیں کچھ دکھانا تھا۔'' وہ کیک کے ذائقے سے پوری طرح محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

''اب کس کے کالے کرتوت؟'' وہ نیند میں جاتے ہوئے بڑبڑائی۔ نیما نے اچھے سے چاکلیٹ سے اپنا حلق تر کیا۔ ہونٹوں پہ زبان گھما کر صاف کیا پھر اپنا موبائل اٹھا کر اس پہ انگلیاں چلانے لگی۔ زینیا کی آنکھیں بند ہونے کو تھیں جب نیما نے فون اسکی طرف کیا۔ ایسے کہ فون اب زمین پہ پڑا تھا اور زینیا صوفے پہ ترچھی ہو کر زمین پہ پڑے فون کو دیکھنے لگی۔ آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ وہاں مہدی کمبیر کا انسٹا گرام اکاؤنٹ کھلا تھا۔

وہ غور سے اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ جس میں مہدی کے پہلو میں کوئی لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھرپور مسکرا رہی تھی۔ اسکے ساتھ کھڑے مرد کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ تھی۔ نیما نے صوفے سے ٹیک لگائی زینیا کے سپاٹ تاثرات دیکھے اور پھر کہا۔

''دونوں آج کل ساتھ نظر آ رہے ہیں۔''

وہ نیم خوابیدہ آنکھوں سے اسے تک رہی تھی۔ مہدی کو سائنس کی ترقی سے اختلاف تھا، زینیا کو یہ خواہش کہ کاش یہ اتنی جدید ہو جائے کہ کسی کے دور ہوتے ہوئے اسے چھو کر محسوس کیا جائے۔ اسکی آنکھیں کتنی روشن تھیں ناں؟

''کہا جا رہا ہے کہ دونوں کا اسکینڈل ہے۔''

زینیا نے اب بھی کوئی رد عمل نہیں دیا۔ وہ بس تصویر کو دیکھتی رہی۔ نیا جھنجھلائی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟'' چاکلیٹ یکدم زہر لگنے لگا تھا۔ زینیا نے تصویر سے نگاہیں نہیں ہٹائیں، یہ غلط تھا ایک نظر دیکھ لیا پھر دل کو بھر جانا چاہیے، اسے دیکھ کر کیوں دیکھتے رہنے کا جی چاہتا تھا؟ وہ بس سوچ سکی۔

''وزن کم ہو گیا ہے انکا، اور آنکھوں کے نیچے حلقے دیکھو۔'' اس نے تصویر زوم کر کے اسکی سبز آنکھیں دیکھتے تبصرہ کیا۔

''بندے کو خود سے اتنا بے نیاز بھی نہیں ہونا چاہیے۔''

''وہ موو آن کر گیا ہے۔'' جتایا گیا۔

سکرین پہ چلتی اسکی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ بلکل خاموشی سے چپ چاپ چند پل تصویر دیکھتی رہی۔۔ پھر پیچھے کو ہوئی۔ اب مدھم روشنی میں چھت پہ جھولتا پنکھا دکھائی دے رہا تھا۔ اسکے گھومنے پہ کئی منظر بھی آنکھوں کے آگے گھوم جاتے تھے۔ کیا وہ واقعی اس سے موو آن کر گیا تھا، کیا اب سے وہ لڑکی ہمیشہ اسکے پہلو میں ہوا کرے گی؟ یہ وہ خیال نہیں تھے جو اسے آئے تھے۔ مہدی کمبیر کے حوالے سے اسے خوش فہمیاں تھیں تو غلط نہیں تھیں۔

''وہ مجھ سے موو آن نہیں کر سکتا۔'' دھیرے سے، ہلکی آواز میں، بتایا اور جتایا گیا۔

''اور اگر کر گیا ہو تو؟'' اس نے ڈبے کے اوپر ڈھکن چڑھایا۔

''تو میں تصویر کو ایک نظر دیکھ کر سمجھ جاؤں گی۔ یہ وہ مسکراہٹ نہیں ہے جس سے وہ مجھے دیکھتا تھا۔ یہ مروت ہے، کمبخت اب بھی نبھاتا ہے کیا؟'' خود سے پوچھا یا اسکے خیال سے؟

''گھر سے باہر نکلو کام کرو، خود پہ وقت صرف کرو۔'' آوازیں ایک بار پھر ہتھوڑے کی طرح سر پہ برسنے لگیں۔

''میں نے شادی کے دو ماہ کے دوران طلاق لے لی کیونکہ میں قید نہیں رہ سکتی تھی۔ تمھارے پاس بھی بہت وقت ہے یوں خود کو کسی کے پیچھے بے توقیر کیوں کریں؟ مردوں کو یہ سمجھنا ہوگا معاشرہ انکی جاگیر نہیں۔''

''کہیں گھومنے چلیں؟''اس صور جیسی آواز کو زینیا حاکم کی آواز کاٹ گئی۔

''کل میچ ہے ناں؟ دیکھنے چلتے ہیں۔'' وہ ریموٹ کے بٹنوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ایک عرصے بعد اسے دیکھ کر جو یاد آیا تھا زینیا حاکم اس سب سے کہاں نکل سکی تھی، بہت یہی تھا کہ دل کی مصروفیت کے ساماں کرے۔

''میرا مقصد تمھیں اپ سیٹ کرنا نہیں تھا۔''کیک پہ ڈھکن سختی سے چڑھاتے اس نے اعلان کیا۔

''اب تم ستائیس سال کی ہو، یہ وقت ہے اپنے لئے فیصلہ لینے کا ورنہ تم خود پہ کسی اور کو کنٹرول دے بیٹھو گی۔''

''آج تو پڑوسیوں والی باتیں کر رہی ہیں۔''

''کر رہی ہوں کیونکہ وہ کم از کم خوش تو ہے۔''

''عجیب خوشی ہے دس عورتوں کو گھر پہ دعوت کر کے بار بار بتایا جاتا ہے جو میں نے کیا میں اس سے خوش ہوں۔'' ریموٹ پہ انگلیاں دبانے سے چینل تبدیل ہو رہے تھے۔ نیم اندھیرے میں اسکے چہرے پہ پڑنے والی روشنی بھی رنگ بدل رہی تھی ۔زرد، نارنجی، گلابی، نیلی۔ مگر ایک رنگ وہاں رہ گیا تھا۔ رقابت کا رنگ۔

وہ اس عورت سے ذرا فاصلے پہ بھی کھڑے ہو سکتا تھا۔ کیا تھا جو وہ نہ مسکراتا؟ کیا تھا اگر وہ سفید شرٹ نہ پہنتا اس شرٹ میں وہ اچھا لگتا تھا۔اور اسکی گھڑی، کتنی لڑکیوں نے دیکھی ہو گی۔اسے بے چینی ہوئی دل چاہا تھا کہ کامنٹ سیکشن کھول کر دیکھے لیکن وہ نیا کے سامنے desperate نہیں لگنا چاہتی تھی۔

''تمھیں لگتا ہے وہ مکمل نہیں ہے، خوش نہیں ہے؟''نیا راشدی ہنوز وہیں اٹکی تھی۔

''خوش ہونے کے لئے مکمل ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ خوش نہیں ہے کیونکہ اسکے پاس کوئی باپ نہیں ہے، بھائی نہیں ہے، اولاد اور شوہر بھی نہیں۔''

"یہ سب میرے پاس بھی نہیں ہے تو کیا میں خوش نہیں ہوں؟" نیما نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"آپ سے چھوٹا ہے وہ ان پہ لات مار کر آئی ہے۔ فرق ہے نیما بہن فرق۔ وہ ان عورتوں سے جلتی ہے جن کے بیٹے ہیں شوہر اور باپ بھائی ہیں۔ ہزار دفع جھٹلایا جائے مگر عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے۔" اس نے ریموٹ پرے ڈال دیا۔ اور چادر سینے تک تان لی۔ صبح ایک اور مصروف دن تھا۔

"میں نے ٹکٹس لے لی تھیں کل ہم میچ دیکھنے جا رہے ہیں۔"

"ایک شرط پہ تم دو سال سے یہاں ہو اس لئے تم بنگلہ دیش کو سپورٹ کرو گی۔"

"وہ تو میں ویسے بھی کروں گی۔" اس نے ٹی وی آف کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ نیما متعجب سی اسکے قریب آئی۔

"کیونکہ تم خود کو بنگالی سمجھنے لگی ہو؟"

زنیا بند آنکھوں سے مسکرائی۔ "کیونکہ جسے میں سپورٹ کروں گی وہ ہارے گا۔" ہر پاکستانی کرکٹ مداح کی طرح اسکی بھی observations تھیں۔ فلاں ورلڈ کپ، فلاں سیریز میں اس نے فلاں کو سپورٹ کیا تو فلاں جیتا تھا۔ فلاں کو کمرے سے نکالا تھا تو وکٹ نکلی تھی۔ کرکٹ یونہی تو اس قوم کا جنون نہیں ہے عمریں لگی ہیں، دل ہارے اور جیتے ہیں۔ نیما نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا اور چاکلیٹ کیک کا ڈبہ اٹھا کر فرج میں رکھا۔

"تو تم اس لئے آگے نہیں بڑھنا چاہتیں کیونکہ تمھیں لگتا ہے وہ تم سے کبھی موو آن نہیں کرے گا؟"

"مسئلہ یہ ہے کہ میں اس سے موو آن نہیں کر سکتی۔" نیند کی وادیوں میں اترنے سے پہلے یہ آخری بات تھی جو اس نے کہی تھی۔ نیما راشدی محبت کے اس انوکھے سے چکر میں چکرا کر رہ گئی تھی۔ ڈھائی سال بعد بھی اعتماد گہنا نہیں سکا تھا، محبت کم نہیں ہوئی تھی اور کوئی تیسرا زندگی میں آ نہیں سکا تھا۔

سٹوڈیو کی دیواریں بھوری تھیں۔ تاروں کا جال زمین پہ بکھرا ہوا تھا۔ کوئی تار مائیک کی تھی، کوئی کسی کیمرے کے ساتھ جڑتی تھی۔ دیوار گیر کھڑکی سے لاہور کی رونقیں اور روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ کھڑکی سے ہٹ کر سٹوڈیو کے وسط میں دیکھا جائے

تو عبدل شافی کے سامنے قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ان دونوں کے کانوں پہ بڑے بڑے مائیکس تھے۔ڈیزائنر صاحب نے کئی برس بعد ایک پاڈکاسٹ کے لئے وقت نکالا تھا۔

سیاہ بٹن شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہن رکھی تھی۔ شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے۔اور اسکی کلائی پہ بندھی گھڑی نظر آرہی تھی۔ڈیڑھ برس بعد بھی وہ اتنا ہی شاندار اور سحر انگیز تھا جتنا ڈیڑھ برس پہلے۔ بلکہ اب اسکی سنجیدہ آنکھوں میں افسردگی ہمہ وقت رہتی تھی، وہ اسے مزید جاذب نظر بناتی تھی۔ ہلکی داڑھی اور اسکی اٹھی ہوئی گردن، وہ ایسا انسان تھا جس سے ایک بار کوئی ملے تو چند لمحے اسکے سحر کے زیر اثر کچھ بول نہ سکے۔

''کامیابی کیسی لگی؟'' یہ شافی کا تیسرا سوال تھا۔ جانے کیوں پاڈکاسٹ میں ایک ڈرامائی صورتحال پیدا کی جاتی ہے۔ سوال یوں پوچھے جاتے ہیں جیسے شاعری یا ادب کی کوئی محفل ہو۔ حالانکہ سوال سارے غیر ادبی ہوتے ہیں۔

''کامیابی نئی ہو، چاہے پرانی خوف زدہ کرتی ہے۔ پھر خوش کرتی ہے، پھر مطمئن اور پھر مغرور۔''

''اور مغروری کے بعد؟''

''اسکے بعد کیا؟ میں تو ابھی وہیں ہوں۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔ شافی بھی اسکے ساتھ مسکرایا تھا۔ ریکارڈنگ کرتا کیمرہ مین ہولے سے ہنسا۔

''ایسی باتوں کا اقرار لوگ آن ایئر نہیں کرتے۔''

''اسی لئے آج انکی جگہ ''میں'' ہوں۔''

''آپ حاضر جواب ہیں۔''

''میں بس خود شناس ہوں۔''

''دونوں ایک ہیں نہیں؟''

''دنیا میں ایک جیسی چیزیں بہت کم ہیں جیسے میں ہوں، اور میرے جیسا بھی میں ہوں۔''

''خیر اسکا تو یقین آگیا ہے۔ قیس، آپ نے اکیلے قیسم کھڑا کیا۔ کوئی اسکینڈل، برا ریکارڈ نہیں، کیسے ؟''

قیس ہولے سے مسکرایا۔ ''ریکارڈ مٹانے والی صلاحیت ؟''

شافی محظوظ ہوا۔ایسے برجستہ جواب اسے بہت بھاتے تھے۔ورنہ یہاں آنے والا ہر دوسرا انسان خود کو **''فرشتہ''** ثابت کرنے کی تگ ودو میں لگا رہتا تھا۔اور شافی جلد از جلد پروگرام ختم کرنے کی جلدی میں۔

''ڈیڑھ سال پہلے سوشل میڈیا پہ آپ کے خلاف افواہوں کا طوفان اٹھا تھا۔لوگ کہتے تھے آپ نے خود اپنے بھائی کی بیوی، یعنی اپنی ایکس منگیتر کو غائب کروایا، بھائی کو گولیاں لگوائیں، کئی مفروضے قائم ہوئے،اس بارے میں بات کرنا چاہیں گے ؟'' وہ شو کو اس طرف لے جا رہا تھا جہاں آسمان کو چھوتی ٹی آر پی تھی۔

قیس چند لمحوں کے لئے چپ ہو گیا۔ان واقعات کا ذکر اسے وہ یاد دلاتا تھا جسے وہ بھولا ہی نہیں تھا۔اسکے ذکر پہ یکدم سینے میں کہیں کوئی چبھن اٹھی تھی۔

اس نے مسکرانے کی کوشش کی، مگر وہ مسکرا نہ سکا۔اس نے بات کرنے کی کوشش کی مگر لاحاصل یکطرفہ محبت اب دل سے باقی اعضاء کی طرف سرایت کرتی اسکے جسم کو کاٹ رہی تھی۔وہ متاثر ہو رہا تھا۔

''کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سانس لیں تو ان پہ جینے کا الزام لگاتا ہے۔میں انہی میں سے ہوں۔'' بہت دیر بعد وہ متانت سے بولا۔

''کچھ بھی کرنے لئے انسان کی نیت درست ہونی چاہیے اور میری نیت درست رہی ہے۔میرا بھائی مجھے عزیز تھا، ہے اور رہے گا۔دنیا ہمارے تعلقات کے بارے میں جو کہتی ہے کہتی رہے میرے لئے اہم یہ ہے کہ میرا بھائی ہر ہفتے میرے ساتھ کھاتا ہے **(بس میز پہ بیٹھا ہی جاتا ہے، کھانے کی نوبت نہیں آتی۔)** اس کا اور میرا کاروبار آج بھی ایک ہے۔

(کاروبار الگ کرنے پہ دی جانے والی دھمکیوں کا قصہ پھر کبھی) ہم دونوں کے درمیان اب بھی بات ہوتی ہے۔**(جس میں مہدی غصہ کرتا ہے قیس اسے احساس جرم میں مبتلا کرتا ہے، گلٹ بڑھتے ہیں اور بس)** رہی بات اس عورت کی، تو۔۔'' گلے میں گلٹی ابھری، آنکھوں میں کچھ در آیا، دل بے حد زور سے دھڑکا اور اسکا آخری لمس اب بھی اپنے ہاتھوں پہ، ان ابھری ہوئی رگوں پہ کہیں محسوس ہوا۔

اس نے مٹھی بند کر لی جیسے اس احساس کو کہیں قید کیا ہو۔

''وہ ایک حادثہ تھی۔(**خوبصورت ترین**) اسکے آنے سے سب گڈ مڈ ہوا۔(**اسی نے سب درست کیا۔**) وہ جھوٹی عورت تھی۔(**میں اسکے جھوٹ کو سچ سے زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا**) میں دعا کرتا ہوں کسی مرد کی زندگی میں اس جیسی عورت نہ آئے۔(**کوئی اس جیسی کہاں؟**) اب کہاں ہے میں نہیں جانتا۔(**بس ایک بار اسکی موجودگی کا علم ہو جائے**) اسے واپس نہیں آنا چاہیے۔(**کاش وہ آجائے**) وہ میری زندگی کا سیاہ باب تھی۔(**اور سیاہ میرا پسندیدہ رنگ ہے**) میں آگے بڑھ چکا ہوں۔(**دل پیچھے رہ گیا ہے**) اب میں اسکی بات نہیں کرنا چاہتا۔(**کیونکہ اسکا ذکر مجھے ڈھائی سال پیچھے لے جاتا ہے، جب میں نے اسے کھویا تھا**) اسکا قصہ ختم (**یعنی میں ختم**)؟''

چند لمحے شافی سمیت سارا اسٹوڈیو اسکے لفظوں کے سحر میں جکڑا رہا۔ پھر شافی نے جیسے سحر جھٹکا ہو۔ وہ اچھا بولتا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ گردن جھٹکتے اس نے سوال بدلا۔

''کبھی محبت کی ہے؟''

''اب بھی کرتا ہوں۔'' گردن اٹھائے جواب دیا۔

''ملی یا بچھڑ گئی؟''

''سب درمیان میں رہ گیا۔ یوں سمجھیں مل کر بچھڑ گئی۔'' شانے اچکائے۔ ''مل کر بچھڑنا الگ غم ہے۔''

''اسکی واپسی کی کوئی امید؟''

''یقین ہے۔ وہ آئے گی، بہت جلد آئے گی۔''

''اور اگر نہ آسکی؟''

وہ مسکراتا رہا مگر اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ کافی عرصے سے ایسا ہی تھا۔

''فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ اسکے اور میرے ملنے کے کے ایک الگ جگہ مختص ہے۔ میں اس سے وہاں ملوں گا۔''

''اور وہ جگہ کونسی ہے؟''

''نہیں بتا سکتا، اسے پتہ چل گیا تو خوامخواہ چند برس بعد ملنے کا پلان بھی ملتوی ہو جائے گا۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا تو شافی نے سر ہلا دیا۔ یہ ایک اشارہ بھی تھا کہ اب مزید اسکی ذاتی زندگی کو نہ کریدا جائے۔ شافی اب اس سے کوئی اور سوال کرنے لگا تھا قیس جواب دیتا رہا۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ سٹوڈیو سے نکل آیا تھا۔ اس نے گاڑی کہیں پارک کر دی تھی اور خود پیدل چل رہا تھا۔ ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔ دکانیں، ریستوران، سٹورز وہ ایک ایک شے غور سے دیکھتا چند پل وہیں کھڑا رہتا پھر آگے چلنے لگتا۔ فلائٹ مس ہو چکی تھی اب وہ بائے روڈ ہی جانے والا تھا پھر تھوڑی دیر ہی سہی۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رکا۔ ملگجے سے کپڑوں میں، کوئی سوالی ہاتھ پھیلائے اسکے سامنے کھڑا تھا۔

''اللہ تمھیں سلامت رکھے، اللہ بخت لگائے، کچھ مدد کرو، فقیر کا بھلا کر دو۔''

قیس نے تمسخر سے اسے دیکھا۔ ''تمہارا بھلا کر کے مجھے کیا ملے گا؟''

''جو تم چاہو، فقیر دعا دے گا، اللہ کرے تمہاری مراد بر آئے۔ جو چاہتے ہو جسے چاہتے ہو تمھیں مل جائے۔''

''اور اگر نہ ملا؟'' عجیب تسکین ملی تھی اسے، کوئی تو تھا جو اسکی طرح خالی تھا۔ مانگ رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ یعنی اس دنیا میں خالی اکیلا قیس نہیں تھا۔

''اللہ ملائے گا، اللہ بڑی سنتا ہے۔ اللہ تمہاری مراد تمھیں دے دے۔''

قیس نے والٹ نکالا پھر چند نوٹ نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔ پانچ پانچ ہزار کے وہ نوٹ دیکھ فقیر نے ہاتھ پھیلایا۔ اس نے نوٹ احسان کرنے والے انداز میں اسکی طرف اچھالے۔ جنہیں وہ جلدی سے پکڑ گیا۔

''اللہ تمہاری ہر مراد پوری کرے، تمھیں وہ دے جس کی تمھیں خواہش ہے۔''

قیس سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا البتہ مٹھی میں کئی نوٹ دبوچ رکھے تھے۔وہ جانتا تھا وہاں کوئی ایک بھکاری نہیں ہوگا بلکہ انکا پورا ٹولہ ہوگا جو کہ تنگڑی پارٹی کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے۔جو اس نے سوچا تھا وہی ہوا۔چند ہی منٹ میں ایک اور گداگر اسکے سامنے آگیا قیس نے دیکھے بغیر نوٹ اسکی طرف بڑھایا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا۔ہر فقیر اسے جواب میں دعا دیتا۔

اچھا لگ رہا تھا۔۔۔لمبے عرصے بعد کوئی دعا دیتا ہوا اچھا لگ رہا تھا۔بددعاؤں کی ایک ریلی جو اسکے تعاقب میں تھی وہ انکے منہ پہ دعائیں دے مارے گا۔ایک آخری فقیر کو پیسے دیتے ہوئے وہ ٹھہرا تھا۔اس نے دعا نہیں دی تھی۔قیس نے جیب میں ہاتھ مارا اور کچھ نوٹ مزید اسکی طرف بڑھائے، اس نے اب بھی دعا نہیں دی۔اپنے والٹ میں پڑے بقیہ تمام نوٹ وہ اسے دے چکا مگر وہ اب بھی دعا نہیں دے سکا۔

''تمہیں چاہیے تھا تم مجھے دعا دو۔'' شکوہ کیا۔

''دعا لینے کے لئے کچھ دینا پڑتا ہے۔'' فرق کافی بدتمیز واقع ہوا تھا۔

''میں نے تمہیں کئی ہزار دیے ہیں۔'' قیس کو اسکی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

''جب تھا تو دینے ہی تھے، جب نہ ہو تب دے کر دکھاؤ۔'' اسکی نظر قیس کی کلائی پہ بندھی گھڑی پہ تھی۔قیس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، اسکے لب استہزائیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔پھر جھرجھری لیتے اس نے گھڑی کلائی سے اتار کر اسے دی۔فقیر کی آنکھوں میں کوئی چمک تھی۔کچھ مل جانے والی چمک۔

''اللہ تمہاری مراد پوری کرے۔'' بلآخر اسے دعا ملی تھی۔اور اگلے ہی لمحے وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔قیس اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آنا بند نہ ہوا تب تک۔پھر سر جھٹک کر وہ آگے آگے چلنے لگا۔

یہ لاہور کی کوئی مصروف سی شاہراہ تھی۔جہاں عمارتوں پہ بڑی بڑی سکرینز لگی تھیں۔کیفے، چائے خانوں کے باہر آج کافی رش تھا وجہ تھی وہ کرکٹ میچ جو بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان تھا۔دراصل پچھلے میچ میں کسی بنگالی فین نے پاکستانی کرکٹر کو پویلین جاتے وقت نازیبا الفاظ کہے تھے اور اسکی دیکھا دیکھی اسکے باقی ساتھی بھی یہی عمل دہرانے لگے۔یہ سیریز کا فائنل تھا اور پاکستانی عوام آج بڑے جوش اور جذبے سے میچ دیکھ رہی تھی۔بدلا تو چاہیے تھا ناں۔(بدلا تو بہانہ ہے ہاریں یا جیتیں میچ کیسے نہ دیکھیں؟)

ایک کیفے کے باہر وہ رک گیا۔اسکی کافی ختم ہوگئی تھی اور اسے نئی چاہیے تھی۔اس نے ویٹر کو ایک کافی کا کہا اور خود وہیں کھڑا ہوگیا۔ بڑی سکرین پہ میچ کے مناظر تھے۔پاکستانی بالر بال پھینک رہا تھا۔یونہی بے اختیار اس نے اسکور پہ نظر ڈالی۔دو بالز پہ چھ رنز چاہیے تھے۔

اسے کرکٹ چھوڑے ایک عرصہ ہوا تھا مگر کرکٹ نے اسے نہیں چھوڑا تھا وہ بلاارادہ گردن اٹھائے سکرین کو دیکھنے لگا۔بال تیزی سے سفر کرتے ہوئے گئی اور بلے باز نے بیٹ گھمایا۔فاسٹ بال بیٹ کو چھوتے ہی گولی کی رفتار سے اڑتی ہوئی گئی،باؤنڈری کے قریب وہ زمین سے ٹکرائی پھر اچھل کر باؤنڈری کے پار۔

اسے کافی تھمائی گئی بغیر ویٹر کی طرف دیکھے اس نے اپنا کارڈ اسکی طرف بڑھایا اور نظریں سکرین پہ جمائے رکھیں۔ٹینشن سی ہر طرف پھیل گئی تھی۔پلیئرز سے لے کر آوازتک اور ناظرین تک یک ٹک پلک جھپکے بغیر بالر کو آخری بال پھینکتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اضطرابی انداز میں جھلاتی ہوئی ٹانگیں،دعائیہ انداز میں اٹھے ہوئے ہاتھ،ماتھے پہ فکر کا جال،بغیر سانس لئے سکرین دیکھتے لوگوں کے درمیان بال پچ پہ گری،پھر بلے باز کے بیٹ سے ٹکرائی۔کئی سانسیں ایک ساتھ رکیں،کئی ہاتھ بے اختیار دل تک گئے کئی ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھے اور۔۔۔۔بال اڑتی ہوئی گئی۔

سب کی نگاہیں اوپر کی طرف اٹھیں اور پھر۔۔۔۔کرکٹ کا نام بدل کر قسمت کا کھیل رکھنا چاہیے بال باؤنڈری سے پہلے کیچ ہوگئی تھی۔ قیس نے بے اختیار اٹکا ہوا سانس خارج کیا۔ماتھے کو چھوا اور پھر مسکرایا۔ہر طرف شور اٹھا تھا۔چیخیں،جوش جذبے سے بھرپور نعرے اور ان سب کے درمیان وہ ہوا جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ جو خواب تھا حقیقت بن کر زناٹے دار تھپڑ کی طرح منہ پہ لگا تھا۔وہ جس کی تلاش تھی اسے قدرت نے روبرو لا کھڑا کیا۔وہ جو دل کا مسئلہ تھی مرہم بن کر سامنے آئی۔

اسٹیڈیم میں ڈھیر سارے بنگالی شرٹ پہنے ہوئے لوگوں کے درمیان اس نے سفید جوڑا پہنے ہوئی ایک لڑکی کو دیکھا جو زور زور سے تالیاں پیٹتے ہوئے دیکھا۔ قیس کمبیر کھڑے کھڑے ساکن ہوا۔ کافی کا کپ اسکے ہاتھوں سے چھوٹ کر گرا اور وہ سانس لئے بغیر سکرین کو دیکھے گیا۔ اسکے سیاہ بوٹ پہ بھورا مائع پھیل گیا تھا۔

وہ لڑکی بے حد خوش تھی، بہت زیادہ خوش۔ چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا، چھوٹے بال جو اسکی بیوٹی بون کو چھوتے تھے ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے۔ سکرین پہ ایک لمحے کے لئے وہ منظر ٹھہر گیا۔ قیس کمبیر کی ساری دنیا ٹھہر گئی۔ وہ پلک جھپکے، سانس لئے بغیر سکرین تک رہا تھا۔ آس پاس سارا شور خاموش ہو گیا، لوگ غائب ہو گئے، قہقہے، جوش سب غیر معنی تھا جو وہ دیکھ رہا تھا وہ ساری زندگی کا حاصل وصول تھا۔

وہ زینیا حاکم کو دیکھ رہا تھا۔ پورے ڈھائی برس بعد اسکا چہرہ دیکھ کر اسے ایک لمحے کے لئے بھی شبہ نہیں ہوا کہ یہ وہ نہیں ہے۔ وہ اسے پہچانتا تھا، وہ اس ہی کو تو پہچانتا تھا۔ اسے لگا وہ گر جائے گا، رو پڑے گا، ہنسے گا یا چیخے گا مگر وہ بس جامد تھا۔ ساکت، متحیر، شل۔ وہ ملے گی اسے یقین تھا یوں ملے گی یہ تو گمان بھی نہیں تھا۔

وہ مختلف لگ رہی تھی، مگر وہ پہلے جیسی کیوں لگ رہی تھی۔ وہ پہلے کی طرح نہیں ہنستی تھی، دل کیوں آج بھی پہلے کی طرح اسکی ہنسی پہ رکا تھا؟ درمیان میں سے ڈھائی سال سرک کر ایک طرف ہوئے اور زینیا حاکم وہ تھی جس سے اس نے محبت کی تھی۔ اس لڑکی کا چہرہ بدل سکتا تھا، دنیا بدل سکتی تھی، ہر شے صفحہ ہستی سے مٹ سکتی تھیں لیکن قیس کمبیر اسے دیکھ کر آج بھی ساکت ہو سکتا تھا، اور وہ ساکت ہوا تھا۔

اسکا چہرہ اگلے لمحے سکرین سے غائب ہو چکا تھا۔ اب وہاں جشن تھا، لوگ تھے، دنیا تھی۔ سکرین کی روشنی اس شخص کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو بددعاؤں کی ریلی کے منہ پہ دعائیں مار آیا تھا۔ اسکی مراد واقعی بر آئی تھی۔ دعاؤں نے واقعی اسکی دعا پوری کر دی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے لگا وہ اللہ کا فیورٹ ترین ہے۔

''ہیلو۔۔۔کونج تمھیں آواز آرہی ہے؟'' تقریباً دسویں بار تھا جب وہ اپنے الفاظ دہرا رہا تھا۔دوسری طرف حویلی میں اپنے کمرے میں آکر کونج نے دروازے کو چٹخنی لگائی، اور فون کان سے لگایا۔

''میری آواز آرہی ہے، کونج؟''

''مہدی بھائی آپ؟ میں نے آپ کو میسج بھیجا تھا کہ میں گاؤں جارہی ہوں واپس آکر خود بات کروں گی۔'' وہ کافی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ریشمی بال کندھوں پہ پھیلے تھے، چہرہ بے داغ تھا۔صاف ستھرا لباس اور اس پہ اسکا نرم، مدبر لہجہ وہ واقعی بدل گئی تھی۔

''مجھے یاد ہے اینڈ آئی ایم سوری، لیکن میرا اس وقت بات کرنا بہت ضروری تھا۔تم کہیں لوگوں کے آس پاس تو نہیں ہو؟''

''نہیں میں اکیلی ہوں آپ بولیں۔'' وہ بیڈ کی پائنتی پہ ٹک گئی۔غیر ارادی طور پہ نگاہیں دروازے پہ ٹکی رہیں۔پچھلے ڈیڑھ برس سے اسکا اور مہدی کا رابطہ ضرورت کی صورت ہوتا رہا تھا۔

''کونج میری بات غور سے سنو جو میں کہہ رہا ہوں سب بہت غور سے سننا۔دیکھو اگر زینیا پاکستان میں ہوتی تو اب تک مل جاتی۔لیکن وہ یہاں نہیں ہے۔تمھیں نہیں لگتا وہ کسی دوسرے ملک میں ہے؟''

''دوسرا ملک؟'' وہ سوچ میں پڑی۔''لیکن وہ دوسرے ملک کہاں اور کس کے ساتھ رہ سکتی ہے؟'' دل دھڑک رہا تھا۔کیا اسے کوئی اچھی خبر ملنے والی تھی؟

''یہی تو۔۔وہ کس کے ساتھ گئی ہوگی اور کس ملک؟ کیا وہ خود گئی ہے یا پھر بشر نے اسے کہیں بھیجا ہے؟ تم نے گھر میں ایسی کوئی بات سنی ہے؟''

''وہ خود نہیں گئی، بشر کی بات سنی تھی میں نے وہ ابا سے کہہ رہے تھے کہ انکی وجہ سے ہوا ہے سب اگر وہ وحید پہ اعتبار نہ کرتے تو۔۔''

''وحید کون؟'' مہدی نے تیزی سے اسکی بات کاٹی۔دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔جان جیسے گلے میں آکر اٹک گئی تھی۔اسکا رواں رواں سماعت تھا۔جسم کا جوڑ جوڑ بے چین۔

''اب یہ مجھے نہیں پتہ میں نے بس ایک جھگڑے کی وقت نام سنا تھا۔ آپ کو کیا ہوا ہوا؟ اچانک یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

مہدی پریشانی سے ٹہلنے لگا۔

''وحید کے بارے میں کچھ تو پتہ ہو گا تمھیں؟ اپنے ابا کے فون سے اسکا نمبر نکال کر بھیجو۔ میں خود پتہ لگاتا ہوں۔ یا پھر بشر کے فون پہ۔''

''ابا کے قریب جانا بھی کسی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اور بشر کی بیوی کہاں ہمیں برداشت کرتی ہے؟''

''سمجھ سکتا ہوں، ابا بھی تو زینیا حاکم کے ہیں ناں۔'' وہ سلگ اٹھا۔ پھر لب کاٹتے ہوئے کچھ سوچا۔

''ایک منٹ ایک منٹ۔۔۔ تمہارا منگیتر وہ بھی تو اس سارے قصے میں شامل رہا ہے ناں؟ اس سے پوچھو وہ ضرور جانتا ہو گا۔''

''وہ۔۔'' کونج ایک پل کو رکی۔ ماتھے کو انگلی سے مسلا۔ ''ہماری بات نہیں ہوتی۔''

مہدی نے موبائل کان سے ہٹا کر باقاعدہ موبائل کو گھورا تھا۔ اکیس سال کی لڑکی، جو میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی اسکی اپنے منگیتر سے بات نہیں ہوتی وہ بھی اس دور میں، سیر ئیسلی؟ کونج دوسری طرف کی خاموشی کی عادی رہی تھی۔

''اوکے کیا تم آج اس سے بات کر سکتی ہو؟''

''میرا پیٹرن ٹوٹ جائے گا، پھر دوبارہ ٹھیک ہوتے ہوتے وقت لگے گا۔'' وہ بغیر رکے بغیر جھجھکے جواب دے رہی تھی۔ ''لیکن یہ میری بہن کے لئے ہے اس لئے میں اس سے کہوں گی آپ سے مل لے۔''

''اور وہ مل لے گا؟'' اسے شبہ تھا۔

''میں کہوں گی تو مل لے گا۔'' دوسری طرف یقین تھا۔

''میں اسے میسج کر دوں گی، وہ اسلام آباد میں ہے آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

''میں بھی اسلام آباد میں۔'' اس نے سفید جھوٹ گڑھا۔ ''دو تین گھنٹوں کے اندر اندر اس سے ملنے کا وقت پوچھ لو اور جگہ بھی میں خود چلا جاؤں گا۔'' وہ وقت ضائع کرنے کا متمنی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر گز نہیں۔

کونج نے اوکے کہہ دیا۔ پھر چند پل کے لئے دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ کونج پوچھنا چاہتی تھی کیا وہ زندگی میں دوبارہ کبھی اس لڑکی سے مل سکے گی جو اسکی بہن تھی؟ مہدی اسکی یقین دہانی کروانا چاہتا تھا مگر۔۔ مگر کچھ بھی انکے حق میں نہیں ہوا تھا سو امیدیں اب "بار" لگتی تھیں۔ مقدس خاموشی کا ارتکاز اس فون کال کے بند ہونے پہ ٹوٹا جو مہدی کی طرف سے بند ہوئی تھی۔

وہ کاٹیج سے نکل آیا۔ بیگ کندھے پہ چڑھائے، سفید سنیکرز سے تیز تیز چلتا وہ کہیں جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس وادی کو نہیں دیکھا تھا۔ محبت زاویے بدلتی ہے اسکا زاویہ بدل گیا تھا۔ چند گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ اسلام آباد کے مضافات میں داخل ہو چکا تھا۔

البتہ اب وہ بری طرح تھک چکا تھا اور اعصاب شل تھے۔ ضیغم کا نمبر اسکے پاس آ چکا تھا۔ مہدی نے اسے واٹس ایپ پہ لوکیشن بھیجی۔ اسکا جواب فوری طور پہ آیا تھا۔

"یہ جس جگہ کا پتا بھیجا ہے یہاں مجھ جیسوں کو داخلہ بھی ملے گا؟" شاید نہیں یقیناً اسے مہدی سے ملنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مہدی نے اسے اب ایک اور جگہ کی لوکیشن بھیجی اور گاڑی کا رخ دوسری سڑک کی سمت موڑا۔

"اس جگہ کی لائٹنگ مجھے پسند نہیں ہیں۔" دوسرا جواب بھی تڑاخ سے آیا۔

مہدی کے چہرے پہ اب بھی کوئی بے زاری اور کوفت نہیں تھی۔ دنیا کا سب سے بے صبر انسان صبر سیکھ گیا تھا۔

"تم جو جگہ بتاؤ میں وہاں آ جاتا ہوں۔" سر تسلیم خم ہوا۔

تھوڑی دیر بعد ضیغم نے اسے ایک ایڈریس بھیج دیا تھا۔ وہ اسکے ہاسٹل کا ایڈریس تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد وہ اسکے ہاسٹل کے باہر تھا۔ گاڑی چلا چلا کر اسکی کمر اور ہاتھ کی کلائی بری طرح دکھ گئی تھی مگر وہ ہاسٹل کے باہر کھڑا تھا۔ جب ضیغم رف سے حلیے میں اسے باہر آتا دکھائی دیا۔ چہرے پہ ناگواری الگ تھی۔

گارڈ نے اسے دروازے پہ ہی روک لیا مہدی ٹھنڈی سانس بھرتا آگے آیا جیب سے بغیر دیکھے کچھ نوٹ نکالے اور اسکی طرف بڑھائے۔ گارڈ نے سیلوٹ پیش کیا ضیغم نے کالر کھڑے کیے اور باہر نکلا۔ رسمی علیک سلیک کی نوبت نہیں آئی۔ گلی میں چلتے ہوئے مہدی نے اس سے وہ سوال کیا جس کا جواب جاننے کے لئے وہ کئی گھنٹوں سے بے چین تھا۔

''تم **''اس''** سارے قصے میں انوالو رہے تھے۔ اس سب میں وحید کون تھا؟''

''تمھیں لگتا ہے میں اپنے بھائی کے قاتلوں کے خاندان کی کوئی مدد کروں گا؟'' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسائے ٹکا سا جواب دیا۔ اسکے چہرے پہ، لہجے میں واضح اکتاہٹ تھی۔

''تم ایک ایسے انسان کی مدد تو کر سکتے ہو جو اپنی بیوی کو تلاش کر رہا ہے؟ اگر میری جگہ تم ہوتے تو میں تمہاری مدد کرتا۔''

''تم ہو گے ایک اچھے انسان میں نہیں ہوں۔۔'' شانے اچکائے آگے آگے چلتا رہا۔ بالاج جیسا بھی تھا اسکا بھائی تو تھا، اسکے سینے میں جو آگ تھی وہ آج بھی تھمی نہیں تھی۔

کوئی اپنے بھائی کی قدرتی موت نہیں بھولتا یہ تو پھر بھی اسکے حساب سے قتل تھا۔ مہدی سڑک کے درمیان رک گیا۔ جیب سے موبائل نکال کر کونج کو میسج کیا۔

''تم اس مجنوں کی اولاد کو اپنے طریقے سے سمجھالو، ورنہ میں اسے اسی روڈ پہ نیم مردہ حالت میں چھوڑ کر جاؤں گا، اور مجھے فرق بھی نہیں پڑے گا۔'' میسج بھیج کر وہ دوسری طرف سے چند لمحے انتظار کرتا رہا۔

یکدم موبائل تھر تھرایا وہ کال کر رہی تھی۔

''تم شیور ہو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے؟'' مہدی نے فاتحانہ انداز میں موبائل اسکے چہرے کے سامنے لہرایا۔ گلی کے عین بیچوں بیچ وہ چوبیس سالہ لڑکا بلکل ٹھہر گیا۔ ہوا کے جھونکے میں اسے جامد کر دینے کی سی صلاحیت تھی۔ مہدی نے سبز بٹن دبایا۔

''ہیلو۔۔ مہدی بھائی؟'' اسپیکر سے آواز گونجی۔ ضیغم میر کے لبوں پہ کوئی آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ تو درست سمت پہ چلی گئی مگر اس لڑکے کی سمت جس طرح بدلی تھی یہ بس وہی جانتا تھا۔

''میری بات کروائیں ناں ذرا، میں پوچھتی ہوں اس سے۔'' وہ اب جیسے ہوش میں آیا تھا۔ تیزی سے آگے آتے اس نے موبائل جھپٹ کر اسکے ہاتھ سے لیا، اسپیکر آف کیا۔ اور ایک تیز نگاہ مہدی پہ ڈالی۔

''تم نے اسکو اپنا نمبر کیوں دیا ہوا ہے؟''

ایک عرصہ بعد اسکی آواز سن کونج کی دھڑکنیں بھی منتشر ہوئی تھیں۔ وہ ان سالوں میں مزید خوبصورت بولنے لگا گیا تھا۔ اس نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری، اور لہجے کو سخت بنانے کی کوشش کی۔

''تمہیں میں نے کہا تھا ناں جو وہ پوچھیں بتا دینا، اگر میری بات سننی ہی نہیں تھی پھر کیوں ہاں کہا؟''

ضیغم نے ایک کاٹ دار نگاہ مہدی پہ ڈالی۔

''یار میں نے منع کب کیا ہے؟ میں بتانے والا تھا۔'' وہ منمنایا۔ مہدی نے ابرو ستائش سے اٹھائے۔

''نہیں تم نے یہی کرنا ہوتا ہے۔ میں نے اتنا عرصہ بعد ایک امید سے میسج بھیجا تھا تمھیں کہ تم مجھے انکار نہیں کرو گے لیکن تم ضرور کچھ نہ کچھ کرو گے یہ میں کیسے بھول گئی؟''

''آئی ایم سوری۔'' آہ ذہین مرد۔

''اگر تمھیں کوئی کام نہیں کرنا ہوتا تو پہلے بول دیا کرو۔''

''آئی ایم سوری۔'' لہجہ ہنوز نرم، مہدی پہ جمی نگاہیں ویسی ہی خشمگیں۔

''جو کچھ بھی ہوا اس میں تم برابر کے شریک تھے تمھیں اب بھی گلٹ نہیں ہوتا تمھیں پرواہ نہیں ہے میری بہن کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟'' اسکی آواز بھرا گئی۔

ضیغم لب کاٹ کر رہ گیا۔ بہن بھائی زندگی کا وہ حصہ ہوتے ہیں جنہیں ہم نے لمبا عرصہ جیا ہوتا ہے وہ چلے جائیں، بچھڑ جائیں تو دل میں گڑھے بن جاتے ہیں، کبھی نہ بھرنے کے لئے۔

''آئی ایم سوری۔'' اب کے ضیغم مدھم لہجے میں بولا۔ بالاج میر اسے بے تحاشا یاد آیا تھا۔

''میں جانتا ہوں بہن بھائی نہ ملیں تو کیا ہوتا ہے آئی ایم سوری۔'' اس نے کہہ کر دوسری جانب سے کچھ بھی سنے بغیر تیزی سے فون کاٹا۔ ہتھیلی سے نم آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''وحید اللہ، ایک تاجر ہے۔'' مہدی کا موبائل اسکی طرف بڑھاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''پاکستان سے مختلف ملکوں میں تجارت کرتا ہے۔خاص طور پہ بنگلہ دیش۔وائٹ کالر کرمنل ہے۔مختلف دنگے اور فسادوں میں اسکا ہاتھ ہوتا ہے۔

اور بڑے بڑے قاتل اور کرمنلز کو پولیس سے بچانے کے لئے اپنے پاس پناہ دیتا ہے۔حاکم ماموں اسے بچپن سے جانتے تھے،انہوں نے اس سے بات کی کہ وہ کچھ دن کے لئے زینیا کو اپنے پاس رکھ لیں اور اس نے ہاں کہہ دیا تھا۔پولیس سے بچا کر ہم نے زینیا کو وہیں چھوڑا تھا۔اسکے بعد جب ہم اسے واپس لینے گئے تب اس نے ہمیں کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔اس نے ہمیں کہا کہ اب زینی ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔''

اسے یوں لگا جیسے اسکے مردہ وجود میں کسی نے روح بھر دی ہو۔بے اختیار سر اٹھا کر تشکر سے آسمان کو دیکھا۔لبوں سے دھیرے سے خارج ہوا۔

''میرے اللہ۔۔۔۔''

''اس دن کے بعد بھی بشر کافی دفع انکے پاس گیا لیکن وہ ہمیں کچھ نہیں بتا رہے۔بس اتنا جانتا ہوں میں۔''

''وہ کہاں رہتا ہے؟مجھے اسکا ایڈریس چاہیے۔''

''جہاں میں اس سے آخری بار ملا تھا وہ ایڈریس واٹس ایپ کر رہا ہوں۔اسے سب جانتے ہیں وہاں پوچھ لینا کوئی بھی بتا دے گا۔''وہ ہنوز لئے دیے جواب دے رہا تھا۔مہدی کو دیکھ کر اسے بالاج شدت سے یاد آ رہا تھا۔جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ کسی دور میں اسکے بھائی کی محبوب بیوی تھی۔

کوئی اسکے دل کی کیفیت نہیں سمجھ سکا تھا،بالاج اگر زینیا کی کہانی کا ولن تھا تو ضیغم کا ہیرو تھا۔

بعض دفع تعلقات اور واقعات صحیح غلط سے آگے جا''خون''کے زمرے میں آ جاتے ہیں،یہ واحد دائرہ ہے جہاں ہر ججمنٹ دھندلی پڑ جاتی ہے۔

''تھینک یو،میں اس احسان کو یاد رکھوں گا۔''مہدی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے ضیغم نے بری طرح جھٹکا۔

''میرے بھائی نے تمہاری کتنی بار مدد کی تھی تم تو بیسٹ فرینڈ تھے ناں، پھر بھی تم نے اسکے قاتل کو کچھ نہیں کہا؟ دوغلے ہو تم۔'' وہ یکدم پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔ ''وہ مجھے بتاتا تھا اسکا ایک بہت اچھا دوست ہے۔ مہدی تو سب سے اچھا دوست ہے۔ لیکن تم۔۔۔ تم نے اسی کی بیوی سے نکاح کر لیا؟''

''میں نے جس سے نکاح کیا وہ ایک آزاد لڑکی تھی۔ کس کی سابقہ بیوی تھی اس سے فرق نہیں پڑتا۔''

''تم انکار کر سکتے تھے۔'' ایک اور شکوہ۔

''جس طرح تھوڑی دیر پہلے تم انکار کر سکتے تھے۔'' وہ ایسے بولا جیسے کوئی عام سی بات ہو۔ ضیغم نے لب بھینچ لئے۔

''میں اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جہاں تھی جس حالت میں وہاں یا تو میں تھا یا پھر کوئی نہیں۔ کوئی اور ہوتی تو کر دیتا انکار وہ زینیا حاکم تھی، اسے انکار نہیں کیا جاتا تھا۔''

ضیغم کی گیلی نگاہوں میں طیش ابھرا۔

''یعنی میرا بھائی بے وقوف بنا، تم بہت شروع سے اس میں انوالو تھے؟''

''مجھے واقعی نہیں پتہ یہ کب شروع ہوا تھا۔ تب جب وہ گوادر کے قلعے میں مجھے بچا رہی تھی، یا پھر تب جب وہ اسلام آباد میں میرے حصے کی جنگیں لڑ رہی تھی۔ وہ بہت شروع سے میرے لئے اہم تھی۔ میں کبھی اسے فار گرانٹڈ نہیں لے سکا تھا۔

چار سال پہلے اگر وہ کہتی ستاروں سے بھرا آسمان دن کا ہے تو میں کہتا ہاں، آج چار سال بعد بھی اگر وہ یہی کہے تو میں ہاں کہوں گا۔ یہ ہے اسکی حیثیت، تھی اور، یہی رہے گی۔ اس پہ میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔''

وہ دو قدم مزید آگے بڑھا، عین اسکے سامنے۔

''وہ تمہارا بھائی تھا اور میرا دوست۔ دوستی ٹوٹ گئی تھی، تم اسکے لئے اگلے کئی سال رو سکتے ہو میں نہیں کیونکہ اس نے جو بھی کیا تھا میں اسے معاف نہیں کر سکا۔''

ضیغم یونہی دانت پہ دانت جمائے تنفر سے اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

''ایڈریس۔''

''صبح دس بجے ہاسٹل کے باہر آجانا، جہاں چلنا ہے ساتھ چلیں گے۔'' لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ جو غلط اسکے بھائی نے کیا تھا، اسے درست وہ خود کرے گا۔ تاکہ دوبارہ کسی مہدی کمبیر کے سامنے اسے گردن نہ جھکانی پڑے۔

کمبیر محل کے اندر گاڑی لاتے ہوئے اسے یقین تھا اس وقت تک سب سو چکے ہوں گے۔ پچھلے ڈیڑھ برس کے سارے اختلاف ختم کر تمام کمبیرز واپس محل آ گئے تھے۔ اکادکا بتیاں، اس وقت روشن تھیں مگر وہ جہاں جہاں قدم رکھ رہا تھا وہاں روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔

قیس کے کمرے سے گزرتے ہوئے وہ رکا۔ ادھ کھلے دروازے سے اسے نظر آیا موبائل کان سے لگائے وہ سوٹ کیس میں اپنے کپڑے ڈال رہا تھا۔ اسے لاہور سے آئے کوئی ڈیڑھ ہفتہ ہو گیا تھا اور مہدی نے نوٹ کیا تھا وہ کچھ کر رہا تھا۔ کیا؟ یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔

دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوا۔ کمرہ بے ترتیب تھا۔ پرفیوم، کپڑے، جوتے ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ مہدی اچھنبے سے آگے بڑھ آیا۔ قیس کی اسکی طرف پشت تھی۔

''اسٹیڈیم سے کیا پتہ چلا؟'' فون کان سے لگائے وہ پوچھ رہا تھا۔ ''تو پیسے دو، جتنے پیسے مانگے اتنے دے آؤ۔''

''تم کہیں جا رہے ہو؟''

موبائل اسکے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا وہ تیزی سے مڑا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ خود کو کمپوز کر گیا تھا۔ ''ہاں، ایک بزنس ٹرپ ہے۔''

''کہاں کا؟'' اس نے زمین سے کچھ شرٹس اٹھا کر بیڈ پہ رکھیں۔ اور بے حد غور سے اسکی تیاری دیکھی۔

''چائنا۔۔'' یک لفظی جواب دے کر وہ ایک سفید شرٹ بیگ میں رکھنے لگا، پھر اسے نکال کر سیاہ شرٹ رکھی۔ وہ کب سے اپنے کپڑوں پہ اتنا دھیان دینے لگا؟

''پچھلے ماہ گئے تو تھے ہم دونوں، اب دوبارہ ایسا کیا کام پڑ گیا؟''

''تم میرے باپ ہوتے تو تمھیں ضرور بتاتا، لیکن تم نہیں ہو۔''

''تم اتنی تیاری کب سے کرنے لگے؟''

''جب سے میرا دل چاہنے لگا۔''

''مجھے کیوں لگ رہا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟''

''حالانکہ تمھیں یقین ہونا چاہیے میں چھپا رہا ہوں۔''

''چھپانے کی وجہ؟''

''بتانا نہیں چاہتا۔''

''تم کہاں جا رہے ہو، نائٹ میئر۔۔۔'' مہدی نے اسکا بازو پکڑ کر رخ اپنی جانب کیا۔ چہرے پہ سختی تھی۔

''کام سے جا رہا ہوں، ایک بار کہہ دیا تمہیں سمجھ نہیں آتی؟'' اس نے اپنا بازو چھڑوایا۔

''یہ اتنے پرفیوم، شرٹس، جوتے یہ کس ماں کو دکھانے جا رہے ہو؟''

قیس نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہاری ماں زندہ ہوتی تو بہت شوق سے اسے دکھاتا، اب مجبوری ہے خود دیکھنا پڑے گا۔''

مہدی نے سرخ چہرے کے ساتھ اسکے سینے پہ دھکا دیا۔ وہ لڑھک کر بیڈ پہ گرا۔ نگاہوں کا تمسخر برقرار رہا۔ جبڑے بھینچ رکھے تھے۔

''جہنم میں جاؤ۔''

''اسکا انتظام میرے لئے پہلے سے موجود ہے۔''

''یقیناً ہو گا تم اسی لائق ہو۔''

''اور تم تو جیسے بہشت کے باغوں میں ہو گے۔ قاتل۔'' آخری لفظ ہتک سے کہا۔

مہدی سنی ان سنی کرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔اسکی بلا سے جہنم میں جائے یہ ڈیزائنر۔اور ڈیزائنر صاحب اپنے تئیں جنت کی تلاش میں تھے۔ بلکہ اسکے بے حد قریب۔

(''اگر مجھے لگا تھا وہ میری ایک دھمکی سے اگلے کئی سال مجھ سے ڈرے گا، میرا حق نہیں کھائے گا تو میں غلط تھی۔ لیکن اگر اسے لگا تھا وہ مجھے میرے خوابوں سے دور کرنے کے خوف میں مبتلا کر کے مجھے توڑ دے گا تو وہ بھی غلط تھا۔'')

''یہ میرا کام نہیں ہے، باس۔ میں اسے کیوں کروں گی؟'' وہ پچھلے ہفتے کے تین تقاریب کی ایڈٹنگ کے لئے لائی گئی تصویروں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

صہیب نے بے حد غور سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''ٹھیک ہے، تم مت کرو کوئی بات نہیں۔ بس پھر آفس والوں کے سوالات کے لئے تیار رہنا، اپنا ملک اپنا گھر چھوڑ کر یہاں کیوں آئی بتا سکو گی ناں؟''

''آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں؟'' پورے ایک سال بعد یہ دوبارہ ہوا تھا اسے شاک نہیں لگا تھا لیکن برا ضرور لگا تھا۔

''میں تو صرف وہ بتا رہا ہوں جو سچ ہے اب آگے تم دیکھ لو جو بھی کرنا ہے۔ میرے ساتھ رہنا ہے تو ہر وہ کام کرنا پڑے گا جو میں کہوں گا۔'' شہر بانو کی شادی قصہ پارینہ تھی سو اب وہ اپنی روش پہ پلٹ آیا تھا۔

''اور اگر میں نہ کروں تو؟''

''بس پھر نتائج کے لئے تیار رہنا۔''

وہ مٹھی بھینچ کر رہ گئی۔اس روز کے بعد سے انکی تلخ کلامی ہوتی رہی تھی۔ وہ اضافی کام کرتی، ہر وقت کی جی حضوری کرتی، دوسروں کے کام اسے کرنے کو ملتے یہاں تک کہ اسے آفس میں چائے، پانی اور کافی تک سرو کرنی پڑتی۔اس نے برداشت کیا، اسے لگا جینے اور کمانے کے لئے لڑکی کو ورک پلیسز کی بے جا سختیاں برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں۔ لیکن ایک دن اسکی بس ہو گئی، وہ دن جب اسے اپنی تنخواہ کا آدھا حصہ ملا۔

”آفس کے باقی اسٹاف کو بھی مینج کرنا پڑتا ہے۔ تم گزارا کرنا سیکھو۔“

وہ کئی لمحے ان چند نوٹوں کو دیکھتی رہی۔یہاں تک کہ اسکی آنکھیں بھر آئیں۔وہ صبح گھر چھوڑ کر یہاں آتی تھی۔ بھوک، پیاس، سختی، سردی، گرمی برداشت کرتی تھی اس آفس کے باقی ورکرز سے زیادہ کام کرتی تھی اور بدلے میں اسے اسکی مکمل اجرت بھی نہیں مل سکتی تھی؟ ورک پلیس پہ عورتیں بہت کچھ برداشت کرتی ہیں کیونکہ اسے بلندیوں کی خواہش کا حساب چکانا ہوتا ہے؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چپ چاپ ایک کاغذ پہ استعفیٰ لکھا۔جب وہ لکھ کر فارغ ہوئی تب اسے یاد آیا، اگر کرایہ نہ جمع کیا تو مکان جائے گا، بجلی کا بل نہ دیا تو روشنی، اور اگر جاب چھوڑی تو؟ کاغذ اس نے واپس بیگ میں رکھا۔ فیصلہ لینے میں دیر ہو رہی تھی لیکن وہ اس فیصلے کو دماغ سے خارج نہیں کر سکی۔

(”اپنے ماضی میں، میں نے کامیابیوں کو سر چڑھالیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اسلام آباد سے ناکام لوٹی تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہاں بھی ڈر ہے کہ کما نہ سکی تو کھاؤں گی کیسے، رہوں گی کیسے۔ لیکن میں ایک ایک عورت، جو ورک پلیس پہ کسی بھی قسم کی زیادتی کا شکار ہے کو بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا رزق لکھا جا چکا ہے۔ کامیابی، ناکامی طے ہے۔ بلندیوں سے محبت رکھو اور ان سے ڈرنا چھوڑ دو۔ انہیں یہ حق مت دو کہ یہ تمھیں ہانٹ کریں۔“)

لیپ ٹاپ پہ جھک کر اپنا کام کرتے ہوئے اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔ گردن اب اکڑ رہی تھی۔اور ہاتھ تھک گئے تھے۔جب اس نے کرسی پہ پیچھے کو ہوتے ہوئے ٹیک لگانی چاہی۔

"آپ فکر ہی نہ کریں سر، مرتضیٰ کا کام ہی گارنٹی ہے۔ آپ کی بیٹی کی شادی کو یادگار بنادے گا۔" ساتھ والے آفس سے صہیب کے بات کرنے کی آواز آرہی تھی، زینیا چونکی۔ صہیب نے ابھی پانچ دن پہلے جوائن کیا تھا اور اب تک صرف ایک شوٹ میں زینیا کے ساتھ گیا تھا۔ پھر کونسا شوٹ کر لیا اس نے؟

"زوبیہ صاحبہ بھی ایسی خوش ہوئی ہیں کہ اپنی دوسری بیٹی کی منگنی میں بھی ہمیں بلوایا ہے۔"

زینیا کے سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ وہ لیپ ٹاپ چھوڑ کر اٹھی اور اپنے آفس کا دروازہ کھول کر ملحقہ آفس کے اندر داخل ہوئی۔ اسکے چہرے پہ ایسا غضب تھا جو دیکھے، تھم جائے۔ بڑے دنوں بعد اسکے اندر پہلے والی زینیا کی روح آئی تھی۔

"کون سے شوٹ کی بات ہو رہی ہے یہاں؟" وہ باآواز بلند بولی۔ صہیب نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا لیکن آج وہ نہیں سہنے والی تھی۔

"اگر زوبیہ صاحبہ کی بڑی بیٹی کی شادی کی بات ہو رہی ہے تو وہ شوٹ میں نے کیا تھا۔ اور اس شوٹ میں مرتضیٰ صرف اور صرف ایک طرف کھڑا میرے اشارے سنتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اسے تین سے چار بار میری ڈانٹ بھی پڑی اور اسے کوئی اثر نہیں ہوا۔" اسکا تنفس تیز ہوا، اور چہرہ سرخ ہوا۔

"جن لوگوں کو لے کر آتے ہو انہیں فوٹو گرافی کا "ف" بھی نہیں آتا ہے اور تم انہیں میرے مقابلے کھڑا کرو گے؟" ماضی کی زینیا کے برعکس وہ چیخ نہیں رہی تھی۔ چیزیں نہیں توڑ رہی تھی اپنی سانسیں ہموار رکھے، خود کو رونے سے باز رکھے وہ جو کہہ رہی تھی اسکا حق تھا۔

"زینیا ہم بعد میں بات۔۔۔"

"کونسی بات؟ کہاں کی بات۔ بعد میں کوئی بات نہیں ہوگی بعد میں تم صرف اور صرف مجھے دھمکاؤ گے۔ لیکن اب۔۔" وہ آگے آئی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"تم جیسوں کو بیچ کر کھا سکتی ہوں میں سمجھے؟ دوبارہ میرے کام کو کسی اور کے نام سے جوڑا خدا کی قسم میں اس امر کو یقینی بناؤں گی تمھارے سرنیم میں تمھارے باپ کے علاوہ کسی کا نام آئے۔ سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔"

صہیب سرخ چہرے کے ساتھ آگے آیا اور زینیا کے گلے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جب اس نے صہیب کا بازو تیزی سے پکڑ کر مروڑا اور اسے دھکا دے کر خود سے دور ہٹایا۔

"خبردار۔۔۔ خبردار جو تم نے جرات بھی کی ہو ایسی۔ اکیلی ہوں لیکن کمزور نہیں۔"

اس آفس میں کھڑے تین مرد ہکا بکا تھے۔ وہ اکیلی لڑکی تھی، اسے کمزور ہونا چاہیے تھا وہ نہیں تھی۔ اپنے خود ساختہ قفس سے نکلنا ہی ایک بسمل کی سب سے بڑی جنگ ہوتی ہے اور وہ نکل آئی تھی۔ وہ پہلی عورت تھی جو جنگ کی فاتح اور غازی تھی۔

("جب انسان اپنی عزت کر کے اللہ کے بھروسے کوئی کام چھوڑ دیتا ہے تو اسے بدلے میں بہت کچھ ملتا ہے جن میں سر فہرست عزت ہے۔ مقام، روٹی بھی۔")

کچن اسٹول پہ بیٹھی وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ جاب چھوڑنے پہ جیسے دنیا کی ساری مصیبتوں نے اسکا گھر دیکھ لیا تھا۔ مالک مکان نے اسے دو دن کے اندر اندر گھر خالی کرنے کو کہہ دیا تھا۔ اس نے پورا ایک سال اس گھر کو بنایا تھا اور ایک جھٹکے میں سب چھوٹ رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کرے۔ کیا کبھی کوئی جگہ نصیب ہو گی جو اسکی ہو گی؟

کئی منٹ گزرے جب اسکے گھر کا دروازہ بجا۔ اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں، مگر دروازہ کھولنے کے لئے نہیں اٹھی۔ دستک تواتر کے ساتھ ہوتی رہی لیکن وہ اٹھی نہیں۔

دوسری طرف جب کوئی دروازہ توڑنے کے درپے تھا جب وہ بے زاری سے اٹھی اور ایک دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بتیس، تینتیس کے ہندسے کو چھوتی عورت کھڑی تھی۔ نک سے تیار، ساڑھی کا پلو اپنے چہرے پہ پھیرتی وہ عورت زینیا کو دیکھ مسکرائی۔

اسکا رویا رویا چہرہ، بکھرا حلیہ نظرانداز کرتے اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ زینیا نے بوکھلاتے ہوئے انہیں راستہ دیا اور اسی پل وہ ٹھٹھک گئی۔ اسکے پیچھے وہی لڑکا تھا جس سے آج وہ سٹوڈیو میں ملی تھی۔ اسکے چہرے پہ شرمندگی تھی۔

''وہ جو اندر گئی ہیں، وہ میری آپا ہیں۔'' بالوں میں ہاتھ چلاتے جھجک کر کہا۔ زینیا نے اسے راستہ دیا۔ اور خود بھی چلتی ہوئی کچن کی طرف گئی۔ پانی کی بوتل اور دو گلاس لے کر وہ جب تک پلٹی مرتضیٰ صوفے پہ رکھے کشن کے ساتھ چھیڑ خانی میں مصروف ہو چکا تھا۔ گلاس کے میز پہ ٹکرانے کی آواز پہ وہ فوراً سیدھا ہوا۔

''میں آپ سے معذرت کرنے آئی تھی دراصل۔۔''

''معذرت کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں، آپ میری مہمان ہیں۔'' اچھا تو تہذیب سے اسکا تعلق بھی بننے لگا تھا؟ ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ۔

''مجھے مرتضیٰ نے بتایا آج جو کچھ ہوا۔ یقین جانو میرے بھائی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''لیکن آپ کے بھائی وہاں خاموش رہے تھے۔'' اس نے پانی کا گلاس اسکی طرف بڑھایا۔

''مجھے ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، اور اب انکو مجھ سے بھی نہیں ہو گا جگہ چھوڑ دی ہے میں نے۔''

''میں بھی جاب چھوڑ کر آیا ہوں۔'' مرتضیٰ نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔ زینیا ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔

''میں ایسی جگہ کام نہیں کر سکتا جہاں ملازمین کے ساتھ اس طرح ہراسمنٹ ہوتی ہو۔''

زینیا کا چہرہ بے تاثر رہا اسے متاثر ہونا تھا تو نہیں ہوئی۔ ہاں مگر اسے اچھا لگا ایک غلط مرد کے خلاف اٹھتا صحیح مرد۔

''ہم تمھارے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔'' اس کی بہن نے اب مداخلت کی۔ ''میرے بابا کا گاڑیوں کا شوروم ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں مرتضیٰ انہیں جوائن کرے لیکن وہ نہیں کرنا چاہتا۔'' زینیا کی آنکھیں پنڈولم کی طرح یہاں سے وہاں گھوم رہی تھیں۔

''فوٹو گرافی اسکا passion ہے لیکن میرے بھائی کے اسکلز زیادہ polished نہیں ہیں۔ اور بابا نے اسے ایک سال کا وقت دیا ہے اگر وہ اتنے عرصے میں اپنے اسکلز اچھے کر لے تو بابا اسے فوٹو گرافی کی اجازت دے دیں گے اور اگر نہیں تو۔۔۔''

''آپ پلیز مجھے کچھ ٹرکس سکھادیں۔آپ کا کام واقعی قابل داد ہے اور جس دن آپ نے مجھے کچھ ٹرکس سمجھائی تھیں، انہوں نے میری واقعی بہت مدد کی ہے۔آپ پلیز صرف ایک سال کے لئے مجھے سکھادیں۔''

زینیا چہرے پہ الجھن لئے ٹکر ٹکر انکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میری جاب جاچکی ہے، یہ گھر میرے باس نے مجھے دلوایا تھا کل صبح تک مجھے اسکو خالی کرنا ہے۔میرے پاس اس وقت چند ہزار ہی ہیں۔کل صبح تک میں کس سڑک پہ ہوں گی مجھے یہ بھی نہیں پتہ اور آپ کہہ رہے ہیں میں آپ کو شاگردی میں لے لوں؟''اس نے آدھی بنگالی اور آدھی انگریزی میں کہا۔

''آپ گھر کیوں چھوڑ رہی ہیں؟''

''اٹس پرسنل، میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔''دوٹوک صاف جواب۔

''اگر ہم آپ کے ساتھ ہوں تو صہیب آپ کے خلاف نہیں جا سکتا۔یہ گھر میں ڈیڑھ سال کے کرائے پہ خرید سکتا ہوں۔''مرتضیٰ نے پیش رفت کی۔''آپ اسے اپنی فیس سمجھ لیں،اور میں ایک سٹوڈیو میں کام کرنے جاؤں گا آپ چاہیں تو آپ کو وہاں جاب بھی مل جائے گی۔''

''میرے پاس سی وی اور آئی ڈی کارڈ نہیں ہے، کون دے گا مجھے جاب؟''

اب کے ان دونوں بہن بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔کچھ تھا جو اس لڑکی کے متعلق آف تھا۔نگاہوں ہی نگاہوں میں فیصلہ ہوا اور اب اسکی بہن آگے کو ہوئی۔

''ہمیں اس سب سے فرق نہیں پڑتا، مرتضیٰ کی جاب ہو جائے گی اور وہ آپ کو اپنے ساتھ لے کر جایا کرے گا، سیکنڈ فوٹو گرافر کے نام پہ،اور جو پیسے ملیں آپ دونوں بانٹ لیں۔''اسے آفر معقول لگی تھی۔اگلے دن نیما سے مشورے کے بعد اس نے ہاں کہہ دیا تھا۔راستے کھل گئے تھے۔

(""قیس کمبیر نے میری زندگی کو تین سو ساٹھ ڈگری پہ بدلا۔ میں اس شخص کو سوچ کر بھی کانپ جاتی ہوں، لیکن۔۔۔۔اعتماد جو مجھے اسکی سلطنت میں کام کر کے ملا وہ آج تک کبھی نہیں ملا۔

اس نے عورت اور مرد کا کوئی حساب نہیں رکھا تھا، لیکن میں وہاں ڈری بھی تھی۔ اس روز سمندر کنارے جب اس نے اپنی تصویریں لینے کو کسی کو بلایا میں ڈر گئی۔ مجھے اپنی جگہ چھن جانے کا خوف آیا اور اس روز کے بعد میں نے بہت سی باؤنڈریز توڑیں، جنکے لئے میں آج بھی پشیمان ہوں۔ وجہ قیس نہیں تھا وجہ میں خود ہوں۔ وجہ میری کھوکھلی بنیادیں ہیں۔ وجہ میرے باپ کی طرف سے ملی کم اعتمادی ہے۔"")

اسے مرتضیٰ کے ساتھ کام کرتے ہوئے پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ اکیس بائیس برس کا وہ لڑکا واقعی اچھا فوٹو گرافر تھا اور زینیا کے سکھائے ٹرکس سے اسکے اسکلز نکھر بھی گئے تھے۔ وہ دونوں دن کا کافی حصہ ساتھ گزارتے تھے۔ وہ اسکا عادی ہو گیا تھا۔ البتہ زینیا ریزرو اور لئے دیئے رہتی۔ ایسا ہی ایک دن تھا جب مرتضیٰ نے پہلی بار حد پار کرنے کی کوشش کی تھی۔

""آپ سے ایک بات پوچھوں؟""

""فلحال نہیں تم یہ اینگل دیکھو، اگر دھوپ پڑنے پہ۔۔۔۔"" وہ کسی پارک میں تھے زینیا اسے کچھ سمجھا رہی تھی۔

""آپ سنگل ہیں؟"" کیمرہ پکڑے زینیا ساکت ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسکے عقب میں کھڑا وہ اکیس سالہ لڑکا جسے وہ بچہ سمجھتی تھی اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ آج وہ مختلف لگ رہا تھا لیکن وہ تو پچھلے کئی دنوں سے مختلف تھا۔

""آپ اتنی خوبصورت ہیں، کبھی کوئی ملا نہیں؟"" وہ اس لڑکے کو دیکھ کر رہ گئی۔ یہ وہ عمر تھی جس میں ہر لڑکے کو ایک مدر فگر لڑکی پسند آتی ہے۔ اسے بھی آ گئی تھی۔ زینیا کو اب کے سمجھ نہ آیا اسکی حد کہاں ٹوٹی تھی؟

""میں شادی شدہ ہوں۔ اور اپنے شوہر سے وفادار ہوں۔ اگر دوبارہ تم نے مجھ سے اس قسم کی بات کی تو ہم ساتھ میں کوئی کام نہیں کریں گے اور میں یہ بات دوبارہ نہیں کہوں گی۔"" اسکا لہجہ سخت نہیں تھا تو نرم بھی نہیں تھا۔ دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک کاٹ دار نگاہ مرتضیٰ پہ ڈالی۔

""میں تمہاری ٹیچر ہوں اور تم میرے جونیئر، دوبارہ میری باؤنڈری کراس نہیں ہونی چاہیے۔""

وہ شر مسار نظر آتا تھا۔ دھواں دار محبت نہ سہی اسے کرش ضرور تھا۔اس روز کے بعد اس نے زینیا سے ویسی کوئی بات نہیں کی تھی مگران دونوں کے درمیان کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔ زینیا مزید ریزرو ہو گئی تھی۔اب وہ ہر مرد سے بات کرتے ہوئے یہ یاد رکھتی تھی کہ اگر یہی بات وہ کسی غیر مرد سے اپنے بھائی یا شوہر کی موجودگی میں کرے گی تو کیسے کرے گی؟

یہ سوچ بہت سی لڑکیوں کو، غلط راہ پہ چلنے سے بچا لیتی ہے، وہ بھی بچ گئی تھی۔

کراچی کا سفر لمبا ہو گیا تھا۔ ضیغم اور مہدی کمبیر جس وقت لیاری کے اس علاقے پہنچے شام ڈھلنے کے قریب تھی۔

''تمھیں وہ جگہ یاد ہے جہاں تم اس سے آخری بار ملے تھے؟'' وہ آس پاس دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ضیغم نے جواب نہیں دیا۔ مہدی اسکی خاموشی سے عاجز آنے لگا تھا۔ وہ سارا راستہ اسے روٹھی محبوبہ والے نخرے دکھاتا ہوا آیا تھا۔

''یاد بھی ہے تو تمھیں کیوں بتاؤں؟''

''کیونکہ تم میری گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر میرے پیسوں سے کھانا کھاتے ہوئے یہاں میری مدد کرنے آئے ہو۔''

''ہمت ہے تو یہ ساری چیزیں واپس لے لو۔''

''تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے تم میری بیوی نہیں ہو جس کے میں نخرے اٹھاؤں گا۔''

''جس کے اٹھانے چاہیے وہ بھی تو لاپتہ ہے۔''

''وجہ تم سب ہو۔''

''ہاں ہم ہی برے ہیں کمبیر ز تو صبح ہوتے جائے نماز پہ بیٹھتے ہیں اور رات گئے تک تسبیح کے دانے گراتے ہیں۔''

مہدی نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔اور چپ چاپ اسکے پیچھے چلنے لگا اس خاندان کے افراد کی زبانوں کے جوہر سے وہ واقف تھا ہی اپنے خاندان کے خبطی پن کا اندازہ بھی اسے خوب تھا۔ بات شروع پستول سے اور ختم بھی پستول سے ہوتی تھی لہٰذا وہ خاموشی بہتر تھی۔

''وہ ہمیں، زینیا کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا۔'' چلتے چلتے اس نے مہدی سے کہا۔ وہ غیر محسوس انداز میں اسکے آگے چل رہا تھا۔ ایسے جیسے راستہ اسے ہی تو معلوم تھا۔

''تمھارے پاس کوئی اور پلان ہے؟''

''ہے ناں۔۔۔ بلکل ہے۔ ہمارے سسر صاحب سے براہ راست پوچھ لیتے ہیں۔'' اس نے فوری جواب دیا۔ ضیغم نے مڑ کر اسے گھورا۔

''سسر سے یاد آیا تم نے میری منگیتر سے کس خوشی میں رابطہ رکھا ہوا ہے؟''

''رابطے پہ غیرت آ رہی ہے؟ تم نے میری بیوی کے بازو پہ گولی چلائی اسکا حساب کون دے گا؟'' مہدی بھی اسی کے انداز میں بولا۔ شاید انہوں نے ٹھان رکھی تھی جہاں سڑک ملے گی وہاں لڑ پڑیں گے۔

''اس نے خود کہا تھا۔''

''کونج نے بھی پہلی دفع مجھے خود میسج کیا تھا۔''

''اگلی دفع میں خود تمہارا اکاؤنٹ بلاک کروں گا۔''

''اوہ یعنی یہ بلاک کرنے والی روح آدھے خاندان میں ہے انٹرسٹنگ۔'' تالیاں بجانے کی کسر رہ گئی تھی بس۔

''وہ ڈری ہوئی اور خوف زدہ تھی تمھیں وہ کرنا چاہیے تھا جو تمھیں درست لگتا۔ ایک لڑکی پہ گن چلا کر تم نے ٹھیک کیا؟''

''بائیس سال کا تھا میں، ہاتھ میں بندوق پکڑا دی اور بولا جاؤ جا کر مار و تاکہ تمھارے مرحوم بھائی کو سکون ملے۔ میرے بھائی کی موت کا زخم تازہ تھا، میں غصے میں تھا، نروس تھا اور کم عمر تھا۔ تم وہاں نہیں تھے اور اب۔۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''اتنے سال بعد واپس آ کر تم ہم سے یہ نہیں پوچھ سکتے یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا۔''

مہدی کے اوپر مانو اوس پڑ گئی تھی۔ یہ غصہ اس شخص کا تھا جس نے ٹراما کی ذرا سا جھلک دیکھی تھی اس لڑکی کا کیا حال ہوگا جس نے یہ جھیلا تھا۔ کیا یہ تلاش کسی فائدے کی ہے، کیا وہ اسے یاد کرتی ہوگی یا پھر اس نے موو آن کر لیا ہوگا، کیا وہ اسے ذمہ دار سمجھتی

ہو گی؟ کیا۔۔۔ وہ آج بھی اسکی آنکھوں کو دنیا کی سب سے خوبصورت آنکھیں سمجھتی ہو گی۔؟ سوال کئی تھے جواب جاننا ضروری بھی تھا مگر وہ نہیں جاننا چاہتا تھا۔

سر جھٹکتے وہ ضیغم کے پیچھے چلنے لگا۔ جس جگہ وہ آکر رکے وہ وہی ڈھابہ تھا جہاں آج سے کوئی دو دو سال قبل ضیغم اور بشر ایک ساتھ آئے تھے۔ یہاں سے انہیں وحید کا پتہ ملا اور کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک چھوٹے سے سٹینگ ایریا میں بیٹھے تھے۔

مہدی بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے کسی نے آنا تھا۔ پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد انہیں بلآخر وحید اندر آکر سلام کرتا اور اپنے سامنے بیٹھتا دکھائی دیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے سیدھا سوال کیا تھا۔

''کیسے آنا ہوا؟'' وہ بظاہر ایک عام سا تاجر لگتا تھا لیکن وہ اتنا عام نہیں تھا یہ وہاں بیٹھے دونوں مرد بخوبی جانتے تھے۔

''میرا نام، مہدی کمبیر ہے۔ اور یہ میرا کزن ہے، ضیغم میر۔''

''میرا تعارف اپنے کزن کے نام سے کروانا ضروری تھا؟'' وہ دل ہی دل جل کر بولا۔

''میں تم دونوں کے تعارف سے لے کر شجرہ نسب تک سے واقف ہوں۔ تم کمبیر خاندان سے ہو، بشر کے بہنوئی اور تم دونوں حاکم کے داماد ہو سب جانتا ہوں میں۔ یہاں آنے کی وجہ بتاؤ۔''

مہدی کمبیر ہاتھوں کو باہم جوڑے آگے کو ہوا۔ ایک نظر ضیغم کو دیکھا، پھر وحید اللہ کو اور کہنا شروع کیا۔

''ڈھائی سال پہلے میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا تھا اور اس حادثے کا سارا الزام میرے کزن نے میری بیوی پہ ڈال دیا۔ جسکی وجہ سے اسے بہت سختیاں جھیلنی پڑیں یہاں تک کہ اسکو تھانے جانا پڑا۔ اس پہ قتل کے الزام لگے۔''

''آگے میں بتاتا ہوں۔'' وحید نے اسے ٹوکا۔

''لڑکی کسی طرح پولیس حراست سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی اور اسکے گھر والے اسے لے کر کراچی آگئے، جس کے بعد انہوں نے غیرت کے نام پہ اسے قتل کرنا چاہا مگر اسکا بھائی اسے بچا کر میرے پاس لے آیا۔ وہ زخمی تھی اسکے بازو میں گولی لگی تھی۔

باقی جسم پہ تشدد کے نشان تھے، مجھ سے کہا گیا میں اسکو پناہ دوں میں نے دے دی۔" مہدی کمبیر کے چہرے پہ اس سارے وقت میں پہلی بار زندگی کی رمک دکھائی دی تھی۔

"لڑکی نے ہوش سنبھالنے کے بعد مجھ سے ایک چیز مانگی۔۔۔"

اسکی رنگت پھیکی ہوئی، وحید اللہ کی اگلی بات سننے کے لئے وہ بے چین ہوا۔

"اس نے کہا اسے آزادی چاہیے، وہ اپنے خاندان میں کسی سے تعلق نہیں رکھنا چاہتی اور میں نے اسکی خواہش کا احترام کیا ہے۔ اس لئے تم، بشریا کوئی بھی اور آئے میں کسی کو اسکے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم غلط جگہ کوشش کر رہے ہو۔"

اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ وہ اسکی بیوی ہے، کوئی اور کون ہوتا ہے یہ فیصلہ کرنے والا کہ کس مدت تک وہ اپنی ہی بیوی کو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور انکے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔

"آپ سمجھ نہیں رہے وہ میری بیوی ہے۔ شاید پریشانی اور غصے میں اس نے ایسا کچھ کہہ دیا ہو، لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے مجھے اس سے اور اسکو مجھ سے دور رکھنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔"

ضیغم محظوظ ہوا۔ باتیں اور دلیلیں تو واقعی اچھی تھیں۔

"پھر ایسا کرو جاؤ اور جا کر مجھ پہ کیس کرواؤ، پولیس بلواؤ یا پھر جا کر میڈیا کے سامنے رونے رو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو کہنا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں۔"

مہدی کے سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ وہ اس طرح آخری امید کو کھو کر یونہی چلا جائے؟ ناممکن۔ ناممکن۔

"آپ سمجھ نہیں رہے میرا اس تک جانا بہت ضروری ہے، وہ میری بیوی ہے مجھے اسکی فکر ہے۔ آپ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"میں چاہ کر بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" اسکی بات کاٹ کر بے زاری سے کہا۔ یہ اشارہ تھا کہ یہاں سے جایا جائے۔

اسے طیش آیا اور اسکا ہاتھ جیب میں پڑی اپنی پستول تک گیا۔ تیزی سے اس پستول کو جیب سے نکالتے ہوئے وہ اٹھا اور اس اس نے ٹھنڈی نال وحید کی ٹھوڑی کے نیچے چبھوئی اور کہنی سے اسکی گردن پہ زور دیا۔ اتنا کہ ادھیڑ عمر مرد کا دم گھٹنے لگا۔ وہ آنکھیں پورے طرح کھولے اسے دیکھ رہا تھا جو اس وقت غیر انسانی چہرہ لئے ہوئے اس پہ حاوی تھا۔

''اب بتاؤ، کہاں ہے وہ؟ ورنہ میں ٹر گرد بانے میں دو منٹ بھی نہیں لگاؤں گا۔'' مہدی گمبیر غرایا۔

''مہدی چھوڑو اسے تم پاگل ہو؟'' ضیغم جو ہکا بکا سا اسکا پاگل پن دیکھ رہا تھا یکدم دھاڑا۔ اور اٹھ کر اسے دور ہٹانے کی کوشش کی۔

''میری بیوی ہے وہ اس پہ سارے حقوق میرے ہیں اور تم مجھ سے اسکی موجودگی مخفی رکھو گے؟'' وحید کا دم گھٹ رہا تھا اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی مگر مجال ہے جو اس نے گرفت ڈھیلی چھوڑی ہو۔

''اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گیا ہوں میں، اور تم۔۔۔ تم فیصلہ کرو گے میری بیوی مجھ سے دور کرو گے؟''

''مہدی چھوڑو اسے وہ مر نہ جائے چھوڑو۔'' ضیغم نے کندھے سے پکڑ کر اسے ہٹانا چاہا جب مہدی نے پستول کا دستہ اسکے سر پہ دے مارا۔ ضیغم ماتھے پہ ہاتھ رکھے پیچھے کو ہونے لگا۔ چوٹ شدید تھی۔

شور سن کر باہر سے کئی مرد اندر بھاگتے ہوئے آئے۔ مہدی پہ کوئی پاگل پن سوار تھا اور ضیغم اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ وہ لوگ اب مہدی کو ہٹا رہے تھے، اسکی گن چھین رہے تھے۔ وحید ہاتھ اٹھا اٹھا کر انہیں روک رہا تھا کسی بھی قسم کے ذاتی حملے سے منع کر رہا تھا۔

مہدی اب اسے گالیاں بک رہا تھا اسکا سرخ چہرہ کسی بے بس اور ہارے ہوئے مشتعل مرد کا چہرہ تھا۔ اسکی آنکھیں، اسکی سرخ پڑتی آنکھوں میں ناکامی کی نمی تھی۔ وہ اس آخری در سے لوٹایا جا چکا تھا جہاں سے اسے کوئی امید نظر آئی تھی۔ وہ پاگل ہونے کے در پے تھا۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ پڑے ہوئے وہ لمبے گہرے سانس لے رہا تھا آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل کو کسی نے چیر کر دو حصے کر دیا تھا اور ہر حصے میں بے تحاشا تکلیف تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں اسکی آخری امید جڑی تھی۔ اسے لگا تھا اب بس اب وہ کبھی اسے نہیں دیکھ پائے گا۔

''تمھیں اس طرح کا رد عمل نہیں دینا چاہیے تھا۔''ضیغم نے اسے دیکھتے ہوئے بے لاگ تبصرہ کیا۔ساتھ اپنے ماتھے کو سہلایا جہاں جامنی نشان پڑ گیا تھا۔

''انسان کو خیال رکھنا چاہیے وہ کہاں اور کونسی جگہ پہ ہے ایسا کہاں ہوتا ہے کہ پاگلوں کی طرح۔۔۔''اسکے باقی کے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے مہدی سرور کمبیر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے، گردن جھکا کر رو پڑا۔پورے ڈیڑھ سال بعد اپنی تمام اذیتوں کو بے تاثر انداز میں سہتے ہوئے آج وہ تھک گیا تھا کیونکہ آج امیدیں بری طرح ٹوٹی تھیں اور کانچ کے ٹکڑے اسکی آنکھوں میں چبھ گئے تھے۔

''اللہ۔۔۔میرے اللہ۔۔۔''وہ بچوں کی طرح صدا دے رہا تھا۔

''پلیز میرے لئے آسانی کر پلیز۔''

ضیغم بلکل ساکت سا اسے تک رہا تھا۔وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا مگر چپ رہا وہ اس شخص کو کیا دلاسا دیتا جو اپنی صدائیں اللہ کو بھیج رہا تھا۔

ڈھاکہ ایئر پورٹ پہ اترنے والی اس فلائٹ نے قیس کمبیر کے دل میں تقویت بھر دی تھی۔سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے، گلاسز آنکھوں پہ لگائے وہ اپنے ساتھ چلتے ہوئے لقمان سے کچھ سن رہا تھا۔

''سٹڈیم میں بہت پیسہ کھلانا پڑا اسکے بعد ابھی تھوڑی دیر پہلے وہاں آنے والے تمام لوگوں کی لسٹ ملی ہے۔اور اس لسٹ کے تمام لوگوں کو چیک کرنے کے بعد ہم نے نیما راشدی نام کی عورت کو ٹریک کیا،اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مس زینیا حاکم،زوہرہ متین کے نام سے زندگی گزار رہی ہیں۔''

''زوہرا متین۔''اس نے زیر لب دہرایا۔

''نیما راشدی ایک طلاق یافتہ عورت ہے اور ایک ہسپتال میں نرس بھی ہے۔زوہرہ اور نیما مڈل کلاس کالونی کی ایک بلڈنگ میں کرایے کے گھر میں رہتی ہیں۔زینیا ایک سٹوڈیو میں فوٹو گرافر ہے اور ایک لڑکے کو پرسنلی ٹرینڈ بھی کر رہی ہیں۔''اسکے بارے میں

سنتے ہوئے یہ وہ پہلی بات تھی جس پہ قیس کے تاثرات میں ناگواری گھلی تھی۔"کوئی شادی نہیں، کوئی افیئر، کوئی تعلق نہیں۔زوہرہ متین کلئیر ہے۔"

قیس جواباً خاموش رہا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے اس نے سینے کے دو اوپری بٹن کھولے۔ چھوٹی سی گاڑی میں اسے گھٹن ہوئی تھی۔ لقمان نے اسکی ای میل پہ کچھ بھیجا موبائل بجا تو قیس نے گردن جھکا کر گھٹنے پہ پڑا موبائل دیکھا۔ پھر موبائل ہاتھ میں لیا اور انگوٹھے سے تصاویر سلائیڈ کرتا گیا۔

کسی تصویر میں وہ مسکرا رہی تھی، کہیں وہ کچھ خریدتی نظر آرہی تھی، کہیں اسکے چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی اور کہیں بے تاثر۔ قیس اسے دیکھ رہا تھا، باقی ساری دنیا جیسے خاک ہو رنگ وہی، رونق وہی، دنیا وہی، محفوظ پناہ گاہ وہی۔

ٹیکسی ایک شاندار ہوٹل کے سامنے آ کر رکی شام ڈھلے عمارت روشنیوں کا مرکز لگ رہی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ ڈھاکہ کا ایلیٹ ایریا بے حد مختلف تھا۔ امراء ویسے ہی رکھ رکھاؤ اور غرور والے تھے، جیسے کراچی اور اسلام آباد کے ڈیفینس میں رہنے والے لوگ۔ ایک دوسرے سے تعلقات اور امیدیں بہت کم، بزنس اور پیسوں کی آمد پہ ڈھیر سارا غور۔ شاہی پوشاک بدن پہ، خوشبوؤں کا طوفان مگر سازشوں کی بو بھی۔

"تم چیک ان کرواؤ، مجھے اسکے پاس جانا ہے۔" اس نے عمارت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ تھک گئے ہوں گے، آرام۔۔۔"

"کئی سال سے وہی کرنا چاہ رہا ہوں، لگتا ہے آج کامیاب ہو جاؤں گا۔" اسکا انداز ایسا دوٹوک تھا کہ لقمان نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے بس ایڈریس اسے بھیجا اور خود گاڑی سے اتر گیا۔ ہوٹل کے اندر جاتے ہوئے وہ کسی کو کال ملا رہا تھا۔

"علاقے اور عمارت کا نام بھیج رہا ہوں، وہاں ایک آدمی کا داخلہ چاہیے کام ہو جانا چاہیے۔" گزرے برسوں میں اس نے حدیبیہ کی جگہ لی تھی تو اسکا حق بھی تھا۔

قیس کمبیر کی گاڑی اس سڑک کو الوداع کہہ کر جا چکی تھی۔ شہر کی مختلف سڑکوں پہ دوڑتی بھاگتی اس گاڑی کے اندر بیٹھا شخص اندر تک مسرور تھا۔ زندگی نے اس سے چھیننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اب جب واپسی ہوئی تھی تو اسے یوں لگ رہا تھا ہر زخم کا مداوا آج ہو جائے گا۔ برسوں بعد اسکے چہرے پہ آسودہ مسکراہٹ تھی۔ ہر غم سے پاک۔

گاڑی ایک بار پھر ایک منزل پہ آ کر رکی۔ اب کے اس نے گردن اٹھائی تو نظر نہیں ہٹا سکا۔ دل جس تیزی سے دھڑک رہا تھا اسے آواز میلوں تک جاتی محسوس ہوئی۔ سیاہ آنکھوں میں بڑی مدت بعد جذبات تھے۔ وہ گاڑی سے اتر آیا، رقم ڈرائیور کو تھمائی۔

اور باہر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر چپ چاپ گردن اوپر کئے دیکھتا رہا۔ کہیں سے کسی بالکنی سے فیری ٹیلز لٹک رہی تھیں، کہیں سے پودوں کی کوئی بیل۔ اسکی بالکنی کونسی ہو گی؟ کہاں کھڑے ہو کر وہ کبھی چاند کو دیکھتی ہو گی؟ کہاں کھڑے ہو کر وہ رات کا چاند اور صبح کی پہلی کرن دیکھتی ہو گی۔ ان گزرے سالوں میں کیا وہ اسے یاد بھی کرتی ہو گی؟

"جی بھائی کیا چاہیے آپ کو؟" دروازے پہ کھڑا گارڈ کہتے ہوئے آگے آیا۔ قیس اسکی زبان نہیں سمجھ سکا۔ قیس نے کچھ کہنا چاہا جب کوئی آدمی کھڑا ہوا، اور گارڈ سے کچھ کہنے لگا۔ قیس جانتا تھا لقمان اس سے ایک قدم آگے رہنے والا تھا سو وہ آگے تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہر شے سے بے نیاز اندر کی طرف جا رہا تھا۔ اسکے قدم ہواؤں میں تھے یہ زمین ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ زمین جنت تک کہاں لے جاتی ہے؟ اسکے دل میں جو تھا وہ مکمل سکون تھا یہ دنیا میں کب ملتا ہے؟

مطلوبہ فلور پہ آ کر بیل بجاتے ہوئے اس نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا، رفتار معمول سے کئی گنا زیادہ تیز تھی۔ وہ چند سیکنڈ کے اندر اندر اسکے سامنے آنے والی تھی۔ وہ اسے کیا کہے گا، اس کا ردعمل کیا ہو گا، کیا وہ چیخے گی، کیا وہ اسے دیکھتے ہی دروازہ بند کر دے؟ وہ ہر خیال سوچتا اور رد کرتا جا رہا تھا اور اسی پل دروازہ کھلا۔ اسکا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا ہو۔ دروازے کے وسط میں کوئی عورت کھڑی تھی۔ عمر چالیس بیالیس کے قریب۔

"نیمار اشدی۔۔۔" قیس اسے پہچانتا تھا۔ اور سر کے خم سے سلام پیش کیا۔

"قیس کمبیر۔۔" اسکی شناخت سے ناواقف تو وہ بھی نہیں تھی۔ چند لمحے شاکی انداز میں اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے دروازہ تیزی سے بند کرنا چاہا جب قیس نے برق رفتاری سے دروازے کے درمیان میں اپنا ہاتھ اور بوٹ پھنسا لیا۔

نیما جسامت میں اس سے دگنی سہی ایک عورت ہی تھی قیس کمبیر نے اپنا پورا زور لگا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ نیما اس سے بھی زیادہ پھرتی سے دروازے کی دیوار کے ساتھ رکھے گول اونچے میز سے کچھ اٹھا کر اسے دے مارا۔ وہ جو دروازہ کو چٹخنی لگا کر ابھی سیدھا ہی ہوا تھا اسکا سر باقاعدہ چکرا کر رہ گیا۔ ہاتھ ماتھے پہ رکھے وہ ناگواری سے اسے دیکھے گیا۔ جلد باز بے، وقوف عورت۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی تم میرے گھر میں قدم بھی رکھو۔" نیما پھنکاری۔ قیس سر پہ ہاتھ رکھے پیچھے کو ہوا نیما نے ایک بار پھر پوری قوت سے واپس اسکے سر پہ مارنا چاہا مگر اس بار اسکی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ قیس اس واس کو تھام گیا تھا۔ اس نے تاسف سے نیما کو دیکھا۔

"اب کم از کم یہ قصور میرے کھاتے میں نہیں آئے گا، باخدا میں نے شرفاء کی طرح بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن راس تو آئی نہیں۔"

ایک ہاتھ میں واس اور دوسرا ہاتھ ہوا میں اٹھائے اس نے اطلاع دی۔ نیما گہری سانسیں لیتی پیچھے ہو رہی تھی، اور قیس کمبیر واس کو اسکی جگہ رکھتے اسکے قریب آ چکا تھا، اسکے بعد فلیٹ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

سیاہ رنگ کے سادہ جوڑے میں، چھوٹے بالوں کو کرل کئے ہوئے لڑکی کے چہرے پہ تکان تھی۔ سر پہ جما دوپٹہ اسکے وقار میں آج بھی اضافہ کرتا تھا۔ کندھے پہ کیمرہ اور بیگ ٹنگا تھا، ہاتھوں میں پڑی سفید رنگ کی چوڑیاں آپس میں ٹکراتے ہوئے بلڈنگ کے سکون میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ اپنے فلیٹ کے باہر رک کر اس نے پرس ٹٹولا، اور چابی باہر نکالی۔ اسکے چہرے پہ تکان کے آثار تھے۔ ڈبے میں موجود کیک اپنی ہلکی سی جھلک دکھا رہا تھا۔ نیما کو کیکس بہت پسند تھے، اسے جب بھی کہیں سے اضافی رقم ملتی وہ نیما کے لئے کیک ضرور لاتی تھی۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی، بے اختیار اسکی نگاہ رگ پہ پڑی، وہ بے ترتیب سا دروازے سے بہت آگے پڑا تھا۔ واس جگہ پہ نہیں تھا۔

زینیا نے بتیاں روشن کیں، ہال میں روشنی ہو گئی۔ آگے ایک طرف اوپن کچن تھا اور اسکے سامنے سٹنگ ایریا۔ راہداری روشن ہوئی تو وہ کچن کی طرف بڑھی جہاں اندھیرا تھا۔ راہداری کی روشنی یہاں تک آ رہی تھی زینیا نے کیک میز پہ رکھا۔ دوپٹہ اتار کر چھوٹی میز

پہ رکھا۔اس نے کچن کی بتیاں ہاتھ مار کر روشن کیں اور سٹنگ ایریا کی طرف اسکی پڑنے والی نگاہ بلاارادہ تھی۔اگلے لمحے وہ سانس نہیں لے سکی۔

نیم اندھیرے میں، گردن سیدھ میں رکھے صوفے پہ بیٹھاوہ شخص،وہ اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اندھیرے میں تھا مگر زینیا حاکم کو اسے پہچاننے کے لئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔بلاشبہ یہ وہی تھا۔ان دونوں کے درمیان بس چند قدم کا فاصلہ تھا،بس چند قدم۔وہ ہنوز سانس لئے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔شاکی، ششدر۔

ایسے جیسے کوئی آسیب دیکھ لیا ہو،ایسے جیسے کسی نے اس پہ سحر جمود کر دیا ہو۔وہ پلک تک نہیں جھپ سکی۔ڈھائی سال ایک فلم کی طرح نگاہوں کے آگے گھوم گئے گردن پہ اسکا سخت لمس اب بھی محسوس ہوتا تھا۔وہ بس اسے تک رہی تھی۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔آنکھیں روشن تھیں،اسے دیکھ کر ہی ہوئی تھیں۔تنفس غیر ہموار تھا اب ہونا ہی تھا۔دل کی بنجر زمین پہ ایک لمبا عرصہ بعد ٹھنڈی پھوار پڑی تھی جس نے اسے اندر تک پر سکون کر دیا۔اسکے سامنے کھڑی یہ عورت قیس کمبیر اس پہ دنیا دان کر سکتا تھا۔وہ کر آیا تھا۔

''لانگ ٹائم اسٹالکر۔۔۔''وہی بھاری، نیند کے نشے جیسی مخمور آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔اس نے بے اختیار سلیب کا سہارا لیا۔قیس نے صوفے سے جھک کر لیمپ کا بٹن دبایا اب کے اسکا چہرہ نیم روشن تھا۔اور اب اس نے دیکھا قیس کے عقب میں کرسی پہ نیما تھی۔اسکے ہاتھ، پیر بندھے ہوئے تھے،منہ پہ پٹی تھی۔قیس نے اسکی نظروں کی تقلید میں دیکھا۔

''نہیں نہیں۔۔۔تم غلط سمجھ رہی ہو۔''وہ آگے بڑھا زینیا پیچھے ہونے لگی۔چہرہ سفید پڑ رہا تھا، سانس جیسے اکھڑ رہا ہو۔

''ان سے بہت تمیز سے بات کی تھی میں نے لیکن انہوں نے۔یہ دیکھو یہ۔۔''اس نے اپنا ماتھا اسے دکھایا جہاں اب تک خون کے زخم تازہ تھے۔

''انہوں نے مجھے واس مارا ہے، میں نے انکو ہرٹ نہیں کیا تم مجھے غلط مت سمجھنا۔میں بالکل بدل گیا ہوں۔''وہ چھوٹے چھوٹے قدم اسکی طرف بڑھا تھا، زینیا لٹھے کی مانند سفید شاکی چہرہ لئے پیچھے کو ہو رہی تھی۔اسے لگا تھا وہ گر جائے گی، یا پھر مر جائے گی۔قیس سالم موت تھا اسکی واپسی نری برزخ جس میں وہ سلگ رہی تھی۔وہ اب تک متعجب تھی۔

''میں نے بہت یاد کیا تمھیں، سمجھ نہیں آرہی اس وقت تمھیں دیکھ کر کیا کہوں لیکن۔۔۔'' وہ دیوار سے جالگی۔ زبان گنگ تھی۔ آنکھیں مردہ۔اور قیس بات ادھوری چھوڑے اپنے پیروں میں گرے کیک کی اس ملبے کو دیکھ رہاتھاجوڈبے سے اپنی جھلک دکھارہاتھا۔

''میں یہ بھی نہیں چاہتاتھا۔'' اب کے اسکااشارہ کیک کی طرف تھا۔ پھر سر جھٹکتے اس نے زینیااور اپنے درمیان وہ ذراسافاصلہ بھی طے کیا۔ عبداللہ زمان اب اسکے عین سامنے کھڑاتھااسکے بدن سے اٹھتی محسور کن خوشبوزینیاکے اعصاب پہ طاری ہورہی تھی۔

قد میں اس سے چندانچ اونچا، اسکی آنکھوں میں دیکھتاہوا وہ شاندار مرد زینیا حاکم کا دم گھونٹ رہاتھا۔اور اسکی آنکھوں میں بس نرمی اور تشنگی تھی۔ بس وہی۔ وہ اسے جس نظر سے دیکھ رہاتھا کوئی اور دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

''مجھے دیکھ کر گھبرا گئی ہو؟'' وہ بے حد نرمی سے پوچھ رہاتھا۔ایسی نرمی جس پہ کسی کا بھی دل ٹھہر جائے۔

''ڈر کیوں رہی ہو، کیامیں نے کچھ کہاہے؟ میں بس بات کرنے آیاہوں یار، میں تنگ نہیں کروں گے ریلیکس۔''

اس نے جھک کر زینیا کا یخ پڑتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ قیس کے لبوں سے بے اختیار گہری سانس خارج ہوئی۔ وہ ایسے ملی تھی جیسے گنہگاروں کو جنت ملتی ہو۔ وہ چند لمحے چپ چاپ خاموشی سے اسے تکے گیا۔ گہری خاموشی میں واحد شور سانسوں کا تھا۔ اسکے سامنے کھڑے اس طرح اسے دیکھتے ہوئے وہ کئی زندگیاں گزار سکتا تھا۔

ڈھائی سال۔۔۔ وہ اسے ڈھائی سال بعد دیکھ رہاتھا۔ ان تمام سالوں میں کوئی اس سے اسکے منافعے پوچھے تو خاک، خسارے پوچھے تو بس زینیا حاکم۔ قیس نے اسکا ٹھنڈا برف ہاتھ اوپر کیا، چند لمحے وہ اسکے ہاتھ پہ ابھری رگیں دیکھتا رہا، انگلیوں کی بناوٹ، اسکے ناخن، اور ان پہ لگے سرخ دھبے، پھر یونہی بے حد نرمی سے اسکا ہاتھ بلند کیا اور باری باری اپنی دونوں آنکھوں سے لگایا۔

عقیدت سے، محبت سے، بے چینی سے۔ زینیا نے سانس لینا بھی روک لیا اور وہ بڑی ملائمت سے، بے حد نرمی سے اپنی جلتی آنکھوں کو تسکین پہنچا رہاتھا۔

''تھئو مئیں چھم آنورائیں۔ **(تم میری آنکھوں کا نور ہو)** '' دھیرے سے بتایا۔

''آئی ایم سوری، آئی ایم سوری ہر چیز کے لئے، آئی ایم سوری، ہر مسئلے کے لئے۔'' اسکا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے مدھم لہجے میں کہا۔ کئی لمحے وہ اسی طرح اسکے قریب کھڑا رہا۔ پھر دھیرے سے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر وہ بے سانس کھڑی اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اسکی آنکھیں، نقوش، وہ سراپا کیا پڑھ کر پھونکتی تھی وہ۔ کیوں وہ آج بھی اسکا اسیر تھا؟

''تم۔۔۔ تم۔۔ کیوں۔۔ آئے۔ ہو؟'' اسکے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ آنکھیں کناروں سے گیلی ہو رہی تھیں، خوف ایسا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے مر جانا چاہتی تھی۔ اسکے ہاتھوں کی کپکپاہٹ قیس محسوس کر سکتا تھا۔

وہ اسے دیکھتا رہا۔ بس دیکھتا رہا۔ وہ سنہری آنکھیں، اسکی ناک میں فیروزے کی وہ لونگ جسے چھونے کی خواہش اسے کب سے تھی۔ اسکے بال۔۔۔

''یہ تم نے اپنے بالوں کے ساتھ کیا کر لیا ہے؟'' وہ ایسے بولا جیسے بہت افسوس ہوا ہو۔

''پہلے زیادہ خوبصورت لگتے تھے۔'' ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اس نے دوسرے ہاتھ سے اسکے بالوں کو ہلکے سے چھوا، پھر قریب ہو کر انکی خوشبو محسوس کی۔ زینیا آنکھیں سختی سے میچ گئی۔ لب کپکپا رہے تھے اور آنکھوں کے کنارے پہ اٹکے آنسو چہرے پہ گر پڑے۔ قیس نے اسکا ہاتھ چھوڑا، اور ذرا پیچھے ہوا۔

''مجھے اس طرح مت دیکھو، ایسے آنکھیں بند مت کرو۔ میں تمھیں تنگ نہیں کر رہا میں بس۔۔۔'' اس نے لب کاٹے، اور مزید دو قدم پیچھے لئے۔

''میں نے بس تمھیں بہت یاد کیا میں تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں اور کچھ نہیں۔ آئی ایم سوری۔''

وہ واقعی پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اپنی بے اختیاری پہ اسے شرمندگی ہوئی۔ اسی لمحے مزاحمت کرتی نیا کرسی سے گر پڑی۔ دھڑام کی آواز پہ قیس نے جونہی مڑ کر دیکھا ابھی وہ لمحہ تھا جب زینیا نے سلیب پہ پڑا چاقو اٹھایا۔ اور جس لمحے قیس کچھ کہنے کو مڑا، اس نے چاقو تیزی سے اسکے بازو میں کھبو دیا۔

تیز دھار چاقو جسم چیر کر اندر داخل ہوا اور خون کی ایک تیز دھار پھوار بہہ نکلی۔ اسکی سفید شرٹ کا بازو پل بھر میں سرخ ہو گیا۔ وہ ششدر سا زینیا کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو اسے دھکا دے کر اب خود باہر بھاگ رہی تھی۔ وہ سٹنگ ایریا میں نیا کو اٹھانے تک نہیں گئی یہ قیس کے لیئے دوسرا جھٹکا تھا۔ سب کچھ اتنا جلدی ہوا کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آسکا۔

وہ کمرے کی طرف بھاگی اور چٹخنی چڑھا لی۔ سلیب کا سہارا لیتے درد سے دوہرے ہوتے قیس کے چہرے پہ درد کے ساتھ اب بھی بے یقینی تھی۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جس سے وہ محل کی راہداریوں میں ملا تھا۔ اس نے چاقو اپنے بازو سے نکالا، خون مزید تیزی سے بہنے لگا اس نے لب بھینچ کر برداشت کیا۔

کئی لمحے سلیب کے ساتھ لگ کر بیٹھتے، گہرے لمبے سانس لیتے ہوئے وہ درد برداشت کرتا رہا۔ بے یقینی سہتا رہا۔ پھر اٹھا اور زینیا کے کمرے کی طرف آیا۔ وہ بند دروازے کے سامنے کھڑی تھی، ہاتھ میں بھاری گلدان تھا۔ رنگت زرد پڑ چکی تھی حالت بکھری ہوئی تھی۔ اس پہ ہسٹریائی کیفیت طاری تھی۔

"زینیا۔۔۔" قیس نے نرمی سے پکارا۔

"زینیا میں تمھیں ہرٹ کرنے نہیں آیا۔" بازو میں شدید تکلیف ہونے لگی۔

"پلیز اس طرح ری ایکٹ مت کرو، تم مجھ سے مت ڈرو میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا پلیز خود کو ہرٹ مت کرو۔ ادھر باہر آؤ میری بات سنو۔"

"تم چلے جاؤ، پلیز کہیں چلے جاؤ مر جاؤ میں تمھیں نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ جاؤ میں تمھیں نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ اندر سے حلق کے بل چلائی۔

"اور میرا کیا، میں صرف تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اتنی دور تمھارے لئے آیا ہوں۔ میں۔۔۔ تم مجھ سے ڈر کیوں رہی ہو یار؟" وہ جیسے بری طرح بے بس ہوا ہو۔

"باہر آؤ، پلیز باہر آؤ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں ہرٹ نہیں کروں گا۔"

''یہاں سے چلے جاؤ اس وقت جاؤ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی میں۔۔۔اگر تم نہیں گئے تو میں خود کو کچھ کرلوں گی لیکن باہر نہیں آؤں گی۔''

اسکے بازو سے ہتھیلی تک آتا اور پھر ہتھیلی سے زمین تک بہتا ہوا خون دروازے سے اندر بھی بہہ رہا تھا۔زینیا کے پیر خون میں سرخ ہونے لگے۔آنسو تیزی سے بہتے اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔وہ خوف زدہ تھی۔

''میں اس طرح خون سے بھری ہوئی شرٹ کے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں،مجھے پانچ منٹ دے دو میں چلا جاؤں گا لیکن پلیز تم پینک مت کرو پلیز۔''وہ دروازے سے چہرہ لگائے کھڑا اسے ہدایات دے رہا تھا۔

''میری بات سنو میں جارہا ہوں میں تمھیں بلکل بھی ہرٹ نہیں کروں گا،پولیس کو بھی نہیں بتاؤں گا بس تم ریلیکس رہو پلیز۔میں جارہا ہوں اوکے؟''

اندر خاموشی رہی،ہاں مگر وہ آنکھیں رگڑ کر صاف کرچکی تھی۔چہرے کے خوف میں کچھ حد تک کمی تھی مگر اسے یقین اب تک نہیں آیا تھا۔باہر قیس اب لقمان کو کال ملا رہا تھا۔اسے چند ضروری ہدایات دے کر اس نے اپنا بازو دیکھا جہاں درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔وہ چاقو نکال چکا تھا۔مگر درد کا کیا کرے؟

اس نے بند دروازے کو دیکھا۔پھر اس نے خود کو دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔اندر سے اسکی ہچکیاں لے لے کر رونے کی آواز آ رہی تھی،اسے اندازہ ہوئے وہ کچھ چیزیں اتنی بری طرح توڑ چکا ہے کہ اب انہیں فکس نہیں کیا جاسکتا،سرفہرست ان میں زینیا حاکم کا دل تھا۔اور شاید اسکا اپنا دل بھی۔نیم اندھیرے لاؤنج میں بند دروازے سے ٹیک لگائے وہ کتنی دیر بیٹھا رہا۔

''میں تمھیں ہرٹ نہیں کروں گا۔''

اس نے بتایا،پھر جواب کا انتظار کیا کوئی جواب نہیں آیا وہ دوبارہ کچھ نہیں بولا۔کچھ دیر بعد لقمان آگیا تھا،اس نے وہیں اسکی شرٹ تبدیل کروائی،بازو پہ کچھ باندھا،خون صاف کیا،اور قیس کی طرف دیکھا جو بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔جسے اب تک اپنے زخم کی پرواہ نہیں تھی۔

''میں جارہا ہوں، نیما کو آزاد کر رہا ہوں، پلیز تم ریلیکس رہو۔''

اندراب بھی خاموشی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ لقمان نے نیما کو آزاد کیا وہ وہیں فرش پہ پڑے ہوئے اپنا تنفس بحال کرتی رہی، قیس کمبیر اس دروازے کو آخری نظر دیکھتے ہوئے جا چکا تھا۔ اس چہرے کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔

مہدی کمبیر کی گاڑی ایک مسجد کے باہر کھڑی تھی۔ ضیغم گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، اور مہدی اندر کی طرف جا رہا تھا۔ اس بریک ڈاؤن کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے خول میں سمٹ گیا تھا۔ اندر آکر اس نے وضو کیا اور مسجد کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ جماعت ہوگئی تھی اب بس مولوی صاحب تھے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

اسکے چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ جائے نماز کے اوپر کھڑے اس نے نیت کی، پھر بازو پیٹ سے نیچے باندھے وہ زیر لب کچھ پڑھتا رہا۔ پھر وہ رکوع کے لئے جھک گیا۔

سجدے میں جاتے ہوئے اسکی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ ڈھائی سال پہلے دل پہ لگی ساری گرہیں دم توڑ گئی تھیں۔ کثافتیں ڈھل کر صاف ہوئیں۔ دو نفل پڑھ کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ کئی لمحے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتے وہ خاموش رہا۔ کیا کیا یاد نہیں آیا تھا۔

سرخ گاؤن میں ملبوس اسکی بیوی، گولیوں کی چبھن اور جلن، سفید کمرہ، تکلیف، آگ سے جلے ہوئے زخم، اور ایک بار پھر وہی لڑکی۔۔۔ ساری سوچیں اور راستے اسی پہ آکر ختم ہو رہے تھے۔ ٹراما، بیماری، تکلیف، گولیوں کے زخم۔ ہر رات کی بے چینی، ہر کروٹ بے کلی۔

''اللہ۔۔۔۔''

بہت دیر بعد اسکے لبوں سے دھیرے سے ادا ہوا۔

''کچھ وقت پہلے بہت اچھا مسلمان تھا میں، ہے ناں؟ اتنا مصروف شیڈیول تھا پھر بھی میں وقت نکال لیتا تھا، نماز روز پڑھتا تھا، ہاں قرآن پڑھنے میں کوتاہی ہو جاتی تھی، لیکن پھر بھی سب اچھا تھا، بہت اچھا۔ کیونکہ آپ کے اور میرے درمیان سب اچھا تھا۔'' وہ زیر لب بول رہا تھا۔

''پھر کچھ حادثے ہو گئے، چیزیں میرے کنٹرول سے نکل گئیں، اور میں چاہ کر بھی خود کو آپ سے جوڑ نہیں سکا، شاید مجھے آپ سے شکایت تھی۔ میں ہر دفع منزل کے بہت قریب پہنچ کر ناکام ہوا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کیوں۔۔'' اسکی آنکھوں سے پانی گر رہا تھا۔ حد درجہ پشیمانی سے گردن جھکا رکھی تھی۔

''منزل کو چھونے سے قبل واپسی ہو جائے، بنے ہوئے کام بگڑ جائیں، زندگی سے کنٹرول چھوٹ جائے، حالات حق میں بہتر نہ ہوں تو انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسکے اور اللہ کے درمیان کچھ آ گیا ہے۔ وہ نہ دے کر بتانا چاہ رہا ہے کہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش میں تم مجھے پیچھے چھوڑے جا رہے ہو۔ مجھے کل پتہ چلا۔۔۔'' دھندلاتی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ گلا بھاری ہوا تھا۔

''میں جس کے حصول میں پاگل ہو گیا تھا، جس کی خواہش نے مجھے میرا آپ بھلا دیا اسی محبت میں، میں نے میرا رب پیچھے چھوڑا تھا۔'' آنسو اب بہے تو بہتے چلے گئے، وہ باقاعدہ ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔ دل میں درد تھا، ٹھہراؤ تھا، تکلیف تھی۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، اللہ۔ میں نے جو پانے کے لئے جو چھوڑا وہ تو۔۔ وہ آپ تھے اللہ آئی ایم سوری، آئی ایم سوری، میں خاک، میری کوئی اوقات نہیں، جو ہیں وہ آپ ہیں، میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' وہ دوبارہ سجدے میں گر گیا اسکا سارا وجود ہچکولے کھا رہا تھا آج مہدی کمبیر ڈھے گیا تھا۔

انتقام، محبت، دنیا، طلب ہر شے کندھوں پہ بیٹھی چڑیل بن گئی اور وہ جھک گیا اس کے سامنے جسے اٹھانا آتا ہے۔

''مجھے وہ دے دیں جس کے حصول میں، میرے ڈھائی سال خاک ہو گئے۔ میں نے اس سے محبت کی ہے اللہ۔۔۔ بہت محبت کی ہے۔ بہت یاد آتی ہے وہ مجھے، اسکے بغیر نہیں رہ سکتا میں اس سے موو آن نہیں کر سکتا میں، ہو ہی نہیں رہا اللہ۔۔۔۔ نہیں ہو رہا مجھ سے نہیں ہو رہا۔'' مسجد میں آتے جاتے لوگ اب اسے دیکھ رہے تھے۔ چھ فٹ کا مرد کسی چھ سال کے بچے کی طرح رو رہا تھا۔

''چاہے وہ ساری زندگی کے لئے نہ ملے لیکن مجھے یہ اطلاع دے دے کہ وہ محفوظ ہے، وہ میری بیوی ہے، میری ذمہ داری اگر تو نے مجھے معاف کر کے میری واپسی قبول کر لی ہے تو مجھے وہ دے دے، پلیز اللہ۔ پلیز۔ مجھے نیند نہیں آتی میں کئی سالوں سے بے سکون ہوں۔ مجھے اسکی خیریت دے دے۔''

انسان بھول جاتا ہے دنیا اسکی ہے، لوگ اسکے ہیں، دماغ، دل، وفائیں، جذبات، حکومت، تخت، فقیری، عزت، ذلت، کامیابی سب ''اسی'' کی ہے۔ مالک وہ ہے آقا وہی ہے۔ اسے پیچھے چھوڑا اسکی یاد سے غافل ہو کر اگر کسی بھی شے کے حصول میں بھاگو گے تو وہ یا تو نہیں ملے گی یا پھر ایسے ملی گی اتنی ملے گی کہ انسان اسکی چکا چوند میں غرق ہو جائے گا۔ درست وقت پہ کوئی آیت، کوئی انسان، کوئی لکھائی انسان کو واپسی کا جھنڈا دکھا دیتی ہے جو دیکھ لیتا ہے، اسکے لئے دنیا بے معنی ہو جاتی ہے۔

مسجد سے باہر نکلتے ہوئے اسکی سوجی متورم آنکھیں پر سکون تھیں۔ دل پر امید۔ گاڑی کی اگلی نشست پہ بیٹھتے ہوئے اسکا موبائل بجا۔ مہدی نے نظر اٹھا کر دیکھا، کوئی پیغام تھا۔ وہ صرف پیغام نہیں تھا۔

''شارجہ بلڈنگ، گیٹ نمبر چار، فلیٹ نمبر اٹھارہ۔ ڈھاکہ، بانگلہ دیش۔''

مہدی کمبیر ساکت، شل اور متحیر تھا۔ اسکی واپسی قبول ہو گئی تھی، اسے وہ ملا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ اس لمحے اس پل اسے اللہ سے محبت ہوئی۔ بے تحاشا محبت۔

ہوٹل روم میں دواؤں کی بُو تھی۔ بغیر بازو، والی ٹی شرٹ سے اسکا زخمی بازو جھلک رہا تھا جس پہ سفید پٹی بندھی تھی۔ لقمان اسکی داہنی طرف بیٹھا اسکے بازو کو صاف کر رہا تھا۔ وہ اس پہ ٹانکے لگوا چکا تھا اور اب دوبارہ سے مرہم پٹی کر رہا تھا۔

''وہ پولیس کمپلینٹ نہ کر دیں، باس۔'' اس نے روئی کے گولے سے تھوڑی سی روئی کھینچتے ہوئے کہا۔ ''زخم بھی اچھا خاصا گہرا تھا۔ کتنے ٹانکے لگ گئے ہیں۔''

قیس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ یہ وہ چہرہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

''میرا خیال ہے، ہمیں انکو دھمکانا چاہیے۔''

قیس نے اپنا بازو چھڑوایا اور صوفے پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ گردن ترچھی کئے ایک بار پھر اپنا بازو دیکھنے لگا۔ وہاں پٹی تھی لیکن وہ گہرا زخم قیس کی آنکھوں میں رقم ہو چکا تھا۔ وہ خون اسے نہیں بھولتا تھا۔

''ڈرگز کا بھرا ہوا بیگ لے کر وہ میرے گھر میں داخل ہوئی تھی۔''ہوٹل کے کمرے میں اسکی بہت ہلکی آواز سنائی دی۔لقمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

''جب میں نے اس سے پوچھا یہ کس لئے ہے تب اس نے بتایا کہ اس ڈرگز سے وہ لوگوں کی زندگی برباد ہونے نہیں دے سکتی۔ایسی تھی وہ،اس لئے پسند تھی مجھے۔

میں آفس میں پینک اٹیک سے گھبرا رہا تھا،اس نے میرا ہاتھ پکڑا،مجھے پانی پلایا، تسلی دی۔آج اس نے مجھے زخمی کیا ہے۔'' قیس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔وہاں اب بھی بے یقینی تھی۔

قیس کمبیر ڈھائی سال بعد کیا اسے حدیبیہ کی جگہ دے رہا تھا؟

''وہ ایک چیونٹی بھی نہیں مار سکتی تھی دل نرم تھا اسکا اور آج اس نے فرش پہ گری اپنی دوست کو ایک نظر دیکھا بھی نہیں اسے صرف اپنا خوف تھا۔یہ وہ نہیں ہے۔۔''وہ کہنا چاہتا تھا اسے صرف میرا خوف تھا کہہ نہیں سکا۔

''یہ کیا ہو گیا ہے؟''

لقمان کو اگر کوئی جذباتی رد عمل دینا تھا تو اس نے نہیں دیا۔اس نے بات مکمل سنی، پھر اپنا موقف پیش کیا۔

''عدالت، پولیس، ریمانڈ، میڈیا، سوشل میڈیا کا دباؤ، بازو پہ لگی گولی، خاندان سے دھوکہ، غیرت اور شرم کے نام پہ ہونے والا تشدد اور اسکے بعد زینیا حاکم جیسی لڑکی کا کسی اور ملک میں چوروں کی طرح رہنا، اسکے بعد وہ یہی کر سکتی ہیں۔معذرت مگر، آپ اسکی کہانی کے ولن ہیں۔یہ رد عمل نیچرل ہے۔اور کسی بھی قسم کی ججمنٹ کے لئے آپ کو انتظار کرنا چاہیے یہ صرف پہلی ملاقات تھی۔''

قیس کی تشفی نہیں ہو سکی۔وہ اسے نہیں بتا سکا کہ زینیا پہلی ملاقات معنی نہیں رکھتی وہ اسے پڑھ آیا ہے۔سر صوفے پہ گرائے وہ ہنوز بے چین تھا اسی لئے اس نے یہ بات لقمان سے کہہ دی، ورنہ اس سے ذاتی باتیں کرنا آج بھی اسکی عادات میں شامل نہیں تھا۔

گہری اور تکان زدہ سانس لیتے ہوئے اس نے سر صوفے کی پشت سے ٹکائے رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے سالوں میں پہلی بار اسے زینیا حاکم سے ملاقات نے بے چین کیا تھا۔ سکون غارت ہو گیا تھا۔

ڈھاکہ کے اس سوئیٹ سے نکل کر اس چھوٹے سے فلیٹ کا رخ کرو تو وہاں جیسے موت کا سناٹا تھا۔ زینیا کمرے کی دیوار سے لگ کر بیٹھی تھی، پیروں پہ لگا خون جم گیا تھا۔ آنکھیں ایک ہی نقطے پہ ساکت تھیں اور رنگت تاریک۔ اسکی ساری توانائی نچڑ چکی تھی۔

''وہ یہاں کیسے آیا؟ اسے یہاں کا ایڈریس کس نے دیا اوہ خدایا۔۔۔ اوہ خدایا۔'' نیما راشدی مارے شاک اور تفکر کے بوکھلانے لگی تھی۔

''تم ٹھیک ہو اس نے تمھیں ہرٹ تو نہیں کیا، کہیں کچھ مارا ہے؟'' پنجوں کے بل اسکے پاس بیٹھی وہ کوئی دسویں دفع پوچھ رہی تھی۔ زینیا پتھر کا بت بنی سامنے دیکھ رہی تھی۔

''ہمیں پولیس میں رپورٹ کروانی پڑے گی زینیا، ورنہ جو آدمی ہمارے گھر گھس سکتا ہے وہ کل تمھیں کیا کیا نقصان پہنچا سکتا ہے تمھیں اندازہ بھی نہیں ہے۔ تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' نیما نے اسکا بازو ہلایا۔ زینیا کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

''تم ایسا کرو اپنے شوہر کو کال ملاؤ اور اسے کہو اگلی فلائٹ سے ڈھاکہ پہنچے، یا پھر اس سے کہو کسی طرح وہ اپنے بھائی کو واپس بلا لے۔ وہ اچھا خاصا مشہور آدمی ہے اسکے لئے یہ سب مشکل نہیں ہو گا۔''

کوئی جواب نہیں، کوئی رد عمل نہیں۔ نیما کو واقعتاً اسکی فکر ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی کچن کی طرف گئی واپسی پہ اسکے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا جگ تھا جسے اس نے زینیا کے سر پہ انڈیل دیا۔ وہ جھرجھری لے کر ہوش میں آئی۔۔ اور ہراساں نظروں سے اپنے آس پاس دیکھا۔

''تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' نیما کی آواز بلند تھی۔ زینیا گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی، ہاتھ دل پہ رکھا تھا۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''ہمیں کچھ کرنا ہو گا، میں وحید سے بات کرتی ہوں ہمیں پولیس میں رپورٹ کرنا ہو گا۔''

زینیا نفی میں سر ہلاتے ہوئے عجیب سے چہرے کے ساتھ اٹھی اور الماری کی طرف بڑھی۔

''کوئی کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔ پولیس کو بتایا تو انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ میں الیگل ہوں، مجھ سے میرا گھر چھن جائے گا۔ وحید صاحب ابا کو سب بتا دیں گے اور مجھے اپنے ابا کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔'' وہ الماری سے ایک ایک کر کے اپنے سامان نکال رہی تھی۔ کپڑے، جوتے، اسکیچ بکس۔

''میں اپنی وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں دوں گی، آپ فکر مت کریں۔'' اس نے الماری کے اوپر رکھا ہینڈ کیری نکالا۔

''آپ اپنے بھائیوں کے گھر چلی جائیں اور میں آج ابھی اسی وقت یہاں سے کہیں جا رہی ہوں۔ آپ۔۔''

نیما آگے آئی، اسکا بازو پکڑ کر اسے بیڈ پہ بٹھایا، گیلے بال ہاتھوں سے ایک طرف کئے اور اتنے عرصے میں پہلی بار نیما راشدی نے اس کانپتی لڑکی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے گلے لگایا تھا بالکل ویسے جیسے مائیں گلے لگاتی ہوں۔

''نہ تم کہیں جاؤ گی نہ میں، ہم دونوں یہیں ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا، ریلیکس۔'' نیما کے گرد اپنے کانپتے بازوؤں کا حصار بناتے ہوئے وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔

''وہ تمھیں دوسرے ملک میں ڈھونڈ سکتا ہے تو دوسرے شہر میں بھی ڈھونڈ سکتا ہے بھاگنا حل نہیں ہے۔ میرا یہاں سے چلے جانا حل نہیں ہے۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں دے گا۔'' وہ اسکی پیٹھ نرمی سے تھپک رہی تھی۔ زینیا بلند سے بلند آواز میں روتی جا رہی تھی جس خوف نے اسکے ڈھائی سال ضائع کر دیے آج وہی خوف ایک بار پھر اسکے سر پہ منڈلا رہا تھا۔ وہ آج بھی پہلے دن جتنی بے بس تھی۔

''میں اتنی مشکل سے سیٹل ہوئی تھی۔'' نیما سے الگ ہوتے اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

''وہ اس طرح دوبارہ میری زندگی میں کیسے آ سکتا ہے؟ اسکو کیوں مجھ پہ ترس نہیں آتا کیوں وہ مجھے جینے نہیں دیتا میں نے اسکا کیا بگاڑا ہے، وہ کیوں میرے ساتھ ایسا کرتا ہے کیوں؟'' وہ روتے روتے چیخ پڑی۔

''اس نے مجھے اتنا ذلیل کیا، میرا خاندان مجھ سے چھوٹ گیا، میری کامیابیاں غارت ہو گئیں، میری تو ساری زندگی خراب ہو گئی ۔۔۔ مجھ سے میرا شوہر دور ہو گیا وہ پھر بھی مجھ چین لینے نہیں دیتا میں کیا کروں، کہاں جاؤں میں، کیوں آتا ہے وہ میرے پیچھے ؟ اللہ اللہ ۔۔ وہ کیوں کرتا ہے ایسا ؟''

نیما چپ چاپ اسکے قریب بیٹھ گئی۔ اسکی حالت بھی کچھ کم خراب نہیں تھی، لیکن جو زینیا پہ گزر رہی تھی وہ بس وہی جانتی تھی۔

''ہم کوئی حل ڈھونڈ لیں گے، تم فکر مت کرو۔ ہر آزمائش کے ختم ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولی بس روئے گئی، اور روئے گئی۔

''آپ میری وجہ سے خود کو مشکل میں مت ڈالیں، پہلے ہی آپ اپنے بھائیوں کا گھر چھوڑ کر یہاں رہ رہی ہیں میں۔'' کافی دیر بعد اس نے کہا جب نیما نے اسکی بات کاٹی۔

''اپنے بھائیوں کا گھر میں ویسے بھی چھوڑنے والی تھی موقع اور بہانہ چاہیے تھا۔ اور تمہاری وجہ سے مجھے کوئی مشکل نہیں ہو گی کیونکہ وہ میرے پیچھے نہیں ہے اپنی حفاظت کے سامان کرو۔''

اسی لمحے نیما کا موبائل بجنے لگا، اس نے پلنگ کی سائیڈ دراز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ غیر شناسا نمبر سے کال تھی۔ اس نے کال کا جواب اثبات میں دیتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔ سامنے سے کچھ کہا گیا جسے سن کر انہوں نے بے اختیار زینیا کو دیکھا، نگاہوں میں کچھ تھا کہ زینیا حاکم کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ اتری۔ نیما نے موبائل کا اسپیکر کھولا اور موبائل بیڈ پہ رکھا۔

''تم سن رہی ہو رائٹ ؟'' قیس کمبیر کی آواز اسپیکر سے گونجی۔

''آج کی ملاقات کے لیے میں بہت کچھ سوچ کر آیا تھا لیکن تم نے سب خراب کر دیا۔۔۔ خیر۔'' زینیا کو لگا وہ مسکرایا ہو گا۔

''تمھیں اگر یہ لگتا ہے کہ میں ہار مان کر ایک طرف بیٹھ جاؤں گا تو تم غلط ہو۔ میں اگلے دس دن یہیں ہوں اور تمہاری واپسی میرے ساتھ ہو گی۔'' زینیا کا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا۔ سانس کی ڈوری جیسے ٹوٹ کر رہ گئی ہو۔

"تم اگر میرے ساتھ تعاون کروگی تو میں بدلے میں نرمی دکھاؤں گا ورنہ میرا طریقہ کار تھوڑا offensive ہے، تمھیں پسند نہیں آئے گا۔"

اسکے الفاظ حلق میں کہیں اٹکے تھے چاہ کر بھی کچھ بول نہ پانا ایک مثال نہیں رہی تھی۔

"اگلی ملاقات کے لئے تمھیں پورے چوبیس گھنٹوں کا وقت دیتا ہوں، وقت، جگہ تم طے کرو میں طے کروں گا تو تم برا مان جاؤ گی۔اور یقیناً تمھیں دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ تم بہت سمجھدار ہو۔تم مجھے مایوس نہیں کروگی۔نہیں کرنا چاہیے۔"

بغیر زینیا کی کوئی بات سنے اس نے کال کاٹ دی، ہر طرف خاموشی چھاگئی۔زینیا حاکم کے دل و دماغ تک سناٹا اتر گیا۔مہیب اور تاریک۔جس کے پار کوئی آواز نہیں تھی۔

اسلام آباد کے ایک رہائشی علاقے میں بنا وہ گھر آج تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔شیزل سیمسن، بازو سینے پہ باندھے فخریہ نظروں سے اس گھر کو دیکھ رہی تھی۔چھ ماہ پہلے اس نے اس گھر کے انٹیرئیر کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور اپنی ٹیم کے ساتھ چھ ماہ کی محنت آج رنگ لے آئی تھی۔اسکی ٹیم اس وقت اندر کچھ تصاویر لینے میں مصروف تھی۔گھر کے مالکین چھوٹا موٹا سامان اندر رکھ رہے تھے۔

"گھر کو تاڑ لیا ہو تو اندر چل لیں؟" گاڑی سے کچھ سامان نکال کر اسکی طرف آتا وریام بولا۔بٹن شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہنے، آنکھوں پہ گلاسز لگائے وہ پسینے سے تر تھا۔

"تمھاری زبان سے زہر نکلنا کب بند ہوگا؟" وہ بدمزہ ہو کر اسکی طرف مڑی۔

"اس گھر پہ میں نے چھ ماہ لگائے ہیں تھوڑی تعریف تو تم کر ہی سکتے ہو۔"

"چھ ماہ میں تم نے جو چھپڑ پھاڑ پہ منٹ لی ہے، مجھے تو بس وہی نظر آرہی ہے۔میرے ابا اور بھائی تعریف کر تو چکے ہیں۔" کاٹن اٹھائے وہ پسینے سے ہانپتے ہوئے بولا۔ساتھ دونوں چلتے ہوئے اندر کی طرف جانے لگے۔

"تم اپنے حصے کی تعریف کرتے اور تمھارے ساتھ تو پھر بھی رعایت کرلی ہے غریب آدمی۔"

وہ دونوں اندر آ گئے، گھر میں کافی ہلچل تھی۔ وریام کے تین بھائیوں نے گھر کو سیٹ کرنے کی ذمہ داری اپنے نازک کندھوں پہ اٹھا رکھی تھی، اور کچن سے تازہ کھانوں کی مہک آ رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔ آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔ وہ ایڑھیوں کے بل مڑی۔

''کھانا کون بنا رہا ہے؟''

''خوش قسمتی سے میرے تینوں بھائی سگھڑ ہیں، ان میں سے ہی کوئی ہو گا۔''

''تمھارے بھائی کھانا بنا لیتے ہیں؟'' وہ جیسے اپنی جگہ سے ہلنے سے انکاری ہوئی۔

''اس میں کیا بڑی بات ہے میں بھی بنا لیتا ہوں۔'' کاٹن پکڑے پکڑے اسکے ہاتھ دکھ گئے تھے۔

شیزل آنکھیں پٹپٹاتی اسکے عین سامنے آکر کھڑی ہوئی۔

''تم نے کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک آفر دی تھی اس میں یہ خوبی مینشن کیوں نہیں کی؟''

وریام بیگ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر گردن جھکا کر ہنس پڑا۔ وہ واقعی محظوظ ہوا تھا۔ شیزل نے ٹھہر کر اسے ہنستے ہوئے دیکھا۔ ایک پل کو کتنا اچھا لگا تھا ناں؟

''وہ آفر نہیں تھی، درخواست تھی۔ درخواستوں پہ غور کیا جاتا ہے، مادام۔''

زینوں کے وسط پہ کھڑا ازلان، کھانے کا چمچ پکڑے کچن سے جھانکتا نعمان، اور داخلی دروازے سے اندر آتا، یاور ان تینوں نے اپنے بھائی کو ایک لڑکی کے سامنے مسکراتا ہوا دیکھا۔ ناقابل یقین،۔۔۔بے یقینی سی بے یقینی۔ بس میں ہوتا تو خبر چلوائی جاتی۔

''کیا تمہاری درخواست اب تک، موجود ہے؟'' وریام نے چہرہ اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم چاہو تو اگلے کئی سال رہے گی۔''

شیزل نے اسکو مسکراتے ہوئے دیکھا، تھا تو سڑیل لیکن ہنس پڑے تو اچھا لگتا تھا، کھانا بناتے ہوئے اور بھی اچھا لگتا ہو گا اور باتیں مانتے ہوئے اور زیادہ اچھا۔ بے اختیار اس نے بس سوچا۔

''ویسے آج میری درخواست کا اتنا چرچہ کیوں؟'' ہاتھوں میں کاٹن اٹھانے کا درداب درد نہیں رہا تھا۔ جانے کیوں؟

''سوچ رہی ہوں غور کرنا شروع کر دوں۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ سیاہ بال ایک ادا سے لہرائے۔ وریام گہری سانس بھر کر رہ گیا اور باقی بیگ سانس نہیں لے سکے۔ تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ اپنی آنکھوں سے جو دیکھ لیا تھا۔

''ڈیڑھ سال میں تم صرف سوچ ہی رہی ہو؟''

''نہیں۔۔۔اس بار کوئی حتمی جواب دے کر ہٹوں گی۔'' وہ زینوں کے درمیان میں تھی اور وریام ابتدائی زینے پہ۔

''میرا دل کافی نازک ہے، اگر توڑنا ہے تو ٹر گروارننگ دے دو۔'' ایک لمحے کو وہ بے حد سنجیدہ لگا تھا۔ شیزل نے ستائشی انداز میں ابرو اوپر کو اٹھائے۔

''معاملات دل کے کب سے ہو گئے؟''

''معملات تو روز اول سے دل کے ہی تھے۔'' دھڑلے سے کہتے اس نے قدم آگے کی طرف بڑھائے۔

''ورنہ تمھیں کیا لگتا ہے میں یوں ہر لڑکی کو اوائڈ کرنے کی کوشش کرتا ہوں؟'' اسکا اشارہ اپنے اس رویے کی طرف تھا جو اس نے زینیا کی گرفتاری کے وقت رکھا تھا۔

''پھر تم لڑکیوں کی کس خصوصی برادری کے ساتھ ایسا رویہ رکھتے ہو؟''

''جن سے دل کی درخواست رد ہو جانے کا خطرہ ہو۔''

''میں اتنی ظالم بھی نہیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''ڈیڑھ سال میں پہلی بار میری درخواست پہ غور کرنے کا صرف سوچا ہے، اب بھی کوئی شک؟'' وہ شکوہ نہیں تھا پھر بھی شیزل نے رک کر اسے دیکھا اور مستحکم لہجے میں کچھ کہا۔

''براق سے میرا تعلق کئی سالوں کا تھا۔ اسے چھوڑنا مشکل تھا اور۔۔۔اس سے مووآن کرنا اس سے زیادہ مشکل میں ان دنوں ٹھیک نہیں تھی، میرا دل ٹھیک نہیں تھا۔ تمھارے یا کسی بھی انسان کے اندر سہارا نہیں ڈھونڈنا تھا۔''

''خصوصیات ڈھونڈنی تھیں؟'' وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے بولا۔

''بلکل اور دیکھو اب ایک دن میں تین تین نظر آ گئیں بہت جلدی میں تمہاری فین نہ ہو جاؤں۔''

''پھر میں آٹو گراف کے لئے، نکاح نامہ لے آؤں؟'' کمال درجے کی معصومیت سے پوچھا گیا۔ شیزل سٹپٹائی، پھر سرخ چہرے کی ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وریام کو اپنی درخواست پہ سبز ٹک لگتے نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک دن میں تیسری بار مسکرایا۔

کیک کے ڈبے سے جھانکتا چاکلیٹ کیک اب بھی اسی جگہ پڑا تھا۔ اب اسکے گرد چیونٹیاں تھیں۔ خون کے مٹے مٹے داغ فرش پہ اب بھی واضح تھے۔ کھڑکیوں پہ دبیز پردے چڑھے تھے، فلیٹ جیسے ابل رہا ہو۔ واحد کمرے میں بیڈ پہ لیٹی زینیا کی آنکھیں چھت سے لٹکتے پنکھے پہ جمی تھیں۔ پھر اس نے کروٹ لی، کھلے دروازے سے اسے قطار میں رکھے ہوئے بیس گلدستے نظر آئے۔ جو بیس گھنٹوں کے گزرنے کی گواہی تھے۔

سفید، سرخ، زرد، گلابی، سیاہ، نارنجی ہر گلدستہ مختلف رنگ کا تھا۔ ہر گھنٹہ گزرنے پہ اسے ایک گلدستہ بھیجا جا رہا تھا۔ یہ ایک طرح سے اسے بتایا جا رہا تھا کہ اس ملاقات کی تیاری وہ شروع کر دے۔ زینیا کے نظارے کے درمیان رکاوٹ آ گئی۔ نیما کمرے کے اندر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

''چار گھنٹے رہ گئے ہیں، تم نے کیا سوچا ہے؟''

زرد چہرے والی لڑکی بند دروازے کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ ''مجھ میں اب فیصلہ لینے کی طاقت نہیں رہی۔ ڈھائی سال سے ان ٹکڑوں کو سمیٹ سمیٹ کر تھک گئی ہوں جو میری ذات کے ہیں۔''

نیما نے سب سے پہلے کھڑکی کے پردے ہٹائے۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنی اندر داخل ہوئی۔

''تم اس سے نفرت کرتی ہو؟''

''کوشش کی تھی کہ کر سکوں، نہیں ہوتی۔ میں بس اس سے خوف کھاتی ہوں، نفرت، محبت، ہمدردی اس سب سے بڑا جذبہ یہ ہے کہ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔''

''اور۔۔۔؟اور محسوس کرتی ہو؟''فرش پہ پڑے کپڑے ایک ایک کر کے اٹھاتی ہوئی نیمانے پوچھا۔

''اور۔۔؟''زینیانے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''اور کیا؟ کبھی کبھی غصہ آتا ہے، دل کرتا ہے میں اسے تھپڑ دے ماروں، میں اسے جان سے مار دوں، میں۔۔۔''وہ جیسے الفاظ بھول گئی۔چہرے پہ الجھن تھی۔

''یہ ہر جذبہ وقتی ہے۔میں پانچ سیکنڈ کے لئے ایسا سوچتی ہوں اور اگلے پانچ سیکنڈ بعد میں یہ نہیں سوچتی۔''

''تم اگلے پانچ سیکنڈ بعد کیا سوچتی ہو؟''اس نے کپڑے ایک دراز میں ٹھونس دیئے،اسکی نئی چپل الماری کے نچلے دراز میں رکھی اور زینیا کی طرف مڑی جس کے چہرے پہ الجھن برقرار تھی۔

''اگلے پانچ سیکنڈ بعد سب نل، خالی، تاریک۔اگلے پانچ سیکنڈ میں، میں اسے اپنی زندگی سے مائنس کر دیتی ہوں۔''

''تم اسکے بارے میں ''یہی''سوچتی ہو۔وہ اب تمھارے لئے no one ہے۔اور یہی حقیقت ہے۔تم اسے اپنے مستقبل میں کہیں نہیں دیکھتی کیونکہ وہ کوئی نہیں ہے۔یہ جذبہ نفرت سے زیادہ بڑا ہے کیونکہ اس میں کوئی جذبہ نہیں ہے۔''اس نے میز پہ پڑا روم فریشنر اٹھایا اور تین سے چار اسپرے کئے۔یکدم فضاؤں میں چنبیلی کی بے حد مدھم خوشبو پھیل گئی۔آج زینیا نے احتجاج نہیں کیا کہ اسے خوشبو نہیں چاہیے۔

''اب یہ بتاؤ اسے تم سے کیا چاہیے، کبھی تو بتایا ہو گا ناں؟''

زینیا اٹھ بیٹھی، غیر یقینی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

''ہمدردی، توجہ، میری سو فیصد موجودگی، آنکھوں کی چمک، اور۔۔۔اور کیا؟''

''اسے تم سے محبت کبھی نہیں چاہیے تھی ہے ناں؟''نیمانے لیمپ آن کرتے ہوئے پوچھا۔زینیا بغیر پلکیں جھپکے اسے تک رہی تھی۔

''کل میں نے اسے دیکھا۔وہ ناکام لوٹا تھا اسے جو چاہیے تھا وہ اسے نہیں ملا تھا۔تم اس سے ملنے جاؤ گی اور اسکی ساری ریاضتیں خاک کرو گی۔''

''میں۔۔۔؟'' سینے پہ انگلی رکھے، غیر یقینی سے کہا۔

''ہاں تم، تم اسے بتاؤ گی کہ وہ اب تمھارے لئے کچھ نہیں رہا۔ تم اب اسکی مزید کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ تمہارا وجود اسکا بار نہیں اٹھا سکتا۔ اسے بتاؤ وقت بدل گیا ہے اور۔۔۔'' نیما اسکے سامنے بیٹھی۔

''تم وہ لڑکی نہیں ہو جس سے اسکی روح کا تعلق تھا کیونکہ روح وہ خود ایک عرصہ پہلے مار چکا ہے۔ تم اب اسکے لئے وہ عورت نہیں جسے دیکھ کر اسے سہارے ملتے تھے۔ قسمت، بخت، مکتوب، وجدان تم اب کوئی نہیں ہو اسکے لئے تم صرف اور صرف ایک بے حس انسان ہو۔''

''آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟'' اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں اس نے نیما کو بہت کچھ بتایا تھا، اور جو حذف کیا تھا وہ باب عبداللہ زمان کا تھا۔

''اس نے خود بتایا۔ کل مجھے باندھ کر جب وہ تمہارا انتظار کر رہا تھا تب اس نے بہت کچھ بتایا۔''

زینیا ٹھہر گئی۔ نیما کہتی رہی۔

''خوف سے جتنا بھاگو گی، خوف اتنا خوف زدہ کرے گا، ایک بار اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو جاؤ، خوف تم سے خوف کھائے گا۔ قیس کے دل کی غذا وہ ہمدردی، توجہ ہے جو اسے تم سے ملتی رہی تھی، اب جب نہیں ملے گی تو فاقوں سے مرے گا کمبخت۔''

''مجھے اس سے ملنا چاہیے؟'' وہ ہنوز تذبذب کا شکار تھی۔

''دوبارہ کبھی نہ ملنے کے لئے ایک آخری ملاقات ضروری ہوتی ہے۔''

''اور اگر اس نے کچھ کر دیا؟''

''زیادہ سے زیادہ کیا؟''

زینیا نے گھٹنے سمیٹ لئے اور چہرہ ان پہ گرا دیا۔ دروازہ پہ بیل تواتر سے بج رہی تھی۔ شاید دوبارہ پھول آئے تھے، ایک نئی جگہ کی دعوت بھی۔ تین گھنٹے رہ گئے تھے اور وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ کئی برس پہلے عبداللہ زمان نے اسے ناکام لوٹایا تھا، آج اسکی باری۔

''زیادہ سے زیادہ کیا؟''

تین گھنٹے بعد۔

Desi bites bashundhara

ڈھاکہ کے کئی خوبصورت کیفیز میں سے ایک ہے۔ گہرے سرمئی رنگ کی پیروں کی چھوتی فراک کے ساتھ سر پہ سیاہ دوپٹہ اوڑھے اس نے بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ ناک کے زیور کے علاوہ اسکے جسم پہ زیور کے نام پہ ہنس کا لاکٹ تھا۔ چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔ اسکے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کے گلاب بھی تھے جو کہ کیفے کے ایڈریس کے ساتھ موصول ہوئے تھے۔ آس پاس دیکھے بغیر وہ چلتی ہوئی اندرونی ہال کی طرف بڑھی۔ ہال کی دیواریں ابھری اینٹوں والی تھیں۔ جن کے اوپر رنگین لکڑی کے سجاوٹی سامان لگے تھے۔ چھت سے لٹکتی فیری لائٹس اس خوبصورتی سے لگی تھیں کہ وہاں جانے والوں نے ایک نظر اٹھا کر ضرور انہیں دیکھا ہوگا سوائے اس آدمی کے جو اس وقت زینیا حاکم کو اندر آتے دیکھ رہا تھا۔ اور بس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ڈھائی برس پہلے نئے سال کی اس رات کی طرح۔

چیچ اور کانٹوں کی آوازیں ساکن ہو گئیں، وہ بس اسکے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ نظارے دھندلے ہو گئے، وہ تو بس اسے دیکھ رہا تھا۔ ہال کے وسط میں کھڑی لڑکی نے نگاہیں گھمائیں اور نگاہ ملی۔ اس ایک نگاہ کے ملنے سے کیا کیا یاد آیا تھا؟

''میں زینیا حاکم کو اپنے بھائی کے قتل کے الزام میں نامزد کرتا ہوں۔۔۔

تمہاری ساری زندگی میرے قدموں میں گزرے گی۔۔۔۔۔۔....

کتنے مردوں کے نیچے رہ چکی ہو تم۔۔۔

تمھیں مقام چاہیے تھا ناں؟ ذلت کے معاملے میں تمہارا مقام سب سے اونچا ہو گیا۔۔۔۔....

مہدی کمبیر سے دستبرداری دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے بے اختیار اپنی گردن پہ جلن محسوس کی۔ وہ بھری محفل میں اسکا گلا دبا رہا تھا۔ تھانے میں اس کے عقب میں بیٹھا وہ اسکے بالوں کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔ اور آج وہ اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ درمیان میں بس چند قدم کا فاصلہ تھا ایسا قیس کو لگتا تھا۔

ہر شے جھٹکتے ہر بری یاد ذہن سے خارج کرتے وہ اسکی طرف چلی آئی۔ رنگین میز کے سامنے، سرخ رنگ کی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے، سیاہ پھول میز پہ دھرتے ہوئے قیس نے ایک ایک لمحہ اسے تکا تھا۔ کئی برس سے نگاہوں کا جو گلا تھا وہ دور ہوا۔ مدتوں کے فاقہ کش کو محبوب غذا نصیب ہوئی۔

''مجھے یقین تھا، تم آؤ گی۔''

''کیسے نہ ہوتا یقین کسی کو بے بس کر دینے کی تمام صلاحیتوں سے واقف ہو تم۔''

''پرانی باتیں آج ایک ہی بار کر لیتے ہیں تا کہ ہماری اگلی ملاقات کسی بھی ناخوشگواری کی نظر نہ ہو۔'' وہ ہر قسم کی مصلحت کے لئے تیار نظر آتا تھا۔ زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگالی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ بولے۔

قیس نے شرٹ کا اوپری بٹن کھولا۔ ہاتھوں کو باہم جوڑے وہ آگے کو ہوا۔

''جو کچھ بھی ہوا میں اسکے لئے۔۔۔ (لب کاٹے) میں، سب کچھ اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرے غصے کی وجہ سے جو تمھیں جھیلنا پڑا وہ غلط تھا۔ میں اس سب کے لئے تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔''

زینیا نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ شرمندہ کا ''**ش**'' بھی نہیں تھا۔

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر تمہیں موقع ملے تو وقت میں پیچھے جا کر تم میرے ساتھ اچھا سلوک کرو گے؟''

''نہیں۔۔۔ بلکہ ہاں اگر تم ان غلطیوں کو نہ دہراؤ۔''

''اور اگر میں بقول تمھارے ''**غلطیوں**'' کو دہراؤں تو؟''

قیس کمبیر گہری سانس لیتے پیچھے کو ہوا۔

''پھر بھی میں خواہش کروں گا کہ میں ماضی میں جاسکوں اور جو میں نے کیا، اس عمل میں مزید ذلت اور اسباق شامل کروں تا کہ ڈھائی سال بعد جب تم سے دوبارہ ملوں تو تم ان غلطیوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی سو بار سوچو۔ بے وفائی اور بے حیائی ناسور ہیں انہیں جڑ سے اکھڑ جانا چاہیے، شاید مجھ سے کوئی کمی رہ گئی۔'' اسے افسوس ہوا۔

اگر زینیا کو شاک ہونا تھا تو وہ نہیں ہوئی۔ اس شخص سے امیدیں وہ ایک عرصہ پہلے خاک کر چکی تھی۔ اب تو وہ مٹی کا ٹھیکرا تھا۔

''تم اس دن مجھ سے معافی مانگ رہے تھے، کیوں؟''

قیس نے کچھ کہنے کو لب کھولے جب اس نے ویٹر کو آتے ہوئے دیکھا۔ چائے کا آرڈر دے کر وہ دوبارہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔

''میں صرف ایک چیز کے لئے معذرت خواہ تھا، اس بنگلے میں جب تمھیں گولی لگی تھی تب میں نے چیزیں اپنے ہاتھ میں لینی چاہیں۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ تم وہ لڑکی ہو جو میری کمزوریوں سے واقف ہے۔ ہم دونوں کے درمیان آنے والے اتنے سال اسی وجہ سے تھے۔ آئی ایم سوری۔''

پچھلی ملاقات کی نسبت اس ملاقات میں وہ پر اعتماد تھا۔ شرمندگی، قلق آزردگی سب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا اور ایک دن ختم ہو جاتا۔ ہر سرخ جھنڈے کے دوبارہ لہرانے پہ انسان کو لگتا ہے اب سب ٹھیک ہوگا، مگر حقیقت یہ ہوتی ہے اسکے لہراتے وقت اسکا نظارہ ہماری آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے۔ رنگ وہی رہتا ہے۔

''اوکے۔''

''اوکے کیا ہوتا ہے؟ جو شکایت ہے وہ کرو، جو مسئلہ ہے وہ بتاؤ۔ مجھے برا بھلا کہنا چاہتی ہو، کچھ دل میں ہے؟ سب کہو، موقع دیا ہے تمھیں۔''

زرد روشنیوں تلے بیٹھی ہوئی لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے کچھ نہیں کہنا، تم کہتے رہو میں سن رہی ہوں۔ ذرا جلدی کہو مجھے گھر جاتے ہوئے لیٹ ہو جائے گی۔'' زینیا حاکم اس شخص سے، اسکی معذرتوں سے، اس کے دیے موقعوں سے لاتعلق تھی۔

چائے لاکر رکھی گئی۔اور پھر بیرہ پلٹ گیا۔ قیس یہاں اسکے سوالوں کے جواب تیار کر کے آیا تھا،اپنے اعمال کی ہزار جسٹیفکیشنز لایا تھا۔ لیکن یہاں نہ وہ کچھ پوچھ رہی تھی،نہ الزام دے رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک خاموشی سے اسکا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے یاسیت سے کچھ کہا۔

''کیا ہم پہلے جیسے ہو سکتے ہیں،زینیا؟''

''ہم پہلے کیسے تھے؟''اسکی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔

''پہلے تم میری ہر غلط بات پہ مجھ سے لڑتی تھیں۔ تم سے کچھ غلط کہہ دیتا تھا تو تم مجھ سے ناراض ہوتی تھیں۔ تم ہنستی تھیں،مجھے بھی ہنساتی تھیں،تم نے مجھے بہت کچھ سکھایا تھا۔ تم روتی تھیں اور مجھے برا لگتا تھا،تمھارے پاس ایموشنز تھے۔ مجھے تمھارے ایموشنز واپس چاہییں۔''

''اوہ۔۔۔بس اتنی سی بات ہے؟''وہ چہرے پہ سپاٹ تاثر لئے آگے کو ہوئی اور اپنا بازو قیس کے آگے کیا۔جو کہنی کی جگہ سے ایک طرف مڑا ہوا تھا۔

''یہ وہ بازو ہے جس پہ مجھے گولی لگی تھی۔ گولی لگنے سے پہلے پولیس کسٹڈی میں اس پہ کوئی زخم ہو گیا تھا۔اسکے بعد جب میں بنگلہ دیش آئی تو اسی بازو میں انفیکشن ہو گیا اور اسکے بعد۔۔''اس نے اپنی کلائی قیس کو دکھائی۔وہاں کچھ نشانات تھے۔''میں نے یہاں کٹ مار کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔''

بے اختیار نگاہیں اٹھا کر قیس نے اسے دیکھا۔ایسے جیسے وہ اس بات پہ یقین نہ کر سکتا ہو۔وہ واقعی یقین نہیں کر پایا۔

''اسکے بعد سے میرا بازو ٹھیک طریقے سے حرکت نہیں کر سکتا۔شاید علاج سے ٹھیک ہو جاتا لیکن میرے پاس سرجری کروانے کے پیسے اور کاغذات نہیں تھے۔ہمت بھی شاید۔''قیس نے اسکی کلائی کے کٹس کو اپنی دو انگلیوں سے چھوا،نرمی اور ملائمت سے ایسے جیسے مداوا کر رہا ہو،تلافی کر رہا ہو۔وہ دھیرے سے بے آواز کچھ بڑبڑایا بھی تھا۔

''آئی ایم سوری۔''

''کیا یہ ایک دن میں ٹھیک ہو سکتا ہے، قیس؟ اسے ٹھیک کر دو میں اس سے بلکل پہلے کی طرح کام کرنا چاہتی ہوں، پہلے کی طرح اسے حرکت دینا چاہتی ہوں۔ اس سے تصویریں لینے میں بہت مشکل ہوتی ہے۔'' اس نے اپنی کلائی دور ہٹانی چاہی جب قیس نے اسے اپنے ایک ہاتھ کی گرفت میں لیا۔ نظریں ان کٹس پہ جمی رہیں۔

''اسے ٹھیک کر سکتے ہو؟ ہاں یا ناں؟'' اسکا لہجہ بلند ہوا۔ قیس کو وہ تمام نشان آری کی طرح کاٹ رہے تھے۔

''میں کوشش کروں گا کہ دنیا کے بہترین ڈاکٹرز سے تمہارا علاج کرواؤں میں۔۔۔''

''اور میں تمھارے لئے اپنے ایموشنز باہر لانے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتی۔'' ترکی با ترکی کہہ کر اس نے بات ختم کر دی اور اپنا بازو اسکی گرفت سے آزاد کروایا۔

قیس نے اسے نہیں دیکھا وہ اپنا خالی ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ جس میں کچھ دیر پہلے اسکا لمس تھا اور اب نہیں۔ کچھ دیر پہلے والا لمس اور یہ خالی ہاتھ ان میں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سب ایک جیسا تھا۔ بے جان، بے حس اور سرد۔ وہ ماننا نہیں چاہتا تھا لیکن واللہ اسکا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ایسی تکلیف تو دل کو جلا کر خاک کر رہی تھی۔ اس نے زینیا کو ملتجی نظروں سے دیکھا۔

''مجھے ایک موقع دے دو۔''

''یعنی مجھے انکار اور اقرار کا حق بھی ہے؟ واؤ؟ تم جو چاہتے ہو وہ کر لو، قیس۔ میرے ساتھ زبردستی کرو، مجھے پاکستان لے جاؤ، میرے شادی شدہ ہوتے ہوئے مجھ سے محبت کی بات کرو یا پھر میرے گھر گھس کر آ جاؤ، میں بہت بے بس ہوں۔ چاہ کر بھی میں کچھ نہیں کر پاؤں گی ڈھائی سال پہلے کچھ نہیں کر سکی۔ لیکن میں روز محشر تم سے حساب لوں گی، وہاں جہاں تمہاری اور میری طاقت کے اوپر ایک طاقت ہو گی۔ لافانی طاقت۔ وہاں تم اور میں برابر ہوں گے۔''

''مجھ پہ پہلے ہی بڑے لوگوں کے حساب ہیں، کم از کم تم تو ایسا نہ کہو۔'' وہ دلگرفتگی کے اعلیٰ مقام پہ تھا۔

''میں باقیوں کے حساب دے دوں گا، کیونکہ انکی طرف میرے بھی کئی حساب نکلتے ہیں۔ تمہاری معاملے میں پکڑ ہو جائے گی یار۔'' زینیا کو لگا تھا اسکی نگاہوں میں کوئی پانی سا چمکا ہو، قیس کمبیر اسے واقعی ہرٹ نظر آیا۔

''مجھے تم سے کوفت ہوتی ہے، قیس۔ یہ واحد جذبہ ہے جو میں تمھارے لئے محسوس کرتی ہوں۔'' اسکے چہرے کو دیکھتے چبا چبا کر کہا۔

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کیا کہنا تھا، کیا جواب دینا تھا سب ذہن سے محو ہوتا گیا۔

''مجھے جانا ہے، اجازت ہے یا تم اسکے بدلے بھی مجھے دھمکاؤ گے؟'' پرس کی اسٹریپ اپنے کندھے پہ درست کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ قیس چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ ایسے جیسے اگر وہ چند منٹ وہاں مزید کھڑی رہی تو وبال جان بن جائے گی۔ کوئی آسیب بن کر اس سے چمٹ جائے گی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اسکے جانے سے راضی تھا۔

''دو روز بعد۔''

وہ بیڈ پہ چت لیٹا تھا۔ دو دن ہوئے، وہ اس کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اس رات کیفے کی اس ملاقات کے بعد اسکی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ زنیا کو ایک اور مرتبہ کال بھی کر سکے۔ یکدم دل اچاٹ ہو گیا تھا اس سے نہیں اسکے رویے سے۔ قیس کمبیر جان گیا تھا اب یا تو اسکا لاتعلق رویہ رہے گا یا پھر قیس کا غیر انسانی رویہ۔ موبائل کے بجنے پہ اسکی خود ساختہ خاموشی میں ایک ارتعاش پیدا ہوا۔ اس نے ہاتھ مارتے ہوئے موبائل تلاش کیا، اور پھر چہرے کے سامنے کیا۔

''**ٹریجڈی کالنگ**'' کے الفاظ جگمگائے۔ قیس نے کال اٹینڈ کر لی، اور خود اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سکرین پہ نظر آنے والا اسکا چہرہ پر مثردہ تھا۔ براق بدمزہ ہوا۔

''تم ٹھیک ہو؟ میں تین دن سے تمہیں کالز کر رہا ہوں، اٹھا کیوں نہیں رہے؟''

''مصروف تھا۔''

''مصروفیت کی نوعیت جان سکتا ہوں؟ کیونکہ ہماری سب سے بڑی مصروفیت کاروبار ہے جسے تم چھوڑ کر بھاگے ہو۔'' براق گرجا۔

''فرانس جانا تھا تمھیں اور تم ڈھاکہ میں جھک مار رہے ہو۔ تمہاری محبت کے یہ رونے کب تک جھیلنے والے ہیں ہم؟''

قیس نے ماتھا مسلا، اسے کافی کی طلب ہونے لگی تھی۔ دو دن کا خالی معدہ اب عجیب غراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

''اب کیا ہوا ہے وہ بھی بتا دو؟'' براق بری طرح بے زار ہوا۔ اس سارے عرصے میں اس نے ہر شے چھوڑ کاروبار کو جنون بنا لیا تھا اور اب اسے اس کاروبار سے کسی کی ذرا سی بھی غفلت کوفت زدہ کر دیتی تھی۔ مشین بن کر رہ گئے دونا کام عاشق۔

''میں ''اس'' سے ملا تھا۔'' اس نے سگار کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''پھر شکل پہ کیوں پھٹکار برس رہی ہے، مل لئے تو اب خوش ہو جاؤ۔ جیسے پہلے ہوتے تھے۔'' نادانستگی میں براق نے اسکے کلیجے پہ وار کیا تھا۔ سگار کے پیکٹ سے ایک سگار نکالتے ہوئے اسکی رگیں پھول گئیں۔

''پہلے جیسا کچھ نہیں رہا۔''

''کیوں، اب وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے؟ خیر وہ پہلے بھی تم سے نہیں کرتی تھی۔'' اندازے لگاتا خود سے رد کرتا وہ کافی محظوظ ہو رہا تھا۔ ایک دوسرے کی تکلیف پہ وہ آج کل یونہی خوش ہوتے تھے۔

''کیا بدل گیا ہے؟''

''پتہ نہیں۔۔۔ اب بس وہ مجھے پہلے جیسی نہیں لگتی۔'' سگار لبوں میں دبائے اس نے میز پہ پڑا لائٹر اٹھایا۔ اور اسے شعلہ دکھایا۔

''وقت گزر گیا ہے تم اس سے ڈھائی سال بعد مل رہے ہو، اتنا تو ہوتا ہی ہے اب تو تمہیں تیار رہنا چاہیے تھا کہ وہ تم سے لڑے گی، غصہ ہو گی، ڈر بھی سکتی ہے۔''

قیس جواباً بس اسے دیکھتا رہا۔ براق نے غور کیا اسکی رنگت پھیکی پڑی تھی۔ بہت دیر بعد جب وہ بولا تو اسکی آواز شکستہ تھی۔

''وہ چند منٹ کے لئے مجھ سے ڈری تھی مجھے اچھا نہیں لگا، پھر اس کے بعد۔۔ اس کے پاس میرے لئے کوئی ایموشنز نہیں رہے۔ وہ ڈر اور حیرانگی وقتی تھی، اسکی لاتعلقی، میں اس لاتعلقی کا کیا کروں۔ وہ ایسی نہیں تھی، میں نے اس زینیا سے محبت نہیں کی تھی۔ وہ جب میرے ساتھ ہوتی تھی مجھے سکون ملتا تھا اسے دیکھتا ہوں تو دم گھٹ رہا ہے۔ انسان نہیں ایک کھوکھلا جسم ملا ہے مجھے۔ میں ایک جسم کا کیا کروں؟''

براق نے گہری سانس لی،اور بے فکری سے اسے دیکھا۔

''تو کیا ہوا؟ ساری زندگی پڑی ہے۔ فیلنگز آ ہی جائیں گی ایک دن۔ یہ سارا مرد کا کمال ہوتا ہے ایک کھوکھلے جسم کو انسان بنانا اسے آ ہی جاتا ہے اور عورت کہاں زیادہ وقت resist کر پاتی ہے،ایک دن دیکھنا تمھارے قدموں میں بیٹھی ہو گی۔ محبتیں مل جائیں تو احساسات کی پرواہ کون کرتا ہے؟''

قیس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ایک لمحے کے لئے صرف ایک لمحے کے لئے اس نے وہ مستقبل دیکھا تھا جس میں زینیا حاکم کی حیثیت ایک روبوٹ کی سی تھی،اور اسے لگا وہ ایک پل بھی بھاری عذاب ہے۔سگار کا دھواں اسے منظر پہ چھاتا دکھائی دینے لگا۔

''کھوکھلا وجود کسے چاہیے؟ کم از کم مجھے نہیں۔اس پہ دسترس تب بھی تھی جب وہ پہلی دفع میرے گھر آئی تھی،تب بھی جب وہ جیل میں تھی،اور اس سے پہلے بھی کئی بار انگنت دفعہ۔جو چیز مجھے اس سے چاہیے وہ کمفرٹ تھا۔وہ واحد انسان تھی جو گردن اٹھا کر مجھ سے بات کر سکتی تھی۔جو میرے غلط کو غلط کہنے کا حوصلہ رکھتی تھی،جسے میری پرواہ تھی۔وہ نہیں کرے گی تو میں خود بھی نہیں کروں گا،میں کسی کو یہ نہیں سمجھا سکتا کہ وہ میرا پلس پائنٹ ہے،اسکے بغیر میں مائینس زیرو ہوں۔''

کافی دیر تک براق چپ رہا۔ہاں اسے دکھ نہیں ہوا تھا آج کل اسے کسی کے لئے دکھ نہیں ہوتا تھا اپنے لئے بھی نہیں۔سب وقت کی بربادی تھی۔

''کیا چاہتے ہو اب؟''

''ڈھائی سال قبل والی،زینیا حاکم۔'' سگار جل جل کر راکھ ہو رہا تھا۔

''فائدہ کوئی نہیں،اسکا نکاح ہو چکا ہے۔اور شوہر حیات ہے۔''

''اسکے پہلے شوہر کا انتقال بھی میرے ہاتھوں پہ درج ہے،ایک نشان اور صحیح۔''

''خود کو سیاہ کرتے جا رہے ہو،ایک دن تم اسے نظر آنا بند ہو جاؤ گے۔''

''اس نے مجھے کبھی دنیا کی نظر سے دیکھا ہی نہیں۔''

''تم نے ڈھائی سال اسکے بغیر گزارے ہیں، باقی کی زندگی بھی گزار سکتے ہو آگ سے کھیلنا بند کر دو۔''

''ڈھائی سال کس طرح گزرے ہیں یہ صرف میں جانتا ہوں،اور کم از کم اس زندگی میں، میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔''

''میں تمھیں ضرور کوئی مشورہ دیتا،اگر تم میرے دوست ہوتے افسوس تم نہیں ہو اس لئے happy suffering partner ''

سرد مہری سے کہتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی۔ قیس نے تھک کر موبائل ایک طرف ڈال دیا۔ پھر اٹھ کر کلازٹ کی طرف گیا۔ کچھ دیر بعد وہ سرمئی شرٹ پینٹ کے ساتھ گھنگریالے بال سیٹ کئے اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ کوشش،اسے بس کوشش کرنی تھی۔ عورت زیادہ وقت resist نہیں کر سکتی، کہیں نہ کہیں یہ بات اسکے دماغ میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

ان دنوں بنگلہ دیش میں جگہ جگہ احتجاج ہو رہے تھے۔ 1971 کے بعد بنگلہ دیش کے نظام میں ایک ''**کوٹہ**'' شامل ہو گیا تھا جن میں سن اکہتر کے واقعات میں بقول بنگالیوں کے ''**آزادی کے لئے لڑنے والے مجاہدوں**'' کے خاندان کے لئے الگ کوٹہ تھا۔ جس کے مطابق نسل در نسل انکے خاندان کو نوکریاں مل رہی تھیں، میرٹ ختم ہوتا جا رہا تھا، یونیورسٹی اور حکومت کے درمیان اب عام عوام کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ کوٹہ کے مطابق ساٹھ فیصد نوکریاں اور نشستیں مخصوص لوگوں کو مل رہی تھیں۔ جس کے خلاف احتجاج جاری تھا۔ یہ ان احتجاجات کی شروعات تھی۔

اسکی گاڑی بھی ایسے ہی کسی احتجاج کے درمیان پھنس گئی تھی۔ پہلے پانچ منٹ وہ تحمل کا مظاہرہ کرتا رہا، پھر ڈرائیور کو پیسے تھما کر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا۔ جگہ جگہ لوگ بنگلہ دیش کا جھنڈا لئے کھڑے تھے، پولیس اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ راستہ بناتا کسی طرح سے اس رش سے نکل آیا۔ پیدل چلتے ہوئے وہ اس بلڈنگ کے نیچے آکر کھڑا ہوا جہاں زینیا کا گھر تھا۔ پھر وہ اسے کال ملانے لگا۔ موبائل بجنے کی آواز کہیں قریب سے آرہی تھی قیس نے پلٹ کر دیکھا وہ اسکی دائیں طرف کھڑی تھی۔ کیمرے کا بیگ کندھے پہ لٹک رہا تھا موبائل فون ہاتھ میں۔ غروب ہوتی شام میں، وہ تھکی ہاری لوٹی تھی۔

"شکریہ۔" اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ زینیا خاموش رہی۔

"ایک بار پھر گارڈ کو پیسے دے کر چوری چھپے تمھارے گھر آنا پڑتا، ایسا کبھی کیا نہیں ناں اس لئے برا لگتا ہے۔"

"اوکے۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔ قیس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہوئی۔

"بات کرنی ہے، گھر لے کر چلو گی یا کہیں باہر بیٹھیں؟"

"نہ میں گھر لے کر جانا چاہتی ہوں، نہ تم سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں، اسکے باوجود اگر تم چاہو تو باہر چلتے ہیں۔" سرد مہری برقرار رہی۔

"گھر کیوں نہیں؟" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے وہ اسکے قریب آکر کھڑا ہوا۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں وہ دونوں کسی کہانی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"گھٹن کا احساس بڑھ جائے گا اور میں اپنے گھر میں کسی غیر کو برداشت نہیں کرتی۔" زیر لب کہتی وہ اسکے سامنے سے گزر گئی۔ قیس کو ہتک کا سا احساس ہوا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جو ذلیل ہونا برداشت کریں لیکن اس عورت کو مارجن دے لینے میں کبھی کبھار انا آڑے نہیں آتی تھی۔ اب آرہی تھی۔ اب وہ حد سے بڑھ رہی تھی۔

احتجاج کی وجہ سے کئی سڑکیں بے تحاشا پر شور تھیں اور کئی بلکل خاموش، سنسنان۔ جس سڑک پہ وہ دونوں چل رہے تھے، وہاں اکا دکا لوگ نظر آرہے تھے۔ کہیں سے کوئی بلی گزر جاتی تو آہٹ پیدا ہوتی۔

"تم میرے ساتھ ایسا رویہ کب تک رکھو گی؟"

"میں تمھارے ساتھ کسی قسم کا کوئی رویہ کوئی تعلق سرے سے نہیں رکھنا چاہتی۔"

"میں تمہاری جرات دیکھ کر حیران ہوں۔ تم نے اپنے منگیتر کو دھوکہ دیا۔ پھر آفس میں اپنے باس کو گرین سگنلز دیتی رہیں، اسکے بعد تم میری آنکھ کے نیچے میرے بھائی سے افیئر چلاتی رہیں اور اب بھی تم میں اتنی ہمت ہے کہ تم میرے ساتھ یہ رویہ رکھو؟" وہ

چلتے ہوئے گردن پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہجے میں کاٹ تھی۔ سڑک کے کنارے لگے درختوں کے ساتھ چلتی وہ رک گئی۔

''تم میں ذرا بھی حیا نہیں ہے؟''

زینیا چپ چاپ اسے دیکھتی رہی، چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا۔ وہ بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئی۔ قیس کمبیر اندر تک سلگ کر رہ گیا۔ اسکا جی چاہا تھا وہ اس پہ لعنت بھیج کر واپس چلا جائے اور کچھ ایسا کرے کہ اس لڑکی کو واقعی اسکے قدموں میں آکر بیٹھنا پڑے لیکن اس نے ایک بار پھر ضبط کیا۔

''دوبارہ میرے گھر کے آس پاس مت دکھائی دینا، تمھیں اگر کوئی بات کرنی ہو تو مجھے کال کر لینا۔'' تھوڑی دور جا کر اس نے خود بات شروع کی۔

''کیوں، تم میری کال کا انتظار کرو گی؟''

''تمھیں ایسا لگتا ہے تو ایسا سہی۔''

''تم آخری ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟'' اس نے زینیا کا بازو تیزی سے اپنی طرف موڑا۔ آنکھوں میں چنگاریاں تھیں۔ اور گرفت آہنی۔

''تمھیں لگتا ہے تم اس طرح مجھے cold shoulders دو گی اور میں ایک دن تم سے بے زار ہو کر یہاں سے چلا جاؤں گا؟''

''تم سے کسی قسم کی کوئی امید لگاؤں؟ وہ بھی اچھائی کی، معذرت مگر بے وقوفوں کی صف چھوڑ دی ہے میں نے۔'' وہ اسی طرح بے رخی سے بولی۔ بازو اسکی گرفت سے آزاد کروانا چاہا مگر بے سود۔

قیس نے اسی طرح اسکے بازو پہ گرفت بڑھاتے اسے اپنے قریب کیا۔ اتنا کہ وہ اب اسکی آنکھوں میں قہر دیکھ سکتی تھی۔

''مجھے اتنا آزماؤ جتنا بعد میں تم برداشت کر سکو۔ جو کچھ میں نے تمھارے ساتھ کیا تم وہ ڈیزرو کرتی تھیں، اور مجھے دعائیں دو کہ تمھیں زندہ چھوڑا ورنہ تم جیسی عورتوں کی جگہ قبروں میں ہے۔ یا پھر گھر میں مرد کے قدموں میں۔ تم جیسیوں کو بغیر عزت کے

گھر میں رکھا جاتا ہے صرف ضرورت کے تحت۔" اپنے ہر ہر لفظ کے ساتھ اسکی گرفت سختی ہو رہی تھی اتنی کہ زینیا کو اپنا بازو جلتا محسوس ہوا۔

"میں محبت کرتا ہوں تم سے اس لئے تمھیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک آ گیا ہوں، ورنہ کسی کو تمھاری پرواہ نہیں ہے۔ تمھارا خاندان بہت سکون سے رہ رہا ہے۔ تمھارا وہ سو کالڈ شوہر ہر روز کسی نئی عورت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ صرف مجھے پرواہ ہے تمھاری۔"

"کم از کم وہ اس طرح کسی عورت کا بازو پکڑ کر اپنی طاقت نہیں دکھاتا ہو گا۔" بغیر چلائے، بغیر کسی شور کے اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھ پہ اور میری ذات پہ بات کرنے کی عادت اور اجازت ہے تمھیں لیکن اگر تم نے میرے شوہر کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو تم ابھی مجھے اچھے سے جانتے نہیں ہو۔"

غصہ، تپش، حساسیت، وفا اسکے پاس تو ہر ایک جذبہ تھا۔ ہاں مگر قیس کمبیر کے لئے نہیں، اسکا دل شل ہوا۔ زینیا کا بازو چھوڑ کر وہ فاصلے پہ ہوا۔ چند لمحے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے وہ بس ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ قیس بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا، اور زینیا۔۔۔ اسے جیسے جذبات چھو کر بھی نہ گزرے ہوں۔ کوفت، بے زاری، اکتاہٹ قیس کی موجودگی کو وہ ان تین لفظوں میں سمیٹ سکتی تھی۔

"تم جانتی ہو میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی کیا ہے؟ میں نے تم سے محبت کر لی۔ پتہ نہیں کیوں کر لی۔" وہ سڑک کنارے رکھی بنچ پہ بیٹھ گا۔ سر کو ہاتھوں میں گرا لیا۔

اسے ہرٹ کرتا تھا تو گلٹ ہوتا تھا وہ دور جاتی تھی تو برداشت نہیں ہوتا تھا محبت اسے مجبور کر چکی تھی۔ "تم سے پہلے اتنی ٹھیک زندگی تھی، کام، پیسہ، خاندان اور میرے روگ پھر تم آ گئیں۔ آہستہ آہستہ مجھ سے میرا چارج ختم ہوتا گیا، پھر میں تمھارا عادی ہو گیا۔ تم نے دعائیں کی تھیں ناں؟ کہ اللہ عبداللہ کا دل تمھارے لئے پلٹ دے، اس نے پلٹ دیا لیکن غلط وقت پہ۔ تم بہت دور جا چکی تھیں۔"

کئی لمحے گردن جھکائے، حلق میں اٹکتے آنسوؤں کے گولے کو نظر انداز کرتے وہ بیٹھا رہا۔ پھر جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے بت بنی کھڑی تھی۔ قیس کمبیر نے اپنے بال دونوں مٹھیوں میں بھر لئے، دانتوں پہ دانت جما کر ضبط کیا مگر آنسوؤں کے کچھ قطرے بلا اجازت اسکی آنکھوں سے گر پڑے، یہ بے رخی یہ اسکی برداشت سے زیادہ تھی، بہت زیادہ۔ آنکھیں رگڑ کر اس نے زینیا کو دیکھا۔

''کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا، میری محبت کیوں نہیں نظر آتی تمھیں؟''

وہ اسے دیکھتی رہی جواب نہیں دیا۔ ایسے جیسے قیس وہاں ہو ہی نہیں۔ اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو کمپوز کیا۔ چند لمبے گہرے سانس لئے پھر جب اسے دیکھا تو نگاہوں میں نرمی تھی۔ بے بسی تھی۔ وہ ایسے دوراہے پہ تھا جہاں سے کوئی واپسی ممکن نہیں تھی۔

''تم نے کھانا کھایا ہے؟'' فکر مندی سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''بتانا چاہیے تھا، اتنی دیر بھوکا رہنا اچھا نہیں ہوتا۔'' آنکھیں رگڑ کر صاف کرتے ہوئے وہ اٹھا اور اسکے سامنے سے آگے نکل گیا۔

''آؤ تمھیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔''

وہ دوسری ملاقات میں بھی اسے گھر چھوڑ کر آیا تھا، اس نے تب بھی زینیا کو گھر چھوڑا تھا جب اسے بالاج کی موت کا پتہ چلا تھا اور آج، آج تو قیس کمبیر اپنے دل کے جنازے کو بر طرف کئے اسے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ محبوب کے مسئلے تھے تو چاہنے والے کے فرائض بھی تھے اور اس نے فرائض ہمیشہ نبھائے تھے۔

حویلی والے اپنے کئے ہوئے ہر ظلم کو ایسے بھولے تھے جیسے ان سے زیادہ مظلوم کبھی کسی ماں نے جنا نہ ہو۔ مصروفیات اور زندگی ایک ریس میں بھاگ رہے تھے۔ حاکم نواب کا وہ چھوٹا سا گھر کہیں دور چھوٹ گیا تھا۔ آج بڑے دنوں بعد بشر کو فراغت ملی تھی وہ حویلی کے لان میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا سامنے سے زینب بال ہاتھ میں لئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اسکی طرف آ رہی

تھی۔ وہ بال بشر کو تھماتی تو وہ اسکے دونوں گال باری باری چومتا، اور بال دوبارہ دور اچھال دیتا، بچی کھلکھلاتے ہوئے دوبارہ بال لانے کی تگ ودو میں لگ جاتی۔

ذرا فاصلے پہ حاکم نواب بیٹھے تھے، اولاد کی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ گزرے برسوں میں وہ بدلے اگر نہیں تھے تو پہلے جیسے بھی نہیں رہے تھے۔ انکا زیادہ وقت اب تنہائی میں گزرتا تھا۔ اولاد سے فاصلے انہوں نے خود پیدا کئے تھے اور انہیں پر کرنا بہت مشکل تھا۔ والدین بعض دفع اولاد کی زندگی میں ایسا خلاء چھوڑ دیتے ہیں جنہیں پر کرتے وقت انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا اولاد اس خلاء کی عادی ہو چکی ہوتی ہے۔

وہ اس کھیل سے تھک گیا تو زینب کو گود میں اٹھائے کرسیوں کی طرف چلا آیا۔ اسے ایک کرسی پہ بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گیا۔

''تمہاری ناراضگی مزید کتنا عرصہ چلے گی؟'' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے حاکم نے اسے مخاطب کیا۔ بشر انکی طرف دیکھے بغیر کیک کے ٹکڑے کر کے زینب کو تھما رہا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔''

''لیکن مجھ سے اختلاف ہیں۔''

''ہر دوسرے انسان کو ہوں گے، اس میں کیا بڑی بات ہے؟''

''ہر دوسرا انسان میرا بڑا بیٹا نہیں ہے۔'' زینب کو کیک کھلاتی اسکی انگلیاں ایک لمحے کو ساکت ہوئیں۔

''باقی دنیا میں جوتی کی نوک پہ رکھتا ہوں، اگر کسی کی پرواہ ہے تو میری اولاد کی۔''

بشر نے گردن پھیر کر انکی طرف دیکھا۔ نگاہوں میں سرخی تھی۔ لب بھینچ رکھے تھے۔

''کم از کم آپ کو یہ بات کہنے کا کوئی حق نہیں ابا، ہماری زندگی میں جو آپ نے کیا ایسا کوئی باپ نہیں کرتا۔''

''غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔''

''اور معاف نہ کرنے کا حق بھی ہر انسان کو حاصل ہے۔''

''سادھ گنہگار کو معاف نہ کرے تو درست، مگر گنہگار، دوسرے گنہگار پہ الزام لگاتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔''

''یعنی آپ اب سارا ملبہ میرے اوپر ڈال دیں گے؟'' بشر کے لہجے میں سختی گھلی۔

''نہیں، میں اپنے قصور مانتا ہوں اور شاید انہیں درست کرنے کا وقت گزر گیا ہے لیکن تم اپنی غلطیوں سے پیچھا کیوں چھڑوا رہے ہو، غلط کرنے والا غلط نہیں ہوتا غلط کو غلط نہ کہنے والا بھی غلط ہوتا ہے۔ کم از کم زینی میرے برے رویے پہ مزاحمت ضرور کرتی تھی، تم مرد ہو کر بھی چپ تھے کیونکہ اندر کہیں یہ سب دیکھ کر تم اسی سب کے عادی ہو گئے تھے۔''

ماضی اور حال کے درمیان دو لکیریں تھیں کسی نے بشر حاکم کا ہاتھ کھینچ کر اسے ماضی میں پٹخ دیا تھا۔

''اپنے کسی بھی رویے سے انکاری نہیں ہوں میں لیکن میں تھک گیا ہوں۔ تمہاری اور کونج کی ناراضگی نے مجھے تھکا دیا ہے۔''

''آپ کو زینی کی پرواہ اب بھی نہیں ہے۔'' گیلے رندھے ہوئے لہجے میں شکوہ کیا۔

حاکم نواب کی آنکھوں میں بیک وقت کئی تاثر آئے تھے۔ کسی نے انکے کلیجے میں ہاتھ مارا تھا، اور ایسی جگہ کہ کئی لمحے وہ شل رہے۔

''میری بیٹی ہے وہ، اسکی پرواہ ہے مجھے، ہمیشہ تھی۔'' بشر کو لگا انکی آواز گیلی ہوئی ہے۔

''وہ مضبوط تھی اس لئے مجھے لگا وہ دیکھ لے گی، خود حل نکال لے گی۔ بہت گھٹیا باپ ہوں میں، اپنے مسائل اور تکلیفیں اپنے بچوں پہ ڈال دیں لیکن زندگی میں صرف ایک دفع میں نے اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی تھی اور کر بھی لیا۔'' انہوں نے آگے کو ہو کر بشر کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تمہاری بہن ڈھاکہ میں ہے اور محفوظ ہے۔''

بشر حاکم جہاں کا تہاں رہ گیا۔ وہ بغیر سانس لئے یک ٹک اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ آس پاس کیا تھا کیا نہیں ایک لمحے کو اسے سب بھول گیا۔

''اسکا شوہر اسے ڈھونڈتا رہا ہے۔ ماننا پڑے گا اسکی اپنی پسند عبداللہ اور بالاج سے بہتر تھی۔'' وہ کہہ کر ہنس پڑے۔ بشر نہیں ہنسا۔

''میں نے مہدی کو اسکے گھر کا ایڈریس دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں اب سب صحیح ہو جائے۔'' وہ با آواز بلند بولتے ہوئے پیچھے کو ٹیک لگا گئے۔

'' مجھ سے ناراضگی ختم کرلو، بشر۔ اب وقت ہے ختم ہو گیا تو پچھتاؤ گے۔''

''زینی ٹھیک ہے ابا؟ زینی۔۔۔ آپ جانتے تھے آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' اسکی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔

''میں نے پاگلوں کی طرح ڈھونڈا ہے ابا۔'' وہ خوش تھا، شکایت کر رہا تھا وہ۔۔۔ اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کرے۔

حاکم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بشر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس ہاتھ میں ویسی مضبوطی نہیں تھی۔

''میرے جرائم میں ایک اور اضافہ۔'' دھیرے سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے چند پل بعد وہ حویلی کے اندر جا رہے تھے۔ بشر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا کچھ تھا جو ان میں بدل کر رہ گیا تھا۔ کچھ تھا جو یہ خبر سن کر بشر کے اندر بدل گیا تھا۔ وہ خوش تھا بے حد خوش۔

حالات دن بہ دن کشیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ پر امن ڈھاکہ اب ہر وقت آسمان میں گھومتے ہیلی کاپٹرز کی گونج سنتا رہتا، پولیس کے ظلم اور احتجاجیوں کے حوصلے دیکھتا۔ ڈھاکہ جل رہا تھا، ڈھاکہ تعمیر ہو رہا تھا۔ نئی نسل کے حوصلے، اس شہر کو نئی ہمت بخش رہے تھے۔ آج کل دکانیں، مارکیٹس، ریستوران بند تھے، یونیورسٹیز پہ تالے پڑے تھے۔ شہر میں کبھی کرفیو لگ جاتا، اور کبھی انٹرنیٹ بند کر دیا جاتا۔ آئے دن طلباء اور پولیس کے درمیان جھڑپ چھڑی رہتی۔ خوف و حراس نے ڈھاکہ پہ اپنے سائے گھیرے کر دیئے تھے۔

آخری ملاقات کے لئے قیس کبیر نے جو جگہ منتخب کی تھی وہ ایک بحری جہاز کا عرشہ تھا۔ جہاں اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔ زینیا اسکی طرف پشت کئے دریا دیکھ رہی تھی، اور قیس جہاز کو۔ بے تحاشا روشنیوں میں گھرے ہوئے وہ اپنے اندر کے اندھیروں کو چھپا رہے تھے۔ دونوں کے بال ہوا کے دوش پہ پھڑ پھڑا رہے تھے۔

''میں کل واپس جارہا ہوں۔''اس کی نگاہیں سامنے بیٹھے ایک جوڑے پہ جمی تھیں۔ جن میں عورت کی گود میں ایک چھوٹی بچی تھی۔

''مجھے زبردستی، ڈرا دھمکا کر اپنے ساتھ لے کر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا؟''وہ پانی میں چمکتی روشنیاں دیکھ رہی تھی۔

''تمھیں لگتا ہے، میں تمھیں اس طرح لے کر جا سکتا ہوں؟''وہ ایک مثالی خاندان تھا اور وہ انہیں دیکھ نہیں سکا۔ قیس گردن ترچھی کئے اسکے نیم رخ کو دیکھنے لگا۔ اسکی لونگ چمک رہی تھی۔

''تمھارے بارے میں سوچنا بہت عرصے سے چھوڑ دیا۔ لیکن تمہاری خوش فہمیاں ختم کہاں ہوتی ہیں؟''

''اور کبھی ایک وقت ایسا بھی تھا کہ تم صرف میرے بارے میں سوچتی تھی۔''اسکی کانوں کی بالیاں، انکی ساخت وہ ایک ایک شے غور سے دیکھ رہا تھا۔

اسی لمحے زینیا نے بھی گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ دریا کی خوبصورتی میں، لہروں کے درمیان، سرسراتی ہواؤں میں وہ دونوں ایک دوسرے کو ہی دیکھ رہے تھے۔ پھر سنہری آنکھوں والی لڑکی نے کچھ کہا، سیاہ آنکھوں والا مرد اسی اعتراف کے سننے کو بے چین تھا۔ زینیا دھیرے دھیرے نیچے بیٹھ گئی۔ عرشے سے ٹیک لگائے اس نے بازو گھٹنوں کے گرد باندھ لئے، قیس اسکے سامنے بیٹھا۔

''تم میرا کمفرٹ زون تھے، عبداللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''لہروں نے شور کم کر دیا، روشنیوں نے پلٹ کر بس ان دونوں کا احاطہ کیا۔

''میں صرف تمھیں سوچتی نہیں تھی، میں نے تمہاری پرستش کی تھی۔ تم وہ آدمی تھے جس کا ذکر، سوچ بھی میرے لئے سکون تھی۔ میں تمھارے لئے آدھی دنیا سے لڑ سکتی تھی۔''اس نے لب کاٹے، پھر عبداللہ زمان کو دیکھا۔ وہ کہاں کہیں اور دیکھ سکتا تھا۔

''میں دعائیں کرتی تھی کہ اللہ تمہارا دل نرم کر دے، تم آ جاؤ بس ایک بار آ جاؤ، میرے لئے آ جاؤ۔''

بے شک یہ ماضی کا اظہار تھا لیکن وہ جس بے تاثر چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی، عبداللہ کو یہ چہرہ کھلا۔

''ابا، اماں، بشر، سارا خاندان جانتا تھا تم نہیں آؤ گے لیکن میں نے تم سے امید رکھی۔ بالاج کا نام میرے ساتھ آیا تو میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے اپنے مایوں سے اٹھ کر تمھیں کالز ملائیں، میں وہ وقت کیسے بھولوں جب تم نے میری تذلیل کی تھی؟ تم صرف ایک انسان نہیں تھے، تم دنیا تھے میری، تم اچھے برے نہیں لگے تھے تم مجھے میرے لگتے تھے۔ لیکن تم نے چھوڑا، تم نے ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑا۔ تم بت تھے میرا جو پاش پاش ہو گیا۔ ہو نا ہی تھا تمہاری محبت میں خود کو گرا جو دیا تھا۔''

''گلا کر رہی ہو تو معذرت خواہ ہوں، طعنہ ہے تو سر جھکا کر سن لوں گا۔ کیا کروں میں؟ میرا ماضی اگر اچھا ہوتا تو آج یہاں تم میرے ساتھ خوش ہوتیں۔'' اسکی آنکھوں میں نمی اتری۔ دل میں کئی ناسور سر اٹھانے لگے۔

''میری زندگی میں صرف تکلیفیں تھیں تھک گیا تھا میں، ہرٹ تھا اسی لئے ہرٹ کیا۔ لیکن اب۔۔۔ اب سب صحیح کرنا چاہتا ہوں۔ تمھارے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں جو کچھ بھی ماضی میں ہوا میں اسے بھول کر تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ میں ساری دنیا سے جیت سکتا ہوں، بس تمھارے سامنے ہار جاتا ہوں اور یہ ہار مجھے بری نہیں لگتی کیا تم اب بھی اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں؟'' زینیا ریلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور قیس اسکے سامنے۔ زینیا کو دیکھتے ہوئے اس نے تھک کر بے حد آزردگی سے سر اسکے گھٹنے پہ رکھ دیا۔ گردن جھکا دی اور ہار تسلیم کی۔ جیسے ہمیشہ کرتا تھا۔

''میں برا تھا گھٹیا تھا لیکن میں تمہارا تھا، کئی سال پہلے بھی اور آج بھی۔''

''پھر میری زندگی میں، مہدی کمبیر آیا۔'' وہ اس سے بے پرواہ تھی۔ اسے خود سے دور جھٹکا مگر وہ دور نہیں ہوا۔

''پہلی ہی بار اس نے مجھے بتایا ہر مرد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ پھر جانے کیا اور کیسا تعلق تھا جو ننھی ہوا تو ختم نہیں ہو سکا۔ میں اس سے محبت نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ہو گئی، اور ایسی ہوئی ہے کہ آج ڈھائی سال بعد بھی میں اس سے موو آن نہیں کر سکی اور نہ کر سکوں گی۔'' اسکے گھٹنے پہ سر رکھے، پہلو میں گرا اسکا ہاتھ تھام گیا۔ وہ رو رہا تھا، اذیت، شراکت، ہجر، اور وصل کے درمیان دوہری اذیت اسے رلا رہی تھی۔ روشنیاں اسکی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھیں۔

''پلیز۔۔۔ چپ ہو جاؤ۔'' بھاری زکام زدہ آواز میں اس نے التجا کی۔

''اسکا نام مت لو تم کسی کا نام مت لو۔ بس ہماری بات کرو۔ تم جو کہو گی میں ٹھیک کردوں گا کسی اور کو درمیان مت لاؤ۔'' اسکے ہاتھ پہ قیس کے ہاتھ کی گرفت سخت اور بے بس ہوتی گئی۔

''تم نے مجھے ہمیشہ تکلیف دی، نہ میں تم سے معافی چاہتی ہوں نہ ازالہ۔ میں تمھیں دوبارہ کبھی اپنی زندگی میں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں تم بس کہیں چلے جاؤ۔''

''اور میرا کیا؟ میں صرف تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں صرف تمھیں۔'' گھٹنے سے سر ہٹاتے وہ اسکا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا گیا۔ زینیا کے پتھر وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ وہ بے تاثر تھی۔

''تم سے نفرت کرنا بھی، مجھے میری توہین لگتا ہے۔''

''پلیز۔۔۔''

''میرے ساتھ جس جس نے برا کیا ہے میں انہیں معاف کردوں گی لیکن میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی، تم لے جاؤ مجھے اپنے ساتھ میں تیار ہوں۔ شادی کرلو، طلاق دلوادو، سب کرلو لیکن تم کبھی میرے دل پہ دسترس نہیں حاصل کرسکو گے اور تم جانتے ہو میں اپنے عہد کی کتنی پکی ہوں۔''

اسکی ہتھیلی گیلی ہورہی تھی، قیس کمبیر کے قلبی زخم پانی کی طرح رس کے اسکی ہتھیلی بھگو رہے رہے تھے وہ اس سے محبت نہ کرتی اسے فرق نہ پڑتا وہ اس سے نفرت بھی نہیں کرتی تھی، قیس کا دل پھٹ کر دو حصے ہوا۔ آنکھوں سے لگایا ہوا اسکا ہاتھ وہ اس ہاتھ کو نہیں چھوڑ سکا۔

''آئی ایم سوری آئی ایم سوری پلیز پلیز ایسے مت کہو، میں تمھیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔''

''اللہ تمھیں غارت کرے، عبداللہ۔'' اپنا ہاتھ اس سے چھڑواتے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے حد نفرت سے کہا۔ ایسے کہ وہ ٹھہر گیا۔ ساکت، صامت۔ ڈھاکہ شہر میں آکسیجن کی قلت ہوئی، اور سرخ آنکھوں والا وہ شخص قطرہ قطرہ مرنے لگا۔

''میں زندگی میں اگر کسی شخص کو دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتی تو وہ تم ہو، تم میرے آگے تڑپ تڑپ کر مر جاؤ تو مجھے فرق نہیں پڑے گا۔''

اسکے اندر تک سناٹا چھا گیا۔ ایسے جیسے اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی ہی نہ دے رہی ہو۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی لئے ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سنہری آنکھوں کی بے اعتنائی، لہجے کی سرد مہری اور کڑواہٹ، اسے کچھ بھی حضم کرنے میں بے تحاشا دقت ہوئی۔

''اگر تم نے ایک اور دفع مجھے ملنے بلوایا تو میں پولیس سٹیشن جا کر بتاؤں گی کہ میں الیگل ہوں۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں سوائے تمہاری موجودگی کے، مجھے تم سے کوفت ہوتی ہے۔ تمہارا چھونا ناپاک ہے۔ میں شادی شدہ ہوں تم مجھے ناپاک کرتے ہو اللہ تم سے حساب لے گا۔''

اس نے زینیا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اجنبی ہو گئی تھی۔ یہ اسکی زینیا نہیں تھی۔ وہ ہتھیلی نیچے رکھتے اپنا سارا وزن اس ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے پلس پائنٹ نے اسے مائینس زیرو کر دیا تھا۔ ریاضی کے اصولوں میں کوئی حل نکلتا ہو گا، اصل زندگی میں اسکا سارا وجود کسی عدد کی طرح کٹ گیا۔ وہ کسی دوسری رقم میں شامل ہونے کے قابل نہیں رہا۔ وہ ایسا عدد بن گیا جسے اسکی اپنی تجزی نے کاٹ کر رف عمل کر دیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم لیتا جہاز کے کپتان کی طرف جا رہا تھا۔ زینیا نے دیکھا وہ اس سے تیز تیز کچھ کہہ رہا تھا۔ کپتان کے چہرے پہ الجھن تھی، مگر وہ جہاز موڑ رہا تھا۔ قیس تب تک وہیں کھڑا رہا جب تک جہاز واپس کنارے تک نہیں آیا۔ پورٹ کے قریب جہاز رکا تو قیس نے وہیں سے ایک نظر زینیا کو دیکھا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ اسکے قریب آ کر رکا۔ وہ نگاہیں اٹھائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''میں اس وقت جا رہا ہوں کیونکہ میں مانتا ہوں تمھیں میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

''ان ڈھائی سال میں، میں نے شوہر کے ہوتے ہوئے تمھیں ایک اضافی عورت رکھا ہے اگلی ڈھائی صدیاں بھی رکھ سکتا ہوں۔ یا تو میں، یا پھر کوئی نہیں۔ یاد رکھنا، اور اس شہر کو چھوڑ کر کہیں بھی جانے کی کوشش بے کار ہے کیونکہ میں تمھیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں واپس آؤں گا اور تم مجھے یہیں چاہئے ہو۔''

جواب کی امید اسے تھی نہیں اس لئے وہ رکا بھی نہیں اور تیز تیز قدم لیتا اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ زینیا حاکم خالی خالی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اسکی پکڑ کب ہو گی؟ یہ واحد سوال تھا جو اسکے دل و دماغ میں اٹک کر رہ گیا۔

ڈیڑھ ہفتہ بعد۔

ڈھاکہ میں ہر سال کئی دفع میلہ لگتا ہے۔ سرما کی ابتداء کا میلہ، گرما کے اختتام کا میلہ، خزاں کے درمیان کا میلہ اور بہاروں آمد کا میلہ۔ ان دنوں حالات بہت خراب تھے۔ جگہ جگہ سٹوڈنٹس زخمی ہو رہے تھے۔ پولیس کی جارحیت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کام دھندے ٹھپ پڑے تھے ڈھاکہ کسی dystopian کہانی جیسا لگتا تھا۔ جگہ جگہ ہڑتالیں، اور احتجاج تھا۔ ایسے میں اسکا گھر سے نکلنا بھی بہت کم ہو گیا تھا۔ اور اس دفع ڈھاکہ کا میلہ بھی نہیں لگا تھا۔ لیکن امراء چونچلوں سے باز نہیں آ سکتے تھے۔

آج کافی دن بعد وہ گھر سے نکلی تھی۔ نیما کے ساتھ وہ اس ایک میلے کے لئے آئی تھی، جو کہ ایک چھوٹے سے میدان میں لگا تھا اس میلے کو لگانے والا اس سوسائٹی کا کونسلر تھا۔ کائی سبز رنگ کی ساڑھی میں اسکا اونچا سراپا مزید دلکش لگ رہا تھا۔ چھوٹے بال کرل کر کے کھلے چھوڑے تھے اور ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ قیس کے جانے کے بعد آج بہت دن بعد وہ اس طرح تیار ہوئی تھی۔ ایسے جیسے ساری کلفت دھل گئی ہو۔ بیڑیاں کھل گئی ہوں۔

''ادھر آؤ تمھیں یہ کھلاتی ہوں۔'' نیما اسکا ہاتھ پکڑے ایک اسٹال پہ لے گئی جہاں بریانی تھی۔ بنگالی بریانی ذرا مختلف ہوتی ہے، یہ قوم بیف کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اور انکے مصالحے بھارت اور پاکستان جیسے بے انتہا تیز نہ سہی لیکن حد درجہ ہلکے بھی نہیں ہوتے۔ بریانی کی چھوٹی سی پلیٹ ہاتھ میں لئے اس نے چمچ منہ میں رکھا۔ ذائقہ حلق تک سرایت کر گیا۔ گو کہ وہ ذائقہ آج بھی اسے محظوظ نہیں کرتا تھا لیکن وہ اسکی عادی ہو گئی تھی۔

''چاولوں میں ہلکا سا کچا پن ہے، ذرا پانی کا چھڑکاؤ کر کے دم لگا لیں۔''اس نے ٹھیلے والے کو بنگالی میں ہدایت دی۔ وہ شکریہ کہہ گیا۔

نیما کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اسکی آنکھوں میں چمک تھی۔ آس پاس لوگ ہی لوگ تھے۔ بچے کاٹن کینڈی ہاتھوں میں لئے ہنستے کھلکھلاتے نظر آ رہے تھے۔ اب وہ ایک اور اسٹال کے قریب کھڑی ''**پیٹھا**'' کھا رہی تھی۔ پیٹھا ایک مٹھائی ہوتی ہے اور اسکا ذائقہ بہترین ہوتا ہے۔ کچھ وقت وہ وہیں رہی۔ گھومتی اور لوگوں سے ملتی انکی تصاویر اتارتی رہی پھر جب اس میلے نے اسکا دم گھونٹنا شروع کیا تو وہ نیما کو بتا کر باہر نکل آئی۔

احتجاجی ریلی جس میں کثیر تعداد میں لوگ تھے، سڑک کنارے کھڑے ہو کر وہ انہیں دیکھے گئی۔ کندھے پہ کیمرہ لٹک رہا تھا۔ اسے ان طلباء پہ ترس آیا، جو دھوپ، گرمی برداشت کرتے ایک پر امن احتجاج ریکارڈ کروا رہے تھے اور بدلے میں انہیں دنیا کی نظر سے چھپایا جا رہا تھا۔ شہر کا نقصان ہوا تھا جانی بھی اور مالی بھی۔ لیکن جوش اور حوصلہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ تاریخ گواہ ہے جن قوموں نے اپنے قدم مضبوط کئے کوئی انکے قدم اکھاڑ نہیں سکا بنگلہ دیش بھی شاید نئی تاریخ لکھنے والا تھا۔

وہ کچھ دیر بعد ذرا فاصلے پہ آ کر کھڑی ہو گئی۔ مصیبتوں کے دور میں آج ڈھاکہ خوش تھا۔ رنگ برنگے لباس پہنے لوگ جھنڈے اٹھائے، نعرے لگاتے یہاں سے وہاں گھوم رہے تھے۔

''یہاں کھڑے دیکھنے سے کیا ہو جائے گا؟''کوئی اسکے برابر آ کر کھڑا ہوا۔ زینیا نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا وہ بس لوگوں کو دیکھتی رہی۔ جو محض اس بات پہ خوش تھے کہ حکومت نے انکی بات پہ غور کرنے کا سوچا تھا۔

''میں کیا کر سکتی ہوں، ہزاروں لوگ تو پہلے ہی موجود ہیں۔''

''تم یہ کر سکتی ہو۔''اسکے ساتھ کھڑے بنگالی مرد نے اسکے کندھے سے لٹکتے کیمرے پہ انگلیاں بجائیں۔

''اسے استعمال میں لاؤ۔''

''فائدہ؟''زینیا اب بھی نہیں پلٹی۔''نہ انٹرنیٹ ہے نہ باہر کی دنیا تک کوئی رسائی۔''

"کیمرے کی آنکھ منظر محفوظ کر لیتی ہے۔ کبھی نہ کبھی تو انٹرنیٹ آ ہی جائے گا۔ریکارڈ رہنا چاہیے۔" وہ کہہ کر، نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔زینیا نے گہری سانس لی۔ناانصافی کسی بھی قوم کے ساتھ ہو، ہوتی ناانصافی ہی ہے۔اس نے کیمرہ کندھے سے اتارا،اسے آن کیا، فلٹر سیٹ کئے اور پھر کیمرہ آنکھ سے لگایا۔وہ کیمرہ آنکھ سے لگائے مختلف مناظر قید کر رہی تھی۔کم از کم وہ انکے لئے اتنا تو کر ہی سکتی تھی۔

کوئی سترہ سالہ سٹوڈنٹ تھا جس کا گرمی سے براحال تھا اور وہ چہرے پہ پانی ڈال رہا تھا۔کلک۔

تین سے چار لڑکیاں ایک ساتھ کھڑی، کسی لڑکی کی گردن پہ لگے زخم کو دیکھ رہی تھیں۔کلک۔

کوئی ادھیڑ عمر مرد تھا جو اپنے معذور بیٹے کو ساتھ لئے، جھنڈا اٹھائے اسکے حق کے نعرے بھی لگا رہا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے، اسکے کیمرے کی آنکھ نے ایک منظر دیکھا۔وہ منظر جسے وہ خواب میں کئی بار دیکھ چکی تھی۔کوئی تھا جو رش کے درمیان راستے بناتے ہوئے اسکی طرف آ رہا۔ہوائیں ساکن ہو گئیں،نہریں چپ،خاموش،وبائیں جیسے اپنے دیس پلٹ گئیں،رنگ۔۔ساری دنیا،سارے ڈھاکہ نے اپنا رنگ بدل لیا۔سارے کا سارا ڈھاکہ سبز ہو گیا۔کائی جیسا سبز۔وہ شخص اسکی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا،زینیا حاکم سانس نہیں لے سکی۔آسمان میں اڑتے ہیلی کاپٹر ایک لمحے کے لئے،جادوئی طشتری بن گئے، گولیوں کی آوازیں مدھر گیت میں تبدیل ہوئیں،آسمان سے شعائیں نکلنا بند ہو گئیں تھیں یا شاید زینیا حاکم کو ایسا لگا تھا۔وہ واقعی جنگوں کے دور میں امن کی طرح زندگی میں آیا تھا۔کتنے لوگ تھے سب دھندلا ہو گیا کچھ نظر آیا تو وہ۔زینیا اپنی جگہ منجمند تھی۔وہ اسکے سامنے اسکے قریب آ کر رکا،زینیا نے چہرے سے کیمرہ ہٹایا وہ بے اختیار اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پہ آ کر گرا۔اس نے ایک قدم پیچھے لیا۔بے یقینی سے۔تعجب سے۔وہ اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا۔

مہدی سرور کمبیر اب جھک کر اسکے پیروں کے قریب گرا ہوا کیمرہ اٹھا رہا تھا۔ایک ایک پرزہ جوڑ کر وہ سیدھا ہوا۔اسکی آنکھوں میں کئی صدیوں کی تکان تھی۔زینیا کو اگلے کئی پل دیکھتے رہنے کے بعد وہ بے حد ملائمت سے،آزردگی سے، محبت اور قلق سے بولا۔

"میں نے آپ کو مس کیا، سرکار۔"

درگاہوں پہ مانی گئی دعائیں پوری ہوگئیں، تہجد کے معجزے نظر کے سامنے تھے۔وہ ملاقات جسے خوابوں میں دیکھا گیا تھاوہ ہو گئی۔روبرو وہ دو لوگ تھے جنہیں بخت نے ملایا تھا۔

وہ ششدر سی اسے دیکھتی رہی۔سامنے کھڑا شخص سفید لباس میں ملبوس تھا، بال سلیقے سے جمے تھے، ہتھیلی میں ہمیشہ کی طرح مہنگی گھڑی تھی لیکن وہ بس ان آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔کتنے برس۔۔۔

کتنے لمحے۔۔۔

کتنی صدیاں۔۔۔

کتنے زمانے۔۔۔

وہ ان آنکھوں کو دیکھے بغیر کتنے زمانے گزار آئی تھی؟

درمیان میں کیا کیا نہیں آیا تھا لیکن وہ آنکھیں آج بھی اس پہ ویسا اثر رکھتی تھیں۔آس پاس لوگوں کا شور تھا، جنگ برپا تھی، اور زینیا حاکم اسے تکتے ہوئے آگے آئی۔عین اسکے سامنے۔مہدی بغیر پلکیں جھپکے اسے تک رہا تھا۔اور پھر سبز ساڑھی والی لڑکی نے کپکپاتا ہاتھ اسکے چہرے پہ رکھا۔وہ اسے چھو سکتی تھی۔۔۔اوہ خدایا۔۔۔اوہ خدایا وہ واقعی وہیں تھا۔مہدی کمبیر خیال سے سراب، سراب سے حقیقت بن کر اسکے سامنے کھڑا تھا۔وہ آنکھوں میں نمی لئے اسے دیکھ رہی تھی۔اسکا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ آواز اپنے کانوں میں سن سکتی تھی۔اللہ سنتا تھا اس نے ہر دعا سن لی تھی۔

”میں۔۔۔میں نے۔۔آپ۔۔“اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لفظ ٹوٹ گئے، حلق میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹکا، منظر دھندلا پڑ گیا۔اور اس نے ہچکی لی۔

مہدی چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، وہ بولنے کی تگ و دو کرتی تو الفاظ بھول جاتی، اسے چھو کر محسوس کرتی تو بے یقین ہو جاتی۔اس نے اپنی بیوی کی مشکل دور کرنے کا سوچا پھر آگے بڑھا، ایک قدم، دو قدم پھر اسکے بے حد قریب ٹھہر کر جھک کر اسکا ٹھنڈا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔تحفظ، بھروسہ، مان کیا نہیں تھا وہاں؟اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے زینیا کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا۔اب وہ دونوں بازو اسکے گرد پھیلائے اسکا سر اپنے سینے سے لگا رہا تھا۔وہ نرمی، وہ بازوؤں کی سختی، وہ تحفظ، وہ جنگ کے درمیان کا

امن۔ وہ شور کے درمیان سنائی دیتی اسکی دھڑکن اسکے بالوں کو بہت محبت سے دھیرے سے اپنے لبوں سے چھوتے مہدی کمبیر نے سرشاری سے ایک سرگوشی کی۔

"you're my home"

آنکھیں بند کئے وہ چند لمحے یونہی کھڑی رہی۔ ساکت، بے سانس۔ پھر جیسے اسے ہوش آیا تھا۔ وہ اسکے حصار سے الگ ہوئی۔ اسکی نظریں یکدم تبدیل ہوگئی تھیں۔ وہ مہدی کو الگ نظروں سے دیکھ رہی تھی، پھر اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ سر کو نفی میں ہلایا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ تیز تیز قدم لیتی وہاں سے جارہی تھی۔ اسکے چہرے پہ شاکی تاثراب بھی تھا، اسکا سارا بدن پسینے میں ڈوبا تھا اور دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں لیکن ڈھائی سال بعد واپس آنے والے اس آدمی کو وہ اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا۔ کیوں یہ نہیں معلوم تھا۔

مہدی کمبیر کیمرہ ہاتھ میں لئے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسکی خوشبو اسکے جانے کے بعد بھی ہواؤں کو معطر کئے ہوئے تھی۔ اسکا لمس اب بھی اسکے سینے پہ کہیں موجود تھا۔ کبھی نہ مٹنے کے لئے۔ وہ لڑکی سکون بن کر رگوں میں سرایت کرگئی تھی۔ یقیناً۔

☆☆☆☆

فلیٹ کے اندر داخل ہونے تک اسکی آنکھیں لبالب پانی سے بھر چکی تھیں۔ اس نے بیگ فرش پہ پھینکا، سینڈل وہیں کہیں اتار دیے اور دونوں پیر اوپر کر کے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ یادوں کا ایک ریلا تھا جو بہہ آیا تھا۔ اور وہ بازو اپنے گرد باندھے بے آواز روئے گئی۔

"تم میری دعاؤں کا حصہ ہو۔۔۔

کوئی مجھ سے پوچھے گا خوبصورتی کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا زینیا حاکم کی آنکھیں۔

تم سے فلرٹ نہیں کیا جاسکتا۔

میں تم سے کبھی موو آن نہیں کرپاؤں گا۔

تم آئندہ کسی مرد سے ملتے وقت سرخ پہن کر مت جانا۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ تم میری بیوی ہو میری ذمہ داری۔۔۔"

اسکا لمس، اسکی باتیں وہ اسے اپنے بے حد قریب سنائی اور دکھائی دیا۔

آنسو بھل بھل بہنے لگے۔

"جب تم کامیاب ہو جاؤ گی ناں تب مجھے چائے پلانا۔

میں تم سے موو آن نہیں کر سکتا۔

I cherish the moment we met

ڈھائی سال تو بیچ میں کبھی آئے ہی نہیں تھے، وہ تو آج بھی اسے مسمرائز کر رہا تھا۔ زینیا بے آواز روتی چلی گئی۔ درست شخص غلط سمے پہ واپس آگیا تھا۔ اسے خوف بھی آرہا تھا اور تحفظ بھی مل رہا تھا وہ رو رہی تھی مگر وہ چیخ چیخ کر ہنس ہنس کر اسکی آمد کا اعلان بھی کرنا چاہتی تھی۔ اسکے سینے سے لگ کر اسکی دھڑکن کو چلتے ہوئے محسوس کرنا کیا تھا کوئی زینیا سے پوچھے۔ غیر محفوظ ڈھاکہ اسکے آتے ہی سارے کا سارا تحفظ کیسے ہو گیا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں کے پارسل لئے، نیا راشدی اندر داخل ہوئی۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر اگلے ہی لمحے اسکا دل دھک سے رہ گیا۔ صوفے پہ بیٹھی وہ لڑکی ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ خالی فلیٹ میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔ نیا تیزی سے اس تک آئی۔ اسکے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

"کیا ہوا ہے تم ایسے رو کیوں رہی ہو؟" زینیا جواب دیے بغیر مزید بلند آواز میں روتی گئی، اور روتی ہی گئی۔ دل میں کیا احساس تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"کیا ہو گیا ہے کچھ بتاؤ بھی تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔ کیا قیس نے کچھ کہا ہے؟" وہ اٹھی اور پانی کا گلاس بھر کر اسکی طرف بڑھایا، جسے زینیا نے پینے سے انکار کر دیا۔

"پانی تو پیو گہری سانس لو ہم ابھی بات کر رہے ہیں ناں۔" اس نے گلاس اب زینیا کے لبوں سے لگایا۔ اس نے بامشکل پانی پیا، آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ نیا اسکے سامنے ہی بیٹھی رہی۔

''اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟''

''مہدی۔۔۔میں نے آج انہیں دیکھا، وہ واپس آ گئے ہیں۔'' وہ کہہ کر پھر سے رونے لگی۔

نیما کے تاثرات عامیانہ رہے۔

''اس نے آنا ہی تھا، تمھیں خوش ہونا چاہیے۔ شوہر کے جانے پہ رونے والی بیویاں دیکھی ہیں تم آنے پہ رو رہی ہو؟''

وہ رونا بھول اسے دیکھے گئی۔ شاک، خوشی، افسردگی کوئی تاثر نہیں تھا۔ یعنی وہ واقف تھی؟

''وہ دو دن سے یہیں ہے۔ حالات خراب تھے اس لئے وہ یہاں نہیں آ سکا، آج میں نے اسے بتایا تھا تم کہاں ہو۔ میں خوش ہوں کہ وہ آگیا۔''

زینیا سخت بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ میری زندگی ہے یہ آپ اس میں دخل اندازی کیسے کر سکتی ہیں؟''

نیما نے ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کی زندگی میں پہلے ہی بہت حد تک مخل ہیں، اور تمھیں کیا لگتا ہے قیس کے یہاں آنے کے بعد بھی میں اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہ سکتی ہوں؟ تمھیں غلط لگتا ہے کیونکہ میں نے وحید بھائی سے تمھاری حفاظت کی ذمہ داری لی تھی اور مجھے ذمہ داریاں نبھانا آتا ہے۔ تمھارے لئے بہتر ہو گا کہ اپنے معاملات اسکے ساتھ درست کر لو اور اپنے ملک واپس جاؤ۔''

''آپ اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتیں مجھے کہاں اور کس کے ساتھ رہنا ہے۔'' وہ بلند آواز میں صوفے پہ ہاتھ مارتے ہوئے غرائی۔

''میں اسکے ساتھ واپس جاؤں گی تو کیا سب ٹھیک ہو جائے گا؟ میرا خاندان نہ اپنی ذلت بھولا ہے اور نہ بھولے گا۔ وہ مجھے یا مہدی کو ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ اور قیس، کیا وہ چپ چاپ بیٹھ جائے گا؟ یہ تکون صرف ہم تینوں میں سے کسی ایک کی موت کی صورت ٹوٹے گا آپ چاہتی ہیں وہ آدمی مر جائے جس سے میں نے اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی ہے؟'' اسکا تنفس بگڑ رہا تھا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھیں بار بار بھر رہی تھیں۔ اسکا آنا اچھا اور آکورڈ کیوں لگا تھا؟

''میں یہ سب نہیں جانتی۔''نیما اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے اگر کچھ پتہ ہے تو یہ کہ وہ آدمی تمھارے لئے بہترین ہے۔اگر تم کسی انسان کے مرنے سے ڈر رہی ہو تو یاد رکھو ڈھاکہ ہو یا اسلام آباد تم کسی کی موت ٹالنے پہ قادر نہیں ہو۔''

''میں آپ کو اس کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گی۔''اسے کمرے میں جاتے دیکھ زینیا پھنکاری۔غصے سے بے بسی سے۔

''جو تم چاہو۔۔''کندھے اچکاتی وہ اندر چلی گئی۔ٹی وی لاؤنج میں اب وہ اکیلی رہ گئی۔صوفے کے ہتھے پہ سر رکھتے ہوئے اس نے بازو سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔ہر شے نئے سرے سے یاد آنے لگی اور آج پہلی بار وہ اسے یاد کئے گئی۔کئی گھنٹے روتے رہنے اور اسے یاد کرتے رہنے کے بعد اسے نیند آ گئی تھی۔اور وہ وہیں صوفے پہ سو گئی۔

اسکی آنکھ صبح سات بجے کے قریب گھر کی بیل بجنے پہ کھلی۔کئی لمحے وہ خالی الذہنی کے عالم میں لیٹی رہی۔پھر کنپٹی کو انگلیوں سے مسلتے وہ اٹھ بیٹھی۔گھنٹی اس دوران تواتر سے بجتی رہی۔زینیا نے ساڑھی کا پلو درست کیا،کچن میں جا کر چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارے۔دکھتی آنکھوں کو مسلا اور پھر دروازے کی طرف بڑھی۔دروازہ کھولا تو ایک لمحے کے لئے وہ تھم گئی۔مگر واپس بند نہیں کیا۔بس ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔کچی نیند کا خمار اڑن چھو ہوا تھا۔

سرمئی ڈریس شرٹ کے ساتھ ہم رنگ پینٹ پہنے وہ ہاتھ میں کیمرہ اور دوسرے ہاتھ میں خاکی لفافہ،اور ایک کیک کا ڈبہ لئے اسکے سامنے کھڑا تھا۔اسکی سرخ آنکھیں دیکھ کر اسے تاسف ہوا۔اچھا بھی لگا۔وہ روتے ہوئے خوبصورت جو لگتی تھی۔

''گڈ مارننگ،بیگم۔''مہدی کمبیر مسکرایا۔زینیا مسکرا بھی نہ سکی۔

''اندر آنے کو نہیں کہو گی؟''

''کوئی کام ہے؟اگر نہیں ہے تو مجھے نہیں لگتا میں آپ کو اندر بلا سکتی ہوں۔''دروازے کا پٹ تھامے سختی سے کہا۔دل کو سختی سے ڈپٹا۔

''میں اپنی بیوی سے ملنے آیا ہوں،اسکے لئے بھی کوئی اجازت نامہ درکار ہے؟''وہ اسکی سرد مہری کی وجہ نہیں جان سکا۔

''میں کل ہی آنا چاہتا تھا لیکن مجھے لگا تمھیں وقت چاہیے ہو گا۔ تم اب بھی وقت لے سکتی ہو۔''

''مجھے وقت نہیں علیحدگی چاہیے۔'' وہ جس تیزی سے بولی اسی تیزی سے مہدی کا چہرہ سرخ ہوا۔ ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی۔

''اب بلا خر آپ یہاں آگئے ہیں تو یہ کام کر کے جایئے گا۔ کچھ دن لگیں گے میں آپ سے دوبارہ رابطہ اسی سلسلے میں کروں گی۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔'' وہ اسی طرح دروازے پہ جمی کھڑی رہی۔

یوں نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ سخت رویہ رکھنا چاہتی تھی یا پھر ناشکری ہونا چاہتی تھی ساری زندگی میں اگر کوئی ایک مخلص تعلق اسے ملا تھا تو وہ مہدی سرور تھا۔ جو غیر مشروط محبت دیتا تھا۔ لیکن کچھ واقعات اور حالات ہمارا دماغ اور ماحول طے کرتا ہے بہن بھائی اور دوستوں میں بھی لڑائی ہو جائے اور کئی سال کا فاصلہ آجائے تو چیزیں چٹکی بجاتے ہی درست نہیں ہو جاتیں۔ کچھ وقت آکو رڈ رہتا ہے اور اس وقت ان دونوں کے درمیان یہی لمحہ تھا۔ مہدی چند پل سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا پھر نرمی سے بولا۔

''مجھے بات کرنی ہے، ہم دونوں کو بیٹھ کر بات کرنی چاہیے میں جانتا ہوں تم غصے میں ہو گی اور ہرٹ بھی لیکن اس طرح مجھے دور کر کے کیا حاصل ہو گا۔'' وہ اسی نرمی اور تحمل سے بولا۔ اسکے تھوڑی دیر قبل والے مطالبے کو بڑی مشکل سے ذہن سے رفع کیا۔

''ڈھائی سال میں پہلی بار آپ کو یاد آگیا کہ ہمیں بات بھی کرنی ہے، اور میں آپ کی بیوی بھی ہوں؟ اوہ ظاہر ہے مصروفیات ہی اتنی ہوتی ہیں آپ کی کبھی کسی اداکارہ کے ساتھ اور کبھی کسی کے ساتھ۔'' وہ نہیں جانتی تھی کیوں مگر اسے غصہ آرہا تھا، بے بسی محسوس ہو رہی تھی جلن ہو رہی تھی۔ مہدی اول تو اسکی بات کا مطلب نہیں سمجھا اور جب سمجھا تو مسکراہٹ دبائی۔

''تم۔۔۔۔۔۔ تم جل رہی ہو؟''

زینیا پہ مانو گڑھوں پانی پڑ گیا۔

''صبح صبح میرا دماغ مت خراب کریں آپ نے کیمرہ دینا تھا ناں؟'' اس نے مہدی کے ہاتھ سے کیمرہ لیا۔

''اب جائیں، کل میں آپ سے ملوں گی کاغذات بنوالیں ہم الگ ہو رہے ہیں۔'' وہ ڈھائی سال بعد مل رہے تھے اور لمحوں کے اندر اندر حالات بدل رہے تھے۔ علیحدگی، رقابت، شرمندگی۔ انسان بھی بعد میں وہ میاں بیوی پہلے تھے۔

''اتنی دور کیمرہ دینے نہیں بیوی لینے آیا ہوں۔خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔''

مہدی ذرا سا آگے آیا۔ زینیا پیچھے ہوئی، وہ مزید آگے آیا اور وہ پیچھے ہوتے ہوئے فلیٹ کے اندر آگئی۔اب وہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکی گردن میں لٹکتے ہنس کے پینڈنٹ کو اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان تھاما۔ زینیا جہاں کی تہاں رہ گئی۔ وہ آنکھوں میں عجیب سی چمک لئے اس پینڈنٹ کو دیکھ رہا تھا۔ کئی سال پہلے مصر کے بازار میں اس نے یہ خریدا تھا۔ اسے لگا یہ لاکٹ کھو گیا ہے لیکن وہ تو اپنی اصل جگہ پہ تھا۔ وہ جیسے یقین نہ کر پایا ہو۔ چندپل کے لئے وہ کچھ بول نہیں سکا۔

''مجھے لگا تھا ان ڈھائی سالوں میں صرف مہدی موو آن نہیں کر سکا۔'' پینڈنٹ سے نگاہیں ہٹا کر زینیا کو فخر سے تکا۔

''مجھ سے موو آن نہ کرنے کے لئے شکریہ، مسز کمبیر۔''

''آپ یہاں سے جائیں۔'' وہ اس سے دور ہٹتے سنبھل کر بولی۔

''ان جذباتی باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ آپ کے اور میرے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اپنی اپنی زندگی میں آگے بڑھ جائیں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہا۔

''تم بڑھ سکتی ہو تو بڑھ جاؤ، میں جہاں ہوں وہیں رہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کچن میں جا کر چیزیں سلیب پہ رکھیں۔

''آپ خود بھی جذباتی ہو رہے ہیں اور مجھے بھی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یاد رکھئے گا اتنے سال بعد واپس آکر اگر آپ ایک ہیپی اینڈنگ کی توقع رکھتے ہیں تو آپ بلکل غلط ہیں۔''

مہدی نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے، اسکی سرخ متورم آنکھیں دیکھ اسکے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''چاہے ڈھائی سال گزر جائیں یا پھر ڈھائی صدیاں اگر تمھیں لگتا ہے اس طرح لڑ جھگڑ کر تم مجھے واپس بھیج سکتی تو تمہاری بھول ہے کیونکہ تمھارے یہ ڈرامے میرے لئے نئے نہیں ہیں۔ اپنا وقت لو، آرام سے بیٹھ کر سوچو، ہم کل ملیں گے اپنا دماغ درست کر لو ورنہ میں آکر کروں گا اوکے ؟''

''میرا جواب تب بھی یہی ہو گا۔''

''اور میں تمہارا ہر جواب قبول کر لوں گا ٹھیک ؟'' وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے کسی بچے کو پچکار رہا ہو، زینیا بغیر جواب دیے اندر بڑھ گئی۔ وہ خالی لاؤنج میں چند منٹ کھڑا رہا پھر ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ گہری سانس بھرتا اب وہ باہر جا رہا تھا۔ جس سکون کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا، وہ نہیں مل سکا تھا۔ لیکن واپسی تو اب اتنی جلدی نہیں ہونے والی تھی۔ وہ ہر شے کے لئے تیار تھا۔

''دو دن بعد۔''

اگلے دو دن اسکی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ مہدی کی طرف سے کوئی کال، کوئی میسج نہیں آیا اور نہ ہی وہ خود اس سے ملنے آیا۔ نیما نے بھی اسکے متعلق کوئی بات نہیں کہی۔ وہ ان دو دنوں میں کوئی کام ٹھیک سے نہیں کر سکی۔ اٹھتے بیٹھتے، ایڈٹنگ کرتے ہوئے وہ ہر وقت یاد آ رہا تھا۔ اس نے واپس آکر زینیا کی عادتیں دو ملاقاتوں کے اندر اندر خراب کر دی تھیں۔ سونے پہ سہاگہ اس نے ایک مرتبہ بھی اسے کال یا میسج نہیں کیا، کیا اب وہ اتنا مصروف ہو گیا تھا؟ وہ بالکنی میں جاکر ٹھہر جاتی کہ اسکے آنے کی خبر ہو سکے۔ موبائل فون اب ہمہ وقت ہاتھوں میں رہنے لگا تھا۔ دروازے پہ نگاہ رہنے لگی۔ لاشعوری طور پہ کہیں آنا جانا بند کر دیا کہ کہیں یہ نہ ہو وہ آئے اور اسے دروازہ بند ملے مگر وہ بے مروت انسان آنا بھول گیا تھا۔

''آج کیا بنا رہی ہو ؟'' اسے جارحیت سے آٹا گوندھتے ہوئے دیکھ نیما نے سوال کیا۔ وہ ہسپتال جانے کے لئے تیار لگتی تھی۔

''مہدی کی کال آئی تھی میں نے آج اسے رات کے کھانے کے لئے بلوا لیا ہے کچھ اچھا بنا لینا۔''

زینیا کے سر پہ لگی تلوؤں پہ بجھی۔ وہ طیش سے آگے آئی۔

''میں کسی کی ملازمہ نہیں ہوں صرف دو لوگوں کے حساب سے ہی کھانا بناؤں گی، اگر آپ کو اور ان صاحب کو دعوتوں کے شوق چڑھ رہے ہیں تو جائیں کسی ریستوران۔'' دو دن بعد اگر کال کی بھی تھی تو نیا کو؟ کیا تھا جو وہ اسے خود کال کر لیتا۔

''شاید غلط سنا تھا کہ پاکستانی مہمان نواز ہوتے ہیں، یہاں تم اپنے شوہر کو کاٹ کھانے کے لئے تیار ہو۔'' وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

''کونسا شوہر؟ جس نے آنے کے بعد مجھ سے ملنے میں دو دن لگا دیے، لیکن آپ سے کالز پہ بات کرتا رہا۔ اور اب پورے دو دن سے ایک ہی شہر میں ہوتے ہوئے اسے میرا خیال تک نہیں آیا؟ ایک میسج تک نہیں کر سکا وہ۔ جان چھڑوانے آیا تھا مجھے سب پتہ ہے۔'' اسکا گلا بھاری ہو رہا تھا، عدم توجہی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا، یہ کیوں ہو رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اسے بس مہدی کمبیر اپنی آنکھوں کے آگے چاہیے تھا۔ وہ دو ملاقاتوں کے اندر کیا پڑھ کر پھونک گیا تھا؟ کیوں وہ مزاحمت نہیں کر پا رہی تھی؟

''آج رات ڈنر پہ سارے شکوے شکایت دور کر لینا، ابھی بہت وقت ہے۔''

''میں نے کہا ہے ناں میں صرف دو لوگوں کا کھانا بناؤں گی۔'' وہ ہاتھ دھونے سنک کی طرف آئی۔

''تو تم سے کس نے کہا ہے زیادہ لوگوں کا کھانا بناؤ؟'' اس نے آنکھیں گھمائیں، اسی لمحے دروازے پہ بیل بجی۔ کچن میں کھڑی لڑکی کے دل کی رفتار بڑھ گئی۔ بے اختیار اپنی حالت کا خیال آیا (میں تیار بھی تو ہو سکتی تھی)۔ نیا نے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے آئی۔ زینیا نے آنکھیں بند کر کے اسکی خوشبو کو محسوس کیا۔ وہ ہنس کر مدھم لہجے میں نیا سے کچھ کہہ رہا تھا زینیا کے دل کو جیسے راحت محسوس ہوئی۔ وہ کیوں اسے اس طرح بے بس کر رہا تھا؟ اسکی آنکھیں نم ہوئیں۔ جذبات اس آدمی کی موجودگی اسکے انداز زینیا کے جذبات واپس لے آئے تھے۔

وہ کتنی ہی دیر سنک کا نلکا کھولے وہیں کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ مہدی کمبیر نے ساتھ لایا کیک، خاکی لفافہ اور پھول میز پہ رکھے۔ پھر کچن کاؤنٹر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوا۔

''سرکار، میں ان میلے برتنوں سے زیادہ اچھا دکھتا ہوں مجھے ایک نظر ہی دیکھ لیں۔''

زینیا نے گہری سانس لیتے ہوئے نل کو بند کیا، ہاتھ خشک کئے، کمر پہ بندھا دوپٹہ کھول کر سر پہ لیا۔ مگر اسے دیکھا نہیں۔

''پرانے وقتوں میں بیویاں جب شوہر کو دیکھتی تھیں تو فوراً خدمت میں لگ جاتی تھیں۔''فرج سے ٹیک لگائے زینیا کے علم میں اضافہ کیا۔

''اوہ یعنی تعلقات صرف موجودہ دور کی عورتوں تک محدود نہیں رہے؟''اس نے کھونٹے میں اٹکا سبزیوں کا تھیلا نکالا۔ مہدی زور سے ہنس پڑا تھا۔اسی پل نیما دروازہ کھول باہر جاتی دکھائی دی۔

''کیا بنا رہی ہیں؟''

''دو لوگوں کا کھانا۔''

''یہ کون سی ڈش ہے پہلے کبھی نام نہیں سنا۔''

''یہ کوئی ڈش نہیں،الوداعی اشارہ ہے سمجھدار کو سمجھ آتا ہے۔''

''اور میں ٹھہرا میٹرک میں ایک دفع اور انٹری ٹیسٹ میں تین دفع فیل شدہ۔''سر ہلاتے کمال تابعداری سے کہا۔زینیا سلگ کر رہ گئی۔

''کوئی مدد کروں؟ کوکنگ اسکلز مشہور ہیں میرے۔''

''انکے لئے سنبھال کر رکھیں، جن کے ساتھ انسٹا گرام پہ پوسٹس کرتے ہیں۔''لاشعوری طور پہ ایک بیوی شوہر کی معذرت چاہتی تھی کوئی شوہر کو یہ بتائے۔کوئی بیوی کو بھی سمجھائے شوہر ٹیلی پیتھی نہیں جانتا۔

''تم میرا اکاؤنٹ اسٹالک کرتی ہو؟ میرے نمبر کے ساتھ اپنے نام کا پاسورڈ لگاؤ اور ایک ہی دفع میرے ڈی ایمز چیک کر لو تاکہ یقین آجائے۔آمی تومار **(میں تمہارا ہوں)** ''بنگالی میں کہا۔

وہ بغیر جواب دیے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ساتھ بڑبڑاتی رہی۔''جیسے کہ چیٹس ڈیلیٹ نہیں ہوتیں ہنہہ۔''

اندر آکر اس نے بیگ اٹھایا اور باہر آئی تو مہدی اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

''میں گروسری کرنے جا رہی ہوں۔''یہ اشارہ تھا کہ اب وہ جائے۔یا پھر ساتھ آئے۔سمجھدار شوہر اشارہ سمجھ گیا تھا۔

''اوہ سبزیوں سے میرا کوئی شرعی پردہ نہیں ہے میں بھی ساتھ چل سکتا ہوں۔''

''میں صرف دو لوگوں کے لئے سبزی لاؤں گی۔''

''اچھی بات ہے میرا ویسے بھی چکن کھانے کا موڈ ہو رہا ہے۔''

''آپ نے شاید سنا نہیں ہے، میں دو لوگوں کے لئے ڈنر بناؤں گی۔''

مہدی آگے آیا، بازو باندھ کر اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

''میں جانتا ہوں، لیکن شاید تم نہیں جانتیں کہ آج نیا کی نائٹ ڈیوٹی ہے اس لئے دوسرا آدمی میں ہوں۔ میرے لئے فرائڈ چکن پلیز۔''

زینیا سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی نیا پہ الگ تپ چڑھی جو اسے بتائے بغیر چلی گئی تھی۔ حالانکہ صبح سے وہ خود ہی اتنی غائب دماغ تھی کہ نیا کے شام کے وقت جانے کو بھی نوٹ نہیں کر سکی۔ یہ آدمی اسکے حواس سلب کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ ہر طرف بربادی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ کہیں ٹائرز جلے ہوئے تھے، کہیں ریڑھیاں الٹائی گئی تھیں۔ کہیں کوڑا پڑا تھا اور کہیں بھاگنے کے دوران کسی کے گرے ہوئے جوتے۔ اسی پل، وہاں سے پولیس کی کئی گاڑیوں کا گزر ہوا۔ وہ تعداد میں اتنی زیادہ تھیں کہ سڑک کنارے چلتی ہوئی زینیا ٹھہر گئی۔ دوسری طرف لوگ تھے، جو بلند آواز میں نعرے لگا رہے تھے اور وہ ساکت کھڑی تھی۔ اتنے ہی لوگ اس نے تب دیکھے تھے جب اسے بتایا گیا مہدی مر چکا ہے، فارم ہاؤس سے اسے گرفتار کر کے لے جاتے ہوئے بھی اتنے ہی لوگ تھے، اسی طرح کی گاڑیاں اور شور تھا۔ اسے سڑک پار کرنی تھی وہ نہیں کر سکی۔ ٹراما بڑی گندی شے ہوتا ہے، انسان کے اندر مسکن بنا لے تو جلد جان نہیں چھوڑتا۔

''زینیا چلیں؟'' وہ اسکے قریب کھڑا کہہ رہا تھا۔ زینیا نے چہرے پہ آیا پسینہ صاف کیا اور ایک قدم آگے لیا۔ مہدی نے غور کیا یہ وہ زینیا نہیں تھی جس سے وہ اسلام آباد میں ملا تھا۔ اب وہ بھی پہلے جیسا کہاں رہا تھا؟

وہ پورے تین سالوں میں بھی ڈھاکہ کے رش کی عادی نہیں ہو سکی تھی۔ آج بھی باہر نکلتے ہوئے، لوگوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے اسے عدم تحفظ محسوس ہوتا تھا مگر آج مہدی نے اس کے بازو سے اپنا بازو گزار کے اس کے کپکپاتے ہاتھ پہ گرفت جمالی۔ وہ

تحفظ، لمس، مان۔ ڈھاکہ یکدم سارے کا سارا محفوظ ہو گیا وہ بغیر جتائے بغیر کچھ کہے اب اسکے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کچھ لوگ زندگی سہل کر دیتے ہیں وہ بھی انہی میں سے تھا۔

وہ دونوں شاید غلط دن گراسری کرنے نکل آئے تھے۔ کیونکہ ہر دکان پہ شٹر چڑھے تھے۔ شہر دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ احتجاج ریکارڈ کرواتے جوانوں کے نعرے انکے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ مہدی نے یوں ظاہر کیا جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔ زینیا کو البتہ بے اختیار شرمندگی ہونے لگ گئی تھی۔ کاش کاش کوئی ایک ہی کھلی دکان مل جائے۔ سڑک کے کنارے چلتے ہوئے آس پاس نگاہ دوڑاتے بلآخر مہدی بول پڑا۔

"مجھے نہیں لگتا آج کی تاریخ میں سبزی ملے گی۔"

"آپ کو نہیں آنا تھا تو نہ آتے، اس طرح بول کر آپ کیا چاہتے ہیں مجھے سبزی نہ ملے۔" وہ خفت چھپانے کو چڑھ دوڑی۔

"ہاں۔" وہ بلا تامل بولا۔ "مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ فرج میں گوشت تو رکھا ہوا ہے اور مجھے وہی کھانا ہے۔"

"یعنی آپ کو صرف اپنی پرواہ ہے؟"

مہدی نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

"خود سے زیادہ تمہاری پرواہ ہے، اس لئے ملک چھوڑ کر تمھارے لئے یہاں آیا ہوں۔" وہ عام سے انداز میں بولا، پھر کہہ کر سامنے دیکھنے لگا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ ڈھاکہ کی سڑکوں پہ اسکے بازو میں اپنا بازو ڈالے چلتا ہوا، اسے اپنی وقعت بتلاتا ہوا معمول سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے بنگلہ دیش کے متعلق کچھ نہ کچھ بتاتا رہتا۔ موسم ابر آلود تھا ٹھنڈے ٹھنڈی ہوا بھی تھی۔ عین ممکن تھا تھوڑی دیر بعد بارش ہونے لگے۔

"آپ نے آتے ہی کہا تھا آج کچھ نہیں ملے گا اس لئے دیکھیں ہمیں ایک بھی دکان نہیں ملی۔" اس سے پہلے کہ بات اس پہ آتی اس نے سارا ملبہ مہدی پہ ڈال دیا۔

"بلکل میں تو کوئی بنگالی جادوگر ہوں، یا میں نے اسم اعظم پڑھ رکھا ہے جو کہوں گا وہ ہو جائے گا۔"

"پھر بھی آپ کو ایسی بات منہ سے نکالنے کی ضرورت کیا تھی؟"

"اگلی بار منہ گھر پہ چھوڑ کر آؤں گا۔"

"wise decision" زینیا نے تائید کی۔

آسمان پہ یکدم بجلی چمکی اور اسی چمک کے ساتھ انہیں سبزی کی ایک دکان نظر آئی، جس کے شٹر ادھ کھلے تھے۔ موقع غنیمت جان کر وہ دونوں تیزی سے اندر آئے، مگر جس تیزی سے وہ دونوں اندر آئے تھے اسی تیزی سے انہیں مایوسی کا سامنہ کرنا پڑا۔ دکان میں صرف ٹینڈے، کھیرے اور ٹماٹر تھے۔ ان دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا، پھر ٹینڈوں کو۔ پھر ایک دوسرے کو پھر ٹینڈوں کو۔

"شکر ہے، میں نے پہلے ہی فرائڈ چکن کی فرمائش کی تھی۔" وہ جان خلاصی کر گیا مگر وہ بھول گیا تھا بیویوں کے پاس شوہر کو زچ کرنے کے کتنے طریقے ہوتے ہیں۔

"میرے گھر پہ ہفتے کی رات صرف سبزی بنتی ہے۔ اور اگر آپ نے میرے گھر پہ کھانا کھانا ہے تو سبزی کھانی ہوگی۔" اسکے سر پہ بم پھوڑتی وہ آگے آئی۔

مہدی نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "over my dead body" شوہر تھا بھئی وہ۔

زینیا اب کچھ ٹینڈے اٹھا کر ترازو میں رکھ رہی تھی جب دکان دار نے اسے ٹوکا۔

"چن چن کر سبزی دینے والا ٹائم نہیں ہے، بی بی۔ جو دے رہا ہوں لے لو ورنہ جاؤ۔" اسکے لہجے میں بے زاری اور تنفر تھا، مہدی آنکھیں چھوٹی کئے اسے دیکھے گیا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے لیا تھا ایسے جیسے ڈری ہو۔ وہ اسکے عقب میں کھڑا مردشل رہ گیا۔ زینیا حاکم کے سوشل اسکلز اس بری طرح متاثر ہو چکے تھے، اور مہدی کے پاس کوئی جادوئی چھڑی نہیں تھی جسے گھمانے پہ سب درست ہو جاتا۔ وہ اگلے کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''کتنے ہوئے؟''سبزی کا تھیلا پکڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''دو سو ٹکا۔''

''لیکن کلو تو اسی ٹکا کا ہے۔''وہ بنگالی میں بات کر رہی تھی مہدی زبان نہیں سمجھتا تھا لیکن وہ تاثر اور انداز سمجھ رہا تھا۔

''جہاں سے اسی کا مل رہا ہے وہیں سے جا کر لے لو۔''وہ ایک بار پھر حد پار کر گیا۔زینیا نے لب بھینچتے ہوئے اسے پیسے تھمائے۔مہدی سارا وقت چپ رہا۔اسکے ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے۔

سبزی لے کر وہ باہر نکلے تو مہدی غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا۔تھوڑی دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔سڑک پہ ذرا آگے جا کر وہ ٹھہر گیا۔زینیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''تم نے وہاں اسے کچھ کہا کیوں نہیں؟جو سبزی تم نے لی ہے اس میں آدھی خراب ہے۔اور تم نے پیسے بھی زیادہ دیے ہیں۔''

زینیا کو لگا تھا اس نے غور نہیں کیا مگر اس نے کیا تھا۔وہ پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔وہ کم از کم اپنی ذات کا یہ حصہ فلحال نہیں کھولنا چاہتی تھی۔

''میں کیا کہتی،کیا کہنا تھا مجھے؟''وہ ہلکی آواز میں بولی تھی۔

''تم کہاں کہاں،اور کس کس جگہ یہ رویہ برداشت کرتی ہو،اور کیوں کرتی ہو؟کوئی اور بھی تم سے اس طرح بات کرتا ہے کیا؟''

زینیا کی رنگت سرخ پڑی۔وہ انگلیاں مروڑنے لگی تھی۔

''تمہارے سوشل اسکلز بری طرح تباہ ہوئے ہیں اور تم نے ہونے دیئے۔لوگوں اور رش سے ڈر رہی ہو تم بات کرتے ہوئے ہکلاتی ہو،اپنے حقوق پہ سمجھوتہ کر رہی ہو یہ کیا کر لیا ہے تم نے؟''

یکدم بارش اتنی تیز ہوئی جیسے آسمان کا سینہ چیر کر پانی کے قطرے آزاد ہوئے ہوں۔بوچھاڑ میں کھڑے بھیگتے ہوئے ان دونوں کے پاس لاتعداد سوال اور جواب تھے۔

''یہ میرا ملک نہیں ہے،مجھے یہاں۔۔۔''اسکے حلق میں الفاظ اٹک گئے۔

''یہ سب ردی ہے تم میرے ساتھ آؤ۔۔۔''اس نے قریب آکر زینیا کا بازو پکڑا،اور اسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگا۔بارش میں بھیگتی وہ اسکے سہارے چلتی گئی۔اس نے دکان کے باہر رک کر آدھے شٹر کو پورا کھولا اور اس سے پہلے دکاندار ناگواری سے کچھ کہتا مہدی ایک ہی جست میں اس تک آیا اور اس نے گردن سے پکڑ کر اسے دیوار سے لگا یا۔ایک ہاتھ میں زینیا کا ہاتھ تھا جس پہ گرفت ہلکی تھی اور دوسرا ہاتھ کسی کی گردن پہ تھا جس میں بلا کی سختی تھی۔وہ لمحے کے اندر انسان سے حیوان بنا تھا۔

''یہ ساری سبزی واپس رکھو اور جو تمہیں چاہیے وہ لے لو۔دراز سے اپنی اضافی رقم بھی اٹھاؤ۔''اس نے چبا چبا کر کہا۔سخت نظریں اس تنومند مرد پہ جمی تھیں جس کی گردن پہ وہ گرفت جمائے ہوئے تھا۔

''اسے چھوڑیں،مہدی۔کیا کر رہے ہیں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔''

مہدی نے اسکی گردن چھوڑی اور اسی ہاتھ سے ایک مکا بنا کر اسکے جبڑے پہ دے مارا پھر تیزی سے اسکی گردن کو دوبارہ اپنی گرفت میں لیا۔زینیا سہم گئی تھی۔

''تمھیں جو کہا ہے وہ لے لو۔''وہ سخت دوٹوک انداز میں کہہ رہا تھا۔زینیا بے بسی سے اسے دیکھتی آگے بڑھی ساری سبزی واپس رکھی۔اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔اگر اسکی دوسری کلائی مہدی کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو اب تک یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔

''اسکے پیسے حرام کے تھے؟یا تمھیں سمجھ نہیں آرہی تھی اسکی بات،لڑکی سمجھ کر ہراساں کرو گے،کمزور سمجھو گے؟''وہ اسکی گردن پہ دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔

''مہدی پلیز اسے چھوڑیں۔''اسکی آواز رندھی ہوئی تھی۔

''انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا سرکار،ورنہ یہ ہر مہدی کمبیر کو قید کریں گے اور ہر زینیا حاکم کے کردار پہ بات کریں گے۔''اسکا لہجہ،لمس،آنکھیں وہ ٹراما سے ٹر گر ہوا انسان لگ رہا تھا۔

''تمھیں جو کہا ہے وہ کرو۔''

وہ تیزی سے دوسری سبزی تھیلے میں بھرتی چلی گئی۔ اسکی آنکھیں بری طرح بہہ رہی تھیں۔ لرزتے ہاتھوں سے تھیلا بھر کر وہ اسکے قریب آئی۔

''پلیز بس کر دیں۔'' وہ اسکے بازو پہ اپنا ہاتھ رکھے منت کر رہی تھی۔ اسکے لمس پہ وہ مڑا۔ وہ رو رہی تھی، اسکے ہاتھوں میں لرزش تھی مہدی پہ جیسے کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔ وہ اسکی گردن پہ گرفت چھوڑ چکا تھا۔ زینیا کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے وہ باہر نکل آیا۔ بوندا باندی اب موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں لمحوں کے اندر بھیگ کر رہ گئے۔ باہر آتے ہی جیسے ایک طلسم ٹوٹا۔ اسے اندازہ ہوا وہ کیا کر چکا ہے۔ اس نے زینیا کے ہاتھ پہ گرفت بڑھائی جسے زینیا اس سے ہاتھ چھڑوائے تیز تیز قدم لیتی اس سے آگے جا رہی تھی۔ وہ اسکی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

گلیاں بے حد سنسان تھیں، کوئی اکا دکا انسان تک وہاں نہیں تھا۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔

''زینیا، میری بات سنو میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' اسکی آواز خالی گلی میں گونج کر واپس آ گئی۔ مگر اسکی آواز اس گلی کی واحد آواز نہیں تھی۔ یکے بعد دیگرے کئی پولیس والے انکے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، اس سے پہلے وہ دونوں کچھ سمجھ پاتے پولیس انکی طرف بندوقیں سیدھی کر چکی تھی۔ زینیا اپنی جگہ جم گئی تھی۔ ذہن نے لمحوں کے اندر ماضی کا سفر کیا اور اب وہ وہیں تھی۔ قید، قفس زدہ۔

''شہر میں کرفیو لگا ہے اور تم لوگ رات کو رومیو جیولیٹ بنے گھوم رہے ہو؟'' ایک افسر نے مہدی کو گریبان سے پکڑا۔ وہ انکی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا زینیا شل تھی، پولیس اسکا پہلا خوف تھی۔

''کدھر جا رہے تھے؟ پتہ نہیں ہے شوٹ کا آرڈر دیا ہے سرکار نے، جان پیاری نہیں ہے؟ گھروں میں چین نہیں آتا تمھیں؟''

''ہم ٹورسٹ ہیں لکھنئو سے آئے ہیں۔'' وہ انگریزی میں بولا۔ ''یہاں قریب ہماری دوست کا گھر ہے بس وہیں جا رہے تھے، پلیز جانے دیجیئے۔ ہمیں کرفیو کے بارے میں نہیں پتہ تھا۔'' اسے اندازہ تھا اگر وہ خود کو پاکستانی بتائے گا تو مسئلہ بن سکتا ہے بنگلہ دیش کی موجودہ حکومت نے عوام کے دل میں پاکستان کے خلاف زہر ہی بھرا تھا۔ جسکی وجہ سے سروسز میں موجود بنگالی پاکستان کے متعلق مثبت نہیں سوچتے تھے۔

""ہم گھر سے باہر نہیں نکلیں گے، ہمیں کرفیو کا بھی نہیں پتہ تھا، پلیز ہمیں جانے دیں۔ دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"" وہ زینیا کی وجہ سے معاملہ رفع دفع کر رہا تھا۔

افسر نے اسکا گریبان چھوڑ دیا اور بنگالی میں ہی اسے جانے کو کہا۔ مہدی نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تیز تیز قدم لیتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ حالات واقعی کشیدہ ہو چکے تھے پولیس کی جارحیت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ گلیوں میں کسی کو دیکھتے تو گولی مار دیتے۔ ڈھاکہ کا یہ حال ان دنوں رہائشی نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ گھر جاتے ہوئے انہیں اندازہ ہو چکا تھا گلیاں سنسان کیوں ہونے لگ گئی تھیں۔

وہ دونوں جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو زینیا کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ رہا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ پہ اب بھی مہدی کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جس سے اس نے محبت کی تھی۔ نیم اندھیرے ٹی وی لاؤنج میں کھڑے اس نے سبزی کا تھیلا نیچے رکھا۔ اپنا ہاتھ چھڑوایا مہدی لب کاٹتے ہوئے اسکے قریب کھڑا ہوا۔ گردن شرمساری سے جھکی تھی۔ دونوں مکمل بھیگے ہوئے تھے۔

""میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا میں بس تمھیں اس طرح نہیں دیکھ سکا، آئی ایم سوری۔ مجھے غصہ آ گیا تھا۔""

زینیا نے کاٹ دار نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

""اور میرے غصے کا کیا؟ میرے غصے کی پرواہ نہیں ہے آپ کو؟"" وہ یکدم حلق کے بل غرائی۔

""کس نے کہا آپ سے تین سال بعد واپس آنے کے لئے کس نے دیا آپ کو یہ حق، کیوں آئے ہیں آپ؟ میری زندگی میں پہلے کم مشکلات تھیں جنہیں بڑھانے آ گئے آپ؟"" اسکی آنکھیں بھل بھل بہنے لگیں، اور آواز بلند رہی۔ مہدی دکھ سے اسے دیکھتا رہا دکھ گہرا ہوتا رہا۔

""تین سال بعد آکر آپ کو کیا لگتا ہے آپ حق جتائیں گے اور میں خوشی خوشی آپ کے ساتھ چل پڑوں گی؟""

""آئی ایم سوری، آئی لو یو۔"" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ زینیا پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

''آپ کی اسی محبت نے میری زندگی برباد کر دی۔ کیریئر، گھر، عزت سب کھو دیا میں نے اب کیا ہے جو تم مجھ سے لینے آئے ہو، کیا بچا ہے میرے پاس؟''

''آئی لو یو۔'' شکستہ اعتراف۔

''آپ اور آپ کی محبت تب کہاں تھی جب میں جیل میں تھی، جب لوگ مجھ پہ باتیں کر رہے تھے۔ جب میرے خاندان والے مجھے آوارہ اور بد چلن کہہ رہے تھے تب کہاں تھے آپ؟''

''آئی لو یو۔'' عدم توجہی کا کفارہ۔

''آپ کی محبت کرس ہے میرے لئے، جہنم بن گئی ہے میری زندگی، جو چاہا وہ مجھے کبھی نہیں ملا اور جو ملا وہ مجھ سے چھن گیا آپ کے خاندان کی وجہ سے صرف اور صرف آپ کے خاندان کی وجہ سے۔ نفرت ہو رہی ہے مجھے خود سے اس زندگی سے آپ کیوں واپس آ گئے، کیوں میرے مسئلے بڑھا دیے، کیوں کیوں کیوں۔۔۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگتی تھی۔ مہدی پھٹتے ہوئے دل سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور بس دہرا رہا تھا۔

''آئی لو یو۔''

''مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا، میں چاہ کر بھی نہیں رہ سکتی اور آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں۔''

''آئی لو یو۔'' مجبوری، معذوری، بے بسی۔

''خدا کی قسم میں تھک گئی ہوں میں بس تھک گئی ہوں۔ مجھ سے نہیں دیکھ جاتا یہ سب یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے، میں ہی کیوں؟''

''آئی لو یو۔'' ساتھ کھڑے رہنے جیسا اقرار۔

''کاش ہم کبھی نہ ملے ہوتے کاش مجھے کبھی بھی آپ سے محبت نہ ہوتی، کاش کوئی عبداللہ زمان نہ ہوتا۔۔۔''

''آئی لو یو۔'' رندھی ہوئی آواز میں گیلا اظہار۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی چلے جائیں یہاں سے مجھے آپکے ساتھ واپس نہیں جانا کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ میں۔۔مجھے نہیں رہنا۔۔''

''آئی ایم سوری، آئی لو یو۔''

اسکے الفاظ بے ربط ہو گئے۔ ہچکیاں سارے فلیٹ میں گونجنے لگیں۔

''کاش میں نے آپ سے کبھی محبت ہی نہ کی ہوتی۔۔''

اب کے مہدی نے بغیر کچھ کہے قدم اسکی طرف بڑھائے،دو قدم کا وہ فاصلہ دو صدیوں کا فاصلہ لگا۔اسے دیکھتے،اسے سنتے نم، کرب زدہ آنکھوں سے، کئی سالوں سے تھکے ہجر کے مارے نے سر اس کے کندھے پہ رکھ دیا۔ یہ شکست کا اعلان تھا۔ یہ معذرت تھی، یہ پشیمانی بھی تھی اور یہ تکان بھی تھی۔

''تم میرا سکون ہو، مجھے بے سکون مت کرو۔''

بس ایک سطر تھی، ایک اعتراف ہی تھا کیوں دل ساکن ہو گیا تھا، کیوں دھڑکنیں تھم گئی تھیں، کیوں وہ بازو پہلو سے نہیں اٹھا سکی۔ وہ اسکے کندھے پہ ماتھا ٹکائے رو رہا تھا۔اسکا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔ کیا یہ وہی مہدی کمبیر تھا؟

''آئی ایم سوری، آئی ایم سوری جو ہوا سب میری غلطی تھی آئی ایم سوری لیکن یہ مت کہو کہ ہمارا ملنا غلط تھا۔ یہ مت کہو کہ ہماری محبت غلط تھی۔ مجھے بے سکون مت کرو۔ تم سے ملاقات میری زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ تھا یہ مت کہو کہ۔۔۔۔''

وہ تیس سالہ مرد اسکے کندھے سے ماتھا ٹکائے، بچوں کی طرح رو رہا تھا۔اسکے چوڑے، مضبوط شانے اس وقت کمزور تھے۔ اس کے بال زینیا کی ٹھوڑی کو چھو رہے تھے۔ وہ چند لمحے ساکن کھڑی رہی پھر زینیا نے پہلو میں گرے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی۔۔۔ یہ کام مشکل تھا، بہت مشکل۔ خود تکلیف میں ہوتے ہوئے کسی کو دلاسا دینا مشکل تھا۔

''مجھے تین گولیاں لگی تھیں، میرے سینے میں، پیٹ پہ۔ مجھے پراپر ٹریٹمنٹ نہیں ملا، مجھے سفید کمرے میں بند کر دیا تھا، میں وہاں تمھیں بہت یاد کرتا تھا، میں نے۔۔'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔ بول نہیں سکا، تکلیف جو ڈھائی سال سے دل میں پنجے گاڑے بیٹھی تھی وہ اسے کہہ ہی نہ سکا۔ بس روتا رہا۔

''میں وہاں بہت تکلیف میں تھا۔ مجھے تمہاری فکر تھی، اپنی فکر تھی مجھے لگتا تھا میں مر جاؤں گا، میں مر جانا چاہتا تھا لیکن میں نے وہاں بھی تمھیں نہیں چھوڑا، میں نہیں کبھی خیال میں بھی تمہیں نہیں چھوڑا۔ تم کیسے کہہ سکتی ہو ہمارا ملنا غلط تھا تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو؟''

زینیا نے دھیرے سے اپنے دونوں ہاتھ اسکے کندھوں پہ رکھے۔ ایسے جیسے اسے تسلی دینے کی کوشش کی ہو، مگر وہ بہت بری طرح ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ زینیا کے کندھے سے سر ہٹاتے وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے گرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا اور اب وہ اسی طرح چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو رہا تھا، مہدی کبھی کسی کو اپنی تکلیف بتاتے ہوئے اس طرح نہیں رویا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اسکی تکلیف تو کبھی کسی کو نظر نہیں آئی تھی، وہ تو ہمیشہ سب چھپا لیتا تھا اسی لئے کسی کو کبھی پتہ ہی نہیں چلا کہ سرور کمبیر کے بیٹے کے پاس دل بھی ہے، اور وہ دکھتا بھی ہے۔

''جب میں وہاں سے نکلا میں نیم پاگل ہو گیا تھا۔ دورے پڑتے تھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، گلٹ ہوتا تھا ہاں مجھے گلٹ تھا کہ میں تمھیں نہیں بچا سکا۔ تم میری بیوی تھیں اور میں تمہاری حفاظت ہی نہیں کر سکا۔ یہ گلٹ ہر تکلیف سے بڑا تھا میں نے تمھیں کہا تھا جب تم اکیلی ہو گی تب میں تمھارے ساتھ ہوں گا میں نہیں رہا تمھیں میری تکلیف کا اندازہ ہے؟''

زینیا صوفے کے قریب آگے کو ہو کر اسکے سامنے کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھے ایسے جیسے تلافی کی ہو اسکے ہاتھ چہرے سے ہٹائے، اور اسے اپنے قریب کیا، پھر اسے خود سے لگایا۔ بکھرے ہوئے کو سمیٹ لیا گیا۔ وہ اب کسی سہمے بچے کی طرح دونوں بازو اسکی کمر کے گرد لپیٹے، اسکے سینے پہ سر رکھے رو رہا تھا۔ اب وہ کچھ بتا نہیں رہا تھا اس نے بتانا آدھے میں چھوڑ دیا تھا بس کوئی تکلیف تھی جس نے اسے جکڑ لیا اور کوئی راحت تھی جو اس لڑکی کے پاس تھی کیونکہ وہ مہدی کمبیر کی بیوی تھی۔ وہ جو اسے مکمل کرتی تھی۔ وہ جو اسکا سکون اور محبت تھی جس کے لئے اس نے آدھی دنیا الٹ پلٹ کر رکھ دی تھی۔ وہ اسکے قریب اب بے حد پر سکون تھا۔

''آئی ایم سوری، آپ کا کوئی قصور نہیں تھا مجھے غصہ آگیا تھا آئی ایم سوری۔''اسکے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی، اسکا کندھے تھپکتی وہ اسے تسلی دے رہی تھی اس آدمی کو جس کی تکلیف سے اسے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ جس کا ٹراما اتنا ہی بڑا تھا جتنا اس لڑکی کا۔

''ہم دونوں کے ساتھ غلط ہوا، آپ کا کوئی قصور نہیں، آئی ایم سوری مجھے کوئی حق نہیں تھا میں آپ کو ہرٹ کروں آئی ایم سوری۔ میں ہمارے درمیان کسی ملاقات پہ نہیں پچھتائی میں بس غصے میں تھی۔''

''سب کو میرا قصور نظر آتا ہے ہر کوئی مجھے سنا کر آگے بڑھ جاتا ہے، میری بات کسی نے آج تک نہیں سنی کیوں میں کسی کو کبھی نظر نہیں آیا؟ میرے ماں باپ ہوتے تو میں کبھی اتنا اکیلا نہیں ہوتا۔''زینیا کو لگا تھا اسکا دل پھٹ جائے گا وہ جو سن نہیں پا رہی تھی یہ آدمی سہہ کر کمال کر گیا تھا۔ وہ اتنا عرصہ یہ سب دل میں لئے گھومتا رہا تھا؟

''مجھے تم ملیں تم نے مجھے سمجھا، ہیل کیا اور مجھ سے پھر تم بھی دور ہو گئیں۔ میں نارمل نہیں رہا یار۔۔۔''اس نے چہرہ اٹھا کر زینیا کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، دونوں اذیت کے مختلف دوراہوں پہ تھے، لیکن ساتھ تھے۔ اندھیرے لاؤنج میں وہ ایک دوسرے کی روشنی تھے۔

''میں نے تمھیں ہمیشہ مس کیا تمھیں ڈھونڈا۔ یہ مت کہو کہ میں۔۔۔''وہ کہہ نہیں سکا کہا ہی نہیں گیا۔

''میں نے اتنا عرصہ سب دل میں رکھا تھا میں۔۔نے کسی سے سے کچھ نہیں کہا۔''اس نے ایک بار پھر سر اس سے جوڑ لیا۔ بازو اسکے گرد باندھ لئے۔ یہاں سکون تھا۔

''میں سن رہی ہوں، مجھے بتائیں　میں ہمیشہ سنوں گی۔''وہ اسکے بال درست کرتے ہوئے، اسکی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے تسلی دے رہی تھی۔ مہدی کمبیر اگلے کئی منٹ، کئی لمحے بس بولتا ہی رہا تھا۔ ہر تکلیف، ہر غم، ہر شے۔ اسے آج سامع مل چکا تھا۔

رات گہری ہو کر شہر پہ اتر آئی تھی۔ آسمان پہ ستاروں کا جال تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا، سارا ڈھاکہ شہر خاموش تھا۔ آسمان میں اڑتے ہیلی کاپٹرز کی گڑگڑ وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھی۔ جام نیٹ ورکس دس منٹ کے لئے کھولے گئے تھے اور اب زینیا اسی کا فائدہ اٹھاتے نیما سے بات کر رہی تھی۔

''یہ کرفیو تو کافی دن رہے گا آپ اتنے دن گھر نہیں آئیں گی؟'' وہ سخت پریشان تھی۔ گھر کی بتیاں اب روشن تھی۔

''کرفیو کال آگئی تھی اور بھائی جان کا گھر نزدیک تھا میں فوراً یہیں آگئی۔ صبح مجھے دوبارہ ہسپتال جانا ہے تم چیزیں مینج کر لو گی ناں؟''

''خاک مینج کروں گی؟ میں اکیلی کس طرح سنبھالوں گی یہاں ہر پانچ منٹ بعد پولیس کوئی نہ کوئی جارحیت دکھا رہی ہے اگر وہ لوگ گھر پہ آگئے تو؟ میں تو اب تک ٹھیک سے بنگالی بھی نہیں بول پاتی۔''

''اول تو تم اکیلی نہیں ہو، شوہر وہیں ہے تمہارا اور دوئم پولیس گھر پہ چھاپے نہیں مار رہی چپ چاپ گھر پہ بیٹھو اور پینک کرنا بند کرو۔'' وہ کچھ گھرکنے کے انداز میں بولی۔

زینیا کے حواس تو اب معطل ہوئے تھے۔

''کیا مطلب ہے '' یہ '' اپنے ہوٹل نہیں جائیں گے؟''

مہدی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ **(یہ کیا ہوتا ہے مہدی، سرتاج، سر کے سائیں، نہیں بول سکتی؟)**

''آپ ان سے کہیں یہ اپنے ہوٹل جائیں۔''

''تمھیں بیوہ ہونے کا زیادہ شوق چڑھا ہے تو باہر جا کر شہیدوں میں نام لکھوا آتا ہوں۔'' روئی روئی آنکھوں سے تنک کر کہتا وہ عجوبہ لگا۔ زینیا کو ہنسنا اور رونا بیک وقت آیا۔

''آپ یہاں کیسے رہ سکتے ہیں؟'' وہ فون پٹخ کر اس تک آئی۔ ''اب آپ اچھے لگیں گے یہاں رہتے ہوئے؟''

''شرعی، قانونی، سماجی، سیاسی، ادبی ہر لحاظ سے بہت بہترین لگوں گا، کچھ رہ گیا ہے تو بتا دو؟'' سینے پہ بازو باندھ کر تفصیل سے اسے تکا۔

''اخلاقی لحاظ سے بلکل اچھے نہیں لگیں گے۔''

''وہ میں یہاں رہ کر سیکھ لوں گا، ماشاءاللہ تم میں کوٹ کوٹ کر جو بھرا ہے۔''

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟''

''میری یہ جرات کہاں سرکار میں تو پیدائشی زن مرید ہوں۔''

''شٹ اپ۔''

''آئی لو یو ٹو۔'' وہ جس برجستگی سے بولا زینیا سرخ پڑی، پھر پیر پٹختے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس آدمی سے بحث کرنا ضائع تھا۔

''روتے ہوئے کتنا معصوم لگ رہا تھا اور اب استغفر اللہ۔''

''کیا کہا؟ میں ماشاءاللہ لگ رہا ہوں؟''

''چپ کر جائیں آپ ورنہ ان اللہ پڑھنے کی نوبت لے آؤں گی۔'' کچن میں کھڑے چھری اٹھاتے ہوئے وہ سلگ کر بولی۔

''کیوں بھری جوانی میں میرے نام کا روگ لینا چاہتی ہو؟'' وہ ٹاول سے چہرہ خشک کرتے ہوئے مسکرایا۔

زینیا مڑی اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ کیوں یہ آدمی ایسی باتیں کرتا تھا کہ اسکی زبان تالو سے چپک جائے۔ کیوں تھا یہ ایسا؟

''میں آپ کو آخری وارننگ دے رہی ہوں آپ چپ کر جائیں۔''

''تم نے تھوڑی دیر پہلے مجھے کہا تھا تم میری ہر بات سنو گی۔ یہاں آؤ میں تمھیں مزید باتیں سنانا چاہتا ہوں۔ اور ایک بار پھر تم سے اظہار محبت سننا چاہتا ہوں۔'' وہ صوفے کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

''بہت سن لیا میں نے، بہت ہو گیا۔''

زینیا نے سر نفی میں ہلایا۔ اور کچن سے نکل کر باہر آئی۔ سبزی کے تھیلے اب بھی وہیں پڑے تھے۔ کوئی اور سبزی نہیں تو اب ٹینڈوں سے ہی گزارا کرنا تھا۔

''اس گھر میں اول تو آپ رہیں گے نہیں جیسے ہی پولیس ہٹے گی آپ یہاں سے جاتے ہوئے نظر آنے چاہییں اور اگر رہنا ہے تو جو میں چاہوں گی آپ وہ کریں گے۔''

مہدی تولیہ صوفے پہ پھینکتے ہوئے ہنس پڑا۔ ساتھ دونوں بازو پھیلا کر وہیں بیٹھ گیا۔

''ابھی تک تو جیسے میری بہت چل رہی ہے۔ جیسے تم تو تابعدار بیوی کی طرح میرا ہر حکم بجالاتی ہو۔'' سبزی کے تھیلے اٹھائے زینیا نے ٹھہر کر بے حد غور سے اسے دیکھا۔ اسکی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ صوفے پہ پھیلے بازو جوڑ کر گود میں رکھے۔ اور دیسی ماں کے راجہ بیٹا کی طرح شریف بن گیا۔ زینیا نے ''گڈ'' والی نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ سبزی کے تھیلے اندر سلیب پہ رکھے، گاہے بگاہے وہ ایک نظر اس پہ بھی ڈال لیتی تھی۔ وہ تیس سالہ مرد کم بچہ زیادہ تھا جو ٹک کر ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ کبھی اسے کشن کے پیٹرن چیک کرنے ہوتے تھے، کبھی وہ ٹی وی ریموٹ کا سرخ بٹن دبا کر تصدیق کرتا کہ کیبل نہیں آرہی۔ کبھی اپنے پیر میز پہ رکھتا اور کبھی رگ کو پیروں سے خراب کرتا۔ گیلا تولیہ اٹھا کر کبھی یہاں پھینکتا اور کبھی وہاں۔ میز پہ رکھے ایک دو ڈیکوریشن پیسز کی جگہ وہ ہزار مرتبہ بدل چکا تھا۔ اور پرفیکشنسٹ عورت کی بس ہو گئی تھی۔

''ادھر اندر آئیں اور سبزی کاٹ کر دیں۔'' حکم صادر کرتے اس کی نگاہ کیک کے ڈبے اور اسکے ساتھ پڑے ہوئے خاکی رنگ کے لفافے پہ پڑی۔ وہ آتے ہوئے یہ سب لایا تھا۔

''لیکن مجھے تو سبزی کاٹنی نہیں آتی۔''

''اچھا؟ یعنی یہ آپ کے جسم میں چلنے کام کرنے والی چیز یہ قینچی جیسی زبان ہے؟'' اس نے لفافہ اٹھا کر اسکے اندر جھانکا، اور ساکت رہ گئی۔

''اسی قینچی جیسی زبان سے آج تمہیں بچا کر لایا ہوں شکریہ کہتے وقت تو تمہاری زبان ٹوٹتی ہے ناں؟''

''مجھے نہیں آپ نے خود کو بچایا تھا۔''

''بلکل تم یعنی میں۔''

وہ اب بھی لفافے کے اندر سے جھانکتے بھٹے دیکھ رہی تھی جواب ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ یکدم یادوں کا ایک ریلہ سا بہہ آیا اور اس کا سارا وجود بھیگ کر رہ گیا۔ اب وہ دوسرے ڈبے کو کھول کر کیک دیکھ رہی تھی۔ اور اب کے اسے ہنسی آئی۔ کیک پہ بڑے بڑے لفظوں میں۔

HBD Sarkar,s husband لکھا تھا۔ وہ کبھی مہدی کو دیکھتی کبھی کیک کو اور پھر ہنسنے لگ جاتی۔ مہدی نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ روشنی میں کھڑی ہنس رہی تھی اور وہ نیم اندھیرے لاؤنج میں بیٹھا گردن ترچھی کئے اسے ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد؟ آہ راحت۔

”ہنس کیوں رہی ہو؟“

”آپ نے۔۔۔ آپ نے کیک پہ یہ کیوں لکھوایا ہے؟“ وہ ہنستے ہوئے بامشکل بول پائی۔

”تمھارے نام سے جانا جاؤں گا اس سے بڑی کیا خوش قسمتی ہے؟“

زینیا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کیک اٹھا کر فرج میں رکھا۔ خاکی لفافہ سلیب پہ رکھا اور اب وہ فرج سے چکن نکال رہی تھی۔ پہلے تو وہ اسے ٹینڈے ہی کھلاتی لیکن اب لاٹ صاحب کی سالگرہ تھی تو تھوڑا پروٹوکول بنتا تھا۔ بیچارہ اتنی دور سے آیا تھا۔

”شکر ہے گھر میں گوشت موجود تھا ورنہ کس کمبخت نے اپنی سالگرہ پہ ٹینڈے کھانے تھے وہ بھی بچھڑی ہوئی بیوی کے ہاتھوں؟“

زینیا نے کچھ سخت سست کہنے کو لب وا کئے مگر اسی پل کھلے دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا۔ وہ کوئی عورت تھی، لاؤنج میں بیٹھے مہدی نے لیمپ جلا کر اسے پہلے ہی اپنی موجودگی دکھائی۔ وہ عورت اول تو حیران ہوئی پھر اوپن کچن کی طرف آئی۔ مشکوک نظروں سے زینیا کو دیکھا۔

”یہ کون ہے؟“ سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ زینیا نے ایک نظر اسے دیکھا پھر عورت کی طرف دیکھا۔

”میرے شوہر ہیں بتایا تھا ناں باہر ہوتے ہیں۔“ عورت کی بھنویں سکڑیں۔ ”کچھ دن رہیں گے پھر چلے جائیں گے۔“

عورت آگے کو ہوئی زینیا کے کان کے بلکل قریب۔

"اسکو اکیلے مت جانے دینا، آج کل زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اچھا آدمی ہے تو قابو کر کے رکھو۔" وہ کہہ زینیا سے رہی تھیں نگاہیں اس پہ جمی تھیں جو کشن پہ انگلیوں سے پیٹرن بنا رہا تھا۔ گردن جھکا رکھی تھی۔ معصوم آدمی۔

"یہ قابو میں ہیں فکر نہ کریں کہیں نہیں جاتے۔" وہ بے فکری سے مسکرا کر بولی۔ مہدی بھی مسکرایا شاید وہ سمجھ گیا تھا۔

"آپ کا کیسے آنا ہوا؟"

"لو یہ تو میں بھول گئی۔" انہوں نے نگاہیں مہدی سے ہٹا کر زینیا پہ مبذول کیں۔

"میں یہ کہنے آئی تھی کہ عاصم شوروم گیا تھا اور وہیں کرفیو کال آ گئی گھر نہیں آ سکا اپنی چچی کے گھر چلا گیا ہے اور اب میری بہو کے لئے یخنی بنانی تھی چکن ختم ہو گیا ہے۔ تمہارے پاس ذرا موجود ہے تو دے دو۔"

زینیا نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر مہدی کو جس کے کان چکن لفظ پہ کھڑے ہوئے تھے۔ اور پھر اس فریز ہوئے گوشت کو۔ اس نے لوگوں کی مدد، ہمدردی، سب سیکھ لی تھی لیکن۔۔

"میں انکے لئے فرائیڈ چکن بنانے لگی تھی۔" مہدی کمبیر کی فرمائش رد کرنا اسے نہیں آیا تھا۔

"میری بہو کی کچھ دن پہلے ہی ڈیلوری ہوئی ہے اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔۔"

مہدی اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ زینیا کے ہاتھ مضبوطی سے اس فریز ہوئے میٹ پیکٹ پہ جمے دیکھ اسکا دل کیا ہنس پڑے بے اختیار اس پہ پیار آیا۔ اسٹینڈ سے ایک پلیٹ اتار کر اس نے زینیا سے پیکٹ لیا اور پلیٹ میں رکھ کر خاتون کے حوالے کیا۔ جان چلی جائے باپ دادا کی سکھائی روایت نہ جائے۔

"انجوائے کریں، اور دادی بننے پہ مبارک۔" بنگالی میں کہا۔ عورت سر ہلاتے خوش خوش چلی گئی تو زینیا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"کیا ضرورت تھی حاتم تائی بننے کی؟"

"تم کیا بن رہی ہو؟ ہمارے یہاں کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے بھول گئی ہو؟" وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا آگے آیا اور تھیلے سے ٹینڈے نکالنے لگا۔ زینیا ہنوز خفا نظر آ رہی تھی۔

''میں فرائیڈ چکن بنا دیتی۔''

''میں ٹینڈے چکن سمجھ کر کھالوں گا۔۔۔''وہ محبت سے بولا۔

زینیا اب بد دلی سے سبزی کاٹنے لگی۔اسے سخت برا لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مہدی ٹینڈے کاٹ رہا تھا اور وہ ہنڈیا چڑھائے کھڑی تھی۔ وہ خفا خفا سی کچھ کہہ رہی تھی اور وہ بدلے میں کچھ مزید تپا دینے والا کہتا اپنی موت سے کھیل رہا تھا۔ باہر جنگ چھڑی تھی اور اسی جنگ کے درمیان محبت پر امن تھی۔

رات کے دو بجے کا وقت تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔لاؤنج کی بتیاں جل رہی تھیں۔ چھوٹی میز پہ کیک رکھا تھا۔زینیا اور مہدی گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ موم بتی کے شعلے ٹمٹمار ہے تھے۔

'' make a wish''وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ مہدی نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔زیر لب کچھ بڑبڑایا اور آنکھیں کھول دیں۔

''کیا مانگا؟''زینیا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''یہی کہ اگلی بار مجھے میری سالگرہ پہ ٹینڈے کھانے مت دینا۔''وہ مسکراتے ہوئے بات بدل گیا۔زینیا نے بھی زیادہ نہیں پوچھا۔اس نے کیک کاٹا، کچھ حصہ زینیا کو کھلایا پھر تھوڑا خود کھایا۔وہ دونوں اب پچھلی بات کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ غیر محسوس انداز میں وہ دونوں ایک خول میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔

''میں کھانا کھا کر ہوٹل کے لئے نکل جاؤں گا، تمھیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''میز سے کیک اور باقی کا سامان اٹھاتے ہوئے کہا۔زینیا جواباً چپ رہی۔ روکنا چاہتی تھی لیکن اب بنتا نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کچن کی چھوٹی سی میز پہ کھانا رکھ دیا تھا۔ مہدی برتن لگا رہا تھا اور زینیا فرج سے پانی نکال رہی تھی۔ یکدم وہ فلیٹ گھر بن گیا تھا۔ جہاں وہ ساری دنیا میں سکون ڈھونڈا کرتا تھا اس چھوٹی سی جگہ میں اسی وہی سکون بے تحاشا مل رہا تھا۔ وہ بڑے

بڑے سوئیٹس میں رہنے کا عادی تھا اور اب ایک کمرے کے فلیٹ میں بغیر اے سی کے بے حد خوش تھا۔ کیونکہ اسکا دل خوش تھا۔ وہ جو مکان کو گھر بنانے کے چکروں میں لگی تھی اسکے آتے ہی یہ کنکریٹ اور بجری کا ٹیلہ گھر بن گیا تھا۔

"کل اگر کہیں سے راستے کھل گئے تو میں چکن لے آؤں گی۔ مہمان کی فرمائش پوری کرنی چاہیے۔ یہ بھی تو روایت ہے۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ مہدی اب اسکے سامنے بیٹھ رہا تھا۔

"تم اگر شوہر کی فرمائش سمجھ کر پورا کرنے کا سوچتیں تو بندے کا دل خوش ہو جاتا۔ مہمان کو میں کئی حسیناؤں کا بن سکتا ہوں۔" اس نے پہلے زینیا کی پلیٹ میں سالن ڈالا پھر اپنی پلیٹ میں۔

"آپ سے ایک بات کہوں؟" مہدی نے اسکی پلیٹ میں روٹی رکھتے ہوئے اسے دیکھا ایسے جیسے اجازت دی ہو۔

"آپ دوسری شادی کر لیں۔"

"میں ایک وقت پہ دو دو بیویاں نہیں رکھنا چاہتا۔" اس نے زینیا کے گلاس میں پانی ڈالا اور اپنا کھانا شروع کیا۔ زیادہ رد عمل نہ دیا بیوی کو پڑنے والے دوروں سے وہ واقف تھا۔

"ایک وقت پہ دو بیویاں رکھنے کو کہہ کون رہا ہے؟ آپ نے ایک ہی بیوی رکھنی ہی وہی جو وہاں اسلام آباد میں آپ کے ساتھ ہو گی۔ آپ ایک اچھی زندگی گزاریں گے یقین کریں۔ میرے ساتھ رہ کر آپ کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔"

"اوہ اچھا؟" اسکے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔ "لیکن میں یہاں بغیر انٹرنیٹ کے، بغیر آسائشات کے تمہارے ساتھ ٹینڈے کھاتے ہوئے بھی خوش ہوں۔ اور مجھے لگتا ہے میں ساری زندگی رہ سکتا ہوں تم اپنی بات کرو۔ محبت کرتی ہو مجھ سے؟" وہ بڑی رغبت سے نوالے لے رہا تھا۔ نگاہیں زینیا پہ جمی تھیں۔

"محبت سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ اگر پریکٹیکل ہو کر سوچیں تو مجھے بتائیں ہم واپس جا کر کیسے رہیں گے؟ میں اس شہر میں ان لوگوں کا سامنا کیسے کروں گی جن کے سامنے مجھ پہ قاتلہ کا لیبل لگا ہے۔"

"شہر بدل دیں گے۔"

''میرا خاندان مجھے کبھی بھی آپ کے ساتھ سکون سے رہنے نہیں دے گا، وہ آپ کے پیچھے پڑے رہیں گے اور کسی نہ کسی طرح آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔''

''میری موت اگر تمھارے خاندان کے ہاتھوں لکھی ہے تو اس میں نہیں ٹال سکتا۔''

''میرے ساتھی کلاس فیلوز وہ سب آگے بڑھ چکے ہیں، میں پیچھے رہ گئی ہوں اگر وہ سب مجھے دوبارہ ملے تو میں انکو کیسے فیس کروں گی؟''

''تم دوبارہ سٹارٹ کرنا، ان ڈھائی سالوں کو اپنا گیپ ایئر سمجھو۔''

''آپکو میری بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی؟'' اب کے وہ ذرا بلند آواز میں بولی۔

''تمہاری بات دیکھی ہے؟ جسکا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ بیٹھے بیٹھے تمھیں فضول مشورے سوجھ رہے ہیں۔ لوگ، خاندان، معاشرہ سب نظر آ رہا ہے میں جو بھونک رہا ہوں وہ نہیں سنائی دے رہا؟'' اسکا لہجہ سخت تھا۔

''تم اپنی وجہ سے میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو بولو میں تمھیں دوبارہ اپنی شکل بھی نہیں دکھاؤں گا لیکن اگر تم نے دنیا کی وجہ سے مجھے چھوڑنا ہے تو بھول جاؤ کہ مہدی تمہاری کوئی بات مانتا بھی تھا۔'' اس نے دوٹوک بات کی تھی۔ زینیا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ٹینڈے اسے ویسے ہی نہیں پسند تھے اور اب سارا الزام مہدی پہ آنا تھا۔ وہ جتنا نرم سہی تھا تو شوہر اب ذرا سی ڈانٹ پہ وہ منہ پھلانے والی تھی۔

''میں یہاں سیٹلڈ ہوں۔'' بہت دیر بعد اس نے ایک اور عذر پیش کیا۔

''اوہ واقعی؟ یہ جو تمہارا کروڑوں روپے کا گھر ہے اور باہر تمہاری ایس یو وی کھڑی ہے ان دونوں کو اسلام آباد لے چلیں؟'' اس نے کھانا کھانا چھوڑ دیا اور اب برتن سمیٹنے لگا۔ وہ ٹینڈے کھا سکتا تھا لیکن اگر اسکی بیوی ٹینڈے جیسا منہ بنا کر بیٹھے گی تو معذرت۔

وہ اٹھ کر کمرے میں چلی آئی اور کمرے سے بالکنی۔ مہدی اسکے پیچھے نہیں گیا۔ وہ کچن میں آیا فرج سے دودھ نکالا اور چائے بنانے کے لئے ساس پین نکالا۔ وہ الگ طرح کی چائے پیتا تھا جس کے لئے پہلے پانی نہیں ابالتا تھا وہ دودھ میں چینی پتی ڈالنے کے بعد دو گھونٹ جتنا پانی ڈالتا اور اسے کئی منٹ ابالتا رہتا۔ اسکے بعد جو مائع تیار ہوتا تھا وہ چائے نہیں شاہکار ہوتا تھا۔

اوون میں بھٹے گرم کر کے انکے اوپر لیموں کا رس چھڑک کر، پندرہ بیس منٹ بعد وہ دو مگ، ایک پلیٹ ٹرے میں رکھے آتا دکھائی دیا۔ زینیا ٹانگیں سمیٹی ہوئے بیٹھی تھی۔ بالکنی سے باہر سڑک پہ پولیس نظر آرہی تھی۔ مہدی اندر کمرے تک گیا اور بالکنی کی بتیاں بجھا کر واپس آیا اب وہاں اندھیرا تھا۔ پولیس کی نگاہ اب اس طرف نہیں پڑنے والی تھی۔ اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ اب مکئی کے دانے پلیٹ میں چھیل رہا تھا۔ گاہے بگاہے زینیا کو بھی دیکھ لیتا۔

''آپ نے ایک ایسی قید دیکھی جس میں آپ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔'' وہ اسکے متحرک ہاتھوں پہ نگاہیں جمائے ہوئے بول رہی تھی۔

''میری قید برہنہ تھی۔ وہاں مجھے سب دیکھ سکتے تھے، میری قید بیچ چوراہا تھی جہاں ہر کوئی مجھ پہ انگلی اٹھا سکتا تھا۔ میری بات کر سکتا تھا اور میرے خلاف جا سکتا تھا کیونکہ میرے ساتھ ٹھہرنے والے لوگ گنے چنے تھے۔ مجھے موت سے خوف آرہا تھا زندگی دوہری اذیت تھی۔ میرے جسم پہ آج بھی ان الزامات کے نشان ہیں جو مجھ پہ لگے تھے۔ اور مجھے آج بھی اس شخص سے بے حد خوف آتا ہے جس نے یہ الزام لگائے تھے۔ میں اسکے سامنے جانے کے خیال سے ہی مرنے لگتی ہوں۔''

اسکے متحرک ہاتھ ٹھہر گئے اور وہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''قیس، مہدی، زینیا ایک تکون ہے اور آپ اس بات کو بھول نہیں سکتے جو بھی اس نے کیا ہے۔''

''میں تمہاری حفاظت کروں گا۔''

''لیکن میں آپ کی حفاظت کرنا چاہتی ہوں، اور مجھے لگتا ہے میں نہیں کر پاؤں گی۔'' وہ اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولی۔

''تمھیں اسکی ضرورت نہیں ہے یار۔''

''یہی بات میں کہوں تو؟'' وہ دو بدو بولی۔

''محبت میں جنس کی تفریق نہیں ہوتی آپ میرا اچھا سوچیں گے تو میں بھی آپ کا اچھا سوچنے پہ مجبور ہوں۔ اس پہ میرا اختیار نہیں ہے۔''

مہدی چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے ہنسا۔

''کیا جھک ماردی میں نے، اچھا خاصہ سیاح تھا مختلف ملک گھومتا تھا، زندگی اچھی کٹ رہی تھی اور پھر مجھے آپ ملیں سرکار۔ میری زندگی تین سو ساٹھ ڈگری پہ بدل کر رہ گئی۔ آپ ہنسیں تو دن بنے آپ کا چہرہ ٹینڈے جیسا ہو تو میری زندگی بدذائقہ۔'' مکئی کے دانوں سے بھری پلیٹ اسکی طرف بڑھائی تو اس نے چپ چاپ تھام لی۔ مگر کچھ کھایا نہیں۔

''ویٹ تم نے ابھی ابھی مجھ سے محبت کا اظہار کیا؟'' وہ یکدم کچھ یاد آنے پہ بولا۔

''کان بجنے لگے ہیں، سرکار۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''نہیں تم نے ابھی ابھی کہا کہ محبت میں جنس کی تفریق نہیں ہوتی۔''

''میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔''

''کم از کم تمہیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔''

''اور آپ کو اس وقت اپنے ہوٹل جانا چاہیے۔''

مہدی نے تاسف سے نفی میں گردن ہلائی۔

''بیویاں شوہروں سے کہتی ہیں سرتاج جلدی گھر آیئے گا اور ایک تم ہو۔''

''ان بیویوں کے شوہر آپ جیسے نہیں ہوتے۔''

''ہینڈسم؟''

''گھر داماد۔''

''یہ الزام ہے پھپھو کی بیٹی۔'' وہ برا منا گیا۔

''ماموں کے بیٹے اب جو ہے یہی ہے گزارہ کریں۔''

اس نے اپنی چائے کے آخری گھونٹ بھرے اور جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ زینیا نے اسے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا اور اسے اپنی چائے نہ جانے کیوں کڑوی لگی تھی۔ اس نے کہہ دیا اور یہ جانے کو تیار بھی ہو گیا؟

''میری یاد میں رات کو رونا مت او کے؟''

''میرے آنسو تو ابھی سے نہیں رک رہے۔'' اس نے چہرہ آگے کر کے دکھایا۔ مہدی مسکراتے ہوئے جھکا اور اسی طرح جھکے ہوئے اسکے ماتھے پہ لب رکھے، پھر اسکے بال بگاڑ کر سیدھا ہوا۔ زینیا کم سٹپٹاتے ہوئے پیچھے ہوئی۔ اسے یہ امید نہیں تھی۔

''میرے گھر میں رہیں گے تو مجھ سے دس فٹ کے فاصلے پہ رہنا ہو گا۔''

''لیکن میں تو اپنے گھر جا رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ زینیا کا دل زور سے دھڑکا وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے باہر دیکھنے لگی۔ مہدی نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اسی پل فائر کی آواز گلی میں گونجی وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت ہوئے۔ یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے۔ مہدی نے بالکنی سے جھانک کر دیکھا، دو افراد جن کے ہاتھوں میں جھنڈے تھے پولیس نے انکے سینے پہ گولیاں دے ماری تھیں اور باقی پانچ، چھ لوگ اب پولیس سے لڑ رہے تھے۔ زینیا سن رہ گئی۔ اسے حالات بس خراب لگے تھے، لیکن حالات بدترین تھے۔ وہ ان حالات میں اسے باہر بھیج رہی تھی؟

''میں جا کر دیکھ آتا ہوں کیا ہوا ہے۔'' وہ جانے کو مڑا جب زینیا نے اٹھ کر تیزی سے اسکا بازو تھاما۔ وہ خوف زدہ لگتی تھی۔ ڈھائی سال پہلے والا منظر آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔

''کچھ نہیں ہو گا میں دیکھ کر آتا ہوں، مجھے ویسے بھی نکلنا تو ہے۔'' اس نے بہلانا چاہا۔ زینیا نے اسکا بازو یونہی دبوچے رکھا اکتیس جنوری کی رات ایک بار پھر اسکے سامنے آ گئی تھی۔ کم از کم اس زندگی میں دوسری بار مہدی کمبیر کو نہیں کھو سکتی تھی۔ ہر گز نہیں۔

''محبت میں مبتلا انسان موجودہ دنیا سے قطع تعلق رہتا ہے،اسکی دنیا،وقت،مشاغل بدل کر ایک انسان کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔''

''میرے گھر میں رہنا ہے تو کچھ اصول ہیں جن پہ عمل کرنا ہو گا۔'' لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز زینیا کا لیپ ٹاپ سینے پہ رکھے وہ کوئی فلم دیکھ رہا تھا۔لیپ ٹاپ کے ساتھ ہی کیک کی پلیٹ رکھی تھی۔زینیا اسکے قریب آئی جھک کر اسکا لیپ ٹاپ اٹھایا پھر کیک کی پلیٹ۔

''اب بیٹھے بیٹھے کیوں دورہ پڑ گیا تمھیں؟''

''میرے گھر میں رہنے کے کچھ اصول ہیں۔''کیک اور لیپ ٹاپ میز پہ رکھتے ہوئے اس نے نوٹ پیڈ اور پین اسکے سینے پہ رکھا۔

''اگر آپ ان نکات پہ عمل نہیں کریں گے تو آپ کو یہاں سے جانا ہو گا۔''

مہدی کے لب اوہ کے انداز میں گول ہوئے۔اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔کاغذ پہ کئی نکات درج تھے۔

''**نمبر ایک:** آپ مجھ سے چھ فٹ کے فاصلے پہ رہیں گے۔

دو: میرے گھر میں کسی قسم کا پھیلاوا نہیں کریں گے، گیلا تولیہ، جوتے، کپڑے سب اپنی اپنی جگہ پہ رکھنا ہو گا۔

تین: آپ گھر کے کام کریں گے۔''

مہدی نے پورا کاغذ پڑھا اور پین اٹھا کر آخر میں کچھ لکھا۔نوٹ پیڈ زینیا کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے لیپ ٹاپ واپس مانگا زینیا نے ایک ہاتھ سے اسے لیپ ٹاپ دیا، دوسرے ہاتھ سے مہدی سے نوٹ پیڈ لیا۔مطلوبہ صفحہ کھولا اور اسے بے اختیار یہاں سے وہاں دیکھنا پڑا۔رخسار دہک اٹھے۔صفحے کے آخر میں چار الفاظ درج تھے۔

''آئی لو یو، سرکار۔''

''سارا دن جلتی کڑھتی رہتی ہو اب جاؤ دو گھنٹے بلش کرتی رہو۔کیا یاد کرو گی کیسے رومانٹک شوہر سے پالا پڑا ہے۔''

زینیا اسکے قریب سے اٹھ آئی۔یہ آدمی نہیں سدھر سکتا تھا۔یہ آدمی اسے چپ کروانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔بے شرم آدمی۔

وہ رات دیر سے سوئی تھی اور صبح میں اسکی آنکھ کچن سے آتی آوازوں کی وجہ سے کھلی۔ اب اسے پہلے جیسی بے خبر نیند نہیں آیا کرتی تھی۔ وہ بستر سے نکل باتھ روم گئی چہرے پہ پانی کے چھینٹے مار کر باہر کچن کی طرف آئی تو مہدی کو کیبنٹ کھنگالتے ہوئے دیکھا۔

''آپ کو کچھ چاہیے ؟'' اسکی آواز پہ وہ مڑا۔ چہرہ زرد پڑ رہا تھا آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ نقاہت زدہ لگتا تھا۔

''مجھے بخار ہے کوئی دوائی چاہیے تھی آئی ایم سوری تمھیں جگا دیا۔'' اسکا گلا بھی بیٹھا ہوا تھا۔ بارش میں بھیگنے سے وہ واقعی بیمار ہوا تھا۔ زینیا آگے آئی ہاتھ بڑھا کر اسکے ماتھے کو چھو کر دیکھا وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''آپ اندر چل کر لیٹ جائیں میں آپ کے لئے ناشتہ اور دوائی لاتی ہوں۔''

وہ بغیر بحث کئے اندر چلا گیا۔ سارا جسم ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ زینیا نے فریج سے بریڈ نکالی۔ ساتھ چائے بنانے کے لئے پانی رکھا۔ کیبنٹ سے دوائی نکال کر اس نے پانی کا گلاس بھر کر ٹرے میں رکھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو مہدی اوندھے منہ بیڈ پہ گرا ہوا تھا۔ زینیا نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ بے سدھ تھا۔ اسکے ہاتھ پیر پھولنے لگا گئے۔ وہ تو ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں جا سکتی تھی۔

''مہدی، اٹھیں۔ دوا کھا لیں۔'' وہ اسکے گال تھپتھپانے لگی۔

''پلیز اٹھ جائیں آپ کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔'' اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ اس نے تکیے اسکی پشت پہ رکھے اور اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ کچھ ہمت مہدی نے بھی دکھائی کہ وہ اسے دوا کھلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ اب اسے دوائی کھلا رہی تھی ساتھ آنکھیں بھر رہی تھیں۔ اسے وہ وقت یاد آیا جب اسکے بازو کے زخم بری طرح خراب ہوئے تھے اور قریب کوئی نہیں تھا۔ ان دنوں وہ نیا کو بھی جھٹک دیا کرتی تھی۔

اسے دوا کھلانے کے بعد وہ کافی دیر تک اسکے سرہانے بیٹھی اسکے سر پہ ٹھنڈی پٹیاں رکھتی رہی۔ اسکا بخار کچھ کچھ کم ہو گیا تھا لیکن مکمل ختم نہیں ہوا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہونے تک اسکی طبیعت میں کافی سدھار آ گیا تھا۔ مگر نقاہت بڑھ گئی تھی۔ بیڈ

کی پشت سے ٹیک لگائے اب وہ ادھ کھلی آنکھوں سے زینیا کو کمرہ سمیٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جسم میں بے تحاشا درد تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔

"میں نے تمھیں پریشان کر دیا ناں؟" اسکی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ زینیا نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ اسے دیکھنے سے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"نہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے میں خوشی سے ناچ رہی تھی، بس آپ اٹھے ہیں تو بریک لیا ہے۔"

وہ دھیرے سے ہنسا۔ زینیا نے رخ موڑا۔ جان بوجھ کے ہنس کر دکھا رہا ہے تاکہ پیارا لگے ہنہہ۔

"بریک ختم ہو گیا ہے تو دوبارہ شروع ہو جاؤ مجھ سے کیسا پردہ؟"

"جب آپ کو پتہ تھا بارش میں نکل کر آپ کی یہ حالت ہو جائے گی تو کس نے کہا تھا پھنے خان بننے کو؟"

"تمھارے لئے اپنی طبیعت تو خراب کروا ہی سکتا ہوں۔ اچھا ادھر آ کر بیٹھو میرا سر ہی دبا دو۔" اس نے اپنے قریب زینیا کے لئے جگہ بنائی۔

"کیا کہا؟ گلہ دباؤں؟" اس نے پلٹ کر مہدی کو دیکھتے معصومیت سے پوچھا وہ دوبارہ ہنس پڑا۔ ڈھائی سال بعد اسے دیکھ کر وہ اتنے دل سے ہنس رہا تھا۔ اسے قریب دیکھ کر زندگی سے ہر شکوہ دور ہو رہا تھا۔ زینیا الماری کے پٹ بند کرتی اس تک آئی۔ مہدی ٹیک چھوڑ کر نیم دراز ہوا۔ اب وہ اسکے قریب بیٹھی اسکا سر دبا رہی تھی۔ دوسرا ہاتھ گود میں دھرا تھا۔ چند پل وہ خاموش رہا۔

"تمھارے ہاتھوں میں جادو ہے۔" اسے آرام آنے لگا تو بہت سکون سے بولا۔

"مجھے بھی ایسا لگتا ہے پھر گلا دبانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

مہدی نے اسکا گود میں دھرا ہاتھ اپنے سینے پہ رکھا۔ اور آنکھیں موند لیں۔

"کیوں ہر وقت مرچیں چبا کر رکھتی ہو۔ کبھی تو کوئی ایسی بات کرو جسے سن کر میرا موڈ اچھا ہو جائے۔"

"اور ایسا کس صورت ہو گا؟" وہ اسکی کنپٹی پہ انگلیوں کا زور دیتے ہوئے پوچھنے لگی۔ وہ ہلکا سا کراہا۔

''جب تم مجھے وہ تین میجیکل الفاظ بولو گی۔''

''سو جائیں چپ چاپ۔'' وہ اٹھنے لگی جب مہدی نے گرفت میں لئے ہوئے ہاتھ کو انگلیوں کے درمیان پھنسایا۔ ایسے کہ وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں سو جاؤں تو چلی جانا۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولا۔ پھر اسکا ہاتھ اپنی آنکھوں پہ رکھے آنکھیں موند لیں۔ زینیا گہری سانس لیتے ہوئے اسکے پاس بیٹھی رہی۔

یہ قیس کمبیر نہیں تھا جسے وہ دھتکار دیتی، جس کے سامنے سخت اور بے تاثر رہ لیتی۔ یہ آدمی اسکا شوہر تھا ان دونوں کے درمیان ایک تعلق تھا جس میں دوری، جھگڑا، بے رخی وقتی تھی۔ نکاح نے دل کو جس طرح جوڑا تھا وہ دونوں چاہ کر بھی اس گرفت سے آزاد نہیں ہو سکے۔ اس سے دور ہونے پہ بھی وہ اسکے قریب آگئی تھی کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کا لازمی جز تھے۔ کچھ دیر بعد وہ سو گیا تو زینیا نے لیمپ بجھا دیا۔ اسکے قریب بیٹھے ہوئے وہ کئی لمحے اسے تکتی رہی۔ محبت سے، سادگی سے۔ ستائش اور فخر سے، پھر بہت دھیرے سے بس اتنا کہا۔

''you're my green ''

''محبت میں انسان خوف زدہ بھی رہتا ہے، اور آزاد بھی، وقت تیز بھی ہوتا ہے اور سست بھی، محبت میں انسان بس ایک چیز برداشت نہیں کر سکتا۔ محبوب پہ آنے والی تکلیف۔''

اسے دو دن تک بخار رہا اور ان دو دن میں شہر کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ پولیس کی جارحیت اور ظلم اتنا بڑھ چکا تھا کہ کسی بھی انسان کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے پہ بری طرح مارا پیٹا جاتا۔ کئی طلباء جان کی بازی ہار گئے تھے۔ کیبل کٹ گئی تھی اور انٹرنیٹ مکمل طور پہ بند۔ ڈھاکہ بلیک آؤٹ کا شکار تھا۔ ایسے جیسے وہاں لوگ نہ رہتے ہوں۔ خوف کا سایہ ہمہ وقت طاری رہتا۔ حکومت اپنے ہی لوگوں کو دنیا کی نظر سے غائب کیئے ہوئے تھی۔

وہ رات دیر تک جاگتی رہی تھی۔ بخار کے بعد اسکے شوہر نامدار کو اپنے تین دن پرانے کپڑے بہت برے لگنے لگے تھے اور کرفیو تیس منٹ کے لئے ہٹا دیا گیا تاکہ لوگ گھروں کے لئے کھانا اور سبزی لے آئیں۔ ہوٹل کا راستہ دو گھنٹے کا تھا وہ جانا چاہتا تھا

لیکن اسے اس حالت میں زینیا نے جانے نہیں دیا وہ دونوں قریبی مال سے جلدی میں کچھ کپڑے خرید لائے تھے واپسی تک ایک بار پھر انتشار پھیل گیا۔انکے سامنے ہی پولیس نے آنسو گیس پھینکنی شروع کر دی اور کئی جگہوں پہ لاٹھی چارج تھا۔واپسی تک حالات حد سے زیادہ خراب ہو گئے تھے عوام اور پولیس کے درمیان جھڑپ چھڑ گئی۔رات دیر تک وہ تشویش زدہ بالکنی کے چکر کاٹتی رہی۔اسے کسی طور سکون نہیں آرہا تھا نہ جانے نیما کہاں اور کیسی ہو گی؟

رات میں بیڈ پہ سوئے مہدی کمبیر کی آواز کسی کے رونے پہ کھلی تھی۔ہلکی ہلکی بات کرنے کی آواز اب بھی اسکے کانوں میں پڑ رہی تھی۔وہ بیڈ پہ بیٹھا اس آواز کو سنے گیا۔

''میں نے تمھیں کہا تھا دور رہو مجھ سے۔''وہ فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔سگنل تھوڑی دیر کے لئے بحال ہوئے تھے۔

''میں نے بھی تم سے کہا تھا تم بھول گئیں کیا؟''دوسری طرف قیس کمبیر بے حد سکون سے بولا۔

''میں جانتا ہوں آج کل کون تمھارے شہر آیا ہوا ہے۔اسکے ساتھ تو یقیناً بہت خوش ہو گی تم؟''

''تم نے مجھے اس لئے فون کیا ہے تاکہ تم مجھے دھمکا سکو؟''

''نہیں میں نے صرف اسلئے فون کیا ہے تاکہ میں تمھیں بتاؤں کہ میں دھمکاتا نہیں ہوں وقت آنے دو بیوہ کرنے میں وقت نہیں لگاؤں گا،پہلے بھی کیا تھا اور تمھیں موو آن کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔''اسے لگا اسکی ہڈیوں میں خون جم گیا ہو جیسے۔اس نے بے اختیار پلٹ کر کمرے کی طرف دیکھا۔جہاں وہ اب بھی بیمار تھا۔لاؤنج سے اٹھ کر وہ بار بار اسے چیک کرنے کمرے میں آتی رہتی تھی۔

''تم سے ہمدردی ہو رہی ہے یار کتنے سال ہو گئے اور تم اب بھی نہیں سمجھ سکیں کہ تم سے دستبرداری اس زندگی میں نہیں دوں گا۔تم میری ریڈ لائن ہو کوئی اسے پار کرے گا تو صحیح غلط کی تفریق بھول جاؤں گا میں۔خود کو اور مجھے مشکل میں ڈالنا بند کرو۔ورنہ انجام تم جانتی ہو۔''اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔زینیا کئی ثانیے فون کو تکتی رہی۔مہدی کی طبیعت خرابی،برے حالات اور اوپر سے یہ فون کال اور پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔دو منٹ کے اندر سارا اسکون غارت ہو گیا تھا۔وہ جسے لگا تھا سب درست ہو گیا یکلخت سب بگڑتا دکھائی دیا۔

''کیا ہوا ہے تم ٹھیک ہو؟'' بالکنی کے دہانے پہ کھڑا وہ آنکھیں چھوٹی کیئے پوچھ رہا تھا۔ماتھے پہ فکر مندی کا جال تھا۔کچی نیند کا تاثر اب بھی برقرار تھا۔

''میں نے کہا تھا۔۔میں نے کہا تھا کچھ ٹھیک نہیں ہو گا کچھ نہیں ہو گا۔آپ کو لگتا ہے فیری ٹیل ہے سب صحیح ہو جائے گا آپ کبھی میری کوئی بات نہیں مانتے۔آپ نے کبھی مجھے سیریئس نہیں لیا۔''

''ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ گی؟'' وہ ہنوز نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسکے سامنے سے گزر کر تیزی سے کمرے میں آئی۔

''یہ کرفیو جیسے ہی ختم ہو گا آپ یہاں سے جائیں گے اور سیدھا پاکستان جائیں گے۔اور اب اگر آپ نے مجھ سے ساتھ رہنے کی بات کی تو میں بھول جاؤں گی ہمارے درمیان کوئی تعلق کبھی رہا ہے۔'' اس پہ ہذیانی کیفیت طاری تھی۔وہ جانتی تھی ٹراما کیا ہے اور مہدی ایک بار پھر اسی سے گزرے یہ اسے قبول نہیں تھا۔وہ خود اس سے گزرے یہ بھی نا قابل قبول۔

مہدی نے تاسف سے اسے میز پہ رکھی دوائیاں ٹٹولتے ہوئے دیکھا۔وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔اگر اسے لگتا تھا قیس اس پہ اثر کھو چکا ہے تو وہ غلط تھی وہ آج بھی ہانٹ کر رہا تھا۔وہ کرتا رہتا ہمیشہ۔

''ادھر دیکھو مجھے دیکھو اور بتاؤ کیا ہوا ہے کس کی کال تھی؟''

''میں جو کہتی ہوں صحیح کہتی ہوں وہ کبھی بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا وہ چھوڑ ہی نہیں سکتا آپ۔۔۔'' مہدی نے اسکا بازو پکڑ کر اسے جھٹکے سے اپنے سامنے سیدھا کھڑا کیا۔اسکے چہرے پہ باقاعدہ سفیدی چھائی ہوئی تھی۔یعنی زینیا حاکم ڈھائی سال پہلے آنے والے یکم جنوری سے موو آن کر ہی نہیں سکی تھی؟

''میرا ہاتھ چھوڑیں آپ کو میری بات۔۔'' الفاظ ٹوٹ گئے، مہدی نے اسے بازو سے کھینچ کر اپنی طرف کیا اور اسے سینے سے لگاتے ہوئے بازوؤں کا حصار تنگ کیا۔ایسے جیسے ہر مصیبت کے سامنے ڈھال بن گیا ہو، جیسے کوئی حفاظتی دیوار ہو۔وہ اسے دھکا دے رہی تھی خود سے دور ہٹا رہی تھی مگر وہ گرفت مضبوط کیئے ہوئے کھڑا رہا۔اسکی گرفت ٹوٹتی تو زینیا حاکم ٹوٹ جاتی اسے یقین تھا۔اس لئے اسے بازوؤں میں بھینچے وہ اپنی موجودگی اور تحفظ محسوس کروا رہا تھا۔

''تمھیں میرے لئے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ایک ہی خاندان ہیں، جتنا سیاہ وہ ہے اتنا میں۔ تم میرے لئے ڈرنا چھوڑ دو۔'' وہ ہولے ہولے اسکا سر تھپک رہا تھا۔ گرفت ہنوز مضبوط تھی۔ چند لمحوں کی مزاحمت کے بعد اس نے تھک کر دونوں بازو اسکے گرد حمائل کر دیے۔ وہ تھک کر پر سکون ہونے لگی۔ یہ لمس ایک عرصہ پہلے سے غائب تھا یہ اب میسر تھا اور اسکی طلب بہت پرانی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی ذات کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جوڑنا چاہتے تھے اور یہ کوشش ہر دفع پہلی دفع سے زیادہ مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ اسے سینے سے لگائے کھڑے مہدی نے جس سے محبت کی تھی وہ اب ویسی نہیں رہی تھی لیکن ایک بار پھر وہ اسے قبول کر چکا تھا۔

''ڈر پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ تو محبت آزاد کر دیتی ہے۔ دکھایا جاتا ہے محبت سیدھا راستہ ہے در حقیقت محبت کے راستے سے ٹیڑھا کچھ نہیں۔''

وہ بیڈ پہ کہنی کے بل نیم دراز اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سوجی ہوئی آنکھیں، سرخ ناک، اور رخساروں پہ مٹے مٹے آنسوؤں کے نشانات۔ اسکی گردن میں پڑا ہنس کا لاکٹ اب ایک طرف ہو گیا تھا۔ مہدی نے اس لاکٹ کو درست کیا۔ اور اگلے کئی لمحے وہ بس اسے دیکھتا ہی رہا۔ وہ کل رات روتی رہی تھی، تکیے کی جگہ اسکا بازو بھیگتا رہا تھا اور اب وہی بازو سن ہو گیا تھا۔ اپنا بازو اسی طرح اسکے سر کے نیچے دیئے وہ دوبارہ چت لیٹ گیا۔ اسے قیس سے اس بارے میں بات کرنی تھی لیکن فون پہ نہیں۔ وہ اسے روبرو کھڑے ہو کر بتائے گا کہ اسکی بیوی کو دھمکانا کس قدر غلط ہے۔ تھوڑی دیر بعد زینیا کی آنکھ کھلی تو مہدی جاگ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی۔ مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا جو اب اپنا بازو سیدھا کر رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اپنے حواس بحال کرتی رہی۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں سیدھا کیا۔ آنکھوں میں ہنوز نیند کا خمار تھا۔

''میں پتہ نہیں کیسے سوتی رہ گئی۔ آپ نے ناشتہ کر لیا ہے۔ بخار اب کیسا ہے؟'' بالوں کو کیچر میں باندھتے ہوئے پوچھا۔

''بیگم گھر میں کھانے کو صرف میرا دماغ ہے جس پہ سارے جملہ حقوق تمھارے ہیں، پینے کو خون جسے تم نے ویسے ہی آدھا کر دیا ہے۔ میرے لئے بچا ہی کیا ہے؟'' وہ اسکے بالوں سے کیچر نکالتے اپنے الفاظ میں گھر کے راشن کی حالت بتا رہا تھا۔ ''اور میرا بخار ختم ہو چکا ہے۔''

صبح صبح خالی معدے کے ساتھ وہ اس سے لڑائی نہیں مول سکتی تھی سو چپ چاپ اٹھ کر واش روم چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ نہا کر باہر آئی تو مہدی باہر سے اندر آرہا تھا۔ سفید رنگ کے چکن کاری سوٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہنے وہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ چوکھٹ پہ کھڑے مہدی کو دیکھا تو مسکرائی۔ تازہ، دلکش مسکراہٹ۔

''اچھے لگ رہے ہیں۔''

''فلرٹ کر رہی ہو میرے ساتھ؟''

''کیوں، نہیں کر سکتی کیا؟''

''تم ہی تو کر سکتی ہو میں شروع کروں گا تو پھر بلش کرنے لگو گی۔'' اسکے اتنے عام سے جملے پہ بھی وہ اسے دیکھنا چھوڑ شیشے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ مہدی بھرپور مسکرایا۔

''ویسے کیا لگتا ہے؟'' وہ قدم قدم چلتا ہوا آیا اور اسکے عقب میں آکر رکا۔

شیشے میں اب ان دونوں کا عکس ابھر رہا تھا۔ مکمل عکس۔

''کس بارے میں؟''

''اپنے بارے میں۔'' وہ اسکے ہاتھوں سے برش لیتے ہوئے بولا۔

''میرے بارے میں کیا؟''

''بغیر کسی ٹر گر وارننگ کے اتنی خوبصورت لگو گی تو میرے دل کا کیا ہو گا؟'' وہ مسکراہٹ دبائے جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہا تھا۔ زینیا نے مڑ کر اسکے ہاتھ سے برش لیا۔ اور دوبارہ آئینے میں دیکھنے لگی۔

''آپ پبلک اسپیکر ہیں باتیں بنانے کے علاوہ آتا کیا ہے آپ کو؟''

''تمھیں لگتا ہے میں پبلک اسپیکر ہوں اس لئے تمہاری تعریف کرتا ہوں تو تم غلط ہو۔'' وہ دراز سے ڈرائیر نکالتے ہوئے بولا۔

''میں شاعر ہوتا تو تمھارے لئے دیوان لکھتا۔''

زینیا مڑی، محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ادیب ہوتے تو؟''

''میری ساری کتابیں تمھارے نام ہوتیں۔''

''سائنس دان ہوتے تو؟''

''میری ہر ایجاد تمھارے نام۔''

''وکیل ہوتے تو؟''

''تمھیں دیکھ کر دلیلیں بھول جاتا۔''

''جج ہوتے تو؟''

''سارے فیصلے تمھارے حق میں کرتا۔''

''ڈاکٹر ہوتے تو؟''

''تمہیں دیکھ کر شفایاب ہوتا۔''

''فوجی ہوتے تو؟''

''جنگ جیت کر مال غنیمت تمھیں سمجھتا۔''

زینیا ہنس پڑی۔اور پھر ہنستی چلی گئی۔مہدی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔کل رات والی ساری کلفت بہہ گئی تھی۔وہ اسے دیکھ کر ہر بری یاد پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

''خوابوں کی دنیا سے نکل آئیں اور اس وقت کچن میں چل کر میرے ساتھ ناشتہ بنوائیں۔''

''ویسے میں انتظام کر آیا ہوں۔''اس نے سوئچ بورڈ میں ڈرائیر کا پلگ لگایا تو زینیا خود اسکے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

''ساتھ والی لویزہ سے چکن لے کر آیا ہوں۔ وہ آئی تھی ناں اس دن کافی لینے حساب برابر۔ بریرہ خالہ سے دودھ کے پیکٹ لایا ہوں اور۔۔۔''

''آپ لویزہ کے گھر کیوں گئے؟''اسکی سوئی ایک جگہ آکر اٹکی۔''پتہ نہیں ہے وہ اکیلی رہتی ہے۔''

مہدی اسکے بال ہاتھوں سے ٹھیک کرتے انہیں خشک کرتا مصروف سے انداز میں بولا۔

''وہ بھی تو آئی تھی ہم سے کتنی چیزیں لے کر گئی۔ کرفیو میں باہر تو جا نہیں سکتے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا ناں۔اور وہ بہت اچھی تھی اس نے مجھے کافی بھی آفر کی گھر بلایا لیکن میں جلدی آگیا۔''وہ نہیں جانتا تھا انجانے میں اپنے پیر پہ کس طرح کلہاڑی اس نے خود دے ماری تھی۔اسکے گھنے بالوں کو خشک کرتے وہ یہ بھول گیا تھا بہت جلد اسکا اپنا خون خشک ہونے والا تھا۔

مہدی نے ناشتہ بنایا، زینیا نے برتن دھو کر سیٹ کئے۔ پھر دونوں نے مل کر گھر صاف کیا اور ساتھ کھانا بنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میز پہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔وہ فرائیڈ چکن کو دیکھتے ہی خوش ہوا۔ مگر زینیا حاکم نے اسکی ساری خوشی پہ پانی پھیر دیا۔

''آپ یہ نہیں کھائیں گے۔''اس نے فرائیڈ چکن اپنی طرف کی۔

''یہ لیں مزے سے کھائیں۔''ٹینڈے کی سبزی اسکی طرف بڑھائی۔ مہدی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔اور پل میں سارا ماجرہ سمجھ گیا۔

''میں تمہارا مجازی خدا ہوں، ایک ذرا سی جیلسی کے چکر میں مجھے یہ کھلاؤ گی؟''

زینیا نے کندھے اچکائے اور بڑے مزے سے اپنا کھانا شروع کیا۔

''اب آپ اس طرح دوسری عورتوں سے کافی کی دعوتیں سن کر آئیں گے تو مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔''

''اب کوئی اور مجھ سے فلرٹ کرے یہ بھی میرا قصور ہے؟''

''میرے ساتھ نکلتے تو یہ نہ ہوتا اب بھگتیں۔''اس نے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔''اور ویسے بھی آپ ہی نے کہا تھا آپ ساری زندگی میرے ساتھ ٹینڈے کھا سکتے ہیں۔''

آج پہلی بار مہدی کمبیر کو اندازہ ہوا کہ آدمی شوہر ہو تو محبت میں بڑے بڑے وعدے نہیں کرنے چاہیے۔ورنہ بھگتنے پڑ جاتے ہیں۔

''صرف ایک شخص کا ساتھ ساری کائنات کے زاویے کیسے بدل سکتا ہے؟ محبت کو ایسے کمالات اگر حاصل تھے تو یہ واقعی کمال ہی تھا۔''

چائے کے خالی مگ ایک طرف رکھے تھے۔ان دونوں کا پورا دھیان گیم پہ تھا۔صبح سے لڈو کھیل کھیل کر وہ دونوں تھک گئے تھے۔سو اب اصول بدل کر کھیل شروع کیا گیا۔جس کی گوٹی مری اسے اسکے ہاتھ پہ تھپڑ پڑے گا۔اور اس وقت جس کی گوٹھی مری تھی وہ زینیا حاکم صاحبہ تھیں۔

''بیوی کو مارنے والے جہنمی ہوتے ہیں۔''اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسکے آگے تو کر دیئے ساتھ جتایا بھی۔اسکے مضبوط ہاتھ دیکھ کر ہی خون خشک ہو رہا تھا۔

''اس وقت تم بیوی نہیں میری حریف ہو۔''

''مطلب کے وقت بیوی کو اسکے درجے سے ہٹانے والے جہنم کی تہہ میں جاتے ہیں۔''

''ایسا کوئی حکم شوہروں کے لئے کیوں نہیں؟ تھپڑ مار مار کر میرے ہاتھوں کی نسیں سجھا دیں تم نے۔''اس نے اپنے ہاتھ آگے کیے۔

''مرد مضبوط ہوتا ہے۔''اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کئے۔

''عورت کو بھی ہونا چاہیے۔زمانہ بدل رہا ہے،اب ہاتھ ادھر لاؤ۔''اس نے کھینچ کر اسکے جڑے ہوئے ہاتھ سامنے کئے۔زینیا نے آنکھیں بند کر لیں۔

''ایسے ماروں گا کہ تم یاد رکھو گی۔خیال رکھنا ہاتھ کی ہڈی نہ چیخ جائے۔''وہ اسکی بند آنکھوں کو دیکھ اسے تنگ کرنے لگا۔

"تیار ہو؟ مار دوں؟" زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ مہدی کا دل کیا وہ قہقہے مار کر ہنسے۔ چند لمحے زینیا کو محظوظ نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اس کے دونوں ہاتھ اوپر کئے۔ پھر بے حد نرمی اور عقیدت سے انہیں باری باری لبوں سے لگایا۔ زینیا نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"میں تمھیں بتانا بھول گیا تھا اگر کبھی حریف بن کر تمھیں نقصان پہنچانا پڑا تو میں امن کا اعلان کر دوں گا۔"

زینیا اسے دیکھتی رہی۔ سبز آنکھیں، سنہری آنکھوں سے ملیں۔ وقت نے گہری سانس لی، زمانے کی ساعتوں پہ پڑی کثافت دھل گئی۔ زندگی پر سکون سانس خارج کرتے ایک طرف کھڑی انہیں دیکھے گئی۔

" you're my green اسکا مطلب کیا ہے؟" اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے بڑی رازداری سے پوچھا۔ زینیا کی آنکھیں باقاعدہ پھیلیں تھیں۔ اس نے خفگی سے اپنے دونوں ہاتھ کھینچ کر اسکے ہاتھوں سے نکالے۔

"آپ جاگ رہے تھے؟"

"میں نے تین میجیکل الفاظ سننے کی فرمائش کی تھی اور میری تابعدار بیوی نے میری فرمائش پوری کرنی ہی تھی، اسی لئے جاگ رہا تھا۔"

زینیا نے ہاتھ مار کر سارا کھیل خراب کیا۔

"فضول گیم ہے میں نہیں کھیل رہی۔" خفت چھپانے کو وہ اٹھ کر بالکنی میں آگئی۔ مہدی پلنگ تک آیا، ایک تکیہ اٹھایا اور بالکنی کر فرش پہ رکھ کر لیٹ گیا۔ زینیا ریلنگ پہ ہاتھ جمائے نیچے جھانکتی رہی۔

"آؤ ساتھ میں ستارے دیکھیں۔"

"یہ کوئی کام ہے کرنے والا؟"

"ویسے ہی میرے ساتھ ایک اور فضول حرکت۔"

وہ گردن پھیر کر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اسکے قریب اسکی مخالف سمت میں لیٹ گئی۔یوں کہ دونوں کے سر جڑے ہوئے تھے اور ٹانگیں مخالف سمت میں۔بہت دیر تک دونوں خاموشی سے آسمان کو دیکھتے رہے۔ستارے، چاند معمول سے زیادہ روشن لگے۔پھر زینیا نے چہرہ اسکی طرف پھیرا۔ایسے کہ وہ اسکا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔

"اس قید میں آپ کو سب سے زیادہ کس کی یاد آتی تھی؟"

مہدی اسکی آواز اپنے کانوں کے بے حد قریب سن سکتا تھا۔اس نے آسمان کو تکتے گہری سانس لی۔اور ہلکی آواز میں بولا۔

"مجھے میری ماں یاد آتی تھیں۔سب سے زیادہ بہت بہت یاد آتی تھیں۔اور اپنی بیوی یاد آتی تھی۔"

"اور ابا؟"

وہ اگلے کئی لمحے خاموش رہا اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔

"ابا سے کبھی اٹیچمنٹ رہی ہی نہیں۔میرہ اور ابا ایک جیسے تھے۔مصلحت پسند۔میں اپنی ماں پہ گیا تھا آر یا پار کے فیصلے کرنے والا۔میں آج بھی اپنی ماں کو بہت مس کرتا ہوں۔"زینیا کو لگا اسکی آواز گیلی ہوئی تھی۔

"مجھے لگتا تھا میں کبھی اس قید سے نکل نہیں سکوں گا بہت ڈر لگتا تھا وہاں۔گلٹ بھی ہوتا تھا کہ میں تمھیں پروٹیکٹ نہیں کر سکا۔خود کو دیکھ کر گھن آتی تھی۔میں ایک مرد ہو کر تمھیں، اپنی عورت کو پروٹیکٹ نہیں کر سکا۔"اسکے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا۔زینیا اسکا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔

"اس روز میں نے جو بھی کیا۔۔۔"

"جو بھی سے مراد ٹینڈوں پہ لڑائی؟"زینیا کے کہنے پہ وہ ہنس پڑا۔پھر چہرہ اسکی طرف موڑا۔اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔دونوں زیر لب مسکرا رہے تھے۔

"وہ ڈھائی سال کا غصہ اور فرسٹریشن تھی۔میں ٹرگر ہوا تھا۔اس لئے میں نے ایسا ردعمل دیا۔"اس نے دو انگلیوں کے درمیان ایک بار پھر اسکی گردن میں جھولتے نیکلیس کو چھوا۔

''تمھیں یہ کہاں سے ملا تھا؟''

''جو افسر آپ کے کیس کی تفشیش کر رہا تھا اس نے دیا۔ اسے آپ کے کمرے سے ملا تھا۔''

''تمھیں پتہ تھا یہ میں نے لیا ہو گا؟''

''یقین تھا۔''

''تم جانتی ہو میں نے تمھیں ہمنگ برڈ کا لاکٹ کیوں دیا تھا؟'' وہ ہنوز اس لاکٹ کو انگلیوں سے چھو رہا تھا کبھی تو زینیا نے اسے چھوا ہو گا۔ کبھی تو وہ اس لاکٹ کو دیکھ کر اسے یاد کرتی رہی ہو گی۔

''جب دیا تھا تب نہیں جانتی تھی اب جانتی ہوں۔ ہمنگ برڈ کا مطلب تھا ''**اچھا بخت**'' کیونکہ اس وقت میں سی ایس ایس کی تیاری کر رہی تھی اس لئے آپ نے مجھے وہ دیا۔'' مہدی مسکرایا تھا۔

''ہنس ایک وفادار پرندہ ہے جو کہ اپنے ساتھی کے ساتھ ہر حد تک وفادار رہتا ہے یہاں تک کہ جب اسکا پارٹنر مر جائے تو وہ دوبارہ کسی کے ساتھ تعلق نہیں بناتا۔''

''ہنس reserved رہتا ہے۔'' مہدی نے اضافہ کیا۔

''ہنس سچی محبت کرتا ہے۔'' زینیا نے تبصرہ کیا۔

''اب تم بتاؤ اس رات جو تم نے کہا اسکا مطلب کیا ہے؟'' لاکٹ دو انگلیوں کے درمیان رکھے وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کمرے سے آتی ہلکی روشنی ان دونوں پہ پڑ رہی تھی۔

''میں کیوں بتاؤں؟ میں نے مطلب ڈھونڈا تھا آپ بھی ڈھونڈیں۔''

''نہ کرو یار، انٹرنیٹ چل نہیں رہا اور جب تک چلے گا نہیں مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔ بتادو ناں۔'' وہ بدمزہ ہوا۔

''میں نہیں بتا رہی۔'' اس نے صاف انکار کیا۔ مہدی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔

''اچھا میرے پاس تمھارے لئے کچھ ہے۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

''یہیں رہنا میں لے کر آتا ہوں۔'' وہ اندر کی طرف گیا اور جب واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں کچھ تھا۔ واپس اپنی جگہ پہ لیٹتے ہوئے اس نے زینیا کی کلائی اپنے ہاتھ میں لی۔ اور ایک چین نما بریسلیٹ اسکی کلائی کا حصہ بنایا۔ اسکا ہُک لگا کر اس نے کلائی دونوں کے درمیان کی، جس کے درمیان میں گول دائرے میں ''**شاہین**'' بنا تھا۔ ننھا سا نازک سا بریسلیٹ ان داغوں کو چھپانے میں ناکام تھا جو کلائی کے کاٹے جانے کے تھے۔ وہ سوال نہیں کر سکا اور فلحال وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

''اس کا مطلب کیا ہے؟'' وہ اپنی کلائی میں موجود اس نفیس بریسلیٹ کو نگاہوں کے آگے کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''گوگل کر لو۔'' وہ بھی اسی کے سابقہ انداز میں بولا تو زینیا مسکرائی۔ اسے پتہ تھا وہ نہیں بتائے گا۔

''تم نے اتنے سال مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' اسکی کلائی پہ نظریں جمائے، اس نے ہلکی آواز میں پوچھا۔ باہر اب ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ قطرے گرل سے لگتے خاموشی میں آواز پیدا کر رہے تھے۔

''میں آپ کو وقت دے رہی تھی۔ مجھے لگا چیزیں آپ کے لئے مشکل ہوں گی۔ اور سچ کہوں تو سب آکورڈ تھا۔ مجھے اپنی واپسی مشکل لگتی تھی۔ لیکن میں بہت غلط تھی آئی ایم سوری۔''

مہدی اپنی طرف سے اٹھ کر اسکے پہلو میں آکر لیٹا۔ اسکا سر تکیے سے ہٹا کر اپنے بازو پہ رکھا۔ اب ٹھیک ہے، اب سکون تھا۔ یہ جگہ پرفیکٹ تھی۔

''اب تو کچھ آکورڈ نہیں ہے ناں؟ یا تمھیں اب بھی وقت چاہیے۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' وہ نگاہیں اٹھائے سوال کر گئی۔

''مجھے تو لگتا ہے میں تمہاری عادتیں بگاڑ چکا ہوں اور اب تم سب چھوڑ سکتی ہو، مجھے نہیں۔''

''بلکل غلط لگتا ہے آپ کو۔''

''یعنی صحیح لگتا ہے؟'' وہ اندر تک پر سکون ہو گیا۔ ماضی میں جو تکالیف اسے ملی تھیں وہ انہیں بھول نہیں سکتا تھا مگر اسکے پہلو میں اب اسکا مرہم تھا۔

''کچھ اور بھی ہوا تھا کیا؟'' بہت دیر بعد اس نے مہدی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یعنی اس قید کے دوران یا اسکے بعد؟ پتہ نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کچھ ہوا ہو گا۔''

مہدی کی نگاہوں کے سامنے زرقون کا چہرہ آیا۔ اپنی کہانی سے اس نے بس ایک چہرہ حذف کیا تھا اور وہ خود میں فلحال اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ اسکی کوئی بات کر سکے۔ وہ اسے ٹال گیا تھا صحیح وقت کے لئے۔ شاید صحیح وقت کبھی نہیں آتے۔ اس رات وہ کاش یہ بات یاد رکھتا۔

قیسم کے تخت نشین کے لئے وقت ناراض ہو کر ایک کونے کا باسی ہو گیا تھا۔ سکون اور مسرت اس سے منہ پھلائے کھڑے تھے۔ وہ روز ٹھنڈی سانس بھر کر انہیں دیکھتا پھر ہنس دیتا۔ ہاتھ کے اشارے سے انہیں دفعان کرتا اور کام کرنے لگ جاتا۔ زندگی سے اپنے لئے چیزیں مانگنا وہ چھوڑ چکا تھا۔ اس نے کونسا دے دینا تھا؟

وہ کاغذات پہ جھکا ایک نئے ڈیزائن کو شروع کر رہا تھا۔ گلاس وال سے روشنی اندر داخل ہو رہی تھی یہی وہ وقت تھا جب لقمان دروازہ بجاتے اندر داخل ہوا۔ اس نے قیس کے آگے کچھ فائلز رکھیں اسکا آج کا کام اسے بتایا اور پھر ایک اہم اطلاع دی۔

''براق سر گھر آ گئے ہیں باس۔ آپ نے کہا تھا انکی عیادت کو چلنا ہے۔ گاڑی تیار کروانی ہے؟'' پچھلے دنوں براق کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا قیس اس سے ہسپتال ملنے نہیں جا سکا تھا لیکن کل ہی اسکا موڈ براق کے گھر جانے کا بن گیا تھا۔

آرٹسٹ کو یوں بھی اپنے کام سے فرار چاہئے ہوتا ہے اسے مل گیا تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''گاڑی نکالو تم ڈرائیو کرو گے اور اسے اطلاع مت دینا۔''

کچھ دیر بعد وہ اپنی گاڑی میں تھا۔ پچھلی نشست پہ بیٹھے وہ ایئر پوڈز کانوں میں لگائے لیپ ٹاپ پہ کسی میٹنگ کا حصہ تھا۔ لقمان گاہے بگاہے اس پہ ایک نظر ڈال لیتا پھر ڈرائیو کرنے لگتا۔ وہ اسے حدیبیہ کے مقدمے میں تفصیلات دینا چاہ رہا تھا جسے قیس پچھلے کتنے عرصے سے لٹکا رہا تھا۔ وہ بس پھانسی سے بچ جائے۔

''مجھے جلد از جلد تفصیلات چاہیے اوکے ؟'' اس نے آخری بات کہہ کر میٹنگ برخاست کی۔ کچھ کہنے کو لب وا کئے ہی تھے کہ سیاہ شیشوں کے پار اسکی نگاہ حنیف ہاؤس پہ پڑی۔ کچھ تھا جس نے قیس کمبیر کی ریڑھ کی ہڈی تک سا کن کر دی تھی۔ اسکے چہرے کی رنگت واضح طور پہ سفید پڑ گئی تھی اور وہ اس گھر کو ایک اور لمحے کے لئے دیکھ نہیں پایا۔

''یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی گاڑ موڑو جلدی۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔ لقمان متعجب سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ لمحوں کے اندر اسے کیا ہو گیا تھا؟

''سر آپ نے ہی کہا۔۔۔۔''

''میں نے پینٹ ہاؤس چلنے کو کہا تھا۔''

''لیکن براق سر یہیں ہیں اور یہاں جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔

''میں نے کہا ہے گاڑی موڑو یہ اسباق اپنی ماں کے لئے سنبھال کر رکھو۔'' اسکی حالت غیر سی ہو رہی تھی۔ چار و ناچار لقمان نے گاڑی کے انجن کو دوبارہ حرکت دی اور گاڑی آگے بڑھائی۔ وہ آگے بڑھ گیا گاڑی آگے بڑھ گئی لیکن قیس کمبیر وقت میں بہت پیچھے رہ گیا بہت پیچھے۔ وہ چاہ کر بھی اپنے وجود کو اس وقت سے واپس نہیں لا سکا۔ اس لئے صرف اسی لئے وہ یہاں اتنے سالوں سے نہیں آیا تھا وہ بے چینی اب ایک بار پھر کئی ماہ اسکے ساتھ رہنے والی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے قیس کمبیر کے پیروں سے بندھی ماضی کی زنجیر تمھیں چند برس پیچھے لے جا کر پٹخے گی۔ وہ دور، وہ وقت، وہ دن جب اسناء بنت حنیف زندہ تھی۔ اور قیس کے سامنے تھی۔

حنیف ہاؤس کا لاؤنج دوسری منزل پہ واقع تھا۔ سفید رنگ کی دیواروں والے لاؤنج میں گہرے جامنی رنگ کے صوفے رکھے تھے۔ دیواروں پہ عربی کیلیگرافی تھی۔ ماضی کا قیس محبت جیسے روگ سے غیر شناسا تھا۔ اسکی آنکھوں میں جو چمک تھی وہ بس بلندیوں کی تھی۔ اسکے کندھے ہر قسم کے بوجھ سے خالی تھے۔

سفید کافتان میں ملبوس اسناء کے کھلے بال کمر سے نیچے تک آتے تھے۔ چہرے پہ گہرا میک اپ تھا، اور ہونٹوں پہ سرخ لپسٹک۔

''قیسم کامیاب رہا۔ تم درست تھے۔''

''ہمیشہ کی طرح۔''اس نے سر کو خم دیا۔

''آگے کے کیا پلانز ہیں؟''وہ آگے کو ہوئی کیتلی کو اپنے نازک ہاتھوں میں تھام کر مائع کپ میں انڈیلا۔اسکی گہری نظریں قیس پہ جمی تھیں۔اسے ان آنکھوں کی لاعلمی فریب لگتی تھی۔

''اپنے پلانز شیئر نہیں کرتا میں، پھر وہ صرف میرے نہیں رہتے۔''

''کافی شدت پسند واقع ہوئے ہو تم۔''

''اپنی چیزوں کو لے کر ہاں، کہہ سکتی ہیں آپ۔''

''اور تمہاری چیزوں میں کیا کیا شمار ہوتا ہے؟''اس نے چائے کا کپ اسکی طرف بڑھایا۔

''قیسم، میرا خاندان، اور''وہ''۔"اس نے کپ واپس پیچھے کیا۔''چائے نہیں پیتا میں۔''

''تمھیں نہیں لگتا''اسے''اس لسٹ میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔''

''مجھے لگتا ہے اسکے علاوہ کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔''

''اتنی شدت پسندی اسے تم سے دور کر سکتی ہے۔''

''وہ اگر خود چاہے تب بھی مجھ سے دور نہیں جا سکتی۔میرے نام کی مہر ہے اسکے ساتھ۔''ایک آکورڈ سی صورتحال جانے کیوں پیدا ہو گئی تھی۔قیس کے چہرے پہ تناؤ تھا اسنا چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسناء نے پیچھے کو ہو کر ٹیک لگائی۔اور اسے گہری نظروں سے دیکھا وہ قیسم کے لئے دیئے گئے پیسے بڑے حق سے لیتا تھا وہ گھاگ آدمی کسی عمل کی تفتیش نہیں کرتا تھا اس کے بارے میں براق لاعلم ہو سکتا تھا اسنا نہیں۔ایک عرصہ ہوا وہ لاعلمی کو خیر آباد کہہ آئی تھی۔

''میرے شوہر کچھ سوچ رہے تھے۔''وہ مبہم انداز میں گویا ہوئیں۔

''وہ چاہتا ہے اپنے چھوٹے بھائی حاکم کی بڑی بیٹی کا رشتہ براق کے لئے مانگ لیں۔'' وہ کہہ گئی مگر قیس کمبیر کے سارے جسم پہ کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا۔

''میرے شوہر کا بھائی گاؤں میں رہتا ہے اور تمھیں اس لئے بلوایا ہے تاکہ تم سے بھی مشورہ کر لیں۔ حاکم کی بیٹی زینیا تمھیں اسکی تصویر دکھاؤں گی بتانا کیسی لگتی ہے۔ ویسے براق خوش ہے وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے اور۔۔۔''

''اور اسکی خوبصورتی صرف میری ہے۔'' وہ اس قدر سختی سے بولا کہ اسنا ٹھہر گئی۔ لبوں پہ البتہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

''یہ کھیل بند کریں میں جانتا ہوں آپ کون ہیں اور آپ بہت اچھے سے جانتی ہیں مجھے کیا کیا علم ہے اگر اسکا نام اپنے دو ٹکے کے بد نسل بیٹے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش بھی کی تو میں یہ بھول جاؤں گا کہ آپ ایک عورت ہیں۔ اپنا کاروبار اور سازشیں مجھ تک رکھیں میری ریڈ لائن کو پار مت کریں۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ سارا بدن تانبے کی مانند سرخ ہو رہا تھا کسی نے واقعی اسکی ریڈ لائن پار کر دی تھی۔

''اوہ قیس۔۔۔'' وہ اسکا نام محظوظ انداز میں لے رہی تھی۔

''یعنی میں درست تھی۔ یعنی میرا شوہر بے وقوف تھا۔ یعنی تم صرف ہماری دولت کھاتے رہے۔ میں جانتی تھی اور مجھے یقین تھا تم بھی میرے علم سے لاعلم نہیں۔''

''میں نے کسی کی دولت نہیں کھائی میں بس اپنا حق لے رہا تھا چھین کر، جھپٹ کر، مار کر یا پھر مر کر۔ اور آپ کو جو بھی معلوم ہے وہ بے کار ہے کیونکہ کاروبار آپ کا نہیں آپ کے بیٹے کا ہے۔''

''اس دولت پہ صرف اور صرف میرے بیٹے کا حق ہے۔ تم نے درمیان آکر غلطی کی ہے۔''

''وہ بیٹا جس کے بارے میں اسکے خاندان کو یقین ہے کہ وہ صرف '' **آپ** '' کا بیٹا ہے۔'' اس نے وہاں چوٹ کی جہاں درد ہو مرہم نہ ملے۔

اسناء کا چہرہ سرخ ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسکے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔

''ہاؤ ڈیئر یو؟ میرے گھر میں بیٹھے ہو تم، یہ لاکھوں روپے کا ڈیزائنر سوٹ میری بھیک ہے اور تم میرے بیٹے کے خلاف بات کر رہے ہو۔ تمہاری اوقات کیا ہے میرے سامنے تم میرے بیٹے کے خلاف کیسے جا سکتے ہو؟''

''خلاف نہیں ہوں لیکن ساتھ بھی نہیں ہوں میں روایات کا امین ہوں اور میرے لئے اس غیر ذات کے بیٹے کی اوقات ایک کتے جیسی ہے جسے ہم گھر کے باہر رکھتے ہیں اندر نہیں آنے دیتے اور۔۔'' اسکے باقی کے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے اسنا بنت حنیف نے اپنی پوری قوت سے اسکے رخسار پہ تھپڑ دے مارا تھا۔ اسکی گردن ڈھلک گئی اور اگلے کئی لمحے بھینچے ہوئے لبوں سے وہ گردن اسی طرح ڈھلکائے ہوئے رہا۔

''یہ ہے تم جیسے جاگیرداروں کی اوقات۔''

وہ کرسی چھوڑ کر اٹھا اسنا کا سارا وجود اسکے سامنے ایک چیونٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسکی آنکھوں کا قہر، بھینچے ہوئے جبڑے وہ اس وقت سالم موت تھا۔ اسکا جی چاہا تھا اس عورت کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دے۔

''تم جیسی دو ٹکے کی عورتوں کی اوقات بتاؤں میں؟'' وہ چبا چبا کر بولا۔ ''بلکہ میں نہیں اب پوری انڈسٹری کو پتہ چلے گا تمہاری اور تمھارے بیٹے کی اوقات کیا ہے۔ گند سے اٹھ کر صاف لباس پہن کر تمھیں کیا لگا تھا تم ہم جیسی بن جاؤ گی تمہارا بیٹا ہمارا درمیان جگہ بنا لے گا؟ خون کہاں سے لاؤ گی؟ وہ حیثیت میں مجھ تک آئے گا اسکی یہ اوقات ہے؟'' وہ آگے ہو رہا تھا اور اب اسنا کے چہرے پہ خوف دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ غلط جگہ داؤ کھیل چکی تھی۔

"بہت جلد تمھیں بتاؤں گا ایک مرد کو تھپڑ مارنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب یہی تھپڑ ساری فیشن انڈسٹری تمھارے بیٹے کے منہ پہ مارے گی۔''

وہ اسکے سامنے سے ہٹا اور باہر جانے لگا۔ وہ جو انڈسٹری میں بھرم رکھتی تھی قیس کمبیر اس بھرم کو توڑنے جا رہا تھا۔ حاتم اسے زندہ دفنا دیتا اگر اسناء کا نام اسکے ساتھ آتا، اس نے دولت، اولاد، رفاقت کے بدلے "رازداری" مانگی تھی اور اگر وہی نہ رہی تو کیا کیا ہو سکتا تھا اسنا واقف تھی۔ اور براق اسکے بارے میں تو سوچ کر بھی وہ کپکپانے لگی تھی۔

''میری بات سنو، قیس تم ایسے نہیں جاسکتے۔۔ تم کسی سے کچھ نہیں کہو گے تم۔۔''اس نے قیس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچنا چاہا مگر وہ اسے ایک جھٹکے سے خود سے دور ہٹا چکا تھا۔ایک لمحہ صرف ایک لمحے کی بے خبری تھی اور اسنا بنت حنیف دوسری منزل کے زینوں پہ سر کے بل گری۔زینوں کا ماربل اسکے سر سے ٹکرایا۔اور وہ لڑھکتی ہوئی نیچے گرتی چلی گئی۔خون کے دھبے زینوں پہ اپنی چھاپ چھوڑتے ہوئے چلے گئے۔اب وہ سفید فرش پہ گری تھی۔سر کے پچھلے حصے سے نکلتا ہوا خون فرش کو بھگو رہا تھا۔قیس کمبیر اپنی جگہ ساکن تھا۔ایسے جیسے کوئی آسیب دیکھ لیا ہو۔ایسے جیسے لمحہ اسکے ہاتھوں سے بہت تیزی سے سرک کر رہ گیا ہو۔

''قی۔۔۔ سسس۔۔۔ قیس۔۔۔''وہ گھٹی گھٹی آواز میں اسے پکار رہی تھی۔وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔اس نے زینے اترنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں اتر سکا۔کئی لمحے، کئی منٹ وہ اپنی جگہ کھڑے ہوئے اس بے سانس ہوتے ہوئے وجود کو دیکھتا رہا۔ہر حرکت تھم گئی تھی، ہر جنبش ختم تھی، اسکی آنکھیں چھت سے جا لگی تھیں اور جسم ڈھیلا پڑ چکا تھا۔یہ ہے انسان اور یہی اسکی اوقات۔بہت دیر بعد وہ چھوٹے مردہ قدم لیتا نیچے آیا۔خون کے تالاب سے پیر بچا کر اسکے قریب بیٹھا اور اسکی نبض چیک کی۔خاموش، خالی، ساکن۔

وہ گیلی شاکی نگاہوں سے پیچھے ہوا۔

''میں نے نہیں کیا۔''اسکے حلق سے ایک ہچکی برامد ہوئی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

''آئی سوئیر اللہ۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

خون کی بو، موت کا سناٹا اسے ابکای آنے لگی۔وہ اس بے سانس وجود کو وہیں چھوڑ باہر کی طرف بھاگا۔ان دنوں اسکے اندر کے انسان کی موت نہیں ہوئی تھی۔اس گھر سے نکلتے ہوئے قیس یہ نہیں جانتا تھا اسے لاش کے قریب بیٹھے نوار دنے دیکھ لیا تھا، نوار داور کوئی نہیں حاتم نواب تھا۔مسیحا۔وہ اپنی بیوی کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا لیکن شاید قاتل کو دیکھ چکا تھا انکے حساب سے قاتل، ہمارے حساب سے مقتول۔

اس نے اپنے سگے چچا اور ماموں کو قتل کیا تھا اسے کوئی خوف نہیں تھا اس نے نے خالق حسین کو قتل کیا اب بھی کوئی گلٹ نہیں لیکن یہ ایک قتل تھا واحد موت تھی جسکا گواہ وہ خود تھا۔وہ اس لاش کو وہیں چھوڑ آیا تھا اور کئی سال بعد بھی اس بات کو وہ بھول نہیں پایا تھا۔

حال میں گاڑی کی عقبی نشست پہ بیٹھے اسکی حالت ابتر تھی۔ چہرہ سفید، نگاہیں نیم مردہ۔وہ بس ایک سطر بڑبڑا رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، اللہ۔''

وہ سو کر اٹھا تو زینیا کمرے میں نہیں تھی۔ چند لمحے اسی طرح اوندھے منہ پڑے پڑے وہ اسکی غیر موجودگی سے بدمزہ ہوتا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں ماتھے سے ہٹایا اور بیڈ سے نیچے اتر آیا۔واش روم جا کر تازہ دم ہونے کے بعد جب وہ کمرے میں واپس آیا زینیا تب بھی وہاں نہیں تھی۔ قیس کی آخری فون کال کے بعد سے وہ ہر صبح اسے اپنے قریب ہی دیکھتا رہا تھا۔ گہری سانس بھرتے وہ باہر آیا۔ کچن کی طرف نگاہ اٹھی تو چولہے بند پڑے تھے۔ میز خالی۔

وہ واپس کمرے تک آیا تو وہ اسے بالکنی میں کھڑی دکھائی دی۔ مہدی کا دن جیسے اب شروع ہوا ہو۔وہ اسکے عقب میں آ کر کھڑا ہوا۔ زینیا نے اسکی موجودگی کو محسوس کیا مگر پلٹی نہیں۔ ذہن کی سکرین پہ کوئی اور فلم چل رہی تھی۔

(موبائل کے مسلسل تھرتھرانے سے اسکی آواز کھلی۔ سگنل بحال ہو چکے تھے اس نے تیزی سے موبائل ہاتھ میں لیا اور اسکی آواز بند کی۔ دائیں طرف نیند میں وہ کسمسایا تھا، پھر سو گیا۔ زینیا جانتی تھی یہ کال اسکی نیند حرام کر سکتی تھی مگر قیس کبیر کے پاس کچھ تھا کہ پاکستان میں بیٹھ کر بھی وہ اسکے اعضاء اپنے تابع کئے ہوئے تھا۔

''مجھے لگا تم مجھے اگنور کر رہی ہو لیکن تمھارے یہاں تو سگنلز نہیں۔ ہے ناں؟'' وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے وہ دونوں بہت قریبی دوست ہوں۔

''خیر میں سوچ رہا تھا دو ہفتے بعد آ جاؤں کیا کہتی ہو؟''

''تم میرا جواب جانتے ہو۔''

''جانتا ہوں لیکن اسکی کوئی پرواہ نہیں۔''

''پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''تمہیں سننے کا دل چاہا تھا۔'' وہ اسی دلفریبی سے بولا جو اسکا خاصہ تھی۔ مہدی کی نیند آواز سے دوبارہ خراب ہوئی تو زینیا نے کال کاٹ دی۔ وہ اس بکواس کو نہیں سننا چاہتی تھی۔)

''آج صبح صبح کس بات پہ موڈ خراب ہے؟'' اسکے عقب میں کھڑے ہوتے اس نے ٹھوڑی زینیا کے کندھے پہ جمائی اور پہلو میں گرا ایک ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔ ساتھ آنکھیں موند لیں۔ صبح صبح خنکی بھا رہی تھی۔

''گھر چلیں؟'' سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''ہاں میں جانتا ہوں اب تم کہو گی تم یہاں سیٹلڈ ہو، اسلام آباد عجیب ہو گیا ہے لیکن چلتے ہیں ناں۔ گھر بنائیں گے اپنا۔ ساتھ رہیں گے، بہت ہو گیا یہ بن باس۔ اپنے سیٹل ہونے کا وقت ہے۔''

وہ بغیر کچھ کہے سامنے دیکھ رہی تھی۔ مہدی کو حیرانگی ہوئی، اسکی بیوی کی طبیعت یقیناً خراب تھی ورنہ اتنی خاموشی؟

''جواب تو دو انکار کرو گی تو آپشن بدل دوں گا۔''

(کال دوبارہ آنے لگی، اب کے آواز نہ ہوئی موبائل وائبریشن پہ تھا۔

''کیا آواز ہے اسکو بند کرو۔'' وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔ پھر زینیا کا ہاتھ اپنے بازو میں لئے سو گیا۔ وہ اب احتیاط سے کال اٹینڈ کر رہی تھی۔

''تم کس کے ساتھ ہو؟'' اسکے فون اٹھاتے ہی وہ دوسری طرف سختی سے بولا۔ اپنا نظرانداز کیا جانا اسے بلکل پسند نہیں آیا۔

''اندازہ تو تمھیں ہونا چاہیے تھا۔ تم نہیں جانتے تمہارا بھائی اس وقت کہاں ہے؟'' وہ تلخی سے بولی۔ دوسری طرف وہ خاموش ہو گیا تھا ایسے جیسے بولنا بھول گیا ہو۔ غصہ، غیرت، رقابت، نفرت کونسا جذبہ غالب تھا وہ سمجھ نہیں سکا۔

''اس کال سے وہ ڈسٹرب ہو رہا ہے اور میں بھی کیا تم اپنی اور میری توانائی کسی اور وقت کے لئے بچا سکتے ہو؟''

''مجھ سے اور میرے قریب ہونے سے تمھیں کوفت ہوتی ہے کیونکہ میں براہوں ہے ناں؟'' وہ زہر گھولنے کے لئے تیار تھا اور مہدی کے پاس تریاق نہیں تھا۔

''اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو خود ایک قاتل ہے؟'' فون پہ اسکی گرفت ہلکی ہوئی۔ اس نے بے اختیار گردن پھیر کر اپنے پہلو میں لیٹے شخص کو دیکھا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے وہ پر سکون نیند سو رہا تھا۔

''قتل تو قتل ہوتا ہے چاہے ایک کیا ہو چاہے ایک ہزار۔ مجھ سے بہتر کی تمنا میں ہو تو یاد رکھو وہ مجھ سے بدتر ہے۔ کبھی وقت ملے تو اس سے پوچھنا زرقون کاظمی کون ہے۔''

اس بار فون کاٹنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ انکے رشتے کی شہ رگ کاٹ چکا تھا۔)

''نیٹ ورکس کھل گئے ہیں کرفیو بھی ختم ہے۔ حکومت نے طلباء کے مطالبات مان لئے ہیں، میں آج ہوٹل جا رہا ہوں۔ تم پیکنگ وغیرہ کر لو۔''

''زرقون کون ہے؟''

سوال اتنا اچانک تھا ایک لمحے کے لئے مہدی کی گرفت اسکے ہاتھ پہ ڈھیلی پڑی۔ زینیا نے ہاتھ چھڑوایا اور اسکی طرف پلٹی۔ اب وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا مجھے یہ جاننے کا حق نہیں تھا جس آدمی کے ساتھ میں نے اپنی نئی زندگی شروع کی ہے وہ ایک قاتل ہے۔ مجھے یہ کب اور کون بتانے والا تھا؟''

وہ پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ زینیا اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے اسے قتل کیا ہاں یا ناں؟'' اسکا لہجہ سپاٹ تھا، آنکھیں غیر، وہ زینیا حاکم کو کھو چکا تھا۔

''مجھے بتائیں سچ کیا ہے۔''

''میں بتانے والا تھا میں۔۔۔''

''یعنی آپ نے مجھ سے چھپایا۔''اسکا دل چھنا کے سے ٹوٹا۔اور آواز میلوں تک گئی۔

''میں نے چھپایا نہیں میں بتانے والا تھا میں بس کچھ وقت چاہتا تھا۔تم غلط سمجھ رہی ہو میں تمھیں دھوکے میں نہیں رکھنے والا تھا۔اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے ہمارا تعلق اور محبت اس سے پہلے کی ہے۔''

''وہ ماضی تھا آپ کے ساتھ نیا تعلق بناتے وقت مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا آپ کی حقیقت کیا ہے۔جو میرے ساتھ ہے کہیں وہ ایک قاتل تو نہیں۔''

''زینیا میں۔۔۔''وہ آگے آیا اسکا ہاتھ پکڑ کر کچھ سمجھانا چاہا مگر وہ پیچھے ہوئی۔

''میری بات سنو ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔''

وہ اسکے سامنے سے گزر کر کمرے میں آئی۔الماری سے اپنے جوتے نکالے۔دوپٹہ سر پہ جمایا اور ایک الوداعیہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

''میں شام پانچ بجے واپس آؤں گی اور واپسی پہ مجھے گھر آپ کی موجودگی سے خالی چاہیے۔''

وہ کتنے لمحے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔پھر بے حد رنج سے کہا۔

''ایک بات یاد رکھنا میں منت نہیں کروں گا۔''

''ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔''

''تمھارے لئے مجھے چھوڑنا اتنا آسان تھا؟''

''مشکل ہے لیکن ایک قاتل کے ساتھ رہنے سے کم مشکل۔''

''تم جج کر رہی ہو۔''

''اگر کر رہی ہوں تو غلط نہیں۔''

"لیکن میں اپنی بات پہ قائم ہوں۔ تنگی، تکلیف، بغیر آسائشات اور اچھے برے ماضی کے باوجود میں تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"دیر ہو چکی۔"

مہدی کے الفاظ ایک بار پھر غائب ہوئے۔کتنے ہی لمحے وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔

"میں تمھارے لئے reserved رہوں گا۔"

وہ دروازے پہ رک گئی مگر مڑی نہیں۔ دل میں کرب اٹھا جسے کہا نہیں، آنکھوں کی باڑ گیلی ہوئی پانی کا قطرہ گرا نہیں۔ بغیر جواب دیے وہ دروازہ پار کر گئی۔ پیچھے کھڑا مرد تہی داماں تھا۔ اسکے حصے میں یہی کیوں آتا تھا؟

حویلی کی چھت پہ بیٹھے ہوئے اسکی گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ہینڈ فری کے تار اسکے کانوں تک آ رہے تھے۔ دوسری طرف سکرین کے چوکھٹے پہ مظفر کا چہرہ تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا تم میری بات کو واقعی سیرئیس لو گی اور دوبارہ مجھے کانٹیکٹ نہیں کرو گی۔" وہ اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔

"اور بتاؤ ڈاکٹر کونج حاکم صاحبہ کیا تمھارے ارد گرد دنیا ٹھیک ہے؟"

"دنیا کب ٹھیک ہوتی ہے، میں نے خود کو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔"

"کیا مطلب تمھیں اب بھی رنگ، قد کے طعنے ملتے ہیں؟" وہ تاسف کی بھٹی میں جلا ہوا نہیں، کسی باغیچے کے کھلے ہوئے پھول کی طرح پوچھ رہا تھا۔

کونج مسکرائی۔ سادہ، خود شناس مسکراہٹ۔

''میرے رنگ کو دیکھ کر کوئی ہمدردی کا موقع نہیں چھوڑتا لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ سانولا ہونا بد صورتی نہیں ہے۔ جس طرح گورا رنگ ہے اسی طرح سانول بھی ایک رنگ ہے۔ اب ناں بھی بول دیتی ہوں۔ انا اور ناں کا مطلب بھی پتہ ہے۔ اور یہ نہیں ہوتا کہ میرا پیٹرن ٹوٹے نہ، ٹوٹ جاتا ہے پھر اسے درست کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مجھے یہی لگتا تھا کہ اگر اتنی کوشش ہی کرنی ہے تو کیا فائدہ لیکن اب سمجھ آیا ہے۔ it is what it is میں زینیا نہیں کونج ہوں۔ دنیا نہیں سمجھتی ہم نے خود سمجھنا ہوتا ہے۔ دو سال یا تین سال کے اندر ہم ایک بہترین انسان نہیں بنتے یہ کوشش ساری زندگی جاری رہتی ہے۔ میری بھی جاری ہے۔''

مظفر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ سچ یہ تھا کہ کچھ سال قبل اس کے پاس اس لڑکی کو دینے کے لئے کوئی وقت نہیں تھا کچھ علاج پیسوں کی خاطر ہوتے ہیں اور کچھ پیشے کی، اس نے یہ علاج پیشے کی خاطر کیا تھا۔

''تم خاصی ذہین ہو گئی ہو پھر یہ بتاؤ کیا چیز ہے جو تمھیں میرے پاس واپس لائی؟''

''میرا خاندان۔'' وہ یاسیت سے بولی۔ ''میرے ابا ایک اچھے باپ نہیں تھے اور ہم انکا برے سے برا رویہ دیکھ کر بڑے ہوئے۔ لیکن کچھ وقت پہلے سے انکا رویہ بدلنا شروع ہو گیا ہے۔ میں اس رویے کو قبول نہیں کر پا رہی۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی اور نہ ہی کرنا چاہتی ہوں۔''

''تم انہیں کیوں معاف نہیں کرنا چاہتیں وجہ جاننے کی کوشش کی؟'' کونج نے سر نفی میں ہلایا۔

''تم شاید انہیں قصور وار رکھنا چاہتی ہو۔ ہم برے حالات سے نکل آتے ہیں لیکن اپنے اندر کی خود ترسی کو نکالتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ جو وکٹم کارڈ ہمیں ملا ہوا ہوتا ہے اسے چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ تمھارے لئے بھی مشکل ہو گا ہے ناں؟''

اسے مظفر سے خوف آیا وہ اسے پڑھ رہا تھا اور وہ بس یہی نہیں چاہتی تھی۔ یا شاید یہی چاہتی تھی۔

''میرے اندر کی اس ڈری ہوئی اس جھجھکی ہوئی لڑکی کو میں ہر وقت یہی دلاسا دیتی ہوں کہ میرا ماضی اور بچپن برا تھا ولن ابا تھے میں نہیں انہیں معاف کر دوں گی تو پیچھے کیا رہ جائے گا؟''

مظفر سمجھ سکتا تھا وہ بے چینی جو اس بچے کے اندر ہوتی ہے جسے خاندان کی طرف سے محفوظ نہیں محسوس کروایا گیا، جسے بیچ محفل میں طعنے دیے گئے، جس کے رنگ، قد، پڑھائی پہ بات ہوئی۔ دنیا کو سمجھنا چاہیے **''فیملی''** ہر بچے کا سیف اور کمفرٹ زون نہیں ہوتی۔

''پیچھے تم اور تمہارا دل رہ جائے گا، پیچھے تمہاری آزادی ہو گی۔'' وہ اپنے سابقہ نرم انداز میں بولا۔

''جو کچھ انہوں نے تمھارے ساتھ کیا وہ غلط تھا اور تم آگے کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟ اپنے باپ کو معاف نہ کرنے سے تم کبھی بھی ماضی کو پیچھے نہیں چھوڑ سکو گی اور اسی ماضی کے ساتھ کسی کی بیوی اور ماں بنو گی تو ابیوز کا سائیکل ختم نہیں ہو گا نئے سرے سے شروع ہو گا۔ نئی نسل کے لئے رویے بدلنے پڑتے ہیں ناں؟''

''میں کیوں بدلوں؟ مجھے ابیوز کیا گیا تو میں کیوں کسی کے لئے اچھی بنوں؟؟'' اسکی آنکھوں میں نمی تھی دل میں ڈھیر ساری چبھن۔

''کسی اور کے لئے نہ سہی اپنے لئے کر لو۔ انسان کا دماغ ایک پیٹرن پہ کام کرتا ہے اسکے ساتھ برا ہوا تو وہ خود کو مظلوم سمجھتا رہے گا یا پھر خود کو الزام دے گا کہ ساری غلطی میری تھی۔ ایسے میں کچھ ہوتے ہیں جو تجزیہ نکالتے ہیں۔ کچھ اپنا کچھ سامنے والا کا قصور، یا پھر سارا سامنے والے کا اور انہیں معاف کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جو پیچھے رہ جانے والے دو ہیں وہ ساری عمر گلٹی رہتے ہیں، اندر سے کھوکھلے اور باہر سے انتقامی رہتے ہیں۔ جب انسان معاف نہیں کرتا تو اسکے ذہن سے ٹراما کبھی نکل نہیں پاتا اور جب وہ معاف کر دے تب۔۔۔" مظفر ہلکا سا مسکرایا۔

''تب وہ خود کو کمتر نہیں superior سمجھتا ہے۔ ہلکا پھلکا، آزاد۔ انسان میں اونچا رہنے کا کامپلیکس ہے اور رہے گا اس لئے معافی سے کسی دوسرے کو فرق پڑے یا نہ پڑے تمھیں خود کو فرق پڑے گا۔''

وہ چند پل ہونٹ کاٹتی رہی۔ بے چینی بے کلی حد سے سوا ہوئی۔

''تمھیں شادی سے ڈر لگتا ہے؟'' وہ اسکا چہرہ پڑھ چکا تھا۔ کونج کی گردن مارے شرمندگی کے جھک گئی۔

''تمھیں لگتا ہے شاید آگے جا کر تم یا تمہارا شوہر ابیوز ہو جائے گا؟''

وہ کچھ نہیں بولی بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''شادی کو ہم نے ہی overrated کر دیا ہے ورنہ یہ ایک تعلق ہے۔ بہن بھائی یا ماں باپ سے مسائل ہوں تو کیا ہم ان سے اس تعلق سے ڈرنے لگ جاتے ہیں؟ ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ سب ٹھیک ہونا ہی ہے۔ جھگڑا ختم ہو گا نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں۔ شادی کے لئے سب سے ضروری چیز جو ہوتی ہے وہ ذہنی رضا مندی ہوتی ہے۔ اور ذہنی رضا مندی تب مل سکتی ہے جب ایک دماغ تندرست ہو۔ دماغ کو دس قسم کے مسائل میں الجھا کر شادی کا سوچو گی تو اسکی صرف ایک سیاہ سائیڈ ہی دکھائی دے گی، تم دیکھنا چاہتی ہو؟''

''میں "اسے" ہرٹ نہیں کرنا چاہتی اس نے میرے لئے بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ میں خود کو اسکا احسان مند سمجھتی ہوں۔''

''تمھیں اسکو ایک اچھا انسان سمجھنا چاہیے احسان مند بھی رہنا چاہیے لیکن اس بوجھ کو اتنا مت بڑھانا کہ تم تھک جاؤ۔ شادیاں برابر کی ہوتی ہیں وہاں احسان مند ہو کر نہیں جانا ہے، وہاں اعلیٰ ہو کر نہیں جانا۔ خود کو سمجھاؤ، اپنی سوچ کو مثبت بنانے کی کوشش کرو چیزوں اور حالاتوں میں وہ پہلو ڈھونڈو جو تمھیں پر سکون کریں۔ ٹینشن جب آئی تب کی تب دیکھی جائے گی۔''

''مسئلہ تو یہ ہے کہ تب دیکھی نہیں جاتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو مظفر بھی ہلکا سا ہنسا۔ اب وہ اسے مختلف مشورے دے رہا تھا کونج سنتی رہی مگر اسکی ساری توجہ لفظ معافی پہ تھی۔ کیا وہ اس انسان کو معاف کر سکتی تھی؟ ہر شے ایک طرف محبت وہ اپنے باپ سے بے انتہا محبت تو کرتی ہی تھی۔

(وہ چلا گیا تھا۔ پیچھے یادیں، خوشبو چھوڑ گیا تھا۔ اس نے زینیا حاکم کی عادتیں بگاڑ دی تھیں۔ اسے گئے تین روز ہو چکے تھے اور وہ یہ نہیں سمجھ پا رہی تھی تکلیف زیادہ ہے یا حد سے زیادہ؟

''اس طرح اداس رہ کر، خود پہ خوشیاں بند کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو وہ غلط تھا؟'' نیا سے جب رہا نہ گیا تو وہ باز پرس کرنے آگئی۔ زینیا نے سپاٹ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جن میں کچھ کچھ ملامت بھی تھی۔

''اس نے مجھ سے سچ چھپایا ہے۔ اسے چاہیے تھا مجھے بتاتا اس نے قیس کے سامنے میری گردن جھکائی ہے۔''

بنگالی عورت افسوس سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تم نے بہت سی عادت سدھار لیں لیکن آج تک اپنے اندر سے ناشکری، اور گھمنڈ نہیں نکال سکیں۔ تم غلط ہونے پہ جھک نہیں سکیں۔ اس نے تمھیں نہیں بتایا اس قتل کا ٹھیک مگر کیا تم نے اسے بتایا کہ تم ایک سال تک سوشل ہراسمنٹ کا شکار رہی ہو؟"

کوئی چانٹا تھا جو اسکے منہ پہ پڑا اور جلن سارے جسم میں پھیل گئی۔ زینیا حاکم چند لمحوں کے لئے کچھ کہہ نہیں سکی۔)

ٹیکسی سے اتر کر وہ تیزی سے ہوٹل کے اندر بھاگی۔ دربان نے اسے اندر جانے سے روکا تو وہ اسے جھٹک کر آگے بڑھی تھی۔ اسکا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ریسپشنسٹ کے ڈیسک کے قریب رک کر اس نے تنفس بحال کیا۔ چھوٹے بال چہرے کے اطراف میں بکھر رہے تھے۔ چہرے پہ مردنی تھی۔ وہ کسی کی تلاش میں تھی کوئی ایسا جسے ہاتھوں سے گنوادیا تھا۔

"روم نمبر 666 مہدی کمبیر، میں انکی وائف ہوں کیا آپ انہیں کال کر سکتی ہیں پلیز؟"

ریسپشنسٹ نے ایک نظر اسکی طرف دیکھا پھر اپنے لیپ ٹاپ پہ کچھ بٹن دبائے۔ زینیا بے حد امید سے اسے دیکھ رہی تھی اسکی گردن دوبارہ اٹھی تو وہاں مسکراہٹ تھی مگر مقابل کو دینے کے لئے اور کچھ نہیں۔

"وہ دو گھنٹے پہلے چیک آؤٹ کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں وہ کہاں گئے ہیں؟"

"سوری میم یہ ہمارے ریکارڈ میں نہیں ہوتا۔"

وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔ ریسپشن ڈیسک سے ہٹتے ہوئے اسے اپنے اعصاب شل ہوتے محسوس ہوئے۔ اسے ایک بار پھر کھونا موت جیسا تھا۔ ہوٹل سے باہر آ کر اسکی نگاہ آسمان کی طرف اٹھی۔ وہ ہار دینے کو تھی جب اسکا موبائل تھرتھرایا۔

"ڈھاکہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ۔ فلائٹ نمبر 3 شام سات بجے۔" نیا کی طرف سے میسج تھا۔

اسے امید نہیں تھی وہ اسکے لئے رکا ہوگا، وہ ایک بار پہلے بھی چلا گیا تھا وہ اب بھی جا چکا ہوگا۔ لیکن وہ اتنی جلدی ہار نہیں مان سکتی تھی۔ اس نے مہدی کو بہت ہرٹ کیا تھا اب معذرت کی باری تھی۔

(''میں بہت بدل گئی ہوں میرے اندر اب پہلے والی عادتیں نہیں ہیں۔'' اس نے نیا سے زیادہ خود کو بتایا۔ چہرے پہ ہنوز کوئی تاثر تھا جسے وہ نام نہیں دے سکی۔

''بالکل نہیں ہیں لیکن میں نے تمھیں سمجھایا تھا کہ جب تک تم دونوں خود ٹھیک نہ ہوئے ایک دوسرے کو ٹھیک نہیں کر سکو گے ۔اور تم نے ٹھیک ہونا بس شروع کیا ہے ختم نہیں۔ وہ جب تمھارے ساتھ تھا معصوم تھا کیسے بتائے گا کہ اب قاتل ہے۔ تم جب اسکے ساتھ تھی اپنے ساتھ ناحق کرنے والوں کو نوچ کھاتی تھیں اب اسے کیسے بتاؤ گی تم ایک سال تک کسی کی غلامی کرتی رہی ہو؟ ایک جھٹکے میں سب ٹھیک نہیں ہوتا۔ اپنے پارٹنر میں خلائی مخلوق والی خوبیاں ڈھونڈنا چھوڑ دو۔''

''ہم دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے ہم میں سے کوئی پہلے جیسا نہیں رہا۔''

''وہ تمھیں اسی طرح قبول کر رہا ہے انا تمھاری بیچ میں آ رہی ہے اسے ختم کرو ورنہ تم ختم ہو جاؤ گی۔ زندگی پیکج دیتی ہے تو اس میں کئی بار گھاٹے کے سودے بھی ہوتے ہیں۔''

وہ چپ چاپ انہیں دیکھے گئی۔ حقیقت یہی تھی مہدی اسے پہروں سنتا رہا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ بتاتی آئی تھی۔ اس نے مہدی کو کب سنا؟ وہ انگلیوں پہ پوروں پہ گننا چاہتی تو بس چند انگلیوں کا سفر ہوتا۔ وہ نہ سنانے والا اتنی جلدی سب کیسے کہہ دیتا؟)

حکومت مطالبات مان گئی لیکن عوام اس حکومت سے ہی استعفیٰ چاہتی تھی۔ احتجاجی ریلیاں بڑی تعداد میں سڑکوں پہ نکل آئی تھیں۔ پولیس اور عوام کا تصادم ایک بار پھر شروع تھا۔ مختلف رنگ، آوازیں، لباس، نعرے وہ ان سب کے درمیان راستے بنا رہی تھی، وہ راستے جو اسے اس انسان تک لے جاتے جس کے ساتھ اسکی منزل ملتی تھی۔ وہ جنگوں کے دور میں امن ڈھونڈ رہی تھیں۔ غیر شناسا آوازوں میں روح کے رزق جیسی آواز سننا چاہ رہی تھی۔

رش میں اسکی جوتی ٹوٹ گئی۔ اس نے تیزی سے کھینچ کر دوسرا جوتا اتارا اور پیر آزاد کئے۔ رش کے درمیان کہیں کسی ٹیکسی والے سے وہ ایئرپورٹ چلنے کی گزارش کرتی اور جواب انکار میں آتا۔ اسکی ہمت جواب دے جاتی مگر آج وہ زینیا تھی جس کے پاس مسائل سے پہلے حل آتے تھے۔ ہمت وہ ہار ہی نہیں سکتی تھی۔ کم از کم آج نہیں۔

اس نے اپنا انسٹاگرام کھولا اور مہدی کمبیر کو بلاک لسٹ سے نکالا، پھر اسے میسج بھیجا۔

"you're my green مطلب جانا ہو تو فلائٹ مت لینا۔ میرا انتظار کرنا۔ میں نے کسی کی منت نہیں کی لیکن پلیز۔"

میسج سفر کرتا ہوا گیا اور اس مصروف آدمی کے ڈی ایمز کی رش میں کہیں پھنس گیا۔ کوئی جواب نہیں کوئی دیکھ لئے جانے کی نوید نہیں۔ نقشہ اسے بتا رہا تھا ایئر پورٹ ایک گھنٹہ دور ہے وہ اسکے لئے ملک چھوڑ کر آیا تھا زینیا اسکے لئے چند گھنٹے کا سفر کر سکتی تھی۔ اسے کرنا تھا۔ ہنگاموں کے درمیان اسے سکون کا راستہ ڈھونڈنا تھا۔

("مکمل طور پہ ہم اب بھی ہیل نہیں ہوئے پھر کیا گارنٹی ہے کہ ہم ساتھ میں خوش رہیں گے۔"

"مکمل تو کچھ نہیں۔ کم از کم اس دنیا میں کچھ مکمل نہیں۔ تمھیں وہ انسان نہیں ملے گا جو پرفیکٹ ہو۔ کچھ ٹراماز کبھی ہیل نہیں ہوتے انسان انکے ساتھ جینا سیکھ جاتا ہے تم دونوں سیکھ چکے ہو آگے بڑھ رہے ہو کچھ وقت بعد حالات مزید بہتر ہو سکتے ہیں۔"

"نہ ہوئے تو؟" اسے ایک ہی خدشہ لاحق تھا۔

"گارنٹی تو زندگی کی بھی نہیں تو کیا جینا چھوڑ دیں؟ ویسے اسکے ہوٹل کا ایڈریس ہے میرے پاس۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولیں۔

"وہ معذرت قبول کرلے گا؟"

"بی بی جس نے تم جیسی ڈائن تین بار قبول کر لی اسکے لئے معذرت کیا چیز ہے؟" وہ سلگ کر بولی تو زینیا نے آنکھیں گھمائیں۔

"jealous freak" دل سے البتہ بوجھ سرک گیا تھا۔ پہلی بار اسے اپنی تھیوریز غلط ہوتے دیکھ خوشی ہوئی۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں اسے مہدی کے قریب کر رہی تھیں۔)

ایئر پورٹ پہ رش تھا معمول سے زیادہ رش۔ ایلیٹ بنگالی ملک کے ان حالات سے نظریں چرائے بھاگ رہے تھے۔ اور برہنہ پیروں والی وہ بوکھلائی لڑکی متلاشی نظروں سے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

اسکی آنکھیں کسی بھی وقت برسنے کو تیار تھیں۔ ایئر پورٹ کی سیلنگ پہ اب تیز سفید بتیاں جگمگانے لگیں۔ اور اس روشنی میں وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اسکے حالت شکستہ لگ رہی تھی۔ لوگ اسے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے اسے مگر کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے محض ایک شخص کی پرواہ تھی۔

موبائل چہرے کے آگے کیا فلائٹ کا وقت گزرے بہت دیر ہو گئی تھی۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے ایئر پورٹ کو تک رہی تھی۔ کرب سا کرب تھا جس نے اسکے دل کو توڑ کر رکھ دیا تھا وہ ایک بار پھر جا چکا تھا۔ کتنے لمحے بیتے، کتنی ساعتیں وہ خالی ہاتھ کھڑی رہی اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ نہیں جا سکتا کم از کم اس پیغام کے بعد نہیں ایک موہوم سی امید اب بھی باقی تھی۔

''کسے ڈھونڈ رہی ہیں، سرکار؟''

وقت، ساعتیں، اذیتوں کے ادوار سب ٹھہر گیا۔ وہ اسکے عقب میں اسکے بے حد قریب کھڑا تھ۔ ہاتھ میں چائے کا ڈسپوزیبل کپ تھا۔ زینیا کے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے وہ بغیر اسکی طرف دیکھے رو پڑی۔

''مجھے لگا تھا آپ چلے گئے۔'' خوف، خوشی، رنج سب مکس ہونے لگا۔

''لیکن میں نے کہا تھا میں تمھارے لئے reserved رہوں گا۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتیں؟'' وہ اسکے عقب میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ اس آخری ملاقات کی طرح جو ناخوشگوار رہی تھی۔

''تم میری بات نہیں مانتیں۔''

''میں ناراض تھی آپ نے منایا نہیں۔'' ایک اور شکوہ۔ آنسو مزید روانی سے بہنے لگے۔

''انسٹا، فیسبک، واٹس ایپ، نمبر، ای میل میں ہر جگہ سے بلاک ہوں کبوتر کے پیر میں خط باندھ کر بھیجتا؟'' چائے کا کپ لبوں کے قریب لے جاتے ہوئے پوچھا۔

''تمھارے انتظار میں تین کپ یہ بدمزہ چائے پی چکا ہوں۔ اور کتنا حساب لو گی میرا؟''

وہ مڑی اور اب وہ اسکے سامنے کھڑی ہوئی۔ مہدی مسکراتی نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ زینیا یاسیت سے۔ کیا پڑھ کر پھونک چکا تھا وہ؟ کیا تھا اس میں جو وہ ہر دفع اسکے لئے ہر شے بالائے طاق رکھ دیتی تھی؟ اس پہ انائیں ختم۔ اسکے لئے بہتری کے سفر شروع، اس پہ دنیا دان اور اسکے سامنے سب خاک۔ آس پاس ساری دنیا تھی اور درمیان میں بس وہ دو۔

''تم نے مجھے یہاں رکنے کو کہا تھا کوئی خاص وجہ؟'' وہ انجان بنا۔

زینیا نے سر اثبات میں ہلایا۔ چہرہ صاف کیا۔

''میں آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ میں بھی کبھی ان آنکھوں سے موو آن نہیں کر سکی۔''

وہ گردن اٹھائے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ مہدی ذرا سا نیچے کو جھکا۔ عین اسکے چہرے کے سامنے۔ ایسے جیسے غور سے اسکی بات سن رہا ہو۔ زینیا نے آگے بڑھ کر بے حد نرمی اور عقیدت سے اسکی دونوں آنکھوں کو باری باری انگلیوں کے پوروں سے چھوا۔

یہ اسکی برسوں کی خواہش تھی۔ سامنے کھڑا مرد اندر تک سرشار ہوا۔ اسکے لبوں پہ گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ کئی لوگوں نے انہیں پلٹ کر مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری ہر اس چیز کے لئے جس سے آپ کو ہرٹ کیا۔ آئی ایم سوری۔''

''میں یہ معافی نامہ ریکارڈ کر لوں کیونکہ مجھے یقین ہے یہ آخری ہو گا۔''

''میں دوبارہ ایسا کچھ نہیں کروں گی۔'' اس نے یقین دہانی کروانی چاہی۔

''جس سے میرا پارہ ہائی ہو؟ کم آن تم اگلے پانچ منٹ میں ایسا کچھ کرنے والی ہو۔''

وہ ہنس پڑی، ساتھ ساتھ روئی بھی۔ بھیگی نم آنکھوں سے اسے مہدی کو دیکھتے ہوئے اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''گھر چلیں؟''

''یعنی میں ایک بار پھر گھر داماد بننے جا رہا ہوں؟''

''میرے لئے اتنا نہیں کر سکتے؟''

''ہے تو یہ جذباتی بلیک میلنگ لیکن میں ٹھہرا زن مرید، چلیں سرکار چلتے ہیں۔''

اس نے ایک ہاتھ میں اپنا سوٹ کیس تھاما اور دوسرے ہاتھ میں اپنی بیوی کا ہاتھ تھا۔ کٹھن راہیں آسان ہوئی تھیں۔ ریاضتوں کے صلے اللہ نے دیے تھے اور جھولیاں بھر بھر دیے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ دونوں گھر واپس آ گئے تھے۔ زینیا کے پیروں میں اب نئے جوتے تھے۔ مہدی نے بیگ ایک طرف رکھا دروازہ بند کیا، راستے میں لئے سبزی اور دودھ کے پیکٹ سلیب پہ لا کر رکھے۔ اور یکدم اسے کچھ یاد آیا۔

''تم نے مجھے اب بھی نہیں بتایا کیا مطلب ہے اس بات کا؟''

زینیا نے اسے دیکھا وہ جانتی تھی اسے مطلب پتا ہے۔ بس وہ اسکے منہ سے سننا چاہتا ہے۔ بے شرم آدمی۔

وہ چند پل اسے دیکھتی رہی، مہدی بھی اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ سنہری آنکھوں والی لڑکی دو قدم آگے آئی وہ اس سے قد میں اونچا تھا، اسکے سفید بوٹوں پہ اپنے پیر رکھے وہ اونچی ہوئی اور دونوں بازو اسکے گرد پھیلائے سر اسکے کندھے سے لگا لیا۔

ساری لفاظی خاک ہو گئی۔ ہر معذرت بے مول تھی۔ ہر اظہار بے وقعت۔۔ جو مہدی کمبیر کے قریب تھی وہ عورت اسے اللہ کی طرف سے نعمت تھی جو زینیا کو ملا تھا وہ ہر اس غم کا مداوا تھا جو اسکی زندگی میں آیا تھا۔ ساری ریاضتوں کا صلہ ''**ساتھ**'' کی صورت مل چکا تھا۔ جنگوں کے دور میں امن تاریخ میں پہلی بار ہوا تھا۔



"آخری باب: انت!"

لوگ کہتے ہیں انت خوش گوار ہوتا ہے۔

کچھ کے لئے بے زار، اور کچھ کے لئے خیال ہوتا ہے۔

گر تم نے وقت کو پرکھا ہو، زندگی کی سہی تلخ برکھا ہو،

چھائی تم پہ غم کی آندھی ہو، زندگی رہی تمہاری باندی ہو،

تب تم کو ہو گا علم جہاں کا،

انت بعض دفع بس انت ہوتے ہیں۔

ساکن، صامت، ساکت کر دینے والے، کچھ قصے بس ایک ہی جگہ روک دینے والے۔

انت کو نہ جوڑو خوشی سے، کہانیوں کو نہ ہمیشہ موڑو اپنی کمی سے۔

ایک وقت، مدت، ساعت، سمے بعد، گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے لبوں پہ مسکراہٹ لائے،

ہاں مان لو، انت بعض دفع محض انت ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(آسمان پہ سیاہ بادلوں کا پہرہ تھا۔دن میں رات کا ساسماں تھا۔سڑکوں پہ ڈھیر سارا پانی تھا ٹھنڈی یخ ہوائیں اعضاء جامد کئے دے رہی تھیں۔وہ بارشوں سے بے نیاز، فضاؤں سے روٹھا شخص اسلام آباد سینٹرل جیل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔اسکے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔باہر کی اجلی روشنی ختم ہو گئی اور اب اسکا وجود اندھیرے میں تھا۔اسکے ساتھ چلتا سپاہی ہاتھ میں ٹارچ لئے اسے راستہ دکھا رہا تھا۔ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔قیس زمان کمبیر اسے سنے بغیر آگے چل رہا تھا۔اس ملاقات کی اور جو ایک عرصے سے ٹالی گئی تھی۔ایک آخری ملاقات۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل کے لان میں لگے پودوں کی جدید تراش خراش کے بعد حالت نکھر سی گئی تھی۔رنگ برنگے پھول نکال کر کیاریوں میں سرخ رنگ کے گلابوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا تھا۔نئے پینٹ اور مرمت کے بعد محل مزید شاہانہ نظر آنے لگا تھا۔ملازمین کی وردیاں سیاہ سفید سے سرمئی رنگ میں بدل گئی تھیں۔رفتہ رفتہ کمبیر محل کے تمام مکین غیر محسوس انداز میں نچلی منزل میں منتقل ہو گئے تھے۔درمیانی منزل اس شخص کے لئے مختص ہو گئی تھی جسے محل کے مکینوں نے خطہ غیر کر دیا تھا۔اور وہ راضی تھا، یا شاید بے زار۔

بارش کے بعد موسم سہانہ ہو گیا تھا بادلوں کی سرمئی ٹولیاں نیلے آسمان پہ راج کر رہی تھیں۔سارے میں جل تھل ہو گئی تھی۔

ایک تھکے ہارے دن کے بعد وہ گھر لوٹا تو ملازم اسکا بیگ اٹھائے اسکے عقب میں چلنے لگے۔کسی کے پاس اسکا لیپ ٹاپ تھا تو کسی کے پاس اسکی فائلز۔کوٹ اس نے خود بازو پہ ڈال رکھا تھا۔آستین کے کف موڑے اسکے چہرے پہ تھکاوٹ نمایاں تھی۔اندر جانے

والے دروازے کو دیکھ وہ ایک لمحے کے لئے رک گیا۔نہ اندر تازہ ہوا کا گزر، نہ کوئی اسکے لئے انتظار کرتا ہوا۔ گردن ترچھی کر کے دیکھا تو لان میں ایزل بیٹھی نظر آرہی تھی۔

اندر جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے وہ ٹھنڈی سانس بھرتا لان میں رکھے صوفوں کی طرف آیا جہاں ایزل اسکول کا کام کرتی نظر آرہی تھی۔ قیس کو دیکھا تو نگاہیں دوبارہ کتاب پہ جھکا دیں۔طویل مدت سے ایک ملاقات قرض تھی اس قرض کے بوجھ سے آزاد ہونے کے لئے وہ اسکی طرف چلا آیا۔چند لمحے کھڑے ہو کر اسے ڈرائنگ بناتے ہوئے دیکھتا رہا، اسکے ہاتھوں میں بلا کی نفاست تھی۔ قیس سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

''آئس کریم کھانے چلو گی؟'' اسکے قریب کھڑے ہو کر پوچھا۔ایزل نے نگاہیں اٹھائیں۔چند ثانیے اسے تکتی رہی۔

''ممی مجھے آپ کے ساتھ جانے نہیں دیں گی۔''

''تم اپنی بات کرو جانا چاہتی ہو؟''

وہ چند لمحے غور سے اسے دیکھتی رہی۔پھر قیس نے اسے اپنی کتابیں بیگ میں رکھتے ہوئے دیکھا۔''چاکلیٹ فلیور۔'' فرمائش نوٹ کرواتی وہ کرسی سے اتر آئی۔نو دس سالہ وہ بچی اپنی عمر سے دو تین سال بڑی لگتی تھی۔اب تو کافی سمجھدار اور ریزرو بھی ہو گئی تھی۔ لیکن آنکھوں اور انداز میں ہمہ وقت ایک باغیانہ تاثر رہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد قیس کی گاڑی ایک آئس کریم پارلر کے باہر کھڑی تھی۔گاڑی کے شیشوں سے بارش کی بوندیں ماتھا پیٹتے ہوئے ٹکراتیں اور پلٹ کر واپس چلی جاتیں۔ایزل اپنی آئس کریم کھا رہی تھی جبکہ قیس بس چمچ چلا رہا تھا اسکی ساری سوچیں تو اس شہر پہ جامد تھیں جہاں وہ دونوں ''ساتھ'' تھے۔کوئی شل اور سن سا احساس تھا جو اسکے دل میں اتر گیا تھا۔

''ویسے تمہاری ممی بہت ناراض ہوں گی۔'' اسے رغبت سے کھاتے ہوئے دیکھ قیس کو میرہ کے رویے کی فکر کیوں ستائی یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''پتہ ہے مجھے لیکن وہ اس وقت مجھے دیکھنے باہر نہیں آتیں انکو پتہ ہے میرے ٹیوٹر کے آنے کا وقت ہے۔''

''اپنا ٹیوٹر کیسا لگتا ہے تمہیں؟'' ایزل کے بال بار بار اسکے چہرے پہ آرہے تھے۔ وہ انہیں ہٹاتی اور بال دوبارہ چہرے پہ گرنے لگتے۔

''اچھا ہے، سختی کم کرتا ہے کام زیادہ۔'' اس نے نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا۔ ''آپ کو اچھا نہیں لگتا؟''

''مجھے اچھا نہ لگتا تو کمبیر محل میں دکھائی بھی نہ دیتا۔'' نرمی سے کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور اسکے بال چہرے سے ہٹانے لگا۔ جانے کیوں اسے خیال آیا تھا اگر اسکی کوئی بیٹی ہوتی تو بہت اچھا باپ ہوتا۔ شاید بہترین۔ ''باقی سب چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ ناراض ہو مجھ سے؟''

''کس بات کے لئے؟'' آئس کریم پگھل رہی تھی سو وہ تیزی سے چمچ گھمانے لگی۔

''میں نے کچھ وقت پہلے تمہیں کہیں بھیجا تھا۔'' لمبے گھنے بالوں کو چٹیا کی طرح بل دیتے ہوئے محبت سے پوچھا۔ ساتھ بے اختیار دوبارہ خیال آیا وہ ایک اچھا باپ بن سکتا تھا۔ شاید نہیں یقیناً۔ خیال یقین میں تبدیل ہوا۔ ''تمھیں برا لگا ہو گا ناں؟''

''وہ ناراض ہونے والی بات تو نہیں تھی۔'' آئس کریم کے ساتھ انصاف ہنوز جاری رہا۔

''یعنی ناراض نہیں ہو؟'' اسکے رنگین کلپس اب وہ ماتھے پہ گرتے بالوں پہ لگا رہا تھا۔ ایزل محب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکی ٹھوڑی پہ آئس کریم لگی تھی۔ تھوڑی سی ناک پہ بھی۔

''میں آپ سے اس لئے ناراض ہوں کیونکہ آپ مجھے لینے نہیں آئے تھے۔ آپ نے کہا تھا آپ آئیں گے۔'' یہ واحد شکوہ تھا جو اس بچی نے ڈھائی سالوں میں پہلی بار کیا تھا۔ ''میں نے وہاں سب کو بتایا تھا آپ مجھے لینے آئیں گے لیکن آپ نہیں آئے۔ جھوٹ بولا تھا آپ نے؟''

قیس کمبیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس بچی کا نام رکھنے والا وہ خود تھا اسے پہلی بار بازوؤں میں اسی نے بھرا تھا میرہ اسکی سگی بہن نہیں تھی پھر کونسی وہ ڈور تھی جو اسے ایزل سے باندھ رہی تھی؟ کافی دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اسے یاد آیا ایزل اسکی زندگی میں اس چھوٹی بہن کا کردار ادا کر رہی تھی جو ایک سانحے کی نظر ہوئی۔ اس بیٹی کی کمی پوری کر رہی تھی جس کی اسے ہمیشہ خواہش تھی۔

''میں آنا چاہتا تھا لیکن.....''

''زینیا کی وجہ سے نہیں آئے؟''وہ اسی طرح سادگی اور دوٹوک انداز میں پوچھ رہی تھی۔ قیس چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔اس نے ایزل کے چہرے پہ کچھ کھوجا تو محض نفرت نظر آئی۔''مجھے پتہ ہے آپ اسی کی وجہ سے نہیں آئے۔وہ جب سے آئی تھی ہم سب کے درمیان بہت پرابلمز آگئیں۔ مہدی اور آپ بھی اسی وجہ سے ناراض ہیں، ہیں ناں؟''

اگر اسے لگا تھا دو ہزار چوبیس میں وہ کسی نو سالہ بچے سے گھر کے راز اور زہریلا ماحول مخفی رکھ سکتا ہے تو آج تڑتڑ برستی بارش کا وہ شور اسے غلط ثابت کر رہا تھا۔وہ سن سا اسے تک رہا تھا۔یک ٹک بغیر پلک جھپکے۔

''ایسا کچھ نہیں ہے وہ بہت اچھی لڑکی ہے اسکی وجہ سے ہمارے درمیان کچھ نہیں آیا۔''اسکا بس نہیں چلتا تھا وہ کھرچ کر اسکے دماغ سے یہ خرافات نکال دے۔

''کم آن جھوٹ مت بولیں۔میں نے سب سنا ہے۔مہدی اب بھی اسی کے ساتھ ہے ناں؟''آئس کریم پگھل کر بھورے پانی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ قیس کا دھیان اس طرف نہیں گیا۔

''یہ تم سے کس نے کہا؟''اس پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

''میں نے آپ کو زینیا سے بات کرتے ہوئے سنا تھا۔آپ کہہ رہے تھے کہ مہدی..''

''اچھا بس بس...''اس نے تیزی سے ایزل کو ٹوکا۔چہرے پہ پسینہ آگیا تھا۔اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ کم عمر تھا خوش تھا اور ایک دن وہ سبز آنکھوں والی عورت انکی زندگی میں داخل ہو گئی تھی۔وہ چپ رہتا مگر سب دیکھتا رہتا اسکی ذہنی صحت متاثر ہوتی رہتی اور اب وہی سب ایزل کے ساتھ ہو رہا تھا وہی سب۔اسکے دل پہ کوئی بھاری شے رکھ دی گئی تھی۔

''دیکھو بچے میں تمھیں لینے آنا چاہتا تھا لیکن قیسم کا کوئی مسئلہ ہو گیا تھا اسکے بعد مہدی تمھیں لے آیا۔مہدی اور میں ایک ہی انسان ہیں اوکے؟''وہ اپنے تئیں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔''وہ میرا چھوٹا بھائی ہے وہی کام کرتا ہے جو میں اس سے کہوں ہم دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ تھوڑی ہے۔اور......''اسے سمجھ نہ آیا کیا تاویلیں دے۔''تم ان سب سوچوں میں مت پڑو۔زینیا بہت اچھی

عورت ہے اس کی وجہ سے ہم دونوں دور نہیں ہیں۔ جب تم اس سے ملو گی تب تمھیں پتہ چلے گا وہ کتنی نوبل ہے۔ وہ واقعی بہترین ہے۔''

''لیکن آپ نے کہا تھا آپ اسکی بات نہیں کرنا چاہتے اسکے آنے سے سب خراب ہوا ہے۔'' وہ اسکے اپنے کہے الفاظ اسکے منہ پہ دے مار رہی تھی۔ قیس کے منہ پہ تھپڑ آ کر لگا۔ کیا وہ اس پاڈکاسٹ کو دیکھ چکی تھی؟ آہ یقیناً۔

''لوگوں کے سامنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ہم ہمیشہ سچ نہیں بول سکتے۔ اس وقت مجھے کچھ غلط فہمی تھی اس لئے، ورنہ.....''

''وہ ایک اچھی عورت ہے؟'' اس نے قیس کی بات بیچ میں کاٹی ایسے جیسے تضحیک کی ہو، ایسے جیسے اسکے جھوٹ کا پردہ رکھ لیا ہو۔ ''اوکے۔'' ایسے کہا جیسے اسکی ہر بات مان گئی ہو۔ وہ یکدم بددل ہوا۔ گھٹن بڑھ گئی۔ ایک اور قیس کمبیر ہرگز نہیں۔

اگلے کئی منٹ ایزل آئس کریم کے نام پہ اس بھورے پانی کو چمچ سے کھاتی اور کچھ بولتی رہی۔ قیس بے دھیانی سے اسکی بات سنتا رہا۔ باہر برستی بارش لمحہ بالمحہ تیز تر ہوتی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کراچی پورٹ پہ لوگوں کا بے تحاشا رش تھا۔ یہ ملک کی سب سے مصروف بندرگاہ ہے جہاں ہمہ وقت لوگوں کا سمندر رہتا ہے اور سامان کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔ لوگ تھکے ہوئے بے زار چہرے لئے اپنے سفر کو نکلتے ہیں تو کچھ کے چہروں پہ مسرت بھی جھلکتی ہے۔ کچھ تاجر ہوتے ہیں اور کچھ بدقسمتی سے اسمگلرز۔

چہرے پہ ماسک لگائے ایک کندھے پہ سفری بستہ ڈالے وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز اپنے ساتھ کھڑی عورت کو دیکھ رہا تھا جو سیاہ رنگ کے عبایا میں ملبوس تھی تب ہی اسکا فون بجا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔ اسکے ساتھ کھڑی عورت کے کاغذات جعلی تھے، گو کہ کوئی اس ملک میں اسکی آمد پہ کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن اس ملک میں آتے ہوئے اسکا ضمیر مطمئن تھا کیونکہ یہ ملک ''اپنا'' تھا۔ وہ کتنے ہی منٹ جہاز کے زینوں پہ کھڑی آس پاس دیکھتی رہی۔ اردو...... کتنا وقت بعد اپنے قریب اس نے ہر شخص کو اردو بولتے سنا تھا۔ میٹھی، محبوب زبان۔ انسان آدھی دنیا گھوم لے ملک واپسی ایسی ہوتی ہے جیسے کسی نے سردی سے

ٹھٹھرے ہوئے پرندے کو پروں میں ڈھانپ لیا ہو۔ کتنے لوگ تھے جن سے اسکا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن وہ ہم وطن تھے۔ یہ بھی تو ایک تعلق ہے۔

''چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ مسلسل فون پہ کسی کے ساتھ رابطے میں تھا۔ کئی معاملات طے کرتے ہوئے زینیا نے پہلی بار اس کی بجائے سرزمین پہ غور کیا تھا۔ ''جی بس یہاں سے کلیئرنس کروادیں۔ جی جناب رقم اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اوکے پھر آپ غفور صاحب کا نمبر بھیج دیں۔ میری عورت ساتھ ہے کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو بس۔'' فون پہ کہتے ہوئے اس نے زینیا کے ہاتھ سے وہ چھوٹا سا بیگ بھی لے لیا۔ ساتھ اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ وہیں جمی کھڑی رہی۔ مہدی نے کال ختم کر کے اسے دیکھا۔

''چلیں؟ دیر ہو رہی ہے۔''

ڈھائی سال پہلے وہ رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح یہاں لائی گئی تھی آج ڈھائی سال بعد وہ دن کی روشنی میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی۔ کوئی سوال کرتا تو جواب دینے والا موجود تھا، کوئی نگاہ اٹھا کر دیکھتا تو آنکھیں نکالنے والا ساتھ تھا۔ مرد اور عورت کو برابری کے چکروں میں آپس میں لڑوایا گیا ہے در حقیقت ان دونوں کی حیثیت ایک دوسرے کی زندگی میں ایک دوسرے کو کامل کرنے جیسی ہے۔ وہ اسکے پہلو میں کھڑا اسے کامل کر رہا تھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' یہ جملہ اس نے عرصہ بعد کسی سے کہا تھا۔ مہدی نے بغیر کچھ کہے اسکا پہلو میں گرا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ تحفظ اور مان دینے کا ایک طریقہ۔

''میں ڈر ختم کرنے پہ قادر نہیں لیکن اس میں تمھارے ساتھ ہوں۔ چلو ساتھ ڈریں گے۔'' دھیرے سے کہہ کر اسے باور کروایا۔ پھر یونہی اسکا ہاتھ تھامے آگے بڑھ آیا۔ ذرا فاصلے پہ کچھ لوگ کھڑے تھے جنہوں نے جلدی سے اسکے ہاتھ سے بیگ لیا۔ زینیا نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو یوں لگا جیسے نگاہ پتھرا کر رہ گئی ہو۔ مہدی کمبیر کے ہاتھ سے بستہ لینے والے کون تھے اسے نہیں پتہ تھا مگر جو اسکے سامنے کھڑا اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا وہ حاکم نواب تھا۔ مہدی ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ کوئی روایتی سسر اور داماد نہیں تھے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لئے بھی ہاتھ نہیں بڑھایا تھا ہاں مگر اسکے ساتھ کھڑے اسکے شوہر نے اسکا ہاتھ چھوڑا بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں کیا کہہ رہے تھے وہ نہیں سن رہی تھی اسکی نگاہیں تو بس اپنے باپ پہ جمی تھیں۔

''یہاں سے کچھ گھنٹوں کا فاصلہ ہے گاڑی سے جلدی پہنچ جائیں گے۔''اس نے حاکم کو کہتے ہوئے سنا۔ آنسو بے اختیار اسکی آنکھوں سے بہہ نکلے۔اسے لگا تھا وہ اپنے باپ سے محبت کرنا چھوڑ چکی ہے مگر وہ بوڑھا مرد آج بھی اسکی پہلی محبت تھا۔اسے یقین تھا اس آواز کو سنتے،اس آدمی کو دیکھتے ہی اسکے حوصلے ختم ہو جائیں گے نفرت کی دیوار گر جائے گی۔حاکم نے ایک نظر زینیا کو دیکھا۔انکے چہرے کے کسی بھی تاثر کو پڑھنے سے وہ ناکام رہی۔

''مجھے پہلے آپ سے یقین دہانی چاہیے وہاں جا کر ہمارے لئے کوئی مسائل تو نہیں ہوں گے ؟''گاڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میرے ہوتے ہوئے کسی کی یہ جرات نہیں ہے تم بے فکر رہو۔'' حاکم نے کہا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے مجھے میرے گھر سے نکال کر دوسرے ملک بھیجا گیا تھا آپ بھول گئے ہیں؟''وہ تڑپ کر بولی۔اب کے حاکم نے دوسری بار اسے دیکھا۔وہ اسکا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے شاید اچھا ہی تھا کہاں آنکھیں ملائی جاتیں؟ کئی لمحے وہ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔بغیر کچھ کہے خاموشی سے ایسے جیسے اسکی موجودگی محسوس کرنا چاہ رہے ہوں۔کئی لمحے بعد آگے بڑھ کر اسکے سر پہ ہاتھ رکھا۔چند لمحے تھپکتے رہے پھر ہاتھ ہٹا لیا۔کتنے وقت بعد سر پہ آسمان آیا تھا؟

''گھر چلتے ہیں۔''

برسوں کے فاصلے تھے یوں لمحے بھر میں ختم ہونا ناممکنات میں تھا۔مگر اسکے اندر کی بیٹی چاہتی تھی وہ باپ کے گلے لگ کر دیکھے وہ جو سرد گرم دیکھ آئی تھی اب ایک محفوظ آغوش دیکھے لیکن وہ بغیر کچھ کہے گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔زینیا کو غصہ بھی آیا،ہتک بھی محسوس ہوئی اور دور کہیں محرومی بھی کچوکے لگانے لگی۔اس شخص سے وہ آج تک موو آن نہیں کر سکی تھی۔بے بسی سی بے بسی تھی۔

''آپ کا دماغ پوری طرح سے خراب ہو چکا ہے۔میں جتنی کوشش کرتی ہوں آپ محفوظ رہیں آپ اتنا ہی سانپوں کے بِل میں ہاتھ دینے لگتے ہیں۔'' باپ سے نہیں نمٹ سکی تو اسکی طرف مڑ کر وہ تیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔''آپ کو میری کوئی بات سمجھ کیوں نہیں آتی ہے ؟''

''مجھے تمہاری رخصتی تمہارے باپ کے گھر سے چاہئے ہے اور معذرت مگر تمہارے ابا پہ مجھے ٹکے کا یقین نہیں ہے میں وہاں بشر کی ذمہ داری پہ جارہا ہوں۔ فکر کیوں کرتی ہو میں ساتھ ہوں ناں؟''

''شہیدوں میں نام لکھوانے کا بہت شوق ہے آپ کو؟ میری بات غور سے سنیں ہم وہاں نہیں جارہے کیونکہ وہ سب آپ کے خلاف ہیں آپ کو مار دیں گے۔ آپ کو آخر کیا شوق چڑھا ہے چیزیں مشکل بنانے کا؟'' انکی آواز آگے آگے چلتے حاکم تک نہیں جا رہی تھی۔

''تمہارے دادا اور میرے دادا کزنز تھے رائٹ؟ خاندان ایک ہی ہے ہمارا پھر تمھیں کیوں لگتا ہے میں کم خبطی ہوں، کم شاطر ہوں یا پھر کم سازشی؟''

''یعنی آپ میری بات نہیں مانیں گے؟''

''یوں تو میں پیدائشی زن مرید ہوں لیکن یہ یاد رکھو میں تمہارا شوہر ہوں۔ کچھ فیصلے میں کروں گا جو تمہیں ماننے ہوں گے۔ یہ یقین رکھو کہ میں تمہارا شوہر تمہاری حفاظت کر سکتا ہوں اور تمھیں بیوہ کرنے کا فلحال کوئی شوق نہیں اس لئے سب فکریں مجھ پہ چھوڑ دو۔''

وہ مطمئن نہیں ہوئی مگر چپ رہی۔ کچھ چیزیں کچھ معاملات تھے جن میں مہدی کمبیر اسلام آباد میں ملنے والا خیر خواہ نہیں اسکا ''شوہر'' تھا۔ تعظیم تھی کہ احترام وہ چپ کر جایا کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھے تھے۔ سامنے حاکم تھے اور ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ مہدی اور حاکم کے درمیان رسمی جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا مگر انہوں نے براہ راست زینیا کی واپسی یا حویلی کے حالات پہ تبصرہ ان دونوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ مہدی کچھ دیر تک باہر دیکھتا رہا پھر رخ زینیا کی طرف موڑ لیا۔ وہ شاید کسی اور خیال میں تھی، ماضی کا کوئی خیال۔ جو اس کے ذہن پہ حاوی تھا۔

''کچھ وقت پہلے تمہارے دادا تمہارے بھائی اور ابا کو اپنے گھر لے گئے تھے اسکے بعد سے بشر کو نواب بنایا گیا اور اب تمہارا بھائی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ سیلیبرٹی یو نو۔'' وہ اسکے حیران تاثرات بھانپتا اسے خبریں دے رہا تھا۔ ''براق کے ساتھ صحیح

معنوں میں زیادتی ہوئی ہے بیچارہ مجھے مروا کر تخت لینے آیا تھا تمھارے دادا بھی صحیح کھیل گئے۔ سہی ابلیس کے چیلے تھے۔'' براق کے متعلق مہدی کو کافی عرصہ پہلے علم ہو گیا تھا مگر ان دنوں وہ اتنا الجھا رہتا تھا کہ کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا۔ زینیا کو یہ سارا قصہ اس نے ڈھاکہ میں قیام کے وقت سنایا تھا وہ جتنا حیران ہوتی اتنا کم تھا۔ لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔

''تمھیں عجیب نہیں لگ رہا براق تمہارا کزن نکل آیا۔ تمہارا فرسٹ کزن۔''

''ہاں حیران شاید ہوں لیکن اتنی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ظفر چچا کی ایک بیوی دبئی میں رہتی ہے۔ بالاج کے ابا نے بھی دوسری شادی کی تھی میرے ابا کو موقع نہیں مل سکا اور حاتم چچا کے بارے میں اتنا معلوم تھا کہ انکی ایک بیوی اور بیٹا ہے۔ اس لئے زیادہ حیران نہیں ہوں۔ لیکن کیا وہ جانتا تھا میں کون ہوں؟''

''پہلے دن سے جانتا تھا ہو گا۔ میں اسے سے ملتا نہیں اس لئے نہیں پتا۔'' مہدی نے کہا۔

''لیکن میں ملوں گی۔'' وہ فیصلہ کرتے ہوئے بولی۔ مہدی نے اسکا رخ اپنی جانب کیا۔

''سرکار بندے کی غیرت جاگ جانے کا خدشہ ہے۔''

گاڑی کا ایک جھٹکا انہیں حال میں لے آیا۔ مہدی اب اس سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا وہ بس راستے دیکھ رہا تھا جہاں بڑے بڑے گڑھے تھے۔ آس پاس کچے پکے مکان تھے۔

''گاؤں کی یہ حالت ہے کیسے نواب ہو تم لوگ؟'' مہدی نے گاڑی چلاتے ضیغم پہ انگریزی میں چوٹ کی۔

''اپنی دستار اتار کر تم لوگوں کے سر پہ رکھ دیتے مگر کیا کریں تم لوگ لائق نہیں ہو۔''

''موقع دے کر دیکھو ثبوت مل جائے گا کون کس چیز کے لائق ہے۔''

''ہمت اور جرات ہے تو آؤ چھین کر دکھاؤ۔''

''تم کس بات پہ اکڑ رہے ہو؟ تم تو نواب بھی نہیں۔''

''میرا سالا تو ہے ناں۔''

''وہ تمہارا سالا بعد میں تم اسکے سالے پہلے ہو۔''

''میں نہیں مانتا۔''ضیغم نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تمھارے ماننے کی پرواہ کسے ہے؟''

''میرے تین بار ماننے سے میرے سالے کی بہن کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''شٹ اپ۔''

ان دونوں کی ساری تکرار حاکم کی موجودگی کے باعث انگریزی میں ہوئی تھی۔زینیا کی آنکھیں پنڈولم کی طرح گھومتی رہیں۔ان دونوں میں دشمنی نما دوستی کب ہوئی اور ابا اتنی دیر سے خاموش کیوں تھے؟دونوں میں سے کسی کو جھڑکا کیوں نہیں؟ابا اتنے شریف کب ہوئے؟

وہ ان گتھیوں میں الجھی رہ جاتی مگر صد شکر کہ حویلی کا دروازہ آگیا تھا۔مہدی نے گہری سانس لی۔ضیغم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا مگر چپ رہا۔حویلی کو دیکھ زینیا کا سانس سینے میں کہیں اٹک گیا۔ہتھیلیاں پسینے میں بھیگنے لگیں۔وہ سانس روکے نگاہیں اٹھائے حویلی کو تک رہی تھی۔اسکے جسم اور روح پہ آج بھی وہ داغ تھے جو اس حویلی والوں کے دیئے ہوئے تھے۔کیا وہ کبھی بھی انہیں معاف کر پائے گی؟

''چلو اب ذرا میں اپنے سالوں سے نمٹ لوں۔''زینیا کے پاس سرگوشی کرتے وہ گاڑی سے باہر نکل آیا۔آس پاس لوگ ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگے۔گارڈز کے منہ حیرت سے کھلے تھے دربان اپنی آنکھوں کو مسل کر کھولنا چاہتا تھا۔مہدی کمبیر جس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا وہ یقیناً نوابوں کی بڑی بیٹی تھی۔لیکن وہ یہاں؟کیوں، کب، کیسے؟

جنگ عظیم سوئم شروع ہونے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حویلی کے قصوں کو ماضی میں دفنا کر، ان تمام یادوں کو ایک بری یاد سمجھتے کسی سوانح عمری کی کتاب کے پنے کی طرح پلٹ کر، وقت کی ساعتوں پہ مٹھی بھر ریت ڈال کر کہانی میں آگے بڑھ آؤ تو شہر خموشاں پہ رات اتر آئی تھی۔ بارشوں کی وجہ سے آج کل فضاؤں میں خنکی رہنے لگی تھی۔ موسم خاصا سرد ہو گیا تھا۔

کمبیر محل کے ڈائننگ ہال میں چمچ اور کانٹوں کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں آ رہی تھی۔ میز پہ ڈھیر سارے لوازمات رکھے تھے۔ جن کی خوشبو ہال میں پھیلی تھی۔ سربراہی کرسی پہ قیس براجمان تھا۔ اسکی دائیں طرف مقصود وہیل چیئر پہ۔ گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی اور چہرے کے نقوش ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ میرہ، انیسہ اور ایزل چپ چاپ کھانا کھا رہی تھیں۔ آج کل اس محل میں جھگڑے کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔

''چچا کے کھانے میں نمک دیکھا ہے تم نے، میرہ؟'' وہ یخنی میں ڈوبی روٹی کے ٹکڑے چمچ میں بھرتا انہیں کھلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''ملازم پھر ملازم ہی ہوتا ہے تم کم از کم کھانا تو اپنی نگرانی میں بنوالیا کرو۔ سارا دن کرتی کیا ہو؟'' وہ بغیر کسی کراہیت کے انکے چہرے سے گرا ہوا کھانا رومال سے صاف کرتا اور اگلا نوالہ اسی توجہ سے انہیں کھلانے لگتا۔ کیا آدمی تھا وہ؟

''میرے بھی ہزار کام ہوتے ہیں دو بچوں کی ماں ہوں میں تمھیں لگتا ہے گھر کے ان کاموں کے کے لئے میرے پاس وقت ہے؟'' وہ رکھائی سے بولی۔

''عورتیں ملٹی ٹاسکنگ ہوتی ہیں۔''

''پھر اپنے لئے لے آؤ وہی۔'' وہ اسی بے رخی سے بولی۔ قیس لب بھینچ کر رہ گیا۔ اسے واضح نظر آ رہا تھا میرہ آج کل بری طرح الجھی ہوئی رہنے لگی ہے۔ محب اور اسکی طلاق ہو گئی تھی، دو بچوں کے ساتھ ایک پہاڑ جیسی زندگی گزارنا شاید یہی چیز اسے متنفر کئے ہوئے تھی۔ اوپر سے ایزل کی ہٹ دھرمی دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ شاید میرہ اپنی طلاق پہ پچھتا رہی تھی۔

قیس، میرہ سے نگاہیں ہٹا کر ایک بار پھر مقصود کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ دماغ کئی جگہ الجھا ہوا تھا۔ یونہی بے اختیار اسے کوئی احساس ہوا جس کے تحت اس نے نگاہیں اٹھا کر ڈائننگ ہال کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں پہلے کوئی آہٹ ہوئی۔ قیس کے دل جیسے جکڑا گیا۔ مہدی کے بولنے کی آواز آئی، اسکے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی۔ اور پھر چوکھٹ پہ دو لوگ نمودار ہوئے قیس کمبیر

کی ساری دنیا جل کر خاک ہوگئی۔زینیا حاکم مہدی کمبیر کے شانہ بشانہ کھڑی تھی۔سنہرے سفید ڈائننگ ہال میں موت جیسی خاموشی چھاگئی۔وہ بنا پلک جھپکے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔دل دھڑک رہا تھا اور نگاہیں ایک رخ پہ ساکت۔

''اسلام وعلیکم۔''اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے با آواز بلند سلام کیا۔ساری گردنیں اسی کی طرف مڑی تھیں۔میرہ کی گود میں بیٹھا میران اسے دیکھ کر کھلکھلا رہا تھا ایزل کی نگاہوں میں سرد مہری اتر آئی تھی۔میرہ اور انیسہ متعجب لگتی تھیں۔

''مجھے نہیں لگتا یہاں آنے کا یہ صحیح وقت تھا۔''زینیا نے سرگوشی کی۔

''کمبیر محل میں ہم عید کو عاشورہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہمارا ٹیلنٹ ہے یہ۔''وہ بھی اسی کے انداز میں بولتا ہوا آگے آیا۔ان دونوں نے سفید رنگ پہنا تھا۔زینیا کی کلائیوں میں سرخ چوڑیاں تھیں،چہرے پہ میک اپ بھی۔

''کھانے کے درمیان مخل ہونے کے لئے معذرت لیکن اگر انہیں یونہی ہمارے کمرے میں لے جاتا تو اچھا نہ لگتا خاندان کی طرح ملنا ضروری تھا۔''وہ دونوں میز کی دائیں طرف کھڑے تھے باقی سب بس انہیں دیکھ رہے تھے ہال میں سکوت تھا۔''انہیں آپ سب جانتے ہوں گے زینیا حاکم،میری بیوی۔ہمارا نکاح چند مسائل کے درمیان ہوا لیکن کچھ دن قبل انکے گھر پہ انکے والد اور بھائی کی موجودگی میں ہمارا نکاح دوبارہ ہو چکا ہے تاکہ جن لوگوں کو علم نہیں تھا انکے سامنے ایک اعلان ہو جائے۔یہ میری بیوی ہے اور اب سے اسی گھر میں رہے گی۔میرے ساتھ۔امید ہے آپ سب اسکا ویلکم بہت اچھے سے کریں گے۔''

اس نے ایک بار بھی قیس کی طرف نہیں دیکھا تھا اور قیس نے ایک لمحے کے لئے بھی زینیا کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا تھا۔پہلو میں جو دھڑک رہا تھا وہی جل بھی رہا تھا۔

''ان سے ملو،زینیا یہ میری بڑی بہن ہے میرہ۔''وہ اب اشارے سے اسے سب کا تعارف کروا رہا تھا۔زینیا سر کے خم سے سلام کر رہی تھی۔''یہ اسکی بڑی بیٹی،ایزل اور یہ چھوٹا بیٹا،میران۔یہ انیسہ ہے۔اور یہ میرے چچا مقصود.....بختیار چچا کچھ عرصہ قبل فوت ہوگئے تھے۔''میز پہ اب ایک ہی شخص بچ گیا تھا جس کے کئی تعارف تھے۔جس سے کئی تعلق تھے۔مگر وہ سب ماضی کا حصہ تھا حال مختلف تھا۔حال میں اسکا ایک ہی تعارف تھا۔

۔" یہ میرے تایا کا بیٹا ہے۔" اب کے اس نے ساکت بیٹھے قیس کمبیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "قیس زمان کمبیر میرا بڑا کزن، اور تمہارا جیٹھ۔"

زینیا نے اسکی طرف نہیں دیکھا مگر پہلو میں دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے قیس کی طرف سے کسی شدید رد عمل کا خطرہ لاحق تھا۔ وہ جلد از جلد منظر سے غائب ہونا چاہتی تھی۔ بس اسکا شوہر یہ موت کا کھیل بند کرے۔ مگر وہ تو قیس کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ان سے ملو قیس یہ میری بیوی ہیں، اور تمہاری بھابی۔"

"اپنی بکواس بند رکھو۔" بلآخر قیس کمبیر بولا تھا، بلکہ وہ غرایا تھا۔ "اسے جہاں سے اٹھا کر لائے ہو وہیں چھوڑ کر آؤ ورنہ میں تمھارے ساتھ وہ کروں گا کہ تم یاد رکھو گے۔ اور اسکا ٹھکانہ بھی جہنم ہو گا۔" اسکی آواز آخر میں غراہٹ میں تبدیل ہوئی۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"مثلاً کیا کرو گے تم؟" بازو سینے پہ باندھ کر دلچسپی سے پوچھا۔

قیس متغیر ہوتی رنگت سے کرسی چھوڑ کر اٹھا۔ اسکا بس نہیں چلتا تھا وہ اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ "یہ میرا گھر ہے، یہاں کون رہے گا کون نہیں یہ میں طے کروں گا اور یہ لڑکی یہاں تمہاری بیوی کی حیثیت سے نہیں رہے گی۔ طلاق دے کر فارغ کرو اسے۔"

"میری یادداشت کے مطابق یہ گھر اور اسکی ملکیت میرے ابا کے نام تھی۔ پھر تم نے اسے قبضے سے چھڑوا کر اپنے نام کروا لیا لیکن گھر نام جو جانے سے تمہارا نہیں ہوا۔ یہ گھر اگر کسی کا ہے تو میرا۔ اس لئے اگر یہاں سے کوئی جا رہا ہے تو وہ "میں" نہیں ہوں۔ ہاں اگر کسی کو کوئی مسئلہ ہے تو اس گھر کو چھوڑ سکتا ہے۔" اس نے اپنی بات ختم کر کے جنید کو آواز دی۔ مستعد ملازم تیزی سے باہر آیا۔ "ہم دونوں کا کھانا کمرے میں لے آنا اور جہاں آرا سے کہو تیسری منزل کا ماسٹر بیڈ روم صاف کروائے، کچن اور ڈرائنگ روم سیٹ کرے ہم کل وہیں شفٹ ہوں گے۔" اپنی بات ختم کر کے اس نے زینیا کو دیکھا جو اسکے ساتھ کھڑی تھی مگر اسکے چہرے سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اداس ہے، پریشان یا پھر مضطرب۔

''مجھے کسی انتہائی قدم کے لئے مجبور مت کرو مہدی، یہ نہ ہی کہ میں بھول جاؤں تم میرے بھائی ہو۔''

''اس بار کوئی بھی انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے یہ واقعی یادر کھنا کہ میں '' تمہارا'' بھائی ہوں۔''

''یہ گھر تمہارا ہو یا میرا یہ عورت یہاں نہیں رہے گی۔''اس نے بامشکل خود پہ قابو پایا۔

''کم از کم تم اسے یہاں سے نکالنے کی جرات نہیں رکھتے۔''

''میں کیا کیا کرنے کی جرات رکھتا ہوں یہ بتاؤں ؟''اس نے آگے بڑھ مہدی کا گریبان پکڑا اور اسے گردن سے پکڑ کر دروازے سے لگایا۔ بازو اسکی گردن پہ رکھے وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا ایسے جیسے سالم نگل جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ زینیا حاکم محبت کا یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ ''جو میں کہوں گا اس گھر میں صرف اور صرف وہی ہو گا تم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ۔۔ . . . . ''اسکے باقی کے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے جب پستول کی نال اسکی گردن سے ٹکرائی۔

ڈائننگ ہال لمحوں کے اندر میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ قیس کمبیر اپنی جگہ ساکن رہ گیا۔ اس نے بچپن سے لے کر اب تک کئی بار مہدی پہ ہاتھ اٹھایا تھا وہ ہر دفع دھمکی دیتا اور خاموش رہ جاتا مگر آج اس نے اپنے بھائی پہ پستول تانی تھی وہ دوبارہ پیدا ہو کر آ جاتا تب بھی اتنا ہی بے یقین رہتا جتنا اس وقت تھا۔ مہدی کمبیر پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑی۔ وہ پیچھے ہوا، پستول کا لوہا اب بھی اسکی گردن سے ٹکرا رہا تھا مہدی اب بھی سرد مہری اور لاتعلقی بھری ٹھنڈک لئے اسے تک رہا تھا۔ قیس جیسے سانس لینا ہی بھول گیا ہو۔

''میں نے تمھیں کئی دفع سمجھایا ہے مجھ پہ دوبارہ ہاتھ مت اٹھانا تم ہر بار ہر حد پار کر دیتے ہو، تمھیں نہیں کرنی چاہیے۔ میں خود پہ برداشت کر لیتا تھا غلط کرتا تھا لیکن میری بیوی پہ بات کرو گے تو برداشت نہیں کروں گا۔ اپنی حد میں رہنا سیکھو۔''

وہ اب تک بے سانس تھا۔ اسکے چہرے سے ہر رنگ غائب تھا اس نے پستول نہیں چلائی تھی مگر قیس کو لگا وہ قتل ہو چکا۔ ریت کی مانند ہر تعلق اسکے ہاتھ سے نکل گیا شامل اس میں مہدی بھی تھا۔ اسکی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اسکے گھر آنے والی عورت، عورت نہیں میڈوسا تھی۔ اس نے سب پتھر کر دیا قیس کا دل بھی۔

''میں تمہارا بھائی ہوں تم میرے ساتھ یہ رویہ رکھو گے ؟''قیس کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''میں بھی تمہارا بھائی تھا تم نے مجھے لگنے والی گولیوں پہ کھیل ترتیب دیا۔ میری تکلیف سے واقف ہوتے ہوئے تم نے کتنا عرصہ میری کوئی خبر نہیں رکھی۔ میری بیوی پہ مقدمے درج کروائے، جس نے مجھے قتل کرنے کی سازش کی تم نے اسکے ساتھ کاروبار جوڑا جب تم نے میری پرواہ نہیں کی تھی تو اب میں کیوں کروں؟''

''وہ ماضی تھا۔''

''حال میں کچھ مختلف ہوگا؟ مجھے تو نظر نہیں آرہا۔''اس کا اشارہ اپنی گردن کی طرف تھا۔ پستول قیس کی گردن سے ہٹ چکی تھی مگر وہ ہنوز بے یقین تھا۔ ''تم کبھی نہیں بدل سکتے لیکن میں بدل گیا ہوں کیونکہ تمھارے ہاتھوں مزید ذلیل ہونے کا کوئی شوق نہیں مجھے۔''

وہ اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈال کر مڑا۔ زینیا کی طرف دیکھا جو دروازے سے لگ کر کھڑی تھی وہ اس سارے وقت میں بس خاموش رہی تھی۔

''تم اسکے ساتھ نہیں جاؤ گی زینیا۔''اس نے لہجہ بلند رکھنے کی سعی کی مگر یہ اس سے ہوا نہیں۔ ''تم.... تم نے سوچا بھی ہے یہاں آ کر تم نے کتنی غلطی کی ہے میں تمھارے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہوں اسکا تمھیں کوئی اندازہ بھی نہیں۔'' وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس وقت وہ اس سلطان کی مانند تھا جس کی رعایا اسکے خلاف تھی۔

وہ پلکیں جھپکائے سادگی سے اسے دیکھتی رہی۔ ''تمھیں نہ جانے کیوں خوش فہمی ہے کہ میرے پاس اتنا وقت ہے جس میں، میں تمھارے بارے میں سوچوں، تمہاری باتوں پہ عمل کروں۔ اور تم سے خوف کھاؤں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ دنیا ادھر کی ادھر کر دو۔''اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ مہدی بھی وہاں رکا نہیں تھا۔ قیس نے ان دونوں کو ایک ساتھ اسکے '' اپنے'' کمبیر محل میں قدم اٹھاتے ہوئے دیکھا وہ بس دیکھ ہی سکا۔ ہال سے زینے اور زینوں سے کمرے کے دروازے کے بند ہونے تک وہ چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ وہ اسکے سامنے کسی اور کے ساتھ گئی تھی، کیا وہ کبھی بھی اس تکلیف سے نکل سکتا تھا؟

نہیں.... کبھی بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرہ کشادہ تھا مگر زینیا کو یوں لگا جیسے ابھی اسکا دم گھٹ جائے گا۔ ریک پہ ڈھیر سارے سامان سیٹ تھے۔ اس تعداد میں کہ اسکا جی چاہا فوراً آگے بڑھے اور اسے ترتیب میں لے آئے۔ دیوار پہ ایک طرف مہدی کی تصاویر تھیں جن میں وہ مختلف ممالک کی سیاحت کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ بیڈ کی چادر مختلف رنگوں میں ڈھلی تھی۔ وہ ایک رنگ کی چادر بھی ڈال سکتا تھا۔ ڈریسنگ پہ کتنی ہی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ الماری کے پٹ کھلے تھے، دیوار پہ لٹکی پینٹنگ سیاہ سفید کا ایک مضمحل سا آمیزہ تھی۔ لمحے کے اندر اندر ''پرفیکشنسٹ'' عورت نے نگاہیں چرا لینے پہ اکتفا کیا۔ شادی کے بعد محبت چونچلے بازی کے زمرے سے نکل آتی ہے اس نے بھی زیر لب خود کو ''ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف'' کہا تھا۔

''کچھ اسپیشل کھانا ہے تو بتاؤ جنید بہت اچھا شیف ہے۔'' وہ کوٹ اتار کر پلنگ پہ اچھالتے ہوئے بولا۔ ''کسی بھی چیز کا تکلف مت کرنا پلیز، جتنی جلدی یہاں ایڈجسٹ ہو جاؤ گی اتنا ہی آرام رہے گا۔''

''مجھے نہیں لگتا میں اس کمرے میں کبھی ایڈجسٹ ہو سکوں گی۔'' لگی لپٹی اس نے پہلے کب رکھی تھی جواب رکھتی مہدی ٹھٹھک کر مڑا۔ زینیا اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ ''چیزیں بہت بکھری ہوئی ہیں۔''

''یہ میرے سٹائل کی سیٹنگ ہے۔''

''سیٹنگ ہے؟'' اس نے مڑ کر دیکھا تو مہدی شاکی تاثر لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے وہ اسکی پسندیدہ عورت تھی لیکن یوں اسکی سیٹنگ پہ سوالیہ نشان اٹھانا بھلا کوئی اچھی بات تھی؟

''ماسٹر بیڈروم میں شفٹ ہوں گے تو زیادہ جگہ ہو گی تم وہاں جا کر اپنی پسند سے کچھ چیزیں بدل لینا۔'' وہ سیاح تھا اسے ایڈجسٹمنٹ کی عادت تھی سو وہ کر لے گا۔ (ویلکم تو پریکٹیکل لائف پارٹ ٹو۔)

وہ پلنگ کی ایک طرف ٹک گئی۔ مہدی غسل خانے میں بند ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک پانی گرنے کی آواز آتی رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا تو سرمئی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ گیلے بال تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ پلنگ

کی طرف آیا تو زینیا ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی تھی۔ مہدی نے اسے ٹوکا نہیں۔ وہ وقت لے گی اسے وقت دینا تھا۔ اس نے اے سی کا ریموٹ اٹھا کر ٹھنڈک کم کر دی۔ وہ حویلی میں بھی یہی کیا کرتا تھا۔

بیوی صاحبہ کو کمرہ بے حد ٹھنڈا پسند تھا اور شوہر صاحب کو نارمل۔ کوئی بات نہیں کچھ وہ برداشت کر رہا تھا کچھ وہ کر لے گی۔ تھوڑی دیر بعد جنید انکا کھانا دے کر گیا تو وہ دونوں صوفوں پہ آ کر بیٹھے۔ زینیا ہنوز اس چادر میں ملبوس تھی جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئی تھی۔

"یہ بھاری ہے اسے بدل لو۔" پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے اس نے دوپٹے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں یہ ٹھیک ہے میں کمفرٹیبل ہوں۔" اس نے چادر مزید اپنے گرد لپیٹ لی۔

مہدی نے گہری سانس لی اپنی جگہ سے اٹھا اور الماری کی طرف بڑھا۔ مردانہ کپڑوں کے ساتھ کچھ زنانہ کپڑے بھی ٹنگے تھے شاید وہ اسکے لئے خریداری کرتا رہا تھا۔ اس نے ایک سوٹ سے دوپٹہ نکالا اور اسکی طرف آیا۔ "یہ مجھے دے دو یار بھاری ہے ان غیر آرامدہ رہو گی۔" دھیرے سے اسکے دوپٹے کے بکل کھولتے ہوئے اس نے ہلکا دوپٹہ اسکی طرف بڑھایا۔ جسے زینیا نے کندھوں پہ پھیلایا۔ مہدی نے اسکے کھلے ہوئے چھوٹے بال کلپ لگا کر پیچھے باندھ دیئے۔ "ایزی ہو جاؤ اس طرح تو تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔" وہ اب اسکے دونوں پیر اٹھا کر اوپر رکھ رہا تھا۔ لمحوں کے اندر وہ اسے پر سکون کر چکا تھا۔ صوفے پہ غیر آرام دہ انداز میں ٹکی ہوئی وہ لڑکی اب بے حد آرام دہ تھی۔ بالوں کو مضطرب سے انداز میں بار بار پیچھے کرتی ہوئی اب وہ پہلے سے نارمل تھی۔

"جنید کی ماں بھی اسی گھر میں کام کرتی تھیں۔ پھر انکی وفات کے بعد ہم نے جنید کو رکھ لیا۔ کیا کھانا بناتا ہے۔" اس نے چاول پلیٹ میں ڈال کر زینیا کو پلیٹ تھمائی اور خود سامنے بیٹھنے کی بجائے باہر نکلنے کی راہ لی۔ "میں دس منٹ میں آ رہا ہوں تب تک تم کھانا کھا لو پھر کہیں چائے پینے چلیں گے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"اپنے بڑے بھائی سے کچھ معملات طے کرنے ہیں بس وہیں جا رہا ہوں تم فکر مت کیا کرو یار، ہم دونوں ٹھیک ہیں۔ ہمارا چلتا رہتا ہے۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا ہم کوئی الگ گھر لے لیتے ہیں لیکن آپ کو یہیں آنا تھا۔ آج کل آپ میری کوئی بات نہیں سنتے۔"

وہ جاتے جاتے رک گیا۔ ٹھہر کر اسے دیکھا۔ "کچھ باتیں تم نہیں سمجھ سکتیں کیونکہ تمھیں اپنے ہی خاندان والوں نے آؤٹ کاسٹ نہیں سمجھا، لیکن میں جو سمجھ گیا ہوں اسے بہت جلدی تمھیں بھی سمجھاؤں گا مجھ پہ یقین رکھو بس۔"

زینیا متاثر نہیں بھی ہوئی تھی مگر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ مہدی باہر نکل گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی پہلی فرصت میں اے سی کی رفتار بڑھائی پھر الماری سے اپنے لئے ایک جوڑا نکال کر تازہ دم ہونے چلی گئی۔ پندرہ منٹ بعد وہ باہر آئی تو اس پہ کپکپی طاری ہونے لگی۔ اے سی بند کرتے وہ واپس صوفے پہ آ کر بیٹھی اور اپنی پلیٹ اٹھا کر کھانا شروع کیا۔ ٹھنڈی چائے پینے والی کو ٹھنڈے کھانے سے کیا فرق پڑنا تھا۔ اسے اب احساس ہوا کہ مہدی جان بوجھ کر اسے اکیلا چھوڑ کر گیا ہے تاکہ وہ سکون سے کھانا کھا سکے۔ سمجھدار آدمی۔ کبھی کبھی اس پہ خوامخواہ پیار آ جاتا تھا۔

دوسری طرف قیس کمبیر کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ جو پلنگ کی پائنتی کے قریب بیٹھا ٹانگیں جھلا رہا تھا مہدی کو دیکھ اس نے دانتوں پہ دانت جمالئے۔ سرمئی لباس والا مرد آگے آیا وہ دونوں ایک دوسرے کو جن نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ نظریں ایک دوسرے کو ختم کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ وقت گزر گیا جب آنکھوں میں کہیں نہ کہیں نرمی ہوا کرتی تھی۔ جب وہ کسی دوسرے ملک سے اسکے لئے سکے لایا کرتا تھا، جب وہ دونوں واقعی بھائی ہوا کرتے تھے۔

"جو تم کر رہے ہو وہ بہت غلط ہے، مہدی۔ مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمھیں مار دوں اور مجھے افسوس بھی نہ ہو۔"

"تمھیں کیا لگتا ہے تم نے مجھے اب تک کیوں نہیں مارا؟ وہ اس استاد کی طرح پوچھ رہا تھا جو خود دانا ہو۔ "اس لئے نہیں کیونکہ تم بہت اچھے ہو اس لئے بھی نہیں کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور اس لئے بھی نہیں کہ تم زینیا کی نظروں میں مزید برے نہیں بننا چاہتے۔" وہ جھکا، کاٹ دار نگاہیں ویسی ہی رہیں۔ "وجہ تمہارا باپ ہے۔ تم نے اگر اس دنیا میں کسی سے بے لوث محبت کی ہے تو وہ تمہارا باپ ہے۔ اور اس نے تم سے کہا تھا انس کی حفاظت کرنا۔ تم کرو گے ناں؟۔"

وہ ڈھیلا پڑ گیا۔ کندھوں پہ پڑا بوجھ سرکا، چہرے کا تناؤ کم ہوا۔

''تم قیامت کے دن اپنے باپ کے آگے سر خرو رہنا چاہتے ہو اس لئے تم مجھے مارنا نہیں چاہتے لیکن اگر کبھی ارادہ بدل بھی جائے تو میں بس یاد دہانی کروا رہا ہوں کہ جو پستول میں نے صرف تانی تھی میں اسے چلا بھی سکتا ہوں کیونکہ آج کل زندگی سے بہت پیار ہو گیا ہے۔'' وہ اپنے باپ کو نہیں بچا سکا تھا یہ اسکی غلطی نہیں تھی لیکن اٹھارہ سالہ بچے کے دماغ میں دنیا کے ہر شخص نے یہ بات بھر دی تھی کہ اگر وہ ہمت کرتا تو انہیں بچا سکتا تھا۔ کئی سال وہ انہیں نہ بچانے کے گلٹ میں رہا مگر کئی سال اس نے انکی خواہشات بچا کر کفارہ ادا کیا تھا۔ زینیا اگر کہتی تھی عبداللہ پرت در پرت کھلتا ہے تو کچھ غلط نہیں کہتی تھی۔

''مہدی تم سب جانتے ہو جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے پھر بھی تم میری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہو؟''

''تم نے کیا کیا تھا یاد ہے؟'' وہ اسی متنفر انداز میں بولا۔ ''تم نے اس عورت کو جیل بھیجا جو تمھارے ہی بھائی کی عزت تھی۔ تم نے اس پہ زمین تنگ کر دی۔ پھر تم اسکے پیچھے ڈھاکہ پہنچ گئے تم نے ..... وہ ڈرتی ہے تم سے۔ وہ لوگوں سے بات کرنے سے ڈرتی ہے۔ تم آدھی رات کو کالز کر کر کے اسے ہراساں کرتے رہے ہو ایک بار بھی خیال کیا مجھ پہ کیا گزر رہی ہو گی؟ میں آج آخری بار بتا رہا ہوں میری بیوی سے دور رہو ورنہ اسکی حفاظت کے لئے اٹھایا گیا میرا قدم تمہاری جان لے جائے گا اور مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔'' مہدی کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

''وہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی، تمھارے ساتھ ہر گز نہیں۔'' قیس نے اسکی باقی تمام باتوں پہ لعنت بھیجتے ہوئے اپنے مقصد کی بات کہی۔ اسکی حالت ایسی تھی جیسے کوئی دل پہ چھری پھیر رہا ہو۔ مہدی اثر لئے بغیر بولا۔

''اگر کوئی اس گھر کو چھوڑے گا تو وہ میں نہیں ہوں۔''

''تم مجھے یہ گھر چھوڑنے کا کہہ رہے ہو؟'' وہ سینے پہ انگلی رکھے بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ تمہارا فیصلہ ہے مجھے تم سے اور تمھارے قیام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس زینیا سے دور رہو۔''

سرد مہری سے کہتے ہوئے وہ جیسے آیا تھا اسی طرح باہر نکل گیا۔ قیس کئی لمحے سر کو ہاتھوں میں گرائے چپ چاپ وہیں بیٹھا رہا۔ جی چاہ رہا تھا ایک پستول لوڈ کرے، دونوں کو مارے اور پر سکون ہو جائے لیکن ...... اس نے اپنے ہاتھ دیکھے۔ کئی لمحے بس دیکھتا ہی

رہا۔ یہاں پہلے ہی خون کے بڑے دھبے تھے، بڑے قتل تھے اب اور نہیں۔ قتل حل تو نہیں تھا ناں؟ یوں بھی تو قتل اسے گلٹ میں ڈال دیتے تھے۔

چند منٹ بعد وہ الماری سے کچھ کپڑے نکالتے ہوئے بستے میں ڈال رہا تھا۔ چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔ کمرہ اور کمبیر محل چھوڑتے ہوئے اس نے ایک بار بھی پلٹ کر اس کمرے کی طرف نہیں دیکھا تھا جہاں مہدی اور زینیا تھے۔ وہ دوری برداشت کر سکتا تھا رقابت جان لیوا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جیل کی ابھری ہوئی اینٹوں والی دیواریں مضبوطی کا پتہ دیتی تھیں۔ قیدی بے زار چہرے لئے بارش سے کوفت زدہ ہو رہے تھے۔ اب انہیں کوٹھڑیاں صاف کرنی پڑ جاتیں، اب کام بڑھ جانا تھا۔ یہ جیل تھی یہاں بارش میں چائے اور پکوڑوں کی طلب نہیں ہوتی تھی یہاں زندگی گھسیٹی جاتی تھی۔ جیل کی زندگی سے نگاہیں چراتے ہوئے ملاقاتی حصے کی طرف آؤ تو دو لوگ ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔ آمنے سامنے۔ سیاہ لباس میں بھیگا ہوا آدمی یاسیت سے اسے تک رہا تھا جس نے اسکے لئے کیا کیا بازیاں کھیل ڈالی تھیں۔ درمیان میں شیشہ تھا اور دونوں نے ہاتھ لمبا کر کے فون تھام رکھا تھا۔

"کیسی ہو حبیب؟"

شیشے کے پار لڑکی ساکن سی اسے تک رہی تھی۔ اسکا روشن چہرہ مرجھایا ہوا تھا، پیشانی پہ سلوٹیں تھیں۔ بال الجھے بکھرے تھے۔ "مجھے لگا میں آپ کو یاد ہی نہیں رہی۔"

"اس ساری دنیا میں تم واحد مخلص تھیں قیس تمھیں کیسے بھول سکتا ہے؟"

"میں ....." حدیبیہ نواز نے کچھ کہنا چاہا مگر گلے میں آنسوؤں کا کوئی گولہ اٹک گیا۔ "کیسے ہیں آپ؟" سوال میں یاسیت تھی، اذیت تھی کہ درد تھا اندازہ مشکل تھا۔

"قید ہوں بلکل تمہاری طرح۔ اس گناہ کے لئے جو میں نے کیا ہی نہیں۔ محبت مرہم سے میرا جرم کب بنی حبیب؟"

"جب آپ نے خود کو چھوڑ کر "اسے" چنا۔ کتنا غلط کر دیا ناں؟"

"صحیح کہتی ہو محبت کرنی تھی اور میں نے جھک ماردی۔"

وہ ہنسا مگر ہنس نہ سکا۔اندر کہیں دل میں کوئی درد اٹھا تھا۔بے تحاشا بے وقت۔)

کوئی سویٹ، کوئی ہوٹل، کوئی گھر، کوئی مینشن، کوئی ولا ایسا نہیں تھا جو اسے "قیسم" جیسا سکون دیتا۔اس عمارت کی چھت سے سارا اسلام آباد نظر آتا تھا۔یہ اونچائی، یہ بلندی یہاں وہ اوپر تھا باقی ساری دنیا نیچے۔وہ اپنا گھر چھوڑ آیا تھا کیونکہ "اسے" کسی اور کے ساتھ دیکھنا مشکل تھا۔اور یہاں آکر جو مل رہا تھا وہ god complex کے مارے انسان کا علاج تھا۔

یوں نہیں تھا کہ ان گزرے برسوں میں وہ "اسے" بھول گیا تھا مگر یہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ہر شے تیاگ کر اسکا جوگ لے کر بیٹھ جائے۔اسکے اندر ایک عاشق تھا مگر اسکے اندر قیس کمبیر بھی تھا وہ جس نے قیسم بنایا تھا۔شہر کو دیکھتے ہوئے اسکا موبائل تھر تھرایا۔پینٹ کی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے اس نے کال کا جواب اثبات میں دیتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

"کہو، لقمان وسیم۔"

"سر حدیبیہ نواز کا معاملہ مذید لٹکایا جانا مشکل ہو گیا ہے۔اب تو ڈاکٹرز نے بھی کہہ دیا کہ انہیں کوئی ذہنی عارضہ نہیں۔اس تاریخ پہ فیصلہ آجائے گا معذرت مگر وہ ہمارے حق میں نہیں ہو گا۔(حدیبیہ کے قتل قبول کر لینے اور انیسہ کے معافی نہ دینے کے بعد قیس نے "ذہنی عارضے" والا پینترا استعمال کیا تھا اور اب وہ بھی ختم ہوتا نظر آرہا تھا)"

"مقابل وکیل خرید لو۔"

"اس وکیل کی جیبیں، مہدی کمبیر بھرتا ہے سر، وہ نہیں بکے گا۔"

"جج خریدو۔"

"ایماندار آدمی ہے۔"

"خاندان کی دھمکی دے دو۔"

”دے کر دیکھ لیا وکیل کے پیچھے کمبیر صاحب نظر آتے ہیں اور جج کے آگے پیچھے خدا، پہلے کا کوئی حل پھر بھی ہے مگر جج کے پیچھے نہ جائیں سر۔“ یہ جیسے تنبیہہ تھی۔

”مقتول کے واحد خاندان کی معافی، کیا اب یہ کام کرے گا؟“

”مشکل ہے۔“

ہر راہ بند، ہر فرار مسدود۔ وہ چند لمحوں کے لئے جیسے تہی دست ہو گیا ہو۔ پھر لمحے کے ہزارویں حصے میں کوئی خیال آیا، جو پلک جھپکنے جتنی تیزی سے فیصلہ بنا اور آنکھ جھپکنے جتنے وقت میں اٹل حکم۔

”قانون خرید لو۔“ وہ اتنے آرام سے بولا جیسے کہیں کسی بازار سے پھل خریدنے کی بات کی ہو۔ ”جیل میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگ گئی۔“ اسکے سپاٹ چہرے پہ ایک لمحے کو کوئی عجیب سا تاثر آیا تھا ماتھے پہ پسینے کی ننھی بوندیں بھی۔ آگ اسے اب بھی ڈراتی تھی۔ ”تمام قیدیوں کو جس وقت باہر لے جایا جا رہا تھا اسی وقت حدیبیہ نواز نے آگ کی طرف دوڑ لگائی چونکہ اسکا ذہنی توازن درست نہیں تھا تو اسے آگ خطرناک لگنے کی بجائے کھیل لگی۔ اور پھر وہ آگ میں جل کر مر گئی۔ لاش شناخت کے قابل نہیں رہی اور ڈی این اے ٹیسٹ سے ثابت ہو گیا کہ وہ حدیبیہ تھی اور اب مر چکی ہے۔ پیسہ لگتا ہے لگاؤ، تعلقات لگتے ہیں لگاؤ لیکن مجھے وہ انسان سلاخوں کے باہر چاہیے جو اس ساری دنیا میں میرے ساتھ سب سے زیادہ مخلص ہے۔“

دوسری طرف لقمان کہنا چاہتا تھا حدیبیہ وہ پہلی انسان تھی لقمان آخری ہو گا مگر اسکا باس لفاظی پہ یقین کہاں رکھتا تھا؟

”آگ ضروری ہے سر؟“

”بہت ضروری۔“ اس نے اپنا سینہ مسلا۔ یہیں کہیں جلن بھی تو ہوئی تھی۔ ”ساری عمر اس سے بری یادیں رہیں اب کچھ اچھا بھی ہونا چاہئے ورنہ اسے بھی مجھ سے شکوہ رہ جائے گا، تمہاری طرح۔“

اسکے آخری دو لفظوں پہ لقمان ساکت رہ گیا تھا۔ ”تم غلط جگہ کوشش کر رہے تھے اسکی جگہ لینا چاہتے تھے جو میرے برے وقتوں کی ساتھی اور اچھے کی گواہ ہے۔ کوئی مختلف کوشش کرو یار۔“ وہ آج ایسے کہہ رہا تھا جیسے دونوں کی بہت گہری دوستی رہی ہو۔ لقمان

چند لمحے کسی تابعداری کی سی کیفیت سے فون ہاتھ میں پکڑے کھڑا رہا یہاں تک کہ کال کٹ گئی۔ قیس کمبیر دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے شہر کی روشناں دیکھنے لگا۔ دل کی تاریکی کے، حزن اور رنج کے قصے پھر سہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل میں گزرنے والے پہلے دو دن مضمحل تھے۔ قیس گھر میں نہیں تھا۔ میرہ لئے دیئے رہتی۔ ملازم مگر اسکے آنے سے خوش نظر آرہے تھے۔ وہ مہدی کے ساتھ اوپری منزل کے ماسٹر بیڈ روم میں منتقل ہو گئی تھی۔ اور پورے دو دن یہی کمرہ اسکی کل کائنات رہا۔ مگر آج مہدی نے اس سے کچھ بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ چائے کے دو کپ لئے وہ کمرے میں آیا تو حسب توقع زینیا کو پلنگ کے ایک کونے پہ ٹکے ہوئے پایا۔ ہاتھ میں ریموٹ لئے وہ چینل بدلتی نظر آرہی تھی۔ دوپٹے کے بکل مارے بالوں کو سختی سے لپیٹے وہ اب بھی اس کمرے میں ایک مہمان لگ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا تم یہاں آکر اتنی غیر آرام دہ ہو جاؤ گی۔''

''پتا ہوتا تو؟''اس نے ریموٹ ایک طرف رکھا۔

''تو میں گھر داماد بننے کو ترجیح دیتا۔ کم از کم وہاں تم مسکراتی تھیں، بولتی تھیں۔ یہاں تم بیڈ کے ایک کونے کو اپنا گھر بنا کر بیٹھی ہو۔'' وہ اسکے سامنے آکر بیٹھا۔ چائے کا ٹرے درمیان میں رکھا۔

''کم از کم وہاں سے نکلنے کی جلدی مجھے نہیں تھی۔''اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے۔ اسی وقت تو یہ کمرہ گھر لگتا تھا جب مہدی کی آواز یہاں گونجتی تھی۔ اسکے سامان یہاں وہاں بکھرے رہتے تھے۔ اسکے ہونے سے مکان گھر تھا۔

''کاش سارے نواب مجھے دل سے قبول کرتے میں تو وہاں سے واپس ہی نہ آتا۔''

''بعض دفع تو ہم بھی سب کچھ قبول نہیں کر پاتے۔'' چائے کا کپ اٹھاتے وہ ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی مگر ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھنے پہ اسے معلوم ہوا یہ جملہ اتنا بھی عام نہیں تھا۔ مہدی نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے ہلکا سا دبایا۔ پھر مستحکم لہجے میں اسے کچھ بتایا۔ کچھ بے حد خاص۔

''جو انسان پرانی باتیں بھول کر آگے نہیں بڑھتا وہ کسی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے لیکن میں خوش ہوں کہ تم آگے بڑھ آئیں۔ وہ ایک انسان تھا تم نے اسے انسان ہونے کا مارجن دیا، اچھا کیا۔''

حویلی کے اس دروازے سے ان دونوں کی بہت یادیں جڑی تھیں۔ کئی بار اس نے اسکول سے آتے وقت یہ دروازہ اپنے بڑے بھائی کی معیت میں پار کیا تھا۔ کئی بار وہ چوری چھپے اسی دروازے سے باغ کی طرف بھاگ نکلے تھے۔ کبھی یہاں سے ہنستے ہوئے کسی تقریب کو گئے تھے اور کبھی روتے ہوئے کسی محبوب دوست، رشتے دار کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے تھے۔

حویلی کے گیٹ کے اس پار بشر حاکم نواب کھڑا تھا۔ مہنگا لباس، جسم سے اٹھتی خوشبوئیں، صحتمند خوشحال مرد۔ زینیا نے اپنے قدم اندر کی طرف بڑھائے اس وقت اسے کوئی مہدی کمبیر، کوئی قیس، کوئی حاکم یاد نہیں تھا اسکے سامنے بشر تھا اسکا بھائی، پہلا سہارا، پہلا دوست اور پہلا رازدار۔

''مجھے لگا تھا میں اب ساری زندگی تمھارے ہاتھ کی بدذائقہ چائے پینے سے محروم ہو گیا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا حالانکہ کمبخت کی آنکھوں میں پانی تھا۔

''لیکن مجھے یقین تھا میں اس زندگی میں تمہاری بیوی کو جلنے کے مزید موقع فراہم کروں گی۔'' اسکا لہجہ گیلا تھا وہی رہا۔ بشر کتنے ہی لمحے آزردگی سے اسے دیکھتا رہا۔ زینیا نے کتنے ہی منٹ بس اسے محسوس کرنے میں کاٹ دیے۔ بہت دیر بعد وہ بہت محبت سے اسے گلے لگا رہا تھا۔ اس لڑکی کو جو اسکا اپنا خون تھی۔ اسے پرواہ نہیں رہی کہ آس پاس اسکی کتنی چچازاد کھڑی تھیں، کتنی ملازمائیں تھیں، اسکی بہن کا شوہر تھا یا گھر کے اندر جاتا اسکا باپ اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ دونوں بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ پھر ایک دوسرے کو تسلی دیتے اور پھر رونے لگ جاتے۔ وہ جس طرح واپس آئی تھی بشر حاکم پہ کرم کیا گیا تھا۔

''میں نے تمھیں کتنا ڈھونڈا میں پاگل ہو گیا تھا میں بس خود کو الزام دیتا رہا تھا۔''

''ادا.... تم نے مجھے خود سے اتنا دور کیا۔ مجھے کتنا دکھ ہوا تھا تم جانتے بھی نہیں۔ تم مجھ سے رابطہ کر سکتے تھے میں نے کتنی بار وحید سے کہا میں نے.......'' اسکی ہچکی بندھ گئی۔ اسکی قمیص کو مٹھیوں میں دبوچی وہ ہچکیاں لیتے ہوئے رو رہی تھی۔ عقب میں کھڑا مہدی چپ چاپ کھڑا تھا۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر اسکی یہ حالت تھی اور یہ وہی عورت تھی جو یہاں نہ آنے کے مشورے دے رہی

تھی۔ وہ عورت تھی حفاظت کے بند باندھ رہی تھی اور وہ مرد تھا جو حفاظت کے انتظام کر کے اسے یہاں لے آیا تھا۔اسکے ہوتے ہوئے اسکی بیوی غیر محفوظ رہے توتف ہے اس پہ۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں حویلی کی اوپری منزل پہ بنے ایک کمرے میں تھے۔ بشر زینیا کے سامنے بیٹھا تھا۔ گردن ندامت سے جھکی تھی۔ چوڑے کندھے ڈھیلے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں مہدی بھی تھا۔اسے اپنا آپ یہاں سخت عجیب لگ رہا تھا۔ لیکن باہر جانے پہ بھی اسے کوئی خاص پروٹوکول نہیں ملنا تھا۔

''میں تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ شروع شروع میں مجھے تم پہ بہت غصہ آیا تھا کیونکہ تم مجھ سے جھوٹ بولتی رہیں۔ پھر سب ٹھیک ہو گیا۔ لیکن کچھ ٹھیک نہیں بھی تھا۔۔۔۔۔۔'' زینیا نے اسکے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔

''مجھے پچھلی باتیں نہیں دہرانی۔ اس وقت ہم یہاں ہیں ساتھ ہیں تم میرے لئے لڑ آئے ہو یہی بہت ہے۔ بہت زیادہ ہے۔ بھول جاؤ سب۔'' بشر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ جو مر جاتی تھی معاف نہیں کرتی تھی وہ اتنی آسانی سے سب بھول جانے کا کہہ رہی تھی؟ کیا وہ واقعی کہانی میں آگے بڑھ چکی تھی، بہتر ہو چکی تھی، انائیں اور ضد چھوڑ آئی تھی؟ جواب ہاں میں آیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمھیں مجھ سے شکوہ ہے کہ میں وہاں تمھیں اکیلا چھوڑ کر گیا لیکن تم اکیلی نہیں تھیں۔ تمھارے ساتھ تم'' تھیں۔''

وہ گھر کے باقی افراد سے نہیں ملی تھی۔ امینہ بیگم ساتھ والے گاؤں میں کہیں تعزیت کے لئے گئی تھیں کونج چھٹیوں میں آ رہی تھی مگر ابھی تک پہنچی نہیں تھی۔ رات اتر آئی تھی حویلی کی خاموشی غیر معمولی تھی۔ مہدی کمبیر زینیا حاکم کے قدموں کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

''آپ مجھے یہاں لائے میں نے آپ کی بات مانی اب آپ کو یہاں سے جانا ہے میں ہی کیوں ہر بات مانتی جاؤں؟''

''تم کیا چاہتی ہو میں یہاں گھر داماد بن کر رہوں؟ برا لگتا ہے یار میرا اپنا گھر ہے وہ بھی اسی گاؤں میں پھر میں وہاں جانے کی بجائے سسرال میں رک جاؤں؟ عجیب باتیں کر رہی ہو۔''

زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ مہدی محسوس کر سکتا تھا وہ خوف زدہ ہے اور اسی لئے اسے جانے نہیں دے رہی لیکن فلحال اسے شہہ دینا اپنے پیروں پہ کلہاڑی مارنے جیسا تھا۔ وہ اٹھا اور اسکے ساتھ جڑ کر بیٹھا۔

''زندگی پہ صرف ایک ذات قادر ہے اس لئے یہ فکر چھوڑ دو کہ کوئی تمھیں یا مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تمھیں ڈھاکہ سے اسلام آباد لے جاتا میرا کیا جاتا؟ تمھارے تم پہ دھبے تھے جو تمھیں برے لگتے تھے انہیں اتارنے یہاں آیا ہوں۔ ہم یہاں سے تب جائیں گے جب تمھارے ابا اور بھائی باہمی رضامندی سے تمھیں میرے ساتھ بھیجیں گے۔ ساری دنیا میں یہ ہمارے نکاح کا اعلان ہوگا۔ وہ دونوں تمھارے وارث ہیں انکا حق ہے تم پہ۔''

''اور اگر ابا راضی نہ ہوئے تو کیا آپ مجھے یہاں چھوڑ کر جائیں گے؟'' وہ سلگ ہی تو اٹھی۔

''نہیں پھر میں غیرت کو سلا کر گھر داماد بننا چاہوں گا۔ میں تمھیں اس زندگی میں تو نہیں چھوڑ سکتا۔ ناممکن۔''

''زہر لگ رہے ہیں۔''

''کھا کر مر نامت ورنہ میں برباد ہو جاؤں گا۔'' وہ اپنے سابقہ خوشگوار انداز میں بولا۔ زینیا کی تشفی نہ بھی ہوئی مگر وہ اسے روک نہیں سکی۔ سچ یہ تھا کہ جو مضمحل پن اسے پہلے محسوس ہوتا رہا تھا وہ اب کم ہو گیا تھا ہاں اب اشتیاق تھا اسے اپنی ماں اور بہن سے ملنا تھا۔ ڈھیر ساری باتیں کرنی تھیں۔ یہ سب باتیں اسکے دل میں تھیں اسکے پہلو میں بیٹھا شخص بغیر کہے ہر بات سمجھ رہا تھا۔ شاید اسی لئے مرد عورت سے افضل ہے۔ وہ بس سوچ سکی۔

''ویسے ہمارا long distance ہونے والا ہے۔'' اس نے زینیا کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''سرکار کا شوق سلامت، ملاقاتیں اور بہت۔'' وہ اس انداز سے بولی کہ مہدی ہنس پڑا۔ وہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔ کچھ وہ اسکے رنگ میں ڈھل چکا تھا کچھ وہ اسکے رنگ میں رنگ رہی تھی۔ محبت جادو کر رہی تھی۔

''میں تمھیں مس کروں گا۔''

''ایک ہی رات کی بات ہے۔''

"ایک رات میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں جانتی ہو؟"

"آپ ہیں ناں رکھیں سارا حساب کتاب۔"

"مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟"

"فلحال سمجھ نہیں آرہی اگر ناراض ہوں تو زیادہ دیر نہیں رہوں گی۔اور اگر نہیں ہوں تو شاید تھوڑی دیر میں ہو جاؤں۔"

اس نے بیگ تیار کر کے اسے تھمایا۔مہدی نرمی سے اسے دیکھتا رہا۔"تمھارے ابا سے بات ہوئی ہے میری کل کچھ لوگوں کو بلوا کر دعوت رکھی ہے اور اسی میں ہمارا نکاح دوبارہ ہو گا۔"

"دوبارہ کیوں؟"

"تمھارے ابا کی خواہش ہے۔سارے خاندان کے سامنے مجھے دامادی میں لینا چاہتے ہیں۔اور ویسے بھی وارث ہیں تمھارے انکی موجودگی میں نکاح ہو گا تو بہترین ہے۔نئی زندگی شروع کریں گے تو کم از کم تمھارے ابا کی رضامندی ہونی چاہیے۔"

وہ جواب میں کچھ سخت سست کہہ رہی تھی، شاید خفا بھی ہو رہی تھی۔مہدی چپ چاپ سن رہا تھا۔بیوی بولتی رہے کرنی آخر اس نے اپنی ہی تھی۔

"تم سب سے اچھی تب لگتی ہو جب اپنی غلطیاں مان لیتی ہو اور اس سارے برے فیز میں اگر تمھارے ساتھ کچھ بہت اچھا ہوا ہے تو وہ یہی ہے کہ تم نے اپنی غلطیاں ماننا شروع کر دیا۔پہلے میں تم سے بس محبت کرتا تھا اب......اب میں تمھیں adore کرتا ہوں۔"

رات گہری ہو گئی تھی وہ اپنے بستر پہ لیٹی نیند میں غرق تھی جب اسے اپنے قریب کسی کے سسکنے کی آواز آئی۔وہ نیند میں تھی آواز کی سمت کا اندازہ نہیں کر سکی مگر اسے اپنی کمر کے گرد کسی کے بازو کا حصار محسوس ہو رہا تھا۔وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔یہ ہاتھ، یہ لمس، یہ گھٹی گھٹی سسکیاں وہ انہیں بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔جب جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی تھی وہ اسی طرح اپنی بہن کے ساتھ لگ کر روتی تھی۔اسکے ساتھ لیٹا وجود اسکی بہن کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا۔زینیا نے دھیرے سے اسکے ہاتھ کو

تھپکا۔ کچھ آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوئے۔ اپنی جگہ لیٹے وہ دونوں اگلے کئی منٹ روتی رہیں۔ بغیر کچھ کہ، بغیر سنے بے آواز، بے تحاشا۔

صبح کی پہلی پو پھوٹی جب زینیا آنکھیں رگڑتی اٹھ بیٹھی۔ اسکی چھوٹی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔ کونج کا چہرہ اب بھی گیلا تھا۔ اسے اٹھا کر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے اس نے کونج کا چہرہ صاف کیا۔ گلے شکوے، گزرے وقت کے قصے فلحال نہیں چھیڑے گئے۔

کچھ وقت بعد وہ دونوں بالکنی میں بیٹھی تھیں۔ یہاں سے نیچے لان کا سارا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ جہاں ضیغم کرسی پہ آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ گیلی متورم آنکھوں والی دونوں لڑکیاں اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اب بھی رابطہ ہے؟" زینیا نے اسکی نظروں کی تقلید میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تین سال ہو گئے کوئی رابطہ نہیں۔" کونج نے اس سے نگاہیں ہٹا کر زینیا کو دیکھا۔ اسکا چہرہ پہلے کی طرح بے حد گورا نہیں رہا تھا۔ بال اب بامشکل کندھوں کو چھوتے تھے۔ "مجھے تمھارے لمبے بال بہت پسند تھے۔"

"واپس بڑے ہو جائیں گے انکی گروتھ بہت اچھی ہے۔ تم بتاؤ تمھارے بال اتنے سلکی کیسے ہوئے؟ چہرہ بھی چمک رہا ہے۔" دو لڑکیاں مل کر بیٹھیں اور چہرہ، بال، کپڑوں پہ بات نہ ہو یہ تو ناممکن ہے۔

"زیادہ کچھ نہیں بس آج کل خیال رکھنے لگی ہوں۔"

"اور شادی کا کیا قصہ ہے پھپھو کہتی نہیں؟"

کونج نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ ایک گھونٹ بھرا پھر زینیا کو دیکھا۔ "میں نے کہا تھا ڈگری ختم ہو جائے لیکن پھپھو کو جلدی ہے۔ دو بار آچکی ہیں حالانکہ ضیغم کو بھی فلحال کوئی نوکری نہیں ملی۔"

"وہ کن چکروں میں ہے؟" زینیا نے اپنے پیر آرام دہ انداز میں اسکی گود میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تو اسے باہر جانا تھا پھر ارادہ بدل دیا نوکری اسکے اخراجات پورے نہیں کر سکتی اور کاروبار کرنے کا سرمایہ نہیں تھا۔ پھر بشر نے دادا سے بات کر کے اسے اسکی اماں کا حصہ دلوایا۔ اب جناب اپنا شوروم کھول رہے ہیں۔ میں اسے سمجھ نہیں سکتی خواب بہت بڑے

ہیں اسکے۔'' اسکے بارے میں بات کرتے ہوئے جو سکون اسکے چہرے پہ تھا اسے زینیا نے رشک سے دیکھا تھا۔ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں ڈگمگانے والی لڑکی اگر کسی انسان کی طرف سے پر سکون تھی تو وہ ضیغم یوسف میر تھا۔

''میں نے تمھارے معاملات کو ہمیشہ ہلکا لیا اور جب حل کیا تو اپنے طریقے سے کیا۔''

''تم ایک عام انسان تھیں، اس سے زیادہ کیا کر سکتی تھیں؟'' اسے یہ معذرت اچھی لگی مگر وہ اسکے قصور گنوانے نہیں بیٹھی۔ مظلومیت کے رونے نہیں روئے۔

''پھر بھی مجھے تمھارے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کافی بار میں نے تصیح نہیں تذلیل کی۔ وقت نہیں دیا بس احسان کیا۔ بڑی غلطیاں ہو گئیں۔'' آئی ایم سوری یہ تین لفظ بہن بھائیوں کے سامنے بولتے ہوئے موت ہی آتی ہے ہاں مگر انسان انہیں ساری دنیا کی وضاحتیں دے دے گا وہ بھی دے رہی تھی۔

''جانے دو ناں یار اب بہت وقت گزر گیا ہے۔ کوئی اور بات کرو۔'' اس نے بات ہوا میں اڑاتے ہوئے دوبارہ نیچے دیکھا۔ وہ اب وہیں سو گیا تھا۔

''تم اسکے ساتھ رہ لو گی؟'' زینیا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔

''اس خبطی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ رہنا مشکل ہے۔'' وہ بھی زینیا کے ساتھ مسکرائی۔ ''جو بھی ہو ہے تو ہینڈسم۔'' وہ دل کھول کر مسکرا رہی تھی۔

''آئی ایگری۔''

''معصوم بھی۔'' اسکی مسکراہٹ مذید گہری ہوئی۔

''ایگری۔''

''شادی کے بعد میں تو اس پہ simp ہی کرتی رہ جاؤں گی۔'' وہ ہنستے ہوئے یقین اور سرشاری سے بولی۔ زینیا اسکے ساتھ ہنس پڑی۔ دنیا کی ساری آسائشات ایک طرف مگر اپنا خاندان اور ان سے ایک اچھا تعلق ایک طرف اس نے جس شے سے خود کو محروم کرنے کی ٹھانی تھی مہدی اسے انہی رشتوں کے بے حد قریب لے آیا تھا۔ زندگی یکدم کوئی بونس پیکج بن گئی تھی۔

(اس نے گھور کر مہدی کو دیکھا۔ ''پرانی خصلتوں کی بات آہی گئی ہے تو اب ذرا آپ کی بھی بات کر لیتے ہیں۔ بشر کو یہ سارے مشورے آپ نے دیے تھے ناں؟''

''کون سے مشورے؟'' اس نے معصومیت کی ہر حد پار کرتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ پلیز بنیں مت میں آپ سے واقف ہوں۔'' زینیا نے آنکھیں گھمائیں۔)

حویلی میں تو جو قیامت آئی سو آئی۔ فساد ہوا، بندوقیں اٹھیں، فتوے جاری ہوئے اور بشر کی ایک گھر چھوڑنے کی دھمکی پہ سارا طوفان تھم گیا۔ ظفر اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر حویلی سے کوئٹہ روانہ ہو گئے بقول انکے جب تک یہ لڑکی اس گھر میں ہے وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ (جیسے انکے جانے سے ''کار دنیا'' نے رک جانا تھا۔)

حاتم کی اولاد اور بیوی البتہ خاموش رہے انکے داماد بھی چپ سادھ رہے۔ بس ایک عالم نواب تھے جن کا غیض و غضب کسی صورت کم نہیں ہوا تھا۔ سو انہوں نے بشر کی پیشی بلوالی۔ جرگہ گاہ میں آج ایک دوسرے کے سامنے دادا اور انکا محبوب پوتا تھا۔ خاندان کی واحد اولاد نرینہ۔

''جانتے ہو بشر اس دنیا میں دولت چلی جائے تو واپس آسکتی ہے۔ گھر چلا جائے، دوسرا لیا جا سکتا ہے لیکن گھر سے باہر نکلی ہوئی عورت کو دوبارہ گھر میں نہیں لیا جا سکتا۔ غیرت ہر جذبے پہ بھاری ہے۔ ہر دولت سے قیمتی۔'' روشن کمرے میں بھی بشر کو انکا چہرہ دھندلا لگا۔ جھوٹی غیرت کی دھند میں اٹا دھندلا چہرہ۔ ''تمھیں ہم نے سب دیا۔ عزت، دولت، محبت لیکن آج ہمیں لگتا ہے ہم تمھیں ترکے میں غیرت نہیں دے سکے۔ یہ تم نے کیا کر دیا بشر؟'' تاسف، ملال، ملامت کیا نہیں تھا انکے لہجے میں۔

بشر انکے قریب آکر بیٹھا۔ انکے بوڑھے جھری زدہ ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ ''غیرت یہ نہیں کہتی کہ گھر کی عورت غلطی کرے تو اسے گھر سے باہر پھینک دو۔''

''عورت بدکاری کرے تو اسے درے مار مار کر ختم کر دینا چاہیے۔''

''میری بہن نے نکاح کیا ہے اور یہ کوئی غلط کام نہیں ہے۔ بدکار پہ تین گواہ لائے جاتے ہیں آپ لائیں تین گواہ اور مجھے یقین ہے آپ نہیں لا سکیں گے۔ اس نے زندگی کے تیئیس سال میرے سامنے گزارے ہیں میں نے اسکے کردار میں کوئی کھوٹ نہیں دیکھا۔ صرف اس لئے کہ اس پہ حالات تنگ ہوئے میں اسے گھر سے باہر پھینک آؤں یہ غیرت ہے تو میں اس دنیا کا سب سے بے غیرت آدمی ہوں۔''

عالم نے اسکا ہاتھ جھٹکا، یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ ''چاہے عورت بے قصور ہو لیکن اگر اس کی وجہ سے مرد کو ذلیل ہونا پڑے تو ایسی عورت کا ٹھکانہ قبر ہونی چاہیے۔''

''وہ میری بہن ہے میں اسے نہیں مار سکتا۔''

''تو پھر مجھ سے سیکھو۔'' انہوں نے بشر کے کندھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے۔ ''میں نے اپنی ہی بیوی کو اپنے انہی ہاتھوں سے مارا اور میرے ہاتھ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں لڑکھڑائے کیونکہ میں غیرت مند ہوں۔'' بشر کو اپنے کندھوں پہ اپنے شفیق دادا کا لمس کسی پھن والے سانپ کے جسم کی طرح محسوس ہوا۔ ڈھیر ساری روشنی میں جو چہرہ اسے نظر آیا وہ ایک مردار کا تھا۔ ''وہ عورت میرے معاملات میں آ رہی تھی۔ وہ غیرت پہ دھبہ تھی میری بہادری دیکھو بشر میں نے اس عورت پہ بھی رحم نہیں کھایا جس نے موت کے منہ میں جا کر مجھے آٹھ اولادیں دیں۔ اور تم ایک بہن کے لئے خاندان، عزت، غیرت، ساکھ ہر شے تیاگ رہے ہو؟'' بشر انکے سامنے ضرور بیٹھا تھا مگر اسکے جسم سے سانس نکل چکا تھا۔ دنیا اسکے سر پہ گول گول چکر کھا رہی تھی۔ کیا کھویا تھا کوئی اس سے پوچھتا۔ وہ بے یقینی کی آخری سیڑھی پہ تھا۔ یہاں سے گر جانا ایسے تھا جیسے زندگی کی ہر بازی ہار دینا۔

وہ اس وقت وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ بے کلی، بے بسی رنج اسکے دل کو جکڑ رہا تھا۔ اس راز کو اپنے سینے میں رکھے اس نے کس طرح زینیا کو تسلی دی تھی یہ وہی جانتا تھا، کیسے حاکم سے آنکھیں ملائیں تھیں یہ بھی وہی جانتا تھا۔ علم کا یہ ڈھیر سارا بوجھ وہ اپنے سینے پہ نہیں رکھ سکا اور ایک روشن صبح میں اس نے اپنے قدم اس طرف بڑھائے جہاں جانا نوابوں کی شان کے خلاف تھا۔ کمبیر حویلی کے باہر کھڑے بشر حاکم کو دیکھ کر مہدی متعجب تھا یا مطمئن اسکے چہرے سے نظر نہیں آیا۔

''میں نے جو کیا اسکو چھوڑو فلحال تم مجھے یہ بتاؤ میری ساس مجھ سے اتنی مطمئن کیسے تھیں۔ تم نے انہیں کیا بتایا؟'' وہ صفائی سے بات بدل گیا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا انکا اپنا خون جوش مار رہا تھا بھتیجے جو ٹھہرے آپ۔''

''تم جل رہی ہو؟''

''اگر ایسی محبتوں کا مظاہرہ آپ میرے ابا کے ساتھ کرتے تب کہا جا سکتا تھا۔''

''معذرت مگر انکو دیکھ کر کسی کے ذہن میں محبت کا ''م'' بھی نہیں آسکتا۔''

''محبت کا ''م'' دماغ میں نہیں دل میں آتا ہے۔''

''اور وہ دل کم از کم میرا نہیں۔'')

وہ کافی دیر سے انکے آنسو اپنے کندھے پہ گرتے ہوئے محسوس کر سکتی تھی لیکن آج اس نے اپنی ماں کو رونے سے نہیں روکا انکی گود میں لیٹی وہ کبھی اپنی ماں کے ہاتھ چومتی، کبھی انہیں آنکھوں سے لگا لیتی۔ اماں اسے بے حس کہا کرتی تھیں اب انکی بڑی بیٹی حساس ہو گئی تھی۔

''تمھیں شرم نہیں آئی کہ تم اتنے سالوں میں ماں کو ایک فون کال کر لو۔ ایک میں تھی جو ساری ساری رات رو کر گزار دیتی تھی۔ تمہاری بات کسی سے کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھی۔'' انہوں نے جھک کر اسکا کندھا چوما اور ایک بار پھر رو پڑیں پچھلے کئی گھنٹوں سے یہی شغل جاری تھا۔ ''میں تجھے بڑا یاد کرتی رہی ہوں۔ کئی بار......'' وہ بولتے بولتے رک گئیں دل بھر آیا۔ ''کئی بار دل کرتا تھا ہاتھ اٹھا کر عبداللہ کو بد دعائیں دوں۔ کمبخت نے مجھ سے میری اولاد کو دور کر دیا۔''

زینیا نے چت لیٹتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ عبداللہ کی واحد حامی اسکی پشت پناہی چھوڑ رہی تھی، حیرت لازم تھی۔

''تم خوش تو ہو ناں؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے انس تمھیں یہاں کیوں چھوڑ کر گیا ہے کیا ناراض ہے؟''

''وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوتا اماں۔ ہوتا ہے تو منانا جانتی ہوں میں۔''

"پھر بھی شوہر کے کچھ حقوق ہوتے ہیں دھیان رکھا کرو۔ اسکی ضروریات کا، اسکی خوشی کا اور......"

"اور اسکے قدموں میں بیٹھ جانا، جو وہ کہے وہ کرنا؟" اس نے اپنی ماں کی بات کاٹی۔ امینہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔

"ان سب کے درمیان خود کو مت بھولنا یہ مت سوچنا کہ تم پس منظر میں چلی گئی ہو۔ وہ اول ہے تو تمہارا آپ غیر ضروری نہیں ہے۔" آج تو زینیا پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ "میں نے اپنی زندگی میں غلط فیصلے کئے لیکن وہ میرے فیصلے تھے تم مختلف فیصلے کرنا۔ تم مجھ جیسی مت بننا۔"

"اور اگر اسکے بعد بھی میری شادی نہیں چل سکی تو؟" وہ انکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تو کیا؟ وقت رہتے ہوئے علیحدہ ہو جانا۔"

"طلاق دھبہ ہوتی ہے، اماں۔"

"تمھارے جسم پہ پڑنے والی شوہر کی مار بھی تو دھبہ اور زخم ہوتی ہے۔ وہ نظر نہیں آتی تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ وجود نہیں رکھتی۔"

زینیا خاموش رہ گئی۔ وہ ہر دفع کی طرح ماں سے لڑنا چاہتی تھی انکے غلط فیصلوں پہ انکی جرح کرنا چاہتی تھی اپنے ٹراماز کا حساب ان سے لینا چاہتی تھی لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔ وقت اور حالات نے اسکے دل میں "احساس" ڈال دیا تھا۔ وہ اب انسانوں کو مارجن دینے لگی تھی۔ ان سے بات بات پہ لڑنا چھوڑ چکی تھی۔ لوگوں کو انکے غلط فیصلوں پہ ذلیل کرنا چھوڑ چکی تھی۔

"میں دوسری امینہ بیگم نہیں بنوں گی۔" اس نے دل ہی دل میں عہد کیا۔

"تمھیں نہیں لگتا تم نے ایک جگہ غلطی کر دی ہے؟"

"بات بدلنے کی کوشش مت کریں مجھے صاف صاف بتائیں یہ سارے کارنامے آپ کے ہیں ناں؟" وہ گھوم پھر کر اسی بات پہ واپس آئی۔ مہدی مسکراتے ہوئے اسکے سامنے صوفے کے ہتھے پہ لیٹ گیا۔ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"دیکھو میں نے بہت کوشش کی لیکن...... کہانی میں ولنز کو سزا نہ ملے تو مزہ کہاں آتا ہے۔"

''وہ میرے دادا ہیں۔''

''زیادہ دکھ ہورہا ہے تو باہر نکال لائیں انہیں؟ ویسے ''ہیں'' نہیں تھے۔''

زینیا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمھیں تو اپنے شوہر کے اسکلز سے خوش ہونا چاہیے تھا۔'' وہ بدمزہ ہوا۔

حویلی میں آج مہمانوں کی بہتات تھی۔ شہر کے معززین اس دعوت میں مدعو تھے۔ نکاح کو دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ گو کہ اس نکاح میں گھر کے صرف تین مرد شریک ہوئے تھے۔ بشر، حاکم، اور ضیغم مگر وہ مان اور اعتماد، عزت اور رعب جو زینیا کو ملا تھا یہ تو کب سے ''مطلوب'' تھا اور اسے علم ہی نہیں ہو سکا۔

حویلی کے لان میں پچھلی طرف مرد حضرات جمع تھے۔ حاکم اور بشر کی سرپرستی میں ہوئے زینیا اور مہدی کے نکاح کو گھنٹہ بھر ہو گیا تھا اب کھانا کھل گیا تھا اس وقت میزوں پہ بیٹھے امراء کھانے کے نام پہ کھانا چکھ رہے تھے۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس، روایتی جوتے پیروں میں ڈالے سسر صاحب کی طرف سے ملی برانڈڈ گھڑی کلائی میں سجائے وہ ایک طرف بیٹھا تھا۔ لوگ اس سے مل کر جا رہے تھے۔ سلامتی، دعائیں، مبارکباد ہر طرف یہی شور تھا۔

''بتیسی قابو میں نہیں آ رہی ایسا بھی کیا کارنامہ انجام دے دیا تم نے؟'' ضیغم اسکے ساتھ بیٹھتے ہوئے کلس کر بولا۔ اسکی بھی شادی کی عمر تھی لیکن اسکے سسر کو وہ نظر کب آ رہا تھا؟

''مجھے لگتا ہے تمہاری آنکھوں کا کوئی مسئلہ ہے ورنہ میں تو مسکرایا بھی نہیں۔''

''شکر کرو میرے نانا اس وقت یہاں ہیں نہیں ورنہ تم مسکرانے لائق بھی نہ رہتے۔''

''دادا کو نکال لاؤ حویلی کے اندر بیٹھے بیٹھے پگھل جائیں گے۔''

''فکر مت کرو تمھارے لئے وہ گلیشیئر ہی رہیں گے۔''

''موم کی ڈلی تو تمھارے لئے بھی نہیں ہیں۔''

''پھر کون ہے انکا میلٹنگ پائنٹ؟'' مہدی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں سوال تھے۔

''انکی محبوبہ، بشر حاکم۔'' وہ تنک کر بولا۔ ''اسکی باری پہ ایسے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جیسا دیکھا ہی نہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے بشر کو دوسری شادی کے مشورے دے رہے تھے ادھر مجھ غریب کی ایک شادی نہیں کروا رہے۔ تمہاری گمشدہ بیوی بھی مل گئی اور ایک میں ہوں، ایک حویلی میں رہتے ہوئے میری ایک عدد شادی نہیں کروائی جا رہی۔''

''تمہاری منگیتر ابھی پڑھ رہی ہے۔''

''میں نے کون سا اسکے نوٹس چوری کر لینے ہیں۔''

''بے روزگاروں کے لئے شادی جیسی سہولت غیر موزوں ہے۔''

''شادی کرنے کے لئے مجھے برج خلیفہ تعمیر کرنا پڑے گا؟''

''مہدی نے سر جھٹکا۔ ''اتنی تمہاری اوقات ہی نہیں۔''

ابھی ضیغم جواب میں سخت سست کچھ کہتا کہ داخلی دروازے سے پولیس اندر داخل ہوئی۔ بھاری نفری، بوٹوں کی چاپ، ڈھیر سارے لوگ رائفل اٹھائے ہوئے سپاہی۔ مہدی انہیں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ضیغم کے چہرے کا رنگ اڑ سا گیا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

''پلاٹ ٹوئسٹ۔'' سینے پہ بازو باندھے مہدی کمبیر جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ برقی قمقموں کی روشنی سے پرے، لوگوں کے شور و غل سے بہت دور وقت میں پیچھے جاؤ تو یونس رحمان کمبیر کی حویلی میں مہدی کمبیر کے کمرے میں بشر ایک طرف صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگیں اضطرابی کیفیت میں جھلاتے ہوئے اسکے چہرے کی رنگت اڑی اڑی تھی۔ بشر نے اسکے ہاتھ سے پانی لیا اور ایک ہی جھٹکے میں سارا پانی پی گیا۔ اسکی رنگت لٹھے کی مانند سفید پڑ رہی تھی۔

''تمہارا مسئلہ اصل میں کیا ہے؟ یہ کہ اس آدمی نے تمہاری دادی کا قتل کیا یا پھر یہ کہ اس نے اعتراف کیا؟'' وہ بشر کے سامنے آکر بیٹھا اور لبوں پہ مٹھی جما لی۔

''میرا مسئلہ میری گدی ہے مجرم کو سزا اس لئے نہ ملے کہ وہ میرا دادا ہے؟''

''تو پھر دے دو سزا۔''

''انہوں نے مجھے ایک چھوٹے سے دکان سے اٹھا کر اس سارے علاقے کا نواب بنا دیا۔ میں جو مہینے کا خرچہ سوچ سمجھ کر کیا کرتا تھا اب لاکھوں روپے بغیر سوچے سمجھے اڑا دیتا ہوں اس انسان نے میری زندگی جنت بنائی ہے میں کس طرح اسے جہنم واصل کروں؟''

''وہ روایت کا ٹھیکیدار تمھیں سنہرے پنجرے میں قید کر چکا ہے تمھیں کیا لگتا ہے یہ اعتراف تمھارے باپ کے سامنے کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تمھارے آگے انہوں نے تخت نامی ہڈی پھینکی ہے اور اب تم اس سے رخ نہیں موڑ سکتے۔ یاد رکھو تمھیں جو دیا ہے اللہ نے دیا ہے تمھیں کسی نے نواب نہیں بنایا یہ سب اللہ کا کام ہے آج دنیا کا سوچ کر اگر اسے معاف کر دو گے یا نگاہیں چراؤ گے تو اگلے جہان میں خدا کے سامنے گردن کیسے اٹھا سکو گے۔ یہ زندگی عارضی ہے ساٹھ سال بعد دائمی زندگی کا کیا ہو گا؟''

بشر ہنوز ہونٹ چبا رہا تھا۔ اتنی بڑی آزمائش؟ ''میں کیا کر سکتا ہوں؟'' سر ہاتھوں میں گرا دیا۔

''تھانے کی ہوا کھلواؤ بڑے صاحب کو کم از کم دنیا کو علم تو ہو اس نے کیا کارنامے انجام دیے ہیں۔''

''کیا فائدہ؟ دو دن کے اندر اندر وہ باہر آجائیں گے۔ یہاں قانون کا ''ق'' بھی نہیں۔''

''ذلت کا ''ذ'' تو ہے؟'' وہ انہی چمکتی آنکھوں سے بولا۔ ''چاہے چوبیس گھنٹوں کے اندر باہر آجائیں تمھارا فرض پورا ہو جائے گا۔ مقتول کو انصاف ملے گا۔ ان تمام لوگوں کے دلوں میں خوف بیٹھے گا جو غیرت کے نام پہ قتل کرتے وقت ہچکچاتے نہیں۔''

بشر اس سمے تذبذب کا شکار تھا مگر حال میں وہ مطمئن تھا۔ کئی سال پہلے جب اسکے باپ کو اس حویلی سے بے دخل کیا گیا تھا وہ تب بھی اسی طرح مطمئن تھا۔ مجرم محض مجرم ہوتا ہے کسی کا بھائی، باپ یا دادا نہیں ہوتا۔

اگلے کئی لمحات سلو موشن میں ہوئے پولیس اہلکار اندر سے عالم نواب کو گرفتار کئے باہر لے کر جا رہے تھے وہ چیخ رہے تھے غیض وغضب سے کچھ کہہ رہے تھے کوئی ان کی بات سننے کو تیار نہیں تھا وہ خود پہ مقدمہ درج کروانے والے کا نام پوچھ رہا تھا جواب میں

جو نام انہیں سننے کو ملا تھا وہ ساکت رہ گئے۔ پلٹ کر اسے ایک نظر دیکھا۔ اسکے کندھے آج بھی اسی طرح چوڑے تھے۔ نگاہیں ویسی ہی ذہین۔ انکی دوسری نگاہ حاکم کی طرف اٹھی تھی جو نہایت بے یقین تھے۔

عالم نواب وہ جنگ ہارے تھے جس میں مخالفین کے ہتھیار انکا اپنا عطیہ تھے۔

("تمھیں افسوس ہو رہا ہے؟"

"اس بات کا کہ انہوں نے اپنے لئے ایک غلط انجام چن لیا۔" اس نے گردن جھکا دی۔

مہدی چند لمحے خاموش رہا۔ "میں نے بتایا تھا مجھے مصلحتیں سمجھ نہیں آتیں۔ آر یا پار۔" اس نے زینیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دبایا۔

زینیا گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "سمجھ گئی ہوں۔ اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں آپ کا آر یا پار بہت offensive ہوتا ہے۔"

"یادگار بھی۔" اس نے مسکرا کر گنوایا۔)

یونس رحمان کی حویلی میں آج چراغاں تھا۔ بھاری لباس میں ملبوس زینیا اپنا سارا زیور سنگھار میز پہ رکھ آئی تھی۔ ہاں لباس اس نے اب تک نہیں بدلا تھا۔ اپنی زندگی کے اس اہم موقعے پہ اپنے ہی دادا کی گرفتاری نے اسے کچھ بوجھل کیا تھا مگر اندر کہیں سکون بھی تھا۔ جس عورت نے آدھی زندگی اپنے بیٹے اور اسکی اولاد کے نام کر دی اب وہ اولاد اسی کے قتل کو معاف کر دے؟ ناممکن۔

آسمان پہ چاند آج روشن تھا۔ چھت پہ چاند کی نقرئی روشنی تھی جس میں دراز قد لڑکی کا سراپا معمول سے زیادہ حسین لگ رہا تھا۔ چائے کے دو بڑے بڑے مگ بھاپ اڑا رہے تھے۔

"مجھ سے ناراض ہو تو کہہ دو، یہ خاموشی والا ٹریٹمنٹ کیوں دے رہی ہو؟" سفید لباس والا مرد لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بخت کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے ناں؟ جس حویلی میں عبداللہ زمان کے ساتھ آنے کی خواہش اسے کئی برس رہی آج اسی حویلی میں وہ مہدی کمبیر کی بیوی بن کر آئی تھی، اور خوش تھی۔

"مجھے آپ سے ناراض کیوں ہونا تھا؟" وہ ہنوز آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ تمھیں لگتا ہوگا یہ سارے کارنامے میرے ہیں۔'' کہتے ساتھ اس نے ٹانگیں موڑھے پہ رکھ دیں۔

''مجھے لگتا نہیں ہے مجھے یقین ہے اس سارے قصے میں آپ کا ہاتھ ضرور ہے۔''

''کبھی تو اپنے شوہر کو اشتہاری ملزمان کی فہرست سے نکال لیا کرو۔'' اس نے ایک ہاتھ سے زینیا کے چہرے پہ آتے بال پیچھے کئے۔

''میں کوشش کر بھی لوں اگلے دن آپ نے کوئی ایسا کارنامہ انجام دینا ہوتا ہے کہ مجھے اپنی موجودگی پہ شک ہو جاتا ہے۔'' وہ آسمان پہ تابناک چاند کو دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اسکے دائیں رخ پہ بیٹھا مہدی اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ لمحہ کسی مصور کی مصوری کے لئے ''پرفیکٹ'' تھا۔

''اگر یہ سب میں نے کروایا ہے تو تمھیں خوش ہونا چاہیے ہماری رخصتی یادگار بنادی میں نے۔''

''ڈراماٹک۔'' زینیا نے تصیح کی۔

''لوگ، موسیقی، دعوت یہ تو سب کی شادی میں ہوتا ہے۔ پولیس، گرفتاری، پھڈا یہ تو کسی کسی شادی میں ہوتا ہے تمھیں چاہئے مجھے سراہو۔''

زینیا نے آسمان سے نگاہیں ہٹا کر اپنی ہتھیلیوں پہ جمالیں۔ مہندی کا پکا رنگ، نقش و نگار ہتھیلیوں کو مزید پرکشش بنا رہے تھے۔ مہدی نے اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''میرا نام لکھوایا ہے؟'' اشتیاق سے پوچھا۔

''ڈھونڈ سکتے ہیں تو ڈھونڈ لیں۔''

مہدی نے اسکی ہتھیلی پہ بنی ٹکی کو غور سے دیکھا۔ سادہ سی ڈیزائن تھی وہاں اسے کچھ لکھا نظر نہ آیا۔ اس نے ہتھیلی پلٹی اور ایک بار پھر تلاش میں مصرف ہوا۔ ''اس طرح تلاش کریں گے تو اس صدی میں نہیں ملے گا۔'' وہ اسکی الٹ پلٹ سے محظوظ ہوئی۔ نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

"تم نے میرا نام لکھا ہے یا کسی خفیہ ایجنسی کا راز؟" وہ جھنجھلایا پھر یکدم ٹھہر گیا۔ زینیا کی انگلیوں کے درمیان اسے سرخ سا دھبہ نظر آیا اور اب وہ مسکراتے ہوئے اسکی دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ بنا رہا تھا تھا۔ پھر بیچ والی انگلی اور پھر چھوٹی انگلی۔ اسکا نام کچھ الگ ترتیب سے لکھا تھا۔ انگلیوں کے درمیان، ٹکڑا ٹکڑا، حرف حرف۔

م، ہ، د، ی۔ الگ الگ کر کے لکھا گیا تھا۔ ایسے کہ اگر انگلیاں بند ہوں تو اسے کچھ نظر نہ آئے۔ وہ ہنس پڑا۔ جیسے محظوظ ہوا ہو۔ "میں کیوں بھول گیا تم زینیا حاکم ہو اس سیارے کا سب سے rare پیس۔" اس نے جھک کر زینیا کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ لبوں پہ ہنوز مسکراہٹ تھی۔

"میں نے تمھیں رخصتی کا تحفہ تو دیا ہی نہیں۔"

"نکاح کا بھی۔" زینیا نے گنوایا۔ اب کے مہدی مزید گہرا مسکرایا۔ مشکوک مسکراہٹ۔

"میں نے تمہیں ہمارے نکاح کا تحفہ تین سال پہلے دے دیا تھا۔ اور کافی مہنگا تھا۔" اس نے کہتے ساتھ اپنا موبائل کھولا اور کچھ ڈھونڈنے لگا۔ زینیا نے نگاہ گھما کر دیکھا تو وہ موبائل پہ کوئی "مسز کمبیر" نامی ایک فولڈر کھول رہا تھا۔ پھر کافی دیر تک اس میں مغز ماری کرتے رہنے کے بعد اس نے ایک تصویر کھولی جس میں زینیا نے ہمنگ برڈ کا لاکٹ پہن رکھا تھا۔ اور وہ ہنس رہی تھی۔ تین سال پہلے والا چہرہ اور موجودہ چہرہ اس میں فرق تھا لیکن وہ اس تصویر کو بس دیکھتی رہی۔

"یہ رہا تمہارا تحفہ۔" اس نے انگلی سے لاکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ زینیا الجھ کر تصویر کو دکھے گئی۔

"یہ تو آپ نے اسپین کی لوکل مارکیٹ سے لیا تھا ناں؟ ڈھائی ہزار روپے پاکستانی ہے ناں؟ یہ مہنگا کیسے ہوا؟"

"بلکل لیکن یہ دیکھو۔" اس نے پرندے کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک موتی جڑا تھا۔ "یہ ہیرا ہے۔ میں نے یہ خریدنے ک بعد لگوایا تھا۔" زینیا دنگ رہ گئی۔ اسکا دھیان کبھی اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ "یہ ہیرا کافی قیمتی تھا لیکن حق مہر سے پھر بھی کچھ رقم کم تھی اس لئے میں نے چین بدل کر سفید سونے کی چین بنوالی۔"

"اوہ گاڈ میں نے تو غور ہی نہیں کیا تھا۔"

''تم ان دنوں مجھ پہ غور نہیں کیا کرتی تھیں۔''

''لیکن یہ تو آپ نے نکاح کے کچھ مہینے بعد دیا تھا اور ان دنوں تو آپ کو مجھ سے کوئی محبت بھی نہیں تھی۔'' وہ جتنا حیران ہوتی اتنا کم تھا۔ افسوس کرتی تو وہ بھی کم کیونکہ یہ لاکٹ اس نے ہاسٹل کے کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔

''محبت نہ بھی ہو تم سے نکاح ہوا تھا اور پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا تھا تمھارے لئے ہر وہ کام کروں جو تمھیں خوش کرے۔ ذمہ داریوں سے ڈرتا تھا میں لیکن تمہاری ذمہ داری پسند تھی۔ مسائل سے گھبراتا تھا لیکن تم میرا پسندیدہ مسئلہ تھیں۔ عجیب تھیں تم لیکن تم سے زیادہ عجیب میں تھا جو ہر بار تمھارے پیچھے آجاتا تھا۔'' اسکی نگاہیں ہنوز زینیا کے چہرے پہ ٹکی تھیں۔ ''تم ہمیشہ سے اگر اچھی نہیں لگی تو بری بھی نہیں لگی۔ میں ساری زندگی تم سے محبت کر سکتا ہوں۔ ساری زندگی تمھیں دیکھ سکتا ہوں بغیر تھکے، بغیر بور ہوئے۔ جتنی محبت تم سے میں کرتا ہوں اتنی کوئی نہیں کر سکتا۔''

وہ اب تک مبہوت سی موبائل سکرین کو تک رہی تھی۔ جسے اب مہدی بجھا رہا تھا۔ ''میں جیلس ہو رہا ہوں، مجھے دیکھو بس۔''

زینیا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''یہ لاکٹ تو کھو گیا۔'' اس وقت مہدی کو اس پہ پیار آیا۔

''میں نیا لا دوں گا، سرکار۔''

''لیکن وہ ویسا نہیں ہو گا۔'' وہ رنجیدہ ہوئی۔

''اور کرو میری ناقدری۔''

''آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔''

''ان دنوں میں وہ مرد نہیں تھا جس کی ایفرٹس تمھیں اچھی لگتیں۔''

''لیکن آپ پھر بھی کرتے رہے۔''

''اب میں ٹھہرا پیدائشی زن مرید، بگڑا ہوا رئیس زادہ جس کے پاس خرچ کرنے کو بہت پیسہ تھا۔ ایک عدد حسین بیوی بھی تھی۔ اور دل بھی تھا۔''

وہ بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہ رہا تھا لیکن زینیا کی آنکھیں نم ہوئیں۔ وہ اسے تشکر سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

''یار اب ایسے نہ دیکھو سر چڑھ جاؤں گا میں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''مجھے آپ ہر دن نئے سرے سے محبت ہو رہی ہے۔ it's scary'' وہ اپنے اندر کی منفی عورت کو آج بھی ابدی نیند نہیں سلا سکی تھی۔ ''مجھے ایسی نہ دیکھیں۔'' وہ اسکی نگاہوں سے بے بس ہوئی۔ ''آپ میری عادتیں بگاڑ دیں گے۔''

مہدی نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا اور چاندنی میں نہائی اس لڑکی کو دیکھا۔ ''سب کہہ سکتی ہو بس وہ تین لفظ نہیں جنہیں سننے کو میرے کان ترس گئے۔''

''چائے پی لیں۔'' وہ انہی نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولی۔

اسی پل مہدی کا فون تھر تھرایا۔ کوئی جواب دینے کا ارادہ فلحال ملتوی نہ کرتے ہوئے اس نے فون اٹھایا اور اسے سامنے سے جو اطلاع ملی وہ اسے ایک لمحے کے لئے ساکن کر گئی۔ گمبھیر خاموشی میں سپیکر سے نکلتی اس آواز کو زینیا حاکم نے بھی سنا تھا۔

''عالم نواب نے کانسٹیبل سے بندوق چھین کر خود کو شوٹ کر لیا ہے اور وہ موقع پہ ہی جان بحق ہو گئے۔''

چاند کی روشنی ماتم میں بجھنے والی چاندنیوں جیسی ہو گئی تھی۔ سفید کوری سفید۔

)''واللہ میں نے بس مشورہ دیا تھا مجھے کیا پتہ تھا تمہارا بھائی فوراً عمل کرے گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''وہ درست کام کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔'' اسکے لہجے میں بھائی کے لئے محبت تھی۔

''تم کیوں دیر کر رہی ہو؟ تمھیں نہیں لگتا درست وقت گزرا جا رہا ہے۔'' اسکا اشارہ جس سمت تھا زینیا جانتی تھی۔ اسکی مسکراہٹ بجھ گئی۔

''ابا اور میرے درمیان تعلقات اس حد تک ہی درست ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں ہے جس میں باپ آخر میں ساری غلطیاں مان لے یا پھر بیٹی محبت بھری تقریریں باپ پہ اثر انداز ہونے لگیں گی۔''

''پھر یہ کیا ہے؟''

''حقیقت۔''زینیا کا ایک لفظی جواب۔

مہدی چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔)

عالم نواب کی خودکشی کے واقعے کو تین روز گزر گئے تھے۔ محبوب پوتے کو وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے، پوتی کو گھر سے نکالنے کی جرات ختم تھی اور جیل جیسی ذلت سے بچ کر انہوں نے وہ موت چنی جو کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت تھی۔

بشر کو چچاؤں سے خوب ملامت کی گئی، برادری والوں نے کئی ٹھپے لگائے لیکن وہ ڈٹا رہا۔اندر سے وہ لرز کر رہ گیا تھا لیکن وہ روایات کے نام پہ اس عورت کا قتل نہیں معاف کر سکتا تھا جس نے اسے ماں کی طرح پالا۔

حاکم نواب پورے تین دن اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے نہ کسی میں اتنی جرات ہوئی کہ ان سے کوئی بات کر پاتا۔امینہ بیگم ویسے ہی انکے غصے سے خائف تھیں۔ بشر شرمندہ، کونج کا باپ کے ساتھ ہمدردی اور محبت والا تعلق رہا ہی نہیں تھا اور پیچھے بچ گئی وہ جس نے دعوے کئے تھے کہ وہ اس شخص کی محبت سے دل کو خالی کر چکی ہے۔ لیکن محبتیں جڑ سے اکھاڑ لینا اگر آسان امر ہوتا تو ہر بیمار محبت شفایاب ہوتا۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ہلکی سے چر کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا۔اندر خاموشی اور تنہائی تھی۔وہ ٹانگیں لٹکائے، گردن سیدھی کئے بیڈ پہ بیٹھ کر سامنے دیکھ رہے تھے۔زینیا کتنے ہی لمحے دروازے پہ جمی کھڑی رہی۔

''باہر مہمان آرہے ہیں آپ کی ضرورت ہے،ابا۔''

وہ جواب میں کچھ نہیں بولے بس خاموش رہے۔زینیا چند لمحے چپ رہی اور ایک بار پھر انہیں پکارا۔

''آپ نے کتنے دنوں سے ٹھیک سے نہیں کھایا شوگر لو ہو جائے گی ....''وہ اب بھی چپ رہے۔زینیا نے تفکر سے انہیں دیکھا۔وہ کمزور ہو گئے تھے۔ حسن ماند ہونے لگا تھا۔عمر ڈھل گئی تھی۔اور ہاتھ کیا آیا خاک بھی نہیں.......۔کیا وہ انہیں یونہی چھوڑ دے؟ دل نے اس خیال کی تردید کی۔

''ابا . . . .'' کس اذیت، امید، فکر سے انہیں پکارا بس وہی جانتی تھی۔ حاکم کے کندھے بے اختیار جھک گئے۔ ''خود کو سنبھالیں، آنے والوں نے جانا ہی ہوتا ہے۔''

''میرے گھر میں، میرے ہوتے ہوئے اس آدمی نے میری ماں کو مارا۔'' بہت دیر بعد حاکم نواب کی شکستہ آواز کمرے کے در و دیوار سے ٹکرائی۔ ''میں خود کو مضبوط سمجھتا رہا میں تو خود کو حاکم سمجھتا رہا اور کوئی میرے ہوتے ہوئے میری ماں کی جان لے گیا۔ میں اتنا کمزور کیسے ہو سکتا ہوں؟ میں اتنا کم ہمت کیسے ہو سکتا ہوں؟ کوئی انسان کسی کے ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟'' اس نے حاکم کو بچوں کی طرح روتے تڑپ کر سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ زینیا کی نگاہوں میں زخمی سا تاثر تھا وہ اس آدمی سے پوچھنا چاہتی تھی کہ بتاؤ کوئی کسی کی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے!؟ وہ ذلت، وہ بچوں کے سامنے دی جانے والی گالیاں، خاندان کے طعنے، صورت پہ ہونے والی لعن طعن کوئی کسی کی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟

''مجھے خود سے شرم آرہی ہے غصہ آرہا ہے مجھے کوئی . . . . . . باپ اس حد تک کیسے گر سکتا ہے؟ کوئی . . . . . ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی میری ماں کو کیسے مار سکتا ہے اور مجھے اس مارنے والے سے نفرت کیوں نہیں ہو رہی؟'' انکے الفاظ بے ربط تھے۔ لیکن وہ تکلیف سانجھی تھی۔ زینیا حاکم نے ہوش سنبھالتے ہی اس تکلیف کو محسوس کیا تھا۔

وہ چاہتی تو انہیں انکے قصور گنوا سکتی تھی، چاہتی تو انہیں ملامت کر سکتی تھی مگر بڑے بوڑھے کہتے ہیں جنگ میں جب مقابل ڈھے جائے تو وار مت کرنا اور باظرف بیٹی نے وار نہیں کیا۔ وہ اچھے باپ نہیں بن سکے تھے مگر وہ تو اچھی بیٹی تھی ناں؟ انہوں نے اپنے فرض نہیں نبھائے لیکن اس سے سوال تو اسکے فرائض کا ہو گا۔

چھوٹے چھوٹے قدم لیتی وہ انکے قریب آکر بیٹھی۔ کئی لمحے اس مضبوط مرد کو روتے ہوئے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے ہاتھ انکے بازو کے گرد حمائل کرتے ہوئے سر انکے کندھے پہ رکھ دیا۔ وہ مزید اونچی آواز میں رو رہے تھے زینیا اس دکھ کو سمجھتی تھی یہ اذیت نئی نہیں تھی، وہ پچھلے کئی برس اسی طرح جلتی رہی تھی آج وہی آگ اپنے لگانے والے کو چمٹ چکی تھی۔ مکافات عمل ہوتا ہے اسی دنیا میں ہوتا ہے اسے یقین آنے لگا۔

(''تم انہیں کنفرنٹ کر سکتی تھیں۔''

صوفے پہ بیٹھا مرد اس مرد کے بلکل برعکس تھا جو زینیا کو اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں ملا تھا۔

”یہ کام ہم دونوں نہیں کر سکتے۔ ابا نے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کی بجائے انہیں فکس کر دیا۔ جو حقوق پورے نہیں کئے تھے انہیں اپنے تیئں ٹھیک کر دیا۔ دیسی ابا معافیاں نہیں مانگتے انکی انائیں بہت اونچی ہوتی ہیں۔“

اگلے چند لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ وہ فلحال اسکے ان مسائل میں نہیں گھسنا چاہ رہا تھا جو ستائیس سال پرانے تھے زینیا اسے وہ گتھی نہیں سمجھا سکتی تھی جسے حل کرنے میں اسے کم و بیش اتنے ہی سال لگ گئے تھے۔ زندگی ابھی باقی تھی یہ قصے پھر سہی۔

”تم کمرے سے باہر کیوں نہیں نکلتی؟“ وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ ”نہ باہر نکل کر اپنی نگرانی میں کوئی کام کرواتی ہو نہ کسی کام میں حصہ لیتی ہو نہ گھر سے باہر نکلتی ہو، کیوں سرکار؟“

”مجھے نہیں لگتا میں یہاں ایڈجسٹ ہو سکتی ہوں۔“ اس نے اپنے خدشے کو زبان دی۔

”ایڈجسٹ کیسے ہوا جاتا ہے اس کام کو کر کے، اس جگہ بار بار جا کر پہلے دن تو تم اس کمرے میں بھی ایڈجسٹ نہیں ہو سکی تھیں۔ میں چیزوں کو باریک بینی سے دیکھنے کا عادی نہیں ہوں اور تم نے ایسے ہی مجھے پسند کیا تھا۔ آج میں بہت غور کر رہا ہوں کل اگر مصروف ہو گیا تو تمھیں مجھ سے شکایت ہو گی کچھ چیزوں سے تمھیں میں نہیں نکال سکتا یہ تمھیں خود کرنا ہو گا۔“ وہ بہت نرمی اور دھیرج سے سمجھا رہا تھا۔

”میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔“

”وجہ؟“

”قیس۔“

”تو دوسرا گھر لے دیتا ہوں۔“ سہولت سے حل نکالا۔

زینیا نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ جس بات کو زبان پہ لانے کے لئے وہ اتنے تردد کا شکار تھی مہدی کمبیر اسے اتنی جلدی مان گیا تھا؟

''ڈھائی سال تمھارے پیچھے اسلئے خوار نہیں ہوا کہ جب تم ملو تو تمہاری ناقدری کروں۔ میرے ابا نے جب میری ماں سے شادی کی اور مرے دادا نے اختلاف کیا تو وہ اپنا گھر چھوڑ کر انہیں اسلام آباد لے آئے۔ حلانکہ حویلی میں ہمارا الگ پورشن تھا ابا نے میری ماں کو آؤٹ کاسٹ کر دیا۔ اگر وہ پہلے کچھ دن وہیں رہتے اور انکو بتاتے کہ نکاح ایک غلط کام نہیں ہے تو میری اور ماں کی زندگی مختلف ہوتی۔ میں تمھیں ایسی زندگی نہیں دینا چاہتا تھا جس میں محرومیاں ہوں۔'' وہ اسے دیکھے گئی۔ اسے لگا تھا مہدی قیس سے ضد نبھا رہا ہے لیکن وہ بھول گئی تھی اب تو سب ''اس کے'' بارے میں تھا۔

''ہم اگلے مہینے سرور ہاؤس جائیں گے وہاں کچھ مرمت کا کام رہتا ہے اسے مکمل ہونے دو۔ بس کچھ دن کی بات ہے تب تک میرے خاندان کو یہ علم ہونے دو کہ ہماری شادی نارمل ہے تا کہ کل میرے بچے میرا lesser version نہ ہوں۔''

''مجھے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔'' وہ اب پھیل گئی۔

''کہئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکاتے ہوئے مکمل طور پہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔

زینیا نے گہری فیصلہ کن سانس لی۔ بیڈ پہ تھوڑا سا آگے کو ہوئی۔ ''میں دوبارہ سی ایس ایس کرنا چاہتی ہوں۔''

مہدی چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ''مجھ سے اجازت لے رہی ہو یا بتا رہی ہو؟''

''شوہر سے اجازت لے رہی ہوں اور اپنے گارجین سے مشورہ۔''

''شوہر ٹھہرا زن مرید، بیوی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا ہوا، اور گارجین تم سے سوال کرے گا کیوں؟ کوئی ایسی وجہ جو تمھیں دوبارہ یہاں لانا چاہتی ہے، وہاں..... جہاں سب شروع ہوا تھا۔''

''وجہ ہے میرے پاس۔'' وہ ہلکے مگر مضبوط لہجے میں بولی۔ مہدی سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ دراز سے گاڑی کی چابیاں اور بٹوہ اٹھایا۔ پھر ہاتھ زینیا کی طرف بڑھایا۔

''اس بند کمرے میں کیا وجہ سنوں، چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''اس وقت ؟''اس نے بے اختیار گھڑی کی طرف دیکھا۔ پھر چائے کو۔

''سیاح کی بیوی بن گئی ہو اب وقت اور مقام کی فکر نہ کرو۔ جہاں میں لے جاؤں ساتھ چلتی جاؤ۔''

کچھ وقت بعد وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے کمبیر محل کا داخلی دروازہ پار کر رہے تھے۔ جس شہر سے اسے ذلت دے کر نکالا گیا تھا اسی شہر میں وہ دگنی عزت کے ساتھ واپس آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''شیشے کے پار بیٹھا مرد افسردہ تھا۔ فون کان سے لگائے وہ یاسیت سے اس دھندلے منظر کو دیکھ رہا تھا جہاں اسکی واحد مسیحا تھی۔

''یہ آزادی میرے لئے آزادی نہیں ہے۔ میں دوبارہ آپ سے نہیں مل سکوں گی تو ایسی زندگی کا کیا فائدہ؟''

''تم نے میرے لئے بہت کیا ہے اب وقت ہے کہ میں تمہاری قدر کروں۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ جو دیکھا وہ اچھا اور برا دونوں تھا لیکن میں چاہتا ہوں جب ہم الگ ہوں تم بس اچھی یادیں لے کر جاؤ۔''وہ عرصہ بعد کسی کے لئے فکر مند دکھائی دے رہا تھا۔ حدیبیہ سر جھکائے رو پڑی۔ قیس اسے دیکھتا رہا۔''تمھیں déjà vu جیسا احساس نہیں ہو رہا؟ ایک بار پہلے بھی تم اس دنیا سے رخصت ہونے لگی تھیں اور میں آ گیا تھا۔''اسکے لبوں پہ ہلکی مسکراہٹ تھی۔

''میں آپ کو کھونا افورڈ نہیں کر سکتی۔ کوئی اور حل نہیں ہے؟''

''روتے ہوئے تم پورا پورا مرد لگتی ہو۔''

"سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے آپ نے سب خراب کر دیا پہلے سب ٹھیک تھا۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بلند آواز میں شکوہ کرنے لگی۔ "میں نے آپ سے کہا تھا اسکی محبت میں مت پڑیں میں نے کہا تھا حد پار مت کریں اور اگر کر دی تھی پھر بھی اسے آپ کی قدر نہ ہوئی تو آپ نے اسے مار کیوں نہیں دیا؟ اسے مارنا اتنا مشکل نہیں تھا۔"

"کوشش کی تھی......." سر جھکائے شکستگی سے اعتراف کیا۔ "اب اسے تکلیف نہیں دی جاتی، وہ میرے دل کا مسئلہ ہے۔"

جیل میں شیشے کے پار کھڑے دو لوگوں کو چھوڑ کر وقت سے چند لمحے ادھار مانگ کر ماضی کا سفر طے کرو تو قیس کمبیر چار دن بعد ایک بار پھر کمبیر محل واپس آ چکا تھا۔ گاڑی دروازے پہ روکتے وہ تیزی سے باہر آیا۔ چہرے پہ بے رونقی تھی، بال بے ترتیب اور لباس شکن زدہ۔ ملازمین اسے تاسف سے دیکھ رہے تھے وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر محل کے اندرونی حصے کی طرف گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے دراز سے ایک پستول نکالی اور باہر نکل آیا۔ دماغ میں کوئی منظر تھا جس میں کوئی اسے موبائل پہ چلتی زینیا اور مہدی کی تصاویر دکھا رہا تھا وہ تصاویر جن کے نیچے اس نے اپنی شادی کا اعلان کیا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور قیس کے لئے یہی موت کا مقام تھا جو عورت اسکے لئے جذبات کھو چکی تھی وہ کسی اور کے لئے کیسے مسکرا سکتی تھی؟ اسے اپنے بازو میں کھنچاؤ بڑھتا ہوا محسوس ہوا، وہی بازو جس میں زینیا نے چھرا گھونپا تھا۔ تکلیف اس تیز دھار نے نہیں دی تھی، تکلیف اس نفرت سے ہوئی تھی۔

"زینیا کہاں ہے؟" راہداری میں چلتے ہوئے ملازم سے سوال کیا۔

"اسٹڈی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" اسکے تیور دیکھ ملازم نے تیزی سے جواب دیا اور بالکل سچا جواب۔

اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے اسکے ذہن میں مختلف مناظر تھے وہ ڈھاکہ میں جہاز پہ موجود تھے زینیا اسکا ہاتھ اسکا لمس جھٹک رہی تھی۔ وہ اسکے بازو میں چھرا گھونپ رہی تھی، اسے گھر سے نکال رہی تھی، اور آخری منظر میں وہ مہدی کے ساتھ مسکرا رہی تھی یہ تکلیف ہر تکلیف پہ بھاری تھی۔ قیس کی ہار مسئلہ نہیں تھی کسی اور کی جیت مسئلہ تھی۔

اسٹڈی روم میں کھڑی لڑکی گردن ڈھلکائے اس پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی جس میں کوئی بھید چھپا تھا۔ کھڑکی سے آتی روشنی اسکے داہنے رخ کے ساتھ ساتھ پینٹنگ پہ بھی پڑ رہی تھی۔ چھوٹی آنکھیں مزید چندھیائے وہ گمشدہ بھید جان لینا چاہتی تھی جب اسکی

پسلیوں کے قریب کوئی لوہے نما شے ٹکرائی، ساتھ بھاری سانسیں اور ایک شناسا مہک قریب محسوس ہوئی۔ چند لمحوں کے لئے وہ سانس نہیں لے سکی۔

"تمھیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں تمھارے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہوں، تم اتنی بے خوف کب ہوئیں؟" کتابیں، چھن کر آتی دھوپ، ریک، ان پہ جمی ہلکی سی دھول سب ٹھہر کر اسے سن رہے تھے۔ "تمہیں مجھ سے خوف نہیں آتا؟" وہ اسکے قریب تھا، اسکے ہاتھ میں اوزار تھا، زینیا کے حلق میں بہت کچھ اٹکا۔

"گن ہٹاؤ......" وہ لہجے کی لرزش پہ قابو پاتے بامشکل بول سکی۔ "قیس، گن ہٹاؤ۔"

"زندگی سے اتنا پیار؟" اس نے پستول ہٹائی زینیا کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔ "تم میری برداشت کو حد سے زیادہ آزما چکی ہو، تمھیں یہ زیب نہیں دیتا۔"

زینیا مڑی۔ اسکا سارا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ قیس نے بندوق عین اسکی گردن پہ رکھی۔ وہ بے سانس ہو گئی۔ چند لمحے، چند ثانیے وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔ سفاک، سرد نگاہیں۔ اسکی خوشبو، کسی تعفن سے اٹھتی بدبو کی مانند زینیا کے اعصاب پہ بھاری پڑ رہی تھی۔

"تمہارے پاس میرے لئے جذبات نہیں تو اسکے لئے کیوں؟"

"تم میرے لئے "اسکے" جتنے اہم نہیں ہو۔" خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے محبت کی ہے۔"

"میں نے نہیں کی۔"

"میں یہاں کھڑے کھڑے تمھیں مار سکتا ہوں اور تمہاری لاش لینے بھی کوئی نہیں آئے گا۔"

"اور تمھیں لگتا ہے مجھے اب تم سے ڈرنا چاہیے؟" اسکا اعتماد بحال ہو رہا تھا مارنے والے یوں دھمکیاں نہیں دیتے۔

"تمھیں ایسا نہیں لگتا؟" بندوق کی نال اب اسکے ماتھے پہ تھی۔ اسکی گردن اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔ پلکیں لرز رہی تھیں، لیکن اس نے گردن نہیں جھکائی، پیچھے نہیں ہوئی۔

"نہیں..... مجھے ایسا نہیں لگتا کیونکہ مجھے یقین ہے اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میرا شوہر تمھیں وہاں مارے گا جہاں تم موت کے لئے ترس جاؤ گے۔ مجھ سے دور رہو قیس جو تم پہ پستول تان سکتا ہے وہ مار بھی سکتا ہے۔"

قیس کمبیر کی آنکھوں میں سرخ ڈورے بننے لگے، ٹرگر پہ اسکی گرفت سخت ہوئی۔

"مارنا چاہتے ہو مجھے مارو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر بندوق پہ اسکی گرفت سخت کی۔ آنکھیں اسکی آنکھوں میں ڈالے رکھیں۔ "میں موت سے ڈرتی ہوں بہت ڈرتی ہوں۔ میری زندگی میں ایک لمبا عرصہ بعد کوئی خوشی آئی ہے لیکن میں تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ تم مجھے چھوڑ دو جانتے ہو کیوں؟" وہ لحظہ بھر کو رکی۔ نگاہوں کی تپش برقرار رہی۔ "کیونکہ میں تم سے کچھ نہیں مانگنا چاہتی، میں تمھیں اس لائق ہی نہیں سمجھتی۔"

پستول پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ کھڑکی سے دھوپ کے ساتھ ڈھیر سارا بار بھی اندر داخل ہوا اور اسکے کندھوں پہ آکر براجمان ہوا۔ بوجھ بڑھ گیا۔ ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں، اسکا سارا جسم لرز رہا تھا۔

"میں آج بھی اس دن پہ پچھتاتی ہوں جب میں تمھارے گھر آئی تھی اور تم نے مجھے پناہ دی تھی۔ کاش میں نہ آتی کاش ہم کبھی ملے ہی نہ ہوتے۔"

"تم میری نیکیوں کو یوں ردی کیسے کر سکتی ہو؟"

"کیونکہ میں تمھارے حوالے سے کوئی یاد اپنے قریب نہیں رکھنا چاہتی نہ اچھی، نہ بری۔"

اب کے قیس کی نگاہوں کا زخمی پن بڑھ گیا۔ اس نے پستول اسکی گردن کی ابھری ہوئی ہڈی پہ جمائی وہ دیکھ سکتا تھا زنیا حاکم کپکپانے لگی تھی۔ اس نے دانتوں پہ دانت جما لئے۔ اسکے ہونٹ لرز رہے تھے مگر اس نے آنکھیں بند نہیں کیں۔ یہ قیس کے منہ پہ مارے جانے والا جوتا تھا ایک لڑکی جس کے ماتھے پہ وہ مضبوط مرد پستول تانے کھڑا تھا وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی اسکی

طرف حساب کھولو تو کئی تھے مگر وہ ڈٹی کھڑی رہے گی تو قیس خود کو ہارا ہوا محسوس کرے گا یہ وہ ہونے نہیں دے سکتا تھا۔ہار نہیں،او نہوں۔

''کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم مجھ سے زندگی مانگنے کی بجائے موت چن لو گی؟''اس نے ہاتھ پیچھے کیا اور پستول لوڈ کی۔ کلک کی آواز آئی اور اسکے ساتھ ہی وہ پستول دوبارہ اسکے ماتھے پہ رکھ چکا تھا۔

''بات تمہاری نہیں ہے بات میری ہے میں ساڑھے تین سال پہلے والی زینیا ہوتی تو تم سے منت کرتی مجھے نہ مارو لیکن اب....... اب میں جانتی ہوں تم کسی کی موت پہ قادر نہیں ہو۔''

وہ ہنوز آنکھیں اسکی آنکھوں میں ڈالے کھڑی تھی۔ بازو سینے پہ باندھے وہ لوہے کو اپنی جلد کے ساتھ ٹکراتے ہوئے محسوس کر سکتی تھی۔ قیس اسکے سامنے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح تھا جو آج چاہے بازی جیت جاتا مگر زینیا کی نگاہوں کا تاثر اسے ہرا رہا تھا۔وہ ٹرگر دبا دینا چاہتا تھا مگر یہ آج پہلی بار تھا کہ وہ بندوق والا ہاتھ نیچے گرانے کا سوچ رہا تھا۔کچھ تھا اس میں وہ قیس کے دل کو مٹھی میں جکڑ کر زمین پہ دے مارتی تھی اور وہ ایک بار پھر دل ہتھیلی پہ سجائے اسکے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔محبت اچھے خاصے عزت دار کو بے عزت کروا دیتی ہے۔اور اس سے صرف محبت نہیں تھی۔

''میرے ضبط کا امتحان لینا بند کیوں نہیں کرتیں تم؟''

''تم کیوں مجھے میری زندگی میں سکون لینے نہیں دیتے۔''

''مجھے میری غلطیوں کے لئے معاف کر کے میری زندگی میں دوبارہ شامل ہونا کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔''

''تمہاری غلطیاں، تمہاری زندگی، تمہاری محبت یہاں میں کہیں نہیں ہوں۔ ہم دو دن بھی ساتھ نہیں چل سکتے میں چلنا ہی نہیں چاہتی تمھیں ناں کیوں نہیں سمجھ آ رہا؟''

''میں نہیں تو وہ کیوں؟ میں فرشتہ نہیں ہوں تو پارساوہ بھی نہیں۔''

"یہ تم نے چنا، عبداللہ۔ اپنے خاندان اور اپنے غرور کو اول رکھ کر تم نے مجھے پیچھے چھوڑا تھا اب پیچھے رہ کر اگر میں اپنے لئے آگے جانے کا بہترین راستہ دیکھوں تب تمھیں شکایت کیوں ہے؟ آج کہاں ہے وہ خاندان جس کے لئے مجھے چھوڑا تھا؟" اس نے پستول والا ہاتھ گرا دیا۔ قیس کمبیر اس عورت کو ہرٹ کر سکتا تھا، زندہ درگور کر سکتا تھا مگر وہ قاتل اور سفاک مرد اسے مار نہیں سکتا تھا۔ یہ مشکل امر تھا۔ ناممکن۔ "مجھے میری زندگی میں آگے بڑھنے دو۔ جس آدمی کے ساتھ میں ہوں وہاں بہت خوش ہوں، تمھارے پاس میری واپسی صرف لاش کی صورت ممکن ہے اگر یہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔" اس نے جھک کر قیس کا پستول والا ہاتھ سیدھا کیا اور اسکی پستول اپنے ماتھے پہ رکھی۔

"چلاؤ گولی۔"

وہ ٹھہر گیا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے ہوتا گیا پھر صوفے پہ ڈھے گیا۔ اب دھوپ اسکی پشت پہ پڑتے ہوئے پلٹ رہی تھی۔ اسکی لمبی انگلیاں اب زینیا کو باہر جانے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ انداز میں ہار واضح تھی۔

کوئی چال، کوئی مہرہ، کوئی پتہ ایسا نہیں تھا جسے وہ پھینکتا اور کھیل اسکا ہو جاتا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش نے سارے اسلام آباد کو جل تھل کر دیا تھا۔ گیلی سڑکوں پہ پڑتی روشنیاں انہیں جاذب نظر بنا رہی تھیں۔ کیفیز، ریستوران، شاپس، اور کلبز کی جلتی بتیاں ہر سو ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کر رہی تھیں۔

"یہاں کی چائے بہت بہترین ہوتی ہے۔" گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے مٹی کے برتن میں ڈالی ہوئی چائے زینیا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی میں چائے اور گیلی سڑکیں دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔ ۔ وہ دونوں ایک اوپن ایئر کیفے میں موجود تھے جہاں گاڑیاں پارکنگ فل ہونے کی وجہ سے احاطے میں دور کھڑی کی گئی تھیں اسی احاطے میں کافی فاصلے پہ قوالی نائٹ کے تقریب ہو رہی تھی۔ جہاں سے گانے کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

"بشر کہتا تھا مجھ سے زیادہ چائے اس دنیا میں کوئی نہیں پیتا ہو گا اسے آپ سے ضرور ملتے رہنا چاہیے۔" اس نے کپ لیتے ہوئے اسے اسے بونٹ پہ رکھتے جواب دیا۔

''وہ خود ایک کپ منہ سے اتارتا ہے اور دوسرا چڑھالیتا ہے۔''گانے کی آواز اب یہاں تک آرہی تھی۔

''رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے۔''

''ہمارے خاندان کو چائے کا عشق ورثے میں ملا ہوا لگتا ہے۔''زینیا نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔ساتھ موسیقی کی مدھم تال پہ بونٹ پہ انگلیاں بجانے لگی۔

''تم نے وجہ نہیں بتائی ویسے۔''وہ بھی بونٹ پہ ہولے ہولے سے انگلیاں بجارہا تھا۔

''پہلے جاں پھر جان جاں، پھر جان جاناں ہو گئے۔''

''آپ جانتے ہیں مجھ سے ماضی میں کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں؟''وہ سامنے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔''میں نے باؤنڈریز بنانا چاہیں تھیں لیکن ٹوٹتی گئیں یہی باؤنڈریز میں اپنے شہر میں اپنے لوگوں کے ساتھ بناتی تھی تو بہت کم ٹوٹتی تھیں وجہ جانتے ہیں کیا تھی؟''

مہدی نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔زینیا کہے گئی۔

''وجہ یہ تھی کہ میں اپنے گھر میں نہیں تھی۔میں وہاں تھی جہاں لوگ غیر تھے اور کچھ کچھ اعلیٰ بھی۔میں سوچتی تھی اگر اس بڑے شہر سے ناکام لوٹی تو اپنے شہر جا کر کیا کروں گی؟ میرا مستقل ٹھکانہ یہ جگہ نہیں تھی نہ یہاں کے لوگ ہمیشہ میرے رہتے۔میں ایک مہمان تھی اور مہمان چاہے جتنا مرضی کوشش کرلے وہ غیر گھر میں مکمل آزاد اور پرسکون نہیں ہوتا۔''

''ایگری.....میں سیاح ہوں لیکن جو تسلی پاکستان میں کمبیر محل میں ہوتی ہے وہ کہیں نہیں ہے۔''وہ ابا زیر لب گانا دہرا بھی رہا تھا۔آس پاس اسی طرح گاڑیوں کے بونٹ کے ساتھ یا پھر سامنے کرسی رکھے کئی لڑکے، لڑکیاں کھڑے تھے۔

''اگر ایسے ہی بڑے بڑے ادارے میرے اپنے شہر میں ہوتے تو میں یہاں نہ آتی میں یہ نہیں کہہ رہی کہ جو میرے ساتھ ہوا وہ ٹل جاتا کیونکہ یہ کہتے ہوئے میں اول درجے کی بے وقوف لگوں گی لیکن پھر بھی. . . . . .''اس نے متذبذب نگاہیں اٹھا کر مہدی کو دیکھا۔''اگر یہ میرا شہر ہوتا یہاں میرا گھر ہوتا تو شاید مقابلے بازی اور اضطراب کم ہوتا۔میرے شہر کے بچوں کے

پاس، میرے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آسانیاں ہوتیں تو یہ نہ ہوتا ہم کیوں کسی کے شہر جائیں پنجاب اور سندھ کے بچے تو ہمارے صوبے نہیں آتے کیونکہ انکے پاس اچھے اچھے ادارے ہیں اللہ مذید دے مجھے ان سے بغض نہیں لیکن میں ان سے ''انسپائر'' تو ہو سکتی ہوں ناں؟'' وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بول رہی تھی سامنے کھڑے لڑکوں میں سے کوئی اسکی طرف متوجہ تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں اور جتنا میں سمجھ رہا ہوں وہ ایک انقلابی سوچ ہے۔'' وہ چائے کے گھونٹ بھرنا چھوڑ چکا تھا بونٹ پہ دھن بجاتی اسکی انگلیاں اب متحرک نہیں رہی تھیں۔ وہ زینیا کو نہیں اب اس لڑکے کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''آپ صحیح سمجھ رہے ہیں میں اپنے صوبے اور اپنے ملک میں تعلیم عام کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جہالت کے اندھیرے تب چھٹیں گے جب چراغ ہمارے گھر میں جلیں گے اور کم قیمت پہ جلیں گے۔ شاعرانہ ہو گیا نہیں؟'' وہ کہہ کر مسکرائی۔ مہدی گہری سانس بھرتا ہوا اسکے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ ایسے کہ اب اسکا چہرہ بس وہی دیکھ سکتا تھا باقی سب کا منظر بلاک ہو گیا۔ اس منظر پہ صرف اسی کا حق تھا۔

''بیگم صاحبہ سوچ سستی ہوتی ہے اسے حقیقت بنانے پہ پیسہ لگتا ہے اور تم لوگوں سے کیا کہو گی کہ میں سی ایس ایس افسر ہوں اور اب میں یہاں کوئی ادارہ کھولنے لگی ہوں؟ فنڈز کہاں سے آئیں گے؟''

''آپکے امیر دوست کب کام آئیں گے، آپ کے بھرے ہوئے اکاؤنٹس کب خالی ہوں گے، بیرون ملک بیٹھے آپ کے پاکستانی اور غیر ملکی یار دوست کس وقت کام آئیں گے؟ امیر تو ویسے بھی چونچلے باز ہوتے ہیں اس چیز کو ایک ''ایڈو یچر'' بنا کر پیش کر دیں لوگ بھاگ بھاگ کر انویسٹ کریں گے۔''

''اور مجھے لگا تھا اس کام میں تمہاری pure intentions شامل ہیں۔ آہ تم نے لوگوں کو استعمال کرنا نہیں چھوڑا۔''

''میں نے کچھ بری عادتیں چھوڑی ہیں اسکا مطلب یہ نہیں کہ میں سدھر گئی ہوں۔ وقت آنے پہ لوگوں کے منہ اب بھی نوچ سکتی ہوں مجھ پہ بولنے والی زبانیں کاٹ کر پھینک بھی سکتی ہوں۔''

''اور اپنے مظلوم شوہر پہ ظلم بھی ڈھا سکتی ہوں، وقت پڑنے پہ اسے استعمال بھی سکتی ہوں۔ رائٹ؟'' اس نے چائے کا کپ واپس رکھا کہ اب اندر رمائع ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ''اس سب میں تمھیں خود سی ایس ایس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اول تو یہ میری خواہش اور خواب ہے دوئم ناکام انسان کامیابی کی بات کرتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ انسان کو زندگی میں کوئی ایک ایسا کام تو کرنا ہی چاہیے کہ جب کبھی اسے اسٹیج پہ کھڑے ہو کر کوئی موٹیویشنل کہانی سنانی پڑے تو اسکے پاس سنانے کے لئے کچھ ہو، زندگی کے اتار چڑھاؤ کے قصے ہوں، کچھ تھرلنگ سا ہو، جدو جہد ہو اور میں نہیں چاہتی جب مجھے کہیں کسی اسٹیج پہ جانا پڑے تو لوگ یہ سوچیں کہ خود تو زندگی کے ایک تھپڑ سے گھر میں دبک کر بیٹھ گئی اب ہمیں سکھانے آئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کوئی مجھے دیکھے میری بات سنے تو اپنی زندگی کے غم اور مسائل سے کہے "زیادہ سے زیادہ کیا؟" بس زندگی سے اتنا چاہیے۔''

''وجہ تو بہت پختہ ہے۔'' اس نے توصیفی انداز میں کہا۔ ''میں ذمہ داریاں سنبھالنے کا کہتے ہوئے بے وقوف اور جھوٹا لگوں گا لیکن تمھیں جو چاہیے وہ میں دوں گا۔ تم اکیلی کام نہیں کرو گی ہم ایک ٹیم کے ساتھ کام کریں گے کیونکہ جہاں تم اندھیرے مٹانا چاہتی ہو وہ میرا بھی گھر ہے۔''

''ٹیم میں خود منتخب کروں گی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے بنگلے اور اے سی سے اٹھ کر آنے والے امیر نہیں چاہیئیں۔ مجھے وہ لوگ چاہئے جن کے پاس میرے جیسی کہانی ہو۔ جن کو ان لوگوں کا دکھ سمجھ آئے جن کی میں مدد کرنا چاہتی ہوں۔''

''مشکل کام ہے کر لو گی؟'' وہ اب مکمل طور پہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔ ''کل یہ جوش ٹھنڈا ہو گیا تو؟''

''میں جب فیصلے لیتی ہوں تو ان پہ نظر ثانی کرنے کی فکر نہیں رہتی۔ اوور تھنکرز کے کئے ہوئے فیصلے جذباتی نہیں ہوتے۔'' اسکی چائے اب ٹھنڈی ہو چکی تھی یعنی اب وہ پینے کے لئے تیار تھی۔ اس نے کپ اٹھا لیا۔ موسیقی کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔ شاید گیت اسی طرز کا تھا۔

''اچھا خیر فلحال میں کہیں تمہارا داخلہ.....''

''اسکی کوئی ضرورت نہیں۔'' مہدی کی بات پوری ہونے سے قبل زینیا نے اسے ٹوکا۔ ''میں یہ سارے معملات خود دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لئے صرف جذباتی سہارا رہیں باقی سب میں دیکھ لوں گی۔''

''میرے اندر کے امیر اور پریولیج آدمی کو تمہارا یہ عمل بچکانہ لگ رہا ہے۔'' مہدی نے جیب سے بٹوہ نکالا اور کچھ رقم مینیو کارڈ کے اوپر رکھی ساتھ بیرے کو اشارہ کر کے اسی طرف بلوایا۔

''میرے اندر کی مڈل کلاس لڑکی کو یہ عمل غیرت مندانہ لگ رہا ہے۔''

''ایک منٹ یہ مڈل کلاس کون ہے؟ کیونکہ جسے میں جانتا ہوں وہ محترمہ تو نواب زادی ہیں۔''

''کبھی کسی دور میں مڈل کلاس بھی تو تھی۔'' وہ اپنی کہانی سے ایک قیمتی حصہ کٹتے ہوئے دیکھ وہ خفا ہوئی۔

''اوہ میں تو بھول گیا......'' بیرا قریب آ گیا تھا بل کے پیسے اور کپ اٹھاتے ہوئے وہ واپس مڑ گیا۔ ''میں بھول گیا تھا کہ میری بیوی کو مستقبل میں بڑے بڑے اسٹیجز پہ کھڑے ہو کر سپیچ دینی ہے اور وہاں مڈل کلاس والا نقطہ بہت appealing ہو گا۔'' وہ دونوں اب محفل، موسیقی اور چائے چھوڑ گاڑی میں آ کر بیٹھ رہے تھے۔ ''ویسے مڈل کلاس ہونا اتنا برا بھی نہیں ہے۔ چھوٹا گھر، چھوٹا سا صحن، گنے چنے سامان...... فیسینیٹنگ ہے۔'' وہ گاڑی مرکزی شاہراہ پہ ڈالتے ہوئے بڑے جذب سے بولا۔ زینیا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ چہرے پہ کوئی عجیب سا تاثر تھا۔ وہ کروڑیوں کی گاڑی میں بیٹھے اوپر سے نیچے تک برانڈز کی تشہیر بنے ہوئے شخص کو کیا بتاتی مڈل کلاس ہونا کیا ہے۔

''غربت صرف انسٹا گرام کی ویڈیوز میں aesthetic لگتی ہے۔'' کافی دیر بعد وہ ٹھنڈے شیشے پہ ماتھا ٹکاتے دھیرے سے بولی۔ ''حقیقت مختلف ہوتی ہے چھوٹے کچے صحن بارش میں کیچڑ بن جاتے ہیں۔ چھتیں برس رہی ہوتی ہیں۔ مڈل کلاس لڑکیاں بازار جاتے وقت وہ نہیں خریدتیں جو انکا دل چاہتا ہے انہیں وہ خریدنا پڑتا ہے جسکی اجازت انکے ابا اور بھائی کی جیب دیتی ہے۔ کتابیں خریدنے پہ انہیں ٹوکا جاتا ہے کیونکہ یہ شوق نہیں فضول خرچی کے زمرے میں آتا ہے اور کچھ حد تک مائیں صحیح بھی ہوتی ہیں جہیز بنانے کو پیسے نہیں ہیں وہاں ہم کتابیں، چاکلیٹ، گول گپے اور مہنگے جوڑوں کے شوق پال کر کیا ہی کر لیں گی؟'' وہ ہنوز شیشے کے پار دیکھ رہی تھی مہدی سامنے سڑک پہ مگر وہ گاہے بگاہے اس کی پشت پہ نظر ڈال لیتا تھا۔

''جو جوڑے، جوتے، شالیں ہمیں پسند آتی ہیں ہم خرید نہیں سکتے اور انہیں خریدنے کے لئے پیسے جمع کر لیں تو وہ چیزیں آؤٹ آف فیشن ہو جاتی ہیں۔ مہنگے کالجز، یونیورسٹیز میں داخلے خواب لگتے ہیں۔ ایسے میں امیر ہمیں fascinate اور irritate دونوں کرتے ہیں۔ زندگی میں ہر خوشی کا واحد حل امیری لگتا ہے اور یہاں آکر بھی ہمارے حق مارے جاتے ہیں۔ اسٹریس، مقابلے بازی، پریشانیاں ان سب کے ساتھ آگے بڑھنا مشکل ہوتا ہے لیکن یقین جانیں ہمارے دل بڑے ہوتے ہیں۔ ہم نے کمانا ہوتا ہے تاکہ ماں باپ کو وہ چیزیں خرید کر دیں جو انہیں پسند ہوں۔ اچھا کھانا کھاتے وقت دس بار سوچنا نہ پڑے۔ بہن بھائیوں کی فرمائش پوری کریں، غریبوں کی مدد کریں۔ ہمارا مستقبل بھی ہمارے خاندان اور انکے خوابوں سے جڑا ہوتا ہے۔''

مہدی نے کندھے اچکائے۔ ''ان خواہشات اور خوابوں کا تعلق پیسے سے ہے جو کہ ہمارے پاس بہت ہوتا ہے۔ مڈل کلاس ہونا پھر بھی ایک نعمت ہے۔ کچھ تھرلنگ سی زندگی ہے''

''انکے لئے جنہوں نے ہماری زندگی نہیں گزاری۔''

مہدی نے مذید بحث کا ارادہ ترک کر دیا۔

''اچھا میرے پاس تمہارے لئے کچھ ہے۔'' یہ آدمی تحفے اور سرپرائز دینے کا بہت عادی تھا۔ ''ونڈ شیڈ کھولو۔'' زینیا نے اچھنبے سے اسے دیکھا پھر ونڈ شیڈ کو۔ اس وقت وہ اوپر کی طرف مڑی ہوئی تھی۔ ''کھولو بھی۔'' اس کے اصرار پہ زینیا نے ہاتھ بڑھا کر اسے نیچے کیا اور اگلے ہی لمحے پھولوں کی کئی پتیاں اسکی جھولی میں آکر گریں۔ وہ ایک لمحے کو رکی پھر ہنس پڑی، شاید محظوظ بھی ہوئی۔ ایک نظر مہدی کو دیکھا پھر ان پھولوں کو اور پھر ہنستی چلی گئی۔ گاڑی کی مدھم روشنی میں اسکا ہنستا ہوا چہرہ، مہدی دیکھ رہا تھا اور اسے معلوم تھا وہ اگلی کئی زندگیاں اسے یونہی دیکھ سکتا ہے۔

''کہاں سے آتے ہیں آپ کو ایسے آئیڈیاز؟'' وہ پھولوں کی پتیاں ہاتھوں میں اٹھا رہی تھی۔

''ساتھ میں ایسی ذہین بیوی ہو تو بندہ ناسا کا صدر بھی بن سکتا ہے۔''

''زیادہ ہو گیا نہیں؟'' وہ ہنوز گردن جھکائے مسکراتے ہوئے پھولوں کی پتیوں کو انگلیوں کے پوروں سے چھو کر دیکھ رہی تھی۔

''زیادہ کہاں، سرکار؟ آپ کے لئے دیوان لکھے جا سکتے ہیں۔'' اسکا نیم رخ دیکھتے وہ دلکشی سے مسکرایا۔

کئی برس پہلے کہا جانے والا جملہ ایک بار پھر کہا۔ان دنوں یہ ایک سطر معنی خیزی،الجھن میں ڈوبی تھی آج یہ سطر سراپا سرشاری تھی۔

"ایک اور سرپرائز بھی ہے سٹوریج باکس کھولو۔"گاڑی گھر کی بجائے وہ کسی اور راستے موڑ چکا تھا۔اسکے اندر کا سیاح آج کل جو بن پہ تھا۔ساتھ موجود لڑکی کو بھی سڑکیں ناپنے سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

زینیا نے کچھ کچھ پرجوش انداز میں سٹوریج باکس کھولا وہاں پھولوں کی پتیوں کے درمیان لوہے کا ایک چھوٹا سا باکس رکھا تھا۔زینیا نے اسے باہر نکالا۔ربن کھولی اور ڈھکن ہٹایا۔اندر جو نظر آیا اس نے مہدی کمبیر کے کئی منٹ سے ضبط کئے قہقہے کو آواز دی۔زینیا خود بھی اسکے ساتھ ہنس پڑی تھی۔گاڑی میں بجتے میوزک سے زیادہ اونچے انکے قہقہے تھے۔روشنیوں سے زیادہ روشن انکے چہرے تھے۔

لوہے کے ڈبے کے اندر پیچکس،پلاس،ٹیسٹر،اور ایک چھوٹا سا پانا بھی تھا۔وہ ایک ایک سامان باہر نکالتی اور اگلے لمحے وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنستے جاتے۔مہدی کمبیر سے اگر اسے اس طرح کے تحفے کی توقع نہیں تھی تو سامنے والے کو زینیا کے اس طرح ہنسنے کی بھی توقع نہیں تھی۔شادی کے بعد وہ پہلی بار کسی تحفے سے اتنی خوش ہوئی تھی۔پہلی دفع وہ اتنا کھل کر ہنسی تھی۔

"میں تمھیں ایسا تحفہ دینا چاہتا تھا جو تمھیں ساری زندگی یاد رہے۔"

"اور آپ کے دماغ کی زرخیز زمین پہ مجھے تپانے کے لئے آئیڈیاز کا انبار لگا ہوتا ہے۔"وہ خفا نہیں تھی ہاں محظوظ ضرور ہوئی تھی۔

"تم تپ جاتی ہو تو مجھے اور زیادہ مزہ آتا ہے۔تمھیں پتہ ہے جب تمھیں غصہ آتا ہے تو سب سے پہلے تمھاری ناک سرخ ہوتی ہے۔پھر کان،پھر مٹھیاں بھینچ لیتی ہو اور پھر میرے کان پھاڑنا شروع کرتی ہو۔میں ایک ایک حرکت نوٹ کرتا ہوں۔"

"آپ نے بڑی ری سرچ کر رکھی ہے مجھ پہ؟"

"ریسرچ چھوٹا لفظ ہے،میں نے تمھیں پڑھا ہے،حفظ کیا ہے۔"

''افف اب رکیں میں شرمالوں۔''اس نے واقعی چہرے پہ ایک ہاتھ رکھ لیا تھا۔مہدی مسکرایا۔اور اپنے ہاتھ سے اسکا ہاتھ نیچے کیا۔

''میرا نظارہ نہ بلاک کرو یار۔''

زینیا چہرہ آگے کر کے اسکے عین سامنے ہو کر بیٹھ گئی۔

''ویسے ایک اور گفٹ ہے میرے پاس۔گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ ایک ڈبہ پڑا ہے وہ اٹھاؤ۔''اسکے کہنے پہ زینیا نے مڑ کر دیکھا تو سیٹ پہ سفید رنگ کے گفٹ پیپر میں لپٹا ایک ڈبہ اٹھایا اور گود میں رکھا۔''کھولو اسے۔''مہدی نے کہا۔

زینیا نے احتیاط سے گفٹ پیپر کو اتارا اور پھر ڈبہ کھولا۔ابھی وہ کچھ کہنے والی تھی جب اندر سے نظر آتے کیمرے کو دیکھ وہ بلکل ٹھٹھک گئی۔نگاہیں ایک نقطے پہ ساکن ہو گئیں۔اور چند لمحوں کے لئے وہ ہل نہیں سکی۔وہ اس کیمرے کو پہچانتی تھی۔جب وہ کافی دیر تک ڈبہ گود میں رکھے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی تب مہدی نے ہاتھ بڑھا کر کیمرہ ڈبے سے باہر نکالا۔

''یہ وہی ہے جو تمھارے ابا نے دیا تھا۔لیکن اسکا لینز پورا خراب ہو گیا تھا یہ نیا ہے کچھ چیزیں اور بھی نئی ہیں لیکن جب تم اسے استعمال کرو گی تو پتہ چلے گا یہ وہی کیمرہ ہے جو تمھیں تمھارے ابا نے دیا تھا۔مجھے یہ ہاسٹل میں تمھارے سامان سے ملا تھا اور میں نے رکھ لیا۔''وہ کیمرہ اسکی گود میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔زینیا نے دھیرے سے بے حد نرمی اور محبت سے اس کیمرے کو چھو کر دیکھا۔وہی اسٹرپ جو اب اپنا رنگ بدل چکی تھی۔کیمرے پہ کچھ اسکریچز بھی تھے مگر یہ وہی تھا.......بلکہ اب اس سے زیادہ قیمتی۔وہ کتنی ہی دیر گردن جھکائے چپ چاپ اس کیمرے کو دیکھتی رہی۔الفاظ کہیں غائب ہو گئے تھے۔وہ لاجواب تھی۔

اسکی آنکھیں نم ہونے لگیں۔مہدی اسے ہنساتا تھا مگر وہ لمحے معتبر تھے جن میں وہ اسے رلا دیتا تھا۔کئی لمحے وہ گردن جھکائے اس کیمرے پہ ہاتھ پھیرتی رہی۔پھر بغیر اسکی طرف دیکھے اس نے مہدی کی کہنی پہ ہاتھ رکھا اور جذبات سے بوجھل انداز میں اتنا بس اتنا کہا۔''شکریہ. . . . . . .''مہدی نے اسکا ہاتھ تھپتھپایا پھر اسی ہاتھ کو اپنے چہرے کے قریب لا کر چوما۔

''میں کبھی تمھاری ناقادری نہیں کروں گا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(''آپ کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہیں، ہے ناں؟'' حدیبیہ اسکے چہرے پہ کچھ کھوج رہی تھی۔ قیس نے اپنے تاثرات چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ''آپ مجھے بتا سکتے ہیں، آخری راز یو نو۔''

''راز نہیں ہے confession کہہ لو۔ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔'' اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ ہتھیلی کو زور سے بند کیا یہاں تک کہ ناخن جلد میں پیوست ہونے لگے۔ اسکے کپڑے کچھ سوکھ گئے تھے، کچھ گیلے تھے۔ ''مجھے ہمیشہ سے ایک چھوٹی بہن اور بیٹی کی خواہش رہی تھی۔ اگر میری شادی ہو جاتی تو میری ڈھیر ساری بیٹیاں ہوتیں۔ زینیا سے محبت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسکا کردار اونچا تھا، اسکی عادات اور تربیت بہت اچھی تھی وہ میری بیٹیوں کے لئے ایک اچھی ماں ثابت ہو سکتی تھی۔''

''بلکل اگر آپ وہ آپ کی محبت نہ ہوتی تو وہ ایک اچھی اور ذمہ دار ماں ہوتی۔''

''لیکن میں ایک بیٹی کیوں چاہتا تھا تم جانتی ہو؟''

حدیبیہ کرسی پہ آگے کو ہوئی۔ ''آپ وہ انسان ہیں جو کبھی موو آن نہیں کر سکا۔ اٹھارہ سالہ عبداللہ زمان اسی سڑک پہ رہ گیا اور جو یہاں آیا وہ کوئی عجیب سا انسان تھا۔ غیر منتظم، اکھڑ، بوکھلایا ہوا بچہ۔ اس لئے آپ کو وہ بچہ چاہیے تھا جسے آپ بہترین بنائیں۔ بیٹے پالنا مشکل ہوتا ہے اس لئے آپ کو بیٹی چاہیے تھی نرم، پر خلوص، پیاری۔''

وہ اسے اندر تک پڑھ رہی تھی اور قیس نے پڑھنے دیا۔

''آپ سے کیا غلطی ہوئی، باس؟'' بات گھوم پھر کی وہیں آگئی۔

قیس نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی۔ ماتھے پہ آئے پسینے کے ننھے قطرے ٹشو سے صاف کئے اور فون پہ گرفت جمائی۔ ''میں نے ایزل کی زندگی خراب کر دی۔ میں اسے بس فکس کر دینا چاہتا ہوں۔'')

محل میں پورے تین سال بعد کسی تقریب کا انعقاد ہوا تھا۔ مہمان تھیم کے مطابق ہلکے آسمانی اور گہرے نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس تھے۔ سجاوٹ ایسی تھی کہ کئی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکن ہوئی تھیں اور کئی لوگوں نے ''انسپریشن'' حاصل کی تھی۔ لان میں کھڑے لوگوں کے ہجوم سے ہٹ کر طائرانہ نگاہیں کمبیر محل کے انٹیریئر پہ دوڑاتے، شان و شوکت کو دیکھ منہ میں انگلیاں

دائیں اوپری منزل پہ واقع مہدی کمبیر کے کمرے میں آئ تو وہ ڈریسنگ روم سے باہر نکل رہا تھا۔ سرمئ شرٹ کے اوپر سرمئ سوٹ پہنے بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے وہ معمول سے ہٹ کر بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

"تم تیار ہو، نیچے چلیں؟" مصروف سا کہتے وہ آگے آیا۔ آئینے میں اسکا عکس بن رہا تھا اسکے ساتھ ساتھ اسکی بیوی کا بھی۔

"عجیب لگ رہا ہے جن لوگوں سے قیسم کی فوٹو گرافر بن کر ملتی رہی ہوں اب ان سے کمبیر محل کی بہو بن کر ملنا آکورڈ ہے۔"

مہدی اسکے سامنے آکر رکا۔ ہاتھ میں لئے کف لنکس اسکی طرف بڑھائے اور اپنا بازو اسکے آگے کیا۔ گہرے سرمئ رنگ کی کامدار فراک اسکے پیروں کو چھو رہی تھی۔ بال نفیس جوڑے میں بندھے تھے، ہم رنگ دوپٹہ جس کے بارڈرز پہ ہیروں جیسا کام تھا اسے سر پہ لئے ہوئے وہ مضمحل تھی۔ اسکے کپڑے اور میک کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو بھاری ہوتا یا اسے غیر آرام دہ کرتا۔

"لوگ ڈھائی سال پہلے والی باتیں یاد نہیں رکھیں گے۔ یہ ریسیپشن میرے لئے نہیں تمھارے لئے ہے۔ معاشرہ کل مجھ سے نہیں تم سے پوچھے گا کہ تمھارے شوہر نے شادی کا اعلان کسی تقریب میں کیوں نہیں کیا۔ میں تم پہ اٹھنے والی ہر انگلی کی سمت بدل دینا چاہتا ہوں۔"

"انگلیاں پھر بھی اٹھیں گی۔" اس نے کف لنک اسکے کف میں اٹکاتے ہوئے مبہم سا جواب دیا۔

"تب تک تم یہاں کمفرٹیبل ہو چکی ہو گی وہ لڑکی واپس آجائے گی جو دنیا کو اپنی جوتی کی نوک پہ رکھتی تھی۔"

زنیبا نے دوسرے کف لنک کو اپنی جگہ پہ ترتیب دیا۔ "اور اگر وہ نہ آسکی تو؟"

"تو اس آدمی کو واپس لے آئیں گے جسے لوگوں کی گردن پکڑنا خوب آتی ہے اور جو چھ سو لوگوں پہ ہتک عزت کا دعوی کر چکا ہے جو آدھا پاگل ہے۔" اپنے سابقہ انداز میں کہتے ساتھ اس نے جھک کر دراز سے ایک جیولری کیس نکالا اور اسے کھولا۔ اندر ایک ڈائمنڈ نیکلیس تھا جس کا ہک کھولتے مہدی اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا اور ہار اسکے گلے میں ڈال کر ہک بند کر دیا۔

''تمہارا شادی کا تحفہ۔'' زینیا نے آئینے کے آگے کھڑے ہو کر دیکھا نیکلیس اسکی گردن میں سج رہا تھا۔اس نے شکریہ کہنا چاہا پھر رک گئی۔اب وہ اسکا شکریہ تب ادا کرے گی جب خود بھی اسے کوئی تحفہ دے گی۔اگر اسے تحفے دینا پسند ہے تو لے کر بھی یقیناً خوش ہی ہو گا۔شادی کے تحفے کے نام پہ یہ چوتھا تحفہ تھا اور زینیا نے آج تک اسے کچھ نہیں دیا تھا۔

I won't make it awkward for you ''

زینے اتر کر نیچے جاتے وقت مہدی نے اسکے کان میں سرگوشی کی۔وہ جو اسٹیج پہ بیٹھنے کی، کیمرہ فیس کرنے کی فکریں لے کر آئی تھی یہاں ماحول ہی الگ تھا۔فوٹو گرافر صرف ان دونوں کے لئے نہیں تھے وہ تقریب میں موجود ہر کسی کی تصاویر لیتے نظر آرہے تھے۔اسٹیج سرے سے تھا ہی نہیں۔باقی سب کی طرح مسٹر اور مسز کمبیر کے لئے بھی ایک الگ میز تھی۔اور تحفے تحائف کے نام پہ صرف سلامتی قبول کی جا رہی تھی۔سب کچھ اتنا ہی نارمل تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔مگر اتنا نہیں جتنا اسے لگا تھا۔قیس کمبیر سیاہ رنگ کے ڈنر سوٹ میں ایک میز پہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔ساحر ہر کسی کی نظریں اپنی طرف پھیر چکا تھا، زینیا نے اسے دیکھتے نگاہیں پھیر لیں۔

مہمانوں سے ملتے ہوئے، ڈھیر ساری نگاہوں کی موجودگی کو خود پہ محسوس کرتے ہوئے اسے کسی کی چبھتی نگاہیں بھی خود پہ محسوس ہو رہی تھیں۔جن سے پیچھا چھڑا لینا مشکل امر تھا۔بہت دیر بعد وہ اپنی میز کے گرد رکھی کرسی پہ آکر بیٹھ گئی۔موبائل ہاتھ میں لئے ابھی اس نے بشر کا میسج کھولا ہی تھا کہ قیس کمبیر اسے اپنے سامنے بیٹھتا دکھائی دیا۔زینیا کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''تم غلط کرسی پہ آکر بیٹھے ہو۔''

قیس ہولے سے مسکرایا۔''جگہ تو میری یہی تھی تم نے دغا بازی کر دی۔''

''کاش اپنے معاملات میں بھی تمہاری یادداشت اتنی اچھی ہوتی۔''

''مجھے تم حرف با حرف یاد ہو اس سے زیادہ پختہ یادداشت کیا چاہیے؟''

''مجھے بھی ڈھائی سال قبل کے واقعات فلم کی طرح یاد ہیں دہراؤں کیا؟'' اسکے لہجے میں خار اور چہرے پہ تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔اس نے آس پاس دیکھا مہدی اسے نظر نہیں آیا، شاید وہ دوسری طرف کسی مہمان کے ساتھ تھا۔

''اپنے تاثرات نارمل رکھو لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر جوس کا گلاس اٹھایا۔ ''میں یہاں اس لئے ہوں تاکہ لوگوں کو گوسپ کا موقع نہ ملے تم کیوں ہماری رسوائی کروانا چاہتی ہو؟''

''تمھیں رسوائیوں کا خوف کب سے ستانے لگا؟''

''جب سے ''تم'' جیسی عورت ہمارے خاندان کا حصہ بننے لگی۔ آہ اسمگلر تم ہمارے خاندان میں شامل ہونے والی پہلی عورت ہو جس پہ قتل کے مقدمے درج ہیں۔'' محظوظ انداز میں کہتے اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ ''بلکہ مجھے تو شک ہے کہ تم میرے خاندان کا حصہ ہو بھی یا نہیں؟'' تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''کیا پتہ اس فرنگن نے کسی کا گناہ ہمارے سر تھوپا ہو اور تم اسے شوہر بنا کر آج فخر سے بیٹھی ہو۔''

زینیا حاکم کا چہرہ سرخ ہوا، نگاہوں میں سختی اتر آئی اسے اپنے سارے جسم میں کھنچاؤ سا اترتا محسوس ہوا۔ وہ آگے کو جھکی۔ ''میرے شوہر کے بارے میں بات کرتے ہوئے دس بار سوچا کرو کیونکہ وہ چاہے زبان بند رکھتا ہو مگر میں آدھی دنیا میں بدتمیز مشہور ہوں۔ مجھے مجبور مت کرو کہ میں ساری دنیا کو بتاؤں کہ تمہارے گھر کی لڑکی کسی کے ساتھ بھاگ کر نکاح کر چکی تھی۔ یا پھر میں انہیں یہ بتاؤں کہ تمھارے اماں اور ابا کی شادی ایک معاشقے کا نتیجہ تھی؟ یا پھر یہ کہ تم اپنے ہی چچا کے قتل میں شامل تھے۔ اگر تمھارے خاندان کا ماضی اور حال ایسا شرم ناک ہے تو ٹھیک ہے میرے شوہر کا شجرہ تم سے اور تمھارے خاندان سے نہیں بھی ملتا تو ٹھیک ہے۔''

اسے دیکھتے ہوئے وہ زور سے ہنس پڑا۔ ایسے کہ اسکی آنکھیں،، ہونٹ بلکہ سارا جسم ہنسا ہو۔ گردن پیچھے پھینکے وہ کتنی دیر ہنستا رہا۔ ''میرے باپ کا کردار، میری بہن کا کردار، میرے چچا کے فریب .... ان سب میں، میں کہاں ہوں؟ میرے دامن پہ کوئی داغ نہیں ہے۔ مقابلہ اس کے اور میرے درمیان ہے اور دیکھو میں اب بھی اعلیٰ ہوں۔ کردار میں، پیسے میں، صورت میں... . '' وہ آگے کو جھکا اور زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''محبت میں ....'' چند لمحے خاموشی رہی۔ ''کوئی تم سے ویسی محبت نہیں کر سکتا جیسی میں کرتا ہوں، جو تمھارے لئے میں محسوس کر سکتا ہوں ویسا احساس اس دنیا کے کسی مرد کے پاس نہیں۔ جس نظر سے میں دیکھتا ہوں وہ نظر بھی کسی کے پاس نہیں۔ مجھے کھو کر تمھارے لئے بس خسارے ہیں۔''

''تمہاری محبت میرے لئے پھانسی گھاٹ ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی جب ایک طرف کھڑی میرہ نے اسے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے، تصاویر بن رہی تھیں۔ ''پلیز'' وہ بغیر لب ہلائے بولی۔

''درست.... مگر میں وہ قاضی ہوں جو تمہیں تختہ دار سے بچالے گا۔'' قیس نے کہا۔

''وہاں پہنچانے والا کون ہوگا؟'' استہزائیہ استفسار۔ وہ واپس بیٹھ گئی۔ مٹھیاں ہنوز بھینچ رکھی تھیں۔

''یقیناً میں.... لیکن وجوہات تم نے فراہم کی ہوں گی۔''

''پھر بچالینے کی وجہ؟''

قیس کمبیر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ خوشبوئیں، رنگ، رونق، محفل، دنیا، تعاشی مگر وہ اسے دیکھ رہا تھا جو ان سب کی کمی پوری کرتی تھی۔ کئی لمحے بس دیکھتا ہی رہا پھر اسکے لبوں سے ادا ہوا۔ ''کیونکہ تم میری محفوظ پناہ گاہ ہو۔''

''میں شادی شدہ ہوں، تمھیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' وہ کڑواہٹ سے بولی۔

''محبت پہ شادی، تعلق جیسے دائرے لاگو نہیں ہوتے۔''

''تم یہاں سے اٹھ کر جاؤ، قیس ورنہ مجھے تمھارے خاندان، ریپوٹیشن اور لوگوں کی پرواہ نہیں رہے گی۔'' وہ دبے دبے انداز میں غرائی۔ قیس کی نگاہوں کا تاثر تبدیل ہوا۔ ہر گزرتا دن اسے باور کروا رہا تھا کہ وہ غلط جگہ کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ مان لینا کہ وہ نامراد رہے گا یہ ہار تھی اور اسے ہار قبول نہیں تھی۔

اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ ایزل اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ میرہ پریشان سی اسکے پیچھے پیچھے آرہی تھی اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایزل اسکے قریب آکر رکی تو قیس اور زینیا کی نگاہیں بے اختیار اس پہ پڑیں۔ وہ گلابی رنگ کے ٹاپ اور ٹراؤزر میں ملبوس بالوں کو بے ترتیب سے پونی میں باندھے ہوئے خفا خفا سی دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ ممی کو سمجھائیں کہ یہ مجھے فورس نہ کریں۔'' اس نے قیس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھتے سنجیدگی سے اپنا مدعا بیان کیا۔

''تم اسکی ضد دیکھ رہے ہو؟نہ یہ تیار ہو رہی ہے نہ بال بنوائے ہیں اور اس حالت میں تقریب میں بھی آگئی ہے اوہ خدایا it's embarrassing ''اس نے پریشانی سے ماتھے کو چھوا۔

ایزل کی نگاہوں میں ہنوز بے نیازی تھی۔''کوئی خاص فنکشن نہیں تھا جس کے لئے میں تیار ہوتی رہوں۔''

''تقریب تو ہے ناں بچے۔'' وہ اسکے بال کانوں کے پیچھے اڑستے نرمی سے بولا۔

''جس کے لئے ہے وہ تیار ہے ناں؟بہت ہے۔'' زینیا کی طرف دیکھتے کاٹ دار انداز میں کہا۔''اور ممی آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں جاکر اپنے بیٹے کو دیکھیں۔'' وہ حد درجہ بد تمیزی سے بولی قیس تھم گیا میرہ خجالت سے اسکے پیچھے گئی اور زینیا وہ ساکن تھی۔ایزل محب ملک وہ بچی نہیں تھی جس کے بارے میں وہ مہدی سے سنتی رہی تھی۔

قیس کی نگاہوں نے تب تک اسکا پیچھا کیا جب تک وہ گھر کے اندر نہیں چلی گئی۔اس دوران اس نے بے دردی سے اپنی ماں کا ہاتھ جھٹکا بھی تھا۔

''لوگ کہتے ہیں ظلم سہنے سے بہتر ہے عورت طلاق لے لے لوگ یہ نہیں بتاتے کہ عورت جو مرد کی پسلی سے بنی ہے وہ مرد کے بغیر رہ نہیں سکتی اور اگر رہنا پڑ جائے پھر یا تو مسخ ہو جاتی ہے یا پھر کر دیتی ہے۔ایزل کی شخصیت مسخ ہو گئی ہے۔'' وہ ہر شے سے بے نیاز اسی اور تک رہے تھے جہاں سے وہ اندر غائب ہوئی تھی۔دونوں کو بیک وقت بہت کچھ یاد آیا تھا۔

''طلاق حل نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کو توڑ دیتی ہے۔حل ''تربیت'' اور ''انسانیت'' ہیں۔'' بالاج کا اس پہ ہاتھ اٹھانا، ابا کا اسکی ماں کو بھری محفل میں ذلیل کرنا سب یاد آگیا تھا غلط جگہ، غلط وقت پہ۔

''تم میری ایک مدد کر سکتی ہو؟'' وہ ہنوز اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ہمارے درمیان کوئی ایسا تعلق نہیں جس کی بنا پہ میں تمہاری مدد کروں۔''

''تعلق کا ہونا ضروری نہیں۔''

''تعلق نہ ہوتے ہوئے انسان کسی کی مدد کیوں کرے گا؟''

''اس جذبے کے تحت جو کئی سال پہلے تمھیں میرے گھر لے آیا تھا اور مجھے مجبور کیا تھا میں تمہاری مدد کروں۔''

''اور وہ جذبہ کیا ہے؟'' وہ الجھی نہیں بس اسکے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

''انسانیت ...... مسیحائی ....'' اس نے مڑ کر زینیا کو دیکھا۔ اسکی نگاہیں اب تبدیل ہو گئی تھیں۔ یہ کسی معشوق کی آنکھیں نہیں تھیں۔ ''اگر ایک لفظ میں سم اپ کرو تو ''انت'' جن کی اپنی کہانی کے انت اچھے نہ ہوں انہیں کوشش کرنی چاہیے وہ دوسروں کو ہیپی اینڈ نگز دے سکیں۔ ہیپی اینڈ نگز نہ سہی مطمئن انت پہ تو سب کا حق ہے ناں؟''

اس وقت وہ کوئی حریف نہیں تھا، کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس نے زینیا کی زندگی اندھیری کر دی یہ وہ آدمی تھا جس کے ساتھ زینیا کے دکھ سانجھے تھے۔ سول میٹس یو نو۔

''تمھیں مجھ سے نفرت ہو سکتی ہے اختلاف بھی مگر ہم دونوں نے ان قصوروں کی سزا پائی ہے جو ہم نے نہیں کئے تھے۔ بچپن سے ہماری شخصیت مسخ شدہ ہے میں چاہتا ہوں ''ہماری'' وجہ سے کسی اور کے ساتھ ایسا نہ ہو۔''

''وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔'' زینیا نے مدھم لہجے میں کہا۔

''بچی ہے وہ فلحال اسے پسند ناپسند کا مطلب بھی نہیں پتہ۔ اسکا ذہن کورے سلیٹ جیسا ہے جو تم چاہو لکھ سکتی ہو۔ اب بھی وقت ہے بہت وقت۔''

زینیا ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔ بہت دیر بعد جب وہ بولی تو اسکی آواز میں آنچ سی تھی۔ ''بقول تمہارے میں ایک بد کردار، متعدد مردوں سے تعلقات رکھنے والی، جیل کے چکر کاٹ کر آئی ہوئی عورت ہوں پھر میں کسی بچی کو کیا سکھاؤں گی؟''

قیس خاموش ہو گیا تھا۔ گردن جھکائے اگلے کئی لمحے وہ میز کی سطح کو کھرچتا رہا۔ اور جب نگاہیں اٹھا کر سرمئی لباس والی لڑکی کو دیکھا تو ان نگاہوں کا ہر، ہر تاثر یکسر تبدیل شدہ تھا۔

''جو میں کہتا ہوں وہ بعض دفع رقابت ہوتی ہے، بعض دفع غصہ اور کبھی برتری کی خواہش مگر حقیقت میں .... میں زندگی میں جتنی عورتوں سے ملا ہوں تم ان میں سب سے معتبر ہو۔ تمہارا aura حد میں رکھنے والا ہے۔ تم وہ عورت ہو جو بیوی بنے تو

شوہر کو فخر ہو ماں بنے تو اولاد بہترین تربیت پائے......“وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا اور زینیا دم سادھے سن رہی تھی۔”بطور عورت تم بہت مضبوط اور ستائش کے قابل ہو۔تم سے محبت تمہارے چہرے کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔“لب کاٹے،الفاظ متجمع کئے۔”میری اگر کوئی بیٹی ہوتی تو میری یہی خواہش ہوتی کہ وہ بلکل تمھارے جیسی ہوتی۔میں اپنی نسل تمھارے جیسی چاہتا ہوں کیا تمہیں اب بھی اپنی وقعت نہیں معلوم؟“

کوئی طلسم تھا جو اس نے زینیا کے گرد باندھ دیا تھا۔محبت،رومانس،ہجر،وصل سے ہٹ کر زندگی کے اور کئی مسائل تھے اور سامنے بیٹھا شخص انہی میں الجھا تھا۔اسی الجھن نے کچھ سرے زینیا حاکم سے بھی ملتے تھے۔

”کوشش کرنا تم اسے ایک اچھا انت دے سکو۔“وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔مہمانوں کے ہجوم میں کہیں غائب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مصور کے سامنے اسکی تازہ پینٹنگ تھی جس میں بھرے ہوئے رنگوں میں ایک خاکہ تھا۔وہ خاکہ جس میں قیس کمبیر زینیا حاکم کے سامنے والی کرسی چھوڑ کر اٹھ رہا تھا۔مصور اس بوجھل منظر سے اکتایا۔نیا کینوس سیٹ کیا،تازہ دھلے ہوئے برش نکالے،رنگوں سے کچھ چھینٹے کینوس پہ ڈالے وہاں منظر بدل گیا تھا۔رنگ یکسر تبدیل ہو چکے تھے،پینٹنگ کی vibe ہی بدل گئی تھی۔براق حنیف سفید سوٹ میں ملبوس تھا چہرے پہ سنجیدگی تھی اور اسکے چہرے کے رنگ پھیکے تھے۔دوسرا کردار زینیا حاکم تھی۔اسکے چہرے کے رنگ سرخ،سفید تھے۔

پینٹ میں غرق ہو کر دیکھو تو کرداروں کے لب ہلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔آس پاس منظر بن رہا تھا۔لوگ،ہلکا میوزک،کھانا اور مشروب۔

”لانگ ٹائم کزن۔“بازو سینے پہ باندھے نگاہوں میں تپش لئے اس نے براق کے قریب رکتے ہوئے کہا تھا۔وہ جس کی زینیا کی طرف پشت تھی اسکے ہاتھ میں پکڑا گلاس چھوٹتے ہوئے بچا۔ایک لمحے کو وہ چونکا تھا،اور اگلے ہی لمحے نارمل بھی ہو گیا۔

”لانگ ٹائم،مسز کمبیر......“مڑ کر اسکی آنکھوں میں دیکھتے اعتماد سے کہا۔”شادی کی مبارک دوں،حالانکہ میرے باپ نے تمھارے لئے مختلف سوچا تھا۔“

''اپنی زندگی دیکھو اور پھر تمھیں یقین ہو جائے گا تمہارے باپ کی سوچ اور فیصلے کتنے غلط تھے۔''

براق ہنسا۔ ''تمہاری اس بات پہ مجھے سیخ پا ہونا چاہیے کیونکہ تم نے میرے daddy issues ٹرگر کر دیے ہیں۔''

''میں نے تو صرف سچ کہا ہے۔''

''سچ تو یہ ہے کہ تم اور عبداللہ میرے بابا کے فیورٹ کپل تھے۔''

''مجھے ہمیشہ سے ایک فرسٹ کزن کی خواہش تھی۔'' زینیا نے اسکی پچھلی بات نظر انداز کی۔

''لیٹ می گیس ..... '' اس نے ٹھوڑی پہ انگلی رکھے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''تمھیں فرسٹ کزن کی خواہش تھی تا کہ عبداللہ کے نہ آنے پہ تم اس سے شادی کر لو اور یہ بات اسکے منہ پہ جوتے کی طرح لگے۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے چہک کر بولا۔

زینیا نے نفی میں سر ہلایا مسکراہٹ مگر اسکے ہونٹوں سے جدا نہ ہوئی۔ ''میں انتقامی نہیں تھی۔ مجھے فرسٹ کزن کی خواہش تھی کیونکہ میرے بھائی کے پاس کسی کزن کی کمی تھی۔ مجھے فیملی کی پرواہ تھی۔ لیکن ''تمھیں'' کبھی فیملی کی پرواہ نہیں تھی۔''

''تم مجھے آپ کہا کرتی تھیں۔'' براق کو جیسے افسوس ہوا تھا۔ زینیا اسے گزرے چند برس سے جانتی تھی مگر براق حنیف اس خاندان سے obsessed رہا تھا۔ غائبانہ تعارف پھر ملازمت میں تبدیل ہوا جو بھی تھا وہ سب اچھا تھا یہ موجودہ سرد مہری اسی کھلی تھی۔ بہت کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

''میں اس آدمی کو آپ کہتی تھی جو میرے شوہر کا دوست تھا تم وہ آدمی ہو جس نے اسے ہرٹ کیا میرے لئے تم اور تمہاری حیثیت اب ٹکے کی ہے۔''

براق کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ نگاہوں میں کوئی رنجیدہ سا تاثر تھا۔ ''نوابوں نے مجھے آج تک حقارت اور ذلت کے سوا دیا ہی کیا ہے؟ میرا غیر خاندان سے ہونا.. . . . ''

"مجھے تمھارے غیر خاندان سے فرق نہیں پڑتا میرے لئے تم نواب ہو کیونکہ تمہارا باپ وہی تھا۔" براق حنیف نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ "الزام ہمارے خاندان پہ مت دو کیونکہ مہدی کی ماں بھی غیر خاندان سے تھیں لیکن اس نے خود کو کبھی غیر نہیں سمجھا۔ خاندان باپ سے بنتے ہیں تم یہ کیوں نہیں سمجھ سکے؟"

"کیا یہ کہہ دینے سے تم سب کے باقی سب گناہ معاف ہو جائیں گے؟ سارے کا سارا قصور میرا سب الزام میرے اور تمہارا خاندان کیا ہے سادھ؟" برہمی سے کہتے ہوئے اسکی آواز تھوڑی بلند ہوئی تھی۔ "اگر تم واقعی میری عزت نہیں کرتیں تو اس وقت مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

آس پاس اب کھانے کے چمچ اور گلاس کے ٹکرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لذیذ کھانوں کی مہک انکے نتھنوں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھی مگر جو غالب تھی وہ اختلافات کی خوشبو تھی۔

"میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ "کیوں؟" تم نے مہدی کے ساتھ اتنا برا کیوں کیا۔ تم چاہتے تو مجھے جیل سے بھی نکال سکتے تھے قیس نے جھوٹ پلانٹ کیا تھا لیکن تمھارے پاس سچ تھا۔ میں سچ سے واقف نہیں تھی لیکن تم جانتے تھے میں تمہارے گھر کی عورت ہوں۔ ہم ایک خون تھے تم نے پھر بھی مجھے ذلیل ہونے کے لئے کیسے چھوڑ دیا؟ میں تمھارے بابا کی فیورٹ تھی، براق۔"

بیرے آس پاس سے گزر رہے تھے مہدی کمبیر ذرا فاصلے پہ کھڑا کسی دوست سے بات کر رہا تھا نگاہیں البتہ اسی طرف تھیں۔ وہ بے چین بھی لگتا تھا۔ براق اسے یک سطری جواب دینا چاہتا تھا۔ "کیونکہ میں اپنے بابا کا فیورٹ نہیں تھا" لیکن اس نے نہیں دیا۔

"کیونکہ اس وقت مجھے اپنی ساکھ بنانی تھی۔ دولت، مقام، رتبہ سب کچھ تھا میرے پاس لیکن بچپن سے لے کر اب تک جس ادھورے پن کے ساتھ میں رہا تھا اسکا کیا؟ میرا باپ تو مر گیا اپنے محبوب بھانجے کے لئے اس نے قبر میں لیٹنا پسند کیا لیکن میرا کیا؟ میں اس آدمی کو دکھانا چاہتا تھا کہ میری اوقات اونچی ہے۔ میں اسے دکھانا چاہتا تھا میری ماں کا قتل ارزاں نہیں جائے گا۔ اس آدمی نے اپنی بزدلی چھپانے کے لئے مجھے اپنے خاندان سے دور رکھا وہ مقام لے کر میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ غلط ہے اور میں درست۔ مجھے اس سے محبت تھی لیکن نفرت سے زیادہ نہیں۔"

زینیا اسے انہی سابقہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ "مہدی اور میرا کیا قصور تھا؟" سوال اب بھی وہیں تھا۔

براق کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔پیشانی کی سلوٹیں غائب ہوئیں۔ ’’میں شاید تم سب سے نفرت کرتا تھا۔یا شاید حسد۔ تمھیں اور مہدی کو وہ مل رہا تھا جو مجھے نہیں ملا۔ محبت اور خاندان۔ مہدی کو ہرٹ کر کے قیس کو فریم کرنا اور اپنا تخت پا لینا سب پرفیکٹ تھا لیکن میں تمھیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا یہ کبھی پلان کا حصہ نہیں تھا۔میں پہلے دن سے تمھارے خلاف نہیں تھا اگر ہوتا تو تمھارے اسلام آباد آنے کا قیس کو بتاتا، مہدی کو تمھاری اصلیت بتاتا۔ میں تمھارا راز دار کزن رہا ہوں۔فیملی یو نو۔ میں نے بس مہدی کو ہرٹ کیا ہے۔‘‘

زینیا نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’تم ہر شے سے واقف تھے ہمارا نکاح ہو چکا تھا اسے ہرٹ کر کے تم اسے نہیں ’’ہمیں‘‘ ہرٹ کر رہے تھے۔‘‘

’’میں نے بھی سزا پائی ہے یار خاندان میرے پاس ویسے بھی نہیں تھا اب دوست بھی نہیں رہے۔ یہاں تمھارے بلانے پہ آیا ہوں ورنہ کتنے سال ہو گئے میں یہاں نہیں آیا۔ مہدی کو کھو چکا ہوں شیزل میرے پاس نہیں ہے خاندان میں میری کوئی وقعت نہیں لیکن آج تم نے مجھے فیملی قبول کیا ہے تو.....‘‘

’’میں نے تمھیں فیملی نہیں مانا، ڈیئر کزن۔‘‘ زینیا نے ایک بار پھر اسکی بات کاٹی۔ ’’میں تم سے تمہارا خون نہیں چھین سکتی لیکن دادا درست تھے تم خون سے نواب ہو سکتے ہو اعمال سے نہیں۔اپنے گھر کی عورت کو بشر حاکم ذلیل ہونے کے لئے نہیں چھوڑتا۔‘‘ کوئی تھپڑ تھا جو براق کے منہ پہ لگا تھا۔ ’’ضیغم بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ایسا تو میرے دادا بھی نہ کرتے انہوں نے بھی مجھے اس جیل میں سڑنے نہیں دیا تھا۔ تم آج یہاں فیملی بن کر نہیں آئے تمھیں اس لئے بلایا ہے تاکہ تمھیں بتا سکوں تمھیں قبول نہ کر کے ’’ ہم‘‘ نے کتنا درست کیا۔‘‘ وہی رعونت وہی کروفر، وہی اٹھی گردن وہ نواب ہی تھی۔

کھانے کی خوشبو اسکے نتھنوں میں زہر کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ آج ایک بار پھر بے توقیر ہوا تھا۔

’’میں تمھیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ اب تمھارے اندر حسد کے جراثیم ایک بار پھر جنم لیں گے لیکن اگر تم نے مہدی کو یا پھر مجھے نقصان پہنچانے کا سوچا تو میں قسم اٹھا کر کہتی ہوں تمھاری موت میرے ہاتھوں آئے گی۔‘‘

براق کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا کنپٹی کی رگیں تن گئیں مگر اس نے کوئی سخت لفظ نہیں کہا۔اسی لمحے اسکا ایک ملازم اسکے ساتھ آکر کھڑا ہوا اور گفٹ پیپر میں لپٹا ایک چھوٹا سا ڈبہ اسکی طرف بڑھایا۔جسے براق نے تھام لیا۔

''میں سب کے سامنے اپنے اعمال جسٹیفائی کر سکتا ہوں لیکن تمھارے ساتھ جو ہوا،غلط ہوا۔''اس نے ہاتھ اسکے سر پہ رکھا۔بھائیوں والا مان، بھروسہ، عزت۔''مجھے بھی کزنز کی خواہش تھی کیونکہ مجھے زندگی میں وہ لوگ چاہیے تھے جن سے میں خاندان کی بات کرتا اور وہ سمجھ پاتے۔''زینیا کا سر تھپتھپاتے اس نے ہاتھ گرا دیا۔ساتھ ایک ہاتھ سے تحفہ اسکی طرف بڑھایا۔''شادی مبارک ہو کزن۔''

زینیا نے تحفہ نہیں لیا۔بس لب بھینچے کھڑی رہی۔

''میں ولن نہیں ہوں.....'' اس نے قیس کی طرف اشارہ کیا۔''وہ ہے،اس سے ڈرو۔وہ تمھیں ہرٹ کرے گا۔اور مجھے یقین ہے بہت بری طرح کرے گا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم نے اسے ہرٹ کیا ہے اور وہ اپنے اصول اپنی محبت کے لئے نہیں بدلے گا۔''کہہ کر اس نے ایک بار پھر زینیا کے سر پہ ہاتھ رکھا اور گفٹ ساتھ لئے پلٹ گیا۔اسکے جانے کے بعد بھی اسکی باتیں کسی الارم کی طرح زینیا کے ذہن میں گونجتی رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل کا لان خالی ہو گیا تھا۔لوگ گھروں کو لوٹ گئے تھے۔تقریب اختتام کو پہنچ گئی تھی۔محل کے باسی کمروں میں جا دبکے تھے۔بس دو لوگ تھے جو کمرے میں بالکنی کے حصے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔

زینیا کا بھاری ڈوپٹہ اب بالکنی کی ریلنگ پہ دھرا تھا۔مہدی کا کوٹ اندر کمرے میں کہیں تھا۔آستینوں کے کف موڑے وہ آرام دہ انداز میں صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔دوسری طرف زینیا نیم دراز تھی، پیر سمیٹ رکھے تھے۔

''کیسی رہی تقریب؟''

''اس شہر میں جس، جس کو میں ناپسند کرتی ہوں تقریب میں وہ سب موجود تھے اب بھی یہ پوچھنا بنتا ہے؟'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی اب اپنے جوڑے کے پن نکال رہی تھی۔ سر بری طرح دکھنے لگا تھا۔ میک اپ اس نے پہلے ہی صاف کر لیا تھا۔

''اب کس سے چڑ ہو گئی تمھیں؟''

''آپ کی پرانی شناسا، محترمہ شنایا۔'' اسکے چہرے پہ ناگواری دوڑ گئی۔

''میں نے اسے الگ سے کارڈ نہیں بھیجا وہ اپنی دوست کے ساتھ آگئی تھی۔ آج کل اسکی فلمیں ناکام ہو رہی ہیں تو ذرا لائم لائٹ میں آنا چاہتی ہے۔'' وہ اٹھ کے بیٹھا ایک گھٹنہ موڑے، ٹانگ لٹکائے وہ اسکے قریب ہوا۔ اور بالوں کی پنیں نوچ کے نکالتے اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''میں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔''

''وہ تو آپ کو دیکھ رہی تھی۔'' لوگ اسے دیکھتے تھے اب تک تو اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا۔

''اب کوئی لڑکی مجھے دیکھے گی تو یہ بھی میرا قصور ہو گا؟'' وہ اسکے بالوں سے پنز نکال رہا تھا۔ کچھ چبھ رہی تھیں، کچھ وہ واقعی نکال لیتا تھا۔

''ظاہر ہے آپ کی غلطی ہے نرم گفتاری دکھائی ہو گی یا پھر کسی کو نظر التفات سے نوازا ہو گا یونہی تو نہیں عورتیں پاگل ہوتیں۔''

''تمھارے آگے میرے سارے منظر دھندلے ہو جاتے ہیں۔''

بال کھل کر اسکے کندھوں پہ پھیل گئے تھے۔ مہدی نے ہاتھ سے انہیں ذرا سا خراب کیا۔ اسے زینیا کے میسی بال پسند تھے۔ زینیا نے بال دوبارہ کانوں کے پیچھے اڑسے مگر مہدی انہیں دوبارہ خراب کر چکا تھا۔ اب کے اسے روکا نہیں گیا۔ وہ کہاں باز آنے والا تھا؟

''اچھا چھوڑو یہ سب میں تمہارا پاسپورٹ بنوا رہا ہوں اور پھر ہم ناروے جائیں گے۔ ناردرن لائٹس دیکھیں گے سیزن آنے والا ہے۔''

''آپ کو کیسے پتہ چلا مجھے ناروے جانا ہے؟'' وہ پچھلی بات بھول کر پر جوش سی آگے ہوئی۔

''سبز رنگ کا ہماری کہانی میں بہت بڑا کردار ہے۔ میں نے ڈھاکہ والے فلیٹ میں تمہاری اسکیچ بک دیکھی تھی وہاں ایسا ہی ایک منظر تھا لیکن رنگ نہیں تھے۔ رنگ کیوں نہیں تھے؟''

زینیا نے صوفے سے ٹیک لگالی۔ اسکے گھٹنے پہ دھرے مہدی کے ہاتھ کو چند پل دیکھتے ہوئے وہ اسکی ابھری ہوئی سبز رگوں پہ انگلی پھیرتی رہی۔ ''تب میرا سبز مجھ سے دور تھا۔''

''تم ایک بار پھر فلرٹ کر رہی ہو۔'' وہ اسکے سامنے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔ ہونٹوں پہ آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''میرے پاس پرمٹ ہے۔'' اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے، ایک دوسرے کا چہرہ روبرو تھا۔

''دیکھو میں تمھارے دام میں آجاؤں گا۔''

''آپ پچھلے کئی سالوں سے وہیں ہیں۔''

''اچھا میں پرسوں دوستوں کے ساتھ ملان جا رہا تھا کافی ٹائم سے طے تھا لیکن اب ditch کروانا پڑا۔ شادی شدہ آدمی ہوں اب گھر سے نکلنا مشکل ہے۔''

''آپ میرے لئے ٹریول چھوڑیں گے؟''

''ٹریول نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور زینیا کے بال ہاتھ بڑھا کر ایک بار پھر خراب کئے۔ اب کے وہ جھنجھلائی تھی۔ ''کچھ چیزیں تم نہیں چھوڑ سکتیں اور کچھ میں۔ میری فہرست بہت چھوٹی ہے سیاحت سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہو جاتی ہے۔ اسے چھوڑ دوں گا تو...... یہ نہیں کہتا کہ مر جاؤں گا لیکن سیاحت میرا سبز ہے۔''

''یعنی میری ایک اور سوتن؟'' بال پیچھے کرتے اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن مسکرانہ سکی۔ وہ چند کے لئے ہی سہی اسے پیچھے چھوڑ کر جائے گا اور زینیا کو یہ بلکل اچھا نہیں لگے گا۔ لیکن وہ اسے روک کر اپنے اور اسکے درمیان بدمزگی نہیں پیدا کرنا چاہتی تھی ''آزادی اور اسپیس'' ہر تعلق کی کھاد ہے۔ ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف حصہ سوئم۔

''تم خوامخواہ سوتنوں کے پیچھے پڑی ہو مجھ پہ فوکس رکھو آمی تومار (میں تمہارا)''

اسکے بنگالی میں کہنے پہ وہ ہنس پڑی۔ نیم روشن کمرے میں اسکی مدھم ہنسی مہدی کی سماعتوں میں محبوب موسیقی کی طرح اتری۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ کونسی نیکی، کس جزا کا صلہ تھی وہ؟ کب کہاں، کیسے وہ اتنا معتبر کب ہوا کہ اللہ نے اس عورت کو مہدی کے پہلو میں بٹھادیا۔ پھر اسی عورت کو اس پہ حلال بھی کیا، اور اسی عورت کا دل اسکے لئے نرم بھی کیا۔

''I cherish the moment we met''

اسکی مدھم ہنسی کو سنتے، اسکی چھوٹی آنکھوں کے چندھیانے پہ غور کرتے، اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے، قسمت پہ نازاں ہوتے اس نے بہت محبت سے کہا تھا۔ سامنے بیٹھی عورت کی ہنسی تھمی، وہ مدھم سا مسکرائی پھر ہلکا سا اسکی جانب جھکی۔ ''میں اس کے بعد بھی آپ کی شناسائی کے قصے نہیں بھولنے والی۔''

''آہ یعنی پورے ایک ہفتے کے لئے طعنے تیار ہیں؟''

''میری صلاحیتوں پہ شک ہونا تو نہیں چاہیے۔''

''اور وہ جو میری وفاداری پہ شبے ہیں؟''

''شبے کہاں ہیں سواری اپنے سامان کی حفاظت کی ذمہ دار خود ہوتی ہے۔ میں آپ پہ ناکے نہ لگاؤں تو کوئی نقب نہ لگالے۔''

''اتنی بے اعتباری؟''

''احتیاط سرکار...... اسے احتیاط کہتے ہیں۔ اب آج کے بعد آپ کسی لڑکی سے ہنس کر بات تھوڑی کریں گے؟ کسی سے اسکے گھر کے احوال بھی نہیں لیں گے۔''

''ایسا کرو فہرست بنالو بلکہ ساری لڑکیوں کو میری بہنیں بنادو۔''وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''فہرست واٹس ایپ کر دوں گی۔''

''تم مجھے بلاک کر دو۔''وہ ہنوز خفا تھا۔

صوفے سے اٹھ کر پلنگ کی طرف جاتے ہوئے زینیا نے اسے دیکھ کر مسکراہٹ دبائی۔

''اب بلاک اور ان بلاک کے کھیل ختم اب تو براہ راست ملاقاتیں ہیں۔''

''میں تمہاری کمپنی سے برخاست ہوتا ہوں۔''بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹتے اعلان کیا۔

''کوئی فائدہ نہیں تین بار قبول ہے کہہ کر آپ زندگی بھر کے لئے اس کمپنی کے کسٹمر بن چکے ہیں۔''وہ بھی صوفے سے اٹھ کر کمرے میں آئی۔

''کمپنی سے یاد آیا ہمارے پچھلے محلے میں ایک لڑکا رہتا تھا محلے کا واحد لڑکا جس کی جاب ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں تھی۔''

''اور وہ بلکل تمھارے بھائیوں جیسا تھا۔''تکیے میں منہ گھساتے اس نے فوراً کہا۔

''ارے نہیں وہ تو اتنا ہینڈسم تھا اسے بھائی بنانے کا کوئی سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔''وہ تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔تیوری چڑھا کر زینیا کو دیکھا۔''میں ان دنوں کالج جایا کرتی تھی۔اسکی جاب کا وقت صبح دس بجے کا تھا لیکن وہ صبح سات بجے گلی میں آکر ٹھہر جاتا تھا۔''

''کیوں اسے گلی میں جھاڑو لگانی ہوتی تھی؟''

''مجھے دیکھنے آتا تھا۔''

''شٹ اپ۔''وہ خفگی سے بولا۔چہرہ سرخ ہوا تھا۔

زینیا نے مسکراہٹ دبائی۔''وہ میرا رشتہ بھی لایا تھا بس ذات غیر تھی۔''

''تمھیں بڑا افسوس ہو رہا تھا ذات نہ ملنے کا؟''وہ سلگ اٹھا تھا۔آس پاس آگ نہیں تھی پھر اسے کیوں تپش لگی؟

''میں تو بس قصہ سنا رہی ہوں۔''زینیا نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔''اچھا تو ہم کہاں تھے؟''

''ہم جہاں بھی تھے اس سے آگے ایک منٹ بھی نہیں بڑھیں گے بس ہو گیا، بات ختم ہے۔''

''ارے آگے تو سنیں''ریان''دوسری بار بھی رشتہ لایا تھا۔''اس نے جان بوجھ کے ریان پہ زور دیا۔

''ریان بھائی۔''مہدی نے دانت کچکچائے۔

''بلکل ہو گا کسی نہ کسی کا بھائی۔''

''آج کے بعد تمہارا، اپنی ماں کے گھر جانا بند۔''اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ چہرے پہ خفگی تھی۔ زینیا نے بامشکل اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا تھا۔

''آپ بہت بدل گئے ہیں۔ اب میری کوئی بات غور سے سنتے ہی نہیں۔''

''یہاں میری غیرت کا آتش فشاں پھٹ رہا ہے اور تمہیں لگتا ہے میں تمہاری بات نہیں سن رہا۔ ویسے تو بڑی بنتی ہو رکھ کر اسے دو لگانی تھیں۔''

''بتایا تو ہے ہینڈسم ہی اتنا تھا.......''

مہدی نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ کر سر تکیے میں دے دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ نہیں سن رہا۔ زینیا اب ہنس پڑی تھی۔

''میں آپ کے حال کے قصے برداشت کر رہی ہوں آپ تو ماضی کی ایک جھلک نہیں دیکھ سکے۔''

وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ مہدی کی طرف سے جواب نہیں آیا تھا خفا خفا آدمی سو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نائٹ سوٹ پہن کر باہر آئی تو وہ سو گیا تھا۔ زینیا نے زیرو بلب کی روشنی بھی بند کر دی اور ہمیشہ کی طرح مشکل سے ہی سہی مگر اسے صحیح طریقے سے لٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ اپنی طرف سے پلنگ پہ لیٹتے ہوئے لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اگلے کئی پل اسکا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ ماتھے پہ گرتے اسکے بال ہٹاتے ہوئے اس نے ہمیشہ کی طرح سرگوشی کی۔

''you're my green ''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جیل کی اس شام میں واپس جاؤ تو شیشے سانس لینے کے عمل سے دھندلے ہو رہے تھے۔ باہر برستی بارش طوفان میں بدل گئی تھی۔ درخت اکھڑ کر گر چکے تھے، ندی، نالے سیلابی صورت اختیار کر گئے تھے جیل کے اندر مگر خاموشی تھی۔ شاید قیدی اس موسم سے خوف زدہ تھے یا پھر اکتاہٹ زدہ؟

"تمھیں پتہ ہے، حبیب مجھے سب سے زیادہ برا کب لگتا ہے؟"

"کب؟" ماتھا شیشے سے ٹکاتے، ٹیلیفون چہرے کے آگے کئے وہ اسے سن رہی تھی۔

"جب میں ہارنے لگتا ہوں تب مجھے بہت برا لگتا ہے۔ میرا خاندان میرے لئے بہت ضروری ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری میرے لئے میری اٹھی ہوئی گردن ہے۔ خالق حسین سے اپنا کاروبار اور طریقوں سے بھی لیا جا سکتا تھا لیکن اگر گردن اٹھانی تھی تو اسکی گردن کاٹنی تھی۔" کسی نے اسکے سامنے چائے کا کپ لا کر رکھا۔ قیس نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا ساتھ جیب سے کچھ رقم نکال کر اسکی طرح بڑھائی ہاں البتہ شیشے سے نظر نہ ہٹائی فون پہ گرفت نہ ڈھیلی پڑی۔

"حاتم سے ڈھیر ساری دولت مل گئی تھی لیکن اگر اسے نہ مارتا تو قیامت کے دن اپنے باپ کے سامنے ہارا ہوا بیٹا بن کر جانا پڑتا۔ ہار سے نفرت ہے مجھے۔ وہ سارے قصے کہانیاں جھوٹے ہیں جن میں ہیرو جیت جاتا ہے کہانی ہمیشہ ولن کی ہوتی ہے جتنا مضبوط ولن اتنی مضبوط کہانی۔ میری کہانی میں، میں مضبوط رہنا چاہتا ہوں۔ کوئی ہیرو آئے اور مجھے ہرا دے کوئی مذاق ہے کیا؟" وہ ایسے بولا جیسے دنیا کے سارے ہیروز پہ ہنسا ہو۔

"پھر انکے سامنے یہ کمزوری، یہ ہار کیوں؟"

حدیبیہ کے سوال پہ وہ سوچ میں پڑا۔ آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔ شیشے پہ چائے کی بھاپ سے دھند پڑنے لگی۔

"تمھیں کیا لگتا ہے میں کیوں خاموش ہوں؟"

''مان لیں باس آپ، زینیا سے محبت کرتے ہیں۔''

''میں یہ اعتراف تین سال پہلے کر چکا ہوں۔''

''تب محبت مختلف تھی ابتدائیہ دور تھا اسکی جڑیں اتنی راسخ نہیں تھیں کہ محبوب کی تکلیف سے آپ کو تکلیف ہو اب آپ کو ہرٹ ہوتا ہے۔ محبت کے تقاضے نبھائیں گے تو سب ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ واپس وہ کریں جو آپ کی پہچان بنے۔ لوگوں کے جذبات کے اوپر اپنے جذبات، سب تکلیفیں پیچھے آپ کی تکلیف سب سے اوپر۔''

''یعنی اپنے narrssisst والے دور میں واپسی؟''

''حل تو یہی نظر آتا ہے۔''

''مجھے بھی۔'' اعتراف کیا۔

اگلے چند دن محل میں بیگانیت کی فضا قائم رہی۔ رفتہ رفتہ تمام مکین اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اوپری منزل میں کسی کا آنا جانا کم ہی ہوتا تھا، سوائے زینیا اور مہدی کے۔ کھانا البتہ سب ساتھ ہی کھاتے تھے۔ اس وقت نچلی منزل کے ڈائننگ ایریا میں اس وقت سب لوگ موجود تھے۔ سربراہی کرسی پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔ اسکی پلیٹ کے ساتھ ایک خاکی لفافہ رکھا تھا جس سے سفید کاغذ جھلک رہا تھا۔

زینوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو تو نیلے رنگ کے شفون کے کامدار جوڑے میں ملبوس ہلکے میک اپ اور جیولری کے ساتھ وہ نئی دلہنوں کی ریت نبھاتی نظر آ رہی تھی۔ چہرے پہ البتہ خفگی تھی۔ مہدی بھی بھینچے ہوئے تاثرات لئے ہوئے تھا۔ شاید صبح صبح انکی کراری تکرار ہوئی تھی۔

''انیسہ.....'' ٹوسٹ کے اوپر مکھن کی پرت لگاتے ہوئے قیس نے اسے مخاطب کیا۔ ''میں نے رفیق صاحب کے بیٹے کے لئے تمہاری بات کی ہے تمہارا اسینئر تھا ناں؟'' وہ چونک کر اسکی طرف متوجہ ہوئی تھی تب تک زینیا اور مہدی ایک ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکے تھے۔ ''میری طرف سے بات پکی ہے اب تم بھی ایک بار مل لو تو بات آگے بڑھائیں گے۔''

''مجھے شادی نہیں کرنی۔''وہ تیزی سے بولی۔

''پھر کیا کرنا ہے یہاں رہ کر اس آدمی کا سوگ مناتی رہو گی جو بیچ راہ میں چھوڑ گیا؟آخری وقتوں میں تمہارا باپ تمھارے لئے کتنا پریشان رہا تھا کوئی پرواہ ہے تمھیں؟''

''ساری پرواہ تو آپ کو تھی اسی لئے انہیں جان سے ہی مار دیا۔'' باقی کمبیرز کے لئے یہ ذکر عام تھا مگر چائے کا کپ زینیا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔وہ بری طرح چونک کر رہ گئی تھی۔میز پہ تناؤ بڑھ گیا۔اور حیرانگی بھی۔

''کیا کوئی ایسی صبح،دوپہر یا شام ہو سکتی ہے جب تم ہمیں سکون سے کھانا کھا لینے دو؟''زینیا کے ہاتھ کو بغور دیکھتے اس نے قیس سے کہا تھا۔''یہ سارے معاملات ناشتے کے بعد دیکھے جائیں گے آئندہ کھانے کی میز پہ کھانے کے علاوہ کوئی بات نہیں ہو گی۔''

''یہ فیصلے اپنے پورشن تک محدود رکھو میری آخری اطلاعات تک میں سرور کمبیر کا ملازم نہیں تھا جو تمھارے بنائے اصولوں پہ چلوں۔''

''اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے ہم ہر وہ کام کریں گے جو تم کہو گے؟انیسہ کسی لڑکے سے نہیں ملے گی۔''فیصلہ کن انداز میں کہتے اس نے کپ میں اپنے لئے،پھر زینیا کے لئے چائے نکالی۔

''اچھا پھر تم اس سے شادی کر لو۔''

زینیا کے حلق میں بے اختیار کچھ اٹکا تھا۔وہ مہدی کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہوئی۔وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میں آل ریڈی شادی شدہ ہوں اور دوسری شادی کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔''

''پھر تم ہمیشہ انیسہ کے لئے لائے گئے رشتوں میں ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اس سے کبھی موو آن نہیں کر سکے۔''

''بھائی پلیز.....''انیسہ کا چہرہ شرمندگی سے گلابی ہوا۔زینیا کے چہرے سے ہر تاثر غائب ہو گیا۔

''تمھیں مجھ سے آخر مسئلہ کیا ہے اس گھر میں شادیوں کے علاوہ بات کرنے کو کوئی اور موضوع نہیں ہے؟''

"بالکل ہے۔" وہ چمچ کانٹا چھوڑ پیچھے کو ہوا، دلچسپی سے مہدی کو دیکھا۔ "عدالت کی طرف سے سمن آیا ہے۔ بغیر پڑھے ہی میں جانتا تھا کن محترمہ کے لئے ہو گا۔" اس نے خاکی لفافہ اٹھا کر مہدی کے سینے پہ دے مارا۔ زینیا حاکم کا چہرہ سفید پڑا تھا۔ ٹائمنگ ہاں ٹائمنگ غلط تھی۔ "شرفاء کے خاندان میں اب کرمنل عورتیں بھی بہو بنیں گی، اور غضب خدا کا عدالت کے سمن بھی آئیں گے۔ کیا بہترین عورت منتخب کی ہے تم نے؟" تالیاں بجانے کی کسر رہ گئی تھی بس۔

"کس بارے میں ہے؟" سیدھ میں بیٹھی میرہ نے سوال کیا۔

"تمہاری محترمہ بھابی جان ٹرائل سے بھاگی ہوئی ہیں ظاہر ہے قصہ ختم کرنے تو جانا ہو گا ناں؟"

مہدی کاغذ پہ لکھے الفاظ پڑھ رہا تھا۔ اسکے چہرے پہ تفکر کا جال تھا۔ زینیا دونوں ہاتھ گود میں دھرے انکی کپکپاہٹ پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈھائی سال فلم کی طرح آنکھوں کے آگے گھوم رہے تھے۔ کلائیوں پہ ہتھکڑی کی گرفت محسوس ہوئی، پشت، کندھے، چہرہ سب جل رہا تھا۔

"یہ سب تم نے شروع کروایا ہے ناں؟" کاغذ کو واپس پٹختے ہوئے اس نے قیس سے پوچھا۔ ایک ہاتھ زینیا کے ہاتھ پہ رکھا، کپکپاہٹ مزید بڑھ گئی۔

"میں نے؟" سینے پہ انگلی رکھے معصومیت سے پوچھا۔ "اوہ خدایا اب تم لوگوں کے اپنے سیاہ کارناموں کے الزام بھی مجھ پہ آئیں گے۔"

"قیس...." مہدی نے سختی سے اسکا نام لیا۔ "یہ تمہارا اور میرا معاملہ ہے اسے کیوں بیچ میں لا رہے ہو؟"

"میں پیٹھ پیچھے وار نہیں کرتا، مہدی۔"

"یہ سب میں نے خود کیا ہے۔" کپکپاہٹ پہ قابو پاتے، گلے میں اٹکتے آنسوؤں کو حلق میں انڈیلتے اس نے مستحکم انداز میں کہا۔ ایسے کہ اب ہر کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ "میں اس شہر میں، اس ملک میں ایک آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور اسکے لئے ضروری ہے کہ میں خود پہ لگے الزامات ختم کروں۔ ورنہ پھر کوئی قیس کمبیر اٹھ کر آئے گا اور مجھ پہ اور میرے کردار پہ باتیں کرے

گا۔عدالت نے مجھے سمن نہیں کیامیں نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ مجھ پہ لگے ہوئے الزامات رد کئے جائیں۔مجھے باعزت ہر مقدمے سے بری کیا جائے۔''

مہدی اسے نئی نظروں سے دیکھ رہا تھاایسے جیسے یقین نہ کر پا رہا ہو۔ہاتھ اسکے ہاتھ سے ہٹ گیا تھا۔

''سیانے کہتے ہیں باہر شور کرنے سے پہلے اپنا گھر سنبھال لینا چاہیے،کاش تم نے سنبھالا ہوتا۔''وہ محظوظ اور طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے کرسی چھوڑ کر اٹھا تھا۔آج کے لئے کافی ڈرامہ ہو چکا۔

''میں اس سب سے نکل آؤں گی،عبداللہ۔''اس نے پکارا تو عبداللہ زمان کے پیروں میں زنجیر پڑی۔لمحے کے ہزارویں حصے میں چہرے کے رنگ تبدیل ہوئے۔وہ اس نام پہ ایسے تھم جاتا تھا جیسے وقت ساکن ہو جاتا ہو۔''جس جہنم میں تم نے مجھے ڈالا تھا میں اس سے نکل آؤں گی اور تم دیکھو گے میں کس طرح ایک عزت دار زندگی گزاروں گی۔میں تمہیں دکھاؤں گی تم کسی کے بخت پہ قادر نہیں ہو،تم دیکھو گے زینیا حاکم کیا چیز ہے۔میں تمہیں دکھاؤں گی اللہ دکھائے گا۔''

برسوں بعد وہی آنچ،وہی تپش اسکے لہجے میں لوٹ آئی تھی۔وہ مڑ کر اسے کچھ سخت سست کہنا چاہتا تھا مگر نہیں کہہ سکا۔بس پلٹ گیا۔ڈائننگ ہال میں خاموشی تھی ایسی کی سوئی کے گرنے کی آوازیں بھی آتی تھیں۔مہدی کمبیر نے کرسی چھوڑی اور زینیا کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے نکل گیا۔آج پہلی بار اس تعلق کو نبھاتے ہوئے اسے منفی خیالات آئے تھے ایسے جیسے وہ مٹی کا کوئی برتن بنا رہا ہو ہاتھ میلے ہو گئے ہوں جسم مارے مشقت کے دکھ رہا ہو مگر برتن ہر دفع کنارے سے ٹوٹا جا رہا تھا،بالکل ایسے جیسے مہدی کا دل۔کیا برسوں پہلے ہوئی کاغذی شادی کبھی اصل شادی کی معراج حاصل کر سکے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ملاقات کا وقت ختم ہوا۔''

اہلکاروں نے اطلاع دی۔ انہیں بھلا کیا فرق پڑتا تھا؟ اس ملاقات کے بعد کوئی اور ملاقات نہیں ہونے والی تھی لیکن انہیں کیا؟ دو لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے سے محروم ہو جاتے، جذباتی سہارا ختم، سیاہ کارناموں میں حصے داری ختم، ایک دوسرے کو مسائل سے بچا کر لے آنا ختم، لیکن کسی کو کیا؟

"آپ نے بہت غلط کیا ہے، باس لیکن اگر آپ نے ہار چن لی تو آپ اور غلط کریں گے۔"

"میں ہار نہیں سکتا، حبیب۔" یہ کہتے ہوئے اسکی گردن تفاخر سے اٹھی نہیں تھی، نہ اسکی آنکھوں میں کوئی شیطانی چمک تھی اور نہ کوئی غرور۔ "مجھ سے ہارا نہیں جاتا۔" یہ بے بس الفاظ تھے۔ شر کے آگے گھٹنے ٹیک دینے والے بے بس۔ یہ ایسے الفاظ تھے جیسے کسی نے خود کو قبول کر لیا ہو۔

"جو مجھے ہرٹ کرے گا میں اسے ہرٹ کروں گا یہ اصول تھا، ہے اور رہے گا۔"

"آپ کے کھیل میں اب ہر مہرہ جذبات کا اندھا ہے، باس۔"

"میں کھیل بدل رہا ہوں، شطرنج نہیں اب تاش کھیلا جائے گا اور میرے پاس ترپ کا پتہ ہے۔" وہ کچھ کچھ سوچ کر کہہ رہا تھا۔ آنکھوں کا تاثر ایسے تبدیل ہوا تھا کہ پرانے قیس سے جا ملا۔

"انت کیا ہوگا؟" خوف، کسک، رنج، ملال میں لپٹا سوال۔

وہ چند پل کے لئے ٹھہر گیا۔ ٹھنڈی پڑ چکی چائے والے کپ کے دہانے پہ انگلی پھیرتا رہا۔ پھر جب نگاہیں اٹھائیں تو ان میں رنج تھا۔ عزم بھی اور فیصلہ بھی۔

"کچھ کہانیاں ہیروز کی نہیں ہوتیں حبیب۔ کچھ انت خوشگوار نہیں ہوتے اور کچھ محبتیں پاس رہ کر بھی پاس نہیں رہتیں۔" مبہم سی بات کہی۔

"میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟"

"دعائیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ پھر بات، چائے اور ملاقات ادھوری چھوڑ سرمئی دیواروں والی جیل کو یاسیت میں مبتلا کئے وہاں سے چلا گیا۔ کھیل تبدیل ہوا تھا یعنی اسے محنت کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عدالتی کمرے میں معمول کا رش تھا۔ جج صاحب اپنا بھاری بھر کم جسم اور سیاہ گاؤن سنبھالتے ہوئے بیٹھ رہے تھے۔ وکلاء اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ کاغذات کے پلندے سنبھالتے عجلت زدہ اسسٹنٹ اپنے سینیئرز کی ہر حرکات و سکنات پہ چیل کی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ وکلاء کے عین پیچھے والی نشست پہ مہدی کمبیر زینیا حاکم کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دونوں سیاہ لباس میں ملبوس تھے، اسی صف میں میرہ اور قیس بھی تھے جنہوں نے سفید رنگ پہن رکھا تھا۔

اکتیس دسمبر اور "یکم جنوری دو ہزار بائیس کی رات کا ذکر ہے ...." کاروائی شروع ہو گئی تھی۔ ارد گرد بیٹھے لوگوں کے لئے یہ معمول کی بات تھی مگر سنہری آنکھوں کی بے چینی بھانپ لینا بھی مشکل امر نہیں تھا۔ ڈھائی سال قبل ہونے والے سانحے اسکی آنکھوں کے آگے کسی نہ بھول پانے والے منظر کی طرح تھے۔ گود میں دھرے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ قیس نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم جوڑ کر کپکپاہٹ پہ قابو پاتے ہوئے دیکھا۔ ایک بار پھر اسے یاد آیا کہ لمس کا اختیار نہیں تھا۔

بولتے ہوئے مرد کی غیر شناسا آواز کو جھٹکتے وہ ماضی کے ایک ایسے منظر میں غوطہ زن ہوئی جہاں اس کا سانس واقعی گھٹا تھا۔

ناشتے کی میز سے اٹھ کر وہ کمرے میں آئی تو مہدی ڈریسنگ روم سے باہر آرہا تھا۔ وہ ڈھنگ سے تیار تھا شاید کہیں جانے کے لیے۔ ان دونوں کے درمیان ناشتے کی میز سے اٹھ کر آنے کے بعد کسی لفظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

"آپ وہاں سے اٹھ کر کیوں آئے؟" ایک تو صبح والی تلخ کلامی اور پھر کچھ منٹ قبل والے حالات اسے مہدی سے بات کرتے ہوئے ہچکچاہٹ ہوئی۔ "میں آپ کے لئے کچھ دیسی بنا دوں؟ یا پھر لنچ پہ کہیں باہر چلیں؟"

وہ بغیر جواب دیئے اپنے بالوں میں برش پھیرتا رہا۔ جبڑے بھینچ رکھے تھے اور چہرے پہ ناگواری تھی۔ زینیا نے مہدی کو پہلے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔

"میں آپ کو بتانے والی تھی۔" انگلیاں چٹخاتے بلاخر وہ موضوع کی طرف آئی۔ مہدی کمبیر سرخ چہرے کے ساتھ مڑا۔

''پھر تم نے سوچا کیوں بتاؤں؟اس آدمی کی اوقات ہی کیا ہے میرے آگے جو میں اپنی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اسکو شامل کرلوں؟''اسکا لہجہ بلند تھا۔''میں تمھارے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔آس پاس سے حفاظتی بند باندھ رہا ہوں اور تم مجھے پیچھے چھوڑتی جا رہی ہو؟تمھارے بارے میں اتنی بڑی بات مجھے کسی اور سے پتہ چل رہی تمھیں سمجھ آ بھی رہی ہے کہ مجھ پہ کیا گزر رہی ہے؟''

''میں صبح آپ کو بتانے والی تھی لیکن ہمارا جھگڑا ہو گیا۔''وہ روہانسی ہوئی۔

''کس بات پہ ہوا؟کیونکہ میں میسی ہوں؟تم کتنی بڑی پرفیکشنسٹ ہو میں بھی تو گزارہ کر رہا ہوں، تیس سال کا آدمی ہوں میں تین سال کا بچہ نہیں جسے تم چٹکیوں میں فکس کر دو گی۔میں ایسا ہی تھا تم نے اسی طرح پسند کیا تھا۔''

''میں مان رہی ہوں ناں میں بتانے والی تھی غلطی ہو گئی....''

''لیکن تم یہ نہیں مان رہیں کہ میں تمہارا پارٹنر ہوں اور اس رشتے میں جو فیصلے ہوں گے وہ mutual ہوں گے۔''اسکی بلند آواز ہرٹ سی لگتی تھی۔''میں ہر کام تمھیں بتا کر تم سے پوچھ کر کر رہا ہوں میں ہر طرح سے تمھیں محفوظ کر رہا ہوں اور تم میری ہر کوشش ردی کر رہی ہو۔تمہارے لئے میری کوشش مجھے یکطرفہ لگ رہی ہے۔تم آج بھی پہلے دن کی طرح مجھ سے دور کیوں کھڑی ہو؟''

''مہدی میں......''اس نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ ترش روی سے اسکی بات کاٹ گیا۔

''میں تھک رہا ہوں، زینی اور میں تھکنا نہیں چاہتا ہماری شادی ایک کانٹریکٹ میرج سے نکل کر پریکٹیکل ہو گئی ہے۔میں صرف تمہارا کوئی شناسا نہیں شوہر بھی ہوں کچھ فیصلوں میں تمھیں مجھے شامل کرنا ہو گا۔کچھ فیصلے تمھیں میرے ماننے ہوں گے اور اگر نہیں مان سکتیں تو آئی ایم سوری لیکن پھر میری طرف سے بھی کوئی امید مت رکھنا۔''

''اب آپ exaggerate کر رہے ہیں۔میں نے کچھ دن پہلے ہی وریام سے بات کی تھی مجھے نہیں پتہ تھا یہ سب اتنا جلدی ہو جائے گا۔آپ اتنی چھوٹی سی بات کو ہوا بنا رہے ہیں، مجھے آپ سے یہ امید بالکل نہیں تھی۔''

مہدی نے اسے دیکھا اور بہت کچھ ضبط کیا۔اسے غصہ ضبط کرنا آتا تھا۔سرخ چہرے اور غصیلے تاثرات کے ساتھ وہ واپس شیشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔وہ کچھ سخت سست نہیں بولنا چاہتا تھا۔

''آپ مجھے اگنور کر رہے ہیں۔''

''میرا دماغ خراب مت کرو تم مجھے مجبور کر رہی ہو میں چیخوں یا پھر تمھیں کچھ سخت کہوں۔'' اس نے دراز سے والٹ، گاڑی کی چابیاں اور کارڈز اٹھا کر جیب میں ڈالے۔

''آپ غلط کر رہے ہیں صبح بھی آپ کی غلطی تھی اور اب بھی جب میں مان رہی ہوں میں غلط ہوں پھر بھی آپ میرے ساتھ ایسا رویہ رکھ رہے ہیں۔'' مہدی اسے اگنور کرے، اسکی طرف نہ دیکھے اور اس سے سختی سے بات کرے یہ سب برداشت کرنا مشکل تھا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے، میں رات میں بھی دیر سے آؤں گا انتظار مت کرنا۔''

وہ اسکی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا تھا۔ جاتے جاتے دروازہ زور سے دے مارا۔ زینیا پیر پٹخ کر رہ گئی۔ صبح والا جھگڑا، پھر قیس سے ہوئی تلخ کلامی اور اب ایک نئی مصیبت۔ شادی کینڈل لائٹ ڈنر، رات گئے تک ہونے والی باتیں، رومانس اور ایموشنل سپورٹ کے علاوہ دو لوگوں کے درمیان ایک ''تعلق'' بھی ہے یہ سمجھنا ہر انسان کے لئے مشکل ہوتا ہے مگر جو سمجھ جاتا ہے اسکی شادی پہ کامیابی کا ٹھپہ لگ جاتا ہے اور اس وقت اسے اپنی شادی پہ ناکامی کے ٹھپے لگتے دکھائی دیے۔

ماضی کا دروازہ بند ہوا تو ہال کا منظر غالب آیا جس میں وکیل ہاتھ اٹھا اٹھا کر بات کر رہا تھا۔ اسکے عقب میں بنچ پہ بیٹھی لڑکی کا دل ڈوب رہا تھا۔ اپنے ٹراما کو گردن سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کرنا پھر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بات کرنا مشکل تھا اور وہ اس مشکل کو بڑی مشکل سے سرانجام دے رہی تھی۔

یوں تو وہ سیدھ میں دیکھ رہا تھا اور پورے دو دن سے اپنی بیوی سے ناراض بھی تھا لیکن اس نے زینیا کے لرزتے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ انگلیاں اسکی انگلیوں کے درمیان پھنسالیں۔ حفاظتی حصار بندھ گیا تھا۔ یہ اپنے تئیں دیا جانے والا حوصلہ تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر کیا سوچتے اسے پرواہ نہیں تھی۔ یہ عورت اس کی بیوی تھی، دنیا کون تھی؟

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اسکی سرگوشی زینیا کے ہاتھ میں اسکا ہاتھ سیاہ آنکھوں کو بھی دکھا تھا۔ زینیا کی نگاہوں کی بے چینی کو کم ہوتے اس نے اپنے سامنے دیکھا تھا۔ اور اپنی بے چینی کو بڑھنے سے روک نہیں سکا۔

''میں پہلی بار جب یہاں آئی تھی اکیلی تھی۔'' مدھم سرگوشی جیسی آواز مہدی کی سماعتوں میں پڑی۔ وہ جو سپاٹ تاثرات لئے بیٹھا تھا اسکا خول چٹخا۔ ''میرے ساتھ بشر بیٹھا تھا اور وہ ایسے بیٹھا تھا جیسے میں کوئی اچھوت ہوں۔ مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں رہا لیکن اگر آپ کو مجھ سے گلے ہیں تو آئی ایم سوری۔''

گرفت مضبوط ہوئی۔ ایسے جیسے اسکی معذرت قبول کی گئی ہو۔

''میں نے ڈھائی سال تنہا گزارے ہیں وقت میرے لئے سست تھا اور میری جنگوں میں کوئی میرا اہم رزم نہیں تھا۔ اب عادت ہو گئی ہے دنیا سے چھپ کر ہر محاذ پہ اکیلے لڑنے کی، لیکن میں نے کبھی آپ کو پیچھے نہیں چھوڑا کبھی آپ سے آگے نہیں گئی کیونکہ ہمارے درمیان میں، تم نہیں ''ہم'' ہیں۔ میں نے جو کیا غلط کیا آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پہلے آتی ہے مجھے اسے پہلے ہی رکھنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے دوسرے ہاتھ سے اسکا ہاتھ تھپکا۔ البتہ گرفت ہلکی نہیں کی۔

''پچھلی بار کٹہرے میں کھڑے ہو کر مجھ پہ جھوٹ بولے گئے، بہتان باندھے گئے۔ میں لوگوں کے رش سے ایسے گزر رہی تھی جیسے میں نے کوئی بڑا جرم کر دیا ہو۔ سب مجھ پہ آوازیں کس رہے تھے آج وہ سب یہاں نہیں ہوں گے مگر کوئی ایک تو ہو گا؟ وہ مجھے یہاں سے باعزت جاتے ہوئے دیکھیں گے میرا آنر بحال ہو گا لیکن میرے لئے آپ اور آپ کی عزت کم ہو گی یہ میں نے کبھی نہیں سوچا اگر آپ کو ایسا لگا تو آئی ایم سوری۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈونٹ وری۔'' اسکی آواز بس زینیا تک جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ کٹہرے میں جا کر کھڑی ہوئی۔ اس سے کچھ پوچھا جا رہا تھا اور وہ گردن اٹھائے مکمل اعتماد سے جواب دے رہی تھی۔ جب جب اعتماد کم ہونے لگتا وہ اس طرف دیکھتی جہاں وہ تھا۔ مگر وہ بھول گئی تھی وہاں کوئی اور بھی تھا جسے ہر دفع کی اٹھتی یہ نظر دل میں گڑھتی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ ہار، رہا تھا بری طرح بہت بری طرح۔

اگلے کئی لمحات سلو موشن میں ہوئے اس نے جج کو ''باعزت بری'' کے الفاظ کہتے سنا۔اس نے زینیا حاکم کو ہنستے، روتے رنجیدہ اور خوشی سے اپنے شوہر کے دونوں ہاتھ پکڑتے دیکھا۔لوگ انہیں دیکھ رہے تھے انکی بات کر رہے تھے۔ مبارک بعد دے رہے تھے بلائیں لے رہے تھے۔ حسد کر رہے تھے۔

جوش.... خوشی..... ملال..... دکھ..... ہنسی..... محبت...... آزادی...... وفا..... جھکاؤ...... کاملیت..... عشق۔

زینیا حاکم کے پاس ہر جذبہ تھااور جس پہ وہ یہ سب نچھاور کر سکتی تھی وہ سبز آنکھوں والا مرد تھا۔یعنی کیا؟یعنی ہار...... ؟ گردن اٹھائے تاریک پڑتے چہرے کے ہر تاثر کو چھپائے اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی۔

''ناممکن۔''

تاریخ کے پنوں پہ یہ دو حرف جلی حروف میں لکھے جا چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غم کے بعد وقت انسان کو سنبھلنے کے کئی مواقع دیتا ہے مگر ہار کے بعد سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔کچھ لوگوں کے لئے ہار قبول کرنا اپنا سر اپنے ہاتھوں سے قلم کرنے جیسا ہوتا ہے۔ قیس کمبیر کے لئے بھی تھا۔ طیش، بے بسی، رنج، ہار، رقابت کوئی ایک بھی جذبہ ایسا نہیں تھا جسے وہ صبر کے گھونٹ کی طرح پیتا، ہر گھونٹ سقراط کے زہر کا پیالہ تھا۔ مشکل، جان لیوا۔

راہداری میں اٹھتے اسکے قدم اسکے اختیار میں نہیں تھے۔چہرے پہ آتا پسینہ، رگوں میں اٹھتا ابال ہر شے، ہر جذبہ اسکے کنٹرول سے نکل چکا تھا۔مہدی کمبیر کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے ایک لمحے کو سوچا اسے کیا چاہیے تھا؟

''فتح!'' دماغ نے بس ایک جواب دیا۔ معاملہ محبت، لڑکی، کمفرٹ کی حدود سے نکل چکا تھا معاملہ اب گاڈ کمپلیکس کے مارے شخص کی انا کا تھا۔ معملہ فتح اور شکست کا تھا۔ معملہ عبداللہ زمان کے خون میں اٹھتے ابال کا تھا۔ دروازہ ایک دھاڑ سے کھولتے وہ اندر داخل ہوا۔ سنگھار میز کے سامنے کھڑی لڑکی نے بے اختیار دروازے کی طرح دیکھا، اور وہ بالکل ٹھہر گئی۔ آس پاس دیکھا، وہ جیسے کسی حفاظتی شے کی تلاش میں تھی۔

""تمھیں کیا لگتا ہے، تم میرے سامنے میری موجودگی میں کسی مرد کے ساتھ رہو گی اور میں چپ چاپ دیکھتا رہوں گا؟"" اسکے منہ سے الفاظ غراہٹ کی صورت باہر آئے۔

وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا زینیا کے پیروں سے کھڑے کھڑے زمین نکلی۔ گلے میں گلٹی سی ابھری۔ مگر وہ ڈٹ کر کھڑی تھی اس وقت زینیا وہ عورت تھی جس کا شوہر دو دن کے لئے گھر سے باہر گیا تھا، اس وقت اسکا محافظ بس خدا تھا۔ خدا کے بعد وہ خود۔

""دو منٹ صرف اور صرف دو منٹ ہیں تمھارے پاس یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ تمھیں اپنے محبوب شوہر کا ساتھ چاہیے یا اسکی زندگی؟""

""تم کسی کی موت پہ قادر نہیں ہو۔"" زینیا حاکم پھنکاری۔ لہجہ البتہ مضبوط نہیں تھا۔ اسے عبداللہ سے خوف آرہا تھا۔

""کس نے کہا میں اسے ماروں گا؟ بہت ہو گیا مارنا، مرنا۔ میں اب مزید کسی انسان کی زندگی نہیں لوں گا لیکن تم یہ مت سوچنا کہ میں تمھیں یا اسے زندہ رہنے کے قابل چھوڑوں گا۔"" وہ سرخ آنکھیں لئے انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ اسکی موجودگی سراپا خوف تھی۔ ""فیصلہ کرو زینیا حاکم۔ زندگی سے کیا چاہئے تمھیں؟""

""تم میرے حاکم نہیں ہو۔ مجھے کسی چیز کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔"" وہ بھی اسی کے انداز میں غرائی۔ ""گھر کا یہ حصہ تمھاری ملکیت نہیں ہے اور میرا شوہر اس وقت گھر پہ نہیں ہے لہٰذا یہاں سے جاؤ اور میرا دماغ خراب مت کرو۔""

""میں تمھاری زندگی خراب کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔"" اس نے ہاتھ مار کر میز پہ رکھی ساری اشیاء الٹ پلٹ کر دیں۔ زینیا پیچھے ہوئی۔ غصہ اسکے دماغ کی نسیں پھاڑ رہا تھا۔ وہ ڈھائی سال پہلے والا عبداللہ تھا۔ ""میں زندگی لینے پہ قادر نہیں ہوں لیکن خدا کی قسم اگر آج تم نے اس سے اپنا تعلق ختم نہیں کیا تو وہ جس جگہ بھی ہے میں وہاں اس پہ فائر کھلواؤں گا، اگر اسے کچھ نہ ہوا تو اگلی خبر اسکے ایکسیڈنٹ کی ہوگی، اگر اس سے بھی کچھ نہ ہوا تو وہ کسی سٹریٹ کرائم میں مارا جائے گا لیکن میرا حریف میری آنکھوں کے سامنے دوبارہ کبھی تمھارے قریب آکر مجھے میری ہار کا احساس دلائے گا یہ اس زندگی میں نہیں ہونے والا۔ ہر گز نہیں۔ چناؤ تمھارے ہاتھ میں ہے۔"" وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا زینیا سانس لئے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔'' کوئی اسکی ریاضت، اجر، انعام کے حوالے سے ایسی بات کر سکتا تھا؟ کسی نے زینیا کے کلیجے میں ہاتھ ڈالا تھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟'' تھکا ہوا، بے بس سا استفسار۔ ایسے جیسے ہار کا اعلان ہو۔

''مجھے تم چاہیے ہو، یعنی میری فتح۔''

''میں کبھی تمھارے ساتھ وفادار نہیں رہوں گی، کبھی تم سے محبت نہیں کروں گی، کبھی تمہارے لئے وہ عورت نہیں بنوں گی جو تمھیں سکون دے۔ میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گی۔'' زینیا نے اسے ہر وہ شے گنوائی جو ایک نارمل مرد کو اپنی عورت سے چاہیے ہوتی ہے۔

''تم نے تیئیس سال میرا انتظار کیا تھا کم و بیش اتنے ہی سال مجھ سے وفاداری بھی نبھائی ہے اگلے تیئیس سال میں انہی کے آسرے رہ لوں گا۔''

آج اسکے سامنے ہر دلیل رد، ہر عذر بے ضرر۔ وہ آج بخت اپنے ہاتھوں سے لکھ رہا تھا۔ اسکے سر پہ کوئی جنون سوار تھا۔

''اسے وہ مت دو جو وہ چاہتا ہے، پھر وہ تمھیں ایسے چھوڑے گا جیسے کبھی چاہا ہی نہ ہو۔''

نیما کے الفاظ اسکی سماعتوں سے ٹکرائے۔ وہ چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ سیاہ آنکھیں اٹل فیصلہ ساتھ لائی تھیں۔ سنہری آنکھوں میں بھی آج ایک فیصلہ تھا۔ آر یا پھر پار۔ مزید اذیت اب وہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ وہ منتشر دھڑکنوں کو کتنی دیر سنبھالتی رہی اسے حساب نہیں یاد تھا۔

''میں اسکے نکاح میں ہوں لیکن ظاہر ہے تمھیں فرق نہیں پڑتا۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں تمھیں اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ میں ساری زندگی تم پہ، تمہارے اس جنون پہ لعنت بھیجتی رہوں گی لیکن تمھیں اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے فرق پڑتا ہے۔ تمہاری میری زندگی میں مداخلت سے، میرے شوہر کی زندگی میں مشکلات پیدا کرنے سے مجھے ہر شے سے فرق پڑتا ہے اس لئے وہ کر لیتے ہیں جو تم چاہتے ہو۔'' اس نے کندھے پہ پھیلا دوپٹہ درست کر کے سر پہ لیا۔ بیگ کندھے پہ ڈالا، سلیپر اتار کر باہر جانے کے لئے کولاپوری چپل نکالے اس دوران قیس بس اسے دیکھتا رہا تھا۔ نگاہوں کی سختی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

''چلو تمہارے جبر نامے کو عملی جامہ پہنا کر آتے ہیں۔'' وہ اسکے روبرو آکر کھڑی ہوئی۔

''کیا مطلب؟''

''میں عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کر رہی ہوں، آؤ تم مجھے یہ کرتے ہوئے دیکھو۔''

وہ کہہ کر اسکے سامنے سے نکل گئی۔ قیس کتنے ہی لمحے اپنی جگہ ساکن کھڑا رہا۔ قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے، یا مارے مسرت کے بھاری وہ اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اگر یہ خوشی تھی تو محسوس کیوں نہیں ہو رہی تھی؟

''تم آ رہے ہو یا مجھے اکیلے جانا ہے؟''

کمرے سے باہر راہداریوں سے اسکی آواز پلٹ پلٹ کر آ رہی تھی قیس نے ایک قدم آگے بڑھایا ایسے جیسے کسی نادیدہ زنجیر سے پیر آزاد کروایا ہو، جیسے کسی قفس کی سلاخیں چیر کر باہر نکلا ہو۔ جیسے اب وہ جہاں جا رہا ہو وہ جہان اسکے تابع ہو۔

''میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔''

گاڑی سے باہر دیکھتی زینیا کے نیم رخ کو دیکھتے قیس نے یقین دہانی کروائی۔ وہ مگر اسکی طرف نہیں دیکھ رہی تھی، شاید سن بھی نہیں رہی تھی۔ اسکی آنکھیں بھری بھری تھیں۔ گود میں رکھے ہاتھوں میں وہ سختی سے ناخن چبھو رہی تھی۔ قیس ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہتا تھا مگر اس نے رخ موڑ لینا مناسب سمجھا۔

''آگے جا کر اس میڈیکل سٹور کے سامنے گاڑی روکنا۔'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔ قیس نے گردن ترچھی کر کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''کچھ چاہیے تمھیں؟''

''نیند کی گولیاں۔''

''تمھیں انکا کیا کرنا ہے؟'' وہ چوکنا ہوا۔

''کھا کر مرنا ہے، خلع کا کیس کرنے کے بعد میرے پاس زندہ رہنے کی وجہ نہیں بچتی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ اگر تم نے خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی تو میں بہت برا پیش آؤں گا۔''

زینیا نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ اسکی نگاہوں میں کاٹ تھی۔ ایسی جو قیس کا دل کاٹ رہی تھی۔

''کسی زمانے میں عبداللہ زمان کے لئے زندگی کے سب سے قیمتی سال ضائع کر دیے حالانکہ اسکے آنے کی، اس سے وفا اور محبت کی امید ہی نہیں تھی تمھیں لگتا ہے میں اس شخص سے آسانی سے بے وفائی کروں گی جو میری آدھی زندگی کا محور ہے؟ میں یہ بوجھ نہیں اٹھا سکوں گی، عبداللہ۔ یا تو وہ یا پھر کوئی نہیں۔''

''تم ایک بار اس سے خلع لے لو، میں سب درست کر دوں گا۔ تمھیں ایک بار پھر مجھ سے محبت ہو جائے گی۔ عورت پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی۔ یاد کرو میں وہی ہوں جس کے لئے تم نے اتنے سال انتظار کیا۔ میں عبداللہ زمان ہوں تمہارا سول میٹ تمہاری پہلی محبت۔ مجھے یقین ہے تمھیں دوبارہ مجھ سے محبت ہو جائے گی۔''

زینیا استہزائیہ مسکرائی۔ اسکی آنکھوں میں واضح چیلنج تھا۔ ''ٹرائے می۔'' وہ اسے اس بے زاری سے دیکھ رہی تھی جیسے بامشکل اسکا وجود برداشت کیا ہو۔ ''میں تم سے نفرت بھی نہیں کرتی اور تمھیں لگتا ہے میں کبھی تم سے محبت کر سکوں گی؟''

وہ ایک بار پھر لاجواب ہوا۔ فتح کا خمار ایک بار پھر سر نہیں چڑھ سکا۔ کیا تھا جو ادھورا تھا؟

وہ چپ چاپ باہر دیکھتے ہوئے ہتھیلی میں ناخن پیوست کرتی رہی۔ اتنی زور سے کہ وہاں نشان بننے لگے۔ قیس نے نظرانداز کرنا چاہا مگر کر نہیں سکا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکی کلائی کو اپنی گرفت میں لیا جسے زینیا نے حقارت اور بے دردی سے جھٹکا۔

''دوبارہ تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں برداشت نہیں کروں گی۔'' اسکا لہجہ بلند تھا۔

''کیا کر لو گی تم؟'' قیس نے ایک بار پھر اسکا ہاتھ ہٹانا چاہا کہ وہ خود کو زخمی کر رہی تھی اس بار زینیا نے اس سے ہاتھ چھڑوا کر پوری قوت سے شیشے پہ دے مارا۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ دماغ جیسے بھک سے اڑا ہو۔

''کیا پاگل ہو گئی ہو یہ کیا کر دیا؟'' اس نے زینیا کا ہاتھ دیکھنا چاہا۔

زینیا نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی قوت سے اپنا ہاتھ دوبارہ شیشے پہ دے مارا، پھر دوبارہ اور پھر ایک بار پھر۔ وہ دیوانہ وار اپنا ہاتھ شیشے پہ مار رہی تھی صرف اس لئے کیونکہ قیس کمبیر نے اسے چھوا تھا؟ اسے لگا جیسے کسی ٹرک نے اسے کچل دیا ہو اور سب سے گہرا زخم دل پہ آیا ہو۔ وہ دم سادھے اسے تک رہا تھا۔

''پلیز......ڈونٹ۔''

''تم جب جب دوبارہ مجھے ہاتھ لگاؤ گے میں یہی کروں گی۔ تم مجھ سے شادی کر لوگے تو میں تم سے وفادار نہیں رہوں گی تم دیکھنا قیس میں کیسے خود کو اور تمھیں برباد کرتی ہوں، تم بس دیکھنا۔'' طیش، ملال، قلق، آزردگی ان سب کو ملاؤ تو زینیا حاکم کا لہجہ بنتا تھا۔ وہ جیسے اس آدمی کے زندہ درگور ہونے پہ بھی ایک آنسو نہ بہاتی۔

یکدم گاڑی میں گھٹن بڑھ گئی تھی۔ قیس کمبیر چند منٹ بھی اس کا یہ انداز برداشت نہیں کر پایا تھا کیا ساری زندگی کر پاتا؟ اس نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی، سانس لینے کی کوشش کی، پھر شیشہ کھول دیا۔ دل کو تسلی دی وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ بس کچھ وقت اور۔

تھوڑی دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ تمھیں دوبارہ مجھ سے محبت ہو گی۔ پہلے والے محبت۔'' اسکی آواز بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ڈھاکہ، اسلام آباد، گاڑی کا ہر منظر ہر بات اسے یاد آ رہی تھی جس میں زینیا نے اسے جھٹکا تھا۔

گاڑی کورٹ کے باہر آ کر رکی۔ زینیا اپنی طرف سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ وہ کچھ دیر گاڑی میں بیٹھا زینیا کی پشت دیکھتا رہا۔ وہ اگر جیت رہا تھا تو کیوں اندر کہیں جشن کے بجائے سوگ تھا؟ وہ خوش کیوں نہیں تھا؟

گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے زینیا کے قدم سے قدم ملاتے ہوئے وہ کئی کائنات کا سفر کر آیا تھا۔ ابھی وہ دونوں کسی وکیل کے چیمبر میں داخل ہوتے کہ قیس نے آواز دے کر اسے روکا۔ وہ رکی۔ دونوں کے درمیان فاصلہ تھا، سورج کی کرنیں ترچھی ہو کر ان پہ پڑ رہی تھیں۔ سائے لمبے ہو رہے تھے۔ وہ دونوں راہداری میں اس رخ پہ کھڑے تھے کہ قیس دھوپ میں، زینیا چھاؤں میں۔

''میں واقعی تمہیں خوش رکھوں گا، تم مجھ پہ بھروسہ کر سکتی ہو۔'' اسکی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''اوکے۔''

''تمھیں مجھ سے جو جو شکایات ہیں میں سب ختم کر دوں گا۔''مضبوط تسلی۔

''اوکے۔''

''میں جانتا ہوں میں نے تمھارے ساتھ بہت غلط کیا ہے.........''

''مجھے یہ سب نہیں سننا، قیس۔ مجھے یہ مت سناؤ پلیز وہ کرو جو کرنا چاہتے ہو۔''ہاتھ اٹھا کر بے رخی سے کہا۔ قیس کئی لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ دھوپ سے اسکی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھی۔ بہت دیر بعد وہ بولا تو آواز بے حد ہلکی تھی۔

''میں بس خوش رہنا چاہتا ہوں، تمھارے ساتھ۔''

''اور میں اسکے ساتھ خوش ہوں۔ جس دن میری خلع ہوئی اور جس دن میں اور تم ایک ہوئے وہ میری زندگی کا سب سے بدترین وقت ہوگا۔ میں خود کو مار دوں گی اگر نہیں مار سکی تو میں تم سے بے وفائی کروں گی جس کردار سے تمھیں محبت ہے میں اسے بھی خراب کروں گی میں ....''وہ کہتے کہتے رو پڑی۔ قیس دکھ سے اسے دیکھے گیا۔ غیرت سے مٹھی بھینچ گئی۔''میں ساری عمر تمھیں بددعائیں دوں گی، میں کبھی تم سے وفادار نہیں رہوں گی۔''وہ زور زور سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔''تم دیکھ لینا قیس میں کبھی تمہیں میرے ساتھ خوش نہیں ہونے دوں گی کبھی نہیں۔''

''تم اپنے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو؟''اسکی آواز ہلکی تھی، سایہ جیسے ساتھ چھوڑنے کو تیار ہو۔ دھوپ اسکا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔

''تم قیس تم وجہ ہو۔ میں تم سے تمھارے چہرے، تمھارے ذکر سے بے زار ہوں۔ مجھے حاصل کر کے بھی تم ہار و گے، اس کھیل میں، میں کسی مہرے کو اب تمہاری مرضی سے چلنے نہیں دوں گی۔ کم از کم خود کو نہیں۔''ایسی قطعیت، ایسا اشتعال ایسی اٹھی ہوئی گردن یہ قیس کے پاس کیوں نہیں تھا؟''کیا سوچ رہے ہو، چلو اس سے پہلے کہ اسے پتہ چل جائے اور تم پہ رکھی پستول اگلی بار چل جائے۔''

وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش چپ چاپ۔ اس نے واصف کو برباد کیا تھا وہ رویا تھا گڑگڑایا تھا، اس نے خالق حسین کو مارا تھا وہ آخری لمحے تک رحم کی بھیک مانگتا رہا تھا۔ اس نے اپنے ہی ماموں کو قتل کیا تھا لیکن انکی آنکھوں میں بھی کچھ تھا کہ قیس کو وہاں اپنی ہی جیت نظر آئی۔ انیسہ، میرہ، ڈھائی سال قبل کی زینیا، بختیار، مقصود ہر کوئی اسکے سامنے ڈھے گیا تھا، یہ کون تھی؟ کیوں اسکی گردن نہیں جھکتی تھی، کیوں آنکھ نیچی نہیں ہوتی تھی، کیوں اسے ہرا کر وہ شاہ نہیں بن سکا۔ کیوں خمار ادھورا تھا، فتح کیوں نامکمل تھی؟ اسے وجدان ہوا کہ کیوں۔

''تم سہی کہتی ہو۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولا۔ ''مہرے کب کے میرے خلاف ہو چکے، لیکن کیا میں ہار گیا ہوں؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا یا خود سے؟ ''اس زندگی میں نہیں۔'' اس نے خود ہی تردید کی۔ ''مہرے بے وفا ہی ہوتے ہیں۔'' جیسے تسلیم کیا ہو۔

''یعنی تم کھیل چھوڑ رہے ہو؟''

''میں کھیل بدل رہا ہوں۔'' وہ دو قدم آگے آیا، سایہ ایک بار پھر اسکا تھا۔ دھوپ میں ایک بار پھر اسکا وجود واضح تھا۔ ''میں اب تاش کھیلوں گا اور میرے پاس ترپ کا پتہ ہے۔''

''اور میں تمھارے اس گھٹیا کھیل کا کونسا حصہ ہوں؟''

''تم؟'' وہ جیسے اسے پہچانتا ہی نہ ہو۔ ''تمھیں چھوڑ دیا، خود کو چن لیا۔ تم جاؤ، چلی جاؤ۔'' وہ ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''یہ آخری موقع ہے میں دوبارہ کبھی تمہارے کسی جنون کا حصہ نہیں بنوں گی۔''

''ضرورت ہی نہیں رہی۔ جاؤ، یہاں سے جاؤ۔''

زینیا چند لمحے وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ گئی۔ اسکے بیگ میں پڑا موبائل تھرتھرا رہا تھا موبائل پرس سے نکال کر چہرے کے آگے کیا تو مہدی کمبیر کالنگ کے الفاظ جگمگائے۔ آنسو بہہ نکلے، وہ اس راہداری میں قیس کمبیر کو تنہا چھوڑے جا رہی تھی۔ وہاں جہاں اسے جانا تھا جہاں اسکا سکون تھا اسکی متاع حیات تھی۔

دوسری طرف خلاف توقع اسکی گردن اٹھی ہوئی تھی۔آنکھوں میں بھی کوئی تاثر تھا جسے فتح کا نام دینا غلط نہ ہو گا۔ترپ کا پتہ اسے واقعی مل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیفے کی سبز سفید دیواروں پہ لگی رنگین مصوری سے نگاہیں ہٹا کر گلاس وال کے ساتھ رکھی میز کے گرد دیکھو تو وہاں آمنے سامنے دو لوگ بیٹھے تھے۔شیزل کی بھنویں بھینچی ہوئی تھیں۔اسکی ٹھنڈی کافی اب گرم ہو رہی تھی۔وہ گلاس وال سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''اسے تمہیں ٹیکسٹ کرنے کا وقت مل گیا۔عدالتیں بھگتانے کا وقت بھی مل گیا بس مجھ سے ملنے نہیں آ سکی۔''نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی زبان سے شکوہ ہوا۔ڈھائی برس نگاہوں کے سامنے گھوم گئے ہر ہر لمحہ یاد آیا۔اسے آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے کوئی اگر یاد نہ آیا تو کیا صرف شیزل تھی؟

''اس کے گھر کے معملات کا تو تمھیں علم ہو گا ہی، کیا لگتا ہے اسکے لئے آسان ہے یہ جھیلنا مارجن دینا سیکھو یار۔اور ایک میچیور دوستی میں اسپیس ضروری چیز ہوتی ہے تم دونوں اب بچیاں تو ہو نہیں کہ ہوم ورک لکھ کر وہ تمھیں کالز ملاتی رہے۔''وہ ہر دفع کی طرح غیر آرامدہ انداز میں کرسی پہ بیٹھا تھا۔نگاہوں میں سنجیدگی تھی۔

''میں اسکی شکایت نہیں کر رہی۔''وہ نروٹھے پن سے بولی۔''لیکن بس ایک ٹیکسٹ کر دیتی۔''

''تم بھی تو کر سکتی تھیں۔''

''تم میرے منگیتر ہو یا اس کے؟''وہ جیسے سلگی تھی۔وریام بیگ بے اسے دیکھا اور اختیار ہنس پڑا۔اس نے پہلی بار ان دونوں کی منگنی کا ذکر یوں کیا تھا جیسے حق جتایا ہو۔وہ اعتراف کرنا چاہتا تھا کہ اسے اچھا لگا ہے۔''اور تم یہ مت سمجھو کہ میں اسکی برائی کر رہی ہوں مجھے بس برا لگا ہے اس لئے تمھیں بتا رہی ہوں۔''

''اچھا اگر تمہیں برا لگ رہا ہے تو تم مجھے کیوں بتا رہی ہو؟''کہنی میز پہ رکھے ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ ایک مسئلہ ہے اور تم عوامی مسائل حل کرنے والے۔''

''یہاں کیفے میں بیٹھ کر؟''

''میرے مسائل تو تمھیں جہنم میں بیٹھ کر بھی حل کرنے ہوں گے۔''

''آپ کے مسائل تو آنکھوں پہ۔اچھا بتاؤ کیا کرنا ہے؟ بلکہ یار اسے وقت دو وہ آجائے گی خود تم مجھے یہ بتاؤ ابا چاہ رہے ہیں شادی کی تاریخ فکس کریں کب آئیں ہم؟'' وہ ہنوز مٹھی تلے ٹھوڑی ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ابا چاہ رہے ہیں یا ابا کا بیٹا؟''

''خواہش ابا کے بیٹے کی ہے کہیں گے ابا کیونکہ بیٹا ذرا مشرقی اقدار کا پاس رکھنے والا ہے۔''

''تم پوری فلم ہو، وریام۔'' شیزل سارے میں پہلی بار مسکرائی۔

''اور تم نے صرف ٹریلر دیکھے ہیں۔''

''فلم ویسے بھی میری ہے۔''

''پورے حق کے ساتھ۔'' سینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''خیر میں تمھیں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میں شادی کے بعد کام نہیں کرنا چاہتی، میں جاب چھوڑ دوں گی تم کماؤ گے اور میں اڑاؤں گی قبول ہے؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ ''اور یہ میں اپنے لئے کر رہی ہوں کیونکہ مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ سامنے والا میری ذمہ داری نہیں لے گا لیکن تم اچھے آدمی ہو تم میری ذمہ داری لے سکتے ہو۔ لو گے ناں؟''

وریام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں میں مان تھا جسے شیزل نے پڑھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ دونوں کیفے سے باہر نکل رہے تھے ایک لمحے کے لئے شیزل ٹھٹھک گئی۔ کئی لمحے وہ سانس لئے بغیر سامنے دیکھتی رہی۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔ ہمیشہ کی طرح گریس فل، نفیس، باوقار۔ وقت نے اسکے چہرے کی سنجیدگی کو نرم تاثر دے دیا تھا۔ شیزل کے لئے وہ ڈھائی سال درمیان سے سرک گئے۔

''اب تم دونوں دوستانہ پارٹ ٹو کی شوٹنگ کر لو میں تمھیں کال کروں گا۔'' وہ کہہ کر نکل گیا۔

شیزل چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ہوئی اسکی طرف جا رہی تھی۔ زینیا نے گاڑی کی ٹیک چھوڑ دی۔ دونوں کو بیک وقت بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

ہاسٹل، دوستی، محبتیں، نفرت، دوستی۔

ہاسٹل کی بالکنی میں وہ دونوں ایک ساتھ فرش پہ لیٹی تھیں۔ ہنس رہی تھیں، گوسپ عروج پہ تھی۔

میس میں سے چوری چھپے کھانا نکالنا، شیزل کا کتابیں پڑھنا زینیا کو کہانی سنانا، زینیا کا غصہ ڈھٹائی، شیزل کی نان سیریئس طبیعت، مگر وقت پڑنے پہ اچھے مشورے دینا۔

وہ دونوں اب ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں۔ کتنے ہی لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد زینیا نے آگے بڑھ اسے گلے لگایا۔ اسکے کندھے پہ ٹھوڑی رکھے آنکھیں بند کر لیں۔ شیزل نے اپنے بازو سختی سے اسکے گرد باندھے نہ جانے کیوں آنکھیں بھر آئی تھیں۔ دونوں کئی لمحے بغیر کچھ کہے ایک دوسرے کے قریب کھڑی رہیں۔ پھر زینیا نے چپ کا یہ روزہ توڑا۔

"مجھے دیر ہو گئی آئی ایم سوری۔"

"میرے علاوہ کوئی دوست تو نہیں بنائے؟"

"تمھارے علاوہ کس نے برداشت کرنا تھا؟"

شیزل مسکرائی اور اسے اوپر اٹھا لیا پھر اسے گول گول گھمانے لگی۔ لوگ انہیں دیکھ کر پاگل پن کا لقب دے رہے تھے، لوگوں نے کہاں کسی کی زندگی جی ہوتی ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہونٹوں سے چھو لو تم، میرا گیت امر کر دو۔

بن جاؤ میت میری، میری پریت امر کر دو۔"

اسٹیریو میں بجتے گانے نے اسٹڈی کے ماحول میں سوگواری کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ روشنیاں قدرے مدھم تھیں۔ کھڑکی کے آگے رکھی میز کے اوپر دو جدید فانوس لٹک رہے تھے جن سے پھوٹتی زرد روشنی گھنگھریالے بالوں والے آدمی کے نیم رخ پہ پڑ رہی تھی۔ میز کی ایک طرف اسکا سایہ لمبا ہو رہا تھا۔ میز کے آس پاس کاغذ مڑے تڑے پڑے تھے۔ سیاہی کی دوات سامنے رکھے اور قلم انگلیوں کے درمیان پھنسائے اس نے گہری، لمبی، تکان زدہ سانس اندر کھینچی۔ پھر سر جھکا دیا، یوں کرنے پہ اسکے بال ماتھے پہ گرنے لگے۔ آرٹسٹ کی لمبی گندمی انگلیاں بھورے کاغذ پہ چلنے لگیں۔ سیاہ رنگ کی روشنائی سے اس نے کچھ لکھا۔

"تمھارے نام، یعنی محبت کے نام۔"

اذان کی آواز سے اسکی نیند ٹوٹی۔ کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں بستر پہ پڑے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ سے ٹٹولا تو اسکا ہاتھ موبائل سے ٹکرایا۔ مندی مندی آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ یہ فجر کا وقت ہے۔ صبح خیز آدمی اٹھ بیٹھا۔ کئی لمحے بستر پہ پڑا رہا۔ پھر واش روم میں جا کر بند ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بالکنی میں کھڑا تھا۔ بالکنی کے عین نیچے لان کی گھاس پہ جائے نماز بچھائے وہ دراز قد لڑکی سجدے میں جھک رہی تھی۔ چند ثانیے بعد اس نے شہادت کی انگلی اٹھائی پھر سلام پھیرا۔ قیس محویت سے اسے تکتا رہا۔ کتنی پر سکون تھی ناں وہ؟ وہ نمازیں نہیں پڑھتا تھا اسے لگتا تھا اسے کیا ضرورت مانگنے کی؟ اور مانگنے پہ وہ کونسا اسکی سن لیتا ہے؟ مگر وہ نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کو بہت غور سے دیکھا کرتا تھا۔ وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی اسی لمحے قیس نے اپنی ہتھیلیاں چہرے کے سامنے کیں۔ پھر ہنس دیا۔

"ایک جیسی تو ہیں، پھر اسکے پاس سب اور میرے پاس کچھ نہیں ایسا کیوں؟" نگاہیں اٹھا کر سرمئی آسمان کو دیکھا جو ہلکا ہلکا نیلا پڑ رہا تھا۔ "کاش میں آپ کا فیورٹ ہوتا۔"

وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سرمئی نائٹ سوٹ میں ملبوس آدمی کمرے سے نکل کر نیچے کی طرف آیا۔ اسے نماز نہیں پڑھنی تھی، اسے خدا کو یاد نہیں کرنا تھا جب وہ اسے اسکی مرضی کی چیزیں نہیں دے گا تو قیس اسکے سامنے نہیں جھکے گا یہ اسکے ذہن کے فیصلے تھے۔ اٹل تھے۔ غلط تھے بالکل غلط۔

وہ کچن میں چولہے کے آگے کھڑی تھی۔ساس پین میں دودھ تھا جس میں اب وہ پتی ڈال رہی تھی۔اسی لمحے وہ دروازے کی چوکھٹ میں نمودار ہوا۔چند لمحے اسکی پشت پہ کھڑے وہ اسے دیکھتا رہا۔آج وہ آگے نہیں گیا،کچھ تھا جس نے اسے فاصلہ رکھنے پہ مجبور کیا تھا۔وہ اسے ملکیت اور محبت سمجھ کر قریب رہتا تھا اب شاید وہ دونوں نہیں تھی۔۔کئی لمحے وہ خاموش رہا،پھر خالی باورچی خانے میں اسکی آواز گونجی۔

''تم خوش ہو؟''

اس آواز پہ بھی وہ پلٹی نہیں۔ابلتی ہوئی چائے کو دیکھتی رہی۔''شادی خوشی کی ضمانت نہیں ہوتی،مطمئن کرتی ہے یا پھر غیر مطمئن۔میں مطمئن ہوں۔''

''کیا میں تمھیں تنگ کرتا ہوں؟''

''ہاں۔''الائچی توڑ کر چائے میں ڈالی۔ذہن میں صرف ایک بات تھی اگر یہ چائے وہ مہدی کے آنے پہ اسے پلائے تو کیا یہ اسے پسند آئے گی؟

''تم کیا چاہتی ہو میں کیا کروں کہ تم مجھ سے گلے چھوڑ دو؟''بازو سینے پہ باندھے سوال کیا۔

''تمھیں میرے گلے شکوؤں سے بے نیاز رہنا چاہیے۔''

''اوکے جو تم کہو۔''وہ جو جواباً کچھ سخت سننے کو تیار تھی اسکے اس سادہ جواب پہ ایک لمحے کو ٹھٹھکی۔پھر گہری سانس لے کر اسٹینڈ سے دو مگ اتار کر سنک پہ رکھے۔''یہ بتاؤ تم خوش کیسے ہوتی ہو؟''زینیا چپ رہی۔''تم جانتی ہو ناں میں جواب سنے بغیر کہیں نہیں جا رہا کیوں خود کو مشکل میں ڈالتی ہو؟''

''محبت زاویے بدلتی ہے اب میں تب خوش ہوتی ہوں جب وہ خوش رہتا ہے۔تم کب اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو گے؟''وہ کوفت زدہ انداز میں پوچھ بیٹھی۔

''تم اس گھر میں رہو اور میں تمہیں اگنور کروں ایسا ہو سکتا ہے؟کیا کسی دور میں میں تم سے بے نیاز ہو سکتا ہوں؟''

چائے کپ میں ڈال کر وہ پلٹی۔ ''کچھ طوفان آتے ہیں انسان کی متاع حیات لے جاتے ہیں اور پیچھے وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں ایک موقع ایسا آتا ہے جب اپنے سامنے وہ کچھ ایسے حالات دیکھتا ہے جن سے نہ وہ موو آن کر سکتا ہے نہ انہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ نظر چرا سکتا ہے۔ یہ ہر انسان کا امتحان ہوتا ہے میں اپنا امتحان پاس کر کے آئی ہوں یہ تمہاری باری ہے۔'' وہ ایک بار پھر اسکی طرف پشت کر چکی تھی۔ ''پلیز موو آن کرو، قیس۔''

''تمھیں میری فکر ہے؟''

''نہیں، مجھے میری فکر ہے میں روز روز تم سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ تمھیں دیکھ کر مجھے سب یاد آتا ہے اور مجھے بہت برا لگتا ہے۔ میں زندگی کے ہر منفی اثر سے باہر آنا چاہتی ہوں اور تم میرا منفی چارج جو جسے میں پیچھے چھوڑ کر آئی ہوں اور اب آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔''

قیس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ ''یعنی تم مجھے نہیں دیکھنا چاہتیں میری وجہ سے تمہارا موڈ خراب ہوتا ہے، میں تمہاری زندگی کا منفی چارج ہوں، میری وجہ سے تمہاری شادی شدہ زندگی میں مسائل ہیں اور تم چاہتی ہو میں ہر وہ کام چھوڑ دوں جس سے تمہاری زندگی میں مداخلت ہوتی ہے؟'' وہ کسی ایسے بچے کی طرح لگ رہا تھا جسے ماں نے کوئی سبق رٹایا ہو اور وہ اپنے کسی ساتھی طالب علم کو وہی رٹا رٹایا سبق سنا رہا ہو۔ معصوم نہ ہو تو۔

زنیا کچھ کہہ نہیں سکی بس میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اوکے جو تم کہو آج کے بعد تمھیں میری وجہ سے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔''

زنیا حاکم کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ قیس کی آنکھوں میں کوئی پرانا اور شناسا تاثر پڑھ سکتی تھی۔ وہی جو اسکی vibe تھا۔ بلکل وہی جو اکتیس دسمبر کی رات اسکی آنکھوں میں تھا۔ اسکی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ اتر آئی۔ وہ کچھ کرنے والا تھا شاید نہیں یقیناً۔

''تم کیا کرنے والے ہو؟'' خدشہ، خوف، خشمگین نگاہیں۔ قیس اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا، دروازے کی ٹیک چھوڑی اور آگے آیا۔

''تم سے موو آن۔''

''اور؟''

''اور کیا؟'' چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ انجان بنا۔

''تمھارے پاس لینے کو اب کوئی جان نہیں ہے، قیس...... تم کسی کو مار نہیں سکتے اگر تم نے کسی کو مارنے کی کوشش کی تو میں.... ''

''میرے پاس ترپ کا پتہ ہے۔''

''مجھے سچ سچ بتاؤ تم کیا کر رہے ہو؟'' وہ خوف زدہ تھی، اسے اب ہونا بھی چاہیے تھا۔

''خود کو آزاد کر رہا ہوں۔ میں نے تمھیں چھوڑ کر خود کو چنا ہے۔'' چائے کا کپ لبوں سے لگایا اور برا سا منہ بنایا۔ ''بہت بری چائے ہے بہتری کی اشد ضرورت ہے۔'' وہ رخ موڑ کر دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ لبوں پہ کوئی گیت تھا، چال مسرور۔

''اگر تم نے کچھ غلط کیا تو میں تم سے حساب لوں گی۔''

''میں سامنے والے کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتا، مس حاکم۔'' چائے کا مگ ایک طرف اچھالتا وہ پلٹ کر اس پہ ایک بھی نگاہ ڈالے بغیر اپنے محل میں اسی شان سے چلتا گیا جو اسکا خاصہ تھی۔ محبت پہ لعنت بھیج کر آیا شخص آزاد تھا۔ اسکے پاس اب پر تھے، خار دار پر۔ جو چھوئے لہو روئے، قریب آئے تو زخم زخم ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو گیٹ پہ ایزل اور میرہ کھڑی تھیں۔ میران بری طرح رو رہا تھا اور میرہ اسے سنبھالنے میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔ زینیا کو آتے دیکھ وہ اسکی طرف مڑی۔

''سب ٹھیک ہے؟ میران کیوں رو رہا ہے؟'' اس نے کہتے ساتھ ہاتھ بڑھائے میرہ کے کندھے سے چمٹ کر روتے میران کو بازوؤں میں بھرا۔ صحت مند گول مٹول سا بچہ اور تیز رو رہا تھا۔

"کل رات سے اسکی طبیعت بہت خراب ہے مجھے تو اب ڈر لگ رہا ہے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اسے۔" وہ رو دینے کو تھی۔ چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "ایزل کے سکول میں PTM ہے وہاں جانا بھی بہت ضروری ہے۔"

زینیا میران کو بازو پہ ڈالے اب اسکے پیٹ کو ہلکے ہلکے سے چھو کر چیک کر رہی تھی۔ اسکا پیٹ کافی سخت تھا۔ اور یوں چھونے پہ اسے سکون آ رہا تھا۔ "مجھے لگتا ہے اسکا پیٹ خراب ہے آپ اسے ڈاکٹر کو دکھا آئیں۔ ایزل کے ساتھ میں چلی جاؤں گی۔" اسے پیٹ کے درد کے لئے مالش کرنی آتی تھی لیکن پرائے بچے پہ رسک لینا اسے غلط لگا۔ سو اس نے پیشکش بھی نہیں کی۔

"مجھے اپنی ماما کے ساتھ جانا ہے۔" میرہ سے پہلے ایزل نے ٹکا سا جواب دیا۔ اسی پل میران اور زور زور سے رونا شروع کر چکا تھا۔ ملازمین اب مڑ مڑ کر اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ اندرونی دروازے سے دفتر کے لئے تیار قیس بھی اسی طرف آ رہا تھا۔ اسکی آنکھیں دھوپ پڑنے پہ چھوٹی ہو رہی تھیں۔

"ایزل، بچے میں تمہاری ٹیچر سے بات کر لوں گی اس وقت تم آنٹی کے ساتھ چلی جاؤ ناں دیکھو بھائی کتنی بری طرح رو رہا ہے۔" میرہ نے اسے پچکارنا چاہا۔

وہ انکے قریب آ کر رکا۔ غالباً ساری بات وہ سن چکا تھا۔ "ایزل تم آنٹی کے ساتھ جاؤ گی۔ میرہ تم جاؤ اسکے ضروری سامان لے آؤ ہم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔" وہ میران کو اس سے لیتے ہوئے بولا۔ ایزل نے جواب دینے کو منہ کھولا مگر قیس کے سنجیدہ اور سپاٹ تاثرات دیکھ کر چپ رہی۔ البتہ اسکے چہرے سے عیاں تھا اسے یہ پیشکش یعنی حکم سخت کھلا ہے۔

"میں مینج کر لوں گی۔" میرہ منمنائی۔

"میں بھی وہی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میران کو کندھے پہ ڈالے اب وہ اسکی پیٹھ تھپتھپا رہا تھا۔ بچوں کے لئے وہ نرم پڑ ہی جاتا تھا۔ مزید کسی بحث کا ارادہ ترک کرتے میرہ اندر کی طرف چلی گئی۔ زینیا اور ایزل اسکول کے لئے روانہ ہو گئے۔

گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھے ہوئے ان دونوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ زینیا اپنے فون پہ شیزل کے پیغامات کے جواب دے رہی تھی اور ایزل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر ایک بار بھی زینیا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"اور بتاؤ تمہاری ٹیچر سے تمہاری مما کے بارے میں سچ کہوں یا جھوٹ؟" فون گود میں رکھتی وہ اسکی طرف متوجہ ہوئی۔

''جھوٹ۔ بلکل ویسا جیسا ممی بولتی ہیں۔''

''اور ممی کیا بولتی ہیں؟''

''یہی کہ ڈیڈ نیکسٹ ٹائم PTM میں ضرور آئیں گے۔''

''آ بھی سکتے ہیں۔ not a big deal''

ایزل نے مڑ کر اسکی طرف دیکھا۔انتہائی سنجیدگی سے یا پھر سرد مہری سے۔ ''ڈیڈ نے دوسری شادی کرلی ہے انکے پاس اب ہمارے لئے وقت نہیں ہے۔ شاید آپ نہیں جانتیں۔''

زینیا کی رنگت پھیکی پڑی۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا ہو۔اسے وہ وقت یاد آیا جب حاکم صاحب کے روابط ''باہر'' بڑھنے لگے تھے اماں اور ابا کے جھگڑے بڑھ گئے تھے۔اور ان دنوں وہ خوف زدہ رہتی تھی۔گھر اور خاندان ہر بچے کی happy place ہوتی ہے اور کئی بچوں نے اس ہیپی پلیس کو اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھا ہوتا ہے۔ایزل ان میں سے ایک تھی۔

''تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟'' زینیا کے براہ راست سول پہ بھی اس بچی کی آنکھوں کی بے خوفی کم نہ ہوئی۔وہ براہ راست اسے دیکھ رہی تھی۔

''ذرا بھی نہیں۔''

''تم تو بہت بہادر ہو سر عام اعتراف؟'' اب کے زینیا انگریزی میں بولی تھی۔

ایزل محب اگر اسکے چہرے پہ ناگواری یا پھر شرمساری دیکھنا چاہتی تھی تو وہ ناکام رہی۔زینیا حاکم مسکرا رہی تھی۔ایسے جیسے اسے فرق نہ پڑتا ہو۔

''آپ کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟''

''مجھے تم بہت پسند ہو۔''

''کیونکہ میں آپ کی بھانجی ہوں؟''

''کیونکہ تم ایک اچھی بچی ہو۔''

اب کے اسکی آنکھیں باقاعدہ چھوٹی ہوئی تھیں۔ وہ چند منٹ کے اندر اندر زینیا حاکم کے متعلق اپنے سارے اندازے غلط ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ نہیں اسے یہ نہیں دیکھنا تھا۔ وہ ایزل کی فیری ٹیل میں چڑیل کا کردار ادا کرتی آئی تھی اب وہ کوئی اور کردار کیسے لے سکتی تھی؟

''کیونکہ تم مجھے میرے جیسی لگتی ہو۔ میرے پی ٹی ایم میں بھی میرے ابا نہیں جایا کرتے تھے۔اماں کو جانے نہیں دیتے تھے۔''

''پھر؟''سبز آنکھوں والی بچی کی زبان سے بے اختیار پھسلا۔

''پھر کیا تھا؟ میں نے ایک بار اپنی ٹیچر کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ میرے اماں ابا نہیں آئیں گے کیونکہ وہ آنا نہیں چاہتے۔ آپ کو اگر کوئی شکایت ہے تو وہ مجھے لکھ کر دے دیں یا پھر مار لیں۔''

''پھر انہوں نے مارا؟''

''اونہوں...... میں نے خود کو اتنا پرفیکٹ بنالیا کہ اگلی بار ان کو مجھ سے کوئی شکایت ہوئی ہی نہیں۔'' کونج، بشر، مہدی، اسکے سب دوست ہر ایک کو لگتا تھا زینیا نے خود کو پرفیکٹ بنانے کے چکر میں خود کو سخت اور extreme بنا دیا ہے۔ کوئی اسکی کہانی نہیں جانتا تھا وہ کہانی جس میں اس نے یہ سب چنا نہیں تھا بلکہ مقدر میں مجبوری بن کر ملا تھا۔ ''بعض دفع ہمارے پیرنٹس ہیرو نہیں ہوتے۔ کچھ لکی بچوں کے پیرنٹس کی طرح ہمارے لئے ہر وقت موجود نہیں رہتے اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ برے تھے۔''

ہاں وہ صحیح کہہ رہی تھی کچھ بچوں کے لئے انکا خاندان سپورٹ سسٹم نہیں ہوتا۔ والدین ہر وقت موجود نہیں رہتے۔ ایسے بچے وقت سے پہلے بڑے ہو جاتے ہیں۔ کندھوں پہ اسکول بیگز کے ساتھ ذمہ داریاں بھی اٹھا لیتے ہیں اور گھر سے کھانے کے ٹفن کے ساتھ ''ٹراماز'' کا باکس بھی ساتھ لاتے ہیں۔ لیکن ان بچوں کو کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ آئندہ نسل پہ اسی ٹراما کی چھاپ چھوڑ دیں۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' اسکے چہرے پہ کوئی بچکانہ سی وحشت تھی۔ وہ اس عورت کے ساتھ بیٹھی تھی جس سے وہ نفرت کرتی تھی لیکن نفرت کا یہ خول تو چٹخ کر رہ گیا۔ چند منٹ کیا بس چند منٹ؟ شاید قیس کمبیر درست کہتا تھا کوئی زینیا حاکم سے ملے اور اسکا اسیر نہ ہو؟ یا تو اسکے پاس دل نہیں یا پھر کمبخت جھوٹا ہے۔

''ابھی کے لیے اتنا کافی ہے کچھ باتیں اگلی ملاقات کے لئے رکھیں؟''

''آپ کو غلط لگتا ہے ہم دوبارہ کبھی اکھٹے نہیں ہوں گے۔'' بلند اور بدتمیز لہجے میں کہہ کر وہ رخ موڑ گئی۔ زینیا کے لبوں پہ بلکل ویسی مسکراہٹ قائم رہی جو گاڑی میں بیٹھتے وقت تھی۔ وہ جذبات قابو کرنا سیکھ چکی تھی۔

دوسری طرف قیس کی گاڑی میں میرہ اور قیس پچھلی نشست پہ بیٹھے تھے۔ ڈرائیور گاڑی کو ہسپتال جانے کے راستے پہ گھما رہا تھا۔

''اگر یہ درد رات سے ہے تو تمھیں بتانا چاہیے تھا بچوں کے معملے میں لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔''

''تمھیں میرے بچوں کا سگا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں انہیں خود دیکھ سکتی ہوں۔'' میرہ رکھائی سے کہہ کر میران کو تھپکنے لگی تھی۔

''سگا تو میں ہوں اس لئے تم اس وقت میری گاڑی میں موجود ہو۔ ہاں کچھ وقت پہلے جو میں نے کیا تھا وہ بہت غلط تھا میں اسکے لئے معذرت کرتا ہوں۔ ہر انسان غلطیاں کرتا ہے مجھ سے بھی ہو گئی۔ اب پچھلے وقت میں جا کر میں سب ٹھیک تو نہیں کر سکتا ناں۔''

میرہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ یہ لب و لہجہ یہ بدلے ہوئے تیور، وہ آخر کن تیاریوں میں تھا؟ کاذب کے ہاتھ پہ کس کا خون لگنا تھا، نامہ اعمال اب کس سیاہ کاری کا اضافہ ہونا تھا؟

''تم نے مہدی اور زینیا کے ساتھ بھی غلط کیا ہے۔'' اپنی حیرت پہ قابو پاتے وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''کس کس سے معافیاں مانگتے رہو گے؟''

''زینیا اور تم سے معافی مانگ چکا ہوں۔ مہدی اور میں بھائی ہیں ہمارا معاملہ ہم خود دیکھ لیں گے، تم اپنا بتاؤ معاف کیا؟''

''کیوں معافی مانگ رہے ہو؟'' وہ محتاط ہوئی۔ میران کو سینے میں بھینچ لیا۔

''باقیوں کے لئے مختلف وجوہات ہیں تمہارے لئے مختلف۔''

''میرے لئے کیا وجہ ہے؟''

''مجھے میری واحد دوست واپس چاہیے۔''

''تمہیں نہیں لگتا دیر ہو گئی ہے؟'' اسکا لہجہ نم تھا۔ نگاہوں میں تکان تھی۔ کچھ پرانے گلے بھی تھے۔

''دیر نہیں ہوئی بس وقت بدل گیا ہے۔ پہلے میں تم جیسی بچی کو سنبھالتا تھا اب تمہارے بچوں کو سنبھالتا ہوں۔''

میرہ گیلی آنکھوں سے بے ساختہ ہنس دی۔ قیس کے لب بھی ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔ بلا خر کثافتیں ڈھل رہی تھیں۔ ان دونوں نے کبھی نہ کبھی قریب آ ہی جانا تھا۔

''تم تو ان بچوں کے باپ کو بھی سنبھال چکے ہو۔'' اسکا اشارہ اس دن کی طرف تھا جب قیس ہاکی اور بلوں سے محب کے جسم کی ہر ہڈی توڑ کر آیا تھا۔ محب کی وہ حالت یاد کر کے وہ دونوں ایک ساتھ ہنسے تھے۔

''یہ مہدی کا آئیڈیا تھا تمھیں میرا تو پتہ ہے مجھے صرف پستول کی زبان سمجھانی آتی ہے لیکن مہدی نے کہا کہ اس بار ہم اسے صرف دھمکا کر آئیں گے۔ وہ الگ گاڑی میں آنے والا تھا میں پہلے پہنچ گیا اور وہاں محب کے کوئی نو دس دوست تھے۔'' اس وقت کو یاد کر کے وہ گہرا مسکراتے ہوئے محظوظ انداز میں بتا رہا تھا۔ اسکے چہرے سے عیاں تھا اپنی بہن کی پسند کو پیٹ کر آنے کے بعد وہ کتنا خوش تھا۔ ''میں نے مہدی کا انتظار کئے بغیر محب کو مارا تھا۔ اسکے جو دوست بیچ میں آئے میں نے انکو بھی مارا۔ مجھے نہیں پتہ میرے پاس اتنی طاقت کہاں سے آئی لیکن میں دونوں ہاتھوں سے انہیں مار رہا تھا۔ محب کی وقت تک مہدی آ گیا تھا۔''

''وہ پورے ایک مہینہ ہسپتال میں داخل رہا تھا۔'' میرہ نے اسے ملامت کرنی چاہی۔

''کسی غیرت مند مرد کی بہن سے رابطے بڑھائے گا تو یہی ہو گا۔''

اس واقعے کے بعد سے کچھ تلخ یادیں بھی تھیں جنہیں ان دونوں نے قصداً نہیں چھیڑا۔

''تمھارے دو بچوں اور انکے باپ کو سنبھالنے کے بعد بھی مجھے لگتا ہے تم ان سب سے چھوٹی بچی ہو۔ میرا دماغ گھما کر رکھ دیتی ہو۔'' وہ اب میرہ کو دیکھتے اسے تنگ کر رہا تھا۔ ''تم نے تو مجھے تھپڑ بھی مارے ہیں، میرہ سرور کمبیر۔ یہ اجازت آج تک کسی کو بھی نہیں ملی۔''

''تم نے کارنامے بندوق مارنے والے کئے تھے، عبداللہ زمان کمبیر۔''

''مار دیتیں، تمھارے سارے گلے ختم۔'' سڑک پہ نظریں جمائے فراخ دلی سے آفر دی۔

سویا ہوا میران جاگ گیا تھا۔ اور دوبارہ رونے لگا تھا۔ میرہ اسے تھپکنے لگی تھی۔ ہسپتال کے دروازے پہ قیس نے گاڑی روکی۔ پھر میرہ کی طرف سے آکر اسکا دروازہ کھولا۔ میران کو اس سے لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر میران کو چیک کر رہا تھا قیس کی پوری توجہ بچے کی طرف تھی اور میرہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اب کے انداز کچھ مشکوک تھا۔

''تم کیا کرنے والے ہو ویسے؟''

قیس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''میں؟..... میں کیا کر رہا ہوں؟''

''یہ تو مجھے تم بتاؤ گے۔''

''میں اپنے بھانجے کو ہسپتال لے کر آیا ہوں اسکا علاج کروا رہا ہوں اسکے بعد قیسم جاؤں گا اور کیا کر رہا ہوں؟'' وہ جیسے متعجب ہوا ہو۔ (اداکار)

''میں اس بارے میں بات نہیں کر رہی۔ یہ معافیاں، یہ تعلقات کی درستگی یہ سب کیا ہے؟''

''character development'' وہ مسکرایا۔

''عبداللہ زمان تمھارے ذہن میں کیا خرافات پک رہی ہے؟'' اب کے وہ ذرا زور سے بولی ایسے کہ ڈاکٹر نے انہیں پلٹ کر دیکھا۔ قیس کو خفت سی ہوئی البتہ میرہ اسے انہی مشکوک نظروں سے دیکھتی رہی قیس ذرا سا آگے کو ہوا، رخ اسکی طرف پھیرا۔ آواز دھیمی رکھی۔

''میں بہت نقصان کر چکا ہوں اپنا بھی اور تم سب کا بھی۔ اپنی obsession کے پیچھے خود کو خوار بھی کروادیا ورنہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں بہت نوبل اور اعلیٰ تھا۔ اپنے مقام سے میں اس لئے نیچے آیا کہ شاید اسے روبرو دکھائی دوں لیکن نہیں مسئلہ میرا نہ نظر آنا نہیں تھا مسئلہ اسکی نگاہ تھی جس کے منظر بدل گئے تھے۔ اب کوئی خود کو عرش پہ رکھے اور میں اسکے فرش پہ ایڑھیاں رگڑوں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں اسے پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ بس یہی کر رہا ہوں میں۔''

میرہ کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔ سر پہ لٹکتی تلوار جیسے ہٹ گئی ہو۔ ''کیا واقعی ایسا ہے؟ کیا ہم سب نارمل ہو رہے ہیں؟'' وہ بے یقین تھی۔

''آف کورس.....'' قیس نے گود میں رکھا اسکا ہاتھ نرمی سے تھپکا۔ پھر پلٹ کر ڈاکٹر کو دیکھا۔ اب وہ ڈاکٹر سے کچھ کہہ رہا تھا آوازیں معدوم ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہاں ہزاروں لوگوں کا مجمع تھا۔ کراچی کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں طلباء کا جم غفیر جمع تھا۔ سفید کمرے نے اسکی زندگی سے لوگ چھینے تھے۔ وہ لوگ جو مہدی کو ''فیسینیٹ'' کیا کرتے تھے۔ ڈھائی برس وہ اپنے محبوب شوق سے دور رہا تھا کیونکہ اسکے اندر خلفشار تھا۔ وہ بسمل تھا ایسا بسمل جس نے اپنی ذات کے زخم خود تک رکھے، انکی نوکیں اٹھا اٹھا کر لوگوں کو زخمی نہیں کیا اور آج جب اسکی روح تندرست تھی تب وہ ''لوگوں'' کے پاس لوٹ آیا تھا۔

''میں نے آپ سب کو مس کیا ہے۔'' مائیک چہرے کے قریب لاتے، مجمعے پہ نگاہیں جمائے اسکے لبوں سے سب سے پہلے یہی الفاظ ادا ہوئے۔ لوگوں کا شور بڑھ گیا۔ زیادہ، بہت زیادہ، حد سے زیادہ۔ مہدی کو خاموش ہونا پڑا۔ لوگ اسے بولنے نہیں دے رہے تھے، کیونکہ وہ اپنی بے قراری بتا رہے تھے۔ ''مجھے لگا تھا میں کبھی آپ کے سامنے اس طرح کھڑا نہیں ہو سکوں گا، کبھی ....'' اسے خاموش ہونا پڑا لوگ چیخ چیخ کر اسکی موجودگی کو سراہ رہے تھے۔ انکے ہاتھوں میں بینرز تھے جن پہ لوگ دلی کیفیات لکھ کر آئے تھے۔ لوگوں نے اسے مس کیا تھا۔ یہ مقام، یہ عزت اسے اللہ نے دی تھی۔

''اللہ نے مجھ پہ بڑے کرم کئیے ہیں اتنے کہ میں ساری زندگی سجدہ شکر ادا کروں لیکن جو آج اس وقت آپ سب کے سامنے کھڑے ہو کر ملا ہے میں اس احساس کا شکریہ ساری زندگی ادا نہیں کر سکوں گا۔''اسکی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔اسے دیکھتے، سنتے لوگوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ مہدی سرور کمبیر نے اپنی زندگی میں لاکھوں زخمی روحوں پہ مرہم رکھا تھا اور آج وہ سب اسے اسکا عطیہ واپس کر رہے تھے۔''اس''کی مخلوق کے ساتھ کیا ہر اچھا سلوک وہ یاد رکھتا ہے۔

''زندگی کی شروعات کبھی بھی ہماری مرضی سے نہیں ہوتی ہے لیکن ''انت'' پہ ہمارا کچھ کچھ اختیار ہوتا ہے۔اپنے انت پہ بھی اور اپنے سے جڑے لوگوں کے انت پہ بھی۔''مائیک ہاتھ میں تھامے اس نے کہنا شروع کیا تو لوگ ہمیشہ کی طرح دم سادھ گئے، احتراماً خاموش ہو گئے، روح کے کانوں سے اسے سننے لگے۔

''انسان پہ زندگی میں بہت برے برے دور آتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے کہ نہ رونے سے حل نکلتا ہے نہ دعاؤں سے، نہ کسی قسم کی طاقت آزمائی سے، نہ تعلقات کام آتے ہیں اور نہ جان مار نا کسی کھاتے میں آتا ہے۔ایسے میں انسان دو طرح کی رد عمل دیتا ہے یا تو تو وہ ہر طرح سے ہمت ہار جاتا ہے یا پھر وہ بیچ کے راستے نکالتا ہے لیکن انسان slow and steady process بھول گیا ہے۔دعائیں یوں کام نہیں کرتیں کہ یہاں آپ نے کچھ مانگا اور یہاں فوراً سے وہ دعا قبول ہو گئی۔''وہ ہمیشہ کی طرح اسٹیج کے اختتامی حصے پہ پیر لٹکائے بیٹھ گیا۔ایک ٹانگ لٹکائے گھٹنہ موڑے وہ اپنے لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''دعائیں آہستہ آہستہ کام کرتی ہیں، آپ کا عمل فوراً سے کام نہیں آجاتا، آپ کے تعلقات ہمیشہ اٹھ کر آپ کا کام نہیں کر دیتے ایسے میں انسان اپنے انت میں کچھ ایسا کر دیتا ہے کہ اسے بعد میں خود ہی پچھتانا پڑتا ہے۔اس لئے انسان کو عمل سے پہلے ایک بار سوچنا چاہیے اب آپ کہیں گے ہم نے سوچا تو تھا۔ نہیں بھئی ویسے نہیں سوچنا جیسے خرگوش نے سوچا تھا کہ یار یہ کچھوا خود ہیلمٹ پہن کر گھوم رہا ہے اس نے میرا کیا بگاڑ لینا ہے۔ بلکہ کچھوے کی طرح سوچنا ہے کہ ''سفر''ضروری ہے۔ خرگوش جیتنے کے لئے دوڑا تھا کچھوا اپنے لئے۔اسکی جوتی کو بھی فرق نہ پڑتا اگر وہ ہار جاتا وہ دوبارہ شیر کے ساتھ جا کر ریس لگا لیتا۔''

لوگ ہنس رہے تھے، مسکراہٹیں انکے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھیں۔ مہدی بھی مسکرا رہا تھا۔ جلتی بجھتی فلیش لائٹس میں اسکا چہرہ دمک رہا تھا۔

''خرگوش انا اور غرور کے ساتھ بھاگا تھا۔ جیت کے خمار اور زعم میں۔ اسکے لئے جیت مقصود تھی ہار تو اسکے منہ پہ ایکس کے تھپڑ کی طرح لگی کیوں لگی جانتے ہیں؟ کیونکہ اسکی تکنیک غلط تھی۔ سب سمجھتے ہیں وہ غرور کی وجہ سے ہارا۔ ...... ایسا نہیں ہے۔ وہ کچھوے کی سپیڈ دیکھ رہا تھا بلکل ایسے جیسے ہم اپنی زندگی کے مسائل چھوڑ دوسروں کی آسودگی دیکھتے ہیں۔ خود ترسی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یا پھر ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ہم سے کمتر ہیں پھر سوچتے ہیں یہ بھی تو زندگی گزار رہے ہیں ناں؟ کیا ہو گیا اگر میں بھی طرح برے گریڈز میں رہ لوں، ٹاکسک تعلق ہے تو کیا ہو گیا، اور بری دوستی ہے تو چلنے دیتے ہیں۔

اس سب میں وہ ''سرور'' کہاں ہے جس کے پیچھے کچھوا بھاگا تھا؟ کیا چیز تھا وہ کیسی خود اعتمادی اور بے نیازی تھی اس میں؟ اسے اپنے انت سے جیت نہیں کوشش چاہیے تھی۔ جنگل کے سارے جانور ظاہر ہے ہوٹنگ کرنے ہی آئے تھے اور ساری ہوٹنگ کچھوے کے خلاف ہی ہونی تھی۔ لیکن وہ چلتا رہا کیونکہ اسے خود پہ اعتماد تھا ایسا اعتماد کہاں سے آئے؟ میں بتاؤں؟'' اس نے آواز دھیمی کر لی۔ لوگ اسکا جواب جاننے کے لئے شور کرنے لگے۔

''ایسا اعتماد ''بغاوت'' سے آتا ہے۔ ملک و قوم سے بغاوت ایک الگ چیز ہے یہ بغاوت معاشرے کے نام نہاد اقداروں سے ہے جنہوں نے کچھوے کو بتایا کہ تم نہیں جیت سکتے، اور انہی اقداروں نے خرگوش کو بتایا کہ تم فاتح ہو۔ کمزور کو مذید کمزور، اور طاقت ور کو مذید طاقت ور بنانے والے یہی غلط اقدار ہیں۔ ان سے بغاوت ضروری ہے۔ میں آج ہر اس غلط اقدار سے بغاوت کا اعلان کرتا ہوں جو غیرت کے نام پہ عورت قتل کرتے ہیں میں بتاؤں کیوں؟

''کہانی سنا دیتا ہوں۔'' وہ پچکارنے کے انداز میں بولا۔ ''ایک آدمی تھا جس کے دو بچے تھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ بیٹا ایک دن گاؤں کے نمبر دار کے لڑکے سے لڑ کر آیا اور پھر اسے جان سے مار بھی دیا۔ گھر آیا باپ کو سارا قصہ سنایا باپ کو یقین تھا اونچی ذات اور اونچے رتبے کے وہ لوگ یقیناً اسکے بیٹے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اسکی نظر چولہے میں لکڑیاں ڈالتی بیٹی پہ پڑی۔ آدمی نے بیٹے سے کہا بندوق اٹھاؤ اور بہن کو جا کر مار دو۔ بیٹا ہتھے سے اکھڑ گیا۔ مگر باپ نے اسے کچھ سمجھایا، سارا جوش ٹھنڈا، اور بہن سے محبت ایک طرف ہو گئی۔ وہ چپ ہو گیا۔

شام تک سارے گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ لڑکے نے نمبر داروں کے بیٹے کو ''غیرت'' کے نام پہ قتل کیا۔'' سارے میں پن ڈراپ سائلنس چھا گیا۔ لوگ جیسے چند لمحوں کے لئے بولنا بھول گئے ہوں۔ ''غیرت کے نام پہ ہونے والے تمام قتل ایسے سازشی

نہیں ہوتے لیکن اسی فیصد قتل صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ فلاں سے تعصب کا بدلا لیا جائے،دیت کے نام پہ زمین ہتھیائی جائے۔بیٹیاں غیرت کی نہیں عدم اعتمادی کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں بغاوت اب ضروری ہے۔مان اور اعتماد ضروری ہے۔بیٹی کی مرضی اسکی شادی میں بہت بہت بہت ضروری ہے۔''

مجمع جیسے غفلت سے جاگا ہو۔لوگ اب شور کر کے اسکی بات اور موجودگی کو ایک بار پھر سراہ رہے تھے۔وہ سن رہا تھا،سنجیدہ نگاہیں لوگوں پہ ہی جمی تھیں۔

''میں ہر اس رسم ورواج سے باغی ہوں جو عورت کو حق نہیں دیتا یہ غیرت،حیا کی پاسداری نہیں ہے یہ خوف ہے معاشرے کا بڑا حصہ عورت کو آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انکو اپنے پیچھے رہ جانے کا غم ہے۔کالا گورا،خوبصورت،بد صورت،برا ماضی،تابناک ماضی،روشن حال،پسماندہ حال،ٹوٹی شادی،کامیاب شادی ہمارے لئے ہر مسئلہ گوسپ کا معملہ ہے۔کیونکہ ہم سب جنگل کے وہی جانور ہیں جو ریس کورس کے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔اپنی کہانی کو بھاڑ میں جھونک کر ہم خرگوش اور کچھوے کے مسئلے میں پڑے ہوئے ہیں۔اندر سے ہم vulnerable ہیں۔ہمارے اندر کم اعتماد ہے۔وہ کیوں ہے؟

ہم اندر سے لوگوں کی کامیابی سے جلتے ہیں۔ہاں ہاں ہم نہیں جلنا چاہتے لیکن پھر بھی کچھ ہے ہمارے اندر جو کسی کو کامیاب بنتے دیکھ کر بری طرح کھلتا ہے۔لوگ شادی کرتے ہیں تو انکے میک اپ اور جیولری سے جلن ہوتی ہے۔ no offense لیکن کئی بار انکے پارٹنر سے بھی۔''وہ کہہ کر ہنسا تو لوگ بھی ہنس پڑے۔''لوگوں کا کیریئر بھی ہمیں انسکیور کرتا ہے کیونکہ ہم اپنی زندگی کے مرکزی کردار نہیں ہیں۔''اس نے جیسے بہت پتے کی بات بتائی ہو۔''میں نے کہا ناں ہم ریس کورس کے دائیں بائیں کھڑے جانور ہیں ہم کچھوا نہیں ہیں جو اعتماد سے اور شان بے نیازی سے دنیا کے تمام غیر روایتی اقدار پہ لعنت بھیجتے کندھے کڑا کر بھاگ رہا تھا۔اسکے لئے باقی سب غیر اہم تھا آپ کے لئے بھی ہونے لگے گا جب آپ دنیا کے غلط کو غلط اور درست کو درست کہنا شروع کریں گے۔یہ اعتماد آپ کو تب نصیب ہو گا جب آپ اپنے فیصلے لیں گے اور اپنا انت ویسا بنائیں گے جیسا آپ چاہتے ہیں۔''میں باغی ہوں''ہر غلط اقدار،رسم،سوچ،روایت،اصول،دوستی،محبت،رشتے داری ہر جگہ ہر تعلق میں ہر غلط بات پہ بس یہ تین لفظ کہنا شروع کر دیں۔''

وہ دیکھ سکتا تھا کچھ چہروں پہ مایوسی ہے۔کچھ پہ یاسیت ایسے جیسے انکا وقت گزر گیا ہو۔مگر اسکے پاس انکے لئے بھی حل تھا۔

"اگر اپنی زندگی میں اپنا انت تبدیل کرنے کا وقت گزر گیا ہے تو ان لوگوں پہ دھیان دیں جو آپ کے ماضی کا عکس ہیں۔ ہوں گے آپ کے قریب کچھ ایسے لوگ جن کو آپ کی ضرورت ہو گی، جنہیں آپ کے مشورے چاہیے ہوں گے اور آپ کی مدد بھی۔ خاص طور پہ آپ کا اپنا بچہ۔ خدارا اسے مقابلے بازی اور جیتنے والی ریس میں مت بھگائیں۔ اسکی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پہ خوش ہونا سیکھیں اور اپنے بچے کے معملے میں ہواؤں پہ بھی یقین نہ کریں۔ ساری کہانی ہی parenting کی ہے۔ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے اور پہلا بااعتماد قدم باپ چلاتا ہے۔ غور کریں پلیز۔"

اسٹیج پہ کھڑا شخص اب الوداعی جملے کہہ رہا تھا۔ لوگ جو ہمیشہ اسے سننے آئے تھے وہ آج بھی سن رہے تھے۔ اسکی واپسی کئی لوگوں کی دلی آرزو بن کر پوری ہوئی تھی۔ اسکی آخری سطر کہانی کا نچوڑ تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کہانی اسے دوبارہ اس طرح لوگوں کے درمیان کھڑے ہونے کا موقع نہیں دے گی، کہانی اس سے بہت کچھ چھیننے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ عمر کی سیما ہو، نہ جنم کا ہو بندھن، جب پیار کرے کوئی کوئی، تو دیکھے کیول من۔

نئی ریت چلا کر تم، یہ ریت امر کر دو۔"

جگجیت سنگھ کا گانا اب بھی بج رہا تھا۔

"تمھیں پتہ ہے مجھے لوگوں سے بڑا شکوہ ہے۔" کاغذ پہ چلتی قلم کی نوک زندگی کی داستان درج کر رہی تھی۔ "لوگ مجھے ایسے جج کرتے ہیں جیسے خود جنت کے دربان رہے ہوں۔ اگر انہوں نے کندھوں پہ آدھے خاندان کی لاشیں اٹھائی ہوں تب میں ان سے پوچھتا کس طرح یہ لوگ دولت اور طاقت ہونے کے باوجود اپنے باپ، ماں، بہن بھائی، چچا کے قتل معاف کرتے ہیں۔ معاف وہ کرتا ہے جس میں انتقام لینے کی طاقت نہیں ہوتی۔ فرعون صرف وہ نہیں بنتا جسے موقع نہیں ملتا۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ سیاہی اسکی انگلیوں کے درمیان لگ گئی تھی۔

"خاندان کی موت آجائے ناں تو انسان ٹوٹ جاتا ہے اور جب وہ موت "قتل" ہو تب وہ ٹوٹا انسان کانچ بن جاتا ہے جو قریب آئے گا زخمی ہو گا۔ جانتی ہو مجھ پہ کیا گزری تھی؟.......... چلو نہیں جانتی شاید محسوس بھی نہیں کر سکتی لیکن ایک بار یہ سوچو تمہارا

آدھے سے زیادہ خاندان کسی نے تمہاری آنکھوں کے آگے مار دیا۔ پھر کسی نے تمھیں پائی پائی کے لئے ترسایا، کیا تم قاتلوں کی اولاد سے محبت کر سکتی ہو؟ یا پھر غاصبین کو معاف کر سکتی ہو؟ کوئی تمھیں ناحق مارتا، تم اسے بخش دیتیں؟

آنکھیں بند کرو اور بتاؤ کیا تم ایسا کرتیں؟''

''کیسی بیوی ہو شوہر دو دن بعد گھر آ رہا ہے مجھے لینے ایئرپورٹ ہی آ جاتیں۔'' وہ آس پاس دیکھتے ہوئے مایوس ہوا تھا۔ وہ بس اسے جلد از جلد دیکھ لینا چاہتا تھا۔ نئ نئ شادی کے نخرے۔

''ایئرپورٹس سے میرا ذاتی مسئلہ ہے نہ لینے آؤں گی نہ چھوڑنے۔''

''میرے ساتھ چلنے کی حامی ہی بھر لیتیں۔'' وہ بیگ کندھے پہ درست کرتے ہنوز متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھتا رہا۔

''آپ نے آفر بھی تو نہیں کی۔''

''تمھارے تیور......'' اسکے الفاظ اسکے منہ میں ہی رہ گئے۔ وہ فون کان سے لگائے ذرا سے فاصلے پہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ لباس پیروں کو چھوتا ہوا زمرد جیسا سبز۔ اسکے بال ہوا سے اڑ رہے تھے۔

''میں نے سوچا آپ کو کوئی تحفہ دوں پھر سوچا میں خود کسی تحفے سے کم ہوں کیا؟'' اسکے بالوں کی لٹیں چہرے پہ گر رہی تھیں۔ بغیر میک اپ کے شفاف چہرہ لیکن وہ اسے دیکھ کر نہیں تھما تھا۔ اسکے عین عقب میں سیاہ شرٹ اور سیاہ ہی پینٹ میں ملبوس دراز قد فیشن ڈیزائنر کھڑا تھا۔ مہدی کے پیروں میں جیسے زنجیر سی بندھ گئی ہو۔ ایک ساتھ کئی منظر آنکھوں کے آگے گھوم گئے۔ جن پہ اسکا کوئی اختیار نہیں تھا۔

''انسان کے بچے بن کر رہنا ورنہ گردن توڑ دوں گا۔''

اسے پہلی بار سیاحت کے لئے ایئرپورٹ چھوڑتے وقت قیس نے اس سے کہا تھا۔ اس نے مہدی کے بیگ میں کپڑے خود ڈالے تھے، جوتے، گھڑیاں، بٹوہ، پیسے، موبائل ایک ایک چیز اس نے خود ترتیب دی تھی۔

''ایک بات اور۔۔۔۔''اس نے آس پاس دیکھا اور اسکے قریب آکر رکا۔''میں نے کچھ انتظام کر دیا ہے ایک لائسنس یافتہ پسٹل ہے لیکن وہ تمھیں یہاں نہیں ملے گی میرا ایک جاننے والا ہے جیسے ہی تم ایئرپورٹ سے اپنے ہوٹل جاؤ گے گن تمھیں مل جائے گی۔ حفاظت کے لئے ہتھیار ضروری ہوتا ہے۔''

مہدی نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔''میرے بھائی میں ٹریول کرنے جا رہا ہوں جنگ لڑنے نہیں مجھے کوئی گن نہیں چاہیے۔اپنے خرافاتی ذہن کو سلا دو۔''

''تکلیف کیا ہے آخر؟''وہ برہمی سے گرجا۔''تمہیں کچھ ہوا پھر؟ میں کس سے جا کر پوچھوں گا؟ کم از کم اپنی حفاظت کے لئے تو کچھ ہونا چاہیے ناں۔''

مہدی جواباً کچھ کہہ رہا تھا۔ قیس مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ مگر منظر شیشے کی طرح ٹوٹ گیا۔نازک کانچ اسکی انگلیوں کے ساتھ دل میں بھی کھبا تھا۔

''تم فکر مت کرو میں سب سیٹ کر دوں گا۔ تمہیں زیادہ زخم لگا ہے کیا؟ اگر پیسے ختم تھے تو بتایا کیوں نہیں؟''آخر میں وہ ایک بار پھر طیش میں آگیا۔ دوسری طرف انجان ملک میں خالی سڑک پہ کھڑا وہ ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ فون بند کر گیا۔

قیس کمبیر نے کس طرح اسکے کاغذات کا مسئلہ حل کیا تھا،اسے پیسے پہنچائے پھر بغیر پاسپورٹ، ویزہ اور اور آئی ڈی کارڈ کے اسے ٹریٹمنٹ دلوایا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ اس سارے وقت میں مہدی نے اگر کسی کو یاد کیا تھا تو خدا کے بعد قیس کو یاد کیا تھا۔ کسی سے امید رکھی تھی تو وہ بھی قیس ہی تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کئی سال بعد سفید کمرے میں قید وہ اگر کسی کو پہلی بار یاد کرے گا تو وہ بھی قیس ہی ہو گا۔

''کوئی بات نہیں ہے ایسا ہوتا رہتا ہے۔''اسکی واپسی پہ وہ اسے ہمیشہ کی طرح ایئرپورٹ پہ ملا تھا اور اس بار بے زاری سے گلے لگانے کی بجائے محبت سے گلے لگایا تھا اور اپنے چھوٹے بھائی کو تسلی دی تھی۔اس بار وہ کئی دن تک کسی بات پہ اس سے خفا بھی نہیں ہوا تھا۔''لوگ تو لٹ لٹا کر آجاتے ہیں تم نے تو ہمت کی ہے کپڑے اور جوتے بچا کر لائے ہو۔''اسکے کندھے پہ ہاتھ پھیلائے ساتھ

چلتے ہوئے تسلی دی۔ وہ ہر بار ہی دیا کرتا تھا۔ بارہ سالہ بچے کو اس نے جس احتیاط سے پالا تھا تیئیس سال کے ہونے تک وہ توجہ اور احتیاط کم نہیں ہوا تھا۔

لوگ اس سے پوچھتے تھے وہ قیس کمبیر کی ہر بات کیوں سہ جاتا ہے مہدی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ قیس کمبیر نے اسکے لئے کیا کیا سہا تھا؟ کوئی نفرت، کوئی سانحہ، کوئی طوفان انکے درمیان دائمی جدائی نہیں لا سکتا تھا۔ ناممکن۔

"ایسی عورتوں سے دور رہو تمھیں پھانسنا چاہتی ہے وہ۔"

"میں اسکے گھر نہیں جا رہا، قیس...... وہ گروپ میں شامل ہے میں اسے نکال نہیں سکتا۔" کپڑے باندھتے وہ کچھ جھنجھلایا۔

"اگر تم کوئی اسکینڈل ساتھ لے کر آئے تو تمہیں زندہ دفنا دوں گا۔"

مہدی نے ٹھہر کر بے بسی سے اسے دیکھا۔ محبت جتانے کے یہ انداز اسے کس نے سکھا دیئے تھے؟

"مجھے ایئرپورٹ چھوڑنے تم چلو گے۔" پیکنگ پہ واپس دھیان دیتے اس نے حکم نامہ جاری کیا۔

"ہاں بالکل تمھارے باپ کا خادم خاص ہوں ناں؟"

گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھتے ہوئے قیس نے کچھ سونگھا۔ پھر مہدی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ انداز مشکوک تھا۔ "میرے احترام میں سیگریٹ بجھاتے ہو یا میرے ڈر سے؟"

"ڈرتا میں کسی سے نہیں ہوں۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا۔ "شاید احترام کرتا ہوں۔"

"اتنا ہی احترام ہے تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"جس دن تم مجھ سے نفرت کرنا چھوڑ دو گے اس دن میں سیگریٹ چھوڑ دوں گا۔" ناممکن سی بات کی تھی اس نے۔

"یعنی اس زندگی میں نہیں چھوڑو گے؟" قیس نے بظاہر نارمل انداز میں کہا تھا مگر مہدی کے دل پہ کوئی بھاری سا پتھر بہت زور سے آ لگا تھا۔ وہ چپ ہو گیا اور پھر سارے راستے وہ کچھ بولا نہیں۔ ان دنوں وہ جلدی ہمت ہار دیا کرتا تھا۔

آج وہ کئی برس بعد پہلے کی طرح آیا تھا۔ مہدی یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی اور کے لئے آیا ہوگا اونہوں وہ دونوں ایک دوسرے کی پرچھائی تھے۔ سایہ کب کس طرف پلٹے گا یہ علم ہوتا ہے۔ اس نے قیس کو نظرانداز کرتے قدم آگے بڑھائے اور زینیا کے سامنے آکر رکا۔ بدقت مسکرایا۔

''آپ سرپرائز ہوئے ہیں یا شاکڈ؟''

''دونوں۔''

وہ اسکے کندھے کے پیچھے اسے دیکھ رہا تھا جس نے ایک پل کے لئے بھی مہدی سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ زینیا نے چونک کر اسکی نظروں کے ارتکاز پہ پلٹ کر دیکھا اور وہ ٹھٹھکی۔ اس نے اب بھی زینیا کو نہیں دیکھا تھا۔

''آپ نے بلایا ہے؟'' وہ تحیر زدہ سی مڑی۔

''میرے شاک سے، اور ہمارے کچھ دن پہلے والے یارانے سے تمھیں کیا لگتا ہے؟''

''مجھے آپ دونوں کی سمجھ نہیں آتی۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ کرن ارجن کے حصہ دوئم کی شوٹنگ براہ راست دیکھوں یا گھر جاؤں؟'' اسکا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا۔ قیس ڈھیٹوں کی طرح اپنی جگہ پہ جما کھڑا تھا۔ مہدی نے اس سے نگاہ ہٹا کر زینیا کو دیکھا۔ انداز غیر آرام دہ تھا۔

''میں تو پیدائشی زن مرید ہوں جو آپ کہیں سر تسلیم خم۔'' وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے میں بشاشیت نہ پیدا کر سکا۔

اسی لمحے قیس اسکی طرف بڑھا۔ کسی مسافر کی آنکھوں پہ چڑھے چشمے کے عدسوں میں زینیا اسے اپنی طرف آتے دیکھ سکتی تھی۔ اس نے کندھے ڈھیلے چھوڑے۔ چہرے کا تناؤ ختم ہوا کہ کم اندازہ نہیں تھا۔

''گھر آکر مجھ سے فری ہونے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے، اور کھانا اپنے ارجُن کے ساتھ کھا کر آیئے گا میں آپ کے انتظار میں نہیں بیٹھوں گی۔'' اسے برا لگا تھا بہت برا۔ وہ اسے مس کرتی رہی تھی، گھر سے اسکے ساتھ کھانا کھانے کا منصوبہ بنا کر آئی تھی اور اب سب خراب۔

''آئی لو یو ٹو۔'' مہدی نے دھیرے سے سر گوشی کی۔ زینیا سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس طرف بڑھ گئی جہاں انکی گاڑی کھڑی تھی اور ڈرائیور بھی۔ مہدی نے ڈرائیور کو قریب بلایا اور اسے چند ہدایات دیں۔ وہ سر ہلا کر پلٹ گیا۔ گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھی لڑکی کو وہ ہاتھ ہلاتے، مسکراتے ہوئے زیر لب بائے کہہ رہا تھا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی تو وہ قیس کی طرف آیا۔ تاثرات فوراً سخت ہو گئے تھے۔

''میں تمھارے طعنے اور طنز سننے کے لئے گھر آ سکتا تھا تم نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی۔'' اس نے قیس کے قریب رک کر اکھڑے اکھڑے انداز میں پوچھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔

''میرا دل کیا میں تمہیں لینے آؤں ویسے جیسے پہلے آیا کرتا تھا۔''

''پہلے مجھے اچھا لگتا تھا اب نہیں لگا۔''

''کیونکہ اس بار مجھے اچھا لگا ہے۔''

مہدی نے گہری سانس لی۔ خود کو کچھ سخت سست کہنے سے روکا۔

''تمہاری وجہ سے میری بیوی ناراض ہو کر گئی ہے، نائٹ میئر۔''

''میں بھی اپنی پہلی بیوی (قیسم) کو پس پشت ڈال کر تمھارے لئے آتا رہا ہوں۔''

''حساب لو گے؟''

''یہ واحد چیز ہے جو میں چھوڑتا نہیں۔''

''کیا کہنا ہے جلدی کہو؟'' اسکا انداز جان چھڑوانے والا تھا۔

''لمبی بات ہے دونوں بھائی کہیں مل کر بیٹھیں؟''

کوئی وقت تھا جب مہدی اسکے ایسے الفاظ کے لئے ترستا اور ایک یہ دور تھا اسکا کہا ہر لفظ کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ مگر کچھ کہ اس انسان کو وہ منع نہیں کر سکا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک ساتھ باہر جا رہے تھے۔ آوازیں مدھم تھیں، چہرے غیر واضح اور پہیلی غیر حل شدہ۔ کاتب تقدیر کے ارادے کیا تھے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کے سائے کمبیر محل پہ اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ گھر کے اندر داخل ہوئی انیسہ اسے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ لان میں بیٹھی نظر آئی۔ وہ صدا کی آدم بیزار انہیں نظر انداز کرتی انکی نظروں سے بچتی بچاتی اوپری منزل کی طرف چلی گئی، ہاں البتہ اس نے کچھ وقت میران کے ساتھ ضرور گزارا تھا جس کی طبعیت اب قدرے بہتر تھی۔ اور وہ کھلکھلا کر ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اسے کچھ بتا بھی رہا تھا۔

مقصود کمبیر کے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ ہلکا سا کھلا رہنے دیا۔ بتیاں جلائیں۔ اور روم فریشنر سے کمرے میں دواؤں کی بو کا گلہ گھونٹا۔ یہ اسکا روز کا معمول تھا۔

''آپ کی اور اس پلنگ کی دوستی میں آج ذرا خلل ڈالتے ہیں۔'' لبوں پہ مہربان مسکراہٹ سجائے وہ انکی الماری کی طرف بڑھ گئی۔ اسکا چہرہ دیکھ اسکی آواز سن مقصود کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ انکے حلق سے غراہٹ کی صورت کچھ آوازیں نکلنے لگیں تھیں۔ کھڑکی سے پردے ہٹاتے زینیا ایک لمحے کے لئے جیسے ساکت ہوئی ہو۔ وہ اکھڑ، جلالی مرد وہ کہاں گیا؟ سر جھٹکتے وہ دوبارہ کام میں لگ گئی۔

''میں آپ کو ایک کتاب پڑھ کر سناؤں گی اور آج آپ کی بات اماں سے بھی کرواؤں گی۔'' پردے ہٹے تو کمرے سے جیسے حبس ختم ہوا تھا۔ مقصود جواب میں ایک بار پھر کوئی آواز نکال رہے تھے جسے زینیا کوئی مفہوم نہیں پہنا سکی۔ بس عبداللہ سے نفرت کا گراف اوپر چلا گیا۔ ''میں نے آپ کے لئے ایک بہت اچھے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی ہے ہم پرسوں جا رہے ہیں۔'' کتاب لا کر وہ انکے قریب آ کر بیٹھی۔ سہارا دے کر انہیں ٹیک لگا کر بٹھایا۔ اپنے ساتھ لائے ہوئے لیپ ٹاپ پہ کوئی کال ملائی اور دوسری طرف رابطہ ملنے کا انتظار کرتی رہی۔

"آپ کچھ لکھ سکتے ہیں؟" اسکی نظریں لیپ ٹاپ پہ جھکی رہیں۔ معذور، بیمار انسان سے محفل میں نہ سہی اکیلے میں اسکی بیماری پہ نارمل انداز میں بات کر لینی چاہئے۔ "فزیو تھیراپسٹ کو آپ بھگا دیتے ہیں ایسے تو نہیں چلے گا۔"

وہ اب ناگواری سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے شاید اسکے لکھنے کی بات کرنے پہ وہ سیخ پا ہوئے تھے۔ انکا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میں آپ سے ہمدردی کرنے نہیں آئی، ماموں۔ آپ کا نچلا دھڑ بری طرح متاثر ہے میں جانتی ہوں لیکن۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " زینیا نے انکے دائیں بازو پہ ہاتھ رکھا۔ "یہ کام کرتا ہے اس سے کام لیں آپ کے جلے کٹے، نروٹھے جواب پسند تھے مجھے۔" کال کٹ گئی تھی شاید دوسری طرف انٹرنیٹ کا مسئلہ تھا۔ "آپ کا دایاں ہاتھ لکھ سکتا ہے میں جانتی ہوں۔ لکھیں یار۔"

میز سے رائٹنگ پیڈ اور پین اٹھا کر اس نے مقصود کے آگے کیا۔ خود وہ نوٹ پیڈ پکڑے ہوئے سامنے بیٹھی رہی۔ اسکی آنکھوں میں نمی سی جھلک رہی تھی۔ مقصود وہ انسان تھے جس نے اسے سڑک پہ ہراساں کرتے بالاج کو جھڑکا تھا۔ اسے کئی دفع درست سمت دکھائی تھی، کسی تعلق اور جذباتی وابستگی کا علم نہ ہوتے ہوئے بھی اس سے جڑے رہے۔ وہ کئی لمحے انکے سامنے بیٹھی رہی مگر انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ وہ ناراض ہو رہے تھے۔ شاید نہیں یقیناً۔

اسی پل دوسری طرف سے کال آنے لگی تھی۔ زینیا نے انکی ہٹ دھرمی پہ نوٹ پیڈ واپس رکھ دیا اور کال اٹینڈ کی۔ سکرین کے فریم میں امینہ بیگم اور کونج نظر آ رہے تھے۔ لیپ ٹاپ زینیا کی گود میں رکھا تھا۔ مقصود بری طرح غیر آرام دہ ہوئے تھے۔

"اماں آپ نے کہا تھا آپ چکر لگائیں گی آپ آئی کیوں نہیں؟" رسمی احوال کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"بچے بس ایک دو دن میں بشر اور میں آئیں گے۔ تمھارے ابا کی طبیعت نہیں ٹھیک تھی۔"

"یار انکو سمجھالو، زینی یہ مجھے ہمیشہ گول کر جاتی ہیں۔ مجھے بھی آنا ہے۔" کونج کا اختلاف ابھرا۔

"اماں آپ اور بشر آئیں، باقی اضافی لوگوں کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اگر یہ لوگ مجھے نہیں لائے تو میں سید ھا مہدی بھائی کو کال کروں گی اور اگلے ہی دن انکے ساتھ آؤں گی۔" وہ روہانسی ہوتی انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں اور تمھارے مہدی بھائی تو بھاگے بھاگے آئیں گے ناں؟ گھر سے فرار رہنے کے انکو موقعے ہی چاہیے ہوتے ہیں۔'' خفگی دوبارہ عود کر آئی۔ ''خیر اماں آپ ان سے بات کریں۔'' اس نے مقصود کے سختی سے غرانے کے باوجود سکرین کا رخ انکی طرف کر دیا تھا (ڈھیٹ یونو)۔

کچھ لمحوں کے لئے وہ دونوں ہی ساکت رہ گئے تھے۔ یہ لمحہ دونوں کے لئے ہی غیر متوقع تھا۔ امینہ بیگم اپنے چھوٹے بھائی کو کتنے برسوں کے بعد دیکھ رہی تھیں اگر گنتیں تو انگلیوں کے پورے ختم ہو جاتے، فاصلہ اور تکلیف ختم نہ ہوتی۔ وہ بغیر سانس لئے، پلکیں جھپکے بنا یک ٹک سکرین کو تک رہی تھیں۔

''مقصود....... '' دھیرے سے، لرزتے لہجے میں پکارا۔ '' یہ تم ہو مقصود؟ اوہ خدایا مقصود یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میرا بھائی..... میرا بھائی.. کونج، بشریٰ یہ دیکھو یہ میرا بھائی ہے..... میرا بھائی۔'' سکرین کے پار ان کے اوپر ہسٹریائی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ ''تم کیسے ہو یہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ یہ کس نے کیا.... زینی یہ تمھارے ماموں کو کیا ہوا ہے اللہ..... میرا بھائی۔''

وہ رو رہی تھیں، ہنس بھی رہی تھیں۔ اپنے بچوں کو بلا بلا کر انہیں وہ چہرہ وہ انسان دکھا رہی تھیں جسے اپنے ہاتھوں سے پالا تھا۔ مقصود کتنے ہی لمحے سکرین کو دیکھتے رہے انہیں اندازہ نہیں تھا۔ سامنے نظر آنے والا چہرہ وہ فربہہ سی عورت ان سے کیا کہہ رہی تھی وہ کچھ نہیں سن رہے تھے۔ بہت عرصے بعد وہ بس پتھرائی نظروں سے اس عورت کو دیکھ رہے تھے جس نے انہیں ماں سے زیادہ پیار دیا تھا۔ عبداللہ زمان کو اگر لگتا تھا وقت اسکے ساتھ ظالم تھا تو اسے یہ منظر دکھایا جائے جس میں دو بہن بھائی وقت کی ایک دہائی بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''مقصود یہ کیا ہو گیا ہے تمھیں؟''

وہ روئے جاتیں اور اپنے بھائی کو ایک عرصہ بعد سامنے دیکھ انکے بول نہ پانے کا غم دل میں رکھے جاتیں۔ زینیا چپ چاپ سی ایک طرف بیٹھی تھی۔ بس اپنے ناخن کھرچتی ہوئی وہ خاموش بیٹھی رہی۔

اسی پل مقصود نے ہاتھ بڑھا کر کھٹ سے سکرین گرادی۔اسی ہاتھ سے جواب بھی کام کرتا تھا۔وہ آہیں، سسکیاں،انہیں گھٹن ہونے لگی تھی۔آنکھیں بند کیے وہ پلنگ کے تاج کے ساتھ ٹیک لگا گئے۔بند آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر کنپٹی میں جذب ہوا۔کرخت تاثرات میں دراڑ پڑ گئی تھی۔

''کچھ کہیں گے نہیں؟'' بہت دیر بعد زینیا نے پوچھا۔

انہوں نے بند آنکھوں سے ہاتھ بڑھایا۔زینیا نے پلنگ پہ رکھا نوٹ پیڈ انکی طرف بڑھایا۔مقصود نے آنکھیں کھولیں اور بہت مشکل سے ہی سہی ایک سطر اس کاغذ پہ گھسیٹ ڈالی۔

''عبداللہ سے دور رہو،جو اس نے بگاڑا ہے اسے درست مت کرو۔تمھیں مہنگا پڑے گا۔''

اس نے پہلے کاغذ پہ لکھے الفاظ دیکھے پھر مقصود کو دیکھا۔ڈھائی سال نے انہیں اتنا کب بدلا کہ وہ اسے سامنا کرنے کی بجائے پیچھے ہٹنے کا کہہ رہے تھے؟

''پہلے بھی یہی کیا آپ نے جو وہ کرنا چاہتا تھا اسے کرنے دیا،اب بھی وہی کر رہے ہیں آپ سب۔انیسہ کو اس نے طلاق کروائی تو اب وہ طلاق یافتہ رہنا چاہتی ہے۔آپ کو معذور کیا تو آپ اسی معذوری کو سینے سے لگا کر بیٹھے ہیں لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔عبداللہ خدا کا بندہ ہے،خدا بننے کی کوشش کرے گا تو کم از کم زینیا حاکم اس کے اس دعوے پہ لعنت بھیجے گی۔وقت کے فرعون کے آگے جھکنے والی گردن کم از کم میری نہیں ہو گی۔مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے اور یہ بات میں اسے ہر روز بتاؤں گی۔''

اس نے صاف دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔لمبے گہرے سانس لئے،مقصود چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔انکے حلق سے اب کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''ایسے مت دیکھیں،میں آج بھی اتنی ہی ڈھیٹ اور ہڈ حرام ہوں۔لکڑ ہضم،پتھر ہضم۔''

اب وہ کتاب کھول کر کچھ پڑھ رہی تھی۔ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی پیش کر رہی تھی۔مقصود اسے بتانا چاہتے تھے انہیں کتاب نہیں سننی ایک عرصہ ہوا نہ کوئی فساد کروایا نہ دیکھا،ذرا اس قسم کے قصے سنائے جائیں لیکن فلحال وہ چپ چاپ اسے سنتے رہے۔ان قصوں کی باری بھی آئے گی۔انکی بھانجی انہیں مایوس نہیں کرے گی۔

کمبیر محل پہ اتری رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاروں سے جڑ کر لگے زرد آرائشی بلب aesthetic سامنظر پیش کر رہے تھے۔آس پاس رش اور گہما گہمی تھی۔ان روشنوں کے عین نیچے رکھے موڑھوں پہ مہدی کمبیر اور قیس کمبیر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں رکھی میز پہ چائے کے کپ دھرے تھے جن سے بھاپ اڑ رہی تھی۔کئی مناظر، کئی تخیل اسی بھاپ میں کہیں تحلیل ہو رہے تھے۔وہ دونوں چپ تھے،ایسے جیسے قوت گویائی ایک محدود مدت کر لئے سلب ہو کر رہ گئی ہو۔کسی دور میں شاید ان کے درمیان لمبے لمبے مکالمے ہوتے ہوں۔معدوم ہوتی بھاپ نے قیس لگایا۔پھر بھلا اب کیا معاملات ہوئے؟مائع کو تجسس ہوا۔

''جانتے ہو، مہدی انسان کیسا ہوتا ہے؟''کپ کے سرے پہ انگلی پھیرتے ہوئے اس نے مہدی کو دیکھے بغیر پوچھا تھا۔''انسان اس دنیا کا باسی نہیں ہے۔اسکا اصل ٹھکانہ جنت تھا جہاں سے اسے نکالا گیا۔جینز کا اثر ہوتا ہے اس بات پہ یقین رکھتے ہو ناں؟''

مہدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا،وہ چائے بھی نہیں پی رہا تھا۔اسکا سارا دھیان سامنے لگا تھا۔جہاں بڑے سے چولہے پہ چائے کا دیگچا چڑھائے ایک چھبیس،ستائیس سالہ لڑکا چائے کے چمچ سے چائے اوپر نیچے کر رہا تھا۔وہ ہاتھ کا اوپر جانا،پھر دھار کا واپس اسی دیگچے میں گرنا،پتی کا کھولنا اور اطراف میں بلبلے بننا۔چائے اشرف المشروبات یونہی نہیں اسکا بننا بھی آرٹ ہے۔

''ہم اس دنیا سے نہیں ہمارا گھر کوئی اور تھا سزا یا امتحان ہم یہاں جس لئے بھی آئے ہوں ہماری جینز میں کچھ غیر آرام دہ سا شامل ہے۔''وہ رکا۔چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ذائقہ اسے کچھ خاص پسند نہیں آیا، جیسی چائے زینیا بنواتی تھی اسکی بات الگ تھی۔''جب میں تم سب کو لے کر اسلام آباد آیا تھا تو میری جینز میں وہی ٹھاٹھ باٹھ تھے جو مجھے میرے ابا سے ملے تھے اور جنہیں میں نے زندگی کے سولہ سال تک دیکھا۔عورت کے سولہ سال مختلف ہوتے ہیں۔کھیل، گڑیا، نخرے،اور شاید اس دوران کچھ خوابوں کا ٹوٹ جانا۔مرد کی زندگی کے پہلے سولہ سال سارا معاشرہ اسے ''مرد'' بننے کی تلقین کرتا ہے۔اور سب کے حساب سے مرد نا قابل تسخیر ہوتا ہے۔عورت کو سولہ سال تجربے ملتے ہیں مرد کو اشارے، باتیں، ذمہ داریاں۔سولہ سال کی عمر میں اسکا مرد بننے کا عمل ہوتا ہے۔اس عمر کے بعد وہ بچہ، لڑکا نہیں رہتا اس عمر کے بعد وہ مرد ہوتا ہے۔جس سے ہر طرح کی امید لگائی گئی ہوتی ہے۔اس سانحے کے وقت میری عمر سولہ سال سے اوپر تھی۔وہ مرد بننے کا وقت تھا، مہدی۔''

مہدی یکسوئی سے اسے سن رہا تھا۔ چائے کی مہک اور دیسی کھانوں کی خوشبوئیں ہر طرف تھیں۔ چھوٹے سے ڈھابے پہ زندگی پر رونق تھی۔ اسکی نگاہیں اب بھی وہیں تھیں جہاں اب چائے والا آدمی ایک پوری طشت سجائے چھوٹے لڑکے کو تھمار ہا تھا۔ لڑکا مسکرا رہا تھا۔ چائے والے نے اسکے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھا۔ مہدی کو بارہ سالہ انس سرور یاد آیا۔

''تمہاری جینز میں شاید سادگی، بے فکری اور معاف کر دینے جیسے عظیم جراثیم موجود تھے لیکن میرے بابا اور اماں کا ان جذبوں سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ پھر جو مجھے ملا وہ ذمہ داریاں، بوجھ، تھے۔ گھر کا بڑا بیٹا ہونا آسان نہیں ہوتا۔ نسل در نسل ملنے والے ٹراماز کا بڑا حصہ آپ کی جھولی میں آجاتا ہے۔''

اسکی آنکھوں نے دیکھا کہ اس بچے سے باقی ملازمین زیادہ خوش نہیں تھے۔ ایک نے چائے کا طشت اٹھاتے دیکھ ناگواری سے رخ موڑا تھا اور دوسرا لب بھینچ گیا۔ شاید وہ انکے حصے کی ٹِپ لے جاتا تھا۔

''میرے حصے میں وہ آیا جس کی نہ مجھے تمنا تھی نہ ضرورت، لیکن جو مجھے ملا میں نے اسے تم لوگوں تک نہیں آنے دیا۔ گھر کا بڑا بچہ حفاظتی شیلڈ کی طرح اپنے سے چھوٹوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے میں بھی تمھارے آگے کھڑا تھا۔'' مہدی نے نگاہیں موڑ کر اسے اس نظر سے دیکھا جس میں کئی کرچیاں تھیں۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا ایک لمبے عرصے تک وہ اسی مہربان کی وجہ سے اپنی ماں کے خلاف سنتا رہا، سیلف ڈاؤٹ کا شکار رہا، بے جا ظلم برداشت کئے وہ بس اسے بتانا چاہتا تھا کہ ہر شخص مختلف محاذوں پہ لڑتا رہتا ہے۔ مہدی کمبیر بھی لڑا تھا۔ گھر کا بڑا بیٹا ہونا مشکل ہے تو گھر کا چھوٹا بیٹا ہونا اس سے زیادہ مشکل کیونکہ اس سے امید لگائی جاتی ہے وہ بڑے بیٹے جیسا بنے گا۔ ''مجھے ایسے مت دیکھو تم نے وہ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا۔''

''لیکن تم نے وہ سب بہت مزے سے دیکھا جو میرے ساتھ ہوا۔ میں تمہارا گلٹی پلیژر، اور پنچنگ بیگ تھا۔''

''وہ ماضی تھا۔'' قیس تحمل اور رسان سے بولا۔ ''ماضی میں تو فرشتے تم بھی نہیں تھے۔''

مہدی نے سر جھٹکا اور رخ موڑ لیا۔ وہ موڑھے پہ بیٹھا تھا، قیس کی بات سن رہا تھا لیکن اسکا دل وہیں ایئرپورٹ پہ رہ گیا تھا۔ وہ یقینا ناراض ہوئی ہوگی۔ کا وہ اسکے لئے پھول لے کر جائے؟

''انتقام، قتل، معاف نہ کر پانا یہ سب میرے اوصاف نہیں تھے یہ ان چاہا تحفہ تھا جس پہ میرا اختیار نہیں تھا۔ یہ قدرت تھی۔''

یعنی اب قیس کمبیر کے گنہگاروں میں قدرت بھی شامل ہوگئی؟ ماشاءاللہ، زبردست۔

''ہر انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں شاید میں نے بھی کی ہوں۔(میں نے مانا اب بھی نہیں؟) مجھے اپنے کئے پہ شرمندہ ہونا چاہیے(لیکن میں ہوں نہیں) مجھے میری غلطیاں چین سے سونے نہں دیتیں(میں ''پراپر ٹریٹمنٹ'' نہیں دے سکا۔ گزرے وقت کو بھول کر آگے بڑھنا دانشوری ہے(اور میں اس دانشوری سے بے زاری نامہ دیتا ہوں)۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔(تاکہ میں تمھیں بہت پیچھے چھوڑ آؤں)''اس نے جیسے مدعا کھول کر سامنے رکھا۔ چائے کا کپ وہ ختم کر چکا تھا۔

مہدی اب بھی اس بچے کو تک رہا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بچہ جسکے ہاتھ سے یکلخت طشت چھوٹ کر گر پڑا۔ کپ آپس میں ٹکرائے، گردنیں مڑیں، لوگوں کے بولتے لب خاموش ہوئے اور مرکز نگاہ وہ بچہ تھا۔ گزرے وقتوں میں جیسے موضوع محفل مہدی ہوا کرتا تھا۔ وہ نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟ ماضی کے ان قصوں کا کوئی سر پیر نہیں۔ میں تم سے کسی معذرت کی امید رکھتا نہیں اور معافی میں دینا نہیں چاہتا۔ اب آگے؟'' وہ بغیر اسکی طرف دیکھے کہہ رہا تھا۔ پیر جیسے بھاگنے کو تیار ہوں .... ساتھی بیرہ اب لڑکے کو ڈانٹ رہا تھا۔ اسے اپنی نفرت نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

''میں ''ہمیں'' واپس چاہتا ہوں۔'' قیس کی آواز اسکی سماعتیں سن پائیں کہ نہیں وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور.....

''میں تمھیں چھوڑ چکا ہوں۔''

چائے والا اسی طرف آگیا تھا اس نے ٹوٹے کپ نہیں دیکھے، اس نے نقصان اور لوگوں کی نظریں نہیں دیکھیں بس سہمے ہوئے بچے کو دیکھا اور اسے خود سے چمٹا لیا۔ مہدی ٹھہر کر انہیں دیکھے گیا۔

''ایک لڑکی کے لئے؟'' قیس کے لہجے میں استہزاء تھا۔

''میرے مورلز کے لئے۔'' وہ دھیرے سے نیچے بیٹھ گیا۔ لڑکا اب رو رہا تھا مہربان آدمی اسے چپ کروا رہا تھا۔ مہدی کے چہرے کا رنگ نہ جانے کیوں بدل گیا تھا۔ کیا کیا یاد نہیں آیا تھا؟

''ہمارے خاندان میں فائدے سے اونچے کب ہوئے مورلز؟'' قیس نے ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نگاہ نہ ہٹائی۔

مہدی نے بہ دقت نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔ ''تم سے فائدے ہیں تو مجھے خسارے قبول ہیں۔ ہمارے راستے الگ ہیں، قیس۔ میں بہت جلد کمبیر محل چھوڑ رہا ہوں، تم اور میں دوبارہ کبھی نہیں ملیں گے۔ میں ہر وہ یاد، بات سب پیچھے چھوڑ رہا ہوں جو مجھے تم سے جوڑے۔''

وہاں بیٹھے بیٹھے ان دونوں کی دل میں بیک وقت بہت کچھ کھبا تھا۔ کوئی شل سا تاثر جیسے دل چند لمحوں کے لئے دھڑک نہ سکا ہو۔

''ہم بھائی ہیں۔'' قیس نے زخمی لہجے میں کہا۔ ''بھائی بازو ہوتے ہیں، اور بازو الگ نہیں ہوتے۔ تم اپنا خون نکال کر نہیں پھینک سکتے۔''

''تم نے ڈھائی سال پہلے میرے دونوں بازو توڑ دیے تھے۔ وہ تم ہی تھے جس نے میرے خون پہ دستبرداری دی۔ مجھے جب ہوش آیا تھا تب میں نے سب سے پہلے تمھیں پکارا تھا مجھے تو تمہاری ہی عادت تھی لیکن میں نہیں جانتا تھا مجھے وہاں پہنچانے والوں میں تم بھی شامل ہو۔ اپنی طرف سے تم نے مجھے مار ہی دیا تھا، اب مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔'' وہ بولتے بولتے رکا۔ نم ہوتی زخمی، کاٹ دار نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''میں تمھیں چھوڑ چکا ہوں۔'' اضافہ کیا۔ ''اب میری زندگی سے دور رہو، مجھے دوبارہ ہرٹ مت کرو۔ پلیز مجھ سے دور رہو۔''

''میں اکیلا ہو جاؤں گا یار۔'' اس نے مہدی کو اٹھتے دیکھ دکھ سے کہا۔ ''میرا کیا ہو گا؟''

''میں تمھارے قریب رہ کر بھی تمھارے ساتھ نہیں ہوں گا۔ اپنے لئے معاف کر سکتا ہوں تمھیں ''اسکے'' لئے نہیں کروں گا۔ کبھی بھی نہیں۔''

''اسے بیچ سے نکال نہیں سکتے؟''

''میری اس زندگی میں نہیں۔''

قطعیت سے کہہ کر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک بھی نگاہ غلط اس پہ ڈالے بغیر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔زرد روشنیاں، موڑھے، رنگین میز اور قیس کمبیر ہر کسی نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔جاتے ہوئے وہ پلٹ کر ایک دفع اسے دیکھ لینا چاہتا تھا جانے کیوں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''جگ نے چھینا مجھ سے، مجھے جو بھی لگا پیارا،

سب جیتا کئے مجھ سے میں ہر دم ہی ہارا۔ تم ہار کے دل اپنا میری جیت امر کر دو۔''

دوات سے کچھ قطرے میز پہ بھی گر گئے تھے۔چائے پڑے پڑے ٹھنڈی پڑ گئی تھی وہ بس لکھنے میں مصروف تھا۔منہمک، غرق۔

''تم سے محبت ایک طرف، یہ حقیقت بھی ایک طرف کہ تم میری نصف کائنات ہو لیکن مجھے ایک اعتراف کر لینے دو کہ تم ایک موقع پرست، خود غرض، اور انتقامی عورت ہو۔میں، عبداللہ زمان تمھارے بچپن کی محبت، جوانی کا عشق تھا لیکن تم نے میرے چند بار انکار کرنے پہ راستہ بدل دیا؟ کہاں وہ لوگ تھے جنھوں نے محبت میں صحراؤں کی خاک چھانی، دیوانگی کے دھبے سر پہ لئے، معاشرے کے حدود و قیود سے آگے نکل گئے اور کہاں تم....

سچ تو یہ ہے کہ تمھاری محبت بڑی کھوٹی تھی۔اب تم یہ نہ کہنا کہ کہ تم نے کئی برس میرے نام کئے، اب کیا ساری زندگی تمھیں دے دیتی؟'' ایک لمحے کو اس نے لکھنا چھوڑا اور ذرا سا پیچھے کو ہوا۔دل میں کسی ملال نے جڑ پکڑی اور آنکھوں میں حزن نے ڈیرے لگائے۔وہ دوبارہ جھکا۔''اگر تمھیں زندگی سے اتنی محبت تھی تو تم اس آدمی کے لئے آگ میں کودنے سے کیوں نہیں گھبرائیں؟'' یہ لکھتے ہوئے اسکی اپنی انگلیاں شل ہوئی تھیں۔''تم نے اس دن ثابت کر دیا کہ تمھارے دل میں میرے لئے جو بھی جذبات تھے ان میں بہادری نہیں تھی، بے نیازی اور صدق بھی نہیں تھا۔تمھیں زمانے کی پرواہ تھی؟ میری باری پہ؟ اور جب جیل میں بیٹھے ہوئے میں نے تم سے کہا تھا اس آدمی پہ دستبرداری دو اور میں تمھیں ذلت سے نجات دلوادوں گا تم نے تب اسے

"اسے "کیوں چنا؟ تمھیں اسکے آگے آگ نظر نہیں آتی،اسکے لئے ذلت قبول کر لیتی ہو،زندگی کی حیثیت ٹکے کی رہ جاتی ہے۔صرف اسکے لئے؟

تمہارا انتظار، تمہاری وفا، تمہاری دعائیں مجھے ہر ایک شے کی قدر ہے لیکن تمھیں یہ ماننا ہو گا کہ تم نے مجھ سے محبت کا درست حق ادا نہیں کیا۔میں روز قیامت تم سے شکوہ کروں گا۔"

فرش پہ ڈھیر ساری کتابیں اور کاغذات بکھیرے بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتی وہ اپنی اسناد ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ڈھیلے ڈھالے سیاہ کرتے میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔وزن بھی کچھ کچھ بڑھ رہا تھا۔خوشی سے بڑی کوئی خوراک نہیں ہوتی شاید سچ کہا گیا ہے۔

دروازہ کھلا تو اسکی گرفت کاغذات پہ ڈھیلی پڑی۔اسکی چاپ،اسکی خوشبو وہ اسکی آمد کو محسوس کر چکی تھی۔رد عمل کوئی نہ دیا۔

"مجھے تھوڑی سی دیر ہو گئی تم نے کھانا کھا تو نہیں لیا؟"اسکے ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا۔جوتے ہمیشہ کی طرح کمرے میں کہیں پھینک کر، گاڑی کا ریموٹ اچھالتے وہ آگے آیا۔

"نارمل گھروں میں رات کے دس بجے کھانا کھا لیا جاتا ہے، بارہ بجے تک انتظار نہیں کیا جاتا۔"

"اوکے لیکن یہ تو نارمل گھروں کا قصہ ہے مجھے کیوں سنا رہی ہو؟"وہ کہہ کر باتھروم کی طرف بڑھ گیا۔زنیہا نے سلگ کر اسکی پشت کو دیکھا۔دانت کچکچائے۔

"اتنی ہی ابنارمل لگتی تھی تو شادی کیوں کی مجھ سے؟"اسکا لڑنے کا دل تھا کوئی اور تو تھا نہیں تو بغیر قصور کے شوہر سے لڑنا بہتر خیال تھا۔

"محبت بیگم محبت،اچھے اچھوں کو خوار کر دیتی ہے پھر میں تو پیدائشی زن مرید ہوں۔"واش بیسن کے نل کے آگے جھکا وہ ہتھیلیوں میں پانی بھرتے بلند آواز میں اعلان بھی کر رہا تھا۔

"کوئی زن مرید نہیں ہیں آپ، ہوتے تو کم از کم میرے کہنے کے باوجود دیر سے گھر نہ آتے۔"

''میں جلدی آتا تو تم نے میرے لئے راستے میں گلاب بچھوانے تھے یا کیس توپوں کی سلامی دینی تھی؟ جلدی آکر بھی وہی ہونا تھا جو اب ہو رہا ہے۔'' وہ اسے مزید تپاتے ہوئے باہر آیا۔ تولیے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے تولیہ بستر پہ اچھال دیا۔ اسے یقین تھا وہ اندر فیس واش بھی پھینک کر آیا ہوگا۔

''کیا ہونا تھا کون سے ظلم کے پہاڑ توڑتی ہوں میں آپ کے اوپر؟''

''تمہاری بے رخی سے زیادہ بڑا ظلم کیا ہوگا؟'' اس نے مصنوعی والہانہ پن سے کہا۔

''شٹ اپ۔''

''آئی لو یو ٹو۔''

وہ جو جواباً کچھ کہنے والی تھی چپ ہو گئی۔ لب بھینچ لئے۔ گیلا تولیہ، جوتے، اور اسکا باقی بکھرا ہوا سامان اتنے بڑے جھگڑے کے بعد بھی وہ سدھر نہیں سکا۔ نہ اس نے سدھرنا تھا۔

''یہ سب سامان اٹھالیں آپ ورنہ......''

''ورنہ کیا؟ میرا بھی کمرہ ہے پھینکوں گا میں۔'' اب اسے زینیا کو زچ کرنے میں مزہ آرہا تھا تو وہ اس مزے کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتا؟

زینیا بغیر کچھ کہے کاغذات پہ جھک گئی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا بھنویں سختی سے بھینچ رکھی تھی اور لب ایک لکیر میں بند۔ شوہر صاحب کو کوئی بتائے جہاز برمودہ کے سفید پانیوں میں داخل ہو چکا تھا۔

''اور بتاؤ میری یاد میں دو دن کیسے گزرے؟ کس دیوار میں ٹکر مارے، کہاں بیٹھ کر روئی؟'' بیڈ پہ نیم دراز اسے تکتے ہوئے، بے فکری اور بے نیازی سے پوچھا گیا۔ جواب میں خاموشی۔

''مجھے تو دو دن مزید رکنا تھا تمہارے آنسوؤں کا خیال تھا اس لئے واپس آگیا۔''

وہ اب بھی خاموش رہی۔ مہدی سرور کمبیر کے چودہ طبق روشن ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ ناراض تھی۔ مہدی جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

"اپنی باری پہ عورت کارڈ کھیل کر تم فوراً، ناراض ہو جاتی ہو۔ میں نے تو ابھی شروع بھی نہیں کیا۔"

"تو آپ سے کس نے کہا ہے مجھے منائیں۔" یکدم چہرہ اٹھا کر وہ غرائی۔ "آپ کا کمرہ ہے آپ نے جہاں چاہا تھا چیزیں پھینک دیں یہ بیڈ میرا ہے اس سے نیچے اتریں۔"

مہدی کمبیر پہ کمبیر محل کی چھت آ کر گری تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔ "تم اپنے مجازی خدا کو پلنگ سے اتار رہی ہو؟"

"آپ نے بھی اپنی بیوی کو کمرے کے طعنے دیے تھے۔"

"میں نے حصہ داری کی بات کی تھی۔" اسکا انداز مدافعانہ تھا۔

"جی بالکل یہ کام تو آپ کو خوب آتا ہے رنگین مزاج جو ٹھہرے۔ اتریں میرے پلنگ سے نیچے۔"

وہ بیڈ پہ گر کر ہنس پڑا۔ سیٹنگ کے دوران انہوں نے کافی چیزیں نئی خریدی تھیں لیکن وہ بضد رہی کہ کہ بیڈ اور الماری اسکے بھائی کے بھیجے پیسوں سے خریدے گی۔ وہ جو جہیز نہ لینے کا عہد کر چکا تھا اس ضد کے آگے ہار گیا، اسے تب اس منطق کی سمجھ نہیں آئی تھی اب آ گئی تھی۔

"ماننا پڑے گا تم نے مجھے پاگل بنایا ہے۔" وہ بیڈ سے اترتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ یہ داؤ اسے پسند آیا تھا۔ اب اگلی باری اسکی۔ "میں نے جسے خواہش سمجھ کر پورا کیا یار وہ تو تمہاری سازش تھی۔ اب میں کہاں سوؤں گا؟"

"اسی کے ساتھ جس کے پیچھے پیچھے گئے تھے ایک ہی کمبل میں ایک دوسرے کو گلے لگا کر سوئیں۔"

"کیوں شہیدوں میں میرا نام لکھوانا چاہتی ہو؟" وہ اٹھ کر آیا۔ میز پہ پڑا لفافہ اٹھایا اور اسکے عقب میں اسکی پشت سے اپنی پشت جوڑ کر سر اسکے کندھے پہ گرا دیا۔ یوں کہ ان دونوں کی پشت جڑی ہوئی تھی اور مہدی کا سر اسکے کندھے پہ گرا تھا۔ الجھے بکھرے بال مہدی کے چہرے پہ گر رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے محسوس کرنا زیادہ اہم تھا۔

"ناراض ہو؟"

"نہیں منہ سے آگ نکالنے کا شوق ہے مجھے۔"

"پھر کسی سرکس میں بات چلاؤں؟ ملکہ کا شوق سلامت، پیسے بھی بہت۔" لفافے سے سفید پھولوں کی لڑی نکال کر مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"آپ کو بھی موت کے کنویں میں گھسنے کا شوق ہے، اپنے لئے بات کیوں نہیں کرتے؟ دونوں میاں بیوی ساتھ کام کریں گے۔ کپل گولز یونو۔"

مہدی سیدھا ہوا اسکے بال ہاتھ سے پیچھے کئے پھر سفید پھولوں کی لڑی اسکے بالوں میں اٹکائی، کلپ لگا کر انہیں ڈھال کی سی شکل دی۔ پھر اپنے کارنامے پہ مسکرایا اور ایک بار پھر سر اسکے کندھے پہ رکھ دیا۔ ایک لمحے کے لئے وہ بھول گئی اسے کیا ڈھونڈنا تھا، کاغذات کی ترتیب کیا تھی، کیا مل چکا تھا کیا باقی تھا، اب کہاں کچھ یاد رہنا تھا؟ اب بس وہ تھا، اور اسکی خوشبو۔

"کس بات پہ ناراض ہو؟"

"آپ ایک دن کا کہہ کر دو دن رہ کر آئے۔"

"آئی ایم سوری۔"

"میں نے شام سے اب تک آپ کو کتنی کالز کیں آپ نے ایک بھی نہیں اٹھائی۔"

"فون کی بیٹری ختم تھی لیکن، آئی ایم سوری۔" اسکے نیم رخ کو دیکھتے، کلپ میں اٹکے اسکے بالوں سے ایک لٹ اسکے چہرے پہ کرتے وہ اسی انداز میں بولا۔

"آپ نے جوتے یہاں پھینک دیئے، تولیہ بھی گیلا ہے اور مجھے یقین ہے آپ ساری وارڈروب بھی خراب کر کے آئے ہوں گے۔"

"تم سیٹ کر دینا اتنا نہیں کر سکتیں میرے لئے؟"

''آپ مجھے جذباتی بلیک میل کر رہے ہیں۔''

''کل سے گن پائنٹ پہ کروں گا، ملکہ کا شوق سلامت۔''

زنیا نے اسکا سر کندھے سے ہٹایا اور خود اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسکی بس ہوگئی تھی۔

''آپ کبھی کسی بات کو سیریس نہیں لیتے۔''

''لے لیا تو اس چیز سے جلنے لگو گی۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے میں کوئی آپ کی محبت میں پاگل ہو رہی ہوں؟'' کمر پہ ہاتھ باندھے وہ سلگ کر بولی۔ کبھی کبھی وہ اسے زچ کرنے کی حد کر دیتا تھا۔

''مجھے یقین ہے، تم گوڈے گوڈے میرے عشق میں ڈوبی ہوئی ہو۔''

وہ کہنی کے بل فرش پہ نیم دراز اسے سنگھار میز کے آگے چیزیں اٹھاتے پٹختے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے سر پہ لگی پھولوں کی لڑی دیکھنے اٹھی تھی لیکن ظاہر نہیں کرے گی یہ بھی وہ جانتا تھا۔

''میرا کوئی اور قصور؟''

''آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔''

اس نئے انکشاف پہ تو مہدی خود بھونچکا رہ گیا۔ ''آپ نے کہا تھا آپ کی آئی ڈی کا پاسورڈ میرا نام ہے۔''

وہ پہلے تو نا سمجھی سے اسے دیکھتا رہا پھر فرش پہ گرنے کے انداز میں لیٹ کر زور سے ہنسا۔ ''مجھے پتہ تھا it's you اصل میں تم بار بار غلط پاسورڈ ڈال رہی تھی تو میرے پاس وارننگ آگئی تھی کہ کوئی میرا اکاؤنٹ کھولنا چاہ رہ ہے۔ میری ٹیم نے پاسورڈ بدل دیا۔ حلانکہ میں نے ان سے کہا تھا نہ کریں۔ اس چور کو میں جانتا ہوں۔''

''لیکن پاسورڈ وہ نہیں تھا۔'' زنیا نے اپنی بات پہ زور دیا۔

''تم ''زنیا'' لکھ رہی تھیں وہ نام جو تمھیں تمھارے ابا نے دیا ہے پاسورڈ ''سرکار'' تھا، وہ نام جو تمھیں میں نے دیا ہے۔''

زینیا حاکم پہ جیسے گڑھوں پانی پڑ گیا ہو۔

''تم میرا اکاؤنٹ کیوں کھول رہی تھیں؟ تمھیں مجھ پہ شک ہے؟'' اب کے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زینیا چپ رہی۔ کئی لمحے، کئی ثانیے۔ وہ واقعی شرمندہ سی ہوئی تھی۔ شک؟ کیا وہ اس پہ شک کرتی تھی؟

''میں اپنے بارے میں عدم اعتماد کا شکار ہو سکتی ہوں آپ کے بارے میں نہیں۔'' ہلکی آواز میں اسے بتایا۔ ''میں کافی low تھی، یہاں.... . '' الفاظ اسکے گلے میں اٹکے۔

''یہاں تم اب بھی ایڈجسٹ نہیں ہو سکیں۔ اپنا آپ اب بھی اکیلا اور کم اسپیشل لگتا ہے؟ انسکیورٹیز؟'' فرش پہ لیٹا وہ اسے الفاظ تھما رہا تھا۔ زینیا نے سر کو اثبات میں ہلایا۔

''میں بس اسپیشل محسوس کرنا چاہتی تھی۔'' ایسے کہا جیسے صفائی دی ہو۔ سارے تعلق اسی سے آ کر تو جڑتے تھے۔

''ڈائریکٹ مجھے میسج کرتیں اگلے دو گھنٹے تمھیں بلش کروانے کی ذمہ داری میری تھی۔ خوامخواہ تم لمبے چکر میں پڑ گئیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ (یہ آدمی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتا یہ طے تھا) زینیا بلا خراب مسکرائی تھی۔

''میں نے قورمہ بنایا ہے، کھانا کھائیں؟'' اب وہ خوشگوار لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''بلکل چلو چلتے ہیں۔'' اسے سخت نیند آئی تھی لیکن وہ اسکے بغیر کھانا نہیں کھاتی اس لئے وہ تھوڑی دیر بعد اسکے سامنے بیٹھا نوالے لے رہا تھا۔ زینیا اسے کچھ بتا رہی تھی اور وہ عدم توجہی سے سن رہا تھا۔ اسکا دماغ اور دل اب ایک جگہ اٹکا تھا۔

قیس کمبیر سے ہونے والی ملاقات میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گانا بند ہو گیا تھا، اس نے اٹھ کر کیسٹ بدلی۔ اور دوبارہ اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا۔ اب گانا مزید مدھم آواز میں بج رہا تھا۔

''جانے وہ کیسے لوگ تھے جن کے پیار کو پیار ملا،

ہم نے تو جب کلیاں مانگیں کانٹوں کا ہار ملا۔''

""تم میری زندگی میں تب آئیں جب مجھے تمہاری اشد ضرورت تھی اور مجھے اسکا علم ہی نہیں تھا۔ کہاں، کن موقعوں پہ، کیسے کیسے حالات میں کس طرح تم ""میں"" بنی یہ تمھیں نہیں پتہ۔ محبت بہت چھوٹا لفظ ہے تمھارے ساتھ رہ کر میں نے خود کو پہلی بار محسوس کیا۔ تمھیں دیکھ کر ہی کئی بار اپنے لئے خواہشات کیں۔ تم میرا اچھا وقت تھیں، میری زندگی کا سیاہ اور میرا پسندیدہ باب۔ تمہیں مجھ سے اختلاف اور نفرت ہے بعض دفع مجھے بھی ہوتی ہے لیکن شاید تم میری زندگی کی وہ عورت ہو جسے ایک مدت بعد میں معاف نہ کرتے ہوئے بھی خود سے قریب رکھ سکتا ہوں۔ میں تمھارے معاملے میں ایک مختلف انسان بن جاتا ہوں۔

ویسے اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم مجھ سے دور جا چکی ہو، تمھارے حصول میں پیر اور دل میں بھی نہیں تھکاؤں گا کیونکہ تم سے پہلے میرے لئے ""میں"" آتا ہوں۔ لیکن وہ یادیں میری متاعِ حیات ہیں جہاں تم میرے لئے تھیں۔ صرف میرے لئے۔"")

کچھ شناسا آہٹوں پہ پلٹ کر وقت کے جھروکوں میں تکنے لگو تو کئی خوشگوار مناظر، قصے اور تعلقات منہ لپیٹے خفا، خفا سے نظر آئیں گے۔ خفا کیوں؟ کہانی آگے بڑھ چکی انکا ذکر شروع ہی نہیں ہوا خفگی بجا تھی۔

سرما کے دن تھے سردی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہڈیاں جم جانے کو تھیں۔ ایسے میں قیسم کا ماحول پُر حدت سا تھا۔ زینیا حاکم سفید سیاہ لانگ کوٹ کے ساتھ سفید رنگ کے ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ سر پہ اسکارف اچھے سے جما تھا، چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔ ناک البتہ سرخ پڑ رہی تھی۔ اسکے ہاتھوں میں کچھ پرنٹ آؤٹس تھے، اور لیپ ٹاپ بھی۔ وہ مصروف اور مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔

قیس کمبیر کے دفتر کے باہر رک کر اس نے تنفس بحال کیا۔ اندر دفتر میں قیس اور براق کسی ضروری بات پہ آپس میں بحث و مباحثے میں مصروف تھے جب دروازہ بجا۔ ناگوار تاثرات لئے، سختی سے کچھ کہتے ہوئے قیس کمبیر نے دستک پہچان لی۔

""میری وجہ سے نہیں ہو رہا ہے یہ اگر تم مجھ سے مشورہ کرتے تو اتنا نقصان نہ ہو رہا ہوتا۔"" براق سخت برہم تھا۔ ان دنوں وہ قیس کا نظر التفات بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ بعض دفع اسے غصہ صرف اس لئے آتا تھا کیونکہ زینیا اسکی کزن تھی۔ ""اسکو بھیجو یہ جو کوئی بھی ہے۔"" متواتر ہوتی دستک سے براق بری طرح جھنجھلایا اور حدیبیہ کو حکم دیا۔ قیس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

it's her "اندر بلاؤ اسے۔" تھوڑی دیر میں اسے کام سے نکلنا تھا، واپسی تک قیسم میں چھٹی ہو جاتی وہ بس کچھ دیر اسے دیکھنا چاہتا تھا۔

"اور ہماری بات؟"

"تم انتظار کر سکتے ہو۔"

"میں کر سکتا ہوں کاروبار نہیں، اور اس وقت ہم کاروبار کر رہے ہیں۔" براق کا لہجہ عجیب تھا۔

"کاروبار بھی انتظار کر سکتا ہے "۔اسکے" لئے کر سکتا ہے۔" اس نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ "کم ان۔" باآواز بلند کہا۔

براق، حدیبیہ، آفس کے در و دیوار سب نے اسے دیکھا، اور دیکھ کر رہ گئے۔ زینیا اندر آئی تو اسکے چہرے پہ آج عجلت اور انتشار دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا میں غلط وقت پہ آئی ہوں؟ اگر آپ مصروف ہیں تو میں بعد میں آجاتی ہوں۔"

"مصروف تو ہم ہیں لیکن آپ کے لئے ترک کر چکے۔" براق براہ راست اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ زینیا ٹھٹھکی، پھر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا "یعنی یہ کام.... قیس کو دیکھنا تھا دکھائیں پلیز۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"میں "باس" ہی کو دکھانے آئی تھی۔ آپ چاہیں تو فلحال باہر چلے جائیں۔" براق فلرٹ تھا اسکا پچھلا جملہ زینیا کو ذو معنی لگا تو اسے واپس اوقات میں لانے میں حرج ہی کیا تھا۔ قیس نے گردن جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔ براق کی برہمی میں اضافہ ہوا۔

"تمھیں سیکھنا چاہیے باس سے کس طرح بات کرتے ہیں۔"

زینیا نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ "قیس سر، کیا میں نے آپ سے کوئی بد تمیزی کر دی؟"

"میں اسکی بات نہیں کر رہا۔" وہ بگڑا۔

"میم حدیبیہ میری باس نہیں ہیں۔"

اب کے قیس کے لئے اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا۔ خوش فہمی کو ہوا ملی۔ وہ اسکے علاوہ ہر مرد کو جوتی کی نوک پہ ہی رکھتی تھی۔ براق نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر قیس کی نظر کا ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ وہ کڑوے گھونٹ پی کر خاموش رہ گیا۔

''یہ جو تصاویر ہیں یہ میں نے فلزا میڈم کو دکھائی تھیں اور گروپ کے باقی افراد نے بھی دیکھ لی ہیں۔'' اسکی دائیں طرف مناسب فاصلے پہ کھڑے ہو کر وہ لیپ ٹاپ پہ کھلی مختلف تصاویر پہ انگلی رکھتی اسے کچھ بتا رہی تھی۔ تصویریں ٹھیک تھیں مگر اسکی انگلیاں، ان پہ لگے رنگین دھبے ایک بار پھر قیس کو اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے۔ ''پچھلی بار کچھ تصاویر پوسٹ ہو گئی تھیں اور آپ کو پسند نہیں آئی تھیں، اس لئے میں چاہ رہی تھی آپ ایک بار دیکھ لیں۔''

قیس ٹیک لگاتے ہوئے پیچھے کو ہوا۔ ماتھے کی سلوٹیں غائب تھیں، چہرے کی ناگواری زائل، وہ بے حد مختلف انسان نظر آ رہا تھا اور یہ رنگ براق سے چھپ نہیں سکا تھا۔

''پچھلی بار جو تصاویر پوسٹ ہوئی تھیں وہ میری تھیں۔ میں کوئی بوقت اشد ضرورت اپنے بارے میں پوسٹ کرنے کی اجازت دیتا ہوں یہ تصاویر کلکشن کا حصہ ہیں ان کے لئے فلزا کی اجازت کافی ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ براق کو بے ہوش ہونے کے لئے فرش کا صحیح کونہ تلاش کر رہا تھا۔ یہ آدمی اور اتنا نرم؟ ''لیکن اگر آپ مجھے یہ دکھا ہی چکی ہیں تو ان فلٹرز کو ہٹائیں۔ یہاں جو کلر آ رہے ہیں وہ کپڑوں کے اصل شیڈز کو مدھم کر رہے ہیں۔''

''فلٹر کے بغیر؟ آر یو شیور سر؟''

''دو سو فیصد۔''

''اچھی مارکیٹنگ اسٹریٹیجی نہیں لگ رہی۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''قیسم کا نام مارکیٹنگ ہے۔ بغیر فلٹرز کے تصاویر لو اور کل تک یہ کام پوسٹ ہو جانا چاہیے۔ شیڈیول کے مطابق۔''

کام میں ڈھیل وہ کسی زینیا حاکم کو بھی نہیں دیتا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے اپنا سامان اٹھائے باہر نکل گئی۔ اسی وقت براق نے فرصت سے اسے دیکھا۔

''وہ کاروبار تو مجھے سمجھ آرہا ہے یہ تمہاری آنکھیں اور زبان کون سا کاروبار کررہی ہیں؟''

قیس ہنس پڑا تھا۔ اسکے جانے کے بعد اسکا ذکر بھی اچھا لگا تھا۔ ماحول میں تازگی سی بھر گئی تھی۔ ''تمہاری سوچ ہی خراب ہے میں بس کام کررہا تھا۔''

''اور وہ؟ اس سے پوچھا ہے وہ کام کررہی تھی یا مستقبل بنا رہی تھی؟ یہ مت بھولو اسکے شوہر نامدار کی تلاش اب بھی جاری ہے اور صرف ہم دونوں اسکا اصل ٹھکانہ جانتے ہیں۔'' کیوں، جانے کیوں اسے قیس کی نظر زینیا کے لئے کھلی تھی وہ اندازہ نہیں کرسکا۔

وہ جو دل سے ہنساتھا اسکی مسکراہٹ تھم گئی۔ انداز محتاط ہوا۔ ''وہ ایک حادثہ تھا۔''

''تمھارے اور میرے لئے جو نہیں جانتی اسکے لئے اسکا شوہر اب بھی حیات ہے اس لئے اس سے دور رہو ہوگئی ناں جتنی ہمدردی ہونی تھی۔''

''میں ہمدردی نہیں کررہا۔''

''پھر کیا کررہے ہو؟'' ترکی باترکی پوچھا گیا۔

''وہ جو میرے اپنے اختیار میں نہیں۔'' وہ بڑبڑایا ایسے کہ صرف وہی سن سکا۔

''میں بس کام کررہا ہوں۔'' اس نے براق سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ ''خیر مجھے یہ بتاؤ، نفعے کا کیا ہوا؟''

''براق نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا اور طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اسکے آنے سے قبل ہم خسارے گن رہے تھے۔ کیا اسکی آمد نے خسارے نفعے میں بدل دیئے؟''

قس پہلو بدل کررہ گیا۔ چہرے کا رنگ تبدیل ہوا تھا۔ اس نے براق کی وجہ سے اسے جلدی بھیج دیا تھا ورنہ ابھی وہ اسے تین چار مزید کاموں میں الجھا کر مزید دیکھ اور محسوس کرسکتا تھا۔ اسکی آمد نے خسارے نفعے میں بدلے تھے یہ تو سچ ہی تھا۔

''لوسفر!'' براق نے نرمی سے اسے پکارا۔ قیس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ مضمحل ہو گیا تھا۔ ''وہ بہت پیچیدہ ہے (کیا میں تمھیں یہ بتاؤں کہ تمہارا بھائی اور وہ انکے درمیان کچھ ہے) ہر تعلق نفع نقصان دیکھ کر بنانا ہوتا ہے (نوابوں سے تمھیں فائدہ ملے گا یہ بھول جاؤ) اسکا خیال اگر ہے تو جھٹک دو۔''

قیس نے ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ اسکی کسی نظر کا خوف تھوڑی تھا؟ ''بات خیال سے آگے گزر گئی ہے۔ نقش مٹائے نہیں جاتے۔''

''میں تمھیں سمجھا رہا ہوں تم۔۔۔۔۔۔''

''کام کرتے ہیں، کاروبار ضروری ہے۔'' اس نے براق کو ٹوکا۔ وہ زینیا کے بارے میں اب براق سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بحث دوبارہ چھڑ چکی تھی لیکن اب وہ پہلے کی طرح غصے میں نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے بالکنی میں کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔ آج اس نے اپنا کام بھی نہیں دیکھا تھا، زینیا سے روٹین بھی نہیں چھیڑی کھانے کے دوران بھی چپ رہا۔ زینیا کو اب احساس ہوا تھا کہ وہ اسکے آتے ہی اس پہ چڑھ دوڑی تھی کیا ہوتا جو تھوڑی دیر تحمل کا مظاہرہ کر لیتی؟

تھوڑی دیر بعد وہ چائے کا بڑا سا مگ بھرے اسکی طرف چلی آئی۔ ''آپ کی محبوبہ سو رہی ہو گی پھر آپ کیوں ہجر میں غرق ہیں؟'' اپنے عقب سے آتی اسکی آواز پہ وہ چونکا تھا۔ سگریٹ والا ہاتھ ہمیشہ کی طرح پیچھے کیا۔ وہ بغیر کچھ کہے آگے آئی، مہدی کی انگلیوں کے درمیان دبا ہوا سگریٹ نکالا وہ جیسے بوکھلا یا تھا۔ شرمندہ بھی ہوا۔

''کیا کر رہی ہو اسے ہاتھ مت لگاؤ۔'' تیزی سے جلتا سگریٹ اس سے لیتے ہوئے نیچے پھینک دیا۔ پھر سلیپر سے اسے مسلا۔ ''آئندہ اسے ہاتھ مت لگانا بری چیز ہے۔''

''اچھی چیز تو آپ کے لئے بھی نہیں۔''

''تمھارے لئیے زیادہ بری ہے، میں تو جھک مارتا ہوں۔'' وہ کچھ چڑ کر بولا تھا۔اسکے ہاتھ میں اگر یہ برا لگ رہا تھا تو اسے کتنا برا لگتا ہو گا؟

''چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

مہدی نے اسے دیکھا، کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔''دن میں دو پیتا ہوں اب سے ایک پیوں گا۔''

''چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' سوال وہیں کا وہیں۔

''ایک سے کیا ہوتا ہے یار؟ اتنا تو سب کرتے ہیں میری عادت ہے۔''

''چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' وہ جیسے ایک ہی لائن رٹ کر آئی تھی۔

''فائن..... چھوڑ دوں گا۔وہ فلموں میں ہوتا ہو گا یہاں لڑکی نے بولا اور ادھر لڑکے نے اسموکنگ اور ڈرنکنگ چھوڑ دی۔ حقیقت میں وقت لگتا ہے۔اگلے چھ مہینے دو دن میں ایک بار،اور اس سے اگلے چھ ماہ ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ڈاکٹر سے بھی مشورہ کرتا ہوں، چھوڑنی پڑے گی۔تم نے بول دیا اب چھوڑنی پڑے گی۔''

''شروع کب کی تھی؟'' وہ فلور کشن پہ آکر بیٹھی۔مہدی ریلنگ سے کمر ٹکائے کھڑا تھا۔

''پندرہ سال کا تھا اسکول کی طرف سے الوداعی تقریب میں پہلی بار سیگریٹ پی تھی۔'' وہ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے ہنسا تھا۔''مجھے یاد ہے جب میں گھر آیا تب قیس نے مجھے دو تھپڑ مارے تھے ایک لات بھی۔اور کھانا بھی نہیں دیا تھا۔''

''اور آپ نے کچھ نہیں کہا؟'' وہ چونکی تھی۔''قیس آپ کو مارتا تھا؟''

''صحیح بات پہ مارا تھا میں کیا کہتا؟اور ان دنوں میں ویسے بھی غلط صحبت کا شکار تھا۔میرے دوست اچھے نہیں تھے۔''

''پھر بھی پندرہ سال کے لڑکے کو سیگریٹ پینے پہ مارنا غلط ہی تھا۔''

''کس نے کہا سیگریٹ پینے پہ مارا تھا؟'' جھک کر چائے کا کپ اٹھاتے اس نے زینیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔''اس نے مجھ سے پوچھا کیوں پیا؟ میں چپ رہا۔پھر اس نے دوبارہ پوچھا۔

''لڑکی کی وجہ سے؟''

میں نے کہا نہیں میرے دوستوں نے کہا تھا اگر مرد ہو تو پی کر دکھاؤ۔ اس بات پہ مارا اس نے۔'' وہ رکا۔ گرم گرم چائے حلق کے اندر انڈیلی۔ ''میں ان دنوں ٹھیک نہیں تھا ذرا ذرا سی بات پہ اپنی اہمیت دکھانے کا جنون سوار ہو جاتا تھا۔ عدم اعتماد میری زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ بس اسے کسی طرح چھپانے اور دنیا کے منظر پہ ابھر کر آنے کے لئے میں پندرہ سال کی عمر میں سیگریٹ پینے پہ بھی راضی ہو گیا تھا۔ باہر کی دنیا مرد کو مرد بنانے میں جو کردار ادا کرتی ہے وہ بھیانک ہوتا ہے۔''

''پھر کسی نے آپ کو بتایا مرد کیسا ہوتا ہے؟''

''قیس نے بتایا تھا۔'' وہ یکدم قہقہہ مار کر ہنسا۔ ''اور اسکے بتائے ہوئے مرد کی تعریف تو تم جانتی ہو۔'' وہ کہتے ہوئے ہنستا گیا۔ ''مرد عورت کو جوتی کی نوک پہ رکھتا ہے لیکن تھوڑا تھوڑا خیال بھی کیا کرو جب وہ بیمار ہو۔ کسی عورت کے پیچھے نہیں جانا لیکن یہ بھی نہیں کہ اسے آزاد چھوڑ دو۔ مرد اپنے انتقام لیتا ہے اور....''

''اس نے آج آپ سے کیا کہا ہے؟''

سوال کسی بندوق سے نکلے چھرے کی سی تیزی سے آیا اور مہدی کے دل میں پیوست ہوا۔ اسکی ہنسی تھم گئی۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اور وہ اگلے کئی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ چائے پیتا رہا۔

''وہ چاہتا ہے ہم دونوں بھائی دوبارہ ایک ہو جائیں۔'' وہ ہلکی آواز میں بولا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں وہ سب بھول نہیں سکتا۔''

''لیکن آپ اس سب کے لئے اسے معاف کر چکے ہیں آگے؟''

''اپنے لئے معاف کر چکا، تمہارے لئے نہیں کر سکتا۔'' زینیا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سچائی سے کہا۔ ''میں اسے تمہارے لئے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ تم اور میں ایک ہیں میں اسے ہمارے لئے معاف نہیں کروں گا۔''

''اپنے لئے کیوں معاف کیا؟''

''اپنے لئے تو وہ بھی مجھے معاف کر چکا ہے۔ تم ہمارے تعلق کی پیچیدگیاں نہیں سمجھ سکتیں۔ میں اسے اپنا قتل بھی معاف کر سکتا ہوں، یہی جذبات اسکے بھی ہیں۔ لیکن اس دفع جھگڑا الگ ہے یہاں بیچ میں تم ہو۔''

''آپ کے کہنے کا مقصد ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان میں آگئی ہوں؟''

''میں نے ایسا نہیں کہا۔'' مہدی نے اسے ڈپٹا۔ ''تم ہمارے درمیان ہو میری طرف سے۔ بچپن سے وہ مجھے اگر مارتا رہا ہے تو مار سے بچانے والا بھی وہی تھا۔ اگر جھڑکا تو محبت دینے والا بھی وہی تھا۔ دھکا دیا ہے تو اٹھانے والا بھی وہی تھا۔ وہ ایک آدمی میرے لئے کتنے لوگوں کی کمی پوری کرتا تھا یہ میں کسی کو نہیں سمجھا سکتا۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جو آپ کے ساتھ چاہے جتنا غلط کر دیں انکی واپسی پہ آپ ایک بار پھر بے بس ہو جاتے ہیں۔ اگر لوگوں کی زندگی میں کوئی بے بس کر دینے والا لمحہ ہے تو میرے لئے ہر وہ لمحہ ایسا ہے جب جب میرا بھائی میرے سامنے آکر مجھ سے کچھ مانگتا ہے۔'' اس نے منتشر لفظوں کو جیسے سمیٹ کر رکھ دیا۔ ''بس ایک تم، ایک تمھارے معاملے میں مہدی کمبیر اسکے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالنا چاہتا نہ میں نکال سکتا ہوں۔''

''آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے کرتے ہیں؟''

بالکنی، چائے، محبوب شخص کا ساتھ سب موجود تھا۔ وہ اپنے سامنے اس سے کئی اقرار کر رہا تھا بلکل ویسے جن پہ اسکا چہرہ سرخ پڑتا تھا، وہ رخ پھیر لیتی تھی۔ لیکن آج وہ اسکی زندگی میں اپنی جگہ معلوم کرنے بیٹھ گئی تھی۔

''محبت کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ تم میری بیوی ہو ظاہر ہے تم پہلے درجے پہ ہو۔''

''اور جس کے لئے کوئی درجہ بندی نہیں، جس کے لئے کوئی حساب نہیں وہ کون؟''

کمبیر محل کے ہر ہر ستون نے جواب دیا تھا" قیس زمان کمبیر "بس ایک مہدی تھا جو جواب نہیں دے سکا۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں۔

''وہ آپ کو روند کر رکھ دیتا ہے پھر آپ اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو پہلا قدم اسی کی طرف اٹھتا ہے۔''اس نے ناگواری اور ضبط سے کہا تھا، شاید بے بسی سے بھی۔

''خود اعتمادی، مان، سلیقہ، تجربہ یہ سب والدین دیتے ہیں میرے پاس وہ دونوں نہیں تھے۔''اسکا انداز بے حد تلخ تھا۔''بارہ سال کے بچے کی ساری ضرورتیں اور محبت کے خانے جس نے پر کئے اسے اتنی جلدی زندگی سے خارج کر دینا آسان نہیں ہوتا لیکن میں نے کیا ہے۔''

''اس طرح کیا ہے کہ وہ آگیا اور آپ ایک بار پھر اسکی طرف جھک رہے ہیں۔''

''تم اپنے باپ کی طرف کیوں جھکیں؟''وار جتنا غیر اعلانیہ تھا اتنی ہی شدت سے دل میں کھبا۔

''وہ......میرے..ابا..ہیں۔''اس نے توڑ توڑ کر کہا۔

''بالکل اور میرے پاس میرے ابا نہ ہونے کے برابر رہے۔میرا باپ، ماں، بھائی، بہن قیس تھا۔ایک بسمل کسی ایک حادثے کے بعد درست نہیں ہو جاتا۔میری ساری عدم اعتمادی اور لو سیلف اسٹیم یکدم ختم نہیں ہو سکتا یہ کام ساری زندگی کا ہے اور میں کوشش کر رہا ہوں۔''آخر میں اسکا لہجہ نرم ہو گیا۔وہ ریلنگ کی ٹیک چھوڑ کر زینیا کے قریب آکر بیٹھا۔''انسان کے برسوں سے بنے پیٹرن چٹکی بجانے سے درست نہیں ہو جاتے۔میری مورل سپورٹ، اتنی جلدی ہار نہ مانو، نہ مجھے ماننے دو۔''وہ مسکرایا تھا۔زینیا نے گہری سانس لی لیکن مسکرائی نہیں۔

''چائے تو ٹھنڈی ہو گئی تم پی لو۔''

''نہیں میں لے چکی۔''اس نے کپ ہٹایا۔

''چائے کو انکار کر رہی ہو؟''

''کیلوریز کو۔میرا وزن بڑھ رہا ہے۔''

''یہ شکر کا نہیں میری تعریفوں کا اثر ہے۔ڈھیروں خون بڑھ جاتا ہو گا تمہارا۔ تمھیں پتہ ہے کتنی ماؤں نے منتیں باندھی تھیں کہ میں انکی دامادی میں آجاؤں۔''

''بلکل جانتی ہوں،منت کے وہ دھاگے میں نے ہی دانتوں سے ہی کاٹے تھے۔''

مہدی مسکرایا۔وہ زینیا کے حس مزاح سے ہر دفع پہلے کی طرح محظوظ ہوتا تھا۔کئی لمحے،کئی منٹ وہ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔مہدی اپنے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا زینیا چپ چاپ آسمان تکتی رہی۔خاموشی درمیان میں بولتی رہی۔

''میں اپنے بچوں کو عدم اعتمادی سے بچاؤں گا۔'' بیٹھے بیٹھے موبائل پہ نگاہیں جمائے اس نے کہا۔زینیا کو گمان سا ہوا جیسے اس نے خود سے بات کی تھی۔''میں کسی باہر والے کو حق نہیں دوں گا کہ میری بیٹی کو کسی مشکل حالات میں ڈالے،اسے انسکیور کرے،اسے desperate کرے۔نہ میں کسی کو یہ اجازت دوں گا کہ کوئی میرے بیٹے کو وقت سے پہلے کچھ غلط بتائے۔اور نہ ہی کوئی اسے مرد ہونے کے نام پہ کڑے امتحان لے۔''

''آپ کو بچے پسند ہیں؟'' وہ جیسے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔مہدی اس سے ہر معاملے پہ بات کرتا تھا مگر آج تک اس نے فیملی کی بات نہیں کی تھی۔

''دوسروں کے نہیں پسند اپنے پسند ہوں گے۔''

زینیا ہنوز متعجب تھی۔

''کیا ہوا؟ایسے کیا دیکھ رہی ہو ہماری فیملی ہو گی یار جیسے سب کی ہوتی ہے۔'' موبائل سے نگاہیں ہٹا کر زینیا کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔''جنہوں نے اچھا بچپن نہ دیکھا ہوا نکے پاس دو آپشن ہوتے ہیں اپنی اولاد کو اپنا ٹراما دے کر خود کو اور انکو بے سکون کرنا،یا پھر بچوں کی اچھی تربیت کر کے ایک اچھی نسل دینا۔میں اپنے بچوں کو generational trauma سے بچاؤں گا۔''اس نے زینیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''تمھیں بچے نہیں پسند کیا؟''

''پسند ہیں ...... بہت زیادہ۔مجھے تو دوسروں کے بچے بھی پسند ہیں۔مجھے دو بیٹے چاہیئیں۔انکی آنکھیں آپکی آنکھوں جیسی ہونی چاہیے۔بیٹیاں بھی دو یا تین۔انکی آنکھیں میرے جیسی۔''

''اور زبان تم پہ چلی گئی تو اللہ اللہ خیر صلی۔''

''مجھ پہ طنز کرنے کا موقع چاہئے ہوتا ہے آپکو۔''

''اور تم دن میں ایسے کئی مواقع کثرت سے فراہم کرتی ہو۔ویسے تم نے سوچا ہے بیٹوں کے نام کیا رکھو گی؟میں بتاتا ہوں ایک شفیق دوسرا رفیق۔''

''اور بیٹی ہوئی تو میں نام رکھوں گی ایک فرزانہ دوسری شاہینہ۔''وہ تنک کر بولی

''پرفیکٹ۔''مہدی گہرا مسکرایا۔

''اب شفیق،رفیق اور فرزانہ سے باتیں کریں میں سونے جا رہی ہوں۔''

''تم شاہینہ کو بھول گئیں۔''

''آپ ہیں ناں یاد کریں بیٹھ کر۔''کمرے سے اسکی آواز آئی۔مہدی اسے مذید زچ کرنے کا ارادہ ترک کرتے کمرے میں آیا۔اب وہ کل کے بارے میں اسے کچھ بتا رہا تھا مگر زینیا کا دل اور دماغ اب بھی لفظ "فیملی" پہ اٹکا تھا۔دل خوش تھا۔دماغ مطمئن۔ذہن کے خانوں پہ ایک مکمل تصویر ابھر رہی تھی۔مہدی اور زینیا کی فیملی۔پرفیکٹ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اگلا سارا دن مختلف خواریوں کی نظر کرکے شام ڈھلے گھر آئی تھی۔اپنے پورشن جانے کے لئے اسے زینوں کا استعمال کرنا پڑتا تھا اور وہ زینے واحد جگہ تھے جہاں کبھی کبھار اسکا قیس سے سامنا ہو جاتا تھا۔آج کل البتہ وہ رات گئے گھر آتا، کہیں مل جاتا تو اس سے بات کئے بغیر حتی کہ اسے دیکھے بغیر آگے بڑھ جاتا۔وہ جانے کیوں سوچنے پہ مجبور تھی کہ آخر اسکے دماغ میں چل کیا رہا ہے؟

زینوں کے وسط میں جامنی فراک والی بچی بیٹھی تھی اوپر جاتی زینیا اسے دیکھ ٹھٹھک کر رکی۔ وہ کڑے تیوروں سے زینیا کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے وہی کیا جس کا مجھے اندازہ تھا۔'' وہ اسی بد تمیزی والی ٹون میں ہمیشہ کی طرح انگریزی میں بولی۔ زینیا کو بھی حسب معمول اسکے لہجے پہ تپ چڑھی لیکن اس نے تحمل سے بازو سینے پہ باندھے اور اسکی طرف متوجہ ہوئی۔

''اب کیا ہوا ہے؟''

''جو صبح ہوا وہ بھول گئیں آپ؟''

''صبح ایسا کیا خاص ہوا تھا؟''

''معصوم بننے کی کوشش مت کریں۔''

''کرتی ہی نہیں جانتی ہوں بری طرح ناکام ہو جاؤں گی۔''

''آپ مجھے زچ کر رہی ہیں۔''

''یہ میرا سب سے بہترین ٹیلنٹ ہے۔''

''آپ اس طرح کامیاب نہیں ہو سکتیں۔''

''کس معاملے میں؟''

''مجھے... قیس.. سے.. دور.. کرنے.. میں۔'' وہ اردو میں چبا چبا کر بولی۔

''میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں۔'' زینیا نے رسان سے کہا۔ ''اس گھر میں ہر کام تمھارے قیس ماموں کی پسند سے ہوتا ہے تمھیں کیا لگتا ہے اگر وہ نہ چاہتا تو میں تمھارے قریب بیٹھ سکتی تھی؟'' ایزل محب ملک یکلخت بے زبان ہو گئی۔ ''وہ چاہتا تھا میں تمھاری کچھ کنفیوژنز کلئیر کروں۔ لیکن اگر تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے۔ میں کسی کے پیچھے نہیں بھاگتی، ایزل۔ لیکن اگر تمھیں اس سے محبت ہے تو وہ کرو جو وہ چاہتا ہے، کیونکہ وہ واقعی تم سے محبت کرتا ہے۔''

وہ چپ ہوگئی تھی۔ بلکل خاموش۔

"میں کنفیوز ہوں۔" وہ اردو سے دوبارہ انگریزی کی لائن میں اتر آئی۔ "آپ اچھی نہیں ہیں، بری بھی نہیں لگ رہیں۔ کیا ہو رہا ہے؟ اگر آپ واقعی اچھی ہیں تو جو صبح ہوا وہ کیا تھا؟"

زینیا نے اسکی سبز آنکھوں میں دیکھا۔ گہرا سبز، اسی گہرے سبز کو ہلکا کرو، پھر اسکے گرد شہد رنگ کی لکیر کھینچو، پھر مڑی ہوئی پلکیں تصور میں لاؤ آنکھ جھپکو تو ایک مکمل آنکھ کا خاکہ سامنے ہے، وہ آنکھیں مہدی کمبیر کی آنکھیں تھیں۔ جنہیں آج کے دن میں آخری دفع غور سے اس نے انہی زینوں پہ دیکھا تھا۔

"آپا سے بات کرلی ہے آپ نے؟" وہ دونوں ایک ساتھ زینے اتر رہے تھے جب زینیا نے چہرے پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ یہاں سیٹلڈ ہیں قیس اور انکے درمیان دوبارہ دوستی ہوگئی ہے مجھے نہیں لگتا وہ آپ کے ساتھ جائیں گی۔"

"وہ قیس کی نہیں میری بہن ہے۔" جواباً زینیا نے کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈائننگ ہال میں تھے۔ میز پہ ڈھیر سارا ناشتہ لگا تھا، جس میں آدھا کھایا جانا تھا اور آدھا ضائع۔

"یار تم نے تو ادھر آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ مہدی کو دیکھتے ہوئے قیس دوستانہ لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے تم نے اوپر گھر بسالیا ہے لیکن یہاں آکر پڑوسیوں والے حقوق ہی ادا کرلیا کرو۔"

"میں ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" مہدی اسے دیکھے بغیر بولا۔ "میں کل سے سرور ہاؤس شفٹ ہو رہا ہوں، میرہ تم میرے ساتھ جارہی ہو۔ اور انیسہ اگر تم چاہو تو تم بھی میرے ساتھ آسکتی ہو۔ اور چچا میرے ساتھ جارہے ہیں۔"

"چچا کا consent کیسے لیا تم نے؟" وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے واقعی جاننے کے لئے بے تاب ہو۔ مہدی نے اسے جواباً سخت نظروں سے دیکھا۔ "نہیں نہیں میں انکی معذوری کا مذاق نہیں اڑا رہا بس پوچھ رہا ہوں۔" ہاتھ اٹھا کر اپنے معصوم ہونے کا پتہ دیا۔

"میں تمھیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں تمھیں روکنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ تم اور یہ کہیں نہیں جا رہے۔ اس گھر میں کھانا ساتھ کھایا جاتا تھا تم نے کھانا الگ کیا میں چپ رہا۔ گھر میں تناؤ رہا میں تب بھی چپ رہا لیکن بٹوارے کی باتیں مت کرو۔ میں اس گھر کو ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

میرہ اسے بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نگاہیں جن میں نرمی تھی۔ قیسیم میں اسے آنے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہ اب ایک باس کی حیثیت سے وہاں جا سکتی تھی۔ اور یہ سب قیس نے کیا تھا۔

"تم سے معافی مانگ چکا ہوں میں، شرمندہ ہوں میں۔ شرک کے علاوہ تو ہر گناہ کی معافی ہے تم مجھے کس گناہ کی سزا دے رہے ہو۔ میں نے ایک لمبا عرصہ تم سب کو سنبھالا ہے کچھ غلطیاں ہو گئیں تو کیا اب تم میرے ساتھ ایسا سلوک کرو گے؟ میری ساری قربانیوں کا یہ صلہ دو گے تم؟"

انیسہ لب کاٹنے لگی۔ اسکے موبائل پہ بپ ہوئی تو سکرین پہ زوار کا میسج نظر آیا۔ وہی لڑکا جس سے کچھ دن قبل قیس نے اسے ملوایا تھا۔ وہ ان چند دنوں میں اسکے کافی قریب آ گئی تھی۔ یہ شاید قیس ہی کی وجہ سے ہوا تھا اور مہدی اب زیادہ تلخ تھا۔ ایسا اسکو لگتا تھا۔

"اگر تمہیں زیادہ مسئلہ ہے تو تم بیک ڈور استعمال کر لو۔ تمھیں اور اسے کسی قسم کی مشکل نہیں ہو گی نہ تم مجھے دیکھ سکو گے نہ ہی تمہاری پرائیوسی متاثر ہو گی۔ گھر چھوڑ کر ان سب کو لے جا کر مجھے اکیلا مت کر و یار۔"

زینیا کا جی چاہا تھا اس آدمی کو آسکر وننگ پرفارمنس پہ کم از کم standing an novation تو دے کمبخت کیسے آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا۔

"تم نے میری پوری بات نہیں سنی ہے، قیس۔" مہدی پہ اسکی اچھائی، حسن سلوک، اور قربانیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ "میں جا رہا ہوں اور صرف گھر نہیں کاروبار بھی الگ ہو رہا ہے۔ مجھے ان دونوں کارخانوں کا غذات چاہیے جو میرے باپ کی ہیں۔ قیسیم تمہارا ہے تمہارا رہے گا۔"

"اس میں تمھارے نام کا حرف بھی آتا ہے۔"

''وہ ایک حرف بھی ہٹوا دو۔'' کمال بے نیازی تھی۔ ''مجھے بس وہ دو جس میں میرا شرعی اور قانونی حصہ ہے۔ گاؤں کی زمینوں سے میرے حصے کی رقم کا حساب کتاب بھی کر لیتے ہیں۔ پہلے معملہ الگ تھا لیکن اب مجھ پہ ذمہ داریاں ہیں۔''

''میں زمہ داریاں پوری کر رہا ہوں ناں۔'' قیس نے سختی سے اسے ٹوکا۔ ''تم وہ کرو جو پہلے کر رہے تھے۔ ٹریول چھوڑ دو گے کیا؟ اور اگر تمھیں لگتا ہے یہ فیکٹری اور، اراضی کے معملات کے ساتھ ساتھ تم سیاحت کو بھی وقت دو گے تو میرے عزیز بھائی اس خیال سے ہی باہر آ جاؤ۔ دنیا نامی ناگ ایک بار ڈس لے تو تریاق نہیں ملتے۔''

''اپنی ساری فکریں اپنے لئے سنبھال کر رکھو۔ میں اپنا پیر خود جما بھی سکتا ہوں اور کھڑے بھی ہو سکتا ہوں۔ اس لئے.....'' اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''مجھے مجبور مت کرنا کہ ہم یہ سارے معاملات کورٹ میں طے کریں۔'' بے لچک اور کاٹ دار لہجے میں کہہ کر وہ زینیا کو ساتھ لئے وہاں سے نکل گیا۔ مذید یہاں رہنا، اسے کئی دنوں میں ایک بار دیکھ لینا بھی بہت مشکل تھا۔

''مہدی ماموں سے یہ سب آپ نے کہا ہے ناں؟'' ایزل کی آواز اسے حال میں لے آئی۔ زینیا نے اسے دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔

''تمھارے ماموں جتنے زمین کے باہر ہیں اتنے ہی زمین کے اندر بھی ہیں۔ میں کہہ دوں اور وہ سب مان لیں ایسا نہیں ہوتا۔'' ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف پارٹ فور۔ ایزل اسکی بات کا کوئی سر پیر نہیں سمجھی۔ ''انہوں نے اگر میری بات ماننی ہوتی تو اس گھر میں آتے ہی ناں۔ میں یہاں نہیں آنا چاہتی تھی، ایزل۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی اسے سچ ہی کہنا تھا۔ لیکن اگر پھر بھی تمھیں لگتا ہے میں اس گھر کو تباہ کرنے آئی ہوں تو اپنے فیورٹ ماموں سے پوچھ لینا۔'' زینیا کہتے ہوئے اٹھی۔

''ویٹ وہ اس دن آپ نے کیا کہا تھا؟'' زینیا کو جاتے ہوئے دیکھ وہ جلدی جلدی پوچھنے لگی۔ ''سب کے فادر ہیرو نہیں ہوتے ایسا کچھ۔'' ایزل کی اردو ٹوٹی پھوٹی تھی ہاں البتہ انگریزی وہ روانگی سے بولتی تھی۔

وہ سارا دن کسی اچھے ادارے کی تلاش میں پھر کر آئی تھی اور اب ایزل کے یہ سوالات۔ اس بچی سے اسکا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا لیکن........ وہ دونوں اگر آئینے میں ساتھ کھڑے ہوں تو ایک نظر آئیں۔

''میں کسی کو جانتی ہوں۔اور دل سے اسے بہت مانتی بھی ہوں۔دنیا کا سب سے نوبل انسان۔جانتی ہو انکے والد صاحب انکی پیدائش سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے۔پیدا ہونے کے کچھ وقت بعد ماں بھی چلی گئیں۔بھری دنیا میں اکیلے بچے نے کس طرح سروائیو کیا؟''وہ زینوں پہ اسکی دائیں طرف بیٹھی کہہ رہی تھی۔''اس بچے کو ایک دائی نے پالا۔پھر انکی وفات کے بعد انکے چچا نے۔بچہ بڑا ہوتا گیا۔وہ بہت مہربان بچہ تھا۔ہر ایک سے محبت اور تمیز سے بات کرتا،بڑے چھوٹوں کا ادب کرتا،لوگوں کے کام آتا،اور سب سے بڑھ کر وہ اپنی ماں کو اچھے لفظوں میں یاد کرتے تھے۔''

ایزل محو ہو کر سن رہی تھی۔لوگ کہتے ہیں بچہ بات نہیں سنتا سچ کہتے ہیں بچہ بات نہیں کہانی سنتا ہے۔

''بڑے ہو کر اللہ نے انہیں انعام دیا۔لیڈرشپ کا ذمہ دیا۔انکے لئے بہت ساری مشکلات تھیں لیکن انہوں نے اللہ سے بھی شکوہ نہیں کیا۔''

''اوہ گاڈ'' patience

''بالکل صبر.....اب دیکھو انہیں بچانے والا باپ تو نہیں تھا،پیار کرنے والی ماں بھی نہیں تھی۔لیکن انہوں نے کسی سے بدتمیزی نہیں کی،کسی کو نقصان نہیں پہنچایا،کسی کا برا نہیں سوچا کسی کو ہرٹ نہیں کیا،اللہ نے جو کام ان سے کہا انہوں نے کیا۔لوگوں کو اچھے کام سکھائے،انکی ڈھیر ساری مدد کی،دن میں ہمیشہ ایک مثبت امیج رکھا،لوگوں کو معاف کیا،مہمانوں کی خدمت کی۔آخر وہ کون تھے؟ایسا کون کرتا ہے؟''

''ہیرو.....وہ ہیرو تھے۔''وہ چمکتی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ واقعی ہیرو تھے۔دنیا کے سب سے بیسٹ ہیرو۔لیکن کیا انکے فادر نے انہیں کچھ کرنا سکھایا؟کیا وہ انکے ساتھ تھے،کیا وہ انہیں سپورٹ کرتے رہے؟نہیں کیونکہ وہ انکے قریب نہیں تھے۔''زینیا کہہ رہی تھی اور ایزل کی رنگت فق تھی۔''ضروری نہیں ہوتا ہر بچے کا باپ ہیرو کی صورت اسکی زندگی میں موجود رہے۔کچھ بچوں کے باپ انکی زندگی میں وہ کردار نہیں ادا کر پاتی جس کی بچے کو خواہش ہو اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسکا باپ ایک ہیرو نہیں۔''

''پھر اسکا مطلب کیا ہوتا ہے؟''

''اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ خود ہیرو بنو۔''اس نے کچھ ایسا کہا کہ ایزل کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔''وہ انسان جنہوں نے اتنی مشکلات دیکھیں، بغیر ماں باپ کے رہے جانتی ہو وہ کون تھے؟''ایزل نے نفی میں سر ہلایا۔''وہ اس دنیا کے سب سے نوبل انسان تھے۔ حضرت محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور انکی زندگی کا قصہ میں نے تمھیں اس لئے سنایا ہے کیونکہ وہ flawless تھے۔اور ایسا بننے کے لئے انکے پاس صاف دل تھا۔ صاف دل وہ ہوتا ہے جو کسی کا برا نہ چاہے، اپنے پیرنٹس کی عزت کرے، بروں بڑوں کا ادب کرے۔''زینیا نے ذرا سا آگے ہو کر جامنی فراک والی بچی کے بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا۔وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ جانے کتنے عرصے کا اشتعال اور غبار تھا جو پھٹ کر باہر آرہا تھا۔

''ہر ہیرو کا باپ ہیرو نہیں ہوتا، ایزل۔ اور انکا ہیرو نہ ہونا بیڈ لک نہیں ہوتا بس ایک ٹاسک ہوتا ہے۔ میرا باپ ہیرو نہیں تھا لیکن میں اپنے بچوں کے لئے ہیرو بنوں گی۔ تم اس وقت اپنی ماں کے لئے اپنے چھوٹے بھائی کے لئے ہیرو بنو گی۔ بنو گی ناں؟''

''اس سے کوئی فرق پڑے گا؟''سرخ ناک، بھاری آواز وہ زینیا سے سوال کر رہی تھی خدشہ بیان کر رہی تھی۔ زینیا نے اسکا چہرہ صاف کیا۔ وہ دونوں ایک تھیں فرق یہ تھا کہ زینیا کے لیے کبھی کوئی نہیں آیا تھا۔

''بالکل ہوگا۔ اگر آج تم مام سے بدتمیزی کرو گی تو کل میران بھی کرے گا تم عزت کرو گی تو میران بھی عزت کرے گا۔ وہ تم سے سیکھے گا تم نہیں چاہتیں تمہارا بھائی کچھ اچھا سیکھے؟''

وہ خاموش رہی۔ برف کی سل پہ وار ہوا تھا۔ اسکے سینے میں کلمہ اور قرآن تھا کیسے ممکن تھا اس ذکر، اس ہستی کے قصے سے وہ آنکھ پھیر لیتی جس نے چودہ سو سال قبل اپنی اسی امت کی بخشش مانگی تھی؟ دل تب جڑ چکا تھا بس اسکے زنگ اتارنے کی دیر ہے۔ محمدؐ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور انکی محبت ایسے نکھر کر آئے گی اور ایسے زندگی میں جگہ بنالے گی کہ انسان خود بھی سمجھ نہیں پائے گا۔

''لیکن میں قیس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''ایک اور ٹاسک۔''زینیا کھڑی ہو چکی تھی۔ اسکی کمر اب جواب دے رہی تھی۔''اگر تم فری ہو تو میرے کمرے میں آجانا، ہم ساتھ میں کچھ کام کر لیں گے۔''

وہ ایزل کو پراسیس کا وقت دے کر چلی گئی۔اسے یقین تھا آج نہیں تو کل وہ اس کمرے میں بھی آئے گی،اور مثبت رخ بھی بدلے گی۔اسے اپنے سنائے قصے کی شخصیت اور اسکے مالک پہ یقین تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"خوشیوں کی منزل ڈھونڈی تو غم کی گرد ملی۔

چاہت کے نغمے چاہے تو آہیں سرد ملیں۔"

"پرانی باتیں یاد کر کے دل کے زخم تازہ نہیں کرنا چاہتا۔دل اب ہر وقت آہ وزاری کرتا ہے لیکن میں اپنے کان لپیٹ چکا ہوں۔اس دل نے مجھے بہت خوار کروایا،اب میں اسے اسکی اوقات میں رکھتا ہوں۔ لیکن تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ٹوٹے خاندان کے فرد کو ہم سفر بنانے سے پہلے سوچنا چاہیے تم نے نہیں سوچا۔خیر میں ہوں ناں تمہاری یہ مشکل بھی آسان کروں گا۔جسے تم نے اپنے لئے پسند کیا،اسے میں نے ایک عرصہ اپنی قید میں رکھا ہے۔وہ آج بھی میرے قفس کا عادی ہے،تم اسے مجھ سے بدزن نہیں کر سکتیں۔وہ میرے پاس لوٹے گا آدھی دنیا دیکھے گی،اس روز میں ایک اونچے شملے پہ نظر آؤں گا۔ہاں اس سے پہلے شاید ضرورت کے تحت مجھے جھکنا پڑے لیکن کھیل میں سب جائز ہے۔وہ کھیل جس میں فتح یقینی ہے۔تم نے میرا دل ناکارہ کر دیا ہے اور اب میرے پاس محض دماغ ہے جس کا میں بے دریغ استعمال کروں گا۔")

رات کے پہر وہ اس کمرے کے باہر کھڑا تھا جہاں جانا بھی اسکے لئے سوہان روح تھا۔وقت،حالات،محبت بڑے بڑے سورماؤں کو ڈھیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں،وہ بھی ڈھیر ہو رہا تھا دوبارہ کھڑے ہونے کے لئے۔کچھ تھا اسکے دماغ میں جو اسکے لئے بے حد واضح تھا اور باقیوں کے لئے دھندلا۔

دروازہ کھلا تو فریم میں کوئی دراز قد مرد کھڑا نظر آیا۔اس کی آنکھوں میں نیند کی خماری تھی۔ بال بکھرے ہوئے۔اس نے اچھنبے سے قیس کو دیکھا۔"نائٹ میئر تم؟اس وقت سیریسلی؟"مہدی سرور بری طرح بے زار تھا اور یہ اسکے چہرے پہ لکھا تھا۔

"تم صبح جا رہے ہو اور میں تمھیں روک بھی نہیں سکتا۔"اس نے گردن جھکائی،لب کاٹے۔"میں تمھیں مس کروں گا،مہدی۔مت جاؤ۔"

"رات کے دو بجے تم یہ کہنے آئے ہو؟"

"تم آج کل میری نہیں سنتے۔" گلا کیا۔ "تو یہ طے ہوا کہ روکنے سے بھی نہیں رکو گے؟ گھر بھی خالی کر جاؤ گے، کاروبار بھی بٹ جائے گا، میرے گنے چنے لوگ بھی لے جاؤ گے، کیا یہ واقعی طے ہوا؟" مہدی اسکی آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹا پایا۔ وہ کیوں اسے بے بس کر رہا تھا؟ "میں نہیں رہ سکوں گا اور اسے مذاق مت سمجھنا۔"

"مجھ پہ باتیں اور جذبات اثر کھو چکے ہیں، قیس۔" اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جواب دیا۔ کئی ثانیے قیس چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک... درست... مطلب واقعی جانا ہے؟.." سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ ". جاؤ۔ لیکن کچھ وقت میرے ساتھ گزارو۔"

"تم اس وقت میں پچھتاؤ گے۔"

"پچھتاوے میرے، تم وہ سمیٹ لینا جو جھولی بھر بھر کر تمھیں ملے گا۔" وہ دو قدم پیچھے ہوا۔ "میں کچن میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم آؤ گے ناں؟"

مہدی نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ انداز مشکوک تھا لیکن اسکی آنکھیں تو شفاف تھیں۔ ہر قسم کی چال سے پاک۔

"کیا بات کرو گے؟"

"کچھ بھی، جو اگلے کچھ وقت کے لئے یاد بن کر ساتھ رہے۔ تم آؤ گے؟"

"آرہا ہوں۔" گہری سانس لیتے اس نے مثبت جواب دیا۔ قیس سر ہلاتے ہوئے پلٹ گیا۔ مہدی پیچھے ہٹا، اپنے عقب میں دیکھا تو کچی نیند سے جاگی وہ اسی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ لیمپ کی روشنی میں اسکی رنگت عجیب سی تھی۔ "تم سو جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"آپ کو لگتا ہے وہ آپ کو بلانے آئے گا اور میں سو جاؤں گی؟ اسموک کرنے جا رہے ہیں؟"

''نہیں لگاتا تمہاری سوتن کو ہاتھ۔'' وہ چلتے ہوئے اسکے قریب آیا۔ ''میں نے کہہ دیا چھوڑ دوں گا تو چھوڑ دوں گا فکر مت کرو اور سو جاؤ۔ تھوڑی دیر تک آرہا ہوں۔''

''مجھے نیند نہیں آئے گی۔''

''کوشش تو کرو آجائے گی۔''

''آپ نے آج گھر اور کاروبار الگ کرنے کی بات کی ہے مجھے پورا یقین ہے یا تو وہ آپ کو غائب کروائے گا یا اسی محل میں کہیں زندہ گاڑھ دے گا۔ اس نے پہلے بھی یہی کیا تھا آپ اس سے اتنے بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں؟''

مہدی ہنستے ہوئے اس کے سرہانے آکر بیٹھا۔ ''پتہ نہیں وہ کونسی بیویاں ہوتی ہیں جو شوہر کی سلامتی کی دعائیں مانگ مانگ کر نہیں تھکتیں ایک تم ہو میری موت کو دس مختلف انداز میں تصور نہ کر لو تو تم پہ نیند حرام ہے۔''

''کیونکہ مجھے آپ کے کارناموں پہ کوئی شبہ نہیں ہے کسی دن آپ نے یہ کروا کر ہی دم لینا ہے۔''

''تمہارا کیا نقصان ہے؟ کروڑوں کی جائیداد کی مالک بن جاؤ گی۔'' اس نے زینیا کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے اسے واپس لٹایا، سینے تک کمفرٹر ڈالا اور خود بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، ٹانگیں لمبی کر بیٹھ گیا۔

''وہ جائیداد جو اب تک آپ کے اپنے نام نہیں ہوئی؟''

''ذاتی حملے کرنا چھوڑ دو لڑکی۔''

''خود کو موت کے منہ میں ڈالنا بھی چھوڑ دیں۔''

''وہ مجھے نہیں مارے گا۔'' مہدی اب زینیا کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا تھا۔ چہرے پہ کوئی پر یقین تاثر تھا۔

''زندہ رہنے کے قابل بھی نہیں چھوڑے گا۔''

''اپنی ڈارک تھیوریز کو ایک طرف رکھو اور سو جاؤ۔'' اسے اس طرح جاگتے ہوئے چھوڑ کر وہ جا نہیں سکتا تھا سو محنت جاری رکھی۔ کچھ دیر وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے۔ مہدی کی متحرک انگلیاں کب تھم گئیں اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ زینیا کی

کھلی آنکھیں چھت سے لگی رہیں۔اس کمرے میں واحد آواز ان دونوں کے سانس لینے کی تھی۔وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔اے سی کی ٹھنڈک اعصاب جمارہی تھی۔

''آپ نے ایک غلط فیصلہ کیا۔''بہت دیر بعد وہ ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی۔''ہر انسان کے ذہن کی وسعت اتنی نہیں ہو سکتی جتنی ہم چاہتے ہیں۔آپ کے گھر والے،اس شادی کو کبھی قبول نہیں کر سکتے یہ بات آپ کو سمجھنی چاہیے تھی۔''

''میں ساری زندگی اس گلٹ میں نہیں رہنا چاہتا تھا کہ میں نے تمہیں وہ عزت نہیں دی جسکی تم حقدار تھیں۔''بڑے دنوں بعد وہ اعتراف کے موڈ میں لگتا تھا۔''تمھیں یہاں لانا درست تھا سب کو یہ بتانا کہ اس گھر پہ میری ملکیت ہے ضروری تھا۔مزید اپنے حقوق سے دستبرداری دینا کوئی دانشمندی نہیں تھی۔''

وہ کہنی کے بل سیدھی ہو بیٹھی۔ سنجیدگی سے مہدی کو دیکھا۔''آپ یہاں لائے میں آگئی اب مجھے کل ہی یہاں سے جانا ہے،اتنا کر سکتے ہیں آپ؟''

''ہم کل جا ہی رہے ہیں۔''وہ جیسے اس مطالبے کو سمجھ نہ سکا۔

''وہ آپ کو روکنے آیا تھا اور مجھے یقین ہے اسکے پاس ضرور کچھ ایسا ہے کہ آپ رک جائیں گے۔''

''میں کہہ آیا ہوں ہوں جا رہے ہیں پھر وہ مجھے کیوں روکے گا؟''

''کیونکہ اسکے دماغ میں کچھ چل رہا ہے۔''

''ہم ہماری بات کیوں نہیں کر رہے؟''زینیا نے دیکھا کہ مہدی کے تاثرات میں ناگواری گھلی۔ بھنویں بھینچ گئیں۔''ہماری ہر بات میں وہ بیچ میں آجاتا ہے۔مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا جب تم اسکا ذکر کرتی ہو۔''

''میں شوقیہ نہیں کرتی۔''زینیا بھی اسی ناگواری سے بولی۔چہرہ الگ سرخ ہوا۔

''جو بھی ہے۔ تم آئندہ اسکی بات مت کیا کرو۔ مجھے بہت برا لگتا ہے جب تم اسکی بات کرتی ہو ہمارے درمیان ہماری بات ہونی چاہیے دنیا میں اور بھی ہزار مسئلے ہیں، موضوع ہیں پھر ہر دفع وہی کیوں؟'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ آج وہ دوسری بار شوہر لگا تھا۔ ''جو گزر گیا وہ گزر گیا میں بار بار وقت میں پیچھے جا کر دوبارہ وہ سب نہیں سننا چاہتا مجھے اور تمھیں اب آگے بڑھ جانا چاہیے۔''

''اور اسکے لئے ہمارا اس گھر سے نکلنا اشد ضروری ہے۔'' اسکا انداز اب کے صلح جو تھا۔ ''ہمارے گھر چلتے ہیں، پلیز۔''

مہدی نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے، گہری لمبی سانس لیتے وہ بیڈ سے اتر آیا۔ اسکے چہرے پہ انتشار واضح تھا۔ ''اوکے چلتے ہیں۔'' اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔ ''میں تھوڑی دیر تک آجاؤں گا تم سو جاؤ انتظار مت کرنا۔''

''اوکے۔'' اس نے کہہ دیا تھا لیکن اتنا تو وہ بھی جانتا تھا وہ اسکے آنے سے پہلے نہیں سوئے گی۔ اسکے دروازے تک جانے تک زینیا اسے دیکھتی رہی تھی۔ دروازہ بند کرتا وہ بھی اس پہ ایک نظر ڈال گیا تھا۔ سب ٹھیک تھا، سب پرفیکٹ۔ کچھ غلط نہیں ہو گا۔

''سب تباہ ہونے والا ہے۔''

ایسا ان دونوں کا وجدان کہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں ہی سیاہ رنگ کے نائٹ سوٹ میں ملبوس تھے۔ مہدی کو یاد تھا یہ وہی لایا تھا۔ قیس کی آدھے سے زیادہ وارڈروب مہدی کے دیے تحفوں سے بھری تھی۔ وہ ہر چیز ڈبل لیا کرتا تھا۔ پھر وہ دونوں جب ایک ہی موقعے پہ وہ کپڑے پہنتے تھے تب قیس ہمیشہ ایک شان بے نیازی سے کہتا تھا۔

''مجھ پہ زیادہ سوٹ کر رہا ہے۔''

مہدی ہمیشہ ہی کلستا رہ جاتا۔ مگر اگلی دفع وہ دوبارہ چیزیں لے آتا۔ ایک رنگ، ایک برانڈ، ایک ڈیزائن، کیونکہ گئے وقتوں میں وہ دونوں ایک ہی تھے۔

''تم پچھلے دنوں بنگلہ دیش گئے تھے ناں؟'' کاؤنٹر دو مگ رکھتے ہوئے قیس نے پوچھا۔ ''میرے لئے سکے نہیں لائے؟''

سلیب کی دوسری طرف کھڑے مہدی کے پاس الفاظ نہیں تھے۔اگر تھے تو وہ اس وقت اسے ضائع ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔وہ بس اسے دیکھ رہا تھا، وہ اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا؟

''چائے میں بنالیتا ہوں تم ہٹو۔'' اسکی پچھلی بات یکسر نظرانداز کرتے مہدی فرج کی طرف آیا۔دروازہ کھولا ٹھنڈی یخ لہر چہرے سے ٹکرائی۔

''انیسہ کا نکاح کر رہا ہوں اس ہفتے۔'' چولہے سے ہٹ کر سلیب سے ٹیک لگائے وہ عام سے لہجے میں بولا۔مگر کوئی نادیدہ زنجیر تھی جس نے مہدی کے پیروں کو چھو لیا تھا۔ٹھنڈا لوہا، وہ محسوس کر سکتا تھا۔''لڑکا بہت اچھا ہے میں نے معلومات بھی کروائی ہیں اور اس نے کچھ وقت قیسم میں کام بھی کیا تھا، تجربے کے لئے ورنہ اسکا اپنا کاروبار بہت لمبا چوڑا ہے۔انیسہ بہت خوش رہے گی۔'' بات کرتے ہوئے وہ غور سے مہدی کے تاثرات جانچ رہا تھا جہاں محض حیرانی تھی۔''انیسہ براہ راست مل بھی چکی ہے اور کچھ دن بات بھی ہوئی ہے وہ راضی ہے۔دو دن پہلے انکی فیملی یہاں ڈنر پہ بھی آئی تھی تم گھر پہ نہیں تھے ملاقات نہیں ہو سکی۔''

فرج کا دروازہ کھلا کا کھلا رہ گیا وہ جس کام کے لئے آیا تھا وہ بھول گیا۔سب جلدی میں کیوں ہو رہا تھا؟ سب ہو کیوں رہا تھا؟

''میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا، گرین وونڈ۔'' وہ ایسے بولا جیسے دونوں بھائیوں میں بہت محبت ہو۔''اگر تمھارے دل میں اب بھی انیسہ کے حوالے سے کچھ ہے تو کہہ دو۔مرد دوسری شادیاں کرتے ہیں یہ جائز ہے۔میں نہیں چاہتا میں تمھیں ہرٹ کروں۔''

''میرے دل میں اسکے لئے کیا ہوگا؟ میں بہت پہلے اس سے اور اسکے ذکر سے آگے بڑھ چکا۔اب میرے سامنے اس طرح بات مت کیا کرو میں شادی شدہ آدمی ہوں۔میری بیوی سن لے گی۔'' دودھ کا پیکٹ نکال کر اس نے سلیب پہ رکھا۔

آنکھیں چھوٹی کرتے اسے دیکھتے ہوئے قیس نے شانے جھٹکے۔''یقین نہیں آتا کوئی اس عورت سے موو آن کیسے کر سکتا ہے جو ایک عرصہ تمھارے نام منسوب رہی ہو؟'' وہ کہاں تیر چلا رہا تھا مہدی جانتا تھا بہت اچھے سے جانتا تھا۔

''ہوتے ہیں کچھ مرد جن میں غیرت ہوتی ہے ناں کو سمجھ لیتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔پھر کچھ ہوتے ہیں جن کا موازنہ گلی کے کتوں سے کیا جائے بھی تو کم ہے۔دھتکارنے پہ بھی روٹی کے ٹکڑے کی طلب نہیں جاتی۔''

''اچھی لائن ہے کہاں پڑھی؟'' وہ متاثر نہیں ہوا تھا۔

''کہیں نہیں بس تمھیں دیکھ کر یاد آگئی۔'' جتاتی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے دودھ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے وہ چولہے کی طرح آیا۔

''چائے تھرماس میں ڈال لینا ضرورت پڑے گی۔اور تم سے ایک اور بات بھی کہنی تھی۔'' زنجیر اب پورا وجود بن گئی تھی جس سے مہدی بس نظر پھیر لینا چاہ رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پنڈلی سے آگے سفر کر رہی تھی۔ ''تمھیں جانا ہے تم جاؤ۔انیسہ اپنے گھر چلی جائے گی میرہ اپنے بچوں سمیت تمھارے ساتھ جائے گی۔مقصود چچا بھی آٹو میٹکلی تمھارے ساتھ جائیں گے حالانکہ انکا consent جاننے کا طریقہ ہمارے پاس نہیں ہے سو یہ فیصلہ تھرڈ امپائر (بختیار) نے کرنا تھا۔''

''وہ بھی تمھاری ہی مہربانیوں کی وجہ سے آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔'' مہدی پھاڑ کھانے دو دوڑا۔ قیس نے البتہ کندھے اچکائے۔ چہرے پہ معصومیت طاری رہی۔

''اللہ جنت نصیب کرے، حالانکہ افعال ایسے نہیں تھے۔ خیر ہم تو بس دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' بے حد دل سے دعا دی۔ یقیناً عرش تک گئی ہو گی۔ (ایسا یقین بس اسے ہی تھا۔) ''تو بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارے گھر کا بڑا ''میں'' ہوں، فیصلے میں کروں گا۔ لیکن ہمارے تعلقات اس وقت اس نہج پہ ہیں کہ تم میرے فیصلے نہیں مانو گے اس لئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں سات دن یہاں ٹھہر جاؤ۔انیسہ کے نکاح کے بعد چاہو تو بے شک چلے جانا۔ میں تمھیں نہیں روکوں گا۔''

زنجیر پیروں سے گلے تک آئی اور ایک لمحے کے لئے اتنی تنگ ہوئی کہ نہ وہ سانس لے سکا نہ خارج کر سکا۔ گلے میں بہت کچھ اٹک گیا۔

''میں نے بہت غلط کام کئے ہیں۔ قتل، جھوٹ، کرپشن، دھوکہ، غصب۔اب تو گنتی ختم ہو سکتی ہے لیکن میرے گناہوں کی فہرست نہیں۔ تم سب چلے جاؤ گے میں اکیلے رہنا سیکھ لوں گا لیکن پچھتاؤں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ تم میرے بھائی ہو، ہمارے یہاں ساری دنیا چھوڑ دیتی ہے بھائی نہیں چھوڑتا تم مجھے کیسے چھوڑ سکتے ہو؟''

مہدی دھیرے سے اسکی طرف مڑا۔ وہ جیسے قیس سے پہلی بار مل رہا تھا، یا شاید مدت بعد۔ مگر یہ طے تھا کہ اسے یہ ملاقات رسن دار لگی تھی۔ اسکا دم لمحہ بالمحہ گھٹ رہا تھا۔

''کیوں کر رہے ہو یہ سب؟ سب کو ایک اندھی جہنم میں دھکیلا تم نے، پھر جب سب آدھے جھلسے، آدھے سلگے باہر نکلے ہیں تو یکدم تمھیں مرہم کیوں یاد آگیا ہے۔''کاٹ، تپش، جھلاہٹ سب تھا اسکے لہجے میں۔ شاید بے بسی بھی۔

''یہ آگ وقتی تھی۔ میرے لئے ایک دائمی اگ ہے۔'' سیاہ آنکھوں نے سبز آنکھوں میں دیکھا۔ نیم اندھیرے کچن میں سلیب سے ٹیک لگائے کھڑے شخص کی آنکھیں اس پل مختلف تھیں۔ اس پہ ترس آتا تھا۔ ''مجھے اس آگ سے ڈر لگتا ہے، گرین وونڈ۔ مجھ جیسے آدمی پہ خدا رحم نہیں کرے گا کم از کم اسکے بندوں سے تو جان خلاصی ہونی چاہیے۔ تم لوگ اپنی آگ دیکھ رہے ہو اور میرے لئے جو ایندھن تیار ہے اسکا کیا؟''

مہدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ جس رعب، حقارت، کروفر سے وہ نفرت کرتا تھا وہ شاید دفن ہو چکے تھے۔ قیس کمبیر تو نیا انسان تھا۔ اسکے خون میں جیسے کھنچاؤ اٹھا تھا۔

''میری مدد کرو، مہدی تم چلے جاؤ گے تمھارے پاس ایک خاندان ہو گا، گھر ہو گا، ایک مدت بعد اولاد ہو گی۔ میرے پاس پچھتاوے چھوڑ کر مت جاؤ۔ میں تم سے معافی مانگ رہا ہوں چاہو گے تو تمہاری بیوی سے بھی معافی مانگ لوں گا لیکن مجھے آگ میں مت جھونکو۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

آکسیجن........ہاں وہاں آکسیجن کی کمی ہوئی تھی اور اسکا دم گھٹنے لگ گیا تھا۔ وہ اسے دیکھے بغیر تیزی سے وہاں باہر نکل گیا۔ اسکا چہرہ سفید پڑ رہا تھا سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ زنجیر گلا گھونٹ رہی تھی بے رحمی سے، یا شاید مجبوری سے۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اسکی آنکھیں دھندلا رہی تھی۔ اسکے جسم سے سانس رخصت ہو گیا تھا۔

زنیا متفکر سی اسکا بازو پکڑے اسے پلنگ پہ بٹھا رہی تھی، وہ اس سے کچھ پوچھ رہی تھی مہدی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اسے رونا آرہا تھا دل پھٹ رہا تھا۔ قیس کمبیر کے آگے وہ ایک بار پھر بے بس ہو چکا تھا۔ زنیا حاکم کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے نم آنکھوں اور التجائیہ نظروں سے اس نے بس اتنا کہا۔

''کیا تم مجھے صرف سات دن دے سکتی ہو؟ پلیز صرف سات دن۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔اس کہانی میں کوئی کردار کسی کو ناں کہنے کی حالت میں نہیں تھا۔وہ بھی نہیں کہہ سکی۔قسمت نے سر پیٹ لیا تھا کاش, کاش, کاش وہ ناں کہہ دیتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''دو دن بعد۔''

مہندی کا فنکشن ختم ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔شیزل کے کمرے کی بالکنی میں تین کرسیاں لگی تھیں, ریلنگ پہ تین لڑکیاں پیر رکھے بیٹھی تھیں, تینوں کے ہاتھ میں مگ تھے اور اس مگ میں موجود مائع ان تینوں کی پسند کے مطابق مختلف تھا۔کونج زینیا سے ملنے کے لئے آئی تھی اور اب کہیں شادی کا بلاوا ہوا اور لڑکیاں گھر رک جائیں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔زرق برق لباس میں انکی جھب آج نرالی تھی۔

''اٹھالیں بیچارہ کب سے کالز کئے جارہا ہے۔'' سیاہ آنکھوں والی لڑکی نے شیزل کی توجہ اسکے موبائل کی طرف دلوائی جہاں وریام کالز کر کر کے دیوانہ ہوا جارہا تھا۔

''مت اٹھاؤ, تھوڑا بہت رعب رہنا چاہیے ورنہ کیا سوچے گا تم اتنی فارغ ہو؟'' کہتے ہوئے اس نے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

''اسکی سننا چھوڑ دیں یہ وہ عورت ہے جسکے پاس relationship advice کے لئے جائیں گی تو کہے گی ختم کر دو۔''

''مس کونج حاکم تمہارا کوئی ریلیشن شپ ہے بھی؟'' زینیا نے باقاعدہ آگے کو ہو کر اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

''تمھیں کیا لگتا ہے تمھارے ہوتے ہوئے ایسا ہو سکتا ہے؟ ابا سے کہہ دیتیں میرا اور ضیغم کا نکاح کروا دیں لیکن نہیں تمہیں تو مہدی بھائی سے فرصت نہیں۔'' وہ سخت تپی بیٹھی تھی۔آخر کب تک وہ انسٹا گرام پہ بدلتی اسکی سولو ڈی پیز دیکھتی رہے؟ کب تک اسکا واٹس ایپ دیکھے؟

''جو تمہاری عمر ہے ناں اس میں یہ مل گیا بھی بہت ہے۔'' شیزل نے بیچ بچاؤ کروایا۔''ورنہ مجھ سے پوچھو زندگی کے کتنے سال افسانوی کرداروں کو شوہر بناتے ہوئے گزار دی ہے۔آہ میرا, زاویار (اردو ناول کا ایک کردار)۔''

''جو ملا ہے وہ کسی فسانے سے کم ہے کیا؟'' زینیا نے چوٹ کی۔

''تم کیوں جل رہی ہو، خود جس پہ بنگالی جادو کر کے بیٹھی ہو وہ کم ہے؟'' کونج تپ گئی۔

اسکے ذکر پہ زینیا ہلکا سا مسکرائی۔ بے اختیار، بلاوجہ۔

''ویسے کہاں ہے وہ زن مرید؟ آج نہ میسج نہ کوئی کال۔ روٹھے روٹھے سرکار نظر آتے ہیں۔''

'' انکا تو روز کا ہے۔ صبح مجھے کہہ رہے تھے اسلام کے فلاں ایریا میں ایک اکیڈمی ہے داخلے بند تھے لیکن اب دوبارہ کھلے ہیں ایک ٹیسٹ ہوگا اور پھر دو لوگوں کو سیٹس مل جائیں گی۔''

''پھر یقیناً تم نے اسے اپنی لمبی زبان کے جوہر دکھائے ہوں گے؟'' ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے کونج نے آگے کو ہو کر پوچھا۔

''میں نے کیا کہنا تھا؟ میں نے کہا کتنے پیسے دے کر آئے ہیں؟ صاحب بہادر ہتھے سے ہی اکھڑ گئے۔''

''اس بات پہ کہ تم ضد کیوں کر رہی ہو؟''

''نہیں اس بات پہ کہ میں نے انکی worth کو سمجھا کہاں ہے انہوں نے پیسے نہیں دیے تعلقات استعمال کئے ہیں۔ کان کو یہاں سے کھینچو یا وہاں سے بات تو ایک ہی ہے۔''

''اوہ شکر ہے مان تو رہا ہے کہ بیچ میں اسکا عمل دخل ہے۔''

''نہ مانتے تو مجھے منوانا آتا ہے، انہیں پتہ ہے میں تب پوچھتی ہوں جب مجھے سامنے سے سچ پتہ ہوتا ہے۔'' اس نے گود میں پڑے موبائل پہ ایک نگاہ ڈالی۔ کوئی میسج نہیں تھا کہیں زیادہ ناراض تو نہیں ہوا؟

''پھر اب کون کس کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگے گا؟'' بلیک کافی کی کڑواہٹ حلق میں اتارتے کونج نے رازداری سے پوچھا۔

زینیا نے سر جھٹکا۔ ''تم لوگوں کو کس نے کہہ دیا کہ کہ شادی کے بعد باقاعدہ معافی تلافی نامے ہوتے ہیں؟ یہ شروعاتی دنوں کے چونچلے ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کا تو روز کا پھڈا ہے روز گھٹنوں پہ بیٹھ کر گھٹنے چھدوانے ہیں کیا؟''

''کیا مطلب شادی کے بعد ایک دوسرے کو مناتے نہیں؟'' شیزل کو بڑا جھٹکا لگا تھا۔اس نے فوراً موبائل اٹھایا اور پیغام لکھ کر وریام کو بھیجا۔

''تم شادی کے بعد مجھے مناؤ گے یا نہیں؟''

''نہ منانے کے بعد جیسے میری گردن سلامت رہے گی ناں؟'' آگے سے وہی جلا کٹا جواب۔''اپنے سولہ نکات بعد میں سنا لینا پہلے میری کال اٹھاؤ۔ضروری بات کرنی ہے۔''

''نہ اٹھاؤں تو؟''

''پولیس والا ہوں گھر میں گھسنے کے سو طریقے آتے ہیں مجھے۔''

''پاگل ہوں جوتے مار کر نکال سکتی ہوں۔''

''آزما رہی ہو؟''

''آزمائش پہ تو تم پورے اترے۔''

''اوہ خدایا، تم مجھ سے بڑی فلرٹ ہو۔''

''تم تو ٹریلر دیکھ کر ہی حیران رہ گئے۔''

''شکر ہے فلم میری اپنی ہے۔'' وہ کچھ دن پہلے بولے گئے شیزل کے الفاظ واپس کر رہا تھا۔

اسکے چہرے پہ مدھم مسکراہٹ تھی جو براق کو چھوڑنے کے ایک عرصہ بعد آئی تھی۔ڈھائی سال پہلے بکتے جھکتے لوگ اب کہیں نہیں تھے،لوگ کہاں آپ کی زندگی کا مرکزی کردار رہتے ہیں؟اگر اس نے معاشرے اور لوگوں کی وجہ سے کوئی فیصلہ لیا ہوتا تو آج وہ کہاں ہوتی یہ اسے سوچنا بھی نہیں تھا۔

''چیٹنگ ہو گئی ہے تو یہاں بھی توجہ فرمالیں۔'' زینیا کے طنز پہ وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔گہری مسکراہٹ۔

''حق حلال کے ہونے والے شوہر سے بات کر رہی ہوں۔''

''نہ یہ حق کا کام ہے اور نہ حلال۔'' کونج حاکم نے لقمہ دیا۔ وہ آج کل اپنی رائے پیش ضرور کر دیتی تھی۔ ''تم کیا کہہ رہی تھیں زینی شادی کے بعد ایک دوسرے کو منایا نہیں جاتا؟''

''مناتے ہیں لیکن ویسے نہیں جیسے تم لوگوں کو لگتا ہے۔ شوہر منانے کے لئے بڑے بڑے بول نہیں بولتا، تحفے تحائف کے ڈھیر نہیں لے آتا۔ ہم جھگڑے کی وجہ سے دوبارہ جھگڑتے ہیں اور اسی جھگڑے میں کچھ جذباتی ڈائیلاگز کا تبادلہ ہوتا ہے اور اگر بیوی فنکار ہے تو وہ شوہر سے سوری بلوا دیتی ہے اور اگر نہیں ہے تو.......''

''تو بیوی سوری بول دیتی ہے؟'' کونج نے معصومیت سے پوچھا۔

زینیا اور شیزل نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ معنی خیز مسکراہٹ۔

''سب سے پہلے یہ جان لو'' قصور'' عورت کا نہیں ہو سکتا۔ قصور کا اپنا قصور ہو سکتا ہے لیکن وہ عورت کا نہیں ہو سکتا۔'' شیزل سیمسن نے اب بذات خود کہنا شروع کیا۔ ''یہ نہیں ہے کہ شوہر سے لڑتے رہو آپ کا قصور ہوتے ہوئے بھی نہ مانو اصل بات ہے ٹرک۔ جب بات حد سے بڑھ جائے تو رو دو، یا پھر ''میں ہوں ہی بری اللہ کرے میں مر جاؤں'' کہہ دو۔ اور بس یہاں سب صحیح ہو جائے گا اگر آپ نے انسان کے بچے سے شادی کی ہے۔''

''اور اگر انسان کا بچہ نہ ہوا تو؟'' اسے جان کے لالے پڑ گئے۔

''ایسا سوچنا بھی کیوں ہے؟ مثبت سوچو، مثبت ملے گا۔'' زینیا نے اسے نرمی سے ٹوکا۔ کونج کے بارے میں وہ آج بھی اسی انداز میں محافظ تھی جتنی پہلے دن۔ ''جو انسان اللہ سے جیسا گمان رکھتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔''

''مہدی کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' کرسی پہ گردن گرائے ٹھنڈی کافی ایک طرف رکھے اب وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''بہترین ہے۔'' شیزل کی طرف دیکھتے ہوئے زینیا مسکرائی۔ اسکی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں، رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ ''ایسی خوشی اور اطمینان پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔'' ''مجھے تو تیس سال کا نہیں'' تین'' کا لگتا ہے لیکن پھر بھی جب میرا خیال رکھنے پہ آتا ہے تو حیران کر دیتا ہے۔ یاد ہے کونج میں لوگوں اور چیزوں سے کتنی جلدی بور ہو جاتی تھی؟'' اس نے شیزل کے پار بیٹھی کونج سے پوچھا

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ ''ایک یہ آدمی ہے جو مجھے ہر دن حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ میں کبھی مہدی سے، اسکی باتوں سے، اور اسکی حرکتوں سے بور نہیں ہو سکتی۔''

''اور اسی لیئے تم اسے منا نہیں رہیں؟ اچھے آدمی کی اچھائی کا فائدہ اٹھواٹھاؤ گی؟'' شیزل کی طرف سے ملامت آئی۔

''اچھے آدمی کو کس نے کہا تھا مجھ سے محبت کرے؟''

اور اس وقت اگر مہدی وہاں ہوتا تو کیا کہتا؟

باتوں کی آواز ہلکی، پھر مدھم ہو گئی۔ زندگی بلاخر مہربان ہو رہی تھی۔ وہ تین لڑکیاں جنہوں نے محاذ لڑے تھے مال غنیمت میں انہیں ڈھیر سارا سکون مل گیا تھا۔ کسی ایک سے کچھ چھننے والا تھا۔ اندازہ لگاؤ کیا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''دل کے بوجھ کو دگنا کر گیا جو غم خوار ملا جو غم خوار ملا،

ہم نے تو جب کلیاں مانگیں کانٹوں کا ہار ملا۔''

''میرے اندر کچھ ہے کوئی بہت الارمنگ سی کیفیت، کچھ بے حد انتقامی۔ تم مجھے sadist کہہ سکتی ہو میں برا نہیں مانوں گا۔ میں نے تمھارے بغیر رہنے کی بہت کوشش کی یہ بھی سوچا کہ تمہیں چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلا جاؤں، لیکن میں کیوں جاؤں؟''

وہ کرسی پہ پیچھے کو ہوا۔ ساتھ رکھے چھوٹے اسٹول سے چائے کا تھرماس اٹھا کر اپنا کپ نئے سرے سے بھرا۔ ہلکی دھوپ میں چائے کی گرتی ہوئی دھار سنہری لگ رہی تھی۔ ایک گھونٹ بھر کر جب وہ دوبارہ کاغذ پہ جھکا تو اسکی آنکھوں میں ٹوٹے خوابی کی کرچیاں تھیں۔ نہ مل سکی محبت کا حزن تھا۔

''بات یہ نہیں ہے کہ تم میری محبت ہو یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ عشق؟ اونہوں overrated ہے۔ تمہارا اور میرا تعلق عالم ارواح کا ہے۔ ہماری روحیں شناسا ہیں، لیکن تم روحوں کی اس مدبھیڑ میں کہیں کھو گئیں۔ میں نے تمھیں ڈھونڈا، لیکن تم کسی نیک روح سے جڑ چکی تھیں۔ اور تمہاری مفاد پرستی کبھی تمھیں میرے پاس واپس آنے سے روک گئی۔ تم صرف ایک لڑکی

ہو تیں، صرف ایک تعلق تو جانے دیتا۔ لیکن تم پزل کے آخری ٹکڑے کی طرح مجھے مکمل کرتی ہو۔ تم سے دست برداری ناممکن ہے۔

تمھیں ایک بات بتاؤں؟ تمھیں غلط لگتا ہے کہ میں شکست کھا گیا ہوں۔ میرے پاس کھیل بھی ہے، بدلنے کو مہرے بھی، اور اشاروں پہ نچانے کے کے کردار بھی۔ تمھارے پیارے چچا اور میرے حاتم ماموں کا ایک پیادہ میرے حوالے کرنے کے لئے شکریہ۔"

کمبیر محل کی وسیع و عریض چھت پہ آج روشنی کا مناسب انتظام کیا گیا تھا۔ فضا میں باربی کیو کی خوشبو رچی بسی تھی۔ جدید انگیٹھی کے سامنے سفید شرٹ کے کف موڑے قیس کھڑا تھا۔ ایک طرف براق بھی تھا۔ سنجیدہ سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ چپ چاپ ایک طرف بیٹھا تھا۔ گہری نظریں قیس پہ جمی تھیں۔

"ٹریجڈی یہ ساس پاس کرنا۔" سیخ الٹ پلٹ کرتے وہ مصروف سا کہہ رہا تھا۔ براق اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ "یہ مہدی کہاں رہ گیا ہے اب تک آیا کیوں نہیں؟" وہ جھنجھلایا۔ " میرا موبائل بھی اٹھا کر دے دو۔"

"ڈرامے بازی بند کرو مدعے پہ آؤ۔" ساس کی بوتل اٹھائے وہ اسی طرف آیا۔ "اپنے خاندان کو ڈاج دے سکتے ہو تم مجھے نہیں۔ کیا ڈرامہ کر رہے ہو؟"

"ساری دنیا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے۔ اب تمھیں گھر بلا کر دعوت دے کر کھانا کھلا رہا ہوں۔ پرانی دوستی کی یادیں تازہ کر رہا ہوں پھر بھی تم شک کر رہے ہو؟"

"تم زم زم سے دھل کر آ جاؤ میں پھر بھی تم پہ اعتبار نہ کروں۔"

"اسی لئے میں دھلتا بھی نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "ساس پلیز؟" ہاتھ بڑھا کر اس سے ساس کی بوتل مانگی۔

"زینیا کے ساتھ کچھ غلط کرنے کا پلان ہے؟" اس نے بوتل پہ گرفت جمائے رکھی۔

"مثلاً؟" ابرو اٹھا کر نادانی سے پوچھا۔

''کچھ بھی۔ تمھارے بارے میں اندازے لگا سکتا ہوں تمھارے پلان کے متعلق نہیں۔''

''اور اگر ایسا کچھ ہے تو؟''

''تو تمہاری موت میرے ہاتھوں آئے گی۔''

قیس مسکرایا۔ ''میں ذرا آڈر کر آتا ہوں۔'' وہ دوبارہ اپنا کام کرنے لگا تھا۔

''میری بات کو مذاق مت لو، قیس۔ اس کو ہرٹ مت کرنا۔ وہ میرے خاندان کا پہلا فرد ہے جس نے مجھے قبول کیا ہے۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے مجھے سکون دیا ہے میں تمھیں اجازت نہیں دوں گا کہ تم اسے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ۔''

''ڈونٹ وری۔'' اس نے سیخ واپس رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ''میں ان ہاتھوں پہ مزید کوئی خون کا دھبہ نہیں برداشت کر سکتا۔''

''خون کے علاوہ بھی کسی کو برباد کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔''

''جیسے کہ سفید کمرے کی قید؟'' تیسرے شخص کی آمد بھی ہو گئی تھی۔ اسکی نگاہوں کا طیش آج بھی بلکل ویسا ہی تھا۔ آج بھی کچھ ٹوٹا ہوا تھا، آج بھی اسے تکلیف اس لئے ہو رہی تھی کیونکہ سامنے والا کبھی دوست رہا تھا۔ زندگی کے سارے زخم بھر جاتے ہیں بس ایک زخم سدا ہرا رہتا ہے وہ زخم جو کسی دوست نے دیا ہو۔ براق چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا کہا تھا بھول گیا، کیا کہنے والا تھا ذہن سے محو ہو گیا۔ بس یاد تھا تو اتنا کہ سامنے والا کبھی دوست رہا تھا۔

''اتنا سب کرنے کے بعد بھی تمھارے اندر ہمت ہے کہ تم یہاں آسکو؟''

''کزنز ہیں ہم، اور اب تو تم بہنوئی بھی ہوئے پھر یہاں آنے میں کیسی شرم؟'' وقت بدل گیا تھا لیکن براق کی ڈھٹائی قائم تھی۔ ''میری کزن کو خوش تو رکھا ہے ناں؟'' اس نے مہدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ جسے اس نے بے دردی سے ہٹایا۔ براق حنیف کی بے بسی یہ تھی کہ وہ خود سے جڑے لوگوں کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے کیا کھیل رچا رکھا ہے تم نے؟'' مہدی نے سلگتے لہجے میں قیس سے سوال کیا۔ ''مجھے لگا تھا تم واقعی شرمندہ ہو لیکن تم تو آج بھی اتنے ہی گھٹیا ہو۔ اسے جان بوجھ کر یہاں بلایا ہے تاکہ مجھے ٹرگر کر سکو۔ مزہ آرہا ہے مجھے تنگ کرنے میں چاہتے کیا ہو تم؟'' وہ غرا رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، تنفس تیز۔

''ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں جو ہونا تھا وہ ہو گیا کب تک اس بات کو لے کر کڑھتے رہو گے؟ میں نے جو کچھ کیا اسکے لئے میں تم سے معذرت کرنے کو تیار ہوں دماغ خراب ہو گیا تھا میرا غلطی ہو گئی اب کیا کروں؟'' تندہی سے کہتے براق اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ ''اب ہم رشتے دار ہیں، کزنز ہیں کب تک یہ ڈرامہ چلتا رہے گا؟ ایک شہر میں رہتے ہوئے ایک کاروبار ہوتے ہوئے اور ایک خون ہوتے ہوئے کیسے تعلقات ٹوٹ سکتے ہیں۔؟''

مہدی نے اسکے سینے پہ دھکا دیا۔ براق لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ ''میری بیوی سے اپنے رشتے جوڑنے کی کوشش مت کرو اسکا ایک ہی بھائی ہے بشر حاکم، تمہیں نہ وہ کچھ مانتی ہے اور نہ میں۔ رہی بات تمھارے کزن ہونے کی تو تم میرے کزن بھی نہیں ہو اس لئے یہاں سے نکلو اور دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔'' اس نے براق کا گریبان پکڑ کر اسے آگے کی طرف دھکا دیا، وہ لڑکھڑایا پھر گر پڑا۔ قیس تیزی سے اس تک آیا۔

''گھر آنے والوں کا ادب کیا جاتا ہے، مہدی۔'' وہ ناگواری سے بلند لہجے میں بولا۔

''تمھارے گھر آیا ہے اسکے تلوے تم چاٹو مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔ دوبارہ یہ مجھے کہیں نظر آیا تو جان سے مار دوں گا۔'' اسکے لہجے اور چہرے کی سرخی میں کوئی ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ براق خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے اپنی ہتھیلی کا زور زمین پہ ڈالتے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بہت بری طرح ہرٹ نظر آتا تھا۔

''آئی ایم سوری، مجھے نہیں پتہ تھا، مہدی ایسا ردعمل دے گا۔'' قس نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھے معذرت خواہ انداز میں کہا۔ وہ واقعی شرمندہ لگ رہا تھا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا، ٹریجڈی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے اپنی شرٹ سے گرد جھاڑی۔ پھر ٹھنڈی نظروں سے مہدی کو دیکھا۔ ''ہاتھوں کا استعمال آتا ہے مجھے بھی دوبارہ دھیان رکھنا۔''

''دوبارہ ہاتھوں کی نوبت ہی نہیں آئے گی تم میں جرات ہے تو مجھے میرے گھر میں دوبارہ نظر آنا وہ تمہارا آخری دن ہوگا، براق۔یہ مہدی سرور کمبیر کا تم سے وعدہ ہے۔''

براق کو احساس ہو چکا تھا کہ کچھ دوستیاں اس بری طرح زخمی ہوتی ہیں کہ پلستر، پٹی، دوا، گولی سب بے اثر ہو جاتا ہے۔اسے احساس ہو چکا تھا مہدی دوست ''تھا'' ہے نہیں، اور نہ اب ہو سکتا تھا۔وہ کتنی دیر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔پھر پلٹ گیا۔وہ چلا گیا تو مہدی قیس کی جانب مڑا۔

''اسے بلانے کا مقصد؟''اس نے ضبط کرتے چبا چبا کر پوچھا۔''تم کرنا کیا چاہتے ہو مجھے قطرہ قطرہ موت دے کر مارنا چاہتے ہو؟ بھول گئے ہو اس نے میرے ساتھ کیا کیا تھا؟ کوئی انسانیت، رحم کچھ ہے یا نہیں تم میں؟ وہ مجھے قتل کرنے والا تھا اور تم.............''

''اور میں نے اسے قتل کے اعتراف کے لئے بلایا تھا۔'' قیس اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا۔مہدی نے رک کر اچھنبے سے اسے دیکھا۔''میں تھک گیا ہوں۔گناہوں کا یہ بوجھ ڈھوتے ڈھوتے میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔زندگی میں سکون کا ایک لمحہ نہیں رہا۔مجھ سے نہیں ہو رہا برداشت تم بتاؤ میں کیا کروں اس قتل کا بوجھ لے کر میں کہاں جاؤں؟''اسکی آواز گیلی تھی لہجہ بلند۔مہدی ٹھہر کر نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اعتراف؟ کیا مطلب براق تو جانتا ہے تم نے اسکے باپ کو مارا ہے۔''

''لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ میں نے اسکی ''ماں'' کو بھی مارا ہے۔''

کوئی بھاری شے تھی جو مہدی کے دل پہ پورے وزن سے براجمان ہو گئی۔وہ ہل بھی نہ سکا۔اسکے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔

''اسکی ماں کا قتل کسی خاندانی تعصب کا نتیجہ نہیں ہے۔اس نے مجھے تھپڑ مارا تھا اور میں نے اسے مار دیا۔میں نے اسکی ماں کا قتل کر دیا، مہدی۔میں....میں جب تم سب سے معافی مانگ رہا ہوں جب اپنا ہر گناہ دھونے کی کوشش کر رہا ہوں پھر میں کیسے اسکو لاعلم رہنے دوں؟ میں نے اسکی ماں کو مار دیا، مہدی یہ میں نے کیا کیا؟'' وہ گردن جھکائے پشیمانی سے کہہ رہا تھا۔

مہدی فق چہرہ لئے اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جسے کل انسان سمجھ کر مار جن دے رہا تھا آج وہ ایک بار پھر بھیڑیا تھا۔ مہدی کو اس سے خوف آیا، بے حد خوف، حد سے زیادہ خوف۔ اپنے لئے نہیں۔ اس عورت کے لئے جو اسکی بیوی تھی۔ ان بچوں کے لئے جنہیں وہ محفوظ مستقبل دینا چاہتا تھا۔ اسے مستقبل سے بے تحاشا خوف آیا۔

''میں اس گلٹ سے آزاد ہونا چاہتا ہوں میں اب مزید خود پہ نیندیں حرام نہیں کر سکتا۔ مجھے آزاد ہونا ہے، میں تم سب کا گنہگار ہوں مجھے تم سب سے معافی مانگنی ہے میں براق سے بھی معافی مانگ لوں گا میں ......'' اس نے اپنے قدم آگے بڑھتے دیکھے، پھر قیس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور سر نفی میں ہلایا۔

''میں نے معاف کیا، جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا میں نے سب معاف کیا۔ لیکن تم براق سے کچھ نہیں کہو گے پلیز نہیں۔ کچھ گناہوں کے لئے بس خدا معاف کرتا ہے وہ تمھیں اسکے لئے بھی معاف کر دے گا۔ براق سے کچھ مت کہو سب صحیح ہو جائے گا۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔

آج وہ یہ سب اس لئے نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا آج وہ ایک خاندان کا مالک تھا آج اسکا ہر عمل بھائی کی محبت نہیں آج بس مصلحت تھی صرف مصلحت۔ ایک انکشاف سارے خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر سکتا تھا۔ ایک انکشاف ایک جنگ برپا کر سکتا تھا اور وہ مہدی حفاظتی بند باندھ رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ جنگ ہو کر رہے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''سات دن بعد۔''

وقت شام چھ بجے۔

اسلام آباد پاکستان۔

اسلام آباد میں واقع ایک شاہانہ فارم ہاؤس میں انیسہ اور زوار مجاہد حسین کا نکاح منعقد ہوا تھا۔ یہ فارم ہاؤس مارگلہ کی پہاڑیوں پہ واقع ہے۔ کئی سال قبل مارگلہ ایک پہاڑی سلسلہ ہوا کرتا تھا موجودہ دور میں مارگلہ ایک رہائشی علاقہ بن چکا ہے۔ پتھریلی اونچی نیچی

زمین کو کاٹ کر، ناہموار زمین کو ہموار کر کے اونچے اونچے گھر بنائے گئے ہیں۔ تغیر میں تبدیلی عام بات ہے، سو اس قصے کو چھوڑ کر کہانی کی طرف بڑھتے ہیں۔

ایجاب و قبول کے تمام مراحل طے ہو چکے تھے، مبارک باد دی جا چکی، مٹھائی اور سلامتی کی تقسیم جاری تھی۔ انیسہ بختیار کمبیر اسٹیج پہ موجود تھی۔ اسکے پہلو میں آج اسکا شوہر بیٹھا تھا اور ایک مدت بعد وہ دل سے مسکرا رہی تھی۔ آس پاس کافی مہمان تھے۔ کھانے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ کہیں گلاس آپس میں بج رہے تھے۔ امراء اس رنگین شام سے لطف اندوز ہوتے نظر آ رہے تھے۔

سفید رنگ کی شرٹ کے ساتھ سیاہ رنگ کے سوٹ کوٹ میں ملبوس قیس کمبیر انیسہ کے دائیں طرف بیٹھ رہا تھا۔ اسکے سینے والی جیب میں ایک سرخ گلاب اٹکا تھا۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اور جسم سے خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ اسکے ہاتھ میں ایک تحفہ بھی تھا۔ جو اس نے زوار کو تھمایا۔

''میں نے جو لیا تھا اس سے بہتر دیا ہے۔'' اس نے انیسہ کے کان کے پاس سر گوشی کی۔ ''اب تو خوش ہو ناں؟''

وہ کچھ نہیں بولی بس دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ واقعی خوش تھی۔ چند ہی دنوں میں وہ زوار کے بے حد قریب آ گئی تھی اور جو کچھ اسکے سابقہ شوہر نے کیا اب وہ اس زخم کو بھولنے لگ گئی تھی۔ اس نے قیس کو معاف نہیں کیا تھا نہ کر سکتی تھی لیکن وہ بس چپ رہی۔

''اگر تم نے میری بہن کو ذرا سی بھی تکلیف دی تو یاد رکھنا مجھے زبان سے بات کرنی مجھے نہیں آتی۔'' اس نے زوار کے کندھے پہ زور دیا۔ وہ ہلکا سا کراہا، پھر مسکرایا۔ نظریں تحفے سے قیس تک اٹھیں۔

''میں قیسم کے جلالی باس کو نہیں بھولا، باس۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ قیس بھی مسکرایا۔

''آباد رہو.....'' ان دونوں کے سر پہ ہاتھ رکھتے دعا دیتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس لمحے انیسہ کو احساس ہوا شاید وہ اس شخص کو اپنے باپ کا قتل معاف کر سکتی ہے۔ برا تو جی بھر کر تھا مگر جب اچھا بنتا تھا تب اس لمحے کا کوئی کیا کرے؟

''تمہارے بھائی نے تحفے میں گن دی ہے مجھے۔ اب میں معصوم اسکا کیا کروں گا؟'' زوار انیسہ سے کہہ رہا تھا۔

''جن چیزوں کا خود کو شوق ہے وہی بانٹ رہے ہیں۔''اس نے افسوس سے نفی میں گردن ہلائی۔

لمبے بال پشت پہ پھیلائے ایک میز کے گرد کرسی پہ بیٹھی ایزل اپنے موبائل پہ انگلیاں چلا رہی تھی اپنے ماموں کی طرح محفلوں میں اسکا دل کم ہی لگا کرتا تھا۔ یا شاید وہ لگانا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''ہیلو مس، ایزل کمبیر۔''قیس کرسی کھینچ کر اسکی دائیں طرف آکر بیٹھا۔ جان لیوا مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔

''مس محب ملک۔''چمکتی نگاہیں اٹھائے سنجیدگی اور مسکراہٹ سے تصیح کی۔''زینیا نے کہا ہے اپنا سر نیم کسی کے لئے چینج نہیں کرنا چاہیے۔ چاہے آپ اس سے کتنا ہی پیار کیوں نہ کرتے ہوں۔''

''میرے لئے بھی نہیں کرو گی؟ میں تو تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں۔''اس نے جھک کر ایزل کے دونوں رخسار چومے۔ پھر اسکا ماتھا اور پھر دونوں ہاتھ باری باری چومے۔''میرا بچہ۔''اسے دیکھتے ہوئے بہت محبت سے کہا۔ غور کرو تو اسکے لہجے میں صرف محبت نہیں تھی۔'' تمہاری اور زینیا کی بہت دوستی ہو گئی ہے؟''وہ اسکے بال سمیٹ کر ہمیشہ کی طرح چٹیا بنا رہا تھا۔ مہمان اسے دیکھ رہے تھے اسکے بارے میں باتیں کر رہے تھے اسے کسی سے فرق نہیں پڑ رہا تھا آج کے بعد یوں بھی کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔ آج وہ بہت کچھ بدل دے گا۔ آج کے بعد لوگ اسے مختلف نظر سے دیکھیں گے۔

''اتنی بری نہیں ہے جتنی پہلے لگتی تھی۔''کھلے دل سے اعتراف کیا۔''آپ کو پتہ ہے اس کے ساتھ بیٹھ کر اس سے بات کر کے مجھے برا نہیں لگتا۔ وہ خاص ہے۔''

قیس کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ البتہ آنکھوں میں کوئی تاثر ابھرا تھا۔''تم اسکی قدر''غلط''انسان کو بتا رہی ہو۔''اسکے بال آخر تک چٹیا میں گوندھ دییے۔ اور ایک بار پھر اسکے ہاتھ چومے۔ وہ بار، بار اسکے ہاتھ چوم رہا تھا۔ کسی الوداع کی طرح۔

''ایک بات بتاؤں؟''ایزل کرسی پہ ہلکا سا آگے کو ہوئی۔ اسی لمحے کیمرہ مین نے ان دونوں کی تصویر اتاری۔ قیس بات سننے کے لئے اسکے پاس ہلکا سا جھکا۔''وہ آپ کے ساتھ زیادہ سوٹ کرتی ہے۔ آپ دونوں کو جب جب میں ساتھ دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے پرفیکٹ۔ پاور کپل یو نو۔''

ایک لمحے کے لئے قیس کمبیر سارے کا سارا ساکت ہو گیا۔ جو بات صرف وہ سمجھتا تھا آج کسی نے کہہ بھی دیا۔ خود کو تسلی دینا مشکل تھا کسی کے کہے کو جھٹلانا، ناممکن۔ وہ بہ دقت سیدھا ہوا۔ ایزل اب بھی کہہ رہی تھی۔ قیس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

”but it's too late right?“

اس نے غلط انسان سے تائید چاہی۔ قیس چند ثانیے اسے تکتا رہا پھر بے حد دھیرے سے گردن اثبات میں ہلا دی۔

”yes it's too late ”

وہ اب ایزل سے زینیا اور اسکے درمیان ہونے والی نئی گفتگو کا قصہ سن رہا تھا۔ دل میں اطمینان تھا، کم از کم کوئی ایک تو تھا جو مستقبل میں قیس کمبیر بننے سے بچ جائے گا۔ کوئی ایک تھا جس پہ وقت ظالم ہوا تھا تو قیس اسے مسیحا تھما گیا تھا۔ جھک کر اسکے ماتھے پہ شدت سے اپنے لب رکھتے ہوئے اس نے ایزل کے گرد حصار بنایا۔ بلکل ویسے جیسے کوئی باپ اپنی سب سے محبوب بیٹی کو گلے لگاتا ہو۔ اندر تک سکون بھر گیا۔ ڈھیر سارا، بہت سارا سکون۔

”میری تم سے محبت غیر مشروط ہے، ایزل۔“ وہ اس گاڑھی اردو کو سمجھ پائی تھی کہ نہیں قیس نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ کہہ چکا جو اس نے کہنا تھا۔ اس سے جدا ہوتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی میرہ کی طرف جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمکی تھی دل میں انجانا سا خوف بھی تھا۔ کاش وہ اس فیصلے کو ش بدل دیتا جو اس نے کیا تھا۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ بہت دیر۔

”تم یہاں ہو میں تمھیں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں یار۔“ میرہ کی آواز پہ وہ آگے بڑھ نہیں سکا۔ مڑ کر دیکھا تو وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔ کاسنی رنگ کی ساڑھی پہنے گلے میں چوکر اور ہاتھوں میں نفیس بریسلٹ پہنے وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ سنہری مائل رنگت ہلکی سی تمتما رہی تھی۔ ”زوار کے ابا رخصتی کا کہہ رہے ہیں اور ابھی تک ہم سب نے فیملی فوٹوز نہیں لئے اسکے گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے ایسے معملات میں خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ آگے جا کر مسائل ہو جاتے ہیں۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہو گا یار زوار pet dog بن کر رہے گا۔ تمھیں لگتا ہے میں اپنے کسی کام میں جھول چھوڑتا ہوں؟“ ایک لمحے کو بس ایک لمحے کو وہ بے حد عجیب لگا۔ پرانا قیس۔ میرہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ ”کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہی ہو، شادی کے کے لئے ہر عورت کو پالتو کتا ہی تو چاہیے ہوتا ہے، جو ذرا سا کچھ بول دے ریڈ فلیگ، پابندی لگا دے تو دقیانوس ہاں دم ہلاتا ہوا پیچھے

آئے تو سبز جھنڈا۔ جھڑکیاں سن لے تو صابر، بے عزت ہوتا رہے تو سبز سمندر۔ تمھیں بھی ایسا کوئی پالتو کتا چاہیے تو بتاؤ میرے پاس کافی موجود ہیں۔"

"تمھیں کیا ہو گیا، کسی لڑکی نے جھڑکا ہے کیا؟"

"کس نے وقت سے پہلے قبر میں جانا ہے؟"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو، عبداللہ۔"

"حالانکہ میں نے ایسی کوشش بھی نہیں کی۔"

"تمھیں کیا ہو گیا ہے یار، ایسے کیوں بات کر رہے ہو؟ کیا کر کے آئے ہو؟" میرہ روہانسی ہوئی۔ قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر زور سے ہنس پڑا۔ اور اگلے کئی لمحے ہنستا چلا گیا۔ "ایک تو بندہ دو چار قتل کیا کر دے بدنام ہی ہو جاتا ہے۔ میں اب ایک عزت دار اور شرافت بھری زندگی گزارنا پسند کروں گا۔ تم لوگ مجھ پہ شک کرنا کب چھوڑو گے؟"

اسکے ہنسنے سے، اسکی نگاہوں کی نرمی سے میرہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔ "اس وقت تو تم چلو اور شرافت سے اپنی بہن کی رخصتی کرواؤ۔" وہ اسے بازو سے کھینچتے ہوئے بولی۔ قیس اسکے ساتھ چل پڑا۔

"اسکی تو شادی کروا ہی دیں گے تم اپنا بھی سوچو۔ دو بچے ہیں تو یہ مت سوچنا کہ اب تم شادی وغیرہ نہیں کر سکتی۔ اتنی خوبصورت ہو تم لائن لگ جائے گی۔ اور اگر ایک بے غیرت نکلے تو دوسرا غیرت مند مل ہی جاتا ہے۔"

"اور اگر دوسرا بھی بے غیرت نکلے تو؟"

"تو تیسرا۔"

"استغفار بریک پہ پاؤں لگاؤ یار مطلب بندہ شادیاں ہی کرتا رہ جائے؟"

"تو کیا ہوا؟ حلال کام ہے جتنا ہو سکے کرتے جاؤ۔"

"تم اس حلال کام میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟"

''میں تو اب بدنام زمانہ ہوں کس نے اپنی لڑکی دینی ہے؟'' ذہن سے سنہری آنکھوں کو جھٹکتے ہوئے مسکرانے کی سعی کی مگر یہ مشکل امر تھا۔ میرہ چپ رہی۔

''ہاں اب تو مجھے یاد آگیا کہ تم تو ایک عدد بوتیک کی مالکن ہو۔ کیسا لگ رہا ہے؟'' دو دن قبل اس نے راولپنڈی میں واقع قیسم کی ایک بوتیک میرہ کے حوالے کر دی تھی۔ وہ گھر میں یوں بھی فارغ تھی اب مشغلہ مل جائے گا یہ سوچ کر اس نے میرہ کو نہ صرف بوتیک دیا بلکہ اسے تین سے چار مہینوں کے لئے کچھ کورسز بھی کروانے کا حکم دیا جو اسے کام سمجھا سکیں۔ اتنے عرصے میں وہ پہلی بار واقعی خوش ہوئی تھی۔

''میں کل جب پہلی بار وہاں گئی تھی تب مجھے لگا جیسے محب اور اس سڑی ہوئی شادی سے پہلی بار مجھے آزادی ملی ہو۔''

''اب یہ آزادی دائمی ہے فکر مت کرو، میں تو پہلے دن سے کہتا تھا لعنت بھیجو اس پہ۔ ایک پراڈکٹ خراب نکلا تو دوسرا برانڈ چیک کرو۔'' وہ برے تاثرات لئے کہہ رہا تھا۔ میرہ کے ساتھ چلتے ہوئے وہ اسٹیج پہ آیا تو دونوں خاموش ہو گئے۔

''اپنے بارے میں سوچنا ضرور۔''

اس نے ایک بار پھر میرہ سے کہا تھا وہ اچھنبے سے اسے دیکھتی رہی۔ مگر جواب نہیں دیا۔ اور پھر وہ دونوں سامنے دیکھنے لگے جہاں سے زینیا اور مہدی ساتھ چلتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔ سرخ رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی کامدار فراک کے ساتھ سرخ ہی دوپٹہ سر پہ لئے چھوٹے بال کرل کئے وہ مہدی کے ساتھ کسی بات پہ ہنستی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ قیس آج بھی اسے دیکھ کر مبہوت ہوا تھا۔ اسے ہونا ہی تھا۔ دل سامنے والے کا بدلا تھا وہ تو آج بھی پہلی نظر کی قید میں تھا۔ اسکا دل تو آج بھی پہلے کی طرح اس سے باغی تھا اور زندگی آج بھی وہ اسکی خاطر جامد کئے بیٹھا تھا۔ وہ کئی سال اسکا خیال دل میں لئے، اسکے وجود کی نفی کئے بغیر ''اسکا'' رہا۔ پھر کئی سال بعد جب وہ خیال وجود بن کر سامنے آیا تو اسی کی محبت میں گرفتار ہوا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اگر اسے زندگی میں ہزار ہا دفع محبت ہوتی تو اسی ایک چہرے سے ہوتی۔

مہدی کی نگاہ اسٹیج پہ پڑی تو اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ کل کی رات کو اپنی بقیہ زندگی نہیں بھول سکتا تھا کم از کم قیس کو دیکھتے ہوئے اسے ہر دفع یہ رات یاد آنے والی تھی۔ ہر دفع.......... ہر بار۔ ہمیشہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کس کو فرصت ہے جو تھامے دیوانوں کا ہاتھ،

ہم کو تو اپنا سایہ بھی اکثر بے زار ملا۔''

''تم میرے لئے نہیں نہ سہی لیکن میرا احساب کون دے گا؟ آہ خود غرض عورت تم مجھ سے موو آن کر گئیں۔ گھر بسا لیا پھر جب وہ گھر ٹوٹا تو تمھیں ایک اور مرد میسر رہا اس سب میں میرا کیا قصور تھا؟ تم نے اللہ سے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ میرا دل نرم کر دے اور جب میرا دل نرم ہو گیا، جب میں تمھارے لئے کچھ محسوس کرنے لگا تب تم نے کوئی اور جہان آباد کر لیا۔ میں اللہ سے تمھاری شکایت کروں گا۔ لیکن کیا وہ میری سن لے گا؟

پتہ ہے کیا؟ مجھے لگتا ہے سارا قصور ''ٹائمنگ'' کا رہا۔ تم نے غلط وقت پہ مجھ سے موو آن کیا، میرا دل غلط وقت میں تم پہ آیا، مہدی کا تمھاری زندگی میں آنے کا وقت بھی غلط۔ تو پھر یہ طے ہوا کہ میرے ساتھ وقت نے دغا کر دی۔ میں کسے قصوروار ٹھہراؤں؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''موجودہ دن سے ایک رات قبل۔''

''آج رات میرے کمرے میں سو سکتے ہو؟''

وہ دونوں ایک ساتھ کہیں باہر جا رہے تھے جب قیس نے زبردستی مہدی کو کھانے پہ روکا، اور اب جب وہ دو تین نوالے زہر مار کر کے اٹھا تھا تو اسکی ایک نئی فرمائش تھی۔ اسناء حنیف کے قتل کا اعتراف اس میں کچھ تھا کہ مہدی اب اس سے فاصلہ برت رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی جو ہر وقت اسکے گرد رہتی کوئی بوجھ تھا جو کندھے تھکا رہا تھا۔ وہ نظریں چرا رہا تھا، قیس وہ پھندا تھا جو ہر گزرتے لمحے مہدی کی گردن کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

''ہم باہر جا رہے ہیں۔'' اس نے بہانہ کیا۔

''آل ریڈی دس بج رہے ہیں یہ کوئی وقت ہے باہر جانے کا؟'' وہ گھر کے کسی بڑے کی طرح نرمی سے ٹوک رہا تھا۔ ''آج کھانے میں ویسے بھی دیر کر دی ہے چلو باہر واک کر کے آتے ہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔

''آپ جائیں میں میران کے ساتھ ہوں۔''

اسکی کشمکش ختم کرتے وہ منظر سے ہٹ گئی۔ مہدی نے آج پہلی بار چاہا تھا وہ اسے روک لے۔ قیس، اسکی باتیں، ماضی یہ سب اسکا دم گھونٹتا تھا۔ وہ بس اس سے دور ہونا چاہ رہا تھا۔ ایک لمبی واک کے بعد وہ دونوں ایک کافی شاپ میں آکر بیٹھے تھے۔ اسلام آباد ایسا شہر ہے جہاں کی خوبصورتی انسان کو جکڑ لینے میں کمال فن رکھتی ہے۔ پہاڑوں کا نظارہ، ہمہ وقت گیلی رہنے والی سڑکیں، عمارات اور کیفیز کے باہر لگی روشنیاں اداس، افسردہ، زندگی سے بے زار انسان کو بھی اپنی طرف راغب کر لینے میں کامیاب رہتی ہیں۔

موسلادھار بارش کی وجہ سے سڑکیں خالی ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں کیفے کے باہر رکھے رنگین اسٹولز پہ بیٹھے تھے۔ فیری لائٹس کی روشنی انکے چہروں پہ پڑ رہی تھی ہاتھوں میں کافی کے کپ تھے جن سے اڑتی بھاپ انکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈے ٹھار بارش میں یہ عمل کافی دلچسپ تھا۔ آتے جاتے لوگوں نے کئی ایک بار ٹھہر کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ ایک ساتھ وہ شاید اچھے لگتے تھے۔

''تمھیں چائے کیوں پسند ہے کافی کیوں نہیں؟'' مہدی کے ہاتھ میں کافی کے بھرے ہوئے مگ کو دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

''پتہ نہیں بس شروع سے ہی کافی سے عجیب چڑ رہی ہے۔ تم کیسے پی لیتے ہو اتنی؟''

''پہلے نہیں پیتا تھا۔'' قیس نے کافی کا لمبا گھونٹ بھرا۔ گرم گرم کافی حلق تک گئی، کڑوا ذائقہ اسے اچھا لگا۔ ''پھر جب میں نے آرٹ اسکول ختم کیا تب دن میں مجھ سے کبھی آرٹ نہیں ہوا۔ مجھے خاموشی، سکون، رات چاہیے ہوتی تھی۔ اور رات کو مجھے نیند بھی بہت آتی تھی۔ تمھیں پتہ تو ہے ادھر رات کا چاند نکلا ادھر مجھے نیند آتی تھی۔ یہ گولیاں تو میں نے تب لینا شروع کیا تھا جب خالق حسین ....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کافی کا گھونٹ لیا اور نظریں باہر برستی بارش پہ جمالیں۔ مہدی اس ادھوری بات کے مفہوم سے واقف تھا۔

''دن میں جاب کے لئے خوار ہو کر میں رات میں اسی کافی کے آسرے رہتا تھا۔ ان دنوں میں بامشکل چند گھنٹے سو پاتا تھا۔ مجھے صبح سے نفرت ہو گئی تھی کیونکہ وہ ناکامی ساتھ لاتی تھی۔ رات کے وہ چند گھنٹے میرا سکون تھے۔ انہی دنوں مجھے کافی کی بہت زیادہ عادت ہو گئی تھی اب بھی ہے۔ قیسم اور یہ باقی چھوٹے چھوٹے فیشن ہاؤسز یہ تمھیں اور لوگوں کو عمارت لگتے ہوں گے میرے رتجگوں کا خمیازہ ہیں۔ کچھ بھی یونہی نہیں مل گیا میں نے ان چیزوں کے لئے محنت کی ہے۔ میں نے ان پہ ساری زندگی لگا دی

ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔ ایک ہاتھ میں کافی کا کپ رکھے دوسرا ہاتھ اسکے سامنے کیا۔ کیفے کے چھجے سے پانی کے کچھ قطرے اسکی ہتھیلی پہ گرے۔ ایک، دو، تین۔

گندمی مائل لمبی انگلیاں جو کسی آرٹسٹ کی انگلیاں لگتی تھیں، وہاں دو انگلیوں کے درمیان ہلکا سا ٹیڑھ پن آگیا تھا۔ اور پنسل پکڑ پکڑ کر وہاں سیاہ داغ پڑ گیا تھا۔ ''یہ انگلیاں، رات کو میں انہیں دبا کر سوتا تھا۔ کئی بار اتنا درد ہوتا تھا کہ میں کوئی کپڑا اٹھا کر اس میں اپنا ہاتھ باندھ دیتا تھا خون کی فروانی رکتی تھی تو درد کو آرام آجاتا تھا۔'' مہدی نے انگلیوں کے پوروں سے اسکی انگلیاں پھر اس نشان کو چھوا۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ اسکی تکلیفوں کو کیسے نہیں دیکھ سکا؟ کیا وہ کچھ وقت پہلے ان فاصلوں کو پر نہیں کر سکتے تھے؟

''اگر ایسا تھا تو تمھیں کیا ضرورت تھی مجھے تین بار میڈیکل ٹیسٹ دلوانے کی۔ میں تینوں بار فیل ہوا تھا حالانکہ میں میتھس میں اچھا تھا۔ میں اکاؤنٹس دیکھ سکتا تھا شاید تمھیں مجھ پہ بھروسہ نہیں تھا۔'' اس کا ہاتھ چھوڑتے وہ تلخ ہوا۔

''ٹریولنگ میرا خواب تھا میں اسے پورا نہیں کر سکا اور جب تم نے مجھ سے وہی مانگا تو میں منع نہیں کر سکا۔ تم ڈاکٹر بننا چاہتے تھے میں پہلے دن سے جانتا تھا یہ تمھارے بس کا کام نہیں ان دنوں قیسم بھی نیا نیا شروع ہوا تھا میں پریشان رہتا تھا کاپی، انسپو، تھرڈ کلاس، بے کار ڈیزائن کے ٹھپے سنتا رہتا تھا چاہتا تو ساری فرسٹریشن تم پہ نکال لیتا لیکن مجھ سے یہ نہیں ہوا۔'' اس نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا۔ برستی بارش میں اسکی آوازوں کے قطرے مہدی کی سماعتوں میں گر رہے تھے۔

''میں چاہتا تھا کم از کم تم وہ کرو جو تم چاہتے ہو۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا اس نے واقعی مہدی کو وہ کرنے سے نہیں روکا جو اسکا دل چاہتا تھا لیکن اس لئے نہیں کہ وہ مہدی کا خواب تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اسے مزید جتائے، مزید ٹارچر کرے اور وکٹم کارڈز میں اضافہ ہو۔ الفاظ اپنی مرضی سے استعمال کرتے وہ بات کو کیا سے کیا بنا رہا تھا۔

''میں نے تمھارے لئے دل بھی مارا ہے، تم سے محبت بھی کی ہے، نفرت بھی۔ تم میرا بھائی، دوست، بہن، ماں تم تو میرا سارا خاندان رہے ہو۔ مجھے اس سب کے لئے معاف کرنا، مہدی جس کے لئے میں نے تمھیں ہرٹ کیا۔ میں نے اگر نارمل زندگی گزاری ہوتی تو میں ایسا نہ کرتا۔''

مہدی چپ رہا۔ بلکل چپ۔ کرتے ہیں کچھ لوگ ہرٹ، توڑ دیتے ہیں دل، زندگی مائینس زیرو بھی کرتے ہیں لیکن وہ لوگ دل کے جس خانے میں موجود ہوں انہیں وہا۔ں سے نکالنا مشکل ہوتا ہے یہ ہم کسی کو کیسے سمجھائیں؟ وہاں بیٹھے بیٹھے مہدی بس سوچ سکا۔ کوئی اسکی اس کیفیت کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

''گھر چلیں؟'' بارش، کافی، قیس وہ ہر شے سے یکدم بے زار ہوا یا خوف زدہ اسے سمجھ نہیں آیا۔ اسکا دل شل ہوتا جارہا تھا۔

قیس سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''چلو چلتے ہیں میں نے ویسے بھی تمھیں ڈسٹرب کر دیا ہے۔''

''حد سے زیادہ۔'' اس نے اعتراف کیا۔ اور سپاٹ چہرے کے ساتھ بارش کی پرواہ کئے بغیر سامنے کھڑی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ قیس دوسری طرف سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر آبیٹھا۔ باہر کی ٹھنڈک ختم ہوگئی۔ گاڑی کافی گرم تھی۔

''فارم ہاؤس چلیں؟'' قیس نے اسے گاڑی چالو کرتے ہوئے دیکھ پوچھا۔

''کونسا فارم ہاؤس؟'' ایک لمحے کو وہ سمجھ نہیں پایا۔ وہ مری والے فارم ہاؤس کی بات کر رہا تھا، یا پھر، یا لاہور؟ لیکن رات کے اس پہر وہ اتنی دور کیسے جاسکتے تھے؟ اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑائے اسکے علاوہ انکا کوئی فارم ہاؤس تو تھا ہی نہیں۔

''سرور فارم ہاؤس۔''

تین لفظی فرمائش مہدی کمبیر کو سناٹوں میں لے گئی تھی۔ کئی لمحے وہ بغیر کچھ کہے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ قیس کی نظروں میں کچھ نہیں تھا اور اگر تھا تو وہ اسے چھپانے کا ماہر تھا۔ مہدی کا فشار خون بڑھ گیا ڈھائی برس میں اگر اس نے صرف ایک اجڑی چیز پہ کام نہیں کیا تھا تو وہ فارم ہاؤس تھا۔ اسکا واحد خوف، اجتناب، حد آج ہر شے ختم ہونے والی تھی آج کی رات اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ قیس کمبیر اس رات کو مہدی کمبیر کی زندگی کی کبھی نہ بھلانے والی رات بنانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موسیقی بند ہوگئی تو اس نے دوبارہ کچھ نہیں چلایا۔ یوں بھی سر درد کرنے لگا تھا۔ اب وہ بس لکھ رہا تھا۔

''مجھے زندگی میں اگر کسی شے کا خوف ہے تو وہ ''موت'' ہے۔ موت کا خوف کیوں ہے جانتی ہو؟'' اسکے ماتھے پہ پسینے کی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ بھورے صفحات پہ سیاہی بکھر رہی تھی۔ قیس کمبیر ڈر رہا تھا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا کیونکہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں۔ میری قبر بہت تنگ ہو گی، اندھیرا بھی ہو گا ہے ناں؟ اگر میں مر جاؤں تو میرے لئے بددعائیں نہ کرنا۔ روز قیامت جب احتساب ہو گا تب ایک بار پھر جہنم ہے ناں؟ اب سوچتا ہوں تو پتہ چلتا ہے یار میرے ساتھ تو بڑا غلط ہو گیا۔ نہ خوش ہو سکا، نہ سیر ہو سکا۔ زندگی عذاب مسلسل رہی۔ اور موت.........اسکے بعد بھی تو سکون نہیں۔ چلو آج ساری نفرتیں برطرف کر و اور مجھے بتاؤ کہاں ہے میرا ٹھکانہ؟''

فارم ہاؤس کی عمارت سیاہ کوئلے کی مانند تھی۔ کہیں کہیں سے اس عمارت کا اجلا سفید رنگ بھی جھلکتا تھا۔ گھاس جھاڑیوں کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ پولیس کی زرد پٹیاں اب بھی وہاں تھیں۔ ہالی وڈ کی فلموں میں دکھائی جانے والی کسی کھنڈر عمارت کی مانند وہ عمارت خستہ حال مگر رعب دار تھی۔ آج بھی وہاں یکم جنوری کے باقیات باقی تھے۔

سرخ رنگ کی فولڈڈ کرسیوں کو کھولے وہ دونوں اب اس پہ بیٹھے تھے۔ عقب میں سیاہ سفید جلی عمارت، سامنے سرخ کرسیاں، اور ان پہ بیٹھے دو دراز قد مرد۔ انکے سامنے دو چھوٹے چھوٹے اسٹول رکھے تھے جن پہ ان دونوں نے ٹانگیں قینچی کی صورت رکھی ہوئی تھیں۔ نگاہیں آسمان پہ جمی تھیں۔ جہاں بارش کے بعد سرمئی بادل تھے۔

''وہ دسمبر کا مہینہ تھا۔'' بھاری آواز میں قیس نے کہنا شروع کیا۔ ''ان دنوں عید سردیوں میں آیا کرتی تھی۔ ہم سب عید منانے گاؤں گئے تھے۔ سب بہت خوش تھے۔''

وہ جو قصہ سنانے والا تھا مہدی اسے نہیں سننا چاہتا تھا اس نے بے اختیار پہلو بدلا۔ مگر قیس تو جیسے اپنی ہی سنانے بیٹھا تھا۔

''گاؤں میں تمھارے ابّا کے جانے پہ پابندی تھی تمھارے اور میرہ کے جانے پہ بھی۔ لیکن میں ایک دو بار چپکے سے تمھیں لے گیا تھا۔ وہاں میں تمھیں گھر میں رہنے کو کہتا تھا اور تم کھیتوں پہ چلنے کی ضد کرتے تھے۔ حویلی کے پیچھے باغ اور ٹیوب ویل جانے کا کہتے۔ ایک دو بار ہم گئے بھی اور لوگوں کی نظر میں آ گئے۔ ابا نے مجھ سے کہا میں تمھیں کیوں لاتا ہوں۔ میں نے انکو بتایا کہ تم میرے بھائی ہو میں تمھیں ناں نہیں کہہ سکتا۔ اسے آج بھی وہ وقت یاد تھا جب بارعب سے زمان اس پہ غصہ تھے۔

''یہ بھائی کسی دن تمھیں مروا سکتا ہے جانتے ہو؟''

''جان بھائیوں کے لئے جائے تو یہ موت نہیں ہوتی۔ یہ آپ نے ہی سکھایا ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح زمان کو دیکھتے تابعداری سے بولا۔

''ٹھیک ہے اگرانس کو لے ہی آتے ہو تو حویلی تک رکھا کرو باہر مت نکالا کرو۔''

''معذرت باباوہ میرا بھائی ہے بیوی نہیں جسے سات پردوں میں چھپاؤں۔''

''بیوی کو سات پردوں میں چھپا کر رکھو گے تو اگلے دن چھوڑ جائے گی۔''

''میرے ساتھ گزارہ کرنا ہے اس نے ،ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ چھوڑے گی کیا؟''

اس نے من و عن ساری بات کہہ سنائی۔ ساتھ ہلکا سا ہنسا۔ ''دیکھو مجھے آج بھی سب یاد ہے۔ایک ایک لفظ یاد ہے۔ یہ میرا کمال نہیں ہے یہ میری فوٹو گرافک میموری ہے مجھے چیزیں نہیں بھولتیں۔ میں ایک کرس کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔''

''یہ نعمت ہے۔'' مہدی نے دھیرے سے ٹوکا۔

''نعمتیں'' نارمل'' ہوتی ہیں۔ میں نے اللہ سے یہ ابنارملٹی نہیں مانگی تھی۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں جو عام ہیں ان کے پاس کچھ خاص نہیں ہے قیس بھی ان میں سے ایک ہو سکتا تھا اگر اللہ چاہتا۔ وہ یہ سب تمھیں دے دیتا اس نے مجھے ہی کیوں دیا؟''

''یہ کفریہ باتیں ہیں ایسے نہیں کہتے۔'' مہدی ہول گیا تھا۔

''تم جو بھی کہو، مہدی۔ مجھے اللہ سے بہت شکوے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے تمھارے سامنے نہیں کہوں گا لیکن اب ہیں تو ہیں۔ میرے ساتھ غلط ہوا ہے۔'' اس نے گہری سانس لی ایک نظر مہدی کو دیکھا جو غیر آرام دہ تھا وہ یہاں آکر سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ قیس کے کفریہ کلمات اسے بے چین کر رہے تھے۔ ''خیر ان دنوں جب تم اپنی اماں کے ساتھ گاؤں آئے تھے ان دنوں دسمبر تھا۔''

''دسمبر جنوری.....'' مہدی کمبیر نے دھیرے سے اضافہ کیا۔ ایسے کہ صرف خود سن پایا۔ اسکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ ٹک گئی تھیں۔

''تمھارے اور تمہاری ماں کے آنے سے سب خراب ہو گیا۔اور جب بابا کو پتہ چلا تو وہ بہت پریشان ہوئے کسی طرح ہمیں نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ہماری گاڑیوں پہ حملہ ہو گیا تھا۔ گاڑیاں گریں اور ان میں آگ لگادی گئی۔ حاتم کو لگا تھا جس گاڑی میں، میں ہوں اماں، مستقیم اور بنو بھی اسی میں ہیں۔ تمہیں بنو یاد ہے؟ کتنی چھوٹی سی تھی۔'' اپنی چھوٹی بہن کے ذکر پہ اس نے مہدی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔اسکی آنکھوں میں کوئی چمک اتر آئی تھی۔ جیسے وہ چھوٹی سی گھنگھریالے بالوں والی بچی آج بھی وہیں تھی۔اسکے سامنے۔

''یاد ہے،بہت پیاری تھی۔''

''مستقیم بھی بہت پیارا تھا۔'' اسکے لب مسکرا رہے تھے۔ ''تمہارا ہم عمر تھا وہ، مجھے اس سے بہت پیار تھا۔مجھے میرے دونوں بہن بھائیوں سے پیار تھا۔''

مہدی کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔ کاش اس روز وہ سب نہ ہوا ہوتا۔بے اختیار اس نے خواہش کی۔

''اس گاڑی میں تم، میں انیسہ، میرہ اور مقصود چچا تھے۔جب انہوں نے گاڑیوں کو آگ لگائی تو میں وہاں یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ میری ماں، بھائی اور بہن تو دوسری گاڑی میں جل کر خاک ہو رہے ہیں کیونکہ اگر میں کہہ دیتا تو وہ لوگ تم سب کو زندہ جلا دیتے۔میری اذیت کا اندازہ کرو کہ میں آخری وقت میں اپنی ماں کو ماں نہیں پکار سکا۔کتنا عرصہ مجھے مستقیم کی آوازیں آتی رہیں وہ مجھے پکار رہا تھا۔میں نے اپنا خون چھوڑ کر تمہیں چنا۔میری چھوٹی سی بہن میں اسے بھی نہیں بچا سکا۔میں کتنا برا تھا ناں؟'' اسکی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوئے تھے۔

''میں نے اپنے ہی بہن بھائیوں پہ گو اپ کر دیا اور تم لوگوں کو چن لیا۔اور آج تم سب ہو مجھ سے ناراض، دور، خفا۔میں تم سب کو برا لگتا ہوں میرے عمل تم لوگوں کو حکومت لگتے ہیں۔'' وہ رو پڑا، ساتھ کرب زدہ ہنسا بھی تھا۔مہدی کے دل پہ جیسے کوئی آری چلا رہا تھا۔شکوے شکایات تو ایک طرف ہوئے وہ ساکن سا اسے تک رہا تھا۔

''پھر انہوں نے میرے سامنے بابا کو مارا، چاچو کو مارا۔میں کچھ نہیں کر سکا۔یہ بڑی اذیت ہوتی ہے یار، کوئی اپنا سامنے مر رہا ہو آپ چاہ کر بھی مدد نہ کر پائیں یہ بڑا دکھ ہے تم اس سے بچ گئے اور یہ دکھ بھی میرے حصے میں آیا۔مجھے کیا پڑی تھی کہ تم سب کا خیال

رکھتا تمھیں اسلام آباد لے جاتا؟ لیکن جرگے کے فیصلے میں، میں نے ہار مان لی۔ باپ کا قتل وقتی طور پہ بخش دیا میں تم لوگوں کو کھو نہیں سکتا تھا اس روز گاؤں سے واپس آتے ہوئے عبداللہ زمان کھوکھلا واپس آیا تھا۔ بے سانس اور بے دل۔ میں نے اپنی غیرت اور انا بھی چھوڑ دی۔ اور میں تم لوگوں کے لئے کیا کرتا؟ ایسے آدمی سے کیا توقعات رکھ لیں تم سب نے؟ نرمی، محبت، انسانیت میں اس روز سب پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور تم لوگ کہتے ہو میں نے تم لوگوں کے ساتھ غلط کیا ہے؟''

اس نے مہدی کو دیکھ کر پوچھا۔ آنکھیں نم تھیں۔ چہرے پہ کرب۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے جتنے کچھ سال پہلے۔ درد، خاندان کی موت ہر دوسرے زخم پہ بھاری تھی۔

''خالق حسین نے اسلام آباد میں مجھ پہ مقدمہ کر دیا۔ میری جائیداد ضبط کر لی۔ میرہ کو لے گیا اور میں نے پھر بھی خاندان چنا۔ تم بتاؤ مہدی تمہاری بیوی پہ صرف الزام لگایا تھا میں نے اور تم آج تک مجھے معاف نہیں کر سکے خالق حسین نے میری بہن کو چوبیس گھنٹے اپنے گھر میں رکھا میں اسے معاف کیسے کروں؟'' کوئی نیزے کی انی تھی جو ان دونوں کی دل میں بیک وقت آر پار ہوئی۔ مہدی نے لب بھینچ کر ضبط کیا۔ قیس کا دل ریزہ ریزہ ہوا۔

''میں نے اسے پیسے کے لئے نہیں مارا تھا میں نے خالق حسین کو جائیداد کے لئے نہیں مارا میں نے اسے اس لئے مارا کہ اس نے مجھے غیرت کی موت مارا تھا اور غیرت پہ میں کسی کو بخش نہیں سکتا پھر چاہے وہ وقت کا ولی عہد کیوں نہ ہو۔ میں اٹھارہ کا تھا کیا اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ میری بہن کو لے جاتا، وقت برا تھا تو کیا اسے حق تھا وہ میرے گھر کی عورت کو بے عزت کرے؟''

''تم نے درست کیا۔ اسے قتل کیا درست کیا۔'' مہدی نے سپاٹ اور خالی لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔''

''کیونکہ سامنے تمہاری بہن تھی؟'' کھولتا ہوا تیل اسکے منہ پہ ڈالنے والا قیس تھا۔ ''آج تک تمہیں میری حالت سمجھ نہیں آئی آج جب ایک منٹ کے لئے تم نے خود کو میری جگہ رکھا تو سب درست ہو گیا؟ مان لو مہدی تم میری جگہ ہوتے تو اس سے زیادہ سفاک اور مجھ سے زیادہ ظالم ہوتے۔''

''پتہ نہیں شاید ہاں۔'' مبہم سا جواب۔

""اسناء نے میری منگیتر کا نام اپنے بیٹے کے ساتھ لیا پھر مجھے تھپڑ مارا تھا۔ اور میں نے اسے مار دیا۔ غلط کیا لیکن اس وقت میں ایک ایسا انسان تھا جس کے پاس ڈھیر سارا پیسہ تھا۔ شہرت تھی اسے تم میرا تکبر کہہ سکتے ہو۔ دیکھو میں خود کو جسٹیفائی نہیں کر رہا۔ غلط کیا تھا تو مان رہا ہوں۔"" اس بار مہدی نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔ بس گردن جھکائے سنتا رہا۔ کل انیسہ کا نکاح تھا وہ کل کمبیر محل چھوڑنے والا تھا قیس اکیلا رہ جاتا سن لینے میں کیا حرج ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کل کیا ہونے والا ہے۔ یہ غلط ہے انسانوں کو بعض دفع الہام ہونے چاہئیں۔

""اس بات کا ذکر براق سے مت کرنا، اپنی ماں کو لے کر وہ بہت ٹچی ہے۔"" نیچی آواز میں گردن جھکائے اسے تنبیہہ کی۔ بلکل ویسے جیسے اس نے بالاج کی موت کے وقت کی تھی۔ بعض دفع قیس کے معاملات میں وہ کبوتر کی طرح آنکھیں میچ لیا کرتا تھا۔ قیس اسکے لئے وہ باپ تھا جو وقت سے پہلے چلا گیا۔ وہ بھائی جو کبھی تھا ہی نہیں۔

""پھر حاتم کی باری آئی۔ اس قتل کے لئے تو کوئی مجھے قصور وار ٹھہرا ہی نہیں سکتا وہ میرا کفارہ تھا۔"" اس نے مہدی کی پچھلی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ""اسکے بعد بالاج کی موت لیکن وہ ایک حادثہ تھی۔ ہاں اسے لاوارث کر کے دفنا دینا غلط تھا جس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔""

""تمھیں اس کے لئے ضیغم سے معافی مانگنی چاہیے۔"" جواباً مہدی نے سنجیدہ سا مطالبہ کیا۔ قیس نے سر کو خم دیا۔

""صحیح کہا، ملاؤ اسے فون میں اس سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔""

""تم واقعی معافی مانگو گے؟"" مہدی متعجب تھا۔

""میں نے کہا ناں مہدی میں پچھتاؤں میں نہیں رہ سکتا۔ مجھے خود پہ لگے دھبے صاف کرنے ہیں مجھے بہت سکون سے سونا ہے۔ پلیز اسے کال ملاؤ میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کا ہر داغ دھو دینا ہے۔""

اب وہ باقاعدہ التجا پہ اتر آیا تھا۔ مہدی نے فون ملا کر اسکے حوالے کیا۔ قیس نے معافی مانگی دوسری طرف سے وہ چپ چاپ سنتا رہا پھر فون کاٹ دیا۔ اسکی بات ہو گئی تو قیس نے مہدی کو دیکھا۔ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

""ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟""

''میں ہمیشہ سے چاہتا تھا تم بدل جاؤ۔ گناہ کرو تو انہیں مان کر درست کر دو۔ تم نے ایک عمر گزار دی اور جب درست ہوئے تو اس وقت جب سب برباد ہو گیا۔''

''اب بھی وقت ہے، مہدی۔ مت چھوڑو مجھے یہ گھر، پیسہ، شان و شوکت میں کیا کروں گا جب تم ساتھ نہیں ہو گے؟ خدا بھی معاف کر دیتا ہے تم بندے ہو کر معاف نہیں کر سکتے، ایسا ناز انسان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ تمہارا دل آخر اتنا سخت کیسے ہے؟''

''اپنے لئے معاف کر چکا ہوں۔ ''اسکے'' لئے نہیں کروں گا۔ نہ آج نہ اگلی کسی صدی میں، کبھی نہیں۔''

''وہ مجھ سے زیادہ ضروری کب ہوئی؟''

''موازنہ کوئی ہے ہی نہیں۔ اسکی جگہ جو ہے وہ اس نے نہیں قدرت نے بنائی ہے۔ میں اسکے ''ساتھ'' جتنا نرم ہوں اسکے '' معاملے''میں بڑا سخت آدمی ہوں۔ معافی کا ''م'' بھی نہیں ملے گا، عبداللہ زمان۔''

''سنا تھا عورتیں گھر تباہ کرتی ہیں بھائی الگ کرواتی ہیں آج دیکھ لیا۔''

''اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں، قیس۔ میری حد پار مت کرو۔''سخت اور دوٹوک انداز میں اسے وارننگ دی گئی۔''تم دوبارہ وہی جنگ شروع کر رہے ہو جسے میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

قیس لمبی گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایسے جیسے ہار مان لی ہو، شکست تسلیم کر لی ہو، جھنڈے گرا دیے ہوں۔

''میں نے تمہارے سارے کاغذات بنوا لئے ہیں۔ کارخانے، گھر، فارم ہاؤس، ہر حصہ مل جائے گا تمہیں۔ کاغذات دیکھ لینا بس۔ کوئی کمی بیشی ہو تو..... .''وہ آگے کچھ نہیں بولا۔ آگے کے جملے سمجھ جانے چاہییے ہے ناں؟

''دیکھ لوں گا ابھی پلیز گھر چلو۔''وہ اکتایا۔

''اس کو بھی ٹھیک کروا لیتے ہیں کیا خیال ہے؟''اسکا اشارہ فارم ہاؤس کی طرف تھا۔ مہدی نے بے بسی سے دیکھا۔ قیس بھی اسے انہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''تم چلے جاؤ گے اور واپس نہیں آؤ گے؟ عید، پارٹی، برتھڈے کیا کبھی بھی نہیں؟''

"نہیں کبھی نہیں۔ مجھے پہلے ہی نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ وحشت زدہ انداز میں بولا۔ اسکے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدم لیتا وہاں سے باہر جا رہا تھا۔ یہاں آنا عذاب بن کر اسکے دل پہ نازل ہوا تھا۔ اسکے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی قیس کی آنکھوں کا رنگ مختلف ہو چکا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ مختلف، لبوں پہ پھیلا تبسم مختلف۔ عقب میں کھڑی عمارت نے بے اختیار گہرا سانس لیا، نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسکا یہی روپ ایک بار پہلے بھی دیکھ چکی تھیں۔ یکم جنوری کی وہ رات۔

مہدی کمبیر اس نہج پہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا جہاں کھڑے ہو کر قیس کمبیر کھیل ترتیب دے رہا تھا۔ یا پھر جس زاویے پہ وہ جیت رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"قصہ کوتاہ.........." ٹھنڈی سانس بھرتے اس نے لکھا۔ "تمھارے پیچھے میں اتنا بھاگا کہ قدم تھک گئے، دل شل ہو گیا، انا روندی گئی، غرور ختم ہو گیا۔ میں بس سوچتا رہا تم مجھے کیوں نہیں مل سکیں؟

کیا مہدی تمھیں مجھ سے زیادہ چاہ سکتا ہے؟ نہیں۔

کیا وہ تمھارے لئے مر اور مار سکتا ہے نہیں۔

کیا وہ آدھی دنیا تمھارے لئے جلا اور آدھی دفن کر سکتا ہے؟ نہیں۔

کوئی شخص اگر تمھارے لئے مر سکتا ہے اور مار سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ کوئی اگر تم سے ہر حد کے پار، ہر جنون سے بڑھ کر محبت کر سکتا ہے تو وہ میں ہوں پھر ایسا کیا تھا جو تمھارے اور میرے درمیان آگیا؟ میں اسکا سرا پا چکا ہوں۔"

"اسٹالکر؟"

اپنے عقب سے آتی اس آواز پہ وہ بری طرح ٹھٹھکی تھی۔ وہ فارم ہاؤس کے عقبی حصے میں آئی تھی اسے شاید کوئی ضروری کال کرنی تھی اور اس وقت قیس اسکے عین عقب میں کھڑا اسے پکار رہا تھا۔ ٹھٹھکنے کی وجہ وہ لہجہ تھا اس نے ایسے پکارا تھا جیسے برسوں بعد پکارا ہو۔ جیسے بس اسے ہی تو پکارا ہو۔

''کیا میں تم سے تھوڑی دیر بات کر سکتا ہوں؟''

نرمی، اداکاری، اخلاص وہی سب جو وہ کچھ عرصے سے دکھا رہا تھا۔ زینیا کی نگاہوں میں تپش اتری۔

''کم از کم میرے سامنے تمھیں ان ڈراموں کی ضرورت نہیں ہے، عبد اللہ۔ حقیقت دکھاؤ اپنی۔''

اور کمبخت کاذب ہنس دیا۔ کرب زدہ، یاسیت بھری مسکراہٹ نہیں یہ شناسا مسکراہٹ تھی بلکل وہی جب وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا تھا بلکل وہی جب جب اسے دلی سکون ملتا تھا اور کھیل اسکے حق میں جاتا تھا۔ بلکل وہی جب وہ مقابل کو چت کرنے کے سارے سامان ساتھ لاتا تھا۔

''تم مجھے پہچان گئیں ہے ناں؟'' اسکے قریب کھڑے ہو کر بازو سینے پہ باندھ کر تفصیل سے اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگی۔

''تمھیں لگتا ہے تم میرے ساتھ اداکاری کر سکتے ہو؟''

''کر تو سکتا ہوں، کرتا نہیں۔''

''کیونکہ میں تمہارا اصل چہرہ جانتی ہوں۔''

''کیونکہ میں تمھارے لئے کورا ہوں۔ اور یہ میں نے چنا ہے ورنہ تم اتنی ذہین نہیں کہ میری چالیں سمجھ لو۔''

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اسے تم پہ ضائع کروں۔''

''مجھ پہ غور کرنے میں لگاتیں یہ وقت تمھیں لگتا ہے میں ''تمھیں'' مایوس کرتا؟''

''مجھے اب تمھارے بارے میں کچھ بھی نہیں لگتا، قیس۔ اور تم اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔''

''میں تو سمجھ گیا، دیکھو میں تم سے مووآن کر گیا ہوں۔'' اس نے اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔

''اپنی ضد سے نہیں کیا۔''

''کر دوں تو ہار نہ جاؤں؟''

''ہر کھیل ہار جیت کا نہیں ہوتا۔''

''میرے لیے ہوتا ہے۔''

''تم اس کھیل میں مہدی کو استعمال کرنا بند کرو۔''

''اب وہ ویسے بھی میرے کسی کام کا نہیں، بس کچھ وقت اور پھر تم اسے رکھ سکتی ہو۔''

زینیا اچھنبے سے اسے دیکھتی رہی۔ کچھ الارمنگ ساذہن میں بج رہا تھا۔ آس پاس الرٹ سی صورت حال پیدا ہو رہی تھی اور قیس کمبیر اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ اسکا منہ نوچ لینا چاہتی تھی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم نے مجھے کہا تھا آجاؤ عبداللہ اگر میں تب آجاتا تو؟'' وہ زینیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکی آواز کی وہ بے قراری وہ بس چند لمحوں کے لئے محسوس کر سکا تھا۔ ''پھر سب ٹھیک ہوتا ناں؟ تم میرے ساتھ ہوتیں وہ مرد جو خاندان کا سب سے مضبوط مرد ہے۔ اور تم وہ عورت ہوتیں جس کی قسمت پہ لوگ رشک کرتے۔ تم عبداللہ زمان کی بیوی ہوتیں۔ میں تمھیں خوش رکھا، قیسم ہم دونوں کا ہوتا، ہماری بیٹیاں ہوتیں........''

''خدا کے لئے چپ کر جاؤ، قیس۔'' زینیا نے متوحش ہو کر اسے ٹوکا۔ اور جانے کو مڑی۔ قیس نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے روکا۔

''تھوڑی دیر پلیز۔'' اسکا ہاتھ جس تیزی سے پکڑا تھا اسی طرح چھوڑ بھی دیا۔ مگر وہ نامحسوس انداز میں زینیا کے آگے آکر ٹھہر بھی گیا تھا۔ یوں جیسے زینیا کی راہیں مسدود ہو گئی ہوں۔ ''اگر اس روز میں آجاتا تو سب ٹھیک ہو جاتا یار، میں اگر ایک ایک نارمل آدمی ہوتا تو میں آجاتا لیکن مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے وہ کھو دیا جو صرف میرا تھا۔''

''اب ان باتوں کا کوئی مقصد نہیں ہے، قیس۔''

''بالکل صحیح کہا۔اب اس سب کا فائدہ نہیں۔ میں جو کر رہا ہوں شاید ایک وقت بعد اسکا بھی کوئی فائدہ نہ رہے۔ لیکن اگر مجھے ایک لمحہ،ایک مہینہ،ایک لمحے کی بھی جیت ملی تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔وہ ساری زندگی میرے لئے نہیں رکے گا لیکن اسکا چند سالوں کا'''' pause بھی میرے لئے میری فتح ہو گی۔ میں نے تمہیں کھو دیا اب تمہاری باری کچھ تو تمھیں بھی کھونا پڑے گا۔''

''تمہارے جو بھی ارادے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے میں ابھی اور اسی وقت اسے یہاں سے لے کر جا رہی ہوں۔''زینیا پھنکاری۔ لیکن گلے میں کچھ اٹک سا گیا تھا۔رعب، طنطنہ، غرور، لہجہ کچھ بھی ویسا نہیں تھا۔وہ اس پہ نفرت بھری نگاہ ڈال کر آگے بڑھنا چاہتی تھی جب قیس نے بے حد آزردگی سے اسے پکارا۔

''تھوڑی دیر کے لئے جھگڑنا بند کر سکتی ہو؟ میں صرف تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''وہ ٹھہر گئی مگر مڑی نہیں۔دل خوف سے سکڑ کر پھیلا تھا۔اسے پیروں سے زمین نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

''بغیر کچھ کہے، بغیر کسی نفرت کے کیا صرف تھوڑی دیر یہاں کھڑی رہ سکتی ہو، میرے سامنے بس تھوڑی دیر؟''وہ اسکے سامنے آ کر رکا۔ہاتھ جیبوں میں ڈالے سادگی سے اسے دیکھنے لگا۔آس پاس میوزک کا ہلکا سا شور تھا، روشنیاں ان پہ پڑ رہی تھیں، وقت کچھ لمحوں کے لئے تھم گیا۔زینیا اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ایسے جیسے قیس نے اسکے گرد کوئی جادوئی حصار باندھ دیا ہو۔ جیسے وہ آگے بڑھی تو الرٹ سی صورت حال میں آسمان سے کہیں بجلی گر پڑے گی، کہیں سے پتھروں کی بارش ہونے لگ جائے گی، کہیں سے آگ برسنے لگے گی۔اور سب تباہ ہو جائے گا۔

''تم میرا بہت نقصان کر چکے ہو، عبداللہ اب اور مت کرنا۔''

''کیا ایک بار پھر میرا نام لے سکتی ہو؟''وہ اسکی التجا کے بدلے التجا کر رہا تھا۔زینیا کی آنکھیں نم ہوئیں، دل جکڑا گیا۔وہ کچھ کر رہا تھا یا خدا وہ کچھ کر رہا تھا۔اسکا دل عبداللہ کی طرف کے خدشے بتا دیتا تھا۔

''تم اسے مارنے والے ہو؟''

''نہ اسے، نہ تمھیں، میں کچھ اور مار رہا ہوں تم وہ سب چھوڑو ناں، تم میرا نام لو۔ مجھے عبداللہ کہو۔''

رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے، دل کو جیسے کسی نے چیر کر دو حصے کر دیا اسکے آنسو واقعی بھل بھل بہنے لگے۔ "یہ مت کرو پلیز مت کرو تم کہیں دور چلے جاؤ تم شادی کر لو، سب ٹھیک ہو جائے گا تمہاری زندگی درست ہو جائے گی پلیز پلیز جو تم کر رہے ہو وہ مت کرو۔"

"میں کیا کر رہا ہوں میں تو بس تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ تم کہہ دو نہیں دیکھتا۔ میں تم سے ایک خواہش کر رہا ہوں تم کہہ دو نہیں کرتا۔" وہ اسکے لئے دنیا ترک کر دینے کو تیار تھا۔

وہ بلند آواز میں بچوں کی طرح رونے لگی۔ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ رو رہی تھی اسے یقین ہو چلا تھا وہ اسے رلائے گا، بہت رلائے گا۔ اس نے پہلے بھی رلایا تھا وہ اب بھی رلائے گا۔ پیروں سے زمین اور سر سے آسمان اس نے پہلے بھی کھینچا تھا وہ اب بھی کھینچ لے گا۔ اسکے قدموں سے جان نکل گئی وہ دو زانو اس گھاس پہ بیٹھ گئی۔

"تم اس طرح رو کر مجھے تکلیف دے رہی ہو۔" اس نے جیب تھپتھپائی۔ سینے والی جیب سے ایک ٹشو نکالا اور گھٹنوں کے بل جھک کر ٹشو اسے تھمایا۔ "تم کسی عام انسان کی محبت نہیں ہو میں سنکی ہوں تمھیں کیوں لگا تھا میں اتنی آسانی سے پیچھے ہٹ جاؤں گا؟ تم کسی اور کو دیکھو گی اور میں معاف کر دوں گا؟ میں دنیا ادھر کی ادھر کر سکتا ہوں، تمھارے لئے مر اور مار سکتا ہوں۔"

"پلیز پلیز وہ تمہارا بھائی ہے....... پلیز یہ مت کرو۔" وہ اب بھی اسی طرح رو رہی تھی۔

"اور جو تم نے کیا؟ میں نے اس روز تمھیں اس لئے نہیں چھوڑا کہ تم مجھے جھڑک رہی تھیں۔ میں نے چھوڑا کیونکہ تم وہ عورت نہیں رہیں جو قیس کمبیر کو ڈیزرو کرتی ہو۔ تم میلی ہو گئی ہو۔ میں اعلیٰ شجرہ رکھنے والا عظیم حسب و نسب والا انسان اور تم وہ عورت ہو جو ایک فرنگن کے بیٹے کی بیوی رہ چکی ہے۔ میں ساری زندگی تم پہ شک کرتا، تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھ پاتا جو میرا دل چاہتا ہے۔ تم نے سب برباد کیا اور جو رہ گیا وہ میں برباد کروں گا۔"

قیس نے اسکے چہرے سے اسکے ہاتھ ہٹائے۔ زنیہا نے بے دردی سے اسکا ہاتھ جھٹکا، کراہیت سے اپنا ہاتھ مسلا۔ "تمہارا یہ رویہ ہے اور تم اب بھی کہتی ہو میں یہ نہ کروں؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اگر وہ ایسا رہتا، اگر وہ نہ کرتا کوئی غلط کام تو آج کہانی مختلف ہوتی۔ قیس نے ٹشو اسکے گھٹنے پہ رکھا ہمیشہ کی طرح۔ پھر انہی نرم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تمہارا رونا میرے حوصلے پست کرتا ہے اور اس وقت مجھے بہت حوصلہ چاہیے۔ایک بار میرا نام لو، مجھے دیکھ لو پلیز۔"

زینیا نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔میک اپ خراب ہوا تھا۔اسکے ناخنوں پہ لگے سرخ دھبوں نے قیس کو ہمیشہ کی طرح اپنی جانب متوجہ کیا لیکن اب کی بار اس نے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا وہ اب اس ہاتھ کو، اس وجود کو ملکیت نہیں گردانتا تھا۔اب اسکے تمام تعلق عبداللہ زمان سے شروع ہو کر عبداللہ زمان پہ ختم ہوتے تھے۔اب وہ اپنا تھا صرف اپنا۔

"تم اپنی چالیں چل کر دیکھ لو میں تمھیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔مجھے نہیں پتہ تم کیا کر رہے ہو، کیا کرو گے لیکن یاد رکھنا میں تمہیں کامیاب ہونے نہیں دوں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ٹشو اٹھا کر پھنک دیا، ہمیشہ کی طرح۔سرخ ناک رگڑی۔آنسو مگر رکے ہی نہیں۔"تم کبھی کامیاب نہیں ہوگے۔"

"کاش میں تمہاری یہ خواہش پوری کر پاتا۔" سیاہ لباس والے مرد نے جھک کر ٹشو اٹھایا اور اسے اپنی مٹھی میں قید کر لیا۔ضرورت تھی، آج اسے اسکی ضرورت تھی۔سرخ لباس والی لڑکی اسکے سامنے کھڑی تھی، ہوائیں انکے بدن سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔آدھا اندھیرا، آدھی روشنی، سرخ آنکھیں، بھرے دل یہ ملاقات کسی آخری ملاقات جیسی تھی۔بھاری، یاسیت زدہ، لمبی۔

"اب وہ تمھاری نہیں میری سنے گا میں اسے لے کر جا رہی ہوں۔" مضبوط، مستحکم لہجے میں کہا۔اور سمت بدل لی۔قیس کے دل کو کچھ ہوا۔وہ ابھی مزید اسے دیکھنا چاہتا تھا۔سرخ لباس والی لڑکی اس سے دور اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف جا رہی تھی اور وہ تنہا کھڑا بس یہ سوچ رہا تھا کیا وہ کبھی واقعی اس لڑکی سے مووآن کر سکا تھا؟ کبھی نہیں۔دل نے چہرہ بگاڑ کر بتایا۔

کئی مناظر تھے جو اسکی آنکھوں کے آگے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔وہ سینیما گھر میں بیٹھی تھی اسکے چہرے پہ زخم تھا، اسکی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں مگر اسکی ناک کی لونگ قیس کا دل وہیں کہیں رک گیا تھا۔

"تم میرا واحد اثاثہ تھیں۔" سرگوشی۔

وہ کمبیر محل کے لان میں بیٹھی اپنے زخم صاف کر رہی تھی بالکنی میں کھڑا قیس موبائل کان سے لگائے اسے تک رہا تھا۔قیسم کے دفتر میں اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے سینے میں گھٹن ہو رہی تھی۔وہ اسکے سامنے اسکے ہاتھ پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔اسے سن رہی تھی تسلی دے رہی تھی۔

"میں صرف ایک غم لے کر جاؤں گا، صرف تمہارا غم۔"

وہ دونوں ساحل سمندر پہ تھے۔ موجیں پلٹ پلٹ کر اسکے پیروں کو چھو رہی تھیں، وہ ہنس رہا تھا۔ کمبیر محل کے لان میں جہاں باقی دنیا مسخرے بازی پہ ہنس رہا تھا اس وقت اس پل وہ اسکی باتوں پہ ہنس رہا تھا۔ پلس پائنٹ وہ واقعی اسکی زندگی کا پلس پائنٹ تھی۔

"تمھیں اسلام آباد بورنگ نہیں لگتا؟"

وہ مدھم لہجہ، وہ وجود، وہ وقت، وہ آنکھیں سب کیسے کہیں غائب ہو گیا؟

"لیکن تمھیں معاف کر کے "اپنا" گنہگار نہیں ہو سکتا۔ تم میرا لئے کیا ہو یہ نہیں بتا سکتا لیکن عبداللہ زمان اپنے لئے "جنون" ہے۔"

گوادر کے ساحل پہ وہ اسے اپنے قریب کئے کھڑا تھا وہ گھبرائی دور ہونے کی کوشش کی مگر کوئی اسے دیکھ چکا تھا۔ سیاہ دیواروں کے سامنے وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے ہیری پوٹر کی تھیم والا کیفے دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تم میری محفوظ پناہ گاہ ہو۔"

سرور فارم ہاؤس میں چکا چوند روشنیوں میں سیاہ، سفید کے درمیان وہ اس سرخ کو دیکھ رہا تھا جس سے اسکا دل جڑا تھا۔ مگر اسکی نگاہیں غیر تھیں۔ وہ بالکنی میں کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ منظر بدلا آگ، گولیاں، موت کا کھیل اور وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اندر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وہ لمحہ قیس کو آج بھی آگ کی طرح جلاتا تھا۔

"میں زینیا حاکم کو اپنے بھائی کے قتل کے الزام میں نامزد کرتا ہوں۔" انتقام، آگ، جنون، دیوانگی سب وہیں تھا وہ اسے تب بھی معاف نہیں کر سکا تھا وہ اسے اب بھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ اصول وہ اپنی محبت کے لئے نہیں بدل سکتا تھا ورنہ عبداللہ زمان ناراض ہو جاتا۔

وہ جس لمحے اسکی نظروں سے اوجھل ہوئی، قیس کے ڈھلکے شانے اوپر کو اٹھے، نظروں میں رعونت لوٹ آئی، کروفر اسکے قدموں میں آکر بیٹھا۔ وہ جو سراپا شر تھا اسکے ترتیب دیے کھیل کو شروع کرنے کا وقت ہو چکا تھا۔ کھیل شروع ہونے سے قبل اسے علم تھا وہ فاتح ہے۔ چاہے قلیل عرصے کے لئے ہی سہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کدھر رہ گئی تھی تم، میں ہر جگہ دیکھ لیا؟'' مہدی متفکر سا اسکے قریب آکر ٹھہرا۔ پھر اسکی آنکھیں سکڑیں۔ ''تم روئی ہو؟'' اسکے چہرے پہ آنسوؤں کے نشان اور سرخ آنکھیں دیکھ اسکا دماغ بھک سے اڑا۔ ''تم روئی کیوں ہو؟'' وہ اسکا چہرہ ہاتھوں میں لئے پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ زینیا کے رکی ہوئے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔ اور وہ پوری شدت سے رونے لگی۔ ''کیا ہوا ہے یار کچھ بتاؤ بھی پریشان کر رہی ہو۔''

''مجھے بس میری رخصتی یاد آگئی تھی۔'' وہ بامشکل بول سکی۔ سچ جھوٹ بر طرف اس وقت اسے مزید رونے کا بہانہ چاہیے تھا۔ اور وہ روئے گئی۔

''مجھ جیسے آدمی کے ساتھ رخصت ہوتے ہوئے لڑکیاں شکرانے کے نفل پڑھتی ہیں تم رو کیوں رہی ہو؟''

زینیا جواب دیے بغیر بس روتی رہی۔ آنسو پانی کی طرح اسکے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔

''چلو اتنا رونا آرہا ہے تو تمھیں تمھارے ابا کے گھر جمع کروا کر آتا ہوں۔''

وہ روتے روتے ہنس پڑی۔ ''ہر وقت مذاق کا نہیں ہوتا۔'' اس نے آنکھیں رگڑیں۔

''پھر، فلرٹ کرنے کا ہوتا ہے؟ شروع کروں؟'' وہ انگلیوں کے پوروں سے اسکے آنسو صاف کر رہا تھا۔ اس وقت وہ اسے اصل بات نہیں بتائے گی اس لئے مہدی بس اسکا دھیان بٹانا چاہتا تھا۔ ''رات والے فیشل کا بڑا گلو آیا ہوا ہے۔ تم تو چمک رہی ہو۔'' اسکے چہرے کے مٹے میک اپ کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔ آس پاس اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ''آج تم بہت اچھی لگ رہی تھیں۔''

''اور میرا ڈریس اسکی تعریف کون کرے گا؟''

''میری آنکھوں کے آگے سے تو اب تک وہ ڈریس بھی نہیں ہٹ رہا۔''

ایک لمحے کو اسکی آنکھوں میں نا سمجھی اتری پھر جیسے وہ جھینپ گئی۔اسے یاد آیا وہ کس بارے میں بات کر رہا ہے۔

وہ بارش میں آدھا بھیگا جب اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اسے زینیا کہیں نظر نہیں آئی۔اس نے واش روم چیک کیا،سٹنگ ایریا دیکھ لیا وہ کہیں نہیں تھی۔اسی لمحے اسے کچن سے برتنوں کی آواز آئی۔وہ تیزی سے اسی طرف آیا۔جو بوجھ پریشانی،اور بھاری دل لئے وہ گھر آیا تھا سب یکدم ذہن سے رفع ہوا۔

''کیا ہوا cutie کزن سے اتنی جلدی دل بھر گیا؟'' وہ چہرے پہ گولڈن شیٹ ماسک لگائے فرج سے اپنے لئے جوس نکال رہی تھی۔کانوں میں ایئر پوڈز لگے تھے اور بالوں میں کرل ڈال رکھے تھے۔وہ صبح کے فنکشن کے لئے تیاریاں کر رہی تھی۔

''دل یہاں چھوڑ کر گیا تھا اسی لئے واپس آ گیا۔''

''اوہ رکیں میں ذرا شرمالوں۔''

''ادھر آ کر میرے سامنے شرماؤ۔'' مہدی نے اسکے ہاتھ سے گلاس لے کر کاؤنٹر پہ رکھا پھر اسکا ہاتھ اسی طرف پکڑے اسے کاؤنٹر کی اوٹ سے باہر نکالا۔زینیا نے مہدی کمبیر کی سیاہ سفید پٹیوں پہ مشتمل شرٹ پہن رکھی تھی جو اس پہ کافی ڈھیلی تھی۔اور لمبی بھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ ابرو اچکائے لاعلمی سے پوچھ رہی تھی۔مہدی گہرا مسکرایا۔ساری کوفت ختم ہو گئی۔

''یہ میری شرٹ ہے،سرکار۔'' مسکراہٹ دباتے ہوئے محظوظ انداز میں کہا۔پھر غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کس کے ہیں؟'' کمال شان بے نیازی تھی۔

مہدی چند لمحے اسی طرح مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا پھر اسکا ہاتھ اپنے دل کے مقام پہ رکھتے بے حد دھیرے سے کہا۔''آمی تومار۔''

''اس لئے مجھے چیٹ کر کے آپ کسی کے ساتھ گھوم رہے ہیں؟ پچھ کھائے گا آپ کو۔ابھی بھی وقت ہے میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جائیں۔''اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور جوس کا ڈبہ ہاتھ میں لیا۔

''مجھے واقعی چیٹ کرنے والا احساس ہو رہا تھا آئندہ جہاں جانے سے تم مجھے روکو گی میں وہاں نہیں جاؤں گا۔''وہ کاؤنٹر کے گرد اسٹول کھینچ کر بیٹھا۔اور فرصت سے زینیا کو دیکھا جو اب ایک اور گلاس لا کر مہدی کے لئے جوس نکال رہی تھی۔

''اعتبار وفا اب کون کرے؟''زینیا نے کہتے ہوئے گلاس مہدی کی طرف بڑھایا۔وہ ہلکا سا مسکرایا۔''آپ کو ماسک لگا دوں؟اسکن دیکھیں کتنی خشک ہو رہی ہے۔''

مہدی نے جوس کا گھونٹ بھرا،پھر اسے دیکھا۔''میں تیس سال کا مرد اپنی بیوی کا شیٹ ماسک لگاتے ہوئے اچھا لگوں گا؟''

زینیا نے بازو سینے پہ باندھے غور سے اسے دیکھا۔سنجیدہ،سپاٹ نگاہیں۔تیس سالہ مرد کی ساری جرات ہوا ہو گئی۔بس ایک نظر،صرف ایک نظر۔

تھوڑی دیر بعد اس نے مہدی کے چہرے پہ بھی ویسا ہی ایک شیٹ ماسک لگا رکھا تھا جو اسکے اپنے چہرے پہ تھا۔آگ لگی ہو چاہے بستی میں،سکن کیئر پہ حرف نہیں آنا چاہیے۔

''کل تک گلو نہ آیا تو میں تمھارے اس سستے برانڈ پہ کیس کر دوں گا۔''

''ظرم خان صاحب،پہلے یہ تو دیکھیں۔''وہ تھوڑا سا آگے کو جھکتے اسے موبائل پہ ایک جامنی فراک کی تصویر دکھا رہی تھی۔''مجھے کل کے فنکشن کے لئے یہ چاہیے۔''

مہدی نے موبائل اسکے ہاتھ سے لیا،دوسرے ہاتھ میں لئے جوس کے گلاس سے گھونٹ بھرا۔ڈریس زوم کر کے دیکھا،پھر ساری سلائڈز ہٹا کر تفصیلی معائنہ کیا۔''اسکا دوپٹہ کہاں ہے؟''موبائل سے چہرہ ہٹائے اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔زینیا نے موبائل اسکے ہاتھ لیا۔تصویر کو ایک بار پھر دیکھا جہاں دوپٹہ پیچھے صوفے پہ پڑا تھا شاید وہ اس دوپٹے پہ غور نہیں کر سکا تھا۔

''دوپٹہ تو نہیں ہے اور ویسے بھی آپ کی کلاس میں اسے ضروری کہاں سمجھا جاتا ہے؟'' اسکا جوس ختم ہو گیا تھا سو اب مہدی کے ہاتھ سے اسکا گلاس لیا۔

''کیوں چاہتی ہو میں ایک دن میں دو، دو برانڈز پہ کیس کروں؟''

''اس برانڈ پہ کس چیز کا کیس کریں گے؟'' اس نے کہتے ہوئے گھونٹ بھرا۔

''میری معصوم بیوی کو ورغلانے کا۔'' مہدی نے موبائل زینیا کے ہاتھ سے لیا۔ ساتھ جوس کا گلاس لیتے ہوئے وہیں سے پیا جہاں سے تھوڑی دیر پہلے زینیا نے گھونٹ لیا تھا۔ ''کوئی اور جوڑا دیکھو ناں۔'' وہ اسے بہلانے کے انداز میں بولا۔ ''اور ہاں میں بھول گیا یار میں نے تو تمھیں خرچ کرنے کے لئے کوئی رقم ہی نہیں دی۔'' اس نے جیب سے اپنا والٹ نکالا اور جتنا کیش موجود تھا سب اسکی طرف بڑھایا۔ ''یہ رکھ لو کام آئیں گے۔''

''میں انکا کیا کروں گی۔'' اس نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔

''خرچ کرنا اور کیا کرو گی۔ پہلی، پہلی شادی ہے مجھے یاد نہیں رہا خرچہ بھی دینا ہوتا ہے۔ اوہ گاڈ اب تم مجھ سے خرچہ لیا کرو گی۔'' مہدی اسے دیکھتے مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''خرچہ ہی دینا ہے تو ٹھیک سے دیں۔ کارڈ نکالیں اپنا۔'' مہدی نے پہلے اسے دیکھا، پھر وہ متعجب ہوا۔ ''گولڈ ڈگر تو میں ویسے ہی مشہور ہوں پیسہ خرچ کے کر مہر بھی لگا دیتی ہوں۔''

''اور مجھے لگا تھا تم مجھ سے پیسے لیتے ہوئے ہچکچا رہی ہو۔'' اس نے کارڈ زینیا کی طرف بڑھایا۔ پھر کاؤنٹر پہ رکھی اسکی ہتھیلی پہ انگلی سے کوڈ لکھا۔

''میں ہچکچاؤں تاکہ آپ اپنی جائید اد رنگین مزاجی پہ اڑا دیں۔''

''وہ سب چھوڑو مجھے یہ بتاؤ تمھیں میری شرٹ پہن کر اتنا حسین لگنے کا سرٹیفکیٹ کس نے دیا؟'' وہ ایک بار پھر اسے تکنے لگا۔

''میرے حسن نے۔''

مہدی اسکے جواب پہ ہنس پڑا۔ کتنا عرصہ بعد وہ ایک بار پھر اسی طرح برجستہ جواب دے رہی تھی جو اسکا خاصہ تھے؟ کتنا عرصہ بعد وہ اسے دوبارہ نارمل دیکھ رہا تھا؟ کتنا عرصہ بعد اسکا سکون سارے کا سارا لوٹ رہا تھا۔ کتنا عرصہ؟ وہ گننا نہیں چاہتا تھا۔

حال میں زینیا نے انہی گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میں آپ سے کچھ مانگوں؟''

''حکم کریں، سرکار!''

''گھر چلتے ہیں۔ ہمارے گھر، پلیز۔'' اسکی آنکھوں میں خوف سا تھا انداز التجائیہ۔ مہدی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ''مجھ سے یہ مت پوچھنا کیوں، کیسے بس ابھی چلیں اسی وقت۔ میں دوبارہ آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔''

مہدی چند لمحے اسے دیکھتا رہا، جوڑ توڑ برطرف اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اسکا ہاتھ ہلکا سا دبایا پھر زینیا کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے گھر چلتے ہیں۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ زینیا کی گیلی آنکھیں اس نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیں۔ ''چلتے ہیں اوکے۔ روتی کیوں ہو؟''

زینیا نے جواباً بس اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اب قیس کا منصوبہ ناکام۔ ایسا بس اسے لگتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فارم ہاؤس کے دروازے پہ اب صرف کمبیر خاندان تھا۔ مہمان جا چکے تھے اور آج اس خاندان نے وہاں رکنا تھا لیکن زینیا اور مہدی کے اچانک جانے کے فیصلے پہ باقی سب انہیں چھوڑنے دروازے تک آئے تھے۔ خاندان کے علاوہ وہاں ماہ جبین مختار بھی تھی۔ قیس کے خاندان میں شامل ہونے کو وہ ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔

''تم نے مجھے سات دن دیے تھے، مہدی۔'' وہ کوٹ کہیں اندر رکھ آیا تھا اور اب سفید شرٹ میں کھڑا تھا۔ انداز شکوہ کناں تھا۔ ''آج ہم نے ٹریل پہ جانا تھا تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔''

''اگلا دن کچھ نیا نہیں لائے گا۔ میں بس جانا چاہتا ہوں۔'' مہدی نے کہا۔ اس کی بائیں جانب کندھے کے ساتھ زینیا کھڑی تھی۔

''لیکن راستہ اتنا ٹھیک نہیں ہے تم کیسے جاؤ گے؟ بارش بھی ہوئی ہے آج رات یہیں رک جاؤ ناں۔'' میرہ کی ازلی فکر عود کر آئی۔

"ایک ہی شہر ہے یار میں کونسا دوسرے شہر جارہا ہوں اور تم بھی کل وہیں آجانا، سیٹل ہونے میں بھی وقت لگے گا۔ اب ہمیں مزید وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔" اس نے میرہ کے کندھے سے لگے میران کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے دانستہ قیس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسکا تاریک چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے برا لگتا تھا۔

"کیا میں کبھی کبھی تمہیں وزٹ کرنے آسکتا ہوں؟ کبھی کبھی کسی عید، پارٹی یا برتھڈے پہ؟" اسکے ساتھ گاڑی تک جاتے قیس نے پوچھا۔ وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے مہدی کی دائیں جانب زینیا تھی، جو نیا کو کچھ لکھ کر بھیج رہی تھی۔ اسکے چہرے پہ سکرین کی روشنی پڑ رہی تھی۔

"سارا قصہ میں آپ کو اوپر سنا چکی ہوں۔ وہ بہت عجیب رد عمل دے رہا ہے۔ بہت اچھا، too nice to be real type لیکن آج اس نے خود مان لیا کہ وہ ایسا کر رہا ہے۔ مجھے اس وقت تو بہت ڈر لگا لیکن پھر میں نے مہدی سے بات کر لی۔ اسے لگا تھا وہ دوبارہ انہیں روک لے گا لیکن اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کیا کہوں اور کیا نہیں۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے میسج بھیج دیا۔

"مجھے نہیں لگتا اسکی کبھی ضرورت پڑے گی۔ ہم دونوں اب مختلف انسان ہیں۔ ہم دونوں کے راستے جدا ہیں، قیس۔ میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لئے۔" اس کا انداز اور لہجہ دونوں خالی رہا۔

گاڑی کے قریب آکر اس نے زینیا کو اندر بٹھایا اور قیس کے سامنے آکر رکا۔ اونچی نیچی ڈھلوانوں والی اس سڑک کے ایک طرف کھائی تھی جس سے بچاؤ کی خاطر گرلز لگی تھی اور دوسری طرف پہاڑ تھے۔ رات کی تاریکی سی سیاہ اور درختوں کے پتوں سی سبز آنکھیں روبرو تھیں۔ آس پاس سرد ہوائیں جھوم جھوم جاتی تھیں۔

"کبھی بھی نہیں، بلکل نہیں مل سکتے؟ یہ آخری بار ہے؟" اسکی آنکھوں میں بچوں جیسی معصومیت اور ڈر تھا۔ "یعنی تم نے مجھے چھوڑ دیا؟"

"بالکل۔" سبز آنکھوں والے مرد نے کہا۔

"میں اپنے گلٹ اور گناہوں میں تنہا؟"

''چنی ہوئی تنہائی۔''

''معافی، واپس پلٹ آنے کی کوئی نوید نہیں؟''

''میری طرف سے نہیں۔''

''کوئی اپنے خون کے ساتھ ایسا نہیں کرتا، مہدی۔''

''صحیح کہا۔ کوئی اپنے خون کو تین گولیاں نہیں لگواتا، سفید کمرے میں قید نہیں رہنے دیتا، اسکی بیوی پہ تہمت نہیں لگاتا۔'' تلخی سی تلخی تھی۔

''اللہ معاف کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔''

''معافی چناؤ ہے کچھ معاملات میں یہ میرا چناؤ نہیں ہو سکتی۔'' وہ سارے فیصلے کر کے آیا لگتا تھا۔ قیس کی آزردہ نگاہیں ویسی ہی رہیں۔

''میں تو خوامخواہ سنگدل اور سفاک مجبور ہوں۔ لوگوں کو تم سے ملنا چاہیے۔'' اس نے سر جھٹکا۔ مہدی گاڑی کے کھلے دروازے پہ ہاتھ جمائے کھڑا تھا۔ سرسراتی ہوائیں ان دونوں کے بال اور شرٹس کو اڑا رہی تھیں۔ کہیں دور سے آتی روشنیاں چہروں پہ گر رہی تھیں۔ آخری ملاقات کا تقدس برقرار رہا۔

''میں جاؤں؟''

''ہمم ..... جانا تو ہے۔ روکنے سے رکے ہی نہیں۔'' اس نے ٹھنڈی گہری سانس لی۔ اور مہدی کو دیکھا۔ چند لمحے تکتا ہی رہا۔ وقت بہت آگے بڑھ آیا تھا۔ یہ تیس سالہ مرد کبھی بارہ سالہ ہوا کرتا تھا۔ اسکا بچپن، جوانی، ٹوٹی دوستیاں، بچھڑے یار، اسکی دل لگی کی داستان قیس نے سب سنا تھا۔ آج وہ بہت بڑا ہو گیا تھا اتنا کہ گردن اٹھا کر دیکھو تو گردن تھک جائے۔ پلکیں جھپک کر لب بھینچ کر قیس نے بہت کچھ اندر اتارا پھر دو قدم آگے بڑھ کر اپنے دونوں بازو مہدی کے گرد پھیلائے، وہ سختی سے اسے گلے لگا رہا تھا۔ ڈھائی سال بعد ایک بار پھر........ اسے اپنے سینے میں بھینچے وہ کچھ کہہ رہا تھا۔

''میں تمھیں بہت یاد کروں گا۔بہت زیادہ۔میں وہ وقت یاد کروں گا جب تم میری سنا کرتے تھے۔''اس نے مہدی کا کندھا چوما۔کم ازکم اس لمس میں کوئی اداکاری نہیں تھی۔یہ ایک الوداع تھا اسکی آنکھیں نم تھیں یہ فریب نہیں تھا۔اسکا سارا بدن لرزرہا تھا یہ کوئی خوف تھا۔''میں تمھیں بہت یاد کروں گا،مہدی بہت زیادہ۔۔۔۔۔۔تم میرے بھائی ہو۔میرا بازو،سارا خاندان۔یہ یاد رکھنا۔میں بس تمہیں بہت یاد کروں گا۔''

مہدی کے حلق میں گرہیں اٹکنے لگیں اس نے ایک بار بھی ہاتھ بڑھا کر کوئی پیش رفت نہیں کی۔ماضی کا وہ لو سیلف اسٹیم مرد،وہ کم اعتماد انسان اب بھی دور کہیں اسکے اندر کنڈلی مارے بیٹھا تھا جسے وہ تھپک تھپک کر سلا رہا تھا۔اسکا ہاتھ اب بھی مضبوطی سے گاڑی کے دروازے پہ جما تھا۔رگیں باہر آنے کو تھیں مگر وہ اسکے گرد ہاتھ باندھ لیتا تو ایک بار پھر قفس زدہ ہو جاتا۔نہیں ایک بار پھر نہیں،اب بس۔

''مہدی،ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔''گاڑی کے اندر سے آواز ابھری۔وہ سخت مضطرب سی تھی۔سکرین پہ نیا کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''میں نے تمہاری پوری بات سنی ہے کیا تم نے نوٹ کیا اس نے جو کچھ بھی کیا جواباً تم سب نے بلکل نارمل رد عمل دیا۔بالکل ایسا جیسا کوئی عام خاندان دے سکتا تھا۔تمھیں ایک بار بیٹھ کر سوچا کہ وہ قیس کمبیر ہے،اسکے ساتھ کھیلنے کے لئے مہدی اور زینیا نہیں ''قیس''بننا پڑے گا۔''میسج بھیج کر وہ آف لائن ہو چکی تھی۔زینیا جلدی جلدی اسے لکھ رہی تھی۔

''بالکل ایسا ہوا ہے اور مجھے اسکا احساس تھا لیکن میں مہدی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔مجھے بتائیں اب کیا کروں؟''

۔سخت گرفت ڈھیلی پڑی۔آنکھیں کف سے رگڑتے ہوئے وہ پیچھے ہوا۔مہدی اسے دیکھنے سے احتراز برت رہا تھا۔قیس نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔بہت کچھ حلق میں اتارا۔

''میرے گلٹ بہت ہیں دعا کرنا میں ان سے نکل آؤں۔تم چھوڑ رہے ہو کوئی بات نہیں میں تمہارا بھائی رہوں گا جب جی چاہے پلٹ آنا.میں تمھارے لئے ہمیشہ موجود رہوں گا۔''

اس نے مہدی کا کندھا تھپکا۔اور پھر بغیر ایک نگاہ غلط اس پہ ڈالے وہ آگے بڑھ گیا۔سرمئی بل کھاتی سڑک پہ سفید شرٹ والا مرد چند لمحے نظر آتا رہا پھر وہ غائب ہو گیا۔اس وقت مہدی کمبیر یہ نہیں جانتا تھا اسکا غائب ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے۔وہ گاڑی میں آکر

بیٹھا۔دل میں عجیب سی بے چینی تھی وہ بار بار اپنا سینہ مسل رہا تھا۔دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔اسی لمحے زینیا کے موبائل پہ کوئی میسج چمکا۔

”کرنا کیا ہے تاش کے کھیل میں وہ ترپ کا پتہ پھینک چکا ہے اب تم اسکی مرضی کا رد عمل نہ دینا۔“

لمحے بھر کا کھیل تھا اسکا چہرہ پل بھر میں سفید پڑا۔سنساتی انگلیوں سے اس نے ایک آخری پیغام لکھا۔جس میں خوف تھا، بے حد خوف۔

”میں رد عمل دے چکی۔“

آخری پیغام میں کچھ تھا کہ پاکستان سے بنگلہ دیش جانے والی ہواؤں کا سانس بھاری ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”میں غلط کوششوں میں لگا تھا تم سے ملنا، تمھارے ساتھ زندگی گزارنا میری زندگی کا سب سے بڑا خواب رہا ہے۔لیکن اب بیٹھ کر سوچوں تو سمجھ آتا ہے کہ یہ میری کہانی کا انت نہیں تھا۔تم، میں اور میری بیٹیاں یہ میری کہانی نہیں تھی، اور اگر تھی تو انت میرے لئے بدل دیا گیا۔میں جو کر رہا ہوں وہ نہ کرتا اگر زندگی میرے ساتھ وہ نہ کرتی جو اس نے کیا۔ہیرو کو لڑکی بھی مل گئی، فیملی بھی، خوشیاں بھی اور معافی بھی۔ولن کا کیا قصور تھا کہ اسے ایک معافی تک نہ مل سکے۔میں لوگوں کا قصوروار تھا نعوذ باللہ شرک کا مرتکب تو نہیں ہوا تھا۔لیکن نہیں اچھا انسان غلط کرے تو جسٹیفکیشنز مل جاتی ہیں۔مجھ جیسا آدمی غلط کرے تو مہریں لگ جاتی ہیں۔کہا جاتا ہے ولن معاف نہیں کرتا، کوئی ولن کو معاف کرتا ہے کیا؟“

”ملاقات کے لئے یہ جگہ کچھ ڈراؤنی نہیں؟“

مارگلہ ہلز کے ٹریل نمبر چھ کے آگے کھڑا ابراق آنکھیں چھوٹی کئے کہہ رہا تھا۔ہاتھ میں ایک نئی پستول تھی جو بالکل ویسی تھی جیسی اس نے زوار کو تحفے میں دی تھی۔اس نے پستول جیب میں ڈالی۔

”کچھ باتوں کے لئے جگہیں vibe کی بنا پہ سیٹ کی جاتی ہیں۔تمھیں یہ جگہ اچھی نہیں لگی؟“

براق نے کچھ کہنے سے پہلے جیب میں موجود پستول کی موجودگی چیک کی۔ پھر مطمئن سا ٹارچ لئے آگے بڑھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کچھ دن پہلے یہاں ایک لڑکے کو کسی جنگلی جانور نے چیر پھاڑ دیا تھا۔ کیونکہ بھری مردانگی میں مرنا چاہتے ہو ؟'' وہ دونوں اب ٹارچ مارتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے زمین گیلی تھی، پتھریلا سا راستہ پھسلن کا باعث بن سکتا تھا۔ آس پاس درخت اور جھاڑیاں ہوا سے سرسرا رہے تھے۔

''گن لے کر آؤ کہا تو تھا۔'' آس پاس اتنی خاموشی تھی کہ انکے قدموں کی آہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں ایسے ہی آیا ہوں ؟'' براق جھلایا۔ ''اور میں تمہاری سننے نہیں آیا ہوں مجھے اپنی بات بھی کرنی تھی۔''

''فرماؤ۔'' وہ ایک جگہ آکر رک گئے۔ یہاں بڑے بڑے پتھر رکھے تھے اور ہوا بے حد تیز تھی۔ یہاں سے نظر آنے والی روشنیاں آنکھوں کو بے حد بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ براق، مہدی، قیس یہ ان تینوں کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی جہاں وہ سال میں ایک یا دو بار آتے تھے۔

''مہدی کے ساتھ میرے تعلقات درست کرواؤ۔'' اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔ ''میری ماں، باپ، شیزل میرے ساتھ کوئی نہیں رہا تم دونوں جیسے بے غیرت سہی میں کزنز ہو۔ میں چاہتا ہوں میرے تعلقات تم دونوں سے بہتر ہو جائیں۔ اور اسکے زریعے زینیا سے بھی۔ جو بھی ہے وہ میری اصل فیملی ہے۔'' وہ تنہا ہو جانے کے خوف سے سب قبول کر رہا تھا۔

''اور تمھیں لگتا ہے وہ میری سنتا ہے ؟ آج کل وہ موصوف محبت کی وادیوں میں سفر کر رہے ہیں۔''

''اسکے سفر کے قصے چھوڑو اپنی منزل کی بات کرو کیا ہوا ٹوٹ گیا خاندان ؟ اسکی نگاہوں میں استہزاہ تھا۔ ''میں تمھیں کہتا رہتا تھا می نے بھی تمھیں بہت سمجھایا تھا کہ اپنا سوچو مت بھاگو ان سب کے پیچھے لیکن تم ان دنوں ہماری کہاں سنتے تھے۔ کتنی بار کہا تھا انہیں جہنم میں بھیجو جب تم اکیلے ہوئے کوئی ساتھ نہیں ٹھہرے گا لیکن تمھیں تو باپ سے کئے وعدے کا پاس رکھنا تھا۔ صحیح ہے نہ سنو ہماری۔ اب بھگتو۔''

''میں تو آج بھی نوابوں کے مشورے پہ لعنت ہی بھیجتا ہوں۔'' وہ پتھروں سے ذرا سے فاصلے پہ آکر کھڑا ہوا۔ایک حد جس کے پار ایک کھائی تھی گہری کھائی۔ براق اسکی داہنی طرف کھڑا تھا۔دور کہیں سے بھولی بھٹکی روشنی انکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔''اگر نوابوں کے مشورے سے میرے مسائل حل ہوں تو میں مسائل میں رہنا پسند کروں گا۔''

''تمہاری یہی اٹھی ہوئی گردن اور اسی تفاخر نے آج تمھیں بری طرح گرایا ہے اندر سے خالی ہو گردن اٹھنے کے قابل نہیں رہی لیکن تم شکست تسلیم نہیں کروگے ہے ناں؟''

''اس زندگی میں نہیں۔'' گردن یونہی اٹھائے مسکرا کر جواب دیا۔

''کس مٹی کے بنے ہو تم کب کیا کرتے ہو کیا سوچتے ہو پتہ ہے نہیں چلتا۔ کبھی کسی کو برباد کر دیتے ہو پھر اسی کو آباد کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہو۔ جس سے نفرت کرتے ہو کبھی اسکے پیروں سے زمین کھینچ لیتے ہو، کبھی سر پہ آسمان دیتے ہو اپنے اعمال کا تجزیہ کیا ہے کبھی؟''اس نے ٹارچ ایک طرف رکھی۔اور بیگ سے دو کین نکالے۔ٹارچ کی روشنی لگا کر دیکھا ایک کین الکاحلک بیئر کا تھا اور دوسرا سافٹ ڈرنک۔ تیسرا کین جس کا تھا وہ فلحال یہاں موجود نہیں تھا۔

''جینز کا اثر کہہ لو۔ کبھی اماں کا اچھا مزاج غالب آجاتا ہے کبھی ابا کے کارنامے۔''اس نے مڑ کر براق کو دیکھا جواب اسے سوفٹ ڈرنک کا کین تھما رہا تھا۔''تم نے پارٹی میں بھی ڈرنک کیا ہو گا اور اب دوبارہ پیو گے، خود پہ ترس کھاؤ۔'' براق کی آنکھوں میں سرخی دیکھ قیس نے اسے متنبہ کیا۔

''میرے دادا، بابا دونوں اچھے خاصے شرابی تھے میری جینز میں کچھ کچھ اثر ہے۔''

''تم اپنے پیرنٹس کو یاد نہیں کرتے، ٹریجڈی؟''

براق بڑے سے بھاری پتھر پہ آکر بیٹھا۔ نگاہیں کہیں دور جمادیں۔ہاتھ میں بیئر کا کین گھمانے لگا۔'' بابا سے وہ تعلق تھا جس میں بس حسرت رہی۔ میں کبھی اس آدمی کو جان ہی نہیں سکا۔اسے کیا پسند ہے کیا ناپسند یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ہماری ملاقاتیں کیلکولیٹڈ ہوتی تھیں اور الفاظ بھی۔ آدھی ملاقات تمہارے گرد گھومتی تھی۔تم میرے باپ کا ''گلٹ'' تھے۔''آخری جملہ اعترافی جملہ تھا۔''میں کتنے منٹ، گھنٹے سہارتا تھا مجھے یاد نہیں۔ بابا جتنی دیر گھر پہ رہتے میرے لئے وہ وقت عجیب ہوتا۔ ہر بات پہ

ٹوکتے تھے۔یوں نہ کرویوں کرو۔عبداللہ ایسانہیں کرتا۔تم میری فیری ٹیل کے وہ پرنس تھے جس سے میں نفرت اور محبت دونوں کرتا تھا۔وجہ صرف بابا تھے۔''اس نے کچھ گھونٹ حلق سے اتارے۔

''لیکن میری ماں........''انکے بارے میں بات کرتے ہوئے براق کی آنکھوں میں جذبات دیکھے جاسکتے تھے۔اسکی سیاہ آنکھیں منور تھیں۔''مجھے میری ماں بہت یاد آتی ہے۔''اس نے کہہ کر تین چار گھونٹ ایک ساتھ لئے۔''وہ واحد انسان تھی جس نے مجھ سے میرے لئے محبت کی۔صرف تب نہیں جب میں بڑا ہو گیا تھا تب بھی جب میں اس دنیا میں نہیں آیا تھا۔ڈاکٹر نے ان سے کہا تھا کہ وہ اس بچے کو پیدا کرتے ہوئے زندگی کی بازی ہار سکتی ہیں لیکن انہوں نے مجھے چنا۔پھر بہت دھیان سے مجھے پالا۔فیشن آئکن تھیں لیکن میرا بہت خیال رکھا مجھے وقت بھی دیا۔میں گیارہ سال کا تھا تب بھی وہ مجھے اپنے ساتھ سلاتی تھیں۔میری ماں بہت پیاری تھی قیس۔''

قیس نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔کچھ دل میں کھب گیا تھا۔بے وقت،بلاوجہ۔

''مجھے بس میری ماں یاد آتی ہے۔خوشگوار یادوں میں صرف میری ماں ہے جسے میں نے اپنے باپ کے تعصبات کی وجہ سے کھو دیا۔''اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔براق نے سارا کین پی کر اسے دور اچھال دیا۔اسکا سر اب دکھ رہا تھا۔آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔''تم بتاؤ کیا بات کرنے کے لئے بلایا تھا؟''

''اعتراف کے لئے۔''

''کیسا اعتراف؟''

''تمہارا باپ تمہارے بارے میں درست کہتا تھا تم پیادے ہو۔''اس نے سنجیدگی سے کہا۔براق کی مٹھی بھینچ گئی۔وہ یہاں ایک خوشگوار ملاقات کے لئے آیا تھا۔''یکم جنوری کی رات میں بغیر پلان کے وہاں آیا تھا۔خالی ہاتھ۔میں اتنا پریشان تھا کہ مجھے یہ بھی بھول گیا تھا میں وہاں زینیا سے کیا کہنے آیا ہوں۔اور اگر مہدی دوبارہ میرے سامنے آگیا تو میں کیا کروں گا؟لیکن میں یہ بھول گیا تھا کہ میرے ماموں نے مجھے ایک پالتو جانور گفٹ کیا تھا جانتے ہو پالتو کیسا ہوتا ہے؟''براق کی تاریک پڑتی رنگت سے بے نیاز وہ کہہ رہا تھا۔''وہ گلی کے آزاد جانور جیسا نہیں ہوتا جو ناراض رہے،نخرے کرے،اور اپنی مرضی سے اپنے فیصلے کرے ایک نادیدہ سی ڈور

ہوتی ہے جو انہیں مالک کے ساتھ باندھ کر رکھتی ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مالک کے تابع ہوتا ہے۔تم براق......... تم بالکل اسی طرح میرے تابع تھے۔نہ چاہتے ہوئے بھی۔''

''کیا بکواس ہے یہ جھک کیوں مار رہے ہو؟'' براق حنیف کی رنگت باقاعدہ سرخ پڑی تھی۔کانوں کی لوئیں تک دہک اٹھیں۔

''پوری بات سنو ڈیئر کزن۔'' قیس کمبیر گہرا مسکرایا۔وہی شاطر، سفاک مسکراہٹ۔''جب تم وہاں آئے اور تم نے دیکھا کہ میں تمہارا پلان اپنے حق میں استعمال کر رہا ہوں تم تب بھی کچھ نہیں کر سکے سوائے اس کے کہ تم اسی پلان پہ قناعت کر لو۔آہ تم اس روز بھی ایک پالتو کتے تھے۔تمھارے باپ نے کڑی محنت سے تمھیں میرے حوالے کیا تھا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ تم بہترین ثابت ہوئے۔تم ہر اس تکلیف کا ازالہ تھے جو مجھے ملی تھی۔''

''تم خود کو سمجھتے کیا ہو ہر چیز تمھارے اشارے پہ ہوئی تھی سب ویسے ہوا جو تم نے چاہا تھا؟ میں نے جو کیا اپنے لئے کیا۔میں.. . . .''

''تمھیں قبول نہیں کیا گیا میرا خیال ہے یہ بالکل درست فیصلہ تھا کیونکہ تم مس فٹ تھے۔چاہے جو مرضی کر لو تم وہ نہیں بن سکتے جو ہم ہیں۔ہم انتقام نہیں چھوڑتے، ہم پلان بنانا جانتے ہیں، ہم کسی کو برباد کر سکتے ہیں، قتل کر سکتے ہیں۔تم نے آج تک کوئی قتل کیا ہے؟'' وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے اسکے تعلیمی کوائف پوچھ رہا ہو۔

''انسانوں کی صف میں شامل ہونے کے لئے قتل کرنے ہوتے ہیں؟'' براق غرایا۔

''انسان؟ آہ، براق آہ ''لیڈر'' بننے کے لئے یہی وہ واحد جذبہ ہوتا ہے جسے پیچھے چھوڑ کر آنا پڑتا ہے۔وقت پڑنے پہ انسانی جان کی وقعت ایک کیڑے جتنی سمجھنی ہوتی ہے تا کہ تم ایک لیڈر بنو، ایک نواب، تخت نشین۔نانا کو پتہ تھا تم ایسا نہیں کر سکتے اگر اتنی ہی غیرت ہوتی تو آج تم اپنے باپ کے قاتل کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے۔اسکے سامنے یوں شراب کی محفل نہ سجا کر رکھی ہوتی۔''

براق نے برق رفتاری سے جھپٹ کر اسکا گریبان پکڑا تھا۔قیس کے چہرے پہ گھبراہٹ کا کوئی تاثر تک نہیں آیا۔وہ انھی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔''میرا باپ یہ چاہتا تھا، وہ قتل ہونا چاہتا تھا جو ہوا وہ اسکی مرضی تھی۔''

قیس نے دھیرے سے اپنا گریبان چھڑوایا۔ اسکی نگاہوں کی سرد مہری برفانی تودوں کو مات دیتی تھی۔

"میری بات پوری نہیں ہوئی اعتراف کے بعد ایک معافی نامہ رہتا ہے تم میری بات تو سن لو۔" اس نے پچکارا ایسے جیسے کسی بچے کو پچکارا جاتا ہو۔ براق پیچھے ہوا مگر اسکی آنکھیں، جسم کی حرکت سب بدل چکا تھا۔ وہ نشے میں دھت کوئی ٹر گرہوا انسان لگ رہا تھا۔

"تمھارے ساتھ غلط ہوا۔ یہ ردعمل جو تم دے رہے ہو یہ تمہارا نہیں تمھارے باپ کی تربیت کا قصور ہے۔ لیکن خیر جو ہوا سو ہوا۔ تمھارے ساتھ بہت غلط ہوا ہے اور میں مداوا کرنا چاہتا ہوں۔ نواب کبھی تمھارے ساتھ درست نہیں ہوئے لیکن میں تمھیں نہیں چھوڑ رہا۔ بشرطیکہ کہ تم مجھے نہ چھوڑو۔"

براق ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کیا ان دونوں کے درمیان معاملات درست ہونے والے تھے، کیا وہ خاندان کا حصہ بننے والے تھے، کیا واپس دوست؟ اسکی نگاہوں میں چبھن اب بھی باقی تھی۔ مگر وہ واقعی ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"مہدی میرے ساتھ نہیں آسکا اسے بھی شامل کر لیتے ہیں۔ میں اسے کال کرتا ہوں۔" اس نے جیب سے موبائل نکال کر اسے کال ملائی۔ دوسری طرف سے کال اٹینڈ ہو بھی گئی تھی۔ وہ شاید اسی قسم کی کسی کال کے انتظار میں تھا۔ "ہم تمہاری کمی محسوس کر رہے تھے، گرین وونڈ۔"

"بیوی کی غلامی چھوڑ کر تم ہمارے ساتھ آ بھی سکتے تھے۔ بیوی کے جوتوں کا ڈر ہے کیا؟" براق کی آواز پہ وہ جم گیا۔ فریز۔ وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ مگر مہدی کو جیسے کوئی الہام ہوا تھا۔ "آجاؤ ناں یار، بات چیت کر لیتے ہیں ماحول ویسے ہی گرم ہے۔" وہ ساری کلفت بھلائے کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل قیس نے اس سے کیا کہا تھا اسے یہ بھی یاد نہیں تھا۔

"مہدی، آجاؤ یار۔ ہم تمھیں ہی یاد کر رہے ہیں۔ ٹریل نمبر چھ، مارگلہ ہلز۔" مہدی نے نہیں سنا اس نے کیا کہا ہے مگر اسکے بیٹھی سفید پڑتی رنگت والی لڑکی نے سب سنا تھا۔ اسکا ہاتھ بے اختیار اپنے دل تک آیا تھا۔

"قیس ..... اسپیکر بند کرو اور میری بات سنو۔" مہدی کا لہجہ لرز گیا تھا۔ اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ گاڑی کا شیشہ تیزی سے نیچے کیا۔

"ہم معاملات درست کرنا چاہ رہے ہیں۔"، قیس نے کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا تم میرے ساتھ آؤ۔"

''میں واقعی تم سے معافی مانگنا چاہ رہا ہوں، مہدی۔'' براق شرمندگی سے بولا۔

''اور میں تم سے ......'' قیس نے براق سے کہا۔

''قیس . . . اسپیکر بند کرو . . . . میری بات سنو چپ رہو، قیس۔'' سیاہ آنکھوں والے ڈیزائنر نے موبائل بھاری پتھر پہ رکھ دیا۔ آنکھیں براق کی آنکھوں پہ جمادیں۔ وہاں کچھ تھا کوئی بے خوفی۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو، براق؟''

''بابا کے ساتھ تم نے جو کیا وہ......'' وہ صلح جو انداز میں ہاتھ اٹھائے کچھ کہنے لگا تھا جب........

''بابا نہیں کیا تم اپنی ماں کے قتل کے لئے مجھے معاف کر سکتے ہو؟''

براق تھم گیا۔ سارے کے سارے مارگلہ نے سانس روک لیا۔ زینیا کی آنکھوں میں مردنی چھا گئی۔ مہدی کمبیر کے جامد وجود نے کوئی حرکت نہیں کی۔ قیس کمبیر کی گردن ہنوز اٹھی تھی۔ ترپ کا پتہ بلآخر سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مہدی کمبیر کی گاڑی مرکزی شاہراہ پہ رش میں پھنس گئی تھی۔ گاڑی سے سر نکال کر باہر دیکھنے پہ قطار در قطار گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہارن کی آوازیں، کچھ بے زار سی صدائیں اسکے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ لیکن وہ اس آواز کو ان سنا نہیں کر سکتا تھا جو اسپیکر کے اس پار سے ابھر رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار چلا رہا تھا۔

''قیس چپ رہو پلیز کچھ مت کہنا، تم نے کچھ نہیں کیا ہے کچھ ہوا ہی نہیں ہے تم نے اسکی ماں کو نہیں مارا تھا۔ تم چپ رہو پلیز تم چپ رہو۔'' وہ بچوں کی طرح لجاجت پہ اتر آیا تھا۔ اسکی آنکھیں نم تھیں، جسم کپکپا رہا تھا اور وہ بس دوسری طرف اس شخص کی منت کر رہا تھا جو اسکی کوئی بات سننے والا نہیں تھا۔)

''کیا بکواس کر رہے ہو؟''لہجہ، ٹون، نگاہیں، انداز ایک لمحہ لگا تھا اور براق حنیف سارے کا سارا بدل گیا۔ ''ممی کے بارے میں کیا؟ کیا بکواس کی ہے تم نے؟''

''میں اس روز تمہارے گھر آیا تھا، براق۔ تمہاری ماں میری اصلیت جان گئی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ میں اپنے مسیحا کو جانتا ہوں وہ انسکیور تھی، اسے تمہاری پرواہ تھی، وہ واحد عورت تھی جس نے تم سے واقعی محبت کی تھی۔ تمہاری ماں تم سے بہت محبت کرتی تھی۔''

''تم نے کیا کیا ہے؟'' براق پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔ اسکی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔

''براق..... میری بات سنو پلیز تم تھوڑی دیر وہیں رکو مجھے وہاں آلینے دو ہم بیٹھ کر بات کریں گے میں ابھی گاڑی میں ہوں میں یہاں سے نکل رہا ہوں میں دس منٹ میں تمہارے پاس آتا ہوں پلیز میری بات سنو۔ قیس بک رہا ہے اسکی کوئی بات مت سننا کالم ڈاؤن پلیز۔''

وہ فون کی دوسری طرف منتیں کر رہا تھا اور زینیا ساکن سی اسے سن رہی تھی۔ کھیل تو اسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ جو جان قیس کے پاس تھی وہ اسکی اپنی تھی۔ وہ کیوں نہ سمجھ سکی؟ کیوں قیس کا دماغ نہ پڑھ سکی۔ کیا محبت نے اسکے جذبات قابو کر دیے تھے، کیا دماغ پہ پٹی باندھ دی تھی؟)

''اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمھیں سب کچھ بتا دوں، اور تمہارے پیسے واپس کر دوں لیکن وہ تمھارے پیسے نہیں تھے، براق۔ وہ پیسے تو میرا حق تھے۔ اپنا حق چاہے جس طرح سے ملے اسے وصول کرنے میں کیا برائی ہے؟ لیکن وہ میری بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ میرا کوئی قصور نہیں تھا ٹریجڈی۔ اس نے زینیا اور تمہارا نام ایک ساتھ لیا۔ یہ اجازت تو میں ہواؤں کو بھی نہیں دیتا۔ اور پھر اس عورت نے مجھے تھپڑ مارا۔ عبداللہ زمان کمبیر کو تھپڑ مارا۔ کیا اسکی اتنی اوقات تھی۔؟''

براق سفید پڑتے چہرے کے ساتھ پیچھے ہوا، کسی پتھر سے ٹکرایا اور پھر وہیں گر گیا۔ اسے لگ رہا تھا وہ سانس نہیں لے پائے گا وہ واقعی سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ ٹکر ٹکر قیس کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ بے یقینی کی انتہا پہ تھا۔

''اسے .. میرے دادا نے مارا تھا تم جھوٹ ...... بول رہے ہو تم ایسا نہیں ہوا تھا...... تم نے اسے نہیں مارا...... سب جھوٹ ہے۔'' اسکے حلق سے بامشکل آوازیں نکل پا رہی تھیں۔ اسکا چہرہ ایسا تھا جیسے کسی نے بیلچہ دے مارا ہو۔ الفاظ بے ربط تھے۔ براق حنیف کی ساری زندگی پہ کسی نے سرخ کانٹا پھیر دیا تھا۔

''مہدی کیا ہوا ہے؟'' زینیا نے اسکے بازو پہ ہاتھ رکھا، وہ فکرمند لگ رہی تھی۔ مہدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ باہر رش دیکھ رہا تھا۔ نکلنے کا راستہ دیکھ رہا تھا۔ اسکا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''گاڑی نکالو یہاں سے مجھ فارم ہاؤس لے کر چلو ابھی اسی وقت جلدی چلو۔'' اس نے چیخ کر ڈرائیور سے کہا۔ ''تم کس جگہ ہو مجھے جگہ بتاؤ قیس تم فارم ہاؤس پہ ہو؟ ہیلو قیس جواب دو قیس .... خدا کے لئے جواب دے دو پلیز جواب دو مجھے وہاں آلینے دو پلیز۔'' وہ رو پڑا تھا۔ بے چینی بے کلی، بے سکون سب آنسو بن کر باہر آئے اسکا دل پھٹنے کے قریب تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ قیس اسے اپنا پتا بتا چکا ہے۔

براق کی آوازیں، قیس کی آواز وہ سب سن رہا تھا کچھ ہو سکتا تھا کچھ بہت برا اسے بچانا تھا اسے سب ٹھیک کرنا تھا مگر وہ کیا کرے؟ زینیا حاکم بس اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے واپسی جانے کا راستہ نہیں تھما سکتی تھی، کبھی نہیں۔)

''اسے مجھے تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا۔'' آنکھوں میں ٹھنڈک لئے وہ ضدی لہجے میں بولا۔ ''کسی عورت کی اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ مجھ پہ ہاتھ اٹھائے۔ تم اسکی اوقات دیکھو ایک تھرڈ کلاس عورت......'' وہ ایک لمحے کو چپ ہوا۔ پھر ہمدرد نگاہوں سے براق کو دیکھا جو اپنے حواسوں میں نہیں لگتا تھا۔ وہ واقعی پاگل ہو رہا تھا۔

''وہ عورت کیا اسکا خاندان اور سٹیٹس میرے برابر تھا؟ کیا اسکی اتنی اوقات تھی کہ وہ مجھ پہ ہاتھ اٹھائے؟ وہ دو ٹکے کی ماڈل تھی۔ کتنے ہی لوگوں کے کمروں میں کس کس حیثیت سے گئی تھی اور میں؟ تم جانتے ہو براق میں اپنے خاندان کا ولی عہد ہوں۔ میں اعلیٰ اور اونچا ہوں۔''

براق شل تھا۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا الفاظ کس طرح پراسیس کرنے ہیں اس وقت اسے یہ بھی نہیں پتہ تھا۔ اس بکتے جھکتے شخص کو کیسے خاموش کروانا یہ بھی علم نہیں تھا۔

''بس پھر مجھے غصہ آگیا۔'' وہ ایسے بولا جیسے یہ گفتگو کسی انسان کے متعلق نہ ہو۔ جیسے سامنے والی کسی کی ''ماں'' نہ ہو۔

''اس نے مجھے تھپڑ مارا اور مجھے غصہ آگیا میں نے اس سے کہا کہ میں سب کو بتاؤں گا براق کا باپ کون ہے اور یہ بھی بتاؤں گا کہ وہ اسے کیوں اون نہیں کرتا۔ ہاں میں نے وہاں کچھ مبالغہ آرائی کی تھی میں نے ان سے کہا کہ میں دنیا کو بتاؤں گا براق صرف آپ کا بیٹا ہے اس لئے حاتم نواب اسے قبول نہیں کرتے۔ میں نے شاید اسے برا بھلا بھی کہا تھا۔''

'' بابا نے کہا تھا........ کہ... بابا نے.. کہا تھا میری ماں.... انکی بیوی ہونے کی وجہ سے....'' اس نے شا کی نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا جس کی آنکھوں میں لکھا تھا بس وہ سچا باقی دنیا جھوٹ۔ '' بابا جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

''تمھارے بابا مجھے بچا رہے تھے، ٹریجڈی۔ انہوں نے تمہاری ماں کو اپنے گلٹ کے نام کر دیا۔ انہوں نے اسکا قتل بیچ دیا کیونکہ اس عورت کا کوئی نہیں تھا۔ تم بھی نہیں۔''

''تم نے میری ماں کو مار دیا؟'' وہ ایسے بولا جیسے حسیات اب بیدار ہوئی ہوں۔

(''میں انتظار نہیں کر سکتا۔'' براق کی آخری بات سنتے ہوئے مہدی نے فیصلہ کر لیا۔ اسکا چہرہ پیلا پھٹک ہو رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں کھڑی گاڑیوں کے رش سے اسے اپنا راستہ نکالنا تھا۔ اپنے بھائی کے لئے اسے جانا تھا۔

''میڈم کو گھر چھوڑ دینا اور سیدھے گھر جانا، طاہر۔ مجھے میرے بھائی کے پاس جانا ہے۔'' گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے نے باہر نکلنے کی سعی کی۔

''آپ پاگل ہیں اس وقت کہاں جائیں گے؟ وہ دونوں اپنا مسئلہ دیکھ لیں گے۔'' زنیبا نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔ مہدی نے درشتی سے اسکا ہاتھ ہٹایا۔

''میرا بھائی اس وقت مصیبت میں ہے اور تم چاہتی ہو میں یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھتا رہوں؟'' وہ حلق کے بل غرایا تھا۔ زنیبا نے اسکا بازو چھوڑ دیا۔ اس وقت مہدی کمبیر اسے غیر لگا تھا۔ اسکا چہرہ سفید تھا، آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کئی ہزار گاڑیوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ اسکی آنکھیں بہہ رہی تھی اور دل کو کوئی مٹھی میں لے کر دبا رہا تھا کاش وہ وہاں تھوڑی دیر مزید رک جاتا۔ کاش اس نے قیس کی بات مان لی ہوتی۔ کاش وہ اس کے بلانے پہ چلا گیا ہوتا۔ کاش کاش کاش۔

''وہ میری ماں تھی، لوسفر......'' براق حنیف کے لبوں سے الفاظ ٹوٹے بکھرے آزاد ہوئے۔ ''وہ میری ماں تھی۔'' بے یقین، ٹوٹا بکھرا لہجہ۔ ''میری ماں، وہ میری ماں تھی۔''

''اس لئے اسے تمہاری بہت فکر تھی۔'' قیس نے متاسف انداز میں گردن جھٹکی۔ مگر کہیں سے بھی یہ نہیں لگتا تھا کہ اسے اس قتل کا گلٹ ہے کیونکہ یہ قتل نہیں حادثہ تھا جسے وہ اپنے انداز سے پیش کر رہا تھا۔ ''اس لئے اسے اپنے آخری وقت میں بھی صرف اور صرف تمہاری فکر تھی۔ وہ چاہتی تھی میں تمھارے بارے میں دنیا کو کچھ نہ بتاؤں۔ تمہاری ماں کو تمہاری بہت فکر تھی۔''

براق گردن جھکا کر چیخ پڑا۔ پتھر پہ ہاتھ مارتے ہوئے وہ زور زور سے چیخ رہا تھا۔ پاگلوں کی طرح۔ دیوانوں کی طرح۔ صحرا میں گم ہو جانے والے بنجاروں کی طرح۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے اور وہ بس چیخ رہا تھا۔ حلق میں اٹکا ہر غم ان چیخوں کے زریعے باہر آرہا تھا۔ گھاٹیوں سے اسکی دہشت ناک چیخوں کی آوازیں پلٹ پلٹ کر واپس آرہی تھیں۔

''میں غصے میں اس کمرے سے باہر نکلا تھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا میں آگے کیا کرنے والا ہوں میں بس پاگل ہو گیا تھا۔'' وہ براق کی کیفیت سے بے نیاز کہہ رہا تھا۔ ''وہ زینوں کے درمیان تھی۔ میں اسکے سامنے۔ میں چاہتا تو اسے جانے دیتا زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا کوئی جھگڑا، زیادہ سے زیادہ مجھ سے کیا چھن جاتا دولت؟ لیکن اسے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ اسے یہ اجازت نہیں تھی۔ آئی ایم سوری، براق آئی ایم سوری میں نے اسے دھکا دے دیا اور وہ سر کے بل جا کر گری۔ لیکن وہ مری نہیں تھی۔ وہ زندہ تھی۔''

چیخیں رونے میں بدل گئی تھیں۔ وہ بلند آواز میں گریہ زاری کر رہا تھا۔ براق حنیف کا دل کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

اسکے دوسرے ہاتھ میں زینیا کا موبائل تھا جس پہ میرہ کی کال چل رہی تھی۔ وہ اپنی طرف سے قیس کی کال ختم نہیں کر سکا تھا۔ لیکن وہ اسکی لوکیشن جاننا چاہتا تھا۔ کیا وہ ٹریل نمبر چھ پہ ہے؟ یا آج وہ پانچ کی طرف چلا گیا؟

''وہ دونوں تو ٹریل کی طرف گئے تھے، قیس تو کہہ رہا تھا تمھیں بھی کال کر کے بلائیں گے تم گئے نہیں کیا؟'' میرہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ٹریل نمبر بتاؤ اور گارڈز کو فوراً اس طرف بھیجو ابھی کے ابھی۔''

''مجھے ٹریل نمبر نہیں پتہ اور گارڈز کو تو عبداللہ نے آف دے دیا تھا۔ سب ٹھیک تو ہے؟ تم مجھے پریشان کر رہے، عبداللہ کہاں ہے؟''

مہدی کمبیر کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ ''ماہ جبین کہاں ہے؟ اس سے کہو اپنے گارڈز ٹریل نمبر چھ اور پانچ کی طرف بھیجے ابھی اسی وقت جلدی کرو میرہ کہو اس سے۔''

''اوکے میں کہتی ہوں لیکن باقی سب سیٹ ہے ناں؟''

مہدی نے بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔ اسکے اپنے موبائل سے ہنوز قیس کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہ اب میکانکی انداز میں زینیا والے موبائل سے پولیس کو کال کر رہا تھا۔ جو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ ہر طرح، ہر طریقے سے، ہر طرف سے وہ اسے بچا لینا چاہتا تھا بس یہی۔

''ہیلو میں، مہدی سرور کمبیر بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ ''سر میں اس وقت ٹریفک میں ہوں میرا بھائی مارگلہ میں ہے وہ مصیبت میں ہے پلیز آپ وہاں پہنچیں اسکی جان کو خطرہ ہے۔ میں آپ کو ابھی لوکیشن بھیج رہا ہوں پلیز جلدی پہنچیں۔''

دوسری طرف سے تسلی دی گئی۔ اس نے کال کاٹ دی۔ اب وہ ایک بار پھر اندھا دھند دوڑ رہا تھا۔ لوگ اسے بک جھک رہے تھے اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اسکی آنکھیں، کان جیسے کوئی شے اس منظر کی تھی ہی نہیں۔

''مجھے ٹریل نمبر بتاؤ، قیس۔۔۔۔ براق تم مجھے سن رہے ہو؟ تم پلیز چپ ہو جاؤ، قیس پلیز میرا انتظار کرو میں وہاں آ رہا ہوں ٹریل نمبر بتاؤ مجھے۔'' وہ ایک بار پھر فون پہ چلا رہا تھا۔

"گاڑی موڑو ٹریل نمبر چھ کی طرف چلو۔" سنہری آنکھوں والی لڑکی سپاٹ چہرے کے ساتھ حکم صادر کر رہی تھی۔)

"وہ بہت دیر تک تڑپتی رہی تھی۔"

براق کے حلق سے آوازیں نکلنا بند ہو گئیں۔ وہ اب ساکت سا بیٹھا تھا۔ قیس سے وہ بات سنتے ہوئے اسے لگا جیسے کسی جانور کی بات ہو رہی ہو۔ کوئی کسی کی ماں کو اتنی بے دردی سے تھوڑی مار سکتا ہے؟

"وہ بہت رو رہی تھی اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔" براق کی آنکھوں سے گرتے آنسو اسکا منظر دھندلا کر رہے تھے۔ وہ کسی جہنم میں تھا، کیسے اسکے تلوؤں سے لے کر دل بھی جل رہا تھا اسکا اندازہ صرف اسے تھا یا اسکے خدا کو۔ "وہ چاہتی تھی میں اسکو بچا لوں، اس نے میری منت کی۔ کوئی دس منٹ وہ تڑپتی رہی تھی۔ یقین جانو براق میں ان دنوں اتنا بے حس تھا کہ مجھے اس عورت پہ ترس بھی نہیں آیا۔ میں ان دنوں ایسا ہی تھا۔"

"تم بچا سکتے تھے میں ہوتا تو..... تمہاری ماں کو ایسے کبھی نہ مارتا۔"

"کیونکہ تم ہمارے جیسے نہیں ہو۔ تمھارے خون میں ملاوٹ ہے، ٹریجڈی۔"

"مارگلہ ہلز ٹریل نمبر چھ پلیز۔"

سفید ایس یو وی کے کھلے شیشوں پہ کھڑکی کی جگہ ہاتھ جماتے ہوئے اس نے پھولتے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ ایڈریس جو اسے میرہ نے بھیجا تھا۔ "پلیز مجھے وہاں جانا ہے، مجھے لفٹ چاہیے۔"

پورے اسلام آباد میں اسے کون نہیں جانتا تھا؟ لڑکے نے فوراً اسے اگلی نشست پہ آنے کو کہا۔ مہدی اب بھی موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔ سامنے والے کو روکتا ہوا، خود ہر ہر منٹ اسکے قریب جاتا ہوا۔

"دس منٹ بعد وہ مر گئی تھی۔"

براق کو لگا جیسے اسکی ماں آج مر گئی تھی۔ وہ بغیر سانس لئے، پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ دل جامد۔

"میں نے اسے نہیں بچایا کیونکہ میں غصے میں تھا اور میں اس بات کے لئے تم سے معذرت کرتا ہوں۔"

''تم..نے..میری...ماں...کو...مار دیا؟''

"I had to''اس نے سر جھکا کر شکستگی سے اعتراف کیا۔ سر مگر ٹھیک سے جھکا کہاں تھا؟

''اس نے میری انا پہ وار کیا تھا۔اس نے میری عورت کا نام تمھارے ساتھ لیا تھا۔''

''تم خبیث آدمی.....''اس نے پتھر اٹھا کر اسکی طرف اچھالا جو کہ سیدھا اسکی کنپٹی پہ آ کر لگا۔ قیس کے لبوں سے بے اختیار کراہ برامد ہوئی۔

''براق اگر تم نے اسے ہاتھ لگایا تو میں تمھیں زندہ گاڑھ دوں گا۔''وہ فون پہ ہی غرایا۔ساتھ گاڑی تیزی سے آس پاس کی گاڑیوں کے درمیان سے نکالنے لگا۔پسنجر سیٹ پہ بیٹھا لڑکا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''براق اسے کچھ مت کرنا میں آرہا ہوں ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔میرے بھائی کو کچھ مت کرنا۔''

'' تم اسے ہسپتال لے جا سکتے تھے تم مجھ کال کر سکتے تھے میں تمھیں کچھ نہیں کہتا میں جانے دیتا لیکن تم نے میری ماں کو کیسے مرنے دیا تم اسے بچا سکتے تھے تم یہ کر سکتے تھے۔تم نے میری ماں کو کیسے مار دیا۔''

''تمہارا غصہ بجا ہے، براق۔''اس نے ایک ہاتھ سے اپنی کنپٹی کو چھوا جہاں سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا۔''ہاں مجھ یقین تھا تم کیا ہی کر لو گے لیکن اسے تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھنے والا میں اکیلا نہیں تھا۔تمھیں لگتا ہے کوئی بھی آدمی تمھارے گھر میں گھس کر تمہاری ماں کو مار دے گا کیا یہ اتنا آسان ہے؟''

''وہاں تمھارے علاوہ کون تھا؟''آواز کی سرسراہٹ فضاؤں میں شامل ہوئی۔

''تمہارا باپ.....میرا مسیحا....اس نے مجھے بچا لیا ہر دفع کی طرح۔یہ صرف میرا قصور نہیں تھا۔لیکن میں پھر بھی تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔''

قیس کہہ رہا تھا اور براق کو لگا تھا اسے زندہ جہنم در گور کر دیا گیا ہے۔آگ سی آگ تھی جس نے اسکے پورے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔وہ ایسے خاکستر ہو رہا تھا جیسے جہنم کے سب سے نچلے خانے میں ہو۔آگ سی آگ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے گاڑی ایک جگہ روک دی۔ یہ وہی سڑک تھی جہاں وہ کچھ گھنٹے پہلے آخری بار قیس کمبیر سے ملا تھا۔ وہ دیوانہ وار آس پاس دیکھ رہا تھا آوازیں ملا رہا تھا۔ اسکے آئی فون پہ اب قیس کی لوکیشن چل رہی تھی۔ سبز نقطہ اس سے بہت دور تھی لیکن وہ اسے آواز دے رہا تھا شاید کسی معجزے کی خاطر۔ شاید وہ یہیں کہیں ہو آس پاس۔ وہ رو رہا تھا۔ کسی چھوٹے بچے کی طرح جس سے کوئی عزیز بچھڑ گیا ہو۔

"یہیں روک دو گاڑی۔" زینیا شارٹ کٹ سے وہاں آئی تھی۔ لیکن ان راستوں سے اسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ "میں اوپر جاؤں گی اور تم بس پولیس کو کال ملاتے رہو اوکے؟" اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ اور خود گاڑی سے اتر گئی۔

مہدی کمبیر کے سر پہ اگر عرش نہیں رہا تھا تو زینیا کی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی کہ عبداللہ کا کیا ہوا؟

" بابا وہاں... موجود تھے؟" براق کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

"ہاں وہ وہیں تھے۔" قیس نے مٹھی میں پکڑے ٹشو پہ گرفت بڑھائی۔ اسے کوئی خوف سا لگا تھا۔ دل میں جھکڑ چلنے لگے۔ "انہوں نے مجھے اس گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا میرے نکلنے کے بعد بھی شاید وہ زندہ رہی ہو مجھے کنفرم نہیں ہے وہ کب مری، لیکن تمہارا باپ میرے پیچھے نہیں آیا۔"

"اس.. نے.. میری ماں کا قتل بھی اپنے گلٹ کی نظر کیا؟"

" اس نے تم سے جھوٹ بولا کہ تمہاری ماں کو تمہارے دادا نے مروایا۔ تمہارا باپ مجھ بچانا چاہتا تھا وہ تم سے زیادہ محبّت مجھ سے کرتا تھا، ٹریجڈی۔ یا شاید اس نے تمہاری غیرت ماپ رکھی تھی۔ تم کہاں نوابوں کے آگے سر اٹھا سکتے تھے؟ لیکن آئی ایم سوری۔ میں نے غلط کیا آئی ایم سوری مجھے معاف کردو۔"

یہ بس اسکے لب تھے جو معافی کی گردان کر رہے تھے۔ مسکراہٹ میں ڈھلے اسکے لبوں پہ چال ہی مختلف تھی۔اسکی آخری چال،اسکی آزادی۔عبداللہ زمان خود کو آزاد کروا رہا تھا۔ہر غم،ہر تکلیف،ہر بوجھ سب ختم۔وہ خود پہ رحم کھا رہا تھا۔پہلی اور آخری بار۔

اسکے سامنے کھڑے براق کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔آگ نے اسکے سارے جسم کو چاروں طرف سے چھو لیا تھا۔درد اور غصے کی ایک لہر نے دماغ تک کا سفر کیا اور وہ جیسے سب کچھ تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔

" تمھارے باپ نے تم سے چھپایا لیکن آج میں نے بتا دیا۔اب تم بتاؤ براق میں اسکے قتل کے بدلے تمھیں کتنی رقم ادا کروں۔تم جو مانگو گے میں دینے کو تیار ہوں۔"

براق کا ہاتھ اپنی جیب میں موجود پستول تک گیا اور قیس نے یہ بات باخوبی نوٹ کی تھی۔اسکا دل ڈوب کر ابھرا۔گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

" میں جانتا ہوں تمھارے اندر بدلہ لینے والے گٹس نہیں ہیں اس لئے تم سے معافی چاہتا ہوں۔میں تمھیں رقم ...." براق حنیف کے ہاتھ میں پکڑی پستول سے گولی نکلی تھی۔

اسکے باقی کے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے۔بندوق سے نکلا شعلہ تیزی سے سفر کرتا ہوا آیا اور اسکے سینے میں آ کر، کھال چیر کر، جسم کے ٹشوز کو پھاڑتے ہوئے اندر جا کر کہیں پیوست ہوا۔اسکے جسم کو جھٹکا لگا۔وہ تیزی سے پیچھے ہوا بھاری پتھر سے جا لگا۔مگر گرا نہیں۔ایک لمحے کو ایسا درد اٹھا کہ وہ کراہ تک نہ سکا۔بس زندگی کا سب سے بڑا درد یہی تھا۔اسکی آنکھوں میں ہلکی سی بے یقینی تھی۔شاید اسے ایک لمحے کو لگا تھا براق اسے نہیں مارے گا۔سفید شرٹ پہ گول دائرہ بن گیا تھا اور اب اس دائرے کے ارد گرد شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔اور وہ براق کو دیکھ رہا تھا۔سیاہ آنکھوں میں شاک تھا،حالانکہ یہ پتہ اسکا اپنا پھینکا ہوا تھا۔آگ اس نے اپنے سینے میں آگ اترتی محسوس کی۔وہ جل رہا تھا۔

(مہدی سرور کمبیر کے موبائل سے آواز ابھری تھی اور وہ گھٹنوں کے بل زمین بوس ہوا۔ موبائل کہاں گرا، اسکے گھٹنوں میں کیا چبھا کچھ خبر نہیں تھی وہ بس دل پہ ہاتھ رکھے شاکی، ششدر سا زمین پہ بیٹھا تھا۔ اسکی ساری دنیا جل کر خاک ہو گئی تھی۔ پیروں سے زمین اور سر سے آسمان ایک ساتھ ہٹا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکا۔)

" تم ظالم ہو تم قاتل ہو تم نے میری ماں کو مارا ...... تم تمھیں جہنم واصل کر دوں گا تم ....." براق جنونی انداز میں غرا رہا تھا۔ اس پہ ہسٹریائی کیفیت طاری تھی۔ منہ سے کف نکل رہا تھا۔ "میرے باپ نے میری ماں کو مار کر تمھیں بچایا میں آج تمھیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

اس نے ایک بار پھر ٹر گر دبایا۔

ایک.... "مجھے تم سے کراہیت آتی ہے۔" وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل جھکا۔ جسم میں آگ پھیل گئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے گرم گرم لوہا اسکے جسم کے اندر گھسایا جا رہا ہو۔ آنکھوں سے نکلنے والا پانی بے اختیار تھا۔

دو..... "میں اسکے ساتھ مطمئن ہوں۔" اسکا سانس اکھڑ رہا تھا۔ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھے اس نے ہاتھ سینے پہ رکھا وہ خون سے تر تھا۔ سرخ، قرمزی۔ درد، بے تحاشا، بے حساب درد اسکے دل کے قریب گھر کرنے لگا۔ اس نے پلکیں جھپکنے کی کوشش کی مگر نہیں ہو سکا، اس نے اٹھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اب بس گرنا تھا۔ یہ اس نے چنا تھا۔

"تین .... "میری زندگی سے کہیں چلے جاؤ، قیس۔" اس نے دانتوں پہ دانت جما کر بامشکل براق کو دیکھا اور بہ دقت مسکرایا۔ ترپ کا پتہ کام آ گیا تھا۔ مگر یہی پتا اسے مار رہا تھا۔

(اس نے آستین سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ اسکا دل رک رک کر چل رہا تھا۔ کسی نے اسکا سارا جسم مفلوج کر دیا تھا۔ وہ اٹھا، موبائل اٹھایا اور ایک بار پھر اس طرف دوڑا جہاں اسے سبز نقطہ نظر آ رہا تھا۔ اب کے قدموں سے جان نکل چکی تھی۔ اس نقطے کا رنگ جانے کیوں سرخ ہو رہا تھا، جانے کیوں اسکے دل میں کہیں درد اٹھ رہا تھا اور جانے کیوں اسے لگا تھا اسکے ہاتھ سے کچھ گیا۔ شاید بھائی گیا، اور اگر وہ گیا یعنی سب گیا۔)

وہ سانس لیے بغیر اپنے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اپنے سینے میں دائیں بائیں بننے والے سوراخ دیکھ رہا تھا۔ لوہے تھے کہ آگ وہ اندازہ نہیں کر سکا۔ اسکے جسم میں اتنی تیزی سے پیوست ہوئے کہ درد سے جسم کٹ کر رہ گیا۔ چہرے پہ درد کے تاثرات تھے۔ سیاہ آنکھوں کا درد دل چیر رہا تھا۔ اسکے دل کے دائیں بائیں سوراخ ہوتے گئے اور وہ پیچھے ہوتا گیا۔ قیس کمبیر کے پیٹ میں ایک اور سینے میں تین گولیاں تھیں۔ لوہے کے آگ میں لپٹے چار ذرے۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی تو وہ سانس نہیں لے سکا۔ وہ زمین پہ گر گیا۔ اسے یہ گرنا مار گیا تھا۔ لیکن مبارک ہو انہیں جو اسے اٹھتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آج ان سب کو خوشی مبارک جنہیں عبداللہ زمان کے غم نظر نہیں آئے۔

محل کا سب سے مضبوط ستون اب گر گیا تھا۔ کہہ دو محل والوں سے اب اپنا بوجھ اپنے حوالے، قیسم کے ملازمین کو اطلاع کی جائے کہ خوابوں کی عمارت کا معمار ڈھے گیا تھا۔ کوئی مہدی کمبیر سے کہے بازو کٹ کر گر گیا تھا۔ اور زینیا حاکم سے بھی یہ کہا جائے کہ وہ جسے جھٹکتی رہی، اس نے اپنے لئے ہیپی اینڈنگ چن لی تھی۔ وہ ایک شخص اپنے ساتھ کتنے تعلق، کتنے حوصلے، کتنے جذبات لے کر گرا تھا کوئی اسے بتائے۔ وہ ایک وقت بعد اپنے کھیل میں بھی ہار جائے گا کوئی اسے سمجھائے۔

ٹوٹے ہوئے موبائل سے کہیں براق کی آواز ابھری۔ وہ چیخ رہا تھا مغلظات بک رہا تھا۔ مہدی کمبیر کا سارا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھانا چاہا مگر اس سے نہیں ہوا، جسم کی ذرا سی جنبش پہ روح پہ لگنے والے بھاری کوڑے کی طرح تھی۔ اسے قیس کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی اور اسکی ساری دنیا بہری تھی۔

"اللہ...... اللہ..." آنکھوں سے پانی بہا، بے تحاشا درد کے ساتھ کراہتے ہوئے اس نے بس یہی نام پکارا۔ "میرے.... اللہ... ." درد شدید سے شدید ہوتا گیا، سانس اکھڑ رہا تھا۔ اس کی بند مٹھی سے ٹشو کا ذرہ چھوٹ کر گر گیا تھا۔ اور اب قرمزی سیال کے بہاؤ پہ وہ سفید ٹکڑا بہہ رہا تھا، ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ قیس کمبیر کی آنکھوں سے نکلتا پانی اسکی کنپٹی میں جذب ہو رہا تھا۔ کھلی آنکھوں کے آگے کئی منظر تھے وہ انہیں دیکھنا چاہتا تھا، بس تھوڑی دیر بس تھوڑی اور مہلت۔ "اللہ... پلیز اللہ..."

اسکے خون میں لتھڑے ہاتھ پہ اب بھی زینیا کا وہ لمس تھا جس نے پہلی بار قیس کو انسانوں پہ یقین کرنا سکھایا تھا۔ اپنے ماتھے پہ وہ ماں کے لب ثبت ہوتے محسوس کر رہا تھا۔ لبوں پہ دانت جما کر اس نے کراہ دبانے کی کوشش کی مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ اسکے بال

درست کر رہی تھی۔اسکا سگار اسکے ہاتھ سے لے کر اسے شوٹ کروانے کے لئے ڈپٹ رہی تھی۔بہت درد،بہت زیادہ درد تھا۔آنسو، یہ آنسو خوف تھے۔اسے موت سے خوف آتا تھا۔

''اللہ......پلیز...اللہ۔''اسکے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔وہ اللہ کو کیوں یاد کر رہا تھا اسے نہیں پتہ تھا یہ نام خود بخود اسکی زبان پہ آیا تھا اور دل میں بھی۔

براق اسکے قریب کھڑا اسکے سینے پہ، سر پہ، گردن پہ بوٹ مار رہا تھا۔عبداللہ زمان کو جو واحد احساس ہوا تھا وہ درد کا تھا۔بے تحاشا درد، بے پناہ درد، وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا، وہ حرکت نہیں کر پا رہا تھا، اسکے سارے وجود میں آگ پھیل رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا جسم میں بنے ہوئے سوراخوں سے سانس ہوا کی صورت باہر نکل رہا ہے۔اسکے لب ادھ کھلے تھے۔بال ماتھے پہ گرے اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا کہہ نہیں سکا۔کیمرے کی ریل میں ایک منظر چھپ گیا۔

وہ تین لوگ تھے۔پول کا پانی تھا، داستانیں تھیں، جوس کے گلاس ٹکرا رہے تھے۔وہ ہنس رہا تھا ان دنوں اس نے بے حد دل سے ہنسنا سیکھا تھا۔مہدی درمیان میں بیٹھا تھا اسکی دائیں بائیں دو دوست تھے۔قیس اسے اپنی پلیٹ سے کچھ کھلا رہا تھا۔وہ تکون تھا ایسا تکون جنہوں نے اپنے سرے اپنے ہاتھوں سے کاٹے۔

''آپ کہاں ہیں؟آپ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں میرے بھائی کی جان خطرے میں ہے۔''وہ ٹریل نمبر چھ پہ چلتے ہوئے فون پہ چیخ رہا تھا۔چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔''میں آپ کو لوکیشن بھیج رہا ہوں زیادہ سے زیادہ ٹیم کے ساتھ یہاں پہنچیں۔میڈیکل ٹیم بھی ساتھ لائیں۔''

اس نے ہدایات دے کر فون کاٹا، مہدی کمبیر مر کر بھی یہ نہیں مان سکتا تھا کہ گولی اسکے بھائی کو لگی ہو گی۔آواز اس لئے نہیں آ رہی ہو گی کیونکہ وہ زخمی ہے، براق یونہی بکواس کر رہا ہو گا وہ پہنچ جائے گا قیس کو اگر کوئی زخم آیا بھی ہے تو وہ بچا لے گا دل پہ گولی لگی ہو تو؟

تو کیا ہوا وہ بھی تو بچ گیا تھا۔وہ قسمت کو دغا دینے کا سوچ رہا تھا اسے یہ نہیں پتہ تھا مقابل آج قسمت اپنے ہاتھوں سے لکھ کر آیا تھا۔

''تم..... تم نے میری ماں کو مارا... تم....'' براق کی آواز اسکے کانوں میں نہیں پڑ رہی تھی وہ کچھ اور سن رہا تھا آخری دفع۔ ''جنت جہنم کے فیصلے انسان کے ہاتھوں میں نہیں ہیں قیس۔'' وہ مہربان لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔ قیس کے لب، درد میں بھی ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سانس اب اکھڑ رہا تھا۔ خون کا تالاب بنتا ہی جا رہا تھا۔ وہ سانس کھینچنے کی کوشش کرتا تو درد ایسا بڑھ جاتا کہ اسکی آواز بھی حلق میں گھٹ کر رہ جاتی۔ اسے درد کی پرواہ نہیں تھی اسکی ریل کے منظر پورے نہیں ہوئے تھے۔ موت اسے اپنی مرضی کی چاہیے تھی۔

''تم جہنم میں جاؤ گے میں تمھیں وہاں چھوڑ کر آؤں گا تم نے میری ماں کو مارا تم .... تمھیں لگتا ہے میں ہمیشہ تمہارا پیادہ رہوں گا، تمہیں ایسا لگتا ہے؟'' وہ اسے مار رہا تھا۔ قیس کا وجود ہر ضرب پہ ہل کر رہ جاتا تھا لیکن یہ وہ درد نہیں تھا جو ان سنہری آنکھوں کی بے رخی سے ہوتا تھا۔ یہ کم تھا، بہت کم۔ اس نے اس وقت صرف ایک خواہش کی تھی کہ براق اسکے چہرے پہ نہ مارے۔ وہ اسے روکے۔

اسکی انکھیں نیم وا تھیں۔ سانس رخصت ہو رہا تھا۔ وہ بس براق کو بتانا چاہتا کہ وہ آج بھی پیادہ ہے جسے بادشاہ نے اپنی آخری چال میں استعمال کر لیا تھا۔ وہ اس ریل میں بھی ایک رنگین منظر بھرنا چاہتا تھا۔ مگر براق نے بھاری بوٹ سے اسکے سینے پہ ایک زوردار لات ماری۔ قیس کو یوں لگا جیسے وہ جہنم سے ہو آیا ہو۔ ایسا شدید درد؟ وہ منہ سے خون تھوکنے لگا۔ بلٹ کے ذرے ضرب پڑنے پہ جسم میں اندر تک گھس گئے۔

اسکی آنکھیں اب بند ہو رہی تھیں۔ اس نے پلکیں جھپکنی چاہیں مگر یہ نہیں ہوا، تکلیف زیادہ تھی کہ کم اندازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ اب سب ختم ہو رہا تھا۔ ذہن کی سکرین پہ زینیا کا چہرہ آیا، تکلیف بڑھی، مہدی کمبیر اسے گلے لگا رہا تھا اس کا حلق میں اٹکا سانس بحال ہوا، اسکی ماں اسکے ہاتھ چوم رہی تھیں، اسے سکون آیا۔ ایزل نے اسکے دونوں گال باری باری چومے، وہ مسکرایا۔ فتح مندی جیسی مسکراہٹ۔

خط کے اختتام پہ پھڑ پھڑاتے پنے پہ نگاہ ڈالو تو وہ اپنے آخری لفظ لکھ چکا تھا۔ اپنا انت اپنے ہاتھوں سے طے کر چکا تھا۔

"میں اس دنیا میں تمھیں پالینا چاہتا تھا۔ یہ دنیا اور اسکی خوشیاں، غم تو عارضی ہیں۔ جو میں تمھارے لئے محسوس کرتا ہوں وہ دائمی۔ میں تم سے عالم ارواح میں ملوں گا۔ وہ جہاں روحیں ملتی ہیں۔ ایک مدت بعد تو ہر گنہگار کو جنت نصیب ہو ہی جائے گی، جس روز مجھے جنت ملے گی میں اس روز وہاں تمہارا ساتھ مانگوں گا۔ لیکن شاید تم وہاں بھی میرے لئے نہیں ہو گی۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ٹھیک ہے نہ ملو تم مجھے، شکست پھر بھی تسلیم نہیں کروں گا۔ نہ تمھارے آگے، نہ تقدیر کے آگے ہو گا وہی جو میں چاہوں گا۔ تم نے کہا تھا میرے پاس قتل کرنے کو اب کوئی نہیں؟ تمھیں غلط لگا تھا۔ ٹھیک ہے کوئی غم ساری زندگی کے لئے نہیں رہتا لیکن ایک پرفیکٹ زندگی تمھارے پاس کبھی نہیں ہو گی۔ وہ شخص چاہے نوے فیصد تمہارا ہو دس فیصد میرا رہے گا۔ اور میں جانتا ہوں تم اپنی چیزیں ایک فیصد بھی نہیں بانٹ سکتیں۔ تم سے بہت کچھ چھوٹے گا۔ یاد رکھنا۔ میرے سارے انتقام، بقیہ زندگی کا گلٹ، آدھا ادھورا تعلق اور میں یعنی عبداللہ زمان سارا تمھارے نام۔"

اس نے کپکپاتے ہاتھ کی انگلیوں کو اس انداز میں بند کیا جیسے ہاتھ میں وہی مومی ہاتھ ہو، حلق میں اٹکا سانس ختم ہوا، زندگی سے چھڑی جنگ ختم، لوگوں سے اختلاف ختم، آوازیں، احساسات، محرومیاں سب ختم۔ اسکی کئی سالوں سے چلتی ریاضت ختم۔ اس نے آنکھیں جھپکیں، پھر بس اسکی سانسیں بند ہو گئی تھیں۔ سب ساکت ہو گیا..... نل . . . . خالی... ختم۔ ہر تکلیف ختم ہو گئی تھی۔ اسے نجات مل چکی تھی۔ اس زندگی سے جو ان چاہی تھی، اور جس میں اسے "من پسند" چیزیں اور لوگ نہیں مل سکے۔ شاید اس جہاں میں کوئی بہتر دنیا ہو؟ عبداللہ زمان کمبیر آزاد ہو گیا تھا۔

بند آنکھوں کے پار کوئی مرد تھا جس کا ہاتھ قیس کے کندھے پہ جما تھا وہ اپنی شال سے اسکے چہرے پہ لگی دھول صاف کر رہا تھا۔ قیس عقیدت سے انہیں دیکھ رہا تھا دونوں کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔ قدم ساتھ ساتھ اٹھ رہے تھے۔ مسکراہٹ قہقہوں میں بدل رہی تھیں۔ چہرے ہلکی دھوپ پڑنے پہ واضح ہو رہے تھے۔ ایک دوسرے کا عکس، ہو بہو ایک جیسے چہرے۔ بلاخر باپ بیٹا ایک راہ پہ گامزن تھے۔ ایک ساتھ ہمیشہ کے لئے۔ مارگلہ کی گھاٹیوں میں اب سکوت ہی سکوت تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ اسکی دنیا جا چکا تھا۔ اس دنیا سے پردہ، ناراضی، تعلق ختم۔

قاتل کی یہ دلیل منصف نے مان لی، مقتول خود گرا تھا خنجر کی نوک پہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹریل نمبر چھ ٹریجڈی بن چکا تھا۔ وہ دیوانہ وار دوڑتے، خود سے، تقدیر سے جنگ لڑتے ہوئے وہاں آیا تھا۔ گیلے راستوں پہ وہ کتنی بار گرا تھا اسے گنتی بھول گئی تھی۔ اسکی آنکھیں نیم دیوانہ سی تھیں اور چہرے پہ مردنی چھائی تھی۔ اسکی نگاہ موبائل پہ پڑی لوکیشن کا سبز نقطہ اسے منزل کی نوید سنا رہا تھا۔ مہدی کہیں دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ وہ آگے آیا۔ ایک قدم........دو قدم.... تین قدم.....اور اس سے اگلا قدوہ نہیں اٹھا سکا۔ اسکا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اسکی ساری دنیا گول گول گھومنے لگی۔ وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''موت تو آزاد کرتی ہے یار، تم دیکھنا جس دن میں مر گیا میں اس دن زندگی میں پہلی بار واقعی خوش ہوں گا۔'' برسوں پہلے کہی گئی اسکی بات سماعتوں کے پردے سے ٹکرا رہی تھی۔ اور وہ یک ٹک خون کے اس تالاب کو دیکھ رہا تھا جس کے ساتھ بڑے سے پتھر پہ قیس کا موبائل پڑا تھا۔ وہ خاص ٹارچ بھی جس پہ انگریزی کا حرف ''Q'' لکھا تھا۔ مہدی بنا سانس لئے، پلک جھپکے بغیر وہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ کسی اور کا خون بھی ہو سکتا ہے دماغ نے تاویل پیش کی۔

''مجھے مت چھوڑو، مہدی۔ میں اکیلا ہو جاؤں گا۔'' اس نے سر جھٹکا، دل مضبوط کیا۔ وہ ایسے تھوڑی جا سکتا ہے؟ ''میں تمھیں مس کروں گا، مہدی۔

میرے لئے دائمی آگ ہے۔

میں تمہارا بھائی ہوں...

تم مجھے چھوڑ دو گے.....

تم. سزا... دے دو، چھوڑو مت...''

اس نے گیلی پڑتی آنکھیں صاف کیں۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا، وہ آوازیں وہ بازگشت وہ یہیں کہیں ہوگا اسے یقین تھا۔ کوئی کہہ دے وہ جا رہا ہے تو وہ چلا تھوڑی جاتا ہے ایسا کہاں ہوتا ہے؟

''تم یہ مت سمجھنا کہ قاتل بھاگ گیا ہے میں یہیں ہوں، مہدی سرور کمبیر۔'' عقب سے آتی آواز پہ وہ آہستگی سے مڑا۔ براق حنیف اسکے سامنے کھڑا تھا۔ آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ ''ہمارے یہاں قتل طاقت کا اظہار ہوتے ہیں میں نے تمہارے بھائی کو مارا ہے۔ پوری چار گولیاں۔ اس نے میرے سامنے دم دیا ہے۔ میں تمھارے سامنے ہوں، اب کر و جو کرنا ہے۔''

مہدی کو اسکا چہرہ کسی پاگل کتے جیسا دکھائی دیا۔ جو بس بھونک رہا تھا۔ اسکی زبان نکلی ہوئی تھی، منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی کسی وجود کو بھنبھوڑ کر آیا ہو۔ ستم یہ تھا کہ وہ وجود مہدی کمبیر کے عزیز کا تھا۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟'' اسے لگا اسکے حلق سے بامشکل آواز نکلی۔ جسم کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ ''قیس کہاں ہے، براق؟'' اسکی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ آواز تشنہ تھی۔ ''اسے کچھ نہیں ہو سکتا وہ کہاں ہے؟''

''یہاں.... میں نے۔'' اسکے اگلے الفاظ اسکے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئے کیونکہ وہاں خون کے تالاب کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ وہاں کوئی نعش نہیں تھی، کوئی جسم نہیں۔ براق حنیف کا دماغ بھک سے اڑا۔ اگلے چند لمحے وہ جیسے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ ''وہ یہاں تھا میں نے اسے یہیں مارا تھا۔'' اس نے خون کی جانب اشارہ کیا۔

پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا اسی طرف آیا۔ مہدی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکا، اگر وہ وہاں ہوا تو؟ یہ سوچ بھی اسکے اعضاء جامد کر دینے کو کافی تھی۔ اسکا سارا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

''میں نے اسے یہیں مارا ہے۔ بالکل یہیں یہ دیکھو یہ خون، یہ موبائل، اسکی گن سب یہیں ہے۔ میں نے اسے چار گولیاں ماری ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بچ گیا ہو۔'' وہ چلاتے ہوئے اسے اپنی بات کا یقین دلا رہا تھا۔ آنکھیں دھندلا رہی تھی۔ اسکی حالت اس بادشاہ کے جیسی تھی جسے جنگ جیتنے کے بعد ہاتھ میں کاسہ تھما دیا تھا۔ وہ کاسہ جس میں بھیک ملنا ممنوع تھا۔

''مجھے وہاں سے کسی انسان کی آواز آئی میں صرف دیکھنے گیا تھا کہ شاید قیس کا کوئی گارڈ ہو میں دو منٹ میں واپس آیا ہوں اور یہ.... . . .'' سپہ سالار کی وہ تلوار غائب تھی جس سے وہ جنگ جیت کر آیا تھا۔ بھرے مجمعے میں جیسے اسکے سینے کی ذرہ کسی نے کھینچ کر اتاری تھی اور اب وہ برہنہ تھا۔

''وہ یہاں سے کہیں کیسے جاسکتا ہے میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔''

مہدی اب تک شل اور ساکت تھا۔ کوئی اسکے بھائی کو قتل کر کے اس بات پہ افسردہ تھا کہ لاش غائب ہے؟ سن ہوتے جسم کے ساتھ وہ نیچے بیٹھ گیا۔ دونوں بازو اپنے گرد پھیلا دیئے۔ کسی ڈرے سہمے ہوئے بچے کی طرح وہ اس خون کو دیکھ رہا تھا۔ خون کی کوئی بو نہیں ہوتی لکین انسان پہچان لیتا ہے وہ اپنا ہے یا غیر، یہ اسی کا خون تھا وہ جانتا تھا۔

''میں تمہیں بہت مس کروں گا، مہدی۔''

وہ دونوں ایک چھوٹے سے ڈھابے پہ چار پائیوں پہ بیٹھے تھے قیس چائے پی رہا تھا ہنس کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا مہدی بے زار اور سپاٹ چہرے سے اسکی بات سن رہا تھا۔ وہ اس ہنسی کو دوبارہ کب سنے گا!؟

''وہ.... مر گیا تھا میں نے اسے مرتے ہوئے دیکھا ہے، مہدی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے مرا تھا میں نے اسے مارا بھی تھا میں.. ...اوہ خدایا وہ یہاں سے کہیں کیسے جاسکتا ہے؟'' براق ہنوز کسی دیوانے گدھ کی طرح بال ہاتھوں میں لئے نوچ رہا تھا۔ مردار سے اسکا گوشت کھو گیا تھا، دیوانگی لازم تھی۔

''تم رک نہیں سکتے یار؟ پلیز رک جاؤ پلیز مجھے اکیلا مت کرو۔ میں تمھارے بغیر اکیلا ہو جاؤں گا۔''

کافی کے گرم گرم کپ ہاتھ میں لئے وہ ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا جوڑے بارش کو برستے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ آسمان سے پگھل کر گرتے ہوئے وہ قطرے انکے دلوں پہ جمی برف پگھلانے سے قاصر تھے۔ کیا مطلب وہ اب کبھی اسکے ساتھ نہیں بیٹھ سکے گا؟

''مت جاؤ یار، میں بہت اکیلا ہو جاؤں گا۔ کمبیر محل تو مجھے کاٹ کھائے گا۔''

اسکی آواز اب وہ کیوں نہیں سنائی دے رہی تھی؟ اسکا وجود وہ کہاں غائب تھا، وہ ایسے کیسے جاسکتا ہے وہ ایسے کہاں کیسے.......اپنے سینے پہ وہ اب بھی اسکا لمس محسوس کر سکتا تھا۔ یعنی وہ آخری الوداع تھا اور مہدی اسے گلے بھی نہیں لگا سکا؟ یہ تو غلط ہو گیا یہ بہت غلط ہو گیا۔ زندگی پہ تو کوئی rewind بٹن بھی نہیں ہوتا وہ کیسے اپنے قیس کو واپس لائے گا؟ کس دیوار میں سر مارے، کس زمین سے پناہ مانگے گا۔

''مہدی میری بات سنو، وہ بلکل یہیں تھا۔''

یکدم جیسے اسے ہوش آیا ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے اسکے عقب میں پولیس کی بھاری نفری آنے لگی۔ بھاری بوٹوں کی دھمک، اسپیکر پہ ہوتا اعلان اور مہدی کا سارا دھیان بس اس آدمی پہ تھا جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔ مہدی اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ خالی آنکھیں بے تاثر چہرہ۔

''میرا بھائی کہاں ہے، براق؟'' اس نے مشینی آواز میں پوچھا۔ چہرے پہ ہذیانی کیفیت تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب پھولے تنفس والی زینیا حاکم بھی وہاں پہنچی تھی۔

''میں.... نے.. میں نے یہیں مارا تھا۔ وہ یہیں تھا وہ یہاں سے کیسے جا سکتا ہے؟''

''تم نے میرے بھائی کو مارا؟''

براق نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا اسکی آنکھوں میں عجیب سی وحشت اتری تھی۔ ''اس نے میری ماں کو مارا ہے وہ قاتل ہے تم حقیقت سے واقف نہیں ہو تم...... تمھیں کچھ نہیں پتہ وہ ایک درندہ ہے۔ تم سمجھ رہے ہو اس نے میری ماں کو مارا ہے۔''

''تمہاری دو ٹکے کی ماں نے میرے بھائی کو تھپڑ کیسے مارا؟'' وہ پوری قوت سے غرایا۔ مہدی نہیں تھا یہ اسکے اندر کا کمبیر تھا۔ یہ وہ خصلت تھی جو اسے ورثے میں ملی تھی۔

براق تو براق اسکے عقب میں کھڑی زینیا کے کانوں میں پڑنے والا یہ جملہ اسے ہولا گیا۔ وہ ابھی ابھی یہاں پہنچی تھی۔ سانس پھولا ہوا تھا۔ آنکھیں دہشت ناک انداز میں پھٹی پھٹی تھیں۔

''اسکی جرات کیسے ہوئی کہ وہ میرے بھائی پہ ہاتھ اٹھائے؟''

مارگلہ کی پہاڑیوں نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ کون کہتا ہے خون اور خصلت اثر نہیں رکھتی؟

''اس نے میرے باپ کو مارا.. وہ...'' براق جیسے کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''تمہارا باپ اسی لائق تھا۔'' مہدی کی آواز غیر انسانی تھی۔

''اس نے میری غیرت پہ حرف اٹھایا تھا اس نے مجھے...... ''

اسکے اگلے الفاظ اسکے حلق میں کہیں دبا دینے والا مہدی تھا۔ وہ نیچے جھکا اور لوہے کی وہ ٹارچ اٹھا کر براق کے منہ پہ دے ماری۔ اتنی زور سے کہ وہ ہل کر رہ گیا۔ ایک چیخ بے ساختہ اسکے لبوں سے برامد ہوئی۔ اس پہ جنون سوار تھا۔ براق نے سیدھا ہونے کی کوشش کی جب مہدی نے ایک اور بار ٹارچ اسکے منہ پہ دے ماری۔ پھر سر میں، سینے پہ، پیٹ میں اور اگلے ہی لمحے وہ اسے نیچے گرائے پوری طرح اس پہ قابض تھا۔ اس نے ٹارچ کہیں دور پھینک دی تھی براق کے ہاتھ سے پستول لے کر وہ اب پستول کا دستہ اسکے سر پہ مارے جا رہا تھا۔ براق کی چیخیں، کراہیں، التجا ہر شے دب رہی تھی مہدی کمبیر پہ کوئی جنون طاری تھا وہ جانوروں کی طرح اندھا دھند اسے مار رہا تھا۔ ایسے جیسے سامنے والا انسان ہی نہ ہو۔ پستول ہاتھ سے چھوٹی تو وہ پتھر اٹھا کر اسے مارے گیا۔

زینیا بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پولیس کے سائرن، آوازیں آس پاس تھیں۔ وہ انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟'' وہ حلق کے بل غرایا۔ ''مجھے ایک منٹ کے اندر اندر بتاؤ میرا بھائی کہاں ہے وہ مر نہیں سکتا تم جیسا کم نسل آدمی اسے مار نہیں سکتا۔ میرا بھائی کہاں ہے؟ میں تمھیں یہیں اسی دھرتی میں زندہ گاڑھ دوں گا اگر تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ تمھاری اتنی اوقات کہ تم اسے مارو، یہ جرات ہے تمھاری؟''

''وہ مر جائے گا مہدی ..... '' زینیا نے آگے بڑھ کر اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے وہ جھٹک گیا۔ وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔ بے یقینی، اب شاک میں بدل گئی تھی۔ عبداللہ زمان کی طنزیہ ہنسی کہیں آس پاس محسوس ہوئی۔

''تمھاری یہ جرات کہ تم نے میرے بھائی پہ پستول اٹھائی؟ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، براق۔'' اس نے پستول براق کی گردن پہ رکھی۔ وہ پوری طرح اس پہ قابض تھا یوں کہ اسکے نیچے دبا براق بامشکل سانس لے پا رہا تھا۔ جسکا چہرہ پوری طرح مسخ ہو چکا تھا اس نے مزاحمت کی طاقت بھی باقی نہیں بچی تھی۔ مہدی نے ٹرگر دبایا اور یکے بعد دیگرے کئی فائر ایک ساتھ کئے۔ زینیا ساکن اور سن سی کھڑی رہی۔ وہ اس شخص کو نہیں جانتی تھی یہ تو غیر تھا۔ مہدی کمبیر قیس کے لئے قتل کرنے جا رہا تھا، اور وہ کر سکتا تھا یہ زینیا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ صد شکر کہ پستول خالی تھی مگر یہ خالی پستول اسکے جنون میں اضافہ کر گئی۔

''کہاں ہے میرا بھائی؟وہ ایک بار پھر غرایا۔ براق پہ بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ناک،کان سے خون بہہ رہا تھا آنکھ کے نیچے گہرا زخم بن گیا تھا اور اسکا پورا چہرہ خون سے بھر گیا تھا۔وہ اگلے کئی ماہ اس مسخ چہرے کے ساتھ رہنے والا تھا اسے علم ہوا۔

''مہدی پلیز بس کرو وہ مر جائے گا۔''

اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے زینیا نے ایک بار پھر اسے ہوش دلانا چاہا۔

''یہ دیکھو.....وہ یہاں سے گر سکتا ہے وہ گر گیا ہو گا۔''وہ ذرا سا آگے کو ہو کر اسے خون کے قریب پڑے پتھروں کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔''یہاں جگہ ختم ہے اسکے بعد حد ختم ہے۔وہ گر سکتا ہے مہدی پلیز یہاں دیکھو۔''

وہ براق کو وہیں چھوڑ پستول اسی طرح ہاتھ میں لئے متوحش سا آگے آیا۔خون کے قریب،بالکل قریب زمینی حد ختم تھی اور گہری کھائی شروع۔ایک ایسی ہی کھائی اسکے دل میں بن گئی جس میں اس وقت اس نے کیا کیا دفن کیا اسے اندازہ نہیں تھا۔اسکے بس میں ہوتا وہ وقت کو پیچھے لے جاتا جس وجود نے اسے گلے لگایا تھا وہ اسے سینے سے لگائے رکھتا۔مگر یہ ممکن نہیں تھا۔تیر کمان سے نکل چکا تھا اور سیدھا مہدی کے سینے میں آکر پیوست ہوا تھا۔

''وہ یہاں سے گر بھی سکتا ہے اور گر کر......زینیا نے ایک محتاط نگاہ اس پہ ڈالی۔''ہو سکتا ہے براق سچ کہہ رہا ہو۔ہو سکتا ہے وہ اب نہیں رہا ہو۔''

''وہ یہاں سے گرا ہو گا لیکن وہ بلکل ٹھیک ہو گا وہ مرا نہیں ہو گا۔اسے کچھ نہیں ہوا۔''

خالی کھوکھلے لہجے میں جواب دیا۔وہ جن نظروں سے اس کھائی کو دیکھ رہا تھا،وہ جس طرح براق حنیف کو مار کر آیا تھا اور اس وقت اسکے چہرے پہ جو تھا زینیا کو یقین ہوا کہ قیس کمبیر کسی انسان کا نہیں بلکہ وہ زینیا حاکم کی فینٹسیز کا قتل کر چکا ہے۔آج کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہونے والا یہ اسے الہام ہوا تھا۔کھیل کا فیصلہ نہیں آیا تھا لیکن وہ جنگ ہار گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات سے آدھی رات، اور آدھی رات سے صبح کی پو پھوٹنے میں اس رات صدیاں گزر گئی تھیں۔ مہدی کمبیر ایک بڑے سے پتھر پہ بیٹھا تھا اسکے چہرے کی رنگت نچڑ چکی تھی۔ وہ اس وقت چپ چاپ بیٹھا تھا۔ سفید شرٹ پہ کیچڑ اور خون کے دھبے تھے۔ حالت بکھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس پہ بس ترس ہی آرہا تھا۔ اسکا دماغ شل تھا۔ مگر اسکے سامنے بیٹھی زینیا حاکم رات کے وہ پل یاد کر رہی تھی جب وہ جنون کی ہر حد پار گیا تھا۔ اسکے ذہن میں منظر کسی ویڈیو کی طرح چل رہے تھے۔ کی کسی ریل میں بھری ویڈیو جو ساکن تھی۔ انگلی دبا کر چلنے کا حکم سناؤ تو منظر ابھر ابھر کر آرہے تھے۔ پہلا منظر وہ تھا جس میں سیاہ شرٹ پینٹ والا وریام بیگ اور فلینل شرٹ کے ساتھ جینز والی صنوبر مہدی کے سامنے کھڑے تھے۔ آس پاس فارنزک، اور سرچ ٹیمز اپنا کام کرتی نظر آرہی تھیں۔ ٹریل کرائم سین میں تبدیل ہو گیا تھا۔

مہدی پر امید نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا لیکن وریام تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

" کمبیر صاحب اس جگہ پہلے ہی بہت حادثے ہو چکے ہیں یہاں تک کہ اس خاص حصے کی طرف آنا تو بالکل منع تھا۔ سرچ آپریشن شروع ہو گیا ہے اور میں بہت افسوس سے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جتنے بھی ثبوت ہمیں ملے ہیں انکے مطابق وہ یہاں سے نیچے گرا ہے۔" مہدی کے دل کو دھکا لگا۔ وہ آنکھوں میں شاک لئے پیچھے ہوا۔ گردن میکانکی انداز میں نفی میں ہل رہی تھی۔ وہ اس زندگی میں مان ہی نہیں سکتا تھا کہ اس نے اپنے بھائی کو اکیلا چھوڑا اور وہ مر گیا۔

" جھوٹ ہے سب بکواس۔ اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ وہ.... یہیں کہیں ہو گا اسے ڈھونڈو۔"

مہدی سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس سمت اشارہ کر رہا تھا جہاں خون جمع تھا۔ " یہ جھوٹ ہے..... تم ڈھونڈو وہ یہیں کہیں ہو گا اسکا نمبر ٹریس کرو پولیس سے کہو اسے ڈھونڈیں یہ سب بکواس ہے۔" وہ پیچھے ہوتا جا رہا تھا گردن نفی میں ہلتی رہی، رات گزرتی رہی بے چینی بڑھتی رہی۔ وریام اسے مزید بہت کچھ بتا رہا تھا لیکن وہ اسی ضد پہ اڑا رہا۔

اس وقت کوئی اسے چائے کا کپ تھما رہا تھا۔ مسلسل چھ گھنٹوں سے کام کرتی ریسکیو ٹیم اور سرچ آپریشن کیلئے آئے گئے افراد کے چہروں پہ شکست دیکھی جا سکتی تھی۔ ماہ جبین مختار ابھی تھوڑی دیر پہلے پہنچی تھی اور پولیس افسران پہ رعب جما رہی تھی۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں آواز بلند۔ چہرہ رو یا رو یا مہدی سپاٹ نظروں سے اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اب خون کے گرد زرد پٹیاں لگائی

گئی تھیں۔ چاک کے دائرے تھے۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر اسکا بھائی "باڈی" بن چکا تھا۔ چند گھنٹوں میں وہ قیس نہیں مقتول تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں اسکے تعلقات ''ورثاء'' بن گئے تھے۔ اس پہر اسکی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ لیکن ان آنکھوں کی وحشت کا قصہ ابھی تازہ ہے۔ زینیا نے پلکیں جھپکیں تو وہ منظر ذہن کے نہاں خانوں میں اب بھی تازہ تھا۔

''ہمیں کچھ چیزیں ملی ہیں، سر۔'' سرچ ٹیم کا لیڈر اسفندیار پیکٹ میں لپٹی کچھ چیزیں اسے دکھا رہا تھا۔ اسکے ساتھ وریام بھی کھڑا تھا۔ ''قیس کمبیر کا یہاں سے گرنا شاید درد کی وجہ سے تھا۔ ہمارا خیال ہے انہوں نے درد میں ملنے جلنے کی کوشش کی اور وہ گر گئے۔ قاتل کے بیان اور ٹیسٹ کے مطابق وہ شراب کے نشے میں تھے اور بقول انکے وہ یہاں آپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن کوئی آواز سن کر وہ یہاں سے اٹھ کر دوسری طرف گئے وہ آواز کمبیر صاحب کے کھائی میں گرنے کی تھی۔ یہ ہمارا اندازہ ہے۔ چونکہ قاتل نشے میں تھا تو وہ آواز اور سمت کا تعین نہیں کر سکا۔'' اپنے تئیں وہ اس شہر کا بہترین کھوجی شاید یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس نے کس طرح ایک معمہ حل کر لیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا سامنے والے پہ کیا گزری ہے۔ اسکی پرواہ کسے ہوتی ہے بھلا؟ وہ جو ٹکر ٹکر کھوجی کا چہرہ دیکھ رہا تھا اسکے دل کا حال بیان سے باہر تھا۔

''ہمیں یہ ملا ہے۔'' اس نے پلاسٹک میں لپٹی کچھ چیزیں اسکے سامنے رکھیں۔ لائٹر، سگار کا پیکٹ، کف لنکس، اور ایک عدد والٹ۔ وہ جس میں ہمیشہ زمان کمبیر کی تصویر لگی رہتی تھی۔ وہ چیزیں نہیں دیکھ پا رہا تھا اسکی آنکھوں میں دھند اتر رہی تھی۔ آنسو بن موسم برسات کی طرح اسکی آنکھوں میں اتر رہے تھے۔ ''کیا آپ ان چیزوں کو شناخت کر سکتے ہیں سر؟ یہ سب ہمیں کھائی سے ملا ہے۔ اور ہم نے اس خون کو لیب بھیج دیا ہے بقول آپ کے اگر انہیں کچھ نہیں ہوا تو ڈی این اے ٹیسٹ سے معلوم ہو ہی جائے گا۔''

''تم لوگ کسی کام کے نہیں ہو۔'' مہدی غصے اور رنج سے پھنکارا۔ ''یہ چیزیں اگر اسکی ہیں تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ اسے گولی لگی ہے وہ مر گیا ہے میں اس بات پہ یقین نہیں کروں گا تم نہیں ڈھونڈ سکتے تو میں خود ڈھونڈ لوں گا۔ اسکی چیزیں کوئی بھی یہاں لا کر پلانٹ کر سکتا ہے۔ میرا بھائی بس مسنگ ہے۔ اور تم لوگ اسے ڈھونڈ نہیں پا رہے۔ میں یہ کام خود کر سکتا ہوں۔''

وہ دیوانہ وار گھاٹی کی طرف دوڑا۔ زینیا بے اختیار اس کی اور بھاگی، کسی نے اسکے دل پہ سل دے ماری تھی۔ وہ کسی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا بس بورڈز ہٹاتے ہوئے، لوگوں کے درمیان راستے بناتے ہوئے زمین کے اس

ٹکڑے کو پار کر لینا چاہتا تھا جس کے پار اسکا بھائی تھا وہ تھا بھی کہ نہیں اسے معلوم نہیں تھا۔وہ بس ان آوازوں سے پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا جو اسکے سر پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔

"بھائی ہے وہ میرا . . . . وہ نہیں مرا میں نہ میں مان سکتا ہوں تم لوگ مجھے روک نہیں سکتے تم . . . . ." وہ لوگوں کے نرغے میں تھا،اس پہ ہذیانی کیفیت طاری تھی۔

وہ معافیاں،وہ نرم نظریں،وہ مدھم مسکراہٹ،وہ اپنے خاندان کے لئے دی گئی آخری ،آخری قربانیاں،وہ جھک جانا . . . . . آہ وہ جھکنا اٹھنے کے لئے تھا زینیا یہ کیوں نہیں سمجھ سکی؟محبت نے اسکی عقل کو چاٹ کر رکھ دیا اور اس وقت اپنے محبوب شوہر پہ طاری ہوتی ہذیانی کیفیت کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ جانے کے علاوہ وہ کر ہی کیا سکتی تھی؟اسے لگا ساری دنیا اس پہ ہنس رہی ہو۔وہ کیسے کس طرح عبداللہ کے دام میں آگئی اسے کیسے علم نہ ہو سکا۔

وہ گردن سیدھی کئے بس اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا۔نگاہوں میں تکان تھی۔وریام اس سے کچھ کہہ رہا تھا مہدی نے محض سر ہلا دیا۔چیخ چیخ کر اسکا گلا بیٹھ گیا تھا۔زینیا اٹھ کر اسکے قریب جانا چاہتی تھی اس سے بات کرنا چاہتی تھی،تسلی بھی دینا چاہتی تھی لیکن ہر شے سے بڑھ کر وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ" ٹریپ"ہو چکا ہے۔اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ اسکے اپنے بھائی نے اس پہ فریب کی رسیاں تن دی ہیں،اسکے قدموں میں وہ بے وفائی کی زنجیریں باندھ گیا ہے،کاش وہ اسے بتا سکتی برسوں پہلے ہسپتال کے کاریڈور میں پھرتے وقت ،اور آج یہاں اسکے لئے پاگل ہوتے ہوئے وہ دونوں مرتبہ بے وقوف بنایا گیا تھا۔اپنے شوہر کی کم عقلی اور جذبات زندگی میں پہلی بار اسے برے لگے،یا شاید بے بس لگے۔اسے پہلی بار علم ہوا وہ حد سے زیادہ علم رکھتی تھی اور اسکا شوہر کم عقل ہے۔پہلی بار اسے پتہ چلا تھا وہ دونوں polar opposite ہیں۔

اس بے بسی کی ابتداء کب ہوئی اسے اچھے سے یاد آ رہا تھا۔کیمرے کی ریل میں ایک اور منظر ابھرا تھا۔

''یہ دیکھو ہمیں کیا ملا ہے۔'' وریام تیزی سے اس تک آیا۔اسکے چہرے پہ کچھ تھا کہ ٹھٹھکا جائے۔مہدی فوراً سیدھا ہو بیٹھا آس پاس ہر شے بے معنی ہو گئی۔شاید اسے کوئی خبر قرار دے سکے،شاید،شاید،شاید۔

''یہ ویڈیو تھوڑی دیر پہلے انٹرنیٹ پہ اپ لوڈ ہوئی ہے۔لیکن ابھی وائرل نہیں ہوئی۔میں نے قیس کے ہیش ٹیگ کو فالو کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کے زریعے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔'' وہ ساری رات سے یہیں تھا لیکن اس کے چہرے پہ تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا۔

وہ موبائل پہ ایک ویڈیو پہ پلے کا بٹن دبا رہا تھا۔زینیا حاکم کی ریل میں ایک آخری پزل بھی جڑ گیا تھا۔ویڈیو چلنے لگی تھی۔ہر نگاہ وہیں جم گئی۔ساکن ہو گئی۔

سکرین پہ ایک منظر ابھر رہا تھا جس میں قیس ایک بھاری،اونچے پتھر کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔اسکے سامنے براق کھڑا تھا۔ہلکی سی روشنی میں نظر آتے شخص کے لب ہل رہے تھے وہ کچھ کہہ رہا تھا سفید شرٹ میں اسکی گندمی رنگت دمک رہی تھی۔بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔اسی پل سفید شرٹ کو چیر کر آگ میں لپٹا لوہے کا ذرہ تیزی سے اسکے جسم میں آ کر کھبا۔وہ جھٹکا کھا کر پیچھے ہوا۔

مہدی کے دل میں کسی نے نیزے کی انی مار دی تھی۔پھر اسی انی کو تیزی سے کھینچ کر نکالا،پھر اسی شدت سے اندر گھسا دیا۔وہ زخم زخم ہوا۔آنکھیں پتھرا گئیں۔ہاتھ،پیر،دل،جسم سب شل،سب ساکت۔وہ آج یتیم ہوا تھا،اس لمحے اسی پل۔

وہ جھٹکا کھائے پیچھے ہوا تھا مگر گرا نہیں چٹان کا سہارا اسے بچا گیا تھا۔اگلی گولی دل کے دائیں طرف آ کر لگی تھی پھر بائیں۔اسکے چہرے پہ درد تھا،مہدی بغیر سانس لئے سکرین کو تک رہا تھا وہ اس منظر کو آدھی زندگی نہیں بھولنے والا تھا مر کر بھی نہیں۔وہ اسے نائٹ میئر کہتا تھا آج کے بعد وہ وہی بننے والا تھا۔

اگلے لمحے وہ گھٹنوں کے بل گرا تھا،ایک اور گولی اسے زمین بوس کر گئی۔اسکے لب مسلسل ہل رہے تھے۔وہ زیر لب ''اللہ۔۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔اللہ'' پکار رہا تھا۔وہ اسے پکار رہا تھا اس لمحے مہدی کے دل نے خواہش کی کاش وہ بچا لیا جائے۔کاش ولنز بھی معاف کر دیئے جائیں۔کاش،کاش،کاش۔

براق اسے بوٹ مار رہا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔اس نے قیس کو کبھی اس طرح تکلیف میں نہیں دیکھا تھا۔ایسی تکلیف میں کبھی نہیں۔ مہدی نے موبائل چہرے کے آگے سے ہٹایا اور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے چھوٹے بچوں کی طرح رو پڑا۔اسکی آواز سارے ویرانے میں گونج رہی تھی وہ گھٹنوں پہ ہاتھ مار کر اپنے خسارے کو رو رہا تھا۔

''میرا بھائی......یااللہ میرا بھائی.....اللہ...اللہ میرا بھائی۔''

وہ رو رہا تھا آسمان کو دیکھتے اللہ کو پکار رہا تھا کئی گھنٹوں سے وہ جس حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا وہ اب سامنے کھڑی تھی ایسے کہ جھٹلانے پہ مزید تیزی سے جسم سے چمٹ جاتی، گلٹ، قلق رنج وہ کسی کس شے سے جان چھڑواتا؟ بھائی، جگر، خون اس نے کیا کیا کھو دیا تھا۔

''اس ویڈیو میں کہیں یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ اسکی باڈی کہاں گئی اور اس ویڈیو کا سورس کیا ہے؟''

زینیا حاکم انکے سر پہ کھڑے ہو کر پوچھ رہی تھی۔اسکا چہرہ سپاٹ تھا۔اسکی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔وہ شخص اپنے پیچھے اسکے لئے کیسے کیسے خسارے چھوڑے جا رہا تھا یہ خیال ہی اسکے دل میں میخیں گاڑھ رہا تھا۔

''ویڈیو کا سورس میں نہیں بتا سکتا لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ ٹریکنگ کے لئے آئے ہوئے کچھ نوجوانوں نے ڈرون کے ذریعے کچھ مناظر فلمبند کرنے چاہے تھے اور اسی دوران یہ ویڈیو ریکارڈ ہو گئی۔اور انہوں نے اپلوڈ کر دی تاکہ پیج پہ ویوز آ جائیں۔'' وریام سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔ پھر زینیا کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔وہ اسکے پیچھے آئی۔ان دونوں نے اس روتے ہوئے شخص کو کوئی دلاسا نہیں دیا تھا اس وقت اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔یہ مواقع اگلے کئی سالوں میں کئی بار آنے والے تھے۔

''یہ جگہ دیکھو، زینیا....'' وہ جمے ہوئے خون کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔''یہ جگہ گھاٹی سے کتنے قریب ہے تم دیکھ سکتی ہو۔صرف ایک کروٹ، صرف ذرا سی ہلچل اور بندہ نیچے، غائب، ختم۔''اس نے ہاتھ جھاڑے جیسے ختم کیا ہو۔

''اس نے یہ جگہ چنی تھی، وریام مجھے پتہ ہے۔'' وہ جیسے بے زار ہوئی۔''براق عادی شرابی ہے اور بیئر کے دو تین کین اسکے حواس سلب نہیں کر سکتے۔اس کو آنے والی آواز وہاں سے آئی تھی اور یہ ہو سکتا ہے کہ اسکے پلان میں کوئی اور شامل ہو جس نے براق کو ڈسٹریکٹ کیا ہو۔''

وریام نے اثبات میں سرہلایا۔اسکی گہری بھوری آنکھوں میں آج وہ الجھن نہیں تھی جو ڈھائی سال قبل تھی۔آج اسے علم تھا ""مقتول"" اپنا""مجرم""خود ہے۔

"" ہو سکتا ہے، بلکل ہو سکتا ہے مجھے فٹ پرنٹس میں ویسے ابھی تک کسی تیسرے کے فٹ پرنٹس نہیں ملے۔""اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔""کیا مجھے یہ بات مہدی سے کرنی چاہیے ؟""

زینیا نے گردن پھیر کر اس طرف دیکھا تو مہدی ہنوز چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھا۔وریام بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ان دونوں کے چہرے سپاٹ تھے۔

""زخم تازہ ہے، تھوڑا وقت دو اسے۔""زینیا نے دھیرے سے کہا۔

""ایک بات کہوں؟""

""تم اجازت کب سے لینے لگے ہو؟""

وریام بیگ چند لمحے چپ رہا۔خون دیکھا، زرد پٹیاں، پھر مہدی کو اور پھر زینیا کو۔کئی لمحے بعد جب وہ بولا تو اسکی آواز مستحکم تھی۔

""مقتول خود گرا تھا خنجر کی نوک پہ۔""وہ جیسے گنگنایا ہو۔زینیا نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔مگر کچھ کہا نہیں۔کم از کم اتنا تو وہ جانتی تھی۔""تین سال پہلے میں اسکے بارے میں مشکوک تھا آج نہیں۔""اس نے اضافہ کیا۔

""تین سال پہلے بھی ہم نے تمھیں ٹف ٹائم دیا تھا اور اب بھی دیں گے تیار رہو۔""

وہ کہتے ہوئے گہری سانس لیتی واپس اس تک آئی۔اسکے ڈھلکے شانوں پہ اپنا ہاتھ جمایا۔بولی کچھ نہیں۔

جو بات وریام نے بہت آسانی سے کہہ دی تھی وہ زینیا مشکل سے بھی نہ کہہ پاتی۔جانے کیوں اسے لگا تھا ترپ کا جو پتہ وہ پھینک کر گیا ہے وہ کھیل جیت گیا ہے۔وہ اپنے شوہر کو سچ بتا دیتی لیکن مہدی کمبیر نے اسے جھٹلا دیا تو؟ شاید وہ ساری زندگی اسکے قریب نہیں جا سکے گی۔اس سے کچھ کہہ نہیں سکے گی۔یہ پہلا سچ تھا جو اس نے خود تک محدود رکھا۔یہ انکے تعلق میں پڑنے والی پہلی دراڑ تھی۔راسخ، پکی دراڑ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"چار سال بعد"

کلینڈر کے بھاری پنے انگلیوں کے پوروں سے بدل کر، وقت کی پانیوں میں تیز تیز چپو چلا کر، گھڑیال کی سوئی کا کانٹا ضرورت کے تحت آگے کر کے، گرما سے سرما، بہار سے خزاں، خزاں سے واپس سرما کا سفر متعدد بار کر کے وقت میں چار سال آگے قدم رکھو تو کہانی اور اسکے کردار آگے بڑھ آئے تھے۔ وقت بدل گیا تھا۔ اسلام آباد کی ہوائیں چار سال پہلے کا بوجھل پن کہیں چھوڑ آئی تھیں۔ ستمبر ایک بار پھر اپنی تمام تر حبس اور گھٹن واپس لے آیا تھا۔

سرخ اینٹوں پہ بنے اسلام آباد کے ایک نجی اسکول کا منظر ہے۔ میدان میں رکھے بنچز کی لکڑی ساری رات شبنم پڑتے رہنے کی وجہ سے گیلی ہو کر گہرے بھورے رنگ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ آس پاس طلبا اور طالبات کے ٹولے خوش گپیاں ہانک رہے تھے، ہاتھوں میں جوس اور سینڈوچز لئے پھر رہے تھے۔ راہداری میں رکھی ایک بنچ پہ ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ایک سبز آنکھوں والی لڑکی بیٹھی تھی۔ اسکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

لمبے بالوں کو چٹیا میں باندھ رکھا تھا۔ جن سے چند لٹیں نکل کر چہرے پہ جھول رہی تھیں۔ اسکی رنگت شفاف تھی۔ چہرے پہ افسردگی چھائی تھی۔ گہری افسردگی۔ اسکی گود میں کوئی انگریزی کتاب رکھی تھی۔ جس کا سرورق سرخ اور سیاہ رنگ کے امتزاج میں ڈھلا تھا۔ وہ چپ چاپ سامنے دیکھتی رہتی اگر اسکے برابر کوئی آکر نہ بیٹھ جاتا۔ پھر شوخ انداز میں اسکے کندھے پہ ہاتھ نہ مارتا۔

"تم نے ہاف ڈے کی درخواست کیوں دی ہے، ایزل؟" اسکے ساتھ بیٹھنے والی لڑکی کم و بیش اسی کی عمر کی تھی۔ لیکن وزن میں زیادہ۔

"کیونکہ مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

"اوہ..... تمہاری ممی نے درخواست پہ سائن کیسے کر دیے؟ میں تو ہزار بار کہتی رہ جاتی ہوں لیکن مجھے چھٹی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" اس نے کہتے ہوئے چپس کے پیکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ اور کچھ چپس نکال کر کھانے لگی۔

''وہ سائن میری ممی کے نہیں آنٹی کے ہیں۔''اپنی ''آنٹی'' کی بات کرتے ہوئے نہ اسکا لہجہ سپاٹ تھا، نہ اس میں خوشی کی کوئی رمک تھی۔کوئی متوازن سا تاثر تھا۔ love and hate کے جیسا۔

''اوہ۔''سامنے بیٹھی لڑکی نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔''ظاہر ہے یار اسسٹنٹ کمشنر ہیں تمھاری آنٹی انکی بات تو یوں چٹکیوں میں مانی جاتی ہو گی۔اس دن جب وہ تمھارے ساتھ اسکول آئی تھیں اوہ گاڈ، ایزل سارا اسکول انہیں دیکھ رہا تھا امیر تو سب ہیں یہاں لیکن انکے گریس ہی الگ تھی۔''

ایزل خاموش رہی۔یہ ذکر اسے برا نہیں لگا تھا۔ثانیہ اسکے مذید قریب ہو کر بیٹھ گئی۔پانی کی بوتل درمیان میں رکھی۔''میں جانتی ہوں تم کیوں پریشان ہو لیکن تم اداس مت ہو یار، جانے والے تو چلے جاتے ہیں ناں؟ تم انکے لئے دعا کرو۔آج کا پورا دن تم انہیں زیادہ یاد کرو۔دیکھو ہماری اسلامیات کی میم نے بتایا تھا ناں کہ اس دنیا کے پار ایک دوسری دنیا ہے مرنے کے بعد انسان وہاں چلا جاتا ہے یعنی ''وہ'' دوسری دنیا میں ہیں۔''

ایزل نے لب بھینچ لئے۔آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے۔چار سال گھوم پھر کر کہیں غرق ہوئے دس ستمبر کی وہ رات ایک بار پھر اسکے سامنے تھی۔جب وہ زینیا پہ چیخ رہی تھی۔مہدی کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔اور اسے دورے سے پڑنے لگے تھے۔وہ پہلی دفع تھا جب زینیا بھی جواباً چیخی تھی۔اگلی صبح اسکے منہ پہ ثبوت نامی کچھ پلندے مارے تھے اور اسکے بعد سکوت تھا۔گہرا سکوت۔

''ایزل ایک بات پوچھوں؟''ثانیہ اب محتاط انداز میں پوچھ رہی تھی۔ایزل نے سر اثبات میں ہلا دیا۔اس کی چار سال کی پراگریس کو اگر سمیٹنے کی کوشش کرو تو تمھیں محض چند الفاظ درکار ہونگے۔

ٹھنڈا مزاج، کمپوزڈ، نرم مگر ریزرو، گریس فل۔

''تمھارے مہدی ماموں نے لاش ڈھونڈنے کی کوشش کی؟ کیا پولیس کو کوئی کلیو ملا تھا کہ لاش کہاں گئی؟ کیونکہ گولیاں لگنے سے تو صاف پتہ چل رہا تھا بچنے کا ایک فیصد بھی چانس نہیں۔پھر بھی دیکھو وہاں سے یوں انکا غائب ہو جانا doesn't make sense''

ایزل کے کانوں میں کئی برس پہلے زینیا کے کہے گئے الفاظ سنائی دیئے۔اسکا سرخ تمتماتا چہرہ دکھائی دیا۔

''اسکی لاش مل جاتی اگر وہ یہ چاہتا۔ وہ مر کر بھی ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے اور ہم پیادوں کی طرح استعمال ہو رہے ہیں۔ تم لوگ اسے میرا سول میٹ کہتے ہو تو میں تمھیں بتادوں کہ وہ اپنے ہی بھائی کو اذیت دینا چاہتا تھا اور اپنے ہی خاندان کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ اسکی ''مقدس'' لاش پہ کسی کا حق ہوتا۔ وہ وہیں ہوگا جہاں، جن پہ اسے بھروسہ ہے۔ میرا یقین کرو وہ مر چکا ہے اور اس بات پہ بھی یقین کرو کہ ہم سب استعمال ہوئے ہیں۔ عبداللہ زمان نے ہم سب کو ساتھ جوڑا اور آگ لگادی۔''

ایزل کے ذہن میں گڈ مڈ ہونے لگیں۔ ماضی یاد آنے لگا۔

قتل کے بعد دو دن عجیب سی پژمردگی کے عالم میں کٹ گئے۔ اسلام آباد نے چپ کی چادر اوڑھ لی تھی۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ مارگلہ کی پہاڑیوں پہ واقع اس فارم ہاؤس کے اندر عجیب سی بے چینی تھی۔ ایسی خاموشی ایسی چپ اس نے پہلی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ ان دو دنوں میں ٹریل نمبر چھ کی اس چٹان سے لگ کر بیٹھا رہا۔ کیا منتیں، کیا واسطے، کیا غصہ اس پہ کسی شے کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وریام بیگ نیلی وردی میں ملبوس، کف فولڈ کئے کتنے ہی منٹوں سے ایک مناسب فاصلے پہ کھڑا ابھاری پتھر پہ بیٹھے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھیں بس ایک نقطے پہ جم کر رہ گئی تھیں۔ لباس ملگجا تھا۔ اب وریام اکتا رہا تھا۔

''اس نے مزید کتنے دن سوگ منانا ہے؟'' اسے دیکھتے ہوئے وہ بے زاری سے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ کھڑی زینیا نے شانے اچکائے۔

''شاید ساری زندگی۔'' وہ آسانی سے کہہ رہی تھی مگر اسکا دل جانتا تھا وہ یہ کیسے کہہ رہی تھی۔

''تم لوگوں کا سارا خاندان کی سنکی ہے ہر سال دو سال میں ایک نہ ایک قتل کر دیتے ہو۔ کیسے لوگ ہو تم؟ ہر خاندان میں سالانہ تقاریب ہوتی ہیں تمھارے خاندان میں سالانہ قتل ہوتے ہیں۔''

''اور تم شاید اس شہر کے سب سے فارغ پولیس افسر۔ میرے خاندان کا ہر کیس تم تک ہی کیوں آتا ہے؟'' زینیا جھلائی۔

''بد قسمتی سے میں ڈیپارٹمنٹ کا ایک قابل افسر ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ اور اپنی دل تک جانے والی رگ سے جڑی انگلی دیکھی۔ جہاں ایک سلور رنگ کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ ''اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر میں یہاں تمھارے قتل کے معمے حل کر رہا ہوں۔ کچھ دن بعد بھی مر سکتا تھا یہ، شیزل اب اداس ہوگی۔''

''تمھیں چاہیے تھا اپنی شادی کے لئے چھٹی لیتے۔ یا پھر یہ کیس نہ لیتے۔''

''میں چھٹی لے لوں لیکن تم لوگ اپنی سیاہ کاریوں سے چھٹی نہیں لے سکتے؟'' وہ برہم ہوا۔ زینیا نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

''اسے جا کر بتاؤ کہ اسکا بھائی مر کر بھی کیا کیا گل کھلا کر گیا ہے۔ اسے بتاؤ کہ یہاں بیٹھنے سے اسکی لاش نہیں ملنے والی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ وہ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتا تھا کہ اپنی لاش اسکے حوالے کرتا۔'' زینیا اب مہدی کو ہی دیکھنے لگی تھی۔ ہر نظر پہ دل نئے سرے سے دکھ رہا تھا۔

''تم کیوں نہیں بتا دیتیں؟''

وریام بیگ نے پل بھر میں اسکی آنکھوں میں کوئی خفیف سا تاثر ابھرتے اور معدوم ہوتے دیکھا۔

''اس کیس کے تفتیشی افسر تم ہو۔'' اسکی آواز کھوکھلی تھی۔

''کہہ دو کہ مہدی کمبیر کی بیوی بھی میں ہوں۔''

''شٹ اپ۔'' وہ بگڑی۔ وریام نے سر جھٹکا اور مہدی کمبیر کی طرف بڑھ گیا۔ اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے اسکے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ سر کو ہلکا سا خم دیا۔

''my condolence'' دھیرے سے کہا۔ پھر اسکا گھٹنا تھپتھپایا۔ ''جو آیا ہے اس نے جانا ہے اور کسی کے جانے سے دنیا نہیں رکتی، کمبیر صاحب۔ میں پورے دو دن کی اس تفتیش کو عدالت کے سامنے پیش کرنے سے پہلے تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں بیٹھ جانے سے وہ واپس نہیں آئے گا۔'' اس نے گلا کھنکھارا۔ ''دس ستمبر صبح ساڑھے آٹھ بجے حدیبیہ نواز کا اپنی ساتھی عورتوں سے جھگڑا ہو گیا اور اسکے بعد جیل میں آگ لگنے کی وجہ سے وہ جل گئی۔ لاش شناخت کے قابل نہیں رہی۔ اور اسی رات تمہارا بھائی قتل ہو جاتا ہے کچھ لنک سمجھ آیا؟''

مہدی نے سرخ نگاہیں اٹھا کر اسے نا سمجھی سے دیکھا۔ وریام نے کہنا جاری رکھا۔

''نہیں سمجھ آیا تو میں بتاتا ہوں وہ لاش حدیبیہ کی نہیں تھی۔ پولیس اور سسٹم بکاؤ تھا۔ ٹریل کے فٹ پرنٹس میں کسی تیسرے انسان کے فٹ پرنٹس بھی ملے ہیں اور وہ عورت کے ہیں۔ یعنی حدیبیہ نواز اس وقت وہاں موجود تھی، یہ صرف میرا اندازہ نہیں ہے۔ لاش کے باقیات ملے ہیں مگر لاش نہیں مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ کے بھائی نے آپ کو ٹریپ کیا ہے۔ یہ قتل نہیں خودکشی ہے اور آپ سب اسکے مہرے جنہیں اس نے اپنی مرضی سے جہاں چاہا ترتیب دیا۔ براق اور.......''

''اب اس سارے پلان میں تمہاری ماں کا شامل ہونا رہ گیا ہے اسکا کوئی ذکر کیوں نہیں؟'' مہدی کمبیر اسے دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ ''یا پھر یہ کہہ دو کہ میرا بھائی مرا نہیں اور اس وقت تمہاری ماں کے ساتھ کہیں موجود ہے؟''

اسکی زبان زہر اگل رہی تھی۔ ہر کمبیر کی طرح گندی زبان تو وہ بھی رکھتا تھا۔

وریام نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''میری غیرت کو للکارنے کی یہ ایک اچھی کوشش تھی لیکن میں جاب اور جذبات ایک طرف رکھتا ہوں۔ اس لئے.....   .   '' وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ''آج اسے مرے ہوئے دو دن ہوئے ہیں۔ دو سال بھی یہاں بیٹھے رہے تو اسکی لاش نہیں ملے گی۔ یہ میری بات نہیں پتھر پہ لکیر ہے۔ وہ تمھیں استعمال کر چکا ہے۔ اس نے پہلے بھی یہ کیا تھا۔'' وہ اٹھ کر ایک بھی نگاہ غلط اس پہ ڈالے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔ مہدی کمبیر مٹھیاں بھینچے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''اگر بیوہ نہیں ہونا چاہتی ہو تو اسکی زبان پہ لگام ڈلواؤ، ورنہ اسی کھائی سے دھکا دے کر اسکے قتل کو خودکشی ثابت نہ کیا تو کہنا وریام تم اپنے باپ کے نہیں۔'' زینیا کے قریب سے گزرتے ہوئے وریام سختی سے کہہ کر گزر گیا۔ زینیا چپ چاپ وہاں دیکھتی رہی جہاں مہدی اب بھی اضطرابی کیفیت میں ٹانگیں جھلا رہا تھا۔ کیا اب وہ ساری زندگی ایسا رہے گا؟

واپس حال میں آؤ تو ثانیہ تاسف سے اسے تک رہی تھی۔ ''یہ سب تمھیں کس نے بتایا؟''

''زینیا نے۔''

''وہ تمھیں اتنی بڑی بڑی باتیں بتا دیتی ہے؟''

ایزل نے سر ہلایا۔ ''وہ مجھے تصویر کے دونوں رخ دکھاتی ہے، پھر مجھے کہتی ہے تم چاہے جس بات پہ یقین کر لو۔''

''اور تم کس بات پہ یقین کرتی ہو؟''

''آبو سِلی اسکی بات پہ۔ وہ ہمیشہ لاجکس کے ساتھ آتی ہے۔''اسکا لہجہ متوازن تھا۔

ثانیہ نے جھرجھری لی۔''اسکے بعد کیا ہوا، تمھارے انکل نے کچھ نہیں کیا؟''

''کیا تھا......''اسکی آواز ہلکی ہو گئی۔

تین دن کی ملگجی سفید شرٹ بھورے ہو چکے خون کے دھبے اور جابجا سلوٹیں تھیں۔اسکے بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔چہرے کی وحشت بیابانوں کی وحشت کو مات دیتی تھی۔وہ ہسپتال کی راہداریوں میں آگے پیچھے دیکھے بغیر سیدھ میں چل رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ کوئی پیغام چمک رہا تھا جس کا خلاصہ تھا۔

''کمرہ نمبر 201، منزل نمبر چھ۔''

ہسپتال کے اس کمرے کے باہر پولیس کے دو افراد پہرہ دے رہے تھے۔مہدی کو دیکھا تو کچھ کہنا چاہا مگر وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا اس نے جیب سے پستول برامد کی اور ان دونوں پہ تان لی۔اسکی آنکھیں کہہ رہی تھیں وہ شوٹ کرنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگائے گا۔

''اندر پڑا آدمی مرا تو تمہاری نوکری جائے گی، مجھے روکا تو جان، فیصلہ تمہارا اپنا ہے۔''اس نے پستول دکھا کر انہیں ایک طرف ہٹنے کو کہا۔ان میں سے ایک ڈٹ کر کھڑا رہا تو مہدی نے مجبوراً فائر کھولا اور اسکے پیر کا نشانہ لیا۔اگلے ہی لمحے اسکی دل خراش چیخیں راہداریوں میں گونج رہی تھیں۔آتے جاتے لوگ خوف زدہ ہو گئے۔خون بھل بھل بہتا سفید فرش سرخ کر رہا تھا۔

وہ دوسرے اہلکار کو ایک ہاتھ سے ہٹاتے اندر داخل ہوا۔سامنے بیڈ پہ براق تھا جس کا چہرہ پٹیوں میں جکڑا تھا مہدی نے پستول سیدھی تان لی اس سے پہلے وہ فائر کرتا کوئی برق رفتاری سے اندر آیا تھا اور اسکی پشت پہ بوٹ کی ضرب مار کر اسے نیچے گرایا۔لمحوں کا کھیل تھا مہدی فرش بوس ہوا تھا۔وہ اتنی ہی تیزی سے دوبارہ اٹھا۔مگر آنے والے نے ایک بار پھر اسکی کمر پہ بوٹ مار کر اسے گرایا اور اسکی گردن پہ پستول تان لی۔

''تم قانون کو اپنے ہاتھ میں لے رہے ہو، مہدی۔'' وریام نے اسکا بازو تیزی سے پیچھے موڑا جب مہدی نے حرکت کرتے اسکے گھٹنے پہ لات مار کر خود کو آزاد کروانا چاہا۔ فلموں اور ڈراموں کے جھوٹ ایک طرف حقیقت میں ایک تربیت یافتہ پولیس افسر ''ہیرو'' سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔اور اسکے سامنے ہیرو مار کھاتا ہے۔وہ مہدی کے دونوں ہاتھ اسکی پشت پہ باندھے ایک بار پھر اسے نیچے گرا چکا تھا۔اب کے اسکی گرفت ہلکی نہیں تھی۔وہ دونوں پسینے سے تر ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں تھے۔وریام سبقت لے جا رہا تھا۔

''تم آج مجھے یہاں سے لے جاؤ گے میں دوبارہ آؤں گا، وریام۔میرے بھائی کا قتل اتنا ارزاں نہیں ہے میں اسکے قاتل کو یونہی نہیں چھوڑ دوں گا۔'' وریام کے عقب سے اندر آتے افسر نے اسکے بندھے ہوئے ہاتھوں پہ بامشکل ہتھکڑی لگادی تھی۔وہ اب بھی وریام کو گالیاں بک رہا تھا خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔اسے قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''میں تم پہ ایسی ایسی دفعات لگاؤں گا کہ تمہارا باپ قبر سے اٹھ کر بھی انکا سد باب نہیں کر پائے گا۔'' اسکے چہرے کو مٹھی میں جکڑے وریام غرایا۔شیزل کی آنکھیں آڑے آ رہی تھی ورنہ اس خبطی کو سیدھا کرنا کونسا مشکل کام تھا۔''انسان کے بچے بنو اور چپ چاپ گھر جاؤ۔'' اسکی شرٹ کو گردن سے پکڑ کر اسے سیدھا کر کے بٹھایا۔یہ موقع غنیمت تھا۔

مہدی نے جواباً اسکے سینے پہ زور دار لات ماری اور وریام توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے لڑھک کر پیچھے گرا۔وہ گالیاں بکتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔گلٹ جو اسکے دل میں پنجے گاڑ چکا تھا مہدی اسے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا تھا اور اسکی انہی کوششوں نے پہلی بار اسے لاک اپ کا منہ دکھادیا۔

''اوہ اب انہیں دیکھو تو ایسا نہیں لگتا کہ وہ کبھی اتنے violent بھی رہے ہوں گے۔'' ثانیہ اس مہدی کو یاد کر رہی تھی جس سے وہ ایزل کی برتھڈے پارٹی، اور sleepovers کے دوران ملتی رہی تھی۔سنجیدہ اور نرم سا۔کم بولنے والا، کچھ افسردہ سا۔

''ہر انسان کی ایک تاریخ رہی ہوتی ہے جسے سن کر لگتا ہے کیا وہ کبھی ایسا رہا ہو گا؟'' وہ عمر سے بڑی باتیں کرنے لگی تھی۔

''ویسے تم لوگ تمھارے انکل کے لئے کبھی کوئی میموریل ڈنر کیوں نہیں رکھتے۔آج کل تو ہر جگہ یہی سب ہو رہا ہے۔اس سے تمھارے دل کو اچھا لگے گا۔''

ایزل نے سر جھٹکا۔ ''کوئی اپنی بیوی کے ایکس کا میموریل ڈنر رکھتا ہے کیا؟''

آواز پہ وہ دانوں جھٹکے سے مڑیں۔ راحم ہمیشہ کی طرح اپنی شیطانی مسکراہٹ دکھاتے انہیں تپا گیا تھا۔ ثانیہ نے اسے ڈپٹ کر بھگایا۔ البتہ ایزل کو فرق نہ پڑا ہو جیسے۔ ''تم نے اسے کچھ کہا کیوں نہیں؟'' ثانیہ نے غصے سے کہا۔

''وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ کوئی اپنی بیوی کے ایکس کا میموریل ڈنر نہیں رکھتا۔ مہدی ماموں قیس کے لئے چیرٹی کرتے ہیں، اسکے حصے کو یتیم خانوں میں ڈونیٹ کرتے ہیں لیکن گھر پہ اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔'' ثانیہ نے ایزل کو بہت کم کسی سے بحث کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایزل میچیور بچی تھی۔ وہ چیزیں اور حالات وقت سے پہلے سمجھ گئی تھی اور اس میں ایک بڑا کردار زینیا حاکم کا تھا۔ اس نے ایزل کو ایزل کا ایک بہترین ورژن دیا تھا۔ وہ ایزل کی ماں نہیں تھی لیکن اسکی پیرنٹنگ کرتی تھی یہ تعلق بہت عجیب تھا۔

''لیکن سب کہتے ہیں جو کچھ وہ صرف تمھارے انکل کی طرف سے تھا۔'' ثانیہ الجھی، جھجھکی۔

''میرا خاندان ایک پزل ہے تم نہیں سمجھ سکو گی۔'' اس نے کتاب ہاتھوں میں لی اور بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چار سالوں میں اب وہ ایک ٹین ایجر بن گئی تھی۔

''تم بہت میچور ہو، ایزل۔''

''زینیا کہتی ہے ''میچیورٹی'' نامی کوئی جذبہ اس دنیا میں کبھی آیا ہی نہیں۔ اگر کچھ چیزوں پہ آپ پر جوش نہیں ہوتے تو اسکا یہ مطلب ہے کہ آپ کو زندگی میں کسی نئے شوق کا اضافہ کرنا چاہیے۔'' وہ تیرہ چودہ سالہ بچی سولہ سال کے بچوں والی باتیں کر رہی تھی۔ اسکی چال اٹھان، رکھ رکھاؤ سے وضع داری اور میانہ روی ٹپکتی تھی۔

ٹوٹے ہوئے خاندان کے بچوں کو وقت سے پہلے بڑا ہونا پڑتا ہے اور وہ ہوئی تھی۔ جہاں نوے فیصد بچے تلخی دل میں لئے ہوتے ہیں وہیں ایزل محب ملک ایک مثبت سوچ لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ سہرا اس عورت کے سر جس نے اسے ''عورت'' کا مطلب بتایا۔ قیس کمبیر چار سال قبل اسکے معاملے میں درست تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دس ستمبر کی اس سیاہ رات کو بیتے چار سال ہو چلے تھے۔ چار سال لمبا عرصہ ہوتا ہے ہاں بالکل ہوتا ہے انکے لئے جن کے لئے وقت آگے بڑھ جائے، اور جن کے دلوں پہ وقت کسی بھاری سل کی طرح جم جائے انکے لئے چار سال گزریں یا چالیس کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ وہ وقت کی گھاٹی میں اندھا دھند بھٹکتے رہتے ہیں۔

اس کے ہاتھ میں لمبی ٹارچ تھی۔ جس کی روشنی آنکھوں کو چندھیانے کے لئے کافی تھی۔ مگر اسکا مقصد کسی کی آنکھیں نہیں تھیں وہ کسی اور ہی منزل کا راہی تھا۔ پتھر، گرے ہوئے پتے، سرسراتی ہوائیں وہ ہر شے سے بے نیاز تھا۔ اسکے سینے پہ آج بھی وہ آخری لمس تازہ تھا۔ وہ آخری سرگوشیاں آج بھی اسکے کانوں میں سنائی دیتی تھیں۔ اور آج بھی وہ انسان اسے ازبر تھا۔

""مجھے مت چھوڑو۔ میں تمھیں مس کروں گا۔""

وہ سر جھٹکتا، کروٹ بدلتا، شہر یا ملک بدلتا یہ آوازیں، لمس، ذمہ داریاں اسکا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ بہت برس پہلے وہ یونہی ایک الگ غم کا مارا بسمل تھا۔ ان دنوں اس نے ""ڈیکنگ"" سیکھی تھی اور وہ آج تک وہی کرتا آرہا تھا۔ زندگی پھولوں کی سیج شاید کسی کے لئے نہیں ہوتی۔

/""تمھارے بغیر بہت اکیلا ہو جاؤں گا یار۔""

ٹارچ گھمانے پہ اسے معلوم ہوا وہ چٹان، وہ جائے وقوعہ آگیا تھا۔ چار سال قبل یہاں آتے ہوئے اسکی نظریں متلاشی تھیں آج چار سال بعد نگاہیں محض متلاشی نہیں تکان زدہ بھی تھیں۔ یہ آج بھی اسکا دل شل کر دیتی تھی۔

""کیا ہم اب کبھی نہیں ملیں گے؟ کیا میں کبھی کبھی تمھیں وزٹ کر سکتا ہوں، گرین ووڈ؟""

سفید شرٹ والا مرد سیاہ کوٹ بازو پہ ڈالے آنکھیں موندے کتنی ہی دیر وہاں کھڑا زیر لب کچھ آیات پڑھتا رہا اسے حساب یاد نہیں رہا۔ کتنی دیر وہ آوازوں کی بازگشت سنتا رہا حساب واقعی ناممکن تھا۔ بہت دیر بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو مٹی کا وہ ٹکڑا اسے ایک بار پھر خون آلود نظر آیا۔

""وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جنھیں اپنے قریبی لوگوں کو کندھا دینے کا، انکا جنازہ پڑھوانے کا موقع ملتا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں شاید اس معاملے میں بد قسمت رہا۔"" مدھم آواز میں ہواؤں کے سپرد ایک سرگوشی۔ اسکا ٹھہرا ہوا لہجہ ٹریل نمبر چھ کے لئے نیا

نہیں تھا۔ ”لوگ کہتے ہیں تم نے یہ جان بوجھ کر کیا۔ میں انکا یقین کروں یا تمہارا؟“ اسکی آنکھیں گیلی سی ہوئیں۔ گلا بھاری۔ بند آنکھوں کے پار ایک جھلک ابھری۔

”تم نے کہا تھا میں یہ مت کروں ہاں تم نے یہ بھی کہا تھا کہ میں یہ سب بھول جاؤں اللہ بخش دے گا اللہ مہربان ہے۔ لیکن تم نے میری زندگی نہیں جی۔ میں قاتل، کرپٹ، ظالم، ٹاکسک سب ہوں۔ لیکن میں ایک کھرا آدمی ہوں۔ جب میں درست ہونا چاہتا ہوں تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ چار لوگوں سے معافی مانگ لوں اور پانچویں سے نظر چرالوں کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہو گا کہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ میری زندگی میں رکھا ہی کیا ہے۔ دوسرا خوف وہ مجھ پہ مقدمے کر دے گا۔ کرتا رہے۔ اس دنیا کا مقدمہ ختم ہو جائے گا مگر آخرت میں اٹھنے والے مقدمے کے گواہ فرشتے ہوں گے جج خدا ہو گا۔ آخرت میری واحد فینٹسی ہے، میرا پلیژر۔ میں جھوٹی دنیا کی خاطر اسے برباد نہیں کر سکتا۔ آئی ایم سوری۔“ وہ اس خط کو اتنی بار پڑھ چکا تھا کہ اب وہ بوسیدہ کاغذ ہاتھ لگاتے ہوئے پھٹ جاتا تھا۔ ایک خط جو قیس نے مہدی کے نام لکھا تھا۔

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ جیب سے وہ لائٹر نکالا جس پہ ”ق“ کنندہ تھا۔ اسکا بٹن دباتے ہوئے وہ اپنے اضطراب کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ شعلے کی ابھرتی روشنی میں اسکی سبز آنکھیں نظر آتی تھیں۔ گزرے برسوں کے برعکس اب وہاں محض سنجیدگی کا راج تھا۔

”میں ساری دنیا کو جھٹلا سکتا ہوں، رد بھی کر سکتا ہوں۔ بس ” اسکے “ آگے ہمیشہ سر تسلیم خم۔ لیکن جانتے ہو کیا؟ اس نے اپنا موقف پیش نہیں کیا۔ ہاں اسکی آنکھیں ہمیشہ کہتی ہیں کہ اسے سب پتہ ہے، یہ بھی کہ تم جھوٹے اور مکر باز ہو لیکن اس نے کبھی اپنے منہ سے ایسا نہیں کہا۔ اس نے مجھے اسپیس دی۔ وہ جو ہر تعلق میں ہر فریق کا حق ہوتی ہے۔ وہ میری ذات کے اس دس فیصد حصے کو ان دیکھا کرتی ہے جسے میں دکھانا نہیں چاہتا۔ اور وہ حصہ تمہارا گلٹ ہے۔ وہ ایک بہترین بیوی ہے۔ میں اسے دیکھتا ہوں اور بعض دفع یہ سوچتا ہوں اللہ کسی ایک انسان کے اندر اتنا سکون کیسے بھر سکتا ہے؟ وہ ایک عورت ہے صرف ایک عورت لیکن اس نے مجھے جوڑا، مکمل کیا، سراہا، اور میری ہمت بنی۔ وقت بہت آگے آ چکا ہے، لو سفر۔ میں وہ انسان نہیں رہا جو ہوا کرتا تھا۔ قیسم میرے کندھوں پہ بھاری بوجھ کی طرح آ کر گرا ہے۔ میں اس بوجھ سے تھک نہیں رہا لیکن خوش بھی نہیں ہوں۔ میں کبھی تمھارے پیچھے نہیں گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم اور تمہاری یادیں blur نہ ہو جائیں یا شاید سچ نہ ہو جائیں۔“

''میں اسکے پاس جاؤں گا اور اسے سب بتاؤں گا۔ کم از کم اپنے کھاتے میں کسی کے "بقیہ جات'' نہیں ہوں گے۔ میں اس سے معافی نہیں مانگوں گا کیونکہ میں ڈیزرو نہیں کرتا۔ اب بدلے میں وہ جو دے میں قبول کرلوں گا۔ تم سے ایک درخواست ہے۔ یا شاید اسے میری خود غرضی سمجھ لو۔ قیسم تباہ ہونے مت دینا پلیز۔ اس عمارت سے کئی لوگوں کا رزق جڑا ہے اگر مجھے کچھ ہو جائے تو اسے سنبھال لینا۔ میں نے ساری عمر تمھارے لئے قربانیاں دی ہیں اور انکا صلہ مجھے قیسم کی کامیابی سے دینا۔ اور یہ محل ہمارے بڑوں نے بنایا تھا تاکہ ہم ساتھ رہ سکیں۔ اسے چھوڑنا مت۔ میں دوبارہ کہہ رہا ہوں یہ محل مت چھوڑنا۔''

''پتہ نہیں کب تمھیں لگا کہ میں اسے سنبھال سکتا ہوں۔ میں آرٹسٹ نہیں تھا، قیس۔ اب بھی نہیں ہوں۔ لوگوں کو تمہارے ہاتھ کے ڈیزائن نہیں ملے تو قیسم ادھورا رہ گیا۔ اب وہ پہلے نمبر پہ نہیں ہے قیسم دوسرے، تیسرے نمبر پہ آتا ہے۔ کپڑے سے محبت ہمارے خون میں ہے تم درست کہتے تھے۔ ایزل بہترین ڈیزائن بناتی ہے۔ میں بہت جلد اسے ایک آرٹ اسکول بھیجوں گا۔ وہ تمہاری جگہ لے لے گی، نائٹ میئر۔

جگہ سے یاد آیا..... کمبیر محل۔'' وہ آنکھیں کھول کر طنزیہ ہنسا۔ ''پتہ نہیں ہمارے گھر والوں نے یہ گھر کیوں بنوایا۔ نہ کبھی خود سکون سے رہے، نہ ہمیں رہنے دیا اور ......'' وہ رکا، لب کاٹے۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔ یہ مدھم مسکراہٹ سرشار تھی۔ ایسی مسکراہٹ آج سے پہلے تم نے کبھی اسکے ہونٹوں پہ نہیں دیکھی ہوگی۔ کامل سی مسکراہٹ۔

''میرے دونوں بیٹوں کو یہ گھر بہت پسند ہے۔ اس گھر میں گھاس نوچنا، جس جس سامان تک انکا ہاتھ جائے اسے اٹھا کر توڑنا، اور اس بڑے گھر کے کسی کونے میں چھپ کر آدھا گھنٹہ میری جان عذاب میں نہ ڈالیں انکو سکون نہیں آتا۔ یہ گھر انکا کمفرٹ ہے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ جیب سے ایک سیگریٹ نکال کر سلگائی۔ دھوئیں کے مرغولے فضا میں اڑنے لگے۔

''اب نہیں پیتا، کم بہت کم، بس کبھی کبھار پیتا ہوں۔'' اس نے سیگریٹ نہ قیس کے کہنے پہ چھوڑی نہ زینیا کے کہنے پہ۔ اس نے سیگریٹ تب چھوڑی جب اسکے بیٹے نے پہلی بار اس چیز کو کھلونا سمجھ کر منہ سے لگایا تھا۔ وہ لمحہ، وہ پل مہدی دہل کر رہ گیا تھا۔ اس روز کے بعد وہ کبھی کبھار گھر سے باہر اسے ہاتھ لگا لیتا وہ بھی سال میں ایک دو بار، طلب یاد رکھنے کو۔

''میں اسے مار نہیں سکا۔ **an** eye for an eye ہاں یہ طریقہ غلط نہیں ہے۔ لیکن جہاں لاگو ہو وہاں سامنے والا سادھ ہونا چاہیے جو کہ تم نہیں تھے۔ سچ بتاؤں تو یہ بس ایک تسلی ہے جو میں خود کو دیتا ہوں ورنہ میرے دل میں جو آگ تھی اس نے ٹھنڈے ہونے میں وقت لیا تھا بہت وقت۔ شاید وہ مکمل طور پہ آج بھی ٹھنڈی نہیں ہو سکی۔ لیکن میں نے کہا ناں وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔''

چار برس قبل وہ پہلی بار تھانے میں بند ہوا تھا۔ پہلی بار اس نے ریپوٹیشن، سزا، لوگ سب پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ سر کو دیوار سے ٹکائے وہ خاموش تھا اسکے سامنے بڑی سی چادر میں لپٹی وہ یاسیت سے اسے تک رہی تھی۔

''قتل بہت بڑا جرم ہے، مہدی۔ ایک بار ہی سہی آپ کو میرا سوچنا چاہیے تھا۔'' وہ ان تین دنوں میں پہلی بار خفا ہوئی تھی۔ ''اپنے تیئں تو آپ اسے اسی رات مار چکے تھے آپ نے ایک بار یہ نہیں سوچا کہ اگر وہ مر جاتا تو آپ کا کیا ہوتا، اور آپ کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھے آپ کے ساتھ اب میں بھی ہوں۔''

''میری ضمانت ہو جائے گی شام میں گھر آ کر بات کرتا ہوں۔ تم گھر جاؤ۔'' اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔ زینیا کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا۔

''میں کیوں گھر جاؤں اگر میرے یہاں آنے پہ اتنی غیرت آ رہی ہے تو تمھیں چاہیے تھا ایسے کام نہ کرتے۔'' اسکی آواز بلند ہوئی۔ ''گھر میں پیچھے کون ہے جس کے پاس مجھے چھوڑ کر تم قتل کرنے نکلے تھے؟''

''تم کس کی طرف ہو؟ سالوں بعد ملنے والے ایک کزن کے لئے تمھیں ہمدردی محسوس ہو رہی ہے اور میں نہیں نظر آ رہا تمہیں؟'' وہ اسے کبھی تم نہیں کہتی تھی۔ شاید وہ واقعی اتنی پریشان تھی کہ اپنے الفاظ پہ بھی غور نہیں کر سکی۔

''اور تمھیں کیا نظر آ رہا ہے؟'' وہ پہلے سے زیادہ تلخ ہوئی۔ ''میں گھر میں اکیلی ہوں تمھاری بہنیں ہر چھوٹی چھوٹی بات پہ پینک کر رہی ہیں۔ پولیس، فارنزک، قیسم سے آنے والے ہزاروں لوگ جو مجھے پرسے دے رہے ہیں حلانکہ مجھے ٹکا فرق نہیں پڑتا کہ وہ مر گیا کہیں کسی کھائی میں غرق ہوا یا جہنم واصل ہوا۔'' وہ کہہ رہی تھی اور مہدی سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ لب بھینچے سب سن رہا

تھا۔ ”واپس گھر آجائیں مہدی صاحب ورنہ میرے ابااور بھائی اسی شہر میں ہیں میں انکے ساتھ چلی جاؤں گی۔ پھر تم اپنے بھائی کے پیچھے کسی کھائی میں کود جاؤیا کسی کو گولیوں سے بھونتے پھرو۔ یا پھر بیٹھ کر جیل میں سڑو۔“ اسکا چہرہ غیض سے سرخ پڑ رہا تھا۔

”تم چھوڑ سکتی ہو مجھے؟ کہو چھوڑو گی؟“ اسکی آنکھوں میں دیکھتے وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔ یکایک زینیا کے چہرے پہ نرمی آئی۔ وہ آگے ہوئی۔ محبت سے، نرمی سے اسے دیکھا۔

”اپنے بھائی سے آپ کی محبت جائز ہے۔ محبت میں ججمنٹس نہیں ہوتیں وہ ایک انسان آپ کے لئے بہت کچھ رہا ہے لیکن...... ”وہ بس اسے بتادینا چاہتی تھی کہ مہدی کمبیر تم قیس زمان کمبیر کے کھیل کا حصہ بنے ہو لیکن وہ ایک بار پھر چپ رہی۔ زینیا اسے امتحان میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ وہ دیکھنا نہیں چاہتا تو اللہ آنکھیں عطاء کرے۔ سننا نہیں چاہتا تھا تو سماعت پہ رحم ہو۔

۔”وہ براق کی ماں تھی جسے آپ کے بھائی نے انا کے چکر میں مار دیا۔ کوئی اپنی ماں کے قاتل کو کیوں معاف کرے گا اگر وہ آپ کا بھائی ہے تو وہ براق کو پیدا کرنے والی عورت ہے یہ بات آپ کو کیوں سمجھ نہیں آرہی؟ وہ ایک عورت براق کی دنیا تھی۔“

وہ جو چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا اس نے شکستگی سے سر جھکا دیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک دروازہ تھا ورنہ یہ سر زینیا کے کندھے پہ رکھا جاتا۔ سر جھکائے وہ کافی دیر چپ رہا۔ جب بولا تو آواز بھاری تھی۔

”اسے اسکی ماں کی لاش مل گئی تھی۔ اسکے پاس ایک قبر ہے جہاں جا کر وہ رو سکتا ہے۔ اس نے اپنی ماں کو ایک عزت دار جنازہ دیا میرے پاس کیا ہے؟“ وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے کرب سے کہہ رہا تھا۔ ”مجھے یہ سوچ سوچ کر نیند نہیں آتی کہ وہ درد سے گرا تھا یا مرنے کے بعد کسی جانور نے اسے کھا لیا؟ کیوں ملک کی بہترین سرچ ٹیمز اسے ڈھونڈ نہیں پائیں میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہے تو کہاں ہے؟ مر گیا تو اس نے کتنے گھنٹے تکلیف دیکھی ہو گی۔ تم میرا دکھ نہیں سمجھ سکتیں۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جو لوگ تمہیں پرسہ دے رہے ہیں وہ مجھ طعنہ دیں گے۔ مردوں کے لئے لوگوں کے سوال بدل جاتے ہیں۔ تم میرا دکھ نہیں سمجھ سکتیں، میرے کندھوں پہ بھاری بوجھ ہے۔ اور مجھے سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں کہ میں ساری زندگی اس بوجھ کو لے کر کیسے چلوں گا۔ میں کس قبر پہ جاؤں گا، میں......“ وہ اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ بس روئے گیا اور روئے گیا۔

زینیا حاکم کو یوں لگا تھا جیسے قیس کمبیر نے کسی تھیٹر میں کھڑے ہو کر ایک ایسی پرفارمنس دی تھی جس کے بدلے میں ستائش اور توصیف کے طور پہ اسے زندگی کی ساری آسائشات دینی پڑ رہی تھیں۔ وہ آرٹسٹ تھا اور بڑی نفاست سے اپنا کام کر گیا تھا۔ رنگ، لکیریں، کہانی، بُنت وہ کیسے کس ڈور میں انہیں کیسے الجھا گیا تھا کوئی سمجھ نہ سکا۔ لیکن وہ کہہ سکتی تھی اسکی چلی ہوئی آخری چال اسکا بہترین آرٹ تھی۔ وہ زینیا حاکم کی زندگی کے چار سال کھا گیا تھا۔

سیگریٹ کے دھوئیں میں کئی منظر بن کر مٹ رہے تھے۔ وہ ہر اس منظر کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتا مگر ہر یاد پہلے سے زیادہ تیزی سے حاوی ہونے لگ جاتی۔ اس کے پاس جانے کو کوئی قبر نہیں تھی۔ اس نے بھائی یہاں کھویا تھا سو وہ یہیں آتا تھا۔ اسکے پاس اسے مس کرنے کے لئے ساتھ بیٹھنے والا کوئی اور نہیں تھا سو وہ بس یہیں آتا تھا۔ مگر گھڑی نے اسکا دھیان اپنی جانب دلوایا تو اسے ہوش میں آنا پڑا۔

''میں دوبارہ آؤں گا۔'' سیگریٹ اپنے بوٹ تلے دباتے ہوئے اس نے اعلان کیا۔ یہاں آکر ہمیشہ کی طرح اسکی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ اور اب اسے سکون چاہیے تھا۔ کئی لمحے وہاں کھڑے رہ کر وہ ہوائیں اپنے چہرے سے ٹکراتے ہوئے محسوس کرتا رہا پھر جیسے آیا تھا ویسے پلٹ گیا۔ یہاں سے پلٹ جانا آج بھی اتنا مشکل تھا جتنا چار سال پہلے۔ وہ یادیں دفن کرتا تھا اور وہ کسی تابوت سے نکلتی نافرمان لاش کی طرح باہر آجاتی تھیں۔

ڈراؤنی، خوفناک یادیں۔

وقت کئی بار بس گزر جاتا ہے زخم بھرنے کے لئے رکتا نہیں۔ اس کے زخم بھی نہیں بھرے تھے بس چار سال گزر گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''یہ سراسر زیادتی ہے ویسے۔'' وہ کچن میں کھڑے کھڑے چلا رہا تھا۔ آس پاس برتن، مصالحے کے ڈبے بکھرے ہوئے تھے۔ ''میں جلدی گھر اس لئے نہیں آتا کہ تم اپنا کھانا بھی مجھ سے گرم کرواؤ۔ اور تم نے یہ سامان بھی یہیں رکھا ہوا ہے۔ وہ کچن میں بکھرے سامان دیکھ کو فت زدہ ہوا۔''

وریام بیگ ہاتھ میں کھانے کی ٹرے لئے خفا خفا چہرہ لئے باہر آیا تھا۔ گزرے وقتوں میں وہ زیادہ بدلا نہیں تھا بس زبان مذید جوہر دکھانے لگی تھی۔ بس کامیاباں کئی ملی تھیں۔ بس زندگی میں خوشی کا اضافہ ہوا تھا۔

''جعلی پولیس افسر اگر تمھیں یاد ہو تو تمہاری اسی خاصیت کی بنا پہ میں نے تم سے شادی کے لئے حامی بھری تھی۔'' وہ گھر کے سادہ جوڑے میں باہر آتے ہوئے ہاتھوں سے بال پیچھے کر کے جوڑا بنا رہی تھی۔

''شادی کی شرائط کچھ مجھ سے بھی سن لو۔'' اس نے کھانا میز کے اوپر رکھا۔ پھر شیزل کے لئے کرسی کھینچی۔ ''تم نے کہا تھا تم شادی کے بعد کام نہیں کرو گی لیکن پھر اچانک سے زینیا کی دی ہوئی آفر پہ ہاں کر دی۔ شرطوں کی تو بات نہ ہی کرو تم پہلی ہی شرط میں جھوٹی نکلی ہو۔''

شیزل نے تاسف سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ ''کون سی شرطیں کہاں کی شرطیں میں نے تمھیں دیکھا اور میں راضی ہو گئی نکاح پڑھوانے پہ۔ تم جیسا چکنا آدمی کہاں ملنا تھا؟''

وریام نے گھور کر اسے دیکھا۔ ہاں البتہ ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے، تیز تیز چلتے ہاتھوں کی رفتار میں واضح طور پہ کمی آئی تھی۔ آہ وہ شرما رہا تھا۔

''اب وہاں کھڑے کھڑے شرماؤ گے یا پھر یہ روٹی کا باکس یہاں لے کر آؤ گے، سرتاج؟'' اس نے ایک بار پھر میٹھی آواز میں پکارا۔

وریام چونکا، اپنے ہاتھ میں پکڑے لیپ ٹاپ کو دیکھا۔ پھر سر جھٹکا۔ لیپ ٹاپ میز پہ رکھا۔ ''تم فلرٹ ایسے کرتی ہو جیسے شوہر تم ہو اور میں بیوی۔''

''آپ میرے سر کے سائیں ہیں آپ کی جگہ کیسے لے سکتی ہوں؟''

''یہ lame تھا۔'' روٹی نکالتے وریام نے اعلان کیا۔

''اسے چھوڑو تم تو خاص ہو ناں؟''

"یہ اس سے زیادہ lame تھا۔"

"اچھا لیکن تم تو شرما رہے ہو؟" وہ محظوظ ہوئی۔ وریام نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر دیکھتا ہی رہا پھر ہنس دیا۔ شیزل اسکے ساتھ مسکرائی تھی۔ وہ اب آنکھوں پہ ہاتھ رکھے محظوظ انداز میں ہنس رہا تھا۔ شاید اسکے کہنے کے مطابق وہ واقعی شرمایا تھا۔

"تم ہر دن مجھے یہ سمجھاتی ہو کہ تم سے شادی کر کے میں نے کتنا اچھا فیصلہ کیا۔" وہ نوالہ لیتے ہوئے اسے سراہ رہا تھا۔ "لیکن تم ذرا خیال رکھا کرو۔ اتنا کام کرتی ہو خوامخواہ خود کو تھکا رہی ہو۔ جب تمھیں جاب چھوڑنی تھی تو دوبارہ کیوں سر درد پال لیا؟"

تین سال پہلے زینیا، ضیغم اور شیزل نے ساتھ مل کر "مشعل" کی بنیاد رکھی تھی۔ ایک ایسی اینجیو جو پسماندہ سے پسماندہ علاقوں میں اسکول اور اکیڈمیز بناتی تھی۔ مشعل میں ملک کے لاکھوں امراء کا پیسہ تھا۔ اول تو زینیا اس معاملے میں کسی پہ یقین نہ کر سکی اور یہ کام طوالت کا شکار ہوتا گیا اور تین سال پہلے اسے ضیغم کا خیال آیا تھا جو اسی کے جیسے پسماندہ علاقے سے آیا تھا۔ اسی کے جیسے مسائل دیکھے تھے۔ اس نے کام یوں سنبھالا تھا جیسے وہ اسی کے لئے پیدا ہوا ہو۔ ملکی و غیر ملکی قابل ٹیم کے ساتھ مل کر کام بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ اور آج کتنے ہی گاؤں اور قصبوں میں مشعل نے علم کی مشعل جلائی تھی۔ اس کام میں شیزل باس تھی اور حقیقت یہ تھی پچھلی جاب سے زیادہ پیسہ تھا سو...... وہ اس کام میں زیادہ خوش تھی۔ (یعنی وہ زیادہ پیسے سے خوش تھی)

"میں واقع کام نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن گھر بیٹھ کر کیا کروں؟ نہ ساس ہے نہ نند نہ جیٹھانی۔ دیور میرے اللہ میاں کی گائے ہیں کس سے لڑوں کس کو آپس میں لڑواؤں؟ اپنے اندر کے ابلیس کو activate کرنے کے لئے یہ کرنا پڑتا ہے۔"

وریام تاسف سے نفی میں سر ہلاتا رہ گیا۔ "تم میرے گھر میں ان خطرناک عزائم کے ساتھ داخل ہوئی تھیں؟"

"عزائم؟ کون سے عزائم میں تو تمہاری محبت میں چلی آئی۔"

"پروین شاکر کی کچھ لگتی چپ کر جاؤ۔" وہ ہنس کر بولا۔ شیزل کے فلرٹ اسکلز سے وہ یونہی ہنس پڑتا تھا۔ اور جس دن وہ یہ نہ کرتی اس دن وہ اسکا چیک اپ کروانے کا ضرور سوچتا۔ "میں یہ کہہ رہا ہوں کہ خیال رکھو۔ اپنا نہیں تو آنے والے میرے معصوم بچے کا خیال کر لو۔ کچھ وقت کے لئے چھٹی لے لو۔ کہیں گھومنے چلتے ہیں۔" اس معاملے میں اگر وہ فکر مند تھا تو بنتا بھی تھا۔ شادی کے بعد

اسکے یہاں دو مس کیرج ہوئے تھے اور دونوں دفع شیزل کی جو حالت ہوئی تھی وریام سے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اسے کچھ نہیں کہتا تھا بچے شیزل کا اپنا شوق اور خواہش تھے۔

''میں اگلے مہینے سے ویسے ہی چھٹی پہ ہوں۔'' اس نے اطلاع دی۔ ''اور اس بار سب ٹھیک ہو گا انشاءللہ۔''

''انشاءللہ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''تمھیں بیٹا چاہیے یا بیٹی؟'' وہ کھانا چھوڑ اشتیاق سے آگے کو ہوئی۔ وریام کے چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ تھی۔

''بیٹی بلکہ بیٹیاں چار پانچ بیٹیاں۔ اپنے سڑے ہوئے بھائیوں کی شکلیں دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں میں۔''

''مجھے دیکھ لیا کرو ناں۔''

''آج کل تم بھی ان سے کچھ مختلف نہیں لگتیں۔''

شیزل جواباً سلگ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ وریام مسکراہٹ دبا رہا تھا۔ درست وقت پہ غلط آدمی کو چھوڑ کر اس نے درست فیصلہ لیا تھا، ہر گزرتا دن اسکے کان میں یہی سرگوشی کرتا تھا۔ لیکن یہ صحیح آدمی بھی کسی دن اسی کے ہاتھوں ضائع ہونے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمبیر محل کی ظاہری حالات گزرے برسوں میں بدل کر رہ گئی تھی۔ محل کی شان و شوکت میں کمی آنے کی بجائے بڑھ گئی تھی۔ وہ کوٹ یونہی بازو پہ ڈالے اندر داخل ہوا۔ لان میں اسے میرہ اور انیسہ بیٹھی دکھائی دیں۔ میرہ نے پچھلے سال ہی دوسرا بوتیک کھول لی تھا۔ مہدی کے برعکس اسے کاروبار کرنے اور بڑھانے کا فن آتا تھا۔ میران اور ایزل وہ ان دونوں کے ساتھ اپنا تعلق بہت حد تک درست کر چکی تھی۔ اب وہ دونوں ہی اسکے عادی تھے اور میرہ اس بات سے جتنا خوش ہوتی وہ کم تھا۔

''زوار واپس کب آ رہا ہے؟'' لان کی طرف آتے اس نے انیسہ سے پوچھا۔ جسکا چہرہ ستا ہوا لگ رہا تھا۔ دس ستمبر...... وہ یقیناً اُس آدمی کے لئے روتی رہی ہو گی جس نے سے زندگی میں سب سے خوبصورت تحفہ دیا۔

''کہہ رہا تھا ابھی ایک مہینہ لگ جائے گا۔اسکے ابا کی حالت سنبھل کر ہی نہیں دے رہی۔ تم پلیز دعا کرنا۔''انیسہ کے سسر کی علالت کی وجہ سے اسکا شوہر پچھلے ایک ماہ سے لندن میں تھا۔اور انیسہ کمبیر محل کی مہمان تھی۔ وہ اگر آج کل میں یہاں نہ بھی ہوتی تو اس تاریخ پہ تمام کمبیر ز اس ایک گھر میں اکھٹے ضرور ہوتے تھے۔

''میں دعا کو چھوڑ کر تمھارے ویزہ کی کوشش کرتا ہوں۔ تمھارے شوہر سے بھی کہتا ہوں۔''

''مجھے گھر سے نکالنا چاہ رہے ہو؟''اس نے مصنوعی خفگی دکھائی۔ مہدی نے اسکی روئی روئی آنکھوں سے آنکھیں چرائیں۔

''آہ تمھیں میرے ارادوں کا کیسے پتہ چلا یار؟''وہ زبردستی مسکرا رہا تھا، بات کر رہا تھا حالانکہ اس وقت اسکا دل ہر شے سے اکتایا ہوا تھا۔اسے بس اس گھر کے ایک کمرے میں جانا تھا جہاں جاتے جاتے ہی ساری بے سکون ختم ہو جاتی۔ رفع، دفع۔ غائب۔

۔''مقصود چچا سو گئے کیا؟انکی فزیو ہوئی؟''

ہاں زینیا آ گئی تھی اسکی موجودگی میں ہوئی کروائی ہے۔اچھا'' ،مہدی تم جاؤ فریش ہو جاؤ۔''میرہ اسکی حالت سمجھ گئی تھی۔ وہ خود بھی جانا چاہتا تھا سو پلٹ گیا۔

''ماموں،احان نے مجھے مارا ہے۔''اندر کی طرف جاتے ہوئے میران نے منہ بسور کر بتایا۔ مہدی نے رک کر اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''بیٹا ئےؒ وچھ سال کا ہے اور وہ ٹڈا تین سال کا اس سے مار کھاتے ہوئے شکایت نہیں شرم آنی چاہیے۔''سامنے سے آتی میرہ کو دیکھ اس نے بلوچی میں کہا۔ بچوں کے سامنے بولنی پڑتی تھی۔

''وہ تمہارا ٹڈا اسکے ہاتھ مشینی انداز میں چلتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے مارتا ہے۔''میرہ نے فوراً بیٹے کی طرفداری کی۔

''میرا کوئی قصور نہیں وہ اپنی ماں پہ گیا ہے۔''مہدی کے چہرے پہ ابھرنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔''ساری دنیا جانتی ہے میں ایک شریف اور امن پسند انسان ہوں۔''اس نے دونوں ہاتھ اٹھا لئے۔ پھر اس نے جھک کر میران کو گلے لگایا۔''میں ابھی جا کر اسکی کلاس لوں گا۔ آئندہ تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اوکے؟''

''اوکے۔''وہ اتنے میں بھی خوش تھا۔ میرہ اسے لئے ایک طرف چلی گئی اور گہری سانس بھرتا مہدی زینے طے کرتا اوپر آیا۔ کمرے میں آج خلاف معمول چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ کمرے سے ملحقہ ڈریسنگ کا دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں سے اس وقت کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے زینیا اسی طرف آتے ہوئے دکھائی دی۔ نکھری نکھری رنگت، لمبے بال گول مول باندھے وہ مصروف لگ رہی تھی۔اسے شاید دفتر سے آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔

''میں آپ کو کب سے کال کر رہی تھی کہاں رہ گئے تھے آپ؟''اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر پلنگ پہ رکھا۔اور اپنا کھلا ہوا لیپ ٹاپ جس پہ اسکے دفتر کا ہی کام تھا اسے بند کیا۔ پھر اسکی طرف آئی۔ اسکے ہاتھ سے کوٹ لیا۔ لیپ ٹاپ لیا۔اور بیڈ پہ رکھ دیا۔

''میں پوچھ رہی ہوں کہاں تھے آپ؟''

''ایک کام سے گیا تھا۔''اس نے مبہم جواب دیا۔زینیا چونکی نہیں البتہ اسکے تاثرات یکسر تبدیل ہوئے تھے۔ "کام سے گیا تھا" یہ وجملہ وہ تب بولا کرتا تھا جب جب وہ ٹریل نمبر چھ کی طرف جاتا تھا۔اور ایسا ہر ماہ کی دس تاریخ کو ہوتا تھا۔ وہ جگہ، وہاں برسوں پہلے کھویا ہوا اسکا وجود مہدی کا بہترین ''سننے'' والا تھا۔ جو باتیں، مسائل وہ گھر میں نہیں کہہ سکتا تھ وہاں جا کر کہہ آتا تھا۔ بعض دفع وہ سوچا کرتی تھی کہ اگر قیس اور اسکا کوئی ماضی نہ ہوتا تو شاید اسے مہدی کے اس دس فیصد حصے پہ بھی دسترس ہوتی جو وہ اس سے چھپا کر رکھتا ہے۔اسے لگا تھا یہ تکون کسی ایک کی موت سے ٹوٹے گا لیکن وہ غلط تھی۔ قیس کمبیر آج بھی انکے درمیان تھا۔ کوئی دراڑ وہ چھوڑ گیا تھا۔ کچھ ان کہا، ان سنا یا پھر دیکھ اور سن کر ان سنا اور ان دیکھا کر دینے والا۔ وہ آج بھی اسے دوبدو کھڑے ہو کر اس ''خود کشی'' کی حقیقت نہیں بتا سکتی تھی۔ یہ وہ ریڈ لائن تھی جو مہدی نے اسکے اور اپنے درمیان کھینچی تھی۔ اگر عبداللہ اور زینیا کا ماضی ساتھ نہ ہوتا اور عبداللہ محض اسکے شوہر کا کزن ہوتا تو حالات مختلف ہوتے۔ لیکن نہیں تھے۔ زندگی کہاں سب پرفیکٹ دیتی ہے؟

''تم آفس سے کب آئی؟''

''دو گھنٹے ہو گئے ہیں، اتنی مشکل سے چھٹی ملی ہے۔''وہ کہتے ہوئے مصروف سے انداز میں اپنے موبائل پہ موصول ہوئی نئی ای میلز دیکھ رہی تھی۔

"تمھیں کتنے دن کی چھٹی ملی ہے؟" اس نے ٹھہر کر زینیا سے پوچھا۔

"تین دن کی وہ بھی بہت مشکل سے۔ کام بہت بڑھ گیا ہے۔"اس نے موبائل بند کر کے ایک طرف رکھا۔

"تمھارے سیکریٹری نے تین دفع کال کی ہے کہ میڈم کالز نہیں اٹھا رہیں۔اور اس وقت میں کیا بتاتا میں خود میڈم کے ہاتھوں بلاکڈ تھا۔"

زینیا نے افسوس سے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔"کل رات بلاک کیا تھا پھر دفتر میں اتنے کام تھے میں ان بلاک کرنا بھول گئی۔ابھی شام کر تو دیا تھا۔" ایسے کہا گیا جیسے بڑا احسان کیا ہو۔

مہدی کچھ کچھ غائب دماغ تھا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کھانا لاؤں؟"

"نہیں بھوک نہیں۔میرے بیٹے کہاں ہیں؟"جوتے اتارتے اس نے سوال کیا۔

"یہ کمرے کی حالت دیکھ لیں ایک بار۔"اس نے پھیلے ہوئے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔جہاں کپڑے، جوتے، کھلونا گاڑیاں سب بکھرا ہوا تھا۔"آپ کے دونوں بیٹے خالہ کی شادی کے لیئے پیکنگ کر رہے تھے۔اور ماشاءاللہ سے باپ کی طرف سے ملے پھوہڑ پن کا خوب مظاہرہ ہوا ہے۔میں جب سے آئی ہوں اسی کام میں لگی ہوں۔"

مہدی نے محظوظ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا پہلے وہ اکیلا تھا اب دو ساتھی مل گئے تھے۔ سجدہ شکر کہاں ادا کرنا تھا کوئی اسے بتائے۔

"ذرا سا ہی کچرا ہے سمیٹ لیں گے۔"

"جانتی ہوں آپ کا سمیٹنا۔"

"مجھ سے تو تم ناراض ہی رہا کرو۔"

"اپنے کارنامے بھی دیکھ لیا کریں۔"وہ اسکی طرف مڑی۔ غور سے اسکی نچڑی ہوئی رنگت دیکھی۔"کھانا کھائیں گے؟"

''بھوک نہیں۔ کہا تو ہے۔ تم کھا لینا''

زینیا کو جواب معلوم تھا۔ پچھلے چار سالوں میں دس ستمبر کی یہ رات یونہی ہوا کرتی تھی۔ حبس زدہ، عجیب اور کچھ کچھ نظر چراتی ہوئی۔ شاید افسردہ سی۔ اس نے زیادہ زور نہیں دیا۔ مہدی واش روم کی طرف بڑھ گیا تھوڑی دیر بعد آرام دہ شرٹ اور سویٹ پینٹس میں جب وہ باہر آیا تو زینیا ہنوز اپنا بیگ پیک کر رہی تھی۔ مہدی کی سبز ٹی شرٹ کے ساتھ اسی کا ٹراؤزر پہنے وہ مصروف لگ رہی تھی۔

''نکاح نامے کی ایک شرط شاید میں نے غور سے نہیں پڑھی یا شاید وہ صرف تم نے پڑھی تھی۔'' وہ اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا جسے دیکھتے ہی آج بھی اسکی برسوں کی تکان اتر جاتی تھی۔ آج بھی اتر رہی تھی۔

''کونسی شرط؟''

''وہی جس میں تم نے میرے ساتھ ساتھ میرے کپڑے بھی قبول کئے تھے۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے مردانہ سیکشن میں زیادہ وقت میں اس لئے لگاتی ہوں تاکہ آپ کے کپڑے اچھے ملیں؟'' اسے لگتا تھا مہدی اسے اپنے کپڑوں میں دیکھ تپتا ہے حقیقت اسکے برعکس تھی۔ وہ اسے اپنے کپڑوں میں دیکھ ٹھٹھکتا تھا۔ خوش ہوتا تھا۔ محظوظ ہوتا تھا۔ وہ جب کافی دن تک اسکی کوئی نئی شرٹ نہ پہنتی تب وہ فرمائش کرتا تھا۔

''میرے بیٹے کہاں ہیں؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''رات کے ساڑھے بارہ بجنے والے ہیں، ابھی سلا کر آئی ہوں۔''

ابھی اسکی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مہدی اپنے کمرے سے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ ہاتھ مار کر اس نے بتی جلا دی۔ زمین کی طرف جھکے ہوئے بیڈ پہ وہ دونوں سو رہے تھے۔ ساری بے چینی، بے سکون عنقا ہو گئی۔ ہر گلٹ ایک طرف جا کر غرق ہو گیا۔ اسے آج بھی وہ لمحہ یاد تھا جب ہسپتال کی راہداریوں میں چکر لگاتے ہوئے اسکے اضطراب کو بس ایک سطر میں ختم کر دیا تھا۔

''مبارک ہو بیٹے ہوئے ہیں۔'' وہ لمحہ اسکے ذہن میں، اسکی زندگی کی ریل میں کہیں بہت اوپر، کسی معتبر جگہ ٹھہر گیا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اس روز مہدی کمبیر ایک الگ انسان بن گیا تھا۔ انہیں پہلی بار بازوؤں میں لیتے ہوئے اسے لگا تھا کسی نے اسکے سینے سے اسکا دل نکال کر اسکی ہتھیلی پہ رکھ دیا ہو۔ ایسی محبت، ایسی کاملیت، اسے یہ احساس پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔

وہ زمین کی طرف جھکے ہوئے پلنگ پہ آکر بیٹھا۔ اسے یاد تھا جب پچھلے سال اس نے اور اسکی بیوی نے بچوں کے کمرے کے لئے ایک شاندار پلنگ خریدا تھا اور اسکے اگلے ہی دن اسکا بیٹا فرش نشین ہوا تھا۔ کیونکہ اپنے باپ کی طرح اسے ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے کی عادت نہیں تھی۔

''میرا سارا سر پھٹ گیا۔'' گرنے کے اگلے دن اور اگلے ماہ تک احان کمبیر ہر آتے جاتے کو بتاتا کہ اسکے ماں باپ نے اسکے ساتھ کیا ظلم کیا ہے۔ اسکا منہ تب بند ہوا تھا جب بلآخر ازیان نے اپنے ہاتھوں سے اسے اچھی طرح منہ ہی منہ پہ تھپڑ مارے۔ اس جنگ کے بعد اس نے دوبارہ یہ راگ نہیں الاپا تھا۔ یہ سچ تھا کہ مہدی کمبیر کے دونوں بیٹے کافی violent قسم کے تھے۔ یا تو کسی کو مار کر آتے یا ایک دوسرے کو مارتے۔ یہ انکا پیشہ تھا، شیوہ بھی اور شوق بھی۔

''میرا کوئی قصور نہیں دونوں اپنی ماں پہ گئے ہیں۔'' وہ ہر کسی کے سامنے یونہی بری الذمہ ہو جاتا تھا۔ اور زینیا سلگ کر رہ جاتی۔ دونوں پہ ہونے والی سختی صرف زینیا کی طرف سے تھی۔ مہدی نے کبھی ان پہ غصہ نہیں کیا تھا آتا ہی نہیں تھا۔ ہلکی روشنی میں وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ دونوں سو رہے ہیں۔ مہدی نے جھک کر ازیان کے چہرے پہ اپنی داڑھی کو رگڑا۔ وہ نیند میں کسمسایا۔ پھر کروٹ بدل گیا۔ سامنے والا بھی اسکا باپ ہی تھا اس نے جھک کر ایک بار پھر اسکے چہرے، ناک، اور گردن پہ اپنی داڑھی رگڑی اب کے وہ آنکھیں کھول گیا تھا۔

''بابا......'' وہ نیند سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مہدی نے اسے اٹھا کر گود میں بٹھالیا۔ سبز آنکھوں والا بچہ اسکے سینے پہ سر رکھ گیا۔ پھر اسے یونہی گود میں لئے اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی جگایا۔ وہ جناب عالی جیسے اشارے پہ بیٹھے تھے فوراً اٹھ بیٹھے۔ شاید وہ ٹھیک سے سویا ہی نہیں تھا۔ ایک نظر باپ کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے دہائی دی۔

''بابا میران نے مجھے اتنی زور سے مارا تھا۔''اس نے سیدھے ہوتے ہی منہ بسور کر اپنی داستان سنائی۔ شاید وہ یہی کہانی بنتے ہوئے سویا تھا۔

''اوہ . . . اور تم نے کیا کیا؟''مہدی نے اسے گود میں بٹھا کر بازوؤں کے حلقے میں لیا۔ روح تک پر سکون ہو گئی۔ دس ستمبر کی وہ کوئلوں پہ جلتی رات اس حد تک پر سکون ہو سکتی ہے یہ بات اسے اسکی اولاد نے سمجھائی تھی۔ اللہ کے بعد اپنی بیوی کا وہ شکر گزار تھا۔

''میں نے؟ میں نے کیا کیا؟''اسکے الفاظ واضح نہیں تھے اب بھی توتلا پن موجود تھا۔

''میران نے ایک بار مارا اور اس نے تین بار، وہ بھی دونوں ہاتھوں سے۔''ازیان کی نیند کھل گئی تھی اب وہ بھی اسی توتلے انداز میں بتا رہا تھا۔ مہدی نے احان کو کڑی نظروں سے دیکھا۔ ہر طرف سے ہر راہ خود پہ بند ہوتے دیکھ وہ بس رو دیا۔

''میرا تو سارا سر پھٹ گیا تھا۔''ہمدردی بٹورنے کے لئے اس نے اپنی زندگی کا واحد غم سنا دیا۔ مہدی ہنس پڑا۔ پھر جھک کر اسکے دونوں گال چومے۔ اور اسے زور سے گلے لگایا۔

''کوئی بات نہیں اگلی دفع نہیں مارنا اوکے؟ ورنہ میران پھٹے ہوئے سر میں مارے گا اور میں اسکو نہیں ڈانٹوں گا۔''ان دونوں کو بازوؤں میں اٹھائے وہ دروازہ پار کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

''آپ نے پھر ان کو اٹھا دیا ہے اب خود سلانا۔''وہ کپڑوں کے ڈھیر سے بے زار ہوئی۔ پھر ان تینوں کو دیکھا جو آرام سے بیڈ پہ دراز ہو رہے تھے۔ ایسے کہ مہدی بیچ میں اور دائیں بائیں وہ دونوں۔ اب قصے کہانیوں اور سارے دن کی روداد کا وقت شروع ہونا تھا۔

''میں سلا دوں گا، ویسے بھی ہم صبح نکل رہے ہیں یہ دونوں گاڑی میں سو جائیں گے۔''اس نے ناک سے مکھی اڑائی پھر ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اب میں تم دونوں سے باری باری سوال کروں گا اپنی اپنی باری پہ جواب دینا اوکے؟''

''اوکے۔''دونوں نے بیک وقت کہا۔ احان اور ازیان جڑواں تھے۔ انکی پیدائش کے بعد انہیں سنبھالنا واقعی ایک مشکل کام ثابت ہوا تھا یہاں تک کہ زینیا نے اپنی اکیڈمی وقتی طور پہ چھوڑ دی تھی۔ مسئلہ ان دونوں کے درمیان رہتا تھا انہیں سب ایک جیسا چاہیے

ہوتا تھا اور اگر نہ ملے تو وہ دونوں محسوس کر جاتے تھے اسکا حل یہ نکلا کہ مہدی نے انہیں ''باریوں'' پہ لگا دیا۔ ہر کام، ہر شے میں انکی باری ہوتی تھی۔ بچے پالنا مشکل تھا یہ اعتراف اب وہ اٹھتے بیٹھتے کیا کرتا تھا۔

''سرکار آپ نہیں سمجھیں گی اس طرح یہ دونوں انسان بن کر رہیں گے۔ ایک ایک کام میں جب انکی باری آئے گی تو نہ انہیں عدم توجہی کا احساس ہوگا اور نہ یہ لگے گا کہ ہم مقابلے بازی کرتے ہیں۔ اور بونس کے نام پہ ان دونوں میں صبر بھی پیدا ہوگا۔'' زینیا ہر بات پہ اسکی بنائی ہوئی باریوں سے جھنجھلائی تو مہدی نے اسے یہ کہہ کر خاموش کروا دیا تھا۔

وہ اب پورے دن کی کاروائی سن رہا تھا۔ آدھی باتیں سمجھ آتیں آدھی انکا لہجہ کھا جاتا لیکن وہ یوں سن رہا تھا جیسے یہ دنیا کا سب سے ضروری کام ہو۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کو ہاتھ اٹھا اٹھا کر، منہ کے زاویے بنا بنا کر اس طرح بتا رہے تھے جیسے یہ کوئی بہت بڑی بات ہو۔ زینیا کپڑے چھوڑ ان تینوں کو دیکھنے لگی۔ کلفت دور ہوگئی تھی۔ لبوں پہ آنے والی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

ازیان کمبیر...... وہ احان سے چھ منٹ قبل اس دنیا میں آیا تھا۔ ماں کا پرتو۔ ہر کھلونا، ریموٹ، ہر گیجٹ توڑ کر اندر کا سامان نکال لینا اسے بہت پسند تھا۔ اگر توڑ نہ پاتا تب وہ سامان احان کی عدالت میں پیش ہوتا پھر کبھی اسے زینوں سے نیچے پھینکا جاتا۔ کبھی کیاریوں کی اینٹ پہ مارا جاتا، اور کبھی بالکنی کی گرلز میں بنے چھوٹے سے سوراخ سے نیچے گرایا جاتا، چاہے کام کسی طرح بھی ہو ہاں لیکن کام ہو جایا کرتا تھا۔ ازیان سوبر تھا، صرف باپ کے سامنے۔ اسکی آنکھیں اپنے باپ پہ گئی تھی رنگت تو دونوں نے ہی باپ سے لی تھی۔ اور ایک جگہ ٹک کر نہ بیٹھنا، بولتے رہنا، سن کر ایک کان سے اڑا دینا یہ کس پہ گیا تھا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

احان کمبیر.... زینیا کو احان اپنا چھوٹا، بڑا اور درمیانی بیٹا لگتا تھا۔ جونیئر مہدی۔ اس سے ملنے والا ہر شخص یہی کہتا تھا۔ اسکی آنکھیں سنہری تھیں۔ زبان اور ہاتھوں میں بجلی کی سی تیزی۔ لیکن وہ حساس تھا۔ چیزیں جلدی سمجھ بھی جایا کرتا اور مان بھی جاتا۔ البتہ ازیان ضدی، اور بعض دفع اکھڑ ہو جاتا تھا۔ جس کا علاج اسکے باپ کی ایک سخت گھوری تھی۔ وہ باپ سے دبتا تھا۔ اسی سے محبت کرتا تھا۔

آسودہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے انہیں دیکھتے ہوئے زینیا دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ کام اسے خود ہی کرنا تھا انہیں بلا لیتی تو یہ کام تین سے چار دن چلتا۔ مہدی اب انکی ہر بات پہ ایسا ردعمل دے رہا تھا جیسے ایسا تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا، یہ کارنامہ تو بہت

عظیم ہے۔اب یہ باتیں انکے صبح نکلنے تک چلنے والی تھی۔ کیونکہ دس ستمبر کی رات وہ سو نہیں پاتا تھا۔دس ستمبر اسکے لئے آج بھی نائٹ میئر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرہ یونہی بکھرا ہوا تھا۔بیڈ پہ سوئے ہوئے اس نے ازیان کو بازو پہ ڈال رکھا تھا اور احان سینے پہ۔زینیا نے بتیاں بجھا دیں تھیں کہ اس کے بڑے بیٹے کی نیند خراب ہونے کا خدشہ تھا۔وہ ان تینوں کو یونہی سوتے ہوئے چھوڑ اسٹڈی ٹیبل کے گرد رکھی سبز کرسی پہ آکر بیٹھی۔سنہری آنکھوں میں ایک چمک سی تھی۔وہ اپنی برسوں پرانی ڈائری میں برسوں بعد پہلے کی طرح کچھ قلمبند کر رہی تھی۔

''تم نے درست کھیل کھیلے۔بہت اچھے۔تمھارے پاس واقعی ترپ کا پتہ تھا اور میں نے ہار تسلیم کی۔جس مہدی سے میں نے شادی کی تھی وہ انسان اب بدل چکا ہے۔قیسم، فیکٹریز، گاؤں کی زمینیں یہ سب سنبھال سنبھال کر وہ تھک چکا ہے۔بے حد، بہت زیادہ۔میں تمھارے کھیل نہیں سمجھ سکی اور اپنے رشتے میں پیدا کرنے والی دوسری دراڑ میری اپنی تھی. جس کے لئے مجھے اب بھی افسوس ہے۔''

وہ تھکا ہارا سا صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔انگلیوں سے ناک کی ہڈی دباتے ہوئے وہ ٹھنڈے سانس بھر رہا تھا۔زینیا ایک طرف پلنگ پہ بیٹھی کتابوں میں منہ دیے ہوئے تھی۔جب مہدی نے اسے پکارا۔

''تم نے قیسم میں کام کیا ہے کچھ آئیڈیا ہے وہ ملازمین سے کام کیسے لیتا تھا؟ تین پراجیکٹ لگاتار فلاپ ہو رہے ہیں۔کوئی کام نہیں کر رہا۔''

زینیا نے اسکی پشت کو دیکھا۔''میں قیسم میں مالک نہیں ملازم تھی۔''

''تو مالک بن جاؤ۔'' وہ سہولت سے بولا۔''میں اتنا جینیئس نہیں ہوں تم تو ہو۔تم میرے ساتھ جوائن کرو۔ہم ساتھ کام کریں گے۔اتنی ساری چیزیں میں اکیلے نہیں سنبھال سکتا۔''

چند لمحے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ یعنی وہ اس آدمی کے لئے کام کرے جس نے اسے تکلیف پہنچائی۔ جس نے مرتے ہوئے بھی داؤ پیچ کھیلنا نہیں چھوڑے۔ وہ کتنی ہی دیر مہدی کی پشت دیکھتی رہی۔ بہت دیر بعد جب وہ بولی تو اسکا لہجہ سخت اور تلخ تھا۔ ''میری طرف سے کل کا آج برباد ہو قیسم۔ میں اسکے لئے کام نہیں کرنا چاہتی لیکن آپ کو انکار بھی نہیں کر سکتی۔ میرا ایک کیریئر ہے لیکن اگر آپ چاہتے ہیں اسے چھوڑ کر قیسم سنبھالوں تو ٹھیک ہے۔ آگے آپ جو بہتر سمجھیں۔''

مہدی کمبیر کی رنگت واضح طور پہ پھیکی پڑی تھی۔ آنکھوں میں ایک اٹل اور واضح تاثر در آیا جس نے زینیا حاکم کو بتایا کہ آج کے بعد اسکا شوہر اس سے کوئی فیور نہیں مانگے گا۔ یہ رہی دوسری دراڑ۔ وہ اس روز دوسری دفع فاصلے پہ ہوئے تھے۔

''چیزیں ویسی نہیں رہیں جیسی میں نے سوچی تھیں۔ ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں۔ عبداللہ میری تباہی تھا تو قیس کمبیر میرے شوہر کا مسیحا۔ اسے تم سے لاکھ اختلاف سہی تم دونوں بھائیوں کی محبت لازوال تھی۔ تمہاری موت اسے مخمصے میں ڈال گئی۔ اپنے بھائی کے لئے رویا جائے، غم منایا جائے یا اپنی بیوی کے گنہگار پہ لعنت بھیجی جائے۔ ایسے میں ہمیشہ کی طرح میں نے ''حل'' نکالا۔ میں نے اس دس فیصد حصے کو ان دیکھا کر دیا جہاں اسے تم دکھائی دیتے تھے۔ کیونکہ میں سمجھ سکتی ہوں محبت ججمنٹس کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ میں نے اسے آزاد رکھا۔ جب میں اپنے باپ کی محبت میں اسے اپنی آدھی زندگی برباد کرنے پہ معاف کر سکتی ہوں تو مہدی کمبیر بھی تمھیں چار گولیوں اور ٹراما کے لئے معاف کر سکتا ہے۔ شادی میں سامنے والے کو انسان ہونے کا مارجن دینا ہوتا ہے میں نے دیا۔ اور صحیح کیا۔''

ان دنوں وہ دیر سے گھر آنے لگا تھا۔ باتوں کا دورانیہ گھٹ گیا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے مارگلہ کی پہاڑیوں پہ ٹریل نمبر چھ پہ گزار دیتا تھا۔ راتیں بے سکونی کی نظر ہو گئی تھی۔ اور وہ چپ چاپ یہ دیکھتی رہی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ وہی آدمی تھا جو ڈھاکہ کے فلیٹ میں اسکے گلے لگ کر ہر درد کہہ گیا تھا۔ جو بالکنی کے فرش پہ ستارے دیکھتے ہوئے اپنی تاریکیوں کا ذکر کر گیا تھا۔ اور اب اگر نہیں کہتا تھا تو اسکی غیرت آڑے آرہی تھی۔ اپنی جگہ وہ درست تھا۔

''اس سے بات کیوں نہیں کرتی ہو تم؟ آخر ایسا کب تک چلے گا۔ جب تک اسکا ٹراما ہیل نہیں ہو گا تم دونوں کی درمیان کچھ صحیح کیسے ہو گا؟'' ایک روز کونج نے اس سے کہا تھا۔ زینیا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

some traumas you never heal ''وہ کبھی بھی اپنے ٹراما کی وجہ سے مجھے یا ہمارے تعلق کو ہرٹ نہیں کرے گا۔ شادیاں بخت کے بعد شفقت اور انسانیت سے چلتی ہیں اور مہدی کمبیر میں یہ دونوں خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ میں اسے کنفرنٹ کر کے اسکی مشکلات مزید نہیں بڑھا سکتی۔ ہر انسان کئی ٹکڑوں میں بٹا ہوتا ہے اور ضروری نہیں اپنا ہر ٹکڑا وہ میرے سامنے رکھ دے تاکہ میں اسے جوڑ دوں۔ جب وہ ایسا چاہے گا تب میں اسکی مدد ضرور کروں گی لیکن ابھی نہیں۔''

''تم اسکی بیوی ہو۔ بیویاں اپنا سوچتی ہیں تم اسکا کیوں سوچ رہی ہو؟ اس تعلق میں شوہر تم کیوں بن رہی ہو؟ یہ اسکا کام ہے کہ وہ تمھارے لئے پریشان ہوتا رہے۔'' وہ برہمی سے بولی تھی۔

''میں بس اسکی بیوی ہی بن رہی ہوں۔ ہر دفع مرد مضبوط ہوگا ایسا کیوں کہہ دیا گیا ہے؟ ہر دفع وہ سب سنبھالے ایسا کیوں؟ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ میں اسے مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ خود کو مجھ پہ ظاہر کرے۔ کچھ چیزیں وہ میرے لئے کر رہا ہے اور کچھ میں اسکے لئے کروں گی۔ شادیاں فیری ٹیل نہیں ہوتیں ہر شادی میں ایک آزمائش ہوتی ہے میری شادی کی آزمائش، عبداللہ ہے۔'' بولتے بولتے اسکا تنفس پھول سا گیا تھا۔

''یعنی وہ مر کر بھی نہیں مرا۔''

''اسکا کھیل تو مر سکتا ہے ناں؟'' سوال تھا یا جواب کونج نہیں سمجھ سکی۔ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ لیکن زینیا سمجھ گئی تھی۔

''ہاں اپنے لئے ایک جذباتی، معاشرے کے حساب سے کچھ کم عقل، کم صورت مرد میں نے خود چنا تھا۔ وہ اگر فصیح ہوتا تو اپنی آنکھوں کا گلٹ مجھ سے چھپا لیتا، میں اگر عام ہوتی تو اسے سمجھ نہ پاتی لیکن بات یہ تھی کہ ہم دونوں میں '' اگر'' نہیں تھا۔ ہاں وہ مضبوط نہیں ہے لیکن وہ کمزور بھی نہیں ہے۔ ہاں تم جیتے مگر میں نہیں ہاری۔ میں آخری وقت تک تمہاری چال الٹنے کے لئے حل نکالتی رہوں گی۔ اور میرے حل کبھی ضائع نہیں ہوئے۔ تمھارے پلان بالکل درست تھے۔ لیکن تمھیں یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ تمہارا مقابلہ ملکہ بد سے ہے۔ عبداللہ زمان تم نے درست کھیل کھیلا حریف غلط چن لیا۔''

''تو کیا کریں گے آپ؟ قتل کروائیں گے اسے یہ کریں گے آپ؟'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ پوری قوت سے چیخ رہی تھی۔ مہدی لب بھینچے سرد نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''آپ نے اسے قتل کروانا چاہا ہے یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' شاک، ملامت، بے بسی کیا نہیں تھا اسکی آنکھوں میں؟ وہ دو قدم آگے آئی۔ مہدی کے چہرے پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

''وہ چلا گیا ہے اور اب کسی کو مار دینے سے وہ واپس نہیں آئے گا۔ براق جیل میں مر جائے گا تو کیا وہ واپس آجائے گا۔'' وہ جیسے کسی چھوٹے بچے سے سوال کر رہی ہو۔ مہدی نے دھیرے سے اسکا ہاتھ چہرے سے ہٹایا۔

''میرے بڑے مسئلے ہیں، تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں تمھارے ساتھ اگر کچھ غلط کروں تو تم مجھ سے شکایت کرو۔ لیکن.....'' اس نے لب کاٹے، سر نفی میں ہلایا۔ ''مجھے بے سکون مت کرو۔ میں تین ماہ سے کس اذیت میں ہوں تم جانتی ہو''

''چھ ہفتے۔'' وہ اتنا آہستہ بولی کہ مہدی بامشکل سن سکا۔

''تین مہینے آٹھ دن۔'' آنکھوں میں الجھن لئے مہدی نے اسکی تصحیح کی۔ زنیبا نے نفی میں سر ہلایا۔ اور یونہی اسکے قریب کھڑی رہی۔

''چھ ہفتے، تین دن۔'' اس نے دہرایا۔

''کیا مطلب؟'' وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

زنیبا آگے آئی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اسے وہ بتایا جو شاید اس وقت سننے کی اسے توقع نہیں تھی۔ اسے واقعی توقع نہیں تھی۔

''آئی ایم پریگننٹ۔''

''میں نے کیریئر پس پشت ڈالا۔ میں نے اپنے گلٹس، خامیاں، کمزوریاں ایک طرف رکھ دیں کیونکہ معذرت، عبداللہ زمان لیکن میں تمھیں اجازت نہیں دوں گی کہ تم میری زندگی تباہ کرو۔ تمھیں معلوم تھا وہ سادہ، معصوم، جذباتی اور محبت کرنے والا انسان ہے۔ تم وہ واحد انسان نہیں تھے جو یہ جانتے تھے۔ اور میں اتنی بے وقوف نہیں تھی جتنا تم نے مجھے سمجھ لیا تھا۔ میں اسے

تمھارے دیے ٹراما اور گلٹس سے نہیں نکال سکتی تھی لیکن برسوں پہلے میں نے اسے کچھ سکھایا تھا۔ جو ٹراما، جو غم اور گلٹس ہیل نہیں ہوتے ان سب سے "ڈیلنگ" اور وہ یہ حربہ اب تک نہیں بھولا۔"

وہ صبح سنی ہوئی خبر پہ کوئی ردعمل دیے بغیر گھر سے نکل گیا تھا اور رات ہمیشہ کی طرح دیر سے گھر آیا تھا۔ ہاں البتہ یہ سارا وقت اسے دفتر میں ایک الگ طرح کا دھڑکا لگا رہا۔ زینیا کے کھانے پینے کی فکر بے اختیار جاگی تھی۔ اپنی سوچوں پہ اسکا اختیار ختم ہوا۔ ساڑھے تین ماہ میں یہ وہ پہلی رات تھی جب اسے گھر جانے کی جلدی تھی۔ رات دس بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بے اختیار اسکی نگاہ ایک سفری بستے پہ پڑی۔ ملازم اسے بشر کے آنے کی اطلاع بھی دے چکے تھے۔ جو وہ سمجھ رہا تھا وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ جو دکھ رہا تھا اسے وہ نظر انداز کر رہا تھا۔

"کھانا کھایا تم نے؟ نہیں کھایا تو باہر چلتے ہیں۔" اس نے گھڑی اتار کر سنگھار میز پہ رکھی اور پلنگ پہ بیٹھی زینیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تین ماہ میں پہلی دفعہ۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آئی اور اسکے سامنے آکر رکی۔ اسکا انداز غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا۔ "میں بشر کے ساتھ حویلی جا رہی ہوں۔"

"اور میں کیسے رہوں گا؟ کتنے دن کے لیے؟" وہ اصل موضوع سے بچنا چاہ رہا تھا۔ یہ اسکے چہرے سے واضح تھا۔

"آپ ویسے رہیں گے جیسے رہنا چاہتے ہوں۔"

"تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتنے دن کے لئے جانا ہے؟" اس نے شرٹ سے کف لنکس اتار کر میز پہ دھرے۔ اور زینیا کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔" اس نے دیکھا کہ مہدی کے چہرے پہ کوئی تاریک سایہ لہرایا ہے۔ "کیونکہ میں نہیں چاہتی میرا بچہ کسی ایسے انسان کے ساتھ رہ کر بڑا ہو جس کے ہاتھوں پہ قتل جیسا دھبہ ہو۔" اس نے جیسے مہدی کے سر پہ دھماکہ کیا۔ وہ سفید پڑتی رنگت کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ "بلکہ میں نہیں چاہتی ایک ایسا بچہ اس دنیا میں آئے جس کے باپ کو انتقام کو جنون بنانا آتا ہو اور اپنے ہی گلٹس سے چھٹکارہ پانا اسکے لئے دنیا کا سب سے مشکل کام بن جائے۔"

"تم میری اولاد کو مجھ سے دور کر سکتی ہو؟" وہ سینے پہ انگلی رکھے بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔ "تمھیں لگتا ہے میں تمھیں ایسا کرنے دوں گا؟"

"آپ کی اولاد؟" وہ طنزیہ ہنسی۔ "اولاد یا آپ کا وہ سامان جسے توجہ کے بغیر گھر کے ایک کونے میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر وہ بچہ جو بڑا ہو کر مہدی، زینیا بنے گا۔ کیا سکھائیں گے آپ اسے۔ معافی؟ لیکن آپ نے تو نہیں دی۔ تکلیف، یا غم سے نکل آنا آپ تو خود وہیں ہیں۔ دنیا میں ایک مثبت مقام رکھنا آپ تو اپنا مثبت منفی کر رہے ہیں۔ ایک اور بچہ generational trauma کی نذر ہو جائے گا اور وہ بچہ ہمارا ہو گا آپ سمجھ رہے ہیں یہ کتنی بڑی بات ہے؟" بے بسی اور کرب سے اسکی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ زینیا نے اسکا ہاتھ معدے سے کچھ نیچے رکھا مہدی نے سراسیمگی کی حالت میں ہاتھ ہٹا لینا چاہا لیکن گرفت ہلکی نہیں تھی۔ اسکی آنکھیں نرم پڑ گئیں۔ دل پسیج گیا۔

"آج آپ اسے ٹھیک سے محسوس نہیں کر پا رہے کل کرنے لگیں گے۔ اور اسکے چند ماہ بعد وہ ایک پورا وجود ہو گا آپ اسے اپنے گلٹس کی نذر کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمارا بچہ، مہدی، ہمارا بچہ انتقام کی نظر ہو جائے گا۔"

وہ اسکے وجود سے ہاتھ ہٹاتے شکست خوردگی کے عالم میں سنگھار میز کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ زینیا گھٹنوں کے بل اسکے سامنے بیٹھ گئی۔ آنکھیں نم سی تھیں۔ سرخ، گیلی۔

"کچھ ٹراماز ہیل نہیں ہوتے۔ کچھ غم ختم نہیں ہوتے۔ زندگی ہمیشہ من چاہی رائیڈ نہیں ہوتی کئی بار زندگی غموں اور خوشیوں کا rollercoaster ہوتی ہے۔ اور اس حقیقت سے آپ منہ نہیں موڑ سکتے۔ میرا باپ عمر کے اس حصے میں ہمارے تعلق کی "واپسی" چاہتا ہے۔ میرا کیریئر تباہ ہوا، میں آج بھی اپنا یہ بازو نہیں اٹھا سکتی میری زندگی میں ماتم کرنے کو بہت ساری چیزیں ہیں۔ اور میں ان پہ آج بھی ماتم کرتی ہوں۔ کوئی انسان مکمل ہیل نہیں ہوتا ہے میں بھی نہیں ہوئی آپ بھی نہیں ہوں گے۔ رولر کاسٹر سے صرف غم لے لینا کہیں کا انصاف نہیں ہے۔ اس رائیڈ میں صرف کسی اور کو چڑھتے اترتے ہوئے دیکھنا یہ بزدلی ہے۔ growth کا سفر ایک جگہ روک دینا انسان کا نہیں جانور کا کام ہے۔"

"میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا آنکھ کے بدلے آنکھ...... جائز ہے۔"

" بلکل جائز ہے لیکن آپ وہی آدمی ہیں جو سیرت طیبہ کو فالو کیا کرتا تھا معاف کر دینا "بقا" ہے۔ اللہ نے انسان کو زمین پہ اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اسکے بہترین نائب بن سکتے ہیں۔ اسلام امن کا دین ہے معاف نہ کرنا آپ کی چوائس ہے لیکن معاف کر دینا... .... یہ عظیم ہے۔ جو معاف کرتے ہیں وہ آگے جا کر معاف کیے جاتے ہیں۔ پلیز معاف کر دیں تاکہ کل جب آپ اپنے بچے کو معاف کرنا سکھائیں تو الفاظ کھوکھلے نہ ہوں۔"

"تم مجھے کمزور کر رہی ہو۔" وہ بے حد آزردگی سے بولا۔

"میں آپ کو طاقت کے اصل معنی بتا رہی ہوں۔" اس نے مہدی کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لئے۔ "زندگی کی اس رائیڈ میں بہت سارے لوگوں کو کوئی خوشی نہیں ملتی آپ کو مل رہی ہے کیا اس سے منہ موڑ لیں گے؟ مکمل ٹھیک کچھ نہیں ہوتا۔ آخر میں کچھ نہ کچھ ادھورا رہ ہی جاتا ہے۔ یہ جنت نہیں دنیا ہے اسے اسی طرح نامکمل رہنا ہے۔"

وہ جواب دیے بغیر آنکھوں پہ ہاتھ رکھے خاموش تھا، کرب زدہ تھا۔ مگر زینیا جانتی تھی وہ اسے تسخیر کر چکی ہے۔

"مجھے لگا تھا اب میری زندگی آسان ہو گی لیکن ماننا پڑے گا تم مجھے اس طرح پھنسا کر گئے ہو کہ میں ساری زندگی حل تلاش کرتی رہوں گی۔ "ڈیکنگ" کرتی رہوں گی۔ اگر تیئیس سالہ زینیا حاکم کو ایسی زندگی ملتی تو وہ اس پہ لعنت بھیج کر چلی جاتی لیکن اٹھائیس سالہ زینیا مختلف تھی۔ میں نے تمہاری چالیں نظر انداز کیں کیونکہ ان دنوں میرے سر پہ محبت سوار تھی۔ لیکن میں اپنی ساری زندگی ان چالوں کی نظر نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اب میں ایک "ماں" تھی۔ مائیں ہر محاذ لڑ جاتی ہیں۔ تم نے ایک ماں کو کمزور سمجھ لیا تھا۔"

وہ ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ اس رات زینیا اسکے قریب ہی تھی لیکن جو فاصلہ مہدی کو نظر آ رہا تھا وہ کوئی اور آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کئی بار بستے باندھے تھے، کئی بار مختلف منزلوں کی طرف روانہ ہوا تھا لیکن وہ بستہ جو کمرے کے ایک کونے میں رکھا تھا وہ اسکا دل خالی کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ایک عورت اسکی زندگی پہ اتنی غالب کب آ گئی؟ یہ صرف محبت ہو ہی نہیں سکتی تھی یہ محبت سے بڑھ کر تھا۔ اعلیٰ اور اونچا۔ اس نے زندگی میں کئی سفر کئے تھے، کئی رشتے پیچھے چھوڑے تھے لیکن اسکے پہلو میں لیٹی وہ عورت اور اس سے جڑا وجود مشکل ترین الوداع بن رہا تھا۔ صبح ہونے سے قبل وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

وہ بالکنی میں کھڑی باہر پھیلی ہوئی صبح دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ میں چائے کا مگ تھا، جب مہدی اسکے عقب میں آکر کھڑا ہوا۔ وہ اسکی موجودگی محسوس کر چکی تھی مگر پلٹی نہیں۔

''کتنے ہفتے ہو گئے؟'' بہت دیر بعد اس کے برابر کھڑے ہو کر اس نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ اسے بتا چکی تھی مگر وہ بات کرنے کا بہانہ چاہ رہا تھا۔

''چھ ہفتے۔''

''چیک اپ کہاں سے کروایا؟''

''میرہ کی جاننے والی ایک ڈاکٹر تھی۔''

''any complications?''

''جی ڈاکٹر آپ سے کہیں گی کہ بیوی یا بچے میں سے کسی ایک کی جان بچا سکتے ہیں۔''

وہ بہت دنوں بعد گردن جھکا کر ہلکے سے مسکرایا۔ تازہ، خالص مسکراہٹ۔ ''میں اپنی سرکار کو چنوں گا۔ بچے اور بہت۔'' وہ چپ رہی۔ سامنے دیکھتی رہی۔ مہدی بھی کچھ دیر خاموش رہا۔

''دوبارہ چیک اپ کب کروانا ہے؟''

''آج۔''

''ساتھ چلتے ہیں۔ اور میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔'' مہدی نے کہتے ہوئے بازو سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی طرف موڑا۔ زینیا سوالیہ نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر جھک کر اسکے کان میں سرگوشی کی۔

''میرے بچے کو بات کرنا سکھانا بلاک کرنا نہیں۔''

''شٹ اپ۔'' وہ خفا ہوئی، ہنسی، پھر رو دی۔

مہدی نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا۔ دونوں بازو اسکے گرد باندھے اور اسکے سر کے بالوں کو چوما۔ ""تشکر سرکار تشکر۔""

اسکے سینے سے لگ کر کھڑے زینیا کو احساس ہوا زندگی اگر سلجھی نہیں تو پوری طرح الجھی بھی نہیں۔ زندگی رولر کاسٹر رائیڈ ہے تو ٹھیک ہے سیٹ بیلٹ پکے کر لیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا؟

""تم جہاں بھی ہو میں جانتی ہوں تم وہاں بھی اپنی مرضی سے ہو گے۔ عبداللہ زمان..... تم جانتے ہو کچھ کردار برے انت کی طرف کیوں جاتے ہیں؟ کیونکہ وہ ""قبولیت"" کے مثبت درجے پہ نہیں آسکتے۔ کیونکہ وہ ہر نصیحت کو رد کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے خود ساختہ دائرے سے نکل نہیں پاتے، کیونکہ وہ ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں۔ ٹھہرا پانی جوہڑ بن جاتا ہے اس حقیقت کو جھٹلا کر۔ کیونکہ وہ سمجھ نہیں پاتے زندگی "پیکج" نہیں ہے۔ سب کو سب نہیں ملے گا۔ کہیں ڈیلنگ کرنی پڑے گی، کہیں دل مارنا پڑے گا، کہیں محافظ بننا پڑے گا، کہیں مسیحا، کہیں مظلوم۔

لیکن تم..... تم یہ نہیں کر سکے۔ تمھیں زندگی سے ضد تھی۔ زندگی ہیپی اینڈنگز، سیڈ اینڈنگز سے آگے کی چیز ہے۔ زندگی بعض دفع مطمئن اینڈنگز کر دیتی ہے۔ بس یہی۔ ویسے میں نے کبھی نہیں سوچا تم کہاں ہو کیونکہ میں جانتی ہوں۔ تم اس انسان کے ساتھ ہو جس پہ تم نے سب سے زیادہ بھروسہ کیا۔ تم میری زندگی کے چار سال لے گئے۔ ان چار سالوں میں کچھ بھی کامل نہیں رہا۔ تم ہر جگہ تھے ہر کہیں۔ لیکن میں تمھیں جیتنے دوں یا ولن کو glorify کر دوں؟ ہرگز نہیں۔ ہاں تم نے میرے وجود کا دس فیصد حصہ مسخ کیا ہے اور وہ ویسا ہی رہے گا۔ لیکن جنگ ختم نہیں ہوئی۔ میرے وار کا انتظار کرو۔""

سیاہی کا سینہ چیر کر سرمئی ہوتے آسمان نے جلد نیلا پڑ جانا تھا۔ وقت گزر جاتا ہے۔ ٹھہر کر کسی کو سن لینا، سمجھ لینا، کسی کی آہ و بکا میں اسکا ساتھ دے دینا یہ وقت کا شیوہ نہیں ہوتا۔

اس کے سر پہ پی کیپ تھی جس سے نکلتے سیاہ بال اسکے کندھے پہ گر رہے تھے۔ سیاہ ٹی شرٹ کے ساتھ سیاہ ٹراؤزر والی لڑکی کے کندھوں پہ ایک بستہ تھا۔ شاید وہ کام پہ جانے کے لئے تیار تھی۔ کام کی نوعیت؟ شاید خفیہ جس سے وہ دنیا کی نظروں میں نہ

آئے۔ وہ عورت جو دنیا کی نظر میں اپنی قید کے دوران مر چکی ہو اسے دنیا کے سامنے آنا چاہیے کیا؟ وہ ایک جگہ آکر رک گئی۔ وہاں ڈھیر ساری گھاس اگی تھی۔ اور بیچ میں سیمنٹ کی ایک قبر۔

''حبیب نے آپ کا آخری کام بھی کر دیا، باس۔'' وہ سیمنٹ کے اس ٹکڑے کے سامنے سامنے کھڑی تھی۔ جس کے کتبے پہ لکھا تھا

. . . .

عبداللہ زمان، ولد زمان کمبیر۔

تاریخ پیدائش...... دس ستمبر۔

تاریخ وفات...... دس ستمبر۔

اسکی قبر پہ تازہ سفید پھول تھے۔ جن سے مہک اٹھ رہی تھی۔ وہ کوئی قبرستان نہیں تھا۔ شاید کسی گھر کا پچھلا حصہ تھا۔ آس پاس کیاریوں میں لگے پھول ہی پھول تھے۔

''کچھ معاملات میں مجھ پہ بھروسہ کرنے کے لئے شکریہ۔ آپ نے کہا تھا ہم الگ نہیں ہوں گے، آپ نے درست کہا تھا باس۔ آپ نے کہا تھا وہ لوگ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتے صحیح کہا تھا۔ آپ نے کہا تھا یہ آپ کی ہیپی اینڈنگ ہے، درست کہا تھا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے جیسے نادیدہ ہستی کو سراہ رہی تھی۔ ''اگر آپ ایک مطمئن انت پہ شکر ادا کر لیتے تو یہ نہ ہوتا۔ آدھی دنیا تباہ ہوئی تھی باقی آدھی باقی تھی لیکن آپ نے جو کیا، شاید درست ہی کیا۔ ہرٹ ہونے سے بہتر ہے کہیں غائب ہوا جائے لیکن ایک بات سن لیں میں آپ کے فیصلے پہ دکھی ہوں۔ اس ساری دنیا میں اگر کوئی سب سے زیادہ دکھی ہو گا تو وہ میں ہوں۔ رہوں گی۔'' اس نے جھک کر ایک سیاہ گلاب نیچے رکھا۔ آنکھوں میں آتی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

''جلد ملیں گے، آپ نے مجھے عالم ارواح میں اپنی سیکریٹری رکھنا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ اسکے بعد وہ جاب پہ جائے گی، وہاں اسے حسیب بھی ملے گا جو اسکی محبت میں گرفتار تھا اور بہت جلد شاید وہ دونوں میاں بیوی کے طور پہ بھی جانے جائیں۔ وقت حدیبیہ نواز کے لئے بہت آگے بڑھ گیا تھا لیکن جو پیچھے رہا تھا وہ آج بھی اسے یاد تھا۔ وہ اسے یاد رکھے گی۔

دنیا کی نظروں میں وہ غائب تھا لیکن اس نے خود پہ آخری حق اسے دیا جس کی مخلصی پہ اسے اعتبار تھا۔ قیس کمبیر نے زندگی کے آخری دنوں میں جو خواہشات کیں پوری ہوئیں۔ وہ اپنی ہیپی اینڈ نگ جی رہا تھا۔ کسی کو کیا خبر، وہ یہاں سے جا کر کتنا خوش تھا۔

اپنے کمرے میں بیٹھی زینیا حاکم کرسی کی ٹیک چھوڑ کر اٹھی اور پلنگ کی طرف آئی۔ صبح دس بجے کا الارم لگایا۔ پانی کی بوتل نزدیک لا کر رکھی۔ ازیان کو مہدی کے بازو سے ہٹا کر اپنے پاس لٹاتے ہوئے اس نے آنکھیں موندلیں۔ اسکا بیٹا اب اسکی گردن کے گرد اپنا بازو باندھ رہا تھا۔ چھوٹا سا محفوظ حصار۔ اب چہار سو بے حد سکون تھا۔

★★★★★★★★★★

حویلی کے لان میں سارے مرد مہمان جمع تھے۔ نک سک سے تیار بڑے بڑے عہدے داران اس محفل کا حصہ تھے۔ رنگ و بو اور خوشبوؤں کی محفل تھی۔ باتوں اور قہقہوں کی آواز مدھم موسیقی کے درمیان کہیں دب رہی تھی۔ حاکم نواب کی غیر موجودگی اس محفل پہ بھاری تھی۔ چار سال قبل جب انہوں نے اولاد کے ساتھ تعلقات درست کرنے چاہے تب زندگی نے مہلت ختم کر دی۔ شاید یہ انصاف تھا۔ معافیاں مل جانے کے بعد یونہی ہنسی خوشی گزارے ہونے لگیں تو ہر گنہگار طے کر لے کہ وقت میں اتنا آگے جا کر فلاں دن، فلاں وقت پہ معافی مانگ لوں گا۔ وقت اپنے ناقدروں کو کم ہی مواقع دیتا ہے انہیں بھی کم ملا۔

اسٹیج پہ رکھے صوفے پہ سفید لباس میں بھورے کوٹ کے ساتھ بالوں کو اچھے سے جمائے ضیغم مسکرا کر مبارکباد وصول کر رہا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب مہدی کمبیر اسٹیج پہ آیا۔ ضیغم کو دیکھ وہ پہلی بار گہرا مسکرایا۔ جواباً وہ بھی مسکرایا تھا۔ بالاج میر کی کمی یکدم کم محسوس ہوئی۔ مہدی اوپر آیا۔ ضیغم اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمھارے لئے خوش ہوں۔''

اس نے کہتے ہوئے ضیغم کو گلے لگایا۔ یہ پہلی بار تھا۔ وہ گلے میں بہت کچھ اتارتے اسکے گرد بازو باندھ گیا تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں اسی طرح کھڑے رہے پھر مہدی اس سے الگ ہوا۔ اور وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھے۔ سامنے فوٹو گرافر تصاویر اتار رہا تھا۔

''فائنلی تمھیں بھی موقع مل گیا؟'' اسٹیج پہ بیٹھے ضیغم کے کان کے پاس جھک کر مہدی نے دوسرا جملہ یہی کہا تھا۔

''بس تمہاری دعا ہے۔'' وہ کیمرہ دیکھتے مسکرایا۔

''میری دعائیں اگر لگتیں تو اس وقت تم نے سفید رنگ کسی اور مقصد کے لئے پہنا ہوتا۔''

تازہ تازہ دولہا بنے ضیغم نے خود پہ قابو نہیں کھویا۔ ''کیوں بھائی؟ مجھ سے ایسی بھی کیا دشمنی ہے کتنے سال ہو گئے میری منگنی کو اندازہ بھی ہے؟''

''تمہاری منگنی نہ ہوئی فرعون کی لاش ہوئی نہ گلتی سڑتی تھی نہ ختم ہوتی تھی۔'' اس نے کہتے ہوئے سامنے سے آتے احان اور ازیان کو اپنے بازوؤں میں لیا۔ ایک کو اپنی گود میں بٹھایا اور دوسرا ضیغم کی۔ (اسکے استری شدہ کپڑے خراب ہوں بس)

''میرے کپڑے خراب ہوں گے، مہدی ہٹاؤ اسے۔'' وہ دبے دبے غصے سے بولا۔ مہدی سرور کمبیر کے اندر جاگی ابلیسی روح اندر تک شانت ہوئی۔

''جس راہ پہ تم چل رہے ہو، وہاں تمہاری زندگی تباہ ہونے والی ہے تم تو کپڑوں کی بات کر رہے ہو۔ بہت شوق تھا ناں شادی کا اب دن میں آنکھوں کے آگے تارے نہ ناچیں تو کہنا۔''

''معذرت لیکن میری بیوی کے پاس زبان کے نام پہ قینچی نہیں ہے۔'' دانت کچکچاتے اس نے ازیان کے بال ماتھے سے ہٹائے۔

مہدی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''فکر مت کرو جہیز میں لائے گی یا پھر یہ ٹیلنٹ اپنی بہن سے ادھار مانگ لے گی۔''

''تم اسکی زبان سے پریشان ہو؟'' ضیغم نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''اس سے پریشان نہیں ہوتا میں۔ تمھیں اور تمہاری بارات دیکھ کر پریشان ہوں۔'' وہ بول رہا تھا ساتھ ساتھ اپنی گود میں بیٹھے احان کو بامشکل نیچے اترنے سے روکے ہوئے تھا۔

''تمھیں کس بات کی آگ لگ رہی ہے؟ دو بچوں کے باپ ہو گمشدہ بیوی ساتھ ہے اور اگر یاد ہو تو اسے ڈھونڈنے میں سب سے بڑا کردار میرا ہے۔''

''اسے غائب کرنے میں بھی تمہارا بڑا کردار رہا ہے۔ تم پہ بڑے حساب ہیں میرے۔''

ضیغم جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا جب ازیان اسے اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔ ''ماموں یہ گھڑی چلتی ہے؟'' وہ اسکی کلائی پہ بندھی گھڑی پہ انگلی سے ٹک ٹک کرتے ہوئے معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں سوال تھے۔

''ابھی تک تو چلتی ہے بچے۔''

''اسکے حوالے کر دو دوبارہ نہیں چلے گی۔'' مہدی بڑبڑایا۔ بے ساختہ اپنی ہر وہ گھڑی یاد آئی جو ازیان کمبیر کی کاریگری کی نظر ہوئی تھی۔ دولہا صاحب کو کسی قسم کے نقصان سے بچاتے ہوئے اس نے ازیان کو بھی اپنے بازوؤں میں بھر کر اٹھا لیا۔ ایک کڑی، بدمزہ نگاہ ضیغم پہ ڈال کر وہ اسٹیج سے اتر گیا۔

''زہر لگ رہے ہو، پتہ نہیں کونج کو تم میں کیا نظر آیا۔'' جاتے جاتے بھی اس نے زہر اگلا تھا۔

''سڑا ہوا آدمی سارا موڈ خراب کر دیا۔'' ضیغم اسکے جاتے ہی سلگا۔

''کونج، میری ماں اب رونا بند بھی کر دو۔'' کامدار لباس میں زینیا اسکے گھٹنوں کے پاس بیٹھی اسکے لہنگے کا گھیر درست کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ لمبے بال شانوں سے ڈھلک کر نیچے گر رہے تھے۔ ''یہ وہی لڑکا ہے جس کے لئے تم ایف اے سی پری بورڈز میں فیل ہوئی تھیں۔ یہ وہی ہے جس کے لئے تم نے آنکھیں سجھالی تھیں۔ اب اس عشق کا کیا ہوا؟''

''ابا ہوتے تو خوش ہوتے۔'' سرخ لہنگے میں میک اپ کئے، ساتھ روتے ہوئے، وہ واقعی خوبصورت لگ رہی تھی۔ زینیا نے اسکی طرف نہیں دیکھا۔ وہ ابا کی بات نہ کسی سے کرتی تھی نہ سنتی تھی۔ نہ کسی کے سامنے انکے لئے روئی تھی نہ کسی کو روتے دیکھتی تھی۔ ہاں..... بس دو لوگ الگ تھے۔ ایک اسکا بڑا بیٹا، اور دوسرا اسکا شوہر۔ اس نے اپنے باپ کی ساری باتیں ان دونوں سے کی تھیں۔ انکے سامنے کئی دفع روئی بھی تھی اور آج بھی رو دیتی تھی۔ زندگی کے رولر کاسٹر کی یہ رائیڈ اسے آج بھی غم کی اتھاہ گہرائیوں میں پٹخ دیتی تھی۔ جہاں زینیا حاکم کا دل سن ہو جایا کرتا تھا۔ ابا سے محبت آج بھی دل میں تھی۔

''تمھارے اور ابا کے درمیان تو پھر بھی کچھ اچھا تھا لیکن میں اور ابا؟ ہم دونوں نے تو بس وہ ڈھائی سال ساتھ دیکھے جن میں تم لاپتہ تھیں۔'' وہ ہنوز رو رہی تھی۔ ''وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے کیونکہ میں انکی سب سے چھوٹی اولاد تھی لیکن میں نے انہیں ہمیشہ اگنور کیا کیونکہ وہ تم لوگوں کے ساتھ اچھے نہیں تھے۔ اب تم سب تو آگے بڑھ گئے ہو میں میرے گلٹ کا کیا کروں؟''

زینیا اٹھ کر اسکے سامنے چھوٹے سے اسٹول پہ آ کر بیٹھی۔ گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا۔ پھر اسکا سر ہولے سے تھپکا۔ ایسے جیسے تسلی دی ہو۔ ''سب کچھ ٹھیک نہیں ہو جاتا ہے۔ میں تم سے یہ نہیں کہہ سکتی بھول جاؤ آگے بڑھ جاؤ کچھ زخم ساری زندگی ہرے رہتے ہیں اور انکی ذرا سی جھلک انسان کو ہر دن نئی تکلیف دیتی ہے لیکن وقت تمھارے اور میرے لئے نہیں رکے گا۔ یہ تمھارے ہاتھ میں ہے کہ اس غم کو لے کر ایک کونے میں چھپ جاؤ یا پھر اسے سینے میں لئے دنیا کا سامنا کرو، زندگی سے اپنا حق وصول کرو۔ مظفر نے تمھیں بتایا تھا کہ زندگی میں بعض دفع ضرورت اور بھوک اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ڈبل روٹی کا پہلا ٹکڑا کھانا پڑتا ہے وہ زیادہ ذائقے دار نہیں ہوتا لیکن وہ بھوک سے تو بچا لیتا ہے ناں؟ ماں باپ واپس نہیں آتے اور یہاں سے تمھارے آنسو ان تک جا نہیں سکتے۔ صبر، دعا، اور قبولیت سیکھو۔'' اس نے کونج کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ پھر ٹشو سے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

''اماں کہاں ہیں؟'' اس نے گیلی آواز میں پوچھا۔

''ابھی ازیان اور احان انہیں پکڑا کر آئی ہوں۔ اماں کوری چارج کر دیں گے انکو لگتا ہے انکے نواسے معصوم ہیں ایک میں ہوں جو انکے پیچھے پڑی رہتی ہوں۔''

''ہاں تو وہ دونوں واقعی بیچارے ہیں تم خود ہی فسادن ہو۔'' کونج کے اندر کی خالہ والی روح جاگ گئی تھی۔ زینیا نے نفی میں سر جھٹکا۔ کم از کم ننھیال یہ نہیں مان سکتا کہ انکے بچے شرارتی ہو سکتے ہیں۔ ہاں بیٹی کے قصور ہوں گے۔

''ضیغم کو دیکھا ہے تم نے؟'' آئینے میں اپنا آپ دیکھتے ہوئے اس نے ہلکی آواز میں پوچھا۔ آواز زکام زدہ تھی۔

''ایک گھنٹے بعد رخصتی ہے تم غور سے دیکھتی رہنا۔ simp عورت۔''

کونج بہ دقت مسکرائی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں وہ چمک لوٹ آئی تھی جو سترہ سالہ کونج کی آنکھوں کو ضیغم کے ایک میسج سے منور کر دیتی تھی۔ ہاں اس چمک میں مگر ایک خوف بھی تھا آج جو تھا بے خوف تھا۔ جو اس نے چھوڑا تھا وہ اسے مختلف انداز میں واپس لوٹایا جا رہا تھا۔

''اگر بندہ ضیغم میر جیسا ہو تو کون کمبخت خود کو باز رکھ سکتا ہے؟''

اس نے ہر دفع والا جواب دیا۔ اسی لمحے اماں اندر آ گئی تھیں۔ دونوں نواسوں کو نیچے اتارا جن کی نگاہیں عقاب کی طرح کمرے کا جائزہ لینے لگیں کاریگری دکھانے کا بس ایک موقع مل جائے۔ امینہ بیگم آگے آ کر اب اپنی سب سے چھوٹی اولاد کی بلائیں لے رہی تھیں۔ وہ لمس، وہ محبت وہ بہت کچھ تھی لیکن کوئی ضعیف سا لمس شدت سے یاد آ رہا تھا۔ وہ لمس جو کونج کی پہلی یادداشت تھا۔

★★★★★★★★★★

ڈاکٹر یمامہ قادر کے کلینک کا دورہ وہ ہفتے میں ایک بار لگاتا کرتا تھا مگر اب دورانیہ بڑھ گیا تھا۔ ایک یہی جگہ تھی جہاں اسے سکون آیا کرتا تھا۔ سکون بھی وقتی۔ بھوری دیواروں والے کمرے میں شام کی نارنجی روشنی داخل ہو رہی تھی۔ دو نفوس کے ہولے ہولے بات کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

''اس نے بھری عدالت میں کیس واپس لیا وہ مقتول کا واحد وارث تھا اس نے تمھیں معاف کر دیا تھا، براق۔'' بھرے بھرے گالوں والی، گلابی گوری رنگت والی عورت کہہ رہی تھی۔ ''تم جانتے ہو کیا؟ مدعا یہ نہیں ہے کہ اس نے تمہیں معاف کیا یا نہیں بات یہ ہے کہ تم خود کو معاف نہیں کر پا رہے۔ تم خود کو کیوں نہیں معاف کرتے؟'' اس نے کافی کا مگ براق کی طرف بڑھایا۔

سامنے والی دیوار پہ لگے شیشے میں اسکا عکس بن رہا تھا۔ گری ہوئی صحت، آنکھوں کے نیچے حلقے، پیڑھی زدہ ہونٹ کثرت شراب نوشی نے اسکے چہرے پہ مردنی طاری کر دی تھی۔ اسکے کپڑے، جوتے کچھ بھی ویسا نہیں تھا جیسا وہ کئی برس پہلے تھا۔ وہ اب ایک دیوالیہ آدمی تھا۔

''آپ جانتی ہیں وہ مجھے کس نظر سے دیکھتا ہے؟ ایسے جیسے میں نے اسکی زندگی کا سب سے قیمتی حصہ لے لیا ہو۔ میں نے سارے برے کام کے تھے لیکن کبھی قتل نہیں کیا تھا اور اب یہ گلٹ، یہ بے چینی میں اسے جھیل نہیں پا رہا۔ میں نے اسے غلط مارا وہ تو قاتل بھی نہیں تھا۔ جب سے مجھے یہ پتہ چلا ہے میں خود کو معاف نہیں کر پا رہا۔''

''تمھیں دکھ کس بات کا ہے؟ اسے قتل کرنے کا، یا پھر مہدی کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھنے کا؟''

"مجھے اپنے استعمال ہونے کا دکھ ہے۔" اسکی آواز کا کرب گہرا ہوا۔ براق نے سوچنے کو ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔ "اس نے مجھے استعمال کیا اور میں نے بغیر کسی تحقیق کے اسے مار دیا کیونکہ...... میں نے اسے کیوں مارا؟" وہ اب یمامہ کو دیکھ کر بے کلی سے سوال کر رہا تھا۔ سامنے بیٹھی عورت چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بولنا شروع کیا۔

"کیونکہ تمھارے اندر ڈھیر سارا خلفشار تھا، براق۔ تم نے کبھی اپنا ٹراما پراسیس نہیں کیا تھا۔ ایک آگ جو تمھارے اندر جلتی رہی تم نے اسے بجھایا نہیں کیونکہ تم ڈرتے تھے کہ جو لوگ تمھارے قریب ہیں وہ تم سے دور ہو جائیں گے۔"

"میں ایسا کیوں کرتا تھا؟" بچوں کا سا انداز۔

"کچھ بچوں کو انکے والدین یا پھر قریبی لوگوں سے وہ محبت اور اعتماد نہیں مل پاتا جو انکا حق ہوتا ہے۔ وہ پودا دیکھا ہے جسے مکمل نشونما نہ ملے اور اسکے پتوں پہ سوراخ ہو جائیں، پھول ادھ سڑے ہوں۔ غلط parenting ایسی ہی ہوتی ہے۔ بچہ validation کے چکروں میں اپنے خلا بھرتے بھرتے خود خالی ہو جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ تمہارا قصور نہیں تھا، براق...... یہ بات اب تمھیں سمجھنی ہو گی۔ تم کہانی کے وکٹم ہو ولن نہیں۔"

براق نے سر ہلا دیا۔ یمامہ جانتی تھی وہ اسکی بات پہ عمل نہیں کرے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہاں سے جا کر وہ ساری ساری رات شراب پیتا رہے گا پھر کسی لڑکی کو گھر لے آئے گا، یا کسی کے گھر چلا جائے گا اور اپنی بقیہ دولت یونہی وقتی سکون پہ لٹا دے گا۔

"میرا کاروبار خراب ہو گیا ہے۔ کوئی میرے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں ایک قاتل ہوں۔ مجھ پہ ٹرائل چلتے رہے ہیں۔ جانتی ہیں یہ وہ وجہ ہیں جو وہ لوگ بتاتے ہیں اصل وجہ میں جانتا ہوں۔" وہ یاسیت سے کہہ رہا تھا۔ "یہ سب مہدی کرتا ہے۔"

"کیا پتہ یہ بس تمہارا خیال ہو؟"

وہ ہنس پڑا۔ "یہ میرا خیال نہیں ہو سکتا کیونکہ میں اسے جانتا ہوں۔ میرا قصور یہ ہے کہ ہم دوست رہے ہیں۔ وہ مارتا نہیں ہے زندہ رہنے جیسا بھی نہیں چھوڑتا۔ وہ مجھے معاف بھی نہیں کرتا وہ مجھے سزا بھی نہیں دیتا۔ وہ مجھ سے یکمشت سب چھینتا بھی نہیں ہے وہ مجھے دنیا سے کچھ لینے بھی نہیں دیتا۔ وہ مجھے زندہ درگور کر رہا ہے۔ اسکو مجھ پہ ترس کیوں نہیں آتا؟" اس نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر

یمامہ کو دیکھا۔ ''وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کرتا ہے؟'' اس لمحے براق کو احساس ہوا تھا مہدی زیادہ ظالم ہے۔ قیس اچھا تھا مار دیتا تھا، آزادی دیتا تھا مگر یہ۔۔۔۔۔۔ یہ کمبخت تو قطرہ قطرہ سانس کھینچ رہا تھا۔ یہاں دم نکلنے لگتا یہاں وہ گلے سے ہاتھ ہٹا لیتا۔

''تم اپنی فیملی سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟ ایک بار انکے پاس واپس جانے کی کوشش کرو شاید تمہارا کزن اچھا نکل آئے۔ ایسا ہو سکتا ہے ناں کہ وہ اپنے باقی بڑوں جیسا نہ ہو۔ صرف ایک بار بات کرنے سے کیا ہوتا ہے، براق؟''

براق حنیف نے طنزیہ سر جھٹکا۔ ''آپ بات کرنا چاہتی ہیں اس سے؟'' اس نے اپنا موبائل نکالا اور انگریزی کے حرف بی سے بشر حاکم کا نمبر نکالا۔ ''یہ لیں اسکا نمبر لیکن میں آپ کو لکھ کر دیتا ہوں کوئی میرے لئے نہیں آئے گا۔ یہ سارے لوگ ایک جیسے ہیں۔ میں نے بتایا تھا ناں؟''

یمامہ اسے دیکھ کر متاسف ہوئیں۔ وہ تین سال سے یہاں آرہا تھا اب تو منشیات اسے کھوکھلا کر چکی تھیں لیکن ایک فیصد سدھار بھی اسکی زندگی کا حصہ نہیں بن سکا تھا۔ نمبر نوٹ کرتے ہوئے انہوں نے موبائل براق کو واپس دیا۔ اور آنکھوں میں ایک بار فکر تھی۔

''خود کو مت چھوڑو، براق۔''

''کیا میں کل دوبارہ آسکتا ہوں؟'' اس نے یمامہ کی بات نظر انداز کر دی۔ اسکی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ چہرے پہ عجیب سی سفیدی چھا رہی تھی۔ شاید اسے طلب ہوئی تھی۔ یمامہ نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بس یہاں دل ہلکا کرنے آتا تھا حل نکالنے نہیں۔ اور وہ اسے آنے سے منع نہیں کرتی تھی۔ کچھ مریضوں کے لئے ڈاکٹر کا دل یونہی نرم ہوتا ہے۔

''میں غلط نہیں کرتا وہ لوگ میرے ساتھ غلط کرتے ہیں کوئی میرے ساتھ کاروبار نہیں کرتا۔ بیز کلیکشن تباہ ہو رہا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے باہر جا رہا تھا۔ ڈپریشن اسے کھوکھلا کر چکا تھا اور شراب اسکا جگر کھا گئی تھی۔ قتل بڑا گلٹ ہوتا ہے مگر کچھ لوگ یہ سمجھ ہی نہیں پاتے۔ طاقت آزمائش ہے یہ سب بھول جاتے ہیں۔ ''میرا قصور یہ ہے کہ مہدی میرا دوست ہے۔ نہیں تھا۔ اب دوبارہ کیا؟''

آوازیں معدوم ہوئیں پھر ختم ہو گئیں۔ یمامہ کئی لمحے خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھا لیا۔

''اپنے خاندان کے ایک فرد کی موت اگر اپنے ہاتھ نہیں لکھوانا چاہتے تو اس پتے پہ آ کر مجھ سے ملو، براق حنیف کو تمہاری ضرورت ہے۔'' انہوں نے اضطرابی کیفیت میں اٹل فیصلہ لیا اور ایک پیغام بشر حاکم کے نام بھیجا۔ زندگی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ایک کوشش بس ایک کوشش۔ کسی بسمل کے زخمی پروں پہ مرہم رکھنے کی بس ایک کوشش۔

یہاں سے دور بشر حاکم کی حویلی میں کئی لوگوں کے درمیان جب اسے یہ میسج موصول ہوا تو وہ کئی لمحے ساکت رہا۔ پھر اس نے کئی نقطوں پہ سوچا اور ہر سوچ یہاں آ کر رک گئی کہ وہ خون تھا۔ بشر حاکم کا چچازاد، اسکے لئے ایک کوشش تو کی جاسکتی تھی۔

''ایڈریس اور وقت؟'' کلینک بند کرتے ہوئے انہیں جواب موصول ہو گیا تھا۔ انہیں جانے کیوں یقین تھا وہ آئے گا۔



وہ کتنی دیر سے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا حساب کہیں غائب ہو گیا تھا۔ جس روز وہ اسکے اور اپنے درمیان فاصلے کا اعلان کر چکی تھی ضیغم یوسف میر نے اسی دن سے دل کو ایک آسرا دینا شروع کر دیا اور اس آسرے نے، اس صبر نے آج اسے وہ دے دیا تھا جس کے لئے وہ آدھے خاندان سے لڑ بیٹھا تھا۔ جس کے لئے اس نے اپنے دل پہ بھی بند بٹھائے تھے۔

''تم کچھ کہو گے یا بس اسی طرح بیٹھے رہو گے؟'' کونج حاکم زیادہ دیر تک چپ نہیں رہ سکی۔ ''کہیں تم یہ تو نہیں کہنے والے کہ تم نے مجھ سے انتقام کے لئے شادی کی ہے۔''

ضیغم نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں آپ کے حسن کو دیکھ کر مبہوت ہو رہا تھا ڈاکٹر صاحبہ۔'' اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں پتہ ہے آج کتنے سال بعد میں بغیر کسی خوف کے تمہیں دیکھ سکتا ہوں، بات کر سکتا ہوں؟'' وہ اب سینے والی جیب سے سرخ کیس نکالتے اس سے ایک انگوٹھی نکالتے اسکی انگلی کی زینت بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کونج ہلکا سا مسکرائی۔ ضیغم نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور اسے مسکراتے دیکھ وہ بھی مسکرایا۔

''تھوڑا سا شرما لو، میں اب تمہارا شوہر بن گیا ہوں۔''

''مجھے تم سے شرم نہیں آ رہی۔'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ ضیغم کی نگاہوں کے آگے وہ سارے منظر گھوم گئے جو اس نے کبھی حسین مانے تھے یہ منظر، یہ چہرہ سب پہ سبقت لے گیا۔ اسکی ہنسی دلفریب تھی۔

''تمھیں بس simp کرنا آتا ہے عورت۔''

''عورت کسے کہا ہے؟'' اس نے گھورا۔

''خود کو تو کہنے سے رہا، تمھیں ہی کہہ سکتا ہوں۔'' وہ اسکے چہرے پہ نگاہیں جمائے ہوئے بولا۔ ''اچھا یہ بتاؤ اتنے سال تم نے مجھ سے رابطہ نہیں رکھا کبھی میری محبت نے مجبور نہیں کیا؟''

''اور تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا تا کہ انگوٹھی دیکھ سکے۔ ضیغم نے اسی تیزی سے اسکا ہاتھ دوبارہ ہاتھ میں لیا تھا۔ فلحال اسکی جگہ یہی تھی۔ وہ یہیں اچھا لگ رہا تھا۔

''اچھا پھر ہر رات سونے سے پہلے میرا واٹس ایپ سٹیٹس، فیسبک، انسٹاگرام کیوں چیک کرتی تھیں؟''

''تمھیں کیسے پتہ چلا میں نے تو پاسورڈ بدل دیا تھا۔'' وہ حیران ہوئی۔ ضیغم کھل کر مسکرایا۔ کونج حاکم کو اپنا دل سنبھالنا پڑا، نگاہ پھیرنی پڑی۔

''بدل کر کیا رکھا تھا؟ میری ڈیٹ آف برتھ، کبھی میرا نام، کبھی میرا نک نیم۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا تم مجھ سے کتابوں والی محبت کرتی تھیں۔ اب کہہ دو کہ نہیں کرتی تھی۔''

کونج نے گہری سانس لی۔ گھٹنے پہ ٹھوڑی ٹکا کر اسے دیکھا۔ فرصت سے، حق سے۔

''محبت چھوٹا لفظ ہے۔ تم میری موٹیویشن تھے۔'' وہ اس اظہار پہ گردن جھکا کر مسکرایا۔ ''میں جب جب اپنا پیٹرن توڑنے کی کوشش کرتی تھی تو ڈر جاتی تھی کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائے اور کہیں میں تم سے دور نہ ہو جاؤں۔ کسی اور کے لئے خود کو نہیں بدلتے لیکن مجھے ہسپتال کی وہ راہداری آج بھی یاد ہے جہاں تم مجھے دیکھ کر ہرٹ ہوئے تھے۔ ضیغم۔ اس روز جب تم نے مجھے معاف کیا اس کے بعد سے میں نے خود کو معاف کرنا سیکھا۔ تمھارے دل میں بہت گنجائش ہے، ضیغم۔''

''تمھارے لئے ہے۔''

''مجھے پتہ تھا تمہاری اماں چاہتی تھیں کہ تم مجھے چھوڑ دو کیونکہ وہ زینیا کی بہن گھر نہیں لانا چاہتی تھیں لیکن تم ڈٹے رہے۔اگر تمھارے اور میرے درمیان صرف محبت ہوتی تو یہ تعلق شاید ختم ہو جاتا۔ہمارے درمیان برکت بھی تھی۔ہم ساتھ ہیں تو صرف اس لئے کہ میں نے اسے نہیں چھوڑا جس کے آگے تم اور میں بے بس ہیں۔''

''تمھیں ایک خوشخبری دوں؟''وہ اسکا ہاتھ چھوڑ اب پیروں کی مہندی دیکھ رہا تھا۔گردن ہنوز جھکی تھی۔''تم اماں اور میری بہنوں کے ساتھ نہیں رہ رہیں۔انہیں کچھ وقت لگے گا تمھیں قبول کرنے میں اور میں نہیں چاہتا اس عرصے میں تم ہرٹ ہو۔''

''جانتی ہوں۔''اس نے مدھم لہجے میں کہا۔شادی سے پہلے ہی اسے پتہ تھا اسکے سسرال میں خاص طور پہ اسکی ساس اس سے کچھ نالاں ہیں لیکن اب وہ کچھ ڈبل روٹی کا پہلا ٹکڑا کھانا سیکھ رہی تھی۔

''تم تو میرے لئے آدھے خاندان سے لڑ گئے۔''وہ اسے سراہ گئی۔

''اس لئے اب تم پہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ تم کبھی مجھ سے نہ لڑنا،میری ہر بات ماننا،میں کہوں بیٹھو تو بیٹھ جانا میں کہوں اٹھو تو اٹھ جانا۔تم ایسا کرو گی ناں؟''وہ مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی پوچھا۔

''تم نے کیا کہا؟میرے کانوں نے پچھلے دو منٹ میں کچھ پراسیس ہی نہیں کیا۔''

''میں نے کہا......''وہ سیدھا ہو بیٹھا کونج کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر لبوں سے لگایا۔''تم میرے لئے اس دنیا کی سب سے بڑی blessing ہو۔''

وہ جھینپ کر پیچھے ہوئی تھی۔''ابھی تم نے کہا تھا مجھے دیکھ کر تمہیں شرم نہیں آتی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔کونج جوابا اسے کچھ کہہ رہی تھی۔ضیغم مسلسل مسکرا رہا تھا۔چاہے سب ٹھیک نہ ہوا ہو بہت کچھ تو ٹھیک ہو گیا تھا۔اتنا کافی تھا۔

★★★★★★★★★★

گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھے ہوئے احان کا منہ بنا ہوا تھا۔اگلی نشست پہ ازیان پورے استحقاق سے دونوں ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔وہ دونوں بھائی آپس میں ہر چیز پہ لڑتے تھے کیونکہ ان دونوں کو بیک وقت ایک ہی چیز چاہیے ہوتی تھی۔ازیان پھر بھی کبھی اپنے موقف سے ہٹ جاتا تھا لیکن احان ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر روتا تھا تعجب کی بات یہ تھی کہ اسکے نقلی آنسو بھی نکل تے تھے۔اسی مسئلے سے زچ مہدی نے گاڑی میں بیٹھنے پہ بھی انکی ''باریاں'' بنادی تھی۔ساتھ بیٹھنا بھی ان دونوں کو گوارا نہیں تھا بھائی چارہ صرف تب آتا تھا جب انہیں کسی سے لڑنا ہو۔کسی چیز کو توڑنا ہو، یا دو ماہ پہلے داخل ہوئے اسکول سے چھٹی کرنی ہو۔

''اب اسکا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟''گاڑی چلاتے ہوئے مہدی نے بلوچی میں پوچھا۔ان دونوں سے جو بات چھپانی ہو وہ اسے بلوچی میں ہی کرتے تھے۔

''آپ کو پتہ تو ہے آپ کی بنائی باریوں پہ یہ پورا کب اترتا ہے اب اسکو آگے بیٹھنا ہے۔''

''تم نہ ہوتیں تو میں بٹھا بھی لیتا۔''اسکی زبان سے پھسلا۔

''میرے نہ ہونے کا اس سے کیا تعلق؟''اس نے بات پکڑلی تھی۔

''تب بابا احان کو اپنی گود میں بٹھالیتے۔اور گاڑی ڈرائیو کرتے۔''اگلی نشست پہ بیٹھے ازیان نے صاف صاف کہا۔جہاں مہدی اس بات پہ حیران تھا کہ اسے بلوچی کیسے آتی ہے وہیں زینیا اس بات پہ حیران ہوئی کہ مہدی احان کو گود میں بٹھا کر ڈرائیو کیسے کر لیتا ہے؟

''بابا نے کہا تھا اماں کو مت بتانا۔''اس نے اضافہ کیا۔

''اور جب تک تم میری عزت کا فالودہ نہ بنواؤ تم دونوں کے حلق سے کب کچھ اترتا ہے؟''وہ بڑبڑایا۔پھر بیک ویو مرر میں زینیا کو دیکھا جو ہنوز متعجب تھی۔''میں تمھیں گھر چل کر سمجھاتا ہوں۔یہ ٹڈا اپنی طرف سے باتیں بنا رہا ہے۔''وہ اس بارے میں بچوں کے سامنے جھوٹ نہیں بولتے تھے جن باتوں کے وہ دونوں گواہ ہوتے تھے۔گھر پہنچتے تک وہ دونوں پہلے لڑے پھر،ایک

دوسرے کو مارا، روئے پھر ماں باپ سے اسکول کی چھٹی کا وعدہ لے کر سو گئے تھے۔ انہیں پلنگ پہ لٹا کر وہ زینیا کے پاس بالکنی میں آ کر بیٹھا۔ وہ ابھی تک اسی بھاری لباس میں ملبوس تھی۔

''جاؤ چینج کر لو پھر بات کرتے ہیں۔'' اس نے زینیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بغیر کسی بحث کے اٹھ گئی تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو مہدی کے ہی ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھی۔ حویلی میں اسکے کپڑے کم ہی تھے۔ وہ دوبارہ سے اسکے ساتھ آ کر بیٹھی۔ آتے ہوئے اس نے ہینڈ بیگ سے ایک لفافہ بھی نکالا تھا جسے اس نے میز پہ رکھ دیا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اسکا چہرہ مہدی کی جانب تھا۔ ان دونوں کے درمیان باؤل میں خشک فروٹ تھا۔

''میں جب پہلے دن دونوں کو اسکول چھوڑنے گیا تھا اس دن احان نے کافی ضد کی تھی میں دو دو بچے کیسے سنبھالتا اس لئے میں نے اسے گود میں بٹھایا لیکن سیٹ بیلٹ بھی تھی۔ اور میں اس راستے سے گیا تھا جہاں رش بھی نہیں تھا۔ سب سیف تھا۔'' وہ نرمی سے اپنی صفائی دے رہا تھا۔ زینیا اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ کہتا نہیں تھا لیکن اسکی تکان زینیا کو ظاہر ہو جاتی تھی۔ اسے ہر دفع دیکھنے پہ لگتا تھا کئی برس بعد دیکھا ہو۔

''میں نے کچھ پوچھا؟ مجھے یقین ہے آپ انہیں یا مجھے کسی مشکل میں نہیں ڈالیں گے۔ چیزوں کو آسان لینا شروع کریں یار۔ ہر بات پہ اس طرح صفائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔ پھر بازو اسکے بازو کے اندر سے گزار کر سر اس سے ٹکا لیا۔ مہدی پر سکون سا ٹیک لگا گیا۔ پیر سیدھے کر لئے۔ ''اماں کہہ رہی تھیں میں بچوں کا خیال نہیں رکھتی مجھ سے زیادہ وہ دونوں آپ کے ساتھ attached ہیں۔''

''تم انسکیور ہو رہی ہو؟'' وہ اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''نہیں ہونا چاہئے؟'' اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''بچے ماں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ میرے والے الگ ہی نرالے ہیں۔''

''اگر یاد کرو تو وہ دونوں سونے کے لئے تمہارے پاس آتے ہیں۔ کھانا تمہارے ہاتھ سے کھاتے ہیں تم سے چینج کرواتے ہیں۔ چوٹ لگے تو تمہیں پہلے پکارتے ہیں۔ میں تو کبھی جیلس نہیں ہوا؟'' زینیا کے پیچھے ہوئے بالوں کو اب وہ ہاتھ سے آگے

کندھے پہ ڈال رہا تھا، کبھی انگلی پہ لپیٹ رہا تھا ہمیشہ کی طرح اسکے بالوں سے کھیلنے والی عادت برقرار تھی۔ ''شادیوں میں رش ہوتا ہے اور جہاں میں تھا وہاں سارے مرد تھے عورتیں نرم سی ہوتی ہیں آتے جاتے بچے کو پیار کر جاتی ہیں لیکن مرد تو اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور ایسے میں ظاہر ہے ان دونوں نے مجھ سے چپک کر رہنا تھا۔ بس یہی دیکھا ہے تمہاری اماں نے۔ اور فکر مت کرو میں تمھارے ٹڈے لے کر کہیں بھاگ نہیں رہا۔''

''لے جائیں وہ ٹڈے ایک دن میں ایسا زچ کریں گے کہ آپ خود انہیں واپس کر جائیں گے۔ میری ہمت ہے جو انہیں سنبھالتی ہوں۔'' اس نے مہدی کے بازو سے سر ہٹایا اور میز پہ پڑا لفافہ اٹھا کر اسکے گھٹنے پہ رکھا۔ ''یہ دیکھیں۔''

''یہ کیا ہے؟'' اس نے لفافہ کھول کر دیکھا اور ایک لمحے کو وہ بالکل ساکت ہو گیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ایک بار بھی زینیا کو نہیں دیکھا تھا۔

''یہ آپ کا ٹرپ ہے جو میں اسپانسر کر رہی ہوں۔ ڈیڑھ ماہ بعد کا ہے کیونکہ ان ڈیڑھ ماہ میں آپ مجھے قیسم کے کچھ معاملات سمجھائیں گے تاکہ آپ کے جانے کے بعد میں کچھ سنبھال سکوں۔'' وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ کتنے ہفتے، ماہ، سال کتنی صدیاں ہوئیں تھیں اسے اپنے ''عشق'' سے جدا ہوئے۔ یہ ہجر اسکے دل کو آرے کی طرح کاٹتا تھا۔ ''باس ظاہر ہے آپ تھے اور آپ ہی رہیں گے لیکن کچھ چیزیں مجھے بھی آتی ہیں اور میں چاہتی ہوں ہم چیزیں ایک ساتھ سنبھالیں۔''

قیس کمبیر کے پھیلائے جال میں وہ ایک اور حل بھی نکال چکی تھی مگر اسکے بدلے اس نے اپنے شوق کی قربانی دی تھی۔ عورتیں قربانی دیتی ہیں، درست جگہ دے دینی چاہیے۔ وہ جب جب قیسم میں قدم رکھتی اسے روح مارنی پڑتی لیکن اتنا وہ برداشت کر لے گی۔ اسے کرنا تھا۔ یہ اسکا چناؤ تھا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے میں اب اچھا لگوں گا اس طرح تم سب کو چھوڑ کر جاتے ہوئے؟'' اس نے لفافہ واپس میز پہ رکھا وہ اسے نہیں دیکھے گا۔

''بلکل اچھے نہیں لگیں گے اس لئے صرف اس بار آپ اکیلے جائیں گے اگلے سال سے ہم چار ساتھ جائیں گے، اور پھر ہم ہر سال جائیں گے۔ آپ کا ٹریول، ہماری فیملی ویکیشن۔''

”تم قیسم میں کیا کرو گی تمہاری اپنی جاب ہے یار۔!“

”استعفیٰ دے دوں گی۔“

”کونسا سستہ نشہ کر کے آئی ہو؟“ وہ برہم ہوا۔زینیا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔اسکی آنکھوں میں دیکھا۔اور کہنا شروع کیا۔

”دن میں میرا کام الگ اور آپ کا الگ۔آپ کی واپسی آٹھ نو بجے اور پھر بچوں کے مسائل ہم نے آخری بار ساتھ بیٹھ کر لمبی باتیں کب کی تھیں آپ کو یاد ہے؟ضرورت کے تحت شاپنگ کے علاوہ ہم ساتھ کب یونہی کچھ لینے نکلے ہیں؟آخری بار چائے اور بھٹہ کب کھایا تھا،آخری بار کوئی فلم کب دیکھی تھی آخری بار ساتھ کسی تقریب میں کب گئے تھے؟ہم تیس کی دہائی پار کر گئے ہیں اگلے تیس سال میں بوڑھے ہو جائیں گے اور ہمارے پاس یادیں ہی نہیں ہیں۔رولر کاسٹر میں کیمرہ ساتھ لے کر جانا ہوتا ہے یہ میں بھول گئی تھی۔“

آج وہ وہی باتیں کر رہی تھی جو کسی دور میں مہدی کی سوچ تھی۔چار سال پہلے دس ستمبر کی رات نے کیا کیا برباد کیا تھا اسے اب سب تواتر سے یاد آ رہا تھا۔اس کے دل میں گڑھی میخیں کوئی نکالتا اور اگلے لمحے مزید تیزی سے پیوست کرتا جا رہا تھا۔

”میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ویسے نہیں جیسے دو مشینیں رہتی ہوں ویسے جیسے ہم چار سال پہلے رہتے تھے اور اسکے لئے ضروری ہے ہم ہر اس چیز کو ذہن سے نکال دیں جو خلش بن کر درمیان میں ہے۔سب سے پہلے تو اس واقعے کو چاہے آپ بھولیں یا ناں بھولیں آپ کو اس سے باہر آنا ہے۔دوئم وقت واپس پیچھے نہیں جائے گا آپ اسے نہیں بچا سکتے غلط ہ صحیح جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔“ let's get back to life چار سال ہو گئے ناں ضائع؟“

اس نے جیسے منت کرنے کے انداز میں کہا ہو۔مہدی ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہا تھا۔”ہاں ہماری شادی بہترین ہے لیکن جو بیچ سے غائب ہے اسے واپس لانا ہے۔اگر کچھ غلط ہوا ہے مجھ سے ہوا ہے تو آئی ایم سوری.....“

”یار تم سوری نہ بولو۔“اس نے زینیا کو خود سے لگایا۔ایسے جیسے محفوظ کر دیا ہو۔”تمہاری جاب تمہارا شوق ہے میں نہیں چھڑوا سکتا۔اتنا خود غرض نہیں ہوں۔“

”میں خود چھوڑ رہی ہوں۔“

''میں ان ٹڈوں کو چھوڑ کر بھی نہیں جا رہا۔''

''پھر ہم ساتھ چلتے ہیں۔''

''قیسم کا کیا ہو گا؟''

''ساتھ سنبھال لیں گے۔''

''میرے ساتھ کام کرو گی تو مشکل میں پڑ جاؤ گی سانس لینے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ بہت مشکل کام ہے یار۔''

''میں حل نکال لوں گی۔'' اسکے تنگ ہوتے حصار میں پہلی دفع اسے محسوس ہوا وہ کتنے مسائل میں ہے۔

''چیزیں اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہوتیں، سرکار۔'' شاید وہ کہنا چاہتا تھا دل کے زخم اتنی جلدی نہیں بھرتے۔ ''ابھی تم جذباتی ہو رہی ہو جوش ٹھنڈا پڑ گیا تو؟''

''آپ سے شادی بھی اسی طرح جذبات میں آ کر کی تھی اب تک نبھا رہی ہوں ناں؟ آنے دیں اپنے خاندانی کاروبار میں باخدا گولڈ ڈگر نہیں ہوں۔ آپ کی ساری جائیداد لے کر نہیں بھاگوں گی۔''

مہدی گہری سانس لے کر رہ گیا۔ کندھوں سے بوجھ اتر گیا۔ وہ اسکے گرد بازو پھیلائے بہت وقت بعد پر سکون تھا۔ میاں بیوی کا تعلق اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے ڈور ہلکی سی اپنی طرف کھینچو تو کھنچ جاتی ہے۔ وہ اس سے کتنی دور تھی اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کے قریب بیٹھے رہے۔ وہ سنتے ہوئے جوان سنا تھا وہ کہتے ہوئے جوان کہا تھا۔ ''مجھے برا لگا تھا جب تم نے کہا تھا تم میرے ساتھ کام نہیں کر سکتیں لیکن پھر میں نے تم سے دوبارہ اس بارے میں بات نہیں کی حالانکہ مجھے کرنی چاہیے تھی۔''

''مجھے اس طرح انکار نہیں کرنا چاہیے تھا جیسے کیا تھا۔''

''مجھے نہیں پتہ تھا میں اتنا ڈسٹرب ہوں، تم نے نوٹ کر لیا تھا تو بات کر لیتیں۔''

''آئندہ کر لیا کروں گی۔''

''تم اپنے فیصلے پہ شیور ہو؟''

''آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

مہدی نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تو پیدائشی زن مرید ہوں۔اور مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے۔''

اس نے کتنے وقت بعد ایسا کہا تھا وہ ہنس پڑی۔ پھر اسکے کندھے سے چہرہ نکال کر اسے دیکھا۔ایسے جیسے مدتوں بعد دیکھا ہو۔ مہدی بھی اسے تک رہا تھا۔زینیا نے اپنے ہاتھ میں دبی اسکی گاڑی کی چابی اسکی طرف بڑھائی۔ مہدی نے اسے تھام لیا، پھر ٹھہر گیا۔ کی چین میں ''سارس پرندا'' لٹک رہا تھا۔

''اسکا مطلب کیا ہوا؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''گوگل کرلیں۔''

مہدی نے اسے دیکھا اور دونوں ایک ساتھ مسکرائے، پھر ذرا زور سے ہنسے۔ کتنی صدیاں بعد؟

''میں تمھیں ایک بات بتانا چاہتا تھا۔''

''کیا؟''

''کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ میری زندگی کا مثبت پائنٹ کیا ہے تو میں کہوں گا میری بیوی۔''

زینیا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔آنکھوں میں چمک اتری۔

''کوئی آپ سے پوچھے خوبصورتی کسے کہتے ہیں تو آپ کیا کہیں گے؟''

''زینیا حاکم کی آنکھیں۔''

''غرور کیا ہے؟''

''میرے ساتھ کھڑی ہوئی تم۔''

''وفا کیا ہے ؟''

''وہی جو تم نے کی ہے۔''

''زمین پہ جنت کیا ہے ؟''

''میری اولاد۔''

''محبت کیا ہے ؟''

وہ ٹھہر گیا۔ کئی لمحے، کئی پل وہ اسے آنکھوں سے بتاتا رہا پھر اسکے لبوں نے سرگوشی کی۔

''زینیا حاکم......زینیا حاکم سراپا محبت ہے۔''

وہ اس سے اور بھی کچھ کہہ رہا تھا زینیا ہنس رہی تھی، وہ ساتھ ہنستا تھا۔ آوازیں ہلکی ہوئی، پھر مدھم پھر معدوم۔ مگر ختم نہ ہوئیں، کیونکہ کچھ چیزیں اور کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

زندگی میں کبھی بھی سب کچھ ٹھیک نہیں ہو جاتا، سب زخم نہیں بھر جاتے، سب تلخ یادیں بھلائی نہیں جاسکتیں، ہر ناسور بھر نہیں جاتا۔ کوئی بھی بسمل پوری طرح سے ہیل نہیں ہوتا۔ کچھ نہ کچھ ادھورا رہ جاتا ہے، کچھ نے کچھ پیچھے چھوٹ ہی جاتا ہے۔ ہیپی اینڈ نگز اور سیڈ اینڈ نگز کے پار ایک اصل جہاں ہے جہاں satisfied endings ہوتی ہیں۔ انکے لئے جو کوشش کرنا نہیں چھوڑتے، خود کو وقت کے دھارے پہ تنہا نہیں چھوڑ دیتے، جو سمجھ جاتے ہیں زندگی رولر کاسٹر ہے۔ غم اور خوشی کا مجموعہ۔ سارا قصہ ''قبولیت'' کا ہے۔

ہر بسمل ایک نئے زخم کو بھرنے، ایک نئے سفر پہ نکل چکا تھا کہانی جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں پہ آکر ختم ہوئی۔

ختم شدہ۔